اشعۃ اللمعات

جلد اول

اردو

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار ○ لاہور، پاکستان

اشعۃ اللمعات

(میری نگاہ میں)

آ محمد مصطفےٰ کے نور کی مشکوٰت دیکھ
آ بصیرت کی نگہ سے اُن کی سچّی ذات دیکھ
دیکھنا ہو گر سعیدؔ نقشبندی کا کمال
آج اے قربانؔ اُس کی اشعۃ اللمعات دیکھ

علامہ قربان نظامی

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد اول

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ حواشی

حضرت علامہ مولینا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ و ممبر
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد اول

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولینا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ⊙ لاہور (پاکستان)

★

کتاب ———— اشعۃ اللمعات اردو جلد اوّل

تصنیف منیف ———— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم و حواشی ———— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کتابت ———— حاجی محمد داود حضرت کیلیانوالہ شریف

پروف ریڈنگ ———— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

ناشر ———— فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

سال اشاعت ———— جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ / اپریل ۱۹۸۱ء

تعداد ———— ایک ہزار

مطبع ———— جنرل پرنٹرز ۲/۲۲ ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور

قیمت ———— ۶۵ روپے

★

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مختصر فہرست مضامین کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ

اردو جلد اوّل

فہرست سوانح حضرت شیخ قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفصل فہرستِ کتاب مستطاب اَشِعَّۃُ اللمعات اُردو

جلد اوّل

ترتیب وتدوین فہرست

بقلم بندہ حنیف محمد سعید احمد
نقشبندی عفی عنہ، مترجم کتاب
۳۱ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ مترجم غفرلہٗ

راقم الحروف محمد سعید احمد نقشبندی مجددی بن حضرت میاں فتح محمد مرحوم و مغفور ۱۹۳۳ء میں بمقام چٹیاں قبراں بابا بریری، مضافات نوشہرہ (مقبوضہ کشمیر) ضلع میرپور میں پیدا ہوا۔ چار سال کی عمر میں والدِ مرحوم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد مرحوم کی وفات کے ساتھ ہی بڑے پُرآشوب دور کا آغاز ہوا۔ جو ۱۹۴۷ء کی پاک و ہند تقسیم تک طوالت اختیار کر گیا۔ اس اثنا میں راقم نے اپنے برادرِ کلاں مولوی محمد عبداللہ صاحب (فاضل دیوبند) کی انتھک کوششوں سے زلیخا تک فارسی نظم اور سکول میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کر لی۔

اوائل ۱۹۴۸ء میں وطن مالوف سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پاکستان آکر مزید غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑا اور خانہ بدوشی کی سی کیفیت میں دس گیارہ ماہ گذر گئے۔ راقم کا خاندان ایک علمی اور دینی خاندان تھا۔ والد مرحوم فارسی نظم پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ ضروری شرعی احکام و مسائل سے بھی پوری طرح آگاہ۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور متشرع بزرگ تھے۔ آپ کے دوسرے چھ بھائی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی کچھ اسی نوعیت کے نیک اور پارسا لوگ تھے۔ راقم کے نانا مولانا الحاج نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم، اسلام کے بے لوث مبلغ اور عارف کامل جناب قاضی صاحب اعوان شریف قدس سرہٗ اور مرشد برحق جناب قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے فیض یافتہ بزرگ تھے۔ اس خاندانی اثر کے پیش نظر کچھ اعزہ و اقارب نے راقم کو کسی دینی مدرسہ میں داخل کرنے کا پروگرام طے کیا۔ اس منصوبے کا علم جب راقم کو ہوا تو بچپن کے لاابالی پن کے باعث جائے قیام سے بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر خدا کی شان کہ علم دین سے فرار ہو کر جہاں جا کر رات پڑی وہ دارالعلوم محمدیہ رضویہ بھکھی تھا پھر مقلب القلوب ذات نے معاً دوسرا کرشمہ یہ دکھایا کہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ پر پہلی نگاہ پڑنے سے ہی دل کی کیفیت بدل گئی۔ نفرت کی جگہ شوق نے لے لی۔ بے چینی و اضطراب کے بجائے تسکین اور اطمینان قلب نصیب ہو گیا۔ صبح اٹھ کر ابتدائی کتابیں نحو میر وغیرہ شروع کر لیں۔ پھر ربِ قدس نے بہت بڑا اور اصل فضل و کرم یہ کیا کہ تعلیم کو شروع کیے ابھی صرف دو تین ماہ گذرے تھے کہ جامعہ کے بانی و مہتمم اور استاذ جناب قبلہ سید جلال الدین شاہ

صاحب دامت برکاتہم کے ایما و ترغیب سے سراج السالکین قدوۃ العارفین حضرت قبلہ جناب سید نور الحسن البخاری الکیلانی قدس سرہٗ الکل الاعظم خلیفہ مجاز سند الکاملین عمدۃ العارفین قطب زمان حضرت میاں شیر محمد صاحب قدس سرہٗ الاقدس کی بیعت کا شرف حاصل ہوگیا۔ یہ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے خصوصی توجہ سے نوازا اور اپنے معمول شریف کے مطابق سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا ابتدائی سبق تعلیم فرمایا۔ مرشد کامل سے تعلق و نسبت اور بیعت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی قدر و قیمت و اہمیت اربابِ سلوک ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ حضرت علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ۔ رومی فرماتے ہیں ؎

بندۂ یک مردِ صاحب دل شوی　　　　بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی

علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے کہا۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے　　　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

بیعت سے چند ماہ بعد ہی حضرت مرشدِ گرامی قدس سرہٗ عارضۂ وجع المفاصل میں مبتلا ہو گئے اور مسلسل ڈھائی سال بیمار رہ کر نومبر ۱۹۵۲ء میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

مگر دورانِ علالت بھی مرشدِ برحق کے فیضان کا سمندر متلاطم و موجزن اور پورے جوبن پر رہا اور طالبانِ حق نسبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اس گنجِ گراں مایہ سے جھولیاں بھرتے رہے۔ راقم کو چونکہ صحبتِ شیخ کا بہت کم وقت ملا۔ اس لیے طریقت و سلوک کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو سکا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

حضرت قبلہ قدس سرہٗ کے وصال مبارک کے بعد آپ کے خلف الرشید اور فرزند اکبر پیر طریقت حضرت قبلہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ دامت برکاتہم العالیہ۔ اپنے والد گرامی کی تعلیمات و معمولات کے مطابق مسترشدین کے لیے وجہ ہدایت و فیض بنے ہوئے ہیں۔

بھکھی میں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد گوجرانوالہ، راولپنڈی، لاہور، لائل پور، منڈی ہارون آباد، بوریوالہ اور پھر بھکھی کے مدارس سے اکتساب علم کرنے کے بعد بالآخر ۱۹۵۵ء کے اوائل میں جامعہ نعیمیہ لاہور سے دورۂ حدیث پاک کی سند حاصل کی اور یہیں تیاری کرکے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے ساتھ ہی منشی

داستاذی جناب قبلہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ اللہ تعالیٰ بطول بقائہ و افاض علینا من برکاتہ و حسناتہ نے بکمال شفقت و
مہربانی اپنے جامعہ میں مدرس مقرر کیا۔ اور ہدایہ آخرین جامی اور ملا حسن وغیرہ کتب میرے ذمہ لگائیں۔ ایک
سال بعد پیر طریقت رہبر شریعت مخدوم اہلسنت حضرت سید معصوم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۹۵۶ء میں
جامعہ نعمانیہ لاہور میں مدرس مقرر ہوا۔ یہاں ساڑھے آٹھ سال تدریس کے بعد مسند المحدثین، عمدۃ المفسرین مفتی اعظم
پاکستان جناب سید ابوالبرکات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طلب کرنے پر آپ کے دارالعلوم حزب الاحناف
میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ یہ سلسلہ فروری ۱۹۷۰ء تک جاری رہا۔ ادھر ۱۹۶۹ء کے اواخر
میں جب کہ راقم جامع مسجد عارف حقانی عالم ربانی عمدۃ المحدثین حضرت شاہ محمد غوث قادری رحمۃ اللہ علیہ میں خطیب
تھا، عارضہ ذیابیطس میں مبتلا ہو گیا۔ ہر قسم کے علاج معالجے کے باوجود تادم تحریر یہ مرض پوری شدت اور آب و تاب
سے لاحق و موجود ہے۔ جس سے راقم کے اعصاب و قویٰ ناگفتہ بہ حد تک مضمحل اور کمزور پڑ چکے ہیں۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

مسلسل سولہ سترہ برس تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب، معانی، صرف نحو وغیرہ علوم کی تدریس کی بدولت
دین کی قدر سے شد بد پیدا ہو گئی۔ مجھ نالائق پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تھا۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔

قرآن و حدیث میں تبلیغ و اشاعت اسلام اور امر معروف و نہی منکرات کی جس انداز میں ترغیب دی گئی ہے اور
اس کے فضائل و مناقب اور تاکید و اہمیت بیان کی ہے۔ اس کے پیش نظر اپنی ہیچ مدانی کے باوجود اللہ تعالیٰ
نے تصنیف و تالیف کی صورت میں بھی اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائی چنانچہ علالت طبع، امامت و خطابت
کی ذمہ داری، شغل تدریس اور متنوع گھریلو پریشانیوں کے باوصف ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک کے دوران
ہدایۃ الہدایہ (عربی) منہاج العابدین (عربی) مصنفہ حجۃ الاسلام مرشد انام حضرت امام غزالی قدس سرہ کے اردو
تراجم کیے۔ نیز اسی عرصہ میں اصلاح عقائد کے لیے مسلک امام ربانی تالیف کی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
سرہندی رحمہ اللہ کے مکتوبات فارسی کی طباعت، اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت کی کتاب احکام شریعت کے
عربی حصے کا اردو ترجمہ، مفصل فہرست جو ساری کتاب کا گویا خلاصہ ہے، تالیف کیا۔ ۱۹۷۰ء سے اوائل ۱۹۷۲ء
تک کے عرصہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ہر سہ دفتر فارسی کو اردو میں منتقل کرنے کی سعادت
نصیب ہوئی۔ یہ سب کتب [illegible]

۱۹۷۲ء میں کیمیائے سعادت فارسی تصنیف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کیا۔
۱۹۷۴ء میں ناچیز کو حرمین شریفین پہنچنے اور حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی اور پچیس دن دیارِ حبیب میں قیام کا موقعہ ملا۔

ایک دن مواجہہ شریف کے سامنے بارگاہِ اقدس نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کھڑا تھا کہ یکایک اس کتابِ مستطاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی کے ترجمۂ اردو کا خیال القا ہوا اور دل میں عجیب قسم کی مسرت بھی محسوس ہوئی۔ پاکستان واپس پہنچ کر ہر روز ترجمہ شروع کرنے کا ارادہ کرتا مگر اپنے فرزند عزیز مسمیٰ بہ محمد جمیل احمد کی بیماری اور تیمارداری مانع آتی۔ اس کی بیماری روز بروز شدت اختیار کرتی گئی۔ بالآخر وسط ۱۹۷۶ء ماہ رجب المرجب میں ہمیں جدائی و مفارقت کے رنج والم میں ڈال کر بعمر ۲۱ سال خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

۱۹۷۷ء میں اس کتاب کے ترجمہ کا کام شروع کیا۔ واضح ہو کہ راقم ستمبر ۱۹۶۸ء میں جامع مسجد امام الاولیاء داتا گنج بخش قدس سرہٗ میں امام پھر خطیب مقرر ہوا یہاں کی امامت و خطابت سے متعلقہ مصروفیات کا پھیلاؤ بڑا ہی عجیب نوعیت کا ہے، تصنیف و تالیف کے کام کے لیے جس قسم کے سکون، تنہائی اور فرصت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بہت کم میسر ہے۔ بہرصورت ترجمہ کا تھوڑا بہت کام کرتا رہا تا آنکہ ۱۹۷۸ء میں راقم کا دوسرا لختِ جگر محمد فاروق احمد مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر جولائی ۱۹۷۹ء میں راقم کی دختر نیک اختر قرآن حکیم کے آٹھ پاروں کی حافظہ قاریہ ایک دلدوز حادثہ کا شکار ہو کر جامِ شہادت نوش کر گئی۔ اس کے بعد ۱۹۸۰ء میں مزید کچھ ایسے اندوہناک واقعات پیش آئے جو رنج والم اور شدتِ کرب میں سب سے سبقت لے گئے۔ بعض حلقے مجھے سست گردانتے ہوئے طعنہ زن ہیں مگر ؎

چوں ندالستند حقیقت رہِ افسانہ زدند

اور

کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

بہرحال ہجوم مصروفیات، تعلیم و تعلم کے شغل اور مصائب و آلام کی ان جاں گسل سانحوں کے باوجود ترجمے کا یہ عظیم علمی کام جاری ہے اور محض تائیدِ غیبی سے جاری ہے۔ ترجمہ کی جلد اول تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

بحمد اللہ علیٰ رغم زمانہ۔ بپایاں آمد ایں دلکش فسانہ۔

میری پوری کوشش ہو گی کہ کم سے کم وقت میں پوری کتاب اشعۃ اللمعات کا ترجمہ قارئین کے

ہاتھوں میں پہنچے۔

راقم الحروف اُن اساتذہ اور علماء و اکابر ملت کا تہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے بکمال شفقت و مہربانی اس ترجمے کی صحت کی توثیق و تصدیق فرمائی۔ ان میں وہ اکابرین بھی ہیں جو بیس بیس بلکہ بعض چالیس چالیس سال سے اہل سنت وجماعت کے مرکزی مدارس اور جامعات میں شیوخ حدیث ہیں اور صحاح ستہ اور اُن کی شروح اور تفسیر و فقہ و دیگر علوم میں درک کامل رکھتے ہیں اور ان کے تلامذہ ملک اور بیرون ملک خدمت اسلام اور مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کی تبلیغ و اشاعت میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں اور اپنا نام و مقام پیدا کر چکے ہیں۔ ان اکابر کی تصدیق و توثیق راقم کے لیے مایہ صد افتخار ہے اور قارئین کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ مزید طمانیت کا موجب ہے۔

ناشر کتاب

ابتدا میں راقم کا خیال تھا کہ اس کتاب کی طباعت اور نشر و اشاعت میں اپنے اہتمام میں کروں گا مگر بعد میں مخدوم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب، فاضل جلیل عالم نبیل استاذ العلماء جناب مولانا عبد الحکیم شرف صاحب اور جناب صاحبزادہ میاں زبیر احمد صاحب مالک مکتبہ رضا پبلیکیشنز حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل اور کچھ اس نیک کام کی تکمیل کے لیے اپنے اوپر زیادہ پابندی عائد کرنے کی نسبت سے ترجمہ کے جملہ حقوق مکرمی جناب **اعجاز احمد شاہ صاحب مالک فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار** لاہور کو دے دیے ہیں۔ شاہ صاحب موصوف دینی کتب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں بڑے مبارک اور بلند عزائم رکھتے ہیں۔ اس سے قبل فقہ کی مشہور و معروف اور ضخیم کتاب فتاویٰ عالمگیری اُردو شائع کر چکے ہیں۔ ترجمہ اشعۃ اللمعات جو غالباً چھ ضخیم جلدوں میں ہوگا علاوہ بخاری شریف ترمذی شریف اور کچھ دوسری کتب حدیث کے تراجم کرا رہے ہیں۔ اس میں سے کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔ فخر اہل سنت حضرت علامہ ابو النور محمد بشیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی بہت سی تالیفات اچھے معیاری انداز میں شائع کر چکے ہیں۔ اس ہولناک گرانی کے دور میں طباعت اور نشر و اشاعت کے مصارف آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جناب شاہ صاحب موصوف فیاض طبع انسان ہیں۔ انہوں نے کشادہ دلی اور پوری لگن و جذبے سے معیاری دینی کتب کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، وہ اپنے نیک مقاصد میں انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب و کامران ہوں گے۔

تصنیف و تالیف اور معیاری کتب کے تراجم کا شغف و ذوق رکھنے والے علماء اہل سنت کو چاہیے کہ شاہ صاحب کی حوصلہ افزائی کریں اور بھرپور تعاون فرمائیں۔ اہل قلم علماء اہل سنت کے لیے گرد و پیش کے حالات سامنے رکھتے ہوئے بھی تصنیف و تالیف اور تراجم کیطرف توجہ منعطف کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت اور بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

دعا ہے کہ رب العزت امور خیر کی سرانجام دہی میں مدد و نصرت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محرر سطور بندہ رب غفور محمد سعید احمد نقشبندی غفرلہٗ
خطیب وامام جامع مسجد قطب الاولیا حضرت داتا گنج بخش
رحمۃ اللہ علیہ۔ ناظم وخادم علم حدیث جامعہ نعمانیہ لاہور
پاکستان
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ۔
۴ اپریل ۱۹۸۱ء۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

تقریظات وتصدیقات علماءِ اعلام وفضلاءِ عظام شیوخ حدیث دامت برکاتہم وفیوضاتہم علیٰ رؤس الانام الیٰ یوم القیام

تقریظ العالم العلامۃ المفرد والفاضل الحبر الامجد شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد مہر الدین مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم حزب الاحناف لاہور

جامع اصول وفروع، غواص حقائق شرعیہ، واقف اسرار جلی وخفی، ماہر دقائق قرآنیہ، عالم کو الف حدیث نبویہ حضرت مولانا شیخ محمد عبد الحق دہلوی قدس سرہٗ سرزمین ہند وپاک میں سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نشر واشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔ شب و روز اس کی ترویج میں مشغول رہے۔ جس کا اعتراف ہر خاص وعام کو ہے۔ ہر طبقہ ان کی تحقیقات وتدقیقات کے روبرو سر تسلیم خم کرتا ہے۔ آپ نے قرآن وحدیث کی محققانہ ومنصفانہ توضیحات سے مستفیدین کو سرشار فرمایا۔ آپ کی تصانیف جلیلہ کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہے۔ جس کی مثال نہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے احادیث کے ایک منتخب مجموعہ مسمی بہ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) کی فارسی زبان میں تشریح وتوضیح مسمی بہ اشعۃ اللمعات فرمائی ہے جو کہ اپنی نظیر خود ہے۔ جس میں آپ نے احادیث مشمولہ کی تنقیح کے علاوہ ائمہ

فقہاء اور مجتہدین کے معمولاتِ شرعیہ کو قابلِ رشک انداز میں سپردِ قلم فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پڑھ لینے سے تقریباً پورے مجموعۂ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل پیرا ہونے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔ یہ ان کا امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام پر احسانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کو اس کی جزائے جزیل عطا فرمائے۔ آپ کی یہ شرح چونکہ فارسی زبان میں ہے اور فارسی زبان سے بھی عربی زبان کی طرح دلچسپی بہت کم رہ گئی ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس کا ترجمہ اردو زبان میں کیا جاتا تاکہ اس سے ہر خاص و عام مستفید ہو سکے۔ الحمد للہ مولا کریم نے بروقت محبی فی اللہ واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سعید احمد دامت برکاتہم العالیہ خطیب جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور، مترجم کتب کثیرہ و مولفِ تصانیف کبیرہ، کی توجہ کو اس کی طرف منعطف کیا۔ مولانا موصوف نے اس کا نہایت سلیس اور عام فہم طریق سے اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ میں نے بعض مقامات سے ترجمہ کو پڑھا۔ لطف یہ ہے کہ ترجمہ میں حضرت موصوف نے جو صنعت ترتیب متن و شرح میں وضع فرمائی ہے کہ اول حدیث مشکوٰۃ درج کر کے اس پر باقاعدہ حرکات زیب متن کیں۔ پھر اس کے مقابلہ میں حدیث کا سلیس بامحاورہ ترجمہ تحریر کیا۔ پھر ہر دو کے نیچے اشعۃ اللمعات کا حدیث سے متعلق سہل ترین انداز میں ترجمہ زیب رقم کیا جس سے کتاب کے اردو ترجمہ میں مزید دلچسپی پیدا ہو گئی اور ضروری متعلقات حدیث کی صورت صحیح معنوں میں ذہن نشین ہونے کے قریب ہو گئی ہے۔ بہر نہج مولانا موصوف نے شائقین پر بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا کی اس خلوص بھری محنت کو قبول کر کے سب کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ اور ان کی دیگر تصانیف کی طرح اس کو بھی قبولیت عامہ کا شرف بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خادم الحدیث محمد مہر الدین عفی عنہ حزب الاحناف لاہور

$\frac{3}{81}$ ۳۱

تقریظ فرید الدھر وحید العصر الفاضل الکامل قامع البدعۃ ناصر السنۃ جناب علامہ مفتی محمد حسین نعیمی دام فیضہ وعم احسانہ شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ نعیمیہ لاہور

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے پاک و ہند میں علم حدیث کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے تدریس و تصنیف کے ذریعہ اہم اور زریں خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ آپ کی معروف مشہور تصنیف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جو کتب حدیث کی منتخب احادیث کا مجموعہ ہے کی تشریح و توضیح فرمائی ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ اردو خوان حضرات اس ذخیرہ علم سے بے بہرہ تھے اس کے اردو ترجمے کی سخت ضرورت تھی۔ بحمدہ تعالیٰ اس ضروری اور مفید کام کو جناب محترم فاضل مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد داتا دربار لاہور نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ مولانا موصوف نے اشعۃ اللمعات کا سلیس اور بہترین ترجمہ کر کے اردو خوان حضرات کے لیے حدیث کے مطالب اور معانی کو عام فہم بنا دیا ہے مولیٰ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس دینی و علمی خدمت کو مقبول عام بنائے اور اس صدقہ جاریہ کو مسلمانوں کے لیے نفع بخشی کا ذریعہ فرمائے۔ مولانا موصوف بہت سی اہم کتب کا اردو ترجمہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں۔ جس سے شائقین علم و تحقیق مستفیض ہو رہے ہیں۔

(مفتی) محمد حسین نعیمی ناظم دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

تقریظ العالم العامل المحقق المدقق جامعِ معقول ومنقول حاوی فروع واصول حضرت العلامة مولانا غلام رسول صاحب القادری الرضوی متعنا اللہ بطول حیاتہ و نفعنا من علومہ وفیوضاتہ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد

اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ علم حدیث میں مستند اور جامع شرح ہے۔ حضرتِ شیخ محقق رحمۃ اللہ نے حدیث کے بیان اور تشریح میں ہر پہلو کو ملحوظ رکھا ہے حدیث کے اسناد و متن کی تحقیق میں حدیث کا حق ادا کیا ہے اور اختلاف مذاہب فقہیہ کی تفصیل اور ان میں ترجیح اور عقائد کی تدقیق بہتر انداز میں کی۔ لیکن شرح فارسی ہونے کے باعث بعض اذہان کے لیے کچھ الجھنیں محسوس ہوتی تھیں اور وہ شیخ محقق کی بیان کردہ تشریح کی تہ تک پہنچنے سے قاصر تھے۔ نتیجۃً ہر انسان مستفید نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت مولانا محمد سعید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ نے اس بات کا احساس کرتے ہوئے۔ اس شرح کو اردو زبان میں منتقل کر دیا ہے جب کہ سیاق وسباق میں اصل سے ذرا بھی بُعد پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور سلیس اردو میں حدیث کی روانی کا لحاظ رکھتے ہوئے بہترین انداز میں حدیث کی وضاحت کی ہے۔ گو میں نے چند مقامات دیکھے ہیں لیکن وہ ساری کتاب کے لیے دلالت مطابقی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ الحاصل مولانا موصوف نے انتھک محنت اور اپنی خداداد استعداد سے اس کی وضاحت کا حق ادا کیا ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ کریم اپنے نبی رحیم کے توسل سے اسے قبول فرما کر مولانا موصوف کو اجر عظیم سے نوازے اور مخلوقِ خدا کو اس سے مزید استفادہ واستفاضہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔

غلام رسول رضوی خادم الحدیث بجامعہ رضویہ
فیصل آباد
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ
۲۱ - ۲ - ۸۱

تقریظ علامۃ الزمان فرید الاوان خاتمۃ المحققین عمدۃ المحدثین والمدرسین مولانا الکامل السید محمد جلال الدین شاہ نقشبندی مجددی ادام اللہ فیوضہ علی الراغبین ونفع بعلومہ الطالبین شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی ضلع گجرات

جناب شیخ محقق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی علمی اور تصنیفی خدمات کے اعتبار سے نہایت ہی بزرگ اور بلند پایہ شخصیت گذری ہے۔ آپ کی پوری زندگی دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بسر ہوئی۔ آپ نے اسلام کے اہم موضوعات پر اپنی تصنیفات و تالیفات کا اپنے بعد نہایت گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان میں سے ایک علم حدیث کی مشہور اور متداول کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات فی ترجمۃ المشکوٰۃ ہے۔ یہ شرح مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامع اور نفیس تحقیقات و معلومات پر مشتمل ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اپنے وقت کے عرف و ماحول کے مطابق یہ شرح فارسی زبان میں تحریر کی تھی۔ آج کے دور الحاد میں جب کہ سنت کی روشنی لمحہ بہ لمحہ مدہم پڑتی جارہی ہے۔ بدعات و خرافات بڑی تیزی سے پھیلتی جارہی ہیں اور مسلمان اپنے اسلاف کے عربی و فارسی علوم کے سرمایہ سے بے بہرہ ہوتے جارہے ہیں۔ اس کتاب کے آسان اردو ترجمہ کی شدید ضرورت تھی۔ الحمد للہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی سلمہ ربہ خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے اس تقریظ کے وقت مولانا موصوف کے اس ترجمہ کے بعض مقامات کو اصل فارسی کتاب سامنے رکھ کر دیکھا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ترجمہ آسان اور سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ اصل کتاب کے عین مطابق ہے۔ امید ہے کہ اردو خوان طبقہ اس ترجمہ سے بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ دعا ہے کہ رب العزت مولانا موصوف کو اس عظیم دینی و تبلیغی خدمت کی تکمیل کی سعادت عطا کرے اور مسلمانوں کے لیے نافع اور مولانا موصوف کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۸۱ء

ابو المنظر سید محمد جلال الدین شاہ مجددی بھکھی شریف ضلع گجرات

تقریظ العلامۃ النحریر الفاضل الفہامۃ الشہیر صاحب التصانیف والتحریر شارح صحیح البخاری فضیلۃ الشیخ مولانا السیّد محمود احمد الرضوی القادری ناظم دار العلوم حزب الاحناف نفع اللہ تعالیٰ بحیاتہٖ وافاض علی المسلمین من برکاتہٖ

امام المحدثین۔ حضرت مولینا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز دنیائے علم وفضل کی وہ عظیم وجلیل شخصیت ہیں جنہوں نے علوم عالیہ اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی تبلیغ واشاعت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم وترجمانی کا ایک معیار قائم فرمایا۔ پاک وہند میں آپ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے علم حدیث کو اپنی تبلیغی۔ تدریسی اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز ومحور بنایا اور احادیث نبویہ علی صاحبہا والصلوٰۃ والتحیۃ کی فارسی زبان میں بہترین علمی توضیح وتشریح کا اعزاز حاصل کیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی تصانیف جلیلہ میں اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ حدیثی اسرار ومعارف کا ایک ایسا متبرک ذخیرہ ہے جو مسلمانوں کے تمام دینی حلقوں میں مقبول ومعروف ہے اور آپ کی بیان کردہ توضیحات وتشریحات کو بطور سند ودلیل پیش کیا جاتا ہے۔

اردو خواں حضرات کے لیے اشعۃ اللمعات کے صحیح ترجمہ کی ضرورت محتاج بیان نہ تھی۔ مقام مسرت ہے کہ حضرت استاذ العلماء علامہ مولینا محمد سعید صاحب نقشبندی مدظلہ خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کمال خلوص وعقیدت اس متبرک کتاب کا آسان وسلیس اور جامع ترجمہ کرکے مسلمانوں کے تمام طبقات کے لیے اشعۃ اللمعات کے جواہر ریزوں سے مستفیض ومستفید ہونے کا موقع فراہم کردیا ہے۔ اشعۃ اللمعات کا ترجمہ مولینا موصوف کی بہترین علمی ودینی خدمت ہے۔ مولینا خود بھی فاضل علوم عقلیہ ونقلیہ ہیں، ملک کے مختلف مدارس میں ایک عرصہ سے درس وتدریس کے فرائض باحسن وجوہ انجام دینے کے علاوہ متعدد ضخیم دینی

دعلمی کتب کے ترجمے کر چکے ہیں۔ جو ملک میں مقبول و عام خاص ہیں۔ ان شاء العزیز اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کا یہ ترجمہ بھی مسلمانوں کے تمام طبقات میں مقبول و محمود ہوگا۔

سید محمود احمد رضوی بقلم خود
ناظم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف
لاہور
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

تقریظ افضل الفضلاء اکمل النبلاء فخر السلف قدوہ الخلف عمدۃ العاملین زبدۃ المدرسین العلامۃ مولانا محمد نواز نقشبندی مجددی صدر المدرسین جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی۔ ضلع گجرات نفع اللہ تعالیٰ المسلمین بطول بقائہ

بندہ نے شیخ عبدالحق محقق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح مشکوٰۃ شریف بزبان فارسی اشعۃ اللمعات کا تدریس کے دوران بارہا مطالعہ کیا۔ شیخ محقق نے اپنی اس شرح میں مشکوٰۃ شریف کے حل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور اس کے ہر پہلو کو یعنی ترجمہ، اختلافی مسائل کا حل، فقہی مباحث اور جو فائدے ہر حدیث شریف سے استنباط ہوتے تھے، نہایت جامع انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ دور حاضر میں لوگ فارسی زبان سے اتنے ہی دور ہیں جتنے کہ عربی زبان سے۔ اس لیے لوگوں کو جس قدر دشواری عربی عبارت کو سمجھنے میں درپیش ہے اتنی ہی دشواری فارسی کے حل کرنے میں محسوس ہوتی ہے اس لیے اس کا اردو زبان میں ترجمہ لابدی امر

تھا اور عرصہ سے میرے خیال میں یہ بات آتی تھی کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عزیزم حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد صاحب خطیب جامع مسجد دربار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سعی بلیغ کی ہے۔ بندہ نے اس ترجمہ کو چند اہم مقامات سے دیکھا ہے۔ بحمدہ تعالےٰ مولانا موصوف نے صحیح ترجمہ اور کہیں کہیں حاشیہ لگا کر کتاب کی احادیث کو اور بھی واضح کردیا ہے۔ مولا کریم مولانا موصوف کی اس کاوش عرق ریزی اور مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور آخرت میں ذریعہ نجات بنائے اور اس کارِ خیر کا صدقہ جاریہ کی صورت میں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

الفقیر محمد نواز غفرلہ
خادم تدریس جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف
۱۶۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۲ فروری ۱۹۸۱ء
بروز اتوار

تقریظ نادرۃ ہذا الزمان، غرۃ ہذا الدھر والاوان العالم العامل الہمام ارشد الفضلاءِ الکرام۔ العلامۃ القاضی محمد ارشاد الٰہی فیضی عصامی شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم نعمانیہ۔ لاہور۔ شکر اللہ تعالیٰ مساعیہ و دامت محفوفۃ باللطف الرعایۃ والعنایۃ معالیہ

فقیر غفرلہ القدیر نے علامہ فہامہ جناب مولینا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی ناظم تعلیم دار العلوم نعمانیہ لاہور و خطیب جامع مسجد حضرت داتا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) زید برکاتہ العالیہ نے جو اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ للشیخ المحقق علی الاطلاق حضرت عبد الحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ترجمہ اردو میں کیا۔ اس کے بعض

مقامات کو ملاحظہ کیا۔ الحمد للہ نہایت بہترین ترجمہ فرمایا اور جو کچھ مصنف اشعۃ اللمعات کا مقصود شرح تھا اسے نہایت اعلیٰ حیثیت سے اور بہترین انداز میں ظاہر فرمایا۔ عبارت شستہ آسان اور عام فہم کلمات میں ہے اس سے مشکوٰۃ شریف کے سمجھنے میں خوب مدد ملے گی۔ لہٰذا اہل السنت والجماعت کے لوگوں کے لیے بالخصوص اور تمام مسلمانوں کو بالعموم اس سے فائدہ ہوگا۔ خدائے قدوس مترجم کی زندگی میں برکت دے کہ یہ کام انتہا تک آسانی کے ساتھ پہنچا سکیں۔ آمین

قاضی محمد ارشاد الٰہی فیضی عصامی عفی عنہ
ساکن لودے تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی
رحال، شیخ الحدیث دار العلوم نعمانیہ - لاہور
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ
۲ / ۱ / ۸۱

تقریظ

زعیم ملت فخر اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی

صدر مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی مدظلہ خطیب جامع مسجد امام الاولیاء حضرت داتا گنج بخش (قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) ایک عرصہ تک جامعہ نعمانیہ اور دار العلوم حزب الاحناف لاہور، میں صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے انہیں تالیف و ترجمہ کا ملکہ بھی عطا کیا ہے۔ ان کی مترجمہ کتب میں سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے مکتوبات شریفہ، حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بدایۃ الہدایہ اور منہاج العابدین قبول عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تالیف مسلک امام ربانی کے مطالعہ سے لاتعداد

گم گشتگانِ بادیہ ضلالت، راہِ ہدایت پا چکے ہیں۔

اب فاضل موصوف فخر المحدثین، رئیس المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف **اشعۃ اللمعات** شرح مشکوٰۃ (فارسی) کا اُردو ترجمہ مکمل کرنے میں مصروف ہیں اس ضخیم و جسیم اور مقدس کتاب کا پہلا حصہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔ ترجمہ نہایت آسان سلیس اور عام فہم زبان میں کیا گیا ہے۔ علمائے کرام کے علاوہ طلبہ اور عوام الناس بھی اس ترجمہ سے صحیح طور پر مستفید و مستفیض ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فاضل مترجم اس پیش کش پر ہدیۂ تحسین و تبریک کے مستحق ہیں اور اس لیے بھی مبارک باد کے حق دار ہیں کہ اشعۃ اللمعات کو اُردو میں منتقل کرنے کی اولیت کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا محمد سعید احمد صاحب زید مجدہ کو توفیق ارزانی فرمائے کہ وہ اس عظیم کام کی تکمیل جلد از جلد کر سکیں۔ آمین ثم آمین بجاہِ نبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہ ۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

نوٹ:۔ سطور بالا تحریر کرنے کے فوراً بعد ترجمہ اشعۃ اللمعات کے سالِ طباعت کے جو تاریخی مادے ذہن میں آئے وہ درج ذیل ہیں۔

مظہرِ نور ———————— ریاضِ رسولِ عزیز (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۰۱ھ ۱۴۰۱ھ

ریاضِ رسولِ باکمال (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۰۱ھ

مختصر سوانح حضرت محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نسب:

حضرت شیخ کے مورثِ اعلیٰ آغا محمد ترک بخارا کے رہنے والے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے اپنی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا تو آپ وطن کی خراب فضا سے بددل ہو کر ترکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ یہ سلطان علاؤالدین خلجی (۱۲۹۶ء/۱۳۱۶ء) کا زمانہ تھا۔ سلطان نے آپکی بڑی عزت افزائی کی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اسی درمیان گجرات کی مہم پیش آگئی جس کی وجہ سے آپ کو گجرات جانا پڑا۔ فتح کے بعد وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اللہ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ ایک سو ایک بیٹے تھے لیکن ایک ہولناک سانحہ پیش آیا۔ سو لڑکے انتقال کر گئے۔ سب سے بڑے صاحبزادے معزالدین بچے۔ آپ اپنے والد کے ہمراہ دہلی آگئے۔ اخبار الاخیار سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء-۱۳۲۵ء) کے عہد تک گجرات رہے تھے سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں انتقال ہوا۔ ملک معزالدین سے اس خاندان کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ کے فرزند شیخ موسیٰ نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ یہ فیروز شاہ کا زمانہ تھا لیکن فیروز شاہ (المتوفی ۱۳۸۸ء) کے انتقال کے بعد ملک میں بڑی بدنظمی پھیل گئی اور حالات نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ آپ کو مجبوراً دہلی چھوڑ کر ماوراء النہر کا رخ کرنا پڑا لیکن زیادہ دن وہاں نہ ٹھہر سکے۔ جب تیمور (۱۳۹۸ء) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو آپ اس کی فوجوں کے ساتھ پھر دہلی تشریف لائے۔ شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے لیکن شیخ فیروز سب سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کو سپہ گری اور شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا۔ ۸۶۰ھ میں شیخ فیروز بہرائچ کے کسی معرکے میں شہید ہو گئے۔ آپکی بیوی حاملہ تھیں، کچھ دنوں بعد ایک فیروز بخت صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام سعد اللہ تھا۔ ان میں بھی باپ کے تمام خصائل موجود تھے۔ شیخ محمد گنگن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کا ۲۲ ربیع الاول شریف ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو وصال ہوا آپ کے دو بیٹے تھے، شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین دونوں کو عشق و محبت الٰہی کا بے پناہ جذبہ ورثہ میں ملا تھا۔

شیخ محدثؒ کے والد ماجد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین رحمہ اللہ ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ وہ ایک صاحبِ دل بزرگ، اچھے شاعر اور پُرلطف اور نکتہ سنج انسان تھے۔ لوگ ان کی ظرافت و لطافت، معاملہ فہمی اور محبت اسلوبی کے معترف تھے۔ شیخ محدث رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

"در شعر و فضیلت و قبول خواطر و ذوق و شوق و محبت و ظرافت، لطائف و بے تعلقی و وارستگی و طیب قلب و حضور و ذکر و فکر لطائف و نکات و فہم و دقائق و ارشادات یگانۂ روزگار و افسانۂ روزگار بود"[1]	شاعری، علم، مقبولیت، ذوق و شوق، ظرافت، زہد، پاکیزگیٔ دل، حضور قلب اور نکتہ سنجی میں اپنے عہد میں بے مثال تھے۔

شیخ سیف الدین رح کو عام لوگ شعر و سخن کی وجہ سے جانتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ ایک صاحبِ باطن اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ رسالۂ وصیت میں شیخ محدث رح ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

"پدرِ من شیخ سیف الدین از عالم مستی و فقر و فنا و توحید و تجرید و تفرید نصیبۂ کامل داشت و تکلف و تصنع را گرد سراپردہ حال وے مجال نبود۔ نظر او را تاثیرے بود کہ ہر کرا العنوان محبت نظر می کرد، بقدر استعداد و مناسب حال اثر قبول می آورد"[2]	میرے والد شیخ سیف الدین کو فقر و فنا اور توحید و تجرید کا کافی حصہ ملا تھا۔ وہ تکلف و تصنع سے بالکل پاک تھے۔ نگاہ میں ایسا اثر تھا کہ جس پر توجہ کی خالی نہ گئی اور اس کو حسب استعداد فائدہ پہنچا۔

اخبار الاخیار میں بھی شیخ محدث رح نے ان کی نظر کی "تاثیر" کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے — "این معنی بسیار تجربہ کردہ شدہ است" وہ ایک نظر میں ملنے والے کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:-

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۲۹۲۔

[2] رسالہ وصیت (قلمی)

"مارا از صفائی صحبت درویشاں وطول ملازمت ایشاں ایں مقدار شدہ است کہ حقیقت احوال آدمی رامی شناسم.... اگر شب تاریک کسے را مساس کنم امید ہست کہ حقیقت حال او دریابم" [۱]

درویشوں کی صحبت کے فیض سے میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ انسان کی حقیقت کو پہچان لیتا ہوں اگر اندھیری رات میں بھی کسی سے ملوں تو امید ہے کہ اسکی حقیقت حال دریافت کر لوں۔

شیخ سیف الدین کو عرصہ تک مرشد کامل کی تلاش رہی۔ بالآخر حضرت شیخ امان اللہ پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُن کو ایسا خضر طریقت مل گیا جس نے ان کے "مشرب توحید" کو جلا دے دی۔

شیخ امان اللہ پانی پتی

اُن کا نام عبدالملک اور لقب امان اللہ تھا۔ امام اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود پر کامل عبور رکھتے تھے۔ شیخ محدث نے اُن کے متعلق لکھا ہے :-

"وے از علمائے صوفیہ موحدہ است، از تابعان ابن عربی قدس سرہٗ در علم ایں طائفہ مرتبہ بلند و پایہ ارجمند داشت و در تقریر مسئلہ توحید بیان شافی و تقریر وافی و سخن توحید را فاش گفتے" [۲]

وہ وحدت وجود پر اعتقاد رکھنے والے صوفیہ میں تھے ابن عربی قدس سرہٗ کے تابعان میں تھے۔ اس طبقہ کے علم میں اونچا مرتبہ اور بلند درجہ رکھتے تھے۔ مسئلہ وحدت وجود بڑی شافی تقریر کرتے تھے اور اسرار توحید کو کھلم کھلا بیان کرتے تھے۔

شیخ امان اللہ پانی پتی نے ۱۲ ربیع الآخر ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو وصال فرمایا [۳]

شیخ سیف الدین شیخ امان کی خدمت میں

شیخ سیف الدین کو ابتدائی زمانہ سے مشائخ کی صحبت کا شوق تھا۔ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوئے تھے لیکن تسکین کا سامان کہیں نہیں ملا تھا۔ جب شیخ امان پانی پتی کی خدمت میں پہنچے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے زخموں پر مرہم لگا دیا۔ جو جذبات رہبر کامل کی غیر موجودگی میں اُن کے دل و دماغ پر قیامت ڈھا رہے تھے، اُن کی

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۹۶۔ [۲] اخبار الاخیار ص ۲۳۳۔ [۳] اخبار الاخیار ص ۲۳۵۔

تربیت کا سامان مہیا ہوگیا۔ شیخ سیف الدین ابتداءِ حال میں کسی سہروردی بزرگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ شیخ امان رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں آنے سے قبل مرید ہو چکا تھا لیکن اب آپ کا جذبۂ محبت وارادت مجھ پر غالب آرہا ہے۔ کیا کروں؟ فرمایا۔ المرء مع من احب۔ اس رستہ میں محبت کا اعتبار ہے اس کے بعد ان کی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ ضروری کتابیں ان کو پڑھائیں، پھر اپنے دستِ خاص سے لکھ کر خلافت نامہ عنایت فرمایا۔ شیخ محدث نے لکھا ہے:

"والدم را بہ عنایت خاص مخصوص ساخت و خرقۂ خلافت پوشانید و مثال خلافت تا چند روز بہ خط خاص خود مسودہ کرد"[1]

میرے والد پر خاص عنایت فرمائی اور خرقۂ خلافت عطا کیا اور خلافت نامہ اپنے دستِ خاص سے لکھ کر دیا۔

علالت اور وفات

آخری علالت کے زمانے میں شیخ سیف الدین پر ایک عجیب کیفیت طاری رہی، خوف وخشیت کا اس قدر غلبہ ہوگیا کہ ہر وقت اسی میں پریشان رہنے لگے۔ جب کوئی ایسی آیت سن لیتے جس میں "وعدہ رحمت" ہو تو طبیعت بشاش ہو جاتی۔ ایک مرتبہ شیخ محدث نے یہ آیت تلاوت کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشی سنو اس بہشت کی جس کا تم کو وعدہ تھا۔

تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور شیخ محدث کو بہت سی دعائیں دیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

"امیدوارم کہ مراد عائے آں شب سرمایۂ دنیا و آخرت شود"[2]

امیدوار ہوں کہ اس رات کی دعا میرے لیے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہو۔

وصال سے کچھ قبل یہ کلمات اور اشعار لکھ کر کفن کے ساتھ رکھنے کی ہدایت کی۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۳۵

[2] اخبار الاخیار ص ۲۹۸

(۱) دارم دلکے عین بیامرز مپرس | صد واقعہ درکمین بیامرز مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم | اے اکرم الاکرمین بیامرز مپرس

(۲) فَقَدِمْتُ عَلَی الْکَرِیْمِ بِغَیْرِ زَادٍ | مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِیْمِ
میں آیا ہوں کریم کے پاس بغیر توشہ | نہ نیکیاں ہیں اور نہ قلب سلیم
نَحْمِلُ الزَّادَ اَقْبَحُ کُلِّ شَیْءٍ | اِذَا کَانَ الْقُدُوْمُ اِلَی الْکَرِیْمِ
مگر توشہ سے جانا تو ناموزوں بات ہے | جب کہ ایک کریم کے پاس جانا ہو

(۳) ربی اللہ، ودینی الاسلام ونبیی محمد وشیخی الشیخ عبد القادر الجیلانی۔

وصال کے وقت، خوف وخشیت کی کیفیت "ذوق وشوق" میں بدل گئی۔ عصر کا وقت تھا شیخ عبد الحق ؒ کو مسجد سے بلوایا، یہ شیخ محدث خوشی اور بحالی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ سیف الدین نے پھر اُن سے فرمایا:

"بابا! بدانکہ مارا اکنوں اصلا رنجے ومحنتے وکوفتے نیست، شوق در شوق وطرب در طرب است، ہر زحمتے و بیماری کہ در بدن ما بود بدر رفتہ است ولیکن ترا باید کہ مشغول شوی ودعا کنی کہ مرا زود از ینجا بردارند ہر مطلوبے کہ در تمام عمر بود دست داد واست مبادا باز ایں حالت نماند، والحمد وعامی کردم کہ آخر دم درپا وخود داری ولشوق وذوق ازیں جا بری۔ اکنوں جمال ایں مراد باحسن وجوہ جلوہ گر شدہ است، اگر ہم دریں حالت پیش خود طلبد کمال لطف وعنایت او باشد"۔[۱]

باباجان تو کہ مجھ کو اس وقت کچھ رنج وفکر نہیں ہے بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے، جو کچھ تکلیف اور بیماری میرے بدن میں تھی چلی گئی ہے، تم کو چاہیے کہ مشغول ہو کر یہ دعا کرو کہ مجھ کو جلد اس جگہ سے لے جائیں تمام عمر میں جو میرا مطلوب تھا اب حاصل ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے، تمام عمر میں نے یہ دعا کی تھی کہ آخر وقت میں ذوق وشوق کے ساتھ اس جگہ سے جاؤں۔ اب اس مراد کا جمال ہزاراں حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے، اگر اس حالت میں اپنے سامنے بُلالے گا تو اس کی انتہائی عنایت اور کرم ہوگا۔

معشوقِ حقیقی کے دیدار کی اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی شخص عیادت کو آتا اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ آپکو صحت عطا فرمائے تو آپ ناخوش ہوتے اور فرماتے کہ خدارا یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے بُلالے۔[۲] غذا سے پرہیز کرنے لگے تو لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۹۹

[۲] اخبار الاخیار ص ۲۹۹

"از برائے ایں نیز نمی خوم کہ مبادا سبب بقائے من شود، مارا ہر دم کہ ایں جامی رود بکلفت می رود۔"

اس وجہ سے بھی نہیں کہتا ہوں کہ یہ میری بقا کا سبب بن جائے۔ مجھے اب ایک سانس لینا بھی باعث کلفت ہے۔

۲۷ شعبان ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء کو یہ بے چین عاشق اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔ اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

شیخ محدث کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت

ولادت :

ماہ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو شیخ محدث دہلی میں پیدا ہوئے ؎

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر

تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

محرم ۹۵۸ھ اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک اہم مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں شیخ عبدالحق محدث پیدا ہوئے اور اسی مہینہ میں ابوالفضل۔ موخر الذکر نے اسلامی شعائر کی تضحیک و توہین میں وقت صرف کیا، تو اول الذکر نے احیاء شریعت اور قیام امر بالمعروف میں اپنی ساری زندگی گزار دی۔ ایک سے "دین الٰہی" نے تقویت پائی، دوسرے سے "دین محمدی" کو عروج ہوا۔

باپ کے آغوش میں :

شیخ محدث کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے نشو و نما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا، ایام طفلی ہی سے انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ :

"شب و روز در کنار مرحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت می یافتم" [1]

رات دن میں ان کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا۔

[1] اخبار الاخیار ص۳۰۱

تین چار سال کا بچہ دیکھیے اور باپ کا یہ ذوق و شوق کہ شب و روز آغوش میں لیے اس کی تربیت میں مشغول ہے۔ اور برسوں کی ریاضت سے جو ذہنی اور قلبی کیفیات اس میں پیدا کر دی ہیں ان کو منتقل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے اسرار سے اس بچہ کو آشنا کرنا چاہتا ہے۔ جب کوئی نکتہ بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تو تجربہ کار باپ یہ کہہ کر تسلی کرتا ہے۔

"ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روئے کار بکشاید و جمال یقین رُخ نماید"۔ [1] — ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھے گا اور جمالِ یقین نظر آئے گا۔

لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کرتا ہے:

لیکن باید کہ دائم دریں خیال باشید و ہر مقدار کہ دست دہد سعی کنید۔ — لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اسی خیال میں رہو اور جس قدر ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔

شیخ محدث کے والد ماجد نے ان کو بعض ایسی ہدایتیں کی تھیں جن پر شیخ تمام عمر عمل پیرا رہے اور جو آج بھی ان کی خاص شان اور مخصوص روایات کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ شیخ سیف الدین نے اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی، کج بحثی اور گمراہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا، اس لیے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی۔

"باید کہ بہیچ کس در بحث علم نزاع نکنی و بہ کلفت نرسانی، اگر دانی کہ حق بجانب دیگر است قبول کنی، و اگر نہ دو سہ بار بگو، اگر قبول نکند بگو کہ بندہ را چنین معلوم است۔ آں نوع نیز تواند بود کہ شما می گوئید۔ نزاع برائے چیست"۔ [2] — چاہیے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر یہ سمجھو کہ دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے تو یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو، پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے، یہ لاحاصل چیز ہے، اس سے منافرت اور مخالفت کے سوتے ابل پڑتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت و الفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیے کہ:

این کار محبت است، آنرا کہ محبت نباشد چہ کار کند [3] — یہ محبت کا معاملہ ہے، جس میں محبت نہیں وہ کیا کرے گا۔

شیخ سیف الدین کی ان نصیحتوں کو شیخ محدث کے دماغ کے ہر رگ و ریشے نے قبول کیا، اور وہ انکی زندگی

[1] اخبار الاخیار ص۳۰۱ [2] اخبار الاخیار ص۳۰۱ و [3] و [4] ایضاً ص۲۹۲

کا جزو بن گئیں۔ اکبری دور میں بحث و مباحثہ، تکفیر و تضلیل کے کیسے کیسے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن شیخ محدث نے اپنے مسلک سے کبھی سر مو انحراف نہیں کیا۔ ان کی زندگی کی بنیاد گویا ان اصولوں پر رکھی گئی تھی ۔

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے ۔ تنے محکم تراز سنگین حصارے

درونِ او دلے درد آشنائے ۔ چو جوئے درکنارِ کوہسارے

شیخ سیف الدین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے دل میں صرف حصولِ علم کی لگن ہی پیدا نہیں کی بلکہ اس کے ذہن میں علم کے متعلق صحیح نظریے بھی قائم کر دیے۔

ابتدائی تعلیم :

شیخ محدث کو ابتدائی تعلیم خود اُن کے والد ماجد ہی نے دی تھی۔ سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا اور وہ بھی نئے انداز سے۔ یہ شیخ محدث نے ابھی قواعد تہجی بھی نہیں سیکھے تھے کہ ان کے والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ سورتیں لکھ کر ان کو یاد کرنے کے لیے دے دیتے تھے۔ اسی طرح دو تین مہینے میں پورا کلام پاک ختم ہو گیا۔ خود شیخ محدث فرماتے ہیں :

"اول از قرآن مجید بے سابقۂ تعلیم قواعد تہجی کہ اطفال خوانند، دو سہ جزو بلکہ کم تر...... تعلیم فرمودند سبق در سبق ایشاں می نوشتند و من می خواندم، از قرآن ہمیں مقدار تعلیم کردہ ام، بعد ازاں از اثر تربیت و شفقت ایشاں چناں قوت بہم رسید کہ ہر روز قدرے از قرآن می خواندم و ہر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم۔ در دو سہ ماہ قرآن ختم کردم" [۱]

سب سے پہلے قرآن مجید بے سابقہ تعلیم قواعد تہجی کے (جس طرح لڑکوں کو عموماً پڑھایا جاتا ہے) دو تین جزو بلکہ اس سے کم تعلیم فرماتے تھے۔ وہ سبق لکھتے تھے۔ میں پڑھتا تھا، قرآن کی یہی مقدار میں نے اُن سے سبقاً پڑھی ہے۔ اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کے اثر سے ایسی قوت بہم پہنچی کہ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھنے لگا اور جتنا پڑھتا تھا ان کو سُنا دیتا تھا۔ غرض دو تین مہینے میں قرآن شریف ختم کر لیا۔

اس کے بعد لکھنے کی طرف توجہ کی اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا۔

"در اندک مدت، شاید اگر مقدار یک ماہ تعین کنم دروغ ۔ تھوڑی ہی مدت میں، اگر ایک مہینہ کہوں تو جھوٹ نہ ہوگا

[۱] اخبار الاخیار صفحہ ۳۰۰

نکتنہ باشیم، کتابت وسلیقۂ انشاء پیدا شد۔" [1] کتابت اور انشاء کا سلیقہ پیدا ہو گیا۔

اتنے کم عرصہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لینا، شیخ کی غیر معمولی ذہانت کا کرشمہ ہے۔ شیخ محدث نے اپنی اس کامیابی کا اصلی سبب اپنے والد کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

"ہر چہ ہست اثر توجہ وعنایت ایشاں است۔" جو کچھ بھی ہے وہ ان کی توجہ اور عنایت کا اثر ہے۔

شیخ سیف الدین نے اپنے فرزند کی تعلیم میں اس زمانہ کے مروجہ نصاب یا طریقہ تعلیم کی پابندی نہیں کی بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا۔ اس زمانہ میں نظم کی بہت سی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا۔ شیخ سیف الدین نے اپنے بیٹے کو بوستان اور دیوان حافظ کے چند جزو کے علاوہ نظم کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔ قرآن پاک کے بعد میزان شروع کر دی اور مصباح اور کافیہ تک خود تعلیم دی۔ شیخ محدث کا بیان ہے۔

"ایں کتابہائے نظم واشعار کہ تعلیم آں متعارف ایں دیار است، شاید کہ چند جزو از بوستان وگلستان و دیوان خواجہ حافظ تعلیم کردہ باشند وہم از ابتدائے حالت صغر سنی بعد از ختم قرآن میزان الصرف یاد دادند تا مصباح وکافیہ خود تعلیم فرمودند۔" [2]

اور نظم کی ان کتابوں میں سے جو اس ملک میں مروج ہیں، شاید گلستان و بوستان کے چند جزو اور دیوان حافظ پڑھایا ہو اور لڑکپن ہی سے قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف سے مصباح وکافیہ تک خود تعلیم دی۔

پڑھاتے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ تو جلد عالم بن جائے گا۔

---

[1] و [2] اخبار الاخیار ص ۳۰۱

[3] عرصہ سے ہندوستان کے نصاب میں یہی کتابیں شامل تھیں۔ عباس شیروانی شیر شاہ کی تعلیم کے متعلق تاریخ شیر شاہی میں لکھتا ہے :-

"فرید بہ تحصیل علوم عربیہ مشغول شد۔ کافیہ بحواشی قاضی شہاب الدین خوب طریق بخواند، وعلوم دیگر نیز تحصیل کرد و گلستان وبوستان وسکندر نامہ وغیرہم بخواند۔" (قلمی نسخہ)

اس زمانہ کے نصاب تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو مولانا حکیم عبد الحی مرحوم کا مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" (الندوہ۔ فروری ۱۹۰۹ء) ملاحظہ کرنا چاہیے۔ نیز ڈاکٹر صوفی کی کتاب المنہاج بھی اس موضوع پر کافی دلچسپ ہے۔

"ان شاء اللہ تو زود دانشمند شوی"

شیخ سیف الدین اپنے بیٹے کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں مکمل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ اپنے جگر گوشہ کے سینہ میں وہ تمام علوم منتقل کر دیں جو انہوں نے عمر بھر کے ریاض کے بعد حاصل کیے تھے۔ لیکن یہ ان کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے سخت مجبور بھی تھے کبھی کتابوں کا شمار کرتے اور حسرت کے ساتھ کہتے کہ یہ اور پڑھا لوں۔ پھر فرماتے۔

"مرا حظے غریب دست دہد بہ تصور آنکہ حق تعالیٰ ترا بجائے کہ من خیال کردہ ام برساند" [1]

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کمال تک پہنچا دے کہ جو میں نے خیال کیا ہے۔

شیخ محدث خود بے حد ذہین تھے، طلب علم کا سچا جذبہ تھا، جس علم کی طرف توجہ کرتے، پانی ہو جاتا، بوڑھا باپ بیٹے کی ذہانت اور سعی پیہم سے خوش ہوتا اور اس کے شاندار علمی مستقبل کے نقشے ذہن میں جماتا رہتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ شیخ محدث خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"یاد دارم کہ روزے در ملازمت ایشاں تقریر بعضے سخنان علمی می کردند، و ایشاں بجانب بندہ ناظر بودند۔ در اثنائے سخن ایشاں را حالتے در گرفت، و نعرہ زدند و گریہ کردند۔ وہم در آں حالت ہر دو دست بر روئے فقیر بر آوردند، دعا کردند، و بعد از فرود آمدن آں حالت فرمودند کہ ما را از مشاہدۂ شما تجلی دست داد، و لذتے مشہود شد کہ تعبیر از کیفیت آن ممکن نباشد خدا داند کہ آں چہ حالت بود"

بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ[۱۵] سولہ[۱۶] برس کی عمر ہو گی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اٹھارہ[۱۸] برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں۔ اس زمانہ کی پوری روئیداد خود ان کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی فرماتے تھے (اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہیں) کہ ہر ایک علم میں سے مختصر پڑھ لو گے تو تم کو کافی ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد برکت اور سعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے اور تمہیں سارے علوم بے تکلف حاصل ہو جائیں گے۔ اُن کے اس ارشاد پاک نے یہ اثر کیا کہ تحصیل علوم میں مجھ کو ایسی سرعت حاصل ہوئی کہ جس کو طے زبان اور طے مکان کہتے ہیں ہر علم حاصل ہو گیا۔ یعنی مختصرات نحو مثل کافیہ و لب و ارشاد وغیرہ شاید ایک ایک

[1] اخبار الاخیار ص۳۰۱

جزو بلکہ زیادہ یاد کرتا تھا اور اتمام تحصیل علم کے لیے اس قدر بے چینی تھی کہ اگر کوئی جزو ان مختصرات کا میسر اور محشی مل جاتا تھا تو اس کو خود مطالعہ کر لیتا، حاجت استاد سے پڑھنے یا دریافت کرنے کی نہ ہوتی۔ اگر بحث آسان ہوتی یا مضمون سے پہلے سے واقفیت ہوتی تو میر انکر اس کو قبول نہ کرتا، خدا جانے کہ ان دنوں میں کیا سمجھتا تھا اور کیا دیکھتا تھا، لیکن ہر کتاب کے متن اور حاشیے اور ان کے الفاظ سے پورا فائدہ حاصل کرتا تھا اور جو کتاب میرے ہاتھ آتی یا جز کسی کتاب کا ملتا، خواہ میرے پڑھے ہوئے ہوتے یا نہ ہوتے اس کو اول سے آخر تک دیکھنا اپنے اوپر واجب کر لیتا تھا اور میں اس امر کا مقید نہ تھا کہ شروع یا خاتمہ کتاب ملے تو دیکھوں۔ میری نظر تحصیل علم پر تھی، خواہ کسی طرح پر ہو۔" [1]

شیخ محدث طالب علم کی حیثیت سے

شیخ محدث رحمہ اللہ نے اپنے بڑھاپے میں نواب مرتضیٰ خان، شیخ فرید کو ایک خط میں "طلب صادق" کی نوعیت بتائی تھی:۔

"ہر دمے کہ زند و ہر قدمے کہ نہد حصول مطلوب و حضور محبوب پیش چشم دارد۔" [2]	انسان جو سانس لے اور جو قدم رکھے اس میں ہمیشہ حصول مطلوب اور حضور محبوب پیش رہے۔

طالب علمی کے زمانہ میں خود اُن کا یہی حال تھا۔ دن اور رات اسی میں غرق رہتے تھے حصول علم کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ زندگی اور اس کی ساری دلچسپیاں سمٹ کر اسی میں آگئی تھیں۔ خود لکھتے ہیں:۔

"از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست و خواب کدام، مصاحبت کیست و آرام چہ، و آسائش کو و سیر کجا"	بچپن سے میرا یہ حال ہے کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے، خواب، مصاحبت، آرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں، میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے

شب خواب چہ و سکوں کدامست
خود خواب بعاشقاں حرامست

ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نخوردہ و خواب در محل نبردہ۔" [3]	تحصیل علم میں مشغولیت کی بنا پر کھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اور نیند بھر کر نہیں سویا۔

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۳۰۲ ۔ [2] المکاتیب والرسائل صفحہ ۷ ۔ [3] اخبار الاخیار صفحہ ۳۰۲ ۔

جس محنت و مشقت اور جان دہی کے ساتھ انہوں نے علم حاصل کیا تھا، اس کی مثال اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ ابوالفضل نے اگر رات کو پڑھتے پڑھتے اپنے دماغ میں خشکی پیدا کرلی تھی تو شیخ محدث رحمہ اللہ نے بارہا مطالعہ کی مشغولیت میں اپنے بالوں اور عمامہ کو چراغ سے جلایا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ آگ لگنے کی خبر تک بھی نہیں ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

چہ دود ہائے چراغے کہ در دماغ نرفت ۔۔۔ کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت

کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام ۔۔۔ چہ خار خار کہ در بسترِ فراغ نرفت

بجیر تم ز دل خود کہ عمر رفت ولے ۔۔۔ ز کنجِ عملکدہ ہرگز بہ صحنِ باغ نرفت[۱]

شیخ محدثؒ نے صبح سے رات تک کا اپنا پورا پروگرام بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی دنیا کی صدر نشینی کیلئے جس ریاضت کی ضرورت تھی، اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی۔ بچپن سے انہیں اس بات کا احساس تھا۔ ؎

جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اس لیے انہوں نے تحصیل علم میں اپنے خون کا پانی کر دیا۔ طلوع آفتاب سے قبل وہ مدرسہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ مدرسہ مکان سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ دوپہر کو کھانا کھانے تھوڑی دیر کیلئے گھر آتے اس کے بعد پھر مدرسہ جاکر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ چھ میل کی مسافت کر چکنے کے بعد بھی ان کو تھکن محسوس نہ ہوتی تھی اور وہ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ رات تک مدرسہ میں مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ رات کو جب گھر واپس آتے تو آرام کرنے کے بجائے پڑھنے کے لیے بیٹھ جاتے۔ والدین ان کی اس محنت اور مصروفیت سے بہت پریشان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کبھی کبھی آرام بھی کرنا چاہیے۔ لیکن اُن پر تحصیل علم کا ایک نشہ سا تھا۔ وہ سب کی نصیحتیں سنتے تھے لیکن کچھ مجبور سے تھے۔ مفصل کیفیت خود ان کی زبانی سنیئے۔ فرماتے ہیں:

"ہر روز باوجود غلبۂ برودت ہوائے زمستان و شدت حرارت تابستان دوبارہ بمدرسۂ دہلی کہ شاید از منزل بعد دو میل داشتہ باشد میل می کردم۔ درمیان ہنگام وقت در غریب خانہ بسبب تناول چند لقمہ کہ بسبب عادی قوام

میں جاڑے کی ٹھنڈی ہوا اور گرمی کے جھلسا دینے والے جھونکوں میں ہر روز دو بار دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا جو ہمارے مکان سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ دوپہر کو تھوڑی دیر گھر ٹھہر کر چند لقمے ضرور کھا لیتا ۔۔۔۔ میرے

---

[۱] کہتا ہے ۔ دودِ چراغ خوردہ شب آوردہ ام بروز ۔۔۔ معذورم ار نماند دماغ سرا تری

[۲] اخبار الاخیار صـ۳۰۳

حرکت ارادی است واقع می شد.... والمہ پدر و مادر من در پے آں بودند کہ یک دم با کودکاں حملہ بازی کنم یا شب بوقت متعارف پا دراز کنم۔ ومن می گفتم کہ آخر غرض از بازی خاطر خوش کردنست ومرا خاطر ہمیں خوش است کہ چیزے بخوانم یا مشقے کنم، برعکس آنکہ پدران و مادران اطفال را بر خواندن و بمکتب رفتن زجر کنند و عتاب نمایند مرا در جانب دیگر بمبالغہ طلب می کردند گاہے در اثنائے مطالعہ کہ از نیم شب در می گذشت، والدم قدس سرہ مرا فریاد می زد کہ بابا! چہ می کنی، من فی الحال درازی کشیدم تا دروغ واقع نشود و می گفتم کہ خفتہ ام چہ می فرمایند باز برمی نشستم و مشغول می شدم۔[1]

والدین ہر چند کہتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے محلہ کے لڑکوں کے ساتھ کھیل لو اور وقت پر سو جاؤ۔ میں کہتا تھا کہ آخر کھیلنے سے مقصد دل کا خوش کرنا ہی تو ہے میری طبیعت اسی سے خوش ہوتی ہے کہ کچھ پڑھوں یا لکھوں۔ عام طور پر ماں باپ بچوں کو پڑھنے اور مکتب جانے کی تاکید اور تنبیہ کیا کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی ترغیب دیتے تھے۔ کبھی مطالعہ کے دوران میں ایسا بھی ہوا ہے کہ آدھی رات گزر گئی ہے۔ میرے والد نے مجھ سے فریاد کی ہے کہ بابا کیا کرتے ہو۔ میں سنتے ہی فوراً لیٹ جاتا کہ جھوٹ واقع نہ ہو اور کہتا کہ میں سوتا ہوں۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ جب وہ مطمئن ہو جاتے تو پھر اٹھ بیٹھتا اور مشغول ہو جاتا۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں تحصیل علم کا کام صرف خواندن پر ہی ختم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے اور مراحل بھی تھے۔

(۱) مطالعہ (۲) بحث و تکرار (۳) کتابت

ان منزلوں سے گزر کر سبق جس قدر پختہ ہو جاتا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ طالب علم کے دل و دماغ کا رگ و ریشہ اس تعلیم سے متاثر ہوتا تھا اور اس کا قصر علم آج کل کی طرح نقش برآب نہیں، بلکہ آہنی ستونوں پر کھڑا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اور بحث و تکرار میں مستقل مشغولیت کے باوجود کتابت کے لیے وقت نکال لیتے تھے، فرماتے ہیں:

"وغریب تر آنکہ باوجود احاطہ اوقات و شمول ساعات بمطالعہ و تذکار و بحث و تکرار ہر چہ از کتب خواندہ می شد بلکہ ورائے آں از شروح و حواشی

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مطالعہ تذکرہ اور بحث و تکرار میں بیشتر وقت منہمک رہنے کے جو کتابیں پڑھتا تھا بلکہ ان کے علاوہ شرح و حواشی بھی جو نظر سے گزرتے تھے

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۲ - ۳۰۳

"در نظرمی آمد تعلیق آں بہ کتابت از ضروریات وقت می دانستم، اکثرے از شب دپارہ از روز بہ مطالعہ می گذشت دپارہ از شب واکثرے از روز بکتابت می رفت۔" [1]	ان کے لیے بھی لکھنے کی مشق کو ضروریات وقت میں سے شمار کرتا تھا، رات کا زیادہ حصہ اور تھوڑا حصہ دن کا مطالعہ میں گزرتا تھا، اور تھوڑا حصہ رات کا اور زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

یہ تھا اس شخص کی طالب علمی کا زمانہ جس نے سترھویں صدی میں احیاء علوم الدین کی شاندار خدمت انجام دی۔

حفظِ کلام پاک

شیخ محدث رحمہ اللہ نے ابتدائی زمانہ میں ہی قرآنِ پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس کام میں اُن کو سال سوا سال محنت کرنی پڑی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"بعد ازاں بہ حفظ قرآن مجید نیز موفق شدم ودر کنف حفظ در آمدم ودر مدت یک سال وچیزے ایں نعمت را...... بدست آوردم۔" [2]	اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی اور میں نے ایک سال اور کچھ دنوں میں اس نعمت کو حاصل کر لیا۔

عبادت وریاضت کی ابتدا:

اقبال رح نے کہا ہے۔

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل وخرد　　فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب ونگاہ

شیخ محدث رح نے "پاکیٔ عقل وخرد" کے ساتھ ساتھ "عفتِ قلب ونگاہ" کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ بچپن سے اُن کو عبادت وریاضت میں دلچسپی تھی۔ اُن کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی:

"ملائے خشک وناہموار نباشی!" [3]

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں "جامِ شریعت" رہا۔ دوسرے میں "سندانِ عشق"۔ عشق الٰہی کی لگن تو انکا خاندانی ورثہ تھی۔ شیخ سیف الدین رح نے ان میں عشقِ حقیقی کے وہ جذبات پھونک دیئے تھے جو آخر عمر تک ان کے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۲　[2] اخبار الاخیار ص ۳۰۱، ۳۰۲　[3] اخبار الاخیار، ص ۳۰۳

قلب وجگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اُن کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لکھتے ہیں ؛۔

"د باوجود شوق و شغف تحصیل و تکرار علم در کثرت	تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود
صلوٰۃ و اوراد و شب خیزی و مناجات ہم دراں طفولیت	اس زمانہ طفلی میں نماز، اوراد، شب خیزی اور مناجات
بوجود می آمد" [1]	کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانہ میں جس ذوق و شوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اسکے کام و دہن لطف اندوز ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں :۔

ہنوز ذوق آں اسحار و اوقات در کام وقت پیدا است [2]

اس زمانہ میں شیخ محدث رح کو علماء و مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف و کرم کا مرکز بن جاتے تھے۔ شیخ اسحاق رح (المتوفی ۹۸۹ھ) سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے اور ملتان کو چھوڑ کر دہلی میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بہت کم کسی سے بات کرتے تھے۔ لیکن جب شیخ محدث رح ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے حد التفات و کرم فرمایا اور

"بفقیر سخناں لبسیار کردہ" [3]

تکمیلِ علم کے بعد

باز گلبانگ پریشاں می زنم	آتشے در عندلیبان می زنم
حجلۂ گل بہر من کردند و من	سر بدیوار گلستان می زنم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے تکمیل علم بہت کم عمر میں کرلی تھی اس کے بعد ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷–۸۸ء تک (جب کہ وہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے) وہ کیا کرتے رہے ؟ اس کا کچھ پتہ ان کی تصانیف سے نہیں چلتا۔ عبدالحمید لاہوری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد (یعنی حج بیت اللہ کو روانگی سے قبل) انہوں نے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ لکھا ہے :۔

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۳۰۳ [2] ایضاً [3] ایضاً صفحہ ۲۷۸۔

"و چون سنین عمرش بعشرین رسید از پایہ تحصیل بدرجہ تدریس برآمد و چندے ہنگامہ افادہ گرم داشت بپائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز کردید" [۱]

جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی تو تکمیل علم کے بعد درس کا شغل اختیار کیا اور کچھ دنوں یہ مشغلہ جاری رکھنے کے بعد عازم حجاز ہوئے۔

اخبار الاخیار میں اپنی تعلیم کا ذکر کرنے کے بعد ایک دم سے یہ کہنے لگتے ہیں :-

"چارہ گر بیچارگاں و راہ نمائے آوارگان مرا بجانب خود طلبید و من بے خانماں را سلسلۂ شوق در گردن افگندہ بسوئے خانۂ خود کشید و من نامراد را بہ منزل مراد رسانید یعنی بدرگاہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جائے داد" [۲]

بے بسوں کے مددگار اور پریشان حال لوگوں کے راہ نما نے مجھے اپنی طرف بلالیا اور مجھ بے خانماں کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنے گھر کی طرف کھینچ لیا۔ اور مجھ نامراد کو منزل مراد تک پہنچا دیا۔ یعنی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں مجھے جگہ دی۔

زاد المتقین میں لکھتے ہیں :

"در سنہ ست و تسعین و تسع مائۃ جاذبہ از غیب در رسید و وحشت در دل پدید آمد، چارہ نماند جز دیوانگی کردن و زاد ہمت بخیال سفر بربستن" [۳]

۹۹۶ھ میں جذبہ غیب سے پیدا ہوگیا۔ اور دل پر وحشت طاری ہوگئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

آخر وہ ہندوستان میں اپنے آپ کو "بے خانماں" کیوں سمجھتے تھے، اور وہ "وحشت" جس کا ذکر انہوں نے زاد المتقین میں کیا ہے ان کو ہندوستان میں کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟

شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں پہنچ کر انہوں نے وحشت کا سبب اس طرح بیان کیا :

یاسیدی! انا امرؤ نشأت من زمان صغری فی الریاضۃ للتعلم والتعبد لمولاتی بصحبۃ الناس والاختلاط معہم و

یا سیدی! میں وہ شخص ہوں جو بچپن ہی سے تحصیل علم اور عبادت گزاری کی محنت اور ریاضت میں پڑا ہے، میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں

۱؎ بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۲۴۱ - ۲۴۲

محمد صالح کنبوہ نے شاہجہان نامہ (جلد سوم ص ۳۸۴) میں بھی یہی لکھا ہے "ازدرسے بتدریس و تعلیم گزرانید" اس کے بعد "معنی توحید بر لوح دل بر نگاشتہ بہ عزم کعبہ سفینہ نشست"

۲؎ اخبار الاخیار ص ۲۴۷ ۳؎ زاد المتقین (قلمی نسخہ)

الدخول فیھم ولما حصل لی بفضل اللہ طرف صالح من ذلک وقضیت وطری وحاجتی مما ھنالک دعانی بعض اھل الحقوق الی الخروج الی ارباب الدنیا فادرکت سلطان الوقت والاھواء فاعتنوا بشانی در نحوا مکانی واردوا ان یکثروا بی سوادھم ویکملوا بی وابھذا الضعیف صورھم وموادھم فنجانی اللہ ولم یترکنی معھم واوجد فی قلب عبدہ جذبة ھذا الی ھذا المقام الشریف"[1]

نہیں لایا اور جب اللہ کے کرم سے مجھے علم کا اچھا خاصا حصہ مل گیا، اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا دار لوگوں کی طرف بلایا چنانچہ میں بادشاہِ وقت اور امراء کے پاس گیا۔ انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا رتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں پس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریعت تک پہنچایا۔

اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدث رح کچھ عرصہ فتح پور سیکری میں بھی رہے تھے اور وہاں اکبر اور اس کے درباریوں نے اُن کی بڑی قدر بھی کی تھی۔ لیکن جس شخص کی قسمت میں علوم اسلامی کی تجدید اور تقویت شرح لکھی ہوئی تھی وہ کس طرح اُس ماحول میں ٹھہر سکتا تھا جہاں شرح کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور بدعات کا ہنگامہ برپا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:۔

"چوں وضع زمانہ و زمانیاں کہ ہر ملل و ہر ملک طبیعی مشتمل است دیگر گوں شد و بر اوضاع آشنایاں اعتماد نماند، صحبت فلانی و فلانی راست نیامد و توفیق رفتن بہ کعبہ شریفہ رفیق او شد، از دہلی بہ طریق جذبہ بہ ہیچ چیز مقید نہ شدہ بہ گجرات رفت۔"[2]

جب اہل زمانہ کی وضع میں (جو اوقات میں ملل اور کمزوریات پر مشتمل ہے) فرق آیا اور جاننے والوں کے حالات اعتماد کے قابل نہ رہے اور فلاں و فلاں کی صحبت سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے کی توفیق رفیقِ حال ہوئی تو شیخ جذبہ کے عالم بے سروسامانی کے ساتھ دہلی سے گجرات کو روانہ ہو گئے۔

---

[1] المکاتیب والرسائل ص۲۷۹

[2] منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۱۳۔

سروولزلے ہیگ (...) کا خیال ہے کہ ملا عبدالقادر نے یہاں فیضی اور ابوالفضل کا نام لکھنے کے بجائے صحبت فلانی و فلانی لکھ دیا ہے۔ (انگریزی ترجمہ منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۹۸۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ حجاز کی طرف

۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء میں جب کہ شیخ محدث رح کی عمر اڑتیس سال کی تھی وہ حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ شیخ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گزر چکا ہے چنانچہ آپ سال بھر وہیں رہے اور ۹۹۶ھ میں حجاز کو روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں مرزا عزیز کوکہ مالوہ کے حاکم تھے، شیخ نے ان کے پاس بھی قیام فرمایا تھا۔[1] وہاں سے وہ مانڈو تشریف لے گئے تھے۔ مانڈو میں گلزار ابرار کے مصنف نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر بہت کچھ فیروزی اور فرخندگی کے فوائد حاصل کیے تھے۔[2] مانڈو سے روانہ ہوکر شیخ محدث رح احمد آباد پہنچے۔ وہاں اُن دنوں مرزا نظام الدین مصنف طبقات اکبری صوبے کے بخشی تھے انہوں نے نہایت گرم جوشی سے شیخ کا استقبال کیا اور "بے حد التماس کرکے آئندہ موسم تک ٹھہرایا"۔[3]

احمد آباد میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں :-

"محرر سطور در وقتیکہ بہ قصد زیارت سید کائنات	محرر سطور جب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
صلی اللہ علیہ وسلم بہ احمد آباد گجرات رسید از متاخرین	کے ارادہ سے احمد آباد گجرات پہنچا تو اس وقت وہاں
مشائخ آں دیار کہ شیخ وجیہ الدین جامع کمالات و برکات	مشائخ متاخرین میں شیخ وجیہ الدین جو جامع کمالات و

---

[1] مرزا کوکہ، خان اعظم لقب تھا۔ انکہ خاں کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

"بحسن اخلاق و باقواع فضائل و ہنر موصوف بود" (ج ۲ ص ۲۸۰ - ۲۸۱)

اکبر جب اس سے ناراض ہوتا تو کہا کرتا تھا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی نہر بہتی ہے اس لیے مجبور ہوں۔ جہانگیر نے اس کے سب علمی فضائل کو مختصراً بیان کیا ہے :-

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت۔ و در تاریخ و تقریب بے نظیر بود و در مدعا نویسی ید طولی داشت و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و در شعر بہاری می گفت"۔

[2] گلزار ابرار ص ۵۹۹ - [3] ایضاً - [4] ایضاً -

وسن و عمر و مزاحم مشغول بتدریس علوم و تصنیف کتب و ترتیب و ارشاد طالبان بود۔ بملاقات وے مستعد شد۔ و بہ بعضے اذکار و اشغال بسلسلۂ عالیہ قادریہ مشرف گردید۔

برکات سن رسیدہ بزرگ تھے درس تدریس میں مشغول تھے کتابوں کی تصنیف و ترتیب اور ارشاد طالباں میں ان کا انہماک تھا۔ انکی ملاقات کی سعادت حاصل کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال ان سے حاصل کیے۔

شیخ محدث دہلی سے بلا کسی زاد راہ کے احمد آباد پہنچے تھے۔ احمد آباد میں مرزا نظام الدین بخشی نے جو ان کے دیرینہ دوست تھے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ جب حجاز کو روانہ ہونے کا وقت آیا تو زاد راہ فراہم کی اور جہاز کا بندوبست کیا۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے:۔

"از دہلی بطریق جذبہ بہ ہیچ چیز مقید نشدہ، بگجرات رفت و بہ حسن سعی میرزا نظام الدین احمد مددگاری او در جہاز نشستہ بسفر حجاز رفت۔ [1]"

دہلی سے ایک جذبہ کی حالت بلا سامان سفر کے گجرات پہنچ گئے اور میرزا نظام الدین احمد کی مدد سے جہاز میں بیٹھ کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔

رسالہ صلوٰۃ الاسرار میں شیخ محدث نے لکھا ہے کہ ان کا شریک سفر ایک قادری درویش تھا۔ صبح کو جب جہاز کا لنگر اٹھایا جاتا تھا یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رح کا نام زور زور سے لیا کرتا تھا۔ شیخ کو اس کی آواز بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔

شیخ محدث ماہ رمضان سے کافی عرصہ قبل مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے مکہ معظمہ کے محدثین سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مولانا عبدالوہاب متقی رح کے قدموں میں

شیخ عبدالحق دہلوی ۹۹۶ھ مطابق ۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز پہنچے تھے ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء تک انکا وہاں قیام رہا۔ یہ تقریباً تمام وقت شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں گزرا۔ ان کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ شیخ نے علم کی تکمیل کرائی اور احسان و سلوک کی راہوں سے آشنا کیا۔ تکمیل علم کے بعد نوخیز عالم کو ایک سخت منزل پیش آتی ہے۔ اسے کسی ایسے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے علمی ذخیرے کو تعمیری کاموں میں لگا دے۔ دل و دماغ پر علم کا ایک بوجھ ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک ہلکا نہیں ہوتا جب تک اس کے استعمال کیلئے صحیح راہیں

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم، ص ۱۱۳۔

متعین نہ ہوجائیں۔ اس منزل پر ذراسی لغزش عمر بھر کے ریاض کو بیکار کردیتی ہے۔ شیخ عبدالحق خوش قسمت تھے کہ ان کو ایسا رہبر کامل مل گیا جس نے اُن کے علم اور علمی صلاحیتوں کو صحیح راہ پر لگادیا۔

شیخ عبدالحق کی تعلیم و تربیت شیخ متقی کی نگرانی میں

رمضان ۹۹۶ھ میں شیخ عبدالحق دہلوی شیخ عبدالوہاب متقی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور مشکوٰۃ کا سبق لینا شروع کیا۔ رمضان کے آخری دس دنوں میں ان کے ساتھ معتکف رہے۔ مناسک حج انہی کے ساتھ ادا کیے۔ عرفات اور مزدلفہ میں اُن کی صحبت سے فوائد حاصل کیے۔ پھر درس میں مشغول ہوگئے۔ ۲۳، ربیع الثانی ۹۹۷ھ کو شیخ عبدالوہاب کی اجازت سے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے اور آخر رجب ۹۹۸ھ تک یہیں مقیم رہے۔ پھر مکہ معظمہ آکر شیخ عبدالوہاب سے مشکوٰۃ کا درس پورا کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا:-

"الحمدللہ نسبتے بایں علم شریف بوجہ اتم حاصل شدہ است وایں مقدار شدہ است کہ از عہدہ خدمت ایں علم توانید برآمد۔ اکنوں چند روز بکار دیگر ہم پردازید۔ واندکے لذت خلوت و ذکراللہ نیز دریابید" [1]	الحمدللہ اس علم پر پورا عبور حاصل ہوگیا۔ بلکہ اس قدر ہو گیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اب چند دن دوسرے کام میں مصروف ہونا چاہیے اور خلوت و ذکراللہ کی کچھ لذت بھی چکھنی چاہیئے۔

اور اُن کو آداب، اوضاع ذکر، تقلیل طعام وغیرہ کی تعلیم دی اور تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

دراں ہنگام کہ شیخ اجل اعزاکرم، اوحد اعدل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی ایں مسکین را تلقین ذکر نمود و اجازت داد و آداب آں آموخت کتابے بدست من داد مسمیٰ بہ منہج السالک الی اشرف المسالک [2] وچوں عبارت آں کتاب عربی بود برائے طالباں ترجمہ کردم" (المکاتیب والرسائل)	جس زمانہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی اس مسکین کو تلقین ذکر فرما رہے تھے، اور اسکے آداب بتا کر اجازت دی تھی، ایک کتاب میرے ہاتھ میں دی تھی اس کا نام منہج السالک الی اشرف المسالک تھا، وہ کتاب عربی میں تھی۔ اس لیے میں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کردیا۔

ایک اور کتاب جس کی تعلیم خاص طور پر دی تھی وہ قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تھی کتاب کے عنوان ہی

---

[1] زاد المتقین (قلمی) [2] شاہ کلیم اللہ دہلوی رح نے کشکول کلیمی (ص ۱۲-۱۱) میں اس کا طویل اقتباس دیا ہے۔

سے شیخ متقی رح کے مقصدِ تعلیم کا پتہ چلتا ہے۔

پھر حرم شریف کے ایک حجرے میں جو باب جیاد کے مقابل اور حجر اسود اور رکن یمانی کے مابین واقع تھا، ریاضت کے لیے بٹھا دیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی رح نے اس زمانہ میں ان کی طرف خاص توجہ کی۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور ان کی عبادت و ریاضت کی نگرانی فرماتے۔ شیخ محدث زاد المتقین میں لکھتے ہیں :۔

"فقیر را نیز دراں خلوت مشرف می ساختند و پرسش احوال می کردند و می فرمودند کہ الحمد للہ ظہور احوال موافق مقصود است"	فقیر کے پاس اس خلوت میں تشریف لاتے تھے پرسش احوال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الحمد للہ ظہور احوال مقصد کے مطابق تھے۔

جب اس خلوت کدہ سے باہر آنے کی اجازت ملی تو شیخ محدث نے صحیح مسلم کی قراءت کی اجازت چاہی جب اس سے بھی فارغ ہو گئے تو حکم ہوا :۔

اکنوں عزیمت ہندوستان بکنید	اب ہندوستان کا ارادہ کرو۔

شیخ عبدالوہاب متقی نے اپنے علم حدیث کا وہ بیش بہا حصہ عنایت فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے علمی حلقے گونج رہے تھے۔ شیخ عبدالحق فرماتے تھے :

تمامہ کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے آں عالی مقام علیہم رحمۃ اللہ الملک العلام خصوصاً از حضرت شیخ اجل واکرم اوحد و اعدل عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ وحدہ و اوصل الینا فیوضہ و فتوحہ بتلقین ذکر و ایثار خلوت و برکت مشرف و فائز شد و نعمتہا و بشارتہا از خدمت وے در حصول انوار و آثار نتائج و ثمرات برکت و التزام مقام صدق و استقامت در نشر علوم دینی و حصول مواہب یقینی مشرف و مبشر گشتہ برجوع و عود بوطن مالوف مامور و مکلف شدہ" [1]	تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ حجاز کے، علماء کرام سے حاصل کیے، خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قدس اللہ وحدہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا۔

---

[1] تالیف قلب الالیف (قلمی)۔

(۲) علم ظاہری کے بعد علم باطنی کی تعلیم دی اور سلوک و معرفت کی دشوار گزار راہوں سے آشنا کیا۔ تصوف کی کتابیں پڑھائیں اور عبادت و ریاضت حرم شریف کے اندر اپنی نگرانی کرائی۔

(۳) حقوق العباد کا صحیح جذبہ اور صحیح تصور پیدا کیا۔ تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

(۴) فقہ حنفی کے متعلق شیخ محدث کے خیالات قیام حجاز کے دوران میں بدل گئے تھے اور وہ شافعی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ شیخ عبد الوہاب رح کو اس کا علم ہوا تو مناقب امام اعظم پر البا پر تاثیر خطبہ ارشاد فرمایا کہ شیخ محدث کے خیالات بدل گئے اور فقہ حنفی کی عظمت اُن کے دل میں قائم ہو گئی۔

حدیث، تصوف، فقہ حنفی، حقوق العباد...... ان چار چیزوں کی اعلیٰ تعلیم شیخ عبد الحق رح نے حقیقت میں شیخ عبد الوہاب متقی رح کے قدموں ہی میں حاصل کی۔

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

شیخ عبد الحق دہلوی رح کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا۔ دیار حبیب میں جب داخل ہوتے تو برہنہ پا ہو جاتے تھے۔ تحفۃ الکرام میں لکھا ہے:-

در مدینہ برہنہ پا گردیدے

ایک مرتبہ ایک طویل قصیدہ[۱] سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ زاد المتقین میں لکھا ہے کہ جب اس شعر پر پہنچے ؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

تو دل بے قابو ہو گیا اور بقول خود

"گریہ زار زار در گرفت"[۲]

خلوص و عقیدت کا یہ والہانہ تقاضہ قبول ہوا اور وہ زیارت رسول پاک سے مشرف ہوئے۔

---

[۱] یہ قصیدہ ہندوستان میں لکھا گیا تھا۔ اس میں متعدد جگہ حالات گرد و پیش پر افسوس اور بد دلی کا اظہار کیا گیا ہے۔ "ظلم سیہ کاراں" اور "بے ہمتاں دہر" ہندوستان کی دینی فضا کو خراب کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

جہاں تاریک شد از ظلمت سیہ کاراں بیا دُعالے را روشن از نور تجلی کن

[۲] زاد المتقین (قلمی)

زاد المتقین میں شیخ عبدالحق دہلوی نے چار بار زیارت رسول پاک سے مشرف ہونے کا حال لکھا ہے۔
۲۱ ذی الحجہ ۹۹۸ھ کو مکہ معظمہ میں جو خواب دیکھا اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"دیدم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر سریرے نشستہ درس علم حدیث شریف میفرمایند و انوار جمال و جلال از وجہ شریف وسے متلالی است و باحسن صورت متجلی است کہ فوق آں تصور نتواں کرد۔"

میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تخت پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں۔ اور جمال و جلال کے وہ انوار اُن کے چہرہ مبارک سے چمک رہے ہیں جن سے زیادہ تصور ہی نہیں کیے جاسکتے۔

اسی شب میں یہ بھی خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدائے دین سے لڑنے کے لیے لشکر تیار کر رہے ہیں..... شیخ عبدالحق کی پوری زندگی حقیقت میں اسی خواب کی تعبیر بن گئی۔ وہ آخری سانس تک حدیث کی نشر و اشاعت میں سرگرم اور بدعات کے خلاف نبرد آزمائی میں مصروف رہے۔

حجاز سے روانگی

علم و عمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا:

"بخانہ خود بروید کہ والدہ و فرزندان شما بسیار پریشان حال و بجانب شما نگراں خواہند بود۔"

اب تم اپنے گھر جاؤ کہ تمہاری والدہ اور بچے بہت پریشان حال اور تمہارے منتظر ہوں گے۔

شیخ محدث ہندوستان کے حالات سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہوچکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی۔ عرض کیا:

"فقیر را نیت اقامت ایں مقامات شریفہ بسیار است و بعد ازاں نیت سیر بغداد و زیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہست۔"

فقیر کے دل میں ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ اس کے بعد سفر بغداد اور زیارت حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی نیت ہے۔

اس سلسلہ میں اُستاد اور شاگرد میں جو گفت گو ہوئی وہ خود اُن ہی کی زبانی سننے کے قابل ہے:۔

شیخ عبدالوہاب:۔

شمارا بعد ازیں گنجائش ندارد کہ اینجا باشید یا جائے

اب اس کے بعد تمہیں یہاں رہنے یا اصلی وطن کے

دیگر رویدالا بوطن اصلی خود رحق شرع بر ہمہ مقدم است حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ باشما اند ہر جا کہ باشید محبت و اعتقاد و توجہ بایشاں درست دارید۔ و قصد اتباع ایشاں بکنید۔ و بر فرمودہ ایشاں روید ایشاں ہرگز راضی نیستند کہ ایذائے والدہ و زوجہ و فرزنداں صغیر بکنید۔ و شما خود می گفتید کہ والدۂ من مرا رضائے حرمین دادہ و گفتہ است کہ جائے ثالث نروی۔ پس چوں می توانید رفت۔

سوا دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ حق شرع سب پر مقدم ہے۔ حضرت غوث اعظم تمہارے ساتھ ہیں جس جگہ بھی رہو اُن سے محبت اور اعتقاد اور ان کی طرف توجہ رکھو۔ ان کی پیروی کی کوشش کرو اور ان کے حکم پر چلو۔ وہ اس سے ہرگز خوش نہیں کہ تم اپنی والدہ بیوی اور چھوٹے بچوں کو ایذا دو اور تم خود کہتے تھے کہ میری والدہ نے مجھے حرمین شریفین جانے کی اجازت دی ہے اور تاکید کر دی ہے کہ تیسری جگہ نہ جانا اس حالت میں تم کیونکر جا سکتے ہو۔

شیخ عبدالحق

فقیر نیت کردہ است کہ ازیں راہ ببغداد رسیدہ ہندوستان رود۔ چہ ایں راہ و چہ آں راہ۔ پس گویا جائے ثالث نرفتہ۔

فقیر نے یہ نیت کی ہے کہ اسی راہ سے بغداد ہوتا ہوا ہندوستان جائے جیسی یہ راہ ویسی وہ راہ۔ لہذا اس کو تیسری جگہ جانا کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

شیخ عبدالوہاب

ایں چنیں اگر کنید درست است۔ اما می توانید کہ در بغداد یک ماہ یا چہل روز باشید۔ بعدہٗ ازانجا برآئید۔ نمی توانید۔ ایں نسبت کہ شما بجانب ایشاں دارید برآمدن شما ازآں جا مشکل است نمی توانید ازآں جا برآمد۔ سفر ممتد می شود۔ جماعۂ شما در انتظار ہلاک می شوند و ایذا می کشند۔

اگر ایسا کرو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ تم بغداد میں صرف ایک ماہ یا چالیس روز قیام کرو اور پھر وہاں سے ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ۔ نہیں۔ حضرت غوث اعظم سے تمہاری نسبت کو دیکھتے ہوئے تمہارا وہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سفر طویل ہو جائے گا اور تمہاری جماعت انتظار میں تباہ ہو جائے گی اور ایذا اٹھائے گی۔

شیخ عبدالحق

توجہ فرمائید کہ در ہر چہ خیریت بندہ است پیش آید۔

دعا کیجئے کہ جو کچھ بندے کے حق میں بہتر ہو وہی ظہور میں آئے۔

شیخ عبدالوہاب

ان شاء اللہ تعالیٰ خیریت است۔ استخارہ بکنید۔ اکنوں دربظاہر خود خیریت منحصر است در آنکہ بخانہ خود روید۔

ان شاء اللہ تعالیٰ بہتر ہی ہوگا، استخارہ کرلو۔ اب بظاہر خیریت اسی میں نظر آتی ہے کہ اپنے وطن واپس جاؤ۔

شیخ عبدالحق رح کو اور زیادہ گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اس وقت خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن موقع پاکر پھر اس گفتگو کو چھیڑا۔

شیخ عبدالحق

"شیخ عبداللہ طلبانی.... فرمودہ است کہ این شرط طالب راہ آں است کہ بداند کہ ہیچ حقے از حقوق بالاتر از حق باری تعالیٰ نیست۔ و بیشتر از تحصیل معرفت وے سبحانہ تعالیٰ ہیچ کس را بر وے حقے نیست خواہ مادر و پدر باشد۔ یا زوجہ و فرزنداں، ترک ہمہ باید بود تکمیل نفس باید کرد۔

شیخ عبداللہ طلبانی نے فرمایا ہے کہ طالب طریقت کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے سے زیادہ کسی کا حق اس کے ذمہ نہیں ہے ماں باپ ہوں یا بیوی بچے سب کو چھوڑ دے اور معرفت الٰہی کی طلب اور تکمیل نفس کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ عبدالوہاب نے یہ گفتگو سن کر کچھ دیر توقف کیا، پھر فرمایا:

این چنیں خود نیست کہ ایشاں گفتہ اند۔ حقوق شرع ہمہ حقوق اللہ اند۔ و رعایت آں مورث معرفت حق تعالےٰ و موجب قرب رضائے وے تعالےٰ است۔ اگر از طلب حق و دین اسلام مانع آیند آں دیگر است۔"

جو شیخ موصوف نے کہا ہے وہ صحیح نہیں، حقوق شرع سب کے سب حقوق اللہ میں داخل ہیں اور ان کا خیال رکھنا معرفت اور قرب الٰہی کا سبب ہے البتہ اگر وہ لوگ طلب حق و دین اسلام سے مانع ہوں تو دوسری بات ہے۔

شیخ عبدالحق

"دیگر ہمیں بزرگ گفتہ است کہ طلب رزق و کسب معیشت نباید کرد۔ زیرا کہ حق تعالےٰ گفتہ است نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

انہیں بزرگ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طلب رزق اور تلاش معاش نہ کرنی چاہیے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے نَحْنُ نَرْزُقُكَ (ہم تجھے رزق دیتے ہیں)

شیخ عبدالحق

"این مسئلہ مختلف فیہ است تفصیلے دارد۔ مطلق نیست۔ بہ تسبب و تجرد ہردو طریق قرب و وصول است۔"

یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور تفصیل کا محتاج ہے۔ مطلق طلب رزق ممنوع نہیں ہے۔ تعلق اور تجرد دونوں طریقوں سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

شیخ عبدالحق رح کی عجب حالت تھی۔ شیخ کے سامنے سوءِ ادب کے خوف سے زیادہ گفتگو نہ کرتے تھے، اور تعمیل حکم میں کوتاہی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا، لیکن جب تنہا ہوتے اور واپسی کے متعلق سوچتے تو دل گھبرانے لگتا۔ فرماتے ہیں۔

"چوں ایں فقیر بہ منزل خود می آمد و تنہائی بود، بخود قرار می داد کہ بہ ہندوستان نرود و مطلق ایں عزیمت فسخ نمود۔"

جب فقیر قیامگاہ پر آتا تھا اور اکیلا ہوتا تھا تو دل میں طے کر لیتا تھا کہ ہندوستان نہ جاؤں گا اور واپسی کا ارادہ بالکل فسخ کر دیتا تھا۔

اس کے بعد کئی بار بغداد کے سفر کا ذکر آیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے ہر مرتبہ یہی مشورہ دیا کہ وطن واپس جانا چاہیے۔ شیخ دہلوی اس کے لیے کسی طرح راضی نہ تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ بغداد چلے جائیں یا پھر شیخ عبدالوہاب ہی کی خدمت میں رہیں، ایک دن شیخ نے وطن جانے کے لیے کہا تو عرض کیا کہ حضور کی صحبت سے مجھے روزانہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، رہنے دیا جائے۔ فرمایا۔

"اکنوں فائدہ شما دریں است کہ بوطن خود بروید و اہل حقوق را بملاقات خود مسرور سازید، ایں نیز عبادت است۔"

اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ وطن جاؤ اور جن لوگوں کے تم پر حقوق ہیں ان کو اپنے دیدار سے مسرور کرو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

اس پیہم تقاضہ سے مجبور ہو کر شیخ عبدالحق نے ہندوستان کو واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ آخر شعبان ۹۹۹ھ میں طائف جا کر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر رمضان کے آخر تک شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رہے۔ شوال میں عازم ہندوستان ہو گئے۔

حجاز سے روانگی کے وقت اُن کی حالت یہ ہو گئی کہ :-

"حیرتے در وقت پیش آمد کہ ایں ہمہ خواب و خیالے بود کہ گذشت و چناں نمود کہ یک روز ایں جا اقامت نہ نمودہ بود۔"[1]

[1] زاد المتقین (قلمی)

آنکھوں میں آنسو اور دل میں یہ شعر لیے سے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

وہ اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے جہاں تین سال قبل وہ ایک نہایت ہی والہانہ انداز میں داخل ہوئے تھے اور جہاں اُن کو وہ دولت ملی تھی جس پر دنیا کی تمام دولتیں نثار کی جاسکتی تھیں، صحیح مذہبی وجدان، بلندی فکر و نظر، احساس فرائض اور دل دردمند۔

شیخ عبدالوہاب نے رخصت کرتے وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ایک پیراہن مبارک عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ:

"بیکار نباشید۔ و از ہجانب امداد انوار ان شاء اللہ متوالی خواہد بود"

شیخ عبدالحق ابھی جدہ ہی میں تھے کہ انہوں نے ایک ایسا "خریطہ" بھیجا جس کو انہوں نے عرصہ تک استعمال کیا تھا۔

شیخ محدّث کے روحانی مُرشد

شیخ محدث دہلوی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس فضا میں پرورش پائی اس پر تصوّف کا رنگ غالب تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہوتے چنانچہ بچپن ہی سے اُن میں عبادت و ریاضت کی لگن پیدا ہو گئی۔ ابتدائی زمانہ میں جس طرح وہ عبادت کرتے تھے، اس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ان کا یہ مذہبی جذبہ عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ تصوّف کا رنگ پوری طرح اُن پر چڑھ گیا۔[1] نظام الدین احمد بخشی نے لکھا ہے۔

"امروز در دہلی است ...... در لباس صوفیہ می گزرانند"[2]

آج کل دہلی میں ہیں اور صوفیہ کے طرز زندگی گزارتے ہیں۔

[1] خافی خاں نے لکھا ہے:۔ "در صلاح و تقویٰ کہ لازمہ علم باعمل است ممتاز بودہ، و در اداء فرض و سنن تادم واپس دقیقہ فروگذاشت نمود" صفحہ ۲۴۰۔

[2] طبقات اکبری، جلد دوم صفحہ ۴۶۶

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :۔

"در تصوف رتبہ بلند دارد" [1] — تصوف میں بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

بلکہ ملا صاحب کا خیال تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے درس و تدریس میں مشغولیت اس لیے رکھی تھی کہ لوگ ان کو علوم ظاہری کا فاضل سمجھ کر باطنی تعلیم کے لیے پریشان نہ کریں۔ لکھتے ہیں۔

"ستر حال خویش با افادہ واستفادہ علوم رسمیہ می کند" [2] — علوم رسمیہ کے درس و تدریس کو انہوں نے اخفاء حال کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

والد ماجد سے بیعت

شیخ عبدالحق نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ رسالہ وصیت میں لکھتے ہیں :۔

"والدم را بر من حق پدری واستادی و دوستی و پیری جمع است" — میرے والد ماجد کے مجھ پر پدری، استادی، دوستی اور پیری کے حق جمع ہیں۔

شیخ سیف الدین کا یہ حال تھا کہ پہروں اپنے نوعمر فرزند کو آغوش میں لیے بیٹھے رہتے تھے اور اس کے سینہ کو علوم باطنی سے معمور کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ شیخ عبدالحق نے "مکتب عشق" کا پہلا درس اپنے باپ ہی سے لیا تھا۔ اس کے بعد باپ نے حکم دیا کہ سید موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو جاؤ۔ سعادتمند فرزند نے اس حکم کی تعمیل بھی بسر و چشم کی فرماتے ہیں۔

"با مر پدر مرید حضرت سیدی سندی کلیم اللہی الشیخ موسیٰ گیلانی ام" [3] — والد ماجد کے حکم سے میں نے حضرت سید سندی شیخ موسیٰ گیلانی سے بیعت کی۔

شیخ محدث ۷ رشوال ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) کو حضرت سید موسیٰ گیلانی کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے شیخ نے ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو خلافت سے بھی نوازا۔ خود فرماتے ہیں۔

"غایت محبت بمن داشت، و مرا بفرزندی قبول کرد، و تلقین نمود و خلافت داد" [4]

---

[1] منتخب التواریخ جلد سوم ص۱۱۳ — [2] منتخب التواریخ جلد ۳۔ ص۱۱۴

[3] وصیت نامہ (قلمی) — [4] رسالہ وصیت (قلمی)

شیخ عبدالوہاب متقی سے ارادت

مکہ معظمہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی بیعت کی تھی، فرماتے ہیں:

"بعد شرف یابی از سید موسیٰ گیلانی بہ مکہ رفتم و بہ خدمت شیخ دلی اجل اعزو اکرم تلبب الوقت عبدالوہاب متقی رضی اللہ عنہ مشرف شدم۔ وے نیز مرا قبول کرد...... و علم ظاہر و باطن تربیت فرمود۔ و وے در انتساب قادری و در سلوک و ارشاد شاذلی و از سلسلۂ مدینہ و چشتیہ کہ از راہ بالا بجناب ولایت مآب شیخ مودود چشتی می رسد نیز خلافت داشت مرا نیز بخلافت ایں سلاسل مشرف گردانیدند"[1]

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

رسالہ وصیت میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔

چوں بہ ہندوستان آدم صحبت افتاد مرا با خواجہ محمد باقی نقشبندی مدتے مشق نسبت خواجگان کردہ طریقہ ذکر، مراقبہ، و رابطہ و حضور و یاد داشت[2] حاصل نمودہ"	جب ہندوستان واپس آیا تو خواجہ محمد باقی نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ عرصہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی اور ذکر، مراقبہ، رابطہ حضور اور یاد داشت کی تعلیم حاصل کی۔

محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پر بیعت کی تھی اگر سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ ان کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک ایک حرف ان کی مجددانہ مساعی، بلندی فکر و نظر کا شاہد ہے۔ شیخ عبدالحق نے جب احیاء علوم الدین کا بیڑا اٹھایا تو حضرت باقی باللہ کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا۔ ناممکن تھا کہ وہ ان سے کسب فیض نہ کرتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ گلزار ابرار ص ۲۶۵

[2] ان اصطلاحات کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو "شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۶۱-۷۰۔

وکان الداعی الیہا والمرشد للطالبین فی	ہمارے شہر میں اس نسبت (نقشبندیہ) کے داعی اور
بلدنا ھذا الشیخ العارف الکامل سر	مرشد شیخ العارف الکامل سر اللہ الاعظم و نور الاتم سیدنا و
اللہ الاعظم و نور الاتم سیدنا و مولانا خواجہ	مولانا خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ تھے۔ وہ اس
محمد الباقی قدس سرہٗ الاصفی وھو من مشائخنا	طریقہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں، اللہ ان کو
فی ھذا الطریق جزاہ اللہ عنا خیرا۔ [1]	جزائے خیر دے۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ اپنے مرشد کا جو ادب و احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"نقل ایں چند کلمہ اتفاق افتاد، ہر بار کہ می خواست کہ بجناب ایشاں عریضہ بنویسد و چیزے ازیں سخناں کہ بنظر درآمدہ نقل نماید، حیا و حجاب مانع می آمد و نامحرمیت و ناا ہلیت خود منظور می افتاد تا دریں مرتبہ کہ قلم تقدیر سے بے سابقہ تامل و تدبر جریاں یافت و کلمہ چند بظہور آمد معذور خواہند داشت۔" [2]

خواجہ باقی باللہ نے ایک مرتبہ ان کو خط میں کچھ راز کی باتیں بتائیں، شیخ محدث رح کو اسقدر خوشی ہوئی کہ پھولے نہ سماتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ کس طرح ..... "ایں حقیر را بایں سخن ..... مخاطب ساختہ" [3]

حضرت خواجہ صاحب کو بھی ان سے بڑی محبت اور خصوصیت تھی۔ ان کے خطوط کو نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ ملفوظات باقیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔

"روزے عنایت نامۂ بندگان حضرت مخدومی حاجی	ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت مخدومی حاجی شیخ عبدالحق
شیخ عبدالحق کہ با مضامین حقائق آمیز و کلمات نصائح انگیز	کا عنایت نامہ جو حقیقت میں حقائق آمیز مضامین اور
نسخۂ سعادت را عنوانے بود، رسید، بنظر آں	نصائح آمیز کلمات کا نسخہ سعادت بلکہ اس کا عنوان تھا
مکتوب کلمہ چند از آثار کلک بدائع نگار حضرت	پہنچا خط کی پشت پر چند کلمے حضور کے قلم سے
ایشاں بنظر تعطش اندر در آمد و حالتے بخشید کہ از	لکھے ہوئے نظر پڑے۔ ایک ایسی حالت اور وجد طاری ہوا
حوصلۂ کاغذ و قلم بیروں است مجملے از ذوق آں حیلں	کہ کاغذ اور قلم کے حوصلہ سے خارج ہے۔ اس ذوق کا
مصرعہ یافتہ می شود ع۔	نمونہ مجملاً اس مصرعہ میں پایا جاتا ہے۔ ع
نہادم روئے بر روئے وے واز خویشتن رفتم۔	یعنی میں نے اپنا منہ اسکے منہ پر رکھا اور اپنے آپ سے بے آپے ہوگیا۔

---

[1] المکاتیب والرسائل، ص ۲۷۸ – ۲۷۹۔ [2] و [3] کتاب المکاتیب والرسائل۔

وآں کلمات حقائق آیات ایں است۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

ہرچہ نوشتنی بود در صحیفہ بندگان مخدومی مندرج است زیادہ چہ نویسم بارے فرصت وقوت بلکہ وقت ونفس راغنیمت شمردہ بمقتضائے آں زندگانی میباید کرد، دریغ کہ ایں عاجز گرفتار را قوت کار نماندہ وگرنہ بتوفیق اللہ دریں دو روزہ عمر دیوانہ وار ماتم بازماندگی خود بیداشت و زندگانی فدائے ایں راہ می کرد حق تعالیٰ دریں افتادگی نیز دردے وآشوبے کرامت فرماید کہ کار دو جہاں خود را در قبضہ اقتدار او نہادہ از مجموع گرفتاریہا فراغے بیابم۔ آمین یارب العالمین امید از آں برادر آنست کہ روئے برخاک نہد و ازبرائے حصول ایں آرزوئے فقیر از خدا بخواہد کہ دعاء الغائب للغائب اسرع اجابۃ آمدہ است، والدعاء۔" [1]

حضور نے جو کلمات حقائق آمیز لکھے تھے وہ یہ ہیں:۔

"اللہ ایمان والوں کا حامی ومددگار ہے کہ اُن کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے"۔

جو کچھ لکھا تھا بندگانِ مخدومی کے خط میں لکھا گیا، زیادہ کیا لکھوں ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ فرصت اور قوت بلکہ وقت اور نفس کو غنیمت شمار کرکے اس کے مناسب زندگی کرنی چاہیے۔ افسوس کہ اس عاجز گرفتار کو قوت کسی کام کی نہیں رہی ورنہ خداوندی توفیق سے اس دوران کی عمر میں دیوانوں کی طرح اپنی عاجزی اور سستی کا ماتم کرتا اور اپنی زندگی کو اس راہ میں قربان کر دیتا لیکن دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس عاجزی میں بھی ایسا درد اور آشوب عنایت فرمائے کہ میں اپنے دین ودنیا کے کاموں کو اس کے قبضہ اقتدار میں سونپ کر تمام گرفتاریوں سے فراغت پا جاؤں۔ آمین یارب العالمین۔ امید ہے کہ تم ہمیشہ خاک مذلت پر عاجزی کا منہ رکھ کر فقیر کی اس آرزو پر کامیاب ہونے کی خدا سے دعا مانگتے رہو گے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ غائب کی دعا غائب کے لیے بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ والدعاء۔

سلسلہ قادریہ سے خصوصی تعلق:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو مندرجہ ذیل سلاسل کی خدمت ملی تھی۔

(۱) قادریہ (۲) چشتیہ (۳) شاذلیہ
(۴) مدنیہ (۵) نقشبندیہ

[1] کلمات طیبات۔ ص ۵۴ - ۵۵۔

لیکن ان کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ اُن کی عقیدت وارادت کا مرکز حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بعض وقتی ضروریات اور ماحول کے اثرات کی بنا پر دوسرے خانوادوں کے بزرگوں سے استفادہ کرنے مجبور ہوگئے تھے لیکن ان کا دل و دماغ کا ریشہ ریشہ شیخ جیلانی کے عشق میں گرفتار تھا۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ خواب میں حضرت غوث الاعظم نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر مرید کیا تھا اور بیعت ہونے کے بعد حضور سرور کائنات نے بزبان فارسی بشارت دی تھی کہ "بزرگ خواہی شد" [1]

اپنی تصانیف میں جس طرح انہوں نے شیخ جیلانی کا ذکر کیا ہے وہ ان کے جذبات عقیدت کا آئینہ دار ہے شیخ کا نام آتے ہی اُن پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور ان کا علم فرط مسرت اور جوش عقیدت میں وجد کرنے لگتا ہے۔ اخبار الاخیار میں انہوں نے صرف ہندوستان کے علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے، لیکن عقیدت کی بناء پر حضرت شیخ جیلانی کے تذکرہ سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ ایک مکتوب میں اپنے فرزند شیخ نور الحق کو لکھتے ہیں۔

"مرجع وملاذ ائے فقیراں ہمہ جناب سید کائنات وخلاصۂ موجودات است علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات بوسیلہ حضرت پیر وستگیر غریب نواز شکستہ پرور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ" [2]

شیخ محدث اپنے نام کے ساتھ بھی صرف قادریہ سلسلہ سے ہی اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں:۔

"عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی وطناً، البخاری اصلاً، الترکی، نسباً الحنفی مذہباً، الصوفی مشرباً، القادری طریقۃً" [3]

وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے[4] سال تک فضائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھا تھا، غروب ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] زبدۃ الآثار (قلمی نسخہ)

[2] المکاتیب والرسائل ص ۲۹۸

[3]

[4] خافی خاں نے غلط لکھا ہے کہ "زیادہ از صد سال مرحلہ عمر طے نمودہ" ص ۲۴۰

وصیت نامہ میں لکھا تھا۔

"دعا و تمنائے فقیر از درگاہ الٰہی است۔

اگر ایں دعا قبول افتاد ہیچ حاجت بوصیت نیست، اگر در ہند اجل رسید بالائے حوض شمسی کہ جائے
پاکاں و مغفوران است دفن کنند۔"

چنانچہ ان کے جسد خاکی کو حوض شمسی کے کنارے ہی سپرد خاک کیا گیا۔ وصیت نامہ میں قبر
کے متعلق یہ ہدایات تھیں۔

"قبر وسیع بکنند۔ تجاوز از حد اعتدال و درون قبر گنج مکنند۔ و دیوار ہائے او بخشت خام برآرند، بدیوار بالیں
طاق بسازند و شجرۂ پیراں دراں نہند۔"

اس کے بعد لکھا تھا کہ شیخ سیف الدین رح کے کفن پر جو عبارت لکھی گئی تھی وہ قبر پر جلی حروف میں
لکھ دی جائے اور

اگر مصلحت دانند لوحے قائم کنند کہ در وے تاریخ ولادت و فوت یا برخے از احوال تحصیل و سفر و افادات
آنرا باختصار نوشتہ بکنند۔"

وصیت کے مطابق نورالحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار پر یہ کتبہ نصب کرایا۔

"مجملے از احوال کرامت منوال ایں شیخ وقت مقتدائے زمان صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ
واسعۃ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دین تحصیل کرد و در سن بست و
دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ بر مسند افادہ نشست۔ و ہم در عنفوان جوانی جاذبۂ الٰہی در رسید
بیکبار دل از یار و دیار برکندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بآں مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ با قطاب
زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بدواع ارجمند و رخصت ارشاد و طالبان اختصاص یافت۔ و علاوہ آں تکمیل فن حدیث
نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافتہ تکمیل
فرزنداں و طالبان بجا آورد۔ و بنشر علوم سیما بعلم شریف حدیث پرداختہ منہجیکہ در دیار عجم احدے را از علمائے
متقدمین و متاخرین دست نداوہ است۔ ممتاز و مستثنٰی گردید۔ و در فنون علمیہ خاصۃً فن حدیث کتب معتبرہ
تصنیف کرد چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ و دستورالعمل خود دارند۔ و اہل دانش از خواص و عوام بجاں
خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بعدد مجلد و بحسب شمار ابیات بیا نصد ہزار

رسیداست۔

درمحرم ۹۵۸ھ این نوراتم پرتو ظہور بعالم عنصری داد۔ و در ۱۰۵۲ھ تمام آگہی وکشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔
تاریخ ولادت شیخ اولیا (۹۵۸ھ) وتاریخ رحلت فخر عالم است۔" (۱۰۵۲ھ)

لوح مزار کی یہ عبارت اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ بہت سے مصنفین نے شیخ محدث کے حالات میں صرف اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مولوی انوار الحق نے اس عبارت کو کتاب المکاتیب والرسائل کے ساتھ طبع کرادیا ہے۔
مراۃ الحقائق میں مقبرہ کے متعلق لکھا ہے۔

"ایسا سنا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے حضرت کی حیات میں کنارۂ حوض شمسی پر بنوایا تھا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی معمار یا مہتمم نے حضرت شیخ سے جب اطلاع کی کہ حضرت مقبرہ تیار ہے۔ فرمایا کہ ہم بھی تیار ہیں۔"[1]

سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ مقبرہ وفات کے بعد تیار ہوا۔ میرے خیال میں سرسید کی رائے صحیح ہے۔ مہابت خاں کا انتقال شیخ محدث کے وصال سے آٹھ سال قبل ہوگیا تھا۔

شیخ محدّث کا مکان، مدرسہ اور کتب خانہ

دہلی دروازہ سے آگے، باغ مہدیاں کے قریب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مکان، خانقاہ اور مسجد واقع تھی، خانقاہ کی طرف خود انہوں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اس طرح اشارہ کیا ہے :-

تمّ فی الخانقاہ القادری وھذا الفقیر یخدمہ ویکنسہٗ ویوقد سراجہ کانما
تمّ فی مجلس واحد۔

(یہ کتاب خانقاہ قادریہ میں ختم ہوئی جس کی خدمت یہ فقیر کرتا ہے اور اس میں جھاڑو دیتا ہے اور وہاں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ گویا کہ یہ کتاب ایک جلسہ میں تمام ہوئی)۔

شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا۔ منشی برکت علی حنفی مصنف مراۃ الحقائق نے اس کی زیارت کی تھی۔ مسجد کی اس زمانہ میں مرمت کرائی گئی تھی۔
شیخ محدث کے مکانات کی زمین کی پیمائش اُن کے خاندان کے لوگوں نے کرائی تھی۔ کل رقبہ چھ بیگہ اور چند

[1] مراۃ الحقائق۔ ص ۹۲

بسوہ تھا۔ شیخ کے خاندان کے لوگ ہی اس پر قابض تھے۔

شیخ محدث نے جس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور جس کی نسبت اخبار الاخیار میں لکھا ہے :۔

"ہر روز باوجود غلبہ برودت ہوائے زمستان وشدت حرارت تابستان دو بار بمدرسہ دہلی کہ از منزل بابعد دو میل داشتہ باشد امیل میکردیم سوہ تے بیشتر از وقت صبح بمدرسہ می رسیدیم ودر سایہ چراغ جزو می کشیدیم"

پرانے قلعہ کے قریب واقع تھا۔ مراۃ الحقائق میں اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"یہ مدرسہ بعمارت پختہ دو منزلہ مع مسجد مقابل قلعہ کہنہ لب سڑک دہلی و آگرہ واقع ہے۔ یعنی دروازہ قلعہ کا بجانب غرب ہے اور اس مدرسہ کا بسمت شرق ہے۔ یہ مکان مدرسہ اب تک اپنی ہیئت پر بدستور قائم ہے سامنے دروازہ سے مسجد اس کی نظر آتی ہے اور گرد صحن کے ہر چہار طرف مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تر پتہ یہ ہے کہ بسمت دکھن جو دیوار مکانات بالائی کی ہے، اس میں چند دروازے باہر کی طرف ہیں کہ منجملہ ان کے کوئی دروازہ پتھر اور چونے سے مسدود شدہ ہے اور کوئی بدستور کشادہ ہے کہ یہ ہیئت پلول سے جانے والوں کو دور سے دکھائی دیتی ہے اور جانب شمال متصل اس مدرسہ کے ایک ایسا ہی مکان عظیم الشان اسی زمانہ کا بنا ہوا ہے اور اس کے دروازہ صدر پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے"[1]

ایک ایسے دور میں جبکہ کتب خانے وجود میں نہیں آئے تھے، ہر تصنیفی کام کرنے والے کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایک ذاتی کتب خانہ جمع کرے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کر دیا، اس نصف صدی میں انہوں نے عرب و عجم کے علمی نوادر اپنے کتب خانہ میں سمیٹ لیے تھے انکی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فن پر آن کے پاس معیاری کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا، شرح سفر السعادت لکھنے بیٹھے تو حدیث تفسیر و فقہ کی کتابوں کا ڈھیر سامنے تھا۔ اخبار الاخیار مرتب کرنے لگے تو اسلامی ہند کا سارا مذہبی لٹریچر پیش نظر تھا۔ حجاز میں قیام کے دوران میں انہوں نے کثیر تعداد میں کتابیں حاصل کی تھیں۔ اس طرح ان کا کتب خانہ ہندوستان کے نہایت ہی بیش قیمت علمی ذخیروں میں تھا۔ شیخ محدث کا یہ کتب خانہ ان کے وصال کے بعد عرصہ تک صحیح حالت میں رہا۔ ان کے فرزند شیخ نورالحق اور پھر ان کی اولاد علمی ذوق رکھتی تھی۔ اس طرح اس کتب خانہ کی نگرانی اور نگہداشت ہوتی رہی اٹھارہویں صدی میں جب دہلی کی سیاسی فضا بدلی اور مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے مسلسل ہنگامہ آرائی پر

---

[1] مراۃ الحقائق صفحہ ۱

کمر باندھ لی تو معنوی دولت کے یہ خزانے بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے شیخ محدث کی روح ان ہنگاموں کو دیکھ رہی تھی اور جس کتب خانہ کو نصف صدی کی جگر سوزی کے بعد جمع کیا تھا اس کی تباہی کو دیکھ کر بے اختیار زبان حال سے کہہ رہی تھی ؎

اس دور میں ہر اک تہ چرخ کہن ملا
اوروں کا زر تمام الغتد سخن ملا

شیخ نور الحق کے پوتے شیخ الاسلام شرح بخاری کی دوسری جلد کے خاتمہ پر شیخ محدث کے کتب خانہ کی بربادی کا حال اس طرح لکھتے ہیں :-

"تمام شد ...... در ہنگام تشتت بال و پریشانی حال از نہب و غارت خانہ در حملہ شہر کہنہ دہلی کہ باستیلاء کفار عتاۃ باتفاق طغاۃ و بغاۃ واقع شدہ و ذہاب کتب خانہ قدیمہ و جدیدہ کہ بسیار از اں دریں دیار کمیاب بود و بعضے از اں بہ تصحیح و تحشیہ و تدریس شیخ المحدثین شیخ اجل محقق دہلوی بود رحمۃ اللہ علیہ ..... نماندہ خانہ مگر چند کتب در گوشہائے شکستہ افتادہ"

تصانیف

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے پورا ۹۴ سال کی عمر پائی۔ اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا۔ جس جوش و خروش سے انہوں نے جوانی میں کام شروع کیا تھا اسی جذبے اور ہمت کے ساتھ آخر عمر تک انجام دیتے رہے عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے :-

"باآنکہ عقود زندگیش تبسعین پیوستہ است از سلامت قویٰ بانواع طاعات و ریاضات و تعلیم و تالیف و تصحیح بساں ایام شباب می پردازد" [۱]

ان کی تصانیف کی تعداد عبد الحمید لاہوری[۲]، محمد صالح کنبوہ[۳] اور خافی خان[۴] نے سو یا سو سے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ اس

[۱] بادشاہ نامہ حصہ دوم، ص ۲۴۱ ، ۲۴۲۔
[۲] اودر فنون دانش یک صد و کسری، تصانیف مختصر و مطولہ دارد ، بادشاہنامہ
[۳] دیک صد و چند کتاب از تصانیف مختصرہ و مطولہ بر صفحہ روزگار گذاشتہ، شاہجہان نامہ جلد ۳ ص ۳۸۴
[۴] صد کتاب از ہمہ علوم، عقلی و نقلی تالیف فرمودہ "منتخب اللباب جلد ۱ ص ۲۴۰

اندازہ میں مورخین نے غلطی کی ہے۔ انہوں نے وہ مضامین و رسائل بھی علیحدہ کتاب تصوّر کر لیے ہیں جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا جزو ہیں۔

شیخ محدث نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ایک رسالہ میں جس کا نام تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف ہے، دی ہے۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی تھی، اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی فہرست کے اختتام پر فرماتے ہیں۔

"ہنوز سلسلہ سخن دراز است و در فیض الٰہی باز، تا بکجا رسد و بکجا رساند۔"

اس فہرست میں ۴۹ کتابوں کے نام درج ہیں۔ ان میں ایک کتاب یعنی المکاتیب والرسائل میں ۶۸ رسائل شامل ہیں۔ اگر اس میں سے ہر رسالہ کو الگ تصنیف مانا جائے (جیسا کہ عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کنبوہ نے کیا ہے) تو تصانیف کی تعداد ۱۱۶ ہو جاتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں ان رسائل کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ خود شیخ نے بھی ہدایت فرمائی ہے:-

"ایں ہمہ را یک صحیفہ سازند و در یک جلد شیرازہ بہ بندد۔"

فہرس التوالیف کو مرتب کرنے کے بعد شیخ محدث نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائی تھیں۔ اس طرح اُن کی کل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہوتی ہے۔ ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں، لیکن مقصد ایک ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

جیسا کہ خود انہوں نے کتاب الرسائل میں کہا ہے وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفت گو نہ کریں، چنانچہ ان کی تمام ادبی کاوشوں کا مرکز و محور شریعت و سنت ہی ہے۔

شیخ محدث کی تصانیف فن و موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عنوانات کے ماتحت آتی ہیں۔

(۱) تفسیر	(۲) تجوید	(۳) حدیث
(۴) عقائد	(۵) فقہ	(۶) تصوف
(۷) اخلاق	(۸) اعمال	(۹) فلسفہ و منطق
(۱۰) تاریخ	(۱۱) سیر	(۱۲) نحو
(۱۳) ذاتی حالات	(۱۴) خطبات	(۱۵) مکاتیب

(۱۶) اشعار

جب اس چیز پر غور کیا جاتا ہے کہ ایک ہی قلم سے یہ مختلف النوع تصانیف نکلی ہیں اور ان سب کا علمی معیار نہایت اعلیٰ ہے تو شیخ محدث کے علمی تجربہ کا غیر فانی نقش دل پر قائم ہوجاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی علمی خدمات کا خاص پہلو علم الحدیث کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں اُن کی بیش بہا خدمات پر پھر کسی وقت بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف ان تصانیف کا ذکر مقصود ہے حدیث اور علم حدیث پر شیخ محدث کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:۔

۱۔ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح۔

۳۔ ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین۔

۴۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ۔

۵۔ جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین۔

۶۔ رسالہ اقسام الحدیث۔

۷۔ رسالہ شب برات۔

۸۔ ماثبت بالسنہ فی ایام السنۃ۔

۹۔ الاکمال فی اسماء الرجال۔

۱۰۔ شرح سفر السعادت۔

۱۱۔ اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ۔

۱۲۔ تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارۃ۔

۱۳۔ ترجمہ مکتوب المنبی الاھل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل۔

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ

فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔ شیخ محدث نے یہ عظیم الشان کام ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء میں دہلی میں شروع کیا تھا۔ ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کیا۔ کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں :-

قال مولف الکتاب شکر اللہ سعیہ و اتم علیہ نعمہ وقع الفراغ من جمع الاحادیث النبویۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخریوم الجمعۃ من رمضان عند رویۃ ہلال شوال، سنۃ سبع وثلاثین وسبعمائۃ بحمد اللہ وحسن توفیقہ۔

مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا خیال جن حالات میں پیدا ہوا اس کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

بعد از رجوع از حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق و تائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد و در خدمت ایں علم شریف در مقام استقامت بنشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار سمت تداول و اشتہار موسوم است شرح کند و از فوائد آنچہ کہ در کتب قوم دیدہ از مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر رسیدہ بطالبان برساند" [1]

اشعۃ اللمعات کی تکمیل میں حضرت شاہ ابوالمعالی کے تقاضوں اور دعاؤں کو بھی بڑا دخل تھا۔ ایک مرتبہ شیخ محدث لاہور تشریف لے گئے تو فرمایا۔

"شرح مشکوٰۃ را تمام کنید۔ ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند" [2]

شاہ صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ شرح میں موقع کی مناسبت سے جگہ بہ جگہ اشعار بھی لکھے جائیں جیسا کہ ملا حسین نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ شیخ محدث نے عرض کیا کہ دوسروں کے اشعار ان کو یاد نہیں ہیں۔ فرمایا۔

"شمارا حاجت تبہائے مردم نیست۔ آنچہ شمارا باید از شما ز اند، شمارا در ہیچ چیز بہ ہیچ کس احتیاج نخواہد بود، ہمہ چیز حاصل است، ان شاء اللہ تعالیٰ" [3]

ع اس عبارت میں کتاب کی تکمیل کا سنہ ۷۳۷ درج ہے جو ظاہر ہے کسی طرح درست نہیں۔ پس یہ طباعت کی کھلی ہوئی غلطی ہے۔ "مصحح"

[1] اشعۃ اللمعات۔ جلد چہارم۔ ص ۷۹۳

[2] ایضاً جلد اول ص ۲

[3] کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰۶

[4] کتاب المکاتیب والرسائل ص ۳۰۶ - ۳۰۷

اشعۃ اللمعات، چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ ان چار جلدوں میں مضامین کی ترتیب یہ ہے۔ پہلی جلد میں علم حدیث و محدثین پر اتالیس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور اقسام حدیث پر نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے اور امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل، امام ابوداؤد سجستانی، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ، دارمی، دارقطنی، بیہقی، رزین، نودی، ابن جوزی کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔[۱]

اس مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد میں مشکوٰۃ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کا ترجمہ ہے :۔

۱۔ کتاب الایمان	۲۔ کتاب العلم	۳۔ کتاب الطہارت
۴۔ کتاب الصلوٰۃ	۵۔ کتاب الجنائز۔	

دوسری جلد میں چھ کتابیں ہیں :۔

۱۔ کتاب الزکوٰۃ	۲۔ کتاب الصوم	۳۔ کتاب فضائل القرآن
۴۔ کتاب الدعوات۔	۵۔ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ	۶۔ کتاب المناسک

تیسری جلد میں مندرجہ ذیل نو کتابیں ہیں۔

۱۔ کتاب البیوع۔	۲۔ کتاب العتق	۳۔ کتاب الحدود۔
۴۔ کتاب الامارت والقضا۔	۵۔ کتاب الجہاد	۶۔ کتاب الصید والذبائح۔
۷۔ کتاب الاطعمہ۔	۸۔ کتاب اللباس	۹۔ کتاب الطب والرقی۔

چوتھی جلد میں دو کتابیں ہیں :۔

۱۔ کتاب الآداب۔	۲۔ کتاب الفتن۔

چاروں جلدیں ۲۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان ڈھائی ہزار صفحات میں شیخ محدث نے مشکوٰۃ کی شرح کا حق پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے حبیب گنج (علی گڑھ)[۲]۔ اسلامیہ کالج پشاور[۳]۔ ایشیاٹک سوسائٹی

---

[۱] ۱۳۰۵ھ میں مطبع اعظم جون پور سے شائع ہوا۔

[۲] "مقالات شروانی" ص ۲۴۵ - ۲۴۷ - نیز رسالہ "معارف" اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۲۷۷ -

[۳] نمبر ۲۱۵ -

کلکتہ[1]، برٹش میوزیم[2]، بانکی پور[3]، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ[4] اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان سب نسخوں میں حبیب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے۔ اس کے خاتمہ پر مصنف کے دست مبارک کی یہ عبارت ہے :-

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیۂ یوم الاربعاء بیست وچہارم ربیع الآخر ستہ ہزار و بیست وپنج از ہجرت سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وبود ابتداء تالیف سیزدہم ذی الحج ستہ یک ہزار و نوزدہ وبہ تحقیق در آمد درمیان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر کہ مجموع سہ سال وکسرے باشد وتمام شد در خانقاہ قادریہ در دہلی کہ ایں بندہ خدمت میکند ادراوجاروب می کشد، می افروزد چراغ آں را۔ وبود ابتداء وختم در یک مکان گویا در مجلس واحد تمام شد مقصود وبیان توفیق الٰہی ست سبحانہ واعطائے وے استقامت مراد تخصیص وے تعالیٰ ایں بندہ مسکین را بسلامت وعافیت والحمد للہ۔ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً حررت ہذہ الاسطر علی ید مؤلفہ الفقیر الحقیر عبد الحق بن سیف الدین القادری الدہلوی البخاری ضحوہ یوم الجمعہ ۱۰۴۹ سنہ تسع اربعین والف و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اس عبارت کی تحریر کے وقت شیخ محدث کا سن شریف اکیانوے برس کا تھا مگر بقول نواب حبیب الرحمن خاں صاحب مرحوم "خط میں ہاتھ کی کمزوری یا نگاہ کے ضعف کا بال برابر اثر نہیں ہے"[5] خاتمہ کتاب پر لکھا ہے۔

"ترجمہ مشکوٰۃ شریف تصنیف حضرت شیخ عبد الحق قدس سرہ کہ در خاتمہ کتاب دستخط حضرت شیخ درج است بہ ہدیہ یک ہزار و دو صد روپیہ گرفتہ"[6]

---

[1]

[2]

[3]

[4]

[5] سبحان اللہ کلیکشن ۲۹۷/۲ ۲۹۷/۲ و ۲۹۷/۲ شیفتہ کلیکشن ۱۸/۱ - ۵ نمبر ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ -
اسی زمانہ میں شرح فتوح الغیب اور دیگر رسائل کی تکمیل ہوئی۔

[6] مقالات شروانی ص ۲۴۶

یہ عبارت بھی کافی قدیم ہے۔ اس سے اس زمانہ میں شیخ محدث کی تصانیف کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حبیب گنج کے نسخہ کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی اور اسلامیہ کالج کے نسخے بہت قابل قدر ہیں۔ دونوں کا سنہ کتابت ۱۰۹۵ھ ہے یعنی مصنف کے تینتالیس سال بعد۔

لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح

عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ فہرس التوالیف میں شیخ محدث نے سر فہرست اسی کا ذکر کیا ہے۔ شیخ محدث جب اشعۃ اللمعات کی تصنیف میں مصروف تھے تو بعض مضامین ایسے پیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا۔ فارسی عوام کی زبان تھی۔ بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا لہذا جو باتیں فارسی میں قلم انداز کر دی تھیں وہ عربی میں بیان کریں۔ فرماتے ہیں:

"مور اثنائے مطالعہ آں سخناں روے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نباشد، و از دست دادن آں سخناں را نیز گنجائش ندید، پس در شرح آں بلسان عربی نیز شروع نمود تا چندگاہ ہر دو شرح فارسی و عربی معاً تسوید یافت، آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی پیشتر رفت و تمام شد و فارسی در نیمہ راہ ماند چوں امراز نظر ثانی براں مقید شد و ہمیں نمود و زمانے مدید براں گشت و مسودۂ فارسی حکم نسیاً منسیاً گرفت باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد" [1]

۲۴ رجب ۱۰۲۵ھ کو شیخ محدث لمعات التنقیح سے فارغ ہوئے۔

لمعات میں لغوی و نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت امام شافعی اصحاب الرائے میں سے ہیں اور حضرت امام اعظم اصحاب ظواہر میں سے۔ لمعات کے شروع میں جو مقدمہ ہے وہ نہایت جامع اور مفید ہے اور مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ اور علیحدہ شائع کیا گیا ہے [2]۔

لمعات التنقیح۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور [3]۔ رامپور [4]۔ حیدر آباد [5]۔ ایشیاٹک سوسائٹی [6]۔ دہلی [7] اور علی گڑھ [8]

---

[1] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۔ [2] مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے مشکوٰۃ کے ساتھ شائع کیا اور ترجمہ شیخ الٰہی بخش بہاری اور خواجہ محمد علی فاضل سہارنپوری نے کیے تھے۔ [3] دفہرست مترجمہ مرزا اظفر علی ۸۹۵ نسخہ نمبر [4] ۶۶۴ نسخہ نمبر [5] فہرست کتب خانہ آصفیہ نسخہ نمبر ۱۱۔ [6] نسخہ نمبر

[7] نسخہ نمبر ۱۷۱۔

[8] سبحان اللہ کلکشن 297/2 / 19 ۔

کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

عقائد

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۸ھ/ ۱۵۵۲ء) کی شخصیت اپنے علم و عرفان اور عظیم تجدیدی کارناموں اور تصنیفی خدمات کے باعث بڑی ہی بزرگ اور بلند و بالا ہے۔ ان کی حیات و خدمات پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر ان کی سوانحات میں ان کے عقائد و نظریات پر سیر حاصل گفتگو نہیں ملتی، حالانکہ کسی بھی شخصیت کا مکمل تعارف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے نظریات و معتقدات کی بھی واضح نشاندہی کر دی جائے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کا فکری و اعتقادی موقف ان کی گرانقدر تصنیفات سے بخوبی واضح ہے۔ آپ نے خاص بیان عقائد میں تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ دور اکبری کے فتن ماحول میں شیخ رحمۃ اللہ نے اہل اسلام کو عقائد حقہ کی روشنی دکھا کر ان کے اثبات و استقلال کا سامان فراہم کیا اور ہر اس نظریے اور عقیدے کی بیخ کنی کی جو اسلام و ایمان کی روح سے متصادم ہو۔ ذیل کے چند صفحات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی تصنیفات سے ان کے عقاید و نظریات کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے، جس سے واضح ہوگا کہ حضرت شیخ نے عقائد اہل سنت کی پوری پوری ترجمانی کی ہے۔ ان کی روشنی میں وہ لوگ اپنے افکار و نظریات کا منصفانہ جائزہ لیں، جو حضرت شیخ قدس سرہ کو اپنا پیشوا و مقتدا بنانے کے باوجود قدم قدم پر عقیدۃً ان سے متصادم اور ان کے خلاف ہیں۔

علم غیب اور علم ماکان ومایکون

حدیث پاک فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کی شرح فرماتے ہوئے اشعۃ اللمعات میں رقمطراز ہیں۔

پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی و احاطۂ آں۔	یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے علم ہو گیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تمام جزئی و کلی علوم حضور کو حاصل ہو گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کا احاطہ فرمایا۔

اسی حدیث کی شرح کے اخیر میں فرمایا:

پس ازاں دانست عالم را و حقائق آں را۔ (ص ۲۲۳ ج ا۔ نولکشوری)

تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم اور عالم کے تمام حقائق کو جانا۔

اشعۃ اللمعات میں دوسری جگہ رقمطراز ہیں:۔

یعنی احوال مبدا و معاد از اول تا آخر ہمہ را بیاں کرد (ج ۴ ص ۴۴۴)

یعنی ابتدائے آفرینش اور آخرت کے حالات اول سے آخر تک تمام بیان کر دیئے۔

حدیث حذیفہ فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیمۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

پس خبر داد مارا ہر چیزیکہ پیدا شوندہ است از حوادث و وقائع و عجائب و غرائب تا روز قیامت (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۹۰)

تو حضور نے ہمیں ہر اس چیز کی خبر دی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے حوادث و واقعات، عجائب و غرائب سب بتا دیئے۔

مدارج النبوۃ شریف جلد اول کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

و ھو بکل شئی علیم و وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بر ہمہ چیز از شیونات الٰہی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و مصداق و فوق کل ذی علم علیم شدہ، عَلَیْہِ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں، انہوں نے خدائے پاک کی شان میں اس کے احکام، حق تعالیٰ کے صفات اور افعال سارے ظاہری و باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرما لیا ہے اور فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٍ کے مصداق ہو گئے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اسی مدارج النبوۃ باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت میں ارقام فرماتے ہیں:۔

و ہر چہ در دنیا است از زمان آدم (علیہ السلام) تا نفخۂ اولیٰ بر وے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم گردد، و یاران خود را از بعضے احوال خبر داد۔

زمانۂ آدم سے قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب حضور علیہ السلام پر ظاہر فرما دیئے تاکہ اول سے آخر تک تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

ان تمام عبارتوں سے عیاں ہے کہ علم غیب رسول علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں شیخ کا یہی مسلک تھا کہ تمام علوم اولین و آخرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے اور از ابتدا تا قیام قیامت سارے جزئیات و کلیات کا

علم حضور کو عطا فرمایا گیا۔

ہم اسی کو جمیع ماکون وما یکون کے علم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اختیار و تصرف

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت شیخ مدارج النبوۃ میں رقمطراز ہیں:۔

وازاں جملہ آنست کہ دادہ شدہ آں حضرت را	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور
صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح خزائن و سپردہ شد بوے	خزانے ان کے سپرد کر دیئے گئے اس کا ظاہر تو یہ ہے۔
وظاہرش آنست کہ خزائن ملوک فارس وروم ہمہ	کہ شاہان فارس وروم کے سارے خزانے صحابہ
بدست صحابہ افتادہ و باطنش آں کہ مراد خزائن	کے ہاتھ میں آئے اور باطن یہ ہے کہ اجناس عالم کے
اجناس عالم است کہ رزق ہمہ در کف اقتدار	خزانے مراد ہیں کہ سب کے رزق انکے دستِ قدرت
وے سپرد، وقوت تربیت ظاہر و باطن ہمہ بوے	واختیار میں دے دیئے گئے اور انہیں ظاہر و باطن سب
(مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)	کی تربیت کی قوت حاصل تھی۔

صحیح مسلم شریف، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور معجم کبیر، طبرانی کی حدیث جس میں ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نے فرمایا سَل۔ مانگ اور حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ سرکار نے فرمایا کچھ اور؟ حضرت ربیعہ نے عرض کیا۔ میری مراد تو صرف یہی ہے۔ اس کی شرح میں شیخ رقمطراز ہیں:۔

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نہ کرد بمطلوبے	سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا۔ مانگ کو کسی خاص
بے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و	چیز سے مقید نہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ
کرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہرچہ	حضور ہی کے کریمانہ ہاتھوں میں ہے جو چاہیں جس کو
خواہد ہرکرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔	چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں۔ کیوں کہ
فان من جودک الدنیا وضرتہا ومن	دنیا اور اس کی شادابی آپ ہی کی سخاوت سے ہے
علومک علم اللوح والقلم اگر خیریت	اور لوح وقلم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و

دنیا وعقبیٰ آرزو داری بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن۔ (اشعۃ اللمعات ج ا ص۳۹۶)

آخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

احکام شرعیہ حضور کے اختیار میں ہیں جس کے لیے جو حکم چاہیں جاری کر دیں۔ اس بارے میں حضرت شیخ فرماتے ہیں :۔

واز اں جملہ آنست کہ آنحضرت تخصیص می کرد ہر کرا بہرچہ می خواست از احکام ایں جا دو قول است یکے آنکہ احکام مفوض بود بوئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہرچہ خواہد حکم کند۔ دوم آنکہ بہر حکمے وحی خدا می شد چنانکہ تخصیص کرد خزیمہ بن ثابت را بآنکہ شہادت وے حکم دو شہادت دارد۔

(مدارج النبوۃ جلد ا)

ان اختیارات سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام جس کے لیے جو حکم چاہتے خاص فرما دیتے۔ یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ احکام حضور کے سپرد تھے جو چاہیں حکم فرمائیں، دوسرا یہ کہ ہر حکم سے متعلق وحی ہوتی اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ بن ثابت کی ایک شہادت دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دی۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

و شارع را می رسد کہ تخصیص کند ہر کرا خواہد بہرچہ خواہد۔ (مدارج النبوۃ جلد ا ص۱۵۷)

شارع علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کے لیے جو حکم چاہیں خاص کر دیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی سے متعلق شیخ کی وہ عبارت بہت جامع ہے جو شرح مشکوٰۃ شریف میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ملک و ملکوت جن و انس و تمامہ عوالم بتقدیر و تصرف الٰہی عزوجلا، در حیطۂ قدرت و تصرف وے بود صلی اللہ علیہ وسلم (اشعۃ اللمعات ج ا ص۳۳۷ مطبع کلکتہ)

جن و انس کے تمام ملک و حکومت اور سارے جہان خداوند قدوس کی عطا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرت و تصرف میں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اختیارات اور بعطائے الٰہی سارے جہان ان کے زیر نگین ہونے کے بارے میں شیخ کی متذکرہ بالا عبارتیں اتنی نمایاں اور روشن ہیں کہ مزید کسی وضاحت کی کوئی حاجت ہی نہیں۔

حضور کا حاضر و ناظر ہونا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کاروبار عالم پر ہمہ وقت ناظر و باخبر ہیں اور ان کو یہ قوت حاصل ہے کہ قبر شریف سے تعلق رکھتے ہوئے جہاں چاہیں تشریف ارزانی فرما سکتے ہیں۔ اس نظریہ پر شیخ کی تحریریں ملاحظہ فرمائیں:۔

مدارج النبوۃ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات انبیاء میں رقمطراز ہیں:۔

اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است۔ کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد۔ خواہ بعینہٖ، خواہ بمثال، خواہ بر آسمان خواہ بر زمین، خواہ در قبر یا غیر وے صورتے دارد۔ باوجود نسبت خاص بقبر در ہمہ حال، (ج ۲ صفحہ ۴۵۰)

اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں، خواہ بعینہٖ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ زمین پر، خواہ قبر میں یا اور کہیں، تو درست ہے قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔

جامع البرکات میں فرماتے ہیں۔

وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال و اعمال پر مطلع ہیں اور خاصان بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:۔

ذکر کن اورا، و درود بفرست بر وئے علیہ السلام و باش در حال ذکر، گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیاء و بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا، زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہیہ، و یکے از صفات الٰہی آں است کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرو اور ان پر درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے ہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اجلال اور تعظیم و ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام تمہیں دیکھتے اور تمہارے کلام کو سنتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہمنشین ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

و بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریانِ حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افرادِ ممکنات، پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد۔ و ازیں شہود غافل نبود، تا با نوارِ قرب و اسرارِ معرفت متنور و فائز گردد۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۴۰۱)

اور بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب یعنی التحیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر سلام عرض کرنا اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ اور ممکنات کے ہر ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں میں موجود اور حاضر ہیں۔ تو چاہیے کہ نمازی اس نکتے سے باخبر اور آگاہ رہے۔ تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے فیضیاب ہو۔

یہ عبارتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر، احوال عالم سے باخبر اور قبر سے نسبت باقی رکھتے ہوئے ہر جگہ تشریف ارزاں ہونے کے بارے میں شیخ کا سنت اور مستحکم فکری موقف نمایاں طور پر بتا رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاظر و ناظر ہونے سے اہل سنت کی وہی مراد ہے جو شیخ کی توضیحات سے ظاہر ہے۔

حیاتِ انبیاء و اولیاء

بدانکہ حیاتِ انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء امت ہیچ کس را اختلاف نیست در آں کہ آں کامل تر و قوی تر از وجود حیاتِ شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی اخروی است و حیاتِ انبیاء حیات حسی دنیاوی است و احادیث و آثار دراں واقع شدہ۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۴۷)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات و زندگی کا ثبوت علماء امت کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں اس لیے کہ انبیاء کی زندگی شہداء اور مجاہدین کی زندگی سے زیادہ کامل اور قوی ہے۔ ان کی زندگی تو معنوی اور اخروی ہے مگر انبیاء کی زندگی حسی اور دنیاوی زندگی ہے۔ اس بارے میں احادیث و آثار وارد ہیں۔

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں :-

اولیائے خدا نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بہ دار بقا و زندہ اند نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوش حال اند و مردم را ازاں شعور نیست (اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۴۰۲)

اولیاء اللہ اس دار فانی سے دار بقا میں منتقل ہو گئے ہیں ، اپنے پروردگار کے یہاں زندہ ، رزق یافتہ اور خوش حال ہیں ، لوگوں کو اس کا احساس و شعور نہیں ۔

اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں :-

با چندیں اختلاف و کثرتِ مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل ، دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و در طالبان حقیقت و متوجہاں آنحضرت را مفیض و مربی است ۔ (سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵)

علماء امت میں تمام تر اختلافات اور کثرت مذاہب کے باوجود ، اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مجاز کے شائبہ اور احتمالِ تاویل کے بغیر حقیقی زندگی کے ساتھ دائم و باقی اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں طالبان حقیقت اور اہل توجہ کے لیے فیض رساں اور تربیت کناں بھی ۔

حضور غوثِ اعظم کی تصنیف فتوح الغیب کی شرح میں فرماتے ہیں :-

امام انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و متصرف اند در ینجا سخن نیست ۔ (شرح فتوح الغیب ص ۳۳۳)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ باقی اور متصرف ہونے میں کلام نہیں ہے ۔

مُردوں کا سننا ، دیکھنا ، اور ادراک کرنا :

حدیث شریف " کسر عظم المیت ککسرہ حیا " (مردے کی ہڈی توڑنی اور اسے ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنی) کے تحت امام ابو عمر ابن عبد البر سے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں نقل فرماتے ہیں :-

ازیں جا مستفاد می گردد کہ میت متالم می گردد بتمام آں کہ متالم می گردد بداں ولازم ایں است کہ متلذذ گردد بتمام آنچہ متلذذ می شود بداں زندہ (اشعۃ اللمعات)

یہاں سے مستفاد ہوتا ہے کہ میت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسے لازم ہے کہ مردہ کو ان تمام چیزوں سے لذت بھی حاصل ہو جن سے زندہ کو لذت حاصل ہوتی ہے۔

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسماع مر سائر اموات را۔ (صـ۲۰۲ نولکشور)

تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ سارے مردوں کے لیے ادراک جیسے جاننا سننا وغیرہ ثابت ہے۔

زیارتِ قبور

شیخ، اموات کے لیے علم وادراک کے ساتھ زیارت قبور کے بھی قائل ہیں، فرماتے ہیں۔

زیارت گاہے از جہت ادائے حق اہل قبور باشد، در حدیث آمدہ مانوس ترین حالتے کہ میت را بود، در وقتیست کہ یکے از آشنایاں او زیارت قبر او کند واحادیث دریں باب بسیار است (جذب القلوب) صـ۲۱۳،

کبھی قبر والوں کے حق کی ادائیگی کے لیے زیارت کی جاتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت کے لیے سب سے زیادہ انسیت کی حالت وہ ہوتی ہے۔ جب اس کے آشناؤں میں سے کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے اور احادیث اس باب میں بہت ہیں۔

دوسری جگہ علامہ صدر الدین قونوی سے نقل فرماتے ہیں۔

درمیان قبور سائر مومنین وارواح ایشاں نسبت خاصے است مستمرہ کہ بداں زائراں را می شناسند وسلام برایشاں می کنند، بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات۔ (جذب القلوب صـ۲۰۶)

تمام مومنین کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہمیشہ ایک خاص نسبت قائم رہتی ہے جس سے اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے اور انہیں سلام کرتے ہیں ہمیشہ یہ نسبت قائم رہنے کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔

زیارتِ روضۂ انور

زیارت حضرت سید مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع علماء دین قولاً وفعلاً از افضل سنن واوکد مستحبات است (جذب القلوب ص۲۱۰)

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت علماء دین کے قولی اور عملی اجماع کی بنا پر سب سے افضل سنت اور سب سے مذکد مستحبات اسے ہے۔

سفرِ زیارت

واما اختیار سفر از برائے زیارتِ قبر شریف و شد رحال لقصد دریافت ایں سعادت عظمیٰ ہرگاہ کہ استحباب و فضیلت زیارت ثابت شد مشروعیت سفر واستحباب او نیز لازم آمد از جہتِ عموم دلائل وافادہ او استوائے قرب وبعد درآں۔

(جذب القلوب ص۲۱۴)

رہا قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر اور اس عظیم سعادت کے ارادہ حصول سے شد رحال تو جب زیارت کا افضل ومستحب ہونا ثابت ہوگیا سفر کا جائز و مستحب ہونا بھی لازم آیا۔ اس لیے کہ زیارت کے دلائل عام ہیں۔ اور اس بات کا افادہ کر رہے ہیں کہ (زیارت کے جواز و استحباب میں) دور و نزدیک قرب وبعد سب برابر ہیں۔

توسل واستعانت

وتوسل بوے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجب تقاضائے حاجت وسبب نجاح مرام است۔

(جذب القلوب ص۲۲۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسیلہ چاہنا حاجت پوری ہونے کا سبب اور مقصد میں کامیابی کا باعث ہے۔

وگفت آنحضرت بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی دریں حدیث دلیل است بر توسل در ہر دو حالت نسبت بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حالت حیات و ونسبت بانبیاء علیہم السلام بعد از وفات در چوں توسل بانبیاء دیگر صلوات اللہ علیہم بعد از وفات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے نبی کے اور ان انبیاء کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے ہیں اس حدیث سے حیات اور بعد وفات دونوں حالتوں میں وسیلہ چاہنے کا ثواب ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی یہ نسبت زندگی میں اور دیگر انبیاء کی یہ نسبت بعد وفات۔ اور

جائزاست بسید انبیاء بطریق اولیٰ جائز باشد ، بلکہ اگر بایں حدیث توسل باولیاء خدا نیز بعد از وفاتِ ایشاں قیاس کنند دور نیست مگر آں کہ دلیلے بر تخصیص حضرت رسل صلوات الرحمٰن علیہم اجمعین قائم شود ، و ایں الدلیل ؟

(جذب القلوب صـ ۲۲۱)

جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے بعد وفات توسل جائز ہوا تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد وفات توسل بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا ، بلکہ بعید نہیں اگر اس حدیث پر اولیاء سے ان کی وفات کے بعد بھی وسیلہ چاہنے کو قیاس کرلیں اس لیے کہ پیغمبران عظام علیہم السلام کی تخصیص نہیں اگر دلیل تخصیص ہو تو البتہ ، مگر دلیل کہاں ؟

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں ۔

امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ می شود بوئے بعد از وفات ۔

یکے از مشائخ عظام گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر شیخ معروف عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہما و دو کس دیگر را از اولیاء شمردہ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ گفتہ است ۔

حجۃ الاسلام امام غزالی کا فرمان ہے کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائیگی

ایک عظیم بزرگ نے فرمایا ۔ میں نے چار مشائخ کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں تصرف کیا کرتے تھے یا اس سے زیادہ ، شیخ معروف کرخی غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی اور دو ولیوں (۱) شیخ عقیل منبجی (۲) شیخ ابن قیس حرانی رضی اللہ عنہم کو شمار کرلیا اور حصر مقصود نہیں بلکہ جو کچھ خود دیکھا اور پایا بتاتا ۔

سیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہاء و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت ۔ روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید ، امداد حی قوی است یا امداد میت قوی است ۔ من گفتم می گویند کہ امداد حی قوی تر است و من می گویم کہ امداد میت قوی تر است پس شیخ گفت نعم زیرا کہ دے در بساط حق است و در حضرت اوست ۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۱ باب زیارۃ القبور صـ ۷۱۵/۱۶۷)

سیدی احمد بن مرزوق جو دیار مغرب کے اکابر فقہاء و علماء و مشائخ سے ہیں انہوں نے فرمایا ۔ شیخ ابو العباس حضرمی نے ایک دن مجھ سے پوچھا ۔ زندہ کی امداد قوی ہے یا مردہ کی ؟ میں نے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی مدد زیادہ قوی ہے ، شیخ نے فرمایا ہاں اس لیے کہ وہ خدا کے دربار اور اس کی بارگاہ میں ہے ۔

جامع البرکات میں فرماتے ہیں۔

اولیاء را کرامات و تصرفات در اکوان حاصل است۔

کائنات میں اولیاء کی کرامات اور ان کے تصرفات ہوتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

نیست شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آں را۔ آں چہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی دعا کند خدا را، و توسل کند بروحانیت ایں بندۂ مقرب یا ندا کند ایں بندۂ مقرب را کہ اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا، اگر ایں معنی موجب شرک باشد چنانکہ منکر زعم می کند باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از دوستان خدا در حالت حیات نیز، و ایں مستحب و مستحسن است باتفاق و شائع است در دین۔ و آنچہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل و استفادہ ازاں خارج از حصر است و مذکور است در کتب و رسائل ایشاں و مشہور است میان ایشاں حاجت نیست آں را ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند او را کلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلک۔ کلام قدس مقام بحد اطناب کشید برغم منکران کہ در قرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و استعانت را از اولیائے خدا و متوجہاں بجناب ایشاں

آخر مانگنے والے استمداد و امداد سے کون سا ایسا معنی مراد لیتے ہیں کہ یہ فرقہ اس کا منکر ہے، اس سے ہم تو بس یہی سمجھتے ہیں کہ دعا کرنے والا خدا سے دعا کرتا ہے اور اس بندۂ مقرب کو وسیلہ بناتا یا اس کو پکارتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور اس کے ولی میرے لیے شفاعت کیجیے اور خدا سے دعا کیجیے کہ میری مراد برلائے اور میرا مطلوب عطا فرمادے۔ اگر یہ معنی شرک کا سبب ہے جیسا کہ منکر گمان کرتا ہے تو چاہیے کہ زندگی میں بھی خدا کے دوستوں سے توسل اور طلب دعا سے روک دیں (کیونکہ جو چیز شرک ہوگی حیات و بعد وفات دونوں حالتوں میں شرک ہوگی) حالانکہ یہ معنی بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین میں رائج ہے۔ ارواح کاملین سے استمداد اور استفادہ کے بارے میں اہل کشف بزرگوں سے جو مشاہدہ کے واقعات مروی ہیں وہ حصر سے باہر، ان کے رسائل اور کتابوں میں مذکور اور ان کے درمیان مشہور ہیں ان کے ذکر کی حاجت نہیں، شاید متعصب منکر کے لیے ان کے کلمات بھی مفید نہ ہوں خدا ہمیں اس سے عافیت میں رکھے اس جگہ کلام طول و اطناب کی حد کو پہنچ گیا۔

را مشرک بخدا و عبدۂ اصنام می دانند و می گویند آنچہ می گویند ۔

منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیونکہ قریب زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کا منکر ہے اور اولیاء کی طرف توجہ کرنیوالوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا ہے اور کہتا ہے جو کہتا ہے ۔

(اشعۃ اللمعات ص۴۰۱ ، جلد ۳ ص۴۰۱ ملخصاً)

اس آخری مضمون کو عربی میں یوں بیان فرماتے ہیں :-

(انما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام رغماً لانف المنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمۃ ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون ومالھم علی ذلک من علوان ھم الایخرصون ۔ (للمعات)

ہم نے اس مقام میں کلام طویل کیا منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیونکہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو حضرات اولیاء سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں اور انہیں اس پر کچھ علم نہیں یوں ہی اپنے سے انکلیں لڑاتے ہیں ۔

شفاعت

یشفع یوم القیمۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء ۔

روز قیامت تین گروہ شفاعت کریں گے انبیاء پھر علماء پھر شہداء ۔

شیخ اس حدیث میں فرماتے ہیں ۔

تخصیص شفاعت بایں سہ گروہ بجہت زیادت فضل وکرامت ایشاں است والا ہمہ اہل خیر از مسلمانان را ثابت ست واحادیث مشہور دریں باب وارد ۔ (اشعۃ اللمعات ، جلد ۴ ص۴۰۸)

ان تینوں گروہوں کی تخصیص ان کے زیادت فضل و کرامت کی وجہ سے ہے ورنہ مسلمانوں میں سے تمام اہل خیر کے لیے شفاعت ثابت ہے اور اس باب میں احادیث مشہور وارد ہیں ۔

دوسری حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :-

ایں جا معلوم می شود کہ فاسقاں وگناہگاراں اگر خدمتے وامدادے باہل طاعت وتقوی در دنیا کردہ باشند در آخرت نتیجہ آں بیابند و

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاستوں اور گناہگاروں نے دنیا میں اہل طاعت و تقوی کی اگر کوئی خدمت و امداد کی ہے تو آخرت میں اس کا نتیجہ

وبامداد وشفاعت ایشاں در بہشت در آیند۔
(اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۴۰۵)

پائیں گے اور ان کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے۔

اور فرماتے ہیں۔
وانکار شفاعت بدعت وضلالت است چنانچہ خوارج وبعض معتزلہ بداں رفتہ اند۔
(اشعۃ اللمعات ج ۴ صفحہ ۴۰۸)

شفاعت کا انکار بدمذہبی وگمراہی ہے۔ جیساکہ خوارج اور بعض معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

محفل میلاد

ابولہب بولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کرد۔ عذاب وے تخفیف کردور روز دوشنبہ ازوے عذاب برداشت چنانکہ در حدیث آمدہ ست ودر ایں جا سند است مراہل موالید را کہ در شب میلاد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرور کنند وبذل اموال نمایند۔ یعنی ابولہب کہ کافر بود۔ چوں سرور میلاد آنحضرت وبذل جاریہ وے آنحضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ ملو است سرور وبذل مال در وے چہ باشد۔
(مدارج النبوۃ دوم وصل رضاعت)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کے عوض ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور دوشنبہ کو اس سے عذاب اٹھالیا گیا۔ جیساکہ حدیث میں وارد ہے یہاں میلاد خواں کرنے والوں کے لیے سند دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی شب میں خوشی منائیں اور مال خرچ کریں۔ یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور باندی آزاد کردینے کی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جزا دی گئی، تو مسلمان کا حال جو محبت ومسرت اور صرف مال سے بھرا ہوا ہے اس میں کیا ہوگا۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

فاتحہ وایصال ثواب

شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:۔
مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از

میت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دنوں تک

رفتن او از عالم تا ہفت روز، تصدق از میت نفع می کند اور لے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است دراں احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد بہ میت مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظری کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔

(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور ج ۱ ص ۷۹۷)

اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے میت کی طرف سے صدقہ کرنا اُسے نفع پہنچاتا ہے اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف نہیں۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں خصوصاً پانی اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا پہنچتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات میں اپنے گھر آتی ہے اور منتظر رہتی ہے کہ اہل خانہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں۔

و دعا ہائے زندگان مردہ ہا را و صدقہ دادن بہ نیت ثواب ایشاں را نفع عظیم است مردہ ہا را واحادیث و آثار دریں باب بسیار است۔

(تکمیل الایمان ص ۱۷۶)

زندوں کے مردوں کے لیے دعا کرنے اور ان کے ثواب کی نیت سے صدقہ دینے میں مردوں کے لیے بڑا فائدہ ہے۔ اس باب میں آثار و احادیث بہت ہیں۔

عُرس بزرگان

ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:۔

ذکر بعض المتاخرین من مشائخ المغرب ان الیوم الذی وصلوا الی جناب العزۃ وحظائر القدس یرجی فیہ من الخیر والبرکۃ والنورانیۃ اکثر واوفر من سائر الایام وانما ہو من مستحسنات المتاخرین۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۱۷۴)

بعض متاخرین مشائخ مغرب نے فرمایا ہے کہ وہ دن جس میں اولیاء کرام بارگاہ عزت اور حلقہائے قدس میں پہنچتے ہیں اس دن میں تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے اور یہ متاخرین ہی کے مستحسن بتائے ہوئے اعمال سے تو ہے۔

عرس کی حقیقت یہی ہے کہ ولی کی تاریخِ وفات میں اہل اسلام جمع ہو کر دعا و قرآن خوانی، صدقہ

اور ایصالِ ثواب کریں اور صاحب قبر کے فیوض برکات سے مستفید ہوں۔ اس دن کی خصوصیت کی وجہ حضرت شیخ نے نقل فرمائی۔

رہے منکرات اور محرمات شرعیہ تو وہ جس طرح اور تمام ایام و مقامات میں حرام ہیں۔ یہاں بھی حرام ہوں گے۔ بزرگوں کے پاک اعراس کو ان سے خالی رکھنا بے حد ضروری ہے۔

مزارات پر قبے اور عمارت بنانا

فرماتے ہیں:۔

در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و علماء دیدہ چیزہا افزودند تا آں جا ہیبت و شوکت اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعثِ رعب و انقیادِ ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف مکروہ بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔ (شرح سفر السعادۃ)

آخر زمانہ میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر میں رہ گئے ہیں مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا تاکہ وہاں مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو خصوصاً ہندوستان میں جہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنانِ دین ہیں۔ ان مقامات کی بلندی شان ظاہر کرنا کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔

سرکار کا سایہ نہ تھا

ونبود مر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ در آفتاب ونہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول۔ وعجب است ازیں بزرگان کہ ذکر نہ کردند چراغ را و نورے کہ از اسمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است و نور را سایہ نمی باشد۔ (مدارج النبوۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ اسے امام محمد بن علی حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے اور تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا اور "نور" حضور کے اسماء گرامی سے ایک

نام ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

دور سے ندا کرنا

اپنے قصیدہ نعتیہ میں عرض کرتے ہیں۔

خرابم در غم ہجر حالت یا رسول اللہ   جمالِ خود نمار حمے بجان زار شیدا کن

یا رسول اللہ! آپ کے غم و ہجر میں برباد ہوں۔ اپنا جمال دکھائیں اس جان زار عاشق پر ذرا رحم فرمائیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما   بلطفِ خود سرو سامان جمع بے سرو پا کن

جیسے بھی ہو یا رسول اللہ! اپنے کرم سے نوازیں اپنی عنایت سے اس بے یار و مددگار کو سرو سامان بخشیں۔

معراجِ جسمانی

مدارج النبوۃ میں رقمطراز ہیں۔

صحیح آنست کہ وجود اسراء و معراج ہمہ در بیداری وبجسد بود وجمہور علماء از صحابہ و تابعین و اتباع من بعد ہم از محدثین و فقہاء و متکلمین بریں اند و متواتر است بداں احادیثِ صحیحہ و اخبارِ صریحہ۔

(مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۱۵۰)

صحیح یہ ہے کہ سرکار کی سیر گرامی اور معراج سب بیداری میں اور جسم اطہر کے ساتھ تھی صحابہ تابعین ان کے بعد محدثین، فقہا، اور متکلمین کے جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں۔ اس بارے میں صحیح اور صریح احادیث و اخبار وارد ہیں۔

رویت باری تعالیٰ

رویت حق سبحانہ تعالیٰ در دنیا نیز ممکن ست ولیکن واقع نیست بہ اتفاق الا حضرت سید المرسلین را صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در شبِ معراج کہ آں واقع است۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۴۲۴)

دیدار الٰہی دنیا میں بھی ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے۔ بالاتفاق ہاں حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شب معراج میں دیدار الٰہی واقع و ثابت ہے۔

اعلاءِ شانِ رسالت

شیخ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اکبری دورِ الحاد میں جب کہ شان رسالت کی بے حرمتی کی جا رہی تھی اور اسلام کی عظمتیں پامال ہو رہی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو مقام رسالت سے روشناس کیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وخصائص، اختیارات وتصرفات اور ان کی عظمتوں کو ایک دل سوز مند اور حق شناس علم سے اپنی کتابوں میں پوری قوت تحریر کے ساتھ بیان کیا۔ جس نے گم گشتگان راہ کو ہدایت سے ہمکنار کیا اور اہل اسلام کو دین حق پر استقامت بخشی۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعظیم ومحبت شیخ کی سطر سطر میں نمایاں ہے اور آج بھی ان کے رشحات قلم اس دورِ بے ادبی کے لیے شمع ہدایت ہیں۔

بیان شفاعت میں شیخ کی یہ سطور قابل ملاحظہ ہیں۔ جو ان کے جذبات تعظیم وعقیدت سے لبریز ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

وا دل کسے کہ فتح باب شفاعت کند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود، فردا ظاہر شود کہ او را در درگاہِ خداوندی چہ قدر جاہ وعزت بودہ است روز روز اوست، وجاہ جاہِ او۔

اور سب سے پہلے جو دروازۂ شفاعت وا فرمائیں گے وہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ کل ظاہر ہوگا کہ ان کو بارگاہِ خداوندی میں کس قدر عزت ووجاہت حاصل ہے۔ دن ان کا دن ہے اور مرتبہ ان کا مرتبہ۔

پھر فرماتے ہیں:۔

بالجملہ روز روز محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجائے جائے اوست ومقام مقام او وسخن سخن او، ومہمان اوست، دیگراں طفیلی اند ودر قرآن مجید خطاب پروردگار ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ تراے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترا اے محب من، اے محبوب من ومطلوب من اے بندہ خاص من! چنداں نعمت دہم ورحمت کنم کہ راضی

حاصل یہ ہے کہ دن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دن ہے اور جا ان کی جا ہے اور مقام ان کا مقام اور بات ان کی بات وہ مہمان ہیں اور تمام اہل محشر طفیلی۔ قرآن مجید میں خطاب ہوتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ تمہیں اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں اے میرے محب! اے میرے محبوب ومطلوب! اے میرے بندۂ خاص! اتنی نعمت

شوی ازمن تا ہیچ آرزو دل تو نہ شکند اے
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمہ کس رضائے من
طلبند و من رضائے تو، خواہد گفت من راضی
نہ شوم تا یک یک از است من نیا مرزی ۔

(تکمیل الایمان ص۲۱، ۲۲)

دوں گا اور اتنی رحمت سے نوازوں گا کہ مجھ سے راضی
ہو جاؤ کسی آرزو و تمنا سے تمہارا دل شکستہ نہ ہو
لطفاً اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب میری رضا کے
طالب ہیں اور میں تمہاری رضا کا، عرض کریں گے میں
اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میرے ایک
ایک امتی کی مغفرت نہ فرما دے ۔

اسی دیباچۂ اخبار الاخیار میں عظمت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا اور مقام سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہوئے اُن کے حسن محبت اور صلابت اعتقاد کا عالم قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں :-

ہم چناں کہ شکر و سپاس خالق موجودات
از حیطۂ امکان و احاطۂ انسان بیرون است مدح
وثنائے سید کائنات از مجال شرح و
بیان افزوں ۔

جس طرح خالق موجودات کا شکر ادا کرنا دائرہ امکان
اور قدرت انسان سے باہر ہے، اسی طرح سید
کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی مدح وثنا وقت
شرح وبیان سے فزوں تر ۔

خیر الوریٰ امام رسل مظہر اتم
آواز خدا دہر چہ جزاو منتہی از او

بہترین خلق پیشوائے رسولاں، ذات خدا کے مظہر اکمل وہ تو خدا سے اور سب کا منتہی ان کی ذات ۔

جاں جملہ عالم وحق جان جان شمار
حق را بغیر واسطۂ ذات او مجو

وہ سارے عالم کی جان اور حق کو جان جان سمجھو ان کے واسطے کے بغیر خدا کے طالب نہ ہو ۔

پھر ان کی بلاغت عقیدت اور اکرام اجلال کے موتی یکجا نظم دیکھیں ۔

در اول باعث خلقت عالم است، و در
آخر واسطۂ ہدایت بنی آدم، در باطن مربی
ارواح و در ظاہر متمم اشباح، کاسر ارکان
ادیان و دول، ناسخ احکام ملل و نحل، فص
خاتم وجود، نقش معرفت و شہود، مقصود
معتکفان مقصورۂ افلاک، مقصد سالکان

ابتدا میں باعث تخلیق عالم انتہا میں ذریعہ
ہدایت بنی آدم، باطن میں روحوں کے تربیت
فرما، ظاہر میں جسموں کے تکمیل کار، باطل مذہبوں
اور حکومتوں کے ارکان شکن، دوسرے مذاہب
وملل کے احکام منسوخ فرمانے والے، انگشتری
وجود کے نگینہ، معرفت وشہود کے نقش، حجرہ

معمورہ خاک، متمم مکارم اخلاق، مکمل	آسمان کے اعتکاف نشینوں کا مقصود آبادی زمین
کاملانِ آفاق، حاجز منزلین وجود وعدم	کے اہل سلوک کا مطلوب، اخلاقی خوبیوں
برزخ بحرین حدوث وقدم، جامع نسخۂ امکان	کے منتظم، کاملان عالم کے تکمیل کار، وجود وعدم
ووجوب، موجب رابطۂ طالب و مطلوب	کی منزلوں کے درمیان رابطہ احدوث و قدم
عزیز مصر صمدیت، ملک مملکت احدیت	کے سمندروں کے درمیانی واسطہ نسخۂ
مظہر حقیقتِ فردانیت، مظہر صورت رحمانیت	امکان ووجوب کے جامع، طالب ومطلوب
سر مکتوم غیب لاہوت، طلسم معلوم گنج جبروت	کے رابطہ، مصر صمدیت کے عزیز، حکومت
مروح ارواح ملکوتیہ، مزین اشباح ناسوتیہ	احدیت کے سلطان، حقیقت فردانی کے
بدایت خط ولایت، نہایت دائرہ نبوت	پر تو صورت رحمانی کے مظہر غیب لاہوتی کے
مظہر اتم رحمت اعم، عقلِ اول	راز نہاں، گوشہ، جبروت کے طلسم آشکار
ترجمانِ ازل، نور انور، سر اسرار، ہادی!	ملکوتی روحوں کے راحت دہندہ انسانی!
سبل، سید رسل نور اسنی، سراہی، حبیب اعلیٰ	جسموں کے تزئین فرما، خطِ ولایت کی ہدایت
صفی اصفی، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔	دائرہ نبوت کی انتہا پر تو کامل، رحمت عام۔

مخلوق کے وجود اوّل، ازل کے ترجمان، نوروں کے نور، رازوں کے راز حق راستوں کے ہادی رسولوں کے سردار، نور حق، راز حق، محبوب بالا، سب سے پاکیزہ انتخاب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ؎

سید رسل، شفیع امم، خواجہ دو کون	نور ہدیٰ، حبیب خدا، سید انام

رسولوں کے سردار، امتوں کے شفاعت فرما، دونوں جہان کے آقا، ہدایت کے نور، خدا کے محبوب، مخلوق کے سردار

مقصود ذات اوست دگر جملہ طفیل	منظور نور اوست دگر جملگی ظلام
مقصود ان کی ذات ہے باقی سب طفیل	نمایاں ان کا نور ہے باقی سب تاریکی
ہر رتبہ کہ بود در امکان بر وست ختم	ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر و تمام
امکان کا ہر مرتبہ ان پر ختم ہے	اور خدا کی ہر نعمت ان پر تمام

(اخبار الاخیار صہ؟)

حضرت شیخ سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات کو مظہر ذات خدا، مصدر جملہ موجودات اور منبع تمام فیوض

وبرکات مانتے ہیں۔ مدارج النبوۃ میں اپنے نظریات بڑی صلابت اور پختگی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

انبیا مخلوق اند از اسماء ذاتیہ حق، و اولیاء از اسماء صفاتیہ، و بقیہ کائنات از صفاتِ فعلیہ، و سید رسل، مخلوق است از ذات حق و ظہور حق در وے بالذات است پس انبیاء و اولیاء علیہم صلوات اللہ وسلامہ مظہر اسماء و صفات گشتند و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ذات۔

(مدارج النبوۃ ص ۹ و ج ۲ ص ۱۱ ملخصاً)

انبیاء کرام اللہ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا ہیں، اور اولیاء اسماء صفاتیہ سے باقی کائنات صفات فعلیہ سے، اور سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ حق سے پیدا ہیں۔ ان میں خدا کا ظہور بالذات ہے تو انبیاء و اولیاء علیہم صلوات اللہ وسلامہ اسماء وصفات کے مظہر ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرتوِ ذات۔

اور فرماتے ہیں۔

پس حقیقتِ محمدی مصدر جمیع موجودات و مبدء او واسطہ تمام فیوض وبرکات است پس اگر متحقق شود بکمالے از اں کمالات مشلمہ الیہا معطوف خواہد بود بروے و تابع خواہد گشت مراورا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۱)

تو حقیقتِ محمدی تمام موجودات کا سرچشمہ سب کا منبع ومبدا اور تمام فیوض وبرکات کا واسطہ ہے تو اگر کسی کو کوئی نمایاں کمال حاصل ہو تو ان ہی کی طرف راجع اور انہیں کے تابع ہوگا۔

دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٔ علیم۔ ایں کلمات اعجاز سمات ہمہ مشتمل بر حمد وثنائے الٰہی است تعالیٰ وتقدس کہ در کتاب مجید خطبہ کبریائی خود بداں خواندہ، وہم متضمن نعت ووصف حضرت رسالت پناہی ست صلی اللہ علیہ وسلم کہ وے سبحانہ اورا بداں تسمیہ وتوصیف نمودہ و چندیں اسماء حسنہ جل شانہ است کہ در وحی متلو وغیر متلو

وہ اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ یہ اعجاز نشان کلمات خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا پر بھی مشتمل ہیں جن سے قرآن مجید میں اپنی کبریائی کا خطبہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت کو بھی متضمن ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے یہ نام وصفات رکھے۔ اور وحی متلو وغیر متلو (قرآن وحدیث) میں کتنے اسماء حسنہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہیں کہ اپنے

حبیب خود را بداں نامیده و حلیه جمال و حلی کمال
وے ساخته اگرچه آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه
وسلم بتمام اسماء و صفات الٰہی متخلق و متصف
است، باوجود آں به بعضے ازاں بخصوص
نامزد و نامور گشته است مثل نور حق علیم حکیم
مومن مہیمن ولی، ہادی، رؤف، رحیم، و جز آں
و ایں چہار اسم اوّل و آخر، ظاہر و باطن نیز ازاں
قبیل است۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲)

حبیب کو بھی ان سے موسوم فرمایا، اور ان کے جمال
و کمال کا زیور بنایا، اگرچہ حضور علیہ السلام تمام صفات
و اسماء الٰہی سے متصف ہیں پھر بھی بعض اسماء و صفات
سے خاص طور پر نامزد اور مشہور ہیں جیسے نور، حق، علیم
حکیم، مومن، مہیمن، ولی، ہادی، رؤف، رحیم
وغیرہا اور یہ چاروں نام اول و آخر ظاہر و باطن
بھی اسی قبیل سے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج دیدار الٰہی سے شرف یاب ہوئے۔ اس پر احادیث، دلائل فریقین اور علماء کا راجح مسلک تحریر فرمانے کے بعد اپنے وجدان اور عقل و بصیرت کا ایمانی فیصلہ تحریر فرماتے ہیں۔

گفت بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین
نصره اللہ بمزید الصدق والیقین که کلام علماء
نظر به دلائل و آثار و اخبار ہمچناں ست که مذکور
شد، اما ایں مقدار خلجان می کند که معراج اتم مقامات
و اقصیٰ کمالات آنحضرت بود صلی اللہ تعالیٰ علیه
وسلم که ہیچ یکے از انبیاء در انجا با وے شرکت
نه بود و ہیچ بشرے و ملکے را گنجائش آں مقام
نه، پس عجب است که دراں مقام برند و در
خلوت خاص در آرند و باعلیٰ مطالب و اقصیٰ
مسائلت که دیدار است مشرف نگردانند آنحضرت
بایں معنی راضی باشد، اگرچه بکمال بندگی و ادب
و سطوت کبریائی حق او را بریں دارد که سوال
نتواند کرد، از ذوق کلام مست گشته انبساط

بندہ ناچیز عبدالحق بن سیف الدین اللہ تعالیٰ
اُسے مزید صدق و یقین سے نوازے، کہتا ہے،
کہ دلائل اور آثار و احادیث پر نظر کرتے ہوئے
علماء کے کلام اس طرح ہیں جیسا کہ ذکر ہوا۔ لیکن
اتنا خلجان رہ جاتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کا کامل ترین مقام اور بعید الحصول
کمال تھا کہ اس مقام و کمال میں کوئی نبی حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں اور نہ ہی کسی انسان
یا فرشتہ کی اس مقام تک رسائی پس تعجب خیز امر
ہے کہ اس مقام میں لے جائیں خلوت خاص میں
بلائیں اور سب سے اعلیٰ و اقصیٰ مطلوب و
مقصود "دیدار" سے مشرف نہ فرمائیں اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی بھی رہیں۔

نباید طلب دیدار نہ کند چنانکہ موسیٰ علیہ السلام کرد۔ اما کمالِ محبت و محبوبیت کہ با جناب اقدس دارد کجا می گزارد کہ حجابے ماند۔ (مدارج ص ۲۳۲)

اگرچہ کمالِ بندگی و ادب اور سطوت کبریائی کی بنا پر خدا انہیں اسی حال پر رکھے کہ سوال نہ کریں اور ذوقِ کلام سے مست ہو کر مسرور ہو جائیں۔

اور طلب دیدار نہ کریں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ لیکن کمال محبت و محبوبیت جو حضور کو رب کی جناب اقدس میں حاصل ہے کب اس حال پر چھوڑے گا کہ کوئی حجاب باقی رہ جائے۔

عظمتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے متعلق شیخ کے کلمات و عبارت کا احصاء انتہائی مشکل ہے، ہر کتاب میں تعظیم و اجلال اور ادب و محبت کے شواہد و آثار نمایاں ہیں، ذوقِ مطالعہ رہنمائی کر سکتا ہے۔

بہر حال شیخ نے اس وقت کے بگڑے ماحول میں عظمت رسالت سے اہل عالم کو روشناس کر کے ایسی عظیم خدمت انجام دی ہے، جو رہتی دنیا تک ان کے نمایاں تجدیدی و اصلاحی کارناموں میں شمار کی جائے گی۔

سرکارِ غوثیت

شیخ کو تمام اولیاء کرام سے عقیدت و محبت ہے مگر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے انہیں گہری اور بے پناہ عقیدت تھی، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات میں انہوں نے زبدۃ الآثار تصنیف فرمائی جو بہجۃ الاسرار شریف کی تلخیص ہے۔ پھر فارسی میں خود ہی اس کا ترجمہ بھی فرمایا۔

اخبار الاخیار شریف کے خاتمہ میں بارگاہِ غوثیت میں ان کی نذرِ عقیدت ملاحظہ ہو۔

اگر دیگراں قطب اند او قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین، او سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام را زندہ گردانید، ملت کفر را بسر انید کہ الشیخ یحیی و یمیت۔

اگر دوسرے اولیاء قطب ہیں تو وہ قطبوں کے قطب اور اگر یہ بادشاہ ہیں تو وہ بادشاہوں کے بادشاہ محی الدین کہ دینِ اسلام کو زندہ فرمایا ملتِ کفر موت کے گھاٹ اتاری کہ شیخ جلاتا مارتا ہے۔

زہے مرتبہ کہ ایجاد دین از حی قیوم است و احیا از وے غوث الثقلین آں را گویند کہ جن و انس ہمہ بوے پناہ جویند من بے کس نیز پناہ بار جستہ

خوشا مرتبہ کہ ایجادِ دین خدائے حی و قیوم سے ہے اور احیائے دین ان سے۔ غوث الثقلین اسے کہتے ہیں جس کی جن و انس سب پناہ لیں۔ بندہ

ام؛ او بر درگاہ او فتادہ مرا جز عنایت او کس نیست و بغیر لطف او فریاد رس نے۔

بیکس نے بھی ان ہی کی پناہ لی ہے اور انہیں کی بارگاہ میں پڑا ہوا ہے۔ میرا اُن کی عنایت کے سوا کوئی نہیں اور نہ ان کے کرم کے بغیر کوئی فریاد رس۔

آگے فرماتے ہیں۔

اوست در جملہ اولیاء ممتاز
چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

وہ ہیں تمام اولیاء میں ممتاز
جیسے ہمارے پیغمبر تمام انبیاء میں ممتاز

(اخبار الاخیار ص۲۱۵)

بارگاہِ غوثیت سے اپنی عقیدت کا اظہار دوسری تصنیفات میں بھی طرح طرح فرمایا ہے۔ اپنے نام کے ساتھ قادری لکھا کرتے تھے جب کہ دیگر سلاسل میں بھی ان کو بیعت وخلافت حاصل تھی۔
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب "فتوح الغیب" کی شیخ نے فارسی میں شرح کی ہے مگر شرح میں اپنا مقدمہ یا نام تحریر نہ فرمایا۔ بلکہ فرماتے ہیں۔

ذکر نام ایں حقیر چہ حد و مجال کہ دریں مقام تواں برد" (شرح فتوح الغیب ص۴۴۴)

کیا جرات وطاقت کہ اس حقیر کا نام اس مقام میں ذکر ہوسکے۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بارگاہِ غوثیت میں ان کے کمال احترام وعقیدت کا کیا حال تھا؟
وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وعترتہ وسلم

(ماخوذ وملخص)
محمد سعید احمد نقشبندی عفی عنہ

۲۰ر فروری ۱۹۸۱ء
بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ اکمل الحمد علی کل حال و فی کل حین و الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد و الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین ھداۃ طریق الحق و محی علوم الدین

ہر حال اور ہر وقت میں اکمل حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور اتم و اکمل درود و سلام سید المرسلین امام المتقین خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل و آپ کے صحابہ اور تمام پیروکاروں پر ہمیشہ نازل ہوتا رہے۔ جو راہ حق کے راہنما اور علوم دین کو زندہ کرنے والے تھے۔

بعد حمد و صلوٰۃ بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین دہلوی وطناً بخاری اصلاً کی جب حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً سے واپسی اور اُن دیار شریفہ کے مشائخ سے روایت حدیث کی اجازت کے حصول کے بعد توفیق و تائید الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ اور ناچیز کو اس علم شریعت کی خدمت میں مقام استقامت پر بٹھایا۔ تو اس بندہ مسکین نے چاہا کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح (جو آج کل مشہور و متداول ہے) کی شرح تحریر کرے اور ان فوائد کو جو قوم کی کتابوں سے معلوم ہوئے اور مشائخ وقت سے سنے یا اس سمت مزاج بندہ کے دل میں القاء ہوئے، ان کے طلبگار اور چاہنے والوں تک پہنچائے۔ کچھ مخلص اور جلیل القدر دوستوں اور ارباب محبت نے فرمایا اگر یہ شرح فارسی زبان میں تالیف کی جائے تو اس کا نفع اور فائدہ ضرور زیادہ اور عام ہوگا۔ جب ان کی فرمائش کے مطابق فارسی میں یہ شرح لکھنا شروع کی تو اس کے مطالعہ کے دوران کچھ ابحاث اور باتیں ایسی سامنے آئیں جن کا فارسی میں تحریر کرنا مناسب نہ تھا مگر نظرانداز کر دینا بھی ٹھیک نہیں تھا تو اس پر ساتھ ہی ایک شرح عربی میں بھی تحریر کرنا شروع کر دی۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں دونوں شرحیں تکمیل کے قریب پہنچ گئیں۔ لیکن آخر جا کر یہ معاملہ رونما ہوا کہ عربی شرح تو غزل گھوڑے کی طرح آگے نکل گئی اور مکمل ہو گئی اور فارسی شرح راستہ میں ہی رہ گئی۔ راقم جب عربی شرح کی نظرثانی میں مصروف ہوا۔ اور نظرثانی کا کام بھی مکمل کر لیا۔ اور ایک عرصہ گزر گیا۔ اور فارسی شرح کا کام ذہن سے بالکل نکل گیا تو دوبارہ حکم ہوا کہ فارسی شرح بھی مکمل کی جائے۔ اور اس کی نظرثانی کر کے اسے بھی آخری شکل دیدی جائے المامور معذور یعنی حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑتی

ہے) کے مطابق جس قدر فارسی شرح لکھی جا چکی تھی اسے جیبقصہ کی شکل دی۔ اور باقی ماندہ شرح کی تکمیل شروع کر دی۔ و باللہ التوفیق۔
و منہ الاتمام۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہمارا نور مکمل فرما۔ ہمیں بخش دے بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور تو ہی
غفور رحیم ہے۔ کتاب (مشکوٰۃ) کی شرح شروع کرنے سے قبل بقدر ضرورت مصطلحات حدیث ہیں یہ مقدمہ

مقدمہ ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ محدثین کی اصطلاح میں حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ تقریر کا معنی یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کام یا بات سے منع نہ کیا۔ اس کا انکار نہ کیا بلکہ اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور اسے جائز وثابت رکھا اسے تقریر کہتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث میں داخل ہے۔ اور بعض محدثین کے نزدیک صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قول وفعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ پھر وہ حدیث جس کی سند حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہو اسے مرفوع کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا یا کیا یا مقرر وجائز رکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا اس طرح کہیں یہ "روایت ابن عباس رض سے مرفوعاً آئی ہے" یا یوں کہیں "اس حدیث کو ابن عباس رض نے مرفوعاً بیان کیا۔

موقوف :۔ اور وہ حدیث جس کی سند صحابی تک پہنچتی ہو اسے موقوف کہتے ہیں۔ جیسے حضرت ابن عباس رض نے فرمایا یا کہا یا اس بات کو مقرر وجائز رکھا۔ یا یوں کہیں یہ حدیث ابن عباس رض سے موقوفاً آئی ہے۔ یا ابن عباس پر موقوف ہے۔

مقطوع :۔ اور جس حدیث کی سند تابعین تک ہی پہنچے اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ موقوف و مقطوع حدیث کو اثر کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں آثار میں اس طرح آیا ہے۔ اور بعض محدثین اثر کا اطلاق مرفوع حدیث پر بھی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ماثور دعاؤں یا دعائے ماثورہ میں اس طرح آیا ہے۔ اور خبر وحدیث دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور کچھ محدثین حدیث کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے خاص کرتے ہیں۔ اور خبر کا لفظ ملوک وسلاطین اور ایام گزشتہ میں استعمال کرتے ہیں۔

حدیث کا مرفوع ہونا کبھی تو صریح ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور کبھی صریح کے حکم میں۔ جیسے صحابہ یا تابعین ایسا کام یا ایسی بات نقل کریں جیسے اجتہاد وفکر اور قیاس عقلی سے نہ کہہ سکتے ہوں۔ سماع ونقل کے سوا اس تک کوئی راستہ نہ ہو۔ جیسے آخرت کے حالات یا گزشتہ اور آنے والے واقعات کی خبریں تو ان کی اس طرح کی روایت بھی صریح مرفوع کی طرح ہے۔ اور اگر یوں کہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس طرح کیا کرتے تھے۔ یا سنت اس طرح ہے تو یہ بھی صریح رفع کی طرح ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں اس کا احتمال بھی ہوتا ہے کہ یہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت ہو۔

وصل :۔ سند اور رجال حدیث کو کہتے ہیں ... [illegible]

اور اظہار سند کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ متن حدیث اس کلام کو کہتے ہیں جس پر سند جا کر ختم ہو۔ تو اگر رواۃ حدیث میں سے کوئی راوی درمیان سے ساقط نہ ہو اور اس کا اسناد متصل اور مسلسل ہو تو اسے حدیث متصل کہتے ہیں۔ اور اس عدم سقوط کا نام اتصال ہے۔ اور اگر سند کے درمیان سے ایک یا زیادہ راوی ساقط ہوں تو اسے حدیث منقطع کہتے ہیں۔ اور اس سقوط کا نام انقطاع ہے پھر اگر یہ سقوط ابتداء سند میں واقع ہو تو اُسے معلق کہتے ہیں۔ اور اس اسقاط کو تعلیق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ ساقط راوی چاہے ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ اور کبھی پوری کی پوری سند ہی ساقط ہوتی ہے جیسے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مصنفین کی عادت ہے۔ اور صحیح بخاری کے تراجم میں تعلیقات بہت ہیں۔ مگر وہ سب کی سب صحیح ہیں اور اتصال کی طرح ہیں۔ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا التزام کر رکھا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحیح کے بغیر نہ لائیں گے۔ پھر حضرت امام موصوف نے ان تعلیقات میں سے بعض کو دوسرے مقامات میں متصلاً بیان کر دیا ہے۔ اور اگر یہ سقوط تابعین کے بعد سند کے آخر میں ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں۔ اور اس فعل کو لفظ ارسال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کوئی تابعی یوں کہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ بعض محدثین کے نزدیک مرسل و منقطع کا ایک ہی معنی ہے۔ تاہم اصطلاح اول فقہاء اور محدثین کے نزدیک زیادہ مشہور ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث کا حکم توقف ہے کیونکہ اس بات کا پتہ نہیں کہ راوی ساقط ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ کیونکہ تابعی کی تابعین سے روایت کی تعداد بہت ہے۔ اور تابعین میں ثقہ بھی ہیں اور غیر ثقہ بھی۔ اور امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً مقبول ہے۔ یہ دونوں امام فرماتے ہیں کہ یہ ارسال کمال وثوق و اعتقاد کی بنا پر ہے کیونکہ کلام ثقہ راوی میں ہو رہا ہے۔ اگر اس کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ ارسال نہ کرتا۔ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل حدیث کی تائید کسی اور حدیث سے ہوتی ہو تو وہ مقبول ہوگی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ مقبول ہے دوسرا یہ کہ اس میں توقف کیا جائے گا۔ اور اگر سقوط سند کے درمیان سے ہوا ہو اور اکٹھے دو راوی مسلسل ساقط ہوں تو اسے مُعْضَلْ کہتے ہیں۔ بضم میم و سکون عین اور فتح ضاد معجمہ اور اگر ایک راوی یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں مگر مسلسل نہ ہوں بلکہ دو یا دو سے زیادہ متفرق جگہوں سے ساقط ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہیں گے۔ اور منقطع ایک معنی کے مطابق تمام مذکورہ اقسام کو شامل ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ منقطع حدیث کی ایک قسم وہ ہے جسے مُدَلَّسْ کہتے ہیں۔ بضم میم و فتح دال مشددہ اور اس فعل کو تدلیس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس کے فاعل کو مُدَلِّسْ بکسر لام کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے۔ بلکہ اس سے اوپر کے شیخ سے روایت کرے۔ لیکن ایسا لفظ استعمال کرے جس سے سماع کا وہم پیدا ہو۔ حالانکہ فی الواقع اس سے سماع واقع نہ ہوا ہو۔ مثلاً یوں کہے عن فلان وقال فلان اور تدلیس مکروہ و مذموم فعل ہے۔ ہاں اس صورت میں تدلیس مکروہ و مذموم نہیں جب کہ اس بات کا پتہ ہو کہ یہ راوی ثقہ سے تدلیس کرتا ہے۔ اور کوئی غرض فاسد بھی درمیان میں کارفرما نہیں

ہوتی۔ جیسے اس وجہ سے اپنے شیخ سے سماع کا پوشیدہ رکھنا کہ شیخ کی عمر چھوٹی ہے۔ یا اسے عزت و شہرت حاصل نہیں۔ یا وہ شیخ مستور الحال ہے۔ کیونکہ یہ سب نقائص طعن اور عیب کا باعث ہیں۔ لغت میں تدلیس کے معنی سامان کا عیب چھپانے، خلط ملط کرنے اور سخت تاریکی کے بھی آتے ہیں۔ بعض اکابر محدثین بھی تدلیس کرتے تھے لیکن ان کی تدلیس حدیث کی صحت پر وثوق اور راوی کے حال کی شہرت کی بنا پر ہوتی تھی، مذکورہ اغراض فاسدہ کے تحت نہ ہوتی تھی۔

اور اگر راوی حدیث سے اسناد یا متن میں اختلاف واقع ہو جاتے۔ مثلاً راوی نے موخر کو مقدم کر دیا یا مقدم کو موخر یا الفاظ بڑھا دیے یا کم کر دیے۔ یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا ذکر کر دیا یا ایک متن کی جگہ دوسرا متن ذکر کر دیا۔ اور اس طرح کی اور باتیں تو ایسی حدیث کو مُدْرَج کہتے ہیں۔ اور اگر راوی کسی غرض و مصلحت کے تحت حدیث کے درمیان اپنے الفاظ لے آئے تو اس حدیث کو مُضْطَرِب کہتے ہیں۔

تنبیہ۔ اس کلام کا تعلق دراصل اس کلام سے جڑ جاتا ہے جو روایت حدیث اور نقل بالمعنی سے متعلق ہے اور اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر نقل اور روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں مگر اس شخص کے لیے جو عربی کا پورا عالم، اسالیب کلام کا ماہر اور عبارات و مفہومات اور خطابات کے خواص سے اچھی طرح واقف ہو تاکہ زیادتی یا کمی وغیرہ خطا سے بچ سکتا ہو ——————

—————— اور عَنْعَنَہ اس روایت حدیث کا نام ہے جو عن فلاں عن فلاں کے لفظ سے مروی ہو۔ اور مُعَنْعَن وہ حدیث ہوگی جو اس طریق پر روایت کی گئی ہو۔ اور خطرہ تدلیس کے باعث عنعنہ معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں التباس مذکور کا اشتباہ ہے۔ اور جو مرفوع ہو اور اس کی سند بھی متصل ہو اسے مُسْنَد کہتے ہیں۔ مشہور اصطلاح یہی ہے۔ بعض علماء متصل کو مطلقاً مسند کہہ دیتے ہیں اگرچہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ اور بعض مطلقاً مرفوع کو مسند کہہ دیتے ہیں اگرچہ مرسل یا معضل یا منقطع ہو۔ تاہم معتمد علیہ پہلا قول ہے۔

وَصْل:۔ حدیث کے اقسام میں سے شاذ، منکر اور معلل بھی ہیں۔ شاذ لغت میں فرد کو کہتے ہیں جو جماعت سے الگ ہو جائے۔ اور محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث شاذ ہوگی جو ثقہ راویوں کی روایت کے مخالف روایت کی گئی ہو۔ پھر اگر وہ شاذ حدیث کا راوی ثقہ نہ ہو تو مردود ہوگی اور اگر ثقہ ہو اور اس میں مزید حفظ، کثرت عدد وغیرہ وجوہ ترجیح کی روشنی میں ترجیح کا راستہ اختیار کیا گیا ہو تو جو حدیث راجح قرار پائے گی اسے محفوظ کہیں گے۔ اور مرجوح کو شاذ کا نام دیا جائے گا۔ ضعیف وہ حدیث ہے۔ جسے وہ راوی ضعیف روایت کرے جس کی روایت کردہ حدیث اس سے کم ضعف والے راوی کی حدیث کے مخالف ہو۔ منکر کے مقابل معروف ہے۔ منکر و معروف دونوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ معروف حدیث کا راوی کم ضعیف ہوتا ہے اور منکر کا زیادہ۔ اور شاذ و محفوظ میں دونوں راوی قوی ہوتے ہیں اتنا فرق ہوتا ہے کہ محفوظ کا راوی شاذ کے راوی سے قوی تر ہوتا ہے۔

شاذ و منکر دونوں مشہور [illegible]

قوی یا ضعیف راوی کی مخالفت کی قید نہیں لگائی اور کہا ہے کہ ہر وہ حدیث شاذ کہلائے گی جو کسی راوی ثقہ اور منفرد نے روایت کی ہو اور کسی طرف سے بھی کوئی اصل اس کے موافق و موید موجود نہ ہو۔ بعض دوسرے محدثین شاذ و منکر میں ثقہ یا مخالفت کسی چیز کا اعتبار نہیں کرتے۔ اسی طرح منکر کو مذکورہ صورت کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ ہر اس حدیث کو جس کے راوی میں فسق، فرط غفلت اور کثرت غلط کا عیب پایا جاتا ہو، منکر کہہ دیتے ہیں۔ یہ محدثین کی اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔ جن میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

مُعَلَّل: بصیغہ اسم مفعول تعلیل سے مشتق ہے، یہ اس اسناد کو کہتے ہیں جس میں ایسے اسباب وعلل پائے جاتے ہوں جو اس کی صحت میں نقص پیدا کرتے ہوں۔ اور ان اسباب وعلل کا پتہ علم حدیث کے حذاق و ماہرین کو چل جاتا ہے۔ اور اگر روایت کرنے والوں نے کوئی روایت کی ہو اور ایک اور راوی بھی اس کے مطابق و موافق حدیث کی روایت کرے تو اس کی اس روایت کو اُس حدیث کی مُتَابِعْ کہیں گے یہی معنی ہے محدثین کرام کے اس قول کا۔

تَابَعَ فُلَانٌ وَلَهُ مُتَابِعَاتٌ۔ فلاں نے متابعت کی ہے اور فلاں کے بہت سے متابعات ہیں۔

متابعت تقویت و تائید کا موجب ہوتی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ متابع مرتبہ میں اصل کے برابر ہو۔ ہو سکتا ہے مرتبہ میں اصل سے کمتر ہو۔ اور مرتبہ میں متابعت ہونی چاہیئے۔ اور اگر متابع لفظاً و معنیً میں اصل کے موافق ہو تو اس پر لفظ مثلہ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور صرف معنی میں موافق ہو تو اس کے لیے نَحْوَہٗ کا لفظ بولتے ہیں البتہ متابعت میں یہ شرط ہے کہ دونوں احادیث ایک ہی صحابی سے مروی ہوں۔ اور اگر دو الگ الگ صحابیوں سے مروی ہوں تو اسے شَاهِدٌ کہیں گے۔ چنانچہ کہتے ہیں وَلَهُ شَوَاهِدُ وَيَشْهَدُ بِهِ حَدِيثُ فُلَانٍ اور متابع و شاہد کی تلاش و جستجو کی غرض سے طُرُق واسانید کی چھان بین کرنے کو اعتبار کہتے ہیں۔

وَصْل: حدیث تین قسم ہے۔ صحیح، حسن، ضعیف صحیح اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور ضعیف ادنیٰ مرتبہ۔ اور حسن درمیانہ مرتبہ۔ صحیح وہ حدیث ہے۔ جو عادل، تام الضبط اور متصل السند راویوں سے منقول و مروی ہو۔ اور آخر تک یہ شرائط موجود ہوں۔ رواۃ حدیث میں یہ شرائط اگر علی وجہ الکمال والتمام پائی جاتی ہوں تو اس حدیث کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں۔ اور اگر ان شرائط میں کسی قدر نقصان و قصور پایا جاتا ہو مگر کثرت طرق سے اس نقصان و قصور کی تلافی ہو گئی ہو تو اسے صحیح لغیرہ کہیں گے۔ اور اگر اس نقصان و قصور کی کمی پوری نہ ہوئی ہو تو اس حدیث کو حسن لذاتہ کہتے ہیں۔ اور اگر ضعیف حدیث کے ضعف کا نقصان تعدد طرق سے پورا ہو چکا ہو تو اسے حسن لغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں محدثین کے ظاہر کلام سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے۔ کہ حدیث حسن میں یہ نقصان تمام صفات مذکورہ میں پایا جا سکتا ہے۔ تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ حسن لذاتہ میں یہ نقص، خامی صرف صفت ضبط کے اعتبار سے ہوتی ہے باقی تمام صفات اپنی حالت پر موجود ہوتی ہیں۔ اور ضعیف و حسن لغیرہ میں یہ خامی تمام صفات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

ضبط و عدالت :- اب ضبط و عدالت کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان مذکورہ اقسام کی تعریف کا پتہ چل جائے۔ جاننا چاہیئے کہ عدالت سے کسی شخص میں ایسے ملکہ کا پایا جانا مراد ہے جو اُسے تقویٰ و مروت پر استحکام و مضبوطی سے قائم رہنے پر راغب کرتا ہو۔ اور تقویٰ سے اعمال سیئہ، شرک، فسق، بدعت سے بچنا مراد ہے۔ گناہ صغیرہ سے اجتناب میں اختلاف ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ صغائر سے اجتناب مراد نہیں کہ یہ امر عموماً طاقت انسانی سے باہر ہے، الا یہ کہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرے کہ یہ بھی کبیرہ گناہوں کے قبیلہ میں سے ہے۔ اور مروت سے بعض ایسے گھٹیا کاموں اور نقائص سے بچنا مراد ہے جو انسانیت اور مردانگی کے تقاضا کے مطابق نہ ہوں۔ جیسے دین میں بعض مباح امور جیسے بازار میں کھانا پینا، اور شارع عام میں بول پیشاب وغیرہ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ عدلِ روایت، عدلِ شہادت سے عام ہے۔ کیونکہ عدل روایت غلام کو بھی شامل ہے جبکہ عدل شہادت صرف آزاد کو شامل ہے۔ یعنی روایت غلام عادل کی بھی معتبر ہوگی مگر شہادت غلام عادل کی معتبر نہیں ہے اور ضبط سے وہ حفظ اور قوتِ یادداشت مراد ہے جس کے باعث سنی ہوئی مرویات غلط اور بعض الفاظ کے چھوٹ جانے سے محفوظ رہتا ہو یہاں تک کہ ان مرویات کے ذہن میں حاضر کرنے کی قدرت رکھتا ہو، پھر ضبط کی دو قسمیں ہیں ضبطِ صدر اور ضبطِ کتاب۔ ضبط صدر یادداشت اور حفظ قلب سے ہوتی ہے۔ اور ضبط کتاب یہ ہے کہ ادا کرنے اور دوسرے کو پہنچانے تک محفوظ اور یاد رکھے۔

وصل :- عدالت سے متعلق وجوہ طعن کی علماء نے پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ قسم اول راوی کا کاذب اور جھوٹا ہونا۔ قسم دوم اس کا کذب کے ساتھ متہم ہونا۔ قسم سوم فسق راوی۔ قسم چہارم راوی کی جہالت، قسم پنجم راوی کا بدعتی ہونا۔ کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ اس کا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کرنے میں جھوٹ ثابت ہو چکا ہو۔ اور اس حدیث کو جس کا راوی کاذب قرار پا چکا ہو، موضوع کہتے ہیں۔ اور جس شخص سے تمام عمر میں ایک دفعہ بھی روایت حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا ہو اس کی روایت کبھی مقبول نہ ہو گی اگرچہ جھوٹ سے توبہ بھی کرلے۔ بخلاف جھوٹی گواہی دینے والے گواہ کے۔ کیونکہ تائب ہونے کے بعد وہ مقبول الشہادۃ ہو جائے گا۔ اور محدثین کی اصطلاح میں موضوع حدیث سے یہی مراد ہے۔ نہ یہ کہ کسی خاص حدیث میں اس کا کذب و وضع ثابت ہو۔ اور وضع و افترا کا حکم ظن غالب سے ہو گا قطعیت و یقین کے لیے کوئی راہ نہیں۔ کیونکہ جھوٹا انسان بھی کبھی سچ کہہ دیتا ہے۔ اور راوی کے متہم بالکذب ہونے سے یہ مراد ہے کہ راوی کی گفتگو میں دروغ گوئی میں مشہور ہو چکا ہو۔ اگرچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت میں اس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہوا ہو۔ اور جو روایت شریعت پاک کے معلوم و ضروری قواعد کے مخالف ہو وہ بھی موضوع حدیث کے حکم میں ہے۔ حدیث کی اس قسم کو متروک کہتے ہیں۔ چنانچہ محدثین کہتے ہیں حدیثہ متروک، یا ہو متروک الحدیث۔ ایسا شخص اگر توبہ کرے اور توبہ میں مضبوط ہو جائے اور صدق و راستی کی علامات اس کے حال کی پیشانی سے ظاہر ہونا شروع ہو جائے

... وہ شخص جس کے حدیث کے سوا دوسرے کلام میں کبھی کبھی نادر طور پر جھوٹ کا ثبوت ملتا ہو تو اگرچہ ایسی مقدار میں بھی کذب کا مرتکب ہونا معصیت اور گناہ ہے تاہم اس کی روایت کردہ حدیث کا نام موضوع یا متروک نہ ہوگا۔

اور فسق سے عملی فسق مراد ہے۔ کیونکہ فسق اعتقادی بدعت میں داخل ہے۔ بدعت کا زیادہ تر استعمال اعتقادی خرابی میں ہوتا ہے اور کذب بھی اگرچہ فسق میں داخل ہے تاہم اس کے شدید قسم کا نقص ہونے کے باعث اور ایک الگ نسخہ قرار دیتے ہوئے اسے فسق سے جدا چیز شمار کیا گیا ہے۔ راوی کے نام کا معلوم نہ ہونا بھی حدیث میں طعن کا موجب ہے۔ کہ جب راوی کا نام معلوم نہ ہوگا اس کا حال بھی معلوم نہ ہوگا اور یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ اس کی مثال یوں ہے اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ اَوْ اَخْبَرَنِیْ شَیْخٌ اور اس مجہول الاسم راوی کو مبہم کہتے ہیں۔ اور مبہم راوی کی حدیث مقبول نہیں ہے الا یہ کہ وہ صحابی ہو کہ صحابہ سب کے سب عادل و ثقہ ہیں۔

اور اگر راوی مبہم کا نام روایت میں بصورت تعدیل آیا ہو جیسے اَخْبَرَنِیْ عَدْلٌ اَوْ اَخْبَرَنِیْ ثِقَةٌ تو اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کی روایت مقبول نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ روایت کرنے والے نے اس مجہول الاسم راوی کو اپنے خیال کے مطابق ثقہ گمان کر لیا ہو۔ مگر وہ نفس الامر میں ثقہ نہ ہو۔ لہذا اس کا نام لینا چاہیئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ثقہ ہے۔ اور اگر علم حدیث کا کوئی ماہر و حاذق امام مجہول الاسم راوی کو ثقہ کے لفظ سے بیان کرے تو وہ مقبول ہے۔

بِدعَت:۔ بدعت سے ایسی نئی نکالی ہوئی چیز کا اعتقاد کر لینا مراد ہے جو کسی شبہ اور تاویل کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ معروف و معلوم طور پر وارد ہوا ہے اس کے خلاف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ معروف و معلوم چیز کے انکار اور اس سے عناد کی بنا پر اس نئی چیز کا معتقد بنا ہوا ہو۔ کیونکہ انکار و عناد کفر ہے۔ اور مبتدع کی حدیث مردود ہے۔

اور اگر وہ مبتدع صدق لہجہ و حفاظت زبان سے متصف ہو تو بعض کے نزدیک اس کی حدیث مقبول ہے۔ اور بعض کے نزدیک اگر وہ مبتدع کسی ایسے متواتر امر شرع کا منکر ہو جس کا دین اسلام میں سے ہونا بداہتہ معلوم یا اس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم و معروف ہو تو اس کی حدیث مردود ہے۔ اور جو اس حالت تک نہ پہنچا ہو اگرچہ مخالفوں نے اس کی تکفیر بھی کی ہو اس کی حدیث مقبول ہوگی جب کہ اس راوی میں ضبط، ورع، تقویٰ اور احتیاط پائی جاتی ہو۔ لیکن اس بارے میں مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اگر وہ مبتدع لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا۔ اور اس کی ترویج و تزئین میں کوشاں رہتا ہو تو اس کی حدیث کو قبول نہ کیا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو مقبول ہوگی الا یہ کہ ایسی چیز روایت کرے جو اس کی بدعت کو تقویت دینے والی ہو۔ کہ اس صورت میں اس کی روایت مردود ہوگی۔ الغرض اہل بدعت و ہوا اور بدعقیدہ لوگوں سے حدیث اخذ کرنے میں محدثین کرام کا آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں ہے کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے خوارج اور ان لوگوں سے جو قدریہ، شیعہ، روافض اور دوسرے اہل بدعت و ہوا سے حدیث لی ہے۔ اس کے برعکس محدثین کی ایک دوسری جماعت نے ان لوگوں سے اخذ حدیث میں احتیاط اور ورع

کو اختیار کیا ہے۔ محدثین کے ان دونوں گروہوں کی اپنی اپنی حیثیت ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان فرقوں سے اخذ حدیث، ان کے صدق وصواب کو پوری طرح جانچنے کے بعد کیا جائے گا۔ اور یہ احتیاط عدم اخذ میں ہے کیونکہ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ان گمراہ فرقوں نے اپنے مذہب کو رواج دینے کے لیے بہت سی احادیث اپنے پاس سے گھڑلی ہیں اور بدعت سے توبہ اور رجوع کے بعد انہوں نے خود اس کا اعتراف واقرار بھی کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَصْل:۔ علماءِ نقد وجرح نے ضبط سے متعلق وجوہِ طعن کی بھی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ اول غفلت کی زیادتی۔ دوم غلطی کا کثرت سے واقع ہونا۔ سوم ثقات کی مخالفت۔ چہارم وہم میں مبتلا ہونا۔ پنجم حافظے کا خراب ہونا۔ غفلت کا زیادہ ہونا اور غلطی کا کثرت سے وقوع دونوں قریباً ایک ہی چیز ہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ غفلت کا تعلق حدیث کے سننے اور اسے ذہن میں محفوظ کرنے سے ہوتا ہے اور غلطی کا تعلق دوسرے کو سنانے اور حدیث کو دوسرے تک پہنچانے سے ہوتا ہے۔ اور ثقہ راویوں کی مخالفت کا تعلق اسناد یا متن حدیث سے ہوتا ہے۔ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ اور یہ حدیث کو شاذ کر دینے کا موجب ہے۔ اور یہ مخالفت ثقات ضبط کے وجوہِ طعن میں سے اس لحاظ سے ہے کہ ثقہ راویوں کی مخالفت کا باعث عدم ضبط ہوتا ہے۔ اور اس وصف ضبط کے نہ ہونے کے باعث یہ راوی حدیث میں تغییر وتبدیل سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اور وہم اس وجہ سے موجب طعن ہے کہ اس کی بنا پر راوی روایت حدیث کرتے وقت وہم میں مبتلا اور خطا میں واقع ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس کے وہم وخطا پر دلالت کرنے والے قرائن کے ذریعے اطلاع ہو جائے اور اس روایت میں نقص پیدا کرنے والے اسباب وعلل کا پتہ چل جائے تو ایسی حدیث کو "مُعَلَّل" کہتے ہیں اور یہ شناخت واطلاع حدیث کے مشکل ترین اور ادق ترین علوم میں سے ہے۔ اس استعداد پر وہی شخص قائم وراسخ ہو سکتا ہے جسے مراتب رواۃ اور اسانید ومتون کی معرفت تامہ اور اس سلسلے میں تیز فہم اور وسیع حفظ کی قوت عطا کی گئی ہو۔ جیسا کہ اس فن کے متقدمین حضرات سے ہے کہ امام دارقطنی تک کہ علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ اس باب میں دارقطنی جیسا کامل ان کے بعد پیدا نہیں ہوا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ "مُعَلِّل" (نقص بیان کرنے والا) کی عبارت حجت اور دلیل قائم کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور وہ علت ونقص کی تنقیح وتعیین نہیں کر سکتا۔ جس طرح بعض اوقات صراف درہم ودینار کو کھوٹا کھرا ظاہر کرنے کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ حافظے کی خرابی سے مراد یہ ہے کہ اس کی درستی فہم خطا سے اور حفظ ویادداشت سہو ونسیان سے بڑھ کر نہ ہو۔ یعنی یا تو خطا ونسیان غالب ہو یا صحت فہم وقوت یادداشت کے برابر ہو۔

یہ دونوں صورتیں سوءِ حفظ میں داخل ہیں۔ قابل اعتبار یہ ہے کہ صحت فہم وقوت یادداشت کا غلبہ ہو۔ اور خرابی حافظہ کا مرض اگر راوی کی پوری عمر کے حالات کے ساتھ لازم ہو چکا ہو اور کسی حالت میں بھی وہ اس سے محفوظ ومصون نہ رہتا ہو تو اس کی حدیث معتبر نہ ہوگی۔ اور بعض محدثین کے نزدیک اسے بھی شاذ ہی کہیں گے۔ اور اگر خرابیٔ حافظہ کا مرض عارضی اور وقتی ہو۔ مثلاً زیادہ

بوڑھا ہو جانے کے باعث یا بینائی چلے جانے کی وجہ سے یا کتابوں کے تلف ہو جانے کی بنا پر ہو تو اسے مختلط کہتے ہیں۔ اور اگر اس نے کوئی روایت اس خلل و اختلاط کے عارض ہونے سے قبل بیان کی ہو اور اسے ان روایات سے جدا و الگ کر دیا ہو جو اس عارضہ کے لاحق ہونے کے بعد روایت کی ہیں تو جداکردہ روایت کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور اگر الگ اور جدا نہ کیا ہو تو اس میں توقف کیا جائے گا۔ اور اگر اشتباہ ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اور اگر اس قسم حدیث کے لیے متابعات اور شواہد مل جائیں اور وہ مقام اشتباہ سے نکل جائے تو وہ روایت درجہ توقف سے نکل کر مرتبۂ قبول و رجحان کو پہنچ جائے گی۔ اور یہی حکم ہے مستور، مدلس اور مرسل احادیث کا۔

وَصْل:۔ اگر حدیث صحیح کا راوی ایک ہی ہو تو اسے غریب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اگر دو راوی ہوں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور و مستفیض کہتے ہیں۔ اور اگر راویوں کی کثرت اس حد کو پہنچ جائے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو جائے تو اسے متواتر کہتے ہیں۔ اور غریب حدیث کو فرد بھی کہتے ہیں۔ اور راوی کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے ایک درجے میں بھی یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو وہ غریب کہلائے گی۔ لیکن اس صورت میں اسے فرد نسبی کہتے ہیں۔ اور اگر سند کے تمام درجوں میں ایک ہی راوی چلا آرہا ہو تو ایسی روایت کا نام فرد مطلق ہے۔ اور دو راویوں کے روایت کرنے سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام درجوں میں دو راوی ہوں۔ اگر کسی ایک درجے میں بھی صرف ایک راوی آگیا تو وہ عزیز نہ ہوگی بلکہ غریب کہلائے گی جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور اسی قیاس پر مشہور حدیث میں دو سے زیادہ راویوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ علماء نقد و جرح کے اس قول کا کہ اس فن میں اقل اکثر پر غالب ہے یہی معنی ہے۔ (یہ بات ذہن نشین کر لو)۔ اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ غرابت صحت کے منافی نہیں۔ اور یہ کہ غریب حدیث بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کے تمام رجال سند ثقہ ہوں۔ اور کبھی غریب بمعنی شاذ بھی آتی ہے۔ وہ شاذ جو حدیث میں اقسام طعن میں سے ہے۔ صاحب مصابیح بعض احادیث کے بارے میں بطور طعن جب یہ فرماتے ہیں کہ ہذا حدیث غریب تو اس سے ان کی مراد یہی شاذ ہوتی ہے۔ اور بعض نے شاذ سے صرف وہ حدیث مراد لی ہے جس کا راوی منفرد ہو۔ بغیر اس بات کا لحاظ کیے کہ اس میں ثقات کی مخالفت واقع ہوئی ہو۔ اس بنا پر یہ حضرات کہتے ہیں کہ صحیح شاذ بھی ہوتی ہے اور غیر شاذ (بمعنی فرد ثقہ) بھی۔ اور جہاں طعن کے طور پر کسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں وہاں مخالفت ثقات مراد ہوتی ہے۔

وَصْل:۔ ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح یا حسن کی شرائط معتبرہ میں سے ایک یا ایک سے زیادہ مطلقاً شرائط مفقود ہوں اور راوی میں عدالت یا ضبط نہ ہو۔ یا اس کا اسناد انقطاع کے عیب سے داغدار ہو اور شذوذ و اجنبیت اور علت و نقص سے پاک نہ ہو۔ اس اعتبار سے افراد اور ترکیباً ضعیف کی متعدد اور کثیر اقسام بن جاتی ہیں۔ اسی طرح صحیح یا حسن لذاتہ اور لغیرہ کی اقسام بھی اصل صحت و حسن میں مشترک ہونے کے باوجود ان صفات کے مراتب و درجات سے تفاوت کے لحاظ سے بہت بن جاتی ہیں۔

اور علماء نقد وجرح نے صحت کے مراتب پورے ضبط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور ان کی تعیین فرمادی ہے۔ اور احادیث کی سندوں سے ان کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور کہا ہے کہ عدالت وضبط کا نام سندوں کے تمام رجال (رواۃ حدیث) کو شامل ہے۔ لیکن ان صفات عدالت وضبط میں بعض راویوں کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔ تاہم صحیح ترین سند کا اطلاق کس مخصوص سند پہ کیا جائے تو اس میں علی الاطلاق اختلاف ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اصح ترین سند حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ہے جو وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے نانا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام) سے کریں۔ اور بعض مالک از نافع از ابن عمر کو اصح ترین سند کہتے ہیں۔ اور بعض زہری از سالم اور وہ اپنے باپ ابن عمر سے روایت کو اصح ترین سند قرار دیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں درست بات یہ ہے کہ کسی مخصوص سند پر علی الاطلاق اصح ترین ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ہاں اس مقام پر ایک اعلیٰ درجہ ہے جس میں بہت سی سندیں داخل ہیں۔ اور اگر کسی قید کے ساتھ مقید کر کے اصح ترین کا لفظ بولا جائے۔ مثلاً فلاں شہر کی اصح ترین سند، یا فلاں باب میں اصح ترین سند یا اس مسئلہ میں اصح ترین تو البتہ یہ اطلاق درست ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ایک حدیث کے بارے میں یوں فرمایا کرتے ہیں حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ و حديث غريب حَسَنٌ اور حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ان کی اس عادت کے بارے میں یہ بات ہے کہ حسن وصحت کے اجتماع میں تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ایک حدیث حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو سکتی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ ہاں غریب اور حسن کے اجتماع میں اشکال ضرور ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے۔ اور یہ بات غرابت کے مفہوم کے منافی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ امام ترمذی کے نزدیک تعدد طرق کا اعتبار مطلق حسن میں نہیں ہے۔ بلکہ حسن کی ایک خاص قسم میں ہے۔ اور جہاں وہ حسن اور غریب کو جمع کرتے ہیں وہاں اس سے ایک دوسری قسم مراد ہوتی ہے۔ بعض علماء اس اشکال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن وغریب کو یکجا کر کے امام ترمذی علیہ الرحمۃ اختلاف روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق یہ حدیث غریب اور بعض دوسری کے اعتبار سے حسن ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں واو بمعنی اَو ہے جو شک وتردد کے معنی دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ حدیث یا تو غریب ہے یا حسن۔ اور اس اشکال کا یہ جواب دینا کہ یہاں حسن سے مراد اصطلاحی حسن نہیں بلکہ حسن سے مایمیل الیہ الطبع مراد ہے (یعنی جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اگرچہ وہ سند کے اعتبار سے غریب ہی کیوں نہ ہو) تو یہ جواب درستی سے بعید ہے۔

وصل:۔ احکام میں صحیح لذاتہ کے قابل حجت ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے۔ عام علماء کے نزدیک حسن لذاتہ کی بھی یہی حیثیت ہے اور یہ قابل حجت ہونے میں صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔ اور جب ضعیف حدیث تعدد طرق کے ذریعے درجہ حسن تک پہنچ جائے تو اس سے بھی استدلال کرنا درست ہوتا ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ ضعیف حدیث

صرف فضائل اعمال میں حجت ہے تو اس سے مفرد یعنی ایک سند والی ضعیف مراد ہے۔ نہ کہ وہ جو کئی اسناد سے مروی ہو اس لیے کہ وہ تو تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ اور ضعیف کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ آئمہ فن نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ بعض آئمہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا ضعف اگر بعض راویوں کے سوء حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی بنا پر ہو۔ اور راوی میں صدق و دیانت کا وصف بھی ہو تو تعدد طرق سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جائے گی اور اگر ضعف کا موجب راوی کا متہم بالکذب ہونا یا اس کا شذوذ اور فحش خطا ہو تو تعدد طرق کے ساتھ بھی اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور حدیث درجہ ضعف میں شمار رہے گی۔ اور فضائل میں مقبول و معمول بہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ بعض علماء کے اس قول کا ذکر ایک ضعف کے دوسرے ضعف کے ساتھ مل جانے سے قوت نہیں آسکتی تعلق ضعیف حدیث کی اس قسم سے ہو۔ ورنہ کسی اور معنی کے مطابق یہ قول ظاہر الفساد ہے۔ اور اس بات میں ابھی مزید غور و تدبر کی ضرورت ہے۔

وَصْل:۔ جب کہ صحیح حدیث کے درجات میں فرق و تفاوت ہوتا ہے۔ اور بعض بعض سے زیادہ صحیح ہوتی ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بات محدثین کے ہاں طے شدہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی صحیح، حدیث میں تصنیف شدہ کتب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ علماء نے کہا ہے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے۔ اور بعض مغربی علماء مراکش واندلس وغیرہ کے علماء کے نزدیک صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر صحت میں فوقیت حاصل ہے۔ لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ ترجیح احادیث کے حسن سیاق، حدیث کی ترتیب و وضع میں عمدگی وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔ اور حدیث کی کوئی کتاب بھی احادیث کی وضع و ترتیب، اشارات کی باریکیوں کی رعایت اسناد کے ذکر کرنے میں بہترین نکات پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے صحیح مسلم کی ہم پلہ اور برابر نہیں۔ تاہم ترجیح کی یہ وجوہات خارج از بحث ہیں۔ کیونکہ یہاں گفتگو حدیث کی صحت، قوت اور ان امور کے بارے میں ہے جو اس سے متعلق

صحیح بخاری کے برابر نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے رجال حدیث میں صحت حدیث کے لیے جن صفات کاملہ کا لحاظ و اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ کسی اور محدث نے ملحوظ نہیں رکھیں۔ بعض علماء ان دونوں کتابوں کو ایک دوسری پر ترجیح دینے میں توقف کرتے ہیں۔ تاہم جمہور کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح حاصل ہے۔ جیسا کہ اس بات کو انہوں نے اپنے مقام پر وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور جب حدیث کی تخریج و روایت میں امام بخاری و امام مسلم دونوں اکٹھے ہو جائیں یا جس کے بارے میں یوں آئے أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ تو وہ حدیث متفق علیہ کہلائے گی۔ علماء حدیث نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحیح احادیث کی تعداد دو ہزار تین سو چھبیس ۲۳۲۶ ہے۔ مختصر یہ کہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک احادیث صحیحہ میں اعلیٰ ترین مرتبہ متفق علیہ حدیث کا ہے۔ پھر اس کا جس کے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہوں۔ پھر اس کا مرتبہ

جس کے روایت کرنے میں امام مسلم منفرد ہوں۔ پھر وہ حدیث جو امام بخاری و امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہو۔ پھر وہ جو امام بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔ اس کے بعد وہ جو امام مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔ پھر اس کا درجہ جو ان دو ائمہ کی شرط کے بجائے دوسرے آئمہ حدیث کی شرط کے موافق ہو جنہوں نے صحت احادیث کا التزام کر کے ان کی تصحیح کی ہے اس ترتیب کے مطابق تمام سات قسمیں بنتی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ رجال حدیث ان صفات سے متصف ہوں جن کا اعتبار ان دونوں اماموں نے کیا ہے۔ جیسے ضبط، عدالت، شذوذ کا نہ ہونا نکارت (اجنبیت راوی) اور علت قادحہ سے پاک ہونا وغیرہ۔ بخاری و مسلم کی شرط کی اس سے زیادہ تفصیل مقدمہ شرح سفر السعادت میں کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

وصل:۔ احادیث صحیحہ کا ذخیرہ صرف صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہی منحصر نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان دونوں حضرات نے تمام صحاح کا استیعاب (اکٹھی کر دینا) کیا ہے۔ بلکہ ان دونوں اماموں نے بعض ایسی صحیح احادیث بھی چھوڑ دی ہیں۔ جو ان کی شرائط کے مطابق تھیں۔ چہ جائیکہ مطلقاً تمام صحیح احادیث کو انہوں نے اپنی صحیحین میں درج کیا ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث درج کی ہیں اور ان میں سے بھی بہت سی چھوڑ دی ہیں۔ امام مسلم علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے میں نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ہی درج کی ہیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے درج نہیں کیا وہ ضعیف ہیں تاہم بعض احادیث صحاح کو چھوڑ دینے اور بعض کے نقل کرنے میں ان دونوں اماموں کے ہاں تخصیص و ترجیح کی وجہ ضرور ہو گی۔ خواہ وہ صحت کی حیثیت سے متعلق ہو یا دوسرے مقاصد کے پیش نظر۔

اور حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام مستدرک رکھا۔ یعنی وہ صحیح احادیث جنہیں امام بخاری و مسلم نے چھوڑ دیا مستدرک میں انہیں درج کر کے ان کی اس فروگذاشت کی تلافی کی۔ اس کتاب میں انہوں نے بعض احادیث شرط شیخین کے مطابق روایت کیں اور بعض ان میں سے ایک کی شرط کے مطابق۔ اور بعض دوسرے ائمہ حدیث کی شرط کے مطابق۔ اور حاکم علیہ الرحمتہ نے کہا ہے کہ انہوں نے یعنی بخاری و مسلم نے یہ فیصلہ نہیں دیا کہ جن احادیث کی ہم نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں تخریج و روایت نہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ حاکم علیہ الرحمتہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے زمانے میں بدعتی لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے جنہوں نے آئمہ دین پر طعن و اعتراض کی زبانیں کھول دی ہیں۔ کہ تمہارے نزدیک بھی احادیث صحیحہ کی تعداد بارہ ہزار ہے۔ تو ان آئمہ حدیث نے بہت سی صحیح احادیث کیوں چھوڑ دیں، تاہم آئمہ دین پر طعن و اعتراض کرنا ٹھیک نہیں۔ اور امام بخاری سے منقول ہے وہ فرماتے تھے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث یاد ہے۔ اور غیر صحیح دو لاکھ یاد ہیں ظاہر یہی ہے کہ صحیح سے مراد وہ احادیث ہیں جو امام بخاری علیہ الرحمتہ کی اپنی شرط کے مطابق صحیح ہوں۔ اور صحیح بخاری میں مکرر احادیث سمیت کل سات ہزار دو سو پچہتر ۲۷۵ احادیث ہیں۔ اور مکرر احادیث کو شمار نہ کرنے کی صورت

ہیں صحیح بخاری میں کل چار ہزار حدیث ہے۔

بہت سے دوسرے آئمہ حدیث نے بھی صحیح احادیث اکٹھا کرنے کی خاطر کتب تصنیف فرمائی ہیں جیسے صحیح ابن خزیمہ کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ کو امام الائمہ کہا گیا ہے یہ صاحب ابن حبان کے شیخ و استاذ ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شان میں فرمایا ہے۔ کہ میں نے روئے زمین پر ابن خزیمہ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو فن حدیث کو ان سے بہتر جانتا ہو۔ یا جسے مختلف الفاظ کے ساتھ پوری طرح احادیث صحیحہ یاد ہوں۔ گویا تمام سنن حاحادیث کا ذخیرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی طرح ایک کتاب صحیح ابن حبان ہے سا ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ امام الائمہ ابن خزیمہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد ہیں ثقہ، ثبت (فکی الذہن) فاضل اور نہایت تیز فہم و فراست کے مالک تھے۔ حاکم نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ ابن حبان علیہ الرحمۃ علم فقہ، علم حدیث اور وعظ میں علم سے بھرے ہوئے برتنوں کی طرح تھے۔ اور نہایت ہی عقلمند شخصیت تھے۔ اور ایک کتاب صحیح حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری الحافظ الثقہ ہے جس کا نام مستدرک ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے حاکم سے اس کتاب میں قدرے فروگذاشت بھی سرزد ہوئی ہے۔ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان سندوں اور متنوں کے بیان کرنے میں حاکم سے اکمل و اقوی اور بہتر و عمدہ تر ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کتاب مختارہ حافظ ضیاء مقدسی ہے انہوں نے بھی اس میں وہ احادیث صحیحہ اکٹھی کی ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں۔ علماء نے اس کتاب کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ مستدرک حاکم سے بھی یہ احسن ہے۔ یوں ہی صحیح ابو عوانہ، ابن السکین اور ابن جارود کی مُنْتَقیٰ ہے۔ ان تمام مذکورہ کتب میں صحیح احادیث ہی جمع کی گئی ہیں۔ تاہم علماءِ نقد و جرح کی ایک جماعت نے ان کتب پر از راہ تعصب یا از روئے انصاف تنقید کی ہے۔

وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا موجود ہے) واللہ اعلم۔

وَصْل: اسلامی علاقوں میں حدیث کی جو چھ کتابیں مشہور ہیں اور جنہیں صحاح ستہ کہتے ہیں وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سے عبارت ہیں۔ بعض کے نزدیک ابن ماجہ کے بجائے موطا ہے۔ کتاب جامع الاصول کے مؤلف نے موطا کو ہی اختیار کیا ہے۔ ان چھ کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی احادیث موجود ہیں۔ اغلب و اکثر احادیث کے لحاظ سے ان کتب کو صحاح ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ صاحب مصابیح نے جو بخاری و مسلم کے بغیر مرویات کو حسن کہا ہے۔ تو اس کی وجہ بھی تقریب یہی ہے۔ دراصل یہ صاحب مصابیح کی جدید اصطلاح ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ابن ماجہ کی جگہ دارمی کی کتاب شمار کیے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اس کے رجال ضعف میں کمتر ہیں۔ اور منکر و شاذ احادیث اس میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔

یہ تمام مذکورہ کتابیں علم حدیث کی مشہور کتابیں ہیں۔ اور امام سیوطی نے جمع الجوامع میں پچاس سے زائد کتب حدیث سے

احادیث جمع کی ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی احادیث ہیں۔ اور امام سیوطی نے ... کیا ہے کہ جمع الجوامع میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی گئی جو موضوع ہو۔ یا جو باتفاق محدثین متروک اور مردود ہو۔ واللہ اعلم۔

مصنف مشکوٰۃ المصابیح نے دیباچہ کتاب میں ائمہ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی صوبت کی ترتیب کے مطابق ان ائمہ کے حالات بیان کر دیئے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ذکر ہوا جل، اعظم، اور اکرم امام ہیں اس کتاب میں نہیں کیا۔ اسماء الرجال کی کتاب میں آپ کا ذکر اتم و اکمل طریقہ پر ہم نے کر دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ کی کنیت ابو عبداللہ، نام محمد۔ اور شجرہ نسب اس طرح ہے۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بفتح باء موحدہ، وسکون راء وکسر دال مہملہ وسکون زاء اور فتح باء موحدہ۔ آپ کو بخاری اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ بخارا شریف میں پیدا ہوئے۔ لفظ بخاری آپ اور آپ کی کتاب کے لیے علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ کو جعفی (بضمہ جیم، وسکون عین مہملہ آخر میں فا مکسور) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا جد اعلیٰ مغیرہ مجوسی تھا یمان جعفی کے ہاتھ پر جو اس وقت والی بخارا تھا، مسلمان ہوا۔ امام بخاری کو بھی اس نسبت سے جعفی کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح شافع کی نسبت سے شافعی کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث و علمائے حدیث کے مقتدا و پیشوا ہوئے ہیں۔ محدثین کے ہاں آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث ناصر الاحادیث النبویہ اور ناشر المواریث المحمدیہ کے القاب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ آپ کے وقت کے علماء نے مختلف الفاظ میں آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام مسلم صاحب الصحیح جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو یوں کہا کرتے تھے۔ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں چوم لوں۔ اے عمدہ گفتگو والے۔ اے استاذ الاساتذہ۔ اے محدثین کے رئیس و سردار"۔ امام ترمذی نے کہا۔ "میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس امت کی زینت بنایا ہے"۔ ابن مدنی نے کہا امام بخاری نے خود بھی اپنے جیسا کوئی نہیں دیکھا ابن خزیمہ نے کہا نیلے آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑھ کر حدیث جاننے والا اور اس کا حافظ موجود نہیں ہے۔ بعض علماء نے آپ کی شان میں فرمایا ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں سے امام بخاری علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنے زمانہ میں احادیث کے حفظ و یادداشت کتاب و سنت کے معانی سمجھنے میں، ذہن کی تیزی، طبیعت کے نکھار، وفور علم فقہ، کمال زہد، غایت ورع و تقویٰ، حدیث کے طرق اور ان کے نقائص و علل پر مطلع ہونے میں، نظر کی باریکی قوت اجتہاد اور فروع کو اصول سے نکالنے میں اپنی نظیر نہیں

رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ۔ ابرار واخیار اور احادیث کے راویوں میں سے تھے۔ انہیں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت وہم نشینی نصیب رہی۔ اور انہوں نے امام مالک کے اصحاب اور ان کے طبقہ سے روایت کی ہے۔ اور وہ یعنی والد مکرم مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ اور بارہا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے خداوند قدوس! میری تمام دعائیں دنیا میں ہی قبول نہ کرے بلکہ کچھ آخرت کے لیے بھی رہنے دے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی مستجاب الدعوات تھیں۔ منقول ہے کہ امام بخاری بچپن میں نابینا ہو گئے۔ اطباء نے آپ کو لاعلاج قرار دے دیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے درگاہ الٰہی میں متوجہ ہو کر دعا کی خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے بڑھیا اللہ تعالیٰ نے تیرے بار بار دعا کرنے اور تیری گریہ وزاری کی برکت سے تیرے بچے کو بینائی عطا فرما دی۔ امام بخاری جب صبح کو اٹھے تو آنکھوں کی بینائی اس طرح رہی اور درست تھی گویا کبھی بینائی ضائع نہیں ہوئی تھی۔ منقول ہے کہ آپ دس برس کے تھے کہ حدیث حفظ کرنے کا الہام ہوا۔ گیارہ برس کے تھے کہ اپنے شیخ کے خلط (سند حدیث میں عیب ونقص کا نام ہے) کی اصلاح کی۔ سولہ برس کی عمر میں ابن مبارک اور وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا۔ اور اصحاب رائے کی کتابوں سے واقف ہو گئے۔ انہی ایام میں والدہ، والد اور آپ کا بھائی آپ کو حج بیت اللہ کے لیے لے گئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے صحابہ وتابعین کے فضائل ومناقب میں کتاب تصنیف کی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے قریب بیٹھ کر تاریخ کبیر تالیف کی۔ آپ چاندنی راتوں میں بھی کتابیں لکھتے تھے۔ آپ نے سماع اور قرأت حدیث کے لیے اسلامی شہروں کے متعدد سفر اختیار کیے۔ آپ سے منقول ہے کہ فرمایا میں نے استفادہ حدیث کے لیے دو مرتبہ شام اور مصر کا سفر کیا۔ چار مرتبہ بصرے آیا۔ چھ سال حجاز مقدس میں اقامت گزیں رہا۔ اور اس کا شمار نہیں کر سکتا کہ بغداد و کوفہ میں کتنی بار آیا ہوں۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک ہزار اسی اشخاص سے میں نے حدیث روایت کی ہے۔ اور اس تعداد میں اصحاب حدیث علماء کے علاوہ اور کوئی شامل نہیں۔ آپ کے مشائخ کے پانچ طبقات ہیں۔ تبع تابعین، تبع تبع تابعین۔ آپ کے ہم عمر۔ آپ کے ساتھی۔ اور آپ کے وہ تلامذہ جن کی روایت کردہ احادیث میں آپ نے فوائد ملاحظہ فرمائے ان سب حضرات سے آپ نے روایت کی ہے۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے کہ کوئی محدث اس وقت تک کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک اپنے سے اوپر، اپنے برابر اور اپنے سے کم درجہ آدمی سے روایت نہ کرے۔ اور بے شمار لوگوں نے امام بخاری علیہ الرحمۃ سے روایت کی ہے۔ جیسے امام مسلم نے اپنی غیر صحیح میں اور امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور فربری وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے اور کم وبیش ایک لاکھ افراد نے آپ سے روایت کی ہے رحمۃ اللہ علیہ وعلیہم وعلی سائر عباد اللہ الصالحین۔

منقول ہے کہ امام صاحب کو اپنے والد کی ترکہ [illegible]

اور آپ جوانمرد، سخی، صاحب مروت، نہایت پارسا اور تمام امور میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔ غرباء و فقراء کو صدقات وخیرات سے نوازتے رہتے تھے۔ علم حدیث کے طلبہ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور نہایت قلیل الغذاء تھے۔ یہاں تک کہ دن میں صرف دو یا تین بادام آپ کی خوراک تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے چالیس سال روٹی کے ساتھ سالن استعمال نہیں کیا۔ جب بیمار ہو گئے تو اطباء نے کہا کہ یہ مرض خشک روٹی کھانے کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ تو صحت کی خاطر کثرت کے ساتھ مخصوص شربت پینا پڑا۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ سترہ مرتبہ بھڑ نے آپ کو کاٹا مگر آپ نے نماز نہ توڑی اور بدستور نماز میں مصروف رہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔ صحیح کے علاوہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی اور بھی تالیفات ہیں۔ جیسے ادب مفرد، رفع الیدین فی الصلوٰۃ، قرأۃ خلف الامام، برالوالدین، تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، خلق افعال عباد، کتاب الضعفاء، جامع کبیر، مسند کبیر، تفسیر کبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الہبہ، اسامی صحابہ، کتاب رجال، کتاب علل، کتاب کنیٰ۔ کتاب مبسوط اور کتاب فوائد۔

صحیح بخاری کی وجہ تصنیف

معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ اور تابعین کبار رضی اللہ عنھم کے زمانہ میں احادیث و آثار جوامع (کتب) کی شکل میں مدون و مرتب نہ ہوئی تھیں اور تصنیف و تالیف کی رسم معرض وجود میں نہ آئی تھی۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت اور زمانہ رسالت سے قرب کی بنا پر ان حضرات کا دائرہ حفظ بڑا وسیع، اور ان کے اذہان و عقول بڑے صاف و رواں تھے۔ نیز جو امور جمع اور تالیف اور تصنیف کتب کا سبب بنتے ہیں، جیسے مذہبی تنازعات، اختلافات، فتاویٰ اور واقعات بھی کم تھے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ کرام کو احادیث ضبط تحریر میں لانے کی ممانعت تھی، تاکہ ان میں بعض قرآن مجید سے خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اور اس طرح سطحی ذہن کے لوگ اشتباہ و التباس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ضبط تحریر میں نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر حضرات فن تحریر سے آشنا نہ تھے۔ احادیث و اخبار کی تدوین اور سنن و آثار کی تصنیف کا سلسلہ دراصل تابعین کے آخری دور میں شروع ہوا۔ چنانچہ امام زہری، ربیع بن صبیح اور سعید بن ابوعروبہ وغیرہ نے اس مبارک کام کا آغاز کیا۔ اور ہر باب کی علیحدہ تصنیف کی۔ تا آنکہ طبقہ ثالثہ میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق حدیث کی تدوین و تالیف کی۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے جو اہل مدینہ کے پیشوا و مقتدا ہیں موطا تصنیف کی۔ اور اہل حجاز کی جو احادیث ان کے ہاں صحت و قوت

اپنی اس کتاب میں درج کیے۔ اور تصنیف و تالیف کا یہی کام مکہ معظمہ میں ابو محمد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (راء و جیم د جیم اول مضموم) علیہ الرحمۃ نے شروع کر دیا۔ شام میں ابو عمرو عبدالرحمن اوزاعی نے، کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ ان سب حضرات نے کتابیں تصنیف فرمائیں ان کے بعد علماء متقدمین میں سے ہر ایک نے تالیفات کیں۔ اور کبرائے محدثین میں سے امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ جیسے حضرات نے مسانید تالیف کیں۔ اور بعض تصانیف ابواب فقہ کی ترتیب کے مطابق مرتب فرمائیں۔ تاہم ان تمام مولفات میں سے کسی کتاب میں بھی ان کی تدوین و تالیف کرنے والوں نے صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے جدا اور الگ نہ کیا تھا۔ سب سے پہلا شخص جس نے خالص صحیح احادیث کا ذخیرہ کسی کتاب میں بصورت تصنیف جمع کیا وہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ہے۔ اور ان مذکورہ کتب سے واقفیت امام موصوف کے لیے صحیح احادیث یکجا کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ آپ نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور تشریف لائے ہیں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور وہ آپ کو ہوا پہنچانے کے لیے جھول رہا ہوں۔ اور آپ کے چہرہ انور پر سے مکھیوں کو دور ہٹا رہا ہوں۔ میں نے اپنا یہ خواب تعبیر کی خاطر ایک معبر کے سامنے بیان کیا۔ اس نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ تو وہ شخص بنے گا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث سے جھوٹ کو دور کرے گا۔ یہ واقعہ اور تعبیر بھی (جامع الصحیح) کی تالیف کے سلسلے میں مزید تاکید کا سبب بنا۔

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے چھ لاکھ احادیث سے چھانٹ کر صحیح کی تالیف کی۔ اور کہا ہے احادیث کا جو ذخیرہ میں نے چھوڑ دیا ہے (کتاب میں درج نہیں کیا) وہ اس سے زیادہ ہے۔ جن میں سے صحیح بخاری کی شکل میں جمع کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تالیف مسجد خانہ کعبہ میں بیٹھ کر کی۔ اور ہر حدیث لکھنے سے پہلے بارگاہ الٰہی میں استخارہ کرتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اور ایک روایت ہے کہ پہلے آب زمزم شریف سے غسل کرتے اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر حدیث پاک لکھتے تھے۔ اور جس حدیث کی صحت آپ کے نزدیک یقین سے ثابت تھی صرف اس کو آپ نے اپنی جگہ میں درج فرمایا۔ اور ابن عدی نے اپنے شیوخ و اساتذہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے کتاب کے تراجم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر اور آپ کے منبر شریف کے درمیان بیٹھ کر پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

اور ہر ترجمہ کی تحریر سے قبل آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ مسودہ کتاب تو مسجد خانہ کعبہ میں تیار کیا لیکن اس کی نظر ثانی اور اسے بیاض کی شکل مدینہ مطہرہ میں جا کر دی۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کو تین مرتبہ تصنیف کیا تین مرتبہ ان میں سے گزرے اور تین مرتبہ ان کی کاٹ چھانٹ کی اس کے بعد جا کر اسے آخری شکل دیتے تھے۔ بخاری شریف کے نسخوں کے کثرت اختلاف کی وجہ بھی یہی ہے۔ بخاری شریف کے مختلف نسخے دراصل مختلف روایات ہیں

جو آپ نے درج کی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ امام صاحب ہر حدیث عالم واقعہ یا الہام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کرتے ہوں۔ اور حضور علیہ السلام سے اجازت ورخصت لے کر درج کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

امام ابوزید مروزی فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سو یا ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ اے ابوزید تو میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا ہوں میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے۔ فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب۔

اور بعض عظیم القدر علماء کرام سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور جس جگہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک رکھتے ہیں بالکل اسی جگہ امام موصوف بھی اپنا قدم رکھتے ہیں۔ اور جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ علم حدیث میں تمام تصنیف شدہ کتابوں میں سے امام بخاری کی کتاب کو فوقیت و برتری حاصل ہے۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب صحیح البخاری ہے۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر نے صحیح بخاری کی شرح میں فرمایا ہے کہ صحیح بخاری کی تمام احادیث کی تعداد تعلیقات، شواہد، تابعات اور مکرر احادیث ملا کر نو ہزار آٹھ سو بیاسی ۹۸۸۲ ہے۔ اور مکرر احادیث کو چھوڑ کر مرفوع احادیث دو ہزار چھ سو تیئیس ۲۶۲۳ ہیں۔ انتہی لیکن اس جگہ علماء اصول حدیث اور شارحین بخاری کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے واللہ اعلم۔ صحیح بخاری کی احادیث میں سند کے اعتبار سے اعلیٰ واقرب وہ احادیث ہیں جن میں امام بخاری اور حضور علیہ السلام کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ اور مکررات کو ملا کر وہ کل بائیس احادیث ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر کل سولہ ہیں۔

اور بہت سے مشائخ اور ثقہ علماء کرام مرادوں کے حصول، مہمات میں کفایت، حاجات کے پورا ہونے، مصائب کے دور کرنے، تکالیف سے نجات پانے، بیماروں کی صحت وشفا اور شدائد و پریشانیوں کے وقت بخاری شریف کے پڑھنے کا عمل کرتے آئے ہیں۔ اور اس عمل کے ذریعے اپنی مرادیں پاتے اور مقاصد میں کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور اس عمل کو انہوں نے تریاق مجرب کی طرح قرار دیا ہے۔ اور علماء حدیث کے ہاں یہ عمل و وظیفہ نہایت ہی شہرت یافتہ ہے۔ چنانچہ میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ سید اصیل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنی اور لوگوں کی مشکلات اور مسائل و پریشانیوں کی خاطر کم وبیش ایک سو بیس مرتبہ صحیح بخاری پڑھنے کا عمل کیا ہے۔ جس مقصد اور جس نیت کے تحت ایسا کیا اس میں کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی۔ اور علماء امت کے درمیان یہ حقیقت اس حد تک شہرت یافتہ ہے کہ بے دھڑک یہ کہا جا رہا ہے کہ صحیح بخاری کی تلاوت کسی مشکل کے لیے نہیں کی گئی مگر اس سے نجات مل گئی۔ اور وہ مشکل حل ہو گئی۔

نیز جس کشتی او گھر میں کتاب صحیح بخاری ہوگی خدا تعالیٰ اسے ڈوبنے اور جلنے وغیرہ سے محفوظ رکھے گا۔ اور معتمد علماء کے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مستجاب الدعوات تھے۔ اور آپ نے صحیح بخاری پڑھنے والے کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

تذکرہ نگار رقم طراز ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب تحصیل علوم، بلاد اسلامی کی رحلت وسیاست اور مشائخ سے اکتساب فیض سے فارغ ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا شریف میں جو آپ کی جائے پیدائش بھی ہے، واپس تشریف لائے تو اہل بخارا نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم اور آپ کا بڑا ادب و احترام کیا بخارا شریف سے تین میل باہر جا کر آپ کا استقبال کیا۔ اور اس تین میل کے پورے راستے میں آپ کے اعزاز و اکرام میں قبے اور خیمے نصب کیے۔ اور آپ پر درہم و دینار اور زر و جواہر نچھاور کیے۔ ایک مدت تک بخارا میں آپ کا قیام رہا۔ اس دوران آپ کا زیادہ وقت تعلیم حدیث اور افادہ علوم میں گزرتا تھا۔ اس اثنا میں بعض لوگوں نے آپ سے حسد و عداوت کی بنا پر حاکم بخارا سے کہا کہ وہ امام بخاری کو حکم دے کہ وہ صحیح البخاری اور تاریخ کبیر اس کے دربار میں لائیں اور پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب نے حاکم بخاری کے قاصد کو جواب دیا "میں علم کو خوار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہاں کتابیں لانے کو تیار نہیں ہوں۔ حاکم بخارا اگر علم کی طلب و چاہت رکھتا ہے تو وہ میرے پاس میری مسجد میں یا میرے گھر آئے اور اکتساب علم کرے"۔ ایک روایت یہ ہے کہ والی بخارا نے امام صاحب سے استدعا کی تھی کہ ایک خصوصی مجلس کا اہتمام کیا کریں جس میں صرف میری اولاد کو تعلیم دیں اور ان کی معاونت کریں۔ اس مجلس میں کوئی شریک نہ ہو۔ امام صاحب علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ میں ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ کہ حدیث سنانے میں یہ امتیاز برتوں اور کچھ لوگوں کو خاص کروں پس یہ بات امام صاحب اور حاکم وقت کے درمیان کشیدگی کا باعث بن گئی۔ اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ حاکم بخارا نے شہر بخارا سے امام صاحب کو بدر کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ امام صاحب شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ مگر چونکہ آخر عمر میں آپ کو ناحق اذیت دی گئی اس لیے آپ نے حاکم بخارا اور اس سے اتفاق کرنے والے درباریوں کے حق میں بددعا کی۔ اور اس طرح بارگاہ الٰہی میں عرض کی:۔ اَللّٰهُمَّ اَرِهِمْ مَا قَصَدُوْنِیْ بِهٖ فِیْ اَنْفُسِهِمْ وَاَوْلَادِهِمْ وَاَهَالِیْهِمْ۔

اے میرے اللہ جس چیز کا ارادہ ان لوگوں نے میرے متعلق کیا ہے وہ چیز تو مجھے دکھانے کے بجائے ان کو، ان کی اولاد کو اور ان کے اہل و عیال کو دکھا۔

آپ کی یہ بد دعا ان لوگوں کے حق میں قبول ہوئی اور ایک ماہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ والی بخارا کے لیے دار الخلافت سے حکم جاری ہوا کہ اسے عہدہ سے برطرف کیا جاتا ہے۔ پھر اسے گدھی پر سوار کر کے تمام شہر میں پھرایا گیا۔ ساتھ ہی ایک منادی یہ ندا کر رہا تھا کہ بدکار شخص کی یہی سزا ہے۔ پھر اسے جیل میں قید کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ جیل میں ہی مرا۔ اور اس کے درباریوں کے جس گروہ نے اس سے اتفاق رائے کیا تھا ان میں سے ہر ایک ایسی مصیبت و بلا میں گرفتار ہوا کہ لوگوں کے لیے درس عبرت بن گیا۔

شعر۔ لله قوم اذا حلوا بمنزلة حل الرضا و يسير الجود اذا ساروا

ترجمہ "اللہ تعالیٰ کے کچھ مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جہاں نزول فرماتے ہیں خدا کی رضا بھی وہاں اتر پڑتی ہے۔ اور جب چلتے ہیں تو جود و سخا بھی ان کے ساتھ چلتا ہے"۔

منقول ہے کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا شریف سے نکل کھڑے ہوئے اور اہل سمرقند کو اس کی اطلاع مل تو انہوں نے سمرقند میں قیام اختیار کرنے کی پیش کش کی۔ آپ اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ جب خرتنگ نامی قصبہ میں پہنچے جو سمرقند کے قریب ہے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہل سمرقند کا آپ کے سمرقند میں قیام پذیر ہونے پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ اس انتظار میں آپ اسی قصبہ میں رک گئے کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ آخر کار ایک رات یہ دیکھ کر کہ لوگوں کا اس بارے میں اتفاق نہیں ہو رہا۔ بلکہ ان میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔ اور یہ صورت حال ان کے دین میں بھی اختلاف و انتشار کا باعث بن جائے گی۔ اس صدمے نے آپ کے دل پر بڑا اثر کیا اسی رات تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ قَدْ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِي اِلَيْكَ۔

"اے میرے اللہ زمین فراخ ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے اس لیے اب تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے"۔

یہ دعا کیے ابھی ایک ماہ نہ گزرا تھا کہ آپ بیمار پڑ گئے۔ چند روز بیمار رہ کر اسی قصبہ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی ولادت ۱۳ شوال المعظم ۱۹۴ھ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر شہر بخارا میں ہوئی۔ اور وفات یکم شوال المکرم ۲۵۶ھ ہفتہ کی شب کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خطیب ابو بکر بغدادی اپنی سند سے عبد الواحد طراویسی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں اور کسی کی انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا آپ نے میرے سلام کا جواب ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کی حضور یہاں کیوں کھڑے ہیں اور کس کی انتظار فرما رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا اَنْتَظِرُ مُحَمَّدَ بنَ اسمعيل میں محمد بن اسماعیل بخاری کی انتظار میں ہوں۔ اس خواب کے چند دن بعد امام بخاری کی وفات کی اطلاع ملی تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس رات میں نے خواب دیکھا تھا اسی رات امام صاحب کی وفات ہوئی تھی۔

منقول ہے۔ کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر انور سے نہایت اعلیٰ قسم کی کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ اور مدت دراز تک یہ خوشبو آتی رہی۔ لوگ زیارت کے لیے آتے تھے۔ اور قبر مبارک کی خاک بطور تبرک لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قبر انور میں کافی گڑھا پڑ گیا۔ تو قبر مبارک کے تعویذ پر لکڑی کا پنجرہ بنا کر رکھ دیا گیا۔ تاکہ تعویذ پر سے لوگ مٹی نہ اٹھا سکیں۔ اب لوگ پنجرے سے باہر سے قبر کی مٹی اٹھاتے تھے اس مٹی سے بھی وہی خوشبو آتی تھی۔ یہ خوشبو عرصہ دراز تک زائرین کے دماغ معطر کرتی رہی۔

نظم۔ ہر جا کہ تو بگذری و بر داری پے گل روید و لالہ رویداندر نیزد سے

تو جہاں سے گزرتا ہے اور جہاں قدم رکھتا ہے۔ اس کی تہ سے پھول اور گل لالہ اگتا ہے۔

کمال ہمنشین در من اثر کرد دگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں کا کمال مجھ میں اثر کر گیا۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو کہ تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاد قشیری نسبًا۔ نیشاپوری وطنًا اور مسکنًا۔ امت کے جید علماء اور حفاظ ملت میں سے ہوئے ہیں۔ فن حدیث میں مقتدا و پیشوا، اس فن کے مسلم لوگوں میں سے اور اس علم شریف کے ظاہر کرنے والے اہل تقویٰ میں سے ایک عظیم شخصیت۔ اور اہل اسلام کے نزدیک امام، عمدہ اور استاذ ہوئے ہیں۔ آپ نے طلب حدیث میں اپنے وطن مالوف سے رحلت اختیار کی۔ اور تحصیل علم کی لگن میں اقطار و اکناف اور امصار و اطراف عالم میں پہنچے اور علم حدیث کی تحصیل کی۔ چنانچہ خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ وغیرہما سے، رے میں محمد بن مہران جمال رحیم سے، اور ابو غسان مسمعی وغیرہما سے۔ عراق میں احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمہ قعنبی وغیرہما سے۔ حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب وغیرہما سے اور مصر میں عمر بن اسود اور حرملہ بن یحییٰ وغیرہما سے اسی طرح اپنے وقت کے کبار علماء و حفاظ حدیث سے جو آپ سے فائق تھے، حدیث کی روایت کی ہے۔ چند بار بغداد بھی تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر اس علم کا پرچار کیا۔ اور آپ سے آپ کے ہم عصر مشائخ، علماء و حفاظ کے ایک گروہ نے جو درجے میں آپ کے برابر ہوئے ہیں، روایت کی ہے۔ جیسے ابو حاتم رازی، موسیٰ بن ہارون، احمد بن سلمہ، ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ وغیرہم بہت سے لوگوں نے جن کا شمار مشکل ہے، روایت کی ہے۔ آپ نے خالص صحیح احادیث میں کتاب تصنیف کی ہے۔ جسے علماء نے قبولیت کے شرف سے نوازا ہے۔ جس طرح امام بخاری نے اپنی صحیح میں کہا ہے: "میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں درج

نہیں کیا بلکہ اس صحیح حدیث کو درج کیا ہے جس کی صحت پر اجماع ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس مسند صحیح کو اپنے کانوں سے سنی ہوئی تین لاکھ احادیث سے چھانٹ کر تصنیف کیا ہے۔

اور ابو عمرو بن احمد بن حمدان حیری نے فرمایا میں نے ابوالعباس بن عقدہ سے محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے بارے میں دریافت کیا کہ ان میں سے زیادہ عالم کون ہے۔ فرمایا وہ بھی عالم ہیں اور یہ بھی۔ میں نے دوبارہ یہی بات دریافت کی تو انہوں نے پھر یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے ابو عمرو اہل شام کے بارے میں کبھی کبھی امام بخاری غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو ایک جگہ تو نسبت سے بیان کرتے ہیں، اور دوسری جگہ اسی شخص کو اس کے نام سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ یہ دو شخص ہیں۔ لیکن امام مسلم سے یہ غلطی بہت کم واقع ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی نے فرمایا ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کی پیروی کی ہے۔ اور ان کے علم میں غور و فکر کی ہے۔ پھر ان کے برابر بالکل راست طریقہ پر چلے ہیں۔ اور امام بخاری جب آخر عمر میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام مسلم پوری پابندی سے ان کے پاس رہے اور ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور ان کے پاس کثرت سے آمد و رفت جاری رکھی۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اگر وہاں امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم آمد و رفت نہ رکھتے۔ مختصر یہ کہ امام مسلم امام بخاری کے آثار سے استفادہ کرنے والے اور ان کے انوار سے روشنی حاصل کرنے والے ہیں۔ اور ابو احمد جید شیخ حاکم ابو عبداللہ ہیں نے کہا ہے کہ امام مسلم اپنی کتاب میں متفرق مقامات پر صحیح بخاری کی احادیث لائے ہیں۔ اور بڑی دلیری سے کام لیا ہے کہ یہ احادیث ان کی طرف منسوب نہیں کیں اور اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

اور مسلم کی اعلیٰ ترین سندوں میں سے وہ سند ہے جس میں امام مسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چار واسطے ہیں۔ صحیح مسلم میں اسی سے کچھ اوپر احادیث اس نوعیت کی ہیں۔ اور اس کتاب صحیح مسلم کے علاوہ اور بھی امام مسلم علیہ الرحمۃ کی تصنیفات ہیں۔ جیسے مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب علل، کتاب اوہام محدثین، کتاب تمییز، کتاب من لیس لہ الا راوٍ واحد، کتاب طبقات تابعین اور کتاب مخضرمین۔ اور شیخ محی الدین نووی علیہ الرحمۃ نے شرح مسلم کے مقدمہ میں فرمایا ہے۔ جو شخص صحیح مسلم کا تحقیق و دقت نظر سے مطالعہ کریگا۔ اور اسانید و ترتیب احادیث میں ان کے اسلوب کی عمدگی۔ حسن عبارت، نفیس تحقیقات و جواہر تدقیقات، ہمہ پہلو تقویٰ و احتیاط، روایت حدیث میں ان کے غور و تدبر، طرق حدیث میں ان کی تلخیص و جامعیت، متفرق امور کے ضبط وغیرہ امور میں ان کے انوکھے دلچسپ پن پر مطلع ہوگا وہ جان لے گا کہ آپ علماء سلف میں سے ایسے مقتدا پیشوا ہیں کہ بعد کا کوئی عالم و مصنف ان کے مقام رفیع کو نہیں پا سکا۔ ان کے زمانہ میں ان کا ہم پایہ یا ان کے مرتبہ کے قریب بہت کم ہی کوئی شخص پایا گیا ہوگا۔ وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے) اور جمہور علماء کے نزدیک آپ کی یہ صحیح صحت و متانت میں صحیح البخاری

کے بعد دوسرے درجے کی کتاب ہے۔ اور علاقہ مغرب کے بعض علماء کے نزدیک صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ لیکن ترجیح عمدگی وضع و ترتیب اور حسن عبارت اور اسلوب بیان میں ہے۔ تاہم علماء اسلام میں سے کسی نے کبھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے اصح قرار نہیں دیا۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ صفات جن پر صحت کا دارومدار ہے جیسے　　　سند، عدالت، ضبط، حفظ، رجال کا ثقہ ہونا، شذوذ و علت سے پاک ہونا یہ سب صحیح بخاری میں بدرجہ اتم ہیں اور بخاری کی شرائط بھی اقوی اور اشد ہیں۔

ولادت:۔ آپ دو سو چار اور ایک قول کے مطابق دو سو چھ ~~ہجری~~ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور اتوار کی رات چوبیس رجب المرجب دو سو اکسٹھ ہجری میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔ اور نیشاپور کے باہر دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمیر بن الحارث الاصبحی الحمیری۔ آپ دار الہجرۃ یعنی مدینہ مطہرہ کے مقتدا و پیشوا تھے۔ آپ ثقہ، مامون، متقی، فقیہ، محدث اور حجت و دلیل تھے تبع تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ نافع مولی ابن عمر اور محمد بن المنکدر، زہری اور تابعین و تبع تابعین کی ایک جماعت سے حدیث روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری اور امام زہری نے باوجودیکہ آپ کے شیوخ اور تابعین میں سے ہوئے ہیں، ان سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، شعبہ، لیث بن سعید، ابن مبارک، امام شافعی، ابن وہب اور دوسرے بے شمار لوگوں اور علماء نے آپ سے حدیث سنی۔ اور علم حفظ احادیث اور تقویٰ و ورع میں آپ کی جلالت شان اور افضلیت و برتری کے قائل و معترف تھے۔ امام شافعی رحمہ نے آپ کی شان میں فرمایا۔ لَوْلَا مَالِكٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ لَذَهَبَ عِلْمُ اَهْلِ الْحِجَازِ (اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو اہل حجاز میں علم ختم ہو جاتا)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے آپ کی شان میں یہ بھی فرمایا۔ اِذَا ذُكِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِكٌ النَّجْمُ (جب علماء کا ذکر کیا جائے تو امام مالک کی حیثیت ان میں ستارے اور کوکب کی ہے۔ اور آپ کی کتاب موطا کی شان میں فرمایا ما تحت ادیم السماء اصح من موطا مالک آسمان کے نیچے موطا مالک سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں موطا کی تصنیف کے وقت صحیح بخاری و مسلم کی تالیف نہیں ہوئی تھی۔ اور ذہب بن خالد نے جو علماء حدیث میں عظیم شخصیت ہوئے ہیں۔ فرمایا ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان امام مالک علیہ الرحمۃ سے بڑھ کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امین کوئی شخص نہیں گزرا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ کوئی کم ہی ایسا شخص ہوا ہے جس سے میں نے حدیث لکھی ہے اور وہ میرے پاس نہ آیا ہو اور مجھ سے حدیث نہ لیا ہو۔ آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام میں انتہا درجے کی کوشش کرتے تھے۔ جب طلب علم کے

لیے کوئی شخص آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوتا آپ لونڈی کو حکم دیتے جا پوچھ کہ فتویٰ چاہتا ہے یا حدیث پوچھنا چاہتا ہے۔ اگر فتویٰ کا ضرورت مند ہوتا تو آپ باہر تشریف لاتے اور فتویٰ کا جواب ارشاد فرماتے۔ اور اگر وہ حدیث پوچھنے کے لیے آیا ہوتا تو اسے بٹھاتے۔ اور خود تازہ غسل فرماتے۔ پاکیزہ لباس زیب تن فرماتے، خوشبو لگاتے۔ اپنے آپ کو پاک وصاف کرتے۔ تکیہ رکھتے اور اس پر ہیبت و وقار سے تشریف فرما ہوتے پھر اس شخص کو اندر بلاتے اور حدیث بیان فرماتے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید اپنے دور خلافت و سلطنت میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اسے دیکھنے کے لیے اس کے پاس گئے۔ جب ملاقات ہوگئی اور اس کی آؤ بھگت اور سلام و کلام کی مجلس برخاست ہوگئی۔ اور امام مالک اٹھ کر آنے لگے تو ہارون رشید نے عرض کیا اگر مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا (یعنی امام مالک) مہربانی فرما کر روزانہ ہمارے پاس تشریف لایا کریں اور ہمارے لڑکوں امین و مامون کو حدیث کی تعلیم دیا کریں تو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ یہ سن کر امام صاحب نے خلیفہ کی طرف نفرت و حقارت سے دیکھا۔ اور فرمایا مَہْ یا امیر المؤمنین لا تضع فی عزۃ شیءٍ رفعہ اللہ۔ العلم یؤتی ولا یاتی امیر المؤمنین ایسی بات نہ کیجئے اور اس چیز کی عزت کم نہ کیجئے جسے اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی عطا کی ہے۔ علم کے پاس دنیا آتی ہے علم کسی کے پاس نہیں آتا ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے عزت عطا کرے یہ علم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو تمہارے اصل و قبیلہ میں سے پھوٹا ہے اس کی عزت و حرمت تم لوگوں پر لازم و واجب ہے۔ یہ سن کر ہارون کا دماغ درست ہوا۔ اور انصاف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ صدقت ایہا الشیخ کان ھذا ھفوۃ منی فاسترھا اے شیخ آپ نے درست فرمایا۔ مجھ سے یہ ایک نامناسب اور فضول بات ہوگئی۔ اس پر پردہ ڈالیے اور درگزر فرمائیے۔ اس کے بعد وہ اپنے لڑکوں امین و مامون کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر بھیجتا۔ اور امام صاحب ان کو اس وقت شرف باریابی عطا کرتے جب دوسرے طالب علم بھی آجاتے۔ ان سب کو اکٹھے بٹھا کر تعلیم دیتے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رشید نے امام صاحب کی خدمت میں اشرفیاں بھیجیں۔ امام صاحب نے خادموں سے فرمایا یہ مال محفوظ رکھو اسے خرچ نہ کرنا۔ اس کے بعد ہارون نے امام صاحب سے کہا اگر آپ ہم سے اتفاق کریں۔ اور ہماری مجلس میں آیا کریں تو ہم آپ کی کتاب کو مشہور کریں گے اور اسے رواج دیں گے۔ اور تمام لوگوں کو آپ کے اور آپ کی کتاب کے مذہب کے مطابق کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا پناہ بخدا! ہم نے یہ کتاب اپنے اور اپنی دانش کے مطابق جمع کی ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بہت سے اغلاط ہوں۔ اور دوسرا شخص مجھ سے زیادہ صاحب علم ہو۔ اس لیے دوسروں کو اپنے مذہب کی طرف کھینچنے کا کیا معنی۔ اور جو رقم امیر المؤمنین نے ارسال کی تھی۔ بالکل جوں کی توں امانت کے طور پر پڑی ہوئی ہے۔ پھر وہ رقم ہارون کو واپس کر دی۔ ہارون نے معذرت کی اور رقم واپس لی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ میں نے ایک دفعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے دروازے پر

خراسانی گھوڑے اور مصری خچریں بندھی ہوئی دیکھیں کہ ان سے بہتر و عمدہ کہیں نہ دیکھی تھیں۔ میں نے بر سبیل تعجب کہا کیا ہی اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور خچریں ہیں۔ آپ نے سن کر فرمایا اے ابو عبداللہ میں نے یہ سب بطور ہدیہ تجھے دے دیئے۔ انہیں قبول کر۔ میں نے کہا ان میں سے ایک سواری آپ اپنی ضرورت کے لیے اپنے پاس رکھ لیں۔ فرمایا مجھے خدا تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس زمین پر سوار ہو کر چلوں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے۔ ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے۔ ساری عمر مسجد نبوی میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ آپ مدینہ طیبہ میں ہی ۹۵ یا ۹۱ یا ۹۴ یا ۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۷۹ھ ہجری میں فوت ہوگئے رحمۃ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم بالصواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی۔ آپ کو مطلبی اس نسبت سے کہا جاتا ہے کہ آپ کا جد اعلیٰ جیسا کہ معلوم ہوا ہاشم بن عبد مناف (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد محترم) کا بھائی مطلب بن عبد مناف ہے۔ اور آپ کی نسبت آپ کے جد اعلیٰ شافع کی طرف کر کے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ اور اس لفظ سے آپ کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں عبد یزید بن ہاشم کی والدہ ہاشم بن عبد مناف (جو حضور علیہ السلام کا جد اعلیٰ ہے) کی بیٹی ہے اور شافع کی والدہ خلدہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف حضرت فاطمہ بنت اسد کی ہمشیرہ ہے جو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ام الحسن بنت حمزہ بن القاسم بن یزید بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہے۔ لہٰذا ان اطراف سے بیت نبوت کے ساتھ امام شافعی کی نسبت ثابت ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شافع بن سائب نے جوانی کی عمر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی ہے۔ اور ان کا باپ بدر کے دن اہل مکہ کی جانب سے بنی ہاشم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ بعد میں فدیہ دے کر مسلمان ہو گیا۔

ولادت: آپ غزہ میں پیدا ہوئے اور ایک روایت کے مطابق عسقلان میں اور ایک کے مطابق منیٰ میں۔ پھر آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں موطا مالک یاد کی۔ علم فقہ مفتی مکہ حضرت مسلم بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس وقت کے علماء نے آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور امام مالک کی شاگردی اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابتداء عمر میں شعر و شاعری کے بڑے دلدادہ تھے۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں

وہ مقام عطا فرمایا جو بڑے ہی صاحب نصیب کو عطا ہوتا ہے۔ ساور فرماتے ہیں ایک دن میں اکیلا دیوار کعبہ کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ یا محمد علیک بالفقہ ودع الشعر اے محمد بن ادریس فقہ حاصل کرو اور شعر و شاعری کا شغل ترک کرو۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے بلوغت سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھے فرمار ہے ہیں۔ اے بچے میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ فرمایا تو کس قوم میں سے ہے۔ میں نے عرض کی آپ کی قوم سے۔ فرمایا میرے قریب آ اور منہ کھول۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے اپنے لعاب دہن مبارک کی کچھ مقدار لی اور میرے منہ میں ڈال دیا۔ اور فرمایا امض بارک اللہ فیک جا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے۔ حضور کی اس مہربانی کے بعد حدیث اور کلام عرب میں خطا اور غلطی واقع نہیں ہوئی۔ امام شافعی نے یہ بھی کہا ہے کہ جب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے میرا کلام سنا تو کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہے۔ امام مالک صاحب فراست بزرگ تھے۔ میرا نام دریافت کیا میں نے کہا محمد فرمایا اے محمد خدا سے ڈر اور پرہیزگاری اختیار کر اور گناہوں سے بچ۔ اللہ تعالیٰ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں عظیم شان عطا فرمائے گا۔ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تمام علوم حاصل کرنے تک ان کی خدمت میں رہا۔ جب میں نے آپ سے واپسی سفر کی اجازت طلب کی تو رخصت کرتے وقت فرمایا اے جوان اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں ایک نور ڈالا ہوا ہے۔ ظلمت معصیت سے یہ نور بجھا نہ دینا۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ نے امام مالک، سفیان بن عیینہ، اور عبد العزیز وغیرہ بے شمار لوگوں سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے امام احمد بن حنبل، ابو ثور اور مزنی وغیرہ بہت سے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ مذکور ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے آنے کے بعد آپ بغداد گئے اور دو سال وہاں رہے۔ اس دوران بغداد کے علماء آپ کی خدمت میں آتے اور حدیث و فقہ کا علم حاصل کرتے۔ آپ نے اپنی اولیں کتاب وہیں تصنیف کی۔ مذکور ہے کہ اصول میں چودہ جلدیں تالیف کیں۔ اور فروع میں آپ کی تالیفات کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناسخ حدیث کو منسوخ سے حدیث سے خاص کو عام سے اور اس کے مجمل کو مفصل سے اس وقت تک نہ پہچانا جب تک امام شافعی کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت ہمیں حاصل نہ ہوئی۔ حسن بن محمد زعفرانی سے منقول ہے مجھے جب بھی امام شافعی کی خدمت میں آنے کا اتفاق ہوا امام احمد بن حنبل کو ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا دیکھا اور ان سے استفادہ کرتے ہی دیکھا۔ امام احمد بن حنبل نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم اغفر لی ولوالدی ولمحمد بن ادریس الشافعی اے اللہ میری، میرے والدین اور محمد بن ادریس شافعی کی مغفرت فرما۔ اور فرماتے تھے امام شافعی دن کے آفتاب کی طرح اور لوگوں کے لیے شفا اور عافیت میں۔ اور فرماتے تھے تیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے کہ میں امام شافعی کے لیے دعا اور استغفار کر رہا ہوں [illegible]

علمائے حدیث کے رئیس و سردار ہونے ہیں ایک دفعہ امام احمد بن حنبل سے فرمایا گیا وجہ ہے کہ تم علم و زہد میں کامل ہونے کے باوجود امام شافعی علیہ الرحمۃ کی سواری کے داہنی جانب ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہو۔ سا امام احمد بن حنبل نے جواب دیا اگر آپ بھی علم و فقہ کے دلدادہ ہوتے تو ان کی سواری کے ساتھ بائیں جانب پیدل چلتے (اور اسے فخر محسوس کرتے)۔ شعر

ہر کو دانش نباشد ش روزی ننگ دارد ز دانش آموزی

جس کی قسمت میں دانش و عقلمندی نہ ہو۔ اسے دانش کی بات سیکھنے سے شرم و عار محسوس ہوتی ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کی مدح و ثنا میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتاب اوسط عاریۃً لے گئے اور ایک ہی دن رات میں وہ کتاب پوری حفظ کر لی۔ علماء وقت نے ان کی مدح و ثنا میں بہت کچھ فرمایا ہے۔

حفظ اور ضبط حدیث، فقہ، علم، وضاحت و معرفت، پختگی اور رسوخ علم، حسن صورت و سیرت، رائے کی عمدگی، فراست و شجاعت، حسن اخلاق، کرم وجود اور سخاوت و مروت میں آپ درجہ کمال پر فائز تھے۔ امام شافعی کے بھانجے ابو محمد علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک رات میں اپنی لونڈی کو کئی بار چراغ جلانے کا حکم دیتے اور اس کی روشنی میں جو کچھ چاہتے لکھتے اور مطالعہ فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے چراغ اٹھا لے۔ پھر تفکر و تدبر میں مصروف ہو جاتے۔ کچھ دیر بعد پھر آواز دیتے کہ چراغ لے آ۔ لوگوں نے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا چراغ اٹھا دینے سے ان کا مقصد کیا ہوتا تھا۔ فرمایا اندھیرے میں ذکر و فکر زیادہ جلد اور صفائی عطا کرتا ہے۔

آپ کے کلمات علم و حکمت:۔ استعینوا علی الکلام بالصمت وعلی الاستنباط بالفکر کلام کے لیے خاموشی سے مدد لو، اور استنباط کے لیے فکر سے۔

فرمایا من وعظ اخاہ سرا فقد نصحہ وزانہ ومن وعظ علانیۃ فقد فضحہ وشانہ جو شخص اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرتا ہے وہ در اصل اس کی خیر خواہی کرتا اور اسے زینت و حسن عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص علانیہ نصیحت کرتا ہے وہ اسے عیب لگاتا اور شرمندہ کرتا ہے۔

اور فرمایا۔ زینۃ العلماء التقوی وحلیتھم حسن الخلق وجمالھم کرم النفس ۔ علماء کی زینت تقوی ہے۔ ان کا زیور حسن اخلاق اور ان کا کمال و جمال کرم نفس ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ سے یہ بھی منقول ہے اگر علماء کرام خدا تعالی کے ولی اور دوست نہیں ہیں تو پھر آخرت میں خدا کا دوست کوئی نہ ہوگا۔ ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا قط ۔ اللہ تعالی نے کبھی بھی کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بنایا۔ کہتے

ہیں کہ ہارون رشید نے امام صاحب سے پوچھا سنا ہے کہ آپ صرف صبح کے وقت ہی کھانا کھاتے ہیں، اس میں کیا حکمت و مصلحت ہے۔ فرمایا۔ صبح کے وقت ٹھنڈا پانی اور تازہ ہوا میسر آتی ہے۔ اور اس وقت مکھیاں کم ہوتی ہیں۔ نیز اس وقت کھانا کھا لینے سے دوستوں کے دسترخوانوں کے طمع اور لالچ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ ہارون نے یہ سن کر کہا اہل بیت النقیب آپ کا گھر میانہ روی کے راستہ پر چلنے والا گھر ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ فقراء کے لیے فقر و قناعت اور اس پر صبر و شکر کرنا زینت ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جہال کا اضطراری۔ آپ کی وفات کے وقت مزنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور پوچھا آپ نے کس حال میں صبح کی ہے۔ اور اب آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا دنیا سے کوچ کرنے کے ارادے، دینی بھائیوں سے جدائی اختیار کرنے، موت کا پیالہ پینے کے قریب پہنچ جانے، اپنی بداعمالیوں کی سزا سے ڈرنے اور خدا تعالیٰ کے حضور پہنچ جانے کی حالت میں صبح کی ہے اور اس وقت بھی انہی خیالات میں کھویا ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور معافی کی امید اور مغفرت الٰہی کے بارے میں چند اشعار پڑھے۔ اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ ایک سو پچاس ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور دو سو چار ہجری اواخر ماہ رجب المرجب جمعہ کے روز فوت ہوئے۔ اور اسی دن نماز عصر کے بعد قرافہ مصر میں دفن کیے گئے۔ آپ کی قبر انور قرافہ میں ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان ہیں۔ آپ حدیث، فقہ، زہد و ورع اور عبادت میں مقتداء و پیشوا تھے ہیں۔ آپ کے فیضان علم سے ہی صحیح و سقیم اور مجروح اور ثقہ احادیث کی لوگوں کو پہچان نصیب ہوئی۔ بغداد میں نشوونما پائی۔ اور اسی علاقہ میں رہ کر طلب علم اور تحصیل حدیث کی۔ اس علاقہ کے مشائخ سے تحصیل علم حدیث سے جب فارغ ہو گئے تو سند عالی اور علم حدیث حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے رحلت اختیار کی اور کوفہ، بصرہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور جزیرے وغیرہ پہنچے۔ اور ان بلاد مذکورہ کے علماء و مشائخ سے احادیث لکھیں اور سنیں۔ آپ نے یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ بے شمار لوگوں سے حدیث روایت کی ہے پھر آپ سے بڑے بڑے مشائخ و علماء جیسے محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابو زرعہ، ابو داؤد سجستانی وغیرہ نے روایت کی۔ اسحاق بن راہویہ نے آپ کی شان میں فرمایا احمد بن حنبل زمین پر خدا اور بندوں کے درمیان حجت و دلیل ہے۔ امام شافعی نے

اور ایسے وقت اسے چھوڑا کہ وہاں امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر کوئی زیادہ متقی زیادہ پرہیزگار اور زیادہ عالم نہ تھا۔
احمد بن سعید دارمی فرماتے ہیں میں نے احمد بن حنبل سے بڑھ کر کسی جوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ نہیں دیکھا۔ آپ کی کتاب مُسند لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔ مسند میں آپ نے تیس ہزار حدیث جمع کی ہیں۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی کتاب (مسند) تمام کتب سے اعلیٰ و ارفع اور جامع تھی۔ لائق اعتماد اور ثقہ علماء نے آپ سے یہ بات نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے اپنی کتاب مسند سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے منتخب کر کے لکھی ہے۔" ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ بیٹھنا اور مجلس کرنا درحقیقت آخرت کی چیز کے ساتھ بیٹھنے کے مترادف ہے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر دنیا کی ہر چیز بھول جاتی تھی۔ علماء نے بیان کیا ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ چنانچہ پورے ستر برس فقر و فاقہ میں گزار دیئے اور کسی سے کوئی چیز قبول نہ کی۔ محمد بن موسیٰ کہتے ہیں مصر سے حسن بن عبدالعزیز کے لیے مال وراثت اور سرخ سونے کے ایک لاکھ دینار لاد کر بغداد پہنچائے گئے۔ ان میں سے تین تھیلیاں جن میں سے ہر ایک میں ایک ہزار دینار تھے امام احمد بن حنبل کے لیے روانہ کیں۔ اور پیغام ارسال کیا اے ابو عبداللہ یہ مال وراثت حلال طریقہ سے میری ملکیت میں آیا ہے۔ آپ اسے قبول کریں اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات میں صرف کریں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا مجھے اس دولت کی کچھ ضرورت نہیں اور آپ نے اس میں سے کچھ نہ لیا۔ شعر

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم گر بآب چشمۂ خورشید دامن تر کنم

ترجمہ:۔ اگرچہ فقر نے مجھے آلودہ کر دیا ہے۔ تاہم مجھے اپنی ہمت سے شرم محسوس کرنی چاہیئے اگر چشمہ آفتاب کے پانی سے اپنے دامن کو تر کروں۔

صبر، توکل، استغفار اور باب ورع و تقویٰ اور احتیاط میں آپ سے عجیب و غریب حکایات منقول ہیں جو اس باب میں آپ کے بلند اور اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔ رباعی

دست و دل ما ہر چہ تہی تر خوشتر وآزادی ما ز ہر چہ خوشتر خوشتر
عیش خوش مفلسانہ یک چشم زدن از عشرت صد ہزار قیصر خوشتر

ترجمہ:۔ ہمارے ہاتھ اور دل کا ہر چیز سے خالی ہونا بہت بہتر ہے۔ نفس کو جو چیز اچھی لگتی ہو اس سے ہمارا آزاد و فارغ رہنا بہت بہتر ہے۔ ایک لمحہ بھر کے لیے مفلسی کی خوش تر زندگی۔ قیصر (بادشاہ) کی لاکھ برس کی عیش و عشرت کی زندگی سے بہتر ہے۔

ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ میری مشائخ حدیث کے دو سو بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے

ان میں احمد بن حنبل جیسا باکمال شخص کوئی نہ پایا۔ ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ میری آنکھوں نے احمد بن حنبل جیسا کوئی صاحب کمال نہیں دیکھا۔ لوگوں نے کہا علم حدیث میں۔ فرمایا علم، زہد، فقہ اور تمام نیکیوں میں۔ علی بن المدنی فرماتے ہیں۔ ہمارے اصحاب میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا۔ عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بہت سے علماءِ حدیث ابو عاصم ضحاک بن مخلد کی خدمت میں حاضر تھے۔ ابو عاصم نے فرمایا تم لوگ اس لیے جمع ہوتے ہو کہ تمہارے علم میں اضافہ ہو حالانکہ تم میں کوئی شخص فقیہ نہیں ہے۔ یہ بات کی اور مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی مذمت کی۔ علماء نے فرمایا ان میں ایک شخص فقیہ ہے فرمایا کون؟ انہوں نے کہا وہ فقیہ ابھی ابھی تشریف لانے والا ہے۔ اتنے میں جب میرے باپ احمد بن حنبل نمودار ہوئے۔ تو علماء نے فرمایا جس شخص کو آپ چاہتے تھے وہ تشریف لے آیا ہے۔ ابو عاصم نے پیچھے دیکھا امام احمد پر نگاہ پڑی تو فرمایا چلیئے اور بلند جگہ پر تشریف رکھیئے۔ امام احمد نے فرمایا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کی گردنوں پہ پاؤں رکھوں۔ ابو عاصم نے یہ سن کر فرمایا امام احمد کی یہ بات بھی ان کی فقہ میں سے ہے۔ پھر فرمایا ان کے لیے مجلس کشادہ کرو۔ علماء کھلے کھلے بیٹھ گئے۔ اور ابو عاصم نے امام احمد کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ اور ایک مسئلہ دریافت فرمایا جس کا انہوں نے فوراً جواب دیا۔ ایک مسئلہ پوچھا امام احمد نے اس کا بھی جواب ارشاد فرمایا۔ اسی طرح ابو عاصم نے کئی مسائل دریافت کیے جن کے امام احمد نے جواب دیئے۔ ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احمد بن حنبل ان لوگوں میں سے ہیں جو زمین پر چلنے کے بجائے دریا پر چل سکتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علوِ مقام، رفعتِ مکان اور قوتِ مذہب و اجتہاد کی قوی ترین اور روشن ترین دلیل یہ ہے کہ شیخ الشیوخ، قدوۃ الاولیاء، قطب الاقطاب، فرد احباب، غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ وارضاہ آپ کے مذہب کے حامل اور آپ کے اقوال و ارشادات کے پیروکار ہیں۔ کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں ہے کہ کان یفتی علی مذہب الشافعی و احمد بن حنبل کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مسند اجتہاد پر فائز و متمکن تھے۔ اسی لیے مذکورہ دو مذاہب میں سے کسی ایک کی موافقت کرتے تھے۔ لیکن مشہور و تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ امام احمد بن حنبل کے مذہب پر تھے۔ اور آپ کا ذکر حنبلی علماء میں ثابت و واقع ہے واللہ اعلم۔

ولادت:- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں سن ایک سو چونسٹھ ہجری [۱۶۴] میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں سن ۲۴۱ھ

رحمۃ واسعۃ کاملۃ۔

ابوداود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر سجستانی ہیں۔ اور ان علماء میں سے ایک ہیں جنھوں نے علم کے پیچھے اپنے وطن عزیز کو چھوڑا۔ اور تلاش علم میں اطراف و اکناف عالم کا چکر لگایا۔ احادیث جمع کیں اور اس علم میں تصانیف فرمائیں۔ عراق، خراسان، شام، مصر اور جزیرہ کے علماء سے ملے۔ اور ان سے احادیث حاصل کیں۔ آپ نے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ جیسے مشائخ کبار اور علماء ذی اقتدار سے احادیث کی روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، ابو عبدالرحمن، احمد بن محمد بن خلال وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔ آپ بصرہ میں سکونت پذیر رہے۔ کئی مرتبہ بغداد آئے۔ اپنی مشہور کتاب "سنن ابوداؤد" بغداد میں ہی تصنیف کی۔ یہاں کے لوگوں نے آپ سے اس کتاب کی آپ سے روایت کی۔ امام احمد بن حنبل کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی تو آپ نے اسے پسند فرمایا اور نظر استحسان سے دیکھا۔ ابوداود رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث مشائخ سے ضبط تحریر اور احاطہ کتابت میں لائیں۔ پھر ان پانچ لاکھ سے اپنی کتاب "سنن" کو منتخب کیا۔ اور اس کتاب میں چار ہزار چھ سو صحیح اور صحیح کے قریب احادیث نقل و درج کیں۔ آدمی کے لیے ان احادیث میں سے جو میں نے اس کتاب میں درج کی ہیں صرف چار حدیثیں کافی ہیں۔ حدیث اول۔ انما الاعمال بالنیات اعمال کی قبولیت کا انحصار نیت پر ہے۔ حدیث دوم من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لا یعنی باتیں ترک کر دے۔ حدیث سوم۔ لا یکون المؤمن مومنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ حدیث چہارم ان الحلال بین وان الحرام بین وبینھما مشتبہات الحدیث بیشک حلال بھی ظاہر و واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان بہت سی شبہے والی چیزیں ہیں۔

ابوبکر خلال رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرمایا ہے۔ ابوداود اپنے وقت میں امام و پیشوا تھے۔ اور زہد، ورع، بصارت سے موصوف اور فن حدیث میں مہارت تامہ کے مالک اور مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کتاب ابوداود عمدہ کتاب ہے علم دین میں اس طرح کی اور کوئی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔ یعنی بخاری اور مسلم کے بعد اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جس کے چھوڑ دینے پر سب علماء کا اتفاق و اجماع ہو۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے

اگر کسی شخص کے پاس قرآن مجید اور سنن ابو داؤد کے سوا کوئی دینی کتاب نہ ہو تو اسے کسی کتاب کی ضرورت نہ پڑے گی۔ آپ کے سوا کسی محدث نے احکام میں کامل جزو تصنیف نہیں کیا۔ جب آپ نے یہ کتاب تالیف کی اور لوگوں کے سامنے پڑھی تو قرآن کی طرح اس کی اہمیت محسوس کی گئی کہ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں امام ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لیے پیدا کیے گئے اور آخرت میں بہشت کے لیے اٹھائے جائیں گے۔

ابو حاتم بن حبان نے آپ کی شان میں فرمایا فقہ، علم، حفظ حدیث، عبادت، ورع و تقویٰ اور پختگی علم میں آپ زمانہ کے پیشواؤں اور آئمہ میں سے ہیں۔ دو سو دس ۲۱۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور دو سو پچھتر ۲۷۵ھ ہجری میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ابن الضحاک اسلمی ہیں۔ آپ بلند پایہ علماء، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حفاظ اور متفق علیہ ثقہ محدثین میں سے ہوئے ہیں علم فقہ و حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی کتاب "جامع ترمذی" آپ کی عظمت شان، وسعت حفظ، کثرت مطالعہ اس فن میں آپ کے غایت درجہ تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کتاب کی طرح علل حدیث کے بیان، صحیح، حسن اور ضعیف کی نشاندہی کرنے میں سلف و خلف کے مذاہب بیان کرنے اور مجتہدین کے اختلافات ظاہر کرنے میں کوئی بھی کتاب تالیف نہیں کی گئی۔ علماء نے آپ کی کتاب "جامع" کی شان میں کہا ہے۔ ھو کاف للمجتھد و مغن للمقلد یہ کتاب مجتہد کے لیے کافی و وافی اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے۔ آپ نے دور اول کے مشائخ قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع محمد بن المثنیٰ، سفیان بن وکیع اور محمد بن اسماعیل و غیرہم رحمہم اللہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپ سے محمد بن احمد محبوبی اور ہیثم بن کلیب وغیرہم بے شمار لوگوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کی سندوں میں بھی تین راویوں والی احادیث موجود ہیں۔ آپ کی کتاب سنن ترمذی میں ایک حدیث ایسی موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یاتی علی الناس زمان الصابر منھم علی دینہ کالقابض علی الجمر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر صبر کرنے والا اور اس پر قائم رہنے والا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑنے والا۔ مسلم اور ابو داؤد کی اسناد میں کوئی ایسی سند نہیں جس میں صرف تین واسطے ہوں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جامع" تصنیف کرنے کے بعد علماء حجاز، عراق اور خراسان کی خدمت میں پیش کی جسے انہوں نے پسند فرمایا اور اچھی کتاب قرار دیا۔ شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کی تصنیف ہے۔ اور شمائل نبوی کے موضوع پر یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ اور بہت سی خیرات و برکات کی حامل ہے۔ حل مشکلات کے لیے اس کا پڑھنا مشائخ و اکابر کے تجربہ میں آچکا ہے۔ آپ دو سو نو ۲۰۹ھ ہجری میں

پہلا اور دوسو اناسی میں فوت ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابوعبدالرحمٰن بن احمد بن شعیب بن بحر بن سنان النسائی۔ آپ محدثین کے طبقہ حفاظ میں بلند مرتبہ حافظ حدیث، عالم، شہرت یافتہ، افضل، عمدہ اور پیشوا و مقتداء ہوئے ہیں۔ آپ کی جرح و تعدیل علماء میں معتبر قرار دی گئی ہے۔ پہلے آپ نے سنن نسائی کبیر تصنیف کی جمع طرق حدیث اور بیان مخرج میں یہ بلند پایہ کتاب ہے اس موضوع پر اس طرح کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر اسی سنن نسائی کبیر کا اختصار کیا اور اس کا نام مجتبیٰ رکھا۔ اختصار کی وجہ یہ بنی کہ وقت کے امراء میں سے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کتاب کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ فرمایا نہیں۔ اس پر امیر موصوف نے آپ کو حکم دیا کہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل ایک کتاب الگ تالیف کریں۔ تو آپ مجتبیٰ کا انتخاب کیا۔ اور ہر ایسی حدیث کو جس کی سند میں قیل و قال کی گئی ہے اور نقص و عیب بیان کیا گیا، اس کتاب سے خارج کر دی۔ جب محدثین کرام یوں فرماتے ہیں رواہ النسائی۔ تو اس سے ان کی مراد یہ مختصر کتاب مجتبیٰ ہی ہوتی ہے نہ کہ وہ بڑی کتاب۔ اسی طرح بعض دفعہ جب علماء فرماتے ہیں کتب خمسہ، یا اصول خمسہ تو اس سے بخاری، مسلم، سنن ابوداود، جامع ترمذی اور مجتبیٰ نسائی مراد ہوتی ہے۔

حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعلی حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ اہل اسلام میں چار افراد کو حافظ حدیث کہتے تھے۔ ان میں پہلا نام ابوعبدالرحمٰن نسائی کا لیتے تھے۔ حاکم سے ہی یہ بات بھی منقول ہے کہ انہوں نے ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی سے کئی بار سنا کہ فرماتے تھے کہ علم حدیث اور راویوں پر جرح و تعدیل کے فن میں اپنے وقت کے تمام لوگوں پر آپ کو فوقیت حاصل ہے۔ آپ نہایت محتاط اور متقی و پرہیزگار تھے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ آپ اپنی سنن میں جب حارث بن مسکین سے روایت کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں۔ قرئ علیہ و انا اسمع ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی جب کہ میں سن رہا تھا، ان سے حدیث روایت کرتے وقت یوں نہیں کہتے حدثنا یا انبانا جیسا کہ اپنے دوسرے مشائخ سے روایت کرتے وقت کہتے ہیں۔ علماء نے ان سے اس طریقہ روایت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حارث اور نسائی کے درمیان کچھ ناراضگی اور ناچاقی ہوگئی تھی۔ اس بنا پر آپ ان کی مجلس حدیث میں حارث رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نہ بیٹھتے تھے۔ بلکہ ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتے کہ حارث آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن نسائی ان کی آواز سنتے تھے۔ اور اس طرح ان سے حدیث سنتے تھے۔

اور یہ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ نیک شخص اور قاضی مصر تھے۔ امام نسائی نے قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، علی بن خشرم، محمود بن غیلان اور ابوداود جیسے عظیم الشان مشائخ سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ان سے ابوجعفر طحاوی، ابوبکر بن السنی،

ابوالقاسم طبرانی وغیرہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ابو عبدالرحمٰن۔ احمد بن شعیب نسائی صاحب تصانیف اور اپنے وقت کے مقتدا زمانہ تھے۔ مصر میں رہتے تھے۔ اور اس علاقہ میں آپ کی تصانیف مشہور و معروف ہیں۔ بیشمار لوگوں نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ دمشق تشریف لائے وہاں کے لوگوں نے ایک دفعہ مسجد میں آپ سے سوال کیا معاویہ رض کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے اور ان کی فضیلت میں کیا کچھ وارد ہے۔ آپ نے سائل کے جواب میں فرمایا اما یرضی معاویۃ ان یخرج راسا براس حتی یفضل کیا معاویہ رضی اس پر راضی نہیں کہ قیامت کے دن صرف نجات ہی حاصل کریں۔ فضیلت کی بات تو بہت دور ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہ جواب دیا۔ میرے علم میں آپ کی فضیلت میں کچھ وارد نہیں ہے۔ سوا اللہ اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔ (جمہور سلف و خلف اہل سنت کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سے فضائل و مناقب کے حامل ہیں۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحابیت کا عظیم شرف حاصل ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے حق میں دعا فرمائی ہے۔ امام نسائی علیہ الرحمۃ کا یہ بیان جمہور اہل سنت کے خلاف ہے۔ اسے ہرگز اعتبار نہ کیا جائے مترجم) آپ کا جواب سن کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ پر پل پڑے۔ آپ کی بے حرمتی شروع کر دی۔ اور مار مار کر مسجد سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپ کو رملہ لے جایا گیا۔ وہاں آپ بیمار ہو گئے۔ اور وفات پائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کو مکہ معظمہ لے جایا گیا وہاں بیمار ہوئے اور مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی۔ اور صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہوئے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ آپ نے کتاب خصائص حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں تالیف کی لوگوں نے کہا آپ نے فضائل صحابہ میں کوئی کتاب کیوں تصنیف نہیں کی تو فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب دمشق آیا تو لوگوں کو دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہیں میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا کرے اس لیے یہ کتاب تالیف کی۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ آپ کثرت جماع کے عادی تھے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں ان میں پورا عدل و انصاف کرتے تھے۔ بیویوں کے علاوہ آپ کی لونڈیاں بھی تھیں۔ آپ ۲۱۵ھ دو سو پندرہ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۰۳ھ تین سو تین میں وفات پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی (یعنی اس قبیلہ کے آزاد کردہ غلام) القزوینی۔ آپ علم حدیث کے آئمہ اور حفاظ حدیث

میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ اور ثبت اور صاحب سنن ہیں۔ مالک اور لیث کے اصحاب سے احادیث سنیں۔ طلب حدیث کے لیے بہت سے شہروں کا سفر اختیار کیا۔ آپ کی کتاب ان اسلامی کتابوں میں سے ہے جو علماء میں اصول ستہ اور کتب حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کتب کو صحاح ستہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ جب محدثین کرام کسی حدیث کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ رواہ الجماعۃ (اسے جماعت نے روایت کیا ہے) تو اس سے یہی چھ حضرات مراد ہوتے ہیں۔ کہ یہ حضرات یہ حدیث اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔ اور جب یوں کہتے ہیں رواہ الاربعۃ کہ اسے چار آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے تو اس سے بخاری اور مسلم کے علاوہ مذکورہ چار آئمہ مراد ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ کی بھی چند احادیث ایسی ہیں جس کی سند میں صرف تین واسطے ہیں آپ نے اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں قزوین شہر کی فضیلت میں ایک حدیث درج کی ہے۔ اس بنا پر محدثین اور علماء نقد و جرح نے آپ پر اور آپ کی کتاب پر طعن و اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔ قزوین کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں مگر محدثین کے نزدیک وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ اپنے پاس سے احادیث گھڑنے والے ایک شخص میسرہ نے وضع کی ہیں آپ دو سو نو ہجری (۲۰۹ھ) میں پیدا ہوئے اور دو سو تہتر (۲۷۳ھ) میں وفات پائی۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل بن بہرام السمرقندی الدارمی۔ آپ حفاظ حدیث، جلیل القدر علماء دین میں سے اور حفاظ اور اسناد حدیث بیان کرنے والوں کے شیخ و امام ہوئے ہیں۔ آپ زہد، ورع و تقوی، دیانت و حفاظت کے اوصاف سے موصوف تھے۔ آپ کی کتاب کتب احادیث میں ایک عمدہ کتاب ہے۔ آپ نے یزید بن ہارون، حبان بن ہلال اور النضر بن شمیل اور حیوۃ بن شریح سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپ سے مسلم، ترمذی اور فریابی جیسے بلند پایہ محدثین نے روایت حدیث کی ہے۔ منقول ہے کہ کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ابوالمنذر کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا میں اسے نہیں جانتا۔ ہمارے احباب نے غیبت کا بڑا لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ البتہ میں تمہیں یہ ضرور کہوں گا کہ عبداللہ بن عبدالرحمن کی صحبت و مجلس ضرور اختیار کرو اس سید و سردار کی مجلس میں ضرور بیٹھو۔ آپ نے بتکرار یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔ بندار فرماتے ہیں حدیث کے حافظ چار شخص ہیں۔ بخارا میں محمد بن اسماعیل، رے میں ابوزرعہ، نیشاپور میں مسلم بن الحجاج اور سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمن آپ کی بیان کردہ سندوں میں اعلیٰ اور اقرب وہ سند ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم ... آپ ایک سو اکاسی (۱۸۱ھ) ہجری میں

پیدا ہوئے۔ اور دو سو پچپن ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

اسحاق بن احمد بن خلف بخاری فرماتے ہیں۔ ہم لوگ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی کی وفات کی خبر ملی۔ امام بخاری نے یہ خبر سنتے ہی سر مبارک نیچے جھکالیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس وقت آنسو آپ کے رخساروں پر بہ رہے تھے رحمۃ اللہ علیہما۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

یعنی ابوالحسن بن علی بن عمر الدارقطنی۔ آپ اپنے زمانہ میں حافظ حدیث، فاضل، محدث، عالم باعمل اور یگانہ وقت تھے۔ نیز علم حدیث، حدیث کی علل پہچاننے، اسماء رجال اور راویوں کی شناخت میں بے مثل تھے۔ اور صدق و دیانت، ثقاہت و عدالت اور صحت اعتقاد سے موصوف تھے علماء فرماتے ہیں اس باب میں ان کے بعد ان جیسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ اور یہ فن آپ پر ختم ہو گیا آپ تفسیر، فقہ اور ادب و شعر میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ نے علم فقہ ابوسعید اصطخری سے اور علم حدیث ان سے اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حاصل کیا۔ اور آپ سے حافظ ابونعیم، ابوبکر برقانی۔ جوہری، قاضی ابوطیب طبری اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے احادیث روایت کیں۔ حاکم نیشاپوری سے پوچھا گیا کہ آپ نے دارقطنی جیسا شخص دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا دارقطنی نے خود اپنے جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا مجھے اس جیسا شخص کہاں نظر آئے۔ آپ سن تین سو پانچ یا چھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور بغداد ہی میں تین سو پچاسی ۳۸۵ ہجری بائیس ذیقعدہ بدھ کے روز وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ائمہ حدیث و فقہ اور پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ نے تحقیق علوم میں بڑا وقت صرف کیا۔ مباحثہ و مناظرہ میں نہایت ہی منصف مزاج تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، کہا جاتا ہے آپ کی تصانیف کی تعداد ہزار جزء تک پہنچتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے متاخرین میں سات افراد ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی کتابیں تصنیف کیں اور مسلمانوں کو ان کی تالیفات سے بہت فائدہ پہنچا۔ ایک دارقطنی۔ دوسرے حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری۔ تیسرے ابومحمد عبدالغنی بن سعید ازدی مصری چوتھے ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی۔ پانچویں [illegible]

خطیب ابوبکر احمد بن علی بغدادی صاحب تاریخ بغداد۔ آپ نے علم فقہ شیخ سہل صعلوکی سے حاصل کیا۔ آپ کے زمانہ میں علاقہ خراسان میں کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ علم حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا اسناد اور بے اجازت و تجربہ تعلیم دے۔ آپ نے حدیث کی روایت حاکم ابوعبداللہ حافظ مصنف تاریخ نیشاپور اور ابوطاہر محمد بن محمد زیادی اور ابن فورک اور ابوعبداللہ سلمی سے کی۔ امام بیہقی کی مشہور تصانیف میں سے کتاب مبسوط، کتاب السنن، کتاب دلائل النبوۃ، کتاب معرفۃ علوم الحدیث، کتاب بعث ونشور، کتاب آداب، کتاب فضائل صحابہ، کتاب فضائل اوقات، کتاب شعب الایمان اور کتاب خلافیات ہیں۔ آپ کی ولادت قصبہ خسرو جرد میں ہوئی جو مضافات بیہقی سے ہے ماہ شعبان تین سو چوراسی ہجری میں ہوئی۔ اور چار سو اٹھاون ~~۳۸۴~~ ~~۴۵۸~~ میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔ وہاں سے آپ کا جنازہ اٹھا کر اپنے وطن لایا گیا۔ اور سال مذکور کی دس جمادی الاولیٰ کو مدفون ہوئے۔

امام رزین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابوالحسین رزین بن معاویۃ العبدری صاحب کتاب تجرید فی الجمع بین الصحاح۔ آپ پانچسو بیس ~~۵۲۰~~ ہجری کے بعد فوت ہوئے۔ عبدری عبدالدار بن قصی قریش کی ایک مشہور شاخ کی طرف منسوب ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

لقب محی الدین، کنیت ابوزکریا۔ اور نام یحییٰ بن شرف حزامی بحاء مہملہ مکسورہ و زا حزام کی طرف نسبت ہے۔ حزام ان کے اجداد میں سے بڑے ہیں۔ آپ کی ولادت ملک شام کے قصبہ نویٰ میں جو دمشق کے مضافات سے ہے، چھ سو اکتیس ~~۶۳۱~~ ہجری کے پہلے عشرہ محرم الحرام میں ہوئی۔ اس قصبے کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو نواوی بھی کہتے ہیں۔ آپ نے سب سے پہلے تجوید سے قرآن پاک پڑھا پھر چھ سو انچاس ~~۶۴۹~~ میں دمشق آئے۔ اور شافعی مذہب کی کتاب تنبیہ ساڑھے چار ماہ میں یاد کی اور شافعی مذہب کے بقایا مسائل اسی سال کے باقی حصہ میں پڑھے۔ اور یہاں دو سال اس طرح گزارے کہ زمین پر پہلو نہ رکھا۔ اور دن رات میں دین کے مختلف علوم و فنون کا وہاں کے علماء و مشائخ سے بارہ دفعہ درس لیتے۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے علم فقہ حاصل کیا۔ زیادہ تر استفادہ کمال الدین اسحاق مغربی سے کیا۔

آپ مذہب شافعی کے محرر، اسے آسان کر کے بیان کرنے والے، اور اسے چھانٹنے اور ترتیب دینے والے ہیں۔ رافعی والا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کا دارومدار آپ کی تصحیح و تحقیق پر ہے۔ آپ انتہا درجہ کے باعمل، زاہد،

صابر اور بالکل سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حمام میں نہ جاتے تھے۔ دمشق کے پھل نہیں کھاتے تھے۔ حالانکہ وہاں کے لوگوں کی زیادہ تر خوراک پھل ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں کی ضمانت و تحویل و حفاظت میں پھلوں کے باغات تھے وہ لوگ ان میں خیانت اور شبہے کے مرتکب ہوتے تھے۔ جو آپ کے شہر سے آپ کے والدین کے پاس سے آتا تھا اس پر گزر کرتے۔ دن و رات میں صرف ایک بار عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ اور صرف سحری کے وقت ایک دفعہ پانی پیتے۔ اور برف کا پانی نہ پیتے جیسا کہ شامیوں کی عادت ہے۔ آپ نے تجرد و انفراد کی زندگی اختیار کی۔ نکاح کرنے کا اتفاق بھی نہ ہوا۔ زیادہ وقت عبادت الٰہی میں بیدار رہ کر گزارتے۔ دینی کتب کی تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ حکام و امراء وغیرہم کو امر معروف اور نہی منکر کی تاکید کرتے۔ آپ کے نزدیک اس کام میں مداہنت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ سن چھ سو پینسٹھ میں دار الحدیث اشرفیہ کے نگران و متولی مقرر ہوئے لیکن تا زندگی اس خدمت کا کوئی وظیفہ وصول نہ کیا۔ وفات کے وقت آپ کی داڑھی مبارک میں صرف چند بال سفید تھے۔ بحث و گفتگو کے دوران آپ پر سکون و وقار چھایا ہوتا تھا۔ ہمیشہ شافعیت کے تعصب سے دور رہے۔ کسی معاملے میں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کے اقوال اپنی کتابوں میں نقل کیے۔ آپ تصوف و سلوک سے متصف تھے۔ مشائخ صوفیہ کے ساتھ آپ کا اعتقاد درست تھا۔ دمشق میں عرصہ دراز سکونت رکھنے کے بعد واپس اپنے شہر تشریف لے گئے اور قدس خلیل کی زیارت کے لیے گئے۔ زیارت سے لوٹے تو والدین کے پاس اپنے گھر آتے ہی بیمار ہو گئے۔ اور سن چھ سو چھہتر میں چودہ رجب المرجب بدھ کے روز وفات پائی۔ اور اپنے شہر میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ وعلی عباد اللہ الصالحین۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

کنیت ابو الفرج۔ نام عبد الرحمٰن بن علی البغدادی الحنبلی الصدیقی۔ ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ جوزی ایک موضع کی طرف نسبت ہے جس کا نام فرضۃ الجوزی تھا۔ آپ کے والد رویہ گیری کا کام کرتے تھے۔ آپ عالم، فاضل، فقیہ، محدث، فصیح و بلیغ اور تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ اور اخبار اور مواعظ میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں اپنے دور میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ وعظ و تذکیر اور قصص و حکایات کے بیان کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور سق البدیہہ ممبر پر ہی لوگوں کے سوالات کا جواب دے دیتے تھے۔ آپ کی حکایات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن اہل سنت و شیعہ میں حضرت ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ اس سلسلے میں بہت جھگڑا ہوا آخر کار ابن جوزی کے فیصلے پر راضی ہوئے۔ ابن جوزی علیہ الرحمۃ اس وقت ممبر پر وعظ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے آکر آپ سے

سوال کیا من افضل الصحابۃ۔ آپ نے فریقین اور حق بات اور دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے جواب دیا افضل صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی بنتہ فی بیتہ۔ (حضور کے صحابہ کرام میں افضل وہ ہے جس کی بیٹی اس کے گھر میں ہے) اتنا جواب دیا اور باہر نکل گئے۔ تاکہ فریقین اس کا مطلب سمجھ سکیں۔ یہ حکایت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں فرمایا ہے۔ کہ خلفاء بنی عباس میں سے خلیفہ الناصر لدین اللہ نے جس کا جھکاؤ اپنے آباؤ اجداد کے خلاف امامیہ مذہب کی طرف ہو چکا تھا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا من افضل بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو علامہ ابن جوزی نے اس کے جواب میں یہ مذکورہ بات کہی تھی۔ علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے موضوع احادیث پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس میں انہوں نے افراط و زیادتی سے کام لیا ہے۔ اور جو کچھ ان کے علم میں تھا اس کے خلاف محض تحریم کی بنیاد پر بہت سی احادیث کو موضوع قرار دے دیا۔ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مقامات میں ابن جوزی کو اپنی بحث کا نشانہ بنایا اور کہا احادیث کو موضوع قرار دینے میں ابن جوزی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ آپ پانچ سو دس ۵۱۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور خلیفہ الناصر لدین اللہ کے عہد خلافت میں ۵۹۷ھ پانچ سو ستانوے میں فوت ہوئے علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کی ایک مشہور تصنیف "تلبیس ابلیس" ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ان راستوں کی نشاندہی کی ہے۔ جن میں سے شیطان آکر لوگوں کو گمراہ کرتا۔ اور بدعت و خلاف سنت کاموں میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کتاب میں گروہ صوفیہ پر خصوصیت کے ساتھ سخت تنقید کی ہے۔ اور اس گروہ کی غلبہ حال و سکر کی حکایات سامنے رکھ کر انہیں بڑی شدت سے رد و انکار کا نشانہ بنایا ہے۔ اور اس بلند گروہ کے بزرگوں کو جہل و جنون اور حماقت سے منسوب کیا ہے۔ باوجودیکہ اپنی اس کتاب کو انہیں بزرگوں کے عمدہ کلمات اور عجیب سے عجیب حکایات سے مزین و آراستہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن جوزی کی یہ تنقید بھی تلبیس ابلیس کا ہی کرشمہ ہے۔ علامہ موصوف کو اس نے اس طریقہ کا شکار بنایا اور غرور و تکبر میں ڈال دیا ہے۔ علامہ موصوف نے اگرچہ قسم کھا کر کہا ہے کہ اس تنقید سے ان کی غرض و غایت صرف اظہار علم اور اتباع سنت کی ترغیب دینا ہے۔ تاکہ لوگ راہ راست کی پیروی اختیار کریں اللہ کے نیک بندوں پہ طعن و تشنیع مقصود نہیں۔ تاہم علامہ کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا اور صوفیائے کرام کو رد و انکار کا نشانہ بنانا اس کے خلاف دلالت کرتا ہے۔ اور ظاہر کرتا ہے کہ علامہ موصوف اس گروہ بلند کا منکر اور فی الحقیقت ان سے انحراف رکھتا ہے۔ سیدی احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خیر خواہان ملت نے اس کتاب کے مطالعہ سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ مشائخ کرام کے متعلق بدگمانی اور سوء ظن کا موجب ہے۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ معصوم نہ ہونے اور غلبہ حال اور نوشتہ تقدیر کی بنا پہ دلی سے لغزشیں اور غیر مناسب باتیں صادر ہو جاتی ہیں۔ تاہم آئمہ کرام اور مشائخ عظام کی ان لغزشوں اور غیر مناسب باتوں کی پردہ پوشی ضروری ہے۔ نصیحت و تذکیر

کے طور پر مصلحت کے تحت اچانک اگر متنبہ و خبردار کرنا پڑے تو کسی فاعل کو معین کیے بغیر صرف قول پر گرفت کرے کہ ائمہ کی لغزشوں کا چھپانا لازم اور انصاف پر چلنا ضروری ہے۔ اور وہ تیامات خصوص جس میں خواہش نفس کی ملاوٹ ہو غلط اور اعتراض کی چیز ہے۔ یہ طریقہ محفوظ تر ہے۔ اسلم تسلیم سلامتی کی راہ اختیار کر کے محفوظ و مامون رہو گے۔ ابن جوزی نے جو کچھ کہا ہے۔ اور صوفیہ کرام کی شان میں حد سے تجاوز کر کے جو نازیبا الفاظ کہے ان کا رد و انکار اور ان پر جو اعتراضات کیے ہیں صوفیائے کرام کی طرف سے علماء نے ان سب باتوں کے نہایت شافی جوابات دیے ہیں جن سے شریعت و طریقت اور علماء و صوفیا کے درمیان اختلاف رفع ہو جاتا اور درست پہلو سامنے آجاتا ہے۔ ان جوابات کی تقریر و تحریر ایک تو امام اجل عفیف الدین عبداللہ یافعی نے اپنی تالیفات میں کی ہے۔ دوسرے اس سلسلے میں سید احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دقیق عمدہ حقائق واضح کرنے والی کتاب مسمی بقواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ تصنیف فرمائی جس میں آپ انصاف کے راستہ پر چلے ہیں۔ اور بلا جھجک طریقے سے حق بیان فرمایا ہے۔ سیدی الشیخ القطب الامام عبدالوہاب المتقی رحمۃ اللہ علیہ نے راقم حروف شیخ عبدالحق کو اس کتاب کی تعلیم اور اس کی روایت کی اجازت دی۔ میں نے اس کے بعض مسائل کا اپنے رسائل میں فارسی ترجمہ کیا ہے۔ خصوصاً رسالہ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین کا۔ وباللہ التوفیق۔

مختصر یہ کہ ابن جوزی عالم و فاضل شخص تھے لیکن اپنے علم، فضل اور روانی پر نظر کر کے غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے۔ علامہ موصوف سخت گیر، سخت مزاج اور نہایت خشک طبیعت تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ طریقہ صوفیہ سے بعید اور ان سے عقیدت و محبت سے دور تھے۔ سب سے سخت تر بات یہ ہے کہ زمان کرامت نشان شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ میں علامہ موصوف بغداد میں ہی تھے۔ لیکن ان کی برکات و عقیدت سے محروم رہے۔ اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اجتناب وانکار کے راستے پر گامزن رہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک اللہ تعالیٰ ہمیں اس روش سے پناہ میں رکھے نفرت وانکار یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ حضور غوث پاک کے زمانہ میں علامہ موصوف نے اپنے دور کے بغداد وغیرہ شہروں میں موجود زاہدوں اور عابدوں کے حالات میں ایک کتاب تالیف کی مگر حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمۃ کے ذکر جمیل سے اپنی کتاب کو آراستہ اور مزین نہ کیا۔ یہ علامہ کے ظاہری علم و فضل پر مغرور اور اس کے جاہل ہونے کی بین دلیل ہے۔

شیخ عالم، عارف کامل خواجہ محمد پارسا قدس اللہ روحہ وافاض علی المستفیدین فیوضہ وفتوحہ نے اپنی ایک کتاب "فصول ستہ" میں ابن جوزی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وہ شیخ حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی البکری البغدادی ہیں ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں امام، حافظ، فصیح متبحر اور کئی علوم میں کتابوں کے مصنف و مولف ہیں۔ دو سو پچاس کتابیں

تصنیف کیں۔ خاص و عام میں مقبول و پسندیدہ نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ پانچ سو آٹھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے اور پانچ سو ستانوے میں رمضان کے مہینے میں فوت ہوئے۔ قطب الاولیا تاج المفاخر شیخ عبدالقادر اور دوسرے اہل معارف مشائخ کے انکار، ان پر رد اور ان پر تنقید کرنے کے باعث پانچ سال لوگوں سے روپوش رہے۔ اور واسط کے قید خانہ سے باہر لائے گئے۔ علامہ ابن جوزی کا ذلت و خواری، ابلیس کے مکر و فریب میں مبتلا ہونا اور غرور و عجب میں پڑنا ان کے سیدنا حضور غوث پاک اور دوسرے اولیاء کرام کے انکار کے باعث ہوا۔ حالانکہ دوسری جانب اولیاء کرام کے محاسن کلمات اور ان کے مقامات و حالات کے ذکر سے اپنے کلام اور اپنی تالیفات و تصنیفات کو مزین و آراستہ بھی کرتے ہیں۔ ابن جوزی اگر مشائخ اور علماء باطن کے انکار اور ان پر طعن و اعتراض سے بچے رہتے تو اس خرابی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتے۔ اور محاسن اخلاق اور عمدہ اوصاف کے ساتھ موصوف ہوتے۔ ان کا لڑکا محی الدین یوسف بغداد کا محتسب اور گروہ حنابلہ کے مدرسہ مستنصریہ کی تعلیم و تدریس کا متولی و نگران تھا۔ یہاں تک بلفظہ حضرت محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے اللہ شانہ و عما نوالہ اس کے حالات کی اصلاح کرے۔ اور ہر عیب کی بات سے اسے محفوظ رکھے) کہ میں نے حرم شریف مکہ معظمہ (زادہا اللہ تشریفا و تعظیما) میں ایک رسالہ دیکھا جس میں ابن جوزی اور ان کے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کا ذکر تھا۔ مؤلف رسالہ لکھتا ہے کہ کچھ مشائخ و علماء ابن جوزی کو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور درخواست کی کہ ابن جوزی کو معاف کر دیا جائے۔ اور درگزر کی جائے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور ابن جوزی علیہ الرحمۃ سے درگزر فرمایا اور انہیں معافی دے دی۔ اور ان کے جرم کو نظر انداز کر دیا۔ (حضرت شیخ فرماتے ہیں)، مذکورہ رسالہ میں یہ واقعہ پڑھنے کے بعد میں سیدی الشیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کتاب کا یہ واقعہ بیان کیا۔ اور حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ کے ابن جوزی علیہ الرحمۃ کو معاف کر دینے کا حال سنایا۔ ساری بات سن کر شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد للہ علی ذلک پڑھا اور کہا۔ ابن جوزی بہت بڑے محدث اور عالم و فاضل مرد تھے الحمد للہ کہ اس انکار اولیاء کے بھنور و فتنہ سے نجات پا گئے۔ پھر فرمایا اے فلاں (عبدالحق) حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نہایت بزرگ شخصیت ہیں۔ ان کا انکار زہر قاتل ہے۔ اللہ تعالیٰ انکار اولیاء سے محفوظ رکھے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضور غوث پاک کو وہ شان عظیم عطا فرمائی ہے۔ جو کسی اور بزرگ کو عطا نہیں ہوئی۔ نسأل اللہ العافیۃ والعاقبۃ بالخیر۔ ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں۔ اور سب کا انجام بخیر ہو۔ اب وہ وقت آ گیا کہ میں کتاب (مشکوٰۃ) کی شرح شروع کروں وباللہ التوفیق۔ چنانچہ کہتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہر حامد کی طرف سے ہر محمود پر ہر نعمت کے برابر ہر صفت کمال پر ہر معنی اور ہر وجہ پر ہر وقت اور ہر

جگہ ازل سے ابد تک ہمیشہ اور مسلسل حمد و تعریف کے تمام افراد خدا تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے اور رجوع کرتے ہیں۔ اور اس اللہ سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہیں جو تمام نعمتوں سے سرفراز فرمانے والا، تمام عالم کا پروردگار، ساری کائنات کا خالق، تمام کمالات سے متصف اور ہر خیر و نیکی سے بہرہ ور کرنے والا ہے۔ اور بندوں کے افعال کا خالق، انہیں توفیق دینے والا اور سب کو بخشنے والا ہے۔ اور حمد و ستائش کرنے والوں کے وجود سے قطع نظر اس ذاتِ سبحانہ کی حمد و ستائش اس کی ذات کامل الصفات پر اس کے کلام قدیم میں اور آیات و نشانات بکھیرنے کی صورت میں اور اظہارِ کمالات، اور احسان و مہربانیوں اور عظیم نعمتوں کی تکمیل کی صورت میں بھی اسی کے لیے باقی و ثابت ہے۔ اس کے باوجود جب اس نے بندوں کو بھی اپنی ذات مجید کی حمد و ثنا کرنے اور بے شمار نعمتوں پر شکر گزار ہونے کا حکم دیا ہے اس لیے اس حکم کی بجا آوری اور اس کی بزرگ ذات کی حمد و ثنا میں زبان کو حرکت میں لانا ضروری ہے۔ اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ کہ تمام افراد انسان بلکہ تمام روحانی و جسمانی مخلوقات کے ساتھ مل کر زبان قال و حال سے ہم اس کریم اور اتمام و فضل فرمانے والی ذات کی حمد کرتے ہیں۔ بعد جب کہ اس شان و مرتبہ کا حصول اور اس کا اتمام اور اس کی تکمیل ایک عظیم اور مشکل کام ہے۔ اس لیے اس کی بزرگ و برتر ذات سے مدد و نصرت بھی طلب کرتے اور اپنی قوت و طاقت سے پناہ لیتے ہیں۔ اور اس کے ادائے حق کے لیے تقریر و تحریر میں اس کی درگاہ صمدیت کے لائق و مناسب جس قسم کا صدق و اخلاص درکار ہے۔ اس میں نقصان و کوتاہی برتنے پر ہم اس سے معافی کے خواستگار ہیں۔ نظم

گر دا اول و آخر تمام جمع آیند	کہ راہ شکر خدا عز اسمہٗ پوئید
باتفاق در جستجوئی آں بزنند	باجتماع رہ گفت و گوئی آن جوئید
بصد ہزار زبان گر کنند ممکن نیست	کہ حمد و شکر کمیں نعمتِ خدا گوئید

ترجمہ: اگر اولین و آخرین سب اکٹھے ہو جائیں اور خدا تعالیٰ عز اسمہٗ کے شکر کا راستہ طے کرنے لگیں۔ اور سب مل کر اس کی تلاش و جستجو میں چل پڑیں۔ اور سب اکٹھے ہو کر اس کی گفتگو کا راستہ اختیار کریں لاکھ زبانوں سے بھی اگر ایسا کرنا چاہیں تو ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معمولی سی نعمت پر اس کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کر سکیں۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا اور ہم خدا کے پاس پناہ لیتے ہیں اپنے نفوس امارہ کی برائیوں سے۔ وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا اور اپنے اعمال کی بدیوں سے۔ اعمال کی بدیوں کی چند مثالیں یہ ہیں۔ اس ذات مقدس کی حمد و ثنا میں مخلوق کی نمائش کا خیال اور ریا۔ نیک اعمال کے صدور میں اپنے نفس کی قوت و طاقت کا عمل دخل سمجھنا۔ منعم حقیقی کے مسلسل

احسانات و انعامات سے ہر گھڑی مستفید ہونے کے باوجود زبان کو اس کی حمد و ستائش میں مشغول و مصروف نہ رکھنا۔ نیت کی درستی اور اخلاص میں کمی اور کوتاہی کے ہوتے ہوئے علم حدیث میں کتب تصنیف کرنا۔ یا اس نعمت عظمیٰ اور بہت بڑے عطیہ کی توفیق ملنے پر اس کے شکر میں کوتاہی کرنا۔ یا زبان سے باطل و لایعنی باتیں کرتے رہنا خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنا۔ اور عبادات و طاعات بجالانے میں سستی کرنا۔ اور حرام و مکروہ چیزوں کا ارتکاب کرتے رہنا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ۔ جس کی رہنمائی کرنے والا خدا ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ بیان واقع اور ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں خدا تعالیٰ کے اکیلا ہونے کے اثبات میں یہ کلام اپنے الفاظ کے لحاظ سے خبر ہے انشاء نہیں تاہم خدا تعالیٰ سے ہدایت کی طلب اور سوال اور گمراہی سے حفاظت و بچاؤ کی درخواست کرنے کے اعتبار سے معنیٰ انشاء ہے۔ یعنی تو ہی ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ تو ہمیں ہدایت عطا فرما اور گمراہی میں پڑنے سے محفوظ رکھ کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک راہ نمودن یعنی راستہ دکھانا اور اس کے نشانات و علامات بیان کرنا اس معنی کے مطابق ہدایت کی نسبت قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ ہدایت کا سبب و ذریعہ ہیں۔ جس طرح ضلالت کی نسبت شیطان اور بتوں کی طرف کرنا درست ہے۔ ہدایت کا دوسرا معنی ہے مقصود تک لے جانا اور مقصود تک پہنچا دینا۔ یہ صرف حق سبحانہ و تعالیٰ کا کام ہے کسی اور سے نہیں ہو سکتا۔

اور جیسا کہ حدیث میں آچکا ہے کہ جس خطبے میں اللہ و رسول پر ایمان کی گواہی کا ذکر نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے یعنی مقطوع البرکۃ (برکت سے خالی)۔ اور بے فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ یہاں دونوں شہادتوں کا ذکر لائے ہیں۔ چنانچہ کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور میں گواہی دیتا ہوں اور جزم و یقین سے اظہار کرتا ہوں کہ اس ایک ذات کے سوا جو تمام صفات کمال سے متصف اور نقص و زوال کے ہر نشان سے منزہ ہے، کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ درانحالیکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، شَهَادَةً تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسِيْلَةً ایسی گواہی دیتا ہوں جو آتش دوزخ اور جدائی و ناراضگی کی سزا اور عذاب سے نجات کا سبب اور دستاویز ثابت ہو۔ وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيْلَةً اور جو بہشت اور قرب و رضائے خدا تعالیٰ کے پائے بلند کرنے کی ضامن و کفیل ہو۔ اور یہ وہ شہادت ہے جو صدق و اخلاص، زبان کی دل کے مطابقت اور ظاہر و باطن کی موافقت سے آراستہ اور موت کے دن تک جس میں استقامت کا ضمیمہ بھی لگا ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس اقرار پر مستقیم رہے۔ حمد و استعانت اور استغفار میں صیغہ جمع لانا اور شہادت میں واحد

صیغہ استعمال کرنا اس بنا پر ہے کہ وہاں کثرت، نعمتوں کی دید اور اپنی تقصیرات لگتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی صفات کا کشف و ملاحظہ پیش نظر ہوتا ہے۔ اور یہاں مقام شہادت میں وحدتِ ذات کا مشاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا نگاہ سے ہٹا دینا ملحوظ ہوتا ہے۔ تو اول مقام فرق ہے۔ اور دوسرا مرتبۂ جمع ہے۔ اس کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہادت اس مطابق واقع خبر دینے کا نام ہے جو جزم و یقین سے ہو۔ اور مصنف کے لیے مناسب نہیں کہ ایسی خبر کی ذمہ داری اپنی ذات کے سوا کسی اور کی طرف سے بھی اٹھائے بخلاف حمد الٰہی کے تاکہ کلمہ ایمان کے مطابق و موافق ہو جائے۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور میں جزم و یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور مخلوق کی طرف اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اَلَّذِیْ بَعَثَهٗ وَطُرُقُ الْاِیْمَانِ قَدْ عَفَتْ اٰثَارُهَا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صفت اور شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حال میں مبعوث فرمایا جب کہ ایمان کے راستے ناپید اور اس کے نشانات مٹ چکے تھے وَخَبَتْ اَنْوَارُهَا اور اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ وَوَهَنَتْ اَرْكَانُهَا اور ان کے ستون سست و کمزور اور بے بنیاد ہو چکے تھے۔ رکن بضم را ہر چیز کے مضبوط ستون اور سہارے کو کہتے ہیں جیسا کہ صراح میں ہے وَجُهِلَ مَكَانُهَا اور ان کی جگہیں لاپتہ اور پوشیدہ ہو چکی تھیں ہو سکتا ہے طرق ایمان سے انبیاء و رسل صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین اور ان کے پیروکار اور متبعین یعنی علماء دین اور راہ یقین پر چلنے والے لوگ مراد ہوں۔ اور ان کے راستوں کے مٹ جانے، ان کی روشنیوں کے بجھ جانے اور ان کے ستونوں کے کمزور پڑ جانے سے مراد ان اعمال کا ترک کر دینا ہو جو انہوں نے شریعت کے طور پر لوگوں کو بتائے اور جن باتوں کا انہوں نے حکم دیا اور جن اعمال، اخلاق، آداب اور علوم و معارف کی انہوں نے وضاحت کی ہے اور جنہیں انہوں نے روشن و ظاہر کیا ہے۔ نیز علم دین پڑھنے، عمدہ اخلاق و آداب کے ساتھ موصوف ہونے کو چھوڑ دینا مراد ہو۔ اور ان کے مکان کے لاپتہ ہو جانے سے ان کے مرتبے اور شان اور ان کے حقوق پہچاننے سے بے خبر رہنا مراد ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ طرق ایمان سے علوم و اعمال، آداب و ریاضتیں، اچھی صفات کی تحصیل اور اخلاق حمیدہ کی تکمیل مراد ہو۔ کہ انہی چیزوں کے ذریعے انسان ایمان کامل کا مرتبہ پا سکتا ہے جو حق کے راستے پر چلنے والوں کا مقصود و مطلوب ہے۔ اور نشانات کے مٹ جانے، روشنیوں کے بجھ جانے، ستونوں کے کمزور پڑ جانے اور مکان کے لاپتہ ہو جانے سے اس راستے پر نہ چلنا اور اس کی تحصیل و تکمیل کے اہتمام سے لاپرواہی برتنا مراد ہو۔ فَشَیَّدَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَا عَفَا تو حضور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے ایمان کے راستوں کے نشانات کی ان جگہوں کو اونچا اور بلند کر دیا جو پست ہو چکی اور مٹ چکی تھیں۔ اور راہ کو دیکھنے والوں اور اس پر چلنے والوں کے لیے پوشیدہ ہو چکی تھیں۔ اگرچہ باطنی آنکھوں کے اندھوں کو انتہائی واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود وہ جگہیں اور راہیں بالکل ہی نظر نہ

آسکیں۔ وَشَفٰی مِنَ الْعَلِیْلِ فِیْ تَاْیِیْدِ کَلِمَةِ التَّوْحِیْدِ مَنْ کَانَ عَلٰی شَفَا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو موت اور ہلاکت کو جھانک رہے تھے یا راہ راست سے ہٹ چکے تھے اور صراط مستقیم پر نہیں چل رہے تھے یا آتش دوزخ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، شفا اور تندرستی عطا فرمائی۔ اور کلمہ توحید کو قوت و طاقت عطا کر کے انہیں جہالت و شرک کی بیماری سے نجات عطا فرما دی۔ یہ دراصل اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف اشارہ ہے وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے)۔ اور کلمہ توحید سے کلمہ ایمان یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مراد ہے۔ اکثر نسخوں میں علیل بعین مہملہ ہے بمعنی بیمار۔ اور اس سے بیماروں کی جنس مراد ہے کوئی مخصوص فرد مراد نہیں۔ مِنَ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے۔ جسے عبارت میں مقدم کر دیا گیا ہے۔

جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارے اصل سماع اور ہمارے سامنے کتاب مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں علیل بعین بے نقطہ ہے۔ بمعنی بیمار یعنی وہ گزشتہ معنی جنس بیمار مراد ہے۔ اور جائز ہے کہ غلیل بغین معجمہ سے پڑھا جائے۔ جو غِلّ بمعنی کینہ یا غَلَل بروزن خلل بمعنی کینہ سے مشتق ہو۔ یا بمعنی سوزش و تشنگی اور اس سے وہ لوگ مراد ہوں جو جماعت اہل ایمان سے کینہ رکھتے ہیں۔ اور تشنہ کاموں کی طرح جہالت و ضلالت کے جنگل میں حیران اور سرگشتہ پھر رہے ہیں واللہ اعلم بالصواب انتہی۔ اور میں خدا تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ غلیل مصدر بھی تشنگی و سختی اور بمعنی سوزش سینہ آیا ہے ایک شاعر نے کہا ہے۔

یشفی غلیل صدورہم ھمران تم ہوا

تمہارا ہلاک ہو جانا ان کے سینوں کی سوزش کو شفا بخشتا ہے۔

اور سوزش کے معنی میں ہو۔ اور شفٰی سے متعلق ہو تو یہ بھی صحیح توجیہ ہے۔ اور اس کا معنی ظاہر ہے کما لا یخفی وَاَوْضَحَ سَبِیْلَ الْهِدَایَةِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْلُکَهَا اور روشن کر دیا ہدایت اور ایمان کا راستہ ہر ایسے شخص کے لیے جو اس پر چلنا چاہے۔ وَاَظْهَرَ کُنُوْزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَ اَنْ یَّمْلِکَهَا اور ظاہر و نمایاں کر دیے سعادت و نیک بختی کے خزانے ہر ایسے شخص کے لیے جو ان خزانوں کے مالک بننے کا قصد و ارادہ رکھتا ہو۔ اس موقعہ و محل اور مقتضا کی مناسبت سے گنجہائے سعادت سے ایک تو اسلام، ایمان، احسان، طاعات، عبادت اور عنایات الٰہیہ کی توجہات جیسے امور مراد ہیں دوسرے ان امور و اوصاف کے نتائج و مواہب یعنی علوم، معارف، انوار اور اسرار مراد ہیں۔ جو شخص ان خزانوں اور ذخائر کو جمع کرتا ہے۔ نعیم جنت، رضائے حق تعالٰی اور اس بلند و برتر ذات اقدس کے دیدار کی سعادت ابدی اسے نصیب ہو گی۔ (ایک حدیث میں جو وارد ہے، کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کنز من کنوز الجنۃ یعنی لاحول

ولا قوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، تو اس میں اسی طرح اشارہ ہے۔ اللھم ارزقنا اے اللہ ہمیں یہ گنجہائے سعادت عطا فرما۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

اسیر لذت تن ماندۂ وگرنہ ترا — چہ گنجہاست کہ در ملک جان مہیا نیست

ترجمہ۔ افسوس کہ تو جسمانی لذتوں میں گرفتار ہو کر رہ گیا ہے۔ ورنہ وہ کون سے خزانے ہیں جو روحانی ملک میں تیرے لیے مہیا اور حاصل نہیں ہیں۔

سوال:۔ اگر یہ کہا جائے کہ راہ ہدایت کا بیان وایضاح اور گنج سعادت کا اظہار و افشاء جو بیان شریعت اور تعلیم دین سے عبارت ہے، اس پر چلنے والوں اور ان خزانوں کا مالک بننے والوں اور نہ چلنے کا ارادہ کرنے والوں اور ان خزانوں کو اپنی ملکیت میں نہ لانے کا قصد کرنے والوں سب کے لیے برابر ہے تو پھر مصنف نے قصد و ارادہ کی تخصیص کیوں کی ہے۔

جواب۔ جب کہ اس وضاحت و اظہار سے نفع اٹھانے والے صرف یہی لوگ ہیں جو اس کا قصد و ارادہ کرتے ہیں۔ اور اس کا فائدہ اور نفع بھی صرف انہی حضرات کو پہنچتا ہے۔ تو گویا یہ ایضاح اور اظہار صرف انہی لوگوں کے لیے ہے۔ اور بس جیسا کہ آیۃ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے کہا ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْيِهٖ لَا يَسْتَتِبُّ "اما بعد" ایک کلمہ ہے جو ایک اسلوب و طرز سے دوسرے اسلوب وطرز کی طرف منتقل ہونے کے وقت انسان استعمال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے اما بعد۔ ارباب تاریخ واخبار کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ کس نے استعمال کیا۔ مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ اس قول کے علاوہ اور اقوال بھی اس کلمہ کی شرح میں مذکور ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں اصل کلام اس طرح ہوگا حمد وصلوۃ اور شہادہ مذکورہ کے بعد بے شک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، طریقہ اور عادت مبارکہ کو مضبوطی سے تھامنے کا عمل تمام اور درست اور ٹھیک نہیں ہو سکتا اِلَّا بِالْاِقْتِفَاءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مِشْكٰوتِهٖ مگر اس چیز کی پیروی کرنے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے صادر اور ظاہر ہوتی ہے۔ مشکوۃ دراصل اس روزن اور طاق کو کہتے ہیں جو چراغ رکھنے کے لیے دیواروں میں بنایا جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو اس طاق سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں چراغ ہوتا ہے اور نور کا فیضان آپ کے دل روشن سے جو چراغ کی مانند ہے، لوگوں کو پہنچتا ہے یا قلب شریف آئینہ کی طرح ہے جیسے درخشندہ ستارہ اور آپ کے دل اطہر میں پاکیزہ اور روشن لطیفہ چراغ کی

مانند ہے تاکہ یہ تشبیہ مطابق آیہ کریمہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ الآیۃ اس کے نور کا حال طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو۔ چراغ شیشے میں ہو الآیۃ) ہو جائے، وَمَا الْاِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰہِ لَا یَتِمُّ اِلَّا بِبَیَانِ کَشْفِہٖ اعتصام پنجے کے ساتھ مضبوط پکڑنا۔ حبل رسی۔ بیان واضح اور صاف گفتگو کرنا۔ کشف نمایاں کرنا ننگا کرنا۔ یعنی مضبوط پنجے کے ساتھ اللہ کی رسی کو پکڑنا جو اس کی جناب کے قرب تک وصول اور پہنچنے کا سبب و وسیلہ ہے، مکمل نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرماتے، نمایاں اور ظاہر کرنے سے۔ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے یا تو خدا تعالیٰ کا وہ عہد و پیمان مراد ہے۔ جو اس نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے۔ یعنی ایمان، توحید، ربوبیت کا اقرار اور اس کی فرمانبرداری اور عبادت کی پابندی کرنا۔ اور جسے الست کے روز بندے قبول کر چکے ہیں (مگر بعد میں) ارواح کے ابدان کے ساتھ متعلق ہونے اور تنازع اور ارتکاب معاصی کے سبب ارواح پر کدورتوں کے میل کچیل چڑھ جانے سے بندوں نے اُسے فراموش کر دیا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لا کر اس عہد کی یاد دہانی کراتے رہے ہیں خصوصًا حضور سید رسل علیہ وعلی آلہٖ من الصلوٰۃ افضلہا و اکملہا نے واضح اور صاف بیان سے اور پوری طرح کھول کر اسے لوگوں کے سامنے رکھا۔ اور مکمل طور پر اس کی یاد دہانی کرائی ہے۔ اور واضح آیات و غالب معجزات کے ذریعے اس کی تاکید و تلقین کی۔ اور فرمایا ہے لوگو اللہ کے عہد کو پورا کرو تاکہ مطابق آیۃ کریمہ اَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ (تم میرا عہد پورا کر دیں تمہارا عہد پورا کروں گا، اللہ تعالیٰ بھی دائمی نعمتوں، رضاء و قرب، اپنی ذات کریم کے دیدار سے تمہیں مشرف کر کے اپنا وعدہ اور عہد پورا کرے۔ نظم

چونکہ در عہد خدا کردی وفا	از کرم عہدت نگہدارد خدا
بگ زمان اوفوا بعہدی گوشدار	تاکہ اوف عہدکم آید زیار
آں جماعت راکہ وافی بودہ اند	بر ہمہ اصناف شاں افزودہ اند

ترجمہ۔ جب تو نے خدا تعالیٰ کا عہد پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا۔

اوفوا بعہدی کی آواز اپنے کانوں میں تازہ رکھ۔ تاکہ تو اپنے دوست حقیقی کی طرف سے اوف بعہدکم کی خوشخبری سنے۔

کاملین کی وہ جماعت جو وفاداری میں پوری اتری وہ اس وفائے عہد کی صفت میں سب سے سبقت لے گئی۔

اور ہو سکتا ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ القرآن حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض قرآن مجید اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے۔ فضائل قرآن میں یہ اور اسی طرح کی دوسری احادیث ان شاء اللہ آئیں گی۔ اور جس طرح مضبوطی سے رسی کو پکڑنا پانی حاصل کرتے وقت کنوئیں میں گرنے سے سلامتی اور حفاظت کا ہے۔

ذریعہ ہے اور قرآن حکیم کو تھام لینا جہنم کے گڑھوں میں گرنے سے نجات کا سبب و ذریعہ ہے اور اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ قرآن کے معانی کی حقیقت اور اس کے مقاصد کا فہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان و انکشاف کے بغیر میسر نہیں آسکتا جو احادیث کی شکل میں موجود و معلوم ہے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيحِ الَّذِيْ صَنَّفَهُ الْإِمَامُ۔ اور کتاب المصابیح جسے اپنے زمانہ کے پیشوا و مقتداء نے تصنیف فرمایا تھا۔ تصنیف کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور بعض کو بعض سے الگ کرنا۔ صنف بکسر صاد یا فتح صاد سے مشتق ہے۔ بمعنی ایک حصہ اور ٹکڑا۔ اس کی جمع اصناف آتی ہے۔ مُحْیِ السُّنَّۃِ جو سنت کو زندہ کرنے والے تھے۔ سنت لغت میں روش اور طریقہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مراد ہوتی ہے چاہے وہ آپ کا قول یا فعل یا تقریر ہو۔ جیساکہ مقدمہ میں گزرا۔ اور جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہ ہو وہ بھی سنت میں داخل ہے۔ بعض علماء نے اس عمل کو سنت قرار دیا ہے جو آپ نے ہمیشہ کیا ہو مگر کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو۔ قَامِعُ الْبِدْعَۃِ جو بدعت پر غالب آنے والے اور اُسے ذلیل و خوار کرنے والے تھے۔ دین میں نئی بات جاری کرنے کو بدعت کہتے ہیں شرع شریف میں بدعت کے مفہوم کی حقیقت اور اس کے اقسام و انواع کی تفصیل باب اعتصام بکتاب و سنت میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگی۔ اَبُوْ مُحَمَّدٍ یہ امام صاحب کی کنیت ہے۔ اَلْحُسَیْنُ آپ کا نام مبارک ہے۔ بْنُ مَسْعُوْدٍ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی ہے۔ الفراء فتح فا اور تشدید را کے ساتھ پوستین (دو شالہ چمڑے کی سلائی کرنے والے) مصنف مشکوۃ المصابیح کے والد کی صفت ہے جو یہ کام کرتے تھے۔ اَلْبَغَوِیُّ بغشور کی طرف منسوب ہے۔ جو ہرات اور مرو کے درمیان ایک گاؤں تھا۔ قاموس میں ہے کہ بغشور بفتح ہرات اور مرغس کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ اور یہ خلاف قیاس نسبت ہے۔ محی السنۃ ابو محمد الحسین بن الفراء اس کی طرف منسوب ہے۔ غالب اور کثیر الاستعمال یہ ہے کہ اسم مرکب مزجی میں جزو دوم کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی جزو اول کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں۔ جس طرح معدیکرب میں معدی اور بعلبک میں بعلی۔ ایک روایت کے مطابق اس گاؤں کو بغ بھی کہتے تھے۔ اس قول کے مطابق مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ نسبت کرتے وقت واو زیادہ کر دیتے ہیں جیسے دہلی میں دہلوی۔ اور غزنہ کو غزنوی۔ علم صرف میں اسے بھی قاعدہ قرار دیا گیا ہے۔ رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهٗ اللہ تعالیٰ امام موصوف کے درجات بلند فرمائے۔

امام محی السنۃ علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات

آپ اپنے زمانہ میں اہل اسلام کے پیشوا و مقتداء و مفتی، ارباب تفسیر کے امام، احادیث سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کے

جاننے والوں کے رہنما تھے۔ تفسیر معالم التنزیل اور کتاب شرح السنۃ کے مولف و مصنف ہیں۔ مذہب شافعی میں ایک فتاویٰ مشہور بفتاویٰ بغوی بھی آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ایک دوسری تالیف میں اپنے شیخ و استاذ قاضی حسین علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ بھی جمع فرمائے ہیں۔ آپ اپنے دور کے عظیم بزرگ مقتداء و پیشوا، فقیہ، محدث اور مفسر تھے۔ علم قرأت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بے تکلف و سادہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ابتداء میں صرف خشک روٹی پر اکتفا کرتے تھے مگر جب احباب و تلامذہ نے مجبور کیا اور عرض کیا کہ محض خشک روٹی بدن کو کمزور کردے گی تو آپ نے زیتل اور ایک روایت کے مطابق منقا بھی ساتھ تناول فرمانا شروع کر دیا۔ آپ علم و عمل کے جامع اور طریقہ سلف صالحین کے مطابق چلنے کے توفیق یافتہ تھے۔ آپ کا لقب محی السنۃ کی وجہ بیان کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے۔ کہ جب آپ نے کتاب شرح سنۃ تالیف کی تو خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں تجیالا اللہ کما اَحْيَيْتَ سُنَّتِي تو نے میری سنت کو زندہ کیا اللہ تجھے زندگی عطا فرمائے۔ آپ نے فقہ شافعی، قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ سے جو سماء شافعیہ میں مشہور شخصیت تھے، حاصل کی۔ حدیث اور اس کی روایت اپنے دور کے مشائخ و محدثین عظام سے کی۔ اور علماء و مشائخ کی ایک جماعت نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ ان مشائخ میں سے ایک حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے ماہ شوال المکرم ۵۱۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کی قبر انور آپ کے استاذ گرامی جناب قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے نزدیک ان کی اقامت گاہ میں ہے۔ رحمھما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اَجْمَعَ كِتَابٍ صُنِّفَ فِيْ بَابِهٖ اس باب (علم حدیث) میں جو کتب حدیث تصنیف کی گئی ہیں ان میں سب سے یہ جامع ترین کتاب تھی یعنی اعمال، اعتقادیات اور ایمان واسلام کے احکام میں یہ کتاب المصابیح جامع ترین کتاب ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اس باب میں جو جامع ترین کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں سے ایک کتاب یہ ہے۔ ورنہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو اس سے بھی جامع تر ہیں۔ یا کتاب کی مدح میں مبالغہ کے طور پر یہ بات کہی گئی ہو کیونکہ طالبان علم کی ترغیب کے لیے کسی کتاب کے بارے میں اس طرح کے مبالغے کا اتفاق ہو جاتا ہے اور اس قسم کا مبالغہ جائز ہے۔ یا اس کتاب میں صدق کا احتمال غالب ہے۔ کیونکہ دینی مقاصد و مطالب یکجا ہونے کے اعتبار سے اس طرح کی مختصر کتاب بہت ہی قلیل و نایاب ہے۔ اگرچہ احادیث و روایات کی تعداد کے لحاظ سے کوئی اور کتاب اس سے بڑھ کر ہو۔ واللہ اعلم۔ وَ اَضْبَطَ لِشَوَارِدِ الْاَحَادِيْثِ وَاَوَابِدِهَا اور اس کتاب نے ان احادیث کی زیادہ نگہداشت کی جو لوگوں کے اذہان سے پوشیدہ اور غیر مانوس تھیں۔ شوارد شارد کی جمع ہے شرود سے مشتق ہے جس کا معنے ہے دوڑ کا بھاگ جانا (لاپتہ ہو جانا) اوابد آبدۃ کی

کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور۔ صراح میں ہے اَبَدَ گائے بیل کا بھاگ جانا لوگوں کے ساتھ مل کر نہ رہنا۔ اوابد و منگان یعنی بھاگ جانے والے جانور۔ میر جمال الدین محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے شوارد سے وہ احادیث مراد ہیں جن کی تخریج کتب اصول میں تو کی گئی ہے مگر طالبان حدیث سے یہ بات پوشیدہ ہو کر وہ کہاں کہاں سے لائی گئی ہیں۔ تو گویا وہ احادیث ان سے بھاگ چکی ہیں۔ اور اوابد سے وہ احادیث مراد ہیں جن کے مرادی اور مقصودی معانی طالبان حدیث سے پوشیدہ ہیں۔ تو گویا وہ احادیث طالب علم سے وحشت و نفرت اختیار کر چکی ہیں۔ اور محی السنۃ نے مصابیح میں ان کے مناسب و لائق باب میں لاکر انہیں پوشیدگی و وحشت کی وصف سے نکالا اور ضبط تحریر میں لاکر انہیں مانوس کر دیا ہے وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ طَرِيْقَ الْاِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْاَسَانِيْدَ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ النُّقَّادِ اور جب کہ حضرت شیخ نے اس میں اختصار کا راستہ اختیار کیا اور سندیں حذف کر دیں تو بعض ناقدین اور کھری کھوٹی کو جدا کرنے والوں اور صحیح حدیث کو غیر صحیح سے الگ کرنے والوں نے اس پر اعتراض کر دیے۔ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں صحیح و سقیم میں امتیاز سندوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ تو جس حدیث کی سند مذکور نہ ہو گی وہاں صحیح و سقیم میں امتیاز نہ ہو سکے گا۔ لغت میں سند کا معنی ہے کسی کو واپس بلانا، کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تکیہ اور سہارا دینا، اور بات کو اٹھا کر بات کرنے والے تک لے جانا۔ اور محدثین کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے متن حدیث کے طریق کو اس طرح نقل کرنا کہ اس کی روایت کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ ان رجال و اشخاص کا ذکر کرنا جنہوں نے وہ حدیث کی روایت ہے۔ اور متن حدیث اس سے عبارت ہے جس کا اسناد پورا ہونے کے بعد ذکر ہوتا ہے۔ اور کتاب المصابیح میں حذف اسناد سے صحابی اور حدیث بیان کرنے والے اور اپنی کتاب میں درج کرنے والے محدث کا ذکر نہ کرنا مراد ہو گا۔ کیونکہ مصنف نے مشکوۃ میں مصابیح پر زیادہ سے زیادہ یہ کام کیا ہے کہ صحابی کا ذکر اور ہر حدیث کے مُخرج (اپنی کتاب میں لانے والے محدث) کا ذکر کر دیا ہے اس کے برعکس صاحب مصابیح نے ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اور ہو سکتا ہے اسناد سے اصطلاحی معنی مراد ہو۔ یعنی طریق متن کی حکایت اور سند کے پورے رجال کا ذکر۔ لیکن مولف علیہ الرحمۃ نے پورے اسناد کے ساتھ کتاب میں درج کرنے والے محدث کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ وہ آگے فرمائیں گے کہ میں نے جب ان محدثین کی طرف حدیث کی نسبت کر دی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر دی۔ اس اعتبار سے صحابی کا ذکر محض تبرک و تاکید کے طور پر ہو گا (خوب سمجھ لے) اور اس فن والوں کے نزدیک اخراج و تخریج: اسناد کے ساتھ حدیث کتاب میں لانے سے عبارت ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں اخرجہ الشیخان اس حدیث کا اخراج شیخان (بخاری و مسلم) نے کیا ہے۔ یا خَرَّجَهُ الشَّيْخَانِ یا اس کی تخریج شیخین نے کی ہے۔ ان الفاظ سے ان

مصابیح کے سندیں حذف کر دینے کی وجہ سے کچھ ناقدین نے آپ پر اعتراض کیا۔ اور قیل وقال کی وَاِنْ کَانَ نَقْلُهٗ وَاِيَّاهُ مِنَ الثِّقَاتِ كَالْاِسْنَادِ اگرچہ شیخ محی السنۃ کا حدیث نقل کرنا جب کہ وہ خود ثقہ اور لائق اعتماد لوگوں میں ہے، حدیث کے باسند بیان کرنے کے مترادف ہے۔ یعنی شیخ محی السنۃ کا احادیث بے سند بیان کرنا باسند بیان کرنے کے حکم میں ہے۔ لفظ ثقات ثقہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی لغت میں اعتماد کرنے اور درست جاننے کے ہیں۔ اس لغوی معنی کے مطابق حدیث میں معتمد و معتبر شخص پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ لٰكِنْ لَيْسَ مَا فِيْهِ اَعْلَامٌ كَالْاَغْفَالِ اگرچہ صاحب مصابیح کا بلا سند بیان کرنا ان کے ثقہ ہونے کی بنا پر باسند کی طرح ہی تھا تاہم جس راستے میں نشانات و علامات موجود ہوں اس راستے کی طرح نہیں جو بے نشان اور بے علامت ہو۔ اعلام بفتح ہمزہ جمع علم دو فتحوں کے ساتھ یعنی ایسی علامت اور اثر جو دوسری چیز پر دلالت کرے۔ اَغْفَال بھی اسی وزن پر بضمہ غین کی جمع ہے۔ غفل اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آبادی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا ہو۔ اور اعلام و اغفال بہ لفظ مصدر بھی درست ہے۔ فَاسْتَخَرْتُ اللّٰهَ وَاسْتَوْفَقْتُ مِنْهُ تو میں نے اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے خیر و نیکی طلب کی اور اس سے توفیق کی درخواست کی۔ فَاَعْلَمْتُ مَا اَغْفَلَهٗ تو میں نے خیر و توفیق مانگنے کے بعد صاحب مصابیح کی احادیث کو جنہیں انہوں نے بے نشان اور بے علامت چھوڑ دیا تھا، نشان والا کر دیا۔ یعنی انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے کا ذکر چھوڑ دیا تھا، میں نے ہر حدیث میں اس کا راوی ذکر کرنے کی پابندی کی نیز صاحب مصابیح نے ہر حدیث کی جو تخریج نہیں کی تھی (اس حدیث کو اپنی کتاب میں باسند بیان کرنے والے محدث کا ذکر نہیں کیا تھا) میں نے ہر اس کی تخریج کر دی۔ اگرچہ صاحب مصابیح کی صحیح اور حسن احادیث میں وضع کردہ اصطلاح سے اجمالاً پتہ چل جاتا ہے کہ قسم اول میں دونوں شیخین یا ان میں سے ایک کی روایت کردہ حدیث مراد ہے۔ اور قسم دوم میں ان کے غیر کی احادیث ہیں۔ لیکن میں نے خصوصیت کے ساتھ ہر حدیث میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔ كَمَا رَوَاهُ الْاَئِمَّةُ الْمُتْقِنُوْنَ وَالثِّقَاتُ الرَّاسِخُوْنَ جیسا کہ عمدہ شکل میں کام کرنے والے اور قابل اعتماد ائمہ نے جو علم حدیث میں پختہ اور مضبوط ہیں، اپنی تصنیفات میں اسے روایت کیا تھا۔ جیسے ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، و ابو الحسین مسلم الحجاج القشیری و ابو عبداللہ مالک بن انس الاصبحی، و ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی و ابو عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی، و ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی و ابوداؤد سلیمان الاشعث السجستانی و ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی۔ و ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی و ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی و ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی و ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی و ابوالحسن رزین بن معاویۃ العبدری۔ حدیث کے ائمہ سے یہ تیرہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے اسناد کے ساتھ احادیث اپنی کتابوں میں لائی ہیں۔ اور صاحب مشکوٰۃ نے احادیث

ان کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی کچھ ہیں جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے فرمایا ہے۔ وَغَیْرِ ھِمْ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ یعنی کچھ اور بھی ہیں مگر وہ بہت کم ہیں۔ اور جب کہ اس بات کا موقعہ اور گنجائش تھی کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ناقدین نے صاحب مصابیح پر اسناد کا ذکر چھوڑ دینے کی بنا پر جو اعتراض کیا تھا وہ تو اب بھی باقی ہے۔ کیونکہ اب بھی ان مصنفین میں سے کسی کے اسناد کا ذکر نہیں ہوا۔ تو یہ وہم دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں۔ وَاِنِّیْ اِذَا نَسَبْتُ اِلَیْھِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اور بیشک جب میں نے حدیث کی نسبت ان ائمہ کی طرف کر دی تو گویا میں نے نسبت کر دی اور اٹھائے گیا حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لِاَنَّھُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْہُ وَاَغْنَوْنَا عَنْہُ کیونکہ یہ ائمہ کرام اس کا اسناد بیان کر چکے اور اس کام سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں بھی اسناد بیان کرنے کے کام سے بے نیاز اور فارغ کر چکے ہیں وَسَرَدْتُ الْکُتُبَ وَالْاَبْوَابَ کَمَا سَرَدَھَا اور جس طرح محی السنۃ علیہ الرحمۃ نے مصابیح میں کتب اور ابواب کو مسلسل اور ترتیب وار بیان کیا میں نے بھی ویسا ہی کیا وَاقْتَفَیْتُ اَثَرَہٗ فِیْھَا اور میں نے بھی کتب ابواب اور ترتیب میں شیخ کی پیروی کی ہے۔ اور ان کے قدم بقدم چلا ہوں سَرْد کا معنی ہے لگاتار کام کرنا۔ اچھے طریقہ سے بات کرنا۔ اور مسلسل گفتگو کرنا۔ اقتفا بکسر ہمزہ وسکین ثاء مثلثہ اور دونوں فتحوں کے ساتھ بمعنی پاؤں کے نشان۔ یعنی چونکہ صاحب مصابیح نے کتب، ابواب کو بڑی عمدہ ترتیب سے بیان کیا تھا۔ اور اس کے تراجم عنوانات کو مناسب اور درست طریقہ سے ذکر کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے بھی بغیر کسی تغیر و تبدل اور تقدیم و تاخیر کے اسی طرح ذکر کر دیا۔ اور اسی کی پیروی کی مصنفین کی عادت ہے کہ وہ ایک مکمل بحث کو جو بمنزلہ جنس عام اور چند مختلف النوع مطالب پر مشتمل ہوتی ہے۔ کتاب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس جنس میں سے ہر ہر نوع کا الگ الگ باب میں کرتے ہیں جیسے کتاب الطہارۃ کہ اس میں وضو کا الگ غسل کا الگ اور تیمم کا الگ باب ہوتا ہے۔ پھر ہر باب میں الگ نوع کے مسائل فصل میں بیان کرتے ہیں۔ جیسے غسل جنابت، غسل جمعہ اور غسل عیدین وغیرہ۔ لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں ابواب کو فصلوں میں منحصر کر دیا ہے۔ اور باب کے تحت وہی کچھ بیان کیا ہے جو فصل کے ضمن میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَقَسَّمْتُ کُلَّ بَابٍ غَالِبًا عَلٰی ثَلٰثَۃِ فُصُوْلٍ۔ اور میں نے کتاب کے تحت لائے گئے ہر باب کو زیادہ تر تین فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ زیادہ تر اس لیے فرمایا کہ کچھ تھوڑے سے باب ایسے بھی ہیں جن میں تین فصلیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اَوَّلُھَا مَا اَخْرَجَہُ الشَّیْخَانِ اَوْ اَحَدُھُمَا ان میں سے پہلی فصل ان احادیث پر مشتمل ہے جن کی تخریج و روایت امام بخاری و امام مسلم یا دونوں میں سے ایک نے کی ہے۔ وَاکْتَفَیْتُ بِھِمَا اور میں نے ان دونوں شیخین کے ذکر پر اکتفا کی ہے۔ وَاِنِ اشْتَرَکَ فِیْہِ الْغَیْرُ اگرچہ اور احادیث کے روایت کرنے میں اور حضرات بھی ...

بھی شریک ہیں۔ لِعُلُوِّ دَرَجَتِهِمَا فِي الرِّوَايَةِ روایت میں ان کے بلند پایہ اور رفیع الشان ہونے کی بنا پر۔ کہ کسی حدیث کو ان دونوں کے روایت کر دینے سے حدیث کی صحت کا اصل ثابت ہو جانے سے دوسروں کی روایت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگرچہ دوسروں کا بھی روایت کرنا تائید وتاکید کے لیے ضرور مفید ہے۔ پھر صرف شیخین کے ذکر میں اختصار بھی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہو اُسے اصطلاح محدثین میں متفق علیہ کہتے ہیں۔ لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ دونوں نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔ اور اگر دونوں کے راوی دو الگ الگ صحابی ہوں تو اسے اصطلاح محدثین میں متفق علیہ نہ کہیں گے۔ شیخ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اس کی تصریح کی ہے وَثَانِيهِمَا مَا أَوْرَدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَذْكُورِينَ ان تین فصلوں میں سے دوسری فصل ان احادیث پر مشتمل ہے جنہیں شیخین کے بجائے دوسرے ائمہ مذکور نے روایت کیا ہے۔ وَثَالِثُهَا مَا اشْتَمَلَ عَلَى مَعْنَى الْبَابِ تیسری فصل ان چیزوں پر مشتمل ہے جو مقصد باب اور جس غرض کے لیے باب باندھا گیا ہے اس کے موافق ہیں۔ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ یعنی ایسے ملحقات اور مناسب امور جو باب پر چسپاں ہوتے ہیں اور مقصد باب کے مناسب و موافق ہیں مَعَ مُحَافَظَةٍ عَلَى الشَّرِيطَةِ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ہر حدیث میں راوی اور اس کے روایت کرنے والے محدث امام کا ذکر۔ وَإِنْ كَانَ مَأْثُورًا عَنِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وہ چیز جو فصل سوم میں مذکور اور معنی باب پر مشتمل ہے اگرچہ جماعت سلف اور گروہ خلف سے ہی منقول ہوتی ہو۔ یعنی متقدمین اور متاخرین علماء سے ماثور و منقول ہو۔ مطلب یہ کہ جو کچھ میں نے فصل سوم میں ذکر کیا ہے اس میں یہ پابندی نہیں کی کہ وہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ہی ہو، بلکہ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے حضرات کے وہ اقوال، افعال اور تقریرات جو باب کے مناسب ہوں، بھی تیسری فصل میں درج کر دی ہیں۔ اور مقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اصطلاح میں انہیں بھی حدیث کہہ دیتے ہیں۔ یہ تیسری زائد فصل مصنف لائے ہیں مصابیح میں نہ تھی۔ مصابیح میں صرف اول و ثانی قسم ہی تھی۔ اسے بھی فصل کے عنوان سے بیان نہ کیا تھا۔ بلکہ اول کو جسے شیخین یا دونوں میں سے ایک نے روایت کیا تھا اپنے قول من الصحاح کے عنوان سے معنون کیا۔ اور دوسری قسم کو جسے غیر شیخین نے روایت کیا من الحسان کے عنوان سے ذکر کیا۔ قسم ثانی کو حسان کے نام سے موسوم کرنا صاحب مصابیح کی جدید اصطلاح ہے۔ ورنہ قسم ثانی میں صحیح اور ضعیف احادیث بھی ہیں، یا تغلیب کے طور پر سب کو حسان کہہ دیا کیونکہ قسم ثانی میں زیادہ تر حسن احادیث ہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور صاحب مشکوٰۃ نے اپنے قول میں الفصل الاول الفصل الثانی کے عنوان سے معنون کیا۔ اور مصنف نے مذکورہ کتابوں سے احادیث کو یکجا کر کے اپنے پاس سے ایک تیسری فصل بنا دی۔ وہ چاہے شیخین سے مروی ہو چاہے غیر شیخین سے۔

اور اس کے ساتھ سلف کے اقوال و آثار بھی ملا دیے اور یہاں بھی راوی کا ذکر وہ صحابی ہو یا غیر صحابی اور مذکورہ ائمہ میں سے اپنی کتاب میں لانے والے کا تذکرہ بھی التزام و پابندی سے کیا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكَ اِنْ فَقَدْتَ حَدِيْثًا فِيْ بَابٍ پھر ان مذکورہ مقدمات کے جان لینے کے بعد یہ بھی علم میں ہونا چاہیئے کہ اس کتاب کے ابواب میں سے کسی باب میں اگر تجھے کوئی ایسی حدیث نہ ملے جیسے صاحب مصابیح نے اس باب میں درج کیا تھا فَذٰلِكَ عَنْ تَكْرِيْرٍ اُسْقِطُهٗ تو اس حدیث کا اس باب میں مذکور نہ ہونا اور نہ ملنا اس وجہ سے ہے کہ صاحب مصابیح نے اسے مکرر بیان کیا تھا۔ میں نے اسے ساقط کر دیا بیان نہ کیا۔ وَ اِنْ وَجَدْتَ اٰخَرَ بَعْضُهٗ مَتْرُوْكًا عَلٰى اخْتِصَارِهٖ اور اگر تو بعض دوسری احادیث میں سے کسی کو مختصراً پائے اَوْ مَضْمُوْمًا اِلَيْهِ تَمَامُهٗ یا کسی جگہ اس متروک حدیث کو مکمل اور باقی حصے کے ساتھ موجود پائے۔ فَعَنْ دَاعِيْ اِهْتِمَامٍ اَتْرُكُهٗ وَ اُلْحِقُهٗ تو کسی خاص وجہ، اہتمام اور اعتنا کی بنا پر میں نے اس کے کچھ الفاظ کو چھوڑا ہو گا یا اہتمام اور ضرورت کے تحت میں نے پوری اور مکمل حدیث بیان کی ہو گی، یعنی یہاں ایسی صورتِ حال ہو گی جو یا اس کے بعض الفاظ نقل نہ کرنے یا پوری حدیث بیان کرنے کی متقاضی ہو گی۔ اس کے بعض الفاظ ترک کر دینے کا سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً اس حدیث کا کچھ حصہ ہی باب کے مناسب ہے۔ دوسرا حصہ اس باب کے مناسب نہیں۔ یا ایک حصہ اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا کسی دوسرے باب سے مناسبت رکھتا ہے۔ جو حدیث اس نوعیت کی ہے میں نے اسے مختصر شکل میں بیان کیا کہ باب کے مناسب حصہ کو تو ذکر کر دیا باقی ذکر نہ کیا۔ اور اگر حضرت شیخ محی السنۃ علیہ الرحمتہ نے اسی غرض سے کہیں اختصار کیا ہے تو میں نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ اور اس مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے میں نے بھی اسے اختصار کی صورت میں رہنے دیا ہے اور جس حدیث میں، میں نے یہ صفات نہ پائیں اس کے تتمہ اور باقی ماندہ حصہ کو بھی اس سے ملا کر بیان کر دیا۔ اگرچہ شیخ نے اس کے بیان میں اختصار کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ترک یا الحاق کا باعث و داعی اس بیان شدہ معنی کے علاوہ کوئی اور معنی بھی ہو (خوب سمجھ لے) وَاِنْ عَثَرْتَ عَلَى اخْتِلَافٍ فِي الْفَصْلَيْنِ اور اگر فصل اول اور فصل ثانی میں تجھے اختلاف کی اطلاع اور علم ہو (تیسری فصل کے اختلاف کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے)۔ مِنْ ذِكْرِ غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْاَوَّلِ اور وہ اختلاف یہ ہے کہ غیر شیخین کا ذکر تو فصل اول میں پا ئے وَذِكْرِهِمَا فِي الثَّانِيْ اور شیخین امام بخاری و امام مسلم کا ذکر تجھے فصل ثانی میں ملے۔ یعنی صاحب مصابیح نے تو یہ بات طے کر رکھی ہے کہ جو احادیث قسم اول میں وارد کی ہیں وہ بخاری و مسلم کی ہیں۔ اور جو قسم دوم میں وارد کی ہیں وہ اس کے خیال میں غیر بخاری و مسلم کی احادیث ہیں۔ لیکن میں نے فصل اول کی بعض احادیث غیر بخاری و مسلم کی طرف نسبت کر دی ہیں۔ اور ان دونوں اماموں کی جگہ دوسرے ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ باب سنن وضو کی فصل اول اور باب فضائل القرآن کی فصل اول۔ اور کتاب الآداب

کے باب اسلام کی فصل اول میں اور اس کے علاوہ بعض اور مقامات میں۔ اور اسی طرح فصل ثانی کی بعض احادیث کی نسبت بخاری و مسلم کی طرف کی اور فصل ثانی میں ان کا ذکر کیا ہے جیسے باب ما یقرا بعد التکبیر وغیرہ ہیں۔ اور میرے ایسا کہنے سے لازم آتا ہے کہ صاحب مصابیح سے احادیث کی تتبع و تلاش میں قصور اور کوتاہی واقع ہوئی ہے۔ فَاعْلَمْ اَنِّیْ بَعْدَ تَتَبُّعِیْ کِتَابَیِ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّحِیْحَیْنِ لِلْحُمَیْدِیْ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ تو یہ بات جان لے کہ صاحب مصابیح کی مخالفت کرنے میں میرا عذر اور اس نسبت کے لیے میری دلیل یہ ہے۔ کہ میں نے ان دو کتابوں یعنی الجمع بین الصحیحین، (جس میں صحیح بخاری اور مسلم دونوں کتابوں کی احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے)۔ اور علامہ ابن اثیر جزری کی جامع الاصول جس میں چھ کتابوں کو یکجا کر دیا ہے، کی چھان بین اور تلاش و تتبع کے بعد اِعْتَمَدْتُ عَلٰی صَحِیْحَیِ الشَّیْخَیْنِ وَمَتْنَیْهِمَا صحیح بخاری و مسلم پر اور احادیث کے ان متنوں پر اعتماد و بھروسہ کیا ہے جو ان دو کتابوں میں ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کے متن سے ان کی اصل کتاب مراد ہو نہ کہ کتاب جمع بین الصحیحین اور جامع الاصول جو شروح کی مانند ہیں یعنی شیخین کی احادیث کے پائے جانے کی جگہ اور مقام ان کی صحیحین اور دو مذکورہ کتابیں ہیں تو اگر کسی حدیث کو میں نے ان میں پا یا ہے۔ تو ان کی طرف نسبت کر دی ہے۔ اگر چہ شیخ نے ان کے غیر کی طرف نسبت کی ہو۔ اور اگر کوئی حدیث ان میں نہیں پائی تو نسبت نہیں کی اگر چہ شیخ علیہ الرحمۃ نے نسبت کی ہو۔ اور اس بارے میں صرف الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول پر اکتفا نہیں کیا۔ اگر الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول پر اکتفا کرتا تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ شاید صحیحین اور ان کے متن میں بھی یہ حدیث ہو گی (یعنی صرف ان دو میں پائے جانے سے صحیحین اور ان کے متن میں پائے جانے کا وثوق نہ ہوتا) اور اگر میں صحیحین اور ان کے متن پر اکتفا کرتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ شاید یہ حدیث الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول میں بھی ہو۔ لہٰذا میں نے ان چاروں کی پوری چھان بین کی تاکہ اس نسبت کی صحت جو میں نے کی ہے اور اس نسبت کی عدم صحت کا جو صاحب مصابیح نے کی ہے، وثوق و اعتماد اور ظن غالب ہو جائے۔ لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ صحیحین اور ان کے متون اور الجمع بین الصحیحین اور جامع الاصول کا تتبع اور ان کی چھان بین جو صحیحین کی احادیث پر مشتمل ہیں، مفید نہیں ہے۔ مگر فصل ثانی میں جہاں شیخین کا ذکر ہے۔ تاہم فصل اول میں جہاں غیر شیخین کا ذکر آیا ہے۔ وہاں غیر شیخین کی کتب اور سنن کا تتبع اور ان کی چھان بین ہونی چاہیئے۔ تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ صاحب مصابیح نے فصل اول میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور حدیث کی جو شیخین کی طرف نسبت کی ہے وہ شیخین کی نہیں بلکہ غیر شیخین کی حدیث ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں مراد کے ظاہر اور واضح ہونے کے باعث مصنف نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ (یہ مقام غور ہے) و باللہ التوفیق۔

وَاِنْ رَاَیْتَ اخْتِلَافًا فِیْ نَفْسِ الْحَدِیْثِ۔ اور اگر لفظ حدیث میں میرے اور صاحب مصابیح کے درمیان تجھے

اختلاف نظر آئے کہ صاحب مصابیح نے اُسے اور الفاظ سے ذکر کیا ہو اور میں نے دوسرے الفاظ سے فَذٰلِكَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْحَدِيْثِ تو یہ اختلاف احادیث کی اسانید کے متفرق اور زیادہ اور مختلف ہونے کے باعث ہے۔ جو حدیث تک پہنچنے کے راستے ہیں۔ ایک طریق اور اسناد سے حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ دوسرے طریق اور دوسرے اسناد میں دوسرے الفاظ سے۔ لَعَلِّيْ مَا اطَّلَعْتُ عَلٰى تِلْكَ الرِّوَايَةِ الَّتِيْ سَلَكَهَا الشَّيْخُ رح اور اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس طریق کا پتہ نہ چل سکا ہو جس کے مطابق شیخ نے روایت کی ہے اور صاحب مصابیح کے الفاظ اس طریق کے مطابق ہوں۔ وَفِيْ قَلِيْلٍ مِّمَّا تَجِدُ اَقُوْلُ قلیل جگہوں میں تو مجھے یوں کہتا ہوا بھی پائے گا کہ مَا وَجَدْتُ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِيْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ مجھے صاحب مصابیح کی یہ روایت کتب اصول میں نہیں ملی۔ یعنی ائمہ حدیث کی ان کتابوں میں جو روایت کا اصل و مدار اور اس باب میں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فِيْهَا یا میں یوں کہوں گا کہ میں نے کتب اصول میں شیخ کی ذکر کردہ روایت کے خلاف پایا ہے۔ فَاِذَا وَقَفْتَ عَلَيْهِ جب تو میری اس بات سے واقف ہو فَانْسُبِ الْقُصُوْرَ اِلٰى قِلَّةِ الدِّرَايَةِ تو میری دانش اور دریافت کی کمی کے باعث اس قصور و کوتاہی کی نسبت میری طرف کرنا لَا اِلٰى جَنَابِ الشَّيْخِ جناب شیخ کی طرف نہ کرنا۔ اس انداز بیان میں ادب و احترام پایا جاتا ہے۔ یعنی شیخ تو وہ ہستی ہیں کہ ان کا نام تو زبان مبارک پر لایا ہی نہ جا سکتا ہاں ان کی درگاہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یوں ہی جب ایسے مقامات میں لفظ حضرت یا مجلس یا خدام، نواب یا ملازمین کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اس سے ادب و احترام مقصود ہوتا ہے۔ رَفَعَ اللّٰهُ قَدْرَهٗ فِي الدَّارَيْنِ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی دونوں جہان میں بلند فرمائے۔ حَاشَا وَنَعُوْذُ مِنْ ذَالِكَ قصور و کوتاہی کی اس نسبت سے شیخ کی ذات پاک و منزہ ہے۔ اور ان کی یہ پاکیزگی و نزاہت خدا کی جانب سے ہے لفظ ماشاء اللہ کی تحقیق اور بیان شرح میں ذکر کیا گیا ہے۔ رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اِذَا وَقَفَ عَلٰى ذٰلِكَ اللہ اس شخص پر رحم و مہربانی فرمائے جو اس روایت پر مطلع ہو جائے جسے شیخ نے مصابیح میں ذکر کیا ہے۔ اور میں کتب اصول میں اسے نہیں پا سکا فَنَبَّهَنَا عَلَيْهِ تو ہمیں بھی اس کے بارے میں بیدار اور آگاہ کر دے۔ وَاَرْشَدَنَا طَرِيْقَ الصَّوَابِ اور ہمیں بھی راہ راست دکھا دے۔ تنبیہ و ارشاد اگر حقیقت پر محمول ہوں تو اس صورت میں مؤلف کی زندگی کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔ اور اگر حقیقی معنی پر محمول نہ ہو تو عبارت و اضافہ مناسب تغیر و تبدل، کتاب پر حواشی کی تعلیق اور مناسب حواشی کی طرف اشارات اور ان پر تنبیہ کی صورت میں کتاب کی صحت اور درستی مراد ہوگی۔ وَلَمْ آلُ جُهْدًا فِي التَّنْقِيْرِ وَالتَّفْتِيْشِ۔ اور میں نے کتب اصول سے مختلف احادیث و روایات کی کھود کرید، تلاش و جستجو اور چھان بین بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تنقیر و تفتیش دونوں کا ایک ہی معنی ہے

جس طرح لفظ وسع اور طاقت ہم معنی ہیں۔ اور یہ ارباب تصنیف کی عادت ہے کہ خطبوں میں مترادف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وَنَقَلْتُ ذَالِكَ الْاِخْتِلَافَ كَمَا وَجَدْتُ ۔ اور میں نے اختلاف روایات کو جس طرح پایا بالکل اسی طرح نقل کر دیا۔ یعنی بغیر کمی بیشی کرنے اور بغیر کسی تغیر و تبدل کے۔ وَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ غَرِيْبٍ اَوْ ضَعِيْفٍ اَوْ غَيْرِهِمَا بَيَّنْتُ وَجْهَهٗ غَالِبًا اور شیخ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث غریب، ضعیف اور بغیر غریب و ضعیف جیسے شاذ، منکر اور معلل وغیرہ کی طرف اشارہ کیا تھا میں نے اس میں سے اکثر کی وجہ بیان کر دی۔ اور تھوڑی احادیث ایسی ہیں جن کی وجہ نہ معلوم ہونے یا کسی اور بنا پر غرابت یا ضعف وغیرہ کا سبب بیان نہیں کیا۔ واللہ اعلم وَمَا لَمْ يُشِرْ اِلَيْهِ مِمَّا فِي الْاُصُوْلِ ۔ اور کتب اصول کی جن احادیث کے بارے میں شیخ نے اشارہ نہ کیا اور غریب وضعیف وغیرہ نہ کہا فَقَدْ قَفَّيْتُهٗ فِيْ تَرْكِهٖ تو اس میں میں نے بھی شیخ کی اتباع اور پیروی کی اور حدیث کی صحت، حسن، ضعف اور غرابت وغیرہ کی جانب اشارہ اور اس کا تعرض نہ کیا۔ اِلَّا فِيْ مَوَاضِعَ لِغَرَضٍ ۔ مگر کتاب کے چند مقامات پر شیخ کی پیروی نہیں کی اور کسی غرض کے تحت حدیث کے حال کی جانب اشارہ کر دیا باوجودیکہ شیخ نے ایسا کوئی اشارہ نہ کیا تھا۔ وہ غرض یہ ہے کہ بعض ناقدین اور معترضین نے مصابیح کی کچھ احادیث کی نسبت وضع اور بطلان کی طرف کی تھی۔ تو مولف (صاحب مشکوٰۃ) علیہ الرحمۃ نے ترمذی وغیرہ کا حوالہ نقل کر کے بتا دیا کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے وغیرہ تاکہ ان ناقدین و معترضین کا وہم باطل ہو جائے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ محی السنۃ علیہ الرحمۃ نے دیباچہ مصابیح میں کہا تھا کہ میں نے منکر احادیث لانے سے گریز کیا ہے حالانکہ مصابیح میں منکر احادیث موجود ہیں۔ تو مصنف علیہ الرحمۃ اظہار حق کی خاطر وہ بھی بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ علامہ طیبی نے فرمایا ہے وَرُبَّمَا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً اور بہت کم یا بسا اوقات تو میری کتاب مشکوٰۃ میں خالی جگہ بھی پائے گا کہ وہاں ائمہ مذکورین میں سے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وَ ذٰلِكَ حَيْثُ لَمْ اَطَّلِعْ عَلٰى رَاوِيْهِ یہ راوی کا ذکر نہ کرنا اور جگہ خالی چھوڑ دینا اس بنا پر ہے کہ میں اس راوی سے آگاہ نہ ہو سکا۔ فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ ۔ تو میں نے اس کا نام لکھنے کے لیے کتاب میں سفید جگہ چھوڑ دی۔ فَاِنْ عَثَرْتَ عَلَيْهِ فَاَلْحِقْهُ بِهٖ اے مخاطب اور کتاب کا مطالعہ کرنے والے اگر تجھے اس کا علم ہو جائے تو اس کے ساتھ ملحق کر دینا اور اس سفید جگہ میں راوی کا نام لکھ دینا۔ اَحْسَنَ اللّٰهُ جَزَاءَكَ اللہ تعالیٰ تجھے اس عمل کی نیک جزا عطا کرے۔ اور کچھ علماء جیسے شیخ شمس الدین محمد جزری وغیرہ نے خالی جگہوں کی وضاحت کی ہے۔ مگر سفید جگہ میں لکھنے کے بجائے کتاب کے کنارے پر راوی کا نام لکھ دیا اور سفید جگہ کو اس لیے اسی طرح رہنے دیا تاکہ اس امر کا پتہ چل جائے کہ یہ وضاحت مصنف کی طرف سے نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس سفید جگہ میں ہی لکھ دیا۔ اور حاشیہ میں لکھ دیا کہ یہ جگہ اصل میں سفید

تحریر کی گئی تھی۔ اور یہ عارضی اور بعد کی تحریر ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے نسخوں کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے۔ وَسَمَّیْتُ الْکِتَابَ اور میں نے اس کتاب کا نام بِمِشْکٰوۃِ الْمَصَابِیْحِ مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ مشکوٰۃ بمعنی طاق جس میں چراغ رکھتے ہیں مصابیح جمع مصباح بمعنی چراغ کتاب کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر حدیث کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو روشنی عطا کرتا ہے۔ حدیث بھی ایمان و یقین کے راستے پر چلنے والے کو روشنی بخشتی ہے۔ اور نور علم اور معرفت دین سے اس کے دل کو منور کرتی ہے۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصابیح جو محی السنۃ کی کتاب ہے اس کتاب مشکوٰۃ کے اندر ہے۔ اور یہ کتاب مصابیح کو اس طرح شامل ہے جیسے طاق چراغ پر مشتمل ہوتا ہے۔ وَسَأَلْتُ اللّٰهَ التَّوْفِيْقَ اور میں مذکورہ اور جامع طریقہ پر اس کتاب کی تصنیف بلکہ تمام امور و حالات میں اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں لغت میں توفیق کسی کی دستگیری کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح علماء میں خدا تعالیٰ کا بندے میں قدرت، قوت اور طاقت پیدا کرنے کا نام توفیق ہے۔

وَالْإِعَانَةَ وَالْهِدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ اور اس تالیف اور باقی امور خیر میں بھی خدا تعالیٰ سے اعانت، ہدایت اور اس کتاب وغیرہ میں اس حفاظت کا خواستگار ہوں۔ وَتَيْسِيْرَ مَا أَقْصِدُهٗ اور جمیع مقاصد میں آسانی پیدا کرنے کا طلبگار ہوں۔ وَأَنْ يَّنْفَعَنِيْ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اور خدا تعالیٰ سے یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ مجھے زندگی میں اس تالیف کے ذریعے مطالعہ کی توفیق، تعلیم اور اس کتاب کی احادیث لوگوں تک پہنچا کر دینا میں اور مرنے کے بعد مجھے اجر و ثواب، رضا و خوشنودی، جو عظیم چیز ہے، عطا کر کے نفع عطا فرمائے وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بھی نفع عطا فرمائے حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اور وہ بہترین وکیل ہے۔ وکیل اُسے کہتے ہیں جس کے حوالے اپنا کام کر دیتے ہیں۔ شعر

کار خود را بخدا باز گزار   کت نمی بینم ازیں بہتر کار

ترجمہ:۔ اپنا کام خدا تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ کہ اس سے بہتر میرے نزدیک تیرے لیے کوئی کام نہیں۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اور گناہوں سے دور ہونے اور بخشش کرنے اور نیک کام کرنے کی ہمت و طاقت نہیں ہے مگر اللہ عزیز و حکیم کی مدد و نصرت سے۔ اور عزیز و حکیم کا معنی کتاب میں اسمائے حسنیٰ کی شرح کے مقام پر بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العلی العظیم۔ اور جب ہم خطبہ کتاب کی شرح سے فارغ ہو گئے تو وقت آ پہنچا ہے کہ احادیث مبارکہ کی شرح میں اپنے آپ کو مصروف و مشغول کریں۔ وباللہ التوفیق ومنہ التیسیر (اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا اور آسانی مہیا کرنے والا ہے)۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتب والواب کا ذکر شروع کرنے سے پہلے کتاب کی ابتداء حدیث

انما الاعمال بالنیات سے اس علم شریف کی طلب و تحصیل میں نیت کو شائبہ اغراض یا معاوضہ لینے کے خیال سے خالی اور پاک رکھنے پر تنبیہ کرنے اور اس کی ترغیب دینے کے لیے کی ہے اور گویا اس علم کی طلب کے راستے میں آنا خدا اور رسول خدا کی طرف ہجرت کرنے کے حکم میں ہے۔ تو جس طرح ہجرت کے وقت خلوص نیت کی ضرورت ہے یہاں بھی خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ ارباب تصنیف و تالیف کی عادت بن چکی ہے کہ وہ اپنی تالیفات کی ابتداء اس حدیث سے کرتے ہیں چنانچہ امام بخاری جو اس گروہ کے رئیس و سردار ہیں انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ خطابی نے فرمایا ہمارے مشائخ کرام امور دین میں سے ہر امر سے پہلے حدیث انما الاعمال بالنیات کا لانا مستحسن اور اچھا جانتے تھے۔ ائمہ حدیث اس حدیث کے فضل و شرف، موقع کی عظمت کے مطابق اس کی عظمت شان اور اس کے کثرت فوائد پر اتفاق رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ بعض علماء نے تو اسے نصف علم قرار دیا ہے۔ اور وہ یوں کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ قلبی اعمال اور بدنی اعمال بنسبت اعمال قلب کی اصل و بنیاد ہے۔ اور اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ تمام اعمال، عبادات و عادات کی صحت اور ان کا ثواب حسن و خلوص نیت پر موقوف ہے۔ اور اس طرح اس حدیث کو سارا علم اور پورا دین قرار دے دیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کا دین کے ابواب میں سے ستر بابوں میں عمل دخل ہے۔ ممکن ہے امام شافعی علیہ الرحمۃ کا اس جملے سے مقصد کثرت و مبالغہ ہو، حصر و تخصیص مقصود نہ ہو۔ اس لیے کہ ستر کا عدد مبالغہ و کثرت میں مشہور ہو چکا ہے۔ ورنہ اس حدیث کا دین کے ستر ابواب سے بھی زیادہ میں عمل دخل ہے۔ کہ عبادات، معاملات اور عادات کے اقسام حد و شمار سے باہر ہیں۔ اور نیت کا ہر جگہ دخل ہے۔ اور تمام علماء اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ بعض نے اسے متواتر کہا ہے۔ تحقیق حال مقدمہ میں کر دی گئی ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى۔ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور بیشک ہر شخص کے لیے وہ ہے جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہوگی کہ اسے حاصل کرے یا عورت کی طرف کہ اس سے نکاح کرے۔ تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت اختیار کی ہے۔

شرح :- امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ میں اعمال اور ان کی قبولیت کا اعتبار نہیں مگر ان کی نیتوں کے ساتھ اکثر اور اشہر روایات میں یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اور بعض روایات میں بغیر لفظ انما صرف الاعمال بالنیات کے الفاظ ہیں اور بعض میں بالنیات جمع کے بجائے بالنیۃ کے الفاظ ہیں اور بعض میں صرف العمل بالنیۃ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ لیکن تمام عبارات سے مقصود مدعی ایک ہی ہے کہ قلب و قالب (ظاہر و باطن) کا کوئی عمل، کسی حکم کا بجا لانا، امر ممنوع کو چھوڑنا۔ قول و فعل اور عبادات وطاعات نیت کے بغیر مقبول و معتبر نہیں ہیں اور نیت کے بغیر ان پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ اس باب میں تحقیق کی غایت وانتہا یہ ہے کہ اعمال دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو مقصود لذاتہ ہیں جیسے نماز۔ اس قسم میں سبب ثواب نہ ہوگا تو وہ عمل صحیح اور جائز بھی نہ ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو دوسرے عمل کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہے۔ جیسے وضو۔ اس قسم میں ثواب اس وقت ملے گا جب نیت ہوگی لیکن نیت کے بغیر بھی عمل جائز ہوگا۔ اور بغیر نیت کے وضو سے نماز درست ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے۔ تاہم دوسرے ائمہ کے نزدیک بے نیت کے وضو سے نماز درست اور جائز نہیں ہے۔ اور نیت سے یہاں تقرب الی اللہ کا قصد و ارادہ مراد ہے یعنی جو کام بھی کرے خدا کے لیے اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا و خوشنودی کے لیے کرے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ نیت دل کا فعل ہے زبان سے کہنے کی ضرورت و حاجت نہیں۔ اگر دل غافل ہو اور صرف زبان سے نیت کے الفاظ دہرائے جائیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے برعکس اگر دل میں نیت موجود ہو مگر زبان پہ نہ آسکے یا زبان سے اس کے خلاف ادا ہو جائے تو اس میں کچھ نقصان اور حرج نہیں ہے اور علماء کرام میں اس بات پر اتفاق کے باوجود کہ بلند آواز سے نیت کے الفاظ کہنا منع نہیں اس میں اختلاف ہے کہ نیت کو الفاظ میں ادا کرنا صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں۔ مذہب صحیح یہ ہے کہ شرط نہیں ہے۔ اور اسے شرط قرار دینا خطا ہے۔ تاہم فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے زبان سے کہہ لینا بھی بہتر و مستحب ہے تاکہ زبان کی دل سے موافقت اور ظاہر کی باطن سے مطابقت ہو جائے۔ اور نیت کے الفاظ ذکر کرنے سے ان کا معنی سمجھنا اور دل میں ان کا استحضار بھی آسان ہو جاتا ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں نہیں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے نیت کرتے تھے۔ صرف اسی قدر آیا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو صرف اللہ اکبر کہتے۔ اگر اس مقام پہ زبان سے بھی آپ نے کچھ پڑھا ہوتا تو محدثین ضرور اسے روایت کرتے، لہٰذا طریقہ سنت اور اس کی اتباع یہی ہے کہ دل کی نیت پہ اکتفا کیا جائے۔ اور جس طرح کسی کام کے کرنے میں اتباع ضروری ہے اسی طرح کسی کام کے نہ کرنے میں بھی اتباع ضروری ہے۔ پس جو شخص وہ کام ہمیشہ اور پابندی سے کرے جو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا تو ایسا شخص بدعتی ہے جیسا کہ محدثین کرام علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی اور بندے کو اس کے عمل اور ثواب سے حصہ نہیں ملتا مگر وہی جو اس نے نیت کی ہوتی ہے۔ اور بعض روایات میں یوں ہے اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ لفظ کل کے اضافے کے ساتھ آیا ہے۔ یہ جملہ کلام سابق کی تاکید اور پختگی کے لیے آیا ہے۔ مآل اور مدعا دونوں کا ایک ہے کہ نیت کے بغیر عمل صحیح اور قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر ہر عمل کی مخصوص نیت ہوتی ہے۔ بندے کا حصہ اس میں سے یہی ہے کہ اس عمل کی نیت کی۔ مثال کے طور پر اگر ایک عمل بہت سی نیتوں کا متقاضی ہو، چنانچہ اگر اپنے قریبی عزیز کو صرف اس کے فقیر ہونے کی نیت سے صدقہ دے اس کے قریبی ہونے کو ملحوظ نہ رکھے تو صرف صدقہ کا ثواب ملے گا۔ صلہ رحمی کا ثواب نہ ملے گا۔ اور اگر صرف اس کی رشتہ داری کا لحاظ کر کے اُسے کچھ دے اس کے فقیر و محتاج ہونے کا لحاظ نہ کرے تو صرف صلہ رحمی کا ثواب پائے گا۔ صدقے کا ثواب نہ ملے گا۔ اگر دونوں کی نیت کرے تو دونوں کا ثواب پائے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی صرف ایک عمل میں متعدد نیتیں کر لینے کی بنا پر متعدد درجے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے لیکن اس ایک عمل میں بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں۔ اور ہر نیت پر الگ ثواب ملے گا۔ ایک یہ کہ روایات میں وارد ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ اور جو شخص مسجد میں آتا ہے۔ وہ گویا رب تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات اور اس کی ذات کو پانے کے لیے آتا ہے۔ اور رب تعالیٰ چونکہ رحیم و کریم ہے۔ لہٰذا اس کے ذمہ کرم پر ہے کہ اپنے زائرین کی ضیافت و مہمان نوازی کرے تو بندہ اس نیت کے ذریعے یہ فضیلت اور یہ اعزاز حاصل کرتا ہے۔ دوسری نیت نماز باجماعت کی انتظار ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نماز کی انتظار کرنے والا گویا نماز میں ہوتا ہے۔ تو جس نماز کی انتظار کر رہا ہے گویا اسے ادا کر رہا ہے۔ اور اس کا ثواب حاصل کر رہا ہے۔ اور آیہ کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (اے ایمان والو صبر اختیار کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کیا کرو، اور مرابطت اختیار کرو) اس میں مرابطت سے بعض مفسرین نے انتظار نماز مراد لی ہے۔ ایک حدیث میں ہے نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار میں رہنا خطاؤں کے مٹنے، گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کا موجب ہے، اور تکرار کے ساتھ فرمایا فذالکم الرباط فذالکم الرباط (یہی ہے مومن کی انتظار گاہ یہی ہے مومن کی انتظار گاہ)۔ تیسری نیت یہ کہ مسجد میں چل کر بیٹھتا ہوں تاکہ کان، آنکھ اور دوسرے اعضا ان گناہوں اور ممنوعات میں ملوث ہونے سے محفوظ رہیں جو بازاروں اور گلی کوچوں میں پائے جاتے ہیں۔ چوتھی نیت اعتکاف ہے، علماء نے فرمایا ہے جو شخص مسجد میں آئے چاہیے کہ اعتکاف کی نیت کرے تاکہ ان حضرات علماء کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں ایک گھڑی بھر کا اعتکاف بھی ہوتا ہے، اعتکاف کے ثواب سے بہرہ ور۔ اور اس فضیلت سے مشرف ہو۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حصول بڑا آسان ہے لوگ اسے حاصل کرنے سے غافل و بے خبر ہیں۔ پانچویں نیت حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور مسجد میں

داخل ہونے اور اس سے باہر نکلنے کی مسنون و ماثورہ دعائیں پڑھنے کی نیت کرنا کہ اس کا بے حد و بے شمار ثواب ہے۔ چھٹی نیت۔ خدائے عزوجل کی یاد، تلاوت قرآن مجید یا اس کے سننے کے لیے خلوت و علیحدگی اختیار کرنا یا لوگوں کو نصیحت کرنے یا اس کی ترغیب کے لیے ایسا کرنا۔ اخبار و روایات میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کو ذکر و تذکیر کے لیے مسجد میں جاتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے جو قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک اور درس و تدریس کا کام کرتی ہے اس کا درجہ اس کے سوا نہیں کہ ملائکہ انہیں رحمت خداوندی میں چھپا لیتے ہیں۔ ساتویں حج و عمرہ کی نیت کرنا جیسا کہ وارد ہوا ہے جو شخص وضو کرے اور مسجد میں جائے اور نماز ادا کرے اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ خصوصاً مسجد نبوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ آٹھویں نیت علمی افادہ و استفادہ اور مسجد میں لوگوں کے اجتماع و ہجوم کے امر معروف و نہی منکر کی نیت سے ہے۔ نویں برادر دینی کی زیارت کی نیت کہ راہ خدا میں مدد و نصرت کرے۔ دسویں مسجد میں موجود یا آنے والے حضرات کو سلام کہنے اور سلام کا جواب حاصل کرنے کی نیت۔ گیارہویں تفکر و مراقبہ، امور آخرت میں فکر اور اپنے گناہوں کے استغفار کے لیے فراغت و دل جمعی سے اس مقصد کی نیت کہ یہ فراغت مسجد کے علاوہ کہیں کم ہی میسر آتی ہے۔ بارہویں نیت حضور باطن، تسکین قلب، مشاہدہ حق سے اتصال اور ذات مطلق کے شہود میں استغراق کہ مسجد کی روحانیت سے جو خاص تجلی گاہ اور لفظ بیتی میں پائے اضافت کا تقاضا ہے، ذوق و نورانیت کا حاصل ہونا۔ اور صرف مسجد میں آنا ہی اعمال آخرت میں سے اور جانے عبادت ہے جب طبعی اور شہوانی امور میں نیت کارفرما ہونے کی صورت میں ثواب مرتب ہوتا ہے۔ تو غیر طبعی اعمال میں ثواب کیوں مرتب نہ ہوگا۔ جیسے جمعہ المبارک وغیرہ ایام میں اتباع سنت کے ارادہ سے خوشبو کا استعمال کہ آپ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ خاص کر کے جب یہ نیت بھی ہو کہ مسجد کی تعظیم کا اظہار ہو، اور اپنے اور اپنے ساتھیوں فرشتوں اور دینی بھائیوں سے ناپسندیدہ بو دور کرے۔ نیز دماغ کا معالجہ کرے اسے تازگی حاصل ہو۔ تیزی ذہن اور ذکاوت میں اضافہ ہو۔ اور علوم و معارف وغیرہ امور بہتر طور پر حاصل کر سکے ہاں اگر خوشبو کا استعمال لذات جسمانی اور شہوات نفسانی اور خود نمائی کے لیے ہو تو ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ملامت و عتاب کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ مدار کار اور حصول ثواب نیت پر موقوف ہے۔ حضور علیہ السلام نے جب یہ معنی بطریق اجمال و کلیت بیان فرمایا اگلے جملہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور بطور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ تو جو شخص وطن چھوڑ کر خدا اور اس کے رسول پاک علیہ السلام کی طرف گیا اور ان کی رضا چاہنے اور ان کا حکم بجالانے کی نیت کی فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ تو خدا اور اس کے رسول کی طرف اسی کی ہجرت شمار ہوگی یعنی اسی کی ہجرت مقبول ہے اور ایسی ہی ہجرت پر ثواب عظیم مرتب ہوگا۔ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اور ایک روایت

ہیں یُّصِیْبُہَا کا لفظ ہے۔ یعنی جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو یعنی اسے حاصل کرنے کے لیے تاکہ اس ہجرت کے ذریعے اُسے پا سکے۔ اَوْ امْرَأَۃٍ یَتَزَوَّجُہَا یا بیوی کے لیے ہجرت کرے کہ اس سے نکاح کرے یعنی خدا و رسول کی رضا و خوشنودی اور ان کے حکم کی بجا آوری کے لیے نہ ہو۔ فَہِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ہَاجَرَ اِلَیْہِ تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت اختیار کی ہے۔ یعنی دنیا کا حصول اور عورت سے نکاح۔ دنیا اور عورت کا ذکر صراحتہً کیا۔ پہلے جملے میں خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا تکرار استلذاذ اور مٹھاس حاصل کرنے کے لیے۔ نیز اجمالاً ذکر فرمایا تاکہ بطریق کلیت اور عموم ان تمام اشیاء اور امور کو شامل ہو جن کے لیے انسان اپنا وطن ترک کرتا اور ان کی طرف ہجرت اختیار کرتا ہے۔ اور اس صورت کو بھی شامل ہو جس میں انسان قصدِ رضائے الٰہی اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کے ساتھ کسی عورت سے نکاح یا حصولِ دنیا کا ارادہ بھی ملا لیتا ہے۔ کہ اس صورت میں قولِ مختار کے مطابق بھی حصولِ ثواب سے خالی نہ رہے گا اور بانداز ۂ نیت ثواب پائے گا۔ مگر بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ نیت میں شرکت کی صورت میں ثواب کا بالکل مستحق نہ ہوگا ظاہر احادیث بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ہاں جب کہ رضائے الٰہی کی نیت غالب ہو۔ واللہ اعلم۔

خصوصیت کے ساتھ عورت کا ذکر اس سے ڈرانے کے لیے کیا۔ کہ وہ دنیا میں سے ہے۔ کیونکہ دنیا سے مراد خدا تعالیٰ کے ماسوا اور ہر ایسی چیز ہے جو اس کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل کر دے۔ یا اس بنا پر عورت کی تخصیص فرمائی کہ اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ لوگوں کے لیے اس کا ابتلاء و فتنہ زیادہ اور سخت تر ہے اور عورت خدا کے ذکر سے زیادہ غافل کرتی اور دین کے راستے پر چلنے میں زیادہ رکاوٹ ہے۔ محدثین کرام ——————— اس حدیث کے تحت ایک مرد کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس نے ایک عورت کے پیچھے جس کا نام ام قیس تھا اور مغنیہ تھی، ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گیا اس کا یہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیان کیا گیا۔ اس پر آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد لوگ اس شخص کو مہاجر ام قیس کے لفظ سے پکارنے لگے۔

صحیح بخاری کے بعض شارحین نے عورت کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ عرب کے لوگ عجمیوں کے نکاح میں عربی عورتیں نہیں دیتے تھے۔ اور نسب میں اپنی کفو کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ جب اسلام آیا اور عربوں کی عصبیت میں کچھ کمی ہوئی اور مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نکاح وغیرہ معاملات میں مساوات کی طرح پڑی تو بہت سے لوگوں نے عورتوں سے نکاح کے طمع میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اختیار کی جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

یہ وجہ درستی کے زیادہ قریب اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ تاہم مہاجر اُم قیس کے قصہ کی صحت میں بھی کلام ہے جیسا کہ فتح الباری میں شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

جاننا چاہیئے کہ لغت میں ہجرت کا معنی ترک اور قطع ہے۔ اور شریع شریف کے عرف میں رضائے الٰہی عزوجل کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اور اسلام میں ہجرت دو طرح واقع ہوئی ہے۔ ایک خوف کی جگہ سے امن و سکون کی جگہ منتقل ہونا۔ جیسے صحابہ کرام نے ابتدائے اسلام میں ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ کے شر و فساد سے امن پائیں۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے اور اسلام کے مستحکم ہونے سے پہلے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کی دوسری قسم دارکفر سے دار اسلام کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہ ہجرت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں جم جانے اور قرار پذیر ہونے کے بعد معرض وجود میں آئی۔ مسلمانوں کا مکہ معظمہ وغیرہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس وقت ہجرت کرنا اس دوسری قسم کی ہجرت میں سے ہے۔ اس وقت ہجرت غالب و اکثر مکہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہوئی تھی۔ اور فتح مکہ تک اس ہجرت کو بڑی خصوصیت و اہمیت حاصل تھی فتح مکہ کے بعد یہ خصوصیت و اہمیت ختم ہوگئی۔ اور وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ (فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں) تو اس سے مکہ سے (بعد فتح) ہجرت مراد ہے۔ کیونکہ فتح کے بعد مکہ بھی دارالاسلام بن گیا۔ اور ہجرت بمعنی دارکفر سے علی العموم جسے بھی اس کی قدرت نصیب ہو، قیامت تک باقی رہے گی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہو اور ہجرت کا حکم منسوخ نہ ہوگا جب تک توبہ کے دروازے بند نہ ہوں اور یہ روز قیامت تک بند نہ ہوں گے) تو اس ہجرت سے اپنے وطن مالوف سے غیر وطن کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔ خواہ مکہ سے ہو یا غیر مکہ سے۔ اور خواہ مدینہ منورہ کی جانب ہو یا غیر مدینہ کی طرف۔ اور خواہ طلب رضائے الٰہی کے لیے ہو یا دنیا کی خاطر۔ تاکہ دنیا اور عورت کی خاطر ترک وطن کے مفہوم کو بھی شامل ہو جائے۔

اور ہجرت کا ایک خاص معنی بھی ہے۔ جسے حقیقی ہجرت کہنا چاہیئے۔ اور وہ طبعی اور بشری تقاضوں سے باہر آ جانے اور ممنوعات و مکروہات شرعیہ کا ترک کر دینا ہے۔ اس ہجرت کا ذکر بھی حدیث شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ یعنی کامل اور حقیقی مہاجر وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو چھوڑ دیا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا اور منع کیا ہے۔ اسی بنا پر جہاد نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ متفق علیہ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)۔ اور متفق علیہ جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا، اس حدیث کو کہتے ہیں جسے امام بخاری و مسلم نے ایک ہی صحابی سے روایت کیا ہو۔ اور حدیث انما الاعمال بالنیات کو اکثر مشہور ائمہ بلکہ تمام ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اور تمام ائمہ کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اگرچہ دور اول میں دو تین افراد سے لے کر دس افراد تک نے اسے روایت کیا تاہم بعد کے دور

میں اسے یہاں تک شہرت حاصل ہو گئی کہ حد تواتر تک بلکہ اس سے بھی بڑھ کر شہرت پذیر ہو گئی۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کو دو سو پچاس مشہور راویوں نے روایت کیا ہے۔ بلکہ تین سو راویوں سے بڑھ کر سات سو راویوں تک کا قول بھی بعض نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ اخبار میں وارد ہوا ہے کہ نیۃ المومن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں ضعیف اور صحت سے موصوف نہیں۔ تاہم موضوع کے نام سے بھی موسوم نہیں ہے۔ اور اس کی توجیہہ و تفسیر میں علما کے بہت سے اقوال ہیں۔

قول اول:۔ یہ کہ صرف نیت بغیر عمل کے بھی عبادت ہے۔ اور اس پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے بخلاف اعضاء جوارح کے عمل کے کہ اس پر اجر و ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے نیک کام کے صرف ارادے اور نیت پر بھی کامل نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یہ نیت کر کے سوئے کہ سحری کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرے گا۔ تو اس کے لیے تہجد ادا کرنے کا اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ غلبہ نیند کی وجہ سے صبح تک سویا رہے اور نماز تہجد نہ پڑھ سکے۔ اس بارے میں بہت سی حکایات و روایات منقول ہیں۔

دوسرا قول:۔ نیت کی جگہ دل ہے۔ اور معرفت الہیہ کا مکان بھی دل ہی ہے۔ اور جو چیز معرفت کی جگہ سے پیدا ہو۔ اور اس معدن سے نمودار ہو وہ ضرور اس سے افضل و اعلیٰ ہو گی جو کسی اور جگہ سے سامنے آئے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رب العزت نے عرش سے فرش تک کوئی جگہ ایسی پیدا نہیں کی جو بندۂ مومن کے دل سے اسے زیادہ پیاری ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی معرفت سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ چیز عطا نہیں فرمائی۔ اس لیے عمدہ ترین چیز اعلیٰ ترین جگہ میں رکھ دی۔ اگر دل سے بڑھ کر کوئی اور جگہ اعلیٰ ہوتی تو رب العزت اپنی معرفت اس جگہ رکھتا۔ اور فرمایا بندے کا سب سے گھٹیا قصد و ارادہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے اشرف و عزیز ترین جگہ کو غیر ذکر حق میں مصروف و مشغول کر دے۔ اور وہ آدمی نہایت بے ادب ہے جو خدا تعالیٰ کی رکھی ہوئی چیز کو اس کی جگہ سے نکال کر اس کی جگہ کسی دوسری چیز کو رکھے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ نیت بہر حال عمل سے بہتر ہے کہ نیت پائیدار اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ اور عمل ناپائیدار اور فانی چیز ہے۔ اہل بہشت اور اہل دوزخ کا جنت و دوزخ میں دائم و ہمیشہ رہنا نیت کی بنا پر ہو گا جو دائمی چیز ہے اگر اندازہ عمل کے مطابق ہوتا تو اتنے وقت تک ہی ہوتا جتنا عرصہ عمل میں صرف ہوا تھا۔

چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ عمل میں ریا کا دخل ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ... [illegible]

بخلاف نیت خیر کے کہ وہ باطن اور دل سے تعلق رکھتی ہے اس میں ریا کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ آثار و روایات میں آیا ہے کہ جب فرشتے بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کے متعلق فرماتا ہے الق الصحیفۃ الق الصحیفۃ فلاں عمل نامہ اور فلاں عمل نامہ نیچے پھینک دے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے بار خدایا بندے نے تو اچھی اور نیک بات کی ہے اور نیک عمل کیا ہے۔ ہم نے اس کی نیکی کو خود سنا اور دیکھا ہے اور نیکیوں کے عمل نامہ میں درج کیا ہے۔ ہم اسے کیسے نیچے پھینک دیں۔ رب العزت کی طرف سے جواب ملتا ہے لَمْ يُرِدْ وَجْهِيْ اس نے یہ کام میری رضا کے لیے نہیں کیا تھا۔ اور کچھ دوسرے ملائکہ کو آواز دی جاتی ہے اُكْتُبْ لِفُلَانٍ كَذَا وَكَذَا کہ فلاں بندے کے اعمال نامہ میں یہ یہ نیکی لکھ دے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے خداوند تعالیٰ اس بندے نے یہ نیک کام نہیں کیا اس لیے میں کیسے لکھوں اس پر رب العزت کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اس بندے نے قصد خیر اور ارادہ نیک کیا تھا۔

پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ نیک کام بے حد بے اندازہ ہیں اور مومن کی نیت ان تمام سے متعلق ہوتی ہے۔ اور بندہ بھی چاہتا ہے کہ سب سے نیت متعلق ہو۔ مگر ایک عمل سب اعمال سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے نیت کے ثواب کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اور خیرات و طاعات بندے کی نیت میں محدود نہیں ہوتے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نیۃ الکافر شر من عملہ یعنی کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوگی۔ کہ تمام معاصی میں اس کی نیت کارفرما ہوگی اور اس کے اعمال بہرحال محدود ہوں گے۔ نیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے۔ ابیات

۱	چوں نباشد پاک اعمال از ریا	ہست بے حاصل چوں نقش بوریا
۲	ہر کہ را اندر عمل اخلاص نیست	در جہاں از بندگان خاص نیست
۳	ہر کہ را کار از برائے حق بود	کار او پیوستہ با رونق بود
۴	پاک گرداں عمل را از ریا	شمع ایمان ترا باشد ضیاء

ترجمہ اشعار۔ ۱۔ جب اعمال ریا و نمائش سے پاک نہ ہوں تو وہ ٹاٹ پر بنی ہوئی محض ایک بے جان تصویر کی طرح ہیں۔

(۲) جس شخص کے عمل میں اخلاص نہیں ہے وہ جہاں میں اللہ تعالیٰ کے بندگان خاص میں سے نہیں ہے۔

(۳)۔ جس شخص کا کام رضائے حق تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا کام ہمیشہ بارونق رہتا ہے۔

(۴) اپنے عمل کو ریا اور نمائش سے پاک کر تاکہ تیری شمع ایمانی کو ضیا اور روشنی حاصل ہو۔

وباللہ التوفیق

کتاب الایمان

شرع شریف کے عرف میں ایمان وہ سب کچھ تسلیم کر لینے اور اس پر اعتقاد و یقین کر لینے سے عبارت ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے لائے اور اس کے بندوں کو پہنچایا، اور جس کا خدا تعالیٰ کی طرف سے لانا یقین کے ساتھ معلوم ہو چکا ہو، یہ تسلیم و اعتقاد خواہ اجمالی طور پر ہو جیسے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے وہ سب حق اور سچ ہے۔ یا یہ تسلیم و اعتقاد تفصیلاً ہو۔ جیسے ہر ہر حکم جو آپ نے کیا اور ہر چیز جو آپ لائے، سب کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا۔ مومن ہونے کے لیے ایمان اجمالی کافی ہے۔ تاہم ایمان تفصیلی کا درجہ اتم اور اکمل ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی کی صرف صداقت کا علم ہو جانا اور حق کا پہچان لینا مومن ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ مرتبہ تصدیق تک جس سے مراد یہاں اذعان و تسلیم ہے اور فارسی میں گرویدن کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، نہ پہنچے اور باطن اس کے اقرار سے آرام پذیر نہ ہو جائے۔ تاکہ اہل تکبر و عناد کا حال، جو دیدہ دانستہ کفر و انکار کی راہ پر چلتے اور معرفت حق اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے سے واقف اور آگاہ ہونے کے باوجود کفر اختیار کرتے ہیں، ایمان کی تعریف سے خارج ہو جائے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا:۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ	ان کے دلوں کو یقین ہوتے ہوئے انہوں نے جان بوجھ کر انکار کیا۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔	یہ منکر حضور علیہ السلام کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو۔

اور حقیقت ایمان یہی تصدیق قلبی ہے۔ زبان سے اقرار احکام اسلامی کے اجراء کی صرف شرط ہے: اگر اقرار باللسان میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔ جیسے گونگا پن یا کلمہ کفر کہنے پر مجبور کرنا۔ یا وہ شخص جو ابھی دل سے صرف ایمان ہی لایا تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہاں ایمان کی تشریح کے مقام میں تصدیق و اقرار کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور بھی ہے۔ جسے شارع علیہ السلام نے کفر کا نشان اور علامت قرار دیا ہے جیسے بت کو سجدہ کرنا اور زنار باندھنا وغیرہ۔ کہ ان امور کا مرتکب بھی حکم شرع کے مطابق کافر ہو گا اگرچہ بالفرض تصدیق و اقرار کا مدعی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا عمل صالح تو وہ حقیقت ایمان سے خارج ہے بلکہ

کمال ایمان کی شرط ہے۔ ایمان ہو اور عمل نہ ہو تو وہ ناقص ایمان ہوگا۔ تاہم ایمان کا نام اس پہ بھی اطلاق ہوگا۔ ایسا شخص اگر معصیت وگناہ کو ہلکا اور حلال نہ جانتا ہو۔ چاہے گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو تو اسے مومن فاسق کہیں گے۔ اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے۔ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ وہ فاسق کو مومن کہتے تھے۔ اس پہ اسلامی احکام جاری کرتے تھے۔ اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے تھے۔ بعض صحابۂ کرام و تابعین عظام اور دوسرے حضرات سے جو منقول ہے کہ الایمان تصدیق بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یعنی ایمان تصدیق قلبی زبان کے اقرار اور اعضا کے عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ تو اس سے ایمان کامل مراد ہے دلائل مذکورہ اور محققین کی تصریح کے مطابق اسی پر محمول ہے وہ کلام جو اس بارے میں محدثین سے منقول ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی عبارتوں کے ظاہر معنی اس کے خلاف وہم ڈالتے ہیں بعض اکابر متکلمین نے بھی سلف کے مذکورہ قول کو ظاہری معنی پر حمل کر دیا۔ اور اس قول کی نسبت سلف اور محدثین کی طرف کر دی جیسے صاحب مواقف وغیرہ۔ مگر تحقیقی بات وہی ہے جو بیان کر دی گئی ہے۔ فتدبر یہ مقام غور ہے۔ و باللہ التوفیق۔

اور خوارج گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اور معتزلہ ایسے شخص کو نہ کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ ایمان وکفر کے درمیان واسطہ ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ اولین بدعت ہے جو عقائد میں پیدا ہوئی۔ یہ لوگ بعض آیات و احادیث کے ظاہر معنی سے استدلال کرتے ہیں اور ان آیات احادیث کی جو مذہب اہل سنت وجماعت کی دلیل ہیں تاویل کرتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ آیات واحادیث کا مرادی معنی وہی ہے جو اوائل سلف صالحین نے سمجھا کہ وہ حضرات دین کے زبان داں اور قرائن ومواقع استعمال کے عالم ہونے کی بنا پر شریعت حقہ کے مراد شناس ہیں۔ اگرچہ ظاہری معنی اس کے خلاف ہی محسوس ہوتا ہو۔ اور یہ چیز نصوص کے سمجھنے اور مراد کی تعیین کے بارے میں بہت بڑا اور جامع ضابطہ ہے۔ بدعتی شخص کی کجی اور اس کی لغزش اسی جگہ وجود میں آتی ہے۔ اور حفاظت و توفیق اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی کتاب کی ابتدا میں حدیث انما الاعمال بالنیات لائے جو تمام طاعات وعبادات کی بنیاد ہے اسی طرح کتاب الایمان کے ابتدا میں وہ حدیث لائے۔ جو دین کے اصول وفروع پر مشتمل ہے۔ اور اسے حدیث جبریل کہتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ اس حدیث کو ام الاحادیث اور ام الجوامع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مضامین کی جامع ہے۔ جو دوسری تمام احادیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ جس طرح فاتحۃ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ کو ام القرآن اور ام الکتاب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سورۃ قرآن عظیم کے تمام معانی اور مقاصد پر مشتمل ہے۔ اور آئندہ حدیث اس

حدیث کی صحت پر متفق ہیں ۔امام بخاری ۔ امام مسلم اور دوسرے آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ حدیث روایت کی ہے ۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ۔چنانچہ فرمایا :۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا یُرٰی عَلَیْہِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُکْبَتَیْہِ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَہٗ یَسْاَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں ایک دن ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص ہم پر نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال سخت سیاہ تھے ۔اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا ۔یہاں تک کہ وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح آکر بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے دونوں زانوں آپ کے زانوؤں سے ملا دیے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دیے اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے ۔ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں ۔اور یہ کہ تو پابندی کے ساتھ مسنون طریقہ سے نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دے ۔اور رمضان شریف کے روزے رکھے ، اور طاقت واستطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرے ۔اس شخص نے یہ سن کر کہا آپ نے سچ فرمایا ہے ۔ہمیں اس کی بات سے تعجب ہوا کہ آپ سے سوال بھی کرتا ہے اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے ۔ پھر اس

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ
بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ
صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ
الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ
كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ
تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ
فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ
قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا
بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ
فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا
قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ
رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى
الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ
رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ
فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ
انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ
قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ
مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ
فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ
يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ رَوَاهُ
مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ
مَعَ اخْتِلَافٍ فِيْهِ وَاِذَا

نے کہا آپ مجھے ایمان کے متعلق بھی بتائیں (کہ وہ کیا ہے)
آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں اور
رسولوں پر اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اس کی اچھی بری
تقدیر پر ایمان لائے۔ اس نے کہا آپ نے درست فرمایا
ہے۔ پھر اس نے عرض کیا مجھے احسان کے بارے میں بتائیں
کہ وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا احسان (کا اعلیٰ مرتبہ) یہ ہے کہ تو
خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا اسے دیکھ رہا ہے (اور
احسان کا کم درجہ) یہ ہے کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو
(کم از کم تیرا یہ یقین ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے (پھر)
سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں مجھے بتائیں کہ (کب واقع ہوگی)
آپ نے فرمایا قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا گیا ہے وہ
سوال کرنے والے سے　　زیادہ علم نہیں رکھتا۔
(اس پر) اس نے کہا مجھے اس کی علامات ہی بتائیے۔ آپ نے فرمایا
قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ لونڈی اپنا مالک (مربی)
جنے گی۔ اور یہ کہ تو دیکھے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم، بکریاں چرانے
والے اور تنگ دست لوگوں کی مالی حالت یہ ہو جائے گی کہ وہ
مکانات کی تعمیر (و آرائش) میں فخر و تکبر کے طور پر ایک دوسرے
سے آگے بڑھنے میں کوشش کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں پھر وہ شخص چلا گیا۔ اور میں اس کے جانے کے
بعد کافی دیر خاموش رہا۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے خود ہی مجھے فرمایا اے عمر جانتا ہے کہ یہ سائل کون تھا میں
نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بیشک
وہ جبرئیل تھا تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آیا تھا اسے

وَرَأَیْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُکْمَ مُلُوْکَ الْاَرْضِ فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ الْاٰیَةَ متفق علیہ۔

مسلم نے روایت کیا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کچھ مختلف الفاظ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس میں اس طرح ہے" اور تو دیکھے گا ننگے پاؤں ننگے جسم بہرے اور گنگے لوگوں کو زمین کے بادشاہ (قیامت کا علم) ان پانچ علوم میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الخ (یعنی سورۃ لقمان کی آخری آیت پڑھی) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

شرح فصل اول:۔ (عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال) روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے کہ آپ نے فرمایا (بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس اثناء میں کہ ہم لوگ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے (ذات یوم) ایک روز (طلع علینا رجل) کہ ایک نہایت حسین اور بزرگ شخصیت کا مرد ہمارے سامنے اچانک نمودار اور ظاہر ہوا جیسے سورج یا چاند نمودار ہوتا ہے۔ (شدید بیاض الثیاب) جس کے کپڑے نہایت سفید (شدید سواد الشعر) اور بال نہایت سیاہ تھے۔ شعر بسکون عین اور فتح عین دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (لا یری علیہ اثر السفر) اس پر سفر کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جیسے گرد و غبار، بالوں کی آلودگی، تھکاوٹ، چہرے کی رنگت میں تبدیلی، اور سستی و کمزوری وغیرہ گویا وہ مرد ہمارے ہی شہر یا سے کسی جگہ سے آیا تھا۔ (ولا یعرفہ منا احد) اور حالت یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ یعنی حقیقت میں وہ ہمارے شہر کا باشندہ نہیں تھا اگر ہمارے شہر کا ہوتا تو ہم اسے پہچان لیتے۔ (حتی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تک کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف (ادباً) جھک کر اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کی خدمت میں اس طرح بیٹھ گیا جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ (فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ) تو اس شخص نے اپنے دونوں زانوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوؤں کے ساتھ ملا دیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت زیادہ قریب ہو گیا تاکہ دونوں طرف سے سوال و جواب سننے میں آسانی ہو۔ اور کمال محبت و دوستی اور موانست کی بنا پر جو دونوں میں تھی (ووضع کفیہ علی فخذیہ) اور اپنے دونوں ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں ران مبارک پر حضور کی تسکین و تسلی کے لیے رکھ دیے تاکہ گفتگو اور فہم و افہام کے دوران آپ کا ذہن مبارک حاضر و متوجہ رہے یا اس آنے والے شخص نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر اس طرح ادب و احترام کے ساتھ رکھے جس طرح شاگردوں کی رسم و

عادت ہوتی ہے۔ یہ دوسرا معنی جبرئیل کے خدمت میں حاضر ہونے، آپ کے قریب ہونے اور متعلم و شاگرد کی طرح حضور کی خدمت میں بیٹھنے کے اعتبار سے بظاہر زیادہ مناسب ہے۔ تاہم پہلا وجہ راجح اور افضل ہے، کیونکہ نسائی میں صراحۃً آچکا ہے کہ حتی وضع یدیہ علی رکبتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنے دونوں ہاتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔ اور حضرت جبرئیل بظاہر اگرچہ سائل اور متعلم کی صورت میں حاضر ہوئے تھے۔ مگر حقیقۃً خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف معلم اور علم القاء کرنے آئے تھے۔ اور حاضرین کو تعلیم اور دینی احکام سنانے آئے تھے۔ جیسا کہ حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف تعلیم دینے کی نسبت قرآن مجید میں بھی آچکی ہے۔ جیسا کہ (سورۃ النجم میں) فرمایا۔ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ اسے بڑی قوتوں والے بڑے زور والے نے علم سکھایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وقال یا محمد اخبرنی عن الاسلام) اور اس آنے والے مرد نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کی حقیقت بتائیے کہ وہ کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے جواب میں فرمایا۔ (الاسلام ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ) اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تو اس امر کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور اس بات کی بھی شہادت دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے احکام کی تبلیغ کے لیے اس کی طرف سے لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

لغت میں اسلام انقیاد (اطاعت گزاری) فرمانبرداری اور خوشی و رغبت سے جھک جانے اور کسی قسم کی سرکشی اور اعراض کے بغیر کسی کا حکم تسلیم کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ اور شرع شریف کے عرف میں اسلام فرمانبرداری احکام الٰہی کی اطاعت اور دین اسلام کے پانچ ارکان جو آگے بیان ہوں گے، کے بجالانے سے عبارت ہے۔ تو اسلام ظاہری اعمال اور ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے۔ اور دین مجموعہ اسلام و ایمان سے عبارت ہے۔ اور عقاید میں جو مذکور ہے۔ کہ اسلام و ایمان ایک ہی چیز ہے اس کا معنی یہ ہے۔ کہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے۔ اور ہر مسلم مومن۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نام کی مسلمان سے نفی نہیں کی جا سکتی۔ تاہم حقیقتاً اسلام ایمان کا ثمر اور اس کی فرع ہے۔ علمائے کرام نے اس مسئلے میں بہت گفتگو فرمائی ہے۔ مگر تحقیق یہی ہے جو اس مقام پہ بیان کر دی گئی ہے۔ تو اسلام کا پہلا رکن خدائے تعالیٰ و تقدس کی وحدانیت اور رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت و گواہی دینا ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلمہ شہادت کا زبان سے ادا کرنا اسلام کی شرط ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اگر اس کی شہادت نہ دے۔ یا کلمہ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) کی جگہ کلمہ اعلم (میں جانتا ہوں) زبان سے ادا کرے۔ تو مسلمان نہ ہوگا۔ لیکن اس بات کا دینیات سے ہونا واضح طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے وہ

مسلمان کہلائے گا۔ مگر جب کہ احادیث میں لفظ اَشْھَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) واقع ہو چکا ہے۔ تو اس لفظ کا ادا کرنا ہی زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔

اسلام کے ارکان میں سے دوسرا رکن نماز ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ اور تو نماز قائم کرے۔ اور اقامت صلوٰۃ سے اُسے صحیح و درست اور تعدیل ارکان اس کی پوری شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور سنتوں اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا مراد ہے۔ اور اقامت کا لفظ تقویم سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ درست اور سیدھا کرنے کا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ اَقَامَ الْعُوْدَ (اس نے ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کر دیا۔ یا اقامت سے نماز کو ہمیشہ اور پابندی سے ادا کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا مراد ہے۔ اس صورت میں اقامت مقیم ہونے کے معنیٰ میں ہو گا۔ یا اقامت کا لفظ قیام شوق سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ بازار کے چل پڑنے اور گرم ہو جانے کے ہیں۔

اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا (وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ) اور زکوٰۃ دے۔ لغت میں زکوٰۃ کا معنیٰ بڑھنا اور پاک کرنا ہے۔ اور زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ بڑھنے۔ مال کے زیادہ ہونے۔ اس میں برکت پیدا ہونے کا سبب اور مال کے پاک ہونے۔ اور صاحب مال کے بخل و کنجوسی کی بد خصلت سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور لفظ زکوٰۃ تزکیہ شہود (گواہوں کی صفائی پیش کرنا) سے مشتق ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہو گا۔ کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنے ایمان کی صحت اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ دعویٰ محبت میں سچا ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

چوتھا رکن رمضان شریف کے روزے رکھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ (وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ) اور تو ماہ رمضان کے روزے رکھے۔ لفظ صوم لغت میں روکنے اور حفاظت کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور شرع میں نفس کو کھانے پینے اور جماع سے روک رکھنے سے عبارت ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک جن میں سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہے۔ زبان کو روزے کی حالت میں کھانے پینے اور جماع کی طرح غیبت سے روکنا بھی ضروری ہے۔ ان حضرات کے نزدیک غیبت روزے کو توڑ دینے والی چیز ہے۔ کامل روزہ یہ ہے۔ کہ تمام اعضاء اور حواس کو غیر شرعی باتوں سے روک کر رکھا جائے۔ رمضان رَمَضٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ گرم کرنا اور جلانا ہے۔ چونکہ روزے میں نفس کو جلایا اور پگلایا جاتا ہے۔ اس مناسبت اور تعلق سے روزوں کے مہینے کا نام ماہ رمضان رکھا گیا۔ لیکن یہ توجیہ اس صورت میں درست ہو گی۔ جب کہ لفظ رمضان شرعی وضعوں میں سے ہو اور کچھ لوگ کہتے ہیں۔ کہ عربوں نے جب مہینوں کے نام مقرر کیے۔ اس وقت گرم ہوا اور گرمی کا موسم تھا۔ اس لیے گرمی والے مہینے کا نام رمضان رکھ دیا۔ واللہ اعلم۔

(وتحج البیت) اسلام کے ارکان میں سے پانچواں رکن یہ ہے۔ کہ تو خانہ کعبہ کا ارادہ کرے۔ اور حج کے احکام و منا

ادا کرے۔ (ان استطعت الیہ سبیلا) اگر تجھے اس تک پہنچنے اور راستہ پانے کی طاقت و استطاعت ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک استطاعت دو چیزوں سے عبارت ہے۔ سفر خرچ اور سواری۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُس شخص پر بھی حج فرض ہے۔ جو پیدل چل کر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور راستے کا پُر امن ہونا بھی استطاعت میں داخل ہے۔ مگر اس باب میں اعتبار غالب حالت کا ہے۔ اس بنا پر راستے میں دریا کا واقع ہونا۔ امن کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ غالب یہی ہے۔ کہ موسم حج میں سلامتی کے ساتھ ہی اس سے گزر جائے گا۔ صحابہ کرام نے جہاد کے لیے کشتی میں سفر کیا ہے۔ لھذا حج کے لیے بھی کشتی میں سفر کرنا جائز ہوگا۔ اور فرضیت حج کو ذمہ سے ساقط نہ کرے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔ کہ افضل شہید وہ ہے۔ جو کشتی میں ڈوب کر مرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ ڈوب کر مرنے والوں کی جان اللہ تعالیٰ براہ راست خود قبض فرماتا ہے۔ فرشتوں کے ذریعے قبض نہیں فرماتا۔ قال جب حضور علیہ السلام نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ تو اس شخص نے کہا صَدَقْتَ یعنی آپ نے حقیقت اسلام ٹھیک ٹھیک بیان فرمادی ہے۔ کیونکہ اسلام کی حقیقت یہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی۔ (فعجبنالہ یسالہ و یصدقہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہمیں اس شخص کے حال سے تعجب ہوا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ کیونکہ پوچھنا اور دریافت کرنا بظاہر جہالت اور نادانی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن حضور کی بیان کردہ عبارت کی تصدیق کرنا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسے اس کا علم ہے۔ تاہم فی الحقیقت یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں تھی۔ کیونکہ وہ مرد حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ جو صحابہ کرام کو دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ تاکہ جبرئیل علیہ السلام پوچھتے جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب ارشاد فرماتے جائیں اور صحابہ کرام سنتے جائیں۔ اور دوبارہ دین کی باتیں یاد کرلیں۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پاک کے آخری ایام کا واقعہ ہے۔

(قال فاخبرنی عن الایمان) پھر اس شخص نے کہا۔ جس طرح آپ نے اسلام کا معنی و حقیقت بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح مجھے ایمان کی حقیقت بھی بتائیں۔ کہ کیا ہے (قال) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان تومن باللہ) ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ تو خدائے تعالیٰ کی ذات۔ اس کی ثبوتی اور سلبی صفات اور اس کی تنزیہہ و تقدیس پر ایمان لائے اور اسے تمام عیوب نقائص اور حدوث و فنا کے نشانات سے پاک جانے (وملئکتہ) اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ نوری جسم کی ایک مخلوق ہے۔ جو مختلف شکلیں تبدیل کرنے کی قدرت رکھتی ہے اور وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرسکتے اور اس کے اذن و اجازت سے جہاں میں تصرف[1] کرنے کی طاقت رکھتے

[1] معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جہاں میں تصرف کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ تصرف کی یہ طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے

ہیں۔ اور نر و مادہ ہونے کی صفت سے موصوف نہیں ہیں فرشتوں کی باقی صفات کتاب و سنت میں آ چکی ہیں۔
(ذ کُتُبِہٖ) اور یہ کہ تو خدائے تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ کلام قدیم ہے جو حرف و آواز سے خالی ہے۔ ان کتابوں کو خدائے تعالیٰ نے تختیوں یا فرشتوں کی زبانوں میں حروف و آواز ایجاد کر کے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمایا۔ یا فرشتے کے واسطہ کے بغیر ہی پردے کے پیچھے سے وہ آواز سنی جاتی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابیں خدا تعالیٰ کا سچا اور ثابت کلام ہے۔ اور قرآن مجید فصاحت اور جامعیت کی حیثیت سے سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ آسمانی کتابیں تعداد میں ایک سو چار ہیں۔ ان میں سے پچاس حضرت شیث پر تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت آدم پر اور دس حضرت ابراہیم علیہم السلام پر نازل ہوئیں باقی چار مشہور کتابیں ہیں۔ یعنی توراۃ۔ زبور۔ انجیل اور قرآن مجید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ذ رُسُلِہٖ) اور یہ کہ تو مخلوق کی ہدایت، ان کے معاشی، دُنیوی اور اُخروی مسائل و احکام کی تکمیل کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات اور صداقت کے نشانات سے مؤید کر کے بھیجا۔ اصل نبوت میں فرق کیے بغیر ان سب پر ایمان لانا لازم اور ضروری ہے۔ ان کا ادب و احترام بھی واجب اور ضروری ہے۔ نیز نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد انہیں ہر قسم کے گناہوں اور ہر قسم کے نقص و عیب کے داغ سے پاک جاننا ضروری ہے۔ یہی علماء کا پسندیدہ اور مختار مذہب ہے۔

بعض مفسرین اور اہل قصص و اخبار نے جو بعض انبیاء کے بارے میں جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد علیہم السلام کے متعلق ان کی شان نبوت کے خلاف باتیں نقل کی ہیں، صحیح اور درست نہیں ہیں۔ اور اگر ہیں تو خطا اور نسیان پر مبنی ہیں۔ اور صحیح یہ ہے۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پیغمبر نہیں تھے۔ اور قرآن مجید میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیاں و نافرمانی کی نسبت کی اور ان پر عتاب فرمایا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے خدائے تعالیٰ کے مقرب ہونے اور ان کی بلندی شان پر مبنی ہے۔ اور مالک کو حق پہنچتا ہے کہ اولیٰ و افضل چیز کے ترک کرنے پر اگرچہ وہ معصیت کی حد تک نہ پہنچے۔ اپنے بندے کو جو کچھ چاہے کہے۔ اور عتاب کرے۔ دوسرے کسی کو بھی کچھ کہنے کی

حاشیہ: اولیاء کو بھی عطا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اس کی تصریح کی ہے۔ جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مکتوبات امام ربانی حجۃ اللہ البالغہ تالیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور کتاب الامن والعلی تصنیف اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ فرمائیں ۱۲۔

مجال نہیں ہے۔ یہ نہایت ادب کا مقام ہے۔ جس کا لحاظ ضروری ہے۔ اور وہ ادب یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو اس کی درگاہ کے مقرب ہیں۔ عتاب نازل ہو یا ان کی طرف خطا کی نسبت کی گئی ہو۔ یا خود ان انبیا کی طرف سے جو کہ اس کے خاص بندے ہیں۔ تواضع، عاجزی اور انکساری کی بات صادر ہو۔ جس سے ان میں نقص و عیب کا وہم پڑتا ہو۔ تو ہم بندوں کو اس میں دخل دینے یا اسے زبان پر لانے کی ہرگز اجازت نہیں۔ حضور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ مرتبۂ الوہیت اور اس کی صفات کے علاوہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے۔ اور تمام بشری فضائل و کمالات سے موصوف ہیں۔ اور ہر خوبی اور کمال آپ کی ذات میں راسخ اور کامل طور پر موجود ہے۔ (وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) اور پچھلے دن پر ایمان لانے۔ جو محدود زمانوں کا آخری دن ہے۔ اور یوم آخر یا بعد الموت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے یا بہشت میں پہنچ جانے تک کے زمانۂ دراز سے عبارت ہے۔ روز قیامت پر ایمان لانے میں یہ بات بھی داخل ہے۔ کہ جو کچھ شارع علیہ السلام نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔ اور صحیح طور پر ہم تک پہنچ چکی ہے جیسے آخرت کے حالات عذاب قبر اور وہاں کی نعمتیں۔ قیامت کی علامات صور کا پھونکا جانا۔ بعث، حشر، حساب و میزان۔ پلصراط اور جنت و دوزخ سب حق ہیں۔ (وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ) اور اس بات پر ایمان لانے۔ کہ خدائے تعالیٰ ہر اچھی بری چیز کو ازل سے جانتا ہے۔ اور اسے ایک اندازے پر پیدا فرمایا اور جو کچھ کائنات میں واقع ہو چکا ہے یا ہو گا سب اس کے قضاء و قدر اور ارادہ کے مطابق ہے۔ جیسا کہ فرمایا انا کل شیء خلقناہ بقدر (بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا فرمایا ہے) اور اس نے تقدیر پیدا کرنے کے باوجود بندوں کو امر و نہی کا پابند بنایا ہے۔ اور بندوں کو فعل و کسب کا اختیار دیا ہے۔ اور ثواب و عقاب اس پر مرتب فرماتے۔ مگر حقیقتاً ثواب اس کا فضل اور عتاب و سزا اس کا عدل و انصاف ہے۔ اسباب کا پیدا کرنا اور اسباب کے ذریعے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں ان کا ترتیب دینا سب اس کی تقدیر سے ہے۔ یہ مسئلہ اور جو کچھ باب ایمان میں ذکر ہوا۔ علم کلام میں واضح اور مدلل طریقہ پر بیان ہو چکا ہے۔ ایمان بالقدر کے باب میں اس مقام کی تحقیق و تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کی جائے گی۔ طالب صادق کو چاہیئے کہ تقدیر کے اصل اور بنیادی مسائل کی بے قیل و قال اور بغیر بحث و مناظرہ کے تحصیل کرے اور شک و شبہہ میں نہ پڑے۔ تقدیر سے متعلق جو کچھ ضروری مسائل ہیں۔ وہ ہم نے رسالہ تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان میں بیان کر دیئے ہیں و باللہ التوفیق۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں ایمان سے متعلق سوال و جواب کا ذکر اسلام کے بارے میں سوال و جواب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ چونکہ ایمان اسلام کا اصل اور اس سے مقدم ہے۔ اس لیے جیسا کہ بیان ہوا۔ اس

کے پہلے آنے کی وجہ ظاہر ہے۔ اور اسلام کا ذکر ایمان سے پہلے آنے کی وجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کی بنا پر ہے۔
جس طرح ایمان کی تحقیق کے بعد احسان کا ذکر فرمایا۔ جو ایمان و اسلام کا آخری درجہ اور مرتبۂ تکمیل ہے۔ اور اعلیٰ مراتب و
مقامات سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا (قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان) اس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا
کہ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ اب مجھے احسان کی حقیقت سے بھی آگاہ فرمائیں۔ چونکہ بہت سی آیات و احادیث میں احسان
کا ذکر آیا ہے۔ اور اسے درجہ عالی پہ رکھا اور مرتبہ کمال قرار دیا۔ اس لیے اسلام اور ایمان کا معنیٰ دریافت کرنے کے
بعد اس نے احسان کی حقیقت کے بارے میں بھی سوال کر دیا۔ تاکہ دین کا کام مکمل اور پورے طور پہ معلوم ہو جائے۔ احسان
کا معنیٰ نیکی کرنا ہے۔ اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ لوگوں سے نیکی کرنا یعنی انہیں انعام و اکرام سے نوازنا۔ اور
نیک عمل کرنا پورے کمال اور پوری درستی اور اچھائی کے ساتھ اور جیسا کہ چاہیئے اسے بجالانا۔ نیک عمل اس اچھائی
اور عمدگی سے کرنا۔ گویا اپنی ذات کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ اور اس کے خلاف کسی عمل کا بجالانا اپنی ذات پہ ظلم اور
اپنے نفس کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے۔ احسان کا خلاصہ دراصل عبادت میں اخلاص اور حضور و خشوع
ہے اور یہ اخلاص و خشوع درحقیقت شرط کمال بلکہ اسلام و ایمان کی صحت کا نشان ہے۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے حقیقت احسان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ) احسان خدائے تعالیٰ کی اس
طرح عبادت کرنے کا نام ہے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کا یہ حال ہوتا ہے
وہ نہایت ہیبت و تعظیم اور احترام و خشوع خضوع اور حیاء و شوق و ذوق اور محبت و جذب کے مقام پہ فائز ہو گا۔
اور یہ مقام مشاہدہ اور دریائے شوق و حضور میں ڈوب جانے کا مقام ہے۔ اس سے نچلا درجہ مراقبے کا درجہ ہے۔
یعنی یہ اعتقاد ہونا۔ کہ خدائے تعالیٰ کی نگاہ مجھ پہ پڑ رہی ہے۔ اور اس کا علم بندے کے حال کو شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا
(فان لم تکن تراہ فانہ یراک) پس اگر تیری یہ حالت نہ ہو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ تو پھر اس ذات پاک کی اس طرح
عبادت کر کہ تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ اور وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس صورت میں بھی حرکات و سکنات میں خوف
وخشیت اور احتیاط اور اعمال و حالات اور ادب و احترام اور اطمینان میں ضبط و رعایت اور دائیں بائیں توجہ نہ
بٹنے کی سعادت ضرور نصیب ہو گی۔ جس طرح کسی بادشاہ کی حضوری میں جب کوئی شخص موجود ہو۔ اور اسے پتہ ہو کہ بادشاہ
میرے حالات کا مشاہدہ ان کی نگرانی اور ان کا معائنہ فرما رہا ہے۔ تو اس صورت میں وہ بے قید اور غافل ہونے کی جرأت نہ
کرے گا۔ اور ترک ادب اس کے لیے مشکل ہو گا۔ اور وہ شخص جو اس حالت میں بادشاہ کو دیکھ بھی رہا ہو۔ اور اس کے
جمال کا مشاہدہ بھی کر رہا ہو۔ اس کا حال کچھ اور ہی ہو گا۔ اور اس کی حضوری اور لذت کی کیفیت کچھ دوسری ہی ہو گی۔ جس

سے آگے کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا۔ اور سید العابدین و امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)۔ مقام اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور تمام عبادت گزاروں کے مقامات سے بالاتر اور کامل تر ہے۔ پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ مقامات ہیں۔ مختصر یہ کہ طاعت و عبادت کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا یہ کہ صرف اسی قدر عبادت بجالائے جو اس کے ذمے ہو۔ تاکہ اس پر قضا واجب نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے۔ کہ احکام و ارکان اور شرائط و آداب کو اس طرح بجالائے۔ کہ حصول رضا اور عظیم ثواب مرتب ہونے کا موجب بنے۔ اور اس کا باطن بھی ذوق عبادت و بندگی سے لبریز ہو۔ اور سب سے بلند تر مرتبہ یہ ہے۔ کہ مشاہدہ معبود اور اس کی ذات اقدس کے حضور میں ڈوب جائے۔ اور نماز میں جو سب عبادتوں سے افضل اور تمام مقامات قرب سے اکمل مقام ہے۔ اس ذات اقدس تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑے ہو جانے کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ جس سے باطن نورانیت سے روشن و منور ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی کیفیت ہے جو صرف ذوق سے معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔

اس حدیث سے آخرت میں خداوند تعالیٰ کا دیدار اخذ ہو سکتا ہے۔ چونکہ دنیا میں جسمانی حجابات کی نہیں جم جانے کی بنا پر انسان اس کے دیدار سے محروم و محجوب ہے۔ جب یہ پردہ اٹھ جائے گا اور کانک تراہ (گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے) سے ترقی کر کے انک تراہ (بے شک تو اسے دیکھ رہا ہے) جیسا کہ آخرت میں واقع ہوگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ ستروں ربکم یوم القیمۃ الحدیث (عنقریب تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ اسی بنا پر حدیث روایت میں پہلی اور آخری نماز کی پابندی کرنے کی بطور خاص تاکید آئی ہے۔ کیونکہ بہشت میں یہ اوقات خدائے تعالیٰ کو دیکھنے کے اوقات ہوں گے۔ یعنی تاکہ پابندی نماز کی برکت سے مشاہدہ ذات کا ملکہ پیدا ہو۔ اور آنکھ سے دیکھنے کی استعداد نصیب ہو۔ کہ بندے میں عالم آخرت میں قوت بصیرت پیدا کر دی جائے گی۔ (قال، صدقت) اس نے کہا۔ آپ نے درست فرمایا۔ احسان کا یہی معنی ہے جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔ فقہ۔ علم عقاید۔ اور علم تصوف و سلوک پر۔ اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرمادیے۔ اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے۔ تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت اشارات فرماتے ہیں۔ اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا تصوف اور علم عقائد و کلام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ وجود میں آسکتا ہے۔ اور تصوف فقہ کے بغیر بھی عرصۂ وجود میں نہیں آسکتا۔

کیونکہ احکامات الٰہیہ کی فقہ کے بغیر شناخت نہیں ہو سکتی۔ اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے روح اور جسم کہ ایک دوسرے بغیر وجود میں نہیں آ سکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

من تصوف و لم یتفقه فقد تزندق	جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ بے دینی کا شکار ہو گیا۔
ومن تفقه و لم یتصوف فقد تفسق	اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف و فقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہو گیا۔
ومن جمع بینهما فقد تحقق۔	اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ تحقیق کے مقام پہ فائز ہو گیا۔

کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے۔ توفیق بخیر اللہ کریم و برتر ہی عطا فرمانے والا ہے۔

جب دین کے احکام اور قرب و یقین کے مقامات سب کا بیان ہو چکا تو اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے۔ اس کے علامات و نشانات کا بیان فرمایا۔ تاکہ عبادت کی پابندی کرنے اور کمال حاصل کرنے پر تنبیہ اور اس کا باعث و ذریعہ بنے۔ چنانچہ فرمایا (قال فاخبرنی عن الساعۃ[1]) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام ایمان اور احسان کا بیان فرما چکے۔ تو اس شخص نے آپ سے کہا، کہ مجھے وقت قیامت کی بھی خبر دیجئے کہ کب قائم ہو گی۔ قیامت کو ساعت (ایک گھڑی) اس کے لمبا ہونے کے باوجود اس بنا پہ کہتے ہیں۔ کہ اس کا قیام بیکایک ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس بنا پہ کہ اس کے لمبا اور دراز ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک گھڑی کی طرح ہے۔ ساعت لغت میں غیر معین اور غیر محدود زمانہ کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اور اہل حساب و نجوم کی اصطلاح میں رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹے کو ساعت کہا جاتا ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما المسئول عنها باعلم من السائل) قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ یعنی میں اس بارے میں تجھ سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ یعنی میں اور تو اس کے نہ جاننے میں دونوں برابر ہیں۔ بلکہ ہر پوچھنے والے اور جس سے پوچھا جائے، کا یہی حال ہے۔ کیونکہ اسے خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اس نے ملائکہ اور رسولوں میں سے کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی۔ (قال فاخبرنی عن اماراتها) اس نے کہا۔ اگر آپ کو اس کے معین وقت کا علم نہیں تو مجھے قیامت کی

[1] حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات فرمانے سے پہلے پہلے آپ کو عین قیامت کے وقت کا علم بھی دے دیا گیا۔ عارف باللہ علامہ احمد الصاوی المالکی نے اپنی تفسیر قرآن میں متعدد جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامات ونشانات سے آگاہ فرمائیں۔ قال ان تلد الامۃ ربتھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک ومربی کو جنم دے گی۔ اس عبارت کی تاویل اور بیان مراد میں شارحین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے۔ کہ لونڈیوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اور لونڈیوں سے پیدا ہونے والوں کی حیثیت اپنے باپوں کی نسبت سے اپنی ماں کے لیے مولا اور سردار اور مالک کی طرح ہو گی۔ یا اس اعتبار سے کہ آدمی کا مال ومتاع موت کے بعد اولاد کے قبضہ وملک میں چلا جاتا ہے۔ یا والد کی زندگی ہی میں اس کی واضح تصریح یا اشارۃً یا عرف وعادت کی بنا پر اولاد کے تصرف واستعمال میں آجاتا ہے۔ اس امر کا قیامت کی علامت ہونا اس بنا پر ہو گا۔ کہ خوشحالی، نازونعمت کی زندگی اور معیشت کے اسباب وآلات میں دائرۂ اعتدال ومیانہ روی سے تجاوز کر جائیں گے جس کی بنا پر لوگوں کے حالات وانتظام زندگی میں خلل وفساد پیدا ہو جائے گا۔ یا اس بنا پر یہ بات فرمائی۔ کہ بڑی کثرت سے جہاد کے مواقع پیدا ہوں گے اور بہت سے لوگ گرفتار اور قیدی بنیں گے۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس دوران کچھ اولاد اپنی ماؤں کو قید کریں اور گرفتار کر کے اپنے پاس لے آئیں اور ان کے مالک بنیں۔ پھر اگر یہ بات معلوم نہ ہو سکے۔ کہ یہ ان کی مائیں ہیں۔ تو وہ عورتیں ہمیشہ ان کی ملکیت میں رہیں گی۔ اور اگر ان عورتوں کے غلام بننے کے بعد معلوم ہو جائے کہ یہ فی الحقیقت گرفتار کرنے والوں کی مائیں ہیں۔ تو وہ آزاد ہو جائیں گی۔ یا آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ جہاد کا کثرت سے واقع ہونا بلاد کفر پر مسلمانوں کے غلبے اور تسلط اور اسلام کی مضبوطی اور اس کے کمال کا باعث ہو گا۔ اور چونکہ ہر کمال کے لیے زوال ہے۔ اس مخبر صادق اور لوگوں کو ڈرانے والے پیغمبر نے اسلامی حکومت واقتدار کے ختم اور منقطع ہونے کی خبر دے دی جو قیامت کے قائم ہونے کی علامت ہے۔ یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اولاد میں اپنی ماؤں کی بے ادبی اور ان کی نافرمانی اس حد تک بڑھ جائے گی کہ وہ اپنی ماؤں کو اپنی لونڈیوں کی طرح سمجھنے لگیں گے۔ اور ان کے ساتھ مالکوں اور آقاؤں جیسا سلوک کریں گے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ جہاد کی کثرت اور بلاد کفر پر قبضہ وتسلط تو اسلام کے دور اول میں تھا۔ اور ظاہر یہ ہے۔ کہ علامات قیامت آخر زمانے میں پیدا ہوں گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور اسلامی تک کے زمانے کی نسبت اسلام کا ابتدائی زمانہ بھی آخری زمانہ ہی ہے۔ لہٰذا اگر اسلام کے ابتدائی دور میں بھی قیامت کی کچھ علامات ظاہر ہو جائیں۔ تو کوئی دور اور بعید نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ آخر زمانہ میں جہاد اور غلبہ بہت زیادہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض علمائے کرام اس عبارت کی تشریح میں یوں فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں احکام کی رعایت اور حلال وحرام میں

خلط ملط کے بارے میں لوگوں کے حالات میں فساد و بگاڑ پیدا ہو جانے کی بنا پر لوگ اپنی ماؤں تک کی خرید و فروخت شروع کر دیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ چیزوں کے کثرت کے ساتھ لوگوں کے ہاتھوں میں ادل بدل ہونے اور خریداروں کے ہاتھوں میں گھومنے کی وجہ سے مائیں بکتی بکاتی اپنی اولاد کے ہاتھوں میں آپہنچیں اور رسلد ۱ لامۃ ربتھا (لونڈی اپنے مالک و مربی کو جنم دے گی) کا مضمون سچا ہو جائے۔

بعض علماء اس جملے کی توجیہہ میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ یہ جملہ اس بات سے کنایہ ہے۔ کہ ایسا وقت آئے گا۔ کہ عورتیں بادشاہوں اور امراء کو جنم دیں گی۔ اور ان کی مائیں ان کی رعایا میں شامل ہوں گی اور وہ امراء اور بادشاہ ان کے سرپرست و مربی اور حاکم ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیش گوئی بھی آخر زمانہ میں پوری ہو چکی ہے۔ خصوصاً خلفائے بنی عباس کے دورِ حکومت میں اور دوسرے رؤسا اور اکابر کے زمانہ میں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رَبَّتَھَا بتائے تانیث کیوں فرمایا گیا رَبَّھَا کا لفظ کیوں نہیں لایا گیا۔ حالانکہ گزشتہ بیان میں اس جملے کی جو تاویلات اور توجیہات بیان ہوئی ہیں وہ مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کا موصوف بالفظ نفس یا نسمہ ہے۔ جو مؤنث ہے۔ اور اس کا معنی ذکور و اناث دونوں کو شامل ہے۔ اور اس بنا پر بھی لفظ رب استعمال نہ فرمایا کہ یہ لفظ عموماً ذات پروردگار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی عظمت اور بزرگی شان کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے گریز کیا گیا۔ اگرچہ اضافت کے ساتھ رب کا اطلاق غیر حق کے لیے بھی آیا ہے۔ یا ربتھا سے مراد بیٹی ہے۔ اور جب کہ اس کے لیے بھی لفظ درست تھا اس بنا پر ربتھا کا لفظ لایا گیا۔

اور ایک روایت میں ربتھا کے بجائے بَعْلَھَا کا لفظ آیا ہے۔ اور بعل مربی و سردار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور اگر بعل بمعنی خاوند ہو تو بھی بعض مذکورہ توجیہات کے مطابق درست ہے جیسے کوئی شخص کفار کی گرفتار کردہ لونڈی اپنے تصرف و ملک میں لائے اور اسے جو واقع میں اس کی ماں ہو، نادانستہ طور پر اپنے نکاح میں لائے۔ اور اس سے صحبت کرے۔ یا ابتدائے اسلام میں لوگ لونڈی کے ساتھ وطی اور صحبت کرنے سے نفرت اور انکار کرتے تھے۔ اور آزاد عورتوں سے نکاح اور وطی کرنے کی رغبت رکھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء) علامات قیامت میں سے دوسری علامت یہ ہے۔ کہ اے مخاطب تو دیکھے گا ننگے پاؤں ننگے جسم، تنگ دست، بکریاں چرانے والوں کو یعنی فقیر بے نوا لوگوں کو اس حالت و کیفیت میں پائے گا۔ کہ (یتطاولون فی البنیان) مکانات کے تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر فخر و تکبر کریں گے۔ یعنی محتاج اور جنگلات میں رہنے والے لوگ جو ہمیشہ فکر و فاقہ اور ذلت کی حالت میں بیابانوں و صحراؤں میں گزارتے ہیں۔ اور بھیڑ بکریاں جو اہل عرب

کے نزدیک گھٹیا درجے کا مال ہے۔چراتے ہیں۔ایسے لوگ معزز و معتبر حیثیت اختیار کر لیں گے اور شہروں میں سکونت پذیر ہو جائیں گے اور اونچے اونچے محلات تعمیر کریں گے۔اور ایک دوسرے پر فخر و تکبر کریں گے۔یہ بھی قیامت کی علامت ونشان ہوگا۔جو آخر زمانے میں ظاہر و نمودار ہوگا کہ یہ حالت جہان کی بے انتظامی اور خلل کا موجب بنے گی۔ کیونکہ اس طرح رذیل اور گھٹیا اور جاہل لوگوں کی عزت و عظمت ہوگی۔اور بلند مرتبہ لوگوں و اکابر اور علماء کی اہانت و حقارت کا سبب بنے گی۔

منقول ہے۔کہ ذوالقرنین نے اپنے دور حکومت میں تمام لوگوں کو ان کے ایسے پیشوں و صنعتوں میں لگا دیا جو ان کے آباؤ اجداد کے مناسب حال تھا اور کسی کو بھی اس میں رد و بدل کی اجازت نہ دی۔یہی اس کے دور حکومت میں لوگوں کے امن و امان ان کی سلامتی۔اور ان کے نظم و ضبط سے رہنے کا باعث بنی۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دنیا کے بد بخت اور بے عقل لوگ سب سے زیادہ دولت مند اور خوشحال نہ ہوں گے۔اور ایک حدیث میں آیا ہے۔کہ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ نیک پست اور ذلیل سمجھے جائیں گے۔اور برے لوگ بلند اور غالب ہو جائیں گے۔پوشیدہ نہ رہے۔کہ قیامت کی چھوٹی اور بڑی بہت سی علامات ہیں جیسا کہ باب علامات قیامت میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔لیکن یہاں شاید تقاضہ مقام کی بنا پر صرف دو علامتیں بیان کرنے پر کفایت فرمائی۔واللہ اعلم۔(قال) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ثم انطلق) اس شخص نے یہ سوالات کیے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جوابات سنے اس کے بعد چلا گیا۔(فلبثت ملیا) اس پر میں کافی دیر ٹھہرا رہا۔یعنی میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کیا کہ یہ مرد کون تھا۔تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ملیاً سے ساعت طویلہ مراد ہے۔یعنی وقت کی درازی اور کمی ایک نسبی امر ہے۔اس قسم کے عجیب و غریب قصہ میں اقتضائے حال اور مقتضائے طبیعت تو یہ تھا کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کرنے میں جلدی کی جاتی۔ایسے موقعہ پر تھوڑی دیر صبر کرنا کثیر و طویل محسوس ہوتا ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب پشت پھیر کر وہ مرد چلا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے واپس لاؤ۔لوگ واپس لانے کے لیے اس کے تعاقب میں گئے مگر وہ نہ ملا (ثم قال لی) پھر مجھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر (اتدری من السائل) تجھے علم ہے کہ سوالات کرنے والا آدمی کون تھا (قلت) میں نے عرض کی (اللہ ورسولہ اعلم) اللہ اور اس کا رسول اسے بہتر جانتا ہے۔یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طریقہ تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی بات پوچھتے تو جواب میں اللہ و رسولہ اعلم کہا کرتے تھے۔اور اس طرح ادب و دانش کا ثبوت دیتے (قال هذا جبریل)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سوالات کرنے والا یہ شخص جبرئیل فرشتہ تھا۔ جبرئیل سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی عبداللہ ہے (اتاکم یعلمکم دینکم) تمہارے پاس آیا تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائے۔ اس مقام پر قواعد و احکام اسلامی اور تعلیم کی نسبت جو حضرت جبرئیل کی طرف کی گئی اس بنا پر تھی کہ حضرت جبرئیل سوالات کرنے اور اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب ارشاد فرمانے کا باعث بنے۔ اور صحابہ کرام کو یہ جوابات سنوائے۔ اور امر واقع بھی یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چونکہ حامل وحی اور مبلغ علم ہیں۔ اس لیے تعلیم کی نسبت آپ کی طرف کرنا فی الحقیقت ٹھیک اور درست ہے۔ غایت درجہ صرف یہ بات ہے کہ یہ احکام پہلے سے معلوم تھے۔ سوالات کرنے سے مقصود یاد دہانی اور ان احکام کے علم کی تجدید تھی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے۔ اور شریعت اس مجموعے کا نام ہے۔ اور کبھی کبھی خاص اسلام پر بھی دین کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام (اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) اور کبھی شریعت کا لفظ احکام فرعیہ فقہیہ کے ساتھ خاص ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح شریعت، طریقت اور حقیقت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کہ یہ تینوں دین کے اجزاء اور شعبے ہیں۔ درحقیقت شریعت ہی حقیقت ہے۔ تا کہ اہل اسلام جن حقائق پر ایمان لائے ہیں فی الحقیقت ان تک پہنچیں اور جو کچھ انہوں نے سنا ہے اسے ساتھ پا لیں شریعت دین سے الگ اور مغائر کوئی چیز نہیں۔ اور دین ایک ہی ہے دو نہیں ہیں۔ جو شخص اس تحقیق کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے وہ خطا پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (رواہ مسلم) اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اگرچہ امام بخاری نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں کی لہٰذا اصطلاح کے مطابق یہ حدیث متفق علیہ نہ ہوگی۔ اور بخاری و مسلم دونوں نے اس حدیث کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ لیکن اس کا حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ الفاظ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ (ورواہ ابو ھریرۃ عنہ مع اختلاف) اس حدیث کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی حدیث کے الفاظ سے کچھ مختلف اور مغایر الفاظ سے روایت کیا (وفیہ) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو انہوں نے روایت کی اس طرح آیا ہے وَ اِذَا رَأَیْتَ الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الصُّمَّ الْبُکْمَ مُلُوْکَ الْاَرْضِ) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب تو دیکھے کہ پابرہنہ ننگے جسم والے کانوں سے بہرے زبان سے گونگے یعنی نادان اور بے عقل لوگ صاحب ملک و جاہ اور حاکم بن جائیں گے۔ (فی خمس لا یعلمھن الا اللہ) علم قیامت اور اس کے قائم ہونے کا خاص وقت ان پانچ چیزوں میں داخل ہے جنہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا[1]۔ (ثم قرء) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پانچ چیزوں کے بیان اور ان کی تعیین کے لیے جنہیں

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر۔

سوا خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ بیشک اللہ ہی کو ہے نہ کہ کسی اور کو قیامت کا علم کہ کب واقع ہوگی۔ وینزل الغیث الآیۃ) اور اللہ ہی جانتا ہے بارش کا علم کہ کب برسے گی الی آخر الآیۃ۔ اور وہ یہ ہے۔ ویعلم ما فی الارحام اور صرف وہی جانتا ہے کہ حاملہ عورت کے شکم میں بچہ ہے یا بچی۔ وما تدری نفس ماذا تکسب غدا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کیا کام کرے گا۔ وما تدری نفس بای ارض تموت اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ نفی علم سے مراد یہ ہے کہ بے تعلیم الٰہی محض عقل کے ذریعے ان مذکورہ چیزوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اور یہ ان امور غیبیہ میں سے ہیں جن کا صرف خدا تعالیٰ کو ہی علم ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وحی والہام کے ذریعے بتا دے تو یہ امر دیگر ہے[1]

۲۔ **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ متفق علیہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ متفق علیہ۔

شرح: تذکرہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

(عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) آپ کی ولادت باسعادت نزول وحی سے ایک سال پیشتر ہوئی۔ چھوٹی عمر میں ہی اپنے والد ماجد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ اپنے والد سے بھی پہلے اسلام لائے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ صغر سنی کی بنا پر جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ احد میں شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ آپ اہل ورع اور زہد و تقویٰ میں سے ہوئے ہیں۔ فتویٰ دینے میں نہایت احتیاط پورے غور و خوض اور غلطی سے بچنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اتباع سنت میں بڑے قوی اور مستقیم الحال تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم میں ہر شخص دنیا کی جانب میلان رکھتا تھا یا دنیا اس کی طرف مائل ہوتی تھی سوائے ابن عمر کے رضی اللہ عنہ۔

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی

[1] جن آیات و احادیث میں مخلوق سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ان کا مطلب یہی ہے جو حضرت شیخ نے یہاں بیان فرمایا ہے۔

الاسلام علی خمس) مسلمانی کے مکان کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ) اول یہ کہ خدا تعالیٰ و تقدس کی خدائی کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی گواہی دینا۔ (واقام الصلوٰۃ) دوم درست اور ٹھیک طریقہ سے نماز ادا کرنا۔ (وایتاء الزکوٰۃ) سوم مال کی زکوٰۃ ادا کرنا (والحج) چہارم حج کرنا۔ (وصوم رمضان) پنجم ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ اس حدیث میں اسلام کو ایسے مکان سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ان پانچ بنیادوں اور ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہو۔ (متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔

متفق علیہ

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان ستر اور چند شاخوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سب سے افضل شعبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ اور سب سے نچلا شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا دور کرنا ہے۔ اور شرم و حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

شرح: تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ آپ کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور عبدالرحمن ہے۔ عبداللہ بھی کہا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالشمس یا عبد عمرو تھا۔ چھوٹی سی بلی کی پرورش کرنے کی بنا پر ابو ہریرہ کنیت کو آپ کے نام سے زیادہ شہرت حاصل ہوگئی۔ اور کنیت کا استعمال نام پر غالب آگیا۔ آپ بلاد دوس سے ہیں۔ فتح خیبر کے سال جو ہجرت کا ساتواں سال ہے اسلام لائے۔ اور حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے علم میں پوری استقامت دکھائی اور قناعت و کم خوری کا طریقہ اختیار فرمایا۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ قوت حافظہ، متانت، مستقل مزاجی، ذکاوت اور ضبط علم کی صفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ روزہ دار، شب بیدار اور ذکر و تسبیح و تہلیل کرنے والے تھے۔ رضی اللہ عنہ۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کی ستر اور چند شاخیں ہیں۔ (بضع) با کے کسرہ کے ساتھ بفتح با بھی آیا ہے۔ تین سے دس تک کے عدد کا نام ہے۔ جیسے فارسی زبان میں چند یا اندک (تھوڑے) کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ایمان کے شعبے یعنی اخلاق، اعمال، واجبات، مستحبات و آداب حد و شمار سے باہر ہیں۔ ان شعبوں کے متعین عدد کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں جو تعبیر کی گئی ہے وہ اصول احکام اور قواعد ایمانی سے

متعلق [illegible]

وجہ یہ ہو کہ دونوں عددوں کی طرف رجوع درست ہو۔ کبھی ایک عدد کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ذکر کر دیا اور کبھی دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ذکر فرما دیا۔ اس اختلاف عدد کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اولاً ساٹھ اور چند عدد کی وحی ہوئی ہو بعد میں جب کچھ احکام اور بڑھ گئے ہوں تو ستر اور چند کے عدد کی وحی ہوئی ہو۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس عدد سے مقصود حصر و تعیین نہیں ہے۔ بلکہ تعدد و تکثیر کا بیان مراد ہے۔ تاہم یہ توجیہ ستر کے عدد میں درست آتی ہے۔ کیونکہ ستر کا عدد بول کر اظہار کثرت میں مبالغہ مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہ متعارف و مشہور ہے۔ اور بعض علماء کرام اس معین عدد کی وضاحت و تشریح کے درپے ہوئے ہیں مگر یہ تشریح و وضاحت تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایمان کی انواع کے بہت سے افراد ان کے احاطہ بیان سے باہر رہ گئے ہیں۔ ایمان اپنے شعبوں کے حصر و شمار سے تجاوز کرنے کے باوجود اجمالی طور پر ایک اصل کی طرف رخ کرتا ہے۔ اور وہ ہے کمال علمی و عملی کی تحصیل کے ذریعے دنیا و آخرت میں تکمیل نفس اور تحصیل سعادت۔ اور یہ تکمیل و سعادت اعتقاد میں صحت اور عمل میں استقامت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔ — بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت دکھائی۔

ایک حدیث میں وارد ہوا۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (کہیں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اپنے قول مبارک سے ایمان کی ابتداء اور انتہا بیان فرما دی۔ چنانچہ فرمایا (فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ) پس ایمان کے شعبوں میں سب سے افضل اور سب سے پہلا شعبہ کلمہ طیب کہنا اور اس پر ایمان لانا ہے۔

(وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق) اور سب سے ادنیٰ اور نچلا درجہ و شعبہ راستے سے ان چیزوں کا دور کرنا ہے جو لوگوں کو تکلیف و ایذاء دیتی ہوں جیسے کانٹے، پتھر اور پلیدی وغیرہ۔ حدیث مبارک کا ظاہر مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ایسی چیزیں راستے میں پڑی ہوں تو انہیں اٹھانا چاہیئے۔ اور اگر سرے سے راستے میں گرائی ہی نہ جائیں تو یہ بھی دور کرنے کے حکم میں ہی داخل ہے۔ بلکہ حدیث سے مراد ہی یہ ہے کہ کسی کو بھی ناحق تکلیف و اذیت نہ پہنچائی جائے۔ درحقیقت آپ کا یہ ارشاد ترک وجود اور ترک دعویٰ ہستی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دعویٰ ہستی ہی تمام شرور و قبائح کا مبداء و منشا ہے۔ شعر

بردار خار و سنگ ز راہ ایں چہ رمز بود — یعنی وجود خود از ہمہ بردار از میاں

ترجمہ۔ کانٹے اور پتھر راستے سے ہٹا، اس میں کیا رمز و اشارہ ہے؟ یہ رمز و اشارہ ہے کہ سب کے درمیان سے اپنے وجود و ہستی کو ہٹا دے۔

(والحیاء شعبۃ من الایمان) ممنوع اور ناشائستہ کاموں کے ارتکاب سے شرم و حیا کرنا ایمان کے شعبوں میں شعبہ

عظمی اور دین کے کاموں میں نہایت عمدہ کام ہے۔اسی لیے اس شعبہ کو جدا بیان فرمایا اور خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔
حیا لغت میں اس تغیر و انکساری و شکستگی کا نام ہے جو انسان کو عیب والے کام کے ارتکاب کے خوف سے لاحق ہوتی ہے۔اور عرف شرع میں اس سیرت و عادت کا نام سیا ہے جو ممنوع اور نا فرمودہ کاموں سے پرہیز کا باعث و ذریعہ بنتی اور ادائیگی حق میں کوتاہی کرنے سے مانع اور رکاوٹ بنتی ہے۔اور حیا اگرچہ انسان کی سرشت اور اس کا جبلی وصف ہے لیکن شرعی حیا کو وجود میں لانے میں بندے کے اختیار اور ریاضت کا دخل ہے جس طرح اس اسے کے باقی تمام اخلاق اور تہذیب و تربیت میں بندے کی ریاضت اور اس کے اختیار و ارادہ کا دخل ہے۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے۔الحیاء حالۃ تتولد من رؤیۃ الا لاء ورؤیۃ التقصیر حیا ایک ایسی حالت کا نام ہے جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے اور پھر اس کے شکر میں کوتاہی کے احساس سے بندے پر طاری ہوتی ہے۔بندہ جب اپنے اوپر حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں نازل ہوتی دیکھتا ہے۔اور پھر اپنی طرف سے ان کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔تو اس سے جو شرم محسوس ہوتی ہے اس کا نام حیا ہے۔(متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۴۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے اور مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہو۔یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔اور مسلم کے ہاں یوں ہے۔کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا حضور علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا مسلمانوں میں بہتر مسلمان کون ہے۔فرمایا وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم اور محفوظ رہیں۔

شرح:۔ تذکرہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص بن وائل سہمی۔قریش کے ایک بطن سہم بن عمرو کی طرف منسوب ہے۔آپ عبادت گزار،جید عالم،روزہ دار اور قائم اللیل تھے۔اپنے باپ سے بارہ سال چھوٹے تھے۔اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کاتب تھے۔حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں مجھ میں اور ان میں صرف یہ فرق تھا کہ وہ احادیث لکھتے بھی تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔اہل بیت سے محبت رکھتے تھے۔اگرچہ باپ کی خوشنودی کی خاطر جس کی حضور علیہ السلام نے ان کو وصیت کی تھی۔حضرت امیر معاویہ رض اور اپنے والد کی خدمت و صحبت

میں رہتے تھے۔ پہلے ان کا نام ان کے دادا عاص کے نام پر تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ان کا نام عبداللہ رکھا۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان امن و سلامتی میں رہیں۔ کہ زبان سے کسی کو گالی نہ دے اور کسی کی غیبت نہ کرے۔ اور کوئی نازیبا بات نہ کرے۔ اور ہاتھ سے نہ کسی کو مارے نہ تکلیف دے۔ اور نہ غضب و غصہ کا اظہار کرے۔ ہاتھ اور زبان کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ ایذاء اور تکلیف پہنچانے کی اکثر انواع انہیں دو اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور انسان کے نفس اور باطن میں جو کچھ ہے زبان اس کی ترجمان اور معبر ہے۔ اور زیادہ تر کام ہاتھ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور زبان کا ذکر پہلے اس لیے فرمایا کہ زبان سے ایذاء پہنچانا زیادہ اور سخت تر ہوتا ہے۔ اور زبان سے ہی گزرے ہوئے اور موجود اور آنے والے لوگوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ ہاتھ سے تو صرف سامنے موجود اور حاضر لوگوں کو ہی اذیت دی جا سکتی ہے۔ اور لکھنا زبان سے کہنے کی طرح ہے۔ بلکہ اس میں زبان اور ہاتھ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تخصیص غالب صورت حال کے تحت ہے ورنہ کافر جو ذمی اور مطیع اسلام ہوں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ اور ابن حبان کی روایت میں من سلم الناس کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ ابن حبان کی روایت کے الفاظ زیادہ عام ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ بہر صورت وہ اذیت مراد ہے جو ناحق دی جائے۔ ورنہ حکم شرع کے مطابق جو زجر اور جو زدوکوب اور جو گالی وغیرہ ہو جائز و روا ہے۔ بلکہ بعض اوقات واجب اور ضروری ہو جاتی ہے۔ شعر

بے حکم شرع آب خوردن خطاست ۔۔۔ دگر خون بفتوی بریزی رواست

ترجمہ۔ حکم شرع کے بغیر پانی پینا بھی گناہ ہے۔ اور فتوی شریعت کے مطابق اگر کسی کا خون بھی بہادے تو جائز و روا ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایذاء دینا مسلمانوں کی صفت اور شان کے خلاف ہے۔ اور مسلمان کو چاہیے کہ اس کی یہی شان ہو۔ اور جس کی یہ شان و صفت نہ ہو وہ گویا مسلمانوں میں سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو شخص صرف یہ صفت رکھتا ہو وہ مومن کامل ہے۔ اگر چہ باقی احکام و ارکان دین میں سستی اور کوتاہی کرتا ہو جیسا کہ ملحد اور بے دین لوگ مطلب نکالتے ہیں۔ شعر

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کسی کے درپے آزار نہ ہو اس کے سوا جو چاہے کر۔ کہ ہماری شریعت میں اس کے سوا کوئی گناہ نہیں۔

حدیث کی حقیقی مراد یہ ہے کہ جو شخص حقوق پروردگار کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خلق کے حقوق بھی بجا لاتا ہے وہی مومن کامل ہے (والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه) اور مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو ترک کردے جس سے خدا تعالیٰ نے اسے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ دار کفر سے دار السلام کی طرف آنے اور دینی فتنہ کے مقام سے بھاگ جانے کا نام ہجرت ہے۔ اسے ظاہری ہجرت کہتے ہیں اور باطنی ہجرت یہ ہے کہ انسان بشری اور طبعی تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور نفس و شیطان اسے جس طرف بلائیں اس طرف نہ جائے۔ بلکہ اس سے دور بھاگے۔ شریعت میں در حقیقت ہجرت اسی غرض کے لیے ہے۔ جو آدمی یہ غرض حاصل کرنے میں مصروف ہو وہ مہاجر ہی ہے۔ اگرچہ اپنے وطن میں ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ کہ ظاہری صورت میں بھی ہجرت لازم اور ضروری ہو جائے تو پھر وہ بھی کرنا ہوگی جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوا کہ مسلمانوں کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا ضروری تھا۔ اس حدیث سے مقصود مہاجرین کو ممنوعات کے ترک کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ تاکہ صرف نام اور صورت پہ اکتفا نہ کریں۔ اور غرور و دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یا اس میں ان کے دلوں کے لیے تسلی ہے جن کو دنیا میں صورتاً ہجرت نصیب نہ ہوئی کہ وہ بھی منہیات کو ترک کر کے ہجرت کا ثواب حاصل کرلیں (هذا لفظ البخاری) یہ حدیث جو مذکور ہوئی بخاری کے الفاظ ہیں۔ کہ انہوں نے اس لفظ سے یہ حدیث روایت کی۔ حدیث کے یہ الفاظ مسلم کی روایت کے الفاظ سے قدرے مغایرت اور مخالفت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا (ولمسلم ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلم میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا (ای المسلمین خیر) مسلمانوں میں سب سے بہتر مسلمان کون ہے۔ (قال) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا (من سلم المسلمون من لسانه ویده) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔ اور مسلم میں یہ جملہ یعنی والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه (مہاجر وہ ہے جو اس بات کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے اس کو روکا ہو) نہیں ہے۔ لیکن مولف کتاب کی ظاہر عبارت سے وہم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۵۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز نہ ہوں۔

شرح :۔ تذکرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ آپ انس بن مالک بن النضر الانصاری الخزرجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ دس سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کی۔ آٹھ یا نو سال کے تھے۔ جبکہ آپ کی خدمت میں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ آپ بصرہ میں لوگوں کو علم فقہ سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اور آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے ۹۱ھ ہجری میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی والدہ کی درخواست پر ان کے لیے دین ودنیا کی بہتری کے لیے دعا فرمائی۔ ان کی دینی فضیلت وشان کے متعلق کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ البتہ ان کی دنیاوی حالت یہ تھی۔ کہ سو سال ان کی عمر ہوئی، اور ان کی اولاد سو سے بڑھ گئی۔ اور ان کا کھجوروں کا باغ سال میں دو دفعہ پھل دیتا تھا۔

(وقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ) انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا اور نہ ہی مومن کامل ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (من والدہ وولدہ والناس اجمعین) اس کے باپ۔ اس کے بیٹوں اور تمام لوگوں سے متفق علیہ۔ مومن کامل کی نشانی یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک ہر چیز اور ہر شخص سے محبوب تر اور معظم نہ ہو جائیں چاہے وہ شخص اس کا باپ اور اس کا فرزند ہی کیوں نہ ہو جو طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ اور ان کے علاوہ چاہے باقی تمام لوگ ہی کیوں نہ ہوں جن کے ساتھ تعلقات کی بنا پر رشتہ محبت ودوستی فطرتاً یا اختیاری طور پر استوار ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ محبت دو قسم کی ہے۔ ایک جبلی اور فطری جو بندے کے اختیار سے باہر ہے۔ اور بندہ طبیعت اور فطرت کے طور پر بے اختیار، چیزوں کی طرف کشش رکھتا ہے۔ محبت کی یہ قسم اس محبت سے خارج ہے۔ کیونکہ گفتگو ایمان میں ہو رہی ہے۔ جس کا شرع نے مکلف بنایا اور اس کی تحصیل وتکمیل کا حکم دیا ہے۔ پس یہاں محبت سے مراد وہ محبت ہے۔ جو بندے کے اختیار میں ہو۔ اور جس کا اسے مکلف بنایا جا سکے۔ لہٰذا اس مقام پر محبوب تر ہونے سے یہ مراد ہو گی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب اور آپ کی ذات کا حق ادا کرنے۔ دینی احکام کی پابندی کرنے۔ سنت کی اتباع۔ ادب کا لحاظ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور آپ کے لیے جاں نثاری سب سے بڑھ کر ہو۔ کسی بھی چیز اور کسی بھی شخص کو چاہے اس کی اپنی ذات۔ اولاد والدین، اہل وعیال، ساز وسامان ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضور کی رضا کی خاطر اسے اپنی جان بھی ہلاک کرنی پڑے اور اپنی ہر پیاری چیز قربان کرنی پڑے تو کر گزرے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق فوت اور رضا ضائع نہ ہونے دے۔ جیسا کہ کامل صحابہ کرام کی حالت تھی۔

اس مقام پر انسان کی اپنی ذات کا ذکر نہیں فرمایا۔ جیسا کہ حضور سے ایک منقول دعا میں جس میں خداوند تعالیٰ کی محبت کی آپ نے درخواست کی ہے۔ اپنی ذات کا بھی ذکر فرمایا۔ اور یوں دعا کی اللھم اجعل حبك الی من نفسی ومالی وولدی (اے میرے اللہ تو اپنی ذات کی محبت۔ میری اپنی ذات۔ میرے مال اور میری اولاد سے بھی بڑھ کر میرے دل میں ڈال دے) کیونکہ اولاد۔ اور ماں باپ کی محبت میں انسان کے اختیار کا دخل ہے۔ اپنی ذات کی محبت میں انسان کا اختیار نہیں۔ امت کو ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبت کا پابند بنانے میں آپ نے شدت اور حرج محسوس کیا۔ اس لیے اس کی تکلیف نہ دی بخلاف خداوند تعالیٰ جل وعلی کے ساتھ اپنی محبت کے۔ اسی لیے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ ومن الماء البارد للعطشان (جس طرح پیاسے کی ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اے اللہ تو اپنی محبت میرے دل میں ڈال دے) کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ انسانی اختیار کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ یا تعلیم و تربیت میں آہستگی اور ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھا تاکہ جب کوئی بندہ حضور کے ساتھ اپنے والد اور اولاد سے محبوب تر ہونے کا مرتبہ حاصل کرے۔ تو اس کے بعد اپنی ذات سے بھی حضور کی محبت بڑھ کر اپنے دل میں پیدا کرنے کا مرتبہ حاصل کرے۔ اور اس بات کا بھی اسے مکلف کر دیا جائے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا حال ہے صرف ہمیں ہی دوست رکھتے ہو۔ یا ہمارے غیر کو بھی اس دوستی میں شریک کرتے ہو۔ عرض کی۔ یہ محبت مشترک ہے۔ مجھے آپ سے بھی دوستی ہے۔ اپنی ذات، اپنی اولاد اور مال و سامان سے بھی دوستی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر اپنا دست مبارک مارا اور تصرف[1] سے کام لیا۔ پھر پوچھا۔ اب کیا حال ہے۔ اور تم اپنے آپ کو کس کیفیت میں پاتے ہو۔ عرض کی اب اہل و مال کی محبت دل سے نکل گئی۔ لیکن اپنی ذات سے محبت اب بھی باقی ہے۔ دوسری بار پھر آپ نے اپنا دست مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پاک پر مارا۔ اور پوچھا۔ اب کیسے ہو۔ عرض کی اب سوائے آپ کی محبت کے باقی ہر قسم کی محبت ختم ہو گئی۔ رباعی

عمرم ہمہ صرف در وفایت بادا ۔۔۔ جان و دل و دین من فدایت بادا

محبوب من از جان و دل و عمر توئی ۔۔۔ ہر چیز من خستہ برایت بادا

ترجمہ۔ میری ساری عمر تیری وفاداری میں صرف ہو جائے۔ میری جان میرا دل میرا دین سب تجھ پر فدا ہو جائیں۔

---

[1] معلوم ہوا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نزدیک حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرف کی قوت حاصل تھی۔

جان، دل اور عمر سب سے بڑھ کر تو ہی میرا محبوب ہے۔ مجھ خستہ کی ہر چیز تیرے لیے ہی ہو۔
معلوم ہونا چاہیے کہ محبت کا منشا اور دوستی کا ذریعہ یا حسن ہوتا ہے یا احسان۔ اور مخلوقات میں سے یہ دونوں صفات بہ تمام وکمال حضور سید کائنات علیہ السلام کی ذات میں منحصر ہیں، کیونکہ آپ تمام مخلوق میں سے اجمل (خوبصورت ترین) اور اکمل (کامل ترین) ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور درحقیقت سب حسن وکمال ذات حق کامل الصفات جل جلالہ میں منحصر اور بند ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک اللہ تعالیٰ کے جمال وکمال کا آئینہ ہے۔ اس لیے محبوب تر ہونے کی نسبت خواہ اللہ کی طرف کی جائے۔ اور خواہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دونوں طرح صحیح ہے۔ اور حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ رباعی

ہم حسن وجمال بے نہایت داری	ہم جود وکرم بحد غایت داری
ہم حسن ترا مسلّم وہم احسان	محبوب توئی کہ ہر دو آیت داری

ترجمہ۔ تو بے انتہا حسن وجمال کا مالک ہے۔ اور غایت درجہ جود وکرم سے بھی موصوف ہے حسن بھی تجھے ہی مسلّم ہے اور احسان بھی۔ تو ہی محبوب ہے کہ دونوں نشانیاں تجھ ہی میں پائی جاتی ہیں۔

۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ۔ (متفق علیہ)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کے ذریعے ایمان کی حلاوت پائے گا۔ وہ شخص کہ جسے اللہ اور اس کا رسول باقی سب سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ اور وہ شخص جو کسی بندے سے محبت کرے اور اس کی یہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔ اور وہ شخص کہ کفر میں لوٹ جانے کو برا جانے اس کے بعد کہ اللہ نے اسے اس سے نجات عطا فرمائی۔ اس طرح برا جانے جیسے کوئی اسے آگ میں ڈال دے۔

شرح:۔ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارشاد من کن فیہ۔ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس بندے میں وہ تین موجود ہوں گی (وجد بھن حلاوۃ الایمان) وہ پائے گا ان تین خصلتوں کے سبب ایمان کا مٹھاس اور اس کا ذائقہ۔ (من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما) پہلی خصلت یہ کہ خدا اور خدا کا رسول اس کے نزدیک باقی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں (ومن احب عبدا)

لا یحبہ الا للہ) دوسرا وہ شخص جو کسی بندے سے محبت رکھے۔ اور اس کی یہ محبت صرف خدا تعالیٰ اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو (و من یکرہ ان یعود فی الکفر) تیسرا وہ شخص جو کفر میں لوٹ جانے کو برا جانے (بعد ان انقذہ اللہ منہ) اس کے بعد کہ اللہ نے اسے اس سے نجات دی اور کفر سے باہر نکالا۔ (کما یکرہ ان یلقی فی النار) جس طرح کہ وہ برا جانتا ہے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ متفق علیہ۔

۷. وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔ (رواہ مسلم)

حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چکھ لیا مزہ ایمان کا اس بندے نے جو اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی اور خوش ہو گیا۔

شرح: تذکرہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تین سال بڑے تھے۔ بعض نے کہا ہے دو سال بڑے تھے۔ آپ عام الفیل سے پہلے پیدا ہوئے۔ دور جاہلیت میں رئیس تھے۔ مسجد خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانا اس کے آپ نگران و انچارج تھے۔ آپ قدیم الاسلام تھے یعنی ابتداء سے ہی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن اہل مکہ سے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ہمراہ مجبوراً آئے تھے۔ آپ کی عمر اٹھاسی ۸۸ سال ہوئی۔ اور وفات سے قبل اسی ۸۰ غلام آزاد کیے۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

(وعن العباس بن المطلب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عباس بن المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چکھ لیا ایمان کا مزہ (من رضی باللہ ربا) اس نے جو خدا تعالیٰ پر راضی ہوا اور اسے اپنا پروردگار مان لیا اور اس کی قضاء و تقدیر پر راضی اور خوش رہا اور اس کی بندگی و عبادت میں معروف رہا (وبالاسلام دینا) اور اسلام پر راضی ہوا اور اسے اپنا دین قرار دیا۔ اور جو کچھ دین میں ہے اس پہ عمل پیرا ہوا (وبمحمد رسولا) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر راضی ہوا اور آپ کو اپنا پیغمبر تسلیم کیا اور آپ کی اتباع کا راستہ اختیار کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ غفلت و خواہش نفس کے امراض سے محفوظ دل معانی کی لذتوں سے بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جس طرح نفوس انسانی عمدہ اور لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور ان امراض سے قلب کی سلامتی اور عافیت ان تین مذکورہ اشیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کو یہ تین باتیں نصیب نہ ہوں وہ حلاوت ایمانی اور

اس کے ذوق و لذت سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ الٹ ہو جاتا ہے۔ اور اسے ان باتوں سے نفرت ہوتی ہے۔ جس طرح بیمار آدمی کو میٹھی شے کڑوی محسوس ہوتی ہے۔

۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ نہیں سنے گا میرے بارے میں کوئی شخص اس امت سے کوئی یہودی اور عیسائی پھر مر جائے اور جو کچھ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان نہ لائے تو وہ نہیں ہوگا مگر اصحاب دوزخ سے۔

شرح: ۔ عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (والذی نفس محمد بیدہ) خدا کی قسم جس کے دست قدرت میں ذات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بقا ہے (لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ) کہ نہیں سنے گا مجھے کوئی بھی اس امت سے اور نہ پہنچے گی اسے میری رسالت و نبوت کی خبر۔ امت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی جانب کوئی رسول مبعوث کیا گیا ہو۔ اسی طرح ایک گروہ کی جنس کو بھی امت کہتے ہیں۔ (یہودی ولا نصرانی) وہ شخص چاہے یہودی ہو۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہو یا نصرانی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم سے (ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ) پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ ایمان نہ لائے اس دین و شریعت پر جسے میں لے کر آیا ہوں (الا کان من اصحاب النار) مگر ایسا شخص اہل دوزخ میں سے ہوگا۔ یعنی جس شخص نے میری نبوت و رسالت کی خبر سنی اور میرا معجزہ بھی اس پہ ثابت و ظاہر ہو گیا پھر اس نے میرا دین قبول نہ کیا تو وہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا چاہے اہل کتاب میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۹۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَّالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللهِ وَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔ ایک وہ آدمی جو اہل کتاب میں سے ہو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے مالکوں کا حق بھی ادا کیا۔ تیسرا وہ شخص جس

حَتَّىٰ مَرَّ ابِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ يَطَاُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبَهَا وَ عَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ ۔ (متفق علیہ)

کی ملک میں لونڈی ہو جس سے صحبت و مجامعت کرے۔ پھر اس کی بہت اچھی تربیت کی اور اسلامی احکام اور آداب معاشرت کی نہایت اچھی طرح تعلیم دی۔ پھر اُسے آزاد کرکے اس سے نکاح کر لیا۔ تو ایسے شخص کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔

شرح: متذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ آپ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ عبداللہ بن قیس نام ہے۔ اپنے اجداد کی طرف نسبت سے اشعری کہلاتے ہیں۔ پہلے یمن سے مکہ آئے۔ اور مسلمان ہوئے اور ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد فتح خیبر کے وقت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انعام و اکرام اور مدح و ثنا سے نوازے گئے۔ آپ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن ابی موسی الاشعری) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ لہم اجران) لوگوں میں سے تین شخص ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر و ثواب ملے گا۔ (رجل من اھل الکتاب) ان تین میں سے ایک وہ ہے جو اہل کتاب یعنی یہودی یا عیسائی ہو (امن بنبیہ وامن بمحمد) اپنے نبی حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لایا پھر ان پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ (و العبد المملوک اذا ادی حق اللہ وحق موالیہ) ان تین میں سے دوسرا وہ شخص ہے جو بندہ غلام و مملوک ہو۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا حق یعنی اس کے تمام واجبات ادا کرے اور اپنے مالکوں کا حق یعنی ان کی ہر طرح خدمت بجالائے (ورجل کانت عندہ امۃ یطاُھا) تیسرا وہ شخص ہے جس کی ملک میں لونڈی ہو، اس کا مالک ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ صحبت و مجامعت کرے جیسا کہ عادۃً ایسا ہوتا ہے۔ (فادبھا فاحسن تادیبھا) پھر اس نے اس لونڈی کو ادب و احترام کی باتیں سکھائیں۔ یعنی اس کے آداب و اخلاق و معاشرتی مسائل میں نہایت اچھے طور پر تربیت کی (وعلمھا فاحسن تعلیمھا) اور اسے احکام و مسائل دینیہ کا علم سکھایا۔ اس کی تعلیم میں پوری توجہ سے کام لیا۔ اچھی طرح تعلیم و تربیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسی اس کی تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے ایسی ہی کی اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہ چھوڑی۔ پھر یہ سب کچھ نہایت درجہ حلم و نرمی اور شفقت سے کیا۔ اس سے کوئی سختی اور بدمزاجی نہ کی (ثم اعتقھا فتزوجھا) پھر اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کر لیا (فلہ اجران) تو ایسے شخص کے لیے بھی دوہرا اجر و ثواب ہے۔ اس آخری مرد کے لیے دوہرے ثواب کے ثبوت کی تاکید و مبالغہ کے لیے فلہ اجران کے الفاظ مکرر ارشاد فرمائے۔ اہل کتاب کے آدمی اور غلام کے لئے تو دوہرے اجر کا

ملنا ظاہر ہے کہ انہوں نے عمل بھی دو کیے۔ لیکن وہ شخص جس کی ملک میں لونڈی تھی تو اس کے لیے یہ اجر و ثواب اس وجہ سے ہے کہ اس نے اسے آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا پھر اسے اپنے رشتہ زوجیت سے منسلک کیا۔ باقی رہا اسے ادب و تعلیم دینا تو یہ سب کے لیے عام ہے۔ اس مقام پر اس کی کوئی خصوصیت نہیں تاہم اس میں بھی اسے آزاد کرنا اور اس سے نکاح کرنے کے استحقاق و اہلیت کی طرف اشارہ ہے۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اجر و ثواب کا زیادہ ہونا عمل کے تعدد اور زیادہ ہونے کی بنا پہ ایک قاعدے کی بات ہے۔ اس میں کوئی تعجب و اچنبھت نہیں ہے۔ جس قدر عمل زیادہ ہوگا اور جو بھی زیادہ عمل کرے گا اس کے لیے فضیلت اور ثواب میں زیادتی ثابت ہوگی لہٰذا ان تین افراد کو اس بارے میں مخصوص و ممتاز کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لیے ان کے تمام اعمال نماز، روزہ وغیرہ میں دوہرا ثواب ہے۔ مثلاً اگر دوسروں کو ایک عمل کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی تو ان کو بیس نیکیاں ملیں گی۔ اور ہر ثواب جو دوسروں کو ان کے عمل پر ملتا ہے ان کو اس سے دوگنا ملے گا۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے یہ فضل عطا کرتا ہے) واللہ اعلم۔

۱۰۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ متفق علیہ۔ اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَّمْ يَذْكُرْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ جب لوگ ایسا کرلیں تو محفوظ کرلیے انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال مگر اسلام کے حق کے لیے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ متفق علیہ۔ مگر مسلم نے الا بحق الاسلام کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

شرح: وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ و جہاد کروں (حتی یشهدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ خدا تعالیٰ ایک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ یہاں شہادت سے مراد زبان سے اس کلمہ کا اقرار ہے۔ یا وہ جو اس اقرار کے حکم میں ہے۔ جیسے ان سے جزیہ قبول کرلینا۔

ان سے صلح کر لینا اور انہیں امان دینا۔ یا یہ ارشاد ان احکام جزیہ وغیرہ کی مشروعیت اور نزول سے پہلے کا ہے۔ (ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ) اور یہاں تک کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ قتال و جہاد کا وجوب شہادت دینے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ عبادات کا ذکر تو ارکان اسلام کی ادائیگی کے ذریعے شہادت کو تمام و مکمل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تاویل فاسد کے ذریعے واجبات و فرائض کے ترک اور اس ترک پر اصرار کی صورت میں بھی قتال و جہاد ثابت ہوتا ہے جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ کیا۔ بلکہ علماء نے یہاں تک کہا ہے اگر کوئی قوم ایسی سنت کی تارک ہو جائے جو اسلام کے شعائر و نشانات میں سے ہو جیسے اذان اور ختنہ وغیرہ اور اس ترک پر اصرار کرے اور دوام اختیار کرے اور ترک سے باز نہ آئے تو اس صورت میں بھی امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان کے ساتھ جہاد و قتال کرے۔ اور احکام اسلامی میں یہاں نماز و زکوٰۃ کی اس لیے تخصیص فرمائی کہ یہ اصل عبادات ہیں۔ یا اس میں بدنی اور مالی عبادتوں کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید میں یہ دو عبادتیں اکٹھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اس وقت صرف یہی نماز و زکوٰۃ کی عبادت ہی فرض تھی۔ (فاذا فعلوا ذالک) جب لوگ یہ شہادت دے دیں اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دیں (عصموا منی دماءھم واموالھم) تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے (الا بحق الاسلام) مگر اسلام کے حق اور حکم شریعت کی خاطر۔ جیسے اگر کوئی شخص دوسرے کو قتل کر دے یا زنا کا مرتکب ہو تو قصاص و حد کے طور پر اسے قتل کیا جائے گا۔ یا کسی کا جو مال اس پر واجب و لازم ہو تو وہ ضرور اس سے لیا جائے گا۔ (وحسابھم الی اللہ) اور آخرت میں ان کا حساب خدا عزوجل کے ذمہ ہے۔ یعنی اس کے ظاہری اسلام کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے۔ اور اس کے خون و مال کی حفاظت کریں گے۔

اگر وہ چھپ کر کفر و معصیت کرتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کے پوشیدہ حال سے واقف ہے۔ وہ خود آخرت میں اس کے مطابق حال اس کا فیصلہ کرے گا۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں کی روایت ہے۔ (الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام) مگر امام مسلم نے الا بحق الاسلام کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ملحدوں اور زندیق لوگوں کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اگر وہ آئیں اور لوگوں کے سامنے توبہ کریں تو ہم اہل اسلام ان کی توبہ قبول کر لیں گے۔ اور ان کا خون نہ بہائیں گے۔ اور ان کے دل کا حال خدا کے سپرد کریں گے۔ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں۔ علامہ طیبی نے ان سب کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے صحیح تر قول یہی ہے کہ ان کی توبہ مقبول ہے۔ تاہم ظاہر تر قول یہ ہے کہ اگر کسی نے الحاد اختیار کیا اور زندیقانہ باتیں کیں پھر جلدی ان سے باز آ گیا اور رغبت کے ساتھ توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اور اگر اپنے الحاد پر اڑا ہوا ہو اور سرکشی کرتا ہو اور ایسا محسوس ہو کہ یہ محض خوف جان اور وقت ٹالنے کے لیے توبہ کر رہا

ہے۔ تو ایسی توبہ قبول نہ کی جائے گی توبہ قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے جہاد و قتال کریں گے۔ پھر اگر واقع میں اس کی توبہ صحیح و خالص ہو تو آخرت میں اسے اس کا فائدہ پہنچے گا۔

۱۱۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ ۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہماری طرح کی نماز پڑھی، اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا۔ اور ہمارا ذبح کردہ جانور کھایا تو یہ وہ مسلمان ہے جس کا اللہ پر ذمہ ہے اور اس کے رسول پر ذمہ ہے۔ تو تم لوگ اللہ کے ذمہ میں خیانت نہ کرو۔

شرح :۔ (وعن انس رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلٰوتنا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی۔ یعنی وہ نماز جو دین اسلام میں معہود و مشہور ہے۔ (واستقبل قبلتنا) اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا جو خانہ کعبہ ہے۔ (واکل ذبیحتنا) اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھایا۔ (فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ) تو یہ وہ مسلمان ہے جس کا عہد ہے امن دینا اور جس کا ضامن بننا اللہ کے ذمہ ہے۔ ذمہ و ذمام بکسر بمعنی عہد و امان، اور ضمانت، حرمت اور حق　　اور یہ سب معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اور اہل ذمہ اور ذمی کا لفظ جو استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد ان کے امن اور ان کی ضمانت میں آجاتے ہیں۔ (فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ) تو اس خدائے سبحانہ کے عہد و ذمہ میں تم اس کے ساتھ غدر اور اس کی عہد شکنی نہ کرو۔ تخفروا بضمہ تاء و سکون خاء و کسر فاء اخفار سے مشتق ہے بمعنی غدر اور عہد شکنی کرنا۔ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ دوسرے ارکان اسلام جیسے خدا اور رسول پر ایمان کی شہادت دینا وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلام کے بالکل ریگ اور درست نشان ہیں۔ اور ان سے مسلم اور غیر مسلم میں واضح طور پر تمیز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص مسلمانوں جیسی نماز پڑھتا ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں انہیں قبول کرتا ہے۔ اور قبلے کی طرف منہ کرنے کا ذکر الگ بیان کیا حالانکہ وہ نماز کی شرط ہے۔ اور جب نماز کا ذکر کر دیا تو اس کے ضمن میں قبلے کا ذکر بھی ہو گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا ایک مشہور امر اور ہماری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف نماز میں قیام و قرأت کے کہ اہل کتاب کی عبادت میں بھی قیام و قرأت پایا جاتا ہے۔ اور ہمارے ذبیحے کا کھانا بھی اہل اسلام کے ساتھ خاص

ہے۔ یہودی ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ رواہ البخاری۔

۱۲۔ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ اَتَی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَتُؤَدِّی الزَّکٰوۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا اَزِیْدُ عَلٰی ھٰذَا شَیْئًا وَلَا اَنْقُصُ مِنْہُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی ھٰذَا۔

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیے جسے اختیار کرنے سے میں جنت میں جاؤں۔ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اور نماز قائم کرے اور فرض شدہ زکوٰۃ ادا کرے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھے۔ راوی کہتا ہے کہ اس اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں نہ اس سے کچھ زیادہ کروں گا۔ اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔ جب وہ اعرابی پشت پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات سے مسرت محسوس کرے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔

شرح: (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اتی اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ایک بادیہ نشین (دیہاتی) آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ (فقال) پس اس اعرابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا (دلنی علی عمل) میری رہنمائی فرمائیے اور مجھے ایسے عمل سے آگاہ کیجئے۔ (اذا عملتہ دخلت الجنۃ) کہ جب میں وہ عمل کروں تو بہشت میں داخل ہو جاؤں (قال) حضور علیہ السلام نے اس اعرابی کے جواب میں فرمایا (تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا) یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یہاں شہادتین (اللہ و رسول پر ایمان کی شہادت) کا اس کی شہرت کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا یا یہاں پر شہادت کا نہیں عمل کا سوال کیا گیا تھا۔ شرک کرنے سے مراد یا تو بتوں کی پرستش ہے۔ یا ریا و نمائش کہ اس میں انسان مخلوق کو خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں شرک سے ریا ہی مراد ہے۔ کہ اس کے بعد آپ نے اپنے قول مبارک میں عبادت کا ذکر فرمایا۔ (وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ) اور یہ کہ نماز قائم کرے جو فرض کی گئی اور بندوں کے ذمہ لکھ دی گئی اور اس کی ادائیگی کا حکم دیا

گیا ہے (وتؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ) ... [illegible]

مراد صدقہ ہے۔ (وصوم رمضان) اور یہ کہ رمضان شریف کے روزے رکھے۔ یہاں فرائض کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ فرائض ہی آتش دوزخ سے نجات۔ اور بہشت میں آنے کا اصل ذریعہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سوال کے وقت صرف یہی احکام فرض ہوئے تھے۔ اور چونکہ وہ اعرابی رحقیقت بہشت میں داخل ہونے کا طالب تھا اس لیے صرف اسی قدر جواب پر کفایت کی گئی (قال) اس نے کہا (والذی نفسی بیدہ) مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری ذات کی بقا ہے۔ (لا ازید علی ھذا شیئا ولا انقص منہ) کہ جو عبادات آپ نے فرمائی ہیں ان میں نہ تو نوافل کا اضافہ کروں گا۔ اور نہ ہی ان فرائض میں سے کوئی چیز کم کروں گا۔ اور جس کا یہ حال ہو وہ بلا شبہ نجات یافتہ شخص ہے۔ اگرچہ سنتوں کے ترک سے قدرے برائی کا مرتکب ہوگا اور ترک نوافل سے مراتب و درجات کی نیکیوں سے محروم رہے گا۔ یا زیادہ کرنے سے حد شرع سے زیادہ کرنا۔ اور نقصان سے حد شرع سے کم کرنا مراد ہو۔ جیسے نماز کی مقررہ رکعتوں سے کسی رکعت کا زیادہ کرنا یا شرعاً مقررہ مقدار سے کم کرنا یا یہ مراد ہے کہ میں اس سے زائد کوئی سوال نہ کروں گا۔ اور ان کے قبول کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔ یا یہ سوال کرنے والا ایک قوم کی طرف سے بھیجا گیا تھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنی قوم تک یہ احکام پہنچانے میں زیادتی کمی نہ کروں گا۔ یا یہ کلام شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخذ اور اہتمام میں شدت و مبالغہ سے کنایہ ہے۔ کلام کا حقیقی معنی مراد نہیں۔ (فلما ولی) جب اس اعرابی نے منہ پھیرا، پیٹھ دکھائی اور چلا گیا (قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ) جسے جنتی انسان دیکھنے سے مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہو۔ یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے۔ (فلینظر الی ھذا) تو چاہیے کہ وہ اس مرد پر نگاہ ڈالے اور اسے دیکھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس شخص کا صدق و یقین اور احکام دین کے ساتھ اس کی عقیدت کا مشاہدہ فرمایا تو اسے جنت کی بشارت دی۔ متفق علیہ۔

۱۳۔ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَّا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔	حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسلام کے متعلق ایسا جامع ارشاد فرمائیے کہ آپ کے بعد اس کے بارے میں پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ فرمایا کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پہ قائم رہ۔ اور ایک روایت میں غیرک کا لفظ آیا ہے۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ۔ آپ طائف کے رہنے والے ہیں، صحابی ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کی طرف سے طائف کے حاکم تھے۔ (وعن سفیان بن

عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ قال قلت) حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی (یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا) یا رسول اللہ میرے لیے اسلام و ایمان کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیے کہ (لا اسئل عنہ احدا بعدک) آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے۔ یعنی آپ کے سوا یا آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد۔ (و فی روایۃ غیرک) اور ایک روایت میں بعدک کے بجائے غیرک آیا ہے۔ اور یہ روایت پہلے معنی کو واضح کرتی ہے۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔ (قل اٰمنت باللہ ثم استقم) کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مستقیم رہ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے اسماء صفات اور افعال کے ساتھ اس کی وحدانیت کی گواہی دے۔ اور اس نے جو جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کر۔ اور اس کے اوامر و نواہی کو قبول کر۔ یہ قول ان تمام باتوں کو شامل ہے جن پر ایمان لانا چاہیے۔ اس کے بعد اس بات کی پابندی کر کہ تو اس پر قائم رہے۔ اور اس پر استقامت اختیار کر۔ استقامت کا معنی ہے انسان کا راہ راست پر قائم رہنا اور سیدھا کھڑا ہونا۔ یہاں اس سے تمام اوامر و نواہی کو کسی قسم کی کجی اور سستی کے بغیر دوام و ثبات اور اعتدال سے بجالانا مراد ہے۔ قاموس میں کہا استقام الامر اعتدل کام پر مستقیم رہا یعنی اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ اور شرح حکم میں فرمایا کہ بلا افراط و تفریط درستی اور پختگی کے ساتھ حق کی اتباع میں جمے رہنے کا نام استقامت ہے۔ اور قواعد الطریقہ میں فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو کتاب و سنت کے آداب و اخلاق کا عادی بنائے اور فضائل و خوبیوں کے ملکات راسخہ کی تحصیل کر کے اسے ریاضت اور عمدہ اوصاف کا عادی بنائے۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱۴۔ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے سر کے بال پراگندہ تھے ہم اس کی گنگناہٹ سنتے تھے مگر یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ اور حاضر ہوتے ہی اس نے اسلام کے بارے میں حضور سے پوچھنا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔ اس نے کہا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے آپ نے فرمایا

فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰی هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ۔ (متفق علیہ)

نہیں الا یہ کہ تو نفل نماز ادا کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان کے روزے (بھی فرض ہیں) اس شخص نے کہا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی روزے فرض ہیں فرمایا نہیں الا یہ کہ تو اپنی خوشی سے نفل روزے رکھے۔ اور اس شخص کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو اس نے کہا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے۔ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل صدقہ وخیرات کرے۔ راوی کہتا ہے پھر وہ آدمی پشت پھیر کر چلا گیا۔ اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے اللہ کی قسم میں اس سے نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اپنے قول و اقرار میں سچا ہے۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ آپ کے مناقب وفضائل کتاب کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوں گے۔

(عن طلحۃ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل نجد میں سے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نجد بفتح نون و سکون جیم بلاد عرب کے اس علاقہ کا نام ہے جو تہامہ سے سرزمین عراق تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد غور کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ نجد دراصل بلند زمین کو کہتے ہیں۔ جس طرح غور بفتح غین پست اور نشیبی زمین کو کہا جاتا ہے۔ (ثائر الراس) اس کے سر کے بال پراگندہ تھے (نسمع دوی صوتہ) ہم اس کی گنگناہٹ کی آواز سنتے تھے۔ دَوِی بفتح دضمہ دال واو مکسور اور یائے مشدد کے ساتھ پست آواز کو کہتے ہیں۔ جو سمجھ میں نہ آئے جیسے شہد کی مکھی وغیرہ کی آواز ہوتی ہے۔ (ولا نفقہ ما یقول) اور جو کچھ وہ مرد کہہ رہا تھا ہم اُسے نہیں سمجھ رہے تھے۔ نسمع و نفقہ بفتح نون دو نوں فعل مضارع کے صیغے ہیں۔ اور یُسمع و یفقہ بیائے تحتانی بصیغہ مجہول بھی ایک روایت میں ہے۔ صیغہ معلوم کی صورت میں دوی منصوب ہو گا۔ اور دوسری روایت کے مطابق مرفوع (حتی دنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تک کہ وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آ گیا۔ (فاذا ھو یسأل عن الاسلام) اور آتے ہی اس نے اسلام کے احکام وفرائض کے بارے

میں پوچھنا شروع کر دیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے حقیقت اسلام کے متعلق سوال کیا ہو۔ اور توحید و رسالت کی شہادت و گواہی کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ مشہور چیز ہے۔ اور اس کا علم ہوتا ہی ہے۔ (فقال رسول اللہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خمس صلوات فی الیوم واللیلة) دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ (فقال) پس اس مرد نے کہا (ھل علی غیرھن) کیا مجھ پر دن رات میں پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی اور نماز بھی پڑھنا لازم ہے۔ (فقال لا الا ان تطوع) آپ نے فرمایا ان پانچ نمازوں کے سوا تجھ پر کوئی اور نماز نہیں مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے کوئی نماز پڑھے جو فرض نہیں ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وصیام رمضان) احکام اسلام میں سے دوسرا حکم رمضان شریف کے روزے ہیں۔ (فقال ھل علی غیرہ) اس شخص نے کہا کیا مجھ پر رمضان کے روزوں کے علاوہ اور بھی کوئی روزے لازم ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لا الا ان تطوع) تجھ پر رمضان کے روزوں کے سوا کوئی لازم نہیں۔ مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے نفل روزے رکھے۔ (قال) حضرت طلحہ بن عبید اللہ جو حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں۔ (ذکر رسول اللہ) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے لیے (الزکوٰۃ) زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ (فقال ھل علی غیرھا) تو اس نے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ فرض ہے۔ (فقال لا الا ان تطوع) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تجھ پر زکوٰۃ کے سوا کچھ لازم نہیں الا یہ کہ تو اپنی چاہت سے صدقہ نفل ادا کرے۔ (قال) حضرت طلحہ فرماتے ہیں (فادبر الرجل) پس وہ مرد پشت کر کے چل پڑا۔ (وھو یقول) اور وہ یہ کہہ رہا تھا (واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص) خدا کی قسم میں ان فرائض پر اور کوئی چیز زائد نہ کروں گا۔ اور نہ ان سے کوئی شے کم کروں گا۔ اس کلام کی توجیہ گزشتہ حدیث میں گزر چکی ہے۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (افلح الرجل ان صدق) نجات اور فلاح پا گیا یہ مرد اگر سچ کہتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ یا اس کے کلام میں جو رغبت و اہتمام محسوس ہوتا ہے اگر اس میں یہ آدمی راست گو ہے۔ اس معنی کے مطابق فوز و فلاح اس کی صدق نیت پر مبنی ہے۔ اور اَنْ صَدَقَ بفتح ہمزہ بھی مروی ہے۔ (متفق علیہ) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ جب کہ اس شخص کا سوال فرائض اسلام سے متعلق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی اس کے مطابق دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہو۔ یا وہ شخص حج کا اہل نہیں تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک وتر نماز بھی فرض نہ ہوئی تھی وتر نماز کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ وتر فرض قطعی نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ فرض نماز روزہ و زکوٰۃ پر مزید فرض نماز روزہ اور زکوٰۃ کی آپ نے نفی فرمائی۔ یہاں آپ کے نفی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کوئی چیز اسلام میں فرض نہیں۔ پس شافعیہ کا اس حدیث سے ذبح وغیرہ میں بسم اللہ کے فرض نہ ہونے پر دلیل بنانا جیسا کہ علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔

۱۵ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْقَوْمُ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ وَحْدَهُ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک عبدالقیس کا وفد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے پوچھا کون قوم یا کون سا وفد ہو۔ یہ راوی کا شک ہے) انہوں نے کہا ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں۔ آپ نے اس قوم یا وفد کو مرحبا کہا۔ اور فرمایا آپ لوگوں کا یہاں آنا آپ کے لیے کسی قسم کی ذلت واہانت اور شرم و ندامت کا سبب نہ بنے گا۔ ان لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگ صرف شہر حرام میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ آباد ہے۔ تو آپ ہمیں جامع اور دو ٹوک بات کا حکم دیجیے جس کی خبر ہم اپنے پیچھے رہنے والوں کو جا کر دیں۔ اور اس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہوں۔ اور انہوں نے آپ سے پینے کی چیزوں کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا۔ اور چار چیزوں سے منع کیا۔ انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اور یہ کہ تم لوگ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔ اور چار چیزوں سے آپ نے انہیں منع فرمایا۔ سبز رنگ کے گھڑے۔ کدو کی بنی ہوئی صراحی درخت کی جڑ کے بنے ہوئے پیالے اور رال کے استعمال سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ان کو یاد رکھو اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی

وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَآءَ كُمْ　　جاکر بتاؤ۔ اور یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ۔

شرح: تذکرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ان کے بیان کی حاجت و ضرورت نہیں آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ یا پندرہ سال تھی۔ جیسا کہ اس میں اختلاف ہے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام کو دو بار دیکھا۔ آپ شکل و شباہت میں اجمل الناس، گفتگو میں افصح الناس اور علم حدیث میں اعلم الناس تھے۔ آپ کا لقب ترجمان القرآن اور سلطان المفسرین ہے۔ اور آپ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ نہایت دانا حلیم الطبع متحمل اور صابر مزاج تھے۔ آپ کا قد دراز تھا اور لوگوں میں اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے گھوڑے پر سوار ہیں۔ اور آپ کے والد ماجد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان سے بھی دراز قد تھے۔ اور عبدالمطلب حضرت عباس سے بھی زیادہ دراز قد تھے۔ آپ کا رنگ گورا تھا۔ متناسب الاعضاء نہایت خوبصورت اور صبیح الوجہ اور بہت بڑے عالم تھے۔ ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ اکہتر سال عمر پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) آپ نے کہا (ان وفد عبد القیس) کہ بیشک عبدالقیس کا وفد جو بنی ربیعہ کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ ربیعہ در اصل ان کے جد اعلیٰ کا نام ہوا ہے۔ اس کے نام پر سارے قبیلے کو ربیعہ کہتے ہیں۔ قبائل عرب کے اکثر نام ایسے ہی ہیں کہ ان کے باپوں کے نام پر ہوتے ہیں۔

(لما اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا (من القوم) یہ کونسی قوم کے لوگ ہیں یا (او من الوفد) یا یہ لوگ کس جماعت کی طرف سے قاصد بن کر آئے ہیں۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے قوم کا لفظ استعمال فرمایا یا وفد کا (قالوا ربیعۃ) انہوں نے کہا ہم قوم ربیعہ کے لوگ ہیں (قال) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مرحبا بالقوم او بالوفد) اس قوم یا اس وفد کو مرحبا مرحب فراخ جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ کلمہ آنے والے شخص کے اکرام و اعزاز اور اس سے اظہار انسیت کے لیے کہا جاتا ہے۔ یعنی تو فراخ و کشادہ جگہ میں آیا ہے۔ اور کبھی مرحبا کے ساتھ اھلا و سھلا کا کلمہ بھی ملا دیتے ہیں۔ یعنی تو اپنے اہل و عیال اور نرم و ملائم جگہ میں وارد ہوا ہے۔ (غیر خزایا ولا ندامی) تم لوگ ایسے حال میں تشریف لائے ہو کہ تمہیں کسی قسم کی رسوائی اور ندامت لاحق نہ ہوگی اور کسی قسم کی مصیبت و شدت اور پشیمانی نہ دیکھو گے یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اس قوم کو بشارت اور دعائے خیر ہے۔ (قالوا) وفد کے لوگوں نے کہا (یا رسول اللہ انا لا نستطیع

ان نأتیك) یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک ہم لوگ اس بات کی استطاعت وطاقت نہیں رکھتے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔(الا فی الشھر الحرام) مگر عزت وحرمت کے مہینوں میں۔ اور وہ ذو القعدہ، ذی الحجۃ، محرم اور رجب ہے۔ کہ عرب لوگ ان مہینوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے۔ اور ان مہینوں کی تعظیم اور بیت اللہ شریف کی زیارت کو آنے والوں کو امن عطا کرنے کے لیے ان مہینوں میں جنگ کرنا حرام جانتے تھے۔ لہٰذا ان اوقات میں وہ لوگ راستوں میں دشمنوں سے امن میں ہوتے تھے۔ (وبیننا وبینك ھذا الحی من کفار مضر) اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ حائل ہے۔ مُضر بضم میم وفتح ضاد معجمہ قبیلہ ربیعہ کے مقابل ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ لوگ مضر بن نزار کی اولاد ہیں۔ اور ربیعہ اور مضر کے درمیان ہمیشہ دشمنی اور جنگ رہتی تھی۔ (فمرنا بامر فصل) جب کہ ہم لوگ آپ کی خدمت میں بار بار نہیں آسکتے اور شریعت کے احکام ومسائل دریافت نہیں کر سکتے آپ ہمیں واضح اور محکم بات ارشاد فرمادیں جس میں کوئی اجمال واشکال نہ ہو اور حق وباطل میں بالکل صاف صاف امتیاز کردے۔ (نخبر به من وراءنا) تاکہ ہم لوگ پیچھے اپنی قوم کے لوگوں کو بتاسکیں۔ یعنی اپنی قوم کے ان لوگوں کو جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ (وندخل به الجنة) اور جس پر عمل کرکے ہم اور ہماری قوم کے لوگ جنت میں جائیں۔ نخبر وندخل جزم اور رفع دونوں کے ساتھ مروی ہیں۔ (وسألوہ عن الاشربة) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد القیس کے وفد نے چند مخصوص قسم کے پینے کے برتنوں کے استعمال کے متعلق بھی پوچھا۔ جیسا کہ عنقریب ان برتنوں کا ذکر آرہا ہے۔ (فامرھم باربع ونھاھم عن اربع) تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا۔ اور چار باتوں سے منع کیا (امرھم بالایمان باللہ وحدہ) انہیں اکیلے خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اتدرون ما الایمان باللہ وحدہ) جانتے ہو اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے۔ (قالوا اللہ ورسولہ اعلم) انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ صحابہ کرام کا انداز ادب تھا کہ جب آپ ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ اس کے جواب میں یہ کلمہ عرض کرتے۔ اگرچہ وہ بات ان کے علم میں ہوتی تھی۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خدائے وحدہ پر ایمان لانے کا مطلب ہے (شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا۔ (واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان) نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ جن چار باتوں کا آپ نے حکم دیا وہ یہی ہیں اور حج کا ذکر نہ کرنے کی وجہ اس سے قبل مکمل بیان ہوچکی ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان کی تفسیر ان چار چیزوں سے اس لیے کی کہ یہاں ایمان سے اسلام اور اس کا اقرار مراد ہے۔ (وان تعطوا الخمس من المغنم) اور یہ کہ تم لوگ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔ آپ نے یہاں جہاد کا ذکر جہاد کی اہمیت ظاہر کرنے کی غرض سے کیا کہ یہ لوگ مجاہد تھے اور کفار مضر کے ساتھ

جنگ و جہاد میں معروف رہتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے جن چار باتوں کا آپ نے حکم دیا ان میں سے پہلی نماز اور آخری خمس اداکرنا ہے۔ اور کلمہ شہادت کا ذکر تبرک کے طور پر کر دیا۔ کیونکہ وہ لوگ مومن تھے اور اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس توجیہ کے مطابق خمس کا ادا کرنا بھی اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے میں داخل ہے۔ (ونھاھم عن اربع) یہ ان کے پینے کے برتنوں کے سوال کا جواب ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کا سوال مخصوص برتنوں میں پینے کے متعلق تھا۔ تو آپ نے انہیں چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا (عن الحنتم) بفتح حائے حملہ وسکون نون وفتح تا سبز کوزہ کو کہتے ہیں۔ (والدباء) اور دُبّاء کے استعمال سے منع فرمایا دُبّاء بضم دال وتشدید باء موحدہ ممدودہ کدو کو کہتے ہیں۔ یا تو خود کدو مراد ہے جسے وہ لوگ برتن کے طور پہ استعمال کرتے تھے یا کدو کی شکل کی صراحی مراد ہے جو وہ بنایا کرتے تھے۔ (والنقیر) اور نقیر کے استعمال سے منع فرمایا نقیر نقر سے بنا ہے۔ نقر کا معنی کھوکھلا کرنا ہے یہاں درخت کی جڑ مراد ہے جسے کھوکھلا کر کے پینے کا برتن بناتے تھے۔ اور پھر اس میں شراب پیتے تھے۔ (والمزفت) اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا۔ مزفت بضمہ میم وفتح زا مشددہ وہ چیز جو زفت سے طلا کی گئی ہو زفت بکسر زائے معجمہ وسکون فا ایک سیال چیز ہے جسے کشتی وغیرہ چیزوں کی درزوں پر ملتے ہیں تا کہ پانی اندر نہ آئے زفت کو قار و قیر (ڈکٹ) بھی کہتے ہیں۔ (وقال احفظوھن واخبروا بھن من ورائکم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا یہ کلمات یا ان اشیاء کو یاد رکھو۔ اور اپنے پیچھے رہنے والے لوگوں کو بھی جا کر آگاہ کر دو۔

(متفق علیہ ولفظہ للبخاری) معلوم ہونا چاہیے کہ نہی سے یا تو شراب نوشوں اور ان کے برتنوں کے ساتھ مشابہت سے بطور تاکید و مبالغہ روکنا مراد ہے یا ان برتنوں میں شیرہ انگور اور شیرہ کھجور ڈالنے سے روکنا مراد ہے کہ ان برتنوں میں جوش اور مستی کی قوت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ کھجور کا شیرہ مشکوں میں ڈالنا چاہیے کہ ان میں جوش اور نشہ کرنے کا اثر دیر سے آتا ہے۔ اور کم مقدار میں آتا ہے۔ اس تفصیل کے باوجود جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ یہ حرمت و نہی ابتدائے اسلام میں تھی تا کہ تاکید و مبالغہ سے شراب کی حرمت ذہن نشین کرا دی جائے اور سکر و مستی لانے والی چیز کے آثار و مواد کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد ان برتنوں کے استعمال کی یہ حرمت منسوخ ہو گئی۔

۱۲۔ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپ کے اصحاب کی ایک جماعت موجود تھی تو آپ نے فرمایا اے لوگو! مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ

وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَآءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (متفق علیہ)

کروگے اور نہ چوری کروگے نہ زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے۔ اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بہتان گھڑوگے اور کسی نیک کام میں نافرمانی نہ کرنا تو جو شخص پورا اترے گا اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اور جوان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوگا۔ پھر دنیا میں ہی اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ (و ذریعہ معافی) بن جائے گا۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسے معاف کرے اور چاہے اسے سزا دے۔ تو ہم سب نے اس پر آپ کی بیعت کی۔

شرح:۔ تذکرہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ۔ عُبادہ بضم عین و تخفیف باء موحدہ نقبائے انصار میں سے ہیں۔ آپ بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ اور غزوہ بدر میں موجود تھے۔ دراز قد جسیم اور صاحب جمال شخصیت تھے۔ اور جامعین قرآن میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا۔ آپ کا مفصل ذکر کتاب کے آخر میں اسمائے اہل بدر میں آئے گا۔

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وحولہ اصابۃ من اصحابہ) جب کہ آپ کے اردگرد صحابہ کرام اور آپ کے دوستوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ (عِصَابَۃٌ) بکسر عین دس سے چالیس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ (بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا) میری بیعت کرو، مجھ سے عہد کرو اور عقد باندھو۔ مبایعت بیع سے مشتق ہے۔ جو شخص کسی سے عہد کرتا ہے وہ گویا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں فروخت کرتا ہے جس طرح بیع میں ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کا معاہدہ کرتے ہیں۔ بیعت میں بھی گویا یہی چیز ملحوظ ہوتی ہے۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میری بیعت کرو۔ کہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کروگے۔ اشراک سے بت پرستی یا عمل میں ریا مراد ہے۔ (ولا تسرقوا) اور چوری نہ کروگے۔ (ولا تزنوا) اور زنا و بدکاری کا ارتکاب نہیں کروگے۔ (ولا تقتلوا اولادکم) اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے جیسا کہ دور جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ تنگدستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ (ولا تاتوا ببھتان تفترونہ)

اور نہیں لاؤ گے اور نہ بولو گے جھوٹ جسے تم گھڑ لو۔ (بین ایدیکم وارجلکم) اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے۔ یعنی اپنی ذوات کو جھوٹ سے ملوث نہ کرو گے۔ کہ دست و پا سے ذات مراد ہے۔ کیونکہ بہتان وافترا ایسا جرم ہے جسے انسان اپنے پاس سے گھڑتا ہے حالانکہ انسان اپنی ذات سے گھڑتا ہے۔ لوگ اس سے پاک و مبرا ہوتے ہیں۔ یا فاسد گمانوں کے تحت لوگ جو اپنے دل و ضمیر سے جھوٹ بہتان وافترا تراشتے ہیں تم ایسا کرنے سے باز رہنا۔ چونکہ دل انسان کے سینے میں ہوتا ہے۔ لہذا وہ بندے کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہی ہوتا ہے۔ یا افتراء کی نسبت ہاتھ پاؤں کی طرف اس لیے کی کہ اکثر کام ہاتھ پاؤں سے انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ فی الواقع تمام اعضاء کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور ان تین توجیہوں کا مقصد در اصل ایک ہی ہے۔ یعنی اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان کسی چیز کو گھڑنے کا مطلب ہے اعلانیہ اور کھلم کھلا لوگوں پر افتراء بازی اور بہتان تراشی کرنا اور بے حیائی و بے مروتی کی داد دینا۔ (ولا تعصونی فی معروف) اور جس کام کا وجود شرع سے معلوم ہو چکا ہے اس میں میری نافرمانی نہ کرنا یعنی مشروع و جائز امر میں میری نافرمانی کا مرتکب نہ ہونا۔ معروف کے مقابل منکر ہے۔ منکر ایسا فعل ہے جس کا وجود شرع میں نہ ہو۔ یعنی غیر شرعی اور ناجائز کام۔ (فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ) ترجمہ شخص اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کرے گا تو اس کی مزدوری اور اس کا اجر اللہ پر لازم ہے۔ کہ اپنے فضل و کرم سے اس پر ثواب عطا کرتا ہے۔ (ومن اصاب من ذالک شیئا) اور جو شخص شرک کے علاوہ دوسری مذکورہ برائیوں کا مرتکب ہوا۔ (فعوقب بہ فی الدنیا) پھر اسے دنیا میں ہی اس کی سزا بھی مل گئی۔ کہ اس جرم و گناہ پر حد شرعی اس پر لگادی جائے۔ یا اسے سزا دے دی گئی۔ (فھو کفارۃ لہ) تو وہ حد یا سزا اس گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور آخرت میں اس پر سزا نہ ہوگی (ومن اصاب من ذالک شیئا) اور جس نے ان مذکورہ گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا۔ (ثم سترہ اللہ علیہ) پھر اللہ نے اس کے گناہ کو پوشیدہ رکھا یعنی اس کا گناہ ظاہر نہ ہوا۔ اور اس پر حد شرعی نافذ نہ ہوئی (فھو الی اللہ) تو وہ یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (ان شاء عفا عنہ) اگر خدا تعالیٰ چاہے گا تو درگزر کردے گا۔ اور سزا نہ دے گا (ان شاء عاقبہ) اور اگر اس کی مشیت ہوگی تو اسے سزا دے گا۔

اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک نافرمان کو سزا دینا اللہ کے ذمے لازم و ضروری ہے۔ اسے معافی نہیں مل سکتی اور نہ اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ یہ حدیث معتزلہ کے خلاف اہل سنت وجماعت کی دلیل و حجت ہے (فبایعناہ علی ذالک) تو ہم لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی اور آپ سے عہد کیا کہ ہم ان باتوں کے پابند رہیں گے۔ متفق علیہ۔

۱۷ - وعن ... [illegible]

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْاَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَھَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی۔ قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا قَالَ اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا۔

(متفق علیہ)

عید بقر یا عید فطر کے دن حضور علیہ السلام عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ راستے میں آپ کا گزر عورتوں کے پاس سے ہوا۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا اے عورتوں کے گروہ تم صدقہ و خیرات کیا کرو۔ کیونکہ مجھے تم دکھائی گئی ہو کہ قیامت کے روز تم زیادہ دوزخ میں جاؤ گی۔ انہوں نے عرض کیا کیوں ؟ یا رسول اللہ فرمایا تم زیادہ لعنت کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے عقل و دین میں ناقص، دانا اور ہشیار مرد کی عقل چھین لینے والی تم سے بڑھ کر نہیں دیکھی۔ عورتوں نے سوال کیا یا رسول اللہ ہماری عقلوں اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے۔ فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا یہ ان کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ حیض کے ایام میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ عرض کی ہاں۔ یہ تو ہے۔ فرمایا یہ اس کے دین کی کمی کی وجہ سے ہے۔

شرح: تذکرہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ شجرہ بیعت رضوان میں سے ہیں۔ انصار میں سے ایک چھوٹے قبیلہ بنی خدرہ سے تعلق رکھتے ہیں (خُدرہ بضم خاء معجمہ) سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ شریک ہوئے غزوۂ خندق ہے۔ بارہ غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت در فاقت نصیب ہوئی۔ آپ کا نام مبارک سعید بن مالک بن سنان ہے۔ آپ کے والد ماجد بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

(وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فی اضحی) عید بقر کے روز اَضحیٰ بفتح ہمزہ و سکون ضاد جمع اضحاۃ اضحاۃ دراصل اس دنبے یا بکرے کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جاتی ہے۔ پھر اس لفظ کا اطلاق عید بقر کے دنوں پر بھی کر دیتے ہیں (او فطر) یہ راوی کا شک ہے کہ یہ عید بقر کا دن تھا یا عید فطر کا۔ (الی المصلی) باہر عیدگاہ

کی طرف تشریف لے گئے۔ (فمر علی النساء) تو آپ کا گزر عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ اور عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں بھی حضور کی اجازت اور امر کے مطابق عیدگاہ میں آتی تھیں۔ اور آکر ایک کونے میں بیٹھ جاتی تھیں۔ تاکہ مسلمانوں کی دعا سے محروم نہ رہیں۔ (فقال) تو آپ نے ان سے فرمایا۔ (یا معشر النساء) اے عورتوں کے گروہ (تصدقن) راہ خدا میں صدقہ و خیرات دیا کرو (فانی اریتکن اکثر اھل النار) کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے۔ یعنی مجھے بتلایا گیا ہے وحی یا کشف یا مشاہدہ کے ذریعے کہ مردوں کی نسبت دوزخ میں زیادہ تعداد میں تم جاؤ گی۔ یعنی دوزخ میں عورتیں زیادہ ہوں گی اور مرد کم۔ (فقلن وبم یا رسول اللہ۔) عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہو گا کہ عورتیں زیادہ تعداد میں دوزخ کے اندر جائیں گی (قال تکثرن اللعن) آپ نے فرمایا اس لیے کہ تم لعنت کا استعمال زیادہ کرتی ہو۔ عورتوں کی عادت ہے کہ ہر حرف شکایت اور ذرا ذرا سی بات پر لعنت و نفرت پھٹکار کے الفاظ زبان پر لاتی ہیں۔ اور لعنت کا معنی ہے خدا تعالیٰ کا اپنی درگاہ رحمت سے راندنا اور دور ڈال دینا۔ لعنت کا یہ مفہوم کفار کے ساتھ خاص ہے کسی شخص اور معین آدمی پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے آخر وقت میں مسلمان ہو کر مرے۔ الا یہ کہ یقین سے اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو چکا ہو۔ اور یہ علم یقینی شارع علیہ السلام کے سوا کو نہیں ہو سکتا جس طرح ایمان پر مرنا سوائے شارع کے کسی کو معلوم نہیں، ہاں کسی وصف و عنوان کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین۔ اور لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اور خاص رحمت اور مقام قرب سے کسی کو دور کر دینے کے معنی میں بھی لعنت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لعنت کا یہ معنی کفار کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تغلیظ و تشدید کے ارادہ سے غیر کافر پر بھی اس کا اطلاق درست ہے۔ مختصر یہ کہ لعنت کرنا ایک بری عادت ہے۔ اور اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت لعنت کرنے والے پر لوٹ کر پڑتی ہے۔ (وتکفرن العشیر) اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ عورت کا یہ مزاج ہے کہ شوہر سے اگر سونا زر و قیمت بھی دیکھ چکی ہو اور صرف ایک بار اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے تو کہہ دیتی ہے کہ تیرے پاس آکر میں نے سکھ اور چین کا منہ بھی نہیں دیکھا۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آچکا ہے۔ عشیر۔ بفتح عین و کسر شین معجمہ بمعنی قریب، صدیق۔ اور خاوند آتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں یہ لفظ شوہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ (ما رایت من ناقصات عقل ودین) میں نے نہیں دیکھا ناقصات عقل و دین میں سے کسی کو۔ (اذھب للب الرجل الحازم) حازم بجائے حملہ و زاء معجمہ (من احداکن) تم سے بڑھ کر لے جانے اور لوٹ لینے والی دانا اور سنجیدہ آدمی کی عقل کو جو اپنے کاروبار میں ہشیار و چالاک ہوتا ہے۔ (قلن وما نقصان عقلنا و دیننا) عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہماری عقلوں اور ہمارے دین کا نقصان

کیا ہے۔ اور یہ نقصان و کمی کس طرح معلوم کی جا سکتی ہے۔ (قال الیس شہادۃ المرأۃ مثل نصف شہادۃ الرجل) فرمایا کیا شرع شریف میں ایسا نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی نصف شہادت کے برابر ہے۔ کیونکہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ (قلن بلٰی) انہوں نے عرض کی ہاں یہ تو ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کی مثل ہے۔ (قال فذلک من نقصان عقلھا) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی گواہی کا مرد کی نصف گواہی کے برابر ہونا عورت کے نقص عقل کی بنا پر ہے۔ کہ عورت نفر ہونے میں نیز حفظ و تحمل اور ادائے شہادت میں وہ درجہ اور مقام نہیں رکھتی جو مرد رکھتا ہے۔ (قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم) فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ حیض کے ایام میں عورت نہ نماز ادا کر سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ (قلن بلی قال فذلک من نقصان دینھا) فرمایا یہ بات عورت کے نقصان دین کے باعث ہے۔ اگرچہ یہ امر خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے۔ عورت کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ لیکن عورتوں کو اس حالت پر پیدا کرنا اور انہیں عبادات سے منع کرنا مردوں کو منع نہ کرنا ہی عورتوں کے درجے کو مردوں کے درجے سے کم کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبادت کا زیادہ ہونا دین کے زیادہ ہونے کا سبب ہے۔ اور عبادت میں کمی دین میں کمی اور نقصان کا سبب ہے۔ اگرچہ وہ نقصان کسی عذر کے باعث ہی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ حائضہ کو حیض کے عذر کے باعث اس کی فوت شدہ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ جس طرح مریض و مسافر کو عذر مرض و سفر کی وجہ سے نوافل عبادات ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی ان کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے یعنی حائضہ کو فوت شدہ نمازوں کا ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ مریض و مسافر تو ہر وقت ان عبادات کی ادائیگی کی نیت رکھتے ہیں۔ اور اس نیت کے اہل بھی ہیں بخلاف حائضہ عورت کے کہ وہ نیت کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ متفق علیہ۔

۱۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا ہے حالانکہ اسے یہ حق نہ پہنچتا تھا۔ اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی ہے۔ حالانکہ اسے یہ لائق نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا، تو اس کا یہ قول ہے۔ کہ اللہ مجھے دوبارہ زندگی نہ دے سکے گا جس طرح اس نے مجھے پہلے زندگی عطا کی۔ حالانکہ

اِعَادَتِہٖ وَاَمَّا شَتْمُہٗ اِیَّایَ فَقَوْلُہٗ لِیْ وَلَدٌ وَّسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَۃً اَوْ وَلَدًا اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِیْ کُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَمَّا شَتْمُہٗ اِیَّایَ فَقَوْلُہٗ لِیْ وَلَدٌ وَّسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَۃً اَوْ وَلَدًا (رواہ البخاری)

پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ (یعنی پہلے پیدا کرنا اور موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا دونوں میرے لیے یکساں آسان ہے) ۔ اور مجھے اس کا گالی دینا اس کا یہ قول ہے کہ میری اولاد ہے ۔ حالانکہ میں بیوی اور اولاد سے پاک و منزہ ہوں۔

شرح: ۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ کذبنی ابن آدم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ (ولم یکن لہ ذلک) حالانکہ اس کے لیے روا نہیں اور نہ اُسے یہ حق پہنچتا ہے کہ میرے پروردگار عالم ہوتے ہوئے میری طرف جھوٹی اور خلاف حقیقت بات کی نسبت کرے ۔ کہ اس کی یہ بات دلیل و برہان کے خلاف اور مرتبہ عبودیت کے منافی ہے ۔ (وشتمنی ولم یکن لہ ذالک) اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجھے گالی دے ۔ (فاما تکذیبہ ایای) لیکن ابن آدم کا میری طرف جھوٹ منسوب کرنا (فقولہ لن یعیدنی کما بدأنی) تو اس کا یہ قول ہے کہ اس نے جس طرح مجھے پہلے پیدا کیا دوبارہ مجھے ہرگز نہ اٹھائے گا اور نہ موت کے بعد مجھے زندہ کرے گا۔ اس قول میں تکذیب سے مراد ان اخبار الٰہیہ کی تکذیب ہے جو بعث بعد الموت سے متعلق ہیں۔ یا بندے کو خاک سے پیدا کر کے اس جہاں میں لانا اس حقیقت کو متضمن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بھی انسان کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ اور انسان کا اس پر اعتقاد نہ رکھنا اس کی تکذیب ہے ۔ جیسا کہ فرمایا (ولیس اول الخلق باھون علی من اعادتہ) حالانکہ یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پہلی بار پیدا کرنا تو آسان ہو مگر دوبارہ پیدا کرنا مشکل اور دشوار ہو جائے ۔ بلکہ دستور کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے ۔ کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ٹوٹی ہوئی چیز کے اجزاء کو جوڑ دینا نئے سرے سے پیدا کرنے اور عدم محض سے وجود میں لانے سے آسان تر ہوتا ہے ۔ یہ بیان لوگوں کے اذہان اور دستور کے مطابق ہے ۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے لیے جو قادر مطلق ہے، سب یکساں ہے وہاں آسان یا مشکل کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اور یہ انسان کا قول ہے جو پہلی پیدائش کا تو قائل ہے۔ اگر یہ انسان صحیح نظر و فکر سے کام لے تو ممکن ہے کہ بعث بعد الموت کا بھی قائل ہو جائے ۔ (واما شتمہ ایای فقولہ اتخذ

اللہ ولدًا) اور آدمی کا مجھے گالی دینا اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور یہودی حضرت عزیر علیہم السلام کو اور مشرکین فرشتوں کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے ہیں۔ یہ قول اس بنا پر خدا کے حق میں گالی ہے۔ کہ اس میں ماہیت اور جانشین بننے میں اولاد کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثلت لازم آتی ہے۔ جس طرح کہ عادت و دستور ہے پھر اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کے خلاف اس کی ذات میں بے شمار عیوب و نقائص لازم آتے ہیں جیساکہ فرمایا (وانا الاحد الصمد الذی لم الد ولم اولد) حالانکہ میں ذات و صفات میں بے مثل و بے مثال ہوں۔ کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ سب میرے محتاج ہیں۔ میں اولاد جننے سے یا کسی کی اولاد ہونے سے پاک و منزہ ہوں۔ (ولم یکن لی کفوًا احدٌ) اور کوئی بھی میری مثل و مانند نہیں۔ اور یہ زوجہ کی نفی ہے جو زوج شوہر کی مانند و مثل ہوتی ہے۔ اور زوجین کی باہمی مماثلت کی بنا پر ان سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یا یہ قول بچے کی نفی کو بھی شامل ہے۔ کہ وہ بھی باپ کی مثل ہوتا ہے۔ (وفی روایۃ ابن عباس واما شتمہ ایای فقولہ لی ولد وسبحانی ان اتخذ صاحبۃ او ولدا) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یوں آیا ہے۔ لیکن ابن آدم کا مجھے گالی دینا تو اس کا یہ قول ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ میری بیوی یا اولاد ہو اور بعض روایات میں او کے بجائے کلمہ واؤ آیا ہے۔

۱۹ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِیْ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ زمانے کو گالیاں دیتا ہے۔ حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں رات اور دن کا اول بدل میں ہی کرتا ہوں۔

شرح:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (یؤذینی ابن آدم) آدم کا بیٹا مجھے رنج و اذیت دیتا ہے۔ اور ایسا کام کرتا ہے جو مجھے ناپسند ہے۔ اور جس سے میں راضی نہیں ہوں اور وہ یہ ہے کہ (یسب الدھر) وہ زمانے کو گالی دیتا ہے۔ جیساکہ لوگوں کی عادت ہے۔ کہ رنج و محنت اور بلا و مصیبت کے وقت زمانے کی شکایت کرتے اور اسے برا کہتے ہیں (وانا الدھر) حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ یعنی اس کا فاعل، مدبر اور متصرف میں ہی ہوں۔ جب کہ زمانہ کو گالی دینا زمانے کی فاعلیت اور اس کے تصرف کے اعتقاد کا مشعر ہے۔ تو گویا دھر فاعل متصرف کا نام ہوا۔ تو فرمایا میں ہی دھر ہوں۔ یعنی تم لوگ جو زمانے کو فاعل و متصرف اعتقاد کرتے ہو وہ فاعل متصرف میری ذات ہے۔ یا مضاف

محذوف ہے یعنی انا مقلب الدھر (زمانے کو ادل بدل کرنے والا میں ہوں) علامہ کرمانی نے کہا انا الدھر سے مراد انا المدبر ہے یعنی زمانہ میں تبدیلیاں میں لانے والا ہوں۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ دھر اللہ تعالیٰ شانہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔ لیکن علامہ خطابی نے اس کا انکار کیا۔ تاہم قاموس سے اس کی صحت مفہوم ہوتی ہے۔ اور قطع نظر اس سے کہ دھر اللہ تعالیٰ کا نام ہو اس میں معنوی بلاغت وجودت نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی فاعل و متصرف ہو۔ اور ایک روایت میں انا الدھر بہ نصب بھی آیا ہے اور زمانہ کو گالی میں ایذا اور رنج پہنچانے کا پہلو بایں طور ہے کہ اس کی مذمت اور اسے گالی دینا اس کی طرف نسبت تصرف کا اظہار کرنا ہے۔ یا اس بنا پہ ہے کہ اس کی مذمت اور اسے گالی دینا دراصل جناب الٰہی کی طرف لوٹتا ہے۔ کہ جب فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو زمانے کو گالی دینا حقیقت میں خدا تعالیٰ کو گالی دینا ہوگا۔ جس طرح کہ علماء نے فرمایا ہے (بیدی الدھر) زمانہ میں رونما ہونے والے ہر کام کی باگ ڈور دراصل میرے دست قدرت میں ہے۔ ایک روایت میں (بیدی ق) شد کے ساتھ بھی وارد ہوا ہے۔ (اقلب اللیل والنھار) میں ہی رات دن کو گھماتا اور پھیرتا ہوں۔ بیت

چرخ را در شبا روزی دہم　　شب بہم رونہ آورم روزی دہم

ترجمہ۔ آسمان کو دن رات کے گھومنے کے چکر میں میں ڈالتا ہوں۔ رات سے جاتا ہوں دن چڑھاتا ہوں۔ اور روزی میں عطا کرتا ہوں۔

۲۰۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رنج و تکلیف کی باتیں سن کر ان پر سب سے زیادہ صبر و برداشت کرنے والا خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں (جس سے وہ پاک و منزہ ہے) پھر وہ انہیں صحت و تندرستی دیتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے۔

شرح: (وعن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصبر علی اذی یسمعہ من اللہ) کوئی بھی تکلیف و اذیت کی بات سن کر اس پر خدا تعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا نہیں۔ (یدعون لہ الولد) لوگ اس کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ جو اس کی جناب کے ہرگز لائق نہیں (ثم یعافیھم ویرزقھم) پھر وہ انہیں آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور انواع و اقسام کی

نعمتوں کی تشکل میں انہیں رزق دیتا ہے۔ نفس کا ناگوار بات کو برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے۔ صبر کے مقابل جزع (بے صبری) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کا معنی ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کو معاف کر دینا یا ان سے انتقام لینے میں تاخیر کرنا اور جلدی نہ کرنا۔ صبور اللہ تعالیٰ و تقدس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حلیم و صبور معنی میں قریب قریب ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ صبور میں مجرم و گنہگار انتقام سے بالکل بے خوف نہیں ہوتا۔ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت انتقام لے لے۔ حلیم میں یہ خوف و خطرہ بھی نہیں ہوتا۔

۲۱۔ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا۔ (متفق علیہ)

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے پیچھے دراز گوش پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان کجاوے کی صرف پچھلی لکڑی حائل تھی۔ پس آپ نے فرمایا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بیشک اللہ کا اس کے بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو وہ اسے عذاب میں نہ ڈالے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دوں آپ نے فرمایا ان کو اس کی بشارت نہ دو تاکہ لوگ بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

شرح :۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اکابر و عظماء صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے مناقب و فضائل حد و شمار سے باہر ہیں۔ کتاب کے آخر میں قدرے آپ کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں گے۔

(وعن معاذ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) حضرت معاذ بن جبل نے کہا (کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (علی حمار) دراز گوش پر سوار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تواضع اور بے تکلفی کے طور پر کبھی کبھی اس دراز گوش پر سواری فرمایا کرتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسی دراز گوش پر سوار تھا (لیس بینی وبینہ الا موخرۃ الرحل) ہمارے

سوار ہونے کی کیفیت و حالت یہ تھی کہ میرے اور آپ کے درمیان پالان کی صرف پچھلی لکڑی ہی تھی۔ جس کے ساتھ سوار تکیہ لگاتا ہے۔ مُؤْخِرَۃ بفتحہ میم، و سکون ہمزہ، و خائے معجمہ مکسورہ اور ہمزہ مفتوحہ اور تشدید خائے مفتوحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اس بیان سے مقصد حضور علیہ السلام کے بالکل نزدیک ہونا اور آپ کے کلام مبارک کا فہم اور ضبط کرنا ہے (فقال) تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا (یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علی عبادہ) اے معاذ تو جانتا ہے اللہ کا حق جو اس نے ان کی عبودیت اور حکم شریعت کے تحت ان پر لازم و واجب قرار دیا ہے کیا ہے (وما حق العباد علی اللہ) اور بندوں کا حق خدا تعالٰی کے ذمے کیا ہے جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (قلت اللہ و رسولہ اعلم) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے (قال فان اللہ حق اللہ علی العباد) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا بیشک اللہ تعالٰی کا حق بندوں پر (ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا) یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ یعنی بت پرستی نہ کریں۔ یا ریا سے بچیں اور عبادت میں اخلاص کو ملحوظ رکھیں۔ (وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب) اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ (من لا یشرک بہ) اس بندے کو جو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔ اگر شرک سے کفر مراد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ کفار کی طرح اسے عذاب مخلد میں نہ ڈالے۔ اور اگر شرک سے ریا مراد ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اسے عذاب سے بالکل محفوظ رکھے۔ (فقلت) میں نے عرض کیا۔ (یا رسول اللہ افلا ابشر بہ الناس) یا رسول اللہ لوگوں کو میں اس کی بشارت نہ دے دوں۔ بشارۃ بکسرو فتح و ضمہ تینوں طرح وارد ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کو خوش کن خبر دینا۔ بُشرہ سے مشتق ہے۔ خوش کن خبر سننے کا زیادہ تر اثر انسان کے بشرے اور چہرے سے نمایاں ہوتا ہے۔ (قال لا تبشرھم فیتکلوا) فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے تاکہ بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور صرف اتنی بات پر اعتماد کر کے احکام الٰہی پر عمل کرنا نہ چھوڑ دیں (فَیَتَّکِلُوْا) تائے فوقانی مشددہ اور کاف مکسورہ کے ساتھ اِتّکال بمعنی اعتماد فَیَنْکُلُوْا بفتح یائے تحتانی و سکون نون و ضمہ کاف بھی ایک روایت ہے۔ اس صورت میں نکول سے مشتق ہوگا۔ جس کا معنی ہے کسی کام کے کرنے سے رک جانا۔ کوئی شخص اگر یہ سوال کرے جب حضور علیہ السلام نے اس حدیث کے مضمون کی بشارت دینے سے حضرت معاذ کو منع کر دیا تھا تو حضرت معاذ نے اس کی خبر کیوں دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ ممانعت اور نہی اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے کہ وہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی تکالیف شرعیہ کے عادی نہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب احکام اور تکالیف شرعیہ پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں۔ اور امر و نہی کا معاملہ استقامت پذیر ہو

گیا تو آپ نے اس کی خبر دے دی یا وجوب تبلیغ اور علم کے چھپانے پھر وعید کے بعد آپ نے یہ روایت کی۔ یا بشارت دینے سے روکنا ایک خاص جماعت کی نسبت تھا جن سے بھروسہ کر لینے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ آیندہ حدیث سے معلوم ہو گا۔ اور ان لوگوں کے لیے اس حدیث کی روایت کر دی جو اس نوعیت کے نہ تھے۔

۲۲۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو جب کہ وہ حضور کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، فرمایا اے معاذ، حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ اور ہر آن آپ کی اطاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا اے معاذ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں حاضر ہوں اور ہر وقت آپ کی طاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ فرمایا اے معاذ عرض کی یا رسول اللہ میں حاضر خدمت ہوں۔ اور ہر لمحہ آپ کی طاعت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ تین دفعہ آپ نے بلایا اور تینوں دفعہ حضرت معاذ نے یہ جواب عرض کیا۔ فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں تاکہ انہیں خوشی ہو فرمایا ایسا کرنے سے وہ کلمہ شہادت پر ہی اعتماد کر لیں گے۔ پھر حضرت معاذ نے اپنی موت کے وقت علم چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لیے لوگوں کو اس کی اطلاع اور خبر دی۔

شرح ا۔ (عن انس) رضی اللہ عنہ (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعاذ ردیفہ علی الرحل قال) بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کہ حضرت معاذ آپ کے پیچھے سوار تھے ان کو فرمایا۔ (یا معاذ) اے (قال) معاذ نے عرض کیا (لبیک یا رسول اللہ وسعدیک) یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت و فرمانبرداری میں کھڑا اور حاضر ہوں۔ اور آپ کی معاونت و موافقت کے لیے تیار ہوں۔ (قال) حضور نے دوبارہ فرمایا (یا معاذ قال) اے معاذ انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ وسعدیک (قال) حضور نے تیسری دفعہ پھر فرمایا (یا معاذ قال) اے معاذ انہوں نے عرض کیا (لبیک یا رسول اللہ وسعدیک ثلاثا) حضور

نے تین بار حضرت معاذ کو بلایا۔ حضرت معاذ نے تینوں بار یہ جواب عرض کیا۔ اس تکرار سے دراصل تاکید و مبالغہ مقصود ہے کہ معاذ حضور کی گفتگو اور کلام کو پوری توجہ اور دھیان سے سنیں لبیک کا معنی قبول کرنا اور فرمانبرداری اختیار کرنا ہے۔ اور سعدیک کا معنی معاونت و موافقت کرنا ہے۔ یعنی میں آپ کی خدمت و طاعت اور ہر بات میں موافقت کے لیے تیار کھڑا ہوں۔ آپ جو کچھ فرمانا چاہتے ہیں فرمائیں۔ (قال) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ) نہیں ہے کوئی شخص جو گواہی دے اور ایمان لائے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں (صدقا من قلبہ) یہ گواہی صدق دل سے ہو اخلاص سے ہو شائبہ کذب و نفاق سے پاک ہو۔ (الا حرمہ اللہ علی النار) تو البتہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گواہی دینے والے کو آتش دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ جو اس نے کافروں منکروں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ یا آتش دوزخ میں ہمیشہ رہنا اس کے لیے حرام کر دیتا ہے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صرف کلمہ شہادت پر اس بشارت کے ملنے کا حکم فرائض اور اوامر و نواہی کے نزول سے پہلے تھا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادائے حق اور فرض الٰہی کی بجاآوری کے ساتھ اس کلمہ شہادت کا پڑھنا مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ندامت و توبہ کی نیت سے کلمہ شہادت کا پڑھنا اور پھر اس پر مرنا مراد ہے (قال) حضرت معاذ نے کہا (یارسول اللہ افلا اخبر بہ الناس) یا رسول اللہ یہ خوشخبری لوگوں کو نہ دوں (فیستبشروا) کہ وہ یہ بشارت سنیں اور اپنے دل خوش کریں۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا (اذا یتکلوا) جب تو لوگوں کو یہ بشارت دے گا تو وہ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ (فاخبر بہا معاذ عند موتہ) تو حضرت معاذ نے اس قصے یا ان کلمات کی خبر لوگوں کو اپنی موت کے وقت دی (تاثما) علم کے چھپانے کے گناہ اور تبلیغ کا تارک بننے کی برائی سے بچنے کے لیے یہ خبر دی۔ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت دینے کی ممانعت علم چھپانے کی ممانعت سے پہلے تھی۔

۲۴۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (اس وقت) آپ سفید کپڑا لیے سو رہے تھے (میں واپس چلا گیا) کچھ دیر بعد پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا جو بندہ بھی کلمہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے پھر اسی پر اس کی موت واقع ہوتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے

اِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ وَکَانَ اَبُوْ ذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔ (متفق علیہ)

زنا کیا ہو اور چوری کی ہو فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو۔ چاہے ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ حدیث بیان فرماتے وان رغم انف ابی ذر کے الفاظ ساتھ بیان کرتے۔

شرح:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ زاہد اور صادقین صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ کا مذہب یہ تھا کہ مال میں سے اگر خدا کا حق ادا بھی کر دیا جائے تب بھی اس کا ذخیرہ نہیں بنانا چاہیئے۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ اور ان شاء اللہ العزیز کتاب کے آخر میں بیان ہوں گے۔

(عن ابی ذر) رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) انہوں نے کہا (اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ (وعلیہ ثوب ابیض) کہ آپ پر سفید رنگ کا کپڑا تھا (دھوناٹی) اور آپ سوئے ہوئے تھے (ثم اتیتہ وقد استیقظ) کچھ دیر کے بعد میں پھر آیا اس وقت آپ بیدار ہو چکے تھے۔ آپ نے ان حالات کا ذکر اس لیے کیا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حضرت ابوذر حضور کے حالات شریفہ سے خوب واقف و آگاہ ہیں۔ تاکہ لوگ یہ بات جان لیں کہ ابوذر یہ روایت پورے علم اور مکمل بصیرت سے کر رہے ہیں۔ یا اس بنا پہ کہ دوسرے معاملات سے قطع نظر محبوب کے حالات کا تذکرہ بذات خود لذیذ و شیریں ہوتا ہے اور غالباً یہ وحی اسی نیند کی حالت میں ہوئی تھی۔ اس بنا پہ حضور کی اس حالت کا ذکر کرنا بھی بہتر تھا۔ واللہ اعلم۔ (فقال) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما من عبد قال) نہیں ہے کوئی بندہ جو کہتا ہے (لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذلک) پھر اسی عقیدے سے یہ مرا۔ اور اس کلمہ کے منافی کوئی بات اس سے صادر نہ ہوئی۔ (الا دخل الجنۃ) مگر وہ بندہ بہشت میں داخل ہو گا۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ (قلت) میں نے عرض کیا (وان زنی وان سرق) کیا بہشت میں داخل ہو گا اگرچہ اس بندے نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (وان زنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو اور تعجب کہ یہ بات حضرت ابوذر کو بعید اور عجیب محسوس ہوئی اس لیے تحقیق و یقین کی خاطر دوبارہ اس کا اعادہ کیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار و اعادہ حق جل و علا کی رحمت پہ کامل سرور اور شکر گزاری کے لیے ہو۔ (قلت) میں نے عرض کی (وان

ذنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قال) آپ نے فرمایا (وان ذنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (قلت) میں نے پھر کہا (وان ذنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو (قال) آپ نے فرمایا (وان ذنی وان سرق) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (علی رغم انف ابی ذر) ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہونے کے باوجود یہ شخص بہشت میں داخل ہوگا۔ رغم کا معنی ہے ناک خاک میں ملنا رغام بفتح را سے مشتق ہے بمعنی خاک۔ یہاں رغم انف سے ناگواری کے باوجود خوار ہونا اور فرمانبرداری اختیار کرنا مراد ہے۔ جب کہ یہ مسئلہ حضرت ابوذر کو بعید و غریب محسوس ہو رہا تھا گویا ان کی طبیعت کا پسندیدہ و محبوب امر اس کے الٹ تھا۔ تو ان کے پسندیدہ اور محبوب خیال کے خلاف حقیقت کا سامنے آنا ان کی خواری اور ان کی شکست کا سبب اور انہیں جبر و اکراہ کے ساتھ اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے اس کے علی الرغم یہ کام یا یہ بات کی ہے اس کا یہی معنی ہوتا ہے۔ (وکان ابوذر اذا حدث بھذا) حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے (قال) یہ کلمہ سابقہ بیان کرتے وان رغم انف ابی ذر اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہی ہو۔ یہ الفاظ آپ نے اپنے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے، ان کی یاد اس کی تاکید و تحقیق اور اس سے لذت گیر ہونے کے لیے انہیں دہرایا کرتے تھے۔ بیت

کرد دشنام من آں محبوب جانے یک شبے عمر بگذشت و ہنوزم لذتِ آں در دل است

ترجمہ۔ میرے محبوب نے ایک رات مجھے گالی دی۔ عمر گزر گئی مگر اس گالی کی لذت اب تک دل میں موجود ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث اس امر کی دلیل ہیں کہ مومن اگرچہ فاسق اور مرتکب گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، خدا تعالیٰ کے عفو و مغفرت اس کے فضل و کرم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا بقدر گناہ آتش دوزخ میں سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا۔ اور وہ حدیث جس میں اس پہ آتش دوزخ کا حرام ہونا آیا ہے۔ اس کی تاویل و توجیہ حدیث معاذ میں گزر چکی ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ فاسق مومن ہے۔ اور مومن کا مآل آخرکار بہشت ہے۔ اس بارے میں لاتعداد صحیح احادیث آ چکی ہیں۔ اور صحابہ و تابعین تمام سلف کا اس پر اجماع ہے۔ اور معتزلہ وغیرہ اہل بدعت کے ظہور سے پہلے سب اہل اسلام کا مذہب و مسلک یہی تھا۔ ان بدعتی لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ فاسق مومن نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور عمل ایمان کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہے۔ یہ بدعتی اس بارے میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی شخص صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ تو یہ بات ان کے صرف کلمہ شہادت پہ اعتماد کر لینے، ان کے غرور، ان کے ارتکاب معاصی اور فسق و فجور پر دلیر ہونے کا باعث بنے گی نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ لوگوں کو ملت اسلامی کی رسی اور قید شریعت سے آزاد

ہو جانے کا سبب بنے گا۔ لیکن جو کچھ وہ کہتے ہیں حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جھڑک اور ڈانٹ کی باتیں جو نافرمان لوگوں کے متعلق وارد ہوئی ہیں، بہت زیادہ ہیں اور گناہوں سے ڈرانے اور جھڑکنے کے لیے کافی ہیں۔ ورنہ قیامت کے روز اگر چاہیں گے تو ایک معصیت پر بھی حد شمار سے بڑھ کر عذاب ہوگا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے کم از کم عذاب کی مدت دنیا کی عمر کے برابر ہوگی جو سات ہزار سال ہے۔ بعض روایات میں ستر ہزار برس بھی آئے ہیں۔ اور اس کلمہ طیبہ کا صدق و اخلاص سے صادر ہونا اور اس کلمہ طیبہ کے منافی امر یعنی شک و تردد کے لاحق ہونے کے بغیر اس کلمہ پہ قیام و دوام آسان کام نہیں۔ خصوصاً ان فساق و فجار سے جن کے دل نازیبا کلمات اور شبہات سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور شرع کو ہلکا جاننے اور حرام کو حلال قرار دینے کے پھندے میں پھنسے ہوتے ہیں۔ تاہم اس فسق و فجور کے باوجود اگر تصدیق قلبی نصیب رہے۔ اور غلبہ شہوت و نفس کے تحت معصیت صادر ہو جائے مگر خوف اور جزع فزع اور توبہ کا پختہ عزم و ارادہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہو تو تقاضائے وعدہ کرم اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بخش دے۔ اور سزا دینے اور عذاب و عتاب کرنے کے بعد آخر کار بہشت میں داخل فرمائے۔ یحکم اللہ ما یشاء و یفعل ما یرید و ھو العزیز الحکیم (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

۲۴۔ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَابْنُ اَمَتِهٖ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔ متفق علیہ۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور یہ کہ بیشک حضرت عیسیٰ اس کے بندے اور اس کے رسول اور اللہ کی لونڈی کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ اور اس کی روح ہیں۔ اور یہ کہ جنت اور دوزخ حق ہیں تو اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ چاہے جس عمل پر بھی تھا۔

شرح: (وعن عبادۃ بن الصامت) حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ) جس شخص نے گواہی دی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برحق رسول ہیں۔ اور گواہی دے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کے اثبات میں نصاریٰ کا رد ہے۔

جو انہیں اللہ یا اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور ان کی رسالت کی شہادت میں یہود کا رد ہے جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔
(وابن امتہ) اور اس امر کی گواہی دے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی بندی مریم کے فرزند ہیں۔ عربی میں مرد کو عبداللہ اور عورت کو امۃ اللہ کہتے ہیں۔ اور مرد عورتیں سب کے سب اللہ کے غلام اور اس ذات پروردگار کے بندے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں نصاریٰ کا رد اور اس کی تاکید ہے علامہ طیبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، اس میں یہود کا بھی ہو سکتا ہے۔
ان الفاظ سے اصل مراد یہ ہے کہ اس ذات پاک کی جناب اس بہتان و گالی سے بری اور منزہ ہے جس کی یہود اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ (وکلمتہ القاھا الی مریم) اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس بنا پر کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت اسباب عادیہ اور باپ کی وساطت کے بغیر صرف کلمہ کن سے ہوئی۔ یا اس بنا پر کہ آپ نے گہوارہ میں صغر سنی میں کلام کیا لہٰذا آپ اسم المتکلم کے مظہر کامل ہیں۔ (وروح منہ) حضرت عیسیٰ جناب حق تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والی روح ہیں۔ آپ کو روح اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ آ ... نے مردے زندہ کیے۔ مردہ دلوں کو معنوی اور روحانی زندگی عطا کی۔ یا روح اللہ سے یہ مراد ہے کہ آپ ایسی صاحب روح شخصیت ہیں جسے بے وساطت اصل و مادہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے وجود عطا کیا۔ (والجنۃ والنار حق) اور اس بات کی گواہی دی کہ بہشت اور دوزخ برحق ہیں۔ (ادخلہ اللہ الجنۃ) تو اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو ابتداء یا بعد عذاب جنت میں داخل کرے گا۔ (علی ما کان علیہ من العمل) وہ نیک یا بد جس عمل پر بھی ہو۔ یہ حدیث مذہب اہل سنت وجماعت کی صریح دلیل ہے۔

۲۵۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ فَلْاُبَایِعْکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَہٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا قُلْتُ اَنْ یُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ وَاَنَّ الْھِجْرَۃَ تَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَھَا وَاَنَّ الْحَجَّ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آکر کہا اپنا داہنا ہاتھ پھیلائیے کہ میں آپ کی بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اپنا داہنا دست مبارک پھیلا دیا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ بند کر لیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا میں نے ارادہ کیا ہے کہ شرط مقرر کروں فرمایا کیا شرط مقرر کرنا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ مجھے بخش دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمرو تجھے معلوم نہیں کہ اسلام پہلے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہجرت سب پہلے گناہوں کو مٹا

يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَالْحَدِيْثَانِ الْمَرْوِيَّانِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ وَالْآخَرُ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ سَنَذْكُرُهُمَا فِيْ بَابَيِ الرِّيَاءِ وَالْكِبْرِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

دیتی ہے اور حج بھی تمام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور وہ حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ ان میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمام شریکوں کے شریک سے بہت ہی بے نیاز ہوں۔ دوسری حدیث یہ کہ کبریائی اور بڑائی میری چادر ہے ہم یہ دونوں احادیث باب ریا و کبر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

شرح: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ اور عقلائے قریش اور اہل فہم و دانش میں سے ہیں۔ آپ کے مفصل حالات کتاب جامع المناقب میں آئیں گے۔

(وعن عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہ (قال) حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ (اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلت ابسط یمینک فلا بایعک) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ اپنا داہنا ہاتھ کشادہ کیجئے تاکہ میں اسلام پر آپ کا بیعت ہو جاؤں۔ لابایعک بکسر لام اور نصب عین اور فتح لام اور رفع عین دونوں طرح مروی ہے۔ (فبسط یمینہ) اس پر آپ نے اپنا دست راست کشادہ فرمایا (فقبضت یدی) تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا (فقال) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (مالک یا عمرو) اے عمرو تجھے کیا ہوا اور تو نے یہ کیا کیا ہے اور اپنا ہاتھ پیچھے کیوں کھینچ لیا ہے (قلت اردت ان اشترط) میں نے عرض کیا چاہتا ہوں کہ شرط کر لوں۔ (قال تشترط ماذا) کیا شرط کرنا چاہتا ہے۔ (قلت ان یغفر لی) میں نے عرض کی میری شرط یہ ہے کہ میری مغفرت ہو جائے اور میرے تمام پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ) اے عمرو تجھے معلوم نہیں یعنی تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام قبول کرنا پہلے ہر قسم کے گناہ کو چاہے وہ مظالم میں سے ہو غیر مظالم میں سے، سب مٹا دیتا ہے۔ مظالم اور غیر مظالم یعنی حقوق العباد اور حقوق اللہ۔ (وان الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا) اور تجھے معلوم نہیں کہ بیشک ہجرت یعنی ایمان بچانے کی خاطر دار حرب و کفر سے دار اسلام میں پناہ لینا پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے (ان کی معافی ہو جاتی ہے)۔ (وان الحج یھدم ما کان قبلہ) اور تجھے علم نہیں کہ بیت اللہ شریف کا حج پہلے تمام گناہوں کے نام و نشان کو مٹا دیتا ہے۔ ہجرت و حج تو ان گناہوں کی مغفرت سے مخصوص ہے۔ جو

لوگوں پر مظالم اور ان کی حقوق تلفی کے علاوہ ہیں۔ حج میں ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ اس کے مظالم بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہے۔ واللہ اعلم۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔ صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ موت کے وقت نہایت قلق و اضطراب اور شدید بے تابی محسوس کر رہے تھے۔ آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اے والد محترم اس قدر قلق و اضطراب کی کیا وجہ ہے۔ آپ کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیئے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو چکی ہے۔ اور آپ نے حضور کی خدمت اقدس میں رہ کر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہمیں اپنی عمر میں تین قسم کے حالات پیش آئے۔ ایک یہ کہ اسلام لانے سے پہلے ہم لوگ اپنا سب سے بڑا دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے ہم نے ان کے خلاف لڑائیاں لڑیں۔ اور ان کی عداوت و دشمنی میں کمربستہ رہے۔ پھر دوسری حالت یہ تھی کہ اسلام لانے اور قبول کرنے کے بعد ہمارے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔ اور ہمیں آپ کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا اور آپ کی طاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر تیسری حالت یہ رونما ہوئی کہ حضور کے وصال مبارک کے بعد ہم نے امارت اور حکومت کا دور دیکھا۔ اور کئی طرح کے عجیب و غریب حالات و واقعات پیش آئے۔ ان میں کئی طرح کی افراط و تفریط واقع ہوئی۔ اور بہت سی باتیں صادر ہوئیں۔ دیکھیں ان کا انجام کیا سامنے آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(والحدیثان المرویان عن ابی ھریرۃ) اور دو حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ اور مصابیح میں کتاب ایمان کے اندر موجود ہیں، ان میں سے پہلی حدیث وہ ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں (قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک) میں تمام شریکوں کے شرک سے کامل درجہ بے نیاز ہوں۔ اور دوسری حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں الکبریاء ردائی بڑائی و کبریائی میرا لباس ہے۔ یہ دونوں مکمل احادیث ہم ریاء و کبر کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۲۶۔ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلُنِیْ الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ، قَالَ لَقَدْ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے ایسا نیک عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کرے۔ اور مجھے دوزخ سے دور کر دے۔ فرمایا بیشک تو نے

سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُونَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ. رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ

ایک نہایت مشکل چیز کے بارے میں سوال کیا ہے۔ تاہم بلاشبہ وہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس پہ اللہ تعالٰے آسان کر دے (وہ عمل یہ ہے) کہ تو اللہ تعالٰی کی عبادت کرے۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔ اور پابندی سے نماز ادا کرے۔ زکوٰۃ دے۔ رمضان شریف کے روزے رکھے اور بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ پھر حضور نے فرمایا میں تجھے خیر اور نیکی کے دروازوں کی رہنمائی نہ کر دوں۔ روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا (مٹا) دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور آدمی کا رات کے درمیانی حصے میں نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تتجافی جنوبھم عن المضاجع یعملون تک پھر آپ نے فرمایا میں تجھے سب سے بڑا کام اس کا ستون اور اس کی کوہان کی چوٹی نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کی ہاں فرمایا سب سے بڑا کام اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے۔ اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا میں تجھے ان سب باتوں کے اصل مدار اور اس کی بنیاد کی خبر نہ دوں میں نے عرض کی! اللہ کے نبی ضرور بتائیں۔ تو آپ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا اسے اپنے پاس روک کر رکھ۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم لوگ زبان سے جو باتیں کرتے ہیں اس پہ بھی ہماری گرفت ہوگی۔ فرمایا اے معاذ تیری ماں تجھ پہ روئے۔ کوئی چیز لوگوں کو ان کے مونہوں یا نتھنوں کے بل دوزخ میں نہ گرائے گی مگر ان کی زبانوں کی باتیں۔

شرح: (عن معاذ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قلت) کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اخبرنی بعمل یدخلنی الجنۃ ویباعدنی من النار یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کرے اور آتش دوزخ سے دور کر دے (قال) آپ نے فرمایا (لقد سالت عن امر عظیم) بیشک تو نے بڑے مشکل اور عظیم کام کا سوال کیا ہے۔ (وانہ لیسیر علی من یسرہ اللہ تعالیٰ علیہ) اور بیشک وہ آسان ہے اس شخص پر جس پر اللہ تعالیٰ وہ کام آسان کر دے۔ اس کے بعد اس کا ذکر فرمایا (تعبد اللہ ولا تشرک بہ) خدا تعالیٰ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر (وتقیم الصلوٰۃ) اور پابندی سے نماز ادا کر (وتوتی الزکوٰۃ) زکوٰۃ ادا کر (وتصوم رمضان) اور رمضان کے روزے رکھ۔ (وتحج البیت) اور خانہ کعبہ کا حج کر (ثم قال الا ادلک علی ابواب الخیر) پھر فرمایا کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ خیر اور نیکی کے دروازے کون سے ہیں۔ جن سے نیکی بندے کے اندر داخل ہوتی ہے (الصوم جنۃ) روزہ ڈھال کا حکم رکھتا ہے۔ کہ روزہ دار کو معصیت کا تیر لگنے سے بچاتا ہے کیونکہ روزہ شہوات کو روکتا اور شیطانی راستے کو بند کرتا ہے۔ (والصدقۃ تطفی الخطیئۃ) اور فقیر کو راہ خدا میں مال دینا سرد کر دیتا اور مٹا دیتا ہے آتش گناہ کو۔ (کما یطفی الماء النار) جس طرح پانی آگ کو سرد کر دیتا ہے۔ اگرچہ مطلقاً ہر نیکی گناہوں کو مٹاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے (ان الحسنات یذھبن السیئات) بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی (مٹا دیتی) ہیں، لیکن صدقہ میں گناہ معاف کرانے کی قوت زیادہ ہے کہ اس میں دوسرے کا نفع ملحوظ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز دعویٰ ایمان کی صداقت اور خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت و وابستگی کی قوی دلیل ہے۔ (وصلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل) اور مرد کا رات کے درمیانی حصہ میں نماز (نفل) پڑھنا بھی خیر و نیکی کے دروازوں میں سے ہے کہ اس دروازہ سے بھی بندے میں فیوض و انوار آتے ہیں۔ اور یہ بھی گناہوں کی آگ کو بجھانے کا سبب و ذریعہ ہے۔ بیت

گر روز نیابیش ز غوغائی عرب   شب محرم عاشقان ست شبہا ش طلب

ترجمہ۔ اگر دن میں لوگوں کے شور و غوغا کے باعث تو اُسے نہیں پا سکتا تو رات میں اسے تلاش کر کہ رات عاشقوں کی محرم (راز) ہے۔

(ثم تلا) پھر رات کی نماز اور صدقہ کی فضیلت کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع جزاء بما کانوا یعملون تک آپ نے یہ آیت پڑھی۔ آیہ مذکورہ کا حاصل معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ شب بیدار اور اپنے پہلوؤں کو اپنی خوابگاہوں سے الگ رکھنے والوں کی صفت و ثنا فرماتا ہے۔ اور پھر مولیٰ کریم جل و علا انہیں جن نعمتوں سے نوازے گا اور اس کے راستے میں مال خرچ کرنے والوں کو آخرت میں جو کچھ عطا فرما

گا۔اس سے کوئی آگاہ نہیں وہ ایسی نعمتیں اور عطائیں ہوں گی جوان کے سرور و آرام اور ان کی لذت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گی۔ان کے اعمال صالحہ اور ان کی شب بیداری اور صدقہ و خیرات کی جزا کے طور پر اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی انواع واقسام کی نعمتوں اور اپنے دیدار سے نوازے گا۔بیت

شرف مرد بجود ست و کرامت بسجود   ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ زوجود

ترجمہ۔مرد کی بزرگی اور اس کا شرف سخاوت سے اور اس کی عزت سجدہ و عبادت سے ہے۔جس میں یہ دو خوبیاں نہ ہوں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

(ثم قال) اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امور دین اور شعار ملت میں سے افضل امر اور خلاصہ دین کا انتخاب کرتے ہوئے فرمایا (الا ادلک براس الامر) میں تجھے نہ بتاؤں کہ اصل اور دینی کاموں میں سے افضل واعلیٰ کونسا کام وعمل ہے۔جس کے بغیر دین کچھ نہیں جس طرح روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں (وعمودہ) اور نہ بتاؤں کہ دین کا ستون کیا چیز ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوتا۔اور قوت وکمال کے درجے کو پہنچتا ہے۔جس طرح مکان ستون کے سہارے قائم ہوتا ہے۔(وذروۃ سنامہ) اور بتاؤں دین کی کوہان کی چوٹی اور بلندی کیا چیز ہے۔جس سے دین بلند اور اونچا دکھائی دیتا ہے۔ذروۃ بکسرہ وضمہ ذال بلند مکان کو کہتے ہیں۔اور پہاڑ کی بلند چوٹی کو بھی ذروہ کہتے ہیں۔سنام بفتح سین اونٹ کی کوہان۔(قلت) میں نے عرض کی ہاں جب کہ سائل کا توجہ سے سننے کا شوق وذوق بڑھا اور اس مقام پر پہنچ کر اس امر عظیم کی صفات عظیمہ سن کر اسے پانے اور معلوم کرنے کی رغبت بڑھ گئی (بلی) تو عرض کیا ہاں (یارسول اللہ) مجھے اس کی راہ نمائی فرمائیں۔(قال) آپ نے فرمایا (راس الامر الاسلام) تمام ارکان کا سردار اسلام ہے۔اسلام سے مراد اللہ ورسول پر ایمان کی شہادت ہے۔جو سارے دین کی اصل وبنیاد ہے۔(وعمودہ الصلوٰۃ) اور دین کا ستون نماز ہے۔کہ مسلمان کے دین کو اس سے قوت و پختگی حاصل ہوتی ہے۔(وذروۃ سنامہ) اور دین کی کوہان کی بلندی کفار سے جہاد کرنا ہے۔کہ اس سے دین کو بلندی و رفعت حاصل ہوتی ہے۔اور جب کہ جنگ و جہاد غالباً سواری کی حالت میں ہوتا ہے تو جہاد میں صورۃ بھی بلندی پائی جاتی ہے (ثم قال الا اخبرک بملاک ذلک کلہ) پھر آپ نے فرمایا میں تجھے وہ چیز بتاؤں جو ان تمام چیزوں کی جنکا ذکر ہوا، مدار و موقوف علیہ ہے۔ملاک سے اسلام کی طرف اشارہ ہے سارا اس کے اجزاء اور ارکان کے اعتبار سے ہے اس کی تاکید ہے۔ملاک وہ چیز جس سے کوئی چیز قیام پذیر اور منظم ہو۔یہ لفظ کسرہ میم اور فتح دونوں کے ساتھ آیا ہے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت کسرہ اور فتح دونوں طرح اسے استعمال کرتے ہیں۔یہاں حدیث میں بکسر

میم ہے۔ (قلت بلی) میں نے عرض کی ہاں مجھے اس کی ضرور خبر دیں۔ (یا نبی اللہ) اے اللہ کے نبی برحق (فاخذ بلسانہ) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا۔ (وقال) اور فرمایا (کف علیک هذا) اس کی حفاظت کر اور اسے روک کر رکھ۔ (فقلت) میں نے استفہام اور تعجب کے طور پر عرض کیا (یا نبی اللہ وانا لمواخذون بما نتکلم به) اے اللہ کے نبی ہم لوگ زبان سے جو کچھ کہتے اور بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی۔ (فقال ثکلتک امک یامعاذ) اے معاذ تیری ماں تجھے روئے ثکل بضم ثاء بمعنی موت، ہلاکت اور دوست واولاد کا گم ہونا۔ دراصل یہ کسی کے مرنے اور ہلاکت کی دعا ہے۔ یعنی تو مرجا تاکہ جس بھنور و مخمصے میں تو پڑا ہوا ہے اس سے چھوٹ جائے۔ علماء فرماتے ہیں یہ ایک لفظ ہے جو عادت کے طور پر زبان سے جاری ہوتا ہے اس کا معنی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ مخاطب پر تعجب وانکار مقصود ہوتا ہے۔ (وهل یکب الناس فی النار) کونسی چیز لوگوں کو آتش دوزخ میں ڈالے گی (علی وجوههم) ان کے چہروں کے بل (او علی مناخرهم) یا ان کے نتھنوں کے بل۔ راوی کو شک ہے کہ حضور علیہ السلام نے علی وجوههم کا لفظ فرمایا یا علی مناخرهم کا۔ مناخر منخر کی جمع ہے۔ بفتح میم وسکون نون وفتح خائے معجمہ یا بکسرہ خا۔ اصل میں ناک کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے ناک مراد ہے۔ کہ جو چیز چہرے پر گرتی ہے پہلے ناک پر گرتی ہے کیونکہ یہ چہرے کے بلند ترین اجزاء میں سے ہے۔ یعنی لوگوں کو کوئی چیز دوزخ میں نہ ڈالے گی (الا حصائد السنتهم) مگر ان کی باتیں جو بلا تمیز و احتیاط نیک و بد زبان سے نکالتے ہیں۔ اور نیک و بری بات میں فرق نہیں کرتے۔ اور مفید و لایعنی گفتگو میں تمیز نہیں کرتے۔ حصائد حصیدہ کی جمع ہے۔ وہ شے جو کھیت سے درانتی کے ساتھ کاٹی جائے۔ کھیت سے شے کاٹتے وقت خشک و تر اور کارآمد و بے کار میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ بے فائدہ باتوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔ یہ اکثر واغلب دستور کے مطابق فرمایا۔ کہ آدمی زادہ کو دنیا و آخرت میں جو رنج و مصیبت پہنچتی ہے۔ اکثر زبان کے راستے پہنچتی ہے۔ نظم

ہر چہ بر آدمی رسد ز زیاں	ہمہ از آفت زبان برسد
ہر چہ آمد بزبانت گفتی	آنچہ آمد بدہانت خوردی
دیگرے راچہ گناہ است کہ تو	خویش را خویش بدوزخ بردی

(ترجمہ) انسان جو نقصان اٹھاتا ہے عموماً زبان سے ہی اٹھاتا ہے۔
جو کچھ تیری زبان پر آئے اسے کہہ ڈالے اور جو کچھ تیرے منہ میں آئے اسے ہڑپ کر جائے۔
تو پھر دوسرے کا کیا گناہ تو خود ہی اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال رہا ہے۔

۲۷- وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔ رواہ ابو داؤد ورواہ الترمذی عن معاذ بن انس مع تقدیم وتاخیر وفیہ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے کسی کو کچھ عطا کیا اور اللہ کے لیے روکا۔ تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے معاذ بن انس سے یہ حدیث روایت کی اس میں کچھ تقدیم وتاخیر ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں فقد استکمل ایمانہ۔ اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

شرح:- تذکرہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نام صُدیٰ ہے بضم صاد وفتح دال مہملتین وتشدید یا قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ صحابی ہیں۔ آپ کے نسب اور آباؤ اجداد میں محدثین کا اختلاف ہے۔ تاہم آپ کی کنیت پر سب کا اتفاق ہے۔ پہلے مصر میں سکونت اختیار کی پھر حمص میں منتقل ہو گئے۔ وہیں وفات پائی۔ آپ کثیر الروایۃ ہیں۔ آپ کی اکثر احادیث شامیوں کے پاس ہیں۔ سنہ ۸۶ھ یا سنہ ۸۱ھ میں ۹۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اکثر محدثین کے قول کے مطابق آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے شام میں انتقال فرمایا۔

(وعن ابی امامۃ) رضی اللہ عنہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب للہ وابغض للہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے کسی سے محبت کرتا ہے۔ اور اسی کے لیے کسی سے دشمنی رکھتا ہے۔ (واعطی للہ ومنع للہ) اور خدا کے لیے دیتا ہے اور خدا ہی کے لیے روکتا ہے۔ یعنی اس کے تمام کام خدا ہی کی رضا وخوشنودی کی خاطر ہوتے ہیں۔ بیت

وطن برائے تو گیرم سفر برائے تو جوییم　خمش برائے تو باشم سخن برائے تو گوییم

ترجمہ: میں تیرے لیے کسی جگہ کو وطن بناتا ہوں اور تیرے ہی لیے سفر اختیار کرتا ہوں۔ تیرے لیے خاموش رہتا ہوں اور تیرے ہی لیے لب کشائی کرتا ہوں۔

(فقد استکمل الایمان) تو بیشک اس نے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ کہ اس کا کمال خالص ایمان لانے میں ہے۔ جو صدیقین کاملین کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ایمان عطا فرمائے۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ (ورواہ الترمذی عن معاذ بن انس) اور امام ترمذی نے اسے معاذ بن انس سے روایت کیا۔ بعض فقروں کی بعض پر تقدیم وتاخیر کے ساتھ اور مصابیح کے الفاظ یہی ہیں۔ اور ترمذی میں فقد استکمل الایمان کی

بجائے فقد استکمل ایمانہ کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۸۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر عمل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

شرح:۔ اس حدیث کا معنی بعینہ وہی ہے جو حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے اور اس عمل کا تمام اعمال سے افضل و بہتر ہونا اس لحاظ سے ہے کہ تمام خیرات اور نیکیوں کا منبع اور باعث خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ اور جب اس کی محبت اس حد تک غالب آجائے کہ کسی شے سے محبت نہ رکھے مگر خدا کے لیے اور دشمنی نہ رکھے مگر خدا کی خوشنودی کے لیے۔ تو اس کے غلبہ محبت کی یہ کیفیت تمام اوامر کی بجا آوری اور تمام منہیات سے رک جانے کا باعث بنے گی۔ اس قسم کی احادیث جوامع الکلم (وہ کلمات جن کے معانی میں غایت درجہ جامعیت پائی جاتی ہو) میں سے ہیں کہ اسلام، ایمان اور احسان کے تمام مراتب و درجات کی جامع اور شریعت کے تمام احکام طریقت کے جملہ آداب اور حقیقت کے جملہ اسرار پر مشتمل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو شخص کسی باورچی سے اس بنا پر دوستی رکھے کہ یہ اچھا کھانا پکاتا اور فقراء و صلحاء کو کھلاتا ہے تو اس کی یہ دوستی خدا کے لیے ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی آدمی اپنے استاد سے اس لیے محبت کرے کہ اس سے علم حاصل کرتا ہے۔ اور پھر اس علم کو دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنائے گا۔ تو یہ دوستی خدا کے لیے نہیں ہے۔

۲۹۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ رواہ الترمذی والنسائی وزاد البیھقی فی شعب الایمان بروایۃ فضالۃ وَالْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنے خونوں اور مالوں کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ یہ الفاظ زیادہ روایت کیے اور مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ ان الفاظ کی شرح فصل اول میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ (والمؤمن من آمنہ الناس علی دمائھم واموالھم) اور مومن کامل وہ شخص ہے جسے لوگ اپنے خونوں اور مالوں پر امین اور محافظ جانیں یعنی جس سے لوگ اپنی جان ومال میں کوئی خطرہ محسوس نہ کرتے ہوں۔ اور جس کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہوں کہ بلا اجازت شرع کسی کے مال میں یہ شخص تصرف نہ کرے گا اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اسلام وایمان اور مسلم ومومن متغائر اور الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسلام وایمان سے ایک ہی معنی مراد ہے۔ فقرہ ثانی پہلے فقرہ کی تاکید و تقریر ہے۔ اس حدیث میں اسلام پر لوگوں کی سلامتی کو مرتب فرمایا اور ایمان سے لفظی مناسبت ومطابقت کے لحاظ سے لوگوں کے امن وعافیت کو متعلق فرمایا۔ پھر جملہ ثانی (والمؤمن من امنہ الخ) میں صرف ہاتھ کے گناہوں کے بیان پر کفایت کی زبان کے گناہوں کا تکرار نہ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کے گناہ ظاہر اور عام ہیں اس لیے اس کے تکرار کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ہاتھ کے گناہ بیان وتاکید کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور یہ توجیہ بھی درست ہے کہ جب کہ ایمان تصدیق اور عمل قلب سے عبارت ہے اس بنا پر ایمان اسلام سے قوی اور کامل تر ہے۔ کہ اسلام اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے محض ظاہری۔ طاعت وفرمانبرداری سے عبارت ہے۔ اس لیے لوگوں کے امن وعافیت کو جو سلامتی کے مفہوم سے قوی تر ہے ایمان کے ساتھ مختص کیا کہ سلامتی کا مفہوم ذہنی نقصان پہنچانے کے وہم واحتمال کے باوجود کسی کو ضرر ونقصان نہ پہنچانا ہے۔ اور امن کے مفہوم میں اس وہم واحتمال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دماء (خون) واموال سے متعلق امن وخوف ہاتھ کے ساتھ متحقق نہیں ہوتا۔ زبان کا بھی اس میں دخل ہے کہ زبان کے ذریعے ایک دوسرے کے درمیان پھوٹ ڈالنے دوسروں کی غیبت وچغلی کرنے میں معروف ہوتا ہے۔ اس حدیث میں خون ومال کے ساتھ عزت کا ذکر نہ کرنا اس بنا پر ہے کہ خون کی حفاظت عزت کی حفاظت کو شامل اور اسی کے حکم میں داخل ہے۔ خوب سمجھ لے۔ وباللہ التوفیق۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ درج ذیل فقرات زیادہ بیان کیے فضالۃ بفتح فاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں (والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ) کامل اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طاعت وفرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ کہ نفس طاعت الٰہی سے انکار اور سرکشی

کرتا ہے۔ اور فرمانبرداری کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ تو مجاہد وہ ہے جو اس سے جنگ کرتا شریعت کا پابند بناتا اور خالق و مالک کی فرمانبرداری کی طرف کھینچ کر لاتا ہے۔ بیت

سہل آن شیر سے کہ صفہا بشکند شیر آن باشد کہ خود را بشکند

ترجمہ۔ بڑا شیر وہ نہیں جو صفوں کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے آپ کو پچھاڑ دے۔

(والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب) اسی طرح حقیقی کامل درجے کا مہاجر وہ ہے جو صغیرہ کبیرہ اور دانستہ و نادانستہ ہر قسم کے گناہ چھوڑ دے۔ اس کی تحقیق و تشریح بھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳۰۔ **وَعَنْ** اَنَسٍؓ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ ۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کم ہی ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا ہو مگر اس میں یہ فرمایا کہ جس میں امانت و دیانت نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں۔ اور عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔

شرح: (وعن انس رضی اللہ عنہ قال قلما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا وقت کم ہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا ہو (الا قال) مگر یہ کلمات ضرور بیان فرمائے اور ان پر عمل کی وصیت فرمائی (لا ایمان لمن لا امانۃ لہ) جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں (ولا دین لمن لا عھد لہ) اور جو عہد و پیمان کا پابند نہیں اس کا دین نہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ظاہر یہی ہے کہ امانت سے اس کا مشہور و متعارف معنیٰ مراد ہے یعنی ان کے اموال اور ان کی مجالس کی حفاظت اور اس میں ترک خیانت سے عبارت ہے۔ اور عہد سے ان کے آپس کے عہد و پیمان مراد ہیں جو وہ آپس میں کرتے ہیں۔ تو ایمان اور دین کی نفی تغلیظا و تاکید کے لیے ہے۔ اور دین و ایمان کامل مراد ہے۔ اور اگر امانت سے تکالیف شرعیہ مراد ہوں جن کا ذکر آیۃ کریمہ ان عرضنا الامانۃ (بیشک ہم نے ایک امانت پیش کی) اور عہد سے روز الست کا عہد مراد ہو جو پروردگار عالم نے بندوں سے حقوق ربوبیت کی حفاظت کے لیے لیا تھا تو پھر حدیث کے الفاظ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ وہ فروع و اصول کے لحاظ سے دین و ایمان کو شامل ہے۔ اس صورت میں کلام میں تکرار و تاکید تحقیق و پختگی کے لیے ہوگی۔ واللہ اعلم

الفصل الثالث

تیسری فصل

۳۱۔ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آتش دوزخ اس پر حرام کر دی۔

شرح:۔ (عن عبادۃ بن الصامت) رضی اللہ عنہ۔ روایت ہے حضرت عُبادہ (بضم عین و تخفیف با) بن الصامت جو کبرائے انصار اور ان کے نقباء میں سے ہیں کہ (قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (من شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ حرم اللہ علیہ النار) جو شخص صدق و یقین سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان لایا اور اس کا اقرار کیا اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ اس کی شرح گزشتہ حدیث معاذ میں گزر چکی ہے۔

۳۲۔ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ رواہ مسلم۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

شرح:۔ (وعن عثمان) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین و ایمان کی حالت میں مرا (دخل الجنۃ) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اگرچہ گناہوں کی پاداش میں اسے کچھ وقت کے لیے دوزخ میں جانا اور عذاب برداشت کرنا پڑے۔ اور اس بات کی بھی امید ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں اور وہ دوزخ کے عذاب سے بالکل ہی محفوظ رہے۔

۳۳۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ. قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ قَالَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ. وَمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. رواه مسلم.

علیہ وسلم نے فرمایا دو کام ایسے ہیں جن کی جزا اور بدلہ ثابت ہو کر رہتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ وہ دو چیزیں کونسی ہیں جن کی جزا بندے کو ضرور ملتی ہے۔ فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا تھا اور کفر میں مبتلا تھا وہ البتہ دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں رہے گا اور جو شخص اس حال میں مرا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ مرتے ہی یا انجام کار جنت میں داخل ہوگا۔

۳۴۔ **وَعَنْ** أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِيْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ أَبْتَغِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ أَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِيْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور آپ نے واپس تشریف لانے میں دیر کر دی اور ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ آپ کہیں بالکل تنہا نہ ہو جائیں (اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے) اور ہم لوگ گھبرا گئے اور آپ کی تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے گھبراہٹ محسوس کرنے والا شخص میں تھا۔ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ انصار کے قبیلہ بنی نجار کے باغ کے پاس پہنچا میں نے اس باغ کے اردگرد چکر لگایا مگر مجھے اندر جانے کا دروازہ نہ ملا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ باغ سے باہر کنویں کی ایک نالی باغ کے اندر جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے اپنے جسم کو سکیڑا اور باغ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ نے دیکھ کر فرمایا ابوہریرہ ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں ابوہریرہ ہوں۔ فرمایا تمہارا کیا حال

فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا شَأْنُكَ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَأَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ فَقَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرَ. فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مستقينا بها قَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِي عُمَرُ وَإِذَا هُوَ عَلَى إِثْرِي فَقَالَ رَسُولُ

ہے ادھر کیسے آئے ہو) میں نے عرض کی آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے پھر اچانک آپ اُٹھ کر آگئے اور واپس پہنچنے میں آپ نے دیر کر دی جس سے ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ آپ کہیں بالکل تنہا اور اکیلے رہ جائیں اور دشمن آپ کو گزند پہنچائے اس خیال سے ہم لوگ گھبرا گئے۔ اور سب سے یہ گھبراہٹ مجھے لاحق ہوئی وہ میں تھا۔ تو میں اس باغ میں آیا۔ اور جس طرح لومڑی اپنا جسم سکیڑ لیتی ہے اس طرح میں اپنا جسم سکیڑ کر اندر داخل ہوا) اور باقی لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں اس پر آپ نے اپنا جوتا مبارک مجھے دیتے ہوئے فرمایا اے ابو ہریرہ میری یہ نعلین شریف لے کر جاؤ اور اس باغ کے باہر پیچھے آنے والا اور یقین قلبی کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جو شخص بھی تجھے ملے اسے جنت کی بشارت دے۔ تو سب سے پہلے جو شخص مجھے ملا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، یہ کس کے نعلین مبارک ہیں میں نے کہا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین شریف جن آپ نے یہ دے کر مجھے بھیجا ہے۔ کہ یقین قلبی کے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے جس شخص سے بھی میں ملوں۔ اسے جنت کی بشارت دوں (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر تھپیڑ مارا جس سے میں اپنی سیرین کے بل گر پڑا اور فرمایا اے ابو ہریرہ واپس لوٹ چل تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں واپس لوٹ آیا۔ اور میں نے روتے ہوئے حضور کے پاس آکر پناہ لی۔ اور حضرت عمر بھی مجھ پر چڑھے ہوئے (میرے ساتھ ساتھ) میرے پیچھے ہی آرہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ مَا شَأْنُکَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قُلْتُ لَقِیْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهُ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِهٖ فَضَرَبَ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عُمَرُ مَا حَمَلَکَ عَلٰی مَا فَعَلْتَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَبَعَثْتَ اَبَا هُرَیْرَةَ بِنَعْلَیْکَ مَنْ لَقِیَ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُسْتَیْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْهَا فَخَلِّهِمْ یَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ۔

رواہ مسلم۔

فرمایا ابوہریرہ کیا ہوا؟ میں نے عرض کی کہ میں عمر سے ملا اور انہیں وہ بشارت دی جس کے دینے کے لیے آپ نے مجھے بھیجا انہوں نے (خوشخبری) سن کر میرے سینے پر تھپڑ مارا ہے جس سے میں اپنی سرین کے بل گر پڑا ہوں۔ اور مجھے کہا کہ واپس لوٹ چل۔ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر تجھے اس فعل پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا اور قربان ہوں۔ کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنا جوتا مبارک دے کر یہ بشارت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ جو شخص بھی یقین قلبی کے ساتھ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اسے جنت کی بشارت دے۔ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عمر نے عرض کی آپ ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے (عمل کرنا چھوڑ دیں گے) لوگوں کو رہنے دیں کہ عمل میں مصروف رہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ٹھیک ہے) اسی حال میں لوگوں کو رہنے دے۔

تشریح:۔ (عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال کنا قعودا حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ (ومعنا ابو بکر و عمر) حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہمارے ساتھ تھے (فی نفر) ایک جماعت و گروہ کی صورت میں نفر کا لفظ آدمیوں کی تین سے دس تک کی جماعت پر بولا جاتا ہے اور مطلق قوم و جماعت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ (من بین اظهرنا) ہمارے درمیان سے۔ اَظْهُر بفتح ہمزہ و سکون ظاء و ضم ہاء ظہر کی جمع ہے بمعنی پشت چونکہ جو شخص چند افراد کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ دراصل ان کی پشتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کہ ہر فرد کی پشت اس سے ایک طرف کو ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں لفظ ظہر میں مدد و قوت حاصل کرنے کا معنی بھی ہے۔ جو شخص کسی قوم و جماعت کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔ عرب یہ لفظ ویسے ہی کلام میں

استعمال کر دیتے ہیں اس کا معنی مراد نہیں ہوتا بظاہر اس لفظ کا معنی یہ بنتا ہے کہ حضور ہماری پشتوں کے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے۔ یعنی ہمارے درمیان سے۔ زبان عرب میں یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ (فابطأ علینا) تو آپ نے ہمارے پاس واپس آنے میں دیر کر دی۔ اور کافی وقت گزر گیا کہ آپ واپس تشریف نہ لائے۔ (وخشینا ان یقتطع دوننا) اور ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ کہیں دشمن وغیرہ آپ کو تنہا دیکھ کر پکڑ لے۔ اور تکلیف پہنچائے مراح میں ہے اقتطاع کسی چیز سے ٹکڑا جدا کرنا۔ (وفزعنا) خشیت اور فزع دونوں کا غالباً ایک ہی معنی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ خشیت دل کے ڈر اور خوف کو کہتے ہیں۔ اور فزع وہ ڈر ہے جس کا اثر ظاہر جسم پر بھی محسوس ہو۔ جیسے اٹھ کھڑا ہونا اور فکر و تلاش کرنا۔ (فقمنا) تو ہم ساری کی ساری جماعت اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی ڈھونڈ پڑتال شروع کر دی۔ بیت

نشست آں دلبر جانی بجانم ہمچو جاں در تن ۔۔۔ اگر یکدم جدا افتاد جان از تن بروں آید

ترجمہ۔ وہ دلبر جانی میری جان میں جان کی طرح ہر وقت موجود ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے جدائی واقع ہو جائے تو جسم سے جان نکل جائے گی۔

(فکنت اول من فزع) سب سے پہلے شخص جسے یہ ڈر لاحق ہوا، اور اٹھ کھڑا ہوا میں تھا۔ اس عبارت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غایت محبت و التجاء مفہوم ہوتی ہے سفی الحقیقت ایسا کیوں نہ ہو جب کہ غریب و بے بس ابوہریرہ رضہ کے لیے حضور کی جناب اور آپ کے لطف و کرم کے سوا اور کوئی پشت و پناہ اور ملجاء و ماوی نہ تھی۔ بیت

جز آستان توام در جہاں پناہے نیست ۔۔۔ سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ترجمہ۔ تیرے آستانے کے سوا جہاں میں میری کوئی جائے پناہ نہیں۔ تیرے در کے سوا کوئی جگہ نہیں جس کے حوالے اپنا سر کروں۔

(فخرجت ابتغی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ (حتی اتیت حائطاً للانصار) یہاں تک کہ میں انصار کے ایک باغ میں پہنچا (بنی النجار) جو بنی نجار کی ملکیت تھا۔ بنی نجار انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ حائط۔ دراصل اس دیوار کو کہتے ہیں جو باغ کے ارد گرد ہوتی ہے۔ پھر اس کا اطلاق باغ پر بھی کر دیتے ہیں۔ گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو قیاس اور کسی قرینہ و علامت سے معلوم ہو گیا کہ آپ اس باغ میں تشریف فرما ہیں۔ بلکہ حضور کے جمال کی خوشبو نے نسیم آپ کے مشام محبت کو پہنچی جس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ آپ اس باغ میں تشریف رکھتے ہیں۔ بیت

رفت بربوئے سرِ زلف تو خلقے بچمن
ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

ترجمہ۔ لوگ تیری زلف کی خوشبو کے خیال میں چمن کی طرف گئے۔ ورنہ بوئے نسیم سحری سے کسی کو کوئی غرض و مطلب نہیں۔

(فدرت بہ ھل اجد لہ بابا) اور باغ کے گرد چکر لگایا کہ شاید کسی جانب دروازہ ملے تو اندر جاؤں۔ (فلم اجدا) تو مجھے کوئی دروازہ نہ ملا۔ شاید اس کا دروازہ بند تھا یا وہ قلق و اضطراب جو اس وقت حضرت ابوہریرہ کو لاحق تھا اس کی وجہ سے دروازہ دکھائی نہ دیا بلرفاذا ربیع یدخل فی جوف حائط) اور گرد چکر کاٹنے کے دوران مجھے ایک چھوٹی سی نہر دکھائی دی جو دیوار کے درمیان سے باغ میں داخل ہو رہی تھی۔ (من بئر خارجۃ) ایک بیرونی کنویں سے۔ بعض نے کہا ہے کہ خارجۃ ایک آدمی کا نام ہے جس کا یہ کنواں تھا۔ پہلے معنی کے مطابق لفظ بئر اور خارجۃ تنوین کے ساتھ اور دوسرے معنے کے مطابق بئر مجرور اور خارجۃ بفتح پڑھا جائے گا۔ (والربیع الجدول) ربیع چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ یہ راوی نے تفسیر کی ہے۔ (قال) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (فاحتفزت) میں نے اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹے تاکہ اس چھوٹی سی نہر میں گھس کر اندر جا سکوں مراد میں ہے استعفاز فا و زا معجمہ کے ساتھ اپنے آپ کو اکٹھا کر لینا، سر و پاؤں سمیٹ کر بیٹھنا (فدخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا (فقال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر بطور تعجب و استفہام فرمایا (ابوھریرۃ) تو ابوہریرہ ہے۔ باغ کا دروازہ بند ہونے کے باوجود حضرت ابوہریرہ کے باغ کے اندر داخل ہو جانے پر حضور کو تعجب ہوا۔ یا اس بنا پر آپ کو تعجب لاحق ہوا کہ آپ اس وقت نزول وحی کے سبب حالت استغراق میں تھے۔ اور اپنی ذات اور عالم دنیا سے غائب تھے اس لیے حضرت ابوہریرہ کو نہ پہچانا۔ (فقلت نعم یا رسول اللہ) میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ میں ابوہریرہ ہوں (قال ما شانک) فرمایا تیرا کیا حال ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اور یہاں کس طرح آ پہنچا ہے۔ (قلت کنت بین اظھرنا فابطات علینا فخشینا ان تقتطع دوننا ففزعنا فکنت اول من فزع فاتیت ھذا الحائط) حضرت ابوہریرہ نے پورا قصہ بیان کیا اور صورت حال واضح کی اور کہا یا رسول اللہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ پھر آپ اچانک اٹھ کر آ گئے اور ہمارے واپس پہنچنے میں آپ نے دیر کر دی ہمیں ڈر لاحق ہوا کہ آپ کو کوئی دشمن تکلیف نہ پہنچائے۔ اور ہم لوگ آپ کے پاس نہ ہوں۔ اس لیے ہم سب لوگ آپ کی تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے سب سے اول مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا۔ تو میں باغ میں آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ (فاحتفزت) میں سکڑ کر چھوٹی نہر میں سے اس طرح باغ کے اندر داخل ہوا ہوں جس طرح لومڑی سکڑ کر اپنے سوراخ میں داخل

ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پورا قصہ بیان کرتے ہیں، جدائی کے صدمہ کی شکایت کرنے اور کسی تکلیف دہ چیز سے ڈرنے میں دراصل کمال محبت و دوستی کا اظہار ہے نیز خلوت میں آگھسنے اور گستاخی کرنے کی معذرت پر مشتمل ہے۔ (وھؤلاء الناس ورائی) اور یہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (فقال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یا اباھریرۃ واعطانی نعلیہ) اے ابوہریرۃ اور اپنی نعلین مبارک بھی آپ نے مجھے عطا فرمائی تاکہ اس بات کا نشان ہو کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آرہا ہوں۔ نعلین شریف دینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت نشان کے طور پر دینے کے لیے کوئی چیز موجود نہ ہوگی۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ مناسبت یہ بیان کی ہے۔ کہ نعلین شریف دینیں جو چلنے میں سہولت اور آسانی کا ذریعہ ہے، اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت آسانی فراہم کرنے اور سہولت دینے کے لیے ہے۔ اور آپ کا کام آسانی فراہم کرنا ہے۔ نیز اس میں کلمہ طیبہ کی شہادت کے بعد ثابت قدمی اور استقامت کی بشارت ہے۔ جیسے فرمایا امنت باللہ ثم استقم (میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہ)۔ (فقال اذھب بنعلی ھاتین) اور فرمایا میرے یہ نعلین شریف لے جاؤ (فمن لقیک من وراء ھذا الحائط) جو شخص بھی تجھے اس باغ کے پیچھے (یشھد ان لا الٰہ الا اللہ) کلمہ طیبہ کی گواہی دینے والا ملے (مستیقنا بھا قلبہ) صدق دل سے اس کلمہ کی گواہی دینے والا (فبشرہ بالجنۃ) تو اسے بہشت کی بشارت دے۔ یعنی اسے اس بات کی اطلاع دیدے کہ جو بھی اس صفت کا آدمی ہو، بہشتی ہے۔ (فکان اول من لقیت عمر) پھر سب سے اول جو شخص مجھے ملا وہ حضرت عمر تھے رضی اللہ عنہ (فقال) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ما ھاتان النعلان یا اباھریرۃ رض) اے ابوہریرہ یہ نعلین مبارک کس کے ہیں۔ (قلت ھاتان نعلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم بعثنی بھما) یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف ہیں۔ یہ دے کر آپ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ (من لقیت یشھد ان لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ) ایسے جس شخص سے بھی میری ملاقات ہو جو صدق دل سے اس کلمہ طیبہ کی شہادت و گواہی دیتا ہو۔ (بشرتہ بالجنۃ) میں اسے جنت کی بشارت دوں۔ (فضرب عمر بین ثدی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے دونوں پستانوں کے درمیان تھپڑ مارا (فخررت لاستی) تو میں اپنی سرین کے بل زمین پر گر گیا۔ (فقال ارجع یا اباھریرۃ) اور فرمایا اے ابوہریرہ واپس لوٹ جا۔ (فرجعت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹ آیا۔ (فاجھشت بالبکاء) اور میں نے روتے ہوئے حضور کے پاس پناہ لی۔ جہش و اجہاش رونے کے ارادے سے کسی آدمی کا کسی کے پاس پناہ لینا۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا

ہے۔ صراح میں ہے جش کسی کے سامنے رونا اور رونے کا ارادہ کرنا۔ اجہشت وجہشت مزید و مجرد دونوں طرح مروی ہے (در کبنی عمر) اور حضرت عمر بھی میرے اوپر چڑھتے ہوئے آگئے (و اذا ھو علی اثرہ) میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ بھی مجھے اپنے پیچھے کھڑے نظر آئے۔ اثر بکسر ہمزہ سکون ثا مثلثہ اور ہمزہ و ثاء مثلثہ دونوں کے فتح کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں لغات فصیح ہیں (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مالک یا ابا ھریرۃ) اے ابو ہریرہ تجھے کیا ہوا ہے۔ اور تو کیا کر رہا ہے۔ اور کیوں رو رہا ہے (قلت) میں نے عرض کی (لقیت عمر) حضرت عمر میرے سامنے آئے (فاخبرتہ بالذی بعثتنی بہ) میں نے ان کو اس بشارت سے آگاہ کیا جس کے لیے آپ نے مجھے بھیجا۔ یعنی ہر اس شخص کو بشارت دینے کے لیے جو کلمہ طیبہ کی گواہی دیتا ہو۔ (فضرب بین ثدی ضربۃ فخررت لاستی) تو انہوں نے میرے دونوں پستانوں کے درمیان زور سے تھپڑ مارا ہے جس سے میں اپنی سرین کے بل گر پڑا ہوں۔ (فقال ارجع) اور کہا واپس لوٹ چل۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یا عمر ما حملک علی ما فعلت) اے عمر تجھے کس چیز نے اس فعل پر آمادہ کیا کہ تو نے ابو ہریرہ کو مارا بھی اور واپس بھی لوٹا دیا۔ (قال) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (یا رسول اللہ بابی انت و امی) میرے ماں باپ آپ پر فدا (ابعثت ابا ھریرۃ بنعلیک) کیا آپ نے اپنے نعلین شریف دے کر ابو ہریرہ کو بھیجا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے۔ (من لقی یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ بشرہ بالجنۃ) کہ جو شخص بھی صدق دل سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوا ملے۔ اُسے جنت کی بشارت دے۔ (قال نعم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے اسے بھیجا ہے۔ کہ اس کی بشارت دیدے۔ (قال فلا تفعل) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیں۔ (فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا)۔ کہ بیشک مجھے اس کا ڈر ہے کہ لوگ اس پر یعنی اس بشارت پر یا صرف یہ کلمہ کہہ لینے پر تکیہ کر لیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ (فخلھم یعملون) لوگوں کو چھوڑ دیں کہ عمل میں مصروف رہیں۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلھم) اگر تجھے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے میں مصلحت نظر آتی ہے تو ٹھیک ہے انہیں یہ بشارت نہ دے۔

سوال :۔ یہ کہاں جائز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کام سے روک دیں جس کے کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہ کو واپس لوٹا دیں۔ اور انہیں اس بات کا پابند کر دیں کہ وہ بشارت نہ دیں۔

جواب:- اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ بشارت دینے کا حکم ضروری نہیں۔ بلکہ یہ بشارت صرف اہل ایمان کے دل خوش کرنے کے لیے ہے۔ اور اگر وہ یہ بشارت سن لیں گے تو صرف اسی پر اعتماد کر لیں گے۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے جیسا کہ خود حضور نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اذا یتکلوا لیکن محبت و اخلاص کے احساس کے تحت اہل اسلام پر غایت رحمت و شفقت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت دینے پر آمادہ ہو گئے تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر وہ مصلحت آپ کے ذہن شریف میں تازہ ہو گئی اس لیے حضرت عمر کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے فرمایا ہاں رہنے دے تاکہ لوگ عمل میں مشغول رہیں۔ ورنہ اگر بشارت کا یہ حکم وجوبی اور ضروری ہوتا تو آپ نے یہ بشارت دینے کے وقت تخلیہ کیوں اختیار فرمایا اور بشارت دینے سے کیوں روک لیا۔ خوب سمجھ لے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۵۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ رواه احمد۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابیاں لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

شرح:- (وعن معاذ بن جبل) رضی اللہ عنہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شھادۃ ان لا الہ الا اللہ۔) جنت کی چابیاں اس کلمہ طیبہ کی شہادت اور گواہی دینا ہے۔ مفاتیح کا لفظ جمع لانا اہل ایمان کے افراد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ہر مومن فرد کی شہادت اس کے لیے جنت کی چابی ہے تو جس قدر اہل ایمان کے افراد ہیں اسی قدر چابیاں ہیں۔ یا اس لیے کہ جنتیں متعدد ہیں۔ اس لیے اس کی چابیاں بھی متعدد ہوں گی۔ یا مبالغے کے طور پر کلمہ جمع فرما دیا گویا اس کلمہ شہادت کا ہر جزء چابی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

۳۶۔ وَعَنْ عُثْمَانَ رضی الله عنه قَالَ إِنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ حَزِنُوا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَشْعُرْ بِهِ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر صحابہ کرام میں سے بعض حضرات نے سخت غم و صدمہ محسوس کیا یہاں تک کہ بعض کو وسوسہ لاحق ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان کہتے ہیں میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو وسوسہ کا شکار ہوئے اس اثنا میں کہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت عمر کا میرے پاس سے گزر

فَاشْتَكَى عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ثُمَّ أَقْبَلَا حَتَّى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيعًا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا حَمَلَكَ أَنْ لَا تَرُدَّ عَلَى أَخِيكَ عُمَرَ سَلَامَهُ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلَى وَاللهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللهِ مَا شَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ أَمْرٌ فَقُلْتُ أَجَلْ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوَفَّى اللهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْأَمْرِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَدْ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُ عَلَى عَمِّي فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ

رَوَاهُ أَحْمَدُ

ہوا انہوں نے مجھے سلام کہا (لیکن ذہن پر صدمے کے اثر کے باعث) مجھے اس کا پتہ نہ چلا (اور میں نے انہیں سلام کا جواب نہ دیا) جس کا شکوہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ پھر یہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے آکر مجھے السلام علیکم کہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تو نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم تو نے ایسا ضرور کیا ہے۔ حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے آپ کے میرے پاس آنے اور سلام کہنے کا شعور نہ ہو سکا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان سچ کہتا ہے۔ بیشک تجھے ایک چیز نے سلام کا جواب دینے سے مصروف و مشغول رکھا میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی چیز ہے۔ میں نے کہا قبل اس کے کہ ہم لوگ اس چیز سے نجات کے بارے میں حضور سے پوچھتے آپ وصال فرما گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے حضور سے اس چیز سے نجات پانے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ (یہ سن کر) میں حضرت ابوبکر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے ان سے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ اس چیز کے متعلق دریافت کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ اس چیز (عذاب آخرت) سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری طرف سے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا اور اس نے اسے رد کر دیا تھا تو وہ کلمہ اس کے لیے نجات ہے۔

شرح:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کتاب کے آخر میں مناقب خلفاء میں مذکور ہوں گے۔

(وعن عثمان رضی اللہ عنہ قال) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں (ان رجالا من اصحٰب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی حزنوا علیہ) بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ غم و صدمہ میں ڈوب گئے۔ (حتی کاد بعضھم یوسوس) یہاں تک کہ قریب تھا کچھ لوگ وسوسہ میں مبتلا ہو جائیں۔ وسوسہ حدیث نفس کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے وسوسہ نفس وشیطان کی اس بات کو کہتے ہیں جس میں کوئی نفع اور بہتری نہ ہو۔ یُوَسْوِس بکسرہ دا ثانی ہے فتح واؤ کے ساتھ پڑھنا خطا ہے۔ اور وسوسہ میں پڑ گیا اور دوسرے کو وسوسہ میں ڈالا، کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (قال عثمان وکنت منھم) حضرت عثمان کہتے ہیں اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو وسوسہ میں مبتلا ہونے کے قریب تھے۔ (فبینا انا جالس مر علی عمر) اس دوران کہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت عمر میرے پاس سے گزرے۔ (وسلم) اور مجھے سلام کہا۔ (فلم اشعر بہ) تاہم مجھے حضرت عمر ان کے گزرنے اور سلام کہنے کا پتہ نہ چلا۔ (فاشتکی عمر الی ابی بکر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا گلہ کیا۔ (ثم اقبلا حتی سلما علی جمیعا) پھر یہ دونوں حضرات تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کہا۔ (فقال ابوبکر ما حملک علی ان لا ترد علی اخیک عمر سلامہ) حضرت ابوبکر نے فرمایا تو نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔ (قلت ما فعلت) میں نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا کہ سلام کا جواب نہ دیا ہو۔ یعنی مجھے علم نہیں کہ میں نے ایسا کیا ہو۔ (فقال عمر بلی واللہ لقد فعلت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم تو نے ایسا ضرور کیا ہے۔ (قال قلت) حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے حضرت عمر سے کہا (واللہ ما شعرت انک مررت ولا سلمت) اللہ کی قسم مجھے بالکل پتہ نہ چلا کہ آپ گزرے ہیں اور آپ نے سلام کہا ہے۔ (قال ابوبکر صدق عثمان) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست اور حضرت عثمان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا عثمان سچ کہہ رہے ہیں۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ مبارک میری طرف کیا اور مجھ سے ہم کلام ہوتے ہوئے فرمایا (قد شغلک عن ذلک امر) اے عثمان! تجھے ایک عظیم بات نے حضرت عمر کے گزرنے اور ان کے سلام کہنے کا علم نہ ہونے دیا۔ (فقلت اجل) میں نے کہا یہی بات ہے جو آپ نے بیان کی ہے کہ مجھے ایک عظیم بات نے اس سے باز رکھا۔ (قال) حضرت ابوبکر نے فرمایا (ما ھو) وہ عظیم بات کیا ہے (قلت) میں نے کہا (توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی۔ (قبل ان نسالہ عن نجاۃ ھذا الامر) اس سے پہلے کہ ہم آپ سے اس عظیم بات سے نجات حاصل کرنے کا پوچھتے۔ (قال ابوبکر قد سالتہ عن ذلک) حضرت ابوبکر نے فرمایا بیشک میں نے حضور سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ (فقمت الیہ) تو میں کھڑا

ہو گیا اور ان کے قریب چلا گیا۔ (فقلت له بابی انت وامی) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ (انت احق بها) آپ حضور کے ساتھ کمال قرب، علم حاصل کرنے کی حرص و چاہت اور خصوصیت سے حضور کے محرم اسرار ہونے کی بنا پر اس نجات، اس امر عظیم اور اس کے دریافت کرنے کے زیادہ لائق ہیں (قال) حضرت ابوبکر نے کہا (قلت) میں نے کہا یا رسول اللہ ما نجاۃ ھذا الامر) یا رسول اللہ اس امر (عذاب آخرت) سے نجات کی کیا صورت ہے۔ (فقال) تو حضور نے فرمایا (من قبل منی الکلمۃ التی عرضت علی امی) جس شخص نے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا (فردھا) اور اس نے وہ کلمہ قبول نہ کیا۔ (فھی له نجاۃ) تو وہ کلمہ اس کے لیے نجات ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نجاۃ ھذا الامر کے الفاظ کی شرح میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہو سکتا کہ اس امر سے امر دین مراد ہو۔ یعنی دین میں آتش دوزخ سے نجات اور خلاصی دینے والی کیا چیز ہے۔ یا امر سے مراد وہ اعمال بد ہوں جن میں لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔ جیسے فریب شیطان، حب دنیا، خواہشات و شہوات نفسانی میں پھنسا رہنا اور معاصی کا ارتکاب ان سب سے نجات کی کیا صورت ہے۔ فرمایا اس کلمہ طیبہ کی دل سے تصدیق آتش دوزخ سے نجات کا سبب ہے۔ اور ہمیشہ اس کا ورد و ذکر صفائی قلب اور طہارت باطن کا موجب ہے۔ اور دل کی صفائی اور باطن کی طہارت غرور و فریب شیطان کے دفع کرنے، زہد اور حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے انتہیٰ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ طیبی کی بیان کردہ ان دو وجہوں میں سے وجہ اول اس وجہ سے مخدوش ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود روایت کی ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پر یقین رکھتے ہوئے مرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس لیے وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز نہ پوچھ سکا جو دین میں آتش دوزخ سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ پھر اس وجہ سے بھی اس توجیہہ کی کیا گنجائش ہے جو دین کی اولین باتوں میں سے ہو اور حضرت عثمان کو معلوم نہ ہو۔ الا یہ کہ مصیبت وفات کی دہشت اور شدت حیرت کی بنا پر وقتی طور پر آپ کو اس کا ذہول ہو گیا ہو۔

اس کے باوجود درست توجیہہ یہ ہے کہ وسوسہ شیطان سے نجات مراد ہے۔ جیسا کہ سیاق حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا۔ حضرت عمر نے ان کو سلام کہا مگر انہوں نے آپ کے سلام کا جواب نہ دیا اس کی شکایت حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کی۔ جس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عثمان سے دریافت فرمایا تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا حضرت عثمان نے کہا خدا کی قسم میں نے ان کا سلام نہ سنا۔ اس وقت میں اپنے جی سے کوئی بات کر رہا

تھا فرمایا تم اپنے جی میں کیا بات کر رہے تھے۔ عرض کیا شیطان کے خلاف کہ وہ میرے نفس میں ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے سب مجھے دے دیا جائے تب بھی میں انہیں زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ جب شیطان نے میرے نفس میں ایسا ہی وسوسہ ڈالا تو میں نے اپنے جی میں کہا کاش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا کہ ان وسوسوں سے کس طرح نجات مل سکتی ہے۔ جو شیطان ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی اور پوچھا تھا کہ ہم لوگ شیطانی وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان وسوسوں سے وہ کلمۂ نجات عطا کرتا ہے۔ جو میں نے اپنے چچا کی موت کے وقت اس کے سامنے پیش کیا مگر اس نے قبول نہ کیا۔ اسے ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں روایت کیا۔ اور امام بوصیری نے زوائد العشرۃ میں فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع میں ہے۔ اور ہمارے حدیث کے شیخ المشائخ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یوسوس کی شرح میں فرمایا یہاں وسوسے سے مراد جس میں لوگ مبتلا ہونے کے قریب ہو گئے تھے۔ یہ ہے کہ شاید آپ کی وفات کے بعد دین ختم ہو جائے گا۔ اس کے انوار بجھ جائیں گے اور اس کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ خوب غور سے سمجھو۔

۳۷- وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَّذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِّنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ رواہ احمد

اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر کوئی پختہ یا کچا مکان نہ رہے گا مگر اس میں اللہ تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل کرکے رہے گا۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت و خواری کے ساتھ۔ یا تو انہیں اللہ تعالیٰ عزت عطا کرے گا۔ تو انہیں اس کلمہ اسلام کا اہل بنا دے گا۔ یا انہیں ذلیل کرے گا اور انہیں مجبوراً اس کلمہ کی اطاعت قبول کرنا پڑے گی۔ حضرت مقداد کہتے ہیں تو پھر دین سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا۔

شرح: تذکرہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ۔ حضرت مقداد بن الاسود فضلائے و نجبائے صحابہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ آپ کو ابن الاسود اس لیے کہتے ہیں کہ اسود نامی شخص کے حلیف یا پروردہ تھے۔ درحقیقت آپ مقداد بن عمرو بن ثعلبہ کندی ہیں آپ کا قد سے

تفصیل سے ذکر کتاب کے آخر اسمائے اہل بدر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(وعن المقداد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (لایبقی علی ظھر الارض) نہ باقی رہے گا روئے زمین پر (بیت مدر ولا وبر) اینٹ کا بنا ہوا مکان اور نہ خیمے کا مکان مدر بفتح میم و دال مہملہ۔ اینٹ، مٹی کا روڑہ۔ وبر بفتح واو موحدہ اون۔ یعنی خیمہ۔ بیت مدر سے شہر اور بستیاں مراد ہیں اور بیت وبر سے جنگلات و صحراء مراد ہیں جو خیموں میں رہنے والوں کی جگہ ہے جیسا کہ بادیہ نشینان عرب کی عادت ہے۔ تو حضور فرماتے ہیں کوئی جگہ نہ رہے گی کیا شہر کیا گاؤں اور کیا بادیہ اور صحراء (الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام) مگر یہ کہ داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اس میں کلمۂ اسلام مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں اسم اللہ جل و علا صراحتہً مذکور ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے (بعز عزیز و ذل ذلیل) اللہ تعالیٰ اس کلمہ کو ہر گھر میں داخل کرے گا جو عزت والا بننا چاہتا ہے اسے اس کلمہ کے سبب عزت دے کر اور جو ذلت و خواری میں رہنا چاہتا ہے اسے خوار رکھ کر۔ جیسا کہ فرمایا (اما یعزھم اللہ) یا تو ان اہل خانہ کو اللہ تعالیٰ عزیز و غالب کرے گا۔ (فیجعلھم من اھلھا) پس انہیں اس کلمہ کا اہل اور اسی پر ایمان کی توفیق عطا کرے گا۔ (او یذلھم) یا انہیں خوار و ذلیل کرے گا۔ (فیدینون لھا) تو وہ ذمی بن کر اور جزیہ قبول کر کے اس کلمہ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں گے۔ جب یہ کلمہ ہر گھر میں داخل ہو جائے گا تو (قلت) حضرت مقداد فرماتے ہیں میں نے کہا (فیکون الدین کلہ للہ) پھر سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے گا اور باقی تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ لوگ خوش ہوں یا ناخوش۔

۳۸۔ وَعَنْ وَھْبِ بْنِ مُنَبِّہٍ قِیْلَ لَہٗ اَلَیْسَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لَیْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا وَلَہٗ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَہٗ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَکَ وَاِلَّا لَمْ یُفْتَحْ لَکَ۔ رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ سے کہا گیا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں انہوں نے کہا ہاں۔ لیکن ہر چابی کے دندان ہوتے ہیں اگر تو ایسی چابی لائے گا جس کے دندان ہوں گے تو دروازہ کھلے گا ورنہ نہ کھلے گا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ترجمہ باب میں روایت کیا۔

شرح: تذکرہ وہب بن منبہ۔ منبہ بضم میم و فتح نون و تشدید باء مکسورہ۔ آپ صنعاء یمن سے ہیں تابعی ثقہ اہل یمن کے قاضی تھے ۱۱۴ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔

(وعن وھب بن منبہ) رضی اللہ عنہ۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قیل لہ)

آپ سے کہا گیا جب کہ آپ لوگوں کو عمل کی ترغیب اور گناہ چھوڑ دینے کی تاکید کر رہے تھے۔ (الیس لا الٰہ الا اللہ مفتاح الجنۃ) کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ بہشت کی چابی نہیں ہے جس کے ساتھ جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ لہٰذا صرف یہی کلمہ کافی ہے۔ اعمال بجالانا کوئی شرط نہیں۔ (قال بلی) وہب بن منبہ نے کہا یہ کلمہ ضرور جنت کی چابی ہے (ولکن لیس مفتاح الا ولہ اسنان) لیکن کوئی چابی نہیں ہوتی مگر اس کے دندانے ہوتے ہیں۔ (فان جئت بمفتاح لہ اسنان فتح لک۔) اگر تو ایسی چابی لائے گا جس کے دندانے ہوں تو تیرے لیے دروازہ کھلے گا۔ (والا لم یفتح لک) ورنہ تیرے لیے دروازہ نہ کھلے گا۔ اسنان (دندانوں) سے نیک اعمال کی طرف اشارہ کیا تاکہ سابقین و مقربین کے ساتھ جنت میں داخلے کے سلسلے میں کریم ذات کے وعدہ کا یقین اور مقرب بندوں کے مراتب و درجات پالنے کی سعادت نصیب ہو۔ مقصود اعمال کی بجاآوری کی تاکید و ترغیب ہے۔ (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ترجمہ باب میں بیان کی ہے اور ان کی تعلیقات میں سے ہے۔ تعلیق کا معنی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۹- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَکُلُّ سَیِّئَةٍ یَعْمَلُهَا تُکْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص اچھے طریقے سے اسلام لے آتا ہے۔ تو پھر وہ جو نیکی بھی کرتا ہے اس کا اجر دس سے سات سو تک لکھا جاتا ہے۔ اور انسان جو برائی کرتا ہے۔ تو وہ ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خدا سے جا ملتا ہے۔

شرح:- (وعن ابی ھریرۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص اچھے طریقہ سے اسلام لے آتا ہے۔ یعنی صدق و اخلاص سے ایمان قبول کر لیتا ہے۔ (فکل حسنۃ یعملھا تکتب لہ بعشر امثالھا) تو پھر وہ جو نیکی بھی کرتا ہے وہ دس سے (الی سبعمائۃ ضعف) سات سو تک لکھی جاتی ہے۔ ضعف بکسر ضاد بمعنی مثل (وکل سیئۃ یعملھا تکتب بمثلھا) اور جو وہ برا عمل کرتا ہے۔ اس کی ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزا اسے دس سے سات سو تک اس کے صدق و اخلاص وغیرہ کے مطابق ملتی ہے۔ (حتی لقی اللہ) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔ یعنی تادم مرگ، خدا سے ملاقات، موت سے کنایہ ہے۔

۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ۔ رواہ احمد

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ایمان کیا ہے۔ فرمایا جب تیری نیکی تجھے اچھی لگے اور تیری برائی تجھے بری محسوس ہو تو تو مومن ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ گناہ کیا ہے۔ فرمایا جب کوئی چیز تیرے دل جی میں کھٹکتی ہو تو اسے چھوڑ دے۔

شرح:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الایمان) کہ بیشک ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ایمان کی صحت و درستی کی کیا علامت ہے۔

(قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اذا سرتك حسنتك) جب تجھے تیرا ایک عمل جو تجھ سے صادر ہوا خوشی و مسرت سے ہمکنار کرے۔ یہ مسرت و خوشی شکر کی توفیق ملنے، اطاعت حق تعالیٰ اور اس کی درگاہ کے قریب ہونے کے خیال سے ہو۔ (وساءتك سيئتك) اور تیرا برا فعل و عمل جو تجھ سے وجود میں آیا تجھے غم میں ڈال دے تجھے غم و صدمہ میں ڈال دے کہ یہ عمل بد تو مجھے عذاب الٰہی میں مبتلا کرنے کا باعث ہے۔ اور میں تو خدا تعالیٰ سے دور ہونے اور حجاب نفس میں گرفتار ہونے کو برا جانتا ہوں۔ مجھ سے یہ عمل بد کیوں ہو گیا جب تو اپنے اندر ہی اندر اس بات سے کڑھے اور افسوس کرے۔ (فانت مومن) تو تو درست ایمان والا مومن ہے۔ کہ تیرا یہ کڑھنا اور افسوس کرنا اس امر کی علامت ہے کہ تجھے تصدیق ایمانی اور خدا اور اس کے احکام پر یقین کی دولت حاصل ہے۔ اور اس بات کا نشان ہے کہ روز آخرت اور جزائے اعمال پر تیرا ایمان ہے۔ اور جن چیزوں پر یقین رکھنا ضروری ہے ان میں ایک چیز جزائے اعمال پر یقین رکھنا بھی ہے۔

شیخ امام عارف حضرت عبدالوہاب المتقی المکی قدس اللہ روحہ واوصل الینا فتوحہ نے رسالہ حبل المتین فی تقویۃ الیقین میں فرمایا ہے چار چیزیں ایسی ہیں کہ اس راستے پر چلنے والے کے لیے ان پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ پہلی چیز توحید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ اس کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔ اور جو کچھ جہان میں رونما ہوتا ہے یعنی نفع و نقصان خیر و شر اور منع و عطا سب اس کے حکم اور تقدیر کے تحت ہے۔ اس عقیدہ توحید سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بندے کا التفات اور اس کی توجہ مخلوقات کے ضرر و نفع اور ان کے ہونے نہ ہونے سے کٹ جاتی ہے۔ دوسری چیز توکل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے رزق عطا کرنے میں اس کی ضمانت و ذمہ داری پر پورا

پورا یقین رکھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ تلاش رزق میں جائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اور رزق کے اسباب و ذرائع مہیا نہ ہونے کی صورت میں اضطراب و بے چینی اور پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ تیسری چیز جزائے اعمال یعنی ثواب و عذاب پر یقین رکھنا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی کوشش کرتا اور معصیت و نافرمانی سے دور رہتا ہے۔ چوتھی چیز یہ کہ تیرا اس پر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تمام حالات اور اس کے تمام اعمال و افعال سے پوری طرح ہر وقت واقف و آگاہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہر و باطن کی اصلاح کی سعی کرتا اور اس میں پوری جد و جہد بروئے کار لاتا ہے۔ حضرت شیخ عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کتاب حکم میں فرماتے ہیں۔ دل مردہ ہو جانے کی علامت اور اس کا نشان یہ ہے کہ بندہ نیکیوں کے فوت ہو جانے سے صدمہ اور غم محسوس نہیں کرتا۔ اور گناہوں اور لغزشوں کے صدور سے نادم و پشیمان نہیں ہوتا۔ (قال) اس شخص نے کہا (یا رسول اللہ فما الاثم) گناہ کیا ہے اور کس نشانی سے پتہ چلے کہ یہ کام گناہ ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اذا حاك فی نفسك شئ) جب کوئی چیز تیری ذات میں کھٹکا پیدا کرے۔ تجھ پر اثر کرے۔ تجھے متردد کر دے۔ اور اس پر تیرا دل اطمینان و قرار نہ پکڑے اور کشادگی و سکون محسوس نہ کرے (فدعہ) تو اس کام کو چھوڑ دے کہ یہ اس امر کا نشان ہے کہ اس میں گناہ ہے (استفت قلبك) اپنے دل سے فتویٰ پوچھ) کا یہی مطلب ہے۔ لیکن یہاں دل سے قدسی دل مراد ہے۔ جو زیور تقویٰ سے آراستہ، ایمان کے نور سے منور اور یقین کی صفائی سے مصفا ہو چکا ہے۔ ایسا دل اگر کسی کام کے کرنے میں متردد ہو اور خلجان و کھٹکا محسوس کرتا ہو تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کام میں گناہ کی آمیزش ہے۔ عام اہل اسلام کا دل مراد نہیں جو معصیت و کدورت کی تاریکی سے لبریز ہوتا ہے جو نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ دل کا فتویٰ وہاں معتبر ہے جہاں شرعی دلائل مفقود یا متعارض ہوں۔ قرآن مجید کی نص، حدیث یا اجماع نہ ہو اور وہاں علماء کے اقوال متعارض اور مختلف ہوں۔ ایسے مقام میں شرح صدر و فتویٰ قلب سے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینا درست ہے۔ اسے خوب سمجھ لے وباللہ التوفیق۔

۱۴۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ مَعَكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ قُلْتُ مَا الْاِسْلَامُ

اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ اس کام میں آپ کے ساتھ اور کون ہے۔ فرمایا آزاد اور غلام میں نے دریافت کیا اسلام کیا ہے فرمایا پاکیزہ گفتگو

قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قَالَ فَقُلْتُ فَاَىُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَىُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ۔ رواہ احمد۔

اور کھانا کھلانا۔ میں نے دریافت کیا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا۔ راوی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا کونسا ہے۔ فرمایا وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے رہیں۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا اچھا اخلاق راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا افضل نماز کونسی ہے۔ فرمایا لمبا قیام۔ راوی فرماتے ہیں میں نے کہا افضل ہجرت کونسی ہے فرمایا یہ کہ تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناپسند ہیں۔ راوی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا کونسا جہاد افضل ہے فرمایا جس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ اور جس کا خون بہا دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسی گھڑیاں افضل ہیں۔ فرمایا نصف رات کے بعد کا حصہ۔

شرح:۔ حضرت عمرو بن عبسہ تینوں فتحوں کے ساتھ جلیل القدر صحابی ہیں۔ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ آپ کے حضور کی خدمت شریف میں آنے۔ اسلام قبول کرنے اور پھر آپ سے رخصت ہونے کا قصہ عجیب اور غریب ہونے سے خالی نہیں۔ یہ قصہ کسی دوسرے مقام میں مذکور ہوا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(وعن عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب کہ آپ ابھی مکہ میں ہی تھے۔ اور ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا (فقلت یا رسول اللہ من معک علی ھذا الامر) میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ اس دین اسلام پر اتفاق کرنے والا کون ہے۔ (قال حر وعبد) حضور علیہ السلام نے فرمایا اس میں میرے ساتھ اتفاق کرنے والا آزاد اور غلام ہے۔ اس سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت بلال ہیں رضی اللہ عنہما۔ بعض شارحین نے کہا ہے عبد سے مراد حضرت زید بن حارثہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ کہ مسلم کی روایت میں معہ ابوبکر و بلال صراحتہ سے آچکا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حر و عبد سے سب لوگ مراد ہیں تو یہ تو جبیہ زمانہ استقبال میں خبر کے طور پر درست ہو سکتی ہے۔ جب اسلام پھیل گیا اور اس کا معاملہ قرار پذیر ہو گیا۔ گویا انھوں نے یہ سوال کیا اس میں آپ کی موافقت کون کرے

گا۔ تو حضور نے جواب دیا سب آزاد اور غلام لوگ (قلت) میں نے پوچھا اسلام کی علامات اور اس کے خصائل کیا ہیں۔
(قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (طیب الکلام واطعام الطعام) گفتگو میں خوبی اور نرمی اختیار کرنا۔ اور لوگوں کو کھانا کھلانا۔ غالباً عمدہ اخلاق اور اعلیٰ صفات بیان کرنا مقصود ہے۔ لیکن ان سب میں سے ان دونوں صفتوں یعنی تواضع و سخاوت کے بیان پر کفایت اس لیے کی کہ ان دو خوبیوں کا اثر لوگوں تک پہنچتا ہے۔ یا اس بنا پر صرف ان صفات کا ذکر فرمایا کہ یہ سائل کے حال سے زیادہ تعلق اور مطابقت رکھتی تھیں۔ اسی لیے احادیث میں اس سوال کے جواب میں مختلف صفات ذکر کی گئی ہیں اور ہر سائل کے مناسب حال ——— ان صفات کا ذکر کر دیا گیا۔ یہی تشریح و تحقیق حضور کے اس کلام میں بھی ہوگی (قلت ما الایمان) میں نے دریافت کیا ایمان کیا ہے اور اس کے خصائل کیا ہیں۔ (قال) آپ نے فرمایا (الصبر والسماحۃ) علماء فرماتے ہیں ایمان کے تمام خصائل و محاسن کا خلاصہ صبر اور سخاوت ہے۔ لفظ صبر میں ممنوعات کے چھوڑ دینے کی جانب اشارہ ہے اور سماحت میں اچھے کام کرنے کی تلقین ہے جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول الصبر عن معصیۃ اللہ والسماحۃ علی اداء فرائض اللہ۔ (اللہ کی نافرمانی سے رک جانا اور اس کے فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ رہنا) میں خود اس کی تفسیر کر دی ہے۔ (قال) حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں (قلت) میں نے عرض کیا (ای الاسلام افضل) کونسا اسلام یعنی اسلام کے کون سے اخلاق اور اس کی کون سی صفات زیادہ افضل اور اعلیٰ ہیں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) وہ جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی تکلیف و اذیت نہ پہنچے (قال) حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں (قلت) میں نے دریافت کیا (ای الایمان افضل) کونسا ایمان یعنی ایمان کی خصلتوں اور شعبوں میں سے کونسی خصلت اور کونسا شعبہ افضل و اعلیٰ ہے۔
(قال خلق حسن) ایمان کے شعبوں میں افضل ترین شعبہ اچھا خلق ہے۔ جو تمام اعمال حسنہ کی اصل و جڑ۔ نفس کے لیے مشکل تر اور مخلوق الٰہی کو نفع پہنچانے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ (قال قلت) راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا (ای الصلوٰۃ افضل) کونسی نماز یعنی نماز کے ارکان و افعال میں سب سے افضل رکن و فعل کونسا ہے۔ (قال طول القنوت) فرمایا لمبا قیام۔ لفظ قنوت کے متعدد معانی ہیں۔ جیسے طاعت و خشوع، نماز، دعا، قیام اور سکوت و خاموشی۔ یہاں قیام مراد ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ طول قیام افضل ہے یا لمبا سجدہ بعض اس پر ہیں کہ طول قیام افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں درازی سجدہ افضل ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ رات کی نماز میں طول قیام افضل ہے اور دن کی نماز میں درازی سجدہ افضل ہے۔ ہم نے ان سب علماء کے دلائل شرح سفر السعادۃ میں ذکر کر دیے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں رکن فضیلت میں برابر ہیں۔ قیام کی فضیلت قرآن مجید کی قرأت سے ہے۔ اور سجدے کی فضیلت تذلل و خشوع کی شکل و ہیئت کی بنا

پر۔ اس بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ طویل قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت بیشتر اور خدمت زیادہ ہے۔ (قال قلت ای الھجرۃ افضل) راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کونسی ہجرت افضل ہے۔ (قال ان تھجر ما کرہ ربک) فرمایا یہ کہ تو وہ کام ترک کر دے جو تیرے پروردگار کو ناپسند ہو اور جس سے وہ خوش اور راضی نہ ہو۔ اس معنی کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ (قال فقلت) حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں جب میں نے ان تمام احکام وارکان اسلام کے بارے میں دریافت کر لیا اور جواب سن لیا تو آخر میں جہاد کا سوال کیا جو ارکان دین میں اعلیٰ وارفع رکن ہے۔ تو میں نے عرض کیا (فای الجھاد افضل) افضل جہاد کون سا ہے (قال من عقر جوادہ واھریق دمہ) جس کے عمدہ گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ اور اس کا خون بہا دیا گیا۔ یعنی سواری اور سوار دونوں اللہ کے راستے کام آ گئے۔ اور اس نے پوری مردانگی اور کوشش سے جہاد میں حصہ لیا یہاں تک کہ وہ شہادت کے اس مرتبہ بلند پر فائز ہو گیا۔ اور خالص ثواب آخرت کے لیے ایسا کیا غنیمت اور مال دنیا سے پاک چلا گیا۔ اور دین کے بدلے دنیا حاصل نہ کی۔

سبب کہ اس صحابی نے افضل نماز کا سوال کیا تو نماز کے افضل اوقات کا بھی سوال کیا۔ غالباً آپ کا مقصود رات کی نماز اور اس کا قیام تھا (قال قلت ای الاوقات افضل) کہتے ہیں میں نے پوچھا اوقات میں سے کونسا وقت یا رات کی گھڑیوں میں سے کونسی گھڑی شب بیداری کے لیے افضل ہے۔ (قال جوف اللیل الآخر) فرمایا رات کے دوسرے نصف کا درمیانی حصہ۔ کہ وہ رات کا چوتھایا پانچواں گھنٹہ ہے اور اگر چھٹے گھنٹے کو بھی داخل کر لیا جائے تو یہ رات کے آخری چھٹے حصے کو بھی شامل ہو جائے گا۔

۴۲۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا وَّ یُصَلِّی الْخَمْسَ وَیَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَہٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ دَعْھُمْ یَعْمَلُوْا۔

رواہ احمد۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا۔ اور پانچ نمازیں پڑھتا۔ رمضان شریف کے روزے رکھتا تھا۔ اسے بخش دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں فرمایا انہیں رہنے دے کہ عمل کریں۔

شرح:۔ (وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا (من لقی اللہ) جس نے اللہ سے ملاقات کی اور اس کی جناب میں پیش ہوا۔ (لا یشرک بہ شیئا) اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ (ویصلی الخمس) اور پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے۔ (ویصوم رمضان) اور رمضان شریف کے روزے رکھتا ہے۔ (غفر لہ) اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ صرف نماز و روزہ کا ذکر ان کی افضلیت، شہرت اور عمومیت کی بنا پر کیا۔ یا زکوٰۃ و حج اس وقت ابھی فرض ہی نہ ہوئے تھے۔ یا اس بنا پر صرف ان دو کا ذکر فرمایا کہ ان دو کو فضل و کرم الٰہی کی جناب میں وہ شرف و عزت حاصل ہے کہ اگرچہ کتنے ہی گناہ کیے ہوں اور دوسرے فرائض ترک ہی ہو گئے ہوں، ان دو کی برکت سے بخشش ہو جائے گی۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔ اور ابھی اللہ کی مشیت اپنی جگہ باقی ہے۔ (قلت) میں نے کہا (افلا ابشرھم) یا رسول اللہ میں لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دوں۔ (قال دعھم یعملوا) فرمایا لوگوں کو چھوڑ دے کہ عمل کرتے رہیں۔ اس عبارت کی شرح گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

۴۲۔ **وَعَنْهُ** اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰہِ وَتُبْغِضَ لِلّٰہِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰہِ قَالَ وَمَاذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَہَ لَهُمْ مَا تَكْرَہُ لِنَفْسِكَ۔

رواہ احمد۔

اور انہی سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کا سوال کیا فرمایا افضل ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے لیے کسی سے دشمنی کرے اور اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا اس کے علاوہ آپ اور کیا فرمانا چاہتے ہیں فرمایا یہ کہ دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اور ان کے لیے بھی وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

شرح:۔ (وعنہ انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن افضل الایمان) اور حضرت معاذ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کا اعلیٰ ترین فرد اور اس کی بہترین خصلت کیا ہے۔ (قال ان تحب للہ) فرمایا ایمان کی افضل و اعلیٰ صفت یہ ہے کہ جس سے دوستی کرے۔ (وتبغض للہ) اور جس سے دشمنی کرے صرف خدا کے لیے کرے۔ (وتعمل لسانک فی ذکر اللہ) اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھے۔ (قال) حضرت معاذ نے کہا (وماذا) اس کے بعد کیا کروں یا اس کے بعد آپ کیا فرماتے ہیں یا اعلیٰ

درجہ کے ایمان کی اور کونسی صفت و خصلت ہے۔ (قال ان تحب للناس ما تحب لنفسک) فرمایا یہ کہ تو لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (و تکرہ لھم ما تکرہ لنفسک) اور ان کے لیے بھی وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ یعنی سب کا خیر خواہ ہو۔ کسی کے لیے بدخواہ نہ ہو۔

کبیرہ گناہوں اور نفاق کی علامتوں کا باب

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے ارتکاب پر شرع میں حد و سزا متعین ہو۔ یا جس پر شرع میں وعید (ڈانٹ) واقع ہو۔ یا جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ہوئی ہو۔ اور دین کی بے عزتی کا موجب ہو۔ اور جو گناہ اس نوعیت کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔ بعض سخت تر اور شنیع تر ہیں اور بعض میں نسبتاً کم شناعت و قباحت ہے۔ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی کچھ تعداد مذکور ہوتی ہے۔ جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔ لیکن یہ گناہ صرف اس تعداد میں منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے جیسے وحی کا نزول ہوتا۔ یا حاضرین اور سائلین کے مناسب حال ان میں سے کچھ کچھ کا بیان فرماتے رہے۔ باقی گناہوں کا بیان کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھا۔

حضرت مولانا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد عضدیہ میں بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جن کبائر کی تعداد و تفصیل بیان کی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ۱۔ قتل ناحق۔ ۲۔ زنا۔ ۳۔ لواطت۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ شراب اور ہر ایسی نشہ آور چیز پینا جو شراب کے حکم میں ہو۔ ۶۔ خنزیر کا گوشت کھانا۔ ۷۔ کسی کا مال غصب کرنا۔ ۸۔ کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔ ۹۔ جھوٹی گواہی دینا۔ ۱۰۔ سود کھانا۔ ۱۱۔ بلا عذر شرعی رمضان شریف کا روزہ توڑنا۔ ۱۲۔ جھوٹی قسم کھانا۔ ۱۳۔ قطع رحمی کرنا۔ ۱۴۔ مسلمان ماں باپ کو ناحق تکلیف دینا۔ ۱۵۔ جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگ جانا۔ ۱۶۔ یتیموں کا مال کھانا۔ ۱۷۔ وزن و پیمانہ میں خیانت کرنا۔ ۱۸۔ وقت داخل ہونے سے پہلے نماز پڑھ لینا۔ ۱۹۔ نماز کا وقت ضائع کر کے اسے پڑھنا۔ ۲۰۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ ۲۱۔ مسلمانوں سے ناحق جنگ و جدال کرنا۔ ۲۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حدیث منسوب کرنا۔ ۲۳۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو گالیاں دینا۔ ۲۴۔ بے عذر سچی گواہی چھپانا۔ ۲۵۔ رشوت لینا۔ ۲۶۔ خاوند بیوی کے درمیان نفرت و عداوت ڈالنا۔ ۲۷۔ سلطان وقت کے پاس جا کر لوگوں کی چغلی کرنا۔ ۲۸۔ قدرت و طاقت ہوتے ہوئے امر معروف اور نہی منکر ترک کرنا۔ ۲۹۔ قرآن مجید سیکھنے کے بعد بھلا دینا۔ ۳۰۔ حیوانات و جانوروں کو آگ میں جلانا۔ ۳۱۔ عورت کا بلا عذر اپنے آپ کو مرد کے قابو میں نہ دینا۔ ۳۲۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا۔ ۳۳۔

اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانا۔ ۳۴۔ اہل علم اور حاملان قرآن کی اہانت و بے ادبی کرنا۔ ۳۵۔ اپنی عورت سے ظہار کرنا۔ یعنی ماں بہن کے ساتھ تشبیہ دینا۔ مولانا جلال الدین دوانی نے اسی قدر بیان کیے اور ایک دوسری تفسیر کے مطابق ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک عمدہ کتاب تصنیف کی جس کا نام زواجر ہے۔ نسال اللہ العافیۃ۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

الفصل الاول

۴۴۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَکَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَةَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِکَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِیْقَهَا "وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ. وَلَا یَزْنُوْنَ. الآیۃ۔

متفق علیہ

فصل اول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ وہ تیرا خالق ہے۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اس ڈر سے اپنی اولاد قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں۔ (اور ان کا کھانا میں کہاں سے مہیا کروں گا) اس نے کہا پھر بڑا گناہ کونسا ہے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان احکام کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل فرمائی والذین الخ اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے۔ اور جس ذات (انسان) کا قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہیں کرتے الا یہ کہ اس کا قتل کرنا شرعاً حق ہو۔ اور زنا و بدکاری کا ارتکاب نہیں کرتے۔ الآیۃ

شرح: (عن عبد اللہ بن مسعود) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب حد شمار سے زیادہ ہیں۔ کتاب کے آخر میں کتاب جامع المناقب میں تفصیل سے مذکور ہوں گے۔ رضی اللہ عنہ۔ (قال قال رجل) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے عرض کیا (یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ) اے اللہ کے رسول اللہ کے نزدیک سب سے بڑا اور بدتر گناہ کیا ہے۔ (قال ان تدعو اللہ ندا وھو خلقک) فرمایا سب سے بڑا گناہ جس سے سخت تر اور کوئی گناہ نہیں، یہ ہے کہ تو پروردگار

عالم کے لیے اس کی مانند اور اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھے علم ہے کہ تجھے اس نے پیدا کیا اور اگر تجھے اس کا علم نہیں ہے تو علم ہونا چاہیئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ پیدا کرنے کی صفت اس ذات کبریا کے سوا کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔ نِدّ۔ بکسر نون۔ اسے کہتے ہیں جو کسی کی ذات و صفات میں اس کی طرح ہو مگر افعال و احکام میں اس کے خلاف ہو۔ اور ضد ایسے مخالف کو کہتے ہیں جو ذات و صفات میں اس کی طرح نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی ند ہے نہ ضد۔

مشرکین اور بت پرست اگرچہ اپنے بتوں کو خدا کا مانند اور اس کا مخالف نہیں جانتے، اور نہ کہتے ہیں مگر چونکہ ان کی عبادت اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اس بنا پر گویا وہ انہیں اس کا مانند و شریک اور اس کا مثل قرار دیتے اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بت ہمیں خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ مختصر یہ کہ شرک تین قسم ہے۔ وجود میں شرک، خالقیت میں شرک۔ اور عبادت میں شرک۔

(قال ثم ای) اس مرد نے کہا کفر کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے۔ (قال ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك۔) فرمایا کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے فرزند کو اس بنا پر قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گا، یعنی اپنی محتاجی کے ڈر سے۔ دور جاہلیت میں لوگ یہ کام کرتے تھے اور تنگدستی اور شرم و عار کے خوف سے اپنی چھوٹی اور معصوم اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اگرچہ قتل نفس مطلقاً گناہ کبیرہ ہے، لیکن اپنی اولاد کا تنگدستی کے خوف کے تحت جو عقیدہ توکل اور خالقیت پروردگار کے اعتقاد کے منافی ہے۔ قتل کرنا سخت کبیرہ اور بدترین درجے کا گناہ ہے۔ اسی بنا پر خصوصیت سے قتل اولاد کا ذکر فرمایا۔ یا سائل کے حال کے مطابق ایسا فرمایا (قال ثم ای) کہا قتل نفس کے بعد سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ (قال ان تزنی حَلِیْلَۃَ جارك) فرمایا یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے بدکاری کرے۔ ہمسایہ کی بیوی کی قید بھی اس وجہ سے لگائی جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔ (کہ اگرچہ زنا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے۔ مگر ہمسایہ کی بیوی سے ایسا کرنا سخت تر کبیرہ ہے یا سائل کے حال کے مطابق ایسا فرمایا) (فانزل الله تصديقها) تو اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ احکام کی تصدیق و تائید کے لیے درج ذیل آیت نازل فرمائی جس میں وہ اپنے خاص بندوں کی مدح و ثنا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (والذين لا يدعون مع الله الٰها اٰخر۔) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک نہیں کرتے۔ (ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق) اور وہ لوگ جو کسی ذات کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر حق شرع کے تحت جیسے حد و قصاص کے طور پر قتل کیا جاتا ہے۔ (ولا یزنون) اور بدکاری نہیں کرتے۔ الآیۃ۔ آخر آیت تک جس میں ان جرائم پر شناعت و قباحت اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ذکر۔

فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے مقصود مطلق قتل وزنا نے مذکورہ قیود زیادہ تشنیع اور اظہار قباحت کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ یا خاص سائل کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۴۵۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَبَائِرُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَنَسٍ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْیَمِیْنِ الْغَمُوْسِ۔ متفق علیہ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ ۱۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ ۳۔ قتل ناحق۔ اور جھوٹی قسم کھانا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور حضرت انس کی روایت میں یمین غموس کے بجائے جھوٹی گواہی دینے کا لفظ آیا ہے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکبائر) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ (الاشراک باللہ) وجود یا عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ شرک سے ہر قسم کا کفر مراد ہے۔ صرف شرک کا ذکر اس لیے کیا کہ کفار مکہ مشرک تھے۔ اور بت پرستی کرتے تھے۔ اور بعض مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کو شرک کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں شرک سے ریا مراد ہے۔ یا مرتد ہونے سے روکنا مراد ہے۔ (وعقوق الوالدین) اور حق شرع کے بغیر مسلمان ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ مطلقاً والدین کو ستانا اور ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن دوسری احادیث کے قرینہ کے مطابق والدین سے مسلمان والدین مراد ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ تاہم کافر والدین کو بھی کفر سے نکالنے کی غرض کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت دکھ دینا اور رنجیدہ کرنا درست نہیں۔ بلکہ ان سے رفق و نرمی سے پیش آنا لازم ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں وہ مشرکہ ہیں ایمان لانے سے انکار کرتی ہیں۔ کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں۔ فرمایا ہاں اس سے صلہ رحمی کے ساتھ پیش آؤ۔ جیسا کہ باب البر والصلۃ میں آئے گا۔ (وقتل النفس) اور قتل ناحق۔ (والیمین الغموس) اور جھوٹی قسم کھانا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یمین غموس دراصل یہ ہے کہ کوئی شخص گزرے ہوئے کام کی جھوٹی قسم کھائے۔ مثلاً یوں کہے میں نے یہ کام کیا یا یہ بات کی۔ واقعہ میں وہ کام نہ کیا ہو یا وہ بات نہ کی ہو۔ یمین غموس بفتح غین معجمہ اسی قسم کو کہتے ہیں۔

غمس کا معنی غوطہ دینا ہے۔ یہ بُرا فعل فاعل کو گناہ اور آتش دوزخ میں غوطہ دینے کا سبب ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یمین غموس یہ ہے کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کے ذریعے مسلمان کا مال ہڑپ کرے۔ گزرے ہوئے کام کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر اس نے کسی آیندہ فعل کے لیے قسم کھائی کہ میں ایسا کروں گا۔ پھر نہ کیا تو اس کا کفارہ ہے کفارہ دے اور قسم توڑنے کے گناہ سے نجات حاصل کرے۔ (رواہ البخاری وفی روایۃ انس وشہادۃ الزور بدل الیمین الغموس) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں الیمین الغموس کے بجائے وشہادۃ الزور کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جھوٹی شہادت دینا۔ حدیث مذکور بروایت عبداللہ بن عمرو صرف امام بخاری کی روایت ہے۔ اور حدیث مذکور بروایت انس رضی اللہ عنہ جس میں الیمین الغموس کے بجائے وشہادۃ الزور کا لفظ آیا ہے متفق علیہ ہے۔

۴۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْغَافِلَاتِ۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک و برباد کرنے والی برائیوں سے بچو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ سات مہلک برائیاں کونسی ہیں۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا جادو کرنا۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ بیاج کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ کفار سے لڑائی کے دن ان کے مقابلے سے بھاگ جانا۔ اور بے خبر پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الگ رہو اور سات مہلک خصلتوں کو ترک کر دو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (یا رسول اللہ وما ھن) یا رسول اللہ وہ کیا چیزیں ہیں اور کون سی وہ سات مہلک خصلتیں ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (الشرک باللہ) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (والسحر) جادو کرنا جادو کے سکھانے اور سیکھنے کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اپنے اوپر سے جادو کا اثر دور کرنے کے لیے اس کا سیکھنا جائز ہے۔ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ شرح عقائد میں فرمایا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے متفقہ فیصلے کے مطابق جادو کرنا کفر ہے۔ صحابہ کرام سے بعد کے علماء نے کہا ہے کہ جادوگر کو قتل کر دینا چاہیئے۔ بعض نے کہا اگر جادو کفر کی باتوں سے متعلق ہو تو اس کے کرنے والے کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اگر وہ اس سے توبہ نہ کرے۔ کہانت (غیب کی خبریں پوچھنا) نجوم، کاہن و نجومی سے حالات دریافت کرنا ...

شعبدہ۔ ان کی تعلیم دینا اور اس پر اجرت لینا سب حرام ہے۔

(وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔) اور اس ذات کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو۔

(واکل الربا) اور سود کھانا۔ (واکل مال الیتیم) اور یتیم کا مال کھانا۔ (والتولی یوم الزحف) اور کافروں کے ساتھ جنگ کے دن انہیں پشت دکھانا اور ان سے منہ پھیرنا۔ زحف۔ اچھلنا، اور سرین پر چلنا جیسے بچہ چلتا ہے۔ اور اس لشکر کو بھی زحف کہتے ہیں جسے دشمن کی طرف روانہ کیا گیا ہو۔ جو ہجوم اور مشقت کے باعث چلنے سے ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے سرین پر چل رہا ہو۔ اور ایک مسلمان کا دو کافروں کے مقابلے سے بھاگنا اور پشت دکھانا گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے زیادہ تعداد کافروں سے بھاگنا حرام و گناہ نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں ایک مسلمان کا دس کفار کے مقابلے سے بھاگنا بھی حرام تھا۔ اس کے بعد اس میں تخفیف کر دی گئی اور صرف دو کافروں کے مقابلے میں جم کر رہنے کی پابندی باقی رکھی۔ (وقذف المحصنت الغافلات) اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے پاکدامن بدکاری کے کاروبار سے بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا حد قذف اسی کوڑے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لی جائے . . .

۴۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيْهَا أَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ ۔ متفق عليه وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْإِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ

اور انہیں سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کرنے والا جب یہ فعل کر رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور چوری کرنے والا جب چوری کا فعل کر رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور شرابی جب شراب پی رہا ہوتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا اور لوگوں کا مال لوٹنے والا جب یہ عمل کر رہا ہوتا ہے اور لوگ نگاہیں بلند کر کے اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور تم میں سے خیانت کرنے والا خیانت کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ تو میں تمہیں ان افعال کے مرتکب ہونے سے ڈراتا ہوں۔ متفق علیہ۔ اور ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں اور قاتل قتل کے فعل کے ارتکاب کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے دریافت کیا اس سے ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس طرح اور دونوں ہاتھوں

لَا يَكُوْنُ مُؤْمِنًا تَامًّا وَّلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ، هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ۔

کی انگلیاں ایکدوسری میں ڈال دیں اور پھر انہیں نکالا پس اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹتا ہے اسی طرح اور انگلیاں ایکدوسری میں ڈال دیں اور ابو عبداللہ نے کہا وہ مومن کامل نہیں ہوتا اور اس میں نور ایمان نہیں رہتا یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

شرح :۔ (وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔) اور انہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا يزنى الزاني حين يزنى وهو مومن) زانی زنا نہیں کر رہا ہوتا جب کہ وہ زنا کر رہا ہوتا ہے۔ مگر وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا یعنی زانی زنا کے وقت مومن و مسلمان نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ مومن کامل نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ زنا کے ارتکاب اور اس فعل قبیح سے بطور مبالغہ اور ڈانٹ و جھڑک کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ (ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن) اور چور چوری نہیں کرتا جب کہ وہ چوری کرتا ہے درانحالیکہ وہ مومن ہو (ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن) اور شراب نہیں پیتا شراب پینے والا جب کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس وقت وہ مومن ہو۔ (ولا ينتهب نهبة يرفع الناس اليه ابصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن) اور لوٹ مار کرنے والا جب بھی یہ فعل کرتا ہے اور لوگ آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اعلانیہ غارت گری کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور لوگ اسکے اس فعل پر روتے اور اظہار افسوس کرتے ہیں۔ اور اسے روکنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ایسا شخص اس حالت میں مومن نہیں ہوتا۔ کسی کے مال محفوظ و معصوم کو اس طرح لوٹ لینا بالکل حرام ہے۔ نہبتہ بفتح نون لوٹنا۔ اور نہبہ بضم نون لوٹا ہوا مال حدیث میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ (ولا يغل احدكم حين يغل وهو مؤمن) اور تم میں سے کوئی شخص غنیمت میں خیانت نہیں کرتا جب کہ خیانت کرتا ہے۔ اور وہ مومن ہو۔ غلول غنیمت میں خیانت کرنا۔ اور تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرا لینا۔ اور مطلق خیانت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور گزشتہ حدیث میں گزرا کہ۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔ کہ جس شخص میں امانت داری کی صفت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ (فایاکم ایاکم) تو ان گناہوں سے اپنے آپ کو دور رکھو دور رکھو۔ متفق علیہ۔ (وفی روایۃ ابن عباس) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ عبارت بھی آئی ہے۔ (ولا يقتل حين يقتل وهو مومن) اور کوئی شخص قتل نہیں کرتا جب کہ قتل کرتا ہے۔ اور وہ مومن ہو۔ (قال عكرمة قلت لابن عباس) حضرت عکرمہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خادم آپ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے کاتب اور راوی ہیں کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا (كيف ينزع الايمان منه۔) اس شخص سے ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے۔ (قال هكذا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا اس طرح نکال لیا جاتا ہے۔ (وشبك بين اصابعه ثم اخرجها) آپ نے اپنی انگلیوں کی تشبیک

کی ان کو ایک دوسری میں ڈالا اور پھر نکالا۔ ایمان باہر نکالنے کی صورت بیان کرنے کے لیے۔ کہ ان افعال کا مرتکب ہونے سے پہلے آدمی کی ذات کے ساتھ ایمان اس طرح ملا ہوا تھا۔ اور ان افعال کے ارتکاب کے وقت اس سے جدا اور الگ ہو گیا (فان تاب عاد الیہ) پھر اگر اس نے توبہ کر لی اور اس گناہ اور معصیت سے باز آ گیا تو ایمان اس کے اندر واپس آجاتا ہے۔ (وشبک بین اصابعہ) اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالا ایمان کے واپس آنے کی صورت دکھانے کے لیے۔ اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ایمان معصیت سے توبہ کے بعد لوٹ کر بندے میں واپس آتا ہے۔ الا یہ کہ توبہ سے لغوی معنی مراد ہو لغوی معنی رجوع کرنا اور پھرنا ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی کے آخر میں سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا کہ بندہ جب اس عمل بد سے الگ ہوتا ہے تو ایمان پھر اس میں لوٹ آتا ہے۔ (قال ابو عبد اللہ) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث اور مذہب اہل سنت و جماعت میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ (ابو عبداللہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی کنیت ہے)۔ (لایکون ھذا مؤمنا تاما) کہ یہ گناہگار انسان اس عمل بد کے ارتکاب کے وقت مومن کامل نہیں ہوتا۔ (ولا یکون لہ نور الایمان) اور اس میں ارتکاب گناہ کے وقت ایمان کی روشنی نہیں ہوتی۔ دراصل اس سے بھی کمالِ ایمان مراد ہے۔ (ھذا لفظ البخاری) یہ عبارت عین امام بخاری کی عبارت ہے۔ ان کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک بھی عمل حقیقت ایمان میں داخل نہیں۔ بلکہ عمل کمالِ ایمان کا موجب ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ گمان غلط ثابت ہو گیا کہ محدثین کے نزدیک عمل جزوِ ایمان ہے۔ اور محدثین کرام کا یہ کہنا کہ الایمان تصدیق بالجنان و اقرار باللسان و عمل بالارکان (ایمان دل کی تصدیق زبان کے اقرار اور اعضا کے عمل کا نام ہے)۔ درست ہے۔ مگر محدثین اور تمام اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس سے ایمانِ کامل مراد ہے۔ ہم نے یہ تحقیق بعض دوسرے مقامات میں زیادہ شرح اور زیادہ مدلل طریقہ سے بیان کر دی ہے۔

۴۸۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ۔ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ اور امام مسلم نے یہ الفاظ زیادہ کیے، اگرچہ وہ منافق نماز پڑھے، اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ حدیث کے باقی الفاظ پر دونوں کا اتفاق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اور

متفق علیہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

شرح :- (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ المنافق ثلث) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی نشانی اس کی تین خصلتیں اور عادتیں ہیں۔ اور مسلم نے یہ عبارت زیادہ کی ہے۔ (وان صلی وصام وزعم انہ مسلم) اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے (ثم اتفقا) اس عبارت کی کمی بیشی کے اختلاف کے بعد ان تین چیزوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں امام بخاری و امام مسلم دونوں کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں کو منافق ہونے کا نشان قرار دیا ہے۔ (اذا حدث کذب) جب بات کرے جھوٹ بولے (واذا وعد اخلف) جب وعدہ کرے تو جو وعدہ کیا اسے پورا نہ کرے۔ (البتہ کسی مجبوری کے تحت وعدہ خلافی ہو جائے تو امر دیگر ہے)۔ محدثین کرام نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ وعدہ کرتے وقت اس کے پورا کرنے کی نیت نہ ہو۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ وفائے وعدہ عمدہ اخلاق میں سے ہے اس کی تفصیل باب وعدہ میں آئے گی۔ (واذا اؤتمن خان) اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے یا اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے کوئی بات کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین خصلتوں کو نفاق کا نشان اور اس کی علامت قرار دیا چاہے یہ باتیں کسی میں بیک وقت اکٹھی موجود ہوں یا ایک ایک کرکے موجود ہوں۔ بہرحال جس میں بھی یہ تین خصلتیں موجود ہوں وہ حقیقتاً منافق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صفات منافقین کے لائق ہیں۔ مسلمانوں کے مناسب حال تو یہ ہے کہ وہ ان بری عادات سے پاک و مبرا ہوں۔ کہ ان میں باطن کی ظاہر سے مخالفت پائی جاتی ہے۔ جس طرح منافق کا دل اور زبان ایک نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان برائیوں کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ اور نہ ان پر اڑے رہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ ان کے خوگر ہو کر وہ حقیقتاً نفاق میں مبتلا ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ علامات نفاق کا موجود ہونا وجود نفاق کو مستلزم نہیں۔ دراصل اس میں اہل ایمان کو ان صفات مذمومہ سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید ہے اور انہیں ان میں مبتلا ہونے سے ڈرایا اور خوف دلایا گیا ہے۔ اور ان لوگوں سے اظہار ناراضگی کیا گیا ہے جن میں یہ صفات مذمومہ پائی جاتی ہوں۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام و بیان سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو منافقین کے نشان و علامت سے آگاہ فرمایا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں موجود تھے۔ اور منافقین کی یہ صفات بیان کیں تاکہ صحابہ کرام ان کی صحبت و مجلس سے اجتناب و پرہیز کریں۔ معین طور پہ منافقین کے نام بیان نہ فرمائے تاکہ

انہیں شرمندگی لاحق نہ ہو۔ اور کسی قسم کا شروفتنہ بھی برپا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں ان صفات وعادات والا کوئی شخص نہ تھا تاہم پہلی توجیہ زیادہ ظاہر ہے۔

۴۹۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (بری) عادتیں جس میں ہوں وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک خصلت وعادت ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے۔ یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور عہد کرے تو اس میں غداری کرے۔ اور جب کسی سے جھگڑ پڑے تو غنڈہ گردی پہ اتر آئے۔

شرح:۔ (وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں اور عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ چار پائی جاتی ہوں (کان منافقا خالصا) وہ خالص اور پورا منافق ہے۔ اس میں ایمان کا نشان نہیں۔ (ومن کانت فیہ خصلۃ منھن) اور جس شخص میں ان چار میں سے ایک موجود ہو (کانت فیہ خصلۃ من النفاق) تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے۔ اسی طرح دو اور تین خصلتیں۔ (حتی یدعھا) یہاں تک کہ وہ خصلت چھوڑ دے۔ اور وہ چار یہ ہیں (اذا أتمن خان) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے اور اس پہ اعتماد کیا جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (واذا حدث کذب) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (واذا عاھد غدر) اور جب کوئی عہد کرے تو اسے توڑ دے۔ عہد توڑ دینا وعدہ خلافی کے معنی کے قریب اور اس کا ایک فرد خاص ہے۔ (واذا خاصم فجر) اور جب کسی سے لڑ جھگڑ پڑے تو جھوٹ پر اتر آئے، سرکشی پہ اتر آئے۔ اور تباہی و بربادی اور دنگا فساد برپا کرے۔

۵۰۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کا حال اس بکریا کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہو۔ ایک بار

الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَّاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً. رواہ مسلم۔

وہ ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور دوسری بار دوسرے ریوڑ کی طرف بھاگے۔

شرح:۔ ردعن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہو۔ (تعیر الی هذه مرة و الی هذه مرة) کہ کبھی ایک گلے کی طرف جائے اور کبھی دوسرے کی طرف۔ اسی طرح منافق کبھی ایک گروہ کی طرف جاتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف دورخی سے کام لیتا ہے۔ لغت میں عائرہ اس مادہ شتر کو کہتے ہیں جو نر شتر کی تلاش میں ادھر ادھر پھرے تاکہ مجامعت کی غرض سے نر شتر اس پر کود سے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۱۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَّلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ يَوْمَ الزَّحْفِ

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا ہمارے ساتھ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چل اس کے ساتھی نے اسے کہا نبی نہ کہہ بیشک اگر اس نے تیری یہ بات سن لی تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (وہ بہت خوش ہوگا) چنانچہ وہ دونوں یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور آپ سے نو روشن نشانیوں کے بارے میں سوال کیا (کہ وہ کیا ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا مگر حق اور جائز طریقہ سے۔ اور کسی بے گناہ کو بادشاہ کے پاس لے کر نہ جاؤ کہ وہ اسے قتل کرے۔ اور جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، اور پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ اور جنگ و جہاد کے دن بھاگنے کے لیے پشت نہ پھیرو۔ اور اے قوم یہود خاص طور پر

وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدُ اَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ۔ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ قَالَ دَاؤُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَّا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنِ اتَّبَعْنَاكَ اَنْ يَّقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

تمہارے لیے یہ ہے کہ ہفتہ کے روز حد سے نہ بڑھو۔ راوی کہتے ہیں اس پر دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ اور پاؤں مبارک چومے۔ اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تمہیں میری تصدیق سے کس نے روک رکھا ہے کہنے لگے داؤد علیہ السلام نے۔ انہوں نے دعا کی تھی کہ ہمیشہ ان کی اولاد میں نبی مبعوث ہوتا رہے ۔ اور بیشک ہمیں اس کا ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

شرح: (عن صفوان بن عسال رض) عَسَّال بفتح عین وتشدید دونوں سین مہملہ۔ آپ صحابی ہیں کوفہ میں سکونت تھی۔ ان کی روایت کردہ احادیث بھی اہل کوفہ میں شہرت پذیر ہوئیں بارہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت اور ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(فقال یہودی لصاحبہ) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا (اذھب بنا الی ھذا النبی) ہمیں اس شخص کے پاس لے چل جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور لوگ اسے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ (فقال لہ صاحبہ) اس کے ساتھی نے اسے کہا (لا تقل نبی) اسے نبی نہ کہہ (انہ لو سمعک) بیشک اگر وہ تیری یہ بات سن لے۔ (لکان لہ اربع اعین) تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ یہ دراصل انتہا درجہ کی مسرت اور خوشحالی سے کنایہ ہے (اس کی طرف اشارہ ہے) کہ سرور وخوشی سے نگاہ میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح غم والم کے وقت جہاں تاریک نظر آتا ہے۔ اور جب خوشی ومسرت کا وقت ہو تو روشن نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کلمہ کی شرح میں شارحین نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

اس کلمہ کی شرح اس طرح کرنا بھی ممکن اور درست ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ نبی اگر یہ کلمہ سن لے گا تو اپنے کار نبوت ورسالت اور اپنے پیروکاروں کے ظہور وغلبہ کا امیدوار اور اس کی انتظار شروع کر دے گا۔ کہ جو شخص کسی معاملے کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اس کی نگرانی اور زیادہ سعی اور کوشش شروع کر دیتا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ

تیری انتظار میں میری آنکھیں چار ہو چکی ہیں۔

(فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ دونوں یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

(فسالاہ عن تسع آیات بینات) اور آپ سے نو روشن نشانیوں کے متعلق سوال کیا۔ ظاہر و بنیاد یہ ہے کہ ان نو روشن آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (بیشک ہم نے حضرت موسیٰ کو نو روشن دیتیں نشانیاں عطا کیں۔ یعنی ید بیضا اور عصا وغیرہ جن کا تفاسیر میں ذکر موجود ہے لیکن اس حدیث میں ان کے جواب میں جو کچھ مذکور ہے۔ وہ ایسے احکام ہیں جو تمام ادیان اور ملتوں میں موجود تھے۔ چنانچہ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ جواب دے کر اس امر کا اشارہ فرمایا کہ معجزات سے کس لیے سوال کرتے ہو۔ احکام سے متعلق سوالات کرو جو اہم اور ضروری ہیں۔ اس قسم کے انداز جواب کو اسلوب حکیم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ علم بلاغت میں تفصیل سے یہ بیان موجود ہے۔ اور بعض محدثین کرام یہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے معجزات سے متعلق ان کے سوال کا جواب ارشاد فرمایا اس کے بعد انہیں ڈرانے اور ان کی ہدایت کے لیے ضروری احکام بھی بیان فرمائے۔ مگر ان معجزات کی شہرت کی بنا پر راوی نے ان کا ذکر نہ فرمایا۔ بعض شارحین یہ فرماتے ہیں۔ آیات بینات سے یہی احکام ہی مراد ہیں۔ کہ شرع شریف کے احکام اس شخص کی سعادت و نیک بختی کی علامت اور نشان ہیں جو ان پر عمل پیرا ہو۔ اور شقاوت و بدبختی کی علامت یہ ہے کہ انسان ان پر عمل نہ کرے۔ اور یہ احکام تمام انبیاء کی شریعتوں میں ظاہر و واضح اور مشہور تھے۔

(فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا تشرکوا باللہ شیئا) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو (ولا تسرقوا) اور چوری نہ کرو (ولا تزنوا) اور زنا و بدکاری نہ کرو (ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق) اور کسی ذات کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ قتل نہ کرو مگر حق اور حکم شریعت کے مطابق۔ (ولا تمشوا ببرئ) اور کسی پاک اور بے گناہ انسان پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نہ لے جاؤ (الی سلطان) سلطنت اور قوت و زور والے حاکم کے پاس (لیقتلہ) تاکہ وہ اس بے گناہ کو قتل کرے، اسے تکلیف و اذیت دے اور اس پر ظلم کرے۔ جس طرح لوگ بادشاہوں کے پاس لے جاتے اور قتل کرواتے ہیں (ولا تسحروا) اور جادو نہ کرو۔ (ولا تاکلوا الربا) اور سود نہ کھاؤ۔ (ولا تقذفوا محصنۃ) اور کسی پاکدامن و پارسا عورت کو زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (ولا تولوا للفرار یوم الزحف) اور کفار سے جنگ کے دن بھاگنے کے لیے پشت نہ دکھاؤ اور منہ نہ پھیرو۔ یہاں تک یہ نو حکم جو ملتوں اور شریعتوں کو شامل ہیں ان کا بیان پورا ہوا۔ ان کے بیان کے بعد ایک اور

حکم بیان فرمایا جو یہود کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ فرمایا (علیکم خاصۃ الیھود) اور اے یہود تم پر خصوصیت سے یہ حکم بھی لازم و ضروری ہے۔ (ان لا تعتدوا فی السبت) کہ ہفتہ کے روز شکار کرنے میں حد سے نہ بڑھو، اور نافرمانی نہ اختیار کرو۔ جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں سوالات کرنے والے یہ یہودی اپنے دلوں میں دس سوالات لے کر آئے تھے۔ نو تو انہوں نے ظاہر کر دیئے دسواں سوال جو ان سے متعلق اور ان کے ساتھ خاص تھا دل میں چھپائے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سوالات کا جواب ارشاد فرمایا اور دسواں حکم جو انہوں نے دلوں میں چھپا رکھا تھا، الگ کر کے بیان فرما دیا۔ اس بنا پر انہوں نے حضور کے ہاتھوں اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا (قال) حضرت صفوان فرماتے ہیں۔ (فقبلا یدیہ و رجلیہ) تو ان دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ (وقالا نشھد انک نبی) اور کہا ہم دونوں آپ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دیتے ہیں یعنی ہم نے جان لیا اور شناخت کر لیا کہ آپ پیغمبر ہیں جیسا کہ یہودی اس حقیقت کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ مگر یہ ایمانی شہادت نہیں ہے جو اذعان و قبول پر مشتمل ہوتی ہے۔ بلکہ علم و معرفت کا اظہار ہے جو انہیں حاصل تھا اور ایمان محض پہچان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے تصدیق ضروری ہے جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ اسی لیے (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فما یمنعکم ان تتبعونی) تو کون سی چیز تمہیں مجھ پر ایمان لانے، میری نبوت و رسالت کو قبول کرنے اور میری پیروی سے نہیں روک رہی ہے (قالا ان داؤد علیہ السلام) ان دونوں نے کہا بیشک حضرت داؤد علیہ السلام نے (دعا ربہ ان لا یزال من ذریتہ نبی) اپنے رب تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی کہ قیامت تک ان کی اولاد میں نبی پیدا ہوتا رہے۔ ان کی دعا لازماً قبول و مستجاب ہو چکی ہے۔ اس لیے یہود صرف ان کی اولاد میں پیدا ہونے والے نبی کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اور غلبہ و شوکت و دبدبہ بھی یہود کو ہی حاصل رہے گا۔ (وانا نخاف ان تقتلنا الیھود) اور ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کے پیرو کار بن جائیں اور دین یہودیت ترک کر دیں تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔ مگر یہ گفتگو اور یہ جواب یہود نابہود کا محض افتراء ہے۔ کہ کذب و افتراء ان کی عادت مستمرہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ہرگز کبھی ایسی دعا نہیں کی نہ اس طرح کی کسی چاہت کا اظہار فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایسی چاہت کیسے کر سکتے ہیں جب کہ آپ نے تورات و زبور میں پڑھا ہوا تھا کہ حضرت محمد صلوات اللہ و سلامہ علیہ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ بعض علماء کرام یوں فرماتے ہیں کہ یہودی حضور علیہ السلام کو صرف عربوں کا نبی تسلیم کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کو نبی الامیین کہتے ہیں مگر اس بات میں بھی غلطی پر ہیں کہ پیغمبر پر جھوٹ باندھنا روا نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعویٰ فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف نبی

بن کر تشریف لایا ہوں۔ اس لیے مومن ہونے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کی تصدیق بھی لازم و ضروری ہے۔

۵۲۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ۔ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ، جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ۔ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔

رواہ ابوداؤد۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی اصل اور بنیاد ہیں۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والے کو کافر کہنے سے رک جانا کہ تو اسے کسی گناہ کی بنا پر کافر نہ کہہ۔ اور کسی عمل بد کے باعث اسے اسلام سے خارج نہ کر۔ اور جب سے اللہ نے مجھے نبی مبعوث فرمایا ہے اس سے یہ کہ اس امت کے آخری دستے کے دجال کے ساتھ قتال تک جہاد جاری اور موجود رہے گا کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل اسے باطل اور منسوخ نہ کر سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیروں پر ایمان لانا۔

شرح: (وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین خصلتیں ایمان کے اصولوں، اس کے قواعد اور اس کی بنیادی باتوں میں سے ہیں۔ کہ اگر وہ نہ ہوں تو ایمان کی عمارت گر جائے اور جڑ سے اکھڑ جائے (الکف عمن قال) ان تین میں سے پہلی یہ کہ اس شخص سے رک جانا ہے جو کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) کی شہادت دیتا ہو۔ (لا تکفرہ بذنب) تو اسے کسی گناہ کی بنا پر کافر نہ کہہ۔ لا تکفرہ بذنب کا جملہ الکف عمن قال کا بیان اور اس کی تفسیر ہے۔ یعنی اس کلمہ پڑھنے والے کو کسی گناہ کے سبب جو صادر ہو چاہے کبیرہ ہی کیوں نہ ہو کافر جان اور کافر نہ کہہ۔ حضور کے اس ارشاد میں خوارج کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ مومن معصیت کے ارتکاب سے چاہے صغیرہ ہی ہو، کافر ہو جاتا ہے۔ (ولا تخرجہ من الاسلام بعمل) اور ہر عمل بد کی بنا پر جو وہ کرے اسے اسلام سے باہر نہ نکال دے اور اس کے مسلمانی سے ہی خارج ہو جانے کا فیصلہ صادر نہ کر دے۔ اس میں فرقہ معتزلہ کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر چہ کفر میں بھی داخل نہیں ہوتا، یہ لوگ کفر و ایمان کے درمیان ایک واسطہ درجہ ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر اور فاسق کو مومن و کافر کے علاوہ ایک تیسری قسم شمار کرتے

ہیں۔ (والجہاد ماض منذ بعثنی اللّٰہ) دین کے اصولوں میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بناکر مبعوث فرمایا اور جہاد کا حکم دیا ہے اس وقت سے کفار کے ساتھ جہاد و قتال جاری ہو چکا ہے۔ (الی ان یقاتل آخرھذہ الامۃ الدجال) اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا تا آنکہ اس امت کا آخری دستہ آخر زمانہ میں دجال کے ساتھ جہاد و قتال کرے گا۔ پھر دجال کے نکلنے کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ ان کے ساتھ جہاد کی گنجائش کم ہو گی تاہم وہ جہاد کے بغیر ہی فنا اور ختم ہو جائیں گے۔ ان کے فنا و ہلاک ہونے کے بعد روئے زمین پر کوئی کافر موجود نہ رہے گا۔ تو نتیجۃً جہاد کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ (لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔) فرضیت جہاد کو کوئی ظالم یا عادل بادشاہ باطل نہیں کر سکتا۔ یعنی ترک جہاد جائز نہیں ہے۔ اگر چہ ظالم و فاسق بادشاہ کے زیر سایہ ہی جہاد کرنا پڑے۔ جہاد کرنے میں اس کی موافقت ضروری ہو گی۔ اور اس کے ساتھ جہاد کے لیے چلنا ہو گا۔

سوال:۔ ظالم کا ظلم تو اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا روا نہ ہو بلکہ باطل اور نا جائز ہو۔ اسی طرح بادشاہِ عادل کے عدل سے جہاد کا باطل ہونا تصور میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا اس کی نفی کا کیا فائدہ۔

جواب:۔ اس نفی سے دراصل دونوں حالتوں کی مساوات بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح کسی کا عدل و انصاف اسے باطل نہیں کر سکتا، کسی کا ظلم و ستم بھی اسے باطل نہیں کر سکتا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کہ عدل امن و امان کا موجب اور کفار سے نہ ڈرنے کا باعث ہے نیز جب کہ ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو تو اموال غنیمت کی بھی کوئی ضرورت و حاجت نہیں رہتی۔ ایسے حالات میں تو جہاد کا حکم ملتوی ہو جانا چاہیئے اور اس کی ضرورت کا سوال ختم ہو جانا چاہیئے۔ تو فرمایا کہ ایسے حالات میں بھی جہاد کی فرضیت اپنی جگہ برقرار ہے کسی عادل کا عدل بھی حکم جہاد کو بے اثر نہیں کر سکتا۔ خوب سمجھ لے۔

(والایمان بالاقدار۔) دین کی تیسری اصل و بنیاد تقدیرات الٰہیہ پہ ایمان لانا اور اس امر کا اعتقاد رکھنا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے سب خدا تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتا ہے۔

۵۳۔ **وَعَنْ** اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْہُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَاْسِہٖ کَالظُّلَّۃِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِکَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَیْہِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کے فعل میں معروف ہوتا ہے اس وقت اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اور اس کے سر پہ سائبان کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر جب بندہ اس فعل زنا سے نکل آتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

الْاِیْمَانُ ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد

شرح :۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زنی العبد خرج منہ الایمان) جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس وقت ایمان اس کے اندر سے باہر نکل آتا ہے۔ (فکان فوق راسہ کالظلۃ) تو وہ اس کے سر پر سائبان کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ظُلَّۃ بفتحہ ظاء بضمہ ہر وہ چیز جو تیرے سر پر سائے کی طرح قائم اور موجود ہو جیسے بادل یا خیمہ یا چھت وغیرہ۔ دراصل یہ ایمان کی صورت مثالی ہے۔ اور ہر شے کی اس جہاں میں ایک مثال ہے۔ چنانچہ اجسام میں دودھ علم کی مثال ہے۔ اور بکری ذبح موت کی مانند ہیں۔ اور سائبان ایمان کی مثال ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے اور اس بارے میں جس قدر احادیث آئی ہیں سب ان رسائل میں جمع کی ہیں۔ وہ سب احادیث (ہم نے) شرح (عربی) میں نقل کی ہیں۔ ایمان کو سائبان سے مثال دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گناہ کی وجہ سے اگرچہ بندہ کمال ایمان اور اس کی نورانیت سے خالی ہو جاتا ہے۔ تاہم اب بھی اس کی پناہ اور اس کی حمایت کے سایہ تلے ہوتا ہے۔ اور بالکل اس طرح اس سے الگ نہیں ہو جاتا کہ پھر واپس ہی نہ آئے۔ جیسا کہ فرمایا (فاذا خرج من ذٰلک العمل) پس جب یہ بندہ اس عمل بد سے باہر نکل آتا اور اس گناہ نے عمل (زنا) سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اور اس فعل قبیح کو عمل سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر عمل بد کی یہی نوعیت ہے۔ زنا ہو یا کوئی اور عمل۔ (رجع الیہ الایمان) تو بندے کی طرف ایمان لوٹ کر آ جاتا ہے۔

الفصل الثالث　　تیسری فصل

۵۴۔ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ. قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَّکْتُوْبَۃً مُّتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃً مَّکْتُوْبَۃً

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ اپنے والدین کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے تیرے اہل اور مال سے نکل جانے کا حکم بھی دیں۔ اور جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کرنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز فرض ترک کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ختم

مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ وَ لَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَاْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ. وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مُوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ. وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِي اللهِ۔ رواہ احمد۔

ہو جاتی ہے۔ اور ہرگز شراب نہ پینا کہ بلاشبہ یہ ہر بے حیائی کی سردار ہے اور معصیت و نافرمانی کے قریب نہ جانا کہ بیشک معصیت سے انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ اور جہاد کے دن مقابلہ کفار سے مت بھاگنا اگرچہ سب لوگ ہلاک ہو جائیں۔ اور جب لوگ موت میں (طاعون وغیرہ وبائی امراض کے ذریعے) مبتلا ہوں اور تو ان میں موجود ہو تو وہیں جم کر رہنا۔ اور اپنے اہل وعیال پر اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرنا اور تعلیم و تربیت کی غرض سے ان پر سے اپنی لاٹھی زمین پر نہ رکھ دینا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے رہنا۔

شرح :- (الفصل الثالث ۔ عن معاذ) رضی اللہ عنہ۔ (قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تیسری فصل۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی۔ (بعشر کلمات) دس باتوں کی۔ (قال لا تشرك بالله شيئا) فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر۔ اور نہ زبان سے کفر نکال۔ (وان قتلت وحرقت) اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ چونکہ حضرت معاذ نہایت بلند مرتبہ شخصیت تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بڑی تاکید سے وصیت فرمائی۔ اور مبالغے سے کام لیا۔ لیکن دوسروں کے لیے رخصت و گنجائش کی اجازت باقی رکھی۔ (ولا تعقن والديك) اور اپنے والدین کو رنج و اذیت نہ دے۔ اور کسی بھی جائز و مباح کام میں ان کے فرمان کی خلاف ورزی نہ کر۔ (وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك) اگرچہ وہ تجھے تیری بیوی، اولاد اور مال چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں یہ دراصل اس بارے میں تاکید و مبالغے کے طور پر فرمایا۔ ورنہ اہل وعیال اور مال و متاع چھوڑ کر چلے جانا لازم و واجب نہیں ہے کہ اس میں حرج اور تکلیف ہے۔ (ولا تتركن صلوة مكتوبة متعمدا) اور قصداً نماز فرض ترک نہ کر۔ (فان من ترك صلوة مكتوبة متعمدا) کیونکہ جو شخص قصداً فرض نماز ترک کرتا ہے۔ (فقد برئت منه ذمة الله) تو بیشک اس سے اللہ تعالیٰ کا عہد اور اس کی ذمہ داری دور ہو گئی یعنی امن و امان عطا کرنے کا وہ عہد و پیمان جو اللہ نے ایمان والوں سے کر رکھا ہے۔ وہ دور ہو جاتا اور اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

حدیث پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دینا واجب ہے۔ امام شافعی اور بعض

دوسرے آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ حنفی اور مالکی مذہب کے مطابق تارک نماز کو زدوکوب کیا جائے گا۔ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اور قید خانے میں ڈالا جائے گا۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام تارک نماز کے علاوہ کسی گنہگار کو کفر سے داغدار قرار نہیں دیتے تھے۔ (ولا تشربن خمرًا) اور ہرگز شراب نہ پینا۔ (فانہ راس کل فاحشۃ) کہ بلاشبہ یہی ہر گناہ اور بدکاری کا سر ہے۔ کیونکہ ایمان وطاعت کا دارومدار عقل پر ہے جب عقل زائل ہو گئی تو ایمان وطاعت سب کچھ جاتا رہا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ (وایاک والمعصیۃ) اور اپنے آپ کو گناہ سے دور رکھ اور اس سے پرہیز کر (فان بالمعصیۃ حل سخط اللہ) کہ معصیت وگناہ کے باعث بندے پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور اس کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ (وایاک والفرار من الزحف) اور کفار سے جنگ وجہاد کے وقت بھاگنے سے بچ۔ (وان ھلک الناس) اگرچہ لوگ ہلاک ہو جائیں۔ یہ بھی مبالغے اور تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ اور قاعدہ وہی ہے جس کا گزشتہ ذکر ہوا کہ ایک مسلمان کو دو کفار کے مقابلے سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ (واذا اصاب الناس موت وانت فیھم) اور جب کسی وبا اور طاعون وغیرہ کے باعث لوگ مر رہے ہوں۔ اور تو ان میں موجود ہو تو (فاثبت) تو اپنی جگہ پر موجود رہ وہاں سے موت کے ڈر سے کسی اور طرف نہ جا۔ حکم شرعی یہی ہے کہ جب کسی شہر میں وبائی مرض پھیلی ہوئی ہو تو ایسے وقت میں وہاں سے کسی اور جگہ نہ جانا چاہیے۔ مگر ایسے وقت کسی اور شہر سے اس شہر میں بھی منتقل نہ ہونا چاہیے۔ اور طاعون سے بھاگنا معصیت اور گناہ ہے۔ اور بالکل ایسا ہی جرم ہے جیسے کفار کے مقابلے سے بھاگنا جرم ہے۔ اور اگر اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر یہاں سے نہ بھاگا تو ضرور مر جاؤں گا۔ اور اگر اس شہر سے بھاگ جاؤں تو ضرور بچ جاؤں گا اور سلامت رہوں گا تو ایسا عقیدہ رکھنے سے کافر ہو جائیگا نعوذ باللہ من ذالک۔ (وانفق علی عیالک من طولک) اور اپنے اہل وعیال پر اپنی گنجائش کے مطابق ضروری نان ونفقہ سے بڑھ کر خرچ کیا کر۔ (ولا ترفع عنھم عصاک ادبًا۔) اور اپنی لاٹھی رکھ نہ دے بلکہ تعلیم وتربیت کے لیے انہیں مارا کر۔ (واخفھم فی اللہ) اور انہیں حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ڈرایا کر۔

۵۵۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ أَوِ الْإِيمَانُ. رواہ البخاری۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ مگر اب ہمارے زمانہ میں صرف کفر یا ایمان ہے۔

تشریح: (وعن حذیفۃ) رضی اللہ عنہ۔ یعنی حذیفہ بن الیمان عظیم اور اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص راز دان ہیں۔ آپ منافقین کے حالات سے بہت زیادہ واقف تھے۔ (قال انما النفاق کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرماتے ہیں نفاق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ (واما الیوم) مگر آج ہمارے زمانہ میں (فانما ھو الکفر او الایمان) صرف کفر یا ایمان ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ تین قسموں میں تقسیم تھے۔ مومن۔ کافر۔ منافق۔ آپ کے زمانہ اقدس میں شریعت کا حکم یہ تھا کہ منافقین کو مسلمانوں کے حکم کے تحت رکھا جاتا تھا۔ اور ان کے حال پر پردہ پوشی کی جاتی تھی۔ اور حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جو اس وقت ملحوظ تھیں، ان کے حالات کو نہیں چھیڑا جاتا تھا۔ مگر اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔ اگر فرضاً ظاہر ہو جائے کہ فلاں کے سینہ میں نفاق ہے۔ اور اس نے اپنے دل میں کفر چھپایا ہوا ہے۔ تو اسے بھی ہم قتل کر دیں گے اور اس پر کفر کے احکام جاری کریں گے۔

وسوسہ کا بیان

وسوسہ مدھم آواز، عورتوں کے زیور پازیب وغیرہ کی آواز اور برے خیال کو کہتے ہیں مگر یہاں افکار فاسدہ اور ردی خیالات مراد ہیں۔ جو گناہ اور معصیت کا سبب بنتے ہیں۔ اور جو خیالات ایمان کا سبب بنیں انہیں الہام کہا جاتا ہے اور لفظ وسواس بفتح واو و کسر کا بھی یہی معنی ہے۔ وسواس بمعنی شیطان بھی آتا ہے آیہ کریمہ من شر الوسواس میں وسواس کا معنی بعض مفسرین نے شیطان کیا ہے۔

الفصل الاول — پہلی فصل

۵۶۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت سے در گزر فرماتے ہیں وہ وسوسے جو اس کے سینوں میں آتے ہیں جب تک امت اس پر عمل نہ کرے یا وسوسے کی بات زبان پر نہ لائے۔

شرح:۔ (عن ابی ھریرۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے درگزر فرما دیئے ہیں میری امت کے (ما وسوست بہ صدورھا) وہ وسوسے جو اس کے سینوں میں آتے ہیں۔ (ما لم تعمل) جب تک کہ ان پر عمل پیرا نہ ہو۔ (او تتکلم) یا جب تک کہ انہیں زبان پہ نہ لائے۔

یعنی وہ عمل جو نہ کرنا چاہیئے نفس و شیطان اس کی وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔ اور دل میں اس کے کرنے کا خیال ڈالتے ہیں یا وہ بات جو زبان پر نہ لانی چاہیئے اسے زبان پر لانے کی ترغیب دیتے ہیں تاہم جب تک بندہ وسوسے کے مطابق عمل بد نہیں کرتا۔ یا بری بات زبان پر نہیں لاتا کراما کاتبین اسے نہیں لکھتے اور اس پر اللہ کے ہاں مواخذہ نہ ہو گا۔ بہر رعایت و درگزر اس امت مرحومہ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ گزشتہ امتوں کی محض برے خیال پر بھی گرفت ہوتی اور انہیں سزا ملتی تھی۔

اس حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ معصیت و گناہ کا پختہ ارادہ و عزم کر لینے پر بھی بندے کی گرفت نہ ہو گی۔ بعض علماء کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ لیکن درست اور صحیح مذہب یہ ہے کہ معصیت و گناہ کے پختہ عزم و ارادہ پہ بھی بندے کی گرفت ہو گی۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ بندے کے اختیار کے بغیر یکایک جو برا خیال اس کے نفس میں آتا ہے۔ اسے ہاجس کہتے ہیں۔ یہ تمام امتوں کے لیے معاف تھا۔ کہ ایسا خیال بندے کے اختیار سے باہر ہے۔ اور جو برا خیال دل میں آئے اور جاگزین ہو جائے اور سینے میں گھومنا شروع کر دے اُسے خاطر کہتے ہیں۔ یہ بھی اس امت کے لیے معاف ہے۔ قابل گرفت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور اس کی یہ رحمت اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح سہو و نسیان اس امت سے اٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی اس پہ گرفت و مواخذہ نہیں ہے۔ اور اگر اس خیال بد کے سینہ میں گھومنے اور گشت کرنے کے بعد دل میں اس کی محبت و چاہت پیدا ہو۔ اور اس کے حصول کی خواہش اور اس تک پہنچنے کا ارادہ پیدا ہو جائے تو ایسے خیال کو ہم کہتے ہیں۔ یہ بھی اس امت کے لیے معاف کر دیا گیا ہے اور جب تک بندہ اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ عمل نامہ میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر اس کا قصد و ارادہ کر لیا پھر اپنے نفس کو اس سے روک لیا تو اس پر اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہاں ایک اور قسم بھی ہے جسے عزم کہتے ہیں اور یہ معصیت پر نفس کی قرارداد اور اس معصیت کے ارتکاب کے جزم اور پختہ ارادہ کا نام ہے۔ یہاں تک کہ اب بندے کی طرف سے اس کے کر گزرنے میں کوئی ہچکچاہٹ اور کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی ماسوائے اس کے کہ اس کے خارجی اسباب مہیا نہ ہو سکے۔ اگر خارجی اسباب مہیا ہو جاتے تو بندہ ضرور اسے کر گزرتا۔ اس قسم کے عزم و ارادہ پر مواخذہ ہو گا۔ کہ یہ قلب کے اعمال میں سے ہے۔ جس طرح عقائد و اخلاق ذمیمہ پہ بندے کا مواخذہ ہو گا اور قلب کے اعمال پہ بھی بندے کی گرفت ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری اعضاء کے اعمال بد پہ گرفت و مواخذہ ہوتا ہے۔ تاہم یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ عزم و ارادہ عین معصیت نہیں ہے۔ جس کا بندے نے عزم کر رکھا ہے۔ مثلاً زنا کا عزم بلاشبہ معصیت و گناہ ہے۔ اور قابل گرفت

ہے۔ مگر یہ عزم و ارادہ عین زنا نہیں اور اس پر مواخذہ عین زنا کے مواخذہ کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ عزم فی نفسہ معصیت وگناہ ہے مگر زنا سے کم درجہ کا گناہ ہے۔

۵۷۔ وَعَنْهُ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِىْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ. قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ. قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ. (رواہ مسلم)

انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسے بُرے بُرے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص انہیں زبان پر لانے کو گناہ عظیم تصور کرتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا واقعی تم لوگ ان خیالات کو اتنا بُرا تصور کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو یہ خالص ایمان کی نشانی ہے۔

شرح:۔ (وعنہ قال) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں کہ (جاء ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت (الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی (فسألوہ) اور آپ سے دریافت کیا۔ (انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ) کہ بیشک ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسے ایسے وسوسے اور خواطر محسوس کرتے ہیں۔ کہ ہم میں سے ہر آدمی انہیں زبان پر لانا نہایت سخت، بڑا گراں، بہت مکروہ اور ناپسند جانتا ہے۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اوقد وجدتموہ) کیا واقعی دلوں میں آنے والے ان بُرے خیالات کو تم لوگ زبان پہ لانا بُرا اور گراں خیال کرتے ہو۔ (قالوا نعم) انہوں نے عرض کیا ہاں۔ (قال ذلک صریح الایمان) حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارا انہیں گراں اور ناپسند جاننا تمہارے خالص الایمان ہونے کی دلیل ونشانی ہے۔ کیونکہ یہ گرانی وناپسندیدگی ان خیالات کے باطل وقبیح ہونے کے اعتقاد اور خدا تعالیٰ کے خوف، اس کی خشیت اور اس کے حکم کی دلوں میں عظمت کی بنا پر ہے۔ اور یہ سب کچھ ایمان کے آثار ونتائج ہیں۔ کہ معصیت وگناہ کو اس حد تک قبیح اور بُرا جاننا کہ اسے زبان پر لانے کو تیار نہ ہونا یہ صدقِ ایمان کا اثر ہے۔

۵۸۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِى الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ

اور انہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا

فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ۔

(متفق علیہ)

ہے اور کہتا ہے فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے، فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے۔ بندہ جواب میں کہتا ہے خدا نے پیدا کی ہے یہاں تک کہ شیطان یہ سوال کرتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو جب ابلیس اس سوال پر پہنچے تو بندے کو چاہیئے کہ خدا کے پاس پناہ لے اور اس وسوسے کو دل سے نکال دے۔ اور اس سے رک جائے۔

شرح:- (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی الشیطان احدکم) اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے۔ یہ شیطان خود ابلیس ہوتا ہے۔ یا اس کے لشکر اور گروہ کے شیاطین میں سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے اگر جنات و انسانوں میں سے ہر قسم کے شیاطین مراد لیے جائیں تو بھی درست ہے جیسا کہ آنے والی حدیث میں مذکور ہے۔ مگر فی الحقیقت وسوسہ اور گمراہی میں ڈالنا ابلیس کے سپرد ہے۔ اور اس وسوسہ اندازی اور گمراہی کا نہ سردار اور مرجع ابلیس کو ہی بنایا گیا ہے۔ (فیقول) تو شیطان یوں کہتا اور اس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ (من خلق کذا من خلق کذا) کہ یہ چیز کس نے پیدا کی ہے اور یہ چیز کس نے پیدا کی ہے۔ انسان ضروری طور پر شیطان کے جواب میں کہتا ہے۔ میرے پروردگار نے پیدا کی ہے (حتی یقول) یہاں تک کہ شیطان یہ کہتا ہے۔ (من خلق ربک) تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (فاذا بلغہ) جب شیطان اس بات پر پہنچے (فلیستعذ باللہ) تو چاہیئے کہ تم میں سے وہ بندہ شیطان کے شر سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ لے۔ (ولینتہ) اور چاہیئے کہ اس وسوسہ سے باز آجائے اور شیطان کے ساتھ اس گفتگو کو ترک کر دے۔ ابلیس سے بحث و جھگڑا اور اس سے ہمنشینی سے بچنے کے لیے اپنی حالت بدل لینا بھی اثر رکھتا ہے۔ جس طرح کہ علماء نے غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے حالت کی تبدیلی کو موثر قرار دیا ہے۔ کیونکہ شیطان کے ساتھ مناظرہ اور جھگڑا وسوسوں کا دروازہ کھلنے اور اس کے شر کے مزید ابھرنے اور پھیلنے کا موجب وذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے وہ لعین اپنے شبہات اور مغالطوں میں غالب آجائے۔ اور انسان ان کی تردید سے بے بس ہو جائے۔ لہٰذا اس لعین کے شر سے نجات پانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ بندہ حق جل و علا کی عزت والی جناب میں پناہ لے۔ اور اس طرح اس کے شر سے دور اور اسم المضل سے اسم الہادی کی جانب بھاگے۔

شیطان سے پناہ حاصل کرنے کے اقسام میں سے اعلیٰ ترین قسم بندہ کی ریاضت متعلقات دنیوی کی میل کچیل سے نفس کا تزکیہ اور اسے پاک اور اغیار کے نقوش سے لوحِ قلب کو صاف کرنا ہے۔ صرف زبان سے اعوذ باللہ پڑھنا کافی نہیں۔ تاہم اس سے بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے یہ سوال کرنا کہ خدا تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے بالکل فاسد اور لغو اور تناقض کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر وہ شے جو مخلوقیت سے موصوف ہے خلق اللہ الخلق میں داخل ہے۔ اس کے بعد پھر خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے، نامعقول اور متناقض بات ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۵۹۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ متفق علیہ۔

اور انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ یہ سوال کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ یہ بات کہنے کی نوبت آ پہنچے گی کہ مخلوق تو اللہ نے پیدا کی ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو جو شخص یہ وسوسہ اپنے اندر محسوس کرے اسے چاہیے کہ یوں کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پہ ایمان لایا۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الناس یتساءلون) اور انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ آپس میں جھگڑے اور حجت بازی یا نفس و شیطان کے ساتھ بطور وسوسہ و خیال سوال اور گفتگو کرتے رہیں گے۔ (حتی یقال ھذا) یہاں تک کہ نوبت اس قول پہ آ پہنچے گی کہ (خلق اللہ الخلق) مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ (فمن خلق اللہ) اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (فمن وجد من ذلک شیئا) تو جو شخص یہ بات اور اس وسوسے میں سے کچھ اپنے اندر محسوس کرے (فلیقل اٰمنت باللہ ورسلہ) تو چاہیئے کہ اس وسوسے کو دور کرنے کے لیے یوں کہے میں اللہ پہ ایمان لایا جو اس سے پاک و منزہ ہے۔ اور میں اس کے رسولوں پہ ایمان لایا جنہوں نے ان نقائص سے خدا تعالیٰ کے منزہ اور پاک ہونے کی تعلیم دی ہے۔ اور آمنت باللہ ورسلہ کا کلمہ اللہ کے پاس پناہ لینے اور ان وسوسوں سے رک جانے کے قائم مقام ہے جس کا گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ اور یہ بھی ابلیس سے جھگڑنے اور اس کے وسوسوں کو ختم کرنے میں موثر ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ یہ کفریہ کلمہ ہے۔ اس لیے کلمہ ایمان سے اس کا تدارک ضروری تھا۔ مگر

قارئین سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ کلمہ اس وقت کفر بنتا ہے۔ جب کہ نیت وحقیقت اور اعتقاد کے طور پر بندے سے صادر ہو، اور اگر اس کا صدور ایک دوسرے کے ساتھ بطور بحث ومناظرہ ہو یا نفس وشیطان کے ساتھ بطور وسوسہ دل میں آئے تو کفر نہیں ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ بات قضیہ منفصلہ کے طور پر کی جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ اگر بندے سے یہ قول بطور اعتقاد صادر ہو تو آمنت باللہ در سلہ کا تجدید ایمان کے لیے ہوگا۔ اور اگر کلمہ بطور وسوسہ اور خطرہ دل میں گزرے تو کلمۂ آمنت باللہ ورسلہ وسوسہ اور شیطان قلب دور کرنے کے لیے ہوگا۔ آخری شق نسبتہً ظاہر و واضح ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۷۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ۔ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ رواہ مسلم

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ایک بھی نہیں مگر اس پر اس کا ایک ساتھی شیاطین سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مسلط کیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا اور آپ کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا حال بھی ایسا ہی ہے لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے۔ تو وہ مجھے نیکی کا حکم ہی دیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے تم میں سے کوئی ایک بھی مگر مسلط کیا گیا ہے اس پر جنات میں سے ایک ساتھی۔ (وقرینہ من الملئکۃ) اور فرشتوں میں سے ایک ساتھی۔ یعنی ہر آدمی کے دو ساتھی ہیں ایک جن جو اسے برے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اور اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا ہے۔ دوسرا فرشتہ جو نیک کام کا حکم دیتا اور اچھے کاموں کا الہام کرتا ہے۔ بعض روایات میں اس طرح وارد ہے کہ جو آدم زاد بھی پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کی مانند ایک جن بھی پیدا ہوتا ہے جسے ہمزاد کہتے ہیں۔ (قالوا وایاک) صحابہ کرام نے عرض کیا (یا رسول اللہ) یا رسول اللہ آپ کا اپنے متعلق بھی یہی ارادہ ہے اور اپنے آپ کو بھی آپ اسی عموم میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور آپ کا بھی کوئی جن ساتھی ہے۔ (قال وایای) آپ نے فرمایا ہاں میں اپنے آپ کو بھی اس حکم میں داخل جانتا ہوں۔ اور جنات میں سے میرا بھی ایک ساتھی ہے۔ (ولکن اللہ اعاننی علیہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس پر غالب کر دیا ہے۔ (فاسلم) محدثین نے یہ لفظ دو

طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ایک میم کے رفع کے ساتھ بصیغہ مضارع معلوم یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے تو میں اپنے اس ساتھی کے شر اور اس کے وسوسوں کی آفت سے بچا رہتا ہوں اور وہ میرا مطیع اور میرے تابع ہو چکا ہے۔ دوسرے فتح میم کے ساتھ بہ لفظ ماضی یعنی میرا یہ ساتھی بھی اسلام لا چکا ہے۔ اس لفظ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام بمعنی اطاعت و فرمانبرداری ہو۔ یہ معنی وجہ اول کی طرف راجع ہے اور بعض روایات میں صراحتہً فاسلم کا لفظ بھی آیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلام کا معنی یہ ہو کہ میرا جن ساتھی مسلمان ہو گیا اور ایمان قبول کر چکا ہے۔ اور یہ کوئی بعید نہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فضیلت و بزرگی سے ممتاز اور مخصوص فرمایا ہو۔ صاحب نہایہ نے فرمایا ہے۔ کہ حدیث (کان شیطان آدم کافرا و شیطانی مسلما (آدم کا شیطان کافر تھا اور میرا شیطان مسلمان ہے) اسی معنی کی شاہد ہے۔ (فلا یامرنی الا بخیر) تو وہ مجھے ہر حال میں نیکی اور اچھی چیز کا ہی حکم دیتا ہے۔

۶۱۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان میں اس طرح چلتا ہے جیسے خون اس کی رگوں میں دوڑتا ہے۔

شرح:۔ (وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان میں اس طرح چلتا ہے۔ جیسے انسانی بدن میں خون چلتا ہے۔ اس ارشاد سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ شیطانی وسوسے انسان میں چلتے اور گھومتے ہیں۔ نیز اس سے شیطان کے انسان کو حد درجہ گمراہ اور بدراہ کرنے کے تصرف و تسلط کا بیان مقصود ہے۔ اور اگر حدیث کے الفاظ ظاہری معنی پر محمول کیے جائیں کہ شیطان بذاتِ خود آدمی کے اندر گھس جاتا ہے۔ تو یہ بھی بعید نہیں کہ شیطان اجسام لطیفہ میں سے ہے اس لیے اجسام کثیفہ میں اس کا گھس جانا اور ان میں چلنا ممکن ہے جس طرح آگ اور ہوا۔ اور خون کے دوڑنے کے ساتھ تشبیہ دینے کا ظاہر معنی بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ بَنِیْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرزندانِ آدم میں سے کوئی بچہ پیدا

آدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطٰنُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا۔ (متفق علیہ)

نہیں ہوتا مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنے ہاتھ سے چھوتا ہے۔ تو وہ بچہ چیخ مار کر روتا ہے شیطان کے ہاتھ سے چھونے کی وجہ سے۔ سوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسٰی کے۔

شرح :۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن بنی آدم مولود) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے اولاد آدم سے کوئی پیدا ہونے والا بچہ۔ (الا یمسہ الشیطان حین یولد) مگر اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنے ہاتھ سے اُسے چھوتا اور ہلاتا ہے۔ جس سے بچے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور درد و اذیت محسوس کرتا ہے۔ (فیستہل صارخاً) تو وہ چیختا اور آواز نکالتا اور روتا ہے۔ (من مس الشیطٰن) شیطان کے چھونے کی وجہ سے۔ یعنی پیدائش کے وقت بچے کا رونا اس وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اس سے اس لعین کی غرض و غایت اس بچے کو فطرت اسلام سے برگشتہ کرنا اس کی دینی استعداد کو برباد کرنا اور اس میں گمراہی و فساد کا انڈا ڈالنا ہوتا ہے۔ (غیر مریم وابنھا) ماسوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسٰی کے کہ یہ دونوں ہستیاں مس شیطان اور اس کے برے اثر سے منزہ اور پاک ہیں۔ کیونکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ماں نے اپنی بیٹی اور اس کے بیٹے کے لیے اس امر کی دعا کی تھی کہ یہ دونوں شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:۔

انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم۔　　بیشک میں مریم اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ ماجدہ کا شیطان کے اس مس سے بچنے میں مخصوص ہونا حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ فضائل و معجزات اور مناقب و مراتب حاصل ہیں کہ دوسرے کسی بھی پیغمبر کو حاصل نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مفضول (کم درجہ والے) کو کوئی ایسی صفت و کمال حاصل ہو جو فاضل (اعلیٰ درجہ والے) کو حاصل نہ ہو۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ فضل کلی فضل جزئی کے منافی نہیں ہے۔ ان سطور کا محرر بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس بارے میں صحیح اور درست بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اس عموم سے مستثنٰی ہیں۔ اور اس حدیث میں حضور علیہ السلام اپنے علاوہ دوسرے فرزندان آدم

کی خبر دے رہے ہیں۔ اور طہارت میں آپ کا مقام اس سے نہایت ارفع واعلیٰ ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت شیطان آپ پر کسی قسم کا تصرف کر سکے۔

بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ متکلم جب اس قسم کا کلام کرتا ہے تو عرف ومحاورات میں خود اس کی اپنی ذات اس سے خارج ہوتی ہے۔ اور ذوق وحال اس کا قرینہ موزوں ہے۔ جو کچھ بندہ ضعیف نے کہا ہے یہ کلام اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بیت

دامنِ اجلالِ آں نازک نہالِ باغِ دین　　　برتر آمد زیں کہ بروے دست نامحرم رسد

ترجمہ:۔ باغ دین کے اس نازک پودے کا دامن عزت وشان اس سے بلند وبرتر ہے کہ نا محرم کا ہاتھ اسے مس کرے۔

۶۳۔ **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِیَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِیْنَ یَقَعُ نَزْغَۃٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ (متفق علیہ)

انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچے کا شکم مادر سے باہر آتے وقت رونا شیطان کے اذیت پہنچانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صیاح المولود حین یقع نزغۃ من الشیطان) پیدائش کے وقت بچے کا رونا اور آواز نکالنا شیطان کی ٹھوکر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نزغۃ بفتح نون۔ وسکون زاء وغین معجمہ بمعنی نیزے سے ٹھوکر لگانا۔ لکڑی سے مارنا اور فساد پھیلانے اور گمراہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۶۴۔ **وَعَنْ** جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِیْسَ یَضَعُ عَرْشَہٗ عَلَی الْمَآءِ ثُمَّ یَبْعَثُ سَرَایَاہُ یَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنَاھُمْ مِنْہُ مَنْزِلَۃً اَعْظَمُھُمْ فِتْنَۃً یَجِیْءُ اَحَدُھُمْ فَیَقُوْلُ فَعَلْتُ کَذَا وَکَذَا فَیَقُوْلُ مَا صَنَعْتَ شَیْئًا قَالَ ثُمَّ یَجِیْءُ اَحَدُھُمْ فَیَقُوْلُ مَا تَرَکْتُہٗ حَتّٰی فَرَّقْتُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے۔ پھر اپنے دستے بھیجتا ہے۔ جو لوگوں میں فتنہ اندازی کرتے ہیں تو ان میں ابلیس کے زیادہ قریب مرتبہ میں وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑھ کر فتنہ پھیلا کر آئے۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے یہ کیا یہ کیا۔ ابلیس سن کر کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا پھر ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے فلاں کو نہیں چھوڑا مگر اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی اور بے اتفاقی

اِمْرَاَتِہٖ قَالَ فَیُدْنِیْہِ مِنْہُ وَیَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ قَالَ الْاَعْمَشُ اُرَاہُ قَالَ فَیَلْتَزِمُہٗ۔ (رواہ مسلم)

ڈال کر رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا تو ابلیس اسے اپنے قریب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ہاں تو نے ٹھیک کیا ہے۔ اعمش کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضرت جابر نے کہا پھر ابلیس پیار کے طور پر اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن جابر) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء۔) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ابلیس تکبر و غرور اور شرکت و غلبہ کے اظہار کے لیے اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے۔ تخت بچھانے سے مراد اگر یہ ہو کہ وہ اپنا تخت پانی پر رکھ دیتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا اس کے تخت کو پانی پر قائم رکھنا اور ڈوبنے نہ دینا اس کے لیے مکر و استدراج کے طور پر ہوگا۔ اور اگر پانی پر تخت رکھنے سے پانی کے کنارے پر رکھنا مراد ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں (ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس) پھر ابلیس اپنے دستے اور فوجیں لوگوں میں فتنہ اندازی کے لیے مختلف علاقوں اور شہروں کی طرف روانہ کرتا ہے۔ سرایا سریۃ بفتح سین مہملہ وکسرہ راء و تشدید یاء کی جمع ہے۔ بمعنی لشکر اور فوج کا ایک دستہ جو دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جائے۔ اور یہ پانچ افراد سے لے کر چار سو یا پانچ سو تک کی نفری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فتنہ۔ بمعنی امتحان و آزمائش۔ اصل لغت میں اس کا معنی ہے سونا چاندی کو میل کچیل سے صاف کرنے کے لیے پگھلانا۔ مال، اولاد، تکلیف و راحت اور گناہ و عذاب وغیرہ کو اس لیے فتنہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سب امتحان و آزمائش کی چیزیں ہیں۔ (فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ) تو ان میں ابلیس کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے۔ جو فتنہ برپا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہو۔ یعنی ان دستوں میں سے ابلیس کے نزدیک زیادہ قدر و منزلت اور شان و مرتبہ اس کا ہوتا ہے جو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے اور گمراہ کرنے میں سب سے پیش پیش ہو۔ مختصر یہ کہ جو سب سے بڑھ کر فتنہ انگیز ہو ابلیس کے ہاں سب سے مقرب و معتبر شمار ہوتا ہے۔ (یجیٔ احدھم فیقول) ان شیاطین میں سے ایک ابلیس کے پاس آتا اور کہتا ہے۔ (فعلت کذا وکذا) میں نے یہ کام کیا ہے یہ کام کیا ہے۔ اور یہ یہ فتنہ برپا کیا ہے (فیقول ما صنعت شیئًا)۔ تو ابلیس (سن کر کہتا ہے تو نے کوئی کام نہیں کیا۔ اور تیری کچھ کارکردگی نہیں ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا حضرت جابر نے حضور سے روایت کرتے ہوئے فرمایا (ثم یجیٔ احدھم) پھر اس کے فوجیوں میں سے ایک اور آتا ہے۔ اور کہتا ہے (ما ترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ) میں نے فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی اور تفرقہ نہیں ڈال دی (قال فیدنیہ منہ) حضور فرماتے ہیں

سن کر ابلیس اپنے اس سپاہی کو اپنے قریب کرتا ہے۔ (ویقول نعم انت) اور کہتا ہے میرا اچھا دوست، کارکن اور مددگار تو ہے۔ (قال الاعمش) حضرت اعمش جو حضرت جابر سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں (۱۷۱ ھ) حضرت جابر کے متعلق میرا یہ گمان ہے کہ انہوں نے یہ لفظ بھی کہا۔ (فیلتزمہ) کہ ابلیس اپنے اس سپاہی سے بغلگیر ہو جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ (فیلتزمہ) پر اضافہ کرتے ہوئے یا فید نیہ کی جگہ کہا دونوں احتمال ٹھیک ہیں۔

یہاں علماء کرام نے مرد و زن کے جدائی ڈالنے اور ابلیس کے اسے اچھا اور عمدہ کام قرار دینے کے متعلق کہا ہے۔ کہ تفریق سے طلاق بائن کے ذریعے خاوند بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا مراد ہے۔ تاکہ عورت مرد پر حرام ہو جائے۔ اب عورت سے جو صحبت اور جماع کرے گا حرام ہوگا اور جو اولاد پیدا ہوگی حرام کی اولاد ہوگی۔ اس طرح زنا اور اولاد زنا کی رو سے زمین پر کثرت ہو جائے گی۔ اور لوگوں میں فساد اور نافرمانی بڑھ جائے گی۔ اور یہ چیز نظام عالم میں خرابی اور گڑبڑ کا باعث بنے گی۔ اور آدم کی اولاد دنیا و آخرت میں ذلت و خواری میں مبتلا ہوگی۔ علماء نے اس کلام کی تشریح و توجیہہ میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

اس کلام کی یہ توجیہہ کرنا بھی ممکن ہے۔ کہ تفریق سے مردوں اور ان کی عورتوں میں عداوت جھگڑا اور جنگ و جدل میں مبتلا کرنا مراد ہو۔ تاکہ اس عداوت و نفرت کی بنا پر لوگ اپنی عورتوں سے صحبت و جماع کرنا ترک کر دیں۔ اور اس طرح نسل آدم کی افزائش کا معاملہ رک جائے اور نتیجۃً یہ امر قطع نسل یا افراد انسانی کی قلت کا موجب بن جائے۔ واللہ اعلم۔

۷۵۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ اَيِسَ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِىْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِى التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

اور انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ابلیس اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی لوگ جزیرہ عرب میں اب اس کی عبادت کرنے لگیں گے۔ تاہم وہ ان میں جنگ و جدال برپا رکھنے کی کوشش میں مصروف رہے گا۔

شرح: سر وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطن قد أیس من ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب) اور انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک ابلیس اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ نماز ادا کرنے والے اب جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ سرزمین عرب کا طول

غرض شرح و تفصیل سے اور جو کچھ اس میں اختلاف ہے، اپنی شرح عربی میں ہم نے نقل کر دیا ہے۔ سرزمین عرب کو جزیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے چاروں طرف سے خلیج فارس، بحر روم اور دریائے نیل و دجلہ و فرات نے گھیر رکھا ہے (و لکن فی التحریش بینھم)۔ لیکن شیطان باشندگان جزیرہ عرب میں آپس میں جنگ و عداوت برپا رکھنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔ اور اس سے ناامید نہ ہوگا چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں جو لڑائیاں اور واقعات رونما ہوتے رہے وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ شیطان کی عبادت اور نماز ادا کرنے والوں سے کیا مراد ہے تو علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شیطان کی عبادت سے کفر و ارتداد اور مصلین سے اہل ایمان مراد ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اتنی بات کہنے کے بعد علامہ تورپشتی نے سوال اٹھایا ہے کہ حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے بعد کچھ اہل ایمان مرتد ہو گئے اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کی پیروی اختیار کی۔ اور کفر و عناد کے راستے پر چلے (حالانکہ اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ابلیس اس سے مایوس ہو چکا ہے)۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اہل عرب کفر و ارتداد اختیار نہیں کریں گے۔ بلکہ اس بات کی خبر دی کہ شیطان مسلمانوں کی شوکت و عزت اور ان کے اجتماع و کثرت کو دیکھ کر ناامید ہو جائے گا۔ مگر اس کی ناامیدی اور مایوسی کے باوجود مسلمانوں میں کفر و ارتداد کا فتنہ پھیل گیا۔ لہذا اس حدیث اور اس واقعہ کے درمیان کوئی منافات اور ٹکراؤ نہیں ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس امر کی خبر دینا ہے کہ اسلام کی شوکت اور اس کا دبدبہ اس حد تک بڑھ جائے گا کہ شیطان ان میں ارتداد واقع ہونے سے مایوس ہو جائے گا۔ آپ کی اس خبر کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں ارتداد قطعاً واقع نہ ہوگا لیکن علامہ موصوف کی یہ تقریر بعید سے خالی نہیں۔ یعنی ان کا یہ جواب کوئی اتنا تسلی بخش نہیں ہے کہ شیطان کے ناامید ہونے سے ظاہر و واضح بات یہی ہے کہ کفر و ارتداد واقع نہ ہوگا۔ اور اسی حقیقت کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے مصلین سے اہل ایمان اور عبادت شیطان سے بتوں کی عبادت مراد ہے۔ مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں اور مانعین زکوٰۃ نے اگرچہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا تاہم وہ بھی بت پرستی میں مبتلا نہ ہوئے انتہیٰ۔

ممکن ہے کہ حدیث کا معنی اس امر کی خبر دینا ہو کہ یہ دین اب تبدیل نہ ہوگا۔ اور نہ اسلام کی بنیادیں کلیتاً اور ہمیشہ کے لیے منہدم نہ ہوں گی۔ اور لوگ پھر سے دور جاہلیت کی طرح مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے کفر و ارتداد کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ یہ آخری توجیہ اس کے خلاف نہیں کہ چند لوگ مرتد ہو جائیں بلکہ بتوں کی پرستش میں مبتلا ہو جائیں۔

واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۶۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا میرے دل میں ایسی ایسی باتیں آتی ہیں کہ انہیں زبان پر لانے کی نسبت جل کر میرا کوئلہ ہو جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی حمد و ثنا جس نے اس شخص کے معاملے کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔

شرح:۔ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ رجل فقال) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا (انی احدث نفسی بالشیء) بیشک میں اپنے نفس سے بطور وسوسہ ایسی ایسی باتیں کرتا ہوں کہ (لان اکون حممۃ احب الی) بیشک میرا جل کر کوئلہ بن جانا مجھے اس سے اچھا لگتا ہے کہ (من ان تتکلم بہ) میں ان باتوں کو زبان پر لاؤں۔ حُمَمَۃ بضم حاء و فتح دو میم۔ بمعنی کوئلہ جمع حمم یعنی اگر میں جل کر خاکستر سیاہ کوئلہ اور نابود ہو جاؤں تو وہ مجھے بہتر محسوس ہوتا ہے اس کی نسبت جو میرے ضمیر میں وسوسے آتے ہیں انہیں زبان پر لاؤں۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ) حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس شخص یا شیطان کے کام کو اس نے اس شخص کے نفس میں ڈالا، اسے وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔ اور وسوسے کی حد میں ہی اسے روک لیا اور اسے یہ ہمت نہ دی کہ وہ اس کے مطابق عمل پیرا ہو یا اسے زبان پر لائے کہ وہ قابل

۶۷۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّیْطٰنِ لَمَّۃً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَکِ لَمَّۃً فَاَمَّا لَمَّۃُ الشَّیْطٰنِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّۃُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ابن آدم کے پاس شیطان بھی آتا ہے اور فرشتہ بھی شیطان کا اس کے پاس آنا تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اسے شر اور خرابی کے ساتھ ڈراتا ہے۔ اور حق کی تکذیب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور فرشتے کا آنا اس شکل میں ہوتا

وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ۔ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ ثُمَّ قَرَءَ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔ رواه الترمذی وقال هٰذا حديثٌ غريبٌ۔

ہے کہ وہ اُسے خیر و نیکی کی نوید و خوشخبری دیتا اور حق کی تصدیق پر آمادہ کرتا ہے۔ تو جو شخص اپنے اندر وعدہ خیر پائے تو جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس پہ خدا کی حمد اور اس کا شکر بجالائے۔ اور جو شخص شیطان کی آمد محسوس کرے تو چاہیئے کہ اللہ کے پاس شیطان سے پناہ لے پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ الشیطٰن یعدکم الفقر الخ۔

شرح: (وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطٰن لمۃ بابن آدم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان ابن آدم پر نزول کرتا اور اس کے نزدیک آتا ہے (وللملک لمۃ) اور فرشتہ بھی انسان پر نزول کرتا اور اس کے نزدیک آتا ہے۔ لمۃ بفتح لام وتشدید میم المام۔ سے ہے۔ بمعنی نازل ہونا، نزدیک آنا اور پہنچنا۔ یعنی انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ۔ دونوں اس سے کام رکھتے ہیں۔ (فاما لمۃ الشیطٰن فایعاد بالشر) شیطان کا کام تو اسے برائی سے ڈرانا ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بندے کو یوں کہتا ہے۔ کہ اگر تو نے فلاں نیک کام کیا تو تو برائی اور خرابی میں مبتلا ہو گا۔ مثلاً اگر تو نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا اور اس کی عبادت میں مصروف ہو گیا تو اپنے آپ کو فقر و محتاجی اور ذلت و خواری میں ڈال دے گا۔ (وتکذیب بالحق) اور حق کی تکذیب پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ (واما لمۃ الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق) اور فرشتے کا یہ کام ہوتا ہے۔ کہ وہ نیکی کی نوید و بشارت دیتا ہے اور حق کی طرف سے سچ و راستی کی نسبت اور یقین کی دولت دل میں ڈالتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ نیکی کے لیے وعدہ اور برائی کے لیے لفظ وعید استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن لغوی طور پہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک کا دوسرے پہ اطلاق کر دیتے ہیں۔ پھر یہ تخصیص اس وقت ہوتی ہے جب کہ خیر و شر کا کلمہ عبارت میں مذکور نہ ہو۔ اور اگر لفظ وعدہ و وعید دونوں عبارت میں مذکور ہوں تو اس صورت میں لفظ دونوں معنی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ (فمن وجد ذٰلک) تو جو شخص اپنے میں یہ چیز پائے یعنی وعدۂ خیر جو فرشتے کے نزول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (فلیعلم انہ من اللّٰہ۔) تو جان لے کہ یہ چیز خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اس کی جناب لطف و رحمت سے صادر ہو رہی ہے۔ (فلیحمد اللّٰہ) اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس بلند ذات کی حمد و ثنا کرے۔ (ومن وجد الاخرٰی) اور جو شخص شیطان کا نزول محسوس کرے۔ (فلیتعوذ باللّٰہ من الشیطٰن) تو چاہیئے کہ وسوسۂ شیطان سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ تلاش کرے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے مضمون کے موافق اور اس کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الشیطٰن یعدکم الفقر شیطان تمہیں فقر و محتاجی سے ڈراتا ہے۔ یعنی یوں کہتا ہے کہ اگر اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو گے تو محتاج اور تنگدست ہو جاؤ گے ویأمرکم بالفحشآء اور تمہیں بخل و کنجوسی کا حکم دیتا ہے۔ عرب بخل کو فحشاء کہتے ہیں یا فحشاء سے مطلق معاصی مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا) اور خدا تعالیٰ اس کے راستے میں مال خرچ کرنے والوں کو گناہوں کی بخشش کی بشارت دیتا ہے۔ اور بخشش سے بڑھ کر فضل و کرم کی بشارت بھی دیتا ہے۔ یعنی مال خرچ کرنے پر ثواب عطا کرتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں ثواب کے علاوہ اپنے فضل و کرم کی بشارت بھی دیتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے اس آیت کی موافقت اس طرح ہے کہ فرشتے کا نزول جناب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ لہٰذا مغفرت و فضل کا وعدہ درحقیقت نزول فرشتہ کا ہم معنی ہے۔ (رواہ الترمذی وقال) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا (ھذا حدیث غریب) یہ حدیث غریب ہے۔ حدیث غریب کا معنی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث میں علم خواطر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علم قوم کے دقیق علوم میں سے ہے۔ اور خواطر و غیر خواطر میں تمیز و فرق بیسر نہیں آتا مگر کمال تقویٰ۔ تصفیہ قلب اور اس سکہ ریقین سے روشن و منور ہونے کے بعد۔ اہل علم و صوفیہ کے ہاں چار قسم کے خواطر مشہور ہیں۔ ۱۔ حقانی ۲۔ نفسانی ۳۔ ملکانی۔ اور ۴۔ شیطانی۔ ان میں فرق و امتیاز کرنے کی وجوہ قوم کی کتب میں مذکور ہیں۔ لیکن وہ نہایت دقیق ہیں۔ متاخرین مشائخ میں سے بعض حضرات نے فرمایا ہے۔ کہ دل میں آنے والا خطرہ اگر مباح شہوتوں سے متعلق ہو تو وہ خاطر نفسانی ہے۔ اگر حرام چیزوں سے متعلق ہو تو خاطر شیطانی کہلاتا ہے۔ اور اگر نیکی و طاعات سے تعلق رکھتا ہو تو خاطر ملکی ہے۔ اور اگر ماسوا اللہ سے قطع تعلق سے وابستہ ہو تو خاطر حقانی ہے۔

حضرت شیخ عارف کامل عبدالوہاب متقی قدس سرہ کا ایک رسالہ مسمی بہ مفاتیح الغیوب فی معرفۃ خواطر القلوب ہے جو اس بارے میں نہایت نافع اور مفید ہے۔ مشکوٰۃ کی عربی شرح لمعات میں ہم نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

۶۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِكَ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے ہمیشہ سوالات کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یوں کہا جاتا ہے۔ مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ جب لوگ یہ بات

قُوْلُوْا اَللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. ثُمَّ لْيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. رواه ابوداود. وسنذكر حديث عمرو بن الاحوص فى باب خطبة يوم النحر.

کہیں تو تم یوں کہو، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو نہیں جنا نہ اسے کسی نے جنا ہے اور اس کی مثل کوئی نہیں۔ پھر اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوکے اور شیطان مردود سے اللہ کے پاس پناہ تلاش کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ہم عنقریب عمرو بن الاحوص کی حدیث باب خطبہ یوم النحر میں بیان کریں گے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لایزال الناس یتساءلون حتی یقال ھذا) لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے اور سوال کرتے رہتے ہیں تا آنکہ یہ بات کہنے لگتے ہیں۔ (خلق اللہ الخلق فمن خلق اللہ) مخلوقات کو تو اللہ نے پیدا کیا۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (فاذا قالوا ذلک) جب لوگ یہ بات کہیں (فقولوا) تو اس سوال کے رد و ابطال اور اس وسوسہ اور خطرہ کے رفع کرنے کے لیے اسے سننے والو تم یوں کہا کرو۔ (اللہ احد) اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یگانہ اور وحدہٗ لاشریک ہے (اللہ الصمد) اللہ سردار ہے ہر شے اس کی محتاج ہے۔ اور سب حاجات و مقاصد کے لیے اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(لم یلد ولم یولد) اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اسے کسی نے جنا ہے (ولم یکن لہ کفوا احد) اور کوئی بھی اس کی مثل اور مانند نہیں۔ اور یہ صفات مخلوق ہونے کے منافی ہیں اور ذات خالق کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ (ثم لیتفل عن یسارہ ثلثا) پھر جو شخص لوگوں کے اس طرح کے کلمات سنے وہ ان صفات کا ذکر کرنے کے بعد تین بار اپنی بائیں جانب تھوکے۔ تفل اس دم کرنے کو کہتے ہیں جس میں منہ سے پھونکنے کے وقت کچھ لعاب دہن بھی خارج ہو۔ یہ تھوکنا شیطان سے اظہار نفرت و کراہت اس کے اظہار ناپاکی اور اسے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ تھوکنا شیطان اور اس کے شر کو دفع کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے۔ بائیں جانب کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ شیطان بائیں جانب ہوتا ہے۔ (ولیستعذ باللہ من الشیطان الرجیم) اور چاہیے کہ شیطان مردود سے خدا تعالیٰ کے پاس پناہ تلاش کرے۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ (وسنذکر حدیث عمرو بن الاحوص فی باب خطبۃ یوم النحر) اور ہم عمرو بن الاحوص کی حدیث جو مصابیح میں اس باب میں مذکور تھی باب خطبہ یوم نحر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کہ اس کی مناسبت اس باب کے ساتھ ظاہر تر اور زیادہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۶۹۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّبْرَحَ النَّاسُ یَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا۔ اَللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ۔ رواہ البخاری۔ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَکَ لَا یَزَالُوْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا کَذَا مَا کَذَا۔ حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا اللّٰہُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے ہمیشہ پوچھتے اور سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ یوں کہیں گے۔ اللہ نے ہر شے پیدا کی ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ یہ امام بخاری کی روایت ہے۔ اور مسلم کے ہاں یوں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے تیری امت ہمیشہ اس طرح کہتی رہے گی یہ چیز کیا ہے یہ چیز کیا ہے۔ یہاں تک کہ یوں کہیں گے۔ مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے۔

شرح:۔ (عن انس) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یبرح الناس یتساءلون حتی یقولوا ھذا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے اور سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یوں کہیں گے۔ (اللہ خلق کل شی ء) اللہ نے ہر چیز پیدا کی ہے۔ (فمن خلق اللہ عزوجل) تو اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (رواہ البخاری) اس حدیث کو ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (ولمسلم) اور امام مسلم کے ہاں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قال اللہ عزوجل) اللہ عزوجل نے فرمایا (ان امتک لا یزالون یقولون ماکذا ماکذا) تیری امت ہمیشہ یوں کہتی رہے گی یہ چیز کیا ہے یہ چیز کیا ہے۔ یعنی حقائق اشیاء کے بارے میں سوالات کرتے رہیں گے۔ اور ان کی تحقیق و تفتیش میں مصروف رہیں گے۔ (حتی یقولوا ھذا) یہاں تک کہ وہ یوں کہیں گے (اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ عزوجل) اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا۔

۷۰۔ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شیطان میرے اور میری

حَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلٰوتِي وَبَيْنَ قِرَاءَتِي يَلْبِسُهَا عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ شَيْطٰنٌ يُقَالُ لَهٗ خِنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهٗ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلٰثًا فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّي۔ رواہ مسلم۔

نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ مجھے پڑھتے وقت شک ڈالتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تو اسے محسوس کرے تو اللہ کے پاس اس سے پناہ لے۔ اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک لیا کر۔ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

شرح: (وعن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ) آپ ثقفی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک اور خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کے دو سال تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب قبیلہ ثقیف نے اسلام سے پھر جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے گروہِ ثقیف تم لوگ سب سے آخر اسلام لائے ہو۔ اب نہیں سب سے پہلے مرتد نہ ہوجانا چاہیئے۔ آپ کی فہمائش کے باوجود یہ لوگ باز نہ آئے اور مرتد ہوگئے۔ آپ سے حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے حضرت عثمان کی والدہ فرماتی ہیں۔ جب حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے حضور پیدا ہوئے میں اس وقت ان کے پاس موجود تھی۔

یہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ (قلت) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (اے اللہ کے رسول ان الشیطان قد حال بینی وبین صلاتی وبین قراءتی) بیشک شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہوتا اور رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ (یلبسھا) میری قراءت مجھ پر خلط ملط کرتا ہے یعنی اس میں شک ڈالتا اور وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاک شیطن) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شیطان تیرے اور تیری نماز کے درمیان حائل ہوتا اور قرأت میں شک ڈالتا ہے۔ (یقال لہ خنزب) اسے خنزب کہتے ہیں۔ خنزب بکسرہ خاء و زاء۔ اور خاء و زاء کے ضمہ کے ساتھ۔ اور ضمہ خاء و فتح زاء کے ساتھ۔ اور کسرۂ خاء اور فتح زاء کے ساتھ۔ ان تمام صورتوں میں سکون نون کے ساتھ۔ یہ دراصل اس شیطان کا لقب ہے جو نماز میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ خنزب اصل لغت میں گوشت کے بدبودار ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

(فاذا احسستہ) دونوں پہلے مفتوح اور دوسرے ساکن کے ساتھ۔ تو جب تو اس وسوسہ کو پائے (فتعوذ باللہ منہ) تو اس سے اللہ کے پاس پناہ لے۔ (واتفل علی یسارک ثلثا) اور تین بار اپنی بائیں جانب تھوک۔ تفل کا معنی حضرت ابوہریرہ کی گزشتہ حدیث میں بیان ہو گیا ہے۔ (ففعلت ذلک) میں نے ایسا ہی کیا۔ (فاذھب اللہ عنی) تو اللہ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

۱۷۔ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَهِمُ فِیْ صَلٰوتِیْ فَیَكْثُرُ ذٰلِكَ عَلَیَّ فَقَالَ لَهٗ اِمْضِ فِیْ صَلٰوتِكَ فَاِنَّهٗ لَنْ یَّذْهَبَ عَنْكَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِیْ۔ رواہ مالک۔

اور حضرت القاسم بن محمد سے روایت ہے بیشک ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا اور کہا مجھے نماز میں وہم ہو جاتا ہے۔ کثرت سے ایسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس حالت میں ہی اپنی نماز ادا کرتا رہ۔ کہ بیشک وہ تجھ سے الگ نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ تو اپنی نماز یہ کہتے ہوئے مکمل کرے گا کہ میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔

شرح:۔ (وعن القاسم بن محمد) حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے۔ یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم آپ عظماء تابعین، مدینہ منورہ کے سات فقہائے کرام اور اپنے دور کے افضل ترین افراد میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ بلند مرتبہ، عالم فقیہ امام، صاحب ورع و تقویٰ اور کثیر الحدیث ہوئے ہیں۔ اپنے والد محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے قتل کے بعد یتیم ہو گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی۔ آپ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ امام محمد باقر کے داماد اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ کے دادا ہیں۔ ۱۰۱ یا ۱۰۲ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ستر یا بہتر برس تھی رضی اللہ عنہ۔

(وعن القاسم بن محمد) حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (ان رجلا سالہ) ایک شخص نے آپ سے دریافت کرتے ہوئے (فقال) کہا (انی اھم فی صلوتی) مجھے نماز میں وہم لاحق ہو جاتا ہے دل میں نماز سے دھیان ادھر ادھر ہو جاتا ہے اور شیطان وسوسہ اندازی کرتا کہ تیری نماز مکمل اور درست ادا نہیں ہوئی۔ اور تیری کوئی رکعت رہ گئی ہے۔ وہم کا معنی ہے ______ دل کا اپنے قصد و ارادہ مقصد کے سوا کسی اور طرف پھر جانا اور کسی چیز کی صحیح مقدار و اندازہ کا نگاہ سے ہٹ جانا اور اوجھل ہو جانا (فیکثر ذلک علی) یہ وہم مجھے کثرت سے ہوتا ہے۔ ایک روایت میں نیکثر کے بجائے فیکبر باموحدہ کے ساتھ آیا ہے۔ یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے یعنی یہ حالت مجھے سخت ناگوار اور گراں محسوس ہوتی ہے۔ (فقال لہ) حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ

نے اس شخص کو کہا (امض فی صلوتک) اسی حالت میں اپنی نماز ادا کرتا رہ۔ اور اسی حالت میں اپنی نماز مکمل کر لیا کر شیطان کی بات پہ کان نہ دھر۔ اور نہ اس کے وسوسے کا اعتبار کر (فانہ لن یذھب ذلک عنک) کہ یہ وہم و وسوسہ تجھ سے ہرگز دور نہ ہوگا۔ (حتی تنصرف) یہاں تک کہ تو نماز مکمل کر کے لوٹے گا۔ (و انت تقول) اور تو شیطان سے کہہ رہا ہوگا (ما اتممت صلوتی) ہاں اے ابلیس جس طرح تو کہتا ہے واقعی میری نماز مکمل و صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوئی لیکن میں تیری بات قبول نہ کروں گا اور تیری مخالفت و شکست کے لیے نماز دوبارہ ادا نہ کروں گا۔ وساوس دور کرنے کا یہ ایک عظیم اور موثر قاعدہ ہے۔ کہ انسان اس کے وسوسے پہ کار بند نہ ہو۔ اور نہ اس کا اثر قبول کرے۔ (رواہ مالک) اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

حکایت:۔ مشائخ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی حکایت میں مذکور ہے کہ نماز کے دوران ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا۔ اور کہا آپ یہ نماز دوبارہ ادا کریں کہ آپ نے اچھی طرح نہیں پڑھی۔ آپ نے اسے جواب دیا میں یہ نماز نہ لوٹاؤں گا۔ میں جیسی ادا کر سکتا تھا کر لی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کوتاہی کی معذرت کروں گا۔

شیطان نے کہا آپ سستی نہ کریں۔ نماز کا معاملہ ہے۔ یہ سستی کا مقام نہیں ہے۔ بزرگ نے فرمایا جو ہونا تھا ہو گیا میں نماز دوبارہ نہ پڑھوں گا شیطان نے پھر اصرار کرتے ہوئے کہا میں تیرا ناصح اور خیر خواہ ہوں۔ نماز ایک عظیم عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس نماز کے سلسلے میں تجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ اور ضد نہ کرنی چاہیئے۔ بزرگ نے جواب دیا میں نماز نہیں لوٹاؤں گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مرتبے کی بلندی کے بجائے پستی پر راضی اور خوش ہوں۔ شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ ایسی نماز قبول نہیں کرتا۔ بزرگ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کریم ذات ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے اس عمل ناقص کو شرف قبولیت بخشے گا۔ میں اس سے زیادہ تردد اور کوشش نہیں کر سکتا۔ تو دفع ہو جا میں اس نماز کا ہرگز اعادہ نہ کروں گا۔ تو شیطان ذلیل و خوار ہو کر چلا گیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بزرگ کے اس شدت و سختی سے رد کرنے سے غرض و غایت یہ تھی کہ شیطان کو ذلیل و نگونسار کیا جائے، اس کے وسوسے کو دفع کیا جائے۔ اور اس کے راستے کو بند کیا جائے۔ یہ غرض نہ تھی کہ عمل نادرست اور نامکمل رہنے دیا جائے۔ اور اس میں سستی اور لاپرواہی کو روا رکھا جائے۔ اور فریب نفس اور کریم خداوندی کے بہانہ پہ اعتماد کر لیا جائے کہ جیسی غلط سلط نماز ادا ہو جائے اسی پہ کفایت کر لی جائے۔ اور دل کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے بخش دے گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ وسواس کی حقیقت عقل کے خیال میں وہم کے تردد سے جو عالم النفس کا شیطان ہے۔ بنا ہی

برپا کرتا ہے۔ اس وہم میں مزید قوت شیطان کے وسوسے کے سبب جو عالم آفاق سے ہے۔ پیدا ہوتی ہے۔ تاہم یہ اوہام و وساوس مرکز حق میں خرابی پذیر نہیں ہو سکتے اور ان اوہام و وساوس کے دفع کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں کہ بندہ ان سے بے نیازی اور توجہ نہ دینے کا راستہ اختیار کرے۔ اور وہ کام کرے جو شیطانی وسوسے کے خلاف اور اس کی نقیض ہو۔

ایک بزرگ کو نماز کی جگہ کے ناپاک ہونے کا وسوسہ لاحق ہوتا تھا۔ تو وہ دفع وسواس کی خاطر قصداً وہاں نماز ادا کرتے تھے جس جگہ کے پاک ہونے میں ان کو شک و شبہ ہوتا تھا۔

تقدیر پر ایمان کا باب

قاموس میں ہے قدر بحرکت قاف و دال یعنی قضا و حکم۔ نہایہ میں ہے قدر وہ امور جن کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ اور حکم فرمایا ہے۔ قدر بسکون دال بھی آیا ہے۔ و لیلۃ القدر وہ رات جس میں لوگوں کے رزق اور ان کی عمروں کا اندازہ متعین کیا جانا اور ان کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے قدر بسکون و فتح دال بندے پر اللہ کے حکم کا اندازہ ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ قضا و قدر دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ کبھی ان کے معنی میں فرق بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قضا حکم ازلی کو اور قدر مستقبل میں اس کے وقوع کو کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق قضا قدر سے پہلے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت و قائم رکھتا ہے۔ اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

اس آیت میں محو و اثبات تقدیر سے عبارت ہے۔ اور عندہ ام الکتاب میں قضا کی طرف اشارہ ہے ان دو الفاظ کا مذکورہ استعمال کے عکس اور بالعکس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ قدر کا اطلاق تقدیر ازلی پر ہوتا ہے۔ اور قضا یعنی قدر کے مطابق شے کو پیدا کرنا۔ جیسا کہ فرمایا۔ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ای خلقھن یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے۔ اس معنی کے مطابق حدیث رجعت القلم بما ھو کائن (جو کچھ ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے) میں تقدیر۔ اور آیت کل یوم ھو فی شان۔ (اللہ تعالیٰ ہر دن کام میں ہے) میں قضا مراد ہوگی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المقصد الاسنیٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ میں فرمایا ہے کہ حکم، قضا و قدر،

کے الفاظ کا معنی ہے اسباب کو مسببات کی طرف متوجہ کرنا حکم مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ تمام مجمل اور مفصل اسبا کا مسبب و خالق ہے۔ اور قضا و قدر حکم کی شاخیں اور اس کے شعبے ہیں۔

پس تدبیر الٰہی اصل وضع اسباب کو مسببات کی جانب متوجہ کرنے تک حکم کہلاتی ہے۔ پھر اسباب کلیہ کو قائم کرنا اور انہیں پیدا کرنا جیسے آسمان، زمین، کواکب ان کی مناسب حرکات وغیرہ جن میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جب تک ان کی اجل فنا کا وقت نہ آئے قضا کہلاتا ہے۔ پھر ان اسباب کو ان کے حالات و حرکات مناسبہ محدودہ اور ایک اندازہ و حساب سے مسببات کی طرف متوجہ کرنا اور پھر ہر لمحہ و لحظہ مسببات کا وجود میں آتے رہنا قدر کہلاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس کی تدبیر اصلی کل کا امر اس کا حکم ہے۔ کلمح البصر یعنی اس کا حکم آنکھ جھپکنے کی مقدار میں آناً فاناً ہوتا ہے۔ اور اسباب کلیہ دائمہ کے لیے وضع کلی قضا ہے اور ان اسباب کلیہ کو ایک ایک مسبب کی طرف بغیر کسی کمی بیشی کے متوجہ کرنا قدر ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ کارخانہ کائنات میں کوئی چیز بھی خدا تعالیٰ کی قضا و قدر سے باہر نہیں۔ اور اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

پھر تقدیر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ عالم میں جس قدر خیر و شر کا وقوع ہو رہا ہے بندوں کے اعمال و کردار سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ، سب اس کی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی ساری کائنات کی تقدیر متعین کر لی ہے۔ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مگر اس کے باوجود بندوں کو ایک گونہ اختیار دیا گیا ہے۔ تاکہ اس پر ثواب و عتاب مترتب ہو۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق تقدیر و اختیار میں موافقت و مطابقت اور اس پر ثواب و عتاب کا مترتب ہونا نہایت مشکل اور سخت ہے۔ کتب کلامیہ میں اس کی تحقیق کر دی گئی ہے۔ اس بارے میں جس قدر گفتگو اس ترجمے (اشعۃ اللمعات) کے مناسب ہے، یہ ہے کہ انسان میں ایک صفت ہے جسے اختیار کہتے ہیں کہ اس کے تحت بندہ داعیہ شوق و نفرت کی بنا پر فعل و ترک کی دو جانبوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کی یہ حرکت و ترجیح مرض رعشہ والے کی حرکت کی طرح نہیں ہوتی کہ اس مریض کو اپنی حرکت میں کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اس تحقیق و گفتگو سے ظاہر ہوا کہ جبریہ کا مذہب کہ آدمی کی حرکات جماد کی حرکات کی طرح ہیں، بالکل باطل ہے انکے مذہب کا بطلان مشاہدے سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اور کتاب و سنت کی اطلاع و خبر سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر چیز ازل میں مقدر ہو چکی ہے۔ اور سب کچھ خدا تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور اس کے پیدا کرنے سے ہے۔ اور فرقہ قدریہ کا مذہب بھی باطل ہے۔ جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق اور اپنے کاروبار میں مستقل ہے۔ مگر حق جبر و قدر کے درمیان ہے۔ جیسا کہ امام العارفین ابو

عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ الکرام نے فرمایا ہے۔ لا جبر و لا قدر ولکن امر بین امرین یعنی نہ جبر درست ہے اور نہ قدر صحیح ہے۔ بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق اور ایجاد اشیاء میں اسباب و شرائط کو اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق پیدا کیا ہے جیسے آگ جلانے اور گرم کرنے کے لیے۔ پانی تر اور سیراب کرنے کے لیے کھانا سیر کرنے کے لیے اور تلوار کاٹنے کے لیے یہ سب کچھ اس کی خلق و ایجاد سے ہے۔ صرف اتنا ہے کہ اس میں اسباب کا دخل اور تعلق رکھا گیا ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو اسباب کے بغیر بھی پیدا فرما دے۔ اور اگر چاہے تو اسباب کی موجودگی میں بھی کچھ پیدا نہ ہونے دے۔ انسان اور اس کا قصد و اختیار خدا تعالیٰ کا فعل پیدا کرنے کا محض سبب ہے۔ سب اشیاء کا پیدا کرنے والا وہی ہے اسباب و مسببات اور شرائط و مشروطات سب اس کے احاطہ قضاء و قدر کے تحت ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی ٹکراؤ اور مخالفت نہیں رکھتے۔ اوامر و نواہی اس کے حکم ربوبیت و عبودیت کے مطابق ہیں۔ اور ثواب و عتاب اپنی ملک میں تصرف ہے۔ يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ اس کے اعمال پر اس کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ مگر لوگوں کے اعمال پر ان کی باز پرس ہوگی) احادیث کی شرح کے ضمن میں اس باب سے متعلق مزید کچھ بیان ہوگا۔

علماء کرام نے فرمایا ہے قضاء و قدر کے اسرار و رموز کی اطلاع انبیاء و اولیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی اور یہ راز دار الجنۃ میں پہنچنے سے پہلے جو ظہورِ حقیقت کی جگہ ہے، ظاہر و منکشف نہ ہوگا۔ اور یہ مشکل وہاں پہنچنے سے پہلے حل نہ ہوگی۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ سرورِ انبیاء و خلاصہ اہل اصطفاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین اس عدم اطلاع کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کہ آپ کو تو اولین و آخرین کے علوم عطا کر دیے گئے ہیں۔ اور اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں آپ کو دکھا دی گئی ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

الفصل الاول

فصل اول

۲۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

ل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے متعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ قرآن حکیم اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ علم کی نفی کی آیات و احادیث کا ...

شرح:۔ (عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کتب اللہ مقادیر الخلائق) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر اور اس کے احکام لکھ دیے۔ یعنی اپنا قلم جاری فرما کر لوحِ محفوظ میں ثبت فرما دیے۔ یا کچھ فرشتوں کو ان کے لکھنے کا حکم دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں لکھنے سے ان کی تقدیر، ان کا اندازہ کرنا اور ان کی تعیین و تحدید مراد ہے۔ کہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔ یہ ایک تاویلی معنی ہے۔ ظاہر معنی یہی ہے کہ لکھنے سے لوحِ محفوظ میں نقوش و حروف کا ثبت کرنا مراد ہے۔ (قبل ان یخلق السموات والارض) آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے (بخمسین الف سنۃ) پچاس ہزار سال پہلے۔ اس سے تقدیر اشیاء اور آسمانوں و زمینوں کی پیدائش کے درمیان مدت کی درازی اور اس درازی میں مبالغہ مراد ہے۔ اس عدد معین کی تعیین و تحدید مقصود نہیں۔ کہ مخلوق کی تقدیروں کا اندازہ اور اس کی تعیین تو ازل میں ہو چکی ہے۔ اس لیے اس ازلی تعیین کو زمانے کے کسی عدد معین کے ساتھ خاص کرنا درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ کتابت سے تقدیر و تعیین مراد لی جائے۔ اور اگر کتابت کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو پھر اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ کہ اس صورت میں ممکن ہے کہ تقدیر و اندازہ تو ازل میں ہوا ہو اور اس کی کتابت و تحریر بعد میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہوئی ہو۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ یہاں مزید کچھ کلام ہے۔ جسے ہم نے عربی شرح میں بیان کیا ہے۔ (قال وکان عرشہ علی الماء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (اور وہی ہے جس نے چھ دنوں میں آسمان و زمین پیدا کیے اور اس کا عرش پانی پر تھا) کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یعنی آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے عرش پانی پر تھا کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔ یہ مطلب نہیں عرش پانی کی سطح پر رکھا ہوا اور پانی سے متصل اور ملا ہوا تھا۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ عالم اجسام میں سب سے پہلے جو چیز حادث ہوئی اور وجود میں آئی پانی تھا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں پانی ہوا پر تھا۔ انتہی۔ صاحب کشاف نے کہا ہے اس حدیث میں دلیل ہے کہ پانی اور عرش آسمان و زمین سے پہلے پیدا کیے گئے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے دریا یا سمندر کا پانی مراد نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو عرش کے نیچے تھا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے چاہا۔ یہ احتمال بھی درست ہے کہ پانی سے سمندر کا پانی ہی مراد ہو کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے پانی میں کھڑے ہیں انتہی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عرش کے پانی پر ہونے سے قدرت الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے ایک اندازے کے مطابق ہے، یہاں تک کہ کمزوری اور قوت و طاقت بھی۔

شرح:۔ (وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔ (حتی العجز والکیس) یہاں تک کہ کمزوری اور قوت و طاقت بھی جو انسانی صفات میں سے ہے۔ تقدیر الٰہی کے مطابق ہے۔ عجز سے انسان کی وہ کم ہمتی اور بے چارگی مراد ہے۔ جو تدبیر کی کمزوری عقل کی کمی اور ناتجربہ کاری کے باعث ہوتی ہے اور کیس سے وہ توانائی اور مضبوطی مراد ہے جو انسان میں کام کاج اور اپنے امور انجام دینے کے لیے ثروت رائے اور ارادہ کی پختگی کی صورت پائی جاتی ہے۔ کیس۔ فتح کاف اور سکون یا کے ساتھ حماقت کی ضد یعنی دانائی کو کہتے ہیں۔

۴۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى قَالَ مُوْسٰى اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ۔ فَقَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا۔ فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا۔ قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت آدم و موسیٰ کا مناظرہ ہوا جس میں حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں جسے اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور تجھ میں اپنی روح پھونکی۔ اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کروایا اور تجھے جنت میں سکونت عطا کی۔ پھر تو اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار لایا۔ (اس کے جواب میں) حضرت آدم نے فرمایا تو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے برگزیدہ کیا۔ اور تجھے تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور تجھے مناجات اور اپنی رازداری کے ساتھ اپنا قرب عطا کیا۔ تو اے جوان تو نے کتنی مدت اللہ کو پایا کہ اس نے میری پیدائش سے پہلے تورات کو لکھا حضرت موسیٰ نے جواب دیا چالیس سال پہلے حضرت آدم نے فرمایا تو نے تورات میں یہ کلمات پائے ہیں وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ

أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰى۔ (رواہ مسلم)

(آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا) حضرت موسیٰ نے کہا ہاں اس پر حضرت آدم نے فرمایا تو مجھے ایسے عمل کے مرتکب ہونے پر ملامت کرتا ہے جس کا کرنا میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لیے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح آدم مناظرہ میں موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتج آدم و موسیٰ عند ربھما) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے رب کے پاس ایک دوسرے سے مناظرہ اور جھگڑا کیا۔ یعنی اس عالم کے سوا دوسرے عالم میں جو عالم علوی و روحانی اور عالم حقیقت ہے۔ آسمان میں ارواح کی ملاقات کی صورت میں۔ یا دونوں کو عالم برزخ میں زندہ کرنے کی شکل میں۔ یا حضرت آدم کو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں زندہ کرکے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے (فحج آدم موسیٰ) تو حجت و دلیل میں حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔ اس قصے کی تفصیل یہ ہے کہ (قال موسیٰ) حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہما السلام سے کہا (انت آدم الذی خلقک اللہ بیدہ) تو ہی وہ آدم ہے جسے اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا (ونفخ فیک من روحہ) اور تجھ میں اپنی روح پھونکی اس طرح تجھے خصوصی بزرگی و شرافت عطا کی۔ (واسجد لک ملائکتہ) اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کروایا۔ (واسکنک فی جنتہ) اور تجھے اپنے خصوصی بہشت میں جگہ دی (ثم اھبطت الناس بخطیئتک الی الارض) پھر تو نے اپنی ایک خطا کے ذریعے لوگوں کو نیچے زمین پر ڈال دیا۔ گویا اگر حضرت آدم سے یہ خطا سرزد نہ ہوتی تو آپ ہمیشہ جنت میں رہتے اور وہیں آپ کی اولاد بھی ہوتی۔ مگر حضرت آدم کے نیچے زمین پر آنے کے سبب ان کی اولاد کو بھی زمین پر اترنا پڑا۔ تو اے آدم علیہ السلام آپ کی اس قدر و منزلت کے ہوتے ہوئے آپ کے لیے یہ کام کرنا مناسب نہ تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آپ سے یہ خطا سرزد نہ ہونی چاہیے تھی۔

(فقال آدم انت موسیٰ الذی اصطفاک اللہ برسالتہ وبکلامہ) حضرت آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تو وہی موسیٰ ہے جسے اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے بلا واسطہ کلام سے برگزیدہ فرمایا۔ (واعطاک الالواح) اور تجھے الواح (تختیاں) عطا کیں (فیھا تبیان کل شیء) جن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

یعنی دین کے جملہ احکام جو تیری امت کے لیے کافی ہیں۔ الواح سے زمرد یا یاقوت کی الواح مراد ہیں جن میں لکھی ہوئی تورات آپ پر نازل ہوئی۔ کہتے ہیں تورات کی ضخامت ستر اونٹوں کا بوجھ تھا۔ اور اس کے ایک جزو کی تلاوت و قرأت ایک سال میں مکمل ہوتی تھی (وقربك نجيا) اور تجھے اپنی مناجات اور اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب اور عزت و بزرگی عطا کی۔ (فبكم وجدت الله كتب التوراة قبل ان اخلق) تو تو نے کتنا عرصہ پایا کہ اللہ نے میری پیدائش سے پہلے تورات کو لکھا۔ (قال موسى باربعين عاما) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تورات آپ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھی گئی۔ خود تورات تو اللہ تعالیٰ کا قدیم کلام ہے لیکن الواح وغیرہ میں لکھنا اتنی مدت پہلے ہوا۔ اور سال سے اس جہان کا سال مراد ہے یا وہ سال جو خدا کے ہاں ہے۔ یعنی ہزار سال کا ایک سال۔ (قال آدم فهل وجدت فيها) حضرت آدم نے فرمایا تو نے تورات میں اس آیت کا مضمون پایا (وعصى آدم ربه فغوى) آدم اپنے رب کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تو بھٹک گیا۔ (قال نعم) حضرت موسیٰ نے کہا ہاں میں نے یہ مضمون تورات میں دیکھا ہے۔ (قال افتلومني على ان عملت عملا) حضرت آدم نے کہا تو اس پر مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے (كتبه الله على ان اعمله) جس کا کرنا مجھ پر اور میری تقدیر میں اللہ نے لکھ دیا (قبل ان يخلقني باربعين سنة) میرے پیدا ہونے سے چالیس برس پہلے۔ (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فحج آدم موسى) اس دلیل و حجت کے ذریعے حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آگئے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اسباب و شرائط کا وجود، امر و نہی، مدح و ذم اور عتاب و ملامت وغیرہ امور قضاء و قدر کے منافی نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ بلکہ یہ سب چیزیں بھی تقدیر کے تحت ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتقاضائے ظاہر اور عالم اسباب اور امر و نہی کے مطابق یہ گفتگو کی۔ اور آدم علیہ السلام نے حقیقت و تقدیر کو سامنے رکھ کر آپ کو یہ جواب دیا۔ لہٰذا دونوں حضرات کی گفتگو اور سوال و جواب اپنی جگہ درست اور برحق ہے کہ ان کا یہ مناظرہ کسب و عمل کے تقاضوں اور ان کے مکلف ہونے کی حیثیت کے ختم ہو جانے کے بعد تھا۔ عالم اسباب میں نہ تھا کہ عالم اسباب میں وسائط و اسباب سے قطع نظر کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ اسی بنا پر آدم علیہ السلام نے اپنی ظاہری زندگی میں اس خطا سے معذرت کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ (ربنا ظلمنا انفسنا) (اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا) اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس مناظرے اور گفتگو کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں خدا تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو زندہ کرنے کا احتمال زیادہ مناسب ہے۔ تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو عالم دنیا

ہیں ہوں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام عالم حقیقت میں ہیں واللہ اعلم۔

۷۵۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ۔ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ۔ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔

متفق علیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے ہیں اور سچی خبریں آپ کو دی گئی ہیں، ہم سے بیان فرمایا۔ بیشک تم میں سے ایک کا مادہ پیدائش اس کی ماں کے شکم میں جمع رکھا جاتا ہے چالیس دن تک نطفے کی شکل میں، پھر اس کے بعد چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے۔ اس کے بعد چالیس روز تک گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے چار باتیں لکھنے کے لیے۔ چنانچہ وہ اس کا عمل لکھتا ہے۔ اس کی مدت زندگی لکھتا ہے۔ اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ بات لکھتا ہے کہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ پھر اس میں روح پھونک جاتی ہے۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ تم میں سے ایک شخص اہل جنت والے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے۔ تو اہل دوزخ والے عمل میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور دوزخ میں جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے تو وہ جنتیوں والا عمل شروع کر دیتا ہے۔ اور جنت میں جاتا ہے۔

شرح: (وعن ابن مسعود) رضی اللہ عنہ (قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے امت کو سچی خبریں دیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سچی باتیں بتائی گئیں، نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی۔ (ان خلق

احدکم) بیشک تم میں سے ایک آدمی کا مادۂ پیدائش یعنی آب منی (یجمع فی بطن امہ) اس کی ماں کے شکم اور رحم میں جمع رہتا ہے۔ (اربعین یوما نطفۃ) چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں (ثم یکون علقۃ مثل ذالک) اس کے بعد چالیس دن تک جمے ہوئے نہایت سرخ خون کی شکل میں رہتا ہے۔ (ثم یکون مضغۃ مثل ذلک) پھر چالیس روز تک ٹکڑۂ گوشت کی صورت میں رہتا ہے۔ (ثم یبعث اللہ الیہ ملکا) پھر اس کی جانب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔

حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ کو مضغہ (ٹکڑۂ گوشت) کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہڈیاں، پوست، ہاتھ، پاؤں پیدا ہو جانے اور انسانی شکل اختیار کر لینے کے بعد فرشتے کو بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر کافی گفتگو اور تفصیل ہے۔ اس کا کچھ حصہ عربی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا بیان اس ترجمہ کے مناسب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس پر قادر ہے کہ ایک ہی لمحہ کے اندر انسان کو پوری شکل و صورت کے ساتھ پیدا کر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو اس ترتیب و آہستگی سے پیدا کرنا معاذاللہ قدرت و طاقت کی کمی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ اس اندازِ خلق میں کمالِ قدرت و حکمت پائی جاتی ہے۔ کہ اسباب کے پیدا کرنے اور ان پر مسببات کو مرتب کرنے میں متعدد قدرتیں اور انواع و اقسام کی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ جو کہ اسباب کے بغیر پیدا کرنے میں نہیں ہیں۔ پھر اس طرز تخلیق میں بندوں کو اپنے امور انجام دینے میں آہستگی کی تعلیم و تلقین بھی ہے۔ جیسا کہ آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں علماء نے یہی بات بیان کی ہے۔

محققین علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں انسان کو اس امر کی تنبیہ اور اس بات سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ کمال روحانی و معنوی تک فوری طور پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ بلکہ مرتبہ بمرتبہ اور درجہ بدرجہ آہستگی سے اس تک وصول نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح ظاہری کمالات کا حصول اور ان تک پہنچنا فوری طور پر نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اور انسان تدریجاً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مراتب سلوک میں بھی انسان کی رفتار دیر سے اور آہستہ و تدریجاً ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ انسان مرتبہ نہایت کو پہنچ جاتا ہے۔ فسبحان اللہ القدیر الحکیم (اللہ قدیر و حکیم ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے)۔

مختصر یہ کہ انسان کی پوری شکل بن جانے اور بدن کے پورے اعضاء وجود میں آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی

طرف ایک فرشتہ جو ارحام کے معاملات پر مقرر ہے بھیجتا ہے۔ (باربع کلمات) اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ تحریر اس نوشتہ تقدیر کے علاوہ ہے جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ اسی طرح جاری ہے کہ وہ تاکید و تقریر کے لیے سابقہ نوشتہ تحریر کے ساتھ فرشتے کو ایک نئی تحریر کا بھی حکم دیتا ہے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ فرشتہ یہ باتیں انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھتا ہے اور اس تحریر کا آغاز انسان کے ماتھے سے ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ باتیں ایک صحیفہ میں لکھتا ہے۔

(فیکتب عملہ) تو وہ فرشتہ اس کا عمل لکھتا ہے۔ کہ کیا کیا نیک اور برے کام کرے گا۔ (واجلہ) اور اس کی عمر لکھتا ہے کہ کتنی ہوگی۔ اور کہاں مرے گا اجل دراصل کسی کام اور چیز کو انجام دینے کی معلوم مدت کو کہتے ہیں۔ اور کبھی اس لفظ سے پوری مدت مراد ہوتی ہے جس میں انسان کی ساری عمر آ جاتی ہے۔ اور کبھی اس سے جزو اخیر مراد ہوتی ہے اسی بنا پر کبھی اس سے موت بھی مراد لے لیتے ہیں۔ (ورزقہ) اور اس کا رزق لکھتا ہے۔ کہ کھانے اور پینے کی کیا کیا چیزیں نصیب ہوں گی اور وہ کن کن اشیاء سے منافع اور فوائد حاصل کرے گا (وشقی او سعید) اور یہ بات لکھتا ہے کہ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ بعض احادیث میں بندے کے پیچھے رہنے والے آثار و نشانات اور وہ کہاں کہاں سوئے گا اور اس کی لاحق ہونے والی پریشانیوں اور مصائب کے لکھنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ یعنی کس کس جگہ کا سفر کرے گا۔ اور زمین پر کہاں کہاں پھرے گا اور کہاں سوئے گا اور کہاں مرے گا اور اسے کیا کیا مصائب اور حادثے پیش آئیں گے۔ ممکن ہے یہ زیادہ باتیں اس مذکورہ حدیث کے بعد نئی وحی آنے پر آپ نے بیان فرمائی ہوں۔ اسی لیے یہ باتیں دوسری احادیث میں مذکور ہوئی ہیں واللہ اعلم۔

(ثم ینفخ فیہ الروح) پھر اس میں روح پھونک جاتی ہے۔ اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کی تحریر روح پھونکنے اور بدن میں جان ڈالنے سے پہلے ہوتی ہے۔ مگر بیہقی کی روایت میں روح پھونکنے کے بعد لکھنے کا ذکر آیا ہے۔ تاہم بخاری و مسلم کی یہ روایت زیادہ صحیح اور زیادہ مضبوط ہے۔ واللہ اعلم۔

جب کہ عمل لکھنے کے باوجود کی سعادت و شقاوت لکھنے میں قدرے خفا اور پوشیدگی باقی تھی اس لیے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا (فو الذی لا الہ غیرہ) تو قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں (ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ) بیشک تم میں سے ایک آدمی اہل بہشت کے عمل کرتا ہے۔ یعنی ایمان لاتا اور عمل صالح اختیار کرتا ہے۔ (حتی ما یکون بینہ و بینھا الا ذراع) یہاں تک کہ اس بندے اور بہشت میں صرف ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ یہ بہشت کے بالکل قریب ہو جانے سے کنایہ ہے (فیسبق علیہ الکتاب) پھر نوشتہ

تقدیر۔ اور شکم مادر میں اس کی بدبختی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہوتا ہے اس کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ (فیعمل بعمل اھل النار) تو اس کے نتیجے میں وہ دوزخیوں کے کام کفر و فساد وغیرہ شروع کر دیتا ہے۔ (فیدخلھا) اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ (وان احدکم لیعمل بعمل اھل النار) اور بیشک تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ جیسے اعمال کرتا ہے۔ (حتی ما یکون بینہ وبینھا الاذراع) یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ (فیسبق علیہ الکتاب)، تو خدا کی تحریر اس کی جانب پیش قدمی کرتی ہے۔ (فیعمل بعمل اھل الجنۃ) تو وہ اہل جنت کے عمل شروع کر دیتا ہے۔ فیدخلھا اور جنت میں جا داخل ہوتا ہے۔

حدیث شریف کے ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ شاذونادر ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کے غلبہ لطف و رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو اس بری تبدیلی سے بچاتا اور زیادہ تر شر کے بجائے خیر و نیکی کی جانب ہی پھیرتا ہے۔ اس کے برعکس بہت کم اور شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔ متفق علیہ۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اعتبار خاتمے کا ہے۔ دوسری حدیث میں یہ بات بالصراحت آچکی ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے۔ **بیت**

حکم مستوری و مستی ہمہ خاتمت است   کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

ترجمہ۔ انسان کے پوشیدہ و غفلت و مستی کے حالات کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ کسی کو علم نہیں کہ آخر وقت وہ کس حالت سے گزرے گا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث میں طاعات و عبادات کی پابندی کرنے، اپنے اوقات کی حفاظت و نگرانی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ شاید عمر کی یہی آخری گھڑی ہو۔ اور خاتمہ بخیر نصیب ہو۔ اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ ان لوگوں کے برعکس جو تقدیر کا مسئلہ سن کر عمل کرنے سے سست ہو جاتے اور عمل میں کوشش و سعی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جب سعادت و شقاوت اور جنت و دوزخ میں جانا سب نوشتہ قضا و قدر کے تحت ہے اور جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے ہو کر رہے گا۔ تو پھر عمل کس لیے ہے۔ اور عمل کی کیا ضرورت ہے۔ بعض صحابہ کرام نے بھی تقدیر کا مطلب سمجھنے سے پہلے ایک موقعہ پر جب یہی بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا۔ عمل کرو۔ ہر آدمی جس قسم کے عمل کے لیے پیدا ہوا ہے اس کی توفیق اسے دے دی گئی ہے۔ یعنی تمہارا مسئلہ تقدیر سننے کے بعد عمل سے رک جانا اور سعی و کوشش سے انکار کرنا بے معنی ہے۔ کہ شارع کی طرف سے امر و نہی وارد ہو چکی ہے اور تمہیں شریعت کی باتیں سمجھنے کی قوت بھی دے دی گئی ہے۔ اور تم میں وہ قصد و اختیار

جس سے عمل کیا جا سکتا ہے پیدا کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ انسان میں قدرت و ایسی صلاحیت و استعداد رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے بندوں کو احکام کا مکلف کیا گیا ہے۔ اور ان سے کچھ کاموں کے کرنے اور کچھ کے نہ کرنے کا مطالبہ درست ہے۔ ورنہ امر و نہی کا کچھ فائدہ نہ ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے کا کوئی مقصد نہ رہے گا۔

اگرچہ قضا و قدر کی کنہ و حقیقت تک پہنچنا مشکل ہے۔ تاہم بہت سے ایسے اسرار و رموز ہیں جن سے انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی عمل اور کوئی معاملہ اس راز کے کشف و علم پر موقوف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ اپنی ملک میں جس طرح کا تصرف کرے ظلم نہیں کہلا سکتا۔ یعذب من یشاء و یرحم من یشاء (جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے رحمت سے نوازے)۔ اس مقام میں متکلمین کے کلام کی انتہاء اس پر ہے۔ لا یُسْئَلُ عَمَّا یفعل و هُم یُسْئَلُوْن (جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس پر اس کی باز پرس روا نہیں اور جو کچھ بندے کرتے ہیں اس پر ان کی باز پرس ہوگی۔

ارباب کشف کے محققین نے فرمایا ہے۔ کہ انسان کو امر و نہی کا مکلف کرنا صفت ربوبیت اور عبدِ عبودیت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ اور اس کا فائدہ بندوں کے پوشیدہ علم و ارادہ اور ان کے باطنی حقائق کا ظاہر کرنا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ سعید کون ہے اور بدبخت کون ہے۔ فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون ہے۔ اور اس سارے معاملے میں حقیقۃ خدا تعالیٰ کے اپنے اسماء صفات اور کمالات کے تقاضوں کا اظہار ہے۔ کیونکہ ایجاد عالم سے یہی چیز مقصود ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میری معرفت اور پہچان ہو۔ واللہ اعلم بحقائق الامور امور کی حقیقتیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۷۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ

متفق علیہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک انسان البتہ دوزخیوں والے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوتا ہے۔ اور جنتیوں کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل دوزخ سے ہوتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار خاتموں پر ہے۔

شرح:۔ (وعن سہل بن سعد) آپ کی کنیت ابوالعباس ہے۔ بعض نے ابویحییٰ بیان کی ہے۔ یعنی ابویحییٰ سہل بن سعد بن مالک ساعدی۔ ساعد بن کعب انصاری عنی کی طرف منسوب ہیں آپ اور آپ کے والد دونوں شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ آپ کا پہلا نام حزن تھا یعنی سخت اور بنجر سنگلاخ زمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بدل کر سہل رکھا یعنی

نرم زمین۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ ۹۱ھ میں وفات پائی۔ اور بقول بعض ۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ آخری صحابی ہیں جنھوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

ان حضرت سہل سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد لیعمل عمل اھل النار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک انسان دوزخیوں والا عمل کرتا ہے لیکن فیصلہ ازلی اور اپنے انجام کے لحاظ سے وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔ (و یعمل عمل اھل الجنۃ وانہ من اھل النار) اور ایک آدمی عمل تو اہل بہشت والے کرتا ہے مگر واقع میں وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اور اعمال کا اعتبار نہیں مگر خاتموں پر۔ جس قسم کے عمل پر خاتمہ ہوگا اسی کا اعتبار ہوگا جیسا کہ مذکور ہوا۔ خواتم بروزن مساجد اور خواتیم بروزن مصابیح دو طرح مروی ہے۔

۷۷۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لیے بلایا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اس بچے کو خوشی اور نیکی نصیب ہو۔ یہ تو بہشت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے۔ نہ تو اس نے کوئی برا کام کیا اور نہ اسے پایا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اے عائشہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ جنت کے لیے پیدا کیے۔ انہیں اس وقت جنت کے لیے کر دیا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے اور کچھ لوگ دوزخ کے لیے پیدا کیے۔ دوزخ کے لیے اس وقت پیدا کر دیے تھے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

شرح:۔ (عن عائشۃ) رضی اللہ عنہا (قالت دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا (الی جنازۃ صبی من الانصار) انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لیے تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ جنازہ جیم کے کسرے اور فتح دونوں طرح آیا ہے۔ بعض نے دونوں لغات میں فرق کیا ہے کہ جیم کے کسرہ کے ساتھ میت کو کہتے ہیں۔ اور بفتح جیم میت کو سلانے والا تختہ یا اس کا عکس۔ یا کسرہ جیم کے ساتھ تختہ یا میت دونوں کے لیے آتا ہے۔ (فقلت) تو میں نے کہا (یا رسول اللہ طوبی لھذا) اس بچے کو خوشی و نیکی نصیب ہو۔ (عصفور من عصافیر الجنۃ) یہ تو جنت کی چڑیوں میں

سے ایک چڑی ہے۔ اسے چڑی کہنا تو اس کے چھوٹا بچہ ہونے کی بنا پر ہے۔ اور بہشتی چڑیوں میں شمار کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعتقاد میں اس کے بہشتی ہونے کے لحاظ سے ہے۔ (لم یعمل السوء) کہ اس نے نہ تو کوئی برائی کی۔ (ولم یدرکہ) اور نہ برائی کا زمانہ پایا۔ (فقال) (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (او غیر ذلک) کلمہ اَوْ واؤ کے فتح اور سکون دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ فتح کی صورت میں معنی یہ ہوگا کیا واقع میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے جو تو کہہ رہی ہے کہ وہ جنتی ہے واقع میں وہ ثابت ہے جو تیرے اس بیان وخیال کے خلاف ہے یعنی وہ بہشتی نہیں ہے۔ اور واؤ کے ساکن ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ واقع میں وہ ہے جو تو کہتی ہے یا وہ نہیں جو تو کہہ رہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے او بمعنی بل ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا واقع میں وہ نہیں ہے جو تو کہہ رہی ہے بلکہ اس کے خلاف اور الٹ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جزم ویقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بچہ جنتی ہے۔ اس کے بعد اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا (یا عائشۃ ان اللہ خلق للجنۃ اھلا) اے عائشہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگ جنت کے لیے پیدا کیے اور انہیں اس کا مستحق بنایا (خلقھم لھا وھم فی اصلاب ابائھم) انہیں اس وقت جنت کے لیے پیدا کر دیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (وخلق للنار اھلا) اور کچھ انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے۔ اور انہیں اس کا مستحق ٹھہرایا۔ (خلقھم لھا وھم فی اصلاب ابائھم) انہیں اس وقت دوزخ کے لیے پیدا کر دیا جب کہ ابھی وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (رواہ مسلم) اسے مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ انسان کا بہشتی یا دوزخی ہونا اچھے یا برے عمل کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسا محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر وقضا سے ہوگا۔ اس نے کچھ انسان جنت کے لیے پیدا کیے ہیں نیک عمل کریں یا نہ کریں۔ اور بعض کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے برے کام کریں یا نہ کریں۔ لہٰذا یہ بچہ اگر دوزخ کے لیے پیدا ہوا ہے تو دوزخ میں ہی جائے گا چاہے اس نے کوئی برا عمل نہیں کیا۔ تو اے عائشہ تو یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتی ہے۔ کہ یہ بہشتی ہے۔

مگر جو کچھ کتاب وسنت کی نص سے بالبداہت ثابت ہے اور جس پر اہل دین کا اجماع ہو چکا ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے۔ اور کفار کے بچوں کے متعلق تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے اور کوئی فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ وہ بھی جنتی ہیں۔ ان تینوں اقوال میں راجح تر یہ تیسرا قول ہے کیونکہ دین سے بداہتہً یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو بھی بے گناہ عذاب نہ دے گا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ کی بات پسند نہ کرنا اس بنا پر تھا کہ اس میں ایک غیب کی بات کے متعلق فیصلہ اور اس کے ماں باپ کے جنتی ہونے کے یقین کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ کہ بچہ مومن ہونے میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن اس بارے میں درست اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی یہ گفتگو اور بیان مشرکین کے بچوں کے جنتی ہونے کی وحی سے پہلے کا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وحی نازل ہوئی کہ سارے بچے جنت میں جائیں گے۔ اور جن کے ماں باپ مسلمان ہوں گے انہیں بھی اپنے ساتھ بہشت میں لے جائیں گے جیسا کہ ایک حدیث میں ایسا آچکا ہے۔ واللہ اعلم۔

٨٠- وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ۔ اَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔

(متفق علیہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص تم میں سے نہیں مگر اس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ تو پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ تقدیر پہ ہی بھروسہ کیوں نہ کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا عمل کرو کہ ہر انسان کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ سعادت مند لوگوں میں سے ہے تو اس کے لیے اہل سعادت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ بدبخت لوگوں میں سے ہے تو اس کے لیے بدبختی والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فاما من اعطی الخ یعنی جس شخص نے راہ خدا میں اپنا مال لوگوں میں تقسیم کیا۔ اور تقویٰ اختیار کیا اور کلمہ نیک وخیر کی تصدیق کی تو بہت جلد ہم اس کے لیے ایسے کام آسان کر دیں گے جن کے ذریعے جنت میں پہنچنا آسان ہے اور جس نے بخل کیا اور شہوات دنیا میں مصروف ہو کر آخرت سے بے نیاز ہو گیا اور کلمہ نیک وحق کو جھٹلایا تو ہم جلد ہی اس کے لیے ایسے کام آسان کر دیں گے جو اسے مشکل ودشواری میں

ڈال دیں گے۔

شرح:۔ (وعن علی) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم میں سے کوئی آدمی مگر اس کے لیے لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے ایک جگہ دوزخ میں۔ (ومقعدہ من الجنۃ) اور ایک جگہ جنت میں لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے۔ یعنی یہ بات پہلے سے متعین کر دی گئی ہے کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (یا رسول اللہ افلا نتکل علی کتابنا) یا رسول اللہ جب کہ ہم میں سے ہر ایک کی جگہ دوزخ اور جنت میں لکھ دی گئی اور متعین کر دی گئی ہے تو پھر ہم لوگ اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں۔ (وندع العمل) اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ کہ بہشت و دوزخ میں جانا تو دار عمل میں آنے سے پہلے ہی متعین ہو چکا ہے۔ عمل اس کا سبب و ذریعہ نہیں بن سکتا تو ہم کس لیے عمل کریں۔

(قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اعملوا فکل میسر لما خلق لہ) عمل کرو کہ جو آدمی جس چیز اور کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کی اسے توفیق دے دی گئی ہے اور وہ اس کے لیے مہیا کر دی گئی ہے۔ (اما من کان من اھل السعادۃ) تو جو شخص تقدیر الٰہی میں اہل سعادت میں سے ہے اور سعادت و نیک بختی کے لیے نامزد ہو چکا ہے۔ (فسییسر لعمل السعادۃ) تو اسے اہل سعادت کے عمل کی توفیق دے دی گئی۔ (واما من کان من اھل الشقاوۃ) اور جو شخص سابقہ تقدیر خداوندی میں بدبخت لوگوں میں سے ہے (فسییسر لعمل الشقاوۃ) تو اس کے لیے بدبخت لوگوں والا عمل مہیا کر دیا گیا ہے۔

یعنی نوشتہ تقدیر ترک عمل کا باعث نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے حق ربوبیت کے تحت اور بندوں کی عبودیت کی بنا پر امر و نہی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ لہٰذا امر و نہی کے مطابق عمل بجا لانا ضروری ہے۔ اور عمل کو سعادت و شقاوت کی علامت بنایا ہے۔ اور یہ بھی قضا و قدر میں داخل ہے۔ اور ہر شخص کے لیے جو عمل مقدر کیا ہے وہ اسے کرے گا۔ اور جس کے لیے یہ مقدر کیا ہے کہ فلاں کام نہ کرے گا تو وہ کام نہ کرے گا۔ اور ثواب و عتاب تو اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے جو وہ اپنی ملک میں کرنے کا مجاز ہے۔ بہرصورت تمہارا یہ کہنا کہ جب قضا و قدر برحق ہے تو ہم عمل کس لیے کریں، درست نہیں۔ (ثم قرء) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی تائید اور اس کے اثبات کے لیے یہ آیت پڑھی (فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی) تو جس نے مالی حقوق ادا کیے یا مطلق طاعات بجا لائیں اور نافرمودہ باتوں سے پرہیز کیا۔ اور تمام کلمات سے اچھے کلمے کی تصدیق کی یعنی کلمہ توحید کی یا ملت اسلام کی تصدیق کی جو

تمام ملتوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ آیت کے اگلے الفاظ یہ ہیں۔ (فسنیسرہ للیسری) تو نزدیک ہے کہ ہم مہیا کر دیں گے اس کے لیے ایسے اعمال جو اسے آسانی سے بہشت میں پہنچنے کا ذریعہ اور سبب بنیں گے۔ (واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری) اور جس نے مال خرچ کرنے میں بخل کیا یا جسے اللہ نے جس حق کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اسے ادا نہ کیا اور دنیوی شہوات میں مستغرق ہو کر آخرت کی نعمتوں سے بے نیاز ہو گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ اختیار نہ کیا۔ اور کلمہ توحید و ملت اسلام کی تکذیب کی اُسے جھٹلایا تو نزدیک ہے کہ ہم اس کے لیے ایسے اعمال مہیا کریں گے جو اس کے لیے دشواری اور تکلیف میں یعنی دوزخ میں پڑنے کا باعث بنیں گے۔

۷۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ فَزِنَى الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَى اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهٗ متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم قَالَ كُتِبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَصِيْبُهٗ مِنَ الزِّنٰى مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا حصہ زنا میں سے لکھ دیا ہے جسے وہ لا محالہ حاصل کر کے رہے گا پس آنکھ کا زنا دیکھنا۔ زبان کا زنا گفتگو ہے۔ اور نفس آرزو کرتا اور چاہت کا اظہار کرتا ہے۔ اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی اور جھٹلا دیتی ہے۔ متفق علیہ۔ اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے۔ بیشک حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے آدم کے بیٹے کے لیے زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ لا محالہ پا کر رہے گا آنکھوں کا زنا تو دیکھنا ہے۔ کانوں کا زنا سننا، زبان کا زنا کلام کرنا۔ ہاتھ کا زنا پکڑنا، اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے۔ اور دل خواہش اور آرزو کرتا ہے پھر شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی اور جھٹلاتی ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرکہ لا محالۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کے بیٹے پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ لازماً حاصل کر کے رہے گا۔ کیونکہ یہ فعل بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے نوشتہ تقدیر میں کر دیا ہوتا ہے۔ محالۃ۔ بفتح میم وتخفیف لام بمعنی تبدیل

کرنا اور پہنچنا لامحالہ کا معنی ہوگا ضرور و لابد۔ یعنی اس بات میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا۔ شارحین کے بیان کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں حواس اور قویٰ پیدا کر کے اس کے لیے زنا کا حصہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ انسان ان حواس و قویٰ کی بدولت اپنے اندر لذت محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں شہوت اور عورتوں کی جانب میلان کشش پیدا کر دی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ زنا کا مقررہ حصہ ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ تاہم خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے باز رکھتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور بعض کو حقیقی زنا (شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کر دینا) کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اور بعض کو زنا مجازی کے لیے آزاد چھوڑتا ہے اپنی حفاظت و نگرانی اس سے اٹھا لیتا ہے یہاں تک کہ وہ نظر حرام اور کلام حرام کے زنا میں مبتلا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

(فزنی العین النظر) تو آنکھ کا زنا حرام نظری ہے۔ (و زنی اللسان المنطق) زبان کا زنا حرام و ناجائز گفتگو ہے۔ اسی طرح کان، ہاتھ، پاؤں اور دل کا زنا ہے۔ (والنفس تمنی و تشتھی) اور انسان کا نفس آرزو کرتا اور چاہت کا اظہار کرتا ہے۔ (والفرج یصدق ذلک و یکذبہ) پھر مرد و عورت کی شرمگاہ کبھی اس کی تصدیق کر دیتی اور نفس کی شہوت و آرزو کو سچا کر دیتی ہے اور شرمگاہ اس کی اطاعت و پیروی کرتی ہے۔ اور انسان کو زنا میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور کبھی مرد و عورت کی شرمگاہ نفس کی آرزو کو جھٹلا دیتی ہے۔ اس کی بات نہیں مانتی۔ اور ارتکاب زنا سے انکار کر دیتی ہے۔ (متفق علیہ) اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ اور دونوں کا اس میں اتفاق ہے۔ (و فی روایۃ لمسلم) اور ایک روایت میں جو مسلم کی ہے اور وہ اس میں منفرد ہے یہ الفاظ ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کتب علی ابن آدم نصیبہ من الزنی) آدم کے بیٹے پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (مدرک ذالک لا محالۃ) جسے وہ بہر حال حاصل کر کے رہے گا (العینان زناھما النظر) دونوں آنکھوں کا زنا بد نظری ہے۔ (والاذنان زناھما الاستماع) دونوں کانوں کا زنا حرام و فحش باتوں کا سننا ہے۔ (واللسان زناہ الکلام) زبان کا زنا حرام و بے حیائی کی گفتگو ہے۔ (والید زناھا البطش) ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے۔ صراح میں ہے بطش حملہ کرنا اور مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑنا۔ (والرجل زناھا الخطی) اور پاؤں کا زنا قدم اٹھانا اور اس فعل بد کی طرف چل کر جانا ہے۔ (والقلب یھوی و یتمنی) اور دل اس فعل کی چاہت اور آرزو کرتا ہے۔ (و یصدق ذلک الفرج و یکذبہ) پھر انسان کی شرمگاہ اس فعل بد کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

۸۰۔ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ مُزَيْنَةَ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک

مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَرَءَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ أَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ أَوْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهِ مِمَّا أَتَاهُمْ بِهِ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوَاهَا۔ (رواہ مسلم)

قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے آکر عرض کی یا رسول اللہ ہمیں بتائیں کہ لوگ جو اعمال اس دنیا میں کرتے ہیں اور عمل میں جو کوشش وسعی کرتے ہیں۔ کیا یہ سب قضا و قدر میں طے ہو چکا اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور ازل میں ہی اس کے بارے میں تقدیر الٰہی جاری ہو چکی ہے۔ یا اعمال میں سے جن کو وہ آئندہ کریں گے۔ اور ان کا پیغمبر ان کے پاس جو امر وحی سے کر آیا ہے۔ اور لوگوں پر اس کے سچا ہونے کی دلیل ثابت و قائم ہو چکی ہے اس کا تقدیر ازلی سے کچھ تعلق و واسطہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے بارے میں ہر عمل و فعل کا تقدیر ازلی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور تقدیر ازلی نافذ ہو چکی ہے۔ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ کہ فرمایا و نفس وما سواھا الخ یعنی قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست حالت پر پیدا کیا۔ پھر اسے برائی اور تقوی کا الہام فرمایا۔

شرح :۔ (وعن عمران بن حصین) رضی اللہ عنہ۔ حُصین بضم حاء۔ و فتح صاد، و سکون یا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ خیبر میں حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ ایمان لائے۔ آپ مسلسل تیس برس بستر علالت پر رہے۔ فرشتے آکر آپ کو سلام کرتے تھے۔ ایک دفعہ بطور علاج آپ نے داغ لگوائے تو فرشتے روپوش ہو گئے۔ جب تندرست ہو گئے تو فرشتے پھر نمودار ہو گئے۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی حضرت عمران بن حصین سے افضل و اعلیٰ نہ تھا۔ رضی اللہ عنہ۔

ان عمران بن حصین سے روایت ہے۔ (ان رجلین من مزینۃ قالا) کہ بیشک قبیلہ مزینہ کے دو آدمیوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ارءیت ما یعمل الناس الیوم) آپ ہمیں ان اعمال کے بارے میں بتائیں جو لوگ آج یعنی اس دنیا میں جو دار تکلیف ہے، کرتے ہیں۔ (ویکدحون فیہ) اور ان میں کوشش وسعی کرتے ہیں۔ (اشیء قضی علیھم) کیا یہ ایسی چیز ہے جو قضا و قدر میں داخل اور لوگوں کے لیے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (ومضی فیھم) اور ان کے بارے میں گزر چکا ہے (من قدر سبق) تقدیر ازلی میں (او فیما یستقبلون

بہ) یا واقع میں معاملہ یوں ہے کہ جو کچھ وہ زمانہ آئندہ میں کریں گے۔ وہ اپنی قدرت و اختیار سے کریں گے بغیر اس کے کہ قضا و قدر اس کے متعلق نافذ ہو چکی ہو۔ (مما اتاہم بہ نبیہم) ان تمام باتوں میں سے جو ان کے پیغمبر ان کے پاس لائے۔ (و ثبتت الحجۃ علیہم) اور پیغمبر کے معجزے کے ظہور کے ذریعے اس کے سچا ہونے کی دلیل و برہان لوگوں پر ثابت و قائم ہو چکی ہے۔ یعنی پہلے سے قضا و قدر کا کوئی فیصلہ نہیں۔ بلکہ بات صرف اس حد تک ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی پر مشتمل احکام لے کر آئے اور لوگ محض اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے ان پر عمل پیرا ہوتے یا معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرقہ قدریہ کا مذہب ہے۔

(فقال لا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ (بل شیء قضی علیہم و مضی فیہم) بلکہ ان کے بارے میں گزشتہ ازل کے اندر ہی ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (و تصدیق ذلک فی کتاب اللہ عزوجل) اور اس کی تصدیق اور اس کے صدق کی دلیل کتاب اللہ میں موجود ہے۔ کہ فرمایا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (قسم ہے نفس انسانی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک حالت میں پیدا فرمایا پھر اسے نیکی بدی کا الہام کیا)۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ تسویہ نفس اس سے عبارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی درست و مناسب حالت اور ایسے اعتدال پر پیدا فرمایا جو اس کی حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میں قویٰ مرکب کیے اور اس میں ایسے آلات رکھ دیئے جن کی بدولت اس میں سمجھنے سمجھانے کی استعداد پیدا ہو گئی۔ اور وہ مکلف ہونے اور افعال نیک و بد صادر کرنے کے قابل ہو گیا۔ اور اس میں حسی شہوتوں کو مرکب کر کے برے کاموں کے طبعی تقاضے اس کی فطرت میں رکھ دیئے۔ دوسری جانب شرعی نصوص اور عقلی دلیلوں کے ذریعے یقین سے لبریز علم کی اسے تلقین کر کے اور اس کے دل میں ڈال کر اسے تقویٰ کا الہام کیا۔ اور تقویٰ اور نیکی کی باتوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ حدیث کی تصدیق اللہ سبحانہ کے قول مبارک تسوّیہا میں ہے۔ کہ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ انسان میں سب کچھ اس کے پیدا کرنے اور اس کی تقدیر سے ہے۔

۸۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَابٌّ وَّاَنَا اَخَافُ عَلٰى نَفْسِیَ الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جوان آدمی ہوں۔ مجھے اپنے متعلق زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور

بِهِ النِّسَاءَ. كَأَنَّهُ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي. ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَا اَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْ ذَرْ.

(رواہ البخاری)

میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کے عوض عورتوں سے نکاح کرسکوں۔ گویا آپ خصی ہو جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں حضور میری بات سن کر خاموش رہے۔ میں نے پھر یہ بات دہرائی۔ لیکن آپ خاموش رہے میں نے پھر یہی بات عرض کی مگر آپ پھر خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری مرتبہ یہی بات عرض کی تو آپ نے فرمایا جو کچھ تجھے ملنے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے تو خصی ہو یا نہ ہو (نوشتہ تقدیر میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

شرح: (عن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قلت یا رسول اللہ انی رجل شاب) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جوان آدمی ہوں (وانا اخاف علی نفسی العنت) اور مجھے اپنے نفس کے بارے میں زنا کا اندیشہ ہے۔ عَنَت دو فتحوں کے ساتھ بمعنی فساد گناہ، ہلاکت، مشقت اور زنا ہے (ولا اجد ما اتزوج بہ النساء) اور میرے پاس اتنا مال نہیں کہ اس کے عوض عورتوں سے نکاح کرسکوں (کانہ یستاذنہ فی الاختصاء) راوی کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ گویا حضور سے خصی ہونے کی اجازت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (قال فسکت عنی) ابوہریرہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور میری طرف سے چہرۂ انور پھیر لیا۔ (ثم قلت مثل ذالک) میں نے پھر یہی بات دہرائی۔ (فسکت عنی) مگر حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ (ثم قلت مثل ذالک) میں نے پھر یہی بات عرض کی۔ (فسکت عنی) مگر آپ پھر خاموش رہے۔ (ثم قلت مثل ذلک) میں نے پھر یہی بات عرض کی۔ (فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ھریرۃ جف القلم بما انت لاق) اے ابوہریرہ قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ ہر اس چیز کے متعلق جو تجھے پیش آنے والا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیر میں ہر چیز طے ہو چکی اور کاتب تقدیر سب کچھ لکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔ (فاختص علی ذلک او ذر) مسئلہ تقدیر کا علم ہونے کے بعد اب تو خصی ہو یا نہ ہو۔

ان الفاظ میں حضرت ابوہریرہ کو جھڑکا گیا ہے کہ تدبیر کو تقدیر کے مقابلے میں نہ لاؤ اور یہ کہ تقدیر سے مت بھاگو۔ یا مطلب یہ ہے کہ خصی ہونے کا ارادہ ترک کرو اور قضاء و تقدیر پر راضی ہو جاؤ یعنی تقدیر میں جو خیر و شر مقدر ہو

چکا ہے ہو کر رہے گا۔ اور قضاء و قدر کا قلم جس جس کام کے متعلق چل چکا ہے وہ ضرور وجود میں آئے گا۔ تو خصی ہو یا نہ ہو۔ ان الفاظ میں خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اجازت طلب کرنے پر انہیں ڈانٹا اور ناگواری کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور بلا وجہ عضو مخصوص کاٹ دینے کے ارادہ پر ان کی ملامت کی گئی ہے۔

مصابیح کے بعض نسخوں میں فاختص کے بجائے فاختصر کا لفظ آیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بات اور سلسلہ کلام کو لمبا نہ کر۔ یعنی جبکہ تیرے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ نوشتہ تقدیر میں رد و بدل نا ممکن ہے تو بات لمبی نہ کر۔ اور گردن تسلیم جھکا دے۔ اور پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ یا اختصار کلام اور تسلیم کرنے کو چھوڑ اور جو تیرا دل کرتا ہے کر۔ نسخہ اول کے مطابق ———— خصی ہونے کے ارادے پر جھڑک و ڈانٹ ہے۔ اور نسخہ ثانی کے مطابق دوسری بات (بات لمبی کر) پر جھڑک و ڈانٹ کی گئی ہے۔ خوب سمجھ لے۔

۸۲۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِىْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمام انسانوں کے دل رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔ وہ انہیں پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے طور پر دعا کی اللھم مصرف القلوب الخ اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے۔ ہمارے دل اپنی طاعت و فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی آدم کلھا۔) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمام انسانوں کے دل (بین اصبعین من اصابع الرحمن) خدا تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان (کقلب واحد) ایک دل کی طرح ہیں۔ (یصرفہ کیف یشآء) جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیک وقت سب کچھ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یا یہ کلام لوگوں کے فہم اور ان کی سمجھ کے مطابق کیا گیا ہے۔ کہ بندوں کے فہم اور ان کی سمجھ کے مطابق ایک چیز میں تصرف کرنا متعدد اشیاء میں تصرف کرنے سے آسان نہ ہے۔ ورنہ حضرت پروردگار کے نزدیک سب کچھ برابر اور یکساں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک کام مشکل ہو اور دوسرا آسان۔

اور خدا تعالیٰ کے لیے انگلیوں کا اطلاق متشابہات میں سے ہے۔ متشابہات میں دو مذہب ہیں۔ بعض ان کے بیان معنی میں توقف کرتے ہیں۔ اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ اور بعض دوسرے علماء مناسب معنی پر عمل کرتے ۔ اور تاویل کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انگلیوں سے دلوں کے ساتھ جلال و جمال اور لطف و قہر کی صفت کا تعلق مراد ہے۔ کہ وہ بعض دلوں کو طاعت کی طرف پھیرتا ہے۔ اور کچھ دلوں کو معصیت و نافرمانی کی طرف۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ تبدیل کرنا اور پھیرنا نہایت تیزی کے ساتھ اور بڑے موثر طریقہ سے ہوتا ہے اور اسم رحمٰن کی طرف نسبت وصف رحمت کی وسعت اور غضب پر اس کے غلبے کی بنا پر ہے۔ باوجودیکہ حلیم ذات کا غضب و غصہ بھی نہایت سخت ہوتا ہے۔ پس اس میں جمال و جلال دونوں قسم کے تصرف کی طرف اشارہ ہو گیا۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دینے اور خدا تعالیٰ عزوجل کی درگاہ میں اظہار ادب کے لیے یہ الفاظ کہے۔ (اللھم مصرف القلوب) اے اللہ دلوں کو طاعت و نافرمانی کی طرف پھیرنے والے (صرف قلوبنا علی طاعتک) ہمارے دلوں کو طاعت و فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔ اور اس پر ثابت رکھ اور استقامت عطا فرما۔ ظاہر یہ ہے کہ جمع کا صیغہ امت کو شامل کرنے بلکہ درحقیقت انہی کے لیے دعا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تو نہایت اعتدال و استقامت پر فائز ہے۔ آپ کے لیے پھرنے اور ادل بدل کرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔

۸۳۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ جس طرح پورے اعضاء والے چارپائے سے پورے اعضاء والا بچہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ کیا ان پیدا ہونے والے چارپایوں میں کوئی ناقص اعضاء والا چارپایہ پاتے ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فطرۃ اللہ التی الخ اس فطرت کو پکڑے رکھو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیلی نہیں فطرت کے مطابق یہ دین بالکل صحیح اور درست دین ہے۔

شرح:- (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من

مولود الا یولد علی الفطرۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بچہ نہیں مگر وہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ فطرت کا معنی لغت میں پھاڑنا اور نئے طور پر ایجاد کرنا۔ اور پیدا کرنا ہے۔ یہاں فطرت کا معنی ہے۔ بچے کی وہ حالت و ہیئت اور اس مقصد کی استعداد و صلاحیت جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں صفت عقل رکھی اور اس کے جوہر ذات کو اس صفت سے مرکب کیا تاکہ وہ اپنے مقصد کو پائے یعنی خالق کو پہچانے، حق قبول کرے، دین اسلام اختیار کرے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرے تاکہ صحیح نظر و فکر کی بدولت اور عوارض و موانع پیش نہ آنے کی صورت میں اس ہدایت و قبول حق پر مستحکم و مضبوط ہو سکے۔ کہ عوارض و موانع پیش آنے کی صورت میں انسان نظر و فکر صحیح اور دین اسلام پر قائم و ثابت رہنے کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی عوارض و موانع کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔

(فابواہ یھودانہ) پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں۔ (او ینصرانہ) یا اسے نصرانی بنا دیتے ہیں۔ (او یمجسانہ) یا اسے مجوسی بنا دیتے ہیں۔ یا وہ بچہ اپنے والدین کی تابعت ان کی موافقت اور ان کی تقلید کرتے ہوئے دین فطرت کو چھوڑ کر غلط عقائد و خیالات اختیار کر لیتا ہے یا اپنی عقل اور فکر و نظر کو استعمال میں نہ لا کر حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور گمراہی و کفر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا اس کے والدین جبر و قہر کے ساتھ اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ اور اس طرح صحیح نظر و فکر کے ہوتے ہوئے بھی وہ ان کے باطل دین کا پیروکار بن جاتا ہے۔ اور دین اسلام قبول نہیں کرتا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ محسوسات و موہومات سے انس و محبت اور جسمانی لذات و شہوات میں انہماک جو انسان کی صحیح نظر و فکر کا راستہ روک لیتا اور دریافت حق سے محروم کر دیتا ہے یہ بھی اسے والدین کے یہودی یا عیسائی بنا دینے کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ بے راہ روی بھی بسا اوقات بچے کے لیے ان کی تقلید اور ان کی اتباع و پیروی کا باعث بن جاتی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کے قول فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطری صلاحیت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی) سے یہی مراد ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں بیان ہوگا۔

سوال :۔ جب کہ والدین کے یہودی یا عیسائی بنا لینے سے یہ صفت تبدیل ہو جاتی ہے۔ تو پھر لا تبدیل لخلق اللہ کیسے درست ہوگا۔

جواب :۔ دریافت حق کی یہ استعداد و صلاحیت قطعاً زوال پذیر نہیں ہے اس استعداد کی تبدیلی اور اس کا

ازالہ ناممکن ہے اگر فرضاً و تقدیراً کوئی بچہ اس استعداد کے تقاضا کے خلاف پروان پڑھتا اور اس استعداد کا اثر اس پر نمودار نہیں ہوتا تب بھی وہ استعداد اپنی حالت پر موجود ہے اور اس کے خلاف حجت و دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔
اور اگر اس استعداد کے اثر کے ظہور میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اور آدمی زادہ اس فطری و پیدائشی استعداد و صلاحیت پر قائم و دائم رہے تو وہ دین اسلام کو ہی قبول کرے گا۔ کہ سلیم عقل اور صحیح نظر و فکر والوں کے لیے اسلام کا حسن بالکل ظاہر و باہر ہے۔ جس طرح بچے میں جو دودھ پینے کی محبت پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے جب تک اسے دودھ سے نہ ہٹائیں وہ اس کے پینے میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس کی چاہت و محبت اس کے دل میں مسلسل موجود رہتی ہے۔ اسی بنا پر بعض فضلاء نے کہا ہے۔ کہ فطرت سلیمہ دینِ اسلام قبول کرنے کی صلاحیت پر پیدا کی گئی ہے۔
فطرت پر پیدا ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ بچہ حقیقۃ بالفعل صفتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کے والدین اسے کافر بناتے ہیں۔ یا وہ ان کی اتباع میں کفر اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ حقیقۃ اور بالفعل بچے کا اسلام کی صفت پر پیدا ہونا بندے کے کسب و عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا پیدائش کے وقت موجود ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نیز بندے کی حالت تبدیلی قبول کر لیتی ہے۔ الا یہ کہ لا تبدیل لخلق اللہ سے یہ مراد لی جائے کہ اس میں تبدیلی نہ کرنی چاہیئے۔ اور اگرچہ بعض روایات میں علی فطرۃ الاسلام یا علی الملۃ۔ کے الفاظ بھی آئے ہیں جو دین اسلام سے عبارت ہے۔ تاہم مراد وہی ہے جو گزشتہ بیان ہوئی کہ اس سے اسلام کی استعداد و صلاحیت پر پیدا کرنا مراد ہے کہ اگر کوئی خارجی رکاوٹ پیش نہ آئے تو بچہ اسلام کی راہ اختیار کرے گا۔ عربی شرح میں اس مقام پر اس سے زیادہ شرح و تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور کچھ دوسری وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہاں اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آیندہ قول میں بچے کے فطرت سلیم اور صلاحیت مستقیم پر پیدا ہونے پھر خارجی رکاوٹ و کجی کے لاحق ہونے کو چارپائے کے بچے کے صحیح سلامت پیدا ہونے پھر کسی خارجی نقصان و خلل لاحق ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا (کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء) جس طرح پیدا ہوتا ہے چارپائے کے ہاں پورا کامل اور سلیم الاعضاء بچہ۔ تنتج صیغہ مضارع مجہول ہے اور نتیج بمعنی جننے سے مشتق ہے ناتج وہ مالک و نگران جو اونٹنی کے بچہ جنواتا اور اس بارے میں اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ جس طرح انسان کی پیدائش کے لیے دایہ۔ شرح عربی میں اس لفظ کی شرح اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہے (ھل تحسون فیھا من جدعاء) کیا تم لوگ محسوس کرتے اور دیکھتے ہو ان پیدا ہونے والے چارپاؤں میں ایسا بچہ جو

ناک کٹا یا کان کٹا یا ہاتھ یا لب بریدہ ہو۔ اور اگر کوئی خارجی نقص و خلل لاحق نہ ہو تو وہ بچہ اپنی پیدائش کے وقت کی درستی اعضا کی حالت پر ہی قائم و موجود رہتا ہے۔

(ثم یقول) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ) مضبوطی سے پکڑے رہو اس فطری استعداد و صلاحیت کو جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور ادل بدل نہ کرنا چاہیئے۔ (ذالک الدین القیم) تقاضائے فطرت کے مطابق یہ دین ہی صحیح اور درست دین ہے۔

۸۴۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُهٗ یُرْفَعُ اِلَیْهِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰی اِلَیْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ۔ رواہ مسلم

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں پانچ کلمات بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا۔ اور سونا اس کی شان کے لائق نہیں۔ وہ ترازو کو نیچے کرتا اور اوپر کرتا ہے لوگوں کے دن کے اعمال سے پہلے ان کے رات کے اعمال اس کی بارگاہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اس کی جانب اٹھائے جاتے ہیں۔ حق سبحانہ کا پردہ نور ہے۔ اگر وہ اسے اٹھا دیتا تو اس کی ذات کے انوار اپنی ساری مخلوق کو جلا ڈالتے جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی۔

شرح:۔ (وعن ابی موسی الاشعری) رضی اللہ عنہ (قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور ہمیں وعظ و نصیحت کی غرض سے خطبہ ارشاد فرمایا اور ہمارے حال کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ہماری اصلاح کا اہتمام فرمایا۔ (بخمس کلمات) پانچ کلمات بیان کر کے (فقال) تو فرمایا (ان اللہ تعالیٰ لا ینام) بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور بندوں اور تمام کائنات کے حالات سے غافل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شارحین رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ پانچ کلمات میں سے یہ پہلا کلمہ ہے۔ دوسرا کلمہ یہ ہے۔ (ولا ینبغی لہ ان ینام) اور سونا اس کی شان کے لائق و زیبا نہیں۔ یعنی اس پر نیند کا طاری ہونا محال و ناممکن ہے۔ اس جہت سے یہ کلمہ پہلے کلمہ کے معنی پر ہے۔ کہ نہ سونے سے سونے کا ناممکن ہونا لازم نہیں آتا۔ حالانکہ سو جانا اس کے لیے ناممکن بھی ہے۔

تیسرا کلمہ یہ ہے۔ (یخفض القسط و یرفعہ) وہ قسط کو نیچے اور اوپر کرتا ہے۔ قسط بکسر قاف و سکون سین مہملہ۔ رزق کے معنی میں آتا ہے۔ اس ترجمہ کے مطابق یہ اس آیت کے ہم معنی ہوگا۔ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر (اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) یہ لفظ ترازو کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہ زیادہ ظاہر اور آنے والی حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ جس میں فرمایا بیدہ المیزان یخفض و یرفع (ترازو اس کے ہاتھ میں ہے نیچے کرتا اور بلند کرتا ہے۔ اور ترازو کے نیچے اوپر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مناسب وزن و مقدار میں اپنی جناب تقدیر سے لوگوں کے لیے رزق نازل کرتا ہے۔ اور بندوں کے اعمال اپنی درگاہ عزت میں بلند کرتا اور اٹھاتا ہے۔ اور ملائکہ کو جو اعمال پر مقرر ہیں ان کی مقدار سے آگاہ کرتا ہے۔ یا اس میں خدا تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ کل یوم ھو فی شان (وہ ہر دن ایک نئے کام میں ہے) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں میزان عدل قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس توجیہ کے مطابق یہ کلمہ کلمہ دوم یعنی لا ینبغی لہ ان ینام کی تاکید و تقریر ہوگا کہ جب کہ ہر لحظہ اور ہر آن اس کا تصرف دائم و جاری ہے تو سو جانا اور غافل ہونا اس کی شان کے لائق نہیں اور نہ اس کے لیے ممکن ہے۔

ان پانچ کلمات میں سے چوتھا کلمہ یہ ہے۔ (یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار) اٹھائے جاتے اور بلند کیے جاتے ہیں اس کی درگاہ میں بندوں کے وہ اعمال جو وہ رات میں کرتے ہیں۔ ان اعمال سے پہلے جو وہ دن میں کرتے ہیں۔ (و عمل النھار قبل عمل اللیل) اور اٹھائے اور پہنچائے جاتے اس کی درگاہ تک وہ اعمال جو بندے دن کے وقت کرتے ہیں رات کے اعمال سے پہلے یعنی ابھی دن نہیں چڑھتا اور اس میں کوئی عمل واقع نہیں ہوتا کہ رات کے اعمال فرشتے اس کی درگاہ میں لے کر پہنچ جاتے ہیں، اور ابھی رات داخل نہیں ہوتی کہ فرشتے بندوں کے دن کے عمل لے کر حق تعالیٰ کی درگاہ میں جا پہنچتے ہیں۔ دراصل اس میں مبالغہ ہے کہ بندوں کے اعمال پر متعین ملائکہ اللہ کا حکم بجالانے میں نہایت جلدی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ جہاں ان کے اعمال پیش کرنا ہوتے ہیں اور آسمانوں میں جس جس جگہ تک انہوں نے پہنچنا اور چڑھنا ہوتا ہے۔ اس تک عروج کرنے میں نہایت سرعت اور تیزی دکھاتے ہیں۔ اور یہ کہ ادنیٰ گھڑی کے اندر وہ بندوں کے اعمال اٹھا لے جانے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔ کیونکہ رات اور دن کے درمیان صرف ایک آن اور جزء لا یتجزی کا فرق و فاصلہ ہوتا ہے۔

یا یہ مراد ہے کہ رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے ہی اٹھا لیے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال کے سے قبل اٹھا لیے جاتے ہیں۔ اور دن رات کا ہر عمل الگ الگ اس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

عبارتِ حدیث کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ ظاہر ہے لیکن عمدگی و بلاغت پہلے معنی میں زیادہ ہے۔ اور یہ کلمہ بھی کلمۂ لا ینبغی لہ ان ینام کے معنی کی تاکید کرتا ہے۔

پانچواں کلمہ یہ ہے۔ (حجابہ النور) حق تعالیٰ سبحانہ و تقدس کا پردہ نور ہے۔ یعنی اس کے انوارِ جلال اور اس کی عظمت و کبریائی کی شعاعیں۔ جن کے ملاحظہ اور مشاہدہ سے عقلیں اور بصیرتیں مدہوش و متحیر ہو جاتی ہیں۔ یہ پردہ حقیقۃً مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ کہ محجوب اور پردہ میں وہ ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ۔ جیسے نابینا اور سورج۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کو پردے اور حجاب میں ہونا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جو شے پردہ میں ہو پردہ ڈالنے والا اس پر غالب ہوتا ہے بلکہ اسے محتجب کہیں گے کہ وہ عزت اور عظمت و جلال اور وصف کبریائی کی بنا پر لوگوں سے پوشیدہ ہے اور کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ ذات شدتِ ظہور اور غایت بروز کی وجہ سے چھپی ہوئی ہے۔ جس طرح سورج کہ جب خوب تیزی کے ساتھ چمک رہا ہو تو وہ آنکھوں کو خیرہ اور تاریک کر دیتا ہے۔ درحقیقت اس کی صفات جو ذات کے انوار ہیں وہی اس کا پردہ ہیں اور اس کی ذات کو پردہ صفات کے علاوہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور ذات بحت کا ادراک ناممکن ہے۔ جو کچھ ادراک و مشاہدہ میں آتا ہے صفات کا نور ہے۔ ذات اس سے وراء ہے۔ بیت

ہر چہ اندیشی پذیرد او فناست وآنچہ در اندیشہ ناید آں خداست

جو کچھ تیرے وہم و خیال میں آتا ہے سب فانی ہے۔ اور جو تیرے وہم و گمان میں نہیں آسکتا وہ خدا ہے۔ اور اگر درمیان سے پردہ صفات ہٹ جائے۔ اور ذاتِ بحت تجلی فرمائے تو ساری کائنات احدیتِ ذات میں فنا اور لاشے ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا۔

(لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتہی الیہ بصرہ من خلقہ) اگر یہ پردہ اٹھا دیتا تو اس کے انوار ذات جلا کر راکھ دیتے ہر چیز کو جس کی انتہا تک اس کی نگاہ پہنچتی اس کی مخلوق میں سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ تمام کائنات کو محیط ہے۔ اور اس کی نہایتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ بیت

ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

میری اور تیری گفتگو پس پردہ ہی ہو سکتی ہے۔ جب پردہ اٹھ جائے گا تو پھر نہ تو رہے گا نہ میں۔

سُبُحَات۔ دو ضموں کے ساتھ سُبُحہ بضم سین و سکون باء کی جمع ہے۔ جیسے غُرُفَات غرفہ کی جمع۔ اس سے مراد

اس کا نورِ ذات ہے۔ قاموس میں ہے سبحات وجہ اللہ انوارہ اس کے چہرے کے سبحات یعنی اس کے انوار ان انوارِ ذات کو سبحات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی انھیں دیکھتے اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس کی تسبیح کرتے اور اس کی ذات کے جلال کی ہیبت و دہشت اور اس کی عظمت کی بنا پر اسے تنزیہہ اور تقدیس کے ساتھ یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۸۵۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدُ اللّٰهِ مَلْاٰی لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ اَرَئَیْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِهٖ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ۔ متفق علیه۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلْاٰی۔ قَالَ ابْنُ نُمَیْرٍ مَلْاٰنُ سَحَّاءُ لَا یَغِیْضُهَا شَیْءٌ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ کوئی خرچہ اسے کم نہیں کر سکتا اس کی عطائیں رات دن میں سیلاب کی طرح بہہ رہی ہیں تم مجھے بتاؤ کتنی مقداریں خرچ کر چکا ہے۔ جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ پس بیشک اس کے اس قدر خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے دست قدرت و حکمت میں ہے ترازو۔ وہ اسے نیچے کرتا ہے اور اوپر کرتا ہے۔ متفق علیہ۔ اور مسلم کی روایت میں ہے اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ ابن نمیر نے ملای کی جگہ ملآن کا لفظ روایت کیا ہے۔ سیلاب کی مانند عطا کو مسلسل بہا رہا ہے۔ رات اور دن میں خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

شرح:۔ (وعن ابی هریرة) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ ملآی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا دست جود و کرم بھرا ہوا ہے یہ اس کے انتہا درجہ غنی ہوتے، اس کے کمال وسعت اور اس ذات جل جلالہ وعم نوالہ کے نہایت درجہ جود و عطا سے کنایہ ہے۔

(لا تغیضها نفقة) اسے کم اور خالی نہیں کر سکتا کوئی خرچہ اور عطا۔ (سحاء اللیل والنهار) اس کا دست عطا رات دن میں سیلاب کی مانند مسلسل عطاؤں کو بہا رہا ہے۔ یعنی اس کی عطائیں دائم اور باقی ہیں۔ سح کا معنی ہے بلندی سے پانی بہانا۔ عرب کہتے ہیں سحاب سحاء۔ نہایت موسلا دھار بارش۔ (ارأیتم ما انفق منذ خلق السماء

(والارض) تم مجھے بتاؤ کتنی مقدار خرچ کر چکا ہے جب سے اس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے۔ (فانہ لم یغض ما فی یدہ) بیشک اس اعطاء وانفاق نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس سے کچھ کم نہیں کیا (وکان عرشہ علی الماء) اور آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کلمہ کی شرح اس فصل کی پہلی حدیث میں گذر چکی ہے (وبیدہ المیزان) اور اس کے دست قدرت وحکمت میں ہے ترازو۔ (یخفض ویرفع) وہ۔ اسے نیچے کرتا اور بلند کرتا ہے اس کی شرح بھی گزر چکی ہے (متفق علیہ۔ (وفی روایۃ لمسلم) اور مسلم کی روایت میں اس طرح آیا ہے (یمین اللہ ملآی) اللہ کا دست راست عطاؤں سے بالکل پر ہے۔ جب کہ غالباً داد ودہش دائیں ہاتھ سے ہوتی ہے۔ اس بنا پر دائیں ہاتھ کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ (قال ابن نمیر) ابن نمیر نے کہا ہے نمیر بضمہ نون ہے ابن نمیر امام مسلم کے شیخ واستاد ہیں۔ انھوں نے حدیث کے لفظ ملآی کو ملآن کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ (سحاء لا یغیضھا شیء اللیل والنھار) عطاؤں کو مسلسل بہا رہا ہے۔ رات اور دن میں جس قدر بھی خرچ کرتا ہے۔ اس سے اس کے خزانوں میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔

یعنی حضرت نمیر نے اپنی روایت کردہ حدیث میں لفظ ملآی کی ملآن کہا ہے۔ لیکن لغت کے مطابق ملآی ہے نہ کہ ملآن۔ کیونکہ ید مونث سماعی ہے۔ ملان مذکر لفظ ہے اور اگر ابن نمیر کی روایت صحیح ہو تو پھر ید کی تاویل جود واحسان سے کی جائے گی۔ ابن نمیر علیہ الرحمۃ نے نفقہ کی جگہ شی کا لفظ روایت کیا ہے۔ اور بعض الفاظ میں تقدیم وتاخیر بھی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ وَعَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِیِّ الْمُشْرِکِیْنَ۔ قَالَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ۔

(متفق علیہ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کیے۔

شرح:۔ (وعنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا (عن ذراری المشرکین) مشرکین کے بچوں کے بارے میں کہ ان کا کیا حال ہے وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔ ذراری ذریت کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے جنوں اور انسانوں کی نسل چھوٹی عمر کی ہو یا بڑی عمر کی۔ یہاں نابالغ بچے مراد ہیں۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں فرمایا (اللہ اعلم بما کانوا عاملین) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کیے

تھے۔ حدیث کا ظاہری معنی تو بتاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اطفال مشرکین کو معلق کر دیا اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ اگر وہ زندہ رہتے اور بلوغت کو پہنچ کر جس قسم کے عمل کرتے اس کے مطابق اللہ ان کا انجام کرے گا۔ پس جس کے بارے میں اللہ کا علم یہ ہے کہ اس نے بالغ ہو کر ایمان لانا تھا اسے بہشت میں داخل کرتا ہے۔ اور جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس نے کفر اختیار کرنا تھا اسے دوزخ میں ڈالتا ہے۔ لیکن یہ بات مشکل ہے۔

ایک تو اس بنا پر کہ جب بچہ صغر سنی میں ہی مر گیا تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کے بچپن میں ہی مر جانے سے متعلق تھا لہٰذا اس کا حد بلوغ کو پہنچنا اور ایمان یا کفر پر مرنے کا کوئی معنی نہیں اور ان میں سے کسی ایک صورت کے فرض کرنے کا کیا فائدہ۔

پھر اصول دین اور منہاج شریعت سے معلوم و ثابت ہو چکا ہے کہ عمر دراز ملنے کی صورت میں گناہوں پر گناہگار ردّ کا مواخذہ جو ہو گا وہ بالفعل ان سے صدور معاصی نہ ہونے کی وجہ سے منتفی ہوتا ہے تو اطفال مشرکین جو ضعیف تر اور کمزور تر ہیں زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا مواخذہ بالکل نہ ہو۔ اور یہ بات بھی بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر وہ گناہوں پر کسی کی گرفت نہیں کرتا۔

بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ جب آپ سے اطفال مشرکین کے بارے میں یہ سوال ہوا تھا اس وقت آپ ان کی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہوئے تھے۔ اور آپ کو اس بارے میں ابھی کوئی وحی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آپ نے توقف فرمایا۔ یا آپ ان کی حقیقت حال سے آگاہ تو تھے مگر کسی مصلحت کے تحت آپ کو اس کے اظہار و انکشاف کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ تھی۔ اس لیے یہ جواب ارشاد فرمایا۔

حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے انجام سے سب سے بڑھ کر واقف ہے اور ان کے حال کا صرف اسے ہی پتہ ہے کہ وہ بہشت میں جائیں گے یا دوزخ میں یا ان کے علاوہ کسی تیسری جگہ میں۔ جہاں ان کے لیے نہ راحت ہو گی نہ عذاب و تکلیف واللہ اعلم۔

اور اطفال مشرکین کے بارے میں علماء کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ بعض نے سکوت و توقف اختیار کیا ہے۔ بعض نے ان کا معاملہ علم الٰہی سے معلق رکھا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا بعض کا یہ مذہب ہے کہ مشرکین کے بچے بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ جس طرح دنیا میں احکام کفر میں اپنے ماں باپ کے تابع تھے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بچہ جب تکلیف و اختیار کی عمر تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو والدین کی سرپرستی ان سے زائل ہو گئی۔

اور وہ اپنی اصل فطرت کی جانب رخ کر لیا اور اہل جنت میں سے ہو گا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں داخل ... [illegible]

گے مگر مستقل حیثیت سے نہیں بلکہ اہل جنت کے تابع بن کر جس طرح بادشاہوں کے خدام و نوکران کے تابع ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ ان کے محلات میں رہتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ جنت و دوزخ کے درمیان کوئی جگہ ہے وہ اس میں رہیں گے۔ جہاں نہ راحت ہو گی نہ عذاب۔

لیکن ان سب مذاہب میں صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کیا جائے۔ اور کسی جانب کا یقین و جزم نہ کیا جائے۔ اور کوئی فیصلہ کن بات نہ کی جائے۔ کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی خبر نقل صحیح و قطعی سند موصول ہونے کی وجہ سے کچھ لمنا درست نہیں۔ اور ایسی کوئی خبر بدرجہ نقل صحیح یقینی موجود نہیں ہے۔ اور کوئی قطعی الدلالۃ حدیث وارد نہیں ہوئی۔ اس بارے میں علما نے جو کچھ کہا ہے رائے اور قیاس سے کہا ہے یا کمزور اور ضعیف روایات و اخبار سے اخذ کیا ہے۔ اس لیے جیسا کہ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اس بارے میں توقف کرنا ضروری ہے واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۸۷۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ۔

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب اسنادا

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ اور کہا لکھو اس نے کہا میں کیا لکھوں فرمایا تقدیر لکھو تو قلم نے لکھ دیا وہ سب کچھ جو ہو چکا اور جو ابد تک ہونا ہے۔

شرح: (وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما خلق اللہ القلم) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ (فقال لہ) تو اسے فرمایا لکھ۔ (قال ما اکتب) اس نے کہا میں کیا لکھوں (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اکتب القدر) لکھ ہر چیز جسے مقدر کر دیا گیا ہے۔ (فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد) تو قلم نے لکھ دیا جو کچھ تھا اور جو کچھ ابد تک ہونا تھا۔ اگر سوال کیا جائے۔ مقادیر کی تعیین اور ان کی کتابت و تحریر تو ازل میں ہوئی تھی۔ اور ازل کی نسبت زمانہ ماضی کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا تو پھر جو کچھ ہو چکا اس کی کتابت کا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ بات اپنے زمانے کی طرف

نسبت کرتے ہوئے فرمائی۔ ما کان وما یکون یعنی جو کچھ ہم سے پہلے ہو چکا ہے اور جو کچھ ہمارے بعد ہوگا۔ زمانہ تقدیر کی نسبت و کتابت کے اعتبار سے یہ بات نہیں فرمائی۔

یا ہم کہتے ہیں کہ فصل اول کی حدیث اول میں معلوم ہو چکا ہے کہ قضاء قدر کی تحریر آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہو چکی تھی۔ اس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا اور میں وہاں کہہ چکا ہوں ہو سکتا ہے کہ کتابت حقیقت پر محمول ہو۔ اور ازل میں نہ ہوئی ہو بلکہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی ہو جیسا کہ تعیین عدد ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ قضاء و قدر کی تعیین اور قلم کی پیدائش بھی کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی ہے۔ جیسا کہ اولیت خلق کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب کہ قضاء و قدر کی تحریر کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوئی اس لیے ماضی کے لفظ سے اس کا بیان کرنا درست ہوگا۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب اسنادا) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث از روئے اسناد غریب ہے۔ اور مقدمہ میں گزر چکا ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی مگر جب کہ غریب سے شاذ مراد ہو جیسا کہ اس کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔

۸۸- وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الْاٰيَةَ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ

اور حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیت واذ اخذ ربك الخ کے متعلق سوال کیا گیا حضرت عمر نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے آیت کے بارے میں سوال کیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا بیشک اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی پشت پر اپنا دائیاں ہاتھ پھیرا پس اس سے اس کی کچھ اولاد باہر نکال لی۔ اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے یہ لوگ اہل جنت والے عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دائیں ہاتھ آدم کی پشت پر پھیرا اور کچھ اولاد اس سے باہر نکالی۔ اور کہا یہ لوگ میں نے دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ یہ سن کر ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ پھر عمل کس چیز کا فائدہ دے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو جنت

لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ النَّارَ۔ رواہ مالک والترمذی وابوداؤد۔

کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل جنت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت ... اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر ہوتی ہے۔ تو اسے اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل فرماتا ہے۔ اور جب کسی بندے کو وہ دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل دوزخ کے کاموں میں مصروف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اللہ اسے اس عمل کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن مسلم بن یسار) رضی اللہ عنہ (قال سئل عمر بن الخطاب) رضی اللہ عنہ (عن هذه الآية) حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ کبار تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ، فاضل، عابد اور متقی اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کے زمانہ میں کسی کو آپ پر فضیلت نہیں دی جاتی تھی۔ سنہ ۱۰۰ ہجری مقدس میں انتقال فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی (واذ اخذ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذريتهم (الآية) جب پکڑا اور باہر نکالا اے محمد تیرے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو جس طرح آدم کی پشت سے بلا واسطہ اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ اسی طرح ہر انسان کی پشت سے اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ پھر اس کی پشت سے اس کی اولاد کو باہر نکالا۔ اسی طرح قیامت تک ہونے والی اولاد کو ان کے باپوں کی پشتوں سے جس طرح ان کا توالد و تناسل وقوع میں آنا تھا باہر نکالا۔ لیکن آیت مذکورہ میں حضرت آدم کا ذکر اور ان کی پشت سے ان کی اولاد باہر نکالنے کا ذکر نہ فرمایا اس امر کے ظاہر ہونے کی بنا پر کہ آپ ابوالبشر اور سب کی اصل ہیں۔ اور اس بنا پر بھی کہ مقصود آدم کی اولاد یہود وغیرہ پر ان کے روز میثاق کا عہد توڑنے کی بنا پر الزام و حجت قائم کرنا تھا پوری آیت یوں ہے۔ واشهدهم على انفسهم (اور اللہ نے ان کو ان پر گواہ بنایا) (قال) پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا الست بربكم (میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) (قالوا بلى شهدنا) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے ہم تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں۔ (ان تقولوا يوم القيمة انا كنا هذا غفلين (انہیں خود ان پر اس لیے گواہ بنایا تاکہ وہ روز قیامت یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل و بے خبر تھے)۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو (قال

عمر) حضرت عمر نے اس کے جواب میں فرمایا۔ (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عنہا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ (فقال) اس کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان اللہ خلق آدم) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا (ثم مسح ظہرہ بیمینہ) پھر اس نے آدم کی پشت پر اپنا دائیں ہاتھ پھیرا اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیرنے کی نسبت مجازا ہے۔ ورنہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا۔ جیسے کہتے ہیں فلاں شہر فلاں بادشاہ نے تعمیر کیا ہے۔ حالانکہ تعمیر کرنے والے اس کے کارندے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ بادشاہ کے حکم سے ایسا کرتے ہیں تو گویا بادشاہ خود اسے تعمیر کرتا ہے۔ اور دائیں ہاتھ کی تخصیص حضرت آدم اور ان کی اولاد کو عزت و بزرگی عطا کرنے کے اظہار کے لیے ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کا حقیقۃ علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے۔ (فاستخرج منہ ذریۃ) تو جیسا کہ مذکور ہوا آدم کی پشت سے ان کی کچھ اولاد کو باہر نکالا۔ (فقال خلقت ھؤلاء للجنۃ) ان کے بارے میں فرمایا میں نے اس جماعت کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (وبعمل اھل الجنۃ یعملون) یہ لوگ اہل جنت والے عمل کریں گے۔ (ثم مسح بیدہ فاستخرج منہ ذریۃ) پھر اس کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس کی اولاد سے ایک اور جماعت کو باہر نکالا۔ (فقال خلقت ھؤلاء للنار وبعمل اھل النار یعملون) اور فرمایا میں نے اس جماعت کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل دوزخ والے عمل کریں گے۔ (فقال رجل ففیم العمل) تو صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا پھر عمل کس لیے ہے اور انسان کو عمل کا مکلف کس لیے کیا گیا ہے۔ اور عمل کا فائدہ کس چیز میں پہنچے گا۔ (یا رسول اللہ) اے اللہ کے رسول (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان اللہ اذا خلق العبد للجنۃ استعملہ بعمل اھل الجنۃ) بیشک جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اہل جنت کے کاموں کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (حتی یموت علی عمل من اعمال اھل الجنۃ) یہاں تک کہ اس کی موت اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر آتی ہے۔ (فیدخلہ بہ الجنۃ) تو وہ اس بندے کو اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل کرتا ہے۔ (واذا خلق العبد للنار استعملہ بعمل اھل النار حتی یموت علی عمل من اعمال اھل النار فیدخلہ بہ النار) اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے اہل دوزخ کے کاموں میں لگا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت اہل دوزخ کے اعمال میں سے کسی عمل پر ہوتی ہے۔ تو اللہ اس عمل کی وجہ سے اسے دوزخ میں ڈالتا ہے۔

یعنی جسے بھی بہشت یا دوزخ میں ڈالتا ہے اس کے عمل کی وجہ سے ڈالتا ہے عمل اس کی علامت ہوتی ہے۔ اور عمل کرنے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور عمل بھی اس کی قضاء و قدر میں سے ہے۔ اس لیے یہ نہ کہہ کہ عمل کس لیے کریں اور عمل کا کیا فائدہ اور عمل کرنے کا کیا مقصد۔

۸۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِيْ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ عَنْهُ۔ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ تو فرمایا جانتے ہو یہ دو کیا کتابیں ہیں ہم نے عرض کیا نہ یا رسول اللہ مگر یہ کہ آپ ہمیں بتائیں۔ تو آپ نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی یہ ایک کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہل جنت کے نام ہیں۔ اور ان کے باپوں اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ دے دیا گیا ہے۔ تو نہ ان میں کسی کا اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو سکتا ہے کبھی بھی پھر آپ نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا یہ ایک کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے۔ اس میں اہل دوزخ کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ دے دیا گیا ہے کہ اب نہ تو ان میں کسی کا اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ان میں سے کوئی کم ہو سکتا ہے کبھی بھی۔ حضور کے صحابہ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ پھر عمل کس لیے ہے۔ اگر اس کام سے فراغت ہو چکی ہے آپ نے فرمایا اپنے عمل کو طریقہ حق کے مطابق کرو۔ اور رضا کا قرب تلاش کرو۔ کہ بیشک جنتی انسان کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا وہ جیسے بھی عمل کرتا تھا۔ اور دوزخی انسان کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوگا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ فَنَبَذَ هُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّکُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ

(رواہ الترمذی)

چاہے وہ جو عمل بھی کرتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا پھر فرمایا تمہارا رب بندوں کے کام سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ (وفی یدیہ کتابان) اس حال میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ (فقال) تو آپ نے فرمایا (اتدرون ما ھذان الکتابان) جانتے ہو یہ دو کتابیں کیا ہیں اور ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔

اہل تاویل فرماتے ہیں۔ یہ معنی کی صورت کے ساتھ تمثیل و تصویر اور تعبیر ہے۔ اور اس کی تحقیق و تشریح میں مبالغہ ہے۔ اور اس کے یقین کا اظہار ہے۔ اور متکلم جب اپنے قول کی تحقیق کرنا چاہے۔ اور دوسرے کو بات سمجھانا چاہے اور دقیق و مخفی معنی کو سامع کے مشاہدہ میں لانا چاہے تو وہ کسی صورت میں اسے بیان کرتا اور محسوس چیز کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ خارج اور عالم حس میں وہ چیز بظاہر موجود نہ ہو۔ اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس معاملے کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا۔ اور آپ اس حقیقت سے اس طرح واقف و مطلع ہو گئے کہ اس میں کوئی شبہ اور خفا نہ رہا تو جو معنی آپ کے قلب شریف میں موجود تھا اسے ایسی چیز کی تمثیل و تصویر کی صورت میں بیان فرمایا گویا کہ وہ آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔ اگرچہ خارج میں کوئی کتاب اور کوئی تحریر موجود نہیں تھی۔ اہل باطن اور ارباب مکاشفہ فرماتے ہیں کتاب کا وجود برحق ہے۔ اور بے شائبہ مجاز و تاویل حقیقت پر محمول ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں فرمایا ہے۔ خواص کا عوام سے امتیاز دو چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جو علم عوام کو کسب اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے خواص کو پروردگار علیم و حکیم کی طرف سے بغیر کسب اور سیکھنے کے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسے علم لدنی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ عوام جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں خواص کو اس کا مشاہدہ بیداری میں کرا دیا جاتا ہے۔ اس باب میں مشائخ کی حکایات بے شمار ہیں۔ کتاب الرؤیا میں ان کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور جب کہ خواص اور اولیاء امت کو یہ حالت و مرتبہ حاصل ہے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حاصل نہ ہو گا، بلکہ حدیث کے ظاہر سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو بھی وہ کتابیں دکھائیں۔ لیکن انہیں ان کے مضمون کا پتہ نہ تھا۔ مشائخ فرماتے ہیں جس کا یہ اعتقاد نہیں در حقیقت وہ نبوت پر ایمان

نہیں رکھتا۔ (قلنا لا یا رسول اللہ۔) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نہیں جانتے کہ ان دو کتابوں میں کیا ہے۔ (الا ان تخبرنا) مگر یہ کہ آپ ہمیں آگاہ فرمائیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس ہے کہ آپ ہمیں واقف و آگاہ فرمائیں (فقال للذی فی یدہ الیمنیٰ) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی، فرمایا (ھذا کتاب من رب العلمین) یہ رب العالمین کی جانب سے ایک کتاب ہے۔ (فیہ اسماء اھل الجنۃ و اسماء اباءھم وقبائلھم) اس میں اہل جنت کے نام اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبیلوں کے پوری تعیین و تمیز کے ساتھ نام درج ہیں۔ (ثم اجمل علی اخرھم) پھر آخر میں تفصیل کیفیت کے بعد ان کا اجمال خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اہل حساب کی عادت ہے کہ تفصیل درج کرنے کے بعد اس کا اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں کہ اتنا ہو گیا۔ (فلا یزاد فیھم) جب کہ ضبط و تعیین میں اس قدر مبالغہ اور اس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ تو اب اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا کہ مزید کسی کے نام کا اس میں اندراج ہو سکے۔ (ولا ینقص منھم) اور نہ کمی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے کسی کا نام خارج کیا جا سکے۔ (ثم قال للذی فی شمالہ) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی (ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اباءھم وقبائلھم ثم اجمل علی اخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً) یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے اس میں اہل دوزخ کے نام ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں۔ پھر آخر میں ان کی تعداد کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ کہ نہ ان میں کسی نام کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ کمی اس میں کی ہو سکتی ہے۔

(فقال اصحابہ ففیم العمل یا رسول اللہ) اس پر حضور علیہ السلام کے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ پھر عمل کس لیے ہے۔ (ان کان قد فرغ عنہ) اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ ہر چیز لکھ کر اس سے فراغت ہو چکی ہے (فقال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا۔ (سددوا) اپنے اعمال طریقہ مستقیم اور حق کے مطابق کیے جاؤ۔ (وقاربوا) اور خدا تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اس کی طاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو۔ یہ ترجمہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ قاربوا سددوا کی تاکید ہے۔ یعنی اپنے نیک اعمال کے ذریعے سداد و استقامت طلب کرو۔ عمل میں میانہ روی اختیار کرو۔ افراط میں نہ پڑو۔ اور تنگی اور سختی نہ کرو۔ مجمع البحار میں فرمایا سداد تلاش کرو۔ یعنی افراط و تفریط چھوڑ کر صواب و اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم اس کے قریب تو رہو۔ بعض روایات میں قاربوا کے بجائے قربوا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی دوسروں کو عمل صالح کے ذریعے اپنے قریب کرو۔ خلاصہ یہ کہ عمل کرو اور قضا و قدر کے ذکر میں نہ پڑو۔

(فان صاحب الجنۃ یختم لہ بعمل اہل الجنۃ) کہ بیشک جنتی بندے کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہو گا۔ (وان عمل ای عمل) اگر چہ زندگی بھر وہ کوئی سا نیک یا برا عمل کرتا رہا ہو۔ آخر کار اس کا خاتمہ نیک عمل پر ہو گا۔ (وان صاحب النار یختم لہ بعمل اہل النار وان عمل ای عمل) اور جہنمی کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہو گا۔ چاہے زندگی میں وہ کوئی سا عمل کرتا رہا۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ) پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔ قول کا لفظ اشارہ کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور احادیث میں یہ لفظ اشارہ کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے چنانچہ کہتے ہیں قال بیدہ قال برأسہ وقال برجلہ یعنی اس نے اپنے ہاتھ یا سر یا پاؤں سے اشارہ کیا وغیرہ۔ (فنبذھما) پھر دونوں کتابوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے پس پشت پھینک دیا۔ نبذ کا معنی لغت میں کسی چیز کو ہاتھ سے اپنے آگے یا پیچھے پھینکنے کا آتا ہے۔ یہاں اس لفظ کی تفسیر پس پشت پھینک دینے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ لوگوں کے جملہ امورات ازل کے روز سے ہی فیصل ہو چکے ہیں اور ان سے فراغت ہو چکی ہے۔ (ثم قال) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فرغ ربکم من العباد) یعنی تمہارا پروردگار لوگوں کے کاموں سے فارغ ہو چکا ہے۔ اور ان سے متعلقہ جملہ احکام پہلے سے مکمل کر دیے ہیں۔ (فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر) ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔

۹۰- وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِہٖ وَتُقَاۃً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ شَیْئًا قَالَ ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ

حضرت ابوخزامۃ رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بتائیں یہ دم جھاڑ جو ہم کرتے ہیں۔ یا دوا جس سے علاج کرتے ہیں۔ یا جو ہم پناہ ڈھونڈتے ہیں یہ کام اللہ کی تقدیر کو پھیر سکتے ہیں۔ فرمایا یہ کام بھی تقدیر میں داخل ہیں۔

شرح:۔ (وعن ابی خزامۃ عن ابیہ) بکسر خائے معجمہ زاء۔ تابعی ہیں۔ ان سے فقط یہی حدیث دم جھاڑ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ایک ابوخزامۃ صحابی ہیں ان سے مروی حدیث دم جھاڑ کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ جامع الاصول میں مذکور ہے۔ یہ ابوخزامۃ تابعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ (قال قلت) وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی (یا رسول اللہ ارایت رقی نسترقیھا) اے پیغمبر خدا ہمیں خبر دیں دم جھاڑ کے بارے میں جو ہم کرتے ہیں۔ رقی بضم راء و فتح قاف۔ رقیہ بضم راء وسکون قاف کی جمع ہے یعنی دم جھاڑ، جو پھونک سے کرتے ہیں۔ یا تعویذ جو گلے اور بازو میں

باند ھتے ہیں۔ ان کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ قرآن مجید یا منقول و ماثور دعاؤں سے ہو تو درست ہے۔ ورنہ حرام ہے۔ یہ مسئلہ کتاب الطب والرقی میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو گا (ودوائ نتداوی) اور ہمیں دوا کے بارے میں بتائیں جس سے ہم بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ (وتقاۃ نتقیھا) یا مختلف اوقات ضرورت میں ہم لوگ جو پناہ ڈھونڈتے اور احتیاط پر عمل کرتے ہیں۔ اور ڈھال و زرع وغیرہ کے ذریعے دشمن کے حملہ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ھل ترد من قدر اللہ شیئا) یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی قضاء و قدر میں سے کسی چیز کو ٹال سکتی ہیں۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ھی من قدر اللہ) یہ چیزیں بھی قضاء و قدر الٰہی میں سے ہیں۔ چنانچہ اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر میں طے ہو چکا ہے کہ ان کے ذریعے اللہ شفا بخشے گا اور اسباب سے پناہ حاصل ہو گی۔ تو ایسا ہی پیش آتا اور رونما ہوتا ہے۔ اور تقدیر کی اسباب و شرائط سے کوئی منافات نہیں۔ اسباب و شرائط سب تقدیر میں داخل ہیں تقدیر ان سب کو شامل و محیط ہے۔ اور کوئی چیز اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

۹۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِئَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ۔ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسے وقت میں تشریف لائے کہ ہم لوگ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے۔ تو آپ غصہ میں آگئے، یہاں تک کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ گویا آپ کے دونوں رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں (اسی غصے کی حالت میں) فرمایا کیا تمہیں ایسا کرنے کو کہا گیا ہے۔ کیا مجھے اس لیے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم سے پہلے لوگ اسی وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس تقدیر میں جھگڑا شروع کیا۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں جھگڑا اور تنازع نہ کرو۔ ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور اس کی مانند ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت کیا۔

رواہ الترمذی و روی ابن ماجۃ نحوہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ) رضی اللہ عنہ (خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتکدہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ (ونحن نتنازع فی القدر) اس وقت ہم لوگ آپس میں مسئلہ قضاء و قدر میں بحث و جھگڑا کر رہے تھے۔ کہ وہ کیا اور کس طرح ہے (فغضب حتی احمر وجھہ) تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کا چہرہ انور سرخ ہوگیا (حتی کانما فقئ علی وجنتیہ حب الرمان) اس حد تک کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا کہ گویا آپ دونوں رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں۔ (فقال ابھذا امرتم) فرمایا تمہیں یہ تنازع اور جھگڑا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ام بھذا ارسلت الیکم) یا مجھے ایسے جھگڑوں کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ یعنی تمہیں فرمانبرداری اور عبادت کرنے کا حکم ہے اور مجھے طاعت و عبادت کی تبلیغ کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ قضاء و قدر میں بحث کرنا میرے پیغام میں شامل نہیں ہے۔ وہ ایک راز الٰہی ہے اسے اسی پر چھوڑ دو۔ اور عمل میں مشغول ہو جاؤ۔ اور اس کی قضا اور فیصلوں پر راضی رہو۔ (انما ھلک من کان قبلکم حین تنازعوا فی ھذا الامر) بیشک تم سے پہلے لوگ اس وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس (مسئلہ تقدیر) میں جھگڑا شروع کیا۔ (عزمت علیکم عزمت علیکم) میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ یا میں تم پر واجب و لازم کرتا ہوں کہ (ان لا تتنازعوا فیہ) اس بارے میں جھگڑا اور تنازع نہ کرو۔ (رواہ الترمذی) روایت کیا اس حدیث کو ان الفاظ سے ترمذی نے۔ (وروی ابن ماجۃ نحوہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) اور روایت کی ابن ماجہ نے اس کی مانند حدیث عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے۔

محدثین کرام نحوہ کا لفظ وہاں لاتے ہیں جہاں دونوں حدیثیں معنیً متحد اور لفظاً متغایر ہوں اور جہاں دو حدیثیں معنیً و لفظاً دونوں طرح متحد ہوں وہاں لفظ مثلہ لاتے ہیں جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا۔

۹۲- وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَہَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ اٰدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مشت خاک سے پیدا فرمایا جو اس نے ساری زمین سے لی تھی۔ تو آدم کی اولاد بھی زمین کے مطابق ہے۔ کہ کوئی ان میں سے سرخ رنگ کا کوئی سفید رنگ کا کوئی کالے رنگ کا ہے۔ اور کوئی درمیانے رنگ کا۔ پھر ان

وَالطَّيِّبُ رواه احمد والترمذی و ابوداؤد۔

میں سے کوئی نرم طبیعت اور کوئی سخت طبیعت ہے۔ اور کوئی بدمزاج ہے اور کوئی طیب اور پاکیزہ مزاج ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی موسیٰ) رضی اللہ عنہ (قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا (ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض) بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مشتِ خاک سے پیدا فرمایا۔ صراح میں ہے قبضۃ بضم ہر چیز کی ایک مٹھی۔ اور قاف کے فتح سے بھی آیا ہے۔ یہاں ایک مشتِ خاک مراد ہے۔ یعنی وہ مشتِ خاک ساری زمین اور ہر جگہ سے لی یعنی فرشتے کو ساری زمین پر سے ایک مشت خاک اٹھانے کا حکم دیا۔ (فجاء بنو آدم علی قدر الارض) تو آدم کی اولاد اندازہ زمین کے مطابق عالم وجود میں آئی۔ اور صورت و سیرت میں مختلف اجزائے زمین کے مطابق پیدا ہوئی۔ (منھم الاحمر والابیض والاسود وبین ذلک) کہ ان میں سے کچھ سرخ رنگ کے کچھ سفید رنگ والے کچھ کالے اور کچھ سرخ و سفید اور سیاہ کے درمیان رنگ والے ہیں۔ (والسھل والحزن) اور بعض نرم طبیعت اور بعض سخت مزاج ہیں سَہْل بفتح سین وسکون ہاء و کسر ہاء ہر چیز جو نرمی کی طرف مائل ہو۔ اور نرم زمین۔ حَزْن کی ضد۔ حَزْن زاء کے فتح اور سکون کے ساتھ سخت زمین۔ (والخبیث والطیب) اور بعض پلید اور بعض پاک طینت ہیں۔ خبیث وہ زمین جو شور ہو اور اس میں کچھ نہ اگتا ہو طیب وہ زمین جو زرخیز ہو اور ہر چیز اس میں اگتی ہو۔ یعنی خبیث کی ضد یہ چار باطنی صفات ہیں اور پہلی چار ظاہری صفات ہیں۔

۹۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ۔

رواه احمد والترمذی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ روشنی ڈالی۔ پس جسے اس نور میں سے کچھ نصیب ہو گیا وہ ہدایت پا گیا۔ اور جسے اس نور میں سے کچھ نہ ملا وہ گمراہ ہو گیا۔ اس وجہ سے میں کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم تقدیر سب کچھ لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

شرح:۔ (وعن عبد اللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ بیشک اللہ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ (فالقی علیھم من نورہ) پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ ڈالا (فمن اصابہ من ذالک النور اھتدی) تو جسے اس نور میں سے کچھ حصہ مل گیا وہ ہدایت پا گیا اور اسے راہ راست نصیب ہو گیا۔ اور وہ ایمان و طاعت کے مقام کو پہنچ گیا۔ (ومن اخطاہ ضل) اور جسے اس نور میں سے حصہ نہ ملا گمراہ ہو گیا اور ایمان و طاعت کے مقام سے محروم رہا (فلذالک اقول جف القلم علی علم اللہ ۔) اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم خشک ہو چکا ہے۔ اور اللہ کی تقدیر اس کے مطابق چل چکی ہے جو وہ مخلوق کے حالات ہدایت و گمراہی کو ازل میں جانتا تھا۔

شارحین فرماتے ہیں یہاں خلق سے جنات اور انسان مراد ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف انسان مراد ہوں۔ اور ظلمت سے نفس کی خواہشات اور طبیعت بشری کی شہوات مراد ہیں جن کے ساتھ انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ جو انسان کی گمراہی اور اس کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہیں۔ اور نور حق سے وہ نور مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کے اندر اور سارے جہاں میں عقلی و نقلی روشن نشانیوں اور واضح دلیلوں کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ اور اس نور کے پانے سے ان مذکورہ دلائل و براہین سے عبرت پکڑنے، ان سے نفع حاصل کرنے اور وجود باری تعالیٰ اور اس کی صفات اور حقیقت دین اسلام پر استدلال کرنا مراد ہے۔ تو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اسے ہدایت دے۔ اور ان انوار و دلائل سے ہدایت حاصل کرے اور نفع اٹھالے، اس نے راہ راست پا لیا۔ اور جس کے لیے نہ چاہا کہ ہدایت پائے۔ اور اس روشنی سے محروم کر دے تو وہ گمراہ ہو گیا جیسا کہ فرمایا :-

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا ۔	کیا اور وہ شخص جو مردہ تھا تو ہم نے اسے زندگی بخشی اور اسے روشنی عطا کر دی۔

دوسرے مقام پر فرمایا :-

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ	کیا پس وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ روشنی سے مستفیض ہے۔

تو معلوم ہو گیا کہ ہدایت و گمراہی حق تعالیٰ کی مشیت اور اس ذات جل و علا کی تقدیر سے ہے۔

سوال :- اگر کہا جائے کہ مخلوق کو تاریکی کے اندر کس وقت پیدا کیا۔ اگر اس سے وہ وقت مراد ہے جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا تو اس وقت سب ہدایت پر تھے۔ اور سب نے اس وقت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس وقت گمراہی کا اثر کوئی ظاہر نہ تھا۔ اور اگر ماؤں کے شکموں سے پیدا ہونے

کا وقت مراد ہے تو اس وقت بھی سب کے سب نور فطرت سے روشن و منور ہوتے ہیں۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الست کے دن بعض نے ربوبیت حق کا اقرار رضا و رغبت سے کیا تھا اور بعض نے یہ اقرار غلبہ ہیبت جلال حق کے تحت مجبوراً کیا تھا۔ تو جن خوش نصیب حضرات نے یہ اقرار رغبت و شوق سے کیا۔ ان پر نور ہدایت ڈالا۔ اور انہوں نے اس نور کو پا لیا۔ مگر جنہوں نے شوق و رغبت سے نہیں بلکہ جبر و اکراہ کے تحت اقرار کیا وہ اس سے محروم رہ گئے۔ اور فطرت سے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے، راہ حق پا لینے کی استعداد و قوت مراد ہے۔ جب انسان صحیح غور و فکر سے کام لے۔ اور اس میں نفس و طبیعت کی ظلمت و تاریکی کے موجود ہونے سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کہ انسان روحانیت کی حیثیت سے رشد و ہدایت کے لیے تیار رہتا ہے اور نفسانیت کی حیثیت سے سرکشی و گمراہی کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ اور حد بلوغت کو پہنچنے پر خدا تعالیٰ کی توفیق سے نظر و فکر صحیح کے نصیب ہونے، نور کے القاء ہونے اور اس ذات پاک کی طرف سے روحانیت کی جانب ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر وہ نفس امارہ کے تابع اور تاریکی و گمراہی کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔ اور پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ انسان کے فطرت پر پیدا ہونے سے بھی پہلے قضا و قدر کے فیصلے ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث تقدیر ازلی اور علم و ارادہ الٰہی کے سب سے پہلے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیث فطرت کے ساتھ اس کا کوئی تعارض و تناقض نہیں خوب سمجھ لے۔ و باللہ التوفیق۔

۹۴۔ **وَعَنْ** أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ۔ رواه الترمذی وابن ماجۃ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگتے تھے۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک اے دلوں کو پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر مضبوط کر دے۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم آپ پر ایمان لائے اور اس دین پر ایمان لائے جو آپ لے کر آئے ہیں کیا آپ کو ہمارے متعلق ڈر ہے۔ فرمایا ہاں۔ بیشک تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔

شرح:۔ (وعن انس رضی اللہ عنہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ یا

مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک (اے دلوں کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر ثابت اور مضبوط رکھ۔) بظاہر حضور علیہ السلام نے دل کی اضافت اپنی ذات شریف کی طرف کی مگر حقیقت میں یہ دعا امت کے لیے ہے۔ کہ آپ تو مامون العاقبۃ اور محفوظ القلب ہیں۔ اسی طرح تمام دعاؤں میں اشارہ و کنایہ کے طریقہ پر امت کو تعلیم و تلقین مقصود ہے۔ اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کی (فقلت یا نبی اللہ امنا بک وبما جئت به) یا رسول اللہ ہم آپ پر اور جو دین آپ لے کر آئے ہیں ایمان لائے۔ (فهل تخاف علینا) کیا آپ کو ہمارے دین و ایمان کے چھن جانے کا ڈر اور خطرہ ہے اور اس میں فتور و خلل اور نقصان واقع ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے آپ یہ دعا کرتے ہیں۔ (قال نعم) آپ نے فرمایا ہاں مجھے تمہارے بارے میں اس کا اندیشہ ہے۔ (ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ) کیونکہ تمام دل اللہ کے تصرف اور اس کی قدرت کے تحت ہیں (یقلبها کیف یشاء) انہیں پھیرتا جس طرح چاہتا ہے۔

۹۵۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَةٍ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ یُقَلِّبُهَا الرِّیَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ۔ رواہ احمد

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دل کا حال جنگل کی زمین میں پڑے ہوئے پر کی طرح ہے جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں۔

شرح:۔ (وعن ابی موسی) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مثل القلب) الٹ پلٹ ہونے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنے میں دل کا حال اور اس کی مثال (کریشة بارض فلاة) جنگل کی زمین میں پڑے ہوئے ایک پر کی طرح ہے (یقلبها الریاح ظهرا لبطن) کہ اسے مختلف ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں اور اس کے اوپر کے حصے کو نیچے اور نیچے والے کو اوپر کرتی رہتی ہیں۔ بالکل اسی طرح دلوں کو بھی خواطر و حوادث جو قضاء و قدر الٰہی کے تحت عارض ہوتے ہیں پھیرتے رہتے ہیں۔

۹۶۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں مجھے اس نے حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ اور موت پر ایمان لائے۔ اور موت

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ)　　کے بعد اٹھنے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

شرح:- (وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا یومن عبد حتی یومن باربع) کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ پہلی چیز دل سے ایمان لانا اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (بعثنی بالحق) اس نے مجھے تمام لوگوں کی طرف حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ (ویومن بالموت) دوسری بات یہ ہے کہ موت پر ایمان لائے۔ یعنی دنیا کے فنا ہو جانے اور اس کے تمام اجزاء کے ساتھ ہلاک ہو جانے پر ایمان لائے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ موت کا ورود پروردگار تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ طبیعت اور فساد مزاج کے باعث نہیں ہوتا (جیسا کہ دہریہ کا عقیدہ ہے)۔ یا موت پر ایمان رکھنے کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا مراد ہے۔

(والبعث بعد الموت) تیسری چیز اس پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے کے بعد دوبارہ انہیں اٹھائے گا اور زندہ کرے گا۔ (ویومن بالقدر) چوتھی چیز تقدیر الٰہی پر ایمان لانا کہ ازل میں ہی تمام کائنات جواہر ہوں یا اعراض ذوات ہوں یا صفات ابد تک سب کی تقدیر و تعیین ہو چکی ہے۔

۹۷- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے دو قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ ایک مرجئہ اور دوسرے قدریہ۔

شرح:- (وعن ابن عباس) رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ والقدریۃ) کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں دو قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ ایک مرجئہ دوسرے قدریہ۔

مُرجئہ ہمزہ کے ساتھ ارجاء بمعنی تاخیر سے مشتق ہے۔ ہمزہ کے بغیر بھی ایک لغت ہے۔ اور یہ وہ گروہ ہے جو عمل کو ضروری قرار نہیں دیتا صرف زبان سے ایمان لانے کو کافی جانتا ہے۔ انہیں مرجئہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ عمل کو موخر گردانتے اور اسے ساقط و بے قیمت تصور کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء اس پر ہیں کہ مرجئہ فرقہ جبریہ کا

نام ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بندہ کوئی فعل نہیں کر سکتا۔ اور اسے عمل میں کوئی دخل نہ اختیار نہیں اور اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا ایسے ہے جیسے جمادات کی طرف کسی فعل کی نسبت کرنا۔ جیسے کہتے ہیں چکی چل پڑی اور نہر جاری ہوگئی۔ اس فرقہ کو مجبرہ بھی کہتے ہیں۔ قدریہ قدر کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تقدیر کے منکر ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق اور اپنے کام کا خود کارساز ہے۔ پہلے سے کوئی قضا و قدر متعین نہیں ہے۔ قَدَرِیَہ دال کے فتح کے ساتھ۔ جبریہ میں حرف با کو بھی قدریہ سے ہموزن کرنے کے لیے مفتوح پڑھتے ہیں۔ مگر اصل جَبْر کی طرف نسبت کی بنا پر سکون باء ہے۔ صاحب کشاف مذہب اعتزال و قدر میں تعصب کی بنا پر اہل سنت کو مرجیہ اور جبریہ کہتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اہل سنت عمل کو حقیقت ایمان سے خارج مانتے ہیں۔ اور بندے کو اپنے افعال کا خالق نہیں جانتے مگر صاحب کشاف کا یہ بیان غلط ہے۔ کیونکہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان تصدیق و اقرار دونوں سے عبارت ہے۔ عمل کو کمال ایمان کا سبب قرار دیتے ہیں۔ اور محض قول بلا عمل کے قائل نہیں ہیں۔ ان اہل سنت کا مذہب جبر و قدر کے درمیان ہے۔ جیسا کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ولکن امر بین امرین۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس طرح کی احادیث مرجیہ اور قدریہ کی تکفیر میں صریح ہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ جو اہل بدعت دیوا کسی تاویل کی بنیاد پر کسی عقیدے کو اختیار کرتے ہیں انہیں کافر قرار دینے میں جلدی نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے خیال میں کفر اختیار نہیں کرتے اور نہ کفر پر راضی ہیں۔ بلکہ تاویل کے ذریعے کفر سے دور بھاگنے اور کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور حق کے پانے میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود یہ لوگ خطا میں پڑھ گئے۔ اور حق کو نہ پا سکے۔ اور لزوم کفر و التزام کفر میں فرق ہے۔ اس بارے میں علماء امت کا مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ اور ہمیں اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ ان کے بارے میں وارد ہے اور ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے زجر و ڈانٹ اور انہیں گمراہ قرار دینے میں مبالغے کے طور پر وارد ہے۔ پھر ان احادیث کی صحت میں بھی بعض علماء حدیث نے چون و چرا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِىْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذَالِكَ فِى الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ۔

رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ میری امت میں زمین میں دھنسا اور شکلوں کا بگڑنا واقع ہوگا۔ اور یہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا۔

شرح:۔ (وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

انہوں نے کہا (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ (یکون فی امتی خسف و مسخ) میری امت میں خسف اور مسخ واقع ہوگا۔ خسف زمین میں دھنسا دینا۔ مسخ۔ ایک شکل سے دوسری بدتر شکل میں تبدیل کر دینا۔ (و ذلک فی المکذبین بالقدر) اور یہ خسف و مسخ تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کرنے والوں میں ہوگا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قدریہ اس فرقے کا نام ہے جو تقدیر کا منکر ہے۔ نہ کہ ان لوگوں کا نام ہے جو تقدیر کو ثابت مانتے ہیں۔ جیسا کہ تعصب کی بنا پر قدریہ فرقہ کے لوگ ہم اہل سنت کے لیے کہتے ہیں یہ نام تمہارے لیے زیادہ مناسب و بہتر ہے۔ خذلھم اللہ تعالی

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں کی طرح اس امت میں بھی خسف و مسخ واقع ہوگا۔ ایک حدیث میں واضح طور پر آچکا ہے کہ یہ خسف و مسخ آخر زمانہ میں واقع ہوگا۔ جیسا کہ کتاب الفتن کے باب الملاحم میں آئے گا۔ اور کچھ علماء نے یہ تاویل کی ہے۔ کہ اگر اس امت میں خسف و مسخ واقع ہونا ہوتا تو اس فرقہ قدریہ میں واقع ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۹۹۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ فرقہ کے لوگ اس امت کے مجوسی ہیں جب وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو اور جب مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ) اور انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرقہ قدریہ کے لوگ جو تقدیر کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس امت کے مجوسی ہیں۔ یعنی ملت اسلام میں ان کا حال اور اعتقاد مجوسیوں کے حال و اعتقاد کے مشابہ ہے جو ثنویت سے خداؤں کے قائل ہیں۔ اور دو خدا تسلیم کرتے ہیں۔ ایک کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں۔ ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر ہے۔ بعض علماء نے قدریہ کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ قدریہ کا حال مجوسیوں سے بھی بدتر ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالی کے لیے لاتعداد شریک ثابت کرتے ہیں۔

(ان مرضوا فلا تعودوھم) اگر یہ لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ (و ان ماتوا فلا تشھدوھم) اور اگر مر جائیں تو ان کے پاس نہ جاؤ۔ یعنی ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ یعنی ان کی زندگی اور

موت کی کسی حالت میں ان کے بارے میں حقوق اسلامی کی رعایت اور لحاظ نہ کرو۔

۱۰۰۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجَالِسُوْا أَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ رواہ ابوداؤد۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر کے ساتھ نہ تو مجلس کرو اور نہ ان کو اپنا حاکم بناؤ۔

شرح:۔ اور عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجالسوا اھل القدر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر کی مجلس نہ کرو۔ (و لا تفاتحوھم) اور نہ انہیں اپنا حاکم بناؤ۔ تفاتحوا فتح بمعنی حکم سے مشتق ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے) میں فتح بمعنی حکم آیا ہے۔ حاکم کو فاتح کہتے ہیں اسم فتاح کی تفسیر میں جو اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ علماء نے یوں کہا ہے لوگوں کے لیے رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والا۔ اور ان کے درمیان حکم و فیصلہ کرنے والا۔

بعض نے تفاتحوھم سے ان سے مجادلہ و مناظرہ اور ان کے اعتقاد میں بحث و نزاع میں پہل کرنا مراد لیا ہے یعنی تم ان سے بحث و مناظرہ کی ابتداء نہ کرو۔ کہ اس سے شکوک و شبہات کو انگیخت ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ و سلامتی متعصب اہل بدعت کے ساتھ جو انسان کے عقیدے کو نقصان پہنچاتے ہیں، مجادلہ و مباحثہ نہ کرنے میں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ان سے گفتگو کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ اور نہ ہی ان سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ یہ معنی حضور علیہ السلام کے قول مبارک لا تجالسوا کے زیادہ مناسب ہے۔ اور اس میں شدت و سختی سے ان کی مجلس اور ان سے دوستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ خصوصاً ان سے بحث و جدال اور قیل و قال کرنے سے۔

۱۰۱۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ۔ الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ أَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِي مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ اور اللہ نے اور ہر مقبول الدعا نبی نے لعنت کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ بڑھانے والا۔ اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ جبر کے ساتھ اقتدار پر قبضہ کرنے والا تاکہ جسے اللہ نے ذلیل کیا ہے وہ اسے عزت دے اور جسے اللہ نے عزت عطا کی ہے وہ اسے ذلیل کرے اور حرم شریف کو حلال جاننے والا۔ اور میری اولاد

وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِىْ۔ رواہ البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ۔　　کے بارے میں جو چیز اللہ نے حرام کی ہے اسے حلال جاننے والا۔ اور میری سنت کا تارک۔

شرح:۔ (وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ستۃ لعنتھم) چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ (ولعنھم اللہ) اور اللہ بھی ان پر لعنت کرے۔ اس ترجمہ کے مطابق یہ جملہ دعائیہ ہوگا۔ یا جب حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے ان پر لعنت کی ہے تو لوگوں یا کسی نے سوال کیا آپ نے ان پر کیوں لعنت کی ہے اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیونکہ اللہ نے بھی ان پر لعنت کی ہے۔ اہل عرب اس طرح کے کلام کو کلام استینافی کہتے ہیں۔ (وکل نبی یجاب) اور ہر مقبول الدعا نبی نے ان پر لعنت کی ہے یہ الگ جملہ ہے جو ان پر لعنت کے مضمون کی تاکید و تقریر کے لیے لایا گیا ہے۔

(الزائد فی کتاب اللہ) ان چھ افراد میں سے ایک وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں کچھ بڑھانے والا ہو۔ یعنی اس میں ایسی چیز کا اضافہ کرنے والا جو اس میں نہ ہو۔ یا اس کے لفظ یا معنی میں تحریف کرنے والا۔ جیسا کہ اہل کتاب نے کیا۔ پس کتاب اللہ سے جنس کتاب مراد ہوگی قرآن ہو یا دوسری آسمانی کتاب۔ بعض علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کتاب اللہ سے اس کا حکم مراد ہو۔ اور کتاب سے حکم مراد لینا درست اور شائع و عام ہے۔ جس طرح کُتِبَ بمعنی فَرَضَ آتا ہے۔

(والمکذب بقدر اللہ) دوسرا وہ شخص ہے کہ تقدیر الٰہی کو جھٹلاتا۔ اور اس کا انکار کرتا ہے جیسا کہ فرقہ قدریہ۔

(والمتسلط بالجبروت) تیسرا وہ شخص جو از راہ عظمت و تکبر لوگوں پر تسلط اور قہر و غلبہ حاصل کرے۔ (لیعز من اذلہ اللہ) تاکہ جسے اللہ نے ذلیل و خوار کیا ہے اسے عزت و مرتبہ عطا کرے۔ (ویذل من اعزہ اللہ) اور جسے اللہ نے عزت و شان عطا کی ہے۔ اسے ذلیل و خوار کرے۔ اس سے ظالم سلاطین و امراء مراد ہیں جو خواہش نفس اور ظلم و جور کے تحت کفار و فساق اور جہلاء کو عزیز جانتے ہیں، اور اہل اسلام، صلحاء اور علماء کو ذلیل و خوار جانتے ہیں۔

(والمستحل لحرم اللہ) چوتھا شخص اللہ تعالیٰ کے حرم مکہ کو حلال جاننے والا۔ مکہ اور اس کے ارد گرد معین جگہ کو حرم اور اس سے باہر کے علاقے کو حل کہتے ہیں۔ حِل بکسر حاء۔ حدود حرم کا موں میں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شکار کرنا۔ درخت کاٹنا وغیرہ انہیں حلال جاننے والے کو مستحل کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں حُرُمِ اللہ کا لفظ آیا ہے۔ حُرُم حرمۃ کی جمع۔ یعنی ان چیزوں کو حلال جاننے والا جو حرام ہیں۔ علامہ تور پشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے حُرُم پڑھنا غلط و تصحیف ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی روایت ہے جنہیں علم روایت میں مہارت نہیں۔ یعنی ان کی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

بلکہ انہوں نے اپنے قیاس سے محرم اللہ کو محرم اللہ بنا دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(والمستحل من عترتی ما حرم اللہ) پانچواں وہ شخص جو میری اولاد میری قوم و قبیلہ اور میرے اہل و عیال کے ساتھ وہ کچھ حلال جانے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کرنا حرام قرار دیا ہے یعنی انہیں تکلیف دے۔ ان کی تعظیم نہ کرے۔ اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے۔ اگرچہ ہر قسم کے حرام کو حلال جاننا زجر و سزا کا مستحق بنا دیتا ہے چاہے خدا تعالیٰ و تقدس کے حرم شریف سے تعلق رکھتا ہو۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سے یا اور چیزوں سے لیکن حضور علیہ السلام کی عزت سے متعلق حرام شدہ امور کو حلال جاننا نہایت سخت اور برا ہے۔ اس لیے زیادہ اہتمام، حرام سمجھنے کی زیادہ تاکید اور زیادہ شرف اور حق و تعظیم اور حرمت کا بہت زیادہ خیال رکھنے کے لیے خصوصیت سے اس کی وصیت فرمائی۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا من عترتی میں من بیانیہ ہے۔ یعنی جو شخص میری اولاد اور میرے اہل قرابت میں سے کسی چیز کو حلال جانے گا وہ عتاب اور سزا کا زیادہ مستحق ہوگا۔ کہ جسے میرا شرف فرزندی حاصل ہو اور میرے ساتھ تعلق قرابت ہونے کے باوجود حرام کاموں کا مرتکب ہو۔ تو وہ سخت گرفت اور سزا کا مستوجب ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں آیا ہے۔ کہ اے پیغمبر کی بیویو تم میں جو بھی فحش کام اور بدکاری کا ارتکاب کرے گی اسے دگنا عذاب ہوگا۔ اس میں شرفاء و سادات کرام کو تنبیہ ہے کہ محرمات کے قریب نہ جائیں اور نافرمانی اختیار نہ کریں۔ اور عزت سیادت کا پردہ چاک نہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے تعلق کے غیر مناسب کسی فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ اور حضور علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری سے مغرور اور دھوکے میں نہ آئیں۔ بیت

شرمے از روے خوب خویش بدار | کہ بداں روئے کار زشت کنی
عجب جمیلی و جلیلی عجب ملیح و صبیحی | ولے چہ سود کہ قدر جمال خویش ندانی

تجھے اپنے خوبصورت چہرے سے شرم آنی چاہیئے۔ کہ ایسا چہرہ رکھتے ہوئے ایسے برے کام کرتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تو عجیب جمیل و جلیل اور عجیب خوبصورت و صاحب جمال ہے لیکن اس کا کیا فائدہ اگر تو اپنے جمال کی قدر نہ کرے۔

(والتارک لسنتی) چھٹا شخص وہ ہے۔ جو میری سنت کا تارک اور بدعت اختیار کرنے والا ہے۔ ترک سنت اگر اسے ہلکا جانتے اس کی اہانت اور اسے کچھ نہ سمجھنے کی بنا پر ہو تو کفر ہے اس مفہوم کے مطابق لعنت اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگی۔ اور اگر اس میں مسلسل کوتاہی اور سستی اور معصیت کے ارتکاب کی بنا پر ہو تو لعنت زجر، شدت اور مقام

قرب و عزت سے دور ہونے پر محمول ہوگی۔ اور اگر کبھی کبھار سنت چھوٹ جائے تو معصیت میں شمار نہ ہوگی۔ اور محرمات وغیرہ کو حلال جاننے میں بھی یہی تفصیل ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اس حدیث کو بیہقی نے مدخل میں جو اس کی کتاب کا نام ہے اور امام رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

۱۰۲۔ وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً۔ (رواہ احمد والترمذی)

اور حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے فلاں زمین میں موت آئے۔ تو اس کے لیے اس زمین کی طرف کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔

شرح:۔ (وعن مطر بن عکامس) رضی اللہ عنہ عکامس بضم عین وتخفیف کاف وکسر میم وسین مہملہ۔ آپ کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ آپ کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔ آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے آپ کے صحابی ہونے کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ ان مطر بن عکامس سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اذا قضی اللہ بعبد ان یموت بارض) جب اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں بندے کی موت فلاں زمین میں واقع ہو۔ (جعل لہ الیھا حاجۃ) تو اس بندے کا کام اس زمین کی طرف پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کام کے پیچھے وہ بندہ اس زمین میں جائے۔ اور وہیں اس کی موت آ جائے۔ بیت

زکویش میروم باصد ہزاراں محنت وزاری　　نمیدانم کہ روزی میدواند یا اجل مارا

میں اس کی گلی سے ہزار محنت اور افسوس وزاری سے جا رہا ہوں۔ یہ علم نہیں کہ ہمیں رزق دوڑا رہا ہے یا موت

۱۰۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ۔ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ۔ (رواہ ابوداود)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہتی ہیں میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حال ہے۔ جنت میں ہیں یا دوزخ میں فرمایا ان کا حکم وہی ہے جو ان کے والدین کا ہے۔ میں نے عرض کیا بغیر عمل کے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے۔ میں نے عرض کیا مشرکین کی نابالغ اولاد کا کیا حکم ہے۔ فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں میں نے عرض کیا بغیر عمل کے ہی فرمایا اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ) رضی اللہ عنہا۔ (قالت قلت) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں نے کہا۔ (یا رسول اللہ ذراری المسلمین) مسلمانوں کے مردہ بچوں کا کیا حال ہے وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔ ذراری ذریت کی جمع ہے جس طرح براری بریت کی جمع ہے۔ (قال من اٰبائھم) فرمایا وہ اپنے باپوں میں سے ہیں۔ یعنی ان کا حکم وہی ہے جو ان کے باپوں کا حکم ہے۔ کہ جنت میں ان کے ساتھ ہونگے (فقلت) میں نے کہا۔ (یا رسول اللہ بلا عمل) یا رسول اللہ عمل کے بغیر ہی بہشت میں جائیں گے۔ یعنی انہوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا تو جنت میں کس طرح جائیں گے (قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین) فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے یہ قضاء و قدر الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ جب حضرت عائشہ نے تعجب کیا کہ عمل کے بغیر ہی وہ جنت میں کیسے جائیں گے۔ فرمایا تعجب نہ کر کہ اگرچہ ان بچوں کا بالفعل کوئی عمل خیر نہیں ہے مگر ممکن ہے تقدیر الٰہی میں ان کا کوئی عمل ہو۔ اور اس کے مطابق تقدیر الٰہی جاری ہو چکی ہو۔ (قلت) میں نے کہا۔ (فذراری المشرکین) مشرکین کے بچوں کا کیا حکم ہے۔ (قال من اٰبائھم) فرمایا وہ بھی اپنے باپوں سے اور ان کے حکم میں ہیں۔ (قلت بلا عمل قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین) فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو انہوں نے عمل کرنے تھے اس جملے پر مفصل کلام گزشتہ ایک حدیث کی شرح میں گزر چکا ہے۔

۱۰۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَائِدَۃُ وَالْمَوْءُوْدَۃُ فِی النَّارِ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زندہ درگور کرنے والی عورت اور زندہ درگور کی گئی لڑکی دونوں دوزخ میں جائیں گی۔

شرح:۔ (وعن ابن مسعود) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوائدۃ والموءودۃ فی النار) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے فرزند کو زندہ درگور کرنے والی عورت۔ اور یہ کام اکثر عورتیں کرتی تھیں۔ موؤدۃ۔ زندہ درگور کی گئی لڑکی۔ اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ زندہ درگور کرنے والی عورت کا اس کے کفر کی وجہ سے دوزخی ہونا تو درست ہے۔ لیکن زندہ درگور کی گئی لڑکی جو نابالغ ہے اور اس نے کوئی گناہ نہیں کیا نہ کفر اختیار کیا۔ کیوں دوزخ میں جائے گی۔ اس اشکال کے جواب میں علماء متعدد توجیہات بیان کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ

زندہ درگور کی گئی لڑکی اطفال مشرکین میں سے ہونے کی بنا پر دوزخی ہے۔ اس کا دوزخ میں جانا قضاء و قدر کے حکم کے تحت ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون دوسری احادیث میں آچکا ہے۔ اسی اعتبار سے صاحب مصابیح نے یہ حدیث اس باب میں درج کی ہے۔ اور جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں نہ جائیں گے وہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وائدۃ سے دایہ اور موؤدۃ سے اس لڑکی کی ماں مراد ہے۔ اور موؤدۃ سے موؤدۃ لہا یعنی جس کی لڑکی کو زندہ درگور کیا گیا وہ مراد ہے۔ کیوں کہ ماں کے حکم سے دائی لڑکیوں کو زندہ درگور کرتی تھی۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے یہ حکم خاص وائدہ اور موؤدۃ سے متعلق ہے۔ اور یہ حکم عالم غیب میں سے ہے۔ دوسروں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اور یہ حضرت خضر کے غلام کی طرح ہے۔ اور ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے موؤدۃ سے ایسی لڑکی مراد ہو جو حد بلوغ کو پہنچ کر کفر اختیار کر چکی ہو۔ تاہم مختصر یہ ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی جس پر یقین و جزم کیا جا سکے۔ اور صحیح مذہب توقف ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث — تیسری فصل

۱۰۵- عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَغَ إِلٰى كُلِّ عَبْدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ مِنْ خَمْسٍ مِّنْ أَجَلِهٖ وَعَمَلِهٖ وَمَضْجَعِهٖ وَأَثَرِهٖ وَرِزْقِهٖ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل اپنی مخلوقات کے ہر بندے کی پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ اس کی اجل سے اس کے عمل سے اس کی جائے۔ بالش سے۔ اس کی حرکات و سکنات سے اور اس کے رزق سے۔

شرح:۔ (عن ابی الدرداء) رضی اللہ عنہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل فرغ الی کل عبد من خلقہ من خمس) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل اپنی مخلوقات میں اپنے ہر بندے کی پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے اور اس کی تقدیر اس کے ہر بندے کی پانچ چیزوں کے متعلق مکمل ہو چکی ہے۔ اور جب کہ فراغت اللہ عزوجل کے لیے محال اور ناممکن ہے۔ اس لیے اس سے اس کی تقدیر میں کسی قسم کی تبدیلی کا نہ ہونا مراد ہے۔ صراح میں فراغ بمعنی کسی کام سے فارغ ہو جانا۔ اس کے بعد اپنے قول مبارک سے وہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔

(من اجلہ وعملہ ومضجعہ واثرہ ورزقہ) فارغ ہو چکا ہے اپنے ہر بندے کی اجل سے۔ اور مقرر کر چکا ہے کہ اس کی مدت عمر کتنی ہے۔ اور ہر بندے کے عمل سے فارغ ہو چکا ہے۔ کہ نیک اور برے کیا کیا کام کرے گا۔ اور ہر بندے کے مضجع سے فارغ ہو چکا ہے۔ مضجع بفتح جیم۔ لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس پہ بندہ اپنا پہلو رکھتا ہے۔ یہاں سکونت اختیار کرنے کی جگہ مراد ہے۔ اثر سے حرکت مراد ہے یا ازل میں ہی تمام بندوں کی حرکات و سکنات مقرر ہو چکی ہیں۔ یا مضجع سے موت کی جگہ اور اثر سے حالت زندگی میں اس کی نقل و حرکت مراد ہے۔ یا مضجع سے اس کا مقیم ہونا اور اثر بمعنی نشان پا سے اس کا سفر اختیار کرنا مراد ہے۔ رزق سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن سے بندہ نفع اور فائدہ اٹھاتا ہے۔

۱۰۶۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِىْ شَىْءٍ مِنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْأَلْ عَنْهُ۔

(رواہ ابن ماجۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص مسئلہ تقدیر میں تھوڑی سی گفتگو بھی کرے گا قیامت کے دن اس سے اس کا سوال ہوگا اور جس نے اس کے بارے میں گفتگو نہ کی ہوگی اس سے سوال نہ ہوگا۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ) رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتی ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یقول) فرماتے تھے۔ (من تکلم فی شئ من القدر) جو شخص بھی مسائل و احکام قضاء و قدر میں کچھ بھی گفتگو اور بحث کرتا ہے۔ (سئل عنہ یوم القیمۃ) اس سے اس گفتگو اور بحث کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا۔ (ومن لم یتکلم فیہ لم یسأل عنہ) اور جو اس میں بحث و گفتگو نہ کرے گا اس سے سوال نہ ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے اس کلام مبارک سے مقصود مسئلہ قضاء و قدر سے غور و خوض کرنے اور اسے چھیڑنے سے ڈانٹنا اور منع کرنا ہے یعنی اس مسئلہ میں بحث و گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اس گفتگو کا یہ نقصان ضرور ہے کہ قیامت کے روز باز پرس ہوگی اور عتاب نازل ہوگا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بلا چون و چرا اس پہ ایمان لائیں۔ اور بحث و گفتگو سے خاموشی اختیار کریں۔ اور عمل میں مشغول ہوں اور اسے نہ کریدیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

۱۰۷۔ وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِىِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَىَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِىْ نَفْسِىْ مِنَ

ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ابی بن کعب کے پاس آیا۔ اور ان سے کہا میرے دل میں تقدیر کے

الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِي لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِيْ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مِتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ. قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ

متعلق کچھ وسوسے آتے ہیں۔ آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں شاید (اس طرح) اللہ تعالیٰ میرے دل سے وہ وسوسے نکال دے تو حضرت ابی بن کعب نے فرمایا اگر اللہ عزوجل تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا کرتا تو وہ انہیں اس عذاب میں مبتلا کرنے میں ظالم نہ ہوتا۔ اور اگر وہ ان پر رحمت کرتا تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوتی۔ اور اگر تو احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں سونا بھی خرچ کر دے تو اللہ اسے قبول نہ کرے گا جب تک کہ تو تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ اور جب تک کہ تو یہ یقین نہ رکھے کہ جو مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ تجھ سے ٹلنے والی نہ تھی اور جو چیز تجھے نہیں ملی وہ تجھے مل ہی نہ سکتی تھی۔ اگر تو اس عقیدے کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔ ابن دیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا تو انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا ابن دیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت حذیفہ بن الیمان کے پاس آیا انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا پھر میں زید بن ثابت کے پاس آیا تو انہوں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی حدیث بیان فرمائی۔

شرح: (وعن ابن الدیلمی قال) ابن دیلمی سے روایت ہے جو تابعین میں سے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا (اتیت ابی بن کعب) میں ابی بن کعب کے پاس آیا۔ جو علماء اور اجلہ صحابہ کرام میں سے تھے۔ (فقلت لہ) اور ان سے کہا۔ (قد وقع فی نفسی شئ من القدر) کہ بیشک میرے دل میں قضاء قدر کے متعلق شک و شبہ واقع ہوتا ہے۔ کہ اگر سب کچھ قضا و قدر الٰہی سے ہے تو پھر امر و نہی کس لیے ہے اور ثواب و عذاب کا کیا معنی۔ اور آپ نے فی نفسی کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا کہ یہ شک و شبہ وسوسہ اور القاء نفس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (فحدثنی) تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیں یا اپنے پاس سے کوئی بات بیان کریں (لعل اللہ ان یذھبہ من قلبی) شاید اللہ تعالیٰ وہ شک و شبہ میرے دل سے دور کر دے۔ (فقال) تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایسی بات بیان

کی جس سے میرا شک و شبہ دور ہو گیا اور میں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عذاب دینے اور ان کا مواخذہ کرنے کو بعید خیال کرتا تھا اس کا ازالہ بھی ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعب نے بیان کیا کہ اللہ جل و علا مالک الملک علی الاطلاق ہے سب اس کے مملوک ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور مالک اپنی ملکیت کی چیزوں میں جس قسم کا تصرف کرتا ہے وہ ظلم نہیں کہلا سکتا۔ اور انہوں نے کہا لو ان اللہ عزوجل عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ) کہ اگر اللہ عزوجل اپنے تمام اہل سموات اور تمام اہل زمین کو عذاب دیتا (عذبھم وھو غیر ظالم لھم) تو انہیں عذاب دینے میں ظالم نہ ہوتا۔ اور اس کے لیے انہیں عذاب دینا روا اور جائز ہوتا۔ (ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم) اور اگر انہیں اپنی رحمت سے نوازتا تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہوتی۔ اس کے بعد اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ تمام کائنات کے متعلق عموماً اور انسان کے حالات نفس کے متعلق خصوصاً تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنا واجبات اور ضروریات دین میں سے ہے۔ اور اس ایمان و اعتقاد کے برابر کوئی عمل نہیں ہو سکتا اگرچہ قدرت بشر سے بڑھ کر کوئی عظیم عمل ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ایمان و عقیدہ جنتی ہونے کے لیے شرط ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا (لو انفقت مثل احد ذھبا فی سبیل اللہ) اور اگر تو راہ خدا میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (ماقبلہ اللہ منک) اللہ اسے تجھ سے قبول نہ کرے گا (حتی تؤمن بالقدر) جب تک کہ تو قضاء و قدر پہ ایمان نہ لائے۔ (وتعلم ان ما اصابک لم یکن یخطئک) اور یہ بھی یقین رکھے کہ جو کچھ تجھے پہنچا ہے وہ ہر صورت تجھے پہنچ کر رہنا تھا۔ (وان ما اخطاک لم یکن لیصیبک) اور تجھے اس بات کا بھی علم و یقین ہو کہ جو کچھ تجھ سے چھوٹ گیا ہے اور جو تجھے نہیں پہنچا وہ تجھے پہنچنے والا ہی نہ تھا۔ پس اگر کوئی چیز تجھے ملے تو یہ نہ کہہ کہ میری سعی و کوشش سے مجھے ملی ہے اور جو کچھ تجھے نہیں ملا اس کے متعلق یہ نہ کہہ کہ اگر میں سعی و کوشش کرتا تو مجھے مل جاتا۔ بلکہ تیرا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ کسی چیز کا ملنا نہ ملنا سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے۔

(ولو مت علی غیر ذالک لدخلت النار) اور اگر بالفرض تو تقدیر پر اس ایمان عقیدے سے اور حال کے علاوہ کسی اور عقیدے پہ مرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔ (قال ثم اتیت عبد اللہ بن مسعود) ابن الدیلمی کہتے ہیں پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقرب صحابہ میں سے تھے اور جن کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان کے لیے ہر چیز سے راضی ہوں جس سے ابن مسعود راضی ہے (فقال مثل ذالک) تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کی بات کی جو جیسی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (قال ثم اتیت حذیفۃ بن الیمان) ابن الدیلمی نے کہا پھر میں حضرت حذیفہ

بن الیمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے۔ (فقال مثل ذالک) تو انہوں نے بھی یہی عقیدہ بیان کیا (ثم اتیت زید بن ثابت) پھر میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو علماء اور علماء صحابہ میں سے تھے۔ (فحدثنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی جو اسی مضمون کے مطابق تھی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جس کی نسبت حضرت ابی بن کعب حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم نے حضور کی طرف نہ کی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا رفع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیا۔ اور حضور علیہ السلام سے اس کی روایت کر دی۔

۱۰۸۔ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُقْرِئُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ اَوْ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِيْ اَهْلِ الْقَدَرِ۔ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے تو ابن عمر نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص نے (دین میں) نئی بات نکالی ہے اگر فی الواقع اس نے نئی بات نکالی ہے تو میرا اسے سلام نہ کہنا کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میری امت یا اس امت میں زمین میں دھنسنا یا صورتوں کا بگڑنا یا آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی تقدیر کا انکار کرنے والوں پر۔

شرح :۔ (وعن نافع ان رجلا اتی ابن عمر) حضرت نافع سے روایت ہے جو ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ثقہ، کثیر الحدیث اور قبیلہ دیلم سے ہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ وہ عرب سے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ (فقال) اور حضرت ابن عمر سے کہا۔ (ان فلانا یقرء علیک السلام) کہ فلاں نام کا آدمی جس نے قدری مذہب ایجاد کیا اور لوگوں میں اس بدعت کو رواج دیا، آپ کو سلام کہتا ہے۔ عربی زبان میں ایسا ہی استعمال ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں کو یا فلاں پر سلام پڑھایا ہے۔ مراد یہی ہوتی ہے کہ سلام کیا ہے۔ کیونکہ جب اس نے سلام کہا تو دوسرے نے جواب میں سلام کہا تو یہ کہنا درست ہوا کہ اس نے فلاں کو سلام پڑھایا ہے۔ (فقال) تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ (انہ قد بلغنی انہ قد احدث) بیشک بات یہ ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس آدمی نے دین میں

نئی بات نکال ہے اور احداث فی الدین کا مرتکب ہوا ہے۔ یعنی تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کیا ہے۔ (فان کان قد احدث) اگر فی الواقع اس نے یہ احداث کیا ہے اور یہ بدعت نکالی ہے۔ (فلا تقرءہ منی السلام) تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا۔ (فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ۔ (یکون فی امتی) ہوگا میری امت میں (او فی ھذہ الامۃ) یا اس امت میں یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے فی امتی کہا یا فی ھذہ الامۃ کہا۔ (خسف ومسخ او قذف) زمین میں دھنسایا ان کی صورتوں کا بگڑنا یا آسمان سے پتھروں کی بارش۔ (فی اھل القدر) اہل تقدیر میں۔ یعنی ان لوگوں میں جو تقدیر کا انکار کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کا ظہور اور اس مذہب کا حدوث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آخری دور میں ہوا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اس عبارت کی تحقیق اور ایک ہی حدیث میں ان صفات کا جمع ہونا مقدمہ کتاب میں وضاحت سے بیان ہو گیا ہے۔

۱۰۹۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَأَلَتْ خُدَیْجَۃُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَیْنِ مَاتَا لَہَا فِی الْجَاہِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہُمَا فِی النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَی الْکَرَاہِیَۃَ فِیْ وَجْہِہَا قَالَ لَوْ رَأَیْتِ مَکَانَہُمَا لَأَبْغَضْتِہِمَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَوَلَدِیْ مِنْکَ قَالَ فِی الْجَنَّۃِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَوْلَادَہُمْ فِی الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ وَاَوْلَادَہُمْ فِی النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْہُمْ ذُرِّیَّتُہُمْ۔ رواہ احمد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق دریافت کیا جو جاہلیت میں مر گئے تھے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ حضرت علی کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کا اثر محسوس کیا تو فرمایا اگر تو ان دونوں کی جگہ دیکھے یعنی تو ان سے نفرت کرتی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا ہے (کہاں ہے) فرمایا جنت میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے۔ اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم

شرح:۔ (وعن علی) رضی اللہ عنہ (قالت سالت خدیجۃ) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ولدین ماتا لھا

فی الجاھلیۃ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو بچوں کے بارے میں دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے۔ اور حضور کی اولاد سے نہ تھے۔ کہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما فی النار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (قال) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ (فلما رأی الکراھیۃ فی وجھھا) جب حضور نے حضرت خدیجہ کے چہرہ میں ناخوشی کا اثر دیکھا تو فرمایا (لو رأیت مکانھما لابغضتھما) اگر تو ان دونوں کی جگہ اور ٹھکانا دیکھ لے جہاں وہ حقارت و خواری میں اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر پڑے ہیں تو تو انہیں دشمن جانے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرے۔ اور لابغضتھما کا لفظ لابغضتیھما کسرہ کو لمبا کر کے تا کے بعد یا کے ساتھ بھی مروی ہے۔ یہ صیغہ اس شکل میں احادیث میں بہت جگہ آیا ہے۔

(قالت) حضرت خدیجہ نے کہا۔ (یا رسول اللہ فولدی منک) یا رسول اللہ میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا ہے اس کا کیا حال ہے۔ ان کا نام عبداللہ اور لقب طیب و طاہر تھا۔ یہ صاحبزادے ظہور اسلام کے ابتدائی ایام میں پیدا ہوئے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا وہ بچہ جو مجھ سے ہوا (فی الجنۃ) جنت میں ہے۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان المؤمنین و اولادھم فی الجنۃ) مسلمان اور ان کے بچے جنت میں ہیں۔ (و ان المشرکین و اولادھم فی النار) اور مشرکین اور ان کے بچے دوزخ میں ہیں۔ (ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بطور استشہاد و دلیل کہ اولاد ماں باپ کے تابع ہے۔ نیز حضرت خدیجہ کا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ جب میں مسلمان ہوں تو میرے بچے بھی میرے ساتھ جنت میں ہوں گے، یہ آیت پڑھی۔ (والذین اٰمنوا واتبعتھم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد جس نے ایمان میں ان کی پیروی کی۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ الحقنابھم ذریتھم ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے۔

۱۱۰۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ مَسَحَ ظَھْرَہٗ فَسَقَطَ عَنْ ظَھْرِہٖ کُلُّ نَسَمَۃٍ ھُوَ خَالِقُھَا مِنْ ذُرِّیَّتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَجَعَلَ بَیْنَ عَیْنَیْ کُلِّ اِنْسَانٍ مِّنْھُمْ وَبِیْصًا مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلٰی اٰدَمَ فَقَالَ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو اس کی پشت پر دست قدرت پھیرا۔ تو گر پڑا آپ کی پشت سے ہر آدمی جسے اس نے قیامت تک اس کی اولاد میں پیدا کرنا تھا اور پیدا کر دی ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی ایک لاٹ۔ پھر انہیں آدم کے سامنے پیش کیا حضرت

أَيْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ قَالَ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاؤُدُ فَقَالَ أَيْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهُ قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمُرِيْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمُرُ آدَمَ إِلَّا أَرْبَعِيْنَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ آدَمُ أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِيْ أَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاؤُدَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَنَسِيَ آدَمُ فَأَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطَأَ آدَمُ وَخَطَأَتْ ذُرِّيَّتُهُ۔ (رواہ الترمذی)

آدم نے کہا اے میرے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ تو آدم نے ان میں ایک آدمی دیکھا تو آپ کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی لاٹ اچھی لگی۔ کہا اے میرے رب یہ کون ہے۔ فرمایا داؤد۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب تو نے اس کی کتنی عمر مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ سال۔ کہا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس سال اس کی عمر اور زیادہ کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم کی عمر ختم ہوگئی صرف چالیس سال باقی رہ گئے تو آدم کے پاس ملک الموت آگیا۔ آدم نے کہا کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔ ملک الموت نے کہا آپ وہ اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے چکے تو آدم نے انکار کیا تو اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ اور آدم بھول گئے اور درخت میں سے کھایا۔ تو اس کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اور آدم نے خطا کی اور اس کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ آدم مسح ظھرہ) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو اپنا دست قدرت اس کی پشت پہ پھیرا۔ یا اس فرشتے کو حکم دیا جو اس کام پر مقرر تھا کہ آدم کی پشت پہ ہاتھ پھیرے۔ (فسقط عن ظھرہ کل نسمۃ) تو گر پڑا آپ کی پشت سے ہر آدمی۔ (ھو خالقھا من ذریتہ الی یوم القیمۃ) تو آدم کی پشت سے باہر آپڑا ہر انسان جس کو اس نے اس کی اولاد سے قیامت تک پیدا کرنا تھا۔ نسم و نسمۃ بفتح نون و سین یعنی آدمی، لوگ۔ یعنی اس طریقہ توالد و تناسل کے مطابق جس قدر بھی آدم کی اولاد پیدا ہونی تھی۔ اور آپ کی اولاد کی اولاد بھی سب کی سب ان کی پشتوں سے باہر آگئی اور سب آدم کی ہی اولاد ہے۔ اسی لیے سب کی نسبت آدم کی طرف کر دی۔ (وجعل بین عینی کل انسان منھم) اور انسانوں میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان کر دی۔ (وبیصا من نور) نور کی ایک لاٹ۔ وبیص۔ بفتح واو و کسرہ بائے موحدہ اور صاد مہملہ یعنی چمک دمک۔ (ثم عرضھم علی آدم) پھر انہیں آدم پہ پیش کیا۔ (فقال) تو آدم نے کہا (ای رب) اے میرے پروردگار

(من ھؤلاء) یہ کون لوگ ہیں (قال ذریتک) فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ (فرای رجلا منھم) تو آدم نے ان میں ایک آدمی دیکھا۔ (فاعجبہ وبیص ما بین عینیہ) تو آدم کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک و درخشندگی بہت اچھی لگی (فقال ای رب) عرض کی اے میرے رب (من ھذا) یہ مرد کون ہے۔ (قال داؤد) خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ داؤد پیغمبر ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت آدم کو حضرت داؤد کی دو آنکھوں کے بیچ درمیان کی چمک و درخشندگی کے اچھا محسوس ہونے سے لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا نور اور اس کی چمک دمک بہت اکمل و اجمل، بہت زیادہ اور اتم ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہاں ایک آن اور ایک گھڑی ہو جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی نگاہ میں اس کی چمک دمک زیادہ محسوس ہوئی ہو۔ ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ حضرت سید رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نور و لمعان سب سے زیادہ، تمام تر اور کامل تر ہے۔ نیز فضیلت کلی فضیلت جزئی کے منافی نہیں ہے۔

(فقال ای رب کم جعلت عمرہ) آدم نے کہا اے میرے رب تو نے اس مرد کی عمر کتنی مقرر کی ہے۔ (قال ستین سنۃ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ سال۔ (قال) جب کہ حضرت آدم کو حضرت داؤد اچھے لگے اور ان سے دوستی و محبت کا رابطہ پیدا ہو گیا تو حضرت آدم نے کہا (رب زدہ من عمری اربعین سنۃ) اے میرے رب میری عمر سے چالیس سال لے کر اس کی عمر زیادہ کر دے تاکہ اس کی عمر پورے سو سال ہو جائے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فلما انقضی عمر ادم الا اربعین سنۃ) جب آدم کی عمر پوری ہو گئی اور صرف چالیس سال باقی رہ گئے (مشہور یہ ہے کہ حضرت آدم کی عمر ایک ہزار سال تھی)۔ (جاءہ ملک الموت) تو آپ کے پاس ملک الموت آگیا تاکہ آپ کی روح پاک قبض کرے۔ (فقال ادم اولم یبق من عمری اربعون سنۃ) حضرت آدم نے کہا کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔ (فقال) ملک الموت نے کہا۔ (اولم تعطھا ابنک داؤد) آپ یہ بقایا چالیس اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے چکے۔ (فجحد ادم فجحدت ذریتہ) تو آدم منکر ہو گئے اور ان کی اولاد میں بھی یہ صفت انکار پیدا ہو گئی۔ (ونسی ادم) اور جنتی درخت کا پھل چکھنے کی نہی کو بھول گئے۔ (فاکل من الشجرۃ) تو درخت سے کچھ کھا لیا (فنسیت ذریتہ) تو ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور ان میں بھی فراموشی کی عادت پائی جاتی ہے۔ (وخطاء ادم وخطات ذریتہ) اور آدم سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی کہ انہوں نے درخت سے درخت معین سمجھ لیا تو ان کی اولاد بھی خطا کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور خطا نے ان میں بھی اپنا آشنا نکال لیا ہے۔ یعنی انکار، نسیان اور خطا یہ تین صفات اصل میں آدم کے اندر تھیں ان سے سرایت کر کے ان کی اولاد میں بھی

آگئیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں سوال کیا گیا ہے کہ جو بات حضرت آدم کر چکے تھے (چالیس سال عمر دینا) اس کا انکار کیوں کیا کہ یہ تو جھوٹ ہے (اور انبیاء کرام اس سے پاک و منزہ ہوتے ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انکار اصل خلقت وجبلت اور طبیعت بشری کے اقتضا کے تحت تھا جو اللہ تعالیٰ انسان کے بڑھاپے میں پہنچنے پر اس میں عمر کی حرص ڈال دیتا ہے۔
جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے یشیب ابن ادم یشب فیہ خصلتان الحدیث فرزند آدم بوڑھا ہوتا ہے تو دو چیزیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ انکار قصد و اختیار کے طور پر نہ تھا۔ اور بعض جبلی وطبعی احکام انبیاء علیہم السلام میں بھی باقی رکھے جاتے ہیں اور وہ ان سے منزہ نہیں ہوتے۔ اس کی مزید تحقیق اپنی جگہ میں کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۔ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ حِیْنَ خَلَقَہٗ فَضَرَبَ کَتِفَہُ الْیُمْنٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّتَہٗ بَیْضَآءَ کَاَنَّھُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ کَتِفَہُ الْیُسْرٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّتَہٗ سَوْدَآءَ کَاَنَّھُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَمِیْنِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ وَلَا اُبَالِیْ وَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ کَتِفِہِ الْیُسْرٰی اِلَی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ۔ (رواہ احمد)

اور حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا جس وقت بھی پیدا کیا تو آپ کے دائیں کاندھے پر اپنا دست قدرت مارا۔ تو آدم سے اس کی نورانی اولاد کو باہر نکالا جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ اور اس کے بائیں کاندھے پر اپنا دست قدرت مارا تو اس سے سیاہ رنگ کی اولاد باہر نکالی۔ جو کوئلوں کی طرح سیاہ تھی۔ پھر جو اولاد اس کی دائیں جانب تھی اسے فرمایا جنت میں جاؤ۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اور جو اس کے بائیں جانب تھی اسے فرمایا دوزخ میں جاؤ۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

شرح:۔ (وعن ابی الدرداء) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (خلق اللہ ادم حین خلقہ) اللہ نے آدم کو پیدا کیا جب پیدا کیا۔ (فضرب کتفہ الیمنٰی) تو آدم کے دائیں کندھے پر اپنا دست قدرت مارا یا فرشتے کو ان کے دائیں کندھے پر مارنے کا حکم دیا۔ (فاخرج ذریتہ بیضاء) تو سفید رنگ کی اولاد باہر نکالی۔ (کانھم الذر) گویا وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں ہیں بعض نسخوں میں الذر کے بجائے الذرّ کا لفظ آیا ہے۔ بضم دال معنی مروارید اس صورت میں یہ سفیدی کا بیان ہے۔ جس طرح اس کے مقابل کو حمم سے تشبیہ دی۔ پہلی روایت کے مطابق مقدار کا بیان ہوگا۔ (وضرب کتفہ

الیسری) اور اس کے بائیں شانہ سے (فاخرج ذریتہ سودا) تو سیاہ رنگ کی اولاد نکالی۔ (کانھم الحمم) گویا وہ کوئلے ہیں) (فقال للذی فی یمینہ) پس دائیں جانب والے گروہ کو فرمایا۔ (الی الجنۃ) اگر اولاد مخاطب تھی تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا تم سب بہشت کو جاؤ۔ اور اگر ملائکہ مخاطب ہوں جن سے اس گروہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے تو معنی یہ ہوگا یہ گروہ جنت میں چلا جائے یا اس گروہ کو جنت میں لے جاؤ۔ (ولا ابالی) اور مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ ان سے صدور عمل کے بغیر ہی ان کے جنتی ہونے کا حکم دے رہا ہوں۔ کیونکہ میں مالک اور متصرف علی الاطلاق ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ (وقال للذی فی کتفہ الیسری) بعض نسخوں میں فی کفہ کا لفظ آیا ہے۔ اور اس گروہ کو فرمایا جو بائیں شانے یا بائیں ہاتھ میں تھا تم سب دوزخ کو جاؤ۔ (ولا ابالی) اور مجھے کچھ پرواہ نہیں میں جو چاہوں حکم دوں۔

۱۱۲۔ وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً وَاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا۔ (رواہ احمد)

اور حضرت ابو نضرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص جسے ابو عبداللہ کہتے ہیں اس کے دوست اس کی بیمار پرسی کے لیے اس کے پاس آئے اس وقت وہ ابو عبداللہ رو رہے تھے دوستوں نے اس سے کہا تو کیوں روتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے نہ کہا تھا کہ اپنی لبیں پست رکھنا پھر اس عمل پر قائم رہنا یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے فرمایا ہاں۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بھری اور بائیں ہاتھ کی ایک مٹھی بھری۔ اور فرمایا یہ اس (جنت) کے لیے ہے اور یہ اس (دوزخ) کے لیے ہے۔ اور مجھے یہ علم نہیں کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔

شرح:۔ (وعن ابی نضرۃ) نضرہ بفتح نون وسکون ضاد معجمہ ان کا نام منذر بن مالک ہے۔ تابعی ثقہ ہیں۔ کثیر الحدیث ہیں ۱۰۸ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ان ابو نضرۃ سے روایت ہے۔ (ان رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہ ابو عبداللہ) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص جسے ابو عبداللہ کہتے ہیں۔ (دخل علیہ اصحابہ) اس کے

پاس اس کے دوست آئے۔ (یعودونہ) اس کی بیمار پرسی کے لیے (فبکی) اس وقت وہ رو رہے تھے۔ (فقالوا لہ ما یبکیک) تو کیوں رو رہا ہے۔ (الم یقل لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذ من شاربک) کیا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا اپنی لبیں پست اور کوتاہ رکھنا پھر انہیں اسی حالت پر برقرار رکھنا لمبی نہ ہونے دینا ہمیشہ اس عمل پہ قائم رہنا۔ یہاں تک کہ تو مجھ سے حوض کوثر پر یا جنت میں یا عرصات قیامت میں سے کسی جگہ ملاقات کرے۔ یعنی تو کیوں روتا ہے حالانکہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملاقات کی بشارت دی ہے اور یہ بشارت اسلام پہ موت کے بغیر کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتی۔ (قال بلی) ابو عبداللہ نے کہا ہاں حضور نے فرمایا تھا اور بشارت دی تھی۔ (ولکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ (ان اللہ عزوجل قبض بیمینہ قبضۃ) بیشک اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کے دست راست سے انسانوں کی جماعت کی مٹھی بھری۔ اور ایک دوسری جماعت کی اپنے بائیں دست قدرت سے مٹھی بھری۔ (قال) اور فرمایا (ھذہ لھذہ وھذہ لھذہ) یہ مٹھی اور یہ جماعت جو دائیں ہاتھ میں ہے، جنت کے لیے ہے۔ اور یہ دوسری جماعت جو بائیں ہاتھ میں ہے دوزخ کے لیے ہے۔ (ولا ابالی) اور مجھے کوئی باک اور پرواہ نہیں۔ (ولا ادری فی ای القبضتین انا) اور میں نہیں جانتا کہ دو مٹھیوں میں سے میں کونسی میں ہوں۔ یعنی اگرچہ حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے ایمان کی سلامتی اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت مل چکی ہے تاہم خدا تعالیٰ بے نیاز ذات اور قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس نے فرمایا ہے میں جسے چاہوں جنت میں داخل کروں اور جسے چاہوں دوزخ میں ڈالوں، مجھے کسی کی پرواہ نہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ یہ کہے تو نے ایسا کیوں کیا ہے۔ یہ خوف اور ڈر دل سے نہیں جاتا اور یہی گریہ کا سبب ہے۔

بعض عارفین نے کہا ہے اگرچہ تقاضائے صدق وعدہ اور شارع علیہ السلام کی بشارت سے امن و اطمینان حاصل ہو جاتا ہے لیکن لا ابالی (مجھے پرواہ نہیں) کا خوف سینے سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ بشارت مل جانے کے باوجود صحابہ کرام کی آرزو میں اسی حال پر بیتی تھیں اور وہ یا لیت کنا (کاش ایسا ہوتا کاش ایسا ہوتا) کہتے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کاش میں بکری ہوتا کہ لوگ اسے ذبح کر کے کھا جاتے۔ ایک دوسرے صحابی نے کہا کاش میں گھاس ہوتا اور خاک ہوتا۔ اس مضمون کی تحقیق و تفسیر ہے جسے رسالہ تسلیۃ القلب میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۱۳۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ　اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ

وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِىْ عَرَفَةَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّتِهٖ ذَرَاَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (رواہ احمد)

علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان یعنی عرفہ میں آدم کی پشت سے میثاق لیا تو اس نے آدم کی پشت سے اس کی ساری اولاد کو نکالا جسے اس نے پیدا کرنا تھا۔ تو انہیں آدم کے سامنے بکھیر دیا جیسے چھوٹی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ پھر انہیں اپنے روبرو کر کے ان سے کلام کیا کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ ہم نے تیرے رب ہونے کی گواہی دی۔ تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ یا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد نے کیا ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ تو ہم نے ان کی اقتدا و اتباع کی۔ تو کیا تو ہمیں اہل بطالت کے کردار کی پاداش میں ہلاک کرے گا۔

شرح: (عن ابن عباس) رضی اللہ عنہما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اخذ اللہ المیثاق من ظھر آدم) اللہ تعالیٰ نے اس اولاد سے عہد لیا جو اس نے آدم کی پشت سے نکالی۔ (بنعمان) بفتح نون نعمان میں یہ مکہ اور طائف کے درمیان عرفات کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ راوی کے قول سے یہی مراد ہے جو اس نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کی۔ (یعنی عرفۃ) اس وادی کے عرفات کے قرب و جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے۔ (فاخرج من صلبه کل ذریته ذراھا) تو آدم کی ہڈیوں سے اس کی تمام اولاد باہر نکالی جو اس نے پیدا کرنی تھی۔ (فنثرھم) تو انہیں بکھیر دیا نثر بثا سے مثلثہ۔ (بین یدیه) آدم کے سامنے (کالذر) جیسے چھوٹی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ (ثم کلمھم قبلا) پھر ان سے روبرو کلام فرمایا۔ قُبُلًا۔ دو پیش کے ساتھ بمعنی آمنے سامنے اور روبرو۔ (قال الست بربکم) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (قالوا بلی) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (شھدنا) ہم نے تیری ربوبیت کی گواہی دی۔ اس حالت میں اولاد آدم کا گفتگو کرنا بالکل اس طرح تھا جس طرح حضرت سلیمان کی چیونٹیوں نے گفتگو کی تھی۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (ان تقولوا یوم القیمۃ انا کنا عن ھذا غافلین) تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس حال سے غافل و بے خبر تھے۔ (او تقولوا انما اشرک آباؤنا من قبل) یا تاکہ یہ نہ کہو کہ شرک نہ کیا مگر ہمارے آباء و اجداد نے ہم سے پہلے (وکنا ذریۃ من بعدھم) ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ پس

ہم نے ان کی اقتداء و اتباع کی۔ (افتهلكنا بما فعل المبطلون) تو کیا تو ہمیں باطل و گمراہ لوگوں کے کردار کی پاداش میں ہلاک کرے گا۔ لیکن ان کی یہ بات ان کی طرف سے عذر شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ توحید الٰہی کا میثاق آدم کی اولاد کے ایک ایک فرد سے لیا گیا۔ پھر انبیاء علیہم السلام نے سچی خبروں کے ساتھ انہیں اس عہد و میثاق کی خبر دی اور اس عہد کی یاد دھانی کرائی۔

عارفین فرماتے ہیں عہد الست کی یہ یاد دھانی غافل و بے خبر لوگوں کے لیے تھی ورنہ ہوشمند اہل دل اس وقت بھی ہوش کے کانوں سے وہ سوال و جواب سن رہے ہیں۔ بیت

الست از ازل ہم چناں شان بگوش ٭ بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

الست کا عہد ازل سے اب تک ان کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ اور وہ قالو بلیٰ کی فریاد کا شور برپا کیے ہوئے ہیں۔

حضرت علی بن سہل اصفہانی سے کہا گیا آپ کو قالو بلیٰ کا دن یاد ہے۔ فرمایا مجھے اس طرح یاد ہے گویا کل ایسا ہوا ہے۔ پیر ہروی قدس سرہ فرماتے ہیں علی بن سہل کے قول میں نقص ہے۔ صوفی کے لیے کل اور فردا کیا ہوتا ہے۔ روز الست کی تو ابھی رات بھی نہیں آئی بلکہ وہی روز الست موجود ہے (ان کا کلام ختم ہوا)۔

محققین فرماتے ہیں عالم روحانیت میں ماضی و مستقبل نہیں ہے وہاں سب زمانہ حال ہے۔

اللہ کے ہاں صبح و شام نہیں ہے۔ بیت

آنکہ از حق نیست غافل یک نفس ٭ ماضی و مستقبلش حال است و بس

جو شخص خدا تعالیٰ سے ایک سانس کے لیے بھی غافل نہیں اس کا ماضی و مستقبل حال ہے اور بس۔

حضور سرور انبیاء صلوات اللہ علیہ وسلامہ فرماتے ہیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ بنی اسرائیل کے ستر ہزار افراد کے ساتھ حج کے لیے آ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنے افراد کے ساتھ حج کو آنا حضور اپنی زندگی میں دیکھ رہے تھے۔ یہ نہیں کہ ماضی کے واقعہ کی خبر دے رہے ہیں۔ اس کلام کی تحقیق اپنے مقام میں کر دی گئی ہے۔

۱۱۴۔ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيْثَاقَ

اور حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اللہ کے اس قول میں و اخذ ربک الخ جب اللہ نے اولاد آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔ ابن کعب نے کہا اللہ نے ان کو اکٹھا کیا اور انہیں جوڑا جوڑا بنایا پھر ان کو صورت عطا کی پھر انہیں قوت گویائی عطا کی تو وہ بول پڑے پھر ان سے عہد و میثاق لیا۔

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى قَالَ فَاِنِّىْ اُشْهِدُ عَلَيْكُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ وَاُشْهِدُ عَلَيْكُمْ اَبَاكُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا اِعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ غَيْرِىْ وَلَا رَبَّ غَيْرِىْ وَلَا تُشْرِكُوْا بِىْ شَيْئًا اِنِّىْ سَاُرْسِلُ اِلَيْكُمْ رُسُلِىْ يُذَكِّرُوْنَكُمْ عَهْدِىْ وَمِيْثَاقِىْ وَاُنْزِلُ عَلَيْكُمْ كُتُبِىْ قَالُوْا شَهِدْنَا بِاَنَّكَ رَبُّنَا وَاِلٰهُنَا لَا رَبَّ غَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ لَنَا غَيْرُكَ فَاَقَرُّوْا بِذٰلِكَ وَرُفِعَ عَلَيْهِمْ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ فَرَاَى الْغَنِىَّ وَالْفَقِيْرَ وَحَسَنَ الصُّوْرَةِ وَدُوْنَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ قَالَ اِنِّىْ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ وَرَاَى الْاَنْبِيَاءَ فِيْهِمْ مِثْلَ السُّرُجِ عَلَيْهِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِيْثَاقٍ اٰخَرَ فِى الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَانَ فِىْ تِلْكَ الْاَرْوَاحِ فَاَرْسَلَهٗ اِلٰى مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَحُدِّثَ عَنْ اُبَىٍّ اَنَّهٗ دَخَلَ مِنْ فِيْهَا.

اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں تم پہ گواہ بناتا ہوں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو۔ اور میں تم پر گواہ بناتا ہوں تمہارے باپ آدم کو تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو ہمیں اس کا علم نہ تھا جان لو بیشک میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ بیشک میں عنقریب تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور میں تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم نے گواہی دی کہ بیشک تو ہی ہمارا رب اور الٰہ ہے تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی الٰہ نہیں۔ تو ان سب نے اس کا اقرار کیا۔ پھر انہیں آدم پر اٹھایا گیا (ان سے آگاہ کیا گیا) کہ آدم ان کو دیکھتے تھے تو آدم نے دولتمند کو دیکھا تنگ دست کو دیکھا اچھی صورت والے کو دیکھا، غیر اچھی صورت والے کو دیکھا۔ پس آدم نے عرض کی اے میرے رب تو نے ان سب کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا۔ فرمایا میں نے چاہا کہ میرا شکر کیا جائے۔ اور آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا چراغوں کی طرح کہ ان پر نور تھا۔ انہیں ایک اور عہد و میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا یعنی نبوت و رسالت کے متعلق۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ واذ اخذنا الخ۔ اور جب ہم نے انبیاء سے میثاق لیا۔ عیسیٰ بن مریم کے قول تک عیسیٰ بن مریم ان ارواح میں موجود تھے تو عیسیٰ کو مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا حضرت ابی کی جانب سے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ حضرت مریم میں منہ کی طرف سے داخل ہوئے۔

(رواہ احمد)

شرح :- (وعن ابی بن کعب) حضرت ابی بن کعب انصاری ہیں۔ عقبہ اولیٰ کی بیعت کے وقت موجود تھے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ کاتب وحی تھے۔ قراء صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا لقب سید القراء ہے۔ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ سورہ لم یکن الذین کفروا آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ بہت سے صحابہ و تابعین نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کے حالات بہت سی جگہوں میں مذکور ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

ان حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے خدا تعالیٰ کے قول مبارک واذ اخذ ربك الخ کی تفسیر مروی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اس تفسیر کا رفع اور براہ راست اسناد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا۔ تاہم یہ تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کہ اس قسم کی خبریں حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں دی جا سکتیں جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔

(قال) حضرت ابی بن کعب نے کہا (جمعھم) اللہ نے اولاد آدم کو اکٹھا کیا (فجعلھم ازواجا) اور انہیں مختلف قسموں میں تقسیم کیا۔ (ثم صورھم) پھر انہیں صورتیں عطا کیں۔ (فاستنطقھم) اور انہیں قوت گویائی عطا کی۔ (فتکلموا) تو وہ بول پڑے (ثم اخذ علیھم العھد المیثاق) پھر ان سے عہد و پیمان لیا۔ (واشھدھم علی انفسھم) اور انہیں ان کی اپنی ذوات پر گواہ بنایا (الست بربکم) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (قالوا بلی) انہوں نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ (قال فانی اشھد علیکم السموات السبع والارضین السبع) اللہ نے فرمایا پس میں گواہ بناتا ہوں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو۔ (واشھد علیکم اباکم آدم) اور میں تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں۔ تاکہ اگر تم اس استشہاد و اقرار کا انکار کرو تو یہ تمہارے خلاف گواہی دیں۔ اور تم پر اسے ثابت کریں۔ علماء نے فرمایا ہے آسمانوں و زمینوں کی گواہی سے عقلی دلائل قائم کرنا ہے اور آدم کی گواہی سے انبیاء کو مبعوث کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ سمعی اور شرعی احکام و خطابات کی یاد دہانی کریں۔

(ان تقولوا یوم القیمۃ لم نعلم بھذا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں اس ماجرے کا پتہ نہ تھا۔ (اعلموا انہ لا الہ غیری) جان لو بیشک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ولا رب غیری) اور میرے سوا کوئی رب نہیں۔ (ولا تشرکوا بی شیئا) اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔ (انی مارسل الیکم رسلی) بیشک میں عنقریب تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا (یذکرونکم عھدی ومیثاقی) جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے۔ (وانزل الیکم کتبی) اور میں تمہاری طرف اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ (قالوا شھدنا بانك ربنا والھنا) انہوں نے کہا ہم نے گواہی دی کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ (لا رب لنا غیرك) تیرے

سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ (فاقروا بذالک) تو انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ (ورفعہ علیھم ادم) اور آدم کو اٹھایا گیا، اور مطلع و آگاہ کیا گیا ان سے۔ (ینظر الیھم) کہ آپ انہیں دیکھتے تھے۔ (فرای الغنی والفقیر) تو آدم نے دولتمند بھی دیکھے اور تنگدست بھی۔ (وحسن الصورۃ ودون ذالک) اور آپ نے اچھی شکل والے اس میں کم درجہ والے اور اس خوبصورتی میں بہت ہی کم درجہ والے دیکھے۔ یعنی سب کو ایک حالت پر نہ پایا بلکہ بعض کو دولتمند بعض کو تنگدست بعض کو خوبصورت اور بعض کو بدصورت وغیرہ مختلف صورتوں، مختلف صفات اور مختلف حالتوں میں دیکھا۔ (فقال رب لولا سویت بین عبادک) حضرت آدم نے کہا اے میرے رب تو نے سب کو برابر اور یکساں حالت پر کیوں پیدا نہ کیا باوجودیکہ سب تیرے بندے ہیں۔ مصرع

بندگانیم ایں یکے مقبول و آں مردود چیست

ہم سب تیرے بندے ہیں تو پھر ایک مقبول اور دوسرا مردود کیوں ہے۔

(قال انی احببت ان اشکر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اس لیے یکساں حالت پر پیدا نہ کیا کہ میں نے چاہا کہ میرا شکر کیا جائے۔ اگر میں سب کو ایک صفت اور ایک حالت پر پیدا کرتا تو شکر کی حقیقت وجود میں نہ آتی. میں نے ہر بندے میں ایک ایسی صفت رکھ دی ہے جو دوسرے میں نہیں ہے۔ کہ جب اسے ملاحظہ کرے تو شکر کرے مثلاً فقر و تنگدستی میں تقوی، وقت کی فراغت اور آفات سے سلامتی ہے جو آسودہ حال اور دولتمندی میں نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری چیزوں میں۔ (ورای الانبیاء فیھم مثل السرج علیھم النور) اور آدم نے ان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا کہ چراغوں کی مانند ان پر روشنی چمک رہی تھی۔ (خصوا بمیثاق اخر فی الرسالۃ والنبوۃ) انبیاء علیہم السلام کو عہد الوہیت و ربوبیت کے علاوہ رسالت و نبوت کے عہد و پیمان کے ساتھ بھی مخصوص کیا گیا تھا۔ کہ وہ اس کا حق ادا کریں گے اور اس کی ذمہ داری کو پورا کریں گے۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام و شرائع لوگوں کو پہنچائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت و رسالت میں فرق ہے۔ جیسا کہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور رسالت و نبوت کا عہد و پیمان اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (واذ اخذنا من النبیین میثاقھم) میں مذکور ہے۔ جب ہم نے کہ پروردگار اہل جہاں ہیں انبیاء علیہم السلام سے رسالت و نبوت کا عہد و پیمان لیا۔ عیسیٰ بن مریم کے الفاظ تک۔ اور یہ پوری آیت اس طرح ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ بیٹے مریم سے) (وکان فی تلک الارواح) اور عیسیٰ بن مریم اس اولاد

کی ارواح میں تھے ان کے اجسام میں نہ تھے۔ جب کہ عیسیٰ پر روحانیت غالب تھی اور آپ کا نام روح اللہ تھا تو انہیں جسمانی صورت میں متشکل نہ فرمایا بلکہ اسی طرح ارواح میں رہنے دیا۔ (فارسلہ الی مریم) تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو جو ارواح میں سے ایک روح تھے مریم کی طرف بھیجا علیہا السلام۔ (فحدث عن ابی انہ دخل من فیھا) تو ابی صحابی کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ منہ کی طرف سے مریم کے اندر گئے۔

۱۱۵۔ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ يَصِيْرُ اِلٰى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ۔

(رواہ احمد)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس دوران کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ کائنات میں وقوع پذیر ہوتا ہے، کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔ تو اس کا اعتبار کر لو۔ اور جب تم لوگ کسی شخص کے بارے میں سنو کہ اس کی خو و خصلت تبدیل ہو گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو۔ کہ انسان اپنی اسی صفت و خو عادت کے گرد گھومتا ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔

شرح:۔ (وعن ابی الدرداء) اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کہا اس اثنا میں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے) (نتذاکر ما یکون) جہاں میں وقوع پذیر ہونے والے امور میں آپس میں گفتگو کر رہے تھے یعنی ہم لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ سب کچھ سابقہ قضاء و قدر کے تحت ہو رہا ہے۔ یا قضاء و قدر کوئی شے نہیں بلکہ سب کچھ از خود اور از سر نو ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ قضاء و قدر میں بحث و گفتگو اگر نزاع اور جدال کی نیت سے نہ ہو تو منع نہیں۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو منع نہ کیا۔ اور نہ انہیں ڈانٹا۔ بلکہ انہیں جواب دیا اور مسئلے کی تعلیم دی۔ (اذ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ قضاء و قدر کے تحت ہو رہا ہے اور جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اس میں قطعاً تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور ایک مثال سے اس کی وضاحت فرمائی اور وہ انسان کی خو و خصلت ہے خُلق بضم خاء یعنی باطنی سیرت و عادت جو نا قابل تغیر و تبدل ہے۔ بخلاف خَلق بفتح خاء یعنی ظاہری صورت جس میں بظاہر تبدیلی ہو سکتی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دینے سے پہلے فرمایا۔ (اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ) جب تم کسی پہاڑ کے متعلق سنو کہ وہ جنبش میں آگیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔ تو

اس کی تصدیق کر لو۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ (واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقہ) اور جب تم یہ سنو کہ کسی مرد میں تبدیلی آگئی ہے اور اس کی خو و خصلت اس سے جدا اور الگ ہو گئی ہے۔ (فلا تصدقوا بہ) تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ (فانہ یصیر الی ما جبل الیہ) کہ بیشک مرد اسی صفت و عادت کی طرف گھوم کر آجاتا ہے جس پہ اسے پیدا کیا ہے اور جو خو و عادت اس کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ وہ اسی پر قائم رہتا ہے۔ تو وہ شخص جسے سمجھدار، دانا اور زیرک پیدا کیا گیا ہے اور تقدیر الٰہی میں اس کے متعلق ایسا ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ہرگز حماقت، نادانی اور بے وقوفی کا مظاہرہ نہ کرے گا اور اس کے الٹ بھی نہ ہو گا کہ جو احمق پیدا ہوا ہے وہ دانا اور زیرک نہ بنے گا۔

لیکن جو شخص ظاہراً عادت کے مطابق اور رفاقت و میل جول کی وجہ سے دانا اور زیرک فطرتاً ہو اور عوارض و حوادث کے باعث احمق اور بے وقوف بن گیا ہو۔ یا جو شخص بے وقوف و نادان ہو، مگر عوارض، ریاضت اور تجربہ کی بنا پہ دانا کی صفت اختیار کرے اس میں یہ گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص میں کلام ہے جو ایک خلق و عادت پہ پیدا کیا گیا ہو اور قضا و قدر میں اس کے بارے میں اس خلق و عادت پہ قائم رہنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہو تو اس میں ہرگز کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہو گا۔ ریاضت و مجاہدہ اور سعی و طلب اس دوسری قسم میں موثر ہو سکتی نہ کہ پہلی قسم میں۔

۱۱۶- وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَزَالُ يُصِيْبُكَ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِيْ اَكَلْتَ قَالَ مَا اَصَابَنِيْ شَيْءٌ مِنْهَا اِلَّا وَهُوَ مَكْتُوْبٌ عَلَيَّ وَاٰدَمُ فِيْ طِيْنَتِهٖ (رواہ ابن ماجۃ)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو ہر سال درد و تکلیف لاحق ہوتی ہے اس زہر آلود بکری کی وجہ سے جو آپ نے کھائی تھی حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس بکری سے اذیت نہیں پہنچی مگر وہی جو میرے لیے لکھ دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام مٹی کی شکل میں تھے۔

شرح:- (وعن ام سلمۃ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (قالت) انہوں نے کہا (یا رسول اللہ لا تزال یصیبک فی کل عام وجع) آپ کو ہر سال درد کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ (من الشاۃ المسمومۃ التی اکلت) اس زہر آلود بکری سے جو آپ نے کھائی تھی یعنی خیبر میں (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما اصابنی شیء منھا) مجھے اس بکری سے اذیت نہیں پہنچی۔ (الا وھو مکتوب علی) مگر وہی جو میرے لیے لکھ دی گئی اور مقدر ہو چکی تھی۔ (وآدم فی طینتہ) اور حضرت آدم ابھی مٹی کی شکل میں تھے۔ یہ تقدیر ازلی سے کنایہ ہے۔ طینت مٹی کا ٹکڑا اور خلقت و جبلت کے معنی میں آتا ہے۔ جب کہ حضرت ام سلمہ نے ظاہراً مجاز کو لیا۔ اور درد کی نسبت زہر آلود بکری کی طرف کی۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل حقیقت کی طرف نسبت کر دی اور فرمایا یہ سب تقدیر

الٰہی کے تحت ہے اور ازل میں ایسا ہی طے ہو چکا ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

عذاب قبر ثابت کرنے کا باب

جب کہ اہل بدعت و ہوا کے گروہ نے جو اکثر معتزلہ اور کچھ شیعہ پر مشتمل ہے، عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ مشہور احادیث جن کی قدر مشترک حد تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے ثبوت میں وارد ہو چکی ہیں۔ اور اہل بدعت اور ان کے انکار کے ظہور سے پہلے تمام سلف صالحین کا اس کے ثبوت و اعتقاد پر اتفاق و اجماع تھا، اس بنا پر مولف رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ عذاب قبر کا اثبات کرے اور اس باب میں وارد شدہ احادیث ذکر کرے۔

عذاب عذب سے مشتق ہے۔ بمعنی روکنا اور منع کرنا۔ کہ عذاب انسان کو شرع کے امر و نہی کی مخالفت سے روکتا ہے یا عذاب بمعنی خس و خاشاک سے مشتق ہے جو پانی میں گرتا ہے۔ اور جیسا کہ پانی میں خس و خاشاک گرنے سے پانی میلا اور گدلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عذاب انسان کے آرام کو تلخ اور بدمزہ کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں عذاب عذب بمعنی میٹھے پانی سے مشتق ہے کہ عذاب میں مبتلا شدہ انسان کے دشمن اور بدخواہ کو اس کی بدحالت میٹھے پانی کی طرح خوشگوار اور اچھی محسوس ہوتی ہے اس مناسبت سے اس کا نام عذاب رکھا گیا۔

قبر سے عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ اور پردہ ہے، اور دونوں سے تعلق رکھتا ہے قبر سے وہ مخصوص گڑھا مراد نہیں ہے جس میں مردہ کو رکھتے ہیں۔ کہ بہت سے مرنے والے پانی میں ڈوب جاتے ہیں بعض آگ میں جل جاتے ہیں اور بعض جانوروں کے ٹکڑوں میں گھل جاتے ہیں۔ مگر ان کا وہ جزو خاص جسے جزو اصل کہتے ہیں کہ وہ اول سے آخر عمر تک باقی رہتا ہے اور خدا تعالیٰ و تقدس اپنی قدرت کاملہ سے اُسے محفوظ رکھتا ہے اور کوئی چیز بھی اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ وہ اگر چاہے تو اس جزو کے ساتھ روح کا تعلق جوڑ دے اور زندگی عطا کر دے، اور عذاب دے۔ نعمت سے سرفراز فرمائے۔ کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کرنے پہ قدرت رکھتا ہے۔ اور جو شخص بھی اس کے عجائب قدرت اور ملک و ملکوت میں نگاہ اور چشم بصیرت سے دیکھتا ہے، اس کے عجائب و غرائب کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بیت

کند ہر چہ خواہد بر و حکم نیست　　　که پیدا و پنہاں بنزدش یک ایست

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پہ کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ ظاہر و پوشیدہ ہر چیز اس کے لیے یکساں ہے۔

اور عذاب قبر وغیرہ امور برزخ کی تصدیق میں زیادہ صحیح، زیادہ محفوظ اور زیادہ قوی اور مضبوط بات یہ ہے کہ اس حقیقت

پر ایمان لایا جائے کہ فرشتے، سانپ، بچھو، ان کا مردے کو کاٹنا، جیسا کہ احادیث میں واقع ہوا ہے سب اللہ کے حکم سے واقع اور حقیقۃً موجود ہے۔ عقل، مثال و خیال میں ان کا وجود نہیں ہے۔ اور ہمیں جو قبر میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ہم اس میں کچھ نہیں پاتے تو اس سے کوئی نقصان اور خلل واقع نہیں ہوتا۔ کہ عالم ملکوت کی اشیاء کو سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا اس کے لیے دوسری نگاہ کی ضرورت ہے اس سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور اگر سر کی آنکھ سے دکھانا چاہیں تو اس آنکھ سے بھی انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ حضرت جبرئیل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ بیٹھتے تھے۔ باتیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات آپ کو پہنچاتے تھے۔ اس وقت صحابہ کرام آپ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے اور انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مگر وہ سب باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اگر عذاب قبر کے ثبوت میں کسی شخص کو شک و تردد ہو تو اسے اس کے مشاہدہ کی طلب کے بجائے اپنے ایمان کی فکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جب دل میں نور ایمان آ گیا اور اس نور سے سینہ کشادہ ہو گیا تو پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ عقل کے اندھاپن اور فلسفے کی تاریکی سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مردے کو قبر میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے سامنے اور مقابل کر دیتے ہیں۔ یا کسی اور طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ عذاب کی کوئی بھی نوعیت ہو ٹھیک ہے۔ ہمارے لیے اس کی حقیقت و کنہ کا پتہ چلانے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ مردے کو زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مردے کے سارے جسم میں زندگی ڈال دی جاتی ہے۔ جس طرح دنیا میں تھی۔ یا جسم کے اعضا میں سے کسی ایک جزو کے ساتھ روح کو متعلق کر دیا جاتا ہے علماء شافعیہ میں سے ایک حکیم دانا نے کہا ہے: اگر یہ قول صحیح، بہتر اور زیادہ مناسب ہو تو پھر یہ جزو دل ہی ہو سکتا ہے۔ جو زندگی کا سرچشمہ اور علم و ادراک کا محل و مرکز ہے۔ اور عذاب قبر کے بارے میں اگر صرف اسی قدر یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ رنج و راحت کا احساس کرتا ہے تو صحت اعتقاد کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

الفصل الاول — پہلی فصل

۱۲۷: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان

يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ

متفق علیه

سے قبر میں جب پوچھا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس کا قول ہے یثبت اللہ الذین الایۃ اللہ ثابت و قائم رکھتا ہے اہل ایمان کو قول ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی اور آخرت میں۔ اور ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شرح: (عن البراء بن عازب) حضرت براء بن عازب صحابی ہیں، سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ اس سے قبل آپ کو چھوٹی عمر کا شمار کیا جاتا تھا۔ آپ غزوہ احد میں بھی حاضر ہوئے آپ کو پندرہ غزوات میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا آپ کوفہ میں اترے اور اسے فتح کیا۔ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے۔

ان البراء بن عازب سے روایت ہے۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ) فرمایا جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (فذٰلک قولہ) یہی گواہی دینا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے کہ فرمایا (یثبت اللہ الذین امنوا الخ) ثابت و قائم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت کے ساتھ دنیا و آخرت میں۔ یعنی اہل ایمان کو اس قول ثابت پر قائم رکھنا جو اس آیت میں واقع ہوا ہے تو اس سے قبر میں پوچھے گئے سوال و جواب کے وقت ثابت و قائم رکھنا مراد ہے۔ کہ تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اللہ و رسول کی گواہی دینا تینوں سوالات کا مکمل جواب ہے۔ کہ دین اسلام یہی ہے۔

(و فی روایۃ) اور ایک دوسری روایت میں حدیث کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا کہ آیت (یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت نزلت فی

عذاب القبر) عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ یقال لہ من ربک (مردے سے پوچھا جاتا ہے تیرا رب کون ہے (فیقول ربی اللہ) تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (و نبی محمد) اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں متفق علیہ۔ مصابیح کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اذا قیل لہ من ربک وما دینک ومن نبیک جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ الفاظ زیادہ مکمل اور زیادہ ظاہر ہیں۔

۱۱۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَیُقْعِدَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ فَیُقَالُ لَہٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّۃِ فَیَرَاھُمَا جَمِیْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْکَافِرُ فَیُقَالُ لَہٗ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ کُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ فَیُقَالُ لَہٗ لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ وَیُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِیْدٍ ضَرْبَۃً فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَسْمَعُھَا مَنْ یَلِیْہِ غَیْرَ الثَّقَلَیْنِ۔

(متفق علیہ۔ ولفظہ للبخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پشت پھیر کر چل پڑتے ہیں۔ بیشک وہ ان کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ تو اسے بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس مرد کے متعلق یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کیا کہا کرتا تھا۔ پس مومن تو کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس سے کہا جاتا ہے اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لے جس کے بدلے اللہ نے تجھے جنت میں ٹھکانا عطا کیا ہے۔ تو وہ ان دونوں ٹھکانوں کو بیک وقت دیکھتا ہے۔ لیکن منافق اور کافر تو جب اس سے کہا جاتا ہے تو اس مرد کے متعلق کیا کہا کرتا تھا وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اسے کہا جاتا ہے خدا کرے تجھے معلوم نہ ہو سکے اور تو کچھ بھی نہ پڑھ سکے اور اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے تو وہ اس طرح زور سے چیختا ہے کہ جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے آس پاس کی ہر چیز سنتی ہے۔

شرح:۔ وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ (و تولی

(عنه اصحابه) اور اس کے ساتھی پشت پھیر کر اس کے پاس سے چل پڑتے ہیں (انه لیسمع قرع نعالهم) بیشک وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ زمین پہ چلتے ہیں۔ (اتاه ملکان) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ (فیقعدانه) تو دونوں اسے بٹھا دیتے ہیں (فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل ......) پھر اس سے پوچھتے ہیں تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا تھا (محمد) یعنی ہذا الرجل سے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لفظ ہذا سے اشارہ کرنا آپ کے غائب ہونے کے باوجود آپ کے مشہور ہونے اور ہمارے ذہنوں میں آپ کی ذات مقدسہ کے حاضر و موجود ہونے کی بنا پہ ہوتا ہے۔ یا آپ کی ذات مبارک کو قبر میں مثال کی صورت میں سامنے لایا جاتا ہے۔ تاکہ آپ کے جمالِ جانفزا کے مشاہدہ سے اس کی گھبراہٹ و دہشت کے مشکل عقدے کو کھولا جائے۔ اور فراق کی تاریکی آپ کی زیارت و ملاقات کے دلکشا نور سے دور کر دی جائے۔ اس مضمون میں آپکے غمزدہ مشتاقانِ دیدار کے لیے بشارت ہے تاکہ آپ کے دیدار کی امید کی خوشی میں جان دے دیں بلکہ یہ زندہ ہی قبر میں پہنچ جانے کا مقام ہے۔ شعر

در ظلمتِ فراق تو گر جاں دہم چہ غم   غم نیست گر زماہِ رخت پرتوے فتد

شب عاشقانِ بیدل چہ شب دراز باشد   تو بیا گر اولِ شب در صبح باز باشد

اگر تیرے فراق کی تاریکی میں جان دے دوں تو کیا غم ہے۔ کوئی غم نہیں اگر تیرے چہرے کے چاند کا پرتو پڑ جائے۔ بے دل عاشقوں کی رات کس قدر دراز ہوتی ہے۔ تاہم اگر تو رات کے پہلے حصے میں ہی تشریف لے آئے تو صبح کا دروازہ کھل جائے گا۔

(فاما المؤمن فیقول) لیکن مومن جو آپ کے فضل و کمال اور آپ کے حسن و جمال کا دلدادہ ہے (حضور کو دیکھ کر) کہہ اٹھتا ہے (اشهد انه عبد الله ورسوله) میں گواہی دیتا ہوں اور دل و جان سے کہتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں (فیقال له انظر الی مقعدك من النار) تو مومن سے کہا جاتا ہے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ جو تیرے لیے تیار کیا گیا تھا۔ (قد ابدلك الله به مقعدا من الجنة) بیشک اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے اس ٹھکانے کے بجائے مجھے جنت میں ٹھکانا عطا کر دیا ہے۔ (فیراهما جمیعا) تو وہ بندۂ مومن جنت و دوزخ کے دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ دونوں جگہوں کے دکھانے میں حکمت یہ ہے کہ اس کی فرحت و سرور میں اضافہ ہو ایک تو دوزخ کی مصیبت سے نجات نصیب ہو کر دوسرے عطیہ بہشت کی خصوصیت سے مشرف ہو کر اور کافر کا حال مومن کے حالِ مذکورہ حال کے برعکس ہوتا ہے۔ (واما المنافق والکافر فیقال له ما کنت تقول فی

(ھذا الرجل) لیکن منافق اور کافر تو ان میں سے ہر ایک کو کیا جاتا ہے تو اس مرد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتا تھا۔ (فیقول ما ادری) منافق اور کافر جواب دیتے ہیں میں نہیں جانتا اور مجھے کوئی پتہ نہیں۔ (کنت اقول ما یقول الناس) میں ان کے بارے میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے ہیں اور مجھے حقیقت حال معلوم نہیں ہو سکی۔ (فیقال لہ لا دریت ولا تلیت) تو اسے کہا جاتا ہے تو نے عقل سے سمجھنے کی کوشش نہ کی اور نہ تو نے قرآن پڑھا یا تو نے اہل حق کی پیروی نہ کی تلیت اصل میں تلوت تھا۔ واو کو یا سے تبدیل کیا گیا۔ تلیت کی تحقیق میں بہت سی وجوہ ہیں جنہیں ہم نے عربی شرح میں بیان کیا ہے۔ (ویضرب بمطارق من حدید) اور اسے لوہے کی گرزوں سے مارا جاتا ہے مطارق مطرقہ بکسر میم و سکون طا کی جمع بمعنی لوہاروں کا وہ ان اور گرز۔ (ضربۃ) سخت مار۔ (فیصیح یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین) تو وہ منافق و کافر ایسی چیخ و پکار اور ایسی آہ و فریاد کرتا ہے جسے جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے آس پاس کے سب سنتے ہیں۔ جنوں اور انسانوں کو اس کی چیخ و پکار کی آواز اس لیے نہیں سنائی جاتی تاکہ ابتلاء و تکلیف کا دستور اپنی جگہ قائم رہے۔ اور ایمان بالغیب موجود رہے۔ بدیہی اور یقینی ایمان نہ ہو جائے (جو قابل قبول نہیں) اور تاکہ معیشت کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ ثقلین جن و انس کا نام ہے۔ ثقلین دو فتحوں کے ساتھ مسافر کے سازو سامان کو کہتے ہیں اور ہر نفیس محفوظ چیز کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی) میں تم میں دو نفیس اور عمدہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت و اولاد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ (متفق علیہ ولفظہ للبخاری) اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا لیکن یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تنبیہ: احادیث صحیحہ میں جو کچھ مذکور ہوا وہ مومن کی نجات اور منافق و کافر کا عذاب ہے یہ فرمانبردار مومن کا حال ہو گا۔ مومن فاسق کا حال مذکور نہیں ہوا کہ کیا ہو گا اسے عذاب ہو گا یا نہ ہو گا۔ علماء نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن فاسق ملائکہ کے جواب میں فرمانبردار کے ساتھ شریک ہے مگر بشارت اور جنت کا دروازہ کھلنے وغیرہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ ہاں ان میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو گا مگر کمتر درجہ میں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اسے قدرے عذاب دیا جائے۔ مگر وہ فاسق جس نے خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگ لی ہو (تو اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی اور رحمت فرمائے گا)۔ واللہ اعلم۔

۱۱۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے جب

اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ يُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ـ (متفق علیہ)

کوئی مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو اسے جنت کی جگہ دکھائی جاتی ہے اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو اسے اہل دوزخ کی نشستگاہ دکھائی جاتی ہے۔ تو کہا جاتا ہے یہ ہے تیری نشستگاہ اس میں آنے کا منتظر رہ یہاں تک کہ تجھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زندہ کر کے لے آئے اس نشستگاہ کی طرف یا اپنی طرف۔

۱۲۰۔ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَاَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ـ (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ کے پاس آئی تو اس عورت نے حضرت عائشہ سے عذاب قبر کا ذکر کیا اور حضرت عائشہ سے کہا اللہ تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے (یہ سن کر) حضرت عائشہ نے عذاب قبر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے اس کے بعد حضور کو نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو مگر اس کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

شرح:۔ (وعن عائشۃ ان یہودیۃ دخلت علیہا) اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت آپ کے پاس آئی۔ (فذکرت عذاب القبر) اور عذاب قبر کا ذکر کیا (فقالت لھا اعاذک اللہ من عذاب القبر) اور کہا اللہ تعالیٰ تجھے عذاب قبر سے پناہ میں رکھے۔ اور جب کہ حضرت عائشہ عذاب کو نہ جانتی تھیں اور اس سے پہلے کبھی اس کا نام نہ سنا تھا اس لیے آپ حیران ہوئیں اور اسے عجیب و غریب جانا۔ (فسالت عائشۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر) تو حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا کہ مردے کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ (فقال نعم عذاب القبر حق) آپ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق اور ثابت ہے۔ (قالت عائشۃ فما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوۃ الا تعوذ باللہ من عذاب القبر) حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے نہ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو مگر

اس کے بعد اللہ کے پاس عذاب قبر سے پناہ لیتے تھے۔

یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ یہودی عورت کے عذاب قبر کا ذکر کرنے سے پہلے حضور علیہ السلام بھی عذاب قبر سے واقف نہ ہوں اور اس کے متعلق ابھی وحی کا نزول نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد وحی نازل ہوئی کہ قبر میں عذاب ہوگا اور حضرت عائشہ کو بھی اس کی اطلاع دی کہ عذاب قبر حق ہے اور تعلیم امت کے لیے ہر نماز کے بعد اس سے پناہ لینا اپنا ورد بنا لیا۔

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا پہلے سے علم تھا اور یہودی عورت سے سننے کے بعد اس سے پناہ لینے کا اتفاق ہوا۔ یا پہلے ہی سے آپ اس سے پناہ لیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عائشہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ اور حضرت عائشہ کے دریافت کرنے کے بعد انہیں تنبیہ اور یاد دہانی کرنے کے لیے بلند آواز سے عذاب قبر سے پناہ لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ آخری احتمال باقی تمام احتمالات سے اَولیٰ اور اظہر ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۱- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ إِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ أَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغ میں خچر پر سوار تھے اور ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے کہ اچانک وہ خچر بھاگ نکلا۔ تو قریب تھا کہ آپ کو گرا دے اور اچانک وہاں چھ یا پانچ قبریں سامنے آئیں۔ آپ نے فرمایا ان قبروں کو کون جانتا ہے ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا یہ لوگ کب مرے تھے اس نے عرض کیا شرک میں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو ان کی قبروں میں عذاب کے اندر مبتلا کیا جاتا ہے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں وہ عذاب قبر سنوا دیتا جو میں سنتا ہوں۔ پھر آپ اپنے چہرہ مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ لوگوں نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو لوگوں نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس ظاہری باطنی فتنوں سے پناہ لو۔ لوگوں نے کہا ہم اللہ کے

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ رواہ مسلم

پاس ظاہر و باطنی فتنوں سے پناہ لیتے ہیں۔ فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ لوگوں نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

شرح:۔ (وعن زید بن ثابت) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری مدنی اور کاتب وحی ہیں جلیل القدر فقہاء صحابہ میں سے ہیں ــــــ شرع کے حقوق و فرائض ادا کرنے میں مستعد اور کمربستہ رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت آپ کی عمر گیارہ برس تھی۔ غزوہ بدر کے وقت آپ کو چھوٹی عمر کا شمار کیا گیا۔ غزوہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پاک جمع کیا۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن پاک لکھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے مصحف میں نقل فرمایا۔

(قال) یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار) اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں (بنی نجار انصار کا ایک قبیلہ ہے) (علی بغلۃ لہ) اپنی ایک خچر پر سوار تھے۔ (ونحن معہ) اور ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ (اذ حادت بہ) کہ اچانک وہ خچر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت سے نیچے جھکا دیا۔ حَیْدٌ بفتح حاء حملہ بمعنی جھکانا اور ٹیڑھا کرنا۔ (فکادت تلقیہ) تو نزدیک تھا کہ وہ آپ کو زمین پر گرا دے۔ (اذا اقبر ستۃ او خمسۃ) اور اچانک وہاں چھ یا پانچ قبریں سامنے آئیں۔ (فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر) آپ نے فرمایا ان قبروں میں جو لوگ دفن ہیں انہیں کون جانتا ہے۔ (فقال رجل انا) ایک شخص نے کہا ان کو میں پہچانتا ہوں۔ (قال فمتی مات ھؤلاء) فرمایا تو بتا یہ لوگ کب مرے اور کس زمانہ میں اس جہاں سے رخصت ہوئے (قال فی الشرک) اس نے کہا زمانہ شرک میں مرے ہیں اور یہ لوگ مشرک تھے۔ (فقال) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا) بیشک یہ امت یعنی انسانوں کے اس گروہ کو مبتلا کیا جاتا اور قبروں میں آزمائش کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ (فلولا ان لا تدافنوا) تو اگر اس کا ڈر نہ ہوتا اور یہ بات پیش نظر نہ ہوتی کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے اور دفن کرنے کی رسم جہاں سے اٹھ جائے گا (لدعوت اللہ ان یسمعکم) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں سنوا دے (من عذاب القبر الذی اسمع منہ) عذاب قبر سے وہ جو میں سنتا ہوں۔ یعنی اگر تم لوگ عذاب کی آواز سن لو تو مردوں کو قبر میں دفن کرنا ترک کر دو۔

یہاں ایک سوال وارد کیا جاتا ہے کہ عذاب قبر جیسا کہ شرح عنوان میں بیان ہوا، دفن کرنے پر موقوف نہیں ہے خدا تعالیٰ چاہے تو مردے کو عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے چاہے وہ کھلے صحرا میں یا مچھلی کے شکم میں یا کسی اور جگہ ہو۔ نیز جب کہ اہل ایمان کو مردوں کے دفن کا حکم ہے تو محض اس خوف کے باعث دفن ترک کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سوال کے جواب میں چند توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر تم لوگ عذاب قبر سن لو تو تم پر ایسا خوف اور ایسی دہشت طاری ہو جو تمہیں بے ہوش کر دے اور تمہاری عقل پھیر کر رکھ دے اور تم میں دفن کرنے کی قوت و فرصت نہ رہے۔ جیسا کہ مردوں کی چیخ و پکار جنات اور انسانوں کے نہ سننے کے متعلق گزشتہ بیان ہوا کہ اگر لوگ سن لیں تو کار و بار معیشت و زندگی معطل اور منقطع ہو کر رہ جائے۔ پس دفن کرنے کا عمل خوف عذاب کی بنا پر نہیں بلکہ عقل کے فوت ہونے اور ہوش و حواس کے اڑ جانے کے سبب ہوگا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر تم لوگ مردوں کا عذاب سن لو تو تمہیں مشاہدہ اموات سے اس حد تک دہشت و وحشت لاحق ہو کہ تم ان کی تجہیز و تکفین کے لیے ان کے نزدیک نہ آسکو۔ اور انہیں دفن نہ کر سکو۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں اس صفت پر پیدا کی گئی ہیں کہ وہ اپنے مردوں کے عیب چھپاتے ہیں اور شریعت میں بھی مردوں کے عیب چھپانے کا حکم ہے چنانچہ فرمایا (اذکروا موتاکم بالخیر) اپنے مردوں کو نیکی سے یاد کرو اور قبرستان لوگوں کے ہجوم و اجتماع کی جگہ ہے۔ تو تم لوگ انہیں دور صحرا میں پھینک آتے تاکہ کوئی آدمی وہاں نہ پہنچ سکے اور ان کا عذاب نہ سن سکے اور ان کے عیوب پر مطلع ہو سکے۔ واللہ اعلم۔

(ثم اقبل علینا بوجہہ) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ (فقال) اور فرمایا (تعوذوا باللہ من عذاب النار) عذاب دوزخ سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من عذاب النار) ہم اللہ کے پاس عذاب دوزخ سے پناہ لیتے ہیں۔ (قال) آپ نے فرمایا (تعوذوا باللہ من عذاب القبر) عذاب قبر سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من عذاب القبر) ہم اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں عذاب قبر سے۔ (قال) آپ نے فرمایا۔ (تعوذوا باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن) ظاہر اور چھپے فتنوں سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ ظاہر فتنے وہ جو انسان کے ظاہری جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پوشیدہ وہ جو دل سے تعلق رکھتے ہیں یا جو فتنے تمہارے سامنے ہیں اور جن کو تم لوگ جانتے ہو۔ اور پوشیدہ وہ جو تم نہیں جانتے۔ (قالوا) صحابہ نے کہا (نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن) ہم ظاہر اور چھپے فتنوں سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

(قال) فرمایا (تعوذوا باللہ من فتنۃ الدجال) دجال کے فتنہ سے اللہ کے پاس پناہ لو (قالوا) صحابہ نے کہا۔ (نعوذ باللہ من فتنۃ الدجال) ہم لوگ فتنہ دجال سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

الفصل الثانی

۱۲۲- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْآخَرِ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جن کے رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ اس سے پوچھتے ہیں تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ میت جواب دیتا ہے وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر اس کے لیے ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبائی میں کھل کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے سو جا میت کہتا ہے میں اپنے اہل وعیال کے پاس جاتا ہوں تاکہ ان کو خبر دوں تو وہ فرشتے کہتے ہیں نئی دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے اہل میں سب سے پیارا فرد ہی آکر جگاتا ہے۔ تو وہ سویا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی جگہ (قبر) سے اٹھائے گا اور اگر وہ میت منافق ہوتا ہے تو فرشتوں کے جواب میں کہتا ہے میں لوگوں سے سنتا تھا کہ وہ ایک بات کہتے تھے میں نے بھی اسی طرح کہا میں نہیں جانتا۔ وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر مل جا تو وہ اس

حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک۔ (رواہ الترمذی)

پر مل جاتی ہے۔ اور اس کی ہڈیاں ایک دوسری میں پھنس جاتی ہیں تو ہمیشہ وہ عذاب میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی جگہ (قبر) سے اٹھائے گا۔ (قیامت کے دن)۔

شرح: س: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے ایسے آدمی کی صورت میں آتے ہیں جس کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ سیاہ رنگ سے یا تو حقیقۃً سیاہ رنگ ہی مراد ہے کہ سیاہ رنگ میں دوسرے رنگوں کی نسبت دہشت اور وحشت زیادہ ہوتی ہے یا سیاہ رنگ سے ان کا قبیح المنظر اور بدشکل ہونا مراد ہے۔ اور نیلی آنکھوں سے ان کا تیز آنکھوں سے دیکھنا اور نظر کو گھمانا مراد ہے جس طرح دشمن دشمن کو تیز نگاہوں سے دیکھتا اور اپنی نگاہ گھماتا ہے کہ اس کی سیاہی چھپ جاتی اور سفیدی نمایاں ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں عرب دشمن کو نیلی آنکھ سے موصوف کرتے ہیں کہ رومی لوگ عربوں کے دشمن ہیں اور ان کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں یقال لاحدھما المنکر وللآخر النکیر ان میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ منکر بفتح کاف دونوں کا معنی ناآشنا اور وحشت ناک ہے نکرۃ بمعنی ناآشنائی سے مشتق ہے اور معرفت بمعنی آشنائی کی ضد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ منکر نکیر دو اشخاص کا نام ہے جو ہر میت کے سر پر انسانی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے یہ دو گروہوں کا نام ہے۔ اور ان دونوں کے بے شمار افراد ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ منکر و نکیر نافرمان لوگوں کے فرشتوں کا نام ہے۔ اور فرمانبرداروں کے فرشتوں کا نام مبشر اور بشیر ہے۔ واللہ اعلم۔

فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل وہ دو فرشتے کہتے ہیں تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ فیقول میت اس سوال کے جواب میں کہتا ہے ھو عبداللہ ورسولہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ھذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں یہ سن کر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا یعنی تیرے ایمان کا نشان تیرے حال کے چہرے کو دیکھ کر ہمیں معلوم ہو گیا تھا۔ ثم یفسح لہ فی قبرہ سبعون ذراعا فی سبعین پھر اس کے لیے اس کی قبر ستر در ستر گز وسیع کر دی جاتی ہے۔ یہ اس کے کشادہ ہونے سے کنایہ ہے یعنی عدد مراد نہیں ہے۔ ثم ینور لہ فیہ پھر میت کے لیے اس کی قبر میں روشنی کی جاتی ہے ثم یقال لہ نم پھر اس سے کہا جاتا ہے آرام کی نیند سو جا۔ فیقول ارجع

الی اھلی فاخبرھم) میت کہتا ہے میں اپنے اہل خانہ کے پاس جاتا ہوں تاکہ انہیں اپنی راحت سے مطلع کردوں، جیسے کوئی غریب الوطن مسافر کسی شہر میں وارد ہو۔ اور وہاں پر اسے آرام و راحت نصیب ہو تو کہتا ہے کاش اپنے رشتہ داروں کے پاس واپس جاؤں انہیں اپنی خوشی و راحت کے حال سے آگاہ کروں اور انہیں دیکھوں۔ (فیقولان نم کنومۃ العروس) تو اس میت سے کہا جاتا ہے اب تو سو جا جیسے نئی دلہن یا دولہا سوتا ہے عروس کا لفظ مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (الذی لایوقظہ الا احب اھلہ الیہ) جسے نہیں بیدار کرتا مگر اس کے اہل میں سے اس کے نزدیک سب سے محبوب اور پیارا فرد۔ ہر آدمی کا اگر بیدار کرنا انسان کو ناگوار گزرتا ہے۔ اور وحشت و کوفت کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ہر انسان سوئے ہوئے کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ہاں جب اس کے پاس اس کا محبوب آتا ہے تو اسے بیدار کرتا ہے (یہی حالت کچھ اس میت کی ہوتی ہے)۔ (حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک) یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اس کی خوابگاہ سے اٹھا کھڑا کرے گا۔

(وان کان منافقا قال) اور اگر میت منافق یا کافر ہوتا ہے تو کہتا ہے (سمعت الناس یقولون قولا) میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ وہ اس مرد کے بارے میں کچھ کہتے تھے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔ (فقلت مثلہ) تو میں نے بھی ویسا ہی کہا اور میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کا انکار کیا۔ (لا ادری) میں ان کی حقیقت حال سے واقف نہیں ہوں۔ (فیقولان قد کنا نعلم انک تقول ذالک) تو فرشتے کہتے ہیں ہمیں علم تھا کہ تو یہ جواب دے گا۔ یعنی ہم نے کفر کا نشان تیرے چہرے میں دیکھ لیا تھا۔ (فیقال للارض التئمی علیہ) پھر زمین کو حکم ہوتا ہے تو اسے بھینچ ڈال۔ (فتلتئم علیہ) تو زمین اس کی ہڈیوں اور اس کے جسم کو توڑ مروڑ دیتی ہے۔ (فتختلف اضلاعہ) تو اس کی ہڈیاں اور پسلیاں زمین کے دبانے سے ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ (فلایزال فیھا معذبا) تو ہمیشہ وہ قبر اندر عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ (حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذالک) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اس کی خوابگاہ سے اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱۲۳۔ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَأْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ	اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں پھر سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے میت جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ
مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ
فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا يُدْرِيْكَ
فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ
بِهٖ وَصَدَّقْتُ - فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
الْاٰيَةَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ
صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ
وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا
اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ
رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ
بَصَرِهٖ - اَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ
رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ
فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ - فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ
لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ
فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ مَا
هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ - فَيَقُوْلُ
هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ
السَّمَآءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ
وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى
النَّارِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا
وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ عَلَيْهِ

پھر اس سے دوسرا سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر دریافت کرتے ہیں یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے، کون ہے میت جواب دیتا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں فرشتے پوچھتے ہیں تجھے اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ تو یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول یثبت اللہ الی اخر الآیۃ تو آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو حضور علیہ السلام نے فرمایا تو اسے جنت کی راحت اور اس کی خوشبو پہنچتی ہے۔ اور اس کی حد نگاہ تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ لیکن کافر تو اس کی موت کا حضور نے ذکر فرمایا۔ کہا اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں پھر اس سے سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ہائے افسوس مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے ہائے افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کہتا ہے ہائے افسوس میں نہیں جانتا تو آسمان سے ایک ندا کرنیوالا ندا کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اس کیلئے آگ کا فرش بچھاؤ اور اسے دوزخ کا لباس پہناؤ اور اس کیلئے آتش دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو حضور علیہ السلام نے فرمایا تو اسے آگ کی تپش اور زہریلی اور گرم ہوا پہنچنا شروع ہو جاتی ہے اور اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی ایک طرف کی ہڈیاں دوسری طرف کی ہڈیوں میں پھنس جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس لوہے کا ددان

اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى وَاَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ . رواہ احمد وابوداؤد

ہوتا ہے اگر اس سے پہاڑ کو مارا جائے تو ٹوٹ پھوٹ کر مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس گرز کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ کہ انسانوں اور جنوں کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان والے اس کی چیخ و پکار سنتے ہیں وہ اس مار کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔

شرح: (عن البراء بن عازب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (یاتیہ ملکان فیجلسانہ) مومن کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں۔ (فیقولان لہ من ربک) اور اسے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ (فیقول ربی اللہ) مومن کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (فیقولان لہ ما دینک) پھر اسے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ (فیقول دینی الاسلام) وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ (فیقولان ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم) پھر کہتے ہیں یہ مرد کون ہے جو تمہارے اندر مبعوث ہوا تھا۔ (فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مومن کہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (فیقولان لہ ما یدریک) پس کہتے ہیں تجھے اس بات کا علم کیسے ہوا۔ اور تجھے کس طرح علم ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں (فیقول قرأت کتاب اللہ فامنت بہ وصدقت) مومن جواب دیتا ہے۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تو ان پر ایمان لایا اور ان کے حق ہونے کی تصدیق کی۔ (فذلک قولہ) یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے قول سے۔ (یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت الایۃ) یعنی اس قول میں ثابت رکھنے سے مراد یہی ہے کہ قبر میں مذکورہ طریق پر اسے جواب دینے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی) تو آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آواز دینے والا خود خدائے عزوجل ہوتا ہے کہ یہ الفاظ پیدا کر دیتا ہے جو مرادی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کو آواز دینے کا حکم ہوتا ہے۔ (فافرشوہ من الجنۃ) تو اس کے لیے بہشت کے فرشوں میں سے فرش بچھا دو۔ (افرشوا) بفتح ہمزہ افراش سے مشتق ہے۔ (والبسوہ من الجنۃ) اور اسے بہشتی لباسوں میں سے لباس پہنا دو۔ (وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ) اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ (فیفتح) تو اس کے لیے بہشت کی جانب ایک دروازہ کھول

دیا جاتا ہے۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فیاتیہ من روحھا وطیبھا) تو مومن کو آنا شروع ہو جاتی ہے جنت کی راحت، اس کی رحمت اور بہشت کی باد نسیم سا اور وہاں کی خوبی اور خوشبو۔ (و یفسح لہ فیھا مد بصرہ) اور کشادہ کر دی جاتی ہے جانب بہشت جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ گزشتہ حدیث میں آیا کہ مومن کی قبر کی کشادگی ستر در ستر گز ہو جاتی ہے۔ اور وہاں بیان ہوا تھا کہ یہ کشادگی اور وسعت سے کنایہ ہے اور اس وسعت و کشادگی کو بطور مبالغہ بیان کرنا مقصود ہے۔ عدد معین مراد نہیں ہے۔ مد بصر سے مبالغہ مراد ہے تحدید و تعیین مقصود نہیں ہے یا ستر در ستر کی کشادگی تو عام مومنین کی قبر کے لیے ہوتی ہے اور تا حد نگاہ کشادگی خاصان حق تعالیٰ کی قبر کے لیے ان کے درجات و مراتب اور خدا تعالیٰ فضل و کرم کے مطابق ہوتی ہے۔

(واما الکافر فذکر موتہ قال) باقی رہا کافر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کا قصہ بایں الفاظ ذکر فرمایا۔ (و یعاد روحہ فی جسدہ) اور کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اسے حقیقۃً زندہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھا مگر اس طرح کی زندگی کافر کے ساتھ مخصوص ہوگی تاکہ اسے عذاب کا شدت سے احساس ہو۔ اور پوری سختی کے ساتھ عذاب کا مزہ چکھے۔ واللہ اعلم۔

(و یاتیہ ملکان فیجلسانہ) اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جو اسے بٹھا دیتے ہیں۔ (فیقولان من ربک) تو اس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے۔ (فیقول) کافر جواب دیتا ہے۔ (ھاہ ھاہ) ہائے افسوس۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے حیرت اور دہشت زدہ اور درد و اذیت میں مبتلا انسان زبان پر لاتا ہے۔ جیسے آہ آہ اور اِئی اِئی کا لفظ بھی ایسے وقت میں زبان پہ جاری ہو جاتا ہے۔ (لا ادری) میں نہیں جانتا اور مجھے کچھ علم نہیں (فیقولان لہ ما دینک) پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ (فیقول) وہ جواب دیتا ہے ھاہ ھاہ لا ادری) ہائے افسوس میں تو کچھ نہیں جانتا (فیقولان ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول ھاہ ھاہ لا ادری) یعنی پھر اس سے پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کہتا ہے۔ ہائے افسوس میں نہیں جانتا (فینادی مناد من السماء ان کذب) تو آسمان سے ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ اس کافر نے جھوٹ بولا ہے کہ میں نہیں جانتا کیونکہ دین اسلام کی آواز، حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہرت اور حق کے انوار کی چمک مشرق و مغرب میں پھیل چکی تھی۔ اس کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا کیا حقیقت رکھتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ مومن کے لیے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی بنا پر لفظ عبدی استعمال فرمایا اور اسے عزت دینے اور اس کے اعزاز و اکرام کی خاطر اپنی جانب اس کی نسبت کی۔ کافر کو اس اعزاز سے سرفراز نہ فرمایا۔ اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے کافر و مومن دونوں ...

(فافرشوہ من النار والبسوہ من النار وافتحوا لہ باباً الی النار) اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ۔ اور اسے آگ کی پوشاک پہناؤ۔ اور اس کے لیے آگ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ (قال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فیاتیہ من حرھا وسمومھا) تو اسے آگ کی تپش اور اس کی زہریلی اور گرم ہوا پہنچنا شروع ہو جاتی ہے۔ (قال) فرمایا۔ (ویضیق علیہ قبرہ) اور کافر پہ اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ (حتی تختلف فیہ اضلاعہ) یہاں تک کہ اس کے پہلوؤں کی پسلیاں ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ (ثم یقیض لہ اعمی واصم) پھر مسلط کیا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ اندھا اور بہرا۔ یہ اس کی بے خبری بے شفقتی اور اس کی سنگدلی سے کنایہ ہے کہ وہ اس کی پریشان حالی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اس کے نالہ و فریاد کو نہیں سنتا۔ اور اس پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ (معہ مرزبۃ من حدید) اس کے پاس پتھر توڑنے والا لوہے کا گرز ہوتا ہے۔ مِرْزَبَّۃٌ بکسر میم، و سکون راء و فتح زاء معجمہ اور با کی تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ (لو ضرب بھا جبل لصار ترابا) یہ گرز اتنا سخت اور بڑا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کسی پہاڑ کو مارا جائے تو وہ پس کر مٹی ہو جائے (فیضربہ بھا ضربۃ) تو وہ اس گرز کے ساتھ اسے سخت مارتا ہے۔ وہ اس سے سخت چیخ و پکار کرتا ہے۔ (یسمعھا ما بین المشرق والمغرب) کہ اسے مشرق و مغرب کے درمیان کی ہر چیز، حیوانات بلکہ نباتات اور جمادات تک سنتی ہے۔ (الا الثقلین) مگر جنات اور انسانوں کو اس کی آواز نہیں سنوائی جاتی اس حکمت و مصلحت کی بنا پر جو حدیث انس کی فصل اول میں مذکور ہوئی۔ (فیصیر ترابا) تو وہ کافر پس کر خاک و نابود ہو جاتا ہے۔ (ثم یعاد فیہ الروح) پھر اس کے بدن میں اس کی روح واپس لوٹائی جاتی ہے۔ تو اعادۂ روح اور اسے قبر میں زندہ کرنا بار بار ہوتا ہے۔ یہ اس کے لیے شدت اور زیادہ عذاب دینے کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعث بعد الموت اور اعادۂ روح کے انکار کی جزا کے طور پر ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس تقدیر پر قبر میں دو بار زندہ کرنا اور دو بار مارنے کا عمل ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے آیۃ کریمہ (اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ) (تو نے ہمیں دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا) کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اور اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعض مفسرین پہلی بار مارنے سے یہی دنیا میں متعارف مارنا اور قبر میں زندہ کرنے کو پہلی بار زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ اور دوسری بار مارنے سے فرشتوں کے سوال و جواب کے بعد مارنے اور دوبارہ زندہ کرنے سے بعث و نشور کے وقت زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ بہر صورت ان کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مردے کو سوال و جواب کے بعد، اور اسے دوزخ میں نشست گاہ دکھلانے اور اس کی طرف دروازہ کھولنے

کے بعد مار دیتے ہیں۔ پھر قیامت و بعث کے روز اسے زندہ کریں گے۔

اور ان مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے کو تا قیامت قبر میں عذاب و نعمت اور رنج و راحت پہنچتا رہتا ہے۔ اس پر موت طاری ہونے اور روح کے بدن سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود شاید یہ اس کی روح کی حالت ہوتی ہے۔ جیسے زیارت کو آنے والوں کا شعور و ادراک اور اس کا انہیں شناخت کرنا بھی روح سے ہوتا ہے۔ یہ مقام غور و تحقیق ہے واللہ اعلم۔

۱۲۴۔ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ يَبْكِىْ حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ. فَقِيْلَ لَهٗ تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِىْ وَتَبْكِىْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رو پڑتے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ آپ سے کہا گیا آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے مگر قبر دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ تو فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کا معاملہ آسان ہے۔ اور اگر اس منزل سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد کا مرحلہ اس سے سخت تر ہوگا۔ حضرت عثمان نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے کوئی منظر نہیں دیکھا مگر قبر اس سے بھی زیادہ گھبرا دینے والا منظر ہے۔

ابن ماجہ و قال الترمذی ہذا حدیث غریب۔

شرح:۔ (وعن عثمان رضی اللہ عنہ انہ کان اذا وقف علی قبر یبکی) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو رو پڑتے۔ (حتی یبل لحیتہ) یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ (فقیل لہ تذکر الجنۃ والنار فلا تبکی) حضرت عثمان سے کہا گیا آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں مگر نہیں روتے (وتبکی من ھذا) اور قبر پہ کھڑے ہوتے اور قبر کو دیکھتے اور اس کا عذاب یاد کرتے ہی رو پڑتے ہیں۔ (فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال) آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (ان القبر اول منزل من منازل الاخرۃ) کہ بیشک قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے (فان نجا منہ) تو اگر کوئی شخص اس کے عذاب اور اس کے رنج و تعب سے نجات پا گیا (فما بعدہ ایسر منہ)

تو جو منزلیں اور گھاٹیاں اس کے بعد ہیں وہ اس سے آسان تر ہیں۔ (وان لم ینج منہ فی بعدہ اشد منہ) اور اگر عذابِ قبر سے نجات نہ پائی تو جو کچھ اس کے بعد ہے وہ اس سے سخت تر ہے۔ جس طرح عالمِ ظاہر میں کسی مجرم کو بادشاہ وقت کے پاس لاتے ہیں اگر اس کے سامنے آتے ہی اس سے مہربانی اور آسانی کا سلوک کیا گیا تو اس کے بعد جو کچھ اس کے ساتھ ہوگا، آسان تر ہوگا۔ اور اگر سامنے آتے ہی اس سے سخت رویہ اختیار کیا گیا تو آخر تک اس کا معاملہ سخت تر ہوگا۔ (قال) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ (وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ما رأیت منظرا قط) میں نے کوئی برا اور ناخوش و ناپسندیدہ منظر نہیں دیکھا۔ (الا والقبر افظع منہ) مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے بھی بدتر اور سخت تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ اس سے تکلیف و عذاب سامنے آتا ہے جس سے انسان کی زندگی تلخ اور بدمزہ ہو جاتی ہے۔

۱۲۵ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ ثُمَّ سَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ

(رواہ ابوداؤد)

اور انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو پھر اس کے لیے ایمان پر قائم رہنے کی دعا کرو، کیونکہ اس سے اب سوال ہوگا۔

شرح: (وعنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ) اور انہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس پر یعنی اس کی قبر پر کھڑے ہوتے۔ (فقال) اور فرماتے (استغفروا لاخیکم) اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو (ثم سلوا لہ بالتثبیت) پھر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اسے منکر نکیر کے جواب میں استقامت عطا کرے۔ (فانہ الان یسئل) کہ بیشک اس سے ابھی سوال ہوگا۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے لیے استغفار اور طلب بخشش رحمت کا سبب و ذریعہ ہے۔ مشائخ اہل سنت وجماعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ اہل سنت وجماعت کے عقائد میں یہ بات تحریر شدہ ہے کہ وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم زندوں کے مردوں کے لیے دعا کرنے اور ان کی طرف سے صدقہ کرنے میں انہیں نفع اور فائدہ پہنچتا ہے۔ اور دعا و طلب استقامت اس تلقین کے علاوہ ہے جو دفن میت کے بعد کرتے ہیں۔ یہ تلقین بہت سے شافعیہ اور

بعض احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے۔ اور تم اسے دفن کر دو اور مٹی ڈال دو۔ تو چاہیئے کہ تم میں ایک شخص اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے۔ اسے فلاں فلانی عورت کے بیٹے۔ میت اس کی یہ آواز سنتا ہے مگر جواب نہیں دے سکتا۔ پھر کہے اسے فلاں فلاں عورت کے بیٹے جب دوبارہ یہ آواز سنتا ہے تو قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر تیسری بار وہ کہے اسے فلاں فلاں عورت کے بیٹے اس پر وہ میت کہتا ہے اللہ تجھ پر رحمت کرے بتا کیا کہنا چاہتا ہے۔ لیکن تم لوگ اس کی یہ بات نہیں سنتے۔ پھر کہے اسے فلاں وہ کلمہ یاد کر جس پر دنیا میں تھا۔ یعنی کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ اور یہ کہ تو اس پر راضی تھا کہ خدا تعالیٰ تیرا رب ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رسول برحق ہیں۔ اور تیرا دین دین اسلام ہے۔ قرآن مجید تیرا امام و راہنما ہے جب میت یہ کہتا ہے تو منکر ونکیر فرشتے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں اس بندے کے پاس سے باہر نکل چلیں اب ہمیں اس سے کیا کام اللہ تعالیٰ نے خود اسے اس کی حجت اور دلیل سکھلا دی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اگر ہم لوگ اس کی ماں کا نام نہ جانتے ہوں۔ تو پھر کس طرح آواز دیں اور کس کی طرف نسبت کریں۔ فرمایا حواء کی طرف نسبت کر جو سب کی ماں ہے۔ انتہیٰ۔

اور اول سورۃ بقرہ سے مفلحون تک اور اس کا آخر آمن الرسول سے ختم سورۃ تک پڑھنا بھی آیا ہے اور اگر اس وقت قرآن مجید ختم کریں تو یہ زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی سنا گیا ہے اس موقعہ پر مسائل فقہ میں سے کوئی مسئلہ بیان کریں تو اس کی بھی فضیلت ہے۔ اور باعث نزول رحمت ہے۔ اور اس موقعہ و محل کے مناسب یہ ہے کہ وراثت کا مسئلہ بیان کیا جائے۔ اور مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ قبر پر قرآن مجید کا ختم کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

۱۲۶۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیُسَلَّطُ عَلَی الْکَافِرِ فِیْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّیْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْ اَنَّ تِنِّیْنًا مِّنْهَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ خَضِرًا

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ کافر پہ اس کی قبر میں ایک کم سو بڑے جسم کے اور نہایت زہریلے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں: جو اس کے بدن کو قیامت تک نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین میں پھونک مارے تو زمین سبزہ

رواہ الدارمی وروی الترمذی نحوہ وقال سبعون بدل تسعۃ وتسعون۔

اُگانا ختم کر دے اسے دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی اسی کی مانند روایت کیا مگر اس میں تسعۃ وتسعون کے بجائے سبعون کا لفظ ہے۔

شرح:- (وعن ابی سعید) اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لیسلط علی الکافر فی قبرہ) البتہ مسلط کیے جاتے ہیں کافر پر اس کی قبر میں (تسعۃ وتسعون تنینا) ننانوے اژدھے۔ (تنھسہ وتلدغہ حتی تقوم الساعۃ) جو قیامت تک اسے نوچتے اور ڈستے رہتے ہیں تنین بکسر تا و کسر نون مثلا بڑا سانپ جسے اژدھا کہتے ہیں سلدغ ڈسنا نھس بفتح نون وسکون ہا اور سین جملہ یعنی اگلے دانتوں سے پکڑنا اس کا حاصل معنی بھی ڈسنا دونوں الفاظ کے ذکر کرنے سے مقصود تاکید ہے۔ (لو ان تنینا منھا نفخ فی الارض) اگر ان اژدھوں میں کوئی اژدھا زمین میں پھونک مارے۔ (ما انبتت خضراء) تو زمین سے سبزہ اگنا بند ہو جائے۔ یعنی اس کے سانس کی تپش اور گرمی سے سب کچھ جل جائے۔ خضراء بفتح خا و کسر ضاد اور بفتح خا و سکون ضاد اور الف ممدودہ دونوں طرح مروی ہے۔ (رواہ الدارمی) اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ دارمی نے روایت کیا۔ (وروی الترمذی نحوہ) اور ترمذی نے بھی اسی کی مانند روایت کیا۔ یعنی دونوں کا معنی ایک اور الفاظ مختلف ہیں (وقال سبعون بدل تسعۃ وتسعون) اور ترمذی نے دارمی کے لفظ تسعۃ وتسعون کے بجائے روایت کیا۔ مراد دونوں سے مبالغہ ہے۔ اس عدد معین کا علم قطعی شارع کو ہے اور بعض علماء نے مناسبت ذکر کی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی نے نقل کیا۔ اور کہا خدا تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں۔ ان میں سے صرف ایک دنیا میں نازل فرمائی۔ کہ جہان میں جو شفقت و مہربانی پائی جاتی ہے اس ایک رحمت کا اثر ہے۔ اور ایک کم سو رحمتیں عالم آخرت کے لیے رکھی ہیں۔ اور کافر نے جب احکام الٰہی کی تکذیب کی اور اس کا حق عبودیت ادا نہ کیا۔ تو ہر رحمت کے بجائے اس کے لیے ایک اژدہا تیار کر دیا گیا۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر ایمان لانا ضروری ہے اور کافر نے جب ان کا انکار کیا تو ہر عدد کے مقابلے میں ایک اژدہا اس پر مسلط کر دیا گیا۔ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

اور قریب تر توجیہ یہ ہے کہ یہ سانپ بچھو اس کی صفات ذمیمہ اور برے اخلاق ہیں۔ جو متشکل ہو کر اس کے سامنے آتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے علم شارع میں اصول اخلاق کی تعداد اس قدر ہو۔ کہ ایک اعتبار سے انہیں ایک کم سو گننا درست ہو اور دوسرے اعتبار سے ستر کی تعداد تک لوٹانا درست ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۱۲۷۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ۔

(رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا ہم لوگ سعد بن معاذ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے جبکہ وہ فوت ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھ لی اور اسے قبر میں رکھ دیا گیا اور مٹی برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی تو ہم نے بھی کافی وقت تسبیح پڑھی۔ پھر آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ آپ نے پہلے تسبیح پھر تکبیر کیوں کہی۔ فرمایا بیشک اس عبد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تنگی دور کر دی اور اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا گیا۔

شرح: (عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد بن معاذ حین توفی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے جبکہ ان کی وفات ہوئی۔ (فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھ لی۔ (ووضع فی قبرہ) اور انہیں ان کی قبر میں رکھ دیا گیا (وسوی علیہ) اور ان پر مٹی برابر کر دی گئی (سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی (سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا) (فسبحنا طویلا) ہم نے بھی طویل یا عرصہ دراز تک تسبیح پڑھی۔ (ثم کبر فکبرنا) پھر آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی اور آپ نے اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ (فقیل) آپ سے دریافت کیا گیا۔ (یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت) یا رسول اللہ آپ نے پہلے تسبیح پھر تکبیر کیوں پڑھی۔ (قال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ) میں نے تسبیح و تکبیر اس لیے پڑھی کہ اس بندہ صالح پر اس کی قبر تنگ ہوئی۔ (حتی فرجہ اللہ عنہ) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کشادگی عطا کی اور تنگی دشواری سے انہیں نجات بخشی۔ تسبیح و تکبیر اسے اس شدت سے نجات دلانے کے لیے تھی ... اس حالت کے مشاہدہ پر اظہار

تعجب کے طور پر تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کی تنگی اور اس کا دبانا ہر میت کو ہوتا ہے۔ اگرچہ میت انتہا درجے کا مرد صالح کیوں نہ ہو اور یہ مرد صالح یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں کہ ان کی موت پر عرش الٰہی جنبش میں آیا۔ آپ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ ستر ہزار فرشتے نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ قبر کی یہ تنگی یا تو کسی تقصیر کے باعث تھی جو آپ سے قرب حق میں واقع ہوئی یا سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ہر شخص کو قبر دباتی ہے جیسے ہر شخص کے لیے دوزخ پر ورود ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۸۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِىْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (سعد بن معاذ) وہ شخص ہے جس کے لیے عرش حرکت میں آیا اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ستر ہزار فرشتے آپ کے جنازے میں حاضر ہوا۔ بے شک آپ کو سخت دبایا گیا اور آپ پر بھی قبر سخت تنگ ہوئی۔ پھر اس دشواری اور تکلیف سے آپ کو کشادگی عطا کی گئی۔

شرح: وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کے دفن کے بعد فرمایا۔ (ھذا الذی تحرک لہ العرش) یہ وہ (نیک شخصیت) ہے جس کے لیے عرش جنبش میں آیا۔ ایک روایت میں یوں ہے اهتز العرش لموت سعد بن معاذ) کہ حضرت سعد بن معاذ کی موت پر عرش جھوم اٹھا۔ ایک روایت میں عرش الرحمن کا لفظ آیا ہے۔ اس کلام کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حرکت میں آنا اور جھومنا خوشی اور مسرت و نشاط سے کنایہ ہے۔ یعنی ان کی روح پاک کے عالم قدس کی طرف پرواز کرنے اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی عظمت و بزرگی کی بنا پر اور ان کی تشریف آوری کی بشارت ملنے پر اہل عرش نے خوشی منائی اور فرحت و نشاط کا اظہار کیا۔

دوسرا یہ کہ یہ ان کی موت کے عظیم ہونے اور اس حادثہ کے شدید ہونے سے کنایہ ہے جس طرح لوگ کہتے ہیں فلاں شخص کی موت سے زمین تاریک ہو گئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دنیا سے ان کے وجود مسعود کے سدھارنے اور ان کے پاکیزہ اعمال کے آسمانوں کی طرف

بلند ہونے کا سلسلہ منقطع ہونے پر حسرت و غم کے طور پر ایسا ہوا جیساکہ روایات میں آیا ہے کہ زمین و آسمان صالحین کی موت پر صدمہ سے روتے ہیں یعنی زمین کی وہ جگہ جہاں انہوں نے نیک عمل کیے اور آسمان کی وہ جگہ جہاں سے ان کے اعمال صالحہ اوپر چڑھتے تھے۔ اور جن جگہوں کو وہ مشرف و برکت والا کیا کرتا تھا۔ اور فرحت و سرور کو علت قرار دینا جیساکہ وجہ اول میں مذکور ہوا، اس دوسری حدیث کے مطابق ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ کی امت میں سے وہ کون شخص ہے جس کا آج رات وصال ہوا ہے۔ جس سے آسمانوں والے بہت مسرور اور خوش ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص سعد بن معاذ ہے۔ ان کی موت کا قصہ غزوہ خندق میں مذکور ہے۔ (وفتحت له ابواب السماء) اور اس پر نزول رحمت یا اس کی روح کے عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔

(وشهده سبعون الفا من الملائكة) اور ان کے پاس یعنی ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے۔

(لقد ضم ضمة ثم فرج عنه) ان پر بھی قبر تنگ کی گئی اور معاملہ سخت کیا گیا پھر یہ حالت ان سے ہٹائی گئی۔ اور آسانی مہیا کردی گئی۔

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِي يُفْتَنُ فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً رواه البخاري وزاد النسائي حَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ كَلَامَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيبٍ مِنِّي أَيْ بَارَكَ اللهُ فِيكَ مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ قَوْلِهِ قَالَ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے جب آپ نے اس کا ذکر کیا تو مسلمانوں پر سخت گریہ طاری ہوا۔ یہ الفاظ بخاری نے روایت کیے اور نسائی نے یہ الفاظ مزید روایت کیے کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سمجھنے کے درمیان گریے کی یہ حالت حائل ہوگئی۔ جب لوگوں کو گریے سے سکون ہوا تو میں نے ایک آدمی سے جو میرے قریب تھا دریافت کیا اللہ تجھے برکت عطا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری کلام میں کیا بیان فرمایا تھا۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم لوگوں کو قبروں میں ایسے فتنے کے

اندر مبتلا کیا جاتا ہے جو دجال کے فتنے کے قریب ہوتا ہے۔

شرح: (وعن اسماء بنت ابی بکر) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا) فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ (فذکر فتنۃ القبر التی یفتن فیہا المرء) اور فتنہ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔ (فلما ذکر ذلک ضج المسلمون ضجۃ) جب آپ نے فتنہ قبر یاد دلایا تو لوگوں پر سخت گریہ طاری ہوا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور صرف اتنے الفاظ روایت کیے۔ (وزاد النسائی) اور نسائی نے یہ عبارت اور زیادہ کی۔ کہ حضرت اسماء نے کہا (حالت بینی وبین ان افہم کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک سمجھنے میں گریہ وزاری کی مذکورہ حالت حائل ہو گئی (اور میں آپ کا پورا کلام نہ سمجھ سکی)۔ یعنی لوگوں کا نالہ و فریاد اس قدر بلند ہوا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نہ سن سکی اور نہ سمجھ سکی۔ (فلما سکنت ضجتہم) جب لوگوں کا نالہ و فریاد ٹھہر گیا اور انہیں سکون ہو گیا تو میں نے ایک آدمی سے جو میرے قریب تھا، دریافت کیا (ای بارک اللہ فیک) اے مرد خدا اللہ تیرے کام میں برکت ڈالے۔ (ماذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر قولہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری کلام میں کیا فرمایا تھا۔ (قال قال) اس مرد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور) تحقیق میری طرف وحی نازل ہوئی ہے کہ قبروں میں تم لوگ ایسے فتنہ میں مبتلا کیے جاتے ہو۔ (قریبا من فتنۃ الدجال) جو غایت شدت اور نہایت اذیت میں فتنہ دجال کے قریب ہوتا ہے نیز دجال دعویٰ ربوبیت کرے گا۔ اور لوگ عجز و مجبوری کے باعث اس کی ربوبیت کے اقرار کے فتنہ میں گریں گے۔ میت کے لیے بھی اس کا احتمال ہے کہ اضطرار و گھبراہٹ کے باعث فرشتوں کو دیکھ کر ان کی ہیبت معاملے کی شدت، اور ان کی دہشت سے فتنہ میں گر پڑے۔ اور جب اس سے دریافت کریں کہ تیرا رب کون ہے یا تیرا رسول کون ہے تو مارے دہشت کے وہ بات زبان سے کہہ ڈالے جو نہ کہنے والی ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۱۳۰۔ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔

رواہ ابن ماجۃ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میت کو جب قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہونے کا وقت محسوس ہوتا ہے وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز پڑھ لوں۔

شرح:۔ (وعن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل المیت القبر مثلت لہ الشمس عند غروبہا)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت اسے سورج ڈوبنے کا وقت محسوس ہوتا ہے یعنی غروب کے قریب جب اس کا رنگ زرد پڑ جاتا اور روشنی کم ہو جاتی ہے۔ (فیجلس یمسح عینیہ) تو وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ (ویقول دعونی اصلی) اور اپنے آپ سے کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز مغرب ادا کر لوں۔ یا فرشتوں سے کہتا ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں نماز ادا کر لوں۔ اس کے بعد جو چاہو کر لینا۔ یا سوال وجواب سے فارغ ہونے کے بعد کہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔ یہ کیفیت اس کے آرام و آسائش پر دلالت کرتی ہے۔ کہ گویا وہ ابھی دنیا میں ہے اور اسے نیند آگئی تھی قبر میں اس کی یہ حالت کیفیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ دنیا میں ادائے فرائض اور ان پر ہمیشگی و دوام میں پختہ تھا۔ وقت مغرب کی تخصیص اس لیے فرمائی یہ وقت غربت و تنہائی سے مناسبت رکھتا ہے۔ شام کا وقت غریبوں (مسافروں) سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں "شام غریباں" غریب الوطن آدمی شام کے وقت جب کسی بیگانے شہر میں پہنچتا ہے تو حیران و پریشان ہوتا ہے کہ کہاں بیٹھے اور کیا کرے۔ نظم

تو زلف را شکستی تاریک شد جہاں اکنوں فتاد شام غریباں کجا روند
نماز شام غریباں چو گریہ آغازم بہ ہائے ہائے غریبانہ قصہ پردازم

تو نے اپنی زلف کھولی تو جہاں تاریک ہو گیا اب شام پڑ گئی غریب الوطن کہاں جائیں
غریبوں کی نماز شام کے وقت جب میں رونا شروع کرتا ہوں تو غریبانہ ہائے ہائے کے ساتھ اپنا قصہ مکمل کرتا ہوں۔

۱۳۱۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیَجْلِسُ الرَّجُلُ فِیْ قَبْرِهٖ غَیْرَ فَزِعٍ وَّلَا مَشْغُوْبٍ ثُمَّ یُقَالُ فِیْمَ كُنْتَ فَیَقُوْلُ كُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَیِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میت قبر میں پہنچتا ہے تو مرد اپنی قبر میں بغیر کسی خوف کے بڑا خوش بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین وملت میں تھا۔ وہ جواب دیتا ہے دین اسلام میں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے ہمارے پاس روشن دلائل لے کر آئے تو ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے

رَأَيْتَ اللّٰهَ فَيَقُوْلُ مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرَى اللّٰهَ فَيُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَا وَقَاكَ اللّٰهُ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِيْنِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَجْلِسُ الرَّجُلُ السُّوْءُ فِيْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَشْغُوْبًا فَيُقَالُ لَهٗ فِيْمَ كُنْتَ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ فَيُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ اِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيْهَا فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَا صَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ يُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ اِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

رواہ ابن ماجۃ۔

کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کسی کا یہ مقام نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھے۔ پھر اس کے لیے آگ کی جانب ایک سوراخ نکالا جاتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو توڑ رہی ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھ اسے جس سے اللہ نے تجھے بچایا ہے۔ پھر اس کے لیے ایک سوراخ جنت کی طرف کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی تر و تازگی اور جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانا تو یقین پر قائم رہا اور یقین پر ہی مرا اور اسی پر ان شاء اللہ تعالیٰ تیرا حشر ہو گا۔ اور بُرے مرد کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ اس وقت بڑی گھبراہٹ اور اذیت میں ہوتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین و ملت میں تھا وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے میں نے لوگوں کو سنا کہ ایک بات کہتے تھے وہ میں نے بھی کہی تو اس کے لیے ایک سوراخ جنت کی طرف کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی تر و تازگی اور جو کچھ اس میں ہے، کو دیکھتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے دیکھ اس چیز کو جو اللہ نے تجھ سے پھیر دی ہے پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک سوراخ کھولا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے۔ تو شک پر تھا شک پر ہی مرا اور شک ہی پر قیامت کے دن ان شاء اللہ اٹھے گا۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت یصیر الی القبر) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت قبر کی طرف واپس جاتا ہے۔ (فیجلس الرجل فی قبرہ) تو مرد اپنی قبر میں بیٹھ جاتا ہے یا بٹھایا جاتا ہے یعنی مردِ صالح کو اس کی قبر میں۔ (غیر فزع و لا مشغوب) بغیر کسی گھبراہٹ اور فتنہ میں مبتلا کرنے کے یعنی بے خوف، خوشحال اور فارغ البالی کی حالت میں۔ لغت میں شغب بفتح شین و غین معجمہ اور سکون غین بمعنی شر، فتنہ اور تباہی برپا کرنا۔ (ثم یقال فیم کنت) پھر اس سے کہا جاتا

ہے کہ تو دنیا میں کس دین و ملت کا پیروکار تھا۔ (فیقول دینی الاسلام) وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے اور میں اسلام کا پیروکار تھا۔ (فیقال ما ھذا الرجل) پھر اس سے دریافت کیا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ اور نیز اس کے بارے میں کیا اعتقاد ہے۔ (فیقول محمد رسول اللہ) وہ جواب دیتا ہے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (جاءنا بالبینت من عند اللہ) ہمارے پاس اللہ کی طرف سے روشن اور ظاہر معجزات لے کر تشریف لائے (فصدقناہ) تو ہم نے اس کی تصدیق کی اور اسے سچا جانا۔ (فیقال لہ ھل رایت اللہ) جب کہ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے دین اسلام لے کر آئے تو اس سے دریافت کیا گیا کیا تو نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس بنا پر کہتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے پاس سے معجزات لائے ہیں۔ تو کس دلیل سے کہتا ہے۔ دراصل اس میں اس کی اس تصدیق کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ (فیقول ماینبغی لاحد ان یری اللہ) وہ کہتا ہے کسی کو لائق نہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ و تقدس کا دیدار کرے میں نے تو ان کے روشن معجزات دیکھ کر ان کے صدق کا یقین کیا ہے۔ (فیفرج لہ فرجۃ قبل النار) پھر اس کے لیے کھولا جاتا ہے ایک شگاف آتش دوزخ کی طرف۔ یُفَرَّجُ تخفیف و تشدید دونوں طرح آیا ہے۔ قِبَل بکسر قاف اور فتح با۔ بمعنی جانب اور جہت اسی طرح ہر جگہ جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے۔ (فینظر الیہا یحطم بعضہا بعضاً) تو وہ آتش دوزخ اور اس کے بڑے عذاب کو دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ آگ کے ہی بعض دوسرے حصوں کو توڑتی اور پائمال کر رہی ہے۔ یہ اس کی کثرت اس کی شدت اور اس کے آپس کو درہم برہم کرنے سے کنایہ ہے۔ (فیقال لہ انظر الی ما وقاک اللہ) پھر اسے کہا جاتا ہے۔ اس چیز کو دیکھ جس سے خدا تعالیٰ نے تجھے بچا لیا ہے۔ بعض نسخوں میں منہ کا لفظ بھی مذکور ہوا ہے۔ (ثم یفرج لہ فرجۃ قبل الجنۃ) پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ (فینظر الی زھرتہا وما فیہا) تو وہ اس کی تروتازگی اور جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھتا ہے بغیر اس کے کہ اسے دیکھنے کا حکم ہو۔ (فیقال لہ ھذا مقعدک) اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیری نشست گاہ ہے۔ (علی الیقین کنت) کیونکہ تو دنیا کی زندگی میں یقین و ایمان پر تھا۔ (وعلیہ مت) اور اسی یقین و ایمان پر تو مرا۔ مُتَّ میم کے ضمہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ (وعلیہ تبعث) اور اسی یقین و ایمان پر تجھے قبر سے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اگر خدا تعالیٰ نے چاہا۔ یہ کلمہ تبرک و تاکید اور شوق و رغبت کے اظہار کے لیے ہے۔ جیسے کسی بیمار یا مبتلائے تکلیف کو کہتے ہیں حوصلہ کر ان شاء اللہ تعالیٰ تو صحت یاب اور اس مصیبت سے نجات پا جائے گا۔

(ویجلس الرجل السوء فی قبرہ) اور بدکردار انسان کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ سُوء سین کا ضمہ

اور فتحہ دونوں اس کی لغات ہیں۔ (فزعا مشعوبا) درانحالیکہ وہ تباہ حال اور ڈر رہا ہوتا ہے۔ (فیقال له فیم کنت) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کس حالت اور کس دین میں تھا۔ (فیقول) وہ جواب دیتا ہے۔ (لا ادری) میں نہیں جانتا اور مجھے کچھ پتہ نہیں۔ (فیقال له ما هذا الرجل) پھر اس سے پوچھا جاتا ہے یہ مرد کون ہے۔ (فیقول سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ) وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو سنا کہ وہ کچھ کہتے تھے تو میں نے بھی وہی کیا۔ (فیفرج له فرجة قبل الجنة) پھر اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے۔ (فینظر الی زهرتها وما فیها) تو وہ جنت کی ترو تازگی اور جو کچھ اس میں ہے سب دیکھتا ہے۔ (فیقال له انظر الی ما صرف الله عنك) پھر اس سے کہا جاتا ہے اس چیز کی طرف دیکھ جو اللہ نے تجھ سے پھیر لی ہے اور تجھے اس سے محروم کر دیا ہے۔ (ثم یفرج له فرجة الی النار فینظر الیها یحطم بعضها بعضا) پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک شگاف کر دیا جاتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے کہ اس کا بعض بعض کو توڑ رہا ہے۔ (فیقال له هذا مقعدك) اور اسے کہا جاتا ہے یہ ہے تیری نشستگاہ (علی الشك كنت) تو دنیا میں شک میں مبتلا رہا۔ (وعلیه مت) اور شک کی حالت میں ہی مرا۔ (وعلیه تبعث ان شاء الله تعالٰی) اور ان شاء اللہ تعالٰی شک کی حالت میں ہی قیامت کے دن اٹھے گا۔

کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کا باب

صراح میں ہے اعتصام بمعنی پنجہ گاڑھنا اور مضبوطی سے تھامنا۔ کتاب وسنت سے اعتصام کا معنی ہے کتاب وسنت کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ اور جو کچھ اس میں آیا ہے اس پر عمل کرنا۔ اور بدعت اور اہل ہوا کے مذاہب سے دور رہنا۔ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ سنت بمعنی سیرت اور وہ طریقہ جس پہ دین میں لوگ چلتے ہیں۔ سنت سے وہ امور بھی مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیے بغیر اس کے کہ وہ واجب یا ضروری ہوں۔ یہاں سنت سے اوامر ونواہی مراد ہیں جو کتاب اللہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمائے۔ کتاب اللہ کے اوامر ونواہی مراد نہیں ہیں کہ ان کا کتاب کی صورت میں یہاں الگ ذکر موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۳۲۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے نئی بات پیدا کی ہمارے دین میں جو اس میں سے نہ ہو تو وہ باطل و مردود ہے۔

شرح: (عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من احدث فی امرنا ھذا) جس شخص نے نکالی ہمارے اس دین میں جو روشن و ظاہر ہے۔ (ما لیس منہ) ایسی چیز جو اس میں سے نہ ہو۔ یعنی ایسی نئی بات نکالی جو کتاب وسنت میں نہ تو صراحۃ مذکور ہو۔ اور نہ ہی قواعد استنباط سے اخذ کی گئی ہو۔ اور نہ ہی کتاب نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہو۔ ہمارے اس معنی کے مطابق فی امرنا ہذا میں اجماع اور قیاس بھی داخل ہو گیا۔ غرض یہ کہ ایسی چیز مراد ہے جو کتاب وسنت کے خلاف اور اسے تبدیل کرنے والی ہو۔ (فھو رد) تو وہ چیز یا ایسی بات نکالنے والا شخص باطل و مردود ہے۔

۱۳۳۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَخَیْرَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَکُلُّ [illegible]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعد حمد وصلوۃ بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اور بدترین امور وہ [illegible]

(رواہ مسلم)　　اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرح:۔ (وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی خطبہ میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔ (اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ) بہترین کلام اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ (وخیر الھدی ھدی محمد) اور تمام طریقوں اور سیرتوں میں سے بہترین سیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ (وشر الامور محدثاتھا) اور تمام چیزوں میں بدترین چیز وہ ہے جو دین میں نئی نکالی گئی ہو جسے بدعت کہتے ہیں۔ (وکل بدعۃ ضلالۃ) اور ہر بدعت گمراہی کا سبب ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا بدعت کہلاتا ہے۔ پھر اس میں سے جو کچھ اصول کے موافق اور قواعد سنت کے مطابق ہو۔ اور کتاب وسنت پر قیاس کیا گیا ہو "بدعت حسنہ" کہلاتا ہے۔ اور جو ان اصول و قواعد کے خلاف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں۔ اور کل بدعۃ ضلالۃ کا کلیہ اس دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو بدعات حسنہ ہیں ان میں سے بعض کا اختیار کرنا واجب و ضروری ہے۔ جیسے علم صرف و نحو کا سیکھنا سکھانا کہ اسی کے ذریعے آیات و احادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کے غرائب اور مشکل مقامات کا حفظ اور ذہن نشین کرنا، اور دوسری بہت سی چیزیں اور علوم جن پر دین و ملت کی حفاظت موقوف ہے۔ اور کچھ بدعات حسنہ مستحسن و مستحب ہیں۔ جیسے سرائیں اور دینی مدارس تعمیر کرنا۔ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے بعض علماء کے نزدیک مسجدوں اور قرآن مجید کی جلدوں اور غلافوں وغیرہ کی نمائش و آرائش اور ان کا نقش و نگار۔ بعض بدعات مباح ہیں جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کی فراوانی اور لباس فاخرہ زیب تن کرنا بشرطیکہ یہ چیزیں حلال و جائز ذرائع سے حاصل ہوئی ہوں۔ تکبر اور ایک دوسرے پر فخر کا باعث نہ بن رہی ہوں۔ اسی طرح بعض اور چیزیں بھی مباح ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں۔ جیسے آٹے کو چھلنی سے چھاننا وغیرہ۔ اور بعض بدعات حرام ہیں جیسے اہل بدعت و ہوا کے مذاہب باطلہ جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔

اور جو جو نئی باتیں خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اختیار کیں وہ اگرچہ اس اعتبار سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں بدعت کہلائیں گی۔ تاہم وہ بدعت ضلالۃ نہیں ہیں بلکہ بدعت حسنہ ہوں گی　بدعت بھی نہیں در حقیقت سنت میں داخل ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ" کو مضبوطی سے پکڑے رہو رضی اللہ عنہم۔

۱۴۴- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ. (رواہ البخاری)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں ایک حرم کعبہ میں الحاد پھیلانے والا۔ دوسرا اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کے خون ناحق کا طالب ہوتا کہ اس کا خون بہادے۔

شرح: (وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل اسلام کے گروہ میں سے تین آدمی اللہ کے دشمن ہیں۔ (ملحد فی الحرم) پہلا وہ آدمی جو حرم کی زمین میں الحاد پھیلانے والا ہو۔ لغت میں الحاد کا معنی کسی جانب مڑنے اور پھرنے کا آتا ہے۔ اسی معنی کے مطابق قبر کے اس گڑھے کو لحد کہتے ہیں جو ایک جانب بنایا جاتا ہے۔ اور شرع میں حق سے باطل کی جانب مڑنے اور پھرنے کو الحاد کہتے ہیں۔ اور حرم میں الحاد یہ ہے کہ ان امور کا ارتکاب کیا جائے جو ممنوع اور حرام ہیں۔ جیسے کسی کو قتل کرنا کسی سے لڑائی کرنا۔ حدود حرم میں شکار کرنا۔ یا مطلقاً گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ کہ جس طرح اس زمین میں نیکی کا ثواب کئی گنا ہے معصیت و گناہ کا مرتکب ہونا بھی سخت ترین جرم ہے۔ کہ مقام قرب میں بے ادبی سخت تشنیع اور سخت قبیح ہے۔ اسی بنا پر آپ نے مکہ معظمہ میں رہائش کو مکروہ و ناپسندیدہ جانتے ہوئے کہ اس مکان شریف کی حرمت و عظمت کی نگہداشت ایک مشکل امر ہے، طائف میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

(ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ) دوسرا وہ شخص جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا ہو اور شعار جاہلیت کو چاہنے والا ہو۔ جیسے نوحہ کرنا، منہ نوچنا، مردہ پر کپڑے پھاڑنا۔ اور پرندوں سے بدفالی لینا وغیرہ۔ (ومطلب دم امرء بغیر حق) تیسرا وہ شخص جو کسی کے خون ناحق کا طلبگار ہو۔ (لیھریق دمہ) اس کی صرف یہ غرض ہو کہ اس کا خون بہادے۔ اور کوئی غرض و مقصد نہ ہو۔ اگرچہ قتل مطلقاً مذموم و ممنوع ہے۔ لیکن بغیر کسی وجہ کے کسی کے خون کے درپے ہونا نہایت مذموم اور سخت قبیح فعل ہے۔ گویا اس کا مقصد صرف اس معصیت و جرم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا چاہیئے کہ جب کسی کے قتل کا صرف ارادہ رکھنا اس قدر معصیت اور سخت مذموم امر ہے تو جو شخص قتل کا ارتکاب کرے اس کا حال اللہ کے ہاں کس قدر برا اور مذموم ہوگا۔

۱۳۵۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔

رواہ البخاری

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی مگر وہ شخص جس نے سرکشی اختیار کی لوگوں نے کہا کس نے سرکشی اختیار کی۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک اس نے سرکشی کی۔

شرح لمعات: (وعن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی (الا من ابی) مگر وہ جس نے سرکشی کی۔ (قیل و من ابی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کس نے سرکشی کی۔ یعنی سرکشی کرنے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں سرکشی کرنے اور نہ کرنے والے دونوں کا ذکر کیا تاکہ بات کی پوری وضاحت و تفسیر ہو جائے۔ (قال) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من اطاعنی دخل الجنۃ) جس نے میری فرمانبرداری کی یعنی کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑا جنت میں داخل ہوگا۔ (و من عصانی فقد ابی) اور جس نے میری نافرمانی کی اور بدعت کا راستہ اختیار کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی تو اس نے سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۱۳۶۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ. فَقَالُوْا مَثَلُهٗ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا وَجَعَلَ فِیْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند فرشتے آئے آپ اس وقت سو رہے تھے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے بیشک تمہارے اس ساتھی (نبی کریم علیہ السلام) کا عجیب قصہ اور حال ہے۔ تو اس کا قصہ اور حال بیان کرو۔ بعض فرشتوں نے کہا وہ تو سو رہے ہیں بعض نے کہا آنکھ سو رہی ہے مگر دل بیدار ہے تو انہوں نے کہا کہ ان کا قصہ اور حال اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک مکان تعمیر کیا پھر اس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا تو جس نے اس بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ اس مکان میں [illegible]

لَهٗ يُفَقِّهُهُمَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ

اس کی دعوت قبول نہ کی وہ نہ تو مکان میں داخل ہوگا اور نہ اس کھانے میں سے کچھ کھا سکے گا۔ پھر فرشتوں نے آپس میں کہا اس قصے کی حقیقت بیان کرو تاکہ وہ (نبی علیہ السلام) اسے سمجھ جائیں۔ بعض نے کہا وہ تو سو رہے ہیں اور بعض نے کہا صرف آنکھ سوتی ہے دل بیدار ہے تو انہوں نے اس قصے اور مثل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والے ہیں۔

(رواہ البخاری)

شرح:- (وعن جابر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال جاءت ملائکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ فرشتوں کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی (وھو نائم) درانحالیکہ آپ اس وقت سو رہے تھے۔ (فقالوا) فرشتوں نے آپس میں کہا (ان لصاحبکم مثلا) بیشک تمہارے دوست یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ذات کا عجیب قصہ اور عجیب حال ہے۔ فرشتوں کا حضور علیہ السلام کو اپنا صاحب کہنا اس بنا پر تھا کہ اس وقت ملائکہ آپ کے پاس تھے۔ (فاضربوا لہ) تو اس کے اس عجیب قصے کو ایک مثال کی صورت میں بیان کرو تاکہ وہ اسے جان لے اور امت کو اس سے آگاہ کرے۔ (قال بعضھم انہ نائم) کچھ فرشتوں نے کہا وہ اس وقت سو رہے ہیں بیان کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا یعنی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس پر (قال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان۔) بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے دل جاگتا ہے۔ آپ کا یہ حال ہر وقت رہتا تھا کہ نیند میں آپ کی آنکھیں بند ہوتی تھیں اور جو کچھ آنکھ سے دکھائی دیتا ہے وہ آپ نہ دیکھتے تھے۔ مگر آپ کا قلب شریف بیدار رہتا تھا۔ اور جو کچھ آپ کے متعلق ہوتا تھا اسے آپ سنتے تھے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آچکا ہے۔ تنام عینای ولا ینام قلبی میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (فقالوا) تو انہوں نے آپ کا عجیب قصہ اور عجیب حال بیان کرتے ہوئے کہا۔ (مثلہ کمثل رجل بنی دارا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ اور حال اس شخص کے حال و قصہ کے مشابہ ہے جس نے ایک مکان تعمیر کیا۔ (وجعل فیھا مادبۃ) اور اس میں کھانا

آراستہ کیا مَأْدُبَۃً بہمزہ وضم دال مہملہ وہ جو لوگوں کو ______ کھلاتے ہیں یہ لفظ فتح دال سے بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک حدیث میں القرآن مادبۃ اللہ قرآن اللہ کا کھانا ہے۔ (وبعث داعیا) اور اس شخص نے ایک بلانے والا بھیجا جو لوگوں کو اس کھانے کی طرف بلا کر لائے۔ (فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المادبۃ) تو جس جس نے اس کی دعوت قبول کی وہ اس مکان میں داخل ہوا اور اس کھانے میں سے بھی کھایا۔ (ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المادبۃ) اور جس نے اس دعوت کو مسترد کر دیا وہ اس مکان میں داخل نہ ہوا اور نہ اس کھانے میں سے نصیب ہوا۔ (فقالوا اولوھا لہ یفقھھا) پھر ملائکہ نے کہا اس قصہ اور مثل کی حقیقت اور مقصد بیان کرو تاکہ یہ سونے والا شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی مراد سمجھ جائے۔ (وقال بعضھم انہ نائم ...) اس مرتبہ بھی بعض نے کہا کہ آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ (وقال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظان) اور بعض نے کہا آنکھ نیند میں ہے اور دل بیدار ہے۔ (فقالوا) تو انہوں نے اس کی تاویل اور مطلب بیان کرتے ہوئے کہا (الدار الجنۃ) تعمیر کردہ مکان سے مراد جنت ہے۔ (والداعی محمد) لوگوں کو اس کھانے کی طرف بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جو کھانا تیار کیا گیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی گئی وہ جنت کی نعمتیں ہیں۔ ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہ فرمایا۔ اور جس مرد نے وہ مکان تعمیر کیا بے ادبی کے خیال سے اس کا ذکر بھی نہ کیا کہ مرد کا اطلاق حق تعالیٰ و تقدس پر اگرچہ تشبیہ کے طور پر ہی ہو، مناسب نہیں۔ (فمن اطاع محمدا) چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو بلاتے ہیں اس لیے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ (فقد اطاع اللہ) تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ (ومن عصی محمدا فقد عصی اللہ) اور جو انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (ومحمد) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فرق بین الناس) کافر و مومن اور نافرمان و فرمانبردار لوگوں کے درمیان فرق تمیز کرنے والے ہیں کہ جس نے آپ کی تصدیق کی صاحب ایمان ہو گیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی کافر ہو گیا۔ اور جس نے آپ کے فرمودات کے مطابق عمل کیا فرمانبردار کہلایا۔ اور جس نے اس کے مطابق عمل نہ کیا نافرمان بن گیا۔ فَرْق بفتح فا و سکون را بمعنی فارق فرق و تمیز کرنے والا۔ اور بعض محدثین نے یہ لفظ فَرَّقَ بہ تشدید را تفریق مصدر سے ماضی کا صیغہ بھی نقل کیا ہے۔

اور تورات میں مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ میں سے ایک اسم مبارک فارقلیط ہے۔ بعض

حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوفاء باخبار المصطفٰی میں ذکر کیا کہ ابن قتیبہ نے روایت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریین سے کہا میں جا رہا ہوں میرے بعد ایک فارقلیط تشریف لا رہا ہے۔ جو حق کی روح ہوگی وہ اپنے پاس سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ صرف وہی بات زبان سے نکالے گا جس کی اُسے وحی ہوگی۔ وہ میرے صادق ہونے کی گواہی دے گا۔ اور جو کچھ اللہ تعالٰی نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے اس سے تمہیں آگاہ کرے گا۔ اور یوحنا کی حکایت میں جو حواریین میں سے ایک تھا، آیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا فارقلیط تم میں اس وقت تک تشریف نہ لائے گا جب تک میں تم میں سے نہ جاؤں۔ اور جب وہ تشریف لائے گا تو لوگوں کو گناہوں پر ڈانٹ ڈپٹ کرے گا۔ اور اپنے پاس سے کچھ نہ کہے گا۔ اور تمہیں حقانی سنت کے مطابق چلائے گا اور تمہیں ان واقعات و حوادث اور غیب کی باتوں سے آگاہ کرے گا جو تمہیں پیش آنے والی ہوں گی اور تمہارے راز تم پر منکشف کرے گا۔ اور تمہارے سامنے ہر چیز بیان کرے گا۔ اور وہ میری صداقت کی گواہی دے گا۔ جس طرح میں اس کی صداقت کی گواہی دے رہا ہوں۔ اور میں تمہارے سامنے مثالیں بیان کرتا ہوں۔ وہ آکر ان کی تاویل و تفسیر بتائے گا۔ رواہ البخاری۔

۱۴۷- وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ ثَلَاثَۃُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا کَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰهِ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا تین آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آپ کی عبادت کے بارے میں پوچھنے آئے جب انہیں اس کے متعلق بتایا گیا تو گویا انہوں نے اسے کم خیال کیا۔ پھر انہوں نے کہا حضور علیہ السلام کے سامنے ہم کیا چیز ہیں۔ اللہ تعالٰی نے آپ کی اگلی پچھلی تمام فروگذاشتوں کو معاف کر دیا ہوا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات کو نماز ہی پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا۔ کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا۔ ان سے نکاح نہ کروں گا۔ پھر حضور علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں آگاہ رہو قسم بخدا میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر

اِنِّی لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقٰکُمْ لَهٗ وَلٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

(متفق علیہ)

پرہیزگار ہوں مگر میں روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

شرح: (عن انس قال جاء ثلاثة رهط الی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تین شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے۔ (یسألون عن عبادة النبی صلی الله علیه وسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے کہ اس کی مقدار کیا تھی۔ (فلما اخبروا بها) جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق بتایا گیا اور ازواج مطہرات علیہن الرضوان نے اس کی مقدار بیان کی کہ یہ تھی (کانهم تقالوها) تو ان تین اشخاص نے حضور کی عبادت کو گویا کم خیال کیا۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کا مرتبہ بزرگ تر اور بلند تر ہے تو آپ کی عبادت و طاعت بھی بہت زیادہ ہوگی تاہم انہوں نے ادب کا راستہ اختیار کرتے ہوئے آپ کی طرف کسی قسم کی کوتاہی کی نسبت نہ کی۔ (فقالوا) بلکہ یوں کہا (این نحن من النبی صلی الله علیه وسلم) ہماری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت اگر آپ کی مقدار عبادت کم ہے تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ (وقد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تاخر) کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کی اگلی پچھلی تمام فروگذاشتیں معاف کر دی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ اگر کم عبادت بھی کریں تو آپ کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ اس کے برعکس ہم لوگ اس امر کے محتاج ہیں کہ ہمارے گناہوں کی مغفرت ہو۔ لیکن ان بزرگ صحابہ نے یہ نہ جانا اور اس پہلو پر اچھی طرح غور نہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی عبادت ہر زیادہ سے زیادہ عبادت سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حضور کو کمال معرفت اور عبادت میں پوری طرح حضور قلب اور درجہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ نیز حضور کے کم عبادت بجا لانے میں امت کے حق میں وفور رحمت اور اس پر کمال شفقت ہے۔ اور اس میں نفس اور اہل و عیال کے حقوق کی رعایت اور تعلیم موجود ہے۔ پھر اس میں مسلک اعتدال پر استقامت اور عمل پر مداومت پائی جاتی ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کی کثرت اور افراط اس عمل میں فتور اور سستی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور دقت و ملال کا موجب بن جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غفران ذنوب کا ذکر جو آیا ہے۔ تو اس کی توجیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے بہترین قول یہ ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید عزت افزائی کے لیے وارد ہوا ہے بغیر اس کے کہ آپ سے

کوئی گناہ سرزد ہوا ہو۔ جیسے آقا اپنے غلام سے کہتا ہے میں نے تیرے تمام گناہ بخش دیے تو فارغ البال اور خوش رہ۔ اور کسی قسم کا فکر و اندیشہ نہ کر اگرچہ اس غلام سے کوئی غلطی اور گناہ صادر نہ ہوا ہو۔ اور مشہور تو جیہہ یہ ہے کہ حَسَنَاتُ الابرار سیئاتُ المُقَرَّبِیْن (ابرار کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں) یعنی درجہ ابرار میں جو اعمال نیکی کہلاتے ہیں۔ درجہ مقربین میں ان کے بلند درجہ کے باعث گناہ اور برائی منصور ہوتے ہیں۔

(فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا) تو ان تین اشخاص میں سے ایک نے کہا میں نے عہد کر لیا ہے کہ ہمیشہ پوری رات عبادت میں گزارا کروں گا۔ (وقال الاخر انا اصوم النھار ابدا) دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ (ولا افطر) اور کبھی افطار نہ کروں گا (وقال الاخر انا اعتزل النساء) تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔ (فلا اتزوج ابدا) کبھی ان سے نکاح نہ کروں گا۔ اگر یہ شخص اب تک مجرد تھا اور کسی عورت سے نکاح نہ کیا تھا تو عبارت کا مطلب ظاہر ہے۔ اور اگر اس کی عورت موجود تھی تو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ (فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں حضرات کے پاس تشریف لائے اور فرمایا (انتم الذین قلتم کذا وکذا) تم وہ ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ (اما واللہ انی لاخشاکم للہ) آگاہ رہو بیشک میں تم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (واتقاکم لہ) اور تم سب سے بڑھ کر اس کے لیے تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔ (ولکنی اصوم وافطر) لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ یعنی کبھی روزے رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا۔ (واصلی وارقد) اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ (واتزوج النساء) اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور ان سے مجامعت بھی کرتا ہوں۔ (فمن رغب عن سنتی فلیس منی) تو جو شخص میری سنت اور میرے طریقے سے اعراض کرتا ہے وہ میرے پیروکاروں میں سے نہیں ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهٗ

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا جس میں نرمی کر دی تو کچھ لوگوں نے اس رخصت اور نرمی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ان لوگوں کی یہ بات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام سے کنارہ کشی کرتے ہیں جو میں نے کیا اور میں نے اس کا حکم

فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُھُمْ بِاللّٰہِ وَاَشَدُّھُمْ لَہٗ خَشْیَۃً ۔ متفق علیہ۔

دیا۔ خدا کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور مجھے ان سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا خوف و ڈر ہے۔

شرح :۔ (وعن عائشۃ قالت صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فرخص فیہ) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا پھر اس میں رخصت اور نرمی اور آسانی کر دی، یعنی رخصت پر عمل کیا یا امت کو رخصت پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ لغت میں رخصت کا معنی ہے کسی کام میں آسانی اور فراخی پیدا کرنا اور ترخیص کا معنی ہے رخصت دینا اور آسانی کرنا (فتنزہ عنہ قوم) تو کچھ لوگوں نے اس سے دوری اختیار کی۔ یعنی رخصت پر عمل کرنے کو پسند نہ کیا۔ (فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی۔ (فخطب و حمد اللہ ثم قال) تو آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا (ما بال اقوام یتنزھون عن الشیء اصنعہ) ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام کو پسند نہیں کرتے جسے میں کرتا ہوں اور میں اس کا حکم دیتا ہوں۔ (فواللہ انی لاعلمھم باللہ) قسم بخدا میں ان سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتا ہوں۔ (واشدھم لہ خشیۃ) اور ان سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ یعنی کمال تقویٰ اور خوف و ڈر کے باوجود رخصت پر عمل کرتا ہوں یہ لوگ کیا اور کون ہیں جو اس پر عمل کرنے کو ناپسند جانتے ہیں۔

رخصت پر عمل کرنا درحقیقت بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے نفس کیلئے آسانی اپنے عاجز و بے بس ہونے کا اظہار اور تخفیف کے مشاہدے اور خدا تعالیٰ کے رخصت دینے کو نگاہ میں رکھتے ہوئے رخصت پر جو عمل ہوتا ہے وہ عزیمت کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے خدا تعالیٰ رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

۱۳۹۔ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا کُنَّا نَصْنَعُہٗ قَالَ لَعَلَّکُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا کَانَ خَیْرًا فَتَرَکُوْہُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَکَرُوْا ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کھجوروں کو پیوند کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا تم لوگ یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم لوگ یہ کام عرصہ سے کرتے چلے آ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم یہ کام نہ کرتے تو شاید بہتر ہوتا تو لوگوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا (اتفاق ایسا ہوا کہ) اس سال کھجوروں نے پھل کم دیا۔

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔

راوی کہتا ہے لوگوں نے اس کمی کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس پر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک بشر ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اسے لے لیا کرو۔ اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں (اس میں تم میرے حکم کی تعمیل کے پابند نہیں ہو)۔

(رواہ مسلم)

شرح: (رافع بن خدیج) بزرگ صحابی ہیں۔ انصاری ہیں صغر سنی کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ غزوہ احد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ایک جنگ میں دشمن کے تیر سے زخمی ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا آپ کا یہ زخم ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں پھٹ گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

یہ رافع بن خدیج راوی ہیں کہ (قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (وھم یابرون النخل) ان دنوں اہل مدینہ کھجور کو پیوند اور اس کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ دراصل اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ لوگ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور کی شاخ سے لگاتے تھے۔ جس سے باذن خداوندی مادہ کھجور گویا حاملہ ہو جاتی تھی یابُرُوْن بفتح یا و سکون ہمزہ اور کسرہ و ضمہ یا بروایت دیگر یُابَرُّوْنَ بضم یا فتح ہمزہ و کسر بآء مشددہ۔ (فقال) تو آپ نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا۔ (ما تصنعون) تم لوگ یہ عمل کس لیے کرتے ہو۔ (قالوا کنا نصنعہ) لوگوں نے کہا ہم زمانہ قدیم سے ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں ایسا کرنا ہماری عادت بن چکی ہے۔ اور یہ عمل درخت کو پھلدار کر دیتا ہے۔ (قال) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا) اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو شاید زیادہ بہتر ہو جب کہ یہ زمانہ جاہلیت کا عمل ہے اور ظاہراً اس کی کوئی تاثیر بھی نہیں۔ تو اس کا نہ کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ (فترکوہ) لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ (فنقصت) اتفاق سے درخت خرمانے اس سال پھل کم دیا یا اس کا پھل کم ہو گیا۔ (قال) راوی کہتا ہے۔ (فذکروا ذلک) لوگوں نے یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ (فقال) آپ نے فرمایا (انما انا بشر) میں تو صرف ایک بشر ہوں۔ (اذا امرتکم بشیء من امر دینکم) جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں (فخذوہ)

تو اسے لے لو۔ اور اس پر کاربند ہو جاؤ۔ (واذا امرتکم بشیء من رائی) اور جب میں تمہیں اپنی رائے اور اجتہاد سے کوئی کام کہوں (فانما انا بشر) تو سوائے اس کے نہیں میں تو ایک بشر ہوں۔ شاید خطا کر جاؤں۔ احمد کی روایت میں صریحا ایسا آیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بغیر ہی محض اپنے اجتہاد سے لوگوں کو اس بنا پر اس عمل سے منع فرمایا کہ یہ امور جاہلیت اور اس کی عادات میں سے ایک عمل ہے اور گہرائی میں جانے کے بغیر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس عمل کی پھل زیادہ یا کم ہونے میں تاثیر کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ یا یہ امر ذہن مبارک میں لائے بغیر کہ یہ عمل عادت الٰہی کے مطابق پھل زیادہ ہونے میں اثر رکھتا ہے، آپ نے انہیں منع فرمایا مگر جزم و یقین سے ممانعت نہ فرمائی۔ بلکہ یوں فرمایا کہ اگر پیوند نہ کرو تو بہتر ہو۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کے دنیوی امور کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ اور نہ اس سے کوئی غرض متعلق تھی کہ اس عمل کے کرنے اور نہ کرنے سے دنیوی اور اُخروی سعادت وابستہ نہ تھی۔ آپ تو دینی امور کے بیان کا اہتمام فرمانے تشریف لائے تھے۔ تو جب آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق یہ عمل تاثیر رکھتا ہے۔ مگر اس بارے میں ممانعت بھی وارد نہیں ہے تو آپ نے سکوت فرمایا اور چشم پوشی اختیار کی یہی معنی ہے اس جملے کا جو اس واقعے سے متعلق بعض روایات میں آیا ہے۔ (انتم اعلم بامور دنیاکم تم لوگ اپنے دنیا کے امور بہتر جانتے ہو۔) یعنی مجھے اس عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ اور اس طرف میری کوئی توجہ اور التفات نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف پیوند کرنے والے انصار مدینہ سے معاذ اللہ کم تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے دنیوی و اخروی ہر کام کا زیادہ علم[1] رکھتے تھے۔

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی وسعت علم کے پیش نظر اس واقعے سے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جلد اول صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں:۔

ومن معجزاته الباهرة ای البينة الظاهرة	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
ما جمعه الله له من المعارف ای الجزئية	آپ کے لیے معارف جزئیہ اور علوم کلیہ اور مدرکات ظنیہ اور یقینیہ اور
والعلوم ای الكلية والمدركات الظنية	اسرار باطنہ و انوار ظاہرہ جمع کر دیے اور آپ کو دنیا و دین کی تمام مصلحتوں
واليقينية والاسرار الباطنة والانوار	پر اطلاع دے کر خاص فرمایا۔ اس پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ
الظاهرة وخصه من الاطلاع على جميع مصالح الدنيا	حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ انصار تلقیح نخل کر رہے تھے یعنی نر کھجور کی کلی

۱۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ

والدین ای مایتم بہ اصلاح الامور الدنیویۃ والاخرویۃ واستشکل بانہ صلی اللہ علیہ وسلم وجد الانصار یلقحون النخل فقال لو ترکتموہ فترکوہ فلم یخرج شیئا او خرج شیصا فقال انتم اعلم بامور دنیاکم واجیب بانہ کان ظنا منہ لا وحیا وقال الشیخ سیدی محمد السنوسی اراد ان یحملہم علی خرق العوائد فی ذلک الی باب التوکل واما ہناک فلم یمتثلوا فقال انتم اعرف بدنیاکم ولو امتثلوا وتحملوا فی سنۃ او سنتین لکفوا امر ہذہ المحنۃ۔

مادہ کی کلی میں رکھتے تھے تاکہ وہ حاملہ ہو اور پھل زیادہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو شاید بہتر ہوتا لوگوں نے چھوڑ دیا تو پھل نہ آئے یا کم اور خراب آئے تو آپ نے فرمایا تم اپنے دنیوی کاموں کو خوب جانتے ہو۔ اس اشکال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گمان فرمایا تھا اور کوئی وحی اس بارے میں نہ ہوئی تھی حضرت شیخ محمد السنوسی نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرق و خلاف عادت کام پہ آمادہ کرنے اور باب توکل کی پہنچان کا ارادہ کیا تھا انہوں نے اطاعت نہ کی اور جلدی کی تو حضور نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خود ہی جانو سو اگر یہ لوگ سال دو سال آپ کی بات مان لیتے اور تلقیح نہ کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے تو انہیں تلقیح کی محنت نہ اٹھانی پڑتی۔

یہی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا کی جلد ثانی ص ۳۲۵ میں فرماتے ہیں۔

وعندی انہ علیہ السلام طابق ذلک الظن ولو ثبتوا علی کلامہ لفاقوا فی الفن ولارتفع عنہم کلفۃ المعالجۃ فانما وقع المتغیر بحسب جریان العادۃ الا تری ان من تعود باکل شیء او شربہ یتفقدہ واذا لم یجدہ یتغیر من حالہ فلو صبروا علی نقصان سنۃ او سنتین لرجع النخل الی حالہ الاول وربما کان یزید علی قدر المعول و فی القصۃ اشارۃ الی التوکل وعدم المبالغۃ فی الاسباب وغفل عنہ ارباب المعالجۃ

اور میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گمان میں درست اور صحیح تھے اور اگر یہ لوگ آپ کے ارشاد پر ثابت قدم رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے اس عمل کی مشقت رفع ہو جاتی۔ اور پھل میں کمی کا تغیر عادت جاریہ کے مطابق ہوا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص ایک چیز کھانے یا پینے کا عادی ہوتا ہے وہ اسی کی تلاش کرتا ہے۔ اور جب اسے وہ چیز میسر نہیں آتی تو اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اگر یہ لوگ صبر سے کام لیتے اور ایک دو سال نقصان برداشت کرتے تو کھجور کا پھل اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتا بلکہ ممکن ہے پہلے سے مقدار میں بڑھ جاتا۔ اس واقعہ میں توکل اختیار کرنے اور اسباب اختیار

بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَاِنِّيْ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِيْ وَكَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ۔

(متفق علیہ)

میری اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی کیفیت و حالت اس شخص کی کیفیت و حالت کی طرح ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے اپنی دونوں آنکھوں کے ساتھ ایک لشکر دیکھا ہے (دشمن کا جو تم پر حملہ کرنے والا ہے) اور بیشک میں یقینی سے اور واضح طور پر تمہیں ڈرانے آیا ہوں۔ تو جلدی کرو جلدی کرو اپنے بچاؤ کے لیے (اس سے یہ خبر سن کر قوم کے ایک گروہ نے تو اس کی اطاعت کی اور وہ اطمینان اور آرام کے ساتھ اسی وقت رات کو ہی چل پڑے۔ تو اس لشکر سے نجات پا گئے۔ اور دوسرے گروہ نے اس کی خبر کو جھوٹا قرار دیا اور اپنے گھروں میں ہی ٹکے رہے یہاں تک کہ اس لشکر نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کیا اور ہلاک کر دیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ بالکل یہی کیفیت و نوعیت اس شخص کی ہے جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس کی اتباع کی اور ایسی ہی کیفیت اس کی ہے جس نے میری نافرمانی کی۔ اور جو حق لے کر میں آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

شرح:- (وعن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ) اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میرا قصہ اور حال اور اس کا قصہ و حال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے یعنی دین و شریعت اور ایمان و طاعت اختیار نہ کرنے کی صورت میں میں نے جو عذاب (دنیوی) و اُخروی کے بارے میں خبر سنا دی ہیں۔ (کمثل رجل اتی قوما فقال)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

من الاصحاب واللہ اعلم بالصواب۔ میں مبالغہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ کرام میں سے اشتباہ اختیار کرنے والے اسی نکتہ سے غافل تھے۔

علماء کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف اس بارے میں کامل و مکمل تھا۔ بعض لوگ اس حدیث سے جو حضور علیہ السلام کے علم کی نفی کرتے ہیں ان کا موقف درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مترجم عفی عنہ

اس آدمی کے حال اور قصے کی طرح ہے جو قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا یا قوم (فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی) اے میری قوم میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے (وانا النذیر العریان) اور بیشک میں تمہیں برہنہ ڈرانے والا ہوں۔ اس کلمے کا معنی یہ ہے کہ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ لوٹ مار کے لیے کسی لشکر کو آتا دیکھتے تو برہنہ ہو جاتے۔ اور کپڑا ہاتھ میں پکڑ کر اسے بلند کرتے اور اپنے سر کے گرد گھماتے۔ اور اپنی قوم کے پاس آتے اور انہیں اس کی اطلاع دیتے کہ لوٹ مار کے لیے ایک لشکر آ رہا ہے۔ اور وہ شخص جسے دشمن کی اطلاع کے لیے کسی جگہ مقرر کرتے جب وہ دشمن کو دیکھتا اپنے کپڑے بدن سے اتار لیتا اور اسے بلند کرتا اس طرح اسے برہنہ ہونا پڑتا۔ اس کے بعد یہ لفظ ناگہانی کام کے لیے جو خوف و ڈر سے لبریز ہو اور اس میں شک و شبہ نہ ہو کے لیے بطور مثل و محاورہ استعمال ہونے لگا۔ یہ دونوں معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے اور انذار میں علی وجہ الکمال والتمام ظاہر و نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، کیونکہ آپ نے جملہ امور کے متعلق جس قدر خبریں دی ہیں اس میں سچے ہیں نیز عذاب سے متعلق آپ نے جو خبریں دی ہیں وہ بھی کمالِ خوف و ڈر پر مشتمل ہیں۔

(فالنجاء النجاء) یہ لفظ مد اور قصر دونوں طرح آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں جلدی کرو جلدی کرو اور بھاگو تاکہ قتل و غارت سے نجات پاؤ۔ (فادلجوا) تو وہ رات کے وقت ہی چل پڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادلجوا کو بفتح ہمزہ و سکون دال اور بکسر ہمزہ و تشدید دال دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلے اعراب کے مطابق اس کا معنی ہوگا رات کے پہلے حصے سے کر آخری حصے تک چلتے رہنا۔ دوسرے اعراب کے مطابق اس کا معنی رات کے آخری حصے میں سفر کرنے کا آتا ہے۔ پہلی روایت میں زیادہ بلاغت اور زیادہ تاکید پائی جاتی ہے۔ (فانطلقوا علی مهلهم) تو وہ آہستگی، نرمی اور آرام سے چل پڑے۔ مهلهم فتح میم و ہا اور سکونِ ہا دونوں طرح آیا ہے۔ علامہ طیبی نے نووی سے کتاب مسلم میں علی مهلتهم بضم میم و سکون ہا اور لام کے بعد تا کی شکل میں بھی روایت کیا ہے۔ (فنجوا) تو وہ نجات پا گئے اور سلامتی اور حفاظت سے چلے گئے۔ (وکذبت طائفة منهم) اور اس کی قوم میں سے ایک گروہ نے مرد کی اس خبر کی تکذیب کی۔ اور اس کی خبر کا کوئی اعتبار نہ کیا۔ (فاصبحوا مکانهم) تو وہ صبح تک اپنی جگہ ہی ٹھہرے رہے۔ اور بھاگ کر کسی محفوظ جگہ نہ گئے۔ (فصبحهم الجیش) تو لوٹ مار کرنے والا لشکر صبح ہوتے ہی ان کے سروں پر آ پہنچا۔ (فاهلکهم واجتاحهم) اور اس لشکر نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں لوٹ لیا اور بیخ و بن سے انہیں اکھیڑ کر رکھ دیا۔ (فذلك مثل من اطاعنی) بالکل یہی قصہ اور حال اس شخص کا ہے جس نے میری فرمانبرداری کی اور میری خبر کو سچا جانا۔ (فاتبع ما جئت به) تو جو دین و شریعت میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی اختیار کی (ومثل من عصانی وکذب

ما جئت بہ من الحق) اور اس شخص کا حال اور قصہ ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی اور جھوٹ جانا۔

۱۴۱۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَھَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْھَا وَجَعَلَ یَحْجُزُھُنَّ وَیَغْلِبْنَہٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْھَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا ھٰذِہٖ رِوَایَۃُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُھَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِھَا قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ وَتَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا۔ (متفق علیہ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی جب اس آگ سے اردگرد روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ اڑنے والے جانور کیڑے مکوڑے کہ آگ میں گرنا ان کی عادت ہے۔ آگ میں گرنا شروع ہو گئے۔ اور اس شخص نے انہیں روکنا شروع کر دیا لیکن یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس میں گرنے سے باز نہ آئے۔ اور اس روکنے والے مرد سے قابو سے باہر نکل گئے تو ہجوم کی صورت میں اس کے اندر گرتے ہیں۔ تو میں جائے ازار بند سے پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں۔ مگر تم لوگ ہجوم کرتے ہو اور بے تحاشا اس میں گرتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ اور مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ مگر اس نے اس کے آخر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تمہیں تمہاری جائے ازار بند سے پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں۔ اور تمہیں بار بار کہتا ہوں کہ اے لوگو آگ کی طرف جانے کے بجائے میری طرف آؤ میری طرف آؤ۔ لیکن تم لوگ مجھ پر غالب آتے اور آگ میں ہی گرتے ہو۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی (فلما اضاءت ما حولھا) جب آگ کی روشنی اردگرد پھیل گئی یا آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا۔ یا وہ جگہیں روشن ہو گئیں جو آگ کے آس پاس ہیں بخاری کی روایت میں حولھا کے بجائے حولہ کا لفظ ہے۔ اس صورت میں ضمیر مذکر مرد کی طرف لوٹے گی۔ (جعل الفراش وھذہ الدواب التی تقع فی النار) تو پروانوں اور ان جانوروں (کیڑوں مکوڑوں) نے جن کی عادت آگ میں گرنا ہے۔ (یقعن

فیھا) اس میں گرنا شروع کر دیا جسے اس مرد نے روشن کیا تھا۔ (وجعل یحجزھن) اور وہ مرد کھڑا ہو کر انہیں روکتا اور آگ میں گرنے سے انہیں منع کرتا ہے۔ (ویغلبنہ) مگر وہ پروانے اور جانور اس پہ غالب آتے اور اس میں گرنے سے باز نہیں آتے۔ (فیتقحمن فیھا) بفتح یا و تا و قاف اور حائے مشددہ یعنی انبوہ در انبوہ اور ہجوم کر کے اس میں گرتے ہیں۔ (فانتم تقحمون فیھا) اور تم لوگ انبوہ در انبوہ اور ہجوم کی صورت میں اس آگ کے اندر ہلاکت سے بے خطر و اندیشہ گر گر پڑتے ہو۔ (فانا اخذ بحجزکم عن النار) تو میں تمہاری جائے ازار بند یعنی کمر سے پکڑ کر تمہیں آتش دوزخ سے روکتا ہوں (وانتم تقحمون فیھا) مگر تم لوگ اس میں انبوہ اور ہجوم کی صورت میں اس کے اندر گرتے ہو۔ حجز بضم حا و فتح جیم و سکون جیم آخر میں زا۔ جمع حجزۃ بضم حا و سکون جیم ازار بند باندھنے کی جگہ (کمر) یہ حجز سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ اور یہ پوری شدت کے ساتھ روکنے سے کنایہ ہے۔ کہ جو شخص کسی کو حرکت سے روکنا چاہتا ہے۔ تو وہ بھی جگہ پیچھے سے پکڑتا اور اس کے کپڑے کو ہاتھ ڈالتا ہے۔ خصوصاً جب ازار بند کی گرہ پکڑے تو حرکت کرنے اور اچھلنے کی طاقت ازار بند اور شرمگاہ کے برہنہ ہونے کے خطرہ کے تحت حرکت کرنے اور اچھلنے کی مجال نہیں رہتی۔ (ھذہ روایۃ البخاری) یہ بخاری کی روایت ہے۔ (ولمسلم نحوھا) اور مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے مگر بعض الفاظ میں اختلاف ہے۔ (وقال فی اخرھا) اور مسلم نے روایت کے آخر میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ (قال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فذلک مثلی ومثلکم) یہ مذکورہ حال میرا اور تمہارا حال ہے کہ حدود الٰہی سے جو حرام اور ممنوع امور پر مشتمل ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا اور دور رہنا چاہیئے میں یہ حدود اور محارم و نواہی پوری وضاحت سے بیان کر چکا ہوں۔ جیسے کوئی شخص آگ جلائے اور تم اس میں گرنا شروع کر دو تو تمہیں اس میں گرنے سے روکتا ہو۔ جیسا کہ فرمایا۔ (فانا اخذ بحجزکم عن النار) میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے روکتا ہوں۔ اور تمہیں بار بار کہتا ہوں۔ (ھلم عن النار ھلم عن النار) آگ میں گرنے کے بجائے میری طرف آؤ اور آگ سے دور ہٹو۔ (فتغلبونی) تو تم لوگ میرے قابو سے باہر نکلتے ہو۔ (وتقحمون فیھا) اور بے تحاشا اس میں گرتے ہو۔ تغلبونی تشدید اور تخفیف نون دونوں طرح درست ہے جیسا کہ قاعدہ نحو میں مذکور ہے۔ لیکن یہاں حدیث میں تشدید نون کے ساتھ ہے۔

۱۴۲۔ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی سی ہے۔ جو زمین کو پہنچی اس میں سے ایک حصہ اچھا اور زرخیز تھا اس قطعہ زمین نے اپنے

طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى۔ اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ (متفق علیہ)

اندر بارش کا پانی جذب کر لیا اور خوب گھاس اگائی۔ اس زمین میں سے کچھ حصہ سخت تھا کہ اس نے اپنے اوپر پانی جمع کر لیا۔ تو اللہ نے اس زمین سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا کہ انہوں نے اس سے پانی پیا۔ کھیتوں کو سیراب کیا اور زراعت کی۔ اور وہ بارش ایک ایسی زمین پر بھی برسی جو ہموار اور فراخ تھی (ریگستانی صحرا تھی) جو نہ تو پانی کو روکتی ہے اور نہ ہی گھاس اگاتی ہے اسی طرح وہ شخص ہے جو اللہ کے دین کا فقیہ بنا اور اللہ نے اس سے نفع جو اس نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس نے خود علم حاصل کیا پھر دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کا حال ہے جس نے اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو میں لے کر آیا ہوں۔

شرح: (وعن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدیٰ والعلم) اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس کی مثال (کمثل الغیث الکثیر) موسلا دھار بارش کی ہے۔ (اصاب ارضا) جو زمین پر برسی۔ (فکانت منھا طائفۃ طیبۃ) اس زمین میں سے ایک قطعہ بڑا عمدہ پاک وطیب اور زرخیز تھا جو خوب فصل اگاتا ہے۔ طیب خبیث کی ضد ہے بمعنی بنجر۔ طائفۃ طیبۃ روایت میں مرفوع ہے۔ (کانت کا اسم ہونے کی بنا پر)۔ (قبلت الماء) اس قطعہ زمین نے پانی کو قبول کیا اور اپنے اندر جذب کر لیا۔ (فانبتت الکلاء والعشب الکثیر) تو اس نے بہت گھاس اور چارہ اگایا کلاء ہمزہ مقصورہ کے ساتھ بروزن ملاء تر یا خشک گھاس۔ بعض کلاء کو خشک گھاس سے مخصوص کرتے ہیں اور عُشب بضم عین اور سکونِ شین تر گھاس سے خاص کرتے ہیں (وکانت منھا اجادب) اور اس زمین میں سے کچھ قطعے سخت تھے جو پانی کو محفوظ کر سکتے ہیں جذب نہیں کر سکتے۔ اور نہ کچھ اگاتے ہیں اجادب جیم اور دال مہملہ کے ساتھ جمع جَدَبٌ روایت کے اعتبار سے بھی یہی صحیح ہے۔ اور اصول کے نسخوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم نے صحیحین میں بلا کسی خوف کے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ اور قاموس میں یہ لفظ مادۂ جیم اور دال مہملہ میں ذکر کیا۔ بعض محدثین نے یہ لفظ اجاذب بذال معجمہ اور اجارب حاءِ مہملہ اور راء کے

ساتھ اور اجارد باء کی جگہ دال سے روایت کیا ہے اور بعض نے إخاذات بکسر ہمزہ و خاء معجمہ مخففہ اور ذال معجمہ مخففہ آخر میں تا نے جمع مؤنث کی صورت میں روایت کیا اور ان الفاظ کے معانی شرح عربی میں وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں تاہم صحیح روایت پہلی ہے۔ واللہ اعلم۔

(امسکت الماء) اس سخت زمین نے اپنے اوپر پانی روک لیا (ذخیرہ کر لیا)۔ (فنفع اللہ بھا الناس) تو خدا تعالیٰ نے اس زمین سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا اس پانی کے ذریعہ جو اس نے ذخیرہ کر لیا تھا۔ بعض نسخوں میں فنفع اللہ بہا کے بجائے بہ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے جو زمین پر ذخیرے کی شکل میں موجود تھا، لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

(فشربوا) لوگوں نے اس سے پیا۔ (وسقوا) دوسروں کو پلایا۔ (وزرعوا) اور اس پانی کے ساتھ کھیتی باڑی کی بعض روایات میں زرعوا کے بجائے رعوا رعی سے آیا ہے۔ یعنی مویشی چرانا۔ (واصاب منھا طائفۃ اخری) اور وہ بارش زمین کے ایک دوسرے قطعے پر برسی (انما ھی قیعان) زمین کا یہ قطعہ بنجر تھا۔ قیعان بکسر قاف وسکون یاء جمع قاع بمعنی ہموار اور فراخ قطعہ زمین بعض نے اس کا معنی ریتلی زمین کا کیا جس میں نہ تو فصل اگے اور نہ وہ پانی کا ذخیرہ محفوظ کرے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا (لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء) جو نہ تو پانی روک کر رکھے اور نہ گھاس اگائے۔ (فذالک من فقہ دین اللہ) تو یہ مذکورہ مجموعہ اس شخص کے حال کا بیان ہے جو فقیہہ، عالم، دانا اور دین خداوندی میں زیرک اور باریک بین ہو (ونفعہ ما بعثنی اللہ بہ) اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس چیز سے نفع عطا کیا جو چیز اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ (فعلم وعلم) تو اس نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا لغت میں فقہ کا معنی فہم اور سمجھ ہے۔ اس کی ماضی فَقِہَ بکسر قاف آتی ہے عرف شرع میں فقہ علم دین کے معنی میں آتا ہے۔ اس کی ماضی فَقُہَ بضم قاف بھی آتی ہے۔ اس حدیث میں یہ لفظ دونوں طرح مروی ہے مگر بضم قاف اکثر اور زیادہ مشہور ہے۔ (ومثل من لم یرفع بذالک رأسا) اور یہ اس شخص کا حال ہے جس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا اس چیز کی طرف جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ یہ تکبر اور عدم توجہ اور عدم التفات سے کنایہ ہے۔ (ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ) اور خدا تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں بندوں کی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک وہ جس سے دین میں فائدہ پہنچے۔ دوسری وہ جو نہ خود فائدہ حاصل کرے نہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔ زمین کی بھی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک وہ جو پانی سے نفع یاب ہوتی ہے۔ دوسری وہ جو پانی سے کچھ فائدہ حاصل نہ کرے۔ پھر فائدہ مند زمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو فصل اگائے۔

دوسری وہ جس میں کچھ نہ اُگے۔ اسی طرح دین سے فائدہ اٹھانے والے دو قسم ہیں۔ ایک عالم، عبادت گزار فقیہہ، اور لوگوں کو دین سکھانے والا یہ اس زمین کی طرح ہے جو پاک اور عمدہ ہو پانی جذب کرتی ہو۔ اس طرح خود اسے بھی فائدہ پہنچے اور گھاس چارہ اگائے اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ دوسرا وہ جو عالم اور معلم ہو (دوسروں کو تعلیم دینے والا) مگر نوافل اور زائد اعمال کی عبادت میں مشغول نہ ہوتا ہو۔ اور فقہ کا جو علم حاصل کیا اس پہ پوری طرح عمل پیرا نہ ہو یہ اس زمین کی طرح ہے جس میں پانی ٹھہر جاتا ہو۔ اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہوں سا اس پہ کچھ بھی نفع نہ اٹھانے والا وہ شخص ہے جس نے اپنا سر تک نہ اٹھایا اور علم دین کی طرف کوئی توجہ والتفات نہ کیا۔ اور بالکل سننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ یا سن کر اس پہ نہ عمل کیا اور تعلیم حاصل نہ کی۔ اور دین میں آنے سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ اور منکر و کافر ہو گیا یہ اس شور زمین کی مانند ہے جو نہ پانی جذب کرے نہ پانی کا ذخیرہ کرے۔ اور نہ اس میں کوئی چیز اُگے۔ یہ اس کا حاصل و خلاصہ ہے جیسے صحیح بخاری کے بعض شارحین نے بیان کیا ہے، حدیث کے ان الفاظ کا مفہوم یوں بیان کرنا بھی ممکن ہے۔ کہ قسم اول اس شخص سے عبارت ہے جس نے علم دین سیکھا۔ درجہ اجتہاد پہ فائز ہوا اور اس قوت اجتہاد کی بدولت دین کے باریک معانی، اسرار اور اس کی شرح کی جیسے فقہائے مجتہدین اور علماء کاملین و محققین کا حال تھا جس طرح وہ گھاس جو زمین سے اگتی ہے۔ اور لوگ اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دوسری قسم اس شخص سے عبارت ہے جس نے علم حاصل کیا اسے اپنے سینے میں جمع کیا۔ پھر اس کی حفاظت کی اور اس امانت کو پورے اہتمام کے ساتھ آگے پہنچایا اور اس کے اہل کے حوالے کر دیا۔ جس طرح محدثین، حفاظ احادیث اور اس علم کی طرف دعوت دینے والے حضرات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۴۳- وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَقَرَأَ اِلٰى وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ (متفق علیہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی ھو الذی انزل علیک وما یذکر الا اولوا الالباب تک۔ حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو دیکھے اور مسلم کے ہاں اس طرح ہے جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات قرآنی میں سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے کج رو قرار دیا ہے۔ تو ایسے لوگوں سے بچ کر رہو۔

شرح:- (وعن عائشۃ قالت تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ھو الذی انزل علیک الکتب منہ ایات محکمات) وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیات محکمات ہیں۔ آپ نے یہ آیت (وما یذکر الا اولوا الالباب) اور نہیں نصیحت پذیر ہوتے مگر ارباب عقل و دانش۔ تک تلاوت کی۔

اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے۔ اے نبی مکرم اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیات محکم ہیں۔ کہ ان کے معانی واضح اور روشن ہیں۔ اور ان کے الفاظ اور معانی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ (ھن ام الکتاب) یہ آیات کتاب کا اصل اور عمدہ حصہ ہیں۔ کہ اشتباہ اور احتمال کے وقت ان کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (واخر متشابہات) اور کچھ دوسری آیات ہیں جو متشابہ کہلاتی ہیں یہ محکمات کے خلاف ہیں کہ ان کے الفاظ و معانی میں اشکال و اشتباہ ہوتا ہے۔ ان متشابہات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ایک اعتبار سے مشکل و مشتبہ ہیں۔ اور ایک اعتبار سے واضح المعنی اور محکم ہیں۔ دوسری وہ جو مطلقاً مشتبہ ہیں کہ کسی بھی اعتبار سے ان کے معنی کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ متشابہ کا اکثر و بیشتر اطلاق اس دوسری قسم پر ہوتا ہے۔ (فاما الذین فی قلوبہم زیغ) تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ اور جن کے دل باطل اور غیر حق کی طرف مائل اور جھکے ہوتے ہیں۔ (فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ) تو یہ لوگ کتاب میں سے اس متشابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ اور پہلو کو اختیار کرتے ہیں جس میں اشکال و اشتباہ ہوتا ہے۔ (ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ) طلب فتنہ کے لیے تاکہ لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا کریں۔ اس کی تاویل اور حقیقت معنی کی تلاش و جستجو کیلئے نہیں (وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ) حالانکہ اس کی حقیقت معنی کو جو اس کا مآل اور مرادی معنی ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ) اور وہ لوگ جو علم اور یقین ایمانی میں قوی اور مضبوط ہیں یہ کہتے ہیں ہم متشابہ آیات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی جو مراد ہے حق ہے اگرچہ ہمارے فہم و عقل کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ (كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے کیا محکم اور کیا متشابہ اور محکمات کے سمجھنے کا راستہ تو ہمارے لیے کھول دیا گیا ہے۔ مگر متشابہات کے سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی حکمتیں رکھی ہیں۔ ان میں سے بڑی اور عمدہ حکمت علماء کے عجز اور شکستگی کا اظہار ہے۔ جو تحصیل علم اور حقائق اشیاء کے سمجھنے کی زبردست حرص و چاہت رکھتے ہیں۔ (وما یذکر الا اولوا الالباب) اور نصیحت کی بات نہیں سنتے مگر ارباب عقل و دانش۔ (قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (رأیت) اور آیت) بعض روایات میں بکسر تا آیا ہے۔ حضرت عائشہ سے خطاب ہے یعنی اے عائشہ جب تو دیکھے لیکن اکثر روایات میں بفتح تا آیا ہے خطاب عام کے لفظ سے یعنی اے مخاطب جب تو دیکھے۔ اور اس

روایت فتح کا مؤید ہے یہ جو صاحب مشکوٰۃ نے کہا (وعنہ مسلم رایتم) اور مسلم کے نزدیک رایتم کا لفظ بصیغہ جمع آیا ہے یعنی اے مسلمانوں جب تم دیکھو الذین یتبعون ما تشابہ منہ ۔ ان لوگوں کو جو پیروی کرتے ہیں کتاب میں سے متشابہات کی فاولئک الذین سماھم اللہ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے کیا ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ جیسا کہ آیت کی تفسیر میں مذکور ہوا (فاحذروھم) تو ان سے بچو اور ان کی مجلس میں نہ بیٹھو اور ان کے راہ ورسم سے بیزار رہو۔

۱۴۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَّرْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِيْ اٰيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ فِيْ وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے چہرۂ انور پر غضب و غصہ محسوس ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا تم سے پہلے جو لوگ ہلاک و تباہ ہوئے وہ کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہی ہوئے۔

شرح:- (وعن عبد اللہ بن عمرو قال هجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما) اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا ایک دن میں دوپہر کو سخت گرمی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا (قال) حضرت عبداللہ کہتے ہیں۔ (فسمع اصوات رجلین اختلفا فی آیۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو قرآن کی آیات میں سے ایک آیت میں اختلاف اور جدال و نزاع کر رہے تھے۔ (فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف فی وجهه الغضب) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے چہرۂ انور سے غضب و غصہ محسوس ہو رہا تھا (فقال) آپ نے فرمایا۔ (انما هلك من كان قبلكم باختلافهم فی الكتاب) ہلاک و تباہ نہ ہوئے تم سے پہلے لوگ مگر کتاب میں اختلاف کرنے کے سبب۔ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو شک و شبہ میں مبتلا کرے اور فتنہ اور جھگڑے کا موجب بنے۔ اور کفر و بدعت تک لے جائے۔ جیسے نفس قرآن میں اختلاف (یہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں) یا ایسے معنی میں اختلاف جس میں اجتہاد جائز نہ ہو۔ وہ اختلاف مراد نہیں جو علماء کا استنباط احکام میں پایا جاتا ہے یا ان علوم میں اختلاف جو استنباط احکام کے مبادی اور مقدمات ہیں۔ کہ یہ اختلاف رحمت اور دین وملت کے دائرہ کی وسعت کا موجب ہے۔ سلف ہمیشہ اس

مسلک پر رہے ہیں۔ بلکہ اس قسم کے اختلاف رائے کی انہیں اجازت تھی۔

۱۴۵۔ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ فِی الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْئَلَتِهٖ۔ متفق علیہ

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مسلمانوں میں جرم کے لحاظ سے سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے جس نے ایک ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہ تھی اس کے سوال کرنے سے حرام ہو گئی۔

شرح :۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے مکمل حالات کتاب کے آخر میں اہل بدر کے اسماء میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔

ان حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما) بیشک مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے۔ (من سال عن شیء لم یحرم علی الناس) جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو لوگوں پر پہلے حرام نہ تھی۔ (فحرم من اجل مسئلتہ) اس کے سوال کرنے سے حرام کر دی گئی۔ اس بات کو اعظم جرم قرار دینا اظہار شدت وسختی کے لیے ہے کہ اس کا ضرر و نقصان عام اور تا قیامت باقی رہنے والا ہے۔ سوال سے مراد بلا ضرورت سوال ہے جو محض تکلف اور ضد و شرارت کی بنا پر ہو ورنہ اگر ضرورت کے تحت ہو۔ اور تعلم و استفادہ کے طور پر ہو تو وہ اس ڈانٹ و وعید سے خارج ہے۔

۱۴۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَاْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں لائیں گے۔ جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ تو ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا اور انہیں اپنے سے دور رکھنا تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔

شرح :۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ یعنی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مکر و تلبیس کی نیت سے علماء و مشائخ

وصلحاء اور اہل نصیحت وصلاح کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ تاکہ اپنے جھوٹ کو رواج دیں اور باطل مذہب اور غلط آراء کی دعوت دیں۔ دجّال دجل سے مشتق ہے۔ یعنی خلط ملط کرنا اور شبہ ڈالنا۔ (یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم) تمہارے سامنے ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ یعنی بہتان وافتراء کے طور پر اور احادیث سے یا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مراد ہیں یا عام باتیں جو لوگوں کے حالات و اخبار پر بھی مشتمل ہوں۔ (فایاکم وایاھم) تو اپنے آپ کو ان سے دور رکھنا اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھنا۔ (لا یضلونکم ولا یفتنونکم) تاکہ وہ تمہیں گمراہ اور فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔ مقصود یہ ہے کہ دین کو تھامے رکھنے میں پوری حفاظت و احتیاط سے کام لینا اور ارباب بدعت اور ان کے ساتھ میل جول سے کامل پرہیز کرنا خصوصًا ان سے جو ان کے مبلغ اور اپنے مذہب باطل کی نشرو اشاعت کے لیے مکر و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔

مثنوی شریف

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نشاید داد دست

حرف درویشاں بدزد مرد دون تا بخواند بر سلیمے آں فسوں

زانکہ صیاد آورد بانگِ صفیر تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر

کارِ مرداں روشنی و گرمی است کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

ترجمہ اشعار:۔ بہت سے ابلیس آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے۔

کمینہ انسان درویشوں کی باتیں چرا لیتا ہے تاکہ اس سے فتنے اور گمراہی سے محفوظ انسان پر اپنا منتر چلا سکے۔

شکاری شکار کی سی آواز نکالتا ہے تاکہ وہ مرغ گیر (شکاری) پرندے کو فریب دے سکے۔

مردوں کا کام روشنی اور گرمی ہوتا ہے۔ کمینوں کا شیوہ حیلہ اور بے شرمی ہوتا ہے۔

۱۴۷۔ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ

اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس

وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الاٰيَةَ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى - رواہ البخاری

پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا الی آخر آیت - اور وہ جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو۔

شرح :- (وعنہ قال کان اهل الکتاب یقرءون التورية بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لاهل الاسلام) اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی تفسیر اہل اسلام کے لیے عربی میں کرتے تھے۔ (فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا تصدقوا اهل الکتب) ہر چیز میں اہل کتاب کی تصدیق نہ کیا کرو۔ کہ انہوں نے اس میں تحریف و خیانت بھی کی ہوئی ہے۔ (ولا تکذبوهم) اور نہ ہر چیز میں انہیں جھوٹا کہو۔ کہ ممکن ہے انہوں نے سچ کہا ہو۔ کیونکہ تورات دراصل حق اور سچی ہے۔ تاہم انہوں نے بعض جگہوں میں تحریف اور تبدیلی کی ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ نقل کریں اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے۔ (وقولوا امنا باللہ وما انزل الینا الایۃ) اور کہو مجمل طور پر ہم ایمان لائے خدا پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا آخر آیت تک جس میں فرمایا (وما اوتی موسی وعیسی) اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ پر اترا۔

۱۴۸۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ رواہ مسلم

اور انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے۔ کہ جو کچھ اس نے سنا ہوا ہے بیان کر دے۔

شرح :- (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا) اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے۔ (ان یحدث بکل ما سمع) کہ جو کچھ سنے اسے بیان کر دے۔ یعنی اگرچہ وہ خود کوئی جھوٹی بات نہ کرے لیکن جو کچھ لوگوں سے سنے بلا تحقیق و تفتیش دوسروں سے بیان کر دے جھوٹا ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ جس کا حال یہ ہوتا ہے وہ لازماً جھوٹ میں مبتلا ہوتا ہے۔ کہ غالب یہی ہے کہ انسان نے جو کچھ سنا ہوتا ہے سب کا سب سچ نہیں ہوتا۔ اس کلام سے مقصود اس بات کے بیان کرنے سے روکنا اور منع کرنا ہے جس کا سچ ہونا معلوم نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۴۹۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں جسے اللہ

قَبْلِىْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ مسلم)

نے اس کی امت کی طرف مبعوث کیا ہو مگر اس کے لیے اس کی امت میں حواری اور مخلص دوست و پیروکار ہوتے تھے۔ جو اس کی سنت اختیار کرتے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو نالائق ہوتے ہیں زبان سے جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اور وہ کام کرتے ہیں جن کے کرنے کا انہیں حکم نہیں ہوتا۔ تو جو شخص اپنے ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو اپنے دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ اور اس کے بعد ایک رائی بھر بھی ایمان نہیں۔

شرح: (وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں ہوا جسے اللہ نے مجھ سے پہلے اپنی امت میں مبعوث کیا۔ بعض روایات میں فی امتہ تنوین کے ساتھ آیا ہے۔ (الا کان لہ من امتہ حواریون) مگر اس کے لیے اس کی امت میں حواری اور دوست ہوتے تھے (یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ) جو اس کا طریقہ اختیار کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ حواری اس مرد محب، مخلص مددگار اور معین کو کہتے ہیں جو کذب، خلاف اور نفاق سے پاک ہو۔ یہ حور سے مشتق ہے یعنی خالص سفیدی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دوستوں اور مخلصوں کو اسی معنی کے تحت حواری کہتے ہیں۔

اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مددگار و مخلص اصحاب کو حواری کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا پیشہ کپڑے دھونا تھا۔ دھوبی کو حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑوں کو سفید اور پاک کرتا ہے۔ اور جب کہ یہ حضرات تمام لوگوں میں سے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے صدق عقیدت، اخلاص اور نصرت و اعانت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس بنا پر حواریین کے نام سے مشہور ہو گئے پھر اس تعلق کی نسبت سے ہر مخلص دوست کو حواری کہنے لگے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ انہیں حواری کہنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے یا دوسرے لوگوں کے نفوس امارہ جہل و معصیت کے میل سے پاک کیے تھے۔ اور علم و طاعت کے نور سے منور ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایسی ہی صفت کے دوسرے لوگوں کو بھی حواری کہا جانے لگا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں مخلص و مددگار کو حواری کا نام دینے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین سے دوسرے کے لیے اس نام کے نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس اسم سے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کو اور اس صفت والے کسی اور شخص کو موسوم کرنا لفظ حور بمعنی خالص سفیدی کے اعتبار سے برابر ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ خوب سمجھ لے۔

(ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف) پھر　　　قصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخلصین، محبین، اور ان کے انصار و اعوان کے وصال فرما جانے کے بعد ایسا گروہ پیدا ہوتا ہے۔ جو ان کے اصل طریقہ پر نہیں ہوتا خُلُوف خلف بسکون لام کی جمع ہے۔ اور خَلَف بفتح لام کی جمع اخلاف ہے۔ لغت کے اعتبار سے خلف اسے کہتے ہیں جو کسی کے بعد آئے اور اس کا جانشین بنے۔ لیکن خَلْف بسکون لام کا اکثر و بیشتر استعمال شر و فساد کے لیے ہوتا ہے۔ اور خَلَف بفتح لام خیر و نیکی کے لیے جس طرح کہتے ہیں فلاں شخص اپنے والد کا خلف الصدق ہے۔ اور فلاں فلاں کا خَلْف بمعنی بُرا جانشین ہے۔ تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہر نبی کے لیے اس کے مخلص، محب، مددگار اور معاون ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کے گزر جانے کے بعد ایسی جماعت آتی ہے جو ان کی صفات کی حامل نہیں ہوتی۔ بلکہ (یقولون ما لا یفعلون) وہ لوگوں کو ایسی باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ (ویفعلون ما لا یؤمرون) اور وہ کام کرتے ہیں جن کا کرنا ان کے لیے شرعا روا نہیں ہوتا۔ جیسے علماء اور امراء سوء اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

(فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن) تو جو شخص اپنے ہاتھ سے ان کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور ان کے کارخانہ ظلم و فساد کو درہم برہم کر دیتا اور بدل کر رکھ دیتا ہے وہ مومن کامل ہوتا ہے۔ (ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن) اور جو اپنی زبان کے ساتھ ان سے جنگ کرتا ہے کہ انہیں منع کرتا، بُرا بھلا کہتا اور زبان سے انہیں نصیحت کرتا ہے۔ وہ بھی مومن ہوتا ہے۔ کہ کمال ایمان سے اسے بھی حصہ ملتا ہے۔ (ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن) اور جو شخص اپنے دل سے ان کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ کہ دل سے انہیں بُرا جانتا ہے اور ان کے افعال و حالات کے مشاہدہ سے غم و الم اور دل میں اضطراب و بے چینی محسوس کرتا ہے وہ بھی مومن ہے اگرچہ بالکل نچلے درجے کا مومن ہے۔ (ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل) اور اس نچلے مرتبہ کے بعد ایمان کی مقدار رائی کا ایک دانہ بھی نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے (وذلک اضعف الایمان) یہ ایمان کے مراتب میں سب سے نچلا درجہ ہے۔

۵۰ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا	اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہدایت کی طرف بلایا تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ جنہوں نے اس

يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا ۔

(رواہ مسلم)

ہدایت کی پیروی کی ہوگی۔ اور ان پیروی کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ ہوگا جنھوں نے اس گمراہی کی پیروی کی ہوگی۔ اور خود ان کے عذاب اور بوجھ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

شرح:۔ (وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دعا الی ھدی) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو راہ راست کی طرف بلاتا ہے اور قول وفعل کے ساتھ نیک بات کی تلقین کرتا ہے۔ (کان لہ من الاجر مثل اجور ھم من تبعہ) ملتا ہے اسے اجر وثواب ان تمام لوگوں کے اجر وثواب کے برابر جو اس کی پیروی کرتے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ (لا ینقص ذالک من اجورھم شیئا) اس کا اجر وثواب ان کے اجر وثواب میں کچھ کمی نہیں کرتا۔ یعنی اس کے باوجود کہ ان لوگوں کو بھی پورا پورا اجر وثواب ملتا ہے۔ اس دعوت دینے والے کو بھی ان کے برابر پورا ثواب عطا ہوتا ہے کیونکہ ان کا اجر وثواب تو ان کے عمل اور کسب کی بدولت انہیں ملتا ہے۔ اور اس داعی الی الخیر کو اس کی دعوت وارشاد کے سبب ملتا ہے جو اس کا عمل ہے۔

(ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ) اور جو شخص کسی کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے تو اس پر ان سب گناہوں کے برابر گناہ لازم آتا ہے جو اس کی گمراہی کے پیروکار بنتے ہیں۔ اور اس کی تبلیغ سے گمراہ ہوتے ہیں (لا ینقص ذالک من اثامھم شیئا) ان سب کے گناہوں کا اس کے ذمے آنا ان کے گناہوں میں سے کچھ کم نہیں کرتا۔

۱۵۱۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ ۔

(رواہ مسلم)

اور انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابتداء میں اسلام کا ظہور تنہائی اور بے کسی کی حالت میں ہوا اور عنقریب وہ اپنی مذکورہ ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا تو غرباء کو خوشی اور مسرت نصیب ہو۔

شرح:۔ (وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدء الاسلام غریبا) اور انہی حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آغاز کار میں اسلام کا ظہور غربت، تنہائی اور بے کسی کی حالت میں ہوا۔ (وسیعود کما بدء) اور عنقریب وہ اپنی ابتدائی حالت (غربت و تنہائی و بے کسی) کی طرف لوٹ جائے گا۔

اس کلام کی شرح میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام سے مراد اس کی حقیقت ہے جو دین وملت سے عبارت ہے۔ اس وجہ کے مطابق اسلام کی تشبیہ ان مسافروں کے ساتھ ہوگی جو کسی اجنبی شہر میں اپنے اہل و عیال اور دوستوں سے دور ہوں۔ اسی طرح ابتدائے ظہور کے وقت اسلام کی حالت تھی کہ مسلمان کم تھے اسلام کے مددگار رجال اور جانثاروں کی قلت تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام سے بطور مجاز مسلمان مراد ہوں اس صورت میں غربت سے ابتداء اسلام کے وقت مسلمانوں کی قلت مراد ہوگی جنہیں اپنے وطن چھوڑنے پڑے اور ہجرت کرنا پڑی اس وقت گنتی کے صرف چند افراد تھے۔ پھر آخر زمانہ میں بھی مسلمان اسی غربت و قلت کی حالت کو پہنچ جائیں گے۔ جس طرح ابتداء میں تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فطوبیٰ للغرباء کا ظاہر اً دوسری وجہ سے تعلق زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ان غرباء اور گنتی کے چند مسلمانوں کو خوشی و خرمی نصیب ہو جو آخر زمانہ میں استقامت کے ساتھ بہ مضبوط اور کتاب وسنت سے چمٹے رہیں گے جیسا کہ یہ بیان فصل ثانی کی حدیث عمرو بن عوف میں آرہا ہے۔

١٥٢- وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَاْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَاْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا متفق عليه - وسنذكر حديث ابی هريرة ذرونی ما تركتكم فی كتاب المناسك و حديثی معاوية وجابر لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ وَاٰخَرُ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فی ثواب هذه الامة ان شاء الله تعالٰی.

اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ایمان مدینہ کی جانب لوٹ آئیگا جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف لوٹتا ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور عنقریب ہم ابوہریرہ کی حدیث جس کے اول میں یہ الفاظ ہیں ذرونی ما ترکتکم کتاب المناسک میں ذکر کریں گے اور دو حدیثیں ایک حضرت معاویہ کی جو لا یزال من امتی کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور دوسری حضرت جابر کی جو لا یزال طائفۃ من امتی کے لفظ سے شروع ہوتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ باب ثواب ہذہ الامۃ میں ذکر کریں گے۔

شرح وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الایمان لیارز اور حضرت ابوہریرہ

ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ایمان لوٹ آئے گا یأرز میں ہمزہ پھر را پھر زا کے ساتھ (الی المدینۃ) یعنی بیشک ایمان مدینہ منورہ کے ارد گرد آ جائے گا، اس کی طرف اٹھ آئے گا۔ اور اس کی طرف لوٹ آئے گا جو اس کا وطن اصل ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جو فصل ثانی میں آ رہی ہے الی المدینہ کے بجائے الی الحجاز کا لفظ آیا ہے۔ جو کہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں کو شامل ہے۔ اور ہم اس دوسری روایت کی توجیہ اسی حدیث کے تحت بیان کریں گے (کما تأرز الحیۃ الی جحرھا) جس طرح لوٹ آتا ہے اور چلا جاتا ہے سانپ اپنے سوراخ کی طرف جحر بتقدیم جیم مضمومہ حائے ساکنہ مہلہ پر یعنی سانپ وغیرہ کا سوراخ۔ خصوصاً سانپ کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور واپس آنے اور اکٹھا ہونے میں دوسرے جانوروں سے تیز رفتار ہوتا ہے۔ نیز سانپ کے سوراخ میں گھس جانے کے بعد اس کا باہر نکلنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح دین اسلام مدینہ کی طرف ہجرت کر آنے کے بعد وہیں قرار پذیر ہو جائے گا کہ پھر اس کا وہاں سے پھیلنا اور باہر آنا ممکن نہ ہو گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس لفظ میں دین اسلام اور مسلمانوں کی قلت تعداد کی طرف اشارہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے علاوہ اس کا وجود کہیں نادر ہی ہو گا۔ اور زیادہ راجح تر قول یہ ہے کہ یہ خروج دجال کے زمانہ کی آپ نے خبر دی ہے جب کہ مدینہ مطہرہ کے سوا کہیں علم و دین موجود نہ ہو گا۔ جیسا کہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں ذرونی ما ترکتکم کتاب المناسک میں بیان کریں گے۔ اور حضرت معاویہ و حضرت جابر کی دو حدیثیں جن میں سے ایک کا اول لا یزال من امتی اور دوسری کا اول لا یزال طائفۃ من امتی ہے۔ اس امت کے ثواب کے بیان میں جو آخر کتاب میں مذکور ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ اس باب میں مذکور ہے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہاں حدیث جابر مذکور نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۲۔ عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِیِّ قَالَ اُتِیَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقِیْلَ لَہٗ لِتَنَمْ عَیْنُکَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُکَ وَلْیَعْقِلْ قَلْبُکَ قَالَ فَنَامَتْ عَیْنَایَ وَسَمِعَتْ اُذُنَایَ وَعَقَلَ

حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک (فرشتہ) کی آمد ہوئی اور آپ سے کہا گیا، آپ کی آنکھ سو جائے اور آپ کے کان سنتے رہیں۔ اور آپ کا دل بات سمجھتا رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری آنکھ

فَلْيَعْقِلْ قَلْبِىْ قَالَ فَقِيْلَ لِىْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ مَادُبَةً وَّاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِىَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَادُبَةِ وَرَضِىَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِىَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنَ الْمَادُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ هُوَ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِىْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَادُبَةُ الْجَنَّةُ -

(رواہ الدارمی)

سو گئی اور میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا۔ حضور فرماتے ہیں تو مجھ سے کہا گیا ایک سردار نے مکان بنایا اور کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا۔ تو جس نے بلانے والے کی بات مان لی تو مکان میں داخل ہوا اور کھانا کھایا۔ اور سردار بھی اس سے راضی اور خوش ہوا۔ اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ مکان میں داخل ہوا نہ کھانا کھایا اور سردار بھی اس سے ناراض ہوا۔ تو اللہ تعالٰی سردار ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلانے والے ہیں، مکان اسلام ہے، کھانا جنت ہے۔ یعنی اس کی نعمتیں۔

شرح :۔ ربیعۃ جرشی۔ بضم جیم وفتح راوشین معجمہ۔ آپ دمشقی ہیں آپ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں فقیہہ اور عابد شخص تھے۔ حضرت عائشہ، حضرت سعد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کا بیٹا ابوہشام، اور عطیہ بن قیس وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

یہ حضرت ربیعہ جرشی روایت کرتے ہیں۔ (قال اتی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی (فرشتہ) کی آمد ہوئی۔ (فقیل لہ) اور فرشتہ کی زبان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ (لتنم عینک) آپ کی آنکھ سو جائے۔ (ولتسمع اذنک) اور آپ کا کان سنتا رہے۔ (ولیعقل قلبك) اور آپ کا دل باتیں سمجھتا رہے۔ اس حدیث کا مضمون وہی حضرت جابر والی حدیث کا مضمون ہے جو فصل اول میں گزر چکا ہے۔ حدیث کے الفاظ کا حاصل معنی یہ ہے کہ آپ کی چشم مبارک اگرچہ نیند میں ہے۔ مگر آپ کے کان شنوا اور دل بیدار ہے۔ لہذا بصورت مثل اس کا حال بیان کرو تاکہ یہ سنے اور سمجھے۔ (قال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (فنامت عینی وسمعت اذنای وعقل قلبی) تو میری آنکھ سو گئی۔ مگر میرے دونوں کانوں نے سنا، اور دل نے سمجھا۔ (قال) حضور فرماتے ہیں (فقیل لی سید بنی دارا) حال بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا گیا ایک سردار نے مکان تعمیر کیا۔ (فصنع مادبۃ) پھر اس میں لوگوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ (وارسل داعیا) اور اس سردار نے لوگوں کو بلانے کے لیے ایک بلانے والا بھیجا۔ (فمن اجاب الداعی دخل الدار) تو جس نے بلانے والے کی بات مانی وہ مکان

میں داخل ہوا۔ (وا کل من المادبۃ) اور اس تیار شدہ کھانے میں سے کھایا۔ (ورضی عنہ السید) اور دعوت قبول کرنے کی بنا پر سردار بھی خوش ہوا باوجودیکہ کھلانے اور اس دعوت سے صرف کھانے والے کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا سردار کا اس میں کوئی نفع یا اس کی کوئی غرض متعلق نہ تھی۔ (ومن لم یجب الداعی) اور جس نے داعی کی بات نہ مانی۔ (لم یدخل الدار) وہ مکان میں داخل نہ ہوا۔ (ولم یاکل من المادبۃ) اور اس کھانے میں سے کچھ نہ کھایا۔ (وسخط علیہ السید) اور سردار بھی اس سے ناراض ہوا۔ (فقال) اس فرشتے یا راوی نے کہا۔ (فاللہ ھو السید) پس اللہ سردار کی مانند ہے جس نے مکان تعمیر کیا۔ (ومحمد الداعی) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کی طرف بلانے والے شخص کی طرح ہیں۔ (والدار الاسلام) اور اسلام اس مکان کے مشابہ ہے۔ (المادبۃ الجنۃ) اور کھانا جو تیار کیا گیا بہشت اور اس کی نعمتیں ہیں۔ گزشتہ حدیث میں مکان بہشت کو قرار دیا گیا۔ اور مادبۃ (کھانا) اس کی نعمتوں کو اور چونکہ اسلام بہشت میں آنے کا ذریعہ اور سبب ہے اس لیے یہاں اسے دار کے مشابہ قرار دیا گیا۔ اور مادبۃ سے دونوں جگہ بہشت کی نعمتیں مراد ہیں خوب سمجھ لے۔

۱۵۴۔ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَھَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی و ابن ماجۃ والبیھقی فی دلائل النبوۃ

اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہ پاؤں میں تم سے کسی آدمی کو اپنے تو بصورت تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں کہ میرے احکام میں سے کوئی حکم اسے پہنچے جس کے کرنے کا یا اس سے روکنے کا میں نے حکم دیا ہو اور وہ کہے میں نہیں جانتا۔ ہم نے جو کچھ کتاب اللہ میں پایا ہے اس کی اتباع کریں گے۔

شرح: (وعن رافع) آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ حضرت عباس نے حضور علیہ السلام کو دے دیئے۔ جب انہوں نے حضور علیہ السلام کو حضرت عباس کے اسلام لانے کی بشارت دی تو حضور نے ان کو آزاد کر دیا۔ آپ احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے اگرچہ اس سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مشہور قول کے مطابق آپ کا اسم مبارک ابراہیم ہے۔ ابو رافع کنیت نام پر غالب آگئی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔

یہ حضرت ابو رافع راوی ہیں کہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الفین بضم ہمزہ و سکون لام، و کسر فاء (احدکم متکئا علی اریکتہ) ہرگز نہ پاؤں میں تم سے کسی شخص کو اپنے خوبصورت تخت پر تکیہ لگائے ہوئے۔ یہ در اصل تکبر، شان و شوکت آسائش و فراغت اور طلب علم و حدیث کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنے سے کنایہ ہے۔ (یاتیہ الامر من امری) درآنحالیکہ اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم آئے (مما امرت بہ او نہیت عنہ) جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو یا اس سے روکا ہو۔ (فیقول لا ادری) تو وہ کہے میں قرآن کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ میں صرف قرآن کی ہی پیروی کروں گا۔ (ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ) ہم جو کچھ کتاب اللہ میں پاتے ہیں صرف اسی کی پیروی کریں گے۔

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے جہلاء کے حال کی خبر دی ہے جو آسودہ حال اور تکبر کے باعث سستی اور لاپرواہی کرتے ہوئے حدیث کے ایسے حکم پر عمل نہیں کرتے جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ شرع کے احکام صرف قرآن میں منحصر ہیں۔ یہ لوگ اس حقیقت سے جاہل و بے خبر ہیں کہ احادیث بہت سے ایسے احکام پر مشتمل ہیں جو قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ اور جس طرح قرآن مجید حجت ہے حدیث رسول بھی حجت ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس طرح حضور علیہ السلام کو قرآن عطا ہوا ہے احادیث بھی عطا ہوتی ہیں۔ اور دونوں وحی الٰہی ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۱۵۵۔ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ

اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو بیشک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن کی مثل اس کے ساتھ اور بھی دیا گیا ہے سنو عنقریب ایسا ہوگا کہ اپنے خوبصورت تخت پر بیٹھا ہوا کھانے سے بھرے پیٹ والا ایک شخص کہے گا تم صرف قرآن کے احکام اپنے اوپر لازم قرار دو تو اس میں جو چیزیں حلال پاؤ ان کو حلال جانو۔ اور جو اس میں حرام پاؤ انہیں حرام جانو۔ اور بیشک جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ سنو تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے۔ اور نہ چیر پھاڑ کرنے والا درندہ اور نہ ذمیوں کی گری ہوئی چیز مگر

یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ (رواہ ابوداؤد وروی الدارمی نحوہ وکذا ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ۔

یہ کہ اس کے مالک کو اس کی حاجت نہ ہو۔ اور جو شخص کسی قوم میں بطور مہمان اترے ان کے ذمہ ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں۔ پس اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں۔ تو اسے جائز ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار ان سے حاصل کرے

شرح:۔ حضرت مقدام بن معدی کرب بکسر را صحابی ہیں۔ کندہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حمص میں سکونت اختیار کی۔ کندی وفد میں آئے تھے۔ آپ شامیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی احادیث بھی اہل شام میں مشہور ہیں ۸۷ھ میں شام میں ۹۱ برس کی عمر میں وفات پائی۔

یہ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو بیشک مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے۔ (ومثلہ معہ) اور قرآن کی طرح اس کے ساتھ کچھ اور بھی عطا کیا گیا ہے یعنی احادیث۔ احادیث کی قرآن کے ساتھ مماثلت وحی ہونے میں ہے۔ کہ جس طرح قرآن پاک وحی ہے اور جناب قدس خداوندی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ احادیث نبویہ بھی وحی ہیں اور جناب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ ایک وحی جلی ہے اور ایک خفی ایک متلو دوسری غیر متلو ہے وہ وحی جس کے الفاظ و عبارت سے بھی احکام متعلق ہیں جیسے صحت نماز، بے وضو اور جنبی کا چھونا حرام ہوا اور اس کی نظم و عبارت بھی بے مثل ہو وہ قرآن ہے وحی غیر متلو وہ ہے جو اس طرح نہ ہو۔ اور وہ احادیث ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عدد و مقدار میں مماثلت مراد ہو جیسا کہ حدیث آئندہ سے معلوم ہوگا۔

(الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول) آگاہ رہو عنقریب فارغ البالی کی حالت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ایک سیر شکم آدمی کہے گا۔ (علیکم بھذا القرآن) تم صرف قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ (فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ) تو جو چیز تمہیں قرآن میں حلال ملے اسے حلال جانو۔ (وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ) اور جو چیز تمہیں اس میں حرام ملے اسے حرام سمجھو اور صرف اس سے باز رہو۔ سیر شکم اس کے غبی اور کند ذہن ہونے سے کنایہ ہے۔ کہ سیر شکم ہو کر کھانا اور اس کی حرص رکھنا غباوت و بلادت کا سبب ہے یا تکبر و حماقت سے کنایہ ہے کہ آسودہ حال اور نازو نعمت میں رہنا بھی اس کا موجب ہے۔ (وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور بیشک جو جو چیزیں اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ انہی چیزوں کی طرح حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں (ان ما) کی جگہ انما

کا لفظ آیا ہے جو حاد الاکاہم معنی ہے۔ اس کے بعد چند ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جو صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کتاب اللہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ (الا لا یحل لکم الحمار الاھلی)

آگاہ رہو تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں۔ گھریلو کا لفظ کہہ کر خرِ وحشی کو حرمت سے خارج کیا جسے گورخر کہتے ہیں کہ اس کا کھانا حلال ہے۔ (ولا کل ذی ناب من السباع) اور نہ پھاڑ کر کھانے والا درندہ حلال ہے۔ جیسے شیر، بھیڑیا اور کتا وغیرہ۔ (ولا لقطۃ معاھد) اور نہ ذمی کافر کی گری ہوئی چیز حلال ہے۔ لقطہ بضم لام و فتح قاف۔ بمعنی زمین پر گری ہوئی چیز جو اٹھالی گئی ہو۔ یہ لفظ بسکون قاف بھی مستعمل ہے لیکن فتح زیادہ فصیح اور کثیر الاستعمال ہے۔

معاہد بکسر و فتح ھاء دونوں طرح جائز ہے۔ بمعنی وہ جس شخص کہ اس کے اور تیرے درمیان کوئی عہد ہو۔ حدیث میں اس سے مراد ذمی ہے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ذمی کا وہ مال جو راستے میں گرا ہوا ملے حلال نہیں ہے۔ کہ عقد ذمہ کے باعث اس کا مال بھی محفوظ ہے جس طرح مسلمانوں کا مال محفوظ ہے۔ (الا ان یستغنی عنھا صاحبھا) مگر یہ کہ اس گرے مال سے اس کا مالک جو معاہد ذمی ہے بے نیاز ہو۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ مالک خود اسے چھوڑ دے اور جسے ملا ہے اسے ہی بخش دے۔ دوسرا یہ کہ وہ چیز بالکل حقیر اور معمولی ہو کہ عادۃً اس کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور اس سے بے نیازی اختیار کی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے لقطہ اگر حقیر اور معمولی چیز ہو اور اٹھانے والے کو اس کی حاجت اور ضرورت ہو تو وہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔ اور لقطہ کے تفصیلی احکام ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے باب میں بیان کیے جائیں گے۔ (ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ) حدیث سے ثابت شدہ احکام میں جن کا قرآن میں ذکر نہیں ایک یہ ہے کہ جو شخص کسی قوم کے پاس مہمان کے طور پر جا اترے تو ان لوگوں پر اس کی مہمان نوازی لازم ہے۔ یہ حکم سنت و استحباب کے طور پر ہے فرضیت و وجوب کے طور پر نہیں ہے کہ کسی کی مہمان نوازی واجب نہیں۔ بلکہ ارباب مروت کی عادت اور اہل ایمان کی سیرت میں سے ہے اسی لیے اس حکم کو نہی کی صورت میں بیان نہ فرمایا۔ اور یوں نہ فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے حلال اور جائز نہیں کہ مہمان کی مہمان نوازی نہ کریں جیسا کہ دوسرے دو احکام میں انداز بیان اختیار فرمایا۔ (فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم) یا کے ضمہ عین کے سکون اور کسر قاف کے ساتھ۔ (بمثل قراہ) تو اگر وہ لوگ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار انہیں ان کے اس فعل کی جزا دے۔ اور اس کا جو حق ضائع ہوا ہے وہ ان سے وصول کرے۔ یعنی اسے اس کی اجازت ہے کہ ان سے اپنا حق مہمانی وصول کرے۔ اور وہ لوگ اس کے مستحق ہیں کہ ان سے یہ تقاضا کیا جائے۔ اگرچہ واجب و لازم نہیں۔ قِرا بکسر قاف و زائے مقصورہ۔ بظاہر اس کلام سے ضیافت کا وجوب و لزوم ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض

علماء فرماتے ہیں یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو مجبور و مضطر ہو کہ اگر ان سے خوراک حاصل نہ کریگا تو اسے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک لشکر روانہ کیا وہاں اہل دیہات اور صحرا نشین لوگوں نے کوئی بازار نہ لگا رکھا تھا جہاں سے مجاہدین کھانے پینے کی چیزیں خرید سکتے۔ اس بنا پر انہیں خوراک کے معاملے میں بڑی دقت پیش آئی۔ تو ان کے لیے فرمایا کہ انہیں اس علاقہ کے لوگوں پر سختی کرنے کی اجازت ہے کہ نمازیوں کی مہمانی کریں۔ اور اگر وہ نہ کریں تو ان کی سزا یہ ہے کہ زجر اور ڈانٹ کے طور پر جبراً غازی حضرات اپنی خوراک کی مقدار اشیاءِ خورد ونوش لینے کا حق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ یہ حکم تھا کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرا لے اس کا سامان جلادیا جائے۔ اور جو شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اس کا نصف مال جبراً لے لیا جائے۔ بعض علما فرماتے ہیں ابتدائے اسلام میں مہمان نوازی فرض تھی بعد میں زکوٰۃ کی فرضیت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی واللہ اعلم یہاں تک اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

(وروی الدارمی نحوہ، وکذا ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ) اور امام دارمی نے اسی طرح روایت کیا اور یونہی ابن ماجہ نے کما حرم اللہ کے لفظ تک اسے روایت کیا اور انہوں نے یہ الفاظ الا لا یحل الی آخرہ ذکر نہ کیے۔

۱۵۶۔ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ۔ رواہ ابوداؤد وفی اسنادہ اشعث بن شعبۃ المصیصی وقد تکلم فیہ۔

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے ایک شخص اپنے تخت پر تکیہ لگائے (فخر وتکبر سے بیٹھے ہوئے) یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہی چیز حرام کی ہے جو اس قرآن میں ہے سن لو آگاہ رہو اور بیشک اللہ کی قسم میں نے کچھ باتوں کا حکم دیا ہے اور تمہیں وعظ ونصیحت کی ہے اور کچھ باتوں سے منع کیا ہے اور بے شک وہ تعداد میں قرآن جتنی بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جائز نہیں رکھتا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو مگر اجازت سے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنا جائز کیا ہے۔ اور نہ ان کے پھل کھا جانا تمہارے لیے حلال کیا ہے۔ جبکہ وہ لوگ تمہیں وہ چیز (جزیہ) ادا کریں جو ان کے ذمے لازم ہے۔

شرح:۔ (وعن العرباض) بکسر عین مہملہ۔ وسکون راو باء موحدہ مفتوحہ اور ضاد معجمہ۔ (بن ساریۃ)

بسین مھملہ و سا و یاء۔ آپ، حضرت عرباض بن ساریہ صحابی ہیں۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ان گریہ وزاری کرنیوالے حضرات میں سے ہیں جن کی شان میں آیہ کریمہ۔ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ الایۃ نازل ہوئی۔ (اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آتے ہیں سواری حاصل کرنے کے لیے) شام میں رہے اور حمص میں سکونت اختیار کی۔ اور ۷۵ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔

یہ حضرت عرباض بن ساریہ راوی ہیں کہ (قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی خطبہ ارشاد فرمایا۔ (فقال) فرمایا۔ (ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ) کیا گمان کرتا ہے تم میں سے ایک شخص اپنے آرام دہ اور آراستہ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے۔ (یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن) یہ گمان کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہ جو اس قرآن میں ہے۔ (الا دانی واللہ قد امرت) آگاہ رہو اور بیشک میں نے اللہ کی قسم کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ (ووعظت) اور تمہیں وعظ و نصیحت کی ہے (ونھیت عن اشیاء) اور تمہیں کچھ باتوں سے منع کیا ہے۔ (انھا لمثل القرآن) بیشک جو امر و نہی اور وعظ و نصیحت میں نے تمہیں کی ہے وہ مقدار میں قرآن جتنی ہے۔ (او اکثر) بلکہ اس سے زیادہ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک سے چندہ احکام بیان فرمائے جن سے آپ نے روکا اور منع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ (وان اللہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن) بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال اور جائز نہیں کیا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو۔ (ولا ضرب نسائھم) اور نہ ہی جزیہ و خراج وغیرہ وصول کرنے کے لیے ان کی عورتوں کو مارنا حلال کیا ہے۔ (ولا اکل ثمارھم) اور ان کے پھل کھا جانا حلال نہیں کیا۔ (اذا اعطوکم الذی علیھم) جب کہ وہ تمہیں جزیہ اور خراج ادا کر دیں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا (وفی اسنادہ) اور اس کے اسناد میں ایک شخص ہے جس کا نام اشعث بن شعبۃ المصیصی ہے۔ (وقد تکلم فیہ) اور اس میں گفتگو کی گئی ہے کہ ثقہ ہے یا نہیں۔ مصیصی بکسر میم۔ اور پہلے صاد مھملہ کی تشدید کے ساتھ اور صاد کی فتح اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ مصیصہ شہر کی طرف نسبت ہے۔ قاموس میں کہا مصیصہ بروزن سفینہ شام میں ایک شہر کا نام ہے۔ اور صاد کو تشدید نہیں دی جاتی۔

۱۵۷۔ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا [illegible]

اور انہی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کیا اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور

رجل یا رسول اللہ کان ھٰذہٖ موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ رواہ احمد وابو داود والترمذی وابن ماجۃ الا انھما لم یذکرا الصلوۃ۔

دل لرز اٹھے۔ ایک شخص نے کہا یہ وعظ تو ہم سے وداع ہو جانے والے شخص کا وعظ تھا۔ اس لیے آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے تعمیل حکم اور فرمانبرداری اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ تو تم میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا۔ اسے مضبوطی سے تھامنا۔ اور پوری قوت کے ساتھ اس سے چمٹے رہنا۔ اور دین میں نئے ایجاد کردہ امور سے دور رہنا کہ دین میں ہر نئی پیدا کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرح: (وعنہ) اور انہی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (قال) انہوں نے کہا (صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی یعنی امامت کرائی (ذات یوم) ایک دن۔ (ثم اقبل علینا بوجھہ) پھر ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔ (فوعظنا موعظۃ بلیغۃ) اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا۔ قول بلیغ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو اپنا مقصود پوری طرح واضح کر دے۔ بالغ بمعنی خوب اور عمدہ۔ بلیغ و فصیح وہ کلام جو عبارت کی عمدگی کی بنا پر دل کی تہ تک پہنچ جائے۔ (ذرفت منھا العیون) جس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں۔ ذرفت بذال معجمہ بمعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا (وجلت منھا القلوب) اور دل کانپ اٹھے۔ (فقال رجل) پس ایک شخص نے کہا (یا رسول اللہ کان ھذہ موعظۃ مودع) یا رسول اللہ یہ تو گویا رخصت ہو جانے والے شخص کا وعظ تھا۔ دستور ہے کہ رخصت اور وداع ہونے والا انسان جو پند و نصیحت کر سکتا ہے۔ کرتا ہے اس میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑتا۔ اور کہنے والی سب باتیں کہہ دیتا ہے۔ یا رسول اللہ ہمارا دل تو آپ کے وداع ہونے اور رحلت کرنے کے تصور سے ہی بیٹھنے لگتا ہے۔ اور غم و صدمہ محسوس کرتا ہے۔ (فاوصنا) تو آپ ہمیں وصیت فرمائیں۔ یعنی نرم اور آسان نصیحت کی باتیں کر جائیں۔ تاکہ دل کو سکون رہے اور غم و صدمہ سے نڈھال نہ ہو جائے۔ (فقال اوصیکم بتقوی اللہ) تو فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ پرہیزگاری اختیار کرنا اور خدا سے ڈرتے رہنا (والسمع والطاعۃ) اور میں تمہیں اس کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے حکام و امراء کا حکم قبول کرنا اور ان کی فرمانبرداری اختیار کرنا ان تمام باتوں میں جو حکم شرع اور تقوی اس سے کے مطابق ہوں (وان کان عبدا حبشیا) اگرچہ فرضا و تقدیرا وہ حاکم و امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اطاعت امیرا اختیار کرنے میں مبالغہ مقصود ہے۔ ورنہ غلام امیر و حاکم بننے کا اہل نہیں ہے۔ کہ امامت کے شرائط میں سے ایک شرط

یہ ہے کہ حاکم و امیر آزاد ہو غلام نہ ہو۔ یہ کلام بالکل اس حدیث کی طرح ہے جس میں فرمایا جو شخص مسجد بناتا ہے اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ چڑیا کے گھونسلے جتنی مسجد بنائے۔ ظاہر ہے چڑیا کے گھونسلے جتنی مسجد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس میں چھوٹی بڑی مسجد کا بطور مبالغہ شان بیان کرنا مقصود ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ حبشی غلام سلطان کبیر کا نائب ہو۔ اس صورت میں سلطان کے فرمانے کی بنا پر اس کی اطاعت بھی ضروری ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے حکام و امراء کی اطاعت و فرمانبرداری کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ (فانہ من یعش منکم بعدی) کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا (فسیری اختلافا کثیرا) تو وہ عنقریب لوگوں میں بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اور امراء کی بات کی ماننے اور اطاعت اختیار کرنے میں اس فتنے میں مبتلا ہونے سے امن ہے جو اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ اور تقویٰ کی حفاظت کرنے کی طرف اشارہ اپنے اس قول مبارک سے فرمایا۔ (فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین) اور اپنے اوپر لازم قرار دینا میری سنت کو اور میرے خلفا کی سنت کو جو رشد و ارشاد کے اہل اور ہدایت یافتہ ہیں۔ اور انسان نیکی اور عمدہ خصائل و عادات سے اسی وقت بہرہ ور اور ہدایت کی روشنی سے منور ہو سکتا ہے جب کہ گمراہی و ضلالت کے خلاف اور اس سے دور رہے۔

اور خلفائے راشدین سے خلفاءِ اربعہ مراد لیے گئے ہیں۔ جو ان کی سیرت و عادت پر چلتا اور سنت کے مطابق عمل کرتا ہے وہ انہیں میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ وہ شخص جو اپنی خواہش نفس سے کوئی بدعت پیدا کرے اور اس پر چلے۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وہ سنت ہے۔ جسے حضور اقدس کے زمانہ مبارک میں شہرت حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں رواج پذیر اور مشہور ہوئی اور اس بنا پر ان کی طرف منسوب ہونے لگی۔ چونکہ یہاں اس امر کا گمان تھا کہ کوئی شخص خلفائے راشدین کی طرف کسی سنت کے منسوب ہونے کی وجہ سے اسے بھی بدعت قرار دیدے اور رد کر دے اور اسے برا جانے اس لیے حضور علیہ السلام نے اپنے خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کی اتباع کا حکم دیا۔ اور اس کی بھی وصیت فرمائی۔ اور اگر چہ ان خلفائے راشدین نے اپنے قیاس و اجتہاد سے کوئی بات جاری کی تھی تو وہ بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہی سمجھی جائے گی اس پر بدعت کا اطلاق درست نہ ہو گا۔ جیسا کہ بعض گمراہ فرقے خلفاءِ راشدین کی اس قسم کی باتوں کو بھی معاذ اللہ بدعت کہہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد اتباع سنت کی وصیت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔ (تمسکوا بها) میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت سے چمٹے رہنا۔ (وعضوا علیها بالنواجذ) اور سنت پر اپنے دانت پوری قوت سے گاڑ دینا۔ اور اسے مضبوطی سے پکڑ نا یعنی دانت گاڑ دینا نواجذ آخری چار ڈاڑھیں جنہیں حلم و عقل کی ڈاڑھیں کہتے ہیں۔ اور مطلق دانتوں اور ڈاڑھوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(وایاکم ومحدثات الامور) اور ان نو پیدا شدہ امور سے اپنے آپ کو دور رکھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہ تھے۔ (فان کل محدثۃ بدعۃ) بیشک دین میں ہر نئی پیدا شدہ بات بدعت ہے۔ (و کل بدعۃ ضلالۃ) اور ہر بدعت گمراہی یا گمراہی کا سبب ہے۔ اس حدیث کو احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ (الا انهم لم یذکروا الصلوۃ) مگر ترمذی و ابن ماجہ نے نماز ادا کرنے کا واقعہ ذکر نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے

۱۵۸۔ وعن عبد اللّٰہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطا ثم قال ھذا سبیل اللّٰہ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منھا شیطان یدعو الیہ وقرء وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الآیۃ۔ رواہ احمد والنسائی ۔ والدارمی

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا پھر فرمایا ۔ یہ اللہ کا راستہ ہے ۔ اس کے بعد آپ نے اس کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وان ھذا صراطی مستقیما الخ بیشک یہ ہے میرا راستہ جو سیدھا ہے تو اسی کی پیروی کرو ۔ الی آخر الآیۃ ۔

شرح اشعۃ اللمعات

وعن عبد اللّٰہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطا ۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سمجھانے کے لئے ایک خط کھینچا تاکہ راہ راست کے بطور مثال بیان فرمائیں ۔ ثم قال ھذا سبیل اللّٰہ ۔ پھر فرمایا ۔ یہ سیدھا خط جو میں نے کھینچا ہے خدا تعالیٰ کا راستہ ہے ۔ ثم خط خطوطا عن یمینہ وعن شمالہ پھر آپ نے اس سیدھے خط کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے ۔ وقال ھذہ سبل اور فرمایا یہ راستے ہیں علی کل سبیل منھا شیطان یدعو الیہ کہ ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتا اور بدراہ کرتا ہے ۔ وقرء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ۔ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ پروردگار عالم فرماتا ہے یہ ہے میرا سیدھا راستہ جو میں نے تمہیں دکھایا ہے تو اس پر چلو ۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ اور ان راستوں پر نہ چلو جو دائیں بائیں کو جاتے

ہیں۔ یعنی مختلف غلط ادیان اور ٹیڑھے راستوں کو اختیار نہ کرو تاکہ وہ تمہیں پریشانی میں مبتلا نہ کردیں اور تم سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہی میں نہ پڑ جاؤ۔ اسے احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اور اس موضوع سے متعلق دُوسری احادیث جو کتب حدیث میں آئی ہیں ان میں ان خطوط کی تعداد نظر سے نہ گزری ماسوا اس کے کہ تفسیر مدارک میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک حدیث روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ راہِ ہدایت اور خدا تعالیٰ کا راستہ ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو۔ اس کے بعد اس خط کی ہر جانب چھ چھ خط کھینچے جو ٹیڑھے اور کج تھے۔ اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان مقرر ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔ تو ان ٹیڑھے راستوں سے بچو اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد صاحب مدارک نے فرمایا پھر ان بارہ راستوں میں سے ہر ایک سے چھ چھ راستے نکلتے ہیں اس طرح کُل بہتر (۷۲) راستے بنتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس اُمت کا تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانا حدیث صحیح میں آچکا ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح مدارک میں مذکور ہوا ہے بلکہ کتاب **مواقف** میں فرمایا بڑے بڑے اسلامی فرقے تعداد میں آٹھ ہیں۔ ۱۔ معتزلہ ۲۔ شیعہ ۳۔ خوارج ۴۔ مرجیہ ۵۔ نجاریہ ۶۔ جبریہ ۷۔ مُشبّہہ ۸۔ ناجیہ۔ پھر معتزلہ کے بیس فرقے بیان فرمائے۔ شیعہ کے بائیس اور خوارج کے بیس۔ مرجیہ کے پانچ نجاریہ کے تین اور جبریہ اور مشبہہ کے مختلف فرقے بیان نہ کئے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل سُنّت وجماعت ہیں۔ اس طرح کل فرقوں کی تعداد تہتر ہوگئی۔ صاحب مواقف کا کلام ختم ہوا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ پتہ کیسے چلتا ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سُنّت وجماعت ہیں اور یہ سیدھا اور خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اس کے علاوہ باقی سب دوزخ کے راستے ہیں حالانکہ ہر فرقے کا دعویٰ ہے کہ وہ راہِ راست پر ہے اور اسکا مذہب حق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جو صرف دعویٰ سے ثابت ہو جاتے بلکہ اس کیلئے دلائل و براہین کی ضرورت ہے۔ اور اہلِ سُنّت وجماعت کی حقانیت کی دلیل و برہان یہ ہے کہ یہ دین نقل سے بھی تعلق رکھتا ہے صرف عقل کافی نہیں اور متواتر اخبار سے معلوم　　اور احادیث و آثار کی تلاش و تتبع سے متعین ہوچکا ہے کہ سلف صالح یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد کے لوگ سب اسی عقیدہ اور اسی طریقہ پر تھے اور مذاہب و اقوال میں یہ بدعات و خواہشات صدرِ اوّل کے بعد پیدا ہوئیں۔ صحابہ کرام اور اسلافِ متقدمین میں سے کوئی ان بدعات و خواہشات کا قائل نہ تھا۔ بلکہ وہ حضرات ان سے پاک اور بری تھے اور جو لوگ ان بدعات و خواہشات کے قائل ہوتے اہل سُنّت وجماعت نے ان سے قطع تعلق اختیار کر لی اور ان کے خیالات و عقائد کا رد فرمایا۔

احادیث کی چھ کتب (صحاحِ ستہ) اور دُوسری مشہور و معتمد کتابیں کہ احکامِ اسلامی کا مدار و مبنیٰ ان پر ہے، ان کے

مؤلفین اور مذاہب اربعہ کے آئمہ فقہا وغیرہم جو ان ائمہ کے طبقہ میں تھے، سب اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر تھے اور اشاعرہ و ماتریدیہ جو اصول کلام کے ائمہ گذرے ہیں سب نے سلف کے مذہب کی ہی تائید کی ہے اور دلائل عقلیہ کے ساتھ اسی مذہب کا اثبات فرمایا ہے اور جو کچھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت میں آچکا ہے، ان حضرات نے اسی کی تاکید کی ہے۔ اس بنا پر ان کا نام اہل سنت و جماعت پڑ گیا ہے اگرچہ یہ نام بعد میں پڑا لیکن ان کا مذہب و اعتقاد قدیم ہے۔ ان کا طریقہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سلف کے آثار کی اقتدا اور اپنے عقول، آرا اور خواہشات پر اعتماد نہ کرنا اور نصوص کو ان کے ظاہر معنی پر رکھنا ہے مگر بوقت ضرورت بخلاف دوسرے فرقوں مثل معتزلہ و شیعہ کے اور ان لوگوں کے جو ان کے اعتقادات کے موافق ہیں کہ انہوں نے فلسفہ سے سہارا لیا اور ان کے اوہام و آرا کو اختیار کیا ہے اسی طرح متقدمین و محققین، مشائخ صوفیہ جو طریقت کے استاد، زاہد و عابد، مرتاض و متورع اور متقی اور جناب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتے ہیں اور اپنے نفس کی طرف نیکی کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت کی نسبت کرنے سے بری اور پاک تھے، یہ سب حضرات بھی اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کی کتب معتبرہ و معتمدہ سے معلوم ہوتا ہے اور تعرف میں جو اس گروہ کی کتابوں میں معتمد ترین کتاب ہے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی شان میں فرمایا ہے "لولا التعرف، ما عرف التصوف" اگر تعرف نہ ہوتی ہم تصوف کو نہ پہچان سکتے) صوفیہ کے عقائد جن پر ان کا اجماع ہے بیان کئے ہیں وہ سب بلا کسی کمی و بیشی کے اہل سنت کے عقائد ہیں۔ جو دعویٰ ہم نے کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہیں تو اسکی صداقت اس سے بھی ظاہر و واضح ہے کہ حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، تصوف، سیرت و تاریخ کی معتبر کتابیں جو مشرق و مغرب میں مذکور و مشہور ہیں سب جمع کی جائیں اور مخالفین بھی اپنی کتابیں لائیں تو حقیقت حال بالکل ظاہر ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ دین اسلام میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ ہر منصف اور تعصب و ہٹ دھرمی سے کنارہ کش انسان اس حقیقت کا برملا اعتراف کرے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی راہ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

۱۵۹۔ وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ رواہ فی شرح السنۃ۔ و قال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکی خواہش تابع نہ ہو جاتے اس دین کے جو میں لے کر آیا ہوں۔

اشعۃ اللمعات

وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لماجئت بہ۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جبتک کہ اس کی خواہش نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے۔ یعنی دین و شریعت کے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ اگر متابعت سے اعتقاد، عمل، عبادات اور عادات میں کامل تسلیم و رضا اور حق کے ساتھ کھراؤ اور خواہش نفس کے دباؤ کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کے آگے گردن جھکا دینا اور اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا مراد ہو تو اس صورت میں نفی ایمان سے کامل ایمان کی نفی مراد ہوگی۔ اور اگر متابعت سے دین اسلام قبول کرنا اور اس کی حقیقت کا معتقد ہونا مراد لیا جائے تو پھر نفی سے اصلِ ایمان ہی کی نفی مراد ہوگی۔

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ فرمایا کہ خواہشِ نفس دین کے تابع ہو جائے یہ نہ فرمایا کہ بالکل ختم اور معدوم ہو جائے کہ اس کا ختم اور معدوم ہو جانا ممکن بھی ہے اور نامناسب بھی اور سرے سے معدوم ہو جانے کی صورت میں اجر و ثواب کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہتا۔ کمال یہ ہے کہ خواہش موجود ہو مگر حق کے تابع اور مطیع ہو۔

اس حدیث کو امام محی السنۃ نے شرح السنۃ میں روایت کیا اور امام نووی نے اپنی اربعین میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ ہم نے اسے اسنادِ صحیح کے ساتھ کتاب الحجۃ میں روایت کیا ہے۔

۱۶۰ - وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیَا سُنَّۃً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃً ضَلَالَۃً لَا یَرْضَاھَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئًا

رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن کثیر بن عبداللہ

اور حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری سنتوں میں سے کوئی ایسی سنت زندہ کی جو میرے بعد نیست و نابود کردی گئی تھی تو اس اکیلے آدمی کو ان تمام لوگوں جتنا اجر و ثواب ملے گا جو اس پر عمل پیرا ہونگے۔ بغیر اس کے کہ خود ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع ہو اور جس نے کوئی بری بدعت جاری کی جو اللہ اور اسکے رسول کو پسند نہ ہو تو جسقدر لوگ اس بدعت ضلالت پر عمل کریں گے ان سب کے برابر اس جاری کرنوالے

بن عمرو عن ابیہ عن جدہ۔ | کے ذمہ گناہ لکھا جائے گا اور خود ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اشعۃ اللمعات، بلال بن الحارث المزنی۔ مُزنی بضم میم و فتح زاء و کسر نون۔ آپ صحابی ہیں قبیلہ مزینہ کے وفد کے ساتھ ۵ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اسی ۸۰ سال کی عمر میں ۶۰ھ ہجری مقدسہ میں وصال فرمایا۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیا سنۃ من سنتی۔ جس نے میری سُنتوں میں سے کوئی سُنت زندہ کی۔ قد امیتت بعدی جو میرے بعد ماردی گئی (ضائع اور نیست و نابود) کردی گئی تھی۔ فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھا۔ تو بے شک اس شخص کو ان تمام لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اس سُنت پر کاربند ہونگے۔ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئاً اس کے بغیر انہیں ثواب ملنے سے خود اس کے ثواب میں کمی ہو۔ یعنی ان سب عمل کرنے والوں کو بھی ان کے عمل کا مکمل ثواب ملے گا۔ اور سُنت کو زندہ کرنے اور رواج دینے والے کو ان سب کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔

ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ ورسولہ۔ اور جس نے کوئی بدعت ضلالت (بری) جاری کی جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش نہ ہوں۔ بخلاف[1] بدعت حسنہ کے جس میں دین کی بہتری اور اس کی تقویت اور ترویج ہو کہ یہ بدعت حسنہ ہے اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے۔ کان علیہ من الاثم مثل آثام من عمل بھا لا ینقص ذالک من اوزارھم شیئا۔ تو اس بدعت ضلالت پر کاربند ہونے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ خود اس بدعت ضلالت جاری کرنے والے کو ان سب کے برابر گناہ ہوگا۔ اس حدیث کی شرح اور اس میں گفتگو مسلم شریف کی حدیث ابو ہریرہ کی فصل اوّل کے آخر میں گذر چکی ہے۔

۱۶۱- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْحِجَازِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا وَلَیَعْقِلَنَّ الدِّیْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاُرْوِیَّۃِ مِنْ رَّاْسِ الْجَبَلِ وَاِنَّ الدِّیْنَ بَدَءَ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ

اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین سکڑ آئے گا حجاز کی طرف جس طرح سکڑ آتا ہے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔ اور بے شک دین اسلام پناہ لے گا سرزمین حجاز میں جس طرح پناہ لیتی ہے پہاڑی بکری پہاڑ

كَمَا بَدَءَ فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ ۔

رواہ الترمذی

کی چوٹی پر۔ اور بے شک دین غربت وتنہائی میں ظاہر ہوا۔ اور عنقریب غربت وتنہائی کی طرف لوٹ جائیگا تو مبارک ہو غربا کو یعنی ان لوگوں کو جو میرے بعد میری ان سنتوں کو درست کریں گے ان کی اشاعت کرینگے اور انہیں رواج دیں گے، جنہیں لوگ خراب کر چکے ہونگے۔

اَشِعَّۃُ اللَّمعات : وعن عمرو بن عوف-آپ انصاری ہیں-غزوہ بدر میں موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔ رضی اللہ عنہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا۔ اس عبارت کا ترجمہ فصل اول کی آخری حدیث میں گذر چکا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں الی المدینہ کے الفاظ ہیں اور یہاں الی الحجاز کے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں کو شامل ہے جیساکہ وہاں اس طرف اشارہ کردیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں مدینہ کا لفظ مدینہ پاک کی فضیلت کی بناء پر آیا ہو اور یہاں حجاز کا لفظ حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیما وتشریفا کی فضیلت کے لئے وارد ہوا ہو۔ واللہ اعلم

ولیعقلن الدین من الحجاز ۔ اور بے شک دین اسلام حجاز مقدس میں پناہ تلاش کرے گا اور اسے اپنا مسکن وماویٰ بنائے گا اور فتنوں کے ظہور اور اہل کفر وفساد کے غلبے کے وقت حجاز کی طرف واپس لوٹ آئے گا۔ یا آخر زمانہ میں خروج دجال کے وقت ایسا ہوگا جیساکہ گذشتہ صفحات میں گذرا۔ معقل الاروِیّۃ من راس الجبل ۔ جس طرح جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی اور اس پر چڑھ جاتی ہے اُرْوِیّہ بضم ہمزہ، وسکون را، وکسر واو وتشدید یا بمعنی جنگلی بکری۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ مادہ بکری کے لئے مخصوص ہے۔

وان الدین بدء غریبا وسیعود کما بدء ۔ اور بے شک یہ دین اسلام غریب وتنہا نمودار ہوا (آیا) اور آخر کار غربت وتنہائی کی طرف لوٹ جائے گا۔ فطوبیٰ للغرباء ۔ تو غربا کو مبارک ہو اور وہ خوش ہوں۔ ان کے کلیجے ٹھنڈے ہوں۔ وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی غربا وہ لوگ ہیں جو میری ان سنتوں کو درست قائم کرتے ہیں جنہیں میرے بعد لوگوں نے خراب کردیا ہوتا ہے۔

۱۶۲ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ۔

رواہ الترمذی۔

وفی روایۃ احمد وابی داؤد

عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهٗ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ

فرمایا۔ البتہ میری اُمت پر وہ کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا۔ میری اُمت اور بنی اسرائیل آپس میں بالکل مطابق اور موافق ہو جائیں گے۔ جیسطرح ایک پاؤں کا جوتا دوسرے پاؤں کے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری اُمت میں بھی ضرور ایسے لوگ ہونگے جو اس فعل کے مرتکب ہونگے۔ اور بیشک بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تہتر ۷۳ فرقوں میں سے ایک فرقہ کے سوا باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ لوگوں نے کہا وہ ایک کونسا ہے۔ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور احمد اور ابوداؤد کی روایت حضرت معاویہ سے یوں مروی ہے کہ بہتر ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اس فرقے کا نام جماعت ہے اور بیشک میری اُمت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہونگے کہ نفسانی خواہشات و ارادے ان کے رگ وپے میں سرایت کر جائیں گے جسطرح باؤلے پن کی بیماری انسان کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے کہ اسکی ہر ہر رگ اور ہر ہر جوڑ میں گھس جاتی ہے۔

اشعۃ اللمعات: وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل - اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میری اُمت بدعملی کے انہی حالات سے دوچار ہوجائیگی جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔ حذو النعل بالنعل یعنی وہ ان سے پوری مطابقت اختیار کرلیں گے جس طرح ایک پاؤں کا جوتا

دُوسرے پاؤں کے جُوتے کے عین مطابق اور برابر ہوتا ہے۔ حذو النعل بالنعل کی ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ موچی جب جُوتا سیتے ہیں تو ایک تلہ دُوسرے تلے سے ملا کر پُورا اندازہ کر کے اور برابر کر کے سیتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں حذوت النعل بالنعل میں نے دونوں پاؤں کے جُوتے بالکل برابر تیار کئے۔ حذو بمعنی اندازہ کرنا اور برابر کاٹنا۔ طابق النعل بالنعل کا محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ پھر دو چیزوں کے آپس میں بالکل برابر اور مطابق ہونے پر یہ محاورہ استعمال ہونے لگا۔

حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ بدکاری کی ہوگی۔ لکان فی امتی من یصنع ذالک۔ تو میری اُمّت میں بھی ضرور ایسے بدکردار لوگ پیدا ہونگے جو اپنی ماں کے ساتھ ایسی بُری حرکت کے مرتکب ہونگے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہاں ماں سے باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) مُراد ہو۔ کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ماں کے ساتھ یہ فعل کرے کہ یہاں طبعی اور شرعی مانع موجود ہے البتہ سوتیلی ماں کے ساتھ ایسا ممکن ہے کہ وہاں طبعی مانع موجود نہیں ہے۔

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ۔ اور بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے تھے۔ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ۔ اور میری اُمّت تہتر ۷۳ فرقوں اور مذاہب میں بٹ جائے گی۔ یعنی جو ایمان کے مُدعی اور اہلِ قبلہ ہیں دہ اصُولِ عقائد میں تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

کلھم فی النار۔ یہ سب سوءِ عقیدہ کے باعث دوزخ میں جائیں گے۔ تاہم بدعملی کی بنا پر فرقہ ناجیہ اہلسُنّت میں سے بھی کچھ لوگ کچھ وقت کے لئے ممکن ہے دوزخ میں ڈالے جائیں۔ اور یہ قول کہ گناہوں کے باوجود فرقہ ناجیہ اہلسُنّت کے سب لوگ بخشے ہوئے ہیں، بالکل بے دلیل قول ہے۔

الا ملۃ واحدۃ۔ ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہے۔ قالوا من ھی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسُول اللہ وہ کونسا گروہ ہے۔ قال ما انا علیہ واصحابی۔ فرمایا، وہ کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں، قائم ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے احمد اور داؤد کی روایت میں اس طرح آیا ہے۔

ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔ بہتر فرقے دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے اور وہ جماعت ہے۔ یہ جماعت کے نام سے اس لئے موسوم ہیں کہ یہ حضرات جس سچائی اور راہِ راست پر سلف کا اتفاق ہے اس پر جمع ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

وانہ سیخرج فی امتی اقوام۔ اور بے شک میری اُمّت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہونگے کہ تتجاریٰ بھم تلک الاھواء۔ کہ انکی رگ و پے میں یہ نفسانی خواہشات سرایت کر جائیں گی اور وہ آپس میں ان خواہشات

کے پیروکار بن کر بٹ جائیں گے اور ان میں آپس میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ اھواء ہویٰ کی جمع ہے بمعنی ارادہ نفس اور اس کی خواہش یہ خواہشات ان کیلئے مختلف مذاہب میں بٹ جانے کا موجب بنیں گی۔ کما یتجاری الکلب بصاحبہ جس طرح باؤلے پن کی بیماری مریض کے رگ و ریشے میں پھیل جاتی ہے کلب بفتح لام باؤلے پن کی بیماری جو کتا کاٹنے سے انسان کو لاحق ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مالیخولیا والے کی سی کیفیت ہو جاتی ہے اور بسا اوقات اس سے دوسرے انسان کو بھی لگ جاتی ہے اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ یہ مریض پانی کی طرف نہیں دیکھ سکتا اور اگر پانی پر نگاہ پڑ جاتے تو چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے اور اس پر بے خانشی اور کمزوری چھا جاتی ہے اور عموماً اس بیماری والا آدمی پیاسا مرتا ہے۔ پانی نہیں پی سکتا۔ یہ ایک ایسا موذی مرض ہے کہ اس کا اثر تمام بدن پر ہوتا ہے اور اس سے آگے اور کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ بیماری آدمی کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتی ہے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ آدمی کی کوئی رگ اور اس کا کوئی جوڑ ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ مرض گھس نہ جائے۔

خواہش نفس کے پیروکار انسان کو اس بیماری والے کے ساتھ اس بنا پر تشبیہ دی کہ جس طرح یہ مرض انسان کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتا ہے اور اس سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں بالکل یہی حالت خواہش نفس کے پیروکار کی ہوتی ہے اور اس میں بھی اور کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں پھر یہ خرابیاں صرف اسی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ دوسروں میں بھی پھیلتی اور انہیں بھی خراب کرتی ہیں تو اہل ہواہیں بدعت اور خواہش نفس کا مرض بالکل باؤلے پن کی طرح ہے اور جس طرح باؤلے پن کا مریض پانی کے قریب نہیں آتا اسے پینے کی تاب نہیں رکھتا اور پیاسا مر جاتا ہے۔ اسی طرح خواہش نفس کا پیروکار بھی علم دین سے بھاگتا اور اس سے محرومی کی حالت میں ہی مر جاتا ہے اور جہالت کے جنگل اور بدعت کے بادیہ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ نسأل اللہ العافیۃ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (رواہ الترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو یا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر اکٹھا نہ ہونے دے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہو گیا اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اشعۃ اللمعات:۔ وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان اللہ لا یجمع امتی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو جمع ہونے دیگا او قال امۃ محمد یا فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو، راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی کا لفظ استعمال فرمایا یا امت محمد کا لفظ (صلی اللہ علیہ وسلم) علی ضلالۃ گمراہی پہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خصوصیت اور فضیلت ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اس امت کو نوازا کہ آپ کی امت جس چیز پر اتفاق کرے گی وہ حق و ثواب ہی ہو گا ید اللہ علی الجماعۃ اور اللہ تعالیٰ کا دست قدرت اور احسان و مہربانی جماعت پر ہے۔ دراصل اس جملے میں ایذائے خلق اور اعدائے دین کے خوف سے خدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد فرمانے سے کنایہ ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو استنباط احکام اور حق پر اطلاع پانے کی

ترغیب دی ہے اور جب امت آپس میں اختلاف کرے گی اور منتشر ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حفاظت، عصمت اور سکینت ان سے اٹھا لے گا اور ان پر عذاب نازل کرے گا، اور ان کے حالات بگاڑ دے گا اور اس حق سے دور کر دے گا جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ومن شذ شذ فی النار اور جو شخص جماعت اور سواد اعظم سے الگ اور تنہا ہو جائے گا اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پہلا لفظ شذ صیغہ ماضی معلوم ہے اور دوسرا صیغہ ماضی مجہول۔ اور یہ دوسرا صیغہ معلوم بھی پڑھا گیا ہے اسی طرح آنے والی حدیث میں

۱۶۴۔ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار

رواہ ابن ماجۃ من حدیث انس وابن عاصم فی کتاب السنۃ

اور انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواد اعظم (کثرت وجمہور) کی اتباع کرو کہ بیشک جو شخص جماعت سے الگ اور تنہا ہو گیا وہ دوزخ میں گیا

اشعۃ اللمعات وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم، اور انہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ سواد بمعنی سیاہی بلد بمعنی جمہور لوگوں کی کثیر جماعت چنانچہ سیاہی لشکر سے اس کی کثرت اور زیادتی مراد ہوتی ہے اس ارشاد سے درحقیقت اس مذہب کی اتباع کی ترغیب مقصود ہے جسے علماء امت کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔

یہاں مشکوۃ کے بعض نسخوں میں خالی جگہ ہے اور رواہ ابن ماجۃ من حدیث انس کے الفاظ حاشیہ میں درج ہیں اور بعض نسخوں میں ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ کے الفاظ زیادہ آئے ہیں۔

۱۶۵۔ وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذالک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ

رواہ الترمذی

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے عزیز بیٹے اگر تو صبح وشام ایسے حال میں کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کھوٹ نہ ہو تو ضرور ایسا کر پھر فرمایا اے میرے عزیز بیٹے یہ کام میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت رکھے گا جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اشعۃ اللمعات وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے اگر تو صبح وشام ایسے حال میں کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے لئے کھوٹ نہ ہو تو ایسا کر ثم قال یا بنی وذالک من سنتی پھر فرمایا اے پیارے بیٹے اور یہ چیز میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ میں سے ہے ومن احب سنتی فقد احبنی اور جس نے میری سنت اور میرے طریقہ پسندیدہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی کہ کسی کے طریقے اور سنت سے پیار کرنا اس کے ساتھ محبت

کی بنا پر ہوتا ہے اور اس کی محبت کا باعث بنتا ہے ومن احبنی کان معی فی الجنۃ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے المرء مع من احب کہ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت تھی۔ اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے پیار کرنا آپ کے ساتھ پیار اور آپ کی رفاقت نصیب ہونے کا باعث ہے۔ سنت کے ساتھ جب صرف محبت کا نتیجہ یہ ہے تو جو شخص سنت سے محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کرتا ہو اس کا مرتبہ کس قدر ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سعادت عطا کرے۔

۱۶۶۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ۔

رواہ ( )

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت میں اعتقادی اور عملی فساد برپا ہونے کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اسے ایک سو شہید کا ثواب ملے گا۔

اشعۃ اللمعات۔ فساد امت سے سنت چھوڑ دینے اور اس میں کمی اور کوتاہی کرنا مراد ہے اور سو شہید کے لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں سنت پر عمل بڑی مشقت اور جدوجہد سے ہوسکے گا لیکن اس کی فضیلت اور اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوگا۔ حضرت عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رواہ کے بعد جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے اور حاشیہ میں یہ عبارت درج ہے رواہ البیہقی فی کتاب الزہد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی اسے بیہقی نے اپنی تالیف کتاب الزہد میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا

۱۶۷۔ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰه علیه وسلم حِیْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَهُوْدٍ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ

رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کیا بیشک ہم لوگ یہود سے بہت سی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا آپ مناسب سمجھتے اور رائے دیتے ہیں کہ ہم لوگ ان میں سے کچھ لکھ لیا کریں آپ نے زجر و انکار کے طور پر فرمایا کیا تم لوگ دین اسلام کے بارے میں حیرت میں ہو اور اس کے کامل دین ہونے میں تمہیں شک ہے۔ اس لئے تم لوگ اہل کتاب سے کچھ لینا چاہتے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو جس طرح خود یہود و نصاریٰ حیرت و شبہات کی وادیوں میں بھٹکنا شروع ہوگئے تھے۔ بیشک میں ایک سفید و پاک اور صاف و روشن اور شک و شبہ سے خالص ملت و شریعت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا چہ جائیکہ اس کی قوم اور باقی تمام لوگ (کیونکہ میری

شریعت کے آجانے کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔)

۱۶۸ - وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَّعَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ وَّاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ قَالَ وَسَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ

رواہ الترمذی

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال طیب رزق کھایا سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے امن میں رہے وہ جنت میں داخل ہوا۔ اس پر ایک شخص نے کہا یہ نیکیاں ہمارے زمانے میں لوگوں کے اندر کثرت کے ساتھ موجود ہیں آپ نے فرمایا ہاں اور مجھ سے بعد کے زمانوں میں بھی یہ نیکیاں موجود رہیں گی۔

اشعۃ اللمعات۔ وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا جو شخص حلال کھائے وعمل فی سنۃ اور سنت کے مطابق عمل کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ وامن الناس بوائقہ اور لوگ اس کے شر و فتنہ سے امن میں رہیں یعنی اس کی طرف سے کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے یعنی کسی کو گمراہی کے راستے پر نہ ڈالے اور کسی کو بدراہ نہ کرے ظاہر ہے کہ اس سے ہر چھوٹا بڑا شر و فتنہ مراد ہے یعنی لوگوں کو اس سے کسی قسم کی کوئی اذیت اور برائی نہ پہنچے۔
بوائق بائقہ کی جمع ہے بمعنی سختی اور رنج پہنچانا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص جنت میں نہ جائے گا۔ جس سے اس کے ہمسائے تکلیف میں ہوں۔ بوائق کی تفسیر ظلم، بدنیتی، سختی اور شر و فساد سے کی گئی ہے۔ دخل الجنۃ وہ جنت میں داخل ہوگا فقال رجل اس پر ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ان ھذا الیوم لکثیر فی الناس یارسول اللہ بیشک یہ کام (یہ نیکیاں) آج ہمارے زمانے میں تو بہت ہیں ہمارے بعد آنے والے لوگوں کی حالت کیا ہوگی۔ قال وسیکون فی قرون بعدی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے زمانے میں یہ اچھائیاں بہت ہیں اور میرے بعد آنے والے لوگوں میں بھی کسی نہ کسی حد تک یہ اچھائیاں موجود رہیں گی یعنی میری امت میں نیکی اور خیر بالکل ہی ختم نہ ہو جائے گی۔ اگرچہ زیادہ اور کم کا فرق ضرور ہوگا۔ اور آخر زمانے تک ایک جماعت ایسی موجود ہوگی جو تقویٰ اور اقامت سنت کے راستے پر گامزن رہے گی۔

۱۶۹ - وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِہٖ ھَلَکَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْھُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِہٖ نَجَا۔

رواہ الترمذی

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص دین کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا ہلاک ہو جائے گا پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جو اس کے دسویں حصے پر بھی عمل کریگا نجات پا جائے گا۔

اشعۃ اللمعات۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم فی زمان من ترک منکم عشر ما امر بہ ھلک اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دیگا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ہلاک ہو جائے گا۔

ثم یاتی زمان من عمل منھم بعشر ما امر بہ نجا پھر ایک زمانہ آئے گا کہ جو شخص اس کے دسویں حصے پر عمل کریگا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نجات پا جائیگا اور عذاب سے چھوٹ جائیگا اور ثواب کا مستحق ہوگا لیکن یہ گنجائش سنتوں اور نوافل خیرات میں ہوسکتی ہے فرائض و واجبات میں اس گنجائش کی کوئی صورت نہیں کہ ان کے ترک کی کسی زمانے میں اجازت نہیں ہوسکتی بعض نے کہا ہے اس امر معروف و نہی منکر مراد ہے کہ زمانہ نبوت اور اس کے بعد قریب زمانہ میں جب کہ حق ظاہر تھا حکومت اسلامی مضبوط تھی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں سرگرم تھے اور حق سننے اور قبول کرنے کی توقع ہوتی تھی ایسے اچھے حالات و زمانہ میں امر معروف اور نہی منکر ترک کرنے کے لئے کوئی عذر نہ تھا اس کے برعکس آخر زمانہ میں جو زمانہ نبوت کے بالکل الٹ اور خلاف ہوگا کہ اس میں تھوڑا سا امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا کر دینا بھی غنیمت اور اجر و ثواب کا موجب ہے۔

۱۷۰ - وَعَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هٰذِهِ الْاٰيَةَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ. رواه احمد والترمذی وابن ماجة

اور حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم گمراہ نہیں ہوتی جو پہلے ہدایت پر تھی مگر جھگڑے کی وجہ سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ماضربوہ الخ یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں بحث کرتے مگر محض جھگڑے کے لئے۔ بلکہ یہ سخت جھگڑالو قوم ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ اور حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں گمراہ ہوئی قوم جو پہلے ہدایت پر تھی، الا اوتوا الجدل مگر اس بنا پر کہ انہیں جھگڑا دیا گیا۔ جدل جیم اور دال کے فتح کے ساتھ یعنی لڑائی جھگڑے اور تعصب و عناد میں سخت ہونا تاکہ اس تندی اور سختی کے ذریعے اپنے باطل مذہب کو رواج دیں اور حق کی بنیادیں اکھاڑ پھینکیں۔

ثم قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۃ پڑھی جو کفار کے جدل و خصومت کے بارے میں وارد ہے یعنی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بیشک تم لوگ اور خدا تعالیٰ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تو مشرکین بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے شور مچایا کہ ہمارے بت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں اگر عیسیٰ جو نصاریٰ کے معبود ہیں اس آیت کے مطابق (معاذ اللہ) دوزخ میں جائیں گے۔ تو ہم بھی یہ پسند کیا تھ دوزخ میں جانے پر راضی ہیں۔ ان کی اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ نے آیت مَا ضَرَبُوْهُ الخ نازل فرمائی یعنی انہوں نے جو آپ کے ساتھ یہ بحث کی ہے طلب حق کے لئے نہیں کی بلکہ جھگڑے اور کج بحثی کے طور پر کی ہے کیونکہ ماتعبدون کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شامل ہی نہیں ہے کہ کلمہ ما یعنی جو غیر عقلاء کے لئے آتا ہے۔ جس طرح لفظ مَنْ عقلاء کے لئے یہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ لغت عرب میں ما کا استعمال یہی ہے اس کے باوجود محض جنگ و جدل اور تعصب و عناد کے تحت ایسی گفتگو کر رہے ہیں بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ ابن زبعریٰ (بکسر زاء و فتح باء و سکون عین و فتح راء اور آخر میں الف) جو مشرکوں میں سے ایک مشرک تھا اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بحث اور گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا تو اپنی قومی زبان سے ہی کس قدر ناواقف اور بے بہرہ ہے کہ ما اور من کا استعمال تک نہیں جانتا۔

۱۷۱ - وعن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللّٰہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللّٰہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم
رواہ ابوداؤد

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اپنے آپ پر سختی اور شدت نہ کرو کہ اللہ بھی تم پر شدت اور سختی کرنے لگے۔ بیشک ایک قوم اپنے اوپر شدت اور سختی کی تھی تو اللہ نے وہ شدت اور سختی ان پر ڈال دی تو نصاریٰ کے عبادت خانوں اور ان کے کلیساؤں میں جو لوگ ہیں یہ انہی کے باقی ماندہ لوگ ہیں۔ انہوں نے ایک رہبانیت اپنے پاس سے گھڑلی تھی ہم نے ان پر لازم نہ کی تھی۔

اشعۃ اللمعات۔ وعن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فرمایا کرتے تھے۔ لا تشددوا علی انفسکم ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے ساتھ اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ نفس جن کاموں کی طاقت نہیں رکھتا وہ اس سے لینے لگو اور جو چیزیں اللہ نے تمہارے لئے مباح کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام ٹھہرالو اور اللہ نے تمہارے ذمے آسان کام لگاتے ہیں مگر تم اپنے پاس سے سخت کام اپنے ذمہ لگالو۔ فیشدد اللہ علیکم یہانتک کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے اور انہیں تم پر فرض کردے اور تم میں ان کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو پھر تم عاجز آجاؤ اور ان کی ادائیگی سے پھر جاؤ فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم بیشک ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کردی فتلک بقایا ھم فی الصوامع والدیار تو اپنے اوپر سختی کرنے والوں میں سے آج بھی نصاریٰ کے عبادت خانوں اور ان کے کلیساؤں میں موجود ہیں صوامع صومعہ کی جمع بمعنی نصاریٰ کا عبادتخانہ۔ دیار دیر کی جمع بمعنی عیسائی درویشوں کی عبادتگاہ۔ رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔ رہبانیت جو انہوں نے پیدا کی ہم نے ان پر وہ فرض نہ کی تھی۔ رہبانیت سے عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے انقطاع، ٹاٹ کا لباس پہننا، گردن میں زنجیر ڈال لینا، اپنا آلہ تناسل کاٹ دینا اور پہاڑوں و صحراؤں میں بھاگ جانا وغیرہ مراد ہے جو اہل کتاب کے راہب اور زاہد کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ چیزیں انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر اختیار کرلی تھیں۔ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھیں۔ اور اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فما رعوھا حق رعایتھا پھر وہ ان کی نگہداشت اس طرح نہ کرسکے جیسا اس کے کرنے کا حق تھا۔

منقول ہے کہ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دریافت کیا کہ بنی اسرائیل نے تو اس قدر ریاضتیں اور مجاہدے کئے کہ وہ بوسیدہ مشکوں اور کمانوں کے پرانے چمڑوں کی طرح خشک ہوگئے اور ہم لوگ کھاتے ہیں پیتے ہیں پہنتے ہیں اور آرام و آرائش سے رہتے ہیں۔ اپنی آرام و آسائش کی اس زندگی کو دیکھ کر دل گھٹتا ہے کہ ہمارا طور طریقہ کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو اس بارے میں کوئی بات جاننا چاہتا ہے۔ اے احمد ہم سے صدق و اخلاص کا مطالبہ ہوگا۔ جلنے اور پگھلنے کا مطالبہ نہ ہوگا اگر تو نے دس دن عمل کیا اور اخلاص سے کیا تو وہ دس سال جلنے اور پگھلنے سے بہتر ہے اصل میں خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب و مقصود ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ومن لم یکن للوصال اھلا۔ فکل احسانہ ذنوب۔

جو شخص وصال و ملاقات کا اہل قرار نہ پایا اس کی سب نیکیاں بھی گناہ ہیں۔

۱۷۲- وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القرآن علٰی خمسۃ اَوْجُہٍ. حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وَاَمْثَالٌ فَاَحِلُّوا الحَلَالَ وَحَرِّمُوا الحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْکَمِ وَآمِنُوْا بِالْمُتَشَابِہِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ ھٰذَا لَفْظُ المَصَابِیْحِ وَرَوَی البَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَلَفْظُہٗ فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الحَرَامَ وَاتَّبِعُوا المُحْکَمَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پانچ وجہوں پر نازل ہوا ہے۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال تو حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام۔ محکم پر عمل کرو۔ متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال و واقعات سے عبرت و نصیحت پکڑو۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی۔ حلال پر عمل کرو حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔

اشعۃ اللمعات: وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القرآن علی خمسۃ اوجہ قرآن پانچ قسم پر نازل ہوا ہے۔ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ وامثال حلال وحرام کا معنی واضح ہے اور محکم و متشابہ کا معنی حدیث عائشہ کی فصل اول میں معلوم ہو چکا ہے اور امثال سے قصے اور نصیحتیں کی باتیں مراد ہیں۔

فاحلوا الحلال وحرموا الحرام تو حلال کو حلال جانو یعنی اس پر عمل کرو اور اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھو اور حرام کو حرام جانو۔ واعملوا بالمحکم اور محکم پر کاربند رہو۔ وآمنوا بالمتشابہ اور متشابہ پر ایمان رکھو اور یہ یقین رکھو کہ اس سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے حق اور درست ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کی حقیقت کا علم نہیں واعتبروا بالامثال اور قصص اور نصائح سے نصیحت اور عبرت پکڑو۔ ھذا لفظ المصابیح یہ مصابیح کے الفاظ ہیں وروی البیھقی فی شعب الایمان اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے فاعملوا بالحلال واجتنبوا الحرام واتبعوا المحکم حلال پر عمل کرو حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو اور آمنوا بالمتشابہ واعتبروا بالامثال کے الفاظ مصابیح اور شعب الایمان دونوں میں ایک جیسے ہیں۔

۱۷۳- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَمْرُ ثَلَاثَۃٌ اَمْرٌ بَیِّنٌ رُشْدُہٗ فَاتَّبِعْہُ وَاَمْرٌ بَیِّنٌ غَیُّہٗ فَاجْتَنِبْہُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِیْہِ فَکِلْہُ اِلَی اللّٰہِ

رواہ احمد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرع کے احکام تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کا نیک ہونا ظاہر و واضح ہے ان کی پیروی کر۔ دوسرے وہ جن کا گناہ اور ناجائز ہونا واضح ہے ان سے بچ اور دور رہ۔ تیسرے وہ جن کے جائز یا ناجائز ہونے میں شبہ ہے انہیں خدا کے سپرد کر اور ان میں توقف کر اور ان میں خدا سے رشد و ہدایت طلب کر

الفصل الثالث ———— تیسری فصل

۱۷۴- عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الشَّیْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الغَنَمِ یَاْخُذُ الشَّاذَّۃَ وَالْقَاصِیَۃَ وَالنَّاحِیَۃَ وَاِیَّاکُمْ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا جو تنہا ہونے والی اور دور چلی جانے والی اور ایک

وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ
رواہ احمد

طرف ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے اور دو پہاڑوں کے درمیان واقع راستوں سے دور رہو اور جماعت اور اکثریت کے طریقے کو پکڑے رہو

اشعۃ اللمعات ۔ وعن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان ذئب الانسان بیشک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے کہ اسے بہکاتا اور پھسلاتا ہے کہ جماعت سے الگ ہو تو اسے ہلاک کر دے ۔ کذئب الغنم جیسے بکریوں کا بھیڑیا ۔ یاخذ الشاذۃ جو اس بکری کو پکڑے جاتا ہے جو گلے سے بھاگی اور اس سے اُنسیت نہیں رکھتی ۔ والقاصیۃ اور اس بکری کو بھی پکڑے جاتا ہے جو گلے سے دور چلی جائے اگرچہ نفرت کی وجہ سے دور نہ گئی ہو ۔ والناحیۃ اور اس بکری کو بھی پکڑے جاتا ہے جو گلے سے ایک طرف ہو کر کھڑی ہو ۔ اگرچہ اس سے بھاگی نہ ہو اور نہ ہی اس سے دور گئی ہو اور جو بکری گلہ کے درمیان ہو وہ امن اور سلامتی میں ہے وایاکم والشعاب اور اپنے آپ کو ان راستوں سے دور رکھو جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہوں ۔ اس عبارت سے مقصد یہ ہے کہ جماعت سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں اور جس راستے پر جمہور اہل اسلام چلتے ہوں اس سے ہٹ جانا درست نہیں جیسا کہ فرمایا وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ اور جماعت واکثریت میں رہنا اپنے اوپر لازم وضروری جانو ۔ اس جانب اشارہ ہے کہ اعتبار جمہور واکثر کی اتباع کا ہے کہ تمام لوگوں کا ہر معاملہ میں کامل اتفاق نہ صرف یہ کہ واقع نہیں بلکہ ممکن بھی نہیں ۔

۱۷۵ ۔ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ ۔ رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی ۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا جو شخص جماعت سے ایک ہاتھ کے فاصلے کے برابر دور ہوا فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار کر پھینک دی اور اس حالت کو پہنچ گیا کہ شاید اسلام کی قید اور احکام کی بندش سے باہر نکل جائے ۔ ربقہ بکسر او رلفتح را بمعنی وہ رسی جس میں چند حلقے بناتیں اور ہر حلقہ بکری کے گلے میں ڈال دیں ۔ اس ہر حلقے کو ربقہ کہتے ہیں ۔

۱۷۶ ۔ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ
رواہ فی الموطا

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک انہیں پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے ۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے رسول کی سنت ۔

اشعۃ اللمعات ۔ اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام ہے موطا الف مقصورہ اور ممدودہ دونوں سے پڑھنا جائز ہے ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ مرسل حدیث مشہور اصطلاح کے مطابق وہ ہے جسے تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے ۔ اسے منقطع بھی کہتے ہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہوا گو یہ نہ کہا جاتے کہ امام مالک تابعی نہیں ہیں اس لئے ان کی حدیث مرسل یا منقطع نہیں ہو سکتی تاہم بہتر یہ ہے کہ مرسلا کی بجائے تعلیقا کہا جائے یعنی اسناد کا اول حصہ حذف کر دینا ۔

۱۷۷ ۔ وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً

اور حضرت غضیف بن حارث الثمالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نکالتی

اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ ۔ رواہ احمد

کرتی تو قوم بدعت مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے تو سنت کو تھامے رکھنا بدعت پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ وعن غضیف بن الحارث الثمالی غضیف بضم غین وفتح ضاد معجمہ بن الحارث الثمالی ثمالی بضم ثاء مثلثہ و تخفیف میم شامی ہیں۔ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ ابن ابی حاتم اور ان کے باپ اور ابو زرعہ نے کہا کہ صحابی ہیں۔ عجلی نے کہا تابعی ثقہ ہیں اور ابن سعید نے انہیں تابعین کے طبقہ اول میں شمار کیا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب ثقات میں کیا ہے حضرت غضیف کا اپنا قول ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ سے مصافحہ کیا۔ واللہ اعلم۔ بعض نے ضاد کی بجائے غضیف طاء کے ساتھ پڑھا ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم نہیں نکالتی بدعت الارفع مثلہا من السنۃ مگر اس کے برابر اس قوم سے سنت اٹھالی جاتی ہے اور جب کہ احداث بدعت سنت کو اٹھاتا ہے تو اسی قیاس کے مطابق سنت کو رواج دینا بدعت کا قلع قمع کرتا ہے۔ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ پس سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اگرچہ وہ چھوٹی سی ہو نئی بدعت پیدا کرنے سے اگرچہ حسنہ ہی ہو بہتر ہے کہ اتباع سنت سے نور پیدا ہوتا ہے اور بدعت میں گرفتار ہونے سے ظلمت اور تاریکی چھاتی ہے۔ مثلاً بول و براز اور استنجاء کے آداب سنت کے مطابق بجالانا سرائے اور مدرسہ بنانے سے بہتر ہے کیونکہ سالک آداب سنت کی رعایت سے ترقی کرتا اور مقام قرب تک پہنچتا ہے اور ان آداب کے ترک سے ترقی کے بجائے تنزل میں پڑجاتا ہے پھر رفتہ رفتہ بدعت میں گرفتار انسان قساوت قلبی تک پہنچتا ہے جسے رین اور طبع اور دل پر مہر لگ جانے سے تعبیر کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک

۱۷۸۔ وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

رواہ الدارمی

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے (جو شاعر اور مشہور صحابی ہیں اور ان کے حالات اشعۃ اللمعات میں دوسری جگہ ذکر ہوتے ہیں) روایت ہے انہوں نے کہا نہیں پیدا کرتی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت مگر اللہ تعالیٰ ان سے اس کی مثل سنت ان سے چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سنت انہیں واپس عطا نہیں کرتا۔

۱۷۹۔ وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

اور حضرت ابراہیم بن میسرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بدعتی کی عزت و آبرو کی تو بیشک اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

اشعۃ اللمعات۔ وعن ابراہیم بن میسرۃ آپ ثقہ تابعی او صحیح الحدیث ہیں اپنے زمانے کی بے نظیر شخصیت تھے۔ آپ کی روایت کردہ احادیث نے اہل مکہ میں شہرت حاصل کی۔

فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ اس نے اسلام کے ویران کرنے میں مدد کی کیونکہ بدعتی کی تعظیم و توقیر میں سنت کی اہانت اور اس کا استخفاف ہے اور سنت کی اہانت و حقارت اسلام کے ویران کرنے کا موجب ہے اسی قیاس کے مطابق تبع سنت کی تعظیم و توقیر اسلام کی آبادی اور اس کی عمارت و ترقی کا ذریعہ ہے کہ اس کے سبب سنت کی عظمت بڑھے گی اور اسے رواج حاصل ہوگا۔

۱۸۰۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے

ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ - وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ فَلَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْاٰخِرَةِ - ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔

فرمایا میں نے اللہ کی کتاب کا علم حاصل کیا پھر اس میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچا کر ہدایت پر قائم رکھے گا اور قیامت کے روز اسے بُرے حساب سے بچائے گا اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے اللہ کی کتاب کی اقتدا کی وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بُرے انجام سے دوچار نہ ہوگا۔ پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت تلاوت کی فَمَنِ اتَّبَعَ الخ۔

اشعۃ اللمعات وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال من تعلم کتاب اللہ ثم اتبع ما فیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی کتاب سیکھی پھر ان احکام کی پیروی کی جو اس میں ہیں ھداہ اللہ من الضلالۃ فی الدنیا اللہ اسے صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائے گا اور اسے دنیا میں گمراہی سے نجات دیگا ووقاہ یوم القیامۃ سوء الحساب اور قیامت کے روز اسے ہر بدی اور سختیِ حساب سے بچائے گا۔ وفی روایۃ قال اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے من اقتدی بکتاب اللہ فلا یضل فی الدنیا ولا یشقی فی الاخرۃ جس نے اللہ کی کتاب کی اقتدا کی وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا۔ ثم تلا ھذہ الایۃ پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی۔ پس جو شخص میری کتاب کی پیروی کریگا جو ذریعہ ہدایت ہے وہ گمراہ اور بدبخت نہ ہوگا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی دولت و سعادت دین و شریعت کی متابعت میں ہے جیت۔

زہے سعادت اگر خدمتت توانم کرد
کہ نیک بختی دنیا و دین ز خدمت تست

اگر میں تیری خدمت کرسکوں تو یہ میری سعادت ہوگی۔ کہ دین و دنیا کی نیک بختی تیری خدمت میں ہے۔

۱۸۱ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُّوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهِ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کو ایک مثال کی صورت میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اس صراط مستقیم کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان میں دروازے کھلے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹکے ہوں اور سر راہ لوگوں کو بلانے والا شخص موجود ہو جو کہہ رہا ہو راستے پر چلو۔ کجروی اختیار نہ کرو اور اس داعی کے اوپر ایک اور داعی (بلانے والا) ہو کہ جب بندوں میں سے کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنے اور پردہ اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ داعی (بلانے والا) کہتا ہے تجھ پر افسوس! یہ دروازہ نہ کھول کہ بیشک اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کی وضاحت فرمائی کہ اس سے کیا مراد ہے تو آپ نے خبر دیتے

رواہ رزین ورواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

یہ حدیث رزین نے ابن مسعود سے روایت کی اور احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اسے نواس بن سمعان سمعان بکسر سین اور بفتح سین دونوں طرح آیا ہے۔ آپ صحابی ہیں شام میں سکونت تھی۔ اسی طرح ترمذی نے بھی نواس بن سمعان سے بھی روایت کی مگر اتنا فرق ہے کہ امام ترمذی نے احمد و بیہقی کی نسبت مختصر الفاظ میں روایت کی ہوئے فرمایا کہ صراط سے طریقہ اسلام مراد ہے۔[۱] اور بتایا کہ کھلے ہوئے دروازوں سے جن پر پردے لٹکے ہوتے ہیں وہ افعال مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔[۲] اور بیان فرمایا کہ لٹکے ہوئے پردوں سے اللہ کی حدیں مراد ہیں اور بتایا کہ راستے پر کھڑے داعی سے قرآن مراد ہے[۳] اور اس داعی کے اوپر ایک اور داعی سے ہر مومن کے دل میں اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا[۴] مراد ہے۔

اشعۃ اللمعات [۱] یعنی دین کی کیفیت وحالت یا ان حدود و محارم اور احکام قرآن کی حالت و کیفیت بیان فرمائی۔ [۲] اور اس میں داخل ہوگیا تو دردناک عذاب میں جا پڑے گا۔ [۳] جس پر چل کر انسان بہشت جاوداں میں پہنچ سکتا ہے۔ [۴] کہ ان کے اور بندے کے درمیان بندش ڈال دی ہے کہ ان کی طرف گذر نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کو ان سے باز رکھتا ہے (باز رہنے کی تلقین کرتا ہے) یہ دراصل حق سبحانہ و تعالیٰ کے احکام ہیں جن کا انسان کو پابند کیا گیا ہے[۵] جو لوگوں کو راہ راست پر چلنے کی دعوت دیتا ہے [۶] شارح طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے واعظ قلب کی تفسیر لمۃ ملک (الہام فرشتہ سے کی ہے) جو بندہ کے دل میں نیک بات ڈالتا ہے جب تک فرشتہ کی طرف سے یہ الہام نہ ہو قرآن مجید سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ قرآن مجید کا کام صرف یہ ہے کہ وہ راستہ دکھاتا اور راستے کے نشان بتلاتا ہے مگر دل کا اسے قبول کرلینا اور نصیحت کو دل میں بٹھالینا اور راستے پر چل پڑنا اور مقصود تک پہنچ جانا تو یہ توفیق و ہدایت الٰہی سے ہوتا ہے جس کا الہام اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈالتا اور پیدا کرتا ہے۔

۱۸۲۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهِ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔

رواہ رزین

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا جو شخص راہِ راست پر چلنا چاہے اسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے راستے پر چلے اور ان کی اقتدا اور پیروی کرے جو اس جہاں سے گذر گئے اور وفات پاچکے ہیں کہ زندوں کے بارے میں یہ اندیشہ موجود ہے کہ وہ دین میں کسی فتنہ اور ابتلاء میں مبتلا ہوجائیں[۱] اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تھے یہ حضرات امت میں سب سے افضل تھے ان میں سب سے بڑھ کر نیک دلی پائی جاتی تھی ان کا علم سب سے گہرا تھا اور یہ حضرات سب سے کم تکلف و تصنع اختیار کرتے تھے[۲] اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اپنے نبی کی رفاقت و صحبت اور اقامت و خدمت دین کے لیے چنا ہے تو ان کے لئے ان کا فضل و کمال پہچانو اور ان کے آثار و طریقوں کی پیروی کرو اور حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کی سیرت و روش اختیار کرو کہ بیشک یہ لوگ ہدایت مستقیم پر قائم تھے[۳]

اشعۃ اللمعات ۱ے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے زمانے کے تابعین سے فرمائی اور انہیں نصیحت کی اور لوگوں سے صحابہ کرام اور زندوں سے صحابہ کرام کے علاوہ اپنے زمانے کے دوسرے لوگ مراد ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اولائک الخ ۲ے کہ یہ حضرات سب سے کم تکلف و تصنع اور ریاء و نمائش اور لوگوں میں مروج و متعارف رسوم و عادات اختیار کرتے تھے اور بادشاہ کے ساتھ کسی کام کو کم ہی انجام دیتے تھے۔ تکلف کا معنی ہے فرمانے کے بغیر کسی کام کو خود اپنے ذمے لے لینا اور اپنے آپ کو رنج و مشقت میں ڈالنا اور تکلف اسے کہتے ہیں جو اپنی حاجت و ضروریات اور طاقت سے بڑھ کر کام کرے۔

۳ے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت و اکملیت کی دلیل ہے یعنی جب کہ خدا تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انہیں چنا اور اپنے پیغمبر کا انہیں یار و رفیق اور ساتھی بنایا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہی حضرات بہترین خلق اور اخیار امت ہیں اور انہی کے نفوس قدسیہ انوار ہدایت و ایمان کے زیادہ لائق و قابل ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہی اس کے سب سے زیادہ لائق و مستحق تھے۔ آثار و روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی ان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو سب دلوں سے روشن تر اور پاک تر پایا تو اس میں نور نبوت رکھ دیا اور صحابہ کرام کے قلوب طاہرہ کو باقی تمام دلوں سے صاف تر اور لائق تر پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لئے انہیں چن لیا۔ اور فی الواقع ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی عقلمند پسند نہ کریگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید جن سے اللہ راضی ہو گیا اور جنہوں نے عمر بھر آپ کے زیر سایہ تربیت پائی اور خدمت میں حاضر رہے وہ بشری آلائشوں سے پاک و صاف نہ ہوئے ہوں۔ اور درجہ کمال کو نہ پہنچے ہوں۔ مشائخ کرام کے مریدین کو دیکھئے کہ ان کی خدمت میں کن بلند مراتب کو پہنچتے ہیں صحابہ کرام کا نقص و عیب معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں نقص و عیب کا موجب بنے گا اور یہ لازم آئے گا کہ صحابہ میں نفاق موجود تھا۔ حالانکہ سورہ توبہ کے نزول کے بعد منافقین و مخلصین کا امتیاز و تعین بھی ہو گیا تھا اور منافقین ذلیل و رسوا ہو چکے تھے لہٰذا کسی صحابی کے بارے میں نقص و عیب کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔ ۴ے سبحان اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کی بزرگی اور دین میں بلندی شان اس قدر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا رضیت لامتی مارضی بہ ابن ام عبد میں امت کے لئے راضی ہو گیا ہر اس چیز سے جس سے ابن ام عبد راضی ہوا یعنی ابن مسعود آپ کس قدر صحابہ کرام کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں کہ مجال گفتگو نہیں نسال اللہ العافیۃ۔

۱۸۲۔ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَاُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے۔ آپ خاموش ہو گئے حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور غصے سے تبدیل ہو رہا تھا یہ حالت دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رونے والی عورتیں تجھے روئیں تو نہیں دیکھ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی حالت

فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَّاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ۔

رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ

بدل رہی ہے اس پر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا کہ اس پڑھنے کے آثار نمایاں ہیں تو عرض کی میں اللہ کے پاس پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے کہ ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوئے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم کہ ذات محمد کی بقا جس کے ہاتھ میں ہے اگر موسیٰ پیغمبر تمہارے سامنے نمودار ہوا اور تم مجھے چھوڑ کر اس کی پیروی شروع کر دو تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا زمانہ پاتے تو ان کے لئے میری پیروی کرنا ضروری ہوتا۔

اشعۃ اللمعات لہ یعنی تو مرجائے۔ اس لفظ کی تحقیق باب الایمان کی دوسری فصل میں ذکر ہو گئی ہے کہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عذر خواہی اور معافی کی نیت سے عرض کیا میں خدا کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ و ناراضگی سے۔

۱۸۴۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ کَلَامِیْ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ بَعْضُہٗ بَعْضًا

لہ اور انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے نیز کلام اللہ کلام اللہ کو بھی منسوخ کر دیتا ہے۔

اشعۃ اللمعات (۱) دین و ملت کے کام کی صلاح و بہتری کی خاطر شرع کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دینے کا نام نسخ ہے۔ یہ تبدیلی درحقیقت پہلے حکم کی مدت کا اظہار و بیان ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ حکم اس مدت تک مشروع اور قابل عمل تھا۔ واقع میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ حکم اول بظاہر بیان وقت سے متعلق تھا تو منسوخ ہونے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس میں تبدیلی واقع ہو گئی۔

نسخ کی چار قسمیں ہیں قرآن کا نسخ قرآن سے، حدیث کا نسخ حدیث سے، قرآن کا نسخ حدیث سے اور حدیث کا نسخ قرآن پاک سے لیکن اس حدیث کا ظاہری معنی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز نہیں (حالانکہ حدیث سے کلام اللہ کا نسخ جائز ہے) لہٰذا یہاں حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کلام مراد ہوگا جو آپ نے وحی سے بلکہ رائے اور اجتہاد کے طور پر فرمایا۔ یا یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸۵۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَادِیْثَنَا یَنْسَخُ بَعْضُھَا بَعْضًا کَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک ہماری احادیث منسوخ کر دیتی ہیں بعض بعض کو یعنی ایک دوسری کو جس طرح قرآن قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے

اشعۃ اللمعات لہ اور اگر نسخ القرآن سے احادیث کا قرآن کو منسوخ کرنا مراد ہو تو پھر نسخ کی چاروں مذکورہ قسمیں درست ہو گئیں اور یہ حدیث سابق حدیث کی ناسخ قرار پائے گی۔

۱۸۶۔ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا

روی الاحادیث الثلاثۃ الدارقطنی

اور حضرت ثعلبہ خشنی [1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ نے کچھ کام فرض کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام کی ہیں ان کی حرمت کو نہ توڑنا اور کچھ حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور بھولے بغیر کچھ چیزوں کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے [2] تم ان سے بحث نہ کرنا [3]

یہ تینوں احادیث امام دارقطنی [4] نے روایت کیں۔

اشعۃ اللمعات۔ [1] خشنی بضم خا و فتح شین۔ اپنے کسی جد کی طرف منسوب ہیں۔ آپ صحابی ہیں آپ کا نام جرہم اور باپ کا نام ناشب ہے اپنی کنیت سے مشہور ہیں آپ کے باپ کے نام میں بہت اختلاف ہے مگر مشہور وہی ہے جس کا یہاں ذکر ہوا۔ اہل بیعت رضوان میں سے ہیں۔ شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

[2] کہ بھول اور نسیان سے وہ ذات پاک و منزہ ہے اس لئے تو تم پر رحمت کرنے اور تمہارے لئے کار دین میں آسانی کے لئے ایسا کیا ہے

[3] تو ان کے بارے میں کاوش اور کھود کرید نہ کرو۔

[4] دارقطن بغداد شریف کا ایک محلہ ہے دارقطنی اسی محلے کی طرف منسوب ہے ان الفاظ پر کتاب الایمان مکمل ہوئی والحمد للہ علی ذالک

الفصل الاول

فصل اول

۱۸۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امت تک پہنچا دو میری طرف سے دین و شریعت کو اگرچہ ایک ہی آیت [1] ہو اور بنی اسرائیل سے سنی ہوئی باتوں کو بیان کرو اس میں گناہ اور حرج نہیں ہے [2] اور جو شخص میرے اوپر جھوٹ باندھے اور میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کی تو چاہیئے کہ ایسا شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے [3]

اشعۃ اللمعات۔ کتاب العلم۔ کتاب علم کے بیان میں۔

علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب و سنت سے متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں مبادی اور مقاصد۔ مبادی وہ علوم ہیں جن پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے جیسے علم لغت، نحو و صرف وغیرہ عربی علوم اور مقاصد وہ علوم ہیں جو اعمال، اخلاق اور عقائد سے متعلق ہیں ان علوم کو علوم معاملات بھی کہتے ہیں اور ایک علم مکاشفہ ہے جو ایک نور ہے کہ طریق مستقیم پر چلنے اور صدق معاملہ کے بعد دل میں القا ہوتا ہے اس علم کے ساتھ حقائق اشیاء کی معرفت کما حقہ منکشف ہوتی ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس علم کو علم حقیقت اور علم وراثت بھی کہتے ہیں اس حدیث کے مطابق کہ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

جس شخص نے حاصل کئے ہوئے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ اسے اس علم کا وارث بناتا ہے جو اس نے نہیں سیکھا ہوتا اور آیۃ کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (اور اللہ سے ڈرو اور اللہ علم عطا کرتا ہے) میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو کہتے ہیں علم ظاہری وعلم باطنی تو اس کا معنی بھی یہی ہے جو مذکور ہوا۔ اور ان دونوں علوم کی آپس میں اس طرح نسبت ہے جس طرح جسم اور جان اور مغز اور پوست کی احادیث وآیات جس علم کی شان وفضیلت میں وارد ہوتی ہیں وہ علم ان تمام اقسام کو حسب درجات ومراتب شامل ہے۔

لہ ظاہر یہ ہے کہ آیت سے قرآن کی آیت مراد ہے تاہم یہ لفظ احادیث کی تبلیغ اور ان کی نشرواشاعت پر بھی دلالت کرتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے مشہور اور ہر جگہ پہنچ جانے کے باوجود اور ہر زمانے میں اس کے لاتعداد حافظ علم موجود ہوتے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس کی حفاظت کا کفیل وضامن ہونے کے باوجود جب کہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں تو احادیث کی تبلیغ اور نشرواشاعت کا بطریق اولی یہیں حکم ہوگا۔

بعض شارحین آیت سے کلام مراد لیتے ہیں جو عمدہ فائدے پر مشتمل اور بلند معنی کا نشان ہو جیسے وہ احادیث مبارکہ جو جوامع الکلم کے قبیلہ سے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اسی قبیلہ سے ہیں اس تحقیق کے مطابق معنی یہ ہوگا پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک ہی حدیث ہو۔ حدیث شریف کی تبلیغ کی وجہ تخصیص یہ ہوگی کہ قرآن حکیم مذکورہ وجہ کی بنا پر تبلیغ کا محتاج نہیں ہے۔

سہ یا یہ مراد ہے کہ حدیث روایت کرنے میں وجوب احتیاط، عادل، ثقہ وضبط وذہن کے راویوں ورجال سے نقل کرنے میں اتصال سند ملحوظ رکھنے وغیرہ کی شرائط عائد کرکے جو دائرہ روایت تنگ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں ان شرائط کا پورا ہونا ضروری نہیں۔

چونکہ پہلے تورات کے پڑھنے اور اسے لکھنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ شاید تم لوگ اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارے میں تذبذب اور حیرت میں ہو اس لئے تورات کا دامن تھام رہے ہو، جیسا کہ گذشتہ باب کی تیسری فصل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذرا تو اس ممانعت کے بعد اب اس امر کی اجازت دیدی کہ بنی اسرائیل سے قصے، مواعظ اور نصیحت آمیز کہاوتیں سن سکتے اور انہیں بیان کر سکتے ہو تاہم ان کے شرائع اور احکام جو منسوخ ہو چکے ہیں بیان نہ کرو۔ البتہ ان کی کتاب کے عجیب وغریب واقعات نقل کر سکتے ہو۔ اس سلسلے میں نقل وسند کی تصحیح میں احتیاط برتنے میں کچھ کمی بھی رہ جاتے تو کم کی بات نہیں کہ مقصود عبرت دلانا اور بیدار کرنا ہے اور اس باب میں وسعت وگنجائش ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

کلہ اس کلام کا مقصد اپنے پاس سے حدیث گھڑنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بطور تاکید روکنا ہے کہ وضع حدیث اگرچہ ترغیب وترہیب کی نیت سے ہی ہو تب بھی حرام ہے اور بالاتفاق کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ امام الحرمین کے والد امام محمد جوینی رضی اللہ عنہ نے اسے کفر میں داخل کیا اور اس کے قائل کے لئے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ کچھ لوگوں نے ترغیب و ترہیب کی نیت سے حدیث وضع کرنے کو جائز کہا ہے مگر یہ غلط اور خطا ہے۔ حق یہی ہے کہ بیان وضع کے بغیر حدیث گھڑنا اور اسے روایت کرنا حرام ہے۔

۱۸۸ ـ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ

حضرت سمرہ اور مغیرہ جو دونوں مشہور صحابی ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری طرف سے ایسی حدیث بیان کرے جس کے متعلق اس کا گمان ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا

رواہ مسلم

شخص جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک

اشعۃ اللمعات۔ لہ کیونکہ جب اس نے جھوٹے کی اعانت کی اور کذب و جھوٹ کی اشاعت میں اس کا شریک بنا تو اس کے گناہ اور جرم میں اس کے ساتھ شریک ہوگیا یری یہ لفظ ضمہ اور فتح یا دونوں طرح مروی ہے ضم کی صورت ہیں بمعنی گمان اور فتح کی صورت میں بمعنی علم ہے لیکن یہاں علم بھی گمان کے معنی میں ہوگا کیونکہ روایت کے عدم جواز کے لئے جھوٹ کا یقین ہونا شرط نہیں ہے۔ گمان کذب کافی ہے۔ بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ کذب کے احتمال اور شک و شبہ کی صورت میں بھی حدیث کی روایت جائز نہیں ہے لیکن حق یہ ہے کہ صرف احتمال کی صورت میں حدیث کی روایت ترک نہیں کی جاسکتی اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ صدق کا گمان غالب ہو تو روایت کرنا جائز ہے اور اگر کذب کا گمان غالب ہو تو روایت جائز نہ ہوگی۔ اور شک کی صورت میں جواز اور عدم جواز دونوں برابر ہیں۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر کلام سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ کاذبین جمع اور تثنیہ دونوں طرح مروی ہے۔ تثنیہ کی صورت میں راوی اور مروی عنہ مراد ہوگا

۱۸۹۔ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ متفق علیہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے لئے نیکی چاہتا ہے اسے دین میں فقیہہ بنا دیتا ہے لہ اور میں نہیں ہوں مگر تقسیم کرنے والا اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے یعنی دین کی سمجھ وغیرہ جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

لہ یعنی اسے دین کا فہم، زیرکی، دانائی عطا کرتا ہے اور اس کے دیدۂ بصیرت کو کھول دیتا ہے کہ اسے کتاب و سنت کے معانی کا ورک حاصل ہوجاتا ہے۔ اور اس کی تحقیق مراد تک پہنچ جاتا ہے۔ اصل میں فقہ کا لفظ فہم و ذکاوت کے معنی میں آتا ہے مگر عرف شرع میں احکام عملیہ کے علم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۹۰۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں لہ ان میں سے جو جاہلیت میں نیک تھے وہ اسلام میں بھی نیک ہوں گے کہ جب کہ وہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں فقاہت حاصل کریں۔

اشعۃ اللمعات لہ یعنی عمدہ اخلاق اور محاسن صفات میں اپنی اپنی استعداد اور جوہر اور شرافت ذات کے مطابق ان میں فرق ہے۔ جیسے ایک کان وہ ہوتی ہے جو اپنے اندر لعل و یاقوت پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھتی ہے اور ایک کان سونا چاندی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور ایک کان وہ ہوتی ہے جو لوہا تانبہ پیدا کرتی ہے اور ایک وہ ہوتی ہے جس میں سے سرمہ اور چونہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے

کہ یعنی جو شخص تقاضائے استعداد اور قابلیت ذات کے مطابق زمانہ جاہلیت میں نیک تھا اور قبائل میں برگزیدہ اور پسندیدہ تھا اور اپنے ہمعصر لوگوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اچھی صفات کا مالک تھا اور ان عادات و خصائل سے جو عقلاً بمعنی عرفاً بھی اچھی اور پسندیدہ

میں آراستہ تھا، دین اسلام میں آنے کے بعد بھی اس سے حمیدہ اوصاف اور برگزیدہ افعال وجود میں آتے ہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں ظلمت کفر وجہل میں چھپا ہوا اور ڈوبا ہوا تھا جس طرح سونا چاندی کان میں مٹی سے ملا ہوا ہوتا ہے اسلام میں آنے اور مجاہدہ و ریاضت کی بھٹی میں پگھلنے کے بعد اس سے مٹی کی آلائش ختم ہوگئی اور وہ ہر قسم کے کھوٹ سے پاک اور صاف اور خالص ہوگیا اور علم و معرفت کے نور سے روشن و منور ہوگیا اور اسی استعداد کی بدولت اس کی اچھی اور عمدہ عادات اپنے ہم عمروں پر نمایاں ہوگئیں اور وہ ان سے فوقیت اور برتری حاصل کرگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اذا فقہوا (جب کہ وہ فقیہ ہوجائیں، علم دین سیکھ لیں اور صاحب بصیرت ہوجائیں) میں اسی جانب اشارہ ہے کہ دین میں دارومدار علم و معرفت حاصل کرنے پر ہے اور اگر اس علم و معرفت کے ساتھ اصلی شرافت اور ذاتی بزرگی بھی جمع ہوجائے تو اس کا بھی بڑا اعتبار ہوگا۔ دین کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ عالم جس میں کمینہ پن ہو شریف جاہل سے بہتر ہے ؎

حافظا علم و ادب ورزکہ در حضرت شاہ ہر کرا نیست ادب لائق خدمت نبود

(ترجمہ) اے حافظ علم و ادب حاصل کر کہ شاہ کے حضور جس میں ادب نہیں وہ خدمت کے لائق نہیں

۱۹۱ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا۔

متفق علیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے حسد مگر دو آدمیوں کے بارے میں [۱] ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا پھر اسے اپنے راستے میں [۲] اس مال کے خرچ کرنے اور لٹا دینے کی طاقت و توفیق عطا کردی دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت یعنی دین و شریعت کا علم عطا کیا وہ اس کے مطابق عمل بھی کرتا اور فیصلے بھی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے [۳]

اشعۃ اللمعات [۱] مطلب یہ ہے کہ اگر حسد کرنا جائز ہوتا اور یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان مذکورہ دو آدمیوں کے بارے میں جائز ہوتا بعض علماء فرماتے ہیں حسد سے یہاں غبطہ مراد ہے۔ غبطہ یہ ہے کہ انسان یہ آرزو کرے کہ جو چیز دوسرے کو ملی ہے مجھے بھی ملے غبطہ جائز ہے مگر حسد جس کا معنی ہے دوسرے سے نعمت چھن جانے کی آرزو کرنا ناجائز ہے تاہم فسادی اور ظالم لوگوں پر حسد کرنا درست ہے اور ان دو صفات کے ساتھ غبطہ (رشک) کو خاص کرنا حالانکہ ہر اچھی صفت میں غبطہ جائز ہے، ان دو صفات کے اعلیٰ ہونے اور ان کی شرافت و عمدگی اور فضیلت کے پیش نظر ہے کیونکہ یہ دو صفات انبیاء و مرسلین کی صفات اور ان کے خصائص میں سے ہیں یہ دو آدمی کون ہیں آگے ان کا ذکر فرمایا۔

[۲] نیکی اور اپنے راستے کا لفظ بولا کہ اس مال کو ناپسندیدہ قرار دیا جو اسراف اور ناجائز کاموں میں صرف ہو ھلکتہ دو معنوں کے ساتھ ہلاک کرنا اور فنا کر دینا اس لفظ سے کمال سخاوت وجود کی طرف اشارہ کیا یعنی راہ حق اور نیک کاموں میں اپنے پاس کچھ نہ رکھے بلکہ سب کچھ لٹا دے۔

[۳] اکثر روایات میں یہ لفظ اثنتین تا ء تانیث کے ساتھ آیا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا حسد صرف دو صفتوں میں ہوگا۔ ایک مال

خرچ کرنا۔ دوسرا علم حاصل کرنا پھر اسکے مطابق عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پہلی روایت زیادہ مضبوط ہے۔

۱۹۲۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ. صَدَقَةٌ جَارِیَةٌ اَوْ عِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْلَهٗ رواه مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے[۱] مگر تین عملوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ[۲] یا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچا ہو[۳] یا نیک کردار بیٹا[۴] کہ جو اس کے لئے دعا کرے۔

اشعۃ اللمعات۔ [۱] یعنی اس کی عملی زندگی جیسے نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کا دور ختم ہو جاتا ہے اور اس کیلئے ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

[۲] جو اس کے مرنے کے بعد دائم اور باقی رہے مثلاً اس نے اپنی زندگی میں کوئی چیز فی سبیل اللہ وقف کردی یا خیر و نیکی کا کوئی اور کام کیا ہو جیسے کنواں کھدوایا یا حوض یا مسجد اور سرائے وغیرہ بنوائی جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت اس کا مزید ذکر آرہا ہے۔

[۳] کہ لوگوں کو تعلیم دی کتابیں تصنیف کیں۔ بلکہ دینی کتابوں کی کتابت کرنا اور انہیں نقل کرنا بھی علم نافع میں شامل ہے۔

[۴] چونکہ بچہ اس سے پیدا ہوا اور اس سے وجود میں آیا اس لئے اسے بھی عمل میں شمار کیا اور فرمایا کہ اس کی دعا کا ثواب بھی اسے پہنچتا رہے گا۔

۱۹۳۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ. رواه مسلم

اور انہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مومن کی دنیوی پریشانیوں میں ایک پریشانی بھی[۱] دور کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی اخروی پریشانیوں میں ایک پریشانی دور کرے گا اور جس نے تنگدستی میں مبتلا[۲] انسان کے لئے آسانی مہیا کی اللہ اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی مہیا کریگا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی[۳] اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی امداد کرنے میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف رہتا ہے[۴] اور جو شخص کسی راہ میں علم کی تلاش میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے اور کوئی قوم و جماعت کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت[۵] اور آپس میں اس کے درس و تکرار میں مصروف نہیں ہوتی۔ مگر

مگر اللہ ان پر سکینہ ۱۰
(اطمینان قلب) نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں ۱۱ اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ملائکہ مقربین میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے دھکیل دیا تو اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا ۱۳۔

اشعۃ اللمعات ۔ ۱۔ یعنی جو شخص کسی مومن بھائی کے دنیا کے دکھوں اور پریشانیوں میں کسی ایک دکھ اور پریشانی کو دور کرتا ہے چہ جائیکہ دینی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کرے جیسے کسی کو کفر و معصیت پر مجبور کیا گیا ہو اسے اس سے نجات دلانا۔

۲۔ جیسے کسی کی گردن پر قرض کا بوجھ ہو اور اسے ادا کرنے سے عاجز ہو اس کی مدد کرے تاکہ اس کی گردن سے وہ بوجھ اتر جائے یا اس کا اپنا ہی قرض اس کے ذمہ تھا اس نے وہ معاف کر دیا یا آسانی سے ادا کرنے کے وقت تک اسے مہلت دیدی۔

۳۔ اسے رسوا اور خوار نہ کیا یا کوئی مسلمان ننگا اور برہنہ پڑا ہوا تھا اس نے کپڑے سے اس کی شرمگاہ ڈھانپ دی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیگا۔

۴۔ اس کی تکلیف دور کرے یا اسے نفع پہنچا کر جیسے بھی ممکن ہو۔

۵۔ اگرچہ تھوڑا سا علم ہی کیوں نہ ہو یا تلاش علم سے تحصیل علم کے اسباب میں سے کسی سبب اور اس کی وجوہ میں سے کسی وجہ کا تلاش کرنا مراد ہے جیسے مال خرچ کرنا یا تعلم و تعلیم اختیار کرنا یا دینی کتب کی تصنیف۔

۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس علم کی جزا اور صلے میں اسے جنت میں لائے گا یا اسے عمل صالح کی توفیق عطا کرے گا جو جنت میں آنے کا سبب و ذریعہ ہے۔

۷۔ یعنی خدا تعالیٰ کے گھروں میں سے ایسے گھر میں جو اس مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہو۔

۸۔ بطور ورد و وظیفہ مسجد یا غیر مسجد میں قرآن پاک پڑھتے ہیں۔

۹۔ ایک دوسرے کو تعلیم دیتے اور اس کے معانی کی تحقیق ، الفاظ کی تصحیح اور اس کی تجوید و قراءت کے لئے آپس میں بحث و تکرار کرتے ہیں درس بمعنی پڑھنا تدارس کا معنی ایک دوسرے سے تکرار کرنا۔ دُرست بضم اور دراست بکسر و راصل ریاضت و مشقت کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کوئی قوم و جماعت قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر اللہ کی طرف سے ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔

۱۰۔ سکینہ یعنی آرام باطن اور اطمینان قلب جس کی برکت و بدولت دنیوی شہوات کی طرف میلان اور ما سوا اللہ کا خوف و ڈر دل سے نکل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حضوری کی سعادت اور صفائی و نورانیت نصیب ہوتی ہے صحیح مسلم شریف کی شرح میں آیا ہے کہ قول مختار یہ ہے کہ سکینہ مخلوق الٰہی میں سے ایسی چیز کا نام ہے جس میں طمانیت و رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں کبھی وہ سکینہ ابر کی شکل میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ کتاب فضائل القرآن میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

۱۱۔ اور فرشتے ان کا طواف کرتے ہیں۔

۱۲۔ یعنی ملاء اعلیٰ اور اپنی جناب قدس کے مقرب ملائکہ کے سامنے اپنے ان بندوں پر بطور فخر و مباہات اور ملائکہ کے طعن کا جواب دینے کے لئے کہ بشر معصیت کا مرتکب ہوگا ان فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر کرتا ہے۔

بیت: بہ بزم وصل خودم خواند یار در خلوت — کنوں رقیب حسد پیشہ گو بسوز از رشک

ترجمہ۔ یار نے بزم وصل کے پنہاں خانۂ خلوت میں خود مجھے بلا لیا ہے اب رقیب حسد پیشہ کو کہو کہ رشک سے جل جائے

۱۳۔ یعنی جس شخص نے عمل میں کوتاہی اختیار کی وہ چاہے کتنا ہی عالی نسب کیوں نہ ہو اس کے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی

بیت: بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ترجمہ۔ اے جامی جب تو بندۂ عشق بن گیا تو اب خاندانی نسب پر فخر کرنا چھوڑ دے کیونکہ اس راہ میں فلاں بن فلاں کوئی چیز نہیں

۱۹۴۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُّ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ

رواہ مسلم

اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عمل میں اخلاص نہ ہونے کی بنا پر سب سے پہلے جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ ایک تو وہ شخص ہوگا جو راہ خدا میں شہید ہوا تھا اسے خدا تعالیٰ و تقدس کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے عطا کردہ نعمت جتلائے گا۔ وہ بندہ خدا تعالیٰ کی نعمت کو پہچانے گا اور اس کا اعتراف کریگا اس پر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا بتا اس نعمت کے شکر کے طور پر تو نے کیا عمل کیا۔ وہ جواب دے گا میں نے تیری راہ میں خالص تیرے لئے کفار سے جہاد کیا یہاں تک میں نے اپنی جان دیدی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ کام میری رضا کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ تو نے مخلوق کے دکھاوے کے لئے ایسا کیا تاکہ لوگ تجھے دلیر اور بہادر کہیں۔ یہ بات تیرے حق میں کہہ دی گئی پھر اس کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا۔ تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ جاتے گا یہاں تک کہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص جس نے علم حاصل کیا پھر دوسروں کو سکھایا اور قرآن پاک پڑھا اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں جتلائے گا وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا اور اس کا اعتراف کریگا اس پر اللہ اس سے فرمائے گا ان کی شکرگذاری میں تو نے کیا عمل کیا وہ عرض کریگا

میں نے علم حاصل کیا دوسروں کو علم سکھایا اور خالص تیری رضا کے لئے قرآن پاک پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے علم اس لئے حاصل کیا تاکہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لئے پڑھا تاکہ لوگ تجھے قاری کہیں۔ لوگوں نے تجھے عالم اور قاری کہہ دیا پھر اس کے بارے میں ملائکہ کو حکم ہوگا تو اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ تیسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت میں فراخی اور کشادگی عطا کی تھی اور ہر قسم کے مال و متاع سے اسے نوازا تھا اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائیگا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیگا وہ انہیں پہچانے گا اور ان کا اعتراف کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیگا تو نے اس کی شکر گذاری کے طور پر کیا عمل کیا وہ بندہ عرض کریگا میں نے کوئی راستہ اور مصرف جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند تھا نہیں چھوڑا مگر تیری خوشنودی کے لئے اس میں مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے درحقیقت یہ کام تو نے اس لئے کیا تاکہ لوگ تجھے سخی اور فیاض کہیں۔ پھر اس کے بارے میں ملائکہ کو حکم ہوگا تو اسے زمین پر گھسیٹا جائے گا پھر[۴] دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔

اشعۃ اللمعات: (۱) بعض نسخوں میں بصیغہ جمع نِعَمَہ کا لفظ آیا ہے لیکن اوّل روایت کے مطابق نِعْمَتَہ بصیغہ مفرد زیادہ صحیح ہے۔

(۲) اور تو نے اپنی غرض و غایت پالی اور اپنے عمل کی جزا لوگوں سے حاصل کرلی اب مجھ سے کیا چاہتا ہے۔

(۳) یہاں اور اس کے بعد حدیث میں نعم بصیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے۔

(۴) ثم القی میں لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے زمین پر گھسیٹنا اور ذلیل و رسوا کرنا عرصہ دراز تک ہوتا رہے گا۔ پھر دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

۱۹۵ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس طرح علم نہ چھینے گا کہ ان کے ہاتھوں سے واپس لے لے اور چھین لے بلکہ علماء کو قبض کرے گا انہیں موت دیدیگا۔ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے وہ جاہل علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو

بھی گمراہ کریں گے۔

اشعۃ اللمعات (۱) ایک روایت میں لم یبق آیا ہے یعنی کوئی عالم موجود نہ رہے گا۔

(۲) رُؤسًا بضم ہمزہ و تنوین بر وزن فعول رأس کی جمع بمعنی سر و سردار جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں رؤساء بفتح ہمزہ اور مد کے ساتھ بر وزن فقہاء آیا ہے جمع رئیس بمعنی بزرگ اور سردار و امام

۱۹۶ - وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَالِكَ إِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔

متفق علیہ

حضرت شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو ہفتے میں ایک دن جمعرات کو وعظ و نصیحت کرتے تھے ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمن مجھے یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ کیا کریں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا سن بات یہ ہے کہ مجھے ہر روز وعظ کہنے سے یہ امر روکتا ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں تمہیں پریشان کروں۔ اس لئے میں وقفہ وقفہ کے بعد تمہیں وعظ کہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقفہ کرکے ایسا کرتے تھے تاکہ ہم لوگ پریشان نہ ہوں۔ اور بوجھ محسوس نہ کریں۔

اشعۃ اللمعات (۱) حضرت شقیق رضی اللہ عنہ کبار تابعین سے ہیں ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور نہایت باعمل علماء میں سے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ سعادت نشان پایا مگر شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ علماء نے فرمایا ہے کوئی بستی نہیں مگر اس میں ایک ایسا مرد خدا موجود ہوتا ہے جس کے طفیل وہاں کے لوگوں کی بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں حضرت شقیق ان مردان خدا میں سے ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی احباب اور کبار ساتھیوں میں سے تھے۔

(۲) یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

(۳) تخول خاء معجمہ اور لام کے ساتھ بمعنی خیال رکھنا۔ دیکھ بھال کرنا اور کسی غائب شخص کی خیریت دریافت کرنا اس کا حاصل اور خلاصہ ہے گاہ بگاہ کسی کے متعلق دریافت کرنا اور اس کی خبرگیری کرنا۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں نے فلاں کی خبرگیری کی۔ یہ لفظ ل کے بجائے تخون نون کے ساتھ بھی آیا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے بعض نے تحولنا حاء مہملہ اور لام کے ساتھ بھی روایت کیا ہے بمعنی کسی کی خوشحالی معلوم کرنا تاکہ وہ کسی پریشان حال میں نہ ہو۔ مگر مشہور و معتبر روایت وہی ہے جو صحاح میں خاء معجمہ اور لام کے ساتھ آئی ہے۔

۱۹۷ - وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔

رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکالتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔ اور جب آپ کسی قوم اور جماعت پر تشریف لاتے اور انہیں سلام کہتے تو تین دفعہ انہیں سلام کہتے۔

اشعۃ اللمعات (۱) اور اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ آپ کی یہ عادت مبارک غالباً اکثر اوقات میں اس بات کے اہتمام اور نہ سننے کے احتمال کی بنا پر تھی واللہ اعلم۔ اور کان کے لفظ میں محدثین نے گفتگو کی ہے۔ جمہور کے نزدیک مقرر و مشہور یہ ہے کہ یہ لفظ دوام و استمرار کا فائدہ دیتا ہے یعنی محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کیا کرتے تھے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ آپ ہمیشہ یہ کام کرتے تھے اور آپ کی عادت شریف یہ تھی تاہم بعض متاخرین نے اس میں قیل وقال کی ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں لفظ کان آیا ہے مگر ان میں دوام و استمرار مراد لینے کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ احادیث کی چھان بین کرنے والے سے پوشیدہ نہیں ہے اسے خوب سمجھو۔

(۲) اس مقام پر محدثین کرام فرماتے ہیں کہ صحیح احادیث اور صریح نقل سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہی تھی کہ جب آپ کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو ایک بار سلام کہتے۔ ایک سے زیادہ بار نہ فرماتے۔ اس حقیقت کی روشنی میں اس حدیث کی دو توجیہیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ ایک سلام تو اجازت حاصل کرنے کے لئے کہتے تاکہ قوم (اہل مجلس) کو اطلاع ہو جائے اور وہ اندر بلا لیں۔ دوسرا سلام سلام تحیت ہوتا جو مسنون و متعارف سلام ہے جو ان کے پاس آکر آپ کہتے۔ تیسرا سلام ان کے پاس سے اٹھنے اور ان کی مجلس سے باہر نکلنے کے وقت کہتے لہٰذا قوم کے پاس آنے سے لمبا وقت مراد ہے یعنی تشریف لانے سے لے کر اٹھ کر چلے جانے تک کا وقت مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کسی گھر میں اندر آنے کے لئے آپ تین بار سلام کہتے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر ایک بار یا دو بار سلام کہنے پر بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ پھر سلام کہے۔ اگر اب بھی اندر آنے کی اجازت نہ دیں تو پھر سنت یہ ہے کہ انسان واپس لوٹ آئے۔

۱۹۸ - وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ إِنَّهُ أُبْدِعَ (۲) بِي فَاحْمِلْنِي فَقَالَ مَا عِنْدِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا أَدُلُّهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔
رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود (۱) انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی میری سواری چلنے سے تھک ہار گئی ہے مجھے کسی اونٹ پر سوار کرا دیں کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الوقت میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس پر میں تجھے سوار کروں اتنے میں ایک شخص نے عرض کیا میں اسے وہ شخص بتاتا ہوں جو اس کے لئے سواری کا انتظام کر دیگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو خیر اور بھلائی کی رہنمائی کرتا ہے اسے اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جتنا خود اس نیکی کرنے والے کو۔ (۳)

اشعۃ اللمعات (۱) ابو مسعود حضرت عبد اللہ بن مسعود کے علاوہ ایک شخص ہیں۔ دوسرے عبد اللہ بن مسعود تو متفق ہیں اور مشہور و عظماء صحابہ کرام میں سے تھے۔ اور ابو مسعود کا نام عقبہ بن عمرو الانصاری ہے۔ یہ بھی مشہور اور بزرگ صحابی ہیں۔

(۲) اُبْدِعَ بصیغہ ماضی مجہول ابداع مصدر سے ہے۔ ابداع کا معنی ہے سواری کا سستی اور زیادہ بوجھ کے باعث چلنے اور سفر کرنے سے رہ جانا اور عاجز آجانا۔

(۳) یعنی کوئی اونٹ یا ایسی چیز جس سے اونٹ خرید کیا جا سکے یا سواری کا کرایہ۔

(۴) کہ خیر اور نیکی کا راستہ دکھانا عمل خیر میں شامل ہے چونکہ خیر اور بھلائی کا راستہ دکھانے میں تعلیم کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اس حدیث کو کتاب العلم میں لایا۔

۱۹۹- وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ كُنَّا فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَجَاءَهُ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ اَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِي السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا وَالْاٰيَةِ الَّتِيْ فِي الْحَشْرِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِهِ مِنْ دِرْهَمِهِ مِنْ ثَوْبِهِ مِنْ صَاعِ بُرِّهِ مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ دن کے درمیانی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ برہنہ جسم گودڑی پوش یا عبا(۱) پہنے ہوئے گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے اکثر قبیلہ مضر سے تھے بلکہ(۲) سارے ہی قبیلہ مضر سے تھے ان کے فقر و محتاجی کی حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر(۳) ہو گیا اور آپ اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر بعد باہر آگئے۔ اور بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان کہی اور اقامت کہی اور حضور نے نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں آیۃ یا ایہا الناس اتقوا اخر ایۃ تک پڑھی اور سورۃ حشر کی آیت اتقوا اللہ بھی(۴) پڑھی (مقصد یہ تھا کہ) بندہ مومن کو صدقہ کرنا چاہئے۔ اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑوں میں سے اپنے پیمانہ گندم سے اور اپنے پیمانہ کھجور سے جو میسر آسکے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا چاہے آدھی کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ جریر راوی فرماتے ہیں کہ اتنے میں انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی اٹھا کر لایا جو اتنی وزنی تھی کہ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اسے نہ اٹھا سکے بلکہ وہ اسے اٹھانے سے عاجز تھا۔ اس کے بعد صدقات و خیرات لانے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہاں تک کہ میرے سامنے اشیاء خوردنی اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور اس طرح چمک اٹھا ہے گویا آپ کے چہرہ انور پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(۵) جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا اسے اس کا اجر و ثواب ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی اسے ملے گا۔ جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے

رواہ مسلم (۱۳)

بغیر اس کے کہ ان کے اجر وثواب میں کچھ کمی ہو اور جس شخص نے مسلمانوں میں بری راہ روش کی بنا رکھی تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور ان لوگوں کا گناہ بھی جو اس کے بعد اس روش کو اختیار کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے اپنے گناہوں میں کچھ کمی واقع ہو۔ (مسلم شریف)

اشعۃ اللمعات: (۱) حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں آپ حسن صورت وسیرت اور عمدہ اوصاف واخلاق سے موصوف تھے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

(۲) نمار بکسر نون جمع نمرہ بفتح ولون وکسر میم بمعنی سیاہ وسفید دھاریوں والا کمبل جسے دیہاتی لوگ پہنتے ہیں۔

(۳) یہ راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمار فرمایا یا عبا۔ فرمایا۔ عباء فتح عین کے ساتھ یہ بھی کمبل کی ایک قسم ہے

(۴) یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا۔

(۵) بیت

من از بے نوائی نیم روے زرد غم بے نوایاں رُخم زرد کرد

ترجمہ: مسکینی ومحتاجی کی وجہ سے میرا چہرہ زرد نہیں ہے بلکہ مسکین ومحتاج لوگوں کے غم نے میرا چہرہ زرد کر دیا ہے۔

(۶) آپ نے گھر کے اندر جا کر ان مساکین وفقراء کی امداد کے لئے کوئی چیز تلاش کی مگر اس وقت گھر میں ایسی کوئی چیز نہ ملی۔

(۷) آپ نے خطبہ میں ایک سورہ نساء کی یہ آیت پڑھی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں زمین پر پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم مانگتے ہو قطع رحمی سے بھی ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے واقف وآگاہ ہے۔

اور دوسری سورہ حشر کی یہ آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور چاہیئے کہ ہر جان یہ دیکھے کہ اس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا سامان تیار کر کے آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

(۸) تصدق رجل۔ اکثر نسخوں میں ق کے فتحہ کے ساتھ بلفظ ماضی پڑھا گیا ہے اور بعض نسخوں میں ق کی جزم کے ساتھ تاہم دونوں صورتوں میں بمعنی امر ہے جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد کو چاہیئے کہ صدقہ وخیرات کرے۔

(۹) کُوم: کے فتح اور ضم کاف بمعنی اشیا و خوردنی کا ڈھیر. زمین کا ٹیلا ہر چیز کا اونچا و بلند حصہ

(۱۰) کَاَنَّہٗ مُذْھَبَۃٌ" یہ لفظ دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے ایک مُدْھُنَۃٌ" بضم میم وسکون دل و ضم ہا اس کے بعد نون اور اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں. ایک شگاف اور گڑھا جو پہاڑ میں ہوتا ہے اور اس میں پانی جمع ہو جاتا ہے. دوسرا وہ برتن جس میں گھی محفوظ رکھتے ہیں اس جملے کا مقصد دراصل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کو صفائی و روشنی میں پہاڑ کے گڑھے میں جمع شدہ پانی اور برتن میں پڑے ہوئے روغن کی صفائی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے. حدیث کے بعض ائمہ نے اس لفظ کی صرف یہی ایک توجیہہ بیان کی ہے اس کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اسے مُذْھَبَۃٌ بضم میم وسکون ذال معجمہ و فتح ہا اس کے بعد با مو حدہ پڑھا جائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یقینی قرار دیا ہے اس صورت میں اس کے دو معنی بیان کئے ایک وہ چاندی جس پر سونا چڑھا ہوا ہو چہرے کے حسن اور اس کی چمک دمک کے اظہار کیلئے یہ تشبیہ بہت بلیغ اور عمدہ ہے دوسرا معنی وہ چہرہ جس پر سونا چڑھایا گیا ہو راوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور اور حسن و نورانیت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی.

(۱۱) اس شخص کی فضیلت بیان کرنے کے لئے جو روپوں کی بھاری تھیلی اٹھا لایا تھا اور اس کے بعد اسے دیکھتے ہوئے دوسرے لوگوں نے بھی اس کار خیر میں اس کی پیروی کی تھی.

(۱۲) اس حدیث کی شرح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی فصل ثانی میں گزر چکی ہے.

۲۰۰ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ

متفق علیہ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل نہیں کی جاتی مگر آدم کے پہلے بیٹے کے ذمے اس کے گناہ کا حصہ لکھا جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص (۱) ہے جس نے اولاد آدم میں قتل ناحق کی بنیاد رکھی (بخاری و مسلم) اور ہم عنقریب حضرت معاویہ کی حدیث لا یزال من امتی الخ اس امت کے ثواب کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ جو اس کتاب کے ابواب کا آخری باب ہے

اشعۃ اللمعات: (۱) قابیل کے حضرت ہابیل کو قتل کرنے کے قصہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ مشہور و معروف قصہ ہے (جو تفاسیر میں مذکور ہے)

الفصل الثانی

دوسری فصل

۲۰۱ - عَنْ كَثِيْرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِي الدَّرْدَاءِ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اِنِّيْ جِئْتُكَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِيْ

حضرت کثیر بن قیس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد دمشق میں بیٹھا ہوا تھا تو ابو الدرداء کے پاس ایک شخص آیا اس نے آ کر کہا اے ابو الدرداء میں آپ کی خدمت میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں ایک

أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًى لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی وسماه الترمذی قیس بن کثیر

حدیث کے لئے جس کے متعلق مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں میں صرف اسی کام کے لئے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص دینی علوم میں سے کسی علم کی تلاش کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت کے راستوں میں سے کسی راستے پر چلائے گا اور بیشک فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے بازو اس کے لئے بچھا دیتے ہیں⁽³⁾ اور بیشک عالم دین کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز بخشش طلب کرتی ہے اور مچھلیاں⁽⁴⁾ پانی میں اس کے لئے زبان حال سے مغفرت طلب کرتی ہیں اور بیشک عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر⁽⁵⁾ اور بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں⁽⁶⁾ اور بیشک انبیاء علیہم السلام نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا⁽⁷⁾ وہ تو اپنے پیچھے علم ہی کی وراثت چھوڑ کر جاتے ہیں تو جس نے یہ علم حاصل کر لیا اس نے دین و سعادت کا مکمل حصہ پا لیا (۹)

اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے راوی کا نام کثیر بن قیس کے بجائے قیس بن کثیر بیان کیا (۱۰)

اشعۃ اللمعات (۱) حضرت کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔

(۲) دمشق بکسر دال و فتح و کسر میم ملک شام کا دار الحکومت ہے دمشاق بن کنعان نامی شخص نے اس کی بنیاد رکھی۔

(۳) بازو بچھانا کنایہ ہے پہلو نرم کرنے، اطاعت و فرمانبرداری اور رحمت و شفقت سے یہ بھی ممکن ہے کہ طالب علم کی تواضع کے لئے حقیقتاً اپنے پر بچھاتے ہوں کیونکہ وہ اس علم کی تلاش میں ہے جو قرب حق تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ خصوصاً وہ طالب علم جس کے تمام حالات طریقہ طالب علم کے موافق اور رضائے حق کے مطابق ہوں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پر بچھانے سے مراد اڑنے سے رک جانا اور علم کی باتیں سننے کے لئے نیچے اتر آنا ہے جس طرح تلاوت قرآن پاک کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول اور ان کا طواف کرنا اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے اور ملائکہ کا طالب علم کے لئے پر بچھانا یا دنیا میں ہوتا ہے یا آخرت میں یا دنیا و آخرت دونوں میں واللہ اعلم

(۴) جنات، انسان اور ملائکہ اور مٹی سب کے سب۔

(۵) شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے پانی کے تمام حیوانات مراد ہیں مچھلیوں کی تخصیص سے اس طرف اشارہ ہے کہ آسمان سے پانی جو مچھلیوں کی زندگی کا سبب ہے علمائے حقانی کی برکت سے نازل ہوتا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے بھم یمطرون وبھم یرزقون یعنی انہی کی بدولت ان پر بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو روزی عطا کرتا ہے تمام اہل جہان کا عالم کے لئے دعا کرنے کا سبب یہ ہے کہ جہان کی درستی واصلاح علم سے وابستہ ہے اہل جہان کی کوئی نوع اور جنس ایسی نہیں جس کی درستی اور جس کا وجود و بقاء علم سے وابستہ نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہان میں موجود ہر صنف و نوع کے ذمہ لکھ دیا کہ طالب علم کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اس چیز کے صلے میں جو انہیں اس طالب علم کے طفیل پہنچتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے گناہ انشاء اللہ تعالیٰ بخشے ہوئے ہیں کیونکہ تمام زمین و آسمان والے اس کے لئے دعائے مغفرت میں مصروف رہتے ہیں بہو الغفور الرحیم (وہی بخشنے والا مہربان ہے)

(۶) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم دین کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی جس کے نور نے ساری زمین کو روشن کیا ہوتا ہے چونکہ علم کا فائدہ متعدی اور سارے جہان کو پہنچتا ہے اس لئے چودھویں رات کے چاند کے ساتھ یہ تشبیہ بالکل مناسب ہے۔ بخلاف محض ایک عبادتگذار کے کہ اس کا فائدہ اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے دوسروں کو نہیں پہنچتا جیسے ستاروں کی روشنی کہ وہ دوسروں کو مستفید نہیں نہیں کرتی۔ عالم کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے عالم دین کا نور علم حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے جو کہ دین کے عالم کے آفتاب ہیں لہذا اس اعتبار سے بھی یہ تشبیہ بہت مناسب ہے۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ عالم کے لئے بھی عبادت ضروری ہے۔ کہ بے عمل عالم کی شان کچھ نہیں۔ نیز علم کے بغیر عبادت درست نہیں ہو سکتی لہذا عالم و عابد میں کوئی فرق نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ عالم سے ایسا عالم مراد ہے جو تحصیل علم کے بعد ضروری عبادات (فرائض و سنن موکدہ) کی بجا آوری پر اکتفا کرتا ہو اور اپنا زیادہ وقت علم سکھانے اور دینی کتابوں کے تصنیف کرنے وغیرہ میں صرف کرتا ہو۔ اس کا کام علم کی نشر و اشاعت اور دین کی ترویج ہو اور عابد سے ایسا عابد مراد ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادت میں مشغول ہو گیا ہو۔ اور اپنے اوقات عبادتگذاری سے آباد رکھتا ہو اور چونکہ علم کی نشر و اشاعت اور دین کے سیکھنے سکھانے اور درس و تدریس کا فائدہ زیادہ اور مخلوق کو اس کا نفع عام تر اور شامل تر ہے اس بنا پر علم کی فضیلت عبادت پر زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ دوسری احادیث سے بھی یہ چیز معلوم ہوتی ہے۔

(۷) کہ انہوں نے انبیاء کا وارث ہونے کی بنا پر علم حاصل کیا اور انبیاء کی وراثت علم کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

(۸) یعنی انبیاء کرام اپنے پیچھے وراثت کے طور پر دینار و درہم چھوڑ کر نہیں جاتے۔

(۹) یعنی دین و سعادت کا حصہ یا یہ مراد ہے کہ جو شخص علم سیکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ کامل طور پر اسے حاصل کرے تھوڑے سے علم پر کفایت نہ کرے۔

(۱۰) ترمذی علیہ الرحمۃ نے راوی حدیث کا نام قیس بن کثیر بیان کیا ہے مگر صحیح اور درست کثیر بن قیس ہے۔ جیسا کہ مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے ذکر کیا ہے اور بخاری نے بھی اسے تاریخ میں کثیر کے باب میں بیان کیا ہے قیس کے باب میں بیان نہیں کیا معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حدیث مذکور جسے حضرت ابو الدرداء نے روایت کیا وہی حدیث ہے جس کی تلاش میں وہ شخص نکلا تھا یا یہ حدیث طلب علم کی مدح میں بطور تو طیہ و تمہید بیان فرمائی اور وہ حدیث اس مرد کو مطلوب تھی وہ اور تھی جو یہاں مذکور نہیں ہے

محدثین نے یہ دونوں احتمال بیان کئے ہیں واللہ اعلم۔

۲۰۲ - وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ وَاَھْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّی النَّمْلَۃَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتَّی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ رواہ الترمذی ورواہ الدارمی عن مکحول مرسلا ولم یذکر رجلان وقال فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ثم تلا ھذہ الآیۃ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ وسرد الحدیث الی آخرہ

حضرت ابوامامۃ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عبادت گذار کا دوسرے عالم دین کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم دین کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں پانی میں لوگوں کو خیر اور نیکی کی تعلیم دینے والے پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات۔ حدیث لہ آپ صحابی ہیں باہل بن اعصر نامی جداعلیٰ کی طرف منسوب ہیں۔

لہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں زیادہ شان والا کون ہے۔

لہ اندازہ کرنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں کس قدر فضیلت وشان کا اظہار ہے کہ اول تو آپ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں پھر خصوصا صحابہ کرام سے۔ پھر امت میں ایک ادنیٰ شخص پر آپ کی فضیلت کس قدر زیادہ ہوگی۔

لہ یعنی لوگوں کو علم وحکمت کی تعلیم دینے والے پر اور اس میں اس وجہ کی طرف اشارہ ہے جس کے سبب عالم کو عابد پر فضیلت و درجہ حاصل ہے یعنی اس کے افضل ہونے کی وجہ اور علت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے تاکہ اسے عطا کردہ نعمت سے دوسرے بھی مستفید ہوں۔ الیاء علم عبادت سے افضل ہے کہ عبادت کا نفع اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔

لہ ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔

لہ اور دارمی نے اس حدیث کو مکحول شامی سے روایت کیا جو کبار تابعین میں سے ہوئے ہیں اور نہایت ثقہ اور اہل شام میں افقہ شخصیت ہیں چنانچہ کہا گیا ہے کہ علماء چار ہیں۔ المسیّب مدینہ منورہ میں، شعبی کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں اور مکحول شام میں مکحول نے بطریق ارسال اس حدیث کو روایت کیا اور دارمی نے یہ قصہ بیان نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جبکہ مکحول نے یہ حدیث اس عبارت میں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ نہیں ڈرتے خدا سے اس کے بندوں میں سے مگر علماء

اور امام دارمی نے یہ حدیث آخر تک بیان کی۔

۲۰۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک لوگ تمہارے تابع

رِجَالًا یَاتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ. فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْرًا رواہ الترمذی

ہیں اور بیشک لوگ زمین کے اطراف واکناف سے تمہارے پاس پہنچیں گے فقہ اور علم دین حاصل کرنے کے لئے۔ تو جب تمہارے پاس آئیں تو انہیں نیکی اور خیر کی بات سکھانا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات۔ لہ آپ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں۔ سعد بن مالک بن سنان کے بیٹے ہیں کنیت کے ساتھ مشہور ہیں نہایت فقیہ، اوصاف کمال میں بلند مرتبہ، حدیث کی کثرت سے روایت کرنے والے اور علماء وفضلاء اور عقلاء میں سے ہیں، اصحاب شجرہ میں سے ہیں۔ سب سے پہلے جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

ؔلہ یعنی اے میرے صحابہ اور میری صحبت کا فیض اٹھانے والو اور مجھ سے بلا واسطہ علم حاصل کرنے والو۔

ؔلہ یعنی عرب و عجم سے اکثر تابعین علم سے تعلق رکھتے ہیں اور صحابہ کرام خطہ عرب سے۔

لہ جیسا کہ آیۃ مبارکہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ (ترجمہ: تو کیوں نہیں نکلا (تحصیل علم کے لئے) ہر جماعت میں سے ایک گروہ جو دین کی سمجھ اور علم حاصل کرے اس مطلب کو واضح کرتی ہے۔

ؔلہ کہ انہیں دین کا علم سکھاؤ۔ لفظ استیصا کے معنیٰ کی تحقیق شرح عربی میں کردی گئی ہے۔

۲۴۔ وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا

رواہ الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی ہذا حدیث غریب وابراہیم بن الفضل الراوی یضعف فی الحدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم و حکمت والی بات حکیم کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں بھی پائے اور جس سے بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

اشعۃ اللمعات۔ لہ ایک روایت میں کلمۃ الحکمۃ کے الفاظ ہیں۔

ؔلہ ایک دوسری روایت میں ضالۃ المومن کے الفاظ ہیں یعنی علم و حکمت کی بات دانا انسان یا مسلمان کی گمشدہ چیز ہے۔

ؔلہ تو جس طرح جو شخص اپنی گمشدہ چیز جس کے ہاتھ میں پاتا ہے لے لیتا ہے۔ اسی طرح دانا انسان دین کی بات جہاں سے سنتا ہے قبول کر لیتا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ کہنے والا فقیر یا حقیر انسان ہے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ایک آدمی حق کی بات حضرت بایزید بسطامی سے سنے تو اسے قبول کرے مگر وہ وہی بات ایک ادنیٰ شخص سے سنے تو قبول نہ کرے تو ایسا شخص متکبر ہے۔

بیت۔　　مرد باید کہ پند بر گیرد　　ور نوشت است پند بر دیوار

انسان کو نصیحت کی بات قبول کرنی چاہیئے اگرچہ وہ دیوار پر ہی کیوں نہ لکھی ہو۔

اس حدیث میں اس امر پر بھی دلالت ہے کہ جو شخص ایسی بات سنے جس کا معنیٰ اسے سمجھ نہ آتا ہو تو چاہیئے کہ وہ بات اس آدمی تک پہنچا دے جو اس کے سمجھنے کا اہل اور فقیہ تر ہو جیسے اگر کسی کو کوئی گمشدہ چیز ملے تو اس کے لئے حکم اور طریقہ یہ ہے کہ اس کے مالک کی تلاش کرکے اس کے حوالے کر دے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مستعد اور اہل انسان سے علم روک کر رکھنا منع ہے جس طرح گمشدہ چیز ملنے پہ اس کے مالک کو نہ دینا منع ہے اور جس طرح اہل و مستعد انسان سے علم کی بات روکنا منع ہے اسی طرح نا اہل کو علم سکھانا روا نہیں. جیساکہ ایک دوسری حدیث میں آچکا ہے

بیت ؛ بے ادب را علم و فن آموختن دادن تیغے بدست راہزن

ترجمہ . بے ادب کو علم و ہنر سکھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینے کے مترادف ہے

اور جس طرح کہ یہ حکم طالب علموں کی استعداد کے اختلاف سے بدل جاتا ہے اسی طرح علم کے انواع میں بھی اشخاص کی تبدیلی سے یہ حکم بدلتا ہے. اس دستور کے مطابق شریعت کے وہ احکام جو ظاہری معاملات سے تعلق رکھتے ہیں ہر شخص کو سکھانے چاہئیں. لیکن حقائق پر مشتمل باتیں نا اہل افراد کے سامنے بیان نہیں کی جائیں گی اسی طرح مسائل و مذاہب میں علماء کے اختلافات بھی عوام کے سامنے بیان کرنے ٹھیک نہیں ہیں خصوصاً ہمارے اس زمانے میں (حضرت شیخ کے زمانہ میں) جب کہ لوگ انکار و تردد کے لئے بہانہ چاہتے ہیں. یہاں ایک اور بات بھی ہے کہ جواب دیتے وقت سائل کا حال پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے. لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ سے دو آدمی ایک ہی مسئلہ دریافت کرتے ہیں مگر آپ جواب الگ الگ دیتے ہیں. چاہیے تو یہ کہ جب مسئلہ ایک ہی ہے تو جواب بھی ایک ہی ہو. فرمایا جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے. کلموا الناس علی قدر عقولھم کا مطلب یہی ہے.

اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور ابراہیم بن الفضل جو اس حدیث کا راوی ہے، حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا.

۲۰۵ - وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے.

اشعۃ اللمعات [1] فقیہ سے مراد اگر ایسا شخص ہو جسے دین کا فہم اور اس کے مسائل سمجھنے کی قوت دی گئی ہو تو ایسا شخص شیطان کی چالوں اور گمراہی کے راستوں اور دل کے خطروں اور ان کے درمیان تمیز اور فرق سے واقف ہوگا اور اگر فقیہ سے ایسا عالم مراد ہو جو دین و شریعت کے احکام اور جائز و ناجائز امور کی تفصیلات سے آگاہ ہو تو ایسا شخص بھی محرمات میں گرنے سے ضرور بچے گا. کم از کم اتنا تو ضرور ہوگا کہ معصیت کو ہلکا اور جائز و حلال نہ جانے گا اور کفر میں مبتلا نہ ہوگا. بخلاف اس عبادت گذار کے جو اتنا علم بھی نہ رکھتا ہو کہ وہ ہر وقت خطرے میں ہے.

۲۰۶ - وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَیْرِ اَهْلِهٖ کَمُقَلِّدِ الْخَنَازِیْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ ۔ رواہ ابن ماجۃ وروی البیهقی فی شعب الایمان

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سپرد کرنے والا خنزیروں کو موتیوں اور جواہرات اور سونے کے ہار پہنانے والے کی طرح ہے -
اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں

الی قولہ مسلم وقال ھذا حدیث متنہٗ مشہور واسنادہٗ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیف

لفظ مسلم تک روایت کیا ہے اور کہا کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے مگر اسناد ضعیف ہے اور کئی سندوں سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے مگر وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔

اشعۃ اللمعات۔ ؎۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسند میں علی کل مسلم ومسلمۃ کے لفظ سے مروی ہے اور علم سے وہ علم مراد ہے جس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے وقت کے مطابق ضروری ہو۔ مثلاً جو شخص اسلام میں داخل ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت و پہچان اور نبی صلی اللہ علیہ کی نبوت وغیرہ کا علم حاصل کرے جن کے بغیر ایمان درست نہیں ہوتا اور جب نماز کا وقت آئے تو اس کے احکام سے آگاہ ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے اور جب رمضان شریف آیا تو اس کے احکام کا سیکھنا ضروری ہو جاتا ہے اور جب مالک نصاب ہوگیا تو زکوٰۃ کے احکام کا علم حاصل کرنا ضروری قرار پا گیا۔ ان امور کے واجب ہونے سے قبل اگر کسی نے ان کے احکام نہ سیکھے ہوں تو گناہ گار نہ ہوگا۔ اور جب مرد نے نکاح کیا تو حیض و نفاس وغیرہ کے مسائل اور حقوق زوجین سے متعلق جو احکام ہیں ان کا سیکھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد اخلاص، نفس کی آفات کی معرفت اور خواطر و ذائل نفس کی تفصیلات کا علم ہے الغرض ہر گروہ نے علم سے وہ علم مراد لیا ہے جس کے ساتھ وہ خاص ہے مگر درست و صواب وہ ہے جو پہلے عرض کیا گیا اور جب کہ اخلاص اور صدق نیت تمام ظاہری و باطنی اعمال کے لئے شرط ہے تو اس لحاظ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کا قول عام تر اور شامل تر ہے۔

؎ تاہم اس میں شک نہیں کہ جب کہ یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہوئی ہے تو ایک طریق کو دوسرے طریق سے قوت حاصل ہوتی ہے اور اس سے حدیث میں قوت آجاتی ہے اور اس کے متعدد طرق و احوال کا بیان شرح سفر السعادت میں ذکر کر دیا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

۲۰۷۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَّلَا فِقْہٌ فِی الدِّیْنِ ۔ رواہ الترمذی ؎

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خوبیاں بیک وقت منافق میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں نیک ؎ روش اور دین کی فہم و فراست ؎۔

اشعۃ اللمعات ؎ حسن سمت یعنی اچھی راہ و روش۔ لفظ سمت اصل میں درمیانے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں پھر اس سے نیک لوگوں کی ہیئت اور وہ روش جو دیکھنے میں اچھی لگے مراد لیتے ہیں۔

؎ فقہ فی الدین یعنی احکام دینی کی دریافت کے لئے فہم و فطانت اس کلام سے مقصود دراصل اہل اسلام کو ترغیب دینا اور اس امر پر آمادہ کرنا ہے کہ یہ دونوں صفات اپنے اندر پیدا کریں اور جو شخص ان دونوں صفات کے خلاف چلے اسے ڈانٹ اور زجر ہے۔

؎ بعض نسخوں میں والدارمی بھی مذکور ہے۔

۲۰۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طلب علم کے لئے نکلا وہ واپس لوٹنے تک

سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ
رواہ الترمذی والدارمی

اللہ کی راہ میں ہے۔
اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات ۔ ؎ یعنی وہ واپس گھر پہنچنے تک راہ خدا میں نکلنے کا ثواب پائے گا۔ جس طرح وہ شخص جو جہاد کفار کے لئے گھر سے نکلتا ہے راہ خدا میں شمار ہوتا ہے اسی طرح حج کے لئے بھی کہا گیا ہے اگر کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر واپس پہنچنے پر ثواب کا یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ راہ خدا میں نکلنے کا ثواب تو پورا ہو گیا اس کے بعد دوسروں کو تعلیم دینے اور ان کی تکمیل کرنے کا ثواب شروع ہو گیا۔

۲۰۹ - وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃً لِّمَا مَضٰی
رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی ہذا حدیث ضعیف الاسناد وابوداؤد الراوی یضعف

اور حضرت سخبرۃ ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بندہ علم تلاش کرتا ہے اس کی یہ تلاش اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے ؎

سخبرۃ بفتح سین مہملہ وسکون خاء معجمہ وفتح باء موحدہ الازدی بفتح ہمزہ وسکون زا اصحابی ہیں ان سے ان کے بیٹے عبداللہ نے روایت کی ہے۔
اشعۃ اللمعات ۔ ؎ اور اس کے گذشتہ گناہ چھپا دیئے جاتے ہیں اور جو سابقہ گناہ اس سے ہو چکے ہوتے ہیں۔ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع میں گناہوں سے اکثر صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں مگر حج میں کہ اس سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور امید ہے کہ طلب علم کی برکت سے بھی کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔
؎ ترمذی نے اس حدیث میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوداؤد جس کا نام نفیع بن الحارث ہے اہل کوفہ سے تھا۔ ہمدان کا قاضی تھا لہذا احادیث میں ضعیف ہے ثقہ لوگوں میں سے نہیں ہے اور اس کی حدیث حجت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ ابوداؤد سنن والا ابوداؤد نہیں ہے کہ وہ تو ثقہ اور کبار محدثین میں سے ہے۔

۲۱۰ - وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَّسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَہَاہُ الْجَنَّۃُ ؎
رواہ الترمذی

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن نیک بات سننے سے سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک انجام کار وہ بہشت میں پہنچ جاتا ہے (اسے ترمذی نے روایت کیا)

اشعۃ اللمعات ۔ ؎ یعنی آخر عمر تک طلب علم کی دھن میں رہتا ہے اور اس کی برکت سے بہشت میں پہنچ جاتا ہے اس حدیث میں طالب علم کو بشارت ہے کہ وہ دنیا سے انشاء اللہ تعالیٰ باایمان جائے گا۔ یہی بشارت حاصل کرنے کے لئے بعض اہل اللہ آخر عمر تک طلب اور تحصیل علم میں مشغول رہے۔ حالانکہ وہ اہل اللہ رضی اللہ عنہم علم میں مرتبہ اعلیٰ حاصل کر چکے ہوتے تھے اور جب کہ علم کا دائرہ وسیع اور بے نہایت ہے تو جو شخص علم یعنی تعلیم دینے اور تصنیف کرنے میں مشغول ہے وہ حقیقۃً طالب علم اور اسے کامل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

۲۱۱ - وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ، الجم یوم القیامۃ بلجام من النار

علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس سے علم کی وہ بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا تھا پھر اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ کو آتش دوزخ کی لگام دی جائے گی۔

رواہ ابوداؤد والترمذی ورواہ ابن ماجہ عن انس

اشعۃ اللمعات لہ یعنی جس علم کا جاننا ضروری ہو اور علماء میں سے کوئی اور اسے بیان کرنے والا بھی نہ ہو اور بیان کرنے سے کوئی صحیح عذر بھی مانع نہ ہو بلکہ بخل اور علم دین سے لاپروائی کی بنا پر چھپائے تو اس مذکورہ سزا کا مستوجب ہوگا۔

۲۱۲۔ وعن کعب بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار

رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عمر

اور حضرت کعب[لہ] بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص طلب علم کرے تاکہ بحث و گفتگو میں علماء سے برابری کرے[۲] یا جاہلوں اور بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑا اور نزاع کرے[۳] یا اس لئے کہ لوگوں کے منہ اپنی طرف پھیرے[۴] اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں[۵] ڈالے گا۔

اشعۃ اللمعات لہ آپ مشہور صحابی ہیں۔ شعراء اسلام میں سے ہیں اور ان تین افراد میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے۔

۲ہ یعنی تاکہ علمی بحث و گفتگو میں علماء کی ہمراہی اختیار کرے یعنی اپنے آپ کو علماء کے برابر کرے اور ان کے سامنے فخر و غرور کرے۔

۳ہ اور اس طرح انہیں شکوک و شبہات میں ڈالے۔

۴ہ اس طرح ان سے مال و دولت اور جاہ و مرتبہ حاصل کرکے دنیا کے کاموں اور نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے صرف کرے۔

۵ہ یعنی جس نے صرف ان مذکورہ فاسد اغراض کے لئے علم حاصل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ میں ڈالے گا۔ اور اگر بحض بتقاضائے بشریت وطبیعت ریا اور خواہش نفس کا معمولی دخل ہوجائے تو معذور ہے کہ اس سے بچنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور اتنی مقدار پر حکم عائد نہ ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے علماء نے کہا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کوئی عمدہ اور عزیز چیز جو حکمت و بہبود پر مشتمل ہوتی ہے، عدم سے وجود میں لانا چاہتا ہے تو بے اختیار نفس کا تقاضا انسان کے وجود میں پیدا کر دیتا ہے نتیجۃً وہ چیز بے تکلف و بے تردد معرض وجود میں آجاتی ہے جس طرح کہ بچے کی پیدائش کے لئے اللہ تعالیٰ مرد و زن میں ان کے اختیار کے بغیر جذبہ شہوت پیدا کرتا ہے جس سے ایک قوت باعثہ وجود میں آتی ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی توفیق و عنایت بندے کے حال کی ناصر و مددگار ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ریا اور دواعیہ نفس کے اس معمولی اثر سے بھی اسے پاک کر دیتا ہے۔ بزرگوں نے جو فرمایا ہے کہ ہم نے علم رضاء الٰہی کے علاوہ دوسری نفسانی اغراض کے لئے سیکھا مگر علم نے رضائے الٰہی کے خلاف چلنے سے انکار کر دیا" تو اس کا یہی معنیٰ ہے نسأل اللہ العافیۃ

۲۱۳۔ وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم علماً مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضاً من الدنیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے مگر وہ اسے رضائے الٰہی کے

لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيْحَهَا.
رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه

تے نہیں بلکہ ذلیل دنیا جمع کرنے کے لئے سیکھے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔

اشعۃ اللمعات　　لہ یعنی وہ علم ان علوم کی جنس میں سے ہو جس سے اس ذات مقدس کا علم اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کی جاتی ہو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ مبارک چیز جو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اسے حقیر دنیا کے حصول کا ذریعہ نہ بنانا چاہیئے۔

بیت:
یار مفروش بدنیا کہ بسے سود نکرد　　آنکہ یوسف بزر ناسرہ بفروختہ بود

ترجمہ: یار کو دنیا کے عوض فروخت نہ کر کہ کچھ نفع نہ اٹھایا اس نے جس نے یوسف کو کھوٹے سکے کے عوض فروخت کر دیا تھا۔

یا مراد یہ ہے کہ جو علم علوم دین میں سے نہ ہو اسے دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا مذموم نہیں ہے جب کہ اس کا سیکھنا مباح ہو اور علوم بدعیہ محرمہ اور مکروہ میں سے نہ ہو۔

ایک طالب علم تھا جو معما، عروض، قافیہ اور اقسام شعر میں بڑی کاوش کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ ان علوم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناؤں نہ کہ دینی علوم کو۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بات بعض زاہدوں اور علماء سے بھی نقل کی ہے۔

لہ ان الفاظ میں اس امر پر دلالت پائی جاتی ہے کہ ثواب الٰہی کی سعادت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم کو صرف دنیا کمانے کے لئے وقف کر دے۔ اور اگر دنیا کمانے کا ارادہ صرف شامل اور طاری ہوا ہو اور وہ علم پر عمل کرلے اور دین کو رواج دینے کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو ایسی صورت میں اسے نیک ارادے کے اندازے کے مطابق مزدور ثواب ملے گا، ہاں ثواب کے مرتبہ کمال سے ایسا شخص محروم رہے گا۔ اس معنی کی طرف حدیث انما الاعمال بالنیات میں جو ابتدائے کتاب میں آئی ہے اشارہ ہو چکا ہے۔ غور و فکر سے کام لو۔

لہ یہ عرف بفتح عین مہملہ و سکون را کی تفسیر ہے یعنی خوشبو۔ ظاہر حدیث مبالغہ پر مشتمل ہے کہ ایسا شخص بہشت میں آنے سے محروم رہے گا (حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ) یہ شخص مقربین مخلص لوگوں کے ساتھ جو عذاب سے بالکل محفوظ ہیں اور قبروں سے اٹھتے ہی بہشت میں آجائیں گے، بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ جیسا کہ یہ تاویل دوسری احادیث میں آچکی ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے جب لوگوں کو حشر میں لائیں گے تو بہشت کی خوشبو ان کے مشام تک پہنچائیں گے تاکہ اس مقام و موقف کی وحشت و گھبراہٹ سے راحت میں رہیں اور ان کے دلوں کو قوت و طاقت حاصل ہو۔ یہ شخص اس خوشبو سے محروم رہے گا اور بخار معصیت اور محبت دنیا کے غلبے کے باعث زکام والے انسان کی طرح ہوگا۔

۲۱۴۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ.

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کا چہرہ روشن و تاباں کرے جس نے میری بات کو سنا اور یاد کیا اور خوب ذہن نشین کیا اور اسے لوگوں تک پہنچایا۔ پس بہت سے دین و فقہ کی بات اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے فقہ کی بات اٹھانے والے خود بھی فقیہہ ہوتے ہیں مگر اپنے سے بڑھ کر فقیہہ تک وہ بات پہنچاتے ہیں۔ مومن

رواہ الشافعی والبیہقی فی المدخل ورواہ الترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی عن زید بن ثابت الا ان الترمذی وابا داؤد لم یذکرا ثلث لا یغل علیھن الی آخرہ ۔

کہ دل میں تین باتوں کے متعلق کینہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل خالص کرنے میں، مسلمانوں کی خیرخواہی میں اور جماعت کے ساتھ رہنے میں بیشک ان کی دعا سب کو گھیر لیتی ہے ۔

اشعۃ اللمعات

نضر ضاد کی شد اور بغیر شد دونوں روایتیں ہیں۔ نضر و نضارت اصل میں چہرے کی خوبصورتی اور روشنائی وتابانی کے لئے آتا ہے۔ یہاں اس سے شان اور مرتبے کی رفعت اور دنیا وآخرت میں سرور ورونق و تروتازگی میں اضافہ مراد ہے

یعنی اسے تکرار و تذکار کے ذریعے یاد رکھا۔ فراموش نہ کر دیا۔

جیساکہ اس نے سنا جس طرح امانت بعینہٖ اس کے مالک تک پہنچاتے ہیں۔

یعنی جس طرح وہ بات سنی ہوتی ہے بعینہٖ اسی طرح دوسرے تک پہنچا دیتے ہیں تاکہ جس تک وہ بات پہنچائی جا رہی ہے وہ اس سے وہ مطلب ومعنیٰ اخذ کرے جو پہنچانے والا اخذ نہیں کرسکا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کی نقل باللفظ چاہیئے اور نقل بالمعنیٰ میں علماء کا اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ نقل بالمعنی اس کے لئے جائز ہے جو کلمات کے استعمال کے مقام، تراکیب وعبارات کے خواص سے واقف اور مقتضیات مقام اور اسرار ونکات اور اشارات کی پہچان میں ماہر اور حاذق ہو۔ اس کے باوجود نقل باللفظ اولیٰ، افضل اور احوط ہے۔ جیساکہ نضر اللہ کے الفاظ اس طرف اشارہ کرتے ہیں اور نقل بالمعنی کے وقوع میں کوئی کلام اور شک نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث کی کتابیں جیسے صحاح ستہ وغیرہ ایک حدیث پر متفق ہوتی ہیں لیکن الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

یا مومن کا دل اس میں خیانت نہیں کرتا جب کہ تین خصلتیں اس میں موجود ہوں۔ لا یغل کا لفظ چند طریقوں سے پڑھا گیا ہے (۱) یہ فتح یا و کسرِ غین از غل بمعنی کینہ (۲) بضم یا و کسرِ غین اغلال سے بمعنی خیانت (۳) فتح یا و ضمۂ غین کے ساتھ منقول ہے بمعنی خیانت اور اس کلمے کی مزید تحقیق شرح عربی (لمعات) میں ذکر کر دی گئی ہے اور وہ تین خصلتیں یہ ہیں (۱) اللہ کے لئے عمل کو خالص کرنا کہ سمعہ اور ریا ونمائش پر نظر نہ ہو بلکہ غرض وعوض بھی قطعاً ملحوظ نہ ہو۔ (۲) مسلمانوں کی خیرخواہی ان کے لئے خیراندیشی اور ان کی امداد واعانت کرنا (۳) مسلمانوں کی جماعت میں رہنا ان کے دائرہ جماعت سے باہر نہ نکلنا۔

لفظ دراء مد اور بغیر مد دونوں طرح آتا ہے اور یہ جماعت کے ساتھ چمٹے رہنے کی علت و وجہ ہے من بفتح و کسر میم دونوں طرح درست ہے اور لا یغل کا کلام سابق یعنی نضر اللہ کے ساتھ ربط وتعلق یہ ہے کہ جب کہ حضور علیہ السلام نے اس بات کو دوسرے تک پہنچانے کی ترغیب دی جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی ہے تو اس کام کو تقویت دینے والی اور اس کی تاکید کرنے والی چیز کا ذکر اس کے متصل بعد کر دیا یعنی اخلاص عمل خدا کے لئے، مسلمانوں کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی جماعت میں رہنا جب تک یہ تین چیزیں موجود نہیں ہوتیں مذکورہ ادائیگی نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلام سابق اس کلام کے لئے توطیہ وتمہید ہے اور مقصود اسی کلام کا بیان کرنا ہے کہ یہ کلام التعظیم الامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ کا جامع ہے۔ (بات کو خوب سمجھو)

اس حدیث کو امام شافعی اور بیہقی نے مدخل میں جو بیہقی کی کتاب ہے ابن مسعود سے اور امام احمد و ترمذی و ابوداؤد

وابن ماجہ اور دارمی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا مگر ان دونوں حضرات نے اس آخری کلام یعنی ثلاث لا یغل الخ کا ذکر نہیں کیا۔

۲۱۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْأً فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعٍ

رواہ الترمذی وابن ماجہ و رواہ الدارمی عن ابی الدرداء

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خوشی و تروتازگی عطا کرے اللہ اس شخص کو جس نے ہماری کوئی بات سنی اور جیسے اسے سنا اسی حالت میں اسے آگے پہنچایا کہ بہت سے وہ لوگ جنہیں وہ بات پہنچائی جاتی ہے سننے والوں سے زیادہ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات لے علماء نے کہا ہے طلب حدیث اور اس کے حفظ و تبلیغ میں بالفرض اور کچھ نہ ہوتا سوائے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت کے تو دنیا و آخرت میں یہی بس اور کافی تھا۔ اللھم ارزقنا۔

لے اس حدیث کے معنی کا خلاصہ اور مطلب بھی وہی ہے جو حدیث سابق کے مضمون کا ہے صرف بعض الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔

۲۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجہ عن ابن مسعود وجابر ولم یذکر اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حدیث لینے میں پرہیز اور احتیاط کرو صرف وہی چیز لو جس کے بارے میں تمہیں یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ میری طرف سے ہے (تاکہ مجھ پر جھوٹ باندھنے کے بھنور میں نہ پڑو) اور جو شخص مجھ پر دیدہ دانستہ جھوٹ باندھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی نشست دوزخ میں بنالے۔ (اس کلام کی شرح حدیث اول کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے ابن مسعود اور جابر سے مگر ابن ماجہ نے اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

۲۱۷۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

اور انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کی تفسیر رائے اور عقل اور قیاس سے کی اس کے لئے کوئی نقلی دلیل و سند نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے اور ایک

رواہ الترمذی

روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جس نے قرآن کی تفسیر میں علم کے بغیر کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا

۲۱۸ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ ۔ لہ رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ بیان کیا اور وہ درست نکلا تو پھر بھی اس نے غلطی کی۔

اشعۃ اللمعات لہ یعنی اگرچہ واقع میں اتفاق سے وہ بیان کردہ مطلب حق و صواب ہی کا ہو مگر چونکہ قصد و طریقہ میں اس نے خطا کی لہذا درست و صحیح ہونے کے باوجود وہ خطا کے حکم میں ہے لیکن یہ مجتہد کے حال کے برعکس ہے کہ وہ اگرچہ خطا بھی کرے اسے صواب اور درست سمجھا جائے گا۔ یعنی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ یہ مقام تفصیلی کلام کا متقاضی ہے مختصراً یہ کہ ایک تفسیر ہے اور ایک تاویل۔ تفسیر یہ ہے کہ یقین سے یہ بات کہے کہ خدا تعالیٰ کی مراد یہی ہے یہ معنیٰ ائمہ تفسیر کی نقل کے بغیر جس کی سند حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو درست نہیں ہوسکتا اور تاویل یہ ہے کہ احتمال کے طور پر کہے کہ ہوسکتا ہے یہ مراد ہو۔ تاہم تاویل بھی وہ درست ہوگی جو قواعد عربیت اور قوانین شرع کے مطابق ہو واللہ اعلم۔

لہ جُنْدُب بضم جیم وضم دال۔ اور فتح دال کے ساتھ بھی آیا ہے۔ آپکا نام ابو ذر غفاری ہے اکثر و غالب آپکا ذکران کی کنیت سے ہوتا ہے آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں اور بعض مواضع میں لکھا ہوا ہے وجندب بن عبداللہ بجلی پایہ کے صحابی ہیں حسن بصری اور محمد بن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں اور جندب قسری بھی کتاب میں مذکور ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ علقمی ہیں نہ کہ قسری۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قشیری بھی آیا ہے اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس حدیث میں ان تینوں سے کونسا جندب مراد ہے

۲۱۹ وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْآنِ كُفْرٌ ۔ رواہ احمد وابوداؤد

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے لہ

اشعۃ اللمعات لہ یعنی نزدیک ہے کہ کفر میں مبتلا کردے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مراء سے خود شک میں پڑنا اور دوسرے کو شک میں مبتلا کرنا مراد ہے۔ اس دوسری توجیہ کے مطابق کفر اپنے معنیٰ میں ہی رہے گا۔

۲۲۰۔ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا یَتَدَارَءُوْنَ فِی الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ إِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْا إِلٰی عَالِمِهٖ

رواہ احمد وابن ماجہ

اور حضرت عمرو بن شعیبؓ وہ اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑ رہی ہے تو فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئے۔ انہوں نے کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے کے ساتھ ٹکرایا (اس میں تناقض پیدا کیا) تو تم لوگ اللہ کی کتاب کے ایک حصے کی دوسرے حصے کے ساتھ تکذیب نہ کرو جس چیز کا تمہیں علم ہوا سے بیان کرو۔ جو نہیں جانتے ہے اسکے عالم کے حوالے کرو۔

اشعۃ اللمعات ۔ لہ جدہٖ کی ضمیر یا تو عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہے یا انکے باپ کی طرف اور یہ اسناد قدرے وضاحت چاہتا ہے۔ یہ وضاحت بعض دوسرے مقامات میں کر دی گئی ہے۔

لہ آیات میں تناقض اور تضاد پیدا کرکے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے خلاف ہے اور وہ اس کے خلاف ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مختلف آیات کو آپس میں ملایا اور محکم و متشابہ اور مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ میں تمیز کرنا چھوڑ دی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک انما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضاً کے مطابق پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

۲۲۱۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ لِکُلِّ آیَۃٍ مِنْھَا ظَھْرٌ وَبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ (رواہ فی شرح السنۃ)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں لہ پر اتارا گیا ہے اور ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن لہ اور ہر حد کے لئے آگاہ ہونے کی جگہ ہے لہ۔

اشعۃ اللمعات ۔ لہ حرف کا معنی لغت میں طرف کا آتا ہے یہاں سات قسمیں یا سات طریقے یا اس مقام کے مناسب جو معنی ہو وہ مراد ہے۔ شارحین کا اختلاف ہے کہ یہ سات حروف جو فرمائے گئے اس سے کیا مراد ہے۔ اکثر اس بات پر ہیں کہ سات حروف سے عرب کی سات مشہور لغات مراد ہیں یہ سات لغات اس زمانے میں فصاحت اور بلاغت میں بھی شہرت رکھتی تھیں یعنی لغت قریش، لغت بنی طے، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہذیل اور لغت بنی تمیم۔ مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن حکیم قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی لغت اور زبان تھی۔ باقی عربوں پر اس زبان کا تلفظ و تکلم مشکل تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں درخواست پیش کی کہ اس بارے میں وسعت اور گنجائش دی جائے حکم ہوا کہ سب سے پہلے لغت قریش کے مطابق پڑھیں، چنانچہ مسلمان امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لغت قریش کے مطابق پڑھتے رہے اور جب آپ نے اپنی نگرانی میں قرآن حکیم کے متعدد نسخے تحریر کروائے اور انہیں اسلامی شہروں میں بھیجا، یہ سب کچھ آپ نے اس مصحف کے مطابق کروایا جو حضرت زید بن ثابت کی لغت کے مطابق تھا جسے انہوں نے حضرت صدیق اکبر کے حکم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درست قرار دینے کے بعد جمع کیا تھا اس کے علاوہ باقی تمام نسخے آپ نے تلف کروا دیئے کیونکہ ان کی موجودگی میں لوگوں میں اختلاف پیدا ہو رہا تھا اور لوگوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا تھا۔ تو ان دوسری لغات سے کہیں کوئی تھوڑی سی چیز باقی رہ گئی۔ اور تمام صحابہ کرام نے حضرت زید بن ثابت والے مصحف پر اتفاق کر لیا پھر یہی مصحف چلتا رہا یہاں تک کہ متصل سندوں کے ساتھ مشہور قراء تک پہنچا اور اس لغت مقررہ میں کچھ اختلاف جیسے ادغام، امالہ، وقف وغیرہ جو قراء کی اپنی پسند اور ترجیح کے اعتبار سے واقع ہوا تھا باقی رہ گیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ سات حروف سے سات قراءتیں مراد ہیں جو تمام کی تمام متواتر اور بے شبہ ثابت ہیں اور سب پر قرآنیت کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے نماز کی درستی، قرآن کو بے وضو اور جنبی حالت وغیرہ میں چھونے کی حرمت اور بعض اس سے وہ سات معانی مراد لیتے ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے جیسے امر و نہی، قصص، امثال، وعظ، وعدہ و وعید۔ بعض نے سات حرفوں کی تفسیر عقائد، احکام، اخلاق، قصص، امثال [illegible]

کثرت مراد ہے۔ عرب یہ عدد وسعت وکثرت میں استعمال کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ وہ عدد ہے کہ زمان ومکان کی بنیاد اس پر ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے واللہ اعلم۔

سلہ اور ان سات حروف میں سے جن پر قرآن نازل ہوا ہے، ہر آیت کے لئے اور بعض نسخوں میں لکل آیۃ منہ کے الفاظ آتے ہیں اور یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ یعنی قرآن پاک کی ہر آیت کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے وہ مطالب مراد ہیں جنہیں تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور باطن سے وہ اسرار ورموز مراد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آگاہ ہوتے ہیں یا ظاہر سے مراد وہ معانی ہیں جو تفسیر سے معلوم ہوتے ہیں اور باطن سے وہ جو تاویل سے منکشف ہوتے ہیں اور تفسیر وہ ہے جو روایت سے ہو اور تاویل وہ جو درایت سے تعلق رکھے بعض نے یہ کہا ہے ظاہر سے آیات قرآنی پر ایمان لانا اور باطن سے ان پر عمل کرنا مراد ہے۔ یا ظاہر سے اس کی قرأت وتلاوت اور باطن سے اس کا فہم وتدبر مراد ہے۔ یا ظاہر سے الفاظ اور باطن سے معنیٰ مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ قرآن کے قصے ظاہر میں اخبار ہیں مگر باطن میں عبرت ونصیحت ہیں۔

سلہ مُطَّلَع "بضم میم وطائے مشددہ۔ بمعنیٰ بلند جگہ جس پر پہنچ کر اس جگہ کی آخری حدود سے آگاہ ہوتے ہیں۔ حد بمعنی طرف ونہایت یعنی ظاہر وباطن میں سے ہر ایک کے لئے ایک حد ونہایت ہے۔ اور ہر حد ونہایت کے لئے ایک مقام ہے جس پر چڑھنے اور صعود کرنے سے اس حد ونہایت کی پوری پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ پس ظاہر کا مُطَّلَع عربیت اور ان علوم کا سیکھنا ہے جن کے ساتھ قرآن ظاہر معنیٰ تعلق رکھتا ہے۔ اور اسباب نزول کی معرفت اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ اور باطن کا مُطَّلَع ریاضت ومجاہدہ یا ظاہر شرع کی اتباع، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، روح کا تجلیہ اور سر کا تخلیہ ہے جس کے حصول کے بعد قرآن کے بطون سے آگاہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

بیت۔ جمال شاہد قرآن نقاب آنگاہ بکشاید ۔ کہ دار الملک ایمان را بیابد خالی از غوغا۔

ترجمہ۔ قرآن کا حسن وجمال اس وقت جلوہ گر ہوتا ہے جب کہ وہ دار الملک ایمان (دل) کو شور وغوغا سے خالی پاتے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حد سے احکام شرع مراد ہیں جو متعین ہیں اور جن کی حدود مقرر ہیں پھر ان احکام میں سے ہر حکم کے لئے ایک جگہ ہے جہاں سے اس حکم کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ تمام حدود واحکام اور جہاں سے ان کا پتہ چلتا ہے ان سب کا مکمل علم صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ علماء کے اس بارے میں مختلف طبقات، مختلف مرتبے اور درجے ہیں کہ بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔ اس حدیث پاک کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن جو کچھ یہاں مذکور ہوا ہے اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم

۲۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ. آيَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ. رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم تین ہیں۔ آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ زائد اور لایعنی ہے

اشعۃ اللمعات

سلہ یعنی دین وشریعت کے اصول کے علوم تین ہیں

سلہ ایک آیت محکمہ۔ اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کو محکمہ کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محکم آیات ام الکتاب اور اصل ہیں اور احتمال واشتباہ سے محفوظ ہیں محکمات کے سوا جو کچھ ہے جیسے متشابہات وغیرہ تو وہ محکمات پر محمول

ہیں اور جو علوم اس کے مبادی و مسائل ہیں وہ بھی اسی سے متعلق ہیں۔

سلہ یعنی وہ سنت جو حفظ متون اور سندوں کے حفظ کی وجہ سے ثابت ہے۔

کلہ فریضہ عادلہ یعنی وہ فریضہ جو ثبوت و ثبوت میں کتاب و سنت کی طرح ہو اس میں اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے جو مستند اور کتاب و سنت سے اخذ کیا گیا ہو۔ اس وجہ سے اسے کتاب و سنت کے مساوی و برابر کہہ دیا گیا ہے اور اسے لفظ فریضہ سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہہ ہو کہ اس پر عمل کرنا بھی ویسے ہی واجب و ضروری ہے جس طرح کتاب و سنت پر عمل کرنا ضروری ہے تو حدیث کا حاصل معنی یہ ہوا کہ دین کے اصول چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

ھہ یعنی ان کے سوا جو علوم ہیں وہ زائد اور لایعنی ہیں۔ فضل کا معنیٰ لغت میں زیادہ ہونے کا ہے جو کہ نقص یعنی کم ہونے کی ضد ہے۔ اس کی جمع فضول آتی ہے اور فضول کا لفظ اکثر لایعنی امور اور اس کام کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں کوئی خیر و خوبی نہ ہو فضول اس انسان کو بھی کہتے ہیں جو لایعنی کاموں میں مشغول ہو۔

بیت : ہر چہ قال اللہ و نہ قال الرسول فضلہ باشد فضل میخواں اسے فضول

ترجمہ۔ جو چیز قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ سے نہیں ہے وہ فضول چیز ہے اے فضول انسان اللہ کا فضل تلاش کر یعنی کام میں مشغول نہ ہو۔

۲۲۳ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم. لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ. رواہ ابوداؤد ورواہ الدارمی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وفی روایۃ ومراءٍ

اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ و وعظ بیان نہیں کرتا مگر حاکم و بادشاہ وقت۔ یا وہ جسے بادشاہ وقت اجازت دے یا متکبر انسان۔

اشعۃ اللمعات۔ سلہ آپ صحابی ہیں سب سے پہلے غزوہ خیبر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شام میں سکونت اختیار کی اور ۷۳ھ میں وفات پائی۔

سلہ لفظ قص کا اصل معنی بیان کرنے اور خبر دینے کا ہے۔ لفظ قصہ اسی سے مشتق ہے۔ قاص اس شخص کو کہتے ہیں جو واقعہ کو اپنی اصل شکل میں بیان کرے۔ پھر یہ لفظ وعظ کہنے اور پند و نصیحت کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ واعظ کو قاص کہتے ہیں۔ یہاں حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔ یعنی قصہ بیان نہیں کرتا اور وعظ نہیں کہتا۔

ٹہ مگر حاکم و امیر جو لوگوں کو پند و نصیحت کرتا اور گذشتہ حالات ان کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت قبول کریں۔

کلہ یا وہ جسے حاکم وقت نے اذن و اجازت دی ہو اور اس کی طرف سے مجاز ہو۔ لہٰذا اس کا کہنا امیر کا کہنا ہوگا۔

شہ مختال یعنی خود پسند متکبر آدمی جو حصول مرتبہ و سرداری کے لئے ایسا کرتا ہے اور خواہش نفس کے تحت ریا و نمائش کرتا اور مجلس میں صدارت اور بلند نشینی کا خواہاں ہوتا ہے۔ مختال خائے معجمہ کے ساتھ۔

بعض روایات میں محتال حائے مہملہ کے ساتھ بھی آیا ہے اس صورت میں یہ حیلہ سے مشتق ہوگا اور بعض علماء نے اس دوسری روایت کو اصح اور اولیٰ قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں بلا اجازت امام قصہ اور وعظ سے ممانعت و زجر کی گئی ہے کیونکہ امام و حاکم وقت رعیت کے مصالح کو

بہتر جانتا اور بہت مہربان ہوتا ہے۔ اگر وہ خود وعظ و نصیحت نہیں کرتا تو علماء میں سے کسی ایسے شخص کو اس کام پر لگائے گا جو علم و تقویٰ دیانت و صیانت، ترک طمع، حسن عقیدت وغیرہ صفات سے آراستہ ہوگا۔ اور جہل و فسق اور خیانت و بدعت سے دور ہوگا۔

یہاں سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مشائخ کے اذن و اجازت اور خلافت دینے کے بغیر مشیخت کے سجادہ صدارت پر وعظ وارشاد و ہدایت کیلئے بیٹھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ بعض امی مشائخ جہالت و خواہش سے ایسا کرتے ہیں۔

بعض شارحین حدیث نے کہا ہے کہ یہ حدیث خطبہ سے متعلق ہے جو حاکم یا اس کے نائب کے سپرد ہوتا ہے اسے ابوداود نے روایت کیا اور دارمی نے اسے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا اور اس کی روایت میں لفظ مختال جو ابوداود کی روایت میں واقع ہوا ہے اسکے بجائے اَوْمُرَاءٍ کا لفظ آیا ہے بمعنی ریا و نمائش کرنے والا۔

۲۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ اَفْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ - وَمَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے اس سے فتویٰ طلب کیا[1]۔ اور جس نے اپنے بھائی[2] کو ایک کام کرنے کے متعلق کہا حالانکہ اسے پتہ ہو کہ بہتری دوسرے کام میں ہے تو اس نے اس سے خیانت[3] کی

رواہ ابوداؤد

اشعۃ اللمعات - [1] کیونکہ اس بے علم آدمی کے فتویٰ دینے کا باعث ہو کر گناہ ہے۔ وہ پوچھنے والا آدمی بنا ہے اور اگر عمداً صاحب علم کے ہوتے ہوئے بے علم سے فتویٰ دریافت کرنا مراد ہو تو پھر اِفتا بمعنیٰ استفتا ہوگا - اور یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ افتیٰ بصیغہ معلوم ہو۔ مگر یہ لفظ مجہول بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ جس نے فتویٰ دیا یہ معنیٰ زیادہ ظاہر و واضح ہے [2] جس نے اس سے مشورہ طلب کیا تھا اور اچھی بات پوچھی تھی [3] ایک دوسری حدیث میں جو المستشار مؤتمن آیا ہے تو اس کا بھی یہی معنی ہے۔

۲۲۵ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰه علیه وسلم نَهٰى عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ[1]

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط فہمیوں میں ڈالنے والی باتوں سے منع فرمایا۔

رواہ ابوداؤد

اشعۃ اللمعات - [1] اغلوطات، اُغْلُوْطَہ بضم ہمزہ وسکون غین کی جمع ہے اور غلوطہ بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے وہ کلام جس سے کسی کو غلطی میں ڈالا جائے۔ اسے مغالطات بھی کہتے ہیں۔ مغالطہ دہی کا یہ عمل اپنے نفس کی برتری کے اظہار، دوسرے کو ناقص ظاہر کرنے اور اسے شرمندہ اور رسوا کرنے کے لئے، نیز یہ مغالطہ دہی شر و فتنہ کھڑا ہونے اور عداوت و اذیت رسانی کا موجب ہو تو حرام ہے بعض نے کہا ہے اگر مغالطہ دہی جزا اور بدلے کے طور پر ہو کہ اس نے اسے مغالطہ دیا اس نے اسے دیدیا تو جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ کے مطابق جائز ہے جس طرح ہارون رشید کی مجلس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کیا واللہ اعلم

۲۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض[1] اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو

وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ۔ رواہ الترمذی　　سکھاؤ کہ میں تم سے اٹھالیا جاؤں گا۔

اشعۃ اللمعات۔ سے وہ فرائض سے وہ احکام مراد ہیں جن پر دین میں عمل کرنا لازم و واجب ہے اور جب کہ یہاں یہ لفظ قرآن کے مقابل استعمال ہوا ہے تو فرائض سے وہ احکام مراد ہوں گے جو سنت میں واقع ہیں بعض نے فرائض سے علم وراثت مراد لیا ہے

۲۲۷ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ فِيهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ رواہ الترمذی

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی آنکھ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی پھر فرمایا یہ وقت ہے کہ اس میں علم و وحی لوگوں سے لے لیے جائیں گے تو انہیں کسی علم پر قدرت و دسترس نہ رہے گی۔

اشعۃ اللمعات۔ سے اور تیز نگاہ سے آسمان کی طرف دیکھا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ وحی کی انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ اس مضمون کی وحی نازل ہوئی کہ آپ ان کو چھوڑ کر عنقریب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۲۲۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً يُوشِكُ أَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْإِبِلِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ۔ رواہ الترمذی وفی جامعہ قال ابن عُيَيْنَةَ انه مالک بن انس ومثله عن عبدالرزاق. قال اسحاق بن موسی وسمعت ابن عُيَيْنَةَ انه قال ھو العمری الزاھد واسمه عبدالعزیز بن عبدالله.

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب لوگ علم کی تلاش میں اونٹوں کے جگر ماریں گے تو وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ پائیں گے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ان کی جامع میں ہے کہ ابن عیینہ نے کہا کہ وہ عالم مدینہ حضرت مالک بن انس ہیں اور عبدالرزاق سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اسحاق بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے ابن عیینہ سے سنا کہ وہ عالم مدینہ عمری الزاہد ہے اور اس کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے

اشعۃ اللمعات۔ سے روایۃً یہ مرفوع حدیث سے عبارت ہے اور بالکل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے لیکن چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی کو یقین نہیں کہ انہوں نے کونسا لفظ کہا اس لئے روایۃ کا لفظ لائے مقصود یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا قریب ہے الی آخرہ

سے یعنی سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے جو امام مالک کے اصحاب، اور امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں کہا ہے کہ عالم مدینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد امام مالک ہیں۔

سے حضرت ابن عیینہ کے قول کی طرح عبدالرزاق سے بھی منقول ہے یہ عبدالرزاق بڑے مشہور ائمہ حدیث میں سے ہیں یعنی عبدالرزاق نے بھی یہی کہا ہے کہ عالم مدینہ سے مراد امام مالک ہیں۔

سے یہ اسحاق بن موسیٰ سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

سے یہ عمری الزاہد بھی مدینہ منورہ میں تھے علماء اور زہاد وقت میں سے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

اولاد میں سے ہوتے ہیں۔

سے تو ابن عیینہ سے اس بارے میں مختلف اقوال مذکور ہیں ترمذی اور عبدالرزاق سے یہ منقول ہے کہ عالم مدینہ امام مالک ہیں اور اسحاق بن موسیٰ نے نقل کیا ہے کہ ابن عیینہ عمری الزاہد کو عالم مدینہ کہتے تھے۔ اور عمری الزاہد مشہور نام ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب کا اس مقام پر عربی شرح میں ہم نے خوب تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عالم مدینہ کی تعیین و تشخیص میں یقین کا دائرہ تنگ ہے۔ ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے مطابق ظن و گمان سے کہا ہے۔

چونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں حدیث، فقہ، اجتہاد اور امامت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ نیز مدینہ طیبہ کے ساتھ خصوصی ارتباط اور گہرا تعلق تھا۔ لہٰذا یہ سب باتیں مل کر اس امر کا منشا بن گئیں کہ لفظ عالم مدینہ کا مصداق آپ کی ذات کو قرار دیا جائے۔ ورنہ آپ کے زمانے میں اور آپ سے پہلے اور بعد اس مبارک شہر اور دیگر اسلامی بلاد اور اطراف و اکناف میں اور بھی علماء مجتہدین اور ائمہ دین موجود تھے جو حصر و شمار میں نہیں آسکتے۔ حدیث کا ظاہر مطلب واللہ اعلم یہ ذہن میں آتا ہے کہ حضور کے اس کلام معجز نظام کا مصداق دراصل آخر زمانہ کے حال سے مطلع کرنا ہے جب کہ علم دین مدینہ منورہ کے اندر ہی بند اور منحصر ہو کر رہ جائے گا اور بعض احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اور یہ قول صواب و درستی کے زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔

۲۲۹ عَنْهُ فِيْمَا اَعْلَمُ. عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا.

رواہ ابوداؤد

اور انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو میں جانتا ہوں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ عزوجل پیدا کرتا ہے اس امت کے لئے ہر سو سال کے پورا ہونے پر ایسا شخص جو دین کو تازگی بخشتا ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ اعلم متکلم کا صیغہ ہے اور یہ ابوہریرہ کے الفاظ ہیں اور اَعْلَمُ بلفظ ماضی اعلام سے بھی پڑھا گیا ہے

سلہ اس امت کے نفع اور اس کے دین کی تقویت اور تائید کے لئے۔

سلہ معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ اس سے ایسا شخص مراد ہوتا ہے جو اپنے اہل زمانہ میں تجدید و نصرت دین، ترویج و تقویت سنت، بدعت کی بیخ کنی، علم کی نشر و اشاعت اور کلمہ اسلام کی بلندی کے لئے ممتاز ہوتا ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہر صدی کے لئے ایک ایک مجدد متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ پہلی صدی کے لئے فلاں مجدد تھے اور دوسری کے لئے فلاں بعض کہتے ہیں کہ شخص معین کے بجائے عموم پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ خواہ ایک شخص ہو خواہ جماعت۔ کہ کلمہ من واحد و جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز تجدید دین کا یہ کام صرف علماء اور فقہاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سلاطین، امراء، قراء، اصحاب حدیث، زاہدوں، عابدوں، علماء نحو، ارباب سیر و تواریخ نیز اطباء، اسخیاء جو علماء و صلحا پر اور مصارف خیر میں مال صرف کرتے اور دین کی ترویج و تقویت کا سبب بنتے ہیں بلکہ ان تمام گروہوں کو بھی شامل ہے جن کے وجود کو قوت اور کمال و رواج حاصل ہوتا ہے اور اگر شہروں اور علاقوں کا عموم بھی اعتبار کریں کہ ایک زمانہ میں ایک شہر میں ایک ایسی جماعت سامنے آئے جو اس صفت سے موصوف ہو تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۳۰ وَعَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ[1] قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْمَدْخَلِ مُرْسَلًا بمن حديث بقية بن الوليد عن معان بن رفاعة عن ابراهيم بن عبدالرحمن العذري وسنذكر حديث جابر فانما شفاء العي السوال في باب التيمم ان شاء الله تعالىٰ۔

اور حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھائیں اور حاصل کریں گے یہ علم (علم کتاب وسنت) ہر بعد میں آنے والی جماعت میں سے ایسے لوگ جو عادل اور شائستہ ہوں گے۔ یہ عادل اور شائستہ لوگ اس علم کتاب وسنت سے دین میں حد سے بڑھنے والوں کی تحریف کو دور کریں گے اور اہل باطل کے جھوٹ کا ازالہ کریں گے، اور جاہلوں کی تاویلات کا رد کریں گے۔ بیہقی نے اسے کتاب المدخل میں بطریق ارسال روایت کیا اور حضرت جابر کی حدیث فانما شفاء العی السوال عنقریب ہم باب التیمم میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

اشعۃ اللمعات۔ [1] عذری بضم عین وسکون ذال معجمہ عذرہ بن سعد کی طرف منسوب ہے جو خزاعہ کے ایک قبیلے کا باپ تھا۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

[2] تحریف الغالین یعنی دین میں رد و بدل کرنے میں حد سے گزر جانے والے تحریف یعنی حق کو باطل سے لفظاً یا معنیً میں تبدیل کرنا

[3] انتحال دوسرے کی ملوکہ چیز پر شعر یا قول میں اپنی ملکیت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔ یہاں جھوٹ سے کنایہ ہے۔

[4] جو علم و دانش کے بغیر آیات و احادیث میں تاویلات کرتے اور ظاہری معنی سے انہیں بدلتے پھرتے ہیں۔

[5] بیہقی نے اس حدیث کو اپنی کتاب مدخل میں بقیہ بن الولید کی حدیث سے بطریق ارسال روایت کیا یہ بقیہ بن الولید مجہول راویوں سے زیادہ روایت کرتا ہے اور اس میں بہت غرابت پایا جاتا ہے۔ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ثقہ و مامون ہے لیکن تدلیس کرتا تھا ۱۹۷ھ میں فوت ہوا یہ معاذ بن رفاعہ سے روایت کرتا ہے مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں ایسے ہی واقع ہوا ہے۔ مگر صحیح معان بن رفاعہ یعنی ذال کی جگہ نون کے ساتھ آیا ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے بعض اسے ثقہ کہتے ہیں اور بعض ضعیف اور کاشف ذہبی میں ہر معاذ بن رفاعہ اور معان بن رفاعہ دونوں مذکور ہیں تاہم جس سے بقیہ بن الولید روایت کرتا ہے وہ معان بن رفاعہ ہے

[6] اصل کتاب میں یہاں رواہ البیہقی تا العذری تک جگہ خالی ہے۔

[7] یعنی جہل و درماندگی کا علاج علماء دین سے دریافت کرنا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۲۳۱ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ يُحْيِيْ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ

اور حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام کو قوی اور مضبوط کرنے کی نیت سے علم کی طلب میں مصروف تھا اور اسی طلب میں اسے موت آگئی تو

وَبَیْنَ النَّبِیِّیْنَ دَرَجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ
رواہ الدارمی

جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

اشعۃ اللمعات ۔ ۱ یعنی اس نیت سے نہیں کہ دنیا کا مال و جاہ حاصل کرے اور لذات و خواہشات نفسانی کی تکمیل کرے
۲ یہ دراصل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرب میں مبالغہ ہے اس لئے لفظ درجہ کی تاکید واحدۃ کے ساتھ کی۔

۲۳۲ وَعَنْہُ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَنْ رَجُلَیْنِ کَانَا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَحَدُھُمَا کَانَ عَالِمًا یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَۃَ ثُمَّ یَجْلِسُ فَیُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَالْاٰخَرُ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ اَیُّھُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَضْلُ الْعَالِمِ الَّذِیْ یُصَلِّی الْمَکْتُوْبَۃَ ثُمَّ یَجْلِسُ فَیُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ عَلَی الْعَابِدِ الَّذِیْ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ۔
رواہ الدارمی

اور انہی حضرت حسن سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا دو آدمیوں کے بارے میں جو بنی اسرائیل میں سے تھے ان میں سے ایک عالم دین تھا کہ فرض نماز ادا کرتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو خیر و نیکی کی تعلیم میں مصروف ہو جاتا اور دوسرا وہ جو دن کو روزہ رکھتا اور رات عبادت میں جاگ کر گذارتا کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عالم کی فضیلت جو فرض نماز ادا کرکے لوگوں کو تعلیم دینے بیٹھ جاتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھے اور رات عبادت میں گذارے ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔

۲۳۳۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْہُ فِی الدِّیْنِ اِنِ احْتِیْجَ اِلَیْہِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْہُ اَغْنٰی نَفْسَہٗ
رواہ رزین

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عالم دین وہ اچھا ہے جس کے علم کی ضرورت پڑے تو نفع دے اور اگر اس سے بے نیازی کی جائے تو وہ لوگوں سے بے نیاز ہے۔

اشعۃ اللمعات ۔ ۱ حاصل معنیٰ یہ ہے کہ عالم دین کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج نہ کرے۔ اور لوگوں سے میل جول کا خواہشمند نہ ہو اور ان سے کسی قسم کے نفع کی امید نہ رکھے۔ تاہم لوگوں سے بالکل علیحدگی بھی اختیار نہ کرے اور اس طرح اپنے علم سے لوگوں کو محروم نہ رکھے بلکہ اگر لوگ اس وجہ سے اس کے علم کے محتاج ہوں کہ دوسرا عالم وہاں موجود نہیں ہے تو لوگوں کو اپنے علم سے مستفید کرتا رہے اور اگر لوگوں کو اس کی ضرورت و حاجت نہ ہو تو اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور تصنیف و تالیف اور علم دین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔

۲۳۴ وَعَنْ عِکْرِمَۃَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ کُلَّ جُمُعَۃٍ مَرَّۃً فَاِنْ اَبَیْتَ فَمَرَّتَیْنِ فَاِنْ اَکْثَرْتَ فَثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ وَلَا اُلْفِیَنَّکَ تَاْتِی الْقَوْمَ وَھُمْ

اور حضرت عکرمہ ۱ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کو ہفتہ میں صرف ایک بار وعظ کیا کرو اگر تم نہ مانو تو پھر ہفتے میں صرف دو بار اور اگر اس سے بھی زیادہ ۲ چاہے تو پھر ہفتے میں تین بار اور لوگوں کو قرآن سے بے شوق نہ

فِی حَدِیْثٍ مِنْ حَدِیْثِهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَیْهِمْ حَدِیْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلٰکِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْکَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ یَشْتَهُوْنَهٗ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَاِنِّیْ عَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ لَا یَفْعَلُوْنَ ذٰلِکَ۔

رواہ البخاری

کر، اور میں تجھے ہرگز ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تو لوگوں کے پاس آئے اور وہ اپنی باتوں[ٰ] میں مصروف ہوں اور تو انہیں وعظ کہنا شروع کر دے اور ان کی گفتگو کاٹ دے اور انہیں پریشان کرے۔ بلکہ تو خاموش رہ جب وہ تجھے کہیں تو ان سے حدیث بیان کر، اور ابھی ان کا شوق و ذوق باقی ہو تو سلسلۂ وعظ بند کر دیا کر اور دعا میں سجع نہ کر اس سے دور رہ کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو پایا ہے وہ ایسا نہ کرتے تھے

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہائے مکہ میں سے ہیں۔ اصل میں اہل مغرب کے علاقہ بربر سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام شعبی نے کہا ہے میں نے عکرمہ سے بڑھ کر اللہ کی کتاب کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ آپ تابعی اور ثقہ ہیں۔ بعض لوگ ان میں اختلاف کرتے ہیں۔ بخاری نے کہا ہے میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو آپ سے حجت اور دلیل نہ پکڑتا ہو۔ ۱۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

سلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت عکرمہ یا کسی دوسرے مخاطب کو فرمائی۔

سلہ خواہ دنیا کی باتوں میں مصروف ہوں خواہ دین کی باتوں میں۔ اگر دینی باتیں مراد ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کا سلسلہ منقطع کرنا مناسب نہیں اور اگر دنیا کی باتیں مراد ہوں تو شاید بشریت کے تقاضا کے مطابق انہیں چھوڑنے پر خوش نہ ہوں اور وعظ و نصیحت سننے کے لئے تیار نہ ہوں اور گناہ کے فتنہ میں گر پڑیں۔ اور دین کی ہیبت و عظمت ان کے دلوں سے جاتی رہے۔ ہاں اگر ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنے میں کوئی ضروری مصلحت ہو تو پھر ان کی گفتگو کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ بہرحال مصلحت وقت کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے غالب اور ظاہر حالت کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے۔ آپ کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر دینی باتوں میں ہی مصروف رہتے تھے۔

سلہ سجع عبارت میں ہم وزن الفاظ لانا یہ اگر تکلف سے اختیار کی جائے تو منع ہے کہ اس سے دعا میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔

سلہ یعنی ان کی دعاؤں میں سجع یعنی تکلف و بناوٹ نہ ہوتی تھی۔ ماثورہ دعاؤں میں جو سجع پائی جاتی ہے اس میں تصنع اور تکلف کا شائبہ تک نہیں ہے جس طرح بعض مواضع میں بے قصد و ارادہ نہایت موزوں کلمات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ آپ شعر گوئی سے پاک تھے۔

۲۳۵ وَعَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَکَهٗ کَانَ لَهٗ کِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ یُدْرِکْهُ کَانَ لَهٗ کِفْلٌ مِنَ الْاَجْرِ۔ رواہ الدارمی

اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم دین طلب کیا اور اسے پا لیا تو اسے ثواب کے دو حصے ملیں گے اور جس نے تلاش کیا اور نہ پایا تو اسے ثواب کا ایک حصہ ملے گا۔

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ الاسقع بسین بعلہ دقاف ۔ آپ صحابی ہیں اور اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لشکر میں تیاری میں مصروف تھے ۔ آپ اصحاب صفہ میں سے ہیں ۔ پہلے بصرے میں اقامت اختیار کی ۔ پھر شام میں بیت المقدس چلے گئے ۔ سو سال عمر پائی بعض کے نزدیک اٹھانوے سال ۔ رضی اللہ عنہ ۔

سلہ ایک طلب و مشقت کا حصہ جو اس نے علم کے سیکھنے اور اس کے حاصل کرنے میں اٹھائی ۔ دوسرا حصول علم اور آگے دوسروں کو اس کی تعلیم و تدریس کا ثواب یا اس عمل کا ثواب جو وہ اس علم کے مطابق کریگا ۔

سلہ لہذا ہر حالت میں علم دین کی جستجو میں رہنا چاہیئے اگر نصیب ہوگیا تو نور علی نور ورنہ طلب علم میں جان دے دینا بھی سعادت ہے

بیت : گرچہ نتوان بدوست رہ بردن شرط یاری ست در طلب مُردن

ترجمہ : اگرچہ دوست تک پہنچنے کا راستہ ملنا مشکل ہے ۔ کم از کم یہ تو ہونا چاہیئے کہ دوست کی طلب میں ہی موت آجائے ۔

بیت دیگر : مقصود جامی از طلبم گفتہ کہ چیست مقصود او ہمیں کہ دہد جان دریں طلب

ترجمہ : اس نے پوچھا کہ جامی جو مجھے تلاش کرتا ہے اس سے اس کا کیا مقصد ہے اس کا (جامی کا) مقصود یہی ہے کہ اس کی طلب میں جان دیدے ۔

۲۳۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِاِبْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيٰوتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ

رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں سے جو کچھ پہنچتا ہے ان میں سے ایک علم ہے جو اس نے حاصل کیا ہوتا ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی ہوتی ہے دوسرا نیک بیٹا جسے وہ چھوڑ جاتا ہے ۔ تیسرا قرآن پاک جسے وراثت کے طور پر اپنے عزیزوں کے حوالے کر جاتا ہے چوتھی چیز مسجد ہے جو اس نے تعمیر کی ہوتی ہے یا مسافر کے لئے کوئی سرائے وغیرہ یا صدقہ جو اس نے اپنے مال سے اپنی صحت اور زندگی میں ادا کیا ہوتا ہے ۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی بندے کو پہنچتا رہتا ہے ۔

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ بعض نسخوں میں علّمہ شد کے ساتھ آیا ہے اس صورت میں نشرہ کا لفظ اس کی تفسیر و بیان کے طور پر ہوگا یا علم کی کثرت تعلیم و اشاعت مراد ہے ۔

سلہ ورّثہ راکی شد کے ساتھ یعنی یا وہ قرآن شریف جسے بطور وراثت اپنے پیچھے چھوڑا یا اپنی زندگی میں جسے وقف کر گیا ۔

سلہ یعنی اپنی زندگی میں اگرچہ تندرست نہ ہو بلکہ بیمار ہو تاہم صحت کی امید رکھتا ہو ۔

سلہ یہ الفاظ تاکید کی غرض سے مکرر بیان فرمائے یا یہ صرف صدقے سے متعلق ہیں اس کی اہمیت اور عظمت شان کے اظہار کے لئے ۔ بعض شارحین نے اس کا یہ معنیٰ لیا ہے کہ یہ الفاظ صدقہ سے ہی متعلق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اس بندے کا صدقہ باقی رہتا ہے

یہاں تک کہ اس کی موت کے بعد اس کے صدقہ جاریہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ گذشتہ ایک حدیث میں گزرا ہے کہ جن نیکیوں کا ثواب بعد موت باقی رہتا ہے وہ صرف تین ہیں، علم نیک اولاد اور صدقہ جاریہ۔ اس حدیث میں سات چیزیں ذکر کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں جس علم اور نیک اولاد کے بعد جو کچھ بیان کیا ہے سب صدقہ جاریہ میں داخل و شامل ہے۔

۲۳۷۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلٍ فِي عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ

رواہ البیھقی فی شعب الایمان

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک اللہ عزوجل نے میری طرف وحی نازل کی کہ جو شخص تلاش علم میں کسی راستے پر چلے گا میں اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دونگا اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں تو ان دونوں پر میں اسے جنت جزا کے طور پر عطا کروں گا۔ اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی قوت و استحکام کا سبب ورع ہے

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ انسان کے ہر عضو شریف کو کریمہ کہتے ہیں یہاں آنکھ مراد ہے۔

سلہ ملاک یعنی قوام یعنی دین و شریعت کے کاروبار کا صحیح انتظام اور اس کے استحکام و قوت کا سبب ورع و تقویٰ ہے بعض کے نزدیک ورع التقویٰ سے بلند تر ہے کہ تقویٰ حرام سے پرہیز کا نام ہے اور شبہ سے بچنے کا نام ورع ہے۔ اور بعض کی اصطلاح میں تقویٰ ورع سے کامل ترہے جیسا کہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

۲۳۸۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا

رواہ الدارمی

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا صرف ایک گھڑی کے لئے علم کا درس دینا اور اس کا باہم تکرار کرنا ساری رات بیدار رہنے سے بہتر ہے

اشعۃ اللمعات ۔ سلہ احیاء لیل کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک رات کو زندہ کرنا کہ گویا وہ رات جس میں نہ اٹھیں اور نہ نماز پڑھیں، مردہ ہے طاعت و عبادت کرنے سے زندہ ہو گی۔ دوسرا معنی ہے رات کے وقت نفس کا اپنے آپ کو بیدار کرنا کہ سویا ہوا اور بیکار نفس مردہ کی طرح ہے۔

۲۳۹۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَّاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مجلسوں کے پاس سے گذرے جو آپ کی مسجد میں تھیں۔ فرمایا دونوں کار خیر اور نیکی میں مصروف ہیں لیکن ان میں سے ایک اہل مجلس دوسرے اہل مجلس سے افضل و بہتر ہیں یہ جماعت جو دعا میں مشغول ہے تو یہ خدا تعالیٰ کو پکارتے اور اس کی جانب اظہار رغبت کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ فِيْهِمْ
رواه الدارمی

اگر چاہے ان کی دعا کے عوض ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو روک دے اور کچھ نہ دے مگر یہ دوسرا گروہ جو مذاکرہ علم میں مصروف ہے تو یہ لوگ فقہ یا علم سیکھتے ہیں یہ راوی کو شک ہے۔ اور آگے جاہلوں کو سکھاتے ہیں۔ ان کا فائدہ زیادہ اور دوسروں کو پہنچتا ہے تو یہ گروہ جماعت اول سے افضل و بہتر ہے اور بیشک مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے پھر آپ علم کا درس و تکرار کرنے والی جماعت[۳] میں بیٹھ گئے۔

اشعۃ اللمعات۔ [۱] یعنی صحابہ کرام مسجد نبوی شریف میں دو مجلسیں بنا کر بیٹھے ہوئے تھے ایک جماعت ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری مذاکرہ علم میں۔

[۲] اور اس سے اپنے دعا و مقصود کے حصول کے امیدوار ہیں مگر ان کے مدعا کا حصول مشیت الٰہی کے تحت ہے۔

[۳] اس گروہ کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹھے اور خود کو ان میں شمار کیا

بیت:- گدایاں را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں با ماست امروز

ترجمہ:- گداؤں کو اس بات کی خبر نہیں کہ سلطان جہاں آج ہمارے ساتھ ہے

۲۴۔ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا حَدُّ الْعِلْمِ الَّذِيْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعًا وَشَهِيْدًا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کی نہایت اور مرتبہ کونسا ہے جس پر پہنچ کر مرد فقیہ کہلاتا اور فقہا کے زمرے میں شامل ہوتا اور ان کا ثواب پاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جو دین سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے اور لوگوں تک پہنچائے[۱] اللہ قیامت کے دن اسے گروہ فقہاء میں اٹھائیگا اور میں قیامت کے دن اس کے گناہوں کی شفاعت کروں گا اور اس کے ایمان و طاعت کی گواہی دونگا[۲]

اشعۃ اللمعات:۔ [۱] علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے مراد و مقصود لوگوں تک چالیس احادیث کا پہنچانا ہے، چاہے وہ اسے یاد نہ بھی ہوں اور ان کا معنی بھی اسے معلوم نہ ہو۔

؎ اسی حدیث کی بنا پر سلف وخلف اکابر علماء کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار بننے اور آپ کو گواہ بنانے کے لئے اربعینات (چالیس احادیث) جمع کیں۔ ہر ایک نے دین کے کسی ایک پہلو سے متعلق چہل احادیث جمع کیں اور اس فقیر حقیر (حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی مولف اشعۃ اللمعات) نے بھی دین کے ہر باب میں سے ایک ایک حدیث لے کر چہل احادیث کا ایک مجموعہ تالیف کیا ہے۔ علم حدیث کی خدمت و تدریس کے بعد سب سے پہلے جس تالیف کی مجھے توفیق عطا ہوئی وہ اربعین ہے۔

۲۳۱۔ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ اَوْقَالَ اُمَّةً وَاحِدَةً۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو سب سے بڑھ کر نیک لوگوں کا خیرخواہ اور جود وکرم میں سب سے بڑھ کر کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ جود وکرم کے لحاظ سے کامل اور بزرگ تر ہے پھر اس کے بعد تمام انسانوں سے بڑھ کر میں جود وکرم کرنے والا ہوں اور میرے بعد نوع انسانی میں سخی ترین اور بعض نسخوں میں اجودہم یعنی اولاد آدم میں سخی ترین وہ شخص ہے جس نے علم حاصل کیا اور اس کی نشرواشاعت کی۔ یہ شخص قیامت کے روز اکیلا سردار وامیر کی حیثیت سے آئیگا یا اکیلا ایک امت وجماعت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی تعلیم وتصنیف بلکہ دینی کتابوں کی کتابت کے ذریعے۔

؎ اوقال الخ۔ یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ حضور نے امیرا وحدہٗ یا امۃ واحدۃ فرمایا یعنی وہ اکیلا ہی ایک امت وجماعت کی حیثیت رکھتا ہوگا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شان میں فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا بیشک ابراہیم اکیلا ہی ایک امت تھا اور خدا کا فرمانبردار۔ مقصود یہ ہے کہ قیامت کے روز یہ شخص بڑا معزز ومکرم اور مخلوق کے اندر بڑی شان وشوکت اور جاہ وحشمت کے ساتھ آئیگا۔

۲۳۲۔ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ. مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔
رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور انہی انس بن مالک سے مروی ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص کہ وہ اس کی تحصیل سے سیر نہیں ہوتا۔ دوسرا دنیا کا حریص کہ وہ بھی کتنی ہی دنیا اکٹھی کرے اس سے سیر نہیں ہوتا۔ مذکورہ تینوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امام احمد نے ابوالدرداء؎ کی حدیث

وقال قال الامام احمد فی حدیث ابی الدرداء ھذا متن مشھور فیما بین الناس ولیس لہ اسناد صحیح

کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں اس حدیث کا متن مشہور ہے تاہم اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔

اشعۃ اللمعات: ؂ کہ جس قدر زیادہ علم حاصل کرتا ہے اس کی پیاس اور طلب میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

؂ ایک حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے اور ایک دو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے۔

؂ جو چہل حدیث کے حفظ کی فضیلت میں روایت کی ہے۔

؂ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اربعین کے ابتدا میں فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر متعدد طرق سے مروی ہے اس طرح کہ بعض کو بعض سے قوت حاصل ہوتی ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے خصوصاً جب کہ اکابر ائمہ دین نے اسے قبول کیا اور اس پر عمل کیا ہو۔

۲۴۳ وعن عون قال قال عبد اللہ بن مسعود منھومان لا یشبعان صاحب العلم وصاحب الدنیا ولا یستویان اما صاحب العلم فیزداد رضی الرحمٰن اما صاحب الدنیا فیتمادی فی الطغیان ثم قرء عبد اللہ کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی قال قال الآخر انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

رواہ الدارمی

حضرت؂ عون سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے ایک صاحب علم دوسرا طالب دنیا مگر دونوں برابر نہیں ہیں کہ صاحب دنیا تو سرکشی میں بڑھتا رہتا ہے پھر حضرت عبد اللہ نے یہ ہدایت؂ پڑھی ان الانسان الخ۔ یعنی بیشک انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز محسوس کرتا ہے حضرت عون نے کہا کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا دوسرا؂ صاحب علم، انما یخشی اللہ الخ (علما کے سینوں میں خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے) میں سے ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات ؂ حضرت عون رضی اللہ عنہ تابعی، زاہد، ثقہ، عابد و فقیہہ ہیں آپ عبد اللہ بن مسعود، ابو موسیٰ، ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری اور ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں۔ ؂ یعنی قدر و مرتبہ میں یہ دونوں برابر نہیں ہیں ؂ یعنی دولت مند ہونے کی صورت میں صاحب دنیا کے سرکشی میں بڑھنے والے کے مناسب حال یہ آیت پڑھی۔ ؂ یعنی دوسری جانب علم کی زیادہ حرص کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی دلیل یہ آیہ کریمہ ہے ؂ جو علماء کی فضیلت ان کے خوف و خشیت اور خدا تعالیٰ کے ان سے راضی ہونے کے بارے میں آئی ہے۔

۲۴۴ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اناسا من امتی سیتفقھون

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میری امت میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پاک پڑھیں گے

فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّا نَاْتِی الْاُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِیْنِنَا وَلَا یَکُوْنُ ذٰلِکَ کَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْکُ کَذٰلِکَ لَا یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ کَاَنَّهٗ یَعْنِی الْخَطَایَا۔ رواہ ابن ماجه

وہ کہیں گے ہم امراء کے پاس آتے ہیں تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں مگر اپنے دین کے بارے میں ہم ان سے الگ رہیں گے۔ مگر ان دونوں باتوں کا اکٹھا ہونا دشوار ہے جس طرح خار دار درخت سے سوائے کانٹوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح دنیاداروں کے قرب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر ... محمد بن صباح نے فرمایا یہاں مستثنیٰ محذوف سے ذنوب و خطایا مراد ہیں

اشعۃ اللمعات:- یعنی تفقہ فی الدین اور امراء وسلاطین کا قرب دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور ان کے قرب سے سوائے نقصان کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ قتاد اس درخت کو کہتے ہیں جو خار دار ہو اور پھلدار نہ ہو۔ یعنی امراء وسلاطین سے نہیں حاصل ہوتا مگر نقصان و وبال اور خسارہ جس کے بیان سے زبانیں قاصر ہیں یہ حذف مستثنیٰ سے قرینہ مقام کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے۔ محمد بن صباح تشدید با کے ساتھ، آپ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور احمد کے شیوخ میں سے ہیں ثقہ اور ماموں میں اور سنن کے مصنف ہیں۔ یہ محمد بن صباح فرماتے ہیں کہ حدیث میں مستثنیٰ محذوف سے ذنوب و خطائیں مراد ہیں یعنی امراء وسلاطین سے قرب پیدا کرنے والا نہ حاصل کریگا مگر گناہ اور خطائیں اور حذف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی صحبت و مجلس اختیار کرنے کا نقصان و زیاں اس قدر زیادہ ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

۲۴۵ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوْا وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰکِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْیَا لِیَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْیَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَیْهِمْ۔ سَمِعْتُ نَبِیَّکُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ کَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی هَمَّ دُنْیَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالَ الدُّنْیَا لَمْ یُبَالِ اللّٰهُ فِیْ اَیِّ اَوْدِیَتِهَا هَلَکَ۔

رواہ ابن ماجه وروی البیهقی فی شعب الایمان عن ابن عمر من قوله من جعل الهموم الی اٰخرہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اگر اہل علم، علم کی حفاظت کرتے اور اس کی قدر و منزلت پہچانتے ... اور علم کو اس کے اہل و قابل کے سپرد کرتے تو وہ اہل زمانہ کی نگاہوں میں معزز و بزرگ ہو جاتے مگر (افسوس) اہل علم نے اپنا علم دنیا کے لئے استعمال کیا، تاکہ علم کے عوض ان سے دنیا حاصل کریں، تو اہل دنیا کے سامنے ذلیل و خوار ہو گئے۔ میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے جس نے تمام ارادوں کو ایک ارادہ بنایا یعنی آخرت اور آخرت کے سوا کسی چیز کو مقصود نہ بنایا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی مقصد کے لئے کافی ہو جائیگا اور جو اپنے ارادوں اور مقاصد کو منتشر اور پراگندہ کردیگا کہ دنیا کی پریشانیوں اور حالات کو دل میں جگہ دیگا تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ ان پریشانیوں کی وادیوں میں سے جس وادی میں بھی ہلاک و تباہ ہو جائے۔

اشعۃ اللمعات : سلہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے لو ان اہل العلم تا آخر روایت کیا اور بیہقی سے اسے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضور کے قول من جعل الھموم سے آخر تک یعنی انھوں نے روایت نہیں کئے۔

۲۴۶ وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اٰفَۃُ الْعِلْمِ النِّسْیَانُ وَاِضَاعَتُہٗ اَنْ تُحَدِّثَ بِہٖ غَیْرَ اَھْلِہٖ رواہ الدارمی مرسلا

حضرت اعمش سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کی آفت اسے بھول جانا ہے اور علم کو برباد اور ضائع کرنا یہ ہے کہ تو اسے نااہل اور نالائق کو سکھائے۔

دارمی نے اسے مرسل روایت کیا۔

اشعۃ اللمعات سلہ اعمش یعنی ابو محمد سلیمان اسدی کوفی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا مگر ان سے حدیث سننے میں اختلاف ہے۔ آپ نے بے شمار تابعین سے احادیث سنیں۔ سفیان ثوری، ابن عیینہ وغیرہم نے ان سے روایت کی ہے۔ علم حدیث وقرأت کے مشہور ائمہ اعلام میں سے ہوتے ہیں۔ آپ نے تیرہ سو احادیث روایت کی ہیں۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ جریر جب اعمش کی حدیث ذکر کرتے تو فرماتے ہذا الدیباج الخسروانی (یہ شاہی ریشم ہے) ستر سال امام اعمش کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن آپ پیدا ہوتے ۱۴۸ ہجری میں وفات پائی۔ ان میں قدرے تشیع پایا جاتا تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ بعض محدثین نے انہیں سید المحدثین کہا ہے سلہ یہ دراصل اس امر پر تنبیہ ہے کہ وہ اسباب اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ جو علم کے بھول جانے کا موجب بنتے ہیں یعنی ارتکاب معاصی، نفس وبیا کے مشاغل اور کمینی دنیا کیلیے تھکا دینے والی تگ ودو۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شعر

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم فضل من الٰہ ۔۔۔ وفضل اللہ لا یعطی لعاصی

(۱) میں نے حضرت وکیع سے اپنے کمزور حافظے کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کر دینے کی وصیت کی۔

(۲) کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ کا فضل عاصی اور گناہ گار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

۲۴۷ وَعَنْ سُفْیَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِکَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ قَالَ کَعْبُ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ بِمَا یَعْلَمُوْنَ. قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الطَّمَعُ رواہ الدارمی

حضرت سفیان ثوری سے روایت ہے کہ بیشک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے پوچھا ارباب علم کون لوگ ہوتے ہیں؟ حضرت کعب نے کہا وہ لوگ جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو علماء کے قلوب سے علم کو کس چیز نے نکالا ہے فرمایا علم طمع اور لالچ نے۔

اشعۃ اللمعات سلہ یعنی علم کے مالک اور جن میں علم راسخ ہو چکا ہو اور جو اس بات کے مستحق ہو چکے ہوں کہ انہیں

ارباب علم کہا جاتے کون ہیں؟ رب چیز کے مالک و مستحق کو کہتے ہیں۔

۲ یعنی کس چیز نے علم کا نور، اس کی ہیبت و برکت علماء کے دلوں سے نکال باہر کیا ہے۔

۳ حضرت کعب احبار نے فرمایا علماء کے دلوں سے علم کو نکالنے والی چیز مال وجاہ کا طمع ولالچ اور دنیا کا مال ومتاع ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ الطمع یصیر الاسد ذبابا۔ طمع شیر کو مکھی بنا دیتا ہے اور طمع کی موجودگی میں کلمۂ حق کہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثنوی

طمع بند و دفتر حکمت بشوئے　　طمع بگسل و ہر چہ مے دانی بگوئی

طمع را سہ حرف است و ہر سہ تہی　　ازاں نیست مر طمعاں را بہی

(۱) لالچ ختم کر اور حکمت و دانائی کا دفتر دھو ڈال۔ طمع توڑ دے اور جو کچھ تو جانتا ہے کہہ۔

(۲) طمع کے تین حرف ہیں اور تینوں ہی خالی ہیں۔ اس وجہ سے لالچی لوگ خیر و برکت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی قدس سرہٗ سے منقول ہے جب میں اپنے کام کے ابتدائی مراحل میں اسکندریہ پہنچا تو ایک شخص سے جس سے میری جان پہچان تھی میں نے نصف درہم سے ایک چیز خریدی چونکہ نصف درہم ایک معمولی چیز تھی اس لئے میرے دل میں آیا شاید نصف درہم مجھ سے وصول نہ کرے۔ غیبی آواز آئی السلامۃ فی الدین بترک الطمع فی المخلوقین یعنی دین کی سلامتی مخلوق سے طمع ولالچ ترک کر دینے میں ہے۔

۲۴۸- وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ
رواہ الدارمی

حضرت احوص بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا مجھ سے شر کے متعلق نہ پوچھو بلکہ خیر کے متعلق پوچھو۔ یہ بات آپ نے تین بار دہرائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ آگاہ رہو سب بروں سے برے علماء ہیں اور سب نیکوں سے نیک علماء ہیں۔

اشعۃ اللمعات ۱ احوص بن حکیم رضی اللہ عنہ تابعی ہیں حضرت انس اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور حضرت انس سے ان کی روایت ضعیف ہے۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ احوص کوئی بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ ابن معین نے فرمایا احوص کچھ نہیں۔ ابن عدی نے کہا احوص کی حدیث لکھنے کے قابل ہے۔ ان کا باپ حکیم بن عمیر رضی اللہ عنہ صحابی ہے۔

۲ شر معنی برائی یا برے لوگ یا سب سے بدترین لوگ کون ہیں۔ یہ معنی جواب کے بہت موافق ہے صراح میں ہے کہ شر معنی بدی اور بد اور بدتر آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں شر الناس فلاں شخص سب سے بدترین ہے اشر الناس نہیں کہتے مگر یہ لغتہ کمزور ہے اور لفظ خیر بھی تین معنوں میں آتا ہے نیکی، نیک اور بہت ہی نیک۔ یہاں سیاق حدیث کے مطابق آخری معنی مناسب ہے۔

۳ اور اس وقت برے لوگوں کا ذکر اور برائی سے مخصوص گروہ کا نشان ظاہر کرنا خاطر اقدس کو پسند نہ آیا اور اس گروہ سے اظہار نفرت وکراہت کے بعد جب نیک لوگوں کا ذکر کیا تو اس نفرت وکراہت کی تلافی کے لئے برے لوگوں

کا ذکر بھی کر دیا ۔

؎ کیونکہ علماء متبوع و پیشوا ہوتے ہیں اور لوگ ان کے تابع و پیروکار ۔ لہٰذا علماء کی بدی اور نیکی دوسروں کی نسبت لوگوں میں زیادہ پھیلتی اور سرایت کرتی ہے ۔

۲۴۹ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَّا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِہٖ

رواہ الدارمی

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا خدا تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے بدترین لوگوں میں سے وہ عالم ہے جو اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا ؎

اشعۃ اللمعات ؎ اور اس پر عمل نہیں کرتا اور بعض نسخوں میں لَا یُنْتَفَعُ بصیغہ مجہول کی تصحیح آئی ہے یعنی وہ عالم جس کے علم سے فائدہ نہ اٹھایا جائے ۔ اور وہ یوں کہ وہ عالم تعلیم و تدریس کرنا، تصنیف و تالیف کرنا ترک کر دے یا امر معروف اور نہی منکر کرنا چھوڑ دے ۔ اور اس مطلب کی موید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اس فصل کے آخر میں آئیگی کہ اس میں بھی بصیغہ مجہول لا کلام مذکور ہے ۔

۲۵۰ وَعَنْ زِیَادٍ قَالَ قَالَ لِیْ عُمَرُ ھَلْ تَعْرِفُ مَا یَہْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ لَا قَالَ یَہْدِمُہٗ زَلَّۃُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْکِتَابِ وَحُکْمُ الْاَئِمَّۃِ الْمُضِلِّیْنَ ۔

حضرت زیاد؎ سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھے پتہ ہے کہ اسلام کو کونسی چیز گراتی ہے ۔ عرض کی نہیں ۔ فرمایا عالم دین کی لغزش؎ کتاب؎ اللہ کے ساتھ منافق کا جھگڑا ، گمراہ کرنے والے امراء اور حکام کے اپنی خواہشات کے مطابق احکام اور فیصلے؎

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی زیاد بن حُدَیر آپ قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے ہیں کوفہ میں سکونت تھی اور تابعین میں سے ہیں آپ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے حدیث سنی اور آپ سے شعبی وغیرہ نے ؎ یعنی کونسی چیز اسلامی بنیادوں کو توڑتی اور اسے ویران کرتی ہے ۔ ہدم کا معنی پشت توڑنے کا بھی آتا ہے یہ معنی بھی یہاں مناسب ہے ۔ ؎ عالم کا لغزش کھانا اور گناہوں کا مرتکب ہونا ۔ ؎ کتاب اللہ کے ذریعے منافق کا جدال و نزاع دین اسلام میں فساد برپا کرنے کی غرض سے ہوتا ہے اور منافقین کے جدال میں ہی شامل ہے ، اہل بدعت اور بد عقیدہ لوگوں کا جدال و نزاع جو باطل شبہات اور غلط تاویلات کی صورت میں ہوتا ہے یہ لوگ بھی دین میں شک ڈالتے اور شک میں مبتلا کرتے ہیں ؎ جو وہ ہویٰ اور خواہش نفس کے مطابق جاری کرتے اور لوگوں کو جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنے اور اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں ۔

۲۵۱ وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَالِکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَالِکَ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰی ابْنِ اٰدَمَ ۔

رواہ الدارمی

حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ نے فرمایا علم دو ہیں ایک دل میں علم ہے یہ نفع مند علم ؎ ہے دوسرا وہ علم جو زبان؎ پر ہوتا ہے یہ اللہ عزوجل کی طرف سے آدم کے بیٹے پر حجت؎ ہے ۔

اشعۃ اللمعات سلہ ماثورہ دعاؤں میں خدا تعالیٰ سے اسی علم کے حصول کے لئے دعائیں مانگی گئی ہیں۔
ٹہ یعنی دوسرا وہ علم جو صرف نوک زبان پر ہوتا ہے دل میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ دل کو روشن و منور کرتا ہے
بیت علم چوں بر دل زند یارے شود علم چوں بر تن زند مارے شود
دل کو متاثر کرنے والا علم بندے کا یار و مددگار ہوتا ہے اور تن بدن کے لئے استعمال ہونے والا علم سانپ کی طرح نقصان پہنچاتا ہے۔

سٹہ کہ اس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کو الزام دیگا اور ان سے فرمائے گا میں نے تمہیں علم عطا کیا تم نے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے جاہل پر ایک بار افسوس اور عالم پر ستر بار جو دیدہ و دانستہ گمراہ ہوتا اور ذلت و خواری کے کنویں میں گرتا ہے۔

شیخ محقق عارف باللہ حضرت احمد بن عطا اللہ الاسکندری کتاب حِکَم میں فرماتے ہیں۔

العلم النافع هو الذی ینبسط فی الصدر شعاعهٗ وینکشف عن القلب قناعهٗ۔

نفع پہنچانے والا علم وہ ہوتا ہے جس کی نورانی شعاعیں سینے میں پھیلتی ہیں اور جو دل سے جہل و غفلت کے پردے اٹھا دیتا ہے۔

شعاع سے اس کے پھیلنے والے انوار اور حال و باطن کو متاثر کرنے والے آثار مراد ہیں جو زمین پر پڑنے والی اور پھیلنے والی سورج کی شعاعوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ علم نافع اور حقائق اشیاء کے فہم و ادراک کے رستے میں رکاوٹ بننے والے قلبی حجابات کو اٹھا دیتا ہے۔

شیخ امام ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم نافع وہ علم ہے جو سینے میں ثابت و مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کا ملکہ اس میں پورے رسوخ کے ساتھ جاگزیں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نور جب چمکتا ہے تو اس کی صورت دل پر نقش بنا لیتی ہے اور اس کی روشنی میں ہر نیک و بد میں صاف فرق و امتیاز محسوس ہونے لگتا ہے اس روشنی اور نور کا سایہ سینے میں پڑتا ہے جس کی بدولت انسان اچھی باتوں پر عمل پیرا ہوتا اور بری باتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ یہی علم در اصل نور قلب ہے جس سے ہدایت کی علامات سینے میں ابھرتی ہیں اور وہ علم جسے تو سیکھتا اور کسب سے حاصل کرتا ہے محض زبانی علم ہے جس پر شہوت کی تاریکی نے غلبہ پا کر اس کی نورانیت کو تباہ کر دیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے علم نافع وہ علم ہے جو دل کی صفائی اور رقت کا ذریعہ بنتا ہے جس کے طفیل بندے کو دنیا میں زہد و تقویٰ، آخرت میں جنت کا قرب اور دوزخ سے نجات اور دوری نصیب ہوتی ہے دل میں خوف اور رجا پیدا ہوتا ہے، نفس کی آفات و عیوب کی شناخت اور ان آفات سے بچنے اور پاک ہونے کا راستہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے معقول و منقول کا زبانی علم، علم نافع نہیں ہے مختصر یہ کہ علم نافع دو قسم ہے۔ ایک علم معاملہ جو اعمال صالحہ کے اختیار کرنے کا باعث بنتا اور دل کے ساتھ رہتا ہے دوسرا علم مکاشفہ ہے جو اعمال صالحہ کا اثر اور نتیجہ ہوتا ہے۔ پہلے علم کو علم دراست اور دوسرے کو علم وراثت کہتے ہیں۔

۲۵۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِيْ مَجْرَى الطَّعَامِ
رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن[1] محفوظ کئے ان میں سے علم کا ایک برتن میں نے تم میں بکھیر دیا ہے مگر دوسرا برتن اگر تمہارے سامنے بکھیروں اور ظاہر کردوں تو میرے گلے کی گذرگاہ طعام کاٹ دی جائے۔

اشعۃ اللمعات [1] یعنی علم کے دو برتن اور بعض روایات میں من العلم کا لفظ صریحاً مذکور ہے علم کے برتن سے وہ محل و جگہ مراد ہے جس میں علم جمع کیا جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی دو اقسام کو دو برتنوں سے تشبیہ دی۔ اس لحاظ سے کہ دونوں علم کی ایک ایک قسم پر مشتمل ہیں اور جو علم ایک میں ہے دوسرے میں نہیں ہے [2] بلعوم ضمہ با کے ساتھ یعنی گلے کی گذرگاہ طعام جیسا کہ انہوں نے اپنے قول کی خود تفسیر کی یعنی مجری الطعام علماء کرام نے کہا ہے کہ اول سے اخلاق و احکام کا علم مراد ہے اور خواص و عوام میں مشترک ہے اور دوسرے سے علم اسرار مراد ہے جو اغیار سے محفوظ و مصون ہے کیونکہ وہ اپنی باریکی و پوشیدگی اور فہم عوام کے اس تک رسائی نہ ہونے کے باعث اہل عرفان علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔

بعض شارحین حدیث نے کہا ہے اس سے بنی امیہ کی طرف سے دین میں فتنہ و فساد برپا ہونے کی خبریں مراد ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں خبر دی تھی کہ امت کی بربادی قریش کے بعض بچوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے اگر میں چاہوں تو ہر ایک کا نام لے کر بتا سکتا ہوں۔ یا اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں ظالم حکام کے نام، ان کے حالات اور ان کی مذمت مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بعض کے حالات رمز و کنایہ سے بیان کئے مگر صریحاً بیان کرنے سے اس بنا پر ڈر گئے کہ ظالم امراء و حکام انہیں کہیں قتل ہی نہ کردیں۔ چنانچہ آپ نے اشارۃً فرمایا اعوذ باللہ من امارۃ ستین و امارۃ الصبیان یعنی میں ساٹھویں صدی ہجری کی بادشاہی اور لونڈوں کی حکومت سے خدا سے پناہ لیتا ہوں۔ اس سے آپ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و حکومت مراد لی ہے جو ساٹھویں سن ہجری کے اختتام پر قائم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ آپ یزید کی حکومت قائم ہونے سے پہلے اس دار فانی سے رحلت کر گئے واللہ اعلم۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اگر اس قائل (بعض شارحین) کی مراد علم باطن اور حقائق و اسرار کے وجود کی نفی ہے جس تک عوام کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی اور جس کا افشاء مصلحت وقت کے خلاف ہوتا ہے اور بعض مخاطب اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ اس کے باوجود اس قسم کے علوم دائرہ علم و دین میں ضرور داخل ہیں، تو یہ نفی مکابرہ اور ضد ہے کیونکہ علم باطن اور حقائق و معارف کے وجود کی طرف اشارہ کلام نبوت اور ارباب ولایت کے ہاں کثرت سے موجود ہے۔ اور کلموا الناس علی قدر عقولہم (لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرو) میں بھی اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ ایک واضح بات ہے کہ ہر ظاہر کے لئے باطن اور ہر شریعت کے لئے حقیقت ہوتی ہے تاہم اس کے بیان کرنے میں دشواری اور مشکل ہوتی ہے کہ جب وہ

باطن درحقیقت عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے تو وہ اس کے قائل کو متہم کرتے اور ایسی چیز کی ان کی طرف نسبت کرتے ہیں جسے خود اہل باطن ایک بری اور مذموم چیز جانتے ہیں اور یہ اہل باطن بظاہر اس انکار و مذمت میں معذور بھی ہیں۔ غرض باطنی اسرار و رموز کے اظہار و افشاء سے ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے (یعنی عوام کا انہیں نہ سمجھ سکنا) ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ باطنی علوم اور حقائق و معارف دین و شریعت کے خلاف ہیں۔

اور اگر یہ قائل یہ کہتا ہے کہ علم حقائق و اسرار فی نفسہ ثابت و واقع تو ضرور ہے مگر حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں حقائق و اسرار کا علم مراد نہیں بلکہ دوسری طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کیا گیا کیونکہ قرائن سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے نیز دوسرے علماء صحابہ کرام کی موجودگی کے باوجود حضرت ابوہریرہ کی تخصیص اور صحابہ کا حضرت ابوہریرہ کی مخصوص معلومات کو نہ سمجھنا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو قتل کئے جانے کے حکم کا اندیشہ یہ قرائن قائل کی توجیہہ سے قدرے بعید ہیں بایں ہمہ قائل کا یہ موقف مکابرے سے الگ بات ہے جس سے باطنی علوم و معارف کا انکار لازم نہیں آتا واللہ اعلم۔

۲۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَا يَعْلَمْهُ فَلْيَقُلْ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا لوگو جو شخص علم کی کوئی بات جانتا ہو تو وہ اسے بیان کرے اور جو نہ جانتا ہو تو وہ یوں کہے "اللہ بہتر جانتا ہے"۔ کیوں کہ یہ بات بھی علم کا حصہ ہے کہ جو چیز تو نہیں جانتا اس کے متعلق کہے کہ اللہ بہتر جانتا ہے[۱]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہہ دے میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف[۲] کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اشعۃ اللمعات [۱] کیونکہ معلوم کو مجہول سے الگ کرنا اور یہ سمجھنا کہ میں یہ بات نہیں جانتا یہ بھی علم کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور یہی اس مشہور مقولے کا معنی ہے کہ لَا اَدْرِيْ نِصْفُ الْعِلْمِ یعنی "میں نہیں جانتا" نصف ہے۔

[۲] یعنی جو اپنے ذمے ایسی چیزیں لیتے ہیں جس کے وہ اہل نہیں ہوتے یعنی مجھے جو کچھ سکھایا جاتا ہے اور جس چیز کی تبلیغ واشاعت کا مجھے حکم دیا جاتا ہے میں وہی کہتا اور لوگوں کو بتاتا ہوں۔ میں کسی چیز کا اپنی طرف سے دعویٰ نہیں کرتا اور زور و تکلف سے اپنے سر کوئی چیز نہیں لیتا۔

ایسے مشکل امور میں بحث و تفتیش کرنا جن تک فہم کی رسائی نہ ہو اور ان کے جاننے کا دعویٰ کرنا اور ان تک فہم کی رسائی کے لئے سعی و کوشش کرنا تکلف میں داخل ہے۔

منقول ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا میں لفظ اَبًّا کا معنی دریافت کیا گیا آپ نے اس میں غور و فکر کیا جب آپ کے ذہن میں اس لفظ کا مخصوص معنی نہ آیا تو آپ نے فرمایا هَلْ هٰذَا اِلَّا تَكَلُّفٌ یہ تو محض تکلف ہے یعنی یہ تو معلوم ہے کہ اَبًّا پھلوں اور کھانے کی چیزوں میں سے کوئی چیز ہے اگر مخصوص معنی معلوم نہ بھی ہو تو اس کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کا خصوصی معنی جاننے کے لئے فہم و فکر کو کاوش و دقت میں مبتلا کرنا تکلف محض

اور لایعنی چیز ہے۔

۲۵۴ وَعَنْ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ۔ رواه مسلم

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا یہ علم کتاب و سنت دین ہے تو اس بات کو نگاہ میں رکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

اشعۃ اللمعات ؎۱ آپ کا نام محمد ہے کبار تابعین سے ہیں آپ کے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکاتب تھے۔ علم تعبیر رؤیا میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اس باب میں ان سے عجیب و غریب باتیں منقول ہیں۔

؎۲ یعنی دین کا وجود و قیام اسی سے ہے۔

؎۳ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ راوی کے حالات کی پہچان بین میں پورے اہتمام و احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ وہ وثوق، دیانت، حفظ، ورع اور اتباع سنت میں کیا مقام رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ بلاتحقیق ہر آدمی سے روایت کرنا ٹھیک نہیں۔ خصوصاً خواہش پرستوں اور اہل ہوئی اور بدعت سے جو دیانت سے تہی دامن ہوتے ہیں اور اپنے مذہب کو رواج دینے کے لئے من گھڑت باتیں بنانے اور افترا سے ذرا دریغ نہیں کرتے۔

۲۵۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا فَاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا ۔ رواه البخاری

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اے صرف نوک زبان سے قرآن پڑھنے والو۔ راہ راست پر چلو۔ بیشک تمہیں بڑا سابق اور اسلام کا ابتدائی زمانہ نصیب ہوا ہے اور اگر تم لوگ دائیں بائیں ہو گے اور راہ راست کو چھوڑ دو گے تو سخت گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

اشعۃ اللمعات ؎۱ حضرت حذیفہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ ابو عبداللہ کنیت ہے والد کا نام یمان ہے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دان کہتے ہیں۔ آپ کو منافقین کا علم تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات اور فتنے بیان کر دیئے تھے۔

؎۲ یعنی اے قرآن پڑھنے والے گروہ جو قرآن کو نوک زبان پر رکھتے ہو۔ یا قُرَّاء کے لفظ سے بے عمل علماء مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال پر ثابت قدمی دکھاؤ۔ راہ راست پر قائم رہو۔ صراط مستقیم پر چلو۔

؎۳ یعنی تمہیں بہت ساری سبقت و فضیلت حاصل ہے۔ سَبَقْتُمْ صیغہ جمع مخاطب ماضی معلوم۔ آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہیں اوائل اسلام اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نصیب ہوا کہ جب یہ حضرات کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامیں گے تو ہر چیز میں سبقت لے جائیں گے اور سب کچھ پالیں گے اور جو لوگ ان کے بعد آئیں گے وہ اگرچہ ان جیسے ہی عمل کریں اس درجہ کو نہیں پاسکتے جو ان کا نصیب ہوا کیونکہ ان حضرات نے پہلے اسلام قبول کیا یہ لفظ ماضی مجہول سُبِقْتُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی دوسرے لوگ جو استقامت کی صفت میں موصوف ہیں اور طریق مستقیم پر چلے ہیں تم سے سبقت لے گئے اور انہیں تم پر پیش رفت حاصل ہو گئی۔

۲۵۶- وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا قَالَ اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ۔

رواه الترمذی وکذا ابن ماجة وزاد فیه وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّاءِ اِلَی اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِیُّ یَعْنِی الْجَوَرَةَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو جُبّ حزن سے اللہ کے پاس پناہ لو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جُبّ حزن کیا ہے۔ فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس میں کون لوگ جائیں گے فرمایا قرآن پڑھنے والے اپنے اعمال میں ریا کرنے والے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اور ابن ماجہ نے اس حدیث میں یہ لفظ زیادہ بیان کئے۔ وَاِنَّ مِنْ اِلی آخرہ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین قاری وہ ہیں جو حکام وامراء کی زیارت اور ان سے ملاقات ومجلس کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ امام محاربی نے کہا حکام سے ظالم اور بدکردار حکام وامراء مراد ہیں۔

اشعۃ اللمعات لہ جُبُّ الْحُزْن غم کا کنواں جُبّ بضم جیم وتشدید با وہ کنواں جو اوپر سے بند ہو۔ اس حدیث میں جب حزن کا لفظ وادی کے لئے اس بنا پر استعمال ہوا ہے کہ وہ بھی کنوئیں کی طرح بہت گہری ہوگی۔

لہ یعنی وہ وادی اس قدر قبیح اور وحشت ناک ہے کہ خود دوزخ بھی اس سے پناہ مانگتی ہے چہ جائے اس میں گرنے والے دوزخی دوزخ کے پناہ لینے میں اس جانب اشارہ مطلوب ہے کہ اس میں شدید ترین عذاب اور تکلیف ہوگی۔ یا دوزخ کا حقیقۃً پناہ مانگنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ دوزخ کو زبان عطا کرے جس کے ساتھ وہ پناہ مانگے۔ جیسا کہ ظاہر آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

لہ قُرّاء کا لفظ علماء اور عبادت گذاروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ علم قرآن سے حاصل ہوتا ہے اور عبادت علم کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

لہ حکام کو امر معروف اور نہی منکر کے لئے نہیں۔ جبر واکراہ کی بنا پر بھی نہیں اور نہ ان کے شر کی ایذاء سے بچنے کیلئے بھی نہیں ملتے بلکہ محض دنیا کے طمع ولالچ کی خاطر ان سے ملتے ہیں۔

لہ امام محاربی حدیث کے راویوں میں سے ہیں ان کا نام عبدالرحمٰن بن محمد ہے۔ اعمش اور یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ یعنی جورہ سے مراد ظالم اور خلاف شرع چلنے والے امراء وحکام ہیں۔ اعاذنا اللہ (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

۲۵۷- وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِكُ اَنْ یَاْتِیَ عَلَی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ

النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ. رواہ البیھقی فی شعب الایمان

آئیگا کہ نہ باقی رہے گا. دین اسلام مگر اس کا نام اور نہ باقی رہیگا قرآن سے مگر اس کا خوبصورتی سے پڑھنا. ان کی مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر حقیقت میں ہدایت، علم اور عبادت کے اعتبار سے ویران و بے آباد ہوں گی. ان کے علماء اور دانش مند آسمان کے نیچے بدترین لوگ ہوں گے اپنی کے اندر سے شر و فتنہ اٹھے گا اور انہی میں لوٹ جائیگا.

اشعۃ اللمعات ۱ علم و عمل کا نشان تک باقی نہ ہوگا۔

۲ رسم سے اس کا تجوید حروف اور الفاظ کی عمدگی سے پڑھنا مراد ہے بغیر اس کے کہ اس کے معانی میں تفکر و تدبر کیا جائے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔

۳ کہ لوگوں کا ان میں ہجوم تو نظر آئیگا مگر ان میں عبادت، ذکر حق اور علم کے درس و تدریس کا ذوق نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا وہی خراب من الہدیٰ کہ درحقیقت وہ مساجد علم ہدایت اور عبادت کے لحاظ سے ویران و بے آباد ہوں گی۔

۴ ادیم معنی روئے زمین اور اس کی ظاہری سطح۔

۵ کہ وہ ظالم و بدکردار لوگوں کے معاون و مددگار اور ان سے ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہوں گے۔

۶ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ظالموں کو ان پر مسلط کر دیگا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مخلوق خدا کو ستاتا ہے تا کہ کسی انسان کے دل کو خوش کرے تو اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کرتا ہے تاکہ اس کا سانس کھینچ لے اور اس کی جان نکال لے۔

۲۵۸ وَعَنْ زِيَادٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَاكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهٗ اَبْنَاءَنَا وَيُقْرِئُهٗ اَبْنَاءُنَا اَبْنَاءَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيْهِمَا. رواہ احمد وابن ماجۃ وروی الترمذی عنہ نحوہ وکذا

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کا ذکر فرمایا اور فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب جہان سے علم ختم ہو چکا ہوگا. میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے ختم ہوگا. حالانکہ ہم لوگ قرآن پاک پڑھتے اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد آگے اپنی اولاد کو پڑھائے گی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا. آپ نے فرمایا اے زیاد تیری ماں تجھے روئے میں تو تجھے مدینے کا بہت دانا اور بہت سمجھدار انسان سمجھتا تھا کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل پڑھتے ہیں مگر جو تعلیمات ان میں ہیں اس پر ان کا کچھ عمل نہیں. اسے احمد اور ابن ماجہ نے زیاد سے روایت کیا اسی طرح ترمذی نے بھی زیاد بن لبید سے روایت کی یوں ہی دارمی نے بھی اسے

الدارمی عن ابی امامۃ۔ روایت کیا مگر زیاد سے نہیں بلکہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے۔

اشعۃ اللمعات ۱ زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے ہی مدینہ سے مکہ آ گئے اور ہجرت تک مکہ میں ہی رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرموت کا حاکم و عامل مقرر کیا۔ ان سے حضرت عوف بن مالک اور ابو الدرداء روایت کرتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں وفات پائی ۲ یعنی ابتلا و فتنہ کی باتوں کا ذکر فرمایا ۳ اور اس کے احکام کا علم حاصل کرتے ہیں ۴ اور انہیں احکام و تعلیمات قرآنی سے روشناس کرتے کراتے ہیں۔ ۵ تعجب ہے کہ تو میرے کلام کا مطلب نہ سمجھا اور تو نے یہ گمان کر لیا کہ قرآن اور علم صرف عبارت اور اس کا معنیٰ جان لینے کا نام ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا اور معنی سمجھ لیا تو اس نے اس پر عمل بھی کر لیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ۶ یعنی ترمذی نے جو روایت کی ہے وہ اس حدیث سے معنیٰ اور الفاظ میں مختلف ہے۔

۲۵۹ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ وَتَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَإِنِّيْ امْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيُنْقَبَضُ وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اِثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ اَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔

رواہ الدارمی والدارقطنی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لوگو علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض احکام یا علم فرائض و میراث سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن پاک سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ کہ موت مجھے تم سے لے جائیگی ۱ اور جلد ہی علم بھی تم سے اٹھا لیا جائیگا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک دو آدمی ایک ۲ ضروری مسئلے میں اختلاف کریں گے۔ انہیں صاحب علم میسر نہ آسکے گا جو ان میں درست ۳ فیصلہ کر سکے۔

اشعۃ اللمعات ۱ یعنی کار دین کی تکمیل اور تبلیغ احکام کے بعد میری روح قبض کر لی جائے گی۔ ۲ بعض نسخوں میں سَيُنْقَصُ نقصان مصدر سے آیا ہے یعنی علم کم ہو جائیگا ۳ یعنی علم کے اٹھ جانے یا کم ہو جانے کے باعث طرح طرح کے فتنے اور خرابیاں رونما ہوں گی ۴ جب ضروری احکام بتانے والا میسر نہ آئیگا سنن اور نوافل کی وضاحت کرنے والا کہاں سے میسر آئیگا ۵ اور حق کو باطل سے جدا کرے۔

۲۶۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَثَلُ عِلْمٍ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

رواہ احمد والدارمی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس علم کی مثال جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس سے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا جاتے ۱

اشعۃ اللمعات ۱ اس حدیث پر کتاب العلم تمام ہوئی والحمد للہ اس کے متصل بعد کتاب الطہارت کا ذکر ہوتا ہے۔

کِتَابُ الطَّهَارَةِ

طہارت لغت میں نظافت و پاکیزگی کے معنی میں آتا ہے۔ طہارت، نجاست کی ضد ہے۔ طہور بضم طاء مصدر ہے اور فتح طاء کے ساتھ بھی مصدر کے معنی میں آتا ہے اور جس چیز کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتے جیسے پانی اور خاک کے معنی میں بھی آتا ہے اور پاک کرنے والی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مگر اس توجیہہ میں خفا اور پوشیدگی ہے۔ (عیر واضح ہے) عربی شرح میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اور فقہائے کرام کی اصطلاح میں طہارت، نجاست حکمی جسے حدث کہتے ہیں اور نجاست حقیقی جسے خبث کہتے ہیں، سے پاک ہونے سے عبارت ہے اور وضو بضم واو بمعنی مصدر ہے اور بفتح واو وضو کا پانی جس سے وضو کیا جاتا ہے۔ مشہور تو یہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ بفتح واو بھی بمعنی مصدر آتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

۲۶۱ الفصل الاول - عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا رواه مسلم وفي رواية وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تَمْلَآنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لم أجد هذه الرواية في الصحيحين ولا في كتاب الحميدي ولا في الجامع ولكن ذكرها الدارمي بدل سبحان الله والحمد لله

فصل اول - حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طہارت نصف ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ کا ثواب میزان (ترازو) کو بھر دیگا اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ کا ثواب آسمانوں اور زمین کے درمیان واقع فاصلہ اور خلا کو بھر دیتا ہے۔ اور نماز نور و روشنی ہے اور صدقہ برہان و دلیل ہے اور صبر کی تیرے لیے یا تجھ پر، سب لوگ صبح کرتے اور اپنی ذات کو بیچتے ہیں۔ پھر کچھ تو اسے آزاد کرا لیتے ہیں اور کچھ ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور مسلم سے ایک روایت یوں ہے کہ ولا الہ الا اللہ آخری آسمان و زمین کے درمیانی فاصلے کو بھر دیتے ہیں (مؤلف مشکوۃ کہتے ہیں) میں نے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں پائی اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں، اور نہ ہی جامع میں لیکن اس روایت کو

دارمی نے ذکر کیا ہے ۔سبحان اللہ والحمد للہ کے الفاظ کے بجائے
واللہ اکبر الی آخرہ کے الفاظ ہے۔

اشعۃ اللمعات لہ مشہور صحابی ہیں ۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔

لہ طہارت نصف ایمان ہے اس جملے میں بطور مبالغہ اجر طہارت کے عظیم ہونے کا بیان ہے کہ طہارت اتنی عظیم المرتبہ عبادت اور نیکی ہے کہ اس کا ثواب نصف ایمان کے برابر ہے یا اس مناسبت سے نصف ایمان کہا گیا ہے کہ جس طرح ایمان گذشتہ تمام گناہوں کو چھپا لیتا ہے ۔اسی طرح وضو بھی گناہوں کو چھپاتا ہے ۔البتہ ایمان تو صغیرہ و کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور وضو صرف صغیرہ گناہوں کو ۔لہٰذا وضو مرتبہ و درجہ میں نصف ایمان ہوا یا اس بنا پر وضو کو نصف ایمان کہا گیا ۔کہ ایمان باطن کو پاک کرتا ہے اور وضو ظاہر کو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے یہاں ایمان سے نماز مراد ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۔ (اللہ تمہارے ایمان (نمازیں) ضائع نہ کریگا) میں ایمان سے نماز مراد لی گئی ہے اور جبکہ نماز وضو کے بغیر درست اور جائز نہیں لہٰذا وضو گویا جزو نماز ہے اور اگر زیادہ مبالغہ اور بڑھ کر دعویٰ کریں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ باقی تمام ارکان و شرائط گویا ایک نصف ہے اور اکیلا وضو دوسرا نصف ہے۔

بعض محققین نے اس کی تاویل میں یوں بھی کہا ہے کہ ایمان رذائل (بری عادات) سے تخلیہ اور فضائل (عمدہ اخلاق) سے آراستہ ہونے کا نام ہے اور یہاں طہارت سے تخلیہ مراد ہے یہ تمام توجیہات اس صورت میں ہیں جبکہ شطر کا معنی نصف کیا جائے ۔جیسا کہ یہی اس کا اکثر و اشہر استعمال ہے ۔اور اگر شطر بمعنی جزو ہو یعنی ایمان کا ایک حصہ ۔تو اس صورت میں مذکورہ توجیہات کی ضرورت نہ ہوگی تاہم یہ گفتگو بھی مبالغے کے طور پر ہے گویا کہ وضو ایمان کی حقیقت میں داخل ہے۔

لہ الحمد للہ کا ثواب اعمال کے ترازو کو بھر دے گا یعنی جو شخص ایک بار الحمد للہ کہتا ہے اسے اتنا ثواب ملتا ہے کہ میزان کو پُر کر دے گا۔

لہ یعنی یہ دونوں کلمے (ان کا ثواب) آسمانوں اور زمین کے درمیانی فاصلے اور مسافت کو پُر کر دیتا ہے۔ اَوْ تَمْلَأُ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تَمْلَآنِ تثنیہ کا صیغہ فرمایا یا تَمْلَأُ مفرد کا صیغہ ۔پھر تثنیہ و مفرد دونوں صورتوں میں تاء فوقانیہ اور یاء تحتانیہ کے ساتھ مروی ہے ۔لفظ تثنیہ تو ظاہر ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ دو کلمے ہیں اور مفرد صیغہ مجموعہ کے اعتبار سے ہے یا ہر واحد کے لحاظ سے اور اس قدر ثواب کی وجہ یہ ہے کہ سبحان اللہ خدا تعالیٰ کی تنزیہہ اور تقدیس کا اعتراف ہے اور یہ تنزیہہ و تقدیس آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو شامل ہے کیونکہ ہر ذرہ رب تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی پاکی ،اس کے تقدس اور اس بزرگ ذات کے ہر عیب و نقص کے نشان سے منزہ ہونے کی گواہی اور شہادت دے رہا ہے اور کلمہ الحمد للہ اس کے کمالات اور اس کی بے شمار نعمتوں کا اقرار ہے کہ سارا عالم اس کی نعمتوں سے پُر اور ان پر دلالت کر رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کلمات اگر اپنے حقائق کے ساتھ قائل سے صادر ہوں تو یہ چیز ذات و صفات اور اسماء الٰہی کے مشہود کا موجب اور ذریعہ بنتی ہے کہ افراد عالم اسی کے مظاہر ہیں ۔لہٰذا اس

حقیقت عظمیٰ پر دلالت کرنے والے الفاظ کا ثواب بھی سارے عالم کو پُر کر دیگا۔ تاہم صرف الفاظ و حروف اور ان الفاظ کے ساتھ مونہوں سے نکلنے والی آوازیں یہ مرتبہ نہیں رکھتیں۔ اس کے باوجود خدا تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔ وہ تھوڑے سے نیک عمل کو قبول کرنے والا اور اس بہت زیادہ اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔ اس بیان و تشریح سے ظاہر ہوا کہ اگر یوں بھی کہہ دیں کہ ان کلمات طیبات کا ثواب آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو پُر کر دیتا ہے یا سارے جہاں کو پُر کر دیتا ہے تو درست ہوگا مگر چونکہ آسمان و زمین کے درمیان خلا اور فاصلہ ظاہر ہے اور آنکھیں اسے دیکھتی ہیں اس لئے علی الخصوص اس کا ذکر کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ سے کل عالم مراد ہو واللہ عالم۔

سے یعنی نماز شہود حق اور ظہور معارف کی بنا پر دل کو روشن و منور کرتی ہے یا چہرے کو نیکی کے نشان اور نور عبادت سے روشن اور تاباں کرتی ہے یا نماز حق و ثواب کا راستہ دکھاتی اور باطل و خطا کی تاریکی سے بچاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) یا قیامت کے روز اپنے نور کے ظہور کا موجب و ذریعہ بنے گی۔ کہ ایمان والوں کے آگے اور دائیں نماز کا نور پھیل رہا ہوگا۔ قرآن حکیم میں فرمایا نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ (ان کا نور ان کے آگے اور دائیں رواں دواں ہوگا)

شہ یعنی ریا و نمائش کے لئے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے درویش و مسکین کو مال دینا۔ اس کی مالی مدد کرنا اس شخص کے ایمان میں سچا ہونے اور خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے کی بڑی مضبوط اور قوی دلیل ہے یا طالب ثواب کے لئے حجت و دلیل ہوگی کیونکہ یہ گویا ایک قسم کا قرض ہے جو اس نے خدا تعالیٰ کو دیا تھا۔

ئہ یعنی خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رکے رہنا اور صبر کرنا یا خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی راہ پر جمے رہنا یا مصائب و آلام کے وقت صبر و برداشت کا دامن تھامے رکھنا عظیم روشنائی کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ ضیا نور سے زیادہ مقدار کی روشنی کو کہتے ہیں اسی لئے قرآن حکیم میں آفتاب کے نور کو ضیا اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا ہے چنانچہ فرمایا جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا (اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا) اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی چاند کے نور سے بہت بڑھ کر اور اتم و اکمل ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دین کے کاروبار کا سارا دار و مدار صبر و استقامت پر ہے اور تمام عبادات اور طاعتیں صبر ہی کی قسمیں ہیں۔ یہاں صبر سے ایک دوسرا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث میں صبر سے روزہ مراد ہو۔ ذکر نماز اور صدقہ کے قرینے کی مناسبت سے۔ جیسا کہ علما اور مفسرین نے آیہ کریمہ [اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ] میں مراد لیا ہے۔

ئے یعنی اگر تو نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا تو اللہ کی یہ کتاب تیرے حق میں دلیل و حجت اور تیری معاون و مددگار ہوگی۔ اور اگر تو نے اس کے حقوق کی نگہداشت نہ کی اور اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل نہ کیا تو یہی قرآن تیرے خلاف گواہی دیگا اور اللہ کے حضور تجھ سے جھگڑے گا اور تیرے نقصان و خسارے کا موجب بنے گا۔

شہ غُدُوٌّ کا لفظ صبح کے معنیٰ میں آتا ہے یا طلوع آفتاب سے سورج بلند ہونے کے وقت تک کے لئے استعمال ہوتا ہے

ؔ یعنی جس کام کی جانب رخ کرتا ہے اس میں اپنی ذات کو صرف کرتا ہے۔

ؔ یعنی جب دن چڑھتا ہے تو آدمی کسی نہ کسی کام کا رخ کرتا ہے اگر اس کام میں اس نے دنیا کے بجائے آخرت خریدی اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذاب سے نجات دیدی۔ اور اگر خدانخواستہ آخرت بیچ کر دنیا خریدی اور دنیا کو ترجیح دی اور اسے افضل جانا تو ہلاک و برباد ہوگیا اور اپنے آپ کو عذاب کے بھنور میں پھنسا دیا۔ بیت

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری بخر جانِ من ورنہ حسرت بری

تو دنیا کے عوض آخرت خرید سکتا ہے اے جانِ من یہ سودا ضرور کرلے ورنہ بڑی حسرت اور صدمے سے دوچار ہوگا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

ؔلہ جو بخاری و مسلم کی احادیث کی جامع ہے

ؔلہ نہ جامع میں یعنی جامع الاصول میں جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔

ؔلہ یعنی مسلم نے تو سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السموات والارض کے الفاظ روایت کئے ہیں اور دارمی نے ان کے بجائے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تملآن ما بین السماء والارض کے الفاظ روایت کئے لہٰذا صاحب مصابیح کا اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا درست نہیں ہے۔

۲۶۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطٰى اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ وَفِيْ حَدِيْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَ مَرَّتَيْنِ۔

رواه مسلم وفی رواية الترمذی ثلاثا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ اعمال جن کے سبب اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دیتا اور تمہارے درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیں فرمایا۔ مشقت ؔ و ناپسندیدگی کے باوجود صحیح اور کامل طریقے سے وضو کرنا۔ مسجد کی طرف کثرت ؔ سے آنا جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار ؔ میں رہنا۔ یہ ہے حقیقی رباط (اسلام کے لئے پہرہ دینے کی جگہ) اور مالک بن انس کی روایت میں فذلکم الرباط کا لفظ مکرر بیان کیا۔ تاکید اور تقریر کی غرض سے۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت کے مطابق آپ نے یہ لفظ تین بار دہرایا۔

اشعۃ اللمعات: لہ محو کا معنی لغت میں کسی چیز کو اس طرح مٹا دینے کا ہے کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ گناہوں کو محو کر دینے سے مراد انہیں اعمال نامہ سے مٹا دینا اور بخش دینا ہے۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں گناہوں سے صغیرہ

گناہ مراد ہیں۔

ته اسباغ کا معنی ہے وضو کرتے وقت پانی ان تمام مقامات تک پورے طریقے سے پہنچانا جن تک پہنچانا چاہیئے۔ مَکَارِہْ یعنی مشقت وتکلیف کے وقت جب کہ طبیعت پانی کے استعمال پر آمادہ نہ ہو۔ جیسے بیماری اور شدید سردی کی حالت۔

ته جیسے مسجد گھر سے کافی فاصلے پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ مراد وقار و آہستگی سے چلنا ہو کہ اس میں بھی کثرت سے آنے جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

ته یعنی ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں مسجد میں ہی بیٹھا رہے اگر مسجد سے باہر بھی آئے تو اس کا دل مسجد سے ہی لٹکا رہے۔

ه رُباط اصل میں دشمنان دین سے اسلامی سرحد کی حفاظت و نگہداشت کو کہتے ہیں تاکہ وہ سرحد کے اندر داخل نہ ہو سکیں۔ یونہی مسلمانوں کا اسلامی سرحدات پر پہرہ دینے کی غرض سے بیٹھنا۔ اپنے گھوڑوں اور اپنے دلوں کو چوکس رکھنا بھی رباط کہلاتا ہے۔ تو نماز کی انتظار میں مسجد میں بیٹھا سرحد شیطان پر اور اس کے لشکر کے مقابل بیٹھنے کے مشابہ ہے تاکہ وہ دخل نہ دے سکیں اور ہو سکتا ہے کہ صرف نماز کے بجائے تینوں اعمال کی طرف اشارہ ہو کیونکہ یہ اعمال نفس تک شیطان کے پہنچنے کے راستے بند کرتا اور خواہشات نفسانی کو مغلوب کر دیتے ہیں۔

له یہ دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ اسے فصل اول میں لائے اور تین بار تکرار کا ذکر کیا۔ صحیح یہ ہے کہ امام مسلم یہ حدیث حضرت مالک بن انس کی روایت سے جو لاتے اس میں دو بار تکرار کا ذکر کیا ہے سوائے مالک سے کسی بھی روایت میں تکرار کا ذکر نہیں ہے۔

۲۶۳ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ (متفق علیہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا اس کے جسم سے تمام خطائیں جھڑ گئیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔

اشعۃ اللمعات له یعنی سنتوں اور مستحبات کے مطابق۔

ته یہ ارشاد حصول طہارت میں مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے۔

۲۶۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مسلم یا مومن وضو کرتا ہے تو اس کے منہ سے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو

غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔

(رواہ مسلم)

پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس نے دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوتے ہیں۔ اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا اس کے آخری قطروں کے ساتھ ہر وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جس کی طرف اس کے پاؤں چل کر گئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو کر نکلتا ہے۔

اشعۃ اللمعات لہ اگرچہ چہرے میں آنکھ کے علاوہ دوسرے اعضاء کان، زبان وغیرہ سے بھی گناہ صادر ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ آنکھ کا گناہ بڑا اور کثرت سے وقوع پذیر ہوتا ہے اس بنا پر خصوصیت سے آنکھ کے گناہ کا ذکر کیا۔

۲۶۵ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوبَةٌ فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتَ كَبِيرَةٌ وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔

(رواہ مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد مسلم نہیں کہ اسے فرض نماز کا وقت نصیب ہو تو وہ سنن و مستحبات کے ساتھ وضو کرے خشوع لہ و خضوع سے نماز ادا کرے۔ اور درست طریقے سے رکوع کرے۔ کوئی بھی مرد مسلم اس طرح وضو و نماز ادا نہ کرے گا۔ مگر ایسی نماز و وضو اس کے گذشتہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جب تک کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے۔ نماز کی بدولت گناہوں کا یہ کفارہ ہمیشہ کے لئے ہے کسی ایک زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اشعۃ اللمعات لہ خشوع کا لفظ ظاہری و باطنی آداب کی رعایت کو شامل ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ نماز کے دوران دل میں خوف و خشیت ہو۔ نظر سجدہ کے مقام پر ہو۔ ہمت و توجہ پوری طرح نماز کی جانب مبذول ہو۔ نماز کے سوا کسی اور طرف مشغول نہ ہو، بدن، کپڑوں اور ڈاڑھی کے ساتھ نہ کھیلے۔ منہ دائیں بائیں نہ پھیرے۔ آنکھ بند نہ کرے۔ بعض علماء نے حضور قلب کی خاطر آنکھ بند کرنے کی اجازت دی ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ فرض نماز میں آنکھ بند کرنے سے گریز کرے۔ علماء کرام نے خدا تعالیٰ کے قول مبارک الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ کہ وہ نماز میں خائف اور متذلل ہوتے ہیں۔ نگاہ سجدہ کے مقام پر گاڑے رکھتے ہیں۔

روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران انتظار وحی کے لئے نگاہ مبارک آسمان کی جانب اٹھاتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نگاہ مبارک سجدہ گاہ کی جانب نیچے جھکالی۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے دوران اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے۔ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نمازی کو چاہیئے کہ قیام کی حالت میں نگاہ سجدہ گاہ میں رکھے۔

رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدہ میں ناک کی طرف اور قعدہ میں گود کے اندر

سلہ یہاں رکوع کا ذکر کیا سجدہ کا ذکر نہ کیا اس کی وجہ یہ ہے رکوع سجدہ کا مقدمہ ہے ۔ نیز رکوع سجدہ سے زیادہ مشقت طلب ہے کہ نمازی کو رکوع میں اپنے جسم کو تھام کر کھڑے ہونا پڑتا ہے ۔ سجدہ میں تو بدن زمین پر پڑتا ہے ۔ پھر رکوع میں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ رکوع مسلمانوں کی نماز کا خاصہ ہے ۔ یہود و نصاریٰ کی نمازیں رکوع سے خالی ہیں ۔

سلہ بعض نسخوں میں مالم یات کا لفظ آیا ہے یعنی جب کہ گناہ کبیرہ سے بچا رہے ۔ یہ روایت معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے اور اول روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے ۔ مقصود یہ ہے کہ وضو اور نماز صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے ۔

۲۶۲ وَعَنْهُ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ . متفق علیه ولفظه البخاری

اور انہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی پانی ڈالا ۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا ۔ پھر تین بار اپنا چہرہ مبارک دھویا ۔ پھر کہنی تک اپنا دائیں ہاتھ دھویا ۔ پھر اپنا بائیں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا ۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنا دائیں پاؤں تین بار دھویا پھر بائیں پاؤں ۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو فرمایا ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت اس طرح ادا کیں کہ اس کے نفس نے وسوسے میں مبتلا نہ کیا تو اس کے گذشتہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۔ یہ حدیث متفق علیہ اور الفاظ بخاری کے ہیں ۔

اشعۃ اللمعات سلہ استنثار ثا مثلثہ کے ساتھ یعنی پانی چڑھانے کے بعد ناک صاف کرنا ۔ جسے استنشاق کہتے ہیں لہذا استنثار کا مفہوم استنشاق کو متضمن ہے ۔

سلہ ان افعال کی تحقیق باب سنن الوضوء میں آئیگی (ان شاء اللہ تعالیٰ) ۔

سلہ یہ کم سے کم مقدار ہے ۔ اگر زیادہ پڑھے تو بہت بہتر ہے

سلہ کہ اس میں اپنے نفس کے ساتھ دنیاوی باتوں میں سے کوئی بات نہ کرے اگر وسوسے لاحق ہوں تو انہیں دفع کرے کہ وہ قرار نہ پکڑیں ۔ اس طرح اس کے حضور قلبی میں کوئی فرق نہ پڑے اور کوئی خلل لاحق نہ ہو بعض علماء نے اپنے نفس سے بات نہ کرنے سے اخلاص اور خود بینی سے بچنا مراد لیا ہے (واللہ اعلم)

سلہ یہ حدیث وضو کے بعد نماز (تحیۃ الوضو) ادا کرنے کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی اور وضو کر کے صرف فرض نماز اور سنت مؤکدہ پر کفایت کرے تو یہ بھی درست ہے ۔ اور اس نماز تحیۃ الوضو کی نیت میں تحیۃ الوضو یا شکر وضو کا

نصور کوئی چیز نہیں مطلق نماز کی نیت کرے ۔ ہاں مسجد میں آنے کیلئے تحیۃ المسجد کی نیت کرے کہ تحیت کا معنی تعظیم بجالانے اور سلام دینے کا ہے لہذا تحیۃ الوضوء (وضو کی تعظیم اور اسے سلام دینا) کا کچھ معنی نہیں البتہ مسجد کی عظمت اور اس کی روحانیت کے مشاہدے کے پیش نظر اگر اس کی تعظیم کا ارادہ کرے اور اسے سلام دے تو یہ درست ہے۔ اور نماز اصل اور مقصود لذاتہ ہے اور وضو فرع اور اس کا طفیلی ہے۔ وضو نماز کے لئے ہوتا ہے نہ کہ نماز وضو کے لئے ہوتی ہے پس نماز کے ساتھ وضو کا شکر کوئی مناسبت نہیں رکھتا جیسا کہ امام غزالی نے کہا ہے۔

۲۶۷ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ رواه مسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں ہے کوئی مسلمان جو وضو کرتا ہے پس اچھا اور ٹھیک وضو کرتا ہے پھر اٹھ کر دو رکعت دل اور چہرے کو متوجہ کر کے ادا کرتا ہے مگر اس کے لئے اللہ کے فضل سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اشعۃ اللمعات لہ عُقْبَہ بضم عین وسکون قاف صحابی ہیں اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے کچھ عرصہ بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا۔ آپ نے مصر میں ہی ۵۸ھ میں رحلت فرمائی۔ ان سے حضرت جابر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اور تابعین میں سے بے شمار لوگوں نے روایت کی ہے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور کاشف میں ہے کہ آپ عظیم المرتبت صحابی، امیر شریف، فصیح، بہت اعلیٰ قاری اور شاعر تھے۔ بحری جہاد کے لئے آپ کو امیر اور والی مقرر کیا گیا۔ مصر میں رحلت فرمائی۔

لہ یعنی اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ۔ ایک روایت میں نصب کے ساتھ مُقْبِلاً آیا ہے اور یہ اعراب کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے۔

۲۶۸ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ رواه مسلم فى صحيحه والحميدى فى افراد مسلم وابن الاثير فى جامع الاصول وذكر الشيخ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم میں سے کوئی آدمی کہ وضو کرتا ہے بہت اچھا اور کامل وضو۔ پھر کہتا ہے اشہد ان الی آخرہ اور ایک روایت میں اشہد ان لا الہ الا وحدہ الی آخرہ مگر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس سے چاہے گا داخل ہو جائیگا۔ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور حمیدی نے افراد مسلم میں اور ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اور شیخ محی الدین نووی نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جیسا

محی الدین النووی فی آخر حدیث مسلم علی مارویناو زاد الترمذی ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ والحدیث الذی رواہ محی السنۃ فی الصحاح مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ الی آخرہ ثم قال اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہٗ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔ رواہ الترمذی فی جامعہ بعینہ الا کلمۃ اشھد قبل ان محمداً۔

کہ ہم نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے اللّٰھم اجعلنی الی آخرہ کے الفاظ زیادہ کئے اور وہ حدیث جسے محی السنۃ نے صحاح میں روایت کیا یعنی من توضا الی آخرہ پھر کہا اشھد ان الی آخرہ اسے ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ روایت کیا مگر کلمہ اشھد ان محمداً سے پہلے روایت نہ کیا۔

اشعۃ اللمعات ۱ یہاں سارے بہشت کو ایک بہشت اعتبار کیا پھر ہر ایک کو ایک دروازہ قرار دیا اور کبھی ہر ایک کو الگ قرار دیکر آٹھ بہشت کہہ دیتے ہیں۔

۲ یعنی اسی طرح حمیدی نے کتاب جمع بین الصحیحین میں ان احادیث میں روایت کیا جنہیں امام مسلم نے اپنی صحیح میں اکیلے روایت کیا۔

۳ یعنی امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں مسلم کی حدیث کے آخر میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا جن الفاظ سے ہم نے روایت کیا ہے۔

۴ یعنی امام ترمذی نے شہادتین پر اس دعا اللّٰھم اجعلنی من المتطھرین کو بھی زیادہ کہا۔

۵ یعنی اسے ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ ہی ذکر کیا مگر اشھد کو جو ان محمداً سے پہلے ہے کہ لے صاحب مصابیح نے تو ذکر کیا مگر ترمذی نے ذکر نہیں کیا۔ یہ مولف کی طرف سے دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ یہ حدیث جسے وہ صحیحین میں لایا ہے صحیحین میں نہیں ہے بلکہ جامع ترمذی میں ہے لہٰذا اسے حسن احادیث میں لانا چاہیئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جزری نے حصن حصین میں ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ اور ابن السنی کے اشارہ سے شہادتین میں تین بار ذکر کیا اور نسائی اور حاکم سے مستدرک میں دعا کے یہ کلمات بھی مذکور ہیں۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ اے میرے اللہ تو پاک ہے اور حمد و ثنا کے لائق ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

۲۶۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَہٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میری امت قیامت کے روز اس حال میں بلائی جائے گی کہ ان کے چہرے و دیگر اعضائے وضوء وضو کے آثار سے چمکتے

فَلْیَفْعَلْ۔

ہوں گے۔ تو تم میں سے جو شخص استطاعت رکھتا ہے کہ اس کی چمک و نورانیت زیادہ ہو تو وہ ضرور زیادہ کرے۔

متفق علیہ

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی میری امت کو قیامت کے روز محشر کی طرف یا جنت کی طرف بلایا جائیگا یا غرّ محجّل کے نام سے انہیں بلایا جائیگا غرّ بضم غین وتشدید را جمع اَغرّ بمعنی ہر چیز کا روشن و سفید حصہ۔ غرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے۔ محجّل بضم میم وفتح جیم مشدد بمعنی وہ گھوڑا جس کے چار ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ قیامت کے روز اس امت کے ہاتھ پاؤں اور چہرے سفید، روشن، نورانی اور تاباں ہوں گے اس لئے آپ نے غرّ محجّل کے ساتھ اسے تشبیہ دی۔

؎ کیونکہ یہ چیز زیادہ فضیلت وکرامت کا باعث ہوگی۔ اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحجیل کا ذکر اس بنا پر نہیں کیا کہ یہ دونوں (غرّ اور محجل) چیزیں ایک دوسری کو لازم ملزوم ہیں نیز اس بنا پر بھی ذکر نہ فرمایا کہ لوگ چہرہ دھونے میں اکثر و بیشتر درستی اور کمال کو نظر انداز کرتے اور کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بخلاف پاؤں دھونے میں کہ اس میں زیادہ پانی بہانے کی عادت ہوتی ہے واللہ اعلم۔ چہرے کی سفیدی زیادہ اور دراز اس طرح ہوگی کہ پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک پورے احتیاط اور دھیان سے دھویا جائے۔ اور تحجیل کی درازی اس طرح کہ پاؤں ٹخنے سے اوپر تک کامل احتیاط سے دھوئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنے والے کی سفیدی اور نورانیت صرف پیشانی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ تمام چہرہ روشن و تاباں ہوگا۔ اسی لئے علامہ طیبی نے اَغرّ کی تفسیر ابیض الوجہ (سفید و روشن چہرہ والے) کے ساتھ کی ہے واللہ اعلم۔

۲۷۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں مومن کو زیور وہاں تک پہنایا جائیگا جہاں تک وضو پہنچتا ؎ یعنی وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

رواہ مسلم

اشعۃ اللمعات ؎ یعنی وضو کرنے والے کے ہاتھ اور پاؤں کی چمک و نورانیت کا نشان وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ بعض شارحین نے حلیہ سے زیور مراد لیا ہے جو جنتیوں کے ہاتھ پاؤں کو پہنایا جائیگا۔ مگر اس توجیہ کو اس بنا پر رد کر دیا گیا ہے کہ لفظ حلیہ بکسر حاء وسکون لام بمعنی نشان و ہیئت آتا ہے اور جو زیور کے معنی میں آتا ہے وہ "حَلْی" بفتح حاء سکون لام اور بضم حاء سکون لام اور تشدید یاء کے ساتھ آتا ہے تاہم اس کی تردید کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے حلیہ سے "حَلْی" مراد لی گئی ہو اگرچہ ایسا مراد لینا مجازاً ہو۔

۲۷۱ الفصل الثانی۔ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال صالحہ پر استقامت کرو مگر تم استقامت نہ کر سکو گے اور جان لو کہ تمہارے اعمال سے بہتر اور خدا تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب کرنے والا عمل نماز

رواہ مالک واحمد وابن ماجہ والدارمی

اور وضو میں احتیاط نہ کریگا اور اس میں ہر سنت اور مستحب کا خیال نہ رکھے گا مگر مومن کامل۔

اشعۃ اللمعات لہ یعنی راہِ راست اختیار کرو۔ دائیں بائیں نہ پھرو بلکہ ہمیشہ صراط مستقیم سے چمٹے رہو اور چونکہ صراط مستقیم پر جمے رہنا انتہائی مشکل کام ہے اس لئے فرمایا لن تحصوا

لہ لَنْ تُحْصُوْا۔ یعنی استقامت اختیار کرنے کی تم میں ہرگز ہمت و طاقت نہیں اور اس کا حصول سید انبیاء خلاصۂ اصفیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے لئے علی وجہ التمام والکمال ایک ناممکن امر ہے اور بعض کاملین اولیاء کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے اندازے کے مطابق اس استقامت سے حصہ ملتا ہے تاہم ایسے حضرات نہایت ہی نادر اور کمیاب ہوتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ کبریت احمر سے بھی بڑھ کر نایاب ہوتے ہیں۔

تنبیہ یہاں لوگوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول مبارک مشہور ہے یعنی شَیَّبَتْنِیْ سُوْرَۃُ ھُوْدٍ۔ (مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے) علماء کرام فرماتے ہیں اس میں ارشاد ربانی فَاسْتَقِمْ (استقامت اختیار کر) کی طرف اشارہ ہے۔ کہ استقامت پر عمل پیرا ہونے کے حکم کی شدت وعظمت نے آپ کو غم وحزن میں ڈال دیا اور جلد بڑھاپا طاری کر دیا۔ کاتب حروف (شیخ عبدالحق) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم وحزن امت کی وجہ سے تھا کہ فرمایا وَمَنْ تَابَ مَعَکَ (اور وہ لوگ بھی استقامت اختیار کریں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ہود کی تخصیص فرمائی ورنہ سورہ شوریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا گیا مگر وہاں امت کا ذکر نہیں ہے۔ حق بات یہی ہے وگرنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو عین استقامت اور خالص سلامتی کے مقام پر ہیں کہ استقامت سے انحراف اور راہ راست سے ادھر ادھر ہونے کا آپ کے لئے کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ علیہ اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم لوگ کما حقہٗ استقامت نہیں دکھاتے اور نہ تمام افعال وحالات میں اللہ تعالیٰ کے حقوق پورے کر سکتے ہو۔ تو ایسا نیک عمل یعنی خلاصہ عبادت اختیار کرنے پر تنبیہ فرمائی کہ اگر اسی میں استقامت اختیار کر لیں اور ٹھیک طریقے سے قائم ہو جائیں تو اپنی تمام تقصیرات کی تلافی اور تدارک کر لیں گے۔ اور وہ عمل نماز ہے چنانچہ فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ جان لو کہ تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے۔

لہ لہٰذا اس کے شرائط کو نگاہ میں رکھو اس کے آداب کی رعایت کرو اور اس کے حقوق ادا کرو۔ پھر آپ نے نماز کے ایک مقدمہ (ضروری شرط) کی طرف اشارہ فرمایا جسے نصف ایمان قرار دیا یعنی وضو اور طہارت اور فرمایا کہ نماز کی حفاظت نہ کریگا اور اس میں احتیاط ملحوظ نہ رکھے گا اور اس کے آداب وسنن کی رعایت نہ کریگا مگر مومن کامل کذا ایسا ہی مومن کامل طور سے نماز ادا کر سکتا ہے۔

۲۷۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُھْرٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طہارت

كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ. رواہ الترمذی — لکھوتے ہوئے پھر وضو کرتا ہے اس کے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں

اشعۃ اللمعات لے ظاہر یہ ہے کہ وضو پر جو جزا اور ثواب متعین ہے اس سے زیادہ اور دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ اس کے عمل نامہ میں دس وضو لکھے جاتے ہیں اور ہر وضو پہ دس نیکیاں یا یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمائی کہ کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ وضو پر وضو کرنا ایک عبث اور ضائع فعل ہے بلکہ بتایا کہ اس پر بھی نیکیاں ملنے کا ثواب مرتب ہوتا ہے۔ تاہم علماء کرام نے یہاں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ثواب اس صورت میں ہے جبکہ پہلے وضو سے کوئی فرض یا نفل نماز ادا کرچکا ہو۔ اور بعض علماء نے دوسرے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی نماز ادا نہ کی ہو۔

الفصل الثالث

۲۷۳۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ. رواہ احمد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو و طہارت ہے۔

اشعۃ اللمعات لے کہ جس طرح دروازہ چابی کے بغیر نہیں کھل سکتا اسی طرح بہشت کا دروازہ بھی نماز کے بغیر نہ کھلے گا اسی لئے نماز کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ گذرا۔

ٹے اور نماز کی چابی اور مقدمہ طہارت ہے لہذا اس مناسبت سے طہارت و وضو جنت کی چابی قرار پاتے ہیں۔

۲۷۴۔ وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَءَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُّصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰٓئِكَ. رواہ النسائی

حضرت شبیبؒ بن ابی روح سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اس میں سورہ روم کی تلاوت کی تو قرأت میں اشتباہ ہوگیا (گڑبڑ ہو گئی) جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں مگر صحیح طریقہ سے طہارت نہیں کرتے۔ سوائے اس کے نہیں کہ یہی لوگ ہم پر قرآن میں اشتباہ پیدا کرتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات لے شبیب شین معجمہ کے فتح اور باموحدہ کے کسرہ کے ساتھ ابن ابی روح بفتح را وسکون واو مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے یعنی شبیب اور ابی روح کے درمیان لفظ ابن کیساتھ۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی ایسا ہی ہے تاہم اسماء الرجال کی اکثر کتابوں میں ابی روح کو شبیب کی کنیت قرار دیا ہے ان کے باپ کا نام نعیم بضم نون بتایا گیا ہے بہر صورت شبیب بروزن حبیب ہی آیا ہے۔

ٹے التباس کا معنی ہے کسی چیز کا کسی آدمی پر پوشیدہ ہو جانا۔

سلہ یعنی سنن، آداب اور مستحبات کا خیال نہیں رکھتے ۔

سلہ مجلس وصحبت کے بارے میں عقلمند کے لیے یہ عبرت ونصیحت کا مقام ہے کہ سید رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ اس قدر جلیل الشان مرتبہ کے ہوتے ہوئے نماز میں (جو آپ کے حالات میں سے اعظم ترین حال اور رب العالمین کے حضور اوقات قرب میں اقرب ترین وقت ہے) امت کے ایک فرد کے سنتوں اور وضو کے بعض آداب ومستحبات (جو مقصود لذاتہ عبادت بھی نہیں) کے ترک سے متاثر ہوتے ہیں تو دوسرے لوگوں کا کیا مقام جو اہل فسق وبدعت کی صحبت ومجلس ہمنشینی میں گرفتار اور دن رات ان کے ساتھ رہتے ہیں ۔

۳۸۵ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ یَدِیْ اَوْفِیْ یَدِهٖ قَالَ التَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَاُهٗ وَ التَّکْبِیْرُ یَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَ الصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ

بنی سلیم کے ایک شخص سے روایت ہے۔ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں یا اپنے ہاتھ میں انہیں شمار کیا فرمایا تسبیح نصف میزان ہے۔ اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گا اور تکبیر (اللہ اکبر) آسمان وزمین کے درمیان خلا کو پُر کر دیتا ہے روزہ نصف صبر۔ اور طہارت نصف ایمان ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ عَدَّ هُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بنی سُلیم کے ایک شخص سے روایت ہے (سُلیم بضم سین وفتح لام ایک قبیلہ کا نام ہے) اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو گنا جو آئندہ جملے میں مذکور ہیں فِیْ یَدِیْ اَوْ یَدِهٖ میرے ہاتھ میں یا خود حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں۔ یہ راوی کا شک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری انگلیاں پکڑیں یا اپنی انگلیاں اور ہتھیلی پر ان کی گرہ لگائی یعنی پانچ کلمے شمار کیے ۔ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ سبحان کہنا نصف میزان ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَاُهٗ اور الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے یعنی جب کہ کلمہ سبحان اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے یا یہ کلمہ اکیلا ہی میزان (ترازو) کو بھر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ سے نقائص کی نفی اور کمالات کے اثبات کو شامل ہے اور کلمہ سبحان اللہ صرف نقائص وعیوب کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی اس حدیث کے زیادہ موافق ہے جو اس باب کے ابتداء میں گزری ہے یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَاُ الْمِیْزَانَ وَالتَّکْبِیْرُ یَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور اللہ اکبر کہنے کا ثواب آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے کو پُر کر دیتا ہے۔

وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ اور روزہ نصف صبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایمان، طاعات بجا لانے اور گناہوں سے بچنے سے عبارت ہے جو کامل صبر ہے اور روزہ نفس کی شہوتوں کو جو گناہوں پر ابھارنے کا باعث ہیں جڑ سے اکھیڑنے میں بڑا موثر ہے۔ لہذا روزہ نصف ایمان ہوا۔ اور بعض حواشی میں یوں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے روزہ کو دن رات کے اعتبار سے نصف صبر فرمایا کہ روزہ صرف دن کو ہوتا ہے تو یہ نصف صبر ہوا۔

وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ اور طہارت و وضو نصف ایمان ہے۔ اس جملے کی توجیہ اس باب کی پہلی حدیث میں گزر چکی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

۲۷۶۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلٰوتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالنَّسَائِيُّ۔

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مومن وضو کرتا ہے تو کلی کرنے سے منہ کے اندر کے سارے گناہ نکل جاتے ہیں۔ اور جب وہ ناک صاف کرتا ہے تو اس کے چہرے کے سارے گناہ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کے لیے زائد ثواب ہوتا ہے۔ (مالک و نسائی)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ اور حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے صُنابحی بضم صاد و تخفیف نون، با مکسور اور حائے حملہ کے ساتھ۔ صُنابح بن زاہر کی طرف منسوب ہے جو بنی مُراد کا ایک خاندان ہے۔ بعض نے عبداللہ کے بجائے ابو عبداللہ کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ صنابحی صحابی اور ابو عبداللہ صنابحی تابعی ہیں۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ مومن وضو کرتا ہے جب کلی کرتا ہے خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ۔ تو اس کے منہ کے سب

گناہ نکل جاتے ہیں وَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ اَنْفِہٖ اور جب ناک میں پانی چڑھا کر ناک صاف کرتا ہے تو اس سے تمام گناہ باہر نکل جاتے ہیں۔ فَاِذَا غَسَلَ وَجْہَہٗ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ وَجْہِہٖ اور جب منہ دھوتا ہے تو منہ کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَیْنَیْہِ حتی کہ پلکوں کی جڑوں تک سے گناہ نکل آتے اور جھڑ جاتے ہیں۔ فَاِذَا غَسَلَ یَدَیْہِ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ یَدَیْہِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ یَدَیْہِ اور جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ سے گناہ باہر آجاتے ہیں۔ حتی کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ فَاِذَا مَسَحَ بِرَأْسِہٖ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ رَأْسِہٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَیْہِ جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے تمام گناہ باہر آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے کانوں سے بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کان سر میں شامل ہیں۔ جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔ اسی وجہ سے احناف سر کے مسح کے لیے الگ پانی نہیں لیتے بلکہ سر کے مسح کے لیے جو پانی ہاتھوں کو لگا ہوتا ہے اسی سے کانوں کا مسح بھی کرتے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَیْہِ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ رِجْلَیْہِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَیْہِ۔ جب پاؤں دھوتا ہے تو دونوں پاؤں سے گناہ باہر آجاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ تو وضو کرنے سے ہی بندۂ مومن تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ کَانَ مَشْیُہٗ اِلَی الْمَسْجِدِ وَصَلٰوتُہٗ نَافِلَۃً لَّہٗ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز ادا کرنا اس کے لیے زائد ثواب کا باعث، بلندی درجات کا موجب ہوتا ہے۔ نافلہ کا لفظ زیادہ کے معنی میں ہے جیسا کہ فرض نماز کے علاوہ دوسری نمازوں کو نفل کہتے ہیں۔ اولاد کی اولاد کو بھی نافلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح نماز تہجد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نافلہ کہا گیا ہے کہ فرض نماز کے علاوہ یہ بھی آپ پر فرض تھی۔ اسے مالک اور نسائی نے روایت کیا۔

۲۷۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَی الْمَقْبُرَۃَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَأْتُوْا فَقَالُوْا کَیْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَّمْ یَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِکَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے تو فرمایا اے مومن قوم کے گھر والو السلام علیکم۔ اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ نے عرض کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا تم تو میرے ساتھی اور اصحاب ہو۔ ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک (دنیا میں) نہیں آئے۔ صحابہ نے عرض کیا آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانتے ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اَرَءَیْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَّهٗ خَیْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَیْنَ ظَهْرَیْ خَیْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا یَعْرِفُ خَیْلَهٗ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَاِنَّهُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَی الْحَوْضِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

فرمایا تم یہ بتلاؤ اگر کسی شخص کے گھوڑے جو سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں، ایسے گھوڑوں کے درمیان ہوں جو نہایت ہی سیاہ ہوں کیا وہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا، صحابہ نے عرض کیا وہ ضرور پہچان لے گا۔ یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ پس بے شک میری امت (الحشر میں) آئیگی کہ انکے ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں وضو سے چمکتی ہونگی۔ اور میں حوض پران کا میر ساماں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَی الْمَقْبَرَةَ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ اس قبرستان کا نام بقیع ہے۔ تاکہ اس کی زیارت کریں اور اس کے مدفونین کے لیے دعائے مغفرت کریں (مَقْبَرَۃ میم کے فتح اور قاف کے بعد باکے ساتھ اور میم کے کسرہ و ضمہ اور با کے فتح کے ساتھ بھی آیا ہے) فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ۔ اور اہل بقیع سے مخاطب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ مومنین کے گھر والو تم پر سلامتی کا نزول ہو۔ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اور بیشک ہم بھی خدا نے چاہا تو تمہارے پاس آنے والے اور تمہیں ملنے والے ہیں یہاں ان شاء اللہ کا کلمہ اظہار رغبت، خدا عزوجل کے نام پاک سے برکت حاصل کرنے کیلیے ہے کیونکہ اموات سے جا ملنا یقینی امر ہے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقین صحابہ کا ذکر اور تصور کیا تو اس کی مناسبت سے شرف و کرامت اور محبت کی بنا پر ان لوگوں کا ذکر بھی کر دیا جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا میں پسند کرتا ہوں اور اس امر کی آرزو رکھتا ہوں کہ میں اور جو لوگ اس وقت میرے ساتھ ہیں اپنے بھائیوں کو دیکھتے (یعنی ان لوگوں کو جو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوں گے) قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ جو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا آپ آئندہ پیدا ہونے والوں کو بھائی کہہ رہے ہیں اے اللہ کے رسول ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ فرمایا تم لوگ تو میرے ساتھی، میرے یار اور وقت بے وقت میری رفاقت کا حق ادا کرنے والے اور میری درگاہ کے خصوصی افراد میں سے ہو یعنی تمہارا مقام و مرتبہ اخوت اسلامی سے بڑھ کر ہے اور اخوت اسلامی تو تمام اہل اسلام کو شامل ہے۔ وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَاْتُوْا بَعْدُ ہمارے بھائی تو وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے (بعد میں پیدا ہوں گے اور اسلام قبول کریں گے)۔

اس کے بعد صحابہ کرام نے ایک اور سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ کو اپنی امت کی شناخت کرنا ہوگی اور ان سے ملنا ہوگا تب ہی آپ ان کی شفاعت اور ان کی مدد و اعانت کر سکیں گے۔ فَقَالُوْا چنانچہ صحابہ کرام نے عرض کیا

كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ آپ کی امت سے جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے اور آپ نے ان کو دیکھا بھی نہیں یا رسول اللہ آپ انہیں کیسے پہچانیں گے۔ فَقَالَ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ ۔ تم لوگ مجھے بتاؤ ایک شخص کے گھوڑے ہوں سفید چہروں اور سفید ہاتھ پاؤں والے بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ ۔ ہر گھوڑے سے دوسرے لوگوں کے ایسے گھوڑوں کے درمیان ہوں جن کا رنگ خالص سیاہ ہو أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ کیا وہ شخص اپنے سفید رنگ چہروں اور ہاتھ پاؤں والے گھوڑوں کو ان خالص سیاہ رنگ والے گھوڑوں کے درمیان نہ پہچانے گا۔ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور پہچانے گا قَالَ آپ نے فرمایا فَإِنَّهُمْ يَأْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ ۔ میری امت آئے گی یعنی میدان قیامت میں وضو کے آثار کی برکت سے چمکتے ہوئے چہروں اور چمکتے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اور میں ان کو اس علامت و نشانی سے پہچان لوں گا۔ وضوء واو کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح روایت میں آیا ہے۔ پھر آپ نے اپنی امت مرحومہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ اور میں حوض پر ان سے پہلے پہنچوں گا تاکہ ان کے گناہوں کی مغفرت اور بارگاہ رب العزۃ میں ان کے لیے بلندی درجات کا بندوبست کروں۔ فَرَطٌ فا اور را کے فتح کے ساتھ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے پہلے جائے تاکہ منزل پر پہنچ کر گھوڑوں کی خوراک، ڈول، رسی اور کنویں کو پاک و صاف وغیرہ کام انجام دینا ہے اسی مناسبت سے علی الحوض فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت بارگاہ رب العزۃ میں پہلے پہنچ کر امت کی بخشش کا سازو سامان تیار کر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔

۲۷۸- وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْظُرُ إِلٰى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفُ أُمَّتِي مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ وَمِنْ خَلْفِي مِثْلُ ذٰلِكَ وَعَنْ يَمِيْنِي مِثْلُ ذٰلِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ فِيْمَا بَيْنَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہی پہلا شخص ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدہ کی اجازت ملے گی۔ اور میں ہی پہلا شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت مرحمت ہوگی۔ میں اپنے سامنے دیکھوں گا تو امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا میرے پیچھے بھی ایسا ہی ہوگا، میرے دائیں بھی ایسا ہی ہوگا، اور میرے بائیں بھی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر اپنی امت کی مخلوق میں سے اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے

نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذٰلِكَ غَيْرُهُمْ وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔

فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں چمکتی ہوں گی میری امت کے سوا ایسا کوئی نہ ہوگا۔ اور میں اس سے بھی انہیں پہچانوں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کو دیے جائیں گے ۔ اور میں انہیں پہچانوں گا کہ ان کی اولاد ان کے سامنے دوڑتی ہوگی۔ (احمد)

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جسے قیامت کے دن سجدے کا اذن ملے گا۔ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ اور میں پہلا شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ اس حقیقت حال کی تشریح حدیث شفاعت سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراسے عزت اور بارگاہ صمدیت میں حاضر ہوں گے اور سجدہ میں سر مبارک رکھیں گے تو ایک ہفتہ سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر حکم الٰہی ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر سجدے سے اٹھا اے میرے محبوب مانگ جو مانگنا ہے تاکہ تجھے عطا کیا جائے اور کہہ جو کہنا چاہتا ہے تاکہ تیری بات سنی جائے۔ اس پر حضور سجدہ سے سر اٹھائیں گے۔ اور زبان شفاعت اور دروازہ شفاعت کھولیں گے۔ جیسا کہ فرمایا فَاَنْظُرُ اِلٰی مَا بَيْنَ يَدَيَّ تو میں اپنے سامنے کھڑی مخلوق کو دیکھوں گا۔ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ۔ تو میں دوسری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلُ ذٰلِكَ اور میں سامنے کی مخلوق کی طرح اپنے پیچھے بھی مخلوق دیکھوں گا۔ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ اسی طرح اپنے دائیں بھی وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلُ ذٰلِكَ اور اپنے بائیں بھی مخلوق کا ہجوم دیکھوں گا۔ فَقَالَ تو ایک شخص نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ یارسول اللہ آپ گزشتہ امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے شناخت کریں گے۔ فِيْمَا بَيْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِكَ حضرت نوح سے اپنی امت تک کے درمیان میں بڑی لمبی مدت اور بڑا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح کی تخصیص اس لیے کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبروں میں زیادہ شہرت حاصل ہے ورنہ نوح علیہ السلام سے پہلے بھی کتنی امتیں گزر چکی ہیں۔ فَقَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ و پاؤں وضو کے اثر و نشان سے چمکتے ہوں گے۔

لَيْسَ اَحَدٌ كَذٰلِكَ غَيْرُهُمْ دوسری امتوں میں سے کوئی بھی اس صفت اور اس ہیئت و شکل پر نہ ہوگا اگرچہ انہوں نے بھی وضو کیا ہوگا لیکن وضو کے اثر کے ظاہر ہونے کی فضیلت و بزرگی صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس سے

یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی عبادت کے لیے وضو نہ تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ اور اس علامت سے بھی ان کو یعنی اپنی امت کو پہچانوں گا۔ کہ ان کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ اور میں اس علامت ونشان سے بھی ان کو یعنی اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ کہ ان کی نابالغ اولاد ان کے آگے آگے چل رہی ہوگی۔ اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو علامتیں یعنی اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا اور ان کی نابالغ اولاد کا ان کے آگے آگے چلنا بھی اس امت کا خاصہ ہے۔ تاہم علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ دو صفات محض مدح کے لیے بیان فرمائیں فرق وامتیاز بیان کرنے کے لیے نہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا۔

بَابُ مَا يُوْجِبُ الْوُضُوْءَ

یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جن سے وضو لازم ہوتا ہے

یہ باب ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے وضو لازم وواجب ہوتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو سابقہ وضو کو توڑ دیتی ہیں اور نیا وضو لازم کر دیتی ہیں۔ وضو کا موجب وسبب اگرچہ فی الحقیقت نماز کا ارادہ ہے جو نماز کے قیام سے ملا ہوتا ہے۔ لیکن وضو توڑنے والی چیزوں کو بھی وضو لازم کرنیوالی اشیاء قرار دینا درست ہے اس وجہ کے اعتبار سے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

فَصْلٌ اَوَّلٌ

۲۷۹ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے وضو آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کرے۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا وضو ٹوٹ گیا ہو اس کی نماز قبول اور درست نہیں ہوتی، حَتّٰى يَتَوَضَّاَ جب تک کہ نیا وضو نہ کرے۔ یہ مسئلہ اس کے لیے ہے جس کے

پاس پانی موجود ہو اور اگر پانی میسر نہ ہو تو مٹی کے ساتھ تیمم کرے۔ اور اگر پانی نہ ہو اور مٹی بھی میسر نہ آئے اور ان کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو فاقد الطہورین (دونوں قسم کی طہارت سے محروم انسان) کہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ایسی صورت میں وضو و تیمم کے بغیر ہی نماز ادا کرے تاکہ وقت نماز کی عزت و حرمت برقرار رکھ سکے اور اگر پانی یا خاک میسر آنے سے پیشتر اس کی موت واقع ہو جائے اور نماز ادا نہ کر سکا ہو تو گناہ گار نہ ہوگا۔ اور اگر وقت مل گیا تو نماز قضا کرے یہی مختار و پسندیدہ قول ہے اور بعض کے نزدیک ایسے وقت میں نماز کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک نماز ادا کرنے کے بعد پانی یا مٹی میسر آنے پر قضا کرے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔

۲۸۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول ہوتا ہے۔ (مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے طہارت نماز قبول نہیں ہوتی۔ وَلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ اور نہ مال حرام سے صدقہ قبول ہوتا ہے غلول کا استعمال زیادہ تر غنیمت میں خیانت کے لیے ہوتا ہے اور مطلق خیانت کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں بہت مذی والا مرد تھا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں کیونکہ آپ کی بیٹی (فاطمہ) میرے نکاح میں تھی۔ میں نے مقداد کو حکم دیا انہوں نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا (صرف مذی خارج ہونے کی صورت میں) اپنا آلہ تناسل دھو لے اور وضو کرے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں وہ شخص تھا جسے مذی بہت زیادہ خارج ہوتی ہے۔ مذی میم کی فتح ذال کے سکون اور یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اس

رطوبت کو کہتے ہیں جو مرد کے عورت کے ساتھ بوس و کنار کے وقت جوش شہوت کی بنا پر آلہ تناسل سے خارج ہوتی ہے
فَكُنْتُ اَسْتَحِیْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے میں شرم آتی
تھی کہ آپ سے یہ دریافت کروں کہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضو لِمَكَانِ ابْنَتِہٖ آپ کی دختر حضرت فاطمہ زہراء
کے میرے پاس موجود ہونے کی وجہ سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال حیا و ادب ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ داماد کا اپنے
سسر سے شہوت اور عورتوں سے متعلق مباشرت وغیرہ کا ذکر مناسب نہیں فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ تو میں نے مقداد بن اسود
رضی اللہ عنہ کو جو مخلصان درگاہ سے تھے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص معین کا نام لیے بغیر یہ مسئلہ دریافت کرکے
آئے فَسَاَلَہٗ تو مقداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا فَقَالَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَغْسِلُ ذَکَرَہٗ
وَیَتَوَضَّأُ جس شخص کی بھی یہ کیفیت ہو وہ اپنا آلہ تناسل دھوئے اور وضو کرے مطلب یہ کہ مذی سے غسل لازم نہیں ہوتا
وَدِی واو اور دال مہملہ کے ساتھ بروزن مذی گاڑھا پانی ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے اس سے بھی غسل واجب
نہیں ہوتا اسی طرح منی بھی اگر دفق (کود کر) اور شہوت کے بغیر خارج ہو تو اس سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا اس حدیث
کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا۔

۲۸۲. وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ مُحْیِ السُّنَّۃِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاۃٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ وضو کرو اس چیز سے جسے آگ نے چھوا ہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ شیخ امام اجل محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث ابن عباس کی حدیث کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن عباس نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا ایک بازو تناول فرمایا۔ پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ (متفق علیہ)

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ۔ حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ اس
چیز کے کھانے سے جسے آگ پہنچی ہو اور جس سے آگ نے مس کیا ہو یعنی جو آگ سے پکی ہو، وضو کرو۔ اسے مسلم نے روایت کیا
اس حدیث کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں وضو سے کھانے کی چکناہٹ دور کرنے کے لیے صرف ہاتھ منہ

دھونا مراد ہے۔ اور یہ سنت ہے اور اسے کھانے کا وضو کہتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ نماز والا وضو ہی مراد ہے اس صورت میں یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْأَجَلُّ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ ابن عباس شیخ امام اجل محی السنۃ صاحب مصابیح نے شرح سنت میں فرمایا کہ یہ حدیث جو آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جیسا کہ اس باب کی فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے بازو کا گوشت تناول فرمایا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ پھر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی منسوخ ہے جو فصل مذکور کے آخر میں آرہی ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں میں نے بھنی ہوئی ایک پسلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ نے اسے تناول فرمایا اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

اور اس حدیث کا منسوخ ہونا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا ترک کر دیا تھا بہت صریح اور مفید ہے کہ اس میں بعد میں وضو ترک کر دینا صاف مذکور ہے۔ اور حدیث ابن عباس و ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں واضح طور پر معلوم و متیقن نہیں ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۲ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْإِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْإِبِلِ قَالَ أُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ أُصَلِّيْ فِيْ مَبَارِكِ الْإِبِلِ قَالَ لَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد ہم وضو کیا کریں۔ فرمایا چاہے تو کر چاہے نہ کر اس شخص نے کہا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر۔ اس شخص نے کہا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں فرمایا ہاں پڑھ لے۔ اس شخص نے کہا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں فرمایا نہ۔ (مسلم)

وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں ان کے والد صحابی ہیں کوفہ میں رہائش اختیار کی ۶۶ھ میں وفات پائی اور کہا گیا ہے ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اَنَّ رَجُلًا

نسائی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ کہ ہم لوگ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ چاہے تو وضو کر لیا کرو چاہے تو نہ کیا کر۔ قَالَ اس شخص نے دریافت کیا اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ کیا ہم لوگ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا کریں۔ قَالَ نَعَمْ فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر لیا کرو اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس حدیث کی بنا پر اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر باقی تین ائمہ (امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک رضی اللہ عنہم) کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے یا وضو سے اس کا لغوی معنی (ہاتھ منہ دھونا) مراد ہے۔ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

سوال:۔ لغوی معنی کی صورت میں اونٹ کے گوشت اور بکری کے گوشت میں کیا فرق ہے جبکہ چکناہٹ جو وضو کا سبب ہے دونوں میں موجود ہے لہٰذا اونٹ کے گوشت سے تو وضو لازم ہو جائے مگر بکری کا گوشت کھانے سے وضو لازم نہ ہو حالانکہ علت دونوں میں مشترک ہے اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب:۔ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا حکم اس لیے ہو کہ اونٹ کے گوشت میں قدرے بدبو پائی جاتی ہے مگر بکری کے گوشت میں بدبو نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

قَالَ اس شخص نے پھر سوال کیا اُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ[1] الْغَنَمِ کیا بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ لیا کروں۔ قَالَ آپ نے فرمایا ہاں پڑھ لیا کر قَالَ اُصَلِّیْ فِیْ مَبَارِکِ[2] الْاِبِلِ اس شخص نے عرض کیا اونٹوں کی نشست گاہ میں نماز پڑھ لیا کروں فرمایا اس میں نماز نہ پڑھو۔ علماء نے کہا ہے کہ اونٹ کی نشست گاہ میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہ دینا کراہت تنزیہی پر مبنی ہے۔ کراہت کی علت و وجہ اس وقت تشویش اور عدم سکون کا اندیشہ اور حضور قلب کا فقدان ہے کہ اونٹ اِدھر اُدھر بھاگتے اور اچھلتے کودتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس بکریاں سکون و آرام سے کھڑی رہتی ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے اونٹوں کی نشست گاہ میں نماز ادا نہ کرو کہ اونٹ شیاطین میں سے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے یہ بھی ایک روایت میں وارد ہے کہ سیاہ کتوں کا شیطان ہے اور اونٹ چارپاؤں کا شیطان ہے۔ اور بکریوں کی نشست گاہ میں نماز پڑھ لیا کرو کہ بکریاں برکت ہی برکت ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی آیا

---

[1] مَرَابِضْ جمع مَرْبَضْ بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ (مرقاۃ)۔

[2] مَبَارِکْ مَبْرَکْ کی جمع اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ (مرقاۃ)۔

ہے کہ بکریاں جنت کے چوپاؤں میں سے ہیں۔

۲۸۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَیْئًا فَاَشْكَلَ عَلَیْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ اَمْ لَا فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور شک میں پڑ جائے کہ پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو مسجد سے نہ نکلے جب تک کہ آواز نہ سنے یا بو محسوس نہ کرے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَیْئًا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص جب پیٹ میں کوئی چیز (ہوا کی گردش اور اس کا دباؤ) محسوس کرے فَاَشْكَلَ عَلَیْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ اَمْ لَا اور اسے اس بات کا شبہ پڑ گیا کہ پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ تو مسجد سے ہرگز باہر نہ نکلے۔ یہ وضو نہ ٹوٹنے سے کنایہ ہے کہ مسجد سے باہر آنا وضو لازم ہونے کے باعث ہوتا ہے۔ اس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مومن کی نماز اور اس کی جائے آرام مسجد ہی ہونی چاہیے یعنی اس کا زیادہ وقت مسجد میں ہی گزرنا چاہیے۔ حَتّٰى یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا جب تک کہ آواز نہ سنے یا ہوا کا خارج ہونا اسے محسوس نہ ہو یہ غالب اور اکثر اوقات کے لحاظ سے ہے۔ اصل مقصد ہوا کے خارج ہونے کا یقین ہے۔ ہوا کی آواز سنے یا نہ سنے اور بو آئے یا نہ آئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے وضو کیا ہو اور اس کے ٹوٹنے میں شبہ واقع ہو گیا ہو تو نئے وضو کی ضرورت نہ ہوگی کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا تاہم یہ رعایت اصل جواز کے اعتبار سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نیا وضو کر لینے کی احتیاط کرنا بہتر ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۲۸۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا پھر کلی کی اور فرمایا اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا تو اس کے بعد کلی کی وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا اور فرمایا اس میں چکناہٹ ہوتی ہے جس سے منہ کو صاف کرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ جو چیز

منہ میں چکناہٹ پیدا کرے یا اس کا کچھ حصہ منہ میں باقی ہو اور اس امر کا اندیشہ ہو کہ یہ پیچھے پیٹ میں اتر جائے گا۔ اگرچہ وہ اتنا قلیل ہو کہ اس سے قرأت میں رکاوٹ پیدا نہ ہو تو بھی اس سے منہ صاف کر لینا مستحب ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

٢٨٦ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَّمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَّمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے چند نمازیں ادا فرمائیں۔ اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے آج وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہ کرتے تھے فرمایا اے عمر میں نے یہ کام دانستہ کیا ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ بُرَيْدَةَ بضم با و فتح را و سکون یا آپ اسلمی ہیں۔ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ کو بیعت رضوان کی سعادت حاصل ہوئی۔ غزوہ خیبر میں شامل تھے مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف سفر ہجرت کے دوران راستے میں آپ اسلام لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتگاری کے سلسلے میں آپ نے بہت سی مساعی جمیلہ بروئے کار لائیں۔ آپ کے باقی حالات دوسری جگہ میں تحریر ہو چکے ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ ۔ یہ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے چند نمازیں ادا کیں۔ ایک روایت میں پانچ نمازوں کی تصریح آئی ہے۔ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بیشک آج آپ نے وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُ فرمایا اے عمر میں نے یہ کام دانستہ کیا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے۔ صرف فتح مکہ کے دن تعلیم امت کے لیے آپ نے چند نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔ بعض نے یوں فرمایا ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا آپ پر فرض تھا مگر یہ چیز مشقت کا باعث تھی اس کے بجائے آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور ہر نماز کے لیے تازہ وضو کا حکم واپس لے لیا گیا۔ سوائے بے وضو ہونے کی حالت کے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیۃ کریمہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلٰى آخرہٖ کے مطابق اولاً تمام مسلمانوں پر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کا حکم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا مگر سورہ مائدہ کے احکام میں نسخ تسلیم کرنا قابل بحث بات ہے۔ واللہ اعلم

۲۸۶ وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَآءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک یہ خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام موضع صہبا میں جو خیبر کے نزدیک ہے پہنچ گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا فرمائی پھر آپ نے کھانے کی چیزیں طلب فرمائیں تو آپ کی خدمت میں صرف ستو پیش کیے گئے۔ آپ نے ان کے گھولنے کا حکم دیا وہ گھولے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے پھر آپ مغرب کی نماز کے لیے اٹھے۔ آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی پھر آپ نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔ (بخاری)

وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ نُعْمَانَ سُوید بضمہ سین مہملہ و فتح واؤ نعمان بضمہ نون۔ آپ انصاری صحابی ہیں۔ بیعت الرضوان اور غزوہ احد میں موجود تھے اور بعد کے تمام غزوات میں بھی شامل تھے۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی روایت کردہ احادیث بھی اہل مدینہ میں مشہور و معروف ہیں۔ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت سوید بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ عَامَ خَيْبَرَ غزوہ خیبر کے سال حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَآءِ یہاں تک کہ جب مقام صہبا میں پہنچے صہبا بفتح یا مہملہ و سکون ہا و مد۔ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صہبا خیبر کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ صَلَّى الْعَصْرَ وہاں آپ نے نماز عصر ادا کی ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ۔ پھر آپ نے کھانے پینے کی چیز طلب کی فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ۔ تو آپ کی خدمت میں ستو کے سوا کوئی چیز پیش نہ کی گئی۔ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ آپ نے ان کے بھگونے کا حکم دیا تو انہیں بھگویا گیا۔ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا۔ تو حضور نے بھی کھایا اور ہم نے بھی ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ پھر آپ مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ پھر آپ نے نماز ادا کی اور وضو نہ کیا اور آپ کی پیروی میں ہم نے بھی وضو نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم و واجب نہیں ہوتا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۲۸۷ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْرِيْحٍ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو فرض نہیں ہوتا مگر آواز آنے یا بو محسوس کرنے سے۔ (احمد و ترمذی)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِيْحٍ

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو لازم نہیں ہوتا مگر آواز یا ہوا سے۔ یعنی پیٹ میں محض مروڑ پھرنے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ حاشیہ میں مذکور ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیٹ میں مروڑ پھرنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر یہ قول کتاب خرقی اور اس کی شرح میں جو امام احمد علیہ الرحمۃ کے مذہب کی سب سے جامع اور کامل کتاب ہے) موجود نہیں ہے۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔

۲۸۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا مذی سے وضو اور منی سے غسل لازم آتا ہے۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا عَنِ الْمَذِيِّ مذی کا حکم فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مذی سے وضو واجب ہوتا ہے اور منی سے غسل۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منی کا حکم دریافت نہیں کیا تھا مگر حضور علیہ السلام نے مذی کے حکم کی مناسبت اور اس بنا پر کہ اس سے منی کے حکم میں اشتباہ لاحق نہ ہو منی کا حکم بھی بیان فرمادیا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ فصل اول میں گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرم کے باعث خود یہ مسئلہ حضور سے دریافت نہ کیا تھا بلکہ اس کے لیے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ حضور علیہ السلام سے دریافت کریں پس اس حدیث میں سوال کی نسبت اپنی طرف کرنا جائز ہے یا آپ نے خود یہ سوال کسی دوسرے وقت میں کیا واللہ اعلم۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۲۹۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ

انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز کی چابی وضو، اس کی تحریم تکبیر اللہ اور اس کی تحلیل سلام ہے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی، دارمی)

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ۔ نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اسے حضرت علی اور ابو سعید سے روایت کیا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ انہی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی چابی طہارت ہے یعنی جس چیز سے نماز کا دروازہ کھلتا اور اس میں داخل ہونا میسر آتا ہے وہ طہارت اور وضو ہے۔ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ۔ اور وہ چیز جس سے نماز کے علاوہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے تکبیر ہے اسے تکبیر تحریمہ بھی اسی معنی میں کہتے ہیں جیسے حج کے لیے احرام باندھتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت سی وہ چیزیں جو حلال ہوتی ہیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ اور جس سے نماز سے باہر آتے ہیں اور حرام شدہ کام حلال ہو جاتے ہیں سلام ہے جس طرح محرم کے لیے کہ جب احرام کھولتا ہے تو حرام شدہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

اس حدیث کی بنا پر امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہ سلام کو نماز کے فرائض میں شامل کرتے ہیں کہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے باہر آنا سلام کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر احناف کے نزدیک السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب کا حکم یہ ہے کہ اگر عمداً اسے ترک کر دیا جائے تو نماز ہو تو جاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے اور بھول کر ترک کر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور فرض وہ ہوتا ہے جس کے ترک سے نماز بالکل ہوتی ہی نہیں۔ احناف کی دلیل اعرابی کی وہ حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی مگر اس میں سلام کا ذکر نہ کیا۔ اگر سلام فرض ہوتا تو حضور ضرور اس کا بھی ذکر فرماتے۔ اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی، اور دارمی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی ان سے اور حضرت ابوسعید سے اسے روایت کیا۔

۲۹۱ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ۔

حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وضو کرے اور نہ آؤ عورتوں کے پاس (ان سے جماع نہ کرو) ان کے پیچھے سے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ طلق بفتح طاء وسکون لام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں سے ہیں سے روایت ہے علماء نے کہا ہے کہ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ بعض نسخوں میں طلق بن علی آیا ہے اور ان سے خود ایک دوسری حدیث بھی اس فصل میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا فَسَا

اَحَدُکُمْ جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے فَلْیَتَوَضَّأْ تو وضو کرے وَلَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِیْ اَعْجَازِهِنَّ اور عورتوں کے پاس نہ آؤ اور ان سے جماع نہ کرو ان کے دُبُر (یا خانہ کی جگہ سے) اَعْجَاز بفتح عین وضم جیم ہر چیز کا پچھلا حصہ یہاں دبر مراد ہے جب آپ نے دبر سے ہوا خارج ہونے کا ذکر فرمایا جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ساتھ اس چیز کا بھی ذکر کر دیا جو اعمال بد میں غلیظ تر اور شدید تر ہے اس امر پر تنبیہ کرنے کیلیے کہ جب ہوا خارج ہونے کی پلیدی قرب الٰہی کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے تو غلیظ اور شدید تر نجاست وپلیدی اس راستے میں کس قدر رکاوٹ بنے گی۔ اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا۔

۲۹۲. وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَیْنَانِ وِکَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَیْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِکَاءُ. رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ.

حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سرین کو بند رکھنے والی چیز دونوں آنکھیں ہیں جب آدمی سو گیا تو یہ بند کھل گیا۔ (وضو ٹوٹ گیا) (دارمی)

وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ سُفْیَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَیْنَانِ وِکَاءُ السَّهِ۔ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہیں دونوں آنکھیں مگر دُبُر (جائے پاخانہ) کے منہ کے لیے ڈھکنا وِکَاء بکسر واؤ وہ چیز جس چیز سے مشک وغیرہ کا منہ بند کرتے ہیں سَہ سین کے فتح اور ضمہ اور تخفیف ہا کے ساتھ جائے پاخانہ کا حلقہ مطلب اور مقصود یہ ہے کہ جب تک انسان جاگتا رہتا ہے گویا اس کی جائے پاخانہ کا منہ مضبوطی سے بند رہتا ہے اور اس سے ہوا خارج نہیں ہوتی اور جب سو گیا تو بندش ختم ہو گئی اور ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا فَاِذَا نَامَتِ الْعَیْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِکَاءُ جب آنکھ سو گئی تو ڈھکنا کھل گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ یہ حالت جائے پاخانہ کے ڈھیلا ہونے اور اس کے ضبط نہ کرنے کا سبب ہے بخلاف نیند کی دوسری حالتوں کے جیسے بیٹھے ہوئے یا رکوع یا سجدہ مسنون کی حالت میں سونا کہ ان حالتوں میں مقعد (سرین) اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رہتی ہے اسے دارمی نے روایت کیا۔

۲۹۳. وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِکَاءُ السَّهِ الْعَیْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْیَتَوَضَّأْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَقَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِی السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرین کو بند رکھنے والی دو آنکھیں ہیں جب آدمی سو گیا تو وضو کرے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حکم اس کے لیے ہے جو بیٹھے بیٹھے

فِیْ غَیْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ ثُمَّ یُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّؤُنَ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ ذَکَرَ فِیْہِ یَنَامُوْنَ بَدَلَ یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ

دسو جائے کیونکہ حضرت انس سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کی انتظار میں بیٹھے رہتے تھے یہانتک کہ ان کے سر نیند سے جھک جھک جاتے تھے پھر وہ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا مگر ترمذی نے یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ کی جگہ یَنَامُوْنَ کا لفظ ذکر کیا۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِکَاءُ السَّہِ الْعَیْنَانِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جائے پاخانہ کا ڈھکنا آنکھیں ہیں فَمَنْ نَامَ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ تو جو سو گیا وہ وضو کرے اسے ابوداؤد نے روایت کیا قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا فِیْ غَیْرِ الْقَاعِدِ شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم نہ بیٹھے ہوئے آدمی کے لیے ہے۔ یعنی یہ اس سونے والے شخص کا حکم ہے جو بیٹھنے کی حالت میں نیند میں نہ چلا جائے لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ مروی ہے قَالَ کَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ نماز عشاء کی انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور نماز ادا کی جائے اس حالت انتظار میں نیند ان پر غالب آجاتی تھی حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ یہاں تک کہ ان کے سر ان کے سینوں پر گر گر پڑتے تھے۔ ثُمَّ یُصَلُّوْنَ وَلَا یَتَوَضَّؤُنَ۔ پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ بیٹھے میں سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس حدیث میں بیٹھے میں سو جانے والے کی تخصیص اور اس کی نیند کی استثناء کی وجہ بھی معلوم ہوئی اس کے سوا نیند کی وہ تمام حالتیں جن میں سرین اپنی جگہ پر ٹھیک رہتے ہیں بھی اسی پر قیاس کی گئی ہیں یا ان میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم دوسری احادیث سے ثابت ہے اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اِلَّا اَنَّہٗ ذَکَرَ فِیْہِ یَنَامُوْنَ بَدَلَ مگر اتنا فرق ہے کہ ترمذی نے اس حدیث میں اس اگلی عبارت یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُءُوْسُھُمْ کے بجائے لفظ یَنَامُوْنَ روایت کیا ہے۔ تاہم اس عبارت اور لفظ یَنَامُوْنَ کا معنی ایک ہی ہے یعنی سو جاتے تھے۔

۲۹۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰی مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اس شخص پر لازم آتا ہے جو لیٹ کر سو جائے کیونکہ جب وہ اس حالت میں سو جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں (ترمذی، ابوداؤد)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اس شخص پر وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے جو پہلو کے بل سو ئے فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ کہ انسان جب پہلو کے بل سو جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے اور سست پڑ جاتے ہیں اور جب جوڑ ڈھیلے اور سست ہو گئے تو اس کے پیٹ کے اندر کی چیز (ہوا) باہر نکل آتی ہے ۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

۲۹۵ وَعَنْ بُسْرَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگائے تو وضو کرے ۔ مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی،

وَعَنْ بُسْرَةَ بسرہ بضم باد سکون سین مہملہ بنت صفوان آپ صحابیہ ہیں قریش میں قبیلہ بنی اسد سے ہیں اور ورقہ بن نوفل کے بھائی کی لڑکی ہیں یہ روایت کرتی ہیں کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے آلہ تناسل کو چھوئے تو وضو کرے ۔ اسے مالک، احمد، ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۲۹۶ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهٗ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بِضْعَةٌ مِّنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوٰى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوٰى اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهٖ اِلٰى ذَكَرِهٖ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ انہوں نے کہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرد کے اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگانے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اور نہیں وہ (آلہ) مگر مرد کے جسم کا ایک ٹکڑا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اسی کی طرح روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ۔ یہ منسوخ ہے ۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ حضرت طلق کے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اسلام لائے اور ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جب تم سے کسی کا ہاتھ اس کے آلہ تناسل تک اس طرح پہنچ جائے کہ اس کے اور آلہ مخصوص کے درمیان کوئی

وَرَوَاہُ النِّسَائِیُّ عَنْ بُسْرَۃَ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا شَیْءٌ۔

چیز حائل نہ ہو تو وہ وضو کرے۔ اسے شافعی اور دار قطنی نے روایت کیا۔ نسائی نے اسے بسرہ سے روایت کیا مگر اس نے لیس بینہ وبینھا شئی کا ذکر نہیں کیا۔

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَکَرَہٗ بَعْدَ مَا یَتَوَضَّأُ

روایت ہے حضرت طلق بن علی سے جو علی بن طلق کے بیٹے ہیں جن کا ایک گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ ان دونوں ناموں کے درمیان جو اشتباہ پایا جاتا ہے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔ ان حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد آدمی اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں تَاکَ وَھَلْ ھُوَ اِلَّا بِضْعَۃٌ مِّنْہُ ۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آلہ تناسل بھی بندے کے جسم کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ ایک روایت میں منہ کے بجائے منک آیا ہے اور ترمذی کی روایت میں اِلَّا مُضْغَۃٌ مِّنْہُ اَوْ بِضْعَۃٌ بطریق شک راوی آیا ہے۔ مُضغہ بروزن لقمہ گوشت کا اتنا ٹکڑا جو چبایا جائے۔ بضعہ بفتح با وکسرہ با بھی گوشت کے ٹکڑے کے معنی میں آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں بضعہ مُضغہ سے کچھ بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں غرض ارشاد نبوی کا مقصد ومطلب یہ ہے کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس طرح دوسرے اعضا کو چھونے سے نہیں ٹوٹتا۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے بھی اسی کی مانند روایت کیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا علمائے مذہب کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ صحابہ کرام سے بھی اختلاف منقول ہے اور اس بارے میں احادیث بھی مختلف آئی ہیں۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد اس صورت میں وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں بلکہ امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مطلق شرمگاہ، آلہ تناسل ہو یا جائے پاخانہ یا عورت کی شرمگاہ ہو ان سب کے مس کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک کے مذہب میں عورت کی شرمگاہ مس کرنے سے وضو ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہاتھ کی ہتھیلی آلہ تناسل کو لگ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور امام احمد سے ایک روایت میں مس ذکر سے وضو کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس جماعت آئمہ کی دلیل حضرت بسرہ کی یہ حدیث اور بہت سے صحابہ کرام کا عمل ہے جسے موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے۔ احناف کی دلیل قیس بن طلق بن علی کی حدیث ہے جسے مسند ابو حنیفہ میں ایوب بن عقبہ قاضی یمامہ سے اس نے قیس بن علی سے اس نے اپنے باپ سے (جس کا ذکر متن میں گزرا) ہے اور شمنی نے شرح معانی الآثار طحاوی سے نقل کی کہ قیس بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے علم میں کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے مس ذکر سے وضو ٹوٹنے کا فتویٰ دیا ہو سوائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے۔ انہوں نے اس فتویٰ میں اکثر صحابہ کی مخالفت کی ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنے موطا میں سلف سے اس بارے میں آثار کثیرہ روایت کیے ہیں اور مسند حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں حضرت علی حضرت عمار اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ روایت موجود ہے کہ ان حضرات صحابہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اس میں کوئی فرق نہیں سمجھتے کہ اپنی ناک کو ہاتھ لگائیں یا اپنے آلہ تناسل کو یعنی دونوں عضو گوشت کے ٹکڑے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ اے مخاطب اگر تو اپنے آلہ تناسل کو نجس جانتا ہے تو اسے کاٹ دے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی روایت آئی ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود، حذیفہ بن السلیمان، عمار بن یاسر، سعد بن ابی وقاص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح وغیرہم تابعین رضوان اللہ علیہم سب مذکورہ حضرات کا یہی مذہب ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس اس بارے میں احادیث کا آپس میں مختلف ہونا نسخ کی بنا پر ہے۔ احناف کے مخالفین کہتے ہیں کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حنفیہ کی دلیل ہے منسوخ ہے جیسا کہ مولف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیُ السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ یعنی شیخ امام محی السنہ نے کہا کہ طلق بن علی کی یہ حدیث منسوخ ہے لِاَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے کے بعد اسلام لائے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ۷ھ میں غزوہ بدر کے موقعہ پر اسلام قبول کیا اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ ابتدائے ہجرت کے وقت تعمیر مسجد نبوی کے دوران حاضر خدمت ہوئے تھے اس بنا پر حضرت ابو ہریرہ کا سماع لازماً طلق کے سماع کے بعد ہوا ہے وَقَدْ رَوٰی اَبُوْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم اور بیشک حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے قَالَ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اَفْضٰی اَحَدُكُمْ بِیَدِهٖ اِلٰی ذَكَرِهٖ جب تم سے کوئی شخص اپنا ہاتھ آلہ تناسل تک لے جائے لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهَا اس حال میں کہ اس کے ہاتھ اور آلہ تناسل کے درمیان کوئی چیز (کپڑا وغیرہ) حائل نہ ہو فَلْیَتَوَضَّأْ تو چاہیئے کہ وضو کرے اسے شافعی اور دارقطنی نے روایت کیا۔ اور نسائی نے اس روایت کو بسرہ بنت صفوان سے روایت کیا۔ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْكُرْ مگر نسائی نے لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهَا کی عبارت ذکر نہیں کی۔ یہ شافعی حضرات کے مذہب کا بیان ہے احناف رحمہم اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ محض اتنی سی بات سے کہ طلق بن علی حضرت ابو ہریرہ سے پہلے اسلام لائے۔ اس امر کا یقین نہیں ہوتا کہ طلق کا سماع بھی ابو ہریرہ کے سماع سے مقدم ہے۔ الا یہ کہ طلق کی وفات بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی وفات سے پہلے ثابت ہو جائے۔ یا یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت طلق اپنے وطن واپس جانے کے بعد پھر حضور کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ طلق کا سماع

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سماع کے بعد ہو اس صورت میں طلق کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی ناسخ ہو گی نہ اس کا عکس۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ بلکہ یوں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضور کا یہ قول مبارک آپ نے کسی دوسرے صحابی سے سنا ہو۔ جس نے طلق کی حدیث سے یہ قول مبارک پہلے سنا ہو۔ اس قسم کی صورتِ حال بہت سی احادیث میں پائی جاتی ہے۔ ایسی روایات کو مراسیل صحابہ کہتے ہیں۔ اصول حدیث کی کتابوں میں بعض لوگوں نے راوی کے تاخرِ اسلام کو نسخ کا قرینہ قرار دیا ہے۔ ان کے اس قول کو ہماری مذکورہ تحقیق رد کرتی ہے۔

۲۹۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالِ إِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَأَيْضًا إِسْنَادُ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ أَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کو بوسہ دیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا، اس حدیث عروۃ از عائشہ کی حالت سند کے اعتبار سے ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح نہیں۔ نیز ابراہیم التیمی کا استاد حضرت عائشہ سے صحیح نہیں۔ اور ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مرسل ہے۔ اور ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے نہیں سُنا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی بعض بیویوں کو چوم لیتے تھے۔ ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ازواج کے لفظ سے حضرت عائشہ اپنی ذات مراد لیتی تھیں۔ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ پھر آپ نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے۔ تھے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی احناف اور دوسرے آئمہ دین میں مختلف فیہ ہے۔ کہ ہاتھ سے عورت کے جسم کو چھونا وضو کو توڑتا ہے یا نہیں آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے شہوت کے ساتھ مس کرے یا بلا شہوت، اپنی عورت کو چھوئے یا اجنبی کو۔ اس تفصیل کے مطابق جو ان آئمہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک اجنبی عورت کو چھونے میں وضو ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ دونوں مرد و عورت بالغ ہوں نابالغ نہ ہوں۔ اور حنفیہ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان آئمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے أَوْ لَامَسْتُمُ

النِّسَاءَ ۔ یا تم عورتوں کو چھولو) لیکن ہمارے نزدیک لمس سے مراد جماع ہے جیسا کہ کتب تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے۔ نیز ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ رات کی نماز (تہجد) کے وقت جب آپ بستر سے بیدار ہوتے میں اس وقت سوئی ہوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ پر ہوتے تھے جب آپ سجدہ میں جانے لگتے تو میرے پاؤں ہٹاتے تھے اور میں بھی اپنے پاؤں کھینچ لیتی تھی۔ اور جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو میں پھر اپنے پاؤں آپ کے سجدہ کی جگہ میں پھیلا لیتی تھی۔ آپ پھر ہٹاتے تھے۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ پاؤں پیچھے ہٹانے میں ان سے ہاتھ چھوتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عورت کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو یہاں مذکور ہے اسے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ شافعی حضرات کو اس حدیث میں کلام (اعتراض) ہے۔ جیسا کہ مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے کہا ہے وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالِ إِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ۔ یعنی اس حدیث کا اسناد جسے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں حبیب بن ثابت کی روایت ہے اور حبیب بن ثابت کا سماع حضرت عروہ سے ثابت نہیں۔ مؤلف کی عبارت سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور و ثابت اور محقق ہے۔ اور یہ معنی ترمذی کی جامع میں نظر کرنے سے بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے شرح میں نقل کیا ہے۔

اور اس حدیث کو ابراہیم تیمی نے جو زاہد عالم اور تابعین میں ثقہ لوگوں سے ہوئے ہیں، نے بھی حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ مگر ترمذی نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا أَيْضًا إِسْنَادُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا یعنی یونہی ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ سے روایت کرنا بھی درست اور صحیح نہیں وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ یعنی ابوداؤد نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس بنا پر کہ اسے ابراہیم التیمی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس کا حضرت عائشہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس کلام و اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مرسل حدیث بھی ہمارے ہاں مقبول و معتبر ہے۔ لہذا اس پر اعتراض ٹھیک نہیں۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

۲۹۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَوَاهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا ایک بازو تناول فرمایا۔ پھر ایک ٹاٹ سے جو آپ کے نیچے تھا، دست مبارک صاف کیا پھر آپ کھڑے

اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔ ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتِفًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانے کا گوشت کھایا ثُمَّ مَسَحَ یَدَہٗ بِمِسْحٍ کَانَ تَحْتَہٗ، مِسْح بکسر میم وسکون سین یعنی پھر آپ نے اپنے دست مبارک ملے اور صاف کیے ایک ٹاٹ سے جو آپ کے پاؤں مبارک کے نیچے تھا۔ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے کی اس چیز میں چکناہٹ نہ ہو جس سے ہاتھ اور منہ کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ہاتھ منہ دھونا بھی ضروری نہیں ہے۔ مِسْح بکسر میم یعنی پلاس اور فارسی میں پلاس گلیم (گودڑی) کو بھی کہتے ہیں۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۲۹۹ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے بکری کا بھنا ہوا ایک پہلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا۔ آپ نے اس میں سے کھایا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور وضو نہ کیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بھنا ہوا پہلو پیش کیا آپ نے اس سے کھایا پھر اٹھ کر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اسے احمد نے روایت کیا۔

تیسری فصل

۳۰۰ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اَشْھَدُ لَقَدْ کُنْتُ اَشْوِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاۃِ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کے پیٹ کا گوشت بھونتا تھا پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا (مسلم)

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ حضرت ابورافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ...

نام اسلم ہے۔ ابورافع کنیت نام پر غالب آچکی ہے۔ آپ قبطی ہیں۔ پہلے آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے پھر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ اور جب ابورافع نے حضرت عباس کے اسلام کی حضور کو خبر دی تو آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ ابورافع غزوۂ اُحد اور اس کے بعد ہونے والے غزوات میں شریک ہوئے۔

قَالَ اَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ اَشْوِي لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ ابورافع سے روایت ہے انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کا شکم بھونا کرتا تھا شکم سے مراد دل جگر وغیرہ ہیں۔ پھر آپ نے کھایا اور نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۰۱ وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهُ شَاةٌ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اَبَا رَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي عُبَيْدٍ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ انہیں ایک بکری بطور ہدیہ دی گئی۔ آپ نے اسے ہنڈیا میں ڈالا۔ (اتنے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا اے ابورافع یہ کیا ہے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایک بکری ہے جو تحفہ کے طور پر ہمیں دی گئی ہے۔ میں نے اسے ہانڈی میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابورافع مجھے (کھانے کو اس کا) بازو دے۔ میں نے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دوسرا بازو بھی دے۔ میں نے دوسرا بھی پیش کر دیا۔ پھر فرمایا مجھے اور بازو بھی دے ابورافع نے کہا یا رسول اللہ بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو اگر تو خاموش رہتا تو مجھے بازو کے بعد بازو دیتا رہتا جب تک کہ خاموش رہتا پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور کلی کی اور اپنی انگلیوں کے کنارے دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاں ٹھنڈا گوشت پایا اس سے بھی تناول فرمایا پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی اور پانی کو نہ چھوا اسے احمد نے روایت کیا اور دارمی نے اسے ابوعبید سے روایت کیا مگر اس نے ثم دعا بماء الی آخرہ کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهُ شَاةٌ۔ ابورافع سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ایک بکری بطور ہدیہ بھیجی گئی۔ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ تو ابو رافع نے اسے ہانڈی میں ڈالا تاکہ پک جائے۔ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تھوڑی دیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اَبَا رَافِعٍ اور فرمایا اے ابو رافع یہ ہانڈی میں کیا چیز ہے۔ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا ابو رافع نے کہا یا رسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں ہدیہ کے طور پر دی گئی ہے۔ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ تو میں نے اسے ہانڈی میں پکا لیا ہے۔ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ فرمایا اے ابو رافع اس کے بازو کی ہڈی مجھے دے تاکہ میں کھاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بازو کا گوشت اس بنا پر پسند تھا کہ یہ جلدی پک جاتا اور نرم ہوتا ہے۔ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ تو میں نے آپ کو بکری کا بازو پیش کر دیا۔ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ۔ پھر آپ نے فرمایا دوسرا بازو بھی مجھے دے فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ تو میں نے آپ کو دوسرا بازو بھی دے دیا۔ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ پھر فرمایا مجھے اس کا اور بازو بھی دے۔ فَقَالَ ابو رافع نے عرض کیا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے تو دو ہی بازو ہوتے ہیں، اور وہ دونوں آپ کو دے چکا ہوں۔ مزید کہاں سے دوں۔ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہ کہ اگر تو خاموش رہتا اور یہ نہ کہتا کہ بکری کے صرف دو ہی بازو ہوتے ہیں تو جب تک تو خاموش رہتا مجھے بازو دیتا ہی رہتا۔ یعنی جتنی دفعہ بھی میں تجھ سے بازو طلب کرتا تو مجھے دے دیتا اور یہ بطور معجزہ ہوتا گویا عالم غیب سے خرق عادت کے طور پر کسی شے کا ظہور اس کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کا انکار نہ کیا جائے اور اس میں شک و تردد نہ آنے دیا جائے تاکہ مادہ یقین میں خلل واقع نہ ہو۔ واللہ اعلم

ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا فَمَضْمَضَ فَاهُ اور منہ مبارک میں کلی کی۔ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ اور ہاتھوں کی انگلیاں دھوئیں۔ ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد سارا ہاتھ دھونا ضروری نہیں بلکہ جتنے حصے کو چکناہٹ لگی ہو صرف اسے ہی دھو لینا کافی ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا نماز سے فراغت کے بعد پھر آپ حضرت ابو رافع کے اہل و عیال کے پاس تشریف لے گئے۔ تو ان کے پاس ٹھنڈا گوشت پڑا ہوا دیکھا۔ فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً آپ نے اس ٹھنڈے گوشت میں سے کھایا پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور پانی کو ہاتھ نہ لگایا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ اس حدیث کو احمد نے ابو رافع سے روایت کیا۔

وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ اور دارمی نے اسے ابو عبید سے روایت ...

بِمَا آوَالِیٰ اٰخِرِہٖ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ دارمی نے یہ عبارت ذکر نہیں کی۔ یعنی ثُمَّ دَعَا سے آخر تک۔

۳۰۲ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاُبَيٌّ وَاَبُوْطَلْحَةَ جُلُوْسًا فَاَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْنَا فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں اور اُبیّ اور ابوطلحہ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت اور روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگوا لیا تو ان دونوں نے کہا کس لیے وضو کرتے ہو میں نے کہا اس کھانے کے لیے جو ہم نے کھایا اس پر ان دونوں حضرات نے کہا کیا تو پاک چیزیں کھانے سے وضو کرتا ہے۔ جو تجھ سے بہتر ہستی تھی اس نے ان سے وضو نہ کیا۔ (احمد)

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاُبَيٌّ وَاَبُوْطَلْحَةَ جُلُوْسًا ۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اور اُبیّ بن کعب اور ابوطلحہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جلوس جالس کی جمع ہے۔ فَاَكَلْنَا لَحْمًا وَّخُبْزًا پھر ہم نے گوشت اور روٹی کھائی۔ ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ پھر میں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ تو دونوں یعنی ابی بن کعب اور ابوطلحہ نے مجھ سے کہا تو کس لیے وضو کرتا ہے۔ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْنَا ۔ میں نے کہا میں اس خیال سے وضو کرتا ہوں کہ ہم نے یہ کھانا کھایا ہے۔ فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ انہوں نے کہا کیا تو پاک حلال چیز کھانے کے بعد وضو کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ حالانکہ ایسے موقع پر اس ہستی نے وضو نہیں کیا جو تجھ سے بہتر و خیر ہے۔ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جن بعض احادیث میں ایسے مواقع پر حضور کے وضو کرنے کا ذکر آیا ہے اس سے منہ دھونا مراد ہے۔ یا یہ احادیث ان احادیث کی ناسخ ہیں۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ اسے احمد نے روایت کیا۔

۳۰۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَجَسُّهَا مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَاَتَهٗ اَوْ جَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِیُّ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مرد کا اپنی عورت کو چومنا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہی سے ہے اور جس نے بھی اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اسے ہاتھ سے چھوا اس پر وضو ہے۔ (مالک و شافعی)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے كَانَ يَقُوْلُ وہ فرماتے تھے قُبْلَةُ الرَّجُلِ

مِنَ الْمُلَامَسَۃِ۔ ملامست میں داخل ہے یعنی اس ملامست میں شامل ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت اَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ میں کیا ہے۔ اور اس ملامست کی بنا پر وضو کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کے بعد خود ہی حضرت ابن عمر نے یہ بات بیان کر دی۔ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَأَتَہٗ اَوْ جَسَّھَا بِیَدِہٖ فَعَلَیْہِ الْوُضُوْءُ جس نے اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اپنے ہاتھ سے اس کے جسم کو چھوا تو اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَالشَّافِعِیُّ اسے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے روایت کیا۔

۳۰۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کَانَ یَقُوْلُ مِنْ قُبْلَۃِ الرَّجُلِ امْرَاَتَہُ الْوُضُوْءُ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے۔ مرد کے اپنی عورت کو بوسہ دینے سے وضو ہے۔ (مالک)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کَانَ یَقُوْلُ مِنْ قُبْلَۃِ الرَّجُلِ امْرَاَتَہُ الْوُضُوْءُ۔ کہ مرد کے اپنی عورت کو بوسہ دینے سے وضو لازم ہو جاتا ہے۔

۳۰۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَۃَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْھَا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت کو چومنا لمس میں سے ہے۔ اس سے وضو کرو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَۃَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْھَا۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عورت کو بوسہ دینا بھی اس لمس میں داخل ہے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے تاہم انہوں نے اسے اجنبی عورت سے مخصوص کیا ہے۔ مگر یہ آثار و روایات اجنبی و غیر اجنبی عورت کی تخصیص کے بغیر لمس کی صورت میں وضو ٹوٹنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک یہ مذکورہ آثار صحت کو نہیں پہنچے۔ چنانچہ مسند ابی حنیفہ میں عطا بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیْسَ فِی الْقُبْلَۃِ وُضُوْءٌ عورت کو بوسہ دینے سے وضو لازم نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے لیے ناسخ ہو جو اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ اور جو کچھ اس بارے میں مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے بیان کیا ہے وہ نسخ سے قبل کے دور کی بات ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۰۶ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [illegible]

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے وہ تمیم داری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہنے

الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَاٰهُ وَيَزِيْدُ ابْنُ خَالِدٍ وَّيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَّجْهُوْلَانِ۔

دارقطنی نے روایت کیا۔ اور کہا عمر بن عبد العزیز نے تمیم داری سے نہیں سنا اور نہ اسے دیکھا اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں راوی مجہول ہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے۔ اس حدیث میں بیان شدہ یہ حکم بھی حنفی مذہب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے نزدیک صرف اس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے جو بول یا پاخانے کے راستے خارج ہو۔ چاہے وہ عادۃً نکلنے والی چیز ہو یا غیر عادۃً نکلنے والی۔ اور ہمارے مذہب کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں بھی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس میں قیل و قال کی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے کیا۔ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَاٰهُ اس حدیث اور حدیث سابق کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا عمر بن عبد العزیز جو مشہور اموی خلیفہ ہیں نے یہ حدیث تمیم داری سے جو صحابی ہیں نہیں سنی اور نہ ہی تمیم داری رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات پا گئے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۶۱ھ ہجری میں ہوئی۔ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَّيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَّجْهُوْلَانِ۔ یزید بن خالد اور یزید بن محمد جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں دونوں مجہول ہیں۔ ہماری طرف سے اس جرح کا جواب یہ ہے کہ ہم احناف کے نزدیک مرسل حدیث مقبول و معتبر ہے۔ اور ان دونوں راویوں کی جہالت میں بھی اختلاف ہے۔

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَاءِ

آدابِ خلاء کا باب

آداب ادب کی جمع ہے ادب بمعنی ہر چیز کی حد نگاہداشت و حفاظت۔ بعض نے کہا ادب گفتار و کردار کی ہر اچھائی کو ملحوظ رکھنے کا نام ہے۔ اس لفظ کے معانی کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الآداب میں آئے گی۔ خلاء بفتح و مد استنجے کی جگہ اور اس کے لغوی معنی خالی جگہ کے ہیں۔

پہلی فصل

۳۰۰ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ ھٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَآءِ وَاَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَاْسَ لِمَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ارْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَۃَ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تقاضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پشت۔ بلکہ مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف۔ بخاری و مسلم۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث صحرا کے بارے میں ہے۔ عمارات میں کوئی حرج نہیں۔ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں اپنے کسی کام سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کیے تقاضائے حاجت کر رہے تھے۔

(بخاری و مسلم)

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط حضرت

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ غائط قضائے حاجت کے لیے آؤ۔ غائط لغت میں نشیبی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ لوگوں سے خارج ہونے والی پلیدی پر بولا جانے لگا کہ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ قضائے حاجت کے لیے ایسی ہی جگہ میں آکر بیٹھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم لوگ غائط (پاخانے) کے لیے کسی جگہ کی طرف آؤ بول بھی اسی میں شامل ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح آگے آرہی ہے۔ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پشت۔ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا بلکہ بحالت قضائے حاجت اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف۔ مگر یہ حکم مدینہ مطہرہ علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے قبلہ جانب جنوب ہے۔ اور مدینہ شریف قبلہ سے جانب شمال واقع ہے۔ اور جب اس حدیث کے مطابق بحالت قضائے حاجت قبلہ شریف کی طرف منہ اور پشت کرنا منع ہے تو مشرق و مغرب کی طرف ہی رخ کرنا ہوگا۔

ہمارے علاقوں میں چونکہ قبلہ شریف جانب مغرب ہے۔ لہٰذا یہاں اگر منہ اور پشت مشرق یا مغرب کی طرف کریں گے تو منہ اور پشت قبلہ شریف کی طرف ہوگی جو کہ منع ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ شیخ امام محی السنہ یعنی صاحب مصابیح نے فرمایا ہے۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ فِى الصَّحْرَاءِ قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے ممانعت کا حکم صحراء اور کشادہ جگہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ وَاَمَّا فِى الْبُنْيَانِ فَلَا بَاْسَ دیواروں مکانوں اور عمارتوں کے اندر قضائے حاجت کے وقت منہ یا پشت قبلہ شریف کی طرف کرنے میں کوئی حرج نہیں لِمَا رُوِىَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِىْ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو امہات المومنین میں سے ہیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں کے مکان پر اپنے کسی کام کے لیے چڑھا۔ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا يَقْضِىْ حَاجَتَهٗ کہ آپ قضائے حاجت کر رہے تھے۔ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ اس وقت آپ کی پشت جانب قبلہ اور منہ شام کی طرف تھا۔ اور مکہ معظمہ شام کے بالمقابل جانب جنوب واقع ہے۔ اس طرح کہ اگر رخ قبلہ کی طرف ہو تو پشت شام کی طرف ہوگی۔ اور اگر پشت قبلہ کی طرف ہوگی تو منہ شام کی طرف ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے وقت گھروں اور مکانات میں قبلہ کی طرف پشت کرنا درست ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ قبلہ شریف

کی طرف رخ و پشت کرنا مطلق منع ہے پیشاب کے وقت بھی اور پاخانے کے وقت بھی۔ صحرا میں بھی اور گھروں اور عمارتوں میں بھی۔ اور امام شافعی کے نزدیک صحرا میں منع ہے اور گھروں میں اجازت ہے۔ صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء ہر جانب گئے ہیں۔

امام احمد کی ایک روایت کے مطابق پشت کر لینے کی اجازت ہے۔ منہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اور شمنی نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ پشت کر لینے میں کراہت نہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر اچانک غفلت میں قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تو چاہیئے کہ فوراً بقدر امکان قبلے کی طرف سے پھر جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث نہی ہے جو ابھی گزری۔ اس حدیث میں صحرا اور گھر و عمارت کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ بلکہ مطلق فرمایا۔ ممانعت کی اس حدیث کو صحابہ کرام کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔ نیز ممانعت و نہی کی علت قبلہ کی تعظیم اور اس جانب کا احترام ہے۔ اور گھر و صحراء میں اس بات کے اندر کوئی فرق نہیں جس طرح جانب قبلہ تھوکنا اور اس طرف پاؤں دراز کرنا ہر حالت میں بے ادبی ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کا یہ فعل نہی سے پہلے کا ہو۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ فعل نہی کے بعد کا ہے۔ تو شاید آپ جانب قبلہ سے تھوڑے سے مڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ابن عمر اسے محسوس نہ کر سکے۔ اور اس میں تعمق نظر سے کام نہ لیا۔ اور ایسے مقام کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ تعمق و تحقیق سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور اس مقام کی شرح میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

۳۰۸ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِي رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں منع فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم لوگ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم لوگ دائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا کریں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ ہم لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔ (مسلم)

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِي رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جو اکابر صحابہ میں سے ہیں (آپ کے حالات دوسرے مقام پر لکھ دیئے گئے ہیں) روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں منع فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم لوگ پاخانے اور پیشاب کے وقت قبلہ شریف کی طرف منہ کریں۔ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اور ہمیں دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا۔ بعض روایات میں

ونستنجی کے بجائے اَوْ نَسْتَنْجِی کا لفظ آیا ہے۔ اور بول سے استنجاء کرنے کی صورت میں اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اگر استنجا مٹی کے ڈھیلے سے کرے گا تو آلہ تناسل دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ڈھیلہ دائیں میں لے اور عضو کو بائیں سے پکڑ کر حرکت دے اور عضو مخصوص کو ڈھیلے تک لے جائے نہ کہ ڈھیلے کو عضو تک۔ اور بعض علماء نے کہا ہے۔ دائیں ہاتھ سے ممانعت پاخانے سے ہے۔ بول سے نہیں مگر یہ قول ضعیف ہے۔ اور بعض شارحین نے استنجا کے طریقہ کے بیان میں اور بہت سے تکلفات کیے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ بائیں ہاتھ میں ڈھیلہ پکڑنا اور بائیں سے ہی استنجا بھی ممکن ہے۔ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس مقام سے متعلق پوری گفتگو شرح میں کر دی گئی ہے۔

استنجا نَجْوٌ فتح نون و سکون جیم سے مشتق ہے۔ یعنی وہ چیز جو پیٹ سے نکلے۔ اس پر سین طلب کے لیے ہے۔ یعنی ازالہ نجاست کے لیے اس کا اخراج چاہنا اور نجو درخت کاٹنے اور بکری کا چمڑہ اتارنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چونکہ استنجا نجاست کو ختم کرتا اور اسے لے جاتا ہے اس لیے اس عمل کو استنجا کہا گیا۔ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اور ہمیں تین عدد سے کم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں استنجاء کے لیے تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور احناف کے نزدیک نظافت و پاکیزگی شرط ہے اگر یہ مقصد تین سے کم سے بھی حاصل ہو جائے تو تین کا عدد پورا کرنا کوئی ضروری نہیں۔ اس حدیث کی بنا پر جو بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لائے۔ اور مجھے فرمایا تین پتھر اٹھا کر لاؤ مجھے صرف دو پتھر ملے۔ اور میں ساتھ کچھ گوبر بھی اٹھا لایا۔ آپ نے دو پتھر لے لیے اور گوبر واپس کر دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ دو پتھر بھی کفایت کر سکتے ہیں تین کا ہونا ضروری نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد کی دلیل حضرت سلمان کی یہ حدیث اور حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو چاہیئے کہ تین عدد پتھروں سے استنجا کرے۔ مگر یہ دلیل اس وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ نہی حرمت کے لیے اور امر وجوب کے لیے ہو مگر عین ممکن ہے نہی کراہت کے لیے اور امر استحباب کے لیے ہو۔ اس بارے میں مختلف احادیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہی توجیہہ کرنی چاہیئے۔ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ۔ اور ہمیں گوبر اور آدمی کے پاخانے یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اس نہی کی علت بعض تو یہ بیان کرتے ہیں کہ گوبر اور آدمی کا پاخانہ

نجس ہیں، اور ہڈی ایسی ملائم اور صاف چیز ہے کہ نجاست کو دور نہیں کر سکتی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ نہی کی علت یہ ہے کہ یہ چیز جنات کی خوراک ہے۔ جیساکہ حضرت ابن مسعود کی حدیث سے جو آگے آ رہی ہے، معلوم ہوگا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۰۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ۔ جب قضائے حاجت کی جگہ میں پہنچتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (اے میرے اللہ میں تیرے پاس پناہ لیتا ہوں خبث سے اور خبائث سے) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ خُبُث بضم خ و با خبیث کی جمع بلفظ مذکر، اور خبائث خبیثہ کی جمع بلفظ مؤنث۔ اور یہاں مذکر و مؤنث سے شیاطین کے ذکور و اناث مراد ہیں۔ کہ ان سے انسان پناہ لیتا ہے۔ اور خُبث بضم خا و سکون با بھی ایک روایت ہے بمعنی پلیدی۔ اور ہو سکتا ہے خُبْث بضم با کا مخفف ہو۔ اور اس وزن میں ضمہ اور سکون دونوں آتے ہیں۔ جس طرح لفظ کتب، رسل اور سبل ہیں۔ اور اس سے پناہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ بیت الخلاء اور گندی جگہیں شیاطین کے اجتماع کی جگہیں ہیں۔ جیساکہ دوسری حدیث میں صریحاً یہ بات مذکور ہوئی ہے۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ جمہور علماء جو ان جگہوں میں ذکر خدا سے منع کرتے ہیں۔ وہ اس میں یہ تفصیل کرتے ہیں کہ وہ جگہیں جو بول و براز کے لیے متعین ہیں جیسے بیت الخلاء تو یہ دعا ان میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے۔ اور اگر صحرا یا کھلی جگہ میں ہو تو پھر کپڑا اٹھانے سے پیشتر پڑھے۔ علماء نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی شخص ابتداء میں یہ دعا پڑھنا بھول جائے تو دوران قضائے حاجت دل میں پڑھے۔ زبان سے نہ پڑھے۔ اور جو حضرات منع نہیں کرتے بلکہ ذکر خدا کو ہر جگہ جائز قرار دیتے ہیں جیساکہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے تو اس صورت میں مذکورہ تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ اور کسی مشکل اور بھاری کام (گناہ)

مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

کی پاداش میں ان کو عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو بول سے نہ بچتا تھا۔ مسلم کی ایک روایت میں لایستنزہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی بول سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ اور دوسرا چغلخوری کا عادی تھا۔ پھر آپ نے ایک تر شاخ لی اور اسے توڑ کر دو ٹکڑے کیا پھر ہر ایک کی قبر میں ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا امید ہے کہ جبتک دونوں ٹکڑے خشک نہ ہونگے اس وقت تک ان دونوں سے عذاب ہلکا کر دیا جائیگا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا بِقَبْرَیْنِ دو قبروں کے پاس سے۔ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آپ نے فرمایا اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ بیشک ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ۔ اور انہیں کسی بڑے گناہ کے بدلے عذاب نہیں ہو رہا۔ یعنی جوان کے گمان کے مطابق کوئی بڑا گناہ نہ تھا۔ یا ایسا گناہ نہ تھا جس سے بچنا اور پرہیز کرنا مشکل اور دشوار تھا۔ ورنہ اس عبارت وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ کا یہ مطلب نہیں کہ دین اسلام میں یہ گناہ معمولی نوعیت کا ہے اور اس میں چنداں برائی نہیں ہے۔ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ جسم کو بول سے آلودہ کرنا اور چغل خوری کی عادت دین میں نہایت شنیع اور قبیح امور میں سے ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ۔ ان دو قبروں والوں میں سے ایک کا حال تو یہ تھا کہ بول کے وقت پردہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ شرمگاہ ننگی کر کے بیٹھ جاتا تھا۔ یا اپنے اور بول کے درمیان پردہ نہ کرتا تھا یعنی اپنے آپ کو بول کے چھینٹوں سے محفوظ نہ رکھتا تھا۔ اور اس میں احتیاط نہ کرتا تھا۔ اور یہ معنی زیادہ مناسب مقام ہے مسلم شریف کی حدیث کی بنا پر۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ اور مسلم کی روایت میں ہے لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ کہ یہ شخص بول سے پاکیزگی اور صفائی کی چاہت نہ رکھتا تھا اور بول و استنجا میں بے احتیاطی سے کام لیتا تھا۔ ایک اور روایت میں لَا یَسْتَبْرِءُ آیا ہے جو براءت سے مشتق ہے براءت و نزاہت دونوں قریب المعنی ہیں۔ اور ایک روایت میں لَا یَسْتَنْتِرُ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی دو تا کے درمیان نون کے ساتھ اور استنتار جھاڑنے اور آلہ تناسل کو زور سے دبانے کے معنی میں آتا ہے۔ تاکہ بول کا کوئی قطرہ اندر نہ رہے بلکہ سب کا سب باہر آ جائے۔

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ۔ اور دوسری قبر والا شخص لوگوں کی عیب چینی اور چغلخوری کیا کرتا تھا۔ نَمِیْمَۃٌ۔ بمعنی فساد پھیلانے اور نقصان پہنچانے کی نیت سے ایک بات دوسرے تک پہنچانا اور نقل کرنا یہ چغلخوری

اور عیب چینی نہایت ہی قبیح اور شنیع عادت ہے اور بعض کے نزدیک کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور قرآن حکیم میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ۔ عیب چینی کرنے والا چغلخوری کا ارتکاب کرنے والا۔ حدیث میں وارد ہے اللہ تعالیٰ دو غلے انسان پر اپنی نظر رحمت نہیں ڈالتا۔ اور بخاری اور مسلم شریف میں ایک جگہ آیا ہے کہ عیب چین انسان بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار سے دریافت کیا کہ تو نے تورات میں سب سے بڑا گناہ کونسا دیکھا ہے۔ عرض کیا لوگوں کی عیب چینی کرنا فرمایا کیا یہ قتل سے بھی بدتر ہے۔ عرض کیا دوسرے کا عیب بیان کرنے سے قتل تک نوبت بھی پہنچتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں رونما ہوتی ہیں۔ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً پھر آپ نے درخت کھجور کی ایک تر شاخ ہاتھ میں لی۔ فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً۔ اور پھر ہر ایک قبر میں ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ قَالُوْا صحابہ کرام نے عرض کی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ یعنی ہر قبر میں شاخ کا ایک ٹکڑا گاڑھنا کس لیے ہے۔ فَقَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ فرمایا میں نے یہ کام اس امید پر کیا ہے کہ جب تک یہ ٹکڑے تر رہیں اس وقت تک عذاب قبر ان پر ہلکا کر دیا جائے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔

اس حدیث کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ ان ٹکڑوں کے تر رہنے کی مدت کے ساتھ تخفیف عذاب کی امید کیوں وابستہ کی۔ بعض لوگ اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ اس امید کی وجہ یہ ہے کہ نباتات جب تک تر رہتے ہیں حق تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ اور آیہ کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ میں لفظ شے سے زندہ شے مراد ہے اور لکڑی خشک ہونے تک زندہ رہتی ہے۔ اور پتھر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح تو زندہ اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عام تسبیح یعنی صانع کے وجود، اس کی وحدت اور اس کی صفات کمال پر دلالت کرنا ہے اور یہ جماعت اس حدیث کی رو سے سبزہ اور گل و ریحان قبور پر ڈالنے کو جائز قرار دیتی ہے اور امام خطابی نے جو اہل علم کے آئمہ میں سے اور شارحین حدیث کے پیشواؤں میں سے ہیں، اس قول کو رد کیا ہے اور اس حدیث کی رو سے قبور پر پھول وغیرہ تمام اشیاء ڈالنے کی دلیل کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس بات (قبور پر پھول ڈالنے) کی کوئی اصل اور سند نہیں ہے۔ اور صدر اول میں یعنی دور صحابہ میں ایسی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس مدت اور وقت معین کی بنا اس امر پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو افراد کے عذاب ہلکا ہونے کے لیے شفاعت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اس شاخ کے خشک ہونے تک حضور کی شفاعت قبول کرلی۔

کلمہ اول اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ایک لکڑی کے اندر عذاب دور کرنے کی خاصیت نہیں ہو سکتی۔ اور عذاب میں یہ تخفیف جو انہیں نصیب ہوئی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے ہوئی۔ بیت

اگر تو دست بسائی بگورِ مردہ دلاں

روانِ مردہ درآید بعیش در بدنش

"اے محبوب اگر تو مردہ دلوں کی قبر کو ہاتھ لگا دے۔ تو ان کے مردہ جسموں میں دوبارہ زندگی کی لہر لوٹ آئے گی۔"

بعض علماء فرماتے ہیں قبر پر تر شاخ گاڑھنے میں کیا سر اور راز مضمر تھا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی بہتر جانتی ہے۔

اور کتاب جامع الاصول میں حضرت بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ روایت درج ہے کہ انہوں نے اپنی قبر پہ دو شاخیں گاڑھنے کی وصیت کی تھی کہ شاید اس میں کوئی راز ہو اور یہ حیلہ ہی ذریعہ نجات بن جائے۔ ع

دلِ عشاق حیلہ گر باشد

عاشقوں کا دل حیلے گر ہوتا ہے

۳۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لعنت ڈالنے والے دو کاموں سے بچو لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ۔ لعنت والے وہ دو کام کونسے ہیں۔ فرمایا ایک تو وہ جو لوگوں کے راستے میں بول یا پاخانہ کرے دوسرا وہ جو ان کے سایہ میں ایسا کرے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزوں سے بچو جو لعنت اور نفرت کا سبب بنتی ہیں۔ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ وہ دو چیزیں کیا ہیں تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ ۔ وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں یا ان کے سایہ میں قضائے حاجت کرتا ہے۔ یعنی اس درخت کے نیچے جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے اور مجلس لگاتے ہوں۔ اور اس کے

نیچے سوتے ہوں۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ہر قسم کے سایے میں تقضائے حاجت کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے۔ ظِلِّهِم کی وضاحت بھی اس معنی کے مناسب ہے۔ علماء نے یہاں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ راستے سے بھی چالو اور جاری راستہ مراد ہے۔ جس راستے کو چھوڑ دیا گیا ہو اور شاذ و نادر ہی کوئی اس پر سے گزرتا ہو تو ایسے راستے میں تقضائے حاجت میں حرج و ممانعت نہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ راستے سے مسلمانوں کا راستہ مراد ہے نہ کہ کفار کا۔ جیسا کہ مجمع البحار میں ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۳۱۴ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسَّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب تقضائے حاجت کے لیے آئے تو اپنے آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ نہ لگائے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ ابو قتادہ بن نعمان انصاری ظفری اہل عقبہ و بدر میں سے ہیں۔ انہیں تمام غزوات میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بدر یا احد کے روز زخم کی وجہ سے آپ کی ایک آنکھ باہر نکل آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پکڑ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا تو وہ دوسری تندرست آنکھ سے بھی زیادہ بہتر ہو گئی۔ آپ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی ہیں آپ نے ۲۳ھ میں وفات پائی۔ اور ابو قتادہ انصاری سلمی دوسرے شخص ہیں اور یہ دوسرے بھی صحابہ میں سے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑ اسوار مجاہدوں میں سے ہیں۔ آپ کے غزوہ بدر اور احد میں شرکت میں اختلاف ہے۔ باقی تمام غزوات میں بالاتفاق آپ شریک ہوئے ہیں۔ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے۔ اور آپ کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔ یہاں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ اس حدیث میں ان دونوں حضرات میں سے کونسے ابو قتادہ مراد ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہ مقام غور و تامل ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ ۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ بلکہ سانس کے لیے منہ برتن سے الگ کر لے۔ تا کہ منہ یا ناک سے کوئی خلاف طبیعت چیز پانی میں نہ گر پڑے۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین بار سانس لیتے تھے تو اس کا مطلب

یہ ہے کہ آپ کوزہ کو منہ مبارک سے الگ کر کے سانس لیتے تھے۔ اور پانی پیتے وقت تین سانس لیتے تھے۔ اس کی مکمل بحث باب الاشربۃ میں آئے گی۔ وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسَّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے آئے تو دائیں ہاتھ سے اپنا آلہ تناسل نہ پکڑے۔ کہ اس موقعہ پہ ہاتھ آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور دائیں ہاتھ آلودگی کے لیے نہیں بلکہ پاک اور طیب کاموں کے لیے بنا ہے۔ وَلَا یَتَمَسَّحْ بِیَمِیْنِہٖ اور دائیں ہاتھ سے استنجا بھی نہ کرے۔ بول سے استنجا کرنے کا طریقہ تو بیان ہو چکا کہ جس میں نہ تو دائیں ہاتھ آلہ تناسل کو لگانا پڑتا ہے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا پڑتا ہے۔ اور بڑے پیشاب کے استنجا کا معاملہ تو بلا اشکال زیادہ ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ کے ساتھ بالکل نہ چاہیے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۳۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْیَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اسے چاہیے کہ ناک صاف کرے اور جو استنجاء کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْیَسْتَنْثِرْ ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا تو چاہیے کہ ناک صاف کرے۔ استنثار ثاء ثلاثہ بمعنی ناک صاف کرنا۔ گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے استنثار کا معنی ناک صاف کرنے کے معنی کو شامل ہے۔ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ۔ اور جس نے استنجا کیا پتھر یا ڈھیلے کے ساتھ تو چاہیے کہ تین سے کم نہ ہوں۔ اس عدد کے بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو چکی ہے۔ استجمار یعنی جمار (پتھر) استعمال کرنا۔ یعنی اس کے ساتھ استنجاء کرنا۔ اور خوشبو سونگھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں استجمار جمرہ بمعنی انگارہ سے مشتق ہوگا۔ بعض علماء نے اس حدیث کو اسی دوسرے معنی پہ محمول کیا ہے۔ اس دوسرے معنی سے متعلق پوری گفتگو کتاب اللباس کے باب الترجل کی فصل اول میں آئے گی۔ یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے۔

۳۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً یَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاء میں داخل ہوتے تو میں اور ایک بچہ پانی کا برتن اور ایک چھڑی اٹھائے ہوئے تھے آپ پانی کے ساتھ استنجاء کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً

مِنْ مَآءٍ وَ عَنَزَۃً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے اور میں نے اور ایک بچے نے پانی کا برتن اور آپ کی چھڑی مبارک اٹھائی ہوتی تھی۔ شارحین نے کہا ہے کہ بچے سے حضرت ابن مسعود مراد ہیں کہ پانی کا برتن اور آپ کی مسواک اور نعلین شریف ان کے سپرد ہوتی تھیں۔ اور وہ غلام کے لقب سے ملقب تھے۔ اِداوہ بکسر ہمزہ چمڑے کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جس سے وضو اور طہارت کی جاتی ہے۔ عَنَزَۃً بعین مہملہ و نون و زا مفتوحہ یعنی وہ چھڑی جس کے آگے نیزے کی مانند نصف نیزہ کی مقدار میں یا اس سے قدرے چھوٹا لوہا لگا ہوا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ آپ کے خدام آپ کے ساتھ آپ کی چھڑی مبارک اٹھا کر چلتے تھے تاکہ بول پیشاب کے لیے سخت زمین کو نرم کر سکیں۔ یا استنجاء کے لیے ڈھیلہ وغیرہ زمین سے الگ کر سکیں۔ یا اس لیے بھی چھڑی اٹھا کر ساتھ چلتے تھے تاکہ نماز میں اس کا سترہ بنایا جائے اور اسی قسم کی دوسری اغراض کے لیے۔ یَسْتَنْجِیْ بِالْمَآءِ اور ڈھیلہ پتھر وغیرہ کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے تاکہ امت کو اس کی تعلیم دیں کہ ڈھیلے وغیرہ کے ساتھ استنجاء کے بعد پانی سے دھونا بھی افضل اور پسندیدہ عمل ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

دوسری فصل

۳۱۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاؤدَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے۔ اسے ابوداؤد نسائی اور ترمذی نے روایت کیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے اور اس کی روایت میں نزع کے بجائے وضع کا لفظ آیا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو انگوٹھی مبارک اتار لیتے تھے۔ کہ اس پر لفظ محمد رسول اللہ کا نقش کندہ تھا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ جس چیز پر خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن ہو اسے اپنے ساتھ لے کر نہ جائے۔ بعض شرحوں میں مذکور ہے یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کے لیے بھی ہے ...

واللہ اعلم۔ اسے ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔ اور نسائی نے دونوں سے سکوت کیا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں نزع کی بجائے لفظ وضع آیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت انگوٹھی مبارک رکھ دیتے تھے اور رکھنا اتارنے کو لازم ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اتار کر رکھ لیتے تھے۔

۳۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو اتنی دور چلے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے صحراء کی طرف تشریف لے جاتے تو اتنا دور جاتے کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ سکتا۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جاتے۔ اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ اتنا دور چلے جاتے کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جانے کے وقت کوئی آپ کو دیکھ نہ سکتا تاہم جیسا کہ مخفی نہیں۔ اول معنی زیادہ ظاہر و بہتر ہے۔

براز بفتح باء اصل میں اس لفظ کا معنی ہے فضاء واسع۔ اس سے قضائے حاجت انسانی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ صریح نام کے ساتھ اس خاص ہیئت کا ذکر مکروہ و ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ جس طرح آنکھ سے اس خاص ہیئت کو دیکھ نہیں رہے کان سے بھی اسے نہ سنیں۔ حیا کا یہ انداز شرع، عرف و عادت میں اہل مروت و احتیاط و ادب کی عادت مستمرہ ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۱۷۔ وَعَنْ أَبِي مُوْسٰى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُوْلَ فَأَتٰى دَمِثًا فِيْ أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُوْلَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے بول کا ارادہ فرمایا تو ایک دیوار کی بنیاد پر نرم جگہ میں تشریف لائے اور بول فرمایا۔ پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی بول کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ اس کے لیے (مناسب) جگہ تلاش کرے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ أَبِي مُوْسٰى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا فَأَرَادَ أَنْ يَبُوْلَ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کرنے کا

ارادہ کیا۔ فَاَتٰى دَمِثًا فِي اَصْلِ جِدَارٍ تو آپ ایک نرم اور ہموار زمین پر پہنچے جو ایک دیوار کی بنیاد میں موجود تھی۔ فَبَالَ تو آپ نے بول کیا۔ ثُمَّ قَالَ پھر فرمایا اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّبُوْلَ۔ جب تم میں کوئی بول کرنے کا ارادہ کرے فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ تو چاہیئے کہ اپنے بول کے لیے تلاش کرے یعنی مناسب جگہ۔ یعنی ہموار و نرم زمین تاکہ پیشاب بہہ کر نیچے نہ آئے اور نہ ہی چھینٹے کپڑوں پر پڑیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۱۸۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین سے قریب ہونے سے پہلے اپنا کپڑا اوپر نہ اٹھاتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت رسانی کا ارادہ کرتے تو لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهٗ اپنا کپڑا اوپر نہ اٹھاتے حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ جب تک کہ زمین کے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

۳۱۹۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَّسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں میں تمہارے لیے اس طرح شفیق ہوں جس طرح باپ اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں جب تم لوگ قضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو۔ اور آپ نے حکم دیا کہ تین ڈھیلے استعمال کیے جائیں۔ اور مینگنی لید اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ انسان دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔ (ابن ماجہ، دارمی)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت و خیر خواہی کے لحاظ سے میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جیسے باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ۔ میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں کہ جب تم لوگ پاخانے کے لیے آؤ اور بول کا بھی یہی حکم ہے۔

فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا۔ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اور آپ نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم دیا۔ وَنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ رِمّۃ بکسر راء و تشدید میم۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ اور آپ نے گوبر اور بوسیدہ ہڈیوں کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا، بوسیدہ کا ذکر عرف و عادت کے طور پر کیا کہ صحراء میں عموماً بوسیدہ ہڈیاں ہی پڑی ہوتی ہیں ورنہ غیر بوسیدہ سے بھی استنجاء کرنا منع ہے بلکہ بطریق اَولیٰ منع ہے۔ وَنَهٰى اَنْ يَّسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ اور آپ نے اس سے بھی منع کیا کہ مرد دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور عورت کے لیے بھی یہی حکم و مسئلہ ہے۔ استطابہ بمعنی استنجاء ہے۔ کہ استنجاء بدن سے نجاست دور کرکے اسے پاک کرنے کا نام ہے۔ اور یہی معنی لفظ استطابہ کا ہے۔ اسے ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۲۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں ہاتھ وضو اور کھانے کے لیے اور بائیں ہاتھ استنجے اور اس سے متعلق کاموں کے لیے تھا۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں دست مبارک صفائی اور کھانے کے لیے تھا۔ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى۔ اور آپ کا بائیں ہاتھ استنجے اور اس سے متعلقہ امور کے لیے اور بدن سے پلیدی اور مکروہات دور کرنے کے لیے ہوتا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۲۲۱ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ يَّسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو تین پتھر ساتھ لے کر جائے۔ کہ ان کے ساتھ استنجاء کرسکے۔ یہ تین پتھر اس کے لیے کافی ہوں گے۔

اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ

مَعَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو چاہیئے کہ اپنے ساتھ تین پتھر بھی لے جائے یَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ کہ ان کے ساتھ استنجاء کرے اور جائے مخصوص پاک کرے۔ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ کہ تین پتھر پانی کی جگہ کفایت کر جاتے ہیں۔ یعنی جب اس نے جائے مخصوص کو تین پتھروں کے ساتھ پاک کیا بدن سے نجاست پوری الگ ہو گئی تو صرف اس سے اصل طہارت حاصل ہو گئی۔ اور نماز بھی جائز و روا ہو گئی کہ پانی کے استعمال کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں اس کے باوجود پانی سے بھی طہارت کر لینا مستحب ہے جیسا کہ تیسری فصل میں حدیث ابی ایوب میں آئے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں پتھر ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجا کرنا سنت ہے جیسا کہ بیہقی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم سے پہلے لوگ اونٹ کی مینگن کی طرح پاخانہ کرتے تھے۔ انہیں پانی کے استعمال کی ضرورت نہ تھی۔ اور تم لوگ دستوں کی شکل میں قضائے حاجت کرتے ہو۔ (لہذا تمہارے لیے پانی کا استعمال ضروری ہے)۔ اسے احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

۳۲۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوبر اور ہڈیوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو۔ کہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر نسائی نے زاد اخوانکم من الجن کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوبر اور ہڈیوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو۔ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ کہ گوبر اور ہڈیاں تمہارے جن بھائیوں کا توشہ اور ان کی خوراک ہے۔ بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ ہڈیاں خود جنات کی خوراک ہے اور گوبر ان کے مویشیوں کی۔ مگر دونوں چیزوں کی اضافت جنات کی طرف کر دینا درست ہے۔ کیونکہ مویشی ان کے تابع ہیں۔

علامہ طیبی نے حاکم سے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جنات جس ہڈی پر سے گزرتے ہیں اس پر اللہ پہلے سے گوشت چڑھا دیتا ہے۔ اور ان کے مویشی گوبر کے پاس سے نہیں گزرتے مگر اس میں اس چیز کے دانے موجود ہو جاتے ہیں جس چارے سے وہ گوبر بنا ہوتا ہے۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا مگر نسائی نے

زاد اخوالحکم من الجن کے الفاظ ذکر نہ کیے۔

۲۲۲ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيٰوةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيْءٌ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے رویفع شاید تو میرے بعد لمبی زندگی پائے گا تو لوگوں کو آگاہ کر دینا کہ جو شخص داڑھی کو گرہ لگائے گا یا گردن میں چمڑے کا دھاگہ لٹکائے گا۔ یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرے گا تو بےشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بیزار ہیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت رُوَیفع بضم راء و فتح واو اور کسر فا۔ آپ صحابی ہیں مصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں طرابلس کا حاکم مقرر کیا تھا انہوں نے ۴۷ھ میں ملک افریقہ پر جہاد کے لیے فوج کشی کی۔ ملک شام میں سنہ ۵۶ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت رویفع فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيٰوةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ اے رویفع میرے بعد شاید تو تادیر زندہ رہے گا۔ اور تجھے ایسے لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہو گا جو دور جاہلیت کے رسوم و عادات کو اختیار کر لیں گے۔ اور بہت سے مسنون اعمال کو ترک کر دیں گے۔ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ تو لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص اپنی داڑھی کو گرہ لگائے گا۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ عقد لحیتہ سے تکلف اور کوشش سے داڑھی کے بال اوپر چڑھانا مراد ہیں تاکہ وہ خوبصورت اور چھوٹی نظر آئے۔ اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ان لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ جو مسلمان نہیں ہیں بلکہ اہل کتاب وغیرہ جاہل لوگ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ جنگوں میں تعجب و تکبر کی نسبت سے ایسا کرتے تھے۔ اور اہل عجم بھی۔ لہٰذا اس فعل سے روک دیا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عقد لحیتہ سے چہرے کو چھپانا مراد ہے۔ تاکہ ڈاکہ زنی کر سکیں اور لوگ انہیں پہچان نہ سکیں۔

اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا یا جس نے گردن میں چمڑے کی ڈوری ڈالی۔ شارحین نے کہا کہ اہل جاہلیت گھوڑوں کی گردنوں میں یہ چیز لٹکاتے تھے۔ اور اعتقاد رکھتے تھے کہ اس کے طفیل وہ کسی نقصان پہنچنے اور نظر بد لگنے سے محفوظ رہیں گے۔ تو اسلام میں ایسا کرنے سے ممانعت کر دی گئی اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ تدبیر سے تقدیر الٰہی میں تبدیل نہیں آ سکتی۔

بعض علماء نے اس سے گلے میں گھنٹی یا کوڈی باندھنا مراد لیا ہے نظر بد سے بچنے کے لیے۔ اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعٍ

دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ یا جس نے مویشی کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کیا۔ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِیْءٌ" تو بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور جاہلیت کے امور و مکروہات کا ارتکاب اگرچہ گناہ کبیرہ نہ بھی ہو پھر بھی جناب نبوت میں بیزاری اور بے رضائی کا سبب ہے۔ تو دور جاہلیت کے کبائر و فواحش کا ارتکاب کس قدر برا ہو گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۳۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا اَنْ يَّجْمَعَ كَثِيْبًا مِّنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِیْ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آنکھ میں سرمہ ڈالے تو چاہیئے کہ طاق عدد[1] میں ڈالے جو ایسا کرے گا اچھا کرے گا۔ اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں۔ اور جس نے استنجے کے لیے ڈھیلے[2] استعمال کیے تو چاہیئے کہ طاق عدد میں استعمال کرے جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج اور گناہ[3] نہیں۔ اور جس نے کھانا کھایا اور دانتوں کا خلال کیا تو جو کچھ خلال سے باہر نکلے اسے تھوک دے[4] اور خوراک کے جو ذرات زبان سے نکرائیں انہیں نگل جائے۔ جس نے ایسا کیا اچھا کام کیا اور نہ کیا تو بھی گناہ اور حرج نہیں۔ اور جو شخص[5] قضائے حاجت کے لیے گیا تو چاہیئے کہ پردہ کرے[6]۔ اور اگر پردہ کرنے کی کوئی چیز نہ ملے۔ مگر یہ کہ ریت کی ڈھیری بنائے تو ایسا ہی کرے پھر اس کی طرف پشت[7] کر کے قضائے حاجت کرے۔ کیونکہ شیطان لوگوں کی نشستگاہوں کے ساتھ کھیلتا ہے[8]۔ جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کام کیا اور جس نے نہ کیا تو بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ اسے ابوداؤد و ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہر آنکھ میں تین بار سلائی ڈالے یہ صورت زیادہ صحیح اور ظاہر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو سلائیاں دائیں آنکھ میں اور دو بائیں میں ڈالے پھر ایک دائیں آنکھ میں ڈالے تاکہ مجموعی طور پر طاق کا عدد بن جائے۔ اور ابتداء اور اختتام دائیں آنکھ سے کرے۔ یعنی علماء نے دائیں جانب کو ترجیح دیتے ہوئے اس دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ صحیح ہے تاہم ان میں سے کوئی صورت بھی ضروری اور واجب نہیں۔ بلکہ احسن اور اولیٰ ہے۔ اور بندے کو اختیار حاصل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ نَخَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ - الخ

۲ بعض علماء استجمار سے خوشبو کا استعمال بھی مراد لیتے ہیں۔

۳ حدیث کے یہ الفاظ مذہب حنفی کی تائید کرتے ہیں کہ تین ڈھیلے ہونا ضروری نہیں۔

۴ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلال کرنے سے جو ریزے دانتوں کے درمیان سے نکلیں گے وہ اکثر و بیشتر خون سے مخلوط ہوتے ہیں۔ بخلاف ان ذرات کے جو زبان سے نکال کر باہر نکلتے ہیں۔ پہلی صورت میں بھی بالیقین پتہ چل جائے خون آلودہ نہیں ہیں تو ان کے کھا لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح دوسری صورت میں اگر خون آلودہ ہوں تو ان کا کھانا حرام ہے۔ اور اس حدیث میں جو فرمایا مَنْ فَعَلَ الخ تو یہ یقین نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے۔ بعض علماء دونوں صورتوں کی وجہ نفرت و کراہت کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں کراہت گلے سے نیچے اتارنے میں ہے۔ اور دوسری صورت میں تھوک دینے میں کراہت ہے۔ تاہم بندے کو اختیار ہے کہ اگر حدیث میں بیان شدہ صورت پر عمل کرے گا تو اچھا ہے اور اگر عمل نہ کرے تو بھی حرج اور گناہ نہیں۔

۵ تاکہ اس پردہ میں چھپ جائے اور شرمگاہ ننگی نہ ہو۔

۶ ریت کے ڈھیر کی جانب پشت اس لیے کرے کہ اگلے حصے کو تو کپڑے کے دامن سے بھی چھپا سکتا ہے۔ اور یہ آسان بات ہے۔

۷ شیطان کے کھیلنے سے یہ مراد ہے کہ وہ آگے سے پردہ اٹھا دینے اور شرمگاہ کو ننگا کرنے کی کوشش کرتا اور بدن اور کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے ڈالنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان قضائے حاجت کے وقت ننگا ہو کر بیٹھتا ہے تو شیطان لوگوں کو اس کی شرمگاہ کی جانب دیکھنے کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس لیے پردہ کرنا چاہیئے تاکہ ابلیس کے وسوسے کا راستہ بند ہو جائے۔ مگر ریت کا ٹیلا بنا کر پردہ کرنا اور یہ سب تکلف و مبالغہ واجب و ضروری نہیں۔ بلکہ جو کرے تو اچھا ہے۔ نہ کرے تو گناہ بھی نہیں۔

۳۲۵ - وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّاُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب نہ کرے اور پھر وہیں نہانا یا وضو کرنا شروع کر دے۔ کہ زیادہ تر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ۔

لہ استحمام کا معنیٰ اصل میں گرم پانی سے غسل کرنے کا آتا ہے۔ پھر مطلق پانی سے غسل کرنے پر بھی استعمال کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ پانی ٹھنڈا ہو۔

لہ مُغَفَّل بضم میم، و فتح غین و فتح فائے مشددہ۔ شجرہ بیعت الرضوان کے صحابہ میں سے ہیں۔ پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی پھر بصرہ چلے گئے۔ وہاں مکان بنایا اور وہیں وفات پائی۔ ان سے امام حسن بصری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث روایت کی ہیں ۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔

لہ یعنی عقلمند انسان سے یہ بعید ہے کہ پہلے غسل کی جگہ پیشاب کرے اور پھر وہیں بیٹھ کر نہانا یا وضو کرنا شروع کر دے۔ الغرض یہ حرکت نہ کرنی چاہیے۔

لہ کیونکہ پیشاب کی وجہ سے جب وہ جگہ ناپاک ہوگئی تو وہاں سے چھینٹے اڑ اڑ کر اس کے جسم پر پڑیں گے۔ اور یہ عمل اسے وسوسے میں مبتلا کرے گا۔ پھر رفتہ رفتہ وسوسے کی بیماری اس میں جڑ پکڑ جائے گی۔ مگر یہ ممانعت اس جگہ ہے جہاں پانی کے نکلنے کا راستہ نہ ہو اور جگہ بھی سخت ہو۔ اور ایسی جگہ ہو جہاں سے پانی فوراً بہ جاتا ہو یا ریگستان ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ مگر بہر صورت نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ مگر ترمذی اور نسائی نے ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ مگر ان کی روایت کا مطلب بھی یہی ہے کہ یوں پیشاب کرنے کے بعد اسی جگہ غسل یا وضو کرنا وسواس پیدا ہونے کا باعث ہے۔ تاہم انہوں نے صراحتہً اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳۲۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ جُحْرٍ۔

اور حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

لہ جُحْر جیم مضمومہ کی تقدیم اور حائے ساکن کے ساتھ بمعنی کاٹنے والے جانوروں کا سوراخ اس میں پیشاب کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوراخ میں سانپ یا بچھو ہو جو اسے کاٹ لے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے سوراخ جنات کے مسکن ہوتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اسے تکلیف دیں۔

حکایات میں آیا ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جو اکابر انصار میں سے ہو گئے ہیں، ایک سوراخ میں

پیشاب کر دیا جنات نے آپ کو قتل کر دیا اور انہوں نے آوازیں دیں اور شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہے اور ہم نے دو تیر پھینکے جو ان کے دل سے آر پار ہو گئے۔

۳۲۶ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِی الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِیْقِ وَالظِّلِّ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کاموں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں۔ ایک لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ[1] پر پاخانہ کرنا۔ دوسرے راستے میں[2] اور تیسرے سایہ کے نیچے[3]۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] موارد یعنی لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں اور ان کی مجالس یا موارد سے چشموں اور دریاؤں اور نہروں کے گھاٹ مراد ہیں جہاں سے لوگ پانی پیتے ہیں۔

[2] قارعۃ الطریق یعنی راستہ اور لوگوں کی گزرگاہ۔

[3] کیونکہ لوگ سایے میں سونے اور آرام کرتے ہیں۔

۳۲۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْرُجِ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِہِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَمْقُتُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو افراد اس طرح قضائے حاجت کو نہ جائیں کہ ایک دوسرے کے سامنے اپنی شرمگاہیں ننگی کر کے بیٹھیں اور باتیں کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس فعل شنیع کو بہت برا جانتا ہے کہ یہ فعل شرم و مروت کے خلاف ہے۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۳۲۹ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذِہِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت الخلاء[1] جنات و شیاطین کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں اس لیے جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو کہے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث[2] (میں مذکر و مؤنث جنات سے خدا کے پاس پناہ لیتا ہوں) اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] حشوش۔ حش بفتح یا بضم حا کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی باغ اور نخلستان ہے۔ چونکہ گھروں میں بیت الخلا بننے سے پہلے لوگوں کی عادت باغ و نخلستان وغیرہ میں قضائے حاجت پھرنے کی تھی۔ تو اس مناسبت سے ہر بیت الخلاء کے لیے یہ لفظ بولا جانے لگا۔

سلہ ان الفاظ کے معنی کی تحقیق فصل اول کی تیسری حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳۳۰ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات کی آنکھوں اور انسانوں کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو یہ ہے کہ بسم اللہ شریف پڑھ لی جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کا اسناد قوی نہیں[1]۔

سلہ کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی محمد بن حمید رازی ہے۔ اور ائمہ نقد وجرح کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے یا نہیں۔

۳۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو کہتے غُفْرَانَكَ[1] یعنی اے اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ شارحین حدیث نے اس لفظ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ قضائے حاجت کے وقت زبان سے ذکر الٰہی نہیں ہوتا آپ اس کی معافی طلب کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ خوراک کے طبیعت کے لیے موزون، خوراک کا نفع بخش حصہ جسم کا جزو بنانے اور مُضر ونقصان دہ حصہ کو فضلہ کی صورت میں جسم سے خارج کرنے کی نعمت کے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی پر آپ مغفرت اور معافی طلب کرتے تھے۔ جیساکہ تیسری فصل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے اس حالت کے مناسب ذکر یہ ہے کہ انسان اپنے محتاج اور میلا کچیلا ہونے اور خدا تعالیٰ کے ہر عیب ونقص سے منزہ ومقدس ہونے کا تصور ذہن میں رکھے۔

۳۳۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهٗ بِمَاءٍ فِيْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّاَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں جاتے تو میں تانبے یا پتھر کے برتن یا چمڑے کی چھاگل میں پانی لے کر آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اس پانی سے استنجاء فرماتے پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملتے[1] پھر میں دوسرے برتن میں پانی لاتا تو آپ وضو فرماتے۔

وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاہُ۔ اسے ابوداؤد، دارمی اور نسائی نے روایت کیا۔

لہ تور بفتح تا و سکون واو تانبے یا پیتل کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں، جس میں پانی پیا اور رکھا جاتا ہے۔ اور کبھی اس سے وضو بھی کر لیتے ہیں۔

سلہ رکوہ۔ بفتح یا کسر یا ضمہ را اور سکون کاف چمڑے کا برتن جس میں پانی رکھا جاتا اور وضو کیا جاتا ہے۔
شرح جامع الاصول میں مذکور ہے کہ رکوہ چمڑے کے چھوٹے ڈول کو کہتے ہیں جسے صوفیا و حضرات اپنے ساتھ رکھتے ہیں
تور، اور رکوہ میں لفظ او راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ ما او سے مراد یہ ہے کہ آپ کبھی تور اور کبھی رکوہ میں وضو کرتے تھے۔

سلہ تاکہ دست مبارک اچھی طرح پاک وصاف ہو جائے۔

کلہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف کے اس جملے کا معنی یہ نہیں کہ استنجاء سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا درست نہیں۔ اس کا معنی یہ بھی نہیں بلکہ جس برتن سے استنجاء کیا تھا اس سے وضو نہ کیا جائے کیونکہ اتفاق سے اس برتن میں نہ رہا تھا یا وضو کی مقدار سے کم ہو چکا تھا اس لیے دوسرے میں اور پانی لایا گیا۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مطلب لیا ہے کہ استنجاء کے لیے الگ اور وضو کے لیے الگ برتن استعمال کرنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور دارمی اور نسائی نے اس حدیث کا معنی دوسرے الفاظ میں روایت کیا۔

۳۳۳۔ وَعَنِ الْحَکَمِ بْنِ سُفْیَانَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَہٗ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت حکم بن سفیان لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور شرمگاہ پر پانی چھڑکتے۔

اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

لہ آپ ثقفی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کا نام سفیان بن حکم ہے۔ ان کی حدیث وضو کے باب میں آئی ہے۔ اور آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع میں اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا میرے نزدیک ان کا سماع صحیح ہے۔ کاشف میں کہا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہ ہوئی۔ اور ان کی حدیث مضطرب ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ حکم بن سفیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

سلہ کہا گیا ہے کہ شرمگاہ سے مراد شرمگاہ کی جگہ کا کپڑا ہے۔ بعض نے کہا ہے شرمگاہ پر پانی چھڑکنے سے استنجاء کے طور پر شرمگاہ کا دھونا مراد ہے۔ یعنی جب آپ پیشاب کر لیتے تو استنجاء کرتے پھر وضو کرتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ چھڑکنے سے

وضو کے بعد کپڑے پر چھڑکنا مراد ہے تاکہ وسوسہ راہ نہ پائے کیونکہ جب کپڑے پر تری موجود رہے گی تو وسوسہ سے بچا تسلی نہ ہوگا اور تری کو چھڑکے ہوئے پانی کی تری تصور کرے گا یہ طریقہ وسوسے بند کرنے کا طریقہ ہے۔ اور یہ طریقہ درحقیقت تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر قسم کے وساوس سے معصوم و پاک تھی۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ طریقہ نزول بول کے ازالہ کے لیے ہے کہ پیشاب کے قطرے نہ گریں کیونکہ پانی بول کو روکتا ہے خصوصاً ٹھنڈا پانی۔ دوسری روایات میں صراحتہً آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر لیتے اور اس سے فارغ ہو جاتے تو شرمگاہ پر پانی چھڑکتے تھے۔

۳۴۴- وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِّنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت اُمیمہ[1] بنت رُقیقہ[2] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا جاتا آپ اس میں رات[3] کو بول فرماتے تھے۔

[1] اُمیمہ بضم ہمزہ وفتح میم وسکون یا۔

[2] رُقیقہ بضم را وفتح قاف وسکون یا۔ دونوں صحابیہ ہیں اور دونوں اہل مدینہ میں شمار ہوتی ہیں حضرت رقیقہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ کاشف نے کہا حضرت رقیقہ ہاشمیہ ہیں۔

[3] عِیدان بکسر عین عُود کی جمع بمعنی لکڑی جمع یا تو اجزاء کے اعتبار سے ہے یا اس بنا پر کہ وہ پیالہ مختلف لکڑیوں سے بنا ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

قاموس میں کہا یہ لفظ عَیدان بفتح عین کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد عَیدانہ ہے اور یہ پیالہ کھجور کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

[4] شدید سردی یا کسی اور عذر کی بنا پر۔ اور یہ وہ پیالہ ہے جس کے بارے میں مذکور ہے کہ ایک پیاسے شخص نے پانی خیال کرتے ہوئے اس میں آپ کا پڑا ہوا بول شریف پی لیا۔ جب تک وہ شخص زندہ رہا اس سے یا چند پشت بعد تک اس کی اولاد کے جسم سے نہایت اعلیٰ خوشبو آتی رہی۔

۳۴۵- وَعَنْ عُمَرَ قَالَ رَاٰنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے کبھی

وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ قِيلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ۔

کھڑے ہو کر پیشاب[1] نہ کیا۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ شیخ امام[2] محی السنۃ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی کوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر بول فرمایا۔ متفق علیہ کہا گیا ہے کہ یہ کسی عذر کی وجہ سے تھا۔

[1] ساری امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمہ یا مکروہ تنزیہہ ہے۔ کیونکہ اس میں شرمگاہ کے برہنہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ نیز کپڑوں اور جسم کے ناپاک ہونے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ پھر یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

[2] اور یہ جو مؤلف مشکوٰۃ حضرت امام ولی الدین محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ المتوفی ۷۴۲ھ نے فرمایا ہے کہ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے الخ تو اس کی توجیہہ میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر بول کرنا کسی عذر کے باعث تھا۔ عہد جاہلیت میں لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے عادی تھے۔ وعوت سید رسل و خیر انام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری سے اسلامی تعلیمات کی برکات اچھے اخلاق کی تکمیل اور عمدہ افعال سے آراستگی کی بدولت لوگوں سے یہ بری عادت روز بروز چھوٹتی چلی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر جو پیشاب کیا تو یہ جاہلیت کے بچے کھچے نشانات کی وجہ سے تھا یا پھر آپ کو بھی اس وقت کوئی عذر لاحق تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عذر لاحق تھا اس کی وضاحت میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

بعض فرماتے ہیں آپ کو پشت کی ہڈی میں درد تھا کہ آپ کے لیے بیٹھنا دشوار تھا۔ بلکہ بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔

بعض فرماتے ہیں عرب کے لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو درد پشت کا علاج تصور کرتے اور اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور محدث حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہ آپ کے دونوں زانوؤں کے درمیان درد تھا۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عذر یہ تھا کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے مجبوراً کھڑے ہو کر بول فرمایا کیونکہ وہ جگہ ایک جانب سے اونچی اور دوسری جانب سے نیچی تھی وہاں بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ الا یہ کہ اونچی جانب کو آپ اپنی پشت مبارک کے پیچھے کرتے اس صورت میں ستر مگاہ کے کھلنے کا اندیشہ تھا کیونکہ لوگ وہاں سے گزرتے تھے۔ اور اگر آپ اونچے حصے کو اپنے سامنے کرتے لوگھرنے کا خطرہ تھا اور کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ عموماً نرم اور بلند ہوتی ہے۔ بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتی۔

بعض علماء فرماتے ہیں آپ کا کھڑے ہو کر بول کرنا بیان جواز اور تعلیم امت اور آسانی پیدا کرنے کے لیے تھا۔ کیونکہ جب آپ نے پہلے نہی فرمائی اور بظاہر نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے۔ تو آپ نے چاہا کہ اس امر کی وضاحت فرما دیں کہ یہاں نہی تنزیہی ہے۔ اور کھڑے ہو کر پیشاب کر لینے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عذر کی وضاحت میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے جائے پاخانہ کی بہتر طور پہ نگہداشت ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس وقت جائے پاخانہ میں کوئی تکلیف تھی اور آپ کو اندیشہ تھا کہ اس طرف سے بھی کوئی چیز باہر نہ نکل آئے۔ مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ تاہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے عارضے کے وہم سے دور تھے۔ اور آپ کے متعلق اس قسم کی کوئی بات زبان پہ نہیں لائی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

تیسری فصل

۳۳۶- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ إِلَّا قَاعِدًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تم اس کے بیان کو سچا نہ جانو کیونکہ آپ کھڑے ہو کر کبھی پیشاب نہ کرتے تھے۔[1]

اسے احمد ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

[1] اس حدیث کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے مطابق یہ اطلاع دی ہے جو وہ گھر میں حضور کے عمل کو دیکھتی تھیں۔ گھر میں آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔ اور حضرت حذیفہ نے گھر سے باہر کی خبر دی۔ اور یہ بھی اکا دکا واقعہ کی خبر دی پھر وہ بھی عذر پہ مبنی تھا جس کی وضاحت گزشتہ حدیث میں کی گئی ہے اور نادر

واقعہ نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور وہ چیز جو عذر اور مجبوری پر مبنی ہو وہ دائرہ اعتبار و قیاس سے باہر ہوتی ہے۔

۳۳۷۔ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنَ الْمَاءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ۔

حضرت زید[1] بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ بیشک حضرت جبرئیل علیہ السلام اول وحی کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو وضو اور نماز کی تعلیم[2] دی۔ جب آپ[3] وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلو لے کر اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑکا۔

اسے احمد اور دارقطنی نے روایت کیا۔

[1] حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) اور حضرت زینب کے پہلے خاوند ہیں۔ ان کا نام مبارک قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ ان کا ذکر اس کتاب مشکوٰۃ کے آخر میں مناقب اہل بیت میں آئے گا۔

[2] حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ فعل کی شکل میں تعلیم تھی کہ آپ نے وضو کیا اور نماز ادا کی اور یہ دونوں باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائیں۔ اور اس طرح آپ کو تعلیم دی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ اور فعل کی صورت میں تعلیم زبانی تعلیم سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔

[3] ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرغ اور اخذ اور نضح کی ضمیریں حضرت جبرئیل کی طرف لوٹتی ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ جب حضرت جبرئیل وضو سے فارغ ہوئے تو آپ نے پانی کا ایک چلو لیا اور اسے شرمگاہ یعنی شرمگاہ کی جگہ کے کپڑے پر چھڑکا۔ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے لیے کیا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تبلیغ وحی اور تعلیم احکام کے لیے انسانی صورت میں متمثل ہو کر حاضر ہوئے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیروں کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حضور علیہ السلام کے سامنے بطور تعلیم وضو کرنے پھر پانی کا چلو لینے اور شرمگاہ پر چھڑکنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا جب وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اپنی شرمگاہ پر چھڑکا۔

غرفۃ بفتح غین یعنی ایک بار چلو میں پانی لینا۔ غرفۃ بضم غین یعنی چلو میں لیا ہوا پانی یہ دوسرا معنی بیان زیادہ ظاہر ہے لیکن زیادہ مشہور فتح کی روایت ہے۔

۳۳۸۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ یَقُوْلُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْھَاشِمِیُّ الرَّاوِیْ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ وضو کیا کریں تو شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کریں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور میں نے محمد یعنی محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ کہتے تھے حسن بن علی ہاشمی راوی منکر حدیث ہے۔

سے یعنی حسن بن علی بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب جو اس حدیث کا راوی ہے۔ منکر الحدیث ہے۔ منکر کا معنیٰ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ اور احمد، نسائی، ابو حاتم اور دار قطنی نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۳۹۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَہٗ بِکُوْزٍ مِّنْ مَّآءٍ فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عُمَرُ فَقَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِہٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ کُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَکَانَ سُنَّۃً۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا کوزہ لے کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے عمر یہ کیا ہے؟ عرض کیا! پانی ہے جس سے آپ وضو کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں جب بھی پیشاب کروں ساتھ ہی وضو بھی کر لیا کروں۔ اگر میں ہمیشہ ایسا کرتا تو یہ فعل سنت بن جاتا۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لہ یعنی درگاہ ایزدی سے وجوب و لزوم کے طور پر مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا۔

لہ یعنی اگر یہ کام بطور لزوم ہمیشہ کرتا تو یہ سنت مؤکدہ بن جاتا جس سے لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار امت کی آسانی اور تخفیف کے لیے اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے۔

۳۴۰۔ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَجَابِرٍ وَّاَنَسٍ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ لَمَّا نَزَلَتْ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَثْنٰی عَلَیْکُمْ فِی الطُّھُوْرِ فَمَا طُھُوْرُکُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوۃِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَۃِ وَ

حضرت ابو ایوب، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جب یہ آیت فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار بے شک اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی اور طہارت میں تمہاری مدح و ستائش کی ہے۔ بتاؤ تو سہی تم کس قسم کی طہارت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم لوگ نماز کے لیے وضو کرتے ہیں۔ جنبی ہونے پر غسل کرتے ہیں۔ اور پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔

نَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ قَالَ ذَاکَ فَعَلَیْکُمُوْہُ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسی طہارت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدح و ستائش کی ہے۔ لہٰذا تم لوگ اسے نہ چھوڑنا اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لہ یعنی ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب آیہ مبارکہ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۔ اس مسجد یعنی مسجد قبا میں ایسے مردانِ خدا ہیں جو طہارت پاکیزگی کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ طہارت کا خوب اہتمام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس آیت سے انصار کا ایک گروہ مراد ہے۔

۲ہ تمہاری طہارت و پاکیزگی کی کیا خصوصیت ہے اور تم اس میں کس قسم کا اہتمام کرتے ہو۔

۳ہ جس طرح دوسرے مسلمان غسل جنابت کرتے ہیں۔

۴ہ یعنی پتھروں اور ڈھیلوں کے ساتھ استنجا کرنے کے بعد اور یہ طہارت کا خاص اہتمام ہے۔ اس قسم کی خصوصی طہارت کا اہتمام انہیں گروہ انصار میں پایا جاتا تھا۔

۳۴۱۔ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِیْنَ وَهُوَ یَسْتَهْزِئُ اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَكُمْ یُعَلِّمُكُمْ حَتَّی الْخِرَاءَةَ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِیَ بِاَیْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِیَ بِدُوْنِ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ لَیْسَ فِیْهَا رَجِیْعٌ وَّلَا عَظْمٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاللَّفْظُ لَهٗ۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک مشرک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے یار اور ساتھی کو دیکھتا ہوں کہ وہ تمہیں ہر خسیس اور حقیر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ بیٹھنے کی ہیئت و شکل بھی۔ میں نے کہا ہاں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف منہ نہ کریں اور دائیں ہاتھوں کے ساتھ استنجاء نہ کریں اور یہ کہ ہم تین سے کم ڈھیلوں پر کفایت نہ کریں اور ان میں گوبر اور ہڈی نہ ہو۔ اسے مسلم اور احمد نے روایت کیا۔ یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے ہیں۔ مسلم کے الفاظ اس سے مختلف ہیں۔

لہ خراۃ یعنی پاخانہ بیٹھنے کا طریقہ۔ اس کی کیفیت اور اس کے آداب۔ خراۃ بکسر خاء معجمہ الف کی مد کے ساتھ یعنی تقاضائے حاجت کے لیے بیٹھنا اور اس کی ہیئت اور شکل۔ اکثر راوی فتح خاء اور قصر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور خرء بضم خاء و ہمزہ انسان کے پاخانہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔

۲ہ میں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پاخانے کا طریقہ اور اس کے آداب بھی سکھاتے ہیں۔ اور

ہنسنے اور تمسخر اڑانے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو آپ کی امت پر کمال رحمت و شفقت ہے اور حق و ہدایت اور صراطِ مستقیم کا بیان ہے۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خلا کے آداب اور استنجاء کے احکام بیان فرماتے ہوئے کہا۔ أَمَرَنَا أَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الخ۔

۳۴۲ ۔ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْأَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى ۔

حضرت عبدالرحمٰن[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ آپکے دست مبارک میں چمڑے کی ڈھال[5] تھی۔ آپ اسے زمین پر رکھ کر بیٹھ گئے اور اس کی طرف منہ کر کے[6] بول فرمایا اس پر بعض (منافقین) نے جو وہاں موجود تھے کہا اس شخص کی طرف دیکھو کہ اس طرح بول کر رہا ہے جس طرح عورت بول کرتی ہے[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سن لی۔ اور فرمایا اے بے حیا انسان تجھ پر افسوس[3] تجھے معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص کس مصیبت (عذاب) میں گرفتار رہا بنی اسرائیل کا دستور ان کی شریعت و دین کے مطابق یہ تھا کہ جب انکے بدن یا کپڑے کو بول لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو قینچیوں کے ساتھ کاٹ دیتے تھے۔ اس شخص نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ تو اسے قبر[4] میں عذاب دیا گیا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن حسنہ سے روایت کیا اور نسائی نے اسے عبدالرحمٰن مذکور سے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا۔

[1] یعنی عبدالرحمٰن بن حسنہ تین فتحوں کے ساتھ حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ والد کا نام عبداللہ مطاع ہے۔ والدہ کی نسبت سے مشہور ہیں صحابی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے احادیث سنیں۔

[2] یعنی اپنی شرم گاہ کے آگے اس طرح پردہ کر کے بول کر رہا ہے جس طرح عورت کرتی ہے۔

[3] ویحک۔ یہ لفظ کسی کے ایسی ہلاکت میں پڑنے (جس کے لائق نہ ہو) کے وقت اس کی دردناک حالت کو دیکھ کر اس پر رحمت و شفقت کے لیے بولا جاتا ہے۔ بخلاف لفظ ویل کے کہ یہ اس ہلاکت کے لیے آتا ہے جس کے وہ لائق بھی

---

[5] درقہ دال و را و قاف تینوں پر فتح کے ساتھ۔ چمڑے کی وہ ڈھال جس میں لکڑی اور دستہ نہ ہو۔

[6] اس سے اپنے اور لوگوں کے درمیان پردہ بنا لیا۔

ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ مقام ومیک کے بجائے دیکھ کا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت حلم اور خوش اخلاقی کی بنا پر دیکھ فرمایا۔

۵ اس کے لوگوں کو اس فعل سے روکنے کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضائے حاجت کے وقت پردہ کرنے کو جو ایک مستحسن اور اچھا فعل ہے اس منافق کے اس فعل کے برا جاننے کو اس بنی اسرائیلی کی مقام نجاست کاٹ دینے سے اور انکار کے ساتھ تشبیہ دی۔ حالانکہ جائے نجاست کا کاٹنا ان کے دین میں مشروع اور اچھا فعل تھا۔ اور اسے انکار و نہی پر عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ یہاں اس منافق کی قباحت و مذمت بیان کرنے میں ایک اور مبالغہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس بنی اسرائیلی کا بنی اسرائیلیوں کو روکنا اور منع کرنا اس بنا پر بُرا اور قبیح کام تھا۔ کیونکہ جائے نجاست کا کاٹنا ان کی شریعت میں ضروری تھا۔ حالانکہ طبعاً بھی جائے نجاست کا کاٹنا جان و مال کے لیے ایک نقصان دہ فعل ہے۔ اس کے باوجود اس بنی اسرائیلی کے منع و انکار کو قبیح و موجب عذاب قرار دیا گیا اسے اس منع و انکار میں معذور قرار دیا جا سکتا تھا اور اسکے مبتلائے عذاب نہ ہونے کی گنجائش بھی تھی اسکے منع و انکار کے مقابلے میں بول و براز کے وقت محض پردہ کر لینا شرعاً اور عقلاً ایک اچھا اور مستحسن امر ہے لہٰذا اس منافق کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ کرنے کا مذاق اڑانا نہایت ہی قبیح اور سخت بے حیائی کی بات اور سخت ترین عذاب کا موجب ہے۔

۳۴۲. وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ یَبُوْلُ اِلَیْهَا فَقُلْتُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلَیْسَ قَدْ نُهِیَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلٰی اِنَّمَا نُهِیَ عَنْ ذٰلِكَ فِی الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الْقِبْلَةِ شَیْءٌ یَسْتُرُكَ فَلَا بَاْسَ. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ.

مروان اصفر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بار بردار اونٹ کو قبلے کی جانب بٹھایا پھر بیٹھ کر اسی اونٹ کی طرف منہ کر کے بول کیا۔ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن کیا قبلہ کی طرف منہ کر کے بول کرنے سے منع نہیں کیا گیا؟ آپ نے فرمایا وہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ کھلے میدان میں بول کیا جائے جب تیرے اور قبلے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے بول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

لہ تاریخ بخاری میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ یعنی نسبت کے بغیر تابعی ثقہ ہیں۔ بصرہ کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلم اور بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ آپ تابعین کے طبقہ رابعہ میں ہیں۔

سلہ ابو عبدالرحمٰن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

۳۴۴ - وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَ عَافَانِيْ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ. اس اللہ کا شکر ہے جس نے تکلیف دہ اور آزردہ کرنے والی اور مکروہ[1] و ناپسندیدہ چیز مجھ سے دور کردی۔ اور مجھے عافیت[2] عطا کی۔

[1] یعنی فضلات ردّیہ جن کا معدے میں رہ جانا بیماری یا ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔

[2] اور مجھے فضلات کے پیٹ کے اندر ہی رُک جانے سے بچایا یا فضلات کے خارج ہونے وقت انتڑیوں کے بھی ساتھ ہی باہر نکل آنے سے محفوظ رکھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۳۴۵ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَّسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب جنات کے ایلچی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ آپ اپنی امت کو ہڈی یا لید یا کوئلے[1] کے ساتھ استنجاء کرنے سے روک دیں کیونکہ ان تین چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق[2] رکھا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔

[1] حُمَمَۃ حائے مہملہ کے ضمہ اور دو مفتوح میم کے ساتھ۔

[2] اور وہ اس طرح کہ ہڈی تو خود جنات کی خوراک ہے۔ اور لید و گوبر ان کے مویشیوں کی۔ اور کوئلے میں دونوں باتوں کا احتمال ہے مگر مجھے اس احتمال کی تصریح کہیں نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

بَابُ السِّوَاکِ

مسواک کا باب

لغت میں سواک ملنے کے معنی میں آتا ہے۔ سواک بکسر سین یعنی لکڑی سے دانتوں کو ملنا۔ اور جس لکڑی سے دانتوں کو ملتے ہیں، اس پر بھی اس کا اطلاق واستعمال ہوتا ہے جس طرح لفظ مسواک کا استعمال ہوتا ہے۔

مسواک بالاتفاق سنت ہے۔ خصوصاً وضو کے وقت اور امام شافعی کے نزدیک نماز کے وقت بھی بعیر نماز ظہر و فجر سے پہلے مسواک کی زیادہ تاکید ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ چالیس حدیث مسواک کی فضیلت میں آئی ہیں۔ بدن و منہ کے لیے مسواک کے بے شمار فائدے ہیں۔ اور محافل میں لوگوں کے سامنے مسواک کرنا اور گلے اور منہ سے پانی نکالنا مکروہ ہے۔ خصوصاً علما اور بڑے مرتبے کے لوگوں کے سامنے اور مسواک ہر حال میں مستحب و مستحسن ہے اور وضو، قرآن پاک کی تلاوت، دانتوں کے زرد پڑ جانے اور نیند یا بیداری یا خاموش رہنے یا بھوک یا کھانا کھانے سے بدبو پیدا ہونے کی صورت میں زیادہ مستحب ہے۔ مسواک کڑوے درخت کی ہونی چاہیے۔ درخت اراک کی مسواک بہتر ہے۔ چھنگلیا جتنی موٹی اور ایک بالشت لمبی ہونی چاہیے۔ مسواک چوڑائی میں کرنا چاہیے۔ لمبائی میں نہ کرنی چاہیے کیونکہ لمبائی میں کرنے کی صورت میں مسوڑوں کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں طولاً و عرضاً دونوں طرح کرنے کی اجازت آئی ہے۔ اور مسواک کلی کرنے کے وقت کرنی چاہیے۔ اگر کسی وقت مسواک میسر نہ ہو یا کسی کے دانت ہی نہ ہوں تو اس صورت میں دائیں ہاتھ کی انگلی کا منہ میں پھیر لینا کفایت کر جاتا ہے۔ اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بھی ایک روایت بیان کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے بھی۔ اور سخت کپڑے کے ساتھ بھی مسواک درست ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۳۴۰ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاْخِیْرِ الْعِشَآءِ وَبِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں نماز عشاء دیر[1] کرکے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت[2] مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

[1] ایک دوسری حدیث میں تیسرے حصے رات تک تاخیر کرنے کا ذکر آیا ہے۔

[2] سیاق عبارت اس پر دلالت کرتا ہے کہ وجوب کی نفی سے استحباب کی تاکید مقصود ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے۔ ان کے نزدیک ہر نماز کے وقت مسواک مستحب ہے۔ ہمارے نزدیک ہر نماز سے ہر وضو کا وقت مراد ہے۔ بنظر انصاف یہ معنی زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر تکبیر تحریمہ کے وقت مسواک کرنا جس طرح شافعیہ کہتے ہیں مشکل ہے خصوصًا مسنون طریقہ کے مطابق۔ واللہ اعلم!

۳۴۱ وَعَنْ شُرَیْحِ بْنِ ھَانِیٍٔ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَۃَ بِاَیِّ شَیْءٍ کَانَ یَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ قَالَتْ بِالسِّوَاکِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت شریح بن[1] ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر سب سے پہلے کون سا کام کرتے تھے فرمایا[2] مسواک۔

[1] آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ کی شخصیت ثقہ ہے۔ آپ کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہوئی۔ جب ان کے والد اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی کنیت ابوشریح مقرر کی ان کی قوم کے لوگ پہلے انہیں ابوالحکم کی کنیت سے پکارتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ابوالحکم کنیت سنی تو فرمایا تیرے بیٹے ہیں عرض کی ہاں شریح۔ عبداللہ اور مسلم۔ فرمایا ان میں بڑا کون ہے عرض کی شریح تو فرمایا فانت ابوشریح تو ابوالحکم نہیں ابوشریح ہے۔ حضرت شریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں

واقعہ جمل و صفین میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ ثقہ ہیں۔ لمبی عمر پائی، نہایت عبادت گذار تھے۔ ۳۸ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۲؎ یعنی گھر میں تشریف لا کر سب سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔ آپ کا یہ عمل شریف طبع مبارک کے کمال نفاست اور اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت کی بنا پر ہوتا تھا۔ یہ عمل اس امکان کے تحت ہوتا تھا کہ شاید صحابہ کی مجلس میں زیادہ دیر بیٹھنے، اور لوگوں سے مصروف گفتگو رہنے سے منہ میں ناخوشگوار بو پیدا ہو چکی ہو۔ اس لیے مسواک کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری اور مقدم تصور کرتے تھے۔ اور یہ درحقیقت امت کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم ہے کہ اپنے گھر کے ماحول میں بھی نہایت پاکیزگی و طہارت میں رہیں۔ اور فرزندوزن کے اختلاط کے دوران بھی نظافت و صفائی کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ لوگوں کی مجلس سے گھر تک کے راستے میں چونکہ آپ خاموشی اختیار کرتے تھے اور منہ بند رکھتے تھے۔ اس لیے منہ کی خوشبو میں تغیر سے تبدیلی کا احتمال ہوتا تھا، اجنبیپن سے خالی نہیں۔ کیونکہ مجلس سے (جو غالب اوقات میں مسجد یا اس کے گرد و نواح میں ہوتی تھی) گھر تک کا راستہ اتنا زیادہ نہ تھا کہ صرف اتنے وقفے میں منہ کی خوشبو میں تغیر واقع ہو جائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسواک سے ابتدا کرنے سے نماز نفل ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے نفل نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرتے اور اس میں مسواک فرماتے واللہ اعلم

۳۴۸ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب نماز تہجد[۱] کے لیے اٹھتے تو اپنے دہان مبارک کو مسواک سے صاف ستھرا کرتے۔

۱؎ نیند نہ کرنے کو تہجد کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہجود بمعنی نیند سے مشتق ہے۔ چونکہ رات کی نماز ادا کرنے کے لیے نیند کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے نماز تہجد کہتے ہیں۔ تہجد کا معنی نیند کا بھی آتا ہے جیسا کہ قاموس میں آیا ہے۔ اس معنی کے مطابق بھی نماز تہجد کہنا درست ہے کہ یہ نماز سونے کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۴۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دس کام[۱] فطرت سے ہیں۔ لبیں پست کرنا[۲] داڑھی بڑھانا[۳] مسواک کرنا۔ ناک میں پانی[۴] چڑھانا۔ ناخن کاٹنا۔ انگلیوں[۵]

اَلسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَآءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَآءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَآءَ قَالَ الرَّاوِيْ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْخِتَانُ بَدَلَ اِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ دَاؤُدَ بِرِوَايَةِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ

کے جوڑ دھونا۔ بغل کے بال اکھیڑنا۔ زیر ناف بال مونڈنا[8] پانی کم استعمال کرنا یعنی استنجاء میں۔ راوی کہتا ہے کہ دسواں[9] کام مجھے بھول گیا ہے۔ مگر میرا گمان یہ ہے کہ وہ کلی کرنا ہے اسے مسلم نے روایت کیا۔ اور ایک روایت میں ڈاڑھی بڑھانے کی جگہ ختنہ کرنا آیا ہے۔ مولف مشکوٰۃ فرماتے ہیں۔ میں نے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں پائی۔ اور نہ کتاب حمیدی میں (جو بخاری و مسلم کی جامع ہے) لیکن اسے صاحب جامع الاصول نے اپنی کتاب جامع میں ذکر کیا ہے۔ یوں ہی خطابی نے اپنی کتاب معالم السنن میں۔ ابو داؤد سے بروایت عمار بن یاسر ذکر کیا ہے۔

[1] یعنی دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں۔ فِطرۃ بکسرۂ فاء بمعنی پیدائش۔ فَطر بفتح بمعنی پھاڑنا اور بمعنی خلقت (پیدا کرنا) بھی آتا ہے۔ فاطر بمعنی خالق اور بمعنی جبلّت (وہ فطری حالت جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے) بھی آتا ہے۔ یعنی دین اسلام قبول کرنے کی صلاحیت استعداد (جیسا کہ گذرا)۔ یہاں فطرت کا معنی سنت انبیاء ہے کہ یہ سنت قدیم انبیاء علیہم السلام کے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ اور انبیاء متقدمین نے اس سنت کو اختیار کیا ہے تمام انبیاء علیہم السلام کے اس سنّت پر اتفاق کرنے کی بنا پر اسے پیدائشی صفت و حالت کا نام دے دیا گیا ہے۔ جس پر سلیم الفطرۃ انسان پیدا ہوتا ہے۔ فطرت کا معنی دین بھی آتا ہے چنانچہ آیہ مبارکہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ اللہ کی فطرت (دین) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا) میں فطرت بمعنی دین ہے۔ علماء کرام نے اس آیت کی تفسیر میں فطرت کے معنی دین کے لکھے ہیں۔ اس حدیث میں بھی فطرت کا معنی دین کرنا درست ہے۔ ان دس چیزوں کو ابراہیم علیہ السلام کی سنتیں بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے یہ حضرت ابراہیم پر نازل ہوئیں۔ پھر بعد کے انبیاء نے ان کی اقتداء کی۔

[2] قصّ الشارب۔ یعنی ان دس خصلتوں میں سے ایک لبیں پست کرنا ہے۔ شارب ان بالوں کو کہتے ہیں جو اوپر کے لب پر اُگتے ہیں۔ مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ ان بالوں کو کاٹ کر اس حد تک پست کر دیا جائے کہ لب کا کنارہ ظاہر ہو جائے پست کرنے کا مفہوم یہ ہو کہ ان کا کچھ نشان باقی رہے۔ الکا ...

میں بھی حرج نہیں۔ اس باب میں اصل دلیل یہ حدیث ہے اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰی لبیں پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ) احفا کا معنی ہے لبوں کے بال پست کرنا۔ پھر پست کرنے کی حد میں اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ ابرو کے بالوں کے برابر لبیں ہونی چاہئیں۔ مگر غازی اور مجاہد کے لیے لبیں بڑھانا جائز ہے۔ تاکہ دشمنوں کی نگاہ میں پر ہیبت نظر آئیں۔ اسی طرح لبوں کے ڈاڑھی سے ملے ہوئے کناروں کے بال بڑھانے بھی جائز ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

ؔ اعفاء اللحیۃ یعنی دوسری چیز ڈاڑھی بڑھانا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک مشت ہو۔ اس سے کم نہ ہونی چاہیے پھر ایک مشت سے بڑھانا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ حد اعتدال سے لمبی نہ ہو۔ اور اگر ایک مشت سے لمبی ہو جائے تو پھر بعض کے نزدیک کم کرنا مکروہ ہے۔ امام حسن بصری اور قتادہ کا یہی مذہب ہے۔ اور بعض کے نزدیک ایک مشت سے زیادہ کا کاٹ دینا مستحسن ہے۔ امام شافعی اور امام ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ ڈاڑھی منڈانا حرام اور افرنگیوں ہندوؤں اور قلندروں کا طریقہ ہے اور ایک مشت رکھنا واجب و ضروری ہے اور یہ جو ایک مشت ڈاڑھی کے لیے سنت کا لفظ مشہور ہے تو اس سنت سے دین کا طریقہ مراد ہے یعنی ایک مشت ڈاڑھی رکھنا دین اسلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ یا اس بنا پر اسے سنت کہا گیا ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسے نماز عید کو سنت کہا گیا ہے۔

ؔ۔ مسواک۔ یعنی تیسری چیز مسواک کرنا ہے۔ اس کی شرح گذر چکی ہے۔

ؔ۔ ناک میں پانی چڑھانا۔ یعنی وضو کرتے وقت ناک صاف کرنے کے لیے اس میں پانی چڑھانا۔

ؔ چھٹی چیز ہاتھوں و پاؤں کے ناخن کاٹنا ہیں۔ ہاتھوں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرے۔ اور اس کے انگوٹھے پر ختم کرے اور وہ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی انگشت سے شروع کر کے اس کی چھنگلیا پر پہنچے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے تک پہنچے پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر اختتام کرے۔ اور پاؤں کے ناخن اس ترتیب سے تراشے کہ دائیں پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے اس کے انگوٹھے تک پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے اس کی چھنگلیا تک پہنچے۔ جس طرح کہ پاؤں کے خلال کرنے کا طریقہ ہے۔

علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن اتارنا مستحب ہے۔ انہوں نے اس کا ثواب بھی بیان کیا ہے

کہ جو شخص جمعہ کے روز ناخن اتارتا ہے ۔ وہ اگلے جمعہ تک ہر بلاء مصیبت سے محفوظ رہتا ہے ۔ بعض علماء کرام نے اس بارے میں ایک شعر بھی کہا ہے ۔ ؎

تَقْلِمُوا الْاَظْفَارَ بِالسُّنَّةِ وَالْاَدَبِ
یَوْمَ الْخَمِیْسِ نَحْوَ الْبَسْ اٰدْخَسْب

سنت اور اسلامی آداب کے مطابق ناخن ترشواؤ ۔ جمعرات کا دن ہونا چاہیے ۔ حسب ترتیب سابق ۔

بعض علماء کے نزدیک اترے ہوئے ناخن دفن کرنا مستحب ہے ۔ اور اگر پھینک بھی دیں تو حرج نہیں ۔ مگر وضو یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے اور بیماری دبلاء مصیبت کا باعث ہے ۔ اسی طرح دانتوں سے ناخن کاٹنا تنگ دستی اور مرض برص ۔ کا موجب ہے ، جیساکہ کہا گیا ہے ۔

شیخ امام عارف عالم حضرت عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ایک تھیلی رکھی ہوئی تھی جس میں اپنے ناخن اور جو کچھ جسم سے الگ کرتے تھے اس میں ڈال دیتے تھے اور آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں بھی میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے ۔ شاید ایسا کرنے کی ان کے پاس کوئی سند ہوگی اور انہوں نے کہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہوگا ۔ واللہ اعلم ۔

۷ ۔ غسل البراجم ۔ یعنی ساتویں چیز انگلیوں کے جوڑ دھونا ، اور انہیں پاک کرنا خصوصاً ان کی سلوٹیں جن میں میل کچیل جم جاتی ہے ۔ ان لوگوں کے لیے خصوصاً یہ حکم ہے کہ کام کاج کرنے سے جن کی انگلیاں کھردری ہو جاتی ہیں ۔ نیز بدن کے دوسرے اور جوڑ جن میں میل کچیل جمع ہو جانے کا گمان ہوتا ہے (جیسے ناف ، کان اور بغل وغیرہ) ان کا بھی یہی حکم ہے (کہ ان کے دھونے میں خاص احتیاط کی جائے)

۸ ۔ نَتْفُ الْاِبِطِ ۔ بغل کے بال اکھیڑنا ۔ یعنی آٹھویں خصلت بغل کے بال اکھیڑنا ہے ۔ انہیں مونڈنا اور محنوموں یا قینچی سے دور کرنا بھی جائز ہے اور جن لوگوں نے اکھیڑنے کی عادت بنا رکھی ہو ان کے لیے اکھیڑنا ہی زیادہ بہتر و مناسب ہے ۔ خصوصیت سے بغل کے بال اکھیڑنے کا حکم اس بنا پر ہے کہ اس جگہ بالوں کے مسام بند رہنے سے نجاست جمع رہتے ہیں جس سے یہاں بدبو پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور اکھیڑنے سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہے ۔ جس سے مسام کھل جاتے ہیں ۔ اور بدبو جاتی رہتی ہے ۔ اس کے برعکس مونڈنے سے بالوں کی جڑیں اور مضبوط ہوتی ہیں ۔

علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں مبارک میں بال نہ تھے ۔ مگر یہ تحقیق طلب بات ہے مگر حاشاد کلا (خدا کی پناہ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔۔۔

ذاتِ اقدس تو سر سے قدم تک پاک اور طیب و طاہر اور صاف و ستھری تھی۔ بیت۔

از فرق تا قدم ہمہ جانست آں نہال گویا ہمہ ز آبِ حیاتش سرشتہ اند۔

وہ نازک اندام محبوب سرتا پا جان ہے گویا اسے آبِ حیات سے پیدا کیا گیا ہے۔

اس سے بھی بلند تر واقع یہ بات ہے کہ تقاضائے حاجت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ سے خوشبو مہکتی تھی اور آپ کے فضلات طیبہ کو زمین نگل جاتی تھی۔ بلکہ تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین کے فضلات مبارکہ کی یہی کیفیت تھی۔ رباعی۔

خوبانِ گلِ گلشنِ حیات اند ہمہ شکر لب و شیریں حرکات اند ہمہ

از آدمیاں غرض ہمیں ایشانند واں باقی دیگر حشرات اند ہمہ

سارے معشوق گلشن زندگی کے پھول ہیں اور شکر لب اور شیریں حرکات ہیں!

انسانوں میں سے مطلوب و مقصود یہی ہیں باقی سب کیڑے مکوڑے ہیں!!

۹ حلق العانۃ۔ نویں خصلت موئے زیرِ ناف صاف کرنا۔ عانۃ بمعنی شرمگاہ کے بال یا وہ جگہ جہاں بال اُگتے ہیں۔ اگلی اور پچھلی شرمگاہ نیز اس کے ارد گرد کے سب بال صاف کرنا مستحب ہے۔ اور اکھیڑنے اور پوڈر سے صاف کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرمگاہ کے بال نورہ یعنی خاص قسم کی مٹی سے صاف کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ عورتوں کے لیے بال اکھیڑنا بہتر ہے۔

۱۰ دسویں خصلت درست پانی کم کرنا۔ پانی کم کرنے کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک استنجاء کہ اس میں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر کم استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا یعنی الاستنجاء یہ راوی کا کلام ہے۔ دوسرا معنی یہ کہ شرمگاہ پر پانی ڈال کر بول کو کم کیا جائے کہ پانی کے استعمال سے بول واپس لوٹ جاتا اور رک جاتا ہے۔ اور اگر پانی استعمال نہ کیا جائے تو بول نیچے اترآتا اور قطرہ قطرہ گرتا رہتا ہے۔ اس توجیہہ کے مطابق لفظ انتقاص حرف قاف سے ہوگا اور ایک روایت میں حرف فا کے ساتھ انتفاص آیا ہے۔ اس کے معنی شرمگاہ پر پانی چھڑکنے کے ہیں جیسا کہ باب آدابِ خلاء کی تیسری فصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔

۱۱ ختنہ کرنا حضرت امام ابوحنیفہ۔ حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور بہت سے دوسرے علماء اور بعض شافعیہ کے نزدیک سنت اور شعائرِ اسلام سے ہے۔ چنانچہ کسی شہر یا قصبہ کے لوگ اگر اس سنت کے ترک پر اتفاق کرلیں تو حاکمِ وقت کو حکم ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرے۔ جیسا کہ اذان وغیرہ کے ترک کا حکم ہے۔ اور امام شافعیؒ

پھر مالکیہ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مردوں عورتوں دونوں پر ختنہ کرنا واجب ضروری ہے۔ ختنے کا وقت بعض کے نزدیک پیدائش سے ساتویں دن ہے جس طرح عقیقہ بعض کے نزدیک سات سال تک بعض کے نزدیک نو سال تک بعض کے نزدیک دس سال تک۔ اور بعض کے نزدیک جب انسان چاہے۔ تاہم بلوغت سے پہلے پہلے ہونا چاہیے خصوصاً احناف کے نزدیک جو اس کی سنیت کے قائل ہیں۔ کیونکہ سنت قائم کرنے کے لیے واجب کا ترک یعنی ستر عورت جائز نہیں۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ صحابہ کرام اپنے بچوں کا ختنہ بلوغت کے بعد کرتے تھے تو اس بلوغت سے شرعی بلوغت نہیں بلکہ لغوی بلوغت مراد ہے۔ یعنی قوت و تمیز کی عمر کو پہنچ جانا۔ اور یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو ختنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

الفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۵۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السِّوَاكُ مُطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِهٖ بِلَا اِسْنَادٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اسے امام شافعی امام احمد، دارمی اور نسائی نے روایت کیا اور امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں بلا اسناد روایت کیا۔

لہ۔ مطہرہ بفتح میم و سکون طا۔ یعنی پاک و صاف کرنے والی۔ بعض بکسر میم صیغۂ اسم آلہ کی صورت میں درست قرار دیتے ہیں۔

لٰہ مرضاۃ۔ رب تعالیٰ کو راضی کرنے والی۔ یا رب تعالےٰ کی پسندیدہ چیز۔ کیونکہ مسواک وضو اور منہ کی پاکیزگی کی تکمیل کا موجب ہے۔ اور منہ مناجات تلاوت قرآن پاک اور ذکر الٰہی کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ بیت

ہزار بار بشستم دہن بمشک و گلاب	ہنوز نام تو بردن نمی شاید
ہزار بار اپنا منہ مشک و گلاب سے دھو چکا ہوں	پھر بھی تیرا نام لینے کے لائق نہ ہو سکا۔

۳۵۱ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ وَیُرْوٰی اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ابو ایوب[1] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں[2] انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں۔ حیا[3] اور ایک روایت میں حیا کے بجائے ختنہ[4] آیا ہے۔ خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح[5]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] آپ مشہور صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے موقع مدینہ شریف پہنچ کر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے گھر نزول اجلال فرمایا۔

[2] یعنی چار خصلتیں انبیاء سابقین کی سنتوں میں سے ہیں اور چار کا عدد چار سے زیادہ کی نفی نہیں کرتا۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں دس سنتیں مذکور ہوئیں۔ یہ مقام صرف ان چار سنتوں کے ذکر کا متقاضی تھا اس لیے یہاں انہیں پر کفایت کی۔ یا اس وقت تک صرف ان چار ہی کی وحی ہوئی تھی۔ بعد میں ان چار سے زیادہ کی وحی نازل ہوئی۔

[3] یہاں حیا سے نفس کا قبائح اور برائیوں سے شرم کرنا اور بچنا ہے۔ نیز فحش باتوں کے ذکر اور کسی کی شرافت کو پامال کرنے سے گریز کرنا مراد ہے۔ ورنہ حیاء دراصل انسان کی جبلی اور فطری صفت کا نام ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں۔

[4] اور ایک روایت میں حیا کے بجائے ختنہ کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ اس مقام کے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ عشرہ فطرت میں مذکور ہوا۔ اور بعض روایات میں وَالْحِنَّا بکسر حائے مہملہ و تشدید نون آیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں۔ یہ روایت غلط اور نادرست ہے۔ کیونکہ حِنَّا (مہندی) کے استعمال سے اگر ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگانا مراد ہو تو اس سے عورتوں کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے۔ اور اس چیز کا انبیاء کی سنت قرار پانا بالکل درست نہیں اور اگر اس سے بالوں کو مہندی لگانا مراد ہو تو پھر یہ صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ امم سابقہ میں یہ چیز نہ تھی۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

[5] یعنی انبیاء علیہم السلام کی چوتھی سنت عورتوں سے نکاح کرنا ہے۔ یہ سنت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تاقیامت مسنون و مشروع ہے۔

۳۵۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں سونے کے

نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)

بعد جب بھی بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک[2] کرتے اسے احمد و ابو داؤد نے روایت کیا۔

[1] یہ لفظ رفع اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

۳۵۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ فَأَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاكُ ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے تو دھونے کے لیے مجھے عطا فرماتے۔ دھونے سے پہلے خود اپنے منہ[1] میں اس سے مسواک کرتی پھر اسے دھو کر حضور علیہ السلام کو دیتی[2]۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا

[1] حضور علیہ السلام سے دہن مبارک سے برکت حاصل کرنے کے لیے اور غایت محبت کی وجہ سے اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا۔ صرف دھونا مقصود نہ ہوتا تھا۔ ع

میانِ عاشق و معشوق رمزیست

[2] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اس وقت بھی آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مسواک دی تاکہ مائی صاحبہ اسے اپنے دانتوں میں چبا کر اور نرم کر کے حضور کو دیں۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک بار مسواک کر کے پھر منہ سے نکال کر آپ اسے دھوتے تھے۔ اور پھر منہ میں ڈالتے تھے۔

تنبیہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار و تبرکات سے برکت اور لذت حاصل کرنا جائز بلکہ مستحسن امر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۵۴ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں اپنے آپ کو مسواک کرتے

بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا	ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس دوران دو آدمی میرے پاس آئے
اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ	ایک بڑا دوسرے چھوٹا۔ میں نے وہ مسواک چھوٹے کو دے دی
الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ	مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو[1]۔ میں نے وہ بڑے کو دے دی
اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ	(متفق علیہ)

[1] اس سے مسواک کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ عمر میں بڑے آدمی کو اس کے دینے کا حکم دیا گیا نیز اس میں اس امر پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسے مواقع (کھانے پینے خوشبو وغیرہ) میں عمر میں بڑے انسان کو فوقیت دینی چاہیے۔ امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی حدیث نیند کی حالت کے بجائے عالم بیداری کے وقت بیان کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قوم کے بزرگ ترین کو مسواک مبارک عطا کی۔ اور فرمایا جبرئیل نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث جو آئندہ آرہی ہے وہ بھی بیداری کے واقعہ کی تائید کرتی ہے۔ الا یہ کہ امر دینی وغیرہ سب حالت نیند میں ہوا ہو۔

۳۵۵ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ	حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِيْ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس کبھی نہ آئے مگر انہوں نے مجھے
جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِيْ	مسواک کا حکم دیا بے شک مجھے خوف لاحق ہوا کہ میں اپنے
بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ	منہ کے اگلے حصے کو زخمی[1] ہی کر دوں گا۔ اسے احمد نے
فِيَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ	روایت کیا۔

[1] کہ بار بار اور کثرت سے مسواک کرنے کی وجہ سے میرے منہ کا اگلا حصہ پست ہو جائے گا اور میں منہ کے اگلے کو اکھیڑ ہی دوں گا۔ احفی بضم ہمزہ و سکون حائے مہملہ اور کسرہ بلفظ مضارع احفا سے مشتق ہے۔ یعنی کسی چیز کو پست کرنا اور اکھیڑنا۔

۳۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَكْثَرْتُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے مسواک کے
عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ	بارے میں تمہیں بہت کچھ کہہ[1] دیا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] اور میں نے اس بارے میں کافی لمبی گفتگو کی ہے۔ اور یہ یا تو مسواک کے حکم کی بجا آوری کی رعایت میں مزید تاکید اور اس کی مکمل فضیلت حاصل کرنے کے لیے فرمایا۔ اور یا اس بارے میں امت پر شدت کرنے پر عذر کے طور

پر فرمایا۔ جیسا کہ اہل کرم کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور اس عذر میں بھی در اصل اس سنت کی ادائیگی میں شفقت برداشت کرنے کی تلقین و تاکید ہے۔

۳۵۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَاُوْحِيَ اِلَيْهِ فِيْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَهُمَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس دو آدمی تھے۔ ایک بڑی عمر کا دوسرا چھوٹی عمر کا۔ آپ مسواک کی فضیلت میں وحی نازل ہوئی۔ کہ اپنی مسواک بڑی عمر والے کو عطا فرمائیں۔

(رواہ ابوداؤد)

۳۵۸ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسواک والی نماز کا غیر مسواک والی نماز سے ستر گنا[1] زیادہ ثواب ہے۔

(رواہ البیہقی)

[1] ستر کے عدد سے یا تو کثرت مراد ہے۔ یا یہی مخصوص عدد۔ واللہ اعلم۔

۳۵۹ وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّلَاَخَّرْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ ابْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهُ عَلٰى اُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلَّا اُسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهُ

حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے وہ زید بن خالد جہنی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔ اگر مجھے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ اور نماز عشا کو رات کے تیسرے حصے تک موخر کر دیتا۔ حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ زید بن خالد مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آتے تو مسواک ان کے کان پر اس طرح رکھی ہوئی تھی جس طرح کاتب اپنا قلم کان پر رکھ لیتا ہے۔ آپ نماز کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے

اِلٰی مَوْضِعِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَاَخَّرْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

مگر پہلے مسواک کرتے پھر اسے کان پر رکھ لیتے اور نماز شروع کرتے، ہر نماز کے لیے ایسا ہی کرتے تھے اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ مگر ابوداؤد نے لاخرت العشاء الی ثلث اللیل کے الفاظ ذکر نہیں کیے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ سُنَنِ الْوُضُوْءِ

وضو کی سنتوں کا باب

سنن سنت کی جمع ہے۔ لغت میں سنت کا معنی طریقہ، راہ اور روش کا آتا ہے۔ شرع میں وہ امور سنت کہلاتے ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق اپنی گفتار و کردار سے لوگوں کو امر و نہی فرمائی ہے۔ کبھی مستحب (مستحسن) کو بھی سنت کہہ دیتے ہیں جس کا استحباب و استحسان کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع امت یا قیاس سے ثابت ہو اور کبھی اس کام کو بھی سُنّت کہتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو صرف کبھی کبھار چھوڑا ہو۔ لفظ سنت ان تین اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے تاہم علماء اصول کے نزدیک تیسرا معنیٰ زیادہ مشہور ہے۔ اور سنن وضوء سے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء سے متعلق افعال و اقوال مراد ہیں چاہے وہ فرائض سے ہوں یا سنن و آداب میں سے ہوں جو حضور علیہ السلام وضو میں بجالاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۶۰ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلٰثًا فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے[1] جب تک اسے تین بار نہ دھوئے[2]۔ کیونکہ بندے کو نیند کی حالت میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے۔ متفق علیہ

[1] فلا یغمس یعنی نہ ڈبوئے اور ایک روایت میں فلا یغمسن نون تاکید کے ساتھ آیا ہے یعنی ہرگز نہ ڈبوئے۔

[2] وضو سے پہلے ہاتھ دھونا سنت ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔ بیدار ہو کر اٹھنے کے وقت کی قید اس لیے لگائی کہ بلاد عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے اس وجہ سے لوگ غالب اوقات میں سنگ و کلوخ (ڈھیلوں) سے استنجا کرتے ہیں اور نیند میں گرم آب و ہوا کے باعث جائے استنجا میں کبھی پسینہ آ جاتا ہے۔ اور عین ممکن ہوتا ہے کہ ہاتھ شرمگاہ کو لگ کر ناپاک ہو جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا۔ اور کہاں کہاں لگتا رہا ہے۔ اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ نیند سے بیدار ہوتے ہی پہلے ہاتھ دھو ڈالو اور تین بار دھوؤ تاکہ اچھی طرح پاک و صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کرو۔ یہ امر مسنون و مستحب ہے جس کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے فرض یا واجب نہیں۔ اگر نہ بھی دھوئے تو ہاتھ بہرحال پاک ہیں اور جس پانی کو ہاتھ لگیں گے وہ بھی پاک ہی رہے گا کیونکہ نیند کی حالت میں ہاتھ کا ناپاک ہو جانا یقینی نہیں بلکہ ناپاک ہونے کا محض وہم و احتمال ہے۔

ہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ دھونا واجب و ضروری ہے۔ اگر بغیر دھوئے پانی میں ڈال دیے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اصل میں تو وضو سے پہلے ہاتھ دھونے کی سنت مذکورہ علت کی بنا پر صرف بیدار ہونے کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد ہر دفعہ وضو کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے سنت قرار دے دیے گئے۔ اگرچہ نیند سے بیدار ہونے کی حالت نہ ہو۔ بعض علماء کے نزدیک نظر بظاہر حدیث یہ سنت صرف اسی وقت کے ساتھ خاص ہے مطلقاً سنت نہیں ہے۔

۳۶۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہوا اور وضو کرے تو چاہیے کہ تین بار ناک میں پانی

فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَبِیْتُ عَلٰی خَیْشُوْمِہٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

چڑھائے۔ کیونکہ شیطان رات کو اس کے نتھنوں[1] میں رہتا ہے۔ اسے مسلم و بخاری نے روایت کیا۔

[1] یہ حقیقت ہے کہ شیطان انسان کے نتھنوں کو رات کے وقت اپنی خوابگاہ بنا لیتا ہے۔ باقی رہی اس کی کیفیت تو اس کا صحیح علم شارع علیہ السلام کو ہے ہمارے افہام و عقول اس قسم کے اسرار و معارف کے احاطہ و ادراک سے قاصر ہیں۔ اس قسم کے امور کے بارے میں سلامتی اسی بات میں ہے کہ شارع علیہ السلام نے ایسی جو خبریں بھی دی ہیں، ان کی تصدیق کی جائے اور ان پر ایمان لایا جائے۔ اور ان کی کیفیت بیان کرنے سے سکوت اختیار کیا جائے۔ تاہم کچھ علماء اس کی تاویل کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ نیند کی حالت میں مختلف اخلاط، بلغم، گرد و غبار اور میل کچیل ناک میں جمع ہو جاتی ہے۔ ناک دماغ کی ہمسایہ ہے دماغ ہی ادراکی قوتوں کا محل و قوع ہوتا ہے۔ ناک کی اس حالت کے باعث دماغ متاثر ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے تلاوت قرآن حکیم اور فہم معانی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور خشوع و خضوع کے حصول میں سستی اور ضعف لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ سب باتیں شیطان کو بہت پسند ہیں۔ تو گویا شیطان ہی ناک کو اپنی خوابگاہ بناتا اور اس کے نتھنوں میں رات بسر کرتا ہے۔ جس طرح فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ شریف پڑھے بغیر کھانا کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے اور رات کو سوتے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے سے بندے کے ساتھ سو جاتا ہے۔

۳۹۲ وَقِیْلَ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ عَاصِمٍ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْہِ فَغَسَلَ یَدَیْہِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ یَدَیْہِ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَہٗ بِیَدَیْہِ فَاَقْبَلَ بِھِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِہٖ ثُمَّ ذَھَبَ بِھِمَا اِلٰی قَفَاہُ ثُمَّ رَدَّھُمَا حَتّٰی رَجَعَ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ بَدَاَ مِنْہُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَیْہِ رَوَاہُ مَالِکٌ

حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے۔ اس پر آپ نے وضو کا پانی منگوایا۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں پر بہایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو بار دھوئے پھر آپ نے تین بار کلی کی اور تین بار ہی ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین بار چہرہ مبارک دھویا پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر دونوں ہاتھوں سے سر مبارک کا مسح فرمایا۔ اور دونوں ہاتھ پیشانی سے پیچھے کی طرف لے گئے۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ اگلے حصے سے مسح کی ابتدا کی اور پیچھے گردن کی طرف لے گئے۔ پھر انہیں واپس لائے۔ یہاں تک کہ اس جگہ لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا پھر آپ نے دونوں پاؤں دھوئے۔ اسے مالکؒ اور نسائی

وَالنَّسَائِيِّ وَلِأَبِي دَاوٗدَ نَحْوَهٗ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِإِنَاءٍ فَاَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَاَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا بِثَلٰثِ غَرَفَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ وَفِيْ اُخْرٰى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ

نے روایت کیا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت بھی ایسی ہی ہے اسے صاحب الجامع نے ذکر کیا۔

اور متفق علیہ روایت میں آیا ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا آپ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھائیں۔ آپ نے ایک پانی کا برتن منگوایا اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور انہیں تین بار دھویا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور باہر نکالے تو ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ آپ نے اس طرح تین بار کیا پھر آپ نے برتن میں دونوں ہاتھ ڈالے پھر انہیں نکال کر اپنا چہرہ مبارک تین بار دھویا پھر آپ نے برتن میں دونوں ہاتھ ڈالے اور نکالے اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور باہر نکالے اور سر کا مسح کیا پہلے آگے سے پیچھے لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے لائے پھر آپ نے ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو مبارک ایسا ہوتا تھا۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مسح کے وقت دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے۔ پھر پیچھے سے آگے لائے یعنی آپ نے مسح کی ابتداء اس طرح کی کہ دونوں ہاتھ پہلے سر کے اگلے حصے سے پیچھے لے گئے پھر انہیں واپس لائے یہاں تک کہ اسی جگہ واپس لے آئے۔ جہاں سے شروع کیا تھا پھر آپ نے دونوں پاؤں دھوئے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور ناک صاف کی یہ تینوں کام آپ نے تین

كَفَّةٍ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَفِي رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِي اُخْرٰى لَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

چلوؤں سے تین تین بار سے کیے۔ اور ایک روایت ہے یوں ہے کہ آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا ایک چلو سے آپ نے اس طرح تین بار کیا اور بخاری کی روایت میں ہے۔ آپ نے سر کا مسح کیا پہلے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے پھر پیچھے سے آگے لائے۔ ایک بار پھر اپنے ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے اور ایک روایت میں ہے آپ نے ایک ہی چلو سے تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں ڈالا

لہ حضرت عبداللہ بن زید اکابر انصار میں سے ہیں آپ کی حدیث باب وضو میں حجت اور دلیل ہے۔ اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کا ناقل اور راوی کہتے ہیں۔ آپ نے ہی وحشی بن حرب کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا آپ کو ۳۳ھ میں حرہ کے دن قتل کیا گیا۔ اور عبداللہ بن زید بن عبدربہ اور شخص اور انہیں صاحب الاذان کہتے ہیں اور انہیں یعنی عبداللہ بن زید عاصم کو صاحب وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

ٹہ اتنا پانی منگوایا جس سے وضو ہو سکتا تھا تاکہ آپ وضو کریں اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت اور طریقہ بتلائیں۔

سہ یعنی پہنچے تک۔

کہ مسح تر ہاتھ کو عضو یا جسم پر پھیرنے کا نام ہے۔

شہ۔ مسح سر کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں اپنے سر کے اگلے حصے پر رکھے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو الگ رکھے دونوں ہتھیلوں کو بھی سر سے جدا رکھے اور اپنا ہاتھ سر کے پیچھے لے جائے پھر دونوں ہتھیلیاں سر پر رکھ کر دونوں ہاتھ آگے کی طرف لائے۔ پھر دونوں انگوٹھوں کے ساتھ دونوں کانوں کے باہر کے حصے کا مسح کرے اور دونوں انگشتان شہادت سے کانوں کے اندر کے حصے کا مسح کرے۔ علامہ شمنی علیہ الرحمۃ نے محیط سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور شرح کنز سے اس کا طریقہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اور ہتھیلیاں سر پہ رکھ کر پیچھے کی طرف لے جائے۔ اس طرح کہ سارے سر کو گھیرے پھر دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کا مسح کرے اس طرح پانی بھی مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ سارے سر کا مسح بدون اس کے متصور نہیں نیز کانوں کا مسح بھی اسی پانی سے ہوتا ہے جس سے سر کا مسح کیا ہوتا ہے۔

للہ اس حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ نے کتنی بار پاؤں دھوئے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے آپ نے

پاؤں دھوئے اور اچھی طرح دھوئے۔ اور دوسری احادیث میں تعداد کا ذکر بھی آیا ہے۔

ے اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں اور نسائی نے اپنی سنن میں روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے جو معنی میں متحد اور الفاظ میں مختلف ہے اسے صاحب جامع نے جامع الاصول میں ذکر کیا (اور کتاب جامع صحاح ستہ کی جامع ہے) مولف کا اس سے صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا مقصود ہے جو مذکورہ حدیث کو صحاح کے الفاظ سے لائے ہیں حالانکہ یہ بخاری و مسلم کی حدیث نہیں ہے اور صحاح میں جو کچھ ہے وہ ہے جسے مولف نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وفی المتفق علیہ۔

ے یہ الفاظ متفق علیہ حدیث کے ، میں کہ مصابیح میں اس کے علاوہ دوسرے الفاظ ذکر کیے جن کے بارے میں مولف نے کہا کہ یہ مالک اور نسائی کی روایت ہے۔ اور مولف کا یہ قول کہ وفی روایۃ الخ۔ تو یہ متفق علیہ روایت کے الفاظ ہیں۔

ے یہ صاحب مصابیح کی روایت کے موافق ہے نیز اس کے بارے میں مولف نے کہا ہے کہ اسے مالک اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔ اور دوسری روایات جو مولف علیہ الرحمہ یہاں ذکر کر رہے ہیں صحیحین کی روایات ہیں اور مصابیح میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وفی روایۃ فمضمض الخ۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں واستنثر کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

نلہ۔ فی روایۃ اخری یعنی اور ایک متفق علیہ روایت میں اس طرح بھی آیا ہے۔ فمضمض الخ

للہ فی روایۃ للبخاری یعنی ایک روایت میں جو بخاری کے ساتھ خاص ہے۔ یوں آیا ہے۔ مَسَحَ رَأْسَہٗ الخ۔

للہ وفی اُخریٰ یعنی امام بخاری کی ہی ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ فمضمض واستنثر ثلاث مرات من غرفۃ واحدۃ۔

للہ غَرفۃ بفتح غین بمعنی ہاتھ سے ایک بار پانی اٹھانا۔ غُرفہ بضم غین۔ یعنی پانی سے بھرا ہوا پانی کا ایک چلو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ احادیث و روایات کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے بارے میں مختلف آئی ہیں۔ بعض میں تین چلو اور بعض میں ایک چلو آیا ہے۔ پھر بعض میں کلی اور ناک کے لیے الگ الگ چلو کا ذکر ہے اور بعض میں دونوں کے لیے ایک ہی چلو کا بیان ہے۔ اس طرح بہت سی صورتیں بن جاتی ہیں۔ ہم نے شرح عربی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ قول صحیح کے مطابق امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ تین چلوؤں سے پہلے کلی کرے پھر انہیں سے ناک صاف کرے۔ اس کے برعکس حنفی مذہب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ تین چلو پانی لے۔ اس طرح کل چھ چلو بنیں گے۔ تاہم احادیث میں دونوں طریق آئے ہیں۔ اس بارے میں مختلف احادیث کے درمیان مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک طریقہ اختیار کیا کبھی دوسرا۔ اور ان دونوں قسم کی احادیث و روایات میں سے ترجیح ان روایات کو دی جائے گی جو قیاس کے موافق ہوں۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ناک اور منہ دو الگ الگ عضو ہیں لہذا ایک ہی چلو میں دونوں کو جمع کرنا درست نہ ہوگا۔ جس طرح دوسرے اعضا میں الگ الگ پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو جو حدیث قیاس کے موافق ہو گی وہ راجح ہوگی جس طرح کہ علم اصول فقہ میں طے شدہ ہے۔

اور علامہ شمنی رحمۃ اللہ نے فتاوی ظہیریہ سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایک چلو ہی سے کلی اور ناک صاف کرنا درست ہے یعنی نصف سے کلی اور نصف سے ناک صاف کی جائے۔ اسے وصل کہتے ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک وصل بھی جائز ہے۔

یوں ہی امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فصل بھی جائز ہے۔

چنانچہ ترمذی نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کلی کرنا اور ناک صاف کرنا ایک چلو سے بھی جائز ہے۔ مگر ہر ایک کے لیے تازہ اور جدا پانی لینا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ اس روایت کے مطابق اس مسئلے میں دونوں آئمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۳۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ہر عضو کو صرف ایک ایک بار دھویا۔ ایک سے زیادہ بار کوئی عضو نہ دھویا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

۳۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ہر عضو کو دو دو بار دھویا۔ (بخاری شریف)

۳۶۵ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِيْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے مقام مقاعد[1] میں وضو کیا اور فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں۔ تو آپ نے تین تین[2] بار وضو کیا مسلم شریف

[1] ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعضائے وضو کبھی ایک ایک بار کبھی دو دو بار اور کبھی تین تین بار دھوئے

بلاتے تھے۔ مگر غالب واکثر تین تین بار دھونے کا ذکر آیا ہے۔ ایک بار دھونے میں صرف فرض پر کفایت کی گئی ہے جس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں۔ دو بار دھونے میں طہارت و پاکیزگی کے زیادہ اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ اسے نور علی نور کہتے ہیں۔ اور یہ مزید اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اور تین تین بار دھونا مرتبہ تطہیر کی انتہا اور طہارت میں مبالغہ و تاکید کا اظہار ہے۔ تین بار سے زیادہ دھونا حد سے تجاوز، اسراف اور ظلم و ممنوع ہے۔ تین سے زیادہ بار دھونا بظاہر زیادتی ہے مگر حقیقت میں نقصان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے تاہم اس سے وضو باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ قائم و باقی رہتا ہے۔

بعض احادیث میں اعضائے وضو تین بار بعض میں دو دو بار اور بعض میں ایک بار دھونے کا ذکر آیا ہے۔ یہ متعدد صورتیں ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب صورتیں بیان جواز اور دائرہ وضو کی توسیع کے لیے ہیں بعض علماء کے نزدیک صرف ایک ایک بار دھونا گناہ ہے۔ کیونکہ اس مشہور سنت کا ترک لازم آتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے گناہ نہیں۔ کیونکہ صرف ایک بار دھونے کا ذکر بھی صحیح احادیث میں آیا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤطا میں کہا ہے کہ تین تین بار دھونا افضل، دو دو بار دھونا کفایت اور صرف ایک بار دھونا اگر صحیح و کامل طریقہ سے ہو تو کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ تین سے زیادہ بار دھونے کو میں پسند کرتا ہوں۔ اور ہم اسے حرام قرار نہ دیں گے۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے تین سے زیادہ بار دھونا مکروہ تنزیہی ہے۔

لے مقاعد ایک جگہ کا نام ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد سے باہر لوگوں کے بیٹھنے کے لیے ایک چبوترا بنایا ہوا تھا تاکہ لوگ مسجد کے بجائے وہاں بیٹھ کر باتیں کیا کریں۔ اور شعر پڑھا کریں۔ اس چبوترے کو زحبہ بھی کہتے تھے مقاعد مقعد کی جمع ہے یعنی بیٹھنے کی جگہ۔

۳۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّۃَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِیْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّئُوْا وَھُمْ عُجَّالٌ فَانْتَھَیْنَا اِلَیْھِمْ وَاَعْقَابُھُمْ تَلُوْحُ لَمْ یَمَسَّھَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے۔ دوران سفر ہم ایک چشمہ پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لیے وضو کرنے میں جلدی کی اور بہت ہی عجلت سے کام لیا۔ اتنے میں ہم لوگ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں۔ یعنی انہیں وضو کا پانی نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں جلنے کی وجہ سے ان ایڑیوں پر افسوس! اے لوگو

مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ کامل اور ٹھیک وضو کیا کرو۔

(مسلم شریف)

لہ یعنی انھوں نے نماز عصر کے وضو کرنے میں بڑی شتابی کی اور افراتفری سے کام لیا گویا کہ نماز عصر کا وقت تنگ ہو رہا ہے بلکہ گزر چکا ہے۔

ٹہ عجال بکسر عین وتخفیف جیم اور بضم عین وتشدید جیم دونوں روایتیں آئی ہیں۔ یہ عاجل کی جمع ہے۔ بمعنی جلدی و شتابی کرنے والے۔

سٹہ جب کہ ایڑیوں کا خشک رہنا عذاب و وعید کا موجب بنا اس وجہ سے ویل (عذاب) کی نسبت ایڑیوں کی طرف کر دی۔ ورنہ حقیقۃً عذاب تو ایڑیوں والوں کو ہوگا جو اس کوتاہی کے مرتکب ہوئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب صرف ایڑیوں کو ہی ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ویل بمعنی سختی، عذاب، ہلاکت اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

سکہ کہ اعضائے وضو کا کوئی جزو خشک نہ رہ جائے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے اگر ناخن کے کنارے جتنا حصہ بھی خشک رہا تو وضو نہ ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اسی لیے اس کے نہ دھونے پر وعید فرمائی۔ اور مسح کافی نہ ہوگا۔ یہی اعصار و امصار کے جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔ اس کی مخالفت کسی ایسے شخص سے ثابت نہیں جس کی اجماع کے خلاف کوئی اہمیت یا حیثیت ہو۔ اور صحابہ کرام میں سے جن حضرات نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کی حدیث روایت کی ہے اور لوگوں کو آپ کے وضو کی تعلیم دی ہے جیسے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زید جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ناقل اور خاص راوی قرار دیا گیا ہے اور حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین سب اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب موزے نہیں پہنے ہوتے تھے تو پاؤں مبارک دھوتے تھے۔ اور لاتعداد احادیث پاؤں دھونے کے ثبوت میں وارد ہیں اور متواتر معنوی اور درجہ صحت کو پہنچ چکی ہیں۔ اور پاؤں نہ دھونے پر یہ مذکورہ وعید بے شمار احادیث میں وارد ہو چکی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل وضو کرنے کی تاکید کی اور اس کے ترک پر وعید فرمائی تو صحابہ کرام نے مسح کرنا ترک کر دیا اور مسح کی رعایت منسوخ ہو گئی۔ اور طحاوی نے عبدالملک بن سلیمان سے روایت کی ہے انھوں نے کہا میں نے عطا خراسانی سے جو اکابر تابعین سے ہیں، کہا کسی صحابی نے بھی دھونے کے بجائے پاؤں پر مسح کر لینا جائز قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا واللہ میں کسی صحابی سے منقول نہیں۔ علماء [illegible]

اس میں قدرے اختلاف تھا اور یہ قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف سابق کو رفع کر دیتا ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اجماع تو وہ ہوتا ہے کہ ایک حکم پر سب کا اتفاق ہوا ہو اور یہاں تو اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ بعض لوگ مسح کے قائل ہیں۔ بعض مسح اور دھونے دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور بعض بیک وقت دونوں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کو کچھ اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ بہت کم لوگوں کی طرف سے مخالفت واقع ہوئی ہے۔ ایسے نادر خلاف کا کچھ اعتبار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر ہے کہ اس اجماع کا منکر کافر نہ ہوگا۔ اور ہمارے بعض علماء نے اس کے مخالف کو کافر قرار دیا ہے۔ تاہم ہمارا طریقہ احتیاط کا ہے۔ خلاف اور شبہ کے باعث منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اس باب میں خلاصہ سخن یہ ہے کہ کتاب اللہ اس بارے میں محتمل اور مشتبہ ہے۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں حد شہرت و تواتر کو پہنچ چکی ہے۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی مراد کو بالکل واضح اور روشن کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۶۷ وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مغیرہ[1] بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو اپنی پیشانی اور دستار مبارک اور موزوں[2] پر مسح کیا۔ (مسلم شریف)

[1] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جنگ خندق کے سال اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخصوص حکام اور ان کے خاص مشیروں میں سے ہیں۔

[2] واضح رہے کہ سر کی مقدار مسح میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سارے سر کا مسح فرض ہے کیونکہ قرآن حکیم میں سر کے مسح کا حکم ہے اور سر چونکہ سارے سر کا نام ہے تو مسح بھی سارے سر کا واجب ہوگا۔ اس کے برعکس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے مطلق سر کے مسح کا حکم ہے خواہ ہو یا بعض اگرچہ سر کے صرف دو بال ہی ہوں کہ تر ہاتھ سر سے لگانے کا نام مسح ہے۔ اور یہ معنیٰ سر کے کچھ حصے کے مسح سے متحقق ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے۔ آپ کی دلیل یہ حدیث ناصیہ ہے۔ ناصیہ (پیشانی) سر کے اگلے چوتھائی

حصے کا نام ہے۔ اگر سارے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ صرف مقدار ناصیہ پر کفایت نہ کرتے۔ اور اگر اس سے کم پر مسح جائز ہوتا تو بیان جواز کے لیے کبھی چوتھائی حصہ سے کم پر بھی مسح کرتے۔ امام احمد کے مذہب کے بیان میں روایات مختلف ہیں جو تینوں ائمہ مذکورہ کے مذاہب کے موافق ہیں۔ مگر زیادہ تر روایات امام مالک کے مذہب کے مطابق ہیں۔ ایک روایت میں اکثر سر کے مسح کا بھی ذکر آیا ہے۔ میں (شیخ محدث) نے بعض متاخرین مشائخ سے سنا ہے وہ اپنے مشائخ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے کہا الانصاف فی مسئلہ مسح الرأس مع مالک۔ یعنی مسح سر کے مسئلہ میں حق وانصاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسح کے بارے میں قرآن حکیم کی آیت مجمل ہے۔ حدیث نے اس اجمال کی تفصیل کردی۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کردی گئی ہے۔

۳ھ۔ وعلی العمامۃ۔ یعنی اور آپ نے عمامہ شریف پر مسح کیا۔ یہ اس پر محمول ہے کہ جب آپ نے فریضہ مسح ادا کیا اور مقدار پیشانی پر کفایت کی تو اس کی تکمیل اور ادائے سنت کی خاطر جو تمام سر کا مسح ہے، بقیہ سر پر مسح کرنے کے بجائے عمامہ شریف پر مسح کیا یہ آپ نے فی الجملہ تطہیر وتنظیف کے لیے کیا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق چونکہ تمام سر کا مسح فرض ہے۔ اس لیے اس فریضہ کی تکمیل کے لیے کچھ سر پر مسح کیا اور کچھ عمامہ شریف پر۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ راوی کا وہم ہو۔ شاید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت دست مبارک عمامہ شریف پر پھیرا ہو اور راوی نے یہ وہم کر لیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ شریف پر مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن سر پر مسح نہ کرنا بلکہ مستقلاً عمامہ پر مسح کرنا جس طرح موزوں میں ہوتا ہے۔ تو تینوں ائمہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ماسوائے امام احمد کے کہ ان کے نزدیک صرف عمامے پر مسح کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ عمامہ باوضو پہنا ہو اور اس نے سارے سر کو چھپایا ہوا ہو۔ جس طرح موزوں میں ہے۔

اور راوی نے یہ جو کہا وعلی الخفین (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پہ مسح کیا)، تو اس سے بھی بظاہر اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فقہا حدیث کی ایک جماعت نے عمامے پر مسح کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر دیار اسلام کے اکثر لوگوں میں اس کے خلاف پر عمل ہے۔ انتہی۔ اور حق یہ ہے کہ صرف اس محتمل خبر پر انحصار کرتے ہوئے عمامہ پر مسح کا حکم و فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ الا یہ کہ ظہور و شہرت میں موزوں کی حدیث کے درجے کی حدیث ہو جو آفتاب کی روشنی کی طرح روشن و واضح ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۶۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جہاں تک ممکن ہوتا ہر کام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب کو پسند

مَا اسْتَطَاعَ فِیْ شَانِہٖ کُلِّہٖ فِیْ طُھُوْرِہٖ وَتَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کرتے تھے۔ طہارت میں بھی، بالوں کو کنگھی کرنے میں بھی اور جوتا پہننے میں بھی۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی آپ اپنا ہر کام جانب راست سے شروع کرتے تھے۔ اور جانب راست اختیار فرماتے تھے اس کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان فرمائی۔ چنانچہ فرمایا فی طھورہ۔ چنانچہ آپ پہلے دائیں ہاتھ دھوتے اسی طرح پہلے دائیں پاؤں مبارک دھوتے۔ تاہم دونوں رخسارے اور دونوں کان تو ایک ساتھ ہی دھوئے جائیں گے۔

لہ وترجلہ۔ یعنی سر مبارک اور ریش مبارک میں کنگھی کرنے میں جانب راست سے شروع کرتے۔

لہ۔ یہ تین چیزیں بطور مثال بیان فرمائیں۔ ورنہ ہر چیز جو عزت و تکریم اور جائز زینت و آرائش سے تعلق رکھتی ہے سب کا یہی حکم ہے۔ جیسے کپڑے پہننا، پاؤں میں موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، جائے وضو سے باہر قدم رکھنا، سرمہ ڈالنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھیڑنا، لبیں پست کرنا وغیرہ۔ سر منڈانے میں بعض علماء منڈانے والے کی دائیں جانب مراد لیتے ہیں اور بعض مونڈنے والی کی دائیں جانب یعنی وہ پہلے اس جانب کو مونڈے جو اس کی دائیں جانب واقع ہو۔ جیساکہ بعض علماء نے مناسک حج میں ذکر کیا ہے۔ تاہم قول اول اصح اور اظہر ہے۔ اور وہ کام جو مذکورہ امور جیسے نہیں ہیں جیسے مسجد سے باہر آنا، جائے ضرور میں جانا، طہارت خانہ میں داخل ہونا، ناک صاف کرنا، کپڑے اتارنا اور اس جیسے اور کام تو ان میں بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے اور یہ سب دائیں جانب کے شرف و عزت کی بنا پر ہے۔ جس طرح دائیں جانب کا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور دائیں جانب کا ہمسایہ بائیں جانب والے ہمسایہ سے افضل اور اس کا حق مقدم ہے ہے

راستی در ہمہ جا معتبر است

راستی کو ہر جگہ فوقیت و فضیلت حاصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۶۹ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ لباس

وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِاَيَامِنِكُمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

پہنو اور جب وضو کرو تو دائیں[2] جانب سے شروع کیا کرو۔ احمد و ابوداؤد۔

[1] اور جوتا و موزہ وغیرہ۔

[2] بعض روایات میں میامن کے بجائے لفظ ایامن آیا ہے۔ تاہم معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ البتہ میامن میمن کی جمع اور ایامن ایمن کی جمع ہے۔

۳۷۰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَزَادُوْا فِيْ اَوَّلِهٖ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا وضو کامل نہیں جو تاجو اللہ کا نام (بسم اللہ شریف) نہ لے۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ نے اور احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور محدث دارمی نے حضرت ابوسعید خدری سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ اور احمد و ابوداؤد اور دارمی نے اس حدیث کے اول میں یہ الفاظ بھی زیادہ کیے۔ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ یعنی جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔[2]

[1] یعنی جس نے وضو شروع کرتے وقت خدا تعالیٰ کا نام نہ لیا یہاں سلف سے منقول لفظ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مراد ہے۔ اور مشہور یہ لفظ ہے۔ بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام۔

[2] اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہوگا۔ اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہوا اور اس شخص کا وضو نہیں جس نے خدا کا نام نہ لیا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ جس نے وضو شروع کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا اس کی نماز ہی نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے یا مستحب۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق صحابہ کرام کی ایک جماعت کے اختیار کرنے کی بنا پر بسم اللہ شریف کا پڑھنا سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب اور وضو کے لیے شرط ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں بسم اللہ شریف نہ پڑھنے کی صورت میں وضو کے وجود کی نفی کی گئی ہے۔ تاہم جمہور کے نزدیک یہ نفی کمال کی نفی پر محمول ہے۔ لیکن امام احمد، ابوداؤد اور دارمی کی روایت جو مذکور ہوئی ہے اس احتمال کو جیسا کہ پوشیدہ نہیں دور تر پھینک دیتی ہے۔

جمہور کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ الآیۃ۔ یعنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔ اس آیہ مبارکہ میں بسم اللہ شریف کا ذکر نہیں ہے اور اصحاب سنن اربعہ (سنن نسائی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ) نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا اس طرح وضو کرو جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ نے جس آیت میں یعنی مذکورہ آیت میں وضو کا حکم دیا ہے اس میں بسم اللہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ اور تیسری فصل کے آخر میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایک روایت آرہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو شروع کرتے وقت خدا تعالیٰ کا نام لے اس کا سارا جسم پاک ہو جاتا ہے اور جو خدا کا نام نہ لے اس کے صرف وضو کے اعضا پاک ہوتے ہیں۔ اس کلام کا اسلوب بیان اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ بسم اللہ سے وضو میں کمال پیدا ہوتا ہے اور یہ سنیت یا استحباب کی علامت ہے۔ امام طحاوی و امام قدوری نے تو اسے سنت قرار دیا ہے۔ مگر صاحب ہدایہ نے کہا صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

۳۷۱ وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَى قَوْلِهِ بَيْنَ الْأَصَابِعِ.

حضرت لقیط[1] ابن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ مجھے وضو کے بارے میں بتائیں (کہ اس کا حسن و کمال کس چیز میں ہے) آپ نے فرمایا کامل اور عمدہ وضو کرو۔ انگلیوں میں[2] خلال کرو اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھاؤ الا یہ کہ تو روزے دار ہو۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ، دارمی نے اسے بین الاصابع[3] کے لفظ تک روایت کیا۔

[1] لقیط بروزن کریم۔ صبرہ بفتح صاد کسر با مشہور صحابی ہیں۔ آپ اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔

[2] یعنی ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔ لغت میں تخلیل کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنے کا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک انگلیوں کا خلال سنت۔ اور امام احمد کے نزدیک پاؤں کی انگلیوں کا خلال تو بلا اختلاف سنت ہے تاہم اگر خلال نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ انگلیوں کا خلال بہت پسندیدہ چیز ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں کے خلال میں ان سے دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ سنت ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ سنت نہیں۔ کیونکہ ان کا کھلا کھلا اور جدا جدا ہونا خلال سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک انگلیوں کا خلال صرف پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ ہاتھ کی انگلیاں پیدائشی طور پر کشادہ اور جدا جدا ہیں۔ ہاں اگر ایک دوسری کے ساتھ چپکی ہوئی اور متصل ہوں۔ اور تکلف کے بغیر ان کے درمیان پانی نہ گزرے تو واجب و ضروری ہے۔ اور خلال نہ کرنے پر جو وعید دار قطنی کی حدیث میں آئی ہے جیسا کہ ہدایہ میں آیا ہے وہ اسی مذکورہ صورت محمول ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جیسا کہ الشیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ پاؤں کی انگلیوں کے خلال کی کیفیت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے۔ اور بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرے۔

سلہ وَبَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ۔ یعنی ناک میں اچھے طریقے سے پانی چڑھا ایک روایت میں یہ الفاظ میں بالغ فی المضمضہ والاستنشاق یعنی اچھے طریقہ سے کلی کر اور ناک صاف کر۔ کلی کرنے کی حد یہ ہے کہ پانی سے منہ پُر کرے اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی حلق تک پہنچائے۔ اور بعض کے نزدیک مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ سارے منہ میں پانی پھیرے استنشاق کی حد یہ ہے کہ ناک کے نرمے تک پانی پہنچائے اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ اس سے بھی آگے لے جائے بعض کے نزدیک مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ سانس سے پانی کھینچ کر ناک کے سوراخ کے آخر تک پانی لے جائے۔

سکہ کیونکہ روزہ کی حالت میں مبالغہ سنت نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ کہ اس سے روزہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول مشہور میں غسل اور وضو میں کلی اور ناک میں پانی چڑھانا فرض ہے۔ اور امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غسل اور وضو دونوں میں سنت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں دونوں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔

ھہ یعنی یہ عبارت۔ بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما کے الفاظ ابن ماجہ اور دارمی کی حدیث میں نہیں ہیں۔

۳۶۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو وضو کرے تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔
۳۶۳ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ ابْنِ شَدَّادٍ قَالَ	حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ یَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَیْہِ بِخِنْصَرِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ

ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ وضو کرتے وقت اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو اپنی چھنگلیا سے ملتے تھے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لہ مُسْتَوْرِدُ بْنُ شَدَّادٍ۔ یعنی بضم میم وسکون سین، و فتح تاء و سکون واؤ کسر را آخر میں دال۔ شداد سین کی فتح اور دال کی شد کے ساتھ۔ آپ اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت بچے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت ہے۔

لہ اور چھنگلیا سے ملنا خلال کو مستلزم ہے۔ بعض نے کہا یہاں دلک (ملنا) خلال کے معنی میں ہے۔ خلال کے لیے چھنگلیا کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس انگلی کا انگلیوں کے درمیان داخل کرنا زیادہ آسان ہے نیز خدمت لی بھی چھوٹوں سے جاتی ہے۔

۳۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ کَفًّا مِّنْ مَّاءٍ فَاَدْخَلَہٗ تَحْتَ حَنَکِہٖ فَخَلَّلَ بِہٖ لِحْیَتَہٗ وَقَالَ ھٰکَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ہاتھ مبارک میں پانی کا ایک چلو لیتے اور اسے حلق کی طرف سے ریش مبارک کے نیچے لاتے پھر اس کے ساتھ اپنی ریش مبارک کا خلال کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

لہ حَنَک دو فتحوں کے ساتھ یعنی منہ کا اندر کا حصہ۔ تحت حنک کا معنیٰ ہے ٹھوڑی کے نیچے آپ منہ دھونے کے وقت ایسا کرتے تھے جو اس کا تتمہ ہے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے۔

۳۴۵۔ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُخَلِّلُ لِحْیَتَہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کا خلال کیا کرتے تھے۔ (ترمذی اور دارمی شریف)

لہ معلوم ہونا چاہیے کہ داڑھی کے خلال میں احادیث متعدد طرق سے آئی ہیں ان میں سے بعض طرق میں قیل وقال کی گئی ہے۔ ترمذی نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس باب میں صحیح ترین حدیث عامر بن شقیق کی حدیث ہے جو انہوں نے وائل سے انہوں نے حضرت عثمان سے روایت کی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈاڑھی کا خلال سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک افضل ہے۔ مگر جیسا کہ شمنی نے کہا ہے صحیح تر قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی ڈاڑھی کا خلال سنت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاتھ پھیر دینا اور ڈاڑھی کو ہلا دینا کافی ہے۔ جیسا کہ شمنی نے کہا۔ امام احمد کے نزدیک ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ اور کہا اگر بھول کر ڈاڑھی کا خلال نہ کیا تو حرج نہیں اور اگر دانستہ چھوڑ دیا تو اس کا اعادہ کرے۔ اور ڈاڑھی کے خلال کا طریقہ اور کیفیت یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں داڑھی کے نیچے لاکر اوپر کی طرف لائے۔ خلال تین بار دھو لینے کے بعد کرے۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۷۶۔ وَعَنْ اَبِیْ حَیَّۃَ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْہِ حَتّٰی اَنْقَاھُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلٰثًا وَّاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَیْہِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِہٖ مَرَّۃً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَھُوْرِہٖ فَشَرِبَہٗ وَھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طُھُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت ابو حَیَّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے دونوں ہاتھ دھوئے اور انہیں خوب صاف کیا۔ پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا۔ تین بار چہرہ مبارک دھویا اور کہنیوں تک تین بار ہاتھ دھوئے۔ پھر ایک بار سر کا مسح کیا پھر آپ نے ٹخنوں تک پاؤں دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے[1] ہو کر پیا۔ آپ نے فرمایا! میں نے پسند کیا کہ تم لوگوں کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت (وضو) کیسی ہوتی تھی۔

(ترمذی و نسائی)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے۔ بعض اسے وضو کے پانی کے ساتھ خاص رکھتے ہیں اس مسئلہ میں تفصیلی گفتگو اور اختلاف مذاہب باب الاشربہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۷۷۔ وَعَنْ عَبْدِ خَیْرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوْسٌ نَنْظُرُ اِلٰی عَلِیٍّ حِیْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ یَدَہُ الْیُمْنٰی فَمَلَاَ فَمَہٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِیَدِہِ الْیُسْرٰی فَعَلَ ھٰذَا ثَلٰثَ

حضرت عبد خیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہم لوگ بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے تھے جب کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دائیں ہاتھ پانی کے برتن میں ڈالا اور اپنے

مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ۔
رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

منہ کو پانی سے پر کیا اور کلی کی۔ اور ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کی۔ آپ نے تین بار اس طرح کیا۔ پھر آپ نے فرمایا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے تو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو مبارک۔ دارمی شریف۔

سلہ خیر بفتح خا و سکون یا یہ لفظ شر کی ضد ہے۔ ابن یزید الہمدانی انہوں نے (عبد خیر بن یزید یہ تے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پایا مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ ان کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں میں ہوتا ہے۔

سلہ کیونکہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کا طریقہ یہ تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث میں صرف کلی اور استنشاق (ناک میں پانی چڑھانا) کا ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس مقام راوی کا مقصد صرف کلی اور استنشاق و ناک صاف کرنا۔ اور تین بار ایسا کرنا ہی ہو اور یہ بیان کرنا مطلوب ہو کہ آپ نے ایک ہی چلو سے دونوں کام کیے۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ باقی وضو کی کیفیت بھی معلوم تھی اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہ تھا واللہ اعلم۔

۳۷۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ آپ نے تین بار ایسا کیا۔ ابوداود و ترمذی۔

سلہ اس حدیث سے بھی مقصود وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تھا۔

۳۷۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ۔
رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں کانوں کا مسح کیا یعنی کانوں کے اندر کے حصے کا دونوں انگشتان شہادت سلہ سے۔ اور دونوں کے باہر کے حصوں کا دونوں انگوٹھوں سے مسح فرمایا۔ بیہقی۔

ـه انہیں مسبحتین بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ تسبیح یا خدا تعالیٰ سبحانہ کی بات کرتے وقت ان انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں۔ اور یہ انگوٹھے کے ساتھ کی انگلیاں ہیں۔ انہیں انگشتانِ شہادت بھی کہتے ہیں۔ یہ ان کا اسلامی نام ہے۔ دورِ جاہلیت میں انہیں سبابہ کہتے تھے۔ سَبّ کا معنی گالی ہے۔ عرب اس سے لوگوں کو گالی دیتے تھے۔ اور گالی دیتے وقت اس سے اشارہ کرتے تھے۔ اسی بنا پر اس نام کا ذکر مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ کبھی بعض مواقع میں اس لفظ (سبابہ) کا اطلاق واستعمال کر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں بھی بعض نسخوں میں سباحتین کے بجائے سبابتین واقع ہوا ہے۔

۳۸۰۔ وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَا رَاَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَةَ۔

حضرت رُبَیّع بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ وہ فرماتی ہیں آپ نے سر کا مسح کیا۔ سر کے اگلے اور پچھلے حصے کا اور کانوں اور آنکھوں کے درمیان کے حصے کا۔ اور دونوں کانوں کا ایک ایک بارـه۔ اور ایک روایت میں ہے آپ نے وضو کیا پھر دونوں انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخ میں ڈالیں۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے پہلی روایت کی روایت کی یعنی مرۃ واحدۃ کے لفظ تک۔ اور احمد و ابن ماجہ نے دوسری روایت کی روایت کی یعنی توضأ سے لفظ اُذنیہ تک۔

ـه معلوم ہونا چاہیے کہ مسح سر کے بارے میں احادیث یا تو مطلق وارد ہوئی ہیں یا ایک بار کے ساتھ مقید ہیں اور یہ سب صحیح احادیث ہیں۔ بعض احادیث میں مرتین (دو بار) کا لفظ بھی آیا ہے۔ اسے دوگنا کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں۔ مگر تین دفعہ مسح کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ کیونکہ جو کچھ احادیث میں آیا ہے وہ اسی قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار یا دو دو بار یا تین تین بار وضو کیا۔ اور وضو غسل اور مسح دونوں کو شامل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا تین بار مسح کا قول اس حدیث اور مسح کو دھونے پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تین بار کا محض احتمال ہے اور دوسری احادیث اس بیان میں صریح ہیں کہ آپ نے صرف ایک بار مسح کیا۔ اور حسب قواعد محتمل کا حمل متعین پر کرنا ضروری ہے پھر مسح کی بنا تخفیف و آسانی پر ہے۔ اسے دھونے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ فتح الباری میں کہا کہ بخاری و مسلم کے کسی بھی طریق میں مسح کے عدد کا ذکر نہیں آیا۔ اور اکثر اسی پر ہیں مگر امام شافعی فرماتے ہیں تین تین بار مسح کرنا مستحب ہے۔ ابو داؤد نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث جو صحیح ہیں صرف

ایک ایک بار مسح پر دلالت کرتی ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا مسح کا تکرار غریب اسناد میں آیا ہے۔ لیکن احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کے باعث وہ اہل علم کے نزدیک حجت نہیں بن سکتا۔ انتہیٰ۔ پھر جہاں جہاں تکرار مسح کا ذکر ہے اس سے ایک ہی پانی سے تکرار مراد ہے۔ نئے پانی سے تکرار مراد نہیں۔ علامہ شمنی نے کہا آب جدید کے ساتھ تین تین بار مسح کرنا بدعت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک غریب روایت میں آیا ہے۔ ہاں ایک ہی پانی سے تین بار مسح کرنا ہدایہ میں اسے مشروع اور جائز۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی قرار دیا۔ ہدایہ کی بعض شروح میں کہا کہ حسن نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک ہی پانی سے اگر تین بار مسح کرے تو یہ مسنون ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۳۸۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَاَنَّهٗ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور اس پانی سے مسح کیا جو ہاتھوں سے بچا ہوا نہ تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور مسلم نے اسے کچھ زوائد[۲] کے ساتھ روایت کیا۔

[۱] یعنی مسح سر کے لیے نیا پانی لیا۔ اور اس سے مسح کیا اور اس تری پر جو ہاتھوں کو لگی ہوئی تھی۔ کفایت نہ کی۔ کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے اس تری کے ساتھ مسح کر لیا جو دھوئے جانے والے عضو سے ہاتھ میں لگی رہتی ہے تو یہ کافی ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے برتن سے نیا پانی لیا۔ مگر اس تری سے مسح کرنا جائز نہیں جو کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد باقی رہے اور اس باب میں ایک حدیث بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرچکے ہیں۔ اور اس مذکورہ حدیث میں بھی بروایت ابن لہیعہ غیر کے بجائے مِنْ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اس تری سے مسح کیا جو ہاتھ دھونے کی وجہ سے ہاتھوں میں لگی ہوئی تھی۔ یعنی نیا پانی نہ لیا۔ تاہم صحیح روایت وہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔ کیونکہ دوسری روایات میں صراحۃً آیا ہے کہ آپ نے مسح سر کے لیے نیا پانی لیا۔ پس اول اور افضل وہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔ اور ہاتھ میں لگی ہوئی باقی ماندہ تری سے مسح کرنا بھی جائز ہے۔

[۲] یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، چہرہ اور باقی اعضائے وضو دھونا۔ اور چونکہ مصنف رحمہ اللہ نے ان زوائد کا ذکر دوسری احادیث میں کر دیا ہے۔ اس لیے یہاں ترمذی کی اس حدیث پر کفایت کی جس میں مسح کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر ہے۔ یہ غور و فکر کا مقام ہے۔

۳۸۲ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَکَانَ یَمْسَحُ الْمَاقَیْنِ وَقَالَ الْاُذُنَیْنِ مِنَ الرَّأْسِ۔

رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَذَکَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِیْ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشمانِ مبارک کے دونوں کونے چہرۂ انور دھوتے وقت ملتے تھے۔ اور ابو اُمامہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کان سر میں شامل ہیں۔ اسے ابن ماجہ اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور ان دونوں (ابوداؤد و ترمذی) نے ذکر کیا کہ حماد نے کہا میں نہیں جانتا کہ قول الاذنان من الرأس حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک۔

لہ یہاں سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سر کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا چاہیے۔ اور ہاتھوں سے باقی ماندہ پانی سے کرنا چاہیے۔ آب جدید سے نہ کرنا چاہیے۔ مسئلہ اول میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ بعض کے نزدیک کان چہرے میں شامل ہیں لہذا چہرہ دھوتے وقت کانوں کا مسح کرنا چاہیے۔ بعض یہ کہتے ہیں۔ کانوں کا ظاہری حصہ سر میں اور اندر کا حصہ منہ میں شامل ہے۔ یہ حضرات الاذنان من الرأس کے الفاظ کو ضعیف قرار دیتے ہیں یا اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیتے ہیں اور دوسرا مسئلہ کہ کانوں کا مسح سر کی تری سے کیا جائے ہمارا اور امام احمد کا مذہب ہے ان کے اکثر مشائخ کے بیان کے مطابق یہی صحیح ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کو زیادہ تر ذکر کیا ہے کہ آپ سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کرتے تھے۔ بہت سی احادیث میں یہ بیان آیا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت میں اور امام مالک کے نزدیک کانوں کا مسح نئے پانی سے کیا جائے گا اس باب میں بھی ایک حدیث مروی ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے) کہ غالباً اور اکثر اوقات میں کانوں کا مسح آپ سر سے ہی کرتے تھے۔ ہاں کسی وقت تری ہاتھوں میں باقی نہ رہتی تھی تو کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لہ حدیث کی عبارت جسے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ دونوں معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ اور حماد کو تردد بھی یہیں سے لاحق ہوا ہے۔

۳۸۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْدَاؤُدَ مَعْنَاهُ

حضرت عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بادیہ نشین حاضر ہوا وہ آپ سے وضو کی کیفیت اور اس کا کمال دریافت کر رہا تھا آپ نے اسے تین تین بار عضو دھو کر دکھایا، پھر فرمایا کامل وضو کی شکل یہی ہے جس نے تین سے زیادہ بار دھویا اس نے برا کیا، اور حد سے بڑھا اور ظلم کا مرتکب ہوا۔ اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابو داؤد نے اس کا معنی روایت کیا۔

۳۸۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْقَصْرَ الْاَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ قَالَ اَيْ بُنَيَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ فِي الطُّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت عبد اللہ بن مغفل [1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے لڑکے کو یہ دعا کرتے سنا اللھم انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنۃ اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کی درخواست کرتا ہوں۔ فرمایا اے میرے لخت جگر اللہ سے جنت [2] کا سوال کر۔ اور خدا تعالیٰ کے پاس آتش دوزخ سے پناہ مانگ۔ کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا بیشک یہ امر واقعہ ہے کہ میری اس امت میں عنقریب ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو وضو اور دعا میں ادب و اعتدال کی حد سے بڑھ [3] جائے گا۔ اسے احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] بضم میم و فتح غین و فائے مشددہ آپ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یعنی اس تکلف اور بے فائدہ گفتگو کی کیا ضرورت ہے کہ جنت کی معین جگہ اور مخصوص مقام اور وہ بھی خاص کیفیت وصفت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مانگ رہا ہے۔ تو یہ طلب کر کہ خدا تعالیٰ تجھے آتش دوزخ سے بچائے اور جنت عطا فرمائے۔

[3] طہارت میں حد سے تجاوز کرنا تو یوں ہے کہ تین بار سے زیادہ بار دھوئے۔ پانی میں اسراف کرے۔ اور وسوسے کی حد تک پانی کے استعمال میں مبالغہ کرے اور دعا میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ کسی معین مقصد کی درخواست کرے اور امکان و عادت سے خارج چیز کے حصول کی دعا کرے اور اپنے پاؤں ادب سے باہر نکالے۔

۳۸۵ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُّقَالُ لَہُ الْوَلْھَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَہٗ غَیْرَ خَارِجَۃَ وَھُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وضو کے لیے ایک شیطان ہوتا ہے جسے ولہان[2] کہتے ہیں سو پانی کے وسوسوں سے بچو[3] اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کا اسناد قوی نہیں کیونکہ ہم خارجہ[4] بن مصعب ابوالحجاج سرخی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے جس نے اسے مسند بیان کیا ہو اور وہ ہمارے اصحاب کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

[1] آپ عظیم الشان صحابی ہیں، سید القراء، سید الانصار اور کاتب وحی ہیں۔ آپ کے مناقب دوسرے مقام میں مذکور ہوتے ہیں۔

[2] وُلہان وَلَہ سے مشتق ہے۔ یعنی اندوہ و صدمہ اور صدمے کے باعث عقل کا زائل ہو جانا اور بمعنی حیرت بھی آتا ہے۔ اس شیطان کا نام ولہان اس لیے رکھا گیا کہ وہ طلب وسوسہ کی شدت حرص اور لوگوں کی وسوسہ اندازی کی فکر میں گویا ہر وقت حیرت اور غم و اندوہ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ولہان انسان کی صفت کا نام ہو۔ کہ اس کی طرف سے وسوسہ اندازی کے باعث انسان حیرت و اندوہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس بنا پر مجازاً اس انسان کو شیطان کہہ دیا گیا ہے۔

[3] یعنی ان وسوسوں سے بچو جو وضو کے وقت آتے اور اسراف میں مبتلا کرتے اور حد سنت سے باہر نکال دیتے ہیں۔

[4] کہ علماء حدیث اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور انہوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۸۶۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ مَسَحَ وَجْھَہٗ بِطَرَفِ ثَوْبِہٖ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو کر چکے تو کپڑے کے ایک کنارے[1] سے اپنا چہرہ مبارک صاف کیا۔ ترمذی شریف۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو کپڑا پہنا ہوا تھا اُسی سے عضو (چہرہ مبارک) صاف کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے کوئی الگ رومال تیار نہ رکھا ہوا تھا۔ اور اگر ثوب کے لفظ میں الگ رومال بھی شامل کر لیا جائے۔ تو بھی بعید نہیں۔

۳۸۷۔ [illegible]　　　[illegible] سے روایت ہے فرماتی

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِرْقَۃٌ یُنَشِّفُ بِھَا اَعْضَاءَہٗ بَعْدَ الْوُضُوْءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْمُعَاذٍ الرَّاوِیْ ضَعِیْفٌ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کپڑے کی ایک ٹاکی[۱] ہوتی تھی جس کے ساتھ وضو کے بعد آپ اعضاء مبارک پونچھتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث قوی نہیں۔ اور ابو معاذ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف[۲] ہے۔

[۱] کہ آپ کپڑے کے اس ٹکڑے کے ساتھ اعضاء سے لگا ہوا پانی صاف کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء مبارک صاف کرنے کے لیے علیحدہ کپڑا بھی ہوتا تھا۔

[۲] امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اپنی جامع میں ان دونوں احادیث کو روایت کیا اور دونوں کو ضعیف کہا۔ پہلی حدیث کا ضعف بیان کرتے ہوئے کہا کہ رشدین بن سعد اور عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی حدیث میں ضعیف ہیں۔ اور کہا اس باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح روایت میں کوئی چیز مروی نہیں۔ اور ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رومال استعمال کرنے کی اجازت ثابت کرتا ہے۔ جو حضرات رومال کا استعمال مکروہ قرار دیتے ہیں وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وضو کا پانی بھی قیامت کے روز تولا جائے گا انتہی۔ لہٰذا وہ اعضاء وضو کے ساتھ رہنا چاہیے۔

کتب حنفیہ میں مذکور ہے کہ رومال کا استعمال اگر بطور تکبر ہو تو مکروہ ہے۔ ورنہ مکروہ نہیں۔ بعض کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ استعمال نہ کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔ اور اگر کر لیا جائے تو مکروہ بھی نہیں۔ اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے کہ اس میں اثر عبادت کا ازالہ ہے۔ کیونکہ وضو کا عضو جب تک تر رہے وضو کا پانی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۸ عَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِیْ صَفِیَّۃَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ ھُوَ مُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَکَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّۃً مَرَّۃً وَّمَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا قَالَ نَعَمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ثابت[۱] بن صفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو جعفر محمد باقر[۲] رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار، دو دو بار اور تین تین بار وضو کیا؟ فرمایا ہاں۔

وَابْنُ مَاجَۃَ۔ ترمذی و ابن ماجہ

ؔلہ حضرت ثابت بن صفیہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت انس اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما سے احادیث سنیں اور سفیان ثوری و ابن عیینہ نے ان سے احادیث سنیں۔ دوسرے آئمہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اخبار میں کثیر الوہم تھا اور اس کی احادیث کمزور ہیں۔ ابن معین نے کہا لیس بشی (یہ شخص کچھ نہیں)۔

ؔلہ ابو جعفر محمد باقر بن علی زین العابدین سلام اللہ علیہما و علی آبائہم الکرام۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ مدینہ مطہرہ کے اعاظم فقہائے میں سے ہیں ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت زین العابدین، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بہت آنا جانا تھا۔ اور ان سے آپ بہت حدیثیں سنتے تھے۔ علماء کرام نے کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص تجھ سے علم حاصل کرے گا۔ آپ کو باقر کا لقب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا۔ بقر کا معنی لغت میں پھاڑنے اور کشادہ کرنے کا ہے۔ وسمی محمد بن علی زین العابدین لتبقرہ فی العلم یعنی حضرت ابو جعفر محمد کا نام باقر اس لیے رکھا گیا کہ آپ وسیع اور کشادہ علم رکھنے والے تھے۔ تذکروں میں آیا ہے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے (حضرت جابر اس وقت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے) تو آپ پوچھتے تم کون ہو۔ آپ جواب دیتے میں محمد بن علی ہوں۔ یہ سن کر حضرت جابر فرماتے مرحبا مرحبا یا ابن رسول اللہ وولد سطیبہ وریحانتہ مرحبا مرحبا اے رسول اللہ کے بیٹے اور رسول اللہ کے دو خوشبوؤں اور پھولوں (امام حسن و حسین) کے صاحبزادے۔ پھر حضرت جابر ان کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے اور ان کی گردن اور سینہ اور بغل میں ہاتھ پھیرتے اور اخلاص و عقیدت کی خوشبو سے اُنس و محبت سونگھتے۔ بیت

اے گل زتو خورسندم کہ تو بوئے کسی داری

اے سرو زتو نازم قدرت بکسے ماند

"اے گل میں تجھ سے بہت ہی خوش ہوں کیونکہ تجھ سے کسی کی خوشبو آتی ہے۔ اے سرو نازک مجھے تجھ پر ناز ہے کہ تیرا قد کسی کی مانند ہے"

اور حضرت جابر ان سے فرماتے اے ابن اخی مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر احادیث حاصل کرنا چاہتا ہے کرے کیونکہ مجھے ہر بات سے متعلق بے شمار احادیث یاد ہیں۔ اور حضرت جابر سے بہت سی طویل احادیث مذکور ہیں جو راویوں کے حالات کی خصوصیات کی تفصیلات کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے رضی اللہ عنہ۔

۳۸۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هُوَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیا اور فرمایا یہ نور علی نور ہے۔

رزین۔

سلہ طہارت پر طہارت اور فرض پر سنت کا اضافہ مزید نورانیت کا موجب و سبب ہے۔ اس لفظ میں مذکورہ تحجیل کی طرف اشارہ ہے۔ (کہ وضو کے اعضاء روز قیامت چمکتے ہوں گے)۔

۳۹۰ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَالنَّوَوِيُّ ضَعَّفَ الثَّانِيَ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ

حضرت عثمان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو فرمایا اور کہا یہ میرا اور پہلے انبیاء علیہم السلام اور حضرت ابراہیم[2] علیہ السلام کا وضو ہے۔ ان دونوں احادیث کو رزین نے روایت کیا اور نووی نے شرح صحیح مسلم میں اسے ضعیف کہا ہے[3]۔

سلہ یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

سلہ یعنی میرا یہ وضو کامل وضو ہے۔ اور مجھ سے پہلے انبیاء بالخصوص حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہم السلام کا وضو ہے جو خاص نوعیت کی طہارت و نظافت کا حامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کا وضو مبارک بھی ہمارے اسلامی طریقے اور خصوصیات کے مطابق تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دلالت مقام کے پیش نظر خاص تین تین بار دھونے کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ عبارت کا انداز بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

سلہ یعنی شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے دوسری حدیث جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کو شرح صحیح مسلم میں ضعیف کہا ہے۔

۳۹۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَكَانَ اَحَدُنَا يَكْفِيْهِ الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز[1] کے لیے وضو کرتے تھے۔ مگر ہمارے لیے بے وضو ہونے تک ایک ہی وضو کافی ہوتا تھا۔ دارمی۔

سلہ اسی بنا پر بعض کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ کہنے والی

حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ۔ بعض فرماتے ہیں ہر نماز کے لیئے تازہ وضو کرنا عزیمت پر عمل اور ظاہر کتاب اللہ یعنی آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الخ کے پیش نظر تھا واجب وضروری نہ تھا۔

۳۹۲۔ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَرَاَيْتَ وُضُوْءَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهٗ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حَنْظَلَةَ ابْنِ اَبِيْ عَامِرِ الْغَسِيْلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَوُضِعَ عَنْهُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهٗ حَتّٰى مَاتَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت محمد بن یحیٰی بن حبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عبید اللہ[2] بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ بات آپ بتائیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باوضو ہوں یا بے وضو ہر حالت میں ہر نماز کے لیئے تازہ وضو کرتے ہیں یہ بات آپ نے کس سے حاصل کی ہے ۔ تو انہوں نے فرمایا حضرت اسماء[3] بنت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے ان سے حدیث بیان کی کہ بیشک حضرت عبد اللہ[4] بن حنظلہ بن ابی عامر الغسیل نے ان سے حدیث بیان کی کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور تھے کہ باوضو ہوں یا بے وضو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کریں جب یہ حکم آپ کو دشوار محسوس ہوا تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا گیا ۔ اور ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا منسوخ ہو گیا مگر وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں ۔ حضرت عبد اللہ[5] اپنے اندر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کی قوت پاتے تھے ۔ اس لیے وفات تک وہ ایسا ہی کرتے رہے ۔ احمد ۔

[1] حبّان بفتح حا و بائے مشددہ آپ ابو عبد اللہ انصاری مازنی ہیں ۔ فقہائے تابعین میں سے ہیں ۔ محدث ابن حبان نے انہیں صاحب طبقہ اور ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے ۔ آپ ابن عمر و انس اور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ۔ آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے ہیں ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے ۔ اور عبادت الٰہی ، تقوٰی اور علم میں ان کا خاص الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے ۔ آپ ۱۲۱ھ میں فوت ہوئے ۔

[2] عبید اللہ تابعی ثقہ ہیں ۔ قلیل الحدیث ہیں ۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر کے بھائی ہیں ۔ ۱۰۶ھ کے بعد اپنے بھائی سالم سے پہلے فوت ہوئے ۔

۵۳ حضرت اسماء بنت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن ہیں۔ حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے بڑے بھائی ہیں آپ حضرت دیدمہاجرین اولین میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔ جنگ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا بھی صحابیات میں سے ہیں۔

۵۴ حضرت عبداللہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ اور حضرت حنظلہ غسیل سادات صحابہ میں سے ہیں۔ غزوہ احد کے دن جام شہادت نوش فرمایا جس قصے کی بنا پر آپ غسیل کے لقب سے مشہور ہیں وہ مشہور قصہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سات سال کے بچے تھے حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نہایت اچھے اور فاضل شخصیت اور امیر انصار تھے۔ واقعہ حرہ کے دن شہید ہوئے۔ باقی رہا ابو عامر راہب حضرت حنظلہ کا باپ تو وہ کافر تھا اور کفر کی حالت میں ہی بدبختی اور شقاوت کے معاویہ میں جا گرا۔

۵۵ یعنی یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا کہ صرف وجوب منسوخ ہوا ہے۔ جو شخص قوت و طاقت رکھتا ہو اس کے لیے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنے کی اولویت اور افضلیت باقی ہے۔ فہم اور سمجھ سے کام لو۔

۳۹۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ قَالَ أَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جب کہ وہ وضو کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد یہ اسراف اور پانی کی فضول خرچی کس لیے عرض کیا کیا وضو میں اسراف ہوتا ہے فرمایا ہاں اگرچہ تو جاری نہر کے کنارے ہی وضو کر رہا ہو۔ احمد و ابن ماجہ۔

سلہ یعنی پانی ہونا دراالوجود اور کیاب کبھی نہیں اور عادۃ اس سے خرچ و استعمال ہی کیا جاتا ہے۔ اس میں کیا اسراف ہو گا۔ فرمایا اس میں اسراف ہوتا ہے۔

سلہ اس جملے میں مبالغے کے طور پر پانی کے اسراف سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسراف متصور نہیں بعض علماء فرماتے ہیں نہر سے وضو کرنے میں اگر ... [illegible]

اسراف پایا جاتا ہے۔ اور اس کے نزدیک ہے وہ جو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں اسراف سے مراد گناہ کا ارتکاب ہے۔ یعنی اگرچہ جاری نہر سے وضو کرتے ہیں ضرورت سے زیادہ پانی بہانے اور اسے ضائع کرنے کی صورت متحقق نہیں ہے مگر مقدار شرعی سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی بنا پر گناہ ضرور لازم آتا ہے۔

۳۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّاَ وَلَمْ یَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ یُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وضو کرے اور اللہ کا ذکر کرے (ابتداء وضو میں بسم اللہ شریف پڑھے) اس کا سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو وضو کرے مگر خدا تعالیٰ کا نام نہ لے تو اس کے صرف وضو والے اعضاء ہی پاک[1] ہوتے ہیں ہی۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنا سنت و مستحب ہے، واجب و ضروری نہیں، جیسا کہ گذرا۔

۳۹۵ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِیْ اُصْبُعِهٖ رَوَاهُمَا الدَّارُقُطْنِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ الْاَخِیْرَ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز والا وضو کرتے تو اپنی انگشت مبارک میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو ہلا لیتے۔ ان دونوں احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے صرف دوسری کو روایت کیا۔

بَابُ الْغُسْلِ

غسل کا بیان

غسل بضم غین اور بفتح غین بمعنی دھونا۔ غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی تمام جسم دھونا نیز وہ پانی جس سے بدن دھوتے ہیں۔ اور غِسل کسرِ غین کے ساتھ ایسی چیز جس کے ساتھ سر دھوتے ہیں۔ جیسے مٹی اور اشنان اور خطمی وغیرہ۔ مغسول یعنی پانی اور سر دھونا دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ غسالہ وہ میل کچیل جو کسی چیز کو دھونے سے باہر نکلتی ہے۔ تغسیل اعضاء دھونے میں مبالغہ کرنا اور دوسرے کو غسل پر آمادہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۹۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَّمْ یُنْزِلْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر عورت کو مشقت میں ڈال دے (جماع کرے) تو غسل واجب ہو[۳] جاتا ہے۔ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (بخاری و مسلم)

لہ شعب شعبہ کی جمع ہے۔ شعبہ کا معنی کسی چیز کا ٹکڑا اور شاخ کا آتا ہے۔ یہاں اس سے عورت کے دونوں ہاتھ اور پاؤں یا دونوں رانیں اور دو پنڈلیاں یا دونوں رانیں اور اس کی شرم گاہ کے دو کنارے یا اس کی شرمگاہ کے چاروں کنارے مراد ہیں۔

ےہ یعنی مرد و عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔

ےہ یہی ائمہ اربعہ اکثر صحابہ خلفائے اربعہ اور حضرت عائشہ اور تابعین وغیر تابعین رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

۳۹۷ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِی الْاِحْتِلَامِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ۔

حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانی کا استعمال (غسل) پانی (منی) نکلنے سے لازم[۱] آتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث منسوخ[۲] ہے۔ اور ابن عباس[۳] رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ الفاظ احتلام کے لیے ہیں۔ مگر میں نے اسے بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔ (ترمذی[۴] شریف)

لہ۔ اس حدیث کے مطابق بے انزال غسل فرض نہ ہوگا۔ پس ان دو احادیث کے درمیان تعارض پایا جاتا ہے مؤلف صاحب مشکوٰۃ اس کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے قول میں فرماتے ہیں۔ قال الشیخ الی آخرہ۔

ےہ یعنی حدیث انما الماء من الماء منسوخ ہے۔ جیساکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رخصت لم

سہولت ابتدائے اسلام میں تھی۔ بعد میں اس سے منع کر دیا گیا۔ ترمذی نے کہا اسی طرح کی روایت بہت سے صحابہ سے مروی ہے کہ یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی۔ بعد میں منسوخ ہو گئی۔ اور یہ حکم ہوا کہ جب مرد کا آلہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے سادہ التقاء ختانین ہو جانے تو غسل فرض ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔

۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کی حالت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ اس میں تری دیکھے بغیر غسل فرض نہیں ہوتا۔ اگرچہ اسے دیکھا ہوا خواب اور اس میں حاصل شدہ لذت یاد ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تاویل کے مطابق حدیث کو منسوخ قرار دینے کی حاجت نہ رہے گی۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے۔ احتلام کی حالت ہو یا غیر احتلام کی کہ یہ حکم ابتدا اسلام میں تھا اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔

۴ یعنی اس حدیث کو کہ حضرت ابن عباس نے کہا انما الماء من الماء فی الاحتلام ، ترمذی نے روایت کیا اور میں اسے بخاری و مسلم میں نہیں پاتا۔ دراصل یہ مولف کی طرف سے صاحب مصابیح پر اعتراض ہے۔ کہ وہ اس حدیث کو صحاح میں لائے ہیں۔ حالانکہ صحیحین میں یہ حدیث نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مصنف (صاحب مصابیح) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دونوں حدیثوں میں تعارض اٹھانے کے لیے لائے ہیں۔ اس طریق پر نہیں لائے کہ حدیث بھی صحیحین کی ہے

۳۹۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَاءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ ام سلیم[۱] نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ حق[۲] بیان کرنے سے نہیں شرماتا کیا۔ جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل فرض ہوتا ہے آپ نے فرمایا ہاں جب کہ وہ پانی (منی) دیکھے[۳]۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرم سے اپنا چہرہ مبارک چھپا لیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں تیرا ہاتھ خاک آلود ہو[۴]۔ بچہ کسی وجہ سے عورت کی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔ حدیث کی اتنی مقدار بخاری و مسلم میں مذکور ہے اور مسلم نے بروایت ام سلیم یہ عبارت زیادہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی منی گاڑھی اور سفید اور عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے تو دونوں میں سے جو منی غالب آجائے یا رحم میں پہلے داخل ہو جائے بچہ اسی[۵] کے مشابہ ہوتا ہے۔

سلہ۔ام سلیم رضی اللہ عنہا مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

سلہ۔یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرتے اور حق سننے سے نہیں شرماتا یعنی حق بات دریافت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے نہیں روکا اور یہ آئندہ مسئلہ دریافت کرنے کی تمہید اور عذر خواہی کے لیے عرض کیا۔

سلہ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حق بات دریافت میں حیا کرنے سے نہیں روکا، تو پھر میں آپ سے دریافت کرتی ہوں کہ جب عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل فرض ہوگا؟

سلہ مرد کے لیے بھی یہی مسئلہ ہے۔

سلہ۔اصل لغت میں تو اس لفظ کا معنی کسی کے لیے ذلت ومحتاجی کی بددعا کرنا ہوتا ہے۔ پھر بعد میں یہ لفظ عربوں کی زبان زد ہو گیا جسے تعجب اور مذمت کے وقت استعمال کرتے ہیں۔اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے۔یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ اے ام سلمہ تجھ پر تعجب کہ تو اس طرح کی بات کر رہی ہے اور تو اپنی سمجھ اور فراست سے کام نہیں لے رہی کہ عورت سے بھی منی خارج ہوتی ہے جس طرح مرد سے خارج ہوتی ہے۔اگر عورت سے منی خارج نہیں ہوتی تو پھر بچہ کس وجہ سے عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

سلہ۔چنانچہ اگر مرد کی منی پہلے رحم میں چلی گئی یا وہ غالب آگئی تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے۔اور اگر عورت کی منی پہلے رحم میں گئی یا وہ غالب آگئی تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

۳۹۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلٰثَ غَرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهُمَا الْاِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کرتے تو اس طرح شروع کرتے کہ دونوں ہاتھ دھوتے پھر اس طرح وضو کرتے جس طرح نماز کے لیے ہوتا ہے۔پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔پھر سر پر تین چلو پانی ڈالتے۔پھر سارے جسم مبارک پر پانی بہاتے۔یہ حدیث بخاری ومسلم کی ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ غسل کا آغاز کرتے تو برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ مبارک دھوتے۔پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ کو دھوتے۔ پھر

ثُمَّ يَتَوَضَّأُ ۔	وضو کرتے۔

لے۔ اس کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ سارے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے آپ پاؤں بھی دھو لیتے تھے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی آئندہ حدیث اس امر پر صریح دلالت کرتی ہے کہ پاؤں مبارک بعد میں دھوتے تھے دونوں احادیث کی روشنی میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ غالباً دونوں طرح کرتے تھے کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح۔ احناف کا مذہب حضرت میمونہ کی حدیث کے مطابق یہ ہے کہ پاؤں غسل کرنے کے بعد دھوئے جائیں۔ ہدایہ شریف میں مذکور ہے کہ پاؤں آخر میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ پاؤں پانی جمع ہونے اور میل کچیل کی جگہ میں ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے دھو لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر اونچے پتھر یا تختے پر ہو تو پھر پہلے ہی دھوئے تاخیر نہ کرے۔ ہو سکتا ہے دونوں احادیث کا یہی مصداق و محمل ہو۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سر کا مسح بھی وضو کے اندر کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت یہی ہے۔ اور آپ سے ایک روایت میں مسح نہیں ہے کہ غسل کی صورت میں مسح کا کچھ فائدہ نہیں۔ بعد میں پانی بہانا مسح کو معدوم کر دے گا۔ مگر صحیح پہلا قول ہے۔ تحقیق یہ کہ وضو کے بعد آپ نے سر مبارک دھویا۔ اس کیفیت کے ساتھ جو ثم یدخل اصابعہ فی الماء میں مذکور ہے۔

۴۰۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهٗ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور آپ کو کپڑے سے چھپایا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انہیں دھویا۔ پھر دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انہیں دھویا پھر آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔ اور شرمگاہ کو دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ اور اسے زمین سے ملا پھر اسے دھویا۔ پھر کلی کی۔ اور ناک میں پانی ڈالا اور صاف کیا اور اپنا چہرہ اور بازو مبارک دھوئے پھر آپ نے اپنے سر مبارک پر پانی بہایا اور باقی سارے جسم پر بھی بہایا۔ پھر جائے غسل سے ہٹے اور دونوں قدم مبارک دھوئے پھر میں نے آپ کو ایک کپڑا دیا مگر آپ نے نہ لیا اور اپنے دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ بخاری و مسلم اور الفاظ بخاری کے ہیں مسلم نے اس معنی کو مختصر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ف۱۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔
ف۲۔ غُسلاً اور غَسلاً بسکون غین و ضمہ میں دونوں طرح مروی ہے۔
ف۳۔ یعنی دو بار تو دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا۔ اور تیسری بار دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔
ف۴۔ زیادہ طہارت اور صفائی کے لیے۔
ف۵۔ یہ حدیث سر کا مسح نہ کرنے اور پاؤں بعد میں دھوتے میں صریح ہے۔ بخلاف گذشتہ حدیث کے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسح سر میں گذشتہ حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ اور قدم دھونے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور پہلی حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔
ف۶۔ یعنی حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل شریف سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو ایک کپڑا دیا کہ اس سے بدن مبارک صاف کریں اور بدن سے مل لیں اور جسم سے پانی خشک کرلیں۔
ف۷۔ اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے میں (میمونہ) نے رومال پیش کیا۔ مگر آپ نے اس سے بدن مبارک صاف نہ کیا۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وضو کے بعد کپڑے سے اعضاء وضو کو صاف کرنا مکروہ ہے یا مستحب۔ یا مباح بعض کہتے ہیں۔ آپ نے اس لیے کپڑا نہ لیا اور اس سے جسم مبارک صاف نہ کیا۔ کیونکہ وہ میلا کچیلا تھا۔ واللہ اعلم۔
ف۸۔ حدیث کے ان الفاظ سے ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہاتھوں سے پانی جھاڑنے کے لیے ایسا کیا۔ مگر دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا وضو کرو اور ہاتھ نہ جھاڑو۔ بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہاں جھاڑنے سے چلتے ہوئے انہیں ہلانا مراد ہے جس طرح اہل قوت راستے میں چلتے ہوئے کرتے ہیں۔ کیونکہ وضو کے پانی کو جھاڑنا مکروہ ہے۔ کہ وہ عبادت کا اثر ہے۔ تو یہ معنی آپ کے مقام ارفع سے بعید ہے۔

۴۸۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِيْ بِهَا	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غسل حیض کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ کس طرح غسل کرے پھر آپ نے فرمایا تھوڑی سی خوشبو یا چھوٹا سا خوشبودار کپڑا لے۔ اور اس سے طہارت حاصل کر۔ اس عورت نے عرض کی میں کس طرح پاک ہوں۔ آپ نے فرمایا اس سے طہارت حاصل کر۔ عورت نے عرض کیا کیسے طہارت حاصل کروں۔ پھر آپ نے بطور تعجب فرمایا۔ سبحان اللہ اس خوشبو یا خوشبودار کپڑے کے ساتھ

فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَیَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِیْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پاک ہو جا حضرت عائشہ فرماتی ہیں اس پر میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور کہا اس خوشبو یا خوشبو دار ٹاکی سے شرمگاہ پر لگے ہوئے خون کے نشانات صاف کر۔ (بخاری و مسلم)

ف۱۔ فِرْصَة بکسر فا و ضم اور فا مفتوح بھی آئی ہے سا در سکون را اور صاد مہملہ یعنی قطعہ و ٹکڑا۔ اور قاف مفتوحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی قرصہ بمعنی تھوڑی سی چیز۔ اور قاف مفتوحہ اور ضاد معجمہ کے ساتھ بھی روایت آئی ہے۔ یعنی قرضۃ بمعنی قطعہ۔

ف۲۔ مسک خوشبو یا کپڑے کا خوشبو دار ٹکڑا۔ ایک روایت میں مُمَسَّک بفتح سین مشدد اسی معنی میں یا بمعنی ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا ہوا بھی آیا ہے۔ اور شرمگاہ میں رکھا جانے والا ٹکڑا۔ اور ایک روایت میں مسک بفتح میم بمعنی چمڑہ بھی آیا ہے بعض نے اس آخری روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ مشک تو ایک قیمتی چیز ہے۔ اور وہ (عرب) قوم شدت فقر (تنگ دستی) کی وجہ سے مشک استعمال کرنے کی طاقت کہاں رکھتی تھی مگر روایت کے اعتبار سے زیادہ قوی پہلی روایت ہے اور فقہا نے کہا ہے کہ عورت کے لیے مستحب ہے کہ تھوڑی سی خوشبو یا کپڑے کا ایک خوشبو دار ٹکڑا لے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم انہیں کے لیے ہوگا جو مشک حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ نے اس عورت سے فرمایا کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر خوب صفائی کر۔

ف۳۔ یعنی اس کے نہ سمجھنے اور بار بار دریافت کرنے کی وجہ سے۔

ف۴۔ بعض نسخوں میں فاجتبذتہا یا کی ذال پر تقدیم کے ساتھ آیا ہے۔ اور جذب و جبذ دونوں ہم معنی ہیں۔

ف۵۔ یعنی میں نے اس عورت کو سمجھانے کے لیے کہا تطہر (پاک ہو جا) کا مطلب ہے، طلب کر اور دور کر اپنی فرج (شرمگاہ) سے خون کا نشان۔ یعنی تطہر کا معنیٰ ظاہر ہے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

۴۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ امْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَاْسِیْ اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِیْ عَلٰی رَاْسِكِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسی عورت ہوں کہ بڑے سخت طریقے سے اپنے بال گوندتی ہوں۔ کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھول لیا کروں فرمایا نہیں تیرے لیے بس اتنا کافی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین لپ پانی بہا لیا کر پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کر۔ اور پاک ہو جایا کر۔ (مسلم)

لہ ضفر بفتح ضاد وسکون فا بال گوندنا اور انہیں بل دینا جیسا کہ عربی عورتوں کی عادت ہے۔
ٹلہ حثی بسکون حا دکسر ثا مثلثہ۔
ٹلہ حثیات۔ حثیہ کی جمع معنی اور وزن میں غرفہ کی طرح ہے۔ یعنی پانی سے بھری ہوئی لپ۔

۴۰۳- وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد[لہ] پانی کے ساتھ وضو اور ایک صاع سے پانچ مُد تک[ٹلہ] پانی کی مقدار سے غسل کیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ مُد بضم میم۔ ایک پورے رطل اور ایک تہائی رطل وزن کو مُد کہتے ہیں۔
ٹلہ۔ یعنی آپ کبھی ایک صاع سے اور کبھی صاع سے زیادہ پانچ مُد پانی سے غسل کرتے تھے۔ مُد اور صاع کا حساب ہمارے علاقوں میں مبہم اور غیر واضح ہے۔ ہم (شیخ محدث علیہ الرحمۃ) نے شرح سفر السعادہ میں اپنے علاقوں کے لوگوں کے مطابق اس کا بیان اور اس کی تحقیق کی ہے۔ ایک صاع اکبر شاہی وزن کے مطابق جس کا ایک سیر تیس سیر شاہی جتنا ہوتا ہے پانچ سیر اور سواں حصہ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ اور موجودہ مروج وزن جہانگیری ایداللہ ملکہ وسلطانہ (اللہ تعالیٰ اس کے ملک وسلطنت کی تائید فرمائے) کے مطابق جس کا ایک سیر ۳۶ سیر شاہی جتنا ہوتا ہے۔ چار سیر اور ایک پاؤ صاع کا وزن ہے یعنی شاہی سیر سے ایک سیر کم۔

پس جب غسل کے لیے ایک صاع اور وضو کے لیے ایک مد مقرر ہے اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے تو مروزن غسل اور وضو میں مذکورہ وزن کا حساب پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ایک روایت میں ایک مُد اور تیسرا حصہ مُد کے ساتھ وضو اور تین مُد کے ساتھ غسل کرنا بھی آیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس سے مقصود تعیین و تحدید نہیں کہ اس میں کمی بیشی درست نہ ہو۔ فضیلت اس میں ہے کہ بے اسراف خوب اور پوری طرح اعضاء دھل جائیں۔ اس کے لیے پانی کی جو مقدار استعمال میں آئے درست اور جائز ہے۔ اور اگر بقدر کفایت پر اکتفاء کرے یعنی اتنی مقدار پر جس سے اعضاء پر سے پانی بہہ جائے تو بھی ٹھیک ہے۔

۴۰۴- وَعَنْ مُعَاذَةَ[لہ] قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ

حضرت مُعاذۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے[ٹلہ] غسل کیا کرتے تھے۔ جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا تھا۔ آپ مجھ سے

فَيُبَادِرُنِي حَتّٰى أَقُوْلَ دَعْ لِي دَعْ لِي قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جلدی پانی اٹھاتے تھے یہاں تک کہ میں کہتی تھی میرے لیے بھی پانی رہنے دیں میرے لیے بھی رہنے دیں حضرت معاذہ کہتی ہیں: حضور اور حضرت عائشہ دونوں جنبی تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎۔ معاذہ بضم میم عورت کا نام ہے جو ثقہ اور عابدہ تابعیات میں سے ہے۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ وغیرہما رضی اللہ عنہم سے روایت کرتی ہیں۔

۲؎۔ یہ ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں تین صاع (کوئی پونے تیرہ کلو) پانی آتا تھا ہم دونوں میں سے ہر ایک اس میں ہاتھ ڈالتا اور پانی لیتا تھا۔

۳؎۔ یعنی مجھے بھی موقعہ دیں کہ پانی لے سکوں۔

۴؎۔ اور غسل جنابت کر رہے ہوتے تھے۔

۵؎۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر جنبی نے دھونے کی نیت سے ہاتھ پانی میں نہ ڈالا ہو تو اس سے پانی کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس میں خلل نہیں آتا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھرنے کے سوا اور کوئی صورت برتن سے پانی لینے کی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس ضرورت کے تحت اس صورت میں اسے مستعمل پانی قرار نہیں دیا جاتا۔ ہاں اگر جنابت سے پاک کرنے کی نیت سے ہاتھ پانی میں ڈالا تو وہ پانی قابل استعمال و طہارت نہ رہے گا۔ کہ پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلا ضرورت ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ یوں ہی اگر کوئی اور عضو پانی میں ڈالا تو وہ پانی استعمال کے قابل نہ رہا۔ کیونکہ اس عضو کو بھی پانی میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ شمنی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مرد و عورتیں (خاوند بیوی) اکٹھے غسل کرتے تھے اور ایسا کرنا درست ہے۔ چاہے مرد زیادہ پانی استعمال کرے چاہے عورت۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ انتہیٰ۔

مشکل یہ ہے کہ باب مخالطۃ الجنب میں ایک حدیث آ رہی ہے۔ جس میں آتا ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے اور مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برتن سے پہلے پانی لے لیتے تھے۔ اور اگر اکٹھے چلو بھریں تب بھی دوبارہ لینے میں وہ خرابی لازم آ جاتی ہے۔ اس مشکل کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ باب مخالطۃ الجنب میں جو حدیث مذکور ہے اس میں عزیمت کا ذکر ہے۔ اور جو کچھ یہاں مذکور ہے رخصت پر محمول ہے

آنے والی حدیث کے تحت اس بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ مزید گفتگو ہو گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۴۰۵ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِيْ يَرٰى اَنَّهٗ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ تَرٰى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو اپنے جسم پر تری پاتا ہے مگر اسے احتلام یاد نہ ہو۔ کیا وہ غسل کرے فرمایا ہاں۔ اور اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا۔ جسے احتلام یاد ہو مگر اپنے جسم پر تری نہ پائے۔ فرمایا اس پر غسل لازم نہیں۔ ام سلیم[1] نے کہا جو عورت یہ تری دیکھے مگر احتلام یاد نہ ہو۔ اس پر بھی غسل لازم آتا ہے فرمایا ہاں۔ کیونکہ عورتیں، مردوں کی طرح[2] ہیں۔

اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا اور دارمی و ابن ماجہ نے اسے لا غسل علیہ کے قول تک روایت کیا[3]۔

[1] مسئلہ اگر مرد و عورت اکٹھے سوئے ہوئے ہوں اور کپڑے پر تری دیکھیں مگر انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ تری (منی) کس کی ہے۔ اس صورت میں کسی پر غسل فرض نہ ہوگا؟

جواب۔ اگر تری (منی) سفید رنگ کی ہے تو وہ مرد کی ہے۔ اور اس پر غسل فرض ہے۔ اور اگر زرد رنگ کی ہے تو عورت کی ہے اور اس پر غسل لازم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں اگر کپڑے پر لمبائی میں لگی ہوئی ہو تو وہ مرد کی ہے۔ اور اگر چوڑائی میں ہو تو عورت کی ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ مرد و عورت دونوں غسل کریں۔ جیسا کہ علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

[2] ام سلیم نے کہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ جو اس وقت مجلس میں موجود تھیں اور انہوں نے بھی مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا، کہ مذکورہ صورت اگر عورت کو پیش آئے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہوگا۔

[3] یعنی عورتیں پیدائش و طبیعت میں مردوں کی مانند ہیں۔ جو طبعی احکام مردوں کے ہیں وہی عورتوں کے بھی ہیں۔

نگر وہ جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اور منی کا پایا جانا قسم اول سے ہے۔ شقائق شقیقہ کی جمع ہے یعنی ہر وہ چیز جو دو ٹکڑے کر دی گئی ہو۔ ہر ٹکڑے کو شقیق کہتے ہیں۔ اسی لیے بھائی کو شقیق کہتے ہیں۔ کیونکہ دو بھائی ایک اصل کے دو ٹکڑے ہیں۔ پس مرد و عورت بھی ایک اصل کے دو ٹکڑے ہیں۔ یہ اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

سے۔ یعنی ترمذی اور ابو داؤد نے تو اس حدیث کو آخر تک روایت کیا ہے مگر دارمی اور ابن ماجہ کی روایت لاغسل علیہ کے قول تک ہے اور ام سلیم کی حکایت اور اس کا سوال جواب ان کی روایت میں نہیں ہے۔

۲۔ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد کا ختان[۱] (آلہ) عورت کے ختان (شرمگاہ) میں گھس جائے تو غسل فرض ہو گیا۔ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔[۲] (ترمذی و ابن ماجہ)

۱ؔ۔ مراد یہ ہے کہ جب دونوں ختان ایک دوسرے سے مل جائیں ایک دوسرے کے ساتھ مس کر جائیں۔ ختان اس جگہ کا نام ہے جسے ختنہ کے وقت کاٹ دیتے ہیں۔ اور وہ مرد کا تو وہ چمڑہ ہے جو عضو مخصوص کے اوپر ہوتا ہے اور عورت کا وہ گوشت جو اس کی شرمگاہ کے اوپر کے حصے میں مرغ کے تاج کی طرح اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ جب یہ دونوں جگہیں مرد کے آلہ کے عورت کے اندام نہانی میں چلے جانے سے آپس میں مل جائیں۔ تو غسل فرض ہو گیا۔

۲ؔ۔ تو معلوم ہوا کہ وجوب غسل کے لیے منی کا نکلنا ضروری نہیں۔ بلکہ صرف دخول حشفہ ہی سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ احمد اور مسلم کی روایت میں جو حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے، ایسا ہے کہ انہوں (ابو موسیٰ) نے کہا اس میں مہاجرین و انصار صحابہ کا اختلاف رونما ہوا۔ انصار صحابہ نے کہا کہ منی باہر آنے کے بغیر غسل واجب نہیں ہوگا۔ مہاجرین صحابہ نے کہا صرف دخول سے ہی غسل فرض ہو گیا۔ میں نے مہاجر و انصار صحابہ سے کہا میں تمہیں اس اختلاف سے نجات دیتا ہوں۔ میں اٹھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور عرض کیا میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مگر شرم آتی ہے۔ فرمایا مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے اور کوئی شرم نہ کر کیونکہ میں تیری ماں ہوں۔ میں نے دریافت کیا کس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے یہ سوال ایسے شخص سے کیا ہے جو اس کا جواب پوری طرح جانتا ہے۔ یعنی میں اس مسئلہ کو خوب جانتی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا تھا کہ جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا اور مرد کا ختان عورت کے ختان سے مس کر گیا تو غسل فرض ہو گیا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ختانین کے تجاوز کرنے سے مراد ان کا ایک دوسرے کو مس کرنا ہے۔

۴۰۷. وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْتَسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَالْحَارِثُ ابْنُ وَجِيْهِ الرَّاوِیْ وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے تو بالوں کو دھوؤ اور بالوں کے نیچے چمڑے[1] کو خوب پاک اور صاف کرو۔ اسے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث[2] غریب ہے اور حارث بن وجیہ راوی بڑھاپے کی وجہ سے حفظ و ضبط میں قوی نہ تھا۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

[1] تاکہ یقینی طور پر غسل کی ذمہ داری پوری کر سکو۔ شعر شعرۃ کی جمع ہے۔ سکون عین و فتح اور بشرۃ تینوں فتحوں کے ساتھ۔

[2] یعنی ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حارث بن وجیہ جو اس حدیث کا راوی ہے بڑھاپے کے باعث غفلت اور نسیان طاری ہو جاتا تھا۔ اس بنا پر وہ حفظ و ضبط میں چنداں قوی اور مضبوط نہیں۔ اور لفظ وجیہ جیسا کہ مشہور ہے بر وزن ہے عظیم ہے۔ اور وجہ بفتح واو و سکون جیم و بائے موحدہ آخر میں تا کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

۴۰۸. وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِّنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِیٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ ثَلٰثًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِیْ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک بال برابر بھی جگہ چھوڑ دے گا (نہ دھوئے گا) اس کے ساتھ دوزخ میں اس طرح اس طرح کیا جائیگا حضرت علی نے فرمایا اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی[1] اختیار کر لی ہے اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی اختیار کر لی ہے اسی لیے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی ہے۔ آپنے تین دفعہ ان الفاظ کا تکرار کیا اسے ابوداؤد احمد اور دارمی نے روایت کیا مگر احمد اور دارمی نے فمن ثم عادیت کے الفاظ صرف ایک بار روایت کیے۔ تین بار تکرار سے روایت نہ کیے۔

لہ یعنی اسی لیے میں بالوں کو جڑوں سے منڈاتا ہوں جس طرح دشمن اپنے دشمن کی جڑیں اکھیڑتا ہے۔ یعنی میں ہمیشہ انہیں منڈا دیتا ہوں۔

۴۰۹. وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں[لہ] کرتے تھے۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

لہ یعنی اسی وضو پر جو غسل کے لیے پہلے کر لیتے تھے، کفایت کرتے تھے، غسل سے فراغت کے بعد دوبارہ وضو نہ کرتے تھے۔

۴۱۰. وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذٰلِكَ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطمی[لہ] کے ساتھ اپنا سر دھوتے تھے۔ درآنحالیکہ آپ جنبی ہوتے تھے اور سر دھوتے[۲] اسی پر کفایت کرتے تھے دوبارہ سر پر پانی نہ بہاتے[۳] تھے۔　(ابوداؤد)

لہ خطمی بکسر خا اور فتح بھی جائز ہے۔ وہ چیز جس سے سر دھویا جائے۔ جس طرح ہمارے (ہند و پاک) کے علاقوں میں سر دھونے والی مٹی۔

۲ہ یعنی جس پانی سے خطمی کے ساتھ سر دھویا ہوتا تھا اسی پانی پر کفایت کرتے تھے۔

۳ہ جس طرح لوگ حماموں میں کرتے ہیں کہ پہلے سر دھوتے ہیں اس کے بعد غسل کرتے ہیں اس کے بعد پھر سر پر پانی بہاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ایسا نہ کرتے تھے۔ آپ پانی میں خطمی غالباً بہت کم ملاتے تھے تاکہ پانی میں تغیر واقع نہ ہو اور اس کے سیلان طبع میں فرق نہ آئے۔

۴۱۱. وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ

حضرت یعلٰی[لہ] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھلے میدان میں برہنہ غسل کرتے دیکھا۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیا[۲] والا بہت پردہ[۳] پوش ہے۔ حیا اور پردے

اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَفِیْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ سِتِّيْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَیْءٍ۔

پردہ کرے۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ بہت پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی شخص غسل کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ کسی چیز سے اپنے آپ کو چھپالے۔

سلہ۔ یعنی یعلیٰ بن امیہ یا یعلیٰ بن مرہ دونوں حضرات صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

سلہ۔ تاکہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں کہ وہ اس قسم کی بری اور بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ احکام شریعت میں سے کسی اہم اور ضروری حکم کی تعلیم دینا ہوتی تھی۔ تو خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

سلہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بندوں کی رسوائی اور ان کی قبیح اور شنیع باتوں کے ظاہر کرنے سے بہت ہی شرم آتی ہے۔

سلہ۔ ستیر بروزن صدیق یعنی گناہ گار بندوں کے گناہوں اور عیوب کی بہت ہی پردہ پوشی کرنے والا۔

سلہ۔ یعنی حیا اور پردہ پوشی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے بھی ممکن حد تک اس کی صفات سے موصوف ہوں۔

سلہ۔ کہ یہ بھی پردہ پوشی کی ایک قسم ہے۔ اور اس میں بھی تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۱۲ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةً فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِیَ عَنْهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا حدیث اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ (منی خارج ہونے سے واجب ہوتا ہے) ابتدائے اسلام میں یہ اجازت تھی۔ بعد میں اس رخصت و اجازت سے منع کر دیا گیا۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

سلہ۔ آپ جلیل القدر اور عظیم الشان صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو المنذر اور ابو الطفیل بھی آئی ہے۔ آپ انصاری ہیں سید القراء اور سید الانصار آپ کا لقب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آپ کو سید المسلمین کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو قرآن ...

علیہم اجمعین نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کاتب وحی بھی تھے۔

۲؎ یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے۔

۳؎ کہ حاجت کریں اور اگر انزال نہ ہو تو اسی طرح نماز ادا کرلیں۔

۴؎ فصل اول میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔

۴۱۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَاكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور عرض کی میں نے غسل جنابت کیا ہے اور فجر کی نماز پڑھی ہے پھر میں نے ایک انگوٹھے کی مقدار جگہ دیکھی ہے جس پہ پانی نہیں پھرا وہ خشک رہ گئی۔ فرمایا تو نے اگر اس پر تر ہاتھ ہی پھیر لیا ہوتا تو وہ کفایت کر جاتا۔ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگر تو غسل کے دوران یا اس کے بعد اگرچہ کچھ دیر کے بعد اس جگہ پہ اپنا ہاتھ پھیر لیتا تیرے لیے کافی ہو جاتا اور تیرا غسل مکمل ہو جاتا۔ مگر تو نے ایسا نہیں کیا تو وہ نماز قضا کرنا پڑے گی۔ باقی رہا یہاں یہ سوال کہ غسل کی جگہ مسح اور ہاتھ پھیر دینا کیسے کافی ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مسح سے ہلکا سا دھو لینا مراد ہے اور غالب یہی ہے کہ جب تیرا ہاتھ اس جگہ پر سے گذرے گا تو کفایت کر جائے گا۔ خصوصاً غسل کے وقت۔ اور بعض نے کہا ہے یہ حکم پہلے تھا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

۴۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسِينَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغَسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج نمازیں پچاس فرض ہوئیں[۱] غسل جنابت سات بار اور کپڑے پر بول لگ جائے تو اسے سات دفعہ دھونا فرض ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزۃ میں تخفیف اور کمی کا مسلسل سوال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں اور غسل جنابت ایک مرتبہ اور بول سے ناپاک ہونے والے کپڑے کو بھی سات بار دھونے کے بجائے صرف ایک بار دھونا فرض رہ گیا۔

اَبُوْدَاؤُد۔

(ابوداؤد)

لہ۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ واقعۂ معراج ہے اور حدیث معراج مشہور حدیث ہے۔ البتہ بخاری و مسلم میں صرف نماز کا ذکر ہے۔ غسل جنابت اور کپڑا دھونے کا ذکر وہاں نہیں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث ابوداؤد سے لائے ہیں۔ اور اس حدیث کے اسناد میں ایوب بن جابر راوی ہے۔ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف اور مختلف فیہ ہے۔ ایک بار کپڑا دھونا امام شافعی کا مذہب ہے اور تین بار دھونا ان کے نزدیک مستحب ہے۔ احناف کے مذہب میں غیر مرئی (نہ دکھائی دینے والی) نجاست دور کرنے کے لیے تین بار دھونا واجب ہے۔ اس کی اصل طہارت تو یہ ہے کہ دھونے والے کو پاک ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے۔ تین بار دھونے سے یہ ظن غالب ہو جاتا ہے جس طرح کہ نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے تین بار ہاتھ دھونے کا ذکر گزرا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ شریف میں مذکور ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهٗ

جنبی سے میل جول اور جو کچھ اس کے لیے مباح ہے اس کا بیان

جنبی انسان سے میل جول کرنا نیز اس کے وضو کر لینے کے بعد اس کے لیے ذکر، ذکر وظیفہ وغیرہ امور جائز ہیں۔ لغت میں جنابت کا معنی ہے دور ہونا یکسو ہونا۔ جنابت شرعی میں بھی مواضع نماز سے دور رہنا اور لوگوں کی صحبت و مجلس سے یکسو ہونا پایا جاتا ہے۔ جُنُب صاحب جنابت کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد تثنیہ جمع مذکر و مونث سب کے لیے جائز ہے مخالطت کا معنی ہے ایک دوسرے سے ملنا جلنا۔ یہاں اس سے لوگوں سے گفتگو کرنا ان کے ساتھ بیٹھنا، ان کے ساتھ معانقہ کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ مراد ہے۔ جنبی کے ساتھ یہ سب امور جائز ہیں۔ احادیث میں ان کا جواز آ چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۴۱۵ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَمَشَيْتُ مَعَهٗ حَتّٰى قَعَدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے جب کہ میں جنبی تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ آپ ایک جگہ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے

فَانْسَلَلْتُ فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هِرٍّ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهُ لَقَدْ لَقِيْتَنِيْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰى اَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى

اٹھ کر گھر آیا۔ اور غسل کیا پھر آپ کی خدمت میں واپس آیا آپ اسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر فرمایا ابوہریرہ تم کہاں تھے میں نے صورت حال عرض کی فرمایا سبحان اللہ مومن ناپاک نہیں ہوتا یہ الفاظ بخاری کے ہیں مسلم نے یہ مضمون دوسرے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور فقلت کے بعد یہ الفاظ زیادہ ذکر کیے لَقِيْتَنِيْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰى اَغْتَسِلَ یعنی مجلس سے اٹھ جانے کی معذرت یہ تھی کہ جب آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی اس وقت میں جنبی تھا میں نے نہانے سے پہلے آپ کی مجلس میں بیٹھنا ناپسند جانا بخاری کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی آیا ہے

لہ۔ انسلال کا معنی ہے کسی چیز کے درمیان سے نکل آنا۔ سَل کا معنی ہے تلوار کو میان سے نکالنا۔

ٹہ۔ رَحل بفتح راء و سکونِ حاء محلہ یعنی سامان اور مرد کے رہنے کی جگہ۔

ٹہ۔ ہِرّ بکسر ہاء و تشدید راء بمعنی بلی ہرۃ تائے تانیث کے ساتھ ہر کا مونث۔ ہُرَیرۃ ہِرّۃ کی تصغیر ہے۔

ٹہ۔ یعنی جنابت حکمی نجاست ہے جس کا شرع شریف میں حکم آیا ہے۔ اور اس پر شریعت میں غسل فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے انسان کا جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی لیے جنبی کا پسینہ اور جوٹھا پاک اور اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا جائز ہے۔

۴۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں رات کو جنبی ہو جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وضو کرکے اور آلہ تناسل دھو کر سو جایا کرو

(بخاری و مسلم)

لہ۔ تو ثابت ہوا کہ جنبی کے لیے وضو کرکے سو جانا جائز ہے۔ اس قدر طہارت جنبی کے سونے کی طہارت ہے جب اس نے وضو کر لیا تو وہ پاک ہو کر سو گیا۔

۴۱۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز والا وضو کرتےؔ۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ یہ وضو مستحب ہے واجب نہیں۔

۴۱۸ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس آیا (اس سے جماع کیا) پھر دوبارہ جماع کا ارادہ کیا تو چاہیے کہ دونوں کے درمیان وضو کر لےؔ۔ (مسلم)

لہ۔ اور بلا وضو جماع پر جماع نہ کرے۔

۴۱۹ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکؔ ہی غسل کے ساتھ تمامؔ ازواج مطہرات پر گشت کرتے تھے۔ (مسلم)

لہ۔ یعنی آپ ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ جماع کرتے تھے۔ یعنی ہر جماع کے لیے علیحدہ غسل نہ کرتے تھے۔

ٹہ۔ اس حدیث کا ظاہر مفہوم دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم (عدل) اور ان کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری نہ تھا۔ ورنہ آپ ایک ہی باری میں ایک کے حجرہ سے دوسری بیوی کے حجرہ میں تشریف کیسے لے جاتے۔ اور حنفیہ کا مذہب بھی آپ کے لیے عدم وجوب کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض مہربانی کریم النفس کرنفسی کے طور پر ان کے درمیان عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایسا اس زوجہ مطہرہ کی اجازت سے کیا ہو جس کی اس رات کو باری تھی۔ واللہ اعلم۔

۴۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَذْكُرُهٗ فِيْ كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اسے مسلم نے روایت کیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو جو بہاں مصابیح میں مذکور ہے کتاب الاطعمہ میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۶۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَفْنَةٍ فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ لَا يُجْنِبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے ایک بڑے لگن[1] میں غسل کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لگن میں سے وضو کرنا[2] چاہا۔ تو اس زوجہ مطہرہ نے عرض کیا میں جنبی[3] تھی۔ (میں نے اس برتن کے پانی سے غسل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پانی جنبی نہیں ہوتا[4]۔

(الترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، الدارمی)

[1] یعنی اس پانی سے جو اس تغاری میں تھا جَفْنَۃ بفتح جیم وسکون فا بہت بڑا پیالہ جسے تغار بھی کہتے ہیں۔

[2] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے وضو کرنا چاہا جو بعض ازواج کے غسل سے بچ رہا تھا۔

[3] یعنی میں جنبی تھی اور یہ وہ پانی ہے جو میرے غسل جنابت سے بچا ہے۔

[4] لَا يُجْنِبُ بضم یا وکسر وفتح وضم نون کے ساتھ یعنی جنبی کے غسل کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور جنبی کے ہاتھ اور بدن لگنے سے اس پانی کی طہارت میں فرق نہیں آتا۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور دارمی نے بھی اس کی مثل روایت کیا۔ شرح السنۃ میں حضرت ابن عباس اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے مصابیح کے الفاظ میں مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی تھے۔ میں نے تغاری میں پڑے ہوئے پانی سے غسل کیا۔ اس میں باقی ماندہ پانی میرے استعمال کردہ پانی سے زیادہ تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس پانی سے غسل کرنا چاہا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس پانی سے میں نے غسل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے غسل کیا اور فرمایا جنابت پانی میں نہیں گھس آتی۔ ایک روایت میں ہے پانی جنبی نہیں ہوتا۔ مصابیح اور کتاب (مشکوٰۃ) کے لفظ میں فرق یہ ہے کہ مصابیح کی حدیث میں مرد کا غسل بقیہ آب زن سے لازم آتا ہے اور کتاب مصابیح کی حدیث میں مرد کا وضو بقیہ آب غسل

نان سے لازم آتا ہے۔ اور فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے کہ دونوں ممنوع ہیں اور اس کا جواب وہی ہے جو فصل اوّل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا۔

۴۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل کرنے کے بعد میرے جسم[1] سے گرمی حاصل کرتے تھے۔ حالانکہ میں نے ابھی غسل نہیں کیا ہوتا تھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور شرح السنہ میں لفظ مصابیح کے ساتھ[2]۔

[1] یعنی اپنے اعضاء شریفہ کو میرے جسم سے چپکاتے تھے تاکہ آپ کا بدن مبارک گرم ہو جائے۔ اور مجھے گویا اپنا کپڑا بنا لیتے جس سے انسان گرم ہوتا ہے۔

[2] اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آیا ہوتا تھا اور آپ پانی پیتی تھیں پھر وہ برتن حضور علیہ السلام کو دیتی تھیں تو آپ اس جگہ منہ رکھ کر پانی پیتے تھے جس جگہ سے حضرت عائشہ نے منہ رکھ کر پانی پیا ہوتا تھا اور حیض وجنابت کا ایک ہی حکم ہے۔

۴۲۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَيَاْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهٗ اَوْ يَحْجُزُهٗ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ[1] لَيْسَ الْجَنَابَةَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو ہمیں قرآن پاک پڑھاتے۔ اور ہمارے ساتھ گوشت تناول فرماتے۔ اور قرآن پاک پڑھنے سے سوائے جنابت کے اور کوئی چیز آپ کو نہ روکتی تھی۔

اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا۔

[1] لَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهٗ اَوْ يَحْجُزُهٗ۔ راوی کو اس میں شک ہے کہ یحجبہ ہے یا یحجزہ۔ تاہم معنی دونوں کا ایک ہے۔

۴۲۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَاُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔

(ترمذی)

سلہ۔ لہٰذا بعض کے نزدیک پوری آیت پڑھنا حرام ہے۔ آیت سے کم پڑھ سکتے ہیں۔ بعض کے نزدیک آیت سے کم مقدار میں پڑھنا بھی حرام ہے۔ مگر ایک کلمہ۔ حدیث کا ظاہر لفظ عام ہے۔ اگر کسی نے شکر نعمت کے طور پر الحمد للہ رب العالمین کے الفاظ پڑھے تلاوت قرآن کی نیت سے نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں بعض کے نزدیک دعا قنوت پڑھنا بھی حرام ہے باقی دعاؤں و اذکار میں کوئی حرج نہیں۔

۴۲۵۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجِّھُوْا ھٰذِہِ الْبُیُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّیْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّجُنُبٍ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان گھروں کے رخ مسجد سے پھیر لو بے شک میں جائز[1] قرار نہیں دیتا مسجد کو حائضہ عورت اور جنبی کے لیے[2]۔ (ابوداؤد)

سلہ۔ کہ کسی کے مکان کا راستہ مسجد کو نہ جائے تاکہ جنبی اور حائضہ عورت مسجد میں سے نہ گزریں۔

سلہ۔ جنبی اور حائضہ عورت کا مسجد میں آنا خواہ گزرنے کے لیے ہو خواہ مسجد میں ٹھہرنے کے لیے دونوں طرح حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے لیے گزرنا جائز ہے اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ امام احمد کے نزدیک ان دونوں کے لیے مسجد میں ٹھہرنا بھی جائز ہے۔ تاہم حدیث پاک کا ظاہری مفہوم اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔

۴۲۶۔ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ وَّلَا کَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر[1] یا کتا ہو اور نہ اس گھر میں جس میں جنبی[2] ہو۔ (ابوداؤد و نسائی)

سلہ۔ یعنی جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو۔ یا کتا ہو۔ باب التصاویر میں اس پر مفصل گفتگو ہوگی۔

سلہ۔ یہاں جنبی سے ایسا جنبی مراد ہے جس نے جنبی حالت میں رہنا عادت بنالی ہو۔ اور سستی و غفلت کے باعث نماز کا وقت بھی گزار دے اور غسل نہ کرے۔ تاہم یہاں صورت میں ہے کہ وضو بھی نہ کرے۔

۴۲۷۔ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَا

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کے قریب

تَقْرَبُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جِيفَةُ الْكَافِرِ وَ الْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ اِلَّا اَنْ يَّتَوَضَّأَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

فرشتے نہیں آتے۔ کافر کی لاش، خلوق (ایک طرح کی خوشبو) سے تھڑا ہوا اور جنبی مگر یہ کہ وضو کرے۔

(ابوداؤد)

۱؎ حضرت یاسر قبیلہ بنی مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے ساانہیں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈی سمیہ بضم سین وفتح میم وتشدید یا تحتانیہ نکاح میں دے دی۔ ان سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ آپ کے دونوں ماں باپ قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ مستضعفین میں سے ہیں جنہیں راہ حق میں تکالیف اور سزائیں برداشت کرنا پڑیں۔ ایک دفعہ مشرکین آپ کو جلا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس سے گذر ہوا۔ فرمایا۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ۔ اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا عمار پر جسطرح تو ابراہیم کے لیے ہوئی تھی۔ آپ مہاجرین اولین و سابقین میں سے ہیں۔ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقانیت کے دلائل میں سے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ تقتلك الفئة الباغية۔ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا الحدیث۔ آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ آپ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں۔ ابوجہل ملعون نے آپکی والدہ مکرمہ کے اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے آپ شہید ہوگئیں۔

۲؎ یعنی مردہ کافر۔ اور بعض ذات کافر مراد لیتے ہیں۔ مردہ ہو یا زندہ۔ تاہم جیفہ کا استعمال مردہ کے لیے بیشتر آتا ہے۔

۳؎ خلوق بفتح خاء معجمہ مشہور خوشبو کا نام ہے جس میں زیادہ تر زعفران پڑا ہوتا ہے اس جملے میں خلوق کے استعمال سے ممانعت کے لیے زجر و تشدید کی گئی ہے۔

۴۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ فِیْ كِتَابِ الَّذِیْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارَقُطْنِیُّ۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ قرآن پاک کو نہ چھوئے مگر پاک اور باوضو انسان۔

(مالک و دار قطنی)

۱؎ حضرت عبداللہ اور ان کا باپ ابوبکر و محمد سب تابعین سے ہیں ان کے جد کلاں حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا ان کی طرف آپ نے ایک خط لکھا تھا۔

سٰے۔ حزم بفتح حاو سکون زاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کے علاقے کا عامل مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک خط بھی دیا جس میں فرائض وسنن، صدقات اور دیتوں وغیرہ کا ذکر تھا۔ وہ خط سنتوں کے بیان میں مشہور رہے۔ اس کتاب میں درج تھا کہ قرآن کو پاک اور باوضو انسان ہاتھ لگائے۔

۴۲۹ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وَكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِي سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ فَلَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارَى فِي السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلَى طُهْرٍ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک کام کے لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کام پورا کیا۔ آپ کی اس دن کی باتوں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ نے فرمایا ایک شخص گلیوں میں سے ایک گلی سے گذرا تو اس کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ یا پیشاب کر کے باہر نکلے تھے تو اس شخص نے آپ کو السلام علیکم کہا۔ مگر آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ شخص ایک گلی میں چھپنے کے قریب ہوگیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک دیوار پر مارے پھر اپنے منہ مبارک کا مسح کیا پھر دوسری ضرب دیوار پر لگائی اور کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا مجھے تیرے سلام کا جواب دینے سے نہ روکا مگر اس بات نے کہ میں طہارت پر نہ تھا۔

(ابوداؤد)

لٰے۔ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ تابعی ثقہ ہیں کثیر الحدیث ہیں۔ آپ اصل میں دیلمی ہیں بعض نے کہا آپ مغربی ہیں آپ اکابر تابعین اور ان کے آئمہ میں سے ہیں ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔

سٰے۔ یہ راوی کا شک ہے۔

سٰے۔ سکہ بکسر سین وکاف مشدد یعنی ہموار اور برابر راستہ۔

سٰے۔ یعنی تیمم فرمایا۔

شٰے۔ آئندہ آنے والی حدیث سے بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا جواب دینے سے مانع یہ امر تھا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضو سلام کا جواب دینے کو مکروہ جانا کیونکہ السلام علیکم کے الفاظ میں لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ سلام سلامتی کے معنیٰ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز میں خدا تعالیٰ کے ذکر و نام کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے۔ مگر یہاں ایک اشکال لازم آتا ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر حالت میں خدا تعالیٰ کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے۔ اگر اس اشکال کا یہ جواب دیا جائے کہ اس سے ذکر قلبی مراد ہے۔ تو یہ جواب درست نہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت آپ ذکر لسانی کرتے تھے اور یہ کہتے تھے، الحمد للہ الذی اخرج عنی مایؤذینی۔ الحدیث۔ پھر وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے اور یہ بیان بھی گزر چکا ہے کہ حالت جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے۔ اور یہ کہ جب آپ بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو وضو کرنے سے پہلے صحابہ کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں کچھ لوگ اس اشکال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عزیمت یہ ہے کہ بے وضو خدا تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ اور جو کچھ تم نے بیان کیا ہے سب رخصت پر مبنی ہے کہ آپ نے تعلیم جواز اور امت کی آسانی کے لیے ایسا کیا۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے توفیق طلب کرتا ہوں۔ کہ یہ جواب وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں کام نہیں دیتا۔ کہ وہ بلا شبہ عزیمت میں سے ہے بلکہ جو کچھ ذکر و اذکار خاص خاص جگہ وارد ہوا ہے اس کا وہاں پڑھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے (واللہ اعلم) کہ خدا تعالیٰ کا ذکر بے طہارت بھی جائز ہے۔ لیکن طہارت کے ساتھ افضل و اکمل و اولیٰ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت عظمت و جلال الٰہی کا وارد تھا۔ اس لیے آپ نے نہ چاہا کہ اللہ تعالیٰ کا بے طہارت ذکر کریں خصوصاً سلام کے جواب کے تحت کلام میں توقف و تاخیر کی گنجائش ہوتی ہے۔ فوراً اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا تاہم آپ نے وضو کرنے تک تاخیر اس لیے نہ کی کہ شاید وہ شخص چلا جائے۔ اور سلام کا جواب دینا رہ جائے۔ اور وقت زیادہ گزر جائے اس لیے آپ نے تیمم کر لیا اور سلام کا جواب دیا اور یہ تعلیم دی کہ ایسے مواقع میں پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کرنا جائز ہے (خوب سمجھو)

۴۳ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ قَالَ إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللَّهَ إِلَّا عَلَى طُهْرٍ۔ رَوَاهُ

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ بول کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے اس کے سلام کا اس وقت تک جواب دیا جب تک کہ آپ نے وضو نہ کر لیا پھر آپ نے اس سے معذرت کی اور فرمایا میں نے بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ جانا اسے

أَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ إِلَى قَوْلِهِ حَتَّى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور نسائی نے حتّٰی توضّأ تک روایت کیا اور نسائی نے معذرت کا ذکر نہ کیا اور یہ عبارت روایت کی۔ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ آپ نے جب وضو کر لیا تو سلام کا جواب دیا۔

لہ۔ قُنْفُذ بضم قاف وسکون نون وضم فا و ذال معجمہ۔ ان کا اسم مبارک خلف بن عمیر ہے۔ مہاجر لقب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا۔ ھٰذَا الْمُھَاجِرُ حَقًّا۔ آپ قرشی تیمی صحابی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ امام حسن بصری وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

ٹہ۔ یہاں چونکہ وضو کرنے تک اس شخص کے غائب ہونے اور سلام کے جواب کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لیے آپ نے وضو کر کے اس کے سلام کا جواب دیا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ اگر کسی سے سلام کا جواب دینے میں کسی عذر کی بنا پر کوتاہی سرزد ہو جائے تو چاہیے کہ اس سے معذرت کرے تاکہ متکبر نہ سمجھا جائے بعض شروح میں مذکور ہے کہ حاشا وکلا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ادائے عبادت میں کوتاہی کرنے والا کہا جا سکے۔ بلکہ آپ کی تاخیر چند جائز وجوہ کی بنا پر تھی۔ اور معذرت محض کرم اور تبرع کے طور پر تھی۔ اور مقصود اس امر پہ ڈانٹنا تھا کہ بول کرنے والے شخص کو سلام نہ کرنا چاہیے۔ اور قضائے حاجت کرنے والے شخص سے ہم کلام نہ ہونا چاہیے۔ اور چونکہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس لیے ذات وصفات حق تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی عزت و عظمت کے پیش نظر بھی سلام کے الفاظ زبان پر لانے سے گریز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۴۹ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ رَوَاهُ أَحْمَدُ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سو جاتے۔ پھر بیدار ہوتے پھر سو جاتے۔ (احمد)

لہ۔ یُجْنِبُ بضم یا وکسر نون اور بفتح یا وضم نون۔

ٹہ۔ یعنی حالت جنابت میں کئی بار آپ بیدار ہوتے اور غسل کیے بغیر سو جاتے اور غسل کرنے میں جلدی نہ کرتے تاہم وضو کر کے سوتے جیسا کہ گذشتہ بیان ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہ تھی۔ لہٰذا آپ اسی وضو کے ساتھ ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگوں کی نیند اگرچہ وضو توڑ دیتی ہے۔ مگر ظاہر یہی ہے کہ جو وضو جنابت کے

بعد کیا تھا وہ دوبارہ طہارت کے ساتھ سونے کے لیے کفایت کرسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۴۲ وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى سَبْعَ مِرَارًا ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهٗ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ اَفْرَغَ فَسَأَلَنِي فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ لَا اُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے بیشک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب غسل جنابت کرتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے۔ پھر آپ اپنی شرمگاہ دھوتے۔ ایک دفعہ آپ بھول گئے کہ کتنی مرتبہ پانی ڈالا ہے۔ آپ نے مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا مجھے یاد نہیں رہا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیری ماں نہ رہے[1]۔ تجھے یاد رکھنے سے کس چیز نے روکا۔ پھر آپ نماز والا وضو کرتے تھے۔ پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔ پھر فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح خوب طہارت کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] ۔ لا اُمّ لک عرب لوگ یہ کلمہ مذمت اور گالی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر لا ابا لک (تیرا باپ نہ رہے) بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کو چاہیے کہ استاد کے سامنے حاضر دماغ اور ہشیار رہے۔ غافل نہ رہے۔ تاکہ استاد کا عمل یاد رکھے۔ اور اس پر کاربند ہو اور اس کا عمل دوسروں تک پہنچائے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ استاد کو یہ حق حاصل ہے کہ ترک ادب پر شاگرد پر سختی کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شرمگاہ دھونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دست مبارک دھونا احادیث میں آیا ہے۔ پھر یہ دھونا یا تو بلا تعداد وارد ہوا ہے یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔ اور باب الغسل کی فصل اول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست راست سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ دھوتے۔ اس روایت میں عدد معین کا کوئی ذکر نہیں۔ پس ابن عباس سے شعبہ نے جو روایت کی ہے کہ آپ نے سات مرتبہ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا تو یہ تطہیر و تنظیف کے لیے مخصوص صورت میں ہوگا۔ جس طرح بعض احادیث میں برتنوں کے صاف کرنے کے لیے آیا ہے۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہوسکتا ہے سات مرتبہ دھونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کے بائیں ہاتھ پر نجاست لگی ہوگی ہو۔ مگر یہ وجہ بھی سات کے عدد کی ضرورت ثابت نہیں کرسکتی۔ الا یہ کہ نجاست سخت ہو اور بار بار دھونے کے بغیر دور نہ ہوتی ہو۔ اور سات کا عدد کامل طور پر دھونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہ کا سات مرتبہ دہرانا۔ اتفاقی امر تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ کا حضرت شعبہ کے بھول جانے پر سختی کرنا اس کے مناسب ہے کہ اس طرح کی سختی وہاں کی جاتی ہے جہاں کوئی واجب اور ضروری کام ہو۔

۴۳۳ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَائِہٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ ھٰذِہٖ وَعِنْدَ ھٰذِہٖ قَالَ فَقُلْتُ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَجْعَلُہٗ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا قَالَ ھٰذَا اَزْکٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْھَرُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی تمام ازواج کے ساتھ ہم بستر ہوئے پھر ہر ایک سے جماع کے بعد ہر بار غسل فرمایا۔ ابو رافع کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کر لیتے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اس طرح کرنے سے زیادہ طہارت و صفائی حاصل ہوتی ہے اور یہ عمل نفس کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ (احمد، ابو داؤد)

لہ۔ اَلَا اور اَلَّا مخفف و مشدد دونوں روایتیں ہیں۔

۲ہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ یا قریب المعنیٰ ہیں۔ تاکید و مبالغہ کے لیے ان کو مکرر لایا گیا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ظاہر یہ ہے کہ تطہیر ظاہر بدن کے لیے اور تزکیہ و تطییب باطن کے لیے ہے۔ یا اول یعنی تزکیہ اخلاق ذمیمہ کے لیے ازالہ کے لیے اور ثانی یعنی تطییب اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہونے کے لیے ہے۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جہاں آپ نے جملہ ازواج مطہرات سے ہم بستر ہونے کے بعد ایک غسل کیا جیسا کہ فصل اول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا تو وہ تعلیم رخصت اور امت کی آسانی کے لیے کیا۔

۳ہ۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض نے کہا حضرت عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں جنہیں حضرت عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ کا نام اسلم ہے۔ آپ قبطی ہیں غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہوئے۔ البتہ غزوہ احد اور اس کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضرت ابو رافع حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشی میں ان کو آزاد کر دیا۔

۴۳۴ وَعَنِ الْحَكَمِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْاَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اَوْقَالَ بِسُؤْرِهَا وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت حکم بن عمرو[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے بوجہ شک راوی اس لفظ کو زیادہ کیا اَوْقَالَ بِسُؤْرِهَا[۲] یعنی یا عورت کے جوٹھے سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

[۱] آپ صحابی ہیں۔ بصرہ میں رہائش اختیار کی۔ آپ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔ زیاد نے آپ کو بصرہ کا والی مقرر کیا پھر معزول کر کے خراسان کا والی مقرر کیا۔ آپ نے مَرْو میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

[۲] سُؤر بضم سین و سکون ہمزہ بمعنی شے کا باقی ماندہ حصہ۔ اس کا زیادہ تر اطلاق و استعمال کھانے یا پینے کے بعد بچے ہوئے کھانے اور پانی پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں عورت کا بچا ہوا پاک پانی مراد ہے۔ راوی کا شک محض لفظ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے کیا لفظ ادا کیا۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۴۳۵ وَعَنْ حُمَيْدِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهٗ اَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْيَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَحْمَدُ فِيْ اَوَّلِهٖ نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلِهٖ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

حضرت حمید الحمیری[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں ایک ایسے شخص کو ملا جسے چار سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی تھی جس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت[۲] حاصل رہی۔ اس شخص نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مرد دوسرے مرد کے بچے ہوئے یا عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ اور مسدد[۳] نے یہ الفاظ زیادہ کیے۔ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا چاہیے کہ دونوں اکٹھے چلو بھریں[۴]۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور احمد نے روایت کیا۔ اور امام احمد نے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ زیادہ[۵] کیے نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ یعنی آپ نے ہمیں ہر روز کنگھی کرنے سے بھی منع فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ

یا غسل تا ہیں پیشاب کرنے سے بھی روکا۔ اسے ابن ماجہ نے عبد اللہ بن سرجس سے روایت کیا۔

لہ حُمَیْدِ الْحِمْیَرِیِّ۔ حُمَید بضم حاد فتح میم حمیری یعنی منسوب بجانب حمیر بن سبا بکسر حاد سکون میم آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور ثقہ وقد مارتابعین بصریین اور ان کے ائمہ میں سے ہیں۔ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ حمید سب اہل بصرہ سے بڑے عالم اور فقیہ ہیں۔

ٹھ۔ جو سن سات ہجری میں غزوہ خیبر کے موقعہ پر ایمان لائے۔

ٹھ۔ مُسَدَّد بر وزن مُعَظَّم، آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مرتبہ اور اکابر تبع تابعین میں سے ہیں

ٹھ۔ یعنی دونوں اکٹھے برتن سے چلو بھریں۔ باری باری نہ بھریں۔ اگرچہ اکٹھے چلو بھرنے کی صورت میں دوبارہ پانی لینے کے وقت دوسرے کے بچے پانی سے غسل لازم آئے گا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو باب الغسل کی فصل اول میں گذری ہیں اسکی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں، مگر اتنی مقدار معاف ہے۔ ممنوعہ صورت یہ ہے کہ برتن میں بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔

ھ۔ یعنی امام احمد نے حمید حمیری سے اس حدیث کے اول میں یہ کلام زیادہ روایت کیا ہے۔

ٹھ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین کے نزدیک ان دونوں احادیث کی سندوں میں کلام ہے۔ اور اگرچہ ترمذی نے حدیث اول کو حسن صحیح کہا ہے۔ لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور نوی نے کہا خطابی نے کہا ہے کہ محدثین اس حدیث (مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے اور عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے) کے اسناد سے خوش نہیں ہیں۔ اور اگر یہ حدیث سند کے لحاظ سے ثابت بھی ہو جائے تو نسخ پر محمول ہو گی۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ساری امت سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔ اور یہ بات محال ہے کہ حدیث صحیح ہو مگر کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا ہو اور اس پر عمل کی راہ پر نہ چلا ہو۔ تاہم شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں نظر و اعتراض ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے مذہب کے بعض ائمہ نے بطور عبادت اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شرح میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بَابُ اَحْكَامِ الْمِيَاهِ

پانیوں کے احکام کا باب

یعنی پانی کی مختلف انواع کے احکام کا بیان جیسے بارش کا پانی، زمین کا پانی چشمہ اور غیر چشمہ کا پانی، کھڑا اور جاری پانی تھوڑا اور زیادہ پانی مستعمل اور غیر مستعمل پانی۔ حیوانات کا جھوٹا پانی ان حوضوں کا پانی جو صحراؤں اور بیابانوں میں ہوتے ہیں اور دھوپ سے گرم شدہ وغیرہ پانی جن کا ذکر اس باب میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۳۶ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِى الْمَآءِ الدَّآئِمِ الَّذِیْ لَا يَجْرِیْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِى الْمَآءِ الدَّآئِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا كَيْفَ يَفْعَلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں جو جاری نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے۔ اور پھر اس میں غسل کرنا شروع کر دے بخاری ومسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جو جنبی ہو کھڑے پانی[۱] میں غسل[۲] نہ کرے۔ لوگوں نے کہا۔ اے ابوہریرۃ پھر کس طرح غسل کرے۔ فرمایا ہاتھوں سے نکال کر جسم پر ڈالے اور غسل کرے[۳]

[۱] یہ گویا پانی میں بول کرنے سے نہی کی علت ہے یعنی عقلمند انسان سے دور ہے کہ پانی میں بول کرے پھر اس میں گھس کر نہانا شروع کر دے۔

[۲] معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے قلیل پانی مراد ہے کہ کثیر پانی چاہے کھڑا ہو جاری پانی کی طرح ہے وہ ناپاک نہیں ہوتا اور اس میں غسل کرنا جائز ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے پانی اگر کثیر بھی ہو اور ناپاک بھی نہ ہو پھر بھی اس میں پیشاب نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ دوسرے بھی اسے دیکھ کر اس میں بول کریں اور عادت بنا لیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ پانی میں تبدیلی آجائے۔ تبدیلی سے اس کی صفات رنگ، بو اور مزہ کی تبدیلی مراد ہے پہلی صورت قلیل

پانی) میں نہی حرمت کے لیے ہے۔ اور دوسری صورت (ماء کثیر) میں نہی کراہت پر محمول ہے۔ اور لایجری کی قید اس لیے ہے کہ جاری پانی نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ بعض شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک پانی اگر قلیل ہو مگر جاری ہو تو بھی اس کا استعمال مکروہ ہے۔ غسل کا ذکر اتفاقی ہے وضو کا بھی یہی حکم ہے کہ جس پانی سے غسل جائز ہے اس سے وضو بھی جائز ہے اور جس سے غسل جائز نہیں اس سے وضو بھی جائز نہیں۔ پاخانہ ناپاک ہونے میں بول کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نجس اور بدتر ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے یہ سب تفصیل دن کے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔ رات کے وقت پانی تھوڑا یا زیادہ جاری ہو یا غیر جاری اس میں قضائے حاجت کرنا مکروہ و ممنوع ہے کیونکہ رات کو ایسا کرنے سے جنات کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جنات رات کو پانی کی جگہ پر رہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

۳ اس سے بھی قلیل پانی مراد ہے کہ ماء کثیر تو جاری پانی کا حکم رکھتا ہے۔ اور قلیل و کثیر کا معنی فصل ثانی میں مذکور ہوگا۔

۴ یعنی پانی کو برتن سے ہاتھ میں لے اور باہر کھڑے ہو کر اس سے نہائے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنبی انسان پانی حاصل کرنے کے لیے اس میں ہاتھ ڈالے اور غسل کرے تو اس طرح پانی مستعمل نہ ہوگا۔ ہاں اگر ہاتھ دھونے کی نیت سے جنبی انسان نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو جیسا کہ شمنی نے کہا، وہ پانی مستعمل ہو جائے گا۔

۴۴۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ کھڑے پانی میں بول کیا جائے۔ (مسلم)

۴۴۸ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَاْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میری خالہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے کر گئیں۔ اور عرض کیا میری ہمشیرہ کا (یہ) بیٹا بیمار ہے تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو کیا۔ تو میں نے آپ کے وضو کے پانی سے پی لیا پھر میں آپ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہوا۔ تو میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جس طرح حجلہ عروسی کا

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ثبن ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ آپ بنی امیہ یا بنی شمس کے حلیف تھے۔ آپ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ آپ خورد سال صحابی ہیں۔ آپ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کے بازار کا عامل مقرر کیا تھا۔

سٰے۔ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے جو برتن میں باقی رہ گیا تھا یا وہ پانی مراد ہے جو آپ کے اعضاء شریفہ سے الگ ہوا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ ماء مستعمل نجس ہے اس لیے ان کے مذہب کے مطابق اس حدیث کے مفہوم و معنی میں مشکل درپیش آتی ہے۔ اس مشکل کا حل اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت سائب کو آپ نے علاج کی غرض سے یہ پانی پینے کی اجازت دی۔ یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی آپ کے استعمال کرنے کے باوجود پاک ہی رہتا ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ کا استعمال کردہ پانی کیوں پاک و طاہر نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ آپ کے بدن مبارک سے لگا۔ اور اس پانی کے ساتھ جو نجاست حکمی زائل ہوئی جو کہ حدث کی ہے اس نے بدن شریف سے لگنے کے باوجود اس میں کوئی تاثیر نہ کی۔ پھر بعض علماء کرام تو اس طرف گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ طیب و طاہر ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر و باطن از سرتاپا بالکل پاک و منزہ ہے۔

سٰے ۔ زِرّ حَجَلَۃ بتقدیم زاء مکسورہ بر راء معنی گھنڈی حَجَلَہ بتقدیم حائے مہملہ بر جیم۔ دونوں کے فتح کے ساتھ خانہ عروسی (ڈولی) کو کہتے ہیں۔ اور یہ خیمہ کی طرح ہوتا ہے جس کو بڑے بڑے بٹن لگے ہوتے ہیں مہر نبوت کو مقدار میں اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ بعض روایات میں اسے کبوتر کے انڈے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اس کی شکل پہ نہایت نورانی و درخشاں گوشت کا ایک ٹکڑا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے اندر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ اور اس کے ظاہر پر یہ الفاظ مرقوم تھے۔ تَوَجَّهْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُوْرٌ (توجہ: ہر رخ کرے گا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تیرے ساتھ رہے گی) اسے مہر نبوت اس لیے کہتے ہیں کہ کتب سابقہ تورات انجیل وغیرہ میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور نعت وصفت بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ مہر نبوت آپ کے نبی موعود ہونے کی علامت و نشان تھی یا اس امر کی علامت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ علماء کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت یہ مہر نبوت آپ کے کندھوں کے درمیان سے اٹھالی گئی اور صحابہ کرام کو اس سے پتہ چلا کہ آپ اس دنیا سے انتقال فرما گئے ہیں۔ اس کی مزید تحقیق حضور علیہ السلام کے ابواب الشمائل میں کتاب کے آخر میں

ان شاء اللہ تعالیٰ لائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۳۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ یَکُوْنُ فِی الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنُوْبُهٗ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ اُخْرٰی لِاَبِیْ دَاؤدَ فَاِنَّهٗ لَا یَنْجُسُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اس پانی کے بارے میں جو وارد ہونے اور اس میں سے بیابان دھرتی میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس پانی پر مویشی اور جنگلی درندے پیتے ہیں (کہ کیا یہ پانی پاک ہوتا ہے؟) آپ نے فرمایا جب پانی دو قلہ[۲] کی مقدار ہو تو پلیدی کو قبول نہیں کرتا۔ اسے احمد ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں لا ینجس[۳] کا لفظ آیا ہے۔

[۱] حالانکہ اس پانی پر باری باری مویشی اور جنگلی درندے آتے اور اس سے پیتے اور اس میں بول و گوبر کرتے ہیں۔

[۲] یعنی اس پانی میں نجاست پڑ جانے سے یہ ناپاک نہیں ہوتا۔ قُلّہ بضم قاف بمعنی بڑا مٹکا۔ جس میں لوگ پانی ڈالتے ہیں۔ دراصل قلہ اونچی چیز کو کہتے ہیں جیسے پہاڑ، اونٹ کی کوہان۔ سر کی چوٹی۔ مٹکے کو بھی اس لیے قلہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اونچا ہوتا ہے۔ اوسطاً قوی آدمی ہی اسے اٹھاتا ہے۔ قلہ کی مقدار چھوٹی اڑھائی مشک ہے۔ اس مشک کو عربی میں قربہ بھی کہتے ہیں۔ اس حساب سے دو قلہ پانچ مشک پانی ہوگا۔ اور یہ چھوٹی مشک ہمارے علاقوں کے مطابق ایک بڑے گھڑے کی مقدار ہوتی ہے۔ اور شرع شریف کے حساب سے یہ پچاس سیر پانی ہوگا۔ تو دو قلہ پانی دو سو سیر ہوگا۔ بعض علماء نے کہا ہے۔ ایک چھوٹی مشک ایک سو رطل عراقی کے برابر ہوتی ہے۔ اور ایک عراقی رطل ایک سو اٹھائیس درہم وزن کا ہوتا ہے۔ اور ایک سیر شرعی چالیس شیر شاہی پیسے کے وزن کا ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں جو مذکور ہے امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ جب پانی دو قلہ ہو تو اس میں نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کے رنگ، بو اور ذائقہ میں تبدیلی نہ آ جائے۔ ہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اتنا فرق ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بول یا پاخانہ بہنے والا ہو تو پانی کو ناپاک کر دے گا۔ مگر یہ کہ بڑے بڑے

وتا فائیوں کی تشکل میں ہو جیسے کہ معظمہ کے راستے میں ہیں۔ ایک نہایت عجیب و غریب بات وہ ہے جو کتب شافعیہ رحمہم اللہ میں مذکور ہے کہ اگر سارا پانی ناپاک ہو اور وہ اسی ناپاک حالت میں رفتہ رفتہ دو قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ خود بخود پاک ہو جائے گا۔ اور جس وقت بھی وہ دو قلہ سے کم ہو گا تو ناپاک ہو جائے گا۔ گویا قُلَّتَیْنِ کی مقدار ان کے ہاں پانی کے پاک ہونے میں خاص تاثیر رکھتی ہے۔

ف۔ اس حدیث کی صحت میں محدثین کا اختلاف ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ ایک گروہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ایک دوسرے گروہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ اکابر علماء حدیث نے اس حدیث کا اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔ علی بن مدینی جو آئمہ حدیث اور شیوخ بخاری میں سے نیز امام احمد بن حنبل کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں، کہا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوئی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے کیونکہ ایک حبشی چاہِ زمزم میں گر گیا تو حضرت ابن عباس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے سارا پانی نکالنے کا حکم دیا۔ ان کا یہ حکم صحابہ کرام کی جماعت کے روبرو تھا اور کسی نے ان کے اس حکم پر اعتراض نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

علماء کرام نے کہا ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ پانی کے نجس ہونے یا نہ ہونے کی کیا مقدار اور حد ہے۔ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو آئمہ حنفیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ قُلَّتَیْنِ کی حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ قلہ کے کئی معنی آتے ہیں۔ جیسے مٹکا، مشکیزہ، پہاڑ کی چوٹی وغیرہ اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں اس سے کیا مراد ہے۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ پانی کسی چیز سے اور کسی حالت میں ناپاک ہی نہیں ہوتا۔ جاری ہو یا جاری نہ ہو، کم ہو یا زیادہ، اس کا رنگ، بو اور مزہ بدل چکا ہو یا نہ بدلا ہو۔ اور فقہاء و محدثین کے جمہور علماء اس پر ہیں کہ اگر پانی کثیر ہو تو ناپاک نہ ہو گا۔ قلیل ہو تو ناپاک ہو جائے گا اور وہ جو بیر بضاعۃ والی حدیث میں آیا ہے کہ اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (پانی پاک چیز ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی) اور اصحاب ظاہر اسے اپنے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، تو ان کا استدلال درست نہیں، کیونکہ اس حدیث میں الماء سے کثیر پانی مراد ہے۔ اور رہا قلیل و کثیر کی مقدار میں آئمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجاست گرنے سے جس پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ بدل جائے وہ قلیل ہے۔ اور جس کا نہ بدلے کثیر ہے۔ ان کے ہاں تبدیلی اور عدم تبدیلی ہی کثیر و قلیل کا معیار ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما کے نزدیک حسب ما ذکر قُلَّتَیْنِ کی مقدار ... [illegible]

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اگر پانی اتنا ہو کہ ہلانے سے اس کے اجزا الگ الگ نہ ہو جائیں بعض کے نزدیک غسل کے وقت بعض کے نزدیک وضو کے وقت اور بعض کے نزدیک لہر سے ہاتھ ڈالنے کے وقت اس کے اجزا الگ الگ نہ ہو جائیں تو وہ کثیر ہے۔ ورنہ قلیل ہے۔ متاخرین مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک قلت و کثرت کا معیار پیمائش کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے بعض کے نزدیک دہ در دہ[1] بعض کے نزدیک پندرہ در پندرہ۔ بعض کے نزدیک بیس در بیس۔ اور بعض ظن غالب کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر ظن غالب یہ ہو ایک جانب نجاست پڑنے والی دوسری جانب پہنچ گئی ہے تو وہ پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔ اور اس سے وضو کرنا روا ہوگا۔ ورنہ ناپاک مقصود ہوگا۔ اور اس سے وضو جائز نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کے دلائل کی تحقیق و تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بھی کر دی گئی ہے۔ وہاں انہیں دیکھ لیا جائے۔

۴۴۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَتَوَضَّاُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَۃَ وَھِیَ بِئْرٌ تُلْقٰی فِیْہِ الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ لَا یُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کیا ہم لوگ بضاعہ[1] کنویں سے وضو کر لیا کریں حالانکہ یہ وہ کنواں ہے جس میں حیض[2] کی تاکیاں، کتوں کے گوشت اور بدبو[3] دار چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا اس کنویں کا پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں[4] کر سکتی۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

[1] بُضَاعَۃ بضم باء موحدہ و ضاد معجمہ۔ یہ مدینہ منورہ میں مشہور کنواں ہے۔ (مگر آج ۱۴۰۱ھ میں مدینہ منورہ کی عمارات کی توسیع کے باعث آبادی میں آچکا ہے۔ اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں)

[2] حِیَض بکسر حاء و فتح یا حیضۃ کی جمع ہے۔ یعنی کپڑے کا ٹکڑا (تاکی) جو خون حیض سے آلودہ ہو۔

[3] نتن۔ بفتح نون و سکون تا بمعنی بدبو۔ یہاں بدبودار چیزیں مراد ہیں۔

[4] کیونکہ اس کا پانی بہت اور چشمہ دار ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ کنواں اس وقت جاری تھا اور نہر کی طرح اس کا پانی باغات کو سیراب کرتا تھا۔ اگرچہ وہ دہ در دہ نہ تھا۔ اور اتنی مقدار میں بھی نہ تھا کہ حرکت دینے سے اس کے اجزا الگ الگ نہ ہوں اس میں غور کرو۔ مشائخ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ احناف کے مذہب میں چشمہ دار کنواں جاری پانی کی طرح ہے۔

۴۴۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

[1] یعنی دس گز ضرب دس گز رقبے میں پھیلا ہوا پانی کثیر مقصود ہوگا۔ اس مقدار سے کم پانی قلیل ہوگا۔ مترجم غفرلہ۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَرْکَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِیْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِہٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الطَّھُوْرُ مَآؤُہٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُہٗ رَوَاہُ مَالِکٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہمراہ تھوڑا پانی لے کر چلتے ہیں اگر اس پانی کے ساتھ ہم وضو کر لیں تو پیاس ہمیں ستائے گی کیا ہم لوگ سمندر کے پانی [1] سے وضو کر لیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار [2] (مچھلی) حلال ہے۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی)

[1] گویا صحابہ کرام نے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کو بعید (ممنوع) خیال کیا۔ اور یہ خیال انہیں اس آیت کی تخصیص سے پیدا ہوا۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا۔ اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اور سمندر کا پانی بارش کے پانی سے اوصاف میں مختلف ہوتا ہے۔

[2] مراد مچھلی ہے۔ کہ اسے ذبح نہیں کیا جاتا۔ مَیتہ بفتح میم دراصل اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو بے ذبح مر جائے مچھلی کا ذبح یہی ہے کہ اسے شکار کر لیا جائے اور پانی سے نکال لیا جائے۔ اور جو مچھلی شکار کرنے سے پہلے پانی میں ہی مر چکی ہو۔ مذہب حنفی میں اس کا کھانا حلال نہیں۔ اس مسئلے کی مزید تحقیق کتاب الصید والذبائح میں ان شاء اللہ العزیز آئے گی۔

۴۳۲ وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَا فِیْ اِدَاوَتِکَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ مَآءٌ طَھُوْرٌ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ فَتَوَضَّأَ مِنْہُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْ زَیْدٍ مَجْھُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

حضرت ابوزید [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن [2] کے موقعہ پر انہیں فرمایا تیرے برتن میں کیا ہے۔ میں نے عرض کیا نبیذ (کھجور کا پانی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو طیب کھجور اور پاک [3] پانی ہے۔ اتنی مقدار تک اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور احمد و ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ کیے فَتَوَضَّأَ مِنْہُ تو اس سے آپ نے وضو کیا۔ اور ترمذی نے کہا ابوزید [4] مجہول ہے۔ اور علقمہ سے صحیح روایت ہے

قَالَ لَمْ اَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا میں لیلۃ الجن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

ف ۱۔ ابو زید مخزومی جو تابعین سے ہے اور عمرو بن حریث کا آزاد کردہ غلام بخاری نے جس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتا ہے۔

ف ۲۔ یہ وہ رات ہے جس میں جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن پڑھا۔ یہ جنات اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کے سامنے حال بیان کیا۔ جیسا کہ قرآن میں یہ قصہ صراحتہً مذکور ہے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود خدمت اقدس میں حاضر تھے اور چھاگل بھی ان کے پاس تھی۔

ف ۳۔ لہٰذا اس کے ساتھ وضو کرنا بلاشبہ درست ہے۔

ف ۴۔ ترمذی نے اس حدیث پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے کہ ابو زید جس کی روایت عبداللہ بن مسعود سے ہے مجہول شخص ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ابو زید جو ابن حریث کا آزاد کردہ غلام ہے کہ اس نے نبیذ سے وضو کرنے کی حدیث عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ اور اس سے ابو فزارہ نے روایت کی، اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور بخاری نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اور حاکم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں۔ اور بعض نے ابو فزارہ کو بھی ضعیف کہا ہے۔ اور مصابیح میں آیا ہے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا۔ حضرت علقمہ بن قیس کہ مشہور تابعی اور بڑی اونچی شان والے فقیہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام بھی ان سے علم کی باتیں پوچھا کرتے تھے۔ اور یہ علقمہ طور طریقے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت مشابہت رکھتے تھے۔ ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ف ۵۔ اور جب کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔ تو حدیث مذکور جو ان کے ہمراہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح نہ ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نبیذ تمر یہ ہے کہ کھجور کو چند روز کے لیے پانی میں ڈال دیں۔ تاکہ اسکا مٹھاس نکل آئے اور اس میں تیزی پیدا ہو جائے۔ یہ شیرہ جب تک خوب تیز و تند نہ ہو حلال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ نبیذ بنایا جاتا تھا اس نبیذ کے تمام مسائل و احکام باب الاشربہ میں انشاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔

کھجور کے اس شیرے کے ساتھ وضو کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر خالص پانی میسر نہ آئے تو پھر اس نبیذ کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں حنفیہ اس حدیث کو جو ابو زید نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اپنے مذہب کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور شافعی حضرات گذشتہ معلوم شدہ وجہ کی بنا پر اس حدیث میں طعن اور اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حق سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ اور راویانِ حدیث کی جہالت اس وجہ سے مندفع اور غیر موثر ہے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لیلۃ الجن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو دعوتِ حق دینے میں مصروف ہوئے تھے اس وقت آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ بٹھا کر ان کے اردگرد ایک دائرہ لگا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا اور یہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس رات کو حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنات کے ساتھ گفتگو کے وقت میں آپ کے ساتھ نہ تھا، یا جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ سے ان جنات کی جانب روانہ ہوئے اس وقت میں آپ کے ساتھ نہ تھا بلکہ رات کے آخری حصہ میں آپ کے ساتھ جا کر ملا۔ یہاں کافی طویل گفتگو ہے۔ شرح عربی میں پوری بسط و تفصیل سے درج کی ہے۔ وہاں دیکھنی چاہیے۔

۴۴۳ وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءً فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ

حضرت کبشہؓ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا سے جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں، روایت ہے فرماتی ہیں حضرت قتادہ میرے پاس تشریف لائے تو کبشہؓ نے ان کے وضو کے لیے برتن میں پانی ڈالا۔ اتنے میں ایک بلی پانی پینے کیلئے آ گئی۔ حضرت قتادہ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا یہاں تک بلی نے اس برتن سے پانی پیا۔ حضرت کبشہ کہتی ہیں حضرت قتادہ نے میری طرف دیکھا کہ میں (تعجب سے) ان کی طرف دیکھ رہی ہوں فرمایا اے میرے بھائی کی بیٹی کیا تو تعجب کر رہی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت قتادہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلی نجس نہیںؓ۔ بے شک وہ اگر ہے تو ان جانداروں میں سے ہے جو تمہارے پاس کثرت سے آتے

مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

جاتے ہیں اس لئے ہے تو ان مادہ اشیاء میں سے ہیں جن کا تمہارے پاس آنا جانا کثرت سے ہے۔ اسے امام مالک، احمد، ترمذی، ابو داؤد نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یعنی کبشہ انصاریہ کبشہ بفتح کاف وسکون با موحدہ آپ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ جو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، کی صاحبزادی ہیں۔ غزوہ تبوک میں آپ کے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی مشہور ہے۔ حضرت کعب کی یہ لڑکی حضرت ابو قتادہ جو مشہور صحابی ہیں کے بیٹے کے نکاح میں تھیں حضرت ابو قتادہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجہ کے سواروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت کبشہ کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ کذا فی التقریب۔

لہ۔ بعض روایات میں فَسَكَبْتُ بصیغہ متکلم بھی آیا ہے۔

لہ۔ تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے۔

لہ۔ یعنی میں نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا کہ آپ اس برتن سے بلی کو پانی پلا رہے ہیں جو وضو کے لیے رکھا گیا تھا۔

لہ۔ حضرت ابو قتادہ نے یہ الفاظ عربوں کی عادت کے مطابق فرمایا آل عرب کی عادت ہے کہ مخاطب کو یا ابن زادہ یا ابن عم کہتے ہیں۔ اگرچہ واقع میں اس طرح نہ ہو اور اخوت اسلامی تو ہر حال میں موجب ہے۔

لہ۔ یعنی بلی ایسی نجس چیز نہیں کہ برتن میں اس کے منہ ڈالنے سے پانی ناپاک ہو جائے۔ نَجَس بکسر جیم بمعنی پلید اور بفتح جیم بھی پڑھا گیا ہے بمعنی پلیدی۔

لہ۔ لہٰذا لفظ او راوی کے شک کی بنا پر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من الطوافین فرمایا یا من الطوافات فرمایا۔ طوافین اور طوافات صیغہ مبالغہ ہے جو غلبہ اور کثرت کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ کثرت سے تمہارے اردگرد گھومتی رہتی ہے اگر اس کے جوٹھے کو ناپاک قرار دے دیں تو اس سے تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ اس وجہ سے سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یا من الطوافین علیکم او الطوافات سے یہ مراد ہے کہ بلی ہر وقت محتاجوں اور سائلوں کی طرح تمہارے اردگرد رہتی ہے اسلیے اس کے ساتھ شفقت و مہربانی ضرور ہونی چاہیے بہرحال دونوں مذکورہ معنوں کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور چشم پوشی چاہیے۔

پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلی کا جوٹھا مکروہ ہے اگر اور پانی نہ ہو تو پھر بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کرے تیمم کرنا جائز نہیں۔ اور اگر دوسرے پاک پانی کے ہوتے ہوئے بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک بلی کا جوٹھا پاک ہے پھر حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک

اس لیے مکروہ ہے کہ حدیث میں بلی کو درندوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور درندوں کا جوٹھا نجس ہے لیکن حدیث انها من الطوافين اس کو نجاست سے کراہت کے درجے پر اتار لائی ہے۔

۴۴۴ وَعَنْ دَاؤدَ بْنِ صَالِحِ ابْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّ مَوْلَاتَهَا اَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ اِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّيْ فَاَشَارَتْ اِلَيَّ اَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا اَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ اَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ بِفَضْلِهَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

حضرت داؤد بن صالح[1] بن دینار سے وہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ماں کو آزاد کرنے والی عورت نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہریسہ[2] دے کر بھیجا۔ اس ماں جی کا نے کہا میں نے حضرت عائشہ کو نماز پڑھتے پایا۔ نماز کی حالت میں ہی مجھے اشارہ[3] کیا کہ اسے رکھ دے۔ پھر ایک بلی آئی اور اس میں سے اس نے کھانا شروع کر دیا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز سے فارغ ہوئیں تو وہیں سے ہریسہ کھانا شروع کر دیا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ اور فرمایا۔[4] بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلی پلید نہیں ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کیا۔ (ابوداؤد)

[1] داؤد بن صالح مدنی ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں۔ انصار کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض نے کہا آپ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] ہریسہ ایک مشہور کھانا ہے۔ یہ ہرس بمعنی کوٹنے سے مشتق ہے اور خوب چبا کر کھانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

[3] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا اشارہ کرنا نماز کے اندر بھی جائز ہے۔ اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ بعض فقہی روایات میں آیا ہے مطلب ظاہر کرنے والا اشارہ مفسد نماز ہے۔ یہ حدیث اس فقہی روایت کے خلاف ہے۔ دراصل مفسد نماز یا تو کلام ہے یا عمل کثیر۔

[4] گویا اس عورت کو حضرت عائشہ کے اس فعل سے تعجب ہوا۔ اور اس نے حضرت عائشہ سے سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے۔

۴۴۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَتَوَضَّأُ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا - رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

سے دریافت کیا گیا کیا ہم لوگ گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ بلکہ تمام درندوں کے جوٹھے پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے[1]۔ اسے شرح سنہ میں روایت کیا۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔ امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔ احناف کے نزدیک درندوں کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ درندوں کا لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کا گوشت نجس ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی ان کے اصحاب کی مختلف روایات کے مطابق یہی ہے اور جو احادیث درندوں کے جوٹھے کی طہارت میں وارد ہوئی ہیں ان کی صحت میں کلام ہے اور اگر ان احادیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر جواب یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے حوضوں اور تالابوں کے بارے میں ہیں۔ جو بیابانوں اور صحراؤں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اور اگر اس حدیث سے علی العموم تمام درندے مراد لیے جائیں تو پھر کتے کا جوٹھا بھی پاک ہوگا۔ حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں۔

فائدہ۔ محیط میں ہے کہ کتا اگر انسان کے عضو یا اس کے کپڑے کو پکڑے اگر غصے کی حالت میں پکڑے تو ناپاک نہ ہوگا۔ اور اگر مزاح اور لاڈ پیار کے طور پر پکڑے تو ناپاک ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے غصہ کی حالت میں وہ صرف دانتوں سے چیز کو پکڑتا ہے اور اس کے دانتوں میں رطوبت نہیں ہوتی۔ اور مزاح کی حالت میں لبوں سے پکڑتا ہے اور لب تری سے آلودہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شمنی نے کہا۔

۴۴۲ وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اغْتَسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمَيْمُونَةُ فِي قَصْعَةٍ فِيهَا أَثَرُ الْعَجِينِ - رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں نے ایک ہی ٹب میں سے غسل کیا جس میں آٹے کا نشان[2] موجود تھا۔

(نسائی، ابن ماجہ)

[1] ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا آپ کا نام فاختہ تھا۔ بعض نے عاتکہ بتایا ہے۔ فتح مکہ کے سال ایمان لائیں۔ ان سے حضرت علی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت کثیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ ۵۰ھ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہیں۔

[2] یعنی اس ٹب میں باقی ماندہ آٹے کا نشان موجود تھا۔ بعض نے کہا ہے یہ نشان زیادہ نہ تھا جس سے پانی میں تغیر آ جائے۔ جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے اور ہمارے ہاں اگر کسی پاک شے کے پڑنے سے کوئی ایک وصف بدل گئی

تو بھی جائز ہے مگر جب کہ اس کا سیلان طبعی جاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۴۷ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرٌو يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَيْنَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِيْ قَوْلِ عُمَرَ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا مَا اَخَذَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَنَا طَهُوْرٌ وَشَرَابٌ۔

حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں بے شک عمر رضی اللہ عنہ سواروں کی ایک جماعت میں جن میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے، ان سے باہر تشریف لے گئے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر پہنچے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے بھی (پانی پینے) آتے ہیں اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے صاحب حوض ہمیں اس بارے میں کوئی خبر نہ دے کہ ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں اسے مالک نے روایت کیا رزین نے کچھ الفاظ زیادہ روایت کیے اور کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں یہ الفاظ کہے بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے درندوں کے لیے ہے وہ جو انہوں نے اپنے شکموں میں ڈال لیا اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے لیے پاک ہے اور پینے کے لیے بھی جائز ہے۔

لہ حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن تابعی ہیں مدنی ہیں ثقہ ہیں بلند مرتبہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے دوہتے ہیں۔

لہ یعنی تیرا ہمیں خبر دینا نہ دینا برابر ہے۔

لہ یعنی ان حوضوں میں بہت پانی ہوتا ہے۔ اس لیے کبھی ہم پینے آجاتے ہیں اور کبھی جنگلی درندے آجاتے ہیں ان کے پی جانے سے کوئی ضرر و نقصان نہیں۔

۴۴۸ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت

عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بُطُونِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُورٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

کیا گیا جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہیں کہ ان سے درندے اور کتے اور گدھے پانی پیتے رہتے ہیں کیا ان سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ان کے لیے ہے وہ جو انہوں نے اپنے شکموں میں ڈال لیا جو باقی رہا وہ ہمارے لیے ہے۔ اور وہ پاک کرنے والا ہے۔ یعنی اس سے غسل و وضو جائز ہے۔

۴۴۹ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَإِنَّهُ يُورِثُ الْبَرَصَ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا دھوپ سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ (دارقطنی)

لہ۔ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مرفوع ہونا درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ تنزیہ الشریعۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دھوپ میں پانی گرم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حُمیرا ایسا نہ کر کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اسے ابو نعیم نے طب میں اور دارقطنی نے افراد میں اور سنن میں روایت کیا۔ حضرت ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا دھوپ سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے اور کہا کہ ان احادیث کی سندوں میں جھوٹے اور اپنے پاس سے حدیثیں گھڑنے والے راوی ہیں۔ ان لوگوں کی حدیث قابل قبول نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں تاہم اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ قول ثابت شدہ ہے۔ اور امام شافعی نے اسے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے رجال ثقہ ہیں۔ مگر ابراہیم راوی کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور اس کا شیخ صدقہ ضعیف ہے۔ اور دارقطنی ایک اور طریقہ سے لایا ہے اور منذری نے اس کی تحسین کی ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری بات یہ ہے کہ مؤلف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول جو نقل کیا ہے غسل کے ساتھ خاص ہے۔ اور سفر السعادۃ میں فرمایا دھوپ سے گرم شدہ پانی کے استعمال کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں یہ بات غسل وضو وغیرہ سب کو شامل ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ مذکورہ قول کے ثابت ہونے کی صورت میں بھی اس بیماری کا لاحق ہونا اس وقت ہے جب کہ اس کی عادت بنائے۔ یا اس بیماری کے معارض و مانع کے نہ ہونے کے وقت ہے۔ جیسا کہ

بعض کھانے جن سے اطباء نے منع کیا اور رد کلاب ہے۔

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ

نجاستوں کو پاک کرنے کا باب

نجاست بمعنی پلیدی طہارت و پاکی کی ضد ہے۔ نَجَس بفتح جیم و کسرہ بمعنی پلید چیز فقہاء کی اصطلاح فتح کے ساتھ پلیدی کے معنی میں آتا ہے۔ اور نجس بکسرہ کے ساتھ بمعنی پلید نجس، سَمِعَ يَسْمَعُ وكَرُمَ يَكْرُمُ۔ دونوں باب سے آتا ہے۔ نجاسات جمع لانا اس کی مختلف انواع و احکام کے ارادہ کی بنا پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۵۰ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن سے کتا منہ ڈال جائے تو چاہیے کہ اسے سات مرتبہ دھوئے (بخاری مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے۔ فرمایا تمہارے برتن کی طہارت جب کہ اس میں کتا منہ لگا جائے یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔ ان میں سے پہلی بار مٹی سے دھوئے۔

لہ۔ ولوغ بمعنی کتے کا اپنی زبان کے کناروں سے کسی برتن میں کوئی چیز کھانا (چاٹنا) یہ لفظ درندوں کے ساتھ خاص ہے۔

لہ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کتے کے برتن کو منہ لگانے سے اسے سات مرتبہ دھونا اکثر محدثین کا مذہب ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہی ہے اس حدیث میں سات مرتبہ کا ذکر احتیاطاً آیا ہے۔ سات مرتبہ دھونا لازم و ضروری نہیں ہے۔ یا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا

بعد میں منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ جو فرمایا کہ پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں اُخراھن کا لفظ آیا ہے یعنی آخری بار اور ترمذی میں اُولٰھُنَّ اَوْ اُخراھن آیا ہے یعنی پہلی بار یا آخری بار مٹی سے دھوئے اور بزار کی ایک روایت میں احداھن کا لفظ آیا یعنی سات میں سے ایک بار۔ اور احمد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اول آٹھ بار پانی سے دھوئیں پھر مٹی کے ساتھ۔

۴۵۱ وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَبَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّآءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

انہیں سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اس کے درپے ہو گئے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو کہ بول کرے پھر اس کے بول پر ایک ڈول پانی کا بہا دو کیونکہ تمہیں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تمہیں تنگی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

لہ۔ اعراب عرب کے بادیہ نشینوں کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عجم کے بادیہ نشینوں کو بھی اعراب کہتے ہیں۔

سہ۔ سجلاً من ماء او ذنوبا من ماء۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور نے سجلاً فرمایا یا ذنوباً۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ سجل و ذنوب مترادف الفاظ ہوں۔ بعض کہتے ہیں سَجل بفتح سین وسکون جیم۔ بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ اور ذنوب اس ڈول کو کہتے ہیں جو پوری طرح بھرا ہوا نہ ہو۔ اس صورت میں لفظ او تخییر کے لیے ہوگا۔ درست یہی ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں یعنی پانی سے بھرا ہوا بڑا ڈول۔ اور او شک کے لیے ہے۔

سہ۔ یعنی تم دین میں آسانی و مہربانی کے لیے پیدا ہوئے ہو۔

سہ۔ تم دشواری پیدا کرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ دراصل یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے کہ آپ دین و شریعت میں غایت رفق و مہربانی اور سہولت و سماحت کی صفت سے موصوف ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو بھی جو آپ کے متبع تھے اس صفت سے موصوف فرمایا۔ ان کلمات سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام مسجد میں بول کرنے والے اس اعرابی سے نرمی اور مہربانی کا سلوک کریں۔

ھ۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پانی بہانے سے ناپاک زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہایا ہوا پانی نجاست پر غالب آجاتا ہے۔ اور یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نجاست کا غسالہ اور چھینٹے وغیرہ جو کپڑوں یا بدن پر پڑتے ہیں۔ ان سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ یوں ہی چٹائی دھونے وقت جو قطرے

زمین پر گرتے ہیں وہ بھی پاک ہیں۔

یہاں علماء کا اختلاف ہے۔ قول مختار یہ ہے کہ جو قطرے اور چھینٹے محل کے پاک ہونے کے بعد الگ ہو کر گریں وہ پاک ہیں اور جو قطرات محل کے طہارت سے پہلے اس سے جدا ہوں۔ وہ ناپاک ہوں گے۔ اور اگر محل سے جدا ہونے کے بعد ان کا رنگ اور بو تبدیل ہو جائے تو وہ بالاتفاق ناپاک متصور ہوں گے۔ کذا فی مجمع البحار۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین جب ناپاک ہو جائے تو خشک ہو جانے سے پاک نہ ہو گی۔ مگر زمین اکھیڑنا اور مٹی اٹھا کر پھینکنا ضروری نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خشک ہو جانے کے بعد زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر زمین کو خشک ہونے تک نہ چھوڑیں بلکہ گیلی ہی استعمال کرنا چاہیں تو پھر اتنی جگہ اکھیڑ کر خاک اٹھا کر پھینک دینی چاہیے کہ پاک ہو جائے۔ انتہیٰ۔ معلوم نہیں ہمارے اصحاب نے اس کے جواب میں کیا کہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ قوم (صحابہ) نے اس جگہ کے خشک ہونے سے پہلے اس پر نماز پڑھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ فوراً پانی بہانے سے مقصد یہ تھا کہ نجاست کا اثر ہلکا ہو جائے۔ اور بول کی بو اور اس کا رنگ پانی کے غلبہ سے جاتا رہے اور پاک خشک ہونے سے ہی ہوئی ہو۔ یہ حدیث ان سے خاموش ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک اعرابی آیا اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے کہا۔ نہ کر نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بول کرنے سے نہ روکو اسے چھوڑ دو (اس پر) صحابہ نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے بول کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اس سے کہا کہ یہ مساجد بول اور گندگی کے لیے نہیں ہیں یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں یا جو لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ راوی کہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم میں سے ایک آدمی کو حکم دیا وہ آدمی پانی کا ایک ڈول بھر کر لایا اور اس

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بول پر بہا دیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اسے پکڑنا اور اس کے درپے ہونا جس کا گذشتہ حدیث میں ذکر آیا ہے محض زبان سے تھا۔ ہاتھوں سے نہ تھا۔ بشرطیکہ دونوں حدیثوں میں مذکور قصہ ایک ہی ہو۔

سلہ۔ سا تزرام زا کی راپر تقدیم کے ساتھ بمعنی کسی کا بول بند کر دینا۔ زرم بمعنی بول یا آنسو دیں وغیرہ کا بند ہو جانا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجنبی اور نادان لوگوں پر غایت شفقت و مہربانی اور حلم و کرم کا اظہار ہے اسی لیے آپ نے اس سے تعرض کرنے والوں کو منع فرمایا اور اس شخص کو نہایت نرمی و شفقت سے نصیحت فرمائی۔ اور صحابہ کرام کو منع کرنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ مسجد تو آلودہ ہو گئی اب اسے بول کے درمیان بول کرنے سے روکنے میں اس کے لیے مزید تکلیف کا باعث ہے اور اس کے ساتھ اس کے کپڑوں اور مسجد کی دوسری جگہوں کے ناپاک ہونے کا خدشہ ہے۔

سلہ۔ او کما قال۔ یہ لفظ دراصل وہاں لاتے ہیں جہاں راوی کو یاد نہ رہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کونسا لفظ بولا تھا۔ یہ لفظ جو میں نے کہا یا اس سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ تھا۔

سلہ۔ سَنٌّ بمعنی پانی بہانا۔ اور پانی بہانے اور اسے بکھیرنے کا معنی مطلوب ہو تو اس کے لیے لفظ شَنٌّ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی شین معجمہ کے ساتھ اس حدیث میں متعدد معتبر نسخوں کے مطابق سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں شَنَّهٗ آیا ہے یعنی شین معجمہ کے ساتھ۔

۴۵۳ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَاَةٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ اِحْدٰنَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدٰكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ۔

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمیں آپ بتائیں جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے اور کپڑے کو اس سے کس طرح پاک کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو چاہیے کہ ناخنوں اور انگلیوں کے سروں سے اس جگہ کو ملے۔ پھر اس جگہ کو پانی سے دھوئے۔ پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لـه - حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابیہ ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ آپ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

٢ـه - حَيْضَة بکسر حا اور بفتح حا دونوں طرح آیا ہے۔

٣ـه - لفظ نضح کا معنی لغت میں پانی چھڑکنے کا آتا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک احادیث میں یہ لفظ دھونے کے معنی پر محمول ہوتا ہے۔

٤ـه - پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ اگرچہ وہ ابھی خشک نہ ہوا ہو بلکہ گیلا ہی ہو جیسا کہ آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔

٤٥٤ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهٖ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلیمان بن یسار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی پھر آپ اسی کپڑے کو پہن کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ دھونے کا اثر ابھی تک کپڑے پر موجود ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

لـه - حضرت سلیمان بن یسار ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کے بھائی اور اہل مدینہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ آپ بلند مرتبہ فقیہ عظیم فاضل ثقہ عابد اور نہایت پرہیزگار شخصیت تھے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ ۱۰۷ھ میں وصال فرمایا۔

٤٥٥ وَعَنِ الْأَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ وَفِيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ -

حضرت اسود اور ہمام[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ[2] کر صاف کیا کرتی تھی اسے مسلم نے روایت کیا اور ایک روایت میں علقمہ اور اسود سے مروی ہے اور اس علقمہ والی روایت میں یہ الفاظ ثم یصلی فیہ (پھر آپ اس میں نماز پڑھتے) زیادہ آئے ہیں[3]۔

۵۔ یعنی اسود بن یزید بن قیس نخعی برادر زادہ حضرت علقمہ بن قیس۔ آپ اپنے چچا سے عمر میں بڑے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ آپ کے ماموں ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ نصیب ہوا۔ آپ نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا آپ اکابر صحابہ سے احادیث روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے خواہر زادہ حضرت ابراہیم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ آپ نے اسّی حج اور عمرے کیے آپ زندگی کی آخری گھڑی تک روزہ دار رہے۔ دو راتوں میں قرآن پاک ختم کرتے تھے ۷۵ھ یا ۷۴ھ میں وصال فرمایا۔

ہمام نخعی بھی تابعی ہیں۔ کوفی ثقہ ہیں۔ اہل کوفہ کے عبادت گذار اور علماء میں سے ہیں آپ حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما وغیرہما صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور آپ سے ابراہیم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ ۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔

۲۔ یعنی میں خشک شدہ منی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ کر صاف کرتی تھی۔

۳۔ یہ احادیث منی کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ہمارا اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک منی پاک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ منی خدا کے دوستوں کی پیدائش و خلقت کا اصل اور مادہ ہے۔ خدا کے دوستوں کے بارے میں کیسے کہا جائے کہ وہ ناپاک ہیں ساتھ دارقطنی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منی کے متعلق دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ناک اور حلق کے پانی کی طرح ہے۔ اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی تنکے یا کھردری چیز سے اسے کھرچ دے۔ اس کے برعکس ہمارے مذہب کی دلیل وہ احادیث ہیں جو منی کو دھونے کے بارے میں آئی ہیں۔ اسے کھرچنا شدت مجبوری کے تحت آسانی مہیا کرنے کے لیے تھا۔ اس بنا پر نہ تھا کہ وہ پاک ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ کھرچنا اور دھونا کمال نظافت و صفائی کیلیے ہوتا تھا طہارت کے لیے نہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات خلاف ظاہر ہے۔ اس کے ناپاک ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے ناپاک چیزوں کے ساتھ جمع کر کے لایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ شریف میں حدیث بیان کی یغسل الثوب من الخمس البول والغائط والدم والمنی والقیٔ۔ یعنی کپڑے کو پانچ چیزوں سے دھونا ضروری ہے۔ بول، پاخانے، خون، منی، اور قے سے اور شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے کہ وہ خدا کے دوستوں کا مادہ اور اصل ہے تو یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ منی جو ایک عرصہ بعد رحم میں علقہ (خون بستہ) کی شکل اختیار کرتی ہے۔ وہ بھی دوستان خدا کا مادہ آفرینش ہے اور خون بالاتفاق ناپاک ہے۔ اور کبھی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہوتی ہے جس طرح دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ اور منی جس طرح اولیاء خدا کا اصل و مادہ ہے۔ خدا کے دشمنوں کا اصل و مادہ بھی یہی منی ہی ہے لہٰذا کس طرح

کہہ سکتے ہیں کہ منی پاک ہے۔ باقی رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو انہوں نے بیان کی ہے۔ تو اس کی صحت میں کلام ہے اور اگر صحیح ہو تو پھر وہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۶ وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے شیر خوار بچے کو جو ابھی روٹی نہ کھاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھایا تو اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور کپڑے پر چھڑک دیا۔ اور نہ دھویا۔ (بخاری ومسلم)

لہ ۔ مِحْصَن کسرہ میم سکون حا اور فتح صاد مہملہ کے ساتھ۔ آپ حضرت عکاشہ بن محصن کی ہمشیرہ ہیں۔ آپ اعلان نبوت کے ابتدائی ایام میں مکہ میں اسلام لائیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۲ ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس بچے کے بول کے لیے جو ابھی روٹی کھانے کے قابل نہ ہو صرف پانی کا چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔ دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس حدیث کا ظاہر ان کے اس مذہب پر دلالت کرتا ہے بعض شافعی حضرات بچے اور بچی کے بول میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بچے کے بول سے طہارت کے لیے پانی کا چھڑکنا کافی ہو جاتا ہے۔ اور بچی کے بول کے لیے دھونا چاہیے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک دونوں کے لیے دھونا ضروری ہے۔ اور ان کے نزدیک اس حدیث میں نضح (چھڑکنا) سے دھونا مراد ہے۔ اور لم یغسلہ کا معنی ہے دھونے میں مبالغہ نہ کیا۔ یہ تاویل و توجیہہ عموم دلائل کے پیش نظر کی گئی ہے جو بول دھونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور شمنی نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ یہاں نضح سے بہانا مراد ہے۔ یعنی بغیر ملنے اور نچوڑنے کے صرف پانی بہا دینا مراد ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک بچے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا اس نے بول کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صرف پانی بہا دو۔ بچے کے بول کے لیے صرف پانی بہا دینا ہی کافی ہے مگر بچی کے بول کے لیے پانی بہا کر کپڑے کو نچوڑنا بھی چاہیے تو دونوں کے بول میں دھونا ضروری ہے۔ تاہم بچی کے بول میں مبالغہ اور تاکید زیادہ ہے۔ بچے اور بچی کے بول میں فرق کی وجوہ شرح (اعلیٰ) میں ذکر کی ہیں۔ ان وجوہ میں سے زیادہ ظاہر وجہ یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ میل جول اور اختلاط بچیوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ تو بچے کا بول دھونے میں

مبالغہ کرتے ہیں حرج ومشقت ہے۔

۴۵۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الْاِھَابُ فَقَدْ طَھُرَ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہیں فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب چمڑے کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

سلہ۔ دوائیں یا سورج کی دھوپ کے ذریعے چمڑے کی گندگی اور اس کی رطوبات فاسدہ سے اسے پاک وصاف کرنے کو دباغت کہتے ہیں، صرف خشک ہو جانے اور ہوا میں ڈال دینے سے پاک نہ ہوگا۔ اِھَاب بکسر ہمزہ مطلق چمڑہ کو کہتے خواہ دباغت شدہ ہو یا غیر دباغت شدہ۔ جیساکہ قاموس میں مذکور ہے۔ بعض نے کہا غیر دباغت شدہ چمڑے کو اِھاب اور دباغت شدہ کو ادیم کہتے ہیں۔

سلہ۔ جاننا چاہیے کہ دباغت سے چمڑے کی طہارت ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ چیز ہے خواہ وہ چمڑہ مردار کا ہو یا ذبح شدہ جانور کا خواہ اس کا گوشت حلال ہو یا حرام، صرف اتنا سا اختلاف ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب مردار کے چمڑے میں تیل ڈال کرتے ہیں۔ مگر ان کے محققین کا یہی مذہب ہے کہ مردار کا چمڑہ بھی دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس باب میں احادیث مشہور ہیں۔ تاہم خنزیر اور آدمی کا چمڑہ اس سے مستثنیٰ ہے، آدمی تو شرافت اور عزت کی بناپر، اور خنزیر اہانت و ذلت کی وجہ سے۔ کتے میں اختلاف ہے۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ کتا نجس العین نہیں جس طرح کہ خنزیر نجس العین ہے۔ کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتا خنزیر کے حکم میں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ سلف سے منقول ہے کہ وہ مردار جانوروں ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں سے نفع اٹھاتے تھے ان کی ہڈیوں سے نکلا ہوا تیل استعمال کرتے تھے نیز ان کی ہڈیوں سے بنائی ہوئی کنگھی استعمال کر لیتے تھے۔ اور محدث بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہاتھی دانت کی کنگھی لائے تھے اور آپ نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا زیور بھی خریدا تھا۔ مشہور یہی ہے کہ عاج ہاتھی کے دانتوں کا نام ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ عاج کسی اور دریائی جانور کا نام ہے جسے ذبل بھی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں عاج دریائی کچھوے کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۸ وَعَنْہُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰی مَوْلَاۃٍ لِمَیْمُوْنَۃَ بِشَاۃٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت بھی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو ایک بکری بطور صدقہ

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھَلَّا اَخَذْتُمْ اِھَابَھَا فَدَبَغْتُمُوْہُ فَانْتَفَعْتُمْ بِہٖ فَقَالُوْا اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرُمَ اَکْلُھَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

دی گئی۔ وہ بکری مرگئی۔ اور مردہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ کہ اس کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے فرمایا تم لوگوں نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتار لیا۔ اس چمڑے کو رنگ لیتے اور نفع اٹھاتے۔ اہل خانہ نے کہا یہ تو مردار[1] ہے۔ فرمایا مردار کا کھانا حرام[2] ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ اور مردار سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

ٹہ۔ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے نہ مطلق نفع اٹھانا۔ بعض نسخوں میں حَرُمَ کے بجائے حُرِّمَ بضم و تشدید را آیا ہے۔

۴۵۹ وَعَنْ سَوْدَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاۃٌ فَدَبَغْنَا مَسْکَھَا ثُمَّ مَازِلْنَا نَنْبِذُ فِیْہِ حَتّٰی صَارَ شَنًّا۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہماری ایک بکری مرگئی ہم نے اس کا چمڑہ رنگ لیا[1] پھر ہم ہمیشہ اس میں[2] نبیذ (کھجور کا شیرہ) ڈالتے رہے یہاں تک وہ بوسیدہ مشک بن گئی۔[3] (بخاری شریف)

لہ۔ مسک وہ چمڑہ جو حیوان کے جسم سے اتار لیا جائے۔

ٹہ۔ یعنی ہم نے اس کی ایک چھوٹی مشک بنائی اور اس میں ہم کھجور کا شیرہ ڈالا کرتے۔ یہاں تک کہ وہ استعمال کرتے کرتے بوسیدہ ہو گئی۔

ٹہ۔ شَنًّا یعنی پھٹی ہوئی بوسیدہ مشک۔ شَنٌّ بفتح شین معجمہ و تشدید نون۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۶۰ عَنْ لُبَابَۃَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ کَانَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِیْ اِزَارَکَ حَتّٰی اَغْسِلَہٗ قَالَ اِنَّمَا یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰی

حضرت لبابہ[1] بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں تھے کہ انہوں نے آپ کے کپڑے پر بول کر دیا حضرت لبابہ نے کہا آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا ازار مبارک مجھے دے دیں کہ میں اسے دھو ڈالوں فرمایا لڑکی کے پیشاب ...

وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ أَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ

چھڑک دینا کفایت کرتا ہے سلہ اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابوالسمح سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکی کا بول لگ جانے سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے بول کے لیے پانی چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔

سلہ ۔یعنی حضرت لبابہ بنت الحارث ام الفضل ہلالیہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت عباس بن عبد المطلب کی بیوی اور حضرت عبد اللہ بن عباس و فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کی والدہ ماجدہ ہیں۔

سلہ ۲ ۔اس حدیث کی شرح حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گذر چکی ہے۔

سلہ ۳ ۔ابوالسمح بفتح سین و سکون میم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔

سلہ ۴ ۔بچہ سے ایسا بچہ مراد ہے جو شیر خوار ہو۔ اور ابھی کھانا نہ کھاتا ہو۔

۴۶۱ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذٰى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُوْرٌ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ.

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب جوتا پہن کر نجاست پر سے گزرے تو مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے اس معنیٰ کو دوسرے الفاظ سے ذکر کیا۔

سلہ ۔لغت میں اذیٰ مکروہ چیز کو کہتے ہیں جس سے طبیعت نفرت کرے۔ اس لفظ کو نجاستوں کے لیے استعمال کرنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ طبیعت ان سے نفرت کرتی ہے۔

سلہ ۲ ۔یعنی مٹی پر ملنے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خاک ہو جس پر سے جوتے کو نجاست لگنے کے بعد گذر رہا ہو۔ مگر اس سے خشک نجاست مراد ہے جس کا کچھ حصہ جوتے یا موزے سے لگ جائے۔ جب وہ نجاست مٹی سے رگڑی گئی تو جوتا اور موزہ پاک ہو گیا۔ مگر تر نجاست رگڑنے سے زائل نہیں ہوتی۔ امام اعظم، امام محمد علیہما الرحمۃ کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے قول قدیم میں نجاست سے عام نجاست مراد ہے۔ یعنی تر اور خشک دونوں طرح کی نجاست رگڑنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اور جوتا و موزہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دین کا معاملہ آسانی و رفع حرج پر مبنی ہے۔ تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی نجاست سے ذی جرم نجاست مراد ہے۔ جس نجاست کا جرم نہ ہو جیسے بول اور شراب تو اس کا دھونا ان کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ اور امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ایک ساحدہ تاویل کرتے ہوئے کہا کہ مٹی اسے پاک

کر دینے والی ہے" سے مراد یہ ہے کہ جوتا پہن کر جب نجاست کے اوپر سے گذرا پھر مٹی پر سے گذرا تو مٹی کا اثر نجاست کو زائل کر دے گا اب اس کے لیے جوتا پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہونا اور ادھر ادھر چلنا پھرنا جائز ہوگا۔ یعنی طہارت سے وہ طہارت مراد نہیں کہ اب اس جوتے سمیت نماز پڑھ لینا بھی جائز ہو جائے۔ بلکہ طہارت سے یہ مراد ہے کہ اس جوتے کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا اور زمین پر چلنا پھرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کاموں کے لیے طہارت مستحسن ہے واجب و ضروری نہیں تاہم یہ تاویل حدیث کی ظاہر عبارت کے لحاظ سے خالی از بعد نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے وہ نجاست مراد نہیں جو کپڑے یا بدن کے ساتھ چسپاں ہو جائے۔ اور کپڑا و بدن اس سے آلودہ ہو جائے۔ بلکہ اس سے ایسی خشک نجاست مراد ہے جو آلودگی کا موجب نہ بنے۔ آلودگی کی صورت میں تو بالاجماع پانی سے دھونا فرض ہے۔

۴۶۲ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ إِنِّي أُطِيلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَا الْمَرْأَةُ أُمُّ وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھ سے ایک عورت نے کہا میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور ناپاک جگہ پر سے گذرتی ہوں۔ (تو اس کپڑے کو کس طرح پاک کیا کروں) حضرت ام سلمہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اسے وہ چیز پاک کر دیتی ہے جو ناپاک جگہ سے گذرنے کے بعد[1] آتی ہے۔ اسے مالک، احمد ترمذی ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا اور ابوداؤد اور دارمی نے کہا جس عورت نے حضرت ام سلمہ سے یہ بات پوچھی تھی وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولدہ[2] تھی۔

[1] یعنی جب تو ناپاک جگہ پر سے گذرنے کے بعد پاک مٹی پر سے گذرتی ہے تو وہ پاک مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا۔ حضرت ام سلمہ کی اس حدیث میں نجاست سے خشک نجاست مراد ہے۔ کیونکہ سب آئمہ کا اس پر اجماع ہے کہ جب کپڑا ناپاک ہو جائے تو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ بخلاف جوتوں اور موزوں کے۔ کہ تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگرچہ تر نجاست ہی کیوں نہ ہو رگڑ دینے سے جوتے اور موزے پاک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کا قول مذکور ہوا۔

[2] لہٰذا یہ عورت مجہول نہیں اس بنا پر اس کی روایت کردہ یہ حدیث بھی طعن و عیب سے پاک ہے۔

۴۶۳ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

حضرت مقدام[1] بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں[2] کے چمڑے پہننے

لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد و نسائی)

ف ۱۔ مقدام بن معدیکرب صحابی ہیں اہل شام میں شمار ہوتے ہیں شہر حمص میں رہائش اختیار کی قبیلہ کندہ کا وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے احادیث روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ شام میں ۸۷ھ میں رحلت فرمائی۔

ف ۲۔ جیسے شیر چیتا وغیرہ۔

ف ۳۔ یعنی ان کی کھالوں کو بچھا کر ان پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔ یا ان کی کھالوں کو زین پر ڈال کر سواری کرنے سے منع فرمایا علماء نے اس ممانعت کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ جابر اور متکبر لوگوں کی عادت ہے۔ اس صورت کے مطابق یہ نہی تنزیہی ہے اور اس شخص کے قول کے مطابق جو ان کے بالوں کو مردار کے بال اور بغیر دباغت کے پاک قرار نہیں دیتا، نہی تحریمی بھی ہو سکتی ہے۔

۴۴۴ وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ اَنْ تُفْتَرَشَ۔

حضرت ابو الملیح بن اسامہ ؓ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے درندوں کے چمڑوں سے منع فرمایا ؓ۔ اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ اور ترمذی و دارمی نے یہ لفظ زیادہ کیا ان تفترش یعنی ان کے بچھانے سے ؓ منع فرمایا۔

ف ۱۔ ابو الملیح کا نام عامر بن اسامہ بن عمیر ہے۔ آپ ہذلی ہیں ثقات تابعین میں سے ہیں۔ آپ کے والد حضرت اسامہ صحابی ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس سے سابق ابو الملیح مراد ہیں۔ ایک دوسرے ابو الملیح فارسی ہیں وہ بھی ثقہ تابعی ہیں۔

ف ۲۔ درندوں کی کھالیں پہننے سے ممانعت، انہیں پہننے، انہیں نیچے بچھانے اور ان پر سوار ہونے سب صورتوں کو شامل ہے۔

ف ۳۔ مگر اس روایت میں ممانعت کو صرف بچھانے کے ساتھ خاص کیا۔

۴۴۵ وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ اَنَّهُ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت ابو الملیح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے درندوں کے چمڑے کی قیمت وصول کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

سلہ۔ یہ حضرت ابوالملیح رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ بعض نے اسے دباغت سے قبل کے ساتھ مقید کیا ہے کہ دباغت سے پہلے یہ نجس ہیں۔ اور نجس شے کی بیع مکروہ و حرام قرار دی گئی ہے۔ نسخہ اصل میں یہاں بیاض ہے (سفید جگہ چھوڑ دی گئی ہے) اس کے حاشیہ میں علماء نے لکھا ہے۔ رواہ الترمذی فی کتاب اللباس و سندہ جید۔ کہ اسے ترمذی نے کتاب اللباس میں روایت کیا ہے اور کہا اس کی سند جید اور قوی ہے۔

۴۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُکَیْمٍ قَالَ اَتَانَا کِتٰبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَیْتَۃِ بِاِھَابٍ وَّلَا عَصَبٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک آیا۔ کہ مردار کے کچے چمڑے اور اس کے پٹھوں سے نفع نہ اٹھاؤ۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

سلہ عکیم بضم عین، قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ اسلامی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت نشان کو پایا ان کی روایت کی شناخت نہ ہو سکی۔ ان کی صحابیت میں بھی اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔

سلہ۔ یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہل مذہب کی دلیل ہیں جو مردار کے چمڑے کو پاک نہیں جانتے اگرچہ دباغت شدہ ہو۔ اور جو احادیث مردار کے چمڑے کی دباغت کے بعد طہارت ظاہر کرتی ہیں، یہ حضرات ان کی صحت میں قیل و قال کرتے ہیں۔ اور ان کے بعض جو ایسی احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہیں، مردار کے دباغت شدہ چمڑے کی نجاست کے لیے قرآن حکیم کی آیت حرمت علیکم المیتۃ کو پیش کرتے ہیں اور میتۃ کی حرمت کو صرف کھانے کے ساتھ خاص نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ حرمت سے اس کے ہر جز کی حرمت مقصود ہے۔ کہ چمڑے سے اس کا نفع ہی مقصود بالذات ہوتا ہے۔ تو جس طرح گوشت کھانے کے لیے ہے چمڑے سے نفع مقصود ہوتا ہے۔ اس بارے میں وہ دار قطنی کی ایک حدیث لاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں مردار کے چمڑے میں رخصت دے رکھی تھی جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو اس کے بعد مردار کے چمڑے اور اس کے پٹھے سے نفع حاصل نہ کرنا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ممانعت رخصت کے بعد ہوئی ہے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ بعد از دباغت طہارت کی احادیث بہت اور درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں جن کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہو سکتی ہے۔ اہاب دباغت سے پہلے چمڑے کا نام ہے۔ پھر بخاری اور مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔ نہ کہ اس کی تمام چیزیں حرام ہیں۔ جیسا کہ گزرا۔ امام احمد کے جمہور ائمہ محققین بھی اسی طرف گئے ہیں کہ دباغت کے بعد مردار کا چمڑہ پاک ہے اور حضرت عبداللہ بن عکیم کی یہ حدیث

ضعیف ہے اور اس میں اضطراب ہے اور ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عبداللہ بن حکیم تابعی مخضرم ہیں (مخضرم وہ شخص جس نے کفر و اسلام دونوں زمانے پائے ہوں) مؤلف علیہ الرحمۃ اس حدیث کے بعد جو مردار کے چمڑے کی نجاست پر دلالت کرتی ہے، وہ احادیث لائے ہیں جو بعد دباغت اس کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس امر پر دلالت کرنے کے لیے کہ اس حدیث سے وہ چمڑہ مراد ہے جس کی ابھی دباغت نہ ہوئی ہو۔ اس لیے فرمایا۔

۴۶۷ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْدَاؤُدَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دباغت کے بعد مردار کے چمڑہ سے نفع اٹھانے کا حکم دیا۔

(مالک، ابوداؤد)

لہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور اباحت رنگنے کے بعد مردار کے چمڑے سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم دیا اور اگر اس چیز کو سامنے رکھا جائے کہ مردار کا چمڑہ یوں ہی پھینک دینے سے مال کی اضاعت اور اس کا اسراف ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو استحباب کے لیے بھی قرار دے سکتے ہیں۔

۴۶۸ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يَّجُرُّوْنَ شَاةً لَّهُمْ مِّثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤُدَ.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو ایک مردہ بکری کو گدھے کی طرح کھینچ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم لوگ اس کا چمڑہ اتار لیتے تو اچھا ہوتا۔ لوگوں نے کہا یہ تو مردار ہے۔ فرمایا پانی اور درخت سلم کے پتے اسے پاک کر دیتے ہیں۔

(احمد، ابوداؤد)

لہ قرظ۔ دو فتحوں کے ساتھ۔ درخت سلم کے پتوں کو کہتے ہیں جن سے چمڑہ پاک کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو احمد و ابوداؤد نے روایت کیا۔

۴۶۹ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ

حضرت سلمہ بن المحبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ فَاِذَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَاَلَ الْمَآءَ فَقَالُوْا لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک[2] کے موقعہ پر ایک اہل خانہ کے پاس تشریف لائے جن کے پاس پانی کی ایک مشک لٹکی ہوئی تھی آپ نے ان سے پانی طلب فرمایا انھوں نے کہا یا رسول اللہ یہ مشک مردار کے دباغت شدہ چمڑے سے بنائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا رنگ دینا ہی اس کا پاک ہو جانا ہے۔ (احمد و ابو داؤد)

[1] مُحَبِّق بضم میم و فتح حای مہملہ و کسرہ بائے موحدہ مشددہ کے ساتھ۔ محدثین کی زبان پر اکثر و بیشتر فتح با سے ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں ان سے امام حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

[2] تبوک ملک شام کی جانب ایک جگہ کا نام ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں پیش آیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

۴۷۰ عَنِ امْرَاَةٍ مِّنْ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ

بنی عبد الاشہل کی ایک عورت[1] سے روایت ہے وہ کہتی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا مسجد کی طرف آنے کا راستہ بڑا گندہ راستہ ہے۔ تو بارش کے وقت ہم لوگ کیا کیا کریں[2]۔ وہ عورت کہتی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا گندے راستے کے بعد پاک اور صاف راستہ نہیں ہے؟[3] میں نے کہا ہاں تو فرمایا بعد کا پاک و صاف راستہ اس گندے راستے کی تلافی کر دے گا۔ (ابو داؤد)

[1] قبیلہ عبد الاشہل کی یہ عورت مجہول عورت ہے اس کا حال معلوم نہیں۔

[2] یعنی ہم لوگ بارش کے وقت اس راستے کی گندگی سے کس طرح احتیاط کریں اور بچیں۔

[3] یعنی وہ پاک و صاف راستہ جو اس گندے راستے کے بعد آتا ہے۔ وہ اس کے مقابل ہو جائے گا یعنی اس گندے راستے سے اگر نجاست لگ گئی تو پاک راستے پر چلنے سے وہ نجاست دور ہو جائے گی اور تجھے طہارت حاصل ہو جائے گی جیسا کہ لبابہ بنت الحارث اور حضرت ام سلمہ کی حدیث میں گزرا۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اس حدیث میں نعلین اور کپڑے کا ذکر نہیں ہے تاہم احتمال دونوں کا موجود ہے اور قرینہ مقام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نجاست میں رطوبت بھی پائی جاتی ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۷۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ اور راستے پر چلنے کی وجہ سے نیا وضو نہ کرتے تھے[1]۔ (ترمذی)

[1] یعنی گزرگاہ میں پڑی ہوئی نجاست سے عضو یا کپڑا باجرتے آلودہ ہو جانے پر ہمیں انہیں نہ دھوتے تھے۔

[2] اس سے خشک نجاست مراد ہے۔ جس کے ساتھ راستے سے گزرتے ہوئے جسم کا کوئی حصہ یا کپڑا یا جوتا لگ جاتا ہے تر نجاست مراد نہیں کہ اس کا دھونا بالاتفاق ضروری ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کا ذکر ہوا۔

۴۷۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے جاتے تھے۔ صحابہ اس کی وجہ سے مسجد میں پانی نہ چھڑکتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] یعنی ایسے کتے جن کے جسم خشک ہوتے تھے۔ وہ کتے مراد نہیں جن کے جسم پانی وغیرہ سے تر ہوں بعض کتوں کے مسجد میں داخل ہو جانے سے مسجد کو دھویا نہ جاتا تھا۔ اس مقام پر علماء نے کہا ہے اباحت اصلی کی بنا پر یہ گنجائش ابتداء اسلام میں تھی۔ اس کے بعد مساجد کی تکریم و تطہیر اور کتوں وغیرہ کے داخل ہونے سے محفوظ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور مسجدوں کے لیے دروازوں اور انہیں بند رکھنے کا حکم بھی ہوا یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ کتوں کو مار دینے کا حکم بھی صادر ہوا۔

۴۷۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَفِيْ رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ مَا أُكِلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے بول سے کوئی حرج نہیں[1]۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے بول سے کچھ حرج نہیں۔ (احمد و دار قطنی)

[1] اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حلال جانوروں کا بول پاک خیال کرتے ہیں جیسے امام مالک و احمد اور بعض شوافع۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک آثار و روایات کے

متعارض ہونے کی بنا پر حلال جانوروں کا بول نجاست خفیفہ ہے۔ اور شاید کہ اُن آئمہ کے نزدیک لفظ لاباس (کوئی حرج نہیں) سے بڑا سخت اور عظیم حرج مراد ہو۔ کیونکہ کلمے (لاباس) کا زیادہ تر استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں اس کی نقیض کا حکم خلافِ اولیٰ و انسب ہو۔ واللہ اعلم!

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کا باب

معلوم ہونا چاہیے کہ موزوں پر مسح سنت اور اخبار و آثار مشہورہ کے مطابق جائز و روا ہے۔ یہ جواز اس قدر واضح و روشن ہے کہ اس کا منکر بدعتی قرار دیا گیا ہے۔ کذافی الہدایہ۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح موزہ کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں بعض محدثین نے مسح موزہ کی احادیث کے راوی اسّی سے زیادہ صحابہ کرام بیان کیے ہیں۔ ان اسّی صحابہ میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا میں نہیں جانتا کہ سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو۔ کذافی المواہب اللدنیہ۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ نے کہا میں نے ستر صحابہ کرام کو پایا وہ سب کے سب موزوں پر مسح کا عقیدہ رکھتے تھے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے اس شخص پر کفر کا خوف ہے جو موزوں پر مسح کا قائل نہیں کیونکہ اس کے ثبوت میں آثار و روایات درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس وقت تک موزوں پر مسح کا قائل نہ ہوا جب تک کہ اس کے ثبوت وجواز میں روشنیٔ آفتاب کی مانند میرے سامنے آثار نہ آئے۔ اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ موزوں پر مسح رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ پاؤں دھوئے جائیں فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں فرمایا جو شخص مسح موزہ کا اعتقاد نہیں رکھتا وہ بدعتی ہے اور اگر اعتقاد تو رکھتا ہو مگر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسح کے بجائے پاؤں دھو لیا کرے تو اسے اجر و ثواب ملے گا کتاب مواہب لدنیہ میں کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا موزہ اتار کر پاؤں دھو لینا۔ بعض نے کہا کہ روافض و خوارج بدعتی فرقوں کے رد کی نیت سے موزوں پر مسح کرنا افضل ہے کہ یہ فرقے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب یہی ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے۔ مگر اس شرط پر کہ مسح موزہ کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے ایک روایت کے مطابق

دونوں پہلو برابر ہیں کیونکہ شریعت میں دونوں کا حکم موجود ہے۔ صاحب سفر السعادت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح یا پاؤں دھونے میں تکلف نہ فرماتے تھے۔ اگر موزہ پہنا ہوتا اسے نہ اتارتے کہ پاؤں دھوئیں۔ اور اگر برہنہ پا ہوتے تو موزہ نہ پہنتے کہ مسح کریں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھا قول وہ ہے جو سنت کے مطابق ہے۔ انتہیٰ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۷۴ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت شُریح[1] بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن رات کی مدت مقرر کی اور مقیم کے لیے ایک دن رات کی۔ (مسلم)

لہ شُریح تین نکتوں والی شین اور راء کی زبر کے ساتھ بن ہانی آخر میں ہمزہ۔ حضرت شریح امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ ثقہ ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے باپ حضرت ہانی صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہانی کی کنیت ابو شریح مقرر فرمائی۔

۴۷۵ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ إِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ أَخَذْتُ أُهَرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ

حضرت مغیرہ[1] بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ غزوہ تبوک[2] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت مغیرہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے پہلے قضائے حاجت کیلئے باہر جنگل کی طرف نکلے میں لے آپ کے ساتھ پانی کا ایک برتن[3] اٹھایا جب آپ جنگل سے واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کے دونوں ہاتھوں پر اس برتن سے پانی ڈالنا[4] شروع کیا چنانچہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا۔ اس وقت آپ کے جسم مبارک پر صوف کا ایک جبہ[5] تھا آپ نے اس جبے سے دونوں بازو باہر نکالنا چاہے جبہ کی آستین

عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَ
يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ
عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ
مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ
أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا
فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا
ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ
وَقَدْ قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ وَيُصَلِّي بِهِمْ
عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ
رَكْعَةً فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَأَدْرَكَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى
الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ
فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تنگ تھیں، اس لیے آپ نے جبہ مبارک کے نیچے سے دونوں ہاتھ
باہر نکالے۔ اور اپنا جبہ مبارک اپنے دونوں کندھوں پہ ڈال لیا،
اور اپنے دونوں بازو دھوئے پھر آپ نے چہارم حصہ سر پر مسح کیا۔
اور عمامہ شریف پر بھی مسح کیا، پھر میں نیچے کو جھکا کہ آپ کے موزے
مبارک اتاروں۔ آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دے کیونکہ میں نے
انہیں پاک پاؤں پر پہنا ہے پھر آپ نے ان موزوں پر مسح کیا پھر آپ
سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا اور لوگوں تک جا پہنچے۔ اس وقت
لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
رضی اللہ عنہ ان کی امامت کرا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے
جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوا تو انہوں نے
مصلائے امامت سے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آپ نے انہیں وہیں
کھڑا رہنے کا اشارہ فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں
میں سے ایک رکعت امام (عبدالرحمٰن) کے ساتھ ادا کی جب انہوں
نے سلام پھیرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ
کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ہم نے وہ رکعت ادا کی جو ہمارے شامل
ہونے سے پہلے پڑھی جا چکی تھی۔ (مسلم شریف)

۱۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲۔ یہ آپ کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے۔

۳۔ اس برتن کو اداوہ کہتے تھے۔ اداوہ بکسر ہمزہ چمڑے کا بنا ہوا چھوٹا برتن۔ باب وضو میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

۴۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے یہ مدد سفر کے ساتھ خاص نہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ جبہ اسے کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا گیا ہو قمیص اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کا گریبان ڈھلا ہوا ہو اور قبا وہ جس کا

گریبان نہ ہو۔ جبہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔

ے ۔ یہ وہ جبہ مبارک ہے جس کے بارے میں احادیث میں واقع ہوا ہے کہ آپ تنگ رومی جبہ زیب تن فرماتے تھے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ کپڑا بھی پہنا ہے۔ تاہم یہ تنگ کپڑا آپ نے سفر میں پہنا۔

ے ۔ آپ نے عمامے شریف پر مسح سر کے مسح کی تکمیل اور مسح کی سنت قائم کرنے کے لیے کیا۔ جیسا کہ اس کی تحقیق باب وضو میں گزری۔

ے ۔ یہاں کچھ کلام تفصیل ہے جو ہم نے شرح (عربی) میں کی ہے۔

ے ۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو یہ اشارہ ہو چکا تھا کہ اگر ہمارے آنے میں دیر ہو جائے تو نماز شروع کر دینا۔

ے ۔ جس طرح کہ مسبوق کو کرنا چاہیے۔

ے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے مگر ایسا واقعہ زندگی اقدس میں صرف دو بار ہوا ہے۔ ایک تو حضرت عبدالرحمٰن کے پیچھے۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی ایک واقعہ میں سادہ وہ جو آپ نے آخر عمر شریف کے وقت نمازیں ادا کیں تو ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقتدی ہوتے تھے۔ اپنے محل و مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۷۶ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّلَیَالِیَھُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَّ لَیْلَةً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا رَوَاہُ الْاَثْرَمُ فِیْ سُنَنِہٖ وَابْنُ خُزَیْمَةَ وَالدَّارُ قُطْنِیُّ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ ھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسافر کو تین دن رات اور مقیم کو ایک دن رات مسح کی اجازت دی جب کہ اس نے طہارت کی حالت میں موزے پہنے ہوں۔ اسے اثرم نے اپنے سنن میں اور ابن خزیمہ اور دارقطنی نے روایت کیا۔ خطابی نے کہا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ جیسا کہ کتاب المنتقی میں آیا ہے۔

هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى۔

(ابن جریر، دارقطنی)

لہ ابو بکرۃ آخر میں تا کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں۔ آپ کا نام مبارک نُفَیْع (بضم نون وفتح فا) ہے۔

ٹہ۔ اثرم ثائے مثلثہ کے ساتھ۔

ٹہ۔ المُنْتَقٰى بضم میم وسکون نون وفتح قاف خطابی کی کتاب کا نام ہے۔

۴۷۷ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰكِنْ مِّنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت صفوان بن عسال[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جب ہم لوگ مسافر[2] ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم لوگ تین دن رات تک موزے نہ اتاریں مگر جنبی ہو جانے کی صورت میں[3]۔ لیکن تقاضائے حاجت، بول اور نیند کی وجہ سے نہ اتاریں[4]۔

(ترمذی ونسائی)

لہ عَسَّال بفتح عین وسین مشددہ حضرت صفوان بن عسال صحابی ہیں کوفہ میں سکونت تھی۔ بارہ غزوات میں شریک ہوئے کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے۔

ٹہ۔ سَفْرًا سین کی زبر اور فا کی جزم سے مسافر کی جمع ہے جس طرح صَحْب صاحب کی اور رکب راکب کی جمع ہے۔

ٹہ۔ کہ اس میں موزہ پر مسح کرنا درست نہیں۔

ٹہ۔ کہ ان میں موزہ اتارنے کی ضرورت نہیں بلکہ موزہ پر مسح کر لینا جائز ہے اس عبارت میں قاعدہ عربی کی رو سے کچھ کلام ہے جسے ہم نے (عربی) شرح میں بیان کیا ہے۔

۴۷۸ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے موزے کے اوپر کے حصے اور نیچے[1] کے حصے پر مسح فرمایا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث معلول[2] ہے۔ اور میں نے ابو زرعہ[3] اور محمد

وَمُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهُ. اَبُوْدَاؤدَ

یعنی بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

لہ۔ اوپر کا حصہ یعنی پاؤں کی پشت، نیچے کا حصہ یعنی پاؤں کا تلا۔

لہ۔ یعنی اس حدیث میں ایسے اسباب داخل ہیں جو اس کی صحت میں عیب پیدا کرتے ہیں۔

لہ۔ جو اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

لہ۔ یوں ہی اس حدیث کو ابوداؤد نے ضعیف کہا۔ اس حدیث کی وجہ ضعف میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ اس حدیث کا اتصال حضرت مغیرہ سے ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی سند زادبہ وزن خراد نامی شخص (جو حضرت مغیرہ کا کاتب اور آزاد کردہ غلام ہے) تک پہنچتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسے ثور بن یزید نے رجا بن حیوٰۃ سے جو حضرت مغیرہ کا کاتب ہے سے روایت کیا ہے اور ثور کا رجا سے سماع ثابت نہیں پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے اکثر طرق مرویہ میں مطلق آیا ہے۔ اوپر اور نیچے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس سے اگلی حدیث میں صرف اوپر کے حصے پر مسح کا ذکر آرہا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اور یہ اضطراب بھی حدیث کی صحت میں نقص پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

۴۷۹ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ.

اور انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح کرتے دیکھا۔ (ترمذی و ابوداؤد)

۴۸۰ وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ۔ جورب وہ موزہ ہے جو موزے پر ٹخنے تک پہنا جائے۔ اسے جرموق اور موق بھی کہتے ہیں۔ شرح ابن ہمام میں جوہری و مطرزی سے نقل کیا کہ موق اس چھوٹے موزے کو کہتے ہیں جس سے موزے کا اوپر کا حصہ چھپ جائے۔ کتاب خزانہ کی شرح میں کہا ہے جرموق ایسے کشادہ موزے کو کہتے ہیں جو موزے پر پہنا جاتا ہے۔ اور یہ سرد علاقوں میں پہنا

جاتا ہے۔ جوربین پر مسح جب کہ اس نے موزے کے اوپر اور نیچے کا حصہ پوری طرح چھپا لیا ہو اور دونوں یعنی اوپر اور نیچے والا موزہ طہارت پر پہنے ہوں، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس صورت میں مسح جائز ہے جب کہ وہ موٹا اور چمڑا لگا ہو اور جوتا ہو کہ پنڈلی پر باندھے بغیر اس سے سالتے پر چلنا ممکن ہو ورنہ اس پر مسح جائز نہیں۔ ہاں اوپر والا جورب اگر اتنا نرم اور باریک ہو کہ اس پر مسح کرنے سے تری نیچے موزے تک پہنچ جائے۔ تو بھی اس کا مسح جائز ہے کہ اس صورت میں گویا نیچے والے موزہ پر ہی مسح کیا۔ یوں ہی امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جورب پر مسح جائز نہیں۔ اگر چہ وہ جوتا نما ہو۔ یہ حدیث امام شافعی پر جواز مسح میں حجت ہے۔ اور یہ حدیث حضرت علی حضرت ابن مسعود، حضرت انس بن مالک، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۸۱ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ قَالَ بَلْ اَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا اَمَرَنِىْ رَبِّىْ عَزَّ وَجَلَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے ہیں۔ فرمایا بلکہ تو بھولا ہے[1] مجھے رب نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے[2]۔

(احمد و ابو داؤد)

[1] یعنی میں نہیں بھولا بلکہ تجھے نسیان ہوا یعنی تجھ سے خطا واقع ہوئی ہے کہ تو نے اس فعل میں میری طرف نسیان کی نسبت کی۔

[2] اور اس نے جو کچھ مجھے فرمایا میں وہ کر رہا ہوں یعنی میں پاؤں دھونے نہیں بھولا بلکہ جو کچھ اس نے فرمایا وہ کر رہا ہوں۔ گویا یہ پہلی بار تھی کہ حضرت مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ تو آپ نے خیال کیا شاید حضور پاؤں دھونا بھول گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا حکم اسی طرح وارد ہوا ہے۔ مناسب یہ تھا کہ حضرت مغیرہ یوں عرض کرتے یا رسول اللہ کیا یہ نیا حکم آیا ہے۔ اور پاؤں دھونے کا وجوب ساقط ہو گیا ہے۔

۴۸۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلدَّارِمِيِّ مَعْنَاهُ۔

اگر دین کا معاملہ صرف انسان کی عقل و رائے پر مبنی ہوتا تو موزے کے نیچے کے حصے پر مسح کرنا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ مناسب[1] ہوتا۔ اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کر رہے تھے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ان الفاظ کے ساتھ اور محدث دارمی نے اسے دوسری عبارت کے ساتھ روایت کیا۔[2]

[1] کیونکہ موزے کا وہ حصہ جو پاؤں کے نیچے ہوتا ہے وہی نجاست سے آلودگی کا محل و مقام ہے۔ لہٰذا اس کی تطہیر و تنظیف زیادہ مناسب و بہتر ہونی چاہیے۔

[2] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم اور نص کے مقابلہ میں عقلی فیصلوں اور قیاس کی اتباع باطل محض ہے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمم کا باب

لغت میں تیمم کے معنی قصد و ارادہ کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے۔ بہ نیت طہارت پاک مٹی کا ارادہ کرنا اور اس سے منہ اور ہاتھ کا مسح کرنا۔ تیمم کے مشروع و جائز ہونے کا ابتدائی واقعہ وہ ہے جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم لوگ جب مقام بیداء یا مقام ذات الجیش میں پہنچے تو میرے گلے سے ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش کے لیے وہاں رک گئے۔ آپ کے ساتھ لوگ بھی رک گئے۔ اتفاق سے اس جگہ پانی نہ تھا۔ اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے آپ نہیں دیکھ رہے کہ عائشہ نے کیا کیا ہے حضور علیہ السلام کو بھی روک رکھا ہے اور لوگوں کو بھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو مبارک پر سر رکھ کر سو رہے ہیں حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عائشہ تو نے حضور کو بھی اور لوگوں کو بھی روک رکھا ہے، یہاں پانی بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور جو خدا تعالیٰ کی مشیت تھی وہ آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔ اور میرے پہلو میں زور سے اپنے ہاتھ سے چوبھ کی۔ مگر میں نے جنبش نہ کی کیونکہ میری ران پر سر رکھ کر حضور علیہ السلام نیند فرما رہے تھے پھر آپ بیدار ہوئے جب کہ صبح ہو چکی تھی۔ اور پانی نہ تھا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آلِ ابوبکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ (اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ تمہارے طفیل متعدد برکات نازل کر چکا ہے۔) پھر لوگوں نے میرے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے پڑا ہوا اپنا ہار مجھے مل گیا۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ ہار عاریۃً لیا تھا۔ یہ ہار گم گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ اور لوگوں نے مجبوراً بے وضو نماز ادا کی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر فرمایا۔ اے عائشہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا کرے۔ خدا کی قسم! تجھے کوئی واقعہ پیش نہیں آتا جسے تو ناپسند کرتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے تیرے لیے اور مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا موجب بنا دیتا ہے۔

اس مقام پر دوسری بات یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ تیمم دو ضرب ہے۔ ایک منہ کے لیے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ یا منہ اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ضرب ہے۔ اول امام ابوحنیفہ، آپ کے دونوں ساتھیوں (امام محمد و امام یوسف) اور امام مالک اور امام شافعی کا مختار و محفوظ مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ، سفیان ثوری اور اکثر علمائے امصار و اعصار کا مذہب ہے۔ دوسرا یعنی تیمم صرف ایک ضرب ہے۔ امام احمد کا مشہور مذہب ہے۔ امام شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔ نیز یہی مکحول، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن خزیمہ وغیرہم اصحاب حدیث کا مذہب ہے اور ہر دو مذاہب کے ثبوت میں احادیث موجود ہیں۔ جیسا کہ کتاب میں آئے گا۔ محدثین کہتے ہیں قول ثانی کی موافقت میں وارد احادیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ مذہب اول کی موافقت میں جو احادیث ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ مذہب ثانی کے موافق ظاہر احادیث سب مؤول ہیں۔ اس بحث کی پوری تفصیل شرح (عربی) میں ذکر کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۸۳ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلٰثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلٰئِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں لوگوں[۱] پر تین باتوں سے فضیلت دی گئی ہے ہماری صفوں کو ملائکہ کی صفوں[۲] کی طرح قرار دیا گیا ہے اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو سجدہ[۳] گاہ بنایا گیا ہے۔ اور جب ہمیں پانی دستیاب نہ ہو تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے[۴] والی چیز بنا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

۱۔ یعنی ہمیں گذشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔

۲۔ یعنی کفار سے جنگ کے وقت مجاہدین کی جو صفیں ترتیب دی جاتی ہیں وہ شان و درجہ میں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں یا نماز با جماعت کے وقت جو صفیں قائم ہوتی ہیں۔ وہ بھی عنداللہ ملائکہ کی صفوں کی مانند ہیں کہ ان سے نفس اور شیطان کے لشکروں کے ساتھ جہاد کیا جاتا ہے۔ اور یہ صفیں صورت و ہیئت میں بھی ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں جب کہ ہر اگلی صف کو مکمل کیا جائے۔ یا قرب و نزدیکی و تعظیم و تکریم میں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے قول مبارک، وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا میں ملائکہ اور نمازیوں کی صفوں کی قسم کا ذکر ہے۔

۳۔ یعنی جائے سجدہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہو جو نماز کے لیے مختص کی گئی ہو۔ اور جب ہر جگہ نماز ادا کرنا جائز ہوا تو گویا ساری زمین مسجد بن گئی۔ یہ فضیلت اُمم سابقہ کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے لیے سوائے مقررہ عبادت گاہوں کے نماز جائز نہ تھی۔ حدیث کی عبارت اسی طرح ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سفر کے دوران انہوں نے گرجوں اور کنیسوں کی طرح کوئی جگہ بنائی ہوئی ہو۔ کہ ان کے بغیر نماز درست نہ ہوتی ہو۔

۴۔ یہ تیمم سے کنایہ ہے جب کہ پانی دستیاب نہ ہو اس حدیث سے تیمم کے لیے مٹی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے امام شافعی و احمد کا ان سے قوی تر روایت کے مطابق اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور احمد سے ایک روایت کے مطابق ریت سے بھی تیمم جائز ہے۔ اور امام ابو حنیفہ امام مالک امام محمد اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق جنس زمین کی ہر چیز سے تیمم جائز ہے۔ جنس زمین ہر وہ چیز ہے۔ جو آگ سے نہ پگھلے اور نہ نرم ہو۔ اور جلنے سے راکھ نہ بنے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری میں مذکور ہے کہ۔ وَجُعِلَتْ

بِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا۔ (میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے) ارض کا لفظ سب کو شامل ہے۔ اس حدیث پر عمل کرنا اولیٰ اور احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ کہ اس حدیث میں حضرت حذیفہ کی حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت حذیفہ کی حدیث جو مٹی سے مخصوص ہے اس حدیث پر عمل کو فوت کر دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے لفظ تربت مٹی کے ساتھ خاص نہیں۔ کہ تربت ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جو ہاتھ میں آجائے چاہے وہ مٹی ہو یا ریت وغیرہ۔ مگر قاموس میں کہا کہ ترب بفتح و تراب ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر لفظ تربت کے علاوہ ایک روایت میں لفظ تراب بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے۔ جُعِلَ التُّرَابُ لِیْ طَهُوْرًا۔ یعنی میرے لیے تراب کو پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا ہے۔ کذا فی فتح الباری۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص جن کے ساتھ آپ انبیاء سابقین سے ممتاز ہیں اور جو ظاہر و باطن میں آپ ہی کی ذات کے لیے خاص ہیں، اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لیے کوئی حد و شمار نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے ان میں سے کچھ ذکر کیے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ بخاری شرح (عربی) میں بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴۹۴ وَعَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِیْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِیْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک آدمی دیکھا جو لوگوں سے الگ تھا اور اس نے قوم کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا اس نے کہا۔ میں جنبی ہو گیا تھا اور پانی موجود نہیں (جس سے غسل کر سکوں) آپ نے فرمایا اپنے لیے مٹی کو لازم کر۔ وہ تیرے لیے کافی ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ آپ نہایت عالی مرتبہ شخصیت ہیں۔ مسلسل تیس سال بستر علالت پر رہے۔ ملائکہ آپ کو سلام کرنے آتے تھے۔

۲۔ صعید یعنی خاک۔ بعض صعید کا معنی روئے زمین کا کرتے ہیں۔ یہ شخص غالباً وضو کے لیے تیمم کا مسئلہ جانتا تھا۔

جنابت کے لیے تیمم کے جواز کا اسے علم نہ تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے تیمم کی کیفیت بیان فرمائی

۴۸۵ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّیْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَآءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِیْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ فَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ وَفِيْهِ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں جنبی ہو گیا ہوں اور پانی نہیں مل رہا (تو کیا کروں[۱]) حضرت عمار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کو یاد نہیں۔ ہم لوگ (میں اور آپ بھی) ایک سفر میں تھے (اور ہم دونوں جنبی تھے) آپ نے تو نماز نہ پڑھی[۲] مگر میں زمین پر لیٹ کر لوٹ پوٹ ہو گیا[۳]۔ پھر نماز پڑھی اور اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے کیا تو آپ نے فرمایا تیرے یہ فعل کافی ہے۔ اور اس فعل کی تفسیر کرتے ہوئے ہاتھ سے زمین پر ایک ضرب لگائی۔ اور دونوں ہتھیلیوں کو پھونکا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے چہرے[۴] اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا مسلم کے ہاں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے اس قدر کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر انہیں پھونکے۔ پھر ان دونوں سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرے۔

[۱] یعنی کیا جنابت کے لیے تیمم کر سکتا ہوں۔ اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب مذکور نہیں ہے۔ گویا اس مسئلہ کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی کہ جنابت کے لیے تیمم درست ہے یا نہیں۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنی سرگزشت بیان کی جس سے معلوم ہو جائے کہ تیمم جنابت کے لیے بھی کافی ہے۔ مسلم اور نسائی کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز نہ پڑھ۔ بعض شارحین نے یہ الفاظ بھی زیادہ کیے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا حتی تجد الماء یہاں تک کہ تجھے پانی میسر آ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب مشہور ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے موافق آیا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود و حضرت ابوموسیٰ کے مابین اس مسئلہ پر مناظرہ بھی ہوا ہے کہ جنبی کے لیے تیمم جائز ہے یا نہیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے

رجوع کیا۔ بعض نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دینے سے اس لیے توقف کیا کہ آپ کو حضرت عمار والا واقعہ یاد نہ رہا تھا۔ اسی لیے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عمار سے کہا۔ اے عمار خدا سے ڈر تو کیا کہہ رہا ہے۔

۵۲۔ اور نماز ادا کرنے میں آپ نے اس لیے توقف کیا کہ آپ کا گمان یہ تھا کہ جنابت کے لیے تیمم کافی نہیں ہو سکتا۔

۵۳۔ اور میں خاک میں اس لیے لوٹ پوٹ ہوا کہ میں نے تیمم کو غسل پر قیاس کیا۔ اور تیمم چونکہ غسل کے قائم مقام ہے اس لیے تمام بدن خاک سے آلودہ کرنا چاہیے۔ اور قرآن میں جو تیمم کا ذکر آیا ہے۔ وہ صرف وضو کے ساتھ خاص ہو گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام سے اجتہاد واقع ہو رہا ہے۔ اور خطا صادر ہونے کی صورت میں بھی مجتہد لائق ملامت نہیں۔ اور جب مجتہد نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کر لیا تو اس عمل کا اعادہ ضروری نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اعادہ کا حکم نہ دیا۔

۵۴۔ تاکہ غبار اتر جائے کہ غبار لگ جانے سے چہرہ بدصورت نہ ہو جائے جو کہ مثلہ کے حکم میں ہے۔ (مثلہ شکل بگاڑنا)

۵۵۔ مسح کی کیفیت یہ تھی کہ آپ نے دائیں ہاتھ کی پشت کا مسح بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے کیا۔ اور بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح دائیں ہاتھ سے کیا۔ بعض روایات میں لفظ وا اور لفظ وجہہ کی کفیہ کی تقدیم کے ساتھ اور بعض دوسری روایات میں اس کے برعکس آیا ہے۔ بعض روایات میں مسح کی جگہ تیمم وجہہ لفظ کفیہ سے پہلے مقدم آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں ترتیب فرض نہیں۔ جیسا کہ شیخ نے کہا۔

۵۶۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم میں ایک ضرب بھی کفایت کرتی ہے۔ جیسا کہ جمہور کے خلاف بعض لوگوں کا مذہب ہے۔ اور شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ اس ضرب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعلیم کے طور پر ضرب کی شکل و صورت دکھانا تھا کہ زمین پر اس طرح ہاتھ مارنا ہے۔ زمین پر لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ عمار رضی اللہ عنہ نے کیا۔ تیمم کی پوری کیفیت بیان کرنا مقصود نہ تھی جس سے تیمم مکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک ضرب کا ذکر کیا۔ اسی لیے حضرت عمار سے سنن میں مروی شدہ روایات میں بطور رفع دو ضربوں کا ذکر آیا ہے۔ اور اس حدیث کی بھی بعض روایات میں ضربۃ واحدۃ کا لفظ صریحاً نہیں آیا۔ بلکہ یوں آیا ہے۔ فضرب بکفیہ الارض ثم مسح وجہہ وکفیہ۔ یہ الفاظ بھی اپنے اطلاق کے

ساتھ دو ضربوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور کفین و مسح کا ذکر بھی اس بنا پر ہے کہ مقصود تیمم کا مکمل بیان نہ تھا اس لیے صرف اتنے ہی بیان پر کفایت کی تعلیم طریقہ ضرب کے لیے۔ اس توجیہ کی دلیل یہ ہے کہ جن احادیث میں تیمم کی پوری کیفیت بیان کرنا مقصود تھی وہاں ذراعین (کلائیوں) سے کہنیوں تک کا ذکر موجود ہے بعض کہتے ہیں یہاں کفین (ہتھیلیوں) سے یدین (کہنیوں تک ہاتھ مراد ہیں۔ اور جس طرح کہ بعض دفعہ ید (ہاتھ) بول کر ہتھیلیاں مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا۔ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو (یہاں ید سے گٹوں تک ہاتھ مراد ہیں) لہٰذا اگر کف بول کر کہنیوں تک ہاتھ مراد لے لیا جائے تو کوئی بعید نہیں۔ اس مقام میں شرح (عربی) میں زیادہ گفتگو کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ ضربتین کا قول زیادہ راجح اور زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۸۶ وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ الصِّمَّةِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّهٗ بِعَصًا کَانَتْ مَعَهٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلٰکِنْ ذَکَرَهٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ اس وقت بول کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ مگر آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ ایک دیوار کے نزدیک کھڑے ہوئے۔ اسے ایک لکڑی[2] سے کھرچا جو آپکے پاس تھی۔ پھر دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے۔ اور چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا پھر[3] میرے سلام کا جواب دیا۔ میں[4] نے اس حدیث کو بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔ اور نہ حمیدی کی کتاب میں۔ لیکن اسے شرح سنۃ[5] میں ذکر کیا۔ اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

[1] صمہ بکسر صاد و تشدید میم مفتوحہ حضرت ابوجہیم مشہور انصاری صحابی ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ہمشیرزادہ ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت تک حیات رہے۔

[2] حتّہٗ حت بجائے مہملہ و تائے مثناۃ بمعنی خشک منی کو کپڑے سے کھرچنا اور پتوں کو درخت سے الگ کرنا حتات ہر چیز کے تراشے کو کہتے ہیں۔

[3] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ دست مبارک میں سر سے لمبی چھڑی ہاتھ میں رکھتے تھے یا اس سے وہی نیزے کی مانند لاٹھی مراد ہے۔ جسے خادم آپ کے ساتھ اٹھا کر چلتے تھے۔ جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں گزرا۔ لفظ

منہ کا ظاہر اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دیوار کو کھرچنا اس لیے تھا کہ ہاتھوں کو غبار لگ جائے۔ اگرچہ غبار لگنا شرط نہیں اسی بنا پر حضرت ابوجہیم سے مروی دوسری حدیث میں جو آگے آرہی ہے، اس کا ذکر نہیں ہے۔

سکہ ۔ آپ نے اسم الٰہی اسلام کی تعظیم کی خاطر سلام کا جواب نہ دیا۔ اس کی تحقیق باب الخلاء میں گزر چکی ہے۔

شہ ۔ مؤلف کہتا ہے کہ صاحب مصابیح نے اس حدیث کا ذکر صحاح میں کیا ہے۔ مگر میں نے اسے صحاح میں نہیں پایا۔

سکہ ۔ کتاب حمیدی جو صحیحین کی احادیث کی جامع ہے۔

سکہ ۔ یعنی امام محی السنۃ نے شرح سنۃ میں امام شافعی کے طرق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۸۷ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَاۗءَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاۗءَ فَلْیُمِسَّہٗ بَشَرَہٗ فَاِنَّ ذٰلِکَ خَیْرٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ عَشْرَ سِنِیْنَ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک پاک مٹی مومن کا وضو ہے۔ اگرچہ اسے دس[1] سال پانی نہ ملے۔ جب اسے پانی میسر آجائے تو اسے[2] استعمال کرے۔ کہ یہ بہتر[3] ہے۔

اسے احمد، ترمذی، اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی قول عشر سنین تک۔

لہ ۔ یعنی اگرچہ بالفرض اسے دس سال تک پانی دستیاب نہ ہو۔ ان الفاظ میں مٹی کے پاک کرنے کی صفت کو بطور مبالغہ و تاکید بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ خاک پانی کا خلیفہ مطلق و کامل ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ معذور شخص کے وضو کی طرح یہ محض ضرورت کے تحت پانی کا خلیفہ نہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے اس معنی کی تحقیق اصول فقہ میں اور اس کی فروع علم فقہ میں مذکور ہیں۔

سکہ ۔ فلیمسہ ۔ یمس بضم یاء و کسر میم۔ امساس سے مشتق ہے بمعنی مس۔ یہاں مراد وضو ہے۔ بکسر دونوں فتحوں کے ساتھ بمعنی چہرہ۔ مراد اعضاء وضو ہیں۔

سکہ ۔ کتاب طہارت کے لیے پانی کا استعمال بہتر اور افضل ہے۔ یہاں خیر سے یہ مراد نہیں کہ پانی کی موجودگی میں وضو

اور تیمم دونوں جائز ہیں۔ لیکن وضو کرنا بہتر و افضل ہے۔ بلکہ اب وضو کرنا فرض ہوگا۔ اور تیمم کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ خیر کا معنی جو خوبیاں مراد ہے۔ اس کی مثال قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے:۔ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۔

۴۸۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلًا مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِيْ رَاْسِهِ فَاحْتَلَمَ فَسَاَلَ اَصْحَابَهُ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَّاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَاَلُوْا اِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر کے لیے نکلے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کے سر پر پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا ضرب کی چوٹ سے اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اس بارے میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ میرے لیے تیمم کی اجازت پاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا ہمارے خیال میں تجھے تیمم کی اجازت نہیں کیونکہ تیرے پاس پانی موجود ہے پس اس شخص نے غسل کیا اس سے اس کی موت واقع ہو گئی جب ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اللہ انہیں قتل کرے۔ جب یہ لوگ مسئلہ نہ جانتے تھے تو انہوں نے کیوں نہ دریافت کر لیا۔ کم نا کبھی اور نادانی کا علاج تو دریافت کرنا ہے۔ اس کے لیے تیمم کافی تھا۔ اور زخم پر کپڑا باندھ لیتا پھر زخم پر مسح کر لیتا اور جسم کے باقی اعضاء دھو لیتا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے عطا بن ابی رباح اور انہوں نے حضرت عباس سے روایت کیا۔

۱؎ ان حضرات نے حق سبحانہ کے قول مبارک فلم تجدوا ماءً (اور تم پانی نہ پاؤ) سے یہ مطلب سمجھا کہ پانی کی موجودگی اور اس کے استعمال کی قدرت ہوتے ہوئے تیمم کرنا منع ہے۔ ان حضرات کے ذہن میں یہ نہ آیا کہ استعمال پر قدرت سے یہ بھی مراد ہے کہ اس کے استعمال سے ضرر لاحق نہ ہو۔

۲؎۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حقیقت کے ہاں بھی مجازی گفتگو اور سبب کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ جب کہ اعتقاد قطعی حقیقت پر ثابت و قائم ہو۔

۳؎ یعنی علماء سے کیوں نہ پوچھ لیا۔

۴؎ اس حدیث میں بیک وقت کچھ اعضاء کا تیمم اور کچھ اعضاء کو دھونے کا حکم موجود ہے۔

۴۸۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوۃَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّاَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ وَقَدْ رَوٰی هُوَ وَاَبُوْدَاؤدَ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں دو آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا۔ ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر اندر انہیں پانی میسر آگیا۔ ان میں سے ایک نے تو وضو کرکے نماز لوٹائی مگر دوسرے نے نماز نہ لوٹائی پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور اس صورت حال کا ذکر کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اسے مخاطب کرکے آپ نے فرمایا تو نے سنت کو پایا اور تیری نماز کافی اور درست ہوگئی اور جس نے وضو کرکے نماز لوٹائی تھی اسے فرمایا تجھے دوگنا ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔ اور امام نسائی نے اسے دوسرے الفاظ میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایت کیا۔ اور ابوداؤد و نسائی نے اسے عطاء بن یسار سے بھی مرسلاً روایت کیا۔ (عطاء بن یسار تابعی ہیں)

۱؎ یعنی تو نے دین کا درست طریقہ اختیار کیا کہ پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تو نے تیمم کیا اور جب پانی دستیاب ہوگیا تو وضو اور نماز کا اعادہ نہ کیا شریعت کا حکم یہی ہے۔

۲؎ ایک ثواب تو ادائے فرض کا ملا۔ اور عذر کے تحت تو نے تیمم کیا۔ دوسرا ثواب نفل نماز کا جب کہ عذر زائل ہوگیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۰ عَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهٗ رَجُلٌ

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے واپس تشریف لارہے تھے کہ آپ کو ایک آدمی ملا اس نے آپ کو سلام کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اس کے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ آپ ایک دیوار کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر اسے سلام کا جواب دیا۔

(بخاری و مسلم)

ف۱۔ صمہ بکسر صاد و فتح میم مشددہ۔

ف۲۔ بیر جمل مدینہ منورہ میں ایک مشہور جگہ ہے۔ جَمل بفتح جیم و میم۔

ف۳۔ یہ آدمی حضرت ابوالجہیم ہی تھے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے اپنا ذکر بصیغہ غائب کیا۔ یہ بات امام شافعی نے طریق اعرج سے اپنی روایت میں بیان کی ہے۔

ف۴۔ یہ حدیث ہر دو طریق کا احتمال رکھتی ہے۔ گزشتہ حدیث میں حضرت ابوالجہیم سے وجہہ و ذراعیہ کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق اس حدیث میں بھی وجہہ و ذراعیہ آیا ہے مگر ایک ضرب یا دو ضربوں سے یہ حدیث خاموش ہے۔

۴۹۱ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوا وَهُمْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيدَ ثُمَّ مَسَحُوا بِوُجُوهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوا فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى فَمَسَحُوا بِأَيْدِيهِمْ كُلِّهَا إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ مِنْ بُطُونِ أَيْدِيهِمْ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ عمار بیان کرتے تھے کہ صحابہ کرام نے خاک کے ساتھ مسح کیا حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے چنانچہ انہوں نے اپنی ہتھیلیاں خاک پر ماریں پھر ایک[1] بار اپنے چہروں کو ملا پھر دوبارہ[2] انہوں نے اپنی ہتھیلیاں خاک پر ماریں۔ اور اپنے پورے ہاتھوں کو ملیں۔ یعنی کندھوں اور بغلوں تک۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

ف۱۔ یعنی وضو کی طرح تکرار نہ کیا۔

ف۲۔ یہ حدیث ابوجہیم رضی اللہ عنہ سے تیمم کے لیے دو ضربوں میں نص ہے۔ اور اس سے فصل اول میں مذکور حدیث ایک ضرب میں ظاہر ہے۔ اور اس کی تاویل (معنی) معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن اس حدیث میں کندھوں اور بغلوں تک کا لفظ آیا ہے

شاید صحابہ کی نگاہ اس پر پڑی کہ تیمم میں ہاتھ غایت کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ اور یہ کا لفظ پورے بازو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ان حضرات صحابہ نے اس چیز کو پیش نظر نہ رکھا کہ تیمم وضو کی فرع ہے۔ اور انہیں اس بارے میں حضور کے بیان کی اطلاع بھی نہ ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں ذراعیہ کا لفظ آیا ہے۔ مگر جمہور صحابہ نے اس امر کو سامنے رکھا کہ تیمم وضو کا خلیفہ اور اس کی فرع ہے کیونکہ شارع علیہ السلام سے اس حقیقت کی اطلاع ان کو ہو چکی تھی۔ فافہم۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُوْنِ

غسل مسنون کا باب

معلوم ہونا چاہیے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب میں چار قسم کے غسل کا ذکر کیا ہے۔ جماع کے بعد غسل میت کو غسل دینے کے بعد، سنگی لگوانے کے بعد اور اسلام لانے کے بعد۔ عیدین کے غسل کا ذکر نہ کیا باوجودیکہ ائمہ کے نزدیک یہ غسل مسنون یا مستحب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک غسل عیدین کے بارے میں کوئی حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ مؤلف علیہ الرحمۃ بھی باب عیدین میں کوئی حدیث نہیں لائے۔ جامع الاصول میں بھی اس باب میں کتب ستہ سے میں نے کوئی حدیث نہیں پائی۔ دوسری کتب میں بھی کوئی حدیث نہیں ملی۔ مگر دو حدیثیں ایک فاکہہ بن سعد کی دوسری زیاد بن عیاش کی۔ اور دونوں کے بارے میں محدثین نے کہا ہے کہ ضعیف ہیں شرح (عربی) میں اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور جامع الاصول میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موطا کی حدیث میں سے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عید کے دن عیدگاہ میں جانے سے پہلے غسل کیا۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں شدید ہونا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ غسل عید کے بارے میں ضرور یہ کوئی صحیح حدیث آئی ہوگی۔ مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے روز عرفہ کے غسل کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کتب حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں آتا۔ فقہائے کرام نے احرام کے لیے بھی غسل کا ذکر کیا ہے۔ بے شک یہ غسل بالاتفاق سنت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ احرام کے لیے غسل کا ذکر مؤلف نے شاید اس لیے یہاں نہیں کیا کہ اس کا ذکر اپنے مقام میں آچکا ہے۔ لیکن غسل جمعہ کا ذکر باب الجمعۃ میں بھی کیا اور یہاں بھی کیا ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ غسل جمعہ میں اختلاف ہے۔ تمام ائمہ اس کی سنیت و استحباب پر متفق ہیں۔

ماسوائے امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بھی کہ ان دونوں کے نزدیک یہ غسل واجب ہے کہ اس کا ذکر بصیغہ امر ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔ یعنی جو شخص جمعہ کے روز آئے اسے چاہیے کہ غسل کرے۔ ایک روایت میں لفظ واجب صراحتہً بھی آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا غسل الجمعة واجب على كل مسلم۔ یعنی جمعہ کا غسل ہر بالغ مسلم پر واجب ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وجوب سے اس کے استحباب میں تاکید و مبالغہ مراد ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث میں صرف وضو کے جواز کا ذکر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ان احادیث میں جو اس باب میں آئی ہیں سے معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۹۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ[1] کے لیے آئے تو وہ غسل کرے۔ (بخاری و مسلم)

[1] مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ غسل، نماز جمعہ کی تعظیم کے لیے ہے۔ تاکہ اسی غسل کی طہارت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے۔ بعض نے کہا کہ جمعہ کے روز غسل جمعہ کے دن کی تکریم و تعظیم کے لیے ہے۔ اور لفظ احدکم کی نصب اور لفظ جمعہ کے رفع کی روایت اس قول کے مناسب ہے۔ اس وجہ پر عبارت کا معنی یوں ہوگا۔ جب آئے تم میں سے کسی کے لیے جمعہ۔

۴۹۳۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن غسل ہر بالغ[1] مسلمان پر واجب ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] ایک روایت میں علی کل مسلم کا لفظ آیا ہے۔ اس سے بھی بالغ مسلمان مراد ہے۔ کیونکہ بچے پر کوئی چیز واجب نہیں۔

۴۹۴۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَۃِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْہِ رَاْسَہٗ وَجَسَدَہٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ غسل کرے ہر سات دن میں ایک[1] دن اس میں اپنا سر اور سارا جسم دھوئے (بخاری و مسلم)

[1] کیونکہ سات دن کے اندر جسم پر میل چڑھ جاتی ہے۔ اور اس سے بدبو آنے لگتی ہے۔ اس عبارت میں جمعہ کے روز غسل واجب ہونے کے سبب کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۹۵ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَبِہَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت سمرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز وضو کیا تو یہ اچھا اور نیک کام ہے اور جس نے جمعہ کے دن غسل کیا تو یہ افضل کام ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

[1] سمرہ بفتح سین ضم میم بن جندب مشہور صحابی ہیں۔ انصار کے حلیف تھے۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ بعض کہتے ہیں بصرہ میں سکونت اختیار کی اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ بصرہ کے حاکم اور والی بھی رہے آپ حافظ اور کثیر الحدیث تھے آپ سے امام حسن بصری اور ابن سیرین اور شعبی وغیرہم رحمہم اللہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

[2] تو اس خصلت وفعل سے اصل فضیلت وطہارت حاصل کرنی چاہیے یا اس لفظ فبہا کا معنی یہ ہے کہ بندے کے لیے مناسب ہے کہ اس فعل وضو کو اختیار کرے۔ کیونکہ یہ ادائے فرض کے لیے کافی ہے۔

[3] نعمت۔ یعنی یہ خصلت اپنی صفات میں اچھی اور نیک ہے۔ اگرچہ غسل کے مقابلہ میں کم درجہ رکھتی ہے۔

۴۹۶ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ

کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میت کو غسل دیا اسے چاہیے کہ غسل کرے[1] اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور احمد ترمذی اور ابوداؤد نے یہ جملہ زیادہ کیا۔ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ اور جس نے جنازہ اٹھایا اسے چاہیے کہ وضو کرے[2]

[1] طہارت ونظافت کے زیادہ اہتمام کے لیے۔ کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ میت کے جسم سے چھینٹا وغیرہ غسل دینے والے کے جسم پر پڑھ گیا ہو۔

[2] علماء نے کہا ہے میت کو اٹھانے سے مراد اس کے جسم کو چھونا ہے۔ یہ وجہ معنی اول کے مناسب ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ جو شخص جنازہ اٹھائے اسے چاہیے کہ باوضو اٹھائے۔ تاکہ اس کے لیے نماز ادا کرنا بھی ممکن ہو جائے۔ اور یہ دوسرے معنی کے مناسب ہے۔ بعض نے کہا جنازہ اٹھانا نیک کام ہے۔ اور نیک کام باطہارت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ بہرصورت جنازہ اٹھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا یونہی میت کو نہلانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ اکثر علماء کے نزدیک پسندیدہ اور مختار بات یہی ہے۔ اور جامع الاصول میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس نے ان کی وفات کے بعد انہیں غسل دیا۔ پھر آپ نے مہاجرین میں سے ان لوگوں سے دریافت کیا جو وہاں موجود تھے۔ کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور آج سخت سردی پڑھ رہی ہے۔ کیا میرے لیے غسل کرنا ضروری ہے؟ سب نے کہا آپ پر غسل واجب وضروری نہیں۔ موطا میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی تجہیز وتکفین کی پھر اسے اٹھایا۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ اور نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ ترمذی نے کہا۔ کہ اس باب میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن ہے اور کہا علماء کا اختلاف ہے۔ اس شخص کے بارے میں جو میت کو غسل دے۔ بعض نے کہا اس پر غسل واجب ہے اور بعض کے نزدیک اس پر وضو واجب ہے۔ بعض نے کہا غسل کر لینا مستحب ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ وضو کرے۔ اور حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے میت کو غسل دینے والے پر نہ غسل ہے نہ وضو۔

۴۹۷. وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل کرتے تھے۔ جنابت سے، جمعہ کے دن۔ سنگھی لگوانے سے۔ اور میت کو غسل

وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

دینے کے بعدؔ (ابوداؤد)

لہ۔ان چاروں سے غسل جنابت تو فرض ہے اور جمعہ کے لیے سنت۔اور سنگھی لگوانے اور میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔جنابت کے ساتھ ان تین چیزوں کو جمع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے لیے بھی غسل واجب ہو۔ جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

یہاں یہ وضاحت کرنا مناسب ہے کہ اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس میت کو غسل دیا ہے اور اس کے بعد خود غسل فرمایا۔بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ آپ اس غسل کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی میت کو ہرگز غسل نہیں دیا۔بعض شروح میں صاحب ازہار سے منقول ہے کہ مفہوم اول عبارت کے زیادہ قریب ہے۔اور صاحب حاوی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی میت کو غسل دیا ہے اور آپ نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔واللہ اعلم۔

۴۹۸ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّغْتَسِلَ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ۔

حضرت قیسؔ بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ اسلام لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوںؔ سے غسل کریں۔

(ترمذی، ابوداؤد، النسائی)

لہ۔آپ صحابی ہیں اور ۹ھ میں بنی تمیم کے وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیکھا تو فرمایا هٰذَا سَيِّدُ اَهْلِ الْوَبَرِ۔ یہ خیموں میں رہنے والوں کے سردار ہیں۔آپ نہایت عقلمند، حلیم، بڑے فیاض اور شریف انسان تھے۔آپ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲ہ۔یہ امر وجوب کے لیے ہے۔جب کہ اسلام لانے والا جنبی ہو۔ورنہ مستحب ہے۔بیری کے پتوں کا استعمال اچھی طرح طہارت و نظافت کے لیے کیا۔

۳ہ۔عبارت کے ظاہر معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو اسلام لانے کے بعد غسل کا حکم دیا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام لانے کا ارادہ مراد ہے۔جیسا کہ ابوداؤد کے لفظوں میں آیا ہے کہ قال قیس بن عاصم اتیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اریدالاسلام نامرنی ان اغتسل یعنی حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا۔ تاہم علماء نے کہا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ اسلام لانے والے شخص کو پہلے کلمہ شہادت پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے بعد اسے نہلایا جائے گا۔ آگے پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہانا واجب ہے یا مستحب۔ قول ثانی زیادہ صحیح ہے۔ نیز یہ بھی مستحب ہے کہ اسے کپڑے دھونے کا حکم دیا جائے۔ اس کے بال منڈائے جائیں اور اس کا ختنہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۹۱ عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ اِنَّ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهٗ اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَّمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُّقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ اٰذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اہل عراق سے کچھ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہا اے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کیا آپ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب جانتے ہیں۔ فرمایا نہیں میں واجب نہیں سمجھتا تاہم غسل کرنا زیادہ طہارت کا موجب ہے۔ جو غسل کرے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ اور جو غسل نہ کرے تو اس پر واجب بھی نہیں۔ اور میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں کہ جمعہ کے غسل کا آغاز کیسے ہوا۔ اکثر لوگوں کو محنت مشقت کرنا پڑتی تھی۔ اور لوگ صوف کے کپڑے پہنتے تھے اور انہیں اپنی پشتوں پر بوجھ اٹھانے کا کام کرنا پڑتا تھا اور ان کی مسجد تنگ تھی۔ مسجد کی چھت بھی سروں کے قریب ہوتی تھی۔ اور چھت گھاس پھوس کی بنی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں باہر مسجد میں تشریف لائے لوگوں کو صوف کے کپڑوں میں پسینہ آیا ہوا تھا۔ ان کے جسموں سے ایسی بو پھیل رہی تھی جس سے ایک دوسرے کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بو محسوس ہوئی تو فرمایا اے لوگو جب یہ جمعہ کا دن ہو تو

بَعْدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِيْ كَانَ يُؤْذِيْ بَعْضَهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

غسل کر لیا کرو، اور اپنے حسبِ مقدور تیل اور خوشبو لگا لیا کرو۔ ابن عباس نے کہا کہ پھر لوگوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔ لوگوں نے صوف کے بجائے دوسرے کپڑے پہننا شروع کر دیے اور محنت مزدوری سے بھی کفایت مل گئی۔ ان کی مسجد بھی کشادہ ہو گئی۔ اور جو چیز انہیں ایک دوسرے کو تکلیف دیتی تھی (یو) وہ بھی جاتی رہی ہے۔ (ابوداؤد)

ف۱۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہاء مکہ اور تابعین میں سے ہیں۔ قبائل بربر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے باقی حالات دوسری جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

ف۲۔ اَطْہَر تطہیر مصدر سے اسم تفضیل ہے۔ (حذف زوائد کے ساتھ) جیساکہ نحاۃ کا مذہب ہے۔

ف۳۔ اور غسل نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔

ع۔ فقر و تنگ دستی کے باعث۔

ف۴۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد جس میں مسلمان نماز ادا کرتے تھے۔

ف۵۔ بعض نسخوں میں سُقُف کا لفظ آیا ہے۔ یعنی سَقْف کی جمع۔ جمع کا صیغہ چھت کے اجزاء مراد لیتے ہوئے لایا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مسجد کی چھت سات ہاتھ کی بلندی پر تھی۔

ف۶۔ یعنی نہ تھی مسجد مگر اس جگہ کی طرح جو سایہ کے لیے کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنائی جاتی ہے۔ عریش اس چھپر کو بھی کہتے ہیں جو انگور کی بیل کے لیے بنایا جاتا ہے۔

ف۷۔ یعنی اس محنت مزدوری سے بھی ان کی جان چھوٹ گئی جو وہ معاش کے لیے کرتے تھے کہ مشقت کے بغیر ہی ان کے لیے ذرائع معاش کشادہ ہو گئے۔

ف۸۔ مسجد نبوی شریف کی سب سے پہلی توسیع سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں توسیع کی۔

ف۹۔ اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداً مذکورہ علت کی بنا پر جمعہ کے روز نہانا ضروری تھا۔ بعد میں جب یہ علت و وجہ ختم ہو گئی تو نہانے کا وجوب بھی جاتا رہا جس طرح علت کے عدم سے مولفۃ القلوب کا حصہ ختم ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے ابتدا میں جمعہ کا غسل واجب تھا۔ بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ تاہم نسخ کا قول نسخ آثار کو معلوم

ہوئے بغیر بعید ہے بعض نے کہا جمعہ کا غسل کسی دور میں بھی واجب نہیں ہوا اور حدیث میں جو وجوب کا لفظ آیا ہے تو اس سے استحباب کی تاکید مراد ہے۔ اس توجیہہ کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا معنیٰ یہ ہوگا کہ مذکورہ علت کے باوجود جمعہ کا غسل ہمیشہ مستحب ہی رہا۔ فرق صرف یہ ہوا کہ ابتداء میں اس غسل کی تاکید تھی۔ جب اس کی وجہ باقی نہ رہی تو صرف استحباب باقی رہ گیا۔ مگر پہلی وجہ زیادہ قوی ہے۔ اور بعض شارحین نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْحَيْضِ

حیض کا باب

لہ۔ لغت میں حیض کا معنیٰ ہے بہنا عرب کہتے ہیں حَاضَ الْوَادِیْ یعنی وادی بہ پڑی جب کہ اس میں پانی بہ نکلے حوض بھی اسی سے بنا ہے اصطلاحِ شرع میں حیض اس خون کا نام ہے جو بے علتِ ولادت عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے۔ اور جو خون بچے کی ولادت کے وقت خارج ہوتا ہے اُسے نفاس کہتے ہیں اور جو خون کسی بیماری کی وجہ سے رحم سے خارج ہوا سے خونِ استحاضہ کہتے ہیں۔ لفظ محیض بھی بمعنیٰ حیض آتا ہے۔ حیضہ بکسر حا بمعنیٰ حیض کے وقت عورت کی حالت۔ اور حَیضہ بمعنیٰ ایک بار حیض آنا۔ علماء نے کہا ہے کہ خونِ حیض پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ حمل میں یہ خون بچہ کی تربیت و پرورش کا ذریعہ اور حکمتِ الٰہی سے بچے کی غذا کا کام دیتا ہے۔ اسی وجہ سے زمانہ حمل میں عورت کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو جو خون رحم میں بچے کی غذا بنا تھا وہ خونِ نفاس کی صورت میں بوقت ولادت خارج ہوتا ہے۔ اس کے بعد خونِ حیض بچے کے لیے دودھ بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت کو حیض کم آتا ہے۔ اور جب عورت نہ حاملہ ہوتی اور نہ بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے تو وہ خون ہر ماہ حیض کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ اکثر یہی ہے کہ ہر ماہ چھ یا سات روز یا اس سے کم زیادہ آتا ہے۔ جیسے جیسے عورتوں کا مزاج تعلق کرتا ہے اس کے مطابق آتا ہے۔ حیض کی ابتداء کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے حیض کا خون بنی اسرائیل کی عورتوں کو شروع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مرد عورتیں مسجدوں میں نماز کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اور آپس میں خلط ملط کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کے لیے حیض کا عارضہ لاحق کر دیا اور عورتوں کو مسجد میں

میں آنے سے منع کر دیا۔ لفظ بنات آدم والی حدیث اور بنی اسرائیل والی اس حدیث میں مطابقت اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں بھی بنات آدم ہی ہیں کیونکہ بنات آدم سے آدم کی بلاواسطہ بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ محدث حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات روایت کی ہے کہ خون حیض کی ابتداء حضرت حوا سے جنت سے نیچے آنے کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

٥٠٠ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ فِيْهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ فَسَاَلَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الآية فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَّدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ فَجَاءَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا فَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِّنْ لَّبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِيْ اٰثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا یہود کا طریقہ تھا کہ جب ان میں عورت کو حیض شروع ہوتا تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے اور گھروں میں ان کے ساتھ جماع بھی نہ کرتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں صحابہ کرام نے دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ الی آخر الآیۃ۔ یعنی لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمادیں وہ عورت کی ناپاکی اور تکلیف کے دن ہیں اس لیے اس حالت میں ان سے دور رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو لیں۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماع کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کرو۔ یہ بات یہود تک پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص تو ہمارے ساتھ ہر چیز میں مخالفت کرنا چاہتا ہے۔ پھر حضرت اسید اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہود اس طرح اس طرح کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ اس حالت میں عورتوں کے ساتھ میل جول نہ کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی حالت بدل گئی یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ حضور ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اس گمان کے تحت یہ دونوں صحابہ اٹھ کر باہر نکلے۔ کہ

عَلَیْہِمَا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اتنے میں حضور کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ پیش ہوا۔ آپ نے ان دونوں صحابیوں کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا۔ وہ ان کو ساتھ لے کر آیا اور آپ نے ان دونوں کو دودھ پلایا۔ اس سے ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہیں ہوئے۔ (مسلم)

ف۱ یعنی یہود کے رد میں۔

ف۲ یعنی ان کے جواب میں کہو کہ حیض میل اور پلیدی کی چیز ہے۔ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ اور عورت کے لیے تکلیف کی چیز ہے یعنی حالت حیض میں "ان کے قریب نہ جاؤ" کی تفسیر میں اس کی مراد بیان کرتے ہوئے فرمایا

ف۳ یعنی جماع کے سوا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا میل جول سب کچھ کر سکتے ہو۔

ف۴ اُسَید بضم ہمزہ و فتح سین بن حضیر بضم حا مہملہ و فتح ضاد معجمہ۔

ف۵ عَبَّاد بفتح سین و تشدید بار موحدہ۔ بشر بار موحدہ و سکون شین معجمہ کے ساتھ۔ یہ دونوں مشہور صحابی ہیں۔

ف۶ یعنی حالت حیض میں عورت کے قریب جانے کے نقصانات، اس کی خرابیاں، اس سے پیدا ہونے والی بیماریاں بیان کرتے اور ان سے میل جول رکھنے پر طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔

ف۷ لہٰذا ہم لوگ بھی اس حالت میں ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور میل جول نہ کریں گے۔ بعض نسخوں میں اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ استفہامیہ صورت میں آیا ہے یعنی کیا ہم ان سے مجامعت نہ کریں۔ اور بعض نسخوں میں فَلَا تُجَامِعُهُنَّ بصیغہ نہی مخاطب آیا ہے یعنی اے مخاطب ان سے مجامعت نہ کر۔

ف۸ یعنی جن دو صحابیوں نے یہ کلمہ کہا اور سوء ادب کے مرتکب ہوئے۔

ف۹ یعنی ان دونوں کے سامنے ایک شخص آیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ پیش کیا۔

ف۱۰ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و مہربانی کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اور ان کی بے خبری ویسے علمی علم و دانش سے تبدیل ہو جائے کہ دودھ اس کو ظاہر کرتا ہے۔

۵۰۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور آپ مجھے تہبند باندھنے کا حکم دیتے

فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ اِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

میں تہہ بند باندھ لیتی پھر آپ اپنا جسم میرے جسم سے لگاتے حالانکہ مجھے حیض آیا ہوتا تھا۔ اور آپ اپنا سر مبارک میری طرف باہر نکالتے دراں حالیکہ آپ اعتکاف میں ہوتے تو میں آپ کا سر مبارک دھوتی۔ حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔ (بخاری و مسلم)

۱ہ ۔ اس کی شرح باب مخالطۃ الجنب میں گزر چکی ہے۔

۲ہ ۔ فاتزر۔ یعنی یہ کہ نیچے کے حصہ پر تہہ بند باندھوں تو آپ کے فرمان کے مطابق میں باندھ لیتی۔ اتزر بتائے مشددہ قاعدہ صرف کے مطابق ہمزہ تا سے پہلے ہونا چاہیے۔ اور اس کی تحقیق شرح میں کر دی گئی ہے۔

۳ہ ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تہہ بند کے نیچے حصہ بدن سے نفع اٹھانا حرام ہے اور تہہ بند کی حد فقہاء کے نزدیک ناف سے زانو تک ہے یہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ دوسری احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت سے جماع کے علاوہ ہر قسم کا نفع جائز ہے یہی امام احمد امام ابویوسف، امام محمد اور بعض شوافع رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ گویا آپ نے آخر الامر جماع کے علاوہ ہر قسم کے نفع کی اجازت دے دی ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول میں احتیاط و پرہیز پایا جاتا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا اس مسئلہ میں شافعیہ کے تین مذہب ہیں۔ صحیح تر مذہب یہ ہے کہ حرام ہے دوم یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے ان کا مختار مذہب یہی ہے تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر انسان ضبط نفس، اپنے اوپر اعتماد یا ضعف شہوت یا قوت تقویٰ کے سبب جماع سے بچ سکتا ہے۔ تو اس کے لیے زیر ناف اور زانو کے اوپر کے حصے سے بھی نفع اٹھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔

۴ہ ۔ یعنی مسجد سے میری طرف اور میں گھر میں ہوتی تھی۔

۵ہ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا اپنے جسم کے کچھ حصے کو مسجد سے باہر نکالنا جائز ہے نیز حائضہ عورت کے جسم سے معتکف کے جسم کے کسی حصے کا لگ جانا درست ہے۔

۵۰۲ وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ

انہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں ایک برتن سے منہ لگا کر پانی پیتی ۱ہ حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ پھر میں وہ برتن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تو آپ اس برتن سے اس جگہ منہ رکھ کر پانی پیتے جہاں میرا منہ لگا ہوتا تھا اور میں ہڈی سے گوشت

ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کھاتی تھی حالانکہ مجھے حیض آرہا ہوتا تھا پھر میں وہ ہڈی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی۔ تو آپ اس ہڈی پر وہیں منہ رکھتے جہاں ؁ میں نے رکھا ہوتا تھا۔ (مسلم)

؁۔ کوزے یا پیالے سے۔

؁۔ عرق بفتح عین وسکون را یعنی وہ ہڈی جس پر گوشت ہو۔ اور وہ ہڈی جس پر سے گوشت کھا لیا گیا ہو۔

؁۔ صرف منہ رکھنے کا ذکر فرمایا حضور علیہ السلام کے کھانے کا ذکر نہ فرمایا۔ گویا آپ کا مقصود ہی یہ تھا کہ محبوب کے منہ رکھنے کا ذکر کریں۔ نہ کہ گوشت کھانے کا کیونکہ بعض دفعہ ہڈی پر گوشت ہی نہیں ہوتا۔ بخلاف پانی کے کہ وہ آپ پینے کے لیے برتن میں آپ کے لیے چھوڑ دیتی تھیں۔

۵۰۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

انہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود ؎ میں تکیہ لگاتے تھے حالانکہ مجھے حیض آرہا ہوتا تھا پھر آپ اسی حالت میں قرآن پاک پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

؎۔ حجر حا کے فتح اور کسر کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے۔

۵۰۴ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسجد سے مصلا اٹھا کر دے۔ میں نے عرض کیا مجھے تو حیض آرہا ہے۔ فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم)

؎ خمرہ بضم خائے معجمہ وسکون میم مد را یعنی وہ چھوٹا مصلا جس پر صرف ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور مسجد سے اٹھانے کی کیفیت و صورت یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسجد سے باہر کھڑی ہوئیں اور ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلا اٹھا لیا۔

۵۰۵ وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پشم کی ایک کشادہ گدڑی ؎ میں نماز ادا کرتے تھے اس کا کچھ حصہ میرے اوپر ہوتا تھا اور کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

لے مِرط بکسر میم و سکونِ را یعنی پشم یا کھدر کی لمبی اور کشادہ گودڑی۔

ملے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ حائضہ عورت کے تمام اعضا پاک ہوتے ہیں ورنہ اس کپڑے میں نماز جائز نہیں ہوتی جس کا کچھ حصہ نمازی پر ہو اور کچھ نجاست پر ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِامْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْکَاهِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِیْثَ اِلَّا مِنْ حَکِیْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغرض مجامعت حیض والی عورت کے پاس آئے یا اور عورت[1] کے پاس آئے کہ اس کی جائے پاخانہ میں جماع کرے یا کاہن[2] کے پاس آئے تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین کا انکار کیا۔ اسے ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ و دارمی کی روایت میں ہے پس اس نے اسکے قول کو سچا[3] جانا تو وہ کافر[4] ہو گیا اور ترمذی نے کہا ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر حکیم الاثرم عن ابی تمیمہ عن ابی ہریرہ سے۔

لے یعنی آزاد عورت ہو یا لونڈی۔

ملے نجومی کاہن کے حکم میں ہے یعنی جو کاہن یا نجومی کے پاس پوچھنے کے لیے آیا۔ کاہن کے معنی کی تحقیق کتاب طب و رقی کے باب الکہانتہ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملے یعنی جو کچھ اس کاہن یا نجومی نے کہا وہ اسے سچ جانے۔ اور یہ اعتقاد کرے کہ سچ کہہ رہا ہے۔

ملے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کاہن و نجومی کے پاس آنے کو حلال اور جائز جانے تو پھر کفر اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر کفر سے کفران نعمت (ناشکری) مراد ہوگی۔ بہرحال اس عبارت سے مقصود ان برے کاموں کا مرتکب ہونے سے سختی سے ڈانٹنا اور منع کرنا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے شرح کتاب میں کہا عورت کی جائے پاخانہ میں جماع کرنے سے کافر نہ ہوگا۔ چاہے وہ اس کی منکوحہ بیوی ہو یا لونڈی۔ بلکہ کفر سے کفران نعمت مراد ہوگا کیونکہ اگرچہ اس فعل شنیع کی ممانعت بالکل مشہور بات ہے۔ تاہم اس فعل کے حرام ہونے پر اجماع نہیں ہے۔ پھر جائے کہ اسے ضروریات دین سے قرار دیا جائے۔ اور ایسی غیر اجماعی چیز کو حلال سمجھنے سے انسان کافر نہیں ہوتا پھر یہ

حدیث بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اس بیان کے مطابق اجنبی عورت کی جائے پاخانہ میں جماع کرنا شنیع تر، سخت تر اور بدتر ہوگا۔ مگر لڑکوں کے ساتھ ایسا فعل کرنا نہایت ہی شنیع اور بُرا ہے۔ کہ اس فعل کو حلال جاننا بلاشبہ موجب کفر ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی خباثت نہیں ہے۔

۵۔ ترمذی نے اس حدیث کا ضعف بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس حدیث کو حکیم الاثرم کی روایت کے سوا نہیں جانتے۔ اس نے یہ حدیث ابوتمیمہ سے اور اس نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا اس حدیث کا معنیٰ دراصل ان افعال کی مذمت کرنا ہے۔ اور ترمذی نے یہ بھی کہا کہ اس حدیث کو بخاری نے اس کے اسناد کی وجہ سے ضعیف کہا اور ابوتمیمہ الجہیمی کا نام طریف بن مجالد ہے۔ انتہیٰ۔ اور تقریب میں کہا یہ حدیث حکیم اثرم بصری سے مروی ہے۔ اس شخص میں لین (کمزوری) پائی جاتی ہے۔ یہ شخص طبقہ سادسہ میں شمار ہوتا ہے۔ میزان الاعتدال میں کہا۔ لیس بہ باس اس ابوتمیمہ میں کوئی خدشے کی بات نہیں ہے۔ کاشف میں کہا طریف بن مجالد نے اس کی توثیق کی ہے ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ تہذیب میں کہا کہ یحییٰ بن معین نے کہا ابوتمیمہ ثقہ ہے۔ اور عجلی نے کہا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ثقہ ہے۔

۵۰۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ أَفْضَلُ۔ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَقَالَ مُحْيِي السُّنَّةِ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میرے لیے میری عورت سے کیا چیز حلال ہے جبکہ وہ حالت حیض میں ہو۔ فرمایا تہبند سے اوپر سب حلال ہے اور اس سے بھی بچنا بہت فضیلت[1] کی چیز ہے۔ اسے رزین نے روایت کیا اور امام محی السنہ نے کہا اس کا اسناد قوی نہیں۔

۱۔ یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب مہذب کی تائید کرتی ہے۔

۵۰۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا

۱۔ اس خدشہ کی بنا پر کہ اس حالت میں جماع ہی نہ کر بیٹھے۔ جو مریحاً حرام ہے اور حضور علیہ السلام اس خطرے سے محفوظ تھے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کر لیا وہ نصف[1] دینار صدقہ کرے۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

[1] یہ ہمارے ملک ہندوستان کے مطابق ایک روپیہ اور اس کا آٹھواں حصہ بنتا ہے۔ بعض نے ایک دینار کہا ہے بعض نے کہا ایک گردن آزاد کرے۔ علماء نے یہ بھی کہا ابتداء خون کے وقت جماع کرنے پر ایک دینار، خون کے آخری ایام میں نصف دینار، یا دوران خون میں پورا دینار، اور بند ہونے پر غسل سے قبل نصف دینار صدقہ کرے۔ اور بعض نے گردن آزاد کرنا کہا۔ علامہ طیبی نے کہا اکثر اس پر ہیں کہ اس کا کفارہ استغفار ہے اور بس۔ امام شافعی اور اصحاب ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر ہیں۔

۵۰۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا أَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَإِذَا كَانَ دَمًا أَصْفَرَ فَنِصْفُ دِيْنَارٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب خون کی رنگت سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر حالت حیض میں اس وقت جماع کیا جب کہ خون کا رنگ زرد تھا تو نصف دینار صدقہ کرے[2] (ترمذی)

[2] یہ اس قول کے موافق ہے جو بعض سے منقول ہے کہ ابتدائے خون کے وقت ایک دینار اور آخر کے وقت نصف دینار صدقہ کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اخر حیض کے وقت خون کا رنگ زرد ہو۔ کہا گیا ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنے پر کفارے کا مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بعض اہل علم کا قول ہے۔ امام احمد اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں اپنے رب سے استغفار کرے۔ اس پر کفارہ وغیرہ کچھ نہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابراہیم نخعی انہیں میں سے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۰ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِيْ مِنِ امْرَأَتِيْ وَهِيَ

حضرت زید بن[1] اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بے شک ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میری عورت سے میرے لیے کیا چیز حلال ہے جب کہ وہ حالت

حَائِضٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَشُدُّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنُكَ بِأَعْلَاهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً۔

حیض میں ہو۔ آپ نے اسے فرمایا اس کا تہ بند خوب مضبوطی سے باندھ دے پھر اس کے اوپر کے حصے کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے مالک اور دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

لہ۔ آپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور اکابر تابعین سے ہیں۔ امام زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتے۔ اور ان سے حدیث سنتے۔ ان کے باقی حالات دوسری جگہ مذکور ہو گئے ہیں۔ یہ حدیث میں ارسال کرتے تھے۔

ٹلہ۔ یعنی تہ بند سے اوپر سب مباح ہے۔ اور تہ بند کے نیچے جو کچھ ہے حرام ہے۔ جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

۵۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيْرِ فَلَمْ نَقْرَبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتّٰى نَطْهُرَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب مجھے حیض شروع ہوتا تو میں بستر سے چٹائی پر اتر آتی اور ہم (بیویاں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہ جاتیں اور پاک ہونے تک آپ کے قریب نہ جاتیں لہ (ابوداؤد)

لہ۔ اس حدیث کا ظاہر معنی بعض ان احادیث کے منافی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حالت حیض میں میل جول پر دلالت کرتی ہیں۔ محدثین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے ادب و احترام کی کیفیت کا بیان ہے۔ کہ وہ خود آپ سے ملتے جلنے اور آپ کے ساتھ بیٹھنے کی جرأت نہ کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ خود ان کو اپنے پاس طلب فرماتے تو وہ آپ کے پاس جاتیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث معاشرت و مخالطت کی احادیث سے منسوخ ہے۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ لفظ نقرب اکثر نسخوں میں نون کے ساتھ آیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے تقریر کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ابوداؤد کے تمام اصلی نسخوں میں نون کے ساتھ ہے۔ بعض نے فلم یقرب یا کے ساتھ بھی روایت کیا ہے یعنی حضور علیہ السلام ان کے نزدیک نہ آتے تھے۔ یا یہ لفظ قربان بمعنی جماع سے مشتق ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

استحاضہ والی عورت کا باب

مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جسے خون آتا ہو۔ مگر حیض اور نفاس کا خون نہ ہو بلکہ ایک رگ سے آتا ہو۔ جسے عاذل کہتے ہیں۔ اور جو الفاظ بھی لفظ استحاضہ سے مشتق ہیں مجہول استعمال ہوتے ہیں۔ بعض اور الفاظ بھی ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ مجہول ہی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے جنون سے جُن۔ اغماء سے اغمی۔ ان کا یہ استعمال سماعی ہے۔ مستحاضہ عورت کا حکم معذور کا حکم ہے۔ جیسے سلسل البول والوں اور دوسرے معذور لوگوں کا حکم ہے۔ مستحاضہ عورت کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ نماز پڑھے، روزہ رکھے۔ اس کے ساتھ جماع کرنا حرام نہیں۔ اس کے احکام کی تفصیل احادیث میں آ رہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۱۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِيْ حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اِمْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّ لَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں فاطمہ بنت حبیش[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا۔ یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے خون استحاضہ آتا ہے۔ میں پاک نہیں رہتی[2] تو کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا نہ وہ ایک رگ کا[3] خون ہے حیض کا خون نہیں ہے۔ جب حیض[4] کے دن ہوں تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض کے دن گزر جائیں تو اپنے اوپر سے خون دھو اور نماز ادا کر۔

(بخاری و مسلم)

[1] حبیش بضم حائے مہملہ و فتح بائے موحدہ و سکون یائے تحتانیہ اور شین معجمہ کے ساتھ۔
[2] کہ مجھے ہمیشہ یہ خون جاری رہتا ہے۔ اور میں کسی وقت پاک نہیں ہوتی۔

ﷺ ۔ کہ وہ رگوں میں سے ایک رگ کا خون ہے حیض کا خون نہیں جو رحم سے آتا ہے ۔ اور حیض میں چونکہ ہر ماہ میں کچھ دن صرف ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ حرج اور مشقت کے پیش نظر نماز و روزہ معاف ہے ۔ اور چونکہ نماز قضا کرنے میں مشقت وحرج ہے ۔ روزہ قضا کرنے میں مشقت نہیں اس لیے روزہ قضا کرے نماز قضا نہ کرے ۔ اس کے بعد اپنے قول مبارک سے استحاضہ کا حکم بیان فرمایا۔

ﷺ ۔ اور خون حیض میں عورت کی عادت مقرر ہو تو پھر وہی عادت کے ایام اس کے حیض کے دن ہوں گے ۔ اور اگر اسے پہلی بار حیض آنا شروع ہوا ہے تو پھر اس کے حیض کی انتہائی مدت دس دن ہے ۔ یہ ہمارے مذہب میں ہے ۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مبتدیہ (جسے ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو) میں پہچان تمیز سے کام لیں گے ۔ اور خون گاڑھا اور سیاہ ہو تو وہ حیض ہے ۔ اگر اس طرح نہ ہو تو استحاضہ ہے ۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے ۔ اور جب کہ پہچان میں ایک مشکل امر ہے تو اکثر مدت حیض کو ترجیح دی گئی ہے ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے حیض میں اس کی عادت معلوم و مقرر تھی ۔ واللہ اعلم ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۵۱۳ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَيْشٍ اَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَاِنَّهٗ دَمٌ اَسْوَدُ يُعْرَفُ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَاَمْسِكِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا كَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ	حضرت عروہ[۱] بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فاطمہ بنت حبیش سے روایت کرتے ہیں کہ اس عورت کو استحاضہ کا مرض تھا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا جب حیض کا خون ہو تو وہ سیاہ[۲] ہوتا ہے جس کی پہچان ہو جاتی ہے ۔ جب یہ خون آ رہا ہو تو نماز سے رُک جایا کرو ۔ اور جب دوسرا خون ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ[۳] لیا کرو ۔ کہ وہ ایک رگ کا خون ہے ۔ رحم کا خون نہیں جو حیض کہلاتا ہے ۔ ابوداؤد و نسائی ۔

ﷺ ۔ آپ بلند مرتبہ تابعی ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی اور حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں ۔

ﷺ ۔ یعنی غالب و اکثر یہ ہے کہ خون حیض سیاہ رنگ کا ہوتا ہے ۔

ﷺ ۔ جیسا کہ معذور کے لیے شرع کا حکم ہے ۔

۵۱۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ.

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ ایک عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بہت زیادہ خون استحاضہ آتا تھا۔ اس کے لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ مہینے کے ان دنوں اور راتوں کے شمار کا خیال رکھے جن میں اسے مرض استحاضہ لاحق ہونے سے پہلے حیض آیا کرتا تھا۔ چاہیئے کہ اتنے دن اور راتیں نماز ترک کر دے اور جب وہ عرصہ گزر جائے تو غسل کرے پھر شرمگاہ پر ٹاکی باندھے اور نماز پڑھے۔

اسے مالک، ابوداؤد، دارمی نے روایت کیا اور نسائی نے دوسرے لفظوں کے ساتھ روایت کیا۔

لے تُہراق بضم تا و فتح را۔ اس لفظ کی تحقیق شرح (عربی) میں کر دی گئی ہے۔

ٹے۔ لِتَسْتَثْفِرْ یہ لفظ ثغر سے بنا ہے اس کا معنی ہے وہ ٹاکی یا گدی جو خون روکنے کے لیے عورت اپنی شرمگاہ پر باندھتی ہے۔

سے۔ اور ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جیسا کہ معذور کے لیے حکم ہے اور مستحاضہ عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا۔ اس میں اعتکاف کرنا اور مسجد الحرام کا طواف وغیرہ کرنا جائز ہے۔

۵۱۵ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اِسْمُهُ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ

عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں جن میں اسے حیض آیا کرتا تھا، نماز چھوڑ دے۔ پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے اور روزے رکھے اور

صَلٰوۃً وَّتَصُوْمُ وَتُصَلِّیْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

نماز پڑھے۔

ترمذی وابوداؤد۔

لہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے عدی کے دادا کے نام کی تعیین کرتے ہوئے کہا اس کا نام دینار ہے۔ اور عدی بن ثابت تابعی ثقہ ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا۔ کوفہ میں شیعہ کی مسجد کا امام اور ان کا واعظ تھا۔ ابن معین نے کہا حد سے بڑھا ہوا شیعہ ہے۔ دار قطنی نے کہا غالی رافضی ہے۔ مگر ثقہ اور صدوق ہے۔ ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔

۵۱۶ وَعَنْ حَمْنَۃَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيْهِ وَاُخْبِرُهٗ فَوَجَدْتُهٗ فِيْ بَيْتِ اُخْتِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِيَ الصَّلٰوةَ وَالصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهٗ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِيْ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيَّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَءَ عَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَاَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِّنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتِ اَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَاْتِ

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں مجھے بہت زیادہ اور شدید استحاضہ آتا تھا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا فتویٰ دریافت کرنے اور آپ کو خبر دینے کے لیے آئی۔ میں نے آپ کو اپنی ہمشیرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر پایا میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو بہت اور شدید استحاضہ آتا ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اس نے تو مجھے نماز روزے سے روک دیا ہے۔ فرمایا اس کے لیے میں تجھے روئی کی گدی بتاتا ہوں۔ وہ خون کو روک رکھے گی۔ حمنہ نے کہا وہ اس سے زیادہ ہے۔ فرمایا شرمگاہ پر کپڑے کی لگام باندھ۔ حمنہ نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ تو مجھ سے زور دار بارش کی طرح خارج ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کے لیے تجھے دو چیزیں بتاتا ہوں۔ ان میں سے جو کرے گی وہ دوسری کے لیے کفایت کرے گی۔ اور اگر دونوں کرے تو تو بہتر جانتی ہے اور اس سے فرمایا بیشک یہ شیطانی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف ہے تجھے اللہ کے علم کے مطابق چھ یا سات دن حیض کے شمار کرنے چاہئیں۔ پھر غسل کر یہاں تک کہ جب تو دیکھے کہ تو پاک اور خوب

فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُومِي فَإِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِينَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِينَ الْعَصْرَ وَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فَافْعَلِي وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي وَصُومِي إِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذٰلِكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

صاف ستھری ہو گئی ہے تو پھر تئیس یا چوبیس رات نماز پڑھ ان کے دنوں سمیت۔ اور روزے رکھ۔ بیشک یہ تیرے لیے کفایت کرے گا۔ اور اسی طرح ہر مہینے کیا کر جس طرح حیض اور طہر کے دنوں میں عورتیں حیض کے دن گزارتی اور پھر پاک ہوتی ہیں اور استحاضہ کے ایام میں اگر تجھ میں طاقت و ہمت ہو کہ نماز ظہر کو مؤخر کرے اور عصر میں جلدی کرے۔ پھر غسل کرے اور ظہر و عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔ اسی طرح مغرب کو مؤخر کرے اور عشاء میں جلدی کرے۔ پھر غسل کر کے دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے تو ایسا کرے۔ اور اگر تجھے طاقت ہو کہ فجر کی نماز کے لیے غسل کرے تو ایسا کرے۔ اور روزے رکھ اگر تجھے ہمت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دونوں میں سے یہ کام زیادہ اچھا ہے۔

(احمد، ابوداؤد، ترمذی)

ف۱ ۔ جحش جیم مفتوحہ کی تقدیم اور حائے مہملہ ساکنہ کے ساتھ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جب وہ (جنگ احد میں) شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

عہ حمنہ حائے مہملہ کے فتح اور سکون میم کے ساتھ

ف۲ ۔ کرسف روئی کا ٹکڑا بضم کاف و سین جس سے تو اپنی شرمگاہ کو پُر کرے۔

ف۳ ۔ کروہ شرمگاہ کے باہر کے حصہ تک خون کے آنے کو روکتا ہے۔ اور جب تک کہ فرج ظاہر تک خون نہ پہنچے حیض اور استحاضہ کا حکم جاری نہیں ہوتا۔

ف۴ ۔ یعنی یہ علت و بیماری جو تجھے لاحق ہے یا یہ خبط و حیرت جس میں تو مبتلا ہے، نہیں ہے مگر شیطان کے فساد برپا کرنے اور اس کے ضرر و تکلیف پہنچانے اور اس کی تلبیس و گڑبڑ کرنے کے باعث۔ تاکہ وہ تیرے دین، تیری طہارت و نماز میں خلل اندازی کرے۔ رکض کا اصل معنی ہے کسی کو پاؤں سے ٹھوکر مارنا اور ایڑی لگا کر گھوڑے

کو دوڑانے پر آمادہ کرنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسان کے بدن میں تصرف کرنے کی بھی طاقت دی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کو کئی بدنی بیماریوں میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتا ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دو چیزیں بیان فرمائیں۔

ؔ۵ یعنی چھ یا سات دن حیض کے احکام کا التزام کر۔ کو تماع، نماز، روزہ سے دور رہ۔ اپنی عادت کے مطابق جو تیری پہلے سے تھی۔ اس بارے میں ان عورتوں سے موافقت کر جو عمر، رشتے اور رہائش میں تیری طرح اور تیرے ساتھ شریک ہیں۔ یا ستۃ ایام او سبعۃ ایام میں لفظ او کا مطلب ہے کہ آپ نے اسے دو عددوں میں سے کسی ایک عدد کے اختیار کرنے کی اجازت دی۔ کیونکہ یہ دو عدد ہی عادت کے لحاظ سے عورتوں میں غالب و مشہور رہا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ او شک کے لیے ہو۔ اور حضور علیہ السلام نے ان دو عددوں میں سے ایک کا ذکر کیا ہو۔ اور یہ جو فرمایا فی علم اللہ یعنی اللہ کے علم میں۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان عددوں میں سے ایک عدد کی جانب تیرا رجوع کرنا اس میں شامل اور درج ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے تجھے بتلایا ہے یا اس میں داخل ہے جو اس نے لوگوں کو بتلایا اور ان کے لیے شرع قرار دیا ہے۔ اور اگر لفظ او شک کے لیے ہو تو پھر یہ راوی کا قول کا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ کا عدد بیان کیا یا سات کا۔

ؔ۶ یعنی ایام مذکورہ کے گزر جانے سے تجھے پاک ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

ؔ۷ تیئیس دن رات نمازیں ادا کر جب کہ تو حیض کے سات دن شمار کرے۔

ؔ۸ چوبیس دن رات اگر حیض کے چھ دن شمار کرے۔

ؔ۹ یعنی اسی طرح ہر ماہ چھ یا سات دن اپنے آپ کو حائضہ شمار کر اور اپنے اوپر حیض کے احکام جاری کر پھر تیئس یا چوبیس دن نماز روزہ کر۔

ؔ۱۰ یعنی پھر آپ نے وان قویت کے الفاظ سے دوسری چیز بیان فرمائی جس کا اسے اختیار دیا تھا۔

ؔ۱۱ نماز ظہر و مغرب کے موخر کرنے کا آپ نے اسے جو حکم دیا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا وقت گزرنے کے بعد ان کو ادا کرے یعنی ظہر کو وقت عصر میں اور مغرب کو وقت عشاء میں ادا کرے جس طرح مسافر امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کے مطابق جمع تاخیر کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت تک جو عصر کے وقت سے متصل ہے موخر کرے اور مغرب کو اس کے آخر وقت تک جو عشاء سے متصل ہے موخر کرے یہ دوسرا احتمال حنیفہ کی تاویل کے مطابق ہے۔ اسے جمع صوری کہتے ہیں۔

جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں اس کی تصریح کی ہے۔ آگے آنے والی حدیث کا ظاہر ترجمہ بھی حنفیہ کی تاویل کے مطابق ہے تو احتمال ثانی کا خلاصہ یہ ہوا کہ مستحاضہ عورت ہر روز تین بار غسل کرے ایک ظہر و عصر کے لیے، دوسرا مغرب و عشاء کے لیے اور تیسرا نماز فجر کے لیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے غسل کرے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول وان قویت علی ان تؤخرین الظھر الی آخرہٖ میں اس جانب اشارہ کیا۔ کیونکہ اس عبارت سے اس کے لیے نماز کے وقت وضو کرنے سے عاجز ہونا سمجھا آتا ہے اور یہ امیر المؤمنین حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن زبیر اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب ہے طیبی نے کہا یہ مذہب فقہ کے زیادہ مشابہ اور زیادہ لائق ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ایک غسل کے ساتھ دو نمازیں جمع کرنے کا ہے اور یہ مذہب اس حدیث کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہر نماز کے وقت غسل کرنے کی نسبت زیادہ آسانی اور سہولت ہے۔ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا اعجب الامرین الی یعنی یہ غسل (دو نمازوں کے لیے ایک غسل) دوسرے امر (ہر نماز کے لیے غسل) کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ جس چیز میں امت کے لیے آسانی اور سہولت ہوتی تھی آپ اسے اختیار کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ مَا خُيِّرَ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان کام کو اختیار کرتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۱ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِيْ حُبَيْشٍ اسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطٰنِ لِتَجْلِسْ فِيْ مِرْكَنٍ فَاِذَا رَاَتْ صُفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ بے شک فاطمہ بنت ابی حبیش کو اتنے عرصہ (مدت دراز) سے خون استحاضہ آرہا ہے۔ اس عارضے کے باعث اس نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے بطور تعجب فرمایا سبحان اللہ یہ (بیماری) شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ شیطان کی ضرر رسانیوں میں سے ضرر پہنچانے والی ایک چیز ہے اسے چاہیے کہ پانی سے بھرے

لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَتَغْتَسِلُ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ـ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ وَ قَالَ رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ ـ

ہوئے ایک بڑے ٹب میں بیٹھے ۔جب پانی کے اوپر زردی دیکھے تو نماز ظہر وعصر کے لیے ایک غسل کرے ۔ اور مغرب وعشا کے لیے ایک غسل کرے اور نماز فجر کے لیے ایک غسل کرے ۔ اور ان غسلوں کے درمیان وضو کرے ۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ۔ اور کہا مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب اس عورت کے لیے ہر نماز کے لیے غسل کرنا دشوار ہو گیا تو آپ نے اسے دو نمازوں کے اکٹھا کرنے کا حکم دیا ۔

لے عُمَیس بضم عین وفتح میم ۔آپ اسماء بنت عمیس صحابیہ ہیں ۔نہایت خوبصورت عقلمند اور نیک و صالح خاتون تھیں ۔ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی ۔ ان سے حضرت جعفر کے ہاں حضرت عبداللہ بن جعفر ، حضرت محمد و عون رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے ۔ پھر آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی ۔ جب حضرت جعفر شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو اپنے نکاح میں لائے ۔ ان سے آپ کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے تو ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا ۔ اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے ۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا اور جملہ اہل بیت کے خادمین ، محبین اور مخلصین میں سے تھیں ۔ ان سے صحابہ کرام کی ایک جماعت جیسے عمر بن الخطاب ، عبداللہ بن عباس ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

۲ ۔ مِرکن بکسر میم وسکون راء و فتح کاف بمعنی بڑا ٹب جس میں غسل کے لیے پانی رکھا جاتا ہے ۔

۳ ۔ یہ آخر وقت ظہر کی علامت ہے کیونکہ ظہر کے آخر وقت میں سورج کی شعاع کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے بلکہ ابتدائے وقت زوال سے ہی اس کے رنگ میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے ۔ اگرچہ ظاہراً محسوس نہیں ہوتی تاہم آخر وقت ظہر کی زردی وہ زردی نہیں جو آخر وقت عصر میں رونما ہوتی ہے ۔ اور جس میں اس دن کی نماز عصر ادا کرنا مکروہ ہوتا ہے یہاں مقصود یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت ہو جائے ۔

۴ ۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا ۔

۵ ۔ یعنی ظہر و عصر کے لیے غسل کی صورت میں اور مغرب وعشاء کے لیے غسل کی صورت میں ان کی جگہ وضو کرے ۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح میں ایسا ہی کہا ہے جو اشی میں لکھا ہے کہ اس وضو سے ان نوافل کے لیے وضو مراد ہے جو ان اوقات کے درمیان ادا کیے جائیں یعنی اگر یہ عورت چاہے تو وضو کر کے نفل ادا کرے۔

لے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک غسل کے ساتھ دو نمازیں اکٹھی ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے کتاب الطہارۃ تمام ہوئی۔ والحمد اللہ مؤلف رحمۃ اللہ نے اس کے متصل بعد کتاب الصلوٰۃ کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگاہ فیض و عنایت سے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ کی جلد اوّل اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بندہ ناچیز کے سہو و نسیان اور خطاء و زلل سے درگزر فرمائے۔ نیز صحیح و مقبول ترجمہ و مطالب بیان کرنے کی توفیق اور اس کام کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔ اور اسے مسلمانوں کے لیے نافع اور مترجم غفرلہ کے لیے ذریعہ نجات و ذخیرۂ آخرت بنائے قارئین سے التماس ہے کہ اس میں کوئی غلطی دیکھیں تو مترجم غفرلہ کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اس کی درستی کی جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و الہ الطیبین واصحابہ الطاہرین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہ

خطیب امام جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

پاکستان

۲۶ ربیع الاول شریف ۱۴۰۱ھ / ۲ر فروری ۱۹۸۱ء بروز پیر

کاتب: محمد داؤد خوشنویس حضرت کیلیانوالہ، ضلع گوجرانوالہ

قطعۂ تاریخ طباعت

اشعۃ اللمعات مترجم اردو

نتیجۂ فکر :-

جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیرِ اعلیٰ مہر و ماہ لاہور و رکن پاکستان سُنّی رائٹرز گلڈ
(رجسٹرڈ)

ہے "اشعہ لمعات" وہ اک مرقع
کہ ہر حرف جس کا دُرِ بے بہا ہے

مصنف ہیں شیخ عبدِ حق اس کے الحق
کہوں کیا کہ یہ مشعلِ حق نما ہے

مترجم جناب سعید اس کے ہیں کیا
ہر اک اہلِ ایمان کا یہ مدعا ہے

گہر ہائے علم و حکم کا یہ مخزن
تجلائے انوارِ رشد و ھدٰی ہے

ضرورت تھی اس دورِ ابتر میں اس کی
ہوا بابِ علمِ حدیث آج وا ہے

فدا کہدے بے رُدِّ انکار اس کا
سنِ طبع "لمعاتِ نورِ خدا" ہے

۱۴۰۱ھ

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال

اردو بازار

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
احمد صلی اللہ علیہ وسلم
حامد صلی اللہ علیہ وسلم
محمود صلی اللہ علیہ وسلم
قاسم صلی اللہ علیہ وسلم
عاقب صلی اللہ علیہ وسلم
فاتح صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
حاشر صلی اللہ علیہ وسلم
ماحی صلی اللہ علیہ وسلم
داعی صلی اللہ علیہ وسلم
سراج صلی اللہ علیہ وسلم
رشید صلی اللہ علیہ وسلم
منیر صلی اللہ علیہ وسلم
بشیر صلی اللہ علیہ وسلم
نذیر صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی صلی اللہ علیہ وسلم
مہدی صلی اللہ علیہ وسلم
رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم
طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم
یٰس صلی اللہ علیہ وسلم
مزمل صلی اللہ علیہ وسلم
مدثر صلی اللہ علیہ وسلم
شفیع صلی اللہ علیہ وسلم
خلیل صلی اللہ علیہ وسلم
کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
مرتضی صلی اللہ علیہ وسلم
مجتبی صلی اللہ علیہ وسلم
ناصر صلی اللہ علیہ وسلم
منصور صلی اللہ علیہ وسلم
حافظ صلی اللہ علیہ وسلم
شہید صلی اللہ علیہ وسلم
عادل صلی اللہ علیہ وسلم
حکیم صلی اللہ علیہ وسلم
ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم
مطیع صلی اللہ علیہ وسلم
مجیب صلی اللہ علیہ وسلم
مشہود صلی اللہ علیہ وسلم
شاہد صلی اللہ علیہ وسلم
مذکر صلی اللہ علیہ وسلم
امین صلی اللہ علیہ وسلم
تہامی صلی اللہ علیہ وسلم
حسیب صلی اللہ علیہ وسلم
ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم
حجازی صلی اللہ علیہ وسلم
المرسل صلی اللہ علیہ وسلم
ولی صلی اللہ علیہ وسلم
قرشی صلی اللہ علیہ وسلم
مضری صلی اللہ علیہ وسلم
امی صلی اللہ علیہ وسلم
کریم صلی اللہ علیہ وسلم

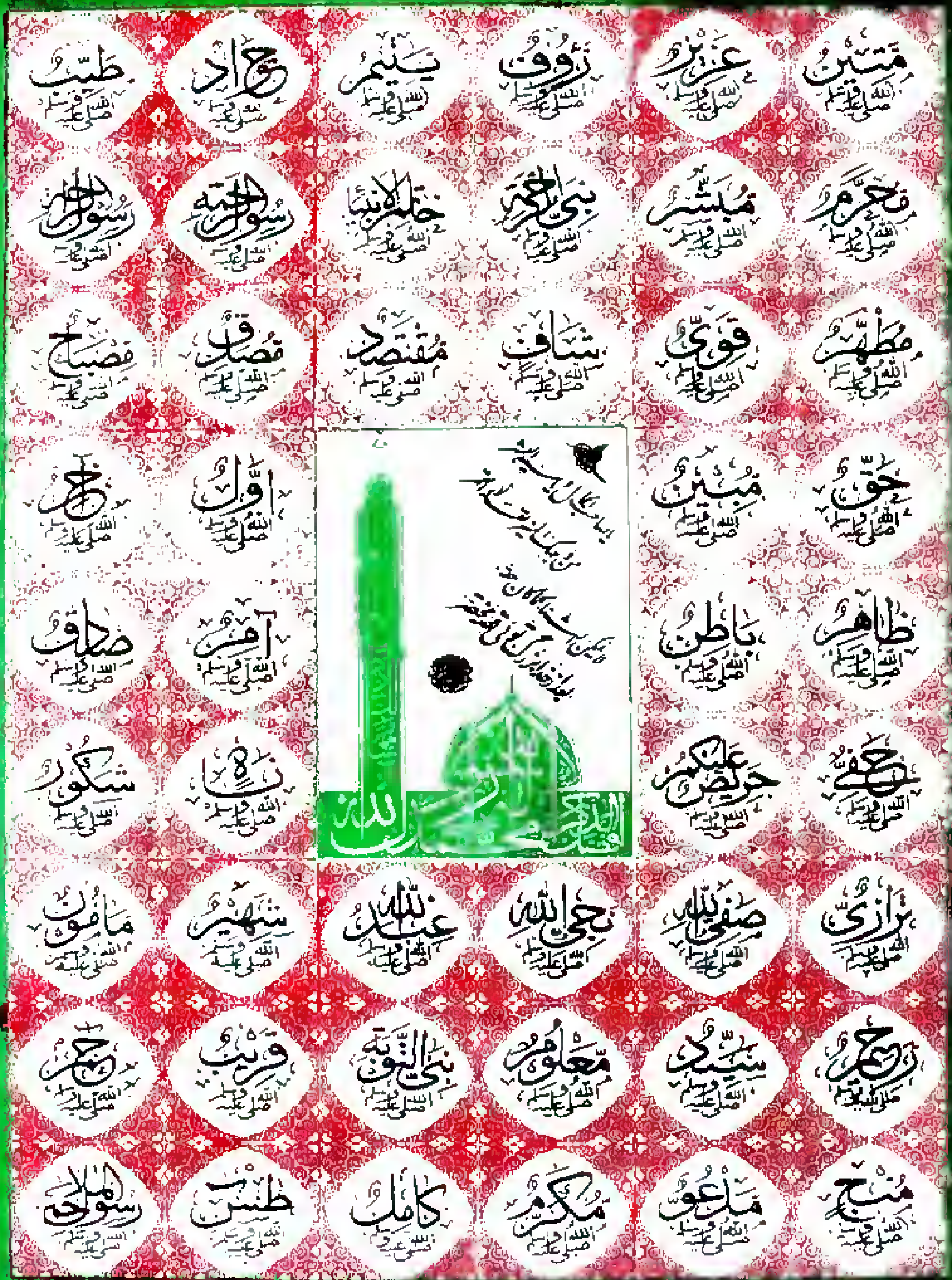

متین
عزیز
رؤف
یتیم
جواد
طیب
مبشر
مطهر
قوی
شاف
مقتصد
مصدق
مصباح
حق
مبین
اول
آخر
ظاهر
باطن
آمر
صادق
شکور
صفی الله
نجی الله
عبد الله
شهیر
مامون
سید
معلوم
نبی التوبة
قریب
منج
مدعو
مکرم
کامل
طس
محمد رسول الله

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صدق الله العظيم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد دوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولینا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۴۰- اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد دوم

اشعۃ اللمعات

اردو

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸-اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

★

کتاب ——— اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم

تصنیف منیف ——— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم و حواشی ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کتابت ——— حاجی محمد داود حضرت کیلیانوالہ شریف

پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

ناشر ——— فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

سال اشاعت ——— رجب ۱۴۰۳ھ
مئی ۱۹۸۳ء

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— عالمین پرنٹرز ۱/۱۲ ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

★

گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی کتاب الصلوٰۃ تا آخر کتاب الجنائز کا اردو ترجمہ ۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اختتام پذیر ہوا تھا، ناشر کتاب جناب سید اعجاز احمد شاہ صاحب مالک فرید بک سٹال اردو بازار لاہور چونکہ ساتھ ساتھ اس کی کتابت بھی کروا رہے تھے، اس لئے اس حصے کی کتابت بھی جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اواخر نومبر ۱۹۸۲ء میں جناب شاہ صاحب موصوف ۲۰×۳۰ سائز کے ۹۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا مکمل کتابت شدہ مسودہ تصحیح اور نظر ثانی کی غرض سے لے کر تشریف لائے۔ نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کا یہ کام درحقیقت تین حصوں پر مشتمل تھا (۱) ۹۳۲ صفحات کی مکمل مفصل فہرست کی ترتیب و تدوین (۲) احادیثِ مشکوٰۃ کے عربی متن کی تصحیح اور نظر ثانی (۳) اردو ترجمے اور شرح کی اغلاط کی درستی۔

نظر ثانی کا یہ کام شروع کئے ابھی دس پندرہ دن ہوئے تھے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ۹۳۸ ویں سالانہ عرس مبارک کی تیاری سے متعلق مصروفیات کی بنا پر یہ کام رک گیا۔ یہ عرس مبارک ۵، ۶، ۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو منعقد ہو رہا تھا، وسط دسمبر تک فرصت نہ مل سکی، اس کے بعد اس مبارک کام میں زیادہ وقت لگانا شروع کیا کیونکہ ناشر کتاب جناب شاہ صاحب موصوف بہت پریشان تھے کہ ترجمہ کی اس دوسری جلد کے بازار میں آنے کو مسلسل تاخیر ہو رہی تھی۔ ناساز طبیعت اور مصروفیات کے باوجود نظر ثانی کا یہ کام پورے انہماک سے جاری تھا کہ اچانک ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک ساڑھے گیارہ بجے دن ذیابیطس کا احقر پر شدید حملہ ہوا، بلڈ پریشر خطرناک حد تک گر گیا اور میں گہری غشی میں ڈوب گیا، بیہوشی کی یہ حالت کم و بیش چھ گھنٹے مسلسل رہی، اسی دوران مجھے میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لایا گیا جہاں جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار احمد چشتی، ڈاکٹر خرم منظور چوہدری، جناب ڈاکٹر مطیع الرحمٰن اور ڈاکٹر احسان صاحب وغیرہم کی انتھک کوشش اور توجہ سے طبیعت سنبھل گئی اور راقم سترہ دن ہسپتال میں صاحبِ فراش رہنے کے بعد گھر واپس آیا ——— میں ان ڈاکٹر صاحبان اور ان سب حضرات کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے کسی بھی شکل میں میری مدد کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ گھر آکر میں نے ضعف و نقاہت کے باوجود ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعہ کے دن اس کام کو مکمل کر لیا، والحمد للہ علیٰ ذلک۔ میں نے پوری توجہ سے نظر ثانی اور درستی کی ہے، اس کے باوجود غلطیوں کا رہ جانا عین ممکن ہے، مزید احتیاط کیلئے شاہ صاحب کسی اور صاحب سے بھی نظر ثانی کروا رہے ہیں۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اردو ترجمہ کی باقی چار جلدوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا کرے میری اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے نیز میرے لئے اسے ذخیرۂ آخرت اور نفعِ عام کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

العبد الضعیف

محمد سعید احمد نقشبندی [illegible] درگاہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور پاکستان ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

لغت میں صلوٰۃ کا معنی دعا، رحمت اور استغفار کا آتا ہے۔ نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں یہ سب معانی موجود ہیں۔ لفظ صلی کا معنی ہے آگ پر گوشت بھوننا۔ تصلیہ کا معنی ہے گوشت کو آگ میں جلانا۔ اور لفظ صَلّٰی کا معنی لکڑی گرم کرنا اور اسے آگ سے گرم کرکے سیدھا کرنے کا بھی آتا ہے۔ یہ معانی بھی حقیقت نماز کے مناسب ہیں۔ نماز گویا نمازی کو آتش مجاہدہ میں پگلاتی اس کے گناہوں کو جلاتی اور اس کے نفس وطبیعت کی کجی کو درست اور سیدھا کرتی ہے۔

الفصل الاول

پہلی فصل

۱۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰت الخمس و الجمعۃ الی الجمعۃ و رمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ کی نماز سے دوسرے جمعہ کی نماز ایک رمضان کے روزوں سے دوسرے رمضان کے روزے درمیانی عرصہ کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں[1] جب کہ کبیرہ گناہوں[2] سے پرہیز کیا جائے۔

[1] یعنی یہ نیک کام درمیانی عرصہ میں واقع ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور ان کو چھپا لیتے اور مٹا دیتے ہیں۔

[2] کہ کبیرہ گناہ تو ان نیکیوں سے چھپتے ہیں نہ معاف ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے توبہ درکار ہے ہاں صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں جب کہ ان سے حق العباد متعلق نہ ہو۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے ان نیکیوں پر استقامت اور بار بار دہرانے سے صغیرہ گناہوں کی بخشش کے بعد کبیرہ گناہوں میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور اگر بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بالکل

محفوظ و پاک ہو تو نیکیاں اس کے لیے بلندی درجات کا موجب بن جاتی ہیں۔

سوال:- اگر یومیہ نمازوں کی برکت سے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جمعہ کی نماز کے لیے پیچھے کیا رہ جاتا ہے اور اگر جمعہ کی نماز سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں تو پھر رمضان شریف کے روزے کون سے گناہوں کی مغفرت کا موجب بنتے ہیں۔

جواب:- مراد یہ ہے کہ یہ سب نیک اعمال گناہوں کو مٹاتے اور صلاحیت رکھتے ہیں کہ اگر ایک سے گناہ معاف نہ ہوں تو دوسرے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص سے نماز ادا کرتے ہیں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے (کہ وہ رکوع سجود وغیرہ میں درستی اور تعدیل کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ مترجم) تو جمعہ کی نماز عفو کا ذریعہ بن جاتی ہے گی۔ اور اگر جمعہ کی نماز یا جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے تو رمضان کے روزے بخشش کا موجب بن جائیں گے۔ اور اگر یہ مذکورہ سب نیکیاں یک وقت جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ گناہوں کو مٹا دیتا اور زیادہ عفو و مغفرت اور بندے کے باطن اور قلب کے تزکیے اور روشنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس طرح اگر بہت سے چراغ روشن کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک مکان کی روشنی کے لیے کفایت کرتا ہے۔

۵۱۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر پانی کی نہر بہتی ہو وہ اس میں ہر دن پانچ دفعہ نہاتا ہو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے بدن پر میل کچیل بالکل نہ رہے گی۔ فرمایا یہ پنج وقتہ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے گناہوں[1] کو مٹا دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

[1] یعنی صغیرہ گناہوں کو۔

۵۲۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص[1] نے غیر محرم عورت کا بوسہ لیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اپنی اس حرکت کی آپ کو خبر دی[2]۔ (ابھی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلِي هٰذَا قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ وَفِي رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نازل فرمادی أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ نماز کو قائم کرو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصے میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا اے رسول اللہ یہ فضل و مہربانی صرف میرے لیے ہے؟ فرمایا بلکہ میری ساری امت کے لیے ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح واقع ہے۔ یہ صرف تیرے لیے نہیں بلکہ میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے گا۔ (بخاری و مسلم)۔

سلہ کہا گیا ہے کہ اس شخص کا نام ابوالیسر ہے نبی یا اور سین مہلہ کے ساتھ۔ یہ شخص انصاریں سے تھا۔ کھجوریں بیچنے کا کام کرتا تھا۔ ایک عورت اس کے پاس کھجور خریدنے آئی سو اس شخص میں نفسانی خواہش کا ابلان پیدا ہوا۔ عورت سے بولا اچھی اور زیادہ شیریں کھجوریں کمرے کے اندر ہیں سو ساتھ جاتے عورت کو اندر لے گیا۔ اور اس سے بوس و کنار کیا۔ عورت نے اس سے کہا خدا تعالیٰ سے ڈر۔ اس پر وہ مرد نادم اور پشیمان ہوا۔

سلہ آپ نے اس کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ اور فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔ اس کے بعد اس مرد نے نماز ادا کی۔

سلہ ہر دو طرف یعنی صبح کی نماز اور سورج ڈھلنے کے بعد کی نمازیں ظہر و عصر، کہ سورج ڈھلنے کے بعد دن کا پچھلا حصہ شروع ہو جاتا ہے۔

سلہ یعنی نماز ادا کر رات کی ان چند گھڑیوں میں جو دن کے قریب ہیں۔ اس سے مغرب و عشاء کی نماز مراد ہے۔ زُلَف زاء کی پیش اور لام کی زبر کے ساتھ زُلفۃ کی جمع ہے۔ بمعنی قرب و نزدیکی۔ شام اور عشاء کی دونوں نمازیں دن کے قریب ہیں۔ زُلَف، ظُلَم جمع ظُلمت کی طرح ہے۔

بعض مفسرین طرفی النہار سے صبح، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں مراد لیتے ہیں۔ نماز صبح و ظہر ایک طرف کی اور عصر و مغرب دوسری طرف کی۔ اور زُلَفًا من اللیل کو عشاء کی نماز کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

شہ سیئات سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جو نماز روزہ سے مٹ جاتے ہیں۔ مرجیہ فرقہ نے اس آیت کو عموم پر حمل کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں کو بھی داخل کر لیا ہے۔ مگر جمہور اہل سنت اس پر ہیں کہ یہ آیت صغائر کے ساتھ خاص ہے ان احادیث کی بنا پر جو اس تخصیص پر دلالت کرتی ہیں۔ کذا فی فتح الباری۔

سلہ یہ لفظ تاکید میں مبالغے کے لیے آیا ہے اور بعض روایات میں کلہم کا لفظ نہیں آیا۔

۵۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَىَّ قَالَ وَلَمْ يَسْئَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِىَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ مجھ پر حد قائم کر دیں حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کوئی بات دریافت نہ کی، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل واقع ہو گیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ مجھ پر وہ حکم جاری کریں جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے ہمارے ساتھ (یہ) نماز ادا نہیں کی؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ آپ نے فرمایا تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ یا تجھ سے حد کو بخش دیا ہے۔[1] (بخاری و مسلم)۔

[1] واضح ہو کہ حد جاری کرنے کے مطالبہ سے ظاہراً یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے گناہ کبیرہ، زنا اور سرقہ وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز ادا کرنے کی بدولت تیرا وہ گناہ بخش دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس مرد کے خیال میں وہ فعل حد کا متقاضی تھا واقع میں حد کا متقاضی نہ تھا۔ یا حد سے اس کی مراد تعزیر تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے یہ دریافت نہ کرنے سے کہ تو نے صغیرہ گناہ کیا ہے یا کبیرہ، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مغفرت دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے۔ الا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرینہ یا وحی سے جان چکے ہوں کہ یہ شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو حد کا موجب نہیں اس بنا پر آپ نے اس سے نہ پوچھا ہو۔ اور اسی وجہ سے اس مرد نے نماز کے بعد کے بیان میں کہا کہ مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں وہ حد ہو یا غیر حد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے وہ مجھ پر قائم کریں۔ کذا قالوا۔

میں (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ) خدا تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں، شاید کبیرہ گناہ کا معاف ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی خصوصیت ہو۔ گزشتہ حدیث میں مذکور قصہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس مرد نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ بلکہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہا تھا کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کے دل میں یہ نکتہ مدینہ مطہرہ میں قیام کے

دوران روضہ شریفہ کی بعض زیارات مبارکہ کے موقعہ پر القاء ہوا تھا اس لیے امید ہے کہ صحیح ہوگا۔ اور اس وقت کی نورانیت کا پرتو ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۵۲۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب و پیارا عمل کونسا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا[1] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب تر ہے فرمایا والدین سے نیک سلوک کرنا[2] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب تر ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں یہ سب باتیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائیں اور اگر میں آپ سے اور باتیں دریافت کرتا تو آپ[3] وہ بھی بتاتے (بخاری و مسلم)

سلہ کہ وقت مکروہ نہ ہونے پائے۔ بخاری شریف میں علیٰ وقتہا کے الفاظ ہیں۔ اور بعض روایات میں فی اول وقتہا بھی آیا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

سلہ اور ان کی فرمانبرداری کرنا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف و اذیت نہ پہنچانا۔

سلہ یعنی اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مراتب اعمال یا اور مطلق مسائل دریافت کرتا تو آپ مجھے وہ بھی بتاتے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حسن ہمدردی باتوں کی تحقیق و تاکید۔ اور آپ کی عنایت و التفات کا بیان ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے لحاظ اور آپ کے خوف ملال کا احساس کرتے ہوئے بجا سے زیادہ مسائل دریافت نہ کیے۔ جیسا کہ علم کی روایت میں آیا ہے۔

واضح ہو کہ افضل اعمال کے بیان میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث میں یوں آیا ہے کہ کھانا کھلانا لفظ السلام علیکم کو عام کرنا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، اسلام میں سب سے افضل عمل ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تیرے ہاتھ و زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

اس طرح بھی وارد ہے کہ افضل اعمال وہ جہاد ہے جس میں مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے اور وہ حج ہے جس میں کسی قسم کی معصیت صادر نہ ہو۔ اس طرح بھی آیا ہے کہ افضل اعمال ذکر الٰہی ہے۔ اور یوں بھی وارد ہوا ہے کہ افضل اعمال وہ ہے جو پابندی سے دائماً ادا کیا جائے اور اس پر مواظبت کی جائے۔

علماء نے کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف جواب ارشاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پوچھنے والے مختلف تھے۔ آپ نے ہر شخص کو وہ جواب دیا جو اس کے حال کے لائق و مناسب تھا۔ اور جس کی اسے زیادہ ضرورت اور زیادہ رغبت د

چاہت تھی۔ یا مختلف اوقات میں آپ نے مختلف جواب ارشاد فرمائے۔

چنانچہ جہاد ابتدائے اسلام سے ہی افضل ترین عمل چلا آرہا ہے اور بہت سی نصوص (آیات واحادیث) اس بات کی تائید وحمایت میں وارد ہیں کہ نماز صدقہ سے افضل ہے۔ اس کے باوجود محتاج ومسکین کی شدت مسکنت ومجبوری کے وقت اس کی مدد کرنا اور صدقہ کرنا نماز سے افضل ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف اعمال مختلف وجوہات اور حیثیتوں کے تحت افضل قرار پاتے ہیں۔ ہر عمل حیثیت ومقام کے مطابق دوسرے سے افضل ہو جاتا ہے۔ اعمال کی افضلیت وخیریت کے باب میں ہمارا یہ کلام اصلِ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ (خوب ذہن نشین کر لو)۔

۵۴۳ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان حدِ فاصل یہی ترکِ نماز ہے۔ (مسلم)۔

ف: کہ نماز بندے کو روکتی اور اس بات سے دور رکھتی ہے کہ وہ کفر تک پہنچے۔ جب نماز کی یہ رکاوٹ اور حدِ فاصل درمیان سے اٹھ گئی تو رکاوٹ ہٹ گئی اور بندہ کفر تک پہنچ گیا۔ جس طرح دیوار جو دو آدمیوں کے درمیان حائل ہو کر ایک کو دوسرے کے پاس نہ جانے دے۔ جب درمیان سے دیوار اٹھ گئی رکاوٹ ختم ہوگئی اور یہ آدمی اُس کے ساتھ مل گیا۔ علاوہ اس عبارت کی بہی توجیہ وتقریر کی ہے۔ اس عبارت کی اور بھی توجیہات ہیں جو شرح (عربی) میں مذکور ہیں۔ اس میں غور کرو۔

دراصل یہ ترکِ نماز پر سخت قسم کی زجر وڈانٹ ہے۔ اور اس جانب اشارہ ہے کہ تارکِ نماز قریب ہے کہ کافر ہو جائے۔ اور تارکِ نماز، اصحابِ ظاہر کے نزدیک کافر ہے۔ بعض صحابہ کرام سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے تارکِ نماز کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک کہ امام شافعی اور امام مالک بھی ان میں سے ہیں تارکِ نماز اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر واجب القتل ضرور ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارکِ نماز جب تک نماز ادا کرنے کا پابند نہ بنے مارا جائے گا اور حبس اور قید میں رکھا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۵۴۴ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَی اللّٰہِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَی اللّٰہِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوٰی مَالِكٌ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ۔

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے، جس نے ان کے لیے اچھا وضو کیا اور انہیں ان کے صحیح وقت میں ادا کیا۔ اور ان کا رکوع وخشوع مکمل کیا۔ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد لازم نہیں۔ چاہے اسے بخشے چاہے عذاب میں ڈالے۔ اسے احمد و ابوداؤد نے روایت کیا اور امام مالک و نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

۱؎ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عبادہ عین کی پیش اور با غیر مشدد کے ساتھ۔ آپ مشاہیر اور کبار صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

۲؎ یعنی وضو کے آداب وسنتوں کا خیال رکھا۔

۳؎ یعنی تمام وکامل طور سے اس کے احکام وارکان بجا لائے بخصوصًا رکوع وسجود کو جن میں بندگی وفرمانبرداری کا معنیٰ بیشتر پایا جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ ان کی درست ادائیگی میں سستی سے کام لیتے ہیں۔

۴؎ یعنی اس کے لیے خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اسے بخشے۔ مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بخشش ہے۔ اور جب کہ اس کا وعدہ سچا ہے کہ اس میں خلاف کا امکان وجواز نہیں تو اس وعدہ کو عہد سے تعبیر فرما دیا جسے کوئی اپنے ذمے کرے اور اس کی حفاظت ونگہداشت کرے۔

۵؎ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے۔ اور مرتکب کبیرہ کا عذاب میں مبتلا ہونا ضروری نہیں اور نہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب مہذب ہے۔

۵۲۵/۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا ذَا اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی پانچ نمازیں ادا کرو اپنے مہینے (رمضان) کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے اولی الامر[۲] کی فرمانبرداری کرو۔ یہ امور بجا لاکر اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ (احمد و ترمذی)۔

۱؎ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ آپ کا شمار مشاہیر صحابہ میں ہوتا ہے۔

۲؎ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کے بیان کے وقت ابھی حج فرض نہ ہوا تھا۔ اس لیے اس کا ذکر

نہ فرمایا۔

۳؎ ذی اُمر یعنی حاکم وقت کہ وہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے جب کہ خدا و رسول کے فرامین کے خلاف حکم نہ دے۔

۵۲۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ۔

حضرت عمرو بن شعیب[۱] سے وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے اور فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال[۲] کے ہو جائیں اور انہیں نماز کے لیے مارو[۳] جب کہ وہ دس برس کے ہو جائیں۔ اور بستروں میں انہیں الگ کرادو[۴]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اس طرح شرح سنہ[۵] میں اسے حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا۔ اور مصابیح میں حضرت سبرہ[۶] بن معبد[۷] سے روایت کیا۔

۱؎ اس اسناد کی کیفیت وحال بہت سی جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

۲؎ تاکہ انہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑے۔

۳؎ تاکید اور زور دینے کی غرض سے۔

۴؎ اس طرح کہ بہن اور بھائی ایک بستر میں نہ سوئیں۔ یہ بھی احتیاط اور مواضع تہمت سے پرہیز کے لیے ہے۔ بچہ جب سات سال کا ہو جاتا ہے تو اس میں ایک نئی قوت و طاقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسری حالت میں ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ تو مناسب ہوا کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے۔ کہ وہ سات برس اور گزرنے پر حد بلوغت کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جب کہ وہ عمر کے پہلے مرحلے کو پہنچتا ہے۔ تو اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے نماز کی تاکید کی جائے۔ اور زور دیا جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ جب دس سال کی عمر کو پہنچے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور اسلامی آداب کی تلقین کرو۔ اسی بنا پر یہ بھی فرمایا کہ اس عمر میں پہنچ کر بہن بھائیوں کو الگ الگ بستروں میں سلایا جائے۔ کہ یہ حد بلوغ کو پہنچے۔ اور شہوتِ نفس پیدا ہونے کا وقت اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔

۵؎ یعنی حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے۔

۶؎ سَبرہ سین کی زبر اور باکی جزم کے ساتھ۔

۷؎ میم اور با کی زبر کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ہی قیام رہا۔ ان سے انیس احادیث مروی ہیں۔

۵۲۷ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور منافقین کے درمیان عہد و امان[2] نماز ہے جس نے نماز ترک کی اس کا کفر ظاہر[3] ہوگیا۔
احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔

[1] بریدہ باء کی پیش اور راء کی زبر کے ساتھ۔ آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہ لکھ دیے گئے ہیں۔

[2] یعنی وہ عہد و امان جو ہمارے اور منافقین کے درمیان ہے، نماز ہے۔ اور ہم منافقین کو جو قتل نہیں کرتے اور ان پر اسلامی احکام جاری کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہری احکام کی اطاعت میں مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔ اور ان میں عمدہ ترین چیز نماز ہے۔ یہ لوگ نمازیں حاضر ہوتے اور جماعت کی پابندی کرتے ہیں۔

[3] تو ان منافقین میں سے جس نے نماز ترک کر دی اس کا کفر ظاہر ہوگیا۔ اور وہ دائرۂ اسلام سے باہر نکل آیا۔ ایسے شخص پر اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم منافقین کے ساتھ خاص نہ ہو۔ بلکہ بینھم کی ضمیر تمام امت اجابت کی طرف لوٹتی ہو۔ یہ آخری احتمال لفظ فقد کفر کے زیادہ مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ عَالَجْتُ امْرَاَةً فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّيْ اَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہر مدینہ کے کنارے پر ایک عورت سے بوس و کنار کا مرتکب ہوا ہوں[2] میں نے جماع کے سوا اس کے ساتھ سب کچھ کیا ہے[3] سو اب میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آپ میرے بارے میں جو حکم جاری کرنا چاہتے ہیں کریں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی کی تھی[4] اگر تو بھی اپنی پردہ پوشی کرتا تو بہتر[5] ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا[6]۔ اور وہ آدمی کھڑا ہو کر

طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِیْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهٗ خَاصَّةً فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

چل پڑا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی روانہ کیا۔ آپ نے اسے بلایا اور یہ آیت اس کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ قائم کر نماز دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریبی حصوں میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِیْنَ۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ آیت کا تتمہ ہے جو حدیث میں مذکور نہیں ہے اختصاراً۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص[۶] نے کہا اے اللہ کے نبی یہ حکم صرف اس شخص کے لیے ہے۔ فرمایا اس شخص کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔ (مسلم شریف)

[۱] یہ شخص وہی حضرت ابوالیسر ہیں جن کا قصہ گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ یا کوئی دوسرا شخص ہے جیسا کہ دونوں کے اختلاف ومغایرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی میں نے ایک عورت کے جسم کو ہاتھ لگایا ہے اس سے دل لگی کی ہے اور میں نے شہر مدینہ کے باہر ایک جانب میں سے پکڑا ہے۔

[۳] اور میں نے جماع کے علاوہ ہر حرکت اس سے کی ہے۔ یعنی بوس وکنار وغیرہ۔

[۴] اور اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر نہیں کیا۔

[۵] اور حکم بھی یہی ہے کہ پوشیدہ گناہ کی تو بہ بھی پوشیدہ ہی کی جائے۔ کہ پوشیدہ گناہ کی تشہیر کرنا شریعت پاک کی عزت وحرمت کی پردہ دری ہے۔

[۶] یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی تردید نہ فرمائی۔

[۷] بعض کہتے ہیں کہ یہ مرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم سرما میں باہر تشریف لے گئے جب کہ درختوں کے پتے گر رہے تھے[۱] آپ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں تو درخت کے پتے گرنے لگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے

عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ابوذر نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ میں خدمت میں تیار کھڑا ہوں ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا بیشک بندہ مسلم البتہ نماز ادا کرتا ہے اس نماز سے اس کا مقصد صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔ تو ایسی نماز سے اس بندے سے اس طرح گناہ جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

؎۱ جس طرح موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

؎۲ یعنی آپ کے شاخوں کو پکڑ کر ہلانے سے زیادہ پتے گرنے لگے جیسا کہ اس طرح کرنے سے عام حالت سے زیادہ ہی پتے گرتے ہیں۔

؎۳ رضائے الٰہی کے سوا اس میں کوئی غرض یا معاوضہ مطلوب نہیں ہوتا۔ بلکہ حکم الٰہی کی بجا آوری اور محض اس کی رضا مقصود ہوتی ہے۔

؎۴ لفظ تہافت دونوں جگہ تا کی پیش سے آیا ہے۔ تاہم دوسری جگہ تا کی زبر کے ساتھ بھی آیا ہے۔

۵۳۰/۱۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت زید بن خالد الجہنی؎۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اس میں سہو و غفلت سے محفوظ؎۲ رہا تو اللہ اس کے تمام گزشتہ گناہ؎۳ معاف کر دیتا ہے۔ (احمد)

؎۱ جہنی جیم کی پیش اور ھا کی زبر کے ساتھ۔

؎۲ یعنی اس میں سہو و غفلت کو قریب نہ آنے دے بلکہ حضوری دل اور خشوع باطن سے ادا کرے۔

؎۳ یعنی گزشتہ کے تمام صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۵۳۱/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَّهٗ نُوْرًا وَّلَا بُرْهَانًا وَّلَا نَجَاةً وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک آپ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جس نے نماز کی محافظت کی (یعنی فرائض، واجبات، سنن و مستحبات اور پابندی سے ادا کیا) تو وہ نماز اس کے لیے قیامت کے دن نورانیت کا سبب اور نجات اور دلیل و حجت بنے گی۔ اور جس نے اس کی محافظت نہ کی (مذکورہ طریقہ

وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

سے اسے ادا نہ کیا) تو نماز اس کے لیے، نور، دلیل و حجت اور نجات نہ بنے گی۔ اور وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور امیہ بن خلف کے ساتھ[2] ہوگا۔ احمد، دارمی اور بیہقی فی شعب الایمان۔

---

[1] یعنی نماز کی فضیلت وشان بیان فرمائی۔

[2] مطلب یہ ہے کہ وہ ان کفار کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ اس میں اس پر اظہار شدت وسختی ہے۔ اگرچہ یہ کفار ہمیشہ دوزخ میں اور اس تارک نماز سے بدتر جگہ میں ہوں گے۔ امیہ بن خلف۔ خلف لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ اشقیاء قریش میں سے وہ بدبخت ہے جسے جنگ احد کے دن حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست اقدس کے نشانہ تحفہ واصل جہنم کیا۔ اسے امت کا بدبخت ترین شخص بھی کہتے ہیں۔

۵۸۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن شقیق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نماز کے سوا باقی اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر قرار نہ دیتے تھے۔ (ترمذی شریف)

[1] حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ تابعین اور ان کے اکابر آئمہ میں سے ہیں۔ آپ کو حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے سماع حاصل ہے ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

۵۸۴ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے میرے جانی دوست (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور کافر نہ بن جانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور تجھے جلا دیا جائے[1]۔ اور جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کرنا۔ کہ جو آدمی فرض نماز دانستہ ترک کرتا ہے اس سے ذمہ[2] اٹھ جاتا ہے۔ اور شراب نوشی نہ کرنا کہ وہ ہر شر و بدی کی چابی ہے۔ (ابن ماجہ)

---

[1] یہ عزیمت پر عمل کرنے کی وصیت دینا ابد ہے۔ قُطِّعْتَ طا کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح مروی ہے۔ اور

تحقیق نفت صرف تشدّد کے ساتھ مروی ہے۔

سلہ ہاں اگر نیند یا بھول جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی تو یہ امر دیگر ہے۔

سلہ کیونکہ بدی سے مانع اور رکاوٹ عقل ہے۔ اور جب عقل زائل ہو گئی تو ہر بدی کا دروازہ کھل گیا۔ اسی بنا پر شراب کو ام الخبائث کہتے ہیں۔

عہ یعنی اس سے مسلمانی کا عہد اٹھ جاتا اور وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِيْتِ

اَوقاتِ نماز کا باب

مَواقیت میقات بمعنیٰ وقت کی جمع ہے۔ وقت اس زمانے کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ نماز کے اوقات خمسہ کی تعیین و اندازہ شارع علیہ السلام کے حکم سے ہے۔ اس بارے میں عقل کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ تاہم کچھ مناسب معانی اور حکمتیں دریافت ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آدم زاد (انسان) رات کو جب نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور نیند کے ذریعے حاصل ہونے والے امن و امان اور عافیت کی نعمت کے شکرانہ سے نیند طاری ہونے کے باعث غافل اور اس کی تحصیل معاش کے اسباب معطل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نیند کی وجہ سے میت کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ پھر طلوع صبح سے اسے حیاتِ نو نصیب ہوتی اور وہ زندگی کے اسباب اور کام کاج کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تو ان نعمتوں کے شکرانہ اور گزشتہ تقصیرات کی تلافی کے لیے فجر کی نماز اس کے ذمے لگائی گئی۔ پھر جب معیشت و روزگار کے اسباب و ذرائع حاصل ہو گئے۔ اور مولائے قدوس کے فضل و نعمتوں یعنی کھانے پینے وغیرہ کی چیزوں سے سرفراز ہوا تو اس کے شکرانہ کے لیے اس پر پیشی (ظہر) کی نماز فرض کی گئی۔ اور چونکہ انسان کی عادت ہے کہ دوپہر کو سوتا اور آرام کرتا ہے۔ اور فراغت پاتا ہے تو ان تقصیرات و غفلت کے لیے نمازِ عصر لازم کی گئی۔ اور چونکہ نمازِ عصر کے بعد انسان بازار جاتا، خرید و فروخت کرتا اور دیگر کام کاج میں مصروف ہوتا ہے جیسا کہ مروج و متعارف ہے اس بنا پر نمازِ مغرب فرض کی گئی۔ اس کے بعد انسان رات کا کھانا کھانے اور نیند کرنے کا عادی ہے اس لیے دن کی نعمتوں کی تکمیل اور اچھے خاتمہ کے لیے نمازِ عشاء فرض کی گئی۔ تاکہ ایمان پر موت واقع ہونے کی طرح ہو جائے۔ الغرض تمام عبادات نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر فرض کی گئی ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دن رات کی گھڑیوں میں مسلسل، لگاتار اور ہر آن نازل ہو رہی ہیں تو چاہیئے کہ بندہ ایک گھڑی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے فارغ اور غافل نہ ہو مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت کے تقاضا سے عبادت کو پانچ عمدہ اوقات میں تقسیم اور منحصر کر دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یادِ حق سے غفلت اور اس میں کوتاہی سراسر کفرانِ نعمت ہے۔

مثنوی

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است | دراں دم کافر است اما نہاں ست
اگر آں غفلتش پیوستہ بودے | درِ اسلام بر روے بستہ بودے

ترجمہ۔ جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔ وہ اس گھڑی میں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی یہ برائی لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اگر بندے کی یہ غفلت مسلسل جاری رہتی تو اسلام کا دروازہ اس پہ بند ہو جاتا نعوذ باللہ من الکفر و الکفران۔ (ہم کفر و ناشکری سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۳۳ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج ڈھلنا[1] شروع ہو جائے تو نمازِ ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور انسان کا سایہ اس کے جسم کی لمبائی[2] جتنا ہو جائے۔ ظہر کا یہ وقت عصر کا وقت[3] داخل ہونے تک رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت دھوپ کا رنگ زرد[4] ہونے تک رہتا ہے۔ اور نماز مغرب کا وقت شفق[5] غائب ہونے تک رہتا ہے۔ اور نمازِ عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے نصف شب[6] یعنی رات کے درمیانی حصہ تک ہے۔ اور نمازِ صبح کا وقت طلوع فجر سے سورج کے طلوع[7] ہونے تک ہے۔ جب سورج طلوع ہونا شروع ہو جائے تو نماز سے رک جا کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان[8] طلوع[9] ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

[1] اوقات نماز کے بیان کی ابتداء وقت ظہر کے بیان سے اس وجہ سے کی کہ یہ سب سے پہلی نماز ہے جو باجماعت ادا کی گئی جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوقات نماز کی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ جیسا کہ دوسری فصل میں آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے ظہر کو صلوٰۃ اول یعنی نماز پیشین (پہلی) نماز کہتے ہیں۔ اس نماز کا وقت سورج کے

درمیانِ آسمان سے جانب مغرب ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔ سورج ڈھلنے کے وقت کو وقت زوال بھی کہتے ہیں۔ یہ اس کا اول وقت ہے اس کا آخر وقت وکان الرجل کطولہ میں بیان فرمایا۔

سلہ وکان الرجل کطولہ۔ یعنی انسان کا سایہ وقتِ زوال کا سایہ نکال کر اس کے جسم کی مقدار لمبا ہو جائے کہ ہر چیز کا سایہ اکثر ایسے علاقوں میں کہ سورج سر کی سمت نہیں پڑتا، وقت زوال کے سایہ کے علاوہ ایک مقدار رکھتا ہے۔ اس سایہ کے درازی میں انسان کے جسم جتنا ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔

سلہ مالم یحضر العصر۔ یعنی جب تک کہ عصر نہ آئے۔ اور ہر شے کا سایہ ایک مثل ہونے تک ابھی عصر کا وقت شروع نہ ہوا۔ اس کلام سے مقصود وقت ظہر کی تقریر و تاکید ہے۔ اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی وقت مشترک نہیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہے۔ اور عربی شرح میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے تو اس حد تک سایہ پہنچنے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ اور یہیں سے عصر کے وقت کی ابتدا ہوتی ہے۔

سلہ یعنی نماز دیگر کے وقت کی ابتداء انسان کا سایہ ایک مثل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ اور دھوپ کے زرد ہونے تک اس کا وقت رہتا ہے۔ یہ اس کا مختار و مستحب وقت ہے۔ جس میں کراہت نہیں۔ اور اس کا وقت جواز غروب آفتاب تک ہے۔ سورج کی زردی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیا کی زردی مراد ہے۔ جب کہ آنکھ اس کی ٹکیا کو دیکھنے سے نہیں چندیاتی۔ بعض کے نزدیک سورج کی شعاع جو دیواروں پر پڑتی ہے اس کی زردی مراد ہے۔ جیسا کہ ابھی اس کا ذکر آئے گا۔

واضح ہو کہ حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ظہر کا آخر وقت انسان کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے۔ اس کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث ان کی دلیل ہے ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وقت ظہر دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ آپ کے مذہب کی دلیل ہدایہ میں مذکور یہ حدیث ہے کہ ابردوا بالظہر۔ کہ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اور ان کے علاقوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرنا شے کا سایہ ایک مثل ہونے پر ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں میں تعارض پایا جاتا ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ شک سے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اس مسئلے کے مزید دلائل شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ فقہاء کرام نے کہا ہے۔ کہ مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول ہی میں ادا کر لی جائے۔ اور عصر کی نماز دو مثل ہونے سے پہلے ادا نہ کی جائے واللہ اعلم۔

سلہ اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو سورج کے غروب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ عام اہل لغت بھی شفق کا یہی معنی کرتے ہیں۔ مگر حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ

اور ایک گروہ علماء کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے غائب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے دلائل عربی شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں سرخی کا اعتبار اور حضر (گھر میں) سفیدی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ انہوں نے دونوں حالتوں (سفر و حضر) کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف احادیث کو آپس میں مطابقت دینے کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ حضر میں کبھی حمرت (سرخی) نمودار تو ہوتی ہے مگر اسے دیواریں چھپا لیتی ہیں۔ اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ سرخی زائل ہو گئی (مغرب کا وقت جاتا رہا) مگر اس کے بعد جب سفیدی بھی غائب ہوتی ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ سرخی غائب ہو گئی ہے۔ اس بیان کے مطابق امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کا نام ہے۔ تاہم انہوں نے سفیدی کا لحاظ سرخی غائب ہونے کے یقین کے لیے کیا ہے۔ مختصر یہ کہ مغرب کے وقت میں احتیاط یہ ہے کہ سرخی کا اعتبار کیا جائے۔ اور عشاء کا وقت شروع ہونے میں سفیدی کا اعتبار کیا جائے۔ تاکہ مغرب و عشاء دونوں یقین کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں۔ جیسا کہ ظہر و عصر کے وقت میں گزرا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید میں مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت نماز ادا ہو سکے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے آئمہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ مذکورہ وقت کے علاوہ شدت بھوک کی وجہ سے چند لقمے کھا لینے کا مزید وقت بھی شامل کر لیا جائے تو یہ درست ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی۔ اگر مغرب کی نماز کا وقت بھی وسیع اور لمبا ہوتا تو دوسری نمازوں کے اوقات کی طرح اس کا اشارہ بھی کرتے۔ تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قول قدیم کے مطابق دوسرے آئمہ کے موافق ہیں۔ شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قول قدیم کی موافقت میں احادیث صحیح و صراحتہً وارد ہیں۔ اور قول قدیم کو ہی بہت سے شافعی المسلک آئمہ خطابی، بیہقی اور امام غزالی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ بعض شافعی حضرات وہ بھی ہیں جنہوں نے قول جدید کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ےہ نماز عشاء کا وقت شفق غائب کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور نصف شب (درمیانہ حصہ رات) تک رہتا ہے۔ یعنی پورا حصہ نصف شب تک رہتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ معتدل رات کے نصف تک رہتا ہے۔ یعنی اس رات کے نصف حصہ تک جو نہ لمبی ہوتی ہے نہ دراز۔ مگر قول اول ظاہر تر ہے۔ معتدل رات کا نصف چھ گھنٹے گزرنے پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے چھ گھنٹے تاخیر کرنی چاہیے۔ اور یہ وقت سب سے چھوٹی رات کے دو ثلث (دو تہائی) کے برابر ہوتا ہے۔ اور دراز ترین رات کا ایک ثلث (ایک تہائی) وقت بنتا ہے۔ اور اس کا عکس اولیٰ اور انسب ہے۔ (خوب سمجھ لو) بہر صورت یہ حد مختار و پسندیدہ وقت کی حد ہے۔ مگر جائز وقت طلوع فجر سے ذرا پہلے تک باقی رہتا ہے۔

ے۵ نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا وقت مستحب وقت ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کے سفید ہونے تک مستحب وقت ہے اس کے بعد طلوع آفتاب تک جائز وقت ہے۔

ے۵ یعنی شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا سر اس کے نزدیک کر لیتا ہے۔ اسی طرح غروب کے وقت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے جو سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اور کفار کا سجدہ اس کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق خیال کرتا ہے کہ یہ اس کی عبادت ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ لوگ اس کی طرف سجدہ کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی عبادت اس وقت میں نہ ہو جس وقت شیطان کی عبادت کرنے والے عبادت کرتے ہیں۔ اور تاکہ اہل اسلام دین خالص کی صفت سے موصوف رہیں۔ علماء نے لفظ قرن کے معنیٰ میں اور بھی وجہیں بیان کی ہیں جو شرح میں مذکور ہیں۔

۲۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهٗ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ اَمَرَهٗ فَاَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُّبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہر نماز کا اول اور آخر وقت کیا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا یہ دو دن تو ہمارے ساتھ نمازیں ادا کر (تاکہ تجھے نماز کے اوقات بتلا دیں) پھر جب سورج دوپہر سے ڈھلا تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ حضرت بلال نے اذان کہی۔ پھر بلال کو حکم دیا تو انہوں نے نماز ظہر کی اقامت کہی۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز عصر کی اقامت کہی۔ جب کہ سورج ابھی بلندی پر تھا اور اس کی دھوپ صاف اور سفید تھی۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز مغرب کی اقامت کہی۔ جب کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز عشاء کی اقامت کہی جب کہ شفق غائب ہو گئی۔ پھر اسے حکم دیا تو اس نے نماز فجر کی اقامت کہی۔ جب کہ فجر طلوع ہوئی۔ پھر جب دوسرا دن آیا تو آپ نے

الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلٰوتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال کو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت بلال نے ظہر کو ٹھنڈا کیا۔ اور اسے خوب ٹھنڈے وقت تک لے گئے۔ اور آپ نے عصر کی نماز ادا کی جب کہ ابھی سورج بلند تھا۔ مگر پہلے دن کی نسبت تاخیر کر کے پڑھی۔ اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ اور عشاء کی نماز رات کا تہائی حصہ گزرنے کے بعد پڑھی۔ اور فجر کی نماز سفید کر کے پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا نمازوں کا وقت دریافت کرنے والا سائل کہاں ہے۔ سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ میں موجود ہوں۔ فرمایا تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے۔ (مسلم شریف)

ا یعنی ابھی زردی اور تیرگی کی آلائش سے پاک تھا۔ اس حدیث میں سایہ کے ایک مثل یا دو مثل کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سورج کی بلندی، اور سفیدی اور فرق و تفاوت دو مثلوں میں بھی باقی رہتا ہے۔

۲ آپ نے اس روز نمازوں کا اول وقت بتانے کے لیے، نمازیں اول وقت میں ادا کیں۔

۳ اور نماز ظہر کے ٹھنڈا کرنے میں مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ دن کی گرمی کا زور پوری طرح ٹوٹ گیا۔ حدیث کا انداز بتاتا ہے کہ ظہر کو اس حد تک ٹھنڈا کرنا اور اول وقت سے موخر کرنا ظہر کا آخر وقت بتانے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آپ نے دوسری نمازوں کے اوقات بتانے کے لیے کیا۔ گرمیوں میں ظہر کو اس لیے ٹھنڈا کر کے پڑھنا کہ اس کی شدید تپش جہنم کی سانس کا اثر ہوتا ہے وہ ایک دوسری بات ہے۔ اور ہو سکتا ہے یہ سائل جن وقتوں میں حاضر خدمت ہوا اتفاقاً گرمی کے دن تھے۔ (خوب سمجھو) اور اس کی شرح باب تعجیل الصلوٰۃ میں آرہی ہے۔

۴ یہ الفاظ اس امر پر صراحتہ دلالت نہیں کرتے کہ یہ عصر دوسری مثل میں ادا کی تھی کیونکہ سایہ دو مثل ہونے کے بعد بھی سورج میں بلندی پائی جاتی ہے۔ تاہم شافعی حضرات دوسری روایات کے قرینے سے یہاں بھی دوسری مثل میں ہی نماز عصر ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

۵ اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ روز اول کی نسبت دوسرے دن نماز مغرب موخر کر کے ادا کی۔ غروب آفتاب کے متصل ادا نہ کی۔ بلکہ شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ (خوب سمجھو)۔

۶ گزشتہ حدیث میں نصف رات آیا ہے۔ اور یہ دونوں وقت مستحب ہیں۔ اور جواز صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا تاہم حنفیہ کے نزدیک نماز عشاء کو ایک تہائی رات تک موخر کرنا مستحب اور نصف رات تک موخر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور نصف رات کے بعد ادا کرنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ اور بعض کے

نزدیک نصف رات تک موخر کرنا جائز ہے اور کراہت ہے مگر گناہ نہیں۔ اور نصف شب کے بعد تک موخر کرنا جائز تو ہے مگر گناہ بھی ہے۔

؎ یعنی تم نے نماز کا اول اور آخر وقت شناخت کر لیا۔ ان دونوں اوقات کے درمیان سارا وقت صحیح اور مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۵۳۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّنِيْ جِبْرَئِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِّثْلَهٗ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِيَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِيَ الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِيَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

دوسری فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے پاس جبرئیل میرے دو بار امام بنے۔ انہوں نے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ سورج دوپہر سے ڈھل گیا۔ اس وقت سایہ تسمے کی مقدار تھا۔ اور جبرئیل نے مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزے دار روزہ افطار کرتا ہے اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ روزے دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا دن آیا تو جبرئیل نے اس وقت مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ اور عشا کی نماز پڑھائی جب کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اور فجر کی نماز سفید وقت میں پڑھائی۔ پھر جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا وقت ہے۔ نماز کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی)۔

سلہ یعنی جب کہ آفتاب کا سایہ اصلی (جو زوال کے وقت ہوتا ہے) چمڑے سے بنے ہوئے جوتے کے تسمے کی مقدار تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ تسمے کی چوڑائی کی مقدار مراد ہے۔ اور سایہ اصلی جسے فی زوال کہتے ہیں، مختلف علاقوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن میں بعض موسموں میں فی زوال بالکل نہیں ہوتا جس طرح مکہ معظمہ میں ۱۹ سرطان کی تاریخ کے دن۔ اور ہر اس علاقہ میں جو سورج کے سر پر سے گزرتے ہیں بالکل نیچے آتا ہو۔ سایہ اصلی میں فرق عرض بلد کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اس کی تحقیق علم ہیئت میں کر دی گئی ہے۔ اور اس کی پہچان کے لیے کتابوں میں طریقے مذکور ہیں۔

سلہ یہ طلوع صبح صادق کا وقت ہوتا ہے۔ آپ نے اس روز تمام نمازیں اول وقت میں ادا فرمائیں۔

سلہ اس حدیث میں سورج کی زردی اور اس کے غروب کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس کا ثبوت دوسری احادیث میں آچکا ہے۔ جن سے زیادتی کا اثبات[1] ہوتا ہے۔

سلہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ مغرب کا ایک ہی وقت ہے۔ بخلاف دوسری نمازوں کے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول جدید ہے۔ مگر گزشتہ حدیث میں اشارہ ہو چکا ہے کہ نمازِ مغرب کے وقت میں بھی تعدد اور وسعت ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

سلہ کہ ہر گزشتہ نبی کے دین میں ان اوقات میں سے کوئی نہ کوئی وقت نماز کا تھا۔ اگرچہ پانچوں نمازوں کا یہ مخصوص وقت صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ خوب سمجھو۔

سلہ اور یہ دو وقت نماز کے لیے اول و آخر وقت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ

حضرت ابن[1] شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک حضرت عمر[2] بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے نماز عصر قدرے تاخیر سے ادا کی۔ تو حضرت عروہ[3] بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آگاہ رہو اے عمر بیشک جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] یعنی ان دوسری احادیث سے یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جب سورج کا رنگ زرد پڑ جائے۔ یا قریب الغروب ہو جائے تو وہ نماز کے لیے مکروہ وقت ہے۔ اس وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ مگر اس دن کی نماز عصر کراہت کے باوجود پڑھی جائے گی۔

سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهٗ يَحْسُبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوٰتٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آگے کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اسے عروہ ہوش کر کیا کہہ رہا ہے حضرت عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابو مسعود سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے ابو مسعود سے سنا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور میرے امام بنے تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ انگلیاں ملاتے جاتے تھے اور حساب کرتے جاتے تھے آپ نے پانچ نمازیں شمار کیں (بخاری و مسلم)۔

سلہ آپ مشہور تابعی عظیم المرتبت عالم اور فقہ و حدیث میں آئمہ تابعین میں سے ہیں۔ کنیت ابوبکر محمد نام اکثر و بیشتر کنیت سے مذکور و منسوب ہوتے ہیں۔

سلہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اموی ہیں تابعین میں سے ہیں۔ امارت و عدالت میں ان کے حالات مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے یہ نماز عصر مستحب وقت میں ہی ادا کی تھی۔ مگر قدرے تاخیر کر کے۔ یہ نہیں کہ آپ نے مکروہ وقت میں ادا کی۔

سلہ حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کبار تابعین سے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمشیر زادہ حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

سلہ یعنی حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امام بنے۔ امام ہمزہ کی زیر اور امام ہمزہ کی زیر دونوں طرح روایت ہے۔ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت جبرئیل کی امامت کرانے والی حدیث کا یاد دلانا تھا۔ کہ آپ نے پہلے دن اول وقت میں نمازیں ادا کیں۔ پوری حدیث جبرئیل اس لیے ذکر نہ کی کہ وہ ان کے اعتقاد کے مطابق مشہور تھی۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اسے عمر تو نے کیوں تاخیر کی اور اول وقت ادا کرنے کی فضیلت ترک کی اگرچہ معمولی سی تاخیر ہی ہے۔

سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا اور حضور کی طرف اسے منسوب کرنا عظیم ذمہ داری کی بات ہے۔ اس میں احتیاط کی شدید ضرورت ہے تجھے آگاہ اور ہشیار ہونا چاہیئے کہ غلطی میں نہ پڑ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہ کر دے۔ اگرچہ حضرت عروۃ نہایت جلیل الشان شخصیت ہیں۔ ان کے لیے

ایسی بات کہنے کی گنجائش نہیں تاہم روایات کی عظمت شان نے انہیں اس تنبیہ اور شدت پر آمادہ کیا۔

سلے حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے حدیث کے متعلق اپنی قوت ضبط و حفظ کی مضبوطی و احتیاط کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے بھی یقینی علم رکھتا ہوں۔ اور میں نے یہ حدیث ایسے شخص سے سنی ہے جس نے وہ حدیث صحابی سے اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔

سے بشیر با کی زبر کے ساتھ۔ بشیر بن ابو مسعود کبار تابعین سے ہیں۔ اور ابو مسعود انصاری مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے حالات بھی کئی مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

سے آپ نے اپنی انگشتان مبارک سے پانچ نمازیں شمار کیں۔ کلمہ یحسب یا کے ساتھ ہے اور نحسب بھی روایت ہے۔ یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے گن رہے تھے۔ تاہم یحسب کی روایت کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ بہرصورت اس کلام و بیان سے حضرت عروۃ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ پوری طرح یاد و محفوظ ہیں۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلٰوةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِنْ كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَّكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے ماتحت عمال کی طرف لکھا میرے نزدیک تمہارے لیے سب سے اہم ترین کام نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی اور پابندی سے اسے ادا کیا اس کا دین محفوظ ہو گیا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری چیزوں (احکام و فرائض) کو زیادہ ضائع اور برباد کرے گا۔ پھر آپ نے لکھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب کہ سایہ ایک گز ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمہارا سایہ ایک مثل ہو جائے۔ اور عصر کی نماز پڑھو جب کہ سورج بلند، سفید اور صاف ہو اور نماز کے بعد اتنا وقت غروب آفتاب میں باقی ہو کہ سواری پر چلنے والا دو یا تین فرسنگ سفر طے کر سکتا ہو اور مغرب کی نماز پڑھو جب سورج ڈوب جائے۔ اور عشا کی نماز پڑھو جب شفق غائب ہو جائے۔ رات کے ایک تہائی حصے تک۔ اور جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا تو خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

کی انگلیوں شتے۔ اور صبح کی نماز پڑھو جب کہ ستارے ظاہر و نمایاں اور ایک دوسرے میں گھسے ہوئے محسوس ہوں (مالک)

سلہ "میرے نزدیک" کا کلمہ ذکر کرنے میں حکام و عمال کو ڈانٹ و نماز کی تاکید ہے۔ کہ وہ عمال رعب و ہیبت فاروقی سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔

سلہ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا کا تکرار یا تو اہتمام و تاکید کے لیے ہے۔ یا حفظ سے نماز کو یاد رکھنا فراموش نہ کرنا اور اسے وقت مستحب میں ادا کرنا مراد ہے۔ اور محافظت سے شرائط و آداب اور اس کی صفات کے لحاظ کا اہتمام مراد ہے۔ یا اول سے اس کے ظاہری احکام کی حفاظت اور محافظت سے اس کے باطنی حالات و خصوصیات کو نگاہ میں رکھنا مراد ہے۔

سلہ کیونکہ جو شخص دین کے عمدہ ارکان اور اس کے اہم ترین امور کی پرواہ نہیں کرتا وہ دوسرے احکام کی کیا پرواہ کرے گا۔

سلہ یعنی اصلی سایہ کے متصل بعد جو کہ ظہر کا اول وقت ہے۔ آپ کا یہ حکم مخصوص جگہوں اور مخصوص زمانوں سے متعلق ہوگا۔ جہاں یہ عمال تعینات تھے۔ کہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ اصل سایہ مختلف جگہوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

سلہ یہ ظہر کا آخر وقت ہے۔

سلہ یعنی درمیانی رفتار سے۔

سلہ یہ بد دعا ہے۔ یعنی جو شخص عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے۔ اس کا دل بے قرار اور بے آرام رہے۔ اسے چین و قرار نصیب نہ ہو۔ آپ نے تاکید و مبالغے کی غرض سے اس جملے کو تین بار دہرایا۔

۵۳۹/۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلٰثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمیوں میں نماز ظہر ادا کرنے کا اندازہ اور وقت تین قدم سے پانچ قدم تک سلہ ہوتا تھا۔ اور موسم سرما میں پانچ قدم سے سات قدم تک سلہ۔

(ابو داؤد و نسائی)

سلہ یعنی سایہ کے تین قدم سے پانچ قدم تک ہوتے تک کے وقت میں آپ موسم گرما میں ظہر کی نماز ادا کرتے تھے۔

سلہ اور سردیوں میں سایہ کے پانچ قدم سے سات قدم تک دراز ہونے کے عرصہ میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ)

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں کم خصوصاً حرمین شریفین میں۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس زمانہ کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ بہرصورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقت زوال سے تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے۔

بَابُ تَعْجِيلِ الصَّلٰوةِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمہ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے۔ جسے نماز با جماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کرلیں تو حرج نہیں۔ اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کر کے فجر کو سفید اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کرلی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی۔

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں کم خصوصاً حرمین شریفین میں۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس نماز کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقت زوال سے تاخیر کرکے پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الصَّلٰوةِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمہ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے۔ جسے نماز باجماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کرلیں تو حرج نہیں۔ اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کرکے فجر کو سفید اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کرلی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۲۰ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّى الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّى الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِيْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت سیار[1] بن سلامہ[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور میرا باپ دونوں حضرت ابو برزہ[3] الاسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے میرے باپ نے ان سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں کی ادائیگی کیسی تھی۔ آپ نے جواب دیا دوپہر کی نماز جسے تم لوگ پہلی[4] نماز کہتے ہو حضور علیہ السلام زوال آفتاب کے متصل بعد پڑھ[5] لیتے تھے۔ اور آپ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ منورہ کے آخری کنارے[6] پر واقع گھر کو آنے والا اپنے گھر پہنچ آتا تھا اور ابھی سورج زندہ اور قائم ہوتا تھا[7] اس کا رنگ زرد نہیں پڑا ہوتا تھا) مغرب کے وقت کے متعلق جو اشرف نے بتلایا وہ میں بھول[8] گیا ہوں۔ اور آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) عشاء کی نماز کو جسے تم لوگ عتمہ[9] (تاریکی) کی نماز کہتے ہو، ایک تہائی رات تک موخر کرنے کو مستحب جانتے تھے۔ اور آپ عشاء سے قبل سونے اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ ناپسند جانتے تھے[10]۔ اور آپ فجر کی نماز ادا کر کے جب لوٹتے تھے تو آدمی اپنے ساتھی کو شناخت کر لیتا تھا اور ساٹھ سے سو آیات تک اس میں تلاوت کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ عشاء کو ایک تہائی حصہ رات تک دیر[12] کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ اور آپ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] سیار سین کی زبر اور یا کی شد کے ساتھ۔
[2] سلامہ سین اور لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ حضرت سیار بن سلامہ رضی اللہ عنہ بصری ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۳ حضرت ابو برزہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

۴ اسے پہلی نماز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی نماز حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں سب سے پہلے ادا کی گئی۔ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

۵ یعنی جب سورج پھسل پڑتا اور زوال پتہ یہ ہو جاتا۔ اس وقت میں نماز ظہر ادا کرنا غیر گرمیوں میں ہوتا ہوگا۔ کیونکہ دوسری روایات میں واضح طور پر آچکا ہے کہ آپ نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھی۔ اور ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔

۶ یعنی جس کی رہائش شہر مدینہ طیبہ کے دور کنارے پر ہوتی تھی۔

۷ یہ اس کی گرمی اور زردی اور تبدیل سے پاک وصاف سے کنایہ ہے۔ شافعی حضرات کہتے ہیں کہ یہ وقت شے کا سایہ دو مثل ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ مگر ان کے اس قول میں بحث وتردد ہے۔

۸ یعنی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب کے وقت کے متعلق جو کہا وہ مجھے بھول گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مغرب کے وقت کے متعلق کچھ بھی نہ کہا ہو۔ کیونکہ اس نماز کے وقت میں کوئی اختلاف نہیں۔

۹ عتمہ عین کی زبر اور دو نکتوں والی تا کے ساتھ۔ یہ شفق کے غائب ہونے کے بعد رات کے ایک تہائی حصے کا نام ہے۔ اصل لغت میں اس لفظ کا معنی شب کی تاریکی ہے۔ یہ نماز عشاء کا وہ نام ہے جو دیہاتی لوگوں نے رکھا ہوا تھا۔ بالآخر اس نام سے روک دیا گیا۔ اس سے ایک تہائی حصہ رات تک دیر کرنا مراد ہے۔

۱۰ مگر ضرورت کے تحت دونوں باتوں کی رخصت واجازت ہے۔ مثلاً عشاء سے پہلے سونے سے اگر یہ غرض ہو کہ نماز عشاء کے لیے طبیعت ہلکی ہو جائے سستی دور ہو جائے اور طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے خصوصاً رمضان المبارک میں۔ اسی طرح بعد نماز عشاء کسی بارے میں گفتگو کرنا ضروری ہو یا لغو گفتگو نہ ہو تو دونوں باتیں جائز وروا ہیں۔

۱۱ مقصد یہ کہ آپ تاریکی میں فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ آپ نے نماز فجر روشنی اور سفیدی میں ادا کرنے کا حکم دیا۔

۱۲ اگرچہ ان الفاظ سے نماز عشاء کو ایک تہائی حصہ رات تک دیر کر کے پڑھنا مباح معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ استحباب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے صراحتہً استحباب ثابت ہوتا ہے۔

۱۳ ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ عشاء کے بعد کلام کرنا مکروہ ہو۔ کیونکہ جو چیز محبوب نہ ہو ضروری نہیں کہ مکروہ ہو۔ مگر جب کہ اسے محبوب نہ رکھنے سے اسے دشمن رکھنا مراد ہو۔

۵۷۱/۲ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا اَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت محمد[1] بن عمرو بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کو بعد زوال ادا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز جب کہ سورج زندہ[2] اور قائم ہوتا تھا اور مغرب کی نماز سورج غروب ہونے پر۔ اور عشاء کی نماز جب لوگ زیادہ جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب لوگ کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے[3]۔ اور صبح کی نماز تاریکی میں[4] پڑھتے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ حضرت محمد رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ثقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس و حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم میں ان سے روایت کردہ احادیث موجود ہیں۔

سلہ یعنی سورج ابھی روشن و تاباں ہوتا تھا۔ اور گزشتہ حدیث میں گزرا کہ نماز عصر پڑھنے کے بعد اتنا وقت ہوتا تھا کہ انتہائے شہر مدینہ میں رہنے والا اپنے گھر واپس آجاتا تھا اور ابھی سورج کی روشنی اور تابانی پوری طرح برقرار ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کی زندگی اور اس کی روشنی و تابانی اول وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی حد یہی ہے کہ اس کا رنگ زرد نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کے لیے زیادہ نمازی اکٹھا کرنے کے ارادے سے اول وقت سے تاخیر جائز بلکہ مستحب ہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم نے جو اول وقت میں نماز پڑھنے کا التزام نہیں کیا اس کی وجہ یہی ہے۔ اس وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ اول ... قت بذاتہ افضل ہے مگر بعض وجوہ کے تحت تاخیر کرنا اولیٰ اور پسندیدہ تر ہو جاتا ہے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاریکی میں فجر کی نماز اس ... یہ ... ں کی جماعت کثیر جمع ہو چکی ہوتی تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام شب بیداری کے خوگر تھے۔ اور رات کو سوتے رہتے ہوتے تھے۔ اس کے برعکس عشاء کی نماز کے وقت دن کے کام کاج میں مصروف رہنے کے باعث کچھ ... مرطوب ہوتے تھے۔ اس لیے عشاء کی نماز میں آپ ان کے جمع ہونے کا انتظار کرتے تھے واللہ اعلم۔

غَلَس دو زبروں کے ساتھ یعنی تاریکی شب جس میں صبح کی سفیدی ملی ہوئی ہو۔ ایک روایت میں لام کے بجائے غَبَس با کے ساتھ بھی آیا ہے۔ ایک روایت میں غَبَش شین کے ساتھ آیا ہے۔ مگر تینوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بعض نے کہا غبش

ثین کے ساتھ غلس سے ذرا پہلے وقت کو کہتے ہیں۔ اور غلس کا وقت غبش کے بعد ہوتا ہے۔ تاہم یہ تینوں اوقات آخر شب میں ہوتے ہیں۔ اور لفظ غبش غین کے ساتھ اول شب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر میں نص نہیں کہ آپ ہمیشہ فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے۔ اور اگر یہ اس مفہوم میں نص ہو تو دوسری احادیث میں فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم بھی آچکا ہے۔ اور ہمارے نزدیک قول، فعل سے راجح ہے۔ (کہ فعل میں تخصیص کا احتمال ہے)۔

۵۴۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ جب دوپہروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (ظہر کی) نماز پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لیے[1] اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ بخاری و مسلم۔ اور یہ لفظ بخاری کے ہیں[2]۔

[1] تاکہ پیشانی نہ جلے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان پر سجدہ کرنا جائز ہے حضرات شافعیہ اس سے وہ کپڑا مراد لیتے ہیں جو پہنا ہوا نہ ہو۔ یعنی صحابہ کرام اکثر بلا بستر خاک پر سجدہ کرتے تھے۔ اور جب کبھی زمین سخت گرم ہوتی تو سجدہ کی جگہ کوئی چیز بچھا لیتے تھے۔ حضرات شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس کپڑے پر سجدہ کرنا ناجائز ہے جو نمازی کی جنبش سے جنبش کرتا ہو۔ جیسا کہ بیان سجدہ میں آرہا ہے۔

[2] ممکن ہے مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) کا اس حدیث کو باب تعجیل الصلوٰۃ میں لانا اس خیال کے تحت ہو کہ اول وقت میں زمین زیادہ گرم ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کہ بعض اوقات غیر اول وقت میں بھی گرم بلکہ بہت گرم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں ہم بیان کریں گے۔

۵۴۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو[1] اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بالصلوٰۃ کی جگہ بالظہر[2] کا لفظ آیا ہے (نیز یہ الفاظ بھی آئے ہیں) کہ بیشک شدید تپش جہنم کے جوش میں آنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور آگ نے اپنے رب سے گلہ کیا[3] اور کہا اے میرے رب میرا بعض بعض کو کھا گیا ہے[4] تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو[5] سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں سخت ترین

لِلْبُخَارِيِّ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سُمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا۔

گرمی اور سخت ترین سردی جو تم پاتے ہو یہ دو سانس ہیں۔ بخاری و مسلم، اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ پس سخت ترین گرمی جو تم محسوس کرتے ہو یہ جہنم کے گرم سانس کا اثر ہے اور سخت ترین سردی جو تم لوگ محسوس کرتے ہو تو یہ اس کے سرد سانس کی وجہ سے ہے۔

لے یعنی نماز ظہر۔ اسے اول وقت سے اتنی تاخیر کرکے پڑھو کہ حرارت اور تپش کی تیزی ٹوٹ جائے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ کہ صحابہ کرام نماز ظہر اس حد تک دیر کرکے پڑھتے تھے کہ زمین پر پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑتا تھا۔ زمین پر پھیلے ہوئے ٹیلوں کا سایہ زوال سے کافی دیر کے بعد زمین پر پڑتا ہے بخلاف ان چیزوں کے جو بلندی میں لمبی ہوں جیسے منارہ وغیرہ۔ کہ ان کا سایہ بہت جلد زمین پہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سایہ کی درازی پانچ قدم تک آئی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ صحابہ کرام دیواروں کے سایے کے نیچے نیچے نماز ظہر کے لیے مسجد میں آتے تھے۔ اس زمانے میں دیواروں کی بلندی سات گز ہوتی تھی۔ بعض نے ٹھنڈا وقت مراد لیا ہے۔ اور وقت استوا کی گرمی کی نسبت سے وقت زوال گزرنے کو ظہر ٹھنڈی کرنے پر محمول کرنا جیسا کہ بعض شافعیہ نے کہا ہے، بعید سی بات ہے۔ اور خط استوا کی نسبت سے وقت زوال کو سرد تر وقت قرار دینا تجربہ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ سبب کا دوام فعل اس کے محض درجہ قوت سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ چنانچہ موسم سرما میں صبح کے وقت سردی نصف رات کے وقت کی سردی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ تجربے کی چیز ہے۔ اور جیسے جیسے سورج نزدیک آتا جاتا ہے سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اور باب موافقت میں گزر چکا ہے کہ گرمی بہت سخت ہو جاتی ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ ان علاقوں میں شدید گرمی اس وقت ہوتی ہے جب شے کا سایہ ایک مثل ہو۔ اس کے مطابق ظہر کے ٹھنڈا کرنے کا مطلب ہوگا کہ اسے دوسری مثل میں ادا کیا جائے۔ الغرض بہت سی احادیث صحیحہ ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کی تاکید میں وارد ہو چکی ہیں۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کی گرمی کی شکایت کی۔ مگر آپ نے ہماری شکایت قبول نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے وقت کی تاخیر چاہتے تھے۔ جسے آپ نے تسلیم نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ جو فرماتے ہیں کہ ابراد ظہر ایک رخصت ہے وہ بھی ان لوگوں کے لیے جو نماز با جماعت کی تلاش میں کئی مسجدوں میں پھریں اور مشقت اٹھائیں۔ جو شخص اکیلا نماز پڑھے۔ یا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھے۔ اس کے لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اول وقت سے تاخیر نہ کرے۔ تو ان کا یہ بیان اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔ امام ترمذی ایک حدیث لائے ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ حالانکہ اس وقت سب لوگ ایک منزل میں جمع ہوتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا ہے جو لوگ شدت تپش و گرمی میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کے قائل

ہیں ان کا قول اتباع و پیروی کے زیادہ لائق و شایستہ ہے۔

۲؎ اور بخاری کی ایک روایت میں جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لفظ بالصلوٰۃ کی بجائے بالظہر کا لفظ آیا ہے۔ اور بخاری کی اس روایت میں اس حکم کے بیانِ علت کے طور پر فان شدۃ الحر الی آخرہ کے الفاظ بھی زیادہ آئے ہیں۔

۳؎ آگ نے یہ گلہ یا تو زبانِ حال سے کیا یا زبانِ قال سے قال پر عمل کرنا اولیٰ اور زیادہ ظاہر ہے۔ امام نووی نے کہا زبان قال مراد لینا ہی درست اور صواب ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ آگ بلکہ ہر چیز میں قوت گویائی پیدا کر دے۔ اسے بعید خیال کرنا نفس فضول کی بات اور عادت میں گرفتاری کے سبب ہے۔

۴؎ یعنی میرے اپنے اجزا ایک دوسرے کو کھا گئے ہیں۔ یہ ان کے اختلاط و ہجوم سے کنایہ ہے۔ گویا ہر جز دوسرے کو فنا کر دے۔ اور اس کی جگہ خود لے لے۔

۵؎ سانس لینے سے اس کا شعلہ مارنا اور باہر نکلنا مراد ہے۔ جس طرح حیوان سانس باہر نکالتا ہے۔

۶؎ دونوں جگہ لفظ نفس پیش اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔ اسی طرح لفظ اشد کو بعض نے جملے میں مرفوع و مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۷؎ اس وقت میں نماز پڑھنے سے ممانعت میں حکمت باوجودیکہ اس میں مشقت زیادہ ہے، یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا یہ وقت عذاب کے پھیلنے کا وقت ہے۔ کہ دوزخ کا گرم ہونا اس کے عذاب کا وقت ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ ظاہر و اولیٰ ہے۔

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ آگ کا شکایت کرنا اور اس سے سرد سانس باہر آنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب جواب یہ ہے کہ آگ سے آگ کی جگہ مراد ہے۔ جیسے دوزخ کہتے ہیں۔ اور دوزخ میں طبقہ زمہریر (سخت ٹھنڈی جگہ) بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حقیقت درجہ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ گرمی و سردی اجرام علویہ کے اثر سے ہوتی ہے۔ تو اسے دوزخ کی سانس کا اثر قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں شدت گرمی و سردی کو دوزخ کے سانس کا اثر کہا گیا ہے۔ نفسِ گرمی و سردی کو اس کا اثر قرار نہیں دیا گیا۔ اور اگر فلسفی الذہن شخص یہ کہے کہ سخت گرمی و سردی بھی سورج کے قریب اور دور ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کی سانس سے اس میں اور شدت آجاتی ہو۔ مخبر صادق علیہ السلام کی خبر کے باوجود اس کا انکار طریقۂ اسلام سے خارج ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے تقاضا کے مطابق چاہیئے کہ شدید سردی کے دنوں میں بھی ظہر کی نماز تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سخت سردی صبح کے وقت سورج طلوع ہونے تک ہوتی ہے۔ اگر اس میں تاخیر کی جائے تو وقت ہی گزر جائے گا۔

۵۳۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی سورج بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر عوالی مدینہ کو جانے والا عوالی[1] میں پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلندی[2] پر ہوتا تھا۔ حالانکہ عوالی کے بعض حصے مدینہ منورہ سے چار میل یا اس کی مانند فاصلہ[3] پر واقع ہیں۔ (بخاری و مسلم)

[1] عوالی، مدینہ منورہ کے اطراف میں وہ بلند جگہیں ہیں جو مسجد قبا اور مسجد بنی قریظہ وغیرہ کی جانب واقع ہیں۔
[2] یعنی حالانکہ ابھی تک سورج بلند اور افق پر ہوتا تھا۔ اور غروب نہیں ہوا ہوتا تھا۔
[3] یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جو حضرت انس سے اس حدیث کے راوی ہیں۔ ان الفاظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جانے والا چار میل کے فاصلے کی طرف جاتا تھا یا اس سے کم فاصلے کی جگہ تک۔ پھر تیز رفتار سے یا آہستہ رفتار سے جاتا تھا۔ نیز وہ سواری پر ہوتا تھا یا پیدل۔ بہر تقدیر اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا اور ثابت نہیں ہوتا کہ دن کا جو تھا حصہ گزرنے اور سایہ ایک مثل گزرنے پر نماز عصر پڑھ لی جائے جیسا کہ دوسرے آئمہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۳۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منافق[1] کی نماز ہے کہ وہ بیٹھ کر سورج کی انتظار میں رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا[2] ہے تو نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اور جس طرح مرغ دانہ چگتا ہے اسی طرح جلدی جلدی چار سجدے[3] کرتا ہے۔ اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا سا۔ (مسلم شریف)

---

[1] یعنی وہ نماز عصر جو آخر وقت میں غروب آفتاب سے قبل دانستہ بے عذر اتنی دیر کر کے پڑھی جائے، منافق کی نماز ہے۔ یا اس کی نماز ہے جس میں منافق کی صفت و عادت ہو۔
[2] اس جملے کی شرح گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔
[3] یعنی وہ بے طمانیت و تعدیل کے شتاب شتاب سجدہ کرتا ہے جس طرح مرغ دانہ چگتا ہے۔ اور باوجود یکہ نماز عصر میں آٹھ سجدے ہیں ہر دو سجدوں کو یک رکن یا یک رکعت کا اعتبار کرتے ہوئے چار سجدہ کہہ دیا۔

یا اس اعتبار سے چار سجدے کہا کہ جب اس نے سجدے سے سر صحیح (درمسنون طریقہ سے) اور پر نہ اٹھایا تو ہر دو سجدے گویا ایک ہی سجدہ ہوا۔ سستی اور کوتاہی کے بیان کے لیے نماز عصر کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ وقت خرید و فروخت اور معروفیت کا وقت ہے۔ یا اس نماز کی خصوصی فضیلت کے پیش نظر اس میں غفلت و کوتاہی کرنے والے کی خوب مذمت و ڈانٹ میں مبالغہ کے لیے اس نماز کا ذکر کیا۔ ظاہر بات ہے کہ دوسری نمازوں کی حالت بھی اس نماز پر قیاس کرنی چاہیئے۔

سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ منافق نماز کے ظاہری ارکان کی ادائیگی میں بھی سستی اور کوتاہی کرتا ہے۔ اور اس کا باطن بھی خشوع سے خالی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کی شان میں وارد ہوا ہے۔ ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ کہ وہ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں۔

۵۴۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس کی نماز عصر فوت ہو جاتی ہے۔ گویا اس کا اہل و مال سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] یہاں عربی الفاظ اہلہ و مالہ میں لام پر پیش اور زبر دونوں صورتیں ہیں۔ پیش کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ اس نے اہل خانہ اور اس کا مال کا نقصان ہو گیا۔ زبر کی صورت میں معنی ہوگا وہ شخص اپنے اہل و مال میں نقصان و مصیبت میں ڈال دیا گیا۔ یہ دوسرا معنی لفظ وتر کے اصل معنی کے زیادہ مناسب ہے اور جمہور کی روایت بھی یہی ہے۔ اس کا مفصل بیان شرح میں کر دیا گیا ہے۔

۵۴۷ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس نے نماز عصر ترک کر دی اس کا عمل ضائع اور برباد ہو گیا۔[1] (بخاری شریف)

[1] یعنی جس شخص نے دیدہ و دانستہ نماز عصر ترک کر دی تو اس کے اس دن کے پورے عمل کا ثواب باطل و نقصان زدہ ہو گیا۔ اس سے حقیقۃً بطلان و بربادی مراد نہیں کہ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ نیک عمل حقیقۃً اس وقت باطل و ضائع ہوتا ہے جب کہ انسان کفر وارتداد اختیار کرے۔ یا کفر وارتداد پر اس کی موت واقع ہو جائے۔ لہٰذا ان الفاظ سے تغلیظ و تشدید اور نقصان ثواب میں مبالغہ مقصود ہے۔ کہ اس نے اتنی افضل ترین نماز فوت کر دی۔ بعض روایات میں یہاں مطلق فرض نماز کا ذکر آیا ہے۔ ہاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس پر ہیں کہ دیدہ و دانستہ نماز

ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ آخر کتاب الصلوٰۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

۵۴۸ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت رافع بن خدیج[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھ کر جب واپس لوٹتے تو ہم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے تیروں کے گرنے[۲] کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] خدیج بروزن کریم۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ عمر میں چھوٹا ہونے کے باعث جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ جنگ احد، خندق اور دوسرے غزوات میں شریک ہوتے۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت احادیث روایت کرتی ہے۔

[۲] حالانکہ تیروں کے گرنے کی جگہ بسا اوقات کسی کو بھی نظر نہیں آتی۔ اس سے نماز مغرب جلدی پڑھنے کا بیان مقصود ہے۔ یہ نماز جلد پڑھ لینا بالاتفاق مستحب ہے۔

۵۴۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے اور رات کے پہلے تہائی حصے کے درمیانی وقت میں پڑھتے تھے[۱]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی آپ نماز عشاء شفق غائب ہونے کے بعد سے ایک تہائی رات تک کے درمیانی اجزاء میں ادا کرتے تھے۔ یہ افضل و پسندیدہ وقت ہے۔ یعنی آپ کے وقت عشاء کی ابتداء شفق غائب ہونے سے ہوتی تھی اور انتہا ایک تہائی حصہ رات گزرنے پر۔ اور جواز کا وقت اس سے وسیع و کشادہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

۵۵۰ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ادا فرماتے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس لوٹتیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کی شناخت نہ ہوتی[۱] تھی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] چادریں لپیٹنے اور چہروں کو چھپانے کی قید اس لیے ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کے بدن اور چہرے کھلے ہوئے ہوتے تو اس تاریکی میں ان کی شناخت ہو جاتی تھی۔ اور کبھی پردے کے باوجود بعض خصوصیات کے ذریعے شناخت ممکن ہوتی تھی۔

مگر اس قدر تاریکی موجود ہوتی تھی کہ عورتوں کی شناخت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ حدیث حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ حدیث کے اس مضمون کے منافی نہیں کہ مرد اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا، کیونکہ مرد قریب ہوتے تھے اور عورتیں دور۔

۵۹۸ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَ دُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت قتادہ[1] سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں نے سحری کھائی۔ دونوں حضرات جب سحری کھانے سے فارغ ہوئے[2] تو اللہ کے نبی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے[3] اور نماز ادا کی۔ ہم نے حضرت انس سے کہا دونوں حضرات کے سحری کھانے اور نماز شروع کرنے میں کتنا وقفہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنا وقفہ تھا جتنی مقدار میں آدمی پچاس آیتیں پڑھ لیتا ہے[4]۔ (بخاری شریف)

[1] حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور تابعی، حافظ و مفسر تھے۔ آنکھوں سے نابینا تھے۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ نے کہا ہے جو کچھ میرے کانوں نے سنا دل نے اسے یاد کر لیا۔ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

[2] سحور سین کی پیش کے ساتھ سحری کے وقت کھانا کھانا۔ سحور زبر سے سحری کا کھانا۔ حدیث میں دونوں روایتوں کو ضبط کیا گیا ہے۔ حضور طرز روایت سین کی زبر کی ہے۔

[3] ایک روایت میں فصلیا تثنیہ کا صیغہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت دونوں نے نماز پڑھی اور ایک روایت میں فصلینا یعنی ہم سب نے نماز پڑھی کے الفاظ آتے ہیں۔

[4] مرد کے پچاس آیات پڑھنے کی مقدار وقفہ یعنی متوسط آیات نہ لمبی نہ چھوٹی۔ اور لفظ قدر را کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے۔ ایک روایت میں پچاس یا ساٹھ آیات کا لفظ آیا ہے۔ یہاں سے جس طرح سحری میں تاخیر معلوم ہوتی ہے نماز فجر میں جلدی بھی معلوم ہوتی ہے۔ علماء نے کہا ہے یہ ایک اندازہ اور تخمینہ ہے جس پر عامۃ الناس کے لیے عمل کرنا مشکل ہے۔ عامۃ الناس اگر اس سے بھی کچھ دیر کر کے سحری کھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

۵۵۲ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَآءُ[1] یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ نَافِلَۃٌ[2]۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ پر ایسے حاکم مسلط[1] ہوں گے جو نماز یں خراب کر کے پڑھیں گے (یعنی آداب و شرائط کا لحاظ نہ رکھیں گے) افضل وقت سے بنیں دیر کر کے پڑھیں گے میں نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تو نماز وقت پر پڑھ لینا پھر اگر تجھے ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو دوبارہ پڑھ لینا۔ یہ نماز تیرے لیے نفل ہوگی[2]۔ (مسلم شریف)

[1] جن کی مخالفت فتنہ پھیلنے کا موجب ہوگی۔

[2] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم وقت نماز مستحب وقت سے دیر کر کے پڑھے۔ خصوصاً اس قدر دیر کہ وقت مکروہ داخل ہو جائے تو بندے کو چاہیئے کہ اپنی نماز اول اور افضل وقت میں پڑھ لے۔ پھر امام و حاکم کے ساتھ دوبارہ پڑھ لے تاکہ فضیلت وقت و جماعت دونوں حاصل کرے۔ تاہم یہ چیز فجر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے علاوہ دوسری (ظہر و عشاء) نمازوں میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں نفل کی نیت سے ادا نہیں ہو سکتیں کہ ان کے بعد نفل مکروہ ہیں۔ اور تین رکعت نفل جائز ہی نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکروہ امر کا اختیار کر لینا فتنہ پھیلنے اور اختلاف پیدا کر کے امت کے اتحاد میں رخنہ اندازی سے کم درجہ کی برائی ہے۔ کہ ظالم حکام کی مخالفت زیادہ نقصان کا باعث ہے۔

واضح ہو کہ شارحین نے کہا ہے کہ اس سے بنی اُمیّہ کے امراء مراد ہیں۔ اور مخبر صادق علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ من و عن واقع ہو کر رہی۔ یہ امراء ایسے ہی لوگ تھے جو نماز با جماعت اور اس کے ارکان و احکام کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ اور نہ اوقات نماز کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانی میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں آپ شام میں تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان سے کئی دفعہ جھگڑے آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شام سے مدینے بلالیا۔ مگر آپ نے مدینہ منورہ میں بھی سکونت اختیار نہ کی بلکہ مدینہ سے باہر ایک جگہ موضع ربذہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ یہاں آپ کا طویل قصہ مشہور ہے۔

۷۵۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَکَ الْعَصْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی۔ اس نے عصر کی نماز پالی [1]۔ (بخاری و مسلم)۔

[1] یعنی اس کی نماز باطل نہ ہوگی اسے چاہیے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملائے اور اپنی نماز مکمل کرے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ طلوع و غروب آفتاب سے فجر اور عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ مگر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ فجر کی نماز کے درمیان اگر سورج نکل آیا تو یہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مگر نماز عصر کے دوران سورج غروب ہو جانے کی صورت میں یہ نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت ہے کہ نماز فجر بھی باطل نہیں ہوتی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ درمیان نماز طلوع آفتاب کی صورت میں نمازی اتنی دیر صبر سے کام لے کہ سورج پوری طرح طلوع ہو آئے۔ مگر یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف حجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے جو طلوع و غروب کے وقت نماز ادا کرنے سے ممانعت میں وارد ہیں۔ چاہے یہ نماز فرض ہو یا نفل (تو قاعدہ فقہ کے مطابق) احناف نے یہاں قیاس پر عمل کیا ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو آیتوں میں تعارض لازم آئے تو حدیث کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اور جب احادیث میں تعارض واقع ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور قیاس اس حدیث میں نماز عصر کو ترجیح دیتا ہے۔ اور فجر کی نماز میں ممانعت اور نہی کی احادیث کو ترجیح دیتا ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ نماز فجر کا سارا وقت کامل ہے۔ اس میں آخر جزء فجر تک کوئی نقص و کراہت نہیں۔ لہٰذا فجر کی نماز صفت کمال کے ساتھ لازم و فرض ہوئی۔ جب دوران نماز سورج نکل آیا تو جس صفتِ کمال کے ساتھ یہ نماز فرض ہوئی تھی اس طرح ادا نہ ہوئی۔ مگر نماز عصر جو آخر وقت میں سورج کے زرد ہو جانے پر ادا کی جاتی ہے۔ اس کے وجوب میں بھی نقص آجاتا ہے۔ لہٰذا سورج کے غروب سے مزید نقصان جو لاحق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے فاسد و باطل نہیں ہوتی۔ اور جس صفت نقصان سے لازم ہوتی تھی اسی حالت نقصان میں ادا ہوئی۔

شافعی حضرات نہی کی احادیث کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ فرض نمازوں کی ادائیگی تینوں اوقات (وقت زوال، طلوع اور غروب آفتاب) میں جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر اس بارے میں وارد احادیث کا ظاہر مفہوم عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان میں نوافل کی تخصیص کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس مقام سے متعلق زیادہ گفتگو حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

۳۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کا ایک سجدہ پالیا تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔ اور جب اس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کا ایک سجدہ پالیا تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔

(بخاری)

سلہ اس حدیث کا مضمون بعینہ حدیث سابق کا مضمون ہے۔ (اور اس کی شرح گزر چکی ہے) اور اس حدیث میں سجدہ سے رکعت مراد ہے۔

۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نماز پڑھنا بھول گیا یا سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس کوتاہی کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ یہاں بیداری کا ذکر الگ اس لیے نہ کیا کہ نماز کا یاد آنا بیداری کو لازم ہے (یعنی بیدار ہو کر ہی اسے یاد آئے گا کہ میری نماز رہ گئی ہے۔ مترجم)۔ اور اسی وقت نماز ادا کرے گا جب کہ بیدار ہو کر اسے پتہ چلے گا کہ میری نماز رہ گئی ہے۔

سلہ یعنی اس ترک نماز کا کفارہ یہی ہے کہ اسے قضا پڑھ لے۔ اس کے لیے کوئی مالی صدقہ مقرر نہیں ہے۔ جیسا کہ روزے میں فدیہ اور کفارہ صدقہ کا فدیہ ہے۔

۳۳ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ فَاِذَا نَسِيَ اَحَدُكُمْ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیند میں کوئی کوتاہی نہیں ہے کوتاہی کا ارتکاب بیداری کی حالت میں متصور ہوتا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنا بھول جائے یا پڑھے بغیر سو جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ قائم کر

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) نماز جب تجھے میری یاد آئے۔ (مسلم)

سلہ ابو قتادہ بن النعمان انصاری مشہور صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ ماں کی طرف سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

سلہ کیونکہ نیند کی حالت میں انسان مکلف نہیں ہوتا۔

سلہ کوتاہی کا ارتکاب حالت بیداری سے تعلق رکھتا ہے کہ نماز ادا کرنے سے پہلے ہی اس نے اپنے اوپر نیند کا غلبہ کیوں ہونے دیا۔ اور ایسا کام کیوں کیا جو نیند کا موجب بنا۔ یا نماز بھلا دینے کا باعث ہوا۔ جیسے نماز ادا کیے بغیر لیٹ جانا۔ یا شطرنج وغیرہ کھیلنا۔ یا ایسے کام میں مشغول ہو جانا جو عادۃً نماز سے نسیان کا سبب بنتا ہو۔

سلہ کہ نماز میری یاد کا سبب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اٰنَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفْوًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں دیر نہ کرنا۔ نماز جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔ اور جنازہ جب کہ حاضر ہو جائے۔ بالغہ عورت کا نکاح جب کہ تجھے اس کا کفو مل جائے۔ (ترمذی)

سلہ اٰنَتْ۔ دو نا کے ساتھ صیغہ واحدہ مؤنثہ غائبہ۔ ایک روایت میں آنَتْ نون اور الف کی مد اور تا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بعض نے کہا یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور پہلی روایت کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

سلہ اگر مکروہ وقت نہ ہو۔ تین اوقات مکروہ میں نماز جنازہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام سغنانی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ میں افضل یہ ہے کہ ان اوقات میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے تاخیر نہ کرے۔

سلہ ایم یعنی بے شوہر عورت کے لیے جب تجھے کفو مل جائے تو فوراً اس کا نکاح کر دے۔ ایم الف کی زیر یا زبر اور تشدید وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو۔ چاہے کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰہِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا اول وقت اللہ کی رضا کا موجب ہے۔ اور آخر وقت میں نماز ادا کرنا اللہ سے معافی مل جانے کا ذریعہ ہے۔

(رواہ الترمذی)
(ترمذی شریف)

سلہ یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے ماسوائے ان نمازوں کے جن میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسے ظہر کو ٹھنڈا کرنا اور فجر سفیدی میں ادا کرنا۔ اور ماسوائے اس جگہ کے جہاں تاخیر کرنے میں نماز کی تکمیل ہوتی ہو اور پورا ثواب ملتا ہو۔ جیسے جماعت میں شامل ہونے کے لیے تاخیر کرنا۔

سلہ آخر وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ سے معافی اور درگزر کا ذریعہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نمازی کی گرفت نہ کرے گا۔ یا اسے بری الذمہ قرار دے گا۔ اول وقت کے بارے میں آئمہ کرام کے مذاہب کی تفصیل باب اول میں معلوم ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اول وقت کے نصف اول میں نماز ادا کرنا اس میں کفایت کر جاتا ہے۔

۵۹۵ وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُرْوَى الْحَدِيْثُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

حضرت ام فروہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا[2]۔ اسے احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث روایت نہیں کی جاتی مگر عبد اللہ بن عمر العمری[3] کی حدیث سے۔ اور وہ علماءِ حدیث کے نزدیک قوی راوی نہیں ہے[4]۔

سلہ فروۃ فا کی زبر اور را کی جزم کے ساتھ آپ انصاری صحابیہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

سلہ ایک تو نماز ایمان کے بعد بذاتِ خود افضل ترین عمل ہے۔ پھر اول وقت میں باجماعت ادا کرنے سے اس میں اور زیادہ فضیلت آجاتی ہے۔ اور اس میں دیر کرنا مستحب نہیں ہے۔ بعض دوسری احادیث میں دوسرے اعمال کو بھی افضل کہا گیا ہے وہاں اضافی افضلیت مراد ہے۔ اور نماز علی الاطلاق سب سے افضل ترین عمل ہے۔ جیسا گزشتہ صفحات میں گزرا۔

سلہ یعنی اگر عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے ان کو عمری کہا جاتا ہے۔ آپ ۱۷۱ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

سلہ یعنی یہ عبد اللہ نہایت عبادت گزار اور مرتاض انسان تھے۔ مگر علماءِ حدیث کے نزدیک حفظ و ضبط میں مضبوط اور قوی نہ تھے۔ غلبہ زہد و عبادت ان کے لیے حفظ و ضبط حدیث سے مانع بن گیا۔ ان کا ایک بھائی تھا عبید اللہ بن عمر (بصیغہ تصغیر) ...

والے بہت سے لوگ ہوئے ہیں۔ "عالم مدینہ" کی تحقیق میں، اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اور شرح عربی میں اس پر مکمل بحث کر دی گئی ہے۔

۵۸۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں دو مرتبہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح پاک کو قبض کر لیا۔[1]

(ترمذی شریف)

[1] یعنی اگرچہ ایسا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں نماز ادا کی ہے۔ مگر ایسا واقعہ ایک بار سے زیادہ نہیں ہوا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب ایک سائل اوقات نماز دریافت کرنے آیا تو آپ نے ہر نماز دوسرے دن آخر وقت میں ادا کی۔ اور آپ نے ایسا تعلیم کے لیے کیا۔ یہاں امامت جبرئیل کی حدیث خارج از بحث ہے۔ کہ اس حدیث میں امت کے ساتھ آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد و مقصود ہے۔ اور ایک روایت میں الامرتین کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس صورت میں امامت جبرئیل بھی اس میں شامل ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں تعلیم و تعلم کی نیت کے بغیر آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور کے نکاح میں آنے کے بعد آپ کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ اور حضرت عائشہ اسے بیان کر رہی ہیں جو ان کے علم میں تھی۔ واللہ اعلم۔

اور اس حدیث میں ایسے آخر وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ کہ اس کے بعد وقت باقی نہ رہا تھا۔ تاہم حقیقی اول وقت سے آپ نے کئی دفعہ نماز موخر کر کے ادا کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے شرح میں بیان کیا ہے۔ شافعی المسلک حضرات ایسے تمام مواقع کو عذر و ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں بھی کلام کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا اسناد متصل نہیں ہے۔

۵۸۵ وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ.

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنِ الْعَبَّاسِ.

حضرت ابو ایوب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ خیر پر (اور ایک روایت میں بخیر کے بجائے علی الفطرۃ کا لفظ آیا ہے) رہے گی جب تک کہ وہ نماز مغرب کے ادا کرنے میں دیر نہ کریں گے یہاں تک کہ ستارے کثرت سے دکھائی دینا شروع ہو جائیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور دارمی نے عباس[2] سے روایت کیا۔

سلہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اکابر اور مشاہیر صحابہ سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کے گھر کو اپنے نزول اجلال سے مشرف کیے رکھا۔

سلہ یہاں تک کہ ستارے آپس میں رل مل جائیں۔ یہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے سے کنایہ ہے۔

سلہ ظاہر عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں اس قدر (کہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے لگیں) تاخیر نہ کرنی چاہیئے اس سے کم وقت تک تاخیر میں حرج نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینا تاخیر مغرب کو لازم ہے اگرچہ بہت کم تاخیر ہی ہو۔ اس حدیث میں ایک حد تک اس جانب بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ شفق سے سفیدی مراد ہو۔ کیونکہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتباک نجوم (کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینے) تک مغرب میں تاخیر جائز ہے۔ مگر یہ جواز مع الکراہت ہے۔ اور یہ حالت سرخی زائل ہونے کے بعد آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۲۲/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت کے لیے مشقت محسوس نہ کرتا تو میں انہیں تہائی یا نصف حصہ رات تک نماز عشاء موخر کرنے کا حکم دیتا۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

سلہ بعض شرحوں میں مذکور ہے کہ یہ راوی کا شک ہے۔ اور صحاح میں ان دونوں الفاظ میں سے کوئی نفی شک کی صورت میں واقع نہیں ہوا۔ اس حدیث کا ظاہر اول وقت سے تاخیر کا استحباب ثابت کرتا ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

۵۲۳/۲۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز عشاء کو تاریکی میں ادا کرو۔ کہ بیشک تمہیں باقی تمام امتوں پر اس نماز کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہیں پڑھی۔

(ابوداود)

سلہ اور جب کہ یہ نماز تم تاریکی میں ادا کرو گے تو زیادہ مشقت اٹھانی پڑے گی اور جس قدر مشقت زیادہ ہو گی فضیلت بھی زیادہ ہو گی۔

سے یہ حدیث بھی نماز عشاء کو موخر کرکے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور تاریکی شب کو شفق غائب ہونے کی تحقیق اور اس کے یقین پر محمول کرنا بعید بات ہے۔ جس طرح اسفار فجر کو طلوع صبح صادق کے یقین پر محمول کرنا بعید سی بات ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۵۷۵ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت النعمان[1] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اس نماز عشاء، عشاء آخرہ[2] کا وقت اچھی طرح جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری کا چاند غروب ہونے کے بعد[3] پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

[1] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر کے صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ میں آپ پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ ۶۴ھ میں اہل حمص نے آپ کو مروان کے حکم سے قتل کیا۔

[2] عشاء کو عشاء آخرہ اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات عشاء کا لفظ نماز مغرب کے لیے بھی استعمال کر دیتے ہیں۔ تو دونوں میں فرق و امتیاز کے لیے عشاء کو عشاء آخرہ کہتے ہیں۔

[3] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ تیسری کا چاند اکثر و بیشتر شفق غائب ہونے کے نزدیک غروب ہوتا ہے۔ مگر حضرت شیخ موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے کہ حساب کے مطابق تیسری کا چاند پانچواں حصہ رات گزرنے پر غروب ہوتا ہے۔ پس اس حدیث میں بھی عشاء کو دیر سے پڑھنے پر دلالت موجود ہے۔ لہذا تیسری رات کے چاند کے غروب سے جو نتیجہ انہوں نے اخذ کیا ہے وہ درست نہیں۔

۵۷۶ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

حضرت رافع[1] بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز روشنی اور سفیدی میں پڑھو کہ وہ اجر و ثواب میں زیادہ ہے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔ اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت[1] کیا مگر ان کے نزدیک یہ عبارت فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ نہیں ہے۔

[1] آپ انصاری ہیں، صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

سے واضح ہو کہ عبارت حدیث کے ظاہر سے متبادر سا یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز سفیدی میں شروع کی جائے۔ اسفار صبح کا معنی ہے۔ صبح کا کھلنا، اس کا روشن ہونا اور اس کی سفیدی کا پھیل جانا۔ مذکورہ معنی کے علاوہ اسفار کے جو معنی کیے گئے ہیں وہ تاویل و تکلف پر مبنی ہیں۔

اور اسفار کی حد جیسا کہ ہمارے مشائخ مذہب سے منقول ہے ایسے ہے کہ اگر مسنون قرأت یعنی چالیس سے ساٹھ آیات یا سو تک ترتیل سے پڑھی جائیں اور نماز سے فراغت کے بعد بالفرض طہارت میں سہو ظاہر ہو جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے وضو اور نماز کا اعادہ بطریق مسنون ہو جائے۔ (یعنی اتنا وقت سلام پھیرنے کے بعد باقی بچنا چاہیئے) علماء نے کہا ہے کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر و سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اسی وقت میں یہ نماز ادا کرتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر تاریکی میں پڑھی جائے۔ امام موصوف یہ فرماتے ہیں کہ اسفار سے صبح صادق کا یقین ہونا مراد ہے۔ اور یہ کہ طلوع فجر کے بارے میں محض ظن کی بنا پر جلد بازی نہ کی جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دخول وقت کا یقین ہو لے پر نماز ادا کرنا بڑی اعظم اور افضل بات ہوگی۔ مگر امام شافعی علیہ الرحمۃ کی یہ تقریر محض تاویل ہے۔ کیونکہ حدیث سے بلا غور و تامل جو بات مفہوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ثواب کا زیادہ اور اعظم ہونا اس خصوصیت کی بنا پر ہے جو اسفار میں ہے نہ کہ محض فجر کا وقت موجود ہو جانے کی وجہ سے۔ کہ یہ بات تو تمام نمازوں کے اوقات میں پائی جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم چاندنی راتوں میں ہے۔ اور یہ حکم احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ ان راتوں میں فجر کا پوری طرح پتہ چل جائے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے آئمہ مذہب میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ نماز فجر کی ابتداء اندھیرے میں کرے اور اختتام سفیدی میں، قرأت دراز کر کے دونوں چیزوں (تاریکی اور سفیدی کو جمع کرے) علماء نے کہا ہے کہ امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی یہ تاویل اولیٰ، احسن اور افضل ہے کہ اس سے مختلف احادیث میں موافقت و مطابقت ہو جاتی ہے۔ تاہم احناف رحمہم اللہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ نماز فجر کی ابتداء و اختتام دونوں سفیدی میں کرے۔ مگر اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع آفتاب کا شک ہونے لگے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تاخیر نہ کرنا بلکہ اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں فجر سفید کر کے پڑھنا افضل آیا ہے۔ اور ان سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ مقتدیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ جماعت کی فضیلت بہت محبوب اور افضل ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا اور فرمایا سردیوں میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا اور اس میں قرأت لمبی

کرنا جس قدر کہ لوگ برداشت کر سکیں۔ اتنی طویل قرأت نہ کرنا کہ لوگ بددل ہو جائیں۔ اور موسم گرما میں فجر سفید کر کے پڑھنا کہ رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اور لوگ نیند میں ہوتے ہیں۔ اس لیے توقف کرنا تاکہ سب لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں۔

علماء نے کہا ہے یہ بات بھی اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب سب یا بعض لوگ حاضر ہو جائیں۔ اور اگر سارے نمازی تاخیر کریں تو پھر بلا اختلاف تاخیر کرنا بہتر ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ۔ اور دوسرے آئمہ جو فجر جلدی پڑھنے کے قائل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ وقت داخل ہونے کے ساتھ ہی پڑھنے میں ادائے عبادت میں جلدی ہوتی ہے۔ اور حق افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔

احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سفید کر کے پڑھنے میں نماز با جماعت کے لیے نمازی زیادہ ہو جائیں گے۔ اور جماعت میں زیادہ لوگوں کو شامل ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔ اور مغفرت کے لیے جلدی کرنا اس کام میں افضل ہے جو خدا کے نزدیک افضل ہو۔

اس باب میں معنی فقہی یہ ہے کہ آخر وقت تک فجر کو موخر کرنا بالاجماع اور بلا کراہت مباح ہے۔ اور اتنی سویرے پڑھنا کہ جماعت میں نمازی کم شامل ہوں مکروہ ہے۔ نیز لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا بھی مکروہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو زیادہ لمبی قرأت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا فَتَّانٌ اَنْتَ یعنی اے معاذ لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ باوجودیکہ نماز میں قرأت لمبی کرنا سنت ہے۔ اور اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کے ساتھ یہ سنت بھی متحقق ہوتی ہے۔

پھر جائے نماز پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا بھی مستحب ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور یہ چیز فجر سفید کر کے پڑھنے میں آسان ہے۔ اندھیرے میں پڑھنے میں مشکل ہے۔

ہمارے اصحاب (احناف رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں۔ کہ روایات سے ثابت یہ امر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سفیدی میں پڑھتے تھے۔ اور تاریکی میں پڑھنے کی روایت اگر ثابت ہو جائے تو شاید آپ نے ایسا سفری نماز وں میں کیا ہو۔ عذر سفر کے باعث۔ اسی لیے جب آپ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی تو لوگوں نے کہا آج آپ نے خلاف دستور وقت میں نماز ادا کی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آ چکا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو فصل اول میں گزری یعنی فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی نماز سے واپس لوٹتی تھیں، اس حدیث کے معارض ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول احناف کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ اور شاید یہ اس وقت کی بات ہے جب عورتوں کو نماز کے لیے باہر نکلنے کا حکم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور انہیں گھروں میں ہی بیٹھنے

کا حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۶۶ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَاْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھتے پھر ہم لوگ اونٹ ذبح کرتے پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ پھر اسے پکایا جاتا پھر ہم لوگ غروب آفتاب سے پہلے اس کا گلتا ہوا نرم گوشت کھاتے تھے لے (بخاری و مسلم)

لے اس حدیث سے بلا شبہ عصر کی نماز جلدی پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ یعنی ہر شے کا سایہ اس کی ایک مثل ہونے کے وقت یا اس سے قریب ہیں جیسا کہ آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ اور بعض کے نزدیک فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تحقیق کے طور پر بعض اوقات ایسا کیا ہو۔ تاہم لفظ کان کی دلالت دوام و استمرار پر محل نظر ہیں ہے۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اونٹ ذبح کرنا پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کرنا اور پکانا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا، آسان کام ہے جب کہ پکانے والے ماہر اور بہت سے لوگ ہوں۔ ایسے لوگ تھوڑی مدت میں بہت سا کام کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ سفروں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ غیر ابر کے دن نماز عصر میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ آخر وقت تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ احناف کا مختار و ظاہر مذہب یہ ہے کہ آفتاب کی رنگت میں تبدیلی واقع ہونے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا کرتے تھے جب کہ سورج سفید اور روشن ہوتا تھا۔ اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی رنگت میں تبدیلی واقع نہ ہونے کے وقت تک نماز عصر میں تاخیر کرتے تھے۔ پھر تاخیر عصر میں کثرت سے نوافل پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ کہ عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نوافل پڑھنے منع ہیں۔ نوافل پڑھنے کا زیادہ موقع مل جانا نماز عصر کو اول وقت میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور رنگت کی تبدیلی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیہ کی تبدیلی مراد ہے۔ تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ٹکیہ کو دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔ اور بعض کے نزدیک شعاع آفتاب (دھوپ) جو دیواروں پر پڑتی ہے، کی رنگت کی تبدیلی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے آئمہ کے

نزدیک مختار و پسندیدہ قول یہی کہ رنگت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تک سورج ایک دو نیزہ بلند ہوتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں آتی۔ جب اس سے نیچے آگیا تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۶۸۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ عشاءِ آخرہ[1] کی نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں ٹھہرے رہے۔ آپ تیسرا حصہ رات گزرنے پر یا اس سے کچھ دیر بعد ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کو گھر میں کسی کام نے مشغول رکھا یا کوئی اور بات تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا[2] تم لوگ ایک ایسی نماز کی انتظار میں رہے جس کا انتظار تمہارے سوا کسی اور دین والے[3] نے نہیں کیا اور اگر میری امت کے لیے بوجھ نہ ہوتا تو میں یہ نماز (روزانہ) اسی وقت تہائی حصہ رات گزرنے پر) پڑھتا۔ پھر آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز[4] پڑھی۔

(مسلم شریف)

[1] عشاء کے ساتھ آخرہ کا لفظ اس لیے آجاتا ہے کہ بعض لوگ نماز مغرب کو بھی عشاء کہہ دیتے ہیں تو نماز مغرب گویا عشاء اولیٰ ہے۔

[2] یعنی جب آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو زیادہ دیر ہو جانے کی بنا پر امت پر شفقت و رحمت اور ان کی تسلی و تسکین کے لیے بطور معذرت اگلے الفاظ ارشاد فرمائے۔

[3] یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل دین میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز عشاء اسی امت مرحومہ کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

[4] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کو تہائی حصہ گزرنے پر ادا کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء اول وقت میں بھی ادا کر لیتے جب اکثر صحابہ کرام مسجد میں آجاتے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب اکثر نمازی آجاتے تو آپ یہ نماز پہلے وقت میں ادا کر لیتے۔ اور جب دیر سے آتے تو دیر سے ادا فرماتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

۵۶۶/۲۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوٰتِ نَحْوًا مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُخِفُّ الصَّلٰوةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازیں تمہاری نمازوں کی طرح ادا فرماتے اور تاریکی کی نماز (عشاء) تمہاری نماز عشاء کے وقت کے بعد ادا فرماتے۔ اور آپ ہلکی نماز ادا کرتے۔

(مسلم شریف)

ؔلہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ کا باپ بھی صحابی ہے۔ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے بیٹے ہیں۔ آپ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں ۷۴ھ اور ایک قول کے مطابق ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

ؔلہ اور رعایت اوقات میں تمہاری نمازوں کے قریب وقت میں ادا فرماتے۔ مگر باقی خصوصیات وصفات میں آپ کی نماز تمہاری نماز کی طرح نہ تھی۔ (بلکہ بہت افضل واعلیٰ ہوتی تھی)۔

ؔلہ یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ آپ عشاء کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اول وقت میں ادا نہ کرتے تھے۔ خواہ دوسرے لوگ (امت) اول وقت میں ادا کریں یا اس کے بعد۔

ؔلہ یعنی کمزور مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے۔ آپ یہ لحاظ در رعایت اکثر و غالب اوقات میں فرماتے تھے۔ ورنہ یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ نے نماز مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی ہے۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام میں آئے گی۔

۵۶۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِّنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ وَلَوْلَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وَسَقَمُ السَّقِيْمِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی راتیں عشاء کی نماز ادا کی۔ آپ (ایک دن) باہر تشریف نہ لائے یہاں تک کہ قریباً نصف رات گزر گئی۔ پھر آپ (باہر تشریف لائے) اور فرمایا اپنی جگہوں کو اختیار کرو۔ یعنی نماز کے لیے صفیں درست کرو۔ ہم اپنی نشستگاہوں پر قائم ہو گئے اور ہم نے صفیں باندھ لیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اروئے زمین کے باقی لوگ) نماز عشاء ادا کر کے اپنے بستروں پر جا چکے ہیں لہ۔ (سو گئے ہیں) اور تم لوگ جب تک کہ نماز کی انتظار

لَاَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ)

میں سے ہو نماز ادا کرنے کا ثواب ہی حاصل کرتے رہے ہو۔ اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کرتا۔

(احمد، ابوداؤد و نسائی)

سلہ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی بھی دوسرے دین والا اس نماز عشاء کی انتظار نہیں کرتا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ایسا ہی ہے۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ کا معنی ہے دوسرے محلوں والے لوگ جو اس مسجد سے متعلق نہیں، نماز عشاء ادا کر کے سو گئے ہیں۔ یہ معنیٰ اس اگلے قول مبارک وَ اِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا اِلٰى آخرہ کے زیادہ مناسب ہے۔

سلہ ان دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف رات تک نماز عشاء کو مؤخر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ اتنی دیر کر کے یہ نماز ادا کرنے میں بڑی مشقت و محنت ہے۔ بہرحال اتنی دیر تک تاخیر کرنا بالکل مکروہ نہیں ہے۔

۵۵۶ وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلًا لِّلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَ اَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلًا لِّلْعَصْرِ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر جلد ادا کرنے میں تم سے سخت تر تھے۔ مگر تم لوگ نماز عصر ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت ہو۔

(احمد و ترمذی)

سلہ یعنی سخت گرمی کے علاوہ دوسرے وقتوں میں۔ کیونکہ سخت گرمی کے دنوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

سلہ اس کلام سے مقصود تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے التزام کی ترغیب و تحریض ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کچھ نہ کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے۔

۵۵۷ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَ اِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی کے دن ہوتے ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے۔ اور جب سردی کے دن ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے۔

(نسائی شریف)

۵۵۸ وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ اُمَرَاءُ يَشْغَلُهُمْ اَشْيَاءُ عَنِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا حَتّٰى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

بیشک یہ امر واقع ہے کہ عنقریب میرے بعد ایسے بادشاہ تم پر مسلط ہوں گے کہ وقت پر نماز پڑھنے سے انہیں بہت سی چیزیں[۲] مصروف رکھیں گی یہاں تک کہ نمازوں کا وقت گزر جائے گا تم لوگ اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لوں فرمایا ہاں[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] مشہور صحابی ہیں، نقبائے انصار میں سے ہیں۔ جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔ کئی بار آپ کے حالات مذکور ہو چکے ہیں۔

[۲] یعنی بے مقصد مصروفیات اور خواہشات انہیں مستحب وقت میں نماز ادا کرنے سے روک رکھیں گی۔

[۳] جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۵۴۳ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِيْ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوْا مَعَهُمْ مَا صَلَّوُا الْقِبْلَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت قبیصہ[۱] بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جو نمازیں بے وقت سے دیر کر کے پڑھیں گے سو ان کی نمازیں تمہارے لیے تو باعث ثواب ہوں گی[۲] اور خود ان کے لیے وبال و عذاب بنیں گی[۳]۔ ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھتے رہو جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں[۴]۔ (ابوداؤد شریف)

[۱] قبیصہ قاف کی زبر، با کی زیر اور صاد کے ساتھ۔ وقاص قاف کی شد کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرے میں رہے اور بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔

[۲] یعنی جو نمازیں وہ ادا کریں گے ان کا ثواب تمہیں ملے گا۔ اور ان کا نفع بھی تمہیں حاصل ہوگا۔ کیونکہ اگر تم نے اپنی نماز صحیح وقت میں پڑھ لی ہوگی۔ تو یہ نماز جو ان کے ساتھ ادا کرو گے تمہاری نفل نماز ہوگی۔ اور اگر تم نے صحیح وقت میں نماز نہ پڑھی ہوگی بلکہ تم نے بھی آخر وقت میں ان کے ساتھ پڑھی ہوگی تو پھر بھی تمہیں کوئی ضرر و نقصان نہیں۔ کہ تم خود فتنہ اور دفع فساد کے لیے ایسا کرو گے۔

[۳] یعنی اس نماز کا ضرر و نقصان۔ اور صحیح و مستحب وقت سے نماز مؤخر کرنے کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔

[۴] یہ قید اتفاقی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت پر مبنی ہو کر فساد مقدر ہو کہ ظالم بادشاہ اور حاکم قبلہ کی جانب منہ

کرکے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور اسلام کی رسی گلے سے نکال دیں تو پھر ان کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے گی۔

۵۲۱/۳۵ وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُورٌ فَقَالَ إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبید اللہ[1] بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب کہ آپ کا محاصرہ[2] ہو چکا تھا۔ حضرت عبید اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ سب مسلمانوں کے امام ہیں۔ مگر آپ اس حادثہ اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے جیسے تم دیکھ رہے ہو۔ اور ہمیں اہل فتنہ کا امام[3] نماز پڑھاتا ہے ہم لوگ اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز بہترین عمل ہے جسے لوگ ادا کرتے ہیں۔ جب لوگ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اس نیک کام میں شریک ہو جاؤ۔ اور جب برے کام میں مشغول ہوں تو ان سے الگ[4] ہو جاؤ۔ (بخاری شریف)۔

---

[1] حضرت عبید اللہ بن عدی قرشی نوفلی ہیں۔ کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] اور اس محاصرے میں ہی آپ کی شہادت ہوئی۔

[3] یعنی آج کل نمازوں کی امامت اہل بغی و فتنہ کا رئیس و سردار کرتا ہے۔ اس امام کا نام کنانہ بن بشیر تھا۔

[4] خلاصۂ کلام یہ کہ نیکی میں لوگوں کے ساتھ شریک رہو۔ اور بدی میں ان سے دور رہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے یہ قول مبارک نہایت دینداری اور انصاف و نصیحت کے جذبے سے صادر ہوا۔ اس قول میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

بَابُ فِیْ فَضَائِلِ الصَّلٰوۃِ

گذشتہ باب میں مذکور
فضائلِ نماز
اور ان کے اوقات کے توابع اور انہیں مکمل کرنیوالے امور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ رُوَیْبَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَنْ یَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰی قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِہَا یَعْنِی الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمارہؓ بن رُوَیبَہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ وہ شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھیگا" یعنی فجر و عصر کی نماز پڑھے گا۔[2]

(مسلم شریف)

[1] عُمارۃ عین کی پیش اور غیر مشدد میم کے ساتھ۔ رُوَیبہ رَا اور یا ایک نقطہ وال کے ساتھ۔ بر وزن صیغہ تصغیر۔ آپ صحابی ہیں۔ ثقفی ہیں۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

[2] واضح ہو کہ اس حدیث کے ظاہر الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو آدمی یہ دو نمازیں پڑھے گا اور ان کی پابندی کرے گا وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ نہ تو ترک نماز کی وجہ سے اور نہ اور گناہوں کی بنا پر۔ مگر یہ بات جمہور علماء کے نزدیک خلافِ تحقیق ہے۔ کیونکہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ اور نماز انہیں صغائر کا کفارہ بنتی ہے۔
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ وہ آدمی جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا باوجودیکہ فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بوجھل ہوتا ہے اور عصر کی نماز کے وقت کام کاج میں مشغولیت ہوتی ہے وہ دوسرے اعمال خیر کے بجالانے میں بھی کمی بیشی نہ کرے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کی بخشش ہو جائے گی۔ اور وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ (اس میں غور و تدبر کرو) مگر ظاہر یہ ہے کہ ان الفاظ سے ان دو نمازوں کی فضیلت میں مبالغہ مراد ہے۔ کہ یہ نمازیں اس قدر افضل و اعلیٰ ہیں کہ ان کو پابندی سے ادا کرنے والا ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے ہر عمل پر جزا دیتا ہے۔ اس کے باوجود اگر چاہے

تو ان دو نمازوں کو پابندی سے پڑھنے والے کے ہر گناہ کو بخش دے اور اسے معافی عطا کر دے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۵/۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو ٹھنڈی نمازیں[۱] پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اکثر مؤرخین محدثین کا قول یہ ہے کہ اس سے موسم سرما کی فجر و عصر کی نماز مراد ہے۔ اور بعض فجر و عشاء مراد لیتے ہیں مگر گزشتہ حدیث قول اول کی تائید اور اسے قوی کرتی ہے۔

۶۲۶/۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلٰئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلٰئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایک دوسرے[۱] کے پیچھے نازل ہوتے ہیں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے۔ اور یہ فرشتے فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہو جاتے ہیں[۲]۔ پھر رات والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں۔ تو ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے بڑا عالم[۳] ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم انہیں نماز پڑھتا ہوا چھوڑ آئے ہیں اور جب ہم ان کے پاس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یہ فرشتے بندوں کے حالات لکھنے اور ان کے اعمال اوپر لے جانے کے لیے آتے ہیں۔

[۲] یعنی فرشتوں کی یہ دونوں جماعتیں نماز فجر میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ کہ رات کے اعمال لکھنے والا اگر وہ ابھی زمین پر ہی ہوتا ہے۔ کہ دن کے اعمال لکھنے والا اگر وہ آ جاتا ہے۔ پھر دیگر کی نماز میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو ان دو نمازوں کو ایک خصوصی فضیلت یہ حاصل ہے کہ اترنے والے اور اوپر چڑھنے والے ملائکہ ان دو نمازوں کے وقت جمع ہوتے ہیں۔

[۳] سب کچھ جاننے کے باوجود وہ فرشتوں سے اس لیے دریافت کرتا ہے تاکہ ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں کی فضیلت و شان کا اظہار کرے کیونکہ ملائکہ نے بندوں کو فسق و فساد برپا کرنے کا طعنہ دیا تھا۔ اور تسبیح و تقدیس کے ساتھ اپنی مدح و ثنا کی تھی۔ تو وہ ملائکہ شب سے دریافت کرتا ہے کیونکہ رات کا عمل افضل اور صدق و اخلاص کے اعتبار سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رات کے ملائکہ دن کے ملائکہ سے افضل ہیں۔ کہ رات دن سے افضل ہے

تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے۔

۵۹۴ وَعَنْ جُنْدَبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَإِنَّهٗ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيِّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ

حضرت جندب القسری[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ کی امان اور اس کی ذمہ داری اور پناہ میں ہوگیا۔ تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ کے بارے میں کسی چیز کے متعلق بھی باز پرسش نہ کرے۔[2] کیونکہ جس سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اسے پا لے گا[3] پھر اسے اٹھا کر منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے گا۔ مسلم شریف۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں القسری کے بجائے القشیری آیا ہے[4]۔

[1] القسری قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ۔ حضرت جندب القسری صحابی ہیں۔ بنی قیس کی ایک شاخ قسر کی طرف منسوب ہیں۔

[2] یعنی چاہیئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے خدا تعالیٰ کا عہد اور اس کی ذمہ داری میں خلل واقع ہو۔ اور خدا تعالیٰ اس پر تم سے پیچھے اور تمہاری باز پرس فرمائے۔ تو کسی بھی صبح کی نماز ادا کرنے والے کو رنج و اذیت نہ پہنچاؤ کہ اس طرح عہد خدا ٹوٹتا اور امانت میں خیانت لازم آتی ہے۔ اور جب تم نے خدا کے عہد کو توڑا اور اس کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا پھر ایسا کرنے والا کوئی بھی شخص خدا تعالیٰ سے بھاگ نہ سکے گا۔

[3] اور بندہ اس سے بھاگ نہ سکے گا۔

[4] بلکہ مصابیح کے تمام نسخوں میں عن جندب القُشَیری آیا ہے۔ قشیری قاف کی پیش اور شین معجمہ کی زبر اور یائے تحتانیہ کی جزم کے ساتھ بدل القسری قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ مگر مصابیح کی یہ روایت غلط ہے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حدیث کی کسی کتاب میں نہیں پایا کہ محدثین نے قشیر کی طرف نسبت کی ہو۔

۵۹۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ اس بات کو جان لیں کہ اذان اور صف اول میں کس قدر فضیلت ہے پھر وہ نماز کے لیے جائیں مگر قرعہ اندازی کے بغیر اس میں شامل نہ ہو سکیں۔ تو البتہ وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے[1] اور اگر

التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَ الصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگ جان لیں کہ دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانے میں کس قدر فضیلت ہے تو اس کے لیے ضرور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اور اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ نمازِ عشاء اور فجر میں کیا فضیلت ہے تو وہ ضرور ان دونوں نمازوں کے لیے آئیں اگرچہ انہیں سرین کے بل چل کر آنا پڑتے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی اذان اور صف اول کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ اذان اور صف اول کے لیے آپس میں جھگڑ پڑیں اور قرعہ اندازی کی نوبت آ جائے۔ تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں۔

سلہ مگر یہ بات گرم ہوا کے علاوہ دوسرے اوقات کے لیے ہوگی۔ کیونکہ گرم ہوا کے وقت ظہر کی نماز ٹھنڈی کرکے پڑھنا مستحب و مرغوب ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ تہجیر (دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانا) سے تبکیر مراد ہے یعنی نماز ظہر کے لیے جلدی جانا۔ اور تہجیر کے لفظ سے تبکیر مراد لینا اہل حجاز کی لغت کے ساتھ خاص ہے۔ مقصود ہر نماز کے لیے جلدی جانا ہے۔ یہ بات ظہر کے ساتھ خاص نہیں۔ بہر تقدیر اس سے وہ نماز مراد ہے۔ جس میں تاخیر مستحب نہیں ہے۔ بعض علماء نے تہجیر کو نماز جمعہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس معنی کی تحقیق کتاب الجمعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

سلہ حبواً۔ دونوں ہاتھوں اور سینے پر یا سرین پر چل کر جانا۔ جس طرح بچہ چلتا ہے یعنی اگر ان میں پاؤں سے چل کر جانے کی قوت و طاقت نہ ہو تو وہ کمزوروں کی طرح مذکورہ طریقہ پر چل کر ان نمازوں میں شامل ہوں۔

۳۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَ الْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں پر فجر و عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں۔ اور اگر انہیں پتہ چل جائے کہ ان دونوں میں کس قدر فضیلت ہے تو انہیں سرین کے بل بھی آنا پڑے تو ضرور آئیں۔ (بخاری و مسلم)

سلہ کیونکہ یہ دونوں ایسے وقت پڑھی جاتی ہیں جب کہ طبیعت سست ہوتی ہے پھر ان اوقات میں لوگ بھی کم دیکھتے ہیں۔ تو زور دریا کے ساتھ ہی منافق یہ نمازیں پڑھتے ہیں۔

۵۸۱ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے نصف رات اللہ کی عبادت میں گزاری۔ اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے ساری رات اللہ کی عبادت میں گزاری۔

(مسلم شریف)

۱؎ اور گویا نصف شب کے وقت تہجد کی نماز بھی ادا کرلی۔

۲؎ پس نماز صبح کا ثواب عشاء کی نماز سے زیادہ ہے۔ کہ فجر کی نماز کا ثواب تمام رات جتنی عبادت کا ثواب ہے۔ اور عشاء کی نماز کا ثواب نصف رات کے ثواب کے برابر ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے نصف رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ اور نماز فجر باجماعت ادا کرنے سے باقی نصف رات کا ثواب ملتا ہے۔ اور دونوں نمازوں کا ثواب پوری رات کی عبادت جتنا ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى صَلٰوتِكُمُ الْعِشَاءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَاءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ دیہاتی لوگ تمہاری نماز مغرب کے نام پر غالب آجائیں حضور نے فرمایا کہ اعرابی (دیہاتی) اسے عشاء کہتے ہیں۔ اور نہ غالب آجائیں اعراب (دیہاتی)، تمہاری نماز عشاء کے نام پر کہ وہ اسے عتمہ کہتے ہیں۔ اور بیشک وہ اللہ کی کتاب میں عشاء کہلاتی ہے۔ اور بیشک یہ نماز تاریکی میں جب کہ اعراب اونٹوں کا دودھ دوہتے ہیں، ادا کی جاتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱؎ یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعراب کے نماز مغرب کے نام پر غلبہ کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۲؎ یعنی وہ مغرب کو عشاء کہتے ہیں۔ جو غروب آفتاب کے وقت میں واقع ہے۔

۳؎ کہ نماز عشاء کو قرآن مجید میں عشاء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم۔ من بعد صلوۃ العشاء تک۔ یعنی تم لوگ ان نمازوں کو اس نام سے نہ پکارو جس نام سے اعراب (دیہاتی) پکارتے ہیں۔ بلکہ ان کا وہ نام لو جو قرآن و سنت میں وارد ہے۔ تو اگرچہ نہی کا تعلق بظاہر اعراب سے ہے کہ وہ غالب نہ آئیں مگر حقیقۃً مسلمانوں کو ان کے ساتھ موافقت کرنے سے روکا گیا ہے۔ تاکہ اس بارے میں اعراب کو غلبہ حاصل نہ ہو۔ یہاں سے معلوم

ہوتا ہے کہ زبان، اصطلاح شرع کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور اہلِ جاہلیت اور ارباب بطالت کے ہاں مستعمل الفاظ زبان پر نہ لانے چاہئیں۔ اس بات سے منع کرنے اور اس ممانعت کی علت بیان کرنے کے بعد آنے والے لفظ فَاِنَّھَا تُعْتِمُ کے لفظ سے اس جانب بھی اشارہ فرمایا کہ اعراب عشاء کو عتمہ کیوں کہتے ہیں۔ تاکہ کلام کی تکمیل اور ازالۂ خفا ہو جائے۔

سکہ فَاِنَّھَا تُعْتِمُ تا کی پیش اور عین ساکن اور دوسری تا کی زیر۔ اور زبر کے ساتھ۔ دوسری تا کی زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بیشک نماز عشاء تاریکی میں ادا کی جاتی ہے۔ اونٹوں کا دودھ نکالنے کے وقت۔

ھہ بِحِلَابِ الْاِبِلِ یعنی اونٹوں کا دودھ دوہنے کے وقت۔ کہ اعراب اونٹوں کو شفق غائب ہونے کے بعد تاریکی میں دوہتے ہیں۔ جو کہ عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اعراب اسے نماز عتمہ کہتے ہیں۔ عتمہ بمعنی سخت تاریکی اور لفظ تعتم کی دوسری تاء کی زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ کہ اعراب اونٹ دوہنے میں تاریکی کر دیتے تھے۔ اور اس وقت کے لیے عربوں میں یہ نام مشہور تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا زمانہ آیا اور اس وقت میں نماز شروع ہوئی اور مسلمان بھی زمانہ قبل اسلام کے نام کے مطابق نماز عشاء کو نماز عتمہ ہی کہتے تھے۔ چنانچہ انہیں اس نام سے روک دیا گیا۔ اور اہلِ جاہلیت کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر اس نام کو مکروہ قرار دیا گیا۔ اور اس بنا پر بھی رد کا گیا کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں جب کہ نماز سراسر نور و روشنی ہے۔ اور بعض احادیث میں جو اس نماز کے لیے عتمہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ نہی و ممانعت سے پہلے ایسا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۲ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَاَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَ قُبُوْرَھُمْ نَارًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق[۱] کے دن فرمایا۔ ان کفار نے ہمیں نمازِ وسطی[۲] یعنی نماز عصر پڑھنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں[۳] اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے[۴]۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یوم خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ جنگ کی شدت اور تیر اندازی کے باعث چار نمازیں فوت ہو گئیں۔ ان میں نماز عصر بھی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے فضل و شرف کے اظہار کے لیے خصوصًا اس نماز کا ذکر فرمایا۔

سلہ صلوٰۃ وسطی یعنی درمیانی اور افضل نماز۔

سلہ یہ ان کفار کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب و سزا کی بددعا ہے۔ واضح ہو کہ جنگ احد کے دن کفار کی طرف سے انواع و اقسام کی تکالیف پہنچنے کے باوجود حضور نے ان کے لیے د... مگر یہاں خندق کے موقعہ پر آپ نے بددعا کی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں حق اللہ (نماز) فوت ہوا۔ اور احد کے دن آپ کی ذات کو اذیتیں پہنچیں۔ اپنی ذات کے لیے

آپ نے یہ دعا کرنا مناسب نہ سمجھی۔

سے۵۴ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر کا نام ہے۔ اکثر علماء صحابہ و تابعین اور امام ابوحنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ پس قرآن مجید میں مذکور صلوٰۃ وسطیٰ سے یہی نمازِ عصر مراد ہوگی۔ اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس نماز کی تعیین کے بارے میں جو اختلاف صحابہ و تابعین میں پایا جاتا ہے۔ جیساکہ اگلی دو فصلوں میں آ رہا ہے وہ غالباً اس حدیث کے سننے اور اس کے پہنچنے سے پہلے کا ہے۔ جو قرآن میں اپنے اجتہاد سے تاویل کی بناء پر واقع ہوا۔ حدیث کی صحت کے بعد اس امر کا یقین ہوگیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے یقینی طور پر نماز عصر مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۸۴ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الْعَصْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن مسعود[۱] و سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہے۔ ترمذی شریف۔ اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح[۲] ہے۔

سلہ یہ دونوں عظیم و مشہور صحابی ہیں۔

سلہ۲ اور اس حدیث کو امام حسن بصری نے حضرت سمرہ سے روایت کیا۔ اور امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کہ حسن بصری کی حضرت سمرہ سے روایت کردہ حدیث صحیح ہے۔ اور حسن بصری کا حضرت سمرہ سے سماع ثابت ہے۔

۵۸۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا قَالَ تَشْهَدُهٗ مَلٰٓئِكَةُ الَّيْلِ وَمَلٰٓئِكَةُ النَّهَارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بیشک فجر کو قرآن پڑھنے کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں) کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں[۱] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کے وقت دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں[۲]۔ ترمذی

سلہ نماز فجر کو قرآن فجر سے تعبیر کرنا اس بنا پر ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ہے۔ جس طرح رکوع و سجود مشہور ہیں کے لفظ سے نماز مراد لی جاتی ہے۔ اور قرآن فجر کے لفظ سے نماز فجر کی قرأت مراد لی جائے جیساکہ بعض نے ایسا کہا ہے اور امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے تو یہ بھی درست ہے۔ اور اس سے نماز فجر کی

فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

سے یعنی فجر کی نماز کے وقت رات کے فرشتے موجود ہوتے ہیں جو آسمان کی طرف صعود کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے رات کے اعمال لے جاتے ہیں۔ اسی طرح دن کے فرشتے بھی اس نماز کے وقت موجود ہوتے ہیں جو دن کے اعمال لکھنے کے لیے نیچے اترتے ہیں۔ فرشتوں کے یہ دونوں گروہ راستے میں ملاقات کرتے ہیں۔ اور یہ معنی نماز میں بھی موجود ہے اور اس بات کے ساتھ کوئی منافات نہیں کہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں تو فجر کا ذکر آیا ہے۔ اور اگر نماز عصر کے حق میں بھی اس آیت کا ورود ہوا ہوتا تو اس کی تفسیر بھی یہی ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۵۸۶ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّ عَائِشَةَ قَالَا الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الظُّهْرِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدٍ وَّ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُمَا تَعْلِيْقًا۔

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان دونوں نے کہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے اسے مالک نے زید سے روایت کیا اور ترمذی نے ان دونوں سے تعلیقاً روایت کیا۔

سلہ یعنی اس قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

سلہ اور امام ترمذی نے اسے زید و عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق تعلیق روایت کیا۔ تعلیق کا معنی ہے حدیث کے اول سے بعض یا کل اسناد حذف کر دینا۔ یعنی ترمذی نے اسے بے اسناد روایت کیا۔ اور اپنے جامع میں کہا۔ کہ زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں نے کہا صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے۔ یہ ان دو صحابہ کا قول ہے اور ان دونوں پر موقوف ہے اور انہوں نے اس کا رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں کیا۔

۵۸۷ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّيْ صَلٰوةً اَشَدَّ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ اِنَّ قَبْلَهَا صَلٰوتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلٰوتَيْنِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظہر کی نماز سے زیادہ سخت اور کوئی نماز نہ تھی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى تمام نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً نماز وسطیٰ (ظہر) کی۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ (احمد و ابو داؤد)۔

سلہ یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بات پر دلیل پیش کرنے کے لیے کہ نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے حضور علیہ السلام کا عمل مبارک پیش کیا اور کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ۔

سلہ اور یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں زیادہ فضیلت کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا۔ اور یہ دونوں باتیں نماز ظہر میں پائی جاتی ہیں۔ ایک فضیلت تو یہ ہے کہ نماز ظہر کے متعلق کہا کہ کوئی نماز اس سے زیادہ سخت نہیں اور ہر عمل جو سخت تر ہوتا ہے، فاضل تر ہوتا ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ افضل العبادات احمزها افضل عبادت وہ ہے جو زیادہ سخت ہو۔ باقی رہا اس نماز کا درمیانی نماز ہونا تو اس کے اثبات کے لیے فرماتے ہیں ان قبلها صلواتین الی آخرہ۔

سلہ ایک دن کی نماز دوسری رات کی نماز یعنی فجر و عشاء۔

سلہ اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔ یعنی عصر و مغرب۔ نیز یہ نماز درمیانہ حصہ دن کی نماز ہے۔ تو چاہیئے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہو۔ اور یہ وہ دلیل ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے قول پر پیش کی ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کا یہ قول اجتہاد پر مبنی ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔ (اس میں غور کرو)۔

۵۸۸/۱۴ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُولَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيقًا۔

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے[1]۔ امام مالک نے اسے موطا میں روایت کیا اور ترمذی نے اسے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً روایت کیا[2]۔

سلہ کیونکہ یہ وہ نماز ہے جس میں دن رات کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ نیز یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ دونوں کے درمیان حد مشترک ہے۔

سلہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام نووی نے کہا اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اور ماوردی نے جو آئمہ شافعیہ میں سے ہیں، کہا ہے کہ امام شافعی نے تصریح کی ہے کہ نماز وسطیٰ نماز فجر ہے۔ لیکن جب کہ احادیث صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں کہ نماز وسطیٰ نماز عصر ہے۔ تو پھر امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہوگا کہ نماز عصر ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ ان کی اس وصیت کے مطابق جو انہوں نے کی ہے کہ اگر تم صحیح حدیث پالو جس کے خلاف میں نے حکم دیا ہو۔ تو یقین رکھو کہ میرا مذہب وہی ہوگا جس میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہے۔ اور میرے مذہب کو دیوار پر مار دو رضی اللہ عنہ۔

۱۰۰۶ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلٰى صَلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔

(رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جو آدمی صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کو جاتا ہے۔ وہ ایمان کے جھنڈے[1] کے ساتھ جاتا ہے۔ اور جو صبح اٹھ کر بازار کو جاتا ہے۔ وہ ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ جاتا ہے[2]۔ (ابن ماجہ)

سلہ تاکہ وہ شیطان اور اس کے لشکر کے ساتھ جنگ کرے جس طرح غازی لوگ جھنڈے لے کر چلتے ہیں۔

سلہ۲ اس سے وہ شخص مراد ہے جو بغیر نماز ادا کیے صبح اٹھ کر بازار کو جاتے۔ اور اگر نماز ادا کرنے کے بعد رزق حلال کمانے اور عیال کی روزی مہیا کرنے بازار جاتے تو وہ ایسا نہیں ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ اذان کا باب

لغت میں اذان کا معنی بتلانے اور اطلاع دینے کا ہے۔ شرع میں الفاظ مخصوص اور وقت مخصوص میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دینے کا آتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا ثبوت عبداللہ بن زید انصاری کے خواب میں دیکھنے سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دیکھنے سے۔ جیسا کہ حدیث میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دس صحابی ہیں جنہوں نے اذان کو خواب میں دیکھا۔ بعض نے چودہ کے عدد کی تصریح کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ کے خواب میں دیکھنے کے بعد وحی بھی نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں۔ اذان کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے اور کبریائے حق کے مقام خاص میں عزت و بزرگی کے کناروں تک پہنچے تو وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ فرشتہ کون ہے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا اُس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے حق دے کر بھیجا عزت خداوندی کی درگاہ میں سب سے نزدیک ترین مخلوق میں ہوں۔ مگر جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو اس گھڑی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ اس فرشتے نے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، پردہ کے پیچھے سے آواز آئی میرے بندے نے سچ کہا میں ہی اکبر ہوں میں ہی بڑا ہوں پھر اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کیے۔

تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو اذان کے کلمات سنے۔ مگر اس وقت نماز کے لیے

کلمات اذان پڑھنے کا حکم نہ ملا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بغیر اذان نماز ادا کرتے رہے۔ پھر مدینے تشریف لائے اور اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے خواب میں اذان کے الفاظ سنے۔ پھر وحی بھی نازل ہوگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے تھے زبان پر سنت اذان قرار دیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۹۰۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُّوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمٰعِيْلُ فَذَكَرْتُهٗ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بعض صحابہ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا[۱]۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ[۲]۔ اسمٰعیل[۳] نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ایوب سے کیا تو انہوں نے کہا مگر قد قامت الصلوٰۃ (بخاری و مسلم)۔

[۱] اذان کے بارے میں یہ حدیث، دراز حدیث سے مختصر ہے۔ پورا واقعہ وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تیسری فصل میں آرہا ہے۔ کہ مسلمان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے چاہا کہ نماز کے لیے وقت مقرر کریں۔ کہ اس وقت پر سب لوگ نماز کے لیے حاضر ہو جایا کریں۔ بعض نے کہا کسی بلند جگہ آگ روشن کی جائے جسے سب لوگ دیکھ کر اکٹھے ہو جایا کریں۔ یا ناقوس بجایا جائے جس کی آواز پر سب جمع ہو جایا کریں۔ پھر صحابہ نے آپس میں کہا کہ نماز کی اطلاع کے لیے آگ جلانا تو یہود کا طریقہ ہے۔ اور ناقوس بجانا نصاریٰ کی رسم ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ مشابہت کرنا ٹھیک نہیں۔

ناقوس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک بڑی اور لمبی لکڑی پر چھوٹی لکڑی کو مارا جائے۔ نصاریٰ اپنی نماز کے وقت ایسا کرتے ہیں۔ بعض روایات میں یہود کے لیے بوق واقع ہوا ہے۔ بعض روایات میں قرن (سنکھ) اور بوق کا لفظ آیا ہے۔ قرن (سنکھ) ایک معروف چیز ہے جسے پھونک کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ ناقوس نصاریٰ کے لیے، بوق یہود کے لیے۔ اور آگ مجوس کے لیے ہے۔ مگر یہاں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ مجوس تو نماز ہی نہیں پڑھتے۔ الا یہ کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آگ جلانا مجوس کا طریقہ ہے۔ لہٰذا اس کا اختیار کرنا ٹھیک نہیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مشہور یہ ہے کہ یہود سنکھ بجاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض آگ بھی جلاتے ہوں۔ اور بعض سنکھ بجاتے ہوں۔ مختصر یہ کہ آخر کار بات اذان اور اقامت پر آکر ٹھہری۔

[۲] امام مالک و امام شافعی اور بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہے جائیں اور اقامت

کے کلمات ایک ایک بار۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں کے کلمات دو دو بار کہے جائیں۔ اس مذہب کے ثبوت میں احادیث بھی وارد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زمانہ قدیم میں اذان و اقامت کے کلمات دو دو بار پڑھے جاتے تھے۔ پھر بنی امیہ کے بعض بادشاہوں کے لیے ان کے باہر آنے پر جلدی کے لیے اقامت کو ایک ایک بار کر دیا گیا۔ شرح میں اس مقام کی تحقیق تفصیل کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

سے یعنی اسماعیل بن ابراہیم نے جو اس حدیث کے راویوں اور بخاری و مسلم کے شیوخ میں سے ہے کہا کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے اس کا ذکر ایوب سے کیا اور یہ ایوب بھی اس حدیث کی روایت کرتا ہے تو ایوب نے کہا اقامت کے تمام الفاظ ایک ایک بار کہے جائیں۔ ما سوائے لفظ قد قامت الصلوٰۃ کے۔ کہ یہ کلمات دو بار کہے جائیں۔

سے اس حدیث کو امام بخاری نے اکیلے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ استثناء مذکور نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنا مذہب اس سے اخذ کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک اقامت کے تمام کلمات ایک ایک بار کہے جائیں گے۔

۵۹۱ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت[1] ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مجھے اذان سکھائی اور فرمایا یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر[2]۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ پھر تو شہادتین کے الفاظ دوبارہ کہہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ[3]۔ حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اس چیز کو جلدی پاؤ جو تمہارے لیے سبب نجات ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

(مسلم شریف)

سلہ حضرت ابو محذورہ صحابی ہیں۔ آپ کا نام سمرہ ہے۔ اور بعض نے کہا اوس ہے۔ بعض آپ کا نام سلمان اور بعض سلمہ بتلاتے ہیں۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ آپ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ اور اذان میں ترجیع راوی ہیں۔ (ترجیع کا معنی ابھی بیان ہوگا)۔

سلہ یعنی یہ کلمات چار بار کہے۔ ایک روایت میں دو بار کا ذکر بھی آیا ہے۔ امام مالک کا مذہب دو بار کہنے کا ہے۔

سلہ اسے ترجیع کہتے ہیں اور یہ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اذان میں سنت ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ان کا ظاہر مذہب عدم ترجیع کا ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ ترجیع میں شہادتین کو دو بار پست آواز سے پڑھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دو دو بار بلند آواز سے کہتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے علمائے حنیفہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تکرار ابو محذورہ کی تعلیم کے لیے تھا۔ مشروع قرار دینے کے لیے نہ تھا حضرت ابو محذورہ نے پہلی شہادتین کو آہستہ کہا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ کہہ اور بلند آواز سے کہہ۔ اور ایک دوسری حدیث حضرت ابو محذورہ سے مروی ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں الفاظ اذان میں اصل و بنیاد ہے، بھی ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں بھی جو مؤذنین کے سردار و پیشوا ہیں، ترجیع نہیں ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی مسجد (نبوی) میں اذان دیتے تھے۔ اور سعد قرظ جو مسجد قبا کے مؤذن تھے۔ ان حضرات کی اذان میں بھی ترجیع کا کوئی ذکر نہیں۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان سے ایک قصہ متعلق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہادتین کی تکرار کی تعلیم اذان کا طریقہ بیان کرنے کی غرض سے نہ تھی۔ ہم نے اسے شرح میں ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۶۹۲ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَ الْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

دوسری فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار ہوتے تھے۔ سوائے اس کے کہ قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ مؤذن دو دو بار کہتا تھا۔

(ابوداؤد، نسائی، دارمی)

۵۹۳ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَّالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس کلمے سکھلائے[1]۔ اور اقامت کے سترہ کلمے[2]۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ۔

---

[1] یہ قاعدہ ترجیع کے مطابق ہے۔

[2] یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دو دو بار کہے جائیں گے۔ کہ انیس سے چار کلمے ترجیع کے نکل گئے اور قد قامت الصلوٰۃ کے دو کلمے شامل ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور حدیث اول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۹۴ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ سُنَّۃَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَاْسِہٖ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ تَرْفَعُ بِھَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تَخْفِضُ بِھَا صَوْتَکَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَکَ بِالشَّھَادَۃِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فَاِنْ کَانَ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوۃُ

انہیں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیں فرماتے ہیں کہ میرے (عرض کرنے پر) آپ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصہ پہ اپنا ہاتھ مبارک پھیرا[1]۔ اور کہا اے ابو محذورہ یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر یہ الفاظ بلند آواز سے کہہ[2] پھر کہہ اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمد رسول اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ یہ الفاظ پڑھتے وقت آواز پست رکھ۔ پھر بلند آواز سے کہہ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان محمدا رسول اللہ اشہدان محمدا رسول اللہ حی علے الصلوٰۃ حی علے الصلوٰۃ۔ حی علے الفلاح حی علے الفلاح۔ پھر اگر صبح کی نماز ہو تو یہ الفاظ بھی کہہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

(ابوداؤد شریف)

۵۹۵ وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْ اِسْرَائِيْلَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا نماز فجر کے علاوہ کسی نماز کے لیے تثویب نہ کہنا۔

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا ابواسرائیل — جو اس حدیث کا راوی ہے۔ محدثین کے نزدیک کوئی قوی راوی نہیں۔

لہ لغت میں تثویب کا معنی ہے رجوع کرنا اور واپس آنا۔ یہاں تثویب سے اعلان (اذان) کے بعد دوبارہ اعلان (تثویب) مراد ہے۔ کہ ایک بار تو اذان کی صورت میں اعلان ہوا۔ دوبارہ پھر اعلان کرتے ہیں۔

تثویب چند قسم ہے۔ اذان فجر کے درمیان الصلوٰۃ خیر من النوم بھی تثویب ہے۔ جو تثویب عہد نبوت میں ہوتی تھی اور مسنون ہے وہ یہی ہے۔ اس کے بعد علماء کوفہ نے اذان و اقامت کے درمیان بطور تثویب حی علیٰ الفلاح کے الفاظ کا اجرا کیا (جاری کیا) اس کے بعد ہر قوم نے کوئی متعارف چیز اختیار کر لی۔ مگر صرف نماز فجر کے لیے کہ یہ نیند اور سستی کا وقت ہے۔ اس کے بعد متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے تثویب کا اختراع کیا اور اسے مستحسن قرار دیا مگر یہ درست اختراع کے بعد نئی اختراع ہے اور بدعت ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا انکار منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں داخل ہوئے اس کے موذن کو سنا کہ نماز فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے بھی تثویب کرتا ہے۔ آپ مسجد سے باہر چلے گئے اور فرمایا لوگو! اس آدمی کے پاس سے باہر چلے جاؤ کہ یہ شخص بدعتی ہے۔

۵۹۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَ اِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَ اِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَ الشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب تو اذان کہے تو آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر اس میں جلدی نہ کر اور جب اقامت کہے تو جلدی کر اور تیزی سے کہہ اور اذان و اقامت کے درمیان آنا وقفہ کر جتنا وقفہ کھانا شروع کرنے والے کو اس سے فارغ ہونے میں لگتا ہے

وَ الْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَ لَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ ۱؎ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ ۲؎

اور پانی پینے والا پینے سے فارغ ہوتا ہے اور استنا دقضا کو بول و براز کرنے والا طہارت کھانے یہ داخل ہو کر اس سے فارغ ہوتا ہے اور جب تک مجھے نہ دیکھو نماز کے لیے نہ اٹھو ۱؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر عبد المنعم کی حدیث کے ذریعے اور اس کا اسناد مجہول ہے ۲؎۔

۱؎ یعنی اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی نماز کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہو بلکہ مجھے گھر سے باہر مسجد میں آتا ہوا دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو۔ فقہ میں مذکور ہے کہ نمازیوں کو حی علی الصلوٰۃ کے الفاظ پر کھڑے ہونا چاہیے۔ اور شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی وقت باہر تشریف لاتے تھے۔

۲؎ یعنی عبد المنعم ابن نعیم کی حدیث کے ذریعے اور وہ مجہول اور ضعیف لوگوں میں سے ہے۔

۳؎ یعنی اس حدیث کا اسناد مجہول ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ اور ان کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ اور بعض نے کہا اس کے لیے (اذان و اقامت کے درمیان وقفے کے لیے) کوئی حد معین نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے کہ پورے طور پر دخول وقت ہو جائے اور نمازی جمع ہو جائیں۔ اور کسی بھی عالم نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اذان و اقامت کے درمیان نوافل ادا کرنے جائز ہیں۔ جیسا کہ ابھی آئے گا۔

۶۹۷ وَ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ اُؤَذِّنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَ مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ ۲؎ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں فجر کی اذان کہوں میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک صداء کے بھائی نے اذان کہی اور جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔

ترمذی۔ ابو داؤد
ابن ماجہ

۱؎ الصدائی۔ صاد کی پیش کے ساتھ صداء کی طرف منسوب ہے۔ جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ حضرت زیاد بن الحارث صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی۔ آپ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔

۲؎ جو شخص کسی قبیلہ میں سے ہو اس کو اس قبیلہ کا بھائی کہہ دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۹۸ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مسلمان جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو وہ نماز کے وقت کا اندازہ کرتے تھے۔ اور نماز کے لیے کوئی آواز نہ دیتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں باہمی گفتگو کی۔ بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجاؤ۔ بعض نے کہا یہود کی طرح سنکھ بجاؤ۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ کوئی آدمی مقرر کیوں نہیں کرتے[1] جو نماز کے لیے اذان دے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال اٹھ اور نماز کے لیے آواز دے[2] (بخاری و مسلم)۔

[1] یعنی کیا تم لوگ نصاریٰ اور یہود کا ناقوس و سنکھ کیوں اختیار کرتے ہو۔ نماز کے لیے آواز دینے کو کوئی آدمی مقرر کیوں نہیں کرتے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کا ہو جانے کے لیے آواز دینا اور اطلاع کرنا مراد ہے۔ بطریق خاص شرعی اذان کہنا مراد نہیں ہے۔ اس توجیہ سے احادیث کے درمیان مطابقت ہو جائے گی۔ گویا ابتداء میں صرف آواز دی جاتی تھی۔ اس کے بعد خواب میں اذان دکھائی گئی اس کے بعد وحی یا اجتہاد سے اذان کی مشروعیت ہوئی۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت بلال نماز کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے آواز دیتے تھے۔

۵۹۹ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْ بِهٖ

حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کی خاطر بجایا جائے[1]۔ تو مجھے خواب میں ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے تو یہ ناقوس فروخت کرے گا۔ اس نے کہا تو اسے کیا کرے گا۔ میں نے کہا ہم اس کے ساتھ نماز

إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهُ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ إِلٰى آخِرِهٖ وَ كَذَا الْإِقَامَةُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَإِنَّهُ أَنْدٰى صَوْتًا مِّنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهُ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ۔

کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں[1]؟ میں نے کہا ہاں۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ اس مرد نے کہا کہ اللہ اکبر الی آخرہ۔ اسی طرح اقامت بھی کہنا[2]۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں جب صبح اٹھ کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا آپ کو اس کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا خواب ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تو بلال کے ساتھ کھڑا ہو۔ اور جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بلال کو بتلاتا جا۔ کہ وہ ان کلمات کے ساتھ اذان کہے۔ کیونکہ وہ تجھ سے زیادہ بلند آواز ہے۔ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور ان کو اذان کے کلمات بتلاتا جاتا تھا۔ اور حضرت بلال اذان دیتے جاتے تھے۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں۔ اذان بلال کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا جبکہ وہ اپنے گھر میں تھے۔ تو وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکلے یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ البتہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبداللہ بن زید کو دکھایا گیا ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد اللہ ہی کے لیے سب حمد و ثنا ہے۔ اسے ابوداؤد دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا مگر ابن ماجہ نے اقامت کا ذکر نہیں کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس نے قصہ ناقوس کی تصریح نہیں کی۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن زید انصاری خزرجی ہیں۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کو صاحب اذان بھی کہتے ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے ناقوس تیار کرنے میں صحابہ کے اختلاف کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تخییر کے طور پر ہو (یعنی تمہیں ناقوس تیار کر لینے کا اختیار ہے) واللہ اعلم۔

ﷺ کیا تو ناقوس چاہتا ہے۔ میں تجھے ایسی چیز نہ بتلاؤں جو اس سے بہتر ہے؟

ﷺ تا آخر اذان بیان کردہ کیفیت کے مطابق۔ اور اسی طرح اقامت بھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقامت عدد کلمات میں اذان کی طرح ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں عبارت کا معنیٰ ہے کہ اسی طرح آپ نے اقامت کی تعلیم دی۔ تو یہ تشبیہ صرف تعلیم میں ہے۔

ﷺ یہاں کلمہ ان شاء اللہ تعالیٰ کا استعمال تبرک اور اظہار رغبت کے لیے ہے۔ شک و تردد کے لیے نہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کلام کا معنیٰ خواب یا اجتہاد کے ذریعے حصول یقین کے بعد نزول وحی کے اظہار کا انتظار و توقع ہے۔ گویا اسی وقت وحی کا نزول ہوا اور اسی وقت آپ نے اجتہاد بھی کیا۔ تو عبد اللہ بن زید کو فرمایا فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ اِلٰی اٰخِرِہٖ

ﷺ یعنی آپ نے یہ قصہ یا حضرت بلال کی اذان سنی۔

ﷺ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرشتے سے آسمان میں بیداری کی حالت میں اذان سنی۔ اور اس حدیث کی عبارت کہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو اسے دکھایا گیا ہے، اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

ﷺ یعنی خدا تعالیٰ کی ہی حمد و ستائش ہے کہ تیرا دیکھنا اور اس کا دیکھنا آپس میں موافق و مطابق ہوگیا ہے۔ کہ حق کی طرف سے الہام ہوگیا ہے۔ اور تیری زبان سے صدق و صواب نکلا ہے۔

ﷺ جو کہ دوسری روایت میں واقع ہوا ہے۔

ﷺ چنانچہ ان کے نزدیک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ کہ حضرت عبد اللہ بن زید نے کہا جب ہم نے صبح کی تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے خواب کی حضور کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ خواب حق ہے۔ اور فرمایا بلال کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو۔ کہ وہ تجھ سے زیادہ نرم و شیریں آواز والا ہے اور جو کلمات تجھے خواب میں بتلائے گئے ہیں بلال کو ان کی تلقین کرتا جا۔ اور بلال کو چاہیئے کہ وہ انہیں آواز سے کہتا جائے۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کی آواز سنی تو اپنے گھر سے باہر نکل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی چادر کھینچتے ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و راستی دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی اس کے مطابق دیکھا ہے جو کچھ یہ عبد اللہ بن زید کہہ رہے ہیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وللہ الحمد فذلک اثبت۔ حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ تو اس پر ثابت و قائم رہ۔

۶۱۰ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز صبح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ اَوْ حَرَّكَهٗ بِرِجْلِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

نکلا۔ تو آپ کسی آدمی کے پاس سے نہ گزرتے تھے مگر اسے نماز کی آواز دیتے تھے یا اس کے پاؤں کو ہلاتے تھے۔ ؎۲

(ابوداود)

؎۱ یعنی حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نام نفیع بن الحارث ہے۔

؎۲ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے بیدار کرنا جائز ہے۔ خواہ بلانے کی صورت میں ہو یا خواہ ہلانے کے ساتھ۔

۴۱/۱۲ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَآءَ عُمَرَ يُؤْذِنُهٗ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهٗ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَاَمَرَهٗ عُمَرُ اَنْ يَّجْعَلَهَا فِيْ نِدَآءِ الصُّبْحِ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُؤَطَّا)

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ مؤذن حضرت عمر کو نماز صبح کی اطلاع دینے آیا ؎۱ انہیں سویا ہوا پایا۔ تو کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضرت عمر نے اس کو کہا یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہا کر ؎۲

(اسے مالک نے موطا میں روایت کیا)۔

؎۱ یعنی اذان ہو جانے کے بعد۔

؎۲ حضرت ابومحذورہ کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تھا کہ صبح کی اذان میں یہ الفاظ کہا کریں۔ بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت بلال حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضور یہ الفاظ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا یہ الفاظ اذان میں کہا کر۔ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہ سنت حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد متروک ہو گئی ہو پھر امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دوبارہ روشن و تازہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۲/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَّجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّهٗ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد ——— مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے باپ اور انکا باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالا کریں اور فرمایا اس طرح تیری آواز زیادہ بلند ہوگی۔

(ابن ماجہ)

لہ یعنی عبدالرحمن نے کہا مجھ سے روایت بیان کی میرے باپ سعد بن عمار نے اس نے اپنے باپ سے یعنی عمار بن سعد سے اور میرے باپ نے اپنے دادا سے جن کا نام سعد قرظ ہے۔ قرظ قاف کی زبر اور را و ظاء کے ساتھ یہ سعد قرظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسجد قبا میں موذن تھے۔ واضح ہو کہ سعد جو آنحضرت کے موذن ہیں صحابی ہیں۔ اور عمار بن سعد ان کے لڑکے تابعی مقبول ہیں اور طبقہ ثالثہ میں ہیں اور ان کا لڑکا عبدالرحمن مستور الحال راوی ہے) چھٹے طبقہ سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ پس عبدالرحمن اپنے باپ سے کہ سعد بن عمار ہے۔ وہ اپنے باپ سعد سے جو صحابی ہیں اور میرے باپ کا دادا ہے۔ ابیہ و جدہ کی دونوں ضمیریں لفظ ابی کی طرف لوٹتی ہیں۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان کی فضیلت و شان فی نفسہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ اذان کہنا افضل ہے یا امامت کرنا۔ مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اگر جانتا ہو کہ امامت کے حقوق صحیح اور کامل طور پر بجا لا سکتا ہے تو امامت افضل ہے ورنہ اذان افضل ہے۔

پھر اس بارے میں بھی علماء نے گفتگو کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اذان کہی ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ لوگ سواریوں پر سوار تھے۔ نیچے اترنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس وقت آپ نے اذان کہی اور سواریوں پر ہی نماز ادا کی۔ بعض نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اذان کہنے سے اذان کا حکم دینا مراد ہے۔ اور یہ طریقہ عربوں میں بہت مروج ہے کہ جو شخص کسی کام کا حکم دیتا ہے۔ وہ کام اسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں بادشاہ نے قلعہ تعمیر کیا اور جوڑا پہنایا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس کام کا حکم دیا ہوتا ہے دارقطنی کی روایت میں اس امر کی تصریح بھی آچکی ہے کہ آپ نے اذان کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ہدایہ میں حضرت امام ابو یوسف سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی اذان و اقامت خود کہی۔ اور دونوں کے درمیان بیٹھے۔ کلام سغناقی سے ظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اقامت بھی خود کہی تھی۔ (غور کرو)

موذن کی اذان کا جواب دینا واجب ہے اور اگر چند اشخاص اذان دیں تو اول کی اذان کا جواب ضروری ہوگا۔

اور اگر مختلف اطراف سے اذان کی آواز بیک وقت آرہی ہو تو اسے اپنے محلے کی مسجد کی اذان کا جواب دے اور اگر اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو پھر اذان کا جواب دینا ضروری نہیں کہ وہ فعل سے اس کا جواب دے رہا ہے اور قرآن پڑھنے والے میں دو قول ہیں مختار و پسندیدہ قول یہ ہے کہ اس کے لیے جواب دینا لازم نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۶۰۳۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز اذان دینے والوں کی گردنیں تمام لوگوں سے زیادہ دراز[۱] ہوں گی (مسلم شریف)

[۱]۔ یہ قیامت کے دن ان کی بزرگی اور سرفرازی اور سربلندی سے کنایہ ہے۔ یا بہشت میں داخل ہو کر ان کے اذان کہنے کی انتظار سے کنایہ ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرامت کے لیے ان کے دیدہ ہائے امید کے دراز ہونے کی جانب اشارہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا منتظر اور امیدوار ہوتا ہے وہ اس کی طرف دیکھتا اور اس کی جانب گردن دراز کرتا ہے یا اس کی درگاہ عزت و عظمت میں قرب و نزدیکی سے کنایہ ہے۔ بعض نے اعناقا بکسر ہمزہ روایت کیا ہے۔ یعنی شتابی کرنا اور تیز چلنا یعنی بہشت کی جانب۔ مطلب یہ کہ اذان کہنے والے جنت میں جلد پہنچیں گے۔

۶۰۴۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاْذِيْنَ فَاِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰى اِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ اَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ يَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کیلیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے زور سے ہوا خارج کرتا ہے۔ تاکہ اذان نہ سن سکے اور اس کی جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز کی تکبیر شروع ہوتی ہے تو پھر پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت ختم ہوتی ہے تو واپس آ جاتا ہے اور آ کر انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوتا اور وسوسہ اندازی کرتا ہے اسے کہتا ہے فلاں چیز یاد کر فلاں چیز یاد کرو باتیں یاد دلاتا ہے جو اسے پہلے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لہ تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے بعض کہتے ہیں یہ اپنے ظاہر معنی پر محمول ہے کیونکہ شیطان بھی غذا کھانے والا جسم رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر بلند آواز سے ہوا خارج کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لہٰذا وہ ہوا خارج کرتا جاتا اور بھاگتا جاتا ہے جس طرح گدھا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں تشبیہ دی گئی ہے شیطان کے اپنے آپ کو اذان کی آواز سننے سے غافل کرنے کو اس آواز کے ساتھ جو کان کو بھر دے کہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اور اس تشبیہ کو گوز، یا دنے سے تعبیر کرنا اس کی قباحت و شناعت بیان کرنے کے لیے ہے۔ مسلم کی روایت میں کہ حصاص کا لفظ بھی آیا ہے حُصاص حا کی پیش اور صاد مہملہ کے ساتھ یعنی سخت تیز دوڑنا۔

سلہ سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیطان اذان سے کیوں بھاگتا ہے۔ نماز و تلاوتِ قرآن ، کیوں نہیں بھاگتا۔ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور رابیار عب رکھا ہے کہ جس سے ابلیس پر سخت رعب و ہیبت چھا جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں راز یہ ہے کہ اذان اگرچہ نماز کا مقدمہ ہے لیکن اس میں عجب و ریا نہیں ہوتا۔ اور نماز چونکہ کامل درجہ کی فضیلت رکھتی ہے اس لیے آدمی اس میں عجب و ریا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس رخنہ کے راستے شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ قرآن کی بھی یہی کیفیت ہے مختصر یہ کہ اذان میں یہ خاص چیز رکھ دی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

۶۰۵/۲ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں سنتی جن و انسان اور نہ کوئی اور چیز[لہ] مؤذن کی انتہائی آواز مگر وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی[سلہ] دے گی۔
(بخاری شریف)

لہ حیوانات۔ نباتات۔ اور جمادات میں سے وغیرہ۔

سلہ یعنی اس کے ایمان، اس کے فضل و کمال اور اس کی عزت و بزرگی کی گواہی دے گی۔ مدیٰ میم اور دال کی زبر سے کسی چیز کی غایت و نہایت کو کہتے ہیں۔ غایت و نہایت کی تخصیص اس بنا پر کی کہ جب وہ چیز بھی گواہی دے گی جو پست آواز سنے گی۔ اگرچہ انتہائی پست ہو تو وہ چیز جو نزدیک ہوگی اور بلند آواز سنے گی وہ بطریق اولیٰ گواہی دے گی۔

۶۰۶/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو مثل اس کی جو وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو، کہ وہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق و شایان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں جو شخص میرے لیے خدا سے وسیلہ کا سوال کریگا اسکے لیے شفاعت لازم ہو جائیگی (مسلم شریف)

لے درود شریف بھیجنے کا یہ جزا اللہ کی طرف سے ہمیشہ کے لیے مقرر ہے تو اس وقت بھی مجھ پر درود شریف بھیجو۔ کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

ے لغت میں وسیلہ سبب اور دستاویز کو کہتے ہیں۔ توسل کا معنیٰ ہے کسی چیز کے ذریعے نزدیکی ڈھونڈنا وسیلہ کرد بجا اور وسیلہ کرد بسوئے خدا کا معنیٰ ہے عمل کے ذریعے خدا کا قرب تلاش کیا۔ یہاں وسیلہ سے مراد جس کے سوال کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا ہے اللہ جل جلالہ وعز شانہ کے حضور اور اس کی درگاہ عزت وعلو میں اس قرب کا سوال ہے جو آپ کو عطا ہوگا۔ اور جو عموماً و خصوصاً مخلوق کے لیے حصول شفاعت کا سبب بنے گا۔ اور بہشت میں مرتبے اور درجے کا حصول بھی اس قرب و درجہ کا نتیجہ اور اثر ہوگا۔ اسی بنا پر اس کی تفسیر اس مرتبے سے کی گئی ہے۔ جو جنت میں آپ کو نصیب ہوگا۔ اور ارجو (میں امید کرتا ہوں) کا لفظ بارگاہ الٰہی میں تواضع اور ادب کی نیت سے آپ نے استعمال فرمایا ورنہ حقیقت میں یہ اس مرتبے کے یقینی طور پر حصول سے کنایہ ہے۔ کیونکہ حبیب کی امید حضرت محبوب اللہ تعالےٰ میں ناکامی کا منہ ہرگز نہ دیکھے گی۔

ہے وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب موذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر ، اور جب موذن اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو تم نے بھی اشہدان لا الہ الا اللہ کہا۔ پھر موذن کہتا ہے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو تم نے بھی اشہدان محمد رسول اللہ کہا۔ پھر کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ تم نے اس کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ پھر وہ کہتا ہے حی علی الفلاح تم نے اس کے جواب میں

بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا پھر وہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ تم نے بھی اپنے دل میں کہا لا الہ الا اللہ۔ جو بھی ایسا کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔

(مسلم شریف)

لہ احادیث میں حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہی کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ آیا ہے اور وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں ماشاء اللہ کان ومالم یشا ءلم یکن اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ ان کلمات کے جواب میں حیعلہ (حی علے الصلوۃ حی علے الفلاح) اور حوقلہ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) دونوں کو جمع کرنا جنیلوباب سے ایک روایت ہے۔

۶۰۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اذان سننے کے وقت یہ دعا پڑھے

(ترجمہ) اے میرے اللہ اس دعوت کاملہ (دعوت توحید) اور صلوۃ قائمہ (حی علی الصلوۃ) کے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر رتبہ و درجہ عطا کر۔ اور آپ کو مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ تو اس کیلیے روز قیامت میری شفاعت واجب ہوگی۔

لہ اور بیہقی کی روایت میں یوں آیا ہے۔ (اے میرے اللہ میں تجھ سے اس دعوت تامہ کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں) دعوت تامہ سے دعوت توحید مراد ہے جو نقص شرک سے منزہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ اور روز قیامت تک باقی و قائم ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تمام اقوال سے اتم اور اکمل قول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے کیونکہ یہ تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہے۔

۲ہ والصلوۃ القائمہ یہ حی علے الصلوۃ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور صلوۃ سے دعا اور قائمہ سے دائمہ مراد لیا جائے تو پھر یہ دعوت تامہ کی تاکید اور اس کا بیان بنے گا۔

۳ہ مقام محمود سے وہ مقام مراد ہے کہ اس مقام والے کی سب کائنات صفت و ثنا کرے گی اور تمام مخلوق اس پر رشک کرے گی۔ اور یہ مقام قرب و شفاعت ہے۔ کہ تمام عالم حیران و سرگردان ہوگا اور انبیاء و رسل میں سے کسی کو

بھی ہیبت و دہشت کے باعث سر اٹھانے کی جرات نہ ہوگی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے قدوس کے حریم خاص میں حاضر ہوں گے اور اس دروازہ (شفاعت) کو کھولیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ خدا تعالیٰ (اس دن) اپنے محبوب پاک کو ایسی حمد کی تعلیم و تلقین کرے گا کہ جب آپ اس حمد کے ساتھ خدا تعالیٰ کی صفت و ستائش کریں گے تو رحمت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روز قیامت عرش پر بٹھایا جائے گا سبز رنگ کا خاص لباس آپ کو پہنایا جائے گا پھر آپ کو اذن دیا جائے گا کہ جو چاہیں فرمائیں اور جو کچھ میرے حبیب کی رضا ہے مجھ سے مانگے اور طلب کرے۔ اس دن معلوم ہوگا کہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے۔ اور اس (آخرت) کی مجلس و معرکہ کا صدر و سلطان کون ہے ۔

آں چشم و چراغ اہل بینش سلطان سریر آفرینش

وہ اہل دانش و بینش کا چشم و چراغ وہ کائنات ہستی کا سلطان و بادشاہ

ے

در مقامیکہ صدارت بہ بزرگان بخشند چشم دارم کہ بجا از ہمہ افزوں باشی

وہ مقام جہاں بزرگوں کو صدارت عطا کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں بھی تو سب سے افضل و اعلیٰ جگہ میں ہوگا۔

۴ یعنی اپنے اس قول مبارک میں جو تو نے قرآن میں فرمایا
تیرا رب عنقریب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔

۵ یعنی جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھتا ہے روز قیامت اس کے لیے شفاعت اترے گی اور وہ اس کا مستحق قرار پائے گا۔ اگرچہ تمام امت گنہگار گناہوں کی مغفرت کے لیے نیک لوگ بلندی درجات کے لیے شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔ لیکن اس عمل والے کے لیے شفاعت لازم و ضروری ہوگی اور یہ شخص خصوصی شفاعت اور عظیم رحمت سے نوازا جائے گا۔ بعض علماء رحمہم اللہ نے اس قسم کی بشارات کو حسن عاقبت اور ایمان پر موت سے کنایہ قرار دیا ہے کہ شفاعت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔ پس شفاعت کی بشارت ایمان پر موت کی بشارت کو مستلزم ہے جیسا کہ حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی) میں علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے۔ اللھم ارزقنا اے اللہ ہمیں اپنے حبیب کی شفاعت نصیب فرما۔

۶۰۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے تھے۔ اور آپ کان لگا کر اذان سنتے تھے۔ اگر دشمن کی طرف سے

وَلَا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِىْ مِعْزًى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے ۔ ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر تو آپ نے فرمایا اسے مرد تو اسلامی فطرت پر ہے اور آپ نے اس کے ایمان کی گواہی دی پھر اس نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ آپ نے فرمایا تو آگ سے باہر نکل آیا ۔ لوگوں نے اس آدمی کو جا کر دیکھا تو وہ بکریاں چرانے والا چرواہا نکلا ۔

(مسلم شریف)

لمعات غارت کا معنی ہے ۔ قتل اور لوٹ مار کے لیے گھوڑوں کو سخت دوڑانا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے تشریف لے جاتے صبح کو تشریف لے جاتے ۔ تا کہ ان کے کفر و اسلام کا امتحان ہو سکے ۔

سلہ کہ ان کی اذان سے پتہ چل جاتا کہ یہ مسلمان ہیں ۔

سلہ کہ اس قوم سے اذان کی آواز نہ آنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں ۔ آپ نے اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ان کے ایمان و کفر کی علامت قرار دیا ۔ ایک فقہی روایت میں آیا ہے کہ کسی جگہ کے لوگ اگر اذان کہنا ترک کر دیں تو ان کے خلاف تلوار کشی جائز ہو جائے گی کہ اذان اگرچہ سنت ہے مگر شعائر اسلام میں سے ہے ۔

سلہ یہ اس کے ایمان کی تاکید ہے ۔ اس کا معنی یہ ہے تو آتش دوزخ سے باہر نکل آنے کا مستحق ہو گیا ہے ۔ یا معنی یہ ہے کہ اگر تو گناہ بھی کرے اور اس کی سزا کے طور پر دوزخ میں بھی جائے ۔ آخر کار ایمان کی بدولت دوزخ سے نکل آئے گا ۔ (غور کرو)

سلہ تا کہ معلوم کریں کہ یہ کون شخص ہے ۔

سلہ معزٰی میم کی زیر اور عین ساکن اور زا کی مد و قصر کے ساتھ معز و معز بمعنی بکری ۔۔۔۔۔۔ ضان بمعنی بھیڑ ۔

۹۱۱/۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اذان سننے کے وقت یہ پڑھتا ہے ۔

لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کے رب ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں[1] (مسلم شریف)

[1] یعنی تمام صغیرہ گناہ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

۶۱۱/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے پھر آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا[1] اس کے لیے جو چاہے (بخاری و مسلم)

[1] یعنی دو اذانوں (اذان و اقامت) کے درمیان وقفہ میں جو شخص چاہے نماز پڑھے مگر یہ نماز لازم و ضروری نہیں چاہے تو پڑھے چاہے تو نہ پڑھے۔

واضح ہو کہ دو اذانوں سے یہاں اذان و اقامت مراد ہے۔ اقامت کو بھی اذان سے مشابہت ہونے کی بنا پر اذان کہہ دیا جس طرح شمس و قمر کو قمرین اور امام حسن و حسین کو حسنین کہتے ہیں۔ یا اس وجہ سے اقامت کو اذان کہا کہ اذان بمعنی اعلام (اطلاع دینا) ہے اور اقامت بھی نفل نماز کے موجود ہونے کی اطلاع ہے جس طرح اذان نماز کا وقت ہونے کی اطلاع ہے مطلب و مراد یہ ہے کہ اذان دینے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے یا اس میں فرض سے پہلے نوافل کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جو بعد دو وقت درپیش ہے۔ وہ نماز مغرب کے بارے میں ہے کہ اس میں اذان کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین حنفیہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ میں سے چند حضرات اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد کے ستونوں کی طرف جاتے اور فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کو نماز میں دیکھتے اور منع نہ فرماتے۔ اور مسلم نے اتنا مضمون اور زیادہ کیا

کہ جب کوئی اجنبی آدمی باہر سے آتا تو گمان کرتا کہ نماز ہو گئی کیونکہ وہ لوگوں کو نماز میں دیکھتا یہاں بعض حضرات نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ مگر یہ گمان درست نہیں کیونکہ یہ دو رکعت صحابہ اذان کے متصل بعد فرض نماز سے پہلے پڑھتے تھے۔ اور حضور نے صحابہ کرام کو ایسا کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ابتداء میں ایسا کرنے کا اختیار تھا بعد میں جب نماز عصر کے بعد پڑھنے سے ممانعت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ساتھ مغرب کی اذان کے بعد کے نفلوں کا جواز بیان فرمایا اس کے بعد ان کا جواز بھی منسوخ ہو گیا۔ یہاں کافی گفتگو ہے جو شرح (عربی) میں ہم نے کر دی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۶۱۲/۱۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَّ الْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ الشَّافِعِیُّ وَ فِیْ اُخْرٰی لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن ہوتا ہے[۱] اور موذن امین ہے[۲] اے اللہ ائمہ کو علم و عمل کی توفیق عطا فرما[۳] اور موذنین کی مغفرت فرما[۴] اسے احمد ابوداؤد اور ترمذی اور شافعی نے روایت کیا اور ایک دوسری روایت میں امام شافعی سے دوسرے الفاظ مروی ہیں جو مصابیح میں ہیں کہ کہا

یعنی ائمہ نماز ضامن ہیں اور موذن لوگ امین ہیں۔ اے اللہ ائمہ کو ہدایت عطا کر اور موذنین کی مغفرت فرما۔

۱ یعنی امام مقتدیوں کی نمازوں کا بوجھ اپنے اوپر لانے والا ہے کہ ان کی قرأت اپنے ذمہ لیتا ہے اور سا ان کا قیام بھی اگر وہ رکوع میں شامل ہوں۔ اور وہ ان کے لیے افعال نماز اور رکعات کی تعداد کا خیال رکھتا ہے۔

۲ کہ وہ ان کے لیے نماز و روزہ کے اوقات کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے۔

۳ اے اللہ اماموں کی راہ نمائی فرما۔ انہیں علم و عمل اور درستی حال کی توفیق عطا فرما۔

۴ یعنی موذنین سے جو کوتاہی اور خطا صادر ہو جائے اس سے درگزر فرما۔ اس حدیث میں امامت اور اذان کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا حال بیان کرنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا مطلوب ہے۔ (خوب غور کرو)

۶۱۳/۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سات سال اذان دی محض اللہ کی رضا اور طلب ثواب کے لیے اس کیلئے دوزخ سے بیزاری لکھ دی جاتی ہے۔
ترمذی، ابو داؤد
ابن ماجہ

۶۱۴/۱۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے رب کو پہاڑ کی بلندی میں بکریاں چرانے والے کی یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ نماز کے لیے اذان دیتا۔ اور نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ اذان دیتا اور نماز قائم کرتا ہے۔ یہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ اور میں نے اسے جنت میں داخل کیا۔
(ابوداؤد و نسائی)

۱؎ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقبہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے۔ پھر آپ نے انہیں معزول کر دیا مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲؎ تیرا رب تعجب کرتا ہے یعنی اس کے نزدیک عظمت و شان والی بات ہے۔ اور بکریاں چرانے والے سے وہ راضی اور خوش ہوتا ہے۔

۳؎ اگرچہ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتا۔

۴؎ کہ ترک سنت پر میں مجھ سے ڈرتا ہے۔ لوگوں کا ہونا نہ ہونا اس کی نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف میرے خوف سے اذان کی سنت قائم کرتا ہے۔

۶۱۵/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین آدمی کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ ایک وہ بندہ جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی

رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَ هُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَ رَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ۔

دوسرا وہ آدمی جو کسی قوم کا امام بنا اور وہ اس سے راضی ہوں۔ تیسرا شخص وہ جو دن رات میں پانچ نمازوں کے لیے اذان دیتا ہو۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

ؒ۔ کثبان جمع کثب ثا کے ساتھ یعنی ریت کا ٹیلہ۔ کَثَبَ کا معنی ہے جمع کرنا۔

۲۔ اپنے آقا کا حق بھی دراصل خدا تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ فرمان شریعت کے تحت اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں رہتا ہے اور اس پر بوجھ بھی زیادہ ہے۔

۳۔ کیونکہ وہ امام نماز کے احکام، اس کے ارکان و سنن و مستحبات کا پورا پورا خیال رکھتا ہے اور نماز کی قراءت بھی صحیح اور خوبصورتی سے کرتا ہے۔

۱۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهٗ مَدٰى صَوْتِهٖ وَ يَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّ يَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ يُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ صَلٰوةً وَّ يُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤذن کی بخشش ہو جاتی ہے اس کی انتہائی (پست) آواز تک بھی ۱ اور ہر تر اور خشک چیز اس کے لیے گواہی دیتی ہے ۲ اور نماز کو آنے والے کے لیے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے ۳ اور دو نمازوں کے درمیان اس سے ہونے والے گناہ بخش دیے جاتے ہیں ۴۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ كُلُّ رَطْبٍ وَّ يَابِسٍ وَ قَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى

اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے اسے کل رطب و یابس کے قول تک روایت کیا اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے۔ ولہ مثل اجر من صلی کہ اس مؤذن کو تمام نمازیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ ۵

ؒ۔ یعنی اس کی نہایت آواز تک اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس قدر وہ آواز بلند کرتا چلا جاتا ہے اسی کے مطابق اس کی مغفرت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اگر اپنی آواز انتہائی بلند کرے تو اس کی مغفرت بھی انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

ان الفاظ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس مؤذن کے اتنے گناہ ہوں کہ جہاں تک اس کی اذان کی آواز

پہنچ رہی ہے اس ساری مسافت و فاصلہ کو پر کر دیں تو وہ سب گناہ اذان کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں۔ مگر ابن خزیمہ کی روایت پہلے معنی کی تائید کرتی ہے۔

ٹ اگر چہ ظاہراً یہ لفظ (رطب و یابس) نباتات یا جمادات کے لیے آتا ہے۔ مگر یہاں حدیث میں ہر چیز مراد ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ کے قول مبارک ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین میں رطب و یابس سے ہر چیز مراد ہے۔

اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب جمادات و نباتات گواہی دیتے ہیں تو پھر جن و انس بطریق اولی گواہی دیں گے۔

ٹ۔ اور اس کی اذان سن کر نماز کے لیے آنے والے کو ایک نماز ادا کرنے پر پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ نماز با جماعت اکیلا نماز پڑھنے سے پچیس گنا فضیلت و درجہ رکھتی ہے اور یہ فضیلت درحقیقت اذان کی فضیلت کی جانب رجوع کرتی ہے۔ کیونکہ جماعت اذان کی بدولت ہوئی۔ اور اذان کی وجہ سے لوگ اکٹھے ہوئے اور اس درجہ کو پہنچے۔

ٹ یعنی وہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو دو نمازوں کے درمیانی وقفہ میں موذن سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جب کہ وہ دونوں نمازیں پڑھے اور دونوں میں شامل ہو۔

ٹ۔ ہو نفل شاہد الصلوۃ کے الفاظ روایت نہ کیے۔

ٹ۔ کہ فعل خیر پر دلالت کرنے والا اس نیک کام کے کرنے والوں کے ساتھ شریک قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ بھی ان کے ثواب میں شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی نماز کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کا ذریعہ بنا ہے یہ مطلب نہیں کہ موذن کو تمام نمازیوں کی نمازوں جتنا ثواب ملتا ہے۔ تاکہ لازم آئے کہ اذان نماز سے بھی افضل ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُھُمْ وَ اقْتَدِ بِاَضْعَفِھِمْ وَ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِیُّ

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنی قوم کا امام مقرر فرما دیں۔ فرمایا تم ان کا امام ہے اور امامت میں قوم کے کمزور ترین آدمی کے حال کا خیال رکھ کر نماز ادا کرنا۔ اور ایسا موذن مقرر کرنا جو اذان پر اجرت وصول نہ کرے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

ٹ۔ حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ ثقفی ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طائف کا حاکم مقرر فرمایا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پھر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر حضرت عمر نے انہیں اس عہدہ سے الگ کر کے عمان اور بحرین کا والی تصور فرمایا۔

سلہ یعنی میں نے تجھے اس جماعت کا امام مقرر کر دیا۔

سلہ۔ امامت کرتے وقت کمزور ترین مقتدیوں کی حالت پیش نظر رکھنا قرأت اور دوسرے ارکان نماز اسقدر طویل نہ کرنا جو ان کی برداشت سے باہر ہو اور جس سے وہ دل تنگ ہوں۔ اور نماز یا جماعت کے لیے آنا ترک کر دیں۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِيْ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا کہ میں اذان مغرب کے وقت یہ دعا پڑھا کروں اللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ۔ اے اللہ یہ تیری پیدا کردہ رات کے آنے کا وقت ہے وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ اور یہ تیرے پیدا کردہ دن کے جانے کا وقت ہے۔ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ اور یہ تیری عبادت کی جانب بلانے والوں کی آوازوں کا وقت سلہ ہے تو مجھے بخش دے سلہ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

سلہ یعنی آوازوں (اذانوں) کا وقت ہے۔

سلہ۔ اور ایک روایت میں دحضور صلوٰتک (تیری نماز کے موجود ہونے کا وقت ہے) کے الفاظ زیادہ آئے ہیں۔ فاغفرلی۔ اور ایک روایت میں اسألک ان تغفرلی کا لفظ آیا ہے۔ یعنی میں تجھ سے اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَوْ بَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِي الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا وَقَالَ فِيْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِي الْاَذَانِ
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوامامہ سے یا بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی جب انہوں نے قد قامت الصلوٰۃ کے لفظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اسے قائم اور ہمیشہ رکھے اور آپ نے اقامت کے باقی الفاظ اسی کی مانند کہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اذان میں مروی ہیں۔ (ابوداؤد)

لہ۔ حضرت ابو امامہ باہلی مشہور صحابی ہیں۔

ٹہ۔ یعنی اس حدیث کو بعض راویوں نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ اور بعض نام کی صراحت کے بغیر نائے ہیں۔ اور بغیر کسی صحابی کا نام لیے یوں کہا ہے۔ کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تہ۔ یعنی اذان میں مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو فصل اول میں گزری ہے۔ یعنی اذان کے جو کلمات سنے وہی کہتا جائے۔

۶۲۰/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔ (ترمذی والبوداؤد)

لہ۔ حدیث کے ظاہر الفاظ عام ہیں کہ اذان کے متصل بعد دعا کرے یا کچھ دیر سے۔ بہتر یہ ہے کہ متصل کرے تاکہ اُس حدیث جس میں فرمایا۔ عند النداء کے موافق ہو جائے۔

۶۲۱/۱۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں (دعائیں) رد نہیں ہوتیں۔ یا کم ہی رد ہوتی ہیں ٹہ ایک اذان کے وقت دوسری کفار کے ساتھ جنگ کے وقت دعا جب بعض بعض کو قتل کر رہے ہوں یا ایک دوسرے گتھم گتھا ہو رہے ہوں ٹہ ایک روایت میں عند الباس کے بجائے وتحت المطر کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بارش کے نیچے یا بارش کے وقت اسے ابوداؤد دارمی نے روایت کیا مگر دارمی نے وتحت المطر کی روایت کا ذکر نہیں کیا۔

لہ۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ صحابہ میں مدینہ کے اندر سب سے آخر فوت ہونے والے یہی صحابی ہیں۔

ٹہ۔ قلت کا لفظ عدم سے کنایہ ہے یعنی دعا رد نہیں ہوتی۔

تہ۔ لحم کا لفظ جنگ میں قتل کرنے یا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں نقد یُلحم اور حا کی زبر کے ساتھ اور حا کی پیش اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔

ٹ۔ عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ بارش کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرے کہ بارش اس پر برس رہی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تحت المطر سے بارش نازل ہونے کا وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔
اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی دونوں نے روایت کیا۔ تاہم دارمی نے تحت المطر والی روایت کا ذکر نہیں کیا۔

۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ
رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مؤذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بھی وہی الفاظ کہہ اور جب تو آخر پر پہنچے تو خدا سے مانگ سب تجھے ملے گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

ٹ۔ کیونکہ وہ اذان کہتے ہیں اور ہم اذان نہیں کہتے۔
ٹ۔ یہ اس کے جواب سے زیادہ بات آپ نے بیان فرمادی اور اس جانب اشارہ ہے کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعا کرے تو زیادہ فضیلت کی بات ہے۔
ٹ۔ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں آچکا ہو تب بھی اذان کا جواب دے کہ اذان کا ثواب پائے گا۔ برخلاف اس کے جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اجابت فعلی کی موجودگی میں اجابت قولی کی کوئی ضرورت نہیں۔ (خوب سمجھو)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۶۴ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيْ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ مِيْلًا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے تاآنکہ مکان روحاء تک چلا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ روحاء مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔
(مسلم شریف)

لہ۔ روحاء را کی زبر حا ساکن اور مد کے ساتھ۔
ٹہ۔ بعض نے کہا کہ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

۶۲۴ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذْ أَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتَّى إِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت علقمہ بن لہ وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا کہ اچانک ان کے موذن نے اذان کہنا شروع کردی۔ تو حضرت معاویہ نے بھی وہی کلمات کہے جو موذن کہتا تھا یہانتک کہ جب موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا پھر جب موذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہا۔ (اس مرتبہ انہوں نے العلی العظیم کے الفاظ زیادہ کیے) اسکے بعد انہوں نے وہی الفاظ کہے جو موذن نے کہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (احمد)

لہ۔ حضرت علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

۶۲۵ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اذان کہی۔ اذان ختم کر کے جب حضرت بلال خاموش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے یقین وایمان سے موذن کے کلمات کی مانند کلمات کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (نسائی شریف)

لہ۔ یعنی صدق ویقین سے اذان کا جواب دے۔
ٹہ۔ اگرچہ حدیث کا سیاق (انداز الفاظ) موذن کا جواب دینے والوں کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ تاہم اس سے موذن کی فضیلت خود بخود ثابت ولازم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب موذن کے الفاظ کے مثل الفاظ کہنے والا ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے تو جس نے (موذن) نے پہلے یہ کلمات اذان کہے وہ بھی اجر وثواب پائے گا۔

۶۶۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَاَنَا وَاَنَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب موذن شہادتیں (اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ) پڑھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے وانا وانا یعنی میں بھی گواہی دیتا ہوں میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ (ابوداؤد)

۶۶۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَاْذِيْنِهٖ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ اِقَامَةٍ ثَلٰثُوْنَ حَسَنَةً (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بارہ سال اذان دے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے[۱] اور اس کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت پر تیس نیکیاں عطا ہیں[۲]۔ (ابن ماجہ)

[۱] گزشتہ فصل ثانی میں سات سال فرمایا ہو سکتا ہے۔ پہلے بارہ سال کی وحی ہوئی ہو اس کے بعد جب فضل و کرم حق تعالیٰ میں مزید وسعت آئی تو فرمایا اگر صرف سات سال ہی اذان کہے تو بخشش اور دخول جنت کے لیے کافی ہے۔ بلکہ وہاں زیادہ بشارت یہ بھی دے دی کہ کتب لہ براۃ من النار کہ اس کے لیے دوزخ سے برأت و نجات لکھ دی جاتی ہے۔ اور یہاں فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کہ برأت سے خصوصی انعام (ہمیشہ و دوامی) سبب نجات مراد ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بارہ سال کی اذان میں یہ زیادتی ہے کہ موذن کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

[۲] بظاہر ذہن میں فوری طور پر آتا ہے کہ چونکہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہوتے ہیں اسی لیے اس کا آدھا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت پر اذان کی فضیلت اس بنا پر ہو کہ اذان میں مشقت اور محنت زیادہ ہے اور تعین عدد کا راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۶۶ وَعَنْهُ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے زمانہ میں ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ اذان مغرب کے وقت ہم دعا کیا کریں[۱]۔ اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

[۱] شاید کہ اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزری ہے۔

بَابٌ فِيْهِ فَصْلَيْنِ

گزشتہ دو بابوں میں جو کچھ مذکور ہوا ان کے ملحقات اور انہیں مکمل کرنے والے اُمُور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۶۲۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَ كَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بلال فجر کی اذان رات کے حصے میں ہی دے دیتا ہے[1] تم لوگ ابن ام مکتوم کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو[2]۔ راوی کہتا ہے ابن ام مکتوم ایک نابینا شخص تھے وہ اس وقت تک اذان نہ کہتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہیں صبح ہو گئی صبح ہو گئی[3]۔ (بخاری و مسلم)

[1] تاکہ لوگ قبل از فجر غسل استنجا اور وضو کر کے نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کے لیے رات میں ہی اذان کہنا درست ہے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی بھی اسی پر ہیں۔

[2] رمضان کے مہینے میں سحری کھاؤ پیو۔ تاآنکہ حضرت ابن ام مکتوم اذان دیں۔ حضرت ابن ام مکتوم مشہور صحابی ہیں۔ آپ بھی موذن تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موذن تھے کہ ایک فجر ہونے سے پہلے اذان کہتا تھا۔ دوسرا فجر ہونے کے بعد۔ غالباً یہ طریقہ رمضان شریف میں ہوتا تھا ایک اذان سحری کے لیے۔ دوسری نماز کے لیے۔ شافعی حضرات کہتے ہیں فجر کے لیے دو موذن ہونے چاہئیں۔ ایک فجر سے پہلے رات کے نصف آخر میں اذان کہے۔ دوسرا فجر کے لیے اول وقت میں اذان کہے۔

[3] اصبحت اصبحت۔ صبح ہو گئی ہو گئی یعنی صبح نزدیک ہو گئی۔ صبح کے نزدیک ہونے کو بطور مبالغہ کہہ دیتے تھے کہ صبح ہو گئی۔ یہ تاویل ہم نے اس لیے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ابن ام مکتوم کی اذان تک کھایا پیا کرو۔ اور جب وہ فجر طلوع ہو جانے اور لوگوں کے انہیں مکرر کہنے کے بعد اذان دیتے ہوں۔ تو اس وقت

تک کھانا پینا کیسے جائز و روا ہو سکتا ہے ۔ کذافی بعض الشروح ۔ اسے (خوب سمجھو)

۶۳۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيْرُ فِى الْاُفُقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (آپ مشہور صحابی ہیں اپنے دسبحے کے حفاظ سے ایک بصرہ میں رہے ان سے حسن بصری اور شعبی وغیرہ نے روایت کیا) فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے[۱] اور نہ فجر مستطیل تم کو کھانے پینے سے روکے[۲] بلکہ افق میں شمالاً جنوباً پھیلنے والی فجر کے وقت کھانا پینا بند کیا کرو[۳] اسے مسلم نے روایت کیا اور لفظ ترمذی کے ہیں ۔

[۱] ۔ کیونکہ وہ رات کے اندر ہی اذان کہہ دیتے ہیں ۔

[۲] ۔ فجر مستطیل ، دراز صبح ۔ یہ اس سفیدی کا نام ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف خط دراز کی طرح ہوتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے ۔ پھر تاریکی چھا جاتی ہے ۔ اسے صبح کاذب کہتے ہیں اسے بھیڑیے کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں

[۳] ۔ لیکن کھانے پینے سے وہ صبح روکتی ہے جو چوڑائی میں کنارہ آسمان میں شمالاً جنوباً پھیلتی اور فجر مستطیل کے بعد نمودار ہوتی اور باقی رہتی ہے ۔

۶۳۱ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِّيْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[۱] فرماتے ہیں میں اور میرا چچا زاد بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے[۲] آپ نے فرمایا جب تم سفر پر جاؤ تو سفر کے دوران (نماز کے لیے) اذان و اقامت کہو[۳] اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام بنے[۴] ۔ (بخاری شریف)

[۱] ۔ آپ کی کنیت ابوسلیمان ہے ۔ صحابی ہیں ۔ چند رات حضور کی خدمت میں رہے ۔ بصرہ میں قیام کیا عبدالملک کے عہد حکومت میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے ۔

[۲] ۔ غالباً یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی اجازت لینے آئے تھے ۔

[۳] ۔ یعنی سفر کے دوران بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کہنا ۔

[۴] ۔ اور جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم میں جو بزرگ ہو وہ امام بنے تو یہ بات از خود متعین ہو گئی کہ اذان دوسرا دے جو بڑا نہیں ہے ۔ اور ہو سکتا ہے کہ علم و ورع میں دونوں مساوی ہوں ۔ یہاں اکبر سے یہاں افضل مراد ہو ۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اذان کے لیے افضلیت شرط نہیں مگر اس کے باوجود چاہیے یہی کہ موذن وقت پہچاننے والا صالح

۔۔۔ جند یعنی بلند آواز۔ خوش الحان اور کلمات اذان صحیح و درست ادا کرنے والا ہو۔

۶۳۱/۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی آدمی تمہارے لیے اذان کہے پھر جو تم میں بزرگ و افضل ہو وہ امام بنے۔ (بخاری و مسلم)

۶۳۲/۵ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلٰى رَاحِلَتِهِ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلٰى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمُ اسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ أَخَذَ بِنَفْسِيْ الَّذِيْ أَخَذَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس لوٹے تو ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ پر نیند طاری ہونے لگی تو آپ سواری سے نیچے اتر گئے اور حضرت بلال سے فرمایا۔ (ہم سوتے ہیں تو بیدار رہ کر ہمارا پہرہ دینا) حضرت بلال نماز پڑھنے لگ گئے اور جس قدر آپ کے مقدر میں تھا آپ نے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب سو گئے۔ جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو حضرت بلال نے فجر کی جانب منہ کر کے اپنے کجاوے کے ساتھ اپنی پشت سے ٹیک لگا دی۔ تو حضرت بلال پر نیند غالب آ گئی اور انہوں نے اپنے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی تو نہ بیدار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت بلال اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی اور آدمی یہاں تک کہ ان پر سورج کی شعاع پڑنے لگی۔ تو ان سب میں پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ گھبرا گئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے بلال حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی اسی چیز نے آ گھیرا

بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس نے آپ کو پکڑا آپ نے فرمایا یہاں سے اپنے اونٹوں کو نکالو اور ہانکو تو لوگ اپنی سواریاں وہاں سے کچھ آگے لے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا حضرت بلال نے نماز کے لیے اقامت کہی۔ آپ نے ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا جو نماز پڑھنا بھول جائے۔ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔ کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ قائم کر نماز جب تجھے میری یاد آ جائے۔[۶]

(مسلم شریف)

[۱] تعریس کا معنی ہے مسافر کا آخر شب میں آرام و استراحت کے لیے کسی جگہ اتر پڑنا۔

[۲] متوجہ بمعنی متوجہ یہ وجہ بمعنی توجہ سے ماخوذ ہے۔ جس طرح قدم تقدم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور ایک نسخہ میں موجہ جیم کا زیر سے بھی آیا ہے۔

[۳] یعنی آپ اللہ تعالٰے کی صفت جلالیہ کے مشاہدہ کی بنا پر سو جانے اور نماز فوت ہو جانے سے گھبرا گئے۔

[۴] یعنی اے بلال یہ کیا ہو گیا۔ اور تو کیوں سو گیا۔ اور تو نے ہماری پاسبانی میں کیوں کوتاہی کی۔

[۵] اس وادی سے نکلنے کے سبب و وجہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو لوگ ممنوع وقت میں نماز قضا کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ جیسے ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی۔ پھر آپ نے آفتاب بلند ہونے پر نماز ادا کی۔ اور جو لوگ وقت ممنوع میں بھی نماز ادا کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس وقت کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات شوافع کا مسلک ہے اور وہ بھی اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آ رہا ہے۔

[۶] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق ان کا مذہب یہی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس (خیبر سے واپسی کی رات) کو اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی قضا نماز پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس معنی میں مسلم، ابو داؤد وغیرہ اور موطا سے احادیث لائے ہیں۔ اور کہا کہ امام مسلم سے اس قصہ میں جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا پس بلال نے اقامت کہی وہ ان دوسری روایات کے منافی اور

خلاف نہیں۔ کیسے خلاف ہو سکتی ہیں حالانکہ یہ بات صحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس موقعہ پر اذان و اقامت دونوں کہی گئیں۔ ابن الہمام علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوا۔

سوال۔ یہ جو کہتے ہیں کہ اذان تو وقت نماز داخل ہونے کی اطلاع دینے اور لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے اور قضا نماز میں ان دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اذان اطلاع کے لیے بھی شروع ہوئی ہے۔ اور ان کلمات اذان کا ذکر کر کے ثواب حاصل کرنے کے لیے بھی۔ اسی لیے افضل یہ ہے کہ منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) بھی اذان و اقامت کہے۔ جیسا کہ سلامہ سغنانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ک۵۔ یعنی نیند وغیرہ کی وجہ سے نماز پڑھنا بھول جائے تو چاہیے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔

ش۵۔ قائم کر نماز جب تجھے میری یاد آئے کہ نماز کا یاد آنا گویا میرا یاد آنا ہے۔

ش۹۔ اشکال۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔ پھر بیداری دل کے باوجود ایسا کیوں ہوا کہ آپ طلوع فجر سے آگاہ نہ ہو سکے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع و غروب کا دریافت کرنا اس آنکھ کا کام ہے جب آنکھ نیند میں ہو اور بند ہو طلوع و غروب کا پتہ نہ چل سکے گا۔ اگرچہ دل بیدار ہی کیوں نہ ہو۔ علماء نے ایسا ہی کہا ہے۔

سوال۔ کشف، وحی اور الہام کے ذریعے آپ نے کیوں نہ معلوم کر لیا۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کشف و وحی اور الہام سے سرفراز کرنا خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اگر اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل نہیں کی۔ اور اس صورت حال کا کشف نہیں کیا تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں حکمت ہو گی کہ یہ شرعی احکام کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنے۔ اور لوگوں کو آپ کی متابعت کا شرف حاصل ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ دل بیدار رہتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے آپ پر ایک ایسی حالت اور شہود کی کیفیت طاری ہو کہ اس میں مستغرق ہو کر مشہود کے ماسوا تمام معانی و صور سے ذہول ہو گیا ہو۔ جیسا کہ بعض اوقات حالت وحی میں یہ حالت و کیفیت رونما ہوتی تھی۔ پس نسیان و غفلت کا سبب دل کا سونا نہ ہو گا۔ بلکہ اس عظیم حالت کا طاری ہونا ہو گا۔ جس کی حقیقت صرف رب العزت ہی جانتا ہے۔ خوب سمجھ لے۔ و باللہ التوفیق

۶۳۴ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ قَدْ خَرَجْتُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔	حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے باہر آتا نہ دیکھو کھڑے نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

سلہ ۔ فضلائے کرام نے کہا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے نزدیک کھڑا ہونا چاہیے اور شاید کہ حضور علیہ السلام اسی وقت تشریف لاتے ہوں گے ۔

۶۳۳ ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَأْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَأْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو نماز کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ آہستگی و وقار سے چلتے ہوئے آؤ ۔ اور جتنی نماز پالو اسے پڑھو ۔ اور جو تمہاری رہ گئی ہو اسے پورا کر دو (بخاری مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے ۔ کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز کا ارادہ کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے تو وہ نماز میں ہی ہوتا ہے ۔ اور یہ باب فصل ثانی سے خالی ہے ۔

سلہ ۔ یعنی امام کے ساتھ ۔

سلہ ۔ جو تم نے امام کے ساتھ ادا نہیں کیا اسے امام کے فارغ ہونے کے بعد اٹھ کر ادا کرلو علماء نے کہا ہے ۔ کم عقلی و غفلت بلکہ بے عقلی اور حماقت کی یہ علامت ہے کہ انسان نماز کے لیے بھاگے ۔ اگر شتابی کرنا چاہتے ہو اور تکبیر اولیٰ پانا چاہتے ہو تو پہلے آؤ اور تیار و مستعد ہو کر آؤ ۔ نماز کے لیے جو جلدی اور شتابی محمود اور اچھی ہے وہ یہ ہے ۔

سلہ ۔ تو نماز کے لیے دوڑنے والے کو اللہ تعالیٰ محدود کر دیتا ہے (اس کے لیے رکاوٹ ڈال دیتا ہے) بندے کو چاہیے کہ ہر جگہ مولیٰ کی یاد میں رہے ۔ اور حاضر باش رہے ۔ اور بعض علماء سے تکبیر اولیٰ پانے کے لیے جلدی کرنا منقول و ماثور ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۶۳۴ ۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا أَنْ يُّوْقِظَهُمْ لِلصَّلٰوةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں رات کو آرام کے لیے اترے ۔ حضرت بلال کو نماز کے لیے بیدار کرنے کو مقرر فرمایا ۔ بلال بھی سو گئے ۔ اور دوسرے سب صحابہ بھی

حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْزِلُوْا وَاَنْ يَّتَوَضَّؤُوْا وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُّنَادِيَ لِلصَّلٰوةِ اَوْ يُقِيْمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهٗ كَمَا يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

سو گئے یہاں تک کہ جب بیدار ہوئے تو ان پر سورج طلوع کر چکا تھا چنانچہ سب لوگ بیدار ہوئے مگر گھبرائے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ سواریوں پر سوار ہوں یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا یہ ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے۔ صحابہ کرام سوار ہوئے اور اس وادی سے نکل گئے۔ پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اتریں اور وضو کریں۔ اور بلال کو حکم دیا کہ نماز کے لیے اذان یا اقامت کہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا۔ اے لوگو! بیشک اللہ نے ہماری روحیں قبض کر لیں۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے سوا دوسرے وقت (نماز کے صحیح وقت) میں ہماری جانب ہماری روحیں واپس کر دیتا جب تم میں سے کوئی سو جائے نماز پڑھے بغیر یا اسے بھول جائے پھر گھبرا کر نماز کی طرف رجوع کرے تو اسی طرح پڑھے جس طرح اسے اپنے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ بے شک شیطان بلال کے پاس آیا جب کہ بلال نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نیند کے لیے زمین پر ڈال دیا۔ پھر اسے مسلسل تھپکتا رہا۔ جس طرح بچے کو تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بلال کو نیند آگئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا۔ تو بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو خبر دی تھی پس ابوبکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے سچے

(رواہ مالک مرسلا) — رسول ہیں اسے مالک نے بطریق ارسال روایت کیا۔

ل۱۔ آپ بلند پایہ تابعین سے ہیں۔

ل۲۔ شاید کہ واقعہ متعدد ہے۔ یا راوی کو وہم ہوا ہے۔ ورنہ تعریس کا وقوع مدینہ کے راستہ میں ہوا تھا اور اس حدیث کا مضمون بعینہ حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے۔ جو گزشتہ مذکور ہوا کہ خیبر سے مدینہ کی جانب واپس آتے وقت ایسا ہوا۔ البتہ ان دونوں مضامین میں قدرے فرق ہے جیسا کہ ظاہر ہوگا۔

ل۳۔ اپنی کوتاہی پر۔

ل۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

ل۵۔ انہیں تسلی دینے اور ان کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے۔

ل۶۔ یعنی اذان، اقامت اور جماعت اور دیگر شرائط و آداب کے ساتھ۔

ل۷۔ صراح میں ہے ہَدْءٌ ہَدْءٌ آرام کرنا اور آرام دینا اور بچے کو ہاتھ سے تھپکنا تاکہ سو جائے۔

ل۸۔ یعنی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کی غیب کی خبر دینے کا معجزہ دیکھا۔

ل۹۔ کیونکہ زید بن اسلم تابعی ہیں۔

۶۳۴ — وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِي أَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلٰوتُهُمْ.

(رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کے موذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں یعنی ان کے روزے اور ان کی نمازیں۔ (ابن ماجہ)

ل۱۔ اور ان کے ذمے لگا دی گئی ہیں۔ تاکہ وہ انہیں نگاہ رکھیں۔ اذان میں احتیاط کریں اور اذان میں دیانتداری سے کام لیں۔

ل۲۔ روزے کے لیے تو افطاری و سحری کا خیال رکھا جائے۔ اور نماز کے لیے اول وقت و آخر وقت کا خیال رکھے

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ — مساجد اور نماز کی جگہوں کا باب

لفظ مساجد، مسجد بکسر جیم کی جمع ہے۔ جیم کا فتح بھی جائز ہے۔ فقہا کے نزدیک مسجد بکسر جیم اس مکان کو کہتے ہیں جو خاص نماز کیلئے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور مسجد فتح جیم کے ساتھ بمعنی سجدہ گاہ پیشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مساجد

ان سات اعضاء کو بھی کہتے ہیں جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے۔ یہاں مواضع صلوۃ سے وہ جگہیں مراد ہیں جہاں نماز پڑھی جائے۔ چاہے وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہو یا مکروہ نہ ہو۔ جیسا کہ آگے احادیث میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۶۳۸ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْهِ کُلِّهَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰی خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْکَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْهُ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ[1] میں داخل ہوئے تو اس کے تمام کونوں[2] میں دعا فرمائی۔ اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ باہر نکل آئے جب باہر نکلے تو قبلہ کی طرف[3] منہ کرکے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور فرمایا یہ ہے قبلہ[4]۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ سے روایت کیا۔

[1] یعنی فتح مکہ کے دن۔

[2] یعنی اس کے چاروں کونوں میں۔

[3] قُبُل دو پیش کے ساتھ اور قاف کی پیش اور با ساکن کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔ مگر روایت اولیٰ زیادہ فصیح ہے۔ یعنی مقابل اور سامنے۔

[4] آپ نے قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور واضح فرمایا کہ قبلہ کی جانب منہ کرنے کا حکم طے ہو چکا ہے۔ ہرگز منسوخ نہ ہوگا۔ ھذہ القبلہ کا یہ مطلب نہیں کہ قبلہ صرف یہی جانب ہے اور اس کی کسی اور طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اور نہ ہی اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ قبلہ کے مکان سے باہر کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا جائز ہے۔ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا درست نہیں۔ جیسا کہ فرض نماز کے بارے میں امام مالک کا مذہب ہے۔ اور بعض علماء کا نوافل کے متعلق یہ مذہب ہے (کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز درست نہیں)

۶۳۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْکَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِیُّ وَبِلَالُ ابْنُ رَبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَیْهِ وَمَکَثَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید حضرت عثمان[1] بن طلحہ الحجبی[2] اور حضرت بلال بن رباح یہ سب حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال یا حضرت عثمان نے حضور کے لیے اس کا دروازہ بند کر دیا[3] اور کچھ دیر

فِيْهَا فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَآءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس کے اندر رہے۔ میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا۔ جب کہ وہ باہر نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اندر) کیا کیا ہے۔ حضرت بلال نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنی بائیں جانب کیا اور دو ستون اپنی دائیں جانب اور تین ستون اپنے پیچھے بیت اللہ شریف اس وقت چھ[3] ستونوں پر تھا۔ پھر آپ نے نماز پڑھی[4]۔

(بخاری و مسلم)

[1] حضرت عثمان بن طلحہ الحجی رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے دربان اور اس کے چابی بردار تھے۔

[2] تاکہ لوگ اندر نہ آئیں۔ اور ہجوم نہ کریں۔ اور آپ کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

[3] اگرچہ اس وقت (حضرت شیخ کے زمانہ میں) تین ستونوں پر ہے۔ ان تغیرات کی وجہ سے جو اس مبارک گھر کی تعمیر میں واقع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

[4] اس حدیث میں جو حضرت عمر نے حضرت بلال سے روایت کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔ اور گزشتہ حدیث سے جو حضرت ابن عباس نے حضرت اسامہ سے روایت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔ دونوں احادیث میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا (ایسا ایک کونے میں دعا میں مصروف ہو گیا ہو) اور حضرت اسامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک کونے میں مصروف دعا دیکھا ہو۔ اور خود دوسرے کونے میں چلے گئے ہوں۔ اور خود بھی دعا میں مشغول ہو گئے ہوں۔ اس کے برعکس حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے بعد نماز ادا کی ہو۔ اس بنا پر بلال نے آپ کو نماز میں دیکھا ہو۔ اور وہ آپ کو نماز میں نہ دیکھ سکے ہوں کیونکہ وہ دور سے تھے۔ اور دعا میں مشغول تھے پھر نماز بھی تو صرف دو رکعت ہی تھی اور وہ بھی آپ نے ہلکی ادا کی۔ اور دروازہ بھی بند تھا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے بھیج دیا تھا۔ تاکہ اس پانی کے ساتھ ان تصویروں کو بھی صاف کریں۔ اور وہ بوٹے بھی جو خانہ کعبہ کی دیواروں پر موجود تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضور کا نماز ادا فرمانا اس وقفہ میں ہوا ہو جب کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر پانی لانے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا مختار و پسندیدہ قول یہی ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کرنا درست ہے۔ نفی کا قول درست نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِيْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری ہر مسجد میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ سوائے مسجد خانہ کعبہ کے لئے (بخاری و مسلم)

لہ۔ کہ اس میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز ادا کرنے سے بھی بہتر و افضل ہے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ درجہ کا ثواب رکھتی ہے۔ احادیث کے مطابق اور اکثر ائمہ مذہب کے موافق یہی بات ہے۔ بخلاف مالکیہ رحمہم اللہ کے کہ وہ اس عبارت کو اس پر عمل کرتے ہیں کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔ مگر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار درجہ سے کم افضل ہے۔ مگر یہ تاویل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کہ وہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے افضل جانتے ہیں۔ افضلیت مدینہ کے قول کو تسلیم کرتے ہوئے جیسا کہ ان کا مذہب ہے۔ جواب یہ ہے کہ افضلیت ثواب کے دو گنا ہونے میں منحصر نہیں۔ تو گو مسجد حرام میں نماز ادا کرنا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے سے ثواب میں کئی گنا زیادہ ہے لیکن وہ انواع کرامات و برکات اور فتوح و منافع جو مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہیں افضلیت کے لئے کافی ہیں۔ نیز ثواب کا زیادہ ہونا عدد کے اعتبار سے ہے۔ مگر شرف و نفاست و عمدگی (جو مدینہ مطہرہ میں عبادت کے اندر نصیب ہوتی ہے) وہ اس عدد سے الگ چیز ہے۔ اور ایسا ممکن ہے کہ ایک چیز ہزار چیزوں سے بڑھ کر نفیس ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک موتی ہزار روپے میں آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار کی برکت سے اس لاکھ درجہ نماز سے نفیس و عظیم ہو جو مسجد حرام میں ادا کی گئی ہو اور یہ بحث کہ مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ، ہم نے اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں بہت مکمل و مفصل طور پر بیان کر دی ہے۔ وہاں یہ بحث دیکھ لی جائے۔

۵۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ کسے جائیں کجاوے مگر صرف تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام مسجد اقصی اور میری اس مسجد کی طرف۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی دوسری مساجد کی نسبت مسجد نبوی شریف میں جو نماز پڑھی جائے گی وہ ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے مگر خانہ کعبہ میں پڑھی گئی نماز سے ہزار درجہ افضل نہیں بلکہ ہزار سے کچھ کم درجہ افضل ہے۔ (مترجم)

۱؎ یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف۔
۲؎ ایک مسجد کعبہ جسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ کہ وہاں شکار و لڑائی وغیرہ حرام ہے۔
۳؎ دوسری مسجد بیت المقدس جسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کے سوا اور کوئی مسجد تعمیر نہ ہوئی تھی لہذا مساجد کی انتہا اسی مسجد اقصیٰ تک نہیں۔ یا مسجد حرام سے کافی فاصلہ پر واقع ہونے کی بنا پر اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔

۴؎ تیسری میری یہ مسجد (مسجد نبوی شریف) اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان تین مقامات ہی کی طرف سفر کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور جانب سفر کرنا جائز نہیں۔ کہ ان تین مقامات کو خصوصی فضل و کرامت و عظمت حاصل ہے۔ اور یہی تین جگہیں اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص و ممتاز ہیں۔ بخلاف دوسرے مقامات و مواضع کے کہ وہ فضیلت و شرافت میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اور شارع علیہ السلام کی زبان سے کسی خاص فضل و شرف کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تقرب و تعبد کی نیت سے صرف انہیں تین مقامات مقدسہ کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ ہاں کسی حاجت و ضرورت کے تحت کسی اور جانب بھی سفر کی اجازت ہے جیسے تحصیل علم، تجارت وغیرہ مباح امور کہ یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور اس ارادے سے سفر جائز ہے۔

۶؎ مگر قبور صالحین اور مقامات متبرکہ کی زیارت کے لیے سفر کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض جائز کہتے ہیں اور بعض حرام۔ کذا فی مجمع البحار واللہ اعلم۔

بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ بہ نیت نذر صرف ان تین مقامات کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ لہذا اگر ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کی نذر مانیں تو یہ نذر پوری کرنا واجب نہ ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں گفتگو مساجد سے متعلق ہے۔ یعنی مساجد کے لیے اگر سفر کیا جائے تو وہ صرف انہیں تین مساجد کی طرف جائز ہے۔ باقی رہا ہے مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات و مقاصد کے لیے سفر کرنا تو وہ اس حدیث کے مفہوم سے خارج ہے۔

بندہ مسکین کاتب حروف عبدالحق بن سیف الدین عفا اللہ عنہ کہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان تین مقامات مقدسہ کی شان کا اہتمام بیان کرنا اور ان کی جانب سفر سے عظمت بیان کرنا مطلوب ہو کیونکہ یہ تینوں مقامات متبرک ترین مقامات ہیں۔ یعنی اگر سفر کرنا مطلوب ہو تو ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ ان کے علاوہ کسی اور جانب کو سفر کا بوجھ لوگ برداشت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین مواضع کے سوا کسی اور طرف سفر کرنا جائز ہی نہیں۔ مصرع

دل اگر بار کشد بار نگار ہی باری۔

ترجمہ۔ دل اگر بوجھ اٹھانا چاہے تو کسی محبوب مقصد دلکش کے لیے اٹھانا چاہیے۔

۷۳۲/۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے[۱]۔ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے[۲] (بخاری و مسلم)

[۱]۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان۔ اور ایک روایت میں یوں ہے بَیْنَ حُجْرَتِیْ وَمُصَلَّایَ۔ میرے حجرہ اور میری جائے نماز کے درمیان، روضہ دراصل سبزہ زار، باغ اور زمناک جگہ کو کہتے ہیں۔

اس حدیث کی تاویل و مراد میں بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ میں عبادت کرنا بہشت میں آنے کا ذریعہ و سبب ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر کے حلقوں کو ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ یہ معدن و متبرک و پاکیزہ جگہ بھی ملائکہ اور جن و انس کے اجتماع کی جگہ ہے۔ کہ یہاں اس جگہ میں آ کر اللہ تعالےٰ کا ذکر اور تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں ضعیف ہیں۔ کہ یہ معنیٰ اس مقام کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں رکھتا۔ کہ تمام مساجد اور متبرک جگہوں کا یہی حکم ہے۔

اہل تحقیق کے نزدیک یہ کلام بلا تاویل اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے یا تو معنیٰ یہ ہے کہ بعینہ اس بقعہ مبارکہ کو قیامت کے روز اٹھائیں گے اور بہشت میں رکھ دیں گے اور یہ ٹکڑا زمین باقی زمین کی طرح فانی و ہلاک نہ ہوگا۔ یا یہ معنی ہے یہ بقعہ شریفہ بعینہٖ بہشت کا ٹکڑا ہے جو زمین پر لایا گیا ہے۔ جس طرح حجر اسود حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ تو اس روضہ (باغ) کو حبیب پاک علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے یہ ٹکڑا اس عالم دنیا سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن باطن کے نزدیک اس عالم سے ہے اور انسان جب تک کہ طبیعت ظلمانی سے جابجا ہے پابند اور بشری عادت میں گرفتار ہے تو حقائق اشیاء اور امور آخرویہ کے ادراک سے دور ہے اسی بنا پر جنت کے آثار یعنی عبرت، پانی، نہر وغیرہ کا ظہور یہاں نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی تاویلات و تحقیقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بھی ہیں۔ کہ منبری علی حوضی کہ میرا منبر جہاں وقت مسجد میں قائم ہے میرے حوض پر ہے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ منبری علی ترعۃ من ترع الجنۃ۔ یعنی میرا منبر جنت سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر واقع ہے۔ اور جنت کا پانی میرے منبر کے پایہ کے نیچے آتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر تشریف فرما تھے کہ فرمایا میرا قدم جنت کی طرف سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر ہے۔ ایک روایت اس طرح وارد ہے کہ میرے

پاؤں جنت سے آنے والے کی نالی میں ہیں۔ ترعین کے ضمہ اور سقاف ساکن کے ساتھ یعنی حوض میں پانی آنے کی جگہ بھی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کی یہ جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ کہ آپ کا رفیع الشان منبر اس پر قائم ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سے اس منبر کی خبر دینا مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت کے دن ہوگا۔ اور وہ حوض کوثر پر رکھا جائے گا۔ نہ کہ یہ منبر جو مسجد شریف میں ہے۔ مگر یہ قول سیاق حدیث سے بعید ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

۶۴۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا فَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے کبھی پیدل اور کبھی سواری پر۔ آپ مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ بخاری و مسلم

لہ۔ مسجد قبا وہ مسجد ہے جو مدینہ منورہ سے قدرے فاصلے پر ہے۔ نیز یہ وہ مسجد ہے جو ابتدائے ہجرت کے ایام میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے تعمیر کی گئی۔ اور مشہور قول کے مطابق آیہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى الی آخر الآیہ۔ (البتہ وہ مسجد جو پہلے ہی دن تقوٰی کی بنیاد پر قائم کی گئی) مسجد قبا شریف کی شان میں نازل ہوئی۔ قُبا قاف کی پیش کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جس میں یہ مسجد واقع ہے۔

۶۴۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کے نزدیک سب سے پیاری جگہ مسجدیں ہیں؂ اور اس کے نزدیک سب سے بری جگہ بازار ہیں؂۔ (مسلم شریف)

لہ۔ کیونکہ ان میں خدا تعالٰی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور لوگ دین کے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔
؂۔ کہ ان میں لوگ دنیوی کاروبار میں مشغول ہو کر یاد خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔

۶۴۵ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے؂ مسجد بناتا ہے اللہ تعالٰی اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے؂۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ یعنی خدا تعالٰی کی رضا حاصل کرنے اور اس کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے۔

ے۔ اور ایک روایت میں بیتا مثلہ کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ مماثلت رفعت، کشادگی، صفائی اور نفاست میں ہے ورنہ دنیا کے مکانات کی مماثلت جنت کے مکانات سے نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا اگرچہ یہ مسجد چڑیا کے گھونسلے جتنی ہو۔ یہ چھوٹی اور تنگ ہونے میں مبالغہ ہے۔

۶۹۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہٗ نُزُلَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ کُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت مسجد میں جاتا ہے یا شام کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے۔ جب بھی وہ صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے۔

ل۔ اصل میں لفظ نُزُل استعمال ہوا ہے۔ نون کی پیش زا ساکن یا زا کی پیش کے ساتھ۔ یعنی وہ کھانا جو مہمان کے لیے دن کے پہلے حصے میں تیار کر کے اس کے آگے رکھتے ہیں۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ مسجد گویا ضیافت خانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں زائرین کو اپنی عطا سے محروم نہیں کرتا کہ وہ کریم اس سے پاک و منزہ ہے کہ اپنے مہمان کو محروم کرے۔ مسجد میں آنے سے متعلق نیات و مراقبات میں سے ایک یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وصول کرنے کی نیت بھی کرے۔ جیسا کہ ابتدائے کتاب میں حدیث انما الاعمال بالنیات میں گزرا۔

۶۹۷ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِّنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ نماز کا اجر و ثواب اسے ملتا ہے جو دور سے چل کر آئے پھر جو دور سے چل کر آئے۔ اور اس شخص کو جو نماز کی انتظار میں رہے۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ اسے زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس آدمی کی نسبت جو اکیلے نماز پڑھ کر سو جائے۔ (بخاری و مسلم)

ل۔ اور جماعت کی انتظار نہ کرے۔ اگرچہ اول وقت میں نماز پڑھے۔ اور اگر فرضاً و تقدیراً قلیل جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ یا ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھی جو امامت کا زیادہ حق دار نہیں۔ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص جماعت کثیر کی انتظار کرتا ہے اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ عظیم اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ خصوصاً جب اکیلے نماز پڑھ کر سو جانے کا باعث سستی اور جماعت کی عظمت میں

ہیں نہ ہو۔ حنفیہ کے نزدیک فجر کی نماز سفیدی کے وقت باجماعت ادا کرنے میں افضلیت کا یہی راز ہے۔

۷۲۸/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَاَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِيْ اَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مسجد نبوی کے ارد گرد کچھ جگہیں خالی ہو گئیں[۱] تو بنی سلمہ[۲] نے چاہا کہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔ ان کی قلب مکانی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ہم نے اس امر کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو کہ تمہارے قدم جو تم مسجد کی طرف اٹھاتے ہو تمہارے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں اپنے گھروں میں ہی رہو کہ تمہارے قدم جو تم مسجد کی طرف اٹھاتے ہو تمہارے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں[۳] (مسلم شریف)

۱؎۔ کہ ان جگہوں میں بسنے والے یا کہ فوت ہو گئے یا کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

۲؎۔ بنو سلمہ لام کی زیر کے ساتھ انصار کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ ان لوگوں کے مکانات مسجد سے دور تھے انہوں نے مسجد کے قریب آنا چاہا۔

۳؎۔ آپ نے تاکید و ترغیب کی غرض سے یہ بات مکرر ارشاد فرمائی۔

۷۲۹/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَاَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اس دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ[۱] میں جگہ دے گا جب کہ کوئی سایہ نہ ہوگا[۲]۔ ایک عدل و انصاف کرنے والا بادشاہ۔ دوسرے وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں جوان ہوا اور پروان چڑھا تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے معلق ہے جب کہ وہ اس سے باہر نکلے یہاں تک کہ واپس مسجد میں آجائے اور چوتھا وہ دو آدمی جو صرف

وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسی محبت پر ایک دوسرے سے ملیں۔ اور اسی پر ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ پانچواں وہ شخص جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں چھٹا وہ شخص جسے حسب و جمال والی عورت نے بلایا مگر اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ساتواں وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اسے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی انہیں اپنی پناہ میں رکھے گا۔

۲ہ۔ لغت میں ظل کا معنیٰ سایہ ہے۔ مگر یہ کیفیت، عزت، غلبہ، راحت، اور نعمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے بٹھائے گا۔ چنانچہ قیامت کے سورج سے امن میں ہو جائیں گے۔

۳ہ۔ جو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق رعیت پروری اور دادگستری کرے اور مظلوموں کو انصاف مہیا کرے۔

۴ہ۔ بچپن سے صالح اور عبادت گزار ہو اور اسی حالت پر جوانی کو پہنچے۔

۵ہ۔ یعنی خدا کے لیے اور اس کے دین کے اور اس کی رضا جوئی اور تقرب کے لیے آپس میں اکٹھے ہوں۔

۶ہ۔ یہ ایک دوسرے کے سامنے اور پشت پیچھے خلوص محبت سے کنایہ ہے۔

۷ہ۔ تنہائی کی قید اس لیے لگائی کہ تکلف و ریا کا اس میں دخل نہ ہو سکے۔

۸ہ۔ تاکہ اسے زنا کی آلودگی میں ڈالے۔

۹ہ۔ یہ بات وہ اپنے دل میں کہے یا زبان کے ساتھ اس عورت سے کہے۔

۱۰ہ۔ یہ انتہائی پوشیدہ رکھنے سے کنایہ ہے۔

۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوْقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز باجماعت اس کے گھر میں یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے یہ اس لیے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھا وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اسے صرف

الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِي دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز[۲] ہی گھر سے باہر نکالتی ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک اپنی جائے نماز میں رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں۔ اللھم صل علیہ اللھم ارحمہ۔ اے اللہ اس پر درود بھیج اے اللہ اس پر رحمت نازل کر۔ اور تمہارا وہ آدمی نماز میں ہی سمجھا جاتا ہے[۳] جو نماز کی انتظار میں ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مسجد میں داخل ہوا اور نماز نے ہی اسے مسجد میں روک رکھا۔ اسی روایت میں فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ، اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ۔ اے اللہ اسے بخش دے۔ اے اللہ اس پر مہربانی فرما۔ جب تک کہ وہ مسجد میں کسی مسلمان کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف نہ دے اور اذیت نہ پہنچائے اور جب تک کہ وہ مسجد میں بے وضو نہ ہو[۴]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] جس میں وہ کسب و تجارت کے لیے بیٹھتا ہے۔

[۲] طریقہ مسنون کے مطابق اسے ادا کرنا اس کی نیت میں ہوتا ہے۔ کوئی اور غرض کارفرما نہیں ہوتی۔

[۳] یہ دوسری نماز کی انتظار کے لیے جائے نماز پر بیٹھنے کی فضیلت کے لیے فرمایا گیا ہے۔ بلکہ اس کے لیے فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے۔

[۴] کہ وضو کا ٹوٹنا فرشتوں کی تکلیف۔ اذیت کا موجب ہے۔ نیز بے وضو ہو جانے سے نماز کی اہلیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بعض روایات میں ... لحدیث ... آیا ہے۔ یعنی جب تک کہ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں نہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فضیلت اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے لیے اسی جگہ میں بیٹھا رہے۔ اور صبر و برداشت سے کام لے۔ اور اگر نماز ادا کر کے کسی دوسری جگہ چلا جائے تو فضیلت فوت ہو جائے گی۔ بعض مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اٹھ کر خلوت میں چلے جاتے ہیں۔ تاکہ ذہن پراگندہ نہ ہو۔ وہ فتنہ سے بھی محفوظ رہیں۔ یہ ایک صحیح نیت ہے اور اگر ... [illegible]

کی فضیلت اور دیگر ہے۔ جیسا کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے۔

۶۵۱/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلِ اللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَ اِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو اسیدؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتک۔ اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۲ے اور مسجد سے باہر نکلے تو کہے اللھم انی اسالک من فضلک اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل و کرم مانگتا ہوں۳ے

۱ے۔ ہمزہ کی پیش اور سین کی زبر کے ساتھ انصاری صحابی ساعدی ہیں۔ بعض نے ہمزہ کی زبر سے بھی پڑھا ہے۔

۲ے۔ یعنی اس مکان شریف میں آنے کی برکت سے۔ یا نماز کی توفیق عطا کرکے یا نماز میں کشف حقائق کے ساتھ۔

۳ے۔ اس فضل و کرم سے رزق حلال مراد ہے جو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اور کماتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فضل و کرم سے دوبارہ مسجد کی طرف لوٹنا مراد ہو۔ جو کہ ثواب پر ثواب کا موجب و ذریعہ ہے۔ جیسا کہ بار اول میں یہ ثواب حاصل ہوا۔

۶۵۲/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت قتادہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز۲ے پڑھے۔ (بخاری و مسلم)

۱ے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری صحابی ہیں بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اس کے علاوہ تمام غزوات میں بھی حاضر ہوئے۔ آپ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔

۲ے۔ یہ حدیث شافعی حضرات رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھنا واجب ہے۔ یہ حضرات امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل ہیں۔ حدیث کے سیاق کا ظاہری جیلاؤ اس استحباب کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ تحیۃ المسجد کی نماز بیٹھنے سے پہلے واجب ہو۔ حالانکہ بالاتفاق ایسا نہیں ہے۔

۶۵۳/۱۸ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب[۱] بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف نہ لاتے تھے مگر دن کو چاشت کے وقت جب آپ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر مسجد میں بیٹھتے[۲]

(بخاری و مسلم)

[۱] ۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانا (شریک نہ ہونا) اور آپ کی توبہ کا قصہ اچھے قصوں میں سے ہے۔ آپ شعراء اسلام میں سے ہوتے ہیں۔

[۲] ۔ تاکہ لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ اور آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے مستفید ہوں بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے چاشت کی نماز کو سنت قرار دیا ہے۔ مگر اس بارے میں تحقیق وہ ہے۔ جو باب صلوٰۃ الضحٰی میں آ رہی ہے انشاء اللہ۔ اس حدیث سے سفر کے واپس آنے پر پہلے مسجد میں بیٹھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ پہلے گھر نہ تشریف لے جاتے مسجد میں تشریف لاتے۔ اور اگر کوئی شخص پہلے گھر جائے اور بیٹھے تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۶۵۴/۱۷ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتا ہوا سنے تو کہے خدا کرے تجھے وہ چیز نہ ملے کہ مسجدیں اس کام[۱] کے لیے تعمیر نہیں کی گئیں۔

(مسلم)

[۱] ۔ اور نہ ہی اس قسم کے دوسرے کاموں مثلاً خرید و فروخت وغیرہ معاملات دنیا کے لیے بلکہ وہ عبادت خداوندی کے لیے تعمیر کی گئی ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ الفاظ زبان اور بلند آواز سے کہے تاکہ جو آدمی عبادت کے لیے نہیں بلکہ دنیوی غرض کے لیے آئے اسے ڈانٹ ڈپٹ ہو۔ محض دل سے یہ بددعا کرے اور یہ نہ چاہے کہ مسلمان کو گم شدہ چیز ملے اور اگر زبان و دل دونوں سے کہے اور یہ ارادہ کرے کہ اس کو اپنے فعل کی سزا ملے اور گمشدہ یہ کام نہ کرے۔ تو اس طرح کرنا بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بدبودار (پیاز یا لہسن) درخت سے کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔ کہ ملائکہ کرام اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسان کو اذیت پہنچتی ہے[۱][۲] (بخاری و مسلم)

۱ پیاز یا لہسن مراد ہے۔ فصل ثانی میں آرہا ہے کہ جو شخص ان دو درختوں سے کچھ کھائے تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

۲۔ اور جو چیز بھی ماکولات سے خواہ غیر ماکولات میں بدبودار ہو اس کا یہی حکم ہے۔ جیسے منہ کا گندہ ہونا یغلوں کا گندہ ہونا وغیرہ۔ پھر مسجد کے حکم میں ہیں تمام وہ مجالس اور عبادات کے لیے اکٹھا ہونے کی جگہیں۔ جیسے مجلس علم و ذکر اور سب علماؤں کی مجالس وغیرہ۔ اور مسجد سے خاص مسجد نبوی مراد نہیں سا کہ لیے بعض روایات میں مساجدنا جمع کے لفظ سے آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں مسجدی کا لفظ بھی واقع ہوا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ بالاتفاق مخصوص نہیں ہے۔ بطور یہ شک یہ بات نہیں کیونکہ اس چیز کی کراہت مسجد نبوی شریف میں نہایت اشد دید تر ہے۔

۴۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِى الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ ہے[۱]۔ اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے (بخاری و مسلم)

۱ یعنی مسجد میں تھوکنا نہ چاہیے۔ اور اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اسے زمین میں دفن کر دے۔ بزاق، بصاق یعنی زا، صاد اور سین کے ساتھ یہ سب مترادف الفاظ ہیں بمعنی منہ سے تھوک باہر پھینکنا اور جب تک منہ کے اندر ہے اسے ریق کہتے ہیں۔

۴۵۷ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَىَّ اَعْمَالُ اُمَّتِىْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِىْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال سے یہ بات دیکھی کہ راستہ سے تکلیف

یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَوَجَدْتُ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَکُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وہ چیز ہٹا دی جائے اور ان کا برا عمل مسجد میں تھوکنا پایا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔ (مسلم شریف)

لہ ۔ اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے۔ سینہ سے آنے والا منہ کا تھوک۔ یا ناک سے نکلنے والا مواد۔

۶۵۸/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَا یَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا یُنَاجِی اللّٰهَ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَکًا وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَیَدْفِنُهَا وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ سَعِیْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرٰی۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے تھوکے[1] کیونکہ جب تک کہ وہ اپنی جائے نماز میں ہے اپنے رب تعالیٰ سے مناجات[2] کر رہا ہے اور نہ اپنے دائیں تھوکے کہ اس کی دائیں جانب فرشتہ[3] ہوتا ہے۔ اور چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے قدموں کے نیچے پھر اسے دفن کر دے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے دفن کرے[4] (بخاری و مسلم)

لہ ۔ یعنی جانب قبلہ کو۔

۲ہ ۔ بعض نسخوں میں فانما کی بجائے فانہ یناجی ربہ آیا ہے لہٰذا اس حالت میں گویا رب تعالیٰ و تقدس اس کے سامنے اور مقابل ہوتا ہے۔ اس لیے قبلے کی جانب تھوکنا ادب کے خلاف ہے۔

۳ہ ۔ جو بڑا عالی مرتبہ فرشتہ اور کاتب حسنات اور رحمت الٰہی کے منتظر ہیں سے ہے۔ اور مظاہر غضب پر غالب ہے یا اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو نماز کے وقت نمازی کے دل کی تائید۔ اس میں الہام اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لیے آتا ہے۔ اور نمازی کی زیارت کرنے والے کی طرح ہے اور جس کی زیارت کو آیا ہے اس کا حق ہے کہ اپنے زائر کا احترام ان فرشتوں سے بڑھ کر کرے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں یعنی کراماً کاتبین۔

۴ہ ۔ اس طرح غیر مسجد میں کرے اور جب مسجد میں ہو تو تھوک کپڑے میں لے کر مل دے۔

۶۵۹/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِهٖ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض موت

الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔[۱]

(بخاری و مسلم)

[۱] ۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب موت کو محسوس کیا تو آپ کو خوف لاحق ہوا کہ آپ کی امت بھی آپ کی قبر المقدس کے ساتھ وہی کچھ نہ کرنا شروع کر دے جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ کرتے تھے۔ اس لیے اس کی ممانعت پر تنبیہ کرنے کے لیے آپ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

سجدہ گاہ بنانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی قبور کی طرف سجدہ کریں انہیں معبود جانتے ہوئے جس طرح کہ بہت سے بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ کہ مقصود و منظور تو خدا تعالیٰ کی عبادت ہی ہو۔ مگر یہ اعتقاد رکھیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت اور نمازیں ان کی قبور کی طرف توجہ، قرب و رضائے حق تعالیٰ کا موجب و ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ کہ یہ چیز بھی عبادت پر مشتمل اور اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم میں مبالغہ اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں طریق ناپسندیدہ اور نا مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو شرک جلی اور کفر ہے۔ دوسری صورت بھی حرام ہے کہ اس میں بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک پایا جاتا ہے۔ اگر چہ اس دوسری صورت میں شرک خفی ہے۔ اور دونوں صورتوں کا مرتکب انسان لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

اور بقصد تعظیم و تبرک کسی نبی یا مرد صالح کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا حرام ہے۔ اس حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ہاں اگر اس کے قریب مسجد تعمیر کریں یا نماز ادا کریں بغیر اس کے کہ نماز میں اس کی طرف توجہ کی جائے تاکہ اس کے جسد مطہر کے مدفن کے پڑوس کی برکت اور اس کی روحانیت کی نورانیت کی امداد سے عبادت میں کمال پیدا ہو جائے اور وہ عبادت شرف قبولیت حاصل کرے۔ تو اس نیت اور اس طریقہ میں کوئی خرابی اور کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر الہیتمی المکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

۷۳۲ ۔ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاۤئِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آگاہ رہو بیشک تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔

فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهٰكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگاہ رہو کر قبور کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔ بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم)

لہ۔ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے اور آپ کے نام میں بابت اختلاف ہے۔ آپ کے علاوہ بھی صحابہ کرام میں جندب نام کے حضرات ہیں۔ ایک جندب بن عبداللہ بجلی۔ اور ایک جندب القشری پر تعین نہیں ہوسکا کہ یہاں کون سے جندب مراد ہیں۔

۶۶۱/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو۔ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ یعنی نفل نماز تاکہ اس کی برکت، نورانیت ان میں اثر کرے۔ اور نور عبادت سے تمہارے گھر منور و روشن ہو جائیں۔

۲ لہ۔ یعنی اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ کہ مُردوں کی طرح ان میں پڑے رہو۔ اور کوئی کام نہ کرو۔ یا سوئے رہو۔ اور چونکہ نیند بہن ہے موت کی۔ اس لیے جس گھر میں لوگ سوئے ہی رہیں وہ گھر قبر کے مشابہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۶۶۲/۲۵ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ (ترمذی شریف)

لہ۔ یہ بیان مدینہ طیبہ کے قبلہ سے متعلق ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے۔ مدینہ منورہ مکہ سے جانب شمال میں ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ شرق و مغرب کے درمیان جہات میں سے کوئی جہت ایسی نہیں کہ اختلاف جہت کی بنا پر کسی نہ کسی قوم کا قبلہ واقع نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تم جہاں بھی ہو اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کرو۔

۷۴۳ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّ بِأَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهُ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوا فَإِذَا أَتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرَّ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيبًا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت طلق[1] بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ وفد[2] کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ہم نے آپ کو بتلایا کہ ہمارے علاقہ میں ہمارا ایک کلیسا (عبادت خانہ)[3] ہے۔ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک سے بچے ہوئے پانی سے بخشش طلب[4] کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور کلی کی۔ پھر آپ نے اسے چمڑے کے ایک برتن میں ڈال دیا۔ پھر ہمیں فرمایا اب تم لوگ جاؤ اور جب تم لوگ اپنے علاقہ میں پہنچو تو اس کلیسے کو توڑ دو اور اس کی جگہ یہ پانی چھڑک[5] دو اور اس جگہ مسجد بنا دو۔ ہم نے عرض کیا ہمارا علاقہ مدینہ مطہرہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہوتا رہتا[6] ہے آپ نے فرمایا۔ اور پانی ملا کر اس پانی کو بڑھاتے رہنا[7] کہ یہ پانی مزید ملائے گئے پانی کی برکت میں اضافہ[8] کرے گا۔ (نسائی)

ل۔ حضرت طلق بن علی صحابی ہیں۔ ان سے حدیث روایت کی ہے۔ قیس نے اور عبداللہ بن بدر اور ایک جماعت نے۔

ٹ۔ وَفد واؤ کی زبر اور فا ساکن کے ساتھ اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے سردار کے پاس آئے کسی مہم کے لیے یا زیارت یا ایلچی گری کے لیے۔ حضرت طلق کی یہ جماعت بیعت اسلام کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔

ٹ۔ دراصل یہ لوگ نصاریٰ تھے۔ حاضر خدمت اقدس ہو کر ایمان لائے اور انھوں نے چاہا کہ کلیسا کو توڑ دیں۔

ٹ۔ استوہبنا کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی اس مال و خزانے کی طرح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا چاہیے۔

ٹ۔ یعنی وہ کلیسا توڑ دو۔ اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دینا تاکہ دین کے انوار و برکات اس جگہ کے شامل

حال ہو جائیں۔

ثـہ۔ نشف یعنی چوسنا۔ جیسے کپڑے کا پانی کو کاغذ کا سیاہی کو اور مٹی کا پانی کو چوسنا۔

ثـہ۔ راستے میں اس کے اندر اور پانی ملاتے جانا۔

ثـہ۔ یعنی بے شک میرے وضو کا بچا ہوا وہ پانی جو چمڑے کے برتن میں ہے۔ اس مزید ملائے گئے پانی کی برکت میں اضافہ ہی کرے گا۔ یا یہ اور پانی برکت و خوشی میں اضافہ کرے گا۔ یعنی اور پانی ملانے سے اس میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اگر اور پانی ملائیں گے۔ تو اس میں بھی برکت آ جائے گی۔ ان لوگوں کی نگاہ عالم اسباب پر پڑ رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے عرض کیا چمڑے کے برتن میں پڑا ہوا پانی خشک نہ ہو جائے تو آپ نے اسی عالم اسباب کے مطابق ان کو اس کی تدبیر بتلادی اور اگر یہ لوگ خاموش رہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و عمل پر اکتفا کرتے تو وہ پانی بتمام و کمال ان کے علاقے تک پہنچ جاتا حرارت آفتاب اس میں کچھ اثر نہ کر سکتی۔ دراصل شک و تردد اور ظاہر اسباب اختیار کرنا یہ سب چیزیں یقین کے راستے اور عالم قدرت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ واللہ علی کل شئے قدیر۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس حدیث پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کے بچے ہوئے پانی کے متبرک ہونے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ نیز آب زمزم کی طرح بطور تبرک لے جانے کا ثبوت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ہوتے تھے۔ اور حاکم مکہ سے آب زمزم منگوایا کرتے تھے اور تبرک کے طور پر رکھتے تھے۔ آپ کے وارثوں یعنی علماء و صلحاء کی فضیلت و شان بھی اس پر قیاس کرنی چاہیے۔

حدیث ۳۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَاَنْ يُّنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجد بنانے کا حکم دیا[1] اور یہ کہ ان مسجدوں کو پاک رکھا جائے اور خوشبودار کیا جائے[2]۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

لـہ۔ یعنی گھر والے محلوں اور قبیلوں میں اگر مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے نہ ہو۔ تاکہ ہر جگہ کے لوگ باجماعت نماز ادا کریں۔

ثـہ کہ اس جگہ کی تعظیم کی نیت سے کہ اس جگہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور مومن بھی خوشی و نشاط محسوس کرتے ہیں ینظف یطیب کے صیغے یا اور تا دونوں طرح آئے ہیں۔

حدیث ۳۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسجدوں کو چونے گچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں البتہ تم لوگ ضرور مسجدوں کو نقش ونگار کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے کیا تھے

(ابو داؤد)

لہ۔ اصل میں لفظ تشیید آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے بلند کرنا آراستہ کرنا اور نقش ونگار کرنا۔

۲ہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لوگوں کی عادت و حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۳ہ۔ اصل میں لفظ زخرف استعمال ہوا ہے۔ بمعنی طلا اور بمعنی چیز کا کمال حسن و جمال یعنی لوگ مساجد میں نقش ونگار کریں گے۔ اور ان پر سونے کا کام کریں گے۔

بعض متاخرین نے اسے جائز قرار دیا کہ جب لوگ اپنے مکانات کو بلند وآراستہ اور منقش بناتے ہیں۔ اگر لوگ مساجد کو سادہ اینٹ مٹی سے بنائیں گے تو شاید عوام کی نگاہوں میں ان کی عزت گر جائے۔ اور وہ لوگوں کو حقیر دکھائی دیں۔

۶۶۶/۲۹ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامت میں سے ہے کہ لوگ مسجدوں کے بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

(ابو داؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ)

لہ۔ بے شک علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ بات کہ لوگ ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور مسجد بنانے میں ناز کریں گے مسجد خوبصورت بنائیں گے۔ ان کا نقش ونگار کریں گے اور وہ اونچی اونچی تعمیر کریں گے یہ سب کچھ ریا و نمائش کی غرض سے ہوگا تاکہ لوگ ان کی مدح وثنا کریں۔

۶۶۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُوْرُ أُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ

انہیں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے۔ یہاں تک کہ وہ تنکا بھی جو انسان مسجد

...مِنَ الْمَسْجِدِ وَ عُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ أُمَّتِيْ فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ أَوْ اٰيَةٍ أُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ۔

سے باہر نکالتا ہے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی کو قرآن پاک کی سورۃ یا آیت عطا کی گئی پھر اس نے اسے بھلا دیا۔[۲]

(ترمذی و ابوداؤد)

[۱] القذاۃ خس و خاشاک اور گرد و خاک جو مسجد سے باہر نکالی جاتی ہے۔ قذیٰ وہ خاک و خاشاک اور میل جو آنکھ اور پانی میں پڑ جاتی ہے۔ اس مقام پر یہ اشارہ ہے کہ مسجد کی اہمیت و عظمت انسان کے لیے اس کی آنکھ کی طرح ہے کہ وہ اس کی صفائی اور دیکھ بھال کے لیے ہر قسم کی مشقت و تکلیف برداشت کرتا ہے۔ یا مسجد حیات معنوی کے لیے چشمہ مصفا اور شیریں پانی کی طرح ہے۔ کہ اگر اس میں کسی نوع کی تیرگی پیدا ہو جائے تو جو شخص اسے پاک صاف کرے گا وہ منظور نظر رحمت اور شراب مغفرت سے سیراب ہوگا۔

[۲] ان الفاظ میں اس انسان کے لیے سخت ڈانٹ اور زجر ہے جو قرآن پاک یاد کرنے کے بعد فراموش کر دے حضرت شافعیہ کے بعض علماء نے اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَّ أَنَسٍ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات کی تاریکی میں مسجد کو آنے والوں کو قیامت کے دن مکمل[۱] نور عطا ہونے کی بشارت دے دو۔

ترمذی و ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے سہل بن سعد اور انس سے روایت کیا۔

[۱] یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا وہ لوگ کہتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے۔

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد کی خبر گیری[۱] کرتا ہوا دیکھو تو اس کے

الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ

مومن ہونے کی گواہی دو کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسجدوں کی تعمیر وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(دارمی)

سلہ ۔ تعہد بمعنی دیکھ بھال، خبرگیری کسی چیز کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا۔ اس کی مرمت کرنا۔ اس کی جاروب کشی کرنا۔ اس میں نماز ادا کرنا۔ عبادت میں مشغول رہنا، ذکر الٰہی کرنا، دینی علوم کا درس دینا یہ سب مسجد کی خبرگیری کی اعلیٰ اور افضل اقسام ہیں۔

۶۶۲ وَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى اِنَّ خِصَاءَ اُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ قَالَ اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِي الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ انْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔

رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جس نے کسی کو خصی کیا یا خود خصی ہو گیا بیشک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ وہ روزے رکھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہمیں گھومنے پھرنے (دشت نوردی) کی اجازت دے دیں فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے حضرت عثمان نے عرض کیا ہمیں عزلت دگوشہ نشینی کی اجازت دیں۔ فرمایا، میری امت کی عزلت دگوشہ نشینی مسجدوں میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا ہے۔ (شرح سنہ)

سلہ ۔ تاکہ ہم لوگ زنا کے خطرے اور اس کے وسوسوں سے بچے رہیں۔

سلہ ۔ یعنی وہ ہمارے طریقہ وسنت پر نہیں۔

سلہ ۔ کہ روزہ سے انسان کی شہوت طبعی ونفسانی ٹوٹتی ہے خصوصاً جب کہ جوارح اعضاء اور قویٰ کو غیر شرعی اور غیر پسندیدہ کاموں سے بچائے رکھے۔

سلہ ۔ یعنی میری امت کی سیاحت راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا اور کفار سے جنگ کرنا ہے۔ یعنی زمین میں گھومنا پھرنا بہ نیت جہاد محمود ومستحسن ہے اس کے بغیر بے ہودہ اور لایعنی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

لا سیاحۃ فی الاسلام۔ یعنی اسلام میں سیاحت نہیں ہے۔

۵ ۔ یعنی ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیں جس طرح بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ کہ وہ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرتے اور مشاغل و لذات دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے۔ زنا وغیرہ کے اردگرد ہرگز نہ گھومتے بلکہ ہر چیز سے یکسوئی اختیار کر لیتے انہیں راہب کہا جاتا۔ لفظ ترہب رہب سے بنا ہے۔ یعنی خوف۔

۶ ۔ کہ سب لوگوں اور ہر چیز سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں وہ رہبانیت جو عیسائی راہبوں نے اختیار رکھی ہے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں اور اس پر پوری پابندی بھی نہیں کر سکتے۔

۷۲۱ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوَهٗ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِيْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا اچھی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بتاؤ بلند رتبہ فرشتوں کی جماعت کس بارے میں جھگڑ رہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو بہتر جانتا ہے حضور فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا دست پاک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین۔ اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا الفاظ میں قدرے اختلاف کے ساتھ اسی عبدالرحمٰن ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے اور اس میں زیادہ کیا کہ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو جانتا ہے مقربین فرشتے کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں گفتگو کرتے ہیں کفارات میں (جن نیک کاموں سے گناہ جھڑتے ہیں) اور

اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِہِ وَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ عَاشَ بِخَیْرٍ وَّ مَاتَ بِخَیْرٍ وَ کَانَ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ کَیَوْمٍ وَّلَدَتْہُ اُمُّہٗ وَ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّیْتَ فَقُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَ تَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاکِیْنِ فَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَ الدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ وَ لَفْظُ ھٰذَا الْحَدِیْثِ کَمَا فِی الْمَصَابِیْحِ لَمْ اَجِدْہُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ۔

وہ[۴] ہیں نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور باجماعت نماز وں کے لیے پیدل چل کر جانا اور ناگواری کی حالت میں وضو پورا کرنا جو ایسا کرے گا خیر کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اور خیر کے ساتھ ہی مرے گا۔ اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے اور فرمایا اے محمد جب تو نماز پڑھ لے تو کہہ اے اللہ میں تجھ سے نیکی کرنے کا سوال کرتا ہوں اور برائیوں کو چھوڑنے کا اور مسکینوں[۵] سے دوستی کا۔ اور جب تو اپنے بندوں کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھ کو اپنی طرف اٹھا لے بغیر فتنہ[۶] کے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کو درجات والے عمل[۷] یہ ہیں سلام[۸] عام کرنا کھانا کھلانا[۹]۔ اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں نماز پڑھنا[۱۰]۔ اس حدیث کے لفظ جس طرح مصابیح میں ہیں میں نے نہیں پائے۔ عبدالرحمٰن سے مگر شرح سنۃ میں[۱۱]

۱؎۔ عائش یا تحتانیہ اور شین معجمہ کے ساتھ۔ ان عبدالرحمٰن بن عائش کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابو حاتم نے کہا جس نے بھی عبدالرحمٰن کی روایت میں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا اس نے خطا کی۔ واللہ اعلم۔

۲؎۔ اگر یہ دیکھنا خواب میں ہو جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے تو پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ قول مختار کے مطابق شب معراج کو ہوا۔ یا یہ اس امر کے ساتھ ماؤل ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ کی تمثیل کو ایک خیالی صورت میں دیکھا۔ واللہ اعلم۔

۳؎۔ اگر یہ حق تعالیٰ کی شان وصفت کا بیان ہو تو پھر صورت سے مراد صفت ہوگی۔ کہ وہ صفت جمال ولطف وکرم کے ساتھ متجلی ہوتا ہے۔ صورت کا اطلاق پھر عام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں صورت حال یہ ہے۔ اور صورت مسئلہ یہ ہے اور اگر فی احسن صورۃ میں حضور علیہ السلام اپنا حال بیان فرمارہے ہوں کہ دیدار حق تعالیٰ کے وقت میں بڑا خوبصورت اور مرغوب الحال تھا تو پھر بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیوں خوبصورت نہ ہوں گے۔ حالانکہ یہ وقت شہود خاص تجلی تام اور انعام عام کا وقت ہے۔

۴؎۔ ملاء قوم کے اکابر۔ اشراف کی جماعت کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی

فضیلت میں فرشتے بحث وگفتگو کرتے ہیں۔ یا انہیں قبولیت کے مقام میں شک سے جانتے ہیں آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا وہ انسان کے فضائل در غائب پر رشک کرتے ہیں۔ کہ جسمانی شہوت کے باوجود ان فضائل وخوبیوں سے مخصوص ومختار اور سرفراز ہے۔

ھ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

ھ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت وانعام میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ دراصل یہ آپ کو مزید فضل وکرم اور اکرام وانعام کے ساتھ مخصوص کرنے سے کنایہ ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے بعض خدام کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب کہ انہیں مزید قرب اور افاضہ نعم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

ھ۔ یہ قلب اطہر تک فیض کا اثر پہنچنے اور یقین کی ٹھنڈک محسوس ہونے سے کنایہ ہے اور جب اس کا اثر حصول علوم اور وسعت فیض کا موجب وذریعہ بنا تو فرمایا فعلمت مافی السموات الی آخرہ۔

ھ۔ یہ تمام کلی وجزوی علوم اور ان کے احاطہ سے عبارت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کلی وجزوی علوم عطا کر دیے گئے اور آپ کا علم تمام کو محیط ہوگیا۔

ھ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مناسب اور اس امکان پر استشہاد کے ارادے سے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام آسمانوں اور زمین کے عظیم ملکوت دکھا دیئے۔

ھ۔ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ تاکہ حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور توحید کا یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں۔

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ ان دو روایتوں میں فرق ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو آسمان وزمین کا ملک دکھایا گیا جبکہ حبیب نے جو کچھ آسمان وزمین میں تھا اور اشیاء کی ذوات وصفات ظاہر وباطن سب کو دیکھا۔ حضرت خلیل کو تو آسمان وزمین کے ملکوت سے کہ جو ب ذاتی اور وحدت حق کا یقین ہوا جس طرح اہل استدلال ارباب سلوک، اور عیان وطالبان کی نوعیت ہوتی ہے۔ اور حبیب پاک کو یقین اور وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوا اس کے بعد آپ نے حقائق اور عالم کو جانا جس طرح کہ مجذوبوں، محبوبوں اور مطلوبوں کی شان ہوتی ہے۔ اول توجیہ اس حدیث کے موافق ہے۔ ما رایت شیئاً الا رایت اللہ بعدہ۔ دوسری توجیہ اس حدیث کے موافق ہے۔ ما رایت شیئاً الا رایت اللہ قبلہ۔

ھ۔ یعنی عبدالرحمٰن بن عایش جو تابعین سے ہیں۔ بطریق ارسال اسے روایت کرتے ہیں۔

ھ۔ مزید علوم عطا کرنے کیلئے دوبارہ سوال کیا۔

ھ۔ یعنی جو نیک اعمال گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ تین ہیں۔ ان میں سے ایک ہے نمازوں کے بعد

مسجدوں میں بیٹھے رہنا ذکر دعا کے لیے یا دوسری نماز کی انتظار کے لیے۔

ف۱۴ ۔ جیسے بیماری اور سرد ہوا کے وقت۔

ف۱۵ ۔ حب المساکین، مساکین سے محبت، کہ میں انہیں دوست رکھوں۔ یا وہ مجھ سے دوستی کریں۔ مآل و مطلب ایک ہے کہ جب میں ان سے دوستی کروں گا وہ مجھ سے دوستی کریں گے کیونکہ انسان اپنے دوست سے دوستی کرتا ہے۔ جانبین میں ایک ہی محبت ہوتی ہے جس نے دونوں پر پرتو ڈالا ہوتا ہے۔ حقیقۃً محب محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب محب۔

ف۱۶ ۔ یعنی جب تو اپنے بندوں کو ابتلا و آزمائش اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یعنی ایسی مصیبت دیا مسلط کرے جس سے ایمان کے چھن جانے کا اندیشہ لاحق ہو جائے۔

ف۱۷ ۔ کہ دین و ایمان ہی میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ اور اس طرح کی دعائیں تعلیم امت اور ان کو ڈرانے کے لیے ہیں۔

ف۱۸ ۔ کفارات کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالٰے نے اپنے رسول کو مزید تعلیم دینے کے لیے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالٰی کی طرف سے مزید علم حاصل ہونے پر اپنی امت کے اضافہ علم کے لیے فرمایا یعنی قال کا فاعل یا تو اللہ تعالٰے ہے یا رسول پاک علیہ السلام۔

ف۱۹ ۔ یعنی وہ اعمال جن سے اللہ تعالٰے کی درگاہ میں بندوں کی قدر و منزلت بڑھتی ہے وہ بھی تین ہیں۔

ف۲۰ ۔ یعنی ہر آشنا و بیگانہ کو علی الاعلان بلا تمیز سلام کہنا۔

ف۲۱ ۔ یعنی مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلانا اور ان پر صدقہ کرنا اور ان کی امداد و اعانت کرنا۔

ف۲۲ ۔ تیسری چیز رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ کہ اس وقت کی نماز صدق و اخلاص کے بہت نزدیک ہے۔ اور اس میں مشقت و ریاضت زیادہ ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ خدا کو تواضع و جود اور عبادت کا جامع ہونا چاہیے۔ بیت

شرف مرد بجود است و کرامت بسجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

مرد کی بزرگی سخاوت سے اور اس کی عزت عبادت الٰہی سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہوں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

ف۲۳ ۔ یعنی اس حدیث کے الفاظ اس طریق پر جو مصابیح میں ہیں۔ میں نے ان کو عبد الرحمٰن بن عائش سے نہیں پایا مگر شرح سنۃ میں اور یہ بھی صاحب مصابیح کی تصنیف ہے۔

۷۲۵ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدَّهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ وَرَجُلٌ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت ابوامامہ؁ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی وہ ہیں جن کی نجات اللہ کے ذمہ؁ ہے۔ ایک وہ آدمی جو اللہ کے راستے غازی؁ بن نکلا۔ تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہے یہاں تک کہ اللہ اسے وفات دے اور جنت؁ میں داخل کرے یا اسے اجر و ثواب کے ساتھ واپس کر دے یا غنیمت؁ دے کر واپس گھر لوٹا دے اور ایک وہ آدمی جو مسجد کو گیا اس کی ضمانت بھی خدا تعالےٰ پر ہے تیسرا وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتا ہے اس کی ضمانت بھی اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے۔ (ابوداؤد شریف)

۱؎ ۔ یعنی حضرت ابوامامہ باہلی صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ایک ابوامامہ تابعی ہیں۔ مگر مشہور یہی صحابی ہیں۔

۲؎ ۔ کہ خدا تعالےٰ نے وعدہ کی بنا پر اپنے ذمہ کرم لازم کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔ کہ وہ تین آدمیوں کو ہر فتنہ اور خسارے اور دینی و دنیوی ضرر و آفت سے بچائے گا۔

۳؎ ۔ ان تین میں سے ایک وہ آدمی ہے جو گھر سے ارادہ جہاد سے نکلا۔

۴؎ ۔ یہ اس کے لیے دینی سعادت ہے۔

۵؎ ۔ یہ بھی دینی سعادت ہے۔

۶؎ ۔ یہ دنیوی سعادت ہے مختصر یہ کہ مجاہد فی سبیل اللہ کو ہر حالت میں دینی یا دنیوی سعادت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

۷؎ ۔ یعنی اس کی حفاظت و رعایت اور اسے اجر و ثواب عطا کرنا اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

۸؎ ۔ گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہونے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام کہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اسے اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت عطا کرے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ امن و سلامتی کے لیے اپنے گھر میں رہے گھر سے باہر نہ نکلے اور لوگوں کی صحبت و مجلس سے الگ رہے۔ اس صورت میں سلامتی سے آفات و بلیات سے سلامتی مراد ہوگی اور چونکہ یہاں دو قسم سے دوسری قسم ظاہر تھی۔ اس لیے اس کی صراحت نہ فرمائی۔

۴۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلٰوةٌ عَلٰى اَثَرِ صَلٰوةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

انہیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے باطہارت فرض نماز ادا کرنے نکلا تو اس کا اجر و ثواب محرم حاجی کے اجر و ثواب جتنا ہے اور جو شخص نماز چاشت کے لیے نکلا اس نے خالص نماز کے لیے ہی یہ مشقت اٹھائی اسے عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح ادا کرنا کہ دونوں کے درمیان بے ہودہ گفتگو واقع نہ ہو، ایسا عمل ہے جو مقام ملائکہ کے دیوان میں لکھا جاتا ہے یا اعلیٰ واشرف مراتب والا عمل ہے (علماء نے کہا ہے علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے)

(احمد و ابو داؤد)

لے۔ نماز حج کے مشابہ ہے اور وضو احرام کے مشابہ۔ دونوں میں وجہ تشبیہ گھر سے باہر نکلنے کے وقت سے گھر واپس آنے تک اجر و ثواب کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ باب فضیلت حج میں واقع ہوا ہے۔ تمام وجوہ سے ثواب میں مساوات مراد نہیں ہے یا یہ ناقص کو کامل سے لاحق کرنے کے قبیلہ سے ہے۔ زیادہ رغبت دلانے کے لیے ورنہ اجر و ثواب تو مشقت و ریاضت کے مطابق ملتا ہے۔ اگرچہ نماز فی نفسہ اہم اور افضل ہے۔

سے۔ تسبیح اور سبحہ چاشت کے ساتھ نفل نماز کو کہتے ہیں۔

سے۔ یعنی سمعہ ریا اور کسی اور غرض کی ملاوٹ اس میں نہ ہو۔

سے۔ عمرہ حج کی نسبت اس طرح ہے جس طرح نفل نماز فرض نماز کے سامنے۔

۴۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِيْلَ وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ جنت کے باغات میں سے گزرو تو ان میں چر لیا کرو۔ (کچھ کھا لیا کرو) عرض کیا گیا یا رسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں۔ فرمایا مسجدیں۔ عرض کیا گیا چرنے کا کیا مطلب یا رسول اللہ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

سلہ یعنی جنت کے باغات مسجدیں ہیں کہ مسجدوں میں نیک عمل کرنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

۶۷۵/۳۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهٗ ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ۔

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں آدمی جس چیز کے لیے آئے گا وہی اس کا حصہ[1] ہے۔ (ابو داؤد)

سلہ۔ دینی یا دنیوی جس کام کے لیے مسجد میں آیا وہی اس کا حصہ ہے۔ اور وہی اس کے وقت کا حاصل و نتیجہ ہے۔ اس حدیث کا مضمون حدیث انما الاعمال بالنیات کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔

۶۷۶/۳۸ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَّفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى ۔

حضرت[1] فاطمہ بنت الحسین اپنی جدہ فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے یعنی فرماتے صلی اللہ علی محمد وسلم یا اللھم صل علی محمد وسلم اور فرماتے رب اغفرلی ذنوبی[2] وافتح لی ابواب رحمتک۔ اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر آتے تو کہتے رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ اسے ترمذی احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا۔ احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے۔ حضرت فاطمہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت پڑھتے تھے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ بجائے صلی علی محمد وسلم کے۔ ترمذی نے کہا اسکا اسناد متصل نہیں ہے کہ فاطمہ بنت الحسین نے حضرت فاطمہ الکبریٰ کو نہیں پایا۔

ـلـه ۔حضرت فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہما تابعیہ ہاشمیہ ہیں حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہم کی ہمشیرہ ہیں۔ ان سے حضرت حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ جب حضرت حسن وفات پا گئے تو عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا یعنی فاطمہ صغریٰ دختر حضرت امام حسین اپنی جدہ (دادی) فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔

ـٖٓعه ۔یعنی خداوندا میرے گناہ بخش دے۔ آپ نے یہ الفاظ تعلیم امت کے لیے فرمائے۔ اسی لیے یہاں آپ نے اللھم صل علی یا صلی اللہ علی نہ فرمایا یا اللھم اغفر لمحمد نہ فرمایا۔ یا اس اسم شریف کو صلوۃ و رحمت سے جو مناسبت ہے اور اللھم اغفرلی میں جو انکسار و تواضع پائی جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر آپ نے اللھم اغفرلی کا کلمہ اختیار فرمایا۔

ـٖٓعه ۔کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آٹھ سال سے زائد عمر کے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں کوئی راوی متروک ہے۔

۶۷۷/۳۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَّتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِىُّ

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے[1] سے منع فرمایا۔ اور مسجد میں خرید و فروخت سے بھی منع فرمایا[2] اور اس سے بھی منع فرمایا کہ لوگ جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر مسجد میں بیٹھیں[3]۔
(ابوداؤد، ترمذی)

ـلـه ۔یعنی ایسے اشعار جو جھوٹ و باطل ہوں کہ ان کا پڑھنا ناجائز ہے۔ خصوصاً مسجد میں جو طاعت و عبادت کی جگہ ہے۔ مگر وہ شعر جو توحید باری تعالیٰ سبحانہٗ یا نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے متبعین یا مواعظ و نصائح پر مشتمل ہوں وہ ہر حالت میں ہر جگہ محمود و مستحسن ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے جو آپ کی مدح اور آپ کے دشمنوں کی مذمت و ہجو کرتے تھے۔ مسجد میں منبر رکھتے تھے اور فرماتے تھے روح قدس حسان کی مدد و تائید کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ اور مدافعت کرتا رہتا ہے۔

ـٖٓعه ۔دیگر دنیوی معاملات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

ـٖٓعه ۔اگرچہ یہ حلقہ بنانا مذاکرہ علم و شغل ذکر کے لیے ہو۔ اس ممانعت کی چند وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ حلقہ بنانا نمازیوں کی ہیئت اجتماع کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز جمعہ کا اجتماع عظیم ذمہ داری کا کام ہے۔ جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے کسی اور کام میں مشغول ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز سے پہلے

حلقہ بنا کر بیٹھنا اس عظیم کام سے غفلت کا وہم ڈالتا ہے۔ ان دو وجہوں کے تحت یہ نہی صرف خطبہ سے خاص نہ ہوگی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ وقت خاموشی اور توجہ سے خطبہ سننے کا وقت ہے۔ اس وجہ کے مطابق نہی خطبہ کے نزدیک حلقہ بنانے سے متعلق ہے۔ پھر پہلی دو وجہوں کے مطابق نہی تنزیہی ہوگی اور تیسری وجہ کے مطابق نہی تحریمی۔

۶۶۸ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّبِیْعُ اَوْ یَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰہُ تِجَارَتَکَ وَاِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّنْشُدُ فِیْہِ ضَالَّۃً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیْکَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ ڈالے اور جب تم کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تعالیٰ وہ چیز تجھے واپس عطا نہ کرے۔ اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

۶۶۹ وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّسْتَقَادَ فِی الْمَسْجِدِ وَاَنْ یُّنْشَدَ فِیْہِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِیْہِ الْحُدُوْدُ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ فِیْ سُنَنِہٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِیْہِ عَنْ حَکِیْمٍ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنْ جَابِرٍ

حضرت حکیم بن حزام[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ مسجد میں اشعار پڑھے جائیں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ اس میں حدود قائم کی جائیں[2]۔ ابوداؤد نے اسے اپنے سنن میں روایت کیا۔ اور صاحب جامع الاصول نے اپنے جامع میں حکیم سے روایت کیا۔ اور مصابیح میں جابر سے روایت کیا۔

[1] حزام حائے مہملہ مکسورہ اور زا کے ساتھ۔ آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ ہیں۔ آپ عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ سال اسلام میں اشراف قریش اور فضلائے قوم میں سے تھے۔ آپ کے باقی حالات دوسری جگہ مذکور ہیں۔

[2] جیسے حد زنا حد شراب وغیرہ۔ چاہیے کہ حد کے ثبوت کے بعد اس کا اجراء مسجد کے باہر کریں۔ مسجد سے باہر ہی قصاص میں اسے قتل کریں۔

۵۳ ۔ یعنی جامع الاصول میں حکیم سے خزام کی طرف نسبت کرنے کے بغیر روایت کی ظاہر یہی ہے کہ حکیم سے حکیم بن خزام ہی مراد ہے کہ صحابہ میں کہیں ایک حکیم بن خزام ہیں۔ دوسرے حکیم بن معاویہ السیری میں ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

۵۴ ۔ اور یہ روایت اصول میں موجود نہیں ہے۔

۷۵۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِى الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَابُدَّ اٰكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت معاویہ بن قرہ[۱] وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں سے منع فرمایا یعنی پیاز و لہسن سے اور فرمایا جو شخص انہیں کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے[۲]۔ اور فرمایا اگر تم نے ضرور کھانا ہی ہو تو پھر ان کو پکا کر مار لو[۳]۔

(ابوداؤد)

۱ ۔ آپ تابعی عالم ہیں۔ یوم الجمل کے دن پیدا ہوئے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ آپ کو ستر صحابہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے قتادہ اور شعبہ اور اعمش وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲ ۔ قرہ قاف کی پیش اور را کی شد کے ساتھ۔

۳ ۔ گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے کہ کھانے والی چیزوں میں سے ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے اور مسجد سے ہر مسجد مراد ہے۔ صرف مسجد نبوی مراد نہیں۔ اور خیر و برکت کی مجالس و مجامع کا بھی یہی حکم ہے۔

۷۵۹ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام روئے زمین مسجد[۱] ہے۔ مگر قبرستان اور حمام۔

(ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

۱ ۔ یعنی مسجد کا ہی حکم رکھتی ہے کہ اس میں بلا کراہت نماز جائز ہے۔

۲ ۔ مقبرہ یعنی قبرستان کہ اس میں غالباً ناپاکی پھیلی ہوتی ہے۔ اور اس کی مٹی مردہ سے نکلنے والی نجاست

سے مل سکتی ہے۔ اور اگر قبرستان میں کوئی پاک و نظیف جگہ ہو تو وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں کوئی حرج و کراہت نہیں بعض اس پر ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر۔ اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔ اگر بقصد تعظیم ہو ورنہ اس کا حکم بھی قبرستان کا حکم ہے۔ اور حمام میں اس لیے نماز منع ہے کہ یہ بے پردگی اور شیاطین کی جگہ ہے۔

۶۸۲/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّصَلَّى فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ۔ مذبح میں[1] قبرستان میں راستے کے درمیان[2] اور حمام میں اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں[3]۔ اور بیت اللہ شریف کی چھت پر۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۱؎۔ اصل میں لفظ مزبلہ استعمال ہوا ہے۔ با کی زبر اور پیش کے ساتھ۔ پاخانہ ڈالنے کی جگہ زبل یعنی پاخانہ اور دیگر نجاستیں۔ اس کے حکم میں یا اس سے بھی سخت تر ہیں۔

۲؎۔ مجزرۃ جیم اور زا کے ساتھ حیوانات کے ذبح کرنے کی جگہ چونکہ یہ جگہ بھی نجاستوں سے آلودہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔

۳؎۔ قارعۃ الطریق لوگوں کی گزرگاہ۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس کا دل لوگوں سے مشغول ہوگا نماز میں دھیان نہ رہے گا۔ دوسرے لوگوں کے لیے راستہ تنگ ہو جائے گا۔ تیسری خرابی یہ بھی ہے کہ اگر لوگ بالفرض اس کے آگے سے گزریں گے تو گنہگار ہوں گے اور اگر ان کیلیے گزرنا ضروری ہوگا تو پھر نمازی ہی گنہگار ہوگا۔

۴؎۔ تاکہ اونٹوں کے ادھر ادھر بھاگنے اور حرکت کرنے سے نمازی کا دل تنگ نہ ہو۔

۵؎۔ ادب کی بنا پر خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا منع ہے۔

۶۸۳/۲۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوا فِي أَعْطَانِ الْإِبِلِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ سکتے ہو مگر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں پڑھ سکتے[1]۔

(رواہ الترمذی) (ترمذی شریف)

لے ۔ کہ ان کا ادھر ادھر حرکت کرنا اور بھاگنا پریشانی دل کا باعث بنتا ہے ۔ بخلاف بکریوں کے کہ ان میں یہ حرکت نہیں پائی جاتی ۔

لے ۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی ۔ دونوں صورتوں میں اس کی یہ علت نہیں کہ وہ جگہ نجس و ناپاک ہے ۔ ورنہ نماز جائز ہی نہ ہو ۔ اور ناپاک جگہیں انہی میں منحصر نہیں ہیں ۔ اور پھر دونوں صورتوں میں یوں کہنا چاہیے تھا کہ آپ نے نجس جگہ نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ۔ بلکہ اس ممانعت کی علت نجس جگہ کی ہمسائیگی ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص وہاں مصلا بچھائے اور اس پر نماز پڑھے تو بھی نماز مکروہ ہے ۔

۱۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ۔

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی لے ہے جو قبروں کی زیارت کریں ۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو ان قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں ۔

(ابو داؤد ، ترمذی ، نسائی ۔)

لے ۔ واضح ہو کہ ابتداء میں مردوں و عورتوں دونوں کو زیارت قبور کی اجازت نہ تھی ۔ اس کے بعد آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم قبور کی زیارت کر سکتے ہو ۔ اس رخصت و اجازت کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں ۔ اگرچہ لفظ صیغہ جمع مذکر کی شکل میں آیا ہے کہ شرع شریف کی عادت ہے کہ اغلب اوقات میں مخاطب مردوں کو کیا جاتا ہے مگر عورتیں بھی اس میں داخل و شامل ہوتی ہیں ۔ اور بعض کہتے ہیں یہ اجازت صرف مردوں کے لیے ہے ۔ عورتوں کے لیے نہی کا حکم بدستور باقی ہے کہ عورتیں قبر پر جا کر بے صبری اور نوحہ گری کا مظاہرہ کرتی ہیں ۔ یہ حدیث اگر مردوں کو رخصت دینے کے بعد کی ہے تو پھر یہ اس آخری قول (عورتوں کی ممانعت) کی مؤید ہے ۔

لے ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں کی جانب ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں ۔ جیسا کہ مذکور ہوا ۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو بقصد تعظیم قبر اس پر چراغ جلائیں ۔ بعض کے نزدیک چراغ جلانا حرام ہے اگرچہ تعظیم کے لیے نہ بھی ہو ۔ کہ اس میں اسراف اور تضییع مال ہے ۔ بعض کے نزدیک اگر وہ لوگوں کی گزرگاہ ہے یا اس کے سایہ میں کوئی کام کرنا مطلوب ہے تو پھر جائز ہے ۔ اس صورت میں چراغ قبر کے لیے نہیں جلایا گیا ۔ بلکہ دوسرے مقصد کے لیے ہے قبر مد نظر نہیں ہے ۔

۶۸۴ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ حَبْرًا مِنَ الْیَهُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْءَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَاءَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَاَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ اَسْاَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں یہود کے ایک دانشمند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب جگہوں سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ اس کا جواب دینے سے خاموش رہے اور فرمایا جبرائیل کے آنے تک خاموش رہو تو وہ خاموش ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آ گئے آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے عرض کیا جس سے (مجھ سے) اس بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔[1] لیکن میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے دریافت کرتا ہوں پھر جبرئیل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب کے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے اتنا قریب کبھی نہ ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل تیرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کیا کیفیت تھی۔ جبرئیل نے کہا میرے اور اس کے درمیان نور[2] کے ستر ہزار پردے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب جگہوں میں سے بری جگہ بازار ہیں اور سب جگہوں سے بہتر جگہ مسجدیں[3] ہیں اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

[1] یعنی جس طرح سب سے بہتر جگہ آپ نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا۔

[2] نور (نوری پردے) اس لیے فرمایا کہ جبرائیل ایک روحانی شخصیت ہے۔ اس کے لیے ظلماتی وجسمانی حجابات کوئی وجود نہیں رکھتے۔

واضح ہو کہ یہ حجابات مخلوق کی نسبت سے ہیں۔ خالق کی طرف سے نہیں۔ کہ حق سبحانہٗ محجوب (پردے میں) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بندے محجوب ہیں جس طرح آفتاب نابینا کے لیے کہ نابینا حجاب میں ہے آفتاب پردے میں نہیں ہے۔ خلق کا خالق سے حجاب دو قسم کا ہے۔ ظلمانی جسمانی اور نورانی روحانی۔ کچھ لوگ تو نعمتوں کی دید کے باعث منعم (حق تعالیٰ) سے محجوب ہیں۔ اور بعض اسباب کی دید کی وجہ سے مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) سے

محجوب ہیں۔ اور کچھ مباح یا حرام شہوتوں اور کچھ دوسرے طبعی و نفسانی حجابات میں محجوب ہیں اور ملائکہ و بعض مقرب بندے حق تعالےٰ کے اسمائے و معانی اور اس کے افعال کے معانی کے ساتھ محجوب ہیں۔ اور مقرب ملائکہ حق تعالیٰ کے نور ہیبت و کبریا و جلال و تقدیس کے ساتھ محجوب ہیں۔ بیت۔

بدر د ہمہ پردہ ہائے خیال نماند سر پردہ الاجلال

ترجمہ۔ خیال کے تمام پردے پھٹ جاتے ہیں۔ جلال و عظمت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ صفات، ذات کے لیے پردہ ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ (بے شک میرے دل پر بھی پردہ آجاتا ہے) اسی قبیلہ سے ہے۔ کوئی بھی شخص اس ذات کی نسبت بے پردہ نہیں۔ اگر پردہ نہ رہے تو ساری کائنات اس کے نور ذات سے جل جائے۔ بیت

ہست از پردہ گفت وگوے من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

ترجمہ۔ پردہ کی بدولت یہ سب گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو نہ تو رہے نہ میں رہوں

اس معنی کی طرف اشارہ کتاب کے ابتدا میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد جبرئیل نے کہا میں خدا تعالےٰ کے انتہائی مرتبہ قرب میں پہنچا تو اس سے دریافت کیا اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ شر البقاع اسواقہا۔

سے۔ اصل کتاب میں جگہ خالی سفید ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۶۶۸ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَآءَ مَسْجِدِىْ هٰذَا لَمْ يَاْتِ اِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَآءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص میری مسجد[1] میں آئے۔ اور نہ آئے مگر خیر سیکھنے اور سکھلانے کے لیے[2] تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح[3] ہے۔ اور جو شخص کسی اور غرض[4] کے لیے آیا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کے سامان کو دیکھتا ہو[5]۔ (ابن ماجہ اور بیہقی شعب الایمان میں)

لے۔ کہ میری یہ مسجد عظیم الشان اور واسع الرحمان مسجد ہے۔ باقی تمام مساجد اس حکم میں اس کے تابع اور اس کی فرد ہیں۔

سے۔ نماز، ذکر، اعتکاف کا بھی یہی حکم ہے۔ تعلیم و تعلم کی تخصیص اس کی فضیلت تمام کرنے کے لیے ہے۔

۵۳۔ یعنی وہ شخص مجاہدہ نفس کی وجہ سے اجر و ثواب میں اس کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کر رہا ہو۔
۵۴۔ یعنی لہو و لعب اور فضول کام یا گزرنے کے لیے۔
۵۵۔ کیونکہ دیکھنے والے مرد کے پاس وہ سامان نہیں ہوتا اور حسرت بھری اور للچائی ہوئی نگاہ سے اس کے سامان کو دیکھتا ہے۔ آخرت میں بھی یہ شخص جب مسجد میں بیٹھ کر نیک کام کرنے والے کے اجر و ثواب کو دیکھے گا۔ تو افسوس کرے گا اور درد و تکلیف محسوس کرے گا کہ میں اس دولت سے کیوں محروم رہا۔

۷۲۹/۷۴۴ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

حضرت حسن[۱] سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی مسجدوں میں ان کی دنیا کی باتیں ہوں گی ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا[۲] کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کچھ حاجت نہیں[۳]۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

۱ھ۔ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔
۲ھ۔ تاکہ تم بھی ان کے ساتھ شریک نہ سمجھے جاؤ۔ اگرچہ زبان سے ان کے ساتھ موافقت نہ کرو۔
۳ھ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان سے بیزار ہونے اور ان کی پرواہ نہ کرنے اور ان کی جانب نگاہ التفات نہ کرنے سے کنایہ ہے اور اس بات سے کنایہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کی پناہ سے باہر نکل آتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ حاجت سے پاک و منزہ ہے۔
۴ھ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ و ممنوع ہے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کی مذمت و ممانعت بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ تاہم اس سے ایسی باتیں مراد ہوں گی جو عبث و لایعنی اور کثرت سے اور فحش و غلط باتیں ہوں۔ ورنہ ایک دو کلے جو اس نوعیت کے نہ ہوں اس میں داخل نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بیان میں آیا ہے کہ بعض صحابہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور دنیا کا ذکر بھی ہم سے کرتے تھے اور آپ کی زیادہ تر مجلس مسجد میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

۷۳۰/۷۴۵ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهٗ

حضرت سائب[۱] بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں سویا ہوا تھا تو مجھے کسی آدمی نے کنکری ماری۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا جا ان

بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مشكوٰة المصابيح)

دو آدمیوں کو بلا کر لا۲ میں ان کو بلا کر لایا آپ نے ان سے فرمایا تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۳ یا کسی جگہ سے آئے ہو انہوں نے کہا ہم اہل طائف۵ سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں سزا۶ دیتا۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۸ (بخاری شریف)

۱۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ خود سال صحابی ہیں۔ اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبدالشمس کے حلیف تھے۔

۲۔ یعنی مسجد نبوی شریف میں۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جو مسجد میں تھے اور بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے (کہ ان کو بلا کر لاؤ)

۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

۵۔ طائف حجاز کے ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ جو مکہ معظمہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر انور یہیں ہے۔

۶۔ یعنی اگر تمہیں مسجد نبوی شریف کی عزت و حرمت اور ادب و احترام کا پتہ ہوتا تو تم لوگ عفو و شفقت کے مستحق نہ تھے۔

۷۔ اور تمہیں مارتا۔

۸۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں خصوصاً مسجد نبوی میں آواز اونچی کرنا ادب کے خلاف ہے کہ مسجد نبوی شریف خاص مقام اور نور و حضور کے وارد ہونے کی جگہ ہے۔ ہاں علمی بحث کے دوران آواز کے بلند ہو جانے میں رخصت ہے (ممانعت نہیں)

۷۱۵۔ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّلْغَطَ اَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهٗ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک طرف ایک جگہ بنادی تھی جسے بطیحا۱ کہتے تھے اور آپ نے فرمایا جو شخص شور و غل کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا بلند آواز

(رَوَاہُ فِی الْمُؤَطَّا)

سے بات کرنا چاہے تو وہ اس جگہ کی طرف نکل آیا کرے اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا۔ یہ ان کی کتاب کا نام ہے۔

لے یعنی ایک کھلی جگہ
۲ے۔ بُطیحا با کی پیش اور طا کی زبر سے یعنی کنکریوں والی زمین۔
۳ے۔ اصل لفظ لغط استعمال ہوا ہے، غین اور طا مفتوحہ کے ساتھ یعنی شور و غوغا کرنا۔

۷۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُخَاعَۃً فِی الْقِبْلَۃِ فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلَیْہِ حَتّٰی رُئِیَ فِی وَجْہِہٖ فَقَامَ فَحَکَّہٗ بِیَدِہٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّہٗ وَاِنَّ رَبَّہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ فَلَا یَبْزُقَنَّ اَحَدُکُمْ قِبَلَ قِبْلَتِہٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَّسَارِہٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِہٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِہٖ فَبَصَقَ فِیْہِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَہٗ عَلٰی بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ یَفْعَلُ ھٰکَذَا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار قبلہ پر تھوک دیکھا۔ تو یہ چیز آپ کو ناگوار گزری حتیٰ کہ ناگواری کا اثر آپ کے چہرے پر محسوس ہوا پھر آپ کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دست اقدس سے کھرچ دیا اور فرمایا تم میں کوئی آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ تو تم میں کوئی آدمی بھی ہرگز قبلہ کی طرف نہ تھوکے۔ بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کنارہ ہاتھ میں لیا اور اس میں تھوکا پھر اس کپڑے کو آپس میں مل دیا۔ اور فرمایا یا اسطرح کر لے۔ بخاری

لے۔ اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ تھوک جو حلق سے خارج ہوتا ہے اور اسے نخاع بھی کہتے ہیں۔

۲ے۔ کہ بندے کی توجہ اور حضور حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔
۳ے۔ قبلہ کے ادب و احترام کے لیے۔
۴ے۔ علماء فرماتے ہیں۔ اگر مسجد میں ہو تو اس طرح کرے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور اگر مسجد میں نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ بائیں جانب تھوکے یا پاؤں کے نیچے دفن کرے۔

۸۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَّھُوَ

حضرت السائب بن خلاد سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهِ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّهُ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (رواه ابوداؤد)

کے صحابہ میں سے ہے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص کسی قوم کا امام بنا اس امام نے قبلہ کی جانب تھوک دیا[1] جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے آپ نے انکی قوم سے کہا جب کہ وہ انکی امامت سے فارغ ہوا یہ شخص اس کے بعد تمہاری امامت نہ کرائے[2]۔ اس نے اسکے بعد ان کی امامت کرنی چاہی لوگوں نے اسے امام بننے سے روک دیا۔ اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کی اطلاع دی۔ اس مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا[3]۔ آپ نے فرمایا ہاں (میں نے منع کیا ہے) اور میرا گمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تو نے اللہ و رسول کو اذیت پہنچائی[4] ہے۔ (ابوداؤد شریف)

[1] اس نے یہ فعل اگر مسجد میں کیا تھا تو یہ سخت برا اور مکروہ فعل تھا اور اگر اس نے باہر ایسا کیا تو بھی اس میں کراہت و برائی موجود تھی کہ قبلہ کے ادب کا ترک اب بھی پایا گیا۔

[2] لوگوں نے اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے امامت سے برطرف کر دیا ہے۔

[3] کہ فی الواقع آپ نے مجھے قوم کی امامت سے منع کر دیا ہے۔

[4] خصوصًا مسجد میں اور خصوصًا جانب قبلہ کو تھوک کر۔

۷۹۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتُبِسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے ہمارے پاس آنے سے رک[1] گئے (دولت کدہ سے باہر تشریف نہ لائے) یہاں تک کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو طلوع ہوتا دیکھ لیں۔ پھر آپ جلدی سے باہر نکلے۔ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔ اور جلدی[2] ادا کی جب سلام پھیرا تو آپ نے بلند آواز سے پکارا۔ اور ہمیں فرمایا اے لوگو اپنی اپنی جگہوں پر صف بستہ بیٹھے رہو۔

أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الْغَدَاةَ إِنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى اسْتَثْقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ لَا أَدْرِي قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ حِينَ الْكَرِيهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِينُ الْكَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتَ

پھر آپ نے ہماری طرف منہ پھیر کر فرمایا آگاہ رہو میں ابھی تمہیں بتلاتا ہوں۔ کہ صبح کو کس چیز نے مجھے تم سے روکے رکھا میں رات کو اٹھا۔ اور وضو کیا اور جس قدر نماز میرے مقدر میں تھی میں نے پڑھی۔ پھر مجھے نماز میں ہی نیند آگئی یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے میری طبیعت بوجھل ہو گئی۔ — تو اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا بہت اچھی صورت میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عرض کیا لبیک (میں خدمت میں حاضر ہوں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتے) کس بات میں بحث و نزاع کر رہے ہیں میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ تین دفعہ دہرایا اور میں نے بھی تینوں دفعہ یہی جواب دیا۔ حضور فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے حق تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی تو میرے سینے علوم سے ہر چیز ظاہر و روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو شناخت کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کیا لبیک رب اے میرے رب میں حاضر خدمت ہوں۔ فرمایا ملاء اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتے) کس چیز میں بحث و نزاع کر رہے ہیں میں نے کہا کفارات میں یعنی ان نیک اعمال میں جو گذشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ (کفارے) کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا باجماعت نمازوں کے لیے پیدل چل کر جانا اور نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناخوشگواری میں

فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

کی حالت میں کامل وضو کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اور کس چیز میں ملاءِ اعلیٰ بحث و نزاع کرتے ہیں میں نے عرض کیا درجات[۳] میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہیں میں نے عرض کیا کھانا کھلانا[۴]، نرم گفتگو کرنا۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا (شب خیزی کرنا) جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مانگ[۵]۔ میں نے عرض کیا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ۔ ترجمہ اے اللہ بے شک میں تجھ سے نیک کام کرنے کی توفیق مانگتا ہوں اور برے کاموں کے چھوڑنے کی ہمت مانگتا ہوں اور مساکین کی محبت مانگتا ہوں۔ اور یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اور میرے اوپر رحم کر۔ اور جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر موت کی آغوش میں لے جانا۔ اور میں تجھ سے تیری محبت[۶] کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہو۔ اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ بیان بالکل حق و سچ ہے۔ اسے پڑھو اور اس کے معانی و الفاظ کو سیکھو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل (یعنی بخاری) سے اس حدیث کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

[۱] یعنی روزانہ عادت والے وقت میں باہر تشریف نہ لائے۔

[۲] اپنی عادت کے خلاف فجر کی نماز ادا کی۔

[۳] جیسا کہ نماز تہجد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کی عادت مبارک تھی۔

[۴] اصل میں لفظ نعاس نون کی پیش کے ساتھ یعنی ابتدائی نیند کی گرانی۔

[۵] یہ لفظ اس بات میں صریح ہے کہ یہ روایت نیند کی حالت میں تھی اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ پھر میں بیدار ہو گیا۔ یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم

[۶] اچھی حالت یا اچھی صفت میں یہ حق تعالیٰ کی صفت کا بیان ہے یا حضور کی خود اپنی حالت کا جیسا کہ دوسری فصل میں گزرا۔

ےہ۔ ملاءِ اعلیٰ کا معنی گزشتہ عبارت میں گزر چکا ہے۔
شہ۔ سردی اور بیماری کی حالت میں۔
۹ہ۔ یعنی وہ اعمال جن سے ثواب اور قرب الٰہی میں درجہ بلند ہوتا اور بڑھتا ہے۔
نلہ۔ مسکینوں، محتاجوں اور مہمانوں کو یعنی مخلوق کے ساتھ جود و احسان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ کھانا کھلایا جائے اس کا نفع عام اور ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔
للہ۔ اور لوگوں کے ساتھ خلق و لطف و نرمی سے رہنا۔ اور اپنے ماتحت اور شکستہ دلوں کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا۔
ئلہ۔ اور اس سے خیرات طلب کریں اور اپنے لیے دعا کریں جو آپ چاہتے ہیں۔
۱۳لہ۔ ان الفاظ کا ترجمہ فصل ثانی میں گزرا معمولی فرق کے ساتھ جو یہاں ہے کہ یہاں مغفرت و مہربانی کا بھی سوال کیا گیا ہے۔ اور یہاں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ یہاں کا نکتہ حتیٰ اِلٰی آخرہ بھی فرمایا۔

۶۹۳/۵۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطٰنُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے۔ اعوذ باللہ العظیم ولوجہہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم میں عظمت والے اللہ کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور اس کی کریم ذات کے ساتھ جو تمام بزرگیوں کی جامع ہے (علماء نے کہا ہے کہ وجہ کو کریم کہہ دیا گیا ہے صفات کمال سے اس کی صفت کردی۔ (اشعۃ اللمعات) حضور نے فرمایا جب بندہ یہ کلمات پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے یہ بندہ اب سارے دن کے لیے میرے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابوداؤد)

۶۹۴/۵۹ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ بڑا سخت ہوا یا ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ

رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔ بنایا۔ اسے مالک نے مرسلاً روایت کیا۔

لہ۔ حضرت عطاء تابعین سے اور ان کے مشاہیر و اکابر میں سے ہیں۔ ثقہ کثیر الحدیث ہیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مشہور قول کے مطابق ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔

۲ہ۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں اس کا معنی مذکور ہوا۔

۹۹۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلٰوةَ فِي الْحِيْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهِ يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُهُ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار دیواریوں میں نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔ اس کے بعض راویوں نے کہا یعنی ایسے باغات میں جن کے ارد گرد چار دیواری ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر حسن بن ابی جعفر کی حدیث سے۔ اور بیشک یحییٰ بن سعید وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

لہ۔ اصل میں لفظ حیطان آیا ہے۔ حدیث کے بعض راویوں نے اس سے باغات مراد لیے ہیں۔ یہ لفظ حائط کی جمع ہے یعنی دیوار جس نے کسی جگہ کا احاطہ کیا ہو۔ باغات کے معنی ہیں۔ اس لیے یہ لفظ آتا ہے کہ چار دیواری کے اندر احاطہ کیا ہوتا۔

۲ہ۔ ملا کہتے ہیں کہ حسن بن ابو جعفر روایت میں بڑا جلد باز اور منکر الحدیث ہے یحییٰ بن سعید جو ائمہ حدیث کے ناقدین میں سے ہے اس سے روایت نہیں کرتا۔ ابو حاتم نے کہا حسن مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب وہ عبادت میں زیادہ منہمک اور مشغول ہو گیا تو فن حدیث اور اس کے حفظ میں اسے غفلت اور وہم لاحق ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۔ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلٰوةً وَصَلٰوتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلٰوةٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کا گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے ثواب کے برابر ہے۔ اور مسجد محلہ میں اسکا ایک نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور اسکا جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور اس کا مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور اس کا میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نماز کے برابر ہے اور اسکا مسجد خانہ کعبہ میں

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہے (ابن ماجہ)

لہ بعض نسخوں میں ایک ہزار کا لفظ آیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہی درست ہے۔

۶۹۰/۵۹ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِی الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی قُلْتُ کَمْ بَیْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُمَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین میں پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی۔ فرمایا المسجد الحرام یعنی مسجد خانہ کعبہ۔ میں نے کہا پھر کون سی۔ فرمایا پھر مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت تھی۔ فرمایا چالیس سال۔ پھر اس کے بعد ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے۔ جس جگہ بھی تیرے لیے نماز کا وقت ہو جائے۔ نماز پڑھ لے لہ۔ (بخاری ومسلم)

لہ یہاں ایک اشکال پیش کیا گیا ہے۔ کہ کعبہ شریف کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور مسجد بیت المقدس کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام۔ اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ چالیس سال والی بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چالیس سال والی حدیث میں ان دونوں مسجدوں کی تعمیر اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ نہ تو حضرت ابراہیم خانہ کعبہ کے معمار اول ہیں اور نہ ہی حضرت سلیمان مسجد اقصیٰ کے اول بانی ہیں۔ یہ روایت تحقیق پر مبنی ہے کہ خانہ کعبہ کے معمار اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد آپ کی اولاد زمین میں پھیل گئی۔ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی ہو۔ پھر اس کے بعد دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔

شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ بے شک مجھے اس روایت کا شاہد اور مؤید بھی ملا ہے۔ اور وہ یہ کہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں کہا ہے کہ جب حضرت آدم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اب آپ بیت المقدس کو جائیں اور اس کی تعمیر کریں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر خانہ کعبہ کے بعد مسجد اقصیٰ بھی تعمیر کی۔ اور اس میں عبادت الٰہی بجا لائے۔ حضرت آدم کا خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا مشہور واقعہ ہے۔ اس روایت کے مطابق دونوں عمارتوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ السَّتْرِ

نماز میں جسم ڈھانپنے کا باب

ستر یعنی چھپانا یہاں شرمگاہ کا چھپانا مراد ہے۔ کہ یہ بھی شرائط نماز میں سے ہے مولف رحمۃ اللہ اس باب میں وہ احادیث لائے ہیں جو بحالت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے لباس سے متعلق ہیں۔ اور اس بارے میں مکروہ چیز کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ نماز میں کتنی مقدار ستر عورت واجب و ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ﷺ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِہٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَۃَ وَاضِعًا طَرَفَیْہِ عَلٰی عَاتِقَیْہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عمر بن ابی سلمہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک ہی کپڑے میں بشکل اشتمال[۲] ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور اس کے دونوں کنارے اپنے دونوں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ (بخاری و مسلم)[۳]

۱۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ مخزومی قرشی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب ہیں یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے حضرت ام سلمہ کے بیٹے ہیں۔ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ آپ ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث اخذ کیں۔ ۸۳ھ میں عبدالملک کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

۲۔ اشتمال کی صورت یہ ہے کہ کپڑے کا دائیں کنارہ جو دائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا جائے اور کپڑے کا بائیں کنارہ جو بائیں کندھے پر ہے بائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر دائیں کندھے پر ڈالا جائے۔ پھر دونوں کناروں کو سینہ پر باندھ دیا جائے۔ غالب یہ ہے کہ دو کناروں کو سینے پر باندھنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے۔ جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور برہنگی کا اندیشہ ہو۔ اور اگر کپڑا کھلا ہے کنارے لمبے ہیں تو پھر باندھنے کی حاجت نہیں جس طرح نمرانے یمن کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر بعض شارحین کے کلام میں باندھنے کی قید کا ذکر نہیں ہے۔ اس اشتمال کو توشیح بھی کہتے ہیں یہ وشاح سے ماخوذ ہے بمعنی وہ حمائل جو گردن میں ڈالتے ہیں۔

۳ـہ یعنی مذکورہ کیفیت کے مطابق جو اشتمال کے معنی میں بیان ہوئی ہے۔

۶۹۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقَیْهِ مِنْهُ شَیْءٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ جب کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز[۱] نہ ہو۔

(بخاری و مسلم)

لـہ یعنی اگر کپڑا اس طریقے کے مطابق جو اشتمال کے معنی میں بیان ہوا کندھے پر نہ پڑا ہوا ہو تو اس میں نماز نہ پڑھے کہ اس طرح نماز کے اندر برہنہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ہاتھ سے دونوں کنارے پکڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور پکڑنے سے نماز کے اندر ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی جو سنت ہے وہ فوت ہو جاتی ہے تاہم اگر ستر عورت حاصل رہے تو نماز ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء کے نزدیک درست ہو جاتی ہے۔ مگر امام احمد اور بعض سلف کے نزدیک حدیث کے ظاہر الفاظ پر نگاہ کرتے ہوئے ــــــــ اس صورت میں نماز جائز نہیں۔

۷۰۰ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْیُخَالِفْ بَیْنَ طَرَفَیْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جس نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اسے چاہیے کہ اس کے دونوں کنارے مخالف جانبوں پر ڈالے[۱]۔

(بخاری شریف)

لـہ جیسا کہ اشتمال کے معنی میں اس کا طریقہ مذکور ہوا۔

۷۰۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خَمِیْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰی اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِیْصَتِیْ هٰذِهٖ اِلٰی اَبِیْ جَهْمٍ وَّاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّةِ اَبِیْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِیْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر[۱] میں نماز پڑھی جس میں دھاریاں تھیں نماز کے دوران آپکی نگاہ ان دھاریوں[۲] پر پڑ گئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم سے انکی انبجانیہ چادر

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَأَخَافُ أَنْ يَفْتِنَنِي.

لے آؤ کہ اس نے ابھی ابھی مجھے نماز سے غفلت میں ڈالا۔ بخاری و مسلم اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے آپ نے فرمایا میں نماز کے اندر ان دھاریوں کو دیکھتا تھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ مجھے فتنہ میں ڈال دیں گی۔

سلہ۔ خمیصہ کھدر یا صوف کی اس سیاہ چادر کو کہتے ہیں جس میں دھاریاں ہوں۔ اگر اس کا رنگ سیاہ یا اس میں دھاریاں نہ ہوں تو اسے خمیصہ نہیں کہتے۔

سے۲۔ حضرت ابوجہم مشہور اور معمر صحابی ہیں۔ قریش کے عمر رسیدہ لوگوں میں سے تھے۔ یہ چادر جو انہوں نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔ جب آپ کی نگاہ اس کی دھاریوں پر پڑی تو آپ کو ناپسند لگی اور سابق نشان کی وہ چادر واپس بھیج دی۔

سے۳۔ انبجانیہ۔ ہمزہ کی زیر یا زبر، یا اور نون ساکن اور بار کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ریشم کا بغیر نقش کا کمبل یا چادر ہے یہ انبجان جگہ کی طرف منسوب ہے۔ اس دوسری چادر کا ان سے واپس منگوانا اس بنا پر تھا کہ جب خمیصہ (سیاہ رنگ کی دھاری دار چادر) جو انہوں نے بطور تحفہ بھیجی تھی وہ آپ نے ان کو واپس کر دی تو ان کے دل شکستہ ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے دوسری چادر انبجانیہ ان سے منگوالی۔ اور اس دھاری دار چادر کے پسند نہ آنے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي۔ کہ بے شک اس نے مجھے میری نماز سے غافل کیا یعنی میرے ذوق و حضور نماز میں فرق واقع ہوا۔

سے۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری صور و نقوش، نفوس، طاہرہ اور قلوب صافیہ پر ان کے علو مقام اور کمال نزاہت کے باوجود اثر انداز ہوتی ہیں۔ نظر تحقیق کے مطابق یہ تاثیر و تبدیلی ان کے کمال صفا اور غایت لطافت کی بنا پر ہوتی ہے۔ جس طرح صاف سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ بھی پڑ جائے تو نمایاں نظر آتا ہے۔ اور جس قدر وہ کپڑا زیادہ سفید ہو گا اسی قدر وہ کالا نشان زیادہ نمایاں ہو گا۔ گناہوں سے آلودہ اور سیاہ دل لوگ اس حقیقت و معنیٰ سے آگاہ نہیں ہیں۔

میرے (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کے نزدیک یہ امت کو تعلیم اور اس میں تنبیہ ہے کہ زینت و نقش و نگار دنیوی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیے بلکہ حقیقت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اس بارے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے اور غفلت و مشغولیت کے امور سے بچ کر رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۷۰۲ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی ایک جانب میں ایک

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا یَزَالُ تَصَاوِیْرُهٗ تَعْرِضُ لِیْ فِیْ صَلٰوتِیْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

باریک رنگین منقش پردہ[۱] لٹکا ہوا تھا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے آگے سے اپنا یہ پردہ کو ہٹا دے کہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے آتی رہیں۔ (بخاری شریف)

۱؎ ۔ اصل میں لفظ قرام آیا ہے قاف کی زیر اور الف ساکن کے ساتھ یعنی باریک رنگین اور منقش پردہ ظاہرًا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار پر لٹکایا ہوا اور دیوار کو اس سے آراستہ کیا ہوا تھا بعض کہتے ہیں دلہن کی ڈولی کی طرح آپ نے اس پردے سے کوئی چیز بنائی ہوئی تھی بعض کہتے ہیں گھر میں جو سامان تھا اس پردے سے چھپایا ہوتا تھا۔ کیونکہ دیواروں کو کپڑوں سے ڈھانپنا اور ان پر پردے لٹکانا ممنوع ہے حضرت عائشہ اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیسے کر سکتی تھیں تاہم ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ممانعت سے پہلے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۲؎ ۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِیْرٍ فَلَبِسَهٗ ثُمَّ صَلّٰی فِیْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِیْدًا كَالْكَارِهِ لَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ هٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عقبہ بن عامر[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی قبا[۲] تحفہ بھیجی گئی۔ آپ نے اسے پہنا[۳] پھر اس میں نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہوئے تو اس ریشمی قبا کو ناپسند کرنے والے کی طرح سختی سے اتارا۔ پھر فرمایا یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں[۴]۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضرت عقبہ بن عامر جہنی جو مشہور صحابی ہیں۔ انہوں نے یہ ہدیہ بھیجا۔

۲؎ ۔ فروج حریر۔ ریشمی قبا۔ فروج فا کی زبر اور را کی شد کے ساتھ آخر میں جیم۔ وہ قبا جس کا چاک پیچھے ہو۔ جیسا کہ سرداری کے لیے لیا کرتے تھے۔ یہ اکیدر نامی سردار ظلم دومۃ الجندل نے ارسال کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کسی دوسرے نے بھیجا تھا۔

۳؎ ۔ آپ نے ریشم پہننے کی نہی سے پہلے اسے پہنا تھا۔ بعض کہتے ہیں حرمت کے بعد پہنا تھا بھیجنے والے کی دلجوئی کے لیے۔ مگر بعض کا یہ قول بہت بعید اور مضمون اور سیاق حدیث کے خلاف ہے۔

۴؎ ۔ خصوصًا اس ذات کے لیے جو سب سے بزرگ سب سے بہتر اور تمام متقیوں کی سردار و سردار ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح اور روا ہے مگر عزیمت و افضلیت کے مقام سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے ریشم کی حرمت کی ابتدا کا مقدمہ یہی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۲۰۷ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ اَصِيْدُ فَاُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت سلمہ[1] بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں۔ کیا میں صرف قمیص[1] کے اندر نماز پڑھ لوں۔ فرمایا ہاں پڑھ لیا کرو۔ گرا سے بٹن لگا لیا کرو گرچہ کانٹے کا ہی ہو۔ (ابوداؤد)

۱۔ میں صرف ایک قمیص ہی پہنتا ہوں تاکہ شکار کے تعاقب میں آسانی کے ساتھ دوڑ سکوں۔

۲۔ یعنی گریبان بند کر لیا کرو اگر وہ کھلا اور کشادہ ہو اور رکوع و سجود کے وقت برہنگی کا خطرہ ہو تو ٹھیک نہیں۔

۳۔ اور نسائی نے اسی کی مثل روایت کیا۔ دوسرے الفاظ میں۔

۲۰۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّيْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ يَتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ ایک آدمی ٹخنوں سے نیچے تہہ بند[1] لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور وضو کر وہ مرد گیا اور وضو کیا۔ پھر آیا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وجہ سے آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص تہہ بند نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے تہہ بند ٹخنوں کے نیچے لٹکایا ہوا ہو[2]۔ (ابوداؤد)

۱۔ اسبال کا معنی لغت میں ہے کپڑے کو ناز و تکبر سے اس قدر نیچے چھوڑ دینا کہ زمین سے لگ جائے۔ یہ اسبال صرف تہہ بند کے ساتھ خاص نہیں۔ چونکہ اس کا استعمال بیشتر تہہ بند میں ہوتا ہے۔ اس لیے

۱۔ حضرت سلمہ بن الاکوع مشہور صحابی ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے شجاع اور دلیر انسان تھے۔ سواروں پر پا پیادہ حملہ کیا کرتے تھے۔

حدیث میں تہہ بند کا لفظ آ گیا۔

ے۔ یعنی تکبر و غرور کی وجہ سے اسے ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ اصل نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور ذمہ سے بھی ساقط ہو جائے گی۔

یہاں یہ گفتگو باقی ہے کہ نماز کا قبول نہ ہونا اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے کی علت کیسے بن گیا۔ اس کے جواب یہ دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے وضو کا حکم اس لیے دیا کہ اسے پتہ چل جائے کہ وہ معصیت کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے علم میں یہ چیز قرار پذیر ہو چکی تھی کہ وضو خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ اور گناہوں کی بخشش کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہ وضو گناہوں کے اسباب، غصہ و غضب وغیرہ کو بھی دور کرتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا اس کے باطہارت ہونے کے باوجود اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ وہ شخص نیک مند ہوا اور اپنے اس فعل کی قباحت کو محسوس کرے کہ اس نے اس کا ارتکاب کیوں کیا اور اس نیہ سے بھی وضو کا دوبارہ حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری طہارت کا حکم دینے کی برکت سے اللہ تعالیٰ باطن کو تکبر و غرور سے جو اسبال (تہہ بند نیچے لٹکانے) کا موجب بنا، سے پاک کر دے گا۔ کیونکہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے پیدا کرنے میں موثر ہے۔

ظاہری طور پر تو یوں آتا ہے کہ اسبال وضو توڑ دیتا ہے یا وضو میں کراہت کا موجب ہے۔ مگر متاخرین نے اس کا بیان ایسے ہی کیا ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ (خوب سمجھ لے)

۷۴۹- وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۔	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر چادر کے ساتھ
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)	(ابوداؤد، ترمذی)

لے۔ بالغہ عورت یعنی جو حیض آنے کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر سرپوش (چادر) کے ساتھ خمار خا کی زیر کے ساتھ یعنی ایسی چیز جس سے سر کو چھپایا جائے۔ اب اس کا استعمال عورتوں کے سرپوش میں ہوتا ہے صراح میں کہا خمار بکسر معجز زنان (عورتوں کا سرپوش) یعنی عورت کے سر اس کے بالوں کا نماز میں چھپانا واجب و ضروری ہے۔ یہ مسئلہ آزاد عورت کے لیے ہے۔ لونڈی ستر کے مسائل میں مرد کی طرح ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

۷۵۰- وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّيْ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا

الْمَرْأَةُ فِيْ دِرْعٍ وَخِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ قَالَ إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّيْ ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَقَفُوْهُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ۔

عورت قمیص اور چادر میں کہ تہ بند پہنے ہوئے نہ ہو۔ نماز پڑھ سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبکہ اس کی قمیص اتنی بڑی اور ڈھیلی ہو کہ وہ پاؤں کی پشتوں کو بھی چھپالے (تو جائز ہے) اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیان کیا کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کا وقف حضرت ام سلمہ پر کیا ہے یعنی انہوں نے کہا ہے یہ حضرت ام سلمہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک نہیں اور حدیث موقوف کا معنی مقدمہ میں بیان ہوچکا ہے۔

۱۱ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَأَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ۔
رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل[1] سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی نماز کے اندر اپنا منہ ڈھانپ کر رکھے[2]۔
(ابوداؤد، ترمذی)

[1] سدل کی صورت یہ ہے کہ کپڑا سر اور کندھوں پر ڈال لیا جائے۔ اور کنارے نیچے لٹکا دیے جائیں۔ چادر شانہ پر ڈالنا اور اس کے کنارے نیچے لٹکانا بھی سدل اور منع ہے۔ قبا پہننا اور ہاتھ اس کی آستینوں میں نہ ڈالنا۔ بلکہ اندر رکھنا اور آستینوں کا لٹکنا بھی سدل ہے اور منع ہے۔

[2] یعنی منہ کو نماز میں کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپنا۔ بعض شارحین نے سدل کی تفسیر اس سے کی ہے کہ منہ کی ڈھاٹا باندھا جائے یعنی دستار کے ایک کنارے سے منہ کو باندھ دیا جائے۔ اس سے ممانعت کا سبب و باعث یہ ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتوں کی سیرت و عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نماز کی قرأت اور اس کے حسن میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔ ڈکار اور جماہی لینے والا اور وہ آدمی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ بلکہ ان صورتوں میں ہاتھ سے منہ کو بند کرنا مستحب و مستحسن ہے۔

۱۲ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

(رواہ ابو داؤد) (ابو داؤد شریف)

ل۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت کے اظہار کے لیے رخصت پر عمل کرنا بھی مستحسن و مرغوب چیز ہے کہ اس میں ان کی مخالفت پائی جاتی ہے، اس لیے رخصت سے نکل کر عزیمت کے حکم میں ہوچکا ہے۔

۱۱/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ یَسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِكَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰی اِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاكَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْكَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْهِمَا قَذَرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی فِیْ نَعْلَیْهِ قَذَرًا فَلْیَمْسَحْهُ وَلْیُصَلِّ فِیْهِمَا

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے نعلین مبارک اتار دیے اور اپنی بائیں طرف رکھ لیے[۱]۔ جب قوم نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری کر چکے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے تمہارے جوتے اتارنے پر آمادہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیے، ہم نے بھی جوتے اتار دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک میرے پاس جبرئیل آیا۔ اور مجھے خبر دی کہ دونوں جوتوں میں نجاست[۲] ہے۔ جب تم سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھے اگر جوتوں کے ساتھ نجاست لگی ہے تو اسے کسی چیز کے ساتھ صاف کرے اور ان میں نماز پڑھے[۳]۔

(ابو داؤد، دارمی)

ل۔ شاید کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کوئی نہ تھا، ورنہ اس جانب جوتا نہ رکھتے کہ اس بارے میں نہی آچکی ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

ک۔ قذر قاف اور ذال کے فتح کے ساتھ یعنی پلیدی اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرے، ظاہر یہ ہے کہ نعلین مبارک کو کوئی ایسی نجاست نہیں لگی ہوئی تھی جس سے نماز درست نہ ہو۔ بلکہ کوئی ایسی چیز لگی ہوئی تھی جس سے طبیعت نفرت کرے۔ ورنہ آپ از سر نو نماز پڑھتے۔ کیونکہ کچھ نماز ادا کر چکے تھے۔ حضرت جبرئیل کا آپ کو اطلاع دینا اور آپ کا نعلین شریف اتار دینا کمال طہارت و نظافت کی بنا پر تھا جو کہ آپ کی طبیعت شریف کے لائق تھا

بعض شافعی حضرات کہتے ہیں کہ نسیان کی بنا پر اگر نجاست لگی رہے تو اس سے نماز کی درستی میں فرق نہیں پڑتا۔ اس حدیث کے ظاہر پر نگاہ کرتے ہوئے یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول قدیم ہے۔

سے۔ جیسا کہ باب تطہیر النجاسات میں گزرا۔

۱۱/۱۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِينِهِ وَلَا عَنْ يَسَارِهِ فَتَكُونَ عَنْ يَمِينِ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى يَسَارِهِ أَحَدٌ وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَوْ لِيُصَلِّ فِيهِمَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنا جوتا اپنے دائیں اور بائیں نہ رکھے کہ اگر بائیں رکھے گا تو وہ دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا[1]۔ اور چاہیے کہ اپنے سامنے رکھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں نماز پڑھے اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

لہ یعنی اگر اپنی بائیں جانب رکھے گا تو دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا جو اس کے بائیں جانب کھڑا ہے۔ اور جب کہ اپنی دائیں جانب جوتا رکھنا پسند نہیں کرتا تو دوسرے کی دائیں جانب رکھنا کیوں پسند کرے گا۔

بیت۔

ہر چہ بر جان خویش نپسندی	نیز بر جان دیگرے مپسند
جو چیز تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا	دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

۱۲/۱۵ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے اس پر سجدہ کر رہے تھے[2]۔ ابو سعید کہتے ہیں اور میں نے دیکھا آپ بشکل اشتمال ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے (مسلم شریف)

لہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیز پر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز ہے جو زمین اور بندے کے درمیان حائل ہو

خواہ وہ چیز زمین سے اُگنے والی چیزوں میں سے ہو یا دوسری چیزوں میں سے۔ اور اس حدیث میں اگرچہ حصیر (چٹائی) کی تخصیص ہے مگر دوسرے دلائل موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کپڑے یا صوف پر بھی جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں جو چیز زمین کی روئیدگی میں سے نہ ہو اس پر ٹھیک نہیں۔

۷۱۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَّ مُنْتَعِلًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پابرہنہ نماز پڑھتے تھے اور جوتے کے ساتھ بھی۔ (ابوداؤد)

۷۱۴ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت محمد بن المنکدر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت جابر[2] رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ایک تہہ بند میں جسے آپ نے اپنی گردن کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی۔ اور ان کے کپڑے کھونٹی[3] پر رکھے ہوئے تھے۔ ایک کہنے والے نے ان سے کہا آپ ایک تہہ بند میں نماز پڑھ رہے ہے۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ تیرے جیسا احمق مجھے دیکھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔ (بخاری)

[1] ۔ آپ تابعی ہیں، حضرت جابر، حضرت عائشہ اور حضرت انس حضرت ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔

[2] ۔ حضرت جابر بن عبداللہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ جو چادر آپ نے گردن پر باندھی تھی وہ وہی چادر تھی جسے بطور تہبند آپ پہنتے تھے۔ آپ نے گردن تک بلند کر کے اس کے کناروں کو گردن سے باندھ دیا اسے ہی پہن کر نماز پڑھی۔

[3] ۔ مشجب میم کا زیر شین ساکن اور جیم کی زبر کے ساتھ یعنی چند لکڑیاں جن کے سرے ملا دیتے ہیں اور ان کے پاؤں کھلے کر دیتے ہیں۔ ان پر کپڑے رکھ دیتے ہیں کبھی ان کے ساتھ پانی کی مشک بھی لٹکا دیتے ہیں تاکہ پانی سرد ہو جائے۔ [illegible]

۹۵۔ اور جان لے کہ ایک کپڑے میں بھی نماز جائز ہے اور سنت کے خلاف نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے احمق اس لیے کہا کہ اس نے غور کرتے اور سوال سے پہلے اعتراض کر دیا اس میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ترک سنت کا اعتراض، طعن نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اگر بظاہر ٹھیک دکھائی نہ دے، اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل استقامت علماء راسخین سے سوال و استفسار کرنا درست ہے مگر ان پر اعتراض اور انکار ٹھیک نہیں ہے۔

۱۰۰ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا كَانَ ذَاكَ اِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللهُ فَالصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبَيْنِ اَزْكٰى۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے کوئی عیب نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی قلت تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و کشادگی عطا کر دی تو پھر دو کپڑوں میں ادا کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کی چیز ہے۔ (احمد)

۱۰۰۔ آپ مشاہیر و عظماء صحابہ میں سے ہیں۔ کاتب وحی اور حافظ قرآن ہیں۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔

۱۰۱۔ یعنی یہ دین کا وہ راستہ ہے جس پر لوگ چلے ہیں۔ اور یہ جائز و درست ہے۔

۱۰۲۔ کہ دو کپڑوں میں حسن ادب، اظہار نعمت اور اپنی ہیبت کی تحسین پائی جاتی ہے۔

بَابُ السُّتْرَةِ

سترہ کا باب

سترہ سین کی پیش اور تا ساکن کے ساتھ، وہ چیز جس سے کسی چیز کو چھپایا جائے۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جو نمازی کے آگے کھڑی کی جاتی ہے جس سے اس کی سجدہ گاہ متمیز اور مانع ہو جاتی ہے تاکہ گزرنے والا نمازی کے آگے سے نہ

گز سے یہ سترہ دیوار، ستون اور لکڑی وغیرہ کا ہو سکتا ہے۔ چاہیے کہ سترہ کی لمبائی گز سے کم اور موٹائی انگشت سے کم نہ ہو۔ سترہ کے احکام احادیث میں آ رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۰۴۱ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّىْ اِلَيْهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے عیدگاہ کو جاتے تھے چھڑی[1] بھی آپ کے آگے آگے لے جائی جاتی تھی اور آپ کی جائے نماز کے آگے گاڑھ دی جاتی تھی، آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)

[1] عنزۃ تین زبروں کے ساتھ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں جس کے آگے لوہے کا بھالا لگا ہوتا ہے۔ ایک گز لمبا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یوں تھی کہ آپ کے خادم مشغول اور کاموں کے لیے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ان میں سے ایک کام یہ ہوتا تھا کہ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۱۰۴۲ - وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں وادی ابطح میں چمڑے[2] کے سرخ رنگ کے خیمے میں دیکھا اور میں نے بلال کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پکڑ رکھا تھا میں نے دیکھا کہ اس پانی کے حاصل کرنے کے لیے صحابہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مل لیتا اور جسے کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی سے تری حاصل کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضرت بلال نے وہ چھڑی لی اور اسے گاڑھ دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پنڈلی تک ازار مبارک اٹھائے ہوئے سرخ[3] جوڑے میں باہر نکلے۔ آپ نے چھڑی

الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَ رَأَيْتُ النَّاسَ وَ الدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی طرف منہ کرکے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور مویشی چھڑی کے آگے سے گزر رہے تھے۔[۵]

(بخاری و مسلم)

[۱] ۔ جحیفہ پہلے جیم ضموم پھر حائے مفتوح کے ساتھ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ خورد سال صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ حد بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پاک سنی۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کے بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا۔

[۲] ۔ ابطح مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستے میں ایک وادی ہے۔ اسے محصب اور بطحا کہتے ہیں مکہ معظمہ کو بھی اس وادی کی مناسبت سے بطحا کہہ دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی مناسبت سے ابطحی کہتے ہیں۔ ابطح دراصل پانی کے ایسے بہاتی نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھی ہوں۔

[۳] ۔ اَدَم دو زبروں کے ساتھ دباغت شدہ چمڑے کو کہتے ہیں۔

[۴] ۔ حلہ یعنی چادر و تہبند دو کپڑوں میں جن میں سرخ دھاریاں تھیں جس طرح ہمارے علاقوں (ہندوستان) میں عام ہوتا ہے۔ سرخ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خالص سرخ لباس زیب تن کیا تھا کہ اس کا پہننا مکروہ تحریمہ کی حد تک ممنوع ہے۔ اس کی تحقیق باب لباس میں ان شاء اللہ آئے گی۔

[۵] ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سترہ کھڑا کرنے کے بعد انسانوں اور غیر انسانوں کے نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ اور سترہ کے آگے سے گزرنے والے گناہ گار نہ ہوں گے۔

۷۱۸ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ زَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ فَيُصَلِّيْ إِلَى أُخْرَتِهِ۔

حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری کو چوڑائی میں بٹھاتے تھے پھر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے بخاری و مسلم اور بخاری نے یہ عبارت زیادہ کی ہے میں نے کہا تو مجھے بتلائیں اگر مویشی پھرنے لگیں[۲]۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کجاوے کو پکڑتے اور اسے برابر[۳] رکھتے اور اس کا پچھلی لکڑی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

[۱] ۔ یعرض۔ یا کی زبر عین ساکن را کی پیش کے ساتھ۔ را کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ مگر را پر پیش پڑھنا

زیادہ فصیح ہے۔ اور ریا کی پیش عین کی زبر اور را مشدد کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعرض یا تعریض بمعنی جانور کو چوڑائی میں بٹھانا۔

سے۔ یعنی جب اونٹ چارہ چرنے اور پانی پینے کے لیے ادھر ادھر چل پھر رہے ہوں تو اس وقت آپ کیا کرتے تھے۔

سے۔ یُعدِّلُہ بِالْعِدِلِہ کا معنی ہے کجاوے کو سیدھا اور ٹھیک کر کے رکھتے۔

ھے۔ آخرتہ۔ کجاوے کی پچھلی لکڑی۔ آخرۃ مد اور بغیر مد کے اور خا کی زیر کے ساتھ بمعنی وہ لکڑی جس کے ساتھ شتر سوار تکیہ لگاتا ہے۔ چونکہ یہ لکڑی بلند ہوتی ہے اس لیے آپ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۷۱۹ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کجاوے کی پچھلی لکڑی کی طرح اپنے سامنے رکھ لے اور نماز پڑھے پھر سترہ کے آگے سے جو کوئی گزرے اس کی پروا نہ کرے۔

(مسلم شریف)

سلہ مُؤخِرَۃ میم کی پیش، ہمزہ ساکن خا کے کسرہ اور فتح کے ساتھ اور میم کی پیش ہمزہ کی زبر خا کی شد کے ساتھ بمعنی آخرۃ یعنی پالان کی پچھلی لکڑی۔ آخِرۃ مُؤخرۃ سے زیادہ فصیح ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے کہا ہے کہ حضور نے تو لفظ آخرۃ الرحل ہی فرمایا تھا۔ آگے راوی نے اپنی لغت سے اسے مُؤخِرۃ روایت کر دیا۔ قریش کی لغت تمام عرب سے زیادہ فصیح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح قریش ہیں۔

سے۔ کہ اس سے اس کے خشوع میں فرق نہ آئے گا۔ یا گزرنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں اور نہ وہ گنہگار ہوگا۔

۷۲۰ وَعَنْ اَبِيْ جُهَيْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يَّقِفَ اَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِيْ قَالَ اَرْبَعِيْنَ ...

حضرت ابوجُہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا گناہ لازم آتا ہے تو اس کے لیے چالیس تک کھڑے رہنا آگے گزرنے سے بہتر تھا۔ ابو النضر نے کہا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس

شَهْرًا اَوْ سَنَةً ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ ۔ ابوجہیم جیم کی پیش ۔ ہا کی زبر اور یا ساکن کے ساتھ ۔ آپ مشہور صحابی ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بھتیجہ زادہ ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امامت تک زندہ رہے ۔

سلہ ۔ ابوالنضر مناد کے ساتھ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں ۔

سلہ ۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے چالیس سال فرمایا ۔ اور سنا لفظ بھی اسی میں ہے ۔

۲۱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَّجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ	حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی آدمی کسی چیز کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے جو اسے لوگوں سے ڈھانک لے (سترہ بن جائے) پھر کوئی آدمی سترے اور نمازی کے درمیان سے گزرنا چاہے تو اسے ہٹادے اگر باز نہ آئے تو اس سے لڑے کہ بیشک وہ شیطان ہے ۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم نے دوسرے الفاظ میں اسی معنی کو روایت کیا ۔

لہ ۔ یعنی اسے سترہ بنائے کہ وہ چیز اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جائے ۔

سلہ ۔ ایک روایت میں فَلْيَقْتُلْهُ آیا ہے یعنی چاہیے کہ اسے قتل کر دے ۔ یہ اسے ہٹانے اور باز رکھنے میں مبالغہ ہے ۔ علماء نے کہا ہے اگر کسی نے ایسی چیز کے ساتھ اسے ہٹایا جس سے ہٹانا عموماً جائز اور درست ہوتا ہے مگر وہ اس چیز کے لگنے سے مر گیا تو قصاص واجب نہ ہوگا ۔ مگر دیت میں اختلاف ہے ۔

سلہ ۔ یعنی وہ شیطانی کام کرنے والا ہے کہ نمازی کے خشوع و خضوع کو برباد کرتا ہے ۔ یا انسانوں میں سے شیطان مراد ہے کہ شیطان کا اطلاق جن و انس دونوں پر ہوتا ہے ۔ اور شریر لوگوں کو شیطان الانس کہتے ہیں ۔

۲۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَيَقِيْ ذٰلِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کتا باطل کر دیتے ہیں ۔ اور اسے باطل ہونے سے بچاتی ہے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند چیز ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	اسے مسلم نے روایت کیا ۔

لہ یعنی کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو سترہ کے طور پر اگر نمازی نے سامنے رکھ لیا تو پھر نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

واضح ہو کہ صحابہ وغیرہم علماء کرام اس پر ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نمازی کی نماز کو باطل نہیں کرتی یہ مذکورہ تین چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ اور احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں سترہ قائم کرنے کی تاکید اور زور دینے پر محمول ہیں۔ یا باطل و قطع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ نماز کے خشوع و خضوع کو جو نماز کا سر اور اس کی روح ہے، باطل کرتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ قریب ہے کہ نمازی کی نماز باطل ہو جائے۔ نمازی کا دل اس جانب مشغول ہو جانے کی وجہ سے۔ ان تین چیزوں کی تخصیص اس بنا پر کی کہ ان کے ساتھ دل زیادہ مشغول ہوتا ہے۔ عورت میں تو یہ بات ظاہر ہے اور گدھے سے اس بنا پر کہ اس کے ساتھ عموماً بیشتر شیطان رہتا ہے۔ جیسا کہ گدھے کے ڈانکنے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے استحباب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کتے سے اس وجہ سے کہ اس میں سخت نجاست پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حائضہ عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز قطع اور باطل ہوتی ہے۔ یہ قول حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۷۴۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح پڑی ہوتی تھی جس طرح جنازہ پڑا ہوتا ہے۔ لہ (بخاری و مسلم)

لہ مطلب یہ ہے کہ میرا پورا جسم آپ کے آگے پڑا ہوتا تھا یہ نہیں کہ جسم کا کوئی ایک حصہ سامنے ہوتا تھا۔ اس کی ہر طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے عورت کے سامنے آنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۷۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں گدھی لہ پر سوار ہو کر سامنے آیا میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے آپ کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ (سترہ) نہ تھی۔ میں صف کے ایک حصے کے آگے سے گزرا اور گدھی سے نیچے اترا اور اسے چرنے کے

اِلَّا اَتَانٍ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لیے چھوڑ دیا۔ اور خود صف میں شامل ہو گیا کسی نے میرے اس عمل پر انکار نہ کیا۔[۲] (بخاری و مسلم)

[۱] لفظ اَتَان استعمال ــــ ہمزہ کی زبر اور زیر دونوں سے آیا ہے۔ حمار کا لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے آتا ہے مگر اَتان کا لفظ گدھی کے ساتھ خاص ہے اور اَتانہ بھی آیا ہے۔ گدھی کے ذکر سے اس جانب اشارہ ہے کہ اگر گدھی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو عورت کے گزرنے سے بھی نہیں ٹوٹتی۔

[۲]۔ میرے گدھی پر سوار ہو کر صفوں کے آگے سے گزرنے پھر اسے صفوں کے سامنے چرنے کے لیے چھوڑنے پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ ہماری نماز ٹوٹ گئی کیونکہ مادہ خر کے سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی پھر میں اس وقت بالغ بھی نہ تھا بالغ ہونے کے قریب تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۷۷۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ اَمَامَهٗ

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز کر لے[۱] اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی کھڑی کر لے[۲]۔ اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو زمین پر خط کھینچ لے۔ پھر اسے آگے گزرنے والی کوئی چیز مضر نہ ہوگی[۳]۔

(ابو داؤد)

(ابن ماجہ)

[۱]۔ جیسے دیوار، درخت اور ستون وغیرہ۔

[۲]۔ اولاً اسے زمین میں گاڑ دے۔ اور اگر زمین سخت ہو تو عصا کو اپنے سامنے طولاً رکھ دے عرضاً نہ رکھے۔ تاکہ گاڑنے کی طرح ہو جائے۔

[۳]۔ کہ اس کے خشوع کو باطل نہ کرے گی۔

مانع ہو کر زمین پر خط کھینچنا امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد کا قول ہے۔ ہمارے مشائخ متاخرین میں سے بھی بعض نقطے کے قائل ہیں۔ ہمارے اکثر مشائخ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خط کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام نے فرمایا الخط لیس بشی خط کوئی چیز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی اپنے قول جدید میں خط کی نفی کی ہے اور کہا کہ اس بارے میں وارد حدیث ضعیف اور مضطرب ہے۔ پھر خط رکاوٹ بننے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور دور سے تمیز اور دکھائی نہیں دیتا۔ صاحب ہدایہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اتباع کے لیے سنت اولیٰ اور سا فضل ہے) خط کھینچنا کچھ نہ کچھ ظہور وامتیاز رکھتا ہے۔ اطمینان کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ اور انتشار واضطراب دور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خط کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہلال کی شکل میں معتبر ہے۔ بعض کے نزدیک جانب قبلہ لمبائی میں۔ اور بعض کے نزدیک دائیں بائیں چوڑائی میں۔ مگر مختار قول یہ ہے کہ لمبائی میں کھینچا جائے جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۷۲۶/۱۱ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ ‘ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت سہل[1] بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس کے قریب[2] ہو جائے کہ شیطان اس کی نماز باطل نہ کر سکے[3] گا۔ (ابوداؤد)

[1] سہل ہائے مہملہ کی فتح اور جزم کے ساتھ آپ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ انصاری ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوگئے ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

[2] تاکہ سجدہ بقدر امکان اس کے قریب واقع ہو۔

[3] کہ اس طرح نہ تو ابلیس وسوسہ ڈالے گا اور نہ اس پر قادر ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر دور کھڑا ہوگا تو نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنے کا احتمال ہے اور اس سے دل میں وسوسہ آئے گا۔

۷۲۷/۱۲ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُودٍ أَوْ لَا عَمُودٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں مگر آپ اسے اپنے دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے تھے اسے بالکل سامنے[1] نہ رکھتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی ایسا نہ کرتے تھے کہ وہ درمیان آنکھوں کے وسط میں آ جائے۔ بلکہ آپ تھوڑا ادھر یا ادھر رکھتے تھے

تاکہ بتوں کی عبادت سے مشابہ نہ ہو جائے۔ اس میں آپ کی کمال پاکیزگی کی جانب اشارہ ہے جو اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷۴۸ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ، اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلّٰى فِي الصَّحْرَاءِ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالٰى بِذٰلِكَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَلِلنَّسَائِيِّ نَحْوُهٗ)

حضرت فضل[1] بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ اپنے ایک جنگل[2] میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس بھی تھے۔ تو آپ نے صحرا میں نماز پڑھی آپ کے سامنے کوئی سترہ[3] نہ تھا اور ہماری ایک گدھی اور کتیا دونوں آپ کے سامنے کھیل رہی تھیں آپ نے ان کی کوئی پرواہ[4] نہ کی۔ (ابوداؤد اور نسائی)

۱؎ فا کی زبر اور ضاد ساکن یہ حضرت ابن عباس کے بھائی کا نام ہے۔

۲؎ عربوں کی عادت ہے کہ شہر سے باہر آ جاتے ہیں۔ اور جنگل میں خیمہ زن ہوتے اور اسے اپنی منزل بنا لیتے ہیں اور چند روز وہاں گزارتے ہیں۔ ہر گروہ وجماعت کا ایک جنگل اور جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ جس میں وہ رہتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت عباس رضی اللہ عنہ کے بادیہ (جنگل) میں تشریف لائے۔

۳؎ یعنی دیوار یا درخت یا لاٹھی وغیرہ کسی چیز کا سترہ سامنے نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ ایک مستحب چیز ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ وہ جگہ لوگوں کی گزرگاہ ہو۔

۴؎ یعنی آپ نے ان کی پرواہ نہ کی اور حمارۃ، کلبۃ میں تا یا تانیث کے لیے ہے یا وحدت کی ہے۔

۷۴۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ وَادْرَءُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی۔ اور اپنی طاقت کے مطابق چیز کو آگے سے ہٹاؤ[1] کہ وہ شیطان ہے (ابوداؤد)

۱؎ تاکہ تمہارا خشوع وخضوع برقرار رہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۷۵۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی

وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے میں ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے ٹھوکر مارتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی۔ جب آپ کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں پاؤں پھیلا لیتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ان دنوں گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ یہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضور کی سجدہ گاہ میں پاؤں پھیلانے کے لیے بیان عذر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ٹھوکر مارنے کے بعد دوبارہ پاؤں پھیلانا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ شاید آپ نے جگہ چھوڑ دی ہے اور اس کے دیر بعد کھڑے ہوئے ہیں۔ یا نیند کی حالت میں انسان پر قدرے غفلت طاری ہو جاتی ہے واللہ اعلم

۴۳۱/۱۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَا لَهٗ فِيْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلٰوةِ كَانَ لَاَنْ يُقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهٗ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِيْ خَطَاهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگ یہ جان لو کہ نمازی بھائی کے آگے سے گزرنے میں کیا گناہ ہے۔ تو اس کے لیے سو سال کھڑے رہنا نمازی کے سامنے ایک قدم اٹھانے سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

۴۳۲/۱۵ وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ اَنْ يُّخْسَفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَهْوَنَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کتنا گناہ لازم آتا ہے تو اسکا زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں خیر لہ کے بجائے اہون علیہ کا لفظ آیا ہے یعنی زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہوتا (مالک)

۴۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَاِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلٰوتَهُ الْحِمَارُ وَالْخِنْزِيْرُ وَالْيَهُوْدِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی بغیر سترہ کے نماز پڑھے تو اس کی نماز کو باطل کر دیتا ہے گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت

وَالْخَرِيْجُ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ إِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَىٰ قَذْفِهٖ بِحَجَرٍ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

جب کہ ان میں سے کوئی چیز اس کے آگے سے گزرے اور کفایت کرتی ہے اس سے جب کہ یہ چیزیں اسکے آگے سے پتھر پھینکنے کے فاصلے سے گزریں۔ (ابو داؤد)

لہ۔ اس کی تاویل اور مطلب فصل اول میں گزرا۔

لہ۔ علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد حج کے موقعہ پر کنکری مارنے کی مقدار فاصلہ مراد ہے۔ اور وہ تین گز بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

طریقہ نماز کا بیان

یعنی نماز کا طریقہ اور اس کی صفات کا بیان کہ کس طرح ادا کی جائے۔ اور یہ کہ اس کے ارکان و اجزاء کیا ہیں۔ یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز حقیقت نماز سے خارج ہے اس کا بیان بھی کیا جائے۔ کہ یہ قبیلہ اعراض میں سے ہے اس کے اجزاء ہی اس کی صفات کہلائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے نماز پڑھی۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے اسے فرمایا وعلیک السلام۔ واپس جا اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی وہ آدمی واپس گیا اور نماز پڑھی اور سلام عرض کیا آپ نے فرمایا وعلیک السلام جا اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس مرد نے تیسری بار یا اس کے بعد کہا یا رسول اللہ مجھے نماز کا طریقہ تعلیم فرمائیں۔ آپ

فِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِکَ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّهَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو کامل اور تازہ وضو کر پھر قبلہ کی طرف منہ کر پھر قرآن میں سے وہ پڑھ جو تیرے لیے آسان اور تجھے یاد ہو پھر رکوع کر پورے قرار و سکون سے ۔ پھر اپنا سر رکوع سے اوپر اٹھا اور اچھی طرح سیدھا کھڑا ہو جا پھر سجدہ میں جا یہاں تک کر پورے قرار و سکون سے سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا اور سکون و قرار سے بیٹھ ۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے پھر سجدہ سے سر اٹھا اور بالکل سیدھا کھڑا ہو جا ۔ پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح کر ۔

(بخاری و مسلم)

لہ ۔ مگر اس میں تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ وغیرہ ٹھیک طریقہ سے ادا نہ کیا ۔

۲ہ ۔ یعنی آپ نے اسے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا نیز وضو اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کا طریقہ بتلایا ۔ اور وہ باتیں بھی بتلائیں جو نہایت عمدہ اور نماز کے قریب ترین شرائط میں سے ہیں ۔

۳ہ ۔ دو سجدوں کے بعد بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں ۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے کہ وہ دوسرے سجدے کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے ذرا سا بیٹھتے ہیں ۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھتے ہیں ۔

۴ہ ۔ یعنی ایک روایت میں ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا کے بجائے ثم ارفع حتی تستوی قائمًا ہے یعنی پھر دوسری رکعت کے لیے سر اٹھا ۔ اس روایت میں جلسہ استراحت کا کوئی ذکر نہیں ۔ جلسہ استراحت کے بارے میں بحث و گفتگو مالک بن الحویرث کی دوسری حدیث میں آ رہی ہے ۔

۵ہ ۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی ، امام احمد ، امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے رکوع و سجود میں طمانیت اور قومہ و جلسہ کو فرض قرار دیا ہے ۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس آدمی کی نماز کی نفی کر دی تھی ۔ اور فرمایا تیری یہ نماز نماز نہیں ہے ۔ جا اور پھر پڑھ ۔ یہ اس کے فرض ہونے کی علامت ہے ۔ کہ جس چیز کے انتفاء سے فعل کا انتفاء ہو جائے اور وہ فعل باطل قرار پائے وہ چیز فرض ہو گی ۔

امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع و سجود میں اطمینان واجب ہے فرض نہیں ۔ اور قومہ و جلسہ سنت ہیں ۔ امام صاحب اور امام محمد علیہما الرحمۃ اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نفی نماز سے اس کے کمال کی نفی

مراد ہے اس دلیل کی بنا پر جو اس حدیث کے آخر میں بروایت ابوداؤد ترمذی ونسائی آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نے اس کو مکمل کیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی اور جو تو نے اس میں نقصان کیا تو اسی قدر تیری نماز ناقص ہو گئی۔ اور یہ وجوب سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناتمام شمار ہوتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ نماز کے لوٹانے کا حکم آپ نے اس لیے دیا کہ پہلی نماز میں کراہت ونقصان واقع ہو گیا تھا نہ اس وجہ سے کہ پہلی نماز باطل ومعدوم تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ پہلی بار ہی منع کر دیتے اور اس سے روک دیتے اور اسے اجازت نہ دیتے کہ فرائض کے بغیر نماز ادا کرے۔ واللہ اعلم۔

۷۵۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَاْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطٰنِ وَيَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر سے نماز شروع کرتے تھے اور قراءت الحمد للہ رب العالمین[1] سے۔ اور جب رکوع جاتے تو اپنے سر کو بلند نہ رکھتے تھے اور نہ اسے پست کرتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان رکھتے تھے[2] یعنی پشت وگردن کو برابر رکھتے تھے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوبارہ سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ صحیح طرح پر بیٹھ نہ جاتے اور آپ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے۔ اور آپ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کو کھڑا کرتے[3]۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے[4] سے منع کرتے اور آپ مرد کو درندے[5] کی طرح بازو زمین پر بچھانے سے منع کرتے اور آپ سلام کے لفظ سے اپنی نماز ختم کرتے[6]۔ (مسلم شریف)

[1] یعنی قراءت سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے۔ اس سورۃ کے اول میں کلمہ الحمد واقع ہونے کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ہی گویا سورۃ الحمد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں آپ کیا پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے الم ذالک الکتاب پڑھتا ہوں۔ اس سے مراد پوری سورت ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے

اور اگر یہاں بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہو تو پھر ہمارے نزدیک بلا کسی تاویل کے یہ درست ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاویل مذکور اختیار کرنا ہوگی کیونکہ ان کے ہاں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے میں اختلاف ہے۔

۵۲۔ یعنی پشت و گردن کو برابر رکھتے تھے نہ تو سر کو پشت سے اونچا کرتے تھے نہ پشت سے نیچے۔

۵۳۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں ایسا ہی کرتے تھے۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب حنفیہ کا مذہب ہے۔ ابوحمید کی حدیث میں پہلے قعدہ میں افتراش (پاؤں بچھانا) اور دوسرے قعدہ میں تورک (سرین پر بیٹھنا) بھی آیا ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہے۔ بعض کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر اس نماز میں جس میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ آخر میں تورک ہے۔ اور اگر ایک ہی تشہد ہے تو پھر افتراش ہے۔ اس مسئلہ میں چاروں آئمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ و دلیل یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مطلق افتراش واقع ہوا ہے کہ تشہد میں سنت یہ امر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھتے تھے۔ اس میں پہلے یا دوسرے قعدے کی کوئی قید نہیں۔ قعدہ میں جس طریق پر حنفیہ بیٹھتے ہیں، زیادہ سخت اور زیادہ محنت طلب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے افضل عمل وہ ہے جو زیادہ محنت طلب ہو۔ بعض احادیث میں قعدۂ اخیرہ میں بھی تورک کا ذکر آیا۔ یہ بڑھاپے اور کمزوری کی حالت پر محمول ہے کہ آخری قعدہ لمبا ہوتا ہے۔ اس کے لیے آسانی مناسب ہے۔ تورک کا معنی ہے سرین پر بیٹھنا یہاں تورک کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے پھیر کر رکھے اور دونوں سرینوں کو زمین پر پھیرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھائے۔ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دونوں پاؤں کو ران کے نیچے سے باہر نکالے اور دونوں سرین ان پر رکھ دے۔

۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ شیطان سے منع کرتے تھے۔ عقبہ عین کی پیش اور قاف ساکن۔ یعنی نماز میں اقعاء کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور یہ نماز میں بالاتفاق مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرین زمین سے چپکائے دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کرے۔ اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔
علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عقبہ یہ ہے کہ دونوں سرین ایڑیوں پر رکھے۔ یہ معنی لفظ عقبہ کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۵۔ مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت کے لیے زمین پر بازو پھیلانے بہتر ہیں کہ یہ حالت اس کے پردے کے زیادہ مناسب و نزدیک ہے۔

۵۶۔ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض اور ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اس کی شرح کر دی گئی ہے۔

(۷۳۶) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُهٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْهِ حِذَاۤءَ مَنْكِبَیْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ یَدَیْهِ مِنْ رُكْبَتَیْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ اسْتَوٰی حَتّٰی یَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَهٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ یَدَیْهِ غَیْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَیْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَتَیْنِ جَلَسَ عَلٰی رِجْلِهِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ایک گروہ میں فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ مبارک دونوں کندھوں کے برابر کرتے۔ جب آپ رکوع کرتے تو مضبوطی سے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر آپ پشت مبارک بالکل دوہری کر دیتے۔ جب رکوع سے سر اوپر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ آپ کی ہر ہڈی کا جوڑ اپنی جگہ پر آ جاتا۔ اور جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ اس طرح زمین پر رکھتے کہ نہ زمین پر اپنے بازو بچھاتے اور نہ انہیں پہلو کے ساتھ ملاتے۔ اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے۔ جب دو رکعت کے بعد بیٹھتے اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں کو کھڑا کرتے۔ جب آخری رکعت میں بیٹھتے بایاں پاؤں آگے نکال لیتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے اور اپنی کولی پر بیٹھتے۔ (بخاری شریف)

۱۔ حضرت ابو حمید ساعدی مشہور صحابی ہیں۔ انصاری ہیں بنی ساعدہ میں سے ہیں۔ آپ کی حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بیان میں جامع ترین حدیث قرار دیا گیا ہے۔ آپ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے مشہور عبدالرحمٰن ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲۔ نفر دونوں زبر دل کے ساتھ تین سے دس تک افراد کو کہتے ہیں۔

۳۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک نرمہ کان تک اٹھائے جائیں گے۔ یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں کان سے بھی زیادہ بلندی تک آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متوسط عمل کو اختیار

فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان روایات کی مطابقت کرنے میں فرمایا ہے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر تھیں انگوٹھا کانوں کے برابر اور دوسری انگلیوں کے سرے کانوں سے بھی بلند تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب صورتیں آپ سے وجود میں آئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

۵۴۔ یعنی دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے مضبوطی سے تھامتے اور انگلیاں مبارک کشادہ رکھتے یعنی فرماتے ہیں رکوع کی حالت میں انگلیاں کھول کر رکھے۔ سجدہ میں ملا کر اور تکبیر اور تشہد کے وقت اپنی حالت پر رہنے دے۔

۵۵۔ ہصر یعنی آپ پشت مبارک دوہری کرتے تاکہ گردن کے ساتھ برابر ہو جائے۔ ہصر صاد مہملہ کے ساتھ بمعنی کھینچنا۔ مائل کرنا اور توڑنا۔

۵۶۔ فقار۔ فا کی زبر کے ساتھ پشت کی ہڈیوں کے جوڑ اور منکے۔ فقارۃ واحد ہے۔ فا کی زبر کے ساتھ۔ اور فقرہ فا کے کسرہ، قاف ساکن اور قاف مفتوح کے ساتھ آتا ہے۔ فقر بمعنی درویشی بھی اسی سے مشتق ہے کہ بھوک اور تنگ دستی سے فقیر کی پشت ٹوٹ جاتی ہے۔

۵۷۔ بلکہ صرف انگلیاں اور ہتھیلیاں کو زمین پر رکھتے تھے۔ اور آپ بازو زمین سے اتنے بلند رکھتے تھے کہ بکری کا چھوٹا بچہ ان کے نیچے سے گزر سکتا تھا اس حدیث میں۔ مذکور نہیں ہوا کہ جب آپ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے تو پہلے زانو زمین پر رکھتے یا دونوں ہاتھ۔ دونوں طرح درست ہے مگر اول صورت زیادہ افضل اور اکثر ائمہ کا مختار مذہب ہے۔

۶۱۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى السُّجُوْدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کرتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی دونوں کندھوں تک اٹھاتے اور [illegible] کہتے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی اللہ نے اس بندے کی بات سن لی جس نے اس کی ثنا کی یعنی اسے پسند کیا اس کی ثنا اور دعا کو قبول فرمایا ربنا لک الحمد جس کے معنی ہے اے ہمارے رب تیرے لیے حمد ہے اور تیرے ساتھ ہی حمد مخصوص ہے[۱] اور آپ سجدہ میں اس طرح نہ کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

۱۔ یعنی ہر حمد کو جو کرتے ہیں اور جس کے لیے بھی کرتے ہیں وہ تیری ہی جناب کی طرف لوٹتی اور رجوع کرتی ہے۔

کہ ہر چیز اور ہر بندے کو پیدا کرنے والا تو ہی ہے یا تیری حمد بیان کرنا تیرے ساتھ ہی خاص ہے۔ تیرے سوا تیری حمد کوئی نہیں کر سکتا۔ اور یہ موتی جیسا کہ پرونا چاہیے تیرے سوا کوئی نہیں پرو سکتا۔ بیت

مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

ترجمہ۔ ہماری حد اور حمد و ثنا کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہر حمد و ثنا کے لائق تیری ہی ذات ہے۔

اور ایک روایت میں اللھم کا لفظ زیادہ آیا ہے۔ اسی طرح لک الحمد سے پہلے لفظ واؤ زیادہ آیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیع و تحمید (سمع اللہ اور ربنا لک الحمد) دونوں کو جمع کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک منفرد دونوں جمع کرے۔ اور جماعت کی صورت میں امام سمع اللہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ کیونکہ حدیث میں اسے امام و مقتدی کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربنا لک الحمد بھی کہے تاکہ لم تقولون مالا تفعلون میں سے نہ ہو جائے۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے)

؎ یعنی سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے یعنی سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بعض شافعی حضرات یہاں بھی رفع یدین کرتے ہیں۔ مگر مختار یہ ہے کہ نہ کریں۔ اور وہ جو صحت کو پہنچا یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک شروع نماز کے وقت، رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا جائے۔ ان تین مواقع کے علاوہ شوافع کے نزدیک بھی رفع یدین کا کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ کتاب سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت نافع؎ سے روایت ہے۔ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع جاتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس وقت بھی رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے۔ حضرت ابن عمر نے یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع؎ بیان کی۔

(بخاری شریف)

؎ حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

؎ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ مرفوع حدیث وہ ہوتی ہے کہ قول و فعل میں اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کریں۔ اور جو صحابی سے منقول ہو اسے موقوف کہتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔

۷۳۹ - وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر لے جاتے اور جب سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ اور پہلے کی طرح کرتے یعنی رفع یدین کرتے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے یہاں تک کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں کی بلندی تک اٹھاتے۔[۱]

(بخاری و مسلم)

[۱] - واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا احناف اور شافعیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے احادیث و آثار دونوں جانب وارد ہیں۔ اس بارے میں جو چیز پایہ ثبوت کو پہنچی ہے یہ ہے کہ یا تو دونوں طریقہ (رفع یدین و غیر رفع یدین) سے آپ نے نماز پڑھی ہے کہ کبھی رفع یدین کیا اور کبھی نہ کیا۔ پھر صحابہ میں سے جس نے جو کیفیت دیکھی وہ روایت کر دی دوسری صورت یہ ہے کہ ابتداء میں رفع یدین تھا آخر میں منسوخ ہو گیا اور اعاظم صحابہ کرام میں سے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو شرائع اور احکام اسلام کے عالم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کرنے کا بڑا خیال رکھنے والے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے وہ نے رفع یدین نہیں کیا۔ ان کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتمال ثانی (منسوخ ہونا) ظاہر ہے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی عدم رفع کی روایت کرتے ہیں اور اگر فرضاً و تقدیراً دونوں صورتیں ہوں تو پھر بھی عدم رفع راجح ہے۔ کہ اس میں سکون ہے جو نماز کے خشوع و خضوع کے حال کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں کافی گفتگو ہے ہم نے وہ سب شرح سفر السعادۃ میں کر دی ہے واللہ اعلم۔

۷۴۰ - وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ وتر نماز میں بیٹھتے (یعنی ایک رکعت کے بعد اور تیسری رکعت کے بعد) تو نہ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک ہو کر بیٹھتے۔[۱]

(بخاری شریف)

[۱] - یعنی سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور یہ جلسۂ استراحت ہے جس کے شافعیہ قائل ہیں ان کے نزدیک یہ جلسہ سنت ہے اور اس کی کیفیت وہی ہے جو قعدہ اول کی کیفیت ہے۔ اس جلسہ کے بعد دونوں ہاتھ

زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے ہیں۔
حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اور ایک مختار روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک الیسا (جلسۂ استراحت) عذر اور بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے ہوا۔ تو جو شخص معذور یا بوڑھا نہ ہو اس کے لیے سنت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ترمذی نے کہا۔ مالک بن الحویرث کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے۔ (انتہٰی)
احناف کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اسے بھی ترمذی نے ہی روایت کیا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے۔ یعنی بیٹھنے کے بغیر۔ اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن یہ بہ اصل ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نماز میں دونوں قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے۔ یعنی بغیر بیٹھنے کے۔ حضرت علی حضرت عمر حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ حضرت نعمان بن ابی عیاش سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے بہت سے صحابہ کرام کو پایا کہ جب وہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ اگر بعض احادیث و اخبار اس کے خلاف آئے ہیں تو وہ بڑھاپے، معذوری اور ضرورت پر محمول ہوں گے۔

۷۴۱۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ ـ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت وائل[1] بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں داخل ہوتے وقت ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہا[2] پھر آپ نے اپنے ہاتھ کپڑے میں لپیٹ لیے[3] اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا[4] پھر جب آپ نے رکوع کا ارادہ کیا تو آپ نے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے پھر انہیں اٹھایا اور تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے[5] پھر جب آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو دونوں[6] ہاتھ اٹھائے اور جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا[7]۔ (مسلم)

[1] حضرت وائل بن حجر مشہور صحابی ہیں اصل میں شاہان یمن سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے آپ کے حالات دوسری جگہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

۵۲۔ صحیح مسلم میں بغیر واؤ کے آیا ہے۔

۵۳۔ ظاہر یہ ہے کہ چادر کے اندر کر لیے بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ آستینوں میں ڈال لیے۔ کہا گیا ہے کہ شاید شدید سردی کی وجہ سے ایسا کیا۔

۵۴۔ پھر آپ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھتے۔ داہنا بائیں پر رکھنا امام مالک رحمۃ اللہ کے سوا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے امام مالک کے نزدیک ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے علاوہ کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں احمد کے نزدیک ہاتھ زیر ناف باندھے۔ اور امام شافعی کے نزدیک سینے کے برابر ناف کے اوپر۔ امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اسے دونوں طرح باندھنے کا اختیار ہے۔ احادیث دونوں کے لیے آئی ہیں۔ علماء نے کہا اس بارے میں بڑی وسعت ہے۔ جس طرح کرے گا درست ہے۔ داہنا ہاتھ بائیں پر زیر ناف باندھا جائے یا سینے کے برابر ان دونوں میں کوئی بات خصوصیت اور یقین سے ثابت نہیں ہے۔ اور جب کہ صورت حال یہ ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو مروج و عادت کے مطابق ہے، یعنی زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

۵۵۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے لیے ہاتھوں کو کپڑے اور آستینوں سے باہر نکالنا چاہیے۔

۵۶۔ یعنی آپ سر کو دونوں سجدوں کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھتے تھے۔

۷۴۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز کے اندر داہنا ہاتھ بائیں بازو پر رکھیں۔[۱]

(بخاری شریف)

۵۷۔ یعنی بازو کے قریب رکھیں۔ جب کہ ہاتھ کو ہاتھ پر یا اس کے پہنچے پر رکھتے ہیں تو وہ بازو کے قریب ہی ہو جاتا ہے۔ گویا کہ بازو پر ہی رکھ دیا۔ اور گویا کہ ہاتھ پر رکھا ہی نہیں۔ مرد کی قید کی اتفاقی ہے۔ عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

۷۴۳ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب رکوع جاتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب کہ رکوع سے اپنی پشت مبارک اوپر اٹھاتے

يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِيْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور جب کھڑے ہوتے تو کہتے ربنا لک الحمد پھر تکبیر کہتے جب سجدہ کو جاتے پھر تکبیر کہتے جب سر اٹھاتے پھر جب سجدہ کو جاتے تو تکبیر کہتے پھر تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے پھر اسی طرح ساری نماز میں کرتے یہاں تک کہ نماز پوری کرتے۔ اور آپ تکبیر کہتے جب دو رکعتوں کے بعد[1] اٹھ کر کھڑے ہوتے۔

(بخاری و مسلم)

[1] اس حدیث میں بھی تکبیروں کا ذکر ہے۔ رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں۔

۸۰۳ وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل نماز وہ ہے جس میں قنوت[1] لمبی ہو۔

(مسلم)

[1] قنوت کا لفظ قیام، طاعت، خشوع، نماز، دعا اور سکوت و خاموشی کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں قنوت سے قیام مراد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں طول قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت، خدمت اور طاعت زیادہ اور ظاہر تر ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں قیام افضل ہے یا سجدہ۔ یہ حدیث اس گروہ کی دلیل ہے جو قیام کو افضل قرار دیتے ہیں پھر وہ ذکر جو قیام میں کیا جاتا ہے قرآن ہے اور قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شرح سفر السعادہ میں تفصیل کے ساتھ یہ تحقیق لکھ دی ہے۔ وہاں مطالعہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۸۰۴ عَنْ اَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رض قَالَ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کرام کے درمیان کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے

بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى
الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ
بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ
عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصَبِّيْ
رَاْسَهٗ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ
فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ
يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا
مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ
ثُمَّ يَهْوِيْ اِلَى الْاَرْضِ سَاجِدًا
فَيُجَافِيْ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ
اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ
يَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا
ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ
اِلٰى مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ
ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ
رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ
يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰى
مَوْضِعِهٖ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي
الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اِذَا
قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ
حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ
عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ
فِيْ بَقِيَّةِ صَلٰوتِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ

زیادہ جانتا ہوں۔ صحابہ نے کہا بیان کیجئے۔ فرمایا جس وقت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے
دونوں ہاتھ کندھوں تک برابر کرتے پھر تکبیر تحریمہ کہتے
پھر قراءت پڑھتے۔ پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں
تک اٹھاتے پھر رکوع میں اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھتے
پھر کمر سیدھی کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ بلند کرتے
پھر اپنا سر اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے
دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کرتے
اس حال میں کہ سیدھے کھڑے ہوتے پھر فرماتے اللہ اکبر
پھر سجدہ کرنے کے لیے زمین کی طرف جھکتے اپنے دونوں
ہاتھ اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے۔ اپنے پاؤں کی انگلیاں
کھولتے۔ پھر اپنا سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے
اور اس پر بیٹھتے پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر
ہڈی اپنی جگہ آجاتی۔ اسی حال میں کہ آپ سیدھے ہوتے
پھر سجدہ کرتے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھتے اور بایاں
پاؤں موڑتے اور اس پر بیٹھتے اور اس طرح سیدھے
بیٹھتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ آجاتی۔ پھر کھڑے ہوتے پھر
دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے پھر جب دو رکعت
پڑھ کر کھڑے ہوتے اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں
تک اٹھاتے جیسے کہ آپ نے تکبیر کہی تھی نماز شروع کرنے
کے وقت پھر اپنی باقی نماز میں اسی طرح کرتے یہاں
تک کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس کے بعد سلام ہے
اپنا بایاں پاؤں نکالتے اور کولہے پر بیٹھتے بائیں جانب
پھر سلام پھیرتے۔ انہوں نے کہا تو نے سچ کہا۔
اسی طرح آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ روایت

السَّجْدَۃُ الَّتِیْ فِیْھَا التَّسْلِیْمُ اَخْرَجَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَ قَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ ھٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ الدَّارِمِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ مَعْنَاہُ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاوٗدَ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ حُمَیْدٍ ثُمَّ رَکَعَ فَوَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ کَاَنَّہٗ قَابِضٌ عَلَیْھِمَا وَ وَتَّرَ یَدَیْہِ فَنَحَّاھُمَا عَنْ جَنْبَیْہِ وَ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْکَنَ اَنْفَہٗ وَ جَبْھَتَہُ الْاَرْضَ وَ نَحّٰی یَدَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ وَ وَضَعَ کَفَّیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَفَرَّجَ بَیْنَ فَخِذَیْہِ غَیْرَ حَامِلٍ بَطْنَہٗ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَخِذَیْہِ حَتّٰی فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْیُمْنٰی عَلٰی قِبْلَتِہٖ وَ وَضَعَ کَفَّہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہٖ یَعْنِی السَّبَّابَۃَ وَفِیْ اُخْرٰی لَہٗ وَاِذَا قَعَدَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ قَعَدَ عَلٰی بَطْنِ قَدَمِہِ الْیُسْرٰی وَ نَصَبَ الْیُمْنٰی وَ اِذَا کَانَ فِی الرَّابِعَۃِ اَفْضٰی بِوَرِکِہِ الْیُسْرٰی اِلَی

کیا اسے ابوداؤد اور دارمی نے اور روایت کیا ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کا معنٰی اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے ابو حمید کی روایت سے کہ آپ نے رکوع کیا پھر اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔ گویا انہیں پکڑنے والے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چلّے کی مانند کیا اور دور رکھا اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے۔ راوی کہتا ہے پھر سجدہ کیا اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹھہرایا۔ اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھا۔ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے۔ دونوں رانوں کے درمیان کشادگی کی پیٹ مبارک کو رانوں سے دور رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ فارغ ہوئے۔ پھر بیٹھ گئے پنا بایاں پاؤں بچھایا اور دائیں کی پشت قبلہ کی طرف کی۔ اور دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور انگلی سے اشارہ کیا۔ یعنی سبابہ انگلی سے ایک دوسری روایت میں ہے جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے۔ تو بایاں کولہا زمین پر لگاتے۔ اور دونوں قدم ایک طرف نکال

الْاَرْضِ وَ اَخْرَجَ فَدَمَيْهِ مِنْ نَّاحِيَةٍ دیتے۔
وَّاحِدَةٍ۔

۵۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نفسانی غرض کے لیے نہیں بلکہ دینی مصلحت کے تحت اپنے متعلق زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

۵۲۔ ان صحابہ نے کہا جن کے سامنے اس نے یہ دعویٰ کیا تھا۔

۵۳۔ یعنی جب تو دعویٰ کر رہا ہے کہ تو ہم سے زیادہ علم والا ہے تو پھر ہمارے سامنے پیش کر اور اسے ہم پر ظاہر کر تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تو اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچا ہے۔

۵۴۔ یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ آپ ہاتھ پہلے اٹھاتے اور تکبیر اس کے بعد کہتے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

۵۵۔ اس کے بعد اعتدال کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ نہ وہ سر کو جھکاتے الی آخرہ۔

۵۶۔ اس میں لفظ یُصَبِّی یا کی پیش، صاد مہملہ کی زبر اور با مشددہ کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے یعنی سر نیچے جھکانا۔ دوسرا یُقْنِعُ یا کی پیش، قاف ساکن اور نون مکسور کے ساتھ، یعنی سر کو اوپر اٹھانا۔ یعنی بحالت رکوع آپ نہ سر کو نیچے کرتے نہ اوپر کرتے بلکہ پشت اور سر کو برابر رکھتے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اعتدال کا معنی اطمینان کا کیا جائے جس طرح وہ سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت کے بیان میں آئے گا۔ ابن حبان اور مسلم کی روایت میں لایصبّہ، فا کے بغیر آیا ہے۔ اس میں یہ معنی زیادہ ظاہر ہے۔ لفظ یصبی کی مزید تحقیق ہم نے شرح میں کر دی ہے۔

۵۷۔ یعنی آپ دونوں پاؤں کی انگلیاں کھولتے اور دوہری کرتے اس طرح کہ انگلیوں کے سر قبلہ کی طرف ہو جاتے۔ فتح خا نقطہ والی کے ساتھ یعنی بیٹھنے کے وقت پاؤں کی انگلیوں کو سست کرنا۔ اصل لغت میں لفظ فتخ کا معنی نرم ہونے کا آیا ہے جیسا کہ صراح میں ہے۔

۵۸۔ یہ اعتدال کی تفسیر وتاکید ہے۔

۵۹۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث پاک سے معلوم ہوا۔

۶۰۔ یعنی سبحانک اللھم کے سوا باقی سب باتیں پہلی رکعت کی طرح کرتے۔

۶۱۔ یعنی تشہد پڑھنے کے بعد جب آپ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے۔ اس حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں ہے جس طرح کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں تشہد کا ذکر موجود ہے۔

۶۲۔ یعنی جن کے سامنے انہوں نے اپنے زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کیا تھا ان کے تصدیق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اس مذکورہ تفصیل سے واقف تھے۔ اس بنا پر ابوحمید کا دعویٰ اعلمیت (بڑا عالم ہونا) درست نہیں رہتا۔

لہٰذا ان کی تصدیق کو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ تیری خبر بالکل سچی اور قابل اعتماد ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲؎ ۔ یہ حدیث سفر السعادۃ اور صحیح ابن حبان اور مسلم سے بھی مروی ہے۔

۱۳؎ ۔ آپ نے دونوں کہنیوں کو پہلوؤں سے دور رکھا تو گویا کہنیاں چلے کے مشابہ ہوگئیں اور پہلو کمان کے مشابہ جس پر وہ چلہ ہوتا ہے۔

۱۴؎ ۔ اور آپ نے ناک اور پیشانی کو سجدہ میں زمین پر جمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہونا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے۔ احادیث بھی اسی کے موافق اور اسی کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ایک پر کفایت کرنا بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ایک روایت میں صرف پیشانی پر سجدہ کرنا مکروہ بھی نہیں ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک ان دو میں سے ایک پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سجدہ سات اعضا پر اور ایک روایت میں سات ہڈیوں پر کرنا چاہیے۔ چہرہ دونوں ہاتھ۔ دو زانو دو پاؤں۔ بخاری مسلم کی ایک حدیث میں چہرہ کے بجائے پیشانی کا لفظ آیا ہے۔ اس کی مزید تحقیق باب السجود میں آئے گی ان شاء اللہ تعالےٰ

۱۵؎ ۔ یعنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے وقت اپنی انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔ انگشتِ شہادت کو انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں نفی کے وقت اٹھائی جائے اور اثبات کے وقت رکھ دی جائے۔ اس انگلی کو سبابہ اس لیے کہتے ہیں کہ عربی لغت میں لفظ سبّ کا معنی ہے گالی دینا عرب گالی دیتے وقت اس سے اشارہ کرتے ہیں یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا اسلام میں اس انگلی کو مسبّحہ اور سباحہ کہتے ہیں اور تسبیح و توحید کے وقت اس کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں۔ یہ اشارہ جہاں توحید الٰہی کی طرف اشارہ ہے شیطان پر بھی گالی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

۱۶؎ ۔ یعنی دائیں طرف نکال لیے۔

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ۔

روایت ہے حضرت وائل بن حجر سے ۱؎ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ کندھوں کے مقابل ہوگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے مقابل کر دیا ۲؎ پھر تکبیر کہی۔ (ابوداؤد)

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ يَرْفَعُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ

اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے انگوٹھے کانوں کی لو تک بلند کیے

۱؎ ۔ حضرت وائل بن حجر پہلے حا پھر جیم کے ساتھ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ ملوک یمن کی اولاد میں سے تھے شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بڑے معزز و مکرم تھے۔

۲؎۔ یہ حدیث بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہی۔

۲۴۷/۱۴ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت قبیصہ ؓ بن ہلب ؓ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تھے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے تھے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

۱؎ قبیصہ قاف کی زبر اور با کی زیر کے ساتھ۔
۲؎ ہا کی پیش لام ساکن کے ساتھ۔ بعض نے کہا ہا کی زبر اور لام ساکن کے ساتھ صحیح ہے۔ آپ تابعی ثقہ ہیں۔ ان کے باپ کو شرف صحبت حاصل ہے۔ ان کے باپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، سر سے گنجے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، سر پر بال اگ آئے۔ ہلب بالوں کو کہتے ہیں۔ اہلب وہ جس کے سر پر بال ہوں یہ ان کا لقب ہے۔ ان کا نام یزید بن عدی ہے۔ بعض نے یزید بن سلام کہا۔ اول قول زیادہ صحیح ہے۔

۲۴۸/۱۵ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أُصَلِّي قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَمَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ

حضرت رفاعہ ؓ بن رافع سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور مسجد میں نماز پڑھی پھر حاضر خدمت ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اپنی نماز دوبارہ پڑھو کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا مجھے سکھا دیں کہ کس طرح نماز پڑھوں۔ فرمایا جب تو قبلے کو منہ کرے تو تکبیر کہہ پھر سورۂ فاتحہ اور جو اللہ چاہے پڑھ پھر جب رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ۔ اور اپنا رکوع مضبوطی سے کر اور اپنی پشت دراز کر۔ جب اپنا سر اٹھائے تو اپنی پشت سیدھی کر۔ یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر لوٹ جائیں۔ پھر جب سجدہ کرے تو مضبوطی سے سجدہ کر پھر جب اٹھے تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ پھر ہر رکوع اور سجدے میں اسی طرح کر یہاں تک

ثُمَّ مَكِّنْ لِسُجُوْدِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِىْ كُلِّ رُكُوْعٍ وَّسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَّسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَائِىُّ مَعْنَاهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّلتِّرْمِذِىِّ قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ۔

کہ تجھے اطمینان ہو جائے۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور اسے ابوداؤد نے تھوڑے فرق سے روایت کیا اور ترمذی و نسائی نے اس کے معنی روایت کیے۔ ترمذی کی روایت میں ہے جب تو نماز کے لیے اٹھے تو اس طرح وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ پھر کلمہ شہادت پڑھ حد کہہ تکبیر کہہ اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھ ورنہ اللہ کی حمد کر اس کی تکبیر و تہلیل کر پھر رکوع کر۔

٭ ٭ ٭ ٭

لہ حضرت رفاعہ بکسر را ابن رافع آپ انصاری صحابی ہیں۔ قبیلہ بنی خزرج سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو معاذ ہے۔ بدری ہیں۔ ان کے باپ نقبا میں سے ہیں۔ آپ مالک بن رافع اور خلاد بن رافع کے بھائی ہیں قبیلہ خزرج میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی ہیں۔ عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے۔ جمل و صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

سلہ یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ تو پڑھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بغیر بندے کی چاہت سے کچھ نہیں ہوتا۔

سلہ یعنی اپنے بائیں قدم پر۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ دونوں سجدوں کے بعد ہو اور اس سے جلسہ استراحت مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سجدہ سے سر اٹھانا مراد ہو۔ بہر صورت اس عبارت میں اختصار پایا جاتا ہے۔

سلہ یعنی اس حدیث کا مضمون یعنی حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے جو باب اول میں گزری۔ صرف بعض الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ باقی مباحث و تحقیقات بھی وہی ہیں جو وہاں مذکور ہوئیں۔

ھہ بعض کے نزدیک تشہد سے شہادتین کا پڑھنا مراد ہے کہ وضو کے بعد اس کا پڑھنا بھی فضیلت رکھتا ہے۔ اور اقامت سے نماز ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

سلہ۔ اس کی توحید بیان کر۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قرآن یاد نہ ہو وہ قرآن کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے۔ جیسے وہ شخص جو ایمان لایا مگر اسے نماز کا وقت آنے تک کا موقعہ نہ ملا کہ قرآن یاد کر لیتا تو کیا لیتا

آدمی ذکر و تہلیل و تسبیح کرے۔ بعض شافعیہ کے نزدیک سات بار ذکر کرے۔ سورۂ فاتحہ کی آیات کی تعداد کے مطابق۔ کہ وہ بھی سات ہیں بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نیا نیا مسلم تھا۔ ابھی تک اس نے دین کے احکام و شرائع نہ سیکھے تھے۔ اسی وجہ سے اس کی نماز کی ادائیگی میں کوتاہی پائی جاتی تھی۔

۷۹۸ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَّتَضَرُّعٌ وَّتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُوْلُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ

حضرت فضل[1] بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز دو دو رکعت[2] ہے، ہر دو رکعتوں میں التحیات[3] ہے اور عجز و نیاز مندی ہے اور اظہار مسکنت ہے۔ فرماتے ہیں پھر اپنے ہاتھ[4] اٹھا یعنی اپنے رب کی طرف پھیلا کہ ہتھیلیاں تیرے چہرے کی طرف ہوں اور کہہ اے رب اے رب۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ ایسا[5] ہے۔ ایسا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے وہ ناقص[6] ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (ترمذی)

۵۱۔ فضل بن عباس آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں آپ کے فضائل مناقب بہت ہیں آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ بعض نے ابو عبداللہ کنیت بتائی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ بعض نے کہا جنگ یرموک کے دن شہید ہوئے۔

۵۲۔ یعنی نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے۔ چاہے دن کا وقت ہو یا رات کا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے اپنا مذہب اخذ کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دن رات میں چار چار رکعت کر کے نفل پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور ابو یوسف و امام محمد کے قول کے مطابق رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور صاحبین (ابو یوسف و امام محمد) کی دلیل تراویح پر قیاس ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں صحت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔ نماز چاشت میں بھی چار کا ذکر آیا ہے۔ پھر چار رکعت پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے کہ اس میں تحریمہ لمبی ہے اور جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو گی اس کی فضیلت زیادہ ہو گی۔ ——— اور یہ جو آپ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے اس معنی پر محمول ہے کہ نفل نماز اس سے کم نہیں ہو سکتی یعنی ایک ایک رکعت نہیں ہو سکتی یہ مطلب نہیں کہ دو دو رکعت افضل ہے

اس دلیل کے پیش نظر جو ہم نے ابھی بیان کی ہے کہ چار رکعت میں مشقت زیادہ ہے۔ لہٰذا چار رکعت افضل ہوگی اور یہ بات ابھی صحت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی بارہ رکعت پڑھتے تھے۔

سے۔ یہ دو دو رکعت کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔

سے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جس سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر کرتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اور اس قول سے یہ چاہتے ہیں۔

ھ۔ یہ کنایہ ہے اس شخص کے حال کو نقصان و خسارہ لاحق ہونے سے۔

ئے۔ کہ یہ نقصان والے آدمی کی نماز ہے خِداج خا کے کسرہ آخر میں جیم یعنی بچہ کا پوری مدت حمل سے پہلے پیدا ہو جانا (یعنی ناقص الخلقہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

ﷺ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ صَلّٰى لَنَا أَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعیدؓ بن حارث بن معلی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابو سعید خدری نے نماز پڑھائی جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو اونچی آواز سے تکبیر کہی۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح (کرتے) دیکھا۔ (بخاری)

لے۔ حضرت سعید بن الحارث بن المعلّیٰ معلّیٰ میم کی پیش اور لام کی شد کے ساتھ۔ حضرت سعید بن حارث انصاری ہیں مشہور تابعی ہیں ثقہ ہیں مدینہ مطہرہ کے قاضی تھے۔

سے۔ مقصود یہ ہے کہ امام بلند آواز سے تکبیریں کہے اور خاص اس تکبیر کے جہر کی قید اتفاقی ہے۔ شاید کہ صرف اس تکبیر میں بات ہو رہی ہے اور اگر جہر کے لیے یہی مخصوص ہو تو پھر دوسری تکبیرات کو اس پر قیاس کیا جائے گا اور سمع اللہ لمن حمدہ کا بھی اس پر قیاس ہوگا۔ اسماعیلی کی روایت میں دوسری تکبیرات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسماعیلی نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے یا کہیں گئے ہوئے تھے۔ تو ان کی جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر میں جہر کیا الحدیث۔ غیر اسماعیلی کی روایت میں بھی یہ زیادتی موجود ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ سے کہا گیا لوگ آپ کی اس نماز میں اختلاف کر رہے ہیں کہ آپ نے

تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہی ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ منبر پر تشریف لائے۔ اور فرمایا مجھے تمہارے اختلاف کا کوئی ڈر نہیں تم اختلاف کردیا نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ گویا اس زمانے کے لوگ بھی اس میں اختلاف رکھتے تھے کہ تکبیر بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ۔ بنی امیہ کے مروان وغیرہ پست آواز سے کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امارت مروان کے زمانے میں مدینہ پاک میں امامت کراتے تھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۱۵ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

روایت ہے حضرت عکرمہ[۱] سے فرماتے ہیں میں نے مکہ معظمہ میں ایک بزرگ[۲] کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے بائیس تکبیریں[۳] کہیں میں نے حضرت ابن عباس سے کہا یہ بے وقوف[۴] ہے۔ فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے[۵] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (بخاری)

۱۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں فقہائے مکہ میں سے ہیں۔
۲۔ یہ بزرگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔
۳۔ یہ چار رکعت کا ذکر ہے تکبیر تحریمہ اور تشہد اول سے اٹھنے کے وقت کی تکبیر ملا کر بائیس تکبیریں بن جاتی ہیں۔
۴۔ کہ یہ بزرگ احمق ہے (معاذ اللہ) جاہل اور بے عقل ہے کہ تکبیریں بلند آواز سے کہتا ہے۔
۵۔ یہ دعا کے کلمات ہیں جو زجر و ڈانٹ کے موقعہ پر کہے جاتے ہیں۔ اور تعجب کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ اس سے حقیقتہً کسی کی موت کی دعا مراد نہیں ہوتی۔

۱۶ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلًا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلٰوةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ تِلْكَ صَلٰوتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت علی ابن الحسین[۱] رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے۔ (مالک)

۱۔ یعنی امام زین العابدین علی ابن امام حسین رضی اللہ عنہ سے بطریق ارسال مروی ہے۔
۲۔ یعنی رکوع اور سجدہ کو جاتے وقت پھر قومہ اور جلسہ اور واپس سر اٹھاتے وقت

۱۷ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَ لَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَیْسَ ھُوَ بِصَحِیْحٍ عَلٰی ھٰذَا الْمَعْنٰی۔

ہم سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں تو نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ صرف ایک بار ہی یعنی شروع کی تکبیر کے ساتھ اٹھائے ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابو داؤد نے کہا۔ یہ حدیث اس معنیٰ پر صحیح نہیں ہے۲

۱ علقمہ بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ آپ اکابر فقہا اور مشہور تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے ہیں۔ تابعین میں علقمہ چند ہیں جس علقمہ کو حضرت ابن مسعود سے سماع حاصل ہے وہ یہی ہیں یہ علقمہ حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

۲ یہ حدیث اس معنیٰ میں صحیح نہیں یہ یاد رہے ترمذی نے یہاں دو باب ذکر کیے ایک باب رفع یدین میں دوسرا باب رفع یدین نہ کرنے میں۔ اور اس دوسرے باب میں یہ حدیث لائے ہیں اور کہا اس باب میں حضرت براء بن عازب سے بھی حدیث آئی ہے۔ اور ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔ اس کے قائل ہیں بہت سے صحابہ اور تابعین اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے ہاں حضرت عبداللہ ابن مبارک سے پہلے باب میں ایک حدیث نقل کی کہ رفع یدین میں ثابت ہے اور ابن مسعود کی حدیث عدم رفع میں ثابت نہیں۔ مگر اس حدیث کے علاوہ بھی عدم رفع میں بہت اخبار و آثار وارد ہیں جس طرح گزشتہ بیان میں اجمالاً ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

۸۰۰ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔
(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو حمید۱ ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو منہ کعبہ کو کرتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (ابن ماجہ)

۱ مشہور صحابی انصاری ہیں، قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے حافظ ہیں۔

۸۰۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی آخری صف میں ایک شخص تھا جس نے نماز ٹھیک طرح نہ پڑھی

فَاَسَآءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تُرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

جب سلام پھیرا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ کیسے نماز پڑھتا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ پر تمہارا کوئی عمل چھپا رہتا ہے۔ اللہ کی قسم میں پیچھے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔

(احمد)

لہ اس مرد نے سلام پھیرا۔

لہ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے پیچھے دیکھنا خرق عادت (معجزہ) کے طور پر تھا وحی والہام کے ذریعے اور کبھی کبھی تھا ہمیشہ نہ تھا۔ اس کی موید وہ روایت ہے کہ جب آپ کا ناقہ مبارک گم ہو گیا تو آپ کو معلوم نہ ہوا کہ کدھر گیا ہے تو منافقین نے کہا محمد کہتے ہیں کہ میں آسمان کی خبر دیتا ہوں مگر نہیں جانتے کہ ان کا ناقہ کہاں گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہی جانتا ہوں جس قدر اللہ مجھے بتلاتا ہے۔ ابھی ابھی مجھے میرے پروردگار نے بتایا ہے کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا میں بشر ہوں نہیں جانتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے بتلانے کے بغیر میں نہیں جانتا۔

اور بلا شبہ نماز چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سے سب سے افضل وارفع حالت ہے۔ تو اس حالت میں آپ کو انکشاف حقائق اشیاء اور اعیان موجود بیا طلاع اتم اور اکمل ہوتی تھی۔ اور حق تعالیٰ کی ذات میں آپ کا شعور کائنات سے استغراق اور غائب ہونے کا موجب نہ تھا جس طرح کاملین کہ کائنات میں ہوتے ہیں مگر کائنات سے جدا ہوتے ہیں، کا حال ہے۔ مشائخ قدس اللہ سرہم فرماتے ہیں نماز کشف وحضور کا مقام ہے۔ غیبت استغراق اور اضمحلال کا مقام نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھنے کا آلہ تھا سوراخ کی مانند مگر یہ قول غریب ہے کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

ان چیزوں کا باب جو تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہیں

باب ان چیزوں کے بیان میں جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں نماز شروع کرنے کے وقت بہت سے اذکار و دعائیں وارد ہیں۔ جیسے انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض اور سبحانک اللھم وغیرہ۔ یہ اذکار شافعیہ کے نزدیک فرائض و نوافل میں سب یا بعض مستحب ہیں اور حنفیہ اور امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر مذہب میں سبحانک اللھم الی آخرہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو کچھ مروی و منقول ہے نماز تہجد پر محمول ہے۔ بلکہ مطلق نوافل کے لیے ہے۔ کذا فی الھدایہ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبحانک اللھم اور انی وجہت دونوں جمع کر کے پڑھے جائیں گے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ کا مختار مذہب یہی ہے۔ پھر نمازی کو اختیار ہے کہ انی وجہت کو ثنا کے بعد پڑھے یا پہلے پڑھے۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے ثنا سبحانک اللھم پڑھے پھر انی وجہت وجھی للذی الی آخرہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۷۷۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْکُتُ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَ بَیْنَ الْقِرَآءَةِ اِسْکَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْکَاتُكَ بَیْنَ التَّکْبِیْرِ وَ بَیْنَ الْقِرَآءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان کسی قدر خاموش رہتے تھے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر یا رسول اللہ فدا ہوں۔ آپکی تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی کیسی ہے اس میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا میں کہتا ہوں اللھم باعد بینی الی آخرہ (ترجمہ) الٰہی میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسی دوری کر دے جیسی تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔ الٰہی مجھے خطاؤں سے ایسا پاک اور صاف کر دے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک ہو جاتا ہے۔ الٰہی میری خطائیں پانی اور برف اور اولوں سے دھو ڈالے۔

(بخاری و مسلم)

ف۱ - اصل میں لفظ اِسکَتَۃ یا کی زبر کاف کی پیش سے ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ اُسکیتۃ یا کی پیش اور کاف کی زیر کے ساتھ بھی روایت ہے۔ دونوں کا معنی ہے۔ خاموش ہو جانا۔ اِسکاتۃ ہمزہ کی زیر سے مصدر ہے بمعنی سکوت (خاموش ہونا) روایت ثانی کے مطابق تو یہ مصدر قیاس کے مطابق ہے اور پہلی روایت کے مطابق خلاف قیاس ہے پھر یہاں سکوت سے بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہے۔ ذکر سے خاموش رہنا مراد نہیں۔

ف۲ - اسکاتک میں مشہور روایت نصب کے ساتھ ہے۔ ایک بروایت اسکاتُک بھی ہے۔

ف۳ - دراصل اس میں گذشتہ گناہوں کی توبہ کے ساتھ معافی طلب کرتے ہیں اور بطور تاکید و مبالغہ بخشش کا سوال کرتے ہیں۔

ف۴ - ایک میں نَقِّ قلبی آیا ہے یعنی میرا دل پاک کر دے۔

ف۵ - ان الفاظ کے ساتھ آپ یہ طلب کرتے ہیں کہ گذشتہ تمام گناہوں کے نشانات مٹ جائیں اور آئندہ گناہوں سے حفاظت و عصمت حاصل ہو جائے۔ سفید کپڑے کی تخصیص صفائی میں مبالغہ کی غرض سے ہے کہ اس میں میل زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اگرچہ معمولی ہو۔ یا فطرت انسانی کی طرف اشارہ ہے جس پر انسان پیدا ہوا ہے۔

ف۶ - ان الفاظ میں مختلف پاک کرنے والی چیزوں اور اقسام مغفرت کی طرف اشارہ ہے مانند غسل و طہارت میں مبالغہ ہے۔ ثلج لام ساکن کے ساتھ بَرَد را کی زبر کے ساتھ۔

۷۵۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے میں نے اپنی ذات کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ میں برائیوں سے بیزار ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے۔ اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور اپنی خطا کا اقرار کیا تو میری ساری خطائیں

أَنْتَ وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا
يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ
عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا
إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ
كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. وَإِذَا رَكَعَ
قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ
وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي
وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصَبِي فَإِذَا رَفَعَ
رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَإِذَا
سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ
آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِي
لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ
وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ
ثُمَّ يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ
وَالتَّسْلِيمِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ
وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ
وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ
مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ
لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَ
فِي رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ

بخش دے بیشک تیرے سوا کوئی بھی خطائیں نہیں بخش سکتا۔
اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا کوئی
اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور مجھ سے بری
عادتیں دور رکھ۔ تیرے سوا برائیاں کوئی مجھ سے دور نہیں
کر سکتا۔ مولا کریم میں حاضر ہوں تیری فرمانبرداری پر آمادہ ہوں
ساری بھلائیاں تیرے قبضہ میں ہیں۔ اور برائی تیری طرف
منسوب نہیں ہو سکتی میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ تیری بارگاہ
میں التجا کرتا ہوں۔ تو برکت والا بلندیوں والا ہے۔ میں
تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور جب آپ رکوع میں جاتے
تو کہتے تیرے لیے رکوع کیا میں نے۔ تجھ پر ایمان لایا
میں تیرا مطیع ہوا میں۔ تیرے حضور میری سماعت و بینائی
اور میری مینگ اور میری ہڈی اور میرے پٹھے عاجز
اور جھکے ہوئے ہیں پھر جب اپنا سر مبارک اٹھاتے
تو کہتے اے اللہ ہمارے رب تیری ہی تعریف ہے
آسمان اور زمین اور ان کے درمیان بھر کر۔ اور اسکے
علاوہ وہ چیز بھر کر جو تو چاہے۔ اور جب سجدہ کرتے
تو کہتے الٰہی تیرے لیے میں نے سجدہ کیا۔ تجھ پر
ایمان لایا۔ تیرا مطیع ہوا۔ میری ذات نے اسے
سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا۔ اسے صورت
عطا کی۔ اور اس کے کان اور آنکھیں چیریں (پیدا کیں)
برکت والا ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا پھر آخر میں
التحیات اور سلام کے درمیان کہتے الٰہی میری اگلی پچھلی
میری پوشیدہ میری ظاہری خطائیں اور جو زیادتیاں میں نے
کیں اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب بخش دے تو ہی
آگے بڑھانے والا اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں (مسلم)

لَا مَنْجَا مِنْكَ وَلَا مَلْجَا اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ۔

اور شافعی کی ایک روایت میں ہے شر تیری طرف منسوب نہیں ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو ہدایت دے میرا تجھ پر بھروسہ اور تیری طرف توجہ ہے[۵] تجھ سے کہیں پناہ نہیں تیری ہی طرف ٹھکانہ ہے۔ تو برکت والا ہے۔

[۱] یعنی میں اسلام لانے والوں، حکم کی بجا آوری کرنے والوں اور امر حق کو تسلیم اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں (تشریعی امر ہو یا ارادی)۔ اور ایک روایت میں جیسا کہ تیسری فصل میں آئے گا انا اول المسلمین آیا ہے۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

علماء نے کہا ہے کہ انا اول المسلمین کا مضمون جناب نبوت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ آپ کے ماسوا جو بھی ہیں اسلام کے اندر آپ ان سب سے اول و سابق ہیں۔ ہر پیغمبر اپنی امت سے اسلام میں اول و سابق ہوتا ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ کہیں انا اول المسلمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے ان الفاظ کا صادر ہونا درست نہیں بلکہ جھوٹ اور دروغ ہوگا۔ بعض نے کہا اس سے نماز ہی باطل ہو جائے گی مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر انا اول المسلمین کے لفظ سے اس نے آیت قرآن کی تلاوت کا ارادہ کیا۔ اپنی حالت سے خبر دینے کا ارادہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

بندہ ضعیف عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اگر اس جملہ کو خبر قرار نہ دیں بلکہ اس سے مقصود و انشاء اور تجدید اسلام غایت اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو یہ معنی بھی درست ہے۔ جس طرح بادشاہوں کے خدام شاہی امر و حکم کے صادر ہونے پر کہتے ہیں جناب کا جو فرمان ہوگا اس کی بجا آوری اور اس کی تعمیل اور اس کے آگے سب سے پہلے میں اپنی گردن رکھوں گا ان الفاظ کا مقصد اظہار رغبت و اطاعت ہوتا ہے اولیت حقیقی مراد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

[۲] اور تو نے فرمایا ہے جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے میری درگاہ میں آتا ہے میں اس کو بخش دیتا ہوں۔

[۳] اور تیرے دین کی مدد و نصرت کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔

[۴] یعنی ادب و تعقیل کی بنا پر، اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے سب کچھ تیری طرف منسوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی خلق و آفرینش میں کوئی شر و برائی نہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتیں مضمر ہوتی ہیں کہ شر اگر ہے تو مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمایا مِن شَرِّ مَا خَلَقَ۔ بعض علماء فرماتے ہیں الشر لیس الیک کا معنی ہے کہ شر و برائی کسی کو تیرے نزدیک نہیں کر سکتی کہ شر سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا معنی ہے۔ شر تیری درگاہ تک بلند نہیں ہو سکتی اور نہ تیری جناب میں مقام قبولیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ اسی کی طرف کلمات

علیہ سجدہ کرتے اچھے لگتے ہیں۔

ش۵۔ یا اس کا معنی ہے میں تیرے ساتھ ہی مرتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی جیتا ہوں۔ اور تیری قدرت کے ساتھ ہی موجود ہوں اور میں نے تیری طرف ہی آنا اور لوٹنا ہے۔ یا میں تیرے ساتھ قائم ہوں اور تیری چاہت و رغبت رکھنے والا ہوں۔

ش۶۔ لغت میں رکوع کا معنی ہے پشت خم کرنا۔

ش۷۔ مغز کا ذکر ہڈی سے پہلے کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ خشوع باطن سے ظاہر کی طرف آتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے اسی نکتے کی بنا پر ہڈی کو پٹھے پر مقدم کیا گیا ہو۔

ش۸ پس تمام زمین اور آسمان اور جو کچھ انکے درمیان وجود میں آنے والا ہے یعنی ممکنات معدومہ جب کہ حق سبحانہ کے کمال قدرت نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب مقدورات و ممکنات کو اپنے قبضہ قدرت میں لے رکھا ہے تو پھر سب اس کی حمد و ستائش سے پُر ہونے چاہییں۔

ش۹ اس میں اخلاص عمل کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ میں تجھ پر ایمان لایا تیرا اسلام قبول کیا اور اپنا سب کچھ تیرے سپرد کیا۔

ش۱۰۔ یعنی میرا چہرہ مراد ہے تصویر یعنی صورت عطا کرنا اور پیدا کرنا۔

ش۱۱۔ مراد سننے دیکھنے کا آلہ ہے یعنی اس نے میرے کان آنکھ پیدا کیے اور چونکہ یہ دونوں اعضا شگاف کی صورت میں ہیں اسلیے انہیں چیرنے سے کہا۔

ش۱۲۔ پیدا کرنے والا صرف وہی ہے اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے لہذا خالق کی جمع ظاہر کے اعتبار سے لائی گئی ہے یعنی تصویریں کھینچنے والوں کے اعتبار سے۔

ش۱۳۔ یعنی حد اعتدال سے بڑھا ہوں اور اعمال و مال و جاہ وغیرہ میں مجھ سے بے اعتدالیاں صادر ہوئی ہیں۔

ش۱۴۔ یعنی امام شافعی کی ایک روایت میں والشر لیس الیک کے بعد یہ کلمات آئے ہیں والمهدی الی آخرہ۔

ش۱۵۔ ملفوظ منہا الف سے ہے اور ملجا ہمزہ سے کبھی ملجا کو بھی منجا کی موافقت میں الف سے پڑھتے ہیں۔

۷۵۸ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اللهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهُ قَالَ أَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَأَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور صف میں داخل ہوا اس کا سانس چڑھا ہوا تھا۔ اس نے کہا اللہ اکبر الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے لوگ خاموش رہے پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے تو وہ پھر خاموش رہے پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے

اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ بَاْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَ قَدْ حَفَزَنِیَ النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ اثْنَیْ عَشَرَ مَلَكًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَرْفَعُهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس نے کوئی بات بری نہیں کہی تب وہ شخص بولا کہ میں آیا اور میرا سانس پھولا ہوا تھا میں نے یہ کلمات کہے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے لے جانے میں جلدی کر رہے ہیں کہ کون پہلے بارگاہ الٰہی میں پیش کرے۔ (مسلم)

سلہ یعنی اس مرد کو مشقت و تھکاوٹ میں ڈال دیا تھا اس کے سانس نے کیونکہ وہ نماز کے لیے بڑا تیز دوڑ کر آیا تھا اصل میں لفظ حَفَزَ حاء فاء و زا کے ساتھ یعنی کسی کو سختی سے ہٹانا، جلدی میں ڈالنا۔ اور کسی کو جگہ سے اکھیڑنا۔

سلہ۔ یعنی نماز پڑھنے والے سب لوگ خاموش رہے۔ اس بنا پر کہ شاید ان سے غلطی واقع ہو گئی ہے۔ جو خطاب و عتاب کا موجب بن رہی ہے۔ اَرَمّ ہمزہ و را کی زبر اور میم کی شد کے ساتھ یعنی خاموش ہونا۔ روایات میں اَزَمَ زا اور میم مخفف کے ساتھ بھی آیا ہے ازم کلام سے رک جانے کے معنی میں آتا ہے۔

سلہ۔ بارہ کے عدد کی وجہ اور راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے جواہر و اعراض میں سے ہر ایک کے لیے ایک روح مجرد ہوتی ہے جو ان سے پہلے اور انہیں قائم رکھتی ہے۔ تو گویا حروف مذکورہ جن کی تعداد بارہ ہے ان کے تکرارات گرانے، اور الف و ہمزہ کا اعتبار نہ کرنے سے کہ الف کی صرف صورت خط میں ظاہر ہوتی ہے۔ لفظ میں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ثانی یعنی ہمزہ کی نہ خط میں شکل ظاہر ہوتی ہے نہ لفظ میں جیسا کہ دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ میں نے تیس اور چند فرشتے دیکھے یعنی تکرارات اور الفات کا اعتبار کرتے ہوئے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۷۹۵ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَا اِلٰهَ غَیْرُكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَ قَدْ تُكُلِّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے سبحانک اللھم اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں برکت والا ہے تیرا نام۔ اونچی ہے تیری شان۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ترمذی و ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید سے اسے روایت کیا۔

ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کو ہم سوا حارثہ کے اور کسی سے نہیں جانتے۔ اور حارثہ کے حفظ

رفعِہٖ مِنْ قِبَلِ حِفْظِہٖ۔

سلہ۔ حارثہ کے حفظ وضبط میں کلام ہے یعنی حارثہ ایسا شخص ہے کہ حدیث میں اس کا حفظ وضبط قوی نہیں۔ میں کلام ہے۔

واضح ہو کہ سبحانک سے نماز شروع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔ اجلۂ علماء حدیث اس کے قائل ہیں۔ جیسے سفیان ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علماء ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور بے شمار علماء تابعین ان کی طرف گئے ہیں۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور دوسرے مجتہدین نے اسے اختیار کیا۔ ترمذی نے بھی اپنی جامع میں کہا کہ اس باب میں حضرت علی حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت جابر حضرت جبیر بن مطعم اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حدیث آئی ہے اور تابعین وغیرہم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ غایت درجہ یہ ہے کہ امام ترمذی ابوسعید کی جو حدیث حارثہ سے لائے ہیں اس میں کلام ہے۔ اور یہ چیز صحت حدیث کو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ کہ دوسرے طرق سے اس کی صحت ثابت ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سبحانک اللھم سے نماز شروع کرنا صحیح ثابت اور ہمیشہ معمول بہ ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور دعائیں بھی آئی ہیں۔ اس مقام پر مزید گفتگو شرح (اصول) میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کریں۔

۵ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ثَلٰثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَذَكَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ نے کہا اللہ اکبر الخ آخر اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ ہی کیلئے سب تعریفیں ہیں اللہ ہی کیلئے سب تعریفیں ہیں اور اللہ ہی کیلئے سب تعریفیں ہیں اور سبحان اللہ بکرۃ واصیلا صبح وشام[2] اللہ ہی کی پاکی بولتا ہوں (تین بار) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے اسکے کبر سے اسکے شعروں سے اسکے وسوسوں سے (ابوداؤد وابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے الحمد للہ کثیرا کا ذکر نہ کیا۔ اور آخر میں کہا من الشیطان الرجیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شیطان کا نفخ تکبر ہے نفث شعر اور ہمز وسوسہ ہے۔

سلہ۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قرشی نوفلی ہیں۔ عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ ذکر ہو چکے ہیں۔

سلہ۔ ان دو اوقات کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ ان میں دن ورات کے ملائکہ کے جمع ہونے کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

۳ یعنی شیطان کے نفخ اس کے نفث اور اس کے ہمز سے پناہ لیتا ہوں۔ نفخ سے تکبر اور خود پسندی مراد ہے جس میں وہ انسان کو ڈالتا ہے۔ اور یہ تکبر اس میں ڈالتا ہے اور اسے اس کی نگاہ میں بزرگ ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح گویا وہ ابلیس اس میں ہوا بھرتا اور اسے برباد کرتا ہے۔ نفث کا معنی ہے دم کرنا۔ اس سے جادو مراد لیا گیا ہے جو وہ انسان پر کرتا ہے یا اس کے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ معنی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کرمن شر النفّاثات فی العقد کہاں سے ساحر عورتیں مراد ہیں۔ بعض نے کہا نفث سے شعر مراد ہیں جو انسان کے حاشیہ خیال میں آتے اور وہ اس کے اندر ڈالتا اور اس کی زبان سے نکلواتا ہے یعنی برے اشعار جو کفر و فسق کے معانی اور اہل اسلام کی ہجو و مذمت پر مشتمل ہوں۔

اور ہمز سے مراد لوگوں کی غیبت کرنا، ان کے عیب بیان کرنا اور ان کی نکتہ چینی ہے۔ بعض نے کہا ہمز شیطان سے اس کے وسوسے مراد ہیں۔ جو وہ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اعوذ بک من ہمزات الشیاطین سے اس کے وسوسے اور خطرات مراد لیے گئے ہیں۔

۴ راوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان تین الفاظ کی تفسیر یوں نقل فرمایا کہ آپ نے فرمایا نفخ شیطان کا کبر ہے۔ نفث اس کا شعر اور ہمز مرگی کے مانند ایک بیماری ہے۔ یہ بیماری جس انسان کو لاحق ہوتی ہے اسے مردے کی طرح زمین پر ڈالے رکھتی ہے۔ اگر تفسیر کی یہ روایت صحت پر مبنی ہو تو پھر متعین ہو گیا کہ اس لفظ سے مراد یہی معنی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

۱۱۷ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ حَفِظَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. فَصَدَّقَهٗ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ.

حضرت سمرۃ[۱] بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے۔ ایک خاموشی جب تکبیر کہتے اور دوسری خاموشی جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے فارغ ہوتے[۲] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور دارمی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱ سَمُرہ سین کی زبر میم کی پیش بن جُندُب جیم کی پیش، دال کی زبر و پیش کے ساتھ مشہور صحابی ہیں۔ کثیر الحدیث ہیں بصرہ میں رہتے تھے۔ حسن بصری اور دوسرے لوگوں نے آپ سے حدیث سنی۔ آپ کے حالات متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔

ؔ۵۲۔ ایک خاموشی جب کہ آپ تکبیر کہتے یعنی اس کے بعد سبحانک اللھم پڑھتے۔ یہاں سکتہ (خاموشی) عدم جہر کے معنی میں ہے۔ مطلق سکوت مراد نہیں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استفتاح (سبحانک اللھم) بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے یہ مقتدیوں کے لیے کرتے تھے تاکہ انہیں سبحانک اللھم پڑھنے کا علم ہو جائے اور وہ اسے پڑھا کریں۔

ؔ۵۳۔ اور جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پہنچی جو عظماء صحابہ میں سے ہیں تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

ؔ۵۴۔ واضح ہو کہ پہلا سکتہ (خاموشی) یعنی تکبیر کے متصل بعد متفق علیہ ہے یعنی ائمہ اربعہ وغیرہم اس پر متفق ہیں یہ سکتہ دعائے استفتاح (سبحانک اللھم) پڑھنے کے لیے ہے۔ مگر دوسرا سکتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت امام شافعی کے مطابق آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ہے تاکہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ سکیں۔ اور امام کی قرارت کے دوران سورۂ فاتحہ شروع کرکے اس کے ساتھ ٹکراؤ پیدا نہ کریں کہ ایسا کرنے سے ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ علماء کرام ایک تیسرا سکتہ بھی بیان کرتے ہیں جو ولا الضالین اور آمین کے درمیان ہوتا ہے تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ آمین فاتحہ میں سے ہے۔ چوتھا سکتہ قرارت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ تاکہ قرارت اور تکبیر رکوع کے درمیان فرق و امتیاز ہو جائے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک سکتہ استفتاح ہے یعنی پہلا سکتہ جس میں سبحانک اللھم پڑھتے ہیں اور یہ درحقیقت سکتہ نہیں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

ؔ۷۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَمْ يَسْكُتْ هٰكَذَا فِیْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَهُ الْحُمَيْدِیُّ فِیْ اِفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَّحْدَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین سے قرارت شروع کرتے اور خاموش بالکل نہ ہوتے[۱] مسلم میں یوں ہی ہے حمیدی[۲] نے اسے اپنے افراد میں ذکر کیا یوں ہی جامع[۳] والے نے صرف مسلم سے۔

✤ ✤ ✤ ✤

ؔ۱۔ یعنی دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے خاموش نہ ہوتے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری رکعت کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کرتے تھے۔ شافعیہ رحمہم اللہ جو بسم اللہ کو فاتحہ کا جزو قرار دیتے ہیں اس کی تاویل کرتے ہیں۔ کہ الحمد للہ سے مراد مع بسم اللہ پوری سورۃ مراد ہے) جیسا کہ گزرا۔ یا مراد یہ ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ رکعت اول سے اٹھنے کا حکم بھی یہی ہے۔ اس حدیث میں دوسری رکعت سے اٹھنے کی تخصیص اس لیے آئی کہ یہاں چونکہ نماز کا

ایک شفع (دو رکعت) پورا ہو جاتا ہے۔ تو وہم ہو سکتا ہے کہ تیسری رکعت کے ابتداء میں بھی شاید دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے سکتہ کرتے ہوں۔

سلہ۔ یعنی اس حدیث کو حمیدی نے کتاب جمع بین الصحیحین میں مسلم کے افراد میں ذکر کیا۔

سلہ۔ یعنی اسی طرح صاحب جامع الاصول نے جس نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا، مسلم سے اسے تنہا روایت کیا۔ یہ کلام دراصل مولف کی طرف سے صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ مصنف اسے حسن احادیث میں لایا صحاح میں نہ لایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۷۷۳ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِي سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے ان صلوتی الی آخرہ بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلمان ہوں اے اللہ مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی ہدایت دے کہ اچھی چیزوں کی ہدایت تیرے سوا کوئی نہیں دے سکتا اور مجھے برے اعمال اور بری عادتوں سے بچالے۔ کہ برائیوں سے تیرے سوا کوئی نہیں لہ بچا سکتا۔ (نسائی شریف)

لہ۔ اس حدیث کی شرح فصل اول میں معلوم ہو چکی ہے وہاں لفظ وانا من المسلمین اور یہاں انا اول المسلمین ہے۔ اس فرق کا نکتہ بھی وہاں مذکور ہو چکا۔ یہاں اعمال و اخلاق دونوں کا ذکر ہے وہاں صرف اخلاق کے ذکر کی تخصیص کی اور وہاں اصرف عنی۔ لا یصرف عنی کے الفاظ تھے اور یہاں وقنی ولا یقی ہے۔ دونوں عبارتوں کا معنی ایک ہے صرف حسن کلام کے لیے الفاظ الگ لائے گئے ہیں۔

۷۷۴ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ

حضرت محمد بن مسلمہ لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو کہتے اللہ بہت بڑا ہے میں نے

اللهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

اپنا رخ اسی کی جانب کیا۔ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے میں تمام برائیوں سے دور ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ اور باقی حدیث حضرت جابر کی سی ذکر کی مگر یہ کہا کہ "میں مسلمانوں میں سے ہوں" پھر کہا الٰہی تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں تیری حمد کرتا ہوں۔ پھر قرأت فرماتے۔ (نسائی)

لے۔ حضرت محمد بن مسلمہ میم اور لام کی زبر اور سین ساکن کے ساتھ۔ آپ انصاری اشہلی ہیں۔ غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر تبوک گئے۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ میں اسلام قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ نے فتنہ کے ایام میں گوشہ نشینی اختیار کی ۴۳ھ میں وصال فرمایا۔

ے۲۔ اس کی شرح گذشتہ حدیث گزر چکی۔

ے۳۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد قرأت فرماتے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ راوی کا مقصود بھی یہاں یہی بیان کرنا ہے کہ قرأت سے پہلے آپ سبحانک اللھم پڑھتے تھے۔

بَابُ الْقِرَآءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں قرأت کا باب

نماز میں قرأت جمہور آئمہ و علماء کے نزدیک فرض ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ساری نماز میں۔ امام مالک کے نزدیک تین رکعت میں اکثر کو کل کا حکم دیتے ہوئے۔ احناف کے نزدیک دو رکعت میں۔ امام احمد کا مذہب قول مشہور کے مطابق امام شافعی کے موافق ہے اور ایک روایت میں احناف کے موافق۔ اور امام حسن بصری و امام زفر کے نزدیک ایک رکعت میں اور ابوبکر اصم و سفیان بن عیینہ کے نزدیک قرأت سنت ہے کہ نماز کی اصل بنیاد افعال پر ہے نہ کہ اقوال پر۔ اسی وجہ سے جب افعال پر قدرت نہ رہے تو نماز ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر قول پر قدرت نہ ہو تو ساقط نہیں ہوتی کذا فی شروح الہدایہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۷۶۳ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ - وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا -

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے[۱] اس کی نماز نہیں (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ اوپر نہ پڑھے[۲]۔

❊ ❊ ❊

۱؎۔ ام القرآن بھی سورۂ فاتحہ کا نام ہے چونکہ یہ سورۃ مقاصد قرآن (ثنا الٰہی عزاسمہ، امر ونہی کی پابندی کرنے، عبادت بجا لانے اور وعدہ ووعید) پر مشتمل ہے یا چونکہ یہ سورۃ کتاب کا مبدء ومفتح ہے (جس سے آغاز و افتتاح کیا جائے) تو گویا یہ سورۃ قرآن پاک کا اصل ومنشا قرار پائی۔

۲؎۔ یعنی آپ سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ پڑھتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھتے تھے اور یہ کہ سورۂ فاتحہ پر کفایت نہ کی جائے۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی کچھ پڑھا جائے تو درست ہے۔ امام شافعی ۔ اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث کو نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت فرض ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں اس آدمی کی نماز ہی کی نفی کر دی جس نے یہ سورت نہ پڑھی۔ ہمارے نزدیک حدیث میں نماز کے کامل ہونے کی نفی مراد ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن میں سے وہ پڑھو جو تمہیں آسان ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا اِقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کا وہ حصہ جو تجھے یاد اور آسان ہے وہ پڑھو۔ پس جس چیز کا پڑھنا فرض ہو۔ وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن میں جو آسان ہو یعنی سورۂ فاتحہ یا کچھ اور وہ پڑھو تو حقیقت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

۷۶۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص[۱] ہے۔ (تین بار فرمایا) کامل نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ فرمایا اپنے دل میں پڑھو تو کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ۔

(وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ لیا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب کہتا ہے مالک یوم الدین تو رب تعالیٰ کہتا ہے یہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔

(مسلم)

[1] خداج خا کی زیر کے ساتھ اونٹنی کا اپنے بچے کو پیٹ سے اس کی مدت حمل پوری ہونے سے پہلے گرا دینا۔ پھر یہ لفظ مطلق نقصان کے لیے بھی آتا ہے۔

[2] اس طرح کہ اپنے آپ کو سنوا لو۔

[3] آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے یعنی حمد و ثنا میرے لیے اور دعا و سوال بندے کے لیے۔

[4] یہاں نماز سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قراءت کی فرضیت کی دلیل بھی یہی چیز ہے (کہ نماز سے سورۃ فاتحہ مراد ہے) یعنی جب کہ سورۃ فاتحہ کی یہ شان و عظمت ہے تو اس کی قراءت لازماً نمازی کے ذمہ ہے۔ ہم کہتے ہیں بلکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاتحہ عین نماز اور رکن نماز ہے (مبالغۃً) جیسے حج کے لیے فرمایا الحج عرفۃ کہ حج وقوف عرفات کا نام ہے۔ خلاصہ گفتگو یہ کہ نماز کا اہم حصہ (یعنی) جزو نماز میں داخل ہوگا۔

اس سے حاجت و حرج نہ ہوگا۔ اس میں غور کرو۔ اس کے بعد بندے اور خدا کے درمیان اپنے قول مبارک سے سورۃ فاتحہ کا نصف نصف ہونا بیان فرمایا۔

۵۵۔ یعنی میرے بندے نے مجھے بزرگ جانا اور میری تعظیم بجا لایا۔ مجد وسیع شرف و کرم کو کہتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے مجید وہ ہوتا ہے جو شرف ذات کے ساتھ حسن افعال کا بھی جامع ہو۔ یہ تینوں خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہیں۔

۵۶۔ یعنی استعانت و استمداد۔

۵۷۔ یہ تینوں چیزیں بندے کے لیے ہیں۔

۵۸۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں تین خاص خدا تعالیٰ اور اس کی ثنا کے لیے اور تین بندے کے لیے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بسملہ نہ فاتحہ میں داخل ہے نہ اس کا جزو ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے ان سات میں ایک آیت صراط الذین انعمت علیہم ہے۔

۲ وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے[1]۔

(مسلم)

[1] ۔ گذشتہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اور صحابہ کرام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا پڑھنا متفق علیہ ہے۔ کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔ دوسری احادیث سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بھی یہ تھا کہ آپ بسملہ پڑھتے تھے۔ چاہے بسملہ کو فاتحہ کا جزو بنائیں جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ چاہے نہ بنائیں جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسے اول نماز میں ہی پڑھا جائے گا کیونکہ وہ اسے تعوذ اعوذ باللہ کی طرح نماز کا آغاز بناتے ہیں۔ ایک روایت میں آن کے اور ان کے صاحبین کے مذہب کے مطابق ہر رکعت کے اول اسے پڑھنا چاہیے کہ تسمیہ مفتاح (اول) قراءت ہے۔ اور قراءت کے بارے میں ہر رکعت مستقل حیثیت رکھتی ہے اس بنا پر بھی ہر رکعت میں بسملہ پڑھی جائے گی کہ احتیاط اسی میں ہے۔ پھر علماء کا اختلاف بھی ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں۔ فاتحہ و سورت کے درمیان یہ اختلاف نہیں۔ مگر امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک سری نماز میں۔ پس امام شافعی اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ الحمد للہ سے تمام سورت مراد ہے۔ جیسا کہ گزرا اور احناف کہتے ہیں کہ مراد جہر کی نفی ہے یہ مراد نہیں کہ بسملہ پڑھی نہ جائے گی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ اگرچہ جہری نماز ہوتی تھی اور

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بعض حفاظ سے نقل کیا کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہو سکی جو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے میں صریح ہو مگر یہ کہ ایسی ہر حدیث کی سند میں کلام ہے۔ اور چار مشہور مسانید والے حضرات نے کوئی حدیث اس میں نہیں لائی حالانکہ ان کی کتب ضعیف احادیث پر بھی مشتمل ہیں۔ اور بے شمار صحابہ، تابعین تبع تابعین وغیرہم کا ذکر کیا کہ وہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے اگر کبھی کبھار کسی سے جہر کی روایت آئی ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے۔ یا مقتدیوں کے صف قریب ہونے کی وجہ سے سنا ہو۔ اور ترمذی نے دو باب منعقد کیے ایک بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کا، دوسرا بلند آواز سے نہ پڑھنے کا پھر بلند آواز سے نہ پڑھنے والی احادیث کو ترجیح دی۔ اور اکثر اہل علم یعنی صحابہ میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، وغیرہم اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم اسی جانب گئے ہیں۔ اس مقام پر شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔

۷۶۸ — وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِئُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَّافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو[1]۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب امام کہے غیر المغضوب علیہم والضالین تو تم کہو آمین کہ بے شک جس کا کلام (ملائکہ کے کلام) کے موافق ہوا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم کے نزدیک اس کی مثل ہیں، اور بخاری کی دوسری روایت ہے کہ فرمایا جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گذشتہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

[1] جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جب آمین کہے

تو تم بھی آمین کہو۔ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ جب امام دعا کرے (اھدنا الصراط المستقیم) تا آخر سورت اور یہی امام کی آمین کہنے کا موقعہ ہے تو تم آمین کہنے کے لیے تیار ہو تاکہ اس کے ساتھ مل کر آمین کہہ سکو۔ جس طرح کہتے ہیں جب بادشاہ کوچ کرے (رخت سفر باندھے) تم بھی کوچ کرو یعنی رخت سفر باندھنے اور اس کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ۔ تاکہ جب اس کی روانگی کا وقت سر پر آ پہنچے تو تم بھی اس کے ساتھ چل پڑو مگر دونوں باتوں کا حاصل معنی ایک ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو فرق محسوس ہوتا ہے یہ کہ ہے کہ اول معنی میں امام کا پہلے آمین کہنا مفہوم ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو ٹھیک ہے جیسا کہ تمام افعال میں امام و مقتدی کا حال ہے کہ امام ذرا پہلے کرتا ہے اور مقتدی اس کے ذرا بعد۔ مگر یہاں آمین کہنے میں مقتدی جلدی کرے کہ امام کے ساتھ موافقت و معیت مستحب ہے (خوب سمجھ لو) اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں کے آمین کہنے کی علت اور وجہ بیان کی۔ فانہ من وافق الخ سے۔

۲ے۔ کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ تو تم بھی آمین کہو۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق پڑھی گی۔ اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۳ے۔ واضح ہو کہ ظاہرًا ایسا دکھائی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں۔ کہ جس بندے کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کی استجابت ہو گی اور اس کی دعائے مغفرت ذنوب قبول ہو گی۔ یہ بات کہاں سے آگئی کہ یوں کہا جائے کہ حق جل و علا نے مغفرت ذنوب کو اس موافقت کے خصائص اور لوازم میں سے کر دیا ہے۔ اور یہ کہ اس موافقت کی بدولت ہی اجابت دعا بھی ہو گی۔

جواب ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کرام آمین کہنے والوں کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہوں۔ جیسا کہ تم نے نہیں سنا کہ جو نمازی نماز کی انتظار میں بیٹھتے ہیں ملائکہ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کا کام ہی درحقیقت مومنوں کے لیے دعا و استغفار کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا۔ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ ملائکہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ خصوصًا امر خیر کے بجالانے کے وقت۔ تو حاصل معنی یہ ہوا کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی وہ بخشا گیا اور جو بخشا گیا اس کی دعا قبول ہو گی (خوب سمجھ لو)

۴ے۔ قاری یعنی امام یا مطلق قاری چاہے نماز میں نہ ہو۔

۵ے۔ آمین یعنی استجب۔ قبول کر یا ایسا ہی ہو۔ بعض نے کہا آمین اسم الٰہی ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ سے طلب قبولیت ہے۔ بعض نے کہا جنت میں ایک درجہ ہے کہ آمین کہنے والا اس کا مستحق قرار پائے گا۔ مد و قصر اور میم کی شد کے بغیر دونوں طرح آیا ہے۔ اکثر روایات الف کی مد کی ہیں باقی رہا الف کی مد اور میم کی شد سے پڑھنا تو بعض نے کہا یہ غلط ہے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے لیکن قلیل ہے (اس میں غور کرو)

۷۶۹ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لْیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعُ اللّٰہُ لَکُمْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَقَتَادَۃَ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ نماز پڑھو[1] تو صفیں سیدھی کرو[2] پھر تم میں سے کوئی تمہارا امام بنے[3] جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالےٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو[4]۔ امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ اس کے بدلے میں ہوا[5] اور جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو اللھم ربنا لک الحمد۔ اللہ تمہاری سنے گا[6] (مسلم) اور مسلم کی ابوہریرہ وقتادہ سے ایک روایت میں ہے۔ کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو[7]

۞ ۞ ۞

[1] ۔ یعنی جب تم لوگ جماعت سے نماز ادا کرو۔ چونکہ حدیث کے الفاظ کے انداز سے جماعت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس لیے صریحاً جماعت کا ذکر نہ کیا۔

[2] ۔ صف لغت میں دھاگے کو کہتے ہیں سو اقامت صفوف سے انہیں برابر اور سیدھا کرنا مراد ہے کہ ان میں خلا نہ اور فاصلہ نہ رہے۔ صف مکمل کرنے کو بھی صف سیدھی کرنے میں شامل کیا گیا ہے۔

[3] ۔ یعنی تم میں سے جو بھی تمہارا امام بن جائے ٹھیک ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا کہ تمہارا امام اعلم واقرا (زیادہ عالم اور اچھا قاری) ہونا چاہیے تو وہ اولیٰ اور افضل کا بیان ہے (اور جواز سب کے لیے ہے)

[4] ۔ کلمہ فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقتدی تکبیر و رکوع وغیرہ جو فعل کریں امام کے پیچھے اور متصل پیچھے کریں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فان الامام یرکع قبلکم الی آخرہ۔ کیونکہ امام کی شان اولیت و سبقت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام و مقتدی دونوں کا زمانہ رکوع ایک ہو۔

[5] ۔ یعنی وہ لحظہ جس میں امام تم سے پہلے رکوع میں گیا اتنی ہی مقدار میں تمہارا امام کے بعد سر اٹھانا اس کے عوض

ہو جائے گا۔ اس طرح تمہارے اور تمہارے امام کے رکوع دونوں کی مقدار وقت ایک جیسی ہو جائے گی۔ اور دونوں کا زمانہ برابر ہو جائے گا۔

ے۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری حمد سنے گا۔ ایک روایت میں ربنالک الحمد آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللہم ربنالک الحمد اللہم کے اضافہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللہم اور واو دونوں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بعض نے کہا یہ روایت صحیح نہیں۔ امام سیوطی نے کہا اس کی روایت عبدالرزاق سے آئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے۔ کشمیہنی کی روایت بھی آئی ہے (سیوطی کا کلام ختم ہوا)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنالک الحمد۔ امام مالک و امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام بھی دونوں کہے اور مقتدی بھی۔ اور منفرد بھی۔ امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک امام دونوں کہے امام طحاوی کا مختار مذہب یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اتنی بات ہے کہ ربنالک الحمد بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اپنے دل میں کہے۔ اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ایک پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ربنالک الحمد پر اکتفا کرے اور جب دونوں کو جمع کرے تو سمع اللہ لمن حمدہ سر اٹھاتے وقت پڑھے اور ربنالک الحمد حالت قیام میں تمرتاشی نے حنفیہ کی طرف سے ایسا ہی کہا ہے اور کہا اگر سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت نہ کہا تو حالت قیام میں نہ کہے بعض نے کہا اس حالت میں بھی دونوں کہہ لے۔

ے۵۔ جب امام قراءت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ اور کان لگا کر سنو۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی اقتداء میں قراءت کرنا منع ہے۔ اور یہ کہ اس پر قراءت واجب نہیں رہتی جہری نماز ہو یا سری فصل ثانی کے آخر میں اسی مسئلہ میں مفصل کلام آ رہا ہے۔

ۓ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتٰبِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْاٰیَةَ اَحْیَانًا وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَا لَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰکَذَا فِی الصُّبْحِ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو کوئی آیت سنا دیتے تھے۔ اور پہلی رکعت میں کسی قدر درازی کرتے۔ جو دوسری رکعت میں نہ کرتے یوں ہی عصر میں اور یوں ہی صبح میں کرتے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

ف۱۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھتے تھے۔

ف۲۔ یعنی جو سورت آپ پڑھتے کبھی کبھی اس کی آیات میں سے کوئی آیت ہمیں سناتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد و ارادہ سے ہوتا تھا تاکہ یہ بتلانے کے لیے کہ فاتحہ کے بعد بھی پڑھا جائے۔ یا یہ بتلانے کے لیے کہ فلاں سورۃ پڑھی ہے یا بیان جواز کے لیے آپ نے ایسا کیا کہ اگر سری نماز میں کوئی ایک آیت بلند آواز سے پڑھی گئی تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ بعض کہتے ہیں آپ کا ایسا کرنا آیات میں تدبر کرتے ہوئے غلبہ استغراق پر محمول ہے کہ یہ جہر بے اختیار ہو جاتا تھا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد و ارادہ سے ہوتا تھا اور ظہر کی قید اتفاقی ہے۔

ف۳۔ واضح ہو کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ظہر و عصر اور صبح میں تو اس بارے میں ان سے نص ہے۔ اور مغرب و عشا کو ان پر قیاس کرتے ہوئے اور عبدالرزاق نے معمر سے اس حدیث کے آخر میں کہا ہم لوگ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ رکعت اولیٰ پالیں۔ ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے ورنہ دونوں رکعتیں استحقاق قرأت میں برابر ہیں۔ اس لیے مقدار میں بھی برابر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آخری حدیث میں آیا ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کے مقدار ہوتا تھا۔ اور حدیث میں (ہر نماز کے بارے میں پہلی رکعت کی جو لمبائی مذکور ہے وہ سبحانک اللھم اعوذ باللہ، اور بسم اللہ پر محمول ہے اور اس صورت پر کہ تین آیات سے کم پڑھی جائیں۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ کی شرح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۔ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلٰثِيْنَ اٰيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِى الْاُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر و عصر کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۔ تو ہم نے آپ کی ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ الم تنزیل پڑھنے کے بقدر لگایا۔ ایک روایت میں ہے ہر رکعت میں تیس آیات کی مقدار اور ہم نے آخری دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ لگایا اس سے آدھے کا لگایا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے بقدر اندازہ لگایا۔ اور عصر کی آخری رکعتوں

مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهٖ فِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں اس سے آدھا۔ (مسلم)

لے۔ اصل میں لفظ حزر استعمال ہوا ہے۔ حائے مہملہ پھر زا اس کے بعد را کے ساتھ اس کا معنی ہے کھیت میں موجود فصل اور درخت پر میوہ کا اندازہ لگانا۔

ﷺ۔ اس سے مراد اس سورۃ کی مقدار آیات کا پڑھنا ہے۔ دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں اس دوسرے معنی کے موافق ہے۔ یہ اگلا لفظ یعنی فی روایۃ کل رکعۃ قدر ثلاثین آیۃ یعنی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ہر رکعت میں آپ تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے۔ کہ اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ معنی اول کے مطابق یہ پہلی روایت کے مخالف ہوگی۔

ﷺ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو رکعت میں بھی آپ سورۃ پڑھتے تھے۔ مگر پہلی دو کی نسبت مختصر ہوتی تھیں۔

ﷺ۔ واضح ہو کہ تمام ائمہ اس امر کے قائل ہیں کہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پر کفایت کرنا جائز ہے۔ احناف کے نزدیک اگر ایک بار تسبیح کہے یا خاموش رہے تو بھی جائز ہے۔ مگر قرات افضل ہے۔ امام نخعی امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء اسی پر ہیں۔ محیط میں ہے اگر دانستہ خاموش رہا۔ تو یہ اس نے اچھا نہ کیا۔ کہ یہ سنت کی مخالفت ہے اور حسن بن زیاد کی ایک روایت میں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے ہے کہ پہلی دو رکعت کے مابعد قرات واجب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا پہلی دو رکعت میں قرات کرو اور آخری دو میں تسبیح پڑھو جیسا کہ شعبی نے نقل کیا۔ یہ بھی کہا کہ آخری دو رکعت میں اگر کسی نے فاتحہ اور سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو نہ ہوگا۔ یہی اصح ہے کیونکہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ اور ترک سورۃ واجب نہیں ہے۔ امام احمد کے نزدیک اصح یہ ہے کہ آخری دو رکعت میں سورۃ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی آخری دو رکعت میں فاتحہ سے زائد بھی پڑھتے تھے لیکن مستحب یہی کہ سورۃ نہ پڑھی جائے۔

۷۷۲ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں واللیل اذا یغشیٰ پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور عصر میں اسی طرح اور فجر میں اس سے کچھ دراز

أَطْوَلَ مِنْ ذَالِكَ -

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

له سَمُرَه سین کی زبر اور میم کا پیش کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سمرہ صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔ حضور علیہ السلام اور حضرت عمر اور حضرت علی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

۵۲- اس بات کا علم کہ آپ یہ دو سورتیں پڑھتے تھے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہوا۔ یا آپ نے کبھی کبھی بلند آواز سے پڑھ کر کوئی آیت سنا دی۔

۵۳- واضح ہو کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ یہ بیان کیے بغیر کہ پہلی رکعت میں یا دوسری میں یا کسی رکعت میں لاعلی تعیین پہلی میں یا دوسری میں۔ یہ عبارت ان تمام احتمالات کو شامل ہے۔ مگر اسے دونوں رکعتوں پر محمول کرنے سے ایک تو تکرار سورۃ دوسرا سورتوں کو چھوٹے چھوٹے حصے بنانا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں بعید ہیں۔ اگرچہ جائز ہیں۔ مگر اس کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نادر ہے۔ فقہا نے کہا ہے ایک سورۃ کا پڑھنا اگرچہ چھوٹی ہو افضل ہے اس سے کہ لمبی سورۃ پوری پڑھی جائے بلکہ اس کا کچھ حصہ پڑھا جائے۔ یہاں قرأت سے ایک رکعت میں خواہ پہلی ہو یا دوسری، عبارت کے اعتبار سے یہ سب سے ظاہر اور واضح احتمال ہے۔ جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے قطبہ بن ملک سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی۔ اور آپ نے اس کی ایک رکعت میں والنخل باسقات پڑھی۔ اگرچہ ترمذی میں فی الرکعۃ الاولیٰ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد رکعت اول ہو کہ اکثر احادیث میں رکعت اول کا بیان آیا ہے۔ اور میں نے ائمہ حنفیہ کے ثقہ فقہائے مکہ معظمہ سے سنا ہے کہ فقہاء نے طوال مفصل اور اوساط و قصر کی تعیین جو کی ہے وہ رکعت اولیٰ سے متعلق ہے۔ یہ بیان و تفصیل جو یہاں کی گئی ہے کسی بھی شرح میں نظر سے نہیں گزری۔ غور کرو۔ واللہ اعلم۔

۷۶۳ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ (مسلم بخاری)

له مُطْعِم میم کا پیش، طائے مہملہ عین کی زیر کے ساتھ صحابی ہیں قرشی ہیں اشراف قریش میں سے ہیں سردار بردبار اور بڑے باوقار انسان تھے۔

۷۶۴ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے

قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں والمرسلات عرفا پڑھتے سنا۔ (بخاری و مسلم)

لہ۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس کی زوجہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس و فضل بن عباس کی والدہ ہیں۔

ٹہ۔ واضح ہو کہ ان دو احادیث اور ایک اور حدیث میں جو وا قع ہوا کہ آپ نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف و انفال اور دخان پڑھی۔ اسی طرح وہ احادیث جو دوسری نمازوں میں واقع ہوئی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی قرات متعین نہیں۔ حالانکہ ائمہ فقہاء نے قرار دیا ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل اور عصر و عشاء میں طوال اوسط اور مغرب میں مختصر سورتیں پڑھی جائیں۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں آیا ہے کہ کوئی سورت مفصل نہیں نہ صغیر نہ کبیر۔ اور میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے ان کے ساتھ لوگوں کی نماز فرض میں امامت کی ہو۔ فقہاء کرام کی ان سورتوں کی تعیین کی دلیل دراصل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا جب کہ وہ آپ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے۔ اس میں آپ نے یہ تفصیل لکھی تھی۔ اس بنا پر اس مخصوص قرات (طوال مفصل، اوسط اور اقصر) کی تعیین ہوئی۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قرات کا معاملہ کم یا زیادہ ہوتے میں مختلف تھا۔ اور یہ اختلاف حالات، اوقات، حکمتوں، مصلحتوں اور تعلیم جواز و رخصت کے باعث مختلف تھا اس کے بعد یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط مبارک کے مطابق متعین ہوا۔ اس دلیل و سماع کی بنا پر جو آپ کو حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملی ہوگی۔ ہوسکتا ہے غالب حالات و اوقات میں آپ کی قرات ایسی ہی ہو اور کبھی کبھی آپ نے اس کے خلاف کیا ہو۔ اور دلیل و حجت کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مبارک کافی ہے۔

۷۷۵۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر آکر اپنی قوم کی امامت کراتے۔ ایک رات انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ ایک شخص پھر گیا اور

انْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحٰبُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ وَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَوَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس نے سلام پھیر کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا[1] لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہو گیا[2] بولا نہیں رب کی قسم[3] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤں گا اور آپ کو یہ خبر ضرور دوں گا۔ پھر وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اونٹ والے ہیں۔[4] دن بھر کام کرتے ہیں[5] اور بے شک معاذ نے آپ کے ساتھ نماز عشا پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے معاذ کیا تم فتنہ گر ہو[6] الشمس وضحٰھا۔ والضحٰی۔ واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو۔[7]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی اس نے نماز توڑ دی اور اس سے باہر نکل گیا۔ یہ مقام سلام پھیرنے کا نہ تھا کہ اس کا مقام آخر نماز ہے۔ مگر اس مرد نے چاہا کہ سلام کے ساتھ نماز سے باہر ہو نماز مکمل ہو جانے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے۔

[2] کہ تو جماعت سے باہر آ گیا ہے اور تو نے نماز سے سستی کی ہے۔ جیسا کہ منافقین کے بارے میں ہے۔ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے کھڑے ہوتے ہیں۔

[3] اور میں سستی اور کسل کی وجہ سے نماز سے باہر نہیں آیا۔ بلکہ ناطاقتی کی وجہ سے اور میں اس لمبی نماز کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور میں اتنی دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔

[4] ہم لوگ اونٹوں والے ہیں کمان کے ساتھ پانی کھینچتے ہیں۔ نَوَاضِح ناضحۃ مذکر والے کے ساتھ۔ ناضح پانی کھینچنے والا اونٹ ناضحہ اس کی مونث۔

[5] اور ہم رات کو تھک جاتے ہیں۔

[6] یعنی اے معاذ کیا لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ اور انہیں جماعت سے بھگانے والا ہے اور اختلاف ڈال کر ان میں فساد برپا کرنے والا ہے اور لوگوں کو دین سے دور کرنے والا ہے۔

ے۵۔ واضح ہو کہ حضرت شافعی نے اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتدار کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت معاذ جب ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تو ان کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گئے۔ پس جو نماز وہ قوم کے ساتھ آکر پڑھتے تھے وہ نفل تھی۔ قوم کی نماز فرض تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے فعل کو ثابت رکھتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ تو نے قراءت دراز کیوں کر دی ہے۔ اور یہ نہ فرمایا کہ تیرا ان لوگوں کی امامت کرانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تیری نماز نفل ہوتی ہے۔ اور وہ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل اس وقت تمام ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ معاذ میری اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے۔ اور فرض نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد جا کر اپنی قوم کی امامت کرتا ہے۔ شاید آپ کو اس صورت حال کا علم نہ ہو۔ اس پر امام احمد کی ایک حدیث دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ فتنہ انداز نہ بن یا تو میرے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے نماز میں تخفیف کر۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کاموں کو لفظ یا سے بیان فرمایا اور دو کاموں میں سے ایک کام شروع اور جائز قرار دیا یعنی یا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھ اور پھر لوگوں کے ساتھ جا کر نہ پڑھ کہ اس سے فرض والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے لازم آتی ہے یا قوم کے ساتھ جا کر نماز ادا کر اور ہلکی نماز ادا کر۔ اور جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا نہ کریں گے۔ تو وہ بھی فرض نماز پڑھنے والے ہو گئے تو اقتدا فرض والے کی فرض والے کے پیچھے ہو گی۔ شیخ ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز کی نیت کرتے ہوں۔ تاکہ آپ کے ساتھ جماعت کی فضیلت پا سکیں۔ اور فرض نماز اپنی قوم کے ساتھ بعد میں پڑھتے ہوں۔

۷۷۴ وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	حضرت[1] براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں والتین والزیتون پڑھتے سنا اور آپ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہ سنا[2]۔ (بخاری و مسلم)

ا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے۔ مصعب بن الزبیر کے زمانہ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ والتین پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں سے کسی ایک رکعت کی قراءت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم نے کہا۔ اور اسے ہم نے تمام احتمالات سے زیادہ ظاہر احتمال قرار دیا۔

۱۳-۱۲ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهُ بَعْدُ تَخْفِيفًا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ق والقرآن المجید اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہو گئی
(مسلم)

سلہ۔ یعنی ق اور اس جیسی سورتیں فجر میں پڑھتے تھے۔

سلہ۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد (علاوہ) باقی چار نمازیں ہلکی پڑھتے تھے علماء نے کہا ہے فجر کی قراءت لمبی کرنے کا سبب دراصل یہ تھی کہ رحمت ربانی کا نزول اور فیض رحمانی کا ورود حجرات کے آخری تیسرے حصے سے شروع ہوتا ہے وہ فجر کی نماز کے اختتام تک اور ایک روایت کے مطابق طلوع فجر تک رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت قراءت و ذکر و تسبیح زیادہ بہتر و افضل ہے۔ یا نماز صبح میں قراءت دراز کرنے کی وجہ تھی کہ استراحت و نیند کے بعد جو راحت نصیب ہوئی اور اس استراحت کی وجہ سے جو خدمت میں کوتاہی واقع ہوئی اور تیرہ کدورت و زنگ دل کے آئینے پر بیٹھ گیا تو قراءت کا لمبا کرنا اس کی تلافی کا موجب اور اس کوتاہی کا عذر اور اس زنگ و کدورت کا ازالہ ہے مزید یہ کہ امور معاش اور اسباب کی مشغولیت بھی ابھی نہیں ہوتی۔ اور انسان کے لیے یہ ایک ایسا وقت ہے کہ دل و جان اور کان کے موافق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن حکیم کا فہم اور اس میں تدبر آسان تر اور روشن تر ہوتا ہے۔ شرح سفر السعادۃ میں اس سے بڑھ کر کئی اور نکتے بیان کر دیے گئے ہم نے یہ مذکورہ گفتگو بھی وہاں کی ہے۔

ہمارے حدیث کے شیخ مشائخ جناب امام حجر مکی نے اس عبارت کی شرح میں کہا کہ اس امر کا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس زمانہ کے بعد ہلکی ہو گئی یعنی اول ہجرت میں جب کہ صحابہ کم اور محدود تھے۔ اس وقت آپ قراءت لمبی کرتے تھے۔ بعد میں جب صحابہ کرام تعداد میں زیادہ ہو گئے اور ان میں کام کاج والے۔ تجارت و زراعت پیشہ اور ضعیف و بیمار لوگ بھی شامل ہو گئے تو آپ نے قراءت ہلکی کر دی۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ عبارت کا معنیٰ یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قراءت دراز کرنے کے باوجود صحابہ کرام اسے ہلکی اور مختصر خیال کرتے تھے۔ اس ذوق و حضور و لذت کے باعث جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سننے سے حاصل ہوتی تھی کہ آپ کی قراءت تھوڑے سے وقت میں زیادہ اور جلدی معلوم ہوتی تھی۔ حدیث انس میں اس معنیٰ کی تصریح بھی موجود ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَفَّ صَلٰوةً فِي تَمَامٍ یعنی کمل قراءت کے باوجود آپ کی قراءت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ کا معمو

نماز بھی دوسروں کی نمازوں کے مقابلے میں بہت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے جس کا ذکر ہوا۔ (یعنی ذوق و لذت کی بنا پر) اور کسی چیز کا ہلکا ہونا ایک اضافی امر ہے۔ (اسے سمجھو)

۴۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ[1] أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ[2]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر میں وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ پڑھتے سنا۔ (مسلم)

[1] عمرو بن حریث۔ حریث حا کی پیش را کی زبر بعد ثا۔ آپ کی کنیت ابو سعید ہے قرشی مخزومی ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ نے ان کے سر مبارک پر اپنا دست پاک پھیرا تھا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ بارہ سال کے تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے عطا بن السائب وغیرہ

[2] اور سورۃ اذا الشمس کورت ہے جس میں یہ کلمہ آیا ہے۔

۴۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ[1] قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ[2] فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ أَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ[3] فَرَكَعَ[4]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں نماز پڑھائی۔ سورۃ مومنون شروع کی حتیٰ کہ موسیٰ و ہارون یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی آگئی تو رکوع فرما دیا۔ (مسلم)

[1] عبداللہ بن السائب صحابی ہیں مخزومی ہیں۔ اہل مکہ نے قراءت ان سے سیکھی۔ اور انہوں نے ابی بن کعب سے۔ ان سے مجاہد عطا نے۔ اور عبداللہ بن السائب جو تابعی ہے وہ دوسرا شخص ہے۔

[2] یعنی مکہ معظمہ میں صبح کی نماز۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے فتح مکہ کے دن۔ اور آپ نے سورۃ قد افلح المومنون پڑھنا شروع کی۔

[3] سَعْلَة سین کی زبر اور پیش اور عین ساکن کے ساتھ یعنی کھانسی۔ کہتے ہیں یہ کھانسی گریہ کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔

[4] اور آگے قراءت نہ کرسکے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمٓ تَنْزِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں آلٓم تنزیل اور دوسری میں ھل أتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

ان دو سورتوں کا جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پڑھنا شافعیہ کے نزدیک متعارف، ضروری اور ہمیشہ کا دستور ہے حرمین شریفین میں بھی ان کا عمل اسی پر ہے۔ احناف کی کتب میں مذکور ہے کہ نماز کے لیے قرآن میں سے کوئی جگہ متعین نہ کرے اور وہ اسی روایت کو مثال میں پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جیسے ان دو سورتوں کا تعین فجر جمعہ کے لیے اور سورہ جمعہ اور منافقون کا تعین نماز جمعہ کے لیے ہے۔ مگر یہ بات صحت حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد غرابت سے خالی نہیں ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے طحاوی اور اسبیجابی سے نقل کیا کہ یہ (تعین کرنا) اس صورت میں ٹھیک نہیں جب کہ وہ اسے لازم و ضروری خیال کرے اور اس کے ماسوا کو مکروہ جانے اور اگر آسان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے۔ تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ ان سورتوں کے علاوہ اور کسی سورت کا پڑھنا جائز ہی نہیں اور یہ تحقیق بات ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض نمازوں کے لیے قرأت کی تعیین آچکی ہے۔ جیسے قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد فجر کی سنتوں میں۔ اور سبح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کا وتر نماز میں پڑھنا وغیرہ۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ دلیل کا مقتضا عدم مداومت ہے مداومت عدم نہیں۔ جس طرح کہ حنفیہ حصر کرتے ہیں بلکہ مستحب ہے کہ گاہ بگاہ وہ سورتیں بھی تبرک کا بالماثور (منقول دوسری چیز) سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے (ابن الہمام کا کلام ختم ہوا)

بندۂ ضعیف (عبدالحق) عفا اللہ عنہ کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد وجوب کا وہم پڑھنے کا عذر اور عدم صحت وغیرہ سب نامناسب باتیں ہیں۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عمل دائماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ڈرانے اور بشارت دینے کے ارادے سے آپ نے یہ سورتیں پڑھی ہیں جیسا کہ وہاں ان دو سورتوں کے پڑھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورتیں مبداء معاد اور دخول جنت و دوزخ کے معانی پر مشتمل ہیں۔ یہ معانی روز جمعہ میں پائے جائیں گے اور قیامت جمعہ کے دن قائم اور ظاہر ہوگی۔ چنانچہ محافل اور بڑے بڑے مجلس میں اسی طرح قرأت پڑھتے تھے۔ پس اگر کبھی کبھی انہیں پڑھ لیں تو بہتر اور افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۱ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ بنایا۔ اور خود مکہ معظمہ چلا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ پڑھی اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھتے سنا۔ (مسلم)

۱۔ حضرت عبید اللہ بن ابی رافع مدنی ہیں مشہور تابعی ہیں سا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک سنی۔ آپ حضرت امیر المومنین کے کاتب بھی تھے۔ اور ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲۔ یعنی مروان بن الحکم نے اپنی امارت کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بنایا اور خود حج وغیرہ کے لیے مکہ معظمہ چلا گیا۔

۸۲ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَاَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے۔ (مسلم)

۱۔ نعمان بن بشیر بارگاہ رسالت کی زینت صحابی ہیں۔ انصار مدینہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔ ان کے حالات دوسری جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

۲۔ اس حدیث سے نماز عید و جمعہ میں ان دو سورتوں کے پڑھنے کے استحباب کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کا جمعہ میں پڑھنا ہمیشہ نہ تھا۔

۸۵۳ وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔

حضرت عبید اللہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید بقر و عید الفطر میں کونسی سورتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ دونوں میں آیت ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ پڑھتے تھے۔

(مسلم)

لہ یعنی حضرت عبید اللہ بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ تابعی اور امام ہیں مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت ابو واقد لیثی بھی صحابی ہیں۔

۲ہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حضرت ابو واقد لیثی سے دریافت کرنے کا مقصد حاضرین کے ذہن میں مسئلے کو بٹھانا تھا تاکہ سب کو پتہ چل جائے۔ ورنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت قریب ہونے کے باوجود اس سے بے خبر رہنا بعید سی بات ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد پڑھیں۔

(مسلم)

لہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب فجر کی دو رکعتیں یا مغرب کی دو رکعتیں کہتے ہیں تو اس سے سنت مراد ہوتی ہے فرض سے پہلے صلوٰۃ فجر اور صلوٰۃ مغرب کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

۸۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا اور آل عمران والی آیت قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم پڑھتے تھے۔

(مسلم)

سلہ۔ یہ دونوں آیات سورۃ بقرہ کی ہیں۔
سلہ۔ یہ آل عمران کی آیت ہے اور اسے دوسری رکعت میں آپ پڑھتے تھے۔
سلہ۔ ظاہر یہ ہے کہ ان دو آیات کو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے۔ غالب و اکثر آپ فجر کی سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کا پڑھنا خصوصاً اوساط میں سے مکروہ نہیں ہے۔ اگر کراہت ہے تو فرائض میں ہوگی۔ مگر حق یہ ہے کہ جو چیز پایہ ثبوت اور درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ اگر اس بارے میں گفتگو کی کوئی گنجائش ہے تو وہ اس کے ثبوت وصحت میں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۷۸۶/۲۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلٰوتَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع[1] کرتے تھے (ترمذی) اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔

سلہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنا مراد ہوگا ورنہ بسم اللہ شریف کے ساتھ نماز کے شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں صراحۃً بھی آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ مگر ترک جہر کی احادیث زیادہ صحیح اور راجح ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

۷۸۷/۲۳ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارَمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت وائل بن حجر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو کہا آمین اپنی آواز کھینچ کر۔[2]
ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی
ابن ماجہ

سلہ۔ حُجر حا کی جیم پر تقدیم کے ساتھ اور کبھی جیم کی حا پر تقدیم کا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے شیخ اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ یاد رکھنے کے لیے دل میں حجرہ کا لفظ یاد رکھا کرو۔

۵ یعنی آپ آمین کے ساتھ آواز دراز کرتے تھے۔ اس سے یہ احتمال بھی ہے کہ آپ آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ الف لمبا کر کے پڑھتے تھے کہ یہ زیادہ فصیح ہے۔ مگر دوسری روایات جو اور جگہ آئی ہیں ان کے مطابق پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رفع بہا صوتہ یعنی آپ آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔ یہ الفاظ آمین کے جہر میں صریح ہیں بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ آپ اتنی بلند آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف والوں کو سناتے تھے تو آمین کی آواز سے مسجد لرز اٹھتی تھی۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صف اوّل میں جو لوگ آپ کے قریب ہوتے تھے وہ اسے سنتے تھے۔ بعض روایات میں آمین پست آواز میں کہنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ علماء نے ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یہ بیان کی ہے کہ آہستہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ چیخنے کی حد تک بلند نہ کرتے تھے یعنی جہر میں حد سے نہ بڑھتے تھے اور بلند آواز سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ صف اوّل میں جو لوگ قریب ہوتے تھے وہ سن لیتے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔

۶ واضح ہو کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا امام ہو یا مقتدی اگرچہ امام آمین نہ بھی کہے مقتدی کو کہنی چاہیے اور سری نماز میں امام کی قرات سن لینے کی صورت میں مقتدی کے لیے آمین کہنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آمین کہے ظاہر حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے۔ بعض کے نزدیک نہ کہے کہ سری میں جہر و سماع کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ابن الہمام کی شرح ہدایہ میں آیا ہے۔

آمین اونچی آواز سے کہنے کی بھی احادیث آئی ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہی ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق مطلقاً جہر نہ کرے تاہم جہر میں احادیث زیادہ تعداد میں اور صحیح تر آئی ہیں۔ بعض علماء نے عدم جہر میں بھی حدیث کی صحت کی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں پوشیدہ کرے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین اور سبحانک اللھم وبحمدک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جہر و اخفا دونوں پر عمل ہوا ہو یعنی کبھی جہر سے اور کبھی اخفا سے۔ واللہ اعلم۔

۷۸۹ وَعَنْ اَبِیْ زُهَیْرِ النُّمَیْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِی الْمَسْئَلَةِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ

حضرت ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات باہر نکلے تو ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو دعا کرنے میں بہت مبالغہ کر رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے مہر لگا دی تو واجب کر لی۔ قوم میں سے ایک شخص نے کہا کس چیز سے مہر لگائے

قَالَ بِاٰمِیْنَ ۔ فرمایا آمین سے۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد)

لہ زہیر زا کی پیش اور ہا کی زبر کے ساتھ۔ النمیری نون کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ ان کا نام یحییٰ بن نفیر قاف کے ساتھ ہے۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث آمین میں ہے۔ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور کہا اس حدیث کا اسناد قائم نہیں۔

ٹہ یعنی قبولیت و اجابتِ دعا۔ اور حصول مراد۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر اس سے دعا مکمل و پوری کرلی۔ پہلا معنی حدیث "آمین خاتم رب العالمین" (آمین رب العالمین کی مہر ہے) کے زیادہ مناسب ہے کہ یہ آمین آفات و بلیات کو دور کرتی ہے۔ جیسے خط کو مہر کے ساتھ محفوظ کرلیتے ہیں یا ہر چیز کو جس پر مہر لگادی جائے کہ اس میں خرابی حاصل نہ ہو اور اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نہ آسکے۔

ٹہ آمین مہر کی طرح ہے اور اس کے ساتھ دعا کامل و تمام ہو جاتی ہے۔

$\frac{789}{25}$ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْمَغْرِبَ بِسُوْرَۃِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَھَا فِی الرَّکْعَتَیْنِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔ یہ سورت آپ نے دو رکعتوں میں تقسیم کردی لہ

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ) (نسائی)

لہ اس میں شک نہیں کہ وقت مغرب میں اتنی گنجائش درست ہے کہ یہ سورت اس میں پڑھی جاسکے۔ خصوصاً جب کہ شفق سفیدی کا نام ہو یا اس بنا پر آپ نے اتنی لمبی سورت پڑھی کہ آپ کی قرات میں سرعت و تیزی پائی جاتی تھی اور آپ کم وقت میں زیادہ تلاوت کرلیتے تھے اور اس میں شوق و رغبت میں بھی ترقی ہوتی رہتی تھی۔ بعض شافعی حضرات نے یہاں فرمایا کہ اگر مغرب کا وقت نکل بھی جائے تو کوئی حرج نہیں رکہ صحت نماز کے لیے ٹھیک وقت میں شروع کرنا کافی ہے۔ بعض شافعیہ علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے سورۃ کا کچھ حصہ مراد ہے۔ اور بخاری ابوداؤد اور نسائی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سورۃ اعراف پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ اس تفصیل کے بغیر کہ ایک رکعت میں یہ سورت پڑھی یا اسے دو رکعت میں تقسیم کیا۔ اور ایک روایت میں سورۃ مائدہ و سورہ اعراف پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

$\frac{790}{26}$ وَعَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ کُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

حضرت عقبہ لہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی

سَلَّمَ نَاقَتَہٗ فِی السَّفَرِ فَقَالَ لِیْ یَا عُقْبَۃُ اَلَا اُعَلِّمُکَ خَیْرَ سُوْرَتَیْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِیْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ یَرَنِیْ سُرِرْتُ بِہِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ صَلّٰی بِہِمَا صَلٰوۃَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا عُقْبَۃُ کَیْفَ رَاَیْتَ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ

مبارک کی مہار کھینچ رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے عقبہ کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں۔ آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائی۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان دو سورتوں کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا۲۔ جب نماز صبح کے لیے اترے تو انہیں دو سورتوں سے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا۳۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے بعض صحابہ جیسے جابر و ابن عباس اور تابعین سے بے شمار لوگ روایت کرتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عقبہ بن ابی سفیان کے بعد حضرت معاویہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے

۲؎ یعنی ان دو سورتوں کے بہترین ہونے پر آپ نے مجھے زیادہ خوش نہ دیکھا بلکہ بالکل خوش نہ دیکھا کیونکہ یہ دو سورتیں توحید کے اثبات اور صفات کمال کی تنزیہ پر مشتمل نہیں ہیں جس طرح بعض دوسری سورتیں مشتمل ہیں۔ پھر ان کے مقابلے میں بعض دوسری سورتوں کی افضلیت اور عظمت بھی وارد ہو چکی ہے۔ جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ

۳؎ یعنی تو نے ان دو سورتوں کی شان و فضیلت دیکھی کہ کس قدر زیادہ ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ کے اندر ان دو سورتوں کی شان و فضیلت میں بعد محسوس کیا تو نماز فجر میں ان کی تلاوت فرمائی جو کہ کئی وجوہ سے فاضل ترین نماز ہے اور اس میں قراءت دراز کرنا بھی مستحب ہے مگر آپ نے ان دو سورتوں کی تلاوت فرمائی تاکہ لوگ ان کی خیریت و افضلیت سے آگاہ ہو جائیں۔ علماء نے کہا ہے کہ ان دو سورتوں کی افضلیت باب تعوذ میں ہے مطلق افضلیت نہیں ہے اس لیے آپ نے انہیں سفر میں پڑھا جو آفات و خطرات کا محل و موقعہ ہے لفظ قُرِئَتَا اس معنی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

۱۲؎ وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِیْ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ قُلْ یٰاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ وَ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں سورہ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔

اَحَدٌ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ۔

(شرح سنۃ) اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی مگر انہوں نے شب جمعہ کا ذکر نہ کیا۔

سلہ اور جمعہ کی رات کی قید ذکر نہ کی بلکہ مطلق روایت کیا آپ نماز مغرب میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے اور لیلۃ الجمعۃ والی حدیث بھی صحیح ہے۔ کذا فی شرح الشیخ

۴۹۲/۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اُحْصِيْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی سنتوں اور فجر سے پہلے سنتوں میں یاایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرۃ سے روایت کیا۔ مگر انہوں نے بعد مغرب کا ذکر نہ کیا۔[1]

سلہ اگرچہ ابن عمر نے گذشتہ حدیث میں اسے روایت کیا۔

۴۹۳/۲۹ وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ

حضرت سلیمان بن یسار سے وہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ نے کہا میں نے کسی کے پیچھے ایسی نماز نہ پڑھی جو زیادہ مشابہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بمقابلہ فلاں آدمی کے سلیمان نے کہا میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں دراز کرتے تھے اور آخری رکعتیں ہلکی اور عصر ہلکی پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں وسط مفصل۔ اور

فِی الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ اِلٰی وَیُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

صبح میں طوال[۵] مفصل۔ نسائی اور ابن ماجہ نے یہاں تک روایت کی کہ عصر ہلکی پڑھتے تھے۔

لے حضرت سلیمان بن یسار کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲ے شارحین حدیث فرماتے ہیں فلاں سے وہ شخص مراد ہے جو مروان بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بعض نے کہا وہ فلاں آدمی حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک یا دو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ہاں اس قسم کی بات حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی شان میں کہی ہے۔ جیسا کہ باب الرکوع میں آرہا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے۔ بعض نے کہا فلاں سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے عمرو بن سلمہ بن نفیع مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی قوم کے امام تھے۔

۳ے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۴ے اس طرح کہ آخری دو رکعت ظہر میں سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے تھے۔ یا اگر پڑھتے تھے تو چھوٹی سورت پڑھتے تھے مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز کی قراءت لمبی کرتے تھے۔

۵ے نماز ظہر کے لیے طوال مفصل کا لفظ استعمال نہ فرمایا بلکہ مجملاً اتنا فرمایا کہ ظہر کی قرارت دراز کرتے تھے اور عصر کے لیے تخفیف (ہلکی) کا ذکر فرمایا۔ یہ تفصیل بیان نہ کی کہ اس (عصر) میں قصار (بالکل مختصر) سورتیں پڑھتے تھے یا اوساط یعنی درمیانی پڑھتے تھے۔

آج (شیخ عبد الحق کے زمانہ میں) معمول و مقرر یہ ہے کہ ظہر و فجر میں طوال مفصل عصر و عشاء میں اوساط سورتیں پڑھی جاتی۔ واضح ہو کہ قول مشہور کے مطابق مفصل سے سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں مراد ہیں۔ ان کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بسملہ کے ساتھ ایک دوسری سے علیحدگی زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کو مفصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نسخ کم ہے اور یہ تین قسم ہیں۔ طوال (لمبی) اوساط (درمیانی) قصار (چھوٹی) حجرات سے بروج تک طوال ہیں۔ بروج سے والضحیٰ تک اوساط ہیں۔ اور والضحیٰ سے آخر قرآن تک قصار ہیں۔ فصل اول میں اس بارے میں قدرے گفتگو ہو چکی ہے۔

۸۲۲ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نماز فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ آپ نے قراءت کی تو آپ پر قراءت بھاری[۱]

عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔

ہو گئی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے تلاوت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُولُ مَالِي يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَءُوا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ

ابوداؤد و ترمذی اور نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں دل میں سوچتا تھا کہ مجھ پر قرآن کیوں بھاری پڑ رہا ہے۔ لہٰذا جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو الحمد کے سوا کچھ نہ پڑھو۔

۱؎ اور اس کا پڑھنا مشکل ہو گیا۔

۲؎ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ لفظ فرمائے کہ شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو۔ یوں نہ فرمایا کہ میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ اس انداز کلام سے اس جانب اشارہ فرمایا کہ مقتدی کی اقتداء اس کا نام ہے کہ وہ خاموشی اختیار کرے اور اپنے امام کی قرأت پر کان لگائے چاہے میں امام ہوں یا کوئی اور۔ ثقل قرأت اور اس کی دشواری کا بظاہر سبب قارئین کی آوازوں کا اشتراک دکھائی دیتا ہے جو دقت اور خاطر شریف کے التفات کی تشویش کا موجب بنا۔ واللہ اعلم۔ تاہم قول مبارک لعلکم تقرءون۔ اس معنی کے منافی ہے۔ کہ یہ تشویش جہر کی صورت میں لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ یہاں یقینی ہے تو پھر لفظ لعل کیوں استعمال فرمایا۔ بنا بریں علماء نے کہا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثقل و بوجھ کا سبب وہ تاثر ہو جو اس نقص سے پیدا ہوا جو مقتدیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے وقت خاموش نہ رہنے اور کان لگا کر نہ سننے سے لاحق ہوا اور کامل بھی کبھی کبھی ناقص کے نقص سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں گزرا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کی قرأت میں رک گئے اور اس رکاوٹ کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ میرے پیچھے کچھ لوگ ایسے کھڑے ہوتے ہیں جو وضو اچھی طرح نہیں کرتے اور آداب کا پوری طرح خیال نہیں رکھتے۔ اور جب آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ پڑھتے ہو تو لوگوں نے کہا ہاں الی آخرہ۔

۳؎ اس حدیث کا ظاہر سورۃ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتا ہے۔ اس کا جواب پیچھے ذکر ہو گیا۔

۴؎ یعنی دل میں۔

۵؎ یعنی میرے لیے قرآن میں کشمکش محسوس ہوتی ہے اور میرے لیے اس کی قرأت آسان نہیں ہو رہی پھر مجھے

معلوم ہوا کہ اس کا سبب تم لوگوں کا میرے پیچھے الگ الگ اپنی تلاوت کرنا ہے۔
سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اذا جہرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی سری نماز میں پڑھ لیں تو جائز ہے اس کی تفصیل آئندہ احادیث کی شرح میں آرہی ہے۔

۸۹۵/۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَآءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَآءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَهَرَ فِیْهِ بِالْقِرَآءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں قراءت اونچی کی جاتی ہے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قراءت کی۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا اسی وجہ سے تو میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قراءت سے باز رہے جن میں قراءت بلند کی جاتی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا۔

مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

سلہ اصل لفظ اُنَازِعُ استعمال ہوا ہے زا کی زبر اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔ اور حدیث اول میں یُنَازِعُنِی القرآن کا لفظ پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

۸۹۶/۳۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَیَاضِیِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْهِ بِهٖ وَلَا یَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ اَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر اور بیاضیؔ سلہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو چاہیے کہ غور کرے کہ اس سے کیا مناجات کرتا ہے اور چاہیے کہ تمہارے بعض بعض پر قرآن اونچا نہ پڑھیں سلہ (احمد)

سلہ بیاضی باکی زبر یا مخفف اور ضاد معجمہ کے ساتھ بیاضہ بن عامر بن زریق کی طرف منسوب ہے۔ ان کا نام

عبداللہ بن جابر الانصاری الخزرجی البیاضی ہے۔ بیاضی کے لفظ سے مشہور ہیں۔ ان کا نام سے نہیں بلکہ اسی نسبت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

ؔ۲ مناجات کا معنیٰ ہے دو اشخاص کا ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پوشیدہ بات کرنا کہ کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہو سکے۔

ؔ۳ یعنی ذکر و قرآن میں غور کرے۔ اور اس میں غایت حضورِ قلب، تامل، تدبر اور پورے خضوع و خشوع سے کام لے۔

ؔ۴ نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی جب کہ قریب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، یا سویا ہوا ہو، یا کوئی قرآن پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو۔ تاکہ ان کی ایذاء اور تشویش کا موجب نہ بنے اور اس امر پر اجماع ہے کہ مقتدی کے لیے قراءت بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ امام کی قراءت نہ سن رہا ہو۔

۷۹۷/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی ؔ۱ کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب وہ تلاوت کرے تو تم خاموش ؔ۲ رہو۔
(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ؔ۱ تو اس کی موافقت اور متابعت کرنا چاہیے۔

ؔ۲ کہ قراءت میں اس کی موافقت و متابعت یہی ہے۔ اور اس کے ساتھ خود بھی پڑھتے جانا اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے اور اسے تشویش و پریشانی میں ڈالنے والی بات ہے۔

واضح ہو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی کے لیے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ قراءت امام مالک، امام احمد کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی ایک قول میں صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں ان کے نزدیک بھی امام کی قراءت سننا کافی ہے۔ امام احمد کے بعض اہم فقہ کے نزدیک فاتحہ امام کے سکتات میں پڑھے۔ اور ان سکتات کا بیان باب مایقرا بعد التکبیر میں ہو چکا ہے۔ اور ان کے بعض اصحاب کے نزدیک اگر مقتدی بہرہ ہونے کی وجہ سے نہ سنے تو جہری میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اور اگر نہ بھی پڑھے تو اس کی نماز ٹھیک ہو جائے گی کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے قراءت ہوتی ہے اور اس پر قراءت مناسب نہیں ہے۔ اس امام اصل (امام احمد) کے نزدیک محفوظ و معروف یہی ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ سری نماز میں پڑھے نہ جہری میں لیکن ایک روایت میں امام محمد سے اس کا استحباب مروی ہے اور شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) کے نزدیک اس کا پڑھنا مکروہ ہے شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کراہت تحریمی ہے کہ اس بارے میں وعید چکی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ کا قول بھی شیخین کے قول کی طرح ہے۔ امام محمد کی عبارات ان کی کتب میں اس بارے میں بالصراحۃ موجود ہیں۔ اور آثار میں فرمایا وبہ ناخذ۔ ہم اسی کو اختیار کریں گے۔ عامہ آثار و اخبار میں ایسا ہی آیا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے مخفی نہ رہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کیا جائے۔ شیخ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا۔

اور امام محمد کا کلام اس کے مؤطا میں (اس باب میں کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی جائے) اخبار و آثار سے بھرا پڑا ہے واللہ اعلم۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں قرات نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس میں امام و مقتدی دونوں شریک ہیں تھوڑے سے فرق کے ساتھ جس کا امام مالک اور امام احمد نے سری و جہری نماز میں اعتبار کیا ہے۔ اور احناف کی دلیل یہ حدیث ہے کہ من کان لہ امام فقراۃ الامام قراۃ لہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کے لیے قرات ہوگی۔ اور یہ حدیث صحیح ہے بخاری و مسلم کے علاوہ باقی تمام محدثین نے اس کی روایت کی ہے۔ ہدایہ میں کہا وعلیہ اجماع الصحابۃ کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے۔ اس مقام میں غور و تدبر کرو۔

۸۹۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَا یُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا لِیْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰکَذَا بِیَدَیْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے عرض کی میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا آپ مجھے وہ چیز سکھا دیں جو میرے لیے کافی ہو۔ فرمایا یہ کہہ لیا کرو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو اللہ کے لیے ہوا۔ میرے لیے کیا ہے۔ فرمایا یوں کہہ الٰہی مجھ پر رحم کر مجھے امن، ہدایت اور روزی عطا کر۔ پھر اس شخص نے دو ہاتھ بند کر کے ان سے یوں اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ۔ — نے فرمایا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لیے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ — (ابوداؤد اور نسائی کی روایت الا اللہ پر ختم ہو گئی۔

سلہ یعنی قرآن پاک کے بجائے کچھ اور سکھائیں۔

سلہ اس حدیث کو نماز میں قراءت کے باب میں لانے کے قرینہ سے بظاہر یہ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ وہ آدمی قرآن پاک کی اتنی مقدار بھی یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا جس سے نماز درست ہو جائے۔ مگر یہ بات بہت ہی بعید ہے کیونکہ یہ بات ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ایک اعرابی میں کلام کرنے والا شخص اتنی مقدار قرآن یاد کرنے سے عاجز ہو جائے جس مقدار سے کہ نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور اگر انہیں کلمات کی مقدار یا اس سے کچھ زائد قرآن پاک سیکھ لیتا تو کافی تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص ابھی اسلام لایا ہی تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا اتنے وقت میں قرآن پاک یاد کرنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے آپ نے اسے یہ کلمات سکھائے مگر اس سے بھی وہ استبعاد دور نہیں ہوتا۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کا اتنا حصہ یاد کرے جو اس کے لیے ورد کا کام دے اور اس ورد کے ساتھ اپنے اوقات کو معمور رکھے اور یہ واضح ہے کہ قرآن پاک کا بہت سا حصہ ایسا ہے کہ ورد و وظائف کے لیے بہت مناسب ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے اس مقدار کا یاد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات سکھائے کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ خزائن الٰہی میں سے ایک خزانہ ہے تاکہ وہ شخص ان پر مداومت کرے (ہمیشہ انہیں پڑھے) اور روز و شب انہیں اپنا ورد بنائے کذا قالوا۔ واللہ اعلم۔

سلہ کہ حمد و ثنا، تکبیر و تمجید پر مشتمل ہیں۔

سلہ یعنی حضرت حق تعالیٰ سے دعا و سوال جو کہ میرا مدعا اور میری مراد ہے۔

شہ یہ سوال و جواب از روئے انصاف اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مرد نے آپ سے ورد و دعا سیکھنے کی چاہت کی تھی نہ کہ صحت نماز کے لیے قرآن سیکھنے کی طلب کی تھی۔

سلہ یعنی اس شخص نے اشارہ کیا کہ میں نے ان کلمات کو یاد اور محفوظ کر لیا جس طرح کوئی نفیس چیز ہاتھ لگ جائے تو اسے بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنے والا اور انہیں بند کرنے والا بھی وہی آدمی تھا۔ کلام کا ظاہر سیاق بھی اسی میں ہے اور اس کا مؤید ہے راوی کا یہ کلام کہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلہ اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ کرنے والے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور آپ نے اس مرد کو حفظ کی ترغیب اور فرمان کی بجا آوری کے لیے بطور تنبیہ اشارہ کیا ہو اور جب آپ نے دیکھا کہ یہ مرد حفظ کر رہا ہے اور فرمان کی

بجا آوری کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ خیر و برکت سے بھر لیے

ﷺ یعنی ابن کی روایت میں قال یا رسول اللہ سے آخر تک کے الفاظ نسائی کی روایت میں نہیں ہیں۔

۴۹۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلی پڑھتے تو فرماتے ۔ سبحان ربی الاعلی

(احمد، ابوداؤد)

ﷺ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سبح (تسبیح کر) کی بجا آوری کے لیے کلمہ سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے۔

۵۰۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَانْتَهَى إِلَى أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهَى إِلَى أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى فَلْيَقُلْ بَلَى وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ فَلْيَقُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَى قَوْلِهِ وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص والتین والزیتون پڑھے اور الیس اللہ باحکم الحاکمین پہنچے تو کہے ہاں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ۔ اور جو آدمی لا اقسم بیوم القیامۃ پڑھے اور الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی پہنچے تو کہے ہاں اور جو والمرسلات پڑھے اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون پر پہنچے تو کہے ہم اللہ پر ایمان لائے ۔

(ابوداؤد)

اور ترمذی کی روایت اس قول تک ہی ہے کہ میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔ ﷺ

ﷺ اور اس میں لااقسم بیوم القیامۃ والمرسلات صراحتاً ترمذی کی روایت میں نہیں ہے ۔ واضح ہو کہ آیات قرآنی کی تلاوت کے وقت اس قسم کے جوابات بہت ہیں ، شافعیہ کے نزدیک نماز و غیر نماز دونوں حالتیں برابر ہیں ۔ وہ نماز میں بھی جائز رکھتے ہیں ۔ اسی لیے باب القراۃ فی الصلوٰۃ میں اس روایت کو لائے ہیں ۔ ورنہ اس روایت کو باب تلاوت قرآن اور اس کے آداب میں لانا چاہیے تھا احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ جوابات غیر حالت نماز پر محمول ہیں

تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ یہ کلمات بھی قرآن کریم سے ہیں۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی شخص ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے یہ گمان کرے کہ یہ جواب نماز میں ہوتا تھا۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ نفل نماز میں ہوتا تھا فرضی نماز میں نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز ادا کرتے تو آیت رحمت پر جب پہنچتے مگر وہاں رک کر رحمت طلب کرتے اور عذاب کی آیت پر نہ پہنچتے مگر وہاں رک کر عذاب سے پناہ مانگتے اور کسی نے بھی ان نمازوں میں جن میں جہر کیا جاتا ہے فرض نمازوں میں روایت نہیں کیا تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔

۸۰۱/۲۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَاَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَاْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ میں تشریف لائے اور ان کے سامنے اول سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی صحابہ کرام خاموش رہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ سورت شب[۱] جن میں جنات پر پڑھی وہ تم سے اچھے جواب دینے والے[۲] تھے۔ کہ میں جب اس قول پر پہنچتا فبای آلاء ربکما تکذبان[۳]۔ تو کہتے نہیں اے مولا ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ اور تیرے ہی لیے حمد و ثنا ہے۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی وہ رات جس میں جنات میرے پاس آئے اور مجھ پر ایمان لائے اور قرآن سننے کے لیے میرے پاس جمع ہوئے۔

۲؎ یعنی جنات جواب دینے اور اللہ کا فرمان قبول کرنے میں تم سے بہت بہتر تھے۔ یہاں رد کا معنی جواب سلام ہے کہ جواب سلام کو رد سلام کہتے ہیں۔ رَدٌّ کا معنی واپس کرنے کا آتا ہے اور مردود بمعنی رد بھی آتا ہے۔ کہا جاتا ہے رَدَّ رَدًّا وَمَرْدُوْدًا۔ اس کے بعد جنات کے اچھے جواب کا ذکر فرمایا۔

۳؎ یہ انسانوں اور جنات کو خطاب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۱۲ عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمْدًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی نے ان کو خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں اذا زلزلت پڑھی یہ مجھے خبر نہیں کہ آپ بھول گئے یا عمدًا[2] پڑھی۔ (ابو داؤد)

[1] حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی جیم کی پیش اور ہا کی زبر کے ساتھ، تابعی مدنی ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے ان کو اہل مدینہ کے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ ۱۱۸ھ میں وصال فرمایا۔

[2] شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز اور یہ بات بتانے کے لیے کہ ایک ہی سورۃ کو دو رکعتوں میں تکرار کرنے سے بھی اصل سنت ادا ہو جاتی ہے، عمدًا اسے پڑھا۔ شیخ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔

اور ممکن ہے کہ اس مقام نے یہ سورۃ بار بار سنانے کا تقاضا کیا ہو کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو شخص ایک رائی برابر نیک کام کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ اور جو ایک رائی برابر برا عمل کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا) حاضرین کو یہ کلمات بار بار سنانا مفید تھا کہ یہ کلمات وعد و وعید کی انواع کے جامع ہیں اور ان میں غایت تاکید مع اختصار بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی شان میں فرمایا جس نے یہ دو جملے سن کر کہا تھا "میرے لیے یہی دو کلمے کافی ہیں" کہ یہ شخص فقیہہ ہے۔ گویا تمام علم فقہ ان دو جملوں میں درج ہے واللہ اعلم۔

۸۱۳ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عروۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی تو دونوں رکعتوں میں سورۃ بقر پڑھی۔ (مالک)

[1] یعنی حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ قرشی اسدی ہیں۔ اکابر تابعین سے ہیں

اور ثقہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ فقیہ عالم کثیر الحدیث ثبت و ثقہ ہیں۔ ہر عیب سے محفوظ اور صائم الدھر تھے۔ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں وفات ہوئے۔

ؔ۲ یہاں ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سورۃ بقر کو دو رکعت میں تقسیم کر دیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ سے نماز مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔

۸۰۴ وَعَنِ الْفُرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت فرافصہ[1] بن عمیر حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے سورۃ یوسف نہیں یاد کی مگر حضرت عثمان کے فجر میں پڑھنے سے۔ کیونکہ آپ بار بار یہ سورت نماز فجر میں پڑھا کرتے تھے۔

(مالک)

ؔ۱ فرافصہ پہلی فا کے فتح اور دوسری فا کے کسرہ کے ساتھ۔

ؔ۲ بن عمیر تصغیر عمر حنفی یمامہ کے ایک قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف نسبت ہے۔ آپ مشہور تابعی ہیں۔

ؔ۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ایک ہی سورۃ پڑھنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

۸۰۵ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهُ اِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ اَجَلْ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عامر[1] بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے ان[2] دونوں رکعتوں میں نہایت آہستہ آہستہ سورۃ یوسف اور سورۃ حج پڑھی ان سے کہا گیا پھر تو آپ فجر طلوع ہونے کے[3] ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں گے فرمایا ہاں۔

(مالک)

ؔ۱ حضرت عامر بن ربیعہ صحابی ہیں۔ آپ آل خطاب کے حلیف تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے۔ بدر اور اس کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات ہوئے

ؔ۲ بعض نسخوں میں لفظ فیہا آیا ہے یعنی نماز صبح میں۔

ؔ۳ تاکہ اس قدر لمبی قرأت کی گنجائش ہو سکے۔

سلے اجل بفتحہ ہمزہ و جیم کی فتح کے ساتھ، یہ کلمہ تصدیق ہے۔ اور نعم یعنی ہاں کے معنی میں آتا ہے۔

۸۹۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيرَةٌ وَّلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔

رَوَاهُ مَالِكٌ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں مفصل کی کوئی چھوٹی بڑی سورۃ ایسی نہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہ سنی ہو جس سے آپ فرض نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔

(مالک)

۸۹۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔

رَوَاهُ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا

حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں حٰمٓ الدخان پڑھی۔ نسائی نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا۔ (کیونکہ عبداللہ بن عتبہ تابعی ہے)

(اشعۃ اللمعات)

سلہ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ مدنی الاصل ہیں۔ مگر کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ زمانہ نبوت کو پایا عقیلی نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا مگر غلط کیا۔ آپ صحابی نہیں بلکہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

بَابُ الرُّكُوْعِ

رکوع کا باب

لغت میں رکوع کا معنی ہے پشت کو خم کرنا۔ کہتے ہیں رکع الشیخ بڑھاپے کی وجہ سے بوڑھے کی پشت خم ہو گئی۔ رکوع نماز بھی اسی معنی سے ہے۔ رکوع بمعنی نماز بھی آیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں رکع المصلی یعنی نمازی نے نماز پڑھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۸۹۵ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور

وَ السُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرٰىكُمْ مِنْ بَعْدِیْ ۔

سجدے پورے اور ٹھیک کرو۔ خدا کی قسم میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) (بخاری و مسلم)

سلہ جیسا کہ سنت میں آیا ہے اور باب صفۃ الصلوٰۃ میں گزرا۔

سلہ یعنی تم لوگ جو کچھ کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں اس کی شرح باب صفۃ الصلوٰۃ کی تیسری فصل میں گزری۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں۔

۹۸ وَ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ سُجُوْدُهٗ وَ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِیَامَ وَ الْقُعُوْدَ قَرِیْبًا مِّنَ السَّوَآءِ ۔

حضرت براء سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان کی نشست اور جب رکوع سے سر اٹھاتے سوائے قیام اور بیٹھنے کے قریباً برابر تھا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور جب آپ غیر قیام کے لیے کہ جس میں قرات کرتے تھے اور سوائے اس بیٹھنے کے جو تشہد کے لیے تھا سب قریب قریب برابر ہوتے تھے یعنی وہ قیام جس میں آپ قرات کرتے تھے بے شک لمبا ہوتا تھا اور قعود (بیٹھنا) جس میں آپ التحیات پڑھتے تھے بھی لمبا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ باقی ارکان رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ سب برابر اور مقدار میں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے تھے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام و قعود بھی رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کے برابر ہوتا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ قیام لمبا کرتے تو ان ارکان کو بھی عام اوقات و حالات سے دراز کرتے اور جب قیام میں تخفیف کرتے تو ان ارکان میں بھی تخفیف کرتے اور نماز کے تمام ارکان متناسب اور متشابہ واقع ہوتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ رکوع و سجود قیام و قعود کے برابر ہوتا تھا۔ ہاں نماز خسوف اور کسوف میں واقع ہوا ہے کہ رکوع و سجود قیام کے برابر ہوتا تھا شارحین نے اس کی بھی یہی تاویل اور اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اس کلام کا باقی ماندہ حصہ فصل ثالث کی پہلی حدیث یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان شاء اللہ تعالیٰ آ جائے گا۔

۹۹ وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ یَسْجُدُ وَ یَقْعُدُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے تو کھڑے رہتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہو گیا پھر سجدہ کرتے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہو گیا۔ (مسلم)

سلہ اوہم ہمزہ اور ہا کی زبر اور واو ساکن کے ساتھ یعنی آپ کھڑے رہتے اور بہت دیر کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ آپ نے پہلی رکعت ترک کر کے از سر نو قیام شروع کر دیا ہے۔ بعض نے اس لفظ کی تفسیر نسیان سے کی ہے مگر اس تفسیر میں لغت کے اعتبار سے کلام و اعتراض ہے۔

۸۴ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ یَقُوْلَ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ یَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ الفاظ زیادہ کہتے تھے۔ الٰہی اے ہمارے رب تو پاک ہے تیری حمد ہے خدایا مجھے بخش دے۔ قرآن پر عمل کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ یعنی آپ اس تسبیح و استغفار سے قرآن کی مراد بیان کرتے تھے کہ قرآن میں فرمایا فسبح بحمد ربک واستغفرہ کہ اس آیت میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں یعنی رکوع و سجود میں کیونکہ خضوع و خشوع کے لحاظ سے رکوع و سجود سب سے اعلیٰ حالت ہے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رکوع و سجود کے علاوہ بھی تسبیح و استغفار کرتے تھے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ تسبیح و استغفار و ذکر کا سلسلہ آخر عمر شریف میں زیادہ تر سورہ اذا جاء نصر اللّٰہ کے بعد شروع ہوا۔

۸۵ وَ عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الرُّوْحِ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجدہ میں کہتے تھے۔ پاک ہے بے عیب ہے فرشتوں اور روحوں کا رب ہے۔ (مسلم)

سلہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں طہارت و تنزیہ کے لیے لائے گئے ہیں پیش و فتح دونوں طرح پڑھے جاتے ہیں مگر پیش سے پڑھنا اکثر ہے۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل ہیں کہ انہیں روح الامین بھی کہتے ہیں بعض

کہتے ہیں روح اس فرشتے کا نام ہے جو ارواح پر مقرر ہے یا روح سے جنس ارواح انسانی مراد ہے ۔ بعض کہتے ہیں روح ملائکہ سے الگ اور ان سے بڑی مخلوق کا نام ہے ۔

۸۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا وَسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو مجھے رکوع اور سجدے میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے ۔ رکوع میں رب کی تعظیم کرو اور سجدہ میں دعا میں کوشش کرو کہ وہ دعائیں قبولیت کے لائق ہیں ۔ (مسلم)

لہ یعنی حق تعالیٰ عزّ اسمہ نے نماز کی ہر ہیئت کو ایک خاص قسم کے ذکر کے ساتھ مخصوص کیا ہے ۔ چنانچہ ہیئت قیام کو جو اول اور اعظم اور خدمت میں زیادہ دخل رکھتی ہے قرآن سے مخصوص فرمایا جو علی الاطلاق اعظم اذکار اور افضل ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس تعیین و تخصیص کے بعد اب اس امر کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ اس کی خلاف ورزی کی جائے ۔ اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرے گا تو وہ حرام یا مکروہ ہے اور یہ عبادت سے متعلق ایک امر و حکم ہے کہ ہماری عقل اس کی (حکمت) کا ادراک نہیں کر سکتی ۔

اور بعض لوگ اس کی حکمت و علت بھی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رکوع و سجدہ کی ہیئت خضوع و تذلل اور خاکساری کی حالت ہے ۔ اس لیے نہی کر دی کہ کتاب کریم و عالی اور عظیم الشان ہے اس حالت میں اس کی تلاوت نہ کی جائے علامہ طیبی نے خطابی سے نقل کیا کہ گویا مکروہ جانا کہ خلق و خالق کا کلام ایک حالت میں جمع کیا جائے اور دونوں کو برابر کر دیا جائے ۔ اگرچہ دونوں نکتے قیل و قال سے خالی نہیں ہیں مگر حقیقت امر یہی ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس کے حکم عبادت کی بجا آوری کی جائے ۔ اور اس بحث میں نہ پڑا جائے کہ اس میں کیا حکمت و علت ہے ۔ ع

زبان تازہ کردن باقرار تو ۔۔۔ نہ انگیختن علت از کار تو

ہر چہ نماید کہ بکن آن بکن ۔۔۔ ہر چہ بگوید کہ مگو آن مگو

ترجمہ : ۔ ہمیں یہ چاہیے کہ تیرے ذکر سے اپنی زبان تازہ رکھیں نہ یہ کہ تیرے کام میں علت تلاش کرتے پھریں ۔

جس چیز کے بارے میں وہ کہے کہ کر تجھے وہ کرنا چاہیے اور جس چیز کے بارے کہے کہ نہ کہہ تو وہ بات زبان پر نہ لا ۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے رکوع و سجدہ میں قرآن پڑھ لیا تو اس کا کیا حکم ہے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

سمجھ میں یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی اور سبب کہ رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع فرمادیا تو اس حالت کے لیے وظیفہ عبادت کی بھی تعیین کردی۔ اور فرمایا فاما الرکوع الی آخرہ۔

سے اور اس کی عظمت کا مشاہدہ کرو جو قرب و تذلل کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ اسی وجہ سے رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھتے ہیں۔

سے کیونکہ حالت سجدہ میں خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ دعا دو قسم ہے۔ ایک وہ دعا جو ثنا، تحمید، تکبیر، تقدیس پر مشتمل ہے کہ بندہ پڑھتا ہے اور پروردگار تعالیٰ و تقدس کی حمد و ثنا اور درگاہ عزت و جلال کی ستایش کرتا ہے۔ دوسری قسم دعائے طلب و سوال ہے کہ بندہ طلب حاجات کے لیے اسے پکارتا ہے، اور اس کی درگاہ رحمت و عطا سے اپنے مقاصد مانگتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں حضرت کریم و وہاب کی مدح و ثنا درحقیقت اس سے طلب و سوال ہے اور جس دعا کا حکم کثرت سے سجدے میں دیا گیا ہے۔ وہ دونوں قسم کی دعا کو شامل ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ حنفیہ جو ذکر پر کفایت کرتے ہیں اور مراد دعا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ وہ بھی دعا کے حکم کی بجا آوری سے فارغ نہیں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ بندہ کو چاہیے کہ تعظیم اور ذکر حق میں مخلص ہو تاکہ وہ حدیث مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَّسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ۔ ترجمہ۔ جسے میرے ذکر نے میرے سوال سے روک رکھا میں اس کو سوال کرنے والوں سے افضل اور بڑھ کر دیتا ہوں) کے مطابق اعظم و اعلیٰ عطا سے فائز ہو۔

اور جمع و تطبیق کی حقیقت یہ ہے کہ نوافل میں صریح دعا کے ساتھ حکم کی بجا آوری کرے اور فرائض و تسبیحات پر کفایت کرے جیسا کہ بعض محققین حنفیہ نے کہا ہے۔

۸۴۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَاِنَّہٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم اللھم ربنا لک الحمد کہو کہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

لہ باب القراۃ فی الصلوٰۃ کی فصل اول میں اس بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۵/۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَھْرَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد ملأ السموات وملأ الارض وملأ ما شئت من شیء بعد۔

(مسلم)

لہ یہ حضرت عبداللہ اور ان کے باپ دونوں صحابی ہیں۔ حدیبیہ اور خیبر میں شریک ہوئے اور یہ آخری صحابی ہیں جو کوفہ میں ۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

سلہ یعنی اتنی مقدار بھرنے کے ساتھ جو تو اس کے بعد ممکنات معدومہ کو پیدا کرے گا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام تسبیح و تحمید دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اس میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۶/۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر زمین بھر کر اور اسکے سوا جو چیز تو چاہے وہ بھر کر۔ تعریف و بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے اس کا تو حقدار ہے، ہم سب تیرے بندے ہیں۔ الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ تیرے مقابل کسی دولتمند کو دولتمندی فائدہ نہیں دے سکتی۔

(مسلم)

لہ بعض روایات میں ولا راد لما قضیت بھی آیا ہے یعنی اس چیز کو کوئی رد نہیں کر سکتا جسے تو کسی کے مقدر

کم کر دے۔

۲ جد بمعنی بخت و مال و دولت اور تونگری اور بے نیازی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بعض جد سے دادا مراد لیتے ہیں یعنی اے اللہ تیرے نزدیک عمل اور تیرا فضل فائدہ دیتا ہے نسب فائدہ نہیں دیتا۔ ایک روایت میں جد جیم کی زیر سے بھی آیا ہے۔ یعنی کوشش اور دنیا کی حرص اور دنیا کا مال و متاع جمع کرنا۔ یا بمعنی تیرے عذاب سے بھاگنا۔ یعنی بندے کی کوشش۔ اس کی دنیا کی حرص۔ اور مال و متاع جمع کرنا تیرے مقابلے میں کچھ نفع نہیں دے سکتا یا تیرے عذاب سے بھاگنا کچھ نفع نہیں دیتا۔

۸۱۱ وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَّبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت رفاعہ بن رافع[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا آپ کے پیچھے ایک شخص نے کہا ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا[۲] مبارکا فیہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے بہت طیب[۳] برکت والی حمد جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے وہ بولا میں تھا آپ نے فرمایا میں نے چند اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے ہیں کہ پہلے کون لکھے[۴]۔

(بخاری شریف)

۱ حضرت رفاعہ بدری ہیں۔ انصاری صحابی ہیں۔ ان کے باپ نقباء انصار میں سے ہیں ۴۱ھ میں فوت ہوئے۔
۲ یعنی شرک اور شائبہ ریا سے پاک حمد
۳ یعنی اخلاص و حضور کی بدولت ہر آن بڑھنے اور زیادہ ہونے والی۔
۴ یعنی ان کلمات کی فضیلت و عظمت اور ان کی قبولیت کی وجہ سے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۸۱۲ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ

حضرت ابن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ رکوع و سجود

ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ ۔ یا اپنی پشت سیدھی نہ کرے۔

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ (ابوداؤد، ترمذی)

وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ (ابن ماجہ دارمی)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ہے، بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے۔ ان کو بدری کہا گیا ہے۔ جمہور اس پر ہیں کہ ان کو بدری اس لیے کہتے ہیں کہ سکونت بدر میں تھی نہ اس بنا پر کہ یہ غزوہ بدر میں شریک تھے، کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یہ حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر معنی پر محمول ہے کہ قومہ و جلسہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک کہ وہ قومہ و جلسہ کو سنت قرار دیتے ہیں یہ حدیث تشدید و مبالغہ پر محمول ہے یعنی قومہ و جلسہ کی درستی کی تاکید کے لیے آپ نے ایسا فرمایا۔

۸۱۵/۱۷ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُمْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب آیت فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں کر لو اور جب سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں کر لو۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

۱؎ مراد یہ ہے کہ سبحان ربی العظیم رکوع میں اور سبحان ربی الاعلیٰ سجدے میں پڑھو۔

۸۲۰/۱۳ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَذٰلِكَ

حضرت عون بن عبداللہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب

اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَ ذٰلِكَ اَدْنَاهُ - رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ عَوْنًا لَمْ یَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ -

سجدہ کرے اور اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین بار کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ[۲] ہے۔

ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا اس کی اسناد متصل نہیں۔ کیونکہ عون نے ابن مسعود سے ملاقات[۳] نہیں کی۔

[۱] یعنی حضرت عون بن عبداللہ بن مسعود ہذلی، آپ فقیہ ثقہ کوفی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے لڑکے اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے بھائی اور تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ سے احادیث سنی۔ اور ان سے حضرت مسعودی، مسعر و قتادہ اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم نے احادیث سنیں اور کبھی انہیں دادا کی طرف نسبت کر کے عون بن عتبہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ صحابہ کرام سے ان کی غالب و اکثر روایات مرسل ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی روایات مرسل ہیں۔

[۲] علماء نے کہا ہے یہاں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کمال مراد ہے۔ ورنہ اصل کمال صرف ایک بار کہنا ہے۔ تین بار کہنا کمال میں داخل ہے مگر یہ ادنیٰ کمال ہے۔ کمال کا اعلیٰ درجہ پانچ بار یا سات بار کہنا ہے اور انتہائے کمال کے لیے کوئی حد نہیں۔ بعض نے دس بار کہنا اعلیٰ درجہ کمال قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اعلیٰ درجہ اسے قرار دیا ہے کہ اتنی دفعہ پڑھے کہ سہو میں مبتلا ہو۔ بعض نے قریب قیام کی مقدار تک پڑھنے کو اعلیٰ درجہ کمال کہا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کرتے تھے۔ مگر امام کے لیے مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ یہی تفصیل سجدہ کی تسبیح میں کہا ہے۔

[۳] پس اس کے اور ابن مسعود کے درمیان ایک راوی ہے جس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور حدیث منقطع کا معنی مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

۸۲۱ وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَفِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَمَا اَتٰی عَلٰی اٰیَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ

حضرت حذیفہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کہتے تھے اور رحمت کی آیت پر نہ پہنچتے مگر ٹھہر جاتے اور (رحمت) مانگ

وَ سَأَلَ وَ مَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَ تَعَوَّذَ۔

لیتے اور عذاب کی آیت پر نہ پہنچتے مگر ٹھہرتے اور عذاب سے پناہ مانگتے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْدَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَى النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ الْأَعْلَى وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

اسے ترمذی۔ ابوداؤد، دارمی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے الاعلیٰ تک روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ؔ۱ آپ کبار صحابہ میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز ہیں۔ انہیں منافقین کا علم تھا۔

ؔ۲ اور لفظ ما اتیٰ علی آیۃ رحمۃ تا آخر کا ذکر نہ کیا۔

ؔ۳ بعض روایات میں یہ حدیث سورۃ لیل میں آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۲۲ عَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَ يَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَ الْمَلَكُوْتِ وَ الْكِبْرِيَاءِ وَ الْعَظَمَةِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عوف ؔ۱ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا۔ؔ۲ جب آپ نے رکوع کیا تو سورہ بقر کی مقدار ٹھہرے اور رکوع میں پڑھتے۔ؔ۳ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ یعنی پاک ہے غلبہ والا ملکوت۔ بڑائی اور عظمت والا۔

(نسائی)

ؔ۱ آپ صحابی اشجعی ہیں رضی اللہ عنہ۔ اشجع نام مرد کی طرف منسوب ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خیبر میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۳ھ میں فوت ہوئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابر حضرت ابوہریرہ اور حضرت مقدام بن معدیکرب اور بہت سے تابعین نے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

ؔ۲ بعض نے کہا۔ کھڑا ہونے سے آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا مراد ہے۔ اور یہ نماز کسوف میں تھا۔

ؔ۳ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رکوع میں اتنی مقدار رہتے کہ اس میں سورہ بقر پڑھی جا سکتی تھی

جیسا کہ نماز کسوف میں کیا ہے۔ یہاں اس تاویل کی ضرورت نہیں جو رکوع کو قیام کے ساتھ برابر کرنے کے لیے کی جاتی ہے کہ یہ برابری اور صلوات عموماً نماز کسوف میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں فصل اول میں گزر چکا ہے۔

۸۲۳ وَعَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِيْ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوْعَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَ سُجُوْدَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ۔

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جس کی نماز اس جوان (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہم نے ان کو رکوع میں دس تسبیح اور سجدہ میں دس تسبیح کا اندازہ لگایا۔[۲]

(ابوداؤد)
(نسائی)

[۱] جُبَیر جیم کی پیش اور باکی زبر کے ساتھ۔ مراد حضرت سعید بن جبیر ہیں۔ جو تابعین میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری جگہ ماطہ تحریر میں آچکے ہیں۔ اور حجاج ظالم کے ساتھ ان کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ (جو اکمال میں درج ہے)

[۲] یعنی اس وقت ہم لوگ دس تسبیح رکوع میں اور دس تسبیح سجدہ میں کر لیتے ہیں۔ اتنا وقت وہ رکوع اور سجدہ میں صرف کرتے تھے۔ اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بھی یہی تھا۔

۸۲۴ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَ لَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَ اَحْسَبُهُ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت شقیق[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو پورا رکوع و سجود ادا نہ کرتا تھا۔ جب اس نے اپنی نماز مکمل کی تو اسے حضرت حذیفہ نے بلایا اور فرمایا تو نے نماز نہیں[۲] پڑھی۔ راوی کہتا ہے مجھے گمان ہے کہ حضرت حذیفہ نے اسے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرا تو اس طریقہ کے خلاف مرے گا[۳] جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

(بخاری)

[۱] یعنی حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعی ہیں سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ سے جو کبار صحابہ

میں سے ہیں۔ اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دان بھی کہتے ہیں۔ اور آپ منافقین کا علم بھی رکھتے تھے۔

سلہ بظاہر یہ الفاظ ترک طمانیت پر محمول ہیں اور اگر اعتدال کو بھی شامل کر لیں تو بہتر ہے۔

سلہ یعنی یہ نماز صحیح نہیں ہے جو تو نے ادا کی ہے۔

سلہ یعنی اگر تو اس قسم کی نماز سے توبہ کرنے کے بغیر مر گیا تو خلاف سنت اور طریقۂ دین اسلام کے خلاف مر گیا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے۔ اس میں رکوع و سجود کو پورا نہ کرنے پر مذمت میں سخت مبالغہ پایا جاتا ہے۔

۸۲۵/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَۃً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ لَا یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کیا نماز کی چوری کس طرح کرتا ہے؟ فرمایا نماز کا رکوع اور سجدہ پورا اور صحیح نہیں کرتا۔[1]

(احمد)

سلہ تو یہ شخص اس انسان کی طرح ہے جو کسی کے مال کی چوری کرتا ہے۔

۸۲۶/۱۹ وَعَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ مُرَّۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِی الشَّارِبِ وَالزَّانِیْ وَالسَّارِقِ وَذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ تُنْزَلَ فِیْھِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ھُنَّ فَوَاحِشُ وَفِیْھِنَّ عُقُوْبَۃٌ وَاَسْوَءُ السَّرِقَۃِ الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ لَا یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا

(رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَحْمَدُ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ نَحْوَہٗ)

حضرت النعمان بن مرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شرابی، زانی اور چور کے بارے میں کیا کہتے اور رائے رکھتے ہو۔ یہ آپ نے فرمایا ان کے بارے میں حدود نافذ ہونے سے پہلے تھا۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فواحش اور کبیرہ گناہ ہیں اور ان پر گرفت اور سزا ہے اور سب سے بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! نماز کی چوری کس طرح کرتا ہے؟ فرمایا نماز کا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا۔ اسے مالک نے روایت کیا اور دارمی نے اس کی مثل روایت کیا۔

لہ نعمان نون کی پیش اور عین ساکن کے ساتھ ۔مرۃ میم کی پیش اور را کی زبر اور شد کے ساتھ آپ (حضرت نعمان بن مرۃ) تابعی ثقہ ہیں ۔ انصاری ہیں بعض نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے مگر یہ وہم ہے حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں اور ان کی احادیث مرسل ہیں۔

ٹلہ کہ ان کی سزا اور نافرمانی کس نوعیت اور کس درجہ کی ہے۔

سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرابی، زانی اور چور کے بارے میں صحابہ کی رائے دریافت کرنا شراب نوشی، زنا کاری اور چوری کے بارے میں آیات نازل ہونے سے پہلے تھا، ظاہر ارادنکے اس قول و بیان کا فائدہ در بہ سوال کا بیان ہے۔ یا یہ کہ حدود کے نازل ہونے کے بعد قران جو کردہ افعال بد کے تیسیح تر تشنیع تسادر بدتر ہونے میں کوئی تنک و شبہ باقی نہیں رہا۔ واللہ اعلم

کلہ فواحش دراصل ان گناہوں کو کہتے ہیں جو سخت قبیح ہوں اور ان کی بدی حد سے تجاوز کر چکی ہو۔

بَابُ السُّجُوْدِ

باب السجود و فضلہ

سجدہ اور اس کی فضیلت کا باب

یعنی یہ باب کیفیت سجدہ اور اس کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ سجود کا لغت میں معنی ہے سر زمین پر رکھنا، فروتنی کرنا اور سر نیچے کرنا۔ اور شرع میں سجدہ کا معنی ہے مخصوص طریقہ سے سر زمین پر رکھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۴۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ عَلَی الْجَبْھَۃِ وَالْیَدَیْنِ وَالرُّکْبَتَیْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَیْنِ وَلَا نَکْفِتَ الثِّیَابَ وَلَا الشَّعْرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں لہ پیشانی پر دونوں ہاتھوں پر دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے کناروں پر اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں لہ

(متفق علیہ) (بخاری ومسلم)

ل کہ ان تمام اعضا کو سجدہ میں زمین پر رکھنا چاہیے۔ ایک روایت میں جبہ کے بجائے وجہ کا لفظ آیا ہے۔ اور ایک روایت میں جبہہ (پیشانی) کے ساتھ انف یعنی ناک کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی بنا پر اکثر ائمہ اس طرف گئے ہیں کہ ناک اور پیشانی دونوں زمین پر رکھنی چاہئیں۔ اور ان دونوں کے بغیر سجدہ روا نہ ہوگا۔ مذہب حنفی میں پیشانی اور ناک دونوں سے سجدہ کرنا افضل ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے کریں تو بھی کافی ہے۔ پس اگر صرف پیشانی سے سجدہ کریں تو حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک روایت میں بلا کراہت جائز ہے اور اگر صرف ناک سے سجدہ کریں تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحب سے ایک روایت میں صرف ناک سے سجدہ جائز نہیں ہے اور ایک دوسری روایت میں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ ہاں ہاتھوں اور زانوؤں کا زمین پر رکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور ابواللیث فرماتے ہیں۔ اگر زانو زمین پر نہ رکھے تو سجدہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں ہے۔ اور پاؤں کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں اٹھائے رکھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھائے رکھا تو نماز مکروہ ہوگی۔

ل جیسا کہ بعض لوگ سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹتے ہیں تاکہ خاک آلودہ ہوں یا بلاضرورت عادت کے طور پر ایسا کرتے ہیں یا دامن جھاڑتے ہیں۔ اور بعض لوگ کمر باندھتے ہیں۔ اور شملہ کو دستار میں نماز کے دوران داخل کرتے ہیں۔ ان سب امور کو بھی اس میں داخل کیا گیا ہے۔ اور بعض نمازیں کمر باندھنے کو مستحب کہتے ہیں۔ اور بعض اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ بالوں کو سمیٹنے کا مطلب ہے کہ انہیں دستار کے نیچے جمع کیا جائے۔ بعض نے کہا مکروہ یہ ہے کہ انہیں گوندا جائے اور کسی چیز کے ساتھ باندھا جائے اور گرہ لگائی جائے۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ میلے جمع ہو جائیں تو مکروہ نہیں ہے۔

۸۲۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ۔ ۲۱

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میں اعتدال واطمینان اختیار کرو اور تم میں سے کوئی آدمی اپنے ہاتھ (زمین پر) اس طرح نہ پھیلائے جس طرح کتا پھیلاتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

ل ظاہر یہ ہے کہ اعتدال سے طمانیت وسکون مراد ہے۔ جیسا کہ رکوع میں بھی اعتدال وسکون کا حکم ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ سجدہ میں اعتدال یہ ہے کہ پشت کو زمین پر ہموار کرے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے دونوں بازو زمین سے اٹھا کر رکھے اور شکم کو بازوؤں سے دور رکھے۔

۸۲۹ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ ۲۲

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سجدہ کرے تو

سَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَ ارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھ اور دونوں کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھ۔[۱] (مسلم)

[۱] مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے بازو زمین پر رکھیں اور اپنے پہلوؤں کو ران کے ساتھ ملا دیں کہ یہ حیثیت عورت کے پردہ کے لیے زیادہ بہتر اور قریب ہے۔

۸۳/۲۳ وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ جَافٰى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى لَوْ اَنَّ بَهْمَةً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هٰذَا لَفْظُ اَبِيْ دَاؤدَ كَمَا صَرَّحَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِاِسْنَادِهٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ اَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا کہ جب آپ سجدہ میں جاتے تو دونوں بازوؤں کو شکم سے دور رکھتے اور شکم کو ران سے الگ رکھتے۔ آپ اتنی مقدار دور رکھتے کہ بکری کا بچہ ان کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔ یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ شرح السنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ مؤلف نے اس کی تصریح کی ہے[۲] اور مسلم کی روایت بھی اس کے ہم معنی ہے مگر اس کے الفاظ دوسرے ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بکری کا بچہ اگر دونوں ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔[۳]

[۱] بَہمہ باکی زبر اور ہا ساکن کے ساتھ یعنی بکری یا بھیڑ کا بچہ۔ جسے پیدائش کے وقت سخلہ کہتے ہیں (سین کا زبر اور خائے معجمہ کی جزم کے ساتھ) اور جب وہ قدرے بڑا ہو جائے اور چلنے لگے تو اسے بَہمہ کہتے ہیں۔

[۲] یعنی یہ حدیث جو اس عبارت کے ساتھ مروی ہے ابو داؤد کے الفاظ میں ہے۔ جیسا کہ صاحب مصابیح نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔ صاحب مصابیح نے یہ تصریح شرح سنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ کی ہے۔

[۳] اور اس روایت میں جافٰی بین یدیہ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں اور اس روایت میں لفظ اَرَادَتْ کے بجائے لفظ شاءت اور مَرَّتْ کے بجائے لَمَرَّتْ ہے۔ اس سے مؤلف کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ ابو داؤد کے الفاظ فصل اول میں لانا، جو کہ شیخین کی حدیث کے لیے موضوع و متعین ہے، مناسب نہیں ہے۔

۸۴/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے

وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کرتے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔
(بخاری ومسلم)

ف۱ بحینہ با کی پیش اور حا کی جزم کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ کی ماں کا نام ہے۔ مالک ان کے باپ کا نام ہے۔ اس لیے اسے تنوین سے پڑھتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ مالک بن بحینہ ہیں بلکہ یہ حضرت عبداللہ کی دونوں صفتیں ہیں یعنی ابن مالک اور ابن بحینہ اور آپ ابن بحینہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ صحابی ہیں۔ بنی المطلب بن عبد مناف کے حلیف ہیں۔ اور سابقین صحابہ سے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے دور میں ۵۴ھ اور ۵۸ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

ف۲ ظاہر یہ ہے کہ اس نماز میں کہ اس صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جسم مبارک پر کرتہ نہ تھا۔ اس سے بغل مبارک کے گوشت کا ظہور و نمایاں ہونا مراد ہے۔ صحابی نے بیاض الابطین (بغلوں کی سفیدی) کا لفظ اس لیے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک سفید تھی جیسا کہ سارا بدن مبارک گورا اور سفید تھا۔ بغل مبارک میلی اور سیاہ نہ تھی جیسا کہ دوسرے لوگوں کی ہوتی ہیں۔

۸۳۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ۔ اے اللہ میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے۔
(مسلم)

ف۱ یعنی قلیل و کثیر یا صغیر و کبیر۔ دق دال کے کسرہ کے ساتھ۔ جل جیم کی زیر کے ساتھ۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دِقٌّ ولا جِلٌّ یعنی دقیق و جلیل یعنی اس کے پاس چھوٹی بڑی کوئی چیز نہیں۔

ف۲ بعض نسخوں میں سِرَّہٗ کا لفظ علانیتہ سے پہلے آیا ہے۔

۸۳۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں کے تلووں پر پڑا۔ حالانکہ آپ سجدہ میں تھے اور آپ کے قدم کھڑے تھے اور آپ کہہ رہے تھے

اَلْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مولا میں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ لیتا ہوں۔ اور تیری تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود تعریف کی۔

(مسلم شریف)

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کو چھونا وضو کو نہیں توڑتا۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

۲؎ بعض نسخوں میں سجدہ کے بجائے مسجد جیم کی زبر کے ساتھ آیا ہے بمعنی سجدہ گاہ

۳؎ جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

۴؎ سخط سین اور خا کی زبر کے ساتھ بمعنی ناراضگی۔

۵؎ یعنی تیری صفات جمالیہ لطیفہ کے پاس تیری صفات جلالیہ قہریہ سے پناہ لیتا ہوں۔ اس کا اور پہلے فقرہ کا معنی یہی ہے کہ جب تیرے سوا کوئی مالک و قادر نہیں تو تجھ سے تیرے پاس پناہ لینے کے سوا کوئی صورت نہیں۔

۶؎ کہ جیسا تو عظیم و بزرگ ہے کوئی تجھے نہیں پہچان سکتا۔ اور جب کہ پہچان نہیں سکتا تو تیری ثنا کس طرح کر سکتا ہے کہ ثنا شناخت کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔

۸۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دعا کرو۔

(مسلم)

۸۹۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَاَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِیْ يَقُوْلُ يَاوَيْلَتٰی اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِیَ النَّارُ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم کا بیٹا جب آیت سجدہ پڑھتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے افسوس مجھ پر ہلاکت غم اور ذلت و شرمندگی ٹوٹ پڑی ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا تو وہ سجدے کا حکم بجا لایا اس کیلئے جنت ہے۔ مجھے

بجدے کا حکم ہوا میں نے اس سے انکار کیا تو میں دوزخی ہو گیا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

۸۴۷ وَعَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ربیعہ[1] بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا کرتا تھا میں آپ کے پاس وضو کا پانی اور آپ کی ضرورت کی چیزیں[2] لے کر حاضر ہوا۔ تو آپ نے مجھے فرمایا جو چاہتا ہے مانگ[3]۔ میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی اور رفاقت مانگتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اور چیز[4] مانگ۔ میں نے عرض کیا میرا مقصود و مدعا یہی ہے[5]۔ آپ نے فرمایا کثرت سجود سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر[6]۔ (مسلم)

[1] ربیعہ فا کی زبر با کی زیر کے ساتھ بن کعب اسلمی۔ آپ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ آپ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اور سفر و حضر میں آپ سے الگ نہ ہوتے تھے۔ قدمائے صحابہ میں سے تھے۔

[2] جیسے کپڑے، مسواک، شانہ وغیرہ۔

[3] یعنی دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی میں سے جو کچھ چاہتا ہے مانگ۔

[4] او غیر ذالک۔ واو کی زبر اور سکون کے ساتھ اور غیر کی پیش اور زبر کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ قاعدہ نحو کے مطابق اس لفظ کی کچھ تحقیق ہے جو اپنے مقام میں مذکور ہے۔ اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ کوئی اور چیز مانگ کیونکہ یہ مرتبہ جو تو چاہتا ہے بڑا بلند و عظیم ہے۔

[5] یعنی میرا مقصود و مدعا یہی ہے جو میں نے عرض کر دیا۔ اس کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں۔ بیت

من از تو ہیچ مرادے دگر نخواہم
ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نہ کنی

میں تجھ سے اور کوئی مراد نہیں چاہتا میری مراد صرف یہ ہے کہ تو مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کرے۔

[6] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اگر تو اپنے مدعا کے حاصل کرنے میں سنجیدہ ہے تو اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر اور اپنے مطلب کے حصول کے لیے سجدوں کی کثرت کر یعنی کثرت نماز اور سجدوں میں کثرت سے دعا کرنے سے ہی تو اس مقصد کے قابل اور مستعد ہو گا یعنی میں بھی تیرے مطلب کے حصول کے لیے سعی و کوشش کرتا ہوں۔ مگر تجھے بھی کوشش اور کام کرنا ہو گا۔ اور بے کار ہو کر پاؤں پر بیٹھ رہنا ٹھیک نہ ہو گا۔ جیسے طبیب بیمار سے کہتا ہے کہ میں علاج کرتا ہوں اور تیری شفایابی کے لیے کوشش کرتا ہوں بشرطیکہ جو کچھ میں کہوں تو بھی اس پر عمل کرے اور میری ہدایات پر کاربند ہو کر طریق تحصیل شفا اور تدبیر کا رہی چیز ہے۔ بیت۔

تیغ تقفل اگرچہ از کلید است اے عزیز جنبش از دست تو خواہد نیز

ترجمہ۔ تالا اگرچہ چابی سے کھلتا ہے۔ مگر اس میں تیرے ہاتھ کی حرکت کی بھی ضرورت ہے۔

اس حدیث سے جو بہت سے فوائد اخذ ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت گزاری اور انہیں راضی وخوش رکھنا سعادت اور موہبت و کرامت و عزت کا سبب و ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون بزرگ وبا عزت ہو سکتا ہے کہ آپ سید کائنات اور اجود و اکرم اہل جہاں اور خلاصہ موجودات ہیں صلی اللہ علیہ وسلم (تو انکا خدمتگار کس قدر سعادت و عزت سے سرفراز ہوگا)

اب حضرت شیخ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کے بارے میں عقیدہ ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔
واز اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوب خاص، معلوم میشود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ بیت

بیت اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری۔ بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ۔ اطلاق سوال سے کہ فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کی تخصیص نہ کی، سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے کام آپ کے دست ہمت وعزت کے قبضہ میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو کچھ چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ دنیا وآخرت کی نعمتیں آپ کے جودو سخا کا ایک حصہ ہے اور لوح وقلم کے علوم آپ کے علم شریف میں سے ہیں۔ اگر تو دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی کا آرزو مند ہے تو آپ کی درگاہ شریف پر آ اور اپنی ہر تمنا پوری کر۔
اس ارشاد میں تنبیہ ہے کہ طالب صادق کو چاہیے کہ اخروی نعمتوں جو باقی و دائم ہیں کے علاوہ کچھ نہ چاہے اور دنیوی فانی حظوظ ولذتوں کی طرف التفات نہ کرے۔ خاص کر سب سے کامل واتم اور افضل کمالات یعنی حضور سید کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی موافقت ومعیت کا طلبگار رہے۔ تاہم طالب صادق کو چاہیے کہ اس مطلوب کے حصول کے طریق میں اپنی کوتاہی پر راضی نہ ہو۔ اور صرف ہوس وآرزو پر کفایت نہ کرے کہ بے کار بیٹھنا اور آرزو کرنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنے کے مترادف ہے۔ بیت۔

کارکن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

ترجمہ۔ باتیں کرنا چھوڑ اور کام کر کہ اس راہ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ؎

مزد آں گرفت جان برادر کہ کار کرد

جان برادر مزدوری واجرت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو کام کرتا ہے

خصوصاً نماز جو تمام کاموں سے بہتر کام ہے اور تمام عبادتوں سے جامع تر اور مکمل تر عبادت ہے۔ جس طرح کہ حقیقت

جامعہ محمدیہ ہے و باللہ التوفیق۔

۴۳۷ وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلّٰهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلَ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معدان[۱] بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کرے آپ خاموش رہے[۲] میں نے پھر پوچھا مگر آپ خاموش رہے میں نے تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ سجدے اختیار کرو[۳] کہ تم اللہ کے لیے کوئی سجدہ نہ کرو گے مگر اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارا درجہ بلند کرے[۴] گا اور تمہاری خطا معاف کرے[۵] گا۔ معدان کہتے ہیں پھر میں حضرت ابوالدرداء سے ملا میں نے ان سے یہی پوچھا انہوں نے بھی مجھ سے وہی کہا جو حضرت ثوبان[۶] نے کہا تھا۔ (مسلم)

[۱] معدان میم کی زبر اور عین کی جزم کے ساتھ، بن ابی طلحہ۔ آپ تابعی ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں۔ اور حضرت ثوبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] یعنی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ گویا حضرت ثوبان کی خاموشی تحیر و تفکر کے طور پر تھی کہ دیکھیں سائل کیا کہتا ہے۔ یا سائل کو مزید شوق و رغبت دلانے کے لیے تھی تاکہ جواب کی پوری طرح پہ قدر کرے۔

[۳] اور خدا کی رضا کے لیے کثرت سے نماز ادا کرے۔

[۴] کہ اللہ تعالیٰ ان سجدوں کی کثرت سے درجہ عظیم عطا کرے گا۔ اور درگاہ قرب و عزت میں بہت بلند درجہ پر فائز کرے گا۔

[۵] یعنی سجدہ گناہوں اور سیئات کی معافی کا سبب بھی ہے۔ رفع درجات اور زیادت حسنات کا موجب بھی اور دونوں طریقوں سے یعنی ضرر و نقصان کو دور کر کے۔ نفع سے ہمکنار کر کے بندے کو فلاح و نجات سے بہرہ ور کرتا ہے۔

سے یعنی حضرت ثوبان سے سوال کرنے کے بعد یہی سوال میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے مجھے یہی جواب دیا جو حضرت ثوبان نے دیا تھا کہ وہ عمل کثرت سجدہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت و بندگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۸۳۳ / ۳۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ وَ إِذَا نَهَضَ رَفَعَ یَدَیْهِ قَبْلَ رُكْبَتَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

حضرت وائل بن حجر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے (زمین) پر رکھتے اور جب اٹھتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے[2]۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) (ابن ماجہ، دارمی)

لہ حا کی پیش اور جیم کی جزم کے ساتھ۔

ہے علماء نے کہا ہے۔ سجدہ کرتے وقت پہلے وہ اعضاء زمین پر رکھے جائیں جو زمین کے قریب ہیں اور اٹھتے وقت اس کا عکس کرنا چاہیے۔ مگر پیشانی اور ناک کے زمین پر رکھنے میں ترتیب کا فرق نہیں کہ یہ دونوں اعضا ایک ہی عضو کے حکم میں ہیں اور بعض کے نزدیک ناک زمین پر پہلے رکھے کہ یہ زمین کے زیادہ نزدیک ہے۔ علامہ شمنی نے کہا ہے۔ کہ اگر کسی عذر موزہ وغیرہ کی وجہ سے زانو زمین پر پہلے رکھنے دشوار ہوں تو اس صورت میں ہاتھ پہلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۸۳۴ / ۳۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا یَبْرُكْ كَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُكْبَتَیْهِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ قَالَ اَبُوْ سُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِیْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے[1]۔ ابوداؤد، نسائی، دارمی۔ ابو سلیمان الخطابی نے کہا۔ وائل بن حجر کی حدیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہے[2] اور کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے[3]۔

لہ یہ حدیث بظاہر حدیث اول کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے

پہلے رکھے اور حدیث اول اس پر دلالت کرتی ہے کہ زانو پہلے زمین پر رکھے جائیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ و شافعی و احمد بن حنبل نے ان کے مشہور قول کے مطابق حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور ہاتھوں سے پہلے زانو زمین پر رکھتے ہیں اور امام مالک امام اوزاعی اور احمد نے اُن سے ایک روایت کے مطابق اور ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور زانو سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں علماء نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور جب احادیث آپس میں مختلف ہو جائیں تو طریقہ یہ ہے کہ اقوی اور اصح حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی ناسخ ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کی ابتداء کرتے تو پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے کہ ہم لوگ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں پھر ہاتھ۔ انہی دو وجہوں کی طرف حضرت مولف اپنے آئندہ قول میں اشارہ کر رہے ہیں۔

؎ خطابی نے کہا جو علماء حدیث اور اس کے شارحین میں سے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔

؎ یعنی بعض نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام نووی رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھ پر طریقہ سنت کے مطابق ان دو مذہبوں میں کسی ایک کی ترجیح دوسرے پر ظاہر نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

۸۲۰/۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان؎ کہتے تھے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا کر۔
(ابوداؤد و ترمذی)

؎ یعنی جب آپ ایک سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

۸۲۱/۳۴ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِي۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِي۔ اے میرے رب مجھے بخش دے

(رواہ النسائی و الدارمی) (نسائی، دارمی)

لہ اس حدیث میں اس کلمہ سے زیادہ الفاظ نہیں آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی کلمہ پر کفایت کرتے تھے اور صرف طلب مغفرت ہی کرتے تھے جو تمام مطالب و مقاصد کی اصل اور سب سے عمدہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ نے حضور سے صرف یہی لفظ سنا ہو اور روایت کر دیا ہو اور دوسرے اوقات میں آپ اس سے زیادہ پڑھتے ہوں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سن کر ان کی روایت کر دی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۴۴/۲۵ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ يُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگ[۲] مارنے اور درندے کی طرح بازو[۳] بچھانے سے منع فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرے[۴] جیسے اونٹ مقرر کر لیتا ہے

(ابوداؤد، نسائی۔ دارمی)

لہ شبل شین کی زیر اور با ساکن کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری صحابی ہیں۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حمص میں سکونت اختیار کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

ٹہ مرغ کا ٹھونگ مارنا اور دانہ چننا کنایہ ہے جلد سجدہ کرنے اور اعتدال و اطمینان ملحوظ نہ رکھنے سے۔ اور بعض احادیث میں نقر دیک (مرغ کا دانہ چننا) کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ اس لفظ میں نقرۃ الغراب کے لفظ سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

سہ درندے جیسے کتا اور شیر وغیرہ اپنے بازو بچھا لیتے ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں حضرت انس کی حدیث میں گزرا۔ بعض احادیث میں افتراس سین مہملہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی شکار کرنا، اور پھاڑنا۔ اور لفظ افتراش افتراس بسین کا مقدمہ ہے کہ درندہ جب شکار پہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ پہلے پاؤں بچھاتا ہے پھر دوڑتا ہے۔

سکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں نمازی مرد کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مسجد میں اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کر لے۔ اور دوسروں کو اس جگہ سے روک دے۔ جیسا کہ اونٹ کرتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ متعین کر لیتا ہے اور دوسرے کو وہاں بیٹھنے نہیں دیتا اور چونکہ مسجد سب لوگوں کی جگہ اور تمام مسلمان اس میں بیٹھنے اور عبادت کرنے کا حق رکھتے ہیں

تو مسجد کی کسی جگہ کو اپنے لیے مختص کر لینا اور دوسروں کو اس سے روکنا مکروہ و ممنوع ہے۔ اس نہی کا اثر مسجد نبوی شریف میں ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگ مشہور و متبرک جگہوں کو جیسے منبر شریف کے قریب کی جگہ اور بعض بلند شان والے مسجد نبوی شریف کے ستونوں کو اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں۔ اور دوسرے مسلمانوں کو اس نعمت سے محروم رکھتے ہیں۔

۸۴۳/۳۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّيْ أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِيْ وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِيْ لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور تیرے لیے وہی چیز ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں دو سجدوں کے درمیان اکڑوں نہ بیٹھنا۔

(ترمذی شریف)

لہ دو سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرنا۔ اقعاء کا معنی ہے سرین زمین پر رکھ لینا اور دونوں زانو کھڑے کر لینا ہدایہ شریف میں اقعاء کی یہی تفسیر کی گئی ہے اور صاحب ہدایہ نے یہ تفسیر کر کے فرمایا وہما لصحیح۔ کہ اقعاء کی یہی تفسیر صحیح ہے اور شیخ ابن الہمام نے شرح میں فرمایا کہ یہ امام کرخی کے قول سے بچنے کے لیے فرمایا جنہوں نے کہا کہ اقعاء کا معنی ہے پاؤں کھڑے کر لینا۔ جس طرح کہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے اور سرین کو ایڑیوں پر رکھنا مگر قول اول صحیح ہے کیونکہ اقعاء کتے کی صفت کہا گیا ہے اور یہ معنی اول کے مناسب ہے اور ثانی صورت (جسے امام کرخی نے بیان کیا) بھی مکروہ ہے۔ لیکن وہ اقعاء کا معنی نہیں ہے اور بعض علماء کا اس دوسرے معنی کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ فرمایا اقعاء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس کو معنی اخیر پر محمول کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام رحمۃ اللہ میں مذکور ہے۔

۸۴۴/۳۷ وَعَنْ طَلْقِ ابْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلٰى صَلٰوةِ عَبْدٍ لَا يُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهٗ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت طلق بن علی الحنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز پر نظر نہیں کرتا جو نماز میں رکوع اور سجدے کے درمیان پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

(مسند احمد)

لہ حضرت طلق بن علی الحنفی بنی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں جو علاقہ یمامہ کا ایک قبیلہ ہے۔ آپ صحابی ہیں حضرت قیس کے والد ہیں۔ اور اس حدیث کے راوی ہیں جس میں آیا ہے کہ آلہ تناسل کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ

کتاب الاشربہ میں گزرا۔
ؔ یعنی اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔

۳۸/۸۳۵ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِیْ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهٗ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اپنے ہاتھ بھی وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے[2] پھر جب سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ویسے ہی ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں[3]۔
(مالک)

ؔ۱ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
ؔ۲ یعنی اسے چاہیے کہ ہاتھ بھی زمین پر رکھے یا مراد یہ ہے کہ ہاتھ بھی اس جگہ کے قریب رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے یعنی کہ چہرے سے دور یا پیچھے اور آگے نہ رکھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اگر بلند جگہ پر سجدہ کر رہا ہے تو ہاتھ بھی اس کے ساتھ بلند جگہ پر رکھے۔ اس سے نیچے نہ رکھے۔ یا عبارت کا معنی یہ ہے کہ ہاتھ بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح اس نے پیشانی رکھی ہے یعنی قبلہ رخ کر کے۔
ؔ۳ لہٰذا چاہیے کہ پیشانی کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی زمین پر رکھے اور اٹھائے۔ جس طرح پیشانی کو رکھتا اور اٹھاتا ہے اور یہ قول آخری معنی کو ترجیح دیتا ہے۔ جس پر عبارت سابق کو حل کیا گیا ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

التحیات کا باب

شہادت کا معنی ہے ایسی سچی خبر دینا جس میں زبان و دل ایک دوسرے کے موافق ہوں اور گواہی دینے اور علم یقینی کے معنی میں بھی آتا ہے تشہد کا معنی ہے گواہ بننا اور دل میں جو بات ہو اسے ظاہر کرنا۔ شرع شریف میں تشہد کا معنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ کہنا اور وہ ذکر کرنا ہے جو نماز کے قعدہ میں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ذکر شہادتین پر مشتمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۴۶ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِى التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلٰثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِى الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِىْ تَلِى الْإِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور ترپن کا عقد باندھتے اور کلے کی انگلی سے اشارہ کرتے[۱]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہے اسے اٹھاتے اس سے اشارہ[۲] کرتے اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھاتے[۳]۔ (مسلم شریف)

[۱] یعنی انگشت سبابہ سے اشارہ کرتے سبابہ اس انگلی کا نام ہے جو انگوٹھے کے ساتھ ملی ہے۔ لفظ سبابہ سب بمعنی گالی دینا سے مشتق ہے۔ عرب کی عادت ہے کہ گالی دینے کے مقام میں اس انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔ شرع شریف کی زبان میں اس انگلی کو مسبحہ اور انگشت شہادت بھی کہتے ہیں لیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اس انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے ماشارے کی صورت یہ ہے کہ اس انگلی کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ یا لفظ اللہ کہتے وقت اٹھاتے اور مشہور یہ ہے کہ نفی کے وقت اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھ دے۔ بعض ائمہ شافعیہ سے منقول ہے کہ آخر کلمہ شہادت تک اٹھائے رکھے۔ چاہیے کہ اوپر کی طرف اشارہ نہ کرے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے جہت فوق میں ہونے کا وہم نہ پڑے۔

[۲] اس انگلی کے ساتھ دعا کرتے ہوئے۔ دعا سے یہاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کہ یہ انعام واکرام حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

[۳] یعنی آپ جو عقد و اشارہ کرتے تھے دائیں ہاتھ سے ہوتا تھا۔ بایاں ہاتھ بائیں ران پر ہی رکھے رکھتے تھے۔

اگر تم یہ کہو تو نے حدیث کی شرح تو کر دی۔ اس کا مضمون ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ثلاث وخمسین کا مطلب ہمیں معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے۔ تو واضح ہو کہ حساب دان لوگ انگلیاں بند کر کے گرہیں لگاتے اور ان میں سے ہر گرہ سے ایک عدد

تین مراد لیتے اور وضع کرتے ہیں۔ ایک کا عدد۔ دس کا عدد۔ سو اور ہزار کا عدد۔ چنانچہ ترپن کا یہی عدد جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور شہادت کو جسے انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں پھیلائے اور پھیلائے اور انگوٹھے کی ایک طرف کو انگشت شہادت کے ساتھ لگائے۔

امام شافعی اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ دوسری صورت عقد تسعین نوے کے عدد کی گرہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ چھنگلیا اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے۔ انگشت شہادت کو پھیلائے اور انگوٹھے کے سر کو درمیانی انگلی کے سر پر رکھے اور دائرہ بنائے حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد کے مختار مذہب میں یہی طریقہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ بھی اپنے قول قدیم میں اسی طریقہ کے قائل ہیں۔ اور یہ طریقہ مسلم کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے جو آئندہ حدیث میں آئے گا اور احمد اور ابو داؤد کی حدیث میں جو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور امام مالک دائیں ہاتھ کی تمام انگلیوں کو بند کرتے ہیں صرف انگشت شہادت کو پھیلاتے ہیں۔ شافعیہ کے ہاں اس دائرے کی ایک اور کیفیت بھی آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ درمیانی انگلی کا سر انگوٹھے کی دونوں گرہوں کے درمیان رکھا جائے تیسری روایت یہ ہے کہ تمام انگلیاں زانو پر پھیلائے تاکہ سب کا رخ قبلہ شریف کی طرف ہو جائے جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور بعض احادیث میں گرہ کے بغیر بھی اشارے کا ذکر آیا ہے۔ اور بعض حنفیہ کا پسندیدہ مذہب یہی ہے

غالباً اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک مختلف تھا کہ کبھی گرہ کی صورت میں اشارہ کرتے اور کبھی بغیر گرہ کے اس بارے میں مختلف روایات کے درمیان مطابقت کی توجیہہ بھی یہی ہے۔

یہ بات الگ ہے کہ ماوراء النہر اور ہندوستان کے علماء حنفیہ نے عقد و اشارے کا یہ مذہب ترک کر رکھا ہے متقدمین حنفیہ کے نزدیک مختار مذہب پہلا ہی تھا (یعنی عقد و اشارہ) متاخرین حنفیہ میں اس بارے میں اختلاف رونما ہوا ہے اور علمائے حرمین وغیرہ بلاد عرب کے نزدیک بھی مختار مذہب پہلا ہی ہے اور وہ بھی عقد و اشارہ پر عمل کرتے ہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق حضرت شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے نمازی کو چاہیے کہ اول تشہد سے لے کر شہادتین تک انگلیاں زانوں پر پھیلائے رکھے اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے وقت عقد و اشارہ کرے تاکہ دونوں طریقوں کے عمل کا جامع بن جائے اور کہا اشارہ سے رد کرنے کا قول روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے اور حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں جانب عمل کو ترجیح دی ہے۔ ہم نے اس رسالہ میں سے قدرے شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ محیط میں کہا دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھانا ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت میں سے ہے۔ ایسا ہی حضرت ابو یوسف سے بھی مروی ہے۔ اور

علامہ نجم الدین زاہدی نے کہا کہ اس عمل کے سنت ہونے میں ہمارے اصحاب حنفیہ کی روایات متفق ہیں۔ جب کہ محدثین، فقہائے اور بہت سے صحابہ وتابعین اور علمائے کرام مدینہ منورہ اور ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے اور بہت سے اخبار وآثار اس عمل پر دلالت کرتے ہیں تو پھر یہی (عقد واشارہ) مذہب اولی اور راجح قرار پائے گا۔

۸۴۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْا وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو کلمہ پڑھتے[1] اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر۔ اور سبابہ یعنی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے[2] اور بائیں ہتھیلی سے گھٹنہ پکڑ لیتے[3] (مسلم شریف)

۱ جیسا کہ گزشتہ حدیث کی تفسیر سے معلوم ہوا۔
۲ یعنی عقد تسعین کرتے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔
۳ یعنی بایاں گھٹنہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں اس طرح کر لیتے جس طرح لقمہ منہ میں ہوتا ہے۔

۸۴۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو۔ جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو[1]۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھرے (سلام پھیرا) تو اپنے چہرے سے ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ اللہ تو خود سلام ہے[2] جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے اللہ ہی کے لیے تحیتیں اور نمازیں اور پاکیزہ کلمے[3] ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو[4] اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

الصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ ذٰلِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ لْیَتَخَیَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَیْهِ فَیَدْعُوْهُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ تو نمازی جب یہ کہتا ہے کہ زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جاتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر جو دعا اسے پسند ہو اختیار کرے اور اس سے دعا مانگے۔

(بخاری و)

(مسلم)

لہ یعنی اللہ کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے اللہ پر سلام ہو۔

لہ اور ہم یہ بھی کہتے تھے کہ جبرئیل پر سلام میکائیل پر سلام اور فلاں پر سلام فلاں سے مراد ان کے علاوہ دوسرے ملائکہ ہیں کہ صحابہ ان پر بھی سلام بھیجتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بعض انبیاء و مرسلین مراد ہوں جن کا ان کے سامنے ذکر ہوتا ہو جیسے حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہم علیہم السلام واللہ اعلم۔

لہ کہ خدا تعالےٰ خود سلام ہے یعنی تمام نقائص و آفات سے پاک ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ظاہری باطنی آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا سلامتی اس کے لیے اور اس کی طرف سے ہے۔ سلامتی کی دعا اس کے لیے مناسب ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اسے خوف و ڈر ہو۔ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے بمعنی سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

لہ التحیات سے قولی عبادات مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے عبادات بدنیہ اور طیبات سے مالی عبادات۔ قاعدہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو پہلے سلام عرض کرتا اور صفت و ثنا کرتا ہے اس کے بعد شاہی دربار میں تحفہ پیش کرتا ہے تاکہ سلطانی لطف و عنایت کا مستحق قرار پائے۔

شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ تحیت سلام، ملک، بقا، عظمت اور حیات کے معنی میں آتا ہے یہاں جمع کے صیغے لائے کیونکہ عرب و عجم کے بادشاہوں کے حضور میں ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کے خدمتگار خاص قسم کے تحفے تحائف لاتے تھے۔ اس لیے فرمایا ہر قسم کے تحیات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ دوسروں کے لیے یہ تحائف عارضی اور چند روز کے لیے ہیں۔ بیت۔

خدائے راست بزرگی و ملک بے انباز دگر ہر کہ بہ بینی بعاریت دادست

ترجمہ۔ بزرگی اور ملک و سلطنت خدائے وحدہ لاشریک کے لیے ہے۔ مخلوقات کے پاس جو کچھ تو دیکھ رہا ہے وہ اسی کا انہیں چند روزہ عاریۃً دیا ہوا ہے۔ اور تحیات سے تعظیم کی تمام اقسام بھی مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے تمام فرض و نفل نمازیں اور طیبات سے کلمات طیبہ اور تمام پاکیزہ اعمال بھی مراد لیے گئے ہیں۔

۵۵ یعنی دعائے خیر و سلامتی ہو آپ پر اے پیغمبر اور اس کی مہربانی اور زیادہ سے زیادہ خیر کرم کا نزول آپ پر ہوتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کو اپنی اصلی حالت پر رکھا گیا ہے کہ یہ کلام و گفتگو دراصل شب معراج کو پروردگار تعالیٰ و تقدس کی طرف سے آپ کے ساتھ کی گئی اور سلام کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے وقت وہی اصل کلمات باقی اور قائم رکھے۔ تاکہ امت کو وہ حال یاد دلایا جائے نیز وہ حالت ہمیشہ کے لیے تمام حالات و اوقات میں مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے خصوصاً حالت عبادت میں خصوصاً نماز کے آخر میں کہ نورانیت و انکشاف کا وجود اس مقام میں زیادہ اور قوی تر ہوتا ہے اور بعض عارفین نے کہا کہ یہ خطاب (السلام علیک ایہا النبی) اسی بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جملہ موجودات کے ذروں اور تمام افراد ممکنات میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات کے درمیان حاضر و موجود ہوتے ہیں تو نمازی کو چاہیے کہ اس معنیٰ و حقیقت سے آگاہ رہے۔ اور مشاہدہ سے غافل نہ ہو۔ تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے متنور اور فیضیاب ہو۔

۵۶ یعنی ہم سب حاضرین اور ملائکہ اور مومنین جن و انس سب اس سلامتی میں داخل و شامل ہیں۔

۵۷ اور خدا تعالیٰ کے تمام نیکوکار بندوں پر جو حاضر و غائب دور و نزدیک اور آسمان پر اور زمین میں ہیں سب پر سلامتی نازل ہو۔ صلاح فساد کی ضد ہے۔ بندۂ صالح اسے کہتے ہیں جو عبودیت کے حقوق جیسے اور جس طرح ان کا حکم ہے بجالائے اور استقامت دکھلائے اور کسی طرح سے بھی اس کے ظاہری و باطنی حالات کے کارخانہ میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ مقام صلاح دراصل اعلیٰ ترین منصب اور ارفع ترین مرتبہ ہے۔ اسی لیے حق جل و علا نے انبیاء و رسل کی صالح ہونے کے ساتھ تعریف کی۔ درست بات یہ ہے کہ صلاح کے بہت سے مرتبے ہیں۔ بعض بعض سے فوقیت رکھتے ہیں۔ اور سب کو اپنے صالح ہونے کے مطابق سلامتی سے حصہ ملتا ہے۔ اور صلاح کا انتہائی ترین درجہ اور اعلیٰ ترین مرتبہ وہ ہے جو شیخ الانس و جان غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب مستطاب مسمیٰ بفتوح الغیب میں ذکر کیا ہے۔ کہ صلاح زوال ارادہ اور رضائے مطلق کا نام ہے اور بندہ کا مزاج حق پر قائم ہو جانا ہے تو صالح درحقیقت وہی شخص ہے جس نے یہ مقام پالیا ہے اور خدا تعالیٰ کی نگرانی اس کی کارساز بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ۔ بیشک اللہ ہی میرا والی ہے جس نے کتاب نازل کی ہے۔ اور

وہی صالحین کا دوست اور کارساز ہے۔

اور یہ وہ بندہ ہوتا ہے جو تدبیر کا ہاتھ منافع و مصالح کے اسباب و ذرائع اور نقصان دہ اور فساد انگیز چیزوں سے بچاؤ سے اٹھالیتا ہے۔ اور اس کارساز حقیقی کا دست تدبیر اس کا محافظ و متولی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی تدبیر و اختیار سے کوئی حرکت نہیں کرتا جس طرح شیر خوار بچہ شیر پلانے والی ماں کے سامنے اور میت غسل دینے والے کے آگے اور گیند بیٹ بلے کے آگے۔ انتہی۔

اور جب بندہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ تمام انفسی اور آفاقی آفات سے نجات پا جاتا ہے۔ جب اس نے اپنے آپ کو کارساز حقیقی کے حوالے کر دیا تو سلامتی میں ہو گیا یعنی اسلم تسلم آمین آ اور سلامتی میں ہو جا۔ اللہم اجعلنا من الصالحین۔ اے اللہ ہمیں صالحین میں سے کر دے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کی تخصیص کے علاوہ دوسرے بعض بندوں اور اشخاص پر علی التعیین سلام کرنے سے منع فرمایا تو فانہ اذا قال الی آخرہ کے الفاظ سے اس ممانعت کی وجہ بیان فرما دی۔

کہ جب علی العموم سب پر اس نے سلام بھیج دیا تو ہر بندہ صالح کو جو زمین و آسمان میں ہے یہ سلام پہنچ گیا اور اس کے اثر سے فیض یاب ہو گیا۔ لہذا چند خاص افراد کی تخصیص کی کیا حاجت ہے پھر اس کے بعد التحیات کے کلمات کا اختتام کلمہ شہادت پر کیا جو خلاصہ کار اور تمام اعمال کی اصل ہے اور فرمایا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اور جب بندہ حقیقت اسلام سے موصوف اور مقام قرب و قبولیت میں جاگزین ہو گیا تو دعا و سوال کی طرف اشارہ کیا کہ اب جو چاہے خدا تعالیٰ سے مانگے۔ اس لیے فرمایا ثم لیتخیر من الدعاء الی آخرہ۔

۹۰۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات ایسے ہی سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے تو فرماتے تھے برکت والی تحیتیں اور طیب نمازیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لہ

بِرِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ أَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

(مسلم شریف)
اور میں نے صحیحین میں اور صحیحین کی جامع میں سلام علیک اور سلام علینا بغیر الف لام کے نہ پایا۔ لیکن اسے جامع والے نے ترمذی سے روایت کیا۔

سلہ یہ تشہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اکثر شافعیہ کا اسی پر عمل ہے۔ احناف کا مذہب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حدیث سابق میں جو مذکور ہوا وہ ابن مسعود کا تشہد تھا۔ان دونوں تشہدوں میں لفظاً ومعنیً میں فرق موجود ہے علماء نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد زیادہ صحیح ہے۔ امام احمد کے مذہب میں بھی یہی ہے۔ صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہل علم بھی اسی پر ہیں۔ بیشک اسی تشہد کے پڑھنے کا حکم آیا ہے اور اسی کے سیکھنے سکھانے کی تلقین آئی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو یہ تشہد سکھائیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنا ہاتھ پکڑا اور مجھے التحیات اس طرح سکھایا جس طرح آپ قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو انہوں نے روایت کی افراد مسلم میں سے ہے اور اسے اصحاب کتب ستہ نے سوائے بخاری کے روایت کیا اور امام مالک کا تشہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے یعنی التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات للہ الصلوات للہ۔ السلام علیک ایھا النبی الخ الیاہی ابن ابی زید کے رسالہ میں مذکور ہے یہ امام مالک کے مذہب میں رسالہ ہے۔ تمام علماء نے کہا ہے کہ نماز تینوں طرح سے درست ہے۔ یہ گفتگو اولیٰ اور افضل میں ہے۔

واضح ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد میں صاحب مصابیح نے سلام علیک سلام علینا بے الف لام کے ذکر کیا ہے اس کے متعلق حضرت مولف (صاحب مشکوٰۃ) فرماتے ہیں میں نے اسے صحیح بخاری کے متن اور صحیح مسلم اور کتاب جمع بین الصحیحین میں نہیں پایا۔ بلکہ اسے صاحب جامع الاصول نے جو صحاح ستہ کا جامع ہے، ترمذی سے روایت کیا ہے۔ لہذا صاحب مصابیح کا اس حدیث کو فصل اول میں لانا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَ قَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ)

کہ بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا۔ اور اپنی داہنی کہنی اپنی داہنی ران پر برابر کی۔ دو انگلیاں بند کیں۔ اور حلقہ بنایا پھر اپنی انگلی شریف اٹھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے تھے۔ اس سے اشارہ کرتے تھے۔

(ابوداؤد، دارمی)

سلہ جلسہ تشہد کی کیفیت کے بیان میں۔

سلہ یعنی دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھے۔

سلہ یہ مضمون اس حدیث کے موافق ہے جس کی تصحیح امام بیہقی نے کی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں جعل مرفقہ الیمنی علی فخذہ اس لفظ کو اور بھی کئی طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔ ہم نے شرح میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔

سلہ یعنی چھنگلیا اور اس کی ساتھ والی انگلی۔

سلہ یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے۔ جیسا کہ مقدسین ہوتا ہے۔ مذہب حنفی بھی یہی ہے۔ اور امام شافعی کا قول قدیم بھی اسی کے مطابق ہے۔

سلہ حرکت سے کلمہ شہادت پڑھتے وقت توحید کی طرف اشارہ مراد ہے جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

۸۵۳ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُشِيْرُ بِإِصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهُ إِشَارَتَهُ۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انگلی سے اشارہ کرتے تو اسے حرکت نہ دیتے تھے۔ ابوداؤد ونسائی اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ کیے کہ آپ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی سلہ

سلہ اس سے پہلی حدیث میں فرمایا کہ آپ انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حرکت نہ دیتے تھے مطلب یہ ہے کہ اشارہ کے وقت جب انگلی اٹھاتے تو اسے حرکت ہوتی تھی کہ اٹھانے کو حرکت لازم ہے اور یہاں جو فرمایا کہ حرکت نہ دیتے تھے۔ اس سے مراد ہے کہ بار بار حرکت نہ دیتے تھے اس میں حضرت امام مالک کے مذہب کی نفی ہے کہ ان کے نزدیک آخر تشہد تک انگلی کو حرکت میں رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس انگلی کی رگوں کا تعلق دل سے

ہے۔ اسے حرکت میں رکھنا دل کو بیدار کرنے اور اس کے حضور کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُوْا بِاِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِّدْ اَحِّدْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک ایک شخص دو انگلیوں[۱] سے اشارہ کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک[۲] انگلی سے اشارہ کر۔ ایک انگلی سے اشارہ کر۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

ترمذی۔ نسائی بیہقی فی الدعوات الکبیر۔

[۱] یعنی دونوں ہاتھوں کی انگشتان شہادت سے اشارہ کر رہا تھا شارحین کرام نے کہا ہے کہ وہ مرد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

[۲] کیونکہ خدا تعالےٰ ایک ہے۔

۸۵۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى يَدِهٖ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے[۱]۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ اِذَا نَهَضَ فِي الصَّلٰوةِ۔

احمد۔ ابوداؤد[۲] اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے منع کیا دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے جب نماز میں اٹھے[۳]۔

[۱] یعنی یہ کہ تشہد میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے اور ان پر تکیہ لگائے یا اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں پر تکیہ لگا کر اٹھے۔ دونوں باتوں سے منع فرمایا۔

[۲] آخری معنی دوسری روایت کے زیادہ مناسب ہے جس کا ذکر فی روایۃ الخ سے کیا۔

[۳] یہ روایت حنفی مذہب کے مطابق ہے اور مذہب شافعیہ کے خلاف ہے۔ جو جلسہ استراحت کے قائل ہیں کہ وہ اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کے ٹیک لگانے کو مستلزم ہے۔ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالےٰ اس حدیث کے بارے یوں کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں

سَلَّمَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ کَاَنَّهٗ عَلَی الرَّضْفِ حَتّٰی یَقُوْمَ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ۔

میں ایسے ہوتے تھے کہ گویا آپ گرم پتھر پر ہیں حتیٰ کہ کھڑے ہوتے
(ابوداؤد)
(نسائی)

لے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قعدۂ اولیٰ میں جو بیٹھتے تھے خواہ نماز تین رکعت والی ہوتی یا چار رکعت والی ہوتی اس میں اس طرح ہوتے کہ آگ سے گرم کیے ہوئے پتھر پر، یہاں تک کہ آپ کھڑے ہوتے۔ یہ کنایہ ہے قعدہ اولیٰ سے جلد اٹھنے اور شتابی کرنے سے۔ رضف را کی زبر اور ضاد کی جزم کے ساتھ اور زبر کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی آگ میں گرم کیا ہوا پتھر جسے دودھ میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ بھی گرم ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۵۵ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔
رَوَاهُ النَّسَائِیُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے۔ اللہ کے نام سے اور اللہ لے لئے تحقیں اور پاک نمازیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پہ اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں میں اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور آگ سے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ ۲
(نسائی شریف)

لے یعنی اللہ کے نام اور اس کی توفیق و اعانت کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

۲ یہ بھی التحیات کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور گویا کہ بسم اللہ سے ابتداء کرنا بھی قرآن کی تعلیم دینے کے ساتھ تشبیہ کی وجہ تشبیہ میں داخل ہے۔ اور امام نووی نے اپنے اذکار میں کہا کہ بخاری و نسائی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات میں بسم اللہ کا اضافہ صحت سے ثابت نہیں ہے۔

۸۵۵ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ وَأَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اپنی نگاہ اس پر لگاتے[1]۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان پر لوہے[2] سے زیادہ گراں ہے[3]۔ یعنی یہ انگلی (اٹھانا)

(احمد)

[1] یعنی اشارہ کے وقت نگاہ اس پر رکھتے۔ جیسا کہ گزرا۔

[2] جس کے ساتھ مارتے اور قتل کرتے ہیں۔ جیسے تیر اور تلوار سے۔

[3] یعنی اس کے ساتھ اشارہ کرنے کی وجہ سے کہ اس کے توحید اور ایمان پر ثبات اور شیطان کے نمازی کو شرک و کفر میں ڈالنے کے طمع کو کاٹ دینے کا بنا پر۔

۸۵۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ إِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ[1]۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تشہد کو خفی طریقہ پر پڑھنا سنت میں سے ہے

ابوداؤد، ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی سنت یہ ہے کہ التحیات بلند آواز سے نہ پڑھا جائے اور اس کے پڑھنے میں جہر نہ کرے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اور اس کی فضیلت

لفظ صلوٰۃ دعا، رحمت اور استغفار کے معنی میں آتا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے معنی میں آتا ہے اور اس لفظ کی نسبت جب بندوں کی طرف ہوتی ہے تو جناب حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کے لیے افاضہ رحمت کی طلب مراد ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں علماء کا اجماع ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ پھر بعض نے کہا جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب و ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں ساری عمر میں ایک بار درود بھیجنا فرض ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک بار گواہی دینا فرض ہے۔ اور زائد و قتہ مستحب و مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اسلام کی بہت موکد سنتوں میں سے اور اس کا شعار ہے۔ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مسلمانوں پر درود بھیجنا فرض قرار دیا اور اس کے لیے کوئی وقت معین نہ فرمایا تاکہ جس قدر ہو سکے زیادہ بار پڑھا جائے اور اس میں غفلت و لاپرواہی نہ کی جائے۔ بعض علماء نے قول اول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک التحیات میں درود پاک پڑھنا فرض ہے علماء نے کہا ہے کہ امام شافعی کا یہ قول شاذ ہے۔ علماء میں سے کسی عالم نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درود پاک پڑھنا فی الجملہ واجب اور تشہد میں سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجنے کے فضائل حد و شمار سے باہر ہیں ان فضائل سے چند ایک کا ذکر ہم نے جذب القلوب میں کیا ہے۔ ایک الگ رسالہ بھی اس بارے میں تحریر کیا ہے جس میں بہت سی منتخب باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء پر براہ راست اور بالاستقلال درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں جمہور کا مختار مسلک یہ ہے کہ بالاستقلال انبیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں کوئی اور ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ دوسروں کا ذکر مغفرت، رحمت اور رضوان کے ساتھ کیا جائے گا۔ اور علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ یہ اختلاف اولیٰ میں اختلاف ہے۔ اور بعض نے کہا حرام ہے یا مکروہ ہے کراہت تحریمی یا تنزیہی۔ اور متقدمین میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذریت پاک اور ازواج مطہرات پر سلام بھیجنا متعارف تھا اور مشائخ اہل سنت و جماعت کی قدیم کتابوں میں ان پر سلام کے الفاظ لکھے ہوئے ملتے ہیں، مگر متاخرین اہل سنت میں اس کا ترک کر دینا متعارف ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۸۸ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ كَعْبُ ابْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِیْ لَكَ هَدِیَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰى فَاَهْدِهَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت کعب بن عجرہ ملے تو بولے۔ کیا میں تمہیں وہ ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ ہدیہ مجھے ضرور عنایت کریں۔ فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا یا رسول اللہ!

كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

آپ کے اہل بیت پر درود کیسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو سکھایا کہ آپ پر سلام عرض کریں۔ فرمایا یوں کہو۔ اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج۔ جیسے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں کیں۔ بیشک تو حمد و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر ایسی ہی برکتیں نازل کر جیسی برکتیں تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل کیں۔ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَّمْ يَذْكُرْ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِى الْمَوْضِعَيْنِ۔

(بخاری و مسلم) مگر مسلم نے دونوں جگہ علی ابراہیم کا ذکر نہ کیا۔

سلہ یعنی دونوں لام کی زبر کے ساتھ۔ عجرہ عین کی پیش اور جیم کی جزم اور رے زبر کے ساتھ یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جو انصاری مدنی ہیں ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا جو کہ سب انصار مدینہ میں سے تھے۔ عبداللہ بن الحارث نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ اس جیسا بچہ کسی عورت نے جنا ہو۔ خلافت فاروقی کے چھ سال باقی تھے کہ آپ پیدا ہوئے۔ ان کے باپ صحابی ہیں اور غزوہ احد کے شرکاء میں سے ہیں۔

سلہ ہدیہ یعنی وہ کلام جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ هدیہ ہا کی زبر دال کی زیر اور یا کی تشدید کے ساتھ یعنی وہ تحفہ جو احترام و اکرام کے طور پر کسی کو بھیجا جائے اور فقراء کو جو چیز جذبہ رحم و مہربانی کے طور پر دی جاتی ہے اسے صدقہ کہتے ہیں۔

سلہ یہ اس چیز کی تاکید ہے جو لفظ بلی سے سمجھ میں آتی ہے۔

سلہ یعنی اے اہل بیت نبوت آپ پر درود پاک بھیجنے کی کیفیت اور صورت کیا ہے۔ سوال سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت درود شریف کا دریافت کرنا ہے اور اہل بیت کا ذکر بالتبع اور ضمناً ہے۔ علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت کے لفظ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ اور اہل آل کے معنی میں ہے۔ بسا اوقات آل فلاں سے خود وہ فلاں مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ آل داؤد میں حضرت داؤد مراد ہیں۔ اور لفظ اہل بیت کہنے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ معنی مراد لینے کا قرینہ ان کا یہ اگلا قول مبارک ہے فان اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اقدس پر تو اتحیات میں

درود شریف بھیجنے کی کیفیت بیان کر دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو تعلیم الٰہی با ایں معنیٰ کہتے ہیں کہ آپ احکام الٰہی میں زبان مبارک نہ کھولتے مگر وحی خداوندی سے۔

۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیفیت درود بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۶ تو اپنے کمال و بزرگی کی شان کے مطابق اپنے حبیب پاک علیہ السلام پر درود نازل فرمایا۔

۷ یعنی اے خداوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرما اور زیادہ سے زیادہ اپنی خیر و نعمت سے آپ کو اور آپ کی آل پاک کو سرفراز فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کو برکتوں اور نعمتوں سے نوازا۔

۸ یعنی نماز صلوٰۃ میں علی ابراہیم کا لفظ ذکر کیا نہ برکت میں۔ چنانچہ مسلم کے لفظ یوں ہیں کما صلیت علی آل ابراہیم و کما بارکت علی آل ابراہیم اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آل ابراہیم میں سے ہیں۔ تو یہ تشبیہ بھی اسی آل پاک سے ہے۔ آل جل سے اس کا اہل و عیال مراد لیتے ہیں اور آل کا لفظ پیروکاروں کے لیے بھی آتا ہے اس معنیٰ کے مطابق ہے یہ حدیث آلی کل مومن یعنی ہر مومن میری آل ہے۔ اور ایک روایت میں کل مومن تقی کا لفظ آیا ہے یعنی ہر مومن متقی میری آل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں آل سے پیروکار مراد ہیں۔ اور بعض نے اس کی تفسیر اہل بیت سے کی ہے یعنی وہ نفوس قدسیہ جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات اور آنحضرت کے اولاد امجاد مراد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی معاشرت ان کے ساتھ تھی کبھی اہل بیت کا لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ جیسا کہ مباہلہ کا قصہ اور حدیث کساء یعنی کمبل شریف اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم (ترجمہ اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ دور کر دے تم سے ہر قسم کی ناپاکی اے اہل بیت اور تمہیں مکمل طور پر طیب و طاہر کر دے) کا خطاب بھی ان کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مگر حق یہ ہے کہ ازواج مطہرات بھی اس خطاب میں داخل ہیں کہ اس آیت قرآنی کا سیاق ازواج مطہرات کی اس میں شمولیت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کی وجہ تطبیق یہ ہے کہ بیت چند قسم ہے۔ ایک بیت نسب جس طرح جد قریب کی اولاد کو بیت فلاں کہتے ہیں۔ بنو ہاشم اسی معنیٰ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کہلاتے ہیں۔ دوسرا بیت سکنیٰ۔ اس معنیٰ کے مطابق ازواج مطہرات بھی لفظ اہل بیت میں داخل ہیں۔ تیسرا بیت ولادت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک اس معنیٰ کی بنا پر اہل بیت ہیں۔ اس مقام میں مفصل کلام اس رسالہ کے خاتمہ میں جو جنت والوں کی بشارت میں مسمی بہ تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ تالیف کیا گیا ہے ذکر دیا گیا ہے۔

یہاں ایک اشکال کا جواب دینا ابھی باقی ہے اور وہ اشکال یہ ہے کہ تشبیہ کے تقاضا سے لازم آتا ہے کہ درود و برکت

حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر کامل تھا اور قوی تر ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ کے لیے شہرت و ظہور کافی ہے۔ مشبہ بہ میں کمال و قوت کی کوئی شرط نہیں۔ لوگوں نے اس کے اور بھی بہت سے جوابات دیے ہیں۔ مگر جب تک ہمارے جواب کے معنی کا وہاں لحاظ و اعتبار نہ کیا جائے وہ جوابات مکمل نہیں ہوتے اور تمام جوابات اور ان میں قیل و قال ہم نے ایک الگ رسالہ میں لکھ دی ہے۔ وہاں سے دیکھ لی جائے۔

۸۵۹ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوا اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اے اللہ حضرت محمد اور انکی بیویوں اور انکی اولاد پر ویسی ہی رحمتیں نازل کر جیسی ابراہیم پر نازل کیں اور حضرت محمد اور انکی بیویوں اور ان کی اولاد پر ویسی ہی برکتیں نازل کر جیسی کہ ابراہیم پر نازل کیں بیشک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ حُمید حا کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ۔

۲؎ الساعدی عین کی زیر کے ساتھ۔

۳؎ بعض نسخوں میں علیٰ آل ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ سا بعض نسخوں میں کما بارکت کے بعد آل ابراہیم کا لفظ آیا ہے شارحین حدیث نے کہا ہے کہ امام احمد کی روایت میں ابراہیم کا لفظ صلوٰۃ میں مذکور ہے۔ اور آل ابراہیم کا ذکر برکت میں ہے۔

۴؎ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم اسی طرح آل محمد اور آل ابراہیم کا ذکر دراصل حدیث سے ثابت ہے اور بعض راویوں نے اسے حفظ بھی کر لیا ہے اور بعض نے اسے حفظ نہیں کیا۔ بہر حال یہ صیغہ صلوٰۃ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور پڑھنے کے لیے جو کچھ حدیث میں مذکور ہوا کافی ہے۔ ہم نے شائخ سے ایسا ہی سنا ہے اور بعض روایات میں جو وارحم محمدا کا رحمت و ترحمت واقع ہوا ہے وہ صحت کو نہیں پہنچا جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۸۶۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اوپر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ

عشرًا۔ رحمت نازل کرتا ہے۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

سلہ یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایک بار رحمت نازل ہو اور درود پڑھنے والے پر دس دفعہ! اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بار درود شریف پڑھنا نمازی کا فعل ہے جس کی جزا ہے کہ آیت من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کے حکم مقتضے کے مطابق یہ ہے کہ اس پر دس بار اللہ تعالیٰ کیطرف سے رحمت نازل ہوتی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود نازل ہو۔ اور فرضاً ایک درود ہی تسلیم کیا جائے تو شاید کہ وہ ایک درود شریف دنفاست میں ایک لاکھ کے برابر ہو۔ جس طرح ایک موتی قیمت میں لاکھ روپیوں کے برابر ہو سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱؎ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوٰتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجٰتٍ۔

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کریگا اور اس کے دس گناہ معاف کرے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند کیے جائیں گے۔[1]

(نسائی شریف)

سلہ یعنی حق تعالیٰ کی درگاہ قرب میں اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔

۲؎ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ تعداد میں درود شریف پڑھے گا۔[1]

(ترمذی)

سلہ اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ کثرت درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے کا سبب اور ذریعہ بنے گا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول قرب کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وہ نور جو ہر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر فائض ہوگا اس سے اس بندے کو بھی حصہ ملے گا۔ اور معنیٰ شفاعت کی

حقیقت بھی یہی ہے۔

۸۶۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِى الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِىْ مِنْ اُمَّتِى السَّلَامَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِىُّ وَالدَّارِمِىُّ)

انہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں[1]۔

(نسائی، دارمی)

[1] ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتے اس بندے اور اس کے باپ کا نام لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اور عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں یعنی جیسے بندہ مسکین و بیچارہ عبدالحق بن سیف الدین آپ کی خدمت میں درود و سلام عرض کرتا ہے۔

لَکَ الْبِشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ
ذُكِرْتَ ثَمَّ عَلٰى مَا فِيْكَ مِنْ عِوَجٍ

ترجمہ۔ تجھے بشارت ہو اب تو وہ بوجھ اپنے سے اتار دے کہ تیرا تذکرہ تیری کوتاہیوں کے باوجود وہاں (مجلس حضور اقدس میں) ہوا ہے۔ ؎

جاں میدہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے کہ از ما میرود

ترجمہ۔ اے قاصد میں آرزو میں جان دینے کو تیار ہوں۔ آخر مجھے وہ باتیں بتائی جاہیں جو اس نازنین کی مجلس میں ہمارے متعلق ہوتی ہیں۔

۸۶۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَىَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَىَّ رُوْحِىْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ الْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کوئی شخص سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں[1]۔

ابو داؤد، بیہقی دعوات کبیر میں۔

[1] یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث کا مضمون برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و زندگی والی حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ سلام کے وقت آپ کی روح مبارک کو آپ میں واپس لوٹانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ

بعض اوقات روح پاک آپ سے جدا ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روح کے لوٹانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے الگ ہو چکی ہوتی ہے اور اسے بدن شریف میں لوٹایا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم کی طرف توجہ مبذول کرتے اور اس کے لیے افاقہ پاتے ہیں اور آپ امت کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں حالات ملکوت میں مشغول اور رب العزۃ کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں حالت وحی کے وقت آپ کی کیفیت ہوتی تھی تو اس مشاہدہ و استغراق سے افاقہ پانے اور باہر آنے کو روح کے لوٹانے سے تعبیر کیا گیا۔ جیسا کہ حدیث معراج میں واقع ہوا کہ فاستیقظت وانا بالمسجد الحرام (یعنی پس میں بیدار ہوا۔ حالانکہ میں مسجد حرام میں تھا) مذہب حق کے مطابق معراج خواب میں نہ تھی۔ لہٰذا مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم سے باہر آتے اور افاقہ پاتے ہیں۔ نیز حیات انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم احسان کے بدن میں تردد روح ایک بار موت کے بعد حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد کوئی زمانہ اور گھڑی خالی نہیں جس میں صلوٰۃ وسلام آپ پر پیش نہ کیا جاتا ہو اس لیے ہر دفعہ کے لیے روح کا بدن سے الگ ہو کر پھر اس میں آنا، عذاب قبر میں داخل ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن عزت و بزرگی کو پاک و منزہ جاننا ضروری اور واجب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ہمیشہ زندہ اور حیات ہوں۔ خوب سمجھو۔ وباللہ التوفیق

باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کا جواب دینے کی فضیلت قبر انور کے زائرین کے ساتھ خاص ہے جس طرح نماز میں داخل ہونے والا اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یا سب کے لیے عام ہے کہ جو بھی سلام عرض کرے اور جہاں سے بھی کرے۔ جیسا کہ تشہد وغیرہ میں ہوتا ہے ظاہر یہی ہے کہ سب کو سلام کا جواب ملتا ہے۔ مگر اتنی سی بات ہے کہ زائرین کا سلام بے واسطہ سن کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور دوسروں کا سلام ملائکہ سیاحین (سیر و سیاحت کرنے والے) کے ذریعے سنتے اور جواب دیتے ہیں[1]۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو تیسری

---

[1] کہ یہ ان فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ آستانہ عالیہ تک امت کا سلام پہنچایا کریں۔ یہاں چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے کے درود پہنچانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہر ایک کا درود نہ سنتے ہوں۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور و قریب کے درود خوان کا درود سنتے بھی ہیں اور درود خوان کی عزت افزائی کے لیے فرشتہ بھی بارگاہ عالی میں درود پہنچاتا ہے۔ تاکہ درود کی برکت سے ہم گناہ گاروں کا نام بھی فرشتہ کی زبان سے ادا ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گناہ گاروں کی فریاد و آواز کیوں نہ سنیں گے۔ رب تعالیٰ ہمارے اعمال دیکھتا ہے پھر بھی اس کی بارگاہ میں فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ فرشتے ایسے تیز رفتار ہیں کہ ادھر امتی کے منہ سے درود پاک کے الفاظ نکلے ادھر انہوں نے سبز گنبد میں پیش کر دیا۔ اگر کوئی ایک مجلس میں ہزار بار درود شریف پڑھے تو یہ فرشتہ۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

فصل میں آرہی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔

۵۶۹ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ تم جہاں بھی ہو۔

(نسائی)

سلہ یعنی قبروں کی طرح نہ بناؤ کہ ان میں مردوں کی طرح پڑے اور سوئے رہو۔ اور ان میں کوئی عبادت اور نماز وغیرہ ادا نہ کرو۔ بلکہ جس طرح تم لوگ مساجد میں عبادت کرتے اور انوار و برکات حاصل کرتے ہو گھروں میں بھی کچھ نہ کچھ عبادت کیا کرو۔ تاکہ اس کے انوار و برکات سے تمہارے گھر بھی روشن و منور ہوں۔ اور تمہارے اہل خانہ بھی اس سے مستفید و مستنیر ہوں۔ اسی لیے فرض نمازیں مسجد میں ادا کرو اور نوافل گھروں میں کہ مسجد کی بجائے گھر میں نوافل ادا کرنا افضل ہے یا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ باقی رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تو آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو گھر میں (حجرہ عائشہ) میں دفن کیا گیا۔

سلہ اور میری قبر انور کو عید گاہ نہ بنانا کہ زینت کر کے اور سج کر اس پر اجتماع نہ کرنا۔ اور نہ گانے بجانے اور لہو و لعب کا اسے مرکز بنانا۔ کہ یہ چیز موجب غفلت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ سالیسے افعال بد وہ اپنے انبیاء کی قبروں پر کرتے ہیں بعض اس جملے کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میری زیارت عید کی طرح نہ کرنا کہ سارے سال میں ایک دو بار سے زیادہ حاضری کے لیے نہ آؤ۔ پس اس میں کثرت سے زیارت آدراس درگاہ بے کس پناہ میں حاضری کی ترغیب و تنبیہ ہے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بار بار نصیب فرمائے۔

سلہ اور یہ فکر نہ کرو کہ ہمارا درود اتنے فاصلے سے آپ کی خدمت میں کیسے پہنچے گا۔ کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا درود ہم تک پہنچتا رہتا ہے۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست ۔۔۔ مے بینمت عیاں و دعا مے فرستمت

بقیہ حاشیہ برصفحہ سابقہ۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہزار چکر لگائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ دن بھر کا درود و سلام تھیلے میں جمع کر کے ڈاک کی طرح شام کو وہاں پہنچائے جیسا کہ اس دور کے بعض جہلاء نے سمجھا۔ از مرآۃ المناجیح جلد ۲ بتغیر یسیر (مترجم غفرلہ)

ترجمہ۔ راہ عشق میں دور و نزدیک کا مرحلہ نہیں، میں تجھے بالکل عیاں اور ظاہر دیکھتا ہوں اور دعا میں تجھے تحفہ بھیجتا ہوں یہاں بعض مشتاقان جناب کے لیے تسلی اور بشارت ہے کہ اگر وہ مجبوری کی وجہ سے قرب صوری سے محروم ہیں تو انہیں چاہیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ اور حضور قلبی سے غافل نہ ہوں اور اپنے آپ کو حضور کے حسن سے دور خیال نہ کریں، کیونکہ صلوٰۃ وسلام کے وسیلے اور بارگاہ اقدس میں اس کے پہنچنے کے تعلق سے وہ آپ کے نزدیک ہی ہیں۔ ع

قرب جانی چوں بود بعد مکانی سہل ست

جب روحانی قرب نصیب ہے تو پھر جسمانی قرب نہ ہونا آسان چیز ہے۔

۹۲۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ وَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جسکے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے[۱] اس کی ناک گرد آلود ہو جسے رمضان کا مہینہ نصیب ہو پھر اس کی بخشش سے پہلے گزر جائے[۲] اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں[۳] (ترمذی)

۱؎ یعنی وہ مرد خوار و ہلاک ہو جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ مجلس میں جتنی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اتنی ہی بار درود پاک پڑھنا ضروری ہے کیونکہ درود نہ پڑھنے پر یہاں سخت وعید اور ڈانٹ آئی۔ مگر یہ کہ یوں کہیں کہ وجوب کی دلیل عذاب آخرت کی صورت میں وعید کا لاحق ہونا ہے اور رغم الف (ناک کا خاک آلودہ ہونا) اس قبیلہ سے نہیں ہے۔ بہر حال ان الفاظ کی غایت استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ میں حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک طرح کی ڈانٹ ڈپٹ مراد ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی اس ماہ میں عبادت نہ کرے اور اس ماہ کے حقوق ادا نہ کرے جو اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

۳؎ یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک نہ کرے اور ان کے حقوق ادا کرے اور ان کی رضا اور خوشنودی حاصل نہ کرے جو اس کے بہشت میں پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۸۸۶ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَآءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَّلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرہ انور پر تھی۔ فرمایا میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا کہ آپ کا رب تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود پڑھے مگر میں اس پر دس رحمتیں کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک بار سلام نہ بھیجے مگر میں اس پر دس سلام بھیجوں۔ (نسائی، دارمی)

۱؎ حضرت ابوطلحہ انصاری ہیں مشہور صحابی ہیں۔ حضرت انس کی ماں کے خاوند ہیں۔ ان کا نام زید بن سہل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لشکر میں ابوطلحہ کی آواز سو مردوں سے بہتر ہے۔

۲؎ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بشارت ہے یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و بزرگی کے تسکر انے کے طور پر ہے یا اس وجہ سے آپ خوش تھے کہ اس سے امت کو ثواب ملتا ہے اور آپ کی انتہائی حرص و خواہش امت کے لیے طلب خیر و برکت ہوتی تھی۔

۸۸۷ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمَّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ پر درود پڑھتا ہوں تو کتنا درود مقرر کروں۔ فرمایا جتنا چاہو میں نے کہا چہارم فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا آدھا فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا میں سارا درود ہی پڑھوں گا۔ فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہوگا اور تمہارے گناہ معاف کیے جائیں گے۔ (ترمذی)

ؔ۵۱ آپ عظمائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ دوسرے مقامات میں لکھے جا چکے ہیں۔
ؔ۵۲ یعنی بہت درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں تو کتنا وقت اس کے لیے مقرر ومعین کروں۔ اس عبارت کا دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے۔ یارسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کی تعداد اور وقت مقرر کر لوں۔ اور شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یعنی میں نے اپنے لیے دعا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں آپ پر درود پڑھوں اور بہت پڑھوں تو کتنی مقدار اس وقت میں سے آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا اور فرمایا جس قدر زیادہ پڑھے گا بہتر ہو گا۔
ؔ۵۳ چہارم یعنی چوتھا حصہ
ؔ۵۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سارا وقت مجھ پر درود شریف میں صرف کرے گا تو تیرے لیے کفایت ہو جائے گی اور تیرے تمام دینی و دنیوی مقاصد پورے کر دیے جائیں گے اور تیرے سب ظاہری باطنی اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک پڑھنا تمام مقاصد کے پورا ہونے کا سبب اس لیے بنتا ہے کہ بندہ جب خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق اور پسندیدہ امور کے طلب کرنے کا سوال کرتا اور اس میں صدق و اخلاص کو بروئے کار لاتا ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کام کو اپنے نفس کے مطالب و مقاصد پر ترجیح دیتا ہے تو ایسا شخص لازمًا جزائے کامل اور فیض خاص کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تمام مہمات و مشکلات کے لیے کفایت ہو جاتی ہے۔ من کان للہ کان اللہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور من شغلہ ذکری عن مسئلتی الحدیث یعنی جسے میرے ذکر نے سوال کرنے سے روک دیا: الحدیث۔ اور من یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا الآیۃ۔ یعنی جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ذریعہ بنا دیتا ہے الی آخر الآیۃ۔

درود شریف کے کافی مہمات و مشکلات ہونے کی ایک دلیل یہی ہے کہ شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسکین (عبدالحق) کو مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے روانگی کے وقت وداع کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بات ذہن میں رکھو اور آگاہ رہو کہ اس راہ میں ادائے فرائض کے بعد کوئی عبادت حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے برابر نہیں ہے تمہیں چاہیے کہ اپنا سارا وقت اس میں صرف کرو۔ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ عرض کیا گیا اس کے لیے کوئی معین تعداد بھی ہے۔ فرمایا یہاں عدد معین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس قدر پڑھو کہ ہر وقت اسی سے رطب اللسان رہو۔ حتیٰ کہ انہیں کے رنگ میں رنگے جاؤ۔ اور اسی میں مستغرق رہو۔

۹۱۵ ؔ۱۲ وَعَنْ فَضَالَۃَ ابْنِ عُبَیْدٍ قَالَ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰی فَقَالَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَجِلْتَ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلَّیْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمِدِ اللّٰہَ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُہٗ قَالَ ثُمَّ صَلّٰی رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِکَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ ادْعُ تُجَبْ۔

فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا، الٰہی مجھے بخشش دے اور مجھ پر رحم کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی وہ حمد کر جس کے وہ لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر۔ فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی دعا مانگ کر قبول ہو گی۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ۔

ترمذی اور ابوداؤد ونسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لے فضالہ فا کی زبر سے۔ عبید عین کی پیش اور با کی زبر سے یعنی ابو محمد فضالہ بن عبید انصاری اوسی صحابی ہیں۔ آپ سب سے پہلے غزوہ احد میں شریک ہوئے شجرۃ الرضوان کے نیچے بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ جنگ خیبر میں بھی حاضر و موجود تھے۔ شام میں منتقل ہو گئے تھے۔ دمشق میں سکونت اختیار کی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے لیے خروج کیا تو آپ کے ذمے دمشق کی قضا کی ذمہ داری سپرد کی گئی صحیح تر قول کے مطابق ۵۳ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

۵۲ کہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مجھ پہ درود شریف پڑھنے سے پہلے ہی دعا شروع کر دی۔

۵۳ بیٹھنے میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے نماز کا قعدہ مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لیے بیٹھنا مراد ہو۔ یہ دوسرا احتمال سیاق حدیث کے زیادہ موافق و ظاہر ہے۔

۵۴ یعنی صفات کمال سے۔

۵۵ پھر خدا تعالیٰ سے درخواست کر اور جو چاہتا ہے مانگ

۵۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو دعا کے آداب سکھائے کہ دعا سے پہلے حمد و ثنا اور میرے اوپر درود شریف

پڑھنا چاہیے اس کے بعد دعا کرنی چاہیے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی حمد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا چاہیے۔

۹۳۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَاْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهٗ سَلْ تُعْطَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد سے ابتدا کی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا پھر میں نے اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ تجھے دیا جائے گا، مانگ لے تجھے عطا کیا جائے گا۔ (جو مانگے گا)

(ترمذی)

لہ بعض نسخوں میں یہاں لفظ حاضر موجود ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض صحت شدہ نسخوں میں یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں جو یہ لفظ موجود نہیں تو وہاں مقدر ہے (یعنی نیت میں ہے)

سلہ آپ نے یہ جملہ بقصدِ تاکید اور مزید طلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۳۴ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے پسند ہو کہ اسے پوری ناپ ملے تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو کہے الٰہی نبی امی حضرت محمد پر اور مسلمانوں کی ماؤں یعنی حضور کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر رحمت بھیج جیسے تو نے رحمت بھیجی ابراہیم پر بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

(ابوداؤد)

لہ اکیال ـ یا کی زبر اور پیش کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے ـ زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا ـ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اپنے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرے ـ پیش کی صورت میں معنی ہوگا کہ اس کے لیے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرا جائیگا یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی مراد اتم اور اکمل طریقہ پر حاصل ہو ـ

سلہ اسے چاہیئے کہ اس طرح درود پاک پڑھے اور بھیجے ـ

سلہ اُمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص لقب ہے ـ جو توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہے ـ لغت میں اُمی اُسے کہتے ہیں جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو اور کسی مکتب و مدرسہ میں نہ گیا ہو اور نہ کسی سے سیکھا ہو ـ یہ لفظ اُم (ماں) کی طرف منسوب ہے ـ یعنی اسی حالت پر ہو جس پر وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا ـ ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

میرے معشوق نے جو نہ کسی مکتب و مدرسہ میں گیا اور نہ اس نے خط لکھنا سیکھا آنکھ کے ایک اشارے سے سو مدرس کو مسئلے سکھا دیئے ـ

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانۂ چند ملت بشست

وہ یتیم جس نے کسی سے قرآن بھی درست نہ کیا تھا ـ اس نے آکر سابقہ ملتوں کے کتب خانے دھو ڈالے (انہیں منسوخ کر دیا)

بہ تعلیم آداب او را چہ حاجت کہ او خود ز آغاز آمد مؤدب

اُسے آداب سکھانے کی کیا حاجت و ضرورت ہے جو آغاز سے ہی باادب پیدا ہوا ہو ـ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس معنی کی صحت کے باوجود ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے بھی اُمی کہتے ہیں ـ یا ام الکتاب لوح محفوظ کی طرف نسبت کی بنا پر اُمی کہتے ہیں کہ کتب ملکوت میں اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ کے مطابق رب تعالیٰ سے علم و ادب سیکھا صلی اللہ علیہ وسلم ـ

۸۶۲/۱۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ـ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پہ درود نہ پڑھا ـ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ ـ

ترمذی اور احمد نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ـ

سلہ یعنی وہ آدمی بخیل نہیں جو میلانِ طبیعت اور تقاضائے فطرت کے تحت اپنا مال اپنے سے جدا کرنے کو تیار نہ ہو۔ کہ اس کا یہ بخل اس شخص کے بخل کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو سستی اور غفلت کے باعث اور اپنے نفس کی خرابی کی وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر آپ پر ایک کلمہ (درود شریف) کہنے کو تیار نہیں، اور ادائے حق اور آپ کی شکرگزاری پر آمادہ نہیں۔ اور دادِ محبت و عقیدت دینے کو تیار نہیں۔ یہ موقعہ تو وہ ہے کہ جانیں قربان کر دی جائیں چہ جائیکہ صرف ایک کلمہ زبان پر لائیں۔ سہ

مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست
تاکنم جاں از سرِ رغبت فدائے نامِ دوست

مرحبا اے مشتاقانِ دید کے قاصد دوست کا پیغام دے تاکہ میں رغبت و شوق سے اپنی جان دوست کے نام پر قربان اور فدا کر دوں۔

سلہ ان الفاظ کے معانی اور ان صفات کے ایک ہی حدیث میں جمع ہونے کی توجیہہ مقدمۂ کتاب میں ذکر ہو چکی ہے۔ وہاں سے یہ معانی ذہن نشین کر لو۔

۹۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے (بیہقی شعب الایمان میں)

سلہ کہ اس کام پر مقرر سیاح فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کی کیا فضیلت ہے تو حسبِ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی کیا شان ہوگی۔ اگر ساری عمر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کو صرف ایک بار حضور کی طرف سے علیک السلام کا جواب نصیب ہو جائے تو کس قدر سعادت کی بات ہے۔ چہ جائیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کے سلام کا جواب ارشاد فرمائیں اور وہ ہر بار آپ کا جواب سنے۔ بیت

سلہ حدیث میں اُبْلِغْتُهٗ کا لفظ آیا ہے یعنی درود والوں کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے اس لفظ میں خود سننے کی نفی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص دلی رغبت و توجہ اور حضورِ قلب سے درود نہیں پڑھتا اور اس کا دل اس کیفیت حضور سے دور ہے تو میں بھی اس کے سماع کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتا۔ اس کا درود ملائکہ میری خدمت میں لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آن لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

ہر بار سلام کے جواب سے اُن کے لبوں کو تکلیف نہ دے میرے سو سلام کے لیے تیرا ایک جواب کافی ہے۔

۸۸۴/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جو بندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں لہ۔ (احمد)

لہ اگرچہ بظاہر یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر یہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہے کیونکہ اعمال کی کمیت و کیفیت حضرت نبوت سے سنے بغیر بیان نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں گزرا۔

۸۸۵/۱۸ وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّقَالَ اللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود شریف پڑھتا ہے اور کہتا ہے الٰہی (حضور کو) قیامت کے دن اپنے قریب ٹھکانے میں اتار۔ تو اس کے لیے میری شفاعت ثابت و ضروری ہو گئی۔ (احمد)

بقیہ حاشیہ بر صفحہ سابقہ۔ ہمارے بیان کردہ اس مطلب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مقدمۂ دلائل الخیرات شریف میں فرمایا اسمع صلوٰۃ اہل محبتی۔ یعنی اہل محبت کا درود شریف میں خود سنتا ہوں۔ علامہ ابن القیم نے اپنی تالیف جلاء الافہام میں ایک حدیث نقل کی اس کے الفاظ ہیں بلغنی صوتہ حیث کان۔ یعنی اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے پڑھنے والا جہاں بھی ہو پھر روضۂ انور پر ہزاروں سن مٹی و عنبرہ درمیان میں حائل ہونے کے باوجود جب آپ روضۂ پاک پر خود سنتے ہیں تو یہاں سے کیوں نہیں سن سکتے۔

اور کتاب اخبار الاخیار شریف میں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کے اس بیان کے مطابق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و اعمال پر مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، دور سے سننے میں کوئی استحالہ نہیں۔

لے یعنی رُوَیفع راکی پیش، واو ساکن اور یا کے کسرہ سے۔ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ آپ انصاری ہیں مصریین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طرابلس کا امیر مقرر کیا تھا۔ آپ نے سنہ ۴۷ھ میں اہل افریقیہ پر فوج کشی کی۔ آپ نے سنہ ۵۶ھ میں مقام برقہ یا شام میں انتقال فرمایا۔ اور آپ اہل مصر سے ہیں۔

لے اگرچہ آپ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ تاہم ان الفاظ کے ساتھ درود پاک پڑھنے والوں کے لیے آپ کی شفاعت ضروری اور یقینی ہے اور ان کے لیے خاص شفاعت اور خاص درجہ ہے۔ جس طرح روضہ انور کی زیارت کرنے والوں کے لیے آپ خاص شفاعت کریں گے۔

۸۴۶/۱۹ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے تو بہت لمبا سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات ہی نہ دیدی ہو حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں آکر دیکھنے لگا تو آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا تجھے کیا ہے میں نے اپنے دل کا خدشہ بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے کہا ہے کہ کیا آپ کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے جو بندہ آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت کروں گا۔ اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ (احمد)

۸۴۷/۲۰ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں (بندے کی) دعا آسمان و زمین کے درمیان رکی رہتی ہے اس سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتی کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو۔لے (ترمذی)

لے یعنی دعا کی اجابت اور قبولیت درود شریف پڑھنے پر موقوف ہے اور چونکہ درود شریف مستجاب مقبول اور مقام قبولیت میں پہنچتا ہے اور فضل و رحمتوں سے ملا ہوا ہے۔ اس لیے اس کے طفیل اور توسل سے دعا بھی محل قبولیت

میں پہنچ جاتی ہے۔ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ بکعبہ رسد — دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

مسکین چیونٹی کو کعبہ پہنچنے کی ہوس و آرزو تھی۔ اس نے ہاتھ پاؤں کبوتر سے چپٹائے اور اچانک کعبے پہنچ گئی۔

بَابُ الدُّعَاءِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد کے بعد دعا کا باب

کتب فقہ میں مذکور ہے کہ التحیات اور درود شریف پڑھنے کے بعد نمازی دعا پڑھے۔ جو بھی اسے اچھی لگے مگر اس بات کا خیال رکھے کہ وہ ایسی دعا نہ ہو جو لوگوں کے ساتھ کلام کے مشابہ اور اس کا مانگنا اور طلب کرنا لوگوں سے ممکن ہو۔ اور گزشتہ باب التشہد کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ ثم لیتخیر من الدعاء اعجبہ الیہ یعنی پھر جو دعا اسے اچھی لگے اسے اختیار کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص دعائیں بھی مروی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اچھی دعاؤں سے یہی ماثورہ دعائیں مراد ہوں۔ الغرض ان دعاؤں کا اختیار کرنا اور ان سے توسل و تمسک کرنا بہت بہتر بہت فضیلت کی چیز اور بہت کامل ہے کیونکہ یہ ماثورہ دعائیں تمام دنیوی اور اخروی مقاصد کے لیے مکمل تر اور جامع تر ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۸۲۸/۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْا فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ فِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَ وَعَدَ فَاَخْلَفَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (یہ) دعا مانگتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے۔ اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے۔ اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔ کسی نے آپ سے عرض کیا۔ حضور آپ قرض سے اس قدر زیادہ پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا آدمی جب مقروض ہوتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ عذاب قبر کا تفصیل سے بیان کتاب کے اول میں باب اثبات عذاب القبر میں گزر چکا ہے۔
سلہ یعنی میں مسیح الدجال کے ابتلاء اور آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ مسیح دجال آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور استدراج کے طور پر اس کے ہاتھ سے خلاف عادت بہت سی چیزیں ظاہر ہوں گی وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا قریب قیامت کے ۔ پوری تفصیل کے ساتھ کتاب کے آخر میں باب علامات الساعۃ میں آ رہے ہیں۔

مسیح ایک مشترک نام ہے جو دجّال علیہ اللعنۃ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی۔ لیکن جب مطلق مسیح بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اس سے دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو پھر دجال کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں واقع ہوا ہے۔ ان دونوں کے لیے اس کی وجہ تسمیہ اور اس کے متعلقات کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے موقعہ و محل میں کیا جائے گا۔

سلہ زندگی کے فتنہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندے کو دین اسلام سے برگشتہ کرتے ہیں۔ جیسے کجی لغزش، باطل کی طرف میلان اور راہ راست سے انحراف، نیز اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کی تحصیل کو ترک کر دینا۔ اور بلاؤ محن اور اسباب ضلالت و بطالت کو اختیار کر لینا اور فتنہ ممات سے حالت نزع میں شیطانی وسوسہ اور منکر و نکیر کا سوال مراد ہے اور اگر بوقت نزع شیطانی وسوسے کو فتنہ زندگی میں داخل کریں اور فتنہ ممات سے قبر و آخرت کی پریشانیاں مراد لیں تو بھی ٹھیک ہے۔

سلہ یعنی گناہ اور ایسے کام سے پناہ مانگتا ہوں جو گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنے۔

سلہ اور قرض سے ہے جس کا اتر نا دشوار ہو جائے یا جو معصیت اور گناہ کے لیے حاصل کیا جائے اور اگر قرضہ طاعت اور کار خیر کے لیے لیا اور اس کے ادا کرنے سے بے بس بھی نہیں تو ایسے قرضہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں، تاہم اس کے باوجود کہ قرضہ کار خیر کے لیے لیا ہو انسان مشکل میں پڑ جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ ادائگی سے پہلے ہی مر جائے اور اس کا ترکہ قرضہ کی رقم سے کم ہو۔ اور قبر و آخرت میں اس کی گرفت میں آ جائے اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض سے پناہ مانگی اور قرض بظاہر ایک آسان اور معمولی چیز تھی اس لیے سائل نے سوال کیا۔

سلہ آپ نے قرض کی قباحت و شناعت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مقروض انسان کو اپنے حالات و معاملات بیان کرنے پڑتے ہیں وہ اپنے فقر و فاقہ کا اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ اسے قرض دیں یا ماضی میں قرضہ نہ ادا کر سکنے پر عذر خواہی اور کوتاہی کے لیے تمہیدیں باندھتا ہے۔ تو بسا اوقات اسے جھوٹ بولنا پڑتا ہے آخری معنی جھوٹ بولنے کے الفاظ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۸۸۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ الْاٰخِرِ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی جب دوسری التحیات سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ دوزخ اور قبر کے عذاب سے۔ زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے شر سے۔

(مسلم)

۸۸۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَاءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمُ السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (صحابہ کو) یہ دعا سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے[1] تھے۔ فرماتے تھے کہو اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں۔ المسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

(مسلم)

[1] یعنی بڑی تاکید و اہتمام سے تعلیم دیتے تھے اور اس دعا کے پڑھنے اور اسے یاد رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

۸۸۹ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِہٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا[1] سکھائیے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں۔ فرمایا کہو الٰہی میں نے اپنی جان[2] پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔ تو اپنی طرف سے میری بخشش کر۔ مجھ پر رحم کر بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی کوئی تشہد کے بعد اور درود کے بعد آخر قعدہ میں سلام سے پہلے ... اور مقرر دعا جو پڑھی جاتی ہے ان کا

محل وموقع یہی ہے۔

سے ۵ اکثر روایات میں کثیرا ثا کے ساتھ ہے اور مسلم کی بعض روایات میں کبیرا با کے ساتھ آیا ہے۔ امام نووی نے اذکار میں کہا دونوں لفظ جمع کر کے پڑھنا بہتر ہے۔

۸۸۴ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عامرؓ بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے۔ حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی میں دیکھ لیتا۔ (مسلم)

سے ۱ یعنی حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ آپ تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور حضرت عثمان غنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور ان سے حضرت زہری وغیرہ نے احادیث سنی ہیں۔

سے ۲ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کیوقت اتنی مقدار میں چہرہ انور نمازیوں کی طرف پھیرتے تھے کہ آپ کا پر نور اور روشن رخسار دیکھا جا سکتا تھا۔ اس شخص کی سعادت کا کیا ٹھکانا جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہو۔ بیت

کاشکے اندر نمازم جا شود پہلوئے تو تا بتقریب سلام افتد نظر بر روئے تو

کاش کہ نماز میں میری جگہ تیرا پہلو ہو، تاکہ سلام کے بہانے ہی نگاہ تیرے چہرے پر پڑ جائے۔

۸۸۵ وَعَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سمرہؓ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف اپنے چہرہ انور سے متوجہ ہوتے (بخاری)

سے ۱ سین کی زبر اور میم کی پیش کے ساتھ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات دوسری جگہوں میں لکھے جا چکے ہیں۔

سے ۲ یعنی دائیں یا بائیں سلام پھیرنے کے وقت۔ زیادہ قریب یہ ہے کہ سلام کے بعد کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کبھی داہنی جانب رخ کرتے تھے کبھی بائیں جانب۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے اور کبھی پورے طور پر چہرہ انور نمازیوں کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے۔

۸۸۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے دائیں جانب

پھرتے تھے۔ (مسلم)

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

۵۵۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِّنْ صَلٰوتِہٖ یَرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَّا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَّمِیْنِہٖ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا یَنْصَرِفُ عَنْ یَّسَارِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے تم میں کوئی آدمی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے۔ اور وہ یہ کہ یہ سمجھے[1] کہ اس پر واجب و لازم ہے کہ ہمیشہ دائیں جانب رخ کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب[2] پھرتے دیکھا ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] اصل میں لفظ یری آیا ہے۔ یا کی زبر اور پیش کے ساتھ۔ دونوں روایتیں ہیں۔ زبر کے ساتھ معنی علم اور پیش کی صورت میں معنی گمان و خیال۔

[2] حاصل مقام یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں جانب پھر کر بیٹھتے کبھی بائیں جانب کو بیٹھتے۔ بیشتر آپ ایسا ہی کرتے تھے کہ سلام پھیرتے اور دعا کرتے اور حجرہ شریف کی طرف جو بائیں جانب ہے اٹھ کر چلے جاتے کبھی اس کا عکس کرتے کہ بائیں جانب سے پھر کر دائیں جانب پر بیٹھتے علماء نے پہلی حالت کو عزیمت پر محمول کیا ہے کہ اس میں دائیں جانب کو ترجیح ہے۔ اکثر حالات میں آپ کا فعل یہی تھا۔ لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ثانی صورت اگرچہ قلیل الوقوع اور رخصت پر عمل ہے مگر سنت کے لیے وجوب کا اعتقاد کر لینا ٹھیک نہیں اور شارع علیہ السلام کے رخصت دینے سے روگردانی نہ کرنی چاہیے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے جس طرح اس کی عزیمتوں پر عمل پیرا ہونا اس کو پسند ہے۔ اور شافعی حضرات نے ان دو احادیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ نمازی کو چاہیے کہ جس جانب سے اس کی حاجت و ضرورت وابستہ ہو اُدھر منہ کرے۔ اگر اسے دائیں جانب سے حاجت و ضرورت متعلق ہے تو ادھر منہ کرے۔ مثلاً اس طرف اس کا مکان ہے یا اس طرف اسے کوئی کام ہے تو اس طرف کو پھرے۔ اور اگر بائیں جانب کے ساتھ کام و ضرورت متعلق ہے تو اس طرف کو پھر جائے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی نمازیوں کی طرف منہ کر کے بھی بیٹھتے تھے۔ آپ ان کی طرف منہ کرتے اور پشت قبلہ شریف کی طرف کرتے اگر نمازیوں سے آپ کو کوئی کام ہوتا مثلاً ان سے کلام ہوتا اور گفتگو کرنا ہوتی۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا کہ اذا صلی صلوۃ اقبل علینا بوجہہ کہ جب آپ اپنی نماز پڑھ لیتے تو ہماری جانب چہرہ مبارک کر لیتے۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف منہ

کر کے بیٹھنے اور فرماتے تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ آپ ایسے خواب کی طلب کرتے جس میں فتح مکہ کی بشارت ہو اور احادیث بھی اس معنی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس میں غور کرو۔

۹۴۶ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَّكُوْنَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ کی دائیں جانب ہونا پسند کرتے تھے تاکہ آپ ہم پر اپنے چہرۂ انور سے متوجہ ہوں۔[1] حضرت براء فرماتے ہیں میں نے آپ کو یہ کہتے سنا اے رب مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔[2] (مسلم)

[1] یعنی پہلے سلام میں یعنی اس سے پہلے کہ آپ چہرہ مبارک بائیں جانب کریں، آپ کی نگاہ پہلے ہم پر پڑے۔ اور آپ کے مشاہدۂ جمال کی سعادت پہلے ہمیں نصیب ہو جائے اور ہم لوگ آپ کے خطاب کریم سے مشرف ہوں۔ اور سب سے پہلے ہم لوگ ہی آپ کے روبرو ہو کر انوار و برکات اور اسرار و معارف کا فیض حاصل کریں۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ آپ جانب حق سے ہماری جانب رجوع کر رہے ہوں اور نماز سے جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور نہایت شہود کا وقت اور آپ کے غایت قرب کامل ہے فارغ ہو کر ہماری جانب رخ کر رہے ہوں۔ اور یہ امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی وجہ فضیلت میں سے ایک سبب ہے۔ اور یہ وہ راز ہے جس کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ صحابہ کو اپنے نزدیک کھڑے ہونے کا حکم دیتے تھے۔

[2] او تجمع یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ تبعث فرمایا یا تجمع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندگان خاص اور مقربان درگاہ اس کے عذاب سے ڈرتے تھے اور اس کی رحمت میں پناہ لیتے تھے۔ یا یہ کلام تعلیم امت کے لیے ہے تاکہ درگاہ کے آداب سے واقف ہو جائیں۔

۹۴۷ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَإِذَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیرتیں تو کھڑی ہو جاتیں[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے مرد جب تک رب چاہتا بیٹھے رہتے[2] پھر جب رسول اللہ

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔

صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَ سَنَذْکُرُ حَدِیْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ فِیْ بَابِ الضِّحْکِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

بخاری۔ اور ہم حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث ہنسی کے باب میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ[3]

[1] اور مردوں سے پہلے گھروں کو چلی جائیں۔

[2] پھر آپ بعض اوقات صرف اللھم انت السلام ومنک السلام الی آخرہ پڑھنے تک بیٹھتے اور کبھی آپ اتنی دیر بیٹھتے کہ دعا کرتے، قرآن پاک پڑھتے اور تبلیغ احکام کرتے اور کبھی آفتاب طلوع ہونے تک مصلی پر تشریف فرما رہتے یہ مختلف قسم کی نشست حالات کے اختلاف کی بنا پر ہوا کرتی تھی۔

[3] یعنی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ کے نماز فجر سے طلوع آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھنے کا ذکر ہے باب الضحک میں بیان کریں گے۔ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے کا بھی ذکر ہے مؤلف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کا ذکر اس باب میں کرنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۴۹ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِیَدِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ یَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَ اَنَا اُحِبُّکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ دعائیہ کلمات کہنا نہ چھوڑنا[1] یارب اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت کرنے پر میری مدد[2] کر۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّ اَبَا دَاوٗدَ لَمْ یَذْکُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَ اَنَا اُحِبُّکَ۔

احمد، ابوداؤد، نسائی

مگر ابو داؤد نے یہ ذکر نہ کیا کہ معاذ نے کہا میں آپ سے محبت کرتا ہوں[3]

[1] اس حدیث کو باب الدعا بعد التشہد میں لانے سے ظاہرًا اس دعا کا التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے پڑھنا معلوم

ہوتا ہے اور کتاب سفر السعادت سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنا ظاہر ہوتا ہے۔

سلے اور شہود و مراقبہ کی صورت میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو درجہ احسان اور ان تعبد ربک کا نک تراہ کا مقام ہے

سلے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث اخذ بیدی سے لے کر بقول انا احبک تک مسلسل ہے۔ اور اس کاتب حروف (عبدالحق) کو بھی بعض علمائے یمن سے اسی طرح مسلسل ملی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

۸۸۹ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَ عَنْ يَسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام پھیرتے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور بائیں جانب اس طرح کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے بائیں رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ لَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ۔

ابوداؤد، نسائی۔ ترمذی اور ترمذی نے یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی لے۔ اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

لے نہ دائیں جانب میں اور نہ بائیں جانب۔ بلکہ اس نے صرف یہی الفاظ روایت کیا کان یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح دوسری جانب۔ اور یہ حدیث ان آئمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ابن ماجہ حتی یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی کے موافق ہے یا نہ کرنے میں ترمذی کے موافق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ترمذی کے موافق ہے۔

۸۹۰ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نماز سے پھرنا (رخ کرنا) زیادہ تر بائیں طرف اپنے حجرہ کی طرف ہوتا تھا۔

(شرح سنۃ)

۱۹۱ وَعَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّ الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ.

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيرَةَ.

حضرت عطاء[۱] خراسانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس جگہ[۲] یا نماز نہ پڑھے جہاں اس نے فرض پڑھے بلکہ کچھ ہٹ کر پڑھے۔

ابوداؤد۔ اور کہا کہ عطا خراسانی نے مغیرہ کو نہ پایا[۳]۔

۱ حضرت عطائے خراسانی مشہور تابعین میں سے ہیں۔ بلخی ہیں۔ سنہ ۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۵ ہجری میں فوت ہوئے۔ ابوحاتم نے کہا ثقہ ہیں۔ نسائی نے کہا لا بأس بہ۔ ان سے مالک اور معمر روایت کرتے ہیں۔

۲ علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم صرف امام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقتدیوں کو بھی شامل ہے۔ امام کے ہٹنے کی وجہ یہ ہے تاکہ آنے والے کو یہ وہم نہ پڑے کہ امام نماز فرض میں ہے۔ بعض نے کہا اس لیے وہ جگہ چھوڑے تاکہ اس کی عبادت پر دونوں جگہیں گواہی دیں۔ بعض نے تاکہ بارگاہ الٰہی میں کثرت عبادت کا اظہار ہو۔ بعض نے کہا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ نفل عبادت کا رتبہ فرض عبادت سے کم ہے۔ اور یہ تمام وجوہ امام، مقتدیوں بلکہ تمام نمازیوں کو شامل ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ نفل نماز فرض کی جگہ پر ادا نہ کی جائے۔

۳ کہ عطائے خراسانی نے نہ تو مغیرہ کو پایا اور نہ دیکھا ہے۔ پس یہ حدیث متصل نہ ہو گی کیونکہ حضرت مغیرہ کی وفات سنہ ۵۰ ہجری میں ہوئی اور اسی سال میں حضرت عطائے خراسانی پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

۱۹۲ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَنْصَرِفُوا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ.

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی ترغیب[۱] دی اور ان سے منع فرمایا کہ آپ نماز سے فراغت سے پہلے وہ[۲] چلے جائیں۔

(ابوداؤد)

۱ یعنی نماز کی محافظت اور ہمیشہ ادا کرنے کی تاکید و ترغیب دی۔ اور حدیث کا سیاق اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت اور تکبیر اولیٰ پانے کے لیے جلدی کرنے کی آپ نے ترغیب دی اور تاکید کی۔

۲ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو جائیں۔ جیسے کوئی شخص آپ کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر کر نماز سے باہر آ جائے۔ یا سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی

سے اٹھنے سے پہلے اللہ کر چلا جائے اور دعا و ذکر کی انتظار نہ کرے پہلے معنی کے مطابق نہی تحریمی ہے اور دوسرے معنی کے مطابق نہی تنزیہی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۶۳/۱۶ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَّاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوٰى اَحْمَدُ نَحْوَهٗ

حضرت شداد ابن اوس[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں[۲] یہ دعا پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے دین میں استقامت اور ہدایت پر مضبوطی[۳] مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر[۴] اور تیری اچھی عبادت مانگتا ہوں اور تجھ سے سلامت دل[۵] اور سچی زبان مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے[۶]۔ اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے اور اس چیز (گناہ) سے بخشش مانگتا ہوں جسے تو جانتا ہے[۷]۔ نسائی اور احمد نے اس کی مثل روایت کی۔

[۱] شداد شین کی زبر اور دال کی شد کے ساتھ۔ بن اوس ہمزہ کی فتح اور واو ساکن کے ساتھ۔ ان کی کنیت ابو یعلی ہے۔
• حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ انہیں اور ان کے باپ دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہے بیت المقدس میں قیام رہا۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا۔ شداد کو علم و حلم دونوں خوبیاں دی گئی ہیں۔

[۲] یعنی نماز کے آخر میں تشہد کے اندر، یا سلام کے بعد نماز کے پیچھے۔ احمد کی روایت میں آیا ہے فیھا اَوْدُبُرَھَا۔ یعنی آپ نماز میں یا نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے مگر مؤلف اسے باب الدعا بعد التشہد میں لایا ہے۔ یہ مقام غور ہے۔

[۳] رشد و رشاد کا معنی ہے سیدھے راستے پر ہونا اور اس پر چلنا۔

[۴] کہ شکر ہر نعمت کا سبب اور مال کی ہلاکت و زوال سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

[۵] یعنی جو تیرے نزدیک نیکی اور خیر ہے۔ نہ وہ جسے میں نیکی اور خیر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے

کہ بندہ ایک چیز کو خیر جانتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے مگر واقع میں وہ چیز شر اور بُری ہوتی ہے اور کلمہ من تبعیضیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ساری خیر و نیکی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اتنی ہی جو اس کی قسمت میں ہے۔ یا کلمہ من زائدہ ہے۔ اور کل خیر اور تمام بھلائیوں کا سوال ماثورہ دعاؤں میں بہت ہے۔

سلہ یہ امت کی تعلیم کے طور پر ہے کہ اس طرح دعا کرنی چاہیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خیر حاصل ہے اور شر آپ کے نزدیک بھی نہیں جا سکتا۔ اور آپ کا اگلا، پچھلا (نا مناسب فعل و عمل) سب بخش دیا گیا ہے۔ اور اکثر ماثورہ دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب عنایات آپ کے شامل حال ہونے کے باوجود اس طرح کی دعائیں تواضع تذلل اور اظہار بندگی کے طور پر ہیں۔ نیز کبریائے حق اور بے نیاز درگاہ کی عظمت شان کے پیش نظر ہیں۔

۸۹۴/۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں التحیات کے بعد کہتے تھے۔ اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ[1] حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔

(نسائی)

سلہ ھَدْیٌ ہا کی زبر اور دال کی جزم سے۔ یعنی نیک سیرت۔ اور یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی خطبوں میں منقول ہے۔ کہ آپ حمد و ثنا کے بعد یہ کلمات کہتے تھے اور تشہد میں بھی آیا ہے۔ اس کا مضمون و خلاصہ دراصل تاکید اور شہادتین کو مضبوط کرنا ہے۔

۸۹۵/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے چہرۂ انور کے سامنے سلام[1] پھیرتے تھے۔ پھر تدریجاً بائیں کروٹ کی طرف مائل ہو جاتے[2]۔

(ترمذی)

سلہ یعنی آپ ایک سلام اپنے چہرہ انور کی طرف کرتے تھے۔

سلہ یعنی سلام کی ابتداء قبلہ رخ سے کرتے تھے پھر سلام پھیرنے کے دوران تدریجاً ایک جانب کو پھرتے اور اپنا سلام مکمل کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ جیسا کہ گذشتہ روایات میں مذکور ہوا اس حدیث کے ظاہر معنی کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب ایک سلام ہے دوسرے تینوں ائمہ دو سلام کے قائل ہیں۔

کیونکہ دونوں جانب سلام پھیرنے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث کی تاویل اور معنی یہ ہے کہ آپ ایک جانب (دائیں جانب) سلام بلند آواز سے کرتے تھے اور دوسری جانب آہستہ اور خفیہ طریقہ پر۔

۹۹۶/۱۹ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ نُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کا جواب سلام دیں[1]۔ اور آپس میں محبت و پیار کریں[2]۔ اور یہ کہ بعض بعض کو سلام کیا کرے۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی مقتدی امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مقتدیوں کو سلام کہنے کی نیت کرے۔

[2] یعنی نمازی سلام کرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کہنے کی نیت کریں۔ کہ یہ چیز محبت و دوستی کا موجب و ذریعہ ہے۔ تاہم نماز کے سلام میں ملائکہ مقربین کی نیت بھی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا اور فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد ذکر کا باب

فارغ ہوکر ذکر جہر مطلق اور بعد نماز جائز و مشروع ہے۔ اس کے جواز و مشروعیت میں احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ ان کا ذکر ہوگا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں۔ ان فرضوں کے بعد بھی بیٹھے یا کھڑا ہو جائے۔ پھر بعض کے نزدیک مکان فرض سے اٹھ کر وہیں سنتیں ادا کرے یا دوسری جگہ ہٹ کر سنت پڑھے۔ اکثر علماء کے نزدیک مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ کھڑا ہو جائے اور دوسری جگہ سنت پڑھے اور بہتر ہے کہ مقتدی صفیں توڑ دیں اور امام بھی وہاں سے آگے پیچھے ہو جائے۔ تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو شبہ نہ پڑے کہ لوگ ابھی جماعت میں ہیں۔ اور اس شبہ کے باعث آنے والے جماعت کی اقتدا کی نیت کر کے نماز شروع کریں اور ان کی اقتدا فاسد ہو جائے بعض کہتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعا ماثور مختصر دعاؤں میں سے پڑھے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ تو ٹھیک ہے ان کو فرض کے سلام سے متصل بعد بیٹھ کر پڑھے جیسے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام اور آیۃ الکرسی۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ دائیں جانب پھرنے کو فضیلت حاصل ہے یا بائیں جانب پھرنے کو صحیح یہ ہے کہ امام سے

دونوں پھرنے کا اختیار ہے۔ اکثر اس پر ہیں کہ بائیں جانب پھرے تاکہ اس کا بایاں دایاں بن جائے اور مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کی بائیں جانب کو پھرے جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک ہے وہاں بائیں جانب کے نمازیوں کی طرف منہ کرنا بالاتفاق افضل ہے ایک بات جو یہاں ذہن میں رکھنی چاہیے یہ ہے کہ سنن موکدہ کے بعد اذکار کا پڑھنا بعدیت کے خلاف نہیں ہے کہ بعض اذکار دادعیہ کا فرض نماز کے بعد پڑھنے کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے، سنن موکدہ پڑھنے کے بعد ان اذکار کا پڑھنا فرض نماز کے متصل بعد پڑھنے کے حکم میں ہے اس کی تصریح شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ لہذا نماز مغرب میں فرض نماز کے فوراً بعد کھڑا ہونا اور سنت پڑھنا آیۃ الکرسی اور اسی طرح کے اور اذکار پڑھنے کے منافی نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز فجر و مغرب کے بعد دس بار کلمہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شی قدیر پڑھے اور بعض لوگ جو یہ جلدی کرتے ہیں کہ مغرب کی سنت میں آیۃ الکرسی کا پڑھتے ہیں تو یہ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عمل خلاف سنت ہے کہ حدیث میں سنت مغرب میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۹۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر[1] سے پہچانتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

[1] شراح حدیث نے تکبیر کی مراد بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا یہاں تکبیر سے ذکر مراد ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے متصل بعد بلند آواز سے ذکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعین ومروج اور متعارف تھا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس ذکر سے نماز ختم ہونے کو پہچانتا تھا۔ اس کے بعد امام بخاری ومسلم۔ اس حدیث کو لائے ہیں تو معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔ بعض نے کہا تکبیر سے وہ تسبیح، تحمید اور تکبیر مراد ہے جو نماز کے بعد دس دس بار یا تینتیس تینتیس بار پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نماز کے بعد ایک بار یا تین تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اس سے ایام معدودات میں تشریق کی تکبیریں مراد ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔ اس سے وہ تکبیریں مراد ہیں جو نماز میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور سجدے کو جاتے اور اٹھتے کہی جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس کے قول کی مراد یہ ہے کہ میں نماز کی ہر ہیئت کو اس تکبیر سے پہچانتا تھا۔ کہ ان تکبیروں کے ساتھ وہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتے تھے مگر یہ وجہ عبارت سے دور ہے۔ بہر تقدیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول

کا معنی متعین کرنے میں مشکل درپیش ہے۔ کہ آپ اس سے کیا معنی مراد لیتے ہیں۔ شاید حضرت ابن عباس نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس بچے تھے شاید جماعت میں حاضر ہونے کی پابندی نہ کرتے تھے یہ بھی احتمال ہے کہ حاضر تو ہوتے تھے مگر پاس کی پہلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اس لیے سلام کے ساتھ نماز کے اختتام کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ واللہ علم

۹۰۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ اِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر صرف اس قدر کہ کہتے الٰہی تو سلام ہے اور تجھ سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے۔ اے جلال و بزرگی والے۔

(مسلم)

۱؎ یعنی تو جمیع نقائص و عیوب سے پاک و منزہ ہے اور تمام صفات کمال سے متصف ہے اور تو ہی بندوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے

۲؎ تو بزرگی والا ہے کہ سلبی اور ثبوتی صفات تیری ذات سے متعلق ہیں۔ پھر یہ ذکر دعا اتنے ہی الفاظ کے ساتھ احادیث میں وارد ہے۔ اور صحت سے ثابت ہے اور بعض لوگ والیک یرجع السلام کے الفاظ بھی زیادہ کرتے ہیں علما نے کہا کہ یہ جملہ روایات میں نہیں آیا اور بعض مشائخ کے اوراد میں اس سے زیادہ کلمات بھی پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ اضافہ انہوں نے اپنے پاس سے کیا ہے یا کسی روایت میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۰۵ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور کہتے الٰہی تو سلام ہے۔ تجھ سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے۔ اے جلالت اور بزرگی والے۔

(مسلم)

۱؎ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور وقت بے وقت حاضر درگاہ اقدس ہوتے تھے۔

ک۵ یعنی آپ سلام پھیرتے اور تین بار استغفار پڑھتے استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ۔ بعض سلف سے اس کی تفسیر یہی منقول ہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ تین بار یہ پڑھتے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ پھر بعد استغفار یہ دعا اللھم انت السلام الی آخرہ پڑھتے۔

۹۰۰ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد وثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی جو تو عطا کرے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور تیرے مقابل مالدار انسان کو اس کا مال نفع نہیں سکتا۔ک۱ (بخاری و مسلم)

ک۱ اس کی شرح گذشتہ باب الرکوع میں ہو چکی ہے۔ واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات اور دوسرے اذکار جو احادیث میں آئے ہیں، پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ بعض اوقات سلام پھیرنے کے ساتھ ہی کچھ پڑھنے سے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے تھے بعض اوقات یہ سب اذکار یا ان میں سے کچھ پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے ان کی ترتیب کی بیان میں کہا ہے کہ پہلے استغفار پڑھنا چاہیے اس کے بعد دعا اللھم انت السلام الی آخرہ اس کے بعد کلمہ لا الہ الا اللہ وحدہ الی آخرہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اذکار و دعائیں ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ انہیں نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد ہونے کا وہی معنی ہے جو بیان ہوا بعد ہو سکتے کہ یہ لازم نہیں کہ فرض نماز کے متصل بعد پڑھے۔

۹۰۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد وثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قدرت اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم

اِلَّا بِاللّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی کی نعمت ہے اسی کا فضل ہے اور اسی کی اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لیے خالص دین رکھتے ہیں اگرچہ کفار ناپسند کریں۔ (مسلم)

سلہ یہ حدیث اس میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ تاہم بعض علما فرماتے ہیں کہ آپ کا بلند آواز سے ذکر کرنا تعلیم امت کے لیے تھا۔ اور نووی نے تہذیب میں کہا کہ اس دعا اور دوسری دعاؤں میں بلند آواز سے نہ پڑھنا افضل ہے۔ پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی اور اکیلا نماز پڑھنے والا مگر اس صورت میں بلند آواز سے پڑھے۔ جب کسی کو سکھانے کی ضرورت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہر کرنے کو بھی اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کو حفظ اور یاد ہو جانے کے بعد آہستہ پڑھنا افضل قرار پا گیا۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اوقات مختلف ہوتے ہیں کبھی اخفا میں شوق و ذوق نصیب ہوتا ہے اور کبھی بلند آواز سے پڑھنے سے شوق و گرمی بڑھتی ہے۔ اور ذکر بالجہر بلا شبہ شروع و جائز ہے۔

۳۸ وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُعَلِّمُ بَنِیْہِ ھٰٓؤُلَآءِ الْکَلِمَاتِ وَیَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَعَوَّذُ بِھِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے تعوذ کرتے تھے۔ الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ کنجوسی سے تیری پناہ۔ ردی عمر[2] سے تیری پناہ۔ دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (بخاری شریف)

سلہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

سلہ اس سے مراد آخر عمر ہے جس میں انسان کی عقل و فکر کام نہیں کرتی قوی سست و بیکار ہو جاتے ہیں اور انسان علم و معرفت اور عبادت بجالانے سے رہ جاتا ہے۔

۳۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ فُقَرَآءَ الْمُھَاجِرِیْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقرائے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِيْ صَالِحٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ تُسَبِّحُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّتَحْمَدُوْنَ

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار بلند درجے اور ہمیشہ کی نعمتیں لے گئے۔ فرمایا وہ کیسے؟ عرض کیا کہ جیسے ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں۔ اور وہ خیرات کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھا دوں جس سے تم آگے والوں کو پکڑ لو اور پیچھے والوں سے آگے بڑھ جاؤ اور تم سے کوئی افضل نہ ہو سکے۔ مگر وہ جو تمہارے کام کی طرح کام کرے۔ فقراء مہاجرین بولے ہاں یا رسول اللہ! فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ بار تسبیح، تکبیر اور حمد کرو۔ ابو صالح کہتے ہیں پھر مہاجر فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لوٹے اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو انہوں نے بھی یوں ہی کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

ابو صالح کا قول صرف مسلم کی روایت میں ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح دس بار حمد اور دس بار تکبیر کہو۔ بجائے ۳۳ بار

عَشْرًا بَدَلَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِیْنَ کہنے کے ؎

۱ یعنی اجر و ثواب، قرب و رضائے حق، اور دائمی نعمت یعنی بہشت حاصل کر چکے ہیں۔

۲ یعنی تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے اور ان کے اعلیٰ اور بلند درجات حاصل کر لینے کا سبب کیا ہے۔

۳ یعنی مالدار لوگ ہماری بدنی عبادات میں شریک ہیں۔ مگر مالی عبادات میں وہ ہم سے ممتاز ہیں۔

۴ یعنی اس امت کے متقدمین یا پہلی امتوں کے لوگ۔

۵ یعنی جو لوگ تمہارے بعد ایمان لائیں گے یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے۔ یہاں ان فقراء کی عظیم فضیلت و شان آپ نے بیان فرمائی۔ ماسوائے اس شکایت کے جو انہوں نے کی کہ ہمارا درجہ اغنیاء سے کم ہے اور یہاں ان فقراء کی فضیلت و شان بیان کرنا مقصود ہے۔

۶ حدیث کی ظاہر عبارت اور اکثر روایات اس پر ہیں کہ تینوں ہی ۳۳، ۳۳، ۳۳ بار پڑھی جائیں اور ایک روایت میں تینوں ملا کر ۳۳ بار کا ذکر آیا ہے یعنی ہر ایک کلمہ ۱۱، ۱۱ بار پڑھا جائے۔ اور بعض روایات میں تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر تقدیم و تاخیر سے آیا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں صراحتاً آیا ہے کہ ان تین میں سے جس سے بھی ابتدا کرے گا ٹھیک ہے اور کوئی نقصان نہیں۔

۷ ابو صالح اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ اور تابعی ہیں۔

۸ لہٰذا پھر وہ ہم سے افضل ہو گئے۔

۹ لہٰذا کیا کیا جا سکتا ہے۔ تو صبر کرو اور تفضلاتِ الٰہی اور اس کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ کیونکہ حق سبحانہ نے اپنے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔

۱۰ یعنی لیکن ابو صالح کا قول فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الٰی آخرہ صرف مسلم نے روایت کیا اور وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فقراء لوگ اغنیاء سے نصف دن (پانچ سو سال) پہلے جنت میں جائیں گے یعنی اگرچہ مالداروں کی فضیلت و شان فقراء پر ثابت ہو چکی ہے تاہم حق سبحانہ کے لطف و کرم نے اس کی تلافی یوں کر دی کہ فقراء مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

واضح ہو کہ حدیث فقراء مہاجرین کے ساتھ خاص ہے تمام فقراء امت کے لیے عام نہیں۔ (دیا اللہ یہ کیا ماجرا ہے) مگر اس صورت میں کہ دوسرے فقراء کے حال کو فقراء مہاجرین کے حال پر قیاس کر لیا جائے (کہ جب فقراء مہاجرین فقراء ہونے کی وجہ سے پہلے جنت میں جائیں گے تو بعد کے فقراء بھی فقراء ہونے کے سبب مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے) واللہ اعلم۔

۱۱ پس ہر کلمہ دس بار پڑھا جائے گا اور مجموعہ تیس بنے گا۔ ایک روایت میں ہر ایک کلمے ۱۱، ۱۱ بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس صورت میں مجموعہ ۳۳ بنے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے جب کہ دونوں

عمل میں برابر ہوں۔ اور فقیر کے مالدار سے افضل ہونے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔ جانبین کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ اور فقراء کا اغنیاء سے پہلے بہشت میں جانا اغنیاء کی فضیلت اور ان کی بلندی درجات کے منافی اور خلاف نہیں کہ فقراء کا پہلے بہشت میں جانا ان کے بوجھوں کے ہلکا ہونے اور حساب کے آسان ہونے کی بنا پر ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۲۶ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَّ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَّ اَرْبَعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَكْبِيْرَةً ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض آگے پیچھے آنے والی چیزیں وہ ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا نقصان میں نہیں ہوتا۔ ہر فرض و نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمد اور ۳۴ بار تکبیر ہے۔

(مسلم)

سلہ عُجْرَہ عین کی پیش، جیم کی جزم بعد میں را کے ساتھ حضرت کعب صحابی ہیں بیعت شجرہ والوں میں سے ہیں۔ ان کے اسلام کا قصہ دوسری جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

سلہ۲ اصل میں لفظ مُعَقِّبَات استعمال ہوا ہے میم کی پیش عین کی زبر اور قاف مشدد کی زیر اور بار کے ساتھ بمعنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی چیزیں۔ الفاظ میں یہ کلمات کی صفت ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتوں کی صفت کے طور پر قرآن میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ یعنی اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ہوتے ہیں انسان کے آگے اور پیچھے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ کلمات کی صفت یہاں یہ اگلے الفاظ ہیں، یعنی لا یخیب قائلھن۔

سلہ۳ اس طرح مجموعہ سو کا عدد بنے گا۔

۹۲۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمد الٰہی اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرے۔ اور یہ ۹۹ ہوئے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے

تِسْعَةً وَّ تِسْعُوْنَ وَ قَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ غُفِرَتْ خَطَایَاهُ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد و ثنا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۔[۵]

(مسلم)

[۱] یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ کہے۔
[۲] یعنی ۳۳ بار الحمد للہ کہے۔
[۳] ۳۳ بار اللہ اکبر کہے۔
[۴] بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحیی ویمیت کے الفاظ آئے ہیں۔ اور بعض میں حی لا یموت آیا ہے اور بعض روایات میں بیدہ الخیر کا لفظ بھی آیا ہے۔
[۵] یعنی کثیر و زیادہ ہونے میں اس کے گناہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں گے تو بخشے جائیں گے۔
[۶] اس روایت میں سو کا عدد اس طرح پورا ہوتا ہے اور گزشتہ حدیث میں تکبیر ۳۴ بار پڑھنے سے سو کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جس طرح بھی پڑھے ٹھیک اور کافی ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان اپنے مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۱۰۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلٰوٰتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ فرمایا آخری رات کے بیچ[۲] میں اور فرض نمازوں کے بعد[۳]

(ترمذی)

[۱] حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ پہلے مصر میں قیام رہا پھر وہاں سے حمص منتقل ہو گئے آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں اور آپ کی اکثر احادیث اہل شام کے پاس تھیں۔ علاقہ حمص میں آپ صحابہ کی آخری یادگار تھے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیں اور بہت سے صحابہ کرام سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ بعض نے کہا آپ کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔ آپ سنہ ۸۶ھ یا سنہ ۸۱ھ میں بعمر ۹۱ سال

فوت ہو گئے۔

سے رات کے اندرونی حصے میں یا معنی یہ ہے کہ کونسے وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتا ہے اور لفظ الآخر جوف کی صفت ہے۔ یعنی میانہ شب میں جو رات کے دوسرے نصف میں ہوتا ہے کہ اس سے مراد وقت سحر ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل باب قیام اللیل میں آرہی ہے اور لفظ جوف اور الآخر پیش اور زبر دونوں طرح روایت ہے۔ اور زیر سے پڑھنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح لفظ دُبُر میں۔

سے یعنی فرض نمازوں کے بعد ظاہر عبارت فرض نماز کے متصل بعد پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر اس سے سنت موکدہ کے بعد دعا مراد لی جائے تو امید ہے کہ حدیث پاک سے یہی مراد ہوگا۔ جیسا کہ بیان سابق میں اس طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

۹۰۷/۱۱ وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ۔

حضرت عقبہؓ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز کے بعد اعوذ والی سورتیں پڑھ لیا کروں۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ۔

احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

لے عقبہ عین کی پیش اور قاف کی جزم ہے۔

سے کہ ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں معوذات واو کی زیر اور تشدید کے ساتھ وہ سورتیں جن کے ابتداء میں لفظ اعوذ آیا ہے اور وہ دو سورتیں ہیں۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سوال وارد ہوتا ہے کہ دو سورتوں کے لیے جمع (معوذات) کا صیغہ کیوں استعمال ہوا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات دو کے لیے بھی جمع کا صیغہ بول دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں یہاں سورہ اخلاص یا اس کے ساتھ سورۃ کافرون کو بھی معوذات میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ تغلیب کے طور پر کہا گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ ان دو سورتوں میں توحید کا بیان اور شرک سے براءت مذکور ہے جو شرک سے پناہ لینے کے معنی میں ہے اور بعض کہتے ہیں معوذات سے وہ آیات مراد ہیں جو لفظاً اور معنی استعاذہ (پناہ) کے معنی پر مشتمل ہیں۔ اور یہ دو سورتیں بھی ان میں داخل ہیں۔ یا کلمات معوذہ مراد ہیں۔ اور ایک روایت معوذتین لفظ تثنیہ سے آیا ہے اس صورت میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۹۰۸/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَّذْكُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلٰوةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو فجر کی نماز سے سورج

الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کروں۔ اور میرا اس قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کریں۔ اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام[۱] آزاد کروں۔

(ابوداؤد)

[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی اولاد اسماعیل سے چار غلام مراد ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اولاد اسماعیل سے مراد نہ ہوں اور اول میں ان کے ذکر کی افضلیت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔
واضح ہو کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ ذکر میں شریک ہوں اور اگر ان کے ساتھ صرف بیٹھنا مراد لیں تو یہ بھی درست ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے ہُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین نامراد نہیں۔ یہ حدیث کتاب الدعوات میں آرہی ہے اور اس دوسرے مفہوم کو درست ظاہر کرتی ہے۔ واضح ہو کہ چار کے عدد کا راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ اسی طرح جہاں بھی عدد مذکور ہوتا ہے۔ بعض علماء عدد کے بارے میں اپنے ظن و تخمین سے فہم کے قریب مناسب چیزیں بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہاں چار کے عدد کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار عبادتیں جمع ہیں۔ اللہ کا ذکر، بیٹھنا، اس کے لیے جمع ہونا پھر سورج نکلنے اور غروب ہونے تک صبر کرنا اور رکے رہنا۔ اولاد اسماعیل کی تخصیص ان کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے پھر دو رکعتیں[۱] پڑھے تو اسے حج اور عمرے جتنا ثواب ملے گا[۲]۔ حضرت انس کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرے کا پورے حج و عمرے کا ثواب ملے گا[۳]۔

(ترمذی)

[۱] دو رکعت کم مقدار ہے۔ بارہ رکعت تک بھی آیا ہے۔ اس نماز کا وقت اس حدیث کے ظاہر حکم کے مطابق

طلوع آفتاب ہے اور بعض کا مذہب یہی ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک اس نماز (اشراق) کا وقت سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے پر شروع ہوتا ہے اور بہت سی روایات میں ایسا ہی آیا ہے۔ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس نماز کو اشراق کہتے ہیں۔ بعض روایات میں بھی یہ نماز اس نام سے موسوم ہے۔ اکثر احادیث میں اس نماز کا نام صلوٰۃ ضحیٰ آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو نمازیں درحقیقت ایک ہی نماز ہے کہ اس کا ابتدائی وقت سورج بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت زوال سے پہلے ختم ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) سے متعلق مزید گفتگو باب صلوٰۃ ضحیٰ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

۲؎ حج کا ثواب تو فرض نماز باجماعت ادا کرنے سے اور عمرے کا ثواب دو رکعت نفل نماز ادا کرنے سے کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل۔

۳؎ اس عمل پر زیادہ اجر و ثواب کی تاکید و مبالغہ کے لیے فرمایا۔

۴؎ تامۃ تامۃ تامۃ لفظ عمرہ کی صفت ہے یا دونوں کی صفت ہے اور یہ اگرچہ فی الحقیقت حج و عمرہ کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ لیکن اس کے مشابہ ضرور ہے اور اس قدر زیادہ ہے کہ گویا یہ ان کے ثواب کے برابر ہے۔ اور ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے باب میں سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

$\frac{۹۱۰}{۱۴}$ عَنِ الْاَزْرَقِ ابْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ

حضرت ازرق بن قیس[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے امام نے نماز پڑھائی جن کی کنیت ابو رمثہ[۲] تھی۔ انہوں نے (ابو رمثہ) کہا کہ میں نے یہی نماز یا اس طرح[۳] کی کوئی اور نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی (ابو رمثہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے کھڑے ہوتے تھے اور ایک شخص نماز کی پہلی تکبیر میں شامل[۴] ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر دائیں بائیں سلام پھیرا حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی[۵] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے۔ ابو رمثہ کے پھرنے کی طرح[۶] تو جس نے نماز کا پہلی

مِنَ الصَّلٰوةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَمْ يَهْلِكْ اَهْلُ الْكِتٰبِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلٰوتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تکبیر پائی تھی وہ نفل پڑھنے کھڑا ہوگیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی اٹھے اور اس کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا پھر فرمایا بیٹھ جا کہ بیشک اہل کتاب صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا۔ اے خطاب کے بیٹے اللہ تجھے درستی و راستی پر قائم رکھے۔

(ابوداؤد)

۱؎ ازرق ہمزہ کی زبر پھر زا اس کے بعد را آخر میں قاف کے ساتھ۔ آپ تابعین سے ہیں۔ حارثی بصری ہیں۔ کوفی راویوں میں سے ہیں۔ ثقہ ہیں۔ ۱۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ رِمثہ را کی زیر میم ساکن پھر ثا کے ساتھ۔ حضرت ابورمثہ صحابی ہیں۔

۳؎ یہی نماز سے اس نماز کی طرف اشارہ فرمایا جو انہوں نے ادا کی تھی مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔

۴؎ یہ راوی کا شک ہے۔ شیخ اس بنا پر فرمایا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی بعینہٖ و بشخصہٖ وہ نماز نہ تھی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ اگرچہ دونوں کی نوع ایک تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شیخ اس اعتبار سے کہا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی اس نماز کے ساتھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ جیسے کہ وہ ظہر کی تھی اور یہ مثلاً عصر کی نماز۔ اس میں غور کرو۔

۵؎ یعنی وہ شخص رکعت اولیٰ میں ہی شامل ہوگیا تھا۔ مسبوق نہ تھا۔

۶؎ کہ جو نمازی دائیں جانب تھے انہوں نے دایاں رخسار مبارک دیکھا اور جو بائیں جانب تھے۔ انہوں نے بایاں رخسار مبارک دیکھا۔

۷؎ ابورمثہ نے اس سے اپنی ذات مراد لی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابورمثہ یعنی میری طرح پھرے اور اپنے آپ کو لفظ غائب سے بیان کرنا تفنن عبارت ہے اور ان کا یہ پھرنا بائیں جانب تھا یا دائیں جانب۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک مروی ہے۔

۸؎ اور اس قید کا فائدہ کہ اس نے تکبیر اولیٰ پائی تھی، یہ ہے کہ وہ شخص مسبوق نہ تھا کہ بقیہ نماز پوری کرنے کے لیے اٹھا۔ بلکہ وہ سنت مؤکدہ ادا کرنے کو اٹھا تھا۔ جیسا کہ راوی کہتا ہے یشفع یعنی وہ ملاتا تھا لیکہ وہ نماز (فرض) سے نماز (سنت) ملانے والا تھا یعنی دعا سے اٹھ کھڑا ہوا تاکہ سنت مؤکدہ ادا کرے۔

۹ بعض نسخوں میں بمنکبیہ تثنیہ کا لفظ آیا ہے یعنی اس کے دونوں کندھے پکڑے۔
۱۰ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جا۔
۱۱ یہاں فاصلہ سے فرض کی جگہ سے ہٹ جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ کیا تم لوگ اس سے عاجز ہو کہ جب نماز (فرض) ادا کر لو تو آگے ہو جاؤ یا پیچھے یا دائیں ہو جاؤ یا بائیں۔ یا اس سے کلام کرنا اور نماز سے باہر نکل آنا مراد ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں حضرت صائب سے آیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگ ایک نماز کے ساتھ دوسری نماز کو نہ ملائیں بلکہ دونوں نمازوں کے درمیان کلام کر لیں یا باہر آجائیں۔ اور اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں لانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فاصلہ نہ کرنے سے بعد نماز ذکر نہ کرنا مراد ہے یعنی فرض نماز کے بعد کچھ ذکر کرے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے اس کے بعد سنت کے لیے اٹھے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نفل نماز فرض نماز کے ساتھ نہ ملانی چاہیے۔ جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ اور اس کا بیان گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا واللہ اعلم۔
۱۲ یعنی اے خطاب کے بیٹے حق تعالیٰ تجھے ہمیشہ صواب کے راستے پر رکھے اور صواب و درستی کو ہمیشہ تیرے دل میں ڈالے۔ اس عبارت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس فعل میں درستی اور راستی پر ہیں۔

۹۱۱/۱۵ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ أُمِرْنَا أَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنَحْمَدَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنُكَبِّرَ أَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَأُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهٗ أَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْأَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهٖ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهٗ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح پڑھیں۔ ۳۳ بار حمد اور ۳۴ بار تکبیر، پھر ایک انصاری کے خواب میں آنے والا آیا۔ اور آپ سے کہا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو۔ انصاری نے خواب ہی میں کہا ہاں۔ اس نے کہا انہیں ۲۵، ۲۵ بار کر لو اور ان میں تہلیل بھی کر لو۔ جب صبح ہوئی تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو خبر دی تو نبی صلی اللہ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا — علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی کرلو۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) (احمد نسائی) (دارمی)

۱؎ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، کاتب وحی ہیں فقہاء صحابہ اور ان میں جلیل القدر شخصیت اور فرائض کے تمام کہنے والے ہیں۔ ہجرت کے وقت آپ گیارہ سال کے بچے تھے، آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن پاک جمع فرمایا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن پاک مصحف عثمان میں نقل کیا۔

۲؎ یعنی ایک انصاری شخص کے خواب میں آیا، یعنی اس مرد کے پاس خواب میں فرشتہ آیا۔ حدیث میں آیا ہے بیشک صالح مرد کا خواب خوابوں کے فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور غیر صالح انسان کا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس فرشتہ نے خواب میں اس انصاری سے کہا۔

۴؎ یہاں صرف تسبیح کے ذکر پر اکتفا کیا یا تو اختصار کے لیے یا سب (حمد، تکبیر) کو ہی تسبیح کہہ دیا کہ حمد و تکبیر سے بھی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس پائی جاتی ہے۔

۵؎ کہ اس میں ۲۵ بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ بھی شامل کرلو۔ تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔

۶؎ یعنی جب کہ یہ نیک انسان کا خواب ہے تو اس طرح بھی کرو جس طرح یہ مرد صالح کہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب پر عمل درآمد کا حکم جاری کرکے اس کی توثیق کردی۔ تو اب یہ بھی شرعی حجت و دلیل بن گئی۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تائید و توثیق نہ کرتے تو حجت نہ بن سکتی۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کے تختوں پر فرماتے سنا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہیں روکتی۔ اور جو شخص بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر اور اس کے آس پاس والوں کو امن و عافیت میں رکھتا ہے۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ ۔

بیہقی نے شعب الایمان۔ اور کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

۱؎ اس عبارت کو مشکل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ موت جنت سے روکنے والی نہیں بلکہ جنت تک پہنچانے والی چیز ہے۔ لہٰذا ظاہراً عبارۃ حدیث اس طرح ہونی چاہیے تھی۔ الا الحیاۃ یعنی زندگی جنت میں پہنچنے سے رکاوٹ ہے کہ زندگی کی وجہ سے اس جہاں دنیا میں بندہ مومن جکڑا ہوا ہے۔ مگر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنت میں جلد پہنچنے میں رکاوٹ موت ہے کہ جب تک موت کا دروازہ عبور نہ کرے بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر راستے میں موت اور مرنے کی شرط نہ ہوتی تو اس آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی برکت سے فوراً جنت میں داخل کر دیا جاتا یا مراد یہ ہے کہ اگر بندے کے لیے مطابق حکم کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے) موت کا طاری ہونا اور اسے چکھنا لازم ضروری نہ ہوتا تو آیۃ الکرسی پڑھنے والا اب تک جنت میں پہنچ چکا ہوتا۔ لیکن اس معنی کے مطابق یہ لازم آئیگا کہ بہشت میں موت ہو اور بہشت میں چونکہ موت نہیں۔ اس بنا پر موت کے آنے تک جنت میں پہنچنے میں تاخیر اور دیر ہوتی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیۃ الکرسی پڑھنے والے انسان اور جنت کے درمیان موت رکاوٹ ہے۔ جب موت واقع ہوگئی اور زندگی اختتام پذیر ہوگئی تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ موت سے قبر میں حشر تک پڑے رہنا مراد ہے۔ جب قیامت کے دن قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا تو سیدھا بلا توقف جنت میں پہنچے گا۔

۲؎ واضح ہو کہ صاحب سفر السعادۃ نے اس حدیث کی جزو... اول (مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ) کو نسائی سے روایت کیا اور ایک روایت میں قل ھو اللہ احد کو بھی اس کے ساتھ ملایا اور کہا اس حدیث کو نسائی کے علاوہ بھی ایک جماعت نے جیسے طبرانی، دارقطنی، ابن حبان وغیرہم نے روایت کیا۔ بعض حفاظ حدیث نے کہا یہ حدیث صحیح ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا۔ اور حفاظ حدیث نے اس بنا پر ابن جوزی پر تنقید کی ہے۔ اور جزو ثانی کو ان الفاظ روایت کیا من قرا آیۃ الکرسی فی دبر الصلوۃ المکتوبۃ کان فی ذمۃ اللہ الی الصلوۃ الاخری۔ اور کہا اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ اور ابوامامہ ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور طرق کا اختلاف اور تعدد اسناد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح موجود ہے۔ موضوع نہیں ہے اور آیۃ الکرسی کی فضیلت چاہے نماز کے بعد پڑھی جائے یا کسی دوسرے وقت میں، بڑی شان اور درجہ رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ وَ

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو بندہ نماز مغرب اور فجر سے پھرنے

يَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَّحِرْزًا مِّنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُّدْرِكَهٗ اِلَّا الشِّرْكُ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَّفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلَّا الشِّرْكُ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

اور پاؤں موڑنے سے پہلے دس بار یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ اسی کی حمد و ثنا ہے اسی کے قبضے میں خیر ہے۔ زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لیے ہر ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ اور ہر برائی سے اس کی حفاظت ہوتی ہے شیطان مردود سے امن میں رہتا ہے۔ شرک کے سوا کوئی گناہ اسے نہ چھو سکے گا۔ اور وہ لوگوں سے عمل میں افضل ہوگا۔ سوائے اس کے جو اس سے زیادہ کہہ لے۔ کہ وہ اس سے بڑھ جائے گا۔

(احمد) اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت ابوذر سے اِلَّا الشِّرْک تک روایت کی۔ اور اس نے نہ نماز مغرب کا ذکر کیا اور نہ بیدہ الخیر کا اور فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

لہ عبدالرحمٰن بن غنم غین کی زبر اور نون ساکن۔ آپ اشعری شامی ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں اسلام لائے مگر آپ کی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات تک یمن میں ان کے ساتھ رہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کو شرف صحبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب ہوا ہے مگر قول اول زیادہ صحیح ہے۔ آپ تذکار صحابہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اپنے وقت میں شام کی فقیہ ترین شخصیت تھے۔ کہ شام کے تابعین ان سے علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ اور بڑی جلالت و قدر کے مالک تھے۔

عہ کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کفر سے عفو و مغفرت کا تعلق نہیں ہو سکتا (بغیر توبہ کے)

سنہ ۳ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

۵۲ یعنی ابھی اسی حالت پر بیٹھا ہو جو التحیات میں ہوتا ہے۔

۵۳ بعض روایات میں بیدہ الخیر بھی ویمیت کا لفظ آیا ہے۔

۵۴ اور ایک روایت میں لم یلبغ ان یدرکہ کا لفظ آیا ہے یعنی جائز نہیں اور کسی گناہ کو یہ جرأت نہیں کہ اس کی طرف رجوع کرے اور اس کا گھیراؤ کرے اور اس پر اثر انداز ہو سکے یعنی توبہ کی توفیق اور استغفار کی برکت اور خدا تعالیٰ کے عفو و مغفرت کی بدولت۔

۵۵ یعنی الفاظ الگ الگ ہیں مگر ان کا معنی ایک ہے اور لفظ لا اشرک تک روایت کیے۔

۱۱۴/۱۰ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَّ اَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَاَيْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَةً وَّلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِّنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَّ اَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰٓئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَّ اَفْضَلُ غَنِيْمَةً۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجد[۱] کی طرف ایک لشکر روانہ کیا یہ بہت سا مال غنیمت لایا اور جلد ہی لوٹ بھی آیا۔ ہم میں سے ایک شخص بولا جو ان میں نہ گیا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر سے جلدی واپس لوٹا ہو اور غنیمت بھی زیادہ لایا ہو۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں وہ قوم نہ بتاؤں جو غنیمت اور واپس لوٹنے میں اس سے بھی افضل و بہتر ہے۔ یہ وہ قوم ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہو پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے یہ لوگ جلدی لوٹنے والے اور زیادہ غنیمت حاصل کرنے والے ہیں[۲]۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّحَمَّادُ ابْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيُّ هُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ

ترمذی۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور حماد بن حمید راوی حدیث میں ضعیف[۳] ہے۔

۱ے نجد مشہور علاقہ ہے جو تہامہ سے حجاز تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد دراصل بلند زمین کو کہتے ہیں۔

۲ے جو ایک گھڑی میں بے حد و شمار ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔

۵۳ بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا کہ اس کی حدیث کوئی چیز نہیں۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ

ان کاموں کا باب جو نماز میں ناجائز ہیں

اور جو مباح ہے

یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جن میں یہ وضاحت آئی ہے کہ فلاں فلاں کام نماز میں ناجائز ہے۔ بعض نسخوں میں وَمَا يُبَاحُ مِنْهُ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اور وہ کام جن کا نماز میں کرنا مباح اور جائز ہے۔

واضح ہو کہ بعض کام ایسے ہیں جو نماز کو فاسد کر دیتے ہیں۔ اور بعض کام مکروہ ہیں اور بعض مباح ہیں ان کی پوری تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور نماز میں عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں جو کام ایک ہاتھ سے کیا جا سکے وہ قلیل ہے۔ اور جس کام کے کرنے میں دونوں ہاتھ مصروف کرنے پڑیں وہ کثیر ہے۔ یعنی جس کام کے سرانجام دینے میں عادۃً دونوں ہاتھ استعمال ہوتے ہوں جیسے دستار باندھنا، کرتہ اتارنا۔ اور تہبند باندھنا اور کمان سے تیر پھینکنا کہ یہ کام نماز کے اندر اگر ایک ہاتھ سے بھی کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور وہ عمل جو عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے جیسے تہبند اوپر اٹھانا۔ اور ٹوپی سر پر رکھنا اگر یہ عمل دونوں ہاتھوں سے بھی کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر اکثر علماء نے عمل کثیر کی اس تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ اگر نمازی کی حالت یہ ہو کہ دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا تو وہ عمل کثیر ہے۔ اور اگر دیکھ کر شک میں پڑ جائے اور شک کرے کہ نماز میں ہے یا نہیں۔ تو وہ عمل قلیل ہے۔

اور بعض کے نزدیک عمل کثیر کی مختار تفسیر یہ ہے کہ تین بار لگاتار ایک فعل کرنا عمل کثیر ہے اور اس سے کم عمل قلیل ہے جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا ہے اور کتاب خلاصہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص ایک آدمی کی امامت کر رہا ہو اس دوران تیسرا آدمی آیا اور اس کی اقتدا کی۔ اور اتنی مقدار آگے بڑھا جتنا فاصلہ امام اور صف اول کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز کے اندر اتنی مقدار چلا جتنا فاصلہ ایک صف کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دو صف کے مقدار یک وقت چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک بار ایک صف کی مقدار چلا اور کھڑا ہو گیا پھر ایک صف کی مقدار اور چلا اور کھڑا ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ اگر بار بار عمل کیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حاشیہ شمنی میں علامت ظہیریہ لکھا کہ اگر نماز کے دوران اس جگہ دھوپ آ جائے۔ اور تپش محسوس ہونے لگے۔ اس تپش سے بچنے کے لیے سایہ کی جانب ایک دو قدم چل آئے تو فاسد نہ ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَا شَاْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِّنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَّقَدْ جَآءَ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ

پہلی فصل

حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے چھینک ماری میں نے کہا یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) تو مجھے لوگوں نے تیز نگاہوں سے دیکھا میں نے کہا ہائے میری ماں کا رونا تمہیں کیا ہوا کہ مجھے دیکھتے ہو تو وہ رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ میرے ماں باپ ان پر نثار میں نے ایسا اچھا سکھانے والا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ خدا کی قسم نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا کہا۔ فرمایا ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں۔ یہ صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن ہے۔ یا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا زمانہ جاہلیت سے قریب ہے۔ اللہ نے ہمیں اسلام دیا اور ہم میں بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ فرمایا تم نہ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ پرندے اڑاتے ہیں۔ فرمایا یہ ایسی بات ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ انہیں یہ بات کاموں سے نہ روکے۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ لکیریں کھینچتے ہیں۔ فرمایا ایک

الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ۔

پیغمبر خط کھینچتے تھے جس کا خط ان کے موافق ہوگا تو درست ہے۔[۸]

رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّي سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِي جَامِعِ الْأُصُولِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّي۔

(مسلم شریف) اور ان کا قول "میں خاموش ہوگیا" میں نے صحیح مسلم میں یوں ہی پایا۔ اور کتاب حمیدی[۱۰] میں ہے کہ جامع الاصول میں لکنی کے اوپر لفظ کذا سے صحیح کہا۔[۱۱]

[۱] معاویہ بن الحکم۔ وہ زہدوں کے ساتھ صحابی ہیں۔ قبیلہ بنو سلیم میں سے ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

[۲] اور رماق کے لفظ میں جو رملی سے مشتق ہے شدت اور حدت نگاہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی انہوں نے مجھے تیز تیز نگاہوں سے دیکھا کہ تو نماز کی حالت میں چھینک کا جواب دے رہا ہے۔

[۳] یعنی میری ماں کا لڑکا فوت ہونے پر افسوس۔ ثکل ثاء کی پیش کاف ساکن اور اس کی پیش اور دونوں زبروں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی لڑکے کا مرنا یا اس کے دوست یا کسی اور عزیز کا مرنا اور یہ وہ لفظ ہے جسے عرب لوگ تعجب کے وقت اور کسی امر کو بعید از عقل جانتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔

[۴] یعنی میں نے اپنے دل میں کہا۔

[۵] یعنی زیادہ اظہار تعجب و انکار اور مجھ پر اعتراض کرنے کے لیے۔

[۶] یعنی میں نے سمجھ لیا کہ مجھے خاموش کرنے کے لیے اشارہ کر رہے ہیں۔ اور میری اس حرکت پر انکار کر رہے ہیں۔ تو میری حالت تبدیل ہوگئی اور میں غصہ میں آگیا کیونکہ میں اپنے فعل کی قباحت سے بے خبر تھا اور وہ حضرات میری حرکت پر شدت سے اظہار نفرت کر رہے تھے اور میں نے چاہا کہ انہیں کوئی جواب دوں اور ان سے انتقام لوں لیکن میں خاموش رہا اور اپنے غصے کو استعمال میں نہ لایا۔

[۷] کہر کا معنی ہے کسی پر سختی کرنا۔ غصے میں چلا کر بات کرنا۔ اور کسی کو ذلیل و خوار سمجھتے ہوئے اس سے ترش روئی سے پیش آنا۔ اور قرآن پاک میں جو آیا ہے واما الیتیم فلا تقہر۔ تو یہاں فلا تکہر بھی پڑھا گیا ہے۔

[۸] یعنی یہ نماز جس کے پڑھنے اور ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں لوگوں جیسی باتیں کرنا ٹھیک اور روا نہیں ہے۔ اور لوگوں جیسی باتیں کرنے سے مراد ایسی باتیں ہیں جن میں انسانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے۔ علماء کرام مسائل میں یہ مسئلہ لاتے ہیں کہ اگر ایک شخص نماز میں ہو اس سے لوگ دریافت کریں کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے اور وہ جواب میں کہے الخیل والبغال والحمیر کہ یہ قرآن مجید کے کلمات ہیں۔ یا کسی آدمی

نے سامنے ایک کتاب رکھی ہو اور ایک شخص یحییٰ نامی پاس کھڑا ہو اور وہ کتاب والا کہے یا یحییٰ خذ الکتاب اگر اس کی مراد معنی کا فائدہ دینا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر قرأت کا ارادہ ہو تو فاسد نہ ہو گی۔

سلہ اور انسانوں کے کلام کی جنس سے نہیں، چنانچہ اگر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ بات نہ کرے گا پھر تسبیح یا تکبیر کہے یا قرآن پڑھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔

سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے یا دوسرے الفاظ کہے جن کا معنی بھی یہی تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھینک مارنے کو جواب دینا یعنی نماز میں یرحمک اللہ کہنا ناجائز و حرام اور مفسد نماز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص اس مسئلے سے ناواقف تھا کہ نماز میں کلام کرنے کا جواز منسوخ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے معذرت بھی کی کہ میں دور جاہلیت سے ابھی ابھی نکلا اور اسلام لایا ہوں مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا کیونکہ مجھے پتہ نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا حرام ہے اور نماز کو توڑ دیتا ہے۔ مجھے تو اب اس کا علم ہوا ہے۔

اور امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ نماز میں چھینک کا جواب دینا حرام ہے مگر اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ رحمت و مغفرت کی دعا ہے۔ (یعنی کلمہ یرحمک اللہ) اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے یرحمک اللہ تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ جیسے کہ یوں کہے یرحمنی اور اگر چھینک مارنے والا اپنے دل میں الحمد للہ کہے تو ظاہر روایت کے مطابق نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق یہ بات اس وقت ہے کہ لبوں کو نہ ہلائے بلکہ دل میں الحمد للہ کہے اور اگر لبوں کو ہلائے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

سلہ کاہن عرب میں ایسے لوگوں کی جماعت تھی جو جنات، شیاطین اور ارواح خبیثہ سے مناسبت و تعلق قائم کر لیتی تھی پھر وہ شیاطین وغیرہ ان پر جھوٹی اور جھوٹی باتوں کا القاء کرتے تھے۔ پھر آگے وہ لوگ علم غیب کے مدعی بن کر لوگوں کو آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔ اس کا مفصل بیان باب الکہانۃ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

سلہ یعنی جب کہ تو مشرف بہ اسلام ہو چکا ہے۔ تو کاہنوں کے پاس جانے کا خیال دل سے نکال دے۔

سلہ یعنی بدفالی اور بدشگونی کے قائل ہیں۔ اور اس عقیدے کے تحت پرندے اڑاتے ہیں۔ اگر پرندے دائیں جانب اڑ کر جائیں تو اس کام کو نیک اور اچھا خیال کرتے ہیں۔ اور جو کام درپیش ہوتا ہے اسے کرتے ہیں۔ اور اگر پرندے بائیں جانب کو اڑ کر جائیں تو اسے برا خیال جانتے ہیں۔ اور وہ کام نہیں کرتے۔ پرندے اڑانے میں اصل بات یہ ہے۔ اس کے بعد اسلام میں ہر طریقہ سے اور ہر قسم کی بدفالی ممنوع ہے۔ اس کی مزید تفصیل باب الفال الطیرۃ میں آ رہی ہے۔

۱۳؎ یعنی یہ وہم و نحوست کی بات ہے جو ان کے دلوں میں آتی ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ وہ اس خیال کی بنا پر اس کام سے نہ رکیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ سب کچھ قدرت الٰہی سے ہوتا ہے اور موثر حقیقی صرف وہ ذات ہے۔ اگر دل میں خلجان اور وہم گزرے تو خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس وہم و خلجان سے گزر جانا چاہیے اور اس موقعہ پر وہ ماثور دعا پڑھنی چاہیے جو ایسے موقعہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ دعاؤں کے باب میں اس کا ذکر آئے گا۔

۱۵؎ اس سے علم رمل کی جانب اشارہ کیا کہ بعض لوگ علم رمل کے لیے خط کھینچتے ہیں اور ان سے بعض احکام اور غیب کے حالات معلوم کرتے ہیں۔

۱۶؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچتے تھے۔ مراد حضرت ادریس ہیں یا حضرت دانیال علیہما السلام۔

۱۷؎ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صراحتہً ممانعت اس لیے نہ فرمائی کیونکہ اس عمل کی نسبت بعض انبیاء کی طرف ہے۔ ان کی غیرت کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ باوجودیکہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف بھی ہے۔ اور وہ منسوخ بھی ہو چکی ہیں۔

یہیں سے بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علم رمل کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اس کی اباحت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی کے خط کے موافق و مطابق ہونے کے ساتھ اسے معلق کیا اور اس کے ساتھ مطابق کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی علم اور ذریعہ نہیں کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ علم رمل کا یہ خط اس نبی کے خط کے مطابق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے رمل کی اشکال و خطوط کے ساتھ مشغول ہونے کی کوئی نص و روایت نہیں آئی۔ لہٰذا درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ اور اس عمل سے باز رکھنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ آج کے لوگ اس نبی کے خطوط سے اپنے خطوط و اشکال موافق کرنے سے عاجز ہیں تو اس طریقے سے واضح ہو گیا کہ رمل کا علم شریعت اسلامی میں ممنوع و ناروا ہے اور یہی درست بات ہے۔ تکسیر کی مختلف شکلیں اور اس طرح کے دوسرے عملیات کا بھی یقین سے آراستہ بزرگوں اور محققین مشائخ کے نزدیک یہی حکم ہے (کہ یہ سب کچھ ممنوع ہے) ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

مَا يَنْزَا الْبَحُوْ نِيْ وَ اَشْكَالَهٗ
وَ وَافِقِ النَّسَّاجَ وَ اَمْثَالَهٗ

ترجمہ۔ یعنی اور اس کی اشکال (رمل) سے الگ ہو جا۔ اور حضرت نساج رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے خدا رسیدہ حضرات کی موافقت و مطابقت اختیار کر۔

شیخ ابوالعباس بونی وہ ہیں جو علم تکسیر کے اسما کے اہل دعوت و ماہرین سے ہیں اور حروف کے خواص بیان کرتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نساج سے شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ مراد ہیں یہ شیخ ابوالعباس بونی رحمہم اللہ کے ہم عصر ہوئے ہیں۔

ے اس حدیث کے ابتداء میں لفظ لکنی سکت جو مذکور ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت مؤلف فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح مسلم شریف کے متن اور کتاب حمیدی میں جو صحیحین (بخاری و مسلم) کی جامع ہے، اسی طرح پایا ہے۔ اور مؤلف رحمۃ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس لفظ لکنی سکت کی تصحیح لفظ کذا کے ساتھ جامع الاصول میں کر دی گئی ہے۔ یہ جامع الاصول صحاح ستہ کی جامع ہے اور لفظ کذا لکنی سے پہلے لایا گیا ہے یہ لفظ کذا تصحیح کی علامت ہے۔ یہ دستور ہے کہ جب اس لفظ پر صحت کا نشان لگانا چاہیں جس کی عدم صحت کا گمان ہوتا ہے تو اس سے پہلے لفظ کذا لکھتے ہیں جیسے لفظ صاد یا لفظ صح لکھتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصول کی کتابوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور صحیح ہے اس کے متعلق بے صحیح ہونے کا گمان درست نہیں ہے۔ اور لکنی کا لفظ لکنی سکت میں زائد معلوم ہوتا ہے یعنی اس قدر الفاظ کافی ہیں فلما رأیتہم یسکتوننی سکت (یعنی جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا) اور مصابیح میں بھی یہ لفظ نہیں ہے۔ اور اس کی توجیہ کے لیے مقدر عبارت کا اعتبار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اس جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۹۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ آپ نماز میں ہوتے سلام کرتے تھے۔ آپ ہمیں جواب دیتے تھے جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمارا جواب نہ دیا۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے۔ فرمایا نماز میں مشغولیت ہے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ جو ملک حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اور صحابہ کرام نے کفار مکہ کے شر سے بچنے کے لیے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور نجاشی کے پاس پہنچے تھے۔ اس نجاشی کو چونکہ اپنی مذہبی کتابوں تورات و انجیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں پیشگی علم ہو چکا تھا اور یہ شخص پہلے عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ حبشہ میں صحابہ کی تشریف آوری کی بدولت شرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے صحابہ کرام کے اس کے ملک میں آنے کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی بڑی خدمت کی اور اسلام دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تحفے اور ہدیے بھیجے ...

زیر کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔ اور صاحب قاموس نے نون کی زبر کے ساتھ افصح قرار دیا ہے اور جیم مخفف کے ساتھ اور یہ بھی افصح ہے۔ اور تشدید یا کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یا مخفف درست اور صحیح ہے۔ ابن یمین نے کہا یا ساکن ہے کیونکہ وہ اصلی ہے یا نسبت نہیں ہے۔ اور صاحب قاموس نے تشدید کے ساتھ بھی درست قرار دیا ہے مگر تخفیف کو افصح کہا۔ یہ نجاشی ۹ھ میں انتقال کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی مگر فی الحقیقت غائبانہ نہ تھی کیونکہ حضرت جبرئیل نے ان کی لاش اٹھا کر حضور کے سامنے رکھ دی تھی۔ کما فی الحدیث)

سے اپنی پرانی عادت کے مطابق۔

سے یعنی اس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا۔

سے نماز میں معروفیت و مشغولیت ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور عبودیت میں استغراق کا مقام ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سلام کے جواب کے طور پر گفتگو کرنا بھی لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کے مانند ہے پہلے ایسا کرنا مباح تھا مگر اب یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

۷ وَعَنْ مُعَيْقِيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت معیقیب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں جو سجدہ کی جگہ کی مٹی برابر کرے فرمایا اگر تمہیں کرنا ہے تو صرف ایک بار کرو۔

(بخاری و مسلم)

لے معیقیب میم کا پیش، عین کی زبر یا ساکن قاف کی زیر اور دوسری یا کی جزم کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ میں ایمان لائے۔ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اور وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے تا آنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی ان کے سپرد ہوتی تھی اور اسے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بیت المال کے لیے استعمال کرتے تھے۔ کاشف میں کہا کہ آپ بدری تھے۔ جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتے تھے اور انہیں کے دور خلافت میں فوت ہو گئے۔ بعض نے کہا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں فوت ہو گئے۔ ایک معیقیب اور ہیں وہ تابعی ثقہ ہیں۔ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اعمش روایت کرتے ہیں۔

ے یعنی ایسا نہ کرو اور اگر کرنا ضروری ہو تو پھر صرف ایک بار کرو زیادہ دفعہ نہ کرو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بار سے اس لیے منع کیا کہ اس سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عمل کثیر کی تفسیر پر مبنی ہے اور یہ تفسیر گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

۹۱۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا فرمایا وہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اتنا حصہ اچک لیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ واضح ہو کہ ادھر ادھر متوجہ ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ گردن اور چہرہ اس قدر پھیرے کہ کعبہ شریف سے چہرہ مڑ جائے اور اگر سینہ بھی اس قدر پھیرے کہ مکمل طور پر کعبہ سے مڑ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور صرف آنکھ کے ایک گوشہ سے دیکھنا جسے لاحظہ کہتے ہیں یہ نہ مفسد نماز ہے نہ مکروہ۔ مگر نماز میں بار بار ایسا بھی نہ کرے اور اپنی عادت نہ بنائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپ گوشہ چشم سے مقتدیوں کے حالات ملاحظہ فرماتے تھے۔ مگر اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ کسی شخص نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ بعض علماء حدیث بااسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا سختی سے رد کیا غصہ سے آپ کی حالت بدل گئی اور آپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔

۹۲۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَآءِ فِي الصَّلٰوةِ اِلَى السَّمَآءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھانے سے باز آ جائیں ۱؎ ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ (مسلم شریف)

۱؎ یعنی لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں بلند کرنے سے باز آ جائیں۔ اگر اس سے باز نہ آئیں گے تو ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آسمان کی طرف نگاہ مبارک اٹھایا کرتے تھے جب حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع (عجز وتواضع اختیار کرتے ہیں) تو آپ نے سر مبارک نیچے جھکا لیا۔

۹۲۱ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰى عَاتِقِهٖ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی امامت کراتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ابوالعاص کی بیٹی آپ کے

فَاِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کندھوں پر تھی۔ جب آپ رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اسے پھر اٹھا لیتے۔

(بخاری و مسلم)

لہ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی ہیں۔ یہ امامہ (بچی) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دختر نیک اختر تھیں جو بعض اوقات نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آکر لپٹ جاتی تھی۔ آپ اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔

سلہ اور آپ کے رکوع اور سجدہ کرنے تک وہ (امامہ) زمین پر ہی بیٹھی رہتی تھی۔

سلہ یہاں کسی کے ذہن میں یہ وہم آسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھانا اور زمین پر رکھنا۔ اور پھر اٹھانا تو فعل کثیر ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر یہ قلیل بھی ہو تو پھر بھی مکروہ تو ضرور ہے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اٹھانا قصد و ارادہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ وہ بچی غایت محبت و الفت کی بنا پر جو انہیں حضور کی ذات اقدس سے تھی اور غیر حالت نماز میں بھی وہ آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔ حالت نماز میں بھی وہ آکر آپ کے ساتھ لپٹ جاتی تھیں۔ رکوع کی حالت میں وہ خود بخود کندھے سے اتر کر زمین پر آجاتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نیچے نہ اتارتے تھے۔ لہٰذا یہ اٹھانا اور رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہ تھا۔ ان افعال کی نسبت آپ کی طرف کرنا مجازی نسبت ہے اس لیے یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ اسے فعل کثیر قرار دیا جائے پھر فعل کثیر وہ ہوتا ہے جو مسلسل اور لگاتار کیا جائے۔ یہ فعل اس طرح نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نماز میں طمانیت و سکون سے ہوتا تھا یا اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ یہ عمل کثیر حرام ہونے سے پہلے تھا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا غایت خشوع کی رعایت کی بنا پر تھا کیونکہ اگر آپ اسے اٹھاتے تو وہ گریہ کرتی اور روتی تھی اور اس طرح جو مشغولیت ہو سکتی تھی وہ اسے اٹھانے اور رکھنے سے زیادہ ہوتی تھی پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل۔ صحابی کے قول یوم الناس کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ یہ فرض نماز تھی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نماز نفل کا واقعہ ہے اور کبھی آپ نماز نفل بھی باجماعت ادا کرتے تھے مگر ظاہر قول اول ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵۵ : وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَكْظِمْ مَا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو حتی الامکان اسے پی جائے کہ

اِسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ۔

بےشک جمائی کے ذریعے شیطان بندے کے منہ میں داخل ہوتا ہے مسلم شریف اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی جائے تو جہاں تک ہو سکے اُسے پی جائے اور زبان سے ہا کی آواز نہ نکالے کہ ہا کی آواز شیطان کی طرف سے ہوتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہنستا ہے۔

لہ اصل میں لفظ تثاؤب ہمزہ کے ساتھ آیا ہے، تثاوب یعنی واو کے ساتھ غلط ہے۔ اور اس سے ثؤباء اسم آتا ہے ثا کی پیش ہمزہ کی زبر اور مد کے ساتھ۔ یہ اس سانس کو کہتے ہیں کہ اس سے منہ کھل جاتا ہے۔ اس کا سبب ثقل یا ملٹ معدے کا پر ہونا حواس کی کدورت، بدن کا بوجھل اور سست ہونا اور انسان کا سستی اور نیند کی طرف مائل ہونا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور کہا ہے التثاؤب من الشیطان (جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے) اور اسے روکنے کی صورت یہ ہے کہ منہ اس طرح بند کرے کہ دونوں لب ملائے اور نچلے لب کو دانتوں سے پکڑے یا بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے فلیکظم فاہ یعنی اپنا منہ بند کرے۔ اس روایت میں لفظ فاہ زیادہ آیا ہے۔

ک ہا یہ وہ لفظ ہے کہ جمائی نہ روکنے کی صورت میں آدمی کے منہ سے نکلتا ہے۔ بعض نسخوں میں ہا ہا یعنی مکرر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ لفظ منہ سے نہ نکالے۔

ک شیطان کے ہنسنے سے اس کی خوشنودی اور خوشحالی مراد ہے کہ وہ اس حالت سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ حالت بندے میں عبادت سے سستی اور کاہلی پیدا کرتی ہے پھر اس حالت میں انسان کی شکل و صورت بھی قبیح اور بری دکھائی دیتی ہے۔

۹۲۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلٰوتِيْ فَاَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُهُ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهُ عَلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن اچانک نمودار ہوا۔ تاکہ میری نماز برباد کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر دسترس عطا کر دی اور میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے چاہا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں یہانتک

تَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ فَرَدَدْتُهٗ خَاسِئًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ تم سب لوگ اسے دیکھو مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی یعنی رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ (یا رب مجھے ایسی حکومت و سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو) تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ناکام و نامراد چلا گیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی ان خبیث جنات میں سے ایک جن کہیں سے چھوٹ کر آگیا جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بند کر دیا تھا۔

سلہ عفریت عین کی زیر فا کی جزم اور ایک روایت کے مطابق را کی شد کے ساتھ بھی آیا ہے بمعنی قوی سرکش ظالم شیطان، عفارہ سے مشتق ہے بمعنی خبیث و شیطنت بعض کہتے ہیں کہ عفرو تعفیر سے مشتق ہے بمعنی خاک میں لوٹنا اور دوسرے کو خاک میں لوٹانا یعنی وہ شیطان جو اپنے ساتھی کو خاک پر گرا دیتا ہے۔

سلہ اس ملک سے جنات و شیاطین کی تسخیر اور ان پر تصرف و تسلط کرنا مراد ہے اور جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔ اور اس ملک (تسخیر جنات) کو اپنے لیے مخصوص کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اس تصرف کا اظہار کریں اور ملک سلیمان میں مداخلت نہ کریں ورنہ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تصرف و قدرت اور سلطنت کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہیں بڑھ کر تھی کہ جن و انس کے ملک و ملکوت بلکہ تمام جہان خدا تعالیٰ کی تقدیر و تصرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و تصرف کے احاطہ میں ہیں[1]۔

۹۴۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهٗ شَيْءٌ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ التَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے اسے چاہیے کہ تسبیح کہے تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ تسبیح مردوں کے لیے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مافوق الاسباب قدرت تصرف کے عقیدہ کو کفر و شرک قرار دینے والے (موحدین) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا بغور مطالعہ کریں۔ مترجم غفرلہ۔

لے مثلاً دورانِ نماز کوئی اسے بلائے یا اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کرے اور اس اجازت طلب کرنے والے کو پتہ نہ ہو کہ وہ نماز میں ہے۔

ے یعنی نمازی کو چاہیے کہ سبحان اللہ کہے تاکہ اس بلانے والے یا اجازت طلب کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ وہ نماز میں ہے۔ یہ نمازی زبان سے سبحان اللہ کہے ہاتھ سے تالی نہ بجائے کہ یہ فعل عورتوں کے لائق ہے، مردوں کے عزت و وقار کے لیے مناسب نہیں۔

سے اس تالی اور تصفیق کی شکل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے ہتھیلی کو ہتھیلی پر کھیل کے طور پر نہ مارے اگر ایسا کرے گی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کذا فی شرح مسلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۹۳۵ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا نُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ ھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ قَبْلَ اَنْ نَّاْتِیَ اَرْضَ الْحَبْشَۃِ فَیَرُدُّ عَلَیْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَۃِ اَتَیْتُہٗ فَوَجَدْتُہٗ یُصَلِّیْ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی اِذَا قَضٰی صَلٰوتَہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ مِنْ اَمْرِہٖ مَا یَشَآءُ وَ اِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَکَلَّمُوْا فِی الصَّلٰوۃِ فَرَدَّ عَلَیَّ السَّلَامَ وَ قَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوۃُ لِقِرَآءَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ فَاِذَا کُنْتَ فِیْھَا فَلْیَکُنْ ذٰلِکَ شَاْنُکَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

دوسری فصل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حبشہ[1] جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے تھے اور آپ ہم کو اس کا جواب دیتے تھے پھر جب ہم لوگ سرزمین حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو نماز پڑھتے پایا میں نے آپ کو سلام کیا تو مجھے آپ نے جواب نہ دیا، حتیٰ کہ جب اپنی نماز پوری کی تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں جو چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے اب جو اس نے نیا حکم دیا ہے اس میں یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو۔ پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نماز قرآن پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہے۔ جب تو نماز میں ہو تو تیرا یہی حال ہونا چاہیے۔

(ابوداؤد شریف)

۱؎ یعنی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے۔

۹۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ ۱؎ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ ۲؎ نَحْوُهٗ وَعِوَضُ بِلَالٍ صُهَيْبٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال سے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کیسے جواب دیتے تھے جب کہ وہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے فرمایا اپنے ہاتھ سے اشارہ۱؎ کرتے تھے۔ (ترمذی)

اور نسائی کی ایک روایت میں بھی اسی طرح ہے اور بجائے بلال کے صہیب۲؎ ہے۔

۱؎ اس اشارے کا یہ طریقہ تھا کہ ہتھیلی مبارک کو پھیلاتے پھر ہتھیلی کو نیچے کی طرف گھماتے اور پشت کو اوپر کی طرف اٹھاتے یعنی دایاں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور کبھی صرف انگلی کے اشارہ پر کفایت کرتے جیسا کہ ان تینوں محدثین نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور صاحب سفر السعادۃ نے کہا ہے کہ کبھی آپ سر مبارک سے اشارہ کرتے تھے مگر ہم نے یہ بات کسی حدیث میں صراحۃً نہیں پائی اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا سر اور آنکھ کے اشارہ سے جائز ہے مگر اس بارے میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

باقی رہی یہ بات کہ اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا نسخ سے پہلے تھا یا نسخ کے بعد اور یہ کہ صرف کلام سے سلام کا جواب دینا منسوخ ہوا (سر اور ہاتھ وغیرہ سے جواب دینا منسوخ نہیں ہوا) ظاہر یہی ہے کہ صرف کلام سے جواب دینا منسوخ ہوا۔

۲؎ یعنی نسائی کی روایت میں بلال کی جگہ صہیب واقع ہوا ہے۔ یعنی ترمذی کی روایت میں تو اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کیا۔ یہ اختلاف اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے دونوں حضرات سے دریافت کیا ہو جیسا کہ شرح الشیخ میں مذکور ہے۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں جو کچھ مذکور ہے یہ سب ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا جب کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے انگلی کے اشارے سے اس کا جواب دیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت بلال سے سوال کرنے کا ذکر حضرت بلال کی حدیث میں ہے۔

۹۲۳ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِى الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِىُّ۔

پڑھی۔ مجھے دورانِ نماز چھینک آگئی تو میں نے چھینک کر کہا۔ الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ کما یحب ربنا ویرضٰی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں بہت تعریفیں اور طیب و پاکیزہ حمدیں برکت والی اور ان پر برکت والی۔ جیسی ہمارا رب چاہے اور جن سے ہمارا رب راضی اور خوش ہو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی اور پھرے تو فرمایا نماز میں کلام کرنے والا کون تھا۔ کوئی نہ بولا۔ آپ نے پھر دوبارہ یہی فرمایا مگر کوئی نہ بولا۔ پھر تیسری مرتبہ یہی فرمایا تو حضرت رفاعہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ہوں اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس میں تیس اور چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون انہیں لے کر چڑھے ہے

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

سلہ رفاعہ را کے کسرہ کے ساتھ۔

سلہ مبارکا فیہ یعنی برکت والی حمد و ثنا۔ مبارکا علیہ یعنی حمد و ثنا کرنے والے پر برکت کا نزول ہو۔

سلہ یعنی وہ حمد و ثنا اور وہ حمد و ثنا کرنے والا جو خدا تعالٰی کو پسند ہو اور جس سے اللہ تعالٰی راضی ہو۔

سکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ اور زجر کے خوف سے کوئی نہ بولا۔

سے یعنی جب اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا جواب دیا جائے تو حضرت رفاعہ بولے۔

سلہ کہ کون ان کلمات کو اٹھا کر بارگاہِ الٰہی کے حضور مقام قبولیت میں لے جائے۔

سکہ اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ چھینکنے والا اگر دورانِ نماز حمد کے الفاظ زبان سے ادا کرے اگرچہ بلند آواز سے کہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نمازی اگر دل میں حمد و ثنا کرے لب نہ ہلائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر لب ہلا کر حمد و ثنا کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور شیخ موصوف اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس وقت سے تعلق رکھتی ہے جب کہ نماز میں ابھی گفتگو کرنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔

واللہ اعلم۔

۹۲۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّثَاؤُبُ فِی الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْیَضَعْ یَدَهٗ عَلٰی فِیْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی شیطان[1] کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت اسے روکے[2]۔ ترمذی۔ اور ترمذی کی دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے۔

[1] کیونکہ جمائی سستی، نیند، بدن کے بوجھل ہونے اور بے ذوقی کا موجب و سبب ہوتی ہے اور شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے چھینک کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوت دماغ، فرحت و نشاط کی علامت ہوتی ہے اور جمائی اس کے برعکس ہے۔ تاہم یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بڑے زور کی چھینک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ حد سے بڑھی ہوئی جمائی بھی ابلیس کی طرف سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھینک کے وقت آواز پست رکھتے تھے اور جمائی کے وقت منہ مبارک بند کر لیتے تھے۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب العطاس والتثاؤب میں آرہی ہے۔

[2] کظم کا معنی ہے ہونٹ بند کر لینا اور لبوں کو دانتوں سے پکڑ لینا بھی آتا ہے جیسا کہ گزرا مگر جب کہ حدیث میں منہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر آگیا ہے تو چاہیے کہ یہی متعین ہو الا یہ کہ اخبار و آثار میں لب بند کرنے کا ذکر بھی آیا ہو۔

۹۲۹ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یُشَبِّكَنَّ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَاِنَّهٗ فِی الصَّلٰوةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حضرت کعب بن عجرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھے طریقے[2] سے وضو کرے۔ پھر مسجد جانے کے ارادے سے نکلے تو انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

[1] عجرہ عین کی پیش اور جیم ساکن سے۔ آپ صحابی ہیں اور اصحاب شجرۃ الرضوان میں سے ہیں۔

[2] یعنی وضو کی شرائط اور اس کے آداب و مستحبات اور پوری توجہ اور حضور سے کرے بزرگ فرماتے ہیں جس قدر وضو میں توجہ، حضور اور اس کے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے گا اسی قدر نماز میں حضور اور خشوع و

خضوع نصیب ہوگا۔

۳؎ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ بجا لائے اور تقرب و مناجات حاصل ہو۔

۴؎ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے کیونکہ جب وہ نماز کے ارادے سے مسجد کی جانب چل پڑا تو گویا وہ نماز داخل ہوگیا اور یہ عمل نماز میں منع ہے کیونکہ یہ خشوع و خضوع کے خلاف ہے پھر یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو خشوع و خضوع کے منافی ہو۔ اس حدیث میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ نماز کو جاتے وقت بھی حضورِ قلب اور خشوع و خضوع اور ساادب و وقار سے چلے۔

واضح ہو کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت آئی ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممانعت جھگڑے، فتنے اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے کی علامت ہے۔ اس لیے جب ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا تھا تو تشبیک اصابع (انگلیوں میں انگلیاں ڈالی تھیں) کیا تھا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تشبیک اصابع آپس میں اتفاق و اتحاد کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں (بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب) کو خمس مال دینے کے باب میں مذکور ہوا ہے۔ نہی کی ظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ چیز خشوع و خضوع کی حالت کے خلاف اور نامناسب ہے۔ اسی وجہ سے اس ممانعت کو نمازیا نماز کے لیے جانے کی حالت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تشبیک الاصابع فی المسجد کا باب باندھا ہے پھر اس باب میں وہ حدیثیں درج کیں جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے یہ عمل اس وقت ممنوع ہے جب کہ یہ عبث اور فضول طور پر ہو اگر کسی تمثیل یا معنی کا فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہو تو جائز ہے جیسا کہ فتنوں کے ذکر میں بیان ہوا۔

۹۳۹ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِىْ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِىُّ وَالدَّارِمِىُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے[۱] جب تک کہ وہ نماز میں نہ ادھر ادھر دیکھے اور جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کرتا ہے[۲]۔
(احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

۱؎ اور لطف و عنایت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے جب کہ بندہ نماز میں ہوتا ہے۔

۲؎ اور اس سے اپنی نگاہِ لطف و عنایت پھیر لیتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک

حدیث روایت کی اور امام ترمذی نے اسے صحیح بھی قرار دیا کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عزت و کرامت والے چہرہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب بندہ نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ادھر ادھر اپنا دھیان منتشر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے تو کسے دیکھتا ہے۔ مجھ سے بہتر کوئی اور ہے کہ مجھے چھوڑ کر تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنا رخ میری طرف کر۔ جب بندہ یہ فرمانے پر دوسری بار بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ پھر اسی طرح فرماتا ہے تیسری بار پھر اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے اور بندہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنا رخ اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔ ایک شاعر نے اس مفہوم کو لباس مجاز میں اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

آمد سحر آن دلبر خونیں جگراں ما ۔۔۔ گفت اے تو بر خاطر من بار گراں

شرمت بادا کہ من بسویت نگراں ۔۔۔ با شرم تو نہی چشم بسوئے دگراں

ترجمہ۔ خونیں جگر دلبر صبح کے وقت تشریف لایا اور کہا میرا دل تجھ سے بڑے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔
تجھے شرم کرنی چاہیے کہ میں تیری طرف دیکھ رہا ہوں مگر تو نے اپنی نگاہ دوسروں کی طرف لگا رکھی ہے۔

۹۳۱ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَنَسُ اجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِ الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ يَرْفَعُهُ -

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھ[1]۔ اس حدیث کو بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوع روایت کیا۔

[1] اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پوری نماز کے اندر نگاہ سجدہ گاہ پر جمائے رکھنا مستحب ہے۔ شافعیہ کا عمل یہی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ہُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کی تفسیر میں امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دلالت کرتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مستحب ہے کہ نمازی کی نگاہ حالت قیام میں سجدہ گاہ پر، رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدے میں ناک پر اور التحیات میں اپنی گود کی طرف ہو۔ ان کا یہ بیان اس کے موافق ہے جو علمائے حنفیہ نے کہا ہے حنفیہ اس میں تھوڑا سا اضافہ یہ کرتے ہیں کہ سلام پھیرتے وقت نگاہ کندھوں کی طرف ہو۔ جیسا کہ نہایہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حرم شریف میں نگاہ کعبہ پر رہنی چاہیے۔ اس جگہ راوی کے ذکر میں اصل کتاب کے اندر خالی سفید جگہ ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اسے بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوعاً روایت کیا۔

۹۳۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ اِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّ

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے نماز میں ادھر ادھر رخ کرنے سے بچ کیونکہ نماز میں ایسا کرنا

الالتفات فی الصلوٰۃ ھلکۃ فان کان لابد ففی التطوع لا فی الفریضۃ۔ رواہ الترمذی

ہلاکت[۲] ہے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو نفل نماز میں کر[۳] لے نہ کہ فرض نماز میں۔ (ترمذی)

[۱] اس طرح کے خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اپنی خاص مہربانی کا اظہار فرمایا۔ کیونکہ ایک تو آپ اس وقت بچے تھے، دوسرے وہ پورے صدق و اخلاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آپ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ (حضرت انس) آٹھ سال کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہو گئے۔

[۲] کہ نماز میں ادھر ادھر التفات کرنا بندے کے لیے آخرت میں ہلاکت و نقصان کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ شیطان کی فرمانبرداری اور درگاہ حضرت رحمان جل مجدہ سے روگردانی ہے۔ ھلکۃ ھا اور لام کی زبر کے ساتھ بمعنی نیست و نابود ہو جانا۔

[۳] یعنی اگر ادھر ادھر التفات کرنے سے کوئی چارہ نہ ہو اور تو اپنی نماز کو کامل درجہ پر ادا کرنے کی خواہش نہ ہو تو پھر نفل نماز میں ایسا کرے کہ اس کا معاملہ فرض نماز سے آسان ہے کہ فرض نماز کا اہتمام اور اسے کامل و تمام کرنا ضروری ہے۔ مگر حقیقت میں نوافل میں نقصان فرض ہی کا نقصان ہے کیونکہ نوافل فرائض ہی کی تکمیل کے لیے ہیں۔

۹۳۳/۱۹ وعن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلحظ فی الصلوٰۃ یمینا وشمالا ولا یلوی عنقہ خلف ظھرہ۔ رواہ الترمذی والنسائی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کن آنکھوں[۱] سے دیکھتے تھے اور اپنی گردن پیٹھ کے پیچھے نہ موڑتے[۲] تھے۔ (ترمذی ونسائی[۳])

[۱] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی غرض سے نماز میں گوشہ چشم سے دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے اور اس طرح دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یا بعض مقتدیوں کے حالات پر نگاہ ڈالنے کے لیے آپ ایسا کرتے تھے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسا آپ شاید نماز نفل میں کرتے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شارع علیہ السلام اگر تعلیم جواز کی غرض سے فعل مکروہ بھی کرے تو وہ مکروہ نہ ہوگا۔

[۲] کہ گردن بائیں سر پھیرنے سے قدرے سرخ پیٹھ کی طرف پھر جاتا ہے (اس میں غور کرو) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکروہ گردن کا مروڑنا ہے گوشۂ چشم سے دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

۳ گذشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۹۳۴ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلٰوةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

عدی بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک، اونگھ، جمائی، حیض، قے اور نکسیر شیطان سے ہے۔

(ترمذی)

۱ عدی بن ثابت تابعی انصاری کوفی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ ابو حاتم نے کہا صدوق ہے اور بعض نے کہا کہ سخت قسم کا شیعہ ہے۔ بعض نے کہا غالی رافضی ہے لیکن ثقہ ہے۔ یہ شخص شیعہ مسجد کا امام اور ان کا عالم دقاضی تھا۔ ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کے دادے کا نام دینار ہے۔

۲ یعنی عدی بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ اس کے دادا نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے (حدیث کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک لے گیا ہے)

۳ عطاس، عین کی پیش طا کی تخفیف کے ساتھ یعنی چھینک۔

۴ نُعاس، نون کی پیش، عین کی تخفیف (جزم) کے ساتھ یعنی نیند آجانا۔ یا نیند کے باعث طبیعت کا بوجھل ہو جانا یا اول نیند۔

۵ رُعاف، را کی پیش سے یعنی ناک سے خون بہنا۔ یہ سب عوارض اگر نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف سے ہیں۔ اور اسے راضی اور خوش کرنے کا باعث ہیں کیونکہ ان سے نماز میں نقصان لاحق ہوتا ہے۔ اور چھینک اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے مگر جب زور اور شدت سے آئے تو بعض اوقات قراءت میں رکاوٹ کا موجب بن جاتی ہے اور حضرت حق تعالیٰ سے حضور قلب اور اس کی جناب میں مناجات کے لیے استغراق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور نیند اور جمائی تو ظاہر ہے کہ رکاوٹ کا موجب ہیں مگر حیض اور قے اور نکسیر جب نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف منسوب ہوں گی اور ان تین امور کے نماز میں لاحق ہونے کی تخصیص اور پہلی تین چیزوں کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین چیزیں تو نماز کو باطل نہیں کرتیں مگر ان آخری تین چیزوں کے نماز میں لاحق ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے پھر اگرچہ یہ سب عوارض (امور طبعیہ) بے اختیار انسان پر وارد ہوتے ہیں اور انسان انہیں اپنے سے دور رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ مگر ان کے لاحق ہونے سے چونکہ نماز میں خلل پڑتا ہے اور وہ شیطان کی خوشی اور رضا کا موجب ہے اس لیے ان کی نسبت شیطان کی طرف کر دی۔

۹۳۵/۲۱ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوُدَ الثَّانِيَةَ

حضرت مطرف[1] بن عبداللہ بن الشخیر سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے شکم مبارک میں ہانڈی کی گھڑ گھڑ تھی یعنی آپ رو رہے تھے اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اس وقت آپ کے سینہ انور میں رونے سے چکی سی گڑگڑاہٹ تھی احمد اور نسائی نے پہلی روایت اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی

[1] مطرف میم کی پیش طا کی زبر اور شد پھر را اور آخر میں فا شخیر شین کی زبر خا کی زیر اور شد اور آخر میں یا اور را یہ مطرف تابعین سے ہیں اور ان کے والد حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

[2] مرجل پتھر یا تانبے کی دیگ۔ ازیز ہمزہ کی زبر زائے اول کی زیر اور یا ساکن۔ وہ آواز جو ہانڈی اور دیگ کے جوش مارنے کے وقت اس سے بلند ہوتی ہے۔ مرجل میم کی زیر را ساکن اور جیم کے زبر سے یعنی پتھر یا لوہے یا تانبے کی دیگ کتاب مشارق میں کہا مرجل دیگ کو کہتے ہیں بعض کے نزدیک تانبے کی دیگ۔ اس عبارت سے راوی کی مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں سخت گریہ طاری تھا۔

[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں گریہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں کہا کوئی شخص اگر بہشت یا دوزخ کی یاد سے نماز میں روئے یا آہ کرے اور اس کی آواز بلند ہو جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر یہ رونا اور گریہ کرنا کسی درد یا مصیبت کی بنا پر ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۹۳۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو کنکروں کو نہ چھوئے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

سلہ یعنی نماز کے دوران کنکریاں ہموار نہ کرے۔ اور ایک روایت ہے فلا یُسوی الحصٰی یعنی کنکریاں برابر نہ کرے۔
سلہ اور اس کی طرف متوجہ ہوتی اور اس کا استقبال کرتی اور اس پر نازل ہوتی ہے تو اس مقام میں سوء ادب کا مرتکب ہونا اور کنکریوں سے کھیل بڑا نا مناسب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے انوارِ فضل و رحمت سے محروم نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے خدا تعالیٰ کی رحمت اُس چیز نازل ہوتی اور پڑتی ہے جو نمازی کے سامنے ہوتی ہے۔ یعنی زمین اور کنکریوں پہ تو چاہیے کہ ان کنکریوں پر ہی سجدہ کرے اس میں تبدیلی نہ کرے۔

۹۳۷/۲۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک لڑکے کو جسے افلح کہا جاتا تھا، دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو پھونک مارتا۔ حضور نے اسے فرمایا اے افلح اپنا چہرہ خاک آلودہ کرے۔ (ترمذی)

سلہ یعنی جس کا نام افلح تھا۔ اور ایک روایت میں رباح آیا ہے۔
سلہ یعنی زمین کو پھونک سے صاف کرتا تھا تاکہ اس کا چہرہ گرد آلود نہ ہو۔
سلہ یعنی پھونک سے جگہ صاف نہ کر بلکہ ایسے ہی سجدہ کر کہ اس صورت میں عاجزی اور تذلل زیادہ ہے۔

۹۳۸/۲۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِخْتِصَارُ فِي الصَّلٰوةِ رَاحَةُ اَهْلِ النَّارِ - (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اہل دوزخ کا آرام ہے۔ (شرح سنۃ)

سلہ دوزخ میں تو آرام و آسائش کا نام تک نہیں مگر اہل دوزخ اس وہم میں ایسا کریں گے کہ شاید اسی طرح انہیں آرام حاصل ہو۔ حالانکہ وہاں آرام کہاں۔ اس حدیث میں کلام فصل اول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

۹۳۹/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے اندر دو سیاہ چیزوں کو قتل کرو۔ سانپ اور بچھو کو

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ -

احمد، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کا معنیٰ روایت کیا۔

لے یعنی اس معنی کو دوسرے الفاظ میں روایت کیا۔

۹۴۰/۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ آپ پر بند تھا میں آئی، دروازہ کھلوایا آپ چلے اور میرے لیے دروازہ کھولا پھر اپنے مصلی کی طرف لوٹ گئے آپ نے ذکر کیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لے یعنی دروازہ بند کر کے نماز ادا فرما رہے تھے۔

۲ یعنی چونکہ آپ نماز میں کھڑے تھے، چند قدم اٹھا کر آگے بڑھے اور دروازہ کھول دیا۔

۳ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کی طرف آنے اور اسے کھولنے میں جانب قبلہ سے رخ مڑ جانا لازم نہ آیا اسی طرح واپس مصلا پر تشریف لے جاتے وقت بھی آپ کا رخ مبارک قبلہ کی جانب ہی رہا۔ کیونکہ دروازہ جانب قبلہ واقع تھا شارحین حدیث نے یہ بھی کہا ہے کہ مکان تنگ تھا ایک دو قدم سے زیادہ چلنے کی گنجائش نہ تھی۔

۹۴۱/۲۶ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلٰوةَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو جائے تو چاہیے کہ واپس پھرے وضو کرے اور اپنی نماز لوٹائے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ روایت کیا۔

لے یعنی آواز کے بغیر۔

۲ ایک روایت میں ولیتوضأ واؤ کے ساتھ آیا ہے۔

۳ نماز کے لوٹانے کا حکم افضلیت و اولویت کی بنا پر ہے اور اگر فقہ میں مذکور شرائط کے مطابق جہاں چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے تو بھی درست ہے۔

۹۴۲/۲۷ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیشک وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤد)

تم میں کوئی نماز میں بے وضو ہو جائے تو چاہیے کہ اپنی ناک پکڑ لے اور واپس لوٹ لے۔ (ابو داؤد)

لہ تاکہ لوگوں کو یہ وہم گزرے کہ شاید نکسیر پھوٹ پڑی ہے یا ناک سے خون بہنا شروع ہو گیا ہے اور نماز میں وضو ٹوٹنے سے پردہ حیا قائم رہے۔ کیونکہ لوگ اس امر کے عادی ہیں کہ ایسے فعل کو نقص و عیب جانتے اور پس پشت اس کی غیبت کرتے ہیں اور شرم کے مارے اور اس وجہ سے کہ لوگ مجھے عیب لگائیں گے اور بے آبروئی کریں گے، بے وضو ہی نماز نہ پڑھتا رہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ انسان اگر نفس الامر میں سچا ہو مگر ظاہراً کوئی اعتراض والی بات کرے تو یہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ چاہیے کہ اپنا ستر اور عیب پوشی کرے تاکہ لوگ اس کی بے آبروئی نہ کریں اور جو عیب اس میں نہیں وہ اس کی طرف منسوب نہ کریں، یہ چیز جھوٹ میں داخل نہیں ہے بلکہ لوگوں کو غلط وہم سے بچانے کا ایک طریقہ ہے۔ اور یہ چیز ریا میں نہیں بلکہ تحمل اور پردہ پوشی کی ایک شکل ہے۔ ماور ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ کما قال العلماء۔

حکایت:۔ امیر المومنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ آپ جماعت کرا رہے تھے کہ دوران نماز ایک شخص کا وضو ٹوٹ گیا مگر وہ شرم کے مارے وضو کے لیے نہ گیا۔ اور بے وضو ہی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ ہم سب وضو کریں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے آپ نے ایسا اس لیے کہا کہ وہ شخص لوگوں کے عیب لگانے سے بچے اور بے وضو نماز پڑھنے کی گمراہی میں نہ پڑے۔

۹۴۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِيْ أٰخِرِ صَلٰوتِهٖ قَبْلَ أَنْ يُّسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ إِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوْا فِيْ إِسْنَادِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھ چکا ہو[1] اور ابھی سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز درست ہو گئی[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔ اور اس حدیث کے راویوں میں اضطراب[3] ہے۔

لہ یعنی تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو۔

لہ اور اس کی نماز پوری ہو گئی یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک الفاظ سلام سے نماز سے باہر آنا فرض نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ مگر خروج بالصنعۃ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی فرض ہے۔ لہذا یہاں وضو ٹوٹنے کو قصداً توڑنے پر محمول کیا جائے گا تاکہ فعل قصدی کا وجود حاصل

ہو جائے پس اس حدیث کا ظاہر امامین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے مذہب کی تائید کرتا ہے جن کے نزدیک فعل مصلی کے ساتھ نماز سے باہر آنا فرض نہیں۔

سلہ اور مقدمہ کتاب میں مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مضطرب کسے کہتے ہیں یعنی وہ حدیث جسے مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہو۔ اور یہ اس کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے راوی اسے ضبط نہیں کر سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۱۴ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا کَبَّرَ انْصَرَفَ وَ اَوْمَا اِلَیْھِمْ اَنْ کَمَا کُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَ رَاْسُہٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِھِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَرَوَی مَالِکٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا

تیسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے جب تکبیر کہی تو واپس لوٹے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ تم ایسے ہی رہو۔ پھر تشریف لے گئے تو غسل کیا پھر تشریف لائے حالانکہ سر مبارک سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر انہیں نماز پڑھائی جب نماز پڑھ لی تو فرمایا کہ ہم جنبی تھے غسل کرنا بھول گئے سلہ

(احمد) اور مالک نے عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا۔

سلہ اس حدیث سے شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ استدلال کیا ہے کیونکہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام کی نماز باطل ہو گئی ہے مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو چکے تھے اور مقتدی بھی نماز شروع کر چکے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنبی ہونا ظاہر ہوا اور آپ کی نماز بھی باطل ہو گئی۔ مگر مقتدی اس پہلے تحریمہ پر ہی کھڑے رہے اور ان کی نماز باطل ہونے اور تکبیر تحریمہ کے لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ امام کی نماز کا بطلان مقتدیوں کی نماز کو بھی باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ امام قوم کی نماز کا ضامن ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے الامام ضامن کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ حضرات حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے اور نماز میں داخل ہو چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ کے متصل بعد قوم کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی اپنے جنبی ہونے کا احساس ہو گیا ہو۔ اور صحیح مسلم میں ایک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مصلائے نماز پہ کھڑے ہی ہوتے تھے اور تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ واپس لوٹے اور غسل کیا

لہٰذا اگر کتاب مشکوٰۃ کی اس حدیث اور مسلم کی حدیث کا ایک ہی واقعہ ہے تو اس پر محمل کرنا چاہیے کہ آپ تکبیر تحریمہ کہنے اور نماز میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ غسل کرنے کا خیال آ گیا۔ اور اگر یہ دو الگ الگ واقعات ہوں تو پھر جواب وہ ہے جو مذکور ہوا یعنی کہ مقتدیوں کی تکبیر کہنے سے پہلے ہی آپ غسل کے لیے لوٹ گئے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے امام محمد کی کتاب الآثار سے یہ بات نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کرے فرمایا کہ وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے اور مقتدی بھی۔ شیخ ابن الہمام یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کی پھر وہ نماز دوبارہ پڑھی اور مقتدیوں کو بھی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

سے ۵۲ حضرت عطا تابعی ہیں۔

سے ۵۳ ارسال کا معنی مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۴۵/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآخُذُ قَبْضَةً مِّنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِي كَفِّيْ أَضَعُهَا لِجَبْهَتِيْ أَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا اور میں دوران نماز اپنے ہاتھ میں کنکریوں کی ایک مٹھی لیتا تاکہ وہ ٹھنڈی ہو جائیں پھر اس پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کرتا تھا شدت تپش کی وجہ سے۔ ابو داؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے نماز میں اتنا سا فعل کر لینا معاف ہے اور یہ فعل کثیر بھی نہیں ہے کہ آپ صرف ایک بار مٹھی میں کنکریاں لیتے تھے۔

۹۴۶/۱۲ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَبَسَطَ يَدَهُ كَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِي الصَّلٰوةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ إِنَّ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ کہہ رہے ہیں اعوذ باللہ منک میں تجھ سے اللہ کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا گویا آپ کوئی چیز پکڑنا چاہتے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں وہ کہتے سنا ہے جو ہم نے پہلے کبھی آپ کو کہتے نہیں سنا اور ہم

عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهٗ فِيْ وَجْهِيْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ اٰخُذَهٗ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔

(رواہ مسلم)

نے کہ دیکھا کہ آپ نے دست مبارک کو پھیلایا ہے آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک انگارا لے کر آیا ہے تاکہ اسے میرے منہ میں ڈالے تو میں نے تین بار اعوذ باللہ منک کہا۔ پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں مکمل اللہ پوری لعنت۔ یہ الفاظ بھی تین بار کہے۔ مگر وہ پیچھے نہ ہٹا۔ اور دور نہ ہوا۔ پھر میں نے اُسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ اسے جکڑا ہوا دیکھتے کہ اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔

(مسلم)

لہ مراد یہ ہے کہ شہاب آگ کے انگارے کو کہتے ہیں۔

لہ جو آپ نے جنات کو مسخر کرنے اور ان پر اپنا تصرف کرنے کے لیے مانگی تھی۔ اس کی شرح حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فصل اول کے آخر میں گزر چکا ہے مگر اس حدیث میں عفریت من الجن کا لفظ آیا ہے اور اس حدیث میں ابلیس کا نام آیا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا جنات پر تصرف اور انہیں مسخر کرنے کے لیے تھی۔ ابلیس کو مسخر کرنے کے لیے نہ تھی۔ اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب ابلیس جن کی صورت میں متشکل ہو کر ظاہر ہوتا تو اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا تصرف اس پر بھی ہوتا تھا جس طرح کہ دوسرے جنات پر۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام والا شیطان مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور سرکش جن مراد ہو۔ اور ابلیس سے اس کے لغوی معنی مراد ہوں۔ یعنی ابلیس ابلاس بمعنی رحمت الٰہی سے ناامید ہونا مراد ہو۔

۹۳۷/۳۳ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَّهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔

(رواہ مالک)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ بیشک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اسے السلام علیکم کہا اس نے کلام (وعلیکم السلام) سے جواب دیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس لوٹ کر آئے اور اس سے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کوئی سلام کہے اور وہ نماز میں ہو تو کلام سے جواب نہ دے بلکہ ہاتھ کے اشارے سے کر لے۔

(مالک)

لہ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

بَابُ السَّهْوِ

بھولنے کا باب

بعض نسخوں میں باب سجود السہو آیا ہے۔ سہو کا معنی ہے آدمی جس کام میں معروف ہو اسے بھول جانا اس سے غافل اور بے خبر ہو جانا اور دل کا کسی اور طرف متوجہ ہونا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان اقوال میں سہو و نسیان کا طاری ہونا جائز نہیں جو شرعی احکام کے انبار و ابلاغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آپ کے افعال میں سہو جاتے میں اختلاف ہے۔ اہل حق کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان میں سہو لاحق ہونا جائز ہے کیونکہ صحیح احادیث اس میں وارد ہیں۔ لہٰذا ہمارا اس کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی خلل و عیب بھی نہیں۔ بلکہ آپ کا سہو حکمت کو متضمن ہوتا ہے۔ حقیقت میں آپ کا سہو امت پر کمال نعمت اور ان کے لیے دین کی تکمیل کا موجب ہے تاکہ امت آپ کی اقتداء و اتباع کے شرف سے مشرف ہو۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا انما انسی لاسن یعنی میں اس لیے بھولتا ہوں تاکہ وہ فعل بھی میری سنت قرار پائے اور اگرچہ آپ کی سنت آپ کے قول وامر سے بھی موجود ہو جاتی ہے۔ مثلاً آپ یوں فرمادیں جو شخص نماز میں بھول جائے اس پر سجدہ سہو واجب ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کا واقع ہونا اور فعل سجدہ کا مشروع ہونا آپ کے شرف اقتداء کے حصول کو مستلزم و متضمن ہے (خوب سمجھ لو)

پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں بھی سہو و نسیان لاحق ہوا وہ کسی مقام خاص میں استغال واستغراق کی بنا پر ہوا ہے کہ عقولِ انسانی کے ہاتھ اس مقام کے دامن ادراک کو چھونے سے قاصر و کوتاہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۹۴۸ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ حَتّٰى لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے ایک آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ نمازی نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں اور جب تم میں کوئی یہ حالت وکیفیت پائے تو چاہیے کہ بیٹھے ہوئے دو سجدے کرلے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اس کا مصدر لبس ہے۔ لام کی پیش اور با ساکن سے۔ جس کا معنی ہے کسی پر اس کا کام پوشیدہ کر دینا اور تاریکی کو روشنی سے ملا دینا۔ لبس ضماد اور بغیر شد دونوں طرح مروی ہے بلکہ شد مبالغہ اور تکثیر کا فائدہ دیتی ہے۔

سلہ واضح ہو کہ اس حدیث میں شک کی صورت بیان کی گئی ہے اور شک و سہو میں فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا یقین ہوتا ہے اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ اس طرح ہوا ہے یا اس طرح علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی شک میں نہیں پڑے کیونکہ شک ابلیس کے شبہ ڈالنے سے ہوتا ہے۔ ہاں آپ علیہ استغراق اور دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہونے کے باعث سہو و نسیان میں پڑ جاتے تھے اور شک کا بھی وہی حکم ہے جو سہو کا حکم ہے کہ اس میں بھی دو سجدے کرنے پڑتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

۹۴۹ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلٰوتَهٗ وَإِنْ كَانَ صَلّٰى تَمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا وَفِي رِوَايَتِهٖ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ۔

حضرت عطاؒ بن یسار سے روایت ہے وہ حضرت ابو سعید سے راوی کہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک واقع ہو جائے کہ نہ جانے کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ تین یا چار تو شک کو دفع کرےسلہ اور یقین پر بنا کرےسلہ پھر سلام سے پہلےسلہ دو سجدے کرےسلہ پھر اگر پانچ پڑھ لی ہوں گی تو اس کی نماز کو شفعہ کر دیں گے اور اگر چار رکعت پوری کر کے پڑھی تو یہ سجدے شیطان کی ناک کو دور کر دیں گےسلہ

مسلم شریف اور مالک نے عطا سے ارسالاً روایت کی۔ ان کی روایت میں یوں ہے کہ ان دو سجدوں سے نماز کو شفعہ کرے گاسلہ

سلہ آپ تابعی ثقہ اور مشہور شخصیت ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام اور اکابر علمائے مدینہ میں سے ہیں۔

سلہ یعنی اس رکعت کو شمار کرے جس میں اسے شک لاحق ہوا ہے۔

سلہ یعنی شک کی صورت میں کم تعداد پر بنا کرے یعنی تین اور چار رکعت میں شک ہو تو تین پر بنا کرے۔

سلہ جیسا کہ سجدہ سہو کا دستور و طریقہ ہے۔

سلہ بخاری کی روایت میں یہ قید نہیں ہے۔ یہیں سے آئمہ میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے

کرے یا سلام کے بعد جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں تفصیل سے ہم یہ مسئلہ بیان کریں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاِنْ کَانَ صَلّٰی الی آخرہٖ سے دو سجدوں کا فائدہ بیان فرمایا۔

۵۶ یعنی اگر شک تین اور چار رکعت میں ہوا اور بنا تین پر کی اور در واقع میں چار رکعت تھیں جب اس نے ایک رکعت اور پڑھی تو واقع میں پانچ رکعت ہوگئیں۔ تو یہ دو سجدے ان پانچ کو چھ رکعت کر دیں گے کہ یہ دو سجدے نمازی کے لیے ایک پوری رکعت کا درجہ رکھتے ہیں۔

۵۷ اور اگر تین پر بنا کر کے چار پوری کرنے کے لیے ایک رکعت اور پڑھی تاکہ چار پوری ہو جائیں اور در واقع میں اس نے تین ہی پڑھی تھیں تو اس طرح چار رکعت پوری ہوگئیں تو یہ دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے اور اس کی ناک خاک آلودہ کرنے کے لیے ہوں گے۔ یعنی اگرچہ اس صورت میں سہو کے دو سجدوں کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ صورت اول میں پانچ کو چھ رکعت بنانے کی ضرورت تھی۔ مگر اس صورت میں بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ شیطان ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ نمازی کو شک میں ڈالے اور اس کی عبادت خراب کرے۔ لیکن جب نمازی نے اور سجدے کیے اور عبادت میں اضافہ کیا تو یہ چیز شیطان کی ذلت کا باعث ہوگئی۔

۵۸ اس حدیث کو مسلم نے عن عطاء بن یسار عن ابی سعید خدری روایت کیا اور امام مالک نے عطاء بن یسار سے بطریق ارسال روایت کیا۔ اور حضرت ابو سعید خدری کا ذکر نہ کیا۔ مقدمۂ کتاب میں ارسال کا معنی بیان ہوگیا ہے۔

۵۹ یعنی مالک کی ایک روایت میں بجائے شفعن لہ صلٰوتہ کہ جیسا کہ مسلم میں مذکور ہوا اس طرح واقع ہوا ہے شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ یعنی ان پانچ رکعت کو ان دو سجدوں کے ساتھ شفع بنائے۔ جیسا کہ اس کی وجہ گذشتہ بیان میں مذکور ہوئی۔

واضح ہو کہ اس حدیث کا ظاہر اس میں ہے کہ شک کی صورت میں اقل پر بنا کرے۔ کہ اس کا یقین ہے اور تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ جمہور ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک شک کی صورت میں نماز دوبارہ پڑھے۔ اس مقام پر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر شک پہلی بار لاحق ہوا ہو یعنی شک میں پڑنے کا عادی نہ ہوا ہو تو تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ ظن غالب سے اگر ایک جہت کمی یا زیادتی کی تعین ہو جائے تو اس پر عمل کرے۔ اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو کم پر بنا کرے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ ظن غالب پر بنا کرنا شرع میں مقرر قاعدہ اور دستور ہے جیسا کہ قبلہ وغیرہ کے تعین میں اس کا اعتبار ہے۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو درست پہلو کے لیے تحری کرے اور اس کے مطابق نماز مکمل کرے۔ علامہ شمنی نے اس حدیث کو شرح جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے تحری صواب میں نقل کیا اور امام محمد نے اپنے موطا میں کہا۔ کہ ظن غالب کی تحری میں بہت سے آثار آئے ہیں اور کہا اگر اس طرح نہ کیا جائے تو سہو اور شک سے

نجات پانے کی صورت بڑی مشکل ہے اور ہر بار نماز لوٹانے میں بڑی دقت اور حرج عظیم ہے۔ انتہیٰ۔
بندۂ ضعیف (عبد الحق) (اللہ اسے ہر عیب سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ حاصل اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب میں تین احادیث آئی ہیں۔ حدیث اول اذا شک احدکم فلیلغ الشک الخ یعنی جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو نئے سرے سے نماز پڑھے یا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
دوسری حدیث من شک فی صلوتہ فلیتحر الصواب۔ جسے اپنی نماز میں شک لاحق ہو جائے تو وہ ظن غالب پر عمل کرے۔
تیسری یہ حدیث ہے جو اس باب میں مذکور ہے اور یقین پر بنا کرنے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آپ حدیث اول کو پہلی بار شک لاحق ہونے پر حمل کرتے ہیں۔ دوسری حدیث اس صورت پر جہاں ظن غالب ایک جانب کا فیصلہ کرے۔ تیسری حدیث کو اس صورت پر عمل کرتے ہیں جہاں تحری نہ پائی گئی ہو۔ یہ امام اعظم حاکرم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی کمال جامعیت اور نہایت تحقیق ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ خَمْسًا فَقِیْلَ لَہٗ اَزِیْدَ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا صَلَّیْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ وَاِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْیُتِمَّ عَلَیْہِ ثُمَّ لِیُسَلِّمْ ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی۔ آپ سے عرض کیا گیا کیا نماز میں زیادتی کی گئی۔ فرمایا کیا بات ہے[1]۔ لوگوں نے کہا آپ نے پانچ رکعت پڑھ لیں۔ تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں تم جیسا بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی کو تلاش کرے[2] پھر اس پر نماز پوری کرے[3] پھر سلام پھیرے۔ پھر دو سجدے کرے[4]۔
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی تمہارا یہ دریافت کرنا کس بنا پر ہے کیا میں نے چار رکعت سے زیادہ پڑھی ہیں۔
[2] یعنی ظن غالب سے کام لے کر درست پہلو کو تلاش کرے۔
[3] یعنی ظن غالب کے مطابق۔
[4] اس حدیث میں اقل پر بنا کا ذکر نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تحری سے فائدہ نہ ہو تو اقل پر بنا کر کے نماز

پوری کرے اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی چونکہ تحری کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ تحری سے اقل مقدار کو اختیار کرنا مراد لیتے ہیں اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک پانچ رکعت ادا کرنے کی صورت میں تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچ رکعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ پانچویں کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آئے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو اس کے فرض باطل اور پانچویں رکعت لغو ہو جائے گی اور اگر قعدہ اخیرہ کر کے اٹھا تھا اور سلام سے پہلے پانچویں کے لیے اٹھ کھڑا اگر پانچویں کا ابھی قعدہ نہیں کیا تو واپس قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو فرض مکمل ہو گئے۔ پھر اس کے ساتھ چھٹی رکعت اور ملا کر چھ پوری کرے اور اس صورت میں سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے کیونکہ سلام رہ گیا تھا حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی رکعت ساتھ نہ ملائی اور صرف سجدہ سہو پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ اس کا جواب شرح (عربی) میں دے دیا گیا ہے۔ (یہ مقام غور ہے)

۹۵۱ وَعَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ قَدْ سَمَّاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا قَالَ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَعْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَخَرَجَتْ سَرَعَانُ الْقَوْمِ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُولٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ نماز بتائی تھی لیکن میں وہ بھول گیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہمیں دو رکعت پڑھائیں، پھر سلام پھیر دیا[ش] پھر مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرف تشریف لے گئے[ش] اور اس پر ٹیک لگائی گویا غصے میں تھے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور دایاں رخسار مبارک بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور قوم کے جلد باز[ش] لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ نماز کم ہو گئی[ش] اور قوم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ لیکن انہوں نے کلام کرنے سے خوف کیا[ش] اور قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ہاتھ کچھ لمبے[ش] تھے۔ انہیں ہاتھوں والا کہا جاتا تھا۔ وہ بولے یا رسول اللہ آپ بھول گئے یا نماز

اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَ لَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُو الْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَ سَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَ کَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَ سَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَ کَبَّرَ فَرُبَّمَا سَاَلُوْہُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ اُخْرٰی لَھُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَ لَمْ تُقْصَرْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ قَدْ کَانَ بَعْضُ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

کم ہو گئی۔ فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر فرمایا کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں تو آپ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا ﷺ پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ پھر سلام بھی پھیرا تو آپ ﷺ کہنے لگے کہ مجھے خبر ملی کہ عمران بن حصین نے کہا۔ پھر ﷺ سلام پھیرا۔

(مسلم بخاری)

یہ لفظ بخاری کے ہیں۔ اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے "نہ بھولا اور نہ نماز کم ہوئی" کے یہ فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو ذوالیدین ﷺ نے کہا یا رسول اللہ کچھ تو ہوا ہے۔ ﷺ

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

ترمذی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

۲؎ یعنی نماز ظہر یا عصر عشی زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی آپ کو سہو ہو گیا کہ دو رکعت پر سلام پھیر دیا تیسری رکعت کے لیے نہ اٹھے۔

۴؎ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں فی المسجد کا لفظ نہیں ہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے۔

۵؎ سَرَعان سین اور را کی زبر سے وہ لوگ جو جانے میں سب سے پہل کریں۔ یہ لفظ را ساکن کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور جزم اور پیش کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو نماز ادا کرنے کے بعد ذکر و دعا کے لیے نہیں رکتے بلکہ جلد اور سب سے پہلے مسجد سے نکل کر چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ جو معرکہ جنگ سے جلدی اور سب سے پہلے نکل کر واپس آجائیں انہیں بھی سَرَعان القوم کہتے ہیں۔

۶؎ یعنی صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام

پھیر دیا ہے اکہا۔

۶؎ قصرت قاف کی زبر اور صاد کی پیش سے اور قاف کی پیش اور صاد کی زیر سے دونوں طرح یہ لفظ مروی ہے یعنی کیا چار رکعت سے دو رکعت ہو گئی ہے۔

۷؎ یعنی حقیقت دریافت کرنے سے یہ دونوں بزرگ ڈر گئے۔ جیسے بادشاہ کی ہیبت کے باعث لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

۸؎ بعض نے کہا ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ بعض نے کہا چونکہ ان کے دو بیٹے تھے اس لیے ان کو ذوالیدین کہتے تھے۔ مگر حدیث کا مضمون صریح ہے کہ ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ ان کا نام عمیر بن عبد عمرو اور کنیت ابو محمد تھی۔ بعض نے کہا ان کا نام مبارک خرباق تھا (خا کی زیر ہے) بعض کہتے ہیں۔ خرباق کسی دوسرے شخص کا نام ہے جسے ذوالشمالین کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں خرباق، ذوالیدین اور ذوالشمالین کے علاوہ کوئی تیسرا شخص ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ واللہ اعلم

۹؎ یعنی دو رکعت چھوڑ گئی تھیں۔

۱۰؎ سجدہ کی درازی، کوتاہی سے معذرت عظمت حق کے مشاہدہ اور خدا تعالےٰ کی تقدیر اور اس کے حکم کے نفاذ کی بنا پر تھی۔

۱۱؎ خلاصہ کلام یہ کہ آپ نے سہو کے دو سجدے کیے۔

۱۲؎ یعنی مذکورہ صورت میں حضرت ابن سیرین کے اس حدیث روایت کرنے کے بعد کئی بار لوگوں نے ان سے استفہام کے طور پر دریافت کیا۔

۱۳؎ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ثم سلّم کے الفاظ بھی کہے تھے یعنی سہو کے دو سجدے سلام سے پہلے کیے یا بعد۔

۱۴؎ یعنی مجھے بتایا گیا اور خبر دی گئی ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ ثم سلّم یعنی اس لفظ کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے میں محفوظ نہیں رکھتا۔ لیکن مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے بھی یہ روایت کی ہے اپنی حدیث میں ثم سلم کا لفظ بیان کیا ہے اور میں نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ثم سلم کا لفظ بیان کیا، حضرت عمران بن حصین کی حدیث کا لفظ ہے جو میں نے یہاں درج کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سہو کے دو سجدوں کے بعد بھی تشہد ہوتا ہے۔ کہا نہیں ہوتا اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اس میں تشہد پڑھا جائے اور فصل ثانی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر آ رہا ہے۔

واضح ہو کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کے مفہوم کے بیان میں کافی لمبی گفتگو کی ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

اسے فتح الباری میں مکمل طور پر درج کیا ہے اگر میں یہاں وہ پوری گفتگو نقل کروں تو کلام دراز ہو جائے گا مگر یہاں دو باتیں ہیں جنہیں بیان کرنا چاہیے۔

پہلی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ سے متعلق ہے۔ یعنی نہ تو نماز کم ہوئی نہ میں بھولا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک قبیلۂ اخبار سے ہے۔ انشاء سے نہیں۔ اور یہ خلاف واقع کلام ہے (کیونکہ آپ بھول تو گئے تھے) اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے اخبار میں سہو واقع ہونا جائز نہیں۔ ہاں افعال میں خلاف واقع کے صدور میں اختلاف ہے۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ آپ نے نئے سرے سے نماز کیوں نہ شروع کی۔ جب کہ آپ نے کلام بھی کیا اور دوسرے افعال کے خلاف نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہوئی۔ بعض علماء نے اشکال اول کے جواب میں فرمایا ہے کہ نسیان کا عدم جواز ان اقوال میں ہے جو تبلیغ شرائع اور احکام وحی سے متعلق ہوں نہ کہ تمام اخبار میں۔ مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ خلاف واقع خبر دینا کذب و نقص ہے اگرچہ دانستہ طور پر نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن عزت و بزرگی کا اس کذب و نقص سے پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ جمہور علماء کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "نہ نماز کم ہوئی نہ میں بھولا" سے مراد یہ ہے کہ میرے اعتقاد میں ایسا نہیں ہے نہ کہ نفس الامر میں ایسا نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ یہ خبر صادق ہے یا یہ قول عدم شعور سے کنایہ ہے۔ گویا آپ نے یوں فرمایا کہ مجھے اس کا شعور نہیں۔ اور یہ بھی صحیح اور درست ہے۔

دوسرے اشکال کے جواب میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ کلام اور فعل جو مفسد نماز ہے وہ ہے جو دانستہ ہو۔ نہ کہ وہ کلام جو سہو و نسیان کے طور پر ہو۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے مگر یہ جواب مکمل نہیں۔ کیونکہ حضرت ذوالیدین اور دیگر صحابہ سے آپ کا کلام کرنا سہو کے طور پر نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے۔ مستقل حیثیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم یہ جواب بھی کمزوری سے خالی نہیں اور مذکورہ جواب حنفی مذہب کے مطابق درست نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک نماز میں کلام عمداً ہو یا سہواً نماز کو توڑ دیتا ہے۔ لہٰذا احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا کلام کرنا اور دوسرے افعال کرنا نماز میں نسخ کلام و افعال سے قبل کا واقعہ ہے۔ یہاں مزید کلام بھی ہے جو شرح عربی میں مذکور ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنا دانستہ ہو یا نادانستہ مفسد نماز ہے۔ سوائے اس کے کہ مصلحت نماز کے لیے ہو چاہے وہ کلام امام سے صادر ہو چاہے مقتدی سے۔ جیسا کہ حدیث کے اس واقعہ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۹۵۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بےشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی آپ دو رکعت پڑھنے پر نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو گئے (درمیانی التحیات چھوڑ دیا) تو لوگ بھی آپ کے ساتھ

تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب آپ نماز پڑھ چکے اور لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیرا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ بُحینہ یا کی پیش مار کی زبر اور یا ساکن کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام ہے جیسا کہ مشہور ہے ان کے باپ کا نام مالک ہے بعض اسناد میں عبداللہ بن مالک بن بحینہ آیا ہے۔ مالک کی تنوین اور ابن کا الف ثابت رکھنے کے ساتھ تاکہ مالک کی صفت قرار نہ پائے۔ آپ صحابی ہیں بنی عبدالمطلب کے حلیف ہیں۔ اور مولفۃ القلوب سے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۹۰۳ - وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فَسَهٰى فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران[1] بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ بھول گئے تو آپ نے دو سجدے کیے پھر تشہد پڑھا اس کے بعد سلام پھیرا[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے[3]۔

سلہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات دوسرے مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

سلہ اس حدیث میں سجدہ سہو کی جگہ کی تعیین نہیں کی۔ البتہ تشہد کا ذکر کیا اور دوسری احادیث میں تشہد کا ذکر نہیں آیا۔ یہ حدیث احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ نیز بعض مالکیہ اور شافعیہ بھی اسی پر ہیں پھر اس میں اختلاف ہے کہ درود شریف اور دعا جو آخری تشہد میں پڑھی جاتی ہے۔ اس تشہد میں بھی پڑھے جو سجدہ سہو سے پہلے ہوتا ہے یا اس تشہد میں جو سجدہ سہو کے بعد ہوتا ہے۔ حضرت امام کرخی جو حنفیہ میں سے ہیں، کا پسندیدہ مذہب دوسرا قول ہے اور ہدایہ میں کہا صحیح یہی ہے اور ہدایہ کی بعض شرحوں میں ہے کہ درست یہ ہے کہ پہلے تشہد میں درود و دعا پڑھے طحاوی نے کہا دونوں میں پڑھے شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ امام طحاوی کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔

سلہ کیونکہ اس کا لفظ تشہد کا اضافہ بیان کرنے یا دوسرے راویوں کی مخالفت کرنے میں متفرد ہے۔ حالانکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور حافظ حدیث بھی ہیں اور حاکم نے کہا یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق بالکل صحیح حدیث ہے۔

مگر بیہقی وابن عبدالبر وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۹۵۴ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَاِنِ اسْتَوٰى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام دو رکعتوں پر اٹھ کھڑا ہو سو اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے قبل یاد آ جائے تو بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے[1] (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے اور ہدایہ میں کہا کہ بعض نے کہا تاخیر واقع ہو جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ مگر صحیح تر بات یہ ہے کہ نہ کرے۔

[2] یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ سہو کرنے نہ کرنے میں اعتبار پورے کھڑے ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ احناف کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو واپس لوٹے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے تو واپس نہ لوٹے اور نہ بیٹھے۔ پھر "زیادہ قریب ہونے" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اگر کمر سے نیچے کا نصف حصہ قیام کے لیے سیدھا ہو گیا ہے تو یہ قیام کے زیادہ قریب ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ بعض نے کہا اگر سرین اور زانو اوپر اٹھا لیے ہیں تو قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ اور بعض نے کہا زانو اٹھا لینے کا اعتبار ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا زیادہ قریب کا اعتبار امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت کی بنا پر ہے جسے مشائخ بخارا نے اختیار کیا ہے۔ مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی سیدھا کھڑے ہونے کے نزدیک نہیں ہوا تو واپس لوٹ جائے یہی قول صحیح تر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۵۵ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلٰثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور تین رکعت پر سلام پھیر دیا۔ پھر اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے تو ایک شخص جسے خرباق کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ قدرے لمبے تھے اٹھ کر آپ کے پاس جا کھڑا ہوا

طُوْلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَذَکَرَلَہٗ صَنِیْعَہٗ فَخَرَجَ غَضْبَانَ یَجُرُّ رِدَآءَہٗ حَتّٰی انْتَھٰی اِلَی النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ ھٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰی رَکْعَۃً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اور کہا یا رسول اللہ اس نے آپ کے فعل یاد دلایا[1] تو آپ غصے میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے تاآنکہ لوگوں تک آ پہنچے اور فرمایا کیا یہ آدمی سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے ایک رکعت[2] اور پڑھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا[3] (مسلم)

[1] تحقیق یہ ہے کہ یہ صاحب وہی حضرت ذوالیدین صحابی ہیں جن کا گذشتہ ذکر ہوا۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے

[2] یعنی تین رکعت پر سلام پھیر دینا یاد دلایا۔

[3] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سہو کا سبب کیا تھا نیز اس غصے اور اضطراب کی کیا وجہ تھی۔ واللہ اعلم باسرارہ۔

[4] یعنی وہ رکعت جو رہ گئی تھی اور جس سے سہو ہو گیا تھا۔

[5] پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کے درمیان دو طرح سے مخالفت ہے ایک یہ کہ وہاں دو رکعت پر سلام کا ذکر ہے اور یہاں تین رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر ہے نیز اس حدیث میں کہا کہ آپ نے مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی پر تکیہ لگایا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے گئے۔

دوسری وجہ کے بارے میں تو ممکن ہے کہ دونوں باتوں کا وقوع ہوا ہو۔ مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بات کا ذکر کیا اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے دوسرے کا ذکر کیا مگر وجہ اول میں مخالفت دور کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اسی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور دونوں واقعات کے بیان کرنے والے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۵۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً یَشُکُّ فِی النُّقْصَانِ فَلْیُصَلِّ حَتّٰی یَشُکَّ فِی الزِّیَادَۃِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے اس طرح نماز پڑھی کہ اسے رکعات معینہ کے کم ہونے کا شک[1] ہو تو وہ اتنی رکعت مزید پڑھے کہ اسے رکعات کے زیادہ ہونے کا شک پڑنے لگے[2] (احمد)

[1] جیسے چار رکعت والی نماز میں شک پڑ جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت۔

۲۵ یعنی کم مقدار پر بنا کرے۔ چنانچہ صورتِ مذکورہ میں تین رکعت قرار دے۔ پس ایک رکعت اور ادا کرے۔ یہاں تک کہ اسے شک پڑے کہ چار رکعت ہو گئی ہیں یا پانچ۔ اس احتمال کی بنا پر کہ نفس الامر میں چار رکعت ہوں اور یہ پانچویں رکعت ہو۔ یہی معنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کا کہ اتنی رکعت زیادہ پڑھے کہ مقررہ مقدار سے زیادہ پڑھ جانے کا شک ہو۔

واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مقامات پر سہو واقع ہوا ہے۔ اول قعدہ اولی میں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا۔ دوم آخری دو رکعت میں جیسا کہ حضرت ذوالیدین کی حدیث میں واقع ہوا۔ سوم آخری ایک رکعت میں جیسا کہ حضرت خرباق کی حدیث میں آیا۔ چہارم پانچویں رکعت بڑھا دینے میں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ نمازی اگر نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو بھول کر چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مگر اصحاب ظواہر سجدہ کرنے میں صرف انہیں مقامات پر کفایت کرتے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیا۔ ان کے علاوہ کسی اور جگہ بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو نہیں کرتے۔

یہاں دوسری بات جو ذہن میں رکھنے کے لائق ہے۔ یہ ہے کہ ان احادیث سے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا ہے اور بعض مقامات میں سلام کے بعد۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کبھی اس طرح کیا اور کبھی اس طرح۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لیکن آئمہ کرام کے مذہب مختلف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ ہر جگہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ اور ان احادیث کو جو سلام سے پہلے سجدہ سہو کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، راجح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو احادیث بعد سلام میں وارد ہوئی ہیں وہ منسوخ ہیں اور کہتے ہیں کہ آخری فعل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کا ہے۔ مگر ان کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم۔

اس کے برعکس امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بعد سلام سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں اور قوی بھی ہیں۔ صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد سجدہ سہو کرتے تھے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے بعد سلام بھی وارد ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے ذکر کیا۔ اسی طرح ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد اور عبدالرزاق نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِکُلِّ سَھْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ۔ یعنی ہر سہو کے لیے بعد سلام دو سجدے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قول فعل سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ علامہ شمنی رحمۃ اللہ نے کہا کہ یہ قول صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جہاں سجدہ سہو نقصان کی تلافی کے لیے ہو، وہاں سجدہ سہو سلام سے پہلے ہوگا اور جہاں زیادتی کی بنا پر سجدہ سہو لازم آئے وہاں سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے اور اگر نقصان اور زیادتی کی دونوں

صورتیں جمع ہو جائیں تو اس صورت میں قبل سلام سجدہ سہو کیا جائے۔ مزنی اور ابو ثور جو آئمہ شافعیہ میں سے ہیں، اسی قول پر ہیں۔ اور ابن عبدالبر نے کہا کہ امام مالک کا قول نظر عقل کے موافق ہے۔ کیونکہ نقص اور کمی کی صورت میں نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سجدہ سہو اصل نماز میں داخل ہو اور زیادتی کی صورت میں ابلیس کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ گمان کی یہ بات محل نظر ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا چاہیے اور جہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ قول زیادہ قوی اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ یہ اختلاف جو مذکور ہوا کہ سجدہ سہو بعد سلام کیا جائے یا سلام سے پہلے، افضلیت و اولویت میں اختلاف ہے۔ اصل جواز میں اختلاف نہیں۔ اس بات کی تصریح ائمہ اربعہ کی کتب میں مذکور ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سلام ایک طرف ہے یا دونوں طرف تو قول اول امام محمد رحمۃ اللہ کا قول ہے اور فخر الاسلام کا مختار و پسندیدہ قول بھی یہی ہے اور کہا کہ اپنے سامنے کی طرف سلام کہے اور کہا گیا ہے کہ دائیں جانب سلام کرے اور ہدایہ میں کہا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں جانب سلام کہے۔ امام شمس الائمہ رحمۃ اللہ کا مختار و پسندیدہ یہی قول ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے یا نہیں۔ جو مذکور ہوا وہ بعض احادیث میں مذکور ہے۔ اور احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ گزرا۔

بَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ

قرآن کے سجدوں کا باب

واضح ہو کہ سجدۂ تلاوت میں علماء کا اختلاف ہے۔ آئمہ احناف کا مسلک ہے کہ یہ سجدہ واجب ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت اور اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی واجب ہے اگر نماز میں ہو۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے دلائل وہ آیات و احادیث ہیں جو اس کے ترک کی مذمت میں آئی ہیں، نیز وہ تاکید و مبالغہ ہے جو اس کے ادا کرنے میں وارد ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت نماز کا جزو ہے۔ مگر تخفیف و آسانی کے لیے صرف سجدہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ سجدہ فرض ہونا چاہیے جس طرح نماز جنازہ میں قیام۔ لیکن چونکہ اس کے دلائل قطعی نہ تھے اس بناء پر اسے واجب قرار

دیا گیا اور ہم اس کی فرضیت کے قائل نہ ہوئے۔

اس بارے میں دوسرے آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں جس میں انہوں نے کہا کہ میں نے سورۃ النجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت نہ کیا (حالانکہ اس میں سجدۂ تلاوت ہے) مگر اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ علی الفور واجب نہیں (کہ آیت کے پڑھتے ہی سجدہ کرنا ضروری ہوتا خیر کرنا جائز نہ ہوتا) دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ نہ کرنا سورۃ النجم کے ساتھ خاص ہو کہ اس سجدہ میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اس سجدے کے لیے بھی با وضو ہونا شرط ہے کہ اس شرط میں کسی کی طرف سے اختلاف منقول نہیں۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ بے وضو بھی کر لیتے تھے۔ آئمہ اور علماء میں سے کسی نے ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی سوائے امام شعبی رحمہ اللہ کے امام شعبی کے بارے میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ راستے پر چلتے ہوئے اور بے وضو غیر قبلہ کی سمت بھی اشارہ سے سجدہ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ شیخ (ابن حجر) نے کہا۔ سلف میں سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ سجدۂ تلاوت پڑھنے والے پر واجب ہے سننے والے پر واجب نہیں ہوتا چنانچہ اگر اتفاقاً بلا قصد آیت سجدہ کان میں پڑ گئی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اگر پڑھنے والے نے سجدہ نہ کیا تو پھر سننے والے پر بھی واجب نہیں گویا پڑھنے والا سننے والے کے لیے امام کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات امام مالک سے بھی روایت کی گئی ہے۔ بعض نے کہا سجدے کا وجوب اسی صورت میں ہے کہ پڑھنے والا قصد و ارادہ سے تلاوت کرے، قصہ اور حکایت کے طور پر تلاوت نہ کرے جس طرح قصہ خوان واعظ پڑھتے ہیں تاہم احناف اور جمہور آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ قاری (پڑھنے والے) اور سامع دونوں پر مطلق نماز کی شرائط کے مطابق یہ سجدہ واجب ہے۔ اور ہمارا پسندیدہ مذہب یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۵۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ النجم[1] میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس سب نے سجدہ کیا[2]۔

(بخاری)

[1] یعنی سورۃ النجم کی آخری آیت میں۔

[2] یعنی ان تمام جنوں اور انسانوں نے جو اس مجلس میں حاضر و موجود تھے۔ اس معنی کے مطابق یہ الفاظ تاکید

کے طور پر ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ نجم کے زمین کے تمام جن اور انسانوں نے سجدہ کیا ہو جن کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔

۳ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سجدہ کی بجا آوری اور حق سبحانہ کی عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر کیا جو سورہ کے اوائل میں گن گن کر بیان کی گئی ہیں۔ اور مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کی بجا آوری اور شکر گزاری کے لیے کیا اور مشرکین کا سجدہ ان کے الٰہوں لات وعزیٰ ومنات کے نام سننے کی بنا پر تھا یا ان کا سجدہ کبریائے الٰہی عزوجل کے غلبہ جلال وسطوت کے ظہور اور اس ذات کی عزت وبزرگی چھا جانے اور اس کے انوار عظمت وہیبت کے چمک اٹھنے کی بنا پر تھا۔ ان پر عظمت وہیبت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ باطل کی تاب وطاقت فنا ہو کر رہ گئی اور وہ سجدہ کرنے میں بے اختیار ہو گئے اور ان کے انکار وعناد اور ہٹ دھرمی کا اثر بالکل مٹ کر رہ گیا اور ان کا تکبر وغرور مضمحل ہو گیا۔ مشرکین میں سے صرف انہوں نے سجدہ نہ کیا جو سب سے بدبخت اور سرکش تھے۔ انہوں نے سجدہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے خاک اٹھائی اور اپنے بدصورت ہاتھوں اور چہروں پر مل لی۔ اور رکھا کہ اتنا ہی کافی ہے جیسا کہ تیسری فصل میں آ رہا ہے۔ یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو زندیق اور بے دین لوگوں کا گھڑا ہوا اور سراسر افتراء ہے (اللہ ان کو ذلیل وخوار کرے) جسے بعض ان اصحاب سیر وتاریخ نے بھی بیان کر دیا جو عجائب وغرائب کا تذکرہ کرنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ علماء محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو من گھڑت قرار دیا اور اس کے ابطال کی تصریح کی ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لات وعزیٰ ومنات کا ذکر کرتے وقت ان کی مدح وثنا بھی کر دی (معاذ اللہ) اور کہا۔

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

یہ بڑی عزت وبلندی والے ہیں اور بیشک انکی شفاعت کی امید بھی رکھی جاسکتی ہے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر سہواً یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ یا ابلیس نے اپنی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ کر کے آپ کی آواز کے ساتھ ملا دی اور مشرکین کو اس نے اپنی یہ آواز اس انداز سے سنوائی کہ انہوں نے اسے حضور کی آواز سمجھ لیا۔ اس بنا پر وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اب محمد نے بھی ہمارے بتوں کی مدح وثنا کر دی ہے۔ لہٰذا ہمارا اور ان کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ ہم بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، زندہ کرنے والا، مارنے والا سب کچھ جاننے والا ہمیشہ رہنے والا اور سب کو رزق عطا کرنے والا ہے۔ یہ تو ہمارے صرف سفارشی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج خود ان کی شفاعت کا اثبات واقرار کر رہے ہیں۔ در اصل یہ قصہ عقلاً ونقلاً کسی طرح باطل ومن گھڑت ہے۔ اس قصے کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ہم نے شرح (عربی) میں کسی قدر اس کا بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہی فرماتا ہے اور وہی راہ راست پر چلاتا ہے۔

۱۰۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور سورہ اقرا باسم ربک میں سجدہ کیا۔[1] (مسلم)

[1] اس سے ثابت ہوا کہ ان دو سورتوں میں سجدۂ تلاوت ہے اور اس شخص کا قول مردود ہو گیا جس نے کہا کہ مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد ان میں سجدہ نہیں کیا جیسا کہ دوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔

۹۵۹/۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ السَّجْدَۃَ وَ نَحْنُ عِنْدَہٗ فَیَسْجُدُ وَ نَسْجُدُ مَعَہٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰی مَا یَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِہٖ مَوْضِعًا یَسْجُدُ عَلَیْہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی آیت تلاوت کرتے اور ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے تھے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تو ہمارے لیے ہجوم کی شکل بن جاتی یہاں تک کہ ہمیں ماتھا رکھنے کی جگہ نہ ملتی جہاں ہم سجدہ کریں۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ یہ سب مبالغہ و تاکید اور اجتماع و ہجوم بظاہر وجوب سجدہ کی علامت ہے۔ اگر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوتا تو یہ ہجوم کس لیے ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۹۶۰/۴ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ تو آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] یہ وہی حدیث ہے جسے سجدۂ تلاوت کے عدم وجوب کے قائل دلیل بناتے ہیں۔ اس کا جواب معلوم ہو چکا ہے۔ اسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۹۶۱/۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَۃُ صٓ لَیْسَ مِنْ عَزَآئِمِ السُّجُوْدِ وَ قَدْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْجُدُ فِیْهَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ سورہ ص کا سجدہ ان سجدوں میں سے نہیں ہے۔ جن کے کرنے کا حکم ہے۔ اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس میں سجدہ کرتے تھے اور ایک روایت میں

قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ءَ اَسْجُدُ فِیْ صٓ فَقَرَاَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ حَتّٰی اَتٰی فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِیُّکُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ یَّقْتَدِیَ بِهِمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

ہے کہ مجاہد[۳] نے کہا میں نے ابن عباس سے کہا کیا میں سورۃ صٓ میں سجدہ کروں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ تک پڑھی[۴] پھر فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اقتدا اور پیروی کریں[۵]۔

(بخاری شریف)

[۱] عزیمت کا معنی ہے دل کا کسی چیز کا ارادہ کرنا صراح میں ہے عزم عین کی زبر اور پیش سے اور عزیمت ارادہ کرنا اور کسی چیز پر دل رکھ دینا۔ اس کے بعد ضروری اور اہم کام کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور فقہا کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے وہ حکم جو اپنے اصل پر قائم ہو۔

[۲] علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقام پر سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی داؤد نے سجدہ کیا کہ ان کی توبہ قبول ہوئی ہم بھی اس جگہ ان کی شکر گزاری کی خاطر سجدہ کریں گے۔

[۳] حضرت مجاہد تابعین میں سے اور فقہاء اور قراء مکہ میں سے اور اس کے اکابر و اعاظم علماء میں سے ہیں، انہوں نے تیس مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سنایا تھا۔ ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

[۴] تا آنکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کے اس مقام تک آئے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ بھی ان کی ہدایت کی اقتدا و پیروی کریں۔

[۵] لہٰذا تو اس امر کے زیادہ لائق ہے کہ ان کی اقتدا کرے۔ یعنی جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت میں سجدہ کیا تو ہمیں بھی یہاں سجدہ کرنا چاہیے۔

یہاں اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور دیگر انبیاء سابقین کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور ان کے تابع ہونے کی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آپ سب کے مقتدی، متبوع اور سب سے افضل و اکمل ہیں۔ تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ نسبت صرف ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین علیہم السلام سے وجود عنصری کے لحاظ سے آخر میں تشریف لانے کی بنا پر ہے۔ جس طرح آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا تابع بھی کہا گیا بلکہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل و اکمل ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب آپ تمام کے تابع اور سب انبیاء کی ہدایت پر عمل پیرا ہوئے تو ضروری طور پر سب انبیاء کے کمالات کے جامع اور سب کی صفات کو اپنے اندر

قائل کرنے والے ہوگئے اور اس بنا پر سب سے افضل و اکمل قرار پائے۔ بیت

خوبی و ناز و کرشمہ حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حرکات و سکنات میں خوبی اور ناز و کرشمہ جو تمام خوبان جہاں میں فرداً فرداً پایا جاتا ہے وہ سب تجھ اکیلے میں موجود ہے علیہ افضل الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

اور یہ حدیث سورہ ص میں سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونے میں حضرت شوافع کی دلیل ہے۔ اور احناف اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق احمد کے نزدیک واجب ہے جس طرح دوسرے باقی قرآنی سجدے واجب ہیں اور یہ حدیث بھی عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتی زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کی وجہ بیان کی ہے کہ توبہ قبول ہونے کی بنا پر آپ نے سجدہ کیا اور اپنے سجدہ کرنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ہم نے ان کی قبولیت توبہ کی شکر گزاری احسان سے موافقت کرنے کے لیے کیا اور ہم امتیوں کا سجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء میں ہے جن کی اقتدا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور حقیقت میں تمام عبادات (فرائض و واجبات وغیرہ) سب شکر نعمت، حکم کی بجا آوری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ یہ سجدہ مامور سجدوں میں سے نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا وجوب ان امور میں سے نہیں جن کا ابتداءً بطور تعبد و بندگی حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ اس مذکورہ سبب (قبولیت توبہ داد شکر) کے طور پر واجب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ ابو بکر بن عبد اللہ مزنی سے ناقل ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورہ ص پڑھ رہا ہوں جب میں آیت سجدہ پر پہنچا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ دوات قلم اور ہر چیز جو وہاں موجود تھی سب سجدہ میں گری ہوئی ہے میں نے یہ قصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ بھی باقی سجدوں کی طرح ضروری اور اس کے کرنے کا حکم ہے پھر اسی پر حکم طے پا گیا۔ اگرچہ ابتداء میں یہ سجدہ عزائم میں سے نہ تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تسلیم کر لینے کے بعد اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس قصہ کے پیش آنے سے قبل یہ سجدہ واجب نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۶۲ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَاَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَجْدَۃً فِی الْقُرْاٰنِ مِنْھَا ثَلٰثٌ فِی الْمُفَصَّلِ وَفِیْ سُوْرَۃِ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل سورتوں میں ہیں اور دو سورۃ حج

اَلْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔ میں ہیں تھے

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ـلـه بعض نسخوں میں اقرأنی کا لفظ آیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائے اور بتلائے۔

ـلـه یعنی سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں مفصل سورتوں کا بیان اور اس میں اختلاف کتاب الصلوٰۃ کے ابتداء میں بیان ہو چکا ہے۔ ان تین سجدوں میں سے ایک سورۃ النجم میں دوسرا اذا السماء انشقت اور تیسرا سورۃ اقرأ باسم ربک میں ہے۔

ـلـه اور سورۃ حج میں دو سجدوں کی تعلیم دی۔ ایک آیت الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض میں اور دوسرا آیت یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا میں۔

واضح ہو کہ تمام ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنی سجدوں کی کل تعداد چودہ ہے۔ مگر امام مالک سے ایک روایت میں اور امام شافعی کے قول قدیم میں مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سورہ ص کے سجدہ کے قائل ہیں اور سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کے قائل نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ نماز کا سجدہ ہے تلاوت کا سجدہ نہیں۔ اس قرینے کی بنا پر کہ یہاں سجدہ کے ساتھ رکوع کا ذکر بھی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اس کے برعکس کہتے ہیں اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق قرآن پاک میں پندرہ سجدے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک سورۃ ص کا سجدہ اور سورۃ حج کے دو سجدے جیسا کہ یہ حدیث بھی سورت حج کے دو سجدے ثابت کرتی ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

٩٦٣ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَاْهُمَا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ سورت حج کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے اس کے دو سجدے نہ کرے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَاْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کا اسناد قوی نہیں ہے اور کتاب مصابیح میں ہے کہ جیسا کہ شرح سنۃ میں ہے۔

سلہ یعنی کامل طور پر نہیں پڑھا۔
سلہ اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے خود اگلے جملے میں فرمایا ہے۔
سلہ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی ابن لہیعہ ہے اور وہ اگرچہ ائمہ حدیث میں سے ہے مگر ضعیف ہے۔ کیونکہ آخر عمر میں اس کے حفظ میں خلل اور غلطہ راہ پا گیا تھا جو اس کی روایت کردہ حدیث میں عدم اعتماد کا موجب بن گیا۔
سلہ یعنی مصابیح میں فلا یقرءھما ضمیر تثنیہ کے بجائے جس کا مرجع سجدہ کی دو آیتیں ہیں فلا یقرءھا ضمیر واحد کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا مرجع پوری سورت حج ہے اور شرح سنۃ میں بھی ایسا ہی ہے مصابیح کے الفاظ میں زیادہ مبالغہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ جس نے دو سجدے نہ کیے۔ اس نے گویا پوری سورت ہی نہ پڑھی اور ترک سجدہ پوری سورت کی تلاوت کا ثواب فوت کر دیتا ہے۔

۹۶۴/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ فَرَاَوْا اَنَّہٗ قَرَاَ تَنْزِیْلَ السَّجْدَۃِ۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ نے سورہ تنزیل السجدہ تلاوت کی ہے۔ سلہ
(ابوداؤد)

سلہ یعنی کہ آپ نے سورت الم تنزیل الکتاب پڑھی ہے۔ جس میں سجدہ کی آیت ہے۔ صحابہ کرام کا یہ جاننا اور یہ اعتقاد کرنا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے اور پھر رکوع جانے کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ صحابہ نے کوئی آیت سنی تھی جس سے انہیں پتہ چلا کہ آپ نے یہ سورت پڑھی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سورت سے کوئی آیت صحابہ کو سنا دیتے تھے تاکہ وہ جان جائیں کہ آپ فلاں آیت پڑھ رہے ہیں یا بے اختیار غایت شوق و حضور کے باعث آپ سے کسی آیت کا جہر ہو جاتا تھا جیسا کہ باب القراۃ میں گزرا۔

پھر اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ کرنے اور اٹھنے کے بعد باقی سورت پڑھے بغیر آپ رکوع میں چلے گئے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ باقی سورت پڑھنے کے بعد رکوع کرے۔ پہلی صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ پوری سورت نہ پڑھی جائے اور یہ صورت فی الجملہ جائز ہے۔ یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ کے مقام میں قیام برائے رکوع اور قرارت جائز نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایسا کرنا واجب نہیں ہے اگر ایسا کرے گا تو جائز ہے (خوب سمجھو)

۹۶۵/۸ وَعَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَاُ

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن

عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ وَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

پاک پڑھتے تھے جب سجدے کی آیت پر سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ (ابوداؤد)

لہ اس سے معلوم ہوا کہ قاری اور سامع دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔

۹۶۶ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی تو سب لوگوں نے سجدہ کیا ان میں سوار بھی تھے اور زمین پر سجدہ کرنے والے بھی۔ یہاں تک کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کرتا تھا۔لہ (ابوداؤد)

لہ ہر سکتا ہے کہ بعض وہ حضرات جو سواری پر تھے انہوں نے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ کیا ہو۔ حدیث کا لفظ اس بارے میں صریح نہیں ہے کہ سب لوگ جو سوار تھے ان سب نے سواری کی حالت میں اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا ہو (اسے سمجھو) اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو سورۃ النجم سے متعلق ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور مسلمانوں اور کافروں سب نے سجدہ کیا جیسا کہ گزرا کیونکہ وہاں مشرکوں میں ایسا آدمی بھی تھا جس نے مٹھی میں خاک لی اور اپنے منحوس چہرے پر ڈالی اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے۔ نیز فتح مکہ کے دن مشرکین موجود نہ تھے۔ لہٰذا سورۃ النجم والا قصہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے (غور سے کام لو)

۹۶۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں کیا۔لہ (ابوداؤد)

لہ یعنی اگرچہ مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہونے سے قبل قیام مکہ کے دوران آپ نے سجدہ کیا تھا اور سب لوگوں مسلمانوں کافروں اور جن وانس نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ سورت اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرأ باسم ربک میں سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے۔ محدثین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔ اور بہت سے صحابہ کرام نے روایت کی ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ مثبت روایت نافی روایت پر فوقیت رکھتی ہے (یعنی وہ حدیث جو کسی حکم کو ثابت کرے اس حدیث پر فوقیت رکھتی ہے جو اس حکم کی نفی کرے)

۹۶۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَ شَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت قرآنی سجدہائے تلاوت میں یہ الفاظ پڑھتے تھے۔ سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ۔ یعنی سجدہ کیا میرے چہرے[1] نے اس ذات کے آگے جس نے اسے پیدا کیا اور اسے پھاڑ[2] کر اس میں کان اور آنکھیں پیدا کیں۔ اپنی توانائی اور توفیق سے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] یعنی میرے چہرے یا میری ذات نے۔

[2] یعنی کان اور آنکھیں ایک قسم کا شگاف ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے سننے اور دیکھنے کی قوت رکھ دی ہے۔ اس حدیث میں رات کی قید اتفاقی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا رات کے وقت سنی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رات یا دن کی قید کے بغیر مطلق طور پر بھی یہ دعا پڑھنا وارد ہوا ہے اور آپ سے اس دعا کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی۔ اے اللہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے مجھے بخش دے اور اس تسبیح کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ ہمارا رب پاک ہے اور ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے سجدہ کی مسنون تسبیح سجدۂ تلاوت میں کافی ہے۔ کیونکہ نماز کا سجدہ تلاوت کے سجدہ سے افضل ہے جب اس میں وہ تسبیح کافی ہے تو اس میں بطریق اولیٰ کفایت کرے گی۔ مگر اس کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سجدہ تلاوت میں جو مخصوص دعائیں مروی ہیں ان کا پڑھنا بھی بہت بہتر اور بہت مناسب ہے۔

۹۶۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس

عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ رَأَيْتُنِيْ اللَّيْلَةَ وَ اَنَا نَائِمٌ كَأَنِّيْ أُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِيْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَّ اجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهُ وَ هُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔

میں آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے آج رات سوتے میں ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور میں نے سجدہ کیا ہے اور درخت نے بھی میرے سجدے کے ساتھ سجدہ کیا ہے[1] پھر میں نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا۔ اے اللہ میرے لیے اس سجدہ کے عوض اپنے پاس اجر و ثواب لکھ دے اور مجھ سے بیرا بوجھا تار دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا اور اسے میری طرف سے قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے داود سے قبول کیا حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھی پھر آپ نے سجدہ کیا[2] پھر میں نے آپ کو سنا کہ آپ بھی وہی الفاظ پڑھ رہے تھے جن کی خبر اس شخص نے درخت کے پڑھنے کے بارے میں دی تھی اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے مگر ابن ماجہ نے قبول کر اسے میری طرف سے جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا تھا[3] کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی میرے سجدہ کے وقت یا میرے سجدہ کی طرح۔

[2] یعنی پھر اسی وقت یا کسی دوسرے وقت یہ دعا پڑھنے کی غرض سے آپ نے سجدہ کیا۔

[3] البتہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس مرد نے سورت ص پڑھی یا کوئی اور سورت۔ ظاہر روایت میں اس لفظ کے ذکر کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سورۃ ص پڑھی ہوگی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہاں مطلقاً آیت کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے دونوں روایتوں کا معنی دونوں احتمال ہوں۔ مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت جو پہلی روایت میں مطلق آئی ہے اس سے مراد آیات سجدہ میں سے کوئی آیت ہو۔ واللہ اعلم۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث دونوں حدیثوں سے غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۷۰/۱۳ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَاَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِیْھَا وَسَجَدَ مَنْ کَانَ مَعَہٗ غَیْرَ اَنَّ شَیْخًا مِنْ قُرَیْشٍ اَخَذَ کَفًّا مِّنْ حَصًی اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَہٗ اِلٰی جَبْھَتِہٖ وَقَالَ یَکْفِیْنِیْ ھٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ بَعْدُ قُتِلَ کَافِرًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَۃٍ وَھُوَ اُمَیَّۃُ بْنُ خَلَفٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم پڑھی تو اس میں سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا مگر قریش میں سے ایک بوڑھے شخص نے کہ اس نے ہاتھ میں کنکریاں یا مٹی لی اور اسے اپنی پیشانی پر ڈالا اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے[1] حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں البتہ میں نے اس بوڑھے کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں قتل ہوا بخاری و مسلم اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے کہ وہ بوڑھا امیہ بن خلف ہے[2]

[1] اور اس نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور سرکشی اختیار کی باوجودیکہ باقی سب مشرکین نے جو اس کے ساتھ تھے سجدہ کیا

[2] علماء فرماتے ہیں وہ مقتول امیہ بن خلف تھا۔ خلف لام کی زبر سے۔ یہ مردود بدر کے دن مارا گیا اور اس کا بھائی ابی بن خلف تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے احد کے دن قتل کیا بعض کہتے ہیں کہ یہ بوڑھا عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اور بعض ولید بن مغیرہ بتلاتے ہیں۔ بعض نے کہا سعید بن العاص مراد ہے مگر ان سب میں صحیح تر قول اول ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے دن یہ کافر موجود نہ تھا۔

۹۷۱/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صٓ وَقَالَ سَجَدَھَا دَاوٗدُ تَوْبَۃً وَّنَسْجُدُھَا شُکْرًا۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں سجدہ کیا اور داؤد پیغمبر نے یہاں توبہ کا سجدہ کیا[1] اور ہم یہاں شکر کا سجدہ کرتے ہیں[2] (نسائی)

[1] یعنی اس واقعہ میں جو ان کے متعلق سورۃ ص میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا تو وہ توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے اس کوتاہی کے باعث جو ان سے صادر ہوئی تھی۔

[2] یعنی ہم داؤد کی توبہ کی قبولیت کی شکرگزاری کے لیے سجدہ کرتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام شخص واحد کی طرح ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی پر افاضہ نعمت گویا تمام انبیاء پر افاضہ نعمت ہوتا ہے۔ اور ہمارے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے بے شفیق باپ کی طرح ہیں۔ اس لیے آپ ان پر نعمت یاد کر کے بہت زیادہ خوشی اور مسرت محسوس کرتے ہیں۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

ممانعت نماز کے اوقات

یعنی ان اوقات کے بیان کا باب جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ ان تین اوقات کو بھی شامل ہے جن میں نماز پڑھنا حرام ہے یعنی طلوع و غروب آفتاب اور نصف النہار کا وقت۔ اور وہ دو وقت اور ہیں کہ ان میں نماز مکروہ ہے۔ فجر اور عصر کے بعد۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات میں ممانعت فرض و نفل دونوں کو شامل ہے۔ لہذا ان تین اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں۔ نہ ادا نہ قضا۔ مگر اس دن کی عصر کا اور نہ نماز جنازہ نہ سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ میں جب کہ ان اوقات میں حاضر ہو۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت میں جب کہ آیت سجدہ ان اوقات میں پڑھی جائے، ایک قول کے مطابق ادا کر لینا جائز ہے اسی طرح دیگر کے وقت میں بھی جائز ہے مگر نیت باندھ کر توڑ دے اور وقت مکروہ گزرنے پر قضا کرے۔ اور اسی وقت مکروہ میں پوری کرے تو بھی ذمہ داری سے نکل آئے گا۔ مگر توڑ دینا افضل ہے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں مبسوط سے منقول ہے۔

اور امام شافعی و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اوقات میں قضا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کے بارے میں فرمایا ہے فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا۔ کہ جب یاد آئے قضا نماز پڑھے اور نماز جنازہ جب حاضر ہو اور تحیۃ المسجد بھی اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے تو ادا کر لے۔ تاہم اگر ان اوقات میں تحیت کے ارادہ سے مسجد کے اندر آئے اور دیر کرے۔ کہ ان اوقات میں ادا کرے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اس میں داخل ہے کہ وہ کوشش اور قصد و ارادہ سے ان ممنوع اوقات میں نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ عمل حدیث کے حکم کے مطابق ممنوع ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اسی طرح نماز کسوف بھی ان اوقات میں جائز ہے کہ دیر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ گرہن ہی ختم ہو جائے اور وضو کے بعد کی دو رکعتیں اور احرام و طواف کی دو رکعات اور سجدۂ تلاوت کی آیت اگر ان دو اوقات مکروہ میں پڑھی گئی۔

پھر احناف کے نزدیک یہ کراہت تمام زمانوں اور جگہوں کو شامل ہے مگر امام شافعی اور ان حضرات کے نزدیک جو ان کے موافق ہیں کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت بھی جائز ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ معظمہ میں تمام اوقات میں جائز و روا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک طواف کی رکعتیں فجر اور عصر کے بعد جائز ہیں۔ اور نصف النہار اور طلوع و غروب آفتاب

کے وقت ادا کرنے میں ان سے دو روایتیں آئی ہیں اور امام مالک نے کہا میں نے اہل فضل حضرات کو نہیں پایا مگر وہ پوری ترجہ اور کوشش سے نصف النہار میں نماز ادا کرتے تھے۔ تاہم حنفیہ کا مذہب زیادہ احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ جب جائز قرار دینے والی دلیل اور حرام قرار دینے والی دلیل دونوں ایک مسئلے میں جمع ہو جائیں تو حرام قرار دینے والی دلیل کو ترجیح حاصل ہوگی۔ واللہ اعلم

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۴۲- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَحَرّٰى[۱] اَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ[۲] فَدَعُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَبْرُزَ[۳] وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوةَ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلَا تَحَيَّنُوْا بِصَلٰوتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ[۴] الشَّيْطَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ ارادہ نہ کرے کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج کا کنارہ طلوع کر آئے تو نماز پڑھنا چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح طلوع کر آئے اور سورج کا کنارہ غروب ہو جائے تو نماز پڑھنا ترک کر دو یہاں تک کہ وہ پوری طرح غروب ہو جائے اور اپنی نماز کیلئے طلوع و غروب آفتاب کا وقت مقرر نہ کرو۔ کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] تحری کا لفظ دراصل بہتر چیز کی طلب و تلاش کے لیے آتا ہے۔ اَحْرٰی کا معنی ہے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب چیز یہاں بمعنی مطلق طلب و تلاش ہے اور اس کا اصل معنی بھی معتبر اور معمول ہے کیونکہ جو شخص نماز کے لیے وقت کا ارادہ کرتا ہے وہ اس وقت کو زیادہ بہتر اور مناسب سمجھ کر ہی اس کا ارادہ کرتا ہے یہیں سے امام شافعی رحمۃ اللہ نے تحیۃ المسجد اور قضا کے نماز کی ان اوقات میں بالقصد ادائیگی کو جائز قرار نہیں دیا۔ اگر اتفاقیہ نمازیں ان اوقات میں پڑھ لی گئیں تو جائز ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ نہی کی حدیث سے ان اوقات میں مطلقاً نماز سے نہی مقصود ہے۔

[۲] اس سے مراد وقت طلوع ہے کیونکہ جب آفتاب افق مشرق سے نکلنا شروع ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا کنارہ ابرو کے مشابہ ہوتا ہے۔ قاموس میں کہا حاجب الشمس یعنی کنارہ آفتاب۔ صراح میں کہا حاجب الشمس اس کے کنارے

[۳] یعنی تا آنکہ سورج کی ٹکیہ پوری طرح طلوع کر آئے اور اگر ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے تک صبر و انتظار کریں تو بہتر ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔

سے یا نماز کے قریب نہ جاؤ یا اپنی نماز کے لیے طلوع و غروب آفتاب کے وقت کی انتظار نہ کرو یعنی طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو۔

ھ اس عبارت کی شرح باب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں غروب کا ذکر نہ کیا ایک تو اختصار کے لیے دوسرے طلوع آفتاب پر کفایت کرتے ہوئے۔

۹۶۳ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرمایا یا یہ کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردے[1] دفن کریں۔ جب سورج اپنی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ اور نصف النہار[2] کے وقت یہاں تک کہ ڈھلنا شروع ہو جائے اور جب سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

(مسلم)

لہ مردے دفن کرنے سے مراد نماز جنازہ ہے۔ ورنہ ان اوقات میں دفن کرنا اور قبر میں اتارنا بالاجماع ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور وہ تین اوقات یہ ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہوئے۔

ٹہ یعنی دوپہر کو جب سورج کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے مراد اس کا سایہ ہے یا خود آفتاب ہے۔

۹۶۴ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے[1]۔

(بخاری و مسلم)

لہ مراد نماز کامل کی نفی ہے کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے حرام نہیں۔

۹۶۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمرو[1] بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف

الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ
عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ
عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ
حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ
بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ
لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ
مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ
الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا
اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ
مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ
اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ
الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ
شَيْطَانٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ
قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ
حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ
يُقَرِّبُ وَضُوْءَهٗ فَيَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ
فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ
وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ
وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ
خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ
مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى
الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ
مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ

لائے تو میں بھی مدینے آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا
اور عرض کیا مجھے نماز کے متعلق خبر دیجئے۔ فرمایا نماز فجر
پڑھو پھر آفتاب طلوع ہوتے تک نماز سے باز رہو
یہاں تک کہ بلند ہو جائے کیونکہ وہ نکلتے وقت
شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ اور
اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں پھر نماز پڑھو کیونکہ
نماز حاضری یا گواہی کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ
نیزے کا سایہ کم ہو جائے پھر نماز سے باز رہو
کیونکہ اس وقت دوزخ تپایا جاتا ہے پھر جب
زوال کا سایہ آگے ہو جائے تو نماز پڑھو کیونکہ
وہ حاضری اور گواہی کا وقت ہے یہاں تک کہ
نماز عصر پڑھ لو۔ پھر سورج ڈوبنے تک نماز
سے باز رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں
کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت کفار
اسے سجدہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو کے متعلق خبر
دیجئے۔ فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو وضو
کا پانی لے۔ پھر کلی کرے۔ ناک میں پانی
ڈالے۔ مگر اس کے چہرے، منہ اور نتھنوں
کی خطائیں گر جاتی ہیں۔ پھر جب اسی طرح اپنا
منہ دھوئے جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔
مگر اس کے چہرے کی خطائیں داڑھی کے کناروں
سے پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے ہاتھ کہنیوں
تک دھوئے مگر اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے
ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے سر کا مسح

رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَآءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ مَجَّدَهٗ بِالَّذِىْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَ فَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرے مگر اس کے سر کی خطائیں پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے پاؤں دھوئے مگر اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا اور بڑائی کرے جس کے وہ لائق ہے[6] اور اپنا دل اللہ کے لیے خالی کرلے[7]۔ مگر اپنی خطاؤں سے اس دن کی طرح پھرے گا جس دن اسے ماں نے جنا۔

(مسلم)

[1] عَبَسَہ عین اور سین کی زبر سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ اور قصہ ابتداء اسلام کئی جگہ مذکور ہوا ہے۔

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صحابی نے نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

[3] اصل میں لفظ اقصر ہمزہ کی زبر سے صیغہ امر ہے مصدر اقصار سے جب کوئی شخص کسی کام کی طاقت رکھتے ہوئے اس سے باز رہے اور اسے نہ کرے تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ اُقْصَرْتُ اور اگر کسی کام کے کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو اور اس بنا پر اسے نہ کر سکے تو اسے قَصَرْتُ کہتے ہیں یعنی اس کام کے کرنے سے تو قاصر رہا ہے اور یہاں ہمزہ نہیں آتا۔ عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال یوں ہی آیا ہے۔

[4] یعنی نماز نفل وغیرہ جو چاہے ادا کرے۔

[5] یعنی اس وقت کی نماز میں یا مطلق نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ یا نمازی کے لیے اس کے نماز پڑھنے پر گواہی دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک محضورۃ ضاد نقطہ والے کے ساتھ معنی اول کے مطابق مشہودۃ کی تاکید و تقریر ہے۔ اور ایک روایت میں مشہودۃ مکتوبۃ آیا ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اعمال نامہ میں اس کا اجر و ثواب درج کرتے ہیں۔ اور ملائکہ کرام کتابت اعمال کے لیے بھی آتے ہیں۔

یعنی اس نیزے کا سایہ جو زمین گھاڑا جاتا ہے نیزے کم اور بہت چھوٹا ہو جائے۔ جیسا کہ دوپہر کے وقت ہوتا ہے اور لفظ استقلال بلند ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی سایہ نیزہ سے بلند ہو جائے اور زمین پر نہ پڑے

بعض روایات میں حتیٰ یستقل سے بالظل بھی آیا ہے یعنی نیزہ کے مقابلے میں اس کا سایہ کم ہو جائے اور دونوں عبارتوں کے معنی کا مآل ایک ہی ہے یا قلت اور کمی کے معنی پر محمول ہے۔

ے تسجر کا لفظ جیم کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح روایت آئی ہے۔

ے۸ اور اس کی فضیلت اور درجہ بیان فرمائیں۔

ے۹ وضوء واؤ کی زبر کے ساتھ۔ دراصل اس عبارت میں وضو اور طہارت کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ وضو کا پانی حاصل کرنے اور اس کی تیاری میں خود کوشش کرے خادم و نوکر کے ذمے نہ لگائے، اس مشقت اور اپنے مولیٰ کی عبادت و خدمت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

ے۱۰ لیستنشق تین نقطوں والی شا کے ساتھ۔ لفظ استنشاق میں ناک کی صفائی میں مبالغہ ہے کیونکہ ناک شیطان کے رات بسر کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ وضو کے باب میں گزرا۔

ے۱۱ یعنی منہ اور ناک کے اندر کے حصے کے گناہ اور خطائیں۔ یخرّ نقطہ والی خا اور را شد کے ساتھ خرور سے بمعنی اوپر سے نیچے گرنا۔ یہ لفظ جیم اور را مخفف سے بھی مروی ہے بمعنی اور جاری ہونا۔

ے۱۲ یعنی ان صفات کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی جس کے وہ لائق ہے۔

ے۱۳ گویا اس قول میں باطنی گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی جانب اشارہ ہے۔ جس طرح وضو سے ظاہری اعضا کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا ارشاد کھیئۃ یوم ولدتہ امہ اس پر بالکل ٹھیک صادق آگیا۔ کہ جس طرح ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح وضو اور نماز ادا کرنے سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

۹۷۱ وَعَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْأَزْهَرِ أَرْسَلُوْهُ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالُوْا إِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا أَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِيْ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت کریب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عباس حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ازہر رضی اللہ عنہم نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں بھیجا اور کہا کہ ہم سب کا انہیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد والی دو رکعت کے متعلق دریافت کرنا۔ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دے کر بھیجا تھا انہوں نے فرمایا ام سلمہ سے پوچھو۔ میں ان حضرات کی طرف واپس لوٹا۔ انہوں نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِيْ لَهٗ تَقُوْلُ أُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ أَبِيْ أُمَيَّةَ سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهٗ أَتَانِيْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مجھے ام سلمہ کے پاس بھیجا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع کرتے سنا پھر میں نے آپکو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا پھر آپ تشریف لائے تو میں نے ایک لڑکی کو آپکی خدمت میں بھیجا اور میں نے کہہ دیا کہ آپ سے عرض کرنا یا رسول اللہ ام سلمہ عرض کرتی ہے کہ میں نے آپکو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا اور آپکو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھتی ہوں۔ فرمایا اے ابو امیہ کی بیٹی تو نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق مجھ سے پوچھا ہے میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ آئے تھے جنہوں نے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے باز رکھا، یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لہ کریب کاف کی پیش اور را کی زبر سے۔

لہ مسور میم کی زیر اور سین کی جزم کے ساتھ۔ مخرمہ میم کی زبر خا ساکن اور را کی زبر۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے لڑکے اور کم سن صحابی ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۸ھ میں مکہ سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں۔ انہیں یاد رکھا اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک مکہ معظمہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر مستقل طور پر مکہ میں آگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مکہ میں ہی تعلیم دیتے رہے آپ نے یزید کی بیعت سے نفرت کا اظہار کیا تا آنکہ یزید نے مکہ کی طرف لشکر بھیجا اس نے آکر ان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت مسور نماز پڑھ رہے تھے کہ دوران نماز آپ کو منجنیق (اس وقت کی ایک طرح کی توپ) کا ایک پتھر لگا جس سے نماز کے اندر ہی شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

لہ ازہر ہمزہ کی زبر اور زا ساکن۔ آپ بھی صحابی ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ برادر زادہ ہیں غزوہ حنین میں موجود تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت کریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور ثقہ ہیں۔

لہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا حال دریافت کرو۔ کہ ان کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں یا نہیں۔ گویا ان حضرات نے سن رکھا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھی ہیں۔

۵ کہ انہیں اس بارے میں علم ہے۔

۶ یہ حضرت کریب رضی اللہ عنہ کا غایت ادب اور ان کی دانائی کا مظہر ہے کہ حضرت عائشہ سے سیدھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ گئے کیونکہ ان حضرات نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا تھا نہ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس لیے پہلے واپس لوٹ کر ان حضرات کے پاس گئے پھر جب ان حضرات نے انہیں حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا تو حضرت ام سلمہ کے پاس گئے۔

۷ کہ صرف یہ دو رکعتیں یا مطلق کوئی بھی نماز عصر کی نماز کے بعد ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۸ گویا آپ نے یہ دو رکعت مسجد میں ادا کی تھیں پھر دولتکدہ میں تشریف لائے یا پہلے آپ گھر کے حجرے پر تھے پھر گھر میں داخل ہوئے۔

۹ یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو۔

۱۰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔

۱۱ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام سہل بن مغیرہ مخزومی ہے اور ان کی کنیت ابو امیہ تھی۔

۱۲ یعنی قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ دینی احکام سیکھنے کے لیے مجھے مصروف رکھا۔

۱۳ یہ دو رکعتیں وہ ظہر کی بعد والی دو رکعتیں ہیں جو میں ادا نہ کرسکا تھا۔

۱۴ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی تعلیم دینا، احکام شریعت کی تبلیغ و اشاعت اور لوگوں کو ہدایت کی باتیں سکھانا نفل نماز سے اہم اور افضل ہے اگرچہ یہ نماز سنت مؤکدہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت نماز سے متعلق نفل نماز یعنی سنت مؤکدہ نماز رہ جائے تو اسے وقت گزرنے کے بعد قضا کر لیا جائے جیسا کہ شافعی حضرات کا مذہب یہی ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک انہیں وقت کے اندر قضا کیا جائے غیر وقت میں قضا نہ کیا جائے۔ (جیسے ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ اگر فرض نماز سے پہلے ادا نہیں کیں تو ظہر کی نماز کی فرضوں کے بعد پڑھ لی جائیں) باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ظہر کے گزرنے کے بعد عصر کے وقت میں یہ دو رکعتیں کیوں پڑھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے بعد یہ سنتیں شروع کی ہوں اور ان لوگوں کو تعلیم و ہدایت کی ضرورت کے تحت توڑ دی ہوں۔ اس وجہ سے انہیں عصر کے وقت قضا کیا (کہ نوافل کو شروع کرنے کے بعد توڑنے سے ان کی قضا واجب ہو جاتی ہے) واللہ اعلم۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک یہ حدیث تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت سنتیں جو عصر کے بعد پڑھیں وہ وفد عبد القیس سے مصروفیت کی بنا پر ظہر کے بعد نہ پڑھی جاسکی تھیں۔ اس لیے انہیں عصر کے بعد پڑھا۔ مگر ان احادیث کا کیا جواب ہوگا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح البخاری میں مروی ہیں

اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو رکعتیں ہمیشہ پابندی سے پڑھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے اس رب تعالےٰ کی قسم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے آخرت کی طرف لے گیا آپ نے بعد عصر کی دو رکعت کبھی ترک نہ کیں تا آنکہ آپ نے اپنے پروردگار سے ملاقات کی (دنیا سے رحلت کر گئے)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت و جلوت ہر حالت میں یہ دو رکعت پڑھتے تھے کبھی ترک نہ کرتے تھے اور فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی بعد عصر میرے گھر تشریف نہ لائے مگر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے جمہور علماء بھی اسی پر ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس وقت میں نماز پڑھنے سے روکتے اور سزا دیتے تھے۔ مگر بعد نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اس بارے میں علماء نے بہت گفتگو کی ہے اس کا کچھ حصہ (شرح لمعات) میں مذکور ہوا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بعد عصر آپ کا دو رکعت پڑھنا اور پابندی سے پڑھنا آپ کے خصائص میں سے تھا اور امت کو آپ نے اس سے منع فرمایا جس طرح کہ آپ خود وصال کے روزے رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے بعد عصر نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا کہ لوگ غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں۔ لہٰذا اگر بعد نماز عصر کوئی نماز غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جائے تو مکروہ نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو مارنا اور سزا دینا بھی اسی خدشے کی بناء پر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح اور نماز عصر کے بعد اس شخص کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے جو طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے لَا تَحَیَّنُوا بِصَلٰوتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَہَا۔ یعنی اپنی نمازوں کے لیے طلوع اور غروب آفتاب کا وقت مقرر نہ کرو۔ جیسا کہ باب کے ابتداء میں گزرا۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ مذکورہ دونوں نمازوں کے بعد مطلق نماز مکروہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں سے چھپ کر گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ لوگوں کے سامنے کیوں نہیں پڑھتے۔ فرمایا لوگوں سے ڈر کے مارے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس امام اجل کا مذہب اس بارے میں باقی لوگوں کے مذہب کے خلاف تھا۔ اور چونکہ جمہور مسلمان نہ پڑھنے کے قائل تھے اس لیے اس امام نے نہ چاہا کہ یہ علماء لوگوں کے خلاف ایک کام کریں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۹۹۴ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاَى النَّبِيُّ

حضرت محمد بن ابراہیم حضرت قیس بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا صبح کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اس شخص نے عرض کیا میں نے صبح کے دو فرضوں سے پہلے کی دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں۔ میں نے وہ اب پڑھی ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوَهُ.

اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا۔ اور فرمایا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں۔ کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس بن عمرو سے سماع ثابت نہیں ہے اور شرح السنۃ اور نسخ مصابیح قیس بن قہد سے اس کی مثل روایت کیا۔

۱۔ حضرت محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کم سن تابعین میں سے ہیں۔ اور قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔

۲۔ یعنی کیا تو صبح کی نماز اس طرح ادا کرتا ہے کہ پہلے دو رکعت فرض پڑھتا ہے اور اس کے بعد دو رکعت نفل۔ باوجودیکہ تجھے علم ہے کہ اس نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔

۳۔ یعنی میں نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی تھیں۔ اس لیے وہ اب پڑھ رہا ہوں۔

۴۔ اور اس سے منع نہ کیا۔ بلکہ اس کے فعل کو قائم اور باقی رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی ہوں تو فرضوں کے بعد انہیں قضا کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سنتوں کی قضا نہ فرضوں کے بعد ہے نہ طلوع آفتاب کے بعد مگر جب کہ فجر کے فرض بھی قضا ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ لیلۃ التعریس (غزوہ خیبر سے واپسی کی ایک رات) میں ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے کہا میں پسند کرتا ہوں کہ ان سنتوں کو زوال سے پہلے پہلے قضا پڑھ لیا جائے۔ شیخین (امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف)

فرماتے ہیں سنتوں میں اصل عدم قضا ہے کیونکہ قضا واجب کے ساتھ خاص ہے اور اس بارے میں حدیث وارد نہیں ہوئی مگر اس شکل میں کہ فرض بھی رہ جائیں اور ان کے تابع سنتیں بھی قضا کی جائیں۔ لہٰذا اس صورت کے علاوہ باقی صورتیں اپنی اصل پر باقی رہیں گی یعنی عدم قضا اور محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ کی حدیث ضعیف ہے استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی اور باقی نمازوں کی سنتیں الگ قضا نہ کی جائیں گی۔ اور فرضوں کے تابع ہو کر ان کی قضا میں اختلاف ہے کذا فی الہدایۃ۔ امام ترمذی نے کہا۔ علمائے مکہ کی ایک جماعت حدیث قیس کے پیش نظر سنتوں کی قضا کی قائل ہے۔ وہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد فرضوں کے بعد طلوع آفتاب سے قبل دو سنتیں پڑھے۔ یہ علماء ایک اور حدیث بھی بیان کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ۔ جس نے سنت فجر کی دو رکعت نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد انہیں پڑھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی عمل مروی ہے اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ، انتہیٰ۔

۵ یعنی شرح السنۃ اور مصابیح کے نسخوں میں محمد بن ابراہیم عن قیس بن قہد قاف کی زبر اور ہا ساکن، سے یہ حدیث مروی ہے اور ترمذی نے قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں سے روایت کیا اور کہا حفاظ حدیث کے نزدیک صحیح قیس بن عمرو ہے اور تقریب اور کاشف اور ذہبی میں قیس بن عمرو کا ذکر کیا قیس بن قہد کا ذکر نہ کیا۔ بعض کتابوں میں قیس بن عمرو اور قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ دونوں حضرات نجاریہ سے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ محمد بن ابراہیم التیمی نے فجر کی دو سنتوں والی حدیث جس سے روایت کی وہ قیس بن قہد ہے۔ اور بعض نے کہا قیس بن عمرو سے۔ واللہ اعلم۔

۳۹ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ۔	حضرت جبیر[۱] بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد مناف[۲] کی اولاد تم روکو کسی کو بھی جو اس بیت کا طواف کرے۔ اور رات اور دن کی جس گھڑی میں بھی نماز پڑھے[۳] (ترمذی۔ ابوداؤد) (نسائی)

۱ یعنی حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قرشی نوفلی رضی اللہ عنہ۔ آپ فتح مکہ سے پہلے خیبر کے سال اسلام لائے۔ معززین قریش میں سے تھے۔

ے۲ ایک روایت میں یا بنی عبدالمطلب (اے عبدالمطلب کی اولاد) کا لفظ آیا ہے۔
ے۳ طواف کرتے ہیں تو جس گھڑی میں بھی خواہ طلوع وغروب اور دوپہر کے وقت ہو خواہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد ہو خواہ کسی اور وقت میں، کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف نماز ادا کرنے میں ہے امام شافعی کے نزدیک ہر نماز جائز ہے طواف کی دو رکعتیں ہوں یا کوئی اور نماز۔ اس حدیث کے ظاہر معنی کو دلیل بناتے ہوئے۔ امام احمد کے نزدیک طواف کی دو رکعتیں طواف کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ احناف کے نزدیک مکروہ اوقات میں مطلق کوئی نماز جائز نہیں۔ اور کسی کام کے حرام و مکروہ ہونے میں مکہ معظمہ کا حکم بھی دوسرے تمام شہروں کی طرح ہے۔ کیونکہ حدیث نہی عام ہے نیز اس بنا پر بھی کہ حرام کرنے والی دلیل کو جائز قرار دینے والی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی کا حکم جواز کو منسوخ کرنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۷۹/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن[1] کے علاوہ ہر دن میں دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل پڑے (شافعی)

سلہ یہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں ممانعت میں وارد احادیث مشہور احادیث ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے ان کے مقابلے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یا یہ کہ تعارض کے وقت کسی کام کو حرام قرار دینے والی حدیث جائز قرار دینے والی حدیث سے راجح اور فائق ہوتی ہے۔

۹۸۰/۹ وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَرِهَ الصَّلٰوةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ اَبُو الْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

حضرت ابوالخلیل[1] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ مگر جمعہ کے دن اور آپ نے فرمایا دوزخ کو تپایا جاتا ہے۔ مگر جمعہ کے دن۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور کہا ابوالخلیل نے حضرت ابوقتادہ سے ملاقات نہیں کی[2]

لہ خلیل نقطہ والی خا کے ساتھ۔ آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔ اور حضرت ابوقتادہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی دوپہر کے وقت تُسَجَّرُ اور تُسْجَرُ شد اور تخفیف دونوں طرح مروی ہے۔

۳؎ لہذا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۹۸۱/۱۰ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَھَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَھَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَھَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَھَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَھَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَھَا وَنَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ تِلْکَ السَّاعَاتِ۔

رَوَاہُ مَالِکٌ وَ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت عبداللہ صنابحی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب سورج طلوع ہوتا ہے اس وقت اس کے ساتھ شیطان کا سینگ[۲] ہوتا ہے۔ جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان کا سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ پھر جب سورج دوپہر کے وقت کو پہنچتا ہے تو شیطان کا سینگ اس کے ساتھ آکر مل جاتا ہے اور جب سورج ڈھل پڑتا ہے تو وہ سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو وہ سینگ اس کے ساتھ پھر آکر مل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا[۳]۔ مالک، احمد، نسائی

۱؎ صنابحی صاد بے نقطہ کی پیش، با کی زیر اور حا بے نقطہ سے صنابح کی طرف منسوب ہے جو قبیلہ مرہ کی ایک شاخ ہے۔ آپ صحابی ہیں بعض نے ابوعبداللہ صنابحی بیان کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ابوعبداللہ تابعی ہے اور حضرت عبداللہ صحابی ہیں۔

۲؎ شیطان کے سینگ کا مطلب گذشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

۳؎ تعجب کی بات ہے کہ امام مالک خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں مگر دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کے قائل نہیں ہیں۔ الٹا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اہل فضل و کمال کو نہیں پایا مگر اس حال میں کہ دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش کرتے اور اس وقت میں نماز پڑھتے تھے۔

۹۸۲/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ بَصْرَۃَ الْغِفَارِیِّ قَالَ

حضرت ابوبصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ صَلٰوةٌ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَصَلٰوةٌ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ مقام مخمص[۲] میں نماز عصر پڑھی۔ فرمایا بیشک یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا[۴] جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا اسے دوگنا اجر[۵] ملے گا۔ اور اس نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔ یہاں تک کہ شاہد[۶] (ستارہ) طلوع کر آئے۔ شاہد یعنی ستارہ۔
(مسلم)

سلہ ابو بصرہ ب کے پیش اور صاد بے نقطہ سے، غفاری نقطہ والے غین کے کسرہ سے۔ آپ صحابی ہیں ان کا نام جمیل ہے جیم کی پیش اور میم کی زبر بعض نے جمیل جیم کی زبر اور میم کی زیر کہا۔ اور ایک جماعت نے میم کی زبر کہا۔ مگر یہ وہم ہے۔

سلہ مخمص میم کی پیش خا نقطہ والی کی زبر اور میم مفتوح مشدد، آخر میں صاد بے نقطہ ایک جگہ کا نام ہے۔

سلہ یعنی پہلی امتوں پر۔

سلہ اور اس کا حق بجا نہ لائے اور نہ اسے پابندی سے پڑھا اور قائم کیا۔

سلہ ایک اجر تو اس بنا پر کہ یہ ایک نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے اسے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا اجر و ثواب بخلاف پہلی امتوں کے کہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔

سلہ شاہد یعنی حاضر ہونے والا ستارہ کو شاہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ رات کے وقت سامنے آتا اور حاضر موجود ہوتا ہے یا اس بنا پر اسے شاہد کہتے ہیں کہ یہ رات کے موجود ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ اور مقصود و مطلوب غروب آفتاب ہے۔

$\frac{983}{12}$ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ[۱] قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت معاویہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک تم لوگ ایک نماز پڑھتے ہو بیشک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف نصیب ہوا ہے۔ ہم نے تو آپ کو یہ دو رکعت نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور بیشک آپ نے ان کے پڑھنے سے منع فرمایا یعنی عصر کے بعد دو رکعت
(بخاری)

سلہ یعنی حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما۔

سے کیونکہ آپ یہ دو رکعت گھر میں پڑھتے تھے۔ اور اس کا مطلب حدیث کریب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۴۲/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَزِيْنٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اور وہ کعبہ شریف کے ایک زینے پر چڑھے ہوئے تھے[1] جس نے مجھے پہچانا[2] اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں[3] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک مگر مکہ میں مگر مکہ میں مگر مکہ میں[4]

(احمد و رزین)

[1] جس زینے کے ذریعے لوگ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے تھے کہ خانہ کعبہ سطح زمین سے بلندی پر تھا۔ اور یہ زینہ اور سیڑھی آج کل (حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کے زمانہ میں) لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور منبر کی شکل میں ہے اور اس کے متعدد درجے اور زینے ہیں۔ اور یہ سیڑھی خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے زمزم شریف کے پاس رکھی رہتی ہے اور منبر کی طرح اس کے دونوں طرف پائے ہیں۔ جب لوگوں کو خانہ کعبہ کے اندر سے جانا ہوتا ہے تو اسے کھینچ کر درِ کعبہ کے ساتھ لگا دیتے ہیں پھر لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو اسے کھینچ کر اپنی جگہ پر لے آتے ہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی ہی صورت ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شکل ہو۔ واللہ اعلم۔ غرضیکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس پر چڑھے۔ اور فرمایا۔

[2] یعنی جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے کہ میں سچا اور آپ علیہ السلام کی زبان پر لاتا ہوں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آسمان نے کسی انسان کے سر پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی انسان کو اپنے اوپر نہیں اٹھایا جو حضرت ابوذر سے بڑھ کر راست گو ہو۔

[3] یعنی اسے چاہیے کہ مجھے جان پہچان لے کہ میں جندب ہوں تاکہ اسے قرار نصیب ہو اور اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں سچا ہوں۔

جُندُب جیم کی پیش نون ساکن پھر دال کی پیش اور زبر۔ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام مبارک ہے تو یہ حضرت جندب (ابوذر) روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الی آخرہ۔

[4] یعنی تین بار تکرار فرمایا۔ بعض نسخوں میں صرف دو بار آیا ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

نماز باجماعت اور اس کی فضیلت

آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ جماعت سنت ہے یا واجب یا فرض عین یا فرض کفایہ۔ بعض نے کہا فرض عین ہے مگر کسی عذر کے باعث رہ جائے تو الگ بات ہے یہ امام احمد، داؤد، عطا اور ابو ثور کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں جو شخص اذان سنے اور جماعت کے لیے نہ آئے اس کی نماز درست نہیں ہوتی بعض آئمہ فرماتے ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ علامہ طیبی نے کہا امام شافعی کی ظاہر تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ اکثر صحابہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام نے نقل کیا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ جماعت واجب ہے اور اسے سنت کے نام سے اس بنا پر موسوم کرتے ہیں کہ اس کے وجوب کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے۔ فقہ کی کتاب بدائع میں کہا کہ جماعت سے نماز ادا کرنا ہر آزاد، عاقل بالغ پر واجب ہے۔ اسے مسجد میں آنے سے معذور قرار نہ دیا جائے گا اور اگر مسجد میں جماعت نہ پائے تو پھر اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ تلاش جماعت کے لیے دوسری مسجدوں میں گھومنا واجب نہیں۔ ہاں تلاش کرنا بہتر ہے اور اگر مسجد محلہ میں اکیلا ادا کرے تو بھی بہتر ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسی صورت میں گھر کے اندر ہی اہل خانہ کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا کرے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد جامع میں اور دو جامع مسجدیں قریب ہوں تو پہلے تعمیر شدہ مسجد میں جائے اور اگر دونوں برابر ہوں یعنی اکٹھی تعمیر ہوئی ہوں تو پھر قریب ترین جا کر نماز پڑھے اور اگر قریب تر مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں دوسری والی مسجد سے تکبیر کی آواز کان میں پڑی اگر قریب ترین داخل ہو چکا ہے تو پھر اسی مسجد میں پڑھے۔ ورنہ دوسری والی میں جا کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

اور علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی عذر کی بنا پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے بیمار ہونا ہاتھ پھٹے ہوئے ہوں اور تکلیف ہو یا دونوں جانب فالج گرا ہوا ہو کہ چل نہ سکتا ہو۔ یا ظالم سلطان و حاکم سے چھپا ہوا ہو۔ یا اتنا کمزور ہو کہ مسجد تک کا راستہ طے نہ کر سکتا ہو۔ اسی طرح نابینا ہونا بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عذر ہے۔ بعض نے کہا نابینا ہونا سب آئمہ کے نزدیک عذر ہے۔ اسی طرح بارش، کیچڑ، سخت لو، شدید سردی بھی قول صحیح میں عذر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت بھی ہے کہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ کیچڑ اور سخت لو میں نماز باجماعت کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ جماعت ترک نہ کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ

نے ایک حدیث روایت کی کہ اِذَا ابْتَلَّتِ النِّعَالُ فَالصَّلٰوۃُ فِی الرِّحَالِ کہ جب جوتوں کے کیچڑ سے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز گھر میں پڑھ لے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے افضل ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ فذ فا کی زبر اور ذال کی شد سے بمعنی فرد و تنہا۔ ایک روایت میں پچیس درجے کا ذکر آیا ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں پچیس ہی آیا ہے۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ستائیس کا عدد آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اولاً پچیس کے عدد کی وحی ہوئی ہو۔ اس کے بعد فضل و انعام کے طور پر زیادہ کر دیا گیا ہو۔ اس اختلاف کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز اور نمازی کے حال کے فرق کی وجہ سے یہ اختلاف ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے ستائیس درجے جہری نماز میں ہو اور پچیس سری نماز میں۔ بعض نے کہا قلیل (۲۵) اور کثیر (۲۷) میں کوئی منافات نہیں کیونکہ قلیل کثیر کے ضمن میں موجود ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ فضیلت مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کے ساتھ خاص ہے یا جہاں بھی پڑھی جائے بعض نے کہا مسجد میں نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے۔ بہر حال جو صورت بھی ہو اس عدد کی فضیلت کی تخصیص کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے۔ ان کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی بعض علماء نے ان اعداد سے متعلق کچھ مناسبات بھی بیان کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۸۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنُ لَھَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَشْھَدُوْنَ الصَّلٰوۃَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات بزرگ و برتر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بیشک میں نے ارادہ کیا کہ ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ جمع کر دیا جائے پھر میں نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں اور اذان کہی جائے۔ پھر میں حکم دوں کسی آدمی کو تو وہ لوگوں کی امامت کرے۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس آؤں لہ

فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ

جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ ایک روایت میں لایشہدون الصلوٰۃ کی فضیلت صریحاً مذکور ہے۔ تو میں جا کر ان کے پیچھے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کو کوئی معلوم ہو جائے کہ اسے فربہ ہڈی ملے گی یا دو پائے گا یا کھری کے ایسے ملیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوتا۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم کے ہاں اس کی مثل روایت ہے۔

سلہ تاکہ انہیں اچانک جا پکڑوں۔ یا یہ معنی ہے کہ میں اس چیز کی مخالفت کروں جو میں نے خود ظاہر کی ہوتی ہے۔ یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز قائم کرنا۔ یا یہ معنی ہے کہ نماز چھوڑ کر سزا اور عذاب دینے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاؤں۔

سلہ یعنی ایک روایت میں یہ زائد الفاظ الی الرجال لایشہدون الصلوٰۃ صریحاً مذکور ہیں۔ اور جہاں یہ الفاظ عبارت حدیث میں موجود نہیں تو بہرحال نیت میں مراد ہیں جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اسے ظاہر کر دیا ہے۔ پھر اس نماز کی تعیین میں احادیث مختلف آئی ہیں کہ جمعہ کی نماز ہے یا عشاء یا فجر کی ظاہر یہ ہے کہ حدیث تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔

سلہ یعنی مکمل طور پر ان کے گھر جلا کر راکھ کر دوں، اس طرح کہ وہ خود بھی ان ہی جل جائیں۔ اس حدیث میں تاکید و مبالغہ ہے اس بات کا کہ نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کو ضرور سزا ملنی چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے لیے اپنے آپ کو نماز کی امامت کے لیے پابند نہیں کرتے کسی اور کو اپنا نائب بناتے ہیں اور خود تارک جماعت لوگوں کو اور ان کے گھروں کو جلانے کے کام میں لگا دینا چاہتے ہیں۔

سلہ عرق عین کی زبر اور ساکن سے وہ ہڈی جس سے گوشت اتار لیا گیا ہو۔ بعض نے کہا عرق وہ ہڈی ہے جس پر پورا گوشت موجود ہو اور جس ہڈی پر سے گوشت اتار لیا گیا ہو اسے عُرق (عین کی پیش) کہتے ہیں۔

سلہ مرماۃ (میم کی زیر اور زبر) حَسَنَتَیْن یعنی جو اس کی نظر حرص و لالچ اور کمینی ہوس کو اچھے لگتے ہوں اور لفظ مرماتین کی تفسیر گوشت کے دو ٹکڑوں سے بھی کی گئی ہے۔

سلہ یہ اس کے گھٹیا پن کا بیان ہے کہ اس گھٹیا حقیر دنیوی چیز کی خاطر نماز عشاء کے وقت بھی آ دھمکے گا مگر ثواب آخرت اور درگاہ حق کے قرب کے حصول کے لیے آنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ اس کی کیسی بے تمیزی اور بے عقلی ہے۔

۹۸۷ وَعَنْهُ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا آدمی

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّرَخِّصَ لَہٗ فَیُصَلِّیَ فِیْ بَیْتِہٖ فَرَخَّصَ لَہٗ فَلَمَّا وَلّٰی دَعَاہُ فَقَالَ ھَلْ تَسْمَعُ النِّدَآءَ بِالصَّلٰوۃِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

نہیں جو مجھے مسجد میں ساتھ لے کر آئے تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اسے رخصت دیدیں کہ وہ اپنے گھر ہی نماز پڑھ لیا کرے۔ آپ نے اسے اجازت دیدی جب وہ پشت پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا کیا تو نماز کے لیے اذان کی آواز سنتا ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا پھر تجھے اذان کا جواب دینا چاہیے۔ (مسلم)

سلہ بعض نے کہا اس سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ جو مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے بعض نے کہا کوئی اور صاحب مراد ہیں۔

سلہ یقود قود سے مشتق ہے بمعنی گائے بیل وغیرہ کو کھینچنا اور سوق کا معنی ہے جانوروں کو پیچھے سے ہانکنا۔

سلہ اور مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی پابندی سے آزاد کر دیں۔

سلہ اور مسجد میں نہ آئے۔

سلہ اس میں کمال تاکید و مبالغہ ہے کہ اذان سن کر مسجد میں ضرور آنا چاہیے۔

۹۸۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْ لَیْلَۃٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِیْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ یَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک سردی اور ہوا کی رات میں نماز کے لیے اذان کہی گئی سلہ پھر حضرت ابن عمر یا موذن نے کہا لوگو آگاہ رہو اور جان لو کہ نماز اپنے گھر وں سلہ میں ہی پڑھ لو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی رات میں موذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ آواز دے کر کہے لوگو اپنی اپنی نمازیں گھروں میں ہی پڑھ لو۔ سلہ (بخاری و مسلم)

سلہ اُذِّنَ ہمزہ کی پیش اور ذال کی زیر اور تشدید سے ہمزہ اور ذال کی زبر دونوں طرح مروی ہے پہلی روایت کے مطابق معنی ہوگا کہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ان کی مسجد یا ان کے نزدیک نماز کے لیے اذان کہی گئی۔ دوسری روایت کے مطابق معنی ہوگا حضرت ابن عمر نے اذان کہی سیاق حدیث کا ظاہر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور بخاری کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے خود اذان کہی تھی۔ بہر تقدیر نماز کیلئے اذان کہی تھی۔

سلہ رحل کا معنی ہے مرد اور اس کے سامان وغیرہ کی جگہ۔ اس لفظ کا زیادہ تر اطلاق و استعمال اس چیز کے لیے

ہوتا ہے جو سفر میں رات کے ساتھ ہو۔ اور بعید نہیں کہ یہ واقعہ سفر میں پیش آیا ہو۔

سے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش اور سردی ان عذروں میں سے ہے جن کے پیش آنے کی صورت میں جماعت کی حاضری معاف ہو جاتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ صلوا فی الرحال میں صیغہ امر (صلوا نماز پڑھو) اباحت اور جواز کیلیے ہے جو رخصت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر نہایت شفقت اور آسانی کے لیے استحباب پر محمول ہو۔

۹۸۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَآءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَآءَةَ الْاِمَامِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے آگے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی تکبیر بھی شروع ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لو اور وہ شخص نماز پڑھنے کیلیے جلدی نہ کرے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا اور نماز کی تکبیر شروع ہو جاتی تھی تو آپ کھانے سے فارغ ہونے سے پہلے نماز کے لیے نہ آتے تھے حالانکہ امام کی قرأت سن رہے ہوتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لے لا یعجل یا کی زبر عین ساکن اور جیم کی زبر۔

لے عشاء عین کی زبر سے رات کا کھانا۔ اس وقت کی تخصیص اس لیے کی کہ عادت یہ ہے کہ عرب صرف صبح شام کھانا کھاتے ہیں۔ یا چاشت اور شام کے وقت کھانا نہیں کھاتے اور نماز کا وقت تو صرف شام کو ہوتا ہے۔ چاشت کے وقت کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بجائے طعام سے ابتدا کا حکم اس صورت میں ہے کہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اور کھانے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ یا بھوک کا غلبہ ہو تاکہ بھوک کا احساس نماز کے خشوع و خضوع میں حائل نہ ہو۔

سے کہ ان کا مکان مسجد شریف کے نزدیک تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کمال سنت و اتباع سے موصوف تھے آپ سے اس فعل کا وجود میں آنا کمال استقامت و مضبوطی کی بنا پر ہے۔

۹۹۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھانا سامنے پڑے ہونے کی صورت میں کوئی نماز نہیں اور نہ اس وقت جبکہ بول اور قضائے حاجت اس پر زور ڈال رہے ہوں۔ (مسلم)

سلہ بعض نسخوں لفظ الطعام الف لام کے ساتھ آیا ہے۔

سلہ کیونکہ یہ حالت دضو کے لیے خلل و نقصان کا موجب اور دل کے منتشر ہونے کا باعث ہے۔ اور اگر وقت تنگ ہو کر کھانے یا تقاضائے حاجت میں مصروف ہونے سے نماز کا وقت گزر جائے گا تو پہلے نماز پڑھے اسے طیبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔

۹۹۱ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں سلہ (مسلم)

سلہ خواہ نفل نماز شروع کر چکے ہوں۔ خواہ بیٹھے ہوئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں بھی جب تکبیر شروع ہو جائے تو چھوڑ دی جائیں اور امام کی موافقت کی جائے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ جانتا ہو کہ سنت پڑھ کر ایک رکعت فرضوں کی مل جائے گی تو پہلے سنت پڑھے پھر فرضوں میں شامل ہو۔ لیکن یہ سنتیں مسجد کے دروازے میں ادا کرے صف کے اندر کھڑے ہو کر ادا نہ کرے تاکہ دونوں فضیلتیں (سنت و فرض ادا کرنے کی) اسے حاصل ہو جائیں۔ ہاں اگر فرض نماز ملنے کی امید نہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ کر جماعت سے مل جائے کہ جماعت کا ثواب عظیم تر ہے اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا اگر امام کے ساتھ تشہد میں بھی مل جانے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے۔ بعض نے کہا تشہد میں شامل ہو جانا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک رکعت پا لینے کے حکم میں ہے۔ مگر امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک رکعت کا اعتبار نہ ہوگا۔ جیسا کہ نماز جمعہ میں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقیہ اسماعیل زاہد رحمۃ اللہ سے جو منقول ہے کہ چاہیے کہ فجر کی سنتیں شروع کرے پھر جماعت میں شمولیت کی نیت سے توڑ دے۔ ایسا کرنے سے وہ لازم و واجب ہو جائیں گی اور ان کی قضا واجب ہو جائے گی تو بعد از ادائے فرض ان کا قضا کرنا جائز ہو جائے گا۔ مگر امام سرخسی رحمۃ اللہ نے ایسا کرنے کی تردید کی ہے کہ یہ عبادت کو فاسد اور باطل کرنے کے ارادہ سے شروع کرنا ہوگا اور یہ منع ہے۔ اگرچہ بعد میں ادا کر لینے کے ارادے سے ہی ہے اور فساد کو دور کرنا مصلحت کے حصول سے مقدم اور فائق ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حرم شریف میں حنفیہ کے لیے یہ ابتلا و آزمائش چار نمازوں میں لازم ہو چکی ہے اور شافعیہ پر نماز مغرب میں۔ کہ شافعی حضرات تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور احناف سنتوں میں مشغول ہوتے ہیں یا بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ذمہ اگر نماز قضا ہو گئی ہے تو وہ امام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور بعض امام کے ساتھ نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ اور بعض شافعی حضرات کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر حنفی کی شافعی کی اقتدا میں نماز ادا کرنے میں کلام ہے۔ کاتب حروف

(حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) بھی اس مقام شریف (حرم شریف) میں اقامت کے دوران ابتداءً اس مسئلہ اقتدا میں متردد و مذبذب تھا کبھی اس پر اور کبھی اس پر عمل کرتا تھا۔ میرے اس عمل کی شکایت حضرت شیخ (عبدالوہاب متقی) کی خدمت اقدس میں کی گئی تو انہوں نے فرمایا اس بارے میں مذبذب نہ ہو اور اپنے مذہب پر قائم و مستقیم رہیں۔ شیخ بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے پہلے علماء جو کچھ طے کر گئے اور ترتیب و قاعدہ بیان کر گئے ہیں۔ اس کے مطابق چلنا اور کاربند رہنا چاہیے۔ اور وحدت و اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں علماء بہتر جانتے ہیں جو وہ طے کر گئے ہیں۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ کے فرمان کے مطابق طریقہ مسلسل اپنا لیا اور تذبذب جاتا رہا۔

۹۹۲/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَتْ امْرَاَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اسے نہ روکے[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] مسجد میں جانے اور نماز باجماعت ادا کرنے سے منع نہ کرے علماء فرماتے ہیں کہ اجازت اور حکم بوڑھی عورت کے لیے ہے۔ جسے دیکھنے سے شہوت بیدار نہیں ہوتی۔ اور بن سنور کر اور خوشبو لگا کر نہیں نکلتی۔ مگر آج کے زمانہ (شیخ عبدالحق کے زمانہ میں جو آج سے چار سو سال قبل) میں عورتوں کے لیے نماز با جماعت کے لیے جانا مکروہ ہے۔ زمانے کے فساد و خرابی کی وجہ سے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں مسائل شرعی سیکھنے کے لیے بھی آتی تھیں مگر آج کے زمانہ میں احکام شریعت کے شہرت پا جانے اور ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے ضرورت نہیں رہی۔ نیز پردے میں رہنا عورتوں کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

۹۹۳/۹ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَاَةِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدٰكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا[1] سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ ہمیں (عورتوں کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔ (مسلم)

[1] آپ صحابیہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں ان سے ان کے خاوند حضرت ابوسعید خدری، حضرت الجہ بدۃ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

۹۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ ـ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت خوشبو دار دھونیں سے اپنے جسم کو بسا چکی ہو تو وہ نماز عشا کے لیے ہمارے پاس نہ آئے۔ (مسلم)

لہ بخور باکی پیش نا کی جزم یعنی جلی ہوئی خوشبو کا دھواں لینا۔ اور باکی زبر سے وہ چیز جو جلائی جاتی ہے پھر اس کا دھواں کپڑوں اور بدن کے لیے حاصل کیا جاتا ہے جیسے عود اور عنبر وغیرہ۔ یہاں عشاء آخرہ سے نماز عشاء مراد ہے آخرہ کی قید اس لیے ہے کہ بعض دفعہ نماز مغرب پر بھی عشاء کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ پھر خاص عشا کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ اندھیرے اور تاریکی کا وقت ہوتا ہے اس میں وقوع فتنہ زیادہ اور نزدیک تر ہوتا ہے۔ اس لیے تخصیص نہیں کی کہ یہ چیز وقت عشا میں ہی منحصر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۹۹۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ ـ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں لہ (ابوداؤد)

لہ اگر عورتیں نماز کے لیے آنا چاہیں تو انہیں نہ روکو لیکن اگر وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں تو بہتر ہے اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

۹۹۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِیْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا وَصَلٰوتُهَا فِیْ مَخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ بَيْتِهَا ـ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اس کے حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا اپنے سامان خانہ میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

لہ حجرہ بمعنی کوٹا۔ اور چھوٹا کمرہ۔ یہاں اس کی تفسیر گھر کے صحن سے کی گئی ہے۔ زین العرب سے منقول ہے کہ حجرہ سے مراد مکان کی وہ طرف ہوتی ہے جس طرف مکان کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس کا مطلب بھی وہی بنتا ہے یعنی گھر کا صحن۔

لہ مخدع۔ میم کی زیر اور زبر کبھی پیش بھی پڑھتے ہیں۔ اور دال کی زبر۔ بمعنی مکان کا وہ پچھلا کمرہ جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ خدع سے مشتق ہے بمعنی چھپا کر رکھنا۔ یعنی عورت جس قدر زیادہ پردے کی جگہ نماز پڑھے۔ زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

۹۹۷/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ امْرَاَةٍ تَطَیَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰی تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے محبوب لہ پاک حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں آنے کے لیے خوشبو لگائے جب تک کہ وہ جنابت والا غسل نہ کرلے لہ۔

(ابوداؤد) اور احمد و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لہ حِبّ حا کی زیر با کی شد سے بمعنی محبوب۔

لہ اس سے مقصود بدن سے خوشبو کا دھونا ہے۔ اور غسل جنابت سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خوشبو لگا کر مسجد میں آنا جب قوت شہوانی کو ابھارنے اور تیز کرے تو وہ جماع کی طرح ہے۔ اسی لیے اس کی تفسیر زنا سے کی گئی ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ سارے بدن کو خوشبو ملی ہو اور اگر بدن کے صرف کسی حصہ پر خوشبو لگائی ہو تو پھر اس حصے کو دھوئے۔

۹۹۸/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِیِّ نَحْوُهٗ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرتی لہ ہے بیشک جو عورت خوشبو لگا کر مجلس لہ کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی ہے ایسی ہے لہ

(ترمذی)

اور ابوداؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لہ یعنی ہر وہ آنکھ جو نظر بد اور شہوت سے بیگانی عورت یا بیگانے مرد کو دیکھے وہ زنا کرنے والی ہے۔

؎ جس میں مرد بھی اور وہ عورت یہ خواہش کرے کہ مرد اس کی طرف نگاہ شہوت سے دیکھیں۔
؎ یعنی زنا کرنے والی ہے۔

۹۹۹ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰئِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلٰوتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر فرمایا فلاں آدمی موجود ہے لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا بیشک یہ دو نمازیں؎ (فجر و عشاء) منافقین پر سب نمازوں سے بھاری ہیں اور اگر تمہیں علم ہو جاتا کہ ان کے ادا کرنے میں اس قدر اجر و ثواب ہے تو ان کے لیے اپنے زانوؤں؎ پر چل کر آتے اور بیشک صف اول ملائکہ کی صف کی طرح؎ ہے اگر تمہیں اس کی فضیلت و شان کا پتہ چل جاتا تو تم اس کے پانے کے لیے جلدی کرتے؎ اور بیشک مرد کی نماز مرد کیساتھ زیادہ افضل و پاکیزہ ہے اس کے اکیلے نماز پڑھنے سے اور دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنے سے افضل ہے اور جتنی جماعت زیادہ ہوگی اتنی ہی اللہ تعالے کو زیادہ محبوب ہوگی۔ (ابوداؤد، نسائی)

؎ یعنی صبح اور عشاء کی نماز۔ اور عشاء کو صبح کے ساتھ ذکر کرنا یا تو قرینہ حال کی بنا پر ہے یا لوگوں کو پہلے سے عشاء کے بارے میں علم تھا کہ منافقین ان کے بھی تارک ہیں۔ اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ دو آدمی نفاق میں مشہور تھے۔ واللہ اعلم۔
؎ یعنی ان دو نمازوں کو ادا کرنے کے لیے گرتے اٹھتے حاضر ہوتے۔ حَبْوًا کا معنی ہے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل راستہ طے کرنا بعض نے کہا اس کا معنی ہے شکم اور سرین کے بل چلنا۔ صراح میں ہے حبو کا معنی ہے پنجے چوتڑوں کے بل چلنا۔
؎ یعنی فضیلت و شرف میں ان ملائکہ کی صف کی طرح ہے جو کبریائے الٰہی کی درگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں۔
؎ اور اسے پانے اور اس تک پہنچنے کے لیے دوڑ کر آتے۔

۵ ادراک کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بستی اور گاؤں میں تین آدمی نہیں ہوتے جن میں نماز (باجماعت) قائم نہیں کی جاتی مگر بیشک ان پر شیطان غالب آجاتا ہے تو اسے زمیرے امتی تیرے لیے جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے الگ ہوتی ہے۔

(احمد، ابوداؤد)

(النسائی)

له جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ خوب سمجھنا چاہیے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ الدَّارُقُطْنِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اذان سنی اور اسے اس کی اتباع و پیروی سے کسی عذر نے نہ روکا۔[۱] لوگوں[۲] نے کہا عذر سے کیا مراد[۳] ہے فرمایا خوف[۴] یا بیماری[۵] تو جو نماز اس نے پڑھی وہ قبول نہ ہوگی۔[۶]

(ابوداؤد، دارقطنی)

۱ یعنی نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنے سے کوئی عذر و بہانہ موجود نہ تھا۔

۲ یعنی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے درمیان آپ سے سوال کیا۔

۳ یعنی وہ عذر کیا ہے جس کی وجہ سے کسی کو مسجد میں آنے سے معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔

۴ یعنی ہلاکت کا خوف، یا دشمن کی طرف سے نقصان کا خوف یا درندے وغیرہ کا ڈر۔

۵ یعنی بیماری یا کمزوری جس کی وجہ سے چل کر نہ آسکتا ہو۔

۶ یعنی اس کی نماز بے جماعت قبول نہ ہوگی۔ اس حدیث کا ظاہر جماعت کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے یا اس میں نماز باجماعت کی تاکید و مبالغہ کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۶۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ وَوَجَدَ اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوٰی مَالِکٌ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ۔

حضرت عبداللہ بن ارقم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب نماز کی تکبیر کہی جا رہی ہو اور تم میں کوئی آدمی تقاضائے حاجت کی ضرورت محسوس کرتا ہو[2] اسے چاہیے کہ پہلے تقاضائے حاجت سے فارغ ہو لے[3] (ترمذی، مالک، ابوداؤد، النسائی)

[1] آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ آپ کاتب وحی تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے بھی کاتب تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بلا اجرت و تنخواہ بیت المال کی تولیت کی ذمہ داری پوری کرتے رہے پھر آپ نے اس ذمہ داری سے استعفاء دے دیا۔

[2] یعنی بول و براز کے لیے طہارت خانہ میں جانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو تاکہ اس سے فراغت حاصل کرے۔

[3] یعنی اگرچہ اس ضرورت کے لیے جماعت ہی چھوڑنی پڑے۔ کیونکہ طہارت کا معاملہ اور اس کی تکمیل اہم اور مقدم ہے

۱۰۶۳ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّفْعَلَھُنَّ لَا یَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَیَخُصَّ نَفْسَہٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَھُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدْ خَانَھُمْ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ قَعْرِ بَیْتٍ قَبْلَ اَنْ یَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدْ خَانَھُمْ وَلَا یُصَلِّ وَھُوَ حَقِنٌ حَتّٰی یَتَخَفَّفَ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَلِلتِّرْمِذِیِّ نَحْوُہٗ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ ان کا کرنا کسی کے لیے حلال و جائز نہیں۔ وہ آدمی لوگوں کی امامت نہ کرے کہ جب دعا کرے تو صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرے لوگوں کے لیے دعا نہ کرے[1] اگر وہ ایسا کرے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا اور کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ دیکھے اگر ایسا کرے گا تو ان سے خیانت کرے گا اور نماز نہ پڑھے جب کہ اس نے بول براز روک کر رکھا ہوا ہو۔ بلکہ پہلے اس سے فارغ ہو اور اپنے آپ کو ہلکا کر لے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا۔

[1] یعنی صیغہ واحد سے دعا کیا کرے۔ جو صرف اس کے لیے اپنے ساتھ خاص ہو اور جمع کا صیغہ استعمال نہ کرے جو سب کو شامل ہو۔

؎ حقن لون سے۔ یعنی بول روک رکھنا اس کے حکم میں ہے پاخانے کو روکنے والا اور اس کے لیے لفظ حقب با کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۳۴/۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوةَ لِطَعَامٍ وَّلَا لِغَيْرِهٖ (رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے یا کسی اور کام کی خاطر نماز میں دیر نہ کرو؎ (شرح السنۃ)

؎ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جب کہ نماز کا وقت جا رہا ہو یا اس پر محمول ہے کہ کھانا سامنے آیا ہو بلکہ سامنے آنے کے قریب ہو۔ اور گزشتہ حدیث میں جو گزرا وہ کھانا آیا سامنے آجانے پر محمول ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ نہی دراصل کھانا نہ لانے سے متعلق ہے یعنی نماز کے وقت کھانا سامنے نہ لایا جائے تا کہ ادائیگی نماز میں تاخیر کا سبب نہ بنے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۳۵/۲۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِىْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِىَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِى الْمَسْجِدِ الَّذِىْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُّسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ہم لوگ اور صحابہ کرام اس بات کو جانتے تھے کہ نماز باجماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا مگر وہ منافق جس کے نفاق کو لوگ جانتے تھے؎ یا بیمار (جو مسجد میں آنے کی بالکل طاقت و قدرت نہ رکھتا تھا) بے شک مریض نماز باجماعت میں شامل ہونے کے لیے دو مردوں کے درمیان اور ان کے سہارے چل کر آتا؎ تھا اور نماز میں شامل ہوتا تھا اور آپ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت؎ کے راستے پر ڈالنے والی سنتوں کی تعلیم دی۔ اور بیشک ان سنن ھدیٰ میں سے ایک سنت یہ ہے کہ اس مسجد میں اگر نماز ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو؎ اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کے لیے یہ

وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا حَسَنَةً وَّيَرْفَعُهٗ بِهَا دَرَجَةً وَّيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَّلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بات باعث مسرت ہو کہ وہ کل خدا تعالیٰ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کی حفاظت کرے جہاں بھی انکے لیے اذان دی جاتی ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنن ہدیٰ عطا کی ہیں اور انکے راستے پر چلایا ہے اور ان پانچ نمازوں کی حفاظت سنن ہدیٰ میں سے ہے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لو گے جس طرح کہ یہ منافق اپنے گھر میں ہی نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک بن جاؤ گے اور اگر تم لوگ اپنے نبی کی سنت ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور نہیں ہے کوئی آدمی جو طہارت کرتا ہے اور اچھی طہارت کرتا ہے پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کو جاتا ہے مگر اللہ تعالےٰ اس کیلئے ہر قدم پر جو وہ اٹھاتا ہے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا درجہ بلند کرتا اور اس کی برکت سے اس کی برائی اور گناہ اور ہمیں اور صحابہ کو اس کا علم تھا کہ اس نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر منافق جس کا نفاق سب کو معلوم تھا بیشک (بیمار) آدمی کو لایا جاتا تھا دو آدمیوں کے سہارے جھومتے ہوئے یہاں تک کہ اسے صف میں لا کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ (مسلم)

۱؎ یعنی جس کے منافق ہونے کی تحقیق ہو چکی تھی اور جس کا نفاق ظاہر ہو چکا ہوتا تھا اور جس کا نفاق ابھی پوشیدہ ہی ہوتا تھا وہ بھی نماز باجماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا۔

۲؎ اس کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز باجماعت واجب ہے۔

۳؎ یعنی وہ سنتیں جنہیں اختیار کرنا اور ان پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور قرب و رضائے الٰہی کی درگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ سنن ہدیٰ کا اکثر اور بیشتر اطلاق و استعمال سنت مؤکدہ کے لیے آتا ہے۔ سنن غیر مؤکدہ کے لیے لفظ سنن زوائد استعمال ہوتا ہے۔

۴؎ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ جماعت سنت ہے واجب نہیں۔ مگر جب کہ یہاں سنت سے طریقہ مسلوکہ فی الدین (وہ طریقہ جس پر اہل اسلام دین میں چلتے ہیں) مراد لیا جائے یا یہ مراد لیا جائے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی

(حدیث پاک) سے ہے۔

عہ یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ قیامت کے دن خوشی خوشی اور مومن کامل بن کر اللہ سے ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ الی آخرہ۔

ہ۵ حدیث پاک کے ان الفاظ کا ظاہر سیاق اس میں ہے کہ نماز کی محافظت سے انہیں باجماعت ادا کرنا مراد ہے جیسا کہ اس پر اگلا قول حیث ینادی بھن دلالت کرتا ہے۔

ہ۶ یعنی مسجد میں ادا کرے۔

ہ۷ یعنی ہدایت کے طریقہ پر چلنے کے مترادف ہے۔

ہ۸ متخلف یعنی پیچھے رہنے والا اور مقام قرب وغیرہ سے دور ہو جانے والا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہے جو نماز باجماعت میں نہ آتا تھا اور حاشیہ میں ہے کہ یہ ایک شخص مدینہ منورہ کا حاکم تھا جس میں نفاق کا نشان پایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

ہ۹ یعنی اس کے آداب و شرائط کے ساتھ

ہ۱۰ یعنی اپنی درگاہ قرب و عزت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

ہ۱۱ تھادٰی کا معنی ہے کسی کو دو آدمیوں کا تھام کر لانا۔ اس طرح کہ ایک نے اسے ایک طرف سے پکڑا ہوا ہو اور دوسرے نے دوسری طرف سے۔

۱۰۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِی الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الذُّرِّيَّةِ اَقَمْتُ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ وَ اَمَرْتُ فِتْيَانِیْ يُحْرِقُوْنَ مَا فِی الْبُيُوْتِ بِالنَّارِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشا قائم کرتا اور اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ گھروں میں جو کچھ ہے ہر چیز کو مکمل طور پر جلا دیتے۔ بلکہ ان مردوں کو بھی جو خرمنا متخلف ہیں کہ نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے انکو بھی ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے۔ (احمد)

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک جماعت کی سزا اسے آگ میں جلانا ہے۔ یہ سزا کسی جرم پر دینے کا ذکر نہیں آیا۔ ماسوائے ترک جماعت اور غنیمت میں خیانت کرنے پر۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں بھی ڈانٹ اور تشدید مراد ہے حقیقت کلام مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۲۷ وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ

اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لیے اذان ہو جائے تو تم میں کوئی شخص باہر نہ جائے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے[1]۔

(احمد)

[1] واضح ہو کہ اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اور ابو داؤد میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے باہر نہ آئے گا مگر منافق اور وہ جسے تقاضائے حاجت باہر نکالے مگر وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مذہب احناف کے مطابق یہ نہی اس امر کے ساتھ مقید ہے کہ اس آدمی کے ساتھ کسی دوسری مسجد کا انتظام متعلق نہ ہو ورنہ اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نکلنا درحقیقت تکمیل ہے اگرچہ صورت میں ترک جماعت ہے اور اگر عصر مغرب اور فجر پہلے پڑھ چکا ہے تو باہر جا سکتا ہے عصر اور فجر میں تو اس لیے کہ ان کے بعد نفل پڑھنا منع ہے اور مغرب میں اس لیے کہ تین رکعت نفل جائز نہیں۔ اور ظہر و عشا میں بھی باہر نکلنے میں حرج نہیں کیونکہ وہ اذان کی اجابت عملاً کر چکا ہے اور داعی حق (موذن) کی آواز پر لبیک کہہ چکا ہے۔ مگر جب کہ موذن تکبیر کہنا شروع کر دے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اس پر ترک جماعت کی تہمت نہ لگے اور دوسرے آئمہ کے نزدیک نماز دوبارہ پڑھے اور امام احمد کے نزدیک اگر پہلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہے تو پھر بھی دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے اور احناف کے نزدیک نہی کی حدیث مقدم اور راجح ہے کہ اس کا مضمون دائمہ ہے۔ دوسرے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اور اس وجہ سے بھی کہ حرام قرار دینے والی دلیل جائز قرار دینے والی دلیل پر فوقیت رکھتی ہے۔ یا احناف کے نزدیک شامل ہونے کی اجازت نہی سے پہلے تھی۔ یہ توجیہ دلائل میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہے اور بعض احادیث میں مذکورہ استثنار بھی وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۸/۲۲ وَعَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِيْهِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الشعثاء[1] سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں اذان ہونے کے بعد اس سے باہر نکلا۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔

(مسلم)

[1] الشعثاء شین معجمہ کی زبر اور عین خالی اور ثا اور مد سے۔

[2] آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔

۱۰۹۹/۲۵ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اذان نے مسجد میں پالیا پھر وہ اس سے باہر نکلا مگر کسی ضروری کام کے لیے باہر نہ نکلا اور اس کا واپس[1] آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

[1] اصل میں لفظ رجعت آیا ہے اور یہ را کی زیر اور زبر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

۱۱۰۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور اسکا جواب نہ دیا (مسجد میں آکر نماز ادا نہ کی) تو اس کی نماز نہیں مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ ان عذروں میں سے جن کا پیچھے ذکر ہوا۔ (دار قطنی)

۱۱۰۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ قَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک اس شہر مدینہ میں بہت زیادہ کیڑے مکوڑے (سانپ بچھو وغیرہ) اور درندے ہیں اور میں ایک نابینا آدمی ہوں تو کیا میرے لیے رخصت اور آسانی ہے آپ نے فرمایا کیا تم حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی آواز[2] سنتا ہے عرض کیا ہاں سنتا ہوں تو فرمایا پھر اس آواز کی اجابت کر اور[3] آ (مسجد میں آکر نماز ادا کر) اور آپ نے اسے گھر نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی (ابوداؤد۔ نسائی)

[1] آپ حضور نابینا صحابی ہیں۔

[2] جس میں نجات پانے اور مقصود حاصل کر لینے کی بشارت ہے یعنی اذان کا سننا ہے۔ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی تخصیص کی وجہ وہ ہے جو ذکر ہوئی (مقصود فلاح پانے کی بشارت)

[3] علماء نے کہا ہے کہ حی اور ہلا دو کلمے ہے جو ابھارنے اور جلدی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ

اجب کی جگہ آتا ہے اور حاشیہ میں کہا حیّہل آ اور شتابی کرنے کے معنی میں آتا ہے اور یہ حیّ اور ھل سے مرکب ہے دونوں کلمے جلدی کرنے کا معنی دیتے ہیں۔ جب تو وقف کرنا چاہے تو حیّ ھلا کہے اور حالت وصل میں تنوین پڑھنا بھی روا ہے یعنی حیّ ھلاً۔ اس لفظ کی تحقیق باب الاذان میں بھی گزر چکی ہے۔

۱۲۴۹ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَ هُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں مجھ پر داخل ہوئے حضرت ابوالدرداء اور وہ غصے میں تھے۔ میں نے کہا آپ کے غضب ناک ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے کاموں میں کوئی کام نہیں دیکھتا ماسوائے اس کے کہ یہ سب اکٹھی نماز پڑھتے ہیں[1]

(بخاری)

[1] یعنی ان میں صرف یہ ایک نیک کام باقی رہ گیا ہے۔ مگر اسے بھی بعض ترک کر دیتے ہیں۔

۱۲۵۰ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ اَبِیْ حَثْمَةَ فِیْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَی السُّوْقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَی الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ يُصَلِّیْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِیْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ پایا۔ اور بیشک عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت بازار کی طرف گئے تو آپ کا گزر حضرت سلیمان کی ماں حضرت شفا[1] کے پاس سے ہوا۔ اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا آپ نے ان کی ماں سے کہا میں نے آج صبح سلیمان کو نہیں دیکھا اس کی ماں نے عرض کیا وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا تو اس پر نیند غالب آ گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا بیشک میرا صبح کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونا مجھے زیادہ محبوب ہے اس امر سے کہ میں ساری رات نماز پڑھتا رہوں[2] اور فجر کی جماعت کو ضائع کر دوں۔

(مالک)

[1] حثمہ حا کی فتح اور شفا حضرت سلیمان کبار تابعین میں سے ہیں۔ قرشی عدوی ہیں۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

انہیں جماعت میں نہ پایا اور ڈھونڈ دیکھا۔ اور وہ نماز فجر کی جماعت میں شریک نہ ہوئے۔

۵۲ شفا شین کی زیر اس کے بعد فاریہ حضرت سلیمان کی ماں کا نام ہے۔ آپ ابتدائے اسلام میں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں اور بڑی عقلمند صاحب فضیلت اور نمازی خواتین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیلولہ فرمانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام لیلی اور لقب ام شفا ہے اور لقب کا استعمال زیادہ ہو چکا ہے۔

۵۳ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنا رات کی نماز اور تہجد سے افضل ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اگر قیام لیل (رات کو نماز پڑھنا) فجر کی نماز پڑھنے میں بوجھ بنتا ہو تو قیام لیل کا ترک کر دینا بہتر ہے۔

١٠١٤ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو اور دو سے زیادہ انسان جماعت ۵۴ ہیں۔ (ابن ماجہ)

۵۴ کہ اگر دو ہوں تو ایک امام بنے اور دوسرا مقتدی اور جماعت سے نماز پڑھیں۔

١٠١٥ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِيْ رِوَايَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهٗ سَبًّا مَا سَمِعْتُهٗ سَبَّهٗ مِثْلَهٗ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال بن عبد اللہ بن عمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ عبد اللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو ان کے مساجد کے حصے سے منع نہ کرو جبکہ وہ مسجد میں جانے کی تم سے اجازت طلب کریں تو بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم ضرور اپنی عورتوں کو منع کریں گے۔ اس پر حضرت عبد اللہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ہم ضرور عورتوں کو منع کریں گے اور سالم کی اپنے باپ سے ایک روایت میں ہے کہ عبد اللہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ایسی گالیاں دیں کہ میں نے انہیں ایسی گالیاں دیتے کبھی نہ سنا تھا اور اسے کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہوں اور اس کے جواب میں تو کہتا ہے کہ واللہ ہم ضرور عورتوں کو روکیں گے ۵۵ (مسلم)

سلہ آپ تابعی مدنی صالح الحدیث ہیں۔
سلہ یعنی آپ نے ڈانٹ اور زجر کے طور پر کہا۔
سلہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے زندگی بھر کلام نہ کیا اور ان سے ناراض رہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کی رائے نص کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

۱۱۱۶ وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهٗ اَنْ يَّاْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت مجاہد[1] سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد بھی اپنے اہل[2] کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکے اس پر حضرت عبداللہ کے ایک لڑکے[3] نے کہا کہ بیشک ہم لوگ تو ضرور انکو روکیں گے حضرت عبداللہ نے یہ سن کر کہا میں تیرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو آگے سے یہ کہتا ہے تو حضرت نے اس لڑکے سے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئے[4]۔ (احمد)

سلہ حضرت مجاہد علماء تابعین اور ان کے قاریوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ دین کی بزرگ شخصیتوں میں سے ہیں۔
سلہ جیسے بیوی، ماں، بہن وغیرہ کو۔
سلہ اس سے اد بھی بلال ہی ہیں۔ اس حدیث میں ان کو مبہم بیان کیا ان کے نام کی تعیین نہ کی۔
سلہ اس حدیث میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ ترک سنت کی بنا پر اولاد سے قطع تعلق کرنا روا ہے۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صف سیدھی کرنے کا باب

تسویۃ الصف سے مراد یہ ہے کہ نمازی مل کر کھڑے ہوں ساتھ ساتھ درمیان بالکل فاصلہ نہ چھوڑیں۔ اور آگے پیچھے نہ

کھڑے ہوں۔ بلکہ سیدھے اور برابر کھڑے ہوں اور اگر صفیں زیادہ ہوں تو ایک سمت میں کھڑے ہوں۔ دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ خطوط متوازیہ کی طرح ہر جگہ سے برابر ہو۔ پھر ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔ یہ صف کے ظاہری آداب ہیں جنہیں نظرانداز کرنا باطن کے حالات میں خلل کا موجب ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ الظاہر عنوان الباطن۔ ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے کہ آپس میں مل کر اور برابر کھڑے ہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو تاکہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ اس کی شرح کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۱۲ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت نعمانؓ بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ گویا آپ ان کے ساتھ تیر کو سیدھا کرتے ہیں[۲] یہانتک کہ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن نشین ہو گیا ہے[۳] پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور مقام کے پاس کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے کے قریب ہو گئے کہ آپ نے ایک آدمی دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اللہ کے بندو تم لوگ ضرور اپنی صفوں کو درست کرو گے یا پھر اللہ تعالٰی تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا[۴]۔ (مسلم)

[۱] بَشیر باکی فتح اور شین کی زیر۔ آپ کمسن صحابہ میں سے ہیں۔ آپ ہجرت سے چودہ مہینے بعد پیدا ہوئے۔ آپ انصار میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں پہلے مولود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۸ سال اور ۷ ماہ تھی۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہیں۔ اور اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ کا سماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ہے۔

[۲] قداح قدح کی بکسر قاف کی جمع ہے۔ قدح تیر کی اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے آگے ابھی پیکان کو نہ لگایا گیا ہو پیکان لگانے کے بعد اسے سہم کہتے ہیں اور یہ کسی چیز کے بالکل صحیح سیدھا ہونے کی مثال ہے کہ گویا اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو سیدھا اور ہموار کیا جاتا ہے۔ یہاں اکرام …

کہ ان کے ساتھ تیر کی لکڑی کو بھی سیدھا کیا جا سکے اور بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ عبارت قلب پر محمول ہے اور معنی یہ ہے کہ گویا ان صفوں کو تیروں کے ساتھ سیدھا کیا جا رہا ہے۔

۵ یعنی آپ نے خیال فرما لیا اور جان لیا کہ ہم لوگ آپ کے قول و فعل سے نماز میں اس سنت اور ادب کو سمجھ گئے ہیں۔

۶ یا یہ بات ہو گی کہ بے شک اللہ تعالٰی تمہاری ذوات اور نفوس میں اختلاف ڈال دے گا جیسا کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے کہ اے لوگو آپس میں اختلاف نہ کرنا تاکہ تمہارے دل مختلف نہ ہو جائیں اور یہ اس سبب کی بنا پر ہوگا کہ اختلاف کرتے کسی کے آگے ہوتے اور ایک دوسرے کے برابر نہ ہونے سے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت کینہ وحشت اور ایک دوسرے کے خلاف عداوت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ اس سے یہ خطرہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ دین میں اختلاف واقع ہونا شروع ہو جائے اور شوکت و عزت اسلام میں کمزوری پیدا ہونے لگے۔ یا خدا کی اطاعت نہ کرنے اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے دلوں پر تاریکی اور میل کچیل چڑھنی شروع ہو جائے جو تمہارے ظاہر اجسام میں سرایت کرنا شروع کر دے ان توجیہات کے باوجود یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلاف پیدا ہوتے ہیں کوئی سا تو اور خاصیت ہو جیسا کہ احادیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مخالفت وجوہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی چہروں کو پشت کی طرف پھیر دے گا۔ یا بعض حیوانات کی شکل میں تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا۔ جیسا کہ امام کی مخالفت کرنے والے کے بارے میں فرمایا وہ شخص نہیں ڈرتا جو اپنا سر امام سے پہلے سجدے سے اٹھا لیتا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی صورت میں بدل دے۔

۱۰۵۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو۔ اور آپس میں مل کر کھڑے ہو۔[۱] کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے دیکھتا ہوں[۲] اسے بخاری نے روایت کیا اور متفق علیہ حدیث میں اس طرح آیا ہے اپنی صفوں کو درست کرو کہ بیشک میں اپنی پشت پیچھے دیکھتا ہوں۔

۱ تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے اور جس طرح دیوار بناتے وقت پتھر اینٹ کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھتے ہو بالکل اسی طرح نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہو اور پوری نماز میں تمہاری یہی حالت رہے۔ اس سے غفلت نہ کرنا۔

۵۲ یعنی دل سے یا ظاہری آنکھ سے بطریق معجزہ اور نماز میں مجھے ایک خاص قسم کی نورانیت حاصل ہوتی ہے جس کی بدولت تمہاری حالت مجھ پر منکشف ہو جاتی ہے اس معنی کی تحقیق گزشتہ گزر چکی ہے۔

۵۳ اتمام صفوف کا معنی یا تو انہیں سیدھا کرنے کا ہے یا اس کا معنی ہے جب تک صف اول پوری نہ ہو دوسری صف نہ بناؤ۔ بہتر یہ ہے کہ اس لفظ سے دونوں معنی مراد لیے جائیں۔

۱۰۱۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ.

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی صفیں سیدھی اور درست کیا کرو کیونکہ بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے[۱] (بخاری و مسلم) مگر مسلم کے نزدیک من اقامۃ الصلوٰۃ کے بجائے من تمام الصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے[۲]

۱ جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جس کی مدح بہت سی آیات میں آئی ہے۔ جیسے یقیمون الصلوٰۃ، اقیموا الصلوٰۃ، المقیمین الصلوٰۃ وغیرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ جہاں کہیں نماز اور نمازی کی مدح کی گئی ہے وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصل نماز پر تو بعض جگہ مذمت بھی آئی ہے۔ جیسے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں)

۲ مگر دونوں عبارتوں کا مآل ایک ہی ہے۔

۱۰۲۰ وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ وَيَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے[۱] فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگاتے تھے[۲] اور فرماتے تھے اپنی صفوں کو درست کرو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو تاکہ تمہارے دلوں میں اختلاف واقع نہ ہو[۳] اور چاہیے کہ تم میں سے جو اصحاب عقل و فہم ہیں وہ میرے ساتھ کھڑے ہوں[۴] پھر وہ کھڑے ہوں جو ان سے قریب ہیں[۵] پھر وہ جو ان کے قریب ہوں[۶]۔ حضرت ابو مسعود نے کہا تم لوگ آج بہت زیادہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو[۷] (مسلم)

لہ آپ مشہور انصاری صحابی ہیں یہ ابن مسعود کے علاوہ ہیں۔
۲ہ اور اپنے دست مبارک سے انہیں نماز میں برابر اور ہموار کرتے اور صفیں درست فرماتے تھے۔
۳ہ اس جملے کی شرح گزشتہ حدیث کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔
۴ہ لِيَلِيْنِي یا کے حذف اور تخفیف نون سے۔ بعض نسخوں میں لِيَلِيَنِّي تحریر ہے اور نون تاکید سے آیا ہے۔ بعض راویوں نے تشدید یا اور اس کی جزم کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے مگر درست بات یہ ہے کہ اسے پڑھنا بھی صحیح ہے تاہم یہ استعمال نادر اور قلیل الوقوع ہے۔
۵ہ اس جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب صفوف کا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ اور صف اول میں کھڑے ہوں جو عاقل و بالغ ہیں۔ احلام کبھی حلم بکسر حا کی جمع لاتے ہیں یعنی مضبوطی اور وقار اور حلم کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ غصے کے ابال اور جوش کے وقت نفس کو قابو میں رکھے۔ اور حلم کی تفسیر عقل سے بھی کرتے ہیں کیونکہ تحمل و وقار عقلمندی کے لیے لازم ہے اور کبھی احلام کو حلم بضم حا کی جمع قرار دیتے ہیں یعنی بالغ آدمی کو خواب آنا۔ نُھٰی نون کی پیش اور ھا کی زبر یعنی عقل کیونکہ عقل انسان کو ناشائستہ کاموں سے باز رکھتی ہے۔ معنیٰ اول کے مطابق لفظ النھٰی تاکید و تفسیر ہوگا۔ اہل عقل و فضل کو ساتھ کھڑا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ کیفیت نماز اور اس کے احکام کو پوری طرح دیکھ کر یاد کریں گے پھر آگے امت تک پہنچائیں گے۔
۶ہ جیسے بچے اور وہ جو قریب البلوغ ہوں جن کو مراہق بھی کہتے ہیں۔
۷ہ جیسے خنثیٰ (ہیجڑے) اگرچہ مردوں یا عورتوں دونوں کی علامت موجود ہوتی ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کے بعد عورتوں کی صف ہونی چاہیے۔
۸ہ اور یہ خرابی صفوں کو درست نہ کرنے اور شارع علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری نہ کرنے کے سبب سے ہے۔

۱۰۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِّىْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلٰثًا وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے نماز میں میرے ساتھ وہ لوگ کھڑے ہوا کریں جو ارباب عقل و فہم ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ اور اپنے آپ کو مسجدوں میں شور و غل مچانے سے دور رکھو لہ (مسلم)

لہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم الذین یلونہم کا فقرہ تین بار دہرایا تو اس حدیث کے مطابق صف کے مراتب چار ہوں گے۔ گزشتہ حدیث میں آپ نے عورتوں کا ذکر نہ کیا کیونکہ خنثیٰ کے بعد انہیں کی صف متعین ہے اور یہاں ایہ

میں ذکر کیا کہ پہلی صف مردوں کی، دوسری بچوں کی اس کے بعد عورتوں کی صف ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے خنثیٰ کا ذکر نہ کیا۔ شیخ ابن الہمام نے کہا خنثیٰ کی صف بچوں اور عورتوں کے درمیان ہو۔ ایسا ہی کتاب وقایہ میں ہے۔ یہی مذہب شافعیہ کا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ کی شرح میں مذکور ہے۔

۲؎ یعنی جس طرح تم لوگ بازاروں میں شور و غل مچاتے ہو مسجدوں میں اس سے باز رہو۔ یا ایاکم وہیشات الاسواق کا معنی یہ ہے کہ جس طرح بازاروں میں اکٹھے عورتیں اور مرد مل کر چلتے اور خلط ملط کرتے ہیں مسجدوں میں اس طرح نہ کرو۔ یا یہ معنی ہے کہ بازاروں اور اس کے کام کاج سے حتی المقدور دور رہو۔ تاکہ جماعت میں شمولیت سے اور نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہونے سے تمہاری مصروفیت رکاوٹ نہ بنے۔ بعض نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے کہ بازاروں اور ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنے سے بچو جہاں شور و غل کے باعث حضور قلب میں خلل واقع ہوتا ہے۔ میں نے مشائخ سے ایسا ہی سنا ہے۔ ھیشات، ھیشۃ کی جمع۔ ھوشہ بمعنی فتنہ، ہیجان (جوش میں آنا) اور اضطراب۔ نیز گروہ کے معنی میں بھی آتا ہے

۱۰۲۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِہٖ تَاَخُّرًا فَقَالَ لَھُمْ تَقَدَّمُوْا وَ ائْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَاْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں پیچھے پیچھے رہنا دیکھا تو ان سے فرمایا آگے آؤ[۱] اور میری اقتدا کرو[۲] اور تمہاری اقتدا تمہارے بعد والے کریں[۳] اور ایک قوم مسلسل پیچھے ہٹتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو پیچھے دھکیل دیتا ہے[۴]

(مسلم)

۱؎ یعنی نمازی صفوں میں۔ یا علم حاصل کرنے اور مزید طلب کرنے میں۔ معنی اول کے مطابق آپ کے قول مبارک تقدموا کا معنی ہوگا آگے آؤ اور صف اول میں کھڑے ہو۔

۲؎ یعنی میرے ساتھ مل کر کھڑے ہو تاکہ میرے افعال نماز دیکھ کر ان کے مطابق کرو۔

۳؎ یعنی وہ لوگ تمہاری اقتدا کریں جو تمہارے پیچھے کھڑے ہیں کیونکہ پچھلی صف اگلی صف کی اقتدا کرتی ہے۔ اور اس کے افعال دیکھ کر کرتی ہے اور جو سب سے آگے ہوتے ہیں وہ امام کے حالات اور اس کی حرکات و سکنات کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور امام کی اتباع کرنے میں سب سے اول اور سب سے جلدی کرنے والے ہوتے ہیں۔

۴؎ اللہ تعالٰی انہیں ثواب عظیم سے دور کر دیتا ہے اور اپنے فضل و رحمت سے ہٹا دیتا ہے۔ دوسرے معنی کے مطابق اس کا معنی ہوگا کہ طلب علم و معرفت اور اکتساب فضائل و کمالات کی طلب میں قدم آگے رکھو اور جلدی دکھاؤ اور اس بات میں میری اقتدا کرو کہ میں مرتبہ رسالت رکھنے اور میرے اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت ہو چکی، پھر بھی تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس طرح عمل

دریافت اور طلب میں کوشش و مبالغہ کرتا ہوں یا یہ آگے ہونے اور مزید طلب کا بیان ہے یعنی آگے ہونا اور مزید نیکی طلب کرنا یہی ہے کہ تم لوگ میری اتباع کرو۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ آپ فرما دیں اگر تم لوگ اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا دوست بنائے گا۔ اور جب تم لوگ دین میں کامل ہو جاؤ گے تو دوسرے تمہاری تکمیل کریں گے۔ اور دوسرے لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ تمہاری اتباع کریں گے یا یہ حکم بعد والوں کو ہے کہ وہ بھی تمہاری متابعت میں اپنے آپ کو طالب اور پیاسا ظاہر کریں اور جو شخص طلب سے دور رہا اور اس میں سستی دکھائی وہ مرتبہ قرب و وصول سے دور کر دیا گیا ہے

تو راہ نرفتہ ازاں معذوری	ورنہ کہ زد ایں در کہ برو نکشودند

ترجمہ۔ تو راستے پر چلا ہی نہیں اس لیے محروم ہے ورنہ کون ہے جس نے یہ دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ نہ کھولا گیا تو جہاں تک ہو سکے کوتاہی نہ کرے ۔

اندریں راہ چناں گراں نکنی	دست و پائے بزن زیاں نکنی

ترجمہ۔ اس راستے میں بوجھل نہ بن۔ ہاتھ پاؤں مار کوشش کرتا کہ نقصان نہ کر بیٹھے۔

حدیث کی ظاہر عبارت بھی اس معنی میں ہے۔ مگر بعض محدثین نے اسے صفیں درست کرنے پر چسپاں کیا ہے اور یہ بھی طلب کمال کا ایک فرد ہے مگر حدیث کا معنی صرف اس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حِلَقًا فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکل کر تشریف لائے ہمیں آپ نے حلقوں کی شکل میں دیکھا تو فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں حلقہ حلقہ بنائے بیٹھے دیکھتا ہوں پھر آپ تشریف لائے تو فرمایا تم لوگ اپنی صفیں اس طرح کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے پاس کیسی صفیں بناتے ہیں۔ فرمایا اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور آپس میں بالکل جڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (مسلم)

۱؎ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی عامر سے ہیں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔

۵۲ حِلَقا حا کی زیر سے جمع حلقہ حا کی زبر اور لام ساکن۔ جیسے بدرہ اور بدر اور قصعہ اور قصع۔ در فصیح مشہور لغت یہی ہے۔ بعض نے کہا حَلَقا حا کی زبر سے ہے جیسے تمر و تمرۃ حلقہ لام کی زبر سے بھی آیا ہے اور اس کی جمع حَلَقا دونوں زبروں کے ساتھ آتی ہے تاہم بعض علماء اس کا انکار کرتے ہیں۔

۵۳ یہاں ان کے اس حالت میں بیٹھنے سے ممانعت ہے کیونکہ اس طرح بیٹھنا دلوں کے متفرق ہونے اور ان کے درمیان اختلاف و مباینت کی علامت ہے۔ اور آپس میں اختلاف و انتشار کا موجب و سبب ہے۔ عِزین جمع عِزہ عین کی زیر زا ساکن۔ یعنی جمع شدہ گروہ۔ اور باب الجمعۃ میں آتا ہے کہ یہ حلقے بنا کر بیٹھنا جمعہ کے دن خطبہ کے وقت یا نماز سے پہلے تھا۔

عسہ یعنی اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں۔

۵۴ اگر یہ کہو کہ پہلی صف تو ایک ہی ہوتی ہے۔ پھر صیغہ جمع کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کرام آسمان زمین میں ہر جگہ صفیں بناتے ہیں اور ہر جگہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی سب سے افضل صف پہلی صف ہوتی ہے اور ان کی سب سے بری صف ان کی آخری صف ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی سب سے افضل صف انکی آخری صف ہوتی ہے اور انکی سب سے بری صف انکی پہلی صف ہوتی ہے لے

(مسلم)

لے یعنی مردوں کو چاہیے کہ اپنی صفیں آگے بنائیں اور عورتوں کی صفوں سے آگے رکھیں اور عورتوں کی صفیں مردوں کے بعد اور پیچھے ہوں۔ جیسا کہ صفوں کی ترتیب کے بیان میں گزرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرٰی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفوں کو جوڑ کر اور ہموار و سیدھی رکھو اور ایک دوسرے کے قریب ہو کر کھڑے ہو۔ لے اور اپنی گردنوں کو برابر کرو۔ کیونکہ وہ ذات جس کے قبضہ

الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْحَذَفُ۔

قدرت میں میری جان ہے بیشک میں دیکھتا ہوں کہ شیطان صفوں کے درمیانی فاصلے میں داخل ہوتا ہے گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی بکری ہے۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱ یعنی اس طرح مل کر کھڑے ہو جس طرح دیوار کی چنائی میں اینٹ پتھر جوڑ کر رکھے جاتے ہیں۔

۲ اس میں اس بات سے منع کیا کہ آپس میں فاصلہ رکھ کر نہ کھڑے ہو۔

۳ حذف حاء مہملہ اور ذال معجمہ دونوں پر زبر آخر میں فاء حجاز و یمن کی سیاہ رنگ کی بکریاں۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں آیا ہے۔ اور راوی نے حدیث حضرت ابوامامہ میں بکری کے چھوٹے بچوں سے اس کی تفسیر کی ہے۔ ایک روایت میں کَاَنَّھَا بَنَاتُ حَذَفٍ آیا ہے یعنی بکریوں کے بچے۔

۱۰۲۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اگلی صف کو مکمل کرو پھر اس کے بعد والی کو اور جو کمی رہ جائے وہ سب سے آخری صف میں ہو۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱۰۳۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ یَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَمَا مِنْ خُطْوَۃٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ خُطْوَۃٍ یَمْشِیْھَا یَصِلُ بِھَا صَفًّا۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں[۱] والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک کوئی قدم اس قدم سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں جو صف کو پورا کرنے کے لیے اٹھایا گیا ہو[۲]۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱ جب آپ نے پہلی صف کی فضیلت بیان کر دی تو پھر دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا جو اس کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور بعد والی صفوں پر اسے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور الذین یلون الصفوف الاولی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ معنی ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

۲ یعنی اگر کسی صف میں فرجہ (فاصلہ) ہو تو قدم اٹھا کر وہاں کھڑا ہو اور اسے ملا دے۔ اور تشبیہ اور متصل تام خطاب کے ساتھ بھی آیا ہے۔

۱۰۲۸/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صفوں میں دائیں جانب کھڑے ہونے والوں پر درود بھیجتے ہیں[۱]۔ (ابوداؤد)

[۱] یعنی ان لوگوں پر جو صف میں دائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ امام کے دائیں جانب کھڑے ہونا اگرچہ امام سے دور ہی ہو افضل ہے ان لوگوں سے جو امام کی بائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ امام کے قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض علماء شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ مسجد نبوی شریف کے علاوہ مساجد کے لیے ہے۔ مسجد نبوی شریف میں امام کی بائیں جانب کھڑے ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ قبر شریف اسی جانب ہے۔ اللہ تعالےٰ اس قائل کو اپنی رحمت سے نوازے۔

۱۰۲۹/۱۳ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو سیدھا کرتے تھے[۱]۔ جب ہم لوگ ٹھیک ہو کر کھڑے ہو جاتے تو پھر آپ تکبیر کہتے تھے۔ (ابوداؤد)

[۱] یعنی ہاتھ یا اشارہ سے صفیں سیدھی کرتے تھے۔

۱۰۳۰/۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی جانب فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو۔ اور بائیں طرف فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو[۱]۔ (ابوداؤد)

[۱] یہ آپ صفوں کی درستی کے لیے انتہائی اہتمام و احتیاط کی بنا پر کرتے تھے۔

۱۰۳۱/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو نماز میں اپنے شانے بہت نرم رکھتے[۱] ہیں۔ (ابوداؤد)

سلہ اس کے چند معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ صف میں کھڑا نمازی دوسرے ایسے نمازی کے لیے اپنے شانے نرم رکھے جس کا کندھا صف سے باہر نکلا ہوا اور آگے پیچھے ہو اور وہ اسے صف سیدھی کرنے کے لیے آگے پیچھے کرے۔ بعض نے کہا اگر کوئی نمازی صف میں داخل ہونا چاہے تو اسے منع نہ کرے۔ بلکہ اجازت دے کہ وہ صف میں کھڑا ہو خصوصاً جب کہ آنے والا صف میں موجود فاصلے کو پر کرنے کے لیے آکر کھڑا ہو بعض کہتے ہیں کندھے نرم کرنے سے نماز میں سکون، خشوع اور سکینت و وقار مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ۔۔۔ تیسری فصل

۱۰۳۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے سیدھے رہو سیدھے رہو سیدھے رہو[1]۔ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تمہیں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

سلہ یعنی آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی اور درست کر کے نماز میں کھڑے ہو۔

۱۰۳۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر[2] آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور صف دوم پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر آپ نے فرمایا اور دوسری پر[3] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی

وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِيْ اَوْلَادَ الضَّاْنِ الصِّغَارَ۔

صفیں سیدھی کرو۔ اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۔ کشادگیاں بھر دو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے چھوٹے بچے کی شکل میں گھس جاتا ہے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) (احمد)

۱؎ اَمَا تہ ہمزہ کی پیش۔

۲؎ یعنی دوسری صف کے لیے بھی فرمائیں کہ صف اول پر بھی درود نازل ہو اور دوسری پر بھی۔ اسے عطف تلقین کہتے ہیں کہ مخاطب متکلم کو تلقین کرتا ہے کہ عطف کرے اور اسے بھی ذکر کرے۔

۳؎ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التماس کرنے سے اب پہلی اور دوسری صف پر مشترکہ درود بھیجنے کی وحی آگئی ہو اور آپ کے اس انداز سے یہ ظاہر ہو گیا کہ صف اول کو دوسری پر بہت فضیلت حاصل ہے اور دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم ہے۔

۱؎ یہ عبارت معنی اول کے مطابق جو حدیث ابن عباس میں گزرا کے زیادہ مناسب ہے اور لفظ لینوا و لینوا دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ مگر شد کے بغیر صحیح ہے۔

$\frac{1034}{18}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مِنْهُ قَوْلَهٗ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو کشادگیاں بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو شیطان کے لیے کشادگیاں نہ چھوڑو۔ اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے گا۔ اور جو صف کو توڑے اللہ اسے توڑے گا۔ ابو داؤد۔ اور نسائی نے ان سے ہی من وصل سے آخر تک روایت کی ہے۱؎

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل و رحمت سے ہمکنار کرے۔

ےلے جو صف میں رخنہ رکھے اور اسے توڑ کر کھڑا ہو اللہ تعالیٰ اسے مقام قرب و رحمت اور حضرت سے الگ کر دے

سلہ یعنی نسائی نے اول حدیث کو اقیموا الصفوف سے لے کر اس قول تک روایت نہ کیا۔

۱۰۳۵/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کو بیچ میں رکھو[1] اور کشادگیاں بند کرو۔ (ابوداؤد)

سلہ اور اس کے پیچھے اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو۔

۱۰۳۶/۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰی یُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِی النَّارِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم پہلی صف سے پیچھے ہوتی رہے گی[1] حتیٰ کہ اللہ انہیں آگ میں پیچھے کرے گا۔ (اور دوزخ میں ڈالے گا) (ابوداؤد)

سلہ اور مقام فضل و ثواب میں آگے بڑھنا ترک کریں گے۔

۱۰۳۷/۲۱ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یُصَلِّیْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ یُّعِیْدَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ

حضرت وابصہ[1] ابن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا[2] (احمد، ترمذی) ابوداؤد اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے[3]۔

سلہ با کی زیر اور صاد و مہملہ معبد میم کی زبر اور عین ساکن۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے ۹ھ میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ آپ پر گریہ و زاری کا غلبہ رہتا تھا۔ پہلے کوفہ میں قیام کیا پھر جزیرہ میں آ گئے۔ مقام رقہ میں انتقال فرمایا آپ کی قبر انور بھی رقہ میں ہے۔

ےلہ آپ نے اسے آگے بڑھنے میں کوتاہی کرنے پر تغلیظاً اور ڈانٹ کے طور پر فرمایا نماز کے بطلان یا فساد کی بنا پر نہ فرمایا۔ اور امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر نماز اکیلے پڑھے گا تو باطل ہو جائے گی جب کہ اگلی صف میں داخل ہونے کی

گنجائش موجود ہو۔ اس حدیث اور دوسری احادیث کی بناپر اور ان آئمہ کے بعض اہل مذہب نے نماز جنازہ کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ جب کہ جنازے کی نماز میں پانچ آدمی ہوں۔ تین صفیں بنانے کے لیے کہ تین صفیں بنانا مستحب ہے۔ بخلاف عورت کے کہ وہ اکیلی ہی مردوں کی صف کے پیچھے نماز ادا کرے گی ان آئمہ کے نزدیک اس وقت نماز فاسد ہوگی جب کہ وہ پوری نماز اکیلا پچھلی صف میں ادا کرے اور اگر اس نے صرف تکبیر تحریمہ اکیلے پچھلی صف میں باندھی اس کے بعد اگلی صف میں شامل ہوگیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسا کہ باب الموقف میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے معلوم ہوگا۔ پھر امام احمد کے نزدیک امام کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

۳؎ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ وہ ایک دوسری صحیح حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔ لاصلوٰۃ للذی خلف الصف یعنی جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ

نماز کی جگہ کا بیان

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ نماز میں امام کہاں کھڑا ہو اور مقتدی کہاں۔ امام آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کے پہلو یعنی دائیں جانب کھڑا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۰۳۸ - عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَسَارِہٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِہٖ فَعَدَلَنِیْ کَذٰلِکَ مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِہٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ کے گھر رات گزاری۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھے میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف گھمالیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ جو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔

سلہ میں بھی اٹھا اور وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی بھیا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوا۔

سلہ یہ حدیث اس جگہ مختصر بیان ہوئی ہے مکمل حدیث باب قیام اللیل میں آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

سلہ یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسری طرف کرنے کا نقشہ اور کیفیت بیان کی۔ اور لفظ کذا لک اس حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ امثال وحکایات بیان کرتے وقت ایسا کرنا خصوصًا اہل عرب کی عادت ہے کہ لفظ اشارہ استعمال کرتے ہیں خوب سمجھو۔

۱۰۳۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیےلہ کھڑے ہوئے پھر میں آیا حتی کہ آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا یہاں تک کہ اپنے دائیں مجھے کھڑا کیا۔ پھر جبار بن صخرلہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کھڑے ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں پیچھے کیا حتی کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کیاسلہ (مسلم)

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ رات کی نماز تھی جیسا کہ حدیث ابن عباس میں تھا۔ رات کے نوافل کے علاوہ دوسرے نوافل کا بھی احتمال ہے کہ کبھی کبھار آپ نے وہ جماعت سے ادا کیے ہوں۔

سلہ جبار شد سے۔ ابن صخر آپ انصار میں سے ہیں، اور ان ستر خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جو لیلۃ العقبہ میں حاضر تھے۔

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے ساتھ اس کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

۱۰۴۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک یتیم نے اپنے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے

پیچھے تھیں۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ ام سلیم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا بالغ مرد کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونا درست ہے کیونکہ یتیم بچے ہی کو کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یتیم حضرت انس کے بھائی کا نام ہے اور وہ بچے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ بچہ مرد کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ نفل نماز تھی اس لیے اس میں نرمی کو روا رکھا جا سکتا ہے اور گذشتہ بیان کردہ احکام فرض نماز سے متعلق تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۱ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ[1] کو نماز پڑھائی۔ فرماتے ہیں مجھے تو آپ نے اپنے دائیں کھڑا کیا۔ اور عورت کو ہمارے پیچھے[2]

(مسلم)

سلہ یہ راوی کا شک ہے۔

سلہ یعنی میری ماں یا میری خالہ کو۔ اور اس حدیث میں یتیم کا ذکر نہیں ہے۔

۱۰۴۲ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوبکرۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے، حالانکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا[2] پھر صف تک چلے۔ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا اللہ تمہاری حرص بڑھائے[3] مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا[4]

(بخاری)

سلہ بکرۃ تا کے ساتھ، آپ مشہور صحابی ہیں۔

سلہ حضرت ابوبکرۃ نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی نماز کی نیت کی اور تکبیر تحریمہ باندھ لی۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع میں پالیں اور رکعت پالیں اور تکبیر اولیٰ کی فضیلت بھی حاصل کر لیں۔

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ میں طلب خیر اور مقام قرب تک وصول کی حرص اور زیادہ کرے۔

سلہ تاکہ منفرد کی صف کے پیچھے یا صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع اور صف کی طرف چلتے ہوئے نماز میں اقتداء

لازم نہ آئے۔ یہ حکم ہے کہ جہاں تکبیر تحریمہ باندھی ہے وہیں کھڑا ہو جائے۔ پس یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں اکیلے آدمی کا صف میں کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آپ نے اس آدمی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا۔ بعض راوی اس لفظ تعدمین کی جزم اور دال کی پیش سے بیان کرتے ہیں اور اسے عدو سے مشتق مانتے ہیں، یعنی دوڑنا یعنی دوڑنے میں اس قدر شتابی نہ کرنا کہ دوڑنے کی نوبت آ جائے۔ مگر پہلی روایت روایۃً اور درایۃً صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۰۴۳ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلٰثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں تو ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے[1]

(ترمذی)

[1] یعنی ایک امام بن جائے اور دو اس کے مقتدی۔

۱۰۴۴ وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهُ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَآئِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَاَخَذَ عَلٰى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهُ عَمَّارٌ حَتّٰى اَنْزَلَهُ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلٰوتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ اَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عمار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کی امامت کی اور اونچی جگہ پر نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے لوگ ان سے نیچے تھے حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا، عمار ان کے پیچھے لگ گئے حتی کہ انہیں حذیفہ نے نیچے اتار دیا۔ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حذیفہ نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہ سنا کہ جب کوئی شخص قوم کی امامت کرے۔ تو اس کی جگہ سے اونچی جگہ کھڑا نہ ہو یا اس کی مثل عمار نے کہا کہ اسی لیے جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے پیچھے ہو لیا[2]

(ابوداؤد)

[1] حضرت عمار رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ جنگ صفین میں

شہید ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا تقتلک الفئۃ الباغیۃ یعنی تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ مدائن ایک شہر کا نام ہے۔

ئے حضور کا مشخص لفظ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا اس بنا پر آپ کو شک تھا کہ آپ نے یہ لفظ کہا یا اور کوئی لفظ۔

ئے اور میں نے آپ کی بات مان لی اور نیچے اتر آیا۔

ئے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار اس مسئلہ کو جانتے تھے اور آپ نے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا تھا۔ یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضرت عمار یہ مسئلہ جانتے تھے تو پھر آپ نے پہلے اس فعل کا ارتکاب کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کو اس کی یادداشت ذہن سے نکل چکی تھی جب حضرت حذیفہ نے یاد دلایا تو آپ کو یاد آ گیا۔ یا حضرت عمار کا فعل خلاف اولیٰ تھا نفس جواز کے خلاف نہ تھا اور حضرت حذیفہ کے توجہ دلانے سے آپ نے اولیٰ اور افضل فعل کو اختیار کر لیا۔

واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کہ تنہا امام اونچی جگہ کھڑا ہو اور مقتدی نیچے کھڑے ہوں۔ کیونکہ یہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے کہ یہ لوگ امام کے لیے بلند جگہ مخصوص کرتے ہیں اور اگر امام کے ساتھ بھی کچھ لوگ کھڑے ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر سب مقتدی اونچی جگہ کھڑے ہوں اور امام نیچے کھڑا ہو تو عدم تشبہ کی وجہ سے ظاہر روایت کے مطابق مکروہ نہ ہو گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ اور یہ اسی وجہ سے کہ اس میں امام کی ہتک ہے۔ اور امام کے حق عزت واحترام میں کوتاہی ہے پھر بلند جگہ کی بلندی میں جس کے ساتھ کراہت متعلق ہے، اختلاف ہے بعض نے کہا درمیانہ قد آدمی کی اونچائی تک بلندی مراد ہے۔ بعض نے کہا اتنی مقدار بلندی مراد ہے جس سے امام اور مقتدیوں کی جگہ میں فرق و امتیاز محسوس ہو بعض نے کہا ایک گز بلندی مراد ہے جس طرح سترہ کی بلندی ایک گز ہوتی ہے۔ اور یہ قول پسندیدہ ہے اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا دوسری وجہ زیادہ مناسب ہے۔ کہ اس میں امام کی ہتک کے پہلو کا شبہ موجود ہے۔ ایک گز کی بلندی کی صورت میں کوئی خرابی اور کوتاہی نہیں ہے۔ اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت عمار کتنی بلندی پر کھڑے تھے۔ اگر اس بلندی کا علم ہوتا تو اس شخص پر حجت و دلیل قائم ہو جاتی جو اس کے مخالف ہے اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف بلند ہوتا تھا۔ اس لیے یہ تخصیص کرنا پڑے گی کہ بلندی اس سے زیادہ ہو یا یہ کہا جائے گا کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ بلندی پر کھڑے ہونے کی کوئی غرض صحیح نہ ہو یا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا۔ واللہ اعلم انتہیٰ۔

۱۰۴۵ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سُئِلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ منبر کس چیز کا تھا۔ فرمایا

فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَءَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهِ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلٰوتِيْ۔

جنگل کے جھاؤ کا ہے اسے فلاں فلانی کے مولی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا اور جب بنایا اور رکھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے قبلے کی طرف منہ کیا اور تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے قرارت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا۔ پھر اپنا سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے۔ پھر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر کی طرف لوٹے۔ پھر قرارت کی پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا پھر پیچھے لوٹے۔ حتی کہ زمین پر سجدہ کیا یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم و بخاری میں اس کی مثل ہے اور اس کے آخر میں بخاری نے فرمایا کہ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہوگئے۔ اور فرمایا اے لوگو۔ میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتدا کرو اور میری نماز کو جان لو

۱؎ آپ انصاری ہیں۔ اور آخری صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی آپ کا منبر شریف کس لکڑی کا تھا یہ مطلب اس وقت ہوگا جب کہ سائل کو پہلے سے پتہ ہو کہ وہ لکڑی کا تھا ورنہ اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا پتھر کا تھا یا لکڑی کا۔ جواب کی ظاہر عبارت ھُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَۃِ۔ یعنی وہ جنگل کے جھاؤ کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا معنی مراد ہے۔ اَثْل، ہمزہ کی زبر ثاء کی جزم۔ درخت طرفاء۔ راکی جزم آخر میں مد یعنی جھاؤ۔ بعض نے کہا اثل ایک درخت ہے جھاؤ کی طرح مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابۃ بامعنف یعنی جنگل پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ کے لیے ہونے لگا جہاں گھنے درخت ہوں۔ شیخ ابن حجر کی شرح میں کہا کہ غابہ مدینہ طیبہ سے تین میل کی مسافت پر ایک جگہ ہے۔

۳؎ یعنی وہ منبر فلاں آدمی نے جو فلاں عورت کا غلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا۔ اس غلام کا نام باقوم رومی تھا۔ بعض نے کہا اس کا نام میمون تھا۔ مشہور تر قول اول ہے۔ اس کے نام میں اور اقوال بھی ہیں۔ جولائی

اعتبار نہیں۔ مگر عورت کا نام معلوم نہ ہوسکا بعض نے کہا اس کا نام عداثہ تھا۔ چنانچہ اس عورت سے فرمایا کہ تیرے فلاں حبشی غلام کو ہمارے لیے منبر بنانا چاہیے تو آپ کے لیے منبر تیار کیا گیا جس کے تین زینے تھے۔ ہر زینے کی بلندی ایک بالشت تھی اور چوڑائی ایک گز تو وہ منبر مسجد شریف میں رکھ دیا گیا۔

سکہ یعنی میں نے منبر پر اور بلند جگہ پر اس لیے نماز ادا کی ہے تاکہ تم لوگ میری اقتدا اور پیروی کرو۔ اور میری نماز کو جان لو بعض نسخوں میں لام کی شد تعلّموا کا صیغہ آیا ہے یعنی تاکہ میری نماز سیکھ لو کہ میں اسے کس صفت اور کیفیت سے ادا کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک ان مقامات میں سے ہے جو امام کے مقتدیوں سے بلند ہونے کی کراہت سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں اس کی جانب اشارہ گزرا اور ائمہ شافعیہ نے کہا امام کا اونچے مقام پر کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جبکہ کسی غرض وضرورت کے لیے نہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں غرض کیفیت نماز کی تعلیم وتبلیغ تھی پھر یہاں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ فعل کثیر تھا جو مفسد نماز ہے کیونکہ منبر شریف کے تین پائے قریب قریب تھے۔ جن سے اترنا اور ان پر چڑھنا ایک یا دو قدم سے میسر تھا خصوصاً جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نچلے پایہ پر کھڑے ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ میں نماز پڑھی اور لوگ حجرے سے باہر آپ کی اقتداء کر رہے تھے[۱] (ابوداؤد)

[۱] محدثین نے کہا ہے کہ یہاں حجرہ سے مراد وہ جگہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی کی بنائی تھی جب کہ آپ نے اعتکاف کا ارادہ کیا تھا اور زمانہ سے رمضان شریف کی ان چند راتوں کی نماز مراد ہے جو آپ نے اس میں کھڑے ہو کر پڑھی اور لوگ باہر کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور جب لوگوں نے زیادہ ہجوم کرنا شروع کر دیا تو آپ نے اس نماز کا پڑھنا ترک کر دیا کہ ہم پر فرض ہی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں اپنے مقام میں آئے گا۔ حجرہ سے حضرت عائشہ یا دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کا حجرہ مراد نہیں کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے ہوں کیونکہ اس طرح یہ ممکن نہیں کہ لوگ امام کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ بعض علماء نے کہا۔ یا بعض علماء کے نزدیک امام کے اقوال و افعال پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ اور یہ چیز بظاہر اس صورت میں مفقود ہے۔ اور اگر حجرہ ازواج مطہرات میں ہی ایسا کیا ہو تو پھر یہ مرض موت کا واقعہ ہے۔ کہ آپ اس وقت معذور تھے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۴۷ عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابومالک الاشعری[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر[2] نہ دوں حضرت ابومالک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم کی۔ آپ نے اپنے پیچھے مردوں کی صف بنائی۔ انکے پیچھے بچوں کی صف[3] بنائی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو حضرت ابومالک رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابومالک نے فرمایا نماز اس طرح ہوتی ہے عبد الاعلیٰ راوی کہتا ہے میں گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے۔ (ابوداؤد)

[1] حضرت ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ انہیں ابومالک اشجعی بھی کہتے ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔

[2] یعنی آپ کے نماز میں کھڑے ہوتے صفوں کی ترتیب اور کیفیت نماز کے بارے میں خبر نہ دوں۔

[3] یہاں عورتوں کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ یہاں عورتیں موجود نہ تھیں۔

۱۰۴۸ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِی الْمَسْجِدِ فِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِیْ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِیْ جَبْذَةً فَنَحَّانِیْ وَقَامَ مَقَامِیْ فَوَاللّٰهِ مَا عَقَلْتُ صَلٰوتِیْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَا فَتٰى لَا يَسُوْءُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا اَنْ نَلِيَهٗ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ

حضرت قیس[1] بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس حال میں کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے کھینچا۔ مجھے ہٹا دیا اور میری جگہ خود کھڑا ہو گیا۔ خدا کی قسم مجھے اپنی نماز کی خبر نہ رہی جب فارغ ہوئے تو وہ ابی بن کعب تھے[2] فرمایا اے جوان اللہ تجھے کبھی غمگین نہ کرے[3] یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد ہے کہ آپ سے قریب رہیں[4] پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم۔ حکومتوں والے ہلاک ہو گئے۔ تین بار کہا پھر

الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ اٰسٰى وَلٰكِنْ اٰسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوْا قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِاَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَاءُ

فرمایا خدا کی قسم ان پر غم نہیں کرتا لیکن ان پر غم کرتا جنہوں نے انہیں بہکایا۔ میں نے کہا" اے ابا یعقوب عقد والوں سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا امیر لوگ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

لے عبادہ میں کا پیش باشد یا مخفف قیس بن عباد طبقہ اول اور تابعین بصرہ سے ہے۔ ثقہ ہے قلیل الحدیث سے ہے۔ خیار صالحین سے ہے رشیعہ الکار کا حال تھا بڑا اللہ کو یاد کرنے والا اور عبادت گذار تھا حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور عبداللہ بن سلام سے حدیث روایت کرتا ہے۔ اس سے حضرت حسن بصری نے حدیث روایت کی ہے۔ حجاج بن یوسف نے اسے قتل کیا۔

۲ے یعنی اللہ کی قسم میں اپنی نماز نہ پا سکا اور یہ چیز فراموش کر گیا کہ کس طرح نماز ادا کروں کہ چند رکعت ادا کر چکا ہوں۔ میری یہ حالت غصے اور غضب کی بنا پر ہوئی جو انہوں نے مجھے کھینچا اور افضل جگہ سے مجھے پیچھے ہٹا دیا باوجودیکہ میں پہلے اس جگہ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

۳ے جو عظمائے صحابہ میں سے تھے۔

۴ے یعنی اس فعل کا وجہ سے جو میں نے تجھ سے کیا۔ تجھے غم اور صدمہ محسوس نہ کرنا چاہیے۔

۵ے یعنی ہم لوگ کہ اہل عقل و فہم اور علم و فضل والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہم اسی کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں۔

۶ے اہل عقد یعنی امراء جو رعایا کے احکام کی حفاظت و نگران اور تمام دینی و دنیوی احکام کا اہتمام کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز کی صفوں میں کھڑے کرنے کا اہتمام بھی ان کے ذمے ہے۔

۷ے لیکن میں ان کا غم کھاتا ہوں جنہیں امراء گمراہ کرتے ہیں یعنی رعیت جو امراء اور حکام کی پیروی کرتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عبارت کا معنی یہ ہو کہ مجھے ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جو امراء کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور یہ گمراہ کرنے والے وہ علماء ہیں جو امور شریعت میں مداہنت کرتے ہیں۔ اور اس طرح امراء احکام گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے رعیت کا فساد امراء و سلاطین کے فساد کے باعث ہوتا ہے اور سلاطین کا فساد علماء کے فساد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا غم و صدمہ ان امراء کے بارے میں تھا جو ان کے زمانہ کے بعد بنی امیہ میں سے ہونے والے تھے۔ اور طیبی نے کہا ہے کہ شاید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے امراء پر چوٹ کی ہو اتنی

واضح ہو کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی موت خلافت عثمانی کے دور میں ہوئی بعض نے کہا خلافت فاروقی کے دور میں ہوئی۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ ممکن ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بعض امراء حکام کے متعلق شکایت ہو خصوصاً امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض حکام کے بارے میں۔ واللہ اعلم۔

۸ یعنی قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا۔

۹ ابو یعقوب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

بَابُ الْاِمَامَۃِ

امامت کا باب

امامت بمعنی پیشوا ہونا۔ امام بمعنی پیشوا۔ یہاں امامت سے نماز کی امامت مراد ہے۔ جسے امامت صغریٰ کہتے ہیں اور کاروبار عالم میں پیشوائی اور اہل جہان کے امور میں تصرف کو امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ امامت کا کون مستحق ہے اور کون اس کے مناسب اور افضل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۰۴۰ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَآءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَآءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَآءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدْ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ وَلَا یَؤُمَّنَّ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص قوم کی امامت کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو۔ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا۔ اگر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ کوئی شخص کسی شخص کی ولایت کی جگہ امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اس کے بغیر اجازت اعلیٰ مقام پر بیٹھے

(مسلم)

اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص

الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَھْلِہٖ۔ کہ اس کے گھر میں امامت نہ کرے[۴]

[۱] یعنی حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ۔

[۲] یعنی قرآن حکیم کو تجوید کے مطابق زیادہ عمدہ اور بہتر پڑھنے والا اور مخارج حروف و صفات اور اس کے قواعد و قوانین کا زیادہ خیال رکھنے والا مگر اس کے باوجود نماز کے ارکان اور ضروری مسائل و احکام کا عالم بھی ہو۔ اگرچہ مسائل کی تفاصیل اور نماز کے اندر پیش آنے والے حوادث و نوائب کی جزئیات پوری طرح آگاہ نہ ہو۔

[۳] یعنی جو احکام نماز اور مسائل و حوادث کو بہتر جانتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ قرات سنونہ پر بھی ٹھیک طرح حادی ہو یہ حضرت امام احمد اور ان کے بہت سے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور امام ابو یوسف بھی اس حدیث اور ابو سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کی بنا پر جو آگے آ رہی ہے، اسی جانب ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ امام شافعی کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ زیادہ علم والا اور زیادہ فقہ جاننے والا صرف اچھی قرات جاننے والے سے فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ قرات کی تو نماز کے صرف ایک رکن میں ضرورت ہے مگر علم کی تمام ارکان میں ضرورت ہے۔

فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ وہ احادیث جو قرآن اچھا پڑھنے والے کی فوقیت و افضلیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی دلالت اس بنا پر ہے کہ دورِ صحابہ میں اچھا قاری علم میں بھی افضل و اعلیٰ ہوتا تھا کیونکہ یہ حضرات قرآن سیکھنے کے ساتھ ساتھ احکام کا علم بھی حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا اس وجہ سے اچھے قاری کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا۔ مگر ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے زیادہ علم رکھنے والے کو امامت کے لیے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ کذافی الہدایہ۔

سوال۔ اگر تم یہ کہو کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا معنی کیا ہوگا۔ فان کانوا فی القراۃ سواءً فاعلمھم بالسنۃ۔ یعنی اگر علم قرات میں سب برابر ہوں تو پھر امامت کے زیادہ لائق وہ ہوگا جو سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ کیونکہ تمہاری بیان کردہ تاویل کے مطابق قرات میں مساوات و برابری علم کی مساوات کو مستلزم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول ظاہر اور اغلب کے اعتبار سے ہے۔ قطعی اور کلی نہیں۔ کیونکہ یہ چیز طے شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب زیادہ قاری تھے اور حضرت ابن مسعود علم میں بڑھ کر تھے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ قرات میں تو دو شخص برابر ہوں مگر علم میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہو تو شارع علیہ السلام نے اس متصور و ممکن صورت کو بھی بیان فرما دیا۔ جب کہ ایسی صورت کسی موقعہ پر پائی جائے یا آپ نے یہ صورت ہمارے زمانے کے پیش نظر بیان فرما دی کہ قرات میں دو آدمی مساوی ہوں مگر علم میں مساوی نہ ہوں۔ جیسا کہ ہدایہ کی بعض شروح میں آیا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اقرأ کا معنی اعلم بالکتاب ہے۔ یعنی جو کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ انہوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے (کہ اقرأ کا معنی یہی ہے) اور وہ مفہوم جس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر قرات اور احکام کتاب کے علم میں برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے جو حدیث اور سنت کے علم میں بڑھ کر ہو۔

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے مضبوط دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ علم امام بننے کے زیادہ لائق ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ حالانکہ صحابہ میں حضرت ابوبکر سے بڑھ کر قاری موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی لیے آگے کیا گیا کہ وہ کتاب و سنت کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ دلیل اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے اقرأکم اُبی تم میں سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعب ہے اور دلیل ثانی ابوسعید کا یہ ارشاد ہے کان ابوبکر اعلمنا یعنی ہم میں سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری واقعہ ہے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا۔

سک یعنی اگر نماز پڑھنے والے علم سنت و قراءت میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے اسے آگے کریں جس نے ہجرت کرنے میں پیش قدمی کی ہو یعنی جس نے مدینہ طیبہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی ہو اور اس فضیلت میں سبقت لے چکا ہو وہ امامت نماز کے لیے اولیٰ اور زیادہ حق دار ہے۔ اور فقہ میں قراءت اور علم میں برابر ہونے کی صورت میں زیادہ متقی اور پرہیزگار کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب وطن سے ہجرت کرنا منسوخ ہو چکا تو ہجرت وطن کے بجائے گناہوں اور خطاؤں سے ہجرت جو انسانی طبیعت کا وطن ہے، کا اعتبار کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے المھاجر من ھجر الخطایا والذنوب یعنی مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو ترک کر دے۔

ھ یعنی اگر علم، قراءت اور ہجرت اور ورع و تقویٰ میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اس حدیث میں مراتب آئمہ نماز اتنے ہی بیان ہوئے ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ اگر عمر میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو ان سب سے زیادہ خوش شکل اور حسین و جمیل ہو اور شکل و صورت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کا زیادہ اہل ہے کہ جو ان میں زیادہ شریف النسب ہو۔ اور اگر ان سب مذکورہ امور میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے قرعہ اندازی کریں یا قوم جسے امام بنائے۔ کذا ذکرہ الشیخ ابن الہمام۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مسافر اور مقیم امامت میں برابر ہیں۔ بعض کے نزدیک مقیم اولیٰ ہے یعنی مقیم نمازیوں کے لیے مقیم امام بہتر ہے اور کتاب حاوی میں جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کی کتاب ہے، اس کے بعد نسب کو مقدم قرار دیا اس کے بعد خوش لباس امام کو پھر خوش آواز کو، اس کے بعد خوش شکل امام کو۔

سے لا یؤمّن یا کی زبر، ہمزہ کی پیش، میم کی زبر اور نون مشدد۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے محل ولایت و اختیار اور اس کے مقام حکم و سلطنت میں اور اس جگہ جو اس کے ملک و تصرف میں ہو، امامت نہ کرائے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ فی اہلہ یعنی اس کے اہل اور اس کے دائرہ تصرف میں۔ یعنی کسی جگہ کے والی کے دائرہ ولایت میں امامت نہ کرائے بلکہ ترتیب کا لحاظ کرے۔ یعنی سب سے پہلے امام اعظم کا حق ہے اور پھر اس کے مقرر کردہ خلفاء اور حکام کا خصوصاً عیدوں اور جمعوں کی امامت میں۔ اسی طرح امام قبیلہ اور امام اہل خانہ۔ ہاں ان کی اجازت سے امام بن سکتا ہے

کیونکہ ان کے بلا اجازت امام بنتا اس کے امر سلطنت وعزت کو مزور کرنے اور آپس میں بغض اور قطع تعلق اور مخالفت کا موجب ہے۔ حالانکہ اسلام میں جماعت کا حکم تجاذب اور مشروعیت ہی ان خرابیوں (بغض، قطع تعلق، مخالفت) کو دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عظیم فضل و شرف کے باوجود حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے جو بلاشبہ ایک ظالم و فاسق انسان تھا۔

ٰ۵ لا یقعد دال کی جزم اور پیش یعنی کوئی آدمی دوسرے آدمی کی جائے تکرمہ پر نہ بیٹھے بکسرمہ سے مراد مسند، اور سنی اور بیٹھ ہے جو اس نے اپنے لیے بچھا رکھا ہوتا ہے۔ تکرمہ کا اصل تکریم واکرام ہے یعنی اس کی عزت والی جائے نشست۔ بعض نے تکرمہ سے دسترخوان مراد لیا ہے مگر پہلا معنیٰ زیادہ درست ہے۔ ہاں اس کی اجازت اور اذن سے بیٹھ سکتا ہے۔ اس استثناء کا تعلق دونوں حکموں لا یومن اور لا یقعد کے ساتھ ہے۔

ٰ۵ اس روایت میں سلطانہ کی جگہ فی اہلہ کی لفظ آیا ہے اسی وجہ سے لفظ سلطان کی تفسیر یہاں اس کی ملک وحکم سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۱۰۶۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانُوْا ثَلٰثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَؤُھُمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ مَالِکِ ابْنِ الْحُوَیْرِثِ فِیْ بَابٍ بَعْدَ بَابِ فَضْلِ الْاَذَانِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب[۱] تین مسلمان اکٹھے ہوں تو ایک ان میں امام بنے اور ان میں امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو قرآن اچھا پڑھتا ہو (مسلم) اور مالک بن حویرث[۲] رضی اللہ عنہ کی حدیث فضل اذان کے بعد آنے والے باب میں ذکر کی گئی ہے[۳]۔

ٰ۱ تین افراد کی قید اتفاقی ہے اگر اس سے زیادہ یا کم ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔

ٰ۲ حویرث، حا کی پیش واؤ کی زبر اور را کی زیر۔

ٰ۳ اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ جب دو مسلمان اکٹھے ہوں تو ایک اذان کہے اور دوسرا امامت کرے تو مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے اس حدیث کا وہاں ذکر کرنا مناسب جانا اور صاحب مصابیح نے یہاں اس حدیث کا ذکر کر دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۶۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیُؤَذِّنْ لَکُمْ خِیَارُکُمْ وَلْیَؤُمَّکُمْ قُرَّاؤُکُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اذان وہ دے جو تم میں بہتر[۱] ہو۔ اور امامت وہ کرائے جو تم میں زیادہ قاری[۲] ہو۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد)

سلہ یعنی جو تم میں نیک اور دیانتدار ہو۔ کیونکہ لوگوں کے اوقات نماز وروزہ کا معاملہ اس کے سپرد ہے تو چاہیے کہ موذن امین اور دیندار ہو۔ چونکہ موذنوں کے لیے یہ حکم ہوا ہے کہ بلند جگہ کھڑے ہو کر اذان دیں۔ اس صورت میں موذن کی نگاہ لوگوں کے گھروں کے اندر بھی جا سکتی ہے اس لیے چاہیے کہ اس کی نگاہ محارم پر نہ پڑے۔ اور ان کے پوشیدہ امور دیکھنے سے پرہیز کرے۔

۱۰۶۸ وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ کَانَ مَالِکُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ یَاْتِیْنَا اِلٰی مُصَلَّانَا یَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ یَوْمًا قَالَ اَبُوْعَطِیَّۃَ فَقُلْنَا لَہٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّہْ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلًا مِّنْکُمْ یُصَلِّیْ بِکُمْ وَسَاُحَدِّثُکُمْ لِمَ لَا اُصَلِّیْ بِکُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا یَؤُمَّھُمْ وَلْیَؤُمَّھُمْ رَجُلٌ مِّنْھُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ اقْتَصَرَ عَلٰی لَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو عطیہ عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ہمارے نماز کی جگہ میں تشریف لایا کرتے اور بات چیت کیا کرتے تھے ایک دن نماز کا وقت ہو گیا ابو عطیہ کہتے ہیں ہم نے ان سے کہا آپ آگے ہوں اور امام بنیں انہوں نے کہا تم لوگ اپنے میں سے کسی کو آگے کرو کہ وہ امامت کرے میں ابھی تمہیں بتاؤں گا کہ میں تمہارا امام کیوں نہیں بنتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو آدمی کسی قوم کی زیارت کو جائے وہ ان کا امام نہ بنے بلکہ ان میں سے کوئی امام بنے۔ ابوداؤد ترمذی۔ نسائی اور ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ پر کفایت کی ہے۔

سلہ عُقیلی عین کی پیش قاف کی زبر۔ آپ تابعین کے طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔

سلہ آپ صحابہ میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور بیس روز آپ کی خدمت و صحبت میں رہے۔

سلہ یہ جگہ یا تو مسجد ہوگی یا اور کوئی جگہ جو انہوں نے نماز کے لیے متعین کر رکھی تھی۔

سکہ یہ نہی وانکار اذن نہ ہونے کی صورت میں ہے مگر حضرت مالک نے اسے مطلق پر عمل کیا اور امامت نہ کرانے میں مصلحت دیکھی۔

شہ اور مالک نے تشریف لانے اور انہیں امامت کی تکلیف دینے اور ان کا امامت سے انکار نہ کرنے ذکر نہ کیا۔

۱۰۶۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمٰى. (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو (اپنا) قائم مقام بنایا کہ وہ لوگوں کے امام تھے حالانکہ وہ ایک نابینا شخص تھے لہ (ابوداؤد)

لہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے اور قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں اور سورہ عبس و تولی کے سبب نزول میں علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم تیرہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نماز بنے۔ ان میں سے ایک بار غزوہ تبوک کے وقت خلیفہ نماز مقرر ہوئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اہل وعیال کی حفاظت کے لیے خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنانے کا باعث یہ تھا کہ اگر حضرت علی کو ہی نماز کا خلیفہ بھی بنایا جاتا تو پھر اہل وعیال کی ذمہ داری میں خلل واقع ہوتا۔

لہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ایک نابینا شخص کا امام بننا بلا کراہت جائز ہے اور حنفی مذہب کی روایات فقہیہ میں بھی آیا ہے کہ اگر نابینا آدمی قوم کا مقتدا بنے تو جائز ہے بعض نے کہا کہ اگر زیادہ علم والا نابینا ہی ہو تو اسے امام بنانا اولی اور بہتر ہے۔ جیسا کہ شرح کنز میں مبسوط سے منقول ہے۔ کتاب اشباہ والنظائر میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور میں نے شیخ اجل اکرم اعلم حضرت عبدالوہاب متقی مکی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آخر عمر تک ان کی بینائی جاتی رہی اور اس حالت میں اپنے ساتھیوں کی امامت کرتے تھے۔ میرے دل میں ان کی امامت کی بات کھٹکتی تھی مگر ازراہ ادب اور اس اعتقاد کی بنا پر کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں خلاف سنت نہیں ہو سکتا، سوال کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے فقہ میں ایک چیز پائی جو نابینا کی امامت کے جواز کو واضح کرتی تھی۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل بھی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کی امامت جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے اس عذر کی بنا پر جو مذکور ہوا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حضور نے امامت کے لیے مقرر فرمایا۔

۱۲۴ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلٰوتُهُمْ اٰذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی لہ ایک بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آ جائے، دوسری وہ عورت جو اس حال میں رات بسر کرے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو لہ تیسرا وہ امام جو کسی قوم کا امام بنا ہوا ہو اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں لہ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی مقام قبولیت اور رضائے حق کے مقام تک نہیں پہنچتی۔
۲؎ یعنی کسی حق اور جائز بات پر ناراض ہو اور اگر کسی ناجائز بات پر ناراض ہو تو پھر معاملہ الٹ ہو جائے گا
۳؎ یعنی کسی شرعی مذموم امر کی بنا پر اس سے ناخوش ہوں۔

۱۰۵۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَا تُقْبَلُ مِنْھُمْ صَلٰوتُھُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّھُمْ لَہٗ کَارِھُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَی الصَّلٰوۃَ دِبَارًا وَّالدِّبَارُ اَنْ یَّاْتِیَھَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَہٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَۃً۔
رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ جو لوگوں کا امام بن بیٹھے اور لوگ اسے ناپسند جانتے ہوں۔ وہ آدمی جو کمزور وقت میں نماز پڑھے یعنی وقت فوت ہونے کے بعد آئے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے[۲]
(ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

۱؎ اصل میں لفظ دبار دال کی زیر سے آیا ہے یعنی وقت کامل مستحب گزرنے کے بعد آدمی کا نماز پڑھنا۔
۲؎ یعنی غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس پر جبر و قہر یا اس کی آزادی کو پوشیدہ رکھ کر غلام کی طرح اس سے خدمت لیتا ہے یا کسی آزاد پر غلام ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کا مالک بن جائے اور اس میں مالکانہ حیثیت سے تصرف کرے

۱۰۵۱ وَعَنْ سَلَامَۃَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَدَافَعَ اَھْلُ الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَامًا یُّصَلِّیْ بِھِمْ۔
رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت سلامہ[۱] بنت الحر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی قیامت کی علامات سے ہے کہ اہل مسجد امامت نماز کو ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔ اور کوئی ایسا آدمی نہ پائیں گے جو انہیں نماز پڑھائے[۲]
(احمد۔ ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

۱؎ سین کی زیر اور لام مخفف حُر حا کی پیش۔ آپ قبیلہ ازد سے ہیں بعض نے کہا قبیلہ اسد سے ہیں صحابیہ ہیں۔ ان کی احادیث اہل کوفہ کے پاس ہیں۔
۲؎ ان کے جہل اور امامت کی نااہلی کی بنا پر۔ دراصل یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ آخر زمانہ میں جہالت اور فسق پھیل جائے گا۔

۱۰۵۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَیْکُمْ مَعَ کُلِّ اَمِیْرٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ وَالصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر امیر وقت کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد کرنا فرض ہے وہ امیر نیک ہو یا فاسق و فاجر اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز ادا کرنا فرض ہے وہ مسلمان نیک ہو یا فاسق و فاجر اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اور نماز جنازہ ہر مسلم پر فرض ہے چاہے وہ نیک ہو یا فاجر اور اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب تھا۔

(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ مکروہ ہے۔ یا اس کے جواز کا عقیدہ رکھنا واجب و ضروری ہے بعض نے اس حدیث سے وجوب جماعت پر استدلال کیا ہے۔ مگر ایسے شخص کی اقتداء میں اس وقت نماز پڑھی جائے جب کہ اس کا فسق حد کفر کو نہ پہنچا ہو اور کوئی مرد صالح موجود نہ ہو۔

۲؎ اور وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کی نماز نہ پڑھی جو اپنے پیچھے کچھ بھی ترکہ چھوڑ کر نہ گیا تھا تو اس سے مقصود زجر اور ڈانٹ تھی۔ اسی طرح اس پر آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی جس کو زنا کی حد لگی تھی (کہ زجر و ڈانٹ کے طور پر نہ پڑھی) اب علماء کا اتفاق ہے کہ ان سب پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں صرف خلیفہ اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو باقی سب لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۵۵ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ کُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ یَمُرُّ بِنَا الرُّکْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُوْنَ یَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰی اِلَیْهِ اَوْحٰی اِلَیْهِ کَذَا وَکُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْکَلَامَ فَکَاَنَّمَا یُغْرٰی فِیْ صَدْرِیْ وَکَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَیَقُوْلُوْنَ

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ گھاٹ پر رہتے تھے ہم پر قافلے گزرتے تھے ہم ان سے دریافت کرتے تھے کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں۔ ان صاحب کا کیا حال ہے وہ کہتے کہ وہ (مدعی نبوت) فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں رسول بنایا ہے انہیں فلاں فلاں وحی کی ہیں اس وحی کو یاد کر لیا کرتا تھا۔ گویا وہ میرے سینے میں پیوستہ ہو جاتی تھی اہل عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہتے

اُتْرُكُوْهُ وَ قَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَ بَدَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا وَ صَلٰوةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَ كَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تھے کہ انہیں ان کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو۔[۱] اگر وہ ان پر غالب آ جائیں تو سچے نبی ہیں۔[۲] جب فتح مکہ کا واقعہ ہو گیا تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی۔[۳] میرے والد اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے جلدی پہنچ گئے۔[۴] جب آئے تو بولے۔ خدا کی قسم میں سچے نبی کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو۔[۵] جب وقت نماز آئے تو تمہارا کوئی فرد اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔ انہوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ قرآن دان کوئی نہ تھا کیونکہ میں قافلوں سے سن کر یاد کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی آگے کر دیا۔ حالانکہ میں عمر میں چھ یا سات سال کا تھا۔ مجھ پر ایک چادر تھی۔ کہ جب میں سجدہ کرتا تو چڑھ جاتی (کھل جاتی)[۶] تھی قبیلہ کی ایک عورت بولی کہ اپنے قاری کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو اس پر انہوں نے میرے لیے قمیص خرید کر کٹوائی۔ مجھے جتنی خوشی اس قمیص سے ہوئی اتنی کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔[۵]

(بخاری)[۶]

[۱] سلمہ سین کی زیر کمسن صحابی ہیں۔ ان کی صحبت میں اختلاف ہے۔ لفظ سلمہ ہر جگہ سین کی زیر سے ہے۔ مگر عمرو بن سلمہ اور بنو سلمہ جو انصار کا ایک قبیلہ ہے۔

[۲] پیدل بھی اور سوار بھی۔

[۳] یعنی ظہور اسلام کی کیفیت و حالت میں ہے اور تکرار غایت تعجب کی بنا پر ہے۔

[۴] اور اس مرد کی شان و صفت کیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف سے کنایہ ہے۔

[۵] یہ قرآن عظیم سے کنایہ ہے۔ جو گزرنے والے سوار انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔ لغت میں وحی کا معنی ہے اشارہ

اور پیغام۔ اور دل میں کوئی بات ڈالنا۔

ےشہ یعنی قرآن مجید کی وہ آیات جو وہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جو حالات بیان کرتے تھے۔

ےکہ اصل میں لفظ یغری آیا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا چسپاں ہو جانا۔ غراسے مشتق ہے یا غیر مد سے مشتق ہے۔

ےشہ کہ اگر مکہ فتح ہوگیا تو ہم لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔

ےہ یعنی عرب کے لوگ کہتے تھے اس مرد کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو۔ یعنی قریش کے ساتھ جو بزرگ ترین اور رئیس ترین عرب ہیں اور مکہ کے باشندے ہیں جو عرب بلکہ سارے جہاں سے اشرف ترین جگہ ہے۔

نلہ یعنی ہجرت کے آٹھویں سال۔

للہ جیسا کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ کا مضمون اس کی خبر دے رہا ہے۔

ےللہ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عمرو بن سلمہ اپنے باپ کے ہمراہ تھے یا نہ تھے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا نہیں۔ حدیث کے الفاظ کا ظاہر انداز اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صحابی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تلہ یعنی نماز کے تمام اوقات کی تعیین فرمادی۔

کلہ یہاں تک کہ میرا ستر برہنہ ہو جاتا تھا۔

ھلہ یعنی اس عجیب و غریب قمیص کے ملنے پر کیونکہ کمسن ہونے اور اقتضاء طبیعت کے باعث میں نے اس سے قبل کبھی قمیص زیب تن نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اس مرتبہ پر پہنچا دیا۔

ےللہ اس حدیث سے شافعیہ نے نابالغ کی امامت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ تاہم بالغ اولیٰ ہے۔ اگرچہ نابالغ فقہ و قرات میں فائق ہی ہو۔ کیونکہ نابالغ کی امامت کی صحت میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف دراصل اس اختلاف کی طرف رجوع کرتا ہے کہ فرض والے کی نفل والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ گزشتہ باب القراۃ میں اس مسئلے پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اور آئندہ باب من صلی مرتین میں بھی اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۰۵۹/۱۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الْاَسَدِ۔

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب مہاجرین اولین مدینہ منورہ آئے تو اس وقت ان کی امامت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور ابو سلمہ بن عبد الاسد بھی تھے۔[۱]

(بخاری)

ےلہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کے حکم سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آ پہنچے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی

حضرت میں سے تھے۔

۲ یہ ملک فارس سے تعلق رکھتے تھے اور فضلائے موالی اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ اور قراء قرآن میں شمار ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ چار حضرات سے قرآن حاصل کرو۔ ان میں ایک حضرت سالم کو شمار کیا۔

۳ یہ حضرات کبار صحابہ میں سے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے حضرت سالم کا امامت کرنا یا تو اس بنا پر تھا کہ وہ اچھے قاری تھے یا کسی اور مصلحت کی بنا پر۔ واللہ اعلم۔

۱۰۶۰/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تَرْتَفِعُ لَهُمْ صَلٰوتُهُمْ فَوْقَ رُءُوْسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نمازیں ان کے سروں سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتیں۔ وہ آدمی جو لوگوں کی امامت کرے اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ وہ عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ خاوند اس پر ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں قطع تعلق کریں[۱]۔

(ابن ماجہ)

۱ یعنی اسلامی حقوق سلام وکلام وغیرہ کو نظر انداز کردیں یعنی تین دن سے زیادہ آپس میں قطع تعلق کو باقی رکھیں۔ اس مسئلے کی قدرے تفصیل ہے جو اپنے مقام میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا عَلَى الْاِمَامِ

امام پر کیا لازم ہے

یعنی ان حقوق کا بیان جو مقتدیوں کے لیے امام کے ذمہ ہیں۔ امام کے ذمہ اہم چیز یہ ہے کہ مقتدیوں کے حال کا لحاظ کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ بوڑھے اور کام کاج کرنے والے بھی۔ لہٰذا نماز کو مناسب مقدار سے زیادہ لمبا نہ کرے کہ مقتدی جماعت میں شامل ہونے سے گریز کریں۔ واضح ہو کہ نماز کے ہلکا کرنے اور لمبا نہ کرنے سے یہ مراد نہیں کہ قراءت اور تسبیحات میں اندازہ سنت کو ترک کردے اور آداب و سنن کی رعایت کرنے میں سستی کرے۔ پھر جا نگلو واجبات بھی ترک کرے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قدر کفایت پر اکتفا کرے۔ چنانچہ فقہ میں مذکور مفصل

سورتوں کی تلاوت کرے اور تسبیحات میں قدر کفایت یہ ہے کہ تین بار کہنے پر کفایت کرے۔ اور قومہ و جلسہ کی رعایت کرے احادیث میں اکثر و بیشتر تخفیف سے مراد قرارت میں تخفیف ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۶۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَّلَا اَتَمَّ صَلٰوةً مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فصل اول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو ہلکی بھی ہو اور مکمل بھی۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تھے تو نماز ہلکی کر دیتے تاکہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔

(بخاری و مسلم)

لہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور کامل و مکمل بھی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخف الناس صلوۃ فی تمام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہلکی نماز پڑھتے تھے مگر آپ کی نماز کامل و تام بھی ہوتی تھی۔ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ قرارت میں تخفیف کرتے اور رکوع و سجدہ اور تعدیل ارکان میں فرق نہ آنے دیتے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دوسروں کی نماز کی نسبت بہت ہی ہلکی اور کم لمبی ہوتی تھی یعنی اگر کوئی دوسرا اتنی لمبی قرارت کرتا تو گراں محسوس ہوتی تھی بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی قرارت ذوق و نشاط اور لذت و حضور قلب کا موجب بنتی تھی۔ کیونکہ آپ نہایت خوش آواز اور قرآن پاک بھی نہایت صحت سے پڑھتے تھے پھر آپ کی تلاوت کے دوران انوار و اسرار کا ظہور ہوتا تھا اور آپ کی قرارت میں سرعت اور زبان مبارک میں ایسا کمال و اعجاز تھا کہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ قرارت کر لیتے تھے۔ اس لیے نماز مغرب میں آپ کبھی سورۂ اعراف اور ایک روایت کے مطابق اس سے بھی زیادہ قرآن پاک پڑھ لیتے تھے۔ بعض کہتے ہیں ہلکی قرارت ایک اضافی چیز ہے کہ بہت سی لمبی قرارتیں اس سے زیادہ قرارت کے سامنے ہلکی اور کم ہو جاتی ہیں اور تھوڑی قرارت اس سے چھوٹی کی نسبت لمبی ہوتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف (ہلکی قرارت) اور تطویل (لمبی قرارت) دونوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

بندہ حقیر کاتب سطور عبدالحق بن سیف الدین عفی عنہما کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ آپ جب صحابہ کرام میں شوق و ایثار محسوس کرتے تو قرارت دراز کرتے اور کبھی عذر اور کام کی وجہ سے تھوڑی قرارت کرتے تھے۔ یہ معنی سیاق حدیث کے مطابق زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ حدیث کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ وان کان لیسمع بکاء الصبی فیخفف مخافۃ ان تفتن امہ۔

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو ہلکا کرتے۔ اس اندیشے کی بنا پر کہ اس کی ماں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے یعنی بچے کو چپ کرانے کے لیے نماز نہ توڑ دے۔ یا اس کا خشوع و خضوع برباد نہ ہو جائے۔

۱۱۲۲ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَدْخُلُ فِی الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلٰوتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ۔

(رواه البخاری)

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور طول دینے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس دوران میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز ہلکی اور مختصر کرتا ہوں[۲] اس بنا پر جو اس بچے کی ماں میں سخت صدمہ اور تاثر محسوس کرتا ہوں بچے کے رونے کی وجہ سے[۳]

(بخاری)

[۱] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ غزوہ بدر میں حاضر تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ غزوہ احد یا بدر میں ان کی آنکھ چوٹ کی وجہ سے باہر نکل آئی۔ اور آپ کے ہاتھ پر آگری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا اور وہ دوسری آنکھ سے بھی اچھی اور بہتر ہو گئی۔

[۲] یعنی اسے دراز کرنا ترک کر دیتا ہوں اور اذکار و وظائف میں بھی اختصار کرتا اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

[۳] یہ آپ کی اپنی امت اور ضعیف لوگوں پر غایت شفقت اور رحم ہے کہ ایسے بلند ترین مقام میں بھی امت کو یاد رکھتے اور ان کی رعایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہتر جزا عطا کرے۔ شعر

خواجہ را بین کہ در نشیمن راز ... بندہ را یاد میکند بہ نیاز !

قاصدار زیر آید از چرخ بلند ... تا شکستہ پایگاں بر سنے تتند

ترجمہ۔ آقا کی عنایت و مہربانی دیکھ کر مقام راز میں بھی اپنے غلام کو نیاز و تواضع کی بنا پر یاد رکھتا ہے۔ اللہ کا قاصد نبی بلند مقام و آسمان سے نیچے آتا ہے تو شکستہ پا (عاجز لوگ) بے تکلفی کی بنا پر نازد دادا سے پیش آتے ہیں۔

۱۱۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے (امامت کرے) تو ہلکی نماز پڑھے کہ بیشک ان میں بیمار، کمزور اور

صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَآءَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

زیادہ عمر والے بھی ہوتے ہیں اور جب کیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے نماز لمبی کرے۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۶۴ وَعَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَ تَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا یُطِیْلُ بِنَا فَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْہُ یَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْکُمْ مُنَفِّرِیْنَ فَاَیُّکُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِیْہِمُ الضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَذَا الْحَاجَۃِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت[1] قیس بن ابو حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ بیشک ایک آدمی نے کہا۔ واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک میں فجر کی نماز میں فلاں آدمی[2] کی وجہ سے شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ نماز لمبی کرتا ہے تو نہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نصیحت میں زیادہ غضبناک اس دن کی نسبت۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے اور بھگانے والے[3] ہیں تو جو آدمی بھی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے[4] کیونکہ ان میں کمزور اور بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں[5]۔ (بخاری و مسلم)

[1] حازم حا اور زا سے۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔

[2] اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا۔ علماء نے کہا ہے کہ مراد حضرت ابی بن کعب ہیں بعض نے کہا حضرت معاذ بن جبل مراد ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

[3] اور نیکی و خیر کے کاموں سے دور کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

[4] اور اتنی لمبی نہ کرے کہ مقتدیوں کے ملال کا باعث بنے۔ اور جماعت میں شمولیت سے لوگوں کو روک دے۔

[5] جو ضعف و پیری کی بنا پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور کام کاج والے نے مزدوری اور جلدی جانا ہوتا ہے۔

۱۰۶۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلُّوْنَ لَکُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَکُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں امام نمازیں پڑھایا کریں گے اگر وہ درست نماز پڑھایا کریں

وَاِنْ اَخْطَاءُوْا فَلَكُمْ وَ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ هٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنْ فَصْلِ الثَّانِيْ۔

تو تمہارے لیے مفید ہے[1] اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیے مفید اور ان کے لیے نقصان دہ ہے[2] (بخاری) اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے[3]

[1] احسان کے لیے بھی مفید ہے مگر اس کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ قرینہ مقام سے اس کی سمجھ آجاتی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ولہم کا لفظ مراحۃً موجود ہے۔

[2] اور اگر وہ امام نا راست اور نادرست نماز پڑھائیں گے تو تمہیں پھر بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا جو تم نے ٹھیک اور درست نماز ادا کی اور جماعت میں شمولیت کی نیت و ارادہ کیا۔

[3] یعنی غلط اور نادرست نماز پڑھانے کا وبال ان کے ذمہ ہوگا کہ انہوں نے نماز کی ادائیگی میں نقص و کوتاہی کی۔ یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت ہے کہ غلط سلاطین و امراء کا دور ابتلاء و آزمائش کا وقت ہوگا اور میرے بعد آئے گا اور سلاطین و امراء نمازیں پڑھائیں گے اور اس کی ادائیگی کے وقت احکام و آداب نماز کا لحاظ نہ رکھیں گے۔ بلکہ اس میں کوتاہی اور خرابی کے مرتکب ہوں گے۔ ایسے وقت کے لیے آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ تم لوگ اپنی نمازیں درست اور ٹھیک ادا کرنا۔ اگر تمہارے امام (سلاطین و امراء) بھی ٹھیک طرح نمازیں ادا کریں گے تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ تمہیں ان کی خرابی اور کوتاہی سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

شافعی حضرات اس حدیث سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز میں فساد پیدا نہیں کرتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہراً یہاں خرابی اور نادرستی سے سنن اور مستحبات کا ترک مراد ہے۔ شرائط و ارکان نماز کا ترک مراد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] جس میں صاحب مصابیح حسن احادیث لایا کرتے ہیں بہر لحاظ تیسری فصل یہاں لائے اور کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۱۲: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو آخری عہد کیا یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔ (مسلم)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهُ اَنَّ رَسُوْلَ

اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اُمَّ قَوْمَکَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئًا قَالَ اُدْنُہْ فَاَجْلَسَنِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّہٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَھَا فِیْ ظَھْرِیْ بَیْنَ کَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَکَ فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ الْکَبِیْرَ وَاِنَّ فِیْھِمُ الْمَرِیْضَ وَاِنَّ فِیْھِمُ الضَّعِیْفَ وَاِنَّ فِیْھِمْ ذَا الْحَاجَۃِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَآءَ۔

علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں[۲]۔ فرمایا قریب آؤ۔ مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ اپنا ہاتھ میرے سینے پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا پھر و، اپنا ہاتھ میری پیٹھ میں دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو۔ جو کسی قوم کا امام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بوڑھے، بیمار، مریض اور کمزور اور کام کاج والے ہیں۔ اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

[۱] ثقفی صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دو سال تک طائف کے عامل رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو بنی ثقیف مرتد ہونے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے میری قوم تم اسلام لانے میں بھی سب سے پیچھے تھے۔ اب مرتد ہونے میں سب سے پہل کرنے لگے ہو اور آپ اپنی قوم میں سب سے چھوٹی عمر والے تھے۔

[۲] یعنی امام بننے کی صورت میں اپنے اندر عجب و کبر پیدا ہونے کا مجھے اندیشہ ہے۔ یا میں حقوق امامت اور اس کی شرائط پوری کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں رکھتا۔ یا مجھے امامت کے دوران وسوسہ آنے کا خوف ہے۔

[۳] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور تصرف سے وہ چیز دور ہو گئی جو اقامت امامت کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

۱۰۸۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِیْفِ وَیَؤُمُّنَا بِالصّٰٓفّٰتِ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہلکی نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ہماری امامت سورۂ والصافات[۱] سے کرتے تھے۔ (نسائی)

[۱] یعنی یہ کہ ہم ہلکی نماز پڑھیں اور تھوڑی قراءت کریں۔

ٹ یعنی سورۂ والصافات اور اس جیسی دوسری سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ یعنی آپ خود قرات لمبی کرتے تھے مگر آپ کی قرات لمبی ہونے کے باوجود ہلکی اور مختصر محسوس ہوتی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر جو گذشتہ ایک حدیث کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَأْمُومِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوقِ

مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے

یعنی یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ اونچا ہونے اور نیچے جانے میں مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے اور مسبوق کا بیان جس نے امام کے ساتھ نماز کا کچھ حصہ نہیں پایا ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۰۶۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْأَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھتے۔ (بخاری ومسلم)

لہ عازب عین اور زا سے ہے آپ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے جس غزوے میں آپ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔ اس سے پہلے آپ چھوٹی عمر کے شمار ہوتے تھے۔ آپ جمل، صفین اور نہروان میں امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

ٹہ اصل میں لفظ لم یحن آیا ہے۔ یا کی زبر حا ساکن اور نون پر پیش اور زیر۔ از باب نصر ینصر یا از باب ضرب یضرب۔

ٹہ یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سجدہ میں نہ جاتے تھے بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہم لوگ

کھڑے رہتے تھے۔ اور جب آپ اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھ دیتے تو ہم سجدہ کے لیے جھکتے تھے۔

۱۰۶۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّيْ اَرٰىكُمْ اَمَامِيْ وَمِنْ خَلْفِيْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری ہو گئی تو آپ اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو میں تمہارا امام ہوں لہٰذا رکوع سجدے قیام اور فراغت میں مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ کیونکہ میں تم کو اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی۔

(مسلم)

۱؎ اپنا چہرہ انور ہماری جانب کر کے تشریف فرما ہوئے۔

۲؎ یعنی مجھ سے پہلے رکوع سجود میں نہ جاؤ۔ اور رکوع سے سر نہ اٹھاؤ اور سجدہ سے نہ اٹھو، انصراف سے مراد سلام ہے۔ یا نماز کی جگہ سے اٹھنا اور مسجد سے باہر آنا۔ اول زیادہ ظاہر ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ میں تمہارے حالات سے باخبر نہیں ہوں۔

۱۰۷۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام سے جلدی نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

(بخاری و مسلم)

مگر بخاری نے یہ ذکر نہ کیا کہ جب وہ ولا الضالین کہے۔

وَ اِذَا قَالَ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔

سلہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا منصب سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہے۔ اور مقتدی کے ذمے یہ ہے کہ ربنا لک الحمد کہے۔ یہ دونوں کلمات دونوں کے درمیان تقسیم ہیں۔ اس کلام کی تحقیق گذشتہ بیان میں ہو چکی ہے۔

۱۱۰۸ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ رَکِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْہُ فَجُحِشَ شِقُّہُ الْاَیْمَنُ فَصَلّٰی صَلٰوۃً مِّنَ الصَّلَوٰتِ وَ ھُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّیْنَا وَرَآءَہٗ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا صَلّٰی قَآئِمًا فَصَلُّوْا قِیَامًا وَ اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَ اِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَ اِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَیْدِیُّ قَوْلُہٗ اِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا ھُوَ فِیْ مَرَضِہِ الْقَدِیْمِ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ جَالِسًا وَ النَّاسُ خَلْفَہٗ قِیَامٌ لَمْ یَاْمُرْھُمْ بِالْقُعُوْدِ وَ اِنَّمَا یُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَ اتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰی اَجْمَعُوْنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے اور آپ کی دائیں جانب چھل گئی۔ پھر آپ نے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ جب رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب اٹھے تم بھی اٹھو۔ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔ حمیدی فرماتے ہیں یہ حکم کہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ آپ کے پرانے مرض میں تھا۔ پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل لیا جاتا ہے اور یہ آخری ہے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ مسلم سے اجمعون تک متفق ہیں۔

وَ زَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَیْہِ وَ اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو۔ جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔

۱؎ اس قسم کے طبعی افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بتقاضائے بشریت واقع ہو جاتے تھے ایسا کرنی معجزہ کے طور پر نہ ہوتا تھا۔

۲؎ اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قوت نہ رہی۔ جحش یعنی جسم چھر جانا۔

۳؎ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے واذا سجد فاسجدوا۔ یعنی جب امام سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدے میں جاؤ محدثین نے کہا ہے کہ بخاری میں نہیں ہے۔

۴؎ یعنی اس حمیدی نے جو شیوخ بخاری سے ہے۔ نہ کہ اس حمیدی نے جو کتاب الجمع بین الصحیحین کا مولف ہے اور یہ اگلی عبارت بھی بخاری کی ہے جو وہ حمیدی سے نقل کرتے ہیں کہا انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک اذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا قدیم بیماری کے زمانے کا قول ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عارض ولاحق تھی کیونکہ آپ گھوڑے یا کسی اور سواری پر سے گرے ہوئے تھے۔

۵؎ اور آپ کا آخری فعل پہلے فعل کا ناسخ ہوتا ہے۔

۶؎ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے لفظ نہیں ہے جیسا کہ میں نے کہا اس میں غور کرو۔

۱۱۳۴ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُّصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہو گئے[۱] تو حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں[۲] چنانچہ اس زمانے میں ابوبکر نماز پڑھاتے رہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن پایا تو کھڑے ہوئے کہ دو شخصوں کے درمیان آپ کو لایا گیا[۳] اور آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے[۴] حتی کہ مسجد میں تشریف لائے جب صدیق اکبر نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے[۵] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ نہ ہٹو[۶] پس آپ تشریف لائے حتی کہ حضرت صدیق کے بائیں طرف بیٹھ گئے۔ حضرت صدیق اکبر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر اور

بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ النَّاسُ یَقْتَدُوْنَ بِصَلٰوۃِ اَبِیْ بَکْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا یُسْمِعُ اَبُوْبَکْرٍ النَّاسَ التَّکْبِیْرَ۔

صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ اور لوگ صدیق اکبر کی نماز کی شہ بخاری مسلم اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبر لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے ۹ہ

لہ اور ضعف انتہا کو پہنچ گیا۔

ٹہ کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور سب لوگ مسجد میں جمع ہیں صحابہ کی یہ عادت تھی کہ اذان کے بعد اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں دیر ہو جاتی تھی تو حضرت بلال اطلاع دینے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں آتے تھے۔ اس عادت کے مطابق اس موقع پر بھی حاضر ہوئے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ خود بہ نفس نفیس مسجد میں تشریف لا کر مسجد کو منور کریں گے اور امامت فرمائیں گے یا صحابہ میں سے کسی کو امامت کا حکم دیتے ہیں۔

ٹہ یعنی میری طرف سے ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔

ٹہ کہ آپ کے ہاتھ دونوں مردوں کے کندھوں پر تھے اور آپ آہستہ آہستہ اور جھکے ہوئے مسجد کی طرف آ رہے تھے۔

ھہ کیونکہ آپ میں پاؤں اٹھانے کی سکت اور طاقت بالکل نہ تھی۔ گذشتہ بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو عوارض بدنی اور صفات جسمانی پر بشری حد میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی کا مشاہدہ کر کے اس کا حق بندگی بجا لائیں۔ ہاں اظہار معجزہ کے وقت ان سے قدرت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور ان سے خرق عادت کام صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کمال ملکی کمال بشری کے علاوہ ہے کہ کمال بشری مرتبہ ناسوت و ملکوت اور کمال جسمانی و روحانی کا جامع ہے ہے

یار ما این دارد و آن نیز ہم
ہمارا یار یہ کمال بھی رکھتا ہے اور وہ کمال بھی

اظہار معجزہ کے وقت قدرت کاملہ جو ان سے ظاہر ہوتی ہے اور خرق عادت امور کا صدور جو ان سے ہوتا ہے وہ امر دیگر ہے۔

لتہ اور ایک جانب کو ہو گئے تاکہ پیچھے ہٹ جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے ہو کر امامت کریں۔ صراح میں ہے حس یعنی آہٹ محسوس کی۔

ٹہ آپ نے یہ اشارہ اعضا سر اور ہاتھ اور آنکھ اور ابرو سے کیا۔

شہ یعنی لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افعال کو دیکھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ ورنہ امام تو خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تھے۔ اور سب لوگ آپ کی اقتدا کر رہے تھے جب کہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نہیں دیکھتے تھے اور آپ کی تکبیریں نہ سنتے تھے وہ حضرت ابو بکر کے افعال اور ان کی تکبیریں دیکھ اور سن کر اپنی نماز ادا کر رہے تھے گویا وہ حضرت ابو بکر کی اقتدا کر رہے تھے۔

سوال: جب کہ حضرت ابو بکر اس نماز میں لوگوں کے امام نہ تھے۔ تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان کا ثابت کیا جاتا ہے، بنا ان کی خلافت کی دلیل نہ بن سکے گا۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت کا جو حکم دیا تھا وہ آپ کی خلافت کی دلیل ہے اور آپ کی علالت کے دوران کئی دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور سب لوگ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے۔ ہاں اس دن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس تشریف لے آئے تو آپ نے خود امامت کی اور اگر آپ کا یہ فعل آپ کے قول سابق کا ناسخ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کا خیال و وہم ہے۔ تو چاہیے تھا کہ اپنے قول سے اسے منسوخ کرتے اور کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت متعین تھی۔ ایک دوسرے موقعہ پر کہ بنی عمرو بن عوف کے درمیان جو قبا کے باشندے تھے، آپ صلح کرانے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آخر ہو گیا، حضرت بلال نے اذان کہی اور سب صحابہ نے حضرت ابو بکر کو امام بنایا۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود امامت کرائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ ابو بکر اپنی جگہ پر قائم رہے اور امامت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی۔ جیسا کہ صحیح البخاری میں مذکور ہے۔

۱۰۴۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ آدمی نہیں ڈرتا جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس آدمی کی بے وقوفی اور بے سمجھی سے کنایہ ہے جو امامت کا معنی و مطلب نہیں سمجھتا۔ کہ اتباع و پیروی آپس میں اتفاق و اتحاد میں ہے۔ اور یہ گدھا پن ہے کہ ایک آدمی کو امام بنائیں پھر اس کی اتباع اور پیروی نہ کریں۔ امام غزالی نے کہا کہ ان الفاظ کا یہی مفہوم متعین ہے۔ ورنہ ہم لوگ دیکھتے ہیں امام کی اتباع نہ کرنے والے کا چہرہ اور صورت گدھے کی شکل میں تبدیل نہیں ہوتا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث سے جو ثابت ہے یہ کہ شکل کے مسخ ہونے کا ڈر ہے۔ وہ ہو کہ

ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا مراد یہ ہے کہ بے وقوفی میں وہ شخص گدھے کی مانند ہے۔ ورنہ اس امت میں مسخ ناجائز ہے اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کی شکل کا بگاڑ آخرت میں ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ کیونکہ اس امت کے دنیا میں مسخ صورتیں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۰۹۲ عَنْ عَلِیٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کو آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی وہی فعل کرے جو امام کر رہا ہے[۱]۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] تو مقتدی کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ کہے اور اسی فعل پر شامل ہو جائے جس میں امام ہے۔ لیکن رکعت اس صورت میں پائے گا جب کہ رکوع میں داخل ہو نہ کہ اس کے بعد۔

۱۰۹۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا وَّمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ اور اسے کچھ شمار نہ کرو[۱]۔ اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] اور اسے رکعت کا پالینا نہ سمجھو جس طرح رکوع میں ہے۔

[۲] اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ رکعت سے رکوع اور لفظ صلوٰۃ سے رکعت مراد ہے۔ یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت پالی۔ اور اس کی ایک رکعت شمار ہوگئی۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ جس نے رکعت پالی اس نے امام کے ساتھ نماز پالی۔ اور اسے نماز باجماعت کا ثواب اور اس کی فضیلت حاصل ہوگئی۔ ہدایہ میں لکھا ہے جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین رکعتیں نہ پائیں اس نے ظہر کی جماعت نہ پائی۔ یعنی اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی ہے۔ اسی لیے وہ شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا جس نے یہ قسم کھائی کہ لا اصلی

الظہر بجماعتہ مجھے قسم ہے کہ میں ظہر کی نماز جماعت سے نہ پڑھوں گا بلکہ ایسے آدمی کو جماعت کا صرف ثواب ملتا ہے اور یہ غیر جمعہ میں ہے جمعہ کے بارے میں مذہب یہ ہے کہ جس نے امام کو جمعہ کی نماز میں پالیا اس نے جمعہ پالیا اور جو رکعت رہ گئی اسے پڑھ لے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا جیسا کہ رکوع کیا جا تا تو جمعہ پالیا اور دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو پھر ظہر کی نماز پڑھے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسی پر جمعہ کی بنا ہے۔ اگرچہ امام کو التحیات یا سجدہ سہو میں پالے۔

۱۰۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن با جماعت نماز ادا کرے اور تکبیر اولیٰ پالے[۱] اس کے لیے دو برائتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک آگ سے برات اور دوسری نفاق سے[۲]۔ (ترمذی[۳])

[۱] جو شخص خالص اللہ کے لیے نماز پڑھے اور کسی غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو اس طرح چالیس دن کرے تکبیر اولیٰ سے ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت موجود ہو۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اگر سبحانک اللھم میں امام کو پالے تو تکبیر اولیٰ میں شامل ہو گیا اور بعض کے نزدیک پہلی رکعت میں شامل ہو گیا تو تکبیر اولیٰ پانے کے لیے یہ کافی ہے۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ مراد نفاق سے برات یہ ہے کہ اس کی نماز ریا اور سستی سے محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس کی نسبت منافقین کی طرف کی گئی ہے۔ اور باقی نفاق کی صفات یعنی جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی جو احادیث میں نفاق کی علامات قرار دی گئی ہیں اللہ تعالےٰ ان سے بھی اسے پاک کر دیتا ہے۔ ممکن ہے اس سے آخرت میں اس عذاب سے نجات مراد ہو جو منافقوں کے ساتھ خاص ہے۔

[۳] لیکن امام ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

۱۰۵۰ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر مسجد کی طرف چلا اور لوگوں کو پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان کا ثواب دیتا ہے جنہوں نے اسے با جماعت ادا کیا اور جماعت کے لیے حاضر ہوئے[۱] انکو انکا ثواب ملنے سے انکے ثواب

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ) میں کوئی کمی نہ ہوگی ۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱؎ یعنی تروتازہ اور خوب سیراب ہو کر، شرائط اور آداب اور حضور دل کے ساتھ۔

۲؎ مگر یہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ تاخیر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے نہ ہو۔ بلکہ وہ صحیح وقت پر اور سچی نیت سے گیا ہو۔

۳؎ کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو قرآن کے فضل کا ثواب ملے گا اور اس کو اس کی نیت کا۔

۱۰۱۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ عَلٰی ھٰذَا فَیُصَلِّیْ مَعَہٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس پر صدقہ اور احسان کرے کہ اس کے ساتھ کر نماز پڑھے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

۱؎ کہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہے۔

۲؎ تاکہ وہ بھی جماعت کا ثواب پائے۔ اور اس کے درجات حاصل کرے۔ یہ اس کا احسان ہوگا جو وہ اس پر کرے گا۔

۳؎ کہتے ہیں کہ سنن بیہقی میں آیا ہے کہ وہ مرد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۱۲ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَۃَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِیْنِیْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰی ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ فَقُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَھُمْ یَنْتَظِرُوْنَکَ فَقَالَ ضَعُوْا لِیْ مَآءً فِی الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَھَبَ

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی بابت کچھ بتائیں گی؟ فرمایا ہاں ضرور۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار ہو گئے تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یا رسول نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں ہم نے ایسا کر دیا

لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ
فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ
يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ
ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ
فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ
فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى
النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِي
الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ
لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ
اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ النَّاسُ عُكُوْفٌ فِي
الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِصَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ
يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ
فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ كَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا
يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ
اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ
تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ
خِفَّةً وَّ خَرَجَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا
الْعَبَّاسُ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ وَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ

آپ نے غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے پھر
افاقہ ہوا۔ تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے
کہا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں
فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں پھر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے
تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر جب افاقہ ہوا تو
فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض
کیا یا رسول اللہ نہیں وہ لوگ آپ کے منتظر
ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ پھر
بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے
پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔
ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کے
منتظر ہیں۔ اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے آخری
عشاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار
کر رہے تھے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔
آپ کے پاس قاصد آیا عرض کیا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز
پڑھائیں۔ ابوبکر بہت نرم دل انسان تھے فرمایا
اے عمر تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ عمر فاروق نے
عرض کیا اس کے حق دار آپ ہی ہیں۔ چنانچہ اس
زمانے میں ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے پھر
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی میں ہلکا پن
محسوس کیا اور دو شخصوں کے درمیان نماز ظہر کے
لیے نکلے جن میں سے ایک عباس تھے۔ اور ابوبکر

بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰہُ اَبُوْبَکْرٍ ذَھَبَ لِیَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَّا یَتَاَخَّرَ فَقَالَ اَجْلِسَانِیْ اِلٰی جَنْبِہٖ فَاَجْلَسَاہُ اِلٰی جَنْبِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَہٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَیْکَ مَا حَدَّثَتْنِیْ عَائِشَۃُ عَنْ مَّرَضِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ حَدِیْثَھَا فَمَا اَنْکَرَ مِنْہُ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّہٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَکَ الرَّجُلَ الَّذِیْ کَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ ھُوَ عَلِیٌّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب حضرت ابوبکر صدیق نے آپکو دیکھا تو پیچھے جانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ جاؤ۔ فرمایا مجھے ابوبکر کے برابر بٹھا دو۔ ان دونوں نے آپکو ابوبکر کے برابر بٹھا دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ پر وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق سنائی فرمایا لاؤ میں نے آپ پر انکی پوری حدیث پیش کر دی۔ آپ نے اس کا کچھ بھی انکار نہ کیا بجز اس کے کہ فرمایا کیا حضرت عائشہ نے تمہیں ان صاحب کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا وہ علی تھے[۵]
(بخاری و مسلم)

[۱] حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ کے بیٹے ہیں۔ آپ فقیہ تھے آنکھوں سے نابینا تھے۔ اونچے درجے کے تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ آپ ثقہ، امام اور مامون ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے معلم و استاد ہیں۔ آپ کے چند اشعار بھی ہیں۔ ۹۴ھ میں اور بقول بعض ۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ بھی اکابر تابعین سے ہیں۔ بعض نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ثابت کی ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ ابن سعد نے کہا آپ تابعی ہیں اور کثیر الفتوی ہیں اور بہت بڑے محدث ہیں۔ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

[۲] تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قول مبارک سے واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

[۳] اصل میں لفظ مخضب میم کی زیر خا ساکن۔ فتح ضاد بانقطہ دال سے۔ ایک قسم کا برتن ہے۔

[۴] اور ہم نے آپ کے لیے مخضب میں پانی رکھا۔

[۵] بے ہوشی جبکہ مرض کی جنس سے ہو تو اس کا انبیاء علیہم السلام پر طاری ہونا جائز ہے۔ بخلاف دیوانگی کے کہ

وہ نقص و عیب ہے اور شافعی حضرت نے یہ قید لگائی ہے کہ بے ہوشی زیادہ وقت تک نہ ہو۔

۵۶ آخرہ کا لفظ نماز مغرب سے احتراز کے لیے ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ مغرب کو بھی عشاء کہتے دیتے ہیں۔

۵۷ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداءً نہ جانتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت ہی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے آخر کار انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کے لیے امامت کرنا واجب و ضروری ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۸ اور یہ سترہ دن کا عرصہ تھا۔

۵۹ بعض نسخوں میں من نفسہ کے بجائے فی نفسہ آیا ہے۔ یعنی آپ نے اپنی ذات میں ہلکا پن اور آرام محسوس کیا۔

۶۰ یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہ لیا۔ بعض نے کہا حضرت عائشہ کی حضرت علی کے ساتھ کچھ ناراضگی تھی۔ اور ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ واقعہ افک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی برأت زور شور سے نہ کی تھی جس طرح کہ دوسرے صحابہ کرام نے کی تھی۔ جیسا کہ سیاق قصہ افک سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ وجہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت علی کا کئی مواقع میں نام لیا ہے۔ اور اس واقعہ افک کے بعد حضرت علی کی مدح بھی کی ہے۔ تو حاشا وکلا کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہو۔ اور ناراضگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کا اپنی زبان پر نام لانا بھی گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی ایک روایت میں حضرت عائشہ نے آپ کا نام بھی لیا ہے۔ لہٰذا درست اور ٹھیک بات وہ ہے جو بعض نے کہی ہے کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جانب کا آدمی مقرر و متعین نہ تھا جس طرح حضرت عباس دوسری جانب متعین تھے۔ بلکہ دوسری جانب باری باری لوگ آپ کو تھامتے تھے۔ کبھی حضرت علی کبھی حضرت اسامہ یا حضرت فضل بن عباس۔ اسی لیے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا دوسری جانب اہل بیت میں سے ایک مرد تھا۔ تاکہ بطریق اجمال سب کو شامل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

<table>
<tr>
<td>۱۱۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَهٗ خَیْرٌ كَثِیْرٌ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)</td>
<td>حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے جس نے رکعت پائی اس نے سجدہ پالیا[1] اور جس کی سورۃ ام القرآن (سورۃ فاتحہ) فوت ہو گئی[2] اس کی خیر کثیر فوت ہو گئی۔
(مالک)</td>
</tr>
</table>

۱ یعنی جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔ یہاں رکعت کو سجدہ سے تعبیر کیا کیونکہ سجدہ سے رکعت مکمل ہوتی ہے۔

سے یہ حدیث سورۂ فاتحہ کی عدم فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ ابن حجر اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے جس کی سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے مسبوق ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی اور یہ کہ حدیث مسبوق کے بارے میں ہے۔ جو دیر کے بعد آتا ہے اور فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس میں جماعت کو ابتداء میں ہی پانے کی ترغیب وتاکید ہے تاکہ یہ خیر کثیر فوت نہ ہو یعنی اگر چہ اس نے رکوع پا لینے سے رکعت پالی لیکن اس کا ثواب کثیر سورۂ فاتحہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فوت ہوگیا۔

۱۰۸۶ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ یَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطٰنِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)	انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے کہا جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اوپر اور نیچے کرتا ہے تو اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے[۱]۔ (مالک)

سلہ کہ وہ اس کی پیشانی کو خلاف شریعت اور خلاف سنت ہلاتا اور پھیرتا ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً مَرَّتَيْنِ

وہ آدمی جو ایک نماز دو مرتبہ پڑھے

یعنی یہ باب اس شخص کے حال کے بیان میں ہے جو نماز دوبارہ ادا کرے۔ اور یہ مختلف صورتوں کو شامل ہے۔ اس سے مقصود مطلوب جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب ایک آدمی فرض نماز ادا کرے پھر مسجد جماعت میں آیا تو پھر جماعت کے ساتھ ادا کرے اس تفصیل کے مطابق جو فقہ میں مذکور ہے۔ اور اس اختلاف کے مطابق جو آئمہ کے درمیان واقع ہے اس کا کچھ حصہ باب اوقات ممنوعہ میں گزر چکا ہے اور اگر اس نے ایک بار جماعت سے ادا کرلی جو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے جیسا کہ حدیث معاذ میں آرہا ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک تکرار فرض سے موسوم ہے۔ تاہم بر حقیقۃ تکرار فرض نہیں بلکہ دوسری بار پڑھنا نفل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قول مشہور کے مطابق فرض کی نیت کرے اور اس صورت میں لازم آتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل والے کی اقتدا کرے اور یہ ان کے نزدیک جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۰۸۷ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کی امامت[1] کرتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اور مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ تلک الصلاۃ یعنی وہ نماز اپنی قوم میں آکر دوبارہ بصورت امام پڑھتے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی اور بخاری میں اس طرح ہے۔ الصلاۃ المکتوبۃ۔ یعنی آپ اپنی قوم میں آکر وہی فرض نماز دوبارہ بصورت امام ادا کرتے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی۔

۱۰۵۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ نَافِلَةٌ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْبُخَارِيُّ۔

انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے۔ پھر اپنی قوم میں تشریف لاتے اور انہیں نماز عشاء پڑھاتے اور یہ ان کی نفل نماز ہوتی تھی[1]۔ (بیہقی، دار قطنی)

[1] اور قوم کی یہ فرض نماز ہوتی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے ساتھ درست ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ وھی لکم نافلۃ کا جملہ بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔ شرح شیخ ابن حجر میں کہا کہ عبدالرزاق شافعی اور طحاوی نے یہ جملہ روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہاں بیاض ہے۔ بعض نے کہا یہ جملہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہا ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی کے علاوہ کسی اور نے ان زائد الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ اور کتاب مشکوٰۃ میں یہاں بیاض (سفید جگہ) ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف کو سنن میں سے کسی کتاب میں یہ زائد الفاظ نہیں ملے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا کہ علمائے حدیث نے کہا قول وھی لہ نافلۃ حدیث جابر میں غیر محفوظ ہے۔ امام احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا اے معاذ ہمارے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے آسانی اور تخفیف کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لینے کی صورت میں انہیں اپنی قوم کی امامت نماز نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس صورت میں حضرت معاذ کی قوم کے ساتھ نماز نفل ہوگی اور اس صورت میں فرض والے کی اقتدا نفل والے کے ساتھ ہوگی جو جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد کی یہ حدیث اس زیادتی کے منافی ہے۔ حضرت معاذ کی نماز کا قصہ باب قراءت میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۱۰۴۲- عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهٗ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهٗ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

دوسری فصل

حضرت زیدؓ بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حج میں حاضر ہوا۔ تو میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں نماز فجر پڑھی جب آپ نماز پوری کر چکے اور پھیرے تو نمازیوں کے آخر میں دو شخص تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھی تھی۔ فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ انہیں لایا گیا کہ ان کے کندھے کانپ رہے تھے فرمایا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ چکے تھے۔ فرمایا ایسا نہ کرو جب تم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لو۔ پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔

(ترمذی، ابوداؤد)

(نسائی)

۱؎ انہیں شرف صحابیت حاصل ہے۔ اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث اہل کوفہ کے پاس ہے۔ بعض نے انہیں یزید بن ابی الاسود کہا ہے۔

۲؎ جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

۳؎ یہ مسجد منیٰ کی ہے خیف دراصل پہاڑ کے دامن میں واقع گہرائی اور نشیب کو کہتے ہیں۔ یہ مسجد چونکہ ایسے ہی نشیب میں واقع ہے۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

۴؎ یہ دونوں سب سے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف اور ہیبت کی وجہ سے۔ کیونکہ آپ کے غضب و جلال کے وقت پہاڑ بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکتا تھا۔ فرائص فریصہ (فا اور صاد مہملہ) کی جمع ہے۔ یعنی گوشت کا وہ ٹکڑا جو پہلو

اور کندھے کے درمیان ہوتا ہے اور طرف دوڑ کے وقت لرزاٹھتا ہے۔ کبھی گائے کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا یہ حصہ لرز اٹھتا ہے۔ اور لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

لے اور اس جگہ میں پڑھ لی ہے جہاں ہم نے اپنا اپنا سامان رکھا ہوا ہے۔

کے یعنی نماز کی جماعت کے وقت اپنی منزلوں اور جا ملنے رہائش میں داخل نہ ہوا کرو۔

شہ خواہ پہلے تم نے با جماعت نماز ادا کی ہو یا بغیر جماعت کے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۰۸۵ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالنَّسَائِيُّ)

تیسری فصل

حضرت بسر بن محجن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کی اذان ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ نماز پڑھی اور واپس ہوئے محجن اپنی جگہ پر ہی بیٹھے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا کیا تم مسلمان نہیں ہو انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا۔ تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ اور تم نے پہلے نماز پڑھ لی ہو اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہو۔

(مالک)

(نسائی)

لہ بسر با موحدہ اور سین مہملہ کے ساتھ۔

لہ محجن میم کی زیر۔ حا ساکن اور جیم کی زبر۔ صحیح تر قول کے مطابق حضرت بسر تابعی ہیں۔ اور ان کے باپ حضرت محجن صحابی ہیں۔

سلہ اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ یہاں حضرت محجن نے اپنے آپ کو لفظ غائب سے تعبیر کیا اور یوں نہ کہا کہ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ یہ انداز بیان آپ نے اس لیے اختیار کیا تاکہ اس منصب کو صراحتاً اپنی طرف نسبت کرنے سے گریز کریں اور اپنے آپ کو مقام حضور سے کم مرتبہ تصور کرنے کی وجہ سے بھی۔

۱۰۹۹ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

اسد بن خزیمہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی اپنی جگہ نماز پڑھ لے۔ پھر مسجد میں آئے اور نماز کی تکبیر ہو تو کیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔ میرے دل میں اس سے کچھ شبہ ہے۔ ابوایوب نے کہا کہ ہم نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے ذیل حصہ ہے۔ (مالک) (ابوداؤد)

سلہ لفظ اسد شیر کے لیے مشہور ہے۔ اور مضر کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام بھی ہے۔ اور اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہے۔

سلہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہجرت میں انہی کے گھر کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ اور انہیں کے گھر قیام فرمایا تھا۔

سلہ یہ عمل اپنی ذات سے کنایہ کر رہے ہیں یعنی میں گھر میں نماز ادا کرتا ہوں پھر مسجد میں آتا ہوں۔

سلہ یعنی مکرر نماز پڑھنے اور نفل و فرض میں امام کی مخالفت کی بنا پر۔ بعض نے کہا احد فی نفسی شیا من ذالک سے مراد سے خوشی اور راحت، انس اور حضور قلب مراد ہے۔

سلہ کہا سے جماعت کا ثواب ملے گا اس لیے کوئی خدشہ اور کراہت نہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور عبارت کا معنی دوسری توجیہہ سے بالکل ظاہر ہے۔ یعنی تو جو جماعت سے کثرت سے جو کر اپنے اندر سکون، حضور اور نورانیت محسوس کرتا ہے یہ سب جماعت کا اثر ہے۔

۱۱۰۰ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت یزید بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰنِي جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلٰوتِهِمْ قَالَ اِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلٰوةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ

(رواه ابوداؤد)

کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نماز میں تھے تو میں بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مجھے بیٹھا ہوا دیکھا فرمایا اے یزید تم مسلمان نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ فرمایا تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شرکت سے کس نے منع کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نماز اپنی جگہ میں پڑھ چکا ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ آپ حضرات نماز پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو پاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ اگرچہ تم پہلے پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہاری نفل ہو جائے گی۔ اور وہ فرض[2]

(ابوداؤد)

[1] یزید یا اور زاسے۔ آپ صحابی ہیں۔ جنگ حنین میں مشرکین کے ساتھ اسلامی مجاہدین کے مقابلے کے لیے آئے بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

[2] یعنی پہلی نماز فرض ہو جائے گی۔ یہ معنی بظاہر ان احادیث کے موافق ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دوسری نماز نفل ہوگی۔ کیونکہ فرض نماز تو پہلی بار پڑھنے سے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ لفظ یکن کی ضمیر اس نماز کی طرف لوٹتی ہے جو اس نے پہلے ادا کی ہوتی ہے۔ اور لفظ ھذہ سے اس دوسری نماز کی طرف اشارہ ہے جو اس نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہوتی ہے اور کہا کہ وہ نماز واقع میں وقت کے اندر ادا ہونے اور قضاء و فرض سے ساقط کر دیتی ہے۔ نفل نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور وہ نماز جو اس نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہوتی ہے اور قضا کو ذمہ سے ساقط نہیں کرتی۔ فرض نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس دلیل کی بناء پر کہ اصل نماز وہی ہے جو جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور جو نماز با جماعت ادا نہیں ہوتی اس کا کوئی اعتبار اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ پس یہاں غور کرو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی

سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي ثُمَّ أُدْرِكُ الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأُصَلِّي مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ أَيَّتَهُمَا أَجْعَلُ صَلٰوتِي قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ ذٰلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ يَجْعَلُ أَيَّتَهُمَا شَاءَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

شخص نے ان سے پوچھا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں، پھر امام کے ساتھ مسجد میں نماز پاتا ہوں کیا اس کے ساتھ بھی پڑھوں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کہ ان دونوں میں سے اپنی نماز کسے سمجھوں[1]۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا یہ تمہارا کام ہے[2]؟ یہ تو اللہ عزوجل کا کام ہے کہ ان میں سے جسے فرض نماز قرار دے (مالک)

[1] یعنی پہلی کو اپنی نماز فرض قرار دوں یا دوسری کو یعنی ان میں سے فرض نماز کونسی ہوگی۔

[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے استفہام کے طور پر کہا کہ ان دو نمازوں میں سے ایک کو فرض کی حیثیت دینا تیرا کام نہیں۔ بعض میں وما فالک ایک نفی کے ساتھ آیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ ان دو میں سے جسے چاہے فرض قرار دے۔ اس حدیث میں اس چیز کی تائید ہے جس کی طرف بعض شافعیہ گئے ہیں اور اسے امام غزالی رحمہ اللہ نے اختیار کیا کہ ان دو میں سے کوئی ایک غیر معین نماز فرض ہے۔ تاہم اکثر احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ دوسری نماز نفل ہے اور پہلی فرض اور یہی معنی قیاس کے بھی موافق ہے۔ کیونکہ بندہ پہلی نماز ادا کرنے سے فرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اس لیے پہلی نماز فرض نماز قرار پائے گی۔ واللہ اعلم۔

۲۸۹ وَ عَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَ هُمْ يُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ أَلَا تُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلٰوةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔

حضرت سلیمان[1] مولی میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مقام بلاط[2] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے فرمایا میں پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھو[3]۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت سلیمان ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اکابر تابعین میں سے ہیں ثقہ فقیہ فاضل عابد متقی اور دلیل و حجت ہیں۔ اور سات فقہاء میں سے ہیں۔ انہیں سلیمان بن یسار بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا سلیمان مولائے میمونہ سلیمان بن یسار نہیں ہیں مگر اس میں نظر و اعتراض ہے۔

۲۲ بلاط با اور لام مخفف سے مدینہ پاک میں ایک جگہ کا نام ہے جسے امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے مسجد کے باہر بنایا تھا۔ تاکہ آپس میں لوگ بات چیت کرنا چاہیں تو وہاں بیٹھ کر کریں مسجد میں بیٹھ کر نہ کریں۔ بلاط دراصل ایک قسم کا پتھر ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں آیا ہے صراح میں ہے بلاط وہ پتھر ہیں جو گھر کے صحن میں بچھائے جاتے ہیں۔

۲۳ یہ حدیث بظاہر گزشتہ احادیث اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے خلاف ہے۔ ان احادیث کے درمیان تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو پہلی نماز جماعت سے ادا کر چکا ہو۔ اور دوسری احادیث اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے پہلی نماز اکیلے پڑھی ہو۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ یا اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھنا چاہتا ہو۔ اور شافعی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اکیلے نماز ہی نہ ہوگی۔ اور صحیح اسے درست قرار دیا جائے گی جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔ کیونکہ اصل دستور یہ ہے کہ ایک بار نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کا اعادہ نہ کیا جائے مگر اس جگہ جہاں اس کا اعادہ کرنا وارد ہوا ہے جیسے جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اسے دوبارہ پڑھنا۔ لہٰذا اعادہ صرف وہاں ہوگا جہاں کا اعادہ وارد ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہ تاویل آپ کے قول مبارک الا تصلی معہم (تو ان کے ساتھ نماز پڑھتا نہ پڑھتا) کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ ارشاد جماعت میں شمولیت کے بارے میں ظاہر ہے اور علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت اور حسن میں بھی کلام ہے اور جو احادیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں وہ اس سے صحیح یا صحیح تر ہیں۔ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دوبارہ (اعادہ صلوٰۃ) کا شارع اعتبار کے طور پر حمل کیا جائے گا۔ یا اس صورت پر حمل کیا جائے گا جب کہ نماز پہلے جماعت کے ساتھ پڑھ لی ہو اور بے شک بعض محدثین نے گمان کیا ہے کہ یزید بن الاسود کی حدیث ابن عمر کی حدیث کی ناسخ ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ بات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام ہیں۔ اور کہا یہ قول درست نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے آپ سے حضرت یزید بن الاسود کے بعد سنا ہو۔ لہٰذا نسخ پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ۔ اکثر احادیث ہر نماز کے لیے عام ہیں لیکن مجتہدین نے دوسری احادیث کے پیش نظر جو بعض اوقات میں کراہت نماز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی تخصیص کی ہے۔ جیسا کہ اس آئندہ حدیث کی بنا پر تخصیص کی ہے۔

۲۴ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جس نے مغرب یا فجر کی نماز پڑھ لی پھر ان دونوں میں نماز امام کے ساتھ پائی تو اب انہیں نہ دہرائے۔
(مالک)

۱ے حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد غلام ہیں۔ بلند پایہ فقیہ اور اکابر تابعین سے ہیں۔
۲ے ثمالیعید بالی مذہب ہی کی پیش ہے۔ یہ حدیث بظاہر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اور اگر مراد وہی ہے جو انہوں نے بطور روایت کہی ہے تو پھر یہ مرفوع ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مؤید ہے۔ جو فرماتے ہیں کہ ان دو نمازوں کا اعادہ نہیں۔ احناف کے نزدیک نماز عصر بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ہر نماز کا اعادہ جائز ہے۔ اس حدیث میں اس جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ اس نے پہلی نماز جماعت سے نہ پڑھی تھی۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور ان کے فضائل کا باب

سنتوں سے وہ نمازیں مراد ہیں جو دن رات میں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بلا ناغہ پڑھی ہیں۔ دوسرے ان کو ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔ جیسے عصر کی سنتیں کہ ان کی تاکید نہیں فرمائی۔ قسم اول (جن کی تاکید فرمائی) کو سنن رواتب کہتے ہیں۔ رواتب رتوب سے مشتق ہے بمعنی دوام و ثبوت۔ ترتیب بھی اسی سے مشتق ہے۔ ممکن ہے سنن راتبہ سنن مؤکدہ سے عام ہوں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۰۹۰ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُّسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعت مغرب کے بعد دو عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے (ترمذی)
اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے لیے ہر دن

يُصَلِّي لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَوْ إِلَّا بُنِيَ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ۔

بارہ رکعتیں نفل پڑھا کرے فرض کے علاوہ مگر اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا، یا جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

؎۱ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہمشیرہ ہیں۔

؎۲ نماز ظہر کا ذکر سب سے پہلے کیا کیونکہ اوقات نماز کی تعلیم کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے اسی نماز کی امامت کی۔ اسی وجہ سے اس نماز کو صلوٰۃ الاولیٰ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا ترجمہ ہے نماز پیشین یعنی پہلی نماز۔

؎۳ مصابیح میں یہ حدیث فصل اول میں ذکر کی گئی جو بخاری و مسلم کی احادیث کے لیے مقرر ہے

؎۴ یہاں دن سے دن رات مراد ہے اور غیر فریضہ کا لفظ تطوع (نفل) کی تاکید کے لیے ہے۔

۱۰۹۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھیں؎۱ اور دو رکعت عشاء کے بعد آپ کے گھر میں اور کہا کہ مجھ سے حضرت حفصہ نے بیان کیا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے ساتھ دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

؎۱ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ احناف کے نزدیک ظہر سے قبل چار رکعت سنت ہیں اور اس کے ثبوت میں بھی احادیث وارد ہیں۔ جو کہ حضرت علی حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ ان کے بعد والے بھی اکثر اسی پر ہیں۔ اور یہی سفیان ابن المبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ امام شافعی اور امام احمد سے بھی چار رکعت کا ایک قول موجود ہے۔ لیکن دو سلام کے ساتھ۔ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار اور کبھی دو رکعت پڑھتے ہوں جس صحابی نے جو دیکھا اس کی روایت کر دی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھر میں چار رکعت پڑھتے ہوں ساداز واج مطہرات سے ان کی روایت کی ہو۔ اور جب مسجد میں تشریف لاتے جوں تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے ہوں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ظہر کی سنتیں گمان کر لیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہ ہو کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں اور چار رکعت جو آپ ادا کرتے تھے وہ چاشت کی چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۵۲ اس سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مراد ہے۔ اور حضرت ابن عمر ان کے بھائی ہیں۔

۵۳ اور جب کہ اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں تو جانے سے جھجکتے تھے۔ اس سے حضرت حفصہ سے سن کر یہ روایت کی ہے صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے کہا یہ وہ وقت ہے کہ میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت بھی آپ گھر میں ہی پڑھتے تھے اور سا احادیث میں صراحتہ بھی ایسا آیا ہے۔ جیسا کہ باب صلوۃ اللیل میں آرہا ہے۔

۱۹۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ گھر میں آتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ (بخاری و مسلم)

۱۹۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْعِشَاءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِي فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوِتْرُ

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ پھر تشریف لے جاتے لوگوں کو نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے پھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں اور رات میں بہت

وَكَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَقَالَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ إِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُوْ دَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ

دیر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور بہت دیر تک بیٹھ کر اور جب کھڑے ہوتے قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی کھڑے ہوئے ہی کرتے اور جب بیٹھ کر قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی کرتے ۵ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعتیں پڑھتے ۶ مسلم۔ اور ابوداؤد نے یہ بڑھایا کہ پھر جاتے۔ لوگوں کو فجر پڑھاتے۔

۱ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ مشاہیر تابعین سے ہیں اور ان ہی ثقہ شخصیت ہیں۔ آپ نے حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ حضرت ابوذر اور دیگر صحابہ سے احادیث سنیں ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

۲ یعنی ظہر کے فرض پڑھاتے

۳ یعنی وتر نا ایک رکعت، تین رکعت، رات کی نماز کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایات ہیں: پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعت آپ کا یہ مختلف عمل مختلف اوقات میں ہو سکتا ہے ان کی مزید تحقیق دوسری جگہ آئے گی۔

۴ یعنی رکوع و سجود کے لیے حالت قیام سے منتقل ہوتے۔ ایسا نہ کرتے کہ پہلے بیٹھتے پھر رکوع اور سجدہ کرتے۔

۵ اس صورت میں کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کو جانے کا ذکر بھی آیا ہے یعنی بیٹھ کر قراءت کرتے پھر رکوع وسجدہ کے لیے پہلے بیٹھے ہوں اور پھر رکوع وسجدہ کیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی نماز تین صورتوں میں ہوتی تھی۔ پوری نماز کھڑے ہو کر، پوری نماز بیٹھ کر۔ قراءت بیٹھ کر اور رکوع وسجدہ کھڑے ہو کر۔ ایسی صورت نہ ہوتی تھی کہ قراءت کھڑے ہو کر کریں اور رکوع وسجدہ بیٹھ کر۔

۶ یعنی دو رکعت سنت فجر

۱۱۹۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل کی حفاظت نہ فرماتے تھے ۱ (بخاری ومسلم)

۱ یعنی جس قدر کی حفاظت و پابندی فجر کی دو سنتوں کی کرتے تھے کسی اور سنت کا نہ کرتے تھے۔ یعنی آپ کے

نزدیک یہ دو سنتیں سب سے زیادہ تاکید والی تھیں چنانچہ آپ سفر و حضر میں کبھی ان کو ترک نہ فرماتے۔ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ فجر کی ان سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔ (مسلم)

لہ فجر کی دو سنتیں بہتر ہیں اس عالم سفلی سے اس متاع ساز و سامان سے جو اس میں ہے۔ اگرچہ اسے راہ خدا میں ہی صرف کیا جائے۔ جیسا کہ اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ دو رکعتیں تمہارے لیے اس سے بہتر ہیں کہ تم لوگ اس کے راستے میں سونا چاندی بھی خرچ کرو۔ اس معنی کے مطابق سنتوں کا بہتر ہونا درست ہے کیونکہ مطلب یہ بنتا ہے کہ اگرچہ راہ خدا میں خرچ کرنا بھی بہتر ہے مگر فجر کی سنتیں اس سے بھی بہتر ہیں۔ اور دنیا کا وہ ساز و سامان جسے راہ خدا میں خرچ کرنے سے لوگ بخل کرتے ہیں اس میں تو بالکل بہتری نہیں تاکہ ان سنتوں کو اس سے بہتر قرار دیا جائے۔ اس لیے اس عبارت کی ایک توجیہ علماء یہ کرتے ہیں کہ اہل دنیا کے اعتقاد کے مطابق کہ وہ ساز و سامان دنیوی کو بہت بہتر خیال کرتے ہیں۔ تو انہیں جاننا چاہیے کہ یہ سنتیں اس سے بہتر ہیں۔ اور تمہارے گمان و خیال کے مطابق بھی یہ عبادت بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اس میں غور کرو۔

علماء نے کہا ہے کہ سب سنتوں سے زیادہ قوی اور موکد فجر کی سنتیں ہیں۔ پھر مغرب کی۔ اس کے بعد بعد ظہر کی دو سنتیں۔ اس کے بعد عشاء کی دو سنتیں۔ اور ان سب کے بعد ظہر کی چار سنتیں۔ بعض علماء نے کہا کہ ظہر کی پہلی چار اور بعد کی دو سنتیں قوت و تاکید میں برابر ہیں۔ جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھو مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھو۔ تیسری بار فرمایا جو چاہے اس خوف سے کہ لوگ اسے سنت بنا لیں گے۔ (بخاری و مسلم)

لہ مغفل میم کا پیش۔ فا مشدد کی زبر کے بعد لام۔ آپ صحابی ہیں اصحاب شجرہ رضوان میں سے ہیں۔ پہلے مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے۔ پھر بصرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ امام حسن بصری وغیرہ نے ان سے احادیث سنی ہیں۔

سلہ یعنی یہاں نے لوگوں کی مشیت واختیار سے اسے معلق کیا ہے۔ اس امر کو ناپسند جانتے ہوئے کہ لوگ انہیں سنت موکدہ اور شریعت لازمہ دائمہ ہی تصور نہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ سنت اسے مستحب قرار دیا ہے تاکہ جو شخص ان کا ثواب لینا چاہے پڑھ لے۔ صحابہ و تابعین کے اکثر سلف و خلف کا قول اسی پر ہے اور بعض سے فقہاء اس کے خلاف ہیں۔ اس پر گفتگو باب فضل اذان میں گزر چکی ہے۔ اور حدیث بین کل اذانین صلوۃ میں بھی اس پر بحث ہوئی ہے فصل ثالث میں اس کے بارے میں مزید گفتگو آرہی ہے۔

۱۰۹۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّیًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ فِیْ اُخْرٰی لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں سے بعد جمعہ پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت پڑھے مسلم۔ اور مسلم ہی کی روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے سلہ

سلہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے تیسری فصل میں حضرت عطا سے حضرت ابن عمر سے آرہا ہے کہ آپ بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس مقام کی مکمل تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ باب الجمعۃ میں آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۹۹ عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰی اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے جس نے چار رکعت ظہر سے پہلے اور چار رکعت بعد ظہر پر پابندی کی اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ پر حرام کر دیتا ہے سلہ (احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

سلہ بعض روایات میں آیا ہے کہ بعد کی چار رکعت دو سلام سے پڑھے۔ پھر اس میں کلام ہے کہ یہ چار رکعت تحیتہ مسجد کے ساتھ ہیں یا اس کے علاوہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے علاوہ ہیں۔

۱۱۰۰ وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے چار رکعتیں جن میں سلام نہیں ہوتا ان کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔[1]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ اور وہ مقام قبولیت میں پہنچ جاتی ہیں۔ احسان کی برکت سے آسمان سے انوار فضل و رحمت کا نزول ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان سے ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ مراد ہیں یا کوئی اور مستقل نماز جو اس وقت میں ادا کی جاتی ہو اور اسے وقت زوال کی نماز کہتے ہیں سو دراصل یہ ان لوگوں کا مسلک ہے جو ظہر سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ کے قائل ہیں اور جو حضرات ظہر سے قبل چار رکعت کے قائل ہیں وہ اس میں متردد ہیں۔ تاہم اس فضیلت کا ثبوت اس کے مخالف نہیں کہ یہ رکعتیں رواتب اور مؤکدہ ہیں یا نہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ غیر رواتب ہیں۔

۱۱۰۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ يَّصْعَدَ لِيْ فِيْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن السائب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرے لیے اس وقت نیک عمل اوپر اٹھایا جائے۔[2]

(ترمذی)

۱ آپ صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک پڑھا۔ مجاہد اور اہل مکہ نے ان سے علم حاصل کیا ایک عبداللہ بن السائب تابعی ہے بظاہر یہ ہے کہ یہاں صحابی مراد ہے۔

۲ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھڑی اجابت و قبولیت کی گھڑی ہے ہر نیک عمل جو اس گھڑی میں کیا جائے مقبول ہے تو نماز جو افضل اعمال سے ہے اس گھڑی میں اس کا ادا کرنا بہت اچھا اور افضل ہوگا اور پہلی حدیث جس میں فرمایا کہ ان رکعات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

۱۱۰۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللہُ امْرَأً صَلّٰی قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس بندے پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے۔ احمد، ترمذی، ابو داؤد۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔[۲]

[۱] رحم اللہ کے کلمہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چار رکعت مستحب ہے۔

[۲] اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیحین میں اس کی روایت کی اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔

۱۱۰۳/۱۳ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ یَّفْصِلُ بَیْنَھُنَّ بِالتَّسْلِیْمِ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ مَنْ تَبِعَھُمْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے جن کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے متبع مسلمانوں اور مومنوں پر سلام سے فاصلہ[۱] کرتے تھے۔ (ترمذی)

[۱] یعنی نماز میں جو سلام کیا جاتا ہے اس میں فرشتوں اور حاضرین جماعت کی نیت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر سے پہلے جو چار رکعت پڑھی جاتی ہیں ان میں سلام مستحب ہے۔ بعض ظہر سے پہلی چار رکعت کو بھی ان پر قیاس کرتے ہیں۔ اور بغوی نے کہا یہاں پر تسلیم سے تشہد مراد ہے۔ تشہد کو تسلیم یعنی سلام اس لیے کہا کہ تشہد کے آخر میں سلام کہا جاتا ہے۔

۱۱۰۴/۱۴ وَعَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الْعَصْرِ رَکْعَتَیْنِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعت[۱] پڑھتے تھے۔ (ابو داؤد)

[۱] عصر سے پہلے کی سنتوں میں دونوں روایتیں آئی ہیں۔ لہٰذا نمازی کو اختیار ہے کہ دو پڑھے یا چار پڑھے مگر چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

۱۱۰۵/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عُمَرَ بْنِ أَبِي خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ إِسْمٰعِيْلَ يَقُوْلُ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَضَعَّفَهُ جِدًّا.

جس نے بعد مغرب اس طرح چھ رکعت پڑھیں کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کی[1]۔ تو یہ چھ رکعت بارہ سال کی عبادت کے برابر ہیں[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر عمر ابن ابی خثعم[3] کی حدیث سے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا کہ فرماتے تھے وہ (عمر ابن ابی خثعم) منکر الحدیث ہے۔ اور اس نے اس کو سخت ضعیف کہا ہے[4]۔

[1] جو گناہ پر مشتمل ہو ایسی کوئی بات نہ کی۔ بلکہ تسبیح اور ذکر میں مشغول رہا۔

[2] کہ ہر رکعت کے بدلے دو سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

[3] خثعم خا کا زبر ثا ساکن۔ منکر حدیث کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

[4] میزان الاعتدال میں کہا کہ عمر بن عبداللہ بن ابی خثعم موضوع حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر درست نہیں مگر اعتراض و انکار کی نیت سے۔ ان سے روایت کی ہے یحییٰ نے ان سے ابو سلمہ نے ان سے حضرت ابو ہریرہ سے کہ من صلی بعد المغرب و الحدیث۔ لوگ ان چھ رکعتوں کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں۔ مگر حدیث میں کہیں یہ نام نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آیا ہے۔ جیسا کہ کتاب شمائل میں مذکور ہے۔

۱۱۰۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مغرب کے بعد بیس رکعت پڑھیں اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ترمذی[1])

[1] مگر امام ترمذی نے بطریق تعلیق اسے روایت کیا۔ بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ اسے ابن ماجہ نے باسند روایت کیا اور دوسرے محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں یعقوب بن الولید ایک شخص ہے اور وہ کذاب اور وضاع (اپنے پاس سے حدیثیں گھڑنے والا) ہے جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے کہا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۰۶ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ

حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔

اللہِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز عشاء نہ پڑھی اور پھر میرے پاس تشریف لائے مگر آپ چار یا چھ[1] رکعات پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] مشہور روایات میں عشاء کے بعد دو رکعت کا ذکر آیا ہے۔ بعض روایات میں چار رکعت کا ذکر بھی آیا ہے۔ گرچھ رکعت کا ذکر اس حدیث کے سوا اور کسی میں نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔ بعض حواشی میں کہا کہ یہاں عشاء سے مغرب مراد ہے۔ گویا اس قول کا باعث ترمذی کی حدیث ہے۔ جو بعد مغرب چھ رکعت کے بارے میں آئی ہے۔ اس تردد اور شک کے ساتھ کہ وہ چھ رکعت دو رکعت سنت مؤکدہ کے ساتھ ہیں یا ان کے علاوہ۔ اسے خوب سمجھو۔ مگر عشاء سے قبل چار رکعت مستحب کے بارے میں جیسا کہ متن میں مذکور ہے کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ اسی لیے اہل حرمین یہ چار رکعت نہیں پڑھتے بلکہ انہیں جانتے ہی نہیں جیسا کہ کتاب سنن الہدیٰ میں مذکور ہے۔

۱۱۰۸/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادبار النجوم[1] سے فجر سے پہلے کی دو سنتیں مراد ہیں اور ادبار السجود سے مغرب کی بعد کی دو سنتیں۔

(ترمذی)

[1] یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تسبیح سے جو ادبار النجوم (ہمزہ کی زیر) ہے اور سورۃ طور میں مذکور ہے، فجر کی دو سنتیں مراد ہیں۔ جنہیں ستاروں کے ڈوبنے کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ادبار السجود (ہمزہ کی زبر) کی تسبیح سے جو سورۃ ق میں واقع ہے، اس سے بعد مغرب کی دو سنتیں مراد ہیں اور سجود سے فریضہ مغرب۔ قاضی بیضاوی نے تفسیر میں کہا کہ ادبار السجود سے فرض نمازوں کے بعد کے نوافل مراد ہیں۔ بعض نے کہا بعد عشاء کے وتر مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ سورۃ ق میں واقع لفظ ادبار دُبر کی جمع ہے اور نافع، ابن کثیر، خلف اور حمزہ نے اسے زیر سے پڑھا ہے۔ اور سورۃ طور کے آخر میں جو ادبار آیا ہے اسے ہمزہ کی زیر اور زبر دونوں قراءت شاذہ میں پڑھا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۰۹/۱۹ عَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِىْ صَلٰوةِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَىْءٍ اِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللّٰهَ تِلْكَ السَّاعَةَ ثُمَّ قَرَءَ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد کی چار رکعتیں[1] اتنی ہی تہجد کی رکعتوں کے برابر شمار کی جاتی ہیں[2] اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس گھڑی اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر تلاوت فرمائی۔ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (جھکتے ہیں ان کے سائے دائیں بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے پوری عاجزی کے ساتھ۔ ترمذی۔ بیہقی فی شعب الایمان

[1] یہ چار رکعت احتمال رکھتی ہیں کہ سنت ظہر ہوں یا وقت زوال کی چار رکعتیں۔

[2] یعنی یہ چار رکعتیں فضیلت و ثواب میں سحری کی چار رکعتوں کے برابر قرار دی جاتی ہیں۔ اور نماز تہجد کی بڑی ہی فضیلت اور درجہ ہے یعنی اس وقت میں نماز ادا کرنا تہجد کے وقت عبادت کی طرح ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ یہاں نماز سحر سے فجر کی دو سنت اور دو فرض مراد ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ لفظ سحر کے زیادہ مناسب اور ظاہر تہجد کی نماز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فجر کی چار رکعت پر عمل کرنے کا باعث چار کا عدد ہے۔ کیونکہ نماز تہجد تو چار رکعت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور سفر السعادۃ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زوال کے بعد آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے یہ آٹھ رکعت قیام لیل تہجد کے برابر ہو جاتی ہیں۔ آپ کا یہ بیان مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ رکعتوں کی مقدار اعمال کا ثواب شارع علیہ السلام سے سننے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر یہاں اس کی تحقیق ہو چکی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ نماز سحر کو آپ قیام لیل پر محمول کرتے ہیں کہ نماز تہجد سے الشن: اور رنگاؤ کا اظہار ہوتا ہے نظاہر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے وقت زوال اور سنت ظہر کی آٹھ رکعت کا مجموعہ مراد ہے بعض مشائخ قدس سرہم نے کہا کہ اس میں راز اور سر یہ ہے کہ یہ دونوں وقت نزول رحمت اور حصول قربت کے اوقات ہیں۔ کیونکہ نصف النہار کے بعد رحمت و قبولیت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور آخری نصف شب میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور جب کہ یہ دو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں تو ان دونوں اوقات میں نماز بھی ایک دوسرے کے برابر اور مساوی ہو گی اور جب کہ آخر شب میں نزول رحمت زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے تو وقت زوال کی نماز کو اس کے برابر اور مشابہ قرار دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک سے وقت زوال کی فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا وما من شئ الا وھو یسبح للہ تلک الساعۃ۔ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو

اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔

۵۲ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یتفیؤ ظلالہم الی آخرہ تلاوت فرمائی۔ اس آیت کا اول حصہ یہ ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یعنی کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے جو پروردگار کے آگے نہیں جھکتے اور نہ اس کی عبادت بجالاتے ہیں کہ ساری سایہ دار مخلوق کہ اس کے سامنے جھکتے اور دائیں بائیں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہیں اور اپنے آپ کو اس ذات اقدس کے سامنے عاجز و ذلیل کرتے ہیں۔ سجدہ سے مراد اس کی فرمانبرداری اور اطاعت ہے خواہ بتقاضائے طبع ہو یا اختیار سے۔ یہ سب اس کے امر ارادی کے آگے مطیع ہیں اور اس کام اور تدبیر میں معروف ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔

۱۱۱۰/۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں۔ (بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔

اور بخاری کی روایت میں ہے فرماتی ہیں اس کی قسم جو انہیں لے گیا حضور نے اللہ سے ملنے تک یہ دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں[1]

[1] باب اوقات نہی میں اس پر گفتگو اور بحث گزر چکی ہے۔ اجمالی طور پر اس کا بیان یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت ظہر کی دو سنتیں ہیں۔ جو ایک وفد سے آنے والے کے ساتھ مشغولیت کے باعث رہ گئی تھیں، آپ نے بعد عصر انہیں قضا کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ کوئی عمل کرتے تو پھر ہمیشہ اس کی پابندی کرتے مگر یہ بیان قدرے بعید ہے (اس کا تحقیق نہیں) بعض کہتے ہیں یہ مغرب سے پہلے کی ہیں۔ اور اذان کے بعد دو رکعت تھیں مگر یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ حدیث کا ظاہر مفہوم اس کا ہے کہ یہ دو رکعت نماز عصر کے بعد اور مغرب سے پہلے تھیں۔ اور یہ بھی ہے کہ مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنے کا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے۔ ہاں بعض صحابہ پڑھتے تھے اور آپ نے انہیں دو رکعت قبل مغرب بعد اذان کے نہ پڑھنے کا حکم دیا نہ ان سے منع کیا جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ یہ عصر کی دو رکعات (جنہیں آپ بعد نماز عصر سے پہلے پڑھتے تھے) سنتیں تھیں کسی عارضے کے باعث نہ پڑھی تھیں۔ مختصر یہ کہ بعد عصر نماز پڑھنے سے نہی کے بارے میں بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ جمہور بھی اسی پر ہیں۔ لہٰذا احسن یہ ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے کہ عصر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنا آپ کے خصائص میں سے تھا۔ جیسا کہ اس کا ذکر بعض

متاخرین نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۱/۲۱ وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْأَيْدِيَ عَلَى صَلٰوةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهُ أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مختار بن فلفل سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد کے نفلوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عمر بعد نماز عصر نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ ہمیں حکم دیتے تھے اور نہ منع کرتے تھے[۲]۔ (مسلم)

لہ فلفل دونوں فا کی پیش اور لام ساکن۔ آپ مخزومی ہیں تابعی ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے حضرت انس سے حدیث سنی اور ان سے ثوری وغیرہ نے۔

۲ؔ یعنی ان کے پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

۳ؔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے بعد عصر نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوگیا۔ محدثین نے یہاں کہا ہے کہ شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ سے واقف نہ تھے اور نہ ہی حضرت انس کے قول کنا نصلی علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھتے تھے سے بھی آگاہ نہ تھے۔ بعض نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ڈر محسوس ہوا کہ لوگ وقت غروب میں بھی یہ نماز پڑھنا شروع کر دیں اس اندیشہ کے بغیر مکروہ نہیں اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان کے سوا دوسرے حضرات کے نزدیک بعد عصر مطلقاً نماز مکروہ ہے۔ بہر صورت بعد عصر نماز کی کراہت کا مسئلہ اور اس کے بارے میں وارد شدہ حدیث اختلاف واضطراب سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۲/۲۲ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مدینہ میں تھے جب موذن نماز مغرب کی

ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ فَرَكَعُوا رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيْبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسِبُ اَنَّ الصَّلٰوةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُّصَلِّيْهِمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف بھاگتے۱؎ اور دو رکعتیں پڑھتے حتیٰ کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھی جا چکی۲؎ ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے۳؎ (مسلم)

۱؎ اور ستونوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔

۲؎ اور یہ کہ اب لوگ بعد مغرب کی سنتیں پڑھ رہے ہیں۔

۳؎ گویا ان صحابہ نے قبل غروب نماز کی نہی سے یہ سمجھا تھا کہ بعد غروب نماز مغرب سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

۱۱۱۳/۲۲ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ اَبِيْ تَمِيْمٍ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مرثد۱؎ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں عقبہ الجہنی کے پاس آیا اور میں نے کہا کیا میں آپ کو ابوتمیم۲؎ کی عجیب بات نہ بتاؤں۔ یہ شخص نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتا ہے۔ اس پر حضرت عقبہ نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے۔ میں نے کہا اب آپ کو اس سے کس چیز نے روک دیا ہے۔ کہا کام کاج کی مصروفیت نے۳؎ (بخاری)

۱؎ مرثد میم کے زبر، را ساکن ارثا کے زبر۔ آپ تابعی ہیں اہل مصر کے مفتی تھے عبدالعزیز بن مروان عبدالملک بن مروان کا بھائی انہیں فتویٰ کے لیے بلاتا اور اپنے سامنے بٹھاتا۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے۔

۲؎ ابوتمیم بلند درجہ تابعی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسلام لائے۔

۳؎ نیز یہ سنت مکروہ بھی نہیں۔ نووی نے کہا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ یہ دو رکعت مستحب ہیں کیونکہ ان کے بارے میں احادیث صحیحہ صریحہ آئی ہیں۔

۱۱۱۴/۲۳ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مَسْجِدَ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ

حضرت کعب۱؎ بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی عبدالاشہل میں۲؎ تشریف لائے اور اس

فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْبُيُوْتِ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

میں نماز مغرب پڑھی۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھا۔ وہ نماز کے بعد تسبیح کرتے ہیں (نفل پڑھتے ہیں)[۳] تو فرمایا یہ گھروں کی نماز ہے۔[۴] (ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فِي الْبُيُوْتِ

ترمذی اور نسائی کی روایت یہ ہے لوگ نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تم لوگ گھروں میں پڑھا کرو۔[۵]

[۱] عجرہ عین کی پیش جیم کا زبر۔ آپ صحابی ہیں۔ بیعت شجرہ رضوان کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری مواضع میں ذکر ہو چکے ہیں۔

[۲] بنی عبدالاشہل ایک قبیلہ کا نام ہے۔

[۳] اس سے مغرب کے بعد کی دو سنتیں مراد ہیں۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ مسجد میں ہی یہ دو سنتیں پڑھ رہے ہیں۔

[۴] یعنی یہ مغرب کی سنتیں یا مطلق نفل نماز گھروں میں پڑھنی چاہیے نہ کہ مسجد میں۔

[۵] واضح ہو کہ نماز نفل یعنی غیر فرض گھر میں پڑھنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہی تھا۔ کبھی سبب یا عذر کی بنا پر خصوصاً مغرب کی سنتیں آپ نے کبھی مسجد میں ادا نہیں کیں۔ بعض علماء نے کہا اگر مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھیں تو سنت ادا نہ ہوگی۔ بعض نے کہا یہ سنتیں مسجد میں ادا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سنتیں گھروں میں پڑھی جائیں۔ حاشیہ مدنیہ میں جامع صغیر سے لکھا کہ اگر ایک آدمی نے نماز مغرب مسجد میں پڑھی اگر اسے اندیشہ ہو کہ گھر میں جانے سے کسی کام میں مشغول ہو جائے گا تو یہ سنتیں مسجد میں ہی پڑھ لے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ گھر جا کر پڑھے اور اگر گھر میں جانا میسر نہ ہو تو پھر مسجد کے دروازے سے باہر پڑھے۔ اگر امام نے مسجد کے اندر کے حصے میں پڑھی ہو۔ اور اگر امام نے مسجد کے خارجی حصہ میں نماز ادا کی ہو تو پھر یہ بھی سنتیں مسجد کے خارجی حصے میں ادا کرے اور اگر ایسی مسجد ہو کہ اس کا اندرونی اور بیرونی حصہ الگ الگ نہ ہو تو پھر کسی ستون کے پہلو میں یا کسی کونے میں یہ سنتیں پڑھے۔

[۱۱۱۵/۷۵] وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے

سَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ۔

بعد کی دو رکعتوں میں قرات لمبی کرتے تھے یہاں تک کہ اہل مسجد منتشر ہو جاتے تھے لہ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ) (ابو داؤد)

لہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہ سنتیں مسجد میں پڑھی تھیں۔ آپ کا یہ عمل کسی سبب اور عذر پر محمول ہے جس کی وجہ سے آپ گھر نہ جا سکے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ گھر میں پڑھی ہوں اور حضرت ابن عباس نے آپ کو اس حالت میں پایا۔ کیونکہ آپ کا گھر مسجد کے متصل تھا۔ مسجد اور گھر کے درمیان صرف ایک دیوار تھی۔ پھر اس دیوار میں ایک دروازہ تھا جو مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سنت مغرب میں لمبی قرات کبھی کبھار آپ نے کی۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

۱۱۹۳/۲۴ وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلٰوتُهٗ فِىْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا۔

حضرت مکحول[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعتیں پڑھ لے تو اس کی نماز علیین[۲] میں اٹھائی جاتی ہے۔ مرسل ہے۔ اور

وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَاِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِىُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت حذیفہ[۳] سے اسی کی مثل ہے اور زیادہ کیا کہ کہتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں جلدی[۴] پڑھو۔ کیونکہ وہ دونوں فرضوں کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا اور بیہقی نے ذیلی سے زیادتی کو شعب الایمان میں اس کی مثل روایت کی۔

لہ حضرت مکحول شامی مشہور تابعین سے ہیں اور ان کے بلند مرتبہ ثقہ حضرات میں سے ہیں۔

۲لہ علیین ساتویں آسمان سے اوپر ایک جگہ ہے۔ بعض نے کہا ہے ساتویں آسمان کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ملائکہ کے دیوان کا نام ہے جس میں وہ صالحین کے اعمال لے کر جاتے ہیں۔ بعض نے کہا یہ جناب عزت حق تعالیٰ کے دو گوں میں سب

سے اعلیٰ اشرف اور اقرب جگہ کا نام ہے۔

ٹ۳ یعنی مکحول نے اسے بطریق ارسال روایت کیا۔ یہ حضرت مکحول کثیر الارسال شخصیت تھے۔

ٹ۴ اور حضرت حذیفہ سے جو صحابہ میں سے ہیں اسی حدیث کی مانند روایت کی گئی ہے۔

ٹ۵ یعنی فرضوں کے متصل ان کو پڑھو۔

ٹ۶ اس لیے انہیں فاصلہ کے بغیر جلدی ادا کرو تاکہ اعمال لے جانے والے ملائکہ کو انتظار نہ کرنی پڑے۔ ظاہر یہ ہے کہ قراءت اور دعا یا ذکر بس فرضوں کے بعد ثبوت صحیح روایات سے ہو چکا ہے۔ اس جلدی کے منافی نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ ان اذکار کا دو رکعتوں کے بعد پڑھنا اس جلدی کے منافی نہیں ہے۔ اور گذشتہ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس طرح کا کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔ البتہ یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے۔ کہ ان دو رکعت کی گھر میں ادائیگی کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے۔ اب اگر کسی کا گھر مسجد سے دور ہو تو گھر جانے سے اس جلد ادائیگی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے تردد کیا کرے۔ اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں ان دو میں ظاہر یہ ہے کہ گھر ہی جا کر پڑھے کہ گھر میں پڑھنے کے بارے میں تاکید زیادہ آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۴۶ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْأَلُهُ عَنْ شَيْءٍ رَآهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِي الْمَقْصُورَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلٰوةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ أَنْ لَا تُوْصِلَ بِصَلٰوةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عمرو بن عطا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نافع بن جبیر نے انہیں حضرت سائب کے پاس اس چیز کے پوچھنے کے لیے بھیجا جو حضرت امیر معاویہ نے ان سے نماز میں دیکھی تھی۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے امیر معاویہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ پڑھا جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور وہیں نماز پڑھی۔ جب وہ گئے تو مجھے بلایا اور فرمایا یہ کام آئندہ نہ کرنا۔ جب جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز سے نہ ملاؤ۔ یہاں تک کہ کوئی بات کر لو یا ہٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا کہ ہم بغیر کلام کیے یا بغیر ہٹے نماز کو نماز سے نہ ملائیں۔ (مسلم)

سلے آپ تابعی ہیں اور نافع بن جبیر بن مطعم بھی تابعی ہیں اور حضرت سائب صحابی ہیں۔
سلے اور اس سے منع کیا ہو۔
سلے مقصورہ مسجد کی وہ جگہ ہے جو کبرا اور امراء کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یہ لفظ قصر سے مشتق ہے یعنی اونچا محل
سلے یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر گئے۔
سلے یعنی جہاں فرض نماز پڑھی جائے آئندہ وہیں نفل نماز نہ پڑھنا۔
سلے مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ صلوٰۃ نہیں ہے۔ تو عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جمعہ کے ساتھ دوسری نماز نہ ملائیں جب تک کہ بات نہ کرلیں یا مسجد سے باہر نکل آئیں۔

۱۱۱۹/۲۹ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ
وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا

حضرت عطاء[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھتے تو اس جگہ سے جہاں جمعہ پڑھا ہوتا ذرا آگے ہوتے[2] اور دو رکعت نماز پڑھتے پھر اور آگے ہوتے اور چار رکعت پڑھتے[3] اور جب مدینہ طیبہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اس کے ساتھ ہی گھر آجاتے۔ اور گھر آکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ مسجد میں نہ پڑھتے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا (گھر میں آکر پڑھتے ہیں مسجد میں نہیں پڑھتے) کیوں کرتے ہیں، تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی[4] کرتے تھے ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے۔ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھیں پھر اس کے بعد چار رکعت پڑھیں[5]۔

سلے عطاء نام کے کئی آدمی گزرے ہیں۔ یہ بزرگ بھی تابعی ہیں۔
سلے تو آپ کا یہ ذرا آگے ہونا نماز جمعہ کے مابین فاصلہ کی حیثیت رکھتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ نماز جمعہ کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے پہلے کلام کرے یا مسجد سے باہر نکل آئے۔ حضرت ابن عمر کے آگے بڑھنے سے یہ شرط پوری ہو جاتی تھی اور آپ کا یہ نفل کلام کرنے یا مسجد سے باہر نکلنے کی طرح تھا۔
سلے اس طرح کل چھ رکعت بن جاتی تھیں جو آپ جمعہ کے بعد پڑھتے تھے مکہ معظمہ میں آپ اسی طرح کرتے تھے۔

سے علماء نے کہا ہے کہ شاید مکہ اور مدینہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ میں فرق کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں آپ کا مکان مسجد نبوی شریف کے نزدیک اور اس سے بالکل متصل تھا، اور مکہ میں مسافر ہوتے تھے اور آپ کی رہائش حرم سے دور تھی۔ اسی لیے ذرا آگے بڑھنے کو آپ گھر واپس آنے کی حیثیت دے دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں جو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حرم شریف مکہ میں ہر عبادت کا ثواب دوگنا ہے۔ ترمذی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نماز جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم دیتے پھر چار رکعت کا مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے بھی حدیث عطا میں ترمذی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے وفی روایۃ الترمذی الی آخرہ۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

۵ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چھ رکعت میں پہلے چار پھر دو یہ جمعہ کے بعد کی نماز کا حکم ہے۔ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس انکار میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بعض نے کہا کہ جو لوگ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت کرتے ہیں وہ ظہر پر قیاس کرتے ہیں مگر قیاس کے ساتھ سنت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے مگر حق بات یہ ہے کہ جمعہ سے قبل بھی سنت نماز ثابت ہے۔ اس میں گفتگو طویل ہے ہم نے شرح سفر السعادۃ میں وہ گفتگو کر دی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز کا باب

واضح ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز شب کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ مختلف ایام میں مختلف رکعات کی صورت میں آپ پڑھتے تھے پھر نفل عبادت ادا کرنے والا امتی مختار ہے کہ حضور کے جس طریقہ پر بھی عمل پیرا ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شرف حاصل کرے گا اور اگر متعدد اوقات میں آپ کے سب طریقوں پر عمل کرے تو یہ زیادہ موافق اور زیادہ مناسب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کی رکعات کی تعداد ۱۳، ۱۱، ۹ اور سات آئی ہے۔ بعض علماء نے پانچ رکعت بھی بیان کی ہیں۔ البتہ تیرہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پھر بعض علماء تو اس تعداد میں سنت فجر کو بھی شامل کرتے ہیں۔ بعض شامل نہیں کرتے۔ شامل نہ کرنا زیادہ صحیح اور زیادہ درست ہے۔ پھر وتر نماز کبھی آپ ایک رکعت پڑھتے، کبھی تین رکعت۔ بعض روایات میں سو وتر کو اس تعداد میں شمار کیا اور بعض

میں اس سے خارج رکھا۔ اور بعض روایات میں ایک رکعت کو وتر کہا۔ بعض میں تین رکعت کو بعض روایات میں پانچ رکعت اور بعض میں سات رکعت کو بھی وتر کہہ دیا۔ اور بعض روایات میں ساری نماز شب کو وتر کہہ دیا۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جب آپ ابوڑھے ہو گئے تو پھر سات رکعات وتر پڑھتے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اے اہل قرآن وتر نماز ادا کیا کرو۔ اس سے آپ نے نماز شب مراد لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز وتر ملانے سے ساری نماز شب وتر بن جاتی ہے۔ جس طرح دن کی ساری نمازیں نماز مغرب شامل کرنے سے وتر یعنی طاق رکعتیں بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ نماز تہجد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا اولا امت پر بھی فرض تھی۔ بعد میں امت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مشہور اور مختار یہ ہے کہ امت پر سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر عمر تک فرض رہی۔ اس بات کی تحقیق اپنی جگہ کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۲۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَاُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت کے بعد نماز فجر تک گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر ادا کرتے تھے۔ اس میں آپ اتنا دراز سجدہ کرتے تھے کہ تم لوگ آپ کے سر مبارک اٹھانے سے پہلے پہلے پچاس آیتیں پڑھ سکتے ہو۔ پھر جب موذن فجر کی اذان سے فارغ ہو جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صبح صادق ظاہر ہو جاتی تو کھڑے ہو جاتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ پھر آپ اپنے دائیں پہلو پر سو جاتے۔ یہاں تک کہ موذن اقامت کے لیے آپ کے پاس آتا تو آپ گھر سے باہر تشریف لاتے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ اس عبارت کی شرح میں متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وتر کے سجدوں میں کوئی سجدہ بہت لمبا کرتے۔ یا وتر نماز کے تمام سجدے اتنے طویل ہوتے تھے کہ قرآن پڑھنے والا اس عرصہ میں پچاس آیتیں پڑھ سکتا تھا۔ بعض شافعیہ نے اس سجدہ کو سجدۂ شکر پر محمول کیا ہے کہ آپ اس فعل کے بجالانے کی توفیق ملنے پر شکرانہ کے طور پر کرتے تھے۔ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنے میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ باب سجود الشکر میں آئے گا اور وہ جو بعض علاقوں میں وتروں کے بعد معروف طریقہ پر دو سجدے کرتے ہیں تو اس کی فضیلت بعض ضعیف اور مجروح فقہی روایات میں آئی ہے اور لوگ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدۂ شکر پر محمول کرتے ہیں مگر اخبار و آثار میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور مختار فقہی روایات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حرمین شریفین میں بلکہ تمام دیار عرب میں اس پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا اور اس بارے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے۔ علماء نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار واضح ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اس سجدے کی سنیت یا استحباب کا قائل نہیں ہے۔ دیار عرب کے اکثر حنفیہ اس سجدے کو بانتے تک نہیں۔ اس کا مکروہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

سلہ اکثر روایات میں سکت تا کے فوقانی سے آیا ہے جو سکوت بمعنیٰ خاموشی سے مشتق ہے۔ یعنی جب موذن اذان فجر سے فارغ ہو جاتا اور بعض نے یہ لفظ سکب بائے موحدہ سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ سکب (انڈیلنا) سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب بھی دراصل خاموش ہونا ہے۔ یعنی جب موذن لوگوں کے کانوں میں اذان انڈیل دیتا۔

سلہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادائے سنت کے لیے صرف موذن کی اذان پر کفایت نہ کرتے تھے کیونکہ اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ موذن نے رات گزرنے میں غلطی کی ہو۔ بلکہ آپ خود فجر ہونے کی تحقیق کرتے تھے۔

سلہ جیسا کہ سنت فجر کے بارے میں آیا ہے کہ آپ اس کی پہلی رکعت میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

شہ ہم اس کی شرح تیسری حدیث کے تحت کریں گے۔

۱۱۲۱ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرتے[1] ورنہ سو جاتے۔ (مسلم)

سلہ اور امام بخاری نے بھی باب الحدیث بعد رکعتی الفجر اور باب من یحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع میں اس حدیث کو روایت کیا۔ اس حدیث سے سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے سنت فجر کے

بعد کلام کرنے کے بارے میں ایک باب باندھا ہے اور اس باب میں حضرت عائشہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کی ہے۔ کہ اِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَاِنْ كَانَ لَهُ اِلَيَّ حَاجَةٌ كَلَّمَنِيْ وَاِلَّا خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ یعنی جب آپ فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اگر مجھ سے آپ کو کوئی کام ہوتا تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ بھی کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علمائے صحابہ طلوع فجر کے بعد سے نماز فجر ادا کرنے تک کلام کرنا مکروہ جانتے تھے مگر یہ کہ ذکر الٰہی کیا جائے یا کوئی بہت ضروری بات۔ یہی احمد و اسحٰق کا قول ہے۔ انتہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ سے گفتگو کرنا اسی نوعیت کا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کا قول فان کانت لہ الی حاجتہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے اور اگر اس قسم کی ضروری بات نہ بھی ہو تو بات کر لینا سنت کو باطل نہیں کرتا نہ اس سے سنتیں دوبارہ پڑھنی پڑتی ہیں مگر جب کہ اس وقت میں احتیاط اور تکمیل ثواب کے پیش نظر بات کرنے کو شدید مکروہ قرار دیا جائے۔

۱۱۲۳۔ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر سو جاتے۔ (بخاری و مسلم)

واضح ہو کہ اس حدیث میں دو طرح کا کلام ہے۔ ایک سنت فجر کے بعد سونا دوسرے دائیں پہلو پر سونا۔ قول اول کے متعلق تو یہ ہے کہ بعض ظاہریہ اس سونے کو واجب قرار دیتے ہیں اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض اسے فرض نماز کی صحت کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر نہ سوئے گا تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی اور ایک جماعت اس وقت سونے کو مکروہ قرار دیتی اور بدعت کہتی ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اسے بدعت کہنا حق سے بعید بات ہے کیونکہ اس وقت نیند کے بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ اولاً سونا جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا یا اس وقت نیند کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یا اس نیند کو بقصد استراحت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس وقت سونے کو عبادت قرار دیا جائے۔ یوں ہی اس نیند کو واجب و ضروری قرار دینا بھی بعید ہے۔ کیونکہ اس بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ اور بعض روایات میں سونے کا ذکر نہیں آیا صرف اس قدر آیا ہے کہ آپ سنتیں پڑھتے اور باہر مسجد کی طرف نکل آتے۔ لہٰذا قول مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ سونا مستحب ہے۔ مکروہ یا واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ارادے سے سوئے کہ قدرے آرام حاصل کرے۔ اور نماز تہجد کے باعث جو ثقل و تھکاوٹ لاحق ہو چکی ہے دور ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ارادے کے تحت نیند کرتے تھے۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسری بات یعنی آپ کا دائیں پہلو پر سونا تو یہ آپ کی ہمیشہ عادت مبارکہ تھی۔ علماء نے کہا ہے کہاں میں حکمت یہ ہے تاکہ گہری میں نیند نہ سو جائیں۔ کیونکہ قلب یعنی گوشت کا صنوبری ٹکڑا بائیں جانب ہے۔ اگر بندہ بائیں پہلو پر سوئے تو دل کو قرار حاصل ہوگا اور اس پر استراحت کا غلبہ نہ ہوگا اور وہ ہی گہری نیند کی بے ہوشی اس پر طاری ہوگی۔ اور اس کے لیے نیند سے اٹھ بیٹھنا اور بیدار ہونا آسان ہوگا۔ اسی وجہ سے اطباء نے بھی بائیں پہلو پر سونے کی تلقین کی ہے کیونکہ دل راحت طلب کرتا ہے اور نیند کی حالت میں کھانا ہضم ہوتا ہے۔ کیونکہ حرارت غریزی اندرون بدن داخل ہو جاتی ہے اور جس قدر نیند کا غلبہ زیادہ ہوگا راحت زیادہ حاصل ہوگی اور کھانا وافر طور پر ہضم ہوگا۔ اور صاحب شرع علیہ السلام نے نیند ہلکی رکھنے اور رات کو بیداری کا میسر آنے کے لیے دائیں پہلو پر سونے کو اختیار کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے کم کھانا بھی ضروری کہا ہے۔

واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر سو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد اٹھتے اور تازہ وضو کیے بغیر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے (میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا) بعض کہتے ہیں کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور باب الاذان قصہ لیلۃ التعریس میں اس مقام سے متعلق کچھ بیان ہو چکا ہے۔ اسے ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۱۲۳ـ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً مِّنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر[۱] بھی ہوتے تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی۔ (مسلم)

لے یعنی ایک رکعت یا تین رکعات وتر

سلہ یعنی ان تیرہ رکعات میں جو آپ رات کو پڑھتے تھے دو رکعت سنت فجر کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ دو رکعتیں رات کے قریب اس کے متصل اور اختتام شب کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ رات میں آپ کی اصل نماز گیارہ رکعات ہوتی تھی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی رات کی نماز فجر کی سنتوں کے علاوہ تیرہ رکعات ہوتی تھی۔ مگر وتر ان تیرہ رکعت میں داخل ہیں۔

۱۱۲۴ـ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّتِسْعٌ وَّاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعات ہوا کرتی تھیں[۲] فجر کی دو سنتوں کے علاوہ[۳]

(بخاری)

[۱] حضرت مسروق رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔ آپ چھوٹی عمر میں چرائے گئے تھے۔ اس بنا پر آپ کا یہ نام پڑ گیا۔

[۲] یعنی کبھی سات کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعات

[۳] ظاہر یہ ہے کہ اس استثناء کا تعلق گیارہ رکعات سے ہے اور اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تیرہ رکعت سنت فجر کو ملا کر ہوتی تھیں۔

۱۱۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرتے[۱]

(مسلم)

[۱] اس سے وہ دو رکعت مراد ہیں جو آپ وضو کے بعد ادا کرتے تھے اور انہیں ہلکا پڑھنا مستحب ہے اس بارے میں قولاً اور فعلاً روایات آچکی ہیں۔

۱۱۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے۔

(مسلم)

۱۱۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ[۱] کے ہاں بسر کی اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تھے آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرتے رہے[۲] پھر سو گئے

ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ اَوْ بَعْضُهٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَى السَّمَاءِ فَقَرَاَ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ

جب رات کا آخری تہائی حصہ یا اس کا (کچھ حصہ) باقی رہ گیا تو آپ بیدار ہوئے اور اٹھ بیٹھے۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ قَامَ اِلَى الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءً حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِيْ فَاَدَارَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُهٗ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ وَكَانَ فِيْ دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّذَكَرَ وَعَصَبِيْ وَلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَشَعْرِيْ وَ

ختم سورۃ تک۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک کے پاس گئے اور اس کا منہ کھولا پھر ایک ٹب میں پانی ڈالا۔ پھر آپ نے دو وضوؤں کے درمیانی کا وضو کیا کہ آپ نے زیادہ پانی نہ بہایا مگر ہر عضو تک اچھی طرح پانی پہنچایا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی کھڑا ہوا اور وضو کیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرے کان پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب گھما دیا تو آپ کی تیرہ رکعت نماز مکمل ہو گئی۔ پھر آپ لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی اور یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب نیند طاری ہوتی تو آپ کے خراٹوں کی آواز آتی تھی۔ پھر حضرت بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی۔ تو آپ نے نماز پڑھی اور تازہ وضو نہ کیا۔ اور آپ کی دعا میں سے یہ کلمات تھے اے میرے اللہ میرے دل میں نور بھر دے اور میری آنکھوں میں اور کانوں میں نور ڈال دے۔ اور میرے دائیں اور

بُشْرَیٰ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ
وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہُمَا وَ اَجْعَلْ لِّیْ
نَفْسِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّ
فِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰہُمَّ اَعْطِنِیْ
نُوْرًا۔

بائیں نور کر دے اور میرے اوپر میرے پیچھے میرے آگے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے پٹھوں کو نور کر دے اور میرے گوشت میرے خون اور میرے بالوں اور چمڑے میں نور پیدا کر دے۔ بخاری و مسلم۔ اور ان دونوں کی ایک دوسری روایت میں یہ لفظ آئے ہیں اور میری روح میں نور پیدا کر دے اور مجھے اعظم نور عطا فرما اور مسلم کی ایک دوسری روایت ہے اے میرے اللہ مجھے نور عطا کر۔

﴿

سلہ یعنی ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں بچے تھے۔

سلہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ضرورت و مصلحت کے تحت عشا کے بعد باتیں کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ باب اوقات الصلوٰۃ میں بھی گزرا۔

سلہ بعض روایات میں لاتخلف المیعاد تک پانچ آیتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ کھڑے ہونے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے وقت بھی ان آیات کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں مسواک کے وقت بھی ان کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

سلہ اصل میں لفظ قربۃ آیا ہے۔ قاف کی زیر اور را ساکن یعنی مشک

سلہ عربی میں لفظ شناق آیا ہے شین کی زیر نون مخفف۔ آخر میں قاف۔ یعنی ڈوری یا رسی جس کے ساتھ مشک کا منہ باندھتے ہیں۔

سلہ اصل میں لفظ جفنۃ ہے جیم کی زبر فا ساکن اور نون۔ یعنی بہت بڑا پیالہ (ٹب)

سلہ یعنی آپ کے اس وضو میں نہ اسراف تھا اور نہ ہی ضرورت سے بھی کم پانی۔ یعنی آپ نے فضول پانی نہ بہایا جو حد اسراف کو پہنچ جائے اور نہ اتنا کم کہ اعضائے وضو کو تر و تازہ بھی کر سکے جیسا کہ فرمایا لم یکثر وقد ابلغ۔

سلہ یہ تیرہ رکعت نماز وتروں کے ساتھ ہوگی۔ سنت فجر کی دو رکعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ فجر کی دو سنتیں بھی ان تیرہ رکعت میں شامل ہیں۔ اور جب کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کی نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک مختلف تھا۔ آپ کبھی اتنی اور کبھی اتنی رکعات پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کا قطب و مدار حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں۔

۹ؔ اور یہ سانس کی نالی کے کشادہ ہونے اور قوائے جسمانی کے صاف اور سدہ وغیرہ سے محفوظ ہونے کی علامت تھی۔

۱۰ؔ اور اس بات کی اطلاع دی کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ سب نمازی حاضر ہیں اور مسجد میں جمع ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ اطلاع دینا اذان کی اطلاع دینے کے علاوہ ہے۔ اذان کی اطلاع آپ کو اس وقت دی جاتی تھی جب کہ دیر ہو جاتی تھی اور آپ گہری نیند سوئے ہوتے تھے۔

۱۱ؔ یعنی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور سنتیں پڑھیں۔

۱۲ؔ یعنی نیند سے بیدار ہو کر تازہ وضو نہ کیا۔ کیونکہ نیند سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ بیان میں معلوم ہوا۔

۱۳ؔ یعنی اس دعا کے کلمات جو آپ سنت فجر اور فرض کے درمیان پڑھتے تھے۔ اکثر مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور تہجد کے بعد اس دعا کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس حدیث میں بھی اس دعا کو تہجد پر محمول کیا جائے اور اسے دعائے طویل کہتے ہیں۔ حضرت امام شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے عوارف میں فرمایا۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس دعا کو اپنا ہمیشہ کا ورد بنایا مگر اس شخص نے جسے اللہ تعالیٰ نے برکت اور نور سے بہرہ ور فرمایا ہے اور لمبی دعا ہے اس کے آخر میں یہ کلمات ہیں اللھم فی قلبی نورا الی آخرہ۔

۱۴ؔ تاکہ ہر چہار سمت نور ایمان و یقین اور شہود الٰہی میرے شامل حال ہو جائے اور میرا سارا وجود نورانی ہو جائے بلکہ یہ نور مجھے ذات حق تعالیٰ میں فانی کر دے۔

۱۵ؔ یعنی ایسا نور جو دائرہ حواس و جہات سے باہر ہو۔

۱۶ؔ یعنی بعض راویوں نے وفی لسانی نورا کا اضافہ کیا۔ یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے تاکہ دوسروں کو جو نور شہود اور استفاضہ اسرار وجود کرنا چاہتے ہیں میری نورانی زبان سے جو ابہام اور توہمات کی ظلمت سے محفوظ ہے، تعبیر کروں۔ اور وحی و الہام کے نور کی تائید سے جو اوہام کا ذیہ کی معمولی سی ملاوٹ سے بھی پاک ہے۔ لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کروں۔

۱۷ؔ بعض نے اس طرح روایت کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا۔ وشعری نورًا، وبشری نورًا۔ یعنی میرے پٹھوں میں نور ڈال دے۔ میرے گوشت میں نور پیدا کر دے۔ میرے خون میں نور بھر دے۔ میرے بالوں میں نور ڈال دے اور میرے چہرے میں نور بھر دے۔

۱۸ؔ نفس روح حیوانی سے عبارت ہے جو روح اور جسم کے درمیان برزخ و پردہ ہے اور نور و لطافت اور ظلمت و کدورت کے وسط میں ہے۔ تاکہ میری روحانیت نورانی احکام سے متصف ہو جائے اور نورانیت کی نسبت غالب آ جائے اور خیر و طاعت میں بھی اضافہ ہو۔ جیسا کہ فرمایا واعظم لی نورا یعنی میرے لیے نور عظیم پیدا کر دے۔

۱۹ اس فقرے میں گذشتہ تمام تفصیلات کو مجملاً بیان کر دیا یعنی اے اللہ اپنی نورانیت سے وہ حصہ عطا کر جس سے میرا ظاہر اور باطن، میرا جسم روح، زیر و زبر پیش و پس اور میرا دایاں بایاں پوری طرح روشن منور ہو جائے یہاں تک کہ میں اس طرح ہو جاؤں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

اندرونم نے روی بیرون ما
دگرفتی درون و بیرون ما

ترجمہ۔ تو میرے باطن سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اگرچہ تو میرے ظاہر و باطن کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔
اور جب کہ نور خاص اسم الٰہی اور اس کی ذات مقدس کا مصداق ہے تو کسی نے اس دعا کا حاصل اور خلاصہ بیان کرتے ہوئے یوں کہا۔ ع

سرتا پایم فدائے سرتا پایت
یعنی میں سر سے پاؤں تک تیرے سرتا پاؤں پر فدا اور قربان ہوں
اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ بے شک اللہ تعالٰے نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

$\frac{1128}{9}$ وَعَنْهُ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ أَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور مسواک اور یہ پڑھتے ہوئے وضو کیا۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ختم سورۃ تک۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔ ان دونوں رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجدہ لمبا کیا پھر لوٹے (بستر کی طرف) اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر آپ نے تین بار اسی طرح کیا کہ آپ ہر بار مسواک کرتے، وضو فرماتے، اور یہ آیات پڑھتے پھر آپ نے تین رکعت وتر ادا کیں۔ (مسلم)

۱۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر پیش آیا کہ حضرت ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے۔

۲؎ اس حدیث میں دلیل ہے کہ وتر تین رکعت مشروع ہیں، بہت سی روایات میں نماز وتر ایک رکعت بھی آئی ہے شافعی حضرات نے اس بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ تین رکعت وتر کے ثبوت میں احادیث اور آثار صحیحہ ہیں، حق یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں یا ایک رکعت علمائے صحابہ اور ان کے بعد کے علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں، جیسا کہ باب الوتر میں آرہا ہے۔ پھر یہ اختلاف اولیٰ اور نفل میں ہے یعنی تین رکعت وتر پڑھنا افضل اور اولیٰ ہے یا ایک رکعت پڑھنا۔ ورنہ کسی کے نزدیک بھی تین رکعت وتر پڑھنا ممنوع نہیں

۱۱۲۹ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهُ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَاَفْرَادِهٖ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأِ مَالِكٍ وَسُنَنِ اَبِيْ دَاؤُدَ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ۔

حضرت زید بن خالد جہنی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا[۲] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز ضرور دیکھوں گا تو آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں دراز دراز دراز پڑھیں[۳]۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں، پھر دو رکعتیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں[۴]۔ پھر وتر پڑھے۔ یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں[۵]۔

اسے مسلم نے روایت کیا اس قول تک کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ دونوں اپنی پہلی رکعتوں سے کم تھیں۔ چار[۶] بار۔ یوں ہی صحیح مسلم میں کتاب حمیدی کے افراد[۷] میں موطا امام مالک سنن ابو داؤد اور جامع الاصول میں ہے۔

۱؎ جیم کا پیش اور ہا کا زبر، حضرت زید مشہور صحابہ میں سے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوسلمہ، عطا بن ابی یسار وغیرہ احادیث روایت کرتے ہیں۔

۔۔ ۵۰ھ ہجری کوفہ میں فوت ہوئے۔

ؔ یعنی اپنے آپ سے کہا۔

ؔ یعنی بہت ہی لمبی

ؔ تو یہ پانچ دوگانے ہوئے اس ترتیب سے کہ ہر بعد والا دوگانہ پہلے دوگانہ سے ہلکا تھا۔

ؔ اگر دو ہلکی رکعتوں کو اس نماز میں شامل نہ سمجھا جائے تو پھر یہ حدیث تین رکعت وتر پر مبنی ہوگی اور اگر شامل قرار دیا جائے تو اس صورت میں وتر ایک رکعت ہوں گے۔ یہی معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ہلکی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کے دو نفل ہوتے تھے۔ نہ کہ رات کی نماز۔

ؔ یعنی مؤلف نے کہا کہ قول ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما اربع مرات۔ یعنی یہ قول چار بار ہے جس کا مجموعہ آٹھ رکعت بنتا ہے اور پہلی دو رکعتوں کے ساتھ جو بہت لمبی تھیں، دس رکعتیں بنتی ہیں۔

ؔ اور کتاب حمیدی میں جس میں صحیحین کی حدیثوں کو جمع کیا اور افراد مسلم میں۔ اور اس میں تین قسم کی احادیث ہیں۔ ایک وہ جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں جنہیں دونوں نے روایت کیا۔ دوسری وہ جس میں بخاری اکیلے ہیں۔ اور امام بخاری اس سے مخصوص ہیں اور اس کی روایت کرتے ہیں وہ متفرد ہیں۔ تیسری قسم وہ کہ اس میں امام مسلم اکیلے ہیں۔ اور وہ اس کی روایت میں متفرد ہیں۔ امام بخاری نے انہیں روایت نہیں کیا پس صحیح مسلم کے متن میں یہ عبارت چار دفعہ واقع ہوئی اور کتاب حمیدی میں بھی ایسا ہی ہے

ؔ جامع الاصول وہ کتاب ہے جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور یہ مبالغہ آمیز کلام مؤلف کی جانب سے صاحب مصابیح پر ایک طرح کا اعتراض ہے کہ اس نے اس قول کو تین بار ذکر کیا جس کا مجموعہ گیارہ رکعت بنتی ہیں لیکن بعض شارحین نے یہ توجیہہ کی ہے کہ تین بار لفظ طویلتین طویلتین طویلتین چھ رکعت پر محمول ہے اور ان میں حرف عطف محذوف ہے اور دو ہلکی رکعتیں اس سے خارج ہیں اور وتر ایک رکعت پڑھا اس توجیہہ کے مطابق تیرہ رکعت بنیں۔ مگر اس توجیہہ میں تکلف پایا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ لفظ طویلتین کا تکرار تاکید اور تطویل میں مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا۔

۱۱۳۰/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی وجہ سے گراں بدن ہو گئے[۱] تو آپ کی زیادہ تر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی[۲] (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی جب ضعف پیری کی وجہ سے آپ تن دار ہو گئے اور بڑھاپے کے باعث آپ کو اپنا جسم مبارک بھاری محسوس ہونے لگا۔

[۲] یعنی نماز شب یا مطلق نوافل آپ بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ واضح ہو کہ لفظ بدن دال مخفف اور اس کی پیش

سے روایت کیا گیا ہے اور یہ بدانت سے مشتق ہے بمعنی فربہ پن اور جسم کا بوجھل ہونا۔ یہ لفظ دال کی زبر اور شد سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ تبدین سے مشتق ہے بمعنی بڑھاپا۔ بعض علماء نے اس روایت کو زیادہ پسند کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے حلیہ شریف کے بیان میں علماء نے یوں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتدل الخلق (معتدل وجود والے) اور چھریرے بدن والے تھے۔ اور فربہ اس کے منافی ہے۔ بعض علماء نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث کی وجہ سے اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ فَلَمَّا اَسَنَّ وَاَخَذَ اللَّحْمَ ۔ (جب آپ معمر ہو گئے اور گوشت بڑھ گیا) گوشت کا اعتدال کے طور پر بڑھنا اعتدال پر پیدا ہونے اور جسم کے سڈول ہونے کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِیْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰی تَاْلِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِیْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک دوسری سے ملتی جلتی[۱] سورتوں کو خوب جانتا ہوں جنہیں آپ ایک دوسری سے ملاتے تھے تو حضرت ابن مسعود نے اپنی تالیف کے مطابق اول مفصل[۲] سے لے کر بیس سورتوں کا ذکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے ان بیس میں آخر کی یہ دو سورتیں تھیں حٰمٓ الدخان اور عم یتساءلون[۳] (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی جو سورتیں قدر و منزلت اور لمبی چھوٹی ہونے میں ایک دوسری کی نظیر اور مثل تھیں۔ آپ ان کو ایک دوسری سے ملا کر پڑھتے تھے۔

[۲] مفصل کا معنی باب القراءت میں بیان ہو چکا ہے کہ قول مشہور کے مطابق سورہ حجرات سے تا آخر قرآن مفصل سورتیں ہیں مگر یہ سورتیں جو ایک دوسری کی نظیر و مثل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جمع و تالیف قرآن کے مطابق ہیں۔ بعض صحابہ نے بعض مصلحتوں کے تحت قرآن پاک کی ایک خاص ترتیب بنا رکھی تھی۔ جیسے حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جمع کیا تھا۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن پاک سے معقول کے موافق ایک ترتیب دے رکھی تھی۔ اس ترتیب سے ناسخ و منسوخ کا پتہ چل جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کی ترتیب وحی کے مطابق ہے۔ اور قرآن پاک اللہ تعالٰے کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ حضرت جبرئیل نازل کرتے وقت کہتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت کے بعد رکھا جائے اور اس آیت کو فلاں جگہ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا اور صحابہ کے اتفاق سے عثمانی مصاحف لکھ کر تیار ہو گئے۔ تو پھر کسی اختلاف و اشتباہ کی گنجائش نہ رہی۔ اور آپ ایک دوسری سے ملتی جلتی سورتوں کو جو ملاتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔

۳۵ علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وہ بیس سورتیں اس ترتیب سے ذکر کی ہیں جو امام سیوطی کی تفسیر اتقان میں بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

١٢٢١ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوْعِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُوْدِهِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَاَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

دوسری فصل

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین بار فرماتے تھے اللہ بڑا ہے ملکوت جبروت اور کبریائی والا ہے پھر نماز شروع کی تو سورہ بقرہ پڑھی پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع آپ کے قیام کے مثل تھا۔ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے تھے پھر رکوع سے سر مبارک اٹھایا تو آپ کا قومہ رکوع کی مثل تھا فرماتے تھے، ربی الحمد میرے رب کے لیے حمد وثنا ہے۔ پھر سجدہ کیا۔ تو آپ کا سجدہ قومہ کی مثل تھا۔ اپنے سجدہ میں فرماتے تھے سبحان ربی الاعلیٰ پھر سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور آپ دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مثل ہی بیٹھتے تھے۔ اور کہتے تھے رب لی مجھے بخش دے اور آپ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ جن میں آل عمران، نساء، مائدہ، یا انعام پڑھیں۔ شک شعبہ کو ہے۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی تین بار اللہ اکبر کہا پھر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ کے الفاظ پڑھے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے جبروت جبر یعنی قہر و غلبہ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ یہ صیغہ مبالغہ کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رحموت۔ رہبوت اور کبریا اور عظمت دونوں قریب المعنی ہیں اور اگر ایک کو ذات پر اور دوسرے (عظمت) کو صفات پر محمول کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔

[۲] یعنی پھر آپ نے دعائے استفتاح سبحانک اللہم پڑھی اور شروع نماز کی دعائیں گذشتہ باب ما یقرء بعد التکبیر میں ذکر کی ہیں۔

[۳] یعنی لمبائی میں۔ کہ جس طرح قیام کو مقررہ عادت کی مقدار سے قرات کی درازی سے دراز کیا رکوع کو بھی ذکر و تسبیح کے ذریعہ قیام کی مقدار دراز کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیام و رکوع فی الحقیقت درازی میں برابر تھے۔ بلکہ درازی میں ایک دوسرے کے نزدیک تھے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے بعض اوقات دونوں برابر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ نسائی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ہم نے شرح میں اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۴] روایات میں اس کے علاوہ اور اذکار اور دعائیں بھی آئی ہیں۔

[۵] یعنی لمبائی اور درازی میں قومہ رکوع کی طرح تھا۔

[۶] یہ الفاظ آپ نے مکرر پڑھے۔ اس کے علاوہ اور اذکار بھی آتے ہیں۔

[۷] بعض روایات میں اس سے زائد کلمات بھی آئے ہیں۔ جیسا کہ باب السجود میں گزرا۔

[۸] یعنی یہ شعبہ کو شک ہے جو حدیث کا راوی ہے کہ چوتھی رکعت میں سورۃ مائدہ پڑھی یا سورۃ انعام۔

۱۲۳۳/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کی نماز میں دس آیات پڑھتا ہے وہ غافلوں میں نہیں لکھا جاتا[۱]۔ اور جو شخص سو آیات کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے وہ اطاعت گزار لوگوں میں لکھا جاتا ہے[۲]۔ اور جو رات کی نماز میں ایک ہزار آیت پڑھتا ہے اس کا نام عظیم ثواب حاصل کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے[۳]۔ (ابوداؤد)

[۱] یعنی دو رکعت یا گیارہ رکعت میں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیات سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہیں۔ یعنی صرف دس آیات پڑھنے کی مقدار رات کو اٹھ کر نماز میں پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے سے غفلت کا نام اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور

اسے غفلت کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا اور اسے غفلت کی پستی سے نکال لیا جاتا ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے۔

۲؎ قانتین یعنی اطاعت کرنے والے اور خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرنے والے اور نماز کو دراز کرتے والے۔ یہ درمیانہ درجہ ہے۔ قانتین قنوت سے مشتق ہے یعنی طاعت، طول قیام اور خشوع و خضوع۔

۳؎ اور ان لوگوں کی طرح ہوتا ہے جو بہت سامال و اسباب حاصل کر لیتے ہیں۔ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قنطار کا لفظ کم از کم ستر ہزار دینار پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ثواب کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اس سے بھی بلند بہت سے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ مدارج عطا کرے۔

۱۱۳۴/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَّ یَخْفِضُ طَوْرًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اس طرح ہوتی تھی کہ کبھی آپ آواز بلند کرتے کبھی پست کرتے تھے۱؎ (ابو داؤد)

۱؎ یعنی تقاضائے وقت کے مطابق علماء نے کہا ہے کہ اگر آپ تنہا نماز پڑھ رہے ہوتے تو بلند آواز سے پڑھتے اور اگر وہاں کوئی سو رہا ہوتا تو پھر پست آواز سے پڑھتے۔

۱۱۳۵/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَدْرِ مَا یَسْمَعُهٗ مَنْ فِی الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِی الْبَیْتِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلند قراءت فرماتے کہ صحن۱؎ میں بیٹھا ہوا آدمی آپ کی آواز سن لیتا تھا جب کہ آپ مکان کے اندر پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (ابو داؤد)

۱؎ حجرہ کی تفسیر صحن خانہ اور دیوان خانہ سے کی گئی ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ حجرہ اور بیت سے ایک ہی جگہ مراد ہے یعنی جب آپ گھر کے صحن کے اندر پڑھتے تو گھر میں پاس بیٹھنے والا آپ کی قراءت سنتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب آپ نماز مسجد میں ادا کرتے تو مسجد کے باہر تک آپ کی آواز جاتی تھی۔

۱۱۳۶/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ یُصَلِّیْ وَهُوَ یَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات باہر نکلے تو آپ کا آمنا سامنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ صدیق اکبر آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے پاس سے گزرے

صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ)

اور وہ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں جب دونوں حضرات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں پست آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا[1] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اس ذات کو سنا رہا تھا جس سے مناجات کر رہا تھا[2] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں بلند آواز سے قراءت کر رہا تھا[3] حضرت عمر نے عرض کیا میں سونے والوں اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں اور شیطان کو دفع کرتا ہوں[4]، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اے ابوبکر تو اپنی آواز ذرا اونچی کر اور حضرت عمر سے فرمایا تو اپنی آواز قدرے پست کر[5]۔ ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] کہ تو نے اپنی آواز کس لیے اتنی پست کر رکھی ہے۔

[2] اور جس سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہوں۔

[3] کہ تیرے بلند آواز سے پڑھنے کا کیا سبب و باعث ہے۔

[4] جو عبادت کے وقت بیدار نہیں ہوتے مگر بیدار ہونا چاہتے ہیں نیند کی گرانی اور ابلیس کی مداخلت انہیں بیدار نہیں ہونے دیتی۔

[5] تاکہ وہ قرآن پاک سننے سے بھاگ جائے اور دائرہ وسواس سے گرد نہ گھومے کہ شیطان تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھی بھاگتا تھا اور جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے تو اس وقت ابلیس اس مکان کے قریب بھی نہ آ سکتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی نیت بیان کی دونوں کا مقصد و موقف درست ہے۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں جب کوئی شخص پاس نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے ذکر نہ کرنا چاہیے اور نہ قرآن بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ مگر سوئے ہوئے آدمی کے پاس بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ غفلت میں پڑے ہوئے بیدار ہو جائیں۔ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے جو آدمی نمازی ہو اور اتفاق سے سویا ہوا ہو اسے نماز کے لیے جگانا چاہیے اور جو ایسا نہ ہو اسے نہ جگانا چاہیے۔ تاکہ اس

ایک گھڑی میں نماز کا مکلف نہ بن سکے دور صحابہ کے تمام لوگ نماز کے پابند تھے اور اس بارے میں پوری کوشش سے کام لیتے تھے۔

ملک یہ درسطر اعتدال کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت ہے۔ اور اس عادت کو تبدیل کرنے کا حکم ہے جیسے ان حضرات نے اختیار کیا ہوا تھا جیسا کہ مریدین کے بارے میں مرشدین کاملین کا طریقہ اور تصرف ہوتا ہے۔

۱۱۳۶ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَۃٍ وَّ الْاٰیَۃُ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَ اِبْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ صبح کر دی۔ اور وہ یہ آیت تھی اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اگر تو انکو عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر نہیں تو بخش دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے (ترمذی وابن ماجہ)

ملہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت کے ساتھ صبح تک قیام لیل کیا کہ نماز میں اس ایک آیت کا تکرار اور اس میں تدبر کرتے رہے۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے کہ قیام میں سورۃ فاتحہ کا تکرار نماز کو باطل نہیں کرتا اور نہ ایک ہی آیت کے تکرار سے نماز میں کوئی ضرر و نقصان لاحق ہوتا ہے۔ بلکہ نشاط و خوشی کے وقت ایسا کرنا مستحب ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بعض اوقات اہدنا الصراط تا آخر سورت طبیعت کو اچھا لگتا اور ذوق عطا کرتا ہے۔ ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا فرض نماز میں ایسا نہ کرنا چاہیے نفل نماز میں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

ملہ یعنی وہ آیت جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات پڑھتے رہے، یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْھُمْ الی آخر یہ آیت دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے بارے میں قول ہے کہ آپ نے درگاہ حق تعالیٰ میں عرض کیا کہ اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں کیا کر سکتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کی بنا پر اس کے مستحق ہیں اور تیری رحمت و مغفرت کے لائق۔ ۔ اور اگر ان کے مستحق عذاب ہونے کے باوجود تو ان کو بخش دے تو تو غالب ذات ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ تجھے کہہ سکے کہ تو نے ایسا کیوں اور کیا کیا ہے۔ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہوگی۔ گویا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درگاہ عزت میں اپنی امت کا حال عرض کیا اور ان کے لیے مغفرت چاہی۔

۱۱۳۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لے تو اپنے

فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ - دائیں پہلو پر سو جائے[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں ایسا کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اہل ظواہر اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱۱۳۹/۲۰ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَيَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا تھا فرمایا وہ عمل جو ہمیشہ کیا جائے[1]۔ میں نے عرض کیا آپ رات کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب آواز دینے والا (مرغ) آواز دیتا[2] تو اٹھ کھڑے ہوتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اور جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اگرچہ وہ قلیل عمل ہی ہو۔

[2] علماء نے کہا ہے کہ مرغ کی عادت ہے کہ وہ نصف شب کے بعد یا اس کے قریب بانگ دیتا ہے شاید یہ اختلاف موسم کے مختلف علاقوں کے اختلاف کے باعث ہوتا ہو۔ اور ہمارے بلاد ہندوستان و پاکستان میں غالب طور پر مرغ رات کے تیسرے حصے کے آخر میں بلکہ رات کے آخری چھٹے حصے میں بانگ دیتا ہے۔

۱۱۴۰/۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ اَنْ نَرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتا ہوا دیکھیں مگر آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ہم نہ چاہتے تھے کہ آپکو سویا ہوا دیکھیں مگر آپکو سویا ہوا پاتے تھے[1] (نسائی)

[1] یعنی آپ رات کو نیند بھی کرتے اور قیام بھی۔ نہ ساری رات سوتے ۔ نہ ساری رات بیدار رہتے۔ لہذا ہم آپ کو سویا ہوا بھی پاتے اور عبادت کرتا ہوا بھی۔

۱۱۴۱/۲۲ وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ

حضرت حمید[1] بن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰى بَلَغَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَآءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے سوچا حالانکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا کہ قسم خدا کی میں نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوں گا۔ حتیٰ کہ آپ کا عمل دیکھ لوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا یعنی عتمہ پڑھ لی تو کافی رات تک لیٹے رہے پھر جاگے تو کنارہ آسمان میں تفکر فرمایا پھر کہا ہمارے رب تو نے اسے بیکار پیدا نہ کیا یہاں تک کہ لاتخلف المیعاد تک پہنچ گئے پھر اپنے بستر کی طرف جھکے۔ وہاں سے مسواک نکالی پھر اس برتن سے جو آپ کے پاس لٹکا تھا پانی پیالے میں انڈیلا پھر مسواک کی پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ میں نے سوچا کہ آپ نے سونے کے بقدر نماز پڑھ لی پھر لیٹ گئے حتیٰ کہ میں نے کہا کہ آپ بقدر نماز سو لیے پھر بیدار ہوئے تو جیسا پہلی بار کیا تھا ویسا ہی کیا اور جو پہلے فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے پہلے یہ کام تین بار کیا۔

(نسائی)

سلہ حمید حاکی جیش۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔

سلہ یعنی میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں۔ اس میں غور کروں اور اسے محفوظ رکھوں۔

سلہ یعنی وہ نماز عشا جسے عتمہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ مغرب کی نماز سے احتراز کے لیے ہے کہ اسے بھی عشا کہا جاتا ہے

اول زمانہ میں عرب کے دیہاتی مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ یعنی تاریکی کہتے تھے۔ اس کے بعد عشاء کو عتمہ کہنے سے روک دیا گیا۔ اس معنی کی تحقیق باب اوقات صلوۃ میں گزر چکی ہے۔

سکہ اصل میں لفظ ہَوِیّاً آیا ہے، ھا کی زبر واو کی زیر اور یا کی تشدید یعنی زمانہ طویل۔ بعض نے کہا یہ لفظ رات کے ساتھ خاص ہے۔

۵ہ یعنی آسمان میں اور اکثر روایات میں فی السماء کا لفظ واقع ہوا ہے اور اس روایت میں افق کا ذکر گویا اس بنا پر آیا ہے کہ ستارے افق میں اور اس کے قریب زیادہ روشن اور تاباں دکھائی دیتے ہیں۔

۶ہ دوسری روایات میں آتا ہے کہ آپ اس آیت کی ابتداء ان فی خلق السموات والارض سے کرتے تھے اور آخر سورۃ یا لا تخلف المیعاد تک پڑھتے تھے۔

۷ہ اصل عربی میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ یعنی کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا۔ جس طرح شمشیر کو نیام سے نکال لیتے ہیں۔

۱۱۴۲/۲۲ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلٰوتِهٖ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلٰوتَهٗ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُّفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت یعلیٰ بن مملک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت اور نماز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان کی نماز سے کیا نسبت۔ آپ نماز پڑھتے تھے۔ پھر نماز کے بقدر سوتے تھے۔ پھر سونے کے بقدر نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے۔ حتیٰ کہ صبح کرتے۔ پھر آپ کی قراءت بیان کی تو ایسی قراءت کرتے تھیں کہ ایک ایک حرف صاف جدا جدا کرکے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

لہ یا کی زبر عین ساکن۔ لام پر زبر۔ مَمْلَک پہلی میم کی پیش دوسری میم ساکن لام کی زبر۔ یعلیٰ بن مملک طبقہ ثالثہ میں سے اوساط تابعین میں سے ہیں۔

سلہ یعنی تمہارا آپ کی نماز سے کیا کام اور آپ کی نماز کے بارے میں تم کیا پوچھتے ہو اور آپ کی نماز کی طرح تم لوگ کس طرح نماز پڑھ سکتے ہو۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس کلمہ سے حضرت ام سلمہ کی مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آنے پر آپ کے حالات کو یاد کرکے ان پر حسرت اور افسوس کا اظہار ہے۔ پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی نماز کا ذکر فرمایا جو اہم اور افضل ہے۔

سلہ اور اس کی کیفیت بیان فرمانے لگیں۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

جب رات میں اٹھے تو کیا پڑھے

یعنی ان اذکار و دعاؤں کا باب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم اور ہمیشہ اور تمام اوقات و حالات میں پڑھتے تھے خصوصاً قیام لیل میں جو اوقات و حالات میں افضل اور رحمت ربانی اور انوار رحمانی کے چمکنے اور قربت و اجابت کے آثار کے ظہور اور نور و حضور کے ظاہر ہونے کا وقت و موقعہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۱۴۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے تو کہتے الٰہی تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا قائم رکھنے والا ہے، تیرے لیے ہی حمد ہے۔ تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا نور ہے اور تیری ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا بادشاہ ہے۔ اور تیری ہی حمد ہے تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے اور تیری بات حق ہے۔ جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے نبی حق ہیں۔ جناب محمد حق ہیں۔ قیامت حق ہیں اے اللہ تیرے لیے میں اسلام لایا۔ تجھ پر میں ایمان لایا اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا۔ تیرے بھروسے پر میں کفار سے

تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لاتا ہوں ۱۳ اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں ۱۴۔ میرے اگلے پچھلے چھپے کھلے بخش دے اور وہ بخش جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے ۱۵۔ تو ہی معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۱۶

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جب آپ رات کے بعض حصے میں نماز تہجد کے لیے اٹھتے۔ لغت میں ہجود اور تہجد کا لفظ نیند اور بیداری دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ اس کے بعد اس کا استعمال زیادہ تر اس نماز کے لیے ہونے لگا جو نیند سے بیدار ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض نے تہجد کا معنی نیند ترک کرنے کا کیا ہے جس طرح لفظ تاثم کا معنی ہے اثم (گناہ) کو چھوڑ دینا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

۲؎ اور جو ان دو نوع کے اندر ہیں یعنی ملائکہ، جنات اور انسان۔ یعنی تو ہی مخلوق کی حفاظت کا ذمہ دار اور ان کے امور کا مدبر اور انہیں قائم رکھنے والا ہے کہ اگر ایک سانس کے لیے بھی اس فیض کے حصول کا سلسلہ بند ہو جائے تو سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ بیت

گر نہ رسد قافلہ بر قافلہ   فیض تو برہم زند این سلسلہ

یعنی اگر تیرا فیض قافلہ در قافلہ نہ پہنچے تو یہ سلسلہ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

اور قیومیت کی تخصیص عقلاء کے ساتھ کہ کلمہ مَن عقلاء کے لیے آتا ہے اس بنا پر ہے کہ ان کے لیے قیومیت کے ذکر سے ان کا شرف و اہتمام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ عقل کا موجود ہونا یہ وہم ڈالتا ہے کہ ذوی العقول چیزیں بنفس خود قائم ہیں اور اپنے امور کی خود مدبر ہیں اور لفظ قیم، قیوم اور قیام سب مبالغہ کے صیغے ہیں، اور ان تینوں لفظوں کے ساتھ روایت آئی ہے قیام لیل کے ذکر کے مقام میں ان الفاظ کا ذکر مناسب ہے۔

۳؎ تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے کو روشن رکھنے اور وجود عطا کرنے والا ہے۔ یہ تمام مخلوق سے کنایہ ہے قوم کی اصطلاح میں نور اسے کہتے ہیں جو خود ظاہر اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔ اس معنی کی تفسیر آیۃ اللہ نور السموت والارض سے تلاش کرنی چاہیے۔ کاتب حروف (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ) کہ مجھ کو اس کے ذکر میں ایک مستقل رسالہ لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اس مقام میں نور کا ذکر کرنے کی وجہ بالکل ظاہر و عیاں ہے۔

سلہ ملک (بادشاہ) کا ذکر بھی یہاں مناسب ہے کیونکہ نصف شب میں بادشاہ بادشاہاں کی یاد آیۃ تؤتی الملک من تشاء (تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کرتا ہے) کے مطابق اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے کوچہ کے گداؤں کو عطا فرماتا ہے چنانچہ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے۔ بیت

نا گکہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب   صد ملک نیم روز بیک جو نمے خرم

ترجمہ: جب سے مجھے ملک نیم شب میسر آیا ہے میں سو ایسے ملک ایک جو کے عوض لینے کو تیار نہیں ہوں جن پر نصف دن تک سورج چمکتا رہتا ہے۔

شہ یعنی تمام کمالات کے ساتھ تو ہی حمد و ثنا کے لائق ہے۔ اور معدوم و باطل ہونے کے وہم کے بغیر تیری ہی ذات موجود، ثابت اور قائم ہے تیرے سوا جو کچھ ہے اپنی حد ذات میں معدوم و باطل ہے۔ اس کے موجود اور ثابت ہونے کا زیور اسے تیری ذات سے عاریۃً ملا ہے۔

سلہ تیرا وعدہ حق ہے جو تو نے اپنے بندگان خاص سے دنیا میں مدد و نصرت کا اور آخرت میں اجر و ثواب خصوصًا اپنی ذات کے دیدار کا کر رکھا ہے اور عاشق لوگ اس وعدہ کے بھروسے پر خوش ہیں۔ اگر انبیاء کی زحمت اور اس دار دنیا کی محنت و مشقت نہ ہوتی تو کونسی سختی تھی جو یہ مسکین عشاق اپنی جان پر نہ ڈھاتے۔ بیت

مرا امید وصال تو زندہ میدارد   وگرنہ صد ہم از ہجر تست بیم ہلاک

ترجمہ: مجھے تیرے وصال کی امید زندہ رکھتی ہے۔ ورنہ مجھے تیرے ہجر سے سو راستوں پر ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

شہ دار آخرت کی طرف جانا اور تیری درگاہ عزت و کبریا میں جانا اور تیرا دیدار برحق ہے۔

شہ تیرا قول صادق اور جس جس چیز کی تو نے خبر دی ہے سب حق ہے۔ یہ مجمل بیان ہے۔ اس تفصیل اس طرح بیان فرمائی والجنۃ حق والنار حق الی آخرہ۔

سلہ اللھم لک اسلمت یعنی خداوندا میں تیرے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہوں۔ تیرے آگے عاجزی اور فروتنی کرتا ہوں۔ اور تیرے احکام تشریعی و ارادی کی بجا آوری کرتا ہوں اور انہیں تسلیم کرتا ہوں۔

سلہ یعنی ظاہر و باطن میں ہی تیری طرف ہی لوٹتا ہوں۔ توبہ و انابت دونوں کا معنی رجوع ہے۔ تاہم انابت کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے۔

سلہ یعنی تیری حجت و دلیل اور تیری عطا کردہ قوت و نصرت سے دین کے دشمنوں سے لڑتا ہوں۔

سلہ یعنی میں اپنا ہر معاملہ تیرے ہی سامنے پیش کرتا ہوں کیونکہ تیرا ہی حکم نافذ و جاری ہے نہ کہ تیرے غیر کا۔ اور تیری ہی ذات کو اپنے اور ان کے درمیان جو دین و دنیا میں مخالفت پر کمر بستہ ہیں، قاضی اور حکم بناتا ہوں کیونکہ کسی امر کا فیصلہ قاضی کے سپرد ہوتا ہے۔

سلہ یعنی میرے گناہوں کو۔
سلہ یہ غیر کی الوہیت کی نفی کی تاکید و تصریح ہے، یہ بات جان لیجئے کہ بعد کہ الوہیت حق تعالیٰ کی ذات میں ہی بند ہے

۱۲۴۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے اور نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ جبرئیل میکائیل اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے[1] غیب و شہادت کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ہر اس چیز میں فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، ہر اختلافی معاملے میں میری حق کی طرف راہ نمائی فرما۔[2] اپنے اذن اور اپنی توفیق سے بیشک تو صراط مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔

(مسلم)

سلہ اور انہیں عدم سے وجود میں لانے والے۔
سلہ اور مجھے اس پر ثابت قدم رکھ اور اس ثابت قدمی میں مزید قوت و استحکام عطا کر، کیونکہ قرب کے مقامات اور انوار و تجلیات بے حد و نہایت ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا کا حکم دیا گیا۔ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)

۱۲۴۵ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

حضرت عبادہ[1] بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی رات کو جاگا[2] اور کہا کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ کے وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور وہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ پاک ہے۔ سب تعریفیں اس کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور برائی سے بچنے اور نیک کام

وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ اَوْ قَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِیْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰی قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

کرنے کی قوت وطاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے۔ پھر اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے یا اس طرح کہا پھر دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول ہو جاتی ہے (بخاری)

لے حضرت عبادۃ مشہور صحابی ہیں۔ نقباء انصار میں سے ہیں بقیہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے۔ جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے دراز قد اور حسین وجمیل اور جسیم الشان تھے۔

لے تعار یعنی بیدار ہوا اور پہلو بدلا یہ لفظ عربی میں اس بیداری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس میں آواز بھی ہو۔ جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت عادۃً ہوتا ہے یہ عرار سے مشتق ہے جس کا معنی ہے شتر مرغ کی آواز۔

لے یہ راوی کو شک ہے کہ حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص یہ اللھم اغفرلی فرمائی یا مطلق دعا کرنے کا ذکر فرمایا جو بندے اپنے مقصد کے لیے کرتے ہیں۔

لے بعض علماء فرماتے ہیں یہ دعا جو بندہ اس وقت کرتا ہے اور اسم اکسیر کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی جس طرح وہ شخص جس کی جیب میں ہر وقت پیسے موجود ہوں ـــــ اپنے مطلب کی چیز خریدنے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دعا اجابت کے لیے تیار اور بالکل قریب ہے۔

لے اس کی یہ دعا تو قبول ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر وضو کر کے جب نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو کہتے کوئی معبود نہیں سوائے تیرے۔ اے اللہ تو پاک ہے میں تیری حمد وثنا کے ساتھ تیری تنزیہ کرتا ہوں میں اپنے گناہوں کی تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے علم کو زیادہ کر اور جب کہ تو نے مجھے ہدایت دی تو اس کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا ہونے سے محفوظ رکھ اور مجھے اپنے پاس سے رحمت

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

عطا کر۔[۵] بیشک تو ہی کامل عطا کرنے والا ہے۔[۶] (ابوداؤد)

[۱] میں تیری ایسی تنزیہہ کرتا ہوں جو تیری ذات کے لائق ہے۔

[۲] کہ مراتب علم کی کوئی انتہا نہیں اور سبب کہ صفات و افعال الٰہی کی کوئی نہایت نہیں۔ اور اس کی تجلیات غیر متناہی ہیں تو بندہ کا علم بھی ہمیشہ ترقی کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

[۳] میرے دل کو اسلام سے کفر کی طرف اور طاعت سے معصیت کی طرف اور حق سے باطل کی طرف نہ پھرنے دے۔

[۴] یعنی مجھے اپنے مقام قرب خاص سے عظیم رحمت عطا کر۔

[۵] کہ تیری عطا کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا اور وہ حد شمار سے باہر ہے۔

۱۱۴۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْاَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو باوضو اور پاک وطاہر ذکر الٰہی کرتے ہوئے سوتا ہے۔ پھر رات میں اٹھتا ہے (عبادت کے لیے) اور اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۱۴۸ وَعَنْ شَرِيْقٍ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَاَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَاَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَا سَاَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللّٰهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللّٰهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمَ

حضرت شریقؒ الہوزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اٹھتے تھے تو کس ذکر سے آغاز کرتے تھے حضرت عائشہ نے فرمایا تو نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ رات میں جب آپ بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے۔ دس بار سبحان اللہ وبحمدہ کہتے۔ دس بار سبحان الملک القدوس کہتے دس بار کلمہ استغفر دس بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے پھر آپ دس بار یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے دنیا اور دن قیامت کی تنگی سے

الْقِيٰمَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

پناہ لیتا ہوں۔ پھر نماز شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

لہ شریق شین کی زبر راکی زیر اور قاف۔ ہوزنی ھاکی زبر واو ساکن زاکی زبر۔ آپ تابعی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

لہ اس ورد کو عشرات سبع کہتے ہیں۔ جیسے مسبعات عشر کہ ایک مشہور ورد کا نام ہے اس میں دس چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو سات بار پڑھتے ہیں۔ یہاں سات چیزیں ہیں جنہیں دس دس بار پڑھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۴۹ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلٰثًا وَفِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَاُ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر کہتے پاک ہے اے اللہ تیری ذات یہ تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری ذات[1] بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہتے اللہ اکبر کبیرا پھر کہتے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔ میں اللہ سمیع و علیم کے پاس شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں۔ اس کے وسوسے اور اس کے تکبر[2] سے اور اس کے دم جھاڑ سے۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابوداؤد نے قول غیرک کے بعد ان الفاظ کو زیادہ کیا پھر تین بار لا الٰہ الا اللہ کہتے اور اس حدیث کے آخر میں یہ کلمہ زیادہ کیا پھر آپ سورۃ فاتحہ پڑھتے اور قرأت شروع کرتے۔

لہ جد یعنی بخت، غنا، عظمت اور بزرگی۔

لہ جس میں وہ انسان کو مبتلا کرتا اور اسے برباد کرتا ہے۔

۱۱۵۰ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ

حضرت[1] ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کے پاس رات بسر کرتا تھا تو میں آپ کو سنتا تھا جب آپ

أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ الْهَوِيَّ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.	رات میں اٹھتے تو دیر تک یہ کلمہ پڑھتے سبحان رب العالمین پھر دیر تک یہ کلمہ پڑھتے سبحان اللہ وبحمدہ نسائی۔ اور ترمذی کے ہاں اس کی مثل ہے۔ اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لہ حضرت ربیعہ اسلمی اصحاب صفہ اور سردار صحابہ میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے
لہ ۲ اصل میں لفظ الہوی ہے۔ ہا کی زبر اور یا کی تشدید سے یعنی زمانہ طویل۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ

رات میں اٹھنے کی ترغیب کا باب

لغت میں تحریض کا لفظ کسی کو کسی چیز پر ابھارنے اور گرم کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ قیام لیل پر تحریض کا معنی ہے۔ رات میں اٹھنے کی رغبت دلانا نہ اٹھنے پر ڈرانا اور اس پر عمل کرنے کے فضائل اور نہ اٹھنے کے نقائص بیان کرنا ۔ قیام لیل کے فضائل بے شمار ہیں۔ جن سے عمدہ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت بندوں پر خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایسا کرنے والا خدا تعالےٰ کے فضل و کرم کے قریب ہوتا ہے۔ شب بیداری کرنے والوں کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس وقت جو کچھ خدا تعالےٰ سے مانگا جاتا ہے۔ عطا ہوتا ہے اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔ بے شک خدائے جلّ وعلیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ السلام سے وعدہ کر رکھا ہے کہ نماز تہجد کے بدلے انہیں میں تجھے مقام محمود عطا کروں گا۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اس شب بیداری کے عمل میں آپ کی پیروی کرنے والوں کو بھی اس مقام اور اس وقت کی نورانیت سے پر تو اور حصہ ملے گا۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ اس دنیا میں بہشت کی لذت کا نمونہ وہ لذت و آرام ہے جو سحری کے وقت خدا تعالےٰ سے جا پلوسی اور مناجات سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

مدبر دے دل نشین کان دلبر نگار ہے وقت سحری آید یا نیم شبی باشد

ترجمہ۔ دل کے روبرو ہو کر بیٹھ جا کیونکہ نازک اندام معشوق سحری کے وقت آئے گا یا نیم شب کے وقت۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۱۵۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَاْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سوئے ہوتے ہو تو شیطان تمہارے سر کے پیچھے تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ لگاتے ہوئے سونے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے تیرے سونے کے لیے ابھی کافی رات باقی ہے اس لیے تو سویا رہ۔ پس اگر وہ جاگ اٹھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پھر جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے تو وہ بندہ خوش اور پاک نفس حالت میں صبح کرتا ہے ورنہ پلید نفس اور سستی اور کاہلی کی حالت میں صبح کرتا ہے (بخاری و مسلم)

لہ جس طرح جادوگر لوگ جس انسان پر جادو کرتے ہیں تو وہ بھی گرہیں لگاتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ شیطان کا گرہ لگانا یا حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور تصویر و تمثیل ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کو مضبوط باندھنا چاہتا ہے وہ (عموماً) تین گرہیں لگاتا ہے تاکہ وہ ہل نہ سکے اور نہ جاگ سکے مگر جب کہ وہ گرہیں کھول دی جائیں۔ اس کلام سے دراصل یہ بتلانا مقصود ہے کہ شیطان سونے والے کے لیے نیند کو محبوب بنایا اور سارام و راحت کو اس کے لیے آراستہ اور پسندیدہ بناتا ہے انسان کے لیے حرکت کرنے کو تنگ کر دیتا ہے۔

لہ بعض روایات میں یہاں عقدہ بلفظ جمع (عُقَدُہٗ) آیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔

۱۱۵۲: وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِیْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام لیل فرمایا (شب بیداری کی) یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک سوج گئے آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ حضور

شَكُوْرًا۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[۲]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

[۱] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] یعنی تو کیا میں حق تعالٰے کی نعمتوں پر اس کا شکر نہ کروں، خصوصًا اس نعمت عظیم پر کہ میرے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں، اس معنی کی تحقیق دوسرے مقام پر کر دی گئی ہے۔

۱۱۵۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهٗ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطٰنُ فِىْ اُذُنِهٖ اَوْ قَالَ فِىْ اُذُنَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا اس آدمی کے بارے میں کسی نے کہا کہ یہ آدمی ساری رات سویا رہا ہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ یا آپ نے فرمایا اس کے دونوں کانوں میں۔[۱] (بخاری و مسلم)

[۱] راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی اذنہ فرمایا یا فی اذنیہ۔ یعنی اس کے ایک کان میں یا دونوں کانوں میں۔

[۲] واضح ہو کہ اس کی حقیقت کا علم صرف شارع علیہ السلام کو ہے اور ظاہر معنی پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ شیطان کی طرف کھانے پینے تھے کرنے اور جائے پاخانہ سے زور سے ہوا خارج کرنے وغیرہ امور کی نسبت کی گئی ہے تو اس کی طرف بول کی نسبت بھی ناممکن نہ ہو گی۔ بعض اوقات ان کی مناسب تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نماز سے غفلت اور موذن کی آواز نہ سننے کے لیے دی ہے اور آپ نے اس شخص کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی کہ جس کے کان میں بول پڑنے سے اس کے کان بھاری ہو گئے ہوں۔ اور اس وجہ سے اس کی حس سمع برباد و تباہ ہو گئی ہو۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ شیطان نے اس کے کان کلام باطل اور لغو سے پر کر دیئے اس وجہ سے اس کی قوت سماعت میں گرانی پیدا ہو گئی۔ اب اس کے لیے دعوت حق سننا مشکل ہو گیا یہ وہ وجہیں اس جانب مدنظر رکھتی ہیں کہ وہ آدمی نماز صبح کے لیے بھی نہ اٹھا۔ اور نماز فجر کی اذان بھی نہ سنی۔ تاہم ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز شب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ اس شخص پر نیند طاری ہو جانے سے کنایہ ہے اور کان کی تخصیص اس بنا پر کہ یہ بیداری کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵۵ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھبرائے

لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بسے اور یہ کہتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اللہ پاک ہے آج رات رحمت کے کیا خزانے نازل کیے گئے ہیں اور کیا فتنے اتارے گئے ہیں؟ کون ہے جو حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کرے اس سے آپ اپنی ازواج مطہرات مراد لیتے ہیں تاکہ وہ نماز ادا کریں، بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں لباس زیب تن کیے ہیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (بخاری)

لہ یعنی مختلف قسم کے عذاب۔

۲ یعنی بہت سی عورتیں یا لباس والے جنہوں نے قسم قسم کے زیورات اور سوٹ پہن رکھے ہیں۔ آخرت میں برہنہ ہوں گے۔ کسوت کا معنی ہے کسی کو کپڑا پہنانا۔ یہاں یہ لفظ لابس (لباس پہن ہوئے) کے معنی میں ہے۔ یعنی صیغہ اسم فاعل۔ لفظ عاریۃ کے قرینے کی وجہ سے یا اپنے معنی پر ہی بقصد مبالغہ محمول ہے۔ یعنی دنیا میں دوسروں کو لباس پہناتی تھیں مگر آخرت میں خود ننگی ہوں گی۔

۱۱۹۳ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ يَقُوْلُ مَنْ يُقْرِضُ غَيْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے تو میں اس کو بخش دوں بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ فقیر نہیں اور نہ ظلم کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی ہے۔

لہ یعنی اس کی رحمت خاص اور فضل خاص جو رات میں سب سے پہلے آسمان پر نازل ہوتا ہے۔ محققین کے نزدیک نزول اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جیسے ید اور استواء وغیرہ جو متشابہات میں سے ہیں۔ کہ ان پر ایمان

لانا چاہیے اور اس کی کیفیت و نوعیت کے سمجھنے کے درپے نہ ہونا چاہیے۔ یعنی اللہ تعالےٰ اس صفت کے ساتھ سحری کے وقت تجلی فرماتا ہے۔

سلہ یعنی سحری کا وقت

سلہ واضح ہو کہ دعا کے لیے پڑھنے کا لفظ آتا ہے چنانچہ کہتے ہیں: یا رب اس کے مقابل لفظ اجابت و قبول آتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لبیک عبدی اے میرے بندے میں تیری ہر حاجت پوری کرنے کو تیار ہوں۔ اور لفظ سوال مانگنے اور طلب کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس کے جواب میں لفظ اعطا استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسم اعظم کی صفت میں واقع ہوا ہے کہ جب اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرلی جاتی ہے اور جب اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو وہ چیز اسے دے دی جاتی ہے اور کبھی دعا اور سوال ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

سلہ جو مال نہیں رکھتا اور قرض لے کر قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور نہ وہ ظالم ہے کہ مال و دولت کے ہوتے ہوئے کسی پر ظلم کرے اور کسی کا حق اسے نہ دے۔ قرض ادا نہ کرنے میں یہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں۔ ایک فقر دوسرا ظلم۔ اللہ تعالےٰ ان دونوں باتوں سے پاک و منزہ ہے۔

سلہ یعنی اللہ تعالےٰ یہ باتیں اپنی زبان لطف و کرم سے فرماتا ہے یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی اور صبح ہو جاتی ہے

۱۱۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے بیشک رات میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ تعالیٰ سے اس دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے مگر رب تعالےٰ اسے یہ دیتا ہے[1] اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے۔

(مسلم)

سلہ یعنی کسی مخصوص شب میں یہ گھڑی نہیں ہوتی جیسے جمعہ وغیرہ۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ گھڑی متعین ہے یا مبہم بعض کہتے ہیں مبہم ہے جیسے شب قدر اور جمعہ کے دن کی گھڑی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ گھڑی نصف شب کا وقت ہے۔

۱۱۵۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ

سَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاوٗدَ کَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَ یَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَ یَنَامُ سُدُسَہٗ وَ یَصُوْمُ یَوْمًا وَّ یُفْطِرُ یَوْمًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کے نزدیک سب سے محبوب اور پیاری نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے ہاں سب روزوں سے پیارا روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے کہ نصف رات تک سوتے تھے اور تیسرا حصہ شب میں اٹھتے تھے پھر چھٹا حصہ شب سو جاتے تھے[1] اور آپ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے[2] تھے۔ (روزہ نہ رکھتے) (بخاری و مسلم)

لہ کہ آپ رات کو اس طرح تقسیم کرتے تھے۔ اول شب میں سو جاتے تھے، پھر تیسرا حصہ شب جاگتے اور آخری چھٹا حصہ شب سو جاتے۔ اس طرح رات کے دو حصے سوتے اور ایک حصہ نماز میں گزارتے۔

لہ یہاں مشکل امر یہ ہے کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عمل پر دائماً عمل پیرا نہ تھے تو پھر یہ عمل اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کیسے بن گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ترین عمل کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل مذکور کا محبوب تر ہونا بعض اعتبارات سے ہے نہ کہ ہر لحاظ سے۔ اور وہ بعض وجوہ و اعتبارات یہ ہیں کہ یہ عمل اعتدال کے زیادہ قریب اور حفظ صحت کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جانا تھکاوٹ و مشقت کو دور کرتا ہے اور رنگ کی زردی اور شکستگی کی صورت میں عبادت کا اثر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہ بیان تو نماز سے متعلق ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کا محبوب اور پسندیدہ تر ہونے کا بیان باب صیام میں ان شاء اللہ تعالیٰ آتا ہے۔ اور حضور سید انبیاء علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و اکملہا کا بیان احوال و اوقات کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہوتا تھا۔ اور لاتعداد حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا تھا جو آپ کی ذات کریم اور آپ کی امت مرحومہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آپ کی امت میں کمزور اور طاقتور ہر قسم کے لوگ تھے۔ اسے خوب سمجھو وباللہ التوفیق۔

۱۱۵۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ تَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَ یُحْیِیْ اٰخِرَہٗ ثُمَّ اِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ قَضٰی حَاجَتَہٗ ثُمَّ یَنَامُ فَاِنْ کَانَ عِنْدَ النِّدَاءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَاَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَاءَ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ صَلّٰی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول رات میں سو جاتے اور اس کے آخری حصے میں جاگتے[1]۔ پھر اگر آپ کو اپنے گھر والوں سے کوئی حاجت ہوتی تو اپنی حاجت کو پورا کرتے اور اسی حالت میں سو جاتے[2] تھے۔ پھر اگر اذان اول کے وقت جنبی ہوتے[3] تو اچھل پڑتے[4] اور اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو وضو کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے[5]

رَكْعَتَيْنِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ اور آخر شب کو زندہ رکھتے یعنی اس میں جاگتے۔ رات کی بیداری کو اسے زندہ رکھنے سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ زمانے کی زندگی اس میں عبادت کرنے سے ہے اور وہ زمانہ جس میں عبادت نہ کی جائے، گویا مردہ ہے۔ یا اس سے نفس کو شب بیداری اور عبادت سے زندہ کرنا مراد ہے کیونکہ نیند موت کی طرح ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے النوم اخ الموت۔ نیند موت کی بہن ہے۔ احیاء لیل میں یہ دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ حدیث کا لفظ بھی اس پہلے معنی میں زیادہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھو۔ یہ بات باقی رہی کہ اول شب میں کتنا وقت سوتے تھے اور آخر شب میں کتنی دیر جاگتے اور عبادت کرتے تھے ظاہر یہ ہے کہ نصف نصف کرتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ آدھی رات تک سوتے تھے اور آدھی رات جاگتے تھے اگرچہ رات کو بیداری مختلف صورتوں میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

ٹ یعنی بے غسل کیے سو جاتے۔ البتہ وضو کر لیتے تھے اور یہ وضو نیند کی طہارت ہے۔

سہ قضائے حاجت (جماع) میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔

سکہ نداء اول سے مراد اذان اول ہے۔ اذان کو اول کہنے کی وجہ یا تو اقامت کی نسبت سے ہے یا اس مؤذن کی اطلاع کی نسبت جو آپ کے در اقدس پر حاضر ہو کر آپ کو دیتا تھا۔

ھہ یعنی فجر کی سنتیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۱۹۹ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصّٰلِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات میں اٹھنا اپنے اوپر لازم جانو کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہیں رب تعالیٰ کے قریب کرتا اور گناہوں کی بخشش[1] کا ذریعہ اور برائیوں سے روکنے کا سبب ہے۔

(ترمذی)

لہ اصل عربی میں لفظ مکفرۃ آیا ہے میم کی زبر کاف ساکن فا کی زبر بمعنی ستر و پوشیدہ کرنا۔ کفارہ گناہ کا بھی یہی معنی ہے۔

ےلا منہاۃ میم کی زبر اور نون ساکن تمام حسنات گناہوں کا کفارہ ہیں اور نماز مطلقاً فحش و منکر سے روکتی ہے اور رات کی نماز تہجد نہایت فضیلت کی بنا پر اس معنی (بخشش و مغفرت) میں زیادہ اتم اور اکمل ہے۔

۱۱۶۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یَضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمْ اَلرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کے لیے ہنستا ہے[1] ایک وہ آدمی جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے[2] دوسری وہ قوم جو نماز میں ٹھیک صفیں بنائے۔ تیسری وہ قوم جو دشمن سے لڑائی کے وقت صفیں بنائے[3]

(شرح السنۃ)

ےلہ یہ کنایہ ہے رضا و لطف سے اور مسرت و رحمت کے متوجہ ہونے سے ۔ احادیث میں جو رب تعالیٰ کی طرف ہنسنے کی نسبت اور اس کا اطلاق ہوا ہے، متشابہات میں سے ہے۔

ےلہ اور متوجہ ہوا در خدا تعالیٰ کی جناب قرب کی جانب اپنا رخ کرے۔

ےلہ اور دشمنان دین کے قتل کرنے میں کمربستہ ہوا در مولیٰ تعالےٰ کی محبت میں اپنی روح کو نثار کر دینے اور دین کی سربلندی کے لیے ہمت باندھے

۱۱۶۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَّذْکُرُ اللّٰہَ تِلْکَ السَّاعَۃَ فَکُنْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

حضرت عمرو بن عبسہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے آخری حصے کے درمیان اللہ تعالیٰ بندے کے بہت قریب ہوتا ہے[2]۔ اور بندہ اپنے رب کے بہت قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے[3]۔ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ ان لوگوں میں ہو جائے جو اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں تو ہو جا[4]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اسناد کے لحاظ سے۔

ےلہ عین وبا اور سین کی زبر۔

ےلہ بندے سے اللہ تعالیٰ کا قریب ہونا اس قرب سے اتم اور اکمل ہے۔ جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آئندہ قول مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔

ےا وہاں بندہ سجود کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے اور یہاں خدا سے پروردگار تعالیٰ و تقدس رحمت کے ساتھ نزول کرتا ہے اور بندے کے قریب ہوتا ہے۔ رات کی نماز مذکورہ دونوں قربوں پر مشتمل ہے۔

سلہ اور جو لوگ حضور مراقی اور نزول قرب کی خواہش رکھتے ہیں تو بھی ان میں سے ہو جا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین اور آپ کی درگاہ کے محبوب لوگوں میں سے ہیں۔ نور نبوت کے ظہور کے ابتدا میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور حضرت عمرو بن عبسہ اپنے وطن میں تو ان کے دل میں یکایک نور توحید داخل ہوا اور شرک و بت پرستی سے آپ کو نفرت ہو گئی۔ اس دوران آپ نے سنا کہ مکہ میں ایک ایسا مرد پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی دعوت دیتا اور بتوں کی عبادت سے روکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے آپ کے بارے میں حالات معلوم کیے ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی سے دشمنانِ دین کی نظروں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ حضرت عمرو نے آکر دریافت کیا کہ یہاں کوئی ایسا مرد پیدا ہوا ہے جس نے تمہاری راہ و روش چھوڑ دی ہے اور ایک نئے دین کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے لوگوں نے کہا ہاں ایک دیوانہ ہے جس نے آباء اجداد کا طریقہ چھوڑ کر ایک نئی رسم کی طرح ڈالی ہے۔ سہ

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ترجمہ تو پہلے اپنا دیوانہ بناتا ہے پھر دونوں جہاں اس کو بخش دیتا ہے۔ تیرا دیوانہ دو جہاں کو کیا کرے گا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا وہ دیوانہ کہاں مل سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا وہ نصف رات کے وقت باہر آتا ہے اور اس گھر (بیت اللہ) کے گرد گھومتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نصف شب کے وقت باہر نکلے اور کعبہ کے پردوں میں جا کر چھپ گئے اچانک آپ نے ایک مرد دیکھا کہ نمودار ہوا ہے ایسا کامل مرد کہ سب مرد اس کے آستانے کی خاک ہیں اور وہ لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ کہہ رہا ہے اور خانہ کعبہ کے اردگرد طواف کرتا ہے۔ حضرت عمرو پردوں سے باہر نکلے اور سلام عرض کیا اور پوچھا تو کون مرد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں میرا دین لا الہ الا اللہ ہے حضرت عمرو نے کہا میں بھی اسی دین کو چاہتا ہوں۔ اس طرح آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔ آپ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وداع کیا اور فرمایا میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے جب وہ وعدہ پورا ہو جائے گا تو میرے پاس آنا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں رہنے لگے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ یہ حدیث اسی وقت سے تعلق رکھتی ہے

۱۲۴۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَ اَيْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم کرے جو رات میں اٹھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو جگاتا ہے وہ بھی نماز

اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَ اَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ)

پڑھتی ہے۔ اگر وہ اٹھنے سے انکار کرتی ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس عورت پر رحم کرے جو رات میں اٹھتی اور نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بیدار کرتی ہے تو وہ بھی نماز پڑھتا ہے اگر اٹھنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے[1]۔ (ابوداؤد ونسائی)

[1] یعنی خاوند بیوی کو چاہیے کہ طاعت و عبادت میں ایک دوسرے کے مددمعاون بنیں اور دوستوں و رفقاء کو آپس میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۱۱۹۳/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوٰتِ الْمَكْتُوْبَاتِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کونسی دعا سنی جاتی ہے[1]۔ فرمایا رات کے نصف آخر کے درمیان کی دعا[2]۔ اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا[3]۔ (ترمذی)

[1] اور اجابت و قبولیت کا مقام حاصل کرتی ہے۔

[2] یا اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا دعا کس وقت مستجاب ہوتی ہے۔ فرمایا رات کے وقت

[3] یہ عبارت تشہد کے آخر کی دعا کو شامل ہے اور نماز کے آخر میں اس کے متصل بعد کے ذکر و دعا کو بھی جو احادیث میں مذکور و منقول ہے اور یہ حدیث باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔

۱۱۹۴/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ

حضرت ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے اندر سے نظر آتا ہے اور ان کا اندر کا حصہ باہر سے دکھائی دیتا ہے[1]۔ یہ بالا خانے اللہ تعالےٰ نے اس کے لیے بنائے ہیں جو نرم کلام کرتا ہے[2]۔ کھانا کھلاتا ہے لگاتار روزے رکھتا ہے[3]۔ اور رات کو اٹھ کر نماز

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَفِي رِوَايَتِهِ لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ۔

پڑھتا ہے جبکہ لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ بالاخانے اس کے لیے ہیں جو لوگوں سے نرم اور اچھی گفتگو کرے۔

لہ ان کی غایت صفائی اور لطافت کی وجہ سے۔ غرف غین کی پیش را کی زبر بمعنی غرفۃ غین کی پیش۔ را ساکن بمعنی بلند محل اور مکان کے اوپر مکان۔

سٹہ اور لوگوں سے درشت کلامی سے پیش نہ آئے، اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرے۔

سٹہ مراد یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھتا ہو۔

سکہ کیونکہ یہ وقت صدق عبودیت اور اخلاص عمل کے زیادہ قریب ہے۔ ان الفاظ میں درحقیقت صفت تواضع اور وصف جود و عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ بیت

شرف مرد بجود ست و کرامت بسجود ہر کہ این ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

انسان کا شرف سخاوت سے ہے اور عزت و بزرگی سجدہ (عبادت الٰہی) سے حاصل ہوتی ہے۔ جو آدمی ان دونوں سے محروم ہے اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۶۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ فلاں آدمی لہ کی طرح نہ ہونا۔ جو پہلے رات میں اٹھتا تھا پھر اس نے اسے ترک کر دیا۔

(بخاری و مسلم)

لہ آپ نے ایک معین شخص کا نام لیا تھا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ مجھے اس فلاں شخص کے نام کے متعلق کسی بھی اسناد سے پتہ نہیں چل سکا۔

سلہ اس کلام سے مقصود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کرنا ہے کہ شب بیداری میں کثرت نہ کرنا اور اس میں حد سے نہ بڑھنا کیونکہ لیا اوقات یہ کثرت ملال وتھکاوٹ اور بد دلی کا موجب جاتی ہے اور انسان شب بیداری سے بالکل رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اس صحابی کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری رات بیدار رہتے۔ اور بالکل نیند نہ کرتے ان کے باپ نے انہیں اس سے روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

۱۱۶۶/۱۶ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهٗ يَقُوْلُ يَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے رات میں ایک گھڑی تھی جس میں وہ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے اور فرماتے تھے اے آل داؤد کھڑے ہو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں دعا قبول کرتا ہے مگر جادوگر کی اور ظلم کے ساتھ لوگوں سے عشر وصول کرنے والے کی سلہ (احمد)

سلہ کہ یہ عشر وصول کرنے والے بڑے موذی ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ناحق ان کے مال اور چیزیں بھی لیتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں شعبان کی پندرہویں کا ذکر بھی آیا ہے کہ اس شب کو بخش دیتے ہیں ماسوائے ظلماً عشر وصول کرنے والے۔ عادی شراب نوش۔ والدین کے نافرمان اور تعلق بند کرنے سے پیچھے رکھنے

۱۱۶۷/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل رات کے درمیانی حصے میں نماز ہے سلہ۔ (احمد)

سلہ یہ فضیلت زمانہ اور وقت کے لحاظ سے بیان فرمائی۔ اور مکان کے لحاظ سے نفل نماز گھر میں افضل ہے بعض حضرات نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو ان کے اس دار فانی سے رحلت کر جانے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا فرمایا طاحت العبارات. وفنیت الاشارات وما نفعنا الا رکعات صلیناها فی جوف اللیل۔ یعنی عبارتیں مٹ گئیں۔ ارشادات فنا ہو گئے اور ہمیں کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے ان رکعتوں

کے جو ہم نے درمیان شب پڑھی تھیں۔ اس عبارت میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے سچے طالبوں کو عبادت و ریاضت کے اہتمام و کوشش کی ترغیب دی ہے اور اس امر کی نہائش کی ہے کہ صوفیا نہ موشگافیوں سے دھوکے میں نہ آنا اور نہ ان کا اعتبار کرنا۔ بیت۔

کار کن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

پوری لگن سے کام میں مصروف رہ باتیں کرنا چھوڑ دے کہ اس راہ میں کام کرنے سے ہی کام بنتا ہے۔

۱۱۶۸ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ إِنَّهُ سَتَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے جب صبح کرتا ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا جلد ہی رات کی نماز اسے اس بُرے کام سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

لہ توبہ کی توفیق نصیب ہونے اس میں نورانیت کے سرایت کرنے اور اس میں نماز کی برکت آ جانے سے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۱۱۶۹ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَيْقَظَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا أَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد جب رات میں عبادت کے لیے اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں یا ان میں سے ہر ایک دو رکعتیں پڑھیں تو وہ ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

لہ یہ راوی کو شک ہے کہ آپ نے فصلیا کہا بصیغہ تثنیہ یا فصلی بصیغہ مفرد کہا۔ مفرد کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔

سلہ جو ہمیشہ ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس وقت کے قیام اور دوسرے کو جگانے کی فضیلت کی خصوصیت کے پیش نظر اس میں پوری توجہ مبذول کرتے ہیں۔

۱۱۷۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ۔ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں زیادہ قدر و منزلت والے وہ ہیں جو قرآن کو اٹھانے والے ہیں[۱] اور وہ جو شب بیداری کرتے ہیں۔ (بیہقی شعب الایمان میں)

[۱] یعنی قرآن کے حافظ اور اس پر عمل کرنے والے اور رات میں نماز اور غیر نماز میں پڑھنے والے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا و اصحاب اللیل۔

[۲] یعنی وہ لوگ جو شب بیداری کی پابندی کرنے والے اس میں نماز اور قرآن پڑھنے والے ہیں۔

۱۱۸۱/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاہُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ مَا شَاءَ اللّٰہُ حَتّٰی اِذَا کَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ لِلصَّلٰوۃِ یَقُوْلُ لَھُمُ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَتْلُوْا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی (رَوَاہُ مَالِکٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ان کے باپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات میں نماز پڑھتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا[۱] یہانتک کہ جب رات کا آخری حصہ آجاتا تو آپ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے۔ انہیں فرماتے نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر یہ آیت پڑھتے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق طلب[۲] نہیں کرتے۔ ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔ (مالک)

[۱] مقدار شب اور عدد رکعات میں سے جو اللہ تعالیٰ چاہتا۔

[۲] یعنی ہم جو کہ سارے جہاں کے پروردگار ہیں تجھ سے اپنے لیے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے یا معنی یہ ہے کہ ہم تجھ سے یہ سوال نہیں کرتے کہ تو طلب رزق اور ذرائع معیشت میں اس قدر دوڑ بھاگ کرے کہ وہ تجھے نماز سے ہی روک دے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِی الْعَمَلِ

عمل میں میانہ روی کا باب

قصد و اقتصاد کا معنی ہے افراط و تفریط میں درمیانی راہ اختیار کرنا مراح میں ہے۔ قصد و اقتصاد بمعنی ہر چیز میں

میانہ روی اختیار کرنا فلاں شخص انفاق میں قصد واقتصاد کرتا ہے یعنی خرچ کرنے میں نہ اسراف کرتا ہے نہ کنجوسی۔ عمل میں میانہ روی اختیار کرنا ایک اچھی چیز ہے کیونکہ میانہ روی اس عمل کے دوام کی موجب بنتی ہے اور بندہ اس میں سستی اور تھکاوٹ سے محفوظ رہتا ہے جو آخر کار اس کام کے ترک کرنے کا باعث بن جاتی ہے پھر یہ میانہ روی نفس اور اہل وعیال کے حق کی ادائیگی میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۷۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا وَّيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے یہاں تک کہ یہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ بالکل روزے نہ رکھیں گے اور آپ روزے رکھتے یہاں تک کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ میں روزے ہی رکھتے چلے جائیں گے افطار نہ کریں گے[۱] اور آپ کی یہ حالت تھی کہ اے مخاطب تو نہ چاہے گا کہ آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھے مگر نماز میں ہی دیکھے گا۔[۲] اور نہ آپ کو سویا ہوا دیکھے مگر سویا ہوا ہی دیکھے گا۔ (بخاری)

[۱] یعنی آپ نہ تو ہمیشہ روزہ دار ہوتے اور نہ روزہ رکھنے میں افراط کرتے اور نہ ایسا کرتے کہ ہمیشہ بے روزہ رہیں۔ تاکہ تفریط لازم آئے بلکہ ہر ماہ میں کبھی روزے رکھتے اور کبھی نہ رکھتے۔ لفظ یَظُنَّ یا کی پیش ظا کی زبر سے ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے اور اکثر روایات میں نون کی زبر ظا کی پیش سے بھی مروی ہوا یعنی ہم لوگ گمان کر لیتے تھے۔

[۲] یعنی آپ رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے کہ نہ تو ساری رات نماز پڑھتے ... نہ ساری رات سوئے رہتے تو آپ کا عمل اعتدال پر مبنی ہوتا تھا اس میں افراط تفریط نہ ہوتی تھی جیسا کہ باب قیام اللیل میں گزرا۔

۱۱۷۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑھ کر محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو[۱] (بخاری ومسلم)

[۱] کیونکہ عمل قلیل جو ہمیشہ جاری رہے زیادہ موثر اور زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ اس عمل کی نسبت جو زیادہ ہو مگر کبھی

کبھی ہو۔ جس طرح ایک ایک قطرہ جو لگاتار اور ہمیشہ گرتا ہے سوراخ کر دیتا ہے بخلاف بہت سے پانی کے جو کبھی کبھی بہتا ہو اور وہ اتنا اثر نہیں کرتا۔)

۱۱۷۴/۳ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو[1] کہ اللہ تعالےٰ اس وقت تک نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم خود نفرت نہ کرنے لگو[2] (بخاری و مسلم)

[1] اور جو تمہارے لیے آسان ہو تاکہ ہمیشہ کے لیے جاری رکھ سکو۔ اس طرح اس عمل کے دوام کے ساتھ اس کا ثواب بھی دائمًا ملتا رہے گا۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک ثواب عطا کرنے سے نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم عمل سے نفرت نہ کرنے لگو اور جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دو۔ ملال کا معنیٰ ہے کسی شے کو گراں سمجھنا اور نفس کا اس کی طرف میلان اور اس سے محبت کرنے کے بعد اس سے نفرت کرنا۔ فارسی میں اس کا معنیٰ ہے عاجز آجانا لفظ یَمَلُّ یا کی زبر سے اور تَمَلُّوْا تا کی زبر سے ہے اور میم بھی دونوں میں مفتوح ہے۔

۱۱۷۵/۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے ہر آدمی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک کہ اس کا ذوق و[1] شوق برقرار ہو اور جب سست پڑ[2] جائے تو بیٹھ جائے۔ (بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ نشاط آیا ہے جس کا معنیٰ ہے خوشی اور مسرت ظاہر کرنا۔

[2] فَتَرَ تا کی زبر سے یعنی جب سست اور درماندہ ہو جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے اور نماز پڑھنا چھوڑ دے لیٹ جانے کا حکم نہ دینے۔ بلکہ صرف بیٹھنے کا حکم دینے میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوبارہ ذوق و شوق پیدا ہونے کے انتظار میں بیٹھے تاآنکہ ذوق و شوق لوٹ آئے اور اس میں از سر نو عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایسا نہ کرے کہ عمل سے فارغ ہو کر گہری نیند سو جائے۔

واضح ہو کہ نفس میں ذوق و شوق باقی رہنے تک عمل میں مصروف رہنا اور سست و درماندہ ہو جانے کی صورت میں عمل ترک کر دینے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور آخر شب میں نفس پر عمل گراں ہونے کی صورت میں عمل کو ترک کرنے میں نقصان ہے

چاہیے کہ عبادت کا طلب گار کوشش کرے اور نفس کو کثرت عمل کا عادی بنائے مشقت وریاضت کا خوگر بنے حتیٰ کہ سو رکعت اور قرآن کے دس پارے تھوڑے وقت میں اس کے لیے پڑھنا آسان ہو جائے اور اس حد تک پہنچنے پر بھی ذوق وشوق بڑھتا ہی رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کے لیے دو رکعت اور ایک پارہ پڑھنا گراں اور بھاری محسوس ہوتا تھا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۱۱۷۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے اور وہ نماز میں ہو تو چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ اس سے نیند دور ہو جائے کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اونگھ بھی آ رہی ہو تو اسے پتہ نہ چلے گا شاید کہ وہ استغفار کرنے لگے اور بجائے استغفار کے اپنے آپ کو گالیاں دے۔ (بخاری ومسلم)

لہ یعنی نماز ہلکی کرے اور مکمل کر کے سو جائے۔

لہ نُعاس۔ نون کی پیش سے۔ نیند کی گرانی اور اس کی ابتدائی حالت اسے سِنَۃ سین کی زیر یا سِنَۃ بکسر سین بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے پاک ہے۔ یہ دراصل ایک لطیف ہوا ہوتی ہے جو دماغ کی طرف سے آتی ہے اور آنکھوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ دل تک نہیں پہنچتی : جب دل تک پہنچ جاتی ہے تو اسے نیند کہتے ہیں۔ رقود ورُقاد پیش سے بمعنی نیند۔ صرف اونگھ کی صورت میں اگر اٹھ کھڑا ہو اور کام کاج کرنے لگے جس سے اونگھ دور ہو جائے تو ایسا ہو جاتا ہے مگر جب کہ نیند غالب آ جائے اور اسے ہٹانا دماغ کو نقصان دیتا اور بدن کے بوجھل ہونے کا باعث بنے یہ حالت اختلاف حالات واوقات سے معلوم ہو جاتی ہے۔

سہ نیند کی وجہ سے اسے معلوم نہ ہوگا کہ وہ نماز کا کونسا فعل اور نماز کے کونسے کلمات کہہ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ استغفار ودعا کرے مگر اس سے غلطی واقع ہو جائے اور غلطی کی وجہ سے اپنے آپ کو گالی دے اور بجائے اللھم اغفرلی یا اللھم ارحمنی کہنے کے یوں کہہ دے اللھم عذبنی والعنی۔ اے اللہ مجھے عذاب دے اور مجھ پر لعنت کر۔

۱۱۸۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین اسلام آسانی اور سہولت پر مبنی ہے اور کوئی شخص دین کو

قیام لیل اور نماز شب کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے اسی وجہ سے یہ حدیث اس باب میں لائی۔

۱۱۷۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر نماز پڑھو۔ (بخاری)

؎ اگر اسے نماز فرض پر محمول کریں تو ظاہر ہے اور اگر نماز نافلہ مراد لیں تو یہ افضل و اکمل کا بیان ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ اور حضور کا قول مبارک علی جنب (پہلو پر) فقہاء کے قول مختار پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبلہ رو چت لیٹ کر پڑھے۔

۱۱۸۰ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ إِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور جو لیٹ کر نماز پڑھے اسے بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے؎ (بخاری)

؎ یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ نماز فرض اگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہ ہوگی۔ لہٰذا اسے کھڑے ہو کر جو نفل نماز میں افضل ہے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور اگر کوئی عذر لاحق ہو تو پھر قیام ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب قیام بیٹھنے سے افضل نہ ہوگا اور بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب نہ ملے گا بلکہ پورا ملے گا۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے نفل نماز کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنے کی تلاوت ہوتے ہوئے لیٹ کر پڑھنی جائز ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس جواز کی طرف گیا ہے امام حسن بصری بھی اسی گروہ میں سے ہیں جیسا کہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۱۸۱ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو

أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ طَاهِرًا وَ ذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰى يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيهَا خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِي كِتَابِ الْأَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ

اپنے بستر پر پاک ہو کر لیٹے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ اسے نیند آ جائے تو رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہ لے گا جس میں اللہ سے دنیا و آخرت کی خیر مانگے مگر رب تعالٰے اسے دے گا۔ اسے نووی نے کتاب الاذکار میں ابن السنی سے روایت کیا۔

لہ اور یاوٰی پیٹنے، لفظاوی قر اور بے مددونوں طرح مروی ہے۔ بے مد زیادہ مشہور ہے۔ فراش ناکی زیر سے بمعنی بستر۔

۱۱۴۲ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَجُلَيْنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِهِ وَ لِحَافِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَ أَهْلِهِ إِلَى صَلٰوتِهِ فَيَقُولُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهِ انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي ثَارَ عَنْ فِرَاشِهِ وَ وِطَائِهِ مِنْ بَيْنِ حِبِّهِ وَ أَهْلِهِ إِلَى صَلٰوتِهِ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَ شَفَقًا مِمَّا عِنْدِي وَ رَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ أَصْحَابِهِ فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ فِي الْاِنْهِزَامِ وَ مَا لَهُ فِي الرُّجُوعِ فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيقَ دَمُهُ فَيَقُولُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهِ انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَ شَفَقًا مِمَّا عِنْدِي حَتّٰى هُرِيقَ دَمُهُ.

رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت راضی ہوتا ہے ایک وہ آدمی جو اپنے بستر اپنے لحاف اپنے پیاروں اپنے گھر والوں کے درمیان نماز کے لیے کود کر کھڑا ہو۔ رب تعالٰی اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ اپنے بستر اور لحاف سے اپنے پیاروں اور گھر والوں کے درمیان سے نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری رحمت کی رغبت اور میرے عذاب کے خوف سے اور ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جائے پھر غور کرے کہ اس پر بھاگنے میں کیا عذاب ہے اور واپس جہاد کی طرف لوٹنے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا جائے۔ تو رب تعالٰی اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میرے ہاں کے ثواب میں رغبت اور میرے عذاب سے خوف کرتے ہوئے لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔ (شرح السنۃ)

؎۱ اور ان دو شخصوں پر تعجب کرتا ہے یعنی انہیں عظیم و کبیر جانتا ہے۔ بعض نے کہا ان سے راضی ہوتا اور انہیں ثواب عطا کرتا ہے۔

؎۲ یعنی اپنے نرم بستر سے جس پر وہ سویا ہوتا ہے اور اپنے لحاف سے جسے اس نے اوڑھا ہوتا ہے، جلدی سے نکل پڑتا ہے۔ لفظ وطا واؤ کی زیر اور زبر دونوں طرح ہے بخلاف لام کی زیر سے۔

؎۳ اصل میں لفظ حب آیا ہے حا کی زیر سے بمعنی محبوب۔

؎۴ شفق شین اور فا کی زبر بمعنی خوف و ہراس۔

؎۵ جو راہ خدا میں کافروں سے جہاد کے لیے نکلا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

١٢٣٣ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّكَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر مبارک پر رکھا؎۱ فرمایا اے عبداللہ کیا ہے؎۲ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے۔ اور آپ خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؎۳ فرمایا ہاں؎۴ لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں؎۵

(مسلم)

؎۱ علماء نے کہا ہے یہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو خصوصی اہمیت دینی ہوتی ہے۔ یا اسے عجیب سمجھتے اور اس پر تعجب کرتے ہیں۔ اس کی نظیر وہ ہے کہ بعض دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کو چھوتے تھے۔ حضرت شیخ ابن حجر اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ سر پر ہاتھ رکھنا خلاف ادب ہے۔ بعض نے کہا شاید حضرت عبداللہ بن عمرو رضی

رضی اللہ عنہ سے یہ فعل تعجب و حیرت کی بنا پر یکایک بلا قصد و ارادہ واقع ہو گیا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کیا نہ کہ نماز کے اندر۔

لہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عبداللہ کے اس فعل کو عجیب و غریب جانا۔

سہ تو آپ جیسی تمام افضلوں و اعلوں سے افضل و اکمل ذات سے افضل و اکمل فعل کا ترک کیسے واقع ہوا۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

سہ ہاں ایسا ہی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

ھہ یہ جو میں نے کہا میرے علاوہ میری امت کے دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ میں اس حکم سے خارج ہوں۔ میرا پروردگار مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی اتنا ہی ثواب عطا کرتا ہے جتنا مجھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا میرے اوپر خصوصی فضل و کرم ہے۔ یا یہ بات میرے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف انتہا درجہ کی توجہ اور حضور معرفت اور قرب نصیب ہے۔ مجھے دوسروں پر قیاس نہ کرو۔ نہ دوسروں کو مجھ پر۔

۱۱۸۴/۱۳ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِيْ صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَاَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سالم بن ابو الجعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا۔ کاش میں نماز پڑھ لیتا۔ تو راحت پا جاتا شاید لوگوں نے اس بات کو معیوب جانا[2]۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اے بلال نماز کی تکبیر کہو۔ ہمیں اس سے راحت پہنچا دو[3]۔ (ابو داؤد)

لہ جعد جیم کی زبر عین ساکن۔ سالم بن ابو الجعد مشہور تابعی ہیں۔ اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے۔

سہ یعنی۔ وہاں موجود دوسرے صحابہ کرام وغیرہم نے اس کی اس بات کو اچھا نہ جانا اور ان کے فہم پر یہ بات گراں گزری۔

سہ یعنی اے بلال ہمیں نماز کے ساتھ راحت دو۔ تکبیر کہو تاکہ ہم نماز پڑھیں اور راحت حاصل کریں۔ دوسری بات یہ کہ نماز میں مشغول ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجب راحت تھا۔ نماز کے ادا کرنے اور اس میں بارگاہ حق میں مناجات کرنے سے دنیوی اعمال اور لوگوں کے میل جول سے نجات پاتے تھے اسی لیے آپ نے فرمایا جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ یعنی نماز کے اندر میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ ان دونوں معنوں کے بیچ فرق یہ ہے کہ معنی اول تو یہ ہے کہ ہم ذمہ داری سے بری ہو کر اطاعت بجا لاتے۔ حکم کی فرمانبرداری کرتے۔ مشغولیت کی تھکاوٹ سے خلاصی پاتے اور اس ذات کے ساتھ تعلق

تعلق قائم کرنے کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔ اور معنی ثانی یہ ہے کہ نماز کے وجود۔ ذوق مناجات اور اس شہود سے جو نماز میں نصیب ہوتا ہے کے ذریعے راحت حاصل کریں۔ اور شک نہیں کہ دوسرا معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حال کے زیادہ مناسب و لائق ہے اور خزاعی مرد کا قول پہلے معنی کی طرف رخ رکھتا ہے۔ اسی بنا پر صحابہ نے اسے معیوب جانا یہ بھی ممکن ہے کہ خزاعی مرد کی مراد بھی دوسرا معنی ہی ہو۔ یعنی ہم نماز پڑھیں اور اس کے ساتھ راحت حاصل کریں۔ اور ما سوائے اللہ کے ساتھ مشغولیت سے نجات پائیں خوب سمجھو۔ و باللہ التوفیق۔

بَابُ الْوِتْرِ

نماز وتر کا بیان

علماء کے درمیان نماز وتر میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ وتر سنت ہیں یا واجب۔ اکثر ائمہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اس پر ہیں کہ نماز وتر سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ تاہم واجب بمعنی فرض نہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ کے نزدیک فرض ہیں اور ایک روایت میں سنت بھی آیا ہے مگر صحیح قول اول ہے کہ واجب ہیں۔ علماء نے کہا کہ سنت ہونے کے باوجود ان کی قضا واجب ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ پانچ اور سات رکعات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعت۔ احادیث دونوں جانب وارد ہیں۔ وہ حضرات جو ایک رکعت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھے اور سلام پھیرے اگر پہلے دو رکعت نہ پڑھی جائیں تو یہ مکروہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نماز وتر میں کیا کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا اکثر احادیث سے ایک رکعت وتر کا ثبوت ملتا ہے۔ میں بھی اسی جانب ہوں۔ دوسرے وقت میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ دو رکعت پہ سلام پھیرے اگر سلام نہ بھی پھیرے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض شافعیہ نے تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف اور کمزور ثابت کرنے میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے اور حق یہ ہے کہ تین رکعت کے بارے میں بھی احادیث کثیرہ اور آثار صحیحہ آئے ہیں۔ اور اس باب وتر میں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے دلائل وجوب اور اس کے ایک رکعت یا تین رکعت ہونے میں شرح عربی (لمعات) اور شرح سفر السعادۃ میں تفصیل سے یہ گفتگو ذکر ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَاحِدَۃً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰی۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ ایک رکعت اور پڑھے۔ یہ ایک رکعت پہلی رکعتوں کو وتر بنا دے گی[1]

(بخاری ومسلم)

[1] وتر بمعنی طاق ہے۔ جفت عدد کے مقابل۔ اور جب اس نے پہلے دو دو رکعت پڑھی ہیں۔ سب جفت واقع ہوں گی۔ اور جب ایک ان کے ساتھ ملائے گا تو وتر بن جائیں گی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے وتر نماز کی مشروعیت کا سبب یہ حدیث ہے پھر یہ رات کی ساری نماز کو وتر کر دیتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ گویا رات کی نماز کو دراز کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ نزدیک صبح تک پڑھی جائے۔ ورنہ وتر نماز کا ادا کرنا طلوع صبح کے خوف پر موقوف نہیں ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۱۸۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَکْعَۃٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہیں[1]۔

(مسلم)

[1] اسی طریقہ کے مطابق کہ اس سے پہلے دو رکعت پڑھے اور سلام پھیرے اس کے بعد ایک رکعت پڑھے یہ حدیث نماز وتر کے ایک رکعت ہونے کی دلیل ہے۔ وہ احادیث جو وتر نماز کے تین رکعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ابھی آرہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک من آخر اللیل اس جانب اشارہ ہے کہ چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے جائیں۔ اس میں بھی کلام آرہا ہے۔

۱۱۸۷ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا یَجْلِسُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جن میں آخر کے سوا کہیں نہ بیٹھتے[1]

فِیْ شَیْءٍ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری ومسلم)

لہ تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کئی طرح پر ہوتی تھی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت پڑھتے۔ چہار سلام کے ساتھ دو دو رکعت کر کے۔ اور پانچ رکعت لگاتار اور متصل ادا کرتے وتر کی نیت سے ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ۔ یہ حدیث صحیح اس بارے میں صریح ہے کہ پانچ رکعت میں ایک تشہد کے ساتھ اتصال کرتے تھے اور یہ بات فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے جو فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں وہ عدم تشہد کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ تشہد سے یہاں سلام مراد ہے۔ یعنی آپ سلام نہ پھیرتے مگر آخر میں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ لم یسلم الا فی آخرھن آپ سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں اور چار رکعتوں سے زائد رکعتوں کو ایک سلام سے ملانا جائز ہے۔ بالاتفاق اور حنفیہ کے نزدیک آٹھ رکعت تک اس طرح کرنا جائز ہے۔

۱۱۸۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ ھِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ اِلٰی عَائِشَۃَ فَقُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰی قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کُنَّا نُعِدُّ لَہٗ سِوَاکَہٗ وَطَھُوْرَہٗ فَیَبْعَثُہُ اللّٰہُ مَا شَآءَ اَنْ یَّبْعَثَہٗ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّکُ وَیَتَوَضَّأُ وَیُصَلِّیْ تِسْعَ رَکَعَاتٍ لَا یَجْلِسُ فِیْھَا اِلَّا فِی الثَّامِنَۃِ فَیَذْکُرُ اللّٰہَ وَیَحْمَدُہٗ وَیَدْعُوْہُ ثُمَّ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا یُسْمِعُنَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ وَھُوَ قَاعِدٌ فَتِلْکَ اِحْدٰی عَشَرَۃَ

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کے پاس گیا۔ عرض کیا۔ اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیجیے آپ نے فرمایا کیا تم لوگ قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا ہاں۔ بولیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا میں نے عرض کیا۔ اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی خبر دیجیے۔ فرمایا ہم آپ کی مسواک اور طہارت کا پانی تیار کرتے تھے تو رات میں جب اللہ چاہتا انہیں اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے جن میں سے آٹھویں کے سوا کہیں نہ بیٹھتے۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوتے تو نویں رکعت پڑھ لیتے پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے۔ پھر اس طرح سلام پھیرتے کہ ہمیں سنا دیتے پھر سلام کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔ اسے بچے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيعِهِ فِي الْأُولَى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلٰوةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِي لَيْلَةٍ وَصَلَّى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

عمر رسیدہ اور گوشت ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھنے لگے اور دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کا سا عمل کرتے اے بیٹے یہ نو ہوئیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر ہمیشگی کو پسند فرماتے[۵] اور جب آپ کو نیند یا تکلیف رات کو اٹھنے سے مانع ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے[۶]۔ اور مجھے خبر نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو، اور نہ یہ کہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں[۷]

(مسلم)

[۱] حضرت سعد انصاری تابعی اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ امام حسن بصری ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث اہل بصرہ کے پاس ہیں اور ان میں شہرت یافتہ ہیں۔ آپ ہندوستان کی طرف تشریف لائے۔ جہاد کیا اور مکران میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔

[۲] یعنی آپ کی خواہ سیرت کے بارے میں آگاہ کریں۔

[۳] یعنی قرآن پاک میں جو اخلاق عظیمہ اور صفات حمیدہ مذکورہ بیان کی گئی ہیں آپ ان سب کے ساتھ متخلق اور موصوف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا خلق قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (بے شک تو خلق عظیم سے موصوف ہے)

[۴] لفظ طہور طا کی زبر سے ہے۔

[۵] یعنی آپ تشہد پڑھتے اور تشہد میں ذکر و حمد و دعا کرتے۔

[۶] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا دوسرا طریقہ ہے اور اس میں یہ تعیین ہے کہ لفظ لا یجلس ظاہر پر محمول ہے۔ اور لفظ یسلم سے سلام مراد نہیں ہے۔ ورنہ استشناد کی بنا پر لازم آئے گا کہ آٹھویں رکعت پر آپ سلام پھیرتے تھے۔ حالانکہ

اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ان میں بیٹھتے مگر سلام نہ پھیرتے تھے۔

ے یعنی آپ کے جسم اقدس کا گوشت بڑھ گیا اور آپ تن دار اور ضعیف ہو گئے یعنی آخر عمر شریف میں شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ کی یہ حالت رحلت سے ایک سال پہلے ہو گئی۔

ث اس محبت کی بنا پر جو آپ کو نماز سے تھی اور یہ دستور اس کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا کہ آپ کا نفل پڑھنا دائماً ہوتا تھا اور آپ اپنے اوپر نوافل کو لازم و ضروری قرار دیتے تھے تاکہ امت پر یہ فرض نہ ہو جائیں۔

۹ اور دن میں وہ تفصیل نہ ہوتی تھی کہ کبھی تیرہ رکعت پڑھتے کبھی گیارہ یا نو یا سات رکعت۔

ناه حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی کی نسبت اپنے علم کی طرف احتیاط کی۔ اور فرمایا میں نہیں جانتی کہ شاید آپ حضرت عائشہ کی باری کے علاوہ یا بعض اوقات سفر وغیرہ میں کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ واضح ہو کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا بہت سی احادیث میں آیا ہے لیکن ایک دوسری حدیث اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترًا (رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ) بظاہر اس کے معارض اور مخالف نہیں یہ چیز بہت سے علماء کے لیے مشکل ہو گئی ہے۔ اس لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے منکر ہیں اور کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے امام احمد رحمہ اللہ نے کہا میں یہ دو رکعت خود نہیں پڑھتا مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتا۔ اور جمہور علماء بعد وتر دو رکعت پڑھنے کے قائل ہیں کیونکہ ان دو رکعت کا ذکر احادیث صحیحہ میں آچکا ہے اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ وتر کے بعد نفل پڑھنے جائز ہیں۔ لہٰذا حدیث اجعلوا آخر صلوتکم باللیل استحباب پر محمول ہوگی نہ کہ وجوب پر۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا اول رات میں تھا یا آخر رات میں۔ اس بارے میں حضرت ابوامامہ کی حدیث مطلق ہے۔ اس میں صرف اس قدر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے اور کہا کہ اول شب میں یا آخر شب میں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ یہ دو رکعت آپ اس وقت پڑھتے جب کہ وتر اول رات میں پڑھتے۔ یہ دونوں حدیثیں باب کے آخر میں آئیں گی اور بخاری و مسلم و موطا کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایسا قیام لیل میں ہوتا تھا اور یہی صحیح ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دو رکعتیں وتر کے ساتھ ملحق ہیں۔ اور وتر کے لیے سنت جابرہ کی طرح ہیں خصوصاً اس شخص کے قول کے مطابق جو اس کے وجوب کا قائل ہے۔ جیسے دن کے وتر کہ وہ نماز مغرب ہے۔ اس کے متصل بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھی جاتی ہیں سو اور رات کے وتر کے ساتھ بھی دو رکعت ملانا ضروری ہوگا۔

اس کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ اول رات میں وتر نماز کو جفت (دو رکعتیں) بنانے کی نیت جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھنے کو ایک رکعت کی طرح قرار دیتے ہیں تو ان بعض کا یہ خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور

ایسا کرنا بلا ضرورت وتر نماز کو ناقص اور باطل کرنے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعد الوتر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر وتر اول شب میں پڑھ لیے جائیں پھر قیام لیل کی توفیق بھی نصیب ہو جائے اور نماز تہجد بھی ادا کی جائے تو دوبارہ پڑھنے کی حاجت و ضرورت نہ رہے گی۔ مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور بلا شک و شبہ روایات میں آ چکا ہے کہ لا وتران فی لیلۃ واحدۃ ایک رات میں دوبارہ وتر نہیں پڑھے جا سکتے۔ اس میں غور کرو۔

۱۱۸۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رات کی آخری نماز وتروں کو بناؤ[۱] (مسلم)

[۱] اس کی شرح گذشتہ حدیث کے بیان میں گزر چکی ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے بھی باب الوتر میں اسے روایت کیا ہے۔

۱۱۹۰ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر پڑھ کر صبح پانے میں جلدی کرو[۱] (مسلم)

[۱] یعنی طلوع سے پہلے وتر پڑھو اور ترمذی کی حدیث میں ہے صبح ہونے سے پہلے وتر ادا کرو۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو رات کی نماز جاتی رہی۔ لہذا وتر فجر ہونے سے پہلے پڑھو۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نماز فجر کے بعد وتر نہیں۔ اس سے وتر کی ادا مراد ہو گی ورنہ صبح کے وقت وتر نماز کی قضا جائز ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں زید بن اسلم کی حدیث میں آ رہا ہے کہ قضا ہر وقت جائز ہے۔ ترتیب کی رعایت کے ساتھ۔

۱۱۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَّذٰلِكَ اَفْضَلُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اندیشہ ہو کہ آخر شب میں نہ اٹھے گا تو وہ اول شب میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے آخر شب میں بیدار ہونے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی دی گئی ہے[۱] (مسلم)

سلہ اور وہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے۔

سلہ اور اس نماز کے وقت ملائکہ رحمت حاضر و موجود ہوتے ہیں اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے مشہودۃ محضرۃ و ذالک افضل یعنی اس وقت کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی آ چکی ہے۔ اور اس وقت ملائکہ رحمت موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ افضل عمل ہے اور آخر شب میں وتر پڑھنا اول شب میں پڑھنے کی نسبت زیادہ فضیلت والا عمل ہے اس وجہ سے کہ اس وقت کی فضیلت کی گواہی آ چکی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عارضے کے باعث کسی خاص شخص کے لیے اول شب میں وتر پڑھ لینا اولیٰ اور زیادہ احتیاط کی بات اور اس کے حال کے زیادہ لائق ہو۔ ابوداؤد کی حدیث میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے۔ عرض کیا اول شب میں۔ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے۔ عرض کیا آخر شب میں۔ آپ نے حضرت ابوبکر کے بارے میں فرمایا اس نے احتیاط کو اختیار کیا ہے اور حضرت عمر کے بارے میں فرمایا اس نے قوت و طاقت والا عمل اختیار کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وتر اول شب میں پڑھ کر سو جایا کر۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول شب میں احادیث سنتے اور انہیں یاد کیا کرتے تھے (تو اندیشہ ہوتا تھا کہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکیں)

۱۱۹۲/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ وَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں۔ اول شب میں اس کے درمیان میں اور آخر شب میں بھی۔ پھر آخر عمر شریف میں آپ سحری[1] کے وقت وتر پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی آخر عمر میں یہ چیز طے ہو گئی کہ سحری کے وقت اور آخر شب میں آپ وتر پڑھتے تھے۔

۱۱۹۳/۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سب مجھے میرے دوست[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کاموں کی وصیت فرمائی۔ ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کی[2] نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی[3]۔ اور اس بات کی کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں[4]۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی میرے جانی دوست نے جس کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی ہے۔

۲؎ وہ تین دن جو دن بھی ہوں۔ اکثر روایات میں ہر ماہ کے درمیانی تین دن آئے ہیں جنہیں ایام بیض کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب الصوم میں آرہا ہے۔

۳؎ یعنی آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جانے کے بعد اور باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آرہا ہے کہ دو رکعتیں نماز چاشت کی کم نماز ہے۔ اس کی زیادہ مقدار بارہ رکعت تک ہے۔ صرف دو رکعت گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۴؎ علماء نے کہا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اول شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور جو کچھ انہوں نے دوسرے صحابہ کرام سے سنا ہوتا تھا اسے ذہن نشین کرنے میں مصروف تھے۔ اس کام میں رات کا کافی حصہ گزر جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کے لیے آخر شب میں اٹھنا مشکل ہوتا تھا اور حضرت ابوہریرہ کو صرف دو رکعت پڑھنے کا حکم بھی اسی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عبادت کی نسبت علم دین میں مشغول رہنا زیادہ فضیلت والا کام ہے۔

مجھے اپنے بعض اساتذہ کی یہ حکایت یاد ہے کہ انہوں نے فرمایا فقہ کی روایات میں آیا ہے کہ دینی طالب علم کے لیے وتر نماز کے بعد دو رکعت اول شب میں ہی پڑھ لینا مستحب ہے۔ طالب علم کے لیے اس حکم کی تخصیص کی وجہ اس وقت مجھ پر ظاہر نہ ہو سکی۔ اب جب کہ اس حدیث پاک کا علم ہوا تو وجہ ظاہر ہو گئی کہ طالب علم اول شب میں تکرار علم اور اس کے حفظ میں مصروف رہتا ہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہ کا حال تھا۔ اور یہ دو رکعتیں نماز شب کے قائم مقام ہو جائیں گی جیسا کہ فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۱۹۳ عَنْ غُضَیْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَۃَ اَرَاَیْتِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَۃِ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِہٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ

حضرت غضیف۱؎ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا آپ نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں حضرت عائشہ نے کہا بہت دفعہ آپ اول شب میں غسل کر لیتے تھے اور بہت دفعہ آخر شب میں۲؎۔ میں نے کہا اللہ اکبر۳؎ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کار دین

الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ قَالَتْ رُبَّمَا أَوْتَرَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَ رُبَّمَا أَوْتَرَ فِي آخِرِهِ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهِ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْأَخِيْرَ)

یں کشادگی اور فراخی رکھی ہے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں وتر پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں فرمایا بہت دفعہ آپ اول شب میں وتر پڑھتے اور بہت دفعہ آخر شب میں میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے دین میں کشادگی اور آسانی رکھی ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قرات کرتے تھے یا آہستہ۔ فرمایا بہت دفعہ آپ قرات میں جہر کرتے تھے اور بہت دفعہ مخفی پڑھتے تھے میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اسی اللہ جل شانہ کے لیے ہیں جس نے دین کے معاملے میں کشادگی اور آسانی ملحوظ رکھی ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے صرف فصل اخیر کو روایت کیا۔

لہ غضیف غین کی پیش ضاد کی زبر آخر میں فا۔ حضرت غضیف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا مگر ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور انہوں نے خود کہا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھا اور میں نے آپ کے دست پر بیعت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ یہ حضرت عمر حضرت ابو ذر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی جماع کے بعد متصل غسل کر لیتے یا آخر شب میں کہ جماع کرنے کے بعد سو جاتے اور جب نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو غسل کرتے۔

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی بندگی کا بھاری بوجھ رکھے۔

سلہ یعنی نماز شب کی قرات۔ یا مطلق تلاوت میں۔

ھہ خفت یخفت یعنی آرام سے آواز نکالنا اور راز کو پوشیدہ طور پر بیان کرنا۔

سلہ اس حدیث میں اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ احکام و تکالیف شرعیہ میں آسانی و کشادگی عظیم نعمت اور وسیع رحمت ہے بندوں پر جس کے لیے خدا تعالیٰ کا شکر بجا لانا واجب و ضروری ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف اُمَّتِی رَحْمَۃٌ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ دینی مسائل میں اختلاف دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے تعدد و تنوعات سے پیدا ہوا ہے۔ آپ نے ان میں امت پر شفقت اور ان کے کام میں وسعت و کشادگی پیدا کرنا مقصود ہے پیرا اسی طرح

مجتہدین کا استنباط احکام میں اختلاف کہ یہ سب خیر ہی خیر اور دین میں کمال اور اضافے کا موجب ہے اور مزید انوار کا سبب اور بوجھوں و مشقتوں کے ہلکا کرنے کا ذریعہ ہے۔

ےہ یعنی اس حدیث کو مکمل طور پر تو ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے فصل اخیر یعنی اس حصے کو روایت کیا جو قرأت سے متعلق ہے۔

۱۱۹۱ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّ ثَلٰثٍ وَّ سِتٍّ وَّ ثَلٰثٍ وَّ ثَمَانٍ وَّ ثَلٰثٍ وَّ عَشْرٍ وَّ ثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُّوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن ابو قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ فرمایا چار اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے[۱] اور چھ اور تین بھی وتر پڑھتے تھے[۲]۔ اور آٹھ اور تین رکعت بھی۔ اور دس اور تین رکعت بھی۔ اور سات سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہ پڑھتے تھے[۳]۔ (ابوداؤد)

سلہ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے. آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی۔

۱۱۹۲ وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر نماز ہر مسلمان پر ثابت و لازم ہے تو جو شخص چاہے کہ وتر پانچ رکعت پڑھے تو ایسا کرلے[۱] اور جو پسند کرے کہ وتر تین رکعت پڑھے تو وہ ایسا کرلے[۲]۔ اور جو پسند کرے کہ وتر ایک رکعت پڑھے وہ ایک رکعت پڑھے[۳]۔ (ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ)

سلہ اسی طرف سفیان ثوری اور بعض دوسرے ائمہ گئے ہیں۔

سٹہ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

سٹہ یہ حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کا مذہب ہے۔

۱۱۹۴/۱۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَأَوْتِرُوْا يَا أَهْلَ الْقُرْاٰنِ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے تو اے اہل قرآن وتر نماز ادا کرو۔ؔ[1]

(ترمذی، ابوداؤد)

(النسائی)

[1] یعنی اپنی رات کی نماز کو وتر بناؤ۔ ایک رکعت ملا کر یا تین رکعت ملا کر یا اہل القرآن یعنی اسے وہ لوگو جو قرآن پاک پر ایمان لائے ہو۔ اور اس کی تصدیق کی ہے اور اس کے حفظ و تلاوت سے دلچسپی رکھتے ہو۔ اپنی رات کی نماز وتر رکعتوں کی تعداد میں پڑھو۔

دراصل اس ارشاد میں قیام لیل اور تلاوت قرآن پاک کی پابندی کرنے کی تنبیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے قول مبارک میں فرمایا۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ قرآن کو ترتیل سے پڑھو۔

واضح ہو کہ وتر واو کی زیر اور زبر سے عدد فرد کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بایں معنیٰ کیا جاتا ہے کہ اس کی ذات فرد و یگانہ ہے تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اور وہ اپنی صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ اور اپنے افعال میں شریک و مددگار سے بے نیاز و پاک ہے۔ اس طرح اللہ کی ذات میں وتریت فردانیت کے معنیٰ میں ہے اور اس مناسبت سے وہ وتر عدد کو پسند کرتا ہے۔ اور وتر فعل پر اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدد وتر کا اہتمام فرماتے تھے۔ شرع شریف میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ جیسا کہ اس کی جستجو کرنے والے سے پوشیدہ نہیں۔

۱۱۹۵/۱۴ وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ إِلٰى أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

حضرت خارجہ[1] بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ یعنی وتر نماز۔ اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نماز عشاء اور طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] خا کے ضمہ اور ذال معجمہ اور جیم۔ یہ حضرت صحابی قرشی اور قبیلہ بنی عدی سے ہیں۔ قریش کے سواروں میں شمار ہوتے ہیں۔

انیس ہزار سواروں کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین ہزار سواروں کی کمک طلب کی تو حضرت عمر نے تین افراد بھیجا۔حضرت خارجہ بن حذافہ کو حضرت زبیر بن عوام کو اور حضرت مقداد بن اسود کو۔

؎۲ یعنی اس نے نماز پنجگانہ پر ایک نماز زیادہ کی ہے۔امداد کا معنی ہے ایک کو دوسرے کے پیچھے روانہ کرنا اس کی تقویت اور تائید کے لیے۔ایک روایت میں لفظ زاد کم آیا ہے۔یعنی اس نے ایک نماز زیادہ ہے۔بعض میں امرکم کا لفظ آیا ہے۔یعنی اللہ نے پنجگانہ کے علاوہ ایک اور نماز کا حکم بھی دیا ہے۔

؎۳ یعنی یہ نماز تمہارے سرخ چار پایوں سے بہتر ہے۔اس سے سرخ رنگ کے اونٹ مراد ہیں۔جو عربوں کے نزدیک نہایت عزیز اور نفیس مال شمار ہوتا ہے یعنی یہ نماز دنیا کے سامان وزینت سے بہتر ہے یا یہ کہ وہ تمہارے نزدیک محبوب تر ہے۔حُمُر حا کا پیش میم ساکن اَحْمَر کی جمع اور اگر میم پر بھی پیش ہو تو حمار کی جمع ہے۔

؎۴ اس حدیث کو وتر نماز کے واجب ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

۱۱۹۹/۱۵ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی وتر پڑھے بغیر ہی سوگیا اسے چاہیے کہ صبح کے وقت انہیں پڑھے۔یعنی قضا کرے۔

(ترمذی، مرسلا)

؎۱ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ثقہ، عالم، فقیہ اور نہایت عبادت گزار شخصیت تھے۔آپ کی مجلس میں چالیس سے بھی زیادہ فقہاء حاضر رہتے تھے امام مالک، سفیان ثوری، ابن عیینہ اور ابو ایوب سختیانی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ سے حدیث سنتے۔لوگوں نے کہا اے رسول اللہ کے بیٹے۔آپ سب سے بہترین اور افضل ترین شخصیت ہوکر زید بن اسلم کے پاس جاتے ہیں جو موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ہیں۔فرمایا علم حاصل کرنا چاہیے جہاں سے بھی حاصل ہو۔

۱۲۰۰/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَاَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَاُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي

حضرت عبدالعزیز بن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی۔دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور سورۃ فلق و

الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ وَالنَّاسِ پڑھتے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ وَ الدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ لَمْ يَذْكُرْ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ

(ترمذی، ابوداؤد) اور نسائی نے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کی اور احمد نے ابی بن کعب سے۔ اور دارمی نے ابن عباس سے اور انہوں نے سورہ فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔

لے جُوْ: جیم اول کی پیش، راء کی زبر یا ساکن

ﷺ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ واو مشدد ہے۔ یہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کا نام ہے۔

ﷺ اَبْزٰی ہمزہ کی زبر با ساکن اس کے بعد زا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کم سن صحابی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔

ﷺ یعنی احمد و دارمی نے فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ صرف قل ھو اللہ احد کا ذکر کیا۔ ترمذی نے کہا کہ اکثر صحابہ کرام اور بعد والوں کا عمل اسی پر ہے کہ صرف قل ھو اللہ احد پڑھتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا ہمارے اصحاب حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ انتہی۔ اور ہمارے ہاں ہندوستان میں بعض لوگ جو پہلی رکعت میں انا انزلناہ پڑھتے ہیں تو کسی روایت اور اخبار و آثار میں اس کا ذکر نہیں جانتے ہیں۔ بعض صحیح روایات میں ایسا آیا ہے۔

۱۲۰۱/۱۴ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَ بَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَيْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے جنہیں میں قنوت وتر میں پڑھا کروں وہ کلمات یہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ راہ راست دکھا جنہیں تو نے راہ راست دکھلایا ہے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ عافیت عطا فرما جنہیں تو نے عافیت عطا کی ہے۔ اور مجھے اپنا دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے اپنی دوستی کے ساتھ سرفراز کیا ہے۔ اور جو کچھ تو نے عطا کیا ہے اس میں مجھے برکت دے اور اپنی قضا کے شر سے بچا کہ بے شک حکم تیرا ہی چلتا ہے تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا

دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ ۔

واقعہ یہ ہے کہ جسے تو دوست بنائے وہ خوار نہیں ہو سکتا اور جس سے دشمنی کرے اسے عزت نہیں مل سکتی۔ اے ہمارے رب تو بہت برکت والا ہے اور بلند شان والا ہے[۵]۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی۔

[۱] یعنی دعا کے یہ چند کلمات جو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں ان میں احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قنوت وتر میں پڑھنے کی تعلیم دی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس دعا کی تعلیم دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو قنوت وتر میں پڑھنا بہتر جانا۔ ظاہر عبارت اسی جانب ناظر ہے۔ لیکن علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْعَلْہُ فِیْ وِتْرِکَ۔ یعنی ان کلمات کو وتر میں پڑھا کرو مگر یہ روایت غریب ہے۔ وتر اور فجر میں شافعی حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کی قنوت یہی ہے۔ احناف کے نزدیک دعا قنوت یہ ہے اللّٰھم انا نستعینک الی آخرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دونوں پڑھے۔ باب قنوت میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث آرہی ہے۔

[۲] عافیت سے دنیا و آخرت کی تمام آفات سے سلامتی مراد ہے۔

[۳] یعنی مجھے اپنا دوست بنا اور میرے جملہ امور کا متولی اور سرپرست بن اور میرے سارے کام اپنے ذمہ لطف و کرم پر لے لے۔

[۴] یعنی ہر شر و بدی جو تیری قضا میں ہے اور جو تو نے مقدر کر دی ہے۔ مجھے اس سے بچالے۔ بچاؤ کی یہ درخواست ظاہری اسباب و آلات کے اعتبار سے ہے کیونکہ لایزال یعنی آنے والے واقعات و امور میں مٹانا اور باقی رکھنا جاری ہے۔

[۵] علامہ شمنی نے یہ کلمات اور زیادہ کیے تَبَارَکْتَ اَلْحَمْدُ عَلٰی مَا قَضَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ اَللّٰھُمَّ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ جو کچھ تو نے قضا اور مقدر کیا ہے اس پر تیرے ہی لیے ہی حمد و ثنا ہے۔ ہم تیرے حضور استغفار کرتے ہیں۔ اے اللہ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر۔ تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے اور روایات میں اس دعا کا اختتام درود شریف کے ان کلمات سے کیا ہے۔ وصلی اللہ علی النبی محمد و آلہ وسلم

۱۲۰۲/۸ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وتر میں سلام پھیرتے تو کہتے سبحان الملک القدوس۔ بادشاہ حقیقی جو قدوس ہے ہر عیب سے پاک و منزہ ہے۔

رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یُطِیْلُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلٰثًا وَیَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَۃِ۔

ابوداؤد و نسائی اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ کیے تین بار اور آپ یہ الفاظ کہتے ہوئے اپنی آواز دراز اور بلند کرتے تھے یعنی تیسری بار کہنے میں۔ جیساکہ دوسری روایت میں اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نسائی کی ایک روایت میں جو عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر نماز کا سلام پھیرتے تو تین بار سبحان الملک القدوس پڑھتے۔ تیسری بار میں اپنی آواز بلند کرتے[1]

[1] یعنی تیسری بار میں یا تیسرے کلمہ میں۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ذکر بالجہر جائز و مشروع ہے۔ ذکر بالجہر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ ہاں جس موقعہ پر ذکر بالجہر نہیں آیا وہاں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے۔

$\frac{۱۲۰۳}{۱۹}$ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر نماز کے آخر میں پڑھتے تھے[1] اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصے سے پناہ لیتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے اور میں تیری ذات کے پاس تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ذات پر ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا خود ہی فرمائی[2]

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ)

[1] یعنی رکوع سے سیدھے کھڑے ہونے کے بعد۔ بعض نے کہا سلام پھیرنے کے بعد مراد ہے۔ بعض نے تشہد میں سلام سے پہلے اور بعض نے کہا سجدہ میں نہ پڑھتے تھے۔

[2] اس کا ترجمہ باب السجود میں وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

$\frac{۱۲۰۴}{۲۰}$ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِیْلَ لَهٗ هَلْ لَكَ فِیْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مُعَاوِیَۃَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس کو کہا گیا کیا آپ کو امیر المومنین حضرت معاویہ

مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

رضی اللہ عنہ سے محبت یا انکی طرف میلان ہے[1] نہ وتر نہ پڑھتے تھے مگر ایک رکعت[2]۔ حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ نے ٹھیک کیا ہے بیشک معاویہ فقیہ ہیں[3] اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ[4] نے کہا کہ حضرت معاویہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے جبکہ ان کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام موجود تھے وہ غلام حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور انہیں اس بات کی خبر دی[5]۔ تو حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ کو چھوڑ دے بیشک اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے[6]۔
(بخاری)

[1] باوجودیکہ ان سے ایک نا مشروع و نا جائز فعل صادر ہوا ہے (وتر ایک رکعت پڑھنا)
[2] ظاہر یہ ہے کہ قائل نہ جانتا تھا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا جائز ہے۔
[3] اور شریعت کے عالم ہیں۔
[4] ملیکہ میم کو پیش۔ لام پر زبر یا ساکن۔ آپ تابعی ہیں ثقہ ہیں۔
[5] کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر ایک رکعت پڑھے ہیں۔
[6] ان کی غلطی نہ نکال اور ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔
[7] واضح ہو کہ یہ ایک رکعت یا تو مستقل تھی اس سے پہلی دو رکعتیں کو ان کے ساتھ نہ ملایا گیا۔ اگر یہ صورت ہو تو بیشک یہ چیز محل اعتراض ہے اور اسے نماز بتیرا کہتے ہیں۔ (تبیرا بے برکت) اور یہ ممنوع ہے۔ باتفاق علماء یا پہلی دو رکعتوں کو اس کے ساتھ ملا کر جیسا کہ عامہ آئمہ اس کے قائل ہیں تو ظاہر احتمال ثانی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بنا پر درست کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ کیونکہ سنت کے مطابق یہی ہے کہ وتر کی ایک رکعت کے ساتھ پہلی دو رکعتوں کو شامل کیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی صورت مراد ہو کہ وتر صرف ایک رکعت ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انہیں ان کی فقاہت کی بنا پر درست کہنا ظاہر کرتا ہے یعنی ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہو کہ وتر ایک رکعت ہیں اس بنا پر ہو کہ انہوں نے اسے دلائل سنت سے استنباط کیا ہو۔ حضرت ابن عباس امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ان سے علم حاصل کیا تھا اس کے باوجود آپ نے حضرت معاویہ کے موقف کی رعایت کی۔ اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جھگڑے اور نزاع کے وقت حضرت علی سے بڑی مدارات کرتے تھے اور عرض کیا کرتے تھے آپ جلدی نہ کریں۔ اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی وعدہ یا اشارہ پاتے ہیں تو صبر سے کام لیں اور ایسا معاذ ریہ ورنہ معاویہ سے جھگڑے اور نزاع کی کیا ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں کو خبر دی گئی ہے کہ ہمارے بعد آپس میں اختلاف واقع ہوگا۔ ہم اس وعدہ کی انتظار میں اس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں لوگوں میں تین رکعت وتر پڑھنا متعارف اور مشہور تھا۔

۱۲۰۵/۲۱ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[۱]۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[۲]

(ابوداؤد)

[۱] یعنی وہ ہمارے تابع نہیں نہ ہمارے طریقہ پر ہے۔

[۲] آپ نے تین بار مکرر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس وعید اور ڈانٹ کے ساتھ۔ اور یہ نماز وتر کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

۱۲۰۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَهُ اَوْ اِذَا اسْتَيْقَظَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وتر پڑھے بغیر سو گیا یا انہیں بھول گیا تو جب یاد آئے یا بیدار ہو تو پڑھ لے[۱]۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[۱] یہ حدیث بھی اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے وجوب وتر پر دلالت کرتی ہے۔ اگر چہ عدم وجوب کا احتمال بھی اس میں ہے اور اتنا اندازہ ہی ثبوت وجوب (جو فرض کے مقابل ہے) کے لیے کافی ہے۔

۱۲۰۷/۲۳ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ

حضرت مالک سے روایت ہے انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا کہ

هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَدْ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللّٰهِ يَقُوْلُ: اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے ہیں اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے ہیں۔ وہ آدمی اپنا ہر بار سوال دہراتا رہا اور حضرت ابن عمر ہر بار فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے۔ مسلمانوں نے وتر پڑھے[1]

(موطا امام مالک)

[1] اس حدیث کا ظاہر وتر کے وجوب یا عدم وجوب میں تردد و شک ثابت کرتا ہے۔ یعنی اس بارے میں جو کچھ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھنے کا فعل کیا ہے اور آپ کا فعل وجوب اور سنیت دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں وتر کے فرض عملی ہونے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں۔ اور یہاں وجوب کا یہی معنی ہے۔ واللہ اعلم۔

$\frac{1208}{24}$ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں مفصل سورتوں میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے آخری سورت قل ہو اللہ احد ہوتی تھی[1]

(ترمذی)

[1] بعض روایات میں اس مجمل کی تفسیر اس طرح آئی ہے کہ آپ پہلی رکعت میں القدر، الہاکم اور زلزلت۔ دوسری میں العصر، النصر اور کوثر اور تیسری رکعت میں الکافرون، تبت اور اخلاص پڑھتے تھے۔

$\frac{1209}{25}$ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيْمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ مکہ میں تھا۔ اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے آپکو صبح ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تھا آپ نے وتر ایک رکعت پڑھے پھر بادل چھٹ گئے تو آپ نے دیکھا کہ ابھی رات موجود ہے۔ تو آپ نے ایک رکعت کے ساتھ دو رکعتیں اور ملائیں

(رَوَاہُ مَالِکٌ)

اس کے بعد آپ نے دو دو رکعت اور پڑھیں، پھر جب آپ کو صبح کا اندیشہ لاحق ہوا تو آپ نے ایک رکعت وتر پڑھے۔ (مالک)

☆

سلہ اسماء مُغیمتہ۔ یہ لفظ متعدد وجوہ سے مروی ہوا ہے مُغمَاۃ میم کی پیش غین ساکن اور میم مخفف مُغمَاۃ میم کی پیش غین کی زبر میم مشدد۔ مُغَیْمَتہٌ میم کی پیش غین کی زبر یا مشدد۔ مُغَیْمتہٌ میم کی پیش غین کی زیر یا ساکن

۱۲۱۰/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَیَقْرَءُ وَھُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِیَ مِنْ قِرَاءَتِہٖ قَدْرُ مَا یَکُوْنُ ثَلٰثِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ اٰیَۃً قَامَ وَ قَرَءَ وَ ھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَکَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ یَفْعَلُ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ مِثْلَ ذٰلِکَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ کی قراءت سے بقدر تیس یا چالیس آیات کے باقی رہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور حالت قیام میں قراءت کرتے۔ پھر رکوع کرتے۔ پھر سجدہ کرتے۔ پھر آپ دوسری رکعت میں بھی اسی کی مثل کرتے۔ (مسلم)[1]

سلہ مگر اس حال کا عکس مروی نہیں ہے۔ کہ آپ کھڑے ہو کر نماز شروع کی ہو۔ اس کے بعد بیٹھ گئے ہوں اور قراءت کی ہو پھر بیٹھے ہوئے رکوع کر گئے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دراصل یہ صورت بھی جائز ہے۔ اگرچہ کراہت سے خالی نہیں اگر بے عذر ایسا کرے اسکا بیان گزشتہ باب السنن میں عبداللہ بن شقیق کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

۱۲۱۱/۲۷ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَکْعَتَیْنِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ اِبْنُ مَاجَۃَ خَفِیْفَتَیْنِ وَ ھُوَ جَالِسٌ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ لفظ زیادہ کیا ہلکی رکعتیں۔ درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے[1]۔

سلہ اس کی شرح باب اول میں سعد بن ہشام کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۱۲۱۲/۲۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِوَاحِدَۃٍ ثُمَّ یَرْکَعُ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَءُ فِیْھِمَا وَ ھُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے ان میں قراءت کرتے درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے۔ جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے تو

بَرْكَعُ قَامَ فَرَكَعَ .

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے

(ابن ماجہ)

۱۲۸۳/۲۹ — وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذَا السَّهَرَ جُهْدٌ وَثِقَلٌ فَإِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَإِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَإِلَّا كَانَتَا لَهُ .

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ بے خوابی[1] مشقت اور گرانی ہے جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھے پھر اگر اس نے قیام لیل بھی کیا تو بہت افضل و اکمل بات ہے ورنہ یہ دو رکعتیں ہی اس کے کافی ہو[2] جائیں گی۔

(دارمی)

[1] سہر۔ دو زبروں سے یعنی بیدار و بے خوابی۔ جہد جیم کی زبر ہا ساکن جیم کی پیش بھی آیا ہے۔

[2] یعنی یہ دو رکعتیں شب بیداری کی جگہ اس کے اصل ثواب کے حصول میں کافی ہو جائیں گی۔

۱۲۸۴/۳۰ — وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتْ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ .

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں وتر نماز کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ان دو رکعتوں میں آپ سورہ اذا زلزلت اور قل یاایھا الکافرون پڑھتے تھے۔ (احمد)

بَابُ الْقُنُوْتِ

دعائے قنوت کا باب

قنوت طاعت، خاموشی، دعا اور نماز میں قیام کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں اس سے مخصوص دعا مراد ہے۔ بعض مشائخ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ قنوت اور حج وغیرہ میں کوئی معین دعا لازم نہیں۔ علماء فرماتے ہیں دعا کی تعیین رقت قلب کو زائل کرتی اور دل کو بے توجہ بناتی ہے۔ مگر اکثر علماء اس پر ہیں کہ دعا کی تعیین اور اس کا وقت مقرر ہونا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ زبان پر ایسی چیز جاری ہو جائے جو لوگوں کے ساتھ بات چیت کے مشابہ ہو اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے مگر یہ تعیین اور وقت مقرر کرنے میں اختلاف وہاں ہے جو عقل سے متعلق ہو۔ شرع شریف میں اس کی تعیین اور وقت کا تقرر وارد نہ ہوا ہو۔ وہاں یہ اختلاف نہیں جہاں شرع شریف اس کی تعیین اور وقت کا تقرر کر چکی ہو۔

چاہیئے۔ تعیین کا یہ تقرر استحباب کے طور پر ہو جا ہے وجوب کے طور پر۔ کتاب محیط وذخیرہ میں اس سے اللھم انا نستعینک اور اللھم اھدنا کو مستثنیٰ قرار دیا۔ اور حنفیہ کے نزدیک قنوت میں اللھم نستعینک متعین ومقرر ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اللھم اھدنا فیمن ھدیت الی آخرہٖ بھی اس کے ساتھ پڑھے علامہ شمنی نے حضرت ابواللیث سے اللھم اغفرلی تین دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی کیا۔ بعض نے کہا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار بھی پڑھے۔ علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص دعائے قنوت نہ جانتا ہو وہ اللھم اغفرلی اور ربنا آتنا پڑھ سے۔ جیساکہ شرح ابن الہمام میں مذکور ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللھم اھدنا الی آخرہٖ پر اکتفا کیا جائے۔ یہ حضرات اللھم انا نستعینک کو دعا قنوت میں شمار نہیں کرتے سادر کہتے ہیں کہ بخاری ومسلم اور سنت کی مشہور کتابوں میں اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں لیکن علمائے حنفیہ نے طبرانی وغیرہ سے طرق صحیحہ کے ساتھ اسے ثابت کیا ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد سے نقل کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مضر پر بددعا کر رہے تھے اس دوران حضرت جبرئیل آئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو گالی دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جسے ملعون قرار دینا ہے اور جس کی ہلاکت وبربادی کا ارادہ کرنا ہے خود کرے گا۔ اس کے بعد جبرئیل نے آپ کو اللھم انا نستعینک کی تعلیم دی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے جو شافعیہ میں سے ہیں کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا۔ ہدانی امجد روایات میں اس دعا کا ذکر آچکا ہے اور علماء امت کے درمیان واقع اختلافات کہ یہ دعا رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا رکوع کے بعد اور قنوت کا پڑھنا وتر نماز کے ساتھ خاص ہے یا نماز فجر وغیرہ میں بھی پڑھی جائے پھر یہ دعا وتر نماز میں ہمیشہ پڑھی جائے یا رمضان کے آخری نصف میں، سب باتیں دلائل کے ساتھ شرح عربی (لمعات) اور شرح سفرالسعادۃ میں مذکور ہیں حنفیہ کا مذہب ان صورتوں میں شق اول پر مبنی ہے۔ اس میں غور کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۱۵ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى اَحَدٍ اَوْ يَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ.

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر بددعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے پس بسا اوقات جب سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے تو کہتے۔ الٰہی ولید بن الولید۔ سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَلْاٰيَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نجات دے الہٰی سخت پامال ڈال مضرؔ پر اور اسے یوسف علیہ السلام کی قحط سالیوں کی طرح قحط بنا یہ باواز بلند کہتے اور اپنی بعض نمازوں میں فرماتے۔ الہٰی فلاں فلاں عربی قبیلوں پر لعنت کر یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ۔ الآیۃ

(بخاری و مسلم)

لہ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نقصان کی دعا کا ارادہ کرتے یا کسی کے نفع کے لیے دعا کا ارادہ کرتے۔

لہ اپنے بعض ان اصحاب کی نجات کے لیے جو کفار کی بندش کے عذاب و خواری میں گرفتار ہو گئے تھے، ان کی نجات کے لیے اور بعض قبائل عرب کی ہلاکت اور رحمت الہٰی سے محرومی کی دعا کیا کرتے۔

لہ یعنی خداوندا نجات و خلاصی عطا فرما ولید بن ولید قرشی مخزومی کو۔ یہ صاحب حضرت خالد بن ولید کے بھائی تھے انہیں عبداللہ بن جحش نے بدر کے دن گرفتار کر لیا تھا۔ اور یہ ولید ابھی حالت کفر میں تھے۔ ان کے دو بھائی خالد اور ہشام مدینہ آئے اور ان کے عوض چار ہزار درہم فدیہ دیا۔ جب فدیہ ادا کر کے انہیں مکہ معظمہ لائے تو وہ مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے کہا تم فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام کیوں ... لائے یہ حالانکہ تو مسلمانوں کے درمیان تھا۔ وہاں تجھے مال بھی ملتا اور اسلام بھی حضرت ولید نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ لوگ کہیں یہ شخص اسیری پر صبر نہیں کر سکا بے صبری کی وجہ سے اسلام لایا ہے یہ سن کر ان کے بھائیوں نے انہیں مکہ میں بند کر دیا۔ اور اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں ظالموں کے ہاتھ سے ان کی نجات اور خلاصی کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت ولید کو ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ شریف حاضر ہو گئے۔

لہ یعنی قنوت میں دوسری دعا آپ اس طرح کرتے تھے۔ خداوندا سلمہ بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو نجات عطا فرما یہ صاحب ابوجہل کے بھائی ہیں۔ قدیم الاسلام تھے بلند مرتبت اور فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ کفار نے آپ کو مکہ میں بند کر رکھا تھا۔ اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہتے تھے یہ بھی ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلے اور مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ روم

میں جام شہادت نوش فرمایا۔

ھ عیاش یا شدہ او تشنین معجمہ بن ابو ربیعہ۔ یہ صاحب بھی ابو جہل کے بھائی تھے۔ (اپنی ماں سے) بھی پہلے اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں جانے سے پہلے ایمان قبول کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے۔ چند دن بعد آپ کا بھائی ابو جہل مدینہ آیا اور ان سے کہا تیری ماں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ تجھے نہ دیکھ لے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی۔ چنانچہ ماں کی محبت کے باعث ابو جہل کے ساتھ مکہ پہنچے تو ابو جہل نے آپ کو باندھ کر بند کر دیا۔ مگر انہیں بھاگ نکلنے کا موقعہ مل گیا اور مدینے آگئے۔ آپ نے جنگ تبوک میں شہادت پائی یہ اس کی مثال تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں ایمان والوں کے لیے دعا فرمائی۔ اور کفار پر بددعا کرنے کے لیے آپ نے اس طرح کہا۔ اللھم اشدد وطأتک علی مضر الی آخرہ۔

سے یعنی اے اللہ قبیلہ مضر بن نزار پر سختی نازل کر انہیں پامال کر دے اور ان پر ہلاکت مسلط کر۔ مضر ایک قبیلہ کا نام ہے۔

ے یعنی اس پامالی اور ان ایام کو جن میں یہ کفار کفر و عناد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں، اس قحط کی مانند کر دے جس طرح تو نے اہل مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط کے سات سال بنا دیے تھے۔ سنین سنۃ کی جمع ہے۔ اصل میں سال کے معنی میں آتا ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال قحط کے سال پر ہونے لگا۔ اہل مکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا اور قہر الٰہی سے سات سال قحط کے عذاب میں گرفتار رہے۔ اس مدت میں یہ کفار ہڈیاں اور مردار کھاتے تھے۔ ہم اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے غضب وغصہ سے۔

شہ یعنی آپ اس دعا کو قنوت میں بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

سلہ خداوندا فلاں فلاں قبیلہ پر لعنت کر اور انہیں اپنی درگاہ رحمت سے دور کر دے۔ یہ بددعا آپ بہت سے عرب قبائل کے لیے کرتے تھے جو کافر اور حق سے عناد اور ضد رکھتے تھے۔

نلہ اور آخر آیت یعنی اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ (یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو کارخانہ خداوندی میں دخل دینے کا اختیار نہیں نہ خدائے عزوجل کے کسی کام پر آپ کا اعتراض کرنے کا حق ہے۔ سلہ

سلہ بعض بے ادب آیۃ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ سے اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بے بس اور مجبور اور بالکل بے اختیار ثابت کرنے کی جسارت کرتے ہیں مگر اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہاں وضاحت کر دی ہے کہ یکمنوں اور مظلوموں کے تحت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بشری اوصاف کی قدر سے جبکہ آپ کی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سب تصرف و اختیار اس کے دست قدرت میں ہے۔ وہی ان کے معاملے کا مالک و مختار ہے کہ کفار کے ایک گروہ کو ہلاک

بقیہ حاشیہ۔ ذات میں باقی رکھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کسی وقت آپ غیظ و غضب میں آ جاتے تھے اور کفار و معاندین اسلام کے عذاب و ہلاکت کی بددعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ بلکہ وسعت ظرف اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ آپ کے مکارم اخلاق سے متاثر ہو کر مخالفین و معاندین آپ کے گرویدہ بن کر دین اسلام قبول کر لیں۔ تو حضرت شیخ قدس سرہ کے بیان کے مطابق اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید بلندی اخلاق وسعت ظرف اور صبر و ضبط سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ کان خلقہ القرآن سے اسی جانب اشارہ ہے۔ آیت مذکورہ کا اصل مفہوم تو یہ ہے۔ اس مفہوم کے مطابق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ارفع اخلاق سے متصف ہونے کو کہا گیا ہے نہ کہ معاذ اللہ اس میں آپ کی بے بسی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ ماتعان شرط ہے۔

دوسرے اس لیے کہ جناب علامہ احمد مصطفیٰ المراغی استاذ الشریعۃ الاسلامیہ مصری اپنی تفسیر مراغی کی جلد دوم صفحہ ۶۰ طبع ثالث میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لیس لک من الامر شیء الیک ایھا الرسول من امر خلق الاثار تنفذ فیھم امری وتنقی فیھم الی طاعتی۔ یعنی اے رسول کریم کسی کام کا خلق کرنا اسے پیدا کرنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ لوگوں میں میرا حکم نافذ کریں اور انہیں میری طاعت و فرمانبرداری کی رغبت دلائیں۔ یعنی اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ نبی علیہ السلام کسی چیز کے خالق نہیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے کوئی نبی ولی کسی چیز کا خالق نہیں۔

تیسرے اس بنا پر کہ عارف باللہ امام احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۱۶۷ پر لکھتے ہیں لیس لک من الامر شیء اے لا تملک لھم نفعا فتصلحھم ولا ضرا فتھلکھم فنفی ذالک من حیث الایجاد والاعدام واما من حیث الدلالۃ والشفاعۃ فھو الدلیل الشفیع المشفع جعل اللہ مفاتیح خزائنہ بیدہ فمن زعم ان النبی کاحاد الناس لا یملک شیئا اصلا ولا نفع بہ لا ظاھرا ولا باطنا فھو کافر خاسر الدنیا والاخرۃ واستدلالہ بھذہ ضلال مبین۔ یعنی اے نبی تو ان کے نفع کا مالک نہیں کہ ان کے لیے اصلاح پیدا کرے اور نہ ان کے نقصان کا مالک ہے کہ ان کے لیے ہلاکت پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نفع اور نقصان کی نفی بایں معنی کی ہے کہ آپ ان کے لیے نفع و نقصان ایجاد (خلق) نہیں کر سکتے اور نہ خالق ہونے کی حیثیت سے کوئی چیز معدوم کر سکتے ہیں۔ باقی رہی آپ کی رہنمائی اور شفاعت کی حیثیت تو اس اعتبار سے آپ دلیل و رہنما، شفاعت کرتے ہیں آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دے دی ہیں تو جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کی طرح ظاہراً باطناً کوئی نفع نہیں دے سکتا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کر دے اور اپنے قہر و غضب میں گرفتار کرے۔ یا اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان پر مہربانی کرے اور ان کی طرف اپنے فضل و رحمت سے رجوع کرے۔ یا اگر وہ کفر و ظلم پر اڑے رہیں تو انہیں اپنے عذاب سے مبتلا کرے آپ تو صرف حکم کے بندے ہیں۔ کرانہیں ڈرائیں۔ اور جیسا کہ ہم نے آپ کو حکم دیا اور فرمایا ہے اس کے مطابق ان سے جہاد کریں۔ باقی جو کچھ ہم جانتے ہیں ہم وہ کریں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کر رہے اور لعنت بھیج رہے تھے تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گالی دینے اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ ہم نے آپ کو رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ کی شرح میں گزرا۔ اکثر مفسرین اس پر ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے دن نازل ہوئی۔ اور اس وقت جب کہ آپ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی ایک میخ آپ کے رخسار مبارک میں کھب گئی اور دندان مبارک کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔ کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِیِّهِمْ۔ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں حصہ بشریت و طبیعت جو دینی دنیوی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آپ کی ذات شریف میں رکھا گیا تھا اسی وجہ سے آپ سے غصے کا ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور یہ درحقیقت آپ کے اخلاق و عادات کی تہذیب تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حالت پر نہ رہنے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت آپ کے حالات کا مربی اور آپ کے اخلاق و عادات کو تہذیب و شائستگی سے ہمکنار کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ یعنی آپ کا خلق قرآن تھا کا مطلب یہی ہے۔ یعنی قرآن آپ کے اخلاق کو مزید در مزید مہذب بناتا رہتا تھا۔ شرح فتوح الغیب میں یہ معنی خوب شرح و بسط سے بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۱۹ وَعَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ
حضرت عاصم الاحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

بقیہ حاشیہ۔ اور کسی چیز کے مالک نہیں۔ وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑا ہوا ہے۔ اور اس آیت کو اس کا اپنے عقیدے کی دلیل بنانا سریح گمراہی ہے۔ محققین اولیاء کرام بھی اس بارے میں بعینہٖ یہی عقیدہ رکھتے ہیں جو علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیان کیا ہے۔ تصدیق و اطمینان کے لیے کشف المحجوب تصنیف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، احیاء العلوم تصنیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔

از مترجم غفرلہ

فِی الصَّلٰوۃِ کَانَ قَبْلَ الرُّکُوْعِ اَوْ بَعْدَہٗ قَالَ قَبْلَہٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَھْرًا اِنَّہٗ کَانَ بَعَثَ اُنَاسًا یُقَالُ لَھُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِیْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَھْرًا یَدْعُوْا عَلَیْہِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت سے نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے ہے یا اس کے بعد۔ حضرت انس نے فرمایا رکوع سے پہلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی کیونکہ آپ نے کچھ حضرات صحابہ کو جنہیں قاری کہا جاتا تھا، کو (تبلیغ کے لیے) بھیجا تھا۔ یہ ستر حضرات تھے تو انہیں مصیبت میں ڈال دیا گیا (قتل کر دیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک بعد رکوع قنوت پڑھی۔ اس میں آپ قاتلوں پر بد دعا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت عاصم احول ثقہ تابعین میں سے ہیں

۲؎ یعنی رکوع سے سر مبارک اٹھانے کے بعد

۳؎ قاری یعنی قرآن پڑھنے والے۔ یہ حضرات قرآن پاک کی بہت تلاوت کرتے اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ یہ قراء حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے۔ رات کو نمازیں پڑھتے اور راس میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ حضرت ثابت بنانی کی روایت میں آیا ہے کہ یہ حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے اور اپنے اہل خانہ کے لیے خورد و نوش کا سامان خریدتے اور رات پڑتی تو قرآن پاک کے درس و تدریس میں مصروف ہو جاتے رضی اللہ عنہم۔

۴؎ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ چالیس افراد تھے اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد تیس تھی۔

۵؎ یعنی انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کا قصہ عجیب واقعات اور عجیب قصوں میں سے ہے۔ جو شرح عربی (لمعات) میں مذکور ہے۔ انہیں حضرات کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ الْاٰیَۃ جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید کر دیے جاتے ہیں۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

۶؎ یعنی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک ماہ تک۔ ایک روایت تیس صبح تک آیا ہے اور ایک روایت میں چالیس صبح تک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قنوت آپ نے صبح کی نماز میں پڑھی۔ صبح کی نماز میں یہ قنوت آپ نے صرف اس واقعہ کے پیش آنے پر پڑھی۔ ہمیشہ کے لیے نہیں پڑھی جیسا کہ شافعی حضرات کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۱۷/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِی الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ وَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ وَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ يَدْعُوْا عَلٰی اَحْيَاءٍ مِنْ بَنِیْ سُلَيْمٍ عَلٰی رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ وَ يُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اور لگاتار ایک ماہ قنوت پڑھی ظہر میں عصر میں۔ مغرب میں اور نماز عشاء میں اور نماز صبح میں جب آپ آخری رکعت[1] میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ اس قنوت میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلوں اور قبیلہ رعل[2] و ذکوان[3] اور عصیّہ[4] پر بددعا کرتے تھے۔ اور جو لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے وہ آمین کہتے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] من الرکعۃ الاخیرہ۔ بعض نسخوں میں اخیرہ کے بجائے آخرۃ آیا ہے۔
[2] رِعْل۔ راکی زیر۔ عین ساکن۔
[3] ذکوان ذال کی زبر۔ کاف ساکن
[4] عُصَیَّۃ عین کی پیش۔ صاد کی زبر اور یا مشدد۔ یہ سب بنی سلیم کے قبائل ہیں۔ آپ ان پر بددعا کرتے تھے۔

۱۲۱۸/۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِیُّ)

حضرت انس سے روایت ہے بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی[1]

(ابوداؤد ونسائی)

[1] جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ قنوت نہ تو نماز صبح میں ہے نہ کسی اور نماز میں سوائے وتر کے۔ امام مالک و امام شافعی فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں تو قنوت ہمیشہ پڑھے۔ باقی نمازوں میں جب کوئی حادثہ پیش آئے۔

۱۲۱۹/۳ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ يَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی

حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے پیارے باپ بے شک آپ نے رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ ھٰھُنَا بِالْکُوْفَۃِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ اَکَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ اَبْنُ مَاجَۃَ۔

علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں بھی، یہاں کوفہ میں بھی، کم و بیش پانچ سال تک۔ کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے۔ میرے باپ نے جواب دیا اے بیٹے یہ بدعت ہے۔

(ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

۱؎ اس کلمہ کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کیونکہ کوفہ میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ رہے ہیں نہ کہ پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ صبح کی نماز اور دوسری پانچ نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے؛ جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی ہمیشہ پابندی سے ان نمازوں میں قنوت پڑھنا بدعت اور دین میں نئی پیدا شدہ چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت ایک ماہ تک صرف نماز صبح میں پڑھی پھر ترک کر دی جیسا کہ گزرا ہے۔ یہ حدیث حنفی مذہب کی زبردست دلیل ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے آئمہ کرام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے نماز صبح میں قنوت پڑھنے کے بارے میں احادیث لائی ہیں اور اسے ثابت کیا ہے، سب علماء ہیں اور کافی تعداد میں ہیں۔ لہٰذا انہیں ان لوگوں پر فوقیت دینا ضروری ہے جو نماز صبح میں قنوت کی نفی کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھی ضعیف ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے بدعت قرار دیا۔ یوں ہی وہ بھی جو روایت کیا گیا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ مگر شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام تکلف سے خالی نہیں ۱؎۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۲۰ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

حضرت حسن ۱؎ سے روایت ہے بے شک عمر بن الخطاب

۱؎ کہ ایک روایت کو دوسری پر تقدیم و فوقیت کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں دونوں میں تعارض ہو۔ اور یہاں زیر بحث مسئلہ میں تعارض ہی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر وغیرہ میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر ترک کر دی اور اس سے منع فرما دیا۔ واللہ اعلم۔ مترجم غفرلہ

جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبَقَ اُبَيٌّ.

رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اُبیّ بن کعب پر اکٹھا کیا۔ تو ابی لوگوں کو بیس رات تک نماز پڑھاتے رہے آپ اس میں ان کے ساتھ قنوت ذکر کرتے تھے مگر نصف باقی میں۔ جب آخری عشرہ آجاتا تو حضرت ابی مسجد میں نہ آتے بلکہ گھر میں نماز پڑھتے تو لوگ بطور تعجب دشکوہ کہتے کہ ابی بھاگ گئے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ابوداؤد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھی [3]

(ابن ماجہ)

[1] یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت ابی بن کعب بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔ یعنی صحابہ کرام میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ آپ صحابہ کرام میں بہت اچھے قاری تھے لوگ آپ کو سید القراء کہتے تھے۔ یعنی تمام قاریوں کے سردار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو لوگوں کا امام مقرر کیا اور کہا سب لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ آپ کی یہ امامت قیام رمضان میں تھی۔

[2] اصل میں لفظ تخلف آیا ہے۔ بمعنی کسی کام کے کرنے سے رہ جانا۔

[3] امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی یہ دونوں حدیثیں شافعی حضرات کی دلیل ہے پہلی حدیث تو اس امر کی دلیل ہے کہ رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنا اور حنفی مشائخ فرماتے ہیں کہ وتر میں قنوت کے بارے میں احادیث مطلق آئی ہیں ان میں رمضان کی کوئی تخصیص نہیں آئی اور ایسی احادیث بہت ہیں۔ اور وتر ہمیشہ پڑھنے کی نماز ہے۔ رمضان کے ساتھ خاص نہیں۔ لہٰذا قنوت بھی وتر کے اندر ہمیشہ پڑھی جائے گی اور جب کہ اس مضمون کی احادیث بہت ہیں ساتھ [illegible] ان پر عمل اولیٰ اور بہتر ہوگا۔ دوسری حدیث شوافع کے لیے اس امر کی دلیل ہے کہ قنوت بعد از رکوع پڑھی جائے احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں بھی بہت احادیث وارد ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل بھی اسی نقل کے موافق ہے۔ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف ایک ماہ کے لیے تھا ہمیشہ کے لیے نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

رمضان شریف میں قیام کا باب

اس قیام رمضان سے تراویح مراد ہیں۔ انہیں تراویح اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے جب اکٹھے مل کر یہ نماز پڑھنا شروع کی۔ تو لوگ ہر دو سلام پھیرنے کے بعد بیٹھتے اور آرام لیتے تھے۔ اس بنا پر اس نماز کا نام تراویح پڑ گیا۔ تراویح میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ ہم نے اس بارے میں پوری گفتگو اپنے رسالہ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِي أَيَّامِ السَّنَةِ میں کر دی ہے۔ یہ گفتگو اور اختلاف اس وجہ سے بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی۔ چند رات اسے پڑھا۔ پھر جب لوگوں کا اجتماع اور ہجوم ہونے لگا تو امت پر شفقت کی بنا پر کہ فرض نہ ہو جائے، اسے ترک کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی یہ نماز دراصل تہجد کی نماز ہی تھی جو آپ گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی تک لوگ اسی طریقہ اور حالت پر رہے کہ ہر آدمی بطور خود گھر میں یا مسجد میں پڑھ لیتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی حصہ گزر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کے لیے جمع کیا۔ جیسا کہ احادیث میں آ رہا ہے اور مدینہ مطہرہ کے باشندے بیس رکعت کے علاوہ سولہ رکعت مزید پڑھتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے بعد طواف کعبہ کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھتے تھے تو اہل مدینہ جب کہ اس فضیلت سے دور تھے تو اس کے عوض چار رکعت کا اضافہ کر دیا اور اب بھی اس مقام شریف میں ایسا ہی مشہور و متعارف ہے۔ اور اسے سولہ رکعت کہتے ہیں۔ آخر شب میں کہ اول شب میں تراویح ادا کرنے کے بعد گھروں سے باہر نکلتے اور یہ سولہ رکعت پڑھتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۲۱- عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهٗ لَيْلَةً

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا اس میں آپ کئی راتیں نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کا آپ پر اجتماع ہو گیا۔ پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ پائی اور انہیں گمان ہو گیا

وَظَنُّوْا اَنَّهٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ سو گئے ہیں۔ تو بعض حضرات کھانسنے لگے تاکہ آپ باہر تشریف لائیں۔ پس آپ نے فرمایا میں تمہارا فعل مسلسل دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ تم پر فرض ہو جائے اور اگر تم پر فرض کر دیا جاتا تو تم اسے قائم نہ رکھ سکتے۔ تو اے لوگو اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو۔ کیونکہ مرد کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھے۔ مگر فرض نماز۔

(بخاری و مسلم)

لہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں سے ہیں، آپ فرائض کے بڑے پابند تھے اور کاتب وحی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخوں کا ایک حجرہ مسجد میں بنا لیا تھا۔ جیسا کہ اعتکاف میں آپ کی عادت مبارک تھی۔ حجرہ حجر بمعنی منع کرنے سے بنا ہے۔ حجرے کو حجرہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ ایک روایت میں حجرہ کے بجائے حجزہ آیا ہے یعنی باز رکھنا۔

ٹلہ تاکہ کھانسنے اور گفتگو کرنے کی آواز سن کر آپ ان کی طرف تشریف لے آئیں۔

ٹلہ کہ تم لوگ رات کی نماز (تراویح) با جماعت پڑھنے کی بڑی حرص و خواہش رکھتے۔

ٹلہ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی تھی کہ اگر آپ نے یہ نماز تراویح پابندی سے ہمیشہ پڑھی تو میں اسے ان لوگوں پر فرض کر دوں گا۔ یا اتفاقاً آپ کے دل میں آ پڑی جیسا کہ بعض دوسری عبادتوں پر جب آپ نے ہمیشگی کی تو وہ فرض کر دی گئیں بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر ہمیشگی کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے فرض کر دیتا مگر اس پر یہ اشکال لازم آتا ہے کہ بہت سی راتب سنتیں ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ادا کرتے تھے۔ مگر وہ فرض نہ ہوئیں۔

۱۲۷۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپ لوگوں کو اس کا تاکیدی حکم دیں، آپ فرماتے تھے جس نے رمضان میں شب بیداری کی ایمان و تصدیق کے ساتھ اور آخرت کے ثواب

غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے لیے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لیے تو اس کے تمام گزشتہ صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے، درانحالیکہ لوگ اسی حالت پر تھے[1] پھر خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بھی معاملہ ایسا ہی رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اسی حالت پر تھے[2]۔ (مسلم)

[1] کہ اپنے طور پر طلب ثواب کے لیے تراویح پڑھتے تھے ان کی باجماعت ادائیگی متعین و مقرر نہ تھی۔

[2] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کی شان کا اہتمام کیا اور لوگوں کو اکٹھے پڑھنے اور باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابھی حدیث میں آرہا ہے۔

۱۲۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب اپنی نماز مسجد میں ادا کرے تو اس کا کچھ حصہ اپنے گھر میں جا کر پڑھے[1] کہ اللہ تعالے گھر میں نماز پڑھنے سے اس کے گھر میں خیر و برکت کرے گا[2]۔ (مسلم)

[1] مراد نفل نماز ہے۔

[2] اس حدیث کو اس باب میں لانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ رمضان شریف میں بھی کچھ نہ کچھ نماز گھر میں پڑھنی چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۲۲۴ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ آپ نے مہینے میں ہمارے ساتھ بالکل قیام نہ فرمایا[1]۔ یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے۔ تب

ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَ نِسَاءَهٗ وَ النَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ

ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر جب چھٹی رات ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ پھر جب پانچویں رات ہوئی تو ہم کو نماز پڑھائی حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش کہ آپ ان راتوں کا قیام ہمارے لیے نماز فرما دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب امام کے ساتھ نماز پڑھے حتیٰ کہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے ساری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے پھر جب چوتھی رات ہوئی تو ہمیں نماز پڑھائی حتیٰ کہ تہائی رات باقی رہ گئی پھر جب تیسری رات ہوئی تو اپنے گھر والوں اپنی بیویوں اور لوگوں کو جمع فرمایا ہمیں نماز پڑھائی حتیٰ کہ ہم نے خوف کیا کہ ہماری فلاح باقی نہ رہے گی میں نے کہا فلاح کیا چیز۔ فرمایا سحری[۳] پھر بقیہ مہینہ نماز نہ پڑھائی۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا۔ مگر ترمذی نے ثم لم یقم بنا بقیہ شہر کا ذکر نہ کیا۔

[۱] یعنی آپ نے سارے فرض کے نفل نمازیں سے کچھ بھی با جماعت اضافہ کیا۔

[۲] یعنی چھٹی رات باقی رہ گئی۔

[۳] کیونکہ سحری روزہ مکمل کرنے میں مددگار ہے اور اس میں سنت بھی قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں پوری فلاح ہے

۱۲۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ رَسُوْلُهٗ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے ایک رات[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا۔ دیکھا کہ آپ جنۃ البقیع میں[۲] تھے۔ فرمایا کیا تم اس سے ڈر رہی تھیں کہ اللہ و رسول تم پر ظلم کریں[۳] گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خیال ہوا کہ آپ

أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ رَزِينٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيثَ ۔

اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ بخشش دیتا ہے۔
ترمذی۔ ابن ماجہ۔ رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جو لوگ آگ کے مستحق ہو چکے ہیں۔
ترمذی میں ہے کہ میں نے محمد بخاری کو سنا کہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

۱؎ جس میں حضور علیہ السلام کے میرے پاس رہنے کی باری تھی۔
۲؎ یعنی مدینہ طیبہ کا قبرستان
۳؎ اور تو نے گمان کیا کہ میں تیری باری کسی اور بیوی کو دے دوں گا۔
۴؎ یہ بات حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اکنت تخافین الخ سے سمجھی ہوگی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قرینہ اور حضرت عائشہ کی حالت سے سمجھا ہوگا۔ اور شاید کہ اس قول کے بعد عذر خواہی اور اظہار رضا فی العفیر کے طور پر کہا ہو
۵؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر تشریف لے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا
۶؎ یعنی فضل و رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے۔
۷؎ کہ عرب میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی میں نے چاہا کہ اس شب میں قیام کروں۔ اور جنت البقیع جاؤں۔ اور وہاں کے مدفون حضرات کے لیے دعائے مغفرت کروں یہ مجمل ہے۔ اس قصے کی تفصیل شرح (لمعات) میں ذکر کی گئی ہے۔ اس باب میں اس حدیث کا ذکر قیام رمضان کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔
۸؎ حضرت رزین اکابر محدثین میں سے ہیں۔

١٢٢٩ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهِ فِي مَسْجِدِي هٰذَا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز اس کے گھر میں افضل ہے میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے ۱؎ مگر

اِلَّا الْمَكْتُوبَةَ ۔
فرض نماز کے

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ
(ابوداؤد، ترمذی)

سلہ حالانکہ میری مسجد بہت عظیم الشان مسجد ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجد میں ہزار نماز سے افضل ہے۔
سلہ کہ فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ یہ بات آپ نے وہاں فرمائی جب کہ مسجد میں لوگوں کے ساتھ چند رات قیام فرمایا پھر اسے ترک کر دیا اور اس کا عذر بھی بیان فرمایا پھر آپ نے فرمایا لوگو اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور مشغول ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔ اس حدیث سے امام مالک، امام ابو یوسف، اور بعض شافعیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ نماز تراویح گھر میں اکیلے پڑھی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو چند روز تراویح پڑھی وہ بیان جواز کے لیے تھی اور اس وجہ سے بھی کہ آپ معتکف تھے اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب اور بعض مالکیہ وغیرہ اس پر ہیں کہ تراویح کی افضل نماز یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت پڑھے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے بعد صحابہ نے کیا پھر مسلمانوں کا عمل ہمیشہ کے لیے اسی پر ہے۔ کیونکہ یہ دین کے نشانات سے ہے۔ اور نماز عید کے مشابہ ہے۔ اس مناسبت سے اس باب میں اس حدیث کے ذکر کرنے کی مناسبت ظاہر ہو گئی۔ مگر اس میں اس جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تراویح گھر میں پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ اس بارے میں مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جو لوگوں کا مقتدا ہو کہ اس کا وجود جماعت کی کثرت کا موجب ہو تو اسے چاہیے کہ مسجد میں آکر پڑھے۔ اور اگر اس حیثیت کا نہ ہو تو پھر اس کیلئے گھر میں پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۲۲۷ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّيْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ

تیسری فصل

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک رات کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کو گیا، لوگ متفرق اور الگ الگ تھے۔ کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا تھا۔ اور کسی کے ساتھ کچھ جماعت پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری پر جمع کر دیتا تو بہتر ہوتا۔ پھر آپ نے ارادہ کر ہی لیا تو انہیں ابی بن کعب پر جمع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے

ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً اُخْرٰى وَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِىْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِىْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

فرمایا یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔ اور وہ نماز جس سے تم سو رہتے ہو۔ اس سے افضل ہے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ یعنی آخر رات کی۔ اور لوگ اول رات میں پڑھتے تھے۔

(بخاری)

سلہ القاری قارہ کی طرف نسبت ہے۔ یہ لفظ قاری یا مشددہ سے ہے اور قاری یعنی قرآن پڑھنے والا ہمزہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کی ولادت حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہوئی۔ مگر انہیں آپ سے نہ تو سماع حاصل ہے۔ نہ ہی آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اور واقدی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کے عامل تھے۔

سلہ یعنی رمضان شریف کی ایک رات میں۔

سلہ اصل میں لفظ رہط آیا ہے یعنی دس افراد سے کم لوگوں کی جماعت

سلہ یہاں لفظ قاری ہمزہ کے ساتھ ہے۔

سلہ انہیں لوگوں کا امام بنا دیا۔

سلہ یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

سلہ اسے بدعت اس ہیئت اور اجتماع کے اعتبار سے کہا۔ ورنہ اصل جماعت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں قائم ہو چکی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بار اسے باجماعت ادا کیا تھا۔ جیسا کہ گزرا۔ اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں وہ بھی سنت ہے۔ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کے عموم میں داخل ہے

سلہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر شب مراد لیتے ہیں۔ یعنی اس نماز کا آخر شب میں ادا کرنا افضل ہے اس سے جسے تم لوگ اول شب میں پڑھ لیتے ہو۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ آخر شب میں تراویح پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ یہ افضل وقت ہے اور اس میں مشقت زیادہ ہے۔ جیسا کہ اسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور یہ معنی آپ کے قول يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ (کہ آپ نے آخر شب مراد لیا) کے زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ کا یہ قول کہ اہل مکہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہ اہل مکہ سونے کے بعد تراویح پڑھتے ہیں۔ تو ہو سکتا کہ یہ ان کی قدیم زمانہ میں عادت تھی مگر آج کل وہ بھی اول شب میں تراویح پڑھتے ... اور ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور پھر آخر شب میں سحری کھانے کے لیے اپنے گھروں

کو جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ وہ نماز جس سے تم فارغ ہوکر سو تے ہو، بہتر ہے اس نماز سے جس کے پہلے تم سو کر اٹھتے ہو یعنی اول شب میں ہی تراویح پڑھ لینا افضل ہے اور یہ احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ نیند کے غلبہ کے باعث کہیں رہ ہی نہ جائے۔ اس معنی کے مطابق آخر اللیل کا لفظ تقومون سے متعلق ہوگا۔ بعض علماء نے ان لوگوں میں جو آخر شب میں اٹھنے اور بیدار ہونے کا وثوق اور یقین رکھتے ہیں اور ان میں جنہیں یہ وثوق و اعتماد نہیں ہوتا فرق کیا ہے، جیسا کہ اول رات یا آخر رات میں وتر پڑھنے کی فضیلت میں گزرا جیسا کہ علامہ کرمانی نے ذکر کیا۔

۱۲۴۸ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّ تَمِيْمَنِ الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم الداری[۱] رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کے لیے گیارہ[۲] رکعت کے ساتھ قیام کریں۔ اور قاری (امام) کئی سو[۳] آیات پڑھتا تھا یہاں تک کہ ہم لوگ زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کی بنا پر لاٹھی[۴] سے سہارا لیتے تھے تو ہم لوگ واپس نہ لوٹتے تھے مگر جب کہ فجر کی ابتداء ہو ہی ہوتی تھی۔

(مالک)

[۱] حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ پہلے نصرانی تھے پھر نصرانیت ترک کر کے اسلام لے آئے۔

[۲] تو یہ دونوں صحابی رمضان المبارک میں گیارہ رکعت سے قیام کرتے تھے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق جو نماز تہجد کے بارے میں تھی، گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت وہم پر مبنی ہے کیونکہ یہ بات صحیح روایات سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں لوگ بیس رکعتیں (تراویح) کی پڑھتے تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بیس رکعت پڑھی ہوں۔ اور کبھی کبھار رکعت۔ بعض نے کہا ہو سکتا ہے کہ بعض راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہو اس کے بعد بیس رکعت ہی پڑھنا طے پا گیا ہو۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تئیس رکعت کی روایت آئی ہے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح۔

[۳] مئین مائۃ کی جمع ہے۔ مائۃ (سو) یعنی امام کئی سورتیں پڑھتا تھا اور ہر سورت کی آیتیں سو آیات سے زیادہ ہوتی تھیں۔

[۴] زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کی وجہ سے۔ نفل نماز میں ایسا کرنا جائز ہے خصوصاً جب کہ ضعف و بے طاقتی لاحق ہو۔

سے اصل میں لفظ فروع آیا ہے یعنی اوائل فجر اور اس کے بلند حصے۔ ہر چیز کے بلند حصے کو اس کی فرع کہتے ہیں۔ جیسے درخت کی شاخیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک کانوں کی فروع تک بلند کرتے تھے یعنی کانوں کی بلندی تک۔

۱۲۲۹ وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِىْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِىْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِىْ اثْنَتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَى النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خَفَّفَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت الاعرج[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے لوگوں کو نہ پایا مگر وہ رمضان میں کافروں پر لعنت[2] کرتے تھے اور قاری (امام) آٹھ رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب قاری یہ سورت بارہ رکعت میں پڑھتا تو لوگ خیال کرتے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے اور تھوڑی قرأت کی۔ (مالک)

سلہ حضرت عبدالرحمٰن الاعرج رضی اللہ عنہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔

سلہ یعنی قنوت وتر میں کیونکہ یہ کفار اس چیز کی تعظیم نہیں کرتے جس کی خدا تعالےٰ نے تعظیم کی ہے اور یہ کفار اس راستے پر نہیں چلتے جس میں چلنے کی قرآن نے ہدایت کی ہے۔

۱۲۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَيًّا يَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِىْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السَّحُوْرِ وَفِىْ اُخْرٰى مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عبداللہ[1] بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا ہم لوگ رمضان میں قیام سے واپس لوٹتے تھے تو ہم خادموں کو کہتے کہ جلدی کھانا کھاؤ سحری فوت ہو جانے کے خوف سے ایک دوسری روایت میں آیا۔ فجر ہونے کے ڈر سے[1]۔ (مالک)

سلہ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں[1]۔

سلہ مگر حضرت محدث الشہیر علی بن سلطان محمد القاری المعروف ملا علی قاری متوفی سنہ ۱۰۱۴ھ مرقات شرح مشکوٰۃ جز ثالث صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۔۔ ان عبداللہ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری المدنی ماں باپ اکابر مدینہ میں سے ہیں۔ تابعی ہیں اسی بنا پر مولانا امیر علی صاحب محشی اشعۃ اللمعات یہاں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بارے میں یہ کلام اگر کسی نے الحاق کیا ہے تو غلط کیا ہے اور اگر حضرت شیخ قدس سرہ کا ذہن شریف (بقیہ آئندہ صفحہ)

؎۲ ہ گر دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

۱۲۳۱/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ فِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِيْهَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ يَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کیا تم جانتی ہو اس رات یعنی پندرھویں شعبان میں کیا ہے؎۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کیا ہے۔ فرمایا اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے انسانوں کے نام لکھ دیے جاتے ہیں اور اس سال میں مرنے والے سارے انسان بھی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں؎ اور ان کے رزق اتارے جاتے ہیں؎۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیگا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں؎۔ آپ نے اپنا دست مبارک اپنے سر انور پہ رکھا اور فرمایا میں بھی نہیں؎۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ اپنی رحمت میں چھپالے۔ تین بار فرمایا؎۔

(بیہقی)
(دعوات کبیر)

بقیہ حاشیہ ۔جانشین تھا تو یہ انکی الغرض تم ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو جنگ طائف میں جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ اور جناب مفتی احمدیار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ مرآۃ جلد دوم ص ۲۹۳، ص ۲۹۲ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ سے اشعۃ اللمعات میں صدیق اکبر کا بیٹا فرزند فرمانا خطا ہوگئی کہ وہ تو جنگ طائف میں شہید ہو گئے تھے۔ مترجم غفرلہٗ۔

سلہ یعنی اس رات میں جو برکات اور عجیب و غریب چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں تم اسے جانتی ہو۔

سلہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اولاد آدم کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جو سال کے دوران روزبروز اٹھائے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ لکھے جاتے ہیں۔ اس سال میں پیدا ہونے والے اور مرنے والے۔ تو ان سب چیزوں کی تحریر اس شب میں ہوتی ہے پھر سال میں پورے دن اٹھائے جاتے ہیں۔ مگر یہ معنیٰ عبارت سے دور ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں تو یوں ہے کہ اس رات میں اٹھائے جاتے ہیں نہ کہ لکھے جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمام سال کے اعمال روز بروز اٹھائے جاتے ہوں۔ مگر اس رات میں سارے یکبارگی لکھ دیے جاتے ہوں۔ پھر سارا دفتر بھی مقابلے کی غرض سے اٹھایا جاتا ہو۔ جیسا کہ اہل حساب کرتے ہیں۔ اس شب کی عظمت اور حکم الٰہی کی وجہ سے واللہ اعلم۔

سلہ رزق اتارنے سے اس کا لکھا جانا مراد ہے۔ جس طرح اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اس رات میں لوگوں کی اجل اور ان کا رزق لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو اس میں حج کی سعادت حاصل کریں گے اور جنہیں اس سعادت کی توفیق نصیب ہوگی اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نیک اعمال کے اٹھنے کا ذکر سنا جو بندے کے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بندوں کے عمل کرنے سے پہلے ہی یہ لکھ دیے جاتے ہیں۔ تو اس سے آپ نے سمجھا کہ جنت میں جانا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فضل و کرم سے ہے۔ تنہا عمل سے نہیں اس لیے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی آدمی جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر جا سکے گا۔ الخ۔

سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی یا حضرت عائشہ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دونوں کا تکرار تین بار ہوا۔ بعض نسخوں میں تین بار کا ذکر نہیں ہے۔

شہ یعنی آپ کی ذات اقدس کہ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ کی رحمت سے ہی بہشت میں داخل ہوں گے!

سلہ یعنی ہاں میں بھی اسکی رحمت کے ساتھ جنت میں جاؤں گا جو اس کی ذات کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس کے فضل و عطا سے۔ اگرچہ میرا وجود سراسر رحمت ہے۔ بلکہ تمام جہانوں کیلیے رحمت ہے۔

شہ سر مبارک پر دست اقدس رکھنے سے درگاہ حق تعالیٰ میں اپنی مسکنت اور محتاجی کا اظہار ہے اور اس جانب اشارہ ہے کہ سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تعظیم کرتا ہوں اور اس کی مغفرت کا طلبگار ہوں۔ عمامہ میم مخفف سے معنی سر۔

۱۲۳۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ	حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب اپنے بندوں پر اپنی چشم فضل و رحمت سے جھانکتا ہے تو سارا مخلوق کو بخش

لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ اِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَ قَاتِلُ نَفْسٍ۔

دیتا ہے۔ مگر شرک اور کینہ پرور[۲] انسان کو۔ ابن ماجہ اور احمد نے اسے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا۔ اور احمد کی روایت یں اس طرح آیا ہے مگر دو آدمیوں کو ایک کینہ پرور کو دوسرے خودکشی کرنے والے کو[۳]۔

[۱] اس معنی کے مطابق لفظ یَطَّلِعُ طا مشدد اور لام کی زیر سے ہے۔ اور یَطْلَعُ طا ساکن لام کی زبر سے بھی آیا ہے۔ یہ طلوع سے مشتق ہوگا۔ اور اس سے مراد نزول ہے جیسا کہ حدیث تہجد یں واقع ہوا کہ تنزل ربنا۔ ہمارا رب نزول اجلال فرماتا ہے اور اس حدیث یں بھی بیہقی کی روایت یں ینزل واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ حدیث تہجد یں ہے۔ البتہ اس حدیث یں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ اس رات یں رب تعالے کا نزول اجلال در رحمت وقت غروب آفتاب سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث یں آ رہا ہے۔ حاصل معنی یہ ہے کہ اللہ تعالے اس شب یں رحمت و مغفرت کی صفت سے تجلی فرماتا ہے۔

[۲] یعنی جو خلاف شریعت کسی سے کینہ رکھتا ہے اور حکم شریعت کے مطابق کسی سے دل یں کینہ رکھنا جائز ہے۔

[۳] اور بعض احادیث یں کچھ اور لوگوں کا بھی اضافہ فرمایا۔ یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا اور بعض یں تہبند و شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا۔ والدین کا نافرمان۔ اور عادی شراب نوش کا ذکر بھی آیا ہے۔ بعض احادیث یں ظلم سے عشر لینے والا جادوگر کاہن۔ نجومی۔ فخر کرنے والا اور گانے کے ساز بجانے والا بھی آیا ہے۔

۱۲۳۳/۱۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پندرھویں شعبان کی رات ہو تو رات یں قیام کرو۔ دن یں روزہ رکھو کیونکہ اس رات یں اللہ تعالی سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ یں اسے بخش دوں۔ کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ یں اسے روزی دوں۔ کوئی بیمار ہے کہ یں اسے شفا دوں۔ کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے[۱]۔ طلوع فجر تک۔ (ابن ماجہ)

[۱] یہ اور دوسرے مطالب و حاجات والوں سے کنایہ ہے۔ چنانچہ کوئی گناہ گار نہیں کہ یں اسے بخش دوں۔ آیا کوئی

غمگین نہیں کہ میں سے خوش دل کروں۔ اللہ تعالیٰ فجر طلوع ہونے تک اسی طرح فرماتا رہتا ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰى

نماز چاشت کا باب

ضحو ضحوۃ دن کا بلند ہونا۔ ضحٰی ضاد کا پیش اور الف مقصورہ چاشت اور شعاع آفتاب کے معنیٰ میں آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول مبارک وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا طلوع آفتاب کے بعد لوگوں میں دونوں نمازیں متعارف ہیں۔ ایک نماز سورج ایک دو نیزہ بلند ہونے کے وقت۔ اسے نماز اشراق کہتے ہیں۔ دوسری نماز چاشت جو سورج کے چوتھا حصہ آسمان پر بلند ہونے کے وقت دوپہر سے کچھ پہلے۔ اسے نماز چاشت کہتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں صلوٰۃ ضحٰی کا نام دونوں کے نمازوں کے لیے آیا ہے۔ بعض احادیث میں صلوۃ ضحٰی کا اطلاق نماز اشراق پر آیا ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی نے طبرانی کی حدیث سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے ام ہانی یہ نماز اشراق ہے حالانکہ جو نماز آپ نے حضرت ام ہانی کے گھر پڑھی تھی وہ نماز چاشت تھی۔ اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ وقت اشراق وہ وقت ہے کہ آفتاب روشن ہو جائے اس کی شعاع صاف ہو جائے اور وہ چاشت کا وقت تھا۔ مختصر یہ کہ دن کے پہلے حصے میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس پر اور جو نماز دن کا چوتھا حصہ گزرنے پر پڑھی جاتی ہے۔ اس پر نماز اشراق کا اطلاق آیا ہے۔ پس دونوں نمازوں کو صلوۃ ضحٰی اور صلوۃ اشراق کہہ سکتے ہیں۔ متعارف وہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت میں ایک ہی وقت ہے کہ اس کے اول میں ایک نماز اور اس کے آخر میں دوپہر سے کچھ پہلے دوسری نماز (چاشت) پڑھی جاتی ہے اور جب کہ بعض دفعہ دونوں وقتوں میں یہ نماز پڑھی گئی ہے۔ اس سے گمان کر لیا گیا کہ یہاں دو وقت ہیں۔ اور دو نمازیں۔ بعض علماء ان دو اوقات کو ضحوۃ صغریٰ اور ضحوۃ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ نماز چاشت میں بہت سی احادیث اور آثار آئے ہیں۔ اکثر علماء اس نماز کو مستحب قرار دیتے ہیں پسندیدہ اور مختار قول یہی ہے۔ کتاب مواہب لدنیہ میں ہے کہ شیخ ولی الدین بن العراقی نے کہا کہ صلوۃ ضحٰی میں بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ آئی ہیں تا آنکہ محمد بن جریر الطبرانی نے کہا کہ اس بارے میں وارد شدہ احادیث تواتر معنوی اور درجہ یقین کو پہنچ چکی ہیں۔ اور قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے کہا کہ یہ پہلے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کی نماز ہے اور امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے دیلمی سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحٰی اکثر و بیشتر حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور ابن النجار سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحٰی وہ نماز ہے جسے حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ

اور حضرت عیسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین ہمیشہ پڑھتے تھے۔ بعض احادیث میں اس نماز کی نفی بھی آئی ہے اور بعض صحابہ کرام نے اس نماز پر بدعت کا اطلاق کیا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کے کروہ ہونے کی طرف گئی ہے جب کہ اسے پابندی کے ساتھ مسجدوں میں پڑھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کبھی کبھی پڑھا۔ وہ بھی گھر میں۔ سلف صالحین کا بھی اسی پر عمل تھا کہ گھر میں پڑھتے تھے۔ مگر یہ اختلاف اس نماز میں ہے جو چوتھا حصہ دن گزرنے پر پڑھی جاتی ہے یعنی نماز چاشت مگر وہ نماز (اشراق) جس کے لیے نماز فجر کے بعد قبلہ رخ بیٹھے رہتے ہیں اور آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھتے ہیں تو اسے بعض نے موکدہ نمازوں میں شمار کیا ہے واللہ اعلم۔

صلوٰۃ ضحٰی کی رکعات کی تعداد میں روایات دو سے بارہ تک آئی ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک چار رکعت مختار ہیں۔ کیونکہ چار رکعت کی احادیث زیادہ صحیح ہیں اور اس میں اخبار و آثار بھی زیادہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۲۳ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام ہانی[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن آپ کے گھر میں تشریف لائے تو غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی تو میں نے کبھی کوئی نماز اس سے ہلکی نہ دیکھی[۲] مگر اتنی بات ضرور تھی کہ آپ رکوع و سجود مکمل کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں آپ فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کی نماز ہے۔[۳]

(بخاری و مسلم)

[۱] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ابوطالب کی بیٹی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ ان کا نام فاختہ تھا بعض نے کہا ان کا نام فاطمہ تھا۔

[۲] یعنی آپ نے اس نماز کے کسی رکن کو اپنی عادت جاریہ کے مطابق ادا نہ کیا۔ مگر اس میں یہ بات ملحوظ رکھی کہ اس کا رکوع و سجدہ بالکل مکمل کیا۔

[۳] واضح ہو کہ نماز چاشت میں عمدہ اور مشہور حضرت ام ہانی کی حدیث ہے۔ امام احمد نے کہا کہ صحیح ترین حدیث جو نماز چاشت کے بارے میں آئی ام ہانی کی حدیث ہے بعض نے کہا ام ہانی کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نماز پڑھنا فتح مکہ کے شکرانہ کے طور پر تھا۔ آپ کے بعد امراء اسے نماز فتح کہتے اور فتوحات کے بعد اسے پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا کہ

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف میں ایک وظیفہ جات کی فتح کی مصروفیت میں رہ گیا تھا۔ اس نماز کی صورت میں آپ نے اسے کیا۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ نے یہ چاشت کی نماز ہی پڑھی کسی وظیفے کی قضا نہ تھی کیونکہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سبحۃ الضحیٰ کے لفظ سے روایت کیا یعنی وقت چاشت کی تسبیح۔ وقت کی طرف اضافت کرنا اس وقت کے سبب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں ظہر کی نماز، عصر کی نماز۔ مواہب لدنیہ میں ابن عبدالبر سے روایت کیا کہ ام ہانی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کونسی نماز تھی۔ فرمایا۔ چاشت کی نماز۔

۱۲۳۵ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاذہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ فرمایا چار رکعتیں اور جو اللہ چاہتا اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے[2]

(مسلم)

[1] حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا تابعیہ ہیں ثقہ ہیں اور طبقہ ثالثہ سے ہیں۔

[2] روایات میں اس کی رکعتوں کی تعداد بارہ سے زیادہ نہیں آئی۔

۱۲۳۶ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر آدمی کے ذمے اس کے جسم کے ہر بند و ہڈی[1] پر صدقہ لازم[2] ہے۔ پس ہر تسبیح صدقہ[3] ہے ہر تحمید[4] صدقہ ہے اور ہر تہلیل[5] صدقہ ہے اور ہر تکبیر[6] صدقہ ہے۔ ہر امر بالمعروف[7] صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اس کی جگہ نماز چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں[8]

(مسلم)

[1] اصل میں سُلامٰی آیا ہے سین کی پیش۔ لام مخفف میم کی زبر۔ بعض حضرات نے کہا سُلامٰی ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں

جس میں جوڑ ہو اور ہر اس ہڈی کو بھی جس سے انسان حرکت کے وقت سہارہ لیتا ہے۔ پسندیدہ قول یہ ہے کہ سُلامی ہڈی کے ہر جوڑ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے جسم کے ہر جوڑ کے عوض صدقہ کرے یعنی ہر عضو اور ہڈی اور جوڑ اور صحت وسلامتی انسان کے لیے نعمت ہے جس کا شکر کرنا اس پر لازم ہے اور جب کہ دوجہ شکر کی اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی ہر چیز کو اس مقصد کے لیے صرف کرے جس کے لیے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے ایک دشوار اور مشکل امر ہے اس لیے اللہ تعالے نے از راہِ لطف وکرم بندے سے ذکر الٰہی۔ اس کی حمد وثنا وغیرہ خیرات اور امر معروف ونہی منکر کو بندے پر ہر جوڑ کے عوض صدقات واجبہ ضروریہ کی طرح لازم قرار دیا۔

ؔ۲ یعنی سبحان اللہ کہنا۔

ؔ۳ یعنی الحمد للہ کہنا۔

ؔ۴ یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا۔

ؔ۵ یعنی اللہ اکبر کہنا۔

ؔ۶ یعنی نیک کام کا حکم دینا۔

ؔ۷ یعنی کسی کو نا مشروع اور نا جائز کام سے باز رکھنا۔

ؔ۸ یعنی یہ دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ تمام جوڑوں کے شکرانہ کے طور پر ان دو رکعت کو قبول کرتا اور اس پر جزا عطا کرتا ہے یہ فی الحقیقت نماز شکرانہ ہے تمام ظاہری باطنی نعمتوں کا کیونکہ انسان کا ہر عضو اور جوڑ دل بدن وغیرہ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت اور دعا اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اس فضیلت کے ساتھ نماز چاشت کو مخصوص کر دیا گیا کہ وہ اول دن اور نعمتوں کے استعمال کے آغاز میں پڑھی جاتی ہے اور لفظ یجزی یا کی پیش اور ہمزہ اور یا کی زبر اور ہمزہ کے بغیر دونوں طرح روایت ہے۔ اول صیغہ اجزاء سے ہے۔ ہمزہ کا زیر سے ہے بمعنی کفایت۔ اور دوسرا صیغہ جزاء سے بمعنی بدلہ۔

۱۲۳۳ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا أَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْأَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آپ نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس گھڑی کے بجائے دوسری گھڑی افضل ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت ہے جب کہ اونٹ کے بچے کے پاؤں گرم ہونے لگیں۔ (مسلم)

۱؎ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ سترہ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی دوستوں میں سے تھے۔

۲؎ یعنی ثواب کے لحاظ سے۔

۳؎ اوابین یعنی درگاہ حق تعالیٰ میں توبہ کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے۔ رَمَضٌ راء دمیم کی زبر بمعنی ریت وغیرہ پر دھوپ کا تیز پڑھنا اور دن کا گرم ہو جانا۔ اس وقت میں نماز کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ یہ وقت لوگوں کے فراغت و آرام کا وقت ہے تو اس وقت نماز نہ پڑھے گا مگر وہ جو درگاہ حق سبحانہ کی طرف رجوع رکھتا ہے اور اس ذات جل وعلا کے ذکر سے انس و محبت رکھتا ہے جس طرح نصف رات کے وقت نماز پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۳۰/۵ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ ارْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ الدَّارِمِیُّ عَنْ نُعَیْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطَفَانِیِّ وَ اَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

حضرت ابو الدرداء اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ فرماتا ہے اے فرزند آدم میرے لیے اول دن میں چار رکعت میرے لیے پڑھ کر یں اس کی وجہ سے آخر دن تک تیرے لیے کافی ہو جاؤں گا۔[۱]
اسے ابو داؤد اور دارمی نے نعیم[۲] بن ہمار[۳] الغطفانی سے اور احمد نے ان تینوں سے روایت کیا۔

۱؎ یعنی اے آدمی میرے لیے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ دن کے اول حصہ میں چار رکعت ادا کر اس کے عوض میں تیرے لیے آخر دن تک کافی ہو جاؤں گا اور میں تیرے کام پورے کروں گا کہ تیری حاجات پوری کروں گا اور ناپسندیدہ امور کو تجھ سے دور رکھوں گا۔ یعنی اپنے دل کو میری عبادت کے لیے فارغ کر میں تیرے دل کو تیری حاجات سے فارغ کر دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے متقی اور متوکل لوگوں کے لیے وعدہ کر رکھا ہے

۲؎ نُعیم نون کی پیش

۳؎ ہَمّار ھا کی زبر اور میم مشدد۔ مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں راء سے آیا ہے یعنی ہَمّار۔ آپ شامی صحابی ہیں۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے ہم نے اسے شرح (عربی) میں ذکر کیا ہے۔

۷ غطفانی، غین کی زبر سے یعنی غطفان کی طرف نسبت ہے۔ یہ قبیلہ کے باپ کا نام ہے۔

۱۲۳۹ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْإِنْسَانِ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَّتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ يُّطِيْقُ ذٰلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت بریدہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ تو انسان پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے[۲] لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے نبی اس کی کون طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا مسجد میں پڑے ہوئے تھوک[۳] کو زمین میں دفن کر دے اور راستے میں پڑی ہوئی چیز کو راستے سے ہٹا دے[۴]۔ اگر تو ایسی کوئی چیز نہ پائے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لیے کفایت کرتی ہیں[۵]

(ابوداؤد)

۱ بریدہ با کی پیش، را کی زبر۔ آپ صحابی ہیں اور آپ نے قول مشہور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کے دوران اسلام قبول کیا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح خلفاء راشدین کی بھی۔ آپ کی قبر انور مرو میں ہے کیونکہ آپ وہاں جہاد اسلامی کے لیے آئے تھے۔ لوگ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

۲ کہ ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرے اور خیر کا کام کرے۔

۳ تھوک یا ناک کی آلائش جو مسجد میں پڑی ہوئی ہو۔

۴ یعنی ایذا دینے والی چیزیں۔ جیسے نجاست، پتھر اور کانٹے وغیرہ اور عربی لفظ تُنَحِّيْهِ حا کی زیر اور شد سے ہے۔

۵ کہ یہ تین کام تیرے لیے صدقہ اور تین سو ساٹھ جوڑوں کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں۔ یہ وہ جوڑ ہیں جن سے انسان اسلامی شعائر کی تعظیم اور مخلوق کو ایذا دینے والی چیزوں کو دفع کرتا ہے۔ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو۔ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تھوک اور ناک کی آلائش کو دفن کرنا اور راستے سے اذیت دینے والی چیزوں کو دور کرنا دو رکعت نماز سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ مسجد کی تعظیم اور خلق خدا سے اذیت دور کرنے پر مشتمل ہے کہ نفس کے لیے نماز ادا کرنا یہ کام کرنے سے آسان تر ہے۔ جیسا کہ تجربہ اس کا گواہ ہے۔

۱۲۴۰ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الضُّحٰی ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً بَنَی اللّٰہُ لَہٗ قَصْرًا مِّنْ ذَھَبٍ فِی الْجَنَّۃِ ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز چاشت بارہ رکعتیں[1] پڑھتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اس اسناد کے سوا اور کسی طریقہ سے نہیں پہچانتے یعنی اس اسناد کے سوا جسے ترمذی نے ذکر کیا۔

[1] یہ نماز چاشت کا اکثر عدد ہے یعنی اس نماز کی رکعتیں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔

۱۲۶۹ وَعَنْ مُّعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُھَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِیْ مُصَلَّاہُ حِیْنَ یَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی یُسَبِّحَ رَکْعَتَیِ الضُّحٰی لَا یَقُوْلُ اِلَّا خَیْرًا غُفِرَ لَہٗ خَطَایَاہُ وَاِنْ کَانَتْ اَکْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک[1] کہ اس نے اشراق کی دو رکعتیں پڑھیں اور خیر و نیکی کے سوا کوئی بات نہ کی[2] تو اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ جتنی ہی ہوں[3]

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

(ابوداؤد)

[1] یعنی آفتاب کے بلند ہونے تک

[2] یعنی بات ذکر کرے مگر وہ جو خیر ہو اور جس میں آخرت کا اجر و ثواب ہو جیسے ذکر اور تلاوت وغیرہ اور اگر اس نے کوئی ایسی بات کی جس میں کسی مسلمان کا فائدہ ہو تو وہ خیر اور نیکی کی بات کی طرح ہے۔

[3] یہاں نماز ضحٰی سے نماز اشراق مراد ہے۔ دوسری احادیث میں صلوٰۃ ضحٰی سے دونوں نمازوں نماز اشراق اور نماز چاشت کا احتمال ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ ثواب جائے نماز میں بیٹھے رہنے پر ہی مرتب ہوتا ہے اور اگر جائے نماز سے اٹھ جائے اور خلوت میں چلا جائے اور مشغول ہو جائے تو یہ ثواب اسے نہ ملے گا اور ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ جو شخص اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے اور ذکر میں مصروف رہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ مشائخ کی وصیتوں میں ذکر ہے کہ اگر وہاں بیٹھے رہنے میں پراگندہ خیال ہونے اور ریا میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو خلوت میں جا کر

ذکر و وظائف میں مشغول ہو بعض کہتے ہیں ذکر و مشغولیت کا ثواب اسے بہر حال ملے گا گروں میں بیٹھے رہنے پر صبر و برداشت الگ چیز ہے علماء نے کہا ہے کہ اس وقت کے بیٹھنے میں قبلہ رخ بیٹھنے کو نظر انداز نہ کرے۔ اگر نیند آ جائے تو پس پردہ ہو کر اسے دور کرے۔ شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عمل جس کی جزا اور بدلہ فی الوقت دنیا میں ہی نقد مل جاتا ہے اور جس سے باطن منور اور روشن ہوتا ہے یہی عمل ہے۔ کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کہتا ہے کہ جس طرح حسی آفتاب صبح کے وقت طلوع ہو کر روئے زمین کو روشن کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر و حضور کا آفتاب بھی بلند ہو کر سینہ ذاکر کے صحن و فضا کو روشن و تاباں کرتا ہے۔ یہ معنی ذاکرین کے نزدیک محسوس و مشہود کے قریب ہے کہ سالک لوگ اسے واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۴۲ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَۃِ الضُّحٰی غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُہٗ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔
رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کی دو رکعت کی محافظت کی اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں لہ

(احمد، ترمذی)
(ابن ماجہ)

لہ اصل میں لفظ شفعہ ہے شین کی پیش سے اور شین کی زبر سے بھی مروی ہے۔ یہ شفع سے نکلا ہے یعنی جفت و وتر کے مقابل۔

۱۲۴۳ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ تُصَلِّی الضُّحٰی ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِیْ اَبَوَایَ مَا تَرَکْتُھَا (رَوَاہُ مَالِکٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ پھر کہتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو کر آ جاتے تو بھی اس نماز کو نہ چھوڑتی۔ لہ (مالک)

لہ یہ بقصد مبالغہ محال عادی کی تعلیق ہے۔ یعنی میں نماز کی لذت کو والدین کی ملاقات کی لذت کے لیے ترک نہ کروں گی۔

۱۲۴۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ کَانَ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَدَعُھَا وَیَدَعُھَا حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُصَلِّیْھَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ چھوڑیں گے اور آپ اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ پڑھیں گے[1] (ترمذی)

[1] جیسا کہ نوافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی۔ کہ آپ ہمیشہ اسے پابندی سے نہ پڑھتے تھے۔ یہ آپ کی امت پر شفقت تھی کہ امت پر لازم نہ ہو جائے اور مشقت میں نہ پڑ جائے اور اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کا حکم ہے۔ اب اگر امت اس نفل پر پابندی کرے تو مستحب ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اب بھی نماز چاشت میں سنت یہی ہے کہ کبھی کبھی پڑھے۔

۱۲۲۵/۱۱ وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِیِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّی الضُّحٰی قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَاَبُوْبَکْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت مورق[1] عجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت عمر پڑھتے تھے فرمایا نہ۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر فرمایا نہ۔ میں نے کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا میرا گمان ہے کہ آپ بھی نہ پڑھتے تھے[2]۔ (بخاری)

[1] مورق میم کا پیش، واو کا زبر، را مشدد کی زیر، آخر میں قاف۔ عجلی۔ عین کی زیر، جیم ساکن یہ عجلی بن الجیم کی طرف نسبت ہے۔ آپ تابعی بصری ثقہ اور عابد وزاہد شخصیت ہیں۔

[2] یہاں ظن کی شکل میں نفی کی۔ اس احتمال کی بنا پر کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی ہو۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں انھوں نے یقین سے نفی کی کہ وہ نہ پڑھتے تھے اور نفی کا مطلب معلوم ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ یہ حضرات مسجد میں ہمیشہ پابندی سے یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ اصل نماز کا پڑھنا بلاشبہ صحیح اور ثابت شدہ امر ہے۔ لا اخالہ ہمزہ کی زیر و زبر دونوں طرح درست ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا باب

لفظ تطوع طوع وطاعت سے بنا ہے یعنی اطاعت وفرمانبرداری۔ نفلی عبادت کو تطوع اور بہ تفعل بالخیر متطوع کہتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا اطلاق غیر موکدہ سنتوں پر ہوتا ہے تفعل کا صیغہ یا تو تکلف کے لیے ہے یا مبالغہ کیلئے ہے بندہ شارع کی طرف سے ضروری نہ ہونے کے باوجود اسے بجالاتا اور اطاعت وفرمانبرداری میں مبالغہ کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۴۹/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَیْلٍ وَّلَا نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے نماز فجر کے وقت فرمایا اے بلال مجھے اس عمل کی خبر دے جو تو نے اسلام میں کیا ہے۔ اور جس کے ثواب کی تجھے بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے جوتوں کی آہٹ سنی ہے[1]۔ حضرت بلال نے عرض کیا میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اس کے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھ لی جو میرے مقدر میں تھی۔ (بخاری ومسلم)

[1] حدیث میں لفظ دف آیا ہے۔ دال اور فا مشدد جس کا معنی ہے اونٹ کا راستے پر نرم رفتار سے چلنا۔ اور پرندے کا ہلکے پھلکے انداز میں زمین پر چلنا اور زمین پر پاؤں رکھ کر اس کا پاؤں چلانا۔ لفظ یدی یا مشدد سے۔ یہ صیغہ تثنیہ ہے یہ وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خواب یا بیداری میں منکشف ہوئی یہ بھی احتمال ہے کہ شب معراج میں آپ نے یہ موقعہ دیکھا ہو یا کسی اور معراج میں جو آپ کو ہوا، دیکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

سلہ یعنی ہر قسم کی طہارت کے وقت غسل، اور وضو کی صورت میں ہو یا تیمم کی صورت میں۔ دن اور رات کی کسی گھڑی میں۔

سلہ یعنی گویں نے اتنی مقدار میں نماز پڑھی جو میرے مقدر میں تھی یا جو خود میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی تھی کہ میں نفل کے پڑھنے کا اپنے آپ کو پابند کر رکھا تھا۔ اس حدیث میں وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جسے لوگ تحیۃ الوضو کہتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ مطلق نفل کی نیت کرے اس کی نیت میں شکر وضو کی نماز کہنا بے حقیقت چیز ہے۔

۱۲۴۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کاموں کے لیے استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا قصد وارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے۔ پھر یہ کہے۔ اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور میں تیری قدرت سے تجھ سے قدرت وطاقت مانگتا ہوں اور میں تیرے فضل عظیم سے حصہ مانگتا ہوں۔ کہ بے شک تو قادر ہے۔ مجھ میں کوئی طاقت وقدرت نہیں۔ اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں نے ارادہ کیا ہے) میرے لیے۔ میرے دین میری زندگی اور انجام کے لحاظ سے یا فرمایا کہ میرے لیے فوری طور پر یا دیر کے بعد میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے۔ پھر میرے لیے اس میں برکت ڈال دے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میرے انجام کے لیے یا یوں فرمایا۔ میرے لیے جلد ہی یا دیر کے بعد برا ہے تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے

وَ اٰجِلِه فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِه قَالَ وَ يُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور جہاں بھی میرے لیے خیر و برکت ہے وہ میرے مقدر میں کر دے، پھر اس کام کے ساتھ مجھ سے خوش ہو جا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنی حاجت کا نام لے۔

(بخاری)

سلہ یعنی ایسا کام جس کا وجود میں آنا نادر سا اور اہمیت بھی رکھتا ہو، جیسے سفر، تجارت اور عمارت وغیرہ کھانے پینے کی طرح کا عام فعل نہ ہو، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام مباح ہو اور اس کے نیک اور بہتر ہونے میں تردد اور شک ہو اور اگر وہ کام خیر محض ہو تو پھر اس کے وقت خاص یا اس کی حالت خاص کے لیے استخارہ کرنا درست ہے۔

سلہ یعنی نماز کے دو فرض یا سفر کے دو فرض اس کے لیے کفایت نہیں کرتے۔ ہاں سنت مؤکدہ کی دو رکعتیں بھی اس کے لیے کافی ہیں۔ اور الگ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے تو بہتر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ان رکعتوں میں قرآن میں سے جو اسے آسان ہو پڑھے۔ بعض روایات میں سورۃ قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کی تخصیص بھی آئی ہے۔ سلف سے بھی یہی منقول ہے۔

سلہ یعنی تیرے علم کی مدد سے میں تجھ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں۔

سکہ یعنی خیر اور بھلائی کے حاصل کرنے میں تیری قدرت کو وسیلہ بناتا ہوں۔

شہ یعنی تیرے فضل و کرم سے جو بڑا عظیم اور بے حد و نہایت ہے، حصہ مانگتا ہوں۔

ستہ یہ راوی کا شک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ان تمام الفاظ کے بجائے یا ساشی و عاقبۃ امری کے بجائے فی عاجل امری و آجلہ فرمایا۔ یعنی اس جہان میں اور اس جہان میں

شہ اور مجھے اس کام کی توفیق عطا فرما۔ اور فاقدرہ لی کے لفظ میں فاقدرہ دال کی پیش اور زیر دونوں روایتیں آئی ہیں۔ یہ قدر سے مشتق ہے۔

شہ وارضنی ہمزہ کی زبر را ساکن سے۔ ارضا سے مشتق ہے اور را کی زبر، ضاد کی شد اور ہمزہ کے بغیر رضا سے مشتق بھی روایت ہے۔

سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی نے کہا کہ "اس کام" کا لفظ کہتے ہوئے اپنی حاجات اور اپنے کام کا نام لے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں ان ھذا الامر کا لفظ بطریقہ عموم حاجت کا عنوان ہے استخارہ کرنے والے کی عبارت میں اس خاص کام کا ذکر ہو گا جیسے یہ سفر اور یہ قیام در ہاشش وغیرہ کہ یہ جائز ہے کہ لفظ ھذا الامر کہتے ہوئے اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۳۸ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَّ صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَهَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَهٗ ثُمَّ قَرَءَ وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ یَذْكُرِ الْاٰیَةَ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی اور انہوں نے سچ بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو گناہ کرے۔ پھر اٹھے اور وضو کرے پھر نماز پڑھے[۱]۔ پھر اللہ سے معافی مانگے مگر اللہ اسے بخش دیتا ہے پھر یہ آیت[۲] پڑھی۔ اور وہ لوگ کہ جب کوئی برائی کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر ڈالیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔[۳]

[۱] اس نماز کو صلوٰۃ الاستغفار کہتے ہیں۔

[۲] یعنی آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔

[۳] یعنی ابن ماجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کے پڑھنے کا ذکر نہ کیا۔

۱۲۳۹ وَ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ صَلّٰی ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے تھے[۱]

(ابوداؤد)

[۱] اور آپ نماز سے مدد چاہتے تھے تاکہ اس مصیبت اور مشکل سے نجات پائیں اور غم و فکر سے چھوٹ جائیں۔ ایسے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اللہ سبحانہ کے اس حکم کی بجاآوری کرتے تھے۔ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ صبر اور نماز سے مدد لو بعلماء فرماتے ہیں۔ بندہ جب عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر عالم ربوبیت منکشف ہو جاتا ہے۔

جب عالم ربوبیت کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے دنیا کلیتہً حقیر دکھائی دیتی ہے۔ تو دنیا کے کسی کام کا نہ ہونا یا ہاتھ سے نکل جانا یا اس کا لاحق ہونا اس کے لیے آسان محسوس ہوتا ہے۔ تو اس دنیوی کام کے نہ ہونے سے گھبراتا نہیں اور نہ غرض ہوتا ہے جیسا کہ بزرگ فرماتے ہیں اگر دنیا پاس ہے تو بھی غم نہیں۔ پاس نہیں تو بھی کوئی غم نہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں جب بندہ کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دوڑے۔ گویا یوں عرض کرے اے اللہ میرے لیے عبادت کو محبوب بنا دے۔ اور میری مراد مجھے تو دے یا نہ دے اور مجھے خوشی عطا کر یا محنت و تکلیف مجھ پر ڈال ہر حالت میں تیری عبادت میرے لیے محبوب بن جائے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرء طاعت، مناجات اور خدا تعالےٰ کے حضور و شہود سے بندے کے باطن میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت غم و فکر کی ظلمت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور سینے کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آیا ہے۔ اذا دخل النور القلب انفتح القلب۔ جب نور داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔

۱۲۵۰۔ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّاْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا کہ تم کس وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ میں جنت میں کبھی بھی نہ گیا مگر اپنے سامنے تمہاری آہٹ سنی[1]۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کبھی اذان نہ کہی مگر دو رکعتیں پڑھ لیں اور مجھے کبھی حدث نہ ہوا۔ مگر اسی وقت میں نے وضو کیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعتیں لازم ہیں[2]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں کی وجہ سے۔

(ترمذی)

[1] یعنی تیری آواز یا تیرے جوتوں کی آہٹ حدیث سابق کے قرینہ کی بنا پر۔ خشخشۃ۔ ہتھیار وغیرہ کی آواز۔

[2] یعنی میں نے نہ جانا اور اعتقاد کر لیا کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی دو رکعت ہیں۔ یہ پابندی کے ساتھ پڑھنے سے کنایہ ہے

سے اسی کی وجہ سے مجھے یہ مقام و درجہ حاصل ہوا۔

۳۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لْيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت عبداللہ[1] بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی انسان سے کوئی حاجت اور کام ہو تو وہ اچھی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے رب کے سوا کوئی معبود نہیں وہ علم والا اور کرم والا ہے۔ اللہ پاک ہے بڑے عرش کا مالک ہے۔ سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ کی ہی ہیں۔ الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب[2] اور تیری بخشش کے اعمال اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کیے نہ چھوڑ۔ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پورا کر دے۔ اے رحم والوں سے بڑا رحم کرنے والے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترمذی نے کہا، یہ حدیث غریب ہے

[1] آپ صحابی ہیں ان کے ماں باپ کو بھی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی پھر آپ کوفے آ گئے اور یہیں وصال فرمایا۔ آپ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] یعنی وہ اسباب جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے نزول کا ذریعہ ہیں۔

سے عزائم یعنی وہ خصلتیں اور اعمال جو تیری بخشش کا موجب ہیں اور مغفرت کے حصول کی تاکید و توثیق کریں عزم کا معنیٰ ہے کسی عمل کا قصد و ارادہ اور دل کا پختہ ارادہ۔

سے یعنی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نقصان دہ چیز سے بچا کر رکھ غنیمت اصل میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔

سے یعنی علماء و اسماء الرجال نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں کلام ہے۔

صَلٰوۃُ التَّسْبِیْحِ

نماز تسبیح کا بیان

۱۲۵۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاہُ اَلَا اُعْطِیْکَ اَلَا اَمْنَحُکَ اَلَا اُخْبِرُکَ اَلَا اَفْعَلُ بِکَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِکَ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ ذَنْبَکَ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ قَدِیْمَہٗ وَحَدِیْثَہٗ خَطَاَہٗ وَعَمْدَہٗ صَغِیْرَہٗ وَکَبِیْرَہٗ وَسِرَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ تَقْرَاُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتٰبِ وَسُوْرَۃً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَۃٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن المطلب سے فرمایا اے عباس میرے چچا کیا میں تجھے کچھ نہ دوں کچھ عطا نہ کروں۔ کچھ نہ بتاؤں۔ کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیاں نہ کروں۔ جب تو وہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ تیرے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ نادانستہ چھوٹے بڑے۔ چھپے اور ظاہر سب گناہ معاف کر دے تم چار رکعتیں پڑھو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھو۔ جب تم پہلی رکعت میں قرارت سے فارغ ہو تو کھڑے ہوئے پندرہ بار کہو۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہو۔ پھر سجدہ میں جاؤ تو دس بار

وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ نَحْوَهُ۔

سجدہ میں کہہ لو۔ پھر سجدے سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو۔ یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوئے۔ ایسا ہی چار رکعتوں میں کرو[1]۔ اگر ہو سکے تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھو۔ اگر نہ کر سکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر ماہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر سال میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار کیے۔

(ابو داؤد)
(ابن ماجہ)
(بیہقی دعوات کبیر)

اور ترمذی نے ابو رافع سے اس کی مثل روایت کیا

[1] یعنی ایسی دس خصلتیں جو دس طرح کے گناہوں کو مٹا دیں۔ جن کا اول و آخر بیان ہو رہا ہے۔ اسی وجہ کے مطابق دس خصلتوں سے مراد دس قسم کے اگلے پچھلے گناہ ہیں۔ بعض نے کہا دس خصال سے تسبیحات مراد ہیں۔ یہ دس تسبیحات غیر حالت قیام میں دس دس بار ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں فرماتے ہیں کہ ان چار رکعتوں میں الہاکم التکاثر، والعصر، الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے۔

سلہ ایک اور روایت میں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ بھی آیا ہے۔
سلہ یعنی رکوع کی تسبیح کے بعد۔
سلہ یعنی سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کے بعد۔
ھ اس نماز کے تشہد میں التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعا آئی ہے۔ اللھم انی اسالک توفیق اھل الھدیٰ۔ واعمال اھل الیقین۔ ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر۔ وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ۔ وتعبد اھل الورع۔ وعرفان اھل العلم حتی اخافک۔ اللھم انی اسالک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق به رضاک وحتی اناصحک بالتوبۃ خوفا منک۔ وحتی اخلص لک النصیحۃ حیاءً منک وحتی اتوکل علیک فی الامور وحسن ظن بک سبحان خالق النور۔

اے اللہ میں تجھ سے اہل ہدایت جیسی توفیق۔ اہل یقین جیسے اعمال۔ اہل توبہ جیسا خلوص۔ اہل صبر جیسا عزم و حوصلہ اہل خشیت جیسی کوشش۔ اہل رغبت جیسی طلب۔ اہل ورع جیسی عبادت اور اہل علم جیسا عرفان مانگتا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے تیری مخافت نصیب ہو جائے اور میں تجھ سے ایسا ڈر اور خوف مانگتا ہوں۔ جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے یہاں تک کہ میں تیری طاعت میں ایسا عمل کروں کہ تیری رضا کا مستحق ہو جاؤں اور یہاں تک کہ تیرے خوف سے میں پکی توبہ کر لوں۔ اور یہاں تک میں تیری حیا سے تیری خیر خواہی میں مخلص بن جاؤں اور یہاں تک کہ میں جملہ امور میں تیری ذات پر بھروسہ کروں اور تیری ذات کے بارے میں حسن ظن قائم ہو جائے۔ اے پاک ذات اے نور اور روشنی کو پیدا کرنے والے۔

سلہ واضح ہو کہ نماز تسبیح میں مشہور و معمول طریقہ یہی ہے جو مذکور ہوا۔ ترمذی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ثنا کے بعد اعوذ باللہ و بسم اللہ کے سے پہلے پندرہ بار اور پھر آخر ارکان تک قرات کے بعد دس بار آیا ہے اور دو سجدوں کے بعد تسبیح نہیں ہے۔ پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ یہ نماز دو رکعت کر کے دو سلام سے پڑھے۔ یا ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھ لے۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ایک سلام سے پڑھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ نماز تسبیح کی حدیث کو جامع الاصول میں ابو داؤد اور ترمذی سے لائے اور ایک روایت میں اس کی انتہا ایک سال بیان کی تمام عمر میں ایک بار کا ذکر نہ کیا۔ مؤلف علیہ الرحمۃ (صاحب مشکوٰۃ) ابن ماجہ اور بیہقی کی حدیث سے لائے اور حصن حصین میں ابو داؤد، ابن ماجہ، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان کے اسناد سے لائے۔ بعض محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور امام جوزی نے جو حدیث کو موضوع قرار دیتے میں بڑے جلد باز لوگوں میں سے ہیں، اس حدیث کو موضوع شمار کیا۔ تاہم اہل تحقیق کے نزدیک ابن جوزی کا بیان مردود ہے کہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو

صحیح قرار دیا ہے اور یہ نماز تابعین سلف صالحین اور ان کے بعد کے لوگوں میں آج تک معمول و مشہور چلی آ رہی ہے۔ مشائخ طریقت نے یہ نماز پڑھنے کی وصیت و تاکید کی ہے۔ شیخ ابن رحمۃ اللہ نے اس کی تقویت اور اثبات میں مبالغہ سے کام لیا۔ اس بارے میں مکمل بحث و تحقیق شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ یہاں اس حد تک ہی کافی ہے اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

۱۲۵۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ بندے کے عمل سے سب سے اول جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز ٹھیک ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور نجات پا گیا[۱] اور اگر نماز بگڑ گئی تو محروم رہ گیا اور نقصان میں پڑ گیا۔ اگر بندے کے فرضوں میں کمی ہو گی[۲] تو رب تعالیٰ فرمائے گا دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں۔ ان سے فرض کی کمی پوری کر دی جائے۔ پھر بقیہ اعمال اسی طرح پر ہوں گے۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ الزَّكٰوةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ

اور ایک روایت ہے کہ پھر زکوٰۃ[۳] اسی طرح ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح[۴] کیے جائیں گے۔ ابوداؤد نے احمد نے ایک مرد سے روایت کی۔

[۱] اور اس کی حاجت پوری ہو گئی۔

[۲] یعنی نماز کی سنتوں اور مستحبات میں کمی واقع ہو گی۔

[۳] یعنی زکوٰۃ اور روزے وغیرہ کہ فرائض مکمل کرنے والی چیزوں میں کمی نکلے گی تو اس کمی کو نوافل سے مکمل کیا جائے گا۔

[۴] اس روایت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرے اعمال کا ذکر علی العموم کر دیا۔

سے یعنی امام احمد نے صحابہ میں سے غیر معین شخص سے روایت کی حضرت ابوہریرہ کی طرح خاص راوی کا نام نہ لیا۔

۱۲۴۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَکْعَتَیْنِ یُصَلِّیْھِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَیُذَرُّ عَلٰی رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِیْ صَلٰوتِہٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰہِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو رکعتوں سے جنہیں وہ ادا کرے زیادہ تاکیدی حکم کسی چیز کا نہ دیا۔ اور جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر نثار ہوتی رہتی ہے اور بندے سب کی طرف کسی چیز سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتے جتنا اپنے منہ سے ادا کیے ہوئے سے۔ یعنی قرآن پاک سے (احمد، ترمذی)

سلہ حدیث میں لفظ اذن آیا ہے اس کا ایک معنی تو وہ ہے جو ترجمہ میں مذکور ہوا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اس قدر کان نہیں لگاتا یا کسی پر اس قدر عنایت و مہربانی نہیں فرماتا کسی بھی عمل پر جتنا کہ دو رکعت نماز پڑھنے میں۔ کیونکہ یہ فاضل تر عمل ہے۔ یعنی نماز تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لطف و عنایت و رحمت دوسرے اعمال کرنے والوں کی نسبت نمازی کے زیادہ شامل حال ہوتا ہے۔ کان لگانے اور سننے اور توجہ مبذول کرنے کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ نماز میں فاضل ترین رکن و ذکر قرآن ہے۔ اگرچہ نماز میں اور بھی افعال و اذکار ہیں۔

سلہ بعض نے لیذر کے بجائے لیدر دال مہملہ سے پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے پانی یا دودھ یا اور کوئی چیز بہانا اگرچہ یہ معانی بھی درست ہیں مگر ان کا تعلق بہنے والی چیزوں سے ہے۔ جیسے مذکورہ اشیاء اور یہ معنی مناسبت مقام سے دور ہے۔ اس لیے علماء نے کہا یہ (دال کے ساتھ) کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح اور درست ذال سے ہے۔

سلہ یعنی اس چیز سے جو حق سبحانہ سے خارج ہوئی ہے یعنی قرآن اور قرآن کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے باہر آنا یا علم کے اعتبار سے ہے۔ یا لوح محفوظ سے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بندے سے باہر نکلنے والی اور اس کی زبان پر جاری ہونے والی چیز مراد ہو یعنی قرآن پاک کی قرات اور اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی قرآن پاک کی کتابت۔ اس میں دوسرے اعمال کی نسبت نماز کے افضل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ

نماز سفر کا باب

واضح ہو کہ آئمہ دین اور علمائے امت کے درمیان مسافر کے لیے نماز قصر میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ دو سنت کی نماز مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ قصر بھی عزیمت ہے اگرچہ اس پر مجازاً رخصت کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔ اگر مسافر چار رکعت پڑھے گا تو درست نہ ہو گا مگر اس صورت میں جب کہ دو رکعت پر قعدہ میں بیٹھے کہ یہ در حقیقت اس کا آخری قعدہ ہو گا۔ مگر پھر دو رکعت پر سلام نہ پھیرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ اور امام مالک کا مذہب جیسا کہ ابن ابی زید کے رسالہ سے جو انہوں نے اپنے مذہب مالکی میں لکھا ہے، سے مفہوم ہوتا ہے وہ بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ اور بعض شروح سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب امام شافعی اور امام احمد کے مذہب کے موافق ہے کہ قصر رخصت و اجازت ہے اور مسافر نماز ہی کو قصر کرنے اور پوری پڑھنے کا اختیار ہے۔ اور اصل فرض چار رکعت ہی ہیں۔ اور ایسی ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت مروی نہیں کہ آپ نے سفر کے دوران چار رکعت پوری پڑھی ہوں اور خلفائے اربعہ سے ماسوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایسا مروی ہے بصرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت کے چند سال گزرنے کے بعد منیٰ میں چار رکعت پڑھیں۔ ان کے اس فعل کی بہت سی تاویلات اور معانی ہیں۔ اس بارے میں مفصل کلام اور طرفین کے دلائل طویل ہیں ہم نے شرح میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۲۵۵ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَّ صَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت (فرض) پڑھیں پھر ذوالحلیفہ[1] میں پہنچ کر عصر کی دو رکعت پڑھیں۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھیں۔ ذوالحُلَیْفَہ، حا کی پیش۔ لام کی زبر یا ساکن اس کے بعد فا۔

یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے پانچ یا چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ واقعہ اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں ادا فرمائی اور مدینہ پاک سے باہر نکلے جب اس جگہ پہنچے (ذوالحلیفہ) جو اہل مدینہ کی میقات (جائے احرام) ہے تو آپ کی حیثیت مسافر کی ہو چکی تھی اس لیے یہاں آپ نے عصر کے دو فرض قصر کر کے پڑھے اور احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

۱۲۵۶ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنَهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حارثہ[1] بن وہب الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منیٰ میں نماز پڑھائی۔ حالانکہ ہم لوگ اس سے پہلے تعداد میں کبھی بھی اتنے زیادہ نہ تھے اور نہ اس سے بڑھ کر کبھی امن میں ہوئے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حارثہ حا اور ثا سے۔ وہب واؤ کی زبر اور ہا ساکن۔ خزاعی خا کی پیش اس کے بعد زا۔ ماں کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ آپ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

[2] یعنی ہم کثرت تعداد میں اس موقعہ سے زیادہ کبھی نہ ہوئے اور ہم منیٰ میں کفار کے فتنہ و فساد سے بہت ہی امن و سلامتی میں تھے۔ ہم نے اس حالت میں منیٰ کے اندر دو رکعت فرض قصر کر کے پڑھے ملفظ آمنکہ تینوں پہلے حرفوں کی زبر سے لفظ آمن کی جمع کی شکل میں بھی مروی ہے جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس دن صحابہ کی تعداد حد و شمار سے باہر تھی صحابی نے یہ بات اس لیے کہی تاکہ واضح ہو جائے کہ قصر نماز خوف و فتنہ کفار پر موقوف نہیں جیسا کہ قرآن کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ آئندہ حدیث میں بھی یہ بات صریحاً آ رہی ہے۔

۱۲۵۷ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا قَالَ اللهُ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے کہ قصر کر کے نماز اس وقت پڑھو جب تمہیں خطرہ ہو کہ کفار فتنہ پیدا کریں گے اب تو لوگ امن و امانیت میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے بھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تجھے تعجب ہوا ہے

فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے جواب میں فرمایا نماز کی قصر کرنا اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تم پر کیا ہے تو تم لوگ اس کا صدقہ قبول کرو۔ (مسلم)

سلہ یعلیٰ یای کا زبر اور عین ساکن، اُمَیّہ ہمزہ کا پیش میم کا زبر اور یا مشدد۔ آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے عامل تھے جنگ صفین میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شہید ہوئے۔

سلہ یعنی اس سفر میں ہم امن میں ہیں تو قصر کس لیے کریں۔

سلہ اور اس کا احسان ہے تو تمہیں چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے صدقہ اور احسان کو قبول کرو اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسانی اور تخفیف کی ہے تو تمہارا اپنے اوپر سختی کرنا جراءت و گستاخی کا موجب ہے۔ جو مقام عبودیت کے مناسب نہیں۔ یہ حدیث وجوب قصر کے لیے حنفیہ کی دلیل ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران روزہ کی فرضیت ساقط کر دی ہے۔ اور افطار کی آسانی مہیا کی۔ وہاں حالت سفر میں روزہ رکھنے کو کیوں جائز قرار دیتے ہو اور اسے عزیمت شمار کرتے اور روزہ نہ رکھنے کو محض رخصت سمجھتے ہو اور جس طرح سفر میں چار رکعت فرض پڑھنا جراءت کرنا اور اپنے اوپر سختی کرنے کے مترادف ہے۔ سفر کے دوران روزہ رکھنے کی بھی تو یہی کیفیت و حالت ہے۔ اس لیے واضح کیا جائے کہ مسافر کے لیے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سفر میں روزہ نہ رکھنے میں آسانی ہے۔ رمضان شریف میں بحالت سفر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ موافقت و مطابقت کے اعتبار سے بھی آسانی ہے۔ اس کے برعکس رمضان گزرنے کے بعد اس موافقت کے موجود نہ ہونے اور اکیلے روزہ رکھنے میں بڑی دقت اور دشواری ہے مگر نماز میں آسانی قصر کرنے میں ہی ہے۔ اسے سمجھو۔ باقی اللہ تعالیٰ نے آیت ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا (اگر کافروں کے تمہیں فتنہ و فساد میں مبتلا کرنے کا خوف لاحق ہو) میں اس خوف و ڈر کی قید جو لگائی ہے تو یہ عادت اور خطرہ کے اوقات کے اعتبار سے ہے۔ کہ مسافر کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے غالب و اکثر یہی ہے کہ دشمن کا خوف و ڈر لاحق رہتا ہے خصوصاً نزول قرآن کے زمانہ میں کہ کفار ہر وقت مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور انہیں ہلاک کرنے کے درپے رہتے تھے۔

۱۲۵۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے تو آپ سفر کی وجہ سے دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ مدینہ

حَتّٰی رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ قِیْلَ لَهٗ اَقَمْتُمْ بِمَکَّۃَ شَیْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

طیبہ واپس پہنچے۔ حضرت انس سے کہا گیا کہ کیا تم نے مکہ میں کچھ دن قیام کیا۔ فرمایا ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا۔[1]
(بخاری و مسلم)

[1] یہ حجۃ الوداع کے سفر کی بات ہے۔

[2] کیونکہ آپ مکہ معظمہ میں ذوالحجۃ کی چار کی صبح کو پہنچے تھے اور چودہ ذوالحجۃ کو مکہ سے مدینہ واپس لوٹ پڑے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی جگہ دس دن قیام کرنے سے مسافر مقیم شمار نہیں ہوتا اور قصر کرنے کے بجائے پورے چار فرض نہیں پڑھ سکتا۔

۱۲۵۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَۃَ عَشَرَ یَوْمًا یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّیْ فِیْمَا بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَکَّۃَ تِسْعَۃَ عَشَرَ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّیْنَا اَرْبَعًا۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا جس میں آپ نے انیس دن قیام فرمایا۔ اس مدت قیام میں بھی آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تو ہم لوگ اپنے اور مکہ کے درمیان انیس دن تک دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے[1] اور جب ہم اس سے زیادہ دن قیام کرتے تو پھر دوگانہ کے بجائے پوری چار رکعت پڑھتے تھے[2]
(بخاری)

[1] یعنی ہم لوگ اتنے فاصلے اور مسافت کے درمیان جو ہمارے (مدینہ منورہ) اور مکہ معظمہ کے درمیان واقع ہے دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے یعنی ...... ہم لوگ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان کسی منزل میں انیس دن تک ٹھہرتے تو نماز قصر پڑھتے۔ دراصل اس بات کا تعلق غزوہ فتح مکہ سے ہے یا یہ مراد ہے کہ جب ہم لوگ کوئی لمبا سفر کرتے جیسا کہ ہمارے اور مکہ کے درمیان ہے صرف مکہ اور مدینہ کا درمیانی سفر مراد نہیں ہے۔

[2] واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کرنے کی نیت کرے تو پھر اس کے لیے پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر پندرہ دن سے کم وقفہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو پھر دوگانہ پڑھے گا اور اگر مہینہ و سال کی نیت کے بغیر کسی جگہ قیام کیا تو اس صورت میں دوگانہ ہی پڑھے گا۔ یہ اندازہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے اسے روایت کیا۔ اور امام محمد نے بھی اسے کتاب الآثار میں نقل

کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے آذربائیجان میں چھ ماہ قیام فرمایا۔ ہر دن یہی خیال تھا کہ آج واپس چل پڑتے یا کل چل پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں آپ چھ ماہ مسافر والی نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھ اور بھی صحابہؓ کرام تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی شام میں عبدالملک بن مروان کے پاس دو ماہ قیام فرمایا مگر اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اقامت کی نیت سے کسی جگہ چار یا چار سے زیادہ دن ٹھہرے گا تو مقیم سمجھا جائے گا اور قصر کے بجائے اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی اور اگر اقامت کی نیت کے بغیر اس خیال میں کہ آج چلتا ہوں اٹھارہ دن قیام کرے تو پوری نماز پڑھے گا اسے قصر کی اجازت نہیں۔ شافعی حضرات چار دن کا تعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے کرتے ہیں۔ اور احناف پندرہ دن کا تعین مدت طہر پر (کہ اس کی مدت پندرہ دن ہے) قیاس کر کے کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ میں دس دن کے قیام کے دوران قصر پڑھنا بھی شافعی کے اس تعین واندازے کی نفی کو مستلزم ہے بظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دن کی نیت سے مکہ میں قیام پذیر رہے کہ آپ حج کے لیے تشریف لائے تھے اور مناسک حج تیرہ تاریخ تک ہوتے ہیں۔ اور انیس دن کا اندازہ اس کے منافی ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو کتاب میں مذکور ہے وہ بھی اٹھارہ دن کے اندازے کے منافی نہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ شاید اترنے اور کوچ کرنے کے دن کو بھی اس میں شامل کر کے انیس دن کر دیے ہوں مگر یہ بعید بات ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں اٹھارہ دن کا اور ایک روایت میں سترہ دن اور ایک میں پندرہ دن بھی آیا ہے۔ ان میں مطابقت کی وجہ شرح (عربی) میں بیان کر دی گئی ہے۔

۱۲۶۰ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهُ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي

حضرت حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر مکہ میں تھا آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنے سامان اور جائے رہائش میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اپنی نماز (فرض) پوری پڑھتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے

السَّفَرِ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ وَ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ کَذٰلِکَ ۔
(متفق علیہ)

رہتے تھے اور میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی رہا ہوں وہ ایسا ہی کرتے تھے ۔
(بخاری و مسلم)

لہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لوگ سنت مؤکدہ وغیرہ پڑھ رہے ہوں ۔

سلہ یعنی اگر یہ نفل پڑھنے کا موقعہ ہوتا تو پھر فرض نماز کو کامل پڑھنا زیادہ اہم اور بہتر ہوتا ۔ اور جب کہ فرض نماز کے لیے قصر کرنے کا حکم ہے تو نوافل چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے ۔ کیونکہ نوافل کی نسبت فرض نماز کی تکمیل بہتر ہے ۔

سلہ یعنی آپ نفل نہ پڑھتے تھے ۔

سلہ یعنی یہ حضرات بھی دو رکعت نماز قصر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے ۔

ےہ واضح ہو کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر کے دوران نوافل پڑھنے سے انکار اور روکنے پر دلالت کرتا ہے ۔ عدم انکار و منع بھی آپ سے مروی ہے ۔ جیسا کہ فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو انکار نہ کیا ۔ اور جمہور صحابہ اور ان کے بعد کے علماء نوافل کے جواز کے قائل ہیں ۔ بعض نے کہا مطلقاً نوافل پڑھنے کے استحباب پر سب کا اتفاق ہے ۔ البتہ مؤکدہ سنتوں کے پڑھنے میں اختلاف ہے جو حضرات مؤکدہ سنتیں پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں وہ نوافل مطلقہ پر قیاس کرتے ہیں ۔ بعض نے حالت سفر و حالت نزول و قیام میں فرق کیا ہے اور بعض نے نماز سے پہلے اور اس کے بعد میں فرق کیا ہے ۔ وہ فرق یہ کیا ہے کہ نماز سے پہلے کی سنتیں نماز سے الگ ہیں ۔ انہیں نہ پڑھا جائے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ بھی فرائض میں سے ہیں ۔ پس بحالت سفر مؤکدہ سنتیں تاکید سے خارج ہو جاتی ہیں ۔ بخلاف ان سنتوں کے جو فرض نماز کے بعد ہیں کہ وہ فرض کے ساتھ صورۃً و معنیً متصل ہیں ۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مؤکدہ سنتیں اور نماز چاشت پڑھی تھی ۔ طیبی نے کہا شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتیں اپنے سامان اور اپنی جائے رہائش میں پڑھی تھیں ۔ اور ابن عمر نے آپ کو پڑھتے ہوئے نہ دیکھا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی وقت نہ بھی پڑھی ہوں تعلیم جواز کے لیے ۔ واللہ اعلم ۔ تو گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول لا یزید فی السفر (آپ سفر میں زیادہ نہ پڑھتے تھے) سے مراد غالب حالات کا بیان ہوا ۔ اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے سنتوں میں تین قول ہیں اول یہ کہ سنتیں پوری پڑھی جائیں ۔ دوسرا یہ کہ انہیں بھی قصر کر کے پڑھا جائے ۔ تیسرا یہ کہ نہ پڑھی جائیں ۔ قول اول پسندیدہ اور مختار قول ہے

۱۲۳۱ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ صَلٰوۃِ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ اِذَا کَانَ عَلٰی ظَهْرِ سَیْرٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر اور عصر سفر کے دوران اکٹھی کر کے پڑھتے تھے اسی طرح نماز مغرب و عشا کو بھی جمع کر کے

وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ پڑھتے تھے[۱]

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

[۱] یعنی سفر میں۔ یا حالت سفر مراد ہے نہ کہ نزول وقیام کی حالت۔ اور یہ قول کہ آپ جمع کرتے تھے۔ تقدیم وتاخیر دونوں کو شامل ہے۔ جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے تھے اور نماز عشاء کو مغرب کے وقت میں اور جمع تاخیر یہ کہ آپ ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے تھے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۱۲۶۲ - وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يُوْمِئُ إِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں سواری پر نماز پڑھتے تھے۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا[۱]۔ اشارے کے ساتھ۔ ایسا آپ رات کی نمازیں کرتے تھے۔ تمام نمازیں اسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ سوائے فرائض کے۔ وتر بھی اپنی سواری پر پڑھتے تھے[۲]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

[۱] لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

[۲] اس حدیث میں دو حکم مذکور ہیں ایک یہ کہ سواری پر نماز نفل نماز کے ساتھ خاص ہے اور نفل کا لفظ سنت موکدہ اور نماز تہجد کو بھی شامل ہے۔ اس حدیث میں رات کی نماز کی تخصیص کا ذکر ہے۔ مگر دوسری احادیث میں عام ہے۔ ترجمہ میں اس تعمیم کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے یہ مروی ہے کہ سنت فجر کے لیے سواری سے نیچے اترنا مستحب ہے اور ایک روایت میں اترنا واجب ہے۔ اسی وجہ سے بلا عذر سنت فجر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ فرض نمازیں بھی سواری پر پڑھنا درست نہیں۔ مگر عذر کی وجہ سے۔ جیسے جنگل میں کہ وہاں جان ومال کی ہلاکت اور چور یا درندہ یا قافلہ سے دور رہ جانے یا راستہ بھول جانے کا اندیشہ ہو۔ یا سواری سرکش ہو کہ نیچے اترنے کے بعد پھر اس پر سوار ہونا دشوار ہو۔ یا نمازی (تنا کمزور یا بوڑھا ہو کر پھر سوار نہ ہو سکتا ہو اور پاس کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جو اسے سوار کرے یا اس جنگل میں سبزہ اس قدر ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ناممکن ہو۔ اور بارش کے عذر سے بھی فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ضروریات قواعد شرع سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شروح ہدایہ میں مذکور ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے مؤطا میں صحابہ وتابعین سے بہت سے آثار لائے ہیں کہ وہ حضرات وتر کے لیے سواری سے اتر آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا مروی ہے۔ شمنی رحمۃ اللہ نے کہا کہ نماز جنازہ۔ واجب نماز اور سجدہ تلاوت جس کی آیت زمین پر بیٹھے

ہوئے پڑھنی سواری پر جائز نہیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ سواری کے اوپر نماز صرف حالت سفر میں جائز ہے جمہور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت کے مطابق ایسا ہی ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف یہ شرط ہے کہ نمازی شہر سے باہر جا رہا ہو۔ مسافر ہو یا نہ ہو۔ اگر شہر کے اندر ہے تو پھر جائز نہیں کہ نفل نماز بھی سواری پر پڑھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا مکروہ بھی نہیں۔ اس کے بعد اس میں بھی اختلاف ہے کہ شہر سے باہر کتنی مسافت تک جانا چاہتا ہے۔ بعض نے دو فرسخ (موجودہ دور کے قریباً دس کلومیٹر) بعض نے تین فرسخ کہا۔ بعض کے نزدیک صرف میل کی مسافت کافی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شہر کے مکانات سے نکلنے کے بعد جائز ہے۔ جیسا کہ نماز قصر کا مسئلہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۳۳ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَ اَتَمَّ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرح کیا ہے نماز قصر بھی پڑھی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔ (شرح سنہ)

لہ صاحب سفر السعادۃ نے کہا یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا کہیں بھی مذکور نہیں۔ دار قطنی نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا اور وہ حضرت ابن عمر سے ایک حدیث موقوف لائے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۳۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ شَهِدْتُّ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّيْ اِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں گیا اور فتح مکہ کے دن آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مکہ معظمہ میں اٹھارہ رات قیام کیا۔ اس دوران آپ نہ پڑھتے تھے مگر دو رکعت اور آپ اہل مکہ کو کہتے تھے اے شہر والو تم چار رکعت پڑھو کہ ہم لوگ تو مسافر ہیں لہ (ابوداؤد)

لہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتدا کرے تو چار رکعت پڑھے دو رکعت نہ پڑھے اور

ان میں متابعت نہ کرے۔ لیکن جب مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کی متابعت کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے۔ لفظ سفر سین کی زبر فا ساکن سے مسافر کی جمع ہے۔ جیسے رکب راکب کی جمع ہے۔ اصل میں لفظ ہے اور مسافر جو باب مفاعلہ سے ہے اس کا اطلاق اس بناء پر کرتے ہیں کہ سفر عموماً ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعت پڑھیں اس کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور ایک روایت میں ہے میں نے حضر میں ظہر کی چار رکعت فرض پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھیں اور میں نے سفر میں آپ کے ساتھ ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں بھی پڑھیں۔ اور میں نے آپ کے ساتھ عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد آپ نے کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب کی نماز سفر اور گھر میں برابر ہے یعنی تین رکعتیں۔ سفر اور گھر میں ان میں کمی نہیں ہو سکتی[1] اور یہ دن کے وتر ہیں[2] مغرب کے تین فرض پڑھنے کے بعد دو رکعتیں ہیں[3]۔[4]

(ترمذی)

[1] لَا يَنْقُصُ یا کی زبر قاف کی پیش کے ساتھ محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ غور کرو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قصر چار رکعت نماز کے ساتھ خاص ہے۔

[2] جس طرح وتر رات کے وتر ہیں۔ لہٰذا وتر دن کے بھی ہیں اور رات کے بھی۔ ان اللہ وتر یحب الوتر۔ اللہ وتر ہے وتر کو ہی پسند کرتا ہے۔

[3] نماز مغرب پر عشاء کو قیاس کرتے ہوئے عشاء کا ذکر نہ فرمایا۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں بھی سنت مؤکدہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے اور حفص بن عاصم کی حدیث جو

ابن عمر سے مروی ہے اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر اغالب و اکثر یہ ہوتا تھا کہ آپ سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی پڑھ بھی لیتے تھے۔ گزشتہ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو بزرگوں کو منع کیا اور روکا تو وہ اس لیے تھا کہ وہ لوگ جیسے اہتمام اور کوشش کے ساتھ انہیں پڑھ رہے تھے۔ اس لیے ان کے عمل پر آپ نے اس کا انکار کیا۔ شرح سفر السعادۃ میں اس بارے میں زیادہ تفصیل سے گفتگو کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۶۹/۱۰ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذٰلِكَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک[1] میں تھے۔ وہاں سے روانگی سے پہلے جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے[2]۔ اور اگر روانگی سورج ڈھلنے سے پہلے ہوتی تو آپ نماز ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ آپ عصر کے لیے نیچے اترتے[3]۔ نماز مغرب میں بھی ایسا ہی کرتے کہ اگر روانگی سے قبل سورج ڈوب جاتا تو مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے اور اگر غروب آفتاب سے پہلے سوار ہو پڑتے تو نماز مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ نماز عشاء کے لیے نیچے اترتے اور دونوں ملا کر پڑھتے[3]۔

(ابوداؤد، ترمذی)

۱؎ جو آپ کا آخری غزوہ ہے۔

۲؎ اسے جمع تقدیم کہتے ہیں۔

۳؎ یہ جمع تاخیر ہے۔

واضح ہو کہ سفر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے میں صحیح احادیث آئی ہیں۔ ان میں بعض مطلق ہیں۔ بعض چلنے کی حالت سے مقید ہیں۔ بعض چلنے میں کوشش کی حالت سے اور بعض سفر میں جلدی کرنے کے وقت سے مقید ہیں۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء تو مطلقاً ملا کر پڑھنے کے قائل ہیں، امام شافعی انہیں میں سے ہیں۔ بعض نے چلنے کی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ منزل اور اترنے کی حالت میں اس کے جواز کے قائل نہیں۔ بعض نے سفر کی کوشش و جلدی کی صورت سے

اسے خاص کیا ہے۔ فتح الباری میں کہا کہ امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت مبارکہ نہ تھی۔ بلکہ جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی تو ملا کر پڑھتے تھے تاہم کسی منزل میں اترنے اور قرار پذیر ہونے کی حالت میں ملا کر پڑھنا آپ سے بالکل مروی نہیں۔ بعض نے سفر کے ساتھ ساتھ کسی اور عذر کی موجودگی سے اس کی تخصیص کی ہے۔ بعض کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں۔ یہ امام احمد سے مروی ہے۔ پھر ان کے نزدیک بھی یہ جواز سفر میں چل رہے ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ملا کر پڑھنا مطلق جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا مطلق جائز نہیں۔ اور ہم خدا تعالیٰ کی توفیق سے حضرت امام اعظم کے مذہب کے اثبات میں یوں کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا تعین ایک قطعی اور یقینی بات ہے۔ اور یہ یقین تواتر سے ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں تک کہ علماء نے نماز کو اپنے صحیح وقت سے موخر کرنے کو کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا۔ امام محمد نے اپنے موطا میں کہا ہم تک تحقیقی طور پر یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علاقوں کے حکام کی جانب لکھا اور انہیں ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے منع کیا اور انہیں صاف صاف کہا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا گناہ کبیرہ میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے اور جب کہ تعیین اوقات نماز قطعی اور متواتر ہے تو پھر کوئی بھی خبر واحد اس کے معارض ومقابل نہیں لائی جا سکتی۔ بخلاف سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کے کہ یہ اجازت ورخصت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور امام بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے غیر وقت میں ادا کیا ہو۔ ماسوائے اس کے کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا اور یہ بھی تحقیق سے ثابت ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا جائے۔ یہ اجازت مناسک حج کی بنا پر ہے سفر کی وجہ سے نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملا کر پڑھنا دائمی طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ اس بارے میں آپ سے روایت کیا گیا اور واقع ہوا صریح نہیں ماسوائے غزوہ تبوک کے۔ پھر اس غزوہ میں بھی دوام ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ لفظ کان دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارباب فہم وتدبر سے پوشیدہ نہیں۔ اور جامع الاصول میں ابوداؤد سے ابن عمر کی حدیث نقل کی کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی سفر میں مغرب وعشاء کو ملا کر نہیں پڑھا ماسوائے ایک بار کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کبھی بھی دو نمازیں کسی شب میں ملا کر نہ پڑھیں۔ ماسوائے ایک رات کے جس میں انہیں اپنی اہلیہ صفیہ بنت ابوعبید کی وفات کی اطلاع ملی۔ تو آپ گھر سے نکل کر اس کی طرف گئے اور دو نمازیں ملا کر پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے دو نمازیں ملا کر نہ پڑھیں مگر ایک بار یا دو بار۔ اور ترمذی کی حدیث میں لائے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عبداللہ ایک رات میں دو نمازیں ملا کر پڑھتے تھے۔ یعنی سفر کے دوران۔ فرمایا ایسا آپ نے ماسوائے مزدلفہ کے کبھی نہ کیا۔ اور جمع تقدیم میں صحاح ستہ میں بہت کم احادیث آئی ہیں۔ بخاری کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے آئمہ جمع تقدیم کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات

کے اندر۔ احناف کے نزدیک اس کی بھی یہ تاویل ہے کہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ پہلی نماز کو موخر کیا جائے اور اس کے آخر وقت میں پڑھا جائے۔ اور بعد والی نماز کو جلدی اور اول وقت میں پڑھا جائے۔ بعض نے اس کا نام جمع صوری رکھا ہے۔ اور یہ صورت و ظاہر میں جمع ہے۔ معنی اور حقیقت میں جمع نہیں۔ جمع کا اطلاق اس طرح کی صورت پر ہے۔ حنفیہ نے سفر کی حالت پر محمول کیا ہے۔ باب استحاضہ میں حضرت حمنہ بنت جحش کی حدیث میں آیا ہے۔ جیسا کہ گزرا اور حدیث کا لفظ بعض روایات میں اگرچہ اس طرح آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو ملایا اور عصر کے وقت میں پڑھا۔ تو اس روایت کے صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں مذکورہ دلائل کے پیش نظر یہ بھی جمع صوری پر محمول ہوگا۔ جامع الاصول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی کہ جب آپ سفر میں ہوتے تو سورج ڈوبنے کے بعد شفق غائب ہونے کے نزدیک سفر کرتے رہتے پھر نیچے اترتے اور نماز مغرب پڑھتے اور کھانا طلب فرماتے۔ اور تناول فرماتے پھر نماز عشاء ادا کرتے پھر چل پڑتے۔ اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ امام محمد نے موطا میں کہا حتی غاب الشفق یہاں تک کہ شفق غائب ہو جاتی اور جامع الاصول میں ابو داؤد کی حدیث جو نافع اور عبداللہ بن واقد سے مروی ہے۔ نقل کی۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے موذن نے کہا الصلوٰۃ نماز کا وقت ہو گیا ہے اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا چلتا رہ۔ یہاں تک کہ شفق (زردی یا سفیدی) غروب ہونے کے قریب ہو گئی۔ تو آپ سواری سے اترے اور نماز مغرب پڑھی۔ پھر انتظار میں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ شفق غائب ہو گئی تو آپ نے نماز عشاء پڑھی اور فرمایا جب کسی کام کی ۔۔۔ ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ جیسا کہ میں نے کیا۔ اور نسائی کی روایت میں آیا ہے کہ جب شفق آ خر ۔۔۔ یہ وہ روایات ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے طریقہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کو ظاہر کرتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دو نمازیں ۔۔۔ ایک وقت میں جمع نہ کرنے اور جمع یعنی آخر وقت تک تاخیر کرنے دونوں کے بارے میں روایات وارد ہیں۔ امام نے جمع نہ کرنے یا جمع اخیر کا احتیاطاً اختیار فرمایا۔ تاکہ نماز کے وقت کی حفاظت ہو سکے۔ روایات جمع کے تردد و انکار کی بنا پر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا۔ شافعیہ کے نزدیک بھی ملا کر نہ پڑھنا افضل ہے اور ایک روایت میں امام مالک سے بھی آیا ہے کہ ملا کر پڑھنا مکروہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بیان جواز کے لیے تھا۔ اس مقام کے مناسب یہ ہے وہ کلام جو خدا کے ملک علام کی توفیق سے میسر آیا۔ میں نے شارحین میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے اس بارے میں اس حد تک کلام کیا ہو۔ یہاں تک کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسی تحقیق انیق بسیر و تمام ذکر کرتے۔ واللہ اعلم۔

یہ کلام مسافر کے دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے متعلق تھا۔ باقی رہا مقیم تو ترمذی نے کہا بعض تابعین بیمار کے لیے ملا کر پڑھنے کے قائل ہوئے ہیں اور احمد و اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ بعض بارش کے عذر کے باعث بھی جمع کے قائل ہیں۔ امام شافعی امام احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں۔ بیماری کے عارضے کے باعث ملا کر پڑھنے کے امام شافعی قائل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جس نے دو نمازوں کو بلا عذر ملا کر پڑھا بے شک وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں داخل ہوا۔ اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ سفر یا عرفہ کے علاوہ کہیں بھی دو نمازوں کو ملا کر ایک وقت میں نہ پڑھا جائے۔ یہ ترمذی کی عبارت ہے

احناف کے نزدیک کسی عذر سے بھی جمع کرنا جائز نہیں ۔ اگر اس بارے میں کوئی چیز ثابت و صحیح سامنے آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی اور تاویل وہی ہے جو بیان کی گئی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۱۲۳۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ناقہ مبارک رو بقبلہ کر کے تکبیر کہتے ۔ پھر نماز پڑھتے ۔ سواری کا رخ جس طرف بھی ہوتا ۔ (ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ رکاب ہے را کی زیر سے یعنی اونٹ ۔

۱۲۳۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی کام بھیجا جب میں آیا تو آپ اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے تھے جن کا رخ مشرق کی جانب تھا ۔ اور آپ سجدے میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکتے تھے ۔ (ابوداؤد)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۳۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِهٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدُ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَاِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهٗ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابو بکر بھی اسی طرح ان کے بعد حضرت عمر نے بھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں ایسا ہی کیا ۔ پھر حضرت عثمان منیٰ میں چار رکعت پڑھتے تھے یعنی منیٰ میں قصر نہ کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب امام کے

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ساتھ پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے یعنی قصر کرتے۔ (بخاری ومسلم)

۱ یعنی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حج کے لیے آئے اور منیٰ میں پہنچے چونکہ وہ مسافر تھے اس لیے انھوں نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔

۲ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے اوائل خلافت کے چھ یا آٹھ برس تک منیٰ میں دو رکعت پڑھتے رہے۔

۳ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

۴ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو پڑھتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چار رکعت پڑھنے یعنی منیٰ میں قصر نہ کرنے کی علماء نے بہت سی وجہیں بیان کی ہیں ہم نے انہیں شرح (لمعات) میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے قریب تر وجہ یہ ہے کہ موسم حج میں کافی تعداد میں دیہاتی اور بدوی وغیرہ جو شرعی احکام کی تفصیلات سے واقف نہ تھے، جمع ہو لیے ہوتے تھے۔ تو یہ جتانے کے لیے کہ اصل نماز چار رکعت ہی ہے، چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اگر قصر کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے تو اندیشہ تھا کہ ناواقف لوگ یہ خیال کر لیتے کہ اصل نماز ہی دو رکعت ہے اور اس طرف ان کا ذہن نہ جاتا کہ دو دو رکعتیں تو عارضہ سفر کی وجہ سے پڑھی جا رہی ہیں۔ بعض نے کہا شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ امن و بے خوفی کی حالت میں قصر جائز نہیں۔ بلکہ قصر کی اجازت حالت خوف و ڈر کے ساتھ مقید ہے۔ جس طرح قرآن کا ظاہر مفہوم ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق ہو گئے تھے کہ قصر کرنا یا پوری نماز پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ کہ قصر رخصت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کی غرض سے رخصت کو اختیار کیا۔

۱۲۷/۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ (اوائل زمانہ نبوت میں سفر و حضر میں) نماز دو رکعت ہی فرض تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں۔ حالت سفر میں نماز اپنے پہلے فرض پر ہی چھوڑ دی گئی[۱]۔ زہری فرماتے ہیں میں نے حضرت عروہ سے کہا حضرت عائشہ کا کیا حال ہے کہ وہ سفر میں بھی چار رکعتیں ہی پڑھتی ہیں۔ حضرت عروہ نے کہا حضرت عائشہ نے تاویل کی ہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی ہے[۲]۔ (بخاری ومسلم)

۱ یعنی نماز سفر کو فریضہ اولیٰ پر ہی کہ دو رکعت ہے، چھوڑ دیا گیا اور اقامت کی حالت میں رکعات کی تعداد زیادہ

کردی گئی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ زیدت فی الحضر یعنی حالت اقامت میں رکعات کی تعداد زیادہ کردی گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی طرف سے چار رکعت کا حکم آنے کے بعد سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہیں ہے بلکہ اصل حکم وہی رکعتوں کا ہے۔ لہٰذا سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہ ہوگا۔ اور یہ بات مذہب حنفی کی موید ہے۔

سلہ یعنی چار رکعتیں پڑھنے میں حضرت عثمان نے تاویل سے کام لیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاویل میں بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تاویل کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں حضرات سفر میں قصر کرنے ذکر نے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۱۲۷۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالے نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت اقامت میں چار رکعت سفر میں دو رکعت اور حالت خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے[1] (مسلم)

سلہ سلف کے ایک گروہ نے اس حدیث کے ظاہر ترجمہ لیا ہے مگر جمہور علماء نے اسے اس پر حمل کیا ہے کہ حالت میں جب مقتدی امام کیساتھ ایک ہی رکعت ادا کرتا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک ہی رکعت کا اعتبار کیا اور فرمادیا کہ اس حالت میں نماز ایک رکعت ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ اور نتیجہ وہاں ظاہر ہوگا جب نماز خوف ۔ فوت ہو جائے تو ایک رکعت قضا کرے یا دو رکعت ظاہر جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ جب فرض ایک ہی رکعت ہو تو دوسری رکعت کس لیے پڑھے گا۔ اس کی پوری تفصیل نماز خوف کے باب میں آرہی ہے۔

۱۲۷۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت نماز مقرر فرمائی۔ اور یہ مکمل نماز ہے ناقص نہیں[1]۔ اور سفر کی حالت میں وتر سنت بن جاتے ہیں[2] (ابن ماجہ)

سلہ یعنی ثواب میں ناقص اور کم نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ سفر میں دو رکعت نماز ہی شروع ہے۔ نہ یہ کہ چار رکعتیں تھیں مگر سفر کی وجہ سے دو رکعتوں پر ہی مختصر کردی گئی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ اس کی قائل ہیں۔ اگرچہ قرآن میں بظاہر قصر کا

لفظ اس کے لیے آیا ہے۔

سے یعنی بحالت سفر ترک نماز اسلام و شریعت کا وہ طریقہ ہے جس پر چلنا چاہیے۔ سفر میں اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ جس طرح نوافل چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ورنہ وتر اگر واجب ہیں تو سنت نہیں ہو سکتے۔ اور اگر سنت ہیں تو پھر سفر و حضر دونوں حالتوں میں سنت ہی ہوں گے پھر سفر کی تخصیص کس لیے ہے۔

۱۲۳۳ / ۱۹ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِيْ مِثْلِ مَا يَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَ الطَّائِفِ وَفِيْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَ عُسْفَانَ وَفِيْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَ ذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ بے شک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مکہ اور طائف[1] کے درمیانی فاصلے کی مقدار مسافت میں قصر نماز پڑھتے تھے اور مکہ اور عسفان[2] جتنے فاصلے میں بھی اور مکہ اور جدہ[3] جتنی مسافت میں بھی قصر کرتے تھے۔ مالک فرماتے ہیں کہ یہ چار برید[4] مسافت ہے۔ (موطا)

سلہ اس سے مکہ اور طائف کا وہ درمیانی راستہ مراد ہے جو مختلف بستیوں میں سے گزر کر جاتا ہے اور وادی نعمان کا راستہ جو پہاڑ میں سے جاتا ہے وہ تو بالکل قریب ہے۔

سلہ عسفان عین کی پیش اور سین ساکن مکہ و مدینہ کے درمیان مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

سلہ جُدّہ جیم کی پیش سے۔ اور عوام میں جیم کا زبر سے مشہور ہے۔

سلہ اصل میں لفظ بُرُد دو پیشوں کے ساتھ ہے۔ یعنی امام مالک نے کہا کہ یہ چار برید مسافت ہے یعنی اڑتالیس فرسخ اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ میل اتنی مسافت کو کہتے ہیں جہاں تک نگاہ کام کرے۔ بعض نے کہا میل اتنی مسافت کو کہتے ہیں کہ ہموار زمین پر نظر ڈالے تو یہ معلوم نہ کر سکے کہ دکھائی دینے والا مرد ہے یا عورت، اور یہ کہ وہ آرہا ہے یا جا رہا ہے اور بعض نے کہا کہ چھ ہزار ہاتھ مسافت کو میل کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ایک میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا تین ہزار گز اور ایک گز چوبیس انگل کی چوڑائی ہیں۔ بعض نے کہا آدمی کے بارہ ہزار قدم کی مسافت کو ایک میل کہتے ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کا ظاہر اس میں ہے کہ ان تینوں جگہوں کی مسافت برابر ہے مگر امر واقع یہ ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان مسافت باقی دونوں جگہوں سے زیادہ ہے۔ مگر یہ کہ حدیث میں مکہ اور جدہ کی درمیانی مسافت کی طرف اشارہ ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب و سنت سے مسافت سفر ثابت نہیں۔ بلکہ مطلق سفر ثابت ہے اور بہت سے وہ سفر جن میں قصر واقع ہوئی مختلف مسافتیں رکھتے ہیں۔ بعض قریب اور بعض دور جیسا کہ باب میں وارد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء اپنے اپنے اجتہاد و استنباط کی وجہ سے آپس میں

مختلف ہیں۔ امام شافعی سے ایک ... ن کی تعیین کی ہے اور ایک دوسری روایت میں دو دن کی۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور حاوی میں جو امام شافعی کے مذہب کی کتاب ہے۔ اٹھارہ فرسخ کی تعیین کی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا مذہب یہی ہے کیونکہ احادیث میں چار برید کا ذکر آیا ہے اور وہ اٹھارہ فرسخ بنتے ہیں مگر ان احادیث کی صحت میں کلام ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اونٹ پر یا پیدل تین دن رات کی مسافت معین فرمائی ہے۔ امام ابو یوسف نے دو دن اور تیسرے دن کے اکثر حصے کی مسافت متعین کی ہے کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔ ان کا مذہب زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اور اصحاب ظواہر مطلق سفر مراد لیتے ہیں۔ لمبا ہو یا تھوڑا سفر، شرح میں اس کی تحقیق کر دی گئی ہے۔

۱۲۴۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت براء سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیے ہیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ جب سورج ڈھل جاتا تو آپ نے ظہر سے پہلے دو رکعتیں ترک کی ہوں[1] (ابو داؤد) (ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ ان سے ظہر سے پہلے دو سنتیں مراد ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حضور کے سنتیں پڑھنے سے انکار کرنا معتبر نہیں ہے کیونکہ ان سے مروی روایات میں اختلاف و اضطراب ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پڑھی ہوں اور کبھی نہ پڑھی ہوں۔ پس حضرت براء بن عازب کو پڑھتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور حضرت ابن عمر کو نہ پڑھتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعض کہتے ہیں یہ دو رکعت مطلق دو نفل تھے۔ نہ کہ مؤکدہ سنتیں مگر یہ قول بعید ہے۔ ما فرض سفر میں فرض کے سوا اور نماز پڑھنے میں روایات مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲۴۵ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ

رَوَاهُ مَالِكٌ

حضرت نافع سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتا دیکھتے تو اس پر انکار نہ کرتے۔[1] (مالک)

[1] گزشتہ ایک حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت ابن عمر نے ایک گروہ کو دیکھا کہ سفر میں فرض کے علاوہ اور نماز بھی پڑھ رہے ہیں تو ان پر انکار فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ کے نزدیک دونوں صورتیں جائز تھیں مگر ایک مقام میں کسی مصلحت کے تحت انکار فرمایا۔ دوسرے مقام میں تسلیم کیا انکار نہ فرمایا۔ یا آپ نے مؤکدہ سنتوں اور نوافل میں فرق کیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا باب

لفظ جمعہ میں مشہور جیم اور میم کی پیش ہے۔ مگر میم ساکن سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ اعمش کی قراءت ہے۔ فراء سے میم کی زبر اور زجاج سے اس کا کسرہ بھی مروی ہے۔ اس دن کو زمانہ قدیم میں عروبہ کہتے تھے۔ عین کی زبر سے۔ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام مخلوق کی پیدائش اور اس کی تکمیل جمعہ کے دن میں ہوئی۔ اس جہان رنگ و بو کی پیدائش کا آغاز اتوار کے روز سے ہوا تھا۔ یہ وجہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے دنوں کی تعیین اور ان کے نام مقرر ہو چکے تھے تاہم یہ وجہ اشکال سے خالی نہیں۔ فافہم۔ بعض نے اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے اجزاء جمع ہوئے اور پھر اسی دن میں ان کی تکمیل ہوئی یا اس لیے اس دن کو جمعہ کہتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے کام اکٹھے ہوئے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا، آپ کا زمین پر آنا اور قیامت کا قائم ہونا جیسا کہ احادیث میں ہے۔ بعض نے کہا اس دن میں کعب بن لوئی لوگوں کو جمع کرتا، انہیں پند و نصیحت کرتا۔ انہیں حرم بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا کرتا اور حرم پاک سے نبی آخر الزماں کے تشریف لانے کی انہیں خبریں یاد کراتا تھا۔ بعض نے کہا لوگوں کو قصیؔ جمع کیا کرتا تھا۔ بعض نے کہا اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہ اس کا اسلامی نام ہے۔ جاہلیت میں اس کا نام عروبہ تھا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ عروبہ قدیم جاہلی دور کا نام ہے۔ پھر دور جاہلیت میں ہی عروبہ بدل کر اس کا نام جمعہ رکھ دیا گیا۔ جیسا کہ ہفتہ کے دوسرے ایام کا معاملہ ہے کہ قدیم دور جاہلیت میں ہفتہ کے دنوں کے نام یہ تھے۔ اول۔ اہون۔ جبار۔ دبار۔ مونس۔ عروبہ۔ شیار۔ جمعہ کے دن کو دور جاہلیت میں بھی شرف امتیاز اور اعتبار و اہمیت حاصل تھی۔ دور اسلام میں اسے مزید شرف و فضیلت حاصل ہوئی اور اسے خصوصی عزتوں اور برکتوں سے خاص کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۲۷۴ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم زمانہ اور پیدائش کے اعتبار سے ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گے۔ ماسوائے اس کے کہ

وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی[1] اور ہمیں ان کے بعد دی گئی۔ لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں۔ پھر یہ یعنی جمعہ کا دن ان کا دن بھی تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا وہ اس میں اختلاف کر بیٹھے[2] ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دے دی[3]۔ اس میں لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل ہیں اور عیسائی پرسوں ہیں

(بخاری و مسلم).

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ بَيْدَ اَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ہم پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن آگے جنت میں ہم ہی پہلے جائیں گے اس کے سوا الخ اور اس کی دوسری روایت میں انہیں سے اور حضرت حذیفہ سے ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ ہم دنیا والوں میں پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے کہ ہمارا فیصلہ مخلوق سے پہلے ہوگا۔

[1] یعنی حشر و حساب میں شرف و بلند درجات حاصل کرنے اور جنت میں پہنچنے میں سب سے سبقت لے جائیں گے یا فضیلت جمعہ سے سرفراز ہونے میں سب سے سبقت لے گئے ہیں۔

[2] ماسوا اس کے کہ کتاب والوں یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کو کتاب ہم سے پہلے دے دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب (قرآن) دی گئی یہ درحقیقت فضیلت و شرف کا موجب ہے کیونکہ بعد آنے والی کتاب پہلی کتابوں کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قول مبارک نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ بھی بیان فضیلت کے لیے ہے۔ صرف تمہید کے طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور لفظ بَيْدَ باکی زبر یا ساکن سے بمعنی غیر آتا ہے۔ اس میں مَيْدَ میم سے بھی ایک لغت ہے۔

[3] واضح ہو کہ شارحین حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہود و نصاریٰ پر جمعہ فرض کرنے

کا کیا مطلب ہے اور اس میں ان کے اختلاف کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن بعینہٖ ان پر عبادت فرض کی تھی، اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس دن سب جمع ہو کر اس کی عبادت بجا لائیں۔ جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ ہیں۔ تو انہوں نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور حکم کی بجا آوری کے بجائے اس میں سرکشی کے مرتکب ہو گئے۔ جس طرح کہ سرکشی اور نافرمانی کرنا ان کی عبادت تھی اور جمعہ کے بجائے یہود نے ہفتہ کا دن پسند کیا، اور جمعہ کے دن عبادت الٰہی بجا لانے میں ٹال مٹول کرنے لگے۔ اس وجہ سے کہ جمعہ کا دن اس جہان کے خاتمے کا دن ہے۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا۔ اس لیے کہ وہ اس جہاں کے پیدا کرنے کا دن ہے۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو حکم دیا گیا اور پابند کیا گیا کہ وہ اس افضل دن کو اپنے غور و فکر سے تلاش کریں اور اپنی رائے اور قوت اجتہاد سے اس کی تعیین کریں اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں ایک دن معین کیا ہے جس میں تم لوگ دنیوی کام کاج سے فارغ رہ کر اس کے ذکر و فکر اور عبادت میں مصروف رہو۔ اور اس دن کو اپنی قوت فکر و اجتہاد سے تلاش کرو۔ اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی کہ اس دن کو معلوم کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ تو یہود نے جمعہ کے بجائے ہفتہ کا دن معین کیا۔ اور کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا۔ اور خلق کائنات کا کام ختم کیا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ مشغولیت، کام کاج اور دنیوی اشغال سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں اور نصاریٰ نے اتوار کے دن کو معین کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے پیدا کرنے کی ابتدا اسی دن سے کی تھی۔ لہٰذا یہ دن کمالات اور نعمتوں کا مبدا ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق کو فیض پہنچانے اور ان پر انعام کرنے کی جانب متوجہ ہوا پس یہ دن تعظیم بجا لانے، عبادت کرنے اور نعمتوں کی شکر گزاری کے زیادہ لائق ہے۔ مگر ان دونوں گروہوں نے اس میں خطا کی۔ اور اس مقصد کے لیے وہ دن نہ پا سکے جو علم الٰہی میں ان کے لیے تھا۔ اور وہ جمعہ کا دن تھا اور طریق عبادت میں صحیح وقت پانے سے گمراہ ہو گئے۔

سلہ یہاں بھی دونوں وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ وجہ اول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنے امر کی بجا آوری کا راستہ بتلا دیا۔ انہیں گمراہ ہونے، انکار و سرکشی اور ٹال مٹول سے بچا لیا جس طرح کہ اگلی امت کی جو خیر الامم ہے، علامت ہے۔ بعض کہتے ہیں اہل مدینہ نے ان حضرات کو جمع کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف پہنچنے اور آیت جمعہ کے نزول سے پہلے مشرف با اسلام ہو چکے تھے۔ اور ان سے کہا کہ یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے۔ ہمیں بھی ایک دن معین کرنا چاہیے جس میں ہم لوگ جمع ہوا کریں اور عبادت الٰہی بجا لایا کریں۔ تو انہوں نے یوم عروبہ کو اس مقصد کے لیے معین کیا پھر قرآن پاک بھی اس کی موافقت میں نازل ہو گیا۔ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ جسے شیخ ابن حجر نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ

سے ذکر کیا اور اس کی وجہ تعلیل بھی ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور آدم جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ اس لیے عبادت بھی اس دن میں بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں ان تمام چیزوں کو پیدا کیا جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور جمعہ کے دن ذات انسان کو پیدا کیا تو نعمت وجود جو تمام باقی نعمتوں کی اصل بنیاد ہے اکا شکر ان تمام نعمتوں سے جو انسان کی ذات سے خارج ہیں، زیادہ ضروری زیادہ مناسب و لائق ہے۔ واللہ اعلم۔

لہ یعنی یہود و نصاریٰ جمعہ کے دن میں ہمارے تابع ہیں۔

سہ یعنی یہود کا تو جمعہ سے اگلا دن ہے یعنی ہفتہ اور نصاریٰ کا اس سے اگلا دن یعنی اتوار تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ فضیلت اور قبول طاعت میں ہم سے پیچھے ہیں کہ وہ اس سے محروم رہے۔ بعض نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ ہفتہ کے سات دنوں میں پہلا دن ہے۔ مگر لوگوں کے عرف و زبان میں اس کے خلاف مشہور ہو چکا ہے۔ اس حقیقت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں کو جمعہ کہتے ہیں۔ جس طرح یہود ہفتہ کے دن کو سبت کہتے ہیں۔ امام سیوطی نے کہا کہ اگرچہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے پیچھے ہے مگر جب بھی یہ تین دن ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار جمع ہوں تو پھر جمعہ پہلے آتا ہے۔ اسے سمجھو۔

سہ یعنی السابقون الاولون کے بجائے نحن الآخرون الاولون آیا ہے۔ دوسرے یہ الفاظ زیادہ کئے۔ ونحن اول من یدخل الجنۃ یعنی جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے ہم ہوں گے۔

سہ ان دو حدیثوں میں لفظ حقیقت کی وضاحت ہو گئی ہے۔

۱۲۴۴/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن[1] ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے[2]۔ اس دن میں حضرت آدم جنت میں داخل ہوئے۔ اسی میں اس سے نکالے گئے[3]۔ اور قیامت نہ قائم ہو گی مگر جمعہ کے دن[4]۔

(مسلم)

لہ یعنی جمعہ پہلا دن ہے جو ظہور آفتاب سے ظہور پذیر ہوا۔ یا پہلا دن جس میں اہل زمانہ پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اور اس صفت کے ذکر کرنے سے مقصود عمومیت بیان کرنا ہے۔ کیونکہ کوئی دن نہیں جس میں سورج طلوع نہ ہوتا ہو۔

سے ۲ یعنی ان کی خلقت مکمل ہوئی۔

سے ۵ روایات میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی صبح کو پیدا ہوئے پیشی کے وقت جنت میں داخل ہوئے۔ اور عصر کے وقت اس سے باہر نکال دیے گئے۔

سے ۶ اس سے مراد نفخہ اول ہے جو بے ہوشی اور ہلاکت کے لیے ہوگا یا نفخہ ثانیہ مراد ہے جو زمین سے مردوں کے اٹھانے کے لیے ہوگا۔ اور یہ دونوں جمعہ کے دن ہوں گے۔ جیساکہ آگے آرہا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جمعہ کے دن میں پیدا ہونے پھر اسی دن جنت میں داخل ہونے میں تو جمعہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے مگر جمعہ کے دن جنت سے نکلنے میں جمعہ کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا انبیاء و اولیاء کے وجود کا سبب بنا نیز آپ کا دنیا میں تشریف لانا لاتعداد حکمتوں اور برکتوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے روز فوت ہوئے اور آپ رب العالمین کے جوار رحمت میں جا پہنچے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خداتعالیٰ کی نعمتوں پر اظہار شکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ۔ (خداتعالیٰ وہ ذات ہے جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اسی طرح قیامت کا قائم ہونا دخول جنت کا سبب ہے اور اہل تقویٰ کے لیے خداتعالیٰ کے وعدوں کے ظہور کا دن ہے یا اس سے بڑے بڑے کاموں کا بیان مقصود ہے جو اس دن میں واقع ہوں گے۔ اس حدیث میں عرفہ کے دن سے بھی جمعہ کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرفہ کا دن جمعہ کے دن سے افضل ہے۔ فصل ثانی میں حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ جمعہ دنوں میں افضل دن ہے۔ اس تقدیر پر احتمال ہے کہ عرفہ جمعہ سے افضل ہو یا اس کے برابر یا اس سے ادنیٰ جمعہ واللہ اعلم۔

۱۲۶۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ نہیں موافقت کرتا جو مسلم کہ اس میں اللہ سے خیر مانگتا ہے مگر اللہ اسے دے دیتا ہے۔[1]

(بخاری و مسلم)

وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِیَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّیْ يَسْاَلُ اللّٰهَ خَيْرًا

اور مسلم نے یہ معنی زیادہ کیا کہ وہ چھوٹی سی گھڑی ہے[2] اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے فرمایا بے شک جمعہ کے دن میں البتہ ایک گھڑی ہے نہیں پاتا اسے بندہ مسلم جو کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے[3]

اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ . | اس میں اللہ سے خیر مانگتا ہے مگر اللہ اسے عطا کر دیتا ہے۔

۱؎ یعنی حرام اور ناپسندیدہ چیز کے لیے دعا نہیں کرتا۔
۲؎ یعنی اس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے۔
۳؎ نبی نہیں۔
۴؎ یاد عا کرتا ہے اور دعا مانگنے میں ہیشگی اور دوام کرتا ہے۔ لہٰذا یہاں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے یا دعا۔

۱۲۶۳ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ شَاْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ هِیَ مَا بَيْنَ اَنْ يَّجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوةُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو بردہ بن ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی گھڑی کی شان میں فرماتے سنا۔ کہ وہ گھڑی امام کے بیٹھنے[۱] سے اس کے نماز پوری کرنے تک کے وقت میں ہے[۲]۔ (مسلم)

۱؎ یعنی منبر پر بیٹھنے سے نماز پڑھنے تک۔ اور طیبی نے بیٹھنے سے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مراد لیا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ باہر نکل کر منبر پر بیٹھنا مراد ہے۔

۲؎ واضح ہو کہ اس گھڑی کی تعیین میں بہت اقوال ہیں جو قریباً چالیس تک پہنچتے ہیں۔ ہم نے انہیں شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ زیادہ راجح اور قوی تر دو قول ہیں۔ ایک خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک دوسرا جمعہ کے دن کی آخری گھڑی۔ فتح الباری میں کہا ان دو اقوال کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ وہ یا تو ان دو کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یا ضعیف الاسناد ہیں یا اجتہاد سے انہیں مستنبط کیا گیا ہے اور جو لوگ ان کے قائل ہیں وہ شرح سے سند اور واقفیت حاصل کیے بغیر ہیں۔ اکثر علماء ان دو میں سے آخری قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام احمد نے کہا اکثر احادیث اسی جانب ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا اس باب میں ثابت ترین حدیث حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اکثر ائمہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور اس گھڑی کو متعین تسلیم کیا گیا ہے اور ابو موسیٰ کی حدیث اگرچہ صحیح مسلم میں ہے مگر اس کے اسناد میں کلام (اعتراض) ہے اور ان گھڑیوں میں سے ہے جو صحیح مسلم کی بعض احادیث میں واقع ہیں۔ بندہ ضعیف (شیخ عبدالحق عفا اللہ عنہ) کہتا ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا وعلی سائر اہل بیت النبوۃ اپنی خادمہ کو مقرر کرتی تھیں کہ وہ روز جمعہ کی آخری ساعت کی انتظار کرے اور

اس کی نگہداشت کرے تاکہ آپ اس میں ذکرِ الٰہی اور دعا کیا کریں۔ واللہ اعلم۔

بعض نے کہا یہ گھڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی۔ اس کے بعد اٹھائی گئی۔ یعنی اس کی خاصیت اٹھائی گئی۔ ابن عبدالبر نے یہ قول ایک جماعت سے نقل کیا ہے مگر اسے کمزور قرار دیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ گھڑی اب بھی باقی ہے مگر مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَى الطُّوْرِ فَلَقِیْتُ كَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِیْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُسِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِیْنِ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِیْهَا سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ یَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں طور کی طرف گیا تو حضرت کعب احبار سے ملا۔ اور ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے مجھے توریت کی باتیں سنائیں۔ اور میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جو حدیثیں میں نے ان کو سنائیں ان میں یہ بھی تھا کہ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی میں زمین پر اتار گئے گئے اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اسی میں انہوں نے وفات پائی۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ ایسا کوئی جانور نہیں جو جمعہ کے دن آفتاب نکلنے تک قیامت کا ڈرتے ہوئے منتظر نہ ہو۔ سوائے جن و انس کے۔ اور اسی میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جسے کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے نہیں پاتا کہ اللہ سے کچھ مانگے مگر اللہ تعالیٰ اسے دے دیتا ہے کعب احبار بولے یہ ہر سال میں ایک

فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهُ بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبِ الْأَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهُ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ قَالَ عَلِمْتُ أَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُونُ آخِرَ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلَى قَالَ فَهُوَ

بارے میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں ہے۔ تو کعب احبار نے تورات پڑھی تو بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں عبداللہ بن سلام سے ملا اور انہیں کعب احبار کے پاس بیٹھنے اور جو کچھ میں نے ان سے جمعہ کے بارے میں گفتگو کی سنائی میں نے کہا کہ کعب بولے یہ ہر سال میں ایک دن ہے عبداللہ بن سلام نے کہا کہ کعب نے غلط کہا تب میں نے ان سے کہا پھر کعب نے تورات پڑھی تو فرمایا بلکہ وہ ہر جمعہ میں ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ کعب نے سچ کہا پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی ساعت ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا وہ مجھے بتا دیجئے اور بخل نہ فرمائیے حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا۔ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اسے نماز پڑھتے ہوئے پائے۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ نماز کے انتظار میں بیٹھے وہ نماز پڑھنے تک نماز ہی میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ میں نے

ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوٰى اَحْمَدُ اِلٰى قَوْلِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ۔

کہا ہاں فرمایا وہ یہی ہے۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور احمد نے صدق کعب تک روایت کی۔

سلہ یعنی کوہ طور کی طرف گیا۔

سلہ۲ آپ یہود کے دانشمندوں میں سے تھے۔ تابعی تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر ایمان لائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وصال فرمایا۔ احبار حبر کی جمع ہے حا کی زبر یا زیر یعنی یہود کا دانشمند۔

سلہ اور ان کی صحبت اختیار کی۔

سلہ اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ وہ ایک مشہور بات ہے۔ پھر جنت سے اترنا داخل ہونے کو لازم ہے۔

سلہ یعنی اسی دن اللہ تعالےٰ نے ان پر رحمت کی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی دن کے آخری حصہ میں انہیں زمین پر اتار دیا گیا۔ یا دوسرے جمعہ کو اتارا گیا۔ موافق روایت پہلی ہے۔

سلہ یہ از خود تعین ہے وفات کا دن اترنے کا دن نہ تھا اور اگر اس (آخرت) جہاں کا دن مراد ہو کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کردہ ہزار دن کے برابر ہوتا ہے)، اس دن کی طرف اشارہ ہو تو پھر ایک ہی دن میں مذکورہ سب کچھ ہو جانے کی گنجائش بھی ہے۔ اسے سمجھو۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں لفظ مُسِيْخَة میم کی پیش صاد کی زیر یا ساکن اور نقطہ والی خا یعنی کان لگاتا اور متوجہ ہوتا اور سین کے ساتھ بھی ایک روایت ہے معنی دونوں کا ایک ہے۔

سلہ قیامت صبح اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقفہ میں قائم ہوگی تو ہر جن وانس کے علاوہ باقی ہر جاندار چیز قیامت کے انتظار میں رہتی ہے کہ شاید قیامت اسی جمعہ قائم ہو جائے گویا خدا تعالےٰ نے جاندار چیزوں کو الہام کر دیا ہے کہ اس دن کے اس وقت میں قیامت قائم ہوگی اور اس دن کی عظمت اور اس کا ڈر بھی ان کے دلوں میں ڈال دیا ہے اور یہ معنی انکے باطن میں بیٹھا دیا اور پوشیدہ کرکے رکھ دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ جمعہ کے دن زمین میں بڑے بڑے عظیم کام ظاہر کرے گا جن کے سبب زمین لرزے اور گردش کرے گی اور جانور اسے محسوس کرکے بے ہوش ہو جائیں گے

سلہ کہ انسان اور جنات اس سے غافل ہیں بے خبر ہیں اور ان پر اس کا انکشاف نہیں کیا گیا تاکہ تکلیف

و آزمائش کا قاعدہ اور دستور درہم برہم نہ ہو جائے اور ایمان بالغیب کی حیثیت قائم رہے۔

سلہ اس حدیث میں لا یصادفھا لا یوافقھا کی جگہ آیا ہے اور شیئاً خیراً کی جگہ آیا ہے اور مصادفت کا معنی ہے کسی چیز کو پانا۔

سلہ یعنی میں نے حضرت کعب کی تردید میں کہا کہ ایسا نہیں کہ وہ گھڑی سال میں ایک بار آتی ہے۔ بلکہ یہ جمعہ کے دن آتی ہے۔

سلہ۱۲ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن ہوتی ہے۔

سلہ۱۳ وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن آتی ہے۔

سلہ۱۴ حضرت عبداللہ بن سلام صحابی ہیں اور پہلے علمائے یہود میں سے تھے۔

سلہ۱۵ یعنی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے یا تورات پڑھنے سے انہیں معلوم تھی۔ ظاہر پہلا احتمال ہے۔

سلہ۱۶ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے۔

سلہ۱۷ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ حدیث کا وہی معنی ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھا ہو۔ اور یہ چیز آخر دن میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر اس وقت کوئی دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ بعض نے کہا یہاں صلوۃ سے دعا مراد ہے۔

سلہ۱۸ اور ان کا قول ثم قال عبداللہ بن سلام قد علمت تا آخر ذکر نہ کیا۔

۱۲۸۱/۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِيْ تُرْجٰى فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھڑی کو تلاش کرو جس کی امید جمعہ کے دن ہوتی ہے عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک سلہ۔ (ترمذی)

سلہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نماز عصر آخر دن تک پڑھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں مسئلہ اس طرح نہیں جو دوسرے ائمہ مذہب کہتے ہیں کہ عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے یعنی دن کا چوتھائی حصہ باقی رہنے تک کیونکہ دوسری حدیث میں واقع ہوا ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۸۲/۱۰ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ قَالَ يَقُولُونَ بَلِيتَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيرِ۔

نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم پیدا ہوئے اسی میں ان کی روح قبض کی گئی۔ اسی دن میں صور پھونکا جائے گا۔ اور اسی دن ہلاکت طاری ہوگی تو اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ بیشک تمہارا درود و سلام میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ یا راوی نے کہا کہ صحابہ نے کہا آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام طاہرہ کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

۱؎ اوس ہمزہ کی زبر اور واؤ ساکن۔ آپ صحابی ہیں۔ دمشق میں سکونت پذیر رہے اور وہیں وصال فرمایا۔

۲؎ حدیث میں لفظ صعقہ آیا ہے یعنی ہلاکت۔ اس میں اللہ سبحانہ کے قول مبارک۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اور صور پھونکا جائے گا تو ہلاک ہو جائے گی ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ پس اس نفخہ کے مقابلہ میں جو مذکور ہوتا ہے وہ نفخہ ثانیہ ہے نفخہ ثانیہ زندہ کرنے اور مردوں کو قبر سے اٹھانے کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ اور صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ایک نفخہ اور ہے جو گھبراہٹ اور خوف وہراس کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ اور یہ نفخہ ہلاکت کا پیش خیمہ ہوگا تو نفخے دو ہوں گے۔ بعض تین نفخوں کے قائل ہیں۔ مگر مشہور دو ہی نفخے ہیں۔ ایک ہلاکت کے لیے دوسرا زندہ کرنے کے لیے۔

۳؎ یعنی چونکہ روز جمعہ نہایت بابرکت اور عظیم الشان روز ہے اس لیے اس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔

۴؎ یعنی ملائکہ سیاحین کے ذریعے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

۵؎ یہ موت اور زوال ادراک سے کنایہ ہے۔

ﮯ یہ راوی کا شک ہے یعنی صحابہ کرام نے لفظ ارمت سے بلیت مراد لیا یا کی زبر لام کی زیر اور تا کی زبر سے) یعنی آپ قبر انور میں پڑانے اور بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ اُرمت کی تحقیق اور اس کے ضبط و تلفظ میں بڑا اختلاف ہے مشکوٰۃ کے اکثر تصحیح شدہ نسخوں میں اس کا تلفظ دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے ایک اَرَمْتَ یعنی ہمزہ کی زبر را کی زیر تا ساکن اور تا مخفف کی زبر بصیغہ ماضی معلوم۔ دوسری اُرِمْتَ یعنی ہمزہ کی پیش را کی زیر اور تا کی زبر بصیغہ مجہول یعنی جب آپ بوسیدہ کر دیے گئے ہوں گے اور لفظ بلیت سے اس کی تفسیر وجہ اول کے موافق ہے۔ مگر یہ کہ بُلیت بصیغہ مجہول تا ساکن سے ہو۔

ﮯ یہ زندگی اور حیات سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحۃً آرہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا بعد از موت زندہ رہنا بالکل متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کسی کا بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی حقیقی میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی حیات معنوی و روحانی نہیں جیسی کہ شہدا کی زندگی ہے اور اس حدیث میں جو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ تو وہ اسی جانب اشارہ ہے۔ اگرچہ اس باب میں کہ درود شریف کے پیش ہونے اور حصول ادراک کے لیے حیات روحانی بھی کافی ہے لیکن مذہب وہی جو بیان کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق بالغ اپنی کتاب تاریخ مدینہ مسمٰی بجذب القلوب الی دیار المحبوب میں کر دی گئی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۱۲۹۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰى يَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُوا اللّٰهَ بِخَيْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا يَسْتَعِيْذُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود یوم قیامت ہے اور یوم مشہود یوم عرفہ اور شاہد یوم جمعہ ہے۔ کسی دن پر جو جمعہ سے افضل ہو سورج طلوع و غروب نہیں ہوا۔ اس میں ایک گھڑی ہے بندہ مومن اسے نہیں پاتا اس حال میں کہ اس کے اندر خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہے مگر اللہ تعالے اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور کسی چیز سے پناہ نہیں لیتا مگر اس سے اللہ اسے پناہ دے دیتا۔

احمد، ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہم اسے نہیں جانتے مگر موسیٰ بن عبیدہ کی حدیث

مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ سے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

سلہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یوم موعود سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کی حق سبحانہ وتعالٰے نے خبر دی ہے اور جس کے آنے کے بعد مومنوں سے بہشت میں نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور یوم مشہود سے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) ہے کیونکہ اس دن تمام علاقوں کے مسلمان اور ملائکہ حاضر و موجود ہوتے ہیں مشہود بمعنٰی حضور ہے اور شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے کہ مخلوق اس میں حاضر ہوتی اور اس کے پاس آتی ہے تو یوم عرفہ کو مشہود اور جمعہ کو شاہد اس لیے کہا گیا کہ مخلوق عرفہ کی طرف آتی اور اس مکان میں حاضر ہوتی ہے جو اس دن سے منسوب ہے لہٰذا یوم عرفہ مشہود ہوا اور جمعہ کے دن لوگ اپنی اپنی جگہوں میں رہتے ہیں اور جمعہ ان کے پاس آتا ہے اس لیے وہ شاہد ہوا یعنی حاضر ہونے والا اور مفسرین نے لفظ شاہد کی تفسیر مخلوق سے بھی کی ہے کیونکہ مخلوق قیامت کے دن حاضر ہوگی۔ اور لفظ مشہود کی تفسیر اس چیز سے کی گئی ہے جس میں عجائبات کا مشاہدہ کیا جائے۔ یا شاہد سے پیغمبر اور مشہود سے امت خصوصًا یا عمومًا مراد ہے۔ یا یہ امت شاہد اور دوسری امتیں مشہود ہیں یا شاہد سے خالق و مخلوق مراد ہے کیونکہ خالق مخلوق کے حالات پر مطلع ہے اور مخلوق خالق کے وجود اور اس کی صفات پر شاہد گواہ ہے یا شاہد و مشہود سے عرفہ کا دن اور حاجی مراد ہیں یا روز جمعہ اور لوگ مراد ہیں یا شاہد و مشہود سے ہر دن اور اس میں رہنے والے لوگ مراد ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب تاویلات اس لفظ کے مختلف احتمالات ہیں جن پر اس لفظ کو محمول کرنا ممکن ہے۔ اس کی اصل تفسیر وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند اور منسوب ہے اگر یہ نسبت صحیح ہو۔ واللہ اعلم۔

سلہ عُبَیدہ میں ع کی پیش با کی زبر سے اور وہ ضعیف ہے یعنی یہ موسیٰ ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس کی طرف اور اس کی حدیث کی طرف ضعف کی نسبت کی گئی ہے۔ تاہم تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ نسائی وغیرہ نے کہا کہ موسیٰ ضعیف ہے۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہے۔ مگر اس کے بعض راویوں کی وجہ سے اس کی حدیث حجت نہیں۔ اور اس کی حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی وفات ۱۵۲ھ ہجری میں ہوئی۔ محدثین نے کہا ہے اس کی قبر سے کستوری و عنبر کی خوشبو مہکتی تھی۔ حالانکہ اس کے شہر ربذہ میں اس وقت وہاں مشک و عنبر کا بالکل وجود نہ تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۸۴ عَنْ أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ اِلَى الْاَرْضِ وَفِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَسْاَلُ الْعَبْدُ فِيْهَا شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْاَلْ حَرَامًا وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِيَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار تمام دنوں سے بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید فطر و عید بقر کے دنوں سے بڑا ہے۔ اس میں پانچ اوصاف ہیں، اللہ نے اس میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور اللہ نے اس میں حضرت آدم کو زمین کی طرف اتارا۔ اسی میں اللہ نے حضرت آدم کو وفات دی۔ اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں بندہ کوئی شے نہیں مانگتا مگر رب تعالیٰ اسے دے دیتا ہے۔ جب تک کہ حرام چیز نہ مانگے۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ دریا ایسے نہیں جو جمعہ کے دن سے خوف نہ کرتے ہوں۔[3]

وَرَوٰى اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔

ابن ماجہ اور احمد نے سعد بن معاذ سے یوں روایت کی کہ ایک انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجیے۔ کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ فرمایا اس میں پانچ صفتیں ہیں۔ اور آخر حدیث تک نقل کی۔

---

[1] لبابہ لام کی پیش، بائے اول مخفف ان کا نام رفاعہ ہے (راکی زیر سے) آپ مشہور صحابی ہیں ہم ان کے کچھ حالات آخر کتاب میں اہل بدر میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

[2] یہ حدیث جمعہ کی باقی دنوں پر افضلیت میں صریح ہے۔ البتہ یوم عرفہ کی تصریح نہ فرمائی۔ گویا یوم اضحیٰ کا ذکر یوم عرفہ کو متضمن ہے یا ہم یوم اضحیٰ کو یوم عرفہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[3] یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے اچانک آجانے سے خائف رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائیں

دریا پہاڑ زمین و آسمان سب کو قیامت کے آنے کا علم ہے اور انہیں اس کے جمعہ کے دن آنے کا علم دیا گیا ہے۔ اور سب کو علم و ادراک حاصل ہے۔ ؎

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

مٹی، پانی، ہوا، آگ سب اس کے بندے ہیں۔ تیرے اور میرے حق میں مردہ مگر اللہ کے حق میں زندہ ہیں

۱۲۸۵/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ قَالَ لِاَنَّ فِیْھَا طُبِعَتْ طِیْنَۃُ[1] اَبِیْکَ اٰدَمَ وَفِیْھَا الصَّعْقَۃُ[2] وَالْبَعْثَۃُ وَفِیْھَا الْبَطْشَۃُ[3] وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْھَا سَاعَۃٌ مَنْ دَعَا اللّٰہَ فِیْھَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا فرمایا اس لیے کہ اس میں تمہارے والد حضرت آدم کی مٹی جمع کی گئی[4] اسی میں بے ہوشی اور اٹھنا ہے۔ اسی میں پکڑ ہے اور اسی کی آخری تین گھڑیوں میں ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی۔ (احمد)

[1] یعنی اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ اور ان کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ علماء نے کہا ہے طُبِعَتْ طِیْنَۃُ اٰدَمَ سے انہیں درست کرنا اور انہیں ایک نئی صورت پر پیدا کرنا مراد ہے۔

[2] الصعقۃ ہلاک ہونا اور جاندار چیزوں کا مرنا۔ البعثۃ۔ یعنی مرنے کے بعد اٹھنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اوس کی حدیث میں صعقہ کے ساتھ جس نفخہ کا ذکر ہوا اس سے اٹھنا اور زندہ کرنا مراد ہے۔

[3] البطشۃ۔ علماء نے کہا اس سے روز قیامت مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی (جس دن ہم سخت قسم کی پکڑ کریں گے) صعقہ اور بعثہ کے بعد بطشہ کا ذکر تاکید کے لیے ہے۔ بطش یعنی سخت اور شدید قسم کی پکڑ اور اگر اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ پکڑ و گرفت مراد لی جائے جو بندوں کی ان کے حشر و بعث کے بعد ہوگی تو یہ بھی ٹھیک ہے بعض نے کہا اس سے بدر کے دن مشرکین کی پکڑ دھکڑ مراد ہے کہ یہ واقعہ بھی جمعہ کے روز ہوا تھا۔

[4] تعجب کہ اس دن میں یہ سب بڑے بڑے کام جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی بنا پر اس کا نام جمعہ رکھا گیا۔

۱۲۸۶/۱۱ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَّمْ يُصَلِّ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ یہ دن مشہور ہے یعنی اس میں فرشتے رحمت وبرکت لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور بے شک کوئی آدمی مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے[۱] یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو[۲]۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد بھی[۳] فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے[۴]۔ (ابن ماجہ)

۱؎ اور اس کا درود مجھ پر ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جمعہ کے دن جو سب دنوں سے افضل واشرف دن ہے۔ بطریق اولیٰ مجھ پر درود شریف پیش کیا جاتا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کامل طور پر درود شریف کا مجھ پر پیش ہونا لازم وضروری ہے اور یہ فضیلت اسی دن کے ساتھ خاص ہو۔ واللہ اعلم۔

۲؎ یعنی اس وقت تک کہ میرا امتی مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے۔ میرے اوپر پیش ہوتا رہتا ہے۔ جتنا جتنا پڑھتا جاتا ہے۔ میرے آگے پیش ہوتا رہتا ہے۔ تا آنکہ اس سے فارغ ہو جائے اور پڑھنا ترک کر دے۔

۳؎ یعنی میں نے بطور استفہام اور اس بات کو بعید جانتے ہوئے کہا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ پر درود پاک پیش کرتے ہیں۔

۴؎ یہ یا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا تتمہ ہے۔ یا تاکید کی غرض سے حدیث بیان کرنے کے بعد خود حضرت ابوالدرداء کا قول ہے۔ تاکہ آپ کی زندگی وحیات کی حقیقت کا اثبات کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے اور اس کی کثرت کی ترغیب دی جائے۔

۱۲۸۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوتا ہے مگر اللہ اسے فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے۔

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ

احمد۔ ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کا اسناد متصل

یستعمل۔

نہیں ملے

سلہ یہ یا تو راوی کا شک ہے۔ یا مدت کے دو بابرکت اوقات کا بیان ہے۔ دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے
سلہ اس حدیث کے اسناد کو امام سیوطی نے جمع الجوامع میں احمد بیہقی سے اور شیرازی سے القاب میں حضرت ابن عمر سے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر لگی ہوگی۔

۱۲۸۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَاَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اَلْاٰيَةَ وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم آخر تک پڑھی آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اسے عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری یعنی جمعہ اور عرفہ کے دن۔

ترمذی۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یہ آیت مبارکہ عرفہ کے دن حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا، اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں تمہارے لیے تمہارا دین، اسلام ہونے پر راضی ہو گیا۔

سلہ یعنی ہم لوگ اس آیت کے نزول اور اس دن کو جس میں یہ نازل ہوئی، نہایت خوشی اور شکرانہ نعمت کے طور پر عید بناتے۔ یعنی تعجب ہے کہ تم مسلمانوں نے اسے عید نہیں بنایا۔

سلہ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اسے عید بنایا ہے۔ کیونکہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی یعنی اس دن میں جس میں دو عیدیں جمع ہیں۔ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن۔ کیونکہ حجۃ الوداع کا دن جمعہ کا دن تھا۔ لہذا صرف ایک عید نہیں بلکہ اسے دو عیدیں قرار دیا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو عیدوں یعنی جمعہ اور عرفہ کو چھوڑ کر ہمیں صرف اسے عید بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسے سمجھ لو۔

۱۲۸۹ ۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب ماہ رجب داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اے اللہ ہمارے لیے رجب و

بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَّ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ

شعبان کو بابرکت بنا اور ہمیں ماہ رمضان تک پہنچا۔ اور آپ فرماتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن سفید اور روشن دن[1] ہے۔

(بیہقی دعوات کبیر)

[1] امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا شب جمعہ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے کیونکہ شب جمعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم پاک میں قرار پذیر ہوا۔ اور آپ کا ظہور نور دنیا و آخرت میں جن خیرات و برکات کا موجب بنا وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا باب

واضح ہو کہ جمعہ کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت شدہ فریضہ محکمہ ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ) سے نماز جمعہ یا اس کا خطبہ مراد ہے اور خطبہ کا وجوب جمعہ کے وجوب کو مستلزم ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر اللہ کا لفظ دونوں کو شامل ہے اور دونوں پر صادق آتا ہے اور جمعہ ظہر کا خلیفہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ بھیجا تھا تو آپ کو حکم دیا تھا کہ جب آفتاب دوپہر سے ڈھل پڑے تو لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — فصل اول

۱۲۹۰ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى

حضرت ابن عمر و ابوہریرہ دونوں سے روایت ہے بے شک ان دونوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کی لکڑیوں پر فرماتے سنا

أَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں۔ ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا۔ پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔[۲]

(مسلم)

[۱] یعنی اپنے منبر شریف پر۔ اس عبارت سے بظاہر تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول، اول منبر بنانے کو وہ حضرت نہ پہچانتے تھے۔ اور ابتدا میں ان کے اندر چند لکڑیاں ترتیب سے رکھ کر بطور منبر استعمال کرنا مروج تھا یا لکڑی کی صراحت یہ بتلانے کے لیے کی کہ منبر شریف لکڑی کا تھا پتھر یا اینٹ کا بنا ہوا نہ تھا۔

[۲] اور غافلوں میں شمار ہوں گے اور ان پر غافل ہونے کی گواہی دی جائے گی۔ اور ان پر غافل ہونے کا حکم جاری ہوگا اور وہ دائما حالت غفلت میں رہیں گے۔ یعنی ان دو باتوں میں سے ایک بات ضرور واقع ہوگی۔ یا ترک جمعہ سے باز آنا۔ یا ان کے دلوں پر مہر کا لگ جانا۔ اگر باز آ جائیں گے تو مہر نہ لگے گی۔ اور اگر باز نہ آئیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور دلوں پر مہر لگا دینا نہایت غفلت اور نصیحت و موعظت قبول کرنے کا دروازہ بند ہو جانے سے کنایہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۲۰۱ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضُّمَيْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَأَحْمَدُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ۔

حضرت ابوالجعد[۱] ضمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔[۲]

ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی اور مالک نے صفوان بن سلیم سے اور احمد نے ابو قتادہ سے روایت کی۔

[۱] جعد جیم کی زبر عین معجمہ ساکن۔ الضمیری ض کی پیش۔ میم کی زبر۔ یا ساکن۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے مگر صحیح اور درست ضمری ہے۔ یعنی ضاد کی زبر میم ساکن ضمرۃ بن بکر بن عبد مناۃ کی طرف نسبت ہے انکو شرف صحبت حاصل

ہے۔ جیسا کہ کتاب جامع الاصول میں مذکور ہے۔

ت۳ یعنی جمعہ کو معمولی، حقیر اور ہلکا جانتے ہوئے اسے ترک کر دے۔ ظاہر یہ ہے کہ تہاون سے یہاں اس کی ادائیگی میں سستی اور کوشش نہ کرنا مراد ہے۔ اس کی اہانت اور اسے ہلکا جاننا مراد نہیں کیونکہ یہ بلاشبہ کفر ہے۔ یہاں اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جمعہ کو سستی سے چھوڑنا گناہ عظیم ہے جو مہر اور زنگ اور کفر تک پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے۔

ت۴ رزین کی روایت میں آیا کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کہ خدا تعالےٰ اس بندے سے بیزار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے مسلسل کئی جمعے ترک کر دیے اس نے دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

ت۵ سُلیم سین کی پیش سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔

ت۶ آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اہل مدینہ سے ہیں۔ عبادت و ریاضت میں مشہور ہیں۔ اور نیک اور مقبولان الٰہی میں سے ہیں۔ جن کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے آپ کی پیشانی مبارک میں سوراخ ہو چکا تھا۔ آپ بڑے قناعت پسند تھے۔ کسی بادشاہ کا ہدیہ تحفہ قبول نہ کرتے تھے لکھتے ہیں کہ آپ نے قسم کھا رکھی تھی کہ چالیس سال تک پہلو زمین پر نہ رکھیں گے (نہ سوئیں گے) جب تیس برس گزر گئے تو آپ بیمار پڑ گئے اور حالت نزع کو پہنچ گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے عرض کیا پہلو زمین پر رکھیے، کہ وقت نازک ہے۔ مگر آپ نے پہلو زمین پر نہ رکھا۔ اور بیٹھے بیٹھے جان دے دی۔ آپ کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ آپ تقدیر کے زبردست قائل تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۹۲ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَهْ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ بغیر عذر کے ترک کیا[۱] چاہیے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر ایک دینار نہ ملے تو نصف دینار صدقہ کرے[۲]۔

(احمد۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

ت۱ یعنی ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود نہ تھا جن سے جمعہ ساقط ہوتا ہے اس کے باوجود اس نے جمعہ ترک کیا اور نماز ظہر پر اکتفا کی تو اسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے۔

سے ۵۲ اگر کہا جائے کہ یہ جمعہ کے فرض نہ ہونے کی علامت ہے کیونکہ فرض علم کی تلافی کفارہ سے نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے مگر اصل فرض نماز ظہر ہے مگر ہمیں حکم ہے کہ جمعہ کے یہے معتبر شرائط کی موجودگی میں جمعہ ادا کر کے نماز ظہر اپنے ذمہ سے ساقط کریں۔ اور جمعہ کے بجائے ظہر پر کفایت کرنا حرام ہے۔ یہ صدقہ اس فعل حرام کے کفارہ کے یہے ہے اور اس کوتاہی کی تلافی کے یہے ہے جو فرض کی ادائیگی میں اس سے سرزد ہوئی۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۹۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس کے ذمہ ہے جس نے اذان سنی [1]

(ابوداؤد)

[1] یعنی اذان سننے کے وقت جمعہ کی طرف جلد آنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مراد اذان اول ہے یا اذان خطبہ مختار قول اول ہے۔ بعض نے کہا قول ثانی مختار ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ دوسری اذان ہی تھی۔ اس کی تفصیل باب خطبہ و نماز میں آئے گی۔

۱۲۹۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس پر واجب ہے جسے اس کی رات اس کے اہل کے پاس ٹھکانا دے [1]۔ ترمذی نے کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔

[1] یعنی اس پر فرض ہے جو اپنے وطن میں اور اس جگہ ہو کہ جمعہ ادا کرنے کے بعد رات ہونے سے پہلے واپس اگر اپنے اہل و عیال میں رات بسر کر سکتا ہو اسے مسافت عدوی کہتے ہیں۔ بخلاف قصر کی مسافت کہ اس سے بندہ مسافر شمار ہوتا ہے طیبی رحمۃ اللہ نے کہا امام ابوحنیفہ کے اصحاب اس کے قائل ہیں بشرطیکہ اس کا وطن (جائے رہائش) شہر کی حدود میں ہو۔ جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہو۔ اور اگر اس کا وطن اس شہر کی حدود و مضافات میں سے نہ ہو بلکہ دوسرے کسی شہر سے متعلق ہو تو پھر اس پر آنا واجب نہ ہوگا۔

۱۲۹۵ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت طارق [1] بن شہاب سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر

وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔

مسلمان پر باجماعت[۲] حق و فرض ہے سوائے چار شخصوں کے مملوک غلام[۳]۔ عورت[۴]۔ بچہ[۵] اور بیمار[۶]۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ وَائِلٍ۔

ابو داؤد اور شرح سنۃ بالفاظ مصابیح بنی وائل کے ایک شخص سے روایت کی۔

[۱] آپ قبلہ احمس سے ہیں کوفی ہیں۔ جاہلیت کا زمانہ پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی مگر آپ سے حدیث سننا بہت کم میسر آیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۳ یا ۳۴ غزوات میں شامل ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کرتے ہیں ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔

[۲] یعنی نماز جمعہ کے لیے جماعت فرض ہے۔ بے جماعت جمعہ درست نہیں۔

[۳] یعنی ایک وہ غلام جو کسی کی ملکیت و تصرف میں ہو۔ اس علت کے باعث جمعہ اُن کے ذمہ سے ساقط ہے۔

[۴] ایک تو خاوند کے حق کے لیے۔ دوسرے اجتماع جمعہ میں نامحرموں کے موجود ہونے کی وجہ سے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں عورتیں نماز باجماعت میں آتی تھیں۔ لیکن مردوں کے ہجوم کے باعث جمعہ کی فرضیت ان سے ساقط کر دی گئی۔

[۵] یعنی نابالغ بچہ کہ وہ احکام شرع کا مکلف نہیں۔

[۶] اس کے ضعف اور کمزوری کے باعث۔ اسی طرح مسافر پر بھی فرض نہیں تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح نابینا اور لنگڑے پر بھی فرض نہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں پر سے جمعہ کی فرضیت کا اسقاط بتدریج و ترتیب سے وقوع پذیر ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۹۲ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں

أُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو نماز پڑھا دے[1] پھر میں ان لوگوں پر جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں[2]۔ (مسلم)

[1] اور ان کی امامت کرے۔

[2] پھر خود میں اس کام میں مشغول ہو جاؤں کہ جو لوگ جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہوتے آگ لگا کر ان کے گھروں کو جلا دوں اس حدیث کی طرح نماز عشاء سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بھی اس کے باب میں گزرا ہے۔ اور لفظ احرق تشدید و تخفیف تحریق سے یا احراق سے مشتق دونوں روایتیں ہیں۔

[3] اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امام کو اگر کوئی ضروری کام درپیش ہو تو کسی کو خلیفہ بنا کر خود اس کام میں مشغول ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حج کہ سال اول میں جب اس کی فرضیت ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی حج کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا)

۱۲۹۷/۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلَاثًا۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بلا ضرورت و مجبوری جمعہ ترک کر دے وہ ایسی کتاب میں منافقوں کے اندر لکھا جاتا ہے[1] جو نہ مٹائی جا سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے[2]۔ اور بعض روایات میں تین[3] واقع ہوا ہے۔ (شافعی)

[1] یعنی کی طرح شمار ہوتا ہے۔

[2] یعنی نفاق کا حکم اس کے لیے ہمیشہ اور دائماً ثابت و قائم ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ اللہ اسے اس کی سزا دے یا اسے معاف کرے۔

[3] یعنی مسلسل تین جمعے ترک کرنے پر۔

۱۲۹۸/۹ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور دن قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنا فرض[1] ہے۔ مگر بیمار پر، مسافر پر، عورت

مَرِيْضٌ أَوْ مُسَافِرٌ أَوْ اِمْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَمْلُوكٌ. فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ أَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ)

بچے پر یا غلام پر تو جو شخص کھیل کود کی وجہ سے نماز جمعہ اور عبادت مولیٰ تعالیٰ سے بے نیاز ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے[۲]۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور لائق حمد وثنا ہے۔

(دار قطنی)

[۱] یا اسے چاہیے کہ جمعہ کے اندر نماز جمعہ اپنے اوپر لازم جانے اور اسے ترک نہ کرے۔

[۲] کرتا اس پر مہربانی کرتا ہے نہ اسے بلاتا ہے۔

[۳] یعنی خدا تعالیٰ بندوں اور ان کی اطاعت سے بے نیاز ہے۔ لوگوں کی بندگی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور وہ ان بندوں کی ثنا کرتا ہے جو اس کی بندگی کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

صفائی وطہارت اور اول وقت میں جمعہ کو جانا

نظافت پاکیزگی تنظیف پاک کرنا یہاں بدن کا پاک کرنا مراد ہے۔ غسل سے اور لبیں کاٹنا۔ ناخن اتارنا۔ زیر ناف بال صاف کرنا۔ بغلوں کے بال اکھیڑنا۔ کپڑے پاک کرنا اور خوشبو لگانا وغیرہ کہ یہ سب کام جمعہ کے روز سنت ہیں۔ اس کی تفصیل ابتدائے کتاب میں فطرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ تبکیر کاف پر یا کی تقدیم سے اس کا اصل معنیٰ ہے صبح کے وقت آنا کسی چیز کی طرف دوڑنا اور اس کے اول وقت میں اس کے پاس آنا صبح کا وقت ہو یا کوئی اور وقت۔ یہاں اس کا معنیٰ ہے نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آنا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ اس ڈر سے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنا فوت نہ ہو جائے۔ نماز جمعہ سے پہلے نہ کھانا کھاتے تھے نہ قیلولہ کرتے تھے۔ ہر چیز کے اول حصہ کو باکورہ کہتے ہیں۔ جس طرح نئے اگنے والے پھل کو باکورہ کہتے ہیں۔ حدیث میں تبکیر کی نسبت مغرب اور ہر نماز کی طرف آئی ہے۔ لہٰذا تبکیر جمعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنے کے لیے جلدی کرنا۔ اور اس کے مختلف مراتب ہیں جیسا کہ آگے حدیث میں آئے گا۔ اور اگر جمعہ کے لیے اول دن میں آ جائے تو بہت اکمل وافضل ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء میں بعض سلف سے نقل کیا کہ وہ صبح کے وقت ہی آ جاتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ لفظ تبکیر کو صبح پر محمول کرتے تھے بلکہ وہ نماز جمعہ کے لیے آنے میں

جلدی اور مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ اس لیے وہ صبح کو ہی آجاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آجکل (حضرت شیخ قدس سرہ کے زمانہ میں) یہ عادت ہے کہ لوگ سویرے سویرے آتے جگہ گھیرتے بیٹھے بچھاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں۔ بعض علماء نے اسی لیے اس فعل پر اعتراض کیا اور کہا ہے کہ یہ لوگوں کے لیے جگہ تنگ کرنا ہے۔ ہاں اگر بیٹھ جائیں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں تو بہت اچھی بات ہے۔ ورنہ صرف جگہ کا گھیر لینا جگہ تنگ کرنے کو مستلزم ہے جو ایک غیر مستحسن فعل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۹۹ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُھْرٍ وَّ یَدَّھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

پہلی فصل

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرلے[۱] اور بقدر طاقت صفائی کرلے[۲]۔ اور اپنے تیل میں سے کچھ لگائے[۳] یا اپنے گھر کی خوشبو مل لے[۴]۔ پھر مسجد کو جائے۔ تو دو شخصوں کو الگ نہ کرے[۵]۔ پھر جو تقدیر میں لکھی ہے وہ نماز پڑھے[۶]۔ پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے[۷] مگر یہ کہ اس سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ بخشے نہ جائیں[۸]۔

(بخاری)

[۱] یعنی نماز جمعہ کے لیے۔

[۲] بغیر اس کے کہ وسوسہ و اسراف میں مبتلا ہو۔

[۳] یدّھن دال کی شد سے یعنی روغن اور تیل جو اسے اپنے گھر سے بے تکلف میسر آجائے۔ دھن دال کی زبر اور ہا ساکن۔ ادھان شد سے اپنے اوپر تیل ملنا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ گھر تیل اور خوشبو سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ یا یہ کہ جمعہ اور دوسری مجالس اور اچھے مجموں کیلئے تیل کا استعمال مستحسن ہے۔

[۴] یعنی اگر تیل میسر نہ آئے تو گھر میں خوشبو ہو تو وہی مل لے۔ یا کلمہ او واو کے معنی میں ہے یا یہ راوی کا شک ہے۔ یہاں روغن سے بھی خوشبو مراد ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روغن کردد

خوشبو میں داخل ہے حتیٰ کہ احرام والا اسے نہیں لگا سکتا۔

ے یعنی وہ دو آدمی جو کہ صف میں بیٹھے ہوئے ہوں اور ان کے درمیان کسی اور کو بیٹھنے کی گنجائش نہ ہو وہ انہیں دھکا دے کر ان کے درمیان گھس کر بیٹھے۔ یا جدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا قدم ان کے درمیان سے گزار دے اور ان سے آگے جائے۔ بلکہ چاہیے کہ خالی جگہ پر بیٹھے اور جدا کرنے اور گردنوں پہ قدم رکھنے کے بغیر صف اول یا اس کے نزدیک بیٹھنا میسر آ جائے تو بہتر ہے۔ درحقیقت یہ اس جانب اشارہ ہے کہ اول وقت میں ہی جمعہ کے لیے آ جانا چاہیے۔ تاکہ تفریق کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

ے یعنی نوافل۔ بعض اسے سنت جمعہ پر محمول کرتے ہیں۔ علماء کا جمعہ سے پہلی سنتوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ ان کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ جو لوگ سنت قبل جمعہ ثابت کرتے ہیں وہ ظہر کی سنتوں پر قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ اور سنت قیاس سے ثابت نہیں ہوتی۔ باب السنن میں اس کی جانب اشارہ گزر چکا ہے۔ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں اسے ثابت کیا ہے۔ اور وہاں اس بارے میں ہم نے طویل کلام کیا ہے۔ اس حدیث کی عبارت بھی قدرے اس گروہ کے موقف کی جانب اشارہ کرتی ہے کیونکہ غالب و اکثر یہ ہے کہ اس قسم کا انداز بیان نوافل کے لیے ہوتا ہے اور غیر روایت میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ باب تطوع کے اول میں حدیث بلال میں گزرا۔

ے یعنی جب خطبہ پڑھے۔ اور لفظ ینصت یا کی پیش سے یا انصات بمعنی سکوت و خاموشی اور کان لگانے سے ہے۔ اور یا کی زبر بھی جائز ہے۔ وقت خطبہ میں خاموشی اختیار کرنا احناف اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے۔ اس کی تفصیل دوسری حدیث کی شرح میں ہم لائیں گے۔

ے جیسا کہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۲۸۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيَ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔	حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو غسل کرے پھر جمعہ کو آئے پھر جو مقدر میں ہو نماز پڑھے۔ پھر خاموش بیٹھے حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

لہ یہ زیادتی اس بنا پر ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے اور جمعہ سے جمعہ تک سات دن ہوئے تین دن اور بڑھائے تو دس ہو گئے۔ اور لفظ فضل پیش اور زبر دونوں طرح درست ہے۔

۱۳۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور کان لگا کر سنا اور خاموشی اختیار کی تو اس کے درمیان سے اگلے جمعہ اور اس کے بعد تین دن تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جس نے کنکریوں کو چھوا تو اس نے لغو کام کیا۔لہ (مسلم)

لہ اور انہیں ہاتھ لگایا اور درست کیا۔ تو اس نے لغو فعل کیا لغو لایعنی اور باطل کلام کو کہتے ہیں۔ خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع ہے۔ کنکریوں کو چھونے کو لغو میں اس بنا پر داخل کیا اس سے بھی بندہ خطبہ سننے سے غافل ہو جاتا ہے جس طرح کلام کرنا بندے کی توجہ کو خطبہ سننے سے ہٹا دیتا ہے۔ کنکریاں چھونے سے ان سے کھیلنا یا بے ضرورت انہیں زمین پر ہموار کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ ان پر سجدہ کرے۔ بعض نے کہا اس سے سنگریزوں کو گھمانا اور تسبیح شمار کرنا مراد ہے۔ اور یہ خطبہ کے دوران کلام کرنے سے روکنے سے زیادہ مناسب ہے۔

۱۳۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ پہلے آنے والے پھر پیچھے آنے والے کو لکھتے ہیںلہ اور جمعہ کے لیے اول وقتلہ آنے والا گویا اونٹ کی قربانی بھیجنے والے کی طرح ہے۔ پھر اس شخص کی طرح جو قربانی کے لیے گائے بھیجے۔ پھر اس شخص کی طرح جو قربانی کے لیے دنبہ بھیجے پھر اس شخص کی طرح جو مرغیلہ صدقہ کرے۔ پھر اس کی طرح جو انڈا صدقہ کرے۔ پھر جب امام خطبہ کے لیے آتا ہے تو ملائکہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں۔ اور ذکرلہ سننا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مسلم کی

ایک روایت میں فاذا جلس الامام یعنی جب امام بیٹھ جائے

سلہ یعنی آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے جاتے ہیں۔

سلہ یعنی اول وقت آنے والے کا قصہ اور حال اس شخص کی طرح ہے کہ کہ شریف قربانی کے لیے اونٹ بھیجے جو سب سے افضل قربانی ہے۔ مُہَجِّر میم کی پیش ھا کی زبر اور جیم مشدد کی زیر سے یعنی وہ آدمی جو سخت گرمی کے دن دوپہر کو یعنی اول وقت باہر نکلے۔ بَدَنَہ تینوں زبروں سے وہ اونٹ جو مکہ بھیجا جائے، اس کی جمع بُدُن ہے۔

سلہ یعنی پھر اس شخص کا حال جو اس کے بعد آتا ہے اس شخص کے حال کی طرح ہے جو گائے بھیجتا ہے۔ بدنہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں) اونٹ کا نام ہے۔ یہ حدیث اس کی مؤید ہے کیونکہ اس حدیث میں بقرہ (گائے) بدنہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے۔ مگر جمہور اہل لغت اور بعض فقہا کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں کے نزدیک بدنہ گائے کو بھی شامل ہے۔ جوہری نے کہا بدنہ اس ناقہ یا گائے کا نام ہے جو مکہ میں ذبح کی جاتی اسے بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے فربہ کرتے ہیں اور وہ خوب تن دار ہوتا ہے۔ تاہم یہاں حدیث میں بدنہ سے مراد اونٹ ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں بقرہ کا ذکر الگ آیا ہے۔

سلہ یعنی اس کے بعد آنے والے شخص کا حال اس شخص کی طرح ہے جو بکری بھیجے کبش (دنبہ) کا لفظ اس لیے آیا کہ وہ بکری کی اقسام میں سب سے افضل ہے۔

سلہ دَجاجہ (مرغی) دال کی زبر اور زیر، بعض دال پر پیش پڑھتے ہیں۔ مگر زبر زیادہ فصیح ہے۔

سلہ یعنی خطبہ

سلہ اس کی صورت یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو ملائکہ صحیفے لپیٹنا شروع کر دیتے ہیں اور جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو ملائکہ لپیٹنے کے کام سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہاں سوال وجواب کے اعتبار سے کافی گفتگو ہے جو شرح میں ذکر کی گئی ہے۔

۱۳۳۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا۔ "خاموش ہو" اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کلام کیا۔ (بخاری ومسلم)

سلہ کیونکہ تو نے خطبہ کے دوران کلام کیا۔ جو منع ہے پھر دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا مگر خود خاموش نہ ہونا بھی برا ہے۔ اور اس میں داخل ہے۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت کلام کرنا منع ہے اگرچہ امر معروف اور نہی منکر ہی ہو کیونکہ مقصد بیان کرنے کے لیے اشارہ کافی ہے۔ کلام کرنا عبث فعل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ اس مقام میں تفصیل کلام یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ بھی ان میں سے ہیں، خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ امام شافعی ان میں سے ہیں، کتاب مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں اسی طرح امام احمد سے بھی دو قول آئے ہیں۔ اور ابن عبدالبر نے خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا۔ سوائے تھوڑے سے تابعین کے۔ ان تھوڑے سے تابعین کا قول غریب ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

ترمذی نے کہا اہل علم نے خطبہ کے دوران بولنے کو مکروہ کہا ہے اور چھینک کے جواب دینے میں اختلاف ہے بعض کراہت کے قائل ہیں بعض متردد ہیں۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔

اس بارے میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے نماز شروع ہونے تک نماز اور کلام دونوں حرام ہیں اگر کوئی نماز میں ہو۔ اور امام خطبہ شروع کر دے تو وہ دو رکعت پر نماز ختم کر دے صاحبین کے نزدیک امام کے نکلنے اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کر لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح منبر سے اتر آنے اور تکبیر تحریمہ شروع ہونے سے پہلے بھی کلام کرنے میں حرج نہیں کیونکہ کراہت اس لیے ہے کہ خطبہ سننے میں فرق نہ آئے۔ اور ان دو اوقات میں سننے کی کوئی چیز نہیں۔ ترمذی ایک حدیث لائے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے منبر سے اترنے کے بعد کلام کر لینے کی گنجائش ہے۔ البتہ اس وقت نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ نماز کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے جو شاید اس وقت میسر نہ آنے اور امام کے خطبہ شروع کرنے تک اسے ختم نہ کر سکے۔

دوران خطبہ نماز و کلام دونوں چیزوں کے حرام ہونے میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ان دونوں کے بارے میں آئی ہے۔ پھر گفتگو بھی ایک ایسا فعل ہے کہ بعض اوقات خطبہ شروع ہو جانے کے باوجود تقاضائے طبیعت اس کا ختم کرنا میسر نہیں آتا۔ بلکہ انسان گفتگو جاری رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور امام مالک نے موطا میں روایت اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ۔ جب امام خطبہ کے لیے نکل آئے تو پھر نہ نماز جائز ہے نہ کسی قسم کی گفتگو۔ صحابہ کے اقوال بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور احناف کے نزدیک صحابی کا قول حجت و دلیل ہے۔ اور اس کی تقلید واجب ہے۔ علماء نے کہا کہ یہاں نماز سے نفل نماز مراد ہے۔ فوت شدہ فرض کی قضا اس وقت مکروہ نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شخص دور بیٹھا ہوا ہے کہ خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی کہ اس کیلئے بھی نماز و کلام منع ہے یا نہیں مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ اس کے لیے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض نے کہا اس شخص کے لیے بہتر و مستحسن یہ ہے کہ ذکر و تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے۔ مگر کھانا پینا اس کے لیے بھی حرام ہے۔ اور

چھینک اور سلام کا جواب اس کے لیے کروہ ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت کے مطابق کروہ نہیں کیونکہ ان امور کا جواب دینا فرض ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سوائے خطبہ کے ہر وقت ان کا جواب دینا فرض ہے۔ خطبہ میں جواب دینے کی اجازت نہیں مگر درود شریف اپنے دل میں بھیجے تاکہ خطبہ سننے سے مشغول و مصروف نہ ہو درست و صواب بات یہی ہے۔ یوں ہی چھینک کے وقت الحمد للہ کہنا اور آنکھ و ہاتھ کے اشارے سے برائی سے روکنا مکروہ نہیں یہی صحیح ہے۔ کتاب پر نگاہ ڈالنے اور قلم سے اس کی اصلاح کرنے میں امام ابو یوسف سے ایک روایت آئی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔ تحیۃ المسجد کے بارے میں باب خطبہ کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ گفتگو آرہی ہے۔

۱۳۰۴- وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَّقُوْلُ اَفْسِحُوْا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی جمعہ کے دن اپنے بھائی کو نہ اٹھائے پھر جا کر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے بلکہ یوں کہے بیٹھنے کی جگہوں کو کشادہ کر دو[۱]۔ (مسلم)

[۱] جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم آچکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۳۰۵- عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً

حضرت ابو سعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو اسے لگائے پھر جمعہ پڑھنے آئے۔ اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے پھر جو اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے۔ پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے۔ حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو اس جمعے اور اگلے کے درمیان کا کفارہ ہو

لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا۔ ہو جائے گا

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد) (ابوداؤد)

لہ بعض طرق حدیث میں غسل الجنابۃ کا لفظ آیا ہے۔ اکثر کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غسل کرے جو اس کے تمام ارکان، شرائط، سنتوں اور آداب کا جامع ہو یعنی نہایت کامل اور صحیح غسل جس طرح کہ غسل جنابت کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا یہ جمعہ کے روز جماع کے مستحب ہونے سے کنایہ ہے تاکہ اس کے باطن کو تخلیہ اور نفس کو ردی خیالات سے تسکین حاصل ہو جائے اور حرام نگاہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو جائے۔ اسی معنیٰ کی تائید کرتی ہے وہ روایت جو لفظ غسل کو شدّ سے پڑھنے کے بارے میں آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو اس کے نزدیک نفیس تر، نہایت خوبصورت اور اسے بہت اچھے لگتے ہو۔ بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہوں۔ بعض نے کہا اس سے سفید کپڑے مراد ہیں کیونکہ سفید کپڑے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین لباس ہے۔

سلہ یعنی نماز نفل وسنت۔

۱۳۰۶ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اوس[1] بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز نہلائے[2] اور نہائے اور اول وقت[3] جمعہ کے لیے چلے اور جلدی کام کرے۔ اور پیدل آئے سواری پر نہ آئے اور امام سے قریب[4] بیٹھے اور کان لگا کر سنے۔ اور کوئی بے ہودگی نہ کرے تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے عمل یعنی روزوں اور شب بیداریوں کا ثواب[5] ملے گا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) (ابن ماجہ)

لہ آپ صحابی ہیں ثقفی ہیں، شام میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ یہ جمعہ کی فضیلت اور اس کے غسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ غسل سین کی شد اور غیر شد دونوں طرح روایت ہے۔ شد کی صورت میں مبالغہ کا احتمال

ہے یعنی اچھی طرح نہانا۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اپنی عورت کو غسل پر آمادہ کرنا مراد ہو۔ جب کہ مرد نے قبل جمعہ اس سے جماع کیا ہو۔ اور اگر شدہ کے بغیر ہو تو پھر اغتسل اس کی تاکید کے لیے ہوگا۔ یا غسل سے سر کو خطمی وغیرہ سے دھونا مراد ہے۔ کیونکہ عربوں کے سر پر بال بہت ہوتے ہیں جنہیں دھونے میں انہیں دقت پیش آتی ہے اور لفظ اغتسال سے سارے بدن کا دھونا مراد ہے۔

۳ھ بکر شدہ سے یعنی نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آئے اور خطبہ کے ابتداء میں ہی پہنچ آئے اور لفظ ابتکر یا تو اس کی تاکید ہے اور بعض نے کہا بکر کا معنی ہے جمعہ کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکر کا معنی ہے پہلی ساعت میں چلا گیا۔ ابتکر کا معنی ہے اول وقت میں جانے والوں جیسا کام کیا یعنی نماز و ذکر میں مصروف بعض نے کہا بکر کا معنی ہے دوسرے کو اول وقت جمعہ کے لیے جانے پر آمادہ کیا۔

۴ھ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کے بغیر۔

۵ھ یعنی کوئی لایعنی بات نہ کی یعنی خاموشی اختیار کی۔

۶ھ یعنی اس عمل کا ثواب اس طرح ہے جیسے وہ صائم الدھر اور قائم اللیل ہے۔ یہ خاصیت نماز جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ مذکورہ شرائط سے اسے ادا کیا جائے۔ اسی طرح مسجد میں پنجگانہ نماز کے لیے آنے پر درجات بلند ہوتے، نیکیاں لکھی جاتی اور گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ مگر جمعہ میں ہر قدم پر ایک سال کے قیام لیل اور دن کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور کتاب سفر السعادۃ میں روز جمعہ کی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ اور ان سے شرح میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وہاں دیکھنے چاہئیں۔

۱۳۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَّجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے لیے کوئی حرج اور نقصان کی بات نہیں[۱] کہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے بنائے، کام کاج کے دو کپڑوں کے علاوہ[۲]۔

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔

ابوداؤد، ابن ماجہ اور مالک نے یحییٰ بن سعید[۳] سے روایت کی۔

۱ھ یعنی اس پر کوئی حرج و نقصان نہیں کہ تم لوگ جمعہ کے لیے دو کپڑے بنا لو اور انہیں مہیا کر لو۔

۲ھ حدیث میں لفظ مہنتہ آیا ہے میم کی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ بمعنی خدمت و کام کاج۔ مراد وہ کپڑے ہیں جو گھر میں ہر وقت پہنے جاتے ہیں اور انہیں پہن کر گھر کی خدمت اور کاروبار کیا جاتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص

حاجت و ضرورت سے زائد ایسی چیز بنائے جو اس کے کمال دینی سے متعلق ہو تو وہ زہد و ترک دنیا کے منافی اور مخل نہیں ہے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی دو کپڑے تھے جو جمعہ کے لیے مخصوص تھے۔ آپ انہیں صرف جمعہ کے دن زیب تن فرماتے تھے۔

۵؎ یعنی یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے۔

۱۳۰۸ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سمرۃ بن جندب ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر یعنی خطبہ جمعہ کے لیے حاضر ہو اور امام کے قریب پہنچو کہ بے شک انسان مسلسل دور ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں درجات عالیہ سے پیچھے رہ ۲؎ جاتا ہے۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ سمرہ سین کی زبر میم کی پیش جندب جیم کی پیش، نون ساکن دال کی پیش و زبر۔ آپ مشہور صحابی ہیں کثیر الحدیث ہیں ان سے حضرت حسن بصری ابن سیرین روایت کرتے ہیں ۵۹ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔

۲؎ یعنی حصول فضائل کی جگہوں اور مواقع خیرات سے پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔

۳؎ اس میں بلند مراتب کے حصول کی ترغیب اور رذائل و گھٹیا کاموں سے دور رہنے کی تاکید ہے۔

ابیات

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق	باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو
تا از کنگرہ عرش میر نند صفیر	ندانمت کہ دریں دامگاہ چہ افتادست

اپنی ہمت بلند رکھو کیونکہ خدا اور مخلوق کے نزدیک تیری ہمت کے مطابق تیرا اعتبار و مقام ہے۔
کارکنان قضا و قدر تجھے کنگرہ عرش سے آواز دے رہے ہیں کہ ہمت بلند رکھو میں نہیں جانتا کہ تو اس دامگر دنیا میں کس چیز پر فریفتہ ہو چکا ہے۔

۱۳۰۹ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ

حضرت معاذ بن انس جہنی سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں

النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَھَنَّمَ
رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ۔

کو پھلانگا اس نے دوزخ کی طرف پل بنایا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے

لہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت سہل بن معاذ بن انس الجہنی سے روایت ہے کیونکہ حضرت معاذ صحابی ہیں اور ان کے باپ بھی صحابی ہیں، لہٰذا معاذ عن ابیہ درست نہ ہوگا۔ لیکن سہل بن معاذ تابعی ہیں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ محدثین نے کہا ہے کہ سہل بن معاذ لین الحدیث ہیں اور ان کی احادیث فضائل و رغائب میں حسن ہیں۔

ﮯ اس حدیث میں جزا بالمثل کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے لوگوں کو گزرگاہ بنایا۔ لوگ بھی اسے روز قیامت گزرگاہ بنائیں گے۔ اتخذ معلوم و مجہول دونوں طرح روایت ہے۔ اگرچہ بصیغہ معلوم کی روایت زیادہ قوی ہے۔

۱۳۱۰/۱۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْحَبْوَۃِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ ۔
رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اکڑوں[1] بیٹھنے سے منع فرمایا۔ جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو۔
(ترمذی۔ ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ حبوۃ آیا ہے یہ بیٹھنے کی ایک قسم ہے۔ یہ پشت اور پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں یا کپڑے سے پیٹ کی طرف کھینچ کر بیٹھنے کی شکل ہے جس کا معنی لغت میں اکڑوں بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ عربوں کی عادت ہے اور آجکل بھی اہل حجاز میں متعارف و مشہور ہے اور لفظ حبوہ حا کی زبر اور پیش اور زیر سے پڑھا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم کعبہ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے۔ لیکن نماز کے وقت اس سے منع فرمایا۔ کہ اس طرح نیند آجاتی ہے۔ اور بندہ خطبہ سننے سے رہ جاتا ہے یا اس طرح بیٹھنے سے وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۳۱۱/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَلْیَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِہٖ ذٰلِکَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کے روز تم میں سے کسی کو اونگھ آجائے تو وہ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ جا بیٹھے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

لے تاکہ غلبہ نیند دور ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۱۲/۱۴ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسُ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور وہاں خود بیٹھ جائے حضرت نافع سے کہا گیا[2] کہ کیا جمعہ میں فرمایا جمعہ میں اور غیر جمعہ میں[3]
(بخاری و مسلم)

لے آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

ﷺ کہ یہ ممانعت صرف جمعہ کے دن ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔

ﷺ کیونکہ اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ چیز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۱۳۱۳/۱۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ میں تین قسم کے آدمی آتے ہیں۔ ایک وہ جو جمعہ میں آتا ہے اور لغو کام کا مرتکب ہوتا ہے[1] تو اس کا حصہ جمعہ سے یہی ہے[2]۔ دوسرا وہ جو جمعہ میں دعا کے ساتھ حاضر ہوتا ہے[3] تو وہ ایسا مرد ہے کہ اللہ تعالٰے سے دعا کرتا ہے اگر اللہ چاہتا ہے تو اسے دیتا ہے چاہتا ہے تو نہیں دیتا۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو نماز جمعہ میں خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سننے کے لیے حاضر ہوتا ہے اور کسی کی گردن نہیں پھلانگتا اور نہ کسی کو ایذا دیتا ہے[4] تو اس کا جمعہ اس کیلئے کفارہ بن جاتا ہے

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا
(رواہ ابوداؤد)

اس سے متصل اگلے جمعہ اور اس سے آگے تین تک کے لیے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جس نے ایک نیکی کی اسے اس کی مثل دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابوداؤد)

* * * *

لہ یعنی لایعنی اور باطل باتیں وغیرہ

لہ یعنی اس کے حصہ میں جمعہ اور جمعہ کے ثواب سے یہ لغو فعل ہی آتا ہے۔ اور وہ اس کے کمال سے محروم رہتا ہے۔

لہ یعنی وہ جمعہ میں دعا مانگنے اور درگاہ خداوندی سے اپنے مطالب و مقاصد کا سوال کرنے کے لیے آتا ہے۔

لہ تو اس کا معاملہ رد و قبول کے درمیان متردد ہوتا ہے۔

لہ یعنی گردنیں پھلانگ کر اور کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اور اسی طرح کے اور کاموں سے کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

لہ جیسا کہ دوسری متعدد احادیث میں گزر چکا ہے کہ یہ نیکی اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور گزشتہ جمعہ کو اس جمعہ کے متصل کہنا درست ہے اگرچہ لفظ تلیہا کا ظاہر مفہوم آئندہ آنے والے جمعہ پر صادق آتا ہے۔

لہ اور دوسرے جمعہ تک اس کے بعد اگلے تین روز کے لیے بھی کفارہ بننا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من جاء بالحسنۃ الخ۔ واضح ہو کہ فعل لغو، دعا اور کان لگا کر سننا تینوں کام خطبہ کے وقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطبہ کے دوران دعا یا تو دل و باطن میں ہوگی یا زبان سے گر وہ خود مکروہ یا حرام ہے۔ لہٰذا اس کی بھی غالباً ممانعت ہے خلاصہ کلام یہ کہ پہلا مرد یقیناً بدعمل ہے۔ دوسرا نیکی اور بدی میں متردد ہے۔ اور تیسرا رضائے مولیٰ کا طالب ماسوائے اللہ سے کٹا ہوا یعنی مخلوق سے بھی اور اپنے نفس سے بھی اور یقیناً درگاہ حق میں مقبول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے وقت میں دعا مراد ہو۔ اسے سمجھو۔

۱۳۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھنے کے درمیان بولے تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جس

اَسْفَارًا وَ الَّذِیْ یَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَیْسَ لَهُ الْجُمُعَةُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

نے اپنے اوپر کتابیں اٹھائی ہوئی ہوں[۱] اور جو دوسرے کو یہ کہے کہ خاموش رہ تو اس کا بھی جمعہ نہیں[۲]

(احمد)

[۱] یہ علم بے عمل اور مشقت و محنت برداشت کرنے کے باوجود (علم سے فائدہ نہ اٹھانے سے کنایہ ہے)

[۲] یعنی اسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس نے لغو اور ممنوع کام کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۱۳۱۵/۱۷ وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّ هٰذَا یَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِیْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِیْبٌ فَلَا یَضُرُّهٗ اَنْ یَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَیْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔

رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

حضرت عبید بن السباق رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت[۱] ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا اے مومنوں کے گروہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عید[۲] بنایا ہے تو غسل کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں[۳] کہ اسے چھوئے۔ اور تم اس دن مسواک ضرور کرو۔

اسے مالک اور ابن ماجہ نے عبید بن سباق سے مرسلاً اور ابن ماجہ نے ہی ابن عباس سے متصل سند[۴] سے روایت کیا۔

[۱] سباق سین کی زبر اور شد سے۔ آپ حجازی تابعین سے ہیں۔ اور یہ حدیث بطریق ارسال روایت کرتے ہیں۔

[۲] کہ اسے جشن و اجتماع و سرور کا دن بنایا۔

[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ خوشبو نقصان نہ دے گی اس لیے فرمایا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ خوشبو لگانا عورتوں کی عادت ہے۔ مرد کے لیے اس کا استعمال نہ چاہیے۔

[۴] تو یہ وہ مرسل ہے جسے سند سے قوت حاصل ہوگئی۔ اور وہ یقیناً مقبول ہے۔

۱۳۱۶/۱۸ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ یَّغْتَسِلُوْا یَوْمَ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا جمعہ کے دن غسل کرنا حق و ثابت بات ہے

الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ طِيْبٌ۔

اور چاہیے کہ اپنے اہل کی خوشبو سے ہی کچھ ملے[1] اور اگر خوشبو میسر نہ آسکے تو پھر پانی ہی اس کے لیے خوشبو ہے[2]

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

اسے احمد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

[1] یعنی اپنی بیوی سے لے کر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورتیں اپنے پاس خوشبو محفوظ رکھتی ہیں اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اگر مرد کے پاس خوشبو نہ ہو تو عورت سے لے کہ اس کا نفع بھی آخر عورت کو ہی پہنچے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب اہل خانہ مراد ہوں۔

[2] کہ یہ بھی صفائی اور نظافت کا ذریعہ اور بدبو کو دور کر دیتا ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ

خطبہ اور نماز کا باب

خطبہ خا کی پیش سے مصدر ہے۔ اس کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جس سے کسی کے ساتھ ہم کلام ہو اور عرف شرع میں اس کلام سے عبارت ہے جو ذکر، تشہد، درود اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔ خطبہ نماز جمعہ میں شرط اور فرض ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار فرض اتنے الفاظ ہیں جو تسبیح و تحمید پر مشتمل ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ کہ اس آیت میں مطلق ذکر فرمایا۔ لمبی مقدار کلام میں جسے خطبہ کہا جاتا ہے اور مختصر کلام میں جسے خطبہ نہ کہا جائے کوئی فرق نہ کیا۔ تو ثابت ہوا کہ مطلق ذکر شرط ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے نام سے جو منقول و ماثور ہے اور جسے آپ نے ہمیشہ پڑھا، اس کا پڑھنا یا واجب ہے یا سنت۔ نسبت جمعہ کے لیے اس کا پڑھنا شرط نہیں کہ اس کے بغیر کوئی ذکر کفایت نہ کرے۔ البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالےٰ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے لیے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کہا جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائز ہی نہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے الحمد للہ کہا اور زبان رک گئی آپ منبر شریف پر سے نیچے اتر آئے اور نماز ادا فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ لہٰذا اس کے جواز پر اجماع ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ

کا قصہ یہ ہے کہ جب خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ اُٹھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے تو صرف الحمد للہ کہا اور آپ کی زبان رک گئی اور فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر تشریف فرما ہوکر بہت کچھ فرما گئے ہیں تمہیں باعمل امام کی نسبت عملی قدم اٹھانے والے امام کی زیادہ ضرورت و حاجت ہے۔ اور بہت نزدیک ہے کہ تمہارے سامنے خطبوں پر خطبے پڑھے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری مرادیں پوری کرے۔ یہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب حدیث و فقہ میں کہیں بھی معلوم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — فصل اوّل

۱۳۱۷/۱ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّی الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب سورج ڈھل پڑتا[۱] (بخاری)

[۱] یعنی زوال کے وقت۔ یہ اس وقت تھا جب کہ گرمی شدید نہ ہوتی۔ شدید گرمی کے وقت ٹھنڈے وقت پڑھتے۔ جیسا کہ حضرت انس کی دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زوال سے پہلے نہ پڑھتے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے زوال سے پہلے ہی جمعہ پڑھ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ جس طرح نماز عید۔ علماء کرام میں سے کسی نے بھی ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی۔

۱۳۱۸/۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل[۱] بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نہ قیلولہ کرتے اور نہ صبح کا کھانا کھاتے مگر جمعہ کے بعد[۲] (بخاری و مسلم)

[۱] آپ ساعدی انصاری ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ قول مشہور کے مطابق مدینہ طیبہ میں جس صحابی کی وفات سب سے آخر ہوئی وہ یہی ہیں۔ چنانچہ آپ ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے۔

[۲] یہ صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ قیلولہ نہ کرتے اور نہ چاشت کا کھانا کھاتے مگر جمعہ پڑھنے کے بعد۔ تاکہ سین دوپہر کر کہتے ہیں اور قیلولہ دوپہر کی نیند کو۔ جیسا کہ قاموس میں ہے اور زہری نے کہا قیلولہ اور مقیل دوپہر کے آرام کو کہتے ہیں۔ نیند کرے یا نہ کرے۔ سنت قیلولہ کے قائم کرنے میں بھی اسی آخری معنیٰ کا اعتبار ہے۔ یہ حدیث کسی

حدتک امام احمد کے مذہب کی تائید کرتی ہے لیکن درحقیقت حدیث پاک کا مقصد جمعہ کا اہتمام اور اس کے لیے جلدی کرنا ہے تاکہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچ جائیں۔

۱۳۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شدید سردی ہوتی تو جلد[1] نماز پڑھ لیتے اور جب شدید گرمی ہوتی تو ٹھنڈی کر کے پڑھتے[2]۔ یعنی جمعہ کی نماز[3]۔ (بخاری)

[1] یعنی اول وقت میں پڑھتے۔

[2] یعنی اول وقت کے بعد پڑھتے۔

[3] گویا یہ حدیث نماز جمعہ کے لیے آئی ہے، ورنہ ظہر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ باب اوقات نماز میں گزرا۔

۱۳۲۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سائب[1] بن یزید[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جمعہ کی اذان اول اس وقت ہوتی تھی جب کہ امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں بھی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے تیسری اذان مقام زوراء[3] پر دینے کا اضافہ فرمایا[4]۔

[1] آپ کمسن صحابی ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبد شمس کے حلیف ہیں۔ حجۃ الوداع میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوئے اس وقت آپ سات سال کے تھے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ کے بازار کا عامل مقرر کیا تھا۔ آپ ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں فوت ہوئے ایک قول کے مطابق آپ مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی۔

[3] زوراء مسجد نبوی شریف کے قریب بازار مدینہ میں ایک بلند جگہ تھی۔

سے واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سنت یہ تھی کہ جب آپ خطبہ کے لیے تشریف لاتے اور منبر پر جلوہ افروز ہو جاتے تو جمعہ کی اذان کہی جاتی تھی۔ اس سے پہلے وقت داخل ہونے کے وقت کوئی اذان نہ دی جاتی تھی یہی دستور زمانہ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں بھی رہا۔ اس کے بعد جب امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی کثرت و ہجوم، ان کا دور دور سے آنا اور منتشر اور کام کاج میں مصروفیت کو ملاحظہ فرمایا، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سب لوگ مسجد میں حضور کی خدمت پاک میں حاضر رہتے تھے۔ تو آپ نے بہتر جانا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی ایک اذان کہی جائے تاکہ لوگ دوڑ کر خطبہ کے وقت حاضر ہو جایا کریں۔ فقہاء کا اختلاف ہے کہ سعی کے واجب ہونے اور بیع شراء کے حرام ہونے میں وقت خطبہ کی اذان کا اعتبار ہے کہ اصل شرع میں وہی اذان ہے یا کہ یہ اذان اول جو بعد میں جاری کی گئی۔ اگر وقت میں کی گئی ہو صحیح تر بات یہ ہے کہ یہی بعد والی اذان معتبر ہے۔ کیونکہ اذان سے مقصود لوگوں کو وقت کی اطلاع دینا ہوتا ہے اور وہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب ہدایہ میں ہے۔

واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ دوسری (بعد والی) اذان کو بعض احادیث میں اذان ثانی کہا گیا ہے۔ یہ اس کے جاری ہونے کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ کہنے کے لحاظ سے وہ پہلی ہے۔ بعض فضلاء کرام نے عبارت میں غرابت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اول ثانی ہے اور ثانی اول۔ بعض احادیث میں اسے تیسری اذان کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب مشکوۃ کی اس حدیث میں۔ اور یہ اقامت کو تیسری اذان کہنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ اور اقامت کو اذان معنی لغوی (اطلاع دینا) کے لحاظ سے کہا گیا۔ اقامت کو اذان کہنے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دو اذانیں بن جاتی ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اذان اول امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک لگاتار جاری رہی۔ تاہم حضرت عمر کے زمانہ میں تو یہ محض اطلاع و اعلام کے لیے تھی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے بھی اذان کا نام دے دیا جائے۔ بہر صورت جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا اور جاری فرمایا ہے اسے بدعت نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ اس پر بھی سنت کا اطلاق آیا ہے۔ جیسے سنت ابوبکر و عمر اور سنت شیخین رضی اللہ عنہما۔ بعض علما کے کلام میں اس پر بدعت کا اطلاق اس بنا پر ہوا ہے کہ یہ ایک نئی چیز جاری ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھی۔ اسے بدعت کہنے سے اس کی قباحت اور مذمت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اگر اسے بدعت قرار دیا جائے تو یہ بدعت حسنہ ہو گی۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

اس کے بعد واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اذان جاری ہوئی وہ یہی تھی۔ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اذان جو سنت کے وقت اذان اول کے بعد کہی جانے لگی وہ نہ زمانہ نبوت میں تھی نہ

صحابہ کے زمانہ میں اور نہ ان کے بعد اور اکثر ممالک اسلامیہ میں اس پر عمل بھی نہیں کیا جاتا۔ معلوم نہیں اسے کس نے نکالا اور جاری کیا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ صرف اذان اول کہی جائے۔ اور اسی کے ساتھ سنت ادا کی جائے۔ اور اگر اطلاع و اعلام کی غرض سے لفظاً الصلوٰۃ الصلوٰۃ سنۃ رسول اللہ کہہ لیں تو کافی ہے۔

۱۳۲۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَّ خُطْبَتُهٗ قَصْدًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے[1] آپ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے[2] تو آپ کی نماز بھی اعتدال پر مبنی ہوتی۔ اور آپ کا خطبہ بھی[3] (مسلم)

[1] آپ دو خطبوں کے درمیان اتنی مقدار بیٹھتے تھے۔ کہ آپ کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ قرار پذیر ہو جاتا تھا۔ اور بالکل صحیح روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ اس میں دعا کیا کرتے تھے۔ یہ بیٹھنا سنت ہے واجب نہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ خطبہ پڑھتے اور نہ بیٹھتے۔

[2] اور لوگوں کو یاد آخرت دلاتے۔ اور اس جہان کے ثواب و عذاب کے حالات بیان فرماتے۔

[3] یعنی نہ آپ کی نماز زیادہ لمبی ہوتی نہ بالکل مختصر۔ اور یہ اس کے منافی نہیں کہ خطبہ نماز سے مختصر ہو۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

۱۳۲۲ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عمار[1] بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا نماز دراز کرنا اور خطبہ مختصر کرنا اس کے فہم و علم کی دلیل[2] ہے۔ تو نماز دراز کرو اور خطبہ مختصر کرو[3]۔ اور بعض بیان البتہ جادو کی حیثیت رکھتے ہیں[4]۔ (مسلم)

[1] آپ اکابر صحابہ سے ہیں۔ آپ کے حالات کتاب کے آخر باب جامع المناقب میں بیان ہوں گے۔

[2] اصل میں لفظ مَئِنَّۃ آیا ہے۔ جس کا معنی ہے علامت و دلیل۔ بعض نے مئنۃ کی تفسیر مظنہ سے کی یعنی جائے گمان۔ اس کی تحقیق شرح میں کر دی گئی ہے۔

سے علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نماز کی درازی اور خطبہ کے اختصار کو اس کے علم و فہم کی دلیل و علامت بنانے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ نماز اصل ہے اور خطبہ اس کی فرع اور فقہی تقاضا بھی ہے کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اصل کا اہتمام زیادہ کیا جاتا ہے۔ بندہ ضعیف (شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ خطبہ کو مختصر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پند و نصیحت کے لیے ایک کلمہ بھی کافی ہوتا ہے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جوامع الکلم کے مصدر اور عجیب و غریب حکمتوں کے مظہر ہیں۔ ع

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

گھر میں اگر کوئی موجود ہے تو پھر ایک حرف بھی کافی ہے

اور اس کا (درازی نماز اور اختصار خطبہ کا) حکم دینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو تنبیہ ہے کہ کثرت طاعت و عبادت میں سعی و کوشش کریں۔ اور اپنے نفوس کی تہذیب و اصلاح میں مشغول رہیں۔ اور لوگوں کو وعظ و تذکیر میں عجب و خود ستائی اور قول کے فعل کے مطابق نہ ہونے کا بھی گمان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی مقام کے لیے کہا جاتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قولاً و فعلاً اس کا ارشاد فرمایا کہ باتیں کم کرو عمل (عبادت) زیادہ کرو۔

سے ایک روایت میں مَئِنَّۃٌ آیا ہے۔

شہ یہ قول اس معنی کے بہت مناسب ہے جو ہم نے بیان کیا گویا یہ خطبہ مختصر پڑھنے کی دلیل ہے یعنی چاہیے کہ خطبہ کے الفاظ تھوڑے ہوں مگر اس کے معانی بہت زیادہ ہوں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے خیر الکلام ما قل و دل۔ اچھا کلام وہ ہے جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہوں۔ اور چاہیے کہ خطبہ زیادہ لمبا نہ کرے تاکہ بے فائدہ معانی کا وہم نہ پڑنے لگے جو کہ مذموم ہے۔ پھر یہ قول کہ (کچھ بیان جادو کی حیثیت رکھتے ہیں) بیان و خطاب کی مدح کو بھی متضمن اور مفید مذمت بھی ہے۔ کیونکہ دلوں کو کسی جانب مائل کرنے میں بیان کے اندر زبردست تاثیر پائی جاتی ہے جس طرح جادو میں تاثیر ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص بیان خطاب حق کے لیے صرف کرتا ہے تو یہ اچھی بات ہے اور اگر باطل کے لیے استعمال کرتا ہے تو قابل مذمت ہوگا۔ لفظ بیان کا معنی ہے۔ واضح اور فصیح گفتگو کرنا۔ اس بارے میں تفصیلی کلام ان شاء اللہ تعالیٰ بیان و شعر کے باب میں آئے گا۔

۱۳۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز مبارک بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ سخت ہو جاتا۔ گویا کہ آپ

حَیْشٍ یَقُوْلُ صَبَّحَکُمْ وَ مَسَّاکُمْ وَ یَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ وَ یَقْرِنُ بَیْنَ السَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰی ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔ اور فرماتے کہ وہ لشکر صبح کو تم پر آپڑے گا یا شام کو تیرہ اور فرماتے کہ اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ اپنے کلمے اور بیچ کی انگلی کو ملاتے تھے (مسلم)

لہ کیونکہ اس وقت آپ پر عظمت وجلال کے انوار کی تجلیات اور ابلاغ و انذار کی روشنیوں کی چمک تجلی ریز ہو رہی تھی۔

ٹہ خطبہ ارشاد فرماتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ ہوتی تھی کہ گویا آپ کسی قوم پر دشمن کے لشکر کے حملہ آور ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ اور اس کے ان پر آپڑنے سے ڈرا رہے ہیں۔

سے یعنی قریب ہے کہ وہ لشکر صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہو جائے گا۔ اور لوٹ مار کریگا اور تمہارے آرام وسکون کو تم سے دور کر دے گا۔

ٹکہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت قریب آجانے کا خوف دلانے کے ارادے سے فرماتے تھے۔

ٹہ یعنی میرا قرب قیامت کے ساتھ اس طرح نزدیک کا تعلق ہے۔ جس طرح میری یہ دو انگلیاں بالکل ساتھ ساتھ ہیں۔

یلہ یعنی آپ بغرض تشبیہ اپنی دونوں انگلیوں کو ملاتے تھے۔ یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو۔ لفظ سبابہ کا معنی کتاب الصلوۃ کے باب التشہد میں گزر چکا ہے۔ پھر اس کی تاویل ومعنی میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ انگشت سبابہ کو درمیانی انگلی سے ملانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ آپ کی بعثت قرب قیامت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنی ہی دوری اور فاصلہ ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں کے درمیان۔ یعنی درمیانی انگلی بالکل تھوڑی سی انگشت شہادت سے دور ہے۔ اور سبابہ اس سے تھوڑی سی پیچھے ہے۔ اسی طرح میں بھی قیامت سے تھوڑا سا پہلے آیا ہوں۔ اور قیامت میرے پیچھے پیچھے آرہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ یقرن معنی اول کی جانب رخ رکھتا ہے۔ کیونکہ انگشت سبابہ اور وسطیٰ میں بہرحال فاصلہ موجود ہے۔ دونوں کو ملائیں یا نہ ملائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کو ملانے سے ان کے درمیان کا فاصلہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کھلا رکھنے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسے سمجھو۔

۱۳۲۴ وَ عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّةَ قَالَ

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر یہ آیت پڑھ رہے تھے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ دوزخی آواز دیں گے اے مالک چاہیے کہ تیرا رب ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔[۲] (بخاری و مسلم)

[۱] یعلی بن امیہ۔ اُمیہ ہمزہ کا پیش میم کی زبر یا کی تشدید۔ آپ کو یعلی بن امیہ (میم کی پیش نون ساکن اور یا مخفف) بھی کہتے ہیں۔ آپ قریش کے حلیف ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں حاضر ہوئے۔ آپ حضرت عمر کی طرف سے علاقہ نجران کے حاکم تھے۔ آپ کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔

[۲] یعنی دوزخی فریاد کریں گے اور آواز دیں گے کہ اے مالک (داروغہ دوزخ کا نام ہے) کہ تیرا پروردگار ہمیں مار دینے کا حکم جاری کر دے یعنی اپنے پروردگار سے عرض کر کہ ہمیں موت دے دے تاکہ ہم عذاب سے خلاصی پا جائیں۔ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ مالک انہیں جواب دے گا۔ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ۔ تم ہمیشہ یہیں رہو گے تمہاری یہ آرزو باطل ہے۔ اب ہمیشہ تمہیں اس آگ میں ہی رہنا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے کے لیے یہ آیت پاک تلاوت کرتے تھے۔

۱۳۲۵ وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ ابْنِ نُعْمَانَ قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام[۱] ہشام بنت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سورہ ق والقرآن المجید دیکھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ یہ سورت ہر جمعہ کو منبر شریف پر پڑھتے تھے جب کہ آپ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے تھے[۲] (مسلم)

[۱] آپ انصاری صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ ہر جمعہ کو پڑھنے سے چند جمعہ پڑھنا مراد ہے۔ جن جمعوں میں یہ عورت حاضر ہوتی اور سنتی تھی۔ نہ کہ ہمیشہ ساری عمر خطبہ میں یہی سورت پڑھتے تھے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سورت کا اول حصہ پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ آپ ساری سورت خطبہ جمعہ میں نہ پڑھتے تھے۔ اس طرح حضرت ام ہشام نے بھی اس کا اول حصہ یاد کیا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

۱۳۲۶ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت آپ سیاہ رنگ کا عمامہ شریف پہنے ہوئے تھے۔ اور اس کی دو نوں طرفیں دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھی تھیں اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ (مسلم)

۱؎ حضرت عمرو بن حریث۔ حریث حا کی پیش را کی زبر۔ آپ قرشی صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ سے حدیث پاک سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیرا اور ان کے حق میں دعائے برکت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت یہ صحابی بارہ سال کے تھے۔

۲؎ اس مسئلہ کی تحقیق انشاء اللہ تعالٰے باب اللباس میں آئے گی۔ اور لفظ کتفیہ مسلم کے تمام نسخوں میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور کتفہ مفرد کلمہ کی صورت میں بھی آیا ہے۔ مگر اول یعنی تثنیہ روایۃً اور درایۃً زیادہ ظاہر ہے۔

۱۳۲۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور چاہیے کہ ہلکی پڑھے ۱؎ (مسلم)

۱؎ شافعی حضرات اسے تحیۃ المسجد پر محمول کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ خطبہ پڑھا جا رہا ہو۔ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات اس کے وجوب کی تاکید پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی ان کے پڑھنے کا حکم دیا۔ حنفیہ کے نزدیک جب کہ غیر خطبہ کے وقت واجب نہیں ہیں تو خطبہ کے وقت بطریق اولیٰ واجب نہ ہوں گی یہی امام مالک اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔ اور جمہور صحابہ و تابعین بھی اسی پر ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی نے کہا واجب قرار نہ دینے والے حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ خطبہ سے ارادہ خطبہ مراد ہے۔ یعنی جب کہ ابھی امام خطبہ شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ نہ کہ اس نے بالفعل خطبہ شروع

کر دیا ہو۔ یہ تاویل احادیث صحیحہ کے قرینہ سے کی جاتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خطبہ کے دوران نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے آیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا اے فلاں کیا تو نے نماز پڑھی ہے اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا دو رکعتیں ہلکی پڑھ لے۔ اس کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ابھی خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ یا یہ بات اس آنے والے مرد کے ساتھ خاص تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہوا بعض نے یہ کہا یہ خطبہ جمعہ نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا۔ اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ تعارض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا ہو۔ پھر خطبہ بند کر دیا ہو۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دینا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ آدمی نماز سے فارغ ہوا یہاں کافی گفتگو ہے۔ جسے ہم نے شرح میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل فتح الباری میں ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۱۳۲۸/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یہ حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔ نماز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں لیکن انہوں نے آئندہ حدیث کے قرینہ کی بنا پر جو باب کے آخر میں آرہی ہے۔ اسے نماز جمعہ کے ساتھ خاص کر دیا

سلہ ہدایہ میں ہے کہ جس نے امام کو نماز جمعہ میں پایا تو جتنی نماز امام کے ساتھ مل گئی اس کے ساتھ پڑھے۔ بقایا اس پر بنا کر کے پڑھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا۔ تمہیں امام کے ساتھ جس قدر نماز ملے اسے پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے قضا کر دو اور اگر کسی نے امام کو تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا اگر اس نے امام کو دوسری رکعت کے اکثر حصہ میں پایا تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ امام کے ساتھ ملا تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔ ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد یہ ہے کہ امام کو رکوع میں پائے نہ کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ شیخین کی دلیل

حدیث مذکور کا اطلاق سے اور یہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت کا اضافہ کرے۔ ورنہ چار رکعت ظہر ادا کرے تو یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۳۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا میرا گمان ہے[1] کہ فارغ ہونے سے مؤذن کا فارغ ہونا مراد ہے۔ پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے[2]۔ پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے (ابوداؤد)

[1] یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے راوی کا شک ہے یعنی یہ گمان ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ اور جب راوی کا یہ قول پورے طور پر یاد نہ رہا اس بنا پر یوں کہا کہ میرا گمان ہے۔

[2] یعنی دعا وغیرہ نہ کرتے بلکہ بالکل خاموش رہتے۔

۱۳۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے تو ہم لوگ اپنے چہرے آپ کی طرف کر لیتے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا ہم اس حدیث کو نہیں پہچانتے مگر محمد بن الفضل کی حدیث سے اور وہ ضعیف ہے۔ اس کا حافظہ کمزور تھا۔

[1] سنت یہ ہے کہ لوگ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں۔ اور کان لگا کر خطبہ سنیں۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام خطبہ پشت بقبلہ کیطرف کر کے پڑھے گا۔ اور اگر یہی معنی بیان کرنا مقصود ہو تو بھی درست ہے لیکن جو مطلب ہم

پہلے بیان کیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۴۱/۱۵ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاَكَ اَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلٰوةٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[۱] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے۔ تو جو تجھے یہ خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم بے شک میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں[۲] (مسلم)

[۱] حضرت جابر اور ان کے باپ سمرہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادہ ہیں۔ ان کی والدہ خالدہ بنت ابی وقاص ہے۔ حضرت جابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے باپ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] اس عبارت سے فوراً جو بات ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ نماز سے نماز جمعہ مراد ہے مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں پانسو کے قریب جمعے پڑھے ہیں کیونکہ آپ نے پہلا جمعہ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد پڑھا ہے، اور مدینہ پاک میں آپ کے قیام کی مدت دس سال ہے۔ لہٰذا اس سے پنجگانہ نماز مراد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس سے مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ عرصہ صحبت و معیت بیان کرنا ہے۔

۱۳۴۲/۱۶ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔

حضرت کعب[۱] بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم[۲] بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے[۳] حالانکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب وہ تجارت اور کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں[۴]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ حضرت کعب بن عجرہ (عین کی پیش اور جیم ساکن) آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ انصار کے حلیف ہیں۔ اصحاب شجرہ بیعت الرضوان میں سے ہیں۔ منقول ہے کہ آپ نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ان کے بڑے دوست تھے ایک دن ان کے گھر اندر تشریف لے آئے۔ اور بت کو توڑ دیا تو وہ بڑے غصے میں آگئے اور قریب تھا کہ حضرت عبادہ کو گالی دے دیتے مگر پھر اچانک سوچ میں پڑ گئے اور اپنے جی میں کہنے لگے۔ اگر یہ بت فائدہ پہنچا سکتا اور کچھ بھی قدرت و طاقت رکھتا تو اپنے آپ کو ٹوٹنے سے بچالیتا۔ تو بت پرستی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

ﷺ یہ شخص بنی امیہ اور ان کے پیروکاروں میں سے ہیں۔

ﷺ یہاں قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک شام سے ایک قافلہ آگیا۔ قحط کے دن تھے صحابہ کرام میں سے بارہ آدمیوں کے قریب بے طاقت ہو گئے اور قافلہ دیکھنے اٹھ کر باہر آگئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور مالک و احمد کے نزدیک خطبے میں قیام سنت ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک واجب ہے۔ باقی آئمہ کے نزدیک خطبہ میں قیام شرط ہے۔ مگر اس کے لیے جو قدرت نہ رکھتا ہو جیسا کہ نماز میں قیام شرط ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا سب سے پہلے جس شخص نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے وہ حضرت امیر معاویہ ہیں انہوں نے بھی اُس وقت ایسا کیا جب کہ ان کا شکم بھاری ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تکلیف و مشقت کے باوجود خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے۔ جب بالکل بے طاقت ہو جاتے بیٹھ جاتے اور خاموش ہو جاتے پھر اٹھتے اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے اور دوسرا کھڑے ہو کر وہ ایسا ضرورت اور مجبوری کے تحت کرتے۔ لہٰذا ان کا فعل اس شخص کے لیے دلیل نہیں بن سکتا جو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو جائز قرار دے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

ﷺ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرنے والے پر شدت اور سختی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بلا ضرورت اس چیز کے خلاف کام کرنا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اس کے خبث باطن کی علامت ہے۔

۱۳۴۳ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ أَنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر ہاتھ

رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بلند کرتے دیکھا[۲] تو فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو تقبیح کرے۔ البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انگلی سے اشارہ کرنے سے بڑھ کر کچھ نہ کرتے۔ پھر حضرت عمارہ نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔[۳] (مسلم)

[۱] عمارۃ (سین کی پیش میم مخفف) رویبہ (را کی پیش واو پر زبر۔ یا ساکن) حضرت عمارہ صحابہ میں سے ہیں۔
[۲] جس طرح بعض جاہل واعظوں اور خطیبوں کا طریقہ ہے۔
[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی صورت دکھانے کے لیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگشت شہادت سے ایک اشارہ کرتے۔ گویا آپ لوگوں سے خطاب فرماتے اور انہیں تنبیہ کرتے کہ آپ جو کچھ ذکر رہے ہیں لوگ اسے غور سے اور کان لگا کر سنیں۔

۱۳۳۴/۱۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے فرماتے لوگو بیٹھ جاؤ۔[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ حکم سنا جب کہ وہ ابھی مسجد کے دروازے پر تھے تو وہیں بیٹھ گئے[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ ابن مسعود آگے آجاؤ۔[۳] (ابوداؤد)

[۱] گویا لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسے سمجھو۔
[۲] یعنی جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے۔ شارع علیہ السلام کا حکم سن کر اس کی جلد بجا آوری کے لیے وہیں بیٹھ گئے۔
[۳] یہ آپ نے ان کو غایت شفقت و رحمت کے طور پر فرمایا۔ کیونکہ انہوں نے فوراً حکم کی بجا آوری کی تھی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جو کوئی تعمیل حکم کرتا ہے وہ کرم و عنایت کا مرکز بن جاتا ہے اور محبوب کا محبوب اور اس کا مطلوب بن جاتا ہے۔ بیت

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

جو کوئی عشق میں صادق ہوتا ہے۔ معشوق بھی اس کے سر پر عاشق بن کر آتا ہے۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ منبر پر جانے کے بعد کلام کرنا جائز ہے۔ یا یہ آپ نے خطبہ شروع کرنے سے پہلے فرمایا یا آپ نے بیٹھنے کا حکم اشارہ سے کیا راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔ ابن الہمام کی شرح میں ہے خطیب کے لیے حالت خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے مگر امر بالمعروف کے لیے۔ جیسا کہ وضو میں حضرت عمر کا حضرت عثمان سے قصہ مذکور ہے۔ وہ مشہور قصہ ہے اور باب الغسل میں ذکر ہو گزر چکا ہے۔ اور سفر السعادۃ میں کہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے پہلے لوگوں کو سلام کہتے پھر جب منبر پر بیٹھتے تو دوبارہ سلام کہتے۔

۱۳۳۵/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْیُصَلِّ اِلَیْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّهْرَ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی۔ وہ اس کے ساتھ دوسری ملائے اور جس کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار رکعت پڑھے۔ یا آپ[1] نے فرمایا ظہر پڑھے[2]۔ (دار قطنی)

[1] یعنی یا آپ نے اربعًا کے بجائے فلیصل الظہر کا لفظ فرمایا یعنی چار رکعت ظہر پڑھے۔

[2] فصل اول میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس مسئلہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا باب

نماز خوف کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ حنفیہ سے ایک روایت کے مطابق جو ابو یوسف اور حسن بن زیاد سے مروی ہے اور شافعیہ سے مزنی کی روایت کے مطابق نماز خوف زمانہ نبوت کے ساتھ خاص تھی کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بڑا ارادہ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی مشروعیت باقی نہ رہی مگر جمہور کے نزدیک مختار یہ ہے کہ زمانہ نبوت کے بعد بھی اس کا جواز باقی ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد بعض صحابہ جیسے حضرت علی مرتضیٰ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسے پڑھنا جمہور علماء کی دلیل ہے۔ پھر بعض نے کہا ہے کہ صفت مذکورہ پر نماز خوف ادا کرنا اس وقت لازم ہے جب کہ قوم ایک امام کے پیچھے یہ نماز پڑھنے کا تنازع کرے اور اگر جھگڑا نہ کریں تو ایک امام ایک گروہ کے ساتھ پوری نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دوسرے امام کی اقتداء میں پوری نماز پڑھے۔ بعض آئمہ (جیسے امام مالک) کے نزدیک نماز خوف حالت سفر کے ساتھ خاص ہے۔ احناف کے نزدیک سفر و حضر دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ اور اختلاف زمان و مکان کے مطابق نماز خوف متعدد طریقوں پر روایت دشمن سے پرہیز اور بچاؤ کے لیے جس طرح کی مصلحت امام دیکھے اس طرح پڑھے۔ اور ہر امام نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو اختیار کیا ہے۔ جو کتب صحاح ستہ میں موجود و ثابت ہے۔ تمیمی نے کہا کہ نماز خوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار جگہوں میں منقول ہے۔ ذات الرقاع میں۔ بطن نخل میں۔ مقام عسفان میں۔ اور مقام ذی قرد میں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز خوف صرف حالت سفر میں پڑھی گئی ہے۔ فقہاء کرام کا حضر میں یہ نماز پڑھنا سفر پر قیاس کرنے سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۳۳۶ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَآئِفَةٌ مَّعَهٗ وَاَقْبَلَتْ طَآئِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَهٗ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّآئِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَآءُوْا

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب غزوہ کیا ہم لوگ دشمن کے مقابل کھڑے ہوئے۔ اور ان کے سامنے صفیں بنائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدے کیے۔ پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہ پڑھی تھی تو وہ ادھر آ گئے۔ رسول اللہ

فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَ رَوٰى نَافِعٌ نَحْوَهٗ وَ زَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِى الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اُرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھا دی اور دو سجدے کر لیے۔ پھر آپ نے سلام پھیر دیا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ لی اور دو سجدے کر لیے[۴]۔ حضرت نافع نے یوں ہی روایت کی۔ مگر اتنا زیادہ کیا[۵] کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پیدل اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھ لیں۔ ان کا قبلہ کی جانب منہ[۶] ہو۔ یا نہ ہو۔ نافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عمر نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کی ہے[۷]

(بخاری)

[۱] حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فقہائے مدینہ سادات و علما تابعین و ثقات میں سے ہوئے ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں کہا کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی نفل و زہد اور ریاضت۔ نفس کشی میں پہلے لوگوں کے مشابہ نہ تھا۔ سلیمان بن عبدالملک نے آپ کو کعبہ میں دیکھا تو کہا آپ جو مانگنا چاہتے ہیں مجھ سے مانگیں۔ فرمایا میں خانہ خدا میں خدا کے سوا کسی اور سے ہرگز کچھ طلب نہ کروں گا۔ حضرت سالم بن عبداللہ حجاج بن یوسف کو بہت سخت سست کہا کرتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سالم کی ماں پر رحمت نازل کرے جس نے اپنے بیٹے کا نام سالم رکھا۔

[۲] نجد نون کی زبر جیم ساکن یہ اس علاقے کا نام ہے جس کا بلند حصہ تہامہ اور یمن تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا نشیبی علاقہ عراق و شام سے جا ملتا ہے۔ نجد دراصل بلند جگہ اور روشن و بلند راستہ کو کہتے ہیں۔ علاقہ نجد بھی بلندی پر واقع ہے۔ اس حدیث میں نجد عراق مراد ہے نجد یمن مراد نہیں۔

[۳] یعنی ایک رکعت ادا کی۔

[۴] یعنی ایک رکعت ادا کی۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ہر گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت ہر ایک گروہ نے الگ الگ پڑھی۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ کا مذہب ہے علماء نے کہا ہے کہ یہ مذہب نص قرآن کے زیادہ موافق ہے۔ ان شاء اللہ وہ
واضح ہو کر دونوں گروہوں کے لئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں اکٹھے باقی ایک رکعت پڑھ لیں کیونکہ
ایسا کرنے سے جنگ کا نظام برباد اور اس کی ضرورت و مصلحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ پھر اس حدیث
سے یہ معلوم نہ ہوا کہ بقیہ رکعت کونسا گروہ پہلے ادا کرے۔ اشہب نے کہا جو امام مالک کے ساتھی ہیں کہ دوسرا گروہ
پہلے پڑھے کہ اس طرح کرنے سے کثرت مخالفت سے محفوظ رہے گا۔ آئندہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پہلا گروہ پہلے پڑھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ یہ سالم کی ابن عمر
سے روایت ہے۔

۵۵ اور نافع نے ابن عمر سے ایسی ہی روایت کی۔

۵۶ یعنی دشمن کا خوف اس قدر زیادہ ہو کہ مذکورہ طریقہ پر جماعت سے نماز پڑھنا دشوار ہو۔

۵۷ یعنی اگر پیادہ پڑھنا دشوار ہو تو سواری پر ہی پڑھیں اور قبلہ رخ ہو کر پڑھیں اگر قبلہ رو ہونا بس میں ہو۔ اور
بس میں نہ ہو تو جیسے ممکن ہو پڑھیں اور نماز ترک نہ کریں۔ بیت

بروں انمتم از خود بہ پراگندگی	نہ انتم بروں باتو از بندگی
لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے آد	سے او میخز و اور اسلب

ترجمہ:۔ میں اپنی پراگندہ خیالی کے باعث اپنے آپ کو اونچا تصور کرتا ہوں اور تیری بندگی سے تو مجھے
تواضع اور انکساری ہی نصیب ہوگی۔
لنگڑا لولا اور مودب نہ ہونے کے باوجود تجھے اسکی جانب اٹھنا اور اسے ہی طلب کرنا چاہیے۔

۵۸ یعنی یہ تحقیق اور یہ تفصیلات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی
بیان کی ہونگی۔

۱۳۴۲ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلٰوةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا

حضرت یزید بن رومان سے وہ صالح بن خوات سے وہ ان سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع کے دن نماز پڑھی کہ ایک گروہ آپ کے ساتھ صف آراء ہوا۔ اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہا۔ آپ نے اپنے ساتھ والے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یونہی کھڑے رہے۔ انہوں نے

وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِىْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِىُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ ابْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اپنی نماز پوری کر لی۔ اور دشمن کے مقابل صف بستہ ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا۔ آپ نے انہیں وہ رکعت پڑھائی۔ جو آپ کی نماز سے باقی تھی۔ پھر یوں ہی بیٹھے رہے اور ان مجاہدوں نے اپنی نماز پوری کر لی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ سلام پھیرا۔ (مسلم بخاری)

اور بخاری کی تے دوسری اسناد سے تا قاسم سے انہوں نے صالح بن خوات سے انہوں نے سہل بن حثمہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

لہ رُدمان را کی پیش وار ساکن۔ آپ تابعی ہیں کثیر الحدیث اور ثقہ ہیں۔

ےلہ صالح بن خوات۔ خا کی زبر واو مشدد آخر میں تا۔ آپ بھی تابعی ثقہ اور عزیز الحدیث ہیں۔ یعنی احادیث کم روایت کرتے ہیں۔ حضرت خوات جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا غزوہ جس میں شریک ہوئے اغزدہ اُحد ہے

سلہ ذات الرقاع را کی زیر سے۔ اس غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ ہجری میں ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ اور آپ نے اس میں نماز خوف ادا کی مگر کفار سے جنگ کی نوبت نہ آئی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ اسے ذات الرقاع اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام پا برہنہ تھے۔ ان کے پاؤں سوج کر زخمی ہو گئے ناخن اتر گئے تو انہوں نے اپنے پاؤں کپڑے کے ٹکڑوں سے باندھے۔ مشہور وجہ یہ ہے بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک پہاڑ تھا جس کے کچھ ٹکڑے سرخ کچھ سفید اور کچھ سیاہ رنگ کے تھے۔ اور کچھ زرد رنگ کے۔ وہ پہاڑ ایسا رنگ برنگ نظر آتا تھا کہ گویا اس پر مختلف رنگ کے ٹکڑے سی دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خوف کا بیان فرماتے ہیں۔

سکہ حدیث پاک میں یہاں لفظ وجاہ آیا ہے واو کی پیش اور زیر سے ایک روایت میں تجاہ العدو کا لفظ آیا ہے۔

ھہ سہل سین کی زبر ہا ساکن۔ ابی حا کی زبر ثا ساکن۔ آپ کمسن صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ یزید بن رومان کی روایت میں جو عمن صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہیں۔ بعض نے کہا اس سے انہوں نے اپنا باپ خوات مراد لیا ہے اور وہ صحابی ہے۔

سلہ یہ نماز خوف کے طریقوں میں سے دوسرا طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں ہر گروہ نے ایک ایک رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی اور دوسری رکعت اکیلے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے وقت وہ نہ پڑھی بلکہ آپ کی نماز پوری کر لینے کے بعد اسی طریقہ کو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے۔

۱۳۳۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ بِسَيْفِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ جب ہم ذات الرقاع میں پہنچے فرماتے ہیں کہ ہم جب کبھی کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تھے تو وہ درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک شخص آیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر سونت لی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا نہیں وہ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا۔ فرمایا مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا۔ فرماتے ہیں کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دھمکایا۔ تو اس نے تلوار میان میں کر کے لٹکا دی۔ فرماتے ہیں پھر نماز کی اذان ہوئی تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھا دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں ہے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ یعنی خوب سایہ دار درخت۔
ٹہ تاکہ آپ اس کے نیچے آرام فرمائیں۔ اور دھوپ سے بچیں۔
تہ یعنی اس درخت کے ساتھ۔
ٹہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں کیوں پڑھیں۔ دو کیوں نہ پڑھیں۔ اس کے جواب میں بعض نے کہا قصر رخصت ہے۔ جیسا کہ بعض ائمہ کا مذہب ہے۔ اس لیے آپ نے چار رکعت پڑھیں۔ مگر یہ بیان اس کے خلاف ہے جو بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی بھی چار رکعت نہیں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے۔ تاکہ ہر گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں پوری نماز پڑھ سکے اور شاید صرف اس موقعہ پر صحابہ میں نزاع واقع ہوئی ہو کسی اور موقعہ میں نزاع واقع نہ ہوئی ہو۔ بعض نے کہا یہ تکرار نماز ہے۔ جیسا کہ شافعی حضرات تکرار نماز کے قائل ہیں۔ اور ان کے نزدیک فرض والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔ بعض نے کہا یہ نماز اس حالت میں سفر میں نہ تھی۔ بلکہ حضر میں تھی۔ اور قوم کا دو رکعت پر کفایت کرنا خوف کے تحت ضرورت کے خصائص میں سے ہے۔ اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ہر گروہ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھتے۔ اور قوم صرف اسی ایک رکعت پر کفایت کرتی دوسری نہ پڑھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوف کی حالت وہ خصوصیات رکھتی ہے جو غیر حالت خوف میں نہیں پائی جاتیں واللہ اعلم۔

۱۳۳۵ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَ

حضرت جابر سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں بنائیں جب کہ دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم سب نے تکبیر کہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا۔ پھر حضور نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا اور ہم سب نے اٹھایا۔ پھر آپ اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی سجدہ میں گئے

الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کر لیا۔ اور آپ سے متصل صف بھی کھڑی ہو گئی۔ تو پچھلی صف سجدہ میں گر گئی۔ پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے ہو گئی اور اگلی صف پیچھے ہو گئی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے رکوع کیا۔ پھر حضور نے اور ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا پھر حضور اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی اور جو رکعت اولی میں پچھلی صف تھی، سجدہ میں گئے۔ اور پچھلی صف دشمن کے مقابل کھڑی رہی پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے متصل صف نے سجدہ پورا کیا تو پچھلی صف سجدہ میں چلی گئی۔ اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے اکٹھا سلام پھیرا۔[3]

[1] اس قید کا فائدہ آگے معلوم ہوگا۔

[2] یہاں تک کہ اس مقام میں ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں موافق تھے۔

[3] یہ نماز خوف کا ایک دوسرا طریقہ ہے جو زمانہ اور مصلحت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ یعنی دشمن کی حراست و نگہداشت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے ایسا کیا اور جب کہ یہاں دشمن جانب قبلہ میں تھا تو سب حضرات جانب قبلہ کو رخ کر کے کھڑے ہوئے اور سب نے رکوع اکٹھے کیا مگر سجدہ کے وقت ایک گروہ سجدہ

میں گیا اور دوسرا کھڑا رہا۔ جیسا کہ بیان ہوا اور جب کہ دشمن جانب قبلہ کے علاوہ کسی دوسری جانب نہ تھا اس بنا پر ایک گروہ کو ان کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۳۴۰ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ صَلٰوۃَ الظُّھْرِ فِی الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰی بِطَائِفَۃٍ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَۃٌ اُخْرٰی فَصَلّٰی بِھِمْ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

دوسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخل[۱] میں ظہر کی نماز خوف پڑھا رہے تھے۔ آپ نے ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ اور سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کے ساتھ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا[۲]

(شرح سنۃ)

۱۔ بطن نخل مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔

۲۔ اس صورت میں آپ نے دونوں گروہوں کے ساتھ جدا جدا سلام پھیرا۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں جیسا کہ حضرت جابر کی گذشتہ حدیث میں گزرا مگر وہاں یہ وضاحت نہ تھی کہ ایک سلام پھیرا یا دو۔ جیسا کہ مولف نے یہاں نقل کیا ہے اور شرح سفر السعادۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں اتنی دیر توقف فرمایا کہ دوسرے گروہ کے ساتھ مل کر سب نے اکٹھے سلام پھیرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۳۴۱ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَ عُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لِھٰؤُلَاءِ صَلٰوۃٌ ھِیَ اَحَبُّ اِلَیْھِمْ مِنْ اٰبَائِھِمْ وَ اَبْنَائِھِمْ وَھِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْھِمْ مَیْلَۃً وَّاحِدَۃً وَّاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتٰی

تیسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان[۱] و عسفان کے درمیان اترے۔ تو مشرکین بولے کہ ان کی ایک نماز ہے جو انہیں اپنے باپ بیٹوں[۲] سے زیادہ پیاری ہے۔ یعنی عصر تو اپنی طاقت جمع کر لو[۳] اور ان پر ایک دم ٹوٹ پڑو۔ ادھر حضرت جبریل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَهُ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ وَتَقُومُ طَائِفَةٌ أُخْرٰى وَرَاءَهُمْ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُونُ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیں اور انہیں اس طرح نماز پڑھائیں کہ دوسرا گروہ ان کے پیچھے رہے جو اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ ان سب کی ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ہوں گی۔

(ترمذی۔ نسائی)

۱؎ ضَجنان ضاد کی زبر جیم ساکن آخر میں دو نون، مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ یا پہاڑ کا نام ہے۔

۲؎ عُسفان عین پر پیش سین ساکن۔ مکہ شریف سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ کا نام ہے۔

۳؎ اور ایک روایت میں من ابناءھم ماموالھم آیا ہے۔ یعنی مال و اولاد سب سے زیادہ پیاری وہ نماز ہے۔

۴؎ حدیث میں لفظ فأَجمِعُو ہے ہمزہ کی زبر، جیم ساکن میم کی زیر۔

۵؎ اصل میں لفظ امر ہے امر بمعنی رائے۔ مطلب یہ ہے کہ متفق ہو جاؤ اور پختہ ارادہ کر لو اور ان پر یکبارگی ٹوٹ پڑو اور ان کو ہلاک کر دو۔ مشرکوں نے آپس میں یہ بات طے کر لی۔

۶؎ اور آپ کو مشرکین کا شر و فتنہ دفع کرنے کی تدبیر سکھائی کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں تقسیم کریں۔

۷؎ یعنی ان کے آگے یا پیچھے اور لفظ وراء پیچھے اور آگے دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔

۸؎ حِذر حا کی زیر ذال ساکن۔ پرہیز کرنا۔ سلاح سین کی زبر۔ یعنی سامان جنگ۔

۹؎ قوم کی نماز کے ایک رکعت ہونے کا مطلب یہ ہے۔ امام کے ساتھ ایک رکعت و دوسری رکعت وہ اکیلے پڑھیں گے۔ بعض علماء ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

نماز عیدین کا باب

علماء فرماتے ہیں کہ عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ یہ ہر سال اپنے اوقات میں لوٹتی اور کر آتی ہے۔ اور یہ

معنیٰ چونکہ اور بہت سے موسموں میں بھی پایا جاتا ہے جو لوٹ لوٹ کر اور مکرر آتے ہیں اس لیے بعض نے ایک اور قید کا اضافہ کیا یعنی جو فرحت و سرور کے ساتھ لوٹے اور عود کرے۔ عید فطر تو فرحت و سرور اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجا لانا چاہیے اور عید اضحیٰ حج کی نعمت تمام ہونے کے شکرانے کے طور پر مقرر کی گئی ہے۔ حج میں بندہ عرفات پہنچتا ہے جو تمام ارکان میں عمدہ رکن ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ الحج عرفۃ یعنی حج تو صرف عرفہ کا نام ہے اور جمعہ ہر ہفتہ کی عید ہے اور ہفتہ کی نمازوں کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ تو شریعت پاک میں ہر طاعت پر شکر نعمت کے لیے اس کی جنس سے عید مقرر کر دی۔ تاکہ مزید نعمت کا موجب بنے۔ جیسا کہ فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم الایہ۔ تم لوگ اگر نعمتوں کا شکر بجا لاؤ گے تو میں ضرور تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا۔ لیکن زکوۃ کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں نہ اس کے لیے کوئی اجتماع منعقد ہوتا ہے اس لیے اس کی تمام ادائیگی کے موقعہ پر اس کے مناسب کوئی شکر نہ تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے عید اس کی دوبارہ آمد کی نیک فالی کے لیے کہتے ہیں۔ جس طرح قافلہ کو روانگی کے وقت ہی قافلہ کہہ دیتے ہیں۔ اور یہ لفظ قافلہ قفول سے نکلا ہے بمعنیٰ واپس آنا۔ یعنی خدا کرے یہ قافلہ واپس لوٹ کر آئے۔

پھر عیدین کی نماز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے ایک قول کے مطابق فرض ہے۔ جس طرح جمعہ فرض ہے۔ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے اور اسے سنت جو کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے کتاب اللہ سے نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے صاحبین کے نزدیک عید سنت ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک نفل۔ اور شوافع نے اسے افضل نوافل قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام مالک سے کہا کہ عید سنت واجبہ ہے۔ ممکن ہے کہ وجوب سنت کی تاکید کے لیے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجوب سے مراد وہی ہو جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ جیسے نماز جنازہ اور جہاد۔ اور امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۳۳ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَاُ بِهٖ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فطر اور اضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلا کرتے تھے تو سب سے پہلی چیز جس سے آپ ابتدا کرتے تھے

الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَیَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ فَیَعِظُھُمْ وَیُوْصِیْھِمْ وَیَاْمُرُھُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَہٗ اَوْ یَاْمُرُ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِہٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نماز تھی[۲] پھر آپ لوٹتے اور لوگوں کے روبرو ہو کر کھڑے ہوتے[۳] اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے تو آپ انہیں نصیحت فرماتے۔ وصیت کرتے اور انہیں حکم دیتے[۴] اور اگر آپ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اسے روانہ کرتے۔ یا کسی چیز[۵] کا حکم دینا ہوتا تو اس کا حکم دیتے۔ پھر واپس لوٹ آتے[۶]

(بخاری و مسلم)

[۱] مصلی یعنی عیدگاہ اور یہ مدینہ پاک میں شہر سے باہر ایک مشہور جگہ ہے وہاں نماز عید پڑھتے ہیں۔ اب اس کے اردگرد چاردیواری بنادی گئی ہے علماء کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے اس جگہ تک ایک ہزار قدم کا فاصلہ اور مسافت ہے۔ اور آج کل لوگ نماز عید مسجد شریف میں ہی پڑھتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات کی تالیف کے زمانہ میں)

[۲] یعنی نماز عید خطبہ عید سے پہلے ادا فرماتے۔

[۳] بغیر اس کے کہ منبر پر تشریف فرما ہوتے کہ آپ کے زمانہ اقدس میں عیدگاہ میں منبر نہ تھا۔

[۴] یہ تینوں معانی ایک دوسرے کے نزدیک ہیں لہٰذا ان تینوں کا ذکر تاکید و تقریر کے طور پر کیا گیا ہے علامہ طیبی نے کہا یعظہم کا معنی ہے آپ انہیں وعظ فرماتے اور ڈراتے۔ یوصیہم کا معنی ہے خیر کے حق میں لوگوں کو خیر خواہی اور ہمدردی کی تلقین کرتے اور یامرہم کا معنی ہے کہ انہیں حلال کا حکم دیتے اور حرام سے منع کرتے۔

[۵] یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے جو لشکر بھیجنے وغیرہ ہر کام کو شامل ہے۔

[۶] یعنی وعظ و نصیحت وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے آتے۔

۱۳۴۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِیْدَیْنِ غَیْرَ مَرَّۃٍ وَّلَا مَرَّتَیْنِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بار نہیں دو بار نہیں بلکہ زیادہ مرتبہ نماز عید پڑھی ہے۔ وہ بغیر اذان و اقامت کے ہوتی تھی[۱]

(مسلم)

[۱] یعنی نماز عید کے لیے اذان و اقامت نہ ہوتی تھی جس طرح پنجگانہ نماز کے لیے ہوتی ہے اور ایک

روایت میں یہ الفاظ زیادہ آتے ہیں کہ الصلوۃ جامعۃ بھی نہیں کہا جاتا تھا۔

۱۳۴۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت[۱] ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تخصیص سنت کی تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ۔ میرے بعد دو شخصوں کی اقتدا اور اتباع کرنا ابوبکر اور عمر کی۔ رضی اللہ عنہما۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ وہ یہ کہ آپ عید کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھتے۔ آپ نے یہ تبدیلی لوگوں کی کثرت کی بنا پر کی تاکہ سب لوگ نماز میں شامل ہو سکیں۔ اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

۱۳۴۴ وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّلَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ تو نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اور ابن عباس نے اذان و اقامت کا ذکر نہ کیا۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کی[۱] اور انہیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھیں۔ اور حضرت بلال کی طرف ڈال رہی تھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال شتابی شتابی واپس گھر تشریف لے گئے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] اور انہیں احکام دین حالات آخرت اور ثواب و عقاب سے آگاہ کیا۔

سے تاکہ ان کے کانوں اور گلوں میں جو زیور ہے اس میں سے حضرت بلال کو دیں۔ اور حدیث میں لفظ لیویں یا کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے۔

سے حدیث میں لفظ ارتفع آیا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے رفع بمعنی بیل کا چلنے میں شتابی اور مبالغہ کرنا۔

۱۳۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہ پڑھی لے

(بخاری و مسلم)

لے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز عید کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں۔ ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے بھی ایک حدیث آئی ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے اور بعض اہل علم نے نماز عید کے بعد نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اس سے پہلے بھی جائز کہا ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔ زہری نے کہا میں نے اپنے علماء میں سے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے اس امت کے سلف میں سے کسی کے بارے میں یہ ذکر کیا ہو کہ اس نے نماز عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز پڑھی ہو۔ ہدایہ میں کہا کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے عیدگاہ میں کوئی نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ نماز سے انتہائی لگاؤ رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی تو بعض نے کہا صرف عیدگاہ میں پڑھنا مکروہ ہے۔ بعض نے کہا عیدگاہ اور غیر عیدگاہ ہر جگہ میں مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔ اور ہدایہ کی بعض شروح میں کہا اگر اس نے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے نماز اشراق اور نماز چاشت پڑھی تو مکروہ نہیں۔ اور فتح الباری میں کہا کہ کوفی کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد پڑھے۔ اس سے پہلے نہ پڑھے۔ بصری کہتے ہیں پہلے پڑھے بعد نہ پڑھے اور مدنی علماء فرماتے ہیں کہ نہ پہلے پڑھے نہ بعد۔ قول اول کے قائل ہیں اوزاعی، ثوری اور حنفیہ اور قول ثانی کے قائل ہیں حسن بصری اور ایک جماعت۔ اور تیسرے قول کے قائل ہیں۔ زہری، ابن جریج، احمد اور شافعی۔ اور سلف کی ایک جماعت نے کہا کہ نماز عید سے پہلے یا بعد نفل پڑھنے کی کوئی کراہت نہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ اگر نماز عید رہ جائے تو اس کی قضا جائز ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ فوت ہو چکی ہو تو قضا نہ کرے۔ کیونکہ نماز اس صفت پر اسے عبادت قرار نہیں دیا گیا مگر شرائط مخصوصہ کے ساتھ اور وہ شرائط منفرد میں پوری نہیں ہوتیں۔ کذا فی الہدایہ

اور بعض شروح میں مذکور ہے کہ اگر چاہے کہ دو رکعت یا چار رکعت نماز چاشت کی طرح پڑھے جس طرح دوسرے دنوں میں پڑھی جاتی ہیں اور محیط اور قاضی خان سے نقل کیا جو شخص عیدگاہ آیا اور امام کے ساتھ نماز نہ پائی تو اسے اختیار ہے اگر چاہے واپس گھر چلا جائے اور کوئی نماز نہ پڑھے۔ اور اگر چاہے تو پڑھے اور پھر واپس گھر جائے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ تاکہ اسے نماز چاشت حاصل ہو جائے۔ امام احمد کا مذہب بھی ایسا ہی ہے۔

۱۳۴۱ وَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ دَعْوَتَهُمْ وَ تَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَاَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام عطیہ[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض[۲] والی اور پردہ نشین عورتوں کو دونوں عیدوں کے دن باہر نکالیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعاؤں میں حاضر شامل ہوں۔ اور حیض والیاں اپنی جائے نماز سے الگ بیٹھیں ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں ایسی عورتیں بھی ہیں جن کے پاس چادر[۳] نہیں۔ فرمایا چادر والی عورت اپنی چادر اسے بھی پہنا دے[۴] (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ صحابیات اور عقلمند عورتوں میں سے تھیں۔ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔

۲؎ لفظ حُیَّض حا کی پیش یا شد کی زبر سے ہے۔ حائض کی جمع۔ خُدُور خدر بکسر خا کی جمع ہے یعنی وہ پردہ جو کنواری عورت پر ڈال کر اسے گھر کے کونہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔

۳؎ حدیث میں لفظ جلباب ہے جیم کی زیر سے معنی چادر۔

۴؎ یعنی یہ عورت جس کے پاس چند چادریں ہوں، وہ اس عورت کو ایک چادر عاریتہً دے دے جس کے پاس چادر نہ ہو۔ یا مراد یہ ہے کہ اپنی چادر کا ایک کنارہ اس پر بھی ڈال دے اور دونوں ایک چادر پہن کر بیٹھ جائیں۔ اور وہ عورت جس کے پاس چادر نہ ہو وہ اگر دوسری سے مانگے یا عاریتہً حاصل کرے تو یہ بھی جائز و روا ہے۔ کہ یہ ایک نیک کام کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۱۳۴۲ وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَ عِنْدَهَا جَارِيَتَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے

فِي أَيَّامِ مِنًى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِي رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُوبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ وَفِي رِوَايَةٍ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهٰذَا عِيدُنَا ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عائشہ کے پاس دو لڑکیاں گا رہی اور دف بجا رہی تھیں[1] یہ ایام منیٰ کا واقعہ ہے۔ وہ دونوں لڑکیاں گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں[2]۔ ایک روایت میں اس طرح کہا ہے کہ وہ دونوں انصار کے وہ اشعار گا رہی تھیں جو یوم بُعاث سے تعلق رکھتے تھے[3] اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے ہوئے تھے[4] حضرت ابوبکر نے انہیں جھڑکا[5] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ انور سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا اے ابوبکر انہیں چھوڑ دے کہ یہ عید کے دن ہیں۔ اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے اے ابوبکر ہر قوم کے لیے عید ہوتی ہے[6] اور یہ ہمارا عید کا دن ہے[7]۔
(بخاری و مسلم)

[1] جو کہ عید اضحیٰ اور تشریق کے دن ہیں۔

[2] یعنی وہ لڑکیاں گا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ دف بجا رہی تھیں۔ یہ لڑکیاں انصار میں سے تھیں اور بہت چھوٹی عمر کی تھیں اور تضربان کا لفظ گویا تدففان کی تاکید ہے۔ بعض نے کہا تضربان کا معنی ہے ترقصان یعنی ناچ رہی تھیں۔ یہ لفظ رقص سے بنا ہے۔ اور عربی میں معنی ہے ضرب ارض یعنی زمین پر پاؤں مارنا۔ لفظ دف دال کی پیش اور زبر دونوں طرح آیا ہے۔ دف بجانے میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً مباح ہے۔ بعض نے کہا مطلقاً حرام ہے تیسرا یہ ہے کہ شادیوں اور ولیموں وغیرہ موقعوں پر جائز ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے اس دف میں جس کے جھانجھ ہو اور اس میں جو اس سے خالی ہو اور اس میں بھی اختلاف ہے۔

[3] یعنی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ یہ دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جن کے ساتھ انصار نے بُعاث کے دن ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کیا تھا اور اپنی بہادری اور لڑائی کا بیان کیا تھا جس طرح کہ بہادر لوگوں کی عادت ہے۔ بُعاث با کی پیش اور عین مہملہ مخفف۔ مدینہ منورہ کے قریب اس سے دو رات کے فاصلہ پر ایک جگہ یا قلعہ کا نام ہے جہاں اوس بن خزرج کہ انصار کے دو قبیلوں کا نام ہے ان دونوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اور ایک سو بیس برس جاری رہی اور ان کے درمیان اتنا طویل عرصہ دشمنی اور عداوت کا فتنہ برپا رہا۔

اسلام آنے سے ان کی یہ دشمنی ختم ہو کر آپس میں دوستی کے ساتھ تبدیل ہو گئی۔ آیۂ کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ الخ۔ اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم میں الفت ڈال دی، اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ تو یہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ سب اشعار جنگ و شجاعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ایسے اشعار کا ذکر دینی امور میں معاونت کرتا اور اس سے اہل ایمان کو کفار کے ساتھ جہاد و قتال کی رغبت حاصل ہوتی ہے۔ ان اشعار میں فواحش و منکرات کا ذکر نہ تھا جو حرام ہے اور حاشا و کلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فواحش و منکرات پر مشتمل اشعار کو روا رکھیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ لیستا بمغنیتین یعنی وہ دو لڑکیاں مغنیہ نہ تھیں۔ کہ ان کا پیشہ گانا بجانا ہو اور وہ گاتے کو اچھا جانتی ہوں۔ اور اس پیشہ میں مشہور و معروف ہوں۔ اور گانے کے ذریعے لوگوں کو فواحش اور نفسانی خواہشات کا شوق دلاتی ہوں۔ جو فتنہ و فساد و معصیت کا داعی بنتا ہے۔ بلکہ وہ کسی اہل خانہ کی چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں اور اس طرح کی بچیاں تھیں جس طرح لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہیں۔

ﷺ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلو بدلا اور اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔

شہ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گانے اور دف بجانے کے فعل سے ان لڑکیوں کو منع کیا اور انہیں جھڑکا صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شیطانی ساز بجا رہی ہو۔ مزمار ایک آلہ ہے جسے گویے لوگ بجاتے ہیں۔ جیسے بانسری، ہارمونیا اور دف وغیرہ۔ حضرت صدیق اکبر نے ان آلے کی نسبت شیطان کی طرف اس بنا پر کی کہ یہ آلہ دلوں کو لہو و لعب میں مشغول کرتا اور یاد الٰہی سے دور کرتا ہے۔

سے کہ یہ عید کھانے پینے اور اللہ تعالٰی کی ضیافت و مہمانی کے دن ہیں۔ ان میں فرحت و سرور کا اظہار اگرچہ دف بجانے اور گانے کی شکل میں ہو، جائز و مباح ہے۔

ﷺ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان ادھر سے ہٹ گیا تو حضرت عائشہ نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ خاموش ہو کر باہر چلی گئیں۔ واضح ہو کہ یہ ہے وہ حدیث جسے اہل سماع گانے اور ایسے آلات کے ساتھ سننے کی اباحت کے لیے دلیل بناتے ہیں۔ نظر انصاف سے اور تعصب و ہٹ دھرمی کے بغیر اس حدیث سے فوری طور پر جو چیز سامنے آتی ہے یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گانے اور دف بجانے پر انکار کیا اور اس سے منع کیا اور جھڑکا۔ ایسا اس لیے کیا کہ آپ کے نزدیک گانے بجانے کی حرمت و کراہت ایک امر مقرر اور ثابت شدہ بات تھی۔ اور حضرت صدیق نے یہ بھی گمان کیا کہ نیند یا عدم توجہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس کا علم نہ ہوا۔ یا آپ نے منع کرنا چاہا ہو گا مگر آپ کو فرصت نہ ملی ہو گی۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہے اور ایسے دن میں اتنا کچھ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے کہ آپ نے فرمایا فانہا ایام عید۔ یہ عید کے دن ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس فرق و تفصیل کا علم نہ تھا۔ تو یہ حدیث عید وغیرہ مباح موقعوں پر اتنی مقدار کو مباح قرار دیتی ہے۔ فرحت و سرور کے لیے۔ اور اس میں شک نہیں ایسا عمل مخصوص وقت اور مخصوص شکل و ہیئت میں مباح ثابت ہوتا ہے۔ مطلق بلا قید اس کی اباحت حدیث مذکورہ سے ثابت نہیں ہوتی الا یہ کہ اس پر قیاس کیا جائے اور یہ قیاس فرع میں ممانعت وارد نہ ہونے کی شکل میں جائز و درست ہے۔ اور یہی (قیاس سے ثابت کردہ مقامات) محل نزاع ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کی علی الاطلاق حرمت پر کوئی نص قطعی وارد نہیں ہے۔ جس طرح زنا اور شراب نوشی کی حرمت میں نص قطعی آ چکی ہے۔ بعض متاخرین محدثین نے کہا ہے کہ گانے کی حرمت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ نہ اس کی حرمت پر اور نہ اس کی اباحت پر کوئی نص قطعی موجود ہے۔ اور اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ مگر اس کے باوجود اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ گانے اور سماع کو ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینا طریقہ اتباع کے خلاف ہے۔ تاہم فقہاء نے اس باب میں بڑی شدت اور بڑے تعصب سے کام لیا ہے۔ مگر ان کا مقصود اس شدت سے یہ ہے کہ تھوڑی سی گنجائش بھی ختم کی جائے اور اس کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے۔ اور صحیح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْا يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن صبح عیدگاہ کی طرف نہ جاتے جب تک کہ چند کھجوریں تناول نہ فرما لیتے۔ آپ انہیں طاق عدد میں کھاتے (بخاری)

سلف اور حاکم کی روایت میں جو عقبہ بن حمید سے مروی ہے آیا ہے کہ آپ تین یا پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ کھاتے تھے اور عدد وتر کو تمام کاموں میں پسند فرماتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق عدد کو پسند کرتا ہے اور کھجوریں تناول فرمانا اس لیے اختیار کیں کہ فی الوقت وہی موجود ہوتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ کھجوریں تناول فرمانے کے استحباب میں یہ حکمت ہے کہ وہ میٹھی ہوتی ہیں اور مٹھاس تقویت نگاہ کے لیے فائدہ مند ہے۔ اور روزہ بصارت کو کمزور کرتا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ مٹھاس مزاج ایمان کے موافق ہے۔ علماء نے کہا ہے جو آدمی خواب میں میٹھی چیز کھاتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے

حلاوت ایمانی نصیب ہوگی۔ اور حلاوت و مٹھاس دل کو نرم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میٹھی چیز کے ساتھ روزہ افطار کرنا افضل ہے۔

۱۳۵۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ بدل کر آتے جاتے تھے[1]۔

(بخاری)

[1] واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس (راستہ بدلنے) حکمت کے بیان میں بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا کہ دو مختلف راستوں پر آنے جانے میں حکمت یہ تھی کہ مختلف جگہوں اور متعدد مواضع میں رہنے والے جنات و انسان وغیرہ آپ کے حق میں گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ اس میں شعائر اسلام کے اظہار کی حکمت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دونوں راستوں میں ذکر خدا اور اشاعت اسلام ہوگی۔ یا اس میں یہ حکمت ہے کہ کفار کو غم و غصہ لاحق ہو اور شوکت اسلام اور دین کے نشانات بلند کرنے اور اہل اسلام کی کثرت و عزت سے کفار خائف و ہراساں ہوں۔ یا یہ حکمت ہے کہ دونوں راستوں کے مسلمانوں کو شامل کرنا مقصود تھا اور ان سب کے لیے حصولِ برکت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے دیدار کی سعادت اور مسائل و علم سیکھنے کا موقعہ ملے۔ اور آپ انہیں نیک باتیں بتائیں، انہیں صدقہ سے نوازیں۔ اور ان پر سلام کہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ اس لیے راستہ بدلتے تھے تاکہ ہجوم کم ہو اور آپ آسانی سے آجاسکیں۔ بعض نے کہا کہ آپ جاتے وقت دور کا راستہ اختیار کرتے۔ اور آتے وقت نزدیک کا راستہ۔ اس ارادے سے کہ جانے میں زیادہ قدم اٹھائیں اور ثواب زیادہ ملے مگر اس توجیہ میں اعتراض ہے کیونکہ جس طرح جاتے وقت قدم لکھے جاتے ہیں آتے وقت بھی فرشتے قدم لکھتا اور ان پر ثواب ملتا ہے جس طرح حج بیت اللہ گھر پہنچنے تک ہر ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور علماء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حج کے ساتھ خاص نہیں۔ اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ آپ دین کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے راستہ بدلتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کی تاک میں ہوتے تھے۔ مگر پوشیدہ نہ رہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو آپ یہ طریقہ کلی یا سرا اختیار نہ فرماتے۔ کیونکہ اس صورت میں آپ کے دشمن دونوں راستوں میں سے کسی راستے میں ضرور آپ کی تاک میں بیٹھتے کیونکہ ان کو آپ کی عادت شریف کا علم ہو چکا ہوتا کہ آپ ایک راستے سے جائیں گے اور دوسرے راستہ سے واپس آئیں گے۔ حق یہ ہے کہ یہ سب احتمالات ہیں۔ ہر ایک نے اپنے فہم و سمجھ کے مطابق اس کا استنباط کیا۔ اور اللہ سبحانہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار اور مصالح افعال کو بہتر جانتا ہے انسانی عقل ان کے ادراک اور ان کے احاطہ سے تامر عاجز ہے۔

۱۳۵۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُّصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید بقر کے دن خطبہ دیا تو فرمایا سب سے پہلا کام جس کے ساتھ آج ہم ابتداء کریں یہ ہے کہ پہلے نماز عید پڑھیں پھر واپس جا کر قربانی کریں۔ تو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت پائی اور جس نے ہمارے عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرلی۔ تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ گوشت کیلئے ایک بکری ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے جلدی تیار کرلی۔ اس میں قربانی کا بالکل کوئی مفہوم نہیں۔ (بخاری و مسلم)

لہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

ٹہ حدیث میں لفظ نُسُک آیا ہے۔ نون کی پیش اور سین ساکن بمعنی عبادت کرنا۔ ناسک یعنی عابد۔ نسیکہ بمعنی قربانی۔ نسک دو پیشوں سے اور سین کی زبر اور زیر سے بمعنی قربانی کی جگہ۔

۱۳۵۲ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا۔ تو وہ اس کی جگہ دوسرا ذبح کرے اور جس نے ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ہم نے نماز عید پڑھ لی تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔ (بخاری و مسلم)

لہ بجلی با و جیم کی زبر انہیں جندب بن سفیان العلی کہتے ہیں۔ یہ جدّ کی طرف نسبت ہے ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین روایت کرتے ہیں۔

ٹہ یعنی اس کا ذبح کرنا درست اور عبادت میں شمار ہے۔

۱۳۵۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے

ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز سے پہلے جانور ذبح کیا تو اس نے اپنی ذات کے لیے ذبح کیا۔[1] اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس نے اپنی عبادت مکمل کرلی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے اور سنت کو پالیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی یہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے لیے حاصل کیا۔ یہ خدا کے لیے نہیں۔ اور نہ یہ عبادت میں داخل ہے۔

۱۳۵۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور اونٹ کا نحر کرتے تھے[1]

(بخاری)

[1] ذبح تو گائے اور بکری کی جاتی ہے۔ ذبح کا طریقہ اور صورت سب کو معلوم ہے اور نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کیا جائے۔ پھر اس کے دونوں اگلے پاؤں کے درمیان گردن کے نیچے نیزہ مارا جائے تاکہ خون بہ نکلے۔ اور وہ زمین پر گر پڑے۔ اونٹ میں بھی ذبح جائز ہے۔ مگر اس کے لیے نحر افضل ہے۔ اور ذبح کا اطلاق نحر پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۳۵۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے میں بہتر دن عطا کر دیے ہیں

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) عید اضحیٰ اور عید فطر کا دن ہے۔[4] (ابوداؤد)

[1] اور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ دو دن کون سے دو دن تھے۔ بعض نے کہا کہ ایک نوروز کا اور دوسرا مہرجان کا دن تھا۔ مگر یہ قول بعید قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دن ایرانیوں کی عادات اور ان کے خصائص میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] جن میں تم لوگ اہتمام سے کھیل کود میں مشغول ہوتے ہو۔

[3] یعنی ہمیں اس کا علم نہیں ہم نہیں جانتے یہ کیا دن ہیں اور کس نے لہو و لعب کے لیے انہیں مختص کیا۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا ان دو دنوں کو لہو و لعب میں گزارتے ہیں۔ اور زمانہ جاہلیت سے ایسا کرتے آرہے ہیں۔ اس عبارت میں انہوں نے عذر بیان کیا۔ اور اس جانب اشارہ کیا یہ دور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں۔ ان میں عبادت کا مفہوم اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منع کر دیں تو ہم انہیں ترک کر دیں گے۔ جس طرح دور جاہلیت کے دیگر امور ہم نے ترک کر دیے ہیں۔

[4] یعنی خدا تعالےٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے جو تم نے جاہلیت میں مقرر کر رکھے تھے دو بہتر دن تمہیں عطا کر دیے ہیں۔ وہ دو دن کون سے ہیں۔ ایک عید قربان کا دن دوسرا عید فطر کا دن۔ اس عبارت میں آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ مومن کی عید حقیقی اور اس کے لیے فرحت و سرور خدا تعالےٰ کی عبادت و بندگی میں ہے۔ تو اس حدیث میں بڑے لطیف انداز میں لہو و لعب سے روکا گیا ہے۔ اور ایسے دو دن (عید کے) ان کے لیے جائز اور مقرر فرمائے جو فحش اور دین و سنت کے خلاف طریقہ سے پاک ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو مشرکین کی عید اور ان کے تہواروں کی تعظیم اور ان سے مسرور ہونے اور ان کے ایسے ایام میں ان کے پاس جانے۔ اور ان کے پروگراموں میں شرکت کرنے سے بھی روکا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علما نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے زجر و ڈانٹ کے طور پر اور کفر و کفار سے متعلق رسومات و لغویات کا دروازہ بند کرنے اور مسلمانوں کو ایسے امور سے دور رکھنے کے لیے اسے کفر کہہ دیا ہے۔ کذا فی فتح الباری۔ اسے سمجھ لو۔

١٣٥٦/١٥ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عید فطر کے دن نہ نکلتے[2] جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عید اضحیٰ کے دن کوئی چیز تناول نہ فرماتے جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے۔[3]

(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

سلہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔
سلہ یعنی نماز عید فطر کے لیے نہ تشریف لے جاتے جب تک کہ آپ کچھ تناول نہ فرما لیتے۔
سلہ علما نے فرمایا ہے کہ عید فطر کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانے میں حکمت یہ ہے کہ جب کھانے پینے کی اجازت روزوں کے اختتام پر ملی تو آپ نے اللہ تعالے کے حکم کی بجا آوری میں جلدی کرنے کی غرض سے ایسا کیا اگر اللہ تعالے کے حکم کی بجا آوری آپ کا مقصد نہ ہوتا تو آپ سیر ہو کر کھا پی لیتے۔ مگر اس کے برعکس آپ چند کھجوروں پر اکتفا فرماتے۔ لہٰذا آپ کا یہ تناول فرمانا محض حکم الٰہی کی بجا آوری کے لیے ہوتا تھا۔ بعض نے کہا کہ آپ دونوں عیدوں کے دن ان کا صدقہ ادا کرنے کے بعد کھاتے پیتے تھے۔ اور چونکہ عید فطر کا صدقہ نماز کو جانے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لیے عید فطر کے دن آپ نماز سے پہلے کچھ کھا لیتے۔ اور عید اضحٰی کے دن کا صدقہ (قربانی) نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے آپ پہلے نماز عید ادا فرماتے۔ اس کے بعد قربانی کا صدقہ پیش کرتے اور کھاتے۔

۱۳۵۷ / ۱۶ وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْأُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت شروع کرنے سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔
(ترمذی۔ ابن ماجہ)
(دارمی)

۱۳۵۸ / ۱۷ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔
رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ

حضرت جعفر بن محمد[1] سے مرسلاً روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے عیدین اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی۔ اور قراءت بلند آواز سے کی۔
اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

سلہ یعنی حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے بطریق ارسال مروی ہے۔

۱۳۵۹ / ۱۸ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ
حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت

سَاَلْتُ اَبَا مُوْسٰی وَ حُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحٰى وَ الْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابو موسیٰ اور حذیفہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید اضحیٰ اور عید فطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار تکبیریں جنازے کی چار تکبیروں کی طرح۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو موسیٰ نے سچ کہا۔

(ابو داؤد)

۱؎ حضرت سعید بن العاص اموی ہیں۔ اشراف قریش میں سے ہیں۔ آپ سخاوت و فصاحت کے جامع اور ان جلیل القدر حضرات میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مصحف شریف کی کتابت کی۔ علماء نے کہا ہے کہ آپ لب و لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑھ کر مشابہ تھے۔ مکۃ العسل ان کا لقب ہے۔ ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہجرت کے بعد اور بدر سے پہلے پیدا ہوئے۔

۲؎ یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔

۳؎ واضح ہو کہ احادیث میں تکبیرات عیدین مختلف آئی ہیں۔ اور اس بارے میں آئمہ کے اقوال مختلف ہیں تینوں آئمہ (امام مالک امام شافعی، امام محمد) کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ ہیں۔ لیکن امام مالک و امام احمد کے نزدیک ان سات میں تکبیر تحریمہ بھی شامل ہے۔ مگر دوسری رکعت کی پانچ تکبیروں میں تکبیر قیام شامل نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سات اور پانچ تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام شامل نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام کے علاوہ تین تین تکبیریں ہیں۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور جسے امام شافعی رحمۃ اللہ نے اختیار کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان دونوں حضرات کی احادیث کے اسناد، ان کی تصحیح، تحسین، انہیں قوی یا ضعیف کہنے میں بڑا کلام کیا گیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ شرح میں مذکور ہے۔ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں۔ اس بارے میں جب کہ احادیث مختلف آئی ہیں تو کم مقدار والی احادیث کو لیں گے۔ کیونکہ دوران قیام تکبیر کہنا اور ہاتھ بلند کرنا خلاف معہود و دستور ہے۔ لہٰذا اقل مقدار کا اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔ کذا فی الہدایۃ۔

بعد ازاں واضح ہو کہ بلاد اسلام میں متعارف و عام مذہب حضرت ابن عباس کا مذہب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت خاندان بنی عباس کی طرف منتقل ہوئی تو عباسی حکومت کے حکام و والیوں نے تمام بلاد اسلامیہ کی طرف لکھا کہ ہمارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں۔ اور اس امر کا پابند

کر دیا کہ صرف حضرت ابن عباس کے مذہب پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد تمام بلاد میں ان کا مذہب قائم اور جاری ہو گیا۔ البتہ ہمارے شہر حضرت دہلی (اللہ اسے آباد رکھے اور اس کے باشندگان کو آفات سے محفوظ رکھے) کے لوگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں۔ مگر اس کے اطراف و اکناف اور باقی بلاد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۶۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ یَوْمَ الْعِیْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَیْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ایک کمان دی گئی۔ آپ نے اس پر تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ (ابو داؤد)

لہ بعض کتب فقہ میں مذکور ہے کہ کمان یا عصا پر تکیہ لگانا مکروہ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کے جواز میں سنت وارد ہو چکی ہے۔ اور بعض العلماء سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر شہر و علاقہ جو فتح ہوا تھا بزور خلیہ اور جنگ سے وہاں خطبہ میں ہتھیاروں پر تکیہ لگایا جائے۔ اور جو علاقے اس کے بغیر فتح ہوئے ان میں خطبہ کے دوران عصا پر تکیہ لگایا جائے۔ اسی وجہ سے شافعی حضرات مکہ معظمہ میں تلوار پر تکیہ لگاتے ہیں کیونکہ مکہ معظمہ جنگ سے فتح ہوا اور حنفیہ کے نزدیک عصا پر تکیہ لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ جنگ کے بغیر فتح ہوا۔ اور مدینہ طیبہ میں بالاتفاق خطبہ کے دوران ہتھیاروں پر تکیہ نہ لگایا جائے گا کہ وہ جنگ سے فتح نہ ہوا۔

۱۳۶۱ وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَطَبَ یَعْتَمِدُ عَلٰی عَنَزَتِهٖ اِعْتِمَادًا (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک چھوٹے نیزے پر تکیہ لگاتے۔ اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

لہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ عَنَزَہ (عین کی زبر اور نون وزا) آیا ہے۔ چھوٹا نیزہ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ خادم اسے اٹھا کر آپ کے ساتھ چلتے تھے اور نماز میں آپ اسے بطور سترہ (آڑ) استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

۱۳۶۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پہلے نماز عید

الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا، بغیر اذان واقامت کے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو وعظ فرمایا اور ثواب وعذاب انہیں یاد دلایا اور انہیں طاعت خداوندی کی ترغیب دی اور آپ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے[1] انہیں خدا خوفی کا حکم دیا۔ اور وعظ ونصیحت فرمائی۔ (نسائی)

[1] جو کہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

۱۳۴۳/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِيْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِيْ غَيْرِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستے سے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔[1] (ترمذی۔ دارمی)

[1] اس کے اسرار اور اس کی حکمتیں اس باب کی فصل اول میں گزر چکی ہیں۔

۱۳۴۴/۲۲ وَعَنْهُ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عید کے دن بارش ہو رہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز عید مسجد میں پڑھائی[1] (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں نماز عید پڑھنے سے باہر کھلے میدان میں پڑھنا افضل ہے مگر اہل مدینہ طیبہ کی عادت اور مکہ معظمہ میں بھی یہ ہے کہ نماز عید مسجد نبوی شریف اور حرم کعبہ میں پڑھی جاتی

وَعَنْ اَبِي الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ

حضرت ابو الحویرث[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کی طرف لکھا اور وہ نجران میں تھے کہ عید الاضحیٰ

الْاَضْحٰی وَ اَخِّرِ الْفِطْرَ وَ ذَکِّرِ النَّاسَ۔ — جلدی پڑھو اور عید الفطر دیر سے اور لوگوں کو نصیحت کرو۔

(رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ) (شافعی)

۱؎ حُوَیرِث حا کی پیش، واو کی زبر یا ساکن، را کی زیر، آخر میں ثا۔ حضرت ابو الحویرث تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (حزم کی زبر زا ساکن) آپ انصاری صحابی ہیں۔ غزوہ خندق پہلا غزوہ ہے جس میں آپ شامل ہوئے۔ آپ کی عمر شریف اس وقت پندرہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ (نجران، نون کی زبر جیم ساکن، علاقہ یمن میں ایک شہر ہے آپ وہاں سترہ سال رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط مبارک لکھ کر ان کے سپرد کیا جس میں فرائض و سنن اور دیتوں کا ذکر تھا اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا اس حدیث میں ہے کہ عید بقر جلد پڑھا وغیرہ۔

۳؎ علماء نے کہا ہے عید بقر جلدی اور عید فطر دیر سے پڑھنے میں شاید حکمت یہ ہے کہ جب صدقہ فطرا دا کر دیا گیا اور کچھ کھا پی بھی لیا تو اب کوئی ایسی ضروری مہم باقی نہ رہی جو کثرت اجتماع کا موجب بن سکے۔ یا یہ کہ وہ کمزوری اور سستی جو رمضان کے روزے رکھنے کی وجہ سے لاحق ہو گئی تھی وہ نماز عید کے لیے جلدی چلنے کو مانع اور رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ بخلاف عید الاضحٰی کے کہ اس میں نماز کے بعد صدقہ (قربانی) کیا جاتا اور کھایا پیا جاتا ہے لہٰذا اس میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔

۱۳۶۳ وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَۃٍ لَّہٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَکْبًا جَآءُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْھَدُوْنَ اَنَّھُمْ رَاَوُا الْھِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَھُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاھُمْ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حضرت ابو عمیر بن انس سے وہ اپنے چچاؤں سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ ایک قافلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے کل چاند دیکھ لیا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور کل صبح نماز عید کو چلیں ۱؎ (ابو داؤد، نسائی)

۱؎ کیونکہ یہ لوگ زوال کے بعد پہنچے تھے، نماز عید کا وقت گزر چکا تھا۔ ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت میں صراحۃً آیا ہے کہ یہ سوار دن کے آخری حصہ میں آئے تھے۔ دار قطنی کی حدیث کا لفظ اس طرح ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم پر ہلال شوال پوشیدہ رہا۔ (ہمیں دکھائی نہ دیا) چنانچہ لوگ روزے سے اٹھے۔ اسی دن کے آخری حصہ میں چند سوار مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے

رات کو عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ ایک روایت میں بعد زوال آفتاب کا لفظ آیا ہے۔ احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۶۷/۲۵ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى ثُمَّ سَاَلْتُهٗ يَعْنِيْ عَطَاءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِيْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ لَا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن جریج[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے عطا نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے خبر دی ان دونوں نے فرمایا کہ عید بقر اور عید فطر کے دن اذان نہ کہی جاتی تھی پھر کچھ عرصہ بعد میں نے عطا سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے جابر بن عبداللہ نے خبر دی کہ عید فطر کے دن امام کے نکلنے سے بعد[۲] نہ تو نماز کی اذان ہے نہ تکبیر نہ عام اعلان نہ کچھ اور چیز یعنی اس دن نہ ندا ہے نہ تکبیر۔ (مسلم)

۱؎ جریج جیم کی پیش۔ راکی زبر یا ساکن۔ ایک روایت میں جریج جیم اور رامہملہ سادہ جیم کی زبر یا پیش کی تصریح نہیں۔ ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے آپ مکی قرشی فقہاء میں سے ہیں۔ قریش کے آزاد کردہ غلام ہیں باصل میں آپ رومی ہیں۔ مشہور ائمہ دین سے ہیں۔ اور ان میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ علماء نے کہا ہے کہ آپ امام مالک سے زیادہ ثابت اور زیادہ قوی ہیں ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ متعہ کو جائز رکھتے تھے اور متعہ کرتے تھے۔ آپ ۱۵۰ھ میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے ان کا باپ عبدالعزیز مشہور تابعی ہے۔ مگر جریج اپنے باپ سے زیادہ ثقہ اور زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

۲؎ اس بار عطاء نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی تخصیص کی اور صرف نماز عید فطر کا ذکر کیا۔ اور کچھ چیزیں

اور بیان کیں اور کہا الخ۔

۳ے یعنی خطبہ کے لیے۔

۴ے جیسا کہ کہتے ہیں الصلوۃ الصلوۃ وغیرہ یہ نفی مطلق کی تاکید کے لیے ہے۔ پھر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس دن میں نہ نداء تھی نہ اقامت۔

۱۳۶۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ فَیَبْدَاُ بِالصَّلٰوۃِ فَاِذَا صَلّٰی صَلٰوتَہٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاھُمْ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِبَعْثٍ ذَکَرَہٗ لِلنَّاسِ اَوْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَمَرَھُمْ بِھَا وَکَانَ یَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَکَانَ اَکْثَرَ مَنْ یَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ حَتّٰی کَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَکَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰی اَتَیْنَا الْمُصَلّٰی فَاِذَا کَثِیْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰی مِنْبَرًا مِّنْ طِیْنٍ وَّ لَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ یُنَازِعُنِیْ یَدَہٗ کَاَنَّہٗ یَجُرُّنِیْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّہٗ نَحْوَ الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِکَ مِنْہُ قُلْتُ اَیْنَ الْاِبْتِدَآءُ بِالصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَا یَا اَبَا سَعِیْدٍ قَدْ تُرِکَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ کَلَّا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضحیٰ اور فطر کے دن نکلتے تھے۔ اور نماز سے ابتداء کرتے تھے جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف رخ کرتے جب کہ لوگ اپنی اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوتے تھے پھر اگر آپ کو کسی لشکر کے روانہ کرنے کی حاجت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے یا آپ کو کوئی اور حاجت دضرورت درپیش ہوتی تو لوگوں کو اس کا حکم دیتے اور فرماتے صدقہ کرو صدقہ کرو۔ صدقہ کرو ۱ے تو زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں ۲ے پھر آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ آتے۔ پھر یہ دستور (پہلے نماز پھر خطبہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین کے بعد تک جاری رہا۔ تا آنکہ مروان ۳ے بن الحکم کا زمانہ آگیا پھر میں مروان کے ساتھ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ تک پہنچ گئے۔ تو اچانک ہماری نگاہ پڑی کہ کثیر بن الصلت نے عیدگاہ میں اینٹ گارے کا منبر بنایا ہوا تھا اور مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا۔ گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا ۴ے اور میں اسے نماز کی طرف کھینچتا تھا ۵ے

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَأْتُوْنَ بِخَيْرٍ مِّمَّا اَعْلَمُ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جب میں نے انکی یہ حرکت دیکھی تو میں بولا کہ نماز سے ابتدا کرنا کہاں گیا؟ وہ بولا نہیں اے ابو سعید جو تمہارے علم میں ہے وہ بات اب چھوڑ دی گئی ہے[۸] میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اسکی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لاسکتے[۹] یہ بات آپ نے تین بار فرمائی پھر آپ واپس لوٹ گئے[۱۰] (مسلم)

۱؎ یعنی تین بار

۲؎ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ کی تاکید کا اثر قبول کرتے ہوئے عورتیں زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔

۳؎ جو حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔

۴؎ حدیث میں لفظ مخاصرۃ بنا آیا ہے، یعنی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا خاصرہ یعنی (پہلو) سے بنا ہے، کیونکہ اس حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے پہلو پر ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی کثیر بن الصلت کندی نے گارے اور کچی اینٹوں کا منبر تیار کیا ہوا تھا اور خود اس کا اپنا مکان بھی وہیں تھا۔ یعنی لام کی زبر باکی زیر، بروزن کتف۔ لبن بروزن ابل بھی آیا ہے۔ یہ شخص (کثیر بن الصلت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوچکا تھا اور اس کا نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کثیر رکھا تھا۔ اس کا نام پہلے قلیل رکھا گیا تھا۔ صاحب جامع الاصول نے اسے صحابہ میں ذکر کیا۔ اور ذہبی نے کاشف میں کہا قیل لہ صحبۃ کہا گیا ہے کہ اسے صحبت نبوی کا شرف حاصل تھا۔ بعض نے کہا یہ تابعی ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کا نام کثیر رکھا تھا۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سب سے پہلے عیدگاہ میں جس شخص نے منبر بنایا وہ مروان تھا اور امام مالک کی تصنیفات سے نقل کیا گیا ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر جس شخص نے پہلا خطبہ دیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے۔

۶؎ تاکہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے۔

۷؎ تاکہ نماز خطبہ سے پہلے پڑھی جائے جیسا کہ سنت طریقہ ہے۔

۸؎ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا فعل تھا۔

۹؎ یعنی اے ابو سعید مجھ سے اس بارے میں نزاع اور جھگڑا نہ کر۔

۱۰؎ نماز عید پہلے پڑھنے کے فعل میں۔ مصلحت یہ ہے کہ اگر نماز پہلے پڑھی جائے تو لوگ خطبہ سنے بغیر اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ خطبہ سننے کی انتظار نہیں کرتے۔

۱۱؎ اور جماعت میں شریک نہ ہوئے۔ جیسا کہ طیبی نے کہا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ منبر کی جانب سے پھر گئے اور نماز کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ معنی یہ ہو کہ مروان منبر کی طرف گیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابو سعید کی بات نہ سنی کہ پہلے نماز ہو گی پھر خطبہ۔ یہ معنی عبارت کے لحاظ سے بہت ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ نماز عید فطر خطبہ سے پہلے ادا کرنا سنت ہے اور کتب فقہ و احادیث کے مولفین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے نماز ادا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مبارک بھی یہی تھا۔ ترمذی نے کہا کہ صحابہ وغیرہم اہل علم کا عمل بھی اسی پر تھا۔ علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بھی ایک مدت کے بعد خود آپ نے اپنے سابق دستور کے خلاف کیا۔ جب کہ آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے لیے نہیں پہنچتے۔ جیسا کہ ابن المنذر نے صحیح اسناد سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے روایت کیا۔ یہ وہ علت و وجہ نہیں جس علت و وجہ کا ارادہ مروان نے کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایسا کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ لوگ نماز عید کی جماعت میں شامل ہوں۔ اور مروان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خطبہ سنیں۔ کیونکہ لوگوں نے مروان کے زمانہ میں خطبہ سننا اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو گالیاں دی جاتی تھیں جو گالیوں کے مستحق نہ تھے اور بعض لوگوں کی مدح وثنا میں مبالغہ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کبھی کبھار اس مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا ہو جسے آپ درست جانتے تھے۔ اس کے برعکس مروان نے غرض فاسد کے تحت ہمیشہ کے لیے اس کا دستور بنا لیا تھا۔ بعض نے کہا اس میں سب سے پہلے جس نے تغیر و تبدل کیا۔ حضرت معاویہ تھے۔ اور مروان نے مدینہ میں اور زیادہ تر ان عمال و حکام نے جو بصرہ میں تھے۔ اس بارے میں ان (حضرت معاویہ) کی متابعت و فرمانبرداری اختیار کر لی۔ واللہ اعلم۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اس روایت کے ثبوت کی صورت میں مروان کا قول قد ترک ما ترکت پر محمول ہو گا۔ یعنی اس میں تبدیلی کا موجب میں نہیں بلکہ لوگ پہلے سے چھوڑ چکے ہیں۔ اس لیے مجھے بھی ایسا کرنا پڑا۔ اسے سمجھ لو۔

بَابُ فِي الْأُضْحِيَةِ

قربانی کا باب

اُضحیہ ہمزہ کی پیش اور زیر۔ یا مشدد و مخفف۔ اس کی جمع اضاحی (یا کی تشدید یا تخفیف سے) اس چیز کا نام ہے جو وقت مخصوص میں تقرب کے طور پر ذبح کی جاتی ہے جیسے اونٹ اور گائے وغیرہ۔ اور اسے قربانی کہتے ہیں۔ تضحیہ کا معنی ہے ذبح کرنا اور قربانی کرنا۔ یوم نحر کو یوم الاضحیٰ اسی بنا پر کہتے ہیں۔ یا یہ لفظ ضُحٰی سے بنا ہے۔ یعنی دن کا بلند ہونا۔ بلکہ اس کا اصل یہی ہے۔ اضحیہ بھی اسی سے ہے۔ کہ وہ تضحیہ (قربانی کرنے) کا اول وقت ہے۔

واضح ہو کہ قربانی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ہر آزاد مسلم مقیم مالدار پر واجب ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام ابویوسف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے نزدیک غنی پر واجب اور فقیر پر سنت ہے۔ ابن ابوزید کے رسالہ میں جو امام مالک کے مذہب میں لکھا گیا ہے لکھا قربانی ہر اس شخص پر جو استطاعت رکھتا ہو۔ سنت واجبہ ہے اور سنت سے مراد وہ راستہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے یا سنت واجبہ سے وجوب تاکیدی مراد ہے۔ پہلا معنی متن کے زیادہ نزدیک ہے۔ اس کے وجوب کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ مخنف (میم کی پیش خا معجمہ کی زبر یا مشدد آخر میں قاف) ابن سلیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی ہے۔ یہ وجوب کا صیغہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جسے مال کشادگی حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ اس قسم کی وعید ترک واجب پر لاحق ہوتی ہے۔ کذا فی الہدایہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۳۶۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چت کبرے سینگ والے بکروں کی قربانی کی۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ اور تکبیر کہی۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے آپ کو ان بکروں کی کروٹوں

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پر آپ کا قدم رکھے دیکھا۔ آپ پڑھ رہے تھے بسم اللہ واللہ اکبر۔ (بخاری و مسلم)

لہ کبش کاف کی زبر با ساکن بکرا۔ املحین تثنیہ املح یعنی کچھ سیاہ کچھ سفید۔ بعض نے کہا املح وہ بکرا ہے جو سفید زیادہ اور سیاہ کم ہو۔ ملحہ میم کی پیش لام ساکن وہ رنگ جس کی سفیدی سیاہی سے مخلوط ہو۔ اقرنین تثنیہ اقرن معنی سینگ والا یعنی لمبے سینگ والا بکرا۔ ورنہ ہر بکرا سینگ دار ہوتا ہے۔ یا اقرنین کا معنی ہے صحیح و سالم سینگوں والا۔

سلہ یعنی ذبح کے وقت جیسا کہ ذبح کے وقت ضروری ہے۔

سلہ یا اس کے منہ پر۔ صفاح صاد کی زیر سے جمع صفح "صاد کی زبر اور فا ساکن یعنی پہلو و جانب اور چہرہ اور چہرے کی کشادگی۔

١٢٤٠ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ . (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بکرا لانے کا حکم دیا جو سینگ والا ہو۔ اس کے پاؤں سیاہ ہوں سیاہی میں ستا ہو[1] سیاہی میں دیکھتا ہو[2] ایسا بکرا لایا گیا تاکہ آپ اسے ذبح کریں۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا چھری دے کرا پھر آپ نے فرمایا اسے پتھر سے تیز کرو[3] تو میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے اسے پکڑا اور بکرے کو بھی پکڑا اور اسے لٹایا پھر اسے ذبح کیا[4] پھر فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ قبول کر محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف[5] سے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اس سے لوگوں کو چاشت کا کھانا کھلایا[6] (مسلم)

لہ یعنی اس کا سینہ اور شکم سیاہ ہو۔ برک یعنی سونا اور زمین پر سینہ رکھنا اصل میں یہ لفظ اونٹ کے لیے آتا ہے۔

سلہ یعنی اس کی آنکھیں سیاہ ہوں جیسا کہ طیبی نے کہا بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے

اردگرد کی جگہ سیاہ ہو۔
۳ مُدیہ میم کی تینوں حرکتوں کے ساتھ۔
۴ حدیث میں لفظ شحذ آیا ہے شین، حا حملہ اور ذال بمعنی چھری وغیرہ تیز کرنا۔ الشحذ بمعنی سان۔
۵ ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔
۶ ان الفاظ سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی فقراء پر بھی واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء و اغنیاء سب امت کی طرف سے قربانی کی۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ان الفاظ سے ثواب میں شرکت مراد ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر فضل وکرم ہے کہ آپ اپنی عبادت کے ثواب میں اپنی امت کو بھی شریک کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اس سے بڑھ چڑھ کر جزا دے جو اس نے ہر نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی۔
۷ تضحیہ جس طرح ذبح کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چاشت کے وقت کھانا کھلانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ یہاں اس معنیٰ میں ہے۔

۱۳۷۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سال سے کم کا جانور ذبح نہ کرو۔ مگر جب کہ تم اس کا مہیا کرنا دشوار ہو تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ذبح کر لو۔

(مسلم)

۱ حدیث میں مُسِنَّۃ (میم کی پیش سین کی زیر نون مشدد) سے ہے۔
۲ حدیث کے عربی الفاظ میں اس کے لیے لفظ جذعہ آیا ہے (جیم و ذال کی زبر)
۳ واضح ہو کہ اس حدیث کی شرح میں بڑی تفصیل ہے۔ ہم یہاں حنفی فقہ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اور شرح عربی میں ہم نے مذاہب اربعہ کے موافق مکمل بیان کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ قربانی جائز نہیں۔ مگر اونٹ گائے اور بکری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ان تین اصناف ذبیحہ کے علاوہ اور کوئی جنس مروی نہیں ہے۔ پھر بکری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معز جسے اردو میں بکری کہتے ہیں۔ دوسری ضان جسے اردو میں بھیڑ کہا جاتا ہے اور لفظ جاموس سین مہملہ کے ساتھ لفظ گاومیش سے عربی بنایا گیا ہے۔ یہ بھی گائے کی ہی ایک قسم ہے ان سب اقسام کا ثنی ثا کے ساتھ یعنی دو دندا جانور جائز ہے۔ اس حدیث میں واقع لفظ مسنّہ سے یہی مراد ہے۔

اونٹ پورے پانچ سال کا چھٹے سال میں جب قدم رکھتا ہے تو دوندا ہوتا ہے۔ خلاصہ میں کہا دوندا اونٹ وہ ہے جو چار سال کا ہو چکا ہو۔ گائے دو سال کی دوندی ہوتی ہے اور بکری خواہ ضان ہو خواہ معز۔ ایک سال کی۔ ہدایہ میں ایسا ہی ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ اسے مُسنّۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور مذکورہ عمر کو پہنچ کر اگلے دو دانت جنہیں ثنایا کہتے ہیں، گرا دیتے ہیں۔ لفظ مُسنّۃ سِن سے ہے یعنی دانت، یا یعنی سال تو ان تمام اقسام میں اس عمر کا ہونا شرط ہے۔ مگر بھیڑ سے کہ اس کا جذعہ بھی درست ہے۔ ہدایہ میں کہا فقہا کے مذہب میں بھیڑ کا بچہ (جذعہ) وہ ہوتا ہے جو پورے چھ ماہ کا ہو چکا ہو۔ زعفرانی نے کہا جو سات ماہ کا ہو چکا ہو۔ مگر اتنی عمر کے بچے کی قربانی اس وقت جائز ہے جب کہ وہ اتنا عظیم الجسم اور موٹا تازہ ہو کہ اگر سال کی عمر والوں میں ملایا جائے تو دور سے دیکھنے میں پتہ نہ چل سکے کہ ان میں چھ ماہ کا بچہ کون سا ہے۔ اور اگر چھوٹا اور حقیر دکھائی دے تو پھر جائز نہیں مگر پورے سال کا اور بکری کا چھ ماہ کا بچہ جائز نہیں۔

۱۳۶۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَصَابَنِيْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سی بکریاں دیں کہ وہ انہیں آپ کے صحابہ میں قربانی کے لیے تقسیم کریں۔ تقسیم کے بعد ایک بکری باقی بچ گئی۔ حضرت عقبہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی قربانی تم کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک بچہ ملا ہے۔ فرمایا تم اس کی قربانی کر لو۔ (بخاری و مسلم)

لہ آپ مشہور صحابی ہیں۔

لہ یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں لفظ عَتُود آیا ہے (عین کی زبر اس کے بعد تا) بکری کا ایک سالہ بچہ۔ بعض نے کہا عتود وہ ہے جس پر سال کا زیادہ حصہ گزر چکا ہو۔ خلاصہ میں کہا عتود بکری کے بچے کو کہتے ہیں جس طرح جذع بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہوتا ہے۔

لہ اور عرض کیا تمام بکریاں تقسیم ہو گئیں صرف بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

لہ واضح ہو کہ عتود اگر بکری کے ایک سال کے بچے کا نام ہے۔ تو پھر یہ قربانی کے لیے بلا شک و شبہ

بالکل ٹھیک ہے۔ اور اگر سال سے کم عمر والے کا نام ہے تو پھر یہ اجازت و کفایت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی جیسا کہ ابو بردہ کی حدیث میں جذع معزا (بکری کا چھوٹا بچہ) آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تو ذبح کرلے۔ اور اس کی قربانی کا جواز صرف تیرے لیے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض احکام اشخاص کے لیے خاص کر دیں۔ کیونکہ جملہ احکام قول صحیح کے مطابق آپ کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔

۱۳۶۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور وہیں اونٹ کا نحر کرتے[۱] (بخاری[۲])

[۱] گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور ذبح عام ہے اور اونٹ کا نحر کرنا اس کے ذبح کرنے سے افضل ہے۔

[۲] یہ حدیث صلوٰۃ العیدین کی فصل اول میں حضرت ابن عمر سے بروایت بخاری گزر چکی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کا ذکر یہاں چاہیے تھا نہ کہ وہاں۔

۱۳۶۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے جائز ہے۔ مسلم اور ابوداؤد۔ اور یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں[۱]

[۱] یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ جب حدیث کے یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں تو پھر اسے فصل دوم میں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

۱۳۶۵ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذوالحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی نے قربانی کرنے کا ارادہ کر لیا ہو تو وہ اپنے بالوں اور بدن کے چمڑے کو بالکل نہ چھوئے

يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ بال نہ لے اور ناخن نہ تراشے[1]۔ ایک روایت میں ہے جس نے ذوالحجہ کا ہلال دیکھا اور قربانی کا ارادہ کیا تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں میں سے کچھ نہ لے[2]۔ (مسلم)

[1] حدیث میں اس کے لیے لفظ فلا یُقلِّمن آیا ہے لام کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح روایت ہے اور یہ تقلیم یا قلم سے مشتق ہے۔ اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

[2] اگر تم یہ سوال کرو کہ بال کاٹنا اور ناخن تراشنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر بشرہ یعنی جسم کی کھال کاٹنا جبکہ بالوں کے نیچے ہوتی ہے اس کا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کی کھال کاٹنا بھی متصور و ممکن ہے۔ کسی عذر کی بنا پر یا بغیر عذر کے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی منع فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ شرح میں فرماتے ہیں۔ کہ ائمہ کرام نے اس مفہوم کی تصریح کی ہے اور فرماتے ہیں شارح علیہ الرحمۃ اس معنی سے مطلع نہ ہو سکے۔ اس لیے انھوں نے کہا کہ بشرہ سے یہاں ایک دوسری روایت کے قرینہ کی بنا پر ناخن مراد ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ بال کاٹنے اور ناخن تراشنے سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ حجاج بیت اللہ شریف سے مشابہت پیدا ہو۔ جو کہ حالت احرام میں ہوتے ہیں۔ یہ مشابہت تعریف کی طرح ہے جو بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ یا یہ حکمت ہے کہ جسم کے ہر جزو حتیٰ کہ بالوں اور ناخنوں تک کی قربانی واقع ہو۔ اسی لیے منیٰ میں قربانی کے دن پہلے قربانی ہوتی ہے پھر سر منڈایا جاتا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر حجاج کرام سے تشبہ مقصود ہوتا تو یہ حکم تمام ممنوعات احرام کو شامل اور عام ہوتا کہ سلا کپڑا اور خوشبو لگانا وغیرہ بھی ذوالحجہ کے عشرہ میں ممنوع ہوتا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت حرام کے درجہ میں ہے یا کراہت تنزیہی ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک درجہ حرام میں اور دوسری جماعت کے نزدیک کراہت تنزیہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جامع الاصول میں مسلم کی ایک حدیث حضرت عمرو بن مسلم بن عمار لیثی رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم عید قربان کے دن کے قریب ایک حمام میں گئے۔ اس حمام میں سے کچھ لوگوں نے نورہ (بال صفا) استعمال کیا۔ بعض نے کہا کہ ان ایام میں علما اس سے منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب میری ملاقات سعید بن المسیب سے ہوئی تو میں نے اس کا ذکر ان سے کیا۔ انھوں نے فرمایا اسے میرے برادر زادہ یہ ایک حدیث ہے جسے لوگوں نے فراموش کر دیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ ذی الحجہ کا چاند دیکھو تو

الحدیث الی آخرہ۔

۱۳۷۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ نِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسے کوئی ایام نہیں جن میں نیکیاں رب تعالے کو ان دس[1] دنوں سے زیادہ پیاری ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے زیادہ پیارا نہیں[2]۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے پیارا نہیں[3] سوائے اس کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور کچھ واپس نہ لایا[4]۔ (بخاری)

[1] یعنی ذوالحجۃ کے پہلے دس دن۔
[2] جو ان دس ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں کفار کے ساتھ کیا جائے۔
[3] یعنی ان ایام میں تھوڑا اور آسان کام بھی اللہ کے نزدیک جہاد سے افضل ہے۔
[4] کہ اگر وہ اس حد تک پہنچ جائے تو یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور یہ شہادت کی فضیلت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۳۷۷ عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی[1] چت کبرے سینگ والے بکرے عید بقر کے دن ذبح کرے جب انہیں قبلہ رو لٹایا تو فرمایا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کیے میں دین ابراہیم[2] پر ہوں جو ہر دینی سے الگ تھے مشرکوں میں سے نہیں ہوں[3]۔ بے شک میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیِّ ذَبَحَ بِیَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ ۔

اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے اسی کا حکم ملا اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں الٰہی یہ تجھ سے ہے تیرے لیے ہے محمد اور اس کی امت کی طرف سے بسم اللہ اللہ اکبر پھر ذبح فرمایا۔ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی اور احمد، ابوداؤد و ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اور کہا بسم اللہ اللہ اکبر الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکے۔

[۱] اصل میں لفظ موجوئین ہے۔ وہ دو بکرے جن کے خصیتین کی رگیں بے کار کر دی گئی ہوں۔ یعنی خصی۔ اگرچہ لغت میں خصا کا معنیٰ ہے خصیتین کو کھینچ لینا۔ مگر یہاں یہی معنیٰ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ خصی کرنا جانور کے لیے نقصان ہے کہ اس کے بعض اجزا کم کر دیے گئے اور جس طرح کہ کان اور سینگ کٹا قربانی کے لیے درست نہیں خصی جانور جو کہ ناقص ہے کس طرح درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ خصی ہونا صورت ظاہر کے اعتبار سے نقصان ہے مگر معنی کے لحاظ سے کمال ہے۔ کیونکہ خصی جانور کا گوشت بہت عمدہ اور بہت لذیذ ہوتا ہے اور اس کی قیمت زیادہ اور گراں ہوتی ہے۔

[۲] اور قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین و مذہب ہے۔

[۳] جو عبادت اور ذبح کرنے میں غیر خدا کو خدا کا شریک کرتے اور بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

[۴] یعنی میری نماز اور میری تمام عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اور لفظ نسک کا اطلاق و استعمال زیادہ تر اس مخصوص عبادت (قربانی) کے لیے ہوتا ہے۔

[۵] یعنی مجھے توحید اور ترک شرک کا حکم دیا گیا ہے۔

[۶] یعنی میں اسلام لانے والوں اور اس کی قضا و قدر کو تسلیم کرنے والوں میں سے ہوں۔ کبھی آپ اس لفظ کے بجائے وانا اول المسلمین فرماتے۔ یعنی میں اس امت میں پہلا مسلمان ہوں کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے۔ بلکہ میں ذات و رتبہ کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں یہ دعا کتاب الصلوٰۃ باب مایقول بعد التکبیر میں گزر چکی ہے۔

ے یعنی یہ قربانی تیری عطا اور تیرا فضل ہے۔
ے یعنی تیرے ثواب اور تیری رضا کے لیے کر رہا ہوں۔
۹ کہ ذبح کے لیے یہی دو لفظ کافی ہیں۔ زیادہ الفاظ فضیلت کے لیے ہوتے ہیں۔
۱۰ آپ نے یہاں اپنی آل کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ آل بھی امت میں داخل ہے اور اس روایت میں لفظ بیدہ زیادہ آیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ہذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔ یعنی یہ میری اور میرے اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کر سکتا۔

۱۳۶۱ وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت حنش ۱ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو بکرے ذبح کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا یہ کیا ہے ۲ آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں تو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں ۳ ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱ حضرت حنش حا مہملہ و زبر اور نون کی زبر آخر میں شین معجمہ۔ آپ کوفی تابعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث میں کلام ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ ثقہ ہے۔
۲ کہ آپ دو بکرے ذبح کر رہے ہیں جب کہ ایک بکرا بھی کافی ہے۔
۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ میری طرف سے ایک بار قربانی کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے ایک بار قربانی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا کیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ہمیشہ قربانی کیا کرنا۔ اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ بعض اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ میرے نزدیک محبوب تر یہ ہے کہ اس کی طرف سے قربانی کی جگہ صدقہ کرے۔ اور اگر میت کی طرف سے قربانی کرے تو پھر اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ بلکہ اس قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دے۔

۱۳۶۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَّلَا مُدَابَرَةٍ وَّلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ وَالْاُذُنَ۔

ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں۱؎۔ اور ایسا جانور قربانی نہ کریں جس کے کان کا اوپر کا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کی کان کا نیچے والا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کے کان میں بڑا شگاف ہو۔ اور نہ وہ جس کا کان پھٹا ہوا ہو۔ ترمذی، ابوداؤد نسائی ودارمی و ابن ماجہ۔ ابن ماجہ کی روایت والاذن پر ختم ہو جاتی ہے اور وان لانضحی سے لے کر آخر حدیث تک کے الفاظ اس میں نہیں ہیں۔

۱؎ کہ ان میں کوئی ایسا نقص و عیب نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی جائز نہ ہو۔

۲؎ حدیث میں لفظ مقابلہ ہے با کی زبر سے۔ اسی طرح لفظ مدابرہ کی با پر زبر ہے۔ اور لفظ شرقاء حمراء کے وزن پر ہے۔

۱۳۸۱ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹ چکے ہوں اور جس کے کان بھی کٹے ہوئے ہوں۱؎۔ (ابن ماجہ)

۱؎ عربی لفظ اعضب آیا ہے بمعنی... (عین اور ضاد معجمہ کی زبر) سینگ کا ٹوٹا ہوا ہونا۔ عضباء وہ بکری جس کے سینگ ٹوٹ ہوئے ہوں۔ اس لفظ کا اکثر استعمال سینگ ٹوٹنے میں آتا ہے کبھی کان کے لیے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ مراد کان کٹا ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی)

۱۳۸۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کس قسم کے جانور قربانی نہ کیے جائیں۔ تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا چار جانور۔ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر و نمایاں

عَوَرُهَا وَ الْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَ الْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ اِبْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ۔

ہو، کانا جس کا کانا پن واضح اور نمایاں ہو۔ بیمار جس کی بیماری نمایاں طور پر محسوس ہو رہی ہو۔ نہایت دبلا جس کی ہڈیوں میں مغز باقی نہ رہا ہو۔

ؔ۱ یعنی جس کا کانا پن کل یا اکثر طور پر ظاہر و نمایاں ہو۔

ؔ۲ کہ اس کی صحت کی امید نہ ہو۔

ؔ۳ حدیث میں لفظ تنقی آیا ہے۔ تا کی پیش نون ساکن۔ قاف کی زیر۔

۱۳۸۳/۱۴ وَ عَنْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَاكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سینگ دار۔ قوی ہیکل نر بکرے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھے، سیاہی میں کھائے اور سیاہی میں چلے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

ؔ۱ یہ حدیث کے لفظ فحیل (بروزن کریم) کا ترجمہ ہے۔ یہاں اس کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کا اصل معنی نر طاقتور اور مادہ پر کودنے والا بکرا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ قربانی کے لیے بہتر وہ نر بکرا ہے۔ جو مادہ پر بار بار کود کر چڑھتا ہو۔ مراد طاقتور اور بڑا ہے۔

ؔ۲ یعنی سیاہ چشم، سیاہی میں کھائے یعنی جس کے منہ کا رنگ کالا ہو، سیاہی میں چلے یعنی سیاہ قدم

۱۳۸۴/۱۵ وَ عَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّيْ مِمَّا يُوَفِّيْ مِنْهُ الثَّنِيُّ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت مجاشع سے جو بنی سلیم سے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بھیڑ کا شش ماہہ بچہ اس میں کفایت کرتا ہے جس میں بکری کا یک سالہ بچہ کافی ہو۔

(ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

سلہ مُجاشع میم کی پیش جیم کی زبر اور شین معجمہ کی زیر۔ بنی سلیم سین کی پیش۔ لام کی زبر۔ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی سلیم سے ہیں۔ اور مہاجرین میں سے ہیں۔ جذع جیم اور ذال کی زبر جذع سے یہاں بھیڑ کا بچہ مراد ہے۔ جیسا کہ باب کے اول میں گزرا۔ اور اگر جذع کی تفسیر اس سے کریں جو پورے سال کا ہو چکا ہو تو پھر بکری کا ایک سالہ بچہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ثنی بکری کے ایک سالہ بچہ کو کہتے ہیں۔ اور لفظ یوفی (فا مشدد) توفیہ مصدر سے ہے۔

۱۳۸۶/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے کتنا اچھا[1] ہے۔

(ترمذی)

سلہ یعنی بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے جائز ہے مگر بکری کا چھ ماہہ بچہ جائز نہیں۔

۱۳۸۷/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰی فَاشْتَرَكْنَا فِی الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ عید اضحی آگئی تو ہم گائے میں سات حصہ دار شریک ہوئے۔ اور اونٹ میں دس[1]۔

ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے[2]۔

سلہ اونٹ میں دس حصہ داروں کا اشتراک بعض علماء کے نزدیک جائز ہے مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور گائے و اونٹ کا ایک ہی حکم ہے۔

سلہ ترمذی میں ایک حدیث یہ بھی مروی ہے کہ ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے مگر اس کا حکم بھی وہی ہے جو بیان کیا گیا کہ یہ بھی منسوخ ہے۔

۱۳۸۸/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

ابن آدم کا کوئی عمل یوم نحر کے دن کے عمل (خون بہانے) سے محبوب تر نہیں۔ بیشک وہ (قربانی کا جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا[1] اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اپنے آپ کو اس کے ساتھ خوش کرو[2]۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] ظلف اس کھر کو کہتے ہیں جو درمیان سے چرا ہوا ہو۔ جیسے گائے اور بکری وغیرہ کا کھر یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے دن میزان میں رکھی جائیں گی۔ اور ان کے ساتھ میزان کو بھاری کیا جائے گا۔

[2] یا معنی یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے اس عمل سے خوش ہونا چاہیے۔ حدیث کا لفظ طَیِّبُوْا تطییب تشدید یا طیب غیر شد سے مشتق ہے اور دونوں طرح مروی ہے۔ اول معنی اول روایت کے مطابق اور دوسرا معنی دوسری روایت کے مطابق۔

۱۳۸۸/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ اَنْ یُّتَعَبَّدَ لَہٗ فِیْھَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّۃِ یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِّنْھَا بِصِیَامِ سَنَۃٍ وَقِیَامُ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِّنْھَا بِقِیَامِ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں میں سے کوئی دن اللہ کے نزدیک اس کی عبادت کے لیے ذوالحجہ کے دس دنوں سے محبوب تر نہیں[1]۔ ان دس دنوں میں سے ایک دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ان کی ایک رات میں قیام (عبادت الٰہی) لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔)

[1] یعنی ان دس دنوں میں عبادت کرنا باقی تمام دنوں کی عبادت سے افضل ہے۔ جو بھی عبادت کا عمل ہو خصوصاً قربانی کا عمل کہ دیگر تمام اعمال سے فاضل تر اور محبوب تر ہے۔

[2] علماء کا عشرہ ذی الحجہ اور عشرہ رمضان کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ مختار و پسندیدہ قول یہ ہے

کہ ذوالحجہ کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔ مگر رمضان کی دس راتیں عشرہ ذوالحجہ کی دس راتوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں شب قدر ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۲۰ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَ فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت جندب[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں روز اضحیٰ کے دن کہ نحر و قربانی کا دن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا۔ تو آپ واپس نہ لوٹے نماز ادا کرنے اور اس سے فارغ ہونے اور سلام پھیرنے سے کہ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانیوں کے گوشت ہیں جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں آپ نے فرمایا جس نے اپنی نماز یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کی ہیں۔ تو وہ ان کی جگہ دوسری ذبح کرے اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت جندب نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن نماز عید پڑھی۔ پھر خطبہ دیا پھر قربانی کا جانور ذبح کیا۔ اور فرمایا جس نے اپنی نماز پڑھنے یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی۔ تو وہ اس کی جگہ دوسری ذبح کرے اور جس نے نماز عید سے پہلے ذبح نہ کیا تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور انہیں جندب بن سفیان بھی کہتے ہیں۔ دادا کی طرف نسبت کی بنا پر۔ انہیں بجلی، علقمی اور اسلمی بھی کہا جاتا ہے۔ پہلے کوفہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے۔ وہاں سے مکہ معظمہ بھی آئے اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے چار سال بعد اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہما روایت

کرتے ہیں۔

۲؎ یہ راوی کا شک ہے کہ یعنی یا کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول یا معلوم یا نفلی بصیغہ جمع متکلم ہے۔

۳؎ یعنی اس وقت اس کا ذبح کرنا درست اور ٹھیک ہے۔

۱۳۹۰/۲۱ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى۔

رَوَاهُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلَغَنِيْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِثْلَهٗ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عید کے دن کے بعد کے دو دن بھی قربانی کے دن۱؎ ہیں۔ اسے مالک نے روایت کیا اور کہا مجھے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل حدیث پہنچی ہے۔

۱؎ اضحیٰ اضحاۃ کی جمع ہے کہ یہ اضحیہ کی ایک لغت ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ قربانی تین دن جائز ہے ایک عید کا دن دوسرا گیارہ ذوالحجۃ کا دن تیسرا بارہ ذوالحجۃ کا دن ہے۔ یہ احناف کا مذہب ہے اور یہی امام مالک و امام احمد کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عید کے دن کے بعد تین دن اور ہیں۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ احناف کی دلیل وہ ہے جو حضرت عمر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ کہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ سب سے افضل پہلا دن ہے۔ بلا شبہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو گی کیونکہ کسی چیز کی تعداد و مقدار میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہو سکتا اور اگر اخبار و احادیث میں تعارض اور تخالف پایا جاتا ہو تو اس صورت میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ احتیاط کے پیش نظر کم مقدار والی روایات کو لیتے ہیں۔

۱۳۹۱/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اس عرصہ میں مسلسل قربانی کرتے رہے۱؎ (ترمذی)

۱؎ ارباب سیر نے ذکر کیا ہے کہ قربانی ۲ھ میں شروع ہوئی۔

۱۳۹۲/۲۳ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهٖ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں

الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیھا یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا فالصوف یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ۔

(رواہ احمد و ابن ماجۃ)

کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے ان میں کیا اجر و ثواب ہے۔ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے (بال کا تعلق گائے بکری سے ہے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پشم میں کیا ثواب ہے۔ (جو بھیڑ اور اونٹ پر ہوتی ہے) فرمایا پشم کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے

(احمد، ابن ماجہ)

ف حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

ف۲ ان کی اصل کیا ہے۔

ف۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پشم کے لیے بھی شعر (بال) کا استعمال آتا ہے)

بَابُ الْعَتِيرَةِ

عتیرہ کا باب

عتیرہ عتر بکسر عین سے مشتق ہے۔ عتیرہ بروزن ذبیحہ زمانہ جاہلیت کی قربانی ہے جو وہ ماہ رجب میں بتوں کے لیے کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ تورپشتی نے کہا بہت سے علماء نے عتیرہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے جواز کی ہی نفی کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کی بنا پر جو آ رہی ہے۔ بعض علماء اب بھی مباح جانتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ ماہ رجب میں عتیرہ ذبح کیا کرتے تھے۔ جو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نہی جاہلیت کے فعل کے ساتھ خاص ہے جو وہ بتوں کے لیے کرتے تھے۔ مسلمان خدا کے لیے ذبح کرتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی قباحت نہیں۔ ان کے موقف کی تائید حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کرتی ہے۔ جسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں عتیرہ کیا کرتے تھے۔ اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تم خدا کے لیے ہر ماہ میں کر سکتے ہو۔ حدیث کا مضمون ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۹۳/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِیْرَةَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ کَانَ یُنْتَجُ لَهُمْ کَانُوْا یَذْبَحُوْنَهٗ لِطَوَاغِیْتِهِمْ وَ الْعَتِیْرَةُ فِیْ رَجَبٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

فصل اوّل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا کوئی فرع[1] نہیں کوئی عتیرہ نہیں۔ راوی کہتا ہے فرع وہ بچہ ہوتا تھا جو ان کے لیے اونٹنی یا بکری پہلے جنتی تھی۔ وہ اس بچے کو اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ ہے جسے ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے[2] (بخاری و مسلم)

[1] فرع فا کی زبر سے

[2] یہ حدیث عتیرہ کی نفی اور اس کی حرمت کی دلیل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۲۹۴/۲ عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ کُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰی کُلِّ اَهْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَةً وَّ عَتِیْرَةً هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِیْرَةُ هِیَ الَّتِیْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِیَّةَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ضَعِیْفُ الْاِسْنَادِ وَ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ الْعَتِیْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ۔

دوسری فصل

حضرت مخنف[1] بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ہم لوگ عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے تھے میں نے آپکو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ جانتے ہو عتیرہ کیا ہے۔ یہ وہ ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔[2]

ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے کہا عتیرہ منسوخ ہو چکا ہے۔[3]

لہ مخنف میم کی زیر خا ساکن۔ بعد میں نون وفا۔ سلیم سین کی پیش۔ لام کی زبر۔ آپ صحابی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اصفہان کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی اور عتیرہ کے بارے میں حدیث روایت کی ہے۔

سلہ کیونکہ وہ ماہ رجب میں ذبح کیا جاتا ہے۔

سلہ تورپشتی نے کہا کہ عتیرہ کے منسوخ ہونے میں علماء نے کلام کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع کے دن تھا۔ اور یہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو تین ماہ پہلے نہی کو ثابت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۹۵ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اضحی کے دن (جسے اللہ نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔) حکم دیا گیا ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا مجھے بتائیں کہ اگر میں دودھ دینے والی ناقہ یا بکری کے سوا کچھ نہ پاؤں۔ کیا میں اس کی قربانی کر دوں۔ فرمایا۔ نہ بلکہ اپنے بال لے اور اپنے ناخن تراش اور اپنی لبیں کچھ پست کر۔ اور اپنے بال زیر ناف صاف کر لے یہ اللہ کے نزدیک تیری پوری قربانی ہوگی۔ (ابوداؤد ونسائی)

لہ اصل حدیث میں یہاں لفظ منیحہ آیا ہے۔ حائے مہملہ کے ساتھ بروزن کریمہ۔ منح سے مشتق بمعنی عطا عربوں کی عادت تھی کہ دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری فقراء مساکین کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ بلکہ اون اور بچے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب تک کہ ان کو اس کی ضرورت ہو اس سے نفع اندوز ہوتے رہیں بضرورت پوری ہونے پر وہ انہیں واپس کر دیتے تھے۔ یہاں منیحہ کے ساتھ انثیٰ کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکر کو بھی منیحہ کہتے ہیں۔ اور اس کی تا حماسۃ کی تا کی طرح ہے۔ کہ اس کا اطلاق نر کے لیے بھی

ہوتا ہے یا انثیٰ کا لفظ تاکید کے لیے قید اتفاقی کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی کہ دودھ دینے والی اونٹنی کا نفع زیادہ ہے تو یہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے پاس منیحہ کے علاوہ قربانی کے لیے اور کوئی جانور نہ ہو تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اسے ذبح نہ کرو۔

۵ یہ تمام افعال تیری طرف سے قربانی متصور ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب میں قربانی کا درجہ رکھیں گے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخُسُوْفِ

نماز خسوف کا باب

لغت کے اعتبار سے مشہور یہ ہے کہ خسوف کا استعمال چاند کے لیے اور کسوف کا استعمال سورج کے لیے ہوتا ہے۔ حدیث کے راویوں میں سے بعض نے دونوں کے لیے کاف (کسوف) سے روایت کیا ہے بعض نے دونوں کے لیے خسوف کا لفظ روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے چاند کے لیے خاء اور سورج کے لیے کاف سے روایت کیا ہے جو احادیث باب میں مذکور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی خبر دیتی ہیں سب کسوف شمس کے لیے ہیں۔ ماسوائے دوسری حدیث کے کہ اس میں احتمال ہے۔ شیخ نے اپنی شرح میں اسے خسوف قمر پر محمول کیا...... اور سوائے اس بات کے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوا کہ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح آیا ہے فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا۔ یعنی جب تم یہ دو نشانیاں دیکھو تو اللہ کے حضور دعا کرو۔ اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ کہ ان دو احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے نماز کسوف پڑھی یا دعا وغیرہ کی۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث دار قطنی سے نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج اور چاند کے گرہن کے وقت آٹھ رکعتیں چار سجدوں سے ادا کرتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث لائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج و چاند کے گرہن کے وقت چار رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ ادا کرتے۔ لیکن ان دونوں احادیث کے اسناد میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک سورج گرہن میں دو رکعت نفل با جماعت پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جیسا کہ عادتاً نمازیں ہوتا ہے۔ بغیر خطبہ کے۔ اور چاند گرہن میں جماعت نہیں۔ بلکہ ہر شخص اکیلا اکیلا پڑھے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک ان کے مشہور مذہب کے مطابق اور ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک اکیلے اکیلے اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور بغیر خطبہ کے بھی جائز ہے۔ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ وہ احناف کے مذہب کو واضح طور پر ثابت کرتی ہے اور یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ عورتوں اور بچوں کی نسبت ان مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہوتی ہے۔ جو صف اول میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں اور بچوں کو بالکل پچھلی صفوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اس لیے مردوں کی روایت زیادہ راجح ہو گی کذا فی الھدایۃ۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ ایسی صحیح اور حسن احادیث لائے ہیں جو حنفیہ کے مذہب کو ثابت کرتی ہیں۔ اور ان احادیث پر محدثین نے اعتراضات کیے ہیں۔ جن میں ایک رکعت میں ایک سے زیادہ رکوعوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ راویوں کا ان احادیث میں اضطراب ہے کہ بعض نے ایک رکعت میں دو رکوع کی روایت کی۔ بعض نے تین رکوع۔ بعض نے چار اور بعض نے پانچ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ نماز بھی مشہور طریقہ کے مطابق پڑھی جائے۔ پھر یہ طریقہ اس مطلق روایت کی شکل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِذَا كَانَ ذَالِكَ فَصَلُّوْا۔ کہ جب گرہن کا وقت ہو تو نماز پڑھو۔ اور اسی شدید اضطراب کے پیش نظر احناف کے بعض مشائخ نے فرمایا کہ پچھلی صفوں والوں کو یہ اشتباہ زیادہ ہجوم کی وجہ سے لاحق ہوا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گرہن کا واقعہ صرف ایک دفعہ واقع ہوا اور کسی راوی نے بھی ایک سے زیادہ بار اس واقعہ کے پیش آنے کو روایت نہیں کیا کیونکہ دس سال کے عرصہ میں متعدد بار گرہن کا واقعہ ہونا بعید اور خلاف عادت ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کا قول کہ مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہو سکتی ہے۔ اس وقت مکمل دلیل بن سکتا ہے جب کہ حضرت عائشہ کے علاوہ مردوں میں سے کسی نے حضرت عائشہ کے ساتھ موافقت نہ کی ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۳۹۴ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے ایک

فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِىْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ ـ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

منادی کو بھیجا کہ لوگوں میں ان الفاظ کے ساتھ ندا کرے الصلوٰۃ جامعۃ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور چار رکوعوں سے دو رکعتیں پڑھیں اور چار سجدے کیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی اس نماز سے زیادہ لمبا رکوع اور سجدہ نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔
۲؎ جیسا کہ اس کی صورت آگے آرہی ہے یہ مشہور طریقہ (ہر رکعت میں ایک رکوع) کے خلاف ہے۔
۳؎ جیسا کہ معہود و مشہور ہے۔
۴؎ کہ یہ باقی تمام نمازوں سے دراز تھا۔

۱۴۹۴ وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ ـ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند گرہن کی نماز کی روایت ثابت ہے۔ ورنہ خسوف کا لفظ سورج کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

۱۴۹۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۱؎ آپ نے بڑا دراز قیام کیا۔ سورۂ بقر کی قراءت کے بقدر۲؎ پھر دراز رکوع کیا۳؎ پھر اٹھے تو بہت دراز قومہ کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا۴؎ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر اٹھے۔ پھر سجدہ کیا۔ پھر قیام

وهو دون القيام الاول ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الاول ثم رفع ثم سجد ثم قام فقام قياما طويلا وهو دون الركوع الاول ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الاول ثم رفع فقام قياما طويلا وهو دون القيام الاول ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الاول ثم رفع ثم سجد ثم انصرف وقد تجلت الشمس فقال ان الشمس والقمر ايتان من ايات الله لا يخسفان لموت احد ولا لحيوته فاذا رايتم ذلك فاذكروا الله قالوا يا رسول الله رايناك تناولت شيئا في مقامك هذا ثم رايناك تكعكعت فقال اني رايت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو اخذته لاكلتم منه ما بقيت الدنيا ورايت النار فلم ار كاليوم منظرا قط افظع ورايت اكثر اهلها النساء قالوا بم يا رسول الله قال بكفرهن قيل يكفرن

کیا تو بہت دراز قیام فرمایا۔ جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا تو دراز قیام کیا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا۔ پھر فارغ ہوئے۔ جب کہ سورج صاف ہو چکا تھا پھر فرمایا کہ سورج و چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گہنتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ میں کچھ لیا پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے۔ فرمایا میں نے جنت ملاحظہ کی تو اس سے خوشہ لینا چاہا اگر لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے اور میں نے آگ دیکھی تو آج کی طرح گھبراہٹ والا منظر کبھی نہ دیکھا۔ میں نے دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیوں۔ فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے۔ عرض کیا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔ فرمایا خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم ان سے زمانہ بھر تک نیکی کرو۔ پھر تمہاری طرف سے کچھ ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہ دیکھی۔

بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَ
يَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ
اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ
مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ
مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ابن ماری دس

لہ ایسی ہی روایت بخاری کی ہے۔ مسلم کی روایت میں انکسف آیا ہے۔ اور شرح سنہ میں خسفت کا لفظ آیا ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر لوگوں کی امامت کی اور لوگوں نے آپ کی اقتدا کی۔

سلہ یعنی وقت کی اتنی مقدار صرف کی جس میں سورہ بقرہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے سورہ بقرہ پڑھی تھی۔ واللہ اعلم۔

سلہ بعض روایات میں آیا ہے کہ قیام کی طرح رکوع فرمایا۔

سکہ دون قریب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسری رکعت میں آپ نے قرات کی یا تسبیح پڑھی بظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

۵ہ جیسا کہ معروف طریقہ ہے کہ دو سجدے کیے دونوں کے درمیان بیٹھے۔ یہاں طویل کا ذکر نہ کیا۔

۶ہ یعنی تشہد اور سلام کے بعد بسا وہ ظہور کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کیا۔

۷ہ یعنی سورج نمایاں، صاف اور روشن ہو گیا۔

۸ہ جو اپنے وجود اور گرہن کے ساتھ متاثر ہوتے سے باری تعالیٰ کی قدرت و سلطنت کے کمال پر دلالت کرتے اور اہل عقل و دانش کے لیے موجب عبرت بنتے ہیں۔ کہ ایک گھڑی میں اس نورانیت و قوت کے باوجود تاریک اور ماند پڑ جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ اس پر بھی قادر ہے العیاذ باللہ کہ لوگوں نے علم و ایمان کی روشنی لے لے۔ اور انہیں بے نور اور تاریک کر دے۔

۹ہ یہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کی تردید ہے۔ کہ چاند یا سورج گرہن کسی حادثہ عظیم مثلاً کسی بڑے آدمی کے مرنے یا نقصان عام کے ظہور ہونے پر ہوتا ہے۔ اتفاقاً اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ہوا تھا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ شاید گرہن کا سبب ان کی موت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق کسی بڑے آدمی کی موت پر گرہن ہوتا تھا۔ لہذا یہاں زندگی کا ذکر موت کی مناسبت کے طور پر کر دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

سنلہ یا آپ نے اسی جگہ جہاں آپ کھڑے ہوتے کسی چیز کے پکڑنے کا ارادہ فرمایا یا اس جگہ جہاں آپ نے ہمیں پند و نصیحت کی کیونکہ آپ نے نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے
سلله لغت کی کتاب صراح میں ہے منقود بمعنی خوشہ انگور۔ ظاہر مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک لو اخذتہ الخ کے قرینہ کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ میں نے پکڑنے کا ارادہ کیا۔
سلله معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے لیے تو اس میں سے لیا اور اگر میں تمہارے لیے اسے لیتا تو تمہیں بھی دیتا کہ ہمیشہ تم اس سے کھاتے رہتے۔ اس طرح کہ اس سے جو دانہ تم کھالیتے وہاں فوراً دوسرا دانہ لگ جاتا جیسا کہ بہشت کے میووں کی خاصیت ہے۔ اور کھانے اور پھل اور تیل کا بڑھ جانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے وقوع پذیر ہوا۔

۱۳۹۹ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ وَلَا لِحَيٰوتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مثل اور حضرت ام المؤمنین نے فرمایا کہ پھر سجدہ کیا تو دراز سجدہ کیا پھر فارغ ہوئے جب کہ آفتاب کھل چکا تھا پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو۔ تکبیریں کہو، نماز پڑھو اور خیرات کرو۔ پھر فرمایا اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اللہ سے زیادہ کوئی اس پر غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے۔ اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ ۔ (مسلم بخاری)

لہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے کہ آپ نے دراز سجدہ کیا۔ اور آپ نے خطبہ دعا، تکبیر، نماز اور صدقہ کا مضمون زیادہ کیا۔ اور آگے آنے والا مضمون بھی زیادہ بیان کیا۔

۲ـہ غیرت کا معنی ہے کسی شخص کا اس بات کو ناپسند جاننا کہ کوئی دوسرا کسی ایسی چیز میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے جو اس کا حق ہو۔ اور خدا تعالے کے غیرت فرمانے سے مراد اللہ تعالے کا اپنے امر و نہی میں مخالفت کو ناپسند جاننا ہے اور خدا تعالے کی غیرت تمام نافرمانیوں میں ہوتی ہے۔ زنا کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے اور اس کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس میں زیادہ غیرت پائی جاتی ہے۔

۳ـہ یعنی آخرت اور قیامت کے حالات اور خدا تعالے کی صفات جلالیہ اور اس کے احکام قہریہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ

۱۴۰۸ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سورج گرہن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کھڑے ہوئے۔ آپ اس طرح ڈرے اور گھبرائے گویا کہ قیامت آگئی[لہ]۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے قیام، رکوع اور سجدہ سے نماز پڑھی کہ میں نے اس کی مثل کبھی نہ دیکھا تھا اور فرمایا یہ نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالے بھیجتا ہے وہ کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ساتھ اللہ تعالے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے[۲]۔ تو جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ تعالے کے ذکر اس کے حضور دعا اور گناہوں کی معافی سے پناہ لو۔

(بخاری و مسلم)

لہ یہ راوی کی تخیل و تمثیل ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ جب تک آپ لوگوں میں تشریف فرما ہیں۔ قیامت قائم نہ ہوگی۔ نیز وہ وعدے جو حق سبحانہ نے آپ کا ساتھ کیے ہوئے ہیں، ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔

۱؎ کہ وہ اپنی قدرت سے حالت کے بدلنے، نعمت چھین لینے، عذاب نازل کرنے اور مصیبت وبلا مسلط کرنے پر (اعاذنا اللہ) قادر ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے
۲؎ لغت کی کتاب صراح میں ہے نفزع۔ فا دزنا کی زبر سے۔ ڈرنا اور پناہ ڈھونڈنا۔

۱۴۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا جس دن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۱؎۔ تو آپ نے لوگوں کے ساتھ چھ۲؎ رکوع چار سجدوں سے پڑھے۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے تھے، اور مدینہ منورہ میں ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور سن دس ہجری میں شیر خوارگی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ لوگوں نے کہا یہ سورج گرہن انکی موت کی وجہ سے ہوا ہے۔
۲؎ یعنی ہر رکعت میں تین رکوع کیے۔ مگر دو رکعتوں میں سجدے چار ہی کیے۔ جیسا کہ مشہور اور معروف طریقہ نماز ہے۔
۳؎ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ عاشورہ، یا دسویں ربیع الاول شریف کے دن فوت ہوئے۔ اس میں نجومیوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ گرہن نہیں ہوتا مگر مہینے کے آخری تین دنوں میں۔ اگرچہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور عاشورہ یا دس ربیع الاول کے دن گرہن خلاف عادت تھا۔ اور اگر نجومی لوگ یہ کہیں کہ مذکورہ تین دنوں کے علاوہ گرہن ہوتا ہی نہیں تو ان کا یہ قول بالکل باطل ہے کیونکہ ان اللہ علی کل شی قدیر۔ بے شک اللہ تعالٰے ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۴۹۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذَلِكَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکوع چار سجدوں کے ساتھ کیے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل روایت ہے۱؎۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ یعنی دو رکعتیں پڑھیں ہر رکعت میں چار رکوع کیے۔

سلہ یعنی ان سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یہ نماز پڑھی۔ یا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گرہن کے وقت اسی طرح نماز گرہن پڑھتے تھے۔

۱۴۰۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِّيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْا حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَاَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں مدینہ میں تیراندازی کیا کرتا تھا کہ سورج گرہن ہوا میں نے تیر پھینک دیے اور کہا کہ رب کی قسم میں دیکھوں گا کہ سورج گرہن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا واقعہ پیش آیا ہے[2]۔ فرماتے ہیں میں حضور اقدس کی خدمت میں آیا حضور نماز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے اور آپ تسبیح تہلیل تکبیر۔ اور حمد کہہ رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سے گرہن کھل گیا جب گرہن کھل گیا تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی[3]

مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت کی۔ اسی طرح شرح سنۃ میں انہی سے اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر بن سمرہ سے[4]۔

سلہ آپ عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوسعید عبشمی ہے۔ عبدشمس کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ ان کا پہلا نام عبدالکعبۃ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا۔ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ آپ طلقاء مکہ میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپ نے

سبحتان اور کابل فتح کیا۔

سلہ اور آپ اس وقت کس حال میں ہیں۔

سلہ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے اس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے نماز کی نیت باندھی اور پہلی رکعت کا قیام لیا اور دراز کیا۔ کہ اس میں تسبیح وتہلیل تکبیر و دعا کی۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن پاک پڑھا اور رکوع وسجدہ کیا اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس میں بھی قرآن پاک پڑھا۔ رکوع اور سجدہ کیا تشہد پڑھا اور سلام پھیرا۔ اسے سمجھو۔

سلہ اگرچہ صاحب مصابیح صحابی کا ذکر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ مگر یہاں آپ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ اور مولف رحمۃ اللہ (صاحب مشکوٰۃ) یہ حدیث عبدالرحمٰن بن سمرہ سے لائے اور اسکی تائید مسلم اور شرح سنۃ کی روایت سے کی کہ وہ بھی صاحب مصابیح سے ہے۔ پھر اپنی تائید و تاکید کے لیے رواہ مسلم فی صحیحہ کا لفظ بھی کہا۔ ورنہ فی صحیحہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

۱۴۲۳ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَۃِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ البتہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری)

سلہ حدیث میں لفظ عتاقہ عین کی زبر سے آیا ہے بمعنی اعتاق (آزاد کرنا)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۴۲۴ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَہٗ صَوْتًا۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ سلہ

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

(ابن ماجہ)

سلہ یعنی آپ نے پست آواز سے قرات فرمائی۔ شیخ ابن حجر نے اپنی شرح میں کہا کہ شافعیہ کا مذہب سورج گرہن کی نماز میں اخفاء قرات ہے۔ کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اسی بنا پر شیخ موصوف نے حضرت عائشہ کی حدیث میں جو اس باب کی دوسری حدیث ہے۔ گرہن کو چاند گرہن پہ محمول کیا جس میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں جہری قرات کی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ آپ کے صاحبین کے نزدیک جہری قرات ہے۔ اور امام محمد سے ایک روایت کے مطابق ان کا قول بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کی طرح ہے کیونکہ یہ نماز نوافل کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ جیسا کہ گزرا۔

۱۴۰۴ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيْلَ لَهُ تَسْجُدُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوْا وَأَيُّ آيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجۂ مطہرہ فوت ہو گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اس گھڑی کیوں سجدہ میں گر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس وقت تم لوگ کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دنیا سے چلے جانے سے بڑھ کر کونسا نشان ہو سکتا ہے

(ابو داؤد ترمذی)

سلہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہائے مکہ اور تابعین میں سے ہیں شعبی نے کہا میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ ان کا اصل نسب بربر سے ہے۔

سلہ اس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

سلہ یعنی سجدے کا کوئی سبب اور موجب موجود نہیں ہے۔ اور بے وجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں مذکور ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نماز کے لیے مکروہ وقت تھا۔ اعتراض کرنے والوں نے سجدہ کو بھی نماز پر قیاس کیا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ سے نماز مراد ہو جیسا کہ بعض علماء شکر کے دو سجدوں کی نماز تاویل کرتے ہیں۔ اسے سمجھو۔

سلہ یعنی بلاؤں اور مصیبتوں کے نزول کا نشان۔ جن کے ساتھ اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو نیازمندی، گناہوں کی معافی اور اس سے حصول مدد کے لیے اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔

۵ یعنی ازواج مطہرات کا اس دنیا سے رحلت کر جانا بہت بڑا نشان عبرت و خوف ہے کیونکہ ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف و فضل حاصل تھا نیز انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور آپ سے ربط و اختلاط کا وہ خاص شرف و کمال حاصل تھا جو صحابہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ تو ان کے رحلت کرنے سے برکت اور خیر کثیر بھی اس دنیا سے چلی جاتی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان کے چلے جانے پر وہ علم بھی چلا جاتا ہے جو صرف انہیں ہی حاصل تھا یعنی وہ علم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجی اور گھر کے اندرونی حالات سے متعلق تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۴۰ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَأَ سُوْرَةً مِّنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ اور آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس میں بھی لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ پھر آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ نماز کی حالت پر قبلہ رو بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ سورج کا گرہن زائل ہو گیا۔ (ابو داؤد)

لے حدیث میں لفظ طُوَل آیا ہے طا کی پیش واو کی زبر۔ طولیٰ کی جمع۔ بر وزن طوبیٰ اطول کی مونث جیسا کہ قاموس میں ہے بعض نسخوں میں طِوَل طا کی زیر سے آیا ہے۔ اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۴۴۱ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے دو دو رکعت نماز پڑھنا شروع کی۔ آپ اس دوران اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے یہاں تک کہ گرہن دور ہو گیا۔

انْجَلَتِ الشَّمْسُ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ فِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلٰوتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ فَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور نسائی کی روایت یہ ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے۔ جب کہ سورج گرہن ہو چکا تھا تو آپ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج کھل گیا[۲] پھر آپ نے فرمایا بیشک جاہلیت کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ سورج اور چاند گرہن زدہ نہیں ہوتے مگر اہل زمین کے عظیم آدمیوں میں سے کسی عظیم آدمی کے مرنے پر۔ اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ سورج اور چاند کسی کی موت اور اس کی زندگی سے گہنے نہیں جاتے بلکہ یہ دونوں اللہ کی مخلوق میں سے مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے سامنے لاتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے جو بھی گرہن کی زد میں آئے تو نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ کھل جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کوئی اور چیز ظاہر کر دے[۳]

(نسائی)

[۱] یہ حنفیہ کی دلیل ہے۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں جنہیں شیخ ابن الہمام نے ذکر کیا ہے۔
[۲] اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر ہے۔ بغیر دوسری خصوصیات (لمبا رکوع اور اس کا تکرار) کے۔
[۳] یعنی عذاب یا قیامت برپا کر دے۔

بَابٌ فِي سُجُوْدِ الشُّكْرِ

سجدہ شکر کا باب

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَ الثَّالِثِ۔ یہ باب فصل اول اور فصل ثالث سے خالی ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنا جائز اور مسنون اور قرب الٰہی کا موجب ہے یا نہیں بعض نے کہا یہ سجدہ بدعت اور حرام ہے۔ شرع شریف میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور اسی پر اس کی بھی بنا کرتے ہیں جو لوگ وتروں کے بعد دو سجدے کرتے ہیں بعض کے نزدیک یہ سجدہ کراہت کے ساتھ جائز ومشروع ہے۔ تفصیل کلام یہ ہے کہ نماز سے باہر سجدہ چند قسم پر ہے۔ ایک سجدہ سہو یہ نماز کے سجدہ کے حکم میں ہے۔ دوسرا سجدۂ تلاوت ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ تیسرا بعد نماز سجدہ مناجات۔ اکثر علماء کا ظاہر کلام اس میں یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ چوتھا حصول نعمت اور دفع مصیبت پر سجدۂ شکر۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔ امام محمد کا قول بھی یہی ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث اور آثار وارد ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے حد وبے شمار ہیں۔ بندہ ان کے شکر کی ادائیگی سے عاجز ہے۔ اس لیے اس سجدے کا بطور سنت واستحباب بندے کو مکلف کرنا تکلیف مالایطاق تک پہنچانے کے مترادف ہے۔ لیکن وہ حضرات جو اس کے جواز کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ نعمتوں سے نئی نئی حاصل ہونے والی نعمتیں مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ نہ کہ وہ نعمتیں جو دائماً اور ہمیشہ کے لیے انسان کو حاصل ہیں جیسے بندے کا وجود اور اس کے توابع اور لوازمات۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ کو ابوجہل لعین کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر سجدۂ شکر بجالائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے قتل پر سجدہ شکر کیا۔ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی غلطی پر توبہ قبول ہونے کی بشارت ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ ان کا قصہ بہترین تصول میں سے ہے شرح سفر السعادۃ میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سجدے کی ایک اور قسم بھی ہے جسے سجدۂ تحیت کہتے ہیں بعض فقہی روایات کے مطابق اس سجدے کی رخصت واجازت ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۰۹۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَہٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ یُسَرُّ بِہٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی ایسی چیز آتی جو آپ کے لیے خوشی اور مسرت کا موجب بنتی یا جس سے آپ کو مسرور اور خوش کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لیے اس کے آگے سجدہ میں گر جاتے۔ اسے ترمذی ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ ابوبکرۃ آخر میں تا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ ان کے حالات اور ان کے اس نام کی وجہ تسمیہ دوسرے مقامات میں لکھ دی گئی ہے۔

سلہ یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں سرورًا آیا ہے یا یُسَرُّ بصیغہ مضارع مجہول

۱۳۱۰۔ وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا مِنَ النُّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا۔

(رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ مُرْسَلًا وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ)

حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص الخلقۃ انسانوں میں سے ایک انسان دیکھا تو آپ سجدے میں گر گئے۔

اسے دارقطنی نے مرسلا روایت کیا اور شرح سنۃ میں یہ حدیث مصابیح کے الفاظ سے مروی ہے

سلہ حدیث میں لفظ نغاشین ہے۔ نغاش و نغاشی نون کی پیش غین نقطے والا مخفف بمعنی کوتاہ قد، ضعیف الحرکۃ اور ناقص الخلقۃ انسان۔ اگر یہ لفظ یا کے بغیر ہے تو پھر نغاشین میں یا اور نون جمع کے لیے ہیں۔ اور اگر یا کے ساتھ نغاشی ہے تو پھر وہ یا حذف کر دی گئی ہے۔ بعض نسخوں میں نغاشیین غین اور پہلی یا کی شد کے ساتھ قاموس سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ہے کہ غین پر شد نہیں غین کے بعد یا کے ساتھ یا بغیر یا کے۔ یہ بات سنت ہیں سے ہے کہ جب کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا انسان کو دیکھے تو خدا تعالیٰ سے عافیت مانگے اور یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے عافیت بخشی اس سے جس میں تجھے مبتلا کیا۔ مگر جب کسی کو ظاہری بیماری یا بد صورتی میں مبتلا دیکھے تو یہ دعا آہستہ پڑھے کہ وہ نہ سن سکے تاکہ

وہ شکستہ دل نہ ہو، اور اگر کسی فاسق و فاجر کو دیکھے تو یہ دعا بلند آواز سے پڑھے تاکہ وہ سنے اور توبہ کرے اور فسق و فجور سے باز آئے۔

۲؎ یعنی یہ حدیث کہ مصابیح کے لفظ سے مذکور ہے۔ شرح سنۃ میں روایت کی اور الفاظ کی مغائرت جو مذکور ہوئی، وہ موجود ہے۔

(۳) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْوَرَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِيْ ثُلُثَ اُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ فَاَعْطَانِي الثُّلُثَ الْاٰخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے چلے۔ اور مدینہ پاک جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب ہم لوگ عزوزاء[۱] کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُتر پڑے پھر آپ نے ہاتھ مبارک اٹھائے۔ ایک گھڑی اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی۔ پھر سجدے میں گرے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اٹھے تو ایک گھڑی اپنے دست مبارک اٹھائے رہے۔ پھر سجدے میں گرے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اٹھے۔ ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ میں گرے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا[۲] اور شفاعت چاہی تو رب تعالےٰ نے مجھے تہائی امت عطا کر دی۔ میں رب کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا اس نے مجھے تہائی امت عطا کر دی میں رب تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا تو اس نے مجھے آخری تہائی بھی دے دی۔ تو میں رب تعالیٰ کا شکر کرتا ہوا سجدے میں گر گیا[۳] احمد۔ ابوداؤد۔

سلہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

سلہ عزوزا زمین مہملہ کی زبر پہلی زا ساکن واؤ اور زا ثانی کی زبر آخر میں الف ممدودہ یا مقصورہ یہ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی یہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ مبارک سے نیچے اترے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے دریافت کیا ہوگا کہ کیوں آپ نے کس لیے کیا ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے سے پہلے ہی فرمایا۔

سلہ اور اپنی امت کی بخشش طلب کی۔

سلہ الآخر۔ یہ لفظ خا کی زبر اور زیر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

سلہ تو تین بار سجدہ کرنے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ تھی۔ ؎

چہ غم دیوارِ امت را کہ باشد چوں تو پشتیبان

چہ باک از موجِ بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان

ترجمہ۔ دیوارِ امت کو کیا غم و فکر ہے (کوئی غم نہیں) جب کہ یا رسول اللہ آپ کے ان پشتیبان ہیں۔ سمندر کی موجوں سے اسے کیا خطرہ ہے جب کہ حضرت نوح علیہ السلام اس کے کشتیبان (ناخدا) ہوں۔

یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہوں پر سزا کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں کہ کبائر کی بنا پر عاصیوں کو عذاب ہوگا۔ اور یہ عذاب ان واقع ہوکر رہے گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دعا اور شفاعت اور اعلاء سے خسف و مسخ (زمین میں دھنسنا شکلوں کا بگڑنا) وغیرہ مراد ہے جس میں پہلی امتیں مبتلا ہوئیں۔ عذاب آخرت مراد نہیں۔ بعض نے کہا ہمیشہ کے لیے عذاب آخرت میں مبتلا نہ رہیں گے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اثر انہیں پہنچے گا اور وہ آتش دوزخ سے باہر نکل آئیں گے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْاِسْتِسْقَاءِ

استسقاء کا بیان

لغت میں استسقاء کا معنی ہے پانی مانگنا شرع شریف میں معنی ہے کیفیت مخصوصہ کے ساتھ خشک سالی میں بارش کیلیے نماز یا دعا اور سوال کرنا۔ اکثر ائمہ کے نزدیک استسقاء میں نماز سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء اس دعا و استغفار سوال اور تضرع و نیاز مندی کا نام ہے۔ جو حضرت اللہ تعالیٰ کی جناب کریم رزاق و وہاب سے بارش

کے لیے کی جاسے کہ نص قرآن کے مطابق استغفار نزول بارش کا سبب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ استسقاء کے بارسے میں اکثر احادیث جو آئی ہیں ان میں نماز کا ذکر نہیں ہے مگر صرف ایک جگہ ہیں۔ وہ بھی اپنی تمام خصوصیت کے ساتھ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش طلب کی اور اس میں دعا اور استغفار پر کفایت کی۔ نمازِ استسقاء نہ پڑھی۔ اگر اس کے لیے نماز مسنون ہوتی تو آپ نماز ترک نہ کرتے۔ بارش کی عام ضرورت اور زمانہ نبوت کے قریب ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس نماز کا علم نہ ہونا بہت بعید بات ہے۔ اور علم ہونے تک باوجود حضرت عمر کا نماز نہ پڑھنا اس سے بھی بعید تر ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لیے مجمع صحابہ کے درمیان دعا کی۔ صحابہ کرام کا ان کو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ نہ کرنا کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ علماء کرام نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول لَا صَلٰوۃَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ۔ (استسقاء میں نماز نہیں) کی یہ تاویل کی ہے کہ اس میں جماعت خطبہ اور نماز والی دوسری خصوصیات سنت اور شرط نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی اس کے لیے اکیلے نماز پڑھے دعا کرے۔ سوال اور تضرع وزاری کرے استغفار کرے تو بہتر ہے اور استسقاء کے باب میں مروی احادیث اضطراب سے خالی نہیں ہیں اور بہت سے طرق اسناد جن میں خصوصیات اور کیفیات مذکور ہیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس بارے میں خلاصہ اور مقصود اعلیٰ کو لیا ہے۔ (یقینی چیز کو اختیار کرتے ہوئے) اور امام ابو یوسف اور امام محمد اس باب میں دوسرے ائمہ کے موافق ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ امام محمد امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔ اس دور میں حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہو چکا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ نمازِ استسقاء کی خصوصیت حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۴۱۷ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَ حَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر عید گاہ میں استسقاء کے لیے تشریف لائے اور ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت کی۔ اور قبلہ رو ہو کر دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک خوب بلند کیے اور قبلہ رو حالت میں اپنی چادر مبارک

الْقِبْلَةَ۔ مبارک پھیری۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ یعنی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے ماں باپ اور بھائی بھی صحابی ہیں۔

لہ جیسا کہ دوسری آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔

لہ یعنی جو چادر آپ نے اس وقت پہن رکھی تھی۔ آپ نے یہ چادر اس طرح پھیری کہ اس کی دائیں جانب کو بائیں جانب کیا اور بائیں جانب کو دائیں جانب اس کے باہر کو اندر اور اندر کو باہر کیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ بندہ اپنے دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے پیچھے والے کنارے اور بائیں ہاتھ سے چادر کے دائیں جانب والے پیچھے کے کنارے کو پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ہی گھمائے۔ یہاں تک کہ اس نے دائیں ہاتھ سے چادر کا جو کنارہ پکڑا تھا وہ دائیں کندھے کے اوپر آجائے اور جو کنارہ بائیں ہاتھ سے پکڑا تھا اسے بائیں کندھے کے اوپر سے آئے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ تغیر و تبدیل بارش کی بندش اور تنگی کی حالت کو فراخی و کشادگی کی حالت سے بدلنے کے لیے نیک فالی کے ارادے سے کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق کیا تاکہ بارش کی بندش کی حالت تبدیل ہو جائے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط سالی کی حالت کی تبدیلی کے ارادے سے اپنے اجتہاد کے تحت ایسا کیا۔ صرف نیک نامی کے لیے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ نیک نامی میں قصد و اختیار کا دخل نہیں ہوتا بلکہ نیک نامی اس کا نام ہے کہ خارج میں اتفاق سے کوئی چیز نظر آئے تو اس سے اچھی رائے دل میں قائم کر لی جائے۔ بظاہر یہ ہے کہ یہاں نیک نامی سے قائل کی مراد یہی معنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا تاکہ ظاہراً بھی تغیر حال پر دلالت کرے اور اس کی علامت بنے۔ یا یہ کہ تفاؤل کے لیے بے اختیاری کی قید غیر مسلم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱۳/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ اِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی دعا میں اپنے دست مبارک نہ اٹھاتے مگر استسقاء میں لہ کہ اس میں آپ ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آتی لہ

(بخاری و مسلم)

لہ یعنی استسقاء کی دعا میں آپ بہت زیادہ ہاتھ بلند کرتے۔ یہاں تک کہ سینہ سے بھی بلند کر لیتے۔
لہ یا تو اس وجہ سے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی کہ بغلوں پہ کپڑا نہ ہوتا تھا یا آپ چادر مبارک اوڑھے

ہوتے تھے جہاں جگہ کو نہ چھپاتی تھی یا بغلوں کی سفیدی کی جگہ دیکھنا مراد ہے۔ جب کہ بدن شریف پر پیراہن موجود ہوتا تھا۔ ابط ہمزہ کی زیر اور باساکن یا ، کے نیچے بھی زیر۔ بعض کندھوں کا نیچے کا حصہ علماء نے کہا ہے کہ واقعہ جس قدر مشکل تر اور قوی تر ہو۔ ہاتھ اتنے ہی بلند و بالاتر ہونے چاہئیں۔

۱۴۱۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰى فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ اِلَى السَّمَآءِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔[1] (مسلم)

[1] برعکس اس کے جو مشہور و متعارف ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کی جاتی ہیں۔ علماء نے کہا ہے جب کہ دعا ایسی چیز کی طلب و سوال کے لیے ہو جو نعمتوں کی جنس سے ہو تو مستحب ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور جب کہ فتنہ و بلا دفع کرنے اور اس سے رد کئے کے لیے ہو تو ہاتھوں کی پشتیں آسمان کی جانب کی جائیں تاکہ فتنہ و بلا و مصیبت کی آگ بجھے اور حادثہ کا غلبہ اور اس کی قوت پست اور فرو ہو۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ بھی چادر کے بدلنے کی طرح حال میں تغیر و تبدل کی نیک فالی کے لیے ہے۔ اور مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ ہے کہ بادلوں کے پیٹ زمین کی جانب ہو جائیں۔ اور اس چیز (پانی) کو نیچے گرادیں۔ جو ان میں ہے واللہ اعلم۔

۱۴۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استسقاء کے بعد بارش کو دیکھتے تو فرماتے یا اللہ خوب برسنے والی اور نفع مند بارش برسا۔[1] (بخاری)

[1] حدیث میں لفظ صیب آیا ہے صاد کی زیر اور یا مشدد۔ بعض نے یا کے بجائے با سے صبًّا روایت کیا یعنی بہانا۔

۱۴۱۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی حضرت انس فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن مبارک سے کپڑا ہٹا لیا یہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهُ حَتّٰى اَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهُ حَدِيْثٌ عَهْدٍ بِرَبِّهِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یہاں تک کہ آپ کے جسم اقدس پر بارش پڑی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے تو فرمایا اس لیے کہ یہ ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آرہی ہے۔
(مسلم)

سلہ حدیث میں لفظ حسر آیا ہے جو حسرٌ (حاکی زبر سین ساکن) سے نکلا ہے معنی بدن کے بعض حصہ سے کپڑا اٹھانا اور دور کرنا۔

سلہ شاید کپڑا اٹھانے اور بارش کا پانی بدن پر گرانے میں کوئی حکمت ہے۔

سلہ اور یہ ابھی ابھی عالم قدس سے آرہا ہے۔ اور اس کی طہارت و پاکیزگی اس عالم کثیف کی اجزاء سے آلودہ نہیں ہوئی ہے

اے نفس خرم باد صبا
از بر یار آمدہ ربحا

اے باد صبا تو خوش ہے کہ تو ابھی ابھی یار کی آرد سش کر چھو کر آرہی ہے۔ تجھے مرحبا
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے پسند کرنے اور اس سے خوش ہونے میں یہی حکمت تھی کہ یہ درگاہ عزت جل جلالہٗ سے ابھی ابھی نیچے اتر رہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۴۱۷ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے تو آپ نے بارش مانگی اور قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک کو پھیرا وہ اس طرح کہ اپنی چادر مبارک کو جانب راست سے پھیر کر اپنے بائیں کندھے پر ڈالا۔ اور چادر کے بائیں حصے کو پھیر کر دائیں کندھے پر ڈالا۔ پھر اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔
(ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ عطاف (عین کی زیر) آیا ہے جس کا معنی ہے چادر یہاں چادر کا کنارہ مراد ہے۔

۱۴۱۸ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهٗ سَوْدَاءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَبَهَا عَلٰى عَاتِقَيْهِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے. فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی، اس وقت آپ کے اوپر سیاہ رنگ کا کمبل تھا تو آپ نے اس کے نیچے کے حصے کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا تاکہ اسے بلند کریں، جب آپ کو وہ بھاری محسوس ہوا تو آپ نے اسے کندھوں پر ہی بدل لیا۔ (احمد وابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ خمیصہ آیا ہے۔ خاکی زبر میم کی زیر۔ پشم وغیرہ کا بنایا چوکور کمبل جس کے دونوں طرف نقش ونگار ہو۔ بعض نے کہا خمیصہ ریشم و پشم کے کپڑے کو کہتے ہیں۔

۲ہ جیسا کہ چادر اٹھانے کا معروف طریقہ ہے۔

۳ہ یہاں عربی لفظ قلبھا لام کی شد یا بغیر شد دونوں طرح روایت ہے۔

۱۴۱۹ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِي اللَّحْمِ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِمًا يَّدْعُوْا يَسْتَسْقِيْ رَافِعًا يَّدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ)

حضرت عمیر مولی ابی اللحم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام احجار الزیت میں زوراء کے نزدیک اللہ سے بارش مانگتے دیکھا۔ آپ بحالت قیام بارش کی دعا مانگ رہے تھے آپ نے اپنے چہرہ انور تک اپنے ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ انہیں سر سے اونچا نہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

لہ ابی اللحم قدماء صحابہ میں سے ایک مرد ہیں۔ جنگ بدر میں حاضر تھے۔ حنین کے دن شہید ہوئے۔ گوشت کھانے سے انکار کی وجہ سے ان کا نام ابی اللحم پڑ گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ بزرگ زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ عمیر (عین کی پیش لام کی زبر) ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ بھی صحابی ہیں۔ دونوں حضرات فتح خیبر میں موجود تھے۔ یہ عمیر مولی ابی اللحم اس حدیث کی

روایت کرتے ہیں۔

ے۲ احجار الزیت اس جگہ کا نام احجار الزیت اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہاں ایسے سیاہ رنگ کے پتھر ہیں گویا ان پر روغن زیتون مل دیا گیا ہے۔

ے۳ زوراء (زا کی زبر اور واو ساکن) مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ان مواضع کا ذکر اذان جمعہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ے۴ جیسا کہ دعا میں عام تعارف اور مشہور ہے۔ اور کبھی آپ ہاتھ بلند کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے سر سے بھی بلند کر لیتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ آپ نے سر تک ہاتھ بلند کیے سر سے اونچے نہ کیے تو اس میں بھی کسی قدر مبالغہ موجود ہے۔ کیونکہ دعا میں عام دستور یہ ہے کہ ہاتھ سینہ یا کندھے تک بلند کیے جاتے ہیں۔

۱۴۴۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے یعنی[۱] طلب بارش کے لیے۔ اس وقت آپ کے لباس میں کوئی زیب و زینت نہ تھی[۲]۔ آپ پر اس وقت تواضع اور فروتنی و عاجزی طاری تھی[۳] اور آپ گریہ و زاری کر رہے تھے۔

(ترمذی۔ ابو داؤد، نسائی و ابن ماجہ)

ے۱ چونکہ آپ کا باہر تشریف لانا حدیث میں مطلق تھا اس لیے راوی نے اس کی تفسیر کی کہ آپ استسقاء کیلئے باہر تشریف لائے۔

ے۲ حدیث میں متبذلا کا لفظ آیا ہے کہ آپ نے لباس میں زینت و آرائش کو ترک کر رکھا تھا۔ عربی میں ثیاب بذلہ (با کی زیر سے) ان کپڑوں کو کہتے ہیں جو گھر کے کام کاج کے دنوں میں پہنے جاتے ہیں۔ ان کے لیے زیب و زینت درکار نہیں ہوتی۔ ان کپڑوں کو عربی میں ثوب مہنہ (میم کا زبر و زیر) بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ باب الجمعہ میں گزرا۔ کپڑوں میں یہ سادگی اور عام نوعیت آپ نے تواضع، اظہار غربت و شکست کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ جیسا کہ فرمایا ستاکفا الخ

ے۳ یاد رہے کہ تواضع اور تخشع دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ یہاں تواضع کو ظاہر حالت پر اور تخشع کو باطنی حالت پر محمول کرنا چاہیے۔

۱۴۴۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ اور دادا

عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰی قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِیْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْیِ بَلَدَكَ الْمَیِّتَ

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاؤدَ)

سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش طلب کرتے تو یوں کہتے اسے اللہ اپنے بندوں اور چارپایوں کو پانی عطا فرما۔ اور اپنی رحمت بکھیر دے[1] اور اپنی مردہ زمین[2] کو زندگی عطا کر۔

(مالک۔ ابوداؤد)

[1] اور نباتات کو تروتازہ کر کھیتوں کو اگا اور جانوروں کے لیے روزی پیدا فرما۔

[2] لفظ بلد شہر اور زمین کے معنی میں آتا ہے۔

۱۴۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوَاكِیْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھائے ہوئے یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اے اللہ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو سیراب کرنے والی۔ نجات دینے والی ہو۔ نقصان دہ نہ ہو۔ زمین سے فصل اگانے والی ہو۔ نفع مند ہو نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ جلد آنے والی ہو دیر سے نہ آنے والی ہو۔ راوی کہتا ہے کہ (اس دعا کے ساتھ ہی) بارش نے لوگوں کو آ لیا۔

(ابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ یواکی ہمزہ سے آیا ہے۔ یعنی آپ نے ہاتھ مبارک بلند اور دراز کیے یہ توکا برعصا سے ماخوذ ہے یعنی لاٹھی پر ٹیک لگانا

[2] حدیث میں لفظ مغیث آیا ہے حقیقت میں تو مغیث (فریادرس ونجات دہندہ) اللہ تعالیٰ ہے۔ بارش کو اس لیے مغیث فرمایا کہ یہ فریادرسی اور نجات کا ذریعہ اور سبب ہے۔

[3] حدیث میں لفظ مریا (میم کی زبر یا ممدودہ کی زیر) یعنی گوارا اور غیر نقصان دہ۔ مریعا (میم کی زبر) معنی ہے۔ زمین سے فصل اگانے والی۔ اور سال میں فراخی وکشادگی اور رزق لانے والی۔

[4] اصل میں لفظ فاطبقت علیہم السماء آیا ہے۔ طبق (حرکتوں کے ساتھ) عام اور ہر طرف برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔ اور سماء سے بادل مراد ہیں اور اطبقت بلفظ مجہول بھی آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۴۲۳/۱۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ

تیسری فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارش کے بند ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے منبر رکھنے کا حکم دیا۔ تو آپ کے لیے عید گاہ میں منبر رکھ دیا گیا اور آپ نے لوگوں کو اطلاع دی کہ فلاں دن گھروں سے باہر نکل کر آئیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باہر تشریف لائے جب کہ سورج نکلنا شروع ہو گیا تھا آپ منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا تم نے اپنے گھروں اور زمینوں کے قحط زدہ ہوتے اور بارش کے اپنے مناسب وقت سے تاخیر کرنے کی شکایت کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر آپ نے کہا سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ اے اللہ تو ہی اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو بے نیاز ہے ہم نیاز مند اور محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو نازل کرے اسے ہمارے لیے توانائی اور مدت دراز تک اپنے مطالب تک پہنچنے کا سبب

إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَبَ أَوْ حَوَّلَ
رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ
أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلَّى
رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ
وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللهِ
فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتَّى سَالَتِ
السُّيُولُ فَلَمَّا رَأَى سُرْعَتَهُمْ إِلَى
الْكِنِّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ
فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنِّي عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ.
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ونہ تغیرنا ۵۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور
انہیں اٹھانا ترک نہ کیا ۶ یہانتک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی
ظاہر ہوگئی۔ پھر لوگوں کی طرف اپنی پشت کی اور اپنی چادر
پلٹی ۷ اس وقت بھی آپ نے ہاتھ اٹھا رکھے تھے پھر
لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ منبر سے اترے اور دو رکعتیں
پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل پیدا کر دیا جو اللہ کے
حکم سے گرجا، چمکا پھر ۸ برسا۔ آپ مسجد تک نہ آنے پائے
تھے کہ ندی نالے بھر چلے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
لوگوں کو پناہ گاہ کی طرف دوڑتے دیکھا تو ہنس پڑے
یہانتک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر
فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے
اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

(ابوداؤد)

۱؎ جو کہ مدینہ منورہ سے باہر ہے۔

۲؎ یا جب کنارہ آفتاب نے نمودار ہونا شروع کر دیا۔ حدیث میں لفظ بَدَا الف و ہمزہ دونوں طرح مروی ہے۔ الف والی روایت زیادہ ظاہر ہے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ دیار دار کی جمع ہے بمعنی سرائے۔

۴؎ حدیث پاک میں لفظ اِبَّان آیا ہے (ہمزہ کی زیر با مشدد) اس کا معنیٰ ہے ہر چیز کے لیے مناسب اور معین وقت۔

۵؎ یعنی تاکہ ہم کامل اور پورے طور پر اپنے مطالب و مقاصد تک پہنچ جائیں۔ اور ہمیں اس سے پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔ بلاغ (با کی زبر) وہ چیز جس کے ذریعے انسان اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچتا ہے۔

۶؎ یعنی آپ مسلسل ہاتھ بلند کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔

۷؎ حدیث میں لفظ قَلَبَ او حَوَّلَ آیا ہے یہ راوی کا شک ہے کہ قلب کا لفظ فرمایا یا حوّل کا۔ معنی دونوں کا ایک ہے

۸؎ حدیث میں لفظ بَرَقَتْ را کی زبر اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔

۹ حدیث کا لفظ سیول سیل سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے پانی یا خون وغیرہ کا بہنا۔

۱۰ حدیث میں لفظ کِن (کاف کی زیر اور نون مشدد) یعنی زیر جامہ کپڑا اور وہ مکانات اور سکونت گاہیں جن سے گرمی و سردی سے بچتے ہیں۔ نَوَاجِذ۔ ناجذہ کی جمع۔ پچھلے دانت۔ یہ ان چار دانتوں کا نام ہے جو سب دانتوں سے پیچھے ہوتے ہیں جنہیں عقل و بلوغ کی داڑھیں کہتے ہیں کہ یہ بلوغت اور کمال عقل کے وقت اگتی ہیں۔ ہنسی کے وقت ان دانتوں کا نمایاں ہونا بہت بعید بات ہے۔ اسی لیے اسے علماء نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ بعض نے اس سے مطلق دانت مراد لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نواجذ کا اطلاق انیاب پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی داڑھوں سے اگلے دانت۔ واللہ اعلم۔

۱۱ جب کہ آپ نے بطریق معجزہ اس دعا کا اثر دیکھا۔

۱۴۲۳ ۱۳ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش مانگتے اور یوں کہتے اے اللہ ہم لوگ تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے تو تو ہم پر بارش برسایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔ تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ لوگ بارش سے سیراب کر دیے جاتے۔ (بخاری)

۱۲ حدیث میں یہاں لفظ نَسْقِيْنَا آیا ہے جو تا کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے معنیٰ دونوں کا ایک ہے۔ سقی اور اسقی دونوں لغات آتی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں جو آپ کے ساتھ ہوتے تھے، حضرت عباس کو وسیلہ بناتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے خداوندا اس قوم نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے میرا وسیلہ پکڑا ہے۔ خداوندا اس میں مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ تو بارش برسنا شروع ہو جاتی۔

۱۴۲۴ ۱۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نبیوں میں سے ایک نبی لوگوں

الْاَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ فَاِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ

کے ساتھ استسقاء کے لیے نکلا تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ تمہاری دعا اس چیونٹی کی وجہ سے قبول کر لی گئی ہے۔ (دار قطنی)

لہ علماء نے کہا ہے کہ اس سے حضرت سلیمان پیغمبر مراد ہیں۔ علیہ السلام

سے کچھ پاؤں سے ظاہرا اس کے اگلے پاؤں مراد ہیں جو اس کے ہاتھوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

بَابٌ فِى الرِّيَاحِ

ہواؤں کا باب

بعض نسخوں میں ترجمہ باب کی قید کے بغیر صرف لفظ باب آیا ہے۔ جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ کی گزشتہ باب کے ملحقات اور متممات میں عادت ہے۔ بعض نسخوں میں باب الریح آیا ہے۔ یعنی باب ہوا کے بیان میں جو علیحٰدہ ہے۔ بعض نسخوں میں باب الریاح یعنی ہواؤں کا باب آیا ہے اور بعض نسخوں میں باب الریاح والسحب آیا ہے یعنی ہواؤں اور بادلوں کا باب۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱۴۴۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مدد باد صبا سے کی گئی ہے اور قوم عاد دبور سے ہلاک کی گئی لہ (بخاری و مسلم)

لہ دبور دال کی زبر۔ صبا وہ ہوا ہے کہ جب تو قبلہ رخ ہو تو تیری پشت کی طرف سے چلے۔ صبا کے مقابل ہوا کو دبور کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جب کوئی شخص مطلع آفتاب کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو تو جو ہوا اس کے چہرے کے مقابل جانب سے آرہی ہو اسے باد صبا اور جو پشت کی جانب سے آرہی ہو اسے دبور کہتے ہیں اور اس حالت میں جو دائیں

جانب سے آرہی ہو اسے باد جنوب اور جو بائیں ہاتھ کی جانب سے آرہی ہو اسے باد شمال کہتے ہیں۔ مشہور یہی ہے۔ قاموس میں کہا باد صبا وہ ہے جو مطلع ثریا یا بنات النعش کی طرف سے آئے۔ اور دبور صبا کے مقابل ہوا۔ ان دونوں تفسیروں میں فرق ہے کیونکہ پہلی تفسیر مکمل طور پر مشرق و مغرب کو شامل ہے۔ دوسری تفسیر اس کی ایک طرف کو شامل ہے باد صبا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد خندق کے دن ہوئی جسے غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے قرآن مجید بھی اس کا ناطق ہے اور باد صرصر سے قوم عاد کی ہلاکت کا قصہ مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یا تو باد صبا کی دبور پر ترجیح و فضیلت ظاہر کرنا مراد ہے۔ یا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہوا امر الٰہی کے تابع ہے کبھی ایک قوم کی امداد کے لیے چلتی ہے۔ اور کبھی کسی گروہ کو ہلاک کرنے کے لیے۔

۱۴۲۴/۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس حد تک ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے جبڑے دیکھ لیتی[۱] آپ تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے[۲] جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے تو فکر مند ہو جاتے جس کا اثر آپ کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا[۳] (بخاری و مسلم)

[۱] حدیث میں لفظ لہوات آیا ہے۔ لام کی زبر اور ہا۔ لہاۃ کی جمع یعنی وہ بڑھا ہوا گوشت جو منہ کے تالو کے آخر میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ وہ گوشت ہے جو زبان کی جڑ سے حلق کے آخر تک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ منہ کی گہرائی کو کہتے ہیں۔ صراح میں کہا لہاۃ کا معنیٰ تالو ہے۔

[۲] قاموس میں کہا تبسم معمولی قسم کے ہنسنے کو کہتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دانتوں کی سفیدی ظاہر کرنے کا نام تبسم ہے صراح میں کہا دانت بیٹھے کرنے کا نام تبسم ہے۔

[۳] اس اندیشے کے تحت کہ لوگوں کو کوئی مصیبت اور نقصان نہ پہنچے۔ مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جلال حق کے شہود سے خائف اور غمناک رہتے تھے۔ کسی وقت بھی بے غم اور فارغ نہ ہوتے تھے جب بادلوں کو دیکھتے تو زیادہ غمناک اور زیادہ فکر مند ہوتے۔

۱۴۲۵/۳ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ جب تیز آندھی چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی

خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَاعَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

خیر مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں اسکی خیر طلب کرتا ہوں اور جس کیلئے تو نے اسکو بھیجا ہے اسکی خیر مانگتا ہوں[1]۔ اور میں تیرے پاس اسکے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ اور جو کچھ اس میں ہے اس سے پناہ لیتا ہوں اور جس کیلئے تو نے اسے بھیجا[2] اس کے شر سے پناہ لیتا ہوں اور جب آسمان پر بادل[3] نمودار ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور آپ باہر نکلتے اور اندر جاتے، آگے ہوتے اور پیچھے ہوتے جب بادل برس جاتا اور خیر و عافیت سے گزر جاتا تو آپ کے چہرے سے خوف زائل ہو جاتا[4] حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوف کی اس کیفیت کو محسوس کیا[5] تو اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اے عائشہ شاید اس طرح نہ ہو جس طرح قوم عاد نے کہا تھا[6]۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ بارش کو دیکھتے تو فرماتے خداوندا اس بارش کو رحمت[7] بنا۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی میں اس کے اچھے آثار و منافع کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔

[2] حدیث میں لفظ اُرسِلَتْ بصیغہ غائب مجہول ہے۔ بصیغہ مخاطب معلوم بھی ایک روایت ہے۔

[3] حدیث میں لفظ تخیلت آیا ہے۔ عربی زبان میں مخیلہ بارش والے بادل کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بارش کے برسنے کا خیال و گمان ہوتا ہے۔

[4] اصل میں لفظ سُرّی بلفظ مجہول آیا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ آپ سے خوف و ڈر دور کر دیا جاتا۔ یہ لفظ را مخفف اور مشدد دونوں طرح روایت ہے۔ تشدید کی صورت میں مبالغہ کے لیے ہوگا۔ یعنی آپ سے مکمل طور پر خوف دور ہو جاتا۔

[5] یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ابر و باران دیکھنے کے وقت آپ کی حالت بدل جاتی ہے۔ اور جب وہ بخیر و خوبی گزر جاتا ہے تو آپ خوشحال ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حضور سے اس کی وجہ دریافت کی۔

[6] اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ ابر و باد اس کی مثل نہ ہو جو قوم عاد کے ایک گروہ نے کہا تھا جس کے حال کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ

اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا. ترجمہ جب قوم ہود جس کا نام عاد تھا، بادل کو دیکھی جو کنارہ آسمان پر نمودار ہوتا تو کہتے یہ وہ بادل ہے جو ہمارے لیے بارش برسانے والا ہے۔ اس آیت کا آخر یہ ہے۔ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ یہ بارش برسانے والا بادل نہیں۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی طلب میں تم جلدی کر رہے تھے۔ اس میں دردناک عذاب ہے۔

سے اس معنی کے مطابق حدیث میں واقع لفظ رحمۃ پر زبر ہوگی۔ یا معنی یہ ہے جب آپ بادل کو دیکھتے تو ڈر جاتے اور جب اس کے بعد اس سے بارش برتی تو فرماتے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ اس معنی کی رو سے لفظ رحمۃ پر پیش ہوگی۔

۱۳۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ چیزیں ہیں[1]۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی[2] اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت۔ اور وہ بارش اتارتا ہے۔ الآیۃ۔ (بخاری)

لے غیب کے خزانے پانچ چیزیں ہیں۔ خدا کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ علماء فرماتے ہیں۔ لفظ مفاتیح فتح (میم کی زبر) کی جمع ہے یعنی مخزن۔ مفاتیح بھی ایک روایت ہے مفتاح کی جمع یعنی چابی۔ یعنی وہ علوم جن کے ساتھ غیبی علوم کی جانب چلا جا سکتا ہے۔ طیبی نے کہا مفاتیح و مفاتح دونوں مفتح اور مفتاح کی جمع آتے ہیں۔

لے یعنی پھر آپ نے ان پانچ علوم کے بیان کے لیے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلٰی آخرھا۔

۱۳۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنِ السَّنَةُ اَنْ تُمْطَرُوْا وَتُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قحط سالی اس کا نام نہیں کہ بارش نہ ہو۔ بلکہ یہ بھی قحط سالی میں سے ہے کہ تم پر بارش تو ہے مگر زمین کچھ نہ اگائے[1]۔ (مسلم)

لے یعنی یہ گمان نہ کرو کہ رزق، برکت اور زمین سے نعمیں اگنا بارش کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ

اور اس کی قدرت سے بعید ممکن ہے کہ بارش ہو مگر زمین سے کچھ نہ اگے اور قحط چھا جائے۔ ؎

نبارد ہوا تا نگوئی ببار زمین ناورد تا نہ گوئی بیار

ہوا بارش نہیں برسا سکتی جب تک کہ تو اسے برسانے کی اجازت نہ دے اور زمین اس وقت تک کچھ نہیں اگاتی جب تک کہ تو اسے اگانے کا حکم نہ دے۔

سَنَۃٌ بمعنی سال، پھر اس کا غالب استعمال قحط سالی کے لیے ہونے لگا۔ اس حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۱۴۴۲ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ تَاْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا رحمت الٰہی میں سے ہے[1] کبھی یہ رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب۔ تو اسے گالی نہ دو[2] اور اللہ سے اس کی بھلائی مانگو۔ اور اس کے شر سے خدا کے پاس پناہ لو[3]
(شافعی، ابو داؤد)
(ابن ماجہ اور بیہقی اور دعوات کبیر میں)

[1] یعنی غالب اور اکثر یہ ہوا رحمت الٰہی سے کر آتی ہے اور کفار پر عذاب بھی ایمان والوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ہوا ایک قوم کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ اور دوسری قوم کے لیے عذاب۔ اس حدیث کے الفاظ میں حذف اختصار ہے۔ یعنی من روح اللہ ومن عذابہ۔ جیسا کہ فرمایا تاتی بالرحمۃ وبالعذاب۔

[2] یعنی جب کہ ہوا اللہ کی قدرت اور اس کے ارادے کے تحت چلتی ہے تو اسے گالی نہ دو۔

[3] یعنی بندے کو چاہیے کہ قضاء و قدر الٰہی پر راضی رہے۔ اگرچہ وہ قضاء و قدر اس کے لیے بظاہر بری اور تکلیف کا باعث ہی ہوتی ہو۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ سے نیکی مانگتا رہے۔ آگے حاکم مختار تو اللہ تعالیٰ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

۱۴۴۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِیِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

ہوا کو گالی دی تو آپ نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہے (لہٰذا اس پر لعنت کرنا جائز نہیں) اور واقعہ یہ ہے جس نے ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹ کر آتی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی جس نے ہوا پر لعنت کی، اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ اسے برا کہا اور گالی دی۔ اور اس سے کراہت و بیزاری کی۔

۱۴۳۴ وَعَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا کو گالی نہ دو جب تم ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو یوں کہو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں۔ اور اس کی بھلائی مانگتے ہیں جو اس میں ہے اور اس کی خیر و بھلائی طلب مانگتے ہیں جس کے لیے اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم تیرے پاس اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور اسکے شر سے بھی جو اس میں ہے اور اس کے شر سے جس کے لیے اسے بھیجا گیا ہے۔ (ترمذی)

۱۴۳۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي كِتَابِ اللهِ تَعَالَى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کبھی ہوا نہ چلتی مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے اے اللہ اسے ہمارے لیے رحمت بنا، عذاب نہ بنا۔ اے اللہ اسے باد رحمت بنا۔ عذاب کی آندھی نہ بنا۔ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا۔ یعنی ہم نے ان پر کڑکنے آندھی مسلط کی

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ وَ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ وَ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ)

وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ . یعنی ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی۔ جو درختوں کو پھل دار نہ ہونے دیتی تھی۔ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ اور ہم ایسی ہوائیں بھیجتے ہیں جو درختوں کو پھلدار کر دیتی ہیں۔ وَأَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ خدائی نشانات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو بارش کی بشارت دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ (امام شافعی بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا)

لہ واضح ہو کہ مشہور یہ ہے کہ ریح بصیغہ مفرد عذاب میں استعمال ہوتی ہے جس طرح کہ پہلی روایت میں آیا۔ اور لفظ ریاح بلفظ جمع رحمت کی ہوا کے لیے ہے۔ وہ دعا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی پر مبنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو جو مذکور ہوا۔ اس کی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ خطابی نے اس کی توجیہ میں کہا کہ ہوائیں جب زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں۔ تو وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن سے خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ اور جب ایک بار ہی چلتی ہے تو وہ بانجھ ہوتی ہے۔ عربوں کا استعاد ایسا ہی ہے۔ مگر ابوجعفر طحاوی نے اس کا انکار کیا ہے اور اپنی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ ان کی کشتیوں کو طیب وخوش گوار ہوا چلاتی ہے۔ اور اسے بھی تائید میں پیش کیا جو بعض احادیث میں بصیغہ مفرد (ریح) خیر و شر دونوں کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں گزرا۔ الريح من روح الله تاتي بالرحمة والعذاب۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث جو مذکور ہوئی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث جو حضرت ابن عباس سے مذکور ہوئی، ضعیف ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اکثر و بیشتر یہ ہے کہ جب ریح و ریاح مطلق بلا قید واقع ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔ بخلاف جب کہ کسی وصف کے ساتھ مقید ہو کر آئے۔ یہاں کافی گفتگو کی گئی ہے جو شرح میں مذکور ہے۔

۱۴۲۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرَ نَاشِئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں بادل دیکھتے تو کام کاج چھوڑ دیتے۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تیرے پاس اس چیز کے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ جو اس میں ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ

شَرِّ مَا فِيهِ فَإِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ)

اس بادل کو اٹھا لیتا تو آپ اس کی حمد و ثنا کرتے اور اگر اس سے بارش ہوتی تو یوں دعا کرتے۔ خداوندا ہمیں سودمند بارش عطا فرما۔

ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ و شافعی اور الفاظ شافعی کی روایت کے ہیں۔

لہ حدیث میں لفظ ناشی آیا ہے۔ یعنی بادل۔ اسے ناشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہوتا ہے۔ صراح میں کہا ناشی بادل کا وہ حصہ ہے جو سب سے پہلے نمودار ہو۔

لہ حدیث میں لفظ سَقْیًا آیا ہے۔ (سین کی زبر قاف ساکن آخر میں نون تنوین) یعنی پانی پلانا سقیا سین کی پیش اور بے تنوین بھی ایک روایت ہے اور وہ استسقاء کا نام ہے۔ یعنی پانی پینا۔

۱۴۳۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَ لَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور بجلیوں کی آواز سنتے تو کہتے۔ اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا۔ اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا۔ اور اس سے پہلے عافیت و سلامتی عطا فرما

(ترمذی۔ احمد)

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۳۷/۱۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيثَ وَقَالَ سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ.

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک جب آپ گرج کی آواز سنتے تو بات چیت ترک کر دیتے اور کہتے سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی

(رَوَاہُ مَالِكٌ)

پاکی یاد کرتا ہے۔ وہ لشتہ اس کی حمد و ثنا کی صورت میں۔ اور فرشتے اس سے ڈر کر۔

(مالک)

سلہ رعد کا معنیٰ اگر آواز ہے تو پھر تسبیح کی اس کی طرف نسبت مجازی ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے ساتھ تسبیح کی گئی تو گویا خود اس آواز نے تسبیح کی۔ اور اگر رعد فرشتہ کا نام ہے۔ تو پھر یہ نسبت حقیقی ہے۔ واللہ اعلم۔

کِتَابُ الْجَنَائِز

جنائز کی کتاب

جنائز جنازہ (جیم کی زبر و زیر) کی جمع ہے۔ وہ تختہ جس پر مردہ کو رکھتے ہیں۔ جس تختہ پر مردہ نہ ہو اسے نعش و سریر کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب صراح میں ہے۔ نہایہ میں کہا۔ جنازہ جیم کی زبر و زیر سے بمعنی وہ میت جو تختہ پر پڑی ہو بعض کہتے ہیں۔ زیر سے بمعنی تختہ اور زبر سے بمعنی میت۔ اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ یہ جنز بمعنی ستر سے مشتق ہے

بَابُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَثَوَابِ الْمَرَضِ

مریض کی بیمار پرسی اور مرض کا ثواب

عیادت دعیاد عین کی زیر سے۔ بیمار پرسی کرنا عیادۃ عین کی پیش سے بھی آیا ہے۔ عود سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بیمار پرسی کرنے والا بیمار کی طرف گاہ بگاہ آتا اور رجوع کرتا ہے اس لیے یہ لفظ اس معنی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ عود بھی عیادت کے لیے آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۴۳۸
۱ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ بیمار کی بیمار پرسی کرو اور بے گناہ قیدی کو نجات دلاؤ۔

(بخاری)

سلے بھوکے کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ اگر وہ حد اضطرار تک نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حد اضطرار تک پہنچ چکا ہو تو پھر اسے کھانا کھلانا فرض ہے۔ اور فرض کفایہ ہے اگر دونوں میں سے کوئی صورت متعین نہ ہو۔ اور اگر اضطرار کی صورت متعین ہو تو پھر کھانا کھلانا فرض عین ہو جاتا ہے۔

سلے بیمار کی بیمار پرسی بھی سنت ہے۔ اگر کسی عادی بیماری میں مبتلا ہو۔ اور اگر عادی بیماری میں مبتلا نہ ہو بلکہ اچانک کوئی غیر عادی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی واجب ہے۔ لفظ عُوْدُوْا (عین کی پیش اور واو ساکن)

سلے یا حاکم وقت نے جس کے سربہا کے فدیہ کا حکم دیا ہے۔ لفظ فُکُّوْا فا کی پیش کاف مشدد فک سے مشتق ہے یعنی دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ اور جدا کرتا۔

۱۴۳۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا[1]۔ مریض کی بیمار پرسی[2]۔ جنازوں کے ساتھ جانا[3]۔ دعوت قبول کرنا[4]۔ اور چھینک والے کی چھینک کا جواب دینا[5]۔ (بخاری و مسلم)

لے کیونکہ سلام کا جواب بھی حقوق اسلام میں سے ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ جواب سلام کے ذکر کی تخصیص اس بنا پر کی کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

سلے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پرسی اسلام کا حق ہے۔ بیماسے صحبت و مجلس کا حق نہیں۔ بعض کتابوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حق صحبت ہے اسی لیے جامع الاصول میں باب العیادہ کو حق صحبت میں بیان کیا گیا۔ امام حجۃ الاسلام (غزالی) رحمۃ اللہ نے اسے حقوق اسلام میں شامل کیا۔ قول اول درست نہیں۔ یعنی سلام کے جواب کو حق صحبت قرار دینا کیونکہ عہد نبوت میں صحابہ کرام ایک دوسرے کے ساتھی اور ہم مجلس تھے۔

سلے جنازے کے پیچھے ساتھ ساتھ چلنا اور نماز جنازہ پڑھنا بھی اس میں داخل اور فرض کفایہ ہے۔ اس کے پیچھے اور ساتھ ساتھ چلنے کا ذکر اہتمام اور اظہار اہمیت کے لیے ہے۔ اور اس جانب اشارہ کے لیے ہے کہ نماز جنازہ کے بعد وہاں کچھ دیر کے لیے رکے اور گنجائش کی حد تک اس کے ساتھ رہے۔ میت کو دفن کرنے تک وہاں رکنا افضل ہے۔

سلے یعنی دعوت طعام قبول کرنا اگر وہاں کوئی بدعت یکمیں کردار خلاف شرع بات نہ ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ نے

زیادہ وہ کھانا جو مفاخرت اپنے آپ کو اونچا دکھانے اور نام وری کے لیے بنایا گیا ہو۔ اس کی دعوت قبول کرنا بھی منع ہے سلف صالحین ایسی دعوت میں شمولیت کو مکروہ جانتے تھے۔

ف۵ مسلمان پر مسلمان کا پانچواں حق چھینک مارنے والے کے لیے یرحمک اللہ کے لفظ سے دعا کرنا ہے۔ بشرطیکہ چھینک والے نے الحمد للہ کہا ہو۔ لفظ تشمیت شین سے یا سین سے۔ اول لغت (شین سے) زیادہ فصیح ہے۔ یہ لفظ اس سے مشتق ہے جس سے لفظ شوامت (چارپائے کے پاؤں) مشتق ہے۔ گویا یہ چھینک والے کے لیے اس کے خیر و نیکی پر ثابت قدم رہنے اور اس کی صحت کے لیے دعا ہوتی ہے۔ یا یہ لفظ شماتت سے نکلا ہے یعنی دشمن کے مصیبت و بلا میں مبتلا ہونے پر خوش ہونا گویا یہ لفظ یرحمک اللہ چھینک والے کے دعا ہے کہ وہ شماتت اعداء سے بچا رہے۔ اور اگر یہ سین سے (تسمیت) ہے تو پھر سمت سے نکلا ہے۔ بمعنی نیک سیرت یعنی اللہ تجھے نیک کرے چھینک والے کے پاس اگر ایک آدمی موجود ہو تو اس کے لیے جواب دینا سنت عین ہے۔ اور اگر زیادہ آدمی موجود ہوں تو پھر سنت کفایہ ہے۔ اس بارے میں مزید کلام کتاب الآداب کے باب عطاس و تثاؤب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

۱۴۲۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ چھ حق کونسے ہیں۔ فرمایا جب تو مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کہہ[1]۔ جب وہ تجھے دعوت طعام دے تو اس کی دعوت قبول کر۔ جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر[2]۔ جب وہ چھینک مارے اور الحمد للہ پڑھے تو تو اس کا جواب دے (یرحمک اللہ کے ساتھ) جب وہ بیمار پڑے تو اس کی بیمار پرسی کر۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

(مسلم)

سلہ اور جواب سلام کے لیے سلام لازم ہے۔ پہلی حدیث میں جواب سلام کا ذکر فرمایا۔ یہاں سلام کے ذکر پر کفایت کی۔

سلہ لغت میں نصیحت کا معنیٰ خلوص ہے۔ عسل ناصح وہ شہد جو موم کی ملاوٹ سے پاک ہو۔ یعنی بالکل خالص

یہاں خیرخواہی اور مسلمانوں کی حق گزاری مراد ہے۔ یہ عام حالات میں سنت ہے اور جب کوئی نصیحت کی بات سننے کی خواہش ظاہر کرے تو پھر اسے نصیحت کرنا واجب و ضروری ہے۔

۳ یعنی نماز جنازہ پڑھ کر جنازے کے ساتھ جا۔ اس حدیث میں پانچ حقوق کے علاوہ چھٹی چیز نصیحت کا ذکر بھی کیا اور صرف ان چھ میں ہی حصر مراد نہیں مسلمانوں کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں آپ نے ہر مقام پر اس کے مناسب حق کا بیان فرما دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقوق مسلمانی کے بارے میں تدریجاً وحی کا نزول ہوتا ہو اور آپ اس کے مطابق بیان کرتے ہوں۔

۱۴۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَالْقَسِّيِّ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہمیں بیمار کی بیمار پرسی، جنازوں کے ساتھ جانے۔ چھینک والے کی چھینک کا جواب دینے۔ سلام کا جواب دینے دعوت طعام والے کی دعوت قبول کرنے[۱]۔ اور قسم اٹھانے والے کی قسم درست کرنے[۲] اور مظلوم انسان کی مدد کرنے کا حکم دیا اور ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشم پہننے، استبرق و دیباج (خاص قسم کے ریشمی کپڑے) اور سرخ رنگ کے مندے[۳] قسی پہننے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی میں پینے سے منع فرمایا کہ جو دنیا میں اس میں پیئے گا آخرت میں اس میں نہ پی سکے گا[۴]۔ (بخاری و مسلم)

۱ ان پانچ الفاظ کے معانی گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکے ہیں۔

۲ حدیث میں لفظ ابرار المقسم ہے۔ یعنی ہمیں قسم کھانے والے کی قسم درست کرنے کا حکم دیا۔ مقسم اسم کی پیش قاف ساکن، سین مخفف کی زیر) ابرار القسم (قاف و سین کی زبر) بھی ایک روایت ہے بمعنی قسم یعنی اگر ایک مسلمان تیرے فعل کی قسم کھائے کہ تجھے قسم ہے کہ یہ کام ضرور کر۔ تو چاہیے کہ تو اس کا وہ کام کرے۔ تاکہ وہ حانث

قسم درست ہو جائے اور اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ یا اگر کوئی آدمی اپنے نفس پر قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا تو تجھے چاہیے کہ اس کام کے پورا ہونے میں ضرور کوشش کرے۔ اور اس کے اسباب مہیا ہونے کے اسباب میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو قسم دے کر کہے یہ کام ضرور کرو تو تیرے لیے اس کام کا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے اسم مبارک کی تعظیم برقرار رہے۔ اگر چہ لازم و ضروری نہیں۔ یعنی دونوں صورتوں میں اس کی قسم کی درستی اس لیے بھی چاہیے کہ قسم توڑنا گناہ و معصیت ہے۔ اور مسلمان کو معصیت و گناہ سے نکالنا بہت بہتر ہے۔

ستہ وہ انسان چاہے کافر ہو چاہے ذمی۔ (اسلامی حکومت کے تصرف میں رہنے والا غیر مسلم) چاہے مستامن (چند روز کے لیے دارالاسلام میں آنے والا غیر مسلم) ہو۔

ہشہ صراح میں ہے استبرق باریک ریشم کو کہتے ہیں۔ دیباج۔ معرب دیبا۔ یہ سب ریشمی کپڑے کی مختلف قسمیں ہیں۔

ششہ حدیث میں لفظ المیثرۃ الحمراء آیا ہے۔ میم کی زیر ثا کی زبر۔ چھوٹے سائز کی تلائی جس میں روئی بھری ہوتی ہے۔ اور اسے زین پر ڈال کر اس پر بیٹھتے ہیں۔ اسے نمدہ زین بھی کہتے ہیں۔ یہ عجمیوں کی عادت ہے کہ تکبر و زینت کے طور پر ریشم و دیباج وغیرہ کا بناتے ہیں۔ حمراء کا لفظ اس تکبر و زینت کی جانب اشارہ کر رہا ہے اور اگر سرخ نہ ہو تو حرام نہیں۔ اور اگر زینت و تکبر کے ارادہ سے نہیں بلکہ کمزوری یا آرام حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تب بھی حرام نہیں۔

ہشہ یعنی آپ نے قسی (قاف کی زبر سین مہملہ کی شد) سے بھی منع فرمایا یہ ایک کپڑا ہے جو قس خالی مصر میں واقع ایک بستی کی طرف منسوب ہے۔ یہ سوت اور ریشم کا بنا ہوا ایک کپڑا ہے۔ بعض نے کہا قسی یعنی قزی ہے یائے نسبت سے قز کی طرف منسوب ہے۔ یعنی افریشم۔ زا کو سین سے بدل دیتے ہیں۔ ان کپڑوں کا تفصیل بیان اور ان کے احکام کتاب اللباس میں آرہے ہیں۔

شہ چاندی کے برتنوں میں کھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

شہ بلکہ ہمیشہ کے لیے یا ایک مدت دراز تک اس گناہ پر بطور سزا اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ سونے کے برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ چاندی کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عام عادت چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ہے۔ یا جب کہ چاندی کے برتن جو قیمت میں سونے سے ادنیٰ ہیں۔ ان میں کھانا پینا منع ہے۔ تو سونے کے برتنوں میں کھانا پینا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ ان گزشتہ چیزوں کے استعمال کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ مگر برتن کہ وہ مردوں عورتوں دونوں کے لیے منع ہیں۔

۱۴۳۲ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ جب تک کہ واپس نہ لوٹ آئے

لہ حدیث میں لفظ خُرفہ (خا کی پیش را ساکن) آیا ہے۔ اس کا معنی ہے چنا ہوا میوہ۔ مخرف و مخرفہ میم کی زبر را کی زیر یا زبر بمعنی باغ۔ کبھی لفظ خرفہ کا معنی بھی باغ کر دیتے ہیں۔ کبھی کھجوروں کے درمیان واقع راستہ اور گلی کو بھی خرفہ کہتے ہیں۔ طیبی نے کہا یہاں یہی معنی مناسب ہے۔ دوسری روایت کی دلیل کے پیش نظر۔ کہ فرمایا من مخارف الجنۃ۔ یعنی وہ بہشت کے باغ کے راستہ میں ہوتا ہے۔ جو اسے جنت میں لے جاتا ہے۔ اسے دیکھو۔

۱۴۳۳ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے انسان میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ کہے گا اے میرے رب تیری بیمار پرسی کیسے کرتا کہ تو تو رب العالمین ہے رب فرمائے گا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے بندے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا بندہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھے کیسے کھلاتا۔ تو تو سب جہانوں کا رب ہے اللہ تعالےٰ فرمائے گا تجھے پتہ نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا۔ تو نے اسے نہ کھلایا۔ تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا

ذٰلِكَ عِنْدِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اسے بندے میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے پلاتا۔ جب کہ تو سب جہانوں کا رب ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا۔ تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو آج اسے میرے پاس پاتا۔ (مسلم)

۱ کہ تو ہر عیادی سے پاک و منزہ ہے۔
۲ یعنی میری رحمت و خوشنودی یہ تجھے اس کے پاس مل جاتی۔
۳ اور تو بھوک اور کھانے سے پاک و منزہ ہے۔
۴ یعنی اس کھانے کا ثواب اور اس کی جزا تجھے میرے پاس سے ملتی۔
۵ اور تو تشنگی اور پانی کی محتاجی سے پاک و منزہ ہے
۶ بعض نسخوں میں دوسرے مضمون کی طرح اَمَا کلمہ اَنَّكَ آیا ہے بعض نسخوں کی یہ عبارت اگر یہاں نہ مانی جائے تو پھر اَمَا اَنَّكَ میں حرف اَمَا تنبیہ کے لیے ہے۔ واضح ہو کہ عیادت مریض میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اگر تو بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اور کھانے اور پانی کے بیان میں فرمایا کہ میری جزا اور ثواب اس کے پاس پاتا۔ اس عبارت کے اسلوب میں کھلانے پلانے کی نسبت بیمار پرستی کو زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ جیساکہ پوشیدہ نہیں۔

عارف رومی قدس سرہٗ نے یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے۔ مثنوی۔

۱۔ شرقت کردم نبودر ایزدی	من حقم رنجور گشتم تا مدی!
۔ گفت سبحانا کہ پاکی از زیاں	ایں چہ رمزست ایں بکن یارب بیاں
۳۔ بازفرمودش کہ من رنجوریم	چوں نپرسیدی توازروے کرم
۴۔ گفت یارب نیست نقصانے ترا	عقل گم شد ایں گرہ را برکشا
۵۔ گفت مارا بندہ خاص گزین	گشت رنجور و منم نیکو ببین
۶۔ ہست رنجوریش رنجوری من	ہست معذوریش معذوری من

۸۔ ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا گو نشیند در حضور اولیا۔

ترجمہ اشعار مثنوی۔

۱۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکوہ کیا۔ کہ اے وہ موسیٰ جس کے گریبان سے نور حق طلوع ہوا۔

۲۔ میں نے تجھے اپنے نور ایزدی سے مرکز انوار بنایا۔ میں حق تعالےٰ ہوں گر رنجور و بیمار ہوں تو میری مزاج پرسی کے لیے نہیں آیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے سبحان و پاک ذات تو تو ہر قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منزہ ہے۔ یہ کیا رمز و اشارہ ہے یا رب اس بات کی حقیقت بیان کر۔

۴۔ اللہ تعالےٰ نے جواب سے فرمایا کہ میں رنجور و بیمار ہوں۔ اے موسیٰ تو نے از راہ کرم میری مزاج پرسی کیوں نہیں کی۔

۵۔ حضرت موسیٰ ۔ سلام نے عرض کیا تیری ذات اقدس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تیری اس بات سے میری عقل گم ہو گئی۔ بر . مہربانی اس گرہ کو کھول دے۔

۶۔ فرمایا ہمارے ایک خاص بندے کو دیکھ جو رنجور و بیمار ہے۔ اس کے بیمار ہونے پر میں کیسے صحت مند رہ سکتا ہوں۔

۷۔ اس کا بیمار ہونا میرا بیمار ہونا۔ اس کا معذور ہونا میرا معذور ہونا ہے۔

۸۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی ہمنشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ اس کے اولیا کی حاضری میں بیٹھے۔

۱۴۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ اِذَنْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدوی کے پاس بیمار پرسی کو تشریف لے گئے اور جب بھی آپ کسی بیمار کی عیادت کرتے تو کہتے تھے کوئی ڈر نہیں خدا کے چاہا یہ تو صفائی ہے۔ چنانچہ اس سے بھی فرمایا کہ کوئی ڈر نہیں انشاءاللہ صفائی ہے[1]۔ وہ بولا ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت بوڑھے پر بخار جوش مار رہا ہے اسے قبروں کی زیارت کرا کے رہیگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا ہی سہی[2]۔ (بخاری)

[1] یعنی غم نہ کر اور پریشانی نہ ہو۔ اس سے جو تو بخاری کا درد اور تکلیف محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ

گناہوں کو پاک کرنے والا۔ اور انہیں تجھ سے دور کرنے والا ہے۔ بلکہ اخلاط ردیہ اور اجزائے کثیفہ سے بھی بدن کی صفائی اور اصلاح کرنے والا ہے۔

سے جس طرح دیگ ابلتی اور جوش میں ہوتی ہے۔ لفظ تفور۔ فور و فوران سے بنا ہے۔ بمعنی دیگ کا جوش مارنا۔

سے یعنی یہ بخار اس بوڑھے کو قبروں کی زیارت کرا کے رہے گا۔

سے یعنی اب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تو کہہ رہا ہے۔ دراصل ان الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار غضب و غصہ فرمایا۔ کیونکہ پہلے اسے صبر و شکر کی تلقین کی تھی۔ مگر اس نے اسے قبول نہ کیا۔ اور ادب کے راستہ پر نہ چلا۔ بلکہ حد اعتدال سے باہر نکل گیا۔ اور کفران نعمت کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مریض کافر تھا۔ تاہم علماء نے کہا ہے کہ وہ سنگ دل اور اکھڑ دیہاتیوں میں سے تھا۔ بیماری اور تکلیف نے اسے بے بس اور ناتواں کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے گفتگو میں تکلف سے کام لیا۔ جس کا یہ مقام نہ تھا۔ اس بنا پر آپ غصہ میں آگئے۔ اور اسے بدفالی اور نحوست کا مستحق ٹھہرا دیا۔

۱۴۳۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اپنا دائیں ہاتھ مبارک پھیرتے [1] پھر یہ دعا پڑھتے۔ اے بندوں کے رب یہ تکلیف و درد دور کر دے [2] اور شفا بخش دے تو شفا عطا فرما کہ تو ہی شفا عطا کرنے والا ہے کوئی شفا نہیں مگر تیری شفا۔ ایسی شفا دے جو کسی بیماری کو نہ رہنے دے [3]۔ (بخاری و مسلم)

لے حدیث میں لفظ شکایت ہے جو مرض و تکلیف کے معنی میں آتا ہے۔ اور جسے شدید درد و تکلیف نہ ہو اسے عربی میں شاکی اور مشکو کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنی شکایت کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی گلہ کرنا۔

ے حدیث میں لفظ باس آیا ہے۔ بمعنی عذاب و سختی اور جنگ کا شدت اختیار کر جانا۔

سے حدیث میں لفظ سقم دو زبروں یا سین کی پیش اور قاف ساکن۔ دونوں لغات ہیں۔ جیسے لفظ حزن و حزن اکثر روایت دونوں زبروں سے ہے۔

۱۴۴۶/۹ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب کسی انسان کو جسم میں کوئی بیماری یا تکلیف ہوتی[1] یا آدمی کو کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اپنی انگلی مبارک[2] رکھ کر یہ پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔[3]

(بخاری ومسلم)

[1] یا اس کے عضو وجزو کو درد و بیماری لاحق ہو جاتی۔

[2] یعنی زخم یا کوئی تکلیف جیسا کہ صراح میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَرْح (قاف کی زبر راساکن) وہ چیز جو کسی عضو پر نمودار ہو جیسے پھوڑا وغیرہ۔ اور جَرْح تلوار وغیرہ کا زخم۔ قرحہ قاف کی پیش اور زبر دونوں طرح آتا ہے

[3] حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک پر اپنا لعاب دہن لگا کر خاک پر رکھتے پھر اس خاک آلودہ انگلی کو درد و زخم کی جگہ پر رکھ کر ملتے اور فرماتے اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کے لعاب دہن ملانے سے ہمارے بیمار کو ہمارے رب تعالٰے کے اذن سے شفا و تندرستی دیتی ہے۔ یعنی اس کے حکم وا جازت سے بیمار کو شفا ملتی ہے۔ یہ پھوڑوں اور زخموں کے علاج کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ جسے عقول وا فہام نہیں سمجھ سکتے۔ تعویذات وعملیات میں ایسے عجیب وغریب اثرات ہوتے ہیں۔ جن کے اسرار لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں ایسے مشکل و پیچیدہ اسرار ہیں جن کو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ ہمارے عقول وا فہام ان کے ادراک کی راہ پانے سے قاصر و عاجز ہیں۔ فلسفہ اور طبعیات کے تنگ و تاریک راستوں میں پھنسے ہوئے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے حقائق طلب کریں۔ اس کے پیچھے یہ لوگ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔ اس مقام میں ان لوگوں نے جو کچھ کہا ان میں سے ایک قاضی بیضاوی ہیں۔ جو فلسفہ کی اس بندش میں گرفتار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مباحث طبیہ اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ آب دہن کو کسی چیز کے پکانے اور اس کے مزاج کو تبدیل کرنے میں بڑا دخل اور بڑی تاثیر ہے۔ اسی طرح مزاج اصل کی حفاظت کرنے میں اپنے وطن کی مٹی بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ اور کہتے ہیں مسافر کو چاہیے کہ اپنے وطن کی کچھ مٹی اپنے ساتھ اٹھالے اور اس کا کچھ حصہ پانی کے برتن میں ڈال دے۔ پھر سفر میں اس میں سے منہ میں ڈالتا رہے۔ تاکہ تبدیلی مزاج محفوظ رہے۔

تورپشتی نے کہا اس حدیث کی تاویل ومعنی میں جو کچھ جلد زمن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ تربت الارض سے فطرت آدم

اور رقیہ بعض سے نطفہ انسانی کی طرف اشارہ ہے جس سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ تو گویا وہ زبان حال وقال سے تضرع اور زاری کرتا ہے کہ اے پروردگار تو ہی ہے جس نے اصل اول کو بغیر کسی پہلے سے موجود نمونہ کے خاک سے اولاد انسان کو حقیر و خوار پانی سے پیدا کیا۔ تیرے لیے اسے شفا عطا کرنا بالکل آسان ہے جس کی اصل حقیقت یہ ہے۔ تو ریشی کا کام ختم ہوا۔

بعض شارحین نے کہا ارض سے ارض مدینہ مراد ہے جس کی شفائے مریض میں خاصیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور بعض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم مراد ہے۔ یہ وجہ اخیر کسی حد تک درست ہے۔ اور حقیقت کے قریب ہے گر اصل اور ٹھیک بات وہی ہے جو کہ ابتدا میں کہی گئی ہے۔

۱۴۴۷ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفُثُ وَامْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات[1] سے اپنے اوپر دم کرتے اور اپنے جسم پر ہاتھ مبارک پھیرتے پھر جب آپ اس بیماری میں پڑے جس میں آپ نے رحلت فرمائی تو اس میں میں ان معوذات سے آپ کو دم کرتی۔ جن سے آپ دم کیا کرتے تھے اور میں آپ کے جسم اقدس پر حضور کے ہاتھ پھیرتی[2] (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ جب آپ کے اہل بیت میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ معوذات سے اس پر دم کرتے تھے۔

[1] معوذات واو مشدد کی زیر۔ اس سے قرآن کی آخری دو سورتیں مراد ہیں قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون بھی معوذات میں داخل ہیں۔ یا وہ آیات مراد ہیں جو تعوذ و تفویض کے معنی کو متضمن ہیں۔ اور آپ بدن پر سے اپنے ہاتھ سے بیماری کو دور کرتے۔ یعنی جسم اقدس پر جہاں تک ہاتھ پہنچا۔ پھیر لیتے تھے۔

[2] یعنی آپ کے ہاتھ مبارک پکڑتی ان پر دم کرتی۔ پھر آپ کے دونوں ہاتھ مبارک آپ کے جسد اطہر پر پھیرتی تھی۔

۱۴۴۸ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ

حضرت عثمان[1] بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

أَنَّهُ شَكَىٰ إِلَىٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللهُ مَا كَانَ بِيْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت کی جو ان کے جسم میں ہو رہا تھا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھ جہاں تیرے جسم کو درد ہے اور کہہ بسم اللہ تین بار اور سات بار یہ الفاظ کہہ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ. میں اللہ تعالیٰ کے غلبے و بزرگی اور اس کی توانائی کے پاس پناہ لیتا ہوں اس چیز کی بدی سے جسے میں پاتا اور جس کے زیادہ ہونے اور آئندہ جسم کے دوسرے حصوں میں سرایت کرنے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے وہ درد و تکلیف لے گیا۔ (مسلم)

سلہ آپ صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا عامل مقرر کیا تھا۔ ان سے حضرت حسن بصری۔ ابن المسیب وغیرہم احادیث روایت کرتے ہیں۔

۱۴۲۹ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ جِبْرِيْلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک حضرت جبرئیل حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا یا محمد آپ بیمار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! جبرئیل نے کہا (بطریق علاج) یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر رنج و غم سے۔ ہر ذات کی بدی سے یا حاسد آنکھ سے۔ اللہ آپ کو تندرستی عطا کرے۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ (مسلم)

سلہ کلمہ او بمعنی واو ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا شک ہو۔

۱۳۵۰/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَفِي أَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بِهِمَا عَلٰى لَفْظِ التَّثْنِيَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کی پناہ میں دعا کرتے تھے حسن و حسین (اور تمام اہل بیت نبوت کو اس دعا سے) میں تمہارے لیے پناہ پکڑتا ہوں خدا کے کلمات سے جو تمام و کمل ہیں[۱] ہر شیطان[۲] سے اور ہر زہریلے جانور[۳] سے۔ اور ہر چشم بد[۴] سے اور آپ فرماتے ہے کہ تمہارے[۵] باپ (حضرت ابراہیم) ان کلمات کے ساتھ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق کیلئے تعویذ کیا کرتے تھے[۶] (بخاری)

[۱] اور اللہ عزوجل کے دامن پناہ میں آنے سے کسی قسم کے نقصان کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ کلمات سے قرآن کی تلاوت مراد ہیں۔ یا اس عز اسمہ کے اسماء حسنی یا آسمان سے نازل شدہ کتابیں۔

[۲] شیطان ہر متمرد اور سرکش کو کہتے ہیں۔ جو جن وانس اور چار پایوں سے حد سے بڑھ چکا ہو۔

[۳] ہامّہ۔ زہریلا جانور۔ جیسے سانپ اور جس کا زہر ہلاکت اور موت کا سبب بنتے ایسے سامّہ کہتے ہیں۔ جیسے بچھو۔ بھڑ اور کبھی اس چار پائے کو بھی ہامّہ کہتے ہیں جو زمین پر آپ چلے اور انسانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرے اور کیڑوں مکوڑوں کو حشرات اور ہوام کہتے ہیں۔

[۴] لامّہ لمم سے بنا ہے۔ وہ چیز جو انسان پر نازل ہو اور اسے بیمار کر دے۔ جیسے دیوانگی، قوی اعضاء کا بگڑنا اور خراب ہونا۔ اسی طرح جادو اور حسد۔ یعنی ہر چشم بد سے جو نقصان پہنچاتی ہے۔

[۵] یعنی دونوں اماموں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت شریفہ ہے جس سے آپ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق کو تعویذ کیا کرتے تھے۔

[۶] بخاری میں لفظ کان یعوذ بہا ضمیر مفرد سے آیا ہے۔ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں بہما ضمیر تثنیہ سے آیا ہے جو لفظ متن کے مدخول دو کلموں کی طرف لوٹتی ہے۔ یا دو جملوں کی جانب جو مستعاذ اور مستعاذ منہ ہیں۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ یہ لغزش قلم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۵۱/۱۳ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی

مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

جس کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے کسی تکلیف و مصیبت میں ڈالتا ہے[1] (بخاری)

[1] یعنی اس کی ذات، اولاد اور مال پر کوئی تکلیف و مصیبت آتی ہے۔ تاکہ وہ اس کے لیے اجر و ثواب، گناہوں کے کفارے اور بلندی درجات کا ذریعہ بنتا ہے یعنی مصیبت ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کی بنا پر نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی اس کے لطف و مہربانی کی بنا پر بھی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس پر صبر کرے اور قضا الہی پر راضی ہو۔ اور اگر جزع فزع بے صبری شکوہ وغیرہ کرے تو اس کے قہر کی علامت ہے۔

مصیبت اس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کی طبیعت کو ناخوش کرے اور رنج و الم میں ڈالے۔ حدیث میں وارد لفظ یُصب یا کی پیش اور صاد کی زبر و زیر بصیغہ مجہول و معلوم دونوں روایتیں ہیں جیسا کہ ترجمہ میں دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۴۵۷
۱۵

وَعَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًى وَّلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں پہنچتا کسی مسلمان کو کوئی رنج و الم[1] نہ کوئی بیماری[2] و صدمہ[3]۔ اور نہ کوئی فکر و غم نہ کوئی تکلیف و اذا[4] اور نہ کوئی پریشانی۔ حتی کہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے[5] مگر اللہ تعالی اس کے عوض بندے کے گناہ مٹا دیتا ہے (بخاری و مسلم)

[1] یعنی تھکاوٹ و کوفت اور مشقت و ناتوانی۔

[2] بعض نے کہا وصب دائمی بیماری کو کہتے ہیں۔

[3] ہم یعنی اندوہ اور بدن کو پگھلا دینے والا صدمہ۔

[4] یعنی سر زنش اور ترشی کو ختم کردینے۔

[5] ان الفاظ کے اکثر معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ جیسا کہ کتب لغت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم اور غم کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم آئندہ آنے والے کام سے متعلق ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کام اسے درپیش ہو۔ مگر اس کی انجام دہی کے ارادہ سے متفکر ہو اور غم گزشتہ زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے کوئی ناپسندیدہ اور ناخوش حادثہ جو دل پر آ پڑا ہو۔ اور اس کی وجہ سے دل پہ تاریکی اور رنج نے ڈیرے ڈالے ہوں اور سیاہی چھا گئی ہو۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جو غم و محنت اور آزار پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جاتا ہے۔

سے کہ ان مذکورہ مصائب سے مسلمانوں کے صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۱۴۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسَسْتُهُ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجَلْ إِنِّيْ أُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِأَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ فَقَالَ أَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا۔ اس وقت آپ کو شدید بخار تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور کے جسد اطہر پر پھیرا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو شدید بخار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے ایسا شدید بخار ہے جیسا کہ تمہارے سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے یعنی دو آدمیوں جتنا مجھ اکیلے کو بخار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے کہ آپ کو اجر و ثواب بھی دگنا ملتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی بیماری وغیرہ لاحق ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے گناہوں کو گراتا ہے جس طرح درخت پتے گراتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

لے حدیث میں لفظ وعک آیا ہے جس کے معنی حرارت، بخار اور اس کی تیزی۔
سے یعنی اس وجہ سے مجھے اس قدر تیز بخار ہے۔

۱۴۵۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَيْهِ أَشَدَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (بات یہ ہے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو شدید درد و تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھا لے

(بخاری و مسلم)

لے اس کی وجہ آپ کے جوہر ذات کی صفائی اور قوت حواس ہے۔ اس میں آپ کے درجات بلند ہوتے تھے اور آپ کو کئی گنا اجر و ثواب ملتا تھا اور اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں مضمر تھیں۔ جن کو سوائے علام الغیوب ذات کے اور کوئی نہیں جانتا۔

۱۳۵۵ وَعَنْهَا قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ فَلَا اَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے. فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے اور گلے کے درمیان وفات پائی[1]۔ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی موت کی شدت[2] و سختی کو بُرا نہیں جانتی۔ (بخاری)

[1] یعنی اس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔ حاقنہ سینے کا گردن اور کندھے کے درمیان کا حصہ۔ ذاقنہ ٹھوڑی کے نیچے رگ حلقوم کا کنارہ۔ یعنی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم کے اس حصہ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے میں آپ کی موت کی شدت سے واقف و آگاہ ہوں۔

[2] واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت آپ کے بلند مقام کے مناسب تھی۔ عام ذہن یہ خیال رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ آپ کی غایت شدت کی یہ حالت تھی کہ آپ بخار کی حالت سے تپ رہے تھے اور چہرہ اقدس پر پانی کے چھینٹے مارتے تھے۔ اور فرماتے تھے اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ موت کے وقت بڑی بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں آرہا ہے۔

۱۳۵۶ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَّتَعْدِلُهَا اُخْرٰى حَتّٰى يَاْتِيَهُ اَجَلُهُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا قصہ اور حال کھیتی کی اس نرم شاخ کے قصہ اور حال کی طرح ہے جسے ہوائیں ادھر ادھر جھکاتی ہوں کبھی اسے گرا دیتی ہوں اور کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہوں[1] یہاں تک کہ اسے موت آجائے[1] ۔ اور منافق کا حال و قصہ صنوبر کے درخت کی طرح ہے[2]۔ جسے کوئی ہوا اور اذیت نہیں پہنچتی۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا درخت یکبارگی زمین پر آکر گرتا ہے[3]۔ (بخاری و مسلم)

[1] ایسی ہی حالت و کیفیت مسلمان کی ہے کہ کبھی تو اسے حادثہ ضعف و بیماری گرا دیتا اور ضعیف و ناتواں کر دیتا ہے اور کبھی اسے صحت و تندرستی قائم و درست کر دیتی ہے۔

۲؎ اور اس کی دنیوی زندگی کا کام ختم کر دیتی ہے۔

۳؎ جو بظاہر مضبوط ثابت اور قائم و پائدار دکھائی دیتا ہے۔ کہ ہوائیں اور حادثات اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ارزہ (ہمزہ کی زیر را ساکن اس کے بعد زا۔ ابو عبیدہ سے ایسی ہی روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ یہ لفظ ارزہ الف کی مد را کی زیر سے ہے۔ را کی زبر بھی ایک روایت ہے۔ یعنی وہ درخت جس کی جڑیں زمین میں ثابت و پائدار ہوں۔ مجذیہ میم کی پیش جیم ساکن ذال کی زیر جذیہ سے مشتق ہے۔ درخت کی جڑ کو کہتے ہیں۔

۴؎ اسی طرح منافق بھی ہمیشہ تندرست و توانا رہتا ہے اسے ضعف و بیماری کم ہی لاحق ہوتی ہے یہاں تک کہ اچانک موت کے حملے سے گر پڑتا ہے اور مر جاتا ہے۔

۱۴۵۶/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّیْحُ تُمِیْلُهٗ وَلَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ یُصِیْبُهُ الْبَلَاءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ شَجَرَةِ الْاَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰی تُسْتَحْصَدَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے اسی طرح مومن کو ہمیشہ بلائیں اور مصیبتیں گھیرے رکھتی ہیں۔ اور منافق کی مثال تناور اور مضبوط درخت کی طرح ہے کہ ہوا اسے ہلا نہیں سکتی۔ یہاں تک کہ اسے کاٹ نہ دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

۱۴۵۷/۲۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَا لَكِ تُزَفْزِفِیْنَ قَالَتِ الْحُمّٰی لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِیْهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّی الْحُمّٰی فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَایَا بَنِیْ اٰدَمَ کَمَا یُذْهِبُ الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا تجھے کیا ہوا کہ تو تھرتھرا رہی ہے۔ عرض کیا بخار ہے۔ اللہ اسے برکت والا نہ کرے۔ فرمایا بخار کو گالی نہ دے کہ یہ بندے کے گناہوں کو اس طرح لے جاتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو لے جاتی ہے۔

(مسلم)

۱؎ حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیماری کی اطلاع سن کر ان کو دیکھنے کیلئے ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔

سلہ حدیث میں ترفرفین آیا ہے یہ زفت الطائر سے ماخوذ ہے۔ جب کہ پرندہ اپنے پر پھیلائے اور انہیں حرکت دے۔ یہ لفظ زا اور را دونوں طرح مروی ہے۔

سلہ حمی حا کی پیش، میم مشدد۔ بدنی حرارت کا عارضہ۔

۱۴۵۸ وَعَنْ أَبِي مُوسَىٰ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے اعمال ویسے ہی لکھے جاتے ہیں جس طرح حالت اقامت اور تندرستی میں لکھے جاتے تھے۔ (بخاری)

۱۴۵۹ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے[1]۔ (بخاری ومسلم)

سلہ یعنی مرض طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت کی موت کا سبب و ذریعہ ہے۔ یعنی جو مسلمان اس مرض میں صبر کرے وہاں سے نہ بھاگے اور اسی بیماری میں وہیں شہید ہو جائے تو وہ اجر و ثواب میں شہادت کی موت مرنے والے کی طرح ہے۔ خلیل نے کہا طاعون ایک وبائی بیماری ہے۔ ابن اثیر نے کہا طاعون ایک عام وبائی بیماری ہے جس سے ہوا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کے مزاج اور بدن اس بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ابو بکر العربی نے کہا طاعون ایک قسم کا شدید درد ہے۔ جو روح کو بجھا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ مرض انسان کو اچانک ہلاک کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام طاعون رکھا گیا ہے۔ قاموس میں طاعون اور وبا کی ایک دوسرے سے تفسیر کی گئی ہے اطباء نے طاعون کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ ایک طرح کا ورم ہے جس میں زہریلا درد ہوتا ہے۔ اور یہ ورد و ورم بعض اعضاء کے بدن میں نمودار ہوتا ہے۔ جیسے زیر بغل۔ یا کان کے پیچھے یا ران میں۔ اور اپنے ارد گرد کی جگہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ کبھی وہ سبز و سرخ کا بھی ہوتا ہے۔ اور اس عضو کو فاسد و خراب کر دیتا ہے اور احادیث میں جو مذکور ہوا کہ جہاں طاعون پھیلا ہو وہاں سے نکل جانا اور بھاگنا ممنوع ہے اور سابقہ پہ ڈانٹ اور وعید آئی۔ اور اسے میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح قرار دیا۔ اور اس پر صبر کرنے کو موت۔ شہادت کی حیثیت دی۔ تو ان تمام احادیث سے دراصل وبا اور موت عام اور مرض عام مراد ہے۔ اجناس میں مخصوص بیماری کی تعیین جو مقصود ہے۔ ما مرضین۔ تقابلہ

احادیث میں وبا اور موت عام کے لفظ سے مذکور ہے اور اگر لفظ طاعون ہی واقع ہوا ہو تو اس سے بھی وبا کا معنی (وبائے عام) مراد ہے۔ اس شخص نے غلط سمجھا جس نے طاعون کو صرف اصطلاحی معنٰی پر محمول کیا اور طاعون کے علاوہ دوسری وبائی امراض میں بھاگ جانے کو مباح قرار دیا۔ اور اگر فرضاً یہ مخصوص مرض ہی مراد ہو تو بھی یہ مخصوص مرض وبائے عام کا ایک فرد ہوگا۔ اور یہ قائل اس حدیث کا کیا جواب دے گا جس میں وبائے عام کا لفظ واقع ہوا ہے۔ ہم اللہ تعالٰے سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۶۰/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ قسم کے ہیں۔ طاعون سے مرنے والا[1]۔ پیٹ و استسقاء سے مرنے والا[2]۔ ڈوب کر مرنے والا[3]۔ مکان وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا[4] اور شہید فی سبیل اللہ[5]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی وہ جو طاعون کی بیماری سے مرا اور اس بیماری پر صبر و برداشت میں جان دے دی۔

[2] وہ مراد جو دست و اسہال۔ استسقاء اور پیٹ پھول جانے کی بیماری سے مرا۔ بعض نے اس سے پیٹ کی مطلق بیماری جیسے درد پیٹ میں مروڑ وغیرہ مراد لی ہے۔ بعض نے کہا مبطون سے وہ شخص مراد ہے جس نے ورع و تقویٰ کی بنا پر حرام و شبہ کی چیز کھانے سے پرہیز کیا۔ اور وہ اس ورع و تقویٰ کی حالت میں اس دنیا سے چلا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہو جو بھوک و پیاس کی حالت میں فقر و مجاہدہ کی تلوار سے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دے واللہ اعلم۔

[3] یعنی کشتی وغیرہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پانی میں ڈوب کر ہلاک ہونے والا۔ مگر شرط یہ ہے کہ دانستہ جہالت نفس کی بنا پر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالا ہو۔

[4] صاحب الہدم۔ یعنی وہ شخص جس پر دیوار یا مکان گر پڑا اور وہ مر گیا۔ بشرطیکہ دانستہ اس نے ایسا نہ کیا ہو لفظ ھَدْم (ھا کی زبر دال ساکن) عمارت کو ویران کرنا اور اسے گرانا۔ ھَدَم (دال کی زبر) گرا ہوا مکان۔ ھَدِم (دال کی زیر) گر کر مرنے والا انسان۔

[5] پانچواں وہ شخص جو راہ خدا میں دشمنان دین سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا کامل شہید حقیقی یہی ہے۔ اور جو شخص جنگ کے علاوہ کسی اور جگہ ظلماً مارا گیا وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اور اجر و ثواب میں اس کے ساتھ شریک ہے۔ اس سبب اس پر لفظ شہید کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ الشہید فی سبیل اللہ۔ قتیل فی سبیل اللہ وغیرہ نہیں آیا یعنی پانچواں

وہ شخص جو شہید کے نام سے مشہور و متعارف ہے۔ فافہم۔

۱۴۶۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَأَخْبَرَنِي إِنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يُصِيْبُهُ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی حقیقت اور اس کے حکم کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے مجھے خبر دی کہ یہ پہلی امتوں اور نا ماننے والے لوگوں کے لیے عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جس پر چاہتا ہے اسے مسلط کرتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھی جس پر طاعون واقع ہو اور وہ اسی شہر میں صبر اور ثواب کی نیت سے ٹھہرا رہے[1] اور اس امر پر یقین رکھے کہ اسے وہی چیز پہنچ سکتی ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔ مگر اسے شہید جیسا ثواب ملے گا۔ (بخاری)

[1] اور وہاں سے نہ بھاگے۔ بلکہ تسلیم و رضا سے اپنی جان خدا کے حوالے کر دے۔

۱۴۶۳ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي اِسْرَائِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب[1] تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر یا اُن لوگوں پر مسلط کیا جو تم سے پہلے تھے۔ جب تم کسی زمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ[2] اور جب ایسی زمین میں طاعون کی وبا پھیل جائے جہاں تم رہتے ہو تو اس بیماری سے بھاگنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔ (بخاری و مسلم)

[1] رجز را کی زیر جیم ساکن کے ساتھ بمعنی عذاب کبھی زا کو سین سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے رجس معنی اس کا بھی عذاب ہے۔

؎۱ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی طائفۃ من بنی اسرائیل فرمایا یا علی من کان قبلکم کا لفظ فرمایا۔
؎۲ یعنی جب تم کسی زمین یا شہر میں جو تمہارے شہر کے علاوہ ہو، طاعون پھیلنے کی خبر سنو، تو اس علاقہ اور شہر میں نہ جاؤ اور اس جگہ میں داخل نہ ہو۔ اور لفظ تَقْدَمُوْا (تا کی زبر قاف ساکن دال کی زبر) قدوم سے نکلا ہے۔ بعض روایات میں فَلَا تُقْدِمُوْ (تا کی زیر دال کی زیر، بمعنی اقدام یعنی آنا) ہے یعنی اس وبائی امراض کے علاقہ میں آنے کا اقدام نہ کرو تاکہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب نہ ہو۔

؎۳ اس بارے میں ضابطہ اور دستور یہی ہے کہ جہاں وبائی مرض پھیلا ہوا ہو وہاں انسان نہ جائے۔ اور اگر اپنے شہر و علاقہ میں پھیل جائے تو وہاں سے دوسری جگہ نہ بھاگے اور نہ نکلے۔ اگرچہ بعض جگہوں سے بھاگنے کی اجازت ہے جیسے وہ گھر جو زلزلہ کی زد میں آ جائے۔ یا جس مکان میں آگ لگ جائے۔ یا وہ دیوار جو خم کھا چکی ہو۔ کہ وہاں رہنے سے ہلاکت کا ظن غالب ہو۔ مگر طاعون میں صبر کرنے کا ہی حکم ہے۔ وہاں سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ طاعون کا مذکورہ امور و عوارض پر قیاس درست نہیں کیونکہ وہ اسباب عادیہ میں سے ہیں۔ اور یہ قسم بھی اسباب ہیں بہر صورت ان سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ اور کہیں بھی اس جگہ کو چھوڑنے کی رخصت نہیں۔ وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص وہاں سے راہ فرار اختیار کرے گا تو وہ عاصی، گناہ کبیرہ کا مرتکب اور مردود ہوگا۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۶۴/۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جب میں اپنے بندے کو اپنی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) کے بارے میں مصیبت میں مبتلا کروں پھر وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے عوض اسے جنت عطا کروں گا۔ دو محبوب چیزوں سے اس کی دو آنکھیں مراد ہیں؎۱ (بخاری)

؎۱ یعنی اس کی دونوں آنکھیں لے لوں۔ یا اسے اندھا کر دوں۔ پھر وہ اس ابتلا میں صبر و برداشت سے کام لے۔ اور ظاہر باطن میں کوئی غلط خیال دل میں نہ آنے دے۔ اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس قسم میں ابتلا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب و غصہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان ناپسندیدہ افعال و اعمال سے تحفظ کے لیے ہے۔ جن میں انسان آنکھ کی وجہ سے گرفتار ہوتا ہے اور گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کے لیے ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ جو آخر عمر شریف میں نابینا ہو گئے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جو خلوت مجھے اب نصیب

ہوتی ہے۔ ساری عمر نصیب نہیں ہوتی۔

ٹ اگر یہ کلام مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس صورت میں یرید کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے جل جلالہ اور اگر یہ راوی کا کلام ہے تو پھر یہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۴۸۸ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُمْسِیَ وَاِنْ عَادَہٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَکَانَ لَہٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّةِ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کوئی مسلمان مسلمان کی صبح کے وقت عیادت نہیں کرتا مگر اس کے لیے ستر ہزار فرشتہ شام ہونے تک دعا کرتا رہتا ہے اور شام کو بیمار پرسی نہیں کرتا مگر صبح ہونے تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اور اسے بہشت میں چنے ہوئے میوے دیے جائیں گے۔
(ترمذی ابوداؤد)

لہ صبح سے یہاں قبل دوپہر مراد ہے۔ غُدوۃ اغین کی پیش) سے۔ غدوہ صبح کے وقت چلنا اور سفر کرنا۔

ٹہ یہاں شام سے بعد دوپہر کا وقت مراد ہے۔

ٹہ حدیث میں واقع لفظ خریف مخروف کے معنی میں ہے یعنی چنے ہوئے عمدہ میوے۔

۱۴۸۹ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ عَادَنِیْ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَعٍ کَانَ بِعَیْنِیْ۔
(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف تھی۔
(احمد، ابوداؤد)

لہ یعنی حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشاہیر و اکابر میں سے ہیں۔ سترہ غزوات میں شریک ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہایت خصوصی دوستوں میں سے ہیں۔ ان کی تصدیق میں سورۃ منافقون کی آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ۔ آپ فرماتے ہیں میری دونوں آنکھوں کو درد تھا ایک روایت میں بعینی کا لفظ مفرد آیا ہے۔ یعنی میری ایک آنکھ کو درد تھا۔

۲ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ درد چشم کی عیادت کے لیے جانا سنت ہے۔ اور جس شخص نے کہا ہے کہ آشوب چشم میں عیادت نہیں۔ اس کا یہ قول بالکل مردود ہے۔ اس حدیث کا اسناد صحیح ہے اور وہ جو بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا کہ تین چیزوں میں عیادت نہیں۔ ایک پھوڑا دوسری آنکھ تیسری داڑھ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن کثیر پر موقوف ہے۔ جیساکہ بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۷۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفًا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر محض رضائے الٰہی کے لیے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کو گیا تو اُسے دوزخ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

۱ اور اقامت سنت کے لیے۔

۲ خریف سال کو کہتے ہیں، خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خریف کی تفسیر سال سے نقل حدیث میں آچکی ہے۔ کیونکہ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اے ابو حمزہ خریف کیا ہے۔ فرمایا خریف سال کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اپنی ابتدائے تاریخ سے سال کی ابتدا خریف سے کرتے چلے آتے ہیں۔ کیونکہ کھجوروں کے کاٹنے انگوروں کے اتارنے اور ان کے غلے تیار ہونے کا کام موسم خریف میں ہوتا ہے۔

۱۴۷۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلَّا شُفِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو مسلمان کی بیمار پرسی کرتا ہے اور سات بار کہتا ہے اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ۔ یعنی اللہ العظیم سے جو عرش عظیم کا رب ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا عطا کرے مگر اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے گا۔ مگر یہ کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱ عدد کی اکثر و بیشتر تکرار تین بار تک ہے مگر بعض دعاؤں میں سات کا عدد بھی آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مقام میں سات الفاظ سے دفع مرض دیلا کے لیے سات کے عدد تخصیص آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

لے اور اس کی مدت بہت ختم ہو چکی ہو، کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔

۱۴۶۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَّقُوْلُوْا بِسْمِ اللهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بخار اور تمام دردوں کے علاج کے لیے ان کلمات کے پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ ۔ اللہ العظیم کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ ہر خون بہاتے والی رگ لے کے شر سے اور آگ کی تپش کے شر سے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی معرفت و پہچان نہیں مگر ابراہیم بن اسماعیل کی حدیث سے اور وہ حدیث کا ضعیف ہے۔

لے یا خون سے پر شدہ ہر رگ کے شر سے۔

۱۴۶۴ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَهٗ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَآءً مِّنْ شِفَآئِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَاُ

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تم میں سے جسے کوئی درد و بیماری لاحق ہو یا اس کا کوئی بھائی اس کے سامنے درد و مرض کی شکایت کرے تو چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے (ترجمہ) ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں میں ہے تیرا نام پاک و مقدس ہے تیرا حکم آسمان و زمین میں جاری و نافذ ہے جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے۔ تو اپنی رحمت زمین میں بھی پھیلا دے۔ ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطائیں بھی بخش دے تو طیب و پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمت میں سے رحمت نازل کر اور اپنی شفاؤں سے شفا عطا فرما۔ اس درد و بیماری پر تو وہ درد و بیماری دور ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

سے ۱ اس عبارت سے مقصود زمین کے باطل خداؤں سے اظہار بیزاری ونفرت ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے ایمان کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا جس سے دریافت کیا گیا تھا کہ خدا کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں اس کی تاویل ومعنی وہی ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول مبارک کا ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ وہی ہے اللہ آسمانوں اور زمین میں۔ اور اس کے اس قول میں وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ اور وہ وہی ہے جو آسمان میں الٰہ ہے اور زمین میں الٰہ ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے۔

سے ۲ یعنی نقص وعیب اور غیر موثر ہونے سے پاک ومنزہ ہے۔

سے ۳ کہ تو ہی آسمان وزمین کی کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا۔ اس نے ہر آسمان کو اس کے کام کا حکم دیا ہے۔ اور وَيَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ۔ اللہ کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔

سے ۴ اور اہل آسمان کو عام وشامل ہے کہ سب تیری رحمت کا محل ومقام ہیں۔ بخلاف زمین اور اہل زمین کے کہ اللہ کی رحمت ان میں سے بعض (مومنوں) کے ساتھ خاص ہے نہ کہ کافروں کے لیے۔ اگرچہ رحمت عام وجود اور اس کے لوازمات کا افاضہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط میری رحمت ہر شے کو شامل وعام ہے سب اہل زمین کو شامل اور عام ہے۔

سے ۵ اصل میں لفظ حُوب (حا کی پیش وزبر) ہے یعنی گناہ بعض نے کہا (حا کی زبر اہل حجاز۔ حا کی پیش) بنی تمیم کی لغت ہے۔ یہ لفظ گناہ کے علاوہ غم، وحشت، مشقت، درد وتکلیف اور ہلاکت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ تمام معانی بندے کے اوائل سے تعلق رکھتے اور گناہ اور اس کے اسباب کا موجب وذریعہ ہیں۔

سے ۶ خطا وہ گناہ ہیں جو بندہ سے بطریق خطا صادر ہو جاتے ہیں کبھی مطلق گناہ پر خطا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

سے ۷ یہ گناہوں کی طلب مغفرت کی علت ووجہ ہے یعنی ہمارے گناہ بخش دے تاکہ ہم گناہوں سے پاک ہو جائیں اور تیری تربیت ورحمت خاص کے قابل بن جائیں۔

۱۴۷۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ الرَّجُلُ يَعُوْدُ مَرِيْضًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی بیمار کی بیمار پرسی کو آئے تو یوں کہے اے اللہ اپنے بندوں کو شفا عطا فرما۔ تاکہ تیرے دشمن کو تیرے لیے ہلاک وزخمی کر دے۔ اور تیری خوشنودی کے لیے کسی جنازہ کے ساتھ چلے۔ (ابو داؤد)

لہ یعنی تاکہ تیرے لیے تیرے دین کی تقویت اور تیرا کلمہ بلند کرنے کے لیے تیرے دشمنوں کو ہلاک و زخمی کرے نکایت کا لفظ زخمی کرنے اور سیت قتل و غارت کے معنی میں آتا ہے اور اذیت اور درد پہنچانے کے لیے بھی آتا ہے ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ زخم کے اوپر سے چمڑہ اتارنے اور زخم پر زخم لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ﷺ اور تیرے دین کے حق کی ادائیگی کے لیے جنازے کے ساتھ چلے۔ بندے کے باقی تمام افعال میں سے دشمن کو زخمی کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کی تخصیص اس مناسبت کی بنا پر کی کہ جب وہ بیمار اور لب مرگ تھا تو اس کے بعد اس چیز کا ذکر کیا جو موت سے متعلق ہے یعنی دشمنانِ دین کو ہلاک کرنا اور مردوں کے لیے دعا اور ان کی امداد کرنا طیبی نے بیان کیا کہ دشمن کو ہلاک کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کو اس لیے جمع کیا کہ اول میں دشمنان خدا پر عذاب نازل کرنا اور دوسرے میں دوستان خدا کے لیے رحمت حاصل کرنا ہے۔

۱۴۲۷/۱۵ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمَيَّةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ وَعَنْ قَوْلِهِ مَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا يُجْزَ بِهِ فَقَالَتْ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللّٰهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهُ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتَّى الْبِضَاعَةِ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى أَنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْأَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی بن زید سے وہ امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ عزوجل کے اس قول مبارک کے بارے میں دریافت کیا کہ خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیا چھپائے رکھو۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور اس کے اس قول کے بارے میں کہ جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ مجھ سے کسی نے یہ سوال نہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر عتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے۔ جیسے پیلا سونا بھٹی سے۔ (ترمذی)

لہ یعنی علی بن زید بن عبدالرحمٰن بن جدعان قرشی تیمی بصری جو تابعین بصرہ میں سے ہیں۔
۲ لہ امیہ ہمزہ کی پیش یا کی شد۔ آپ تابعیہ ہیں حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں۔

سے ان دو آیات کا معنی دریافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت اول اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں سے ان باتوں کا بھی حساب اپنے دلوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ جیسے گناہوں کے خطرات اور برے ارادے۔ دوسری آیت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ بندوں کمان کے ہر کم یا زیادہ برے کام کی جزا مل کر رہے گی۔ تو یہ امر انہیں بڑا مشکل محسوس ہوا اور وہ حیرانی میں پڑ گئے۔ کہ وہ کیا کریں کہ ان سے تو بچنا ناممکن ہے۔

سے یعنی اس کی محاسبت اور جزا کے بارے میں۔

ے نکبت (نون کی زبر) بمعنی عتاب بغصہ کرنا اور ملامت کرنا اور دوست کا دوست پر غصہ ظاہر کرنا اس کی بے ادبی پر جو اس سے صادر ہوئی ہو۔ حالانکہ دل میں اس کی محبت اور اس کے لیے جذبہ لطف و رحمت موجود ہوتا ہے۔ صراح میں کہا عتاب کا معنی ہے۔ ناز کرنا اور غصہ ظاہر کرنا۔ نکبت وہ حادثات اور تکالیف جو ان کو پہنچتی ہیں۔

ے اور لوگ عادۃً آستین میں کچھ نہ کچھ رکھ لیتے ہیں۔ (جس طرح جیب میں کچھ نہ کچھ پیسے ڈالے ہوتے ہیں۔

ے اور اس کی حالت غیر ہو جائے اور اس کے لیے فریاد کرنے اور گم شدہ سامان کو تلاش کرنے لگے یعنی یہ محاسبہ اور جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کا مواخذہ کرتا اس پر غصے ہوتا اور عتاب فرماتا ہے اس محاسبہ سے آخرت میں عذاب و عقاب مراد نہیں۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ ایسے واقعات پیش آنے پر دل میں برا خیال نہ لائے۔ اور غمناک نہ ہو۔ بلکہ ان واقعات کے باوجود خوشی اور مسرت محسوس کرے کیونکہ یہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا ذریعہ ہیں۔ بیت:

۱۔ من ترا غمگین و گریاں زاں کنم	تاکت از چشم بداں پنہاں کنم
۲۔ زاں نہ بخروشانم کر کردہ منی	بلکہ تا گیری تو ذوق چاشنی
۳۔ زاں حدیث تلخ سے گویم ترا	تا ز تلخیہا فرد شوئم تیرا
۴۔ تو ز تلخی چونکہ پر خوں شوی	پس ز تلخیہا ہمہ بیروں شوی

ترجمہ اشعار:

۱۔ میں تجھے غمگین و گریاں اس لیے کرتا ہوں تاکہ تو برے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔
۲۔ میں تجھے اس لیے جوش و غصہ میں مبتلا نہیں کرتا کہ تو مجھے ناپسند ہے بلکہ اس بنا پہ کہ تجھے لذت غم کی چاشنی نصیب ہو۔
۳۔ میں تیرے ساتھ اس لیے تلخ و ترش باتیں کرتا ہوں تاکہ تیری آلائش کی تلخیوں کو دھو ڈالوں۔

۴۔ جب تو دنیا کے حوادث و مصائب کی تلخیوں سے لبریز ہو جائے گا تو آخرت کی تمام تلخیوں سے نجات پا جائے گا۔
شہ قاموس میں ہے کہ تبر (تا کی زیر) سونا چاندی اور اسے بھی کہتے ہیں جو کان سے نکلے اور سالکی اسے پگھلا کر سلاخیں بنا لیا گیا ہو۔ مجمع البحار میں کہا تبر خالص سونے اور چاندی کو کہتے ہیں۔ اسے سکہ کی شکل دیئے سے پہلے۔ جب اسے سکہ کی شکل دے دی جاتی ہے تو پھر اسے عین کہتے ہیں۔

۱۴۳۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُصِیْبُ عَبْدًا نَکْبَۃٌ فَمَا فَوْقَھَا اَوْ دُوْنَھَا اِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا یَعْفُوْ اللّٰہُ عَنْہُ اَکْثَرُ وَقَرَءَ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو مصیبت[1] یا اس سے کم و بیش تکلیف گناہ[2] کے بغیر نہیں پہنچتی اور جو کچھ رب تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت ہے۔ اور یہ آیت تلاوت کی[3] جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے تھی اور رب تعالیٰ تو بہت ہی معافی عطا کرنے والا ہے۔ (ترمذی)

سلہ یعنی چھوٹی بڑی تکلیف و مصیبت۔
سٹہ یہاں فوق کا لفظ بڑا ہونے اور دون کا لفظ حقیر ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اور اس کے عکس کا بھی۔ اول احتمال زیادہ ظاہر ہے۔
سکہ یعنی گناہ اور غلطی کی وجہ سے جو اس سے صادر ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک درویش کے جوتے کا تسمہ چوہا کاٹ گیا تو وہ روتے ہوئے کہتا تھا کہ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا مجھے ملی ہے۔
سکہ یعنی اس حال کے ساتھ یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ یعنی تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا ہوتا ہے۔ یعنی تمہاری ذاتوں نے اور اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

۱۴۳۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا کَانَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ حَسَنَۃٍ مِنَ الْعِبَادَۃِ ثُمَّ مَرِضَ قِیْلَ لِلْمَلَکِ الْمُوَکَّلِ بِہٖ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ عبادت کے اچھے راستے پر چل رہا ہوتا ہے۔ پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ[1]

اُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ اِذَا كَانَ طَلِيْقًا حَتّٰى اُطْلِقَهٗ اَوْ اَكْفِتَهٗ اِلَيَّ ۔

یہاں تک کہ میں اسے شفا عطا فرماؤں۔ یا اپنے پاس بلالوں۔ (شرح سنۃ)

سلہ یعنی صحت کی حالت میں جو اعمال خیر بجالاتا تھا بیماری کی اس حالت میں بھی اس کے لیے تندرستی جیسے اعمال لکھتا رہ۔

۱۴۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ابْتَلَى الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاهُ غَسَلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَاِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَلَهٗ وَرَحِمَهٗ رَوَاهُمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی وہی نیکیاں لکھو جو یہ پہلے کرتا تھا۔ پھر اگر رب تعالیٰ اسے شفا عطا فرماتا ہے تو اسے دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اسے وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا۔ اور اس پر رحمت نازل کرتا ہے (شرح سنۃ)

۱۴۵۰ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ.

حضرت جابرؓ بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا سات شہادتیں اور بھی ہیں۔ طاعون والا شہید ہے۔ ڈوب کر مرنے والا شہید ہے۔ ذات الجنب کی بیماری والا شہید ہے پیٹ کی بیماری والا شہید ہے۔ جل کر مرنے والا شہید ہے۔ دب کر مرنے والا شہید ہے۔ عورت بچہ جننے کے وقت مر جائے تو شہید ہے۔ (مالک، ابو داؤد، نسائی)

سلہ عتیک بر وزن کریم۔ حضرت جابر بن عتیک انصاری معاوی ہیں۔ آپ نے اصل معاویہ نامی شخص کی طرف منسوب ہیں۔ جنگ بدر میں اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ تقریب میں کہا آپ جلیل القدر صحابی ہیں۔ صاحب تقریب نے ان کے جنگ بدر میں شرکت سے اتفاق نہیں کیا۔

سلہ یعنی اس کامل اور مشہور شہادت کے علاوہ سات شہید اور بھی ہیں۔

[۳] ذات الجنب مشہور بیماری ہے۔ اور وہ زخم ہوتے ہیں۔ جو پہلو کے اندر دل اور سینہ کے نزدیک پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی علامت سانس کی تنگی اور بخار ہے۔ اس کے سبب سے اقسام احکام، اسباب و علامات ہیں۔ جو کتب طب میں مذکور ہیں۔ شرح سفر السعادۃ میں ان کا کچھ مجمل ذکر دیا گیا ہے۔

[۴] اس کا معنی گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے۔

[۵] حدیث میں صاحب الہدم کا لفظ آیا ہے۔ گزشتہ حدیث میں ہدم دال ساکن اور دال کی فتح دونوں کا معنی بیان ہو چکا ہے۔ یہاں دال کی زبر زیادہ مناسب ہے۔

[۶] حدیث میں لفظ جمع آیا ہے، جیم کی پیش۔ بعض نے جیم کی زیر کہا اور میم ساکن، بمعنی مجموع یعنی وہ عورت جو بچہ جنتے وقت مر جائے اور بچہ اس کے پیٹ سے باہر نہ آسکے اور جو عورت بچے کی پیدائش کے بعد مرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض نے لفظ جمع کی تفسیر کنوارے پن سے کی ہے۔ کہ بچہ کی طرح اس میں کنوارا پن موجود اور ساتھ ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت جمع سے مرگئی اور اس سے بچی وغیرہ باہر نہ آئی تو وہ شہید ہے۔

۱۴۷۲ وَعَنْ سَعْدٍ[۱] قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِىْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ فِىْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ كَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِىَ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهٗ ذَنْبٌ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سخت مصیبت والے لوگ کون ہیں۔ فرمایا انبیاء پھر ترتیب وار افضل لوگ[۲]۔ انسان اپنی دینداری کے مطابق مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر اس کے دین میں تصلب و پختگی ہے تو اس کی بلائیں اور مصیبتیں بھی سخت ہوں گی[۳] اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے تو اس پر آسانی کی جائے گی[۴] ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر بے گناہ ہو کر چلے پھرے گا[۵]۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

(دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

[۲] یعنی مرتبہ بمرتبہ افضل لوگ جیسے اولیاء، علماء اور صلحاء اپنے مختلف مراتب و درجات کے مطابق۔

۳؎ کیونکہ وہ صاحب یقین ہے تو وہ ان مصائب پر صبر کرے گا اور اسے پتہ ہوگا کہ اس حالت میں رکھنے والا سب تعالےٰ ہے۔ اس میں بہت مہربانیاں پوشیدہ ہیں تو اس کا ایمان اور کامل ہوگا۔ اور خدا کے ساتھ اس کی محبت اور قوی اور زیادہ ہوگی۔ اور اس کے گناہ مٹ جائیں گے۔ اور درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے۔

۴؎ تاکہ بے صبری نہ کرے۔ اور عدم قوت ایمان ویقین کی وجہ سے دین کی رسی سے باہر نہ نکل آئے۔ تو اللہ تعالےٰ اسے نعمت عطا کرکے اس کی تالیف قلب کرتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص ہمیشہ آسانی کی حالت میں رہتا ہے

۵؎ یہ اس آدمی کے حال کا بیان ہے جو دین میں قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔

۱۴۷۵/۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت دیکھنے کے بعد کسی کی آسان موت پر رشک نہیں کرتی ۱؎

(ترمذی۔ نسائی)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت کا منظر دیکھنے سے پہلے میں آسانی سے مرنے والے پر رشک کیا کرتی تھی۔ مگر جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت وسختی دیکھی اس کے بعد کسی کی آسانی موت پر میں نے رشک نہ کیا۔ اور میرا اعتقاد ہوگیا کہ خیریت موت کی سختی میں ہے آسانی میں نہیں ہے۔ اور آپ کی موت کی اس سختی کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۱۴۷۶/۳۲ وَعَنْهَا قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی حالت میں دیکھا آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا آپ پیالے میں ہاتھ ڈالتے پھر چہرہ انور پر پھیرتے۔ اور عرض کرتے الٰہی موت کی سختیوں ۱؎ یا دشواریوں پر میری مدد فرما۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱؎ یہ راوی کا شک ہے۔ سکرات سکرۃ (کاف ساکن) کی جمع ہے۔ یہ لفظ سختی، شقت اور بے ہوشی کے معنیٰ میں ہے۔ اور لفظ تسکیر کسی کو بے ہوش کرنے اور سلانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ معلوم ہو کہ ہمارے شیخ اجل اکرم

اور محمد البکری المصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے سبب میں بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔
ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شریف تمام مزاجوں سے بڑھ کر حالت اعتدال پر تھا۔ اس وجہ سے موت کا احساس والم زیادہ ہوا اور اس کا اثر بھی زیادہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ یعنی مجھے اتنا بخار تھا جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسد لطیف سے تعلق وعشق بہت قوی اور بہت زیادہ تھا۔ تو اس کی جدائی سے آپ کو درد وتکلیف بھی زیادہ ہوئی۔ تیسری وجہ یہ کہ اس میں آپ کی امت کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ کی روح پاک کے جسم اطہر سے منتقل ہونے کی کیفیت وصعوبت یہ ہے تو پھر ہماری پر جان کندن کا معاملہ آسان محسوس ہوگا۔ چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریف تمام جہانوں کی جامع تھی تو آپ کی روح پاک کا آپ کے جسد اطہر سے الگ ہونا گویا تمام ارواح اور تمام اجسام کے ایک مدد سے سے جدا ہونے کی طرح تھا۔ پانچویں وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مملکت الہیہ کے متولی ونگران اور درگاہ عزت باری تعالےٰ سے اس پر مقرر تھے اور کون ومکان کے جملہ احکام آپ کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ کس کا دائرہ حکومت وسلطنت آپ سے وسیع تر ہو سکتا ہے۔ اور حکام کی عادت مستمرہ وجاریہ ہے کہ جب وہ سلطان اعظم کی درگاہ میں پیش ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں اپنی استعداد ولیاقت کے مطابق اور اپنے حال ورتبے کے لائق جو ہر خوف وہراس طاری ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز اور ذمہ داری کے سوال وحساب سے کس طرح خلاصی ملے گی۔

ہمارے شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ تعالےٰ اپنے شیخ حضرت علی متقی رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ وفات کے وقت فرما رہے تھے کہ اگر مجھ سے شدت سکرات کا مشاہدہ کرو تو پریشان اور غمناک نہ ہونا۔ کہ یہ شدت مقام ومنصب قطبیت کو لازم ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تنزلات احدیت، تجلیات صمدیت اور اسرار انوار حضرت الوہیت کا نزول ہو رہا تھا۔ جیسا کہ نزول وحی کے وقت ہوتا تھا۔ اور یہ آپ کے اوقات زندگی میں سب سے اتم واکمل حال تھا۔ اور یہ سکرات حاصل ان شاہدات واظافات کا معائنہ تھا جو کہ جسمانیت کے رشتہ کی برداشت ومجاہدات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ آخری وجہ گزشتہ تمام وجوں سے بہتر اور آپ کے مقام وحال شریف کے زیادہ مطابق وموافق ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وقت شدت سکرات کی جو کیفیت وحالت آپ پر طاری ہوئی وہ درحقیقت اس ادراک واحساس کی بنا پر طاری ہوئی کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی خدا تعالےٰ سے خاص ملاقات ہونے والی تھی۔ اس لقائے خاص کے مناسب حال آپ پر لطف، خشیت وہیبت وجلال طاری ہوا۔ کیونکہ آپ جناب ذات خدا تعالےٰ کی رحمت کے اعلیٰ ترین مقام پر سرفراز تھے۔ اسی وجہ سے قرب الٰہی کے اس مقام میں آپ پر تواضع ونیازمندی اور عبودیت کے

انوار و کیفیات کے ظہور نے انتہا کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا اعلمکم باللہ واخوفکم منہ۔ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کی معرفت حاصل ہے اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔ اور جو شخص جس قدر زیادہ معرفت الٰہی کا حامل ہوتا ہے اتنا ہی اس پر خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ حضرت محمد البکری المصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وجہ بیان کی کہ خدا تعالیٰ حاضری کا شوق اور آپ کی طبیعت کا تقاضا آپ کو عالم بالا کی جانب اڑائے جانے کے در پے تھا اس وجہ سے آپ نہایت جلدی اور اضطراب میں تھے گویا آپ چاہتے تھے کہ آپ کی روح مبارک جلد باہر نکلے اور پوری سرعت و رغبت کے ساتھ مقام قرب خاص میں پہنچ جائے۔ اس طرح شوق ملاقات کی شدت نے آپ کے لوازمات طبعی اور مزاج بشریت کی ہستی کی گلشن پر شدید دباؤ ڈالا اور حضر پہنچنے کا شوق نہایت قوی ہو گیا۔ اس کشمکش میں آپ پر یہ حالت طاری ہوئی۔ اور ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس عالم دنیا کے لوگوں کا جو تعلق آپ کی ذات شریف سے تھا اور جو علاقہ محبت آپ کی بلند ذات سے رکھتے تھے اور ان تعلقات کی صورتیں آپ کی پاک اور نورانی ذات کے آئینہ میں بہت جھک رہی تھیں اور بالکل صاف صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس بنا پر آپ کو انتہا درجہ کی بے چینی لاحق ہوئی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ پروردگار جل وعلا نے آپ کی ذات شریف کو اوصاف بشریت پر جو اعلیٰ ترین اوصاف اور بزرگ ترین خوبیوں سے متصف ہونے کا مقام ہے، باقی رکھا ہوا تھا۔ اور یہ وہ کمال ہے جو حضور ہی کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہے۔ اور مزاج عبودیت کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے لیے زیادہ سے زیادہ مشقت و اذیت اور شدت تکلیف جسمانی کو برداشت کیا جائے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت فرمایا تھا۔ اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَاِنَّا عَلٰی فِرَاقِکَ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ یا ابراہیم۔ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ دل غم و صدمہ سے نڈھال ہے اور اے ابراہیم تیری جدائی پر بہت غمناک ہیں۔ حضرت محمد البکری کا کلام ختم ہوا۔ یہ ہے وہ جو علماء نے بیان کیا ہے۔ اس جیسی اور وجوہات بھی بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر آپ کے حال شریف کی حقیقت تک پہنچنا بہت اجل اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس کہ عقول، افہام، علوم و معارف عقلاً علماً عرفاً اس کے سامنے حاضر ہو سکیں یا اس پر حاوی ہو سکیں اور کسی ضابطے میں اسے لا سکیں۔ بقول

اوبرتر از انست کہ آید بخیال

آپ کی ذات ہمارے خیال کی پرواز سے بہت ہی بلند ہے

اس مقام سے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے متشابہات کی تاویل کی طرح ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ۔ اور ان کی حقیقی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ

اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَہٗ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے فوری طور پر دنیا میں سزا میں دے ڈالتا ہے۔ اور جب کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تو اس کی سزا اس کے گناہ میں محفوظ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری سزا دے گا

(ترمذی)

۱؎ کیونکہ دنیا کا عذاب آسان ہے۔ اور دنیا میں رہنے کی مدت بھی بہت تھوڑی ہے۔ جیسے کیسے بھی ہو گزر جاتی ہے۔

۲؎ عرب کہتے ہیں۔ آدمی ظالم حقہ۔ اس نے فلاں کو اس کا پورا پورا حق دے دیا۔

۱۳۸۱ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَآءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَآءِ وَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاھُمْ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَآءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَہُ السُّخْطُ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا ثواب بڑی بلا کے ساتھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے۔ پھر جو راضی ہو گیا اس کے لیے رضا و خوشنودی ہے۔ جو ناراض ہوا اس کے لیے ناراضگی ہے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱؎ عُظم (عین کی پیش ظا ساکن) تعظیم سے اسم ہے۔

۲؎ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی سے دشمنی کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے۔ چونکہ یہ شق عبارت سے سمجھ میں آ جاتی ہے اس لیے اس کا ذکر نہ کیا۔

۳؎ یعنی بندے کی رضا اور خوشنودی اللہ کی رضا کا سبب ہے اور اس کی ناراضگی پروردگار کی ناراضگی اور اس کی محبت و دشمنی کا سبب و علامت ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ایک دوسرے سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ بندے سے راضی ہے یا ناراض۔ اس کا جواب ان کو یہ دیا جاتا کہ اگر بندہ خدا سے راضی ہے تو خدا بھی اس سے راضی ہے۔ اور اگر بندہ خدا سے ناراض ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہے۔

۱۳۸۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مرد

لَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَمَا عَلَیْهِ مِنْ خَطِیْئَةٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوٰی مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ).

اور مومن عورت کہ اس کی جان و مال و اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں[1]۔ یہاں تک کہ وہ رب تعالیٰ سے اس طرح ملتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔
ترمذی اور مالک نے اس کی مثل روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے

[1] آلام، امراض اور مختلف اذیتوں کی صورت میں کہ اس کی جان اور مال میں تباہی اور نقصان ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی اولاد میں مرض اور موت کی شکل میں۔ یہ تمام امور گناہوں کا کفارہ اور خطاؤں کے مٹنے کا سبب بنتے ہیں۔

۱۴۸۳/۴۵ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ یَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ حَتّٰی یُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت محمد بن خالد السلمی[1]۔ وہ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کے لیے کوئی درجہ رب کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم مال یا اولاد کی آفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس پر صبر بخشا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو رب کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہو چکا ہوتا ہے[2]۔
(احمد، ابو داؤد)

[1] السلمی (سین کی پیش اور لام مخفف کی زبر) ان کا باپ اور دادا دونوں صحابی ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بلا و مصیبت پر صبر کرنے سے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس تک طاعت و عبادت سے نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ امام اجل ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ و قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی زندگی کے گزشتہ ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمائی تو میں نے عرض کیا اور اپنے نفس کا اندازہ لگایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کی صورت میں میری کتنی اصلاح اور کیا تدبیر فرمائی ہے اور دونوں جہان کی عبادت

جو اس مدت میں ہو سکتی ہے۔ اس کے درمیان فرق کا بھی اندازہ لگایا تو میں نے اپنے آپ سے کہا اگر مجھے اختیار دیا جاتا اس بیماری اور دونوں جہان کی عبادت کے درمیان جو اس عرصہ میں ہو سکتی ہے کہ میں ان دونوں میں سے کس طرف کو ترجیح دوں۔ اور کسے اختیار کروں تو میرا عزم صحیح ——— میرا یقین ثابت ——— اور میری بصیرت اس پر واقع ہوئی کہ جو کچھ میرے پروردگار نے میرے لیے پسند کیا ہے۔ وہ شرف کے لحاظ اکثر اجر کے لحاظ سے بڑا۔ اور انجام کے اعتبار سے زیادہ نفع مند ہے۔ اور وہ بیماری و مرض جسے میرے پروردگار تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے میرے لیے تدبیر کیا۔ وہ ایسی بندگی تھی جو شائبہ عجب و ریا سے پاک و منزہ تھی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ بلاء و مصیبت کو کیوں ترجیح دی گئی ہے۔ یہ مسئلہ اپنے رسالہ تسلیۃ المصاب نیل الاجر والثواب میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۴۸۳ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِى الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ.	حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کو اس حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے ترنیں بھی پیدا کی گئیں اگر وہ ان موتوں کے نرغے سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے پھر اسے موت آلیتی ہے۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)	اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] حضرت عبداللہ بن شخیر (شین معجمہ کی زیر اور خائے معجمہ مشددہ کی زیر) رضی اللہ عنہ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرہ میں اقامت پذیر رہے۔

[۲] اصل میں لفظ مُثّل ہے۔ میم کی پیش ثا مشددہ کی زیر یعنی تصویر بنائی گئی۔ اور پیدا کیا گیا۔

[۳] اس کے پہلو میں یعنی اس کے قریب اور متصل۔ ننانوے موتوں سے آفات و بلائیں مراد ہیں۔ جو موت و ہلاکت کے اسباب ہیں۔

[۴] یعنی اگر وہ آفات و بلیات سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے۔ یعنی آدم زاد بے اندازہ مصائب و بلاؤں کے گھیرے میں ہے۔ سے خلاصی پانا مشکل امر ہے۔ اور اگر نادراً ان سے بچ ہی گیا تو بڑھاپے کی عمر میں جا پہنچتا ہے جو درد بے دوا اور بلائے بے انتہا ہے۔ کہ مرے بغیر چارہ نہیں۔ اور بڑھاپا اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہی رہتا ہے۔

۱۴۴۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل عافیت آرزو کریں گے جب کہ اہل مصائب کو مصائب و آلام برداشت کرنے پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کہ کاش ان کے چمڑے دنیا میں قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۴۴۶ وَعَنْ عَامِرِ نِ الرَّامِ[۱] قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرِضَ ثُمَّ أُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ أَهْلُهٗ ثُمَّ أَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ أَرْسَلُوْهُ[۲] فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْأَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عامر الرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا۔ اور فرمایا جب مومن کو کوئی بیماری پہنچتی ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ تندرستی عطا کرتا ہے تو وہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے اسے پند و نصیحت کا کام دیتی ہے اور منافق جب بیمار ہوتا ہے پھر اسے شفا ہوتی ہے تو وہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے۔ جسے اس کے مالکوں نے باندھا پھر اسے آزاد کر دیا۔ تو وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں چھوڑ دیا۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ بیماریاں کیا ہوتی ہیں اللہ کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا۔ فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جا کہ تو ہم میں سے نہیں ہے۔

(ابوداؤد)

[۱] الرام رامی کا مخفف ہے یعنی تیرانداز انہیں عامر بن الرام بھی کہتے ہیں۔ صحیح اول ہے آپ صحابی ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اور سند مجہول سے مروی ہے۔

[۲] یعنی عقل و تمیز نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں آزاد کر دیا۔ اسی طرح منافق ہے۔

بخلاف مرض کے کہ وہ جانتا ہے کہ اسے بیمار کرنے میں اس کی تادیب و تہذیب مقصود ہے اور عافیت و تندرستی شکر گزاری اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کے لیے ہے۔

سلہ اور رحم سے دور ہو جا۔

سکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص منافق تھا جیسا کہ شرح شیخ میں آیا ہے۔ ورنہ آپ اسے اس شدت و سختی کے ساتھ ایسا نہ فرماتے۔

١٥٨٧ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِي أَجَلِهٖ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطِيْبُ بِنَفْسِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کے لیے اس کی موت کی کشادگی کی دعا کرو لہ کیونکہ اس سے واپس تو کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور اس کا دل خوش ہو جائے گا سکہ

(ترمذی و ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے

سلہ جیسے کہتے ہیں غم نہ کر۔ اور کوئی ڈر کی بات نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تو شفایاب ہوگا اور تیری عمر دراز ہوگی مراد یہ ہے تنفیس یعنی کسی کو آسائش و آرام دینا۔ اور غم سے نجات دلانا۔

سکہ حدیث میں واقع لفظ یطیب تخفیف سے ہے۔ اور بنفسہ میں با زائد ہے۔ بعض نسخوں میں یُطَیِّبُ نفسہ آیا ہے یعنی یا کی تشدید اور با کے بغیر یعنی اس کے دل کو خوش کرے۔

١٥٨٨ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَهٗ بَطْنُهٗ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهٖ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اس کے پیٹ نے قتل کر دیا لہ اسے قبر میں عذاب نہ ہوگا۔

(احمد۔ ترمذی)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ اس کا معنی فصل اول میں لفظ مبطون کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۸۹/۵۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی بچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوگیا آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور اس سے فرمایا اسلام لے آ۔ اس بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے کہا اسے بچے ابو القاسم کی بات مان لے تو وہ بچہ مسلمان ہوگیا تو آپ یہ کہتے ہوئے وہاں سے باہر تشریف لائے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے اس بچے کو آگ سے بچا لیا۔[۳]

(بخاری)

[۱] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا میں اس بچے کے نام سے واقف نہیں ہو سکا بعض نے کہا اس کا نام عبد القدوس تھا۔

[۲] ابو القاسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔ یہود اکثر و بیشتر آپ کا ذکر اس کنیت سے کرتے تھے۔ آپ کے اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آپ کا ذکر بہت کم کرتے تھے۔ تاکہ تورات میں مذکور اس نام مبارک سے ان پر الزام عائد نہ ہو۔ (کہ یہود آپ کو پہلے سے جانتے ہیں)

[۳] اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے خدمت لینا جائز ہے۔ اور اس کے اسلام کی امید رکھتے ہوئے اس کی عیادت و بیمار پرسی کرنا بھی جائز ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنا رشتہ دار یا ہمسایہ ہو تو اس کی عیادت کرنا بھی جائز ہے۔

۱۴۹۰/۵۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مریض کی بیمار پرسی کو جاتا ہے تو آسمان سے ایک ندا کرنے

مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ندا کرتا ہے کہ تجھے دنیا میں خوشی و مسرت نصیب ہو۔ اور تیرا چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے۔ اور تجھے جنت میں ٹھکانا اور منزل نصیب ہو[۳]۔ (ابن ماجہ)

[۱] یعنی فرشتہ۔

[۲] یا تجھے آخرت میں چلنا یا دنیا و آخرت دونوں میں پاؤں سے چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ عیادت کو پیادہ جانا بہت فضیلت والا کام ہے۔

[۳] یہ تینوں جملے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیادت کرنے والے کے پسندیدہ حال کی خبر دینے کے لیے ہیں۔

۱۴۹۱/۵۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا أَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس درد و بیماری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر تشریف لائے جس میں حضور نے وفات پائی۔ لوگوں نے کہا اے ابوالحسن آج صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کیسا ہے۔ فرمایا الحمدللہ آپ کی حالت بہتر ہے[۱]۔ (بخاری)

[۱] یعنی الحمدللہ آپ بہتر ہو رہے ہیں۔ اور ادب یہی ہے کہ جب بیمار کا حال دریافت کیا جائے تو اس کے بارے میں بہتر جواب دیا جائے۔

۱۴۹۲/۵۵ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُصْرَعُ وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ لِي فَقَالَ إِنْ

حضرت عطاء[۱] بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے وہ عورت[۲] نہ دکھاؤں جو اہل بیت میں سے ہے میں نے کہا ضرور دکھائیں۔ فرمایا یہ کالے رنگ کی عورت[۳]۔ یہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی اور آپ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! مجھے مرگی کا دورہ[۴] پڑتا ہے۔ اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔

شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَكِ فَقَالَتْ أَصْبِرُ فَقَالَتْ إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ نے اسے فرمایا اگر تو چاہے تو اس پر صبر کر اور تیرے لیے جنت ہوگی۔ اور اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے عافیت و تندرستی عطا کرے اس نے عرض کیا میں اس بیماری پر صبر کروں گی پھر اس نے عرض کیا میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ کہ میں برہنگی سے بچ جاؤں تو آپ نے اس کے لیے دعا کی[۵] (بخاری و مسلم)

[۱] عطاء بن ابی رباح (راکی زیر اور: مخفف) آپ تابعی ہیں۔ آپ اکابر علماء اور اجلہ فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی فاضل شخص نہیں دیکھا۔ آپ سیاہ فام یک چشم لنگڑے اور شل ہاتھوں والے تھے۔ اس کے بعد نابینا ہو گئے۔ جس دن آپ فوت ہوئے امام اوزاعی نے کہا زمین میں سب سے پسندیدہ انسان آج فوت ہو گیا۔

[۲] اس عورت کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس کا نام شعیرہ (عین کے پیش میں عین کی زبر) تھا بعض نے سقیرہ اور سکیرہ بجائے عین کے قاف یا کاف بتایا۔ بعض نے اس کا نام ماشطہ بیان کیا اور بعض نے کہا اس کا نام خدیجہ تھا۔ واللہ اعلم۔

[۳] یہ ایک مشہور بیماری ہے۔

[۴] حدیث میں لفظ اَتَکَشَّفُ آیا ہے یعنی تاکو ثانیہ سے یعنی میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ یا مجھے برہنہ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ یا میں برہنہ ہونے سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ جیسے لفظ تاثم یعنی گناہ سے بچنا اور ڈرنا۔

[۵] اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ ثواب آخرت کی امید میں علاج نہ کرنا جائز ہے۔ اور اسی امر پر بھی کہ دعا و التجا کے ذریعے امراض کا علاج جائز ہے۔

۱۴۹۳/۵۴ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ[۱] قَالَ إِنَّ رَجُلًا جَاءَهُ الْمَوْتُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِيئًا لَهُ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں فوت ہو گیا۔ ایک شخص نے اس کی موت پر کہا اس کا مرنا گوارا اور اچھا ہو کہ فوت ہوا ہے اور اسے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس اور تعجب تجھے یہ کیسے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحَكَ مَا يُدْرِيكَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَيِّئَاتِهِ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

معلوم ہوا، اگر اللہ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کے گناہوں کو مٹا دیتا۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا

لہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری تابعی ہیں۔ حضرت انس اور دوسرے صحابہ اور قدماء سے روایت کرتے ہیں۔

۱۴۹۳ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيِّ أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلَى رَجُلٍ مَرِيضٍ يَعُودَانِهِ فَقَالَا لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ قَالَ أَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ أَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ إِذَا أَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِي عَلَى مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُومُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِي وَابْتَلَيْتُهُ فَأَجْرُوا لَهُ مَا كُنْتُمْ تُجْرُونَ لَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت شداد بن اوس اور الصنابحی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں حضرات ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے، انہوں نے اس سے کہا تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا، میں اللہ کی نعمت و رحمت کے اندر ہوں۔ حضرت شداد نے کہا تجھے گناہوں و خطاؤں کے مٹ جانے کی بشارت ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی بندے کو بیماری وغیرہ میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس ابتلا پر میری حمد و ثنا کرتا ہے تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے اس حال میں اٹھتا ہے جیسے اسے ماں نے جس دن جنا تھا کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک و صاف تھا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے (اعمال لکھنے والے فرشتوں کو) میں نے اس بندے کو بیماری میں مقید کیا اور اسے آزمایا۔ اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھو جو تندرستی کی حالت میں اس کے لیے لکھا کرتے تھے۔ (احمد)

لہ آپ بھی صحابی ہیں اور آپ کا باپ بھی۔

سے۵ الصنابحی صاد کی پیش سے صنابح بن زاہر کی طرف نسبت ہے۔ ان کا نام عبداللہ ہے اس میں اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا تابعی۔

سے۳ اصل میں لفظ اجروا آیا ہے۔ ہمزہ کی زبر جیم ساکن۔ اجراء سے۔ بمعنی جاری کرنا اور وظیفہ عطا کرنا۔

۱۳۹۵/۵۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اسے غم واندوہ میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ اس کے گناہوں کا اسے کفارہ بنا دے۔ (احمد)

۱۳۹۶/۵۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے وہ مسلسل رحمت الٰہی میں گھستا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بیٹھ جاتا ہے تو مکمل طور پر رحمت الٰہی میں ڈوب جاتا ہے۔ (مالک واحمد)

سلہ اصل میں لفظ خوض آیا ہے۔ جس کا معنی ہے پانی میں گھس جانا۔

۱۳۹۷/۶۰ وَعَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ اَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَاِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ وَلْيَسْتَقْبِلْ جَرْيَتَهٗ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو بخار آئے تو بیشک یہ بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے چاہیے کہ پانی سے اسے بجھائے[1]۔ پس اسے چاہیے کہ جاری نہر میں جا گھسے اور جس طرف سے پانی آرہا ہے منہ اس طرف کرے اور کہے اللہ کے نام سے اے اللہ اپنے بندے کو شفا عطا کر۔ اور اپنے رسول کو سچا کر دکھا۔ یہ فعل صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے کرے۔ اچھا ہے کہ

وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْيَنْغَمِسْ فِيْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَاْ فِيْ ثَلٰثٍ فَخَمْسٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَاْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَاْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

تین دن روزانہ تین غوطے لگائے۔ اگر تین دن میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن کرے اگر پانچ دن میں ٹھیک نہ ہو تو سات دن کرے۔ سات دنوں میں شفا یاب نہ ہو تو نو دن یہ عمل کرے کہ بے شک نہیں قریب کہ نو دن سے یہ بخار تجاوز کرے اللہ کے اذن و حکم سے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے

۲؎ علماء نے کہا ہے کہ یہ طریق علاج بخار کی بعض اقسام کے ساتھ خاص ہے۔ جو حرارت سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ اہل حجاز کی عادت ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی علاج کرنا یا تتبع اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور منصب نبوت کا مقصود اصلی روحانی علاج کرنا ہے۔ اس بنا پر آپ نے ہر قسم کے امراض کے علاج کا احاطہ نہ فرمایا۔ بلکہ اکثر و اغلب امراض کے علاج کا بیان فرمایا جو بلاد عرب میں پائے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اس کی مزید تحقیق کتاب طب و رقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ کہ بخار دوزخ کی تپش میں سے ہے، کی شرح میں آ رہی ہے۔ مناسب یہ تھا کہ مصنف علیہ الرحمۃ اسے اس کتاب میں ذکر کرتے۔ کیونکہ اس حدیث میں عیادت مریض اور ثواب مرض کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد حضور نے بخار ٹھنڈا کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا۔

۳؎ حدیث میں لفظ جریۃ آیا ہے جیم کی زبر یا زیر سے

۴؎ جس نے یہ علاج بیان فرمایا ہے اور اطلاع دی ہے کہ جو شخص یہ علاج کرے گا شفایاب ہوگا۔

۵؎ یہ نہر میں غوطہ لگانے کا بیان اور اس کی وضاحت ہے۔ یہ عبارت یہ احتمال بھی رکھتی ہے کہ تین دن میں تین غوطے لگائے ہر روز ایک غوطہ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر دن تین غوطے لگائے۔

۱۴۹۶/۹۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ذُكِرَتِ الْحُمّٰى عِنْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَبَّهَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّهَا فَإِنَّهَا تَنْفِی الذُّنُوْبَ كَمَا تَنْفِی النَّارُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بخار کا ذکر کیا گیا تو ایک آدمی نے بخار کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا اسے گالی نہ دو۔ کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کی میل کو ختم کرتی ہے۔[۱] (ابن ماجہ)

[۱] یعنی اسے پگھلا کر اس سے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح بخار بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتا ہے اور یہ وصف شکر گزاری کا متقاضی ہے۔ اس وجہ سے مشائخ کرام نے فرمایا بلا و مصیبت کا وظیفہ شکر ادا کرنا ہے۔ جس طرح نعمت میں شکر ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی نہ محسوس ہونے والی مہربانیوں کو متضمن ہے لیکن چونکہ بندہ ضعیف و ناتواں ہے۔ اس لیے شکر کی جگہ صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۴۹۹/۹۲ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِیْضًا فَقَالَ اَبْشِرْ فَإِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ هِیَ نَارِیْ اُسَلِّطُهَا عَلٰی عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْیَا لِتَكُوْنَ حَظَّهٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی بیمار پرسی فرمائی۔ تو اسے کہا تجھے بشارت ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں دنیا میں اپنے بندۂ مومن پر مسلط کرتا ہوں۔ تاکہ یہ بخار قیامت کے دن کی آگ کا حصہ (عوض) بن جائے۔ احمد، بیہقی فی شعب الایمان، ابن ماجہ

۱۴۹۹/۹۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اُخْرِجُ اَحَدًا مِنَ الدُّنْیَا اُرِیْدُ اَغْفِرُ لَهٗ حَتّٰی اَسْتَوْفِیَ كُلَّ خَطِیْئَةٍ فِیْ عُنُقِهٖ بِسَقَمٍ فِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک رب سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت[۱] و جلال کی قسم۔ میں کسی کو دنیا سے نہیں نکالتا جسے میرا بخشنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر گناہ کو اس کی گردن سے پورا نہ کر لوں۔ اس کے بدن میں بیماری کے ذریعے یا اس کے رزق میں تنگی پیدا کر کے[۲]

بِذَاتِہٖ وَاِفْتِنَاۃٍ فِیْ رِزْقِہٖ۔
(رَوَاہُ رَزِیْنٌ) (رازین)

۱؎ یعنی مجھے اپنی ذات کی عزت اور صفات کے جلال کی قسم۔

۲؎ حدیث میں لفظ سُقْم سین کی پیش یا سین اور قاف کی زبر سے اقتار (ہمزہ کی زیر تاف ساکن) یعنی جو گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کی سزا بھی اسے دنیا میں ہی بیماری اور تنگدستی کی شکل میں دے دیتا ہوں۔ اس طرح وہ عذاب آخرت سے بخش دیا جاتا ہے۔ اور اہل نجات سے کر دیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ فقر، بیماری اور مصائب و آلام گناہوں کا کفارہ بنا دیئے جاتے ہیں۔

۱۵۰۰ وَعَنْ شَقِیْقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُاللّٰہِ فَعُدْنَاہُ فَجَعَلَ یَبْکِیْ فَعُوْتِبَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَبْکِیْ لِاَجْلِ الْمَرَضِ لِاَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْمَرَضُ کَفَّارَۃٌ وَاِنَّمَا اَبْکِیْ اَنَّہٗ اَصَابَنِیْ عَلٰی حَالِ فَتْرَۃٍ وَلَمْ یُصِبْنِیْ فِیْ حَالِ اجْتِہَادٍ لِاَنَّہٗ یُکْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْاَجْرِ اِذَا مَرِضَ مَا کَانَ یُکْتَبُ لَہٗ قَبْلَ اَنْ یَمْرَضَ فَمَنَعَہٗ مِنْہُ الْمَرَضُ۔
(رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

حضرت شقیق۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ہم لوگ ان کی مزاج پرسی کو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا۔ اس پر ان کی ملامت کی گئی۔ آپ نے فرمایا میں بیماری کی وجہ سے نہیں روتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ بیماری مجھے بڑھاپے۲؎ میں آ کر لاحق ہوئی ہے۔ قوت و جوانی کی حالت میں عارض نہیں ہوئی۔ کیونکہ بیماری کے دوران اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھا جاتا ہے جو بیماری سے پہلے اس کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اور جس سے بیماری آ کر اسے روک دیتی ہے۔
(رزین)

۱؎ حضرت شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ اور اکابر تابعین اور علماء عاملین میں سے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ آپ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔

۲؎ اصل حدیث میں لفظ فَتْرَۃ آیا ہے۔ فا کی زبر تا ساکن بمعنی سستی اور ناتوانی۔

؎ اور جب کہ جوانی و قوت اور حالت صحت میں عمل زیادہ ہوتا ہے۔ بیماری میں بھی اس کا عمل زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اور ضعف و پیری کی حالت میں انسان سے نیک عمل کم ہوتا ہے۔ تو اس کا عمل بھی کم لکھا جاتا ہے۔ کاش کہ میں جوانی میں بیمار ہوتا تاکہ میرا عمل زیادہ لکھا جاتا۔ یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے۔ کہ جب بیماری میں بھی وہی عمل لکھا جاتا ہے جو وہ حالت صحت میں کرتا تھا۔ تو پھر بیماری میں قوت و کثرت عمل کی آرزو کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آرزو کا تعلق بے مشقت و تھکاوٹ کے کتابت عمل اور اس کے اثبات سے ہے۔ پس اگر بیماری کثرت عمل کے زمانہ میں لاحق ہو تو بے مشقت زیادہ عمل لکھا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ جو عمل حالت مرض میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں ریا، سمعہ اور عجب کا کوئی دخل و شائبہ نہیں ہوتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

$\frac{1501}{65}$ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا اِلَّا بَعْدَ ثَلَاثٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی مزاج پرسی کو تشریف نہ لے جاتے مگر تین رات گزرنے کے بعد؎ (ابن ماجہ اور بیہقی فی شعب الایمان)

؎ واضح ہو کہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ان کے نزدیک عیادت میں سنت یہ ہے کہ اول مرض میں ہی کی جائے نہ کہ تین دن گزرنے کے بعد۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ عیادت کسی خاص وقت و زمانے سے مقید نہیں ہے۔ کیونکہ عیادت کے بارے میں مطلق بے قید حکم آیا ہے۔ جب چاہے عیادت کر جا سکتا ہے۔ اول وقت ہو یا آخر وقت اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مسلمہ بن علی ہے۔ جو متروک ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ حدیث باطل ہے۔ مگر احیاء العلوم میں کہا کہ مریض کی مزاج پرسی نہ کی جائے مگر تین دن گزرنے کے بعد۔ اس حدیث کی وجہ سے۔ اور کہا کہ بیماری لاحق ہوتے ہی بیمار پرسی شروع کر دینا مناسب نہیں کہ اس میں گویا اس کے بیمار ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔ مگر صاحب احیاء کا بیان کمزور ہے۔

$\frac{1502}{66}$ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْا لَكَ فَاِنَّ دُعَاءَهٗ كَدُعَاءِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو کسی مریض کے پاس جائے۔ تو اسے حکم دے کہ وہ تیرے لیے دعا کرے کہ اس کی دعا ملائکہ

الْمَلٰئِكَةِ

کی دعا کی طرح ہے[1]۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(ابن ماجہ)

[1] شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض کے باعث بندہ درگاہ الٰہی کے قریب ہو چکا ہوتا ہے اور بشری احکام کھانے پینے وغیرہ سے بیزار ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اسے بیماری کی وجہ سے باطن کی طہارت و صفائی اور ریاضت نفس حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اس کی توجہ عالم غیب کی طرف بند دل ہو چکی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۰۳/۶۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قُوْمُوْا عَنِّيْ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ بات سنت میں سے ہے کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھا جائے۔ اور اس کے پاس شور و غل کم کیا جائے[1]۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا[2] کہ جب لوگوں کا شور و غل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ ہو گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ[3]۔

(رزین)

[1] حدیث میں لفظ صخب آیا ہے۔ صاد اور خا کی زبر سے۔ بمعنی سخت آواز۔ نسخ حدیث میں دونوں زبروں اور خا ساکن دونوں طرح آیا ہے۔ اور سین و صاد دونوں لغات ہیں بمعنی فریاد کرنا اور آوازوں کا ایک دوسری سے ٹکرانا۔

[2] یعنی شور و غل کم کرنے پر استدلال کرتے ہوئے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ بیمار کے پاس آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے اللغط لام اور غین کی زبر آخر میں طا بے نقطہ بمعنی آواز یا ایسی آوازیں جن کا معنی سمجھ نہ آئے۔ اس حدیث کی تحقیق باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں انشاء اللہ آرہی ہے۔

۱۵۰۴/۶۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيَادَةُ فَوَاقُ نَاقَةٍ وَفِيْ رِوَايَةِ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عیادت میں اتنا وقت صرف کیا جائے جتنے وقت میں اونٹنی کا دودھ نکالا جاتا ہے[1]۔ اور حضرت سعید بن المسیب[2] کی ایک روایت میں مرسلاً آیا ہے کہ افضل عیادت

الْقِيَامِ -
جلدی اٹھ جانا ہے۔ؑ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)
(بیہقی شعب الایمان)

لے اونٹنی کا دودھ دوہنے سے مراد یہ ہے کہ جب ایک بار دودھ دوہتے ہیں تو ذرا صبر کرتے ہیں۔ اور اس کے تھنوں کو ملتے ہیں۔ یا اس کے بچے کو چھوڑتے ہیں۔ تاکہ وہ دودھ آتارے۔ لفظ فواق فا کی پیش و زبر دو طرح درست ہے۔

ےؑ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

تےؑ اس کی وجہ بیمار کو کوفت و تکلیف اور پریشان ہونے کا خوف و ڈر ہے۔ اور اگر کوئی بیمار کا دوست ہو کہ اس کا بیٹھنا اور باتیں کرنا مریض کو اچھا لگے تو یہ دوسری بات ہے۔ یہ عیادت میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ اس کے ساتھ صحبت و مجلس ہے۔ عیادت کا حق علی العموم وہی ہے جو بیان ہوا۔ اسے سمجھو۔

۱۵۰۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا فَقَالَ لَهُ مَا تَشْتَهِي قَالَ أَشْتَهِي خُبْزَ بُرٍّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ إِلَى أَخِيهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَهَى مَرِيضُ أَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی بیمار پرسی کو گئے اور اس سے فرمایا تیرا دل کیا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا گندم کی روٹی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس گندم کی روٹی ہو اپنے بھائی کے پاس بھیج دے پھر آپ نے فرمایا جب تمہارا کوئی مریض کسی چیز کی چاہت کرے تو چاہیئےؑ کہ اسے کھلائے۔

(ابن ماجہ)

لےؑ اس سے مراد کی چاہت ہے۔ اور وہ صحت کی نشانی ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ کسی وقت بعض بیماروں کا جسے ان کی طبیعت چاہتی ہو کھا لینا نقصان نہیں دیتا۔ بشرطیکہ تھوڑی مقدار میں ہو کہ وہ طبیعت کو تقویت دیتا اور صحت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اس کا ضرر و نقصان غالب نہ ہو۔ مختصر یہ کہ یہ حکم جو آپ نے دیا کلی حکم نہیں بلکہ جزئی حکم ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ توکل علی اللہ زندگی سے ناامیدی پر مبنی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بیماروں کو زبردستی کھانا پینا نہ دو کہ انہیں اللہ تعالےٰ کھلاتا پلاتا ہے۔

۱۵۰۱ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ بِالْمَدِيْنَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا لَيْتَهُ بِغَيْرِ مَوْلِدِهِ قَالُوْا وَلِمَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهِ قِيْسَ لَهُ مِنْ مَوْلِدِهِ إِلٰى مُنْقَطَعِ أَثَرِهِ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مدینہ میں ہی پیدا ہونے والا ایک شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کاش یہ اپنی جائے پیدائش میں نہ مرتا[۱]۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا کیوں۔ آپ نے فرمایا آدمی جب اپنی غیر جائے پیدائش میں مرتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے اسکے انتہائے سفر تک[۲] جنت میں اس کے لیے پیمائش کی جاتی ہے[۳]

(نسائی۔ ابن ماجہ)

[۱] بلکہ غربت و مسافری میں مرتا۔

[۲] طیبی رحمۃ اللہ نے کہا حدیث میں لفظ اثر سے مراد اس کی مدت حیات ہے۔ یعنی اس جگہ تک جہاں اس کی زندگی ختم ہوئی۔ پہلا معنیٰ جو ہم نے بیان کیا زیادہ ظاہر و نمایاں ہے۔ یہ دوسرا معنیٰ بھی مآل کار اسی کے مطابق بن جاتا ہے۔

[۳] یعنی اتنی مسافت کی مقدار اسے جنت میں جگہ دی جاتی ہے۔ ظاہری طور پر سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ اسے بہشت میں اتنی جگہ ملتی ہے۔ مگر یہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ مسافت کی اتنی مقدار جنت کی وسعت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگرچہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ ساری دنیا سے بہتر ہے۔ لہٰذا یہاں ثواب میں مبالغہ اور کثرت مراد ہے۔ مگر جب کہ یہ مراد لیا جائے کہ وہ مسافر اتنی مقدار مسافت میں اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہا۔ اور اس عمل سے مخصوص نہیں جو اس نے اپنی جائے پیدائش میں کیا تھا۔ طیبی نے کہا مراد یہ ہے کہ قبر سے لے کر اس کی جائے پیدائش تک ایک کھلا دروازہ اس کے لیے بہشت کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔

۱۵۰۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفری کی موت، موت شہادت ہے۔

(ابن ماجہ)

لہ یعنی سافری میں مرنا شہادت کی موت کی طرح ہے۔ معراج میں کہا غربت کا معنی ہے اپنی جگہ سے دور ہونا اہل تحقیق نے فرمایا ہے غربت و مسافری دو قسم ہے ایک دل کی غربت و مسافری جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک میں اشارہ ہے۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ۔ دنیا میں مسافر یا راہ گزر آدمی کی طرح رہ۔ اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کر۔ یہ غربت و مسافری موت ارادی اور ماسوا اللہ سے ترک تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ میں موجود ہے۔ جو حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ نے غربت و غرباء کی فضیلت میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۵۰۸/۴۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ مَرِیْضًا مَاتَ شَہِیْدًا وَّوُقِیَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ وَغُدِیَ وَرِیْحَ عَلَیْہِ بِرِزْقِہٖ مِنَ الْجَنَّۃِ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیماری کی حالت میں مرتا ہے وہ شہادت کی موت مرتا ہے[۱] اور اسے فتنہ قبر سے بچا لیا جاتا ہے اور اسے شب و روز جنت سے رزق دیا جاتا ہے[۲]

(ابن ماجہ و بیہقی شعب الایمان میں)

لہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ بعض نے اسے شب و روز غربت سے تبدیل کیا ہے۔ بعض نے کہا مریضا کے بجائے صحیح مرابطًا کا لفظ ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث باب ما جاء فیمن مات مرابطًا میں مذکور ہے۔ مرابط وہ شخص ہوتا ہے جو سرحد اسلام پر کفار سے جنگ و جہاد کے لیے بیٹھا ہو۔ اس لفظ کا اصل رباط الخیل سے ہے۔ یعنی گھوڑوں کو باندھنا اور کفار سے جنگ کے لیے تیار بیٹھا۔

سلہ یعنی فتنہ قبر اور اس کے عذاب سے بچا لیا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں یا ہوتی ہے۔ اور کلمہ او یا تو واو کے معنی میں ہے۔ یا راوی کے شک کی بنا پر ہے۔ یا بیان نوع کے لیے ہے۔ یعنی یا تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے یا اسے عذاب اور فتنہ قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔

سلہ مراد دوام ہے۔ یا تسلسل سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اہل جنت کی شان میں آیا ہے۔ وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا۔ یعنی انہیں جنت میں صبح و شام رزق ملے گا۔

۱۵۰۹/۴۳ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْتَصِمُ الشُّهَدَآءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰى فُرُشِهِمْ اِلٰى رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ فِي الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَيَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ اِخْوَانُنَا قُتِلُوْا كَمَا قُتِلْنَا وَيَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ اِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰى فُرُشِهِمْ كَمَا مُتْنَا فَيَقُوْلُ رَبُّنَا اُنْظُرُوْا اِلٰى جِرَاحِهِمْ فَاِنْ اَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِيْنَ فَاِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَاِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ اَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ شہید اور بستروں پر مرنے والے ہمارے رب تعالے کی طرف جھگڑا لے کر آئیں گے۔ طاعون سے مرنے والوں کے بارے میں جھگڑا لے کر آئیں گے۔ شہید کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں کہ یہ اسی طرح قتل ہوئے جسطرح ہم قتل ہوئے اور بستروں پر مرنے والے کہیں گے یہ ہمارے ساتھی اور بھائی ہیں۔ کیونکہ یہ بستروں پر مرے جسطرح ہم بستروں پر مرے ہمارا پروردگار تعالیٰ ان کا جھگڑا سن کر فرمائے گا۔ ان کے زخموں کو دیکھو۔ اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہیں تو پھر یہ ان میں سے ہیں اور ان کے ساتھ رہیں گے تو اچانک طاعون والوں کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں گے۔[۴]

(احمد۔ نسائی)

[۱] عرباض عین کی زیر اور باء۔ آخر میں ضاد معجمہ ساریہ سین مہملہ۔ اور راء اور یاء حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ۔ اور نہ وہ لوگ کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کے لیے سواری کا بندوبست کریں۔

[۲] یعنی جو اپنے گھروں میں فوت ہوئے۔ شہادت کی موت نہ مرے۔

[۳] کہ طاعون والوں کو یہ زخم جن کے ہاتھ سے پہنچے ملتے ہیں کہ طاعون والے بعض اوقات یوں محسوس کرتے ہیں کہ کسی نے ان کو نیزہ سے مارا ہے اسی لیے اس کا نام طاعون رکھا گیا۔ کہ طاعون طعن سے بنا ہے۔ یعنی نیزہ مارنا۔ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطباء کے ہاں طاعون یعنی شہادت پر حمل کرنا زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اسے سمجھو۔

[۴] اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جو مرض طاعون سے مرا وہ شہید ہے اور شہیدوں کے ساتھ رہے گا۔

۱۵۱۰/۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ كَالْفَارِّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا۔ کفار کے ساتھ جنگ[۱] سے

مِنَ الزَّحْفِ وَالصَّابِرُ فِيهِ لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

بھاگنے والے کی طرح ہے۔ اور اس میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملے گا۔[1] (احمد)

[1] حدیث میں لفظ زحف آیا ہے۔ اس کا اصل معنی ہے لڑکے کا کسی چیز سے ٹکرانا۔ اور دشمن کی جانب جنگ کے لیے جانے والے لشکر کو اس لیے زحف کہتے ہیں کہ وہ بھی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکراتا ہوا جاتا ہے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے جس طرح میدان جنگ سے بھاگنا کبیرہ ہے اور اگر یہ عقیدہ رکھ کر بھاگے کہ بھاگنے سے یقیناً موت سے بچ جائے گا۔ اور نہ بھاگنے سے ضرور مر جائے گا تو یہ کفر ہے۔ حدیث کا ظاہر مفہوم اس امر کو واضح کرتا ہے کہ طاعون میں صبر کرنے والے کو اگرچہ وہ اس مرض میں نہ بھی مرے شہید کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

بَابُ تَمَنِّي الْمَوْتِ وَذِكْرِهِ

موت کی آرزو کرنا اور اس کی یاد کا بیان

یعنی موت کی آرزو اور اس کی یاد کا باب۔ واضح ہو کہ دنیاوی تکلیف و ضرر بیماری و محتاجی وغیرہ کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ بے صبری۔ تقدیر الٰہی سے نفرت اور ناراض ہونے کی علامت ہے۔ لیکن لقائے الٰہی کے شوق و محبت اور اس تنگ دنیا سے خلاصی پانے اور ملک آخرت اور اس کی نعمتوں تک پہنچنے کے لیے موت کی آرزو کرنا ایمان اور اس کے کمال کی نشانی ہے۔ اسی طرح دینی ضرر و نقصان پہنچنے کے خوف سے یہ آرزو کرنا بھی مکروہ نہیں۔ اور موت کی یاد خدا تعالیٰ کے خوف و خشیت اور اس کے مطابق عمل کرنے اور توبہ و استغفار اور نفع آخرت کو اولیت اور ترجیح دینے سے کنایہ ہے۔ ورنہ عمل کے بغیر موت کو صرف زبانی یاد کرنا کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ یہ زبانی یاد قساوت قلب کا باعث بن جائے۔ جیسے خدا تعالیٰ کی یاد دل غافل سے۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

الفصل الاول — فصل اول

۱۵۱۱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَاِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَسْتَعْتِبَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی موت کی آرزو نہ کرے کیا تو وہ نیکوکار ہوگا۔ تو امید ہے کہ نیکی اور خیر میں اور ترقی کرے گا اور اگر بدعمل ہے تو امید ہے کہ توبہ کرکے اس کی رضا کا طلبگار بن جائے[1]

(بخاری)

[1] یہ اس عبارت کا حاصل معنی ہے۔ ان الفاظ کی تحقیق شرح (عربی) میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱۵۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ انْقَطَعَ اَمَلُهٗ وَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهٗ اِلَّا خَيْرًا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے دعا کرے کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو اس کا ثواب کا طمع منقطع ہوجائے گا[1] اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ مومن کی عمر اس کی خیر و نیکی میں اضافہ کرتی ہے۔

(مسلم)

[1] بعض روایات میں یہاں لفظ امل کے بجائے عملہ آیا ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ مآل دونوں کا ایک ہے۔ کیونکہ یہاں امل سے طمع ثواب عمل مراد ہے۔ امل مذموم وہ ہے جو عمل صالح میں سستی اور کوتاہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۵۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی دنیوی تکلیف و ضرر پہنچنے کی بنا پر موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر وہ موت کی آرزو کرنا ہی چاہتا ہے تو پھر یوں کہے۔ اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے موت دے دے جب کہ وفات

إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

میرے لیے بہتر ہو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری و مسلم)

۱۵۰۳ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَوْ بَعْضُ اَزْوَاجِهِ اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهُ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَ اِنَّ الْكَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَهَ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهُ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِي رِوَايَةِ عَائِشَةَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰهِ۔

حضرت عبادہ[۱] بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملاقات[۲] کی چاہت رکھتا ہے اللہ اس سے ملاقات کی چاہت رکھتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنا ناپسند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا ناپسند رکھتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ[۳] یا آپ کی بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ موت کو ناپسند رکھتے ہیں[۴]۔ فرمایا اس سے وہ مراد نہیں جو تم سمجھی ہو[۵]۔ لیکن مسلمان کو جب موت حاضر ہو جاتی ہے تو اسے اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی طرف سے عزت کی بشارت دی جاتی ہے[۶] تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب و پیاری نہیں ہوتی جو اسے سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے[۷]۔ تو وہ اللہ کی ملاقات چاہتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے[۸] اور بیشک کافر کے سامنے جب موت حاضر کی جاتی ہے[۹]۔ تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے پس کوئی چیز اس کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسند بری نہیں ہوتی جو اسے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند جانتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو[۱۰] (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہے[۱۱]

لے عبادہ بن کی پیش بعد میں یا آپ انصاری ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

ے مشہور یہ ہے کہ لقائے الہٰی سے موت مراد ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ لقائے الہٰی سے اور آخرت میں پہنچنا یہاں اللہ تعالیٰ کی عنایات کا طلبگار ہونا ، اس دنیا کی جانب نہ جھکنا اور اس پر نہ مطمئن ہونا مراد ہے۔ اس سے موت مراد نہیں۔ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول انا لنکرہ الموت کہ ہم لوگ موت سے گھبراتے ہیں۔ موت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا وہم ڈالتا ہے۔ پس لقائے الہٰی کی محبت موت کو مستلزم ہے جو لقائے الہٰی کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

سے یہ راوی کا شک ہے۔

سے یعنی بتقاضائے طبیعت بشری۔

شہ کہ لقائے الہٰی سے موت مراد ہے اور وہ بشری طبیعت کے لحاظ سے انسان کو پیاری محسوس ہو۔ اور بالفعل انسان کو اس کی آرزو کرنی چاہیے بلکہ مطلب و مراد یہ ہے کہ جو شخص رضائے حق کا طالب اور حق تعالے کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے وہ ہمیشہ موت کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ ابتداء سے اس مقصد کا وسیلہ اور رابطہ جانتے ہوئے ارادے اور اختیار سے اس سے محبت و پیار رکھتا ہے۔ پھر آخر وقت میں طبعی لحاظ سے بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکن المومن اذا حضرہ الموت الخ۔

سلہ جیسا کہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔

کے یعنی موت اور دار آخرت میں پہنچا۔

شہ یہ بندہ مومن محب و محبوب اور راضی و پسندیدہ بن کر اس جہان کی طرف جاتا ہے۔

وہ یہاں حدیث میں حضر صیغہ مجہول ہے۔ یعنی اس پر موت حاضر کی جاتی ہے۔

ملہ تو وہ اس جہان سے اس حالت میں جاتا ہے کہ موت اسے کتنی ناپسند ہوتی ہے۔ اللہ اس سے بہت ناراض ہوتا ہے۔ اور خدا کا غضب و غصہ اس پر نازل ہو رہا ہوتا ہے۔

للہ اور خدا تعالے کی ملاقات کا وسیلہ اور مقدمہ ہے۔ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملاقات الگ چیز ہے اور موت الگ چیز۔ جیسا کہ میں نے کہا۔

۱۵۱۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک

كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجِنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ اَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پاک بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میت یا تو راحت پانے والا ہے۔ یا اس سے لوگوں کو راحت مل گئی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ "وہ راحت پانے والا ہے یا لوگ اس سے راحت یافتہ ہو گئے ہیں" کا کیا معنی و مطلب ہے۔ فرمایا موت کے ساتھ بندہ مومن دنیا کی مشقتوں اور اس کے رنج و آزار سے راحت پا کر اللہ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے[۳]۔ اور فاجر و فاسق انسان جب مرتا ہے تو بندے اور شہر و درخت اور چارپائے اس سے راحت میں ہو جاتے ہیں[۴] (بخاری و مسلم)

۱ حضرت ابو قتادہ انصاری ہیں۔ فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ اور اہل بدر سے ہیں۔ منقول ہے کہ آپ کی آنکھ مبارک بدر یا احد کے دن زخم آنے کی وجہ سے جسم سے الگ ہو گئی۔ اور ان کے ہاتھ پر آ گری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا۔ اور وہ پہلی حالت سے بہتر ہو گئی۔

۲ حدیث میں لفظ مُرَّ میم کی پیش سے آیا ہے۔

۳ یعنی موت کے ذریعے بندہ مومن و صالح دنیا اور اہل دنیا کی اذیتوں اور رنج و آزار سے چھوٹ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔

۴ یعنی اس کے شر سے نجات پا جاتے ہیں۔ آدمیوں کا اس کے آزار سے نجات پا جانا تو ظاہر ہے۔ البتہ شہروں درختوں اور چارپائیوں کا اس کے شر سے نجات پانا بایں معنی ہے کہ فسق و فجور اور ظلم و تعدی عالم میں بگاڑ اور فساد اس کے ارکان و نظام اور اجزاء میں خلل واقع ہوتا ہے اور فاجر انسان سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔ اس وجہ سے زمین اور زمین والے اور جو کچھ زمین میں ہے سب تکلیف و اذیت میں ہوتے ہیں۔ پھر اس فاجر انسان کے گناہوں کی نحوست کے باعث بارش بند ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ مر جاتا ہے تو زمین اور زمین والوں اور جو کچھ اس میں ہے سب کو از سر نو زندگی ملتی ہے۔

۱۵۱۶ / ۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا[1] پکڑ کر فرمایا دنیا میں بے وطن[2] مسافر کی طرح رہ۔ بلکہ راستہ پر سے گزرنے والے کی طرح[3] اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تو شام کے وقت ہو تو صبح کی انتظار نہ کر[4] اور جب صبح کے وقت میں ہو تو شام کا انتظار نہ کر[5] اور اپنی صحت سے اپنی بیماری کے لیے کچھ لے لے[6] اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے کچھ بنا لے[7] (بخاری)

[1] بعض نسخوں میں منکبی شد سے بلفظ تثنیہ آیا ہے یعنی آپ نے میرے دونوں کندھے پکڑے۔

[2] یعنی تو دنیا میں ایک مسافر اور اپنے وطن سے دور افتادہ انسان کی طرح رہ۔

[3] اس فقرے میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ مسافر کبھی کبھی دوسرے شہروں میں سکونت اور رہائش پذیر بھی ہو جاتا ہے۔

[4] اور یہ انتظار نہ کر کہ تو صبح تک زندہ رہے گا۔

[5] اور شام کے وقت تک زندہ رہوں گا۔ بیت

غنیمتے شمرا نے شمع وصل پروانہ کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

اے شمع پروانے کا وصل غنیمت جان کہ یہ معاملہ صبح ہونے تک باقی نہ رہے گا۔

[6] یعنی تندرستی کے وقت میں اپنی بیماری کے وقت کے لیے توشہ تیار کرلے۔ مطلب یہ ہے کہ تندرستی کے دن غنیمت جانو اور جہاں تک ہو سکے اس میں نیک عمل کر لو۔ بیت

غنیمت داں جوانا دولت حسن و جوانی را نہ پنداری کہ ایام جوانی جاودان باشد

اے نوجوان اپنے حسن و جوانی کو غنیمت جان اور یہ گمان نہ کر جوانی کے دن ہمیشہ رہیں گے۔

[7] یعنی اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے توشہ تیار کرلے

۱۵۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے

وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تین دن پہلے فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ اس کا گمان اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا ہونا چاہیے لے (مسلم)

لے اور اس کے کرم و مغفرت کا امیدوار اور اس کے وعدہ کرم پر پورا پورا اعتماد ہونا چاہیے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی میں خدا تعالیٰ کا خوف و ڈر غالب رہے اور جب موت کا وقت آئے تو اس وقت امید کا نشان ظاہر ہو جائے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ سے نیک گمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرے۔ یعنی اپنی زندگی میں نیک عمل ہی کرتے رہو تاکہ خدا کے متعلق موت کے وقت تمہارا گمان نیک ہو کیونکہ موت سے پہلے زندگی میں جو بدعمل ہوتا ہے موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کا گمان نیک نہیں رہتا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رجا کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید خدا سے رکھے۔ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت کرے اور اس کی عطا پر نظر رکھے۔ مگر جھوٹی امید پر جو انسان کو عمل سے روک رکھتی اور اسے گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔ امید نہیں بلکہ وہ آرزوئے باطل اور غرور و فریب نفس ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا تم میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ اپنے پروردگار کے متعلق میں نیک گمان رکھتا ہوں۔ مگر وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا سے نیک گمان رکھتا تو عمل بھی نیک کرتا۔ عمر بن منصور نے اپنے ایک بھائی کو لکھا تو اپنی عمر کی درازی کے ساتھ اپنی امیدیں بھی دراز کیے ہوئے ہے۔ اور اپنے اعمال بد کے ساتھ آرزو میں لگائے بیٹھا ہے۔ در حقیقت تو ٹھنڈے لوہے کو کوٹ رہا ہے نیک عمل کر اور پھر امید وابستہ کر۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تیسری فصل

۱۵۱۸ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْبَأْتُكُمْ مَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں سے کیا بات کرے گا۔ اور مومن سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے کون سی بات کریں گے ہم نے کہا یا رسول اللہ ہاں فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرمائے گا کیا تم لوگ مجھ سے ملنا پسند

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ أَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ يَا رَبَّنَا فَيَقُوْلُ لِمَ فَيَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَكَ وَ مَغْفِرَتَكَ فَيَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَكُمْ مَغْفِرَتِيْ.

کرتے تھے[1] وہ کہیں گے ہاں ہمارے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں[2]؟ ایمان والے کہیں گے ہم تیری عفو و مغفرت کی امید رکھتے تھے تو اللہ تعالے فرمائے گا میں نے اپنی مغفرت و بخشش تمہارے لیے واجب و ثابت کر دی[3]۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَ أَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

اسے شرح سنۃ میں روایت کیا اور ابونعیم نے حلیہ میں اسے روایت کیا۔

[1] یعنی ہمارے سامنے پیش ہونے سے پہلے۔

[2] معانیح کے بعض نسخوں میں لِمَ أَذْنَبْتُمْ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم مجھ سے ملنا پسند کرتے تھے تو پھر تم نے گناہ کیوں کیے۔

[3] جب کہ عفو و مغفرت کا حاصل معنیٰ ایک ہی ہے۔ تو ایک ہی کے بیان پر اکتفا کر دیا۔ فافہم۔

۱۵۱۹ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لذتوں کو پھیکا اور ختم کرنے والی (موت) کی کثرت سے یاد کیا کرو[1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(ترمذی۔ نسائی) (ابن ماجہ)

[1] طیبی کے کلام سے سمجھ آتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ ھادم ہدم سے ہے (دال مہملہ سے) بمعنی ویران کرنا گرانا اور مکانوں کی بنیاد اکھیڑنا۔ جیسا کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ لفظ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن علامہ سنوی نے مہمات میں کہا کہ یہ لفظ ہاذم ہے (ذال معجمہ سے) بمعنی کاٹنے والا۔ جیسا کہ جوہری نے کہا اور سہیلی نے ذال کی روایت کی تصریح کی ہے۔ منذری نے کہا کہ ذال معجمہ سے بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حاشیہ کتاب میں مذکور ہے۔

۱۵۲۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ اللہ تعالے سے اس طرح

يَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ اسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاۤءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاۤءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاۤءِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حیا کرو جس طرح اس سے حیا کرنے کا حق ہے صحابہ نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم تو اللہ سے حیا کرتے ہیں[۱]۔ اور اللہ کی حمد بجا لاتے ہیں۔ فرمایا یہ حق حیا نہیں جو تم گمان کرتے ہو[۲] بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسا حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے تو اسے چاہیے کہ سر اور سر میں موجود[۳] حواس کی حفاظت کرے اور پیٹ اور جو کچھ اس میں ہے[۴] اس کی حفاظت کرے اور موت اور اپنے بوسیدہ وخاک ہو جانے کو یاد کرے[۵]۔ اور جو بندہ آخرت چاہتا ہے[۶] وہ دنیا کی زینت و آرائش ترک کر دیتا ہے۔ پس جو شخص ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ سے ایسا شرم و حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے[۷]۔ اسے احمد، ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] کہ جہاں تک ہو سکتا ہے۔ اس کے اوامر و نواہی بجا لاتے۔ اور اس کی توفیق عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں وہ حق حیا کیا ہے جو آپ ہم سے چاہتے اور ہمیں حکم دیتے ہیں۔

[۲] بلکہ اس کا مقام بڑا اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضا اور ظاہری و باطنی حواس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسے مختصر اور جامع کلام سے بیان کرتے ہوئے فرمایا ولکن من استحی الی آخرہ۔

[۳] یعنی سر کو غیر حق کے آگے خضوع اور تواضع اور خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق پر تکبر و سرکشی کرنے سے بچائے۔ اور ان چیزوں کی بھی حفاظت و نگہداشت کرے جو سر میں محفوظ ہیں۔ اور جن کا سر جامع ہے یعنی حواس کے آلات کان، آنکھ اور زبان اور فکر و ستیح وغیرہ۔

[۴] کہ اسے حرام و شبہ کے لقمہ سے بچائے۔ اور اس کی بھی حفاظت کرے جو اس میں ہے۔ یعنی دل کہ اسے ان چیزوں سے بے خبر و جاہل رہنے سے بچائے جن سے جاہل و بے خبر رہنے کی گنجائش نہیں یعنی معرفت حق تعالیٰ اور احکام دین۔ اور ما سوا اللہ کی یاد و محبت سے بھی اسے محفوظ رکھے۔ بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ شکم جن چیزوں کو اپنے اندر اور اپنے متصل رکھتا ہے۔ جیسے شرمگاہ۔ ہاتھ پاؤں سب کو حرام سے بچائے۔

ےھ یعنی جسم کی ہڈیوں کے بوسیدہ اور خاک ہو جانے کو یاد کرے۔ بلی ابا کی زیر) بوسیدہ ہونا اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ وہ اس میں زہد کا راستہ اختیار کرتا اور دنیوی لذت و شہوات کو ترک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ ومن اراد الآخرۃ الی آخرہ۔

سے یعنی اس کا ثواب اور اس کی نعمتیں پاتا ہے۔ وہ دنیا کی زیب و زینت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

ےھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا حاصل و خلاصہ حق سبحانہ کے قول کا یہ مضمون ہے۔ اِتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ۔ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

شیخ امام عالم ربانی حضرت علی المتقی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ تبیین الطرق میں فرماتے ہیں۔ سالک کا حق تعالے سے قرب اس کے غیر سے دور ہونا ہے۔ اور اس کا وصل غیر حق سبحانہ سے قطع تعلق ہے اور غیر حق ممنوع و مباح چیزوں میں ہے۔ یہاں ممنوعات سے ہر قسم کے منہیات حرام کردہ و مشتبہ امور مراد ہیں۔ اور مباح سے مخلوقات آسمان، زمین پہاڑ، درخت اور اسباب معشیت وغیرہ مراد ہیں۔ پس ممنوعات سے سالک کا دور ہونا مباحات سے بے تعلق ہونے کے بغیر ناقص ہے۔ اور جب مباحات سے بھی بے تعلق ہو گیا تو اسے قرب تام حاصل ہو گیا۔ اور سالک جس قدر غیر سے دور ہوتا جاتا ہے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر غیر حق سے قطع کرتا چلا جاتا ہے۔ خدا کا وصل مزید در مزید حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۲۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔	حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا تحفہ موت[۱] ہے۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)	اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

لہ صراح میں کہا تحفہ یعنی ہدیہ ہے۔ قاموس میں کہا تحفہ حا ساکن اور اس کی زبر سے بمعنی نیکی، مہربانی اور طرفہ قاموس میں ہی کہا طرفہ طا کی پیش سے۔ بمعنی نیا اور عمدہ مال۔ یعنی پھل وغیرہ۔ صراح میں کہا طرفہ بمعنی پھول۔ مراد یہ ہے کہ موت مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کی طرف سے نیکی اس کی طرف سے نئی نعمت اور کھلا ہوا عمدہ پھول ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ مومن جنت اور اس کے قرب میں پہنچ جاتا ہے اور اسے دنیا کی مشقت اور اس کی شدت و محنت سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۵۲۲/۱۳ وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ	حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ یَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِیْنِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومن پیشانی پر پسینہ آنے سے مرتا ہے[1] (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] بعض نے کہا یہ شدت وسکرات موت سے کنایہ ہے۔ بعض نے کہا پیشانی کا پسینہ وہ علامت ہے جو مومن پر بوقت موت ظاہر ہوتی ہے۔ اس بات کو حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا مومن کو موت سے شدت ومشقت لاحق نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۲۳ (۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَۃِ اَخْذَۃُ الْاَسَفِ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ) وَرَزِیْنٌ فِیْ کِتَابِہٖ اَخْذَۃُ اَسَفٍ لِّلْکَافِرِ وَرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ.

حضرت عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچانک[1] موت خدا تعالیٰ کی گرفت اور اس کا غضب ہے۔ ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں زیادہ کیا کہ اچانک موت کافر کے لیے غضب وگرفت اور مومن کے لیے رحمت ہے[2]

[1] حدیث میں لفظ فجاءۃ ہے۔ فا کی پیش۔ اور مد وقصر اور فا پر زبر کی صورت میں قصر سے بمعنی اچانک وناگہانی اَخْذَۃ ہمزہ کی زبر خاساکن بمعنی یک لخت دیکبارگی۔ اَسَف ہمزہ اور سین کی زبر بمعنی غضب وغصہ اور سین کی زیر سے بمعنی غضب ناک مراد ہے کہ ناگہانی موت بندہ پر غضب الٰہی تعالیٰ شانہ کے آثار وعلامات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے موقعہ نہ دیا کہ وہ توبہ اور عمل صالح سے آخرت کی تیاری کرتا۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ کافر کے لیے اور اس کے لیے ہے جس کا طریقہ محمود اور سیرت صالح نہ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اچانک اسی طرح ایک مرجانا نیکوں کے لیے نیک اور بدوں کے لیے بد ہے۔

[2] یہاں فاسق کا ذکر نہ کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ فاسق مومن میں داخل ہے مگر جو مجمل بیان کی گئی ہے اس کا رجحان اس کے خلاف جانب میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۲۴ (۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَابٍّ وَّھُوَ فِی الْمَوْتِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان پر داخل ہوئے جب کہ وہ حالت موت میں تھا۔ حضور صلی اللہ

فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَرْجُوا اللّٰهَ يَارَسُولَ اللّٰهِ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوْبِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوا وَ اٰمَنَهٗ مِمَّا يَخَافُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

علیہ وسلم نے اس نوجوان سے کہا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالےٰ سے امید رکھتا ہوں اور میں اپنے گناہوں سے ڈرتا بھی ہوں پس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو صفتیں[1] کسی بندے میں اس وقت جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالےٰ اسے وہ دے دیتا ہے جس کی وہ امید[2] رکھتا ہے اور اس سے اسے امن عطا کرتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی خوف و رجاء۔

[2] یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے نوازتا ، اور گرفت اور گناہوں پر سزا سے اسے بچا لیتا ہے۔ جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ غالباً کہ جب رجا کا تعلق خدا سے اور خوف کا تعلق گناہوں سے ہو تو اس میں رجا کا غلبہ اور قوت ظاہر ہوتی ہے۔ یا خوف کا تعلق گناہوں سے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٥٢٥/١٥ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمَنَّوْا الْمَوْتَ فَإِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ وَإِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ أَنْ يَطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْإِنَابَةَ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ اس جائے اطلاع کا خوف بڑا سخت ہے۔ اور یہ چیز سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو لمبی عمر عطا کرے اس کے ساتھ اللہ عزوجل اسے رجوع بھی نصیب کرے۔

(احمد)

[1] حدیث میں لفظ مُطّلع آیا ہے۔ میم کی پیش اور تشدید طا، اور لام کی زبر بمعنی جائے اطلاع۔ اور بلند جگہ اور مطلع جبل اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پہاڑ پر چڑھ سکیں۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے حالات آخرت پر مطلع ہوتے اور قیامت کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ یا وہ امور مراد ہیں۔ جن سے انسان برزخ کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ یعنی موت کی آرزو کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہ وہ تو شدائد و آلام میں پڑنے کا ذریعہ ہے۔ اور عقلمند کی شان یہ ہے کہ وہ اس چیز کی آرزو نہیں کرتا جس سے وہ شدت و بلا میں مبتلا ہو جائے۔ کہ موت نے تو آکر ہی رہنا ہے۔ طیبی نے کہا ہول مطلع سے مراد وہ چیز ہے جس سے بندہ سکرات موت کو جھانکنے لگتا ہے۔ یعنی بندہ موت کی آرزو قلت صبر، صدمات اور تنگ دلی کے باعث کرتا ہے اور جب اس کی آرزو پوری ہوتی ہے تو اسے صدمہ اور تنگ دلی زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ زیادہ غضب و غصہ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی آرزو کرنے سے روکنا اس صورت میں ہے جب کہ بے صبری اور تنگ دلی کی وجہ سے ہو۔ اور جو آرزو شوق لقائے حق اور عالم آخرت سے محبت کی بنا پر ہو وہ ایک دوسری چیز ہے۔

[2] یعنی اپنی ذات پاک کی طرف۔ یہ موت کی آرزو کرنے کی ممانعت کی دوسری علت و وجہ ہے۔ یعنی موت تو بہرحال آنی ہی ہے۔ چند روز دنیا میں رہنا اور کام کرنا اور توشہ آخرت فراہم کرنا غنیمت ہے۔ کیونکہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

۱۵۲۹/۱۶ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَّرَنَا وَرَقَّقَنَا فَبَكَى سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَأَكْثَرَ الْبُكَاءَ فَقَالَ يٰلَيْتَنِي مِتُّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَعْدُ أَعِنْدِي تَتَمَنَّى الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنْ كُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ عُمُرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ہمیں آپ نے آخرت کی یاد دلائی۔ اور ہمارے دلوں کو نرم کر دیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رو پڑے اور بہت روئے اور کہا کاش کہ میں مر چکا ہوتا۔[3] اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد تو میرے سامنے موت کی آرزو کر رہا ہے۔ آپ نے اس بات کا تین بار تکرار کیا۔[4] پھر فرمایا اے سعد اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو تیری عمر جتنی دراز ہوگی اور تیرے عمل اچھے ہوں گے۔ وہ تیرے لیے بہتر

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ سے ہے۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ) (احمد)

لہ یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ۔

لہ اور اس کے حالات اور خوفناک واقعات بیان فرمائے۔

لہ تاکہ دنیا کی محنت و شدت سے نجات پا جاتا۔

لہ یعنی موت کی آرزو ممنوع اور خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس لیے میرے سامنے یہ آرزو کیوں کر رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ میری صحبت اور میری زندگی میں موت کی آرزو کرتا ہے۔ حالانکہ میرے جمال کا مشاہدہ اور میری صحبت کا شرف ہر نعمت سے جو انسان کے تصور میں آسکتی ہے، بہتر ہے۔ اگرچہ تجھے موت کے بعد آخرت کی نعمتیں اور درجات حاصل ہوں گے مگر وہ سب نعمتیں اور درجات میری کریم ذات کے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کے شرف کے برابر نہیں ہیں کیونکہ یہ دنیا میں ہی بہشت نقد ہے۔ کسی درویش سے پوچھا گیا کہ مومن کے لیے زندگی بہتر ہے یا موت اس نے کہا حضور کے زمانہ میں زندگی بہتر تھی۔ آپ کے بعد موت بہتر ہے۔

لہ کہ اس طرح تجھے تو آخرت میں مراتب و درجات حاصل کرنے کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ کلمہ ان کلام عرب میں شک و تردد کے لیے آتا ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ تو پھر ان کنت خلقت للجنۃ اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، کا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس قول کا صدور بشارت سے پہلے ہو۔ یا کلمہ شک و تردد کا لانا معاملہ آخرت کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہو کہ اس کے بارے میں جزم و یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۱۵۲۷ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَتَمَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمْلِكُ دِرْهَمًا وَّ إِنَّ فِي

حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت خباب کے پاس گیا جب کہ حضرت خباب نے اپنے بدن مبارک پر سات جگہ داغ لگا رکھے تھے حضرت خباب نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ البتہ بے شک میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا کہ میں ایک

خَاتِفٌ بَيْتِيَ الْآنَ لَأَرْبَعِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهٖ فَلَمَّا رَاٰهُ بَكٰى وَ قَالَ وَلٰكِنْ حَمْزَةُ لَمْ يُوْجَدْ لَهٗ كَفَنٌ اِلَّا بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ اِذَا جُعِلَتْ عَلٰى رَأْسِهٖ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَيْهِ وَاِذَا جُعِلَتْ عَلٰى قَدَمَيْهِ قَلَصَتْ عَنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى مُدَّتْ عَلٰى رَأْسِهٖ وَجُعِلَ عَلٰى قَدَمَيْهِ الْاِذْخِرُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ اُتِيَ بِكَفَنِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

درہم کا بھی مالک نہ ہوتا تھا اور بے شک اس وقت میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۔ حضرت حارثہ فرماتے ہیں پھر حضرت خباب کا کفن لایا گیا (جو کہ بہت عمدہ تھا) جب اسے دیکھا تو رو پڑے اور کہا لیکن حضرت حمزہ کو کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ جب ان کا کفن ان کے سر کی طرف کھینچا جاتا تھا تو آپ کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور جب آپ کے قدموں کی طرف کھینچا جاتا تو آپ کے سر سے چھوٹا ہو جاتا رہا تک کہ وہ کفن آپ کے سر کی طرف کھینچا گیا اور آپ کے قدموں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس) ڈال دیا گیا۔ احمد و ترمذی لیکن ترمذی نے ثم اُتِيَ بِكَفَنِهٖ کا لفظ ذکر نہ کیا امام بیہقی نے اسے شعب الایمان میں روایت کیا۔

لے حضرت حارثہ بن مُضرب (میم کا پیش ضاد کی زبر۔ را مشددہ کی زیر) آپ مشہور تابعی ہیں۔

ملے خباب خا کی زبر با اولیٰ مشدد۔ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ بدری مہاجرین ہیں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اور ۳۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

سے ہو سکتا ہے کہ آپ موت کی آرزو کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں دنیوی مرض و ضرر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس مرض کی شدت کی بنا پر پھر داغ کرنے کے جواز و کراہت میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق باب الطب میں آرہی ہے یا آپ نے اپنی تونگری اور دولتمندی کی وجہ سے موت کی آرزو کا ارادہ کیا ہو۔ تاکہ دولت کی ریل پیل میں کہیں خاتمہ ہی خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔

سکہ اور کہا اگرچہ شرع میں اچھا کفن پہننا جائز ہے۔ مگر حضرت حمزہ الی آخرہ۔

شہ اذخر (ہمزہ کی زیر۔ ذال معجمہ ساکن) مشہور گھاس ہے جسے مکانوں چھتوں میں ڈالتے ہیں۔ اور قبر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ

مرنے والے کے پاس کیا پڑھا جائے

باب اس امر کے بیان میں کہ جس کا وقت موت آ چکا ہو اس کے پاس کیا پڑھنا چاہیے۔ وقت موت کا آ جانا بطور عادت یقیناً معلوم ہو جاتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ موت کا وقت آ جانے کی علامت یہ ہے کہ اس وقت پاؤں اس قدر سست ہو جاتے ہیں کہ اگر انہیں کھڑا کیا جائے تو کھڑے نہیں رہ سکتے اور ناک کا ٹیڑھا ہو جانا۔ آنکھوں اور کان کے درمیانی حصہ کا لٹک جانا۔ خصیتین سے گوشت کا لمبا ہو جانا۔ کیونکہ اس وقت خصیتین سکڑ جاتے ہیں اس وقت اس کے پاس کیا پڑھا جائے؟ عام ہے کہ لا الہ الا اللہ سے اس کی تلقین کی جائے۔ یا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے۔ اور اس کے لیے دعائے خیر کرنا اور سورۂ یٰسین پڑھنا۔ اور وہ کلمات جو مومن اور کافر کے قبض روح کے وقت ملائکہ پڑھتے ہیں اور اس کی مثل اور کلمات جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۵۲۸/۱ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں[1] کو لا الہ الا اللہ سے تلقین کرو۔ (مسلم)

[1] یعنی جو مرنے کے قریب پہنچ چکے ہوں، کلمہ طیبہ سے ان کی تلقین کرو۔ لفظ تلقین لقن سے مشتق ہے بمعنی جلد سمجھ جانا۔ اور تلقین سمجھانا۔ یہاں تلقین سے مراد کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اس بندے کے سامنے جس پر وقت موت آ چکا ہو۔ بغیر اس کے کہ اسے پڑھنے پر مجبور کریں۔

۱۵۲۹/۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مریض یا میت[1] کے پاس آؤ تو خیر ہی

اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کی دعا کرو کیونکہ بے شک ملائکہ جو کچھ تم اس وقت کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں۔

(مسلم)

سلہ یعنی جو قریب المرگ ہو یہاں کلمہ او راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ اگر مریض سے قریب الموت مراد لیا جائے اور اگر مطلق مراد ہو تو پھر کلمہ او بیان نوع کے لیے ہے۔

سلہ یعنی اپنے لیے خیر کی دعا کرو۔ مریض اور قریب الموت کیلئے شفا اور مغفرت کی۔

۱۵۳۰ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهِ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّيْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے پھر وہ وہ کلمہ کہتا ہے جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے[1]۔ یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون[2] اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کے بدلے بہتر[3] چیز عنایت کر۔ مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر چیز عطا کر دیتا ہے۔ پھر جب حضرت ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا ابو سلمہ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے[4]۔ وہ اول صاحب خانہ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی[5]۔ پھر میں نے[6] یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے انکے بدلے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیئے[7]۔

(مسلم)

سلہ مصیبت کے وقت اور اس کے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

سلہ یعنی ہمارا وجود، ہمارا مال، ہماری اولاد اور ہمارے تمام حالات خدا کے لیے ہیں۔ اور ہم سب خدا تعالیٰ اور سوال و حساب اور اس کے ثواب و عذاب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سلہ یہ کلمہ اجرنی دو طرح روایت کیا گیا ہے۔ ہمزہ ساکن اور جیم پر پیش۔ ہمزہ کی زبر اور لا اور جیم کی زیر معنی دونوں کا ایک ہے یعنی مجھے اجر عطا فرما۔

سکہ یعنی اس مصیبت میں میرا جو کچھ ضائع ہوا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرما۔ اور کلمہ واخلف ہمزہ کی زبر اور خا ساکن اور لام کی زیر۔ اس کا مصدر اخلاف ہے یعنی واپس اور ضائع شدہ چیز کی جگہ دوسری چیز دے دینا مراد اجر و ثواب ہے یا فوت اور ضائع شدہ چیز کی جنس سے اس سے بہتر چیز عطا کرنا۔ جیسا کہ حدیث کا انداز بیان واضح کر رہا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مصیبت میں کوئی مسلمان یہ کلمات نہیں پڑھتا۔ مگر الی آخرہ۔

ھہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی تھی اور جب حضرت ابوسلمہ جو میرے حضور علیہ السلام سے پہلے شوہر تھے فوت ہو گئے۔ تو میں نے حکم کی بجا آوری اور اس دعا کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے یہ دعا پڑھنا چاہی۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ مسلمانوں میں سے کون مسلمان ابوسلمہ سے بہتر ہو سکتا ہے۔ جس کی جگہ اللہ تعالیٰ مجھے افضل مرد عطا کرے گا۔ حالانکہ ابوسلمہ کی شان یہ ہے کہ۔

لتہ علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت سے حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت مراد ہے کیونکہ آپ نے پہلے مدینہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی ان دونوں ہجرتوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابوسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت برۃ بنت عبد المطلب کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

ےہ یعنی میں نے اس گوگو کی کیفیت اور اس امر کو بعید جانتے ہوئے کہ حضرت ابوسلمہ سے بہتر خاوند اب مجھے کہاں ملے گا یہ دعا اللھم اجرنی فی مصیبتی الی آخرہ پڑھ ہی لی۔

شہ کہ میں آپ کے نکاح میں آگئی اور ازواج مطہرات میں داخل ہو گئی۔

۱۵۳۱/۲ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ کے پاس تشریف لائے۔ جب کہ ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں بند کیں، پھر فرمایا بے شک روح جب بندے سے نکل جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے پھر ابوسلمہ

تَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کے اہل خانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کے لیے دعا نہ کرو مگر خیر اور نیکی کی سبب کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر ملائکہ آمین کہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ابو سلمہ کو بخش دے اور اس کا درجہ ہدایت یافتہ بندوں میں بلند فرما۔ اور اس کے پیچھے رہنے والوں کا تو خود خلیفہ بن جا۔ اور اے رب العالمین ہماری اور اس کی مغفرت فرما اور اس کی قبر کشادہ کر۔ اور قبر میں اس کے لیے روشنی کر۔ (مسلم)

لہ جیسا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ حدیث میں واقع لفظ شق شین کی زبر اور بعض کی پیش سے شین کی پیش پڑھنا غیر مختار ہے۔

لہ اور روح کی جانب دیکھتی رہتی ہے اس وجہ سے کھلی رہتی ہے۔ اہل خانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جب یہ الفاظ سنے تو انہیں علم ہو گیا کہ حضرت ابو سلمہ وفات پا گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔

سہ واویلا نہ کرنا۔

سہ یعنی پسماندگان (اولاد، اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کی اولاد کا) اور حفظ صالح میں تو خود ان کا خلیفہ بن جا۔ اس معنی کے مطابق لفظ فی الغابرین فی عقبہ کا بیان ہوگا۔ یا باقی ماندگان یعنی ان کی اولاد اور ہر نسلے والی اولاد اور باقی اور لوگ جو کہ سطح زمین پر باقی اور موجود ہیں۔ اس صورت میں فی الغابرین عقبہ کی صفت ہے۔ اور لفظ وا خلفہ میں ہمزہ وصل ہے اور لام پر پیش اور لفظ عقبہ قاف کی زیر سے لغت کی کتاب صحاح میں کہا لفظ عقب اور عقیب بمعنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کی اولاد۔

۱۵۳۲/۵ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تُوُفِّیَ سُجِّیَ بِبُرْدٍ حِبَرَۃٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کو حبرہ نامی گاؤں کی بنی ہوئی چادر میں لپیٹا گیا (کفن دیا گیا) (بخاری و مسلم)

لہ حبرۃ حا کی زیر با کی زبر دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۲۳ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا[1] وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(ابوداؤد)

[1] اس حدیث میں میت کو تلقین کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جس کا اثر اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔

۱۵۲۴ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوْا سُوْرَۃَ یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت معقل[1] بن یسار[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو[3]

(احمد۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] مَعْقِل میم کا زبر عین ساکن قاف کی زیر۔

[2] یسار یا اور سین مہملہ۔ آپ صحابی ہیں شجرۃ الرضوان کے اصحاب بیعت میں سے ہیں، بصرہ میں سکونت تھی۔ کی سلافہ بصرہ میں معقل نامی نہر انہی کی جانب منسوب ہے۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ آپ حضرت معاویہ کے دورِ حکومت کے آخری ایام تک زندہ رہے۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ مردہ سے وہ مراد ہے جس کی موت کا وقت آ چکا ہو۔ امت کا عمل بھی اسی پر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بعد از موت اس کے گھر میں یا اس کی قبر پر یہ سورت پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ اس سورت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے تو اس کا علم نبی پاک علیہ السلام کو ہی ہے اور اصول دین میں سے کسی اصل پر مشتمل ہے۔ طیبی نے کہا پڑھنے کا حکم اس سورت اور دوسری کے درمیان مشترک ہے۔ ظاہر یہ ہے (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ وہ پوشیدہ راز اس سورت کے ابتداء میں ہی موجود ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق نہایت مؤکدہ طریقہ سے۔ پھر سورۃ کا خاتمہ جو درگاہِ صمدیت کی طرف رجوع پر مشتمل ہے جو کہ اس وقت و حال کے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کنت کنزًا مخفیًا (؟)

الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔ پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور اسی کی جانب تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سورۃ کے اس قدر فضائل ومناقب کس وجہ سے ہیں۔ آخرکار مجھے پتہ چل گیا کہ اس وجہ سے ہیں۔

۱۵۳۵/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ حَتّٰى سَالَ دُمُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون[1] رضی اللہ عنہ کا منہ مبارک چوما جب کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسو حضرت عثمان[2] کے چہرہ انور پہ بہ پڑے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) (ابن ماجہ)

[1] مظعون ظاء معجمہ کے ساتھ۔

[2] حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ آکر رحلت کی اور سب سے پہلے شخص ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد جنت البقیع قبرستان کی شکل اختیار کر گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کی قبر مبارک پر رکھا تاکہ ان کی قبر کا نشان بنا رہے مروی ہے کہ مروان نے اپنے دور حکومت میں وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پہ رکھ دیا۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت پاک ہوتا ہے مگر بعض علماء میت کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب غسل میت میں آرہی ہے۔

۱۵۳۶/۹ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوما جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال کر چکے تھے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱۵۳۷ وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن البراء بیمار پڑ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔

وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْا بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

اور فرمایا بے شک میں نہیں دیکھتا طلحہ کو مگر یہ کہ اس پر موت کا وقت آچکا ہے تو مجھے اس کے بارے میں اطلاع دینا۔ اور اس کے کفن دفن میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان مردے کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اپنے اہل خانہ کے درمیان روک رکھا جائے۔

(ابوداؤد)

سلہ حصین حا کی پیش صاد کی زبر۔

سلہ وحوح دو واوں کی پیش کے ساتھ۔ بعض نے کہا دونوں واؤں پر زبر ہے۔ یہ دوسری روایت زیادہ مشہور اور زیادہ درست ہے۔ اور سیلی حا ساکن آپ انصاری صحابی ہیں۔ اہل بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

سلہ حضرت طلحہ بن البراء انصاری صحابی ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

سکہ متن حدیث میں لفظ اُرٰی آیا ہے۔ یعنی میں گمان کرتا ہوں۔

شہ تاکہ میں آجاؤں اور اس پر نماز جنازہ پڑھوں۔ کیونکہ اس کے گندہ ہونے اور بدبو چھوڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس سے لوگ اسے برا اور کروہ و ناپاک شمار نہ کرنے لگیں۔ حالانکہ مومن اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہوتا ہے اسی اندیشے کی جانب اشارہ کے لیے حدیث میں اسے جیفہ یعنی مردار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ گندہ ہونا شروع ہو جائے اور جیفہ جسم میت کو کہتے ہیں جس کے بدبو چھوڑنے کا امکان ہوتا ہے۔

پھر لفظ ظہرانی نا مد ہے۔ اس کی تحقیق شرح (عربی) میں کردی گئی ہے۔ حضرت طلحہ بن البراء انصاری ہیں۔ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم الق طلحۃ وانت تضحک الیہ ضاو ہو یضحک الیک۔ اے اللہ طلحہ سے اس حالت میں ملاقات کرنا کہ تو اس سے خوش ہو۔ اور ایک روایت میں ہے اور وہ تجھ سے خوش ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۲۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو یہ تلقین کیا کرو لا اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِلْاَحْيَاءِ قَالَ اَجْوَدُ وَ اَجْوَدُ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

معبود نہیں۔ وہ علم والا، کرم والا، پاک اور عرش عظیم کا مالک، ساری حمدیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دعا زندوں کے لیے کیسی ہے۔ فرمایا بہت اچھی۔ بہت اچھی ہے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب قرشی ہاشمی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ آپ بڑے سخی، خوش طبع، بردبار، بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ لوگ انہیں بحرالجود (سخاوت کا سمندر) کہتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اسلام میں ان سے سخی تر کوئی شخص نہیں ہوا۔

۲؎ اللہ تعالیٰ کو ان دو اوصاف سے موصوف کرنا دراصل عفو و کرم الٰہی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مرنے والا اس کے عفو و کرم کی امید میں جان دے دے۔

۳؎ اس میں خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی جانب اشارہ ہے۔ تاکہ درگاہ الٰہی میں نعمت و عزت کے ساتھ حاضر ہونے کے شوق میں پہنچے۔

۴؎ یعنی اس محنت آباد دنیا سے شکر و رضا کی حالت میں جانے پر اللہ ہی کے لیے سب حمدیں ہیں۔ تاکہ معنی ربوبیت کے حضور و تصور سے اللہ تعالیٰ کے فیض و فضل کے لیے تیار و مستعد رہے۔

۵؎ یعنی یا رسول اللہ اگر یہ اذکار ہم زندوں کو بھی سکھائیں اور تلقین کریں تو کیسا ہے۔

۶؎ آپ نے فرمایا بہت بہتر بہت بہتر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ذکر مردے اور زندے دونوں کے لیے شغلِ قلب اور جلائے روح کا سبب ہے۔ اور ان صفات و معانی کو مرنے والے کے ذہن میں حاضر کرنا ذوقِ حیات جاودانی کا موجب ہے۔ ؎

مردہ و زندہ من در قدمت خواہد بود

میں مردہ اور زندہ دونوں حالتوں میں تیرے قدموں میں ہی رہوں گا

۱۵۳۹ — ۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اگر آدمی نیک ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں۔ اے پاک روح نکل

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ
كَانَتْ فِی الْجَسَدِ الطَّیِّبِ اُخْرُجِیْ
حَمِیْدَةً وَّاَبْشِرِیْ بِرَوْحٍ وَّ
رَیْحَانٍ وَّ رَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ
فَلَا تَزَالُ یُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ
حَتّٰی تَخْرُجَ ثُمَّ یُعْرَجُ
بِهَا اِلَی السَّمَآءِ فَیُفْتَحُ لَهَا
فَیُقَالُ مَنْ هٰذَا فَیَقُوْلُوْنَ
فُلَانٌ فَیُقَالُ مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ
الطَّیِّبَةِ كَانَتْ فِی الْجَسَدِ
الطَّیِّبِ اُدْخُلِیْ حَمِیْدَةً وَّ
اَبْشِرِیْ بِرَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ وَّ
رَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ
یُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰی تَنْتَهِیَ
اِلَی السَّمَآءِ الَّتِیْ فِیْهَا اللّٰهُ
وَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ
اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ
كَانَتْ فِی الْجَسَدِ الْخَبِیْثِ اُخْرُجِیْ
ذَمِیْمَةً وَّ اَبْشِرِیْ بِحَمِیْمٍ
وَّغَسَّاقٍ وَّ اٰخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ
اَزْوَاجٌ فَمَا تَزَالُ یُقَالُ لَهَا
ذٰلِكَ حَتّٰی تَخْرُجَ ثُمَّ یُعْرَجُ
بِهَا اِلَی السَّمَآءِ فَیُفْتَحُ لَهَا
فَیُقَالُ مَنْ هٰذَا فَیُقَالُ فُلَانٌ
فَیُقَالُ لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِیْثَةِ

جو پاک جسم میں تھی، نکل، قابل تعریف، خیریت و راحت کی حالت میں، اور پاک رزق کے ساتھ، اور راضی رب کی بشارت حاصل کر۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے لیے آسمان کھولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ یہ کون ہے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ یہ فلاں ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ خوش آمدید پاک روح جو پاک جسم میں تھی۔ داخل ہو قابل تعریف حالت میں اور تجھے خیریت و راحت ہے۔ تجھے پاک رزق اور راضی رب کی بشارت ہو۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ جس میں اللہ تعالٰے کی تجلی ہے۔ اور جب برا آدمی ہوتا ہے تو کہتے ہیں۔ اے خبیث جان نکل۔ جو خبیث جسم میں تھی نکل لائق ملامت ہوکر۔ تجھے کھولتے پانی، پیپ اور اس کے ہم شکل دوسرے عذابوں کی بشارت۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو اس کے لیے آسمان کھلوایا جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں۔ تو کہا جاتا ہے اس کے لیے مرحبا نہیں۔ خبیث جان ہے جو خبیث جسم میں تھی۔ قابل ملامت حالت میں لوٹ جا۔ کیونکہ تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں

كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ ارْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کھل سکتے۔ پھر اسے آسمان سے پھینکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قبر میں آ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے مرنے کے وقت۔

۲؎ تو اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی تو خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابل تعریف و ستائش ہے۔

۴؎ جو تجھے بہشت یا برزخ میں عطا ہوگا۔

۵؎ یعنی آسمان کے دربان۔

۶؎ یعنی اس کی روح کو اٹھا کر لے جانے والے۔

۷؎ یعنی اس کا نام و نشان ذکر کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ اسے پوری طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

۸؎ اور اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں۔

۹؎ یعنی جہاں خدا تعالےٰ کی قدرت اور رحمت خاص کا نزول ہوتا ہے۔

۱۰؎ حمیم یعنی گرم پانی۔ اور پیپ جو دوزخیوں کے جسموں سے ٹپک ٹپک کر بہ رہی ہوتی ہے۔ لفظ غساق سین کی شد اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ صراح میں کہا غساق ٹھنڈا اور گندہ پانی۔

۱۵۴۳ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَ ذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَ يَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى جَسَدٍ

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کی روح نکل آتی ہے۔ تو اسے دو فرشتے ملتے ہیں۔ جو اسے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں حمادؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عمدہ خوشبو اور مشک کا ذکر فرمایا۔ فرمایا کہ آسمان والے کہتے ہیں۔ یک روح زمین کی طرف سے آئی اللہ تجھ پہ اور اس جسم پر رحمتیں کرے جسے تو آباد کرتی تھی۔ پھر اسے رب تعالےٰ کے

تَمْرِيْنَهُ فَيُنْطَلَقُ اِلٰى رَبِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْنًا وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ فَيُقَالُ انْطَلِقُوْا اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلٰى اَنْفِهٖ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پاس لے جاتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اسے آخر وقت تک وہیں پہنچادو۔ فرمایا کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ حماد فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر فرمایا آسمان والے کہتے ہیں۔ خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ تو کہا جاتا ہے اسے میعاد تک کے لیے لے جاؤ۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تھی۔ اسے حضور نے اس طرح اپنی ناک سے لگا لیا۔

لہ یعنی حماد نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

لہ یا حضرت ابوہریرہ نے۔ اس کی روح کی خوشبو کا ذکر فرمایا کہ اس روح سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔

لہ یہ عبارت اس لیے ہے کہ راوی کو وہ مخصوص الفاظ جو سنے تھے یاد نہ رہے تھے۔

لہ حضرت ابوہریرہ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لہ اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

لہ اور اسے زندہ رکھتی تھی۔

لہ آخر مدت سے قیامت مراد ہے۔ یعنی اس مدت تک جس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ اس سے برزخ مراد ہے یعنی اسے اس مکان میں لے جاؤ جو روزِ حشر تک اس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے دو اجلیں ہیں۔ اجل اول اور اجل آخر۔ اجل اول موت اور اجل آخر قیامت ہے۔ اور آیہ کریمہ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ کہ (پھر اس نے اجل کا فیصلہ کیا اور ایک اور اجل ہے جو اس کے پاس ہے) دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

لہ یا حضرت ابوہریرہ نے۔

ف۹ حدیث میں عربی لفظ ریطۃ ہے۔ صراح میں ہے ریطۃ را کی زبر سے وہ مضبوط اور دونی چادر جسے عورتیں سر پر رکھتی ہیں۔

ف۱۰ یہ حضرت ابوہریرہ کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے اپنی چادر ناک پر رکھتے ہوئے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چادر مبارک ناک مبارک پر رکھنے کے فعل کا نقشہ بیان فرمایا۔

١٥٣١/١٤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ أَتَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَاءَ فَيَقُوْلُوْنَ اخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَرْضِيًّا عَنْكِ إِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَأَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰى لَيُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَأْتُوْا بِهِ أَبْوَابَ السَّمَاءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحَ الَّتِيْ جَاءَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَيَأْتُوْنَ بِهِ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ أَشَدُّ فَرَحًا بِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِغَائِبِهِ يَقْدَمُ عَلَيْهِ فَيَسْأَلُوْنَهُ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَإِنَّهُ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ أَمَا أَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهِ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کو موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم لے کر آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں تو راضی خوشی نکل اللہ تعالے تجھ سے راضی ہے۔ اللہ کی راحت، روحانی رزق اور راضی رب کی طرف چل۔ تو وہ بہترین مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے۔ یہاں تک کہ فرشتے وہ روح آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور اسے آسمان کے دروازوں تک لاتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں یہ کیا ہی اچھی خوشبو ہے جو زمین سے تمہیں آئی۔ پھر اسے مسلمانوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں۔ اہل ایمان اس کی وجہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسے تم کو اپنے کسی گم شدہ آدمی کے آنے سے خوشی ہوتا ہے۔ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کیا کرتا ہے۔ فلاں کیا کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں اسے چھوڑو یہ دنیا کے غم میں تھا۔ یہ کہتا ہے کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے اس کی ماں ھاویہ دوزخ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اور جب کافر کی موت آتی ہے تو اس کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر

اُحْتُضِرَ اَتَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَاَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ بَابَ الْاَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحَ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نکل اس حال میں کہ تو رب سے ناراض تجھ سے رب ناراض۔ اللہ کے عذاب کی طرف چل تو وہ مردار کی سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ کیسی سخت بدبو ہے۔ یہاں تک کہ اسے کفار کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(احمد)

(نسائی)

۱؎ یعنی رحمت وعنایت خداوندی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عاقبت کار کی خبر واطلاع مراد ہو یعنی جنت کی نعمتیں۔

۲؎ یعنی روح مومن اس خوشبو کے ساتھ جسم سے باہر آتی ہے۔

۳؎ یعنی فرشتے اسے دست بدست لے کر جاتے ہیں۔

۴؎ یعنی گم شدہ آدمی کے سفر سے واپس آجانے سے خوش ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی دنیا میں ان کی جن جن سے آشنائی تھی ان کا نام لے لے کر ان کا حال احوال دریافت کرتے ہیں۔

۶؎ یعنی اسے چھوڑ دو اس سے نہ پوچھو اور اسے مشقت میں نہ ڈالو کہ یہ دنیا کے غم میں تھا اور وہاں سے غم زدہ حالت میں یہاں آرہا ہے۔ یہاں تک کہ یہ آرام کرلے اور اپنی حالت پر قائم ہولے۔ پھر اس سے ان کے حالات دریافت کرنا۔

۷؎ یعنی حالت درست ہونے اور ہوش وحواس قائم ہونے پر کہتا ہے کہ جس کا حال تم دریافت کر رہے ہو وہ تو مر چکا ہے۔ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔

۸؎ یعنی جب وہ اطلاع دیتا ہے کہ وہ تو مر چکا ہے اور مومنین کی روحیں اسے اپنے اندر نہیں پاتیں۔ تو ایک دوسری سے کہتی ہے کہ اسے اس کی ماں ھاویہ دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور قرآن حکیم میں آتش دوزخ کو دوزخی کی ماں کہہ کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (اس کی ماں ھاویہ دوزخ ہے) آتش دوزخ کو اس کی ماں آگ کے اس کا احاطہ کرنے پر مشتمل ہونے اور اس کے قریب اور متصل ہونے کی بنا پر یہ کہا گیا ہے۔

۹؎ یعنی سنیت کو دو ٹاٹ۔ جیسا کہ مومن کی روح کے لیے سفید ریشم لے کر آتے ہیں۔ حدیث میں لفظ مسح آیا۔

میم کی زبر اور سین ساکن بمعنی ٹاٹ ۔

۱۰؎ یعنی زمین والے آسمان کے درمیان تک جیسا کہ گزشتہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آسمان سے زمین کے بالکل نیچے پھینک دیتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

۱۵۴۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ وَفِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَنْكُتُ بِهٖ فِي الْاَرْضِ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ مَلٰئِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ اَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَيَقُوْلُ اَيَّتُهَا

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے قبر پر پہنچے جو ابھی تیار نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ اور ہم لوگ آپ کے آس پاس اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ جیسے سروں پر پرندے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جس سے آپ زمین کریدنے لگے۔ پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور دو یا تین بار فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ سے پناہ مانگو۔ پھر فرمایا بندہ مومن جب دنیا سے روانہ ہو کر آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس پر آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے اترتے ہیں۔ گویا ان کے چہرے سورج ہیں۔ جن کے ساتھ جنت کے کفنوں سے کفن اور وہاں کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ میت کی تا حد نگاہ بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں۔ اے پاک روح اللہ کی بخشش اور رضا کی طرف چل تو وہ (روح) نکلتی ہے ایسی بہتی ہوئی جس طرح مشک سے پانی۔ ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ جب لیتے ہیں تو فرشتے ان کے ہاتھ میں پل بھر کے لیے بھی نہیں چھوڑتے۔ حتیٰ کہ

النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَاءِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهٗ مِنْ كُلِّ سَمَآءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَآءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا

اسے لے لیتے ہیں۔ اور اسے اس کفن اور خوشبو میں ڈال لیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی عمدہ خوشبو نکلتی ہے جیسے روئے زمین کی بہترین مشک سے۔ فرمایا اسے لے کر چڑھتے ہیں۔ تو فرشتوں کی کسی جماعت پر سے نہیں گزرتے مگر وہ کہتے ہیں یہ کیا ہی عمدہ خوشبو ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کا وہ اعلیٰ نام لے کر جو دنیا میں لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ اور اس کے لیے کھلواتے ہیں۔ تو وہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اسے ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچانے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھو اور اسے زمین کی طرف واپس کر دو۔ کیونکہ میں نے انہیں زمین سے ہی پیدا کیا اور وہاں ہی انہیں لوٹاؤں گا۔ اور وہاں ہی سے دوبارہ انہیں نکالوں گا۔ فرمایا تب اس کی روح جسم میں واپس کی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے وہ کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں یہ صاحب کون ہیں۔ جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا۔ یہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی۔ تو آسمان سے

أَخْرَجُوهُمْ تَارَةً أُخْرَى قَالَ فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ فَيَقُولُ دِينِيَ الْإِسْلَامُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولَانِ لَهُ وَمَا عِلْمُكَ فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهِ فَصَدَّقْتُ فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيبِهَا فَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ قَالَ وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيحِ فَيَقُولُ أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ فَيَقُولُ لَهُ مَنْ أَنْتَ وَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُولُ أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُولُ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ

پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ۔ اسے جنتی لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ فرمایا تو اس تک جنت کی راحت و خوشبو آتی ہے تا حد نگاہ اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے۔ فرمایا اور اس کے پاس ایک خوبصورت اچھے کپڑوں اچھی خوشبو والا شخص آتا ہے۔ اور کہتا ہے اس سے خوش ہو جو تجھے مسرور کرے گی یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا بندہ مومن کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ بھلائی لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں تو بندہ کہتا ہے یارب قیامت قائم کر قیامت قائم کرتا کہ میں اپنے گھر بار اور مال تاع میں پہنچوں۔ فرمایا کہ بندہ کافر جب دنیا کے خاتمہ اور آخرت کی آمد میں ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ تو وہ اس کافر کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث جان رب کی ناراضگی کی طرف نکل، فرمایا کہ جان اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے۔ وہ اسے ایسا کھینچتے ہیں جیسے گرم سیخ بھیگی اون سے کھینچی جاتی ہے پھر اسے لے لیتے ہیں جب لے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے وہ جان ملک الموت کے ہاتھ میں پلک جھپکنے تک نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے ان

حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ
قَالَ وَ اِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ
اِذَا كَانَ فِیْ انْقِطَاعٍ مِّنَ
الدُّنْيَا وَ اِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ
نَزَلَ اِلَيْهِ مِنَ السَّمَآءِ مَلٰٓئِكَةٌ
سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ
فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ
ثُمَّ يَجِیْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰی
يَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَيَقُوْلُ
اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اُخْرُجِیْ
اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ قَالَ
فَتَفَرَّقُ فِیْ جَسَدِهٖ فَيَنْتَزِعُهَا
كَمَا يُنْزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ
الْمَبْلُوْلِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا
لَمْ يَدَعُوْهَا فِیْ يَدِهٖ طَرْفَةَ
عَيْنٍ حَتّٰی يَجْعَلُوْهَا فِیْ تِلْكَ
الْمُسُوْحِ وَتَخْرُجُ مِنْهَا كَاَنْتَنِ
رِيْحِ جِيْفَةٍ وُّجِدَتْ عَلٰی
وَجْهِ الْاَرْضِ فَيَصْعَدُوْنَ
بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰی
مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا
مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُوْنَ
فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَقْبَحِ اَسْمَآئِهِ
الَّتِیْ كَانَ يُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْيَا
حَتّٰی يُنْتَهٰی بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ

ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اس سے روئے
زمین کے بدترین مردار کی سی سخت بدبو
نکلتی ہے۔ وہ اسے لے کر چڑھ جاتے ہیں۔
اور فرشتوں کی کسی جماعت پر نہیں گزرتے گروہ یہی
کہتی ہے کہ یہ خبیث جان کون ہے وہ اس کے
دنیوی بدترین ناموں سے جن سے موسوم کیا جاتا
تھا نام لے کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں فلاں کا بیٹا۔ یہاں
تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔
تو اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا
ہے مگر وہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ان کے لیے آسمان
کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ
وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ
اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے" پھر
رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین
کے سجین میں لکھو۔ پھر اس کی جان پٹخ دی جاتی ہے
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی
اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان
سے گر گیا جسے پرندے اچک لیتے ہیں۔ یا اسے دور
جگہ میں ہوا پھینک دیتی ہے" پھر اس کی روح اس
کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو
فرشتے آتے ہیں۔ اور اسے بٹھاتے ہیں۔ اور
کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے
افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے
وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر

الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُ لَهٗ فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِيْ سِجِّيْنٍ فِي الْاَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَأَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ

کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اس وقت آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولو۔ تو اس تک دوزخ کی گرمی اور وہاں کی لو آتی ہے اس کی قبر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک بدشکل برے لباس والا بدبودار آدمی آتا ہے۔ اور کہتا ہے اس کی خبر سے جو تجھے غم میں مبتلا کرے گی۔ یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا وہ کہتا ہے کہ تو کون ہے تیرا چہرہ شر (ڈر) لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرے برے اعمال ہوں۔ اور کہتا ہے الٰہی قیامت قائم نہ کرنا۔ اور ایک روایت میں اسی کی مثل ہے۔ اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب مومن کی جان نکلتی ہے۔

عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ
اَضْلَاعُهُ وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ
الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ
الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ
يَسُوْءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ
كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ
فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِّ
فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ
فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ
وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَزَادَ
فِيْهِ اِذَا خَرَجَ رُوْحُهُ صَلّٰى
عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ
وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ
لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا
وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ
يَعْرُجَ بِرُوْحِهِ مِنْ قِبَلِهِمْ
وَتُنْزَعُ نَفْسُهُ يَعْنِي الْكَافِرَ
مَعَ الْعُرُوْقِ فَيَلْعَنُهُ كُلُّ
مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَ
تُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ
مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ
يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ لَا يَعْرُجَ
رُوْحُهُ مِنْ قِبَلِهِمْ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

تو آسمان و زمین کے درمیان
کے سارے فرشتے اس
پر دعا کرتے ہیں۔ اور اس
کے لیے آسمان کے دروازے
کھول دیے جاتے ہیں اور ہر
دروازے والے یہی دعا
کرتے ہیں کہ اس کی روح
ان کی طرف سے چڑھے۔ اور
کافر کی جان اس کی رگوں کے ساتھ
نکالی جاتی ہے۔ اس پر آسمان
وزمین کے درمیان والے
سارے فرشتے اور آسمان
کے سارے فرشتے لعنت کرتے
ہیں۔ اور آسمان کے دروازے
بند کر دیے جاتے ہیں۔ ہر
دروازے والے یہی
دعا کرتے ہیں کہ الٰہی
اس کی روح ان کی
طرف سے نہ چڑھے۔

سلہ یعنی اس ہیبت اور ادب و وقار سے سر جھکائے ہوئے اور بالکل ساکن اور خاموش گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اگر ہم سر ہلائیں اور دائیں بائیں دیکھیں تو پرندے اڑ جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام کا اس طرح ادب و وقار سے بیٹھنا بہت سی احادیث میں مذکور ہے۔

سلہ جیسے کوئی فکر مند اور غمگین انسان زمین پر بیٹھ کر لکڑی سے لکیریں کھینچتا ہے۔

سلہ حدیث کے عربی الفاظ میں خوشبو کے لیے لفظ حنوط آیا ہے۔ حا کی زبر سے۔ بمعنی میت کا خوشبو جو اس کے کفن اور بدن کو لگائی جاتی ہے۔

سلہ جس کا نام عزرائیل ہے۔

سلہ حدیث میں لفظ مسک سین کی زیر سے آیا ہے۔ بمعنی مشک

سلہ یعنی جب ملک الموت بندے کی روح قبض کرتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیتا ہے جن کے ہاتھ میں جنت سے لایا ہوا کفن ہوتا ہے۔

سلہ یعنی اس کی روح کو ساتھ لے کر۔

سلہ اور یہ کون شخص ہے۔

سلہ جیسے اس کے وہ القاب جو اس کی مدح پر دلالت کرتے ہیں۔

سلہ علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے۔

سلہ یعنی اس روح کو اس کے بدن میں واپس لے جاؤ جو زمین میں دفن ہے۔

سلہ جس طرح میں نے پہلے ان کو زمین سے پیدا کیا تھا۔

سلہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف کی جانب اشارہ ہے۔

سلہ کہ تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جاننے کی کیا دلیل ہے۔ اور تو کس بنا پر آپ کو رسول کہتا ہے۔

سلہ وہ جواب دیتا ہے میں نے قرآن پڑھا ہے جو کہ معجزہ ہے۔

سلہ یہاں دو طریقے ہیں۔ ایک اثبات نبوت معجزہ سے اور حضور کے قول مبارک سے قرآن کی قرآنیت کا ثبوت دوسرا قرآن کا اثبات اس کے اعجاز سے اور نبوت کا اثبات قرآن سے حدیث کی تقریر دوسری وجہ کی جانب مائل ہے۔

سلہ حدیث میں وارد لفظ أمنر شوہ ہمزہ کی زبر سے اور ہمزہ قطعی ہے۔

سلہ یعنی جہاں تک اس کی نظر کام کرتی ہے

۱۹؎ حدیث میں واقع لفظ البشر البشارۃ سے ہے جس کا معنیٰ ہے خوشخبری دینا اور بمعنی خوش ہونا بھی آتا ہے۔

۲۰؎ یعنی تیرا چہرہ حسن و جمال میں نہایت کامل ہے۔

۲۱؎ یعنی تیرا چہرہ خیر و بھلائی لاتا اور اس کی بشارت دیتا ہے اور ایسے خوبصورت چہرے کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ نیکی و بشارت کا موجب بنے۔

۲۲؎ یعنی میں تیرا نیک عمل ہوں جو اس صورت میں متمثل ہو کر تیرے سامنے آیا ہوں۔

۲۳؎ یعنی مجھے زندہ کرتا کہ میں دنیا کی طرف واپس جاؤں۔ اور زیادہ نیک عمل کروں۔ تاکہ میرا ثواب و درجہ زیادہ ہو جائے۔ تاہم چونکہ اسے معلوم ہو چکا ہوتا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی قیامت کو ہو گی۔ اس لیے وہ خدا سے طلب کرتا ہے کہ قیامت قائم ہو۔ دراصل وہ اس سے کنایۃ کرتا ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے رمقام رسنا لیا ہی کہا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے قول حتی ارجع الی اھلی ومالی (تاکہ میں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ کر جا سکوں) نہایت سرور و خوشحالی کی بنا پر ہو۔ اور اس کی ان کی طرف واپس جانے کی آرزو انہیں اس سرور و شادمانی سے آگاہ کرنے کے لیے ہو۔ جس طرح ایک مسافر کہتا اور آرزو کرتا ہے جسے غریب الوطنی میں آرام و آسائش حاصل ہوتی ہے۔ کہ میرے عزیز و اقارب میرے اس حال سے واقف و آگاہ ہوں۔

۲۴؎ یعنی اس کی روح جسم میں ادھر ادھر بھاگتی، جسم کی گہرائیوں میں ڈرتی اور اس سے باہر آنے سے گریز کرتی ہے کیونکہ قہر الٰہی کو دیکھ کر جسم سے باہر آنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ مشاہدہ انوار اور لطف و کرم کے آثار دیکھ کر خوشی اور نشاط و سرور کے ساتھ بدن سے جلد باہر آنا چاہتی ہے۔

۲۵؎ اور کھینچنے سے اون کے کچھ اجزاء بھی اس سیخ کے ساتھ باہر آتے ہیں۔ اسی طرح جب کافر کی روح جسم سے کھینچی جاتی ہے۔ اور رگوں کی گہرائیوں سے قوت و سختی سے جب اسے باہر نکالا جاتا ہے تو اس کی رگیں بھی اس کے ساتھ کھینچی ہوئی باہر آتی ہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آرہا ہے۔ ان الفاظ حدیث میں انتہائی درد و رنج پہنچانے کا بیان ہے۔ حدیث کے عربی الفاظ میں واقع لفظ سَفُّود سین کی زبر فا کی شد بر وزن تنور یعنی وہ سیخیں جن پر کباب بنائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بھٹے ہوئے گوشت کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھیگی اون میں سے گرم سیخ کو کھینچا جائے۔ تو اون کا کچھ حصہ سیخ کے ساتھ چمٹا رہ جاتا ہے۔

۲۶؎ مختصر یہ کہ کافر کا حال مومن کے حال سے مختلف ہوتا ہے۔ مومن کے لیے فرمایا کہ فرشتے اسے اس جنتی کفن میں ڈال لیتے ہیں۔ اور کافر کی روح کو ان ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں۔ مومن کے لیے فرمایا کہ اس کی روح سے نفیس ترین خوشبو مہک رہی ہوتی ہے۔ اور کافر کی روح سے بدترین مردار کی بدبو آتی ہے۔ مومن کے لیے فرمایا یہ کتنی طیب اور پاکیزہ روح ہے۔ کافر کے لیے فرمایا ھذا الروح الخبیث یہ خبیث روح پھر کیسے یہ فرمایا کہ اسے سب

سے اچھے نام سے بلایا جاتا ہے۔ کافر کے لیے فرمایا کہ اسے بدترین نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲۷؎ سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ کا نام ہے۔ جیسے علیین ساتویں آسمان کے اوپر ایک جگہ کا نام ہے۔

۲۸؎ یعنی بہت ہی بلندی سے جو ایمان و توحید کی بلندی ہے اکفر و شرک کے گڑھے میں گر گیا۔

۲۹؎ یہ مسلک خواہشات کی تمثیل ہے جو انسان الکا کو پراگندہ رکھتی ہیں۔ اور اسے ذلت و خواری کی وادی میں ڈال کر تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

۳۰؎ اس میں شیطان کے اسے گمراہی میں ڈالنے اور مقام قرب و وصول سے دور پھینک دینے کی تمثیل ہے پہلی میں صرف فنا و ہلاکت کا بیان ہے۔ دوسری میں بعد و محرومی کا ذکر ہے۔ اور مشرک بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ گروہ جس کی نجات و خلاصی کی قطعاً کوئی امید نہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس کے توبہ کر لینے سے نجات کی امید ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر ان کا توبہ کی طرف آنا بعید اور مشکل ہے۔ کذا قال البیضاوی رحمۃ اللہ۔

۳۱؎ یاد رہے اس حدیث میں واقع کلمہ ھاہ ھاہ اظہار حسرت و حیرت کے لیے آتا ہے۔ مومن کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ میرے بندے نے سچ کہا۔ مگر کافر کے بیان میں صرف ان کذب (وہ جھوٹا ہے) کہا عبدی کا کلمہ نہ فرمایا۔ اور مومن کے لیے فرمایا من روحھا و طیبھا کہ اس تک جنت کی راحت اور خوشبو پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس کافر کے لیے فرمایا من حرھا و سمومھا کہ اس تک دوزخ کی تپش اور زہریلی ہوا پہنچتی ہے۔ سموم (سین کی زبر) گرم ہوا۔ اضلاع پہلو کی ہڈیاں۔ یعنی کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیوں کو ادھر ادھر کر دیتی ہے۔ اور یہاں توعد کا لفظ وعید سے مشتق ہے۔ جیسا کہ مومن کے حال میں۔ یہ لفظ وعدہ سے مشتق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں بھی بطور تہکم و استہزاء وعدہ سے ہی مشتق ہو۔ جیسا کہ کافر کے لیے لفظ البشرا استعمال فرمایا۔

۳۲؎ یعنی اس روایت کے معنی یہی ہیں صرف الفاظ دوسرے ہیں۔

۳۳؎ بعض نسخوں میں فتحت الباب السماء میں لفتحت لہ ابواب السماء آیا ہے۔ یعنی اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

۳۴؎ جیسا کہ گزشتہ روایت میں مذکور ہوا۔

۱۵۴۳/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ اَتَتْهُ اُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَآءِ بْنِ

حضرت عبدالرحمن بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ عبدالرحمن نے کہا جب کعب کا وقت آیا تو ان کے پاس ام بشر بنت البراء بن معرور آئی۔ اور کہا اے ابو عبدالرحمن اگر

مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنْ لَقِيْتَ فُلَانًا فَاقْرَءْ عَلَيْهِ مِنِّي السَّلَامَ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ يَا اُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ اَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى قَالَتْ فَهُوَ ذَاكَ.

تیری فلاں شخص سے ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ اس پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے۔ اے ام بشر ہم تو اس اس کام سے بہت زیادہ مشغول و معروف ہوں گے حضرت ام بشر نے کہا اے عبدالرحمٰن تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں ہوں گی، جو جنت کے درختوں میں چرتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ام بشر نے کہا تو وہ یہی ہے۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے اسے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ اور شعراء اسلام میں سے ہیں۔ غزوہ تبوک سے ان کے پیچھے رہ جانے اور ان کی توبہ کا قصہ مشہور و معروف اور نص قرآن میں مذکور ہے۔

[3] حضرت ام بشر حضرت براء بن معرور (میم کی زبر عین ساکن راء اول پر پیش) کی بیٹی ہیں۔ انصار میں سے ہیں۔ عقبہ کی رات سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت براء ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ میں فوت ہونے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت ام بشر کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

۱۵۴۳ وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعْلُقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ

انہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکایا جاتا ہے حتیٰ کہ جس دن اللہ تعالیٰ اُسے اٹھائے گا تو اس

اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

جسم میں لوٹائے گا۔ (مالک۔ نسائی) بیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ نسمہ ان ہر سہ تینوں پر دبسا کا اطلاق کبھی انسان کے جسم اور کبھی اس کی روح پر ہوتا ہے۔ یہاں روح مراد ہے۔

سلہ واضح ہو کہ اس حدیث کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں لفظ طیر آیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فی حواصل طیر (پرندے کی پوٹوں میں) ایک اور روایت میں فی جوف طیر خضر (سبز پرندوں کے پیٹ میں) اور ایک روایت میں کطیر (پرندے کی طرح) ایک روایت میں فی صورۃ طیر (پرندے کی صورت میں) اور ایک روایت میں طیر آیا ہے یعنی مومن کی روح پرندہ ہے۔ ان سب روایات کو کسی ایک معنی پر محمول کرنا ہوگا۔ اور اکثر روایات میں اخضر یا خضر آیا ہے۔ ایک روایت میں طیرا بیض آیا ہے یعنی سفید پرندہ۔ بہرصورت اس کے مرادی معنی کا ادراک قیاس عقلی سے بعید ہے۔ تاہم قدرت حق ہر چیز کو شامل ہے۔ پھر روح کا پرندے سے تعلق روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح روح بدن میں تصرف و تدبیر کرتی ہے۔ تاکہ قلب حقیقت لازم آئے۔ اور ان کا مرتبہ حقیقت انسان سے گر کر صفت حیوانی سے موصوف ہو جائے۔ یہ بات اس بنا پر نہیں کہ بدن حیوانی روح انسانی کے تصرف و تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ جوہر روح کو اس پرندہ میں امانت کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ جس طرح صندوق میں جواہرات رکھے جاتے ہیں اور اس طرح ان کی حفاظت و نگہداشت کی جاتی ہے۔ یہ ان ارواح کی تکریم اور انہیں نعمتوں سے سرفراز کرنے کی ایک شکل ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ بعض علماء اسے شہداء کی ارواح سے خاص کرتے ہیں۔ اور بعض تمام اہل ایمان کے لیے عام رکھتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔ ان احادیث میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ ارواح باقی رہتی ہیں۔ اور انہیں نعمت یا عذاب میں رکھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۴۵ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يَمُوْتُ فَقُلْتُ اَقْرَاْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ.

حضرت محمد بن المنکدرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جب کہ وہ حالت نزع میں تھے۔ تو میں نے انہیں عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنا

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

لہ منکدر میم کی پیش نون ساکن دال کے نیچے زیر۔ یہ حضرت محمد بن المنکدر تابعین میں سے ہیں۔

لہ حضرت جابر بن عبداللہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

لہ یعنی میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا۔

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَتَكْفِيْنِهِ

غسل میت اور اس کی تکفین کا باب

یعنی میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کا باب۔ واضح ہو کہ غسل میت بالاجماع فرض ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس غسل کا وجوب میت کے ادائے حق کے لیے ہے۔ اسی بنا پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کے ادائے حق میں کچھ مسلمانوں کا حق ہی کافی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وجوب غسل کا سبب کیا ہے۔ اکثر یہ کہتے ہیں کہ میت کو اس لیے غسل نہیں دیا جاتا کہ اس پر موت طاری ہونے کی وجہ سے اس کا جسم نجس و ناپاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ بے وضو ہو جانے کی بنا پر۔ کیونکہ موت کی وجہ سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور عقل زائل ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے شرف انسانی کی وجہ سے نجس و ناپاک نہیں ہوتا۔ مگر زندہ انسان میں حدث لاحق ہونے کی صورت میں صرف چار اعضاء دھونے پہ کفایت کی گئی ہے کیونکہ بار بار غسل کرنے میں حرج اور تکلیف ہے۔ ہر بار سارا بدن دھونا مشقت کا باعث ہے۔ میت میں چونکہ یہ بات نہیں لہٰذا وہاں اصل پہ عمل کیا گیا اور وہ یہ کہ اسے نہلایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہلانا میت کے نجس ہو جانے کی وجہ سے ہے کیونکہ آدمی رگوں میں خون رکھنے والا حیوان ہے۔ تو وہ موت طاری ہونے سے نجس ہو جاتا ہے۔ جس طرح دوسرے حیوانات۔ اسی بنا پر اگر کسی نے میت کو اسے غسل دینے سے پہلے ہاتھوں سے اٹھایا تو وہ اٹھانے والا بھی ناپاک ہو جائے گا اور اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اگر میت نجس و ناپاک نہ ہوتا بلکہ صرف بے وضو ہونے والی عدم طہارت ہوتی تو میت کو اٹھانے والے کے باوضو ہونے کی صورت میں اس کی نماز درست ہوتی۔ جس طرح بے وضو انسان کو اٹھانے سے وضو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہایت امر یہ ہے کہ مسلمان میت کی نجاست حدث سے لاحق ہوتی ہے غسل سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ مسلمان میت کی تکریم و تعظیم کی بنا پر ہے۔ اور یہ زوال نجاست مسلمان کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف میت کافر کے کہ وہ غسل سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مسلمان نے نہلائی ہوئی کافر میت کو اٹھایا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا ۔۔۔۔ بے شک مومن زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں یہ تمام الفاظ سند کے لحاظ سے اگر درجہ صحت تک پہنچے

ہوئے ہیں۔ تو پھر اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی کہ میت کو غسل دینا حدث کی بنا پر ہے نہ کہ نجاست کی بنا پر۔
پھر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ شرط ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کلی اور ناک میں پانی چڑھانا غسل میت میں نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے۔ تکفین بمعنی مردے کا کفن تیار کرنا کفن کا اصل معنی ہے پشم لپیٹا۔ کفن بمعنی مردہ کے کپڑے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۵۴۶ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَّابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا قَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلٰثَةَ قُرُوْنٍ فَاَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ام عطیہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں آپ نے فرمایا اس کو غسل دو تین بار یا پانچ بار یا اس سے اکثر بار۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو پانی اور بیری کے پتوں سے اور اس کے آخر میں کافور ملاؤ یا کافور میں سے کچھ۔ جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ جب ہم غسل سے فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے ہماری طرف اپنا ازار مبارک پھینک دیا۔ اور فرمایا۔ اسے اس کے جسم کے ساتھ لگا دو۔ اور ایک روایت میں ہے اسے وتر عدد میں غسل دو تین بار یا پانچ بار یا سات بار اور اس کے جسم کے دائیں حصے سے اور وضو والے اعضاء سے شروع کرنا۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں۔ تو ہم نے ان کے بال مبارک کی تین مینڈھیاں کر دیں اور تینوں ان کی پشت پر ڈال دیں۔ (بخاری و مسلم)

[1] آپ انصاری ہیں اکابر صحابیات میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ زخمیوں

کا علاج و معالجہ کرتیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صاحبزادی یا تو حضرت زینب زوجہ ابو العاص بن ربیع تھیں یا حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہا۔ قول اول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔

۲؎ گر وتر عدد میں ہو جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔

۳؎ اور اسراف سے گریز کرنا۔

۴؎ اس طرح کہ بیری کے پتوں کو پانی میں جوش دینا۔ کہ ایسا کرنے سے نظافت اور طہارت اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔

۵؎ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافور فرمایا یا شیئاً من کافور فرمایا۔ شیخ ابن حجر نے کہا مراد یہ ہے کہ پانی میں کافور گھول لینا۔ جمہور علماء ایسا ہی کرتے قائل ہیں۔ کوئی علماء کہتے ہیں۔ کافور کو حنوط میں ڈالیں پھر غسل کے بعد بدن میت خشک ہونے پر مل دیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کافور میسر نہ آئے تو کوئی کسی خوشبو مل دیں کہ اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ ترمذی نے ایک حدیث بھی اس باب میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ کیا میت کو مشک ملنا جائز ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو اطیب طیبکم۔ کہ وہ تمہاری سب سے اعلیٰ خوشبو ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ اور احمد و اسحاق کا قول ہے۔ اس کے برعکس بعض میت کے لیے مشک کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

۶؎ ازار کے لیے حدیث میں لفظ حقو (حا کی زبر یا زیر اور قاف ساکن) یعنی ازار اور ازار بند دونوں کے لیے آتا ہے یہاں ازار مراد ہے۔

۷؎ یعنی اس ازار کو کفن کے اندر رکھنا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ لفظ اشعرن شعار سے بنا ہے۔ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم اور اس کے بالوں سے لگا ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہوا ہے کہ صالحین کے لباس اور ان کے آثار و نشانات سے بعد موت قبر میں برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ جس طرح قبل موت بھی ان کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور روایات میں آچکا ہے۔

۸؎ گر سات سے زیادہ بار غسل نہ دیا جائے کہ مکروہ و اسراف ہے۔

۹؎ شاید کہ یہ بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا اذن سے کیا یا شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ان صحابیات کو معلوم تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۳۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئی کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کا رنگ سفید تھا اور

يَمَانِيَةٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یمن میں واقع سحول بستی کے بنے ہوئے تھے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی ازار چادر اور لفافہ

۲؎ یمانیہ یمن کی طرف منسوب۔ بیض ابیض کی جمع بمعنیٰ سفید۔

۳؎ سحولیہ۔ سین کی زبر۔ سحول (یمن کی ایک بستی کی طرف منسوب ہے) بعض نے سحول کا معنیٰ دھوبی کیا ہے۔ اور سحل بمعنیٰ دھونا۔ یعنی وہ کپڑے دھوئے تھے۔ بعض نے سحولیہ سین کی پیش سے پڑھا ہے۔ جمع سحل بمعنیٰ سفید سوتی کپڑا پاک اور صاف ستھرا۔ مگر جمع کی طرف نسبت شاذ ہے بعض نے کہا سحولیہ (پیش سے) بھی بستی کا نام ہے۔

۴؎ حدیث میں لفظ کرسف آیا ہے۔ کاف اور سین کی پیش را ساکن بمعنیٰ روئی۔

۵؎ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد یہ ہے کہ ان تین کپڑوں میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ان کے علاوہ تھا۔ اور آپ کے کفن کے مجموعہ کپڑے پانچ تھے۔ مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے صرف تین کپڑے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اسی کو لیا ہے۔ ہم احناف کے نزدیک بھی سنت کفن تین کپڑے ہیں۔ لیکن ہدایہ میں ان تین کپڑوں میں قمیص کو شامل کیا عمامہ کو شامل نہ کیا۔ بعض متاخرین نے معزز و اشراف لوگوں کے لیے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور کہا عمامہ کی دم اس کے ایک پہلو میں ڈالیں پشت کی جانب نہ ڈالیں۔ جس طرح زندگی میں پشت کی جانب ڈالتے ہیں۔ اور عمامہ سے مراد وہ کپڑا ہے جس کے تین بل آجائیں۔ امام احمد کے نزدیک اسی طرح ہے اور تحقیق کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۱۵۴۳ وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا کفن دے۔

(مسلم)

۱؎ اچھے کفن سے مکمل، پاک و صاف، سفید، اسراف و فضول خرچی سے پاک کفن مراد ہے۔ نیا اور دھلا ہوا دونوں برابر ہے اور وہ جو فضول زرق برق ریا و تکبر کے طور پر کرتے ہیں وہ سخت حرام و مکروہ ہے۔

۱۵۴۹ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُلَبِّيًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسے اس کی اونٹنی نے گرایا[۱] اور وہ حالت احرام میں تھا۔ وہ فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں[۲] میں اسے کفن دو اور اسے خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانکنا[۳] کیونکہ یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔ (بخاری و مسلم)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فِيْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور ہم حضرت خباب[۵] کی حدیث کہ حضرت مصعب بن عمیر قتل کیے گئے: انشاء اللہ باب جامع المناقب[۶] میں ذکر کریں گے۔

[۱] اور اس کی گردن کو توڑ دیا۔

[۲] یعنی اس کے احرام کے دو کپڑوں میں۔

[۳] کیونکہ وہ محرم کی طرح ہے۔

[۴] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کو حالت احرام جیسا کفن ہی دیا جائے گا۔ امام احمد، شافعی کا مذہب یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک محرم دوسرے مردوں کی طرح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوت ہونے والے کو دو کپڑوں میں جو کفن دیا وہ ضرورت کے تحت تھا کیونکہ اور کپڑا نہ تھا اور اسے خوشبو نہ لگانا اور سر نہ ڈھانکنا صرف اس کے ساتھ خاص تھا۔ آپ نے یہ حکم سب احرام والوں کے لیے بطور تشریع نہ دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۵] خباب خا پیش باشدہ

[۶] یعنی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے۔ کتاب کے آخر میں مناقب صحابہ میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۵۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَمِنْ خَیْرِ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ فَاِنَّہٗ یُنْبِتُ الشَّعْرَ وَیَجْلُوا الْبَصَرَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ رَوَی ابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی مَوْتَاکُمْ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو کر وہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر کپڑے ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دو اور تمہارے بہترین سرموں میں اثمد سرمہ ہے کیونکہ وہ بال اگاتا اور نگاہ کو تیز کرتا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی۔ امام ابن ماجہ نے اسے الی موتاکم تک روایت کیا ہے

۱؎ اثمد ہمزہ اور میم کی زیر یعنی سرمہ کا پتھر
۲؎ یعنی پلکوں کے بال
۳؎ سرمے اور اثمد کا انھوں نے ذکر نہ کیا۔

۱۵۵۲ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَغَالُوْا فِی الْکَفَنِ فَاِنَّہٗ یُسْلَبُ سَلْبًا سَرِیْعًا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گراں قیمت والے کفن نہ خریدو۔ کیونکہ کفن بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔

(ابوداؤد)

۱؎ یہ حدیث پاک میں واقع عربی لفظ لا تغالوا (غا اور لام کی زیر) کا ترجمہ ہے۔
۲؎ قبر میں بہت جلد بوسیدہ ہو جاتا ہے یعنی بوسیدہ اور خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نفیس اور گراں قیمت کفن کی کیا ضرورت ہے۔
مقصد حدیث یہ ہے کہ کفن میں اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کپڑوں میں ہی کفن دے دیا جائے

(انہوں نے بوقت موت زیب تن کیے ہوئے تھے۔) آپ نے فرمایا ان کو دھو لینا اور انہی میں مجھے کفن دے دینا کیونکہ زندہ لوگ نئے کپڑوں کا زیادہ ضرورت مند ہے۔ اور فرمایا کفن تو منہ سے نکلنے والی آلائش یعنی پیپ اور مٹی کے لیے ہے۔

۱۵۵۱ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَا بِثِيَابٍ جُدُدٍ فَلَبِسَهَا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَيِّتُ يُبْعَثُ فِي ثِيَابِهِ الَّتِي يَمُوتُ فِيهَا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کی موت کا وقت آیا تو آپ نے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں زیب تن کیا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میت روز قیامت انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کے اندر وہ مرا تھا۔[1]

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ) (ابوداود)

[1] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے نئے کپڑے زیب تن کیے۔ اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر والے لوگ کپڑے پہنے اٹھیں گے۔ مگر اس ترجمہ میں اشکال ہے کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ لوگوں کا حشر ننگے جسم اور ننگے پاؤں ہوگا۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے جو اصل عربی شرح میں مذکور ہے اس کا خلاصہ بطور جواب یہ ہے کہ کپڑوں سے حدیث میں مراد اعمال ہیں جن پر انسان کی موت واقع ہوتی ہے اور عرب لوگ کپڑے بول کر اعمال مراد لیا کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے کہ جس طرح کپڑے انسان سے تعلق رکھتے ہیں، اعمال بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آیہ کریمہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کی تاویل میں علماء نے کہا ہے کہ وَأَعْمَالَكَ فَأَصْلِحْ۔ یعنی اپنے اعمال کی اصلاح کر۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بوقت موت نئے کپڑے نظافت و طہارت کی نیت سے زیب تن کیے۔ اس دوران اچانک یہ حدیث بھی ان کے ذہن میں مستحضر ہو گئی جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی۔ حدیث کی تاویل وہی ہے جو علماء نے کی ہے کہ کپڑوں سے اعمال مراد ہیں۔ یہ حدیث آپ نے کپڑے پہننے کے لیے بطور دلیل نہ لائے بلکہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ ایسا ممکن ہے کہ اس حدیث پاک کو ظاہری معنی پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے بلکہ آپ ظاہری معنی کی بجا آوری کی اچھی خبری حرص رکھتے تھے اگرچہ مراد حقیقتاً دوسرا معنی ہے یعنی اعمال والے سے مجھو۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۲ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ وَخَيْرُ الْأُضْحِيَةِ الْكَبْشُ الْأَقْرَنُ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ)

فرمایا کہ بہترین کفن حلہ یعنی[1] یعنی چادر اور ازار ہے۔ اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ[2] ہے۔

(ابوداؤد اور ترمذی

و ابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کیا۔

[1] حدیث کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ کفن میں ایک کپڑے پر کفایت نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ دو کپڑے ہونے چاہیں۔ اگر تین کپڑے ایسا کریں تو یہ سنت ہے اور کفن کا مرتبہ کمال ہے۔

[2] جسے فارسی میں قچقار بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت فربہ اور عظیم الجثہ ہوتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے فرزند ارجمند کے فدیہ میں ایسا ہی فربہ دنبہ آیا تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کفن اور بہتر قربانی دونوں کا سوال کیا گیا ہوگا۔ اس لیے جواب میں آپ نے دونوں کو ایک عبارت میں یوں بیان فرمایا۔ لہٰذا ان دو فقروں میں مناسبت ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ یہاں بعض لوگوں نے تکلف سے کام لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلَى أُحُدٍ أَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيدُ وَالْجُلُودُ وَأَنْ يُدْفَنُوا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کے متعلق حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور چمڑے کے کپڑے[1] اتار لیے جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی لوہے کے ہتھیار اور چمڑے کے کپڑے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۵۶ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ

حضرت سعد بن ابراہیم سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ اس وقت روزہ دار تھے۔ فرمایا حضرت مصعب بن عمیر جو مجھ

ابْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَ اِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَ اُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْ قَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

سے بہتر ہے سبب شہید ہوئے تو ایسی چادر میں انہیں کفن دیا گیا کہ اگر ان کا سر ڈھکا جاتا تھا تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور اگر ان کے پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو ان کا سر ننگا ہو جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمزہ جو مجھ سے بہتر تھے وہ بھی شہید ہوئے پھر ہم پر دنیا اتنی پھیلا دی گئی جتنی پھیلائی گئی۔ یا فرمایا ہمیں دنیا اتنی ملی جو ملی ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا ثواب جلد ہی دے دیا گیا ہو۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔

(بخاری)

لہ یعنی ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے۔ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا لایا گیا۔

لہ جو غزوۂ احد شریف میں شہید ہوئے۔

لہ کیونکہ وہ چھوٹی چادر تھی۔

لہ یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت بہتر تھے۔ مگر ان کے کفن کا کپڑا بھی بہت چھوٹا تھا چنانچہ آپ کا سر مبارک چادر سے ڈھکا گیا اور پاؤں پر گھاس ڈالی گئی۔ اس طرح ان کے پاؤں چھپائے گئے۔ جیسا کہ باب تمنی الموت کی فصل ثالث کی حدیث حارثہ بن مضرب میں گزرا۔

لہ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تونگری میں مشہور تھے۔

لہ یہ راوی کا جانب میں شک ہے۔

لہ اور اس جہاں میں ہمارے لیے کچھ نہ ہو۔

لہ اور آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپ نے دن کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ یہ حدیث کہ مرکا ویل سے کار وقت ضرورت جو کفن میسر آ جائے وہی سنت ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اعلٰہ اور نہلائے صحابہ میں سے تھے۔ بدری تھے

جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ زمانہ جاہلیت میں نہایت اعلیٰ اور ناز و نعمت میں رہتے تھے عمدہ اور قیمتی آپ کا لباس ہوتا تھا نہایت عمدہ اور نفیس پہنتا تھا۔ مسلمان ہونے پر نہایت زہد و فقر اختیار کر لیا۔ چنانچہ ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نے بکری کی کھال کا تہبند کر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا اس مرد خدا کی طرف دیکھو جس کے دل کو خدا تعالیٰ نے نور ایمان سے روشن کر دیا ہے میں نے اسے مکہ میں دیکھا تھا کہ اس کے والدین اسے بہترین کھانا کھلاتے تھے۔ اور اس کا لباس نہایت عمدہ ہوتا تھا اور رسول کی محبت نے اس کا یہ حال کر دیا ہے۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے جنہیں سید الشہداء کہا جاتا ہے یہ بھی جلیل القدر صحابی ہیں غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو اپنے سے بہتر کہا۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں حضرات تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہو گئے اور ہم لوگ ہر قسم کی نعمتوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا تو ان کے حال پر رشک و شفقت کے طور پر اور اپنے حال پر حسرت و افسوس کے اظہار کے لیے تھا۔ اسے سمجھو۔

علماء نے یہاں یہ بحث کی ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے اور افضل صحابہ میں سے ہیں۔ تو آپ نے مصعب بن عمیر کو اپنے سے بہتر کیوں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمن نے ان کی نسبت بطور تواضع و انکساری کے یہ فرمایا تھا ... شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ عشرہ مبشرہ ان سے افضل ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں شہید نہیں ہوئے۔ ان سے افضل نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شہید ہوئے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ حُفْرَتَهُ فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ فَوَضَعَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهِ وَأَلْبَسَهُ قَمِيْصَهُ قَالَ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لائے بعد اس کے کہ اسے قبر میں داخل کر دیا گیا تھا۔ پس آپ نے حکم دیا تو اسے باہر نکالا گیا۔ پھر آپ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ اور راوی نے کہا کہ اس نے عباس کو قمیص پہنائی تھی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ شخص ظاہر النفاق اور رئیس المنافقین تھا یہاں بلکہ اس کی قبر کے لیے جو لفظ (گڑھا) اس کی اہانت کے لیے فرمایا۔

۲؎ عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس کو اس دن یہ قمیص پہنائی تھی جس دن حضرت عباس کو جنگ بدر میں گرفتار کرکے مدینہ لایا گیا۔ آپ اس وقت برہنہ تھے اور آپ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے کسی کی قمیص آپ کو پوری نہ آتی تھی۔ عبداللہ بن ابی بھی طویل القامت انسان تھا تو اس نے حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنا دی۔ اس رئیس المنافقین کے مرنے پر حضور نے ان کا احسان چکانے کے ارادے سے اپنی قمیص اس منافق کو پہنا دی۔ تاکہ آپ پر اس منافق کا احسان باقی نہ رہے۔ یہاں اس حدیث میں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق کی قبر پر تشریف لائے اور اس کے قبر پر اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا جب کہ قرآن پاک میں ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ ان میں سے کسی کے لیے کبھی دعا نہ کرو اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک اس لیے کیا کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر کی آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ مگر یہ بات کمزور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اس کے لڑکے کی تالیف قلب اور اس کے اکرام و احترام کے لیے ایسا کیا کیونکہ وہ مخلص اہل ایمان میں سے تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میرے بس میں تھا وہ میں نے اس کے ساتھ کر دیا ہے مگر اصل حکم تو اللہ کا ہی ہے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس رئیس المنافقین کے لڑکے حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسا کرنے کی عرض کی تھی اس وجہ سے آپ اس کی قبر پر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کھینچا اور عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک نازل ہوا وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی اور مقام سے اس نہی کو سمجھا ہوگا۔ جیسا کہ بعض شروح میں لکھا ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس منافق کے ساتھ یہ سلوک کرنے سے عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک ہزار آدمیوں کو ایمان نصیب ہو گیا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا باب

واضح ہو کہ جنازے کے ساتھ پیادہ اور سواری پر چلنا دونوں طرح جائز ہے تاہم پیدل چلنا افضل ہے اور سوار کو چاہیے کہ جنازے کے آگے چلے۔ پیدل کے لیے جنازے کے آگے اور پیچھے دونوں طرح چلنا جائز ہے۔ ہاں پیچھے پیچھے چلنا افضل ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کیونکہ اس نماز کی غرض وغایت میت کے حق کی ادائیگی ہے جو کچھ مسلمانوں کے پڑھ لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا۔ اس کا پاک ہونا، اور اس کا نمازی کے آگے ہونا۔ ان شرائط کی رو سے غائب پر اور سواری پر رکھے ہوئے اور نمازی کے پیچھے پڑے ہوئے جنازہ پر نماز درست نہ ہوگی۔ اور جب کسی میت کو بے غسل دفن کر دیا گیا اور قبر اکھیڑنے کے بغیر اس کا باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ اور قبر پر بے غسل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر قبر اکھیڑنے کے بغیر میت کو نکالنا ممکن ہو تو پھر اسے نکال کر غسل دیں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ اور اگر نادانستہ بے غسل اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر قبر اکھیڑنے کے بغیر اسے باہر نکال کر غسل دیا گیا تو اب اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میت غائب پر نماز جنازہ جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کے بیان میں اس مسئلہ پر مزید گفتگو آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۵۵۷ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کو قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو۔ کیونکہ وہ نیک ہے تو بہتر تم اسے پہنچاتے ہو وہ بھی نیکی اور خیر ہے۔ اور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو اسے جلد پہنچانا رفع شر کا ذریعہ ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار ڈالتے ہو۔
(بخاری ومسلم)

لہ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میت کو دوڑتے ہوئے لے جائیں۔ بعض نے کہا جلدی سے تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مراد ہے۔ مگر حدیث سیاق کا رخ معنیٰ اول کی جانب ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ الی آخرہ۔

۱۵۵۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا يَا وَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبرستان لے چلنے کے لیے رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں۔ اگر میت نیک ہوتی ہے تو کہتا ہے مجھے آگے بھیجو لہ اور اگر نیک نہیں ہوتا تو اپنے اہل سے کہتا ہے ہائے افسوس لہ اسے کہاں لے جاتے ہو انسان کے سوا اس کی آواز ہر چیز سنتی ہے تہ اور اگر انسان سن لے تو ہلاک ہو جائے گا تکہ (بخاری)

لہ یعنی اعمال صالحہ کی طرف جو میں آگے بھیج چکا ہوں اور میت کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف گفتگو کی نسبت مجازی ہے حقیقت میں یہ کلام کرنے والی روح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت روح کو بھی اس کے جسم کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

تلہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کہتا ہے یا ویل مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ مگر جب کہ وہ اپنے آپ کو غیر صالح دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اپنے سے الگ تصور کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہو۔ تاکہ ویل کی نسبت اس کی اپنی طرف نہ ہو۔ ویل کا معنیٰ ہے افسوس، سختی اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

تہ حیوانات، نباتات بلکہ جمادات تک سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ کہ اس کے مکلف ہونے کی بنا پر یہ "راز" اس سے پوشیدہ رکھی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی خاطر اس آواز کا اس سے پوشیدہ رکھنا مناسب ہے۔

تکہ اس آواز کی شدت اور دہشت کے باعث۔

۱۵۵۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا

انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔ اور جو جنازے کے ساتھ

فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ — جاتے تو جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھے تب تک نہ بیٹھے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

۱ یعنی جب تم جنازے کو مکان سے باہر لاتے ہوئے دیکھو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ جب تم بیٹھے ہوئے ہو اور تمہاری نگاہ جنازے پر پڑ جائے تو کھڑے ہو جاؤ۔ حدیث کے ظاہر سیاق کا رخ قول اول ہی کی طرف ہے۔

۲ اسے مرجانے والے میت کی تکریم انسان کے ایمان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرو یا غرض عبرت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آتا ہے۔

۳ یعنی زمین تا لحد میں۔ قول اول زیادہ صحیح اور احادیث کے زیادہ موافق ہے۔

۱۵۶۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا يَهُودِيَّةٌ فَقَالَ إِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودیہ عورت کا جنازہ ہے ۱ فرمایا موت گھبراہٹ کی چیز ہے جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو ۲

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

۱ نہ کہ مسلمان جس کے ایمان کی تکریم و تعظیم کے لیے کھڑے ہوا جاتا ہے۔
۲ چاہے کافر کا جنازہ ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۶۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ رَأَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَقُمْنَا وَقَعَدَ فَقَعَدْنَا يَعْنِي فِي الْجَنَازَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِي رِوَايَةٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوتے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہو گئے اور آپ بیٹھے تو ہم بھی بیٹھ گئے یعنی جنازہ میں (مسلم شریف) اور مالک و ابوداؤد

مَالِكٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ قَامَ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ بَعْدُ۔

کی روایت میں ہے۔ آپ جنازے میں کھڑے ہوئے۔ پھر اس کے بعد بیٹھ گئے۔

۱ یعنی جنازہ میں۔ تو آپ کی متابعت میں ہم بھی کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کو بیٹھتے دیکھا تو ہم بھی بیٹھ گئے۔ اس عبارت کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جنازہ آتے ہوئے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ جب وہ دور چلا گیا اور نظر سے غائب ہو گیا تو آپ بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ پہلے پہلے چند مرتبہ آپ کھڑے ہوئے۔ بعد میں کھڑے ہونا ترک کر دیا۔ لہٰذا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی ضروری کام نہ تھا پہلا آپ کا جس کا منسوخ ہونا آپ کے فعل اخیر سے معلوم ہو گیا۔

۲ یہ روایت بھی دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ مگر دوسرا معنی ظاہر ہے۔

۱۵۶۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا اور نماز جنازہ پڑھنے تک اس کے ساتھ رہا اور اس کے دفن سے فارغ ہوا تو بے شک وہ واپس لوٹتا ہے اجر و ثواب کی دو قیراطوں کے ساتھ۔ ہر قیراط احد پہاڑ جتنی ہے اور جس نے اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر دفن سے پہلے واپس آ گیا تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر واپس لوٹتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ حدیث میں لفظ اتبع آیا ہے بعض روایتوں میں تبع آیا ہے۔

۲ یعنی ... کے ساتھ ایمان رکھنے کی بنا پر۔

۳ حدیث میں لفظ یصلی آیا ہے یعنی لام کی زبر سے بھی روایت ہے۔ جس کا معنی ہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے مگر روایت اول (لام کی زیر) زیادہ قوی اور اظہر ہے۔

۴ یعنی اسے بہت اجر و ثواب ملے گا۔ دینار کے بارہویں حصہ کو قیراط کہتے ہیں۔ اس کے مطابق ایک قیراط دانق کا نصف ہوگا کہ دانق دینار کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں بعض نے قیراط کو دینار کا چوبیسواں حصہ کہا ہے اس حساب سے ایک قیراط دانق کا چوتھا حصہ ہوگا۔

۵ یہ عظیم فضیلت و ثواب کی تصویر و تمثیل ہے۔

۶ یعنی اس کا ثواب اجر اول سے نصف ہوتا ہے۔

۱۵۶۲ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کی موت کے دن کی خبر دی۔ اور آپ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور لوگوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں ہے

(بخاری و مسلم)

۱ نجاشی یہ ملک حبشہ کا بادشاہ تھا اور عیسائی تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا صحابہ کرام نے اس کی طرف ہجرت کی اور اس نے ان کی بڑی خدمت کی۔ نجاشی دراصل بادشاہ حبشہ کا لقب تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ نجاشی میں مشہور یہ ہے کہ نون کی زبر جیم اور یا مخفف۔ جس دن یہ نیک بخت انسان دنیا سے رخصت ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن لوگوں کو اس کے وصال کی اطلاع دے دی۔

۲ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ ہم احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نجاشی کی میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غائب نہ تھی۔ بلکہ اس کی چارپائی اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دی گئی یا آپ اور نجاشی کے درمیان واقع تمام پردے اٹھا دیے گئے۔ اور صرف امام کا میت کو دیکھنا کافی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کے غائبانہ نماز جنازہ کی روایت بھی آئی ہے۔ جیسے حضرت معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں فوت ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی مگر ان احادیث کے اسناد میں کلام ہے اور اگر ان کی صحت تسلیم کر لی جائے تو پھر غائبانہ نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دی جائے گی۔ آج کل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفاً و تعظیماً میں نماز جنازہ غائبانہ متعارف ہو چکی ہے۔ اور بعض حنفیہ بھی پڑھتے ہیں۔

۱۵۶۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی ؓ قَالَ کَانَ زَیْدُ بْنُ اَرْقَمَ یُکَبِّرُ عَلٰی جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَاِنَّهٗ کَبَّرَ عَلٰی جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُهَا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت زید بن ارقم[2] رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیر پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔ تو ہم نے ان سے سوال کیا[3]۔ آپ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بھی کرتے تھے[4]

(مسلم)

[1] آپ اکابر تابعین میں سے ہیں ایک سو بیس صحابہ کرام کو دیکھا تھا آپ حضرت علی بن ابو طالب حضرت عثمان بن عفان وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ تابعین کوفہ میں سے تھے اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔

[2] حضرت زید بن ارقم مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[3] کہ آپ ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں۔

[4] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی پانچ تکبیریں بھی کہا کرتے تھے۔ ائمہ اربعہ کا چار تکبیر نماز جنازہ پر اتفاق ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے اس سے زائد بھی مروی اور منقول ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر جو مروی و منقول ہے وہ چار تکبیریں ہیں اور اسی پر اتفاق ہے۔ شرح عربی میں یہاں اس سے زائد کلام کیا گیا ہے۔

۱۵۶۵ وَعَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَرَاَ فَاتِحَةَ الْکِتٰبِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک جنازہ پڑھا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا[2] تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔

(بخاری)

[1] حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔

[2] یعنی میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تاکہ تم جان لو کہ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔ واضح ہو کہ علماء

حنفیہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں ہے۔ مگر دعا و ثنا کی نیت سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ یہ ابو حنیفہ، مالک اور ثوری کا مذہب ہے۔ اس بارے میں صحابہ کرام کا عمل مختلف آیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کا نماز جنازہ میں اس سورت کا پڑھنا دعا اور ثنا کے طور پر ہو نہ کہ قرات کے طور پر ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھے۔ فتح الباری کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی کی مراد یہ ہے کہ اس سورت کا پڑھنا جائز ہے واجب نہیں ہے۔ کرمانی نے کہا واجب سے اور ابن عباس کے کلام میں لفظ سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۶۶ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی۔ تو میں نے آپ کی دعا یاد کر لی۔ آپ فرماتے تھے۔ اے اللہ اسے بخش دے اس پر رحمت نازل فرما اور اسے عافیت عطا فرما اور اس سے درگزر فرما۔ اس کی باعزت مہمانی فرما اور اس کی جگہ کشادہ کر اور اسے پانی برف اور اولے سے دھو ڈال اور اسے خطاؤں سے اس طرح صاف ستھرا کر دے جس طرح تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرتا ہے اور اسے دار دنیا سے بہتر دار عطا کر اور اسے اہل خانہ کی جگہ بہتر اہل خانہ عطا کر اور بیوی کی بجائے اس سے بہتر بیوی عطا کر اور اسے جنت میں داخل کر اور اسے عذاب قبر سے اور عذاب نار سے پناہ میں رکھ۔

اور ایک روایت میں ہے کہا اسے فتنہ قبر اور عذاب نار سے محفوظ رکھ۔ راوی کہتے ہیں یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ میں

أَكُوْنَ أَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ. — میت میں ہوتا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) — (مسلم)

۱؎ یعنی حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ آپ صحابی ہیں۔ پہلا غزوہ جس میں آپ شریک ہوئے خیبر ہے

۲؎ نزل دعا میں لفظ نُزُل آیا ہے۔ نون کی پیش زا ساکن زا کی پیش کی روایت بھی ہے۔ یعنی وہ کھانا جو مہمان کے آگے رکھا جاتا ہے۔

۳؎ یعنی اس کی قبر کشادہ کر

۴؎ یہ کنایہ ہے اس سے کہ اس کی کامل و پوری مغفرت کر۔

۵؎ جوڑا یعنی ملے اہل یعنی ایک مکان دمنزل میں رہنے والے افراد۔

۶؎ زوج کا لفظ مرد و عورت دونوں کے لیے آتا ہے۔

۷؎ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ روایت گزشتہ میں کلمہ او واؤ کے معنی میں ہے۔

۸؎ یعنی راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میت کے حق میں یہ دعا سنی تو مجھے اس پر رشک آیا یہاں تک کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ یہ میت میں ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا میرے لیے کرتے۔

وَعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى أُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَأُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَأَخِيْهِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اسے مسجد میں لاؤ تاکہ میں اس پر نماز پڑھوں۔ حضرت عائشہ کی اس بات کا انکار کیا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء نامی عورت کے دو بچوں پر مسجد میں نماز پڑھی تھی۔ یعنی سہیل اور اس کے بھائی پر۔ (مسلم)

۱؎ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ شریفہ مسجد کے قریب تھا اس لیے آپ نے فرمایا اسے مسجد میں لاؤ

تاکہ میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھ سکوں۔

ـــه کہ وہ مسجد میں اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔

ـــه ان کے انکار کی تردید کے لیے۔

ـــه ایک کا نام سہیل اور دوسرے کا سہل تھا۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ ماں کی نسبت سے مشہور ہیں۔ ان کے باپ کا نام وہب بن ربیعہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے لوگوں کے اس عمل مبارک کو جلد فراموش کر دینے پر تعجب ہے۔

واضح ہو کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔ خواہ میت اور اس پر نماز پڑھنے والے دونوں مسجد میں ہوں یا نمازی مسجد میں ہوں اور میت مسجد سے باہر ہو۔ یا امام یا بعض نمازی مسجد سے باہر ہوں اور میت اور کچھ لوگ مسجد کے اندر ہوں یا میت مسجد میں ہو اور امام و قوم مسجد سے خارج ہوں اس مطلق کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد نماز فرض اور اس کے متعلقات نوافل، ذکر اور تدریس علم کے لیے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے کہا مکروہ نہیں جب کہ میت مسجد سے باہر ہو۔ اس قول کی بنا پر بلکہ کراہت اس وجہ سے ہے کہ میت کے مسجد میں ہونے کی صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ قول اول اطلاق حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی۔ اول زیادہ ظاہر ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ مسجد میں بلا کراہت جائز ہے۔ امام مالک کا مذہب احناف کے موافق ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں ہم نے کوئی نص نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ امام شافعی کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص میت پر مسجد میں نماز پڑھتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں ملتا اور حضرت عائشہ کی حدیث ایک مخصوص واقعہ سے متعلق ہے عام نہیں ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار مسجد میں نماز جنازہ ادا کی۔ ہو سکتا ہے کسی ضرورت کے تحت آپ نے ایسا کیا ہو جو آپ کو در پیش تھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے اس وجہ سے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر تھا۔ اس صورت میں خود حنفیہ کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مسجد کا مصلا مسجد سے متصل ایک مکان میں تھا۔ لہذا یہ احتمال موجود ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کا لفظ مسجد سے قریب ہونے کی نسبت سے کہہ دیا گیا ہو۔ اور یہ جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے پاس رکھا گیا۔ یہ بھی قرب مسجد پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہو تا ہے کہ اس روایت کا مبنی یہی ہے کہ جو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مسجد نماز جنازہ کے لیے تیار کی گئی ہو تو اس میں بلا کراہت

نماز جنازہ جائز ہے۔ پھر صحابہ و تابعین کا انکار ان کی کثرت کے باوجود اس امر کی دلیل ہے کہ بعد میں مسئلہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنے پر قرار پذیر ہو گیا اور مسجد میں پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لوگوں سے فراموش کر دینے کی طرف نسبت کرنا محل کلام ہے بلکہ خود حضرت عائشہ نقل سابق کو فراموش کر چکی تھیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے شرح سفر السعادت میں یہاں اس سے بڑھ کر گفتگو کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جاتے۔

۱۵۶۸/۱۲ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَاَةٍ مَاتَتْ فِىْ نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسْطَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک عورت پر نماز جنازہ پڑھی جو ایام نفاس میں مر گئی تھی۔ تو آپ اس کے وسط کے برابر کھڑے ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

لہ لفظ وسط مشہور روایت کے مطابق سین کی زبر سے ہے۔ سین ساکن بھی ایک روایت ہے۔ وسط بمعنی درمیانہ اور وسط بمعنی درمیان۔ جیسا کہ بعض ظرفا نے کہا ہے کہ متحرک ساکن ہے یعنی جو ایک ہی ہے۔ حرکت نہیں کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاتا اور ساکن متحرک ہے۔ یعنی جنبش میں رہتا ہے۔ اور متعدد مواضع میں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ عورت کی سرین کے بالمقابل کھڑا ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا یہ حدیث سینے کے بالمقابل کھڑے ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اعضا کے اعتبار سے سینہ وسط میں ہے۔ اس لیے کہ سینہ سے اوپر ہاتھ اور سر ہے اور سینہ سے نیچے پیٹ اور رانیں ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہوں اور ذرا سرین کی طرف مائل ہو کر۔ اس سے راوی نے یہ گمان کر لیا کہ آپ سرین کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہیں۔ دونوں جگہوں کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے۔ علامہ شمنی نے کہا کہ حضرت ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے مروی ہے کہ امام عورت کی سرین کے سامنے کھڑا ہو۔ جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے

۱۵۶۹/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَيْلًا فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ هٰذَا قَالُوْا الْبَارِحَةَ قَالَ اَفَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے جسے رات کو دفن کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ مردہ کب دفن کیا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی گزشتہ رات۔ فرمایا تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں

آذَنْتُمُوْنِي قَالُوْا دَفَنَّاهُ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا أَنْ نُوْقِظَكَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہیں دی لوگوں نے عرض کیا ہم نے اس کو رات کی تاریکی میں دفن کیا پس ہم نے مناسب نہ جانا کہ آپ کو بیدار کریں پس کھڑے ہوئے آپ پھر ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی پس نماز پڑھی آپ نے اس پر[1] (بخاری و مسلم)

[1] اس کے بعد کہ لوگ اس پر نماز جنازہ پڑھ چکے تھے

۱۵۶۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِي قَالَ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوْا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ فَقَالَ دُلُّوْنِي عَلَى قَبْرِهِ فَدَلُّوْهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِمُسْلِمٍ)

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ بیشک ایک سیاہ فام عورت جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا ایک نوجوان جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت یا نوجوان کو گم پایا پس اس کے بارے میں پوچھا یا اس کے متعلق لوگوں نے کہا فوت ہو گئی یا فوت ہو گیا آپ نے فرمایا پس تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی راوی کہتا ہے گویا انہوں نے اس عورت یا مرد کا معاملہ معمولی سمجھا پس فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی قبر بتلاؤ پس لوگوں نے آپ کو اس کی قبر بتلائی پس آپ نے اس پر نماز پڑھی پھر فرمایا بیشک یہ قبریں اپنے رہنے والوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ میری نماز کے سبب ان کی قبروں کو منور کر دیتا ہے (بخاری و مسلم) لیکن یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں۔ عربی عبارت میں لفظ تقم ت کے زبر قاف کی پیش اور میم پر تشدید میم کا زیر بمعنی ترکیب یعنی جھاڑو دیتا۔ قمامہ بمعنی کناسہ یعنی خاک روبی۔

۵ یہ راوی کا شک ہے کہ جھاڑو دینے والی عورت تھی یا مرد تھا۔

۶ بعض نسخوں میں حدیث کا لفظ کَنَّهُمَا از نقعرہ ہے۔

۷ یہ راوی یعنی حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ نے اس عورت یا اس مرد کی شان معمولی سمجھی اور اسے حقیر خیال کیا۔ اور یہ خیال کیا کہ یہ عورت یا مرد اس لائق نہیں کہ اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی جائے۔ اس میں بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم صحابہ کرام کے ملحوظ خاطر تھی۔

۸ مانع ہو کہ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس پر ہیں کہ جائز ہے اس سے پہلے اس پر نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔ ابراہیم نخعیؒ امام ابوحنیفہ امام مالک اس پر ہیں اگر پہلے نہیں پڑھی گئی تو قبر پر پڑھنا درست ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی آیا ہے۔ اور امام مالک سے ایک روایت ہے کہ جو شخص ایک بار پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ شامل نہ ہو۔ اور جنہوں نے نہیں پڑھی وہ اس کی قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھنا جائز ہے جب تک کہ پیٹ گل نہ جائے۔ اس کا اندازہ انہوں نے تین دن تک لگایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال میں کہ اسے کب دفن کیا گیا ہے۔ اسی معنی کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ احادیث میں قبر پر نماز کا جو ذکر آیا ہے وہ نماز کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ دعا و استغفار کے طور پر ہے۔ اسی بنا پر بعض روایات میں تکبیرات کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس روایت میں تکبیرات کا ذکر آیا ہے وہ صحیح نہیں۔ اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز پڑھی۔ وہ آپ کی اُن پر الوداعی دعا تھی نہ کہ نماز یا وہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھی حتیٰ کہ بعض علماء اسی جانب گئے ہیں کہ قبر پر نماز پڑھنا مطلقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ اِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلٰوتِيْ عَلَيْهِمْ بے شک اللہ تعالیٰ میرے ان پر نماز پڑھنے سے ان کی قبروں کو ان کے لیے روشن منور کر دیتا ہے۔ اسے مفہوم ہوتا ہے:۔

نمبر۱۵ وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ اَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهٗ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ

حضرت کریبؒ مولا ابن عباس سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا مقام قدیدؔ یا عسفان میں فوت ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے کریب دیکھو کہ لوگ اس کے لیے کتنی تعداد میں اکٹھے ہو گئے ہیں حضرت کریب کہتے ہیں میں باہر نکلا۔ تو دیکھا کہ لوگ جمع

فَاِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ اَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَخْرِجُوْهُ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰی جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہو چکے تھے۔ میں نے اس امر کی حضرت ابن عباس کو اطلاع دی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے خیال میں چالیس آدمی ہوں گے۔ راوی کہتا ہے (کریب) میں نے عرض کیا ہاں چالیس آدمی ہوں گے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا جنازہ باہر لاؤ حضرت ابن عباس نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے نہیں فوت ہوتا کوئی مسلمان اور اس پر ایسے چالیس آدمی کھڑے ہوتے ہیں جو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان میں انکی شفاعت قبول کرتا ہے۔ (مسلم)

[1] کریب کاف کی پیش، راکی زبر، یا ساکن حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور تابعین میں سے ہیں۔

[2] قدید قاف کی پیش، دال کی زبر یا ساکن ایک جگہ کا نام ہے۔ عسفان عین کی پیش سین ساکن بعد میں فا یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے جو مقام قدید کی نسبت مکہ معظمہ سے زیادہ قریب ہے۔

[3] یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کی نماز جنازہ کے لیے لوگ جمع ہو چکے تھے۔

[4] کھڑے ہونے کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ اتنے مسلمان آدمیوں کا مسلمان کے جنازہ میں کھڑا ہونا اور اس کے لیے دعا کرنا بھی بڑا اثر رکھتا ہے اور اگر قیام سے صرف نماز مراد ہو تو پھر اس قید کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مرنے والا جس پر مسلمانوں میں سے سو آدمی نماز پڑھتے ہیں۔ سب اس کیلئے شفاعت کرتے ہیں۔ مگر ان کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔ (مسلم)

لہ گزشتہ روایت میں چالیس کا عدد مذکور رہا۔ گویا چالیس کم سے کم مقدار ہے جن کی شفاعت و دعا قبول ہوتی ہے اور سو کی تعداد اکثر مقدار ہے۔ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اقل عدد بیان میں متاخر ہونا چاہیے کہ اس میں اس کے بندوں پر فضل و کرامت اور عزت افزائی کا اظہار ہے۔

۱۵۶۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ لوگ ایک جنازے کے پاس سے گزرے تو اس کی صفت و ثنا کی اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی۔ پھر ایک اور جنازے کے پاس سے لوگ گزرے تو اس کی برائی بیان کی تو حضور نے فرمایا واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا چیز واجب ہو گئی فرمایا یہ پہلا شخص وہ ہے جس کی تم نے اچھی صفت و ثنا کی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور اس دوسرے شخص کی تم نے برائی بیان کی تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو لہ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

اور ایک روایت میں ہے مومن زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔ ٢

لہ کہ تم لوگ جس کے بہشتی ہونے کی گواہی دو گے وہ بہشتی ہے اور جس کے دوزخی ہونے کی گواہی دو گے وہ دوزخی ہے۔

٢ یاد رہے کہ مومنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل خیر و صلاح اور صدق و تقویٰ ہیں۔ اور ان میں کسی نفسانی غرض کا دخل نہ ہو کیونکہ ایسے لوگوں کی گواہی اس مردے کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ ورنہ اگر بعض فساق و فجار کسی غرض کے تحت کسی فاسق و فاجر کی صفت و ثنا کریں۔ یا کسی نیک انسان کی مذمت و برائی کریں تو ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق جنتی ہونے کا جو حکم صادر فرمایا وہ ان کی حقیقت حال پر مطلع ہونے کی بنا پر کیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۳ وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَ ثَلٰثَةٌ قَالَ وَ ثَلٰثَةٌ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْئَالْهُ عَنِ الْوَاحِدِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلم کے نیک ہونے کی گواہی چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ہم نے عرض کیا اگر تین آدمی گواہی دیں فرمایا اگر تین آدمی اس کے خیر اور نیک ہونے کی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) ہم نے عرض کیا اگر دو آدمی اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں فرمایا اگر دو آدمی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) پھر ہم نے آپ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال نہ کیا[1]۔ (بخاری)

[1] اور ممکن ہے کہ اگر صحابہ کرام ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں سوال کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی گواہی پر بھی اسے جنتی قرار دے دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خبر بشارت اللہ تعالےٰ کی کمال وسعت رحمت وامید اور بندوں پر اس کے فضل وکرم کا بیان ہے۔ اور اس امر کا بیان ہے کہ بندوں کو اس کی درگاہِ رحمت سے توقع اور امید وابستہ رکھنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ جب صحابہ کرام نے تین اور دو آدمیوں کی گواہی کا سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں توجہ اور التماس کی ہو تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوگئی ہو کہ ایسا ہی ہوگا جس طرح اسے حبیب تو کہہ رہا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب خداوندی سے راضی اور خوش اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی اور خوش ہے۔ اور آپ اس کی درگاہ میں محب ومحبوب ہیں۔ آیۃ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اس لشان کا طرۂ امتیاز ہے۔

۱۵۷۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں کو گالیاں نہ دو۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا اس تک پہنچ گئے ہیں[1]۔ (بخاری)

لہ یعنی انہوں نے اپنے اعمال کی جزا پالی ہے۔ اگر ان کے اعمال نیک اور خیر ہیں تو انہیں بدی سے یاد کرنا ٹھیک نہیں اور اگر ان کے اعمال بُرے ہیں تو ہو سکتا ان کی بخشش ہو چکی ہو اور اگر ان کی بخشش نہ ہوئی ہو تو تمہارا انہیں برائی سے یاد کرنا لایعنی کام میں مشغول ہونے کے مترادف ہے۔

۱۵۷۵ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِّلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهٗ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِي اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَآئِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوْا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے دو دو مردوں کو ایک کپڑے (کفن) میں اکٹھا کرتے تھے[1] پھر آپ دریافت کرتے تھے کہ ان دونوں میں قرآن زیادہ کس نے حاصل کیا ہے۔ جب آپ کو بتلایا جاتا تو آپ اسے قبر میں پہلے اتارتے[2]۔ اور آپ نے فرمایا قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا[3]۔ اور آپ نے انہیں خون آلود حالت میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور ان پر نماز نہ پڑھی۔ اور نہ انہیں غسل دیا گیا۔ (بخاری)

لہ بعض نے کہا ایک کپڑے سے ایک قبر مراد ہے۔ کیونکہ انہیں برہنہ کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے کے ساتھ لگ جائیں۔ خطابی نے کہا ضرورت کے تحت ایسا کرنا جائز ہے۔ جس طرح ایک قبر میں دو مرد دفن کرنا۔

لہ گویا وہ دوسرے کا امام ہے۔ اس لیے اسے پہلے قبر میں قبلہ رُخ رکھا جاتا دوسرے کو اس کے پیچھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ قاری ہوتا تھا۔

لہ یہ لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔

لہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کے لیے غسل نہیں ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی۔ غسل نہ دینا تو متفق علیہ مسئلہ ہے مگر نماز جنازہ نہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو قول ہیں ان کا مشہور و مختار مذہب نماز نہ پڑھنا ہے۔ اور ایک قول میں دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل

معاملہ میں ہیں مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں، کہ شافعیہ میں آپس میں اختلاف ہے کہ شہید پر نماز پڑھنے کی ممانعت یعنی حرمت ہے یا یہ کہ واجب و ضروری نہیں۔ اور امام احمد کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں اس باب میں ان آئمہ کی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ کتاب میں مذکور ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل بہت سی احادیث ہیں جو شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں آئی ہیں خصوصاً قصہ احد میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ایک مسئلے کو ثابت کرتی ہیں اور حضرت جابر کی حدیث اس کی نفی کرتی ہے۔ اور ثابت کرنے والی دلیل نفی کرنے والی دلیل سے مقدم ہے۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اس دن معروف تھے۔ کیونکہ ان کے والد اور ماموں دونوں قتل ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے آپ مدینہ آ چکے تھے۔ تاکہ ان کی تدبیر کریں اور ان کا خیال تھا کہ آپ مدینہ طیبہ سے آئے تھے اور وہ حضرات صحابہ جو احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہی رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کا مشاہدہ کیا وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حضور نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔ علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سرھانے تشریف لائے اور ان کا حال جو دین کے دشمنوں نے کر رکھا تھا، دیکھا تو آپ نے آہ و فریاد کی اور رو پڑے اور انصار میں سے ایک شخص نے جو اس وقت حاضر خدمت تھا اپنا کپڑا ان کے چہرہ مبارک پر ڈالا۔ اور نماز پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس پر اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے شہداء پر نماز جنازہ پڑھی پھر انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا۔ اور ان پر نماز پڑھی گئی۔ پھر انہیں اٹھا لیا گیا اور حضرت حمزہ کو ان کی جگہ ہی رہنے دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے تمام شہداء احد پر نماز پڑھی حاکم نے کہا کہ اس حدیث کو حضرت جابر نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ مختصر یہ کہ شہداء پر نماز پڑھنے کی احادیث راجح تر اور غالب تر ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۵۶۶/۲۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ[1] قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مُعْرَوْرٍ فَرَكِبَهُ حِيْنَ انْصَرَفَ مِنْ جَنَازَةِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ[2] وَنَحْنُ نَمْشِيْ حَوْلَهٗ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے زین گھوڑے کے پاس تشریف لائے جب کہ آپ حضرت ابن الدحداح کے جنازے سے واپس لوٹے۔ اور ہم لوگ آپ کے اردگرد پیادہ چل رہے تھے۔

(مسلم)

[1] آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[2] یعنی حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ کے جنازہ سے۔ آپ صحابی ہیں۔ جنازہ سے جاتے وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ملائکہ پیادہ چل رہے ہیں۔ اس لیے سوار ہونا مناسب نہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ واپسی کے وقت آپ سوار ہو گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۲۷/۲۲ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاکِبُ یَسِیْرُ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَ الْمَاشِیْ یَمْشِیْ خَلْفَھَا وَ اَمَامَھَا وَ عَنْ یَمِیْنِھَا وَعَنْ یَسَارِھَا قَرِیْبًا مِّنْھَا وَالسِّقْطُ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَیُدْعٰی لِوَالِدَیْہِ بِالْمَغْفِرَۃِ وَ الرَّحْمَۃِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جنازے کے پیچھے، آگے، دائیں بائیں قریب قریب چلے۔ نامکمل بچہ جو پیٹ سے گر گیا۔ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس کے والدین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے[۲]

(ابوداؤد)

وَ فِیْ رِوَایَۃِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَۃَ قَالَ الرَّاکِبُ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَ الْمَاشِیْ حَیْثُ شَاءَ مِنْھَا وَالطِّفْلُ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ زِیَادٍ۔

اور احمد، ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جیسے چاہے چلے۔ اور بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور مصابیح میں اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن زیاد سے روایت کیا ہے۔

---

[۱] عربی متن میں لفظ سقط آیا ہے جو سقوط سے نکلا ہے۔ سقوط بمعنی گرنا اور بچہ کا پیٹ سے گر جانا۔ لفظ سقط سین کی زیر سا اور پیش اور زبر۔ تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔

[۲] یعنی اس کے والدین کے لیے دعاء مغفرت و رحمت کی جائے۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ساقط شدہ حمل پر اس وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب کہ وہ آواز دے اور اس سے ایسی چیز ظاہر ہو جو اس کے زندہ

ہونے پر دلالت کرے جیسے حرکت یا آواز جیسا کہ باب کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔ امام احمد کے نزدیک اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس سے کوئی آواز نہ نکلی ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جو اس کی زندگی پر دلالت کرے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں مطلقاً نماز جنازہ کا ذکر آیا ہے اس کے زندہ ہونے کی کوئی قید اس میں مذکور نہیں۔ ان کی دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس معنی میں آئی ہے اور کہا ہے کہ جب بچہ کو شکم میں چار ماہ گزر جائیں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اگرچہ پیٹ سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ نہ ہو کیونکہ اس میں روح داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ وہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ اور مردہ پر ہی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ عرف میں مردہ اسے کہتے ہیں جو زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرے۔

سے یعنی پیچھے یا آگے دائیں یا بائیں۔

سے اس روایت میں سقط کے بجائے لفظ طفل واقع ہوا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں طفل سے بھی سقط (ساقط شدہ حمل) ہی مراد ہے۔ ورنہ طفل پر نماز پڑھنے میں کیا اختلاف ہے (کوئی اختلاف نہیں) اور ہو سکتا ہے کہ طفل سے حقیقی طفل مراد ہو اور اس کی نماز جنازہ کا ذکر اس لیے کیا ہو تاکہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ بچہ مرحوم و مغفور ہوتا ہے۔ اس کی نماز جنازہ کی کیا حاجت ہے۔ واللہ اعلم۔

ھے علماء نے کہا ہے کہ یہ تحریف ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تحریف کہاں واقع ہوئی۔ کیونکہ مغیرہ بن زیاد بالکل مجہول آدمی ہے کہ نہ تو صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے۔ پھر یہ حدیث سنن ابو داؤد میں ان زیادہ بن جبیر عن ابیہ عن المغیرہ بن شعبہ واقع ہوئی ہے۔ گویا بعض کاتبین کو اس میں خبط واقع ہو گیا۔ پھر جو لوگ علم حدیث میں احتیاط کے پابند نہیں وہ اس غلطی کی اقتدا کرتے چلے گئے۔ جیسا کہ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ نے کہا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۲/۲۳ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَهْلُ

حضرت زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سالم کے باپ (حضرت ابن عمر) نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ یہ جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔

(احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا کہ محدثین کرام گویا خیال

الْحَدِيْثَ كَانَ هُمْ يَرَوْنَهُ مُرْسَلًا۔ کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے[1]۔

[1] کیونکہ اس کا راوی زہری ہے۔ یا سالم جو تابعین سے ہے مگر فی الواقع یہ حدیث مرفوع ہے۔ کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی سے مروی ہے۔

۱۵۷۹/۲۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَلَا تُتْبَعُ وَلَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے جنازے کو پیچھے نہ کرنا چاہیئے[1]۔ اور وہ شخص جو جنازے کے آگے چلتا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔ — ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ

قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ مَاجِدٍ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ۔ ترمذی نے کہا کہ[2] ابوماجد راوی مجہول آدمی ہے۔

[1] یہ جنازے کے پیچھے چلنے کی تاکید ہے۔ پھر دوبارہ تاکید فرمائی کہ وہ شخص جنازے کے ساتھ ہی نہیں جو جنازے کے آگے چلتا ہے اور اسے جنازے کی ہمراہی کا ثواب بھی نہیں ملتا

[2] یعنی امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور کہا کہ ابوماجد جو راوی ہے مجہول آدمی ہے۔ اسے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مجہول دو قسم ہے۔ ایک مجہول العین، دوسرا مجہول الحال۔ مقدمہ میں ان دونوں قسموں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ نسائی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ بخاری نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث جنازے کے ساتھ چلنے کے بارے میں آئی ہے۔

واضح ہو کہ علماء کا جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ اس پر ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا محبوب تر ہے۔ امام ثوری اور ایک گروہ کہتا ہے کہ آگے پیچھے دونوں طرح چلنا برابر ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جنازے کے آگے چلنا افضل ہے جیسا کہ زہری نے کہا۔ جنازے کے پیچھے چلنے کی دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جو اس باب میں آئی ہیں۔ اور اسی بنا پر بھی کہ جنازے کے پیچھے چلنا عبرت گیری، وعظ و نصیحت اور تفکر و تدبر میں زیادہ ظاہر اور زیادہ موثر ہے نیز مزید سعادت بعد میت کے زیادہ قریب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے کہا میں ایک جنازے میں تھا اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے آگے اور حضرت علی جنازے کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے حضرت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ جنازے کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور یہ دو حضرات ان کے آگے چل رہے ہیں۔ آپ نے اس کا جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا ایسا ہی افضل ہے جس طرح نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر انہوں نے اس بات کو بہتر جانا کہ لوگوں کے لیے آسانی مہیا کریں اور راستہ تنگ نہ کریں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ختم ہوئی۔ دوسرے تین آئمہ کی دلیل سالم سے زہری کی روایت کردہ حدیث ہے جو مذکور ہوئی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قوم میت کی سفارشی ہوتی ہے۔ اور سفارش کرنے والا عرف و عادت میں آگے ہوتا ہے جس کے لیے سفارش ہوتی ہے وہ پیچھے رکھا جاتا ہے۔ اور جو حضرات آگے پیچھے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دلائل متعارض ہیں لہٰذا دونوں طرح جائز ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث بھی پیدل چلنے والے کے لیے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی ایسا ہی مروی ہے۔ کتب فقہ میں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا جنازہ کے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

١٥٨٠/٢٥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَ حَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ رُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنازے کے پیچھے چلا اور اسے تین بار اٹھایا تو اس نے اس کا حق ادا کر دیا جو اس پر تھا۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ شرح سنہ میں روایت کی گئی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ دونوں لکڑیوں کے درمیان اٹھایا۔[1]

[1] یعنی اگلی دو لکڑیاں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ اٹھانے کا سنت طریقہ یہی ہے کہ دونوں لکڑیوں کو دونوں کندھوں پر اٹھائے۔ اور جو لکڑی چوڑائی میں ہے اسے اپنی گردن پر رکھے اور چارپائی کے پچھلے حصے کو دو آدمی اٹھائیں۔ ایک دائیں جانب سے دوسرا بائیں جانب سے پچھلی جانب کی چوڑائی میں واقع لکڑی کو گردن پر اٹھانا ممکن نہیں۔ کیونکہ پھر قدم رکھنے کی جگہ نظر نہ آئے گی اور راستہ دکھائی نہ دے گا۔ لہٰذا جنازہ اٹھانے کے لیے تین آدمی

چاہئیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آگے آگے کا ایک آدمی صرف اگلا حصہ ہی اٹھانے کے لیے مستقل طور پر متعین ہو تو دو آدمی اس کے ساتھ اور بھی ہونے چاہئیں جو اس کی اعانت کریں پس جنازہ پانچ آدمی اٹھائیں گے۔ کتاب حاوی اور اس کی شرح میں جو امام شافعی کے مذہب میں ہے۔ ایسا ہی مذکور ہے۔ ہدایہ میں کہا کہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جنازہ دو آدمی اٹھائیں اگلا آدمی اسے گردن پر رکھے ؟ پچھلا آدمی اپنے سینے پر اٹھائے۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ فلیہ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ یہ صورت زمین سے جنازہ اٹھانے کے وقت ہے اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ دوسرے بھی ان کی معاونت کریں ساحناف کے نزدیک سنت یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ اٹھائیں۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ چار جانب سے اٹھایا جائے۔ اسے امام محمد نے آثار میں حضرت امام ابوحنیفہ سے ان کی سند سے ابن مسعود صحابی تک روایت کیا ہے۔ یوں ہی ابو داؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے از شعبہ از منصور روایت کیا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے دو لکڑیوں کے درمیان جنازہ اٹھانے کا ذکر آثار صحابہ سے کیا ہے۔ اور ایک مرفوع حدیث بھی ذکر کی جسے ضعیف قرار دیا الغرض چار آدمیوں کے اٹھانے میں آثار و احادیث صحیحہ مرفوعہ نقل کیں اور کہا وہ آثار مخصوص حالات پر مشتمل واقعات ہیں جن کے بارے میں احتمال ہے کہ سنت ہو یا کسی مانع کی بنا پر ہو جو خاص حالات کی بنا پر اس کا تقاضی تھا جیسے مکان کا تنگ ہونا یا اٹھانے والوں کا کم ہونا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۸۱/۸۶ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اِنَّ مَلٰٓئِكَةَ اللّٰهِ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ

حضرت ثوبانؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک جنازہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو سواری پر چلتے دیکھا تو فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ملائکہ تو پیدل چل رہے ہیں۔ اور تم سواریوں کی پشتوں پر سوار ہو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ نَحْوَهٗ)

ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے اس کی مثل روایت کیا۔

قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَرُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا

اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حضرت ثوبان سے موقوفاً روایت کی گئی ہے۔

لہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔

۳؎ حاشی میں مذکور ہے کہ آپ نے سواروں کو جنازے کے نزدیک دیکھا یعنی اگر سوار جنازہ سے دور فاصلے پر چلیں تو کوئی حرج نہیں۔ فقہی روایات میں مذکور ہے کہ اگر سواری پر چلنے کی ضرورت درپیش ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔

۴؎ یعنی یہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں۔ مگر معنی مرفوع ہے۔ کیونکہ ملائکہ کے پیدل چلنے کی خبر و اطلاع حضرت نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے سنے کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۵۸۲/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ[۱] اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی[۱]

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں[۲]

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھی۔ جیسا کہ فصل اول میں حدیث ابن عباس میں گزرا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ بطور تبرک نماز سے پہلے یا بعد پڑھی ہو۔ جیسا کہ آج کل متعارف و مروج ہے۔ واللہ اعلم۔

۲؎ اور ابراہیم بن عثمان جو اس حدیث کا راوی ہے منکر الحدیث ہے۔ اس بارے میں جو کچھ ثابت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ آپ کا یہ قول مرفوع ہونے میں صریح نہیں ہے۔ اور فصل اول میں قدرے بحث گزر چکی ہے۔

۱۵۸۳/۲۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص نیت[۱] سے دعا کرو۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ اخلاص کا معنی ہے خدا کی طاعت ہے ریا و شہرت اور نفسانی خواہش کی ملاوٹ کے بغیر۔

۱۵۸۴/۲۹ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازے پر نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بخش دے ہمارے زندے، ہمارے مردے، ہمارے موجود انسان ہمارے غیر موجود انسان ہمارے چھوٹے ہمارے بڑے ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو اے اللہ جسے تو نے ہمارے زندوں میں زندہ رکھا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو نے ہم میں سے وفات دی ہے اسے ایمان پر وفات عطا کر[1] اے اللہ ہمیں اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ کر[2] اور ہمیں اس کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کر۔

(احمد، ابوداؤد)

(ترمذی)

(ابن ماجہ)

عَنْ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ الْاَشْهَلِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَاُنْثَانَا وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِيْمَانِ وَ تَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ فِيْ اٰخِرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

نسائی نے اسے ابو ابراہیم الاشہلی[3] عن ابیہ سے روایت کیا۔ اور نسائی کی روایت وانثانا پر ختم ہو جاتی ہے اور اللھم من احییتہ منا الی آخرہ اس کی روایت میں نہیں۔ اور ابوداؤد کی روایت میں فاحیہ علی الایمان اور توفہ علی الاسلام آیا ہے اور اس کے آخر میں ولا تضلنا بعدہ (ہمیں اس کے بعد گمراہ نہ کرنا) آیا ہے۔

---

[1] زندگی کے ساتھ اسلام کا ذکر کیا۔ اور موت کے ساتھ ایمان کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ زندگی میں ہوتے ہیں۔ مگر موت کے وقت تصدیق قلبی کے سوا بندے کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا۔

[2] یعنی وہ اجر و ثواب جو اس مرنے والے کی موت کی مصیبت و صدمے پر ہمیں ملنا چاہیے۔ اور عربی متن میں واقع لفظ تحرمنا کی زبر اور پیش دونوں طرح مروی ہے۔ حرم اور حرام یعنی کسی چیز سے ناامید کرنا۔

[3] ابو ابراہیم الاشہلی انصاری کو مسلم نے کتاب کنیت میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے

امام بخاری کہ ابراہیم کے باپ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کو نہیں جانتے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ اور اس کا باپ دونوں مجہول شخص ہیں۔

سے یعنی زندگی کے ساتھ ایمان کا ذکر کیا اور اسلام کے ساتھ موت کا یعنی اس کے برعکس جو پہلی روایت میں آیا ہے اور وجہ مناسبت وہاں معلوم ہو چکی ہے، اور جب کہ اسلام اور ایمان حقیقت اور انجام کے اعتبار سے ایک چیز ہے تو دونوں طرح درست ہے۔

۱۵۸۵/۳۰ وَعَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِىْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَ الْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت واثلہ ابن اسقع سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر ہمیں نماز پڑھائی میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی فلاں کا بیٹا فلاں تیرے ذمہ اور تیرے قرب کے عہد میں ہے تو اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچا۔ تو وفا اور حق والا ہے۔ الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

سلہ واثلہ (ثا کی زیر) اسقع (ہمزہ کی زبر، سین ساکن، ق کی زبر)

سلہ یعنی آپ نے اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا۔

سلہ یعنی تیرے عہد و پیمان اور تیری پناہ میں ہے۔

سلہ یعنی تیری ہمسائگی کے عہد میں ہے، یہاں حدیث میں لفظ حبل آیا ہے جس کے معنی ہیں رسا، اور عہد و پیمان مراد ہے۔

شہ کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے وفا یعنی درستی اور قول و قرار پورا کرنا اور تو حق اور سچ والا ہے کہ جو کچھ تو کہتا ہے اور کرتا ہے سارا حق اور ٹھیک ہوتا ہے۔

۱۵۸۶/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مردوں کی

وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ۔ خوبیاں بیان کرو۔ اور ان کی برائیوں سے باز رہو۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) (ابوداؤد، ترمذی)

لہ یہ حکم مسلمانوں نیکوکار لوگوں اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کا فسق و ظلم آشکارہ اور ظاہر نہ ہو

۱۵۹۸ وَعَنْ نَافِعٍ اَبِيْ غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلٰى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَاْسِهِ ثُمَّ جَاءُوْا بِجَنَازَةِ امْرَاَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوْا يَا اَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيْرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ هٰكَذَا رَاَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت نافع ابی غالب[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کے ساتھ ایک مرد کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قرشی عورت کا جنازہ لائے ہوئے بولے اے ابوحمزہ اس پر نماز پڑھئے تو آپ درمیان تخت کے مقابل کھڑے ہو گئے۔ ان سے علاء ابن زیاد[2] نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر ایسے ہی کھڑے ہوتے دیکھا جیسے آپ مرد اور عورت کے جنازے پر کھڑے ہوئے[3] فرمایا ہاں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) (ترمذی) (ابن ماجہ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ نَحْوَهٗ مَعَ زِيَادَةٍ وَفِيْهِ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيْزَةِ الْمَرْاَةِ۔ اور ابوداؤد کی روایت میں اسی کی مثل ہے کچھ زیادتی کے ساتھ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ عورت کے سُرین[4] کے مقابل کھڑے ہو گئے۔

لہ یعنی ان نافع کو ابو غالب بھی کہتے ہیں اور یہ تابعین میں سے ہیں۔ اور یہ وہ نافع نہیں ہیں جو حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲ہ یہ بھی تابعین میں سے ہیں۔

۳ہ یعنی کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا ہے کہ وہ مرد کے جنازے پر سر کے مقابل کھڑے ہوتے

ہوں اور عورت کی چارپائی پہ درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے ہوں۔
۴؎ یہاں عربی میں لفظ مجمرہ یعنی سرین آیا ہے۔ لفظ مجمر (میم کی زبر جیم کی پیش) یعنی سرین کا آخری حصہ۔ اس بارے میں گفتگو فصل اول میں حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث کے تحت ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۶۸/۳۲ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ كَانَ سَهْلُ ابْنُ حُنَيْفٍ وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرَّ عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِيْلَ لَهُمَا اِنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَيْ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ اَلَيْسَتْ نَفْسًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبدالرحمٰن[1] ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سہل ابن حنیف[2] اور قیس ابن سعد قادسیہ[3] میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر جنازہ گزرا تو دونوں صاحب کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ زمیندار[4] یعنی ذمی کافر کا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ گزرا۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا کیا یہ جان[5] نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ آپ اکابر تابعین اور کوفہ کے تابعین کے طبقہ اول میں سے ہیں اور بڑی معزز اور بزرگ شخصیت ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوایوب انصاری وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔
یہ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا ہے جو سب کے سب انصار میں سے تھے۔ عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں میں گمان نہیں کرتا کہ عورتوں نے اس جیسا کوئی بچہ جنا ہو۔ ان کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی جب کہ حضرت عمر کی خلافت کے چھ سال باقی رہ گئے تھے۔ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے کوئی حدیث نہیں سنی۔
۲؎ حنیف (ح کی پیش)
۳؎ قادسیہ عراق کی ایک جگہ کوفہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔

ـــه زمیندار سے ذمی لوگ مراد ہیں یا انہیں زمین والے ان کی حقارت اور مذلت پر کہا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ زمین کے کام کاج کی رغبت اور اسی کا شوق رکھتے ہیں یا اس بنا پر انہیں اہل زمین کہا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ان پر زمین میں خراج یہ مقرر کر رکھا تھا۔

ـــه یعنی کیا یہ جاندار چیز نہیں ہے۔ اس کی موت سے ڈرنا اور عبرت گیر ہونا چاہیے۔

۱۵۹۹/۳۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبِعَ جَنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ لَهُ إِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ الرَّاوِيْ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ.

حضرت عبادہ ابن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتے تو نہ بیٹھتے حتی کہ میت قبر میں رکھ دی جاتی آپ کے سامنے ایک یہودی پادری آیا عرض کیا کہ اے محمد ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے لگے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت[۱] کرو۔

ترمذی۔ ابوداؤد ابن ماجہ

ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور بشر[۲] بن رافع راوی قوی نہیں ہے۔

ـــه ظاہر یہ ہے کہ آپ کو وحی ہوئی کہ بیٹھ جایا کریں ورنہ آپ ہر اس کام میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جس میں آپ کو ممانعت نہ ہوئی ہوتی تھی تو یہ حکم پہلے حکم کا ناسخ بن گیا۔

ـــه بشر با کی زیر امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور بشر بن رافع جو اس حدیث کا راوی ہے، قوی نہیں ہے۔

۱۶۰۰/۳۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا اس کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اس

جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔
(احمد)

۱۵۹۱ وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ[1] قَالَ اِنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمْ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ اَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ.
(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت محمد ابن سیرین[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ حضرت حسن ابن علی اور ابن عباس پر گزرا تو حسن کھڑے ہوگئے ابن عباس کھڑے نہ ہوئے امام حسن نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے جنازے کے لیے نہ کھڑے ہوئے فرمایا ہاں، پھر بیٹھنے لگے[2]۔
(نسائی)۔

[1] آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] یعنی پہلے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے، بعد میں کھڑا ہونا ترک کر دیا تو پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ نسخ جنازہ (یہود و کفار) کے ساتھ خاص ہے۔ یا مطلق ہے (سب کے لیے ہے) ظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۲ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِسًا فَمُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ النَّاسُ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِسًا وَكَرِهَ اَنْ يَعْلُوَ رَاْسَهٗ

حضرت امام جعفر بیٹے محمد کے اپنے باپ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حسن ابن علی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگ کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ جنازہ گزر گیا، حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ یہودی کا جنازہ[1] تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے راستے پر تشریف فرما تھے، آپ کو یہ بات بری لگی کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ کے سر سے بلند ہو۔ اس لیے آپ کھڑے

جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ۔ ہو گئے۔[1]

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

[1] اس لیے نہ اٹھنا چاہیے۔

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کا جنازہ دیکھ کر جو کھڑے ہوئے تھے اس وجہ سے کھڑے ہوتے تھے یہودی کا جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے۔ یہ حضرت امام حسن کے جنازہ کے لیے کھڑے نہ ہونے کے حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد ہے۔ بعد ازاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ کیونکہ امام محمد کی امام حسن رضی اللہ عنہم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

۱۵۹۳/۳۸ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَرَّتْ بِكَ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ اَوْ مُسْلِمٍ فَقُوْمُوْا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُوْمُوْنَ اِنَّمَا تَقُوْمُوْنَ لِمَنْ مَّعَهَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تیرے پاس سے یہودی یا نصرانی یا مسلمان کا جنازہ گزرے تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ تم اس کے لیے کھڑے نہیں ہو رہے بلکہ تم تو ان ملائکہ کے لیے کھڑے ہوتے ہو جو اس جنازے کے ساتھ ہوتے ہیں۔[2]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) (احمد)

[1] حدیث کی بعض روایات میں فَقُمْتُم آیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک فقوموا لہا کے زیادہ مناسب ہے۔

[2] یہ ملائکہ یا تو ملائکہ رحمت ہوتے ہیں اگر میت مسلمان ہو یا ملائکہ عذاب ہوتے ہیں اگر میت کافر ہو تو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے اسباب مختلف ہیں۔ کبھی تو آپ گھبراہٹ اور جنازہ سے عبرت کے طور پر کھڑے ہوتے تھے۔ کبھی ملائکہ کے اکرام و عزت کی خاطر جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی اس امر کی کراہت کے لیے کہ جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے اور کبھی آپ ان میں سے کسی بات کا اعتبار نہ کرتے حالات و مقامات کے اختلاف کے باعث اس بارے میں اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ آخر کار آپ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ بہر حال آپ کا جو فعل بھی پہلا تھا وہ منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۴/۳۹ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کو فرماتے سنا۔ کوئی مسلمان نہیں جو مرتا ہے پھر اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھتی ہیں مگر اللہ تعالے واجب[1] ثابت کر دیتا ہے تو حضرت مالک نے یہ دستور بنالیا تھا کہ جب جنازہ پڑھنے والوں کی کمی محسوس کرتے تو اس حدیث کی بنا پر تین صفیں بناتے۔ (ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّاهُمْ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ اَوْجَبَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے اور نمازیوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو ان کے تین حصے بناتے پھر فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس جنازے پر تین صفوں نے نماز پڑھی اللہ تعالےٰ نے اس پر واجب ثابت کر دی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎ ہبیرہ ھا کی پیش، با کی زبر، یا ساکن۔ آپ صحابی ہیں، حضرت امیر معاویہ کی طرف سے اسلامی افواج کے کمانڈر تھے، مروان کے دور حکومت میں رحلت فرمائی رضی اللہ عنہ

۲؎ یعنی اس فعل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت اور مغفرت واجب کر دی۔

۳؎ جنازہ پڑھنے کے لیے موجود افراد تعداد میں کم پاتے تو الی آخرہ۔

۱۵۹۵/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو اس کا رب ہے اور تو نے اسے پیدا کیا اور تو نے اسے دین اسلام کی ہدایت کی۔ اور تو ... اس کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو بہتر جانتا ہے۔ ہم

اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَقَدْ جِئْنَاكَ شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

سفارشی بن کر آئے ہیں۔ تو اس کی مغفرت فرمائیے
(ابوداؤد)

سلہ قبض کا اصل معنی ہے بند کرنا یا کسی چیز کو پکڑنے کا آتا ہے۔
سلہ یعنی ہم لوگ یہ خواہش رکھتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں کہ تو اسے بخش دے۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھی جس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا میں نے آپ کو سنا کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ اسے عذاب قبر سے پناہ میں رکھیو
(مالک)

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ يَقْرَأُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا.

اور بخاری سے یہ روایت تعلیقاً مروی ہے۔ اور امام حسن بصری بچے پر سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اسے ہمارے لیے پیش رو بنا۔ اور اسے فرط اور اجر و ذخر بنا

سلہ کہ وہ ایک غیر مکلف بچہ تھا۔
سلہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نابالغ بچوں سے بھی سوال ہوتا ہے اور وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی رکنا یا نابالغ بچوں کے سوال و جواب قبر میں احتمالات ہے۔ مگر غیر مکلف کے لیے عذاب قبر، عدل شرع کے خلاف ہے۔ اس مسئلے کی توجیہات باب ایمان بالقدر میں گزر چکی ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔
سلہ کہ بطریق تعلیق ترجمہ باب میں کہا۔
سلہ سلف موت کے منہ میں پہلے جانے والا۔ فرط وہ شخص جو قافلے میں سے آگے جائے تاکہ گھوڑوں کے لیے چارہ۔ ڈول رسی وغیرہ سامان تیار کرے اور کنواں وغیرہ پاک و صاف کرے۔ ذخر فال کی پیش ش کی معنی وہ مال جو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور وقت ضرورت کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اجر یعنی اجرت و مزدوری۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَلَا یَرِثُ وَلَا یُوْرَثُ حَتّٰی یَسْتَهِلَّ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَا یُوْرَثُ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طفل پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ کسی کا وارث بنتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث بنتا ہے جب تک کہ چیخ نہ مارلے۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مگر ترمذی نے لفظ لایورث (اس کا کوئی وارث نہیں بنتا) ذکر نہ کیا۔

[۱] یعنی جب تک اس سے زندگی کا نشان ظاہر نہ ہو۔

۱۵۹۶ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقُوْمَ الْاِمَامُ فَوْقَ شَیْءٍ وَالنَّاسُ خَلْفَہٗ یَعْنِیْ اَسْفَلَ مِنْہُ۔ رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیُّ فِی الْمُجْتَبٰی فِیْ کِتَابِ الْجَنَائِزِ۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام کسی بلند چیز پر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے یعنی اس سے نشیب میں کھڑے ہوں[۲]۔ اسے دارقطنی نے مجتبیٰ میں کتاب الجنائز کے اندر روایت کیا۔

[۱] آپ مشہور صحابی ہیں بعض نے انہیں اصحاب بدر میں شمار کیا ہے۔ مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ بدر کی جانب ان کی نسبت اس بنا پر ہے کہ ان کی سکونت بدر میں تھی اس بنا پر نہیں کہ آپ غزوہ بدر میں شامل تھے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ اکیلا امام کسی بلند چیز پر کھڑا اور مقتدی اس کے پیچھے کسی پست شے پر کھڑے ہوں یہ حکم تمام نمازوں کیلئے ہے صرف نماز جنازہ کے ساتھ خاص نہیں ہے پھر حدیث کے الفاظ بھی اس کے ساتھ خاص نہیں ہیں صرف نماز جنازہ کے ذکر کی مناسبت سے اس باب میں ذکر کر دی گئی۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ حدیث اسی باب میں وارد ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے لوگوں نے یہ عادت بنا رکھی ہو۔ نماز جنازہ اس طرح پڑھتے ہوں۔ تو انہیں ایسا کرنے سے روکا گیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ دَفْنِ الْمَيِّتِ

دفن میت کا باب

دفن بمعنی ستر (چھپانا)، ہے پھر اس کا استعمال زیادہ تر میت کو زمین میں چھپانے میں ہونے لگا۔ لفظ قبر بھی دفن کے معنی میں ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ پر ہونے لگا جہاں میت کو چھپاتے ہیں۔ قبر انسان کے دفن کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ مقبرہ (میم کی زبر قاف کے بعد یا میم اور با کی زبر سے بھی آیا ہے) سب سے پہلا شخص جو زمین میں دفن ہوا ہابیل تھا کیونکہ سب سے پہلا مرنے والا انسان یہی ہابیل تھا پھر قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک لحد دوسری شق دونوں جائز ہیں۔ مگر لحد افضل اور سنت کے زیادہ مطابق ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان احادیث کی شرح میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — فصل اول

۱۶۰۱ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي هَلَكَ فِيهِ إِلْحَدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عامر[1] بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس بیماری میں فرمایا جس میں آپ فوت ہوگئے میرے لیے لحد[2] کھودنا اور میرے اوپر کچی اینٹیں[3] کھڑی کرنا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔ (مسلم)

---

[1] آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] لحد لام کی زبر یا پیش دونوں طرح آیا ہے۔ بعد میں حا ساکن۔ لغت میں اس کا معنی ہے ایک طرف جھکنا شرعی لحد اس قبر کو کہتے ہیں جس میں جانب قبلہ گڑھا کھودا جائے۔ حدیث میں وارد لفظ اِلْحَدُوْا ہمزہ کی زیر حا کی زبر اور ہمزہ کی زبر اور حا کی زیر دونوں روایتیں ہیں۔

[3] حدیث میں لفظ لَبِن آیا ہے۔ لام کی زبر با کی زیر پر وزن کَتِف اس کا واحد لَبِنَۃ بر وزن کلمہ ہے لیکن لام و با دونوں کی زیر سے بھی آیا ہے۔

۱۶۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِي قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيْفَةٌ حَمْرَآءُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں سرخ رنگ کا کپڑا رکھا گیا[۱] (مسلم)

[۱] حدیث میں لفظ قطیفہ آیا ہے یعنی سرخ رنگ کا کمبل یعنی سرخ دھاری دار۔ اسے خمیلہ اور مخمل بھی کہتے ہیں۔ یہ کمبل شریف آپ کی قبر انور میں ڈالنے کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شقران (شین کی پیش وقاف ساکن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نے صحابہ کرام کی اجازت اور رضا کے بغیر اسے ڈالا تھا تاکہ آپ کے بعد اسے کوئی اور نہ پہنے۔ علماء نے میت کے نیچے کپڑا بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں تضییع اور اسراف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۲ وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهٗ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سفیان التمار[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور دیکھی کہ وہ کوہان نما[۲] تھی۔ (بخاری)

[۱] تمار۔ تا کی زبر اور شد۔ آپ اکابر علماء میں سے ہیں۔ صحابہ کا زمانہ پایا مگر ان میں سے کسی سے روایت نہیں کی۔

[۲] کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ حضرت سفیان تمار نے کہا کہ میں اس کمرے میں داخل ہوا جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ ہیں۔ میں نے ان کی قبور کو اونٹ کی کوہان کی شکل میں دیکھا۔ قبر میں سنت بھی یہ ہے کہ اوپر سے ان کی شکل کوہان کی طرح ہو۔ بہت سی اخبار اللہ آثار صحیحہ اس کے ثبوت میں وارد ہیں۔ پھر افضل یہ ہے کہ قبر انور کی بلندی ایک بالشت کے برابر ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی بلندی ایک بالشت کی مقدار ہے۔ قبر میں اس قدر بلندی کافی ہے

ہمارے ملک ہندوستان میں اگرچہ سطح زمین پر قبر کا نشان مربع بناتے ہیں۔ مگر اس پر چھوٹا سا کوہان نما نشان بھی بنا دیتے ہیں تاکہ سنت کی رعایت بھی ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک اوپر کا نشان سطح (ہموار نشان) بنایا جاتا ہے۔ کتاب حاوی میں جو ان کے مذہب میں لکھی گئی ہے۔ کہا گیا ہے ہموار بنانا کوہان نما بنانے سے اولیٰ ہے۔ اس کی شرح میں مذکور ہے کہ سطح نشان اس لیے اولیٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر سطح بنائی تھی۔ حضرت قاسم بن محمد سے منقول ہے کہ انہوں نے ان قبور منیرہ کو سطح شکل میں دیکھا۔ البتہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے تابعین و صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا کہ یہ قبریں کوہان نما تھیں یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۰۳ وَعَنْ اَبِی الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الہیاج الاسدی سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی تصویر باقی نہ چھوڑ مگر اسے مٹا دے اور نہ کوئی بلند قبر مگر اسے زمین سے ہموار کر دے۔ (مسلم)

لہ ابو الہیاج (ھا کی زبر یا مشدد آخر میں جیم) الاسدی یعنی قبیلہ بنی اسد سے۔ آپ تابعی بزرگ اور صحیح الحدیث ہیں۔

لہ یہ لفظ تمثال کا ترجمہ ہے صراح میں ہے کہ تراشی ہوئی صورت کو تمثال کہتے ہیں۔

لہ یعنی اسے پست کر دے۔ یہاں تک کہ وہ زمین کے اس قدر نزدیک ہو جائے کہ اس سے قدرے نمایاں اور ظاہر دکھائی دے یعنی ایک بالشت بلند ہو جیسا کہ سنت ہے۔

۱۶۰۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ اس پر کوئی چیز تعمیر کی جائے اور اس پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔ (مسلم)

لہ علماء نے فرمایا ہے اگر اس پر مٹی کی لپائی کی جائے تاکہ ویران نہ ہو تو یہ درست اور جائز ہے۔

لہ بعض نے کہا کہ قبہ وغیرہ کی عمارت منع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس پر خیمہ وغیرہ لگانا ممنوع و مکروہ ہے۔

لہ کیونکہ قبر پر بیٹھنا عبرت گیری اور عزت مومن کے منافی ہے۔ بعض نے کہا قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا منع ہے۔ بعض سلف سے قبر پر سونا منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۰۵ وَعَنْ اَبِیْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا۔

حضرت لہ مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو لہ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

ف۱ مرثد میم کے زیر را ساکن ثا کی زبر، غنوی غین اور نون کی زبر آپ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔
ف۲ اس بارے میں مفصل گفتگو باب المساجد ومواضع الصلوۃ میں ہو چکی ہے۔

۱۶۰۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰی جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِهٖ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا آگ کے انگارے پر بیٹھنا جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ آگ اس کے جسم تک پہنچ جائے[1] قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

(مسلم)

ف۱ یہ حدیث کے لفظ تخلص کا ترجمہ ہے تخلص خلوص سے بنا ہے۔ یعنی کسی چیز تک پہنچنا۔ لام پر پیش ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۱۶۰۷ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِیْنَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا یَلْحَدُ وَالْاٰخَرُ لَا یَلْحَدُ فَقَالُوْا اَیُّهُمَا جَآءَ اَوَّلُ عَمِلَ عَمَلَهٗ فَجَآءَ الَّذِیْ یَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں دو آدمی تھے۔ ایک لحد بناتا تھا[1] دوسرا شق[2] صحابہ نے کہا جو پہلے آجائے وہ اپنا عمل کر گیا[3] تو پہلے وہ شخص آگیا جو لحد تیار کیا کرتا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد تیار کی گئی[4]

(شرح سنہ)

ف۱ یعنی حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
ف۲ یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
ف۳ اس اختلاف کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد قبر تیار کی جائے یا شق۔
ف۴ حضرت ابوطلحہ انصاری اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ قبر (شق) جائز ہے اگر ناجائز ہوتی تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ یہ قبر کیوں تیار کرتے

۱۶۰۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَ الشَّقُّ لِغَيْرِنَا.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِيُّ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لیے اور شق دوسروں کے لیے ؎

ترمذی ۔ ابوداؤد نسائی ۔ ابن ماجہ
اور احمد نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی۔

؎ اور اگر لفظ "ہمارے لیے" سے مسلمان اور "دوسروں کے لیے" سے یہود و نصاریٰ کی شق مراد ہوں تو پھر اس میں شک نہیں کہ لحد شق سے افضل نہ ہوگی بلکہ شق کردہ ہوگا۔ اور اگر "دوسروں کے لیے" سے گزشتہ امتیں مراد ہوں تو اس صورت میں لحد شق سے افضل ہوگی۔ بہرصورت لحد واجب نہیں اور شق ممنوع نہیں۔ اگر ممنوع ہوتی حضرت ابوعبیدہ اسے تیار نہ کیا کرتے نظاہر یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کا شق قبر بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے یا ایکا سے درست تسلیم کرنے کی بنا پر ہوگا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر اتفاق کرنا کہ جو صاحب پہلے آئے وہ اپنی طرز کی قبر بنائے بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں قسم کی قبر بنانا جائز و درست ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ "لحد ہمارے لیے ہے" اپنی پسند کا بیان ہے۔ سنت کا بیان نہیں۔ یعنی ہم لحد پسند کرتے ہیں۔ اور دوسرے شق جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا "دوسروں کے لیے" سے غیر اہل مدینہ مراد ہیں کیونکہ مدینہ منورہ کی زمین سخت و مضبوط اور لحد کھودنے کے قابل ہے بخلاف دوسرے علاقوں کے اور طیبی نے کہا کہ یہ حدیث ان اخبار میں سے ہے جن میں آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ یعنی میرے بعد لوگ شق قبر بنایا کریں گے تو یہ آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۱۶۰۹ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَ اَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَ اَحْسِنُوْا وَ ادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَ الثَّلٰثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا. رَوَاهُ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا قبریں کھودو انہیں کشادہ اور گہری بناؤ۔ اور اچھی بناؤ۔ اور دو دو اور تین آدمی ایک قبر میں دفن کردو اور جو قرآن زیادہ جانتا تھا اسے قبر میں پہلے اتارو۔

(احمد۔ ترمذی)

اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النِّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اِلٰی قَوْلِہٖ وَ اَحْسِنُوْا۔

ابو داؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے لفظ احسنوا تک روایت کی۔

لہ حضرت ہشام اور ان کے باپ عامر دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی حدیث بصریوں میں مشہور ہے۔ ان سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

سلہ جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت شہید ہو گئی۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر گہری کرنا سنت ہے کہ اس میں میت کے ضائع ہونے سے حفاظت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ قبر کی گہرائی درمیانے قد کے آدمی کے سینے کے اوپر کے حصے تک ہونی چاہیے۔ اگر اس سے بھی گہری کریں تو افضل ہے۔ اور اگر آدمی کے قد کے برابر گہری کریں تو بہت بہتر ہے جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں محیط سے نقل کیا۔

سکہ یعنی اسے اچھی طرح ہموار کرو اور خس و خاشاک سے خوب صاف ستھری کرو۔ بعض نے کہا احسان سے مراد یہ ہے کہ میت کو نہلانے دھلانے میں نرمی اور شفقت کرو اور نیز تجہیز و تکفین اسے اٹھانے اور قبر میں اتارنے میں پوری احتیاط سے کام لو جیسا کہ شیخ کی شرح (فتح الباری) میں ہے۔

شہ یہ ضرورت اور مجبوری کے وقت ہے۔ بلا ضرورت درست نہیں۔

۱۶۱۰/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِیْ بِاَبِیْ لِتَدْفِنَہٗ فِیْ مَقَابِرِنَا فَنَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلٰی اِلٰی مَضَاجِعِہِمْ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ لَفْظُہٗ لِلتِّرْمِذِیِّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے احد کے دن میری پھوپھی میرے شہادت یافتہ باپ کو لے کر آئی تاکہ اسے ہماری قبروں میں دفن کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ شہداء کو ان کی جگہوں کی طرف واپس لوٹاؤ لہ۔

(احمد، ترمذی)

(ابو داؤد، نسائی، دارمی)

اور یہ لفظ ترمذی کے ہیں۔

لہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردہ جس جگہ مرا ہو وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔ حضرت جابر اور ان کے باپ کے قصے سے خصوصاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اسے اپنی جگہ واپس لایا جائے۔ مگر یہ کہ حضرت جابر کی پھوپھی کا حضرت جابر کے باپ کو دوسری جگہ لانے سے لے جانے کا ارادہ مراد ہو۔

لیکن صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس موقعہ کے چھ ماہ بعد اپنے باپ کو جنت البقیع میں لائے اور وہاں دفن کیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے بے ضرورت جائز نہیں۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ اگر میت کو دفن سے پہلے اور اس پر اینٹیں درست کرنے سے پہلے منتقل کریں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ ایک دو میل کی مسافت پر لے جانا مطلوب ہو کیونکہ عموماً قبرستان اتنے فاصلے پر واقع ہوتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ہر شہر کے قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں وہ مرا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی زیارت کو گئیں اور وہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر مرے تھے۔ پھر وہاں سے انہیں منتقل کر کے مکہ لایا گیا تھا، تو فرمایا اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس موجود ہوتی تو تجھے اس جگہ سے منتقل نہ کرتی بلکہ جس جگہ تو مرا تھا وہیں تجھے دفن کرتی اور دفن کرنے اور اس پر مٹی برابر کرنے کے بعد منتقل کرنا درست نہیں ہے۔ کہ قبر کا اکھیڑنا اگرچہ تھوڑے یا زیادہ وقت کے بعد ہو ناجائز ہے۔ مگر کسی مجبوری اور عذر کے تحت اور عذر یہ ہے دفن کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میت کو غصب شدہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ یا اس زمین کو شفع کرنے والا لے جائے گا اور بہت سے صحابہ کرام حربی زمین میں دفن کیے گئے۔ وہاں سے انہیں منتقل کر کے دوسری جگہ نہ لایا گیا، اور اگر مالک زمین، زمین کو ہموار کر کے اس میں کھیتی باڑی کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مردہ کا حق زمین کے اندر ہے ظاہر سطح زمین سے اس کا حق متعلق نہیں۔ عذروں میں سے ایک عذر یہ بھی ہے کہ لحد میں کسی کا مال یا کپڑا گر گیا ہو اور اسے نکالنا مقصود ہو۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایک عورت کا بچہ کسی دوسرے شہر میں دفن کر دیا گیا ہو اور وہ عورت اس کے دفن کے وقت وہاں موجود نہ ہو پھر عورت آگاہ ہوتے ہی بے صبری کرنے لگے اور چاہے کہ اسے وہاں سے منتقل کرے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا بعض متاخرین کا اسے جائز قرار دینا غیر معتبر بات ہے۔ اور اگر کوئی میت بے غسل یا بلا نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو اب اسے قبر سے نکالنا جائز نہیں اور جہاں مرا ہو اسی مکان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ جہاں موت واقع ہوئی ہو وہاں ہی دفن کرنا انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کا خاصہ ہے۔ دوسرے شخص کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے جس گھر میں مرا ہے وہاں دفن نہ کرنا چاہیے اور دو یا دو سے زیادہ کو ایک قبر میں دفن نہ کیا جائے۔ مگر ضرورت کے تحت۔ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا

۱۶۱۱/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُسِلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور میں سر کی طرف سے داخل کیا گیا۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ) (شافعی)

لہ حدیث میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا اور باہر نکالنا جیسے تلوار اور چھری وغیرہ کو نیام سے باہر نکالنا میت کو سر کی طرف سے کھینچنے کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پاؤں والی جانب رکھا جائے پھر اس کے سر کی جانب سے قبر میں لایا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک جنازہ قبر کی دائیں جانب رکھا جائے۔ چنانچہ میت کے پاؤں قبر کے پاؤں کی طرف ہوں اور میت کا سر قبر کے سر کی جانب اور میت کو اس طرح اٹھا کر قبر میں رکھا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردے کو قبر میں اسی طرح رکھتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف میں اس قدر وسعت و کشادگی نہ تھی کہ قبلہ کی جانب سے آپ کو قبر میں اتارا جاتا۔ کیونکہ آپ کی قبر شریف دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔

۱۶۱۲ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا فَأُسْرِجَ لَهُ بِسِرَاجٍ فَأَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللهُ إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْآنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں رات کو داخل ہوئے اور آپ کے لیے چراغ جلایا گیا تو آپ نے میت کو جانب قبلہ کی طرف سے پکڑا۔ اور آپ نے کہا اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے بے شک تو اللہ کے خوف سے بہت آہ و زاری کرنے والا تھا۔ اور بہت قرآن پڑھنے والا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور شرح سنۃ میں کہا اس کا اسناد ضعیف لہ ہے۔

لہ امام ترمذی نے یہاں فرمایا کہ اس باب میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت جو حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں) سے احادیث آئی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز و درست ہے۔ بعض نے رات کے وقت دفن کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

۱۶۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ. وَفِي رِوَايَةٍ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا تو بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ اور ایک روایت میں ہے وعلی سنۃ رسول اللہ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوُدَ الثَّانِيَةَ)

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابو داؤد نے دوسری روایت کی

لہ لفظ اُدخل صیغہ مجہول و معروف دونوں طرح مروی ہے۔

لہ یعنی ان محدثین نے تو یہ حدیث ان دعا الفاظ کے ساتھ روایت کی۔ اور ابو داؤد نے صرف وعلی سنۃ رسول اللہ کے الفاظ سے یہ حدیث روایت کی۔

۱۶۱۴/۱۵ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ رَشَّ)

حضرت جعفر بن محمد اپنے باپ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک سے تین لپ مٹی ڈالی اور بیشک آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا۔ اور اس پر کنکریاں رکھیں۔ اسے شرح سنۃ میں روایت کیا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اسے لفظ رش سے روایت کیا ہے

لہ یعنی حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے۔

لہ حدیث میں لفظ حثیٰ آیا ہے۔ یہ حثو سے مشتق ہے۔ یعنی کسی کے چہرہ پر خاک ڈالنا۔ حثیٰ بر وزن رمٰی یعنی دونوں ہاتھ سے یکبارگی کسی چیز کو اٹھانا۔

لہ حضرت ابراہیم ابن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

لہ یعنی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت کی ابتدا لفظ رش علی قبر ابنہ تا آخر ہے۔ اور حدیث کا اول حصہ کہ حثی علی المیت سے تا آخر امام شافعی کی روایت میں نہیں ہے۔

۱۶۱۵/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے ان پر کچھ لکھنے اور ان پر کچھ تعمیر کرنے اور انہیں پامال کرنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

۱؎ کیونکہ اس میں تکلف اور آرائش ہے (جس کی ضرورت نہیں) اور امام حسن بصری نے مٹی کی لپائی جو جائز قرار دیا امام شافعی رحمۃ اللہ نے کہا مٹی سے لپائی مستحب ہے۔ فتاویٰ خانیہ میں کہا مٹی کی لپائی میں کوئی حرج نہیں۔ مگر امام کرخی اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ کتاب مطالب المؤمنین میں ہے۔

۲؎ یعنی خدا و رسول پاک کا اسم گرامی رہتا کہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے نہ آئے اور اس پر کوئی حیوان بول پیشاب نہ کر دے بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے قبر پر تحریر شدہ تختیاں کھڑی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بے فائدہ فعل ہے۔ مگر جب کوئی غرض صحیح متعلق ہو تو پھر جائز و روا ہے۔

۳؎ اور یہ بھی مستحب ہے کہ قبروں میں ننگے پاؤں آئیں۔ جیسا کہ کتاب شرعۃ الاسلام میں ہے۔

۱۶۱۶/۱۷ وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِيْ رَشَّ الْمَاءَ عَلٰى قَبْرِهٖ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ[۱] بِقِرْبَةٍ بَدَأَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس صاحب نے آپ کی قبر انور پر پانی چھڑکا تھا وہ حضرت بلال بن رباح[۱] تھے۔ آپ نے ایک مشکیزے سے پانی چھڑکا۔ آپ کے سر مبارک کی طرف سے شروع کیا یہاں تک کہ چھڑکتے چھڑکتے آپ کے پاؤں مبارک تک پہنچ گئے۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

۱؎ رباح را کی زبر سے۔

۱۶۱۷/۱۸ وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ اُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِيْ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ

حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور ان کا جنازہ نکالا گیا اور دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر اٹھا کر لائے۔ وہ اس پتھر کو اٹھا نہ سکا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر کو اٹھانے کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنے بازوؤں سے آستین اوپر چڑھائیں۔ حضرت مطلب فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی مجھے خبر دی تھی اس نے فرمایا تھا گویا

اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِ ذِرَاعَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ حِیْنَ حَسَرَ عَنْھُمَا ثُمَّ حَمَلَھَا فَوَضَعَھَا عِنْدَ رَأسِہٖ وَ قَالَ اُعْلِمُ بِھَا قَبْرَ اَخِیْ وَ اَدْفِنُ اِلَیْہِ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَھْلِیْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں مبارک کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ جب کہ آپ نے اپنی آستین اوپر چڑھائیں آپ نے وہ پتھر اٹھایا اور اسے ان کے سر کے قریب رکھ دیا اور فرمایا میں اس کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان قائم کرتا ہوں۔ اور میں اس کے پاس دفن کروں گا اپنے اہل میں سے جو فوت ہوگا۔

(ابوداؤد)

سلہ وَوَاعَۃ واؤ کی زبر۔ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ یہ حدیث آپ ایک دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں کیونکہ خود آپ اس وقت موجود نہ تھے۔

سلہ مظعون ظاء کے ساتھ آپ مہاجرین میں سے پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ آکر فوت ہوئے اور آپ کا جنازہ باہر جنت البقیع کی طرف لایا گیا۔ اور وہاں دفن کیا گیا۔

سلہ اور دونوں دست مبارک باہر نکالے۔ بکسر حا اور سین سے معنی برہنہ کرنا۔

سلہ یعنی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر انور کا۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مروان بن الحکم نے وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر رکھ دیا۔

سلہ چنانچہ ان کے بعد سب سے پہلے جو صاحب ان کی قبر کے ساتھ دفن کیے گئے وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور جب حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اچھے سلف (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر مل جا۔

۱۶۱۸/۱۹ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَۃَ فَقُلْتُ یَا اُمَّاہُ اِکْشِفِیْ لِیْ عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ صَاحِبَیْہِ فَکَشَفَتْ عَنْ ثَلٰثَۃِ قُبُوْرٍ لَّا مُشْرِفَۃٍ وَّلَا لَاطِئَۃٍ مَبْطُوْحَۃٍ

حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے میری ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبر سے پردہ ہٹائیں اور میرے لیے ان کا دروازہ کھولیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین قبور کے آگے سے پردہ ہٹایا جو نہ تو زمین کے ساتھ

بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

متصل تھیں اور نہ زمین سے بہت زیادہ بلند تھیں ان پر سرخ رنگ کی بجری پڑی ہوئی تھی۔ (ابوداؤد)

سلہ یعنی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم آپ اکابر تابعین، افاضل زمانہ اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء کرام میں سے تھے۔

سلہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما یہ تینوں قبور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھیں جب تک ان قبور مطہرہ منورہ تک پہنچنے کا راستہ موجود تھا، ان کے آگے پردہ پڑا رہتا تھا جب زائرین ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتے تھے تو پردہ اٹھا دیا جاتا اور لوگ اندر آکر زیارت کرتے۔

سلہ علماء فرماتے ہیں ان کی بلندی ایک بالشت تھی۔

سلہ بطحاء کشادہ نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوں۔ یہاں بطحاء سے کنکریاں مراد ہیں۔

سلہ دراصل عرصہ گھر کے صحن کو کہتے ہیں اور ہر کشادہ جگہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے بعد مدینہ مطہرہ کے اطراف میں واقع ایک مخصوص جگہ کے لیے یہ زیادہ تر استعمال ہونے لگا۔

۱۶۱۹/۲۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَجَلَسْنَا مَعَهُ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهٖ كَأَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے لیے نکلے اور قبر تک پہنچ گئے۔ جو ابھی تک تیار نہ ہوئی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کے آخر میں یہ لفظ زیادہ روایت کیے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں ل

سلہ گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں یعنی ہم پر انتہائی خضوع و سکون طاری تھا۔ یہ حدیث باب ما یقال عند من حضرہ الموت کی تیسری فصل میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اضافہ کے ساتھ جو وہاں مذکور ہیں گزر چکی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر تک جنازے کے ساتھ چلنا اور اس کے دفن تک اس کی انتظار میں بیٹھنا سنت ہے

۱۶۲۰/۴۲۱ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا[1] (مالک، ابو داؤد، ابن ماجہ)

[1] حضرت ابن عبدالبر نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام باتوں سے مردے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے۔ اس بات کو یہ امر لازم ہے کہ مردے کو بھی ان تمام باتوں سے لذت محسوس ہوتی ہے، جن سے زندہ انسان لذت پذیر ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۲۱/۲۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ اَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی[2] کی تدفین کے وقت موجود تھے، درانحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جو آج رات اپنی بیوی کے پاس نہ گیا ہو[3] حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا میں (یارسول اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اترو پس فرمایا تم اس کی قبر میں اترو آپ اس کی قبر میں اتر گئے۔ (بخاری)

[2] یہ حضرت ام کلثوم تھیں۔ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

[3] جس نے اس رات گناہ نہ کیا ہو یا جس نے آج کی رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ لفظ اقتراف و مقارفت (پہلے ثلاث مجرد، دوسرا باب مفاعلہ) کے دونوں معنی ہیں۔ اور یہاں دونوں معنوں پر محمول کیا گیا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں دوسرا معنی زیادہ بہتر اور راجح ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ اس رات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈیوں میں سے کسی کو طلب کیا اور اس سے جماع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمانے میں اشارۃً حضرت عثمان کو قبر میں اترنے سے منع فرما دیا۔

اور آپ کے اس فعل کو ناپسند جانا۔ محدثین کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ایسا کیا اور آپ کا عذر یہ تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بیماری طوالت اختیار کر چکی تھی، حضرت عثمان کا یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس رات میں فوت ہو جائیں گی۔ تو بے بس ہو کر آپ نے لونڈی سے جماع کر لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تو حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا۔ الخ۔

سے حضرت ابو طلحہ انصاری جو حضرت انس کی والدہ کے خاوند تھے۔ نے عرض کیا میں وہ شخص ہوں جس نے آج کی رات بیوی سے جماع نہیں کیا۔

سے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ اشکال حاصل نہ کیا جائے کہ اس کام کے لیے خاوند اور ذی رحم رشتہ دار، غیر رشتہ دار نیک لوگوں سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کے لیے قبر میں اترنے سے کوئی امر مانع ہو۔ امام نووی نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور فرمایا کہ اس حدیث سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ جسے بیوی سے جماع کیے کافی وقت گزر چکا ہو وہ اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۶۶۲/۲۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهٖ وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ اِذَا اَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَّلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا جب کہ آپ پر سکرات موت طاری ہو چکی تھی، جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی بین کرنے والی نہ جائے اور نہ میرے ساتھ آگ جائے۔ اور جب مجھے دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی چھڑک دو۔ پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اسے تقسیم کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ تاکہ میں تم سے سکون حاصل کروں۔ اور پہچان لوں کہ خدا تعالیٰ کے فرستادہ فرشتوں کا کیا جواب دیتا ہوں۔ (مسلم)

سلہ آپ مشہور صحابی ہیں رضی اللہ عنہ

سے اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ میت کے ساتھ آگ لے کر جاتے تھے تاکہ مشک وغیرہ سلگانے کے کام آسکے۔

سے یعنی مجھ پر تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالنا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ میت ہر ایسی چیز سے درد وغیرہ محسوس کرتا ہے جو سخت ہو۔ شین کی پیش نون مشدد اور شین اور نون مشد کے ساتھ بھی پانی چھڑکنا۔ یہاں مٹی چھڑکنے کے لیے

استعمال ہوا ہے۔

۴ے حدیث کے بعض الفاظ میں لفظ جزور (جیم کی زبر) آیا ہے یعنی اونٹ ذبح کرنا۔

۵ے اصل میں لفظ استانس آیا ہے جو انس سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے سکون اور آرام پانا۔

۶ے جو قبر میں آتے اور سوال کرتے ہیں۔

۱۶۲۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَأَسْرِعُوْا بِهٖ إِلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (راتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے روک نہ رکھو بلکہ اسے قبر کی طرف جلدی لے جاؤ اور اس کے سر کی جانب سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات[۱] اور اس کی پائنتی کی جانب سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں[۲]

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔ (اور ان کا قول ہے)[۳]

۱ے یعنی اول سورت سے ھم المفلحون تک۔

۲ے یعنی آمن الرسول سے تا آخر سورت بقرہ۔ اور آثار میں سورۃ فاتحہ معوذتین (سورۃ قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس) اور سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھنے اور اہل قبور کے لیے ثواب بخشنے کا ذکر آیا ہے۔ میت کے لیے قرآن کا ثواب بخشنے اور اسے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ قول صحیح یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔ شیخ عبداللہ یافعی رحمہ اللہ نے روض الریاحین میں نقل کیا ہے کہ عزالدین عبدالسلام رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے دنیا میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ مگر اس عالم برزخ میں اس فتویٰ کے خلاف سامنے آیا ہے۔ اور وہ یہ کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔

۳ے یعنی بطریق مرفوع حدیث روایت نہیں۔

۱۶۲۴ وَعَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

بِالْحُبْشِيِّ وَهُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ بِهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ.

وَكُنَّا كَنَدْ مَانَيْ جُذَيْمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَ مَالِكًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حُبشی (ایک جگہ کا نام) ہے ایک مقام ہو تو ان کا جنازہ وہاں سے اٹھا کر مکہ شریف لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ شریف لائیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی قبر پر بھی آئیں۔ تو کہا شعر

ہم دونوں عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح رہے حتیٰ کہ کہا جانے لگا یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پھر جب ہم میں جدائی واقع ہو گئی تو اس کے باوجود کہ ہم عرصہ دراز تک اکٹھے رہے ایسا محسوس ہوا کہ ہم نے کبھی ایک رات بھی اکٹھے نہیں بسر کی۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس ہوتی تو تو وہیں دفن ہوتا جہاں فوت ہوا تھا اور اگر میں بوقت موت تیرے پاس موجود ہوتی تو اب تیری زیارت کو نہ آتی شہ

(ترمذی)

لے مُلَیکہ میم کی پیش، لام کی زبر یا ساکن۔ آپ مشہور تابعین سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔

ٹے حُبشی حا کی پیش، با ساکن بعد میں شین تین نقطوں والا، آخر میں یا مشدد مکہ معظمہ کے قریب ایک نشیبی جگہ ہے بعض نے کہا کہ یہ جگہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

سے یعنی جنت المعلیٰ میں۔

کے یعنی مکہ معظمہ میں حج کے لیے تشریف لائیں۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئیں۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ حضرت ام رومان ہیں۔

شہ اور تمیم بن نویرہ کے دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں پڑھے تھے۔ جبکہ اسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا تھا۔ کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔

ے جذیمہ (جیم کی زبر ذال نقطہ والی کی زیر) جیساکہ پڑھنے جانے والے نسخوں میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور جذیمہ (جیم کی پیش ذال کی زبر) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب صحاح میں کہا جذیمہ عراق کے ایک بادشاہ کا نام تھا جس نے جزیرہ العرب کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اس بادشاہ کے دو ساتھی تھے۔ ایک کا نام مالک دوسرے کا عقیل یہ دونوں مسلسل چالیس برس ایک دوسرے کے ساتھی اور بادشاہ کے ہمنشین رہے۔ اور ان دونوں کو نعمان نے قتل کیا تھا ان کے قتل کا قصہ عجیب وطویل ہے۔ جو کہ مقامات حریری کی شرح میں مذکور ہے۔ حِقبۃ (حا کی زیر قاف ساکن) بمعنیٰ مدت دراز حا کی پیش سے بمعنیٰ اسی سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے لفظ دہر بھی آتا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں کہا حِقبہ حا کی زیر سے بمعنیٰ سالہا سال۔ اور حُقُبٌ و حُقُبٌ بمعنیٰ اسی یا اس سے بھی زیادہ سال کا عرصہ جیسا کہ خدائے تعالیٰ کے قول مبارک اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا اور لابِثِیْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا میں ہے تو شاعر کہتا ہے ہم دونوں جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح تھے جو مدت دراز تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ کہا گیا کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اور جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو گویا میں اور مالک عرصہ دراز تک اکٹھے رہنے کے بعد اس طرح ہو گئے کہ ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔ شعر میں لِطُولِ کا لام بمعنیٰ بعد یا مع ہے۔ یہ دو شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تے پڑھے۔

ے کیونکہ جائے موت سے میت کو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سنت اور افضل ہے۔

ے کیونکہ زیارت قبر کوئی لازم وضروری کام نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات عدت گزارنے والی عورتوں کی طرح ہیں جن کے لیے گھروں میں ہی رہنا لازم وضروری ہوتا ہے۔ سوائے ضروری کام مانند حج وغیرہ باہر نکلنا جائز و درست نہیں۔ پھر بظاہر حدیث عورتوں کے قبور کی زیارت کو جانے کی ممانعت میں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات ممانعت کی حدیث کی تاویل کرتے اور اسے منسوخ قرار دیتے ہیں اور مجھے تیری جائے موت سے دوسری جگہ دفن کے لیے لے جانا میرے نزدیک مکروہ ہے گو چونکہ میں تیری موت کے وقت تجھ سے ملاقات نہ کر سکی اس لیے تیری قبر کی زیارت کے لیے آئی ہوں تاکہ زیارت قبر تیری ملاقات کے قائم مقام ہو جائے۔ ورنہ ترک زیارت بہتر تھا۔ اسے کہہ لو۔

۱۶۲۵/۳۹ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَعْدًا وَ رَشَّ عَلٰی قَبْرِہٖ مَآءً (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو قبر میں اتارا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ ے (ابن ماجہ)

ے ان کے اظہار عزت وتکریم اور ان پر خصوصی مہربانی اور رعایت کے لیے۔

۱۶۲۶/۴۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر

عَلٰی جَنَازَۃٍ ثُمَّ اَتَی الْقَبْرَ فَحَثٰی عَلَیْہِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِہٖ ثَلَاثًا۔
(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

نماز جنازہ پڑھی پھر قبر کے پاس آئے اور اس کے سر کی طرف سے اس پر تین بار مٹی ڈالی لہ
(ابن ماجہ)

لہ یعنی اپنے دست مبارک سے۔

۱۶۲۶/۲۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِہٖ۔
(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عمرو بن حزم لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو تکلیف نہ دے یا اُسے تکلیف نہ دے۔ لہ (احمد)

لہ حزم (حا کی زبر زا ساکن) حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں۔ غزوہ خندق کے سال پندرہ برس کی عمر میں ایمان لائے اور سترہ سال کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن میں نجران کا عامل مقرر فرما کر بھیجا۔
لہ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لا تؤذ صاحب ھذا القبر فرمایا یا لا تؤذہ فرمایا یعنی لفظ صاحب ھذا القبر کے بجائے ضمیر سے بیان فرمایا۔ اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ میت کی روح اس کو برا مناتی ہے۔ اور تکیہ لگانے سے دشمنی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں میت کی اہانت اور اس کی حقارت ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْبُکَاءِ عَلَی الْمَیِّتِ

میت پر رونے کا باب

میت پر بے نوحہ اور آواز بلند کیے رونے میں حرج نہیں۔ مگر واویلا نوحہ کرنا اور میت کی مدح سے زیادہ اور ایسی تعریف دستائش کرنا جو محال و ناممکن کے مشابہ ہو، مکروہ اور منع ہے تاہم جائز صفت و ثنا اور ذکر محاسن جب کہ واویلا کی شکل میں نہ ہو، مکروہ نہیں ہے۔ پھر مصائب پر تین دن سے زیادہ اور قبر پہ جا کر سوگ منانا بھی مکروہ ہے۔ اور ماتم پرسی دفن سے پہلے اور اس کے بعد تین دن تک جائز ہے۔ تعزیت یعنی ماتم پرسی کا معنی ہے مصیبت زدہ کو صبر و برداشت کی تلقین کرنا۔ عزا یعنی صبر ہے۔ پھر ماتم داری کے لیے دروازے پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ مگر بعض مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ ماتم داری کے لیے تین دن تک بیٹھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ دن مکروہ ہے۔ بعض نے سات دن تک جائز قرار دیا ہے۔ عطائے خراسانی سے جو تابعین میں سے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے تو

ساری مخلوق سات روز تک مددو قی رہی۔ بہت سے متاخرین نے کہا ہے کہ اہل بیت کے گھر جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے دروازے سے پر بیٹھیں اور لوگ جمع ہو کر آئیں تعزیت کریں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جلدی ہی دفن سے فارغ ہوں اور واپس لوٹیں تو منتشر ہو جائیں۔ صاحب میت کو چاہیے کہ اپنے کام میں مشغول ہو جائے اور باقی لوگ بھی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔ اور تعزیت ایک بار سے زیادہ دفعہ نہ کرنی چاہیے بعض مشائخ بخارا نے کہا میت حاضر کی تعزیت تین روز تک ہے اور میت غائب کی صرف ایک دن۔ بعض نے کہا غائب کے لیے تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ گھر میں بیٹھے یا مسجد میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی خبر سن کر مسجد میں بیٹھے اور لوگ تعزیت کے لیے آتے تھے۔ اور جو تکلفات لوگوں نے آج کل اختیار کر رکھے ہیں سب بدعت و تشنیع اور ناجائز ہیں۔ اور اگر تعزیت کنندہ یوں کہے کہ تجھے بہت بڑی یا سخت مصیبت لاحق ہوئی ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسا کہنا کفر ہے۔ بعض نے کہا کفر تو نہیں مگر گناہ بہت بڑا ہے۔ اور بعض نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ جتنی زندگی اس کی کم ہوئی اتنی تجھے زیادہ مل جائے تو یہ کلمہ بھی کفر ہے۔ اور اگر اس طرح کہے تیری عمر زیادہ ہو تو یہ بھی خطا اور جہالت ہے۔ یہ سب باتیں کتاب مطالب المؤمنین میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۶۲۸ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے ہاں گئے۔ وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کے شوہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو پکڑا اور انہیں چوما اور سونگھا۔ اس کے بعد پھر ہم لوگ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنی جان آفرین کے سپرد کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنا شروع ہو گئیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی؟ (رو رہے ہیں) فرمایا اے

عَوْفٍ وَ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ یَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰی فَقَالَ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ابن عوف یہ رحمت رقت کے آنسو ہیں۔ اس کے بعد بھی آپ کے آنسو بہتے رہے۔ اور آپ نے فرمایا آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ دل غم میں ڈوبا ہوا ہے مگر ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب تعالیٰ کو پسند ہے اور اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی اور فراق پر غمناک ہیں۔

(بخاری و مسلم)

سلہ یعنی حضرت ابو سیف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کے شوہر تھے۔ ان کا نام براء بن اوس تھا اور ان کی زوجہ کا نام خولہ بنت المنذر تھا۔ حدیث میں جو لفظ ظئر آیا ہے۔ لغت میں اس کا معنی ہے دوسرے کے بچے پر مہربانی اور شفقت کرنے والا۔

سلہ یعنی ان کی جان نکلنے کے قریب تھی۔ حضرت ابراہیم اس وقت دو سال کے تھے۔ بعض نے کہا اس وقت آپ سولہ ماہ اور آٹھ دن کے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق ایک سال دو ماہ اور چھ دن کے تھے۔ الغرض آپ شیر خوارگی کی عمر میں رحلت کر گئے۔

سلہ حدیث میں لفظ تذرفان آیا ہے۔ یہ لفظ ذرف (ذال نقطہ والا، راء اور فا) یعنی آنکھ سے آنسوؤں کا جاری ہونا۔

سلہ یعنی اس معرفت اور جلالت شان کے باوجود آپ رو رہے ہیں؟ اور اشک بہا رہے ہیں۔

شہ یعنی یہ جان دینے والے پر رحمت و رقت کے آنسو ہیں جو اس کے حال کے مشاہدے کی بنا پر کہ وہ ان کمزور جسم کے ساتھ اس شدت تکلیف میں مبتلا ہے۔ یہ آنسو بے صبری اور جزع فزع کے طور پر نہیں ہیں۔ جیسا کہ تم نے خیال کیا ہے۔

سلہ حدیث کے ان مزید الفاظ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ نے اس کلمہ کے بعد اور کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

سلہ اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال کمال البشری ہے جو تمام لطائف اور قوی ظاہری و باطنی کو شامل ہے جیسا کہ بشر کے حال کے لائق و مناسب ہے کہ وہ روح، نفس اور طبیعت کی جملہ صفات کا جامع ہوتا ہے بخلاف ملائکہ کے حال کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ آپ ہر چیز کو اس کا حق عطا کرتے تھے اور آپ سے تمام حواس و قوی کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا جو کچھ آپ کے مقدور میں ہوتا وہ آپ سے قدرت و اختیار سے صادر ہوتا تھا اور جو کچھ غیر مقدور ہوتا وہ بتقاضائے طبیعت اور غیر اختیاری طور پر ظاہر و صادر ہوتا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو نقص

لازم آتا۔ اور یہ سب کچھ حق و حکمت کے عین موافق ہے۔ اور یہ آپ کے حواس و قوی کے سالم اور درست ہونے کی دلیل و علامت ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مرتبہ تمام و کمال حاصل تھا۔ اور یہ بوقت نزع آپ کو تکلیف پہنچنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے۔ محققین صوفیہ فرماتے ہیں کہ ارباب تمکین و ولایت کے لیے ان کی طبیعت، نفس روح، قلب اور سر کے لطائف جدا جدا آپس میں خلط ملط کے بغیر اپنے اپنے عمل اور کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے آثار و نتائج ان پر مرتب اور صادر ہوتے رہتے ہیں۔ لطیفہ سر تو خدا تعالے و تقدس کی ذات سے متصل رہتا ہے۔ اور روح اس کی محبت میں مستغرق قلب اس کے ذکر میں مشغول نفس اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور لطیفہ جسمیت ان حظوظ و لذائذ میں مصروف رہتا ہے جو انسان کے تمام بدن کے لیے درکار ہیں۔ مگر سب کے سب لطائف حق تعالے کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں۔ اور ان اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۲۹ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنًا لِّي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ رِجَالٌ فَرُفِعَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَ نَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیؓ نے آپ کی طرف کسی کو بھیجا کہ میرا ایک بچہ حالت نزع میں ہے اس لیے آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں کسی کو ان کی طرف بھیجا کہ حضور علیہ السلام سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور اسی اللہ کا ہے جو وہ عطا کرتا ہے۔ ہر چیز کی اس کے ہاں ایک مدت معین ہے۔ لہٰذا اسے صبر کرنا اور طالب اجر و ثواب بننا چاہیے۔ اس پر آپ کی صاحبزادی نے پھر کسی کو آپ کی طرف بھیجا اور عرض کیا کہ میں قسم دے کر کہتی ہوں کہ آپ ضرور اپنی صاحبزادی کے ہاں تشریف لائیں۔ تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت اور کچھ اور لوگ بھی آئے۔ تو وہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی

اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جان حرکت کر رہی تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو رحیم اور مہربان ہوتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ؒ ؒ ؒ ؒ

سلہ یہ حضرت زینب زوجہ ابو العاص بن الربیع ہیں۔

سلہ اور اس کی جان نکلنے کے قریب ہے۔

سلہ لہٰذا اس بچے کی زندگی بھی اس مدت معین تک ہے۔

سلہ حدیث میں لفظ تقعقع آیا ہے جو تقعقعہ سے نکلا ہے اس کا معنیٰ وہ آواز ہے جو ہتھیاروں اور کھلتے وقت دانت زور سے ایک دوسرے پر مارنے سے بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح خشک چیز کو زور سے مارنے سے جو آواز نکلتی ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ صراح میں ہے تقعقعہ ہتھیاروں کی آواز اور دین کے اندر گھسنے کی آواز۔

ھہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عرض کیا۔

سلہ یعنی یہ کیا بات ہے کہ آپ بلند اور قوی حوصلہ ہونے کے باوجود رو رہے ہیں۔ اور اشک بہا رہے ہیں۔

۱۶۳۰/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَّسَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ ایک بیماری میں مبتلا تھے ان کی بیمار پرسی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے جب حضور ان کے پاس پہنچے تو انہیں سخت حالت میں پایا۔ آپ نے فرمایا ان کی زندگی کے دن پورے

لہ اشعۃ اللمعات کے موجودہ نسخہ میں سعد بن ابی وقاص ہی ہے۔ شاید شیخ رحمۃ اللہ نے کسی روایت میں ایسا ہی پایا ہو۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ سعد سے حضرت سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

فَبَكَىٰ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُّعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْ يَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کر رو پڑے ایک صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابھی نہیں مرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے جب لوگوں نے آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رو پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہیں سنتے کہ اللہ تعالیٰ آنکھ سے صرف آنسو بہانے پر عذاب نہیں دیتا اور نہ دل کے غمناک ہونے پر بلکہ اس پر عذاب دیتا ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا یا زبان کے عمل پر رحمت کرتا ہے۔ اور بے شک میت کو اس کے اہل و عیال کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

لہ حدیث میں لفظ غاشیہ آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ایسا حادثہ جس نے انہیں چھپا لیا اور ان کا احاطہ کر لیا ہے یہ شدت مرض اور غم و درد سے کنایہ ہے۔ غاشیہ ایسے کام کو کہتے ہیں جو بہت سخت و دشوار ہو کہ انسان کا گھراؤ کر لے یعنی مرض وغیرہ اسی معنیٰ کے اعتبار سے قیامت کو غاشیہ کہا گیا ہے۔ صراح میں ہے غاشیہ بمعنیٰ قیامت، و درد اور شکم کی بیماری۔ بعض نے کہا حدیث میں غاشیہ سے مراد وہ جماعت ہے جس نے ان کا احاطہ کر رکھا تھا اور جو ان کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھی۔

لہ انہیں سخت حالت میں دیکھ کر۔ یا آپ نے استفہام کے طور پر فرمایا۔

لہ یعنی ان پر موت طاری کر دی گئی اور ان کی زندگی کا کام ختم کر دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں واقع لفظ (قضی) بصیغہ معلوم بھی روایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ وقضی نحبہ میں۔ یعنی اس نے اپنی مدت حیات پوری کر لی ہے۔

لہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی یا صدیقی کے دور میں رحلت فرمائی۔

لہ یعنی شرعی احکام سنو، کہ اللہ تعالیٰ الخ

لہ یعنی اس کے عمل پر عذاب دیتا ہے۔

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کی رحمت زبان کے عمل پر مرتب ہوتی ہے۔ اگر زبان سے بین اور نوحہ کیا

اور نامناسب الفاظ کہے تو عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو رحمت و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

ؔ اس کی تحقیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آرہی ہے۔

۱۶۳۱/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں[1] جس نے رخسار پیٹے گریبان پھاڑے۔ اور دور جاہلیت کے دعوی کیے[2]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والے لوگوں میں سے نہیں۔

[2] جیسے نوحہ گری اور واویلا وغیرہ۔

۱۶۳۲/۵ وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰى اَبِيْ مُوْسٰى فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِيْ وَكَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَخَرَقَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ)

حضرت ابو بردہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ (اشعری) پر بے ہوشی[2] طاری ہو گئی تو ان کی بیوی ام عبداللہ[3] آئی جو آواز سے رو رہی تھی۔ پھر وہ ہوش میں آئے اور فرمایا تجھے علم نہیں؟ اور وہ اپنی بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا میں اس شخص سے بے زار ہوں جس نے اپنے بال منڈائے اور آواز بلند کی اور گریبان پھاڑا۔

(بخاری و مسلم۔ اور یہ لفظ مسلم کے ہیں)

[1] بردہ (با کی پیش را ساکن) آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔ تابعین سے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ اغمی آیا ہے جو غمی سے مشتق ہے (میم کی زبر اور الف مقصورہ) بمعنی بے ہوش۔ اغماء یعنی بے ہوش کرنا۔ غمی علیہ و اغمی علیہ دونوں طرح صیغہ مجہول استعمال ہوتا ہے۔

[3] یعنی ان کی کنیت ام عبداللہ ہے۔

سے حدیث میں لفظ رَنَّۃ آیا ہے۔ (را کی زبر نون کی شد) رونے کی وہ آواز جو بلند اور پست کی جائے یعنی جو آواز گلے میں گھمائی جائے۔

ھے یعنی مصیبت کے وقت

۱۶۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ الْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَ الْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّيَاحَةُ وَقَالَ النَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں دور جاہلیت کی ہیں جنہیں لوگ نہ چھوڑیں گے اپنے حسب پر فخر[۱]۔ دوسروں کے نسب پر اعتراض[۲] ذکرنا یعنی ستاروں سے بارش طلب کرنا[۳] اور ماتم میں نوحہ کرنا۔ اور آپ نے فرمایا نوحہ کرنے والی جب موت سے پہلے توبہ نہ کرے[۴] تو اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر شلوار[۵] کا لباس اور جرب[۶] کی قمیص ہوگی۔ (مسلم)

لے یعنی حسب پر ناز کرنا اور نفس کا اس کی مدح وثنا کرنا حسب ان صفات خصائل اور شرف ومجد سے عبارت ہے جو کسی انسان اور اس کے باپ دادا میں پائے جاتے ہوں اور انسان انہیں گن گن کر بیان کرے۔

سے دوسری چیز لوگوں کے نسب میں طعن کرنا اور اس میں عیب نکالنا ہے۔ اپنے نسب پر فخر اور اس کی مدح کرنا ان دونوں باتوں کا خلاصہ دراصل اپنے نفس کی تعظیم اور دوسروں کی تحقیر ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ ہاں اسلام پر فخر اور کفر کی تحقیر ومذمت درست اور ٹھیک ہے۔

سے یعنی ستاروں کے اپنی منزلوں میں داخل ہونے پر بارش کو لازم سمجھے جیسا کہ کہتے ہیں جب فلاں ستارہ اپنی منزل میں پہنچے گا تو بارش ہوگی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ مُطِرْنَا بنوء کذا یعنی فلاں ستارے کے اپنی منزل پر پہنچنے سے ہمارے علاقہ میں بارش ہوئی ہے۔ اس جملے میں دراصل قواعد نجوم اور اس کے احکام پر عقیدہ رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ہے۔

سے یعنی اس دنیا سے توبہ کر کے نہ جائے۔ تو میدان محشر میں کھڑی کی جائے گی۔

ھے حدیث میں لفظ قطِران آیا ہے۔ (قاف کی زبر طا کی زیر یا اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے) یہ ایک روغن ہے

جو ایک مشہور درخت سے نکالا جاتا ہے۔ پھر چراغ میں ڈال کر اسے جلاتے اور خارش زدہ اونٹوں کو اس سے طلا کرتے ہیں اس روغن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے آگ بہت بھڑکتی ہے۔ اور یہ بہت جلد چیز کو جلاتا ہے۔

سلہ جَرَب جیم و را کی زبر۔ یہ ایک مشہور مرض ہے۔ جسے خارش کہتے ہیں اور حدیث میں واقع لفظ درعٌ کا معنی ہے عورت کا کرتا بھر بال یعنی کرتا عورت کا ہو خواہ مرد کا یعنی اس کے جسم پر خارش مسلط کی جائے گی۔ پھر اس کے جسم پر قطران (رال) سے طلا کیا جائے گا۔ تاکہ درد و سوزش زیادہ ہو۔ بعض علما نے عمل نوحہ گری اور جرب (خارش) کی صورت میں اس کی جزا میں یہ مناسبت بیان کی ہے کہ جب کہ (مرگ دوست اپنے چہرے کو خراشتی اور اپنے کپڑے پھاڑتی تھی تو اسے تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا جسے وہ برداشت نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے آپ کو ہر وقت خراشتے رہنا اور کپڑے پھاڑتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے رقت انگیز کلمات کے ساتھ مصیبت زدہ لوگوں کے دلوں کو خراشتی اور ان کے باطن کو زخمی کرتی تھی لہٰذا اس کے مناسب سزا میں اسے ڈالا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۱۶۳۴ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي قَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيلَ لَهَا إِنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ فَقَالَتْ لَمْ أَعْرِفْكَ فَقَالَ إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر[1] اس نے عرض کیا آپ مجھ سے دور رہیں کہ آپ میرے جیسی مصیبت سے دوچار نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپ کو پہچان نہ سکی۔ اس عورت سے کہا گیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ جان کر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی اور آپ کے در اقدس پر کوئی دربان کھڑا نہ پایا[2] عرض کی میں[3] آپ کو پہچان نہ سکی۔ آپ نے فرمایا صبر تو وہ ہے جو صدمہ پہنچتے ہی کیا جائے[4]۔

(بخاری و مسلم)

سلہ یعنی جس بات سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اس سے صبر کر اور خدا تعالیٰ سے ڈر۔

سلہ جس طرح بادشاہوں اور امراء کے دروازوں پر ہوتے ہیں۔ اس نے آپ کے در اقدس سے اندر آنے میں کوئی رکاوٹ نہ پائی۔ اس عورت کو گویا خوف و ہیبت لاحق تھی۔ اس کا گمان تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی بادشاہوں

اور سلاطین کی طرح ہوں گے۔ اور اسے آپ کے پاس پہنچنے کی مجال و گنجائش اور اجازت نہ ہوگی تاکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کر سکے۔

ﷺ یعنی اس عورت نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا "میں شناخت نہ کر سکی کہ آپ پیغمبر خدا ہیں تاکہ میں آپ کا حکم بجالاتی اور بے ادبی کی مرتکب نہ ہوتی"

ﷺ یعنی صبر و برداشت معتبر اور پسندیدہ نہیں مگر صدمہ پہنچنے کے ابتداء میں ہی۔ مصیبت کی حالت میں کچھ وقت گزرنے کے بعد تو مجبوراً صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صدم کا معنی ہے کسی سخت چیز کو دوسری سخت چیز پر زور سے مارنا جیسا کہ یہاں مصیبت کو جو سخت چیز ہے دل پر ڈالنا کہ دل بھی شدائد و تکالیف کے سہنے کے اعتبار سے ایک سخت شے ہے۔ مصیبت اپنی شدت کے ساتھ دل سے آکر ٹکراتی ہے اور اسے پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔ صدم کا معنی کسی چیز کے پہنچنے کا بھی آتا ہے جیسے کسی بلا و مصیبت کا پہنچنا۔ یہ دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے گر پہلے معنی میں بلاغت زیادہ ہے۔

۱۶۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے تین بچے فوت نہیں ہوتے۔ پھر وہ دوزخ میں بھی جائے۔ مگر قسم پوری کرنے کے لیے۔ (بخاری و مسلم)

ﷺ یعنی جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوگئے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

ﷺ یعنی دوزخ میں صرف قسم حلال اور پوری کرنے کے لیے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کے دوزخ میں جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ دوزخ میں داخل ہو کر رہے گا۔ یعنی اگرچہ صرف ایک آن کے لیے ہو۔ جیسے چمکنے والی بجلی اور چلنے والی ہوا۔ عرب کہتے ہیں میں نے یہ کام صرف قسم پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ یعنی صرف اتنی دیر کے لیے کیا ہے۔ جس سے میں اپنی قسم کی ذمہ داری پوری کر سکوں۔ اس کے لیے ادنیٰ فعل یعنی صرف ایک بار کر لینا کفایت کرتا ہے۔ پس جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوگئے وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا مگر اتنی دیر کے لیے کہ قسم پوری ہو جائے۔

۱۶۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ لَا يَمُوْتُ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی چند عورتوں کو فرمایا تم میں سے کسی کے تین بچے

لِاِحْدٰىهُنَّ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهٗ اِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ اَوِ اثْنَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَوِ اثْنَانِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فوت ہو جائیں گے۔ پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر بھی کرے۔ مگر وہ عورت جنت میں داخل ہو گی۔ (یہ بات سن کر) ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا یا دو مرتے ہوں یا رسول اللہ۔ فرمایا یا دو ہی مرے ہوں۔

(مسلم شریف)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا ثَلٰثَةٌ لَّمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ.

اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں ہے تین بچے جو گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔

۱ یعنی یا رسول اللہ آپ اس طرح فرمائیں کہ تین بچے مرے ہوں یا دو مرے ہوں۔ اس اجر و جزا کو تین کے ساتھ خاص نہ کریں۔

۲ آپ کا یہ فرمانا اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ صمدیت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے اسی وقت یہ وحی ہوئی ہو۔ یا اس دوسری عورت کے عرض کرنے پر آپ نے دعا کی ہو اور آپ کی دعا قبول ہو گئی ہو۔

۳ یعنی جو بلوغت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ اس عمر کو پہنچ کر کوئی فعل گناہ متصور ہوتا ہے۔ اور اس پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ بلکہ وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو جائیں۔ یہ دستور ہے کہ عورتیں چھوٹے بچوں پر زیادہ مہر و شفقت کرتی اور ان کی موت کو نہایت ازحد محسوس کرتی ہیں اور چھوٹے بچے زیادہ تر عورتوں کے تابع اور ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں بخلاف بالغ اولاد کے (کہ وہ کام کاج کے لیے ان سے دور بھی چلے جاتے ہیں)

۱۶۳۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ مومن کی میرے پاس جزا نہیں جب کہ میں اس کے اہل دنیا میں سے اس کے کسی خالص دوست کی روح قبض کر لیتا ہوں پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر کرتا ہے۔ مگر جنت

(بخاری)

۱ یعنی حدیث قدسی میں فرمایا۔

۲ خالص دوست وہ ہوتا ہے جس کی دوستی میں تکلف و بناوٹ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ جیسے بچہ وغیرہ جو اہل دنیا

ہیں سے ہو جانے کہ اہل آخرت ہیں سے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۱۶۴۰: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّائِحَۃَ وَ الْمُسْتَمِعَۃَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور اسے سننے والی پر لعنت کی ہے[1] (ابوداؤد)

[1] یعنی جو رضا و رغبت سے نوحہ سنے۔ لفظ مؤنث اس بنا پر لایا ہے کہ نوحہ گری زیادہ تر عورتوں کا کام ہے یا نوحہ گروں کی جماعت مراد ہے۔ یا نوحہ کرنے والی ذات مراد ہے۔ اس معنی کے مطابق یہ لفظ مردوں کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ گر معنیٰ اول زیادہ ظاہر ہے۔

۱۶۴۱: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَشَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِہٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ امْرَاَتِہٖ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کا کام عجیب ہے اگر اسے خیر[1] پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اس کا شکر بجا لاتا ہے اور اگر اسے مصیبت[2] پہنچتی ہے تو اس کی حمد کرتا اور صبر اختیار کرتا ہے تو مومن کو اس کے ہر کام میں اجر و ثواب ملتا ہے[3] یہاں تک کہ اس لقمے میں بھی جو وہ اپنی عورت کے منہ کی طرف اٹھاتا ہے[4]
اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] خیر یعنی نیکی، نعمت، مال و منال، تندرستی وغیرہ۔

[2] مصیبت یعنی سختی اور غم و صدمہ وغیرہ کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جلال اور اس کے لطف و قہر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بندے پر مختلف حوادث و مصائب اور حالات وارد کرنے سے خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسے پہچانے اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی تو بندے پر اس نعمت کا شکر لازم ہو جاتا ہے۔

[3] یعنی مومن کو ہر کام اور ہر حال میں نعمت ہو یا مصیبت شکر ہو یا صبر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے

سکہ یعنی دوستی اور رحمت کے تحت ادائیگی نفقہ کی نیت سے۔ یہ عمل اگرچہ بظاہر شہوت اور حظ نفس کے طور پر ہوتا ہے مگر فی الحقیقت اداۓ حق ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ مشائخ شاذلیہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ایسے افعال سے مقصود حق کی موافقت ہے۔ نہ کہ نفس کی مخالفت۔ اس حدیث میں تمام حالات میں اجر و ثواب کی تاکید و تائید ہے۔ حقوق ہوں یا عبادات، حظ نفس سے متعلق امور ہوں یا عادات ایں سب کیونکہ یہ نیک نیتی پر مبنی ہیں۔ اور مباح امور اگرچہ بظاہر قبیلہ شہوات نفسانی میں سے ہوں جب وہ نیت عبادت پر مشتمل ہوں تو مستحبات کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور عادات عبادات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں

۱۶۴۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَہٗ بَابَانِ بَابٌ یَّصْعَدُ مِنْہُ عَمَلُہٗ وَ بَابٌ یَنْزِلُ مِنْہُ رِزْقُہٗ فَاِذَا مَاتَ بَکَیَا عَلَیْہِ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی فَمَا بَکَتْ عَلَیْہِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مومن مگر اس کے لیے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ وہ ہے جس سے اس کے عمل اوپر چڑھتے ہیں۔ دوسرا وہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے۔ جب مومن فوت ہو جاتا ہے تو دونوں اس پر روتے ہیں۔ تو یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ قول جو فرمایا۔ تو نہ روۓ ان پر آسمان اور زمین۔ (ترمذی)

سلہ کہ اس کے راستے اس کا عمل آسمان میں اس جگہ پہنچتا ہے جہاں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ زمین میں لکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

سلہ یعنی زمین میں جس جگہ لوگوں کے رزق کا مرکز و مستقر ہے وہاں اس کا رزق اترتا ہے۔

سلہ حقیقتہً روتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ آسمان والے (ملائکہ) و زمین والے اس پر روتے ہیں۔ آیت و حدیث معنی اول میں ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

جس دروازے سے اعمال اوپر جاتے ہیں۔ وہ تو اس لیے روتا ہے کہ وہ نیک اعمال سے مشرف ہوتا تھا۔ رزق والا دروازہ اس لیے روتا ہے کہ رزق بندے کے عمل صالح میں مددگار ہوتا ہے تو دونوں دروازے اس سعادت سے محروم ہونے اور اس نعمت کے فقدان پر روتے ہیں۔

سکہ یعنی دروازہ صعود اور دروازہ رزق۔ مومن کے لیے یہ رونا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے۔ جس کی نفی کفار سے کی ہے اور فرمایا ہے فَمَا بَکَتْ عَلَیْہِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ تو ان پر آسمان و زمین نہ روۓ۔

تو یہ نفی کفار سے متعلق ہے۔ اس کے مقابل مسلمانوں پر آسمان وزمین کا رونا معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اعمال اوپر چڑھنے کا دروازہ اور رزق کا دروازہ دونوں آسمان میں ہیں تو پھر زمین کا رونا کس بنا پر ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے رزق آتا ہے۔ تو زمین پر رزق اترنے کی جگہ رہتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس جانب اشارہ کیا ہے

۱۶۶۳/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ. قَالَ فَاَنَا فَرَطُ اُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لیے میری امت میں سے دو پیش رو ہوں گے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے سبب[1] اسے جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ کی امت میں جس کیلیے ایک ہی پیش رو ہو۔ (کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) آپ نے فرمایا اے توفیق یافتہ خاتون جس کے لیے ایک ہی فرط (پیش رو) ہوگا[2] (وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا جس کے لیے کوئی فرط (پیش رو) نہ ہوگا (اس کا کیا بنے گا؟) آپ نے فرمایا تو میں اپنی امت کا فرط (پیش رو) ہوں گا۔ اور میری موت جیسی کوئی مصیبت میری امت پر پیش نہ آئے گی[3] (ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی وہ ان کی موت کی مصیبت اور ان کی شفاعت سے بہشت میں جائے گا۔ حدیث میں واقع لفظ فرط (فا اور را کی زبر) کا معنی ہے لشکر و جماعت میں سے پانی کی طرف آگے جانے والا۔ جو منزل پر سب سے پہلے پہنچ کر حوض اور ڈول وغیرہ درست کرے تاکہ پانی اور جائے نزول اور جس جس چیز کی وہاں ضرورت و حاجت ہو اسے تیار کرے۔ یہاں حدیث میں فرط سے مراد بچہ ہے جو مر جاتا ہے۔ گویا وہ بچہ ماں باپ سے آخرت کی جانب پہلے جاتا ہے تاکہ ان کے لیے بہشت میں جگہ بنائے۔

[2] یعنی جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو اس کا کیا حال ہوگا کیونکہ آپ نے تو یہ بشارت دو بچوں کی موت پر دی ہے۔

[3] تم نے پہلے دو کا ذکر اس لیے کیا کہ پہلے یہ حکم دو سے ہی متعلق تھا۔ پھر ہم نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی تو اس کی وسیع رحمت کے تحت ایک پر بھی یہ بشارت مل گئی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے لیے لفظ یا موفقہ فرمایا یعنی اسے وہ خاتون جسے نیکیوں، شرائع اور احکام سیکھنے اور ان کے بارے میں سوال کرنے کی توفیق حاصل

کی گئی ہے۔ یہ حضرت عائشہ کو ندا ہے۔ اور یہ لقب عطا کر کے آپ نے ان کی بزرگی ظاہر فرمائی۔ کہ یہ لقب فضائل و کمالات کا جامع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں یہ رسائی حاصل تھی کہ آپ علم و شریعت کے احکام کے بارے میں سوالات کرتی رہتی تھیں۔ یہ درجہ دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہ تھا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفت و شوق پر حضرت عائشہ کی مدح فرمائی اور دین سیکھنے کی انہیں ترغیب دی تو حضرت عائشہ نے (بعض لوگوں کے) اس نعمت سے سرفراز ہونے پر اظہار حسرت و افسوس کے طور پر مزید اگلا سوال کر دیا۔ (کہ جس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو)

سکہ کہ اُس جہاں میں ان کا کارساز بنوں گا۔ اور یہ جزاء و ثواب انہیں بچے کی موت پر حاصل ہوگا لیکن اس طرح درد و مصیبت اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور میری امت کے لیے میری موت جیسی کوئی مصیبت و صدمہ نہیں کیونکہ میں ان کے نزدیک ان کے ماں باپ، اولاد اور ہر چیز جس سے وہ تعلق رکھتی ہے سب سے محبوب تر ہوں۔

۱۶۴۳/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمَلٰٓئِکَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَیْتَ الْحَمْدِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کی روح قبض کی ہے وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا۔ وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے کہتے ہیں اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ[1] اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(احمد، ترمذی)

لہ کیونکہ وہ اس جہاں میں درد و مصیبت اور محنت و غم میں مبتلا رہا ہے۔ اب اُسے جنت میں نعمتوں، حور و غلمان سے شاد اور مسرور ہونا چاہیے۔ اور جب کہ اس کا بچہ مر جانے کے باعث اس کے سکون و خوشی کا خانہ ویران ہو چکا ہے تو اس کے لیے بہشت میں اس سے بہتر گھر بناؤ۔ درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت جلال و جمال کا ظہور ہے کہ وہ

زندگی عطا کرتا ہے پھر مارتا ہے اور رلاتا ہے اور ہنساتا ہے۔ بیت

گہے بیزند تا شود درد ناک — گہے میکند آبش از دیدہ پاک

کبھی مارتا ہے تاکہ بندہ درد والم محسوس کرے — اور کبھی آنکھوں سے آنسو پاک وصاف کرتا ہے

سہ گر بقتلم مے نازد گر بنازم میکشد — زندہ مے سازد مراآن شوخ بازم میکشد

کبھی تو وہ اپنی گفتگو سے مجھے نوازتا ہے۔ کبھی اپنے ناز سے مجھے قتل کرتا ہے۔ وہ شوخ مجھے زندہ کرتا ہے پھر سے مجھے قتل کرتا ہے۔

سے کہ یہ اس کی حمد، رضا اور تسلیم کی جزا ہے جو اس نے مصیبت کے وقت کی۔

۱۶۳۵/۱۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مصیبت زدہ انسان کی تعزیت[1] کی اسے اس کی مثل اجر ملتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهٗ مَرْفُوْعًا اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ الرَّاوِيْ وَقَالَ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مَوْقُوْفًا۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوع حدیث سے نہیں جانتے۔ مگر علی بن عاصم راوی[2] کی حدیث سے اور کہا کہ بعض نے اسے محمد بن سوقہ[3] سے اس اسناد کے ساتھ روایت کیا۔

لہ یعنی صبر کی تلقین کی اور مصیبت زدہ انسان کو تسلی دی۔

سے کاشف میں ہے کہ ائمہ نقد و جرح نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

سے محمد بن سوقہ (سین مہملہ کی پیش واو ساکن اور قاف) "اسی اسناد سے" یعنی اس اسناد سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔ اور محمد بن سوقہ ثقہ و پسندیدہ راوی ہے۔

۱۶۳۶/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى ثَكْلٰى

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو اسے جنت

كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

میں دھاری دار (عمدہ) لباس پہنایا جائے گا۔
اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لے حدیث میں لفظ ثکل آیا ہے (ثا اور کاف ساکن) یعنی وہ عورت جس کا بچہ مرگیا ہو۔ قاموس میں کہا ثکل (ثا کی پیش یعنی موت وہلاکت اور دوست یا بچے کا گم ہو جانا، مرد کے لیے لفظ ثاکل اور ثکلان آتا ہے۔ عورت کے لیے ثکلی اور ثکلانہ مگر ثکلانہ کا استعمال قلیل ہے اور حدیث میں واقع لفظ بُرد (با کی پیش) یعنی دھاری دار کپڑا، یہ مشہور کپڑا ہے۔

۱۶۴۷/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ[1] قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ[2] جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ.[3]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت جعفر کی موت کی خبر پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کہ ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جس نے انہیں کھانے پینے سے مصروف کر رکھا ہے۔
(ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

سلہ یعنی عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔
سلہ حدیث میں لفظ نعی آیا ہے جو نعی سے مشتق ہے (نون کا زبر عین ساکن) یعنی موت کی خبر اور نعی (نون کی زیر اور عین کی زیر اور یا کی شد) بھی روایت ہے یعنی موت کی خبر دینے والا۔ مگر اول روایت زیادہ ظاہر ہے۔
سلہ یعنی جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ خویشوں، ہمسایوں اور دوستوں کے لیے مستحب ہے کہ اہل میت کے لیے کھانے تیار کریں بعض نے کہا پہلے دن اہل مصیبت کے لیے کھانا بھیجنا مکروہ نہیں کیونکہ وہ اس دن میت کی تجہیز میں مصروف ہوتے ہیں۔ (کھانا پکانے کا وقت نہیں ملتا) مگر دوسرے روز مکروہ ہے اگر اہل میت کے ہاں بین کرنے والی عورتیں جمع نہ ہو چکی ہوں، کیونکہ یہ گناہ ومعصیت پر مدد و اعانت ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر اہل مصیبت کے لیے اس طعام میں سے کھانا جائز ہے یا نہیں۔ ابوالقاسم نے کہا اس شخص کے لیے کھانے میں حرج نہیں جو میت کی تجہیز میں مصروف رہا ہو، جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۴۸/۱۹ عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِيْحَ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ يُعَذَّبُ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے سنا ہے کہ جس پر نوحہ کیا گیا اسے قیامت کے روز اس چیز[1] کے سبب عذاب دیا جائے گا جس سے اس کا نوحہ کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] چیز سے مراد وہ کلمات ہیں جو نوحہ کرنے والی میت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اور جو استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔ گویا کہ وہ مرنے والا ان صفات کے ساتھ متصف اور ان پر راضی اور خوش ہے۔ لہذا وہ زجر اور ڈانٹ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۲/۲۰ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ تَقُوْلُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِاَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّهٗ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهٗ نَسِيَ اَوْ اَخْطَاَ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرۃ[1] بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے بیشک انہوں نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا جب کہ حضرت عائشہ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میت کو زندہ انسان کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن[2] کی مغفرت کرے۔ آگاہ رہو کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ وہ بھول گئے[3] یا ان سے خطا ہو گئی۔ اس کے سوا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مری ہوئی یہودی عورت کے پاس سے گزرے جس پر لوگ رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں۔ اور اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے[4]۔

(بخاری و مسلم)

[1] عَمرۃ (عین کی زبر میم ساکن) بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ حضرت عائشہ کی بہت سی احادیث کی راوی ہیں۔

[2] یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے یہ کلمہ وہاں کہتے ہیں کہ کسی سے غلطی سے کوئی بات نکل گئی ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اسے بخشے۔

[3] یعنی حضرت ابن عمر نے دانستہ جھوٹ نہیں بولا۔ اور وہ دانستہ جھوٹ بول بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی

شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

؎ یعنی انہوں نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسے بھول گئے اور سامعوں نے سننے اور سمجھنے میں خطاء کی جیسا اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خطاء بیان فرمائی۔

؎ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ خاص ایک یہودی عورت کے لیے فرمایا اور دوسرے کفار اس یہودی عورت کی طرح ہیں خاص اس کے لیے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کے رونے کی وجہ سے عذاب میں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ جیسا کہ کفار کے لیے خدا تعالیٰ کا دستور ہے اور لوگ اس پر رو رہے ہیں۔ اور اسے عزیز جانتے اور مرحوم خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ خوار اور ملعون ہے۔ یہاں سے حضرت ابن عمر نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں اس کے زندہ لواحقین کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس کلام کی مکمل شرح آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

۱۶۶۱/۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَكَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَ حَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنِّيْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهٗ اَلَا تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ فَاِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کہ معظمہ میں ایک لڑکی فوت ہوگئی ہم لوگ آتے تاکہ اس کے جنازے میں شامل ہوں۔ وہاں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا؎ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمرو بن عثمان سے فرمایا۔ جب کہ وہ ان کے روبرو تھے۔ آپ رونے؎ سے کیوں نہیں روکتے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک میت کو اس کے اہل پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض؎ ایسی باتیں کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس؎ آیا۔ یہاں تک کہ ہم مقام بیدا؎ میں پہنچ گئے۔ تو اچانک حضرت عمر

اذْهَبْ فَانْظُرْ مَنْ هٰؤُلَآءِ الرَّكْبُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ صُهَيْبٌ قَالَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ادْعُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّا اَنْ اُصِيْبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِيْ يَقُوْلُ وَا اَخَاهُ وَا صَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا صُهَيْبُ اَتَبْكِيْ عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَآئِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ لَا وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَلٰكِنَّ اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَقَالَتْ عَآئِشَةُ حَسْبُكُمُ الْقُرْاٰنُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ فَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	کی ملاقات چند سواروں سے کیکر کے درخت کے نیچے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جا اور دیکھ یہ سوار کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا تو وہ صہیب رومی تھے میں نے حضرت عمر کو اس کی خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے بلا لا۔ میں حضرت صہیب کے پاس لوٹ کر گیا۔ میں نے کہا چلئے اور امیر المومنین کی خدمت میں پہنچئے۔ پھر جب حضرت عمر مصیبت زدہ ہو گئے (آپ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا) تو حضرت صہیب اندر آئے۔ یہ کہتے ہوئے "ہائے میرے بھائی ہائے میرے دوست" حضرت عمر نے فرمایا اے صہیب تو مجھ پر روتا ہے۔ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے اہل کے کچھ رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے یہ گفتگو حضرت عائشہ سے ذکر کی حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے اہل و عیال کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے اہل کے اس پر رونے سے اس کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہارے لیے قرآن پاک کافی ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی اس آیت کے مضمون پر حضرت ابن عباس نے قرآن کے یہ الفاظ پڑھے وَاللّٰهُ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اللہ تعالیٰ ہنساتا اور رلاتا ہے) ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں۔ کہ پھر حضرت ابن عمر نے کوئی بات نہ کی۔ (بخاری و مسلم)

۱ ملیکہ میم کی پیش لام کی زبر یا ساکن آپ مشہور تابعین سے ہیں۔
۲ بعض نسخوں میں یہاں مشکوٰۃ میں واؤ کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ روایت زیادہ ظاہر ہے۔
۳ یعنی عورتوں کو رونے سے کیوں نہیں روکتے۔
۴ یعنی جیسی بات ابن عمر کر رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ بعض کا لفظ اس وجہ سے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ عبارت میں کمی بیشی ہو گئی ہو یا حضرت عمر اس طرح فرماتے ہوں، بعض کہا ہو، جس طرح حضرت ابن عباس آگے چل کر یہی الفاظ کہیں گے۔
۵ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور یہ اس سال کا واقعہ ہے جس میں حضرت عمر کی شہادت کا حادثہ پیش آنا تھا۔
۶ بیداء بروزن صحراء (با کی زبر یا ساکن) یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔
۷ یعنی ایک درخت کے سایہ میں جس کا نام سمرہ تھا (سین کی زبر میم کی پیش)
۸ اور ان کے ساتھ کچھ اور سوار بھی تھے۔
۹ یعنی جب وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا تو حضرت صہیب اس واقعہ کے پیش آنے پر روتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔
۱۰ یعنی ان کو رونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا
۱۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ (بعض) کا لفظ اس لیے فرمایا ہوگا کہ وہ رونا ممنوع ہے جو بے اور جزع فزع کی صورت میں ہو یا مراد یہ ہے کہ میت پر رونا اسے عذاب میں مبتلا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب میں ڈال دے۔ اسے سمجھو۔
۱۲ یعنی حضرت عمر اور صہیب رومی رضی اللہ عنہما کی گفتگو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ان المیت لیعذب الی آخرہ۔
۱۳ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے یغفر اللہ فرمایا تھا۔ یہاں مغفرت کا ذکر نہ کیا جو پہلے گناہ صادر ہونے پر مبنی ہوتا ہے بخلاف سنت کے کہ اس کا مستعمل واستعمال عام ہے۔
۱۴ یعنی اس معنی و مفہوم میں کوئی حدیث وارد نہیں۔ یہ تاویل اس لیے کی گئی ہے کہ حدیث صحیح تو بلا شبہ وارد ہے اختلاف تعیین مراد میں ہے۔ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں۔ کہ مومن و کافر دونوں کو اس کے لواحقین کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ صرف کافر کے لیے ہے۔ اور وہ عذاب میں ہوتا ہے۔ رونے والے

اس پر رو نہیں یا نہ روئیں۔ روتے کی صورت میں عذاب رونے کے ساتھ مل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عذاب رونے کے ساتھ ہو سکتا ہے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ یہ مضمون اگر عملی زبان میں ادا کیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی اور وہ یہ کہ کلمہ با حضرت ابن عمر کے نزدیک سببیت کے لیے ہے، حضرت عائشہ کے نزدیک بالمصاحبت کے لیے ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ مسلمان کو قبر میں عذاب ہوگا تو محض اس صورت میں کہ گریہ عذاب کے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ گریہ عذاب کا سبب نہ ہوگا۔ اور گریہ کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب و موقف یہ ہے کہ یہ حدیث کافر کے بارے میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا معنیٰ و مطلب یہی ہے جو آپ نے فرمایا ولکن اللہ تعالیٰ یزید الکافر عذابا ببکاء اہلہ علیہ، یعنی اللہ تعالیٰ کافر کا عذاب زیادہ کر دیتا ہے جب کہ اس کے اہل و عیال اس پر روتے ہیں۔ گریہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ رونے سے کافر کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ کافر اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا اہل و عیال مجھ پر روئے اور گریہ کرے۔ بلکہ بعض کفار اپنے اوپر گریہ و نوحہ اور دیگر خلاف شریعت کاموں کی وصیت کر کے مرتے تھے۔ تو گریہ کے سبب عذاب ہونا اس وجہ سے تھا بعض علماء گریہ کے سبب عذاب دیے جانے کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں، جہاں میت رونے کی وصیت کر گیا ہو۔ اور نوحہ و گریہ پر راضی ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم و عادت تھی۔ اس میں غور کرو۔

اس کے بعد حضرت عائشہ اہل و عیال کے گریہ کے سبب عذاب نہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

(تمہارے لیے قرآن کافی ہے) کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ اور جب کہ گریہ اور نوحہ اہل میت کا فعل ہے تو اس کی سزا میت کو نہ ملے گی اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ان کے فعل کی وجہ سے عذاب ہو۔ یہ مضمون و بیان سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت قرآنی پڑھی۔ وَاللّٰہُ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی۔ اللہ ہی رلاتا اور ہنساتا ہے۔ یہ تقریر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کی نفی میں ہے کہ میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے کہ انسان کا رونا، اس کا غم اور اس کی خوشی سب خدا کی طرف سے ہے۔ جو وہ انسان میں پیدا اور ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی کے عذاب کا سبب نہیں بن سکتا۔ گریہ اس صورت میں ہے جب کہ ہنسنا اور رونا بے اختیاری ہو اور تکلف و اختیار اور دوسرے اسباب کا اس میں دخل نہ ہو اسے سمجھ لو۔ واللہ اعلم۔

ؔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی اس تقریر کے بعد کوئی بات نہ کی۔ بلکہ آپ کی بات کو تسلیم و قبول کر لیا اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ مجتہد اپنی دلیل کا پابند ہوتا ہے اور اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے مجتہد کی دلیل کو غلط قرار دے اگرچہ وہ دوسرا مجتہد اس سے بزرگ تر اور زیادہ عالم اور بلند شان کا مالک ہو۔ جیسے حضرت عمر حضرت عائشہ کے سامنے کہ حضرت عمر حضرت عائشہ سے بلند مرتبہ تھے۔ اور جب حق ظاہر ہو جائے تو اسے قبول کرے اور خاموشی

اختیار کرے۔ تاکہ نزاع اور جدال زیادہ نہ ہو جائے۔

١٦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَ جَعْفَرٍ وَ ابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ وَأَنَا أَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِيْ شَقَّ الْبَابِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ وَ ذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ انْهَهُنَّ فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللّٰهِ غَلَبْنَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِيْ أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ فَقُلْتُ أَرْغَمَ اللّٰهُ أَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا أَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی اطلاع پہنچی تو آپ بیٹھ گئے[۱] اس وقت آپ میں غم کا نشان نمایاں تھا اور میں دروازے کے شگاف[۲] سے دیکھ رہی تھی اس دوران ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ جعفر کی عورتیں اور ان کے رونے کا ذکر کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انہیں منع کرے[۳] وہ آدمی گیا پھر آپ کے پاس واپس آیا کہ عورتوں نے اس کی بات نہیں مانی[۴] آپ نے پھر فرمایا انہیں منع کر۔ وہ مرد تیسری مرتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! وہ عورتیں ہم پر غالب آگئی ہیں۔ حضرت عائشہ کا گمان ہے[۵] کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا کہ ان عورتوں کے مونہوں میں مٹی ڈال[۶] حضرت عائشہ کہتی ہیں[۷] میں نے اپنے دل میں کہا اللہ تعالیٰ تیری ناک خاک آلودہ کرے[۸] تو نے وہ کام کیوں نہ کیا جس کا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا[۹] اور تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج[۱۰] و غم سے نجات نہ دی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر کو اطلاع جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے ان حضرات کی شہادت کا واقعہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے۔

[۲] یعنی مسجد میں ان کی تعزیت کے لیے۔

[۳] حدیث میں واقع لفظ صائر کا معنی دروازے کا شگاف ہے۔ جیسا کہ راوی حدیث نے لفظ "تعنی شق الباب"

سے تعبیر کی ہے (راوی کہتا ہے کہ سائر سے حضرت عائشہ کی مراد دروازے کا شگاف ہے)

سکہ کہ بہت رو رہی ہیں۔

شہ یعنی تا کہ انہیں رونے سے منع کرے۔

لکہ اور اس کے کہنے کے باوجود رونے سے باز نہیں آئیں۔

شہ بعض نسخوں میں زعمت بلفظ تکلم کی تصحیح کی گئی ہے۔ تو یہ حضرت عائشہ کا قول ہوگا کہ انہوں نے فرمایا میں نے جان لیا۔

شہ یہ انہیں رونے سے روکنے میں مبالغہ اور زور و بیکر مبالغت کی گئی ہے۔

ہ میں نے اس مرد سے خاطب ہوتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔

نلہ یہ خواری اور اہانت سے کنایہ ہے۔

سللہ یعنی عورتوں کو رونے سے باز رکھنا۔

سللہ یعنی بار بار منع کرنے کی مشقت سے نجات کیوں نہ دی۔ اور تو نے بار بار آکر یہی کہا ہے کہ وہ عورتیں رونے سے باز نہیں آتیں اس طرح تو نے آپ کو تکلیف و مشقت میں ڈالا ہے۔

۲/۲۳ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيْبٌ وَّفِيْ أَرْضِ غُرْبَةٍ لَأَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ تُرِيْدُ أَنْ تُسْعِدَنِيْ فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ فَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب حضرت ابو سلمہ فوت ہو گئے تو میں نے کہا ابو سلمہ غریب اور وطن سے دور زمین میں ہیں۔ میں اس پر ایسا گریہ کروں گی کہ لوگ اس کا چرچا کریں گے میں اس پر رونے کے لیے بالکل تیار تھی کہ اچانک ایک عورت آئی جو میرے ساتھ رونے میں موافقت کرنا چاہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے سامنے تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کیا تو یہ چاہتی ہے کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کرے جس سے اللہ تعالیٰ اسے دو مرتبہ باہر نکال چکا ہے۔ اور میں رونے سے رک گئی اور ان پر گریہ نہ کیا۔ (مسلم)

سلہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو سلمہ کے بارے میں یہ لفظ اس لیے کہے کہ حضرت ابو سلمہ نے مکہ سے

حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب اور آپ مؤدب و اجنبی تھے کہ کسی کے ساتھ گفتگو اور سروکار نہ رکھتے تھے۔

سلہ کہ فلاں عورت اپنے مرد پر بہت روئی ہے اور اس نے رونے کی حد کر دی ہے۔

سلہ ایک بار اسلام لانے کے وقت۔ دوسری بار مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کے وقت دوسری بار حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار اسلام میں آنے کے وقت اور دوسری بار دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کے وقت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ مرتین قال کے متعلق ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

۱۶/۴۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ أُخْتُهُ عَمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ وَكَذَا وَكَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ أَفَاقَ مَا قُلْتِ شَيْئًا إِلَّا قِيْلَ لِيْ كَذٰلِكَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت النعمانؓ بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ نے ان پر رونا شروع کر دیا۔ اور یوں کہنا شروع کیا واجبلاہ اے پہاڑ اور اے ایسا اور ایسے ان کے اوصاف و کمالات شمار کرتے ہوئے، جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوش میں آئے تو فرمایا تو نے کوئی کلمہ زبان سے ادا نہ کیا مگر مجھ سے کہا گیا کیا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تیرے متعلق کہا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں پس جب حضرت ابن رواحہ فوت ہوئے تو عمرہ آپ پر نہ روئی تھیں (بخاری شریف)

سلہ آپ صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال کے تھے۔

سلہ جب کہ آپ بیمار تھے اور قریب الموت ہو چکے تھے۔ اگرچہ آپ بیماری سے فوت نہ ہوئے۔ بلکہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

سلہ جس طرح عورتیں نوحہ اور آہ و بکا کے وقت کرتی ہیں۔

سلہ یعنی حضرت عمرہ سے فرمایا۔

سلہ یعنی مجھ سے بطور تمسخر و ایذا رسانی کہا گیا۔

سلہ یعنی اس پر نوحہ نہ کیا گیا۔ یہ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول ان المیت لیعذب ببکاء اہلہ علیہ۔

سلہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ملائکہ نے یہ لفظ مذاق و ترحم کے طور پر کہا۔ ۱۲ مترجم غفرلہ

(میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے) کی ایک توجیہ ہے)

۱۶۵۴/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مَّيِّتٍ يَّمُوْتُ فَيَقُوْمُ بَاكِيْهِمْ فَيَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَ سَيِّدَاهُ وَ نَحْوَ ذٰلِكَ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهٖ وَيَقُوْلَانِ اَهٰكَذَا كُنْتَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ایسی کوئی میت نہیں جو مر جائے تو ان کا رونے والا اٹھ کر کہے اے میرے پہاڑ ہائے میرے سردار وغیرہ[1] مگر اللہ اس پر دو فرشتے مقرر کرتا ہے جو اسے جھنجھوڑتے[2] کہتے ہیں کیا تو ایسا ہی تھا۔

(ترمذی)

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] جو مرنے والے اور جو نزع کے وقت کہے جاتے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ یلھزانہ ہے۔ جو لہز سے نکلا ہے یعنی جھنجھوڑنا اور دھکیلنا اور سینے پر مکا مارنا نتیجہ لکھنے کے سبب سے آتا ہے۔

۱۶۵۵/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَاتَ مَيِّتٌ مِّنْ اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَاۗءُ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ يَنْهَاهُنَّ وَ يَطْرُدُهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ يَا عُمَرُ فَاِنَّ الْعَيْنَ دَامِعَةٌ وَ الْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِيْبٌ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَآئِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی میت فوت ہوئی تو عورتیں جمع ہو کر اس پر رونے لگیں حضرت عمر کھڑے ہو کر انہیں منع کرنے اور ڈانٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ آنکھیں بہتی ہیں دل مصیبت زدہ ہے اور واقعہ غم تازہ ہے[1]

(احمد۔ نسائی)

[1] شاید وہ نوحہ اور واویلا کے بغیر رو رہی تھیں۔ جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً رونے کو مکروہ جانتے تھے۔ اور یہ عورتیں شاید زور زور رو رہی تھیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَتِ النِّسَاءُ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهٖ فَاَخَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَقَالَ مَهْلًا يَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ اِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَانِ ثُمَّ قَالَ اِنَّهٗ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَ مِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَ مِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں. حضرت زینب[1] بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں عورتیں روئیں تو حضرت عمر انھیں اپنے کوڑے سے مارنے لگے[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے دست مبارک سے ہٹا دیا اور فرمایا اے عمر چھوڑ دو پھر فرمایا[2] شیطانی آواز[3] سے بچنا۔ پھر فرمایا جو کچھ آنکھ اور دل سے ہو وہ اللہ کی طرف[4] سے ہے اور رحمت سے ہے۔ اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے[5] ہے۔

ا حمد

[1] آپ حضرت ابوالعاص بن ربیع اموی کی زوجہ پاک تھیں۔
[2] یعنی عورتوں سے فرمایا۔
[3] یعنی نوحہ اور ندبہ سے۔ حدیث میں واقع لفظ نعیق کا اصل معنی کوے اور گدھے کی آواز ہے۔
[4] کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا۔
[5] کہ وہ اس طرح انسان کو معصیت اور گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ ابْنُ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتِ امْرَاَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعُوْا صَائِحًا يَقُوْلُ اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَاَجَابَهٗ

بخاری سے تعلیقاً[1] روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا[2] پھر اٹھا لیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پالیا۔ دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس

اَحَدٌ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا۔ ہو کر چل دیے۔

سلہ یعنی حسن بن امام حسن اور انہیں حسن مثنیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور تعلیق کا معنیٰ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

سلہ قبہ یعنی خیمہ۔ وہ اس خیمہ میں ایک سال بیٹھی رہیں۔ اور ہر روز درد و مصیبت اور صدمہ فراق کو تازہ کرتی تھیں۔

سلہ۔ شعر

وعو منت اجرا من فقید فلا یکن فقیدک لا یاتی و اجرک ذاہب

تجھے گم شدہ چیز (فوت ہو جانے والے انسان) پر اجر و ثواب ملے گا۔ اب ایسا نہ ہو کہ گم شدہ چیز تو واپس نہ آئے مگر تیرا اجر و ثواب برباد ہو جائے۔ (نوحہ اور بے صبری کی وجہ سے۔

۱۶۵۸/۲۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَّ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمران بن حصین اور ابی برزہ سے روایت ہے دونوں صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں باہر نکلے تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی چادریں پھینک ڈالی ہوئی ہیں۔ اور وہ قمیصوں میں چل رہے ہیں[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ جاہلیت کا عمل و طریقہ اختیار کرتے ہو۔ یا بیشک جاہلیت کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہو[2] البتہ بیشک میں نے قصد کر لیا تھا کہ میں تم پر ایسی بد دعا کروں جس سے تمہاری صورتیں انسانی صورتیں نہ رہیں[3] راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی اس رسم جاہلیت کو دوبارہ نہ کیا۔ (ابن ماجہ)

سلہ یہ جاہلیت کی رسم تھی کہ جب جنازے کے ساتھ چلتے تو چادریں نہ پہنتے تھے۔ اور یہ پریشان حالی اور بے سر و سامانی کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔

سلہ یا تم لوگ اپنے آپ کو اہل جاہلیت جیسا بنا رہے ہو کلمہ یا راوی کے شک کی وجہ سے ہے یا تشبیہ کی متعدد انواع بیان کرنے کے لیے۔ حدیث میں واقع لفظ تَشَبَّهُوْنَ تا کی زیر یا شد کے ساتھ۔ یا تا کی پیش اور با کی زیر سے بھی ایک روایت ہے۔

۳؎ یعنی تمہاری انسانی صورتیں نہ رہیں یعنی تم مسخ ہو جاؤ اور معاذ اللہ خنزیر و بندر بن جاؤ۔ یا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹو تو تمہاری یہ صورتیں نہ ہوں یعنی جب کہ تم نے اپنی وضع اور لباس کو حق کے مطابق تبدیل نہ کیا تو تمہاری صورتیں جو اسلاح کا لباس ہیں۔ ان میں بھی تبدیلی آ جائے گی۔

۱۶۶۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُتْبَعَ جَنَازَةٌ مَعَهَا رَانَّةٌ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جنازے کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو۔[۱] (احمد۔ ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جنازہ کے ساتھ جانا سنت ہے لیکن یہ سنت ترک کر دی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت یا جماعت موجود ہو جس طرح دعوت طعام قبول کرنا سنت ہے۔ مگر لہو و لعب اور غیر شرعی حرکات کی موجودگی میں اس سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔

۱۶۷۰ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهٗ مَاتَ ابْنٌ لِّىْ فَوَجَدْتُ عَلَيْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهٗ شَيْئًا يُطَيِّبُ بِاَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِغَارُهُمْ دَعَامِيْصُ الْجَنَّةِ يَلْقٰى اَحَدُهُمْ اَبَاهُ فَيَاْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهٖ فَلَا يُفَارِقُهٗ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک شخص نے کہا میرا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے میں اس پر غمزدہ ہوں کیا آپ نے اپنے دوست جانی (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی ایسی بات سنی ہے جس سے ہمارے مرے ہوئے لوگوں کے بارے میں ہمارے دل خوش ہوں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں ہر کام کے اندر دخل دینے والے ہوں گے۔[۱] بچے والا اپنے بچے سے ملاقات کرے گا تو وہ اس کے کپڑے کا کنارہ پکڑے گا اور اس سے جدا نہ ہو گا یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (مسلم و احمد) اور لفظ احمد کے ہیں۔

۱؎ یعنی جو جنس اولاد سے ہوں گے وہ مرنے کے بعد ہمیں نفع دیں گے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ دعامیص آیا ہے۔ جمع دعموص (دال کی پیش) دعامص یہ ایک کیڑے کا نام ہے جو

پانی میں غوطہ مارتا اور نکلتا ہے۔ اور یہ اس شخص کے معنی میں بھی آتا ہے جو ہر کام میں دخل دیتا ہے اور بادشاہوں اور امراء کے پاس آنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بچے بہشت میں بے روک ٹوک ادھر ادھر گھومیں پھریں گے اور جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ اور ہر کام میں بھی جا بیں گے دخل دیں گے۔ جس طرح دنیا میں بچوں کی عادت ہوتی ہے۔

سے یعنی والدہ اور والد کا ذکر کیا تو اس بنا پر کیا کہ وہ اصل ہو متبوع ہے۔ ماں تابع اور فرع ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مرد زیادہ صابر ہوتے ہیں۔ نہ کہ عورتیں۔ لہذا صبر کرنے والے کی نجات بچہ پہلے کرائے گا۔) بعض احادیث میں ماں کا ذکر ہے اور بعض میں ماں اور باپ دونوں کا۔ ظاہراً یہ اختلاف مقام و محل کے اعتبار سے ہے۔ یہ ظاہری مفہوم معنی کلام کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۶۱/۳۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ یَوْمًا نَاْتِیْكَ فِیْہِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰہُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ كَذَا وَ كَذَا فِیْ مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَہُ اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْھَا مِنْ وَّلَدِھَا ثَلٰثَةً اِلَّا كَانَ لَھَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوِ اثْنَیْنِ فَاَعَادَتْھَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ قَالَ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ مرد آپ کی احادیث لے گئے۔ اپنی ذات شریف سے ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر فرمائیں کہ ہم اس میں آپ کی خدمت میں آیا کریں کہ آپ ہمیں بھی اس میں سے سکھائیں جو اللہ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جایا کرو۔ عورتیں اس جگہ جمع ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے انہیں بھی سکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی عورت نہیں جو اپنے آگے تین بچے بھیجتی ہے مگر وہ اس کے لیے آتش دوزخ سے پردہ بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ یا دو بچے آگے بھیجے ہوں اس عورت نے یہ کلمہ دو مرتبہ دہرایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھی۔ دو بھی۔ دو بھی۔

(بخاری شریف)

سلہ اور آپ کے تمام محافظ و نفاء نگہ انہوں نے سیکھ لیے۔
سلہ اور انہیں آتش دوزخ میں نہ گرنے دیں گے۔

۱۶۶۲/۲۳ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يُتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلٰثَةٌ إِلَّا أَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ إِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوِ اثْنَانِ قَالَ أَوِ اثْنَانِ قَالُوْا أَوْ وَاحِدٌ قَالَ أَوْ وَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ أُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ إِلَى الْجَنَّةِ إِذَا احْتَسَبَتْهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہیں دو مسلمان (ماں اور باپ) جن کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (بعض نسخوں میں بفضلہ ورحمتہ ایاھما آیا ہے یعنی دونوں کو اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا) لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یا دو بچے فرمایا یا دو بچے۔ لوگوں نے عرض کیا یا ایک ہی بچہ، فرمایا یا ایک ہی بچہ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ناتمام بچہ جو شکم سے گر جاتا ہے بیشک وہ اپنی ماں کو اپنے ناف سے جنت کیطرف کھینچے گا۔ جب کہ وہ ثواب کی طلبگار ہو۔سلہ
(احمد ابن ماجہ نے والذی نفسی بیدہ سے روایت کی)سلہ

سلہ یعنی جب کہ وہ نہ روئے، اور ثواب پر نگاہ رکھے۔ حدیث میں واقع لفظ سَرَر (سین و را کی زبر) وہ آنت (نال) جو ناف سے کاٹا جاتا ہے۔ یہ اس تعلق کی طرف اشارہ ہے جو اس بچے اور ماں کے درمیان ہوتا ہے۔ گویا وہ نال ایک رسی کی طرح ہو جائے گا۔ جس سے کھینچ کر بہشت میں لے جائے گی۔
سلہ یعنی اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضور علیہ السلام کے قول والذی نفسی بیدہ سے تا آخر روایت کیا۔ اور اول حدیث مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ الی آخرہ روایت نہ کیا۔

۱۶۶۳/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلٰثَةً مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مسلمان) نے تین نابالغ بچے آگے بھیجے وہ اس کے لیے آتش دوزخ سے مضبوط قلعہ ہوں گے

كَانُوْا لَهٗ حِصْنًا حَصِيْنًا مِنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ قَالَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُوالْمُنْذِرِ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَ وَاحِدًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ابوذر نے کہا میں نے تو دو ہی بچے آگے بھیجے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اور دو بچے ہی حضرت ابی بن کعب ابو المنذر[۱] سید القراء نے عرض کیا میں نے تو ایک ہی بچہ آگے بھیجا ہے فرمایا اور ایک بچہ بھی[۲]۔
اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔
اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] حضرت ابی کی کنیت ابو المنذر ہے۔ اور ان کی شان میں سید القراء واقع ہوا ہے۔ یعنی سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید الانصار فرمایا۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انکو سید المسلمین کا لقب دیا۔

[۲] اس کی توجیہ گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ کہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک سے اسی وقت اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور آپ کی دعا قبول ہوئی۔

$\frac{1764}{35}$ وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ[۱] اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ ابْنٌ لَهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا اُحِبُّهٗ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَّا تَاْتِيَ بَابًا مِنْ اَبْوَابِ

حضرت قُرّۃ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کے ساتھ اس کا بچہ ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تجھے اس بچے سے محبت ہے۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ آپ سے بھی ایسی محبت کرے جیسی مجھے اس بچے سے[۱] ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو گم پایا۔ اور نہ دیکھا۔ تو فرمایا فلاں کے بچے کو کیا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مر گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو جنت کے کسی دروازے پر نہ پہنچے مگر اسے تیری انتظار میں پائے۔ ایک شخص نے

الْجَنَّةِ اِلَّا وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهٗ خَاصَّةً اَمْ لِكُلِّنَا قَالَ بَلْ لِكُلِّكُمْ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

نے عرض کی یا رسول اللہ یہ بشارت خاص اسی شخص کے لیے ہے۔ یا ہم سب کے لیے فرمایا بلکہ تم سب کے لیے۔

(اسے احمد نے روایت کیا)

۱ قرۃ (قاف کی پیش را مشدد) المزنی (میم کی پیش زا کی زبر اور نون) آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔
۲ یعنی مجھے اس سے سخت محبت ہے۔
۳ اور وہ کہاں چلا گیا ہے اور اس کا کیا حال ہے۔
۴ گویا وہ مرد بھی اس مجلس میں حاضر موجود تھا۔ اسی لیے اس کی طرف رخ کر کے فرمایا لیکن اس کے شدید مصیبت میں ہونے کی وجہ سے اسے مخاطب نہ فرمایا اور اس سے دریافت نہ کیا مگر بشارت دینے میں اسے مخاطب فرمایا۔
۵ اور مجھے اپنے ساتھ بہشت میں لے کر جائے۔

۱۷۶۵/۳۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهٗ اِذَا دَخَلَ اَبَوَيْهِ النَّارَ فَيُقَالُ اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهٗ اَدْخِلْ اَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهٖ حَتّٰى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کچا بچہ (شکم مادر سے ناکمل گر جانے والا) اپنے رب سے جھگڑے گا جب کہ اس کے والدین کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا تو اس بچے سے کہا جائے گا اے اپنے رب سے جھگڑنے والے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا اس پر وہ اپنے ناڑ سے دونوں کو کھینچ کر لے جائے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ (ابن ماجہ)

۱ حدیث میں مراغم آیا ہے جو مراغمت سے نکلا ہے اس کا اصل معنی ہے کسی کو غصہ میں لانا یہاں جھگڑنا اور مجادلہ کرنا مراد ہے۔

۱۷۶۶/۳۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے اگر پہلے صدمہ کے ساتھ تو نے صبر کیا اور ثواب کا

عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ.
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

طلب کرو بتا تو میں تجھے جنت سے کم کوئی ثواب و بدلہ دینے پر راضی نہ ہوں گا۔[1]
(ابن ماجہ)

[1] یعنی میں تجھے ضرور جنت میں داخل کروں گا۔

۱۷۴۸ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَاِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ اسْتِرْجَاعًا اِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَعْطَاهُ مِثْلَ اَجْرِهَا يَوْمَ اُصِيْبَ بِهَا.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا نہیں کوئی مسلمان مرد و عورت جو مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر اس مصیبت کو یاد رکھتا ہے اگرچہ کتنا ہی لمبا دور از گزر جائے اور ہر دفعہ اس مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے گر اللہ تعالیٰ تبارک ہر بار اسے نیا ثواب دیتا ہے اور اسے اس کی مثل اجر عطا کرتا ہے جتنا مصیبت پہنچنے کے دن اسے ثواب عطا کیا تھا۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

۱۷۴۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِكُمْ فَلْيَسْتَرْجِعْ فَاِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ[1] ٹوٹ جائے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے کہ تسمہ کا ٹوٹ جانا بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔

[1] حدیث میں شسع آیا ہے۔ شین کی زیر اور سین ساکن جوتے کا تسمہ۔

۱۷۵۰ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ رض قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضرت ابو الدرداء سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک امت اٹھانے والا ہوں

بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

جب انہیں وہ چیز ملے گی جسے وہ چاہتے ہوں گے تو اللہ کی حمد کریں گے اور اگر انہیں وہ چیز پہنچے گی جسے وہ نہ چاہتے ہوں گے تو ثواب کے طلبگار بنیں گے اور صبر و تحمل سے کام لیں گے۔ حالانکہ ان میں بردباری اور عقل و تدبیر نہ ہوگی۔ اس پر حضرت عیسٰی نے عرض کیا اے میرے رب یہ مقام انہیں کیسے حاصل ہوگا جبکہ ان میں حلم و عقل نہ ہوگا تو فرمایا میں انہیں اپنے علم و حلم سے عطا کروں گا۔[۳] ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[۱] آپ حضرت ابوالدرداء کی اہلیہ محترمہ تھیں۔

[۲] یہ حدیث کے الفاظ احتسبوا اور صبروا کے مفہوم کی تاکید ہے کیونکہ احتساب کا معنٰی وہ احساس و جذبہ ہے جو اخلاص عمل اور رضائے حق تعالٰی کی طلب کا باعث بنے، نہ کہ حلم و عقل اس کا باعث ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان میں حلم و عقل نہ ہوگا وہ کس طرح صبر و احتساب کریں گے، جیسا کہ فرمایا اے میرے رب الی آخرہ۔

[۳] جیسا کہ کہا گیا ہے اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ حلم و عقل نہ ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ مصیبت و صدمہ کی وجہ سے وہ مدہوش ہو چکے ہوں گے۔ اس کے باوجود وہ صبر کریں گے اور ثواب کے طلبگار بنیں گے۔ اس عبارت کا ایک اور معنٰی بھی خیال میں آیا ہے جو شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

زیارت قبور کا باب

واضح ہو کہ زیارت قبور بالاتفاق مستحب ہے کیونکہ یہ دل کی نرمی، موت کی یاد، ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے اور فنائے دنیا وغیرہ فوائد کا سبب و ذریعہ ہے۔ زیارت کی عمدہ چیز مُردوں کے لیے استغفار ہے۔ اس بارے میں سنت و حدیث وارد ہو چکی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع شریف میں تشریف لے جاتے اور اہل بقیع کو سلام کہتے اور ان کے لیے استغفار کرتے۔ باقی رہا اہل قبور خیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرنا تو بہت سے فقہا اس سے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زیارت صرف مُردوں کے لیے دعا و استغفار اور

تلاوت قرآن کے ذریعے نفع پہنچانے کے لیے ہے۔ مگر مشائخ صوفیہ اور بعض فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اولیاء کرام سے مدد حاصل کرنے کو ثابت اور جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ عقیدہ اہل کشف اور ان کے کاملین کے ہاں محقق اور طے شدہ عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے حضرات کو ان کی ارواح سے فیوض و فتوح حاصل ہوئے ہیں۔ اور اس گروہ صوفیہ کی اصطلاح میں انہیں اویسی کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کاظم کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا جس سے اس کی زندگی میں مدد لینا جائز ہے۔ اس سے بعد وفات بھی مدد طلب کرنا جائز ہے۔ مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا ہے میں نے چار مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر حضرت شیخ معروف کرخی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور دو اور بزرگ شمار کیے۔ اور ان چار میں حصر مقصود نہیں۔ جو کچھ اس بزرگ نے خود دیکھا اور پایا اس کا بیان کر دیا۔

سیدی احمد بن زروق رضی اللہ عنہ کہ اعاظم فقہاء علماء اور مشائخ دیار مغرب میں سے ہیں (فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی تر ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد قوی تر ہے۔ شیخ نے فرمایا ہاں کیونکہ وفات یافتہ بزرگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس کے سامنے ہے۔ اس بارے میں اس گروہ صوفیہ سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

پھر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہو۔ اور اس کی تردید کرتی ہو بلکہ آیات و احادیث سے تحقیقی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح باقی ہے اور اسے زائرین اور ان کے حالات کا علم و شعور ہوتا ہے اور یہ کہ ارواح کاملین کو جناب حق تعالیٰ میں قرب و مرتبہ حاصل ہے جس طرح زندگی میں انہیں حاصل تھا بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی ارواح کرتی ہیں۔ اور وہ باقی ہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ عز شانہ ہے۔ یہ سب کچھ حقیقۃً اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ حضرات اپنی زندگی میں اور بعد از وصال جلال حق میں فانی و مستغرق ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کو دوستان حق کی وساطت سے کوئی چیز اور مرتبہ حاصل ہو جائے تو کوئی بعید نہیں (اور اس کا انکار درست نہیں) جیسا کہ ان کی ظاہری زندگی میں تھا اور حقیقۃً تو فعل و تصرف حق جل جلالہ و عم نوالہ کا ہوتا ہے اور ایسی کوئی دلیل و وجہ موجود نہیں جو زندگی اور موت میں فرق کرے۔

حضرت شیخ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پاک لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا) کی شرح

میں فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ ان کی تعظیم کی خاطر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے کہ ایسا کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن کسی پیغمبر یا ولی کے پڑوس میں مسجد بنانا اور اس کی تعظیم کے ارادہ اور قبر کی طرف توجہ کیے بغیر نماز ادا کرنا جائز ہے بلکہ حصول مدد کی نیت سے تاکہ اس کی قبر کی برکت سے عبادت کا ثواب کامل ملے اور اس کی روح پاک کا قرب و پڑوس نصیب ہو تو اس میں کوئی حرج و ممانعت نہیں۔ اس بارے میں مزید کلام اس باب کے آخر میں آرہا ہے۔ اور یہ بحث انشاء اللہ تعالیٰ کتاب الجہاد کے شہداء بدر کے بیان میں مکمل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پھر آداب زیارت قبور میں سے ایک ادب یہ ہے کہ بوقت زیارت منہ قبر کی طرف اس کے بالمقابل ہو اور پشت قبلہ کی جانب اس طرح کھڑا ہو کر صاحب قبر کو سلام عرض کرے۔ مگر ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے اور نہ اسے بوسہ دے اور نہ جھکے اور چہرے پر قبر کی مٹی نہ ملے کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حضرت صدر الشہید رحمۃ اللہ نے جو شارح حنفیہ میں سے ایک ہیں۔ امام محمد کے قول کو لیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ شیخ امام محمد بن الفضل رحمۃ اللہ نے کہا کہ مکروہ بلند آواز سے قرآن پڑھنا ہے۔ آہستہ قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ سارا قرآن ختم کرے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ قبر کے پاس سورۃ تبارک الملک پڑھے بلند آواز سے یا پست آواز سے۔ کہ بلند یا آہستہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر روایت میں موجود ہے اور اس کے جواز میں اثر وارد ہو چکا ہے حضرت شیخ ابو بکر بن سعد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ زیارت قبور کے وقت سورۃ اخلاص سات مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو بخشے۔ صحیح تر بات یہی ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ کھڑے ہو کر گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اس کے بعد بیٹھ جائے۔

جمعہ کے دن زیارت قبر بہت افضل ہے۔ دوسرے دنوں کی نسبت خصوصًا روز جمعہ کے اول وقت میں حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیمًا وتشریفًا میں یہی متعارف و مروج ہے کہ جمعہ کے روز اول وقت میں جنت المعلیٰ اور بقیع شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دنوں اور اوقات کی نسبت جمعہ کے دن میت کو زیادہ علم و ادراک عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میت دوسرے دنوں کی نسبت جمعہ کے دن زائر کو زیادہ پہچانتا ہے۔ اور ہمارے دیار ہندوستان میں جو عامۃ الناس میں مشہور ہو چکا ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور منع ہے۔ اور ممانعت میں جو اثر و روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور قبور پر بے ضرورت پاؤں رکھ کر چلنا مکروہ ہے۔ مستحب ہے کہ میت کے اس دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ و خیرات کیا جائے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اسے فائدہ دیتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس کے جواز میں خصوصًا احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ میت

کی روح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی صدقہ کرتا ہے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيْ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاَمْسِكُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيْذِ اِلَّا فِيْ سِقَاءٍ فَاشْرَبُوْا فِي الْاَسْقِيَةِ كُلِّهَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب زیارت کو جایا کرو اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت (جمع رکھنے) سے بھی منع کیا تھا مگر اب تم اپنی حاجت کے مطابق رکھ سکتے ہو[2] اور میں نے تمہیں شیرۂ کھجور کو مشک کے علاوہ باقی سب برتنوں میں رکھنے سے منع کیا تھا مگر اب تمہیں تمام برتنوں میں رکھنے کی اجازت ہے۔ اور نشہ آور کوئی چیز نہ پیا کرو[3] (مسلم)

[1] بُریدہ (با کی پیش را کی زبر) آپ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یعنی اس سے پہلے میں نے زیارت قبور کی ممانعت کی تھی۔ مگر اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں تو پہلے حکم کو منسوخ سمجھو۔ علماء نے کہا ہے کہ ممانعت کی وجہ عہد جاہلیت کا قرب تھا اور اس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ وہ کچھ کہیں اور کریں گے جو زمانہ جاہلیت میں کہتے اور کرتے تھے۔ اب چونکہ دلوں میں قواعد اسلام اور اس کی تعلیمات مضبوط و مستحکم ہو چکی ہیں۔ تو وہ خطرہ باقی نہیں رہا۔ پھر عورتوں کے زیارت قبور کے لیے جانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت صرف مردوں کو ملی ہے۔ عورتوں کے لیے اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت قبور سے ممانعت باقی ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت و رخصت مردوں و عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیارت قبور کے لیے جانے والی عورتوں پر لعنت کرے۔ اور وہ حضرات جو عورتوں کے لیے بھی زیارت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں[3]

---

[3] اس مسئلہ کے جواز میں امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت جناب مولانا محمد احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ نے ایک مستقل اور جامع رسالہ مسمّٰی بہ اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح تالیف فرمایا ہے۔ مزید اطمینان ما یقان کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مترجم غفرلہ

کہ یہ حدیث اجازت سے پہلے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔

سے یعنی جب تک تمہاری طبیعت چاہے اور جتنے وقت کے لیے تمہاری رائے میں آئے پھر قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ عرصہ ذخیرہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان فقرا ءمساکین کو گوشت کی ضرورت ہوتی تھی جو خود قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے،اس کے بعد جب لوگوں کے مال اور اقتصادی حالات بہتر ہو گئے اور ایک دوسرے سے لے کر کھانے کی ضرورت نہ رہی تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ قربانی کا گوشت جب تک چاہیں ذخیرہ کر سکتے ہیں۔

سکہ یعنی مشک اور غیر مشک ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈال سکتے ہو، حدیث میں واقع لفظ اَسْقِیَۃ سے برتن اور ظروف مراد ہیں۔ مشک کے علاوہ دوسرے برتنوں میں ڈالنے سے ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ مشک میں پانی ٹھنڈا رہتا ہے، گرم نہیں ہوتا اور شیرے میں تیزی نہیں آتی دوسرے برتنوں میں گرم ہو جاتا ہے اور سخت و تیز ہو جاتا ہے اور اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ شراب کی کیفیت اختیار کرے اور حرام ہو جائے اور لوگوں کے لیے شراب حرام ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابھی ان کے سروں میں شراب کی لذت اور خواہش باقی تھی تو اس بات کا امکان تھا کہ پھر شراب نوشی کے مرتکب ہو جائیں اور جب شراب کو حرام ہوئے ایک عرصہ گزر گیا اور لوگ اس سے دور رہتے اور پرہیز کرنے کے خوگر اور عادی ہو گئے تو اس کے ارتکاب کا احتمال باقی نہ رہا۔ اس بنا پر ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈالنے کی اجازت مل گئی۔ جب کہ وہ تند و تیز نہ ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو اور اگر نشہ آور ہو جائے تو پھر اس سے پرہیز ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ کوئی نشہ آور چیز نہ پیو۔

سے ابتدا میں شراب پینے کے برتن باقی تھے۔ ان کے استعمال سے روک دیا گیا۔ صرف مشک کے استعمال کی اجازت دی گئی۔ پھر آخر وقت میں ہر برتن استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ اجازت امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک شراب کے برتنوں کا استعمال اب بھی ناجائز ہے۔ جیسا کہ کتاب الایمان میں مذکور ہوا۔ شیرہ کھجور کا معنی ہے کہ کھجور یا انگور کوٹ پیس کر پانی میں کچھ وقت کے لیے ڈال دیا جاتا ہے کہ اس میں قدرے تیزی آ جائے۔ پھر اسے پی لیں۔ یہ حلال و جائز ہے۔ اور اگر تیزی زیادہ اور سخت ہو جائے اور نشہ آور بن جائے تو حرام ہے۔ کتاب الاشربہ میں اس کی مفصل تر معلومات فراہم کی جائیں گی۔

۱۶۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ زَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَکٰی وَ اَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِیْ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت کی تو رو پڑے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی رلایا۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی مجھے اس کی

اسْتَأْذَنْتُهٗ فِيْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِيْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ۔
رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اجازت نہ دی گئی پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی اس کی اجازت دے دی گئی تو اے لوگو قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ موت یاد دلاتی ہے۔ (مسلم)

۱؎ یعنی آپ اس قدر روئے کہ آپ کے رونے سے دوسرے بھی متاثر ہوئے اور رونے لگے

۲؎ واضح ہو کہ اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ متقدمین کا طریقہ ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ نبی علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کیلئے دعائے بخشش کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَلَا تَسْئَلْ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (نفسل نہی صیغہ معلوم کی قراءت میں) اور اے نبی دوزخ والوں کے متعلق سوال نہ کر۔ لیکن متاخرین علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء وامہات کا ایمان ثابت کیا ہے۔ اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے۔ ان کو حضور کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے لیکن متعدد طرق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء تبارک وتعالیٰ من فضلہ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جس چیز سے چاہے اپنی رحمت وفضل سے خاص کرے۔ حضرت شیخ جلال سیوطی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا۔ مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۶/۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب لوگ قبروں کی طرف نکلتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ الفاظ سکھاتے تھے السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو

اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انشاءاللہ ہم بھی تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت اور عذاب دنیا و آخرت کی سلامتی مانگتے ہیں۔ (مسلم)

لہ علماء نے کہا ہے کہ یہاں سلام تسلیم و رضا کے معنی میں ہے۔ دیار دار کی جمع ہے۔ دار اس حویلی کو کہتے ہیں جس میں صحن اور کھلی جگہ موجود ہو۔ اس کا استعمال زندہ لوگوں کے گھروں اور قبر والوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔

۲ یہاں انشاء اللہ کا استعمال تبرک و رغبت کے لیے ہے۔ جس طرح بیمار کو کہتے ہیں۔ کہ انشاء اللہ تو صحت یاب ہوجائے گا۔ یا ایمان پر مرنے میں شک کی وجہ سے ہے یا وقت موت قریب ہونے کی وجہ سے۔ بیت

گر نہ قضا بود کہ باہم رویم
بہر سد آں وقت کہ باہم رویم

ترجمہ۔ اگر قضاء و قدر میں یہ نہ تھا کہ ہم اکٹھے مریں گو وہ وقت بھی آ رہا ہے کہ ہم بھی چل پڑیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۶۶۱/۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبور مدینہ کے پاس سے گزرے تو اپنے چہرہ انور سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اہل قبور تم پر سلام اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے پہلے پہنچنے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۶۶۲/۵ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی باری میرے پاس ہوتی تو رات کے آخری حصے میں آپ بقیع کی طرف نکلتے اور فرماتے اے مومنین کے گھر والو

يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تم پر سلام تمہارے پاس وہ چیز آ پہنچی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کل کی تمہیں نسبت ملی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ خدایا بقیع غرقد[۲] والوں کو بخش دے

(مسلم)

[۱] بقیع (با اور قاف سے) مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام ہے۔

[۲] اس قبرستان کو بقیع الغرقد اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بقیع اس زمین کو کہتے ہیں جس میں درخت ہوں۔ غرقد (غین اور قاف) ایک قسم کا درخت ہے جو یہاں قبرستان بننے سے پہلے بہت تھا۔

۱۶۰۴ وَعَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ اَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِي السَّلَامُ عَلَى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں یا رسول اللہ میں کیا کہا کروں کس طرح کہا کروں اور کیا پڑھا کروں یعنی زیارت قبور کے وقت[۱] تو آپ نے فرمایا کہ السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمتاخرین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ اے مومن اور مسلمانوں کے گھروں والو تم کو سلام اللہ تعالیٰ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آگر ملنے والے ہیں۔ (مسلم)

[۱] یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لیے بھی زیارت قبور جائز ہے اور اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت اجازت سے پہلے تھی۔

۱۶۰۵ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ[۱] يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا۔

حضرت محمد بن[۱] النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے دونوں والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے تو اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس کا فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلا روایت کیا۔

۱؎ حضرت محمد بن نعمان ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی اسے بخشش دیا جاتا ہے اور دیوان اعمال میں اسے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔ برٌّ باکی زبر بمعنی باپ اور ماں سے نیکی کرنا۔ یہ عقوق (والدین کی نافرمانی) کی ضد ہے۔ اور برّ باکی زبر ہی طرح لفظ بار بمعنی والدین سے نیکی کرنے والا۔ یہ عاق کی ضد ہے۔ بعض فقہی روایات میں ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۱۶۷۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب ان کی زیارت کر لیا کرو۔ کہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت یاد دلاتی ہے۔۱؎

(ابن ماجہ)

۱؎ کہ جب انجام کار یہ ہے تو پھر دنیا سے یہ تمام تعلقات کس لیے ہیں اور آخرت کو یاد دلاتی ہے کہ اس جہاں کے علاوہ ایک جہاں اور بھی ہے جہاں جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبور کو عبرت و حیرت کی صفت سے دیکھنا چاہیے اور غافل ولا پرواہ نہ ہونا چاہیے۔ ما جامی

بر زمینے کہ ہمے گذری عاکن رو کہ عیو لست و خطوط است و قد و داست و خد دود

این ہمہ چشمہ خورشید جہان افروز است کہ ہمے تافت برآ ماگہ عاد و ثمود

ترجمہ:- جس زمین پر تو چل رہا ہے آہستہ اور سکون سے چل کر یہ سب آنکھیں چہرے کے محاسن، لوگوں کے قد اور ان کے رخسارے ہیں۔ یہ سب آفتاب کا چشمہ جہاں افروز ہے جو عاد و ثمود کی آرام گاہ پر چمکتا رہا ہے۔

۱۶۷۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۱؎

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَالَ قَدْ رَاٰى

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت

بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يُّرَخِّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِيْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّمَا كَرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَآءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ ثُمَّ تَمَّ كَلَامُهٗ۔

قبور کی اجازت دینے سے پہلے کی بات ہے. جب آپ نے اجازت دی تو اس میں مرد و عورتیں دونوں داخل ہو گئے. اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے زیارت قبور کو اس لیے مکروہ قرار دیا کہ وہ صبر کم کرتی اور جزع فزع زیادہ کرتی ہیں۔ امام ترمذی کا کلام مکمل ہوا۔

لے یعنی ان عورتوں پر جو زیارت کے وقت جزع فزع کریں اور نوحہ اور آہ و بکا سبت کریں۔

۱۷۶۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَ اَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَ اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، اس حال میں داخل ہوتی تھی کہ میں نے چادر اتاری ہوتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ وہ تو میرے خاوند اور میرے باپ ہیں. پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوتی تھی مگر اس حالت میں کہ میرے کپڑے مجھ پر بندھے ہوتے تھے. حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا و شرم کی وجہ سے۔ (احمد)

لے یعنی مدفون ہیں. پھر یہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہوئے۔

سے یعنی میں اپنے دل میں کہتی تھی. یا اگر کوئی مجھے پوچھتا تو میں یہی جواب دیتی کہ یہاں ایک تو میرے شوہر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں. دوسرے میرے باپ حضرت ابوبکر ہیں رضی اللہ عنہ۔

سے کیونکہ وہ بیگانے تھے. اس حدیث میں اس امر پر واضح دلیل ہے کہ میت زندہ ہے اور اس کا علم موجود و قائم ہے. اور یہ کہ میت کی زیارت کے وقت اس کا احترام واجب و ضروری ہے. خصوصاً صالحین کی زیارت کے وقت اور ادب کی رعایت حسب مراتب ہے. جس طرح ان کی زندگی میں کیونکہ صالحین ان کی زیارت کرنے والوں کے ادب کے مطابق ان کو مدد کرتے ہیں. جیسا کہ شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کی حسن توفیق سے کتاب برکت انتساب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از کتاب الصلوٰۃ تا کتاب الجنائز کے اردو ترجمہ کی جلد دوم اختتام پذیر ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وجمیع امتہ۔

مترجم۔ محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہ
امام وخطیب جامع مسجد حضرت علی بن عثمان ہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش رضی اللہ تعالٰی عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء
بروز بدھ ۱ بجے شب !!

فہرست مضامین کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم کثیراً کثیراً

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہ

۱۱ر فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال

اردو بازار

لاہور

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں
اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولینا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی بورڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں

اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد سوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف :-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولینا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

رکن پاکستان شریعت کمیٹی

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

کتاب ——— اشعۃ اللمعات اُردو جلد سوم

تصنیف منیف ——— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تقدیم و حواشی ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کتابت ——— محمد نعیم خوشنویس حضرت کیلیانوالہ شریف

پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

ناشر ——— فرید بک سٹال ۳۸ اُردو بازار لاہور

سال اشاعت ——— شعبان ۱۴۰۶ھ / اپریل ۱۹۸۶ء

تعداد ——— ایک ہزار ۱۰۰۰

مطبع ——— آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس ۲۸ اُردو بازار لاہور

تہذیب و تصحیح از ——— ڈاکٹر منیر احمد صاحب

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ زکوٰۃ مال کے بڑھنے یا اسے طیب و پاک کرنے اور صاحب مال کے مال میں برکت اور اضافے کا موجب و ذریعہ ہے۔ اور اس سے صاحب زکوٰۃ گناہوں سے بھی پاک ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صاحب زکوٰۃ کے دعویٰ ایمان میں اس کے صدق کی دلیل ہے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات عشر وغیرہ اور ان کے احکام و حدود میں حکمتوں اور مصلحتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اہل فہم و بصیرت سے پوشیدہ نہیں، اسی طرح تمام احکام شرعیہ میں اس قدر باریک حکمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ آپ زکوٰۃ و صدقات میں فقراء و مساکین کی رعایت اور ان کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ زکوٰۃ و صدقات پہنچانے میں دیانت، امانت، رغبت، بے محنت و مشقت اور بے احسان جتلائے اور بے تکلیف دیے ان تک پہنچانے کی وصیت کرتے اور ترغیب دیتے تھے۔ اونٹوں میں مادہ اونٹ بطور زکوٰۃ دینے کو لازم قرار دینا کہ اس میں نر اونٹ کی نسبت فائدہ زیادہ ہے بھی اسی باب سے ہے کہ اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ نے اصحاب مال کی رعایت بھی ملحوظ رکھی ہے تاکہ عمال و حکام ان سے زکوٰۃ وصول کرنے میں ظلم و تعدی نہ کریں۔ اور حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ اور عمدہ و اعلیٰ کا انتخاب نہ کریں۔ اسی اندازہ فرض سے زیادہ ہدیوں اور مہمان نوازیوں کی صورت میں ان سے حاصل نہ کریں۔ مال کے بڑھنے اور اس پر پورا سال گزرنے کی شرط بھی جو آسانی اور رفق کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی میں داخل ہے۔ پھر رعایت حکمت و عدالت کے لیے ہی زکوٰۃ کو مال کی چار قسموں میں لازم و واجب قرار دیا کہ یہ چار اقسام لوگوں میں عموماً ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کو ان کی ضرورت و حاجت بھی زیادہ ہے تاکہ ان کی زکوٰۃ ادا کرنے میں آسانی رہے۔ اور ان سے زکوٰۃ ادا کرنا حاجت برآری کے لیے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

قسم اوّل: کھیتی اور پھل جیسے گندم، کھجور، انگور وغیرہ۔ نہ کہ وہ کھیتی جو تھوڑی دیر بعد فنا ہو جاتی ہے جیسے سبزیاں وغیرہ

قسم دوم: مویشی: جیسے اونٹ، گائے بھینس، اور بھیڑ بکریاں۔ ان تفصیلی شرائط کے ساتھ جو فقہ میں مذکور ہیں۔

قسم سوم: سونا چاندی جس پر انسان کی معاش کا انحصار ہے اور تمام اشیاء کی قیمتوں کا نظام بھی اس سے متعلق ہے

قسم چہارم: مالِ تجارت کی ہر قسم۔ اس میں سے سال میں ایک بار زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ فصلوں اور پھلوں سے ان کی کٹائی اور کامل ہونے پر۔ پھر یہ بھی عدل وانصاف کی رعایت کے تحت ہے کہ صاحبِ مال کی کوشش وسعی اور اس میں سہولت و مشقت کے مطابق مقدارِ واجب میں فرق رکھا۔ اسی وجہ سے اس میں سے جو بے مشقت و تکلف حاصل ہوتا ہے جیسے خزانہ جو کان یا دفینہ برآمد ہوا اس میں اس بات کا اعتبار نہیں کہ اس پر پورا سال گزرے بلکہ جوں ہی خزانہ یا دفینہ برآمد ہو اس میں سے خمس نکالنا واجب ہے۔ اور وہ مال جس کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت ہو اس میں خمس کا نصف یعنی دسواں حصہ فرض ہے۔ جیسے ان فصلوں اور پھلوں میں جو بارش کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان فصلوں اور پھلوں میں بیسواں حصہ واجب ہے جن کے حاصل کرنے میں مشقت و محنت زیادہ ہے۔ جیسے رَاہٹ، حوض، نہر یا کنویں سے کلتے اور گدھے وغیرہ کے ذریعے سیراب کرنا پڑتا ہے۔ پھر بیسویں کا نصف یعنی چالیس میں سے ایک حصہ فرض ہے ان چیزوں میں جن میں عمل اور مسلسل مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسے سفر کی مشقت، سمندروں میں سے گزرنا اور قیمتوں کے کم و زیادہ ہونے کا خطرہ وغیرہ دامن گیر رہتا ہے۔ پھر ان میں عدل وانصاف کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کے مال میں حال کی مصلحت و حکمت کے مطابق جس کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے، الگ الگ نصاب متعین فرمایا ہے۔ چنانچہ چاندی میں دو سو درہم سونے میں بیس مثقال (۷½ تولے)، بکریوں میں چالیس، گائے بھینس میں تیس اور اونٹ میں پانچ کا نصاب مقرر کیا۔ ان سے کم مقدار میں کچھ فرض نہ کیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ هُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا بے شک تو ایسی قوم کے پاس جا رہا ہے جو اہلِ کتاب ہے۔ پہلے انہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی طرف بلانا اگر وہ اس میں تیری اطاعت قبول کریں (یعنی شہادت پڑھ لیں اور مسلمان ہو جائیں) تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس میں فرمانبرداری اختیار کر لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) بھی فرض کیا ہے جو ان کے دولتمندوں سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا پس اگر وہ

أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صدقہ دینے کی بات مان لیں (اور صدقہ دینا شروع کریں) تو ان سے ان کا عمدہ مال (بطور زکوٰۃ) وصول کرنے سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے بھی بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ حائل نہیں۔[۵]

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی اور امیر بنا کر یمن بھیجا۔ روایات میں ہے کہ انہیں وداع کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس پیدل چل رہے تھے، اور معاذ سواری پر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا شاید جب تو واپس آئے تو ہمیں نہ پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

[۲] اہل کتاب کے ذکر کی تخصیص ان کے حال کے اہتمام کے طور پر کی۔ ورنہ اس وقت یمن میں مشرک اور ذمی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

[۳] زکوٰۃ سے پہلے نماز کا ذکر نماز کی فضیلت اور اس کے اہتمام کی بنا پر کیا۔ اس بنا پر نہیں کیا کہ نماز کی ادائیگی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے۔

ع یعنی اس حد تک جتنا کہ ان پر لازم آتا ہے۔

[۴] کہ اچھے اچھے اور فربہ جسم والے جانور چن چن کر نہ لے بلکہ جو مالک دے وہ لے۔ بشرطیکہ عیب و نقص سے سالم و محفوظ ہو کیونکہ زکوٰۃ میں عیب والی چیز دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

[۵] کہ مظلوم کی دعا فوراً بارگاہ صمدیت میں پہنچ کر قبول ہوتی ہے۔ اگرچہ مظلوم کافر ہی ہو جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔

۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا رُدَّتْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی سونے چاندی والا نہیں جو اس کا حق ادا نہیں کرتا مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے اس کے سونے چاندی کی دوزخ کی آگ پر تختیاں بنائی جائیں گی۔ پھر انہیں دوزخ کی آگ پر گرم کیا جائے گا۔ اس پر اس کے پہلو، پیشانی اور پشت[۱] کو داغا جائے گا۔ جب وہ تختیاں اس پر سے پھیری جائیں گی

أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ
خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى
بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا
إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيلَ
يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَالْإِبِلُ قَالَ وَلَا
صَاحِبُ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا
وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا
إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ
لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ
لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيلًا وَاحِدًا
تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهُ
بِأَفْوَاهِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا
رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا فِي يَوْمٍ كَانَ
مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ
حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى
سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا
إِلَى النَّارِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا
صَاحِبُ بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا
يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ
يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ
قَرْقَرٍ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا
لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ
وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا
وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ

دوبارہ اس پر لوٹائی جائیں گی (یہ عذاب و سختی) اس پر
اس دن میں ہوگی جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر
ہے۔ عذاب کا یہ سلسلہ جاری رہے گا تا آنکہ لوگوں کے
درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت کی طرف
راستہ دکھایا جائے گا یا دوزخ کی طرف عرض کیا گیا
یا رسول اللہ اونٹوں کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اور
نہ کوئی اونٹ والا جس نے ان کا حق ادا نہ کیا ہوگا۔
(اور ان کے حق میں سے ہے ان کا دودھ دوہنا
جس دن انہیں گھاٹ پر لائے) مگر جب قیامت کا
دن ہوگا، تو اونٹ والے کو منہ کے بل چٹیل اور ہموار
زمین پر گرایا جائے گا اور وہ اونٹ خوب فربہ اور تنومند
ہو کے اس کے اوپر سے گزارے جائیں گے اسطرح
کہ وہ اپنے اونٹوں کا ایک بچہ بھی گم نہ پائے گا۔ تو
وہ سب اونٹ اسے اپنے کھروں سے پامال
کریں گے۔ اور اپنے دانتوں سے اسے چبائیں گے
جب بھی اس کے اوپر سے اونٹوں کی اگلی جماعت
گزاری جائے گی تو آخری جماعت پھر اس پر لوٹائی
جائے گی۔ عرض کیا گیا گائے اور بکری کا کیا حکم ہے فرمایا
اور نہ کوئی گائے والا اور نہ بکری والا جس نے اس کا
حق ادا نہ کیا ہوگا مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک
ہموار میدان میں ڈالا جائے گا اس میں سے کسی گائے
بکری کو گم نہ پائے گا ان میں کوئی ایسی نہ ہوگی جس کے
سینگ مڑے ہوئے ہوں اور وہ منڈی اور نہ سینگ ٹوٹی اس کو
اپنے سینگوں سے ماریں گی اور اپنے کھروں کے ساتھ
کچلیں گی۔ یہاں تک کہ اس پر پہلی جماعت گزرے گی

عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا
فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ
أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ
الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى
الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيلَ
يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَالْخَيْلُ قَالَ
فَالْخَيْلُ ثَلٰثَةٌ هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ
وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ
أَجْرٌ فَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ وِزْرٌ
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَفَخْرًا وَ
نِوَاءً عَلَى أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ
لَهُ وِزْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ
سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ
اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ
فِي ظُهُورِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهُ
سِتْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي مَرْجٍ وَ
رَوْضَةٍ فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ
الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ
إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا أَكَلَتْ
حَسَنَاتٌ وَكُتِبَ لَهُ عَدَدَ
أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَ
لَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا
أَوْ شَرَفَيْنِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ

تو پہلی جماعت اس پر لوٹائی جائے گی ایسے دن میں جس
کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے
درمیان فیصلہ کیا جائے گا سو وہ اپنی راہ دیکھے گا یا جنت کی
طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا۔ اے اللہ کے رسول
گھوڑوں کا حکم کیا ہے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں۔
ایک وہ جو آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں دوسرے
وہ جو انسان کے لیے پردہ ہیں۔ تیسرے وہ جو آدمی کے لیے
ثواب کا موجب ہوتے ہیں۔ وہ گھوڑے جو انسان کے
لیے گناہ کا سبب بنتے ہیں، وہ ہیں جنہیں آدمی ریا و فخر
اور اہل اسلام سے دشمنی کے لیے باندھتا ہے۔ یہ
گھوڑے اس کے لیے گناہ کا باعث ہیں اور وہ گھوڑے
جو اس کے لیے پردہ ہیں، وہ ہیں جنہیں اس نے خدا کی
راہ میں باندھا ہے پھر ان کی پیٹھوں اور ان کی گردنوں میں
وہ خدا کا حق نہیں بھولا۔ تو یہ گھوڑے اس کے لیے
پردہ ہیں۔ اور وہ گھوڑے جو اس کے لیے ثواب
کا موجب ہیں، وہ ہیں جو اس نے چراگاہ اور سبزہ زار
میں اللہ کی راہ میں اہل اسلام کے لیے باندھے ہیں۔ وہ اس
چراگاہ اور سبزے میں کوئی چیز نہیں کھاتے مگر اس کے
لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اتنی مقدار میں جو اس نے کھائی
ہوتی ہے۔ اور اس کی لید اور پیشاب کے مطابق اس
کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور وہ گھوڑے اپنے
رسّے نہیں توڑتے۔ پھر ایک میدان یا دو میدان دوڑتے
ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم کی گنتی اور ان
کی لید اور پیشاب کے مطابق نیکیاں لکھتا ہے اور
ان کا مالک کسی نہر پر سے انہیں نہیں گزارتا تو وہ گھوڑے

عَدَدَ اَکْبَارِهَا وَ اَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَلَوْ مَرَّتْ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰی نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس میں سے پانی پیتے ہیں اور مالک نے ان کے پانی پلانے کا ارادہ نہیں کیا ہوتا مگر جتنا پانی پیتے ہیں اس کی مقدار اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں[۲۵]۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول گدھوں کا کیا حکم ہے[۲۶]۔ فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ مگر یہ آیت جو اکیلی ہی سب نیکیوں کو جمع کرنے والی ہے یعنی جس نے ایک ذرہ کی مقدار نیک عمل کیا وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ایک ذرہ کی مقدار برا عمل کیا اسے دیکھے گا۔

(۲ تشریف)

لہ حدیث میں واقع لفظ صُفِّحَت فا کی شد سے ہے۔ یعنی اس سونا چاندی کو کوٹ کر اس کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ حدیث میں واقع لفظ صفائح صفیحہ کی جمع ہے۔ یعنی لوہا وغیرہ جسے آگ میں رکھ کر گرم کیا جائے۔ صفائح الباب یعنی دروازے کے تختے (کواڑ) صفیحہ شمشیر یعنی چوڑی تلوار۔ اور چوڑے پتھر کو بھی کہتے ہیں صفیحہ الوجہ یعنی چہرے کا گوشت پوست۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے چاندی کو تختیوں کی شکل میں چوڑا کیا جائے گا۔ حدیث میں لفظ من نار یعنی آگ سے بنائی جائیں گی، اس بنا پر فرمایا کہ گویا اسے اس قدر گرم کیا اور تپایا جائے گا کہ وہ آگ ہی بن جائیں گی چنانچہ فرمایا کہ انہیں آگ پر گرم کیا جائے گا۔

لہ ان تین اعضاء کو داغنے کی تخصیص اس بنا پر کی کہ مال جمع کرنا پھر اسے برتری اور دولت کے ذریعے جاہ و مرتبہ کی طلب، لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہونے اور دلفریب اور دل پسند لباس زیب تن کرنے میں یہ اعضاء نمایاں ہیں اور اس بنا پر بھی کہ دولتمند لوگ مانگنے والے غریبوں مسکینوں سے منہ پھیرتے۔ ان سے پہلو تہی کرتے اور ان کی طرف پشت کر لیتے ہیں۔ اور یہ تین اعضاء ظاہری اعضاء میں اشرف ہیں باطنی اور اعضاء رئیسہ دل و دماغ و جگر پر مشتمل ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ان کی تخصیص کی گئی۔

لہ یعنی وہ تختیاں ان کے لیے بار بار واپس لائی جائیں گی یا انہیں داغنے کے لیے بار بار ان کے جسموں پر پھیری جائیں گی جس طرح گرم لوہے کو بار بار بھٹی میں رکھا اور نکالا جاتا ہے۔

لہ یہ دراصل اس دن کی انتہائی درازی اور گناہ گاروں پر اس کی سختی سے کنایہ ہے مگر نیک لوگوں پر سے یہ دن

اتنا جلدی گزرے گا جتنا کہ دو رکعت نماز میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہاں فلسفہ اور عقل پرستوں کو بڑی حیرت لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ بڑے پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ ان کے برعکس اہل ایمان کے باطن بڑے خوش اور کشادہ ہوتے ہیں۔ کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی تاریکی ان کے قریب نہیں آتی۔ والحمد للہ۔

۵؎ حدیث میں واقع لفظ رِیُّہا کی پیش و زبر اور سبیلہ کی زبر و پیش دونوں طرح روایت ہے۔

۶؎ یعنی ان کی زکوٰۃ کے تارک کا کیا حکم ہے اور اسے کیا عذاب ہوگا۔

۷؎ یعنی اونٹ کا فرض حکم تو وہی زکوٰۃ ہے۔ مگر ان کے حقوق میں ایک مستحب حکم اور شکر گزاری کا طریقہ جو گویا واجب کی طرح ہے یہ ہے کہ گھاٹ پہ لانے کے دن ان کا دودھ دوہا جائے۔ یہاں حدیث میں واقع لفظ وِرْد واؤ کی زیر اور را ساکن سے ہے یعنی اونٹوں کو گھاٹ پہ پانی پلانے کے لیے اتارنا۔ ایسے مواقع میں چونکہ لوگ موجود ہوتے اور پیاسے سیراب ہوتے ہیں۔ تو دودھ سے ان کی خدمت کرنی چاہیے۔ حدیث کا ظاہر تو اس میں ہے کہ اس حق کے ترک سے بھی عذاب ہوگا۔

۸؎ حدیث میں واقع لفظ قَاعٌ کا معنیٰ ہے فراخ و کشادہ میدان جس میں پہاڑ اور ٹیلے نہ ہوں۔ اور لفظ قَرْقَرٌ دونوں قاف پر زبر اور پہلی را ساکن کا معنیٰ بھی فراخ و ہموار میدان ہے۔ یہ قاع کی تاکید اور صفت کاشفہ ہے۔

۹؎ یعنی اس کے اونٹوں کے بچے بھی اسے پامال کرنے میں اونٹوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اونٹوں کے بچوں سے یہی اونٹ ہی مراد ہوں۔ کیونکہ ہر اونٹ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اور معنیٰ یہ ہو کہ اونٹوں کے مالک اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھی کم نہ پائیں گے۔ اس معنیٰ کی موید ہے۔ حدیث پاک کی وہ عبارت جو گائے اور بکریوں میں وارد ہوئی ہے۔ جو کہ آگے آ رہی ہے۔

۱۰؎ واضح ہو کہ اونٹ کے سموں کو عربی میں خف کہتے ہیں۔ اور بکریوں کے کھروں کو ظلف۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۱۱؎ یعنی جوں ہی وہ سب اونٹ اس پر سے گزر جائیں گے تو پھر دوبارہ اس پر گزرنا شروع کریں گے یعنی اسے بار بار پامال کریں گے علماء نے حدیث کے الفاظ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا کے معانی میں قیل وقال کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں بظاہر یہ ہے کہ یوں کہا جائے۔ کہ جب بھی آخری جماعت اس پر سے گزرے گی پہلی اس پر لوٹا دی جائے گی کیونکہ واپسی اور رجوع اگلی جماعت میں واقع ہوگا۔ نہ کہ آخری میں[1]۔ مسلم شریف کی روایت میں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

۱؎ مگر یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ اونٹوں کی آخری جماعت جب اس پر سے گزرے گی تو وہی پہلے لوٹ کر دوبارہ اس پر سے گزرنا شروع کرے گی۔ اس طرح آخری جماعت پہلے رجوع کرے گی۔ اس طرح الفاظ حدیث کا معنیٰ بالکل صاف اور واضح ہے۔ از امیر علی صاحب مرحوم۔ مترجم غفرلہ۔

کی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا کہ کتاب (مشکوٰۃ) میں جو واقع ہوا وہ سہو پر مبنی ہے جو بعض راویوں سے واقع ہو گیا۔ اور صاحب مصابیح نے بے سوچے اسی طرح نقل کر دیا۔ تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔ اور اگر یہ تکلف کیا جائے کہ واپسی سے گز نامراد لیا جائے۔ نہ کہ رجوع کرنا تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس میں غور کرو۔

ف۱۲ عَقْصَاءُ عین کی زبر قاف ساکن یعنی وہ گائے بکری جس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں۔ یعنی وہ مڑے ہوئے سینگوں والی نہ ہوں گی کہ وہ تکلیف پہنچانے میں پورا زور نہیں لگا سکتیں۔ لفظ جَلْحَاءُ پہلے جیم زبر والا پھر حاء بے نقطہ۔ یعنی وہ گائے بکری جس کے سینگ ہی نہ ہوں عَضْبَاءُ یعنی ٹوٹے ہوئے سینگوں والی گائے بکری۔

ف۱۳ حدیث میں واقع لفظ اَظْلَاف جمع ظِلف ظا نقطہ دار کی زیر سے، یعنی درمیان سے پھٹا ہوا کھر جیسے گائے بکری وغیرہ کا۔ اونٹ کے سم کو خف اور گھوڑے گدھے کے سم کو حافر کہتے ہیں۔

ف۱۴ اور ہر قسم کا ایک حکم ہے۔

ف۱۵ لفظ وِزر، واو کی زیر زا ساکن یعنی گرانی اور بوجھ۔

ف۱۶ یعنی دوسری قسم وہ گھوڑے ہیں جو مرد کے حال کا پردہ بنتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ نہ جان سکیں کہ یہ شخص فقیر و محتاج ہے۔ اور اس بات کے اظہار کے آگے پردہ ہیں کہ اس آدمی کو لوگوں کے سامنے کوئی حاجت بیان کرنے دیں۔

ف۱۷ تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ یہ شخص مجاہد و غازی ہے۔ حالانکہ واقع میں وہ مجاہد و غازی نہیں ہوتا۔ اور لوگوں پر فخر کرتے اور ان پر اپنی شان ظاہر کرنے کے لیے باندھے ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ ریاد فخر و مالک الگ چیزیں ہیں کیونکہ ریا طاعت و عبادت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی کرنے کے لیے رکھے ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کے خلاف بغاوت اور جنگ کرے تو ایسے گھوڑے اس کے لیے گناہ کا موجب ہیں۔

ف۱۸ یعنی بندگی و طاعت میں باندھا ہے معصیت و نافرمانی کے لیے نہیں باندھا۔ جیسا کہ قسم اول میں تھا۔ مگر اس دوسری قسم سے بالخصوص راہ خدا میں جہاد کرنا مراد نہیں۔ جیسا کہ تیسری قسم میں آ رہا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنی سواری کے لیے باندھ رکھا ہے تاکہ ان پر سوار ہو کر اپنے جائز کام انجام دے۔ اور جائز امور کے لیے ادھر ادھر جائے آئے اور اپنی ضرورت و محتاجی لوگوں سے پوشیدہ رکھے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں واقع ہوا ہے کہ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَ تَعَفُّفًا۔ یعنی انہیں اپنے دولتمند اور تونگر ہونے کے اظہار اور لوگوں سے اظہار محتاجی سے بچنے کے لیے باندھا ہو۔

ف۱۹ پھر ان گھوڑوں کی پشتوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کو فراموش نہ کرے۔ اور ان سے ثواب حاصل کرنے کو ضائع نہ کرے۔ بلکہ ان پر سوار ہو کر طاعت اور امور خیر کے لیے جائے۔ دوسروں کو عاریۃً بھی دے اور لوگوں کو بھی از راہ نیکی سوار ہونے کا موقع دے اور ان کی گردنوں میں اللہ کا حق فراموش نہ کرے بلکہ ان کی زکوٰۃ ادا کرے۔ شافعی المسلک حضرات کہتے ہیں کہ

ان کی گردنوں کا حق یہ ہے کہ ان کے پینے پلانے کا خیال رکھے۔ ان کی اصلاح کرے اور ان سے ہر مزر و تکلیف دور رکھے گھوڑوں کی گردنوں کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے جو باہر جنگل میں جا کر چریں۔ گھر میں انہیں دانہ چارہ نہ ملے۔ گھوڑوں کے مالک کو اختیار ہے کہ ہر گھوڑے کے پیچھے ایک دینار دے یا ان کی قیمت لگائے اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) اور امام شافعی کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے کہ ہر اس گھوڑے کے سر کے عوض ایک دینار ہے جو باہر جنگل میں جا کر چرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ غازی کے گھوڑے کے بارے میں ہے جس پر وہ سواری کرتا ہو اور غلام خدمت کے لیے ہوتا ہے۔ گھوڑے کی قیمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہاں کلام کافی دراز ہے۔ شرح سفر السعادۃ میں اس کا کچھ حصہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۲۰؎ یعنی اجر و ثواب عظیم کا باعث ہیں۔

۲۱؎ تاکہ ان پر سوار ہو کر جہاد کرے اور دوسرے مجاہدین کی اعانت کرے اور ان پر سوار کرے تاکہ وہ بھی جہاد کریں۔

۲۲؎ لفظ مَرْج میم کی زبر را ساکن آخر میں جیم بمعنی کھلی چراگاہ۔ رَوْضَۃ وہ زمین جس میں پانی اور گھاس ہو۔

۲۳؎ یہ لفظ طِوَل کا معنی ہے (طا کی زیر واو کی زبر) یعنی وہ رسی جسے ایک طرف سے میخ سے باندھتے ہیں دوسری طرف گھوڑے کے پاؤں یا ہاتھ کو تاکہ گھومے پھرے اور چرتا بھی رہے۔

۲۴؎ یعنی مالک نے ان کے پانی پلانے کی نیت نہیں کی ہوتی۔ بلکہ وہ گھوڑے اس کے ارادہ و قصد کے بغیر ہی پانی پیتے ہیں۔ چہ جائیکہ انہیں پانی پلانے کا قصد و ارادہ کرے۔ کہ اس صورت میں تو اسے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔

۲۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نیک کام انجام دے اور اس کے ضمن میں بے اختیار اور بے نیت سے کام سرانجام پا جائیں تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے۔ کتاب کے ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی شرح میں اس جانب اشارہ گزر چکا ہے۔ اسے ذہن نشین کیا جائے۔

۲۶؎ اور ان کا حق ادا کرنے یا انہیں اس سے مستثنیٰ کرنے کے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے۔

۲۷؎ یعنی خصوصیت سے ان کے بارے میں کوئی حکم مجھ پر نازل نہیں ہوا مگر تنہا یہ ایک آیت جو اعمال خیر و شر کے تمام احکام کی جامع ہے حدیث میں واقع لفظ فاذۃ (فا و ذال کی شد سے) وہ جامع آیت یہ ہے۔ فمن یعمل الی آخرھا یعنی نیکی کی

جزا بھی پائے گا۔ اور برائی کی جزا بھی۔ مگر کوئی مخصوص حکم اور مخصوص جزا مجھ پر نازل نہیں ہوئی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ مال قیامت کے دن اس کے لیے نر سانپ[۱] کی شکل میں بنایا جائے گا جس کے سر پر بال نہ ہوں گے۔ اور اس کی آنکھوں پر دو کالے نقطے ہوں گے۔ وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا پھر وہ اپنے دونوں جبڑوں[۲] سے اسے پکڑے گا پھر وہ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (بخاری شریف)

۱؎ حدیث میں واقع لفظ شجاعًا (شین کی پیش یا زیر سے) کا معنی ہے نر سانپ یا اژدہا یا مطلق سانپ نر ہو یا مادہ۔ اقرع وہ سانپ جس کے سر پہ بال نہ ہوں یہ اس کے سخت زہریلے اور لمبی عمر والا ہونے کی علامت ہے۔ زبیبتان (زاء اور با درمیان میں یا اور دوسری با کے بعد تا کے ساتھ) بمعنی دو سیاہ نقطے یعنی اس سانپ کی دونوں آنکھوں کے اوپر یا اس کی دو آنکھوں کے درمیان دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ بعض نے کہا اس کے منہ کے اردگرد یہ دو نقطے ہوں گے قیامت کے دن یہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈالا جائے گا۔

۲؎ لہزمتیہ یعنی منہ کے دو کونے (جبڑے) لہزمتین (لام کی زبر ہا ساکن زا کی زبر سے) معنی کان کے نیچے جبڑوں کی دو ابھری ہوئی ہڈیاں۔ شرح شیخ میں کہا لہزمتین یعنی منہ کی وہ دو ہڈیاں جن پر داڑھی کے بال اگتے ہیں چونکہ یہ ہڈیاں جبڑوں کے قریب ہوتی ہیں اس لیے جبڑوں سے اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے۔ اس صورت میں لہزمتیہ کی ضمیر لفظ اقرع یا شجاع کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اس مالدار شخص کی طرف لوٹتی ہو۔ اور یا خذ کا مفعول یہ یعنی وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں اور ان کی ہڈیوں کو ڈسے گا۔ پھر وہ مال اس سے زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کی تو نے زکوٰۃ ادا نہ کی۔ اور میں تیرا وہ خزانہ جس سے تو نے زکوٰۃ جدا کر کے الگ نہ رکھی۔ تا آخر یعنی بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی زکوٰۃ نہ دینے والے مالدار گمان

ذکریں کہ اللہ نے اپنے فضل سے جو مال انہیں عطا کیا ہے وہ ان کے لیے بہتر اور خیر ہے بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے جس کے ساتھ یہ رگ بخل کرتے تھے۔ عنقریب یہ مال قیامت کے دن ان کی گردنوں میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْظَمَ مَا يَكُوْنُ وَ اَسْمَنَهٗ تَطَأُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں ہے کوئی آدمی جس کی ملک میں اونٹ گائے اور بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق ادا نہ کرے مگر انہیں قیامت کے دن لایا جائیگا بہت عظیم الجثہ اور فربہ کرکے تو وہ اسے اپنے سموں اور کھروں سے اور اپنے سینگوں سے روندیں اور پامال کریں گے۔ جب بھی ان کی آخری جماعت اس کے اوپر سے گزرے گی پہلی جماعت کو پھر اس پر لوٹایا جائے گا[1]۔ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہ عبارت اپنے ظاہر پر ہی واقع ہے۔ بخلاف حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کی عبارت کے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوئی۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر[1] بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے[2] تو تم سے خوش واپس لوٹے[3]۔

(مسلم شریف)

[1] آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ نہایت خوبصورت، جلیل القدر اور اپنی قوم میں بزرگ شخصیت تھے۔

[2] یعنی جو امام (حاکم وقت) کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آئے۔ اسے ساعی اور عامل کہتے ہیں۔ قاموس میں کہا مُصَدِّقٌ بروزن محدث یعنی صدقہ وصول کرنے والا اور متصدق تا سے صدقہ دینے والا۔

[3] کہ اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ اور کامل اور پورے طور پر صدقہ ادا کرو۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی[1] قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا کہ جب کوئی قوم صدقہ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی تو آپ فرماتے[2]۔ اے اللہ آل فلاں پر اپنی رحمت نازل فرما[3]۔ چنانچہ میرا باپ اپنی زکوٰۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے اللہ آل ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما[4]۔ (بخاری و مسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهٖ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنا صدقہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو آپ فرماتے اے اللہ تو اس پر رحمت[3] نازل کر۔

[1] یعنی آپ کا دستور یہ تھا کہ جب لوگ صدقات و زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے تو آپ انہیں ان کے مصارف میں صرف فرماتے تھے۔

[2] یعنی جو صدقہ و زکوٰۃ لے کر آیا ہے اس پر اور اس کی قوم پر۔

[3] حکم خداوندی بھی یہی تھا کہ آپ ان سے صدقہ قبول کریں۔ اور ان کے لیے دعائے رحمت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صراحۃ وارد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً وَّصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں اور ان کے لیے دعائے رحمت کریں۔

[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آل فلاں سے خود فلاں مراد ہے۔ اور لفظ آل زائد ہے جیسا کہ آل فرعون اور آل داؤد کہ اس سے ان کی آل مراد نہیں بلکہ خود ان کی اپنی ذوات مراد ہیں۔ پھر پیروکار تابع ہونے کی بنا پر اس میں داخل ہو سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ[1] قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَی الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ بْنُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ ابن جمیل[1]

الْوَلِيْدِ وَ الْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ وَ اَعْتُدَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ وَ مِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور خالد بن الولید[۲] اور حضرت عباس[۳] نے زکوٰۃ نہیں دی بلکہ روک لی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیل جو سخت ناراض[۴] ہے اس وجہ سے ہے کہ وہ فقیر و تنگ دست تھا اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا اور خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو۔ بے شک اس نے تو اپنے ہتھیار اور اپنے مویشی فی سبیل اللہ وقف کر رکھے ہیں۔ باقی رہے عباس تو ان کا صدقہ میرے ذمہ اور اس کی مثل اور بھی ہے پھر آپ نے فرمایا اے عمر تمہیں معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱ ابن جمیل (جیم کی زبر سے) یہ شخص منافق تھا۔ اور پہلے تنگ دست تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اسے دولتمند کر دیا۔ فتح الباری میں کہا کہ میں کتب حدیث میں اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔ بعض نے کہا اس کا نام عبداللہ تھا بعض نے کہا اس کا نام حمید تھا۔ علماء نے کہا ہے ابن جمیل پہلے منافق تھا پھر اس نے نفاق سے توبہ کر لی۔ قاضی حسین نے کہا۔ ابن جمیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ الاٰیۃ۔ یعنی ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر رکھا ہے کہ اگر اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ضرور ہم صدقہ کریں گے۔

۲ آپ مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

۳ یعنی عباس بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ یعنی ان تین حضرات نے زکوٰۃ نہیں دی باقی سب نے دے دی ہے۔

۴ حدیث میں لفظ ینقم آیا ہے جو نقم سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے ایسی نفرت و کراہت جو ناراضگی اور کفران نعمت کی حد تک پہنچ جائے لفظ انتقام بمعنی سزا دینے میں حد سے تجاوز کرنا بھی اسی باب سے ہے۔ یعنی ابن جمیل کس قدر ناپسند فعل کرتا اور نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔ اس کے ایسا کرنے کی وجہ کوئی نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ وہ پہلے فقیر تھا اس کے پاس کچھ نہ تھا پھر اسے اس کے خدا اور رسول نے دولتمند کر دیا اس کی یہ دولتمندی اس کی بغاوت و سرکشی کا باعث بن گئی

اور اسے کفران نعمت میں مبتلا کر دیا۔ حقیقت میں غنی کرنا تو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر اس بنا پر ہے کہ آپ جناب حق سبحانہ کی طرف سے فیض پہنچانے (خیرات عطا ہونے اور نعمتوں کے پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ آیہ مبارکہ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ والایہ هذا کا ترجمہ حاشیہ ۵ میں گزرا) کی تفسیر میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے غنی اور مالدار ہونے کی دعا کی تھی اور اس نے عہد کیا تھا کہ وہ نعمت مال کی شکر گزاری کرے گا۔

۵ یعنی خالد بن ولید جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو کہ اس نے بھی زکوٰۃ نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم اس کے ساتھ زیادتی کرتے ہو کیونکہ اس کا حال تو یہ ہے کہ اس نے تو اپنی تمام زرہیں اور سارا سامان جنگ اور چارپائے غازیوں کے لیے راہ خدا میں وقف کر دیے ہیں۔ اور جس کا یہ حال ہو کہ نفل خیرات اس وسعت سے کرتا ہو وہ زکوٰۃ کیسے نہ دے گا جو کہ فرض ہے، ہو سکتا ہے ان کا تمہیں زکوٰۃ نہ دینا تمہارے اس پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہو، اور یہ مادر انسان کی یہ صفت ہے کہ وہ ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔ یا مراد یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ مال و متاع نہیں تاکہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور جو مال از قسم اسلحہ جنگ اس کے پاس تھا وہ اسے راہ خدا میں وقف کر کے نیقر و تیدیت ہو چکا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ اَعْتُدُ (ہمزہ کی زیر عین ساکن تا کی پیش سے جمع عتاد بفتح عین) بمعنی ساز و سامان اور تیار شدہ چیزیں۔ واللہ اعلم۔

۶ اور ان کی زکوٰۃ کا میں ضامن ہوں۔ ان کے زکوٰۃ نہ دینے کا سبب جیسا کہ علماء نے کہا ہے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو سال کی پیشگی زکوٰۃ لے لی تھی۔ ایک تو اس سال کی جس کی وہ مانگ رہے تھے دوسری اگلے آنے والے سال کی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کی مثل اتنی زکوٰۃ اور بھی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہلت دے رکھی تھی اور آپ نے حضرت عباس کے التماس کرنے کی وجہ سے انہیں دو سال تک ڈھیل دی ہوئی تھی ان کی کسی ضرورت و حاجت کی بنا پر اور امام کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کو مصلحت کی بنا پر مہلت اور ڈھیل دے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

۷ یعنی اے عمر تجھے علم نہیں اور تو نہیں سمجھتا کہ باپ کا بھائی اس کے لیے باپ کی مثل ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت عباس کو میرے باپ کی طرح خیال کریں اور باپ کی طرح اس کی تعظیم بجا لائیں اور اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں۔ حدیث میں واقع لفظ صِنْوٌ (اصل میں صاد کی زیر نون ساکن سے) کھجور کے ان دو تین درختوں کو کہتے ہیں جن کی جڑ ایک ہو۔ پھر اس میں سے نکلنے والے ہر تنے کو صِنْوٌ کہتے ہیں۔ اور دو تنوں کو صِنْوَان۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں کہا صِنْوٌ زیر سے بمعنی ایک جڑ سے اگنے والے چند تنوں میں سے ایک تنہ۔ اور باپ کا بھائی۔

وَعَنْ اَبِیْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِیِّ رض قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ لَهُ ابْنُ اللُّتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هٰذَا لَكُمْ وَ هٰذَا اُهْدِيَ لِيْ فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِّنْكُمْ عَلٰى اُمُوْرٍ مِّمَّا وَلَّانِيَ اللّٰهُ فَيَاْتِيْ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ هٰذَا لَكُمْ وَ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اُهْدِيَتْ لِيْ فَهَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرُ اَيُهْدٰى لَهٗ اَمْ لَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَاْخُذُ اَحَدٌ مِّنْهُ شَيْئًا اِلَّا جَآءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ اِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَهٗ رُغَآءٌ اَوْ بَقَرًا لَهٗ خُوَارٌ اَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْنَا عُفْرَةَ اِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ایک آدمی کو جسے ابن اللتبیہ کہتے تھے، صدقہ وصول کرنے پر عامل مقرر کیا جب یہ شخص اس سفر سے واپس آیا تو مسلمانوں سے کہا یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال ہدیہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے (اس پر) آپ خطبہ کے لیے باہر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا اما بعد! تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں پر عامل مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حاکم ووالی بنایا ہے۔ تو ان میں سے ایک آتا اور کہتا ہے یہ مال تو تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ اور تحفہ ہے۔ یہ مرد اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ اس کے پاس کوئی ہدیہ تحفہ آتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری ذات ہے۔ اس مال زکوٰۃ میں سے کوئی شخص نہ لے گا مگر قیامت کے دن اس کے ساتھ آئے گا جسے اس نے اپنی گردن پر اٹھایا ہوگا اگر اونٹ ہوگا تو وہ اونٹ کی آواز نکالتا ہوگا۔ اگر گائے ہوگی تو وہ چیختی ہوگی اگر بکری ہوگی تو وہ ممیاتی ہوگی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھ لی پھر فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم مخلوق تک پہنچا دیا۔ اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم مخلوق تک پہنچا دیا۔
(بخاری ومسلم)

قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَ فِيْ قَوْلِهٖ هَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اُمِّهٖ اَوْ اَبِيْهِ

خطابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ھلا جلس فی بیت امہ او ابیہ فینظر ایھدی الیہ ام لا

فَيَنْظُرَ اَيُهْدٰى اِلَيْهِ اَمْ لَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ كُلَّ اَمْرٍ يُتَذَرَّعُ بِهٖ اِلٰى مَحْظُوْرٍ فَهُوَ مَحْظُوْرٌ وَ كُلُّ دَخِيْلٍ فِى الْعُقُوْدِ يُنْظَرُ هَلْ يَكُوْنُ حُكْمُهٗ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَحُكْمِهٖ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا هٰكَذَا فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

(وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا۔ اور پھر وہ دیکھتا کہ اسے ہدیہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں) میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر وہ کام جو کسی ممنوع کام کا ذریعہ بنے وہ بھی ممنوع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز جو عقدوں میں داخل ہو اس کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اس کا الگ حکم ویسا ہی ہے جیسا کہ بہت سے عقدوں میں شامل ہو کر ہوتا ہے یا نہیں۔

لہ حمید۔ حا کی پیش میم کی زبر الساعدی بنی ساعدہ کی طرف منسوب ہے جو انصار میں ایک قبیلہ ہے۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے حافظ ہیں۔ جیسا کہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گزرا۔

لہ ازد ہمزہ کی زبر زا ساکن۔ یہ بلاد یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ اور اسے شنوءۃ بھی کہتے ہیں۔

لہ اس مرد کا نام ابن اللتبیۃ بتایا گیا ہے۔ لام کی پیش و زبر۔ تا کی زبر و سکون اور با کی زیر۔ اسے نسبت مشدد۔ یہ اس کی ماں کی نسبت ہے جو بنی لتب کی طرف منسوب ہے (لتب تا ساکن سے) یہ ایک مشہور قبیلہ ہے۔ ابن اللتبیہ کا نام عبداللہ ہے۔

لہ جب اس کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ ناخوش ہوئے۔ چنانچہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جیسا کہ خطبہ میں ہوتا ہے۔

ھہ یہ راوی کا شک ہے۔ یا بیان نوع کے لیے ہے۔

لہ یعنی یہ پیشکش کہ یہ مال ہدیہ اور تحفۃً اسے دیا گیا ہے۔ درحقیقت اس کے عامل ہونے کی وجہ سے اسے دیا گیا ہے۔ اگر وہ عامل نہ ہوتا بلکہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا ہوتا تو ہدیہ اور تحفے کے نام سے اسے کون دیتا۔ لہٰذا اس مال کے ملنے کی اصل وجہ وہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا دوست یا عزیز ہمیشہ سے اسے تحفے دینے کا عادی تھا۔ اس کے عامل ہونے کی وجہ سے اسے نہیں بھیجتا تھا۔ تو اس کا مال اسے لینا جائز ہے۔ جیسا کہ قاضی کے ہدیہ اور ضیافت میں کہا گیا ہے۔

کہ حدیث میں لفظ رُغاء را کی پیش غین نقطہ والا کی مد بمعنی اونٹ بلبلانے، بچھڑے اور شتر مرغ کی آواز اور سب کے رونے اور اس کے سخت گریے کی آواز۔ اور گائے کی آواز کو عربی میں خوار کہتے ہیں۔ خا کی پیش بمعنی گائے کی آواز قاموس میں کہا خوار گائے بکری اور ہرن کی آواز اور بھیڑ کی آواز کو تعر کہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں حدیث میں لفظ تیعر عین کی زیر

یا بر وزن مضرب یا مثۃ اور بکار یا کی پیش سے ہو) آیا ہے معنی بیشر کی آواز۔

ش۸ حدیث میں لفظ عُفرۃ بروزن غُرۃ وصفرۃ یعنی سفیدی، اعفر یعنی سفید جس طرح احمر ابیض بمعنی سفید آتا ہے۔

ش۹ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک ھلا جلس فی بیت ابیہ الخ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جو کام کسی دوسرے حرام یا ناجائز کام کا ذریعہ اور وسیلہ بنے وہ بھی حرام ہو جاتا ہے کیونکہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہیں بس جو چیز حرام کا ذریعہ اور وسیلہ بنے وہ چیز بھی حرام ہو جاتی ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس قرض پر نفع حاصل کیا جائے وہ قرض سود بن جاتا ہے۔ جو حرام ہے۔ یہ اس عبارت سے آگے عبارت یعنی وکل دخیل فی العقد الخ تا نص خطابی کی عبارت ہے یعنی جو چیز دوسرے عقدوں میں شامل ہو کر کسی حکم کو اختیار کرے اس کے متعلق غور کیا جائے گا کہ اس کا اکیلے بھی حکم وہی ہے جو دوسرے عقدوں کے ساتھ مل کر ہوتا ہے۔ یا اکیلے اور حکم دوسروں کے ساتھ مل کر اور حکم۔ شرح سنۃ میں ایسا ہی ہے۔ یہ دوسرا کلیہ اس شخص کے مذہب کے لائق ہے جو حیلے کو جائز قرار نہیں دیتا۔ جیسے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ لیکن امام ابو حنیفہ امام شافعی اور دوسرے بہت سے ائمہ جو حیلہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس قاعدہ کو اعتبار نہیں کرتے۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل بنائیں پھر وہ ہم سے سوئی یا اس سے زیادہ کوئی چیز چھپائے گا تو یہ بھی خیانت ہے جسے وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا (مسلم شریف)

سلہ عمیرہ (عین کی پیش میم کی زبر یا ساکن) آپ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ مخیط میم کا زیر خا ساکن، اور یا کی زبر بمعنی سوئی۔

سلہ یا اس سے زیادہ یعنی کمی میں سوئی سے بڑی ہونے میں زیادہ۔

سلہ غلول غین کی پیش یعنی غنیمت میں خیانت۔ مطلق خیانت کے لئے بھی آتا ہے۔

الفصل الثانی — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَ اِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَ ذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ اِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

فرماتے ہیں جب یہ آیت[1] وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ نازل ہوئی۔ "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں" مسلمانوں کو یہ بات بڑی بھاری محسوس ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے تمہاری اس تنگی کو میں کھولتا اور دور کرتا ہوں[2]۔ آپ چل پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کے صحابہ پر بھاری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے کہ تمہارے باقی مالوں کو پاک وطیب کر دے[3]۔ اور اس نے وراثتیں فرض کیں اور ایک بات ارشاد فرمائی[4]۔ تاکہ وہ پاک وطیب مال تمہارے بعد والوں کے لیے ہو۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی[5]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ عمدہ چیز نہ بتاؤں جسے آدمی جمع کرتا ہے۔ وہ اچھی اور نیک بیوی ہے[6] جب اسے دیکھے تو وہ اسے مسرت وخوشی سے بھر دے جب اسے کوئی حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے اور جب مرد گھر سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے

(ابوداؤد)

[1] اس آیت کا مجملاً بیان و مضمون یہ ہے جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے وہ سونا چاندی آتش دوزخ میں گرم کیا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور پشتوں داغا جائے گا۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

[2] یعنی تمہاری اس تنگی اور مشکل کو میں دور کرتا ہوں۔ حدیث میں واقع لفظ اُفَرِّجُ تفریج سے بنا ہے (جیم وراء مشدد سے) بمعنی کھولنا۔ یہ فرج بمعنی کشادگی سے نکلا ہے۔

[3] یعنی جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی تو باقی ماندہ مال کو اگر تم جمع کرو۔ اور اس کا خزانہ بناؤ تو کوئی حرج اور گناہ کی بات نہیں۔ اور مذکورہ آیت قرآن میں مال کو خزانہ بنانے پر جو وعید اور ڈانٹ آئی ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جب کہ تم

اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرو۔ اگر اس کی زکوٰۃ دے دو اور خزانہ بناؤ تو وہ اس وعید اور مذمت میں داخل نہیں۔

۴ؔ یہ راوی کا قول ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ انما فرض المواریث کے بعد ایک بات اور ارشاد فرمائی جو مجھے یاد ہے یہی ہے جو میں نے بیان کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میراث فرض کی وہ اس لیے فرض کی تاکہ وہ مال تمہارے بعد وارثوں کے لیے رہے۔ جو تمہارے وارث ہیں یعنی وراثت کا حکم اس لیے جاری فرمایا تاکہ مال جمع کرنے کا جواز ظاہر ہو اگر مال جمع نہ ہوگا۔ تو میراث کہاں سے آئے گی۔

۵ؔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر بطور خوشی تعجب کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور اس عقدہ کشائی اور جمع مال کی اجازت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

۶ؔ جو خدا تعالیٰ کے احکام وارشادات پر عمل کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس کی رضا و خوشنودی میں کوشاں رہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کردے۔ اور اسے اپنے حسن صورت و سیرت اور عمدہ اخلاق وعادات سے مسرور و شاداں کردے۔ اور اپنے مرد کی اطاعت میں چست ہو۔ اور جب مرد سامنے نہ ہو تو مرد کے مال واسباب اور اپنے جسم کی پوری طرح حفاظت کرے۔

وَعَنْ جَابِرِ[1] بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُوْنَ فَاِذَا جَآءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَاِنْ عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَاِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَاَرْضُوْهُمْ فَاِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر بن عتیک[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ناپسندیدہ سوار[2] لوگ آئیں گے۔ وہ جب آئیں تو انہیں مرحبا کہنا[3]۔ اور جو وہ چاہیں اسے ان کے سامنے حاضر کرنا۔ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے۔ اور اگر ظلم کریں تو ان کے لیے نقصان وہ ہے۔ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کا راضی ہونا[4] ہے اور چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔

(ابوداؤد)

۱ؔ حضرت جابر بن عتیک (عین کی زبر تا کی زیر یا ساکن) آپ نہایت بزرگ انصاری صحابی ہیں۔ ان کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۲ؔ رُکَیْب راکب کی تصغیر ہے۔ انہیں ناپسندیدہ اس لیے کہا کہ لوگ تقاضائے طبیعت کے تحت انہیں پسند نہ کریں گے کیونکہ وہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے آئیں گے۔ یا وہ سوار بدخلقی اور سخت مزاجی سے پیش آئیں گے۔ مراد

اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرو. اگر اس کی زکوٰۃ دے دو اور خزانہ بناؤ تو وہ ماسس وعید اور وراثت میں داخل نہیں۔

سکہ یہ راوی کا قول ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ انما فرض المواریث کے بعد ایک بات اور ارشاد فرمائی جو مجھے یاد ہے یہی ہے جو میں نے بیان کی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے میراث فرض کی وہ اس لیے فرض کی تاکہ وہ مال تمہارے بعد واروں کے لیے رہے۔ جو تمہارے وارث ہیں یعنی وراثت کا حکم اس لیے جاری فرمایا تاکہ مال جمع کرنے کا جواز ظاہر ہو اگر مال جمع نہ ہوگا۔ تو میراث کہاں سے آئے گی۔

ھہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر بطور خوشی تعجب کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور اس عقدہ کشائی اور جمع مال کی اباحت سننے پر اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی۔

ٹہ جو خدا تعالےٰ کے احکام وارشادات پر عمل کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس کی رضا و خوشنودی میں کوشاں رہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے۔ اور اسے اپنے حسن صورت وسیرت اور عمدہ اخلاق وعادات سے مسرور وشاداں کر دے۔ اور اپنے مرد کی اطاعت میں چست ہو۔ اور جب مرد سامنے نہ ہو تو مرد کے مال واسباب اور اپنے جسم کی پوری طرح حفاظت کرے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبَغَّضُوْنَ فَإِذَا جَآءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَاَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر بن عتیکؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ناپسندیدہ سوار ؓ آئیں گے۔ وہ جب آئیں تو انہیں مرحبا کہنا۔ اور جو وہ چاہیں اسے ان کے سامنے حاضر کرنا۔ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے۔ اور اگر ظلم کریں تو ان کے لیے نقصان وہ ہے۔ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کا راضی ہونا ؓ ہے اور چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ (ابوداؤد)

سلہ حضرت جابر بن عتیک (عین کی زبر تا کی زیر یا ساکن) آپ نہایت بزرگ انصاری صحابی ہیں۔ ان کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ٹہ رُکَیْب رَاکِبٌ کی تصغیر ہے۔ انہیں ناپسندیدہ اس لیے کہا کہ لوگ تقاضائے طبیعت کے تحت انہیں پسند نہ کریں گے کیونکہ وہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے آئیں گے۔ یا وہ سوار بد خلقی اور سخت مزاجی سے پیش آئیں گے۔ مراد

یہ ہے کہ تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں گے۔

۳؎ یعنی ان کے لیے فراخ وکشادہ جگہ مہیا کرنا اور انہیں مرحبا کہنا۔

۴؎ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اور مخالفت نہ کرنا۔ پھر اگر یہ لوگ عدل وانصاف سے کام لیں گے تو اپنے لیے کریں گے اور اس کا ثواب خود انہیں ملے گا اور اگر وہ تمہارے خیال وعقیدہ میں ظلم کریں گے یا بالفرض واقعتہ ظلم سے کام لیں گے۔ ورنہ جو شخص فی الحقیقت ظلم وستم کرے اسے راضی وخوش کرنے کا کیا معنیٰ۔

۵؎ یعنی اگرچہ اصل فرض ادائے زکوٰۃ ہے لیکن اگر عاملین زکوٰۃ تم سے خوش اور راضی جائیں تو یہ بہت اتم واکمل بات ہے۔

۶؎ یعنی عاملین زکوٰۃ کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں تمہارے لیے دعائے خیر کریں کہ خدا تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد ان کے لیے دعا کیا کریں۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رض قَالَ جَاءَ نَاسٌ يَعْنِيْ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَاْتُوْنَ فَيَظْلِمُوْنَ فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جریر[۱] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر ظلم وستم کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں فرمایا انہیں راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم ہی کیا جائے[۲]۔ (ابوداؤد شریف)

۱؎ آپ صحابی ہیں اور حسن صورت وسیرت میں مشہور ہیں۔

۲؎ گراس ظلم کی وہی تشریح وتوجیہ ہے جو گذشتہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔

وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ قُلْنَا اِنَّ اَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا اَفَنَكْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُوْنَ

حضرت بشیر[۱] بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں[۲] تو کیا ہم لوگ ان کی زیادتی کی مقدار اپنے مال ان سے چھپایا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ لَا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

نے فرمایا نہیں۔ (اپنے مال ان سے نہ چھپاؤ) (ابوداؤد شریف)

لے بشیر (باکی زبر شین کی زیر) خصاصیہ خاکی زبر صاد کی تخفیف یا کی شد یا بغیر شد یہ ان کی ماں کا نام ہے۔ حضرت بشیر صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔

لے کہ یہ لوگ عدل وانصاف سے تجاوز کرتے اور ہم پر ظلم وتعدی کرتے ہیں۔

لے احسان کی زیادتی اور ظلم پر صبر کر کر۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درستی اور سچائی سے زکوٰۃ وصول کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر واپس آجائے۔ (ابوداؤد وترمذی)

لے خدیج (خاکی زبر دال کی زیر) آپ انصاری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب وہ اپنے والد وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا نہ مال ایک جگہ سے منگوانا جائز ہے اور نہ مال کو دوسرے جانا اور لوگوں سے ان کے صدقات نہ لیے جائیں۔ مگر ان کے گھروں میں ہی۔ (ابوداؤد شریف)

لے حدیث میں واقع لفظ جلب وجنب دونوں جیم اور درمیانی حرف اول میں لام دوسرے میں نون کا زبر سے۔ جنب سے یہ مراد ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا دور آکر ٹھہرے اور مویشیوں والوں سے کہے کہ اپنے مویشی وہاں لاؤ جہاں وہ ٹھہرے

لے دیہاتیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا محض ان کی دلجوئی کے لیے تھا کہ یہ لوگ دیہاتی ہونے اور ذرائع معاش کے تنگ ہونے کی بنا پر بخل سے کام لیتے تھے۔ ورنہ آپ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے حضرات علماء اور شریعت کو جاننے والے ہوتے تھے۔ ان سے ظلم وزیادتی کرنے کا امکان نہ تھا۔ مترجم عفرلہ۔

اور جنب سے یہ مراد ہے کہ مویشیوں والا (زکوٰۃ دہندہ) کسی اور جگہ چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو مشقت میں ڈال کر وہاں چل کر آئے۔ یہ دونوں صورتیں منع ہیں کیونکہ اس میں تکلیف و مشقت ہے۔ پہلی صورت میں زکوٰۃ دینے والے کے لیے دوسری میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے۔

سلے یہ کلام سابق کا تمہ اور تاکید ہے اور جلب و جنب دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مال حاصل کیا (مالدار بنا) اس پر زکوٰۃ (فرض) نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزرے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی شریف)

وَذَكَرَ جَمَاعَةً اَنَّهُمْ وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

اور ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر کیا جس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا۔[1]

سلہ یعنی یہ کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ حدیث موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مرفوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو۔ مگر ایسی موقوف حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہو سکے امر مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّ الْعَبَّاسَ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ (فرض) ہونے سے پہلے[1] اس کے ادا کرنے کے متعلق دریافت کیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔[2]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ و دارمی)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ آن تحل آیا ہے۔ حا کی زیر سے۔ یہ حلول دین سے بنا ہے۔ اور حلول در مکان کے لیے حا کی زیر اور پیش دونوں طرح آتا ہے۔

سلہ احناف رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے اور دوسرے اکثر ائمہ بھی اسی پر ہیں کہ سبب وجود زکوٰۃ یعنی نصاب موجود ہوتا ہے یہ حدیث فصل اول میں مذکور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ

کی تائید کرتی ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وَقَالَ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ لِأَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ ضَعِيفٌ۔

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہ سنو جو کسی یتیم کا والی بنا جس کے پاس مال ہو تو وہ اس میں تجارت کرے اسے چھوڑے نہ رکھے کہ زکوٰۃ ہی اس کا مال کھا جائے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا

اور کہا اس کی اسناد میں اعتراض ہے کیونکہ مثنیٰ بن صباح[2] ضعیف ہے۔

[1] یعنی اس کے مال کو کم کر دے اور اسے فنا کر دے۔

[2] صباح باکی شد سے۔ جو کہ حدیث کے راویوں میں سے ہے۔ اگرچہ یہ صاحب صالح اور نیک ہیں اور عبادت میں مضبوط و قوی ہیں مگر ان کی حدیث میں نرمی اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ یہ صاحب ۱۴۹ھ میں فوت ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر خلیفہ بنائے گئے اور اہل دیہات میں سے جو کافر ہوئے وہ ہوگئے[1]۔ تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ تو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے جان و مال بچا لیے۔ مگر حق اسلام[2] کے تحت

وَنَفْسَهُ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا رَاَيْتُ اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور اس کا حساب اللہ پر ہے[۳]۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رب تعالےٰ کی قسم میں اس کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے[۴] گا کہ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے[۵]۔ اللہ تعالےٰ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس منع کرنے پر ان کے خلاف ضرور جہاد کروں[۶] گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میرا یہ حال ہوا کہ میں نے یقین سے یہ جان لیا کہ اس جہاد کے لیے ابوبکر کا سینہ اللہ تعالےٰ نے کھول دیا ہے اور میں پہچان گیا کہ یہ جہاد برحق ہے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر کے اور مسیلمۃ الکذاب (اللہ اس پر لعنت کرے) کے ساتھ مل جانے کی بنا پر۔ اس صورت میں کفر سے حقیقۃً کفر مراد ہوگا کیونکہ فرضیت زکوٰۃ ایک قطعی امر ہے تو پھر اس کا انکار یقیناً کفر ہوگا جس طرح نماز کا انکار۔ یا یہ کفر زکوٰۃ دینے سے رکنے کے طور پر تھا۔ اس صورت میں اسے کفر قرار دینا تغلیظ و تشدید کے طور پر ہوگا۔ اور مراد کفران نعمت ہوگا۔ جس طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا اس نے کفر والا کام کیا) یہ علماء نے کہا ہے۔ شرح شیخ میں کہا کہ ہو سکتا ہے بعض فرضیت زکوٰۃ کے منکر ہو گئے ہوں۔ اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا ہو۔ اس صورت میں اطلاق کفر اور کفر کی نفی دونوں اپنے اپنے اعتبار سے درست ہوں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً ظاہری مفہوم کو لیا ہو۔ اور بالآخر جب آپ پر حقیقت حال منکشف ہو گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موافق ہو گئے اور اس امر کا اعتراف کر لیا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ الخ

[۲] اور ایک روایت میں صراحتہً اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کا لفظ آیا ہے۔ حق اسلام جیسے ایت قصاص وغیرہ۔

[۳] یعنی اس کا حکم ظاہر شرع میں یہ ہے اور اس کے باطن کا معاملہ آخرت میں علم الٰہی میں ہے۔ جیسا کہ منافق کا حکم ہے اور اس کا حکم بھی جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے صدق دل سے نہیں کہتا۔

[۴] کہ نماز کی فرضیت کا تو قائل ہو گر جب زکوٰۃ کا منکر ہو۔ یا اول (نماز) پر تو عمل کرے مگر زکوٰۃ دینے سے سرتابی کرے

ف۵ اور نماز نفس کا حق ہے۔ اور وطن کو واجب کرنے والا اسلام ہے۔
ف۶ حدیث میں لفظ عناق آیا ہے (عین کی زبر) یعنی بکری کا مادہ بچہ جو ایک سال کا نہ ہو۔ ایک روایت میں لفظ عقال آیا ہے یعنی اونٹ کی مہار کی رسی۔ یہ دراصل طلب حق میں مبالغہ ہے۔ قاموس میں کہا عقال عین کی زیر سے یعنی اونٹ یا بکری کی ایک سال کی زکوٰۃ۔

ف۷ کہ میں ان کے زکوٰۃ نہ دینے پر ان سے جہاد کروں گا یا کے کفر وارتداد کی بنا پر اگر منکر ہوں۔ یا ان سے جہاد کروں گا شعائر اسلام کی حفاظت اور فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لیے اگر وہ زکوٰۃ نہ دیں۔ مگر اس کے منکر نہ ہوں۔ اسے سمجھو۔

ف۸ ایک روایت میں آیا ہے کہ بعض دوسرے صحابہ کرام حتی کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس جہاد سے منع کیا۔ اور عرض کیا کہ یہ خلافت کا بالکل ابتدائی دور ہے۔ مخالفین تعداد میں زیادہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کارخانۂ اسلام میں خلل و فساد لاحق ہو جائے۔ اس لیے توقف و تاخیر سے کام لینا بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر سب لوگ ایک جانب ہو جائیں۔ اور میں اکیلا رہ جاؤں تو میں تن تنہا ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کمال شجاعت پر دلالت کرتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ اَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُلْقِمَهٗ اَصَابِعَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بنے گا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور وہ اسے تلاش کرتا گا حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو اس کا لقمہ بنائے گا۔ (مسند احمد)

ف۱ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

ف۲ یعنی صاحب خزانہ اپنی انگلیاں سانپ کے منہ میں ٹھانسے گا۔ جیسا کہ عادت ہے کہ سانپ وغیرہ سے ڈر کے وقت ہاتھ کو اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز دینے یا روکنے کا اثر ہاتھ اور انگلیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ (یا یہ کہ وہ سانپ اس کی انگلیوں کو اپنا لقمہ بنائے گا مرقاۃ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر قیامت کے

إِلَّا جُعِلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي عُنُقِهِ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ. الْاٰيَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

دن اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا پھر آپ نے ہم پر اس کی دلیل ۱ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ الآیۃ ۲۔

(ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ)

۱ جو آپ کے قول مبارک کی تصدیق کرتی اور اس کے موافق ہے۔

۲ یعنی پوری آیت تلاوت فرمائی۔ جیسا کہ فصل اول میں مذکور ہوا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ إِلَّا أَهْلَكَتْهُ. (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبُخَارِيُّ) فِي تَارِيْخِهِ وَالْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهِ مَنْ يَرٰى تَعَلُّقَ الزَّكٰوةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِإِسْنَادِهِ إِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ أَحْمَدُ فِي خَالَطَتْ تَفْسِيْرُهُ أَنَّ الرَّجُلَ يَأْخُذُ الزَّكٰوةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ أَوْ غَنِيٌّ وَإِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَاءِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ زکوٰۃ کسی مال میں نہ ملے گی مگر اسے ہلاک کر دے ۱ گی۔

(شافعی ۲)

اور بخاری ۳ نے اپنی تاریخ میں روایت کی اور حمیدی نے یہ زیادتی ۴ کی کہ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہو اور تم نہ نکالو تو حرام حلال کو ہلاک کر دے ۵ گا۔ اس حدیث سے انہوں نے استدلال ۶ کیا ہے جو زکوٰۃ کو عین مال سے متعلق مانتے ہیں۔ یوں ہی کتاب منتقی میں ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ان کی اسناد حضرت عائشہ تک ہے۔ اور امام احمد نے مخلوط ہونے کی تفسیر یہ کی کہ کوئی شخص زکوٰۃ لے لے۔ حالانکہ وہ خود مالدار ہو اور بے شک زکوٰۃ تو غریبوں کے لیے ہے۔

۵۱؎ کہ اس مال سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ مال ضائع ہو جائے گا یا اس مال کو حرام کر دے گی اور حرام شے سے چونکہ نفع حاصل کرنا ممنوع ہے اس لیے وہ مال گیا ہلاک اور ضائع ہو گیا۔

۵۲؎ یعنی اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

۵۳؎ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں نہیں بلکہ اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

۵۴؎ یعنی مولانا حمیدی نے دوسرے مال کو ہلاک کرنے والی زکوٰۃ کے دوسرے مال میں مل جانے کی تفسیر میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قد وجب علیک صدقۃ الی آخرہ۔

۵۵؎ کہ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں رل مل جائے گی تو پھر سارے مال سے نفع اٹھانا جائز نہ رہے گا۔ یا اسے ہلاک ضائع کر دے گی۔

۵۶؎ یعنی اس حدیث کی اس تفسیر کے مطابق ان لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ عین مال سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے امام شافعی اور دوسرے ائمہ ان سے اظہر روایات کے مطابق۔ یہ حضرات زکوٰۃ کی جگہ اس کی قیمت ادا کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص محل و مقام سے تعلق رکھتی ہے۔ لہذا خود اس کے ادا کرنے کے بغیر اس کی ادائیگی نہ ہوگی۔ جیسے حج کی قربانیاں اور عید بقر کی قربانیاں۔ ان حضرات کے نزدیک مال سے زکوٰۃ کا تعلق شرکت کا تعلق ہے کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں بطور زکوٰۃ بکری دینے کی نص وارد ہے۔ تو شارع علیہ السلام نے ایک معین و مخصوص چیز کی ادائیگی کو خاص کیا ہے۔ تو اس ترک واجب کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر زکوٰۃ کا مال سے تعلق ذمہ داری کی حیثیت سے ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے تو پھر زکوٰۃ کے دوسرے مال کے ساتھ رل مل جانے کی صورت متصور نہ ہوگی (اس امر پر کہ زکوٰۃ کا تعلق مال سے ذمہ داری کے لحاظ سے ہے) حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰے کی دلیل یہ ہے کہ فقیر تک مال زکوٰۃ پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس تک اس کا رزق پہنچایا جائے جس کا وعدہ اس سے اللہ تعالٰے نے اپنے اس قول میں کیا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (زمین پر چلنے والی کوئی چیز نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالٰے کے ذمہ ہے) اور رزق وہ چیز ہے جس سے فقیر کی حاجات کی کفایت ہو۔ اور یہ حاجات فقیر کی ضروریات کے مطابق مختلف ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالٰے نے اپنی ذات کریم جل جلالہ کے لیے اغنیا پر مال معین کی صورت میں زکوٰۃ فرض کی اور اس امر کا حکم دیا کہ اس معین مال میں سے فقراء کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ معین مال (مثلاً بکری اونٹ وغیرہ) ان کی حاجات و ضروریات اور وعدوں کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں کیونکہ ان کی حاجات اور وعدے مختلف نوعیت کے ہیں۔ لہذا ان وعدوں کو پورا کرنے کے حکم میں دراصل مال معین کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنے کی اجازت شامل ہے۔ اور بعینہ بکری ادا کرنے کا حکم درست نہ ہوگا بلکہ باطل اور غیر مفید ہوگا جس طرح بادشاہ وقت غازیوں کو آلات حرب خریدنے کی اجازت اور آزادی دیتا ہے اور سامان معین میں سے جو سامان ان کے سپرد کیا ہو تب اسے ان کے

حسب منشا خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو سلطان کی طرف سے اس مال میں رد و بدل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ باقی رہیں حج اور عید بقر کی قربانیاں تو اس میں اس وجہ سے تبدیلی جائز نہیں کہ ان میں عبادت خون بہانا ہے۔ اس کے برعکس اس متنازع فیہ صورت میں مسکین و فقیر کی حاجت برآری ہے۔ صاحب زکوٰۃ کے ذمہ زکوٰۃ لازم کرتے ہیں اگرچہ صورۃً مال زکوٰۃ دوسرے مال سے مخلوط نہیں ہوتا مگر معنیً اور حکماً اس سے ملا ہوا ہے۔ اور فی الحقیقت قیمت وہ مال ہی ہے۔ اسے مجموعہ کتاب منتقیٰ میں ایسا ہی ہے۔ جو امام ابن عبد البر کی تصنیف ہے۔

۵۴ یہاں حدیث میں لفظ موسر او غنی ہے لفظ اور سے لانا راوی کا شک ہے۔ اور اگر لفظ موسر اور غنی میں فرق کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ لفظ موسر یُسر بمعنیٰ سہولت ضد عسر سے مشتق ہے۔ اور غنی غناء سے بمعنیٰ عدم فقر سے مشتق ہے۔ اس صورت میں دونوں کی الگ الگ نوع بیان کرنے کی ضرورت ہوگی۔

۵۵ یعنی زکوٰۃ تو صرف فقراء کے لیے ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کو دوسرے مال سے ملانا اور حرام سے ملا کر اسے ہلاک و برباد کرنے کا معنیٰ یہی ہے کہ فقیر کے بجائے غنی کو دے دی جائے تو اس معنی کے مطابق زکوٰۃ کو مال سے ملا دینے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ فقیر کے بجائے مالدار آدمی زکوٰۃ وصول کرے۔ اور معنی اول کے مطابق مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ اور فقراء کو نہ دی جائے۔ اور یہ دونوں معنیٰ درست ہیں۔ اور مذکورہ ضرورت و حاجت معنیٰ اول پر مبنی ہے۔

بَابُ مَا یَجِبُ فِیْهِ الزَّکٰوۃُ

ان چیزوں کا باب جن میں زکوٰۃ فرض ہے

تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ مویشیوں، سونے چاندی نقد روپے، سامان اور ہر قسم کے مال تجارت میں فرض ہے۔ مگر تر چیزوں، سبزیوں اور میووں میں جو دیر پا نہیں ہوتے اور پورا سال باقی نہیں رہ سکتے، میں اختلاف ہے کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور خشک و تر کھجوروں میں اس وقت فرض ہے جب کہ پانچ وسق وزن کو پہنچ جائے اس سے کم میں نہیں۔ وسق کا معنیٰ حدیث کی شرح میں آرہا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان چیزوں میں عشر فرض ہے۔ جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں کم ہوں یا زیادہ مگر بانس لکڑی اور گھاس میں نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے مَا اَخْرَجَتْہُ الْاَرْضُ فَفِیْهِ الْعُشْرُ۔ جس چیز کو بھی زمین پیدا کرتی ہے اس میں عشر فرض ہے۔ اس باب کی تفصیلات کتب فقہ سے معلوم کرنی چاہئیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں صدقہ واجب نہیں اور پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں صدقہ واجب نہیں۔ اور پانچ عدد سے کم اونٹوں[3] میں زکوٰۃ نہیں۔

(بخاری و مسلم)

[1] وَسق واؤ و سین کی زبر یعنی ساٹھ صاع۔ اور صاع چار مُد کا اور مُد ایک رطل اور تہائی رطل کا مراد ہے (ہمارے ہاں مروج پیمانہ وزن کے مطابق ایک وسق قریباً ۲۲ من ۲ سیر کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع قریباً ساڑھے چار سیر کا) ان اوزان کی تحقیق پھر ان کی ہمارے علاقے (ہندوستان و پاکستان) کے اوزان مروجہ سے تطبیق شرح سفر السعادت میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

[2] حدیث میں لفظ اَوَاق آیا ہے۔ اُوقیہ کی جمع۔ ہمزہ کی پیش واؤ ساکن قاف کی زیر یا ارشد یعنی چالیس درہم اس طرح پانچ اوقیے دو سو درہم ہوئے۔ اور حدیث میں واقع لفظ وَرِق واؤ کی زبر را کی زیر سے۔ یعنی چاندی (ہمارے ملک کے مروجہ اوزان کے مطابق دس درہم سات مثقال کے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا۔ اس حساب سے دو سو درہم ۵۲ تولے چھ ماشے ہوا۔ پھر درہم کی قیمت کا اعتبار نہیں۔ وزن کا اعتبار ہے)

[3] حدیث میں لفظ ذَود آیا ہے (ذال و واؤ و دال) یہ لفظ تین سے دس تک اونٹوں کے لیے آتا ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور چاندی اور اونٹ کی زکوٰۃ کے سوا کسی اور چیز کا ذکر نہ فرمایا۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَۃٌ فِیْ عَبْدِہٖ وَلَا فَرَسِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے

قَالَ لَيْسَ فِي عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

غلام میں زکوٰۃ نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهٗ إِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ أَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ أَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّأَرْبَعِيْنَ إِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَإِذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انہیں بحرین روانہ کیا تو انہیں یہ خط لکھ کر دیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فریضہ زکوٰۃ ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اور جس کا اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اکرم کو حکم دیا۔ تو جس مسلمان سے اس کے حساب کے مطابق مانگا جائے وہ دے دے۔ اور جس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے وہ نہ دے۔ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ بکری ہے کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے۔ پھر جب یہ اونٹ پچیس کی تعداد کو پہنچیں تو پینتیس تک ایک سالہ مادہ اونٹنی ہے۔ پھر جب چھتیس ہو جائیں پینتالیس تک دو سالہ مادہ اونٹنی ہے۔ پھر چھیالیس کو پہنچیں تو ساٹھ تک میں چار سالہ اونٹنی ہے۔ یعنی اونٹ کی جفت کے لائق عمر والی۔ پھر جب اکسٹھ کو پہنچیں تو پچھتر تک میں ایک پانچ سالہ اونٹنی۔ پھر جب چھہتر کو پہنچیں تو نوے تک میں دو عدد دو سالہ اونٹنیاں پھر جب اکیانوے کو پہنچیں تو ایک سو بیس تک میں چار سالہ دو اونٹنیاں نر اونٹ کی جفت کے لائق عمر والی۔ جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی ہے۔ اور ہر پچاس پر چار سالہ اونٹنی۔ اور جس کے پاس

بلغت ستا و سبعين الى تسعين ففيها بنتا لبون فاذا بلغت احدى و تسعين الى عشرين و مائة ففيها حقتان طروقتا الجمل فاذا زادت على عشرين و مائة ففي كل اربعين بنت لبون و في كل خمسين حقة و من لم يكن معه الا اربع من الابل فليس فيها صدقة الا ان يشاء ربها فاذا بلغت خمسا ففيها شاة و من بلغت عنده من الابل صدقة الجذعة و ليست عنده جذعة و عنده حقة فانها تقبل منه الحقة و يجعل معها شاتين ان استيسرتا له او عشرين درهما و من بلغت عنده صدقة الحقة و ليست عنده الحقة و عنده الجذعة فانها تقبل منه الجذعة و يعطيه المصدق عشرين درهما او شاتين و من بلغت عنده صدقة الحقة و ليست عنده الا بنت لبون فانها

صرف چار ہی اونٹ ہوں۔ تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر مالک چاہے۔ جب پانچ کی تعداد کو پہنچیں تو اس میں ایک بکری ہے اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ پنج سالہ اونٹنی تک پہنچے اور اس کے پاس پنج سالہ نہ ہو بلکہ چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ ہی لی جائے۔ اور اس کے ساتھ دو بکریاں اگر میسر ہوں۔ یا بیس درہم اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ چار سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس چار سالہ نہیں ہے بلکہ پنج سالہ ہے تو پنج سالہ ہی وصول کر لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرے اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ چار سالہ اونٹنی کو پہنچے مگر اس کے پاس دو سالہ ہی ہو تو اس سے دو سالہ ہی وصول کی جائے اور مالک دو بکریاں یا بیس درہم بھی ساتھ دے اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ اونٹنی کو پہنچے مگر مالک کے پاس چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ وصول کی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرے۔ اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ کو پہنچے مگر دو سالہ اس کے پاس نہیں بلکہ اس کے پاس یک سالہ ہو تو وہی اس سے لی جائے اور اس کے ساتھ مالک بیس درہم یا دو بکریاں دے اور جس کی زکوٰۃ یک سالہ کو پہنچے مگر اس کے

تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّ يُعْطِي شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَ مَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ عِنْدَهٗ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَ يُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ لَيْسَتْ عِنْدَهٗ وَ عِنْدَهٗ بِنْتُ مَخَاضٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَ يُعْطِي مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهٗ وَ عِنْدَهٗ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَ يُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ عِنْدَهٗ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَ عِنْدَهٗ ابْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهٗ يُقْبَلُ مِنْهُ وَ لَيْسَ مَعَهٗ شَيْءٌ وَ فِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ

پاس یک سالہ نہ ہو بلکہ اس کے پاس دو سالہ ہو تو اس سے وہی دو سالہ لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرے۔ اور اگر مالک کے پاس زکوٰۃ کے مطابق یک سالہ مادہ نہیں بلکہ ایک سالہ نر ہو تو وہی اس سے لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ اور کچھ نہیں۔ اور بکریوں کی زکوٰۃ میں یعنی جنگل میں چرنے والوں میں جب تعداد میں چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔ جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو تک میں تین بکریاں۔ جب تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری ہے۔ اور اگر کسی کی جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر مالک چاہے تو خیرات دے دے اور زکوٰۃ میں نہ تو بوڑھی دے نہ کانی اور نہ بکرا مگر یہ کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا لے لے۔ اور نہ متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ جمع مال

فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهِ صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کو متفرق کیا جائے اور جو نصاب دو شریکوں کے درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر برابر ایک دوسرے سے لے لیں۔ اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ اور اگر صرف ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ مالک چاہے تو دے دے۔

(بخاری شریف)

۱؎ یعنی شرع کے مطابق جس طرح صدقہ ادا کرنا چاہیے ادا کرے۔

۲؎ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے تحریر کردہ خط میں ہر قسم کے مال زکوٰۃ کا نصاب بیان فرمایا۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ مِّنَ الْغَنَمِ (شاۃ) بکری کا بیان ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

۴؎ بنت مخاض اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو پورے سال کی ہو چکی ہو۔ اسے بنت مخاض اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ماں دوبارہ حاملہ ہو چکی ہوتی ہے۔ مخاض ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو حاملہ ہو چکی ہوں۔ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔

۵؎ بنت لبون لام کی زبر ہے۔ وہ اونٹنی جو پورے دو سال کی ہو چکی ہو۔ کیونکہ اس کی ماں دوسرے بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے۔ جو اس نے جنا ہوتا ہے۔

۶؎ حِقّہ حا کی زیر قاف کی شد ہے۔

۷؎ یعنی وہ اونٹنی جو جوان ہونے کی وجہ سے نر شتر کے اس پر کودنے کے لائق ہو چکی ہو۔ اور یہ وہ ہوتی ہے جو چار سال

کی عمر کو پہنچ جائے۔

۸ جذعہ جیم و ذال کی زبر سے وہ اونٹ جو پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو۔

۹ یعنی نفل و تطوع کے طور پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

۱۰ جو کہ اکتھر سے پچھتر تک ہوتے ہیں۔

۱۱ یعنی جذعہ جو عمر میں حقہ سے بڑا ہوتا ہے۔

۱۲ جس طرح گذشتہ صورت میں مالک پر لازم ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دے۔

۱۳ اس کے برعکس جو وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دیتا تھا۔

۱۴ اس کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو قدر نصاب واجب سے کم دیا تو پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ ارسال ملائے۔ اور اگر مقدار فرض سے زیادہ دے تو عامل سے واپس لے۔

۱۵ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ میں اونٹنی دینا افضل ہے اور یہ فضیلت عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھے گی۔

۱۶ یہ قید اس لیے بیان کی وہ مویشی جو گھر میں بندھے ہوئے چارہ کھائیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر چالیس سے بڑھ کر ایک سو بیس تک پہنچ جائیں تو پھر ان میں ایک بکری ہے۔

۱۷ یعنی اگرچہ ایک بکری ہی کم ہو۔

۱۸ کہ بطور نفل کوئی چیز صدقہ کرے تو اس کی مرضی ہے۔

۱۹ حدیث میں واقع لفظ ھرمہ کا معنی ہے بہت بوڑھا اونٹ یا بکری یا گائے۔

۲۰ حدیث کا لفظ عوار عین کی زبر یا پیش سے بمعنی ظاہر دکھائی دینے والا عیب و نقص جو اس کی قیمت کم کر دے۔

۲۱ عربی میں لفظ تیس ہے۔ تا کی زبر یا ساکن آخر میں سین مہملہ، مراد بکرا کہ اسے تکہ بھی کہتے ہیں۔ (یاد رہے تکہ ترکی زبان کا لفظ ہے)

۲۲ کہ کسی غرض و مطلب صحیح کے لیے زکوٰۃ لینے والا بکرا ہی وصول کرنے تو ٹھیک ہے۔ یہ لفظ تیس و بکرا سے استثنا ہے یا تمام چیزیں جو مذکور ہوئیں ان سب سے استثناء ہے۔

۲۳ اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہے کہ صاحب مال کے لیے بھی منع ہے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے بھی۔ اول کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو چالیس بکریوں کا مالک ہو۔ اس پر چالیس بکریوں میں ایک بکری دینا فرض ہے۔ وہ ایک پوری بکری دینے سے بچنے کے لیے اپنی بکریاں دوسرے ایسے شخص کی بکریوں سے ملا دے جو چالیس

بکریوں کا مالک ہو تاکہ ایک بکری دینے کے بجائے نصف بکری دینا پڑے یا اس کے پاس بیس بکریاں ہوں اور دوسری بیس بکریوں سے ملا دے تاکہ نصاب کی حد کو نہ پہنچ سکیں۔ دوسرے کی مثال یہ ہے ایک آدمی کے پاس چالیس متفرق بکریاں ہوں۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سب کو جمع کرے۔ تاکہ اس میں اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے۔ یا ایک ایسا شخص ہو جس کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہوں۔ ان میں ایک بکری بطور زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے نے چالیس چالیس کو الگ الگ شمار کیا تاکہ تین بکریاں اس پر فرض ہو جائیں۔

۲۴ہ یعنی جمع و تفریق صدقہ ادا کرنے کے خوف کی بنا پر ہو۔ تاکہ کم ہو جائیں یا سرے سے زکوٰۃ ہی ذمہ سے ساقط ہو جائے یا زیادہ زکوٰۃ فرض ہو جیسے کہ بیان کردہ گذشتہ دو مثالوں سے واضح ہوا۔

۲۵ہ اس کا بیان یہ ہے کہ شاذ و مرد دو سو بکریوں میں شریک ہوں۔ ان میں سے ایک کی چالیس ہوں اور دوسرے کی ایک سو ساٹھ۔ اس صورت میں پہلے شخص پر ایک بکری فرض ہوگی دوسرے پر بھی ایک ہی فرض ہوگی۔ نہ کہ پہلے پر ایک بکری کا پانچواں حصہ اور باقی دوسرے پر فرض ہوں۔

۲۶ہ حدیث میں واقع لفظ رقہ راکی زیر تاف مخفف اسی طرح ورق بمعنی ڈھلا ہوا چاندی کا سکہ مگر یہاں مطلق چاندی مراد ہے۔

۲۷ہ یعنی دو سو میں سے اگر ایک درہم بھی کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں مگر یہ صاحب مال اس میں سے بطور نفل کچھ دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ زمین جسے بارش یا چشمے سیراب کریں یا پانی دینے سے بے نیاز دفارغ ہو۔ اس میں دسواں حصہ ہے۔ اور جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ فرض ہے۔

(بخاری شریف)

لہ یہاں حدیث میں لفظ عثری کا یہ ہے۔ عین مہملہ کی زیر بعد میں ثا تین نقطوں والی۔ قاموس میں کہا عثری وہ زمین ہے جسے آسمان کا پانی سیراب کرے۔ اس معنی کے مطابق عبارت حدیث میں تکرار لازم آتا ہے۔ اس لیے درست معنی وہ ہے جو بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ عثری وہ زمین ہے جسے عاثور سے پانی دیا جائے۔ عاثور وہ گڑھا یا نالا ہے جو اس زمین کے قریب ہو اور زمین کی فصل کی جڑیں از خود اس سے پانی کشید کر کے سیراب ہوں۔ تو ایسے پانی سے جس زمین کی سبزی، ترکاری، کھجور کے درخت اور دوسری فصلیں سیراب ہوتی ہوں۔ اس کی آمدن میں بھی عشر ہے۔ علاوہ ازیں اس کو بھی عثری کہتے ہیں؟

دنیا اور اس کے کام کاج سے فارغ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک دشمن ترین عثری شخص ہے۔ یعنی وہ مرد جو دنیا و آخرت کے کام کاج سے فارغ البال ہو۔ اور کھجور وغیرہ کے وہ درخت جو سیراب ہونے میں کنویں وغیرہ سے پانی کھینچنے سے بے نیاز ہوں۔ انہیں بھی عثری کہتے ہیں۔ کیونکہ انسان انہیں سیراب کرنے کی محنت و مشقت سے فارغ ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ زمین جو بارش کے پانی یا چشمہ جو نہر وغیرہ کھودنے کی مشقت کے بغیر سیراب ہوتی ہو اس کی آمدن کا دسواں حصہ بطور عشر ادا کرنا فرض ہے۔

۲؎ یعنی وہ زمین جو کنویں وغیرہ اور اونٹ گائے وغیرہ کے ذریعے سیراب ہو اس کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ فرض ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّ فِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مویشی[۱] کے زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں۔ کنویں میں کوئی تاوان[۲] نہیں۔ اسی طرح کان[۳] میں بھی کوئی تاوان نہیں۔ اور دفینۂ جاہلیت میں پانچواں حصہ[۴] ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حدیث میں واقع لفظ العجماء بروزن حمراء بمعنی چار پایہ جیسے گھوڑا اور بیل وغیرہ۔ اور جُرح جیم کی پیش بمعنی خستہ اور زخمی ہونا جیم کی زبر سے کسی کو زخمی کرنا۔ یہاں حدیث میں جیم کی پیش سے ہے اور لفظ جُبار جیم کی پیش یا مخفف بمعنی ضائع اور باطل۔ مراد یہ ہے کہ مویشی اگر کسی کو زخمی یا ہلاک کر دے اور اسے ہانکنے یا کھینچنے والا ساتھ نہ ہو اور دن کا وقت ہو تو اس کے کسی کو زخمی یا ہلاک کر دینے سے مالک مویشی پر کوئی تاوان لازم نہیں۔ بلکہ مویشی کا یہ فعل ضائع اور باطل جائے گا۔ اور اگر اسے چلانے یا ہانکنے والا اس کے ساتھ ہو تو پھر وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کا زخمی یا ہلاک کرنا اس کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ یوں ہی اگر رات کے وقت مویشی نے ایسا کیا کیونکہ مویشی والے نے اسے باندھنے اور اس کی نگہداشت کرنے میں کوتاہی کی۔ کہ عادت و دستور یہی ہے کہ رات کے وقت مویشیوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔ اور نگہداشت کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہاں حدیث کا لفظ ان مذکورہ قیود و شرائط سے عام و مطلق ہے۔ مگر دلائل اور دوسری احادیث کے پیش نظر ان قیود و شرائط سے مخصوص ہے۔

۲؎ یعنی اگر کسی نے کوئی مزدور لگا دیا تاکہ اس کے لیے کنواں کھود دے اور اچانک وہ کنواں اس پر گر پڑا تو مزدوری پر لگانے والے کے ذمہ کوئی تاوان نہیں۔ یوں ہی اگر کسی نے اپنی زمین یا صحرا میں جہاں سے راہ گیر نہ گزرتے ہوں کنواں کھودا اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہو گیا تو کنواں کھودنے والے پر شرعاً کوئی تاوان نہیں ہے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ مَعْدِن (دال کی زیر) عدن سے مشتق ہے بمعنی قیام پذیر ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کان

کھودنے کے لیے مزدوری پر لگا یا وہ مزدور کان میں گر پڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے یا ہلاک ہو گیا تو کھدوانے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ رکاز اصل میں را آخر میں زا۔ حنفیہ رحہم اللہ کے نزدیک رکاز سے معدن ہی مراد ہے۔ اور اہل حجاز کے نزدیک اہل جاہلیت کا دفینہ مراد ہے۔ پہلا معنیٰ سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رکاز کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا رکاز وہ سونا چاندی ہے جو اللہ تعالےٰ نے زمین کی پیدائش کے دن سے اس میں پیدا کیا ہوا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک معدن کان میں زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ اس کا حکم نصاب کا حکم ہے مگر جب کہ زمین سے نکلنے والا سونا چاندی ہو۔ مگر حنفیہ رحہم اللہ کے نزدیک اس کا پانچواں حصہ فرض ہے جب کہ اس پر سال گزر جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَ الرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَ لَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَ مِائَةٍ شَيْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے[1] البتہ چاندی کی زکوٰۃ تو وہ ہر چالیس درہم میں سے ایک[2] درہم ہے اور ایک سو نوے درہم میں کچھ نہیں جب دو سو کو پہنچیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ اَحْسِبُهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ هَاتُوْا رُبُعَ الْعُشْرِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے حضرت حارث اعور[3] سے مروی ہے وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ زہیر نے کہا مجھے خیال ہے کہ حضرت علی نے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[4] کی کہ آپ نے فرمایا چالیسواں حصہ دو۔ ہر چالیس درہم

تَتِمَّ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَاِذَا کَانَتْ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِکَ وَفِی الْغَنَمِ فِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ شَاۃً شَاۃٌ اِلٰی عِشْرِیْنَ وَّمِائَۃٍ فَفِیْ کُلِّ مِائَۃٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی ثَلٰثِ مِائَۃٍ شَاۃٌ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ اِلَّا تِسْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ فَلَیْسَ عَلَیْکَ فِیْھَا شَیْءٌ وَّفِی الْبَقَرِ فِیْ کُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعٌ وَّفِی الْاَرْبَعِیْنَ مُسِنَّۃٌ وَّلَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ شَیْءٌ۔

میں ایک درہم ہے۔ اور رقم پر کچھ نہیں یہاں تک کہ دو سو درہم پورے ہو جائیں۔ تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ جو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زیادہ دی جائے گی۔[5] اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے[6] ایک سو بیس تک اور اگر زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں دو سو تک اگر زیادہ ہوں[7] تو تین بکریاں تین سو تک پھر اگر تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سو پر ایک بکری[8]۔ اور گائیوں میں ہر تیس میں ایک سالہ گائے کا بچہ ہے[9]۔ اور کام کاج کے جانوروں میں کچھ نہیں۔

۱؎ اس سے سواری کا گھوڑا اور خدمت کرنے والا غلام مراد ہے۔ اور عفو و معافی کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ مال روک رکھنا اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا گناہ ہے لیکن بندوں کے مال پر شفقت کے تقاضا کے تحت معافی دی گئی ہے۔

۲؎ جب کہ حدِ نصاب کو پہنچ جائیں اور وہ دو سو درہم ہیں۔

۳؎ حضرت حارث بن اعور رضی اللہ عنہ تابعی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشہور ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور ائمہ حدیث نے اس میں کلام کیا ہے۔

۴؎ یعنی زہیر نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا حضرت علی پر موقوف نہ کیا تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قرار نہ پائے اور حضور کی حدیث نہ ہو۔

۵؎ یعنی کم ہو یا زیادہ اور سونے چاندی میں اس طرح نہیں کہ نصاب پر حدِ معین زیادہ ہو تو اس میں زکوٰۃ ہو گی۔ جیسا کہ اونٹ اور بکری وغیرہ میں گزرا۔

۶؎ یعنی چالیس بکریوں سے زیادہ میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک وہ ایک سو بیس تک نہ پہنچ جائیں۔

۷؎ یعنی چاہے ایک بکری ہی زیادہ ہو۔

۸؎ یہاں حدیث میں لفظ شیاہ آیا ہے یعنی آخر میں ھا۔ اس کا واحد شاۃ ہے۔ اور شاۃ کا اصل شوھۃ ہے کیونکہ اس کی تصغیر شویھۃ آتی ہے اور شیاہ جس طرح شفتہ و شفاہ۔

۹؎ یعنی جب کہ چار کی تعداد کو پہنچ جائیں۔ یہ مطلب نہیں کہ تین سو سے کچھ ہی زیادہ ہو جائیں۔

نئ اس طرح چار سو میں چار بکریاں فرض ہوں گی۔ اور پانچ سو میں پانچ بکریاں۔ اسی طرح جتنے سو بڑھتی جائیں گی۔ اور سو سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ تبیع آیا ہے تبیع گائے کا وہ نر یا مادہ بچہ ہے۔ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں پڑ چکا ہو گائے میں نر و مادہ برابر ہیں۔ اور جب گائیں چالیس کی تعداد کو پہنچ جائیں تو پھر ان میں ایک مُسِنّہ فرض ہے مسنہ گائے کا وہ نر یا مادہ بچہ ہے جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں پڑ چکا ہو۔ اس حدیث میں اونٹ کی زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ فصل اول کی ایک حدیث میں گزرا۔ ظاہرًا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں سے متعلق ہے جن کے پاس اونٹ نہ تھے گائے بکریاں تھیں۔

سلہ یعنی کھیتی باڑی اور کنوئیں سے پانی کھینچنے وغیرہ کے لیے۔ جس طرح سواری کے گھوڑے اور خدمت کے لیے غلاموں میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ حکم تین ائمہ کے نزدیک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے

وَعَنْ مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْیَمَنِ اَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ کُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعًا اَوْ تَبِیْعَۃً وَمِنْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ مُسِنَّۃً (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب روانہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ تیس گایوں میں سے ایک تبیع یا تبیعہ وصول کریں۔ اور ہر چالیس میں سے ایک مُسنّہ[1] (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی)

سلہ تبیع میں مذکر و مونث دونوں کا ذکر فرمایا۔ مگر مسنہ میں صرف مونث کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تبیع پر قیاس کرتے ہوئے یہاں صرف مونث کا ذکر کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تبیعہ (ایک سالہ بچہ گائے) میں نر و مادہ دونوں برابر ہیں۔ مگر مسنہ (دو سالہ بچہ) میں مادہ معین ہے۔ واللہ اعلم۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں میں نر و مادہ برابر اور دونوں جائز ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَۃِ کَمَانِعِھَا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) میں حد سے تجاوز کرنے والا اسے روکنے والے کی طرح ہے[1] (ابوداؤد و ترمذی)

سلہ گذشتہ حدیث میں تبیع اور مسنہ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ مترجم

لہ یعنی صدقہ وصول کرنے والا اگر ظلم وزیادتی کرے تو وہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی طرح گناہ گار ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا حد سے تجاوز کرے بایں صورت کہ مستحق کو نہ دے۔ اور جائز طریقہ کے مطابق ادا نہ کرے۔ تو وہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کی طرح خطا کار ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ فِیْ حَبٍّ وَّ لَا تَمْرٍ صَدَقَۃٌ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْسَۃَ اَوْسُقٍ. (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اناج اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائیں لہ (نسائی شریف)

لہ یہ تین ائمہ کرام امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز میں عشر فرض ہے۔ وہ چیز زیادہ ہو یا تھوڑی۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

وَعَنْ مُوْسَی ابْنِ طَلْحَۃَ قَالَ عِنْدَنَا کِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا اَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ الصَّدَقَۃَ مِنَ الْحِنْطَۃِ وَ الشَّعِیْرِ وَ الزَّبِیْبِ وَ التَّمْرِ مُرْسَلٌ. (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خط ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ طلحہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ صرف گندم، جو، منقا، اور کھجور میں سے زکوٰۃ (عشر) وصول کریں ؂ (شرح السنۃ مرسلًا ؂)

لہ حضرت موسیٰ بن طلحہ بن عبداللہ تابعی ثقہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں پیدا ہوئے۔ ان کا یہ نام خود حضور علیہ السلام نے رکھا۔

؂ ظاہر یہ ہے کہ اس علاقہ میں یہی چیزیں پائی جاتی تھیں یا کثیر الوقوع تھیں۔ یہ مطلب نہیں کہ زکوٰۃ صرف انہی اشیاء میں فرض ہے۔

؂ یعنی اس حدیث کو امام بغوی نے شرح السنۃ میں بطریق ارسال روایت کیا۔ مگر اس حدیث کے مرسل ہونے میں کلام ہے۔ اس کی وجہ شرح اعربی میں مذکور ہے۔

وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ اَسِیْدٍ اَنَّ

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ زَکٰوۃِ الْکَرْمِ اِنَّھَا تُخْرَصُ کَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدّٰی زَکٰوتُہٗ زَبِیْبًا کَمَا تُؤَدّٰی زَکٰوۃُ النَّخْلِ تَمْرًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)	فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ اس کا اندازہ کیا جائے جس طرح کھجور کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ پھر انگور کی زکوٰۃ منقا کی شکل میں دی جائے جس طرح تر کھجور کی زکوٰۃ خشک کھجور کی صورت میں دی جاتی ہے[۲]۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

[۱] عتاب عین کی زبر تا مشددسے۔ اسید ہمزہ کی زبر سین کی زیر۔ آپ قرشی اموی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا۔ آپ کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ آپ عین اس دن فوت ہوئے جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ سادات قریش میں سے تھے نہایت نیک وصالح شخصیت تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

[۲] یعنی جب انگور و خرما میں مٹھاس پیدا ہو جائے تو ان کا ماہر شخص یہ اندازہ لگائے کہ خشک ہونے پر ان کا وزن کتنا ہوگا۔ پھر اس کے اندازے کے مطابق نصاب زکوٰۃ (پانچ وسق) کو پہنچ جائیں تو ان کی زکوٰۃ دے ورنہ نہ دے۔

وَعَنْ سَھْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَۃَ[۱] حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَ دَعُوا الثُّلُثَ فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ)	حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ جب تم اندازہ لگاؤ تو زکوٰۃ لیتے وقت اس کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا کرو[۲] اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا چھوڑ دیا کرو[۳]۔ (ترمذی۔ ابوداؤد) (نسائی)

[۱] حثمہ حا کی زبر ثا ساکن۔ آپ خورد سال صحابی ہیں۔ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔

[۲] مراد یہ ہے کہ انگور و خرما میں مقدار زکوٰۃ کا تعین کرو۔ اور جو زکوٰۃ بنے اس کا تیسرا حصہ مالک کے پاس ہی رہنے دو اور اس پر احسان کرو۔ تاکہ وہ اپنے ہمسایوں کو بھی کھلائے۔ رہگزر والوں کو دے اور دقتاً فوقتاً جو بھی اس کے پاس آئے اسے بھی دے اور اس پر احسان کرے۔ تیسرا حصہ اس کے لیے اس لیے چھوڑ دے کہ اسے اپنی ملک میں سے خرچ نہ کرنا پڑے

بر مداصل زکوٰۃ وصول کرنے والے حکام وغیرہ سے خطاب اور پھلوں وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے کشادگی و وسعت ہے کہ پھل فروخت خرچ کرنے کی چیز ہے۔

سلہ اس سے کم نہ کرے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُوْدَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ يَطِيْبُ قَبْلَ اَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ[1] کو یہود کے پاس بھیجا کرتے تھے آپ جاکر کھجوروں کا اندازہ لگاتے تھے[2] جب کہ ان میں مٹھاس پیدا ہو جاتا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کھانے کے قابل ہوں۔ (ابوداؤد)

سلہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مشہور صحابی اور شاعر ہیں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہود خیبر کے پاس بھیجتے تھے۔

سلہ یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس باب میں اندازہ کافی ہے۔ عام علمائے حدیث اسی پر ہیں۔ اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے لیکن فقہا فرماتے ہیں کہ صرف اندازے پر کفایت کرنے میں سود کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ یہ احادیث حرمت سود سے پہلے کی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ احادیث باب صدقہ سے متعلق ہیں۔ اور شارع علیہ السلام نے یہاں اندازے پر کفایت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں مال کا مال سے تبادلہ نہیں ہے۔ تاکہ سود لازم آئے اور فقہاء کا قول باب بیع سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ احادیث بیع سے متعلق نہیں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر عام ہیں تو پھر بیع کو ان سے خاص کر لیا جائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِيْ كُلِّ عَشَرَةِ اَزُقٍّ زِقٌّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی زکوٰۃ میں فرمایا کہ شہد کی دس مشکوں میں ایک مشک ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرُ شَيْءٍ

اور کہا اس کے اسناد میں کلام ہے[1]۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی باتیں صحت سے ثابت نہیں ہیں[2]۔

لہ کہ اس کے بعض راوی مطعون ہیں۔

ٹ اور علماء کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ نہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ نے امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لیس فی العسل زکوٰۃ۔ یعنی شہد میں زکوٰۃ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر وہ عشری زمین سے حاصل ہوا ہے تو اس میں عشر ہے۔ زیادہ ہو یا کم۔ اس پر کسی نصاب معین کا اعتبار نہیں۔ جس طرح زمین سے پیدا ہونے والی سبزیاں اور پھلوں میں عشر ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے۔ مَا اَخْرَجَتْہُ الْاَرْضُ فَفِیْہِ الْعُشْرُ۔ یعنی جس چیز کو بھی زمین اگائے اس میں عشر ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت کے مطابق قیمت کا اعتبار ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں دس قربہ (مشک) کا ذکر آیا ہے جیسا کہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے جو کہ مشکوٰۃ کی یہ حدیث ہے۔ اور وہ شہد جو پہاڑوں سے حاصل ہوتا ہے اس میں بھی امام صاحب کے نزدیک عشر ہے۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس میں کچھ واجب نہیں۔ علماء نے کتاب جامع صغیر سے نقل کیا ہے کہ وہ شہد جو پہاڑوں، جنگلوں اور غیر آباد زمینوں سے حاصل ہو اگر وہ محفوظ کر لیا گیا تھا تو اس میں عشر ہے۔ ورنہ وہ شکار کی طرح ہے کہ اس میں کچھ نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ زَیْنَبَ امْرَأَۃِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ فَاِنَّکُنَّ اَکْثَرُ اَھْلِ جَھَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینبؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا اے گروہ زنان صدقہ کیا کرو اگرچہ اپنے زیوراتؓ سے ہی ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن تم میں اکثر جہنم میں ہونگیؓ۔ (ترمذی شریف)

لہ آپ صحابیات میں سے ہیں۔ اور بہت سے صحابہ کرام نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

ٹ حدیث میں لفظ حُلِیّ آیا ہے۔ حا کی پیش لام کی زیر یا کی شد۔ بعض روایتوں میں حَلْیِکُنَّ آیا ہے (حا کی زیر لام ساکن اور یا کے بعد تا)

ٹ عورتوں کے زیورات کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک ان زیورات میں زکوٰۃ نہیں جن کا استعمال مباح ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ ظاہر ترین یہی قول ہے۔ اور امام احمد کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ اور وہ زیورات جو پہننے کے لیے نہ ہوں یا کرایہ پر دینے اور تجارت کے لیے ہوں یا ان کا پہننا حرام ہو یا کسی ضرورت کے وقت خرچ کرنے کے لیے رکھے ہوئے ہوں۔

تو ان سب میں باتفاق ائمہ کرام زکوٰۃ فرض ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالےٰ نے موطا میں کہا کہ جواہرات و موتیوں کے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس بارے میں ائمہ کی دلیل و حجت یہ ہے کہ یہ ایک مباح چیز کا استعمال ہے۔ لہذا یہ پہننے کے کپڑوں، خدمت کے لیے غلاموں اور رفاتی رہائشی مکانات کی طرح ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل اللہ تعالےٰ کے اس قول مبارک کا عموم ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الی آخرہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا عموم ہے۔ فِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ۔ چاندی میں دسویں حصے کا چوتھائی ہے۔ احادیث دونوں جانب وارد ہیں۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے حضرات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا زیورات کی زکوٰۃ سے مراد انہیں عاریت پر دینا ہے۔ یہ تاویل حضرت سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے مگر وعید اور ڈانٹ کا وارد ہونا جانب وجوب کو ظاہر کرتا ہے (یعنی ان میں زکوٰۃ فرض ہے) واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ اَيْدِيْهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ زَكٰوتَهٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبَّانِ اَنْ يُّسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّيَا زَكٰوتَهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ و دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئیں جب کہ ان دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ تمہیں اللہ تعالےٰ آگ کے دو کنگن پہنائے۔ انہوں نے عرض کی نہ۔ فرمایا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(اسے ترمذی نے روایت کیا)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى ابْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ لَا يَصِحُّ فِيْ هٰذَا الْبَابِ عَنِ

اور کہا یہ وہ حدیث ہے کہ مثنیٰ بن صباح نے حضرت عمرو بن شعیب سے اس کی مانند حدیث روایت کی۔ اور مثنیٰ بن صباح و ابن لہیعہ حدیث میں ضعیف قرار دیے گئے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں صحیح روایت

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ. — نہیں آئی۔

لے یعنی عورتوں کے زیورات میں۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکَنْزٌ ھُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکٰوتُہٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ۔
(رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَبُوْ دَاؤُد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں سونے کے زیور پہنا کرتی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہ کنز (خزانہ) ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز اس مقدار کو پہنچ جائے جس کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور جس نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ کنز نہیں ہے۔ (کنز کنجوسی کی بنا پر جمع کیا ہوا سرمایہ)
(امام مالک و ابو داؤد)

لے یہاں حدیث میں لفظ اوضاح آیا ہے۔ جو وضح کی جمع ہے (نقطہ والا ضاد اور حا بے نقطہ والی) یہ ایک قسم کا زیور ہے جو اصل میں چاندی سے بنایا جاتا ہے۔ اور سونے کا بھی بناتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں واقع ہے۔ اسے واضح یا وضوح اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس میں سفیدی اور چمک دمک ہوتی ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں کہا وضح یعنی وہ درہم جو صاف اور چمکدار ہو اور یعنی روشنی و سفیدی۔

۲ لے یعنی وہ خزانہ جس کے پاس رکھنے پر ڈانٹ اور وعید آئی ہے

۳ لے یعنی حد نصاب کو پہنچ جائے۔

۴ لے جس کے جمع کر کے رکھنے پر ڈانٹ اور وعید آئی ہے۔ اسی طرح وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ ڈانٹ اور وعید کے دائرہ سے خارج ہے۔

وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْمُرُنَا اَنْ نُّخْرِجَ الصَّدَقَۃَ مِنَ الَّذِیْ نُعِدُّ لِلْبَیْعِ۔
(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُد)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم لوگ تجارت کے لیے رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ ادا کریں۔
(ابو داؤد شریف)

لے سمرہ (سین کی زبر میم کا پیش) جندب (دال کی پیش اور زبر۔

۲ لے یعنی کھانے پینے اور خدمت وسواری کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں۔

وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا الزَّكٰوةُ اِلَى الْيَوْمِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ربیعہ[1] بن ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بہت سے صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال[2] بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو مقام قبلیہ[3] کی کانیں بطور جاگیر عطا کیں۔ یہ مقام قبلیہ اطراف فرع[4] میں واقع ہے تو ان کانوں سے آج تک صرف زکوٰۃ[5] ہی وصول کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد شریف)

[1] حضرت ربیعہ تابعی ہیں ان کی جلالت شان علماء میں متفق علیہ ہے۔ انہیں ربیعہ الرائی بھی کہتے ہیں۔

[2] آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ وفد مزینہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حدیث میں اقطاع آیا ہے جس کا معنی ہے امام اور حاکم کا کسی کو کوئی چیز الگ کر کے دینا۔ اور کسی فوجی کو قطعہ زمین عطا کرنا تاکہ اسے اپنا ذریعہ معاش بنا لے۔ یہ عطیہ کبھی بطور تملیک ہوتا ہے اور کبھی بغیر تملیک۔

[3] قبلیہ قاف اور با کی زبر سے ساحل سمندر کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے۔

[4] یعنی یہ مقام قبیلہ جانب فرع میں واقع ہے فرع (فا کی پیش را ساکن) یہ حرمین شریفین کے درمیان مدینہ منورہ سے بلندی پر ایک جگہ کا نام ہے۔

[5] یعنی ان کا چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اس سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں لیا جاتا جیسا کہ دوسری کانوں سے خمس لیا جاتا ہے۔ یہ امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق اس میں خمس لازم ہے۔ امام شافعی کا تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ان کانوں سے آمدن مشقت و محنت سے حاصل ہو تو چالیسواں حصہ ہے۔ ورنہ پانچواں حصہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبزیوں میں صدقہ[1] نہیں

فِي الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ الْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِيدُ.

(رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

اور نہ درخت پر لگی ہوئی تر کھجوروں میں خشک کھجور کے اندازے سے صدقہ[۲] ہے اور نہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ ہے۔ نہ کام کاج کرنے والے جانوروں[۳] میں صدقہ ہے۔ اور نہ پیشانی میں صدقہ ہے۔

صقر[۴] راوی کہتا ہے کہ پیشانی سے گھوڑے، خچر اور غلام مراد ہیں۔

(دارقطنی)

[۱] یہ تین ائمہ کرام کا مذہب ہے کہ ان پھلوں اور سبزیوں میں جو دیر پا نہیں ہوتیں اور پورا سال باقی نہیں رہتیں، میں کچھ صدقہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر چیز میں جسے زمین اگائے کم ہو یا زیادہ دسواں حصہ بطور عشر ادا کرنا فرض ہے مگر گھاس، بانسے اور لکڑیوں میں کچھ نہیں۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا عموم ہے کہ کل ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر۔ جس چیز کو بھی زمین اگائے اس میں عشر ہے۔ جیساکہ باب اول کے ترجمہ کی شرح میں مذکور ہوا۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ عرایا آیا ہے یعنی عرایا عریۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے درخت پر لگی تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بطور اندازہ فروخت کرنا۔ اگرچہ درختوں پر لگے ترمیوں کی فروخت توڑے ہوئے خشک میوے کے عوض جسے بیع مزابنہ کہتے ہیں (ناپ اور وزن سے پہلے بالعموم) منع کیا گیا ہے جیساکہ کتاب البیوع میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ لیکن کچھ مفلس اور محتاج لوگوں کے لیے جو ترمیوہ کھانا چاہتے ہیں مگر ہاتھ میں نقد پیسے نہیں ہوتے کہ خرید سکیں۔ اور ان کے اپنے پاس پھل دار درخت بھی نہیں ہوتے کہ اپنے عیال کو کھلا سکیں۔ ان کے گھر میں اہل وعیال کی روزی کے لیے کچھ خشک کھجوریں پڑی ہوتی ہیں۔ جو ضرورت سے قدرے زیادہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے کھجور کے درختوں کے مالک کو کچھ دیتے ہیں اور اس سے اس کے عوض اندازے سے کچھ تر کھجوریں لیتے ہیں۔ یہ ایک صورت ایسی ہے کہ ان پر شفقت اور ان کی حاجت برآری کے لیے پانچ وسق سے کم مقدار کی کھجوروں میں ایسا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور جب کہ وہ پانچ وسق سے کم ہوتی ہیں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ جیساکہ آگے حدیث میں فرمایا۔

[۳] یعنی جو چارپائے کام کاج کے لیے ہوں تجارت کے لیے نہ ہوں ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔

[۴] یعنی صقر نے (قاف سے) جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہے۔ کہا کہ پیشانی سے مراد الی آخرہ۔

وَعَنْ طَاؤُسٍ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ

حضرت طاؤس[۱] سے روایت ہے بے شک حضرت

جَبَلٍ اُتِیَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ یَاْمُرْنِیْ فِیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ. (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَ الشَّافِعِیُّ) وَقَالَ اَلْوَقْصُ مَا لَمْ یَبْلُغِ الْفَرِیْضَةَ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس گایوں کی تیس سے کم مقدار لائی گئی تو آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس میں کچھ حکم نہیں دیا۔ (دارقطنی و شافعی)

اور شافعی نے فرمایا حدیث میں واقع لفظ وقص گایوں کی اس مقدار و تعداد کو کہتے ہیں جو حد نصاب کو نہ پہنچی ہو۔[۲]

[۱] یعنی حضرت طاؤس یمانی رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعین سے ہیں، نے فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبل جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پر عامل مقرر کیا تھا، کے پاس وقص گائیں لائی گئیں تاکہ آپ اس سے زکوٰۃ وصول کریں۔

[۲] یعنی وقص کا معنی ہے وہ چیز یا مال جو حد نصاب سے کم ہو۔ خواہ ابتداءً ہی کم ہو خواہ دو فریضوں کے درمیان ہو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہاں اس سے شق اول مراد ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ کے پاس جو گائیں لائی گئی تھیں وہ مقدار میں تیس عدد سے کم تھیں۔ واللہ اعلم۔ وقص کا معنی لغت میں ٹوٹنے اور کم ہونے کا آتا ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کا باب

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی ان کے ظاہر مذہب کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اور ہم احناف کے نزدیک واجب ہے۔ یہاں واجب فرض کے مقابل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آرہی ہے، صدقہ فطر پر فرض کا اطلاق آیا ہے۔ امام شافعی اور احمد اسے ظاہر معنی پر محمول کرتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے اندازہ کرنا مراد ہے۔ احناف رحمہم اللہ تعالےٰ کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں فرض کے بجائے صیغہ امر آیا ہے اور وہ امر جو دلیل ظنی سے ثابت وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔

پھر صدقہ فطر کے وجوب کی شرط امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک حاجت ضروریہ سے زائد نصاب ہے اور اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ نصاب بڑھنے والا بھی ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہر اس مسلمان پر صدقہ فطر فرض ہے جو اپنے لیے اور جن کا خرچہ اس کے ذمے ہے کے یومیہ مصارف پر قادر ہو۔ لباس، خادم، رہائش اور قرضہ نکال کر اس کے لیے کسی نصاب کی حد شرط نہیں ہے۔

واضح ہو کہ صدقہ فطر کی مقدار گندم کا نصف صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ہے۔ بعض احادیث میں گندم کا بھی ایک صاع آیا ہے۔ بعض احادیث میں طعام کا ایک صاع آیا ہے۔ اور بعض احادیث میں صاع مطلق واقع ہوا ہے۔ گندم یا جو وغیرہ سے مقید ہو کر نہیں آیا۔ علماء نے فرمایا ہے زمانہ نبوت میں نصف صاع ہی واجب تھا۔ نصف صاع سے زائد بطور نفل و تطوع ہے۔ نہ کہ وجوب کے طور پر۔ بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گندم یا جو یا کھجور کا ایک صاع ہی مقرر تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے کھجور اور جو کے صاع کی قیمت لگا کر اس کے برابر نصف صاع مقرر کر لیا۔ اسے کھجو۔ بہر صورت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک گندم کے حکم میں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جو کے حکم میں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا گندم سے صدقہ فطر نصف صاع ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق میں وسعت و کشادگی عطا فرمادی ہے۔ تو اب گندم وغیرہ سے صدقہ فطر پورا صاع دیا کرو۔ اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نصف صاع سے زیادہ ادائیگی نفل و تطوع کے طور پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کی زکاۃ (صدقہ) کھجور سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع فرض کی۔[1] یہ صدقہ فطر غلام، آزاد، مرد، عورت چھوٹے بڑے سب پر فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اس حدیث میں گندم کا ذکر نہیں ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ گندم سے نصف صاع صدقہ فطر دینا لوگوں نے زمانہ نبوت کے بعد شروع کیا ایک صاع کھجور یا جو کی قیمت کے برابر۔ مگر درست اور صحیح یہی ہے کہ گندم سے نصف صاع ہی واجب ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس حدیث میں صرف کھجور اور جو کا ذکر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں جنسیں ہی غالباً موجود ہوتی

تمیں علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کھجوریں صدقہ فطر دیا کرتے تھے۔ اور جب مدینہ طیبہ میں کھجور اور جو کی پیداوار کم ہو گئی۔ تو آپ نے صدقہ فطر جو میں سے ادا کیا۔ اور صرف ایک بار ہوا۔

۵۲ غلام جب کہ خود کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا تو اس پر صدقہ کا وجوب دراصل اس کے مالک پر لازم ہوگا جو غلام کی طرف سے شمار ہوگا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کی اس صدقے کا وجوب اس کے والد پر ہوگا۔ اگر بچہ مال کا مالک نہ ہو۔ ورنہ بچہ کے مال سے لازم و واجب ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں نابالغ بیٹے کے پاس مال ہونے کے باوجود اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب ہے۔

۵۳ حدیث کا ظاہر معنی یہ واضح کرتا ہے کہ نماز کے بعد ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا نہ ہوگا لیکن چاروں ائمہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اور یہاں امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ یہاں کافی تفصیل ہے جسے ہم نے شرح سفر السعادت میں ذکر کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِیْبٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم لوگ طعام[1] سے ایک صاع صدقہ فطر دیتے تھے۔ یا ایک صاع جو سے یا ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع پنیر[2] سے یا ایک صاع منقا[3] سے۔ (بخاری و مسلم)

[1] بعض نے کہا طعام سے گندم مراد ہے کیونکہ سفر و حضر میں لفظ طعام سے متعارف و غالب یہی ہے بعض نے کہا اس سے جوار مراد ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اہل حجازہ میں عموماً و متعارف لوگوں کی یہی خوراک ہوتی تھی۔

[2] حدیث میں لفظ اقط (ہمزہ کی زبر قاف کی زیر) آخر میں طا مہملہ۔ اسے ماضر بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ترش دودھ ہے جو خشک ہو کر پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

[3] یعنی خشک شدہ انگور۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَۃَ صَوْمِکُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے آخر رمضان میں فرمایا لوگو اپنے روزے کا صدقہ نکالو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

یہ صدقہ[1] فرض کیا ہے۔ ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گندم[2] سے۔ یہ صدقہ ہر آزاد غلام مرد عورت چھوٹے بڑے پر ہے۔ (ابوداؤد و نسائی)

[1] اس صدقہ سے صدقہ فطر مراد ہے۔ اور حقیقۃً یہ روزے کا صدقہ ہے کہ روزہ اس کے ادا کیے بغیر آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتا ہے۔ جب اس کا صدقہ ادا کیا جاتا ہے تو روزہ مقام قبولیت کو پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

[2] حدیث میں لفظ قمح آیا ہے (قاف کی زبر میم ساکن) یعنی گندم۔

وَعَنْهُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر روزے کو پاک کرنے کے لیے ہے۔ بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ یہ صدقہ روزے کو لغو[1] بے حیائی کی بات سے پاک کرنے کے لیے ہے اور مساکین کے لیے لقمہ (خوراک[2]) ہے۔ (ابوداؤد)

[1] لغو یعنی بے ہودہ اور لایعنی باتیں کرنا۔ حدیث میں واقع لفظ رَفَث (راء و فا کی زبر) یعنی جماع و فحش کلام۔ اور وہ باتیں جو لمحات میں خاوند بیوی آپس میں کرتے ہیں۔ اور وہ فحش باتیں جو مرد و عورت آپس میں کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ہر قبیح کلام کے لیے استعمال ہونے لگا اس سے مراد دراصل تقصیریں اور گناہ ہیں جو روزہ کی حالت میں بندہ سے سرزد ہو جاتے ہیں۔

[2] یعنی صدقہ فطر اس لیے واجب کیا گیا ہے تاکہ مساکین کے لیے خوراک مہیا ہو۔ اور عید کے دن وہ کسی سے مانگنے اور سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِيْ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے اپ دادا سے روایت کرتے ہیں بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستوں میں ایک ندا کرنے والے

فِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ اَوْ سِوَاهُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

گویا کہ وہ اس طرح ندا کرے لوگو! صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد غلام چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔ دو مُد[1] گندم۔ یا اس کے سوا (انگور وغیرہ)[2] سے اور یا ایک صاع طعام[3] سے۔ (ترمذی شریف)

[1] دو مُد یعنی نصف صاع کیونکہ چار مُد کا صاع ہوتا ہے۔

[2] جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

[3] اگر طعام سے گندم مراد ہے تو پھر لفظ یا راوی کے شک کی وجہ سے ہے اور اگر اس سے گندم مراد نہ ہو تو پھر لفظ یا بیان نوع کے لیے ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ صُعَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ ابی صُعیر[2] اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک صاع گندم[1] دو آدمیوں کی طرف سے ہے۔ چھوٹے یا بڑے آزاد یا غلام مرد و عورت کی طرف سے۔ تو جو تم میں مالدار ہیں اس صدقہ کے ذریعہ اللہ انہیں پاک کرے گا۔ اور جو تمہارے فقیر ہیں تو اللہ انہیں اس سے بھی زیادہ دے گا۔ (ابوداؤد شریف)

[1] صاد کی پیش عین کی زبر۔

[2] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر درست عبارت اس طرح ہے۔ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر یا ابن ابی صُعیر ہے۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے جو صدقہ فطر کے باب میں ہے۔ کاشف میں کہا ثعلبہ بن صعیر۔ بعض نے کہا ابن ابی صُعیر۔ انہیں شرف صحبت حاصل ہے۔ اس سے اس کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں

سلہ یہاں حدیث میں بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ آیا ہے، یہ راوی کا شک ہے۔ اور بُر و قمح دونوں کا معنی گندم ہے کہ ہر ایک سے نصف صاع صدقہ فطر ادا ہوگا۔

سلہ کہ صدقہ فطر ادا کرنے والے فقیر کو اس صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا۔ اور اسے کئی گنا زیادہ ثواب عطا کرے گا۔ یہ معنیٰ غنی میں بھی موجود ہے۔ فقیر کی تخصیص اسے تسلی دینے اور رغبت دلانے کے لیے ہے۔

بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

ان لوگوں کے بیان میں جنہیں صدقہ لینا حلال نہیں

یعنی یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کے لیے صدقہ کھانا اور مالِ زکوٰۃ لینا حلال نہیں۔ محدثین کرام کبھی اس باب کا عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں بَابُ مَنْ لَا يَجُوْزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ اِلَيْهِ۔ یعنی یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنہیں صدقہ دینا جائز نہیں۔ مگر دونوں عبارتوں کے معنی کا مآل ایک ہی ہے۔ ہاں کافر میں دونوں عبارتوں میں فرق ظاہر ہوگا۔ کہ دوسرا عنوان اس پر صادق آتا ہے کہ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس لیے اسے دینے سے زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہوگی۔ کافر کو زکوٰۃ نہ دینے میں بحث و تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور بنی ہاشم میں دونوں معنی درست ظاہر ہیں مختصر یہ کہ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ بخلاف دوسرے صدقات کے۔ جیسے صدقہ فطر اور کفارے وغیرہ۔ تاہم مسلمان فقراء کو دینا زیادہ محبوب اور افضل ہے۔ اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینا ظاہر روایت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق اس زمانہ میں جائز ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ممنوع تھی۔ ایک روایت کے مطابق امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو مالک نصاب ہو۔ ہاں ایک روایت کے مطابق مالک نصاب علماء کو دینا جائز ہے کہ ان کی ضروریات خصوصاً کتابیں جمع کرنا انہیں درکار اور اس کی ضرورت انہیں زیادہ ہوتی ہے اور اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں جس کے اور زکوٰۃ دینے والے کے درمیان رشتہ ولادت ہو۔ بخلاف دوسرے اقرباء کے۔ جیسے چچے پھوپھیاں اور ماموں خالائیں اور ان کی اولاد۔ کیونکہ صلہ رحمی اور صدقہ دونوں کو جمع کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ اور اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جس کے ساتھ نسبت زوجیت قائم ہو۔ اسی طرح اپنے مکاتب غلام، مدبّر اور اپنی ام ولد کو بھی زکوٰۃ نہ دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِی الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور[1] کے پاس سے گزرے تو فرمایا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی حضور علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے اور آپ کی اس پر نگاہ پڑی تو فرمایا الی آخرہ۔

[2] مطلب یہ ہے کہ میں اسے نہیں کھا سکتا۔کیونکہ شاید یہ صدقہ کی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور آپ کے جوہر ذات کی پاکیزگی اور نظافت کی وجہ سے آپ کے لیے صدقہ کی چیز کھانا جائز نہ تھا۔ ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اولاد ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں ولونڈیوں پر صدقہ کی چیز لینا اور کھانا حرام ہے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ہر طرح کا صدقہ (واجب ہو یا نفل) حرام ہے اور باقی بنی ہاشم پر صدقہ واجب حرام ہے۔جیسا کہ طیبی نے کہا۔

اور فقہ حنفیہ کی بعض کتابوں میں بنی ہاشم کے لیے بھی۔امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک صدقہ نفل حرام ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ سے بھی ایک روایت کے مطابق حرام ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین پر پڑی ہوئی کھانے کی چیز کو اٹھا لینا اگرچہ ادنیٰ چیز ہو،سنت ہے،اور اگر اسے کھا لیا جائے تو بھی ٹھیک ہے۔اس میں نعمت الٰہی کی اگرچہ وہ قلیل ہی ہو،تعظیم وتواضع کا کمال ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں شے کے حرام ہونے کا شبہ ہو وہاں احتیاط ضروری ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِيْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِخْ كِخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھائی اور اپنے منہ میں ڈال لی۔تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں رہ باز رہ[3]۔تاکہ وہ اسے پھینک دیں[4]۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے

الصَّدَقَةَ .
پتہ نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے ؟۳

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لے حدیث میں لفظ کخ کخ آیا ہے (کاف کی زبر اور زیر خا کی جزم یا زیر اور زبان تنوین کے ساتھ) یہ ایک کلمہ ہے جو بچے کو اس کام سے روکنے اور منع کرنے کے لیے آتا ہے جو وہ کر رہا ہوتا ہے پلیدی و نجاست سے پرہیز اور بچنے کے لیے بھی آتا ہے۔

ئے یعنی تاکہ اس کھجور کو منہ سے پھینک دیں اور اسے نہ کھائیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عجمی (غیر عربی) کلمہ ہے ۔ امام بخاری اسے باب من تکلم بالفارسیۃ میں لائے۔

۳ یعنی ہم بنی ہاشم اور اہل بیت طہارت صدقہ نہیں کھاتے ۔ اس عبارت کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضرت امام حسن پہلے سے اس حکم کو جانتے تھے ۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں جب کہ چھوٹا بچہ سمجھدار ہو اور بے شک ان دونوں امام حسن ، امام حسین رضی اللہ عنہما نے چھوٹی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لی ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی عمر شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال تھی ۔ کیونکہ ان کی با سعادت ولادت ۳ھ میں ہوئی تھی۔

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقٰتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَ إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ .

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد المطلب[1] بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ صدقات بلاشبہ لوگوں کی میل کچیل[2] ہیں ۔ اور بے شک یہ[3] محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں ہیں ۔

(مسلم)

لے عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن ہاشم قرشی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سن بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔

ئے جن سے لوگ اپنے مال پاک کرتے ہیں ۔

۳ یعنی یہ صدقات یا یہ میل کچیل محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں ۔ واضح ہو کہ یہاں آل محمد سے بنی ہاشم مراد ہیں ۔ کہ ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور لفظ آل کے کئی معنی ہیں جن کی تحقیق اپنے مقام میں کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ کی خدمت میں لائی جاتی تو آپ دریافت کرتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ[۱]۔ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تم کھاؤ۔ اور آپ خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو اپنے ہاتھ دراز فرماتے[۲] اور صحابہ کے ساتھ کھاتے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ وہ چیز ہے جو فقراء و مساکین کو بطور شفقت و مہربانی دی جائے اور اس سے ثواب آخرت کا ارادہ کیا جائے۔ صدقہ میں اس کے لینے والے کے لیے قدرے خواری اور ذلت پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہدیہ وہ چیز کہلاتی ہے جو تعظیم و اعزاز کے ارادہ سے اغنیاء کو دی جائے اس میں مکافات و بدلہ مقصود ہوتا ہے صدقہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔

[۲] حدیث میں ضَرَبَ بِيَدِهٖ کا لفظ آیا ہے اس کا معنیٰ ہے راستہ میں جلدی جلدی چلنا۔ اور رزق کی تلاش میں نکلنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صدقہ قبول نہ فرماتے تھے۔ اور نہ اسے کھاتے تھے اور ہدیہ قبول فرماتے اور شوق و رغبت سے اسے کھاتے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدَى السُّنَنِ اَنَّهَا عُتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَّاُدْمٌ مِّنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضرت بریرہ[۱] رضی اللہ عنہا میں تین سنتیں تھیں[۲]۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیشک اسے آزاد کیا گیا تو اسے اس کے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا[۳]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کے لیے ہے جس نے اسے آزاد کیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر تشریف لائے جبکہ ہانڈی گوشت سے اُبل رہی ہے اگرچہ گوشت پک رہا تھا تو آپکی خدمت میں روٹی اور دوسرا سالن[۴] پیش کیا گیا جو گھر

بَلٰى وَلٰكِنْ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَاَنْتَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں تھا (اس گوشت کے علاوہ) آپ نے فرمایا کیا میں نے ہانڈی میں گوشت نہیں دیکھا۔ گھر والوں نے عرض کیا ہاں لیکن وہ صدقے کا گوشت ہے جو بریرہ کو دیا گیا ہے اور آپ صدقہ تناول نہیں فرماتے (اس پر) آپ نے فرمایا وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے
(بخاری و مسلم)

سلہ بَرِیْرَہ (باکی زبر را امل کی زیر) آپ حضرت عائشہ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں۔

سلہ۲ یعنی حضرت بریرہ کی وجہ سے تین شرعی حکم نازل اور ثابت ہوئے۔

سلہ۳ ان کے خاوند کا نام مغیث تھا۔ حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ آزادی کے بعد اس کی زوجیت میں رہیں۔ یا اس سے جدائی اختیار کریں۔ یہ خیارِ عتق ہے جسے علماء نے اس عورت کے لیے ثابت کیا ہے۔ جسے غلامی سے آزادی ملی ہو کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اُسے اختیار ہے کہ اپنے اس شوہر کو ہی پسند کرے یا اس سے جدائی پسند کرے۔ امام شافعی کے ہاں خیارِ عتق میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اس کا خاوند بھی کسی کا غلام ہو۔ احناف کے نزدیک مطلق خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے۔ خواہ خاوند آزاد ہو یا غلام۔ یہ مغیث حضرت بریرہ کے شوہر تھے۔ حضرت بریرہ نے آزادی کے بعد انہیں پسند نہ کیا وہ اس کے عشق و فراق میں حیران و پریشان پھرا کرتے، آہ و فریاد کرتے اور روتے تھے۔

سلہ۴ یہ دوسری سنت ہے جو حضرت بریرہ کی وجہ سے عطا ہوئی۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں جس نے انہیں مکاتبہ بنایا ہوا تھا۔ (یعنی وہ یہودی ان سے عقدِ کتابت کر چکا تھا کہ اتنی رقم ادا کر دو تو تم آزاد ہو) جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آگئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں آئیں تاکہ آپ اسے کوئی چیز عطا کریں جو وہ اپنے مالک کو بطور بدل کتابت ادا کر کے آزادی حاصل کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر تو اپنے مالکوں سے کہے کہ وہ تجھے میرے پاس فروخت کر دیں تو میں تجھے خرید لوں گی۔ وہ اپنے مالکوں کے پاس گئی اور ان سے وہ بات کہی جو حضرت عائشہ نے اس سے کہی تھی۔ انہوں نے کہا ہم فروخت کر دیتے ہیں مگر ہماری شرط یہ ہے کہ تیرا ولاء یعنی تیری میراث ہماری قرار پائے۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یہود یہ شرط عائد کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ یعنی میراث اس کی ہوتی ہے۔ جس نے اسے آزاد کیا ہوتا ہے۔ اے عائشہ تم اسے خرید کر آزاد کر دو اس کی میراث کی حق دار تو ہو گی۔ یہودیوں کی یہ شرط باطل ہے۔

سلہ۵ یعنی تیسری سنت یہ ہے جو حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عائشہؓ

کے گھر اس وقت تشریف لائے جب کہ گھر میں ہانڈی پک رہی تھی اور اس میں گوشت اُبل رہا تھا۔ حدیث میں وارد لفظ بُرْمَۃ (باکی پیش را ساکن) یعنی پتھر کی بنی ہوئی دیگ جو بلاد حجاز و یمن میں مشہور ہے۔ اور اب حرمین شریفین میں بھی مشہور ہو چکی ہے۔

لہ حدیث میں وارد لفظ اُدُم (ہمزہ کی پیش دال ساکن اور دال کی پیش) یعنی سالن۔ یہ لفظ مفرد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح لفظ فُلک (کشتی) بعض نے کہا دال ساکن کی صورت میں مفرد ہے۔ اور دال کی پیش سے جمع ہے۔

لہ یعنی اگر کوئی شخص فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ کوئی چیز دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو دے جسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تو اس صورت میں یہ چیز اس کے لیے حلال ہو جائے گی کیونکہ وہ چیز فقیر کی ملک ہو گئی۔ اب وہ جسے دے جائز ہو گی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے اور اس کے بدلے لہ میں بھی کوئی چیز عطا فرماتے تھے۔ (بخاری شریف)

لہ اس طرح آپ اس کی مکافات کرتے تھے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری وغیرہ کے کھر لہ کی دعوت بھی کی جائے تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اور اگر مجھے بکری کا ایک بازو بھی ھدیۃً دیا جائے گا تو میں اسے لے لوں گا۔ (بخاری)

لہ یہاں حدیث میں لفظ کُرَاع آیا ہے (کاف کی پیش سے) یعنی بکری وغیرہ کے پائے۔ جو ایک حقیر اور معمولی چیز خیال کی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کُرَاع سے کراع الغمیم (ایک جگہ) مراد ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ مگر پہلا معنی زیادہ ظاہر اور حدیث کے اگلے قول کے زیادہ مناسب ہے۔ یعنی لَوْ اُھْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ در حقیقت اس میں مخلوق خدا سے بہت زیادہ تواضع کرنے اور ان پر نہایت درجہ شفقت و مہربانی کی طرف اشارہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو گداگری کے لیے لوگوں کا طواف کرتا ہے کہ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس لوٹاتی ہیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس دولتمندی کی کوئی چیز نہیں ہوتی جو اسے لوگوں سے بے نیاز کر دے اور اس کی اس تنگ دستی کا کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا[1] کہ اس پر صدقہ خیرات کیا جائے اور نہ وہ لوگوں کے سامنے گداگری کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ اس کے مانگنے اور سوال کرنے سے گریز کی وجہ سے۔

لہ یعنی اپنے گھر کے کونے اور زاویہ غربت سے باہر ہی نہیں نکلتا تاکہ لوگوں سے جا کر مانگے اور حدیث میں واقع لفظ نلطانت بمعنی زیرکی و تیز فہم سے اس جانب اشارہ ہے کہ وہ اپنی غربت و تنگ دستی اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ آسانی سے کوئی شخص اس کے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ مَخْزُوْمٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِيْ رَافِعٍ اَصْحَبْنِيْ كَيْ مَا تُصِيْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى اٰتِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْأَلَهٗ فَانْطَلَقَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ایک شخص کو قبیلہ بنی مخزوم کی طرف بھیجا۔ اس نے حضرت ابو رافع سے کہا آپ بھی میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو بھی اس میں سے کچھ مل جائے آپ نے فرمایا میں تیرے ساتھ اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے پوچھ نہ لوں[2]۔ تو حضرت ابو رافع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے اور پوچھا رسول

اَلْمَوَالِیْ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔ اور بے شک قوم کے آزاد غلام اس قوم میں سے شمار ہوتے ہیں۔[۳]

(ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی)

[۱] حضرت ابورافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] کہ مجھے اس مرد کے ساتھ جانے اور کچھ لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔

[۳] اور ان کے حکم میں ہیں۔ تو جس طرح ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کے لیے بھی حلال و روا نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّۃٍ سَوِیٍّ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کو صدقہ لینا حلال نہیں اور نہ اس شخص کو جو تندرست اور قوی ہو۔[۱]

ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور امام احمد نسائی و ابن ماجہ نے اسے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔

[۱] حدیث میں یہاں لفظ مِرَّۃ آیا ہے۔ میم کی زیر، راکی شد، یہ لفظ چند معنوں میں آتا ہے۔ قوت، سختی، عقل مضبوطی و پائداری اور جسمانی قوت۔ اور اگر ایک شخص بظاہر قوی الجسم ہو لیکن عقل و فہم اور روزی کمانے کا سلیقہ نہ رکھتا ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز و روا ہے۔

اس حدیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو محنت مزدوری کر کے کمانے کے قابل ہوں۔ اس کے برعکس ہم احناف کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو مالک نصاب (دو سو درہم) نہ ہو اگرچہ قوی الجثہ اور محنت مزدوری کی قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایسے صحابہ کو زکوٰۃ دیتے تھے جو فقیر بستے تھے حالانکہ وہ جسمانی لحاظ سے قوی اور تندرست ہوتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ لہٰذا احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص کسب رزق کی قدرت و طاقت رکھتا ہو اسے زیب نہیں دیتا کہ اس ذلت و کمینگی کو پسند کرے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ ابْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عدی بن الخیار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع[2] کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ تقسیم فرما رہے تھے ان دونوں نے بھی آپ سے صدقہ کا سوال کیا[3]۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر ہمارے پاؤں تک ہم پر نگاہ[4] ڈالی اور فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں دیتا ہوں۔ تاہم اس صدقہ میں غنی اور کسب رزق کی قدرت رکھنے والے کیلئے کوئی حصہ نہیں[5]۔

(ابوداؤد، نسائی)

[1] خیار خاء نقطے والی کی زیر اور یا مخفف کی زبر سے۔ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ زمانہ نبوت میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] حجۃ الوداع اس حج سے عبارت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے سب سے احکام بیان فرمائے اور اس کے بعد ظاہری زندگی کو الوداع کہی۔

[3] کہ ان دو مردوں نے آپ سے صدقہ کا سوال کیا۔

[4] یعنی جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ مانگا تو آپ نے ہم پر اوپر سے نیچے تک نگاہ ڈالی اور ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔

[5] امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم دونوں کے لیے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اگر تم حرام غذا کھانے کو تیار ہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں تو آپ کا یہ انداز گفتگو زجر و ڈانٹ کے لیے تھا، انہیں کھلانے میں اختیار دینے کے لیے نہ تھا۔ یا حدیث کا معنی ہے کہ بظاہر تو تم تندرست و توانا دکھائی دیتے ہو۔ اگر فی الواقع تم قوی و توانا اور مالدار ہو تو پھر تمہارے لیے صدقہ کھانا حلال نہیں۔ ورنہ میں تمہیں صدقہ دے دیتا۔ ہم احناف کے مذہب کے موافق حدیث کا معنی ہوگا۔ صدقہ کھانے میں رذالت و خواری اور کمینگی ہے۔ اگر تم اس پر راضی ہو تو میں تمہیں دیتا ہوں۔ اس میں بھی درحقیقت صدقہ کا سوال کرنے پر انہیں زجر اور ڈانٹ پلائی گئی ہے۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا

حضرت عطاء[1] بن یسار رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ.

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی زکوٰۃ صرف پانچ شخصوں کے لیے حلال ہے (چاہے وہ بھی غنی ہوں) راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے لیے۔ اور اس کے لیے جو زکوٰۃ جمع کرنے پر مقرر کیا گیا ہو[۲]۔ یا مقروض[۳] چوتھا وہ شخص جو صدقے کی چیز قیمت دے کر خرید لے[۴]۔ یا اس شخص کے لیے جس کے پڑوس میں کوئی مسکین رہتا ہو اس مسکین کو کوئی صدقے کی چیز دے اور یہ مسکین آگے بطور ہدیہ اپنے دولتمند پڑوسی کو دے دے[۵]۔ اسے مالک و ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں جو ابوسعید سے مروی ہے۔ چھٹا ابن السبیل (مسافر) کا ذکر بھی آیا ہے[۶]۔

[۱] آپ اکابر تابعین اور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ شخصیت اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] اور اسے سلطان وقت نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہو۔

[۳] اور اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے قرض کی ادائیگی کر سکے۔

[۴] جیسے مسکین کے پاس صدقہ کی کوئی چیز ہو اور غنی آدمی اسے قیمت دے کر وہ چیز خرید لے۔ اب غنی کے لیے وہ چیز حلال و جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ چیز اس غنی کے لیے صدقہ نہیں ہے۔

[۵] جیسا کہ حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہ بات کہ دولتمند غازی اور مجاہد زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ ہم احناف کے نزدیک زکوٰۃ جمع کرنے والے اور مقروض کے لیے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے کیونکہ عامل (زکوٰۃ جمع کرنے والا) تو اپنے عمل اور کام کی اجرت لے رہا ہے۔ اور اجرت وصول کرنے میں غنی اور فقیر برابر ہیں۔ مقروض شخص کے مستحق زکوٰۃ ہونے کا سبب اس کے ذمہ قرضہ ہے۔ تو جس قدر قرضہ ہو اتنی مقدار زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مگر غازی جب کہ دولت مند ہو تو وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث مطلق ہے۔ اس میں غازی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ زکوٰۃ غنیوں سے وصول کرنا اور فقراء پر خرچ کرنا اور اس وجہ سے بھی دولت مند غازی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں کہ ایک

اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کے لیے صدقہ لینا حلال و روا نہیں ہے۔

۶ یعنی ابوداؤد رحمۃ اللہ کی ایک روایت میں جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن السبیل کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابن السبیل سے مسافر مراد ہے جو اپنے وطن سے جدا پڑا ہو کہ سفر کی وجہ سے اس کا مال اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ یہ فقیر کے حکم میں ہے۔ اس کی طرف قرآن کریم کی آیت لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (ان فقراء کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا) میں اشارہ موجود ہے۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتَّى حَكَمَ فِيهَا فَهُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی بیعت[۲] کی اور حضرت زیاد نے ایک لمبی حدیث بیان کی راستے میں ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے صدقہ میں سے کچھ عطا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا بے شک اللہ تعالٰے صدقات دینے میں کسی نبی اور غیر نبی کے حکم و فیصلے پر راضی نہیں[۳] ہوا (کہ کسے دیا جائے اور کسے نہ دیا جائے) یہاں تک کہ تقسیم صدقات کے بارے میں اس نے خود حکم نازل فرمایا[۴] اور صدقہ لینے والوں کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا تھا اگر تو ان لوگوں میں سے ہے تو میں تجھے صدقہ دیتا ہوں[۵]۔ (ابوداؤد)

۱ الصدائی صاد کی پیش۔ دال مخفف پر زبر۔ یہ صداء نامی شخص کی طرف منسوب ہے۔ حضرت زیاد بن الحارث رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی۔ جیسا کہ باب الاذان میں گزرا۔

۲ اور مسلمان ہونے کا عہد کرتے ہوئے آپ کے دست اقدس میں اپنا ہاتھ دیا۔

۳ یعنی علماء و مجتہدین امت میں سے بھی کسی کو تقسیم صدقات کا مختار نہ بنایا۔

۴ یعنی قرآن کریم میں۔ اور انہیں آٹھ گروہوں میں تقسیم کیا۔ کہ ان کے سوا کسی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الی آخرها میں ان آٹھ گروہوں کا واضح ذکر کیا۔ اور فقہ کی کتابوں میں صاف

گروہوں کا ذکر کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے فقراء اور مساکین میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کو ایک ہی گروہ شمار کیا۔
۵ اس شخص کا ظاہر حال معلوم نہ تھا کہ یہ غنی ہے یا فقیر بلکہ اس کے بارے میں تردد و اشتباہ تھا اس وجہ سے آپ نے اسے یہ جواب دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ[۱] قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَاَعْجَبَهٗ فَسَاَلَ الَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِّنْ نَّعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهٗ فِيْ سِقَائِيْ فَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهٗ فَاسْتَقَاءَ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت زید بن اسلم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دودھ نوش فرمایا جو آپکو اچھا لگا، تو آپ نے اس شخص سے جس نے آپکو یہ دودھ پلایا تھا، دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے لائے ہو، اس نے بتلایا کہ وہ ایک چشمے پر وارد ہوا جس کا اس نے نام بھی لیا، تو اچانک وہاں صدقے کے چند اونٹ موجود تھے۔ انہوں والوں نے اونٹوں کو پانی پلایا پھر ان کا دودھ نکالا تو میں نے اس میں سے کچھ اپنی مشک[۲] میں ڈال لیا۔ تو یہ وہ دودھ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا اور زور و تکلف سے اس دودھ کی قے کر دی[۳]۔
(مالک و بیہقی شعب الایمان میں)

۱ حضرت زید بن اسلم فقیہ عمری ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ نہایت ثقہ، عالم، فقیہ و عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کے حلقہ درس میں چالیس سے زیادہ فقہاء شریک ہوا کرتے تھے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس آتے اور آپ سے علم کی باتیں سنتے تھے۔
۲ حدیث میں لفظ سِقائی آیا ہے۔ سِقاء سین کی زیر الف کی مد سے) یعنی دودھ یا پانی کی مشک۔
۳ یہ آپ کا انتہائی تقویٰ اور ورع ہے۔ ورنہ اگر فقیر صدقہ میں سے ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کچھ دے تو اس کا کھانا روا اور جائز ہے اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ بیان جواز کے لیے رخصت کے طور پر تھا، جیسا کہ شارحین حدیث نے فرمایا ہے۔

بَابُ مَنْ لَّا تَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهُ

اس شخص کا بیان جسے صدقہ لینا حلال نہیں اور جسے لینا جائز ہے

یعنی اس شخص کا بیان جسے سوال کرنا اور مانگنا حلال نہیں اور اس کا بیان جسے سوال کرنا حلال و جائز ہے۔ علماء نے کہا ہے جس آدمی کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو اسے سوال نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ بلا ضرورت سوال کرنا حرام ہے۔ اور اگر ایک دن کی خوراک بھی اس کے پاس نہ ہو اور تن چھپانے کے لیے کوئی کپڑا نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں سوال جائز ہے اور وہ فقیر و تنگ دست جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو یا کسب حلال پر قدرت رکھتا ہو اسے سوال کرنا اور زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اور اگر کوئی مسکین اپنے پاس کچھ نہ رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ایک دن کا خرچہ بھی نہ ہو۔ اور نہ ہی کسب حلال کی قدرت و طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا روا ہے۔

پھر علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ بے ضرورت سوال کرنا حرام و ناجائز ہے۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سوال کرنا بالکل حرام ہے یا حلال تو ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ پھر اس میں بھی تین شرطوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ سوال کے لیے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ پیچھے ہی نہ پڑ جائے۔ تیسرے یہ کہ جس سے سوال کر رہا ہے اسے ایذا نہ دے اور اسے تنگ نہ کرے۔ اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی موجود نہ ہو گی تو اس کے لیے سوال کرنا بالاتفاق حرام ہوگا۔

حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سوال کرنے والا جب اس طرح سوال کرے کہ مجھے اللہ کے لیے کچھ دے تو اسے دیا جائے۔ کیونکہ دنیا خسیس اور کمینی ہے اور جب مسکین نے اللہ کے واسطے سے طلب کیا تو گویا اس نے اس چیز کی تعظیم کی جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا ہے۔ لہٰذا ایسے فقیر و گداگر کو زجر اور ڈانٹ کے طور پر کچھ نہ دینا چاہیے۔ اور اگر کسی فقیر نے یوں سوال کیا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول کے حق کی بنا پر کچھ دے تو بھی دینے والے پر اسے کوئی چیز دینا لازم نہیں آتا۔ اور اگر کسی نے جھوٹا اظہار حاجت کر کے کسی سے کچھ لیا تو وہ اس کا مالک تصور نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے جھوٹ بولا اور کہا کہ میں علوی خاندان سے ہوں اور تنگدست ہوں مجھے کچھ دو۔ تو وہ بھی اس کا مالک نہ بنے گا۔ اور اگر کسی کو نیکی کی نیت سے کچھ دیا اور لینے والے نے درحقیقت اسے معصیت و گناہ میں صرف کیا اگر دینے والا اس حقیقت سے واقف نہ تھا تو لینے والا اس چیز کا مالک نہ بنا۔ اور اس لیے جو کچھ اس سے لیا وہ اس کے لیے حرام ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ اسے مالک کو واپس کرے۔

یوں ہی اگر کسی کی بدزبانی سے بچنے یا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اسے کچھ دیا تو اس کا لینا اس کے لیے حرام ہے اور سائل کوئی فقیر سوال کے لیے آئے اور یہ چاہے کہ دینے والے کی دست درازی کرے۔ تاکہ وہ اسے کچھ دے تو اس بنا پر اسے کچھ دینا مکروہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ ڈانٹ وزجر کے طور پر اسے اپنے ہاتھوں کے قریب نہ آنے دے اور اسے ہاتھ چومنے کی اجازت نہ دے۔ اور ایسے گداگر کو نہ دینا چاہیے جو لوگوں کے دروازوں پر ڈھول بجاتا پھرے۔ اسی طرح گویے اور سارنگی وغیرہ بجانے والے کو بھی نہ دیا جائے۔ کیونکہ یہ سب خلاف شرع اور فحش ترین حرکات ہیں۔ یہ مسائل کتاب مطالب المومنین میں مذکور ہیں جو اس میں دوسری کتب فقہ سے منقول ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُهُ فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَاْمُرَ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ

پہلی فصل

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک قرضے کا ضامن اور کفیل بنا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ سے اس قرضہ کی ادائیگی کے لیے صدقہ کا سوال کروں۔ آپ نے فرمایا یہیں ٹھہر یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقے کا مال آجائے۔ اور ہم تیرے لیے صدقہ کا حکم دیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قبیصہ بے شک سوال کرنا حلال نہیں مگر تین شخصوں کے لیے۔ ایک اس کے لیے جو کسی کے قرضے کا ضامن بنا کہ اسے اس کی ادائیگی کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ پھر اس سے زیادہ مال کے لیے سوال نہ کرے بلکہ سوال کرنے سے باز رہے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی سختی اور حادثے کا شکار ہوا جس نے اس کا مال تباہ و برباد کر دیا۔ تو ایسے شخص کے لیے سوال روا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی برقرار رکھ سکے۔ یا ایسی چیز جس سے وہ اپنی زندگی بچا سکے۔ تیسرا وہ شخص جو فاقہ کی نوبت کو پہنچ چکا ہو۔ پھر وہ

حَتّٰی یُصِیْبَ قِوَامًا مِّنْ عَیْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَیْشٍ فَمَا سِوَاھُنَّ مِنَ الْمَسْئَلَۃِ یَا قَبِیْصَۃُ سُحْتٌ یَاکُلُھَا صَاحِبُھَا سُحْتًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

بھی اس وقت جبکہ اس کی قوم کے تین صاحب عقل و فہم آدمی کھڑے ہو کر کہیں کہ بے شک فلاں فاقہ زدہ ہے۔ تو اسے بھی اس قدر سوال کرنا جائز ہے کہ وہ زندگی برقرار رکھ سکے اور اپنی ضروری حاجت پوری کر سکے۔ ان تین صورتوں کے ماسوا اے قبیصہ سوال کرنا حرام ہے۔ اور اسے کھانے والا حرام کھائے گا۔ (مسلم شریف)

لہ قبیصہ ق کی زبر با کی زیر اور صاد مہملہ۔ مُخارق میم کی پیش خا نقطہ والی۔ را کی زیر آخر میں قاف۔ یہ حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

سلہ یعنی میں ایک قرضے کا ضامن و کفیل بنا جو کسی پر دیت کی وجہ سے لازم تھا۔ یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں لفظ حَمالہ (حا مہملہ کی زبر) ہے یعنی دیت وغیرہ کا وہ مال جو کوئی شخص قوم کی طرف سے اپنے ذمہ لے لے۔ اور دو مخالف گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اس کا ضامن بن جائے یعنی مسلمانوں کی ایک جماعت آپس میں لڑ جھگڑ رہی اور خونریزی کر رہی ہو ان میں ایک تیسرا شخص بغرض اصلاح آ شامل ہو۔ اور جن پر دیت کی رقم لازم آتی تھی ان کی طرف سے وہ دیت اپنے ذمے ڈال لے اور اس کا ضامن بن جائے۔ اس طرح اس کا قرضہ اس کے ذمہ آ جائے۔ تو یہ شخص بھی مقروض کی طرح مصارف زکوٰۃ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو یہ صحابی (حضرت قبیصہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ مال زکوٰۃ میں سے اسے کچھ عطا کریں۔ جیسا کہ یہ صحابی خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا الخ۔

سلہ یعنی اس ضمانت و کفالت کا قرضہ

کلہ یعنی ہم تیرے بارے میں حکم دیں کہ تجھے اتنا صدقہ دے دیں۔ جس سے تو اس قرضے سے نجات پا جائے۔

ہلہ یعنی وہ مال ادا کرے جس کا وہ ضامن بنا ہے۔

لہ یعنی بقدر حاجت و ضرورت سے زیادہ کے لیے سوال نہ کرے۔

کلہ یہاں حدیث میں لفظ اِجْتَاحَتْ آیا ہے۔ یہ جَوْح سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے تباہ کر دینا اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔ جائحہ ایسی شدت اور سختی کو کہتے ہیں جو مال کو برباد و تباہ کر دے جیسے قحط اور فتنہ۔

ہلہ یعنی تاکہ ایسی چیز پائے جو اسے بے نیاز کرے۔ اور اس کی زندگی کی ضروری حاجت پوری کرے۔

۹ یا آپ نے یہ مصدر لفظ (قواما کی جگہ سدادًا) استعمال فرمایا یعنی اتنا مال جس سے وہ اپنی زندگی بچا سکے۔ قوام قاف کی زیر سے یعنی ایسی چیز جس سے وہ اپنی حاجت پوری کر سکے۔ قوام شی کا معنیٰ ایسی چیز کا بھی آتا ہے۔ جس سے انسان اپنا ضروری انتظام کر سکے۔ اور وہ چیز جس پر انسان بھروسہ کر سکے اور اپنی مجبوری کو دور کر سکے۔ یہ بھی پہلے معنیٰ کے قریب ہے۔ اور قوام یعنی قاف کی زبر سے تو اس کا معنیٰ عدل و انصاف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ یعنی کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان کا راستہ عدل و انصاف اور میانہ روی کا راستہ ہے۔ سداد (سین کی زیر سے) کا معنیٰ ہے۔ وہ چیز جو انسان کی زندگی کو بچاسے۔ ہر ایسی چیز جو انسان کی زندگی کے بچاؤ کا ذریعہ بنے اسے سداد کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر بوتل کا ڈھکنا۔ کہ بوتل میں جو کچھ ہوتا ہے ڈھکنا اسے گرنے سے روکتا ہے۔ اور سَداد سین کی زبر سے بمعنیٰ قول وعمل میں راستی اور میانہ روی۔ پھر قوام و سداد کا لفظ ذکر کرنے میں سوال کرنے سے روکنے میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے کو اس بے بس و مجبور و مضطر انسان سے تشبیہ دی جس کے لیے جان بچانے اور زندگی باقی رکھنے کی خاطر مردار کھانا جائز و حلال ہو جاتا ہے۔ اگر چہ سوال کرنے کے جواز کے لیے اس حد تک مجبوری و لاچاری ضروری نہیں بلکہ اگر ایک دن کی روزی اور خوراک موجود نہ ہو تو جواز سوال کے لیے کافی ہے۔ یہ تو گویا مسکین کے حال کا بیان ہے اور فقیر کا حال وہ ہے حضور علیہ السلام اگلے اس فقرے میں بیان فرماتے ہیں۔ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ الی آخرہ۔

۱۰ فاقہ بمعنیٰ حاجت۔ احتیاق بمعنیٰ حاجت مند کرنا۔

۱۱ یعنی یہاں تک کہ اس کی قوم میں سے تین ایسے شخص کھڑے ہوں جو عقل و فہم والے ہوں خبر دیں اور کہیں (کیوں کہ وہ اس کی حقیقت حال سے واقف ہیں) محض تخمینے اور قیاس سے خبر نہ دیں۔ حدیث میں واقع لفظ حِجیٰ حا مہملہ کی زیر اور جیم نقطہ دار کی زبر سے۔ بمعنیٰ عقل۔

۱۲ واضح ہو کہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ یقوم سے شہادت اور گواہی مراد ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس سے شہادت و گواہی مراد نہیں بلکہ صرف قول اور خبر دینا مراد ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں یقوم کے بجائے یقول آیا ہے۔ لفظ یقوم کے ذکر کرنے میں مبالغہ پایا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں ایسے یقین سے خبر دیں کہ گویا وہ گواہی دے رہے ہیں اور لفظ لقد میں لام کا ذکر بھی تاکید کے لیے ہے پھر تین کا لفظ احتیاط کے لیے ہے اسی طرح اصحاب عقل و فہم کا لفظ بھی تاکید کے طور پر ہے یہ سب الفاظ دراصل سوال کرنے سے روکنے اور ڈانٹنے کے لیے بطور مبالغہ استعمال فرمائے۔

۱۳ سُحت سین کی پیش حا ساکن بمعنیٰ حرام۔ اصل میں سحت و اسحات کا معنیٰ ہے کسی کو ہلاک کرنا اور اس کا نام و نشان مٹا دینا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس شخص نے لوگوں سے اپنا مال زیادہ کرنے کے لیے سوال کیا (گداگری کی)، تو وہ حقیقت میں آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ آگ کے انگارے تھوڑے لے یا زیادہ۔ (مسلم)

۱؎ یعنی اپنا مال بڑھانے کی غرض سے گداگری اور سوال کرے نہ کہ فقر و محتاجی کو رفع کرنے کے لیے۔

۲؎ یعنی دونوں صورتوں میں سوال و گداگری کرنا نقصان و ضرر کا باعث ہے کم ہو یا زیادہ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان مسلسل گداگری کا پیشہ اختیار کیے رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ دراصل اس کی ذلت و خواری اور بے آبروئی سے کنایہ ہے یا اس سے چہرے کی بے گوشت ہڈیاں مراد ہیں قیامت کے دن صورتیں معانی اور اعمال کے تابع ہوں گی۔ اور حدیث میں واقع لفظ مُزْعَۃ میم کی پیش زا ساکن اور عین بمعنی گوشت کا ٹکڑا۔ بعض اہل لغت نے مَزَعۃ میم اور زا کی زبر سے نقل کیا ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک مُزْعۃ میم کی پیش اور زا ساکن سے یہی محفوظ و مکتوب ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُلْحِفُوا فِي الْمَسْأَلَةِ فَوَاللّٰهِ لَا يَسْأَلُنِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا فَتُخْرِجُ لَهُ مَسْأَلَتُهُ مِنِّي شَيْئًا وَّأَنَا لَهُ كَارِهٌ فَيُبَارَكَ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتُهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرتے میں پیٹ نہ جاؤ۱؎۔ کہ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کوئی چیز نہیں مانگتا مجھ سے اسے کوئی چیز دلا دیتا ہے اور مجھے اس کا مانگنا ناپسند ہوتا ہے اس طرح جو چیز میں اسے دیتا ہوں اس میں اس کے لیے کوئی خیر و برکت ہو (یعنی اس چیز میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی۔ (مسلم)

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ تم میں سے کسی کا رسی سے کر لکڑی کا گٹھہ[۲] کاٹنا پھر اسے اپنی پشت پر اٹھا کر لانا اور اسے بیچنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت و آبرو محفوظ[۳] رکھے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کے سامنے دست گدائی دراز کرے۔ لوگ اسے دیں یا نہ دیں[۴]۔ (بخاری شریف)

[۱] حضرت زبیر بن العوام (عین کی زبر واو پر شد) مشہور صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

[۲] حدیث میں لفظ حُزمَۃ آیا ہے۔ حا کی پیش زا ساکن سے یعنی لکڑیوں کا گٹھہ۔

[۳] اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندے کی آبرو محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کی نعمت اور اس پر اس کا لطف و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈال کر اسے ثواب آخرت عطا کرتا ہے کسب حلال کی ہمت دیتا اور دست سوال دراز کرنے سے بچاتا ہے۔

[۴] اگر نہ دیں گے تو اس کی عزت و آبرو بھی گئی اور محروم بھی رہا اور اگر کچھ دیں گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کا احسان مند ہوتا اور ان کی غلامی اور ان کے احسان کا پھندا اپنے گلے میں ڈالتا ہے۔ اور طمع و گداگری کی بدعادت میں مبتلا ہوتا ہے

وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رضي الله عنه قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ

حضرت حکیم بن[۱] حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی آپ نے وہ چیز مجھے عطا فرما دی میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا پھر مجھے فرمایا۔ اے حکیم یہ مال سبز و ول پسند[۲] اور میٹھا ہوتا ہے جو اسے سخاوت کے ساتھ لیتا ہے[۳] اسے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اسے انتظار کے انداز میں لیتا ہے تو اس کے لیے اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی[۴]۔ اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے۔ جو کھاتا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے[۵]

فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَاُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں آپ کے بعد اپنی مرت تک کسی سے سوال نہ کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت حکیم بن حزام (حا کی زیر اس کے بعد زا) رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ ساٹھ سال جاہلیت کا دور دیکھا۔ اور آخری ساٹھ برس اسلام کی برکات حاصل کرنے میں گزارے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ خَضِر (خا کی زبر ض کی زیر سے) آیا ہے حُلْوٌ (حا کی پیش لام ساکن سے) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کا ساز و سامان بڑا دل پسند و شیریں محسوس ہوتا ہے۔ اور بڑا خوشنما و دیدہ زیب دکھائی دیتا اور دل کو لذیذ لگتا ہے۔

۳؎ یعنی جو شخص مال کی حرص، اسے جھانک جھانک کر دیکھنے اور اس کے ساتھ لپٹ جانے کے ارادے کے بغیر کسی سے سوال کرتا ہے تو اس کے مال میں برکت ڈالی جاتی ہے۔

۴؎ یعنی جو شخص مال کی حرص، اس کی انتظار و طمع اور اس کی محبت میں گرفتاری کی وجہ سے مانگتا اور سوال کرتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں دی جاتی۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ اشراف کا معنیٰ کسی چیز کی اطلاع حاصل کرنا اور بلندی سے نیچے دیکھنا ہے۔

۵؎ اوپر والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ مراد ہے۔ اور نیچے والے ہاتھ سے لینے والا ہاتھ۔ یا اوپر والے ہاتھ سے نہ لینے والا اور سوال نہ کرنے والا ہاتھ مراد ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔ بہر صورت اس جملے میں سوال کرنے سے روکنا پایا جاتا ہے۔ اور ترک سوال کی فضیلت کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنی اگلی عبارت (فقلت الی آخرہ) اس پر متفرع کی۔

۶؎ یعنی میں آپ کے بعد یا آپ سے اس سوال کے بعد کبھی کسی سے سوال نہ کروں گا۔ بعض نے کہا یہاں بعد معنی غیر ہے یعنی میں آپ کے سوا کسی سے کبھی سوال نہ کروں گا۔

۷؎ یعنی موت تک کسی سے کچھ نہ مانگوں گا۔ یہاں حدیث میں لفظ اَرْزَاُ (ر زہ را مقدم کی زبر زا ساکن آخر میں ہمزہ) سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے کسی سے کوئی چیز پانا اور نقص و کمی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ چونکہ کسی سے کوئی چیز مانگنا بندے کے لیے کمی عزت کا سبب ہے اس لیے یہ لفظ اس معنیٰ میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے

وَ هُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ هُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَ التَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَ الْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَ السُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا جب کہ آپ صدقہ اور مانگنے کا ذکر کر رہے تھے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے[1]۔ اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہاتھ ہے[2]۔ اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے[3]۔
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی پھر آپ نے خود دونوں ہاتھوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ منفقہ آیا ہے۔ ن و قاف کے ساتھ انفاق سے بمعنی خرچ کرنا اور دینا۔

[3] حدیث کے یہ الفاظ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ نے بھی یہی الفاظ روایت کیے اور انہیں الفاظ کے ساتھ اکثر روایات میں یہ حدیث مروی ہے۔ البتہ ابو داؤد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے والید العلیا ھی المتعففہ یعنی ت و فا کے ساتھ از عفت بمعنی سوال سے بچنا اور اسے حرام جاننا۔ یہ معنی سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ جو فرمایا کہ وہو یذکر الصدقۃ والتعفف عن المسئلۃ۔ کہ آپ صدقہ کرنے اور سوال سے پرہیز کرنے کا ذکر رہے تھے) اور یہ دونوں معنی صحیح اور درست ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ پہلا معنی زیادہ بہتر ہے۔

وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَ مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَ مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَّ اَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا جو آپ نے ان کو دے دیا[1] پھر انہوں نے آپ سے کچھ مانگا وہ بھی آپ نے ان کو دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا[2] اس پر آپ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوتا ہے میں اسے تمہیں دینے کے بجائے اس کا ذخیرہ بنا کر ہرگز نہ رکھوں گا۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ تعالیٰ اسے محتاج ہونے سے بچائے گا۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بے نیاز رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا۔ اور جو شخص صابر رہنے کی کوشش کریگا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کر دے گا[3]۔ اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز عطا نہیں کی گئی (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جو انہوں نے مانگا تھا وہ آپ نے ان کو عطا کر دیا۔
۲؎ یعنی وہ چیز جس سے آپ نے پہلے ان کو دیا تھا وہ ختم ہوگئی۔
۳؎ یعنی صبر اللہ تعالےٰ کی عطا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَ تَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَ مَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ دیا کرتے تھے میں عرض کرتا تھا آپ یہ چیز مجھ سے محتاج تر انسان کو دیں آپ نے فرمایا اسے کما سے اور اسے اپنا مال بنا اور اسے آگے صدقہ کر دے کہ دنیا کے اس مال میں سے جو کچھ تیرے پاس آئے اور تو اس کا طالب نہ ہو نہ اس کا سوال کرنے والا تو اسے لے لیا کر اور جو مال ایسا نہ ہو اس کا پیچھا نہ کیا کر۔
(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی اس کے درپے نہ ہوا کر اور نہ اس کا طمع کر۔ اور نہ اس کی انتظار کر۔ جیسا کہ لوگوں میں یہ محاورہ مشہور ہے۔ لَا رَدَّ وَلَا کَدَّ۔ یعنی نہ رد کرو اور نہ پیچھا کرو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَ مَنْ شَاءَ تَرَكَهٗ اِلَّا اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِيْ اَمْرٍ لَّا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت سمرۃ بن جندب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا (گداگری کرنا) درحقیقت زخم ہیں جن سے انسان اپنا چہرہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنا چہرہ زخموں سے محفوظ رکھے[۲]۔ اور جو چاہے کہ محفوظ نہ رکھے تو نہ رکھے[۳] مگر یہ کہ انسان کسی صاحب حیثیت اور حکمران سے کچھ مانگ لے یا ایسے کام میں جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو[۴] کسی سے کچھ سوال کرے اور مانگے۔
(ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی)

۱؎ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور انصار کے حلیف ہیں۔ اور ان حضرات میں سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث کے راوی اور حافظ ہیں۔ آپ سے حضرت امام حسن بصری، ابن سیرین اور شعبی نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ نے بصرہ میں ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ بعض نسخوں میں الق وجھہ کے بجائے القی علی وجھہ آیا ہے۔ اور بعض نسخوں میں القی علی وجھہ ماء آیا ہے۔

۳؎ یہ دراصل سوال وگداگری پر ڈانٹ اور اظہار ناراضگی ہے۔ لہٰذا مانگنے اور گداگری سے گریز کرنا چاہیے۔

۴؎ جیسے سخت محتاجی اور بھوک اور ایک دن کی خوراک کا سامان بھی میسر نہ ہو۔ جیساکہ ترجمہ باب کی شرح میں گزرا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسی حالت میں کسی سے سوال کیا کہ اس کے پاس ایسی چیز موجود تھی جو اسے سوال سے بے نیاز کرتی تھی تو وہ قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے پر[۱] زخموں کی صورت میں نمایاں ہوگا۔ آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کس مقدار کی چیز بندے کو سوال اور مانگنے سے بے نیاز کرتی ہے[۲]۔ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کے برابر سونا۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی)

۱؎ یہاں حدیث میں تین لفظ آئے ہیں یعنی خموش، خدوش اور کدوح۔ بعض نے کہا یہ تینوں الفاظ قریب المعانی ہیں یا راوی کے شک کے باعث یہ تین الفاظ آئے ہیں۔ بعض نے کہا یہ الفاظ مختلف المعانی ہیں کہ خمش کا معنیٰ ہے لکڑی سے چہرہ اکھیڑنا۔ خدش کا معنیٰ ہے ناخن سے چہرہ ادھیڑنا اور کدح کا معنیٰ ہے دانتوں سے چہرہ ادھیڑنا۔ اس طرح ان الفاظ کا مختلف المعنیٰ ہونا قلت یا کثرت سوال یا میانہ روی کی بنا پر مانگنے والوں کے اختلاف حالات کے باعث ہے۔

۲؎ یعنی سوال سے بے نیاز ہونے کی حد کیا ہے جس کی بنا پر سوال کرنا حرام ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهٗ مَا

حضرت سہل بن الحنظلیۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس اتنا تو موجود تھا جو اسے مانگنے سے بے نیاز

يُغْنِيهِ فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رَاوِيهِ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ قَالَ قَدْرُ مَا يُغَدِّيهِ وَيُعَشِّيهِ وَقَالَ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ شِبَعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُد)

کرتا ہے پھر بھی مانگتا اور سوال کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کافی مقدار میں آگ مہیا کرتا ہے۔ نفیلی[2] نے جو اس حدیث کے راویوں میں ایک ہے؛ دوسری جگہ کہا کہ کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا نامناسب ہے فرمایا اتنا اندازہ جو اس کی صبح اور شام کی خوراک کے لیے کافی ہو۔[3] پھر اس نفیلی نے دوسری جگہ کہا کہ اتنی مقدار جس سے ایک دن کا گزارا ہو سکے یا ایک رات اور دن کا گزارا ہو سکے[4][5] (ابوداؤد)

[1] حضرت سہل بن الحنظلیہ حنظلیہ (حا کی زبر نون ساکن ظا کی زبر سے) حنظلیہ آپ کی ماں یا آپ کی قوم کی کسی ماں کا نام ہے۔

[2] یعنی عبداللہ بن محمد نفیلی (نفیلی نون کی پیش فا کی زبر سے) یہ صاحب حضرت ابوداؤد سجستانی کے شیخ ہیں۔

[3] یعنی جس کے پاس ایک رات دن کی خوراک موجود ہو جو اس کے بدن کے لیے وجہ بقا بنے اور کفایت کرے تو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ ترجمہ باب میں مذکور ہوا۔

[4] یعنی بے نیاز ہونے کی حد مقدار جس کے سبب سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے، یہ ہے کہ اس کے پاس کھانے کے لیے اتنا کچھ ہو کہ اس سے ایک دن یا ایک رات اور دن کا گزارا چل سکے۔ حدیث میں واقع شبع بمعنی سیر ہو جانا ہے۔ اور شین کی زیر یا زبر اور با ساکن سے بمعنی وہ چیز جس سے بندہ سیر ہو جائے۔

[5] واضح ہو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مذکور ہوئی، اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ سوال سے بے نیازی کی حد مقدار پچاس درہم یا اس کی مقدار قیمت کا مالک ہونا ہے۔ اور آئندہ حدیث میں جو حضرت عطار سے مروی ہے، ایک اوقیہ کا مالک ہونا آیا ہے یعنی چالیس درہم کا مالک ہونا۔ اور اس حدیث میں صبح و شام کی خوراک کی موجودگی یا ایک دن و رات کے سیر ہو جانے کی مقدار بیان کی گئی ہے۔ تو اس اختلاف کے باعث امام شافعی رحمۃ اللہ نے پہلی حدیث کو لیا ہے۔ احمد و ابن المبارک اور اسحاق نے تیسری حدیث کو اختیار کیا۔ بعض دوسرے علماء نے دوسری حدیث کو لیا اور اختیار کیا۔ مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب حنفیہ رضی اللہ عنہم نے دو سو درہم کا مالک ہونا قرار دیا اگرچہ وہ مال بڑھنے والا نہ ہو اور اس باب میں بھی ایک حدیث وارد ہے، جسے کتاب کافی میں ذکر کیا۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص پانچ اوقیہ چاندی کا مالک ہوتے ہوئے سوال کرے الخ اور پانچ اوقیہ کے دو سو درہم بنتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ مقدار لوگوں کے لیے آسان تر ہے اور کتاب کافی

یں کہ یہ حدیث دوسری احادیث کی ناسخ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک تو زکوٰۃ لینے کی ممانعت دوسرے سوال کرنے کی ممانعت۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دو سو درہم کا مالک ہونا زکوٰۃ لینے کی ممانعت سے متعلق ہے۔ اور صبح و شام کی خوراک کی موجودگی سوال کرنے کی ممانعت سے تعلق رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوقِيَّةٌ أَوْ عَدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تم میں سے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ[1] چاندی یا اس کے برابر قیمت کی کوئی چیز موجود تھی تو اس کے لیے سوال کرنا روا اور جائز[2] نہ تھا۔

(مالک، ابو داؤد، نسائی)

[1] اوقیہ یعنی چالیس درہم، یا اوقیہ کے برابر قیمت کی چیز۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ الحاف آیا ہے یعنی اس طرح مانگنا کر دینے والے کے لیے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے۔ اس طرح کا سوال مذموم و ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ كَانَ خُمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ۔

حضرت حُبشی[1] بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا غنی کے لیے حلال نہیں اور نہ ایسے شخص کے لیے جو قوی الجثہ اور سلیم الاعضاء ہو۔ ہاں اس کے لیے حلال ہے جس کی محتاجی نے اسے خاک[2] میں ملا دیا ہو۔ یا اس مقروض کے لیے جسے قرضے نے رسوا کر دیا[3] ہو۔ اور جو شخص اس مقصد کے لیے گداگری کرتا ہے کہ اس کا مال زیادہ ہو تو وہ گداگری قیامت کے روز اس کے چہرے پر زخموں کی صورت میں نمودار ہوگی۔ اور اس کا گداگری سے حاصل کیا ہوا مال آتش دوزخ میں گرم کیا ہوا پتھر[4] بن کر اس کے منہ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

میں ڈالا جائے گا تو جس کا جی چاہے وہ اپنے لیے یہ عذاب کم کرے یا زیادہ مہیا اور تیار کرے۔ (ترمذی)

سلہ حُبشی حا کی پیش با ساکن اور یا سے پہلے شین۔ مُجادہ جیم کی پیش اور نون مخفف

سلہ یہاں حدیث میں لفظ مُدْقِع آیا ہے بمعنی خاک میں ڈالنے والا۔ یہ دَقْعاء (دال کی زبر قاف ساکن) سے مشتق ہے۔ اس سے ماضی مطلق کا صیغہ دَقَعَ یعنی اسے خاک میں ملا دیا۔ مُدقع (میم کی پیش دال ساکن قاف کی زیر سے) یعنی خاک آلود کرنے والی چیز۔ دراصل یہ شدت حاجت و فقر سے کنایہ ہے۔ یعنی ایسی محتاجی اور بدحالی جو اسے خاک پر ڈال دے۔ کہ اب وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مسکین کو بھی اسی وجہ سے مسکین کہتے ہیں۔ کہ وہ بھوک سے نڈھال ہونے کی وجہ سے حرکت کی طاقت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔ یعنی خاک آلود مسکین۔

سلہ یہاں حدیث کے عربی الفاظ اوغُرْمٍ مُفْظِعٍ آئے ہیں۔ غُرْم غین کی پیش بمعنی قرضہ اور تاوان۔ مفظع ذلیل و رسوا کرنے والا۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ رَضْفًا (را کی زبر ضاد ساکن) بمعنی تپائے ہوئے پتھر۔ جن پر رکھ کر دودھ گرم کرتے ہیں۔ رَضَعَہٗ یعنی اسے آگ پر تپایا اور گرم کیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهٗ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَهٗ وَ قَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِيْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَ قَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے فرمایا تیرے گھر کچھ نہیں اس نے عرض کی ہمارے گھر میں ایک موٹی گدڑی[۱] ہے جس کا ایک حصہ ہم پہنتے ہیں اور ایک حصہ نیچے بچھاتے ہیں۔ اور ایک چھوٹا پیالہ[۲] ہے جس میں ہم لوگ پانی پیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ۔ وہ دونوں چیزیں اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے یہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ مبارک میں پکڑیں اور فرمایا یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے ایک شخص نے کہا میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم سے خریدتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے یہ بات آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ

أَخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ فَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ فَأَتَاهُ بِهِ فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُودًا بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ فَجَاءَهُ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ وَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ أَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ (رَوَاهُ أَبُو دَاوٗدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)

فرمائی۔ اس پر ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہم سے خریدتا ہوں۔ تو آپ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم وصول کرکے اس انصاری کو دے دیے۔ اور فرمایا ان میں سے ایک سے کھانا خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دے۔ اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید لے اور اسے میرے پاس لا۔ وہ انصاری کلہاڑی خرید کر آپ کے پاس لایا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ ڈالا پھر فرمایا جا اور لکڑیاں کاٹ اور فروخت کر۔ اور میں پندرہ دن تک تجھے بالکل نہ دیکھوں۔ وہ شخص چلا گیا وہ روزانہ لکڑیاں کاٹتا اور انہیں فروخت کرتا۔ پھر وہ حاضر خدمت اقدس ہوا جب کہ دس درہم جمع کر چکا تھا۔ ان میں کچھ سے کپڑے خریدے اور کچھ آٹا دانہ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن تیرا سوال کرنا اس حالت میں سامنے آئے کہ تیرے چہرے پر نکتہ سیاہ پڑا ہو۔ بیشک سوال کرنا درست نہیں مگر تین آدمیوں کے لیے خاک میں ملے ہوئے فقیر کے لیے۔ ذلیل و رسوا ہونے والے مقروض کے لیے۔ رنج و الم میں ڈالنے والے خون کی دیت ادا کرنے والے کے لیے۔

اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے لفظ یوم القیامۃ کے لفظ تک روایت کیا۔

۱ یہاں حدیث میں لفظ حلس (حا کی زیر سے) آیا ہے یعنی وہ ٹاٹ سی گدڑی جو اونٹ کے کجاوے کے نیچے رکھتے ہیں اور گھروں میں عمدہ قالینوں وغیرہ کے نیچے بچھاتے ہیں۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ قعب آیا ہے (قاف کی زبر عین ساکن) یعنی لکڑی کا بنا ہوا چھوٹا پیالہ۔

۳ یعنی آپ نے تاکید و اہتمام کی غرض سے یہ لفظ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔
۴ جس سے وہ چند روز گزارا کریں۔
۵ یہاں حدیث میں لفظ قدوم آیا ہے (قاف کی زبر) اور دال مخفف یا مشدد بمعنی کلہاڑی یا تیشہ اور وہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی حدیث میں آیا ہے کہ اختتن بالقدوم کہ آپ نے قدوم سے ختنہ کیا تو اس قدوم سے بعض کے نزدیک تیشہ مراد ہے اور بعض نے کہا قدوم ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی آپ نے مقام قدوم میں اپنا ختنہ کیا۔
۶ حدیث میں واقع ان الفاظ کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔
۷ اس خون سے دیت مراد ہے جو خون کے بدلے دی جاتی ہے اپنی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے۔ جیسا کہ لفظ تحمل حمالۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَاءِ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو فاقہ پہنچا اس نے اس کا اظہار لوگوں سے کیا تو اس کا فاقہ ختم نہ ہوگا[۱]۔ اور جس نے اس کا اظہار اللہ تعالیٰ سے کیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے اور وہ اس طرح کہ یا تو اسے جلدی موت دے گا یا اسے کچھ وقت کے بعد کفایت عطا کرے گا۔
(ابوداؤد۔ ترمذی)

۱ یعنی اس کی محتاجی کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ اور اس کی حاجت برآری نہ کی جائے گی۔
۲ یہاں حدیث میں لفظ غنا آیا ہے (غین کی زبر) بمعنی فائدہ و کفایت۔ یہ غنا غین کی زیر سے نہیں جس کا معنی تونگری اور مالداری ہے۔ کیونکہ حدیث کے اگلے الفاظ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اس معنی کے مناسب نہیں ہیں کہ موت سے دولتمندی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ معنی اس کی تفصیل نہیں بن سکتا۔ البتہ موت سے بندے کو کفایت ضرور حاصل ہو جاتی ہے پھر مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں غنی عاجل یعنی ہمزہ ممدودہ کے بجائے عین مہملہ سے آیا ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ مصابیح اور جامع الاصول کے اکثر نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ تاہم سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں بغناء آجل کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ہمزہ ممدودہ کے ساتھ یہ روایۃً و درایۃً زیادہ صحیح ہے جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ رض قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن الفراسی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک فراسی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا بوقت حاجت میں لوگوں سے کچھ مانگ لیا کروں۔ فرمایا نہ۔ اور اگر مانگنے کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو نیک و صالح لوگوں سے مانگ۔[۲]

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] فراسی فا کی زیر اور سین مخفف یہ فراس بن غنم کی طرف نسبت ہے۔ یعنی ابن فراسی اپنے باپ فراسی سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] کہ کرم نوازی کے طور پر تجھے ضرور کچھ دیں گے۔ اور ان کا رزق بھی حلال ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ رض قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَأَدَّيْتُهَا إِلَيْهِ أَمَرَ لِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ إِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَأَجْرِيْ عَلَى اللهِ قَالَ خُذْ مَا أُعْطِيْتَ فَإِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن الساعدی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر نے صدقہ جمع کرنے پر مقرر فرمایا (عامل بنایا) جب میں اس عمل سے فارغ ہوا۔ اور جمع کردہ صدقہ وزکوٰۃ انہیں دے دیا تو آپ نے مجھے اپنے عمل کی اجرت وصول کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ عمل اللہ کے لیے کیا ہے اور میرا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ فرمایا جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اسے لے کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں زکوٰۃ وصدقہ جمع کرنے کا کام کیا تو آپ نے اس کی اجرت مجھے دی تو میں نے بھی تیری بات کی طرح بات کی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا جب میں تجھے، مانگنے کے بغیر کوئی چیز دوں تو اسے کھا اور صدقہ کر۔

(ابوداؤد شریف)

۱؎ آپ کو ابن السعدی بھی کہتے ہیں۔ آپ صحابی ہیں ملک شام میں ۵۷ھ میں وفات پائی۔
۲؎ یہاں حدیث میں لفظ عمالۃ آیا ہے (عین کی پیش میم ساکن مخفف) یعنی مزدور کی مزدوری۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّهٗ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلًا يَسْاَلُ النَّاسَ فَقَالَ اَفِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَفِيْ هٰذَا الْمَكَانِ تَسْاَلُ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ فَخَفَقَهٗ بِالدِّرَّةِ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) ایک شخص کو لوگوں سے مانگتے دیکھا تو فرمایا آج کے دن اس جگہ تو غیر اللہ سے مانگتا ہے۱؎۔ پھر حضرت علی نے درّہ۲؎ سے اس شخص کو مارا۔

(رزین)

۱؎ کہ یہ دن خاص اللہ کی فرمانبرداری، اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنے کا دن ہے۔ پھر یہ مکان کہ مکان عرفات ہے مقام دعا اور اللہ تعالیٰ کے آثار مغفرت اور نزول انوار رحمت کی جگہ ہے یہاں لوگوں سے مانگتا ہے؟
۲؎ یہاں حدیث میں واقع لفظ دِرّہ ہے (دال کی زیر را مشدد) دوسرا لفظ (خَفَق) خا و فا و قاف سے یعنی درّہ سے مارنا۔ اور تلوار کی چوڑائی سے کسی کو مارنا جیسا کہ صراح میں ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا خفق کا معنٰی ہے کسی چوڑی چیز (تختی وغیرہ) سے مارنا۔

وَعَنْ عُمَرَ رض قَالَ تَعَلَّمُنَّ اَيُّهَا النَّاسُ اَنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَّ اَنَّ الْيَاسَ غِنًى وَّ اَنَّ الْمَرْءَ اِذْ يَئِسَ عَنْ شَيْءٍ اسْتَغْنٰى عَنْهُ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو اس بات کو جان لو کہ طمع اور لالچ محتاجی ہے۱؎۔ اور لوگوں سے بے نیاز ہونا دولتمندی ہے۔ اور بیشک بندہ جب ایک چیز سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس سے بے۲؎ نیاز ہو جاتا ہے۔

(رزین)

۱؎ یعنی لوگوں کے مال کی امید رکھنا زیادہ فقر و محتاجی کا باعث ہے۔ یہاں حدیث میں اِنَّ الیاس میں ان کا ہمزہ مکسور ہے۔
۲؎ طمع کا معنٰی ہے لوگوں کے اس مال کی امید رکھنا جس کا ملنا مشکوک ہو۔ یعنی یہ شخص مجھے دے گا یا نہیں دے گا۔ ہاں اگر کسی کا دوسرے کے ذمہ حق ہو یا اس کا وظیفہ مقرر ہو یا اس کے محبت و کرم کے باعث یقین ہو کہ وہ دے گا تو ایسی جگہ طمع کا معنٰی نہیں پایا جاتا۔ ایسے مقام پر مانگ لینا جائز اور درست ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ رض قَالَ قَالَ

حضرت ثوبان۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَفَّلُ لِيْ اَنْ لَّا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے کون ضامن بنتا ہے کہ وہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگے گا تاکہ میں اسکے لیے جنت کا ضامن بن جاؤں[۲] حضرت ثوبان نے عرض کیا میں ضامن بنتا اور عہد کرتا ہوں کہ کسی سے کبھی کچھ نہ مانگوں گا۔ تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

[۱] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں جو ہر وقت درگاہ اقدس میں حاضر رہتے اور وقت بے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور سفر و حضر میں آپ کی خدمت میں موجود رہتے تھے۔

[۲] ان الفاظ میں درحقیقت اس امر کی انتہائی تاکید و وثوق ہے کہ اُسے جنت ضرور مل کر رہے گی کہ اللہ کا حکم ایسا ہی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ صادق ہے اور انبیاء علیہم السلام کسی وقت کسی مخصوص طاعت پر باذن الٰہی ضامن بن جایا کرتے ہیں اور ذوالکفل کہ انبیاء میں سے ایک نبی ہیں، اسی وجہ سے انکو ذوالکفل کہا گیا کہ وہ اپنی امت کے لیے بہشت کے ضامن بن گئے تھے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَيَّ اَنْ لَّا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهُ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا پابند کرنے کے لیے بلایا کہ تم کسی سے کوئی چیز نہ مانگنا۔ میں نے عرض کیا ہاں میں نے یہ شرط تسلیم کی کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا۔ آپ نے فرمایا جب تیرے ہاتھ سے چابک گر جائے تو وہ بھی کسی سے نہ مانگنا بلکہ خود سواری سے اتر کر اسے پکڑنا۔[۱]

(امام احمد)

[۱] یہ کسی سے ترک سوال ترک طلب میں کمال مبالغہ کا بیان ہے۔

بَابُ الْاِنْفَاقِ وَكَرَاهِيَةِ الْاِمْسَاكِ

مال خرچ کرنے اور بخل کے ناپسند ہونے کا باب

لفظ انفاق کا معنیٰ ہے مال دینا اور خرچ کرنا۔ امساک کا معنیٰ ہے مال محفوظ رکھنا اور اس کے خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا ممسک بمعنیٰ بخیل۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں انفاق و امساک سے غیر زکوٰۃ میں سے مراد ہے اسی لیے لفظ کراہیت استعمال فرمایا اور زکوٰۃ اور اس کے احکام گزشتہ صفحات میں ذکر فرمائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مطلقاً صفت انفاق کی مدح اور بخل و امساک کی مذمت مراد ہو خواہ فرض ہو یا نفل۔ اس باب میں مذکورہ احادیث کا سیاق، سخاوت و انفاق مال اور کچھ باقی نہ رکھنے کی مدح کو ظاہر کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَّعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو یہ بات میرے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزرتیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی پڑتا ہوتا۔ مگر اتنا مال جو میں ادائیگی قرضہ کے لیے رکھ چھوڑتا۔[1] (بخاری شریف)

[1] اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت سخاوت اور امت کو سخاوت کی ترغیب و تحریص کا بیان ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَّوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دن نہیں جس میں لوگ صبح کرتے ہیں مگر دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کی جگہ اور دے اور زیادہ دے۔ اور دوسرا کہتا ہے یا اللہ بخیل کے مال کو ہلاک و برباد کر۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسماء خرچ کر اور شمار نہ کر کر کتنا دوں اور کیا دوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن کر نہ دے[2] اور مال کو بچا کر نہ رکھ کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے بچا بچا کر دے[3] بلکہ جو کچھ دے سکتی ہے دیا کر۔[4] (بخاری ومسلم)

[1] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ ہیں آپ صحابیات میں سے ہیں۔ آپ کے فضائل ومناقب بہت ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ کے گن کر دینے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے برکت اٹھا لینا اور اس میں اضافہ اور زیادتی کا دروازہ بند کر دینا۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا حساب لے گا۔ تاہم پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ توعی آیا ہے جو ایعاء سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو برتن میں ڈال کر اس کی حفاظت کرنا یہاں بخل کرنا اور خرچ نہ کرنا مراد ہے۔

[4] حدیث میں واقع لفظ ارضخ (رضاد وخاء سے) یعنی تھوڑی سی چیز دینا مراد یہ ہے کہ اگر تھوڑی سی چیز بھی ہو تو وہ بھی راہ خدا میں دے دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں حضرت اسماء کی حالت وقدرت بھی مستحضر تھی کہ خاوند کے مال سے بلا اجازت تھوڑی چیز ہی دے سکتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خرچ کر آدم کے بیٹے تاکہ میں تجھ پر خرچ کروں۔[1] (بخاری ومسلم)

[1] یعنی تاکہ میں تجھ پر انعام واکرام کروں۔ کیونکہ انفاق (راہ خدا میں خرچ کرنا) نعمت مال کا شکر ہے۔ اور شکر مزید نعمت ملنے کا سبب وذریعہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَیْرٌ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے اگر تو زائد مال خرچ کر دے

لَكَ وَ اَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ وَ لَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو وہ تیرے لیے بہتر ہے[1] اور اگر اس میں بخل و کنجوسی کرے گا تو وہ تیرے لیے برا ہے۔ اللہ بقدر ضرورت پاس رکھنے پر تیری کوئی ملامت نہ کی جائے گی۔[2] اور خرچ کی ابتدا اپنے عیال سے کر۔[3]

(مسلم شریف)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بھی حدیث قدسی ہے۔ اگرچہ اس میں لفظ حدیث صراحتہً وارد نہیں ہے۔ مگر یہ بات اس کو مستلزم نہیں کہ یہ حدیث قدسی ہی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لفظ کے ساتھ خطاب کرنے کے اہل ہیں چنانچہ فرمایا اے بندے تیرا ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے۔ بذل کا معنیٰ ہے مال لٹا دینا اور اسے محفوظ کر کے نہ رکھ چھوڑنا۔

[2] یعنی اگر بقدر ضرورت مال اپنے پاس رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی اتنی مقدار شے جو بھوک اور سوال سے بچائے رکھے اور یہ چیز اشخاص و افراد کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ اور زمانہ و حالات کے اعتبار سے بھی ان میں فرق ہوتا ہے۔

[3] یعنی بقدر ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی ابتداء اپنے عیال سے کر کہ نفقہ واجبہ سے زیادہ اور فراخ دلی سے ان پر خرچ کر۔ اور اگر ان سے بھی بچ جائے تو پھر اس میں سے بیگانوں کو بھی دے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَ الْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَ تَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَ جَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَ اَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کا حال دیکھو ان دو شخصوں کی طرح ہے جن پر لوہے کی دو زرہیں[1] ہوں۔ جنہوں نے ان کے دونوں ہاتھ ان کے پستانوں اور گلے کی ہڈیوں کے ساتھ باندھ رکھے ہوں۔[2] ان میں سے ایک نے تو صدقہ کرنا شروع کیا جیسے جیسے وہ صدقہ کرتا گیا اسی قدر اس کی زرہ ڈھیلی اور فراخ ہو گئی۔ اور بخیل نے جب صدقہ کا ارادہ کیا تو وہ زرہ اس پر اور تنگ ہو گئی اور اس کا ہر حلقہ اپنی جگہ اور مضبوط ہو گیا۔[3]

(بخاری و مسلم)

لے یہاں حدیث میں لفظ جُنّتان آیا ہے۔ اس کا مفرد جُنَّۃ ہے (جیم کی پیش نون مشدد) بمعنی زرہ اور ایک روایت جبتان بھی آئی ہے (یعنی جیم اور با کے ساتھ) مگر روایۃً اور درایۃً نون والی روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جبہ لوہے کا نہیں ہوتا۔

لے یعنی ان زرعوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے۔ حدیث میں واقع لفظ اضطرار دراصل احتیاج اور بے اختیار ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں ان کا متصل ہونا اور چپٹنا مراد ہے۔ پھر حدیث میں واقع لفظ ثَدْی ثا کی زبر دال ساکن بمعنی پستان ہے اور یہ مرد و عورت دونوں کے ہوتے ہیں اور ثُدِیّ (ثا کی پیش دال کی زیر یا کی شد سے) اس کی جمع ہے۔ یہاں جمع اور مفرد دونوں طرح مروی ہے۔ مگر جمع کی روایت اکثر و زیادہ ظاہر ہے۔ اور لفظ تَرَاقِیْ تَرْقُوَۃٌ کی جمع ہے۔ (تا کی زبر را ساکن قاف کی پیش) بمعنی گلے اور کندھے کے درمیان کی ہڈیاں۔ اور یہ دونوں طرف صرف دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ ان کے اطراف و جوانب کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔

سے اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ سخی اور جواد انسان جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس کا سینہ فراخ و کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت و طاعت اختیار کرتے ہوئے عطا و سخاوت کرنے کی طرف دراز ہو جاتے ہیں اس کے برعکس بخیل کا سینہ صدقہ کے ارادے سے ہی تنگ ہونے لگتا ہے، اور اس کے ہاتھ دراز ہونے کے بجائے تنگ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہاں حدیث میں انسان کو زرہ پہننے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی تاکہ اس جانب اشارہ ہو جائے کہ بخل و کنجوسی گویا انسان کی جبلت و فطرت میں داخل ہو چکی ہے سا سے خوب سمجھو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمٰتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے پرہیز کرو[1] کیونکہ روز قیامت ظلم تاریکیاں بن کر سامنے آئے گا اور کنجوسی سے بچو[2] کیونکہ کنجوسی نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک و تباہ کیا کنجوسی نے انہیں لوگوں کی خونریزی پر آمادہ کیا اسی وجہ سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو انہوں نے حلال گردان لیا[3]۔

(مسلم شریف)

لے ظلم کا لفظ گناہوں کی تمام اقسام و انواع کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے اگلے جملے میں لفظ ظلمات جمع آیا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ایک ظلم بھی قیامت کے دن بہت سی تہ بر تہ ہولناک تاریکیوں اور شدتوں کا سبب بنے گا۔ لغۃً ظلم کا معنیٰ ہے وضع الشیء فی غیر محلہ یعنی شی کو اس کی غیر مناسب جگہ میں رکھنا۔ مگر اس کا غالب استعمال مخلوق پر زیادتی و شرارت میں ہوتا ہے۔

ــ۲ شُحّ یعنی شدت بخل و حرص۔ اس سے بچنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ بھی ظلم کے اقسام اور اس کی شدید ترین انواع میں سے ہے۔ کیونکہ حب دنیا اور نفسانی شہوات کا نتیجہ یہی ظلم ہے۔

ــ۳ اللہ تعالٰی نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی معاصی اور خطائیں، انہیں حلال ٹھہرانے والا بھی یہی بخل ہی ہے۔ یہ بخل خونریزی اور حرام کو حلال کرنے کا باعث اس وجہ سے ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنا اور دوسروں سے ہمدردی و شفقت ذریعہ نجات اور ایک دوسرے سے بہتر تعلقات استوار کرنے کا موجب ہے اس کے برعکس بخل و کنجوسی ایک دوسرے سے دور رہنے اور قطع تعلق کا سبب ہے اور یہ چیز آپس میں دشمنی اور عداوت کا باعث ہے۔ جس سے انجام کار آپس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ علماء نے شح کی تفسیر بخل سے کی ہے۔ بعض نے کہا شح اس بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص بھی پائی جاتی ہو۔ بعض نے کہا بخل اس کنجوسی کو کہتے ہیں جو افراد امور میں پائی جاتی ہے۔ اور شح وہ کنجوسی ہے جو عام ہو اور تمام امور میں پائی جاتی ہو یعنی بخل وہ کنجوسی ہے جو بعض چیزوں میں پائی جاتی ہے اور شُح وہ کنجوسی جس کا مظاہرہ ہر چیز میں کیا جائے۔ بعض نے کہا بخل کا تعلق مال سے ہوتا ہے اور شح وہ کنجوسی جو مال میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسری چیزوں میں بھی۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شح ایک جبلی چیز ہے جو انسان کی سرشت میں پائی جاتی ہے اور یہ وصف لازم کی طرح ہے اور اس کا مرکز انسان کا نفس امارہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (نفوس امارہ کی سرشت میں بخل و کنجوسی رکھ دی گئی ہے) اس بارے میں ممنوع یہ ہے کہ بندہ اس مرض کو اپنے عرشی صفت قلب پر غالب نہ آنے دے اور احکام ایمان سے اسے روکنے کا ذریعہ نہ بننے دے کیونکہ اس صورت میں انسان طاعت و فرمانبرداری میں کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ چشم پوشی اختیار نہیں کرتا۔ اور حکم خداوندی کے لیے اپنے آپ کو مطیع و منقاد نہیں کرتا۔ اور یہ شُحّ (کنجوسی) حرص و شہوت کی طرح نفوس کی سرشت میں پائی جاتی ہے۔ تاکہ بندہ کو آزمائش میں ڈالا جائے۔ پھر نظام عالم کی مصلحت اور تعمیر و آبادی بھی اس میں مضمر ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالٰی کے نزدیک بڑی بری ہے کہ یہ حرص و کنجوسی اس کے عرشی قلب پر غالب آجائے اور اس پر قبضہ کرے۔ اور دل اس کا مطیع ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک شُحٌّ مُطَاعٌ (یہ حالت بہت بری ہے کہ بندہ بخل و کنجوسی کے تابع و مطیع ہو جائے) سے یہی مراد ہے۔ یہ امام توربشتی کے کلام کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ يَمْشِيْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا يَقُوْلُ	حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ایک آدمی صدقہ دینے کے لیے چلے گا تو وہ ایسا شخص (مسکین و فقیر) نہ پائے گا جو اسے قبول کرے اور

الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ صدقہ نہ قبول کرنے والا کہے گا اگر تو کل یہ صدقہ لے کر آتا میں قبول کر لیتا لیکن آج مجھے اس کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں۔[۲]
(بخاری ومسلم)

[۱] حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ماں کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہ حالت آخر زمانہ (زمانہ امام مہدی علیہ السلام) میں ہو گی۔ جیسا کہ باب اشراط الساعۃ میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجر وثواب والا صدقہ[۱] کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا اس حال میں صدقہ کرنا کہ تو صحیح وتندرست ہو جبکہ تیرے اندر مال کی حرص موجود ہو اور تو تونگر بننے کا امیدوار ہو اور تجھے فقر ومحتاجی کا ڈر ہو[۲]۔ صدقہ کرنے میں اس حالت تک دیر وتوقف نہ کر یہاں تک تیری جان گلے میں آ پہنچے۔ اس وقت تو کہنے لگے فلاں کے لیے اتنا مال فلاں کے اتنا مال کہ اب تو وہ فلاں کے لیے[۳] ہو گیا۔
(بخاری ومسلم)

[۱] حدیث میں واقع لفظ تصدق تا اور دال کی زبر سے۔ اصل میں تتصدق تھا۔

[۲] یعنی کہ تو صحت وتندرستی کی حالت میں صدقہ کرے تجھے اپنی صحت کی بنا پر زندہ رہنے اور دراز عمر پانے کی امید ہو۔ اس حالت کی موجودگی کی وجہ سے انسان بخل سے کام لیتا ہے کہ اگر مال راہ خدا میں دے دیا تو محتاج وفقیر نہ ہو جاؤں۔

[۳] ولا تمہل لام کی زبر اور جزم دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یعنی تاخیر وتوقف نہ کرنا یا تاخیر وتوقف نہ کر۔

[۴] شارحین کرام نے کہا کہ فلاں اول اور فلاں ثانی سے مراد وہ شخص ہے جن کے لیے مرنے والا وصیت کرتا ہے اور فلاں اخیر سے وارث مراد ہے۔ یعنی مرنے کے وقت تو وہ مال وارث کا ہو جاتا ہے کہ جب وصیت کا تعلق وارث

کے مال سے ہو تو وارث کو حق پہنچتا ہے کہ میت کی وصیت کو جائز قرار دے یا اسے باطل کر دے یعنی انسان بخل کرتا ہے تا آنکہ موت کو آ جاتا کتا ہے۔ اس وقت صدقہ کرتا ہے اس مال کو جس سے وارث کا حق متعلق ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تینوں جگہ لفظ فلاں سے موصٰی لہ (جن کے لیے وصیت کی گئی ہو) مراد ہو۔ اور لفظ کان لانے سے جو مفید ثبوت و قرار ہے، اس جانب اشارہ ہو کہ اب جو مال جس کے لیے مقدر ہو چکا ہے اسے مل کر رہے گا۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ کچھ مال وصیت کے طور پر دینا چاہے اور کچھ بشکل اقرار۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اُنْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا وَهٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا جب کہ آپ کعبہ معظمہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے جب مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم وہی لوگ سخت نقصان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا کون لوگ۔ فرمایا جو بہت مالدار ہیں۔ مگر وہ جو اس طرح کرے[۱] تین بار فرمایا اپنے سامنے اپنے پیچھے کی طرف دائیں اور اپنے بائیں۔ اور ایسا کرنے والے تھوڑے ہوتے ہیں[۲] (بخاری ومسلم)

[۱] یعنی جو مال خرچ کرے۔ اور اپنا مال اس طرح دوسروں کی طرف پھینک دے۔ یعنی ہر طرف اور ہر جانب جیسا کہ آپ نے خود اس کی تفسیر اپنے قول مبارک من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ سے کی یعنی اپنے سامنے کے لوگوں کو دیتا ہے اور اپنے پیچھے کے لوگوں کو دیتا ہے اسی طرح اپنے دائیں اور بائیں رہنے والے لوگوں کو دیتا ہے۔

[۲] یعنی اس طرح دینے اور کرنے والے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہاں حدیث کا لفظ قال فعل کے معنی میں ہے، اور عرب لفظ قول کا اطلاق تمام افعال پر کرتے ہیں۔ جیسے قال بیدہ اس نے اپنے ہاتھ سے کیا یعنی پکڑا۔ قال برجلہ یعنی وہ اپنے پاؤں سے چلا۔ اس طرح کے اطلاقات احادیث میں بہت آئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَ الْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ لَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی اللہ کے قریب[1] جنت کے قریب[2] اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے[3] اور آگ سے دور ہوتا ہے[4] اس کے برعکس) بخیل انسان اللہ سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور اور آتش دوزخ کے قریب ہوتا ہے[5]۔ اور سخی جاہل عابد بخیل سے اللہ کو زیادہ پیارا ہے[6]۔

(ترمذی شریف)

[1] اللہ کے قریب ہے یعنی اس کی رحمت اور رضا کے قریب ہے۔

[2] جنت کے قریب ہے کہ اس میں داخل ہوگا۔

[3] یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے۔

[4] یعنی جب کہ وہ جنت سے قریب ہے تو لامحالہ دوزخ سے دور ہوگا۔

[5] اس حدیث میں سخاوت کی بہت مدح اور بخل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سخاوت و بخل ادائے زکوٰۃ میں مراد ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ مطلق انسان ان دو صفتوں میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہوتا ہے۔

[6] جاہل سخی اور عابد بخیل کا مقابلہ ظاہراً اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ جاہل سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ غیر عابد سخی عابد بخیل سے محبوب تر ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس طریقہ پر چلنا اختصار عبارت کے ساتھ دونوں معنوں کو شامل ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کا اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرنا موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے

يَتَصَدَّقَ بِمِائَةٍ عِنْدَ مَوْتِهِ۔ — سے بہتر ہے[1]

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد شریف)

[1] جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِيْ يَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَوْ يُعْتِقُ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ إِذَا شَبِعَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو موت کے وقت صدقہ کرتا یا غلام آزاد کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس نے پہلے خود سیر ہو کر کھایا پھر باقی کھانا کسی کو ہدیہ کر دیا۔

(احمد، نسائی، دارمی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔)

[1] کہ اب کھانے کی خود حاجت نہ رہی تھی (یعنی اس صورت میں ثواب کم ہے)

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عادتیں ایسی ہیں کہ مومن میں یک وقت جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بدخلقی[1]

(ترمذی شریف)

[1] ان دو صفتوں کے جمع ہونے کی نفی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک صفت مومن میں موجود ہو سکتی ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں کا بیک وقت جمع ہونا مراد ہے یا ان دو کا انتہائی درجہ تک پہنچنا مراد ہے۔ اس حد تک کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکیں اور ان سے موصوف انسان ان پر راضی اور خوش بھی ہو اور اگر کبھی بدخلقی کا مظاہرہ کرے اور بخل اختیار کرے اور نادر اور بہت کم پھر ایسا ہونے پر پشیمان اور نادم بھی ہو اور اپنے نفس کو ملامت اور اس پر نفس سے جھگڑا کرے تو یہ حالت مسلمان کے خلاف نہیں کہ کئی ایسے مسلمان ہوتے ہیں کہ اس بری حالت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ الا یہ کہ نکرہ (مومن) کے مقام نفی میں واقع ہونے کی بنا پر جو مفید عموم ہے، مومن کامل مراد ہو۔ کہ یہ دونوں عادتیں مومن کامل کی مسلمانی کے منافی ہیں۔ اگرچہ اس عبارت سے یہ معنیٰ مراد لینا قدرے بعید ہے۔ یا اس معنی کی حقیقت یہ ہے کہ ان دو صفات کے افعال و آثار کا صدور مومن سے نہ ہونا چاہیے اور ایک مسلمان کو ریاضت و مجاہدہ سے انہیں دور کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور ان کو باقی رکھنے اور ان پر راضی ہونے سے باز رہنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ صفات مذمومہ مومن کی شان کے خلاف ہیں اس میں موجود نہیں ہونی چاہیں یعنی بدخلقی سے مراد وہ برائیاں ہیں جو دین و شریعت کے خلاف ہیں اس میں موجود نہیں ہونی چاہیں۔

وہ بدخلقی مراد نہیں جو لوگوں میں مشہور و متعارف ہے یعنی معاملات زندگی میں نرم مزاجی اور چشم پوشی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے لیے کسی سے بغض رکھنا اور سختی سے پیش آنا تو مسلمانی کے اقویٰ ارکان میں سے ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نہ داخل ہوگا فریبی اور بخیل اور احسان جتلانے والا۔[1]

(ترمذی شریف)

[1] یعنی تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے ایک فریبی۔ دوسرا بخیل۔ تیسرا احسان جتلانے والا۔ یہاں حدیث میں لفظ خبٌّ آیا ہے۔ خا کی زیر اور زبر سے یعنی فریب و دھوکا دینے والا۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ المنافق خب لئیم۔ کہ منافق فریبی اور منحوس ہوتا ہے۔ دوسرا بخیل جو خدا تعالےٰ کے حقوق کی ادائیگی اور فقرا و مساکین سے ہمدردی و شفقت کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ تیسرا شخص منّان نون کی شد سے یعنی عطا کرنے کے بعد احسان جتلانے والا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَن سے کاٹنا اور توڑنا مراد ہو یعنی حق کو کاٹنے والا اور اسے خیانت کے ذریعے توڑنے اور برباد کرنے والا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کاٹنے سے اپنے رشتہ داروں اور عام مسلمانوں سے رشتہ محبت و دوستی کو کاٹنا اور ان سے قطع تعلق کرنا مراد ہو کہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ رشتہ دوستی و محبت استوار رکھنا لازم و ضروری ہے۔ اس طرح کی احادیث کی وضاحت و تاویل اُن دلائل کی روشنی میں جو گناہگاروں کے مومن ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اصول کلام میں ہوچکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترہیب اور خوف باقی رکھنے کی غرض سے ایسے مواقع میں قول مجمل پر کفایت فرمائی ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں بُری عادات اختیار کرنے اور گناہوں کے مرتکب ہونے کا ڈر موجود رہے۔ اور وہ ایسی غلطیوں میں نہ پڑیں جو ان کے لیے نقص و عیب کا سبب بنتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے علماء راسخین کے فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اجمال سے کام لیا ہے آپ کو پتہ تھا کہ میری امت کے علماء محققین میرے اشارات کا اصول دین کی روشنی میں صحیح مطلب و معنیٰ لوگوں کو بتادیں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ ھَالِعٌ وَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد میں بدترین عادتیں جو ہوسکتی ہیں یہ ہیں۔ انتہائی

جُبْنٌ خَالِعٌ وَ سَنَذْكُرُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَ الْإِيمَانُ فِي كِتَابِ الْجِهَادِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔

بے صبری میں مبتلا کرنے والا بخل اور جان نکال لینے والی بزدلی۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لایجتمع الشح والایمان کتاب الجہاد میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

۱؎ یعنی خرچ کرنے کے وقت انتہا درجے کا بخل یہاں حدیث میں لفظ ہالع آیا ہے جو ہلع سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے تکلیف پہنچنے پر سخت شور مچانا اور واویلا کرنا۔ اور لفظ شح کا ترجمہ دوسری حدیث گزشتہ میں مذکور ہو گیا ہے۔ حدیث میں واقع دوسرا لفظ جبن خالع ہے جس کا معنیٰ ہے ایسی بددلی اور بزدلی جو شدت خوف کی بنا پر بدن سے جان ہی کھینچ لے۔ مطلب یہ کہ بخل شدید اور سخت بزدلی یہ دونوں بدترین عادتیں ہیں۔

۲؎ یعنی جس حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ لایجتمع الشح والایمان۔الخ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ بَعْضَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا أَسْرَعُ بِكَ لُحُوقًا قَالَ أَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَأَخَذُوا قَصَبَةً يَذْرَعُونَهَا وَ كَانَتْ سَوْدَةُ أَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ أَنَّمَا كَانَ طُولُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَ كَانَتْ أَسْرَعَنَا لُحُوقًا بِهِ زَيْنَبُ وَ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے حضور سے عرض کیا ہم میں سب سے جلدی کون آپ سے آکر ملے گی (کس کا وصال سب سے پہلے ہوگا) آپ نے فرمایا جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لمبا ہے تو انھوں نے ہاتھوں کی پیمائش کے لیے ایک کانا لیا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ ان سب سے لمبے اور دراز تھے۔ مگر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہاتھ کی درازی سے صدقہ مراد ہے اور آپ کے ساتھ ملنے میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والی حضرت زینب تھیں اور آپ صدقہ و خیرات کرنا پسند کرتی تھیں۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

وَ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم

وَسَلَّمَ اَسْرَعُکُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا فَالَتْ وَ کَانَتْ یَتَطَاوَلْنَ اَیَّتُھُنَّ اَطْوَلُ یَدًا قَالَتْ فَکَانَتْ اَطْوَلَنَا یَدًا زَیْنَبُ لِاَنَّھَا کَانَتْ تَعْمَلُ بِیَدِھَا وَ تَتَصَدَّقُ۔

میں سے میرے ساتھ ملنے میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والی وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ دراز ہیں اور ازواج مطہرات آپس میں ایک دوسری کے ساتھ جھگڑا کرتی تھیں کہ ان میں کس کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت زینب کے ہاتھ ہم میں سب سے زیادہ دراز تھے۔ کیونکہ آپ اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں ؎

سلہ یعنی حضرت عائشہ جو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ کہ بعض ازواج نے آپ سے کہا اور دریافت کیا۔

سلہ یعنی یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں پہلے کونسی بیوی وصال کرے گی۔

سلہ یعنی تم میں سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی وہ ہو گی جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

سلہ یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہ ان کے ہاتھ سب ازواج مطہرات سے زیادہ دراز تھے۔

ھہ یعنی بعد میں ہمیں علم ہو گیا کہ ہاتھوں کے دراز ہونے سے جن کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور فرمایا کہ دراز ہاتھوں والی بیوی سب سے پہلے مجھے آکر ملے گی، صدقہ و خیرات مراد ہے یعنی اگرچہ پہلے ہم نے ہاتھ کی لمبائی سے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی تھی۔ مگر پھر غور و فکر کرنے اور قرینہ واقعہ سے ہمیں پتہ چل گیا کہ درازی ہاتھ سے کثرت صدقہ و انعام مراد ہے کہ یہ نعمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

سلہ یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کہ آپ نے ۲۰ھ یا ۲۱ھ ہجری مقدسہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وصال فرمایا۔

ےہ کہ آپ اپنے دست مبارک سے بہت کام کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں اس روایت سے صراحۃً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے ازواج مطہرات نے ہاتھوں کی ظاہری درازی خیال کی تھی۔ پھر انہیں پتہ چلا کہ اس سے کثرت عمل و صدقہ مراد ہے۔ شاید کہ انہوں نے اول اول یہی معنی سمجھا ہو اس کے بعد تحقیق کی ہو اور معلوم ہوا ہو کہ وہ حضرت زینب ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔

واضح ہو کہ حدیث مشکوٰۃ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے جس زوجہ مطہرہ نے سب سے پہلے وصال فرمایا اور آپ سے جا کر ملیں وہ حضرت زینب تھیں اور یہی بات صحیح اور اہل علم کے ہاں مشہور و معروف اور اہل تاریخ کے ہاں متفق علیہ ہے۔ بعض نے کہا وہ حضرت زینب نہیں بلکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ صحیح بخاری کی عبارت سے بھی یہی وہم ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی تاریخ صغیر میں انہوں نے اس کی تصریح کر دی۔ علماء نے کہا کہ یہ امام بخاری کی خطا ہے کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۴ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا شرح طیبی میں یہ بیان زیادہ تفصیل سے

مذکور ہو چکا ہے۔ اس میں غور سے کام لو۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى سَارِقٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى غَنِيٍّ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا۔ تو وہ صدقہ لے کر نکلا ایک چور کے ہاتھ پر جا کر رکھ دیا لوگوں نے باتیں کرنا شروع کیں کہ آج رات ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے اس شخص نے ان کی باتیں سن کر کہا اللّٰھم لک الحمد علی سارق اے اللہ تیرے لیے ہی حمد وثنا ہے چور کے ہاتھ میں صدقہ دینے پر۔ پھر اس نے کہا البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا۔ پھر وہ صدقہ لے کر نکلا اور صدقہ کی چیز ایک زانیہ عورت کے ہاتھ پر رکھ دی۔ لوگوں نے صبح کو یہ باتیں شروع کر دیں کہ آج رات ایک زانیہ عورت کو صدقہ دیا گیا ہے اس نے کہا اللّٰھم لک الحمد علی زانیۃ اے اللہ تعالیٰ تیرے لیے ہی حمد وثنا ہے ایک زانیہ عورت کو صدقہ مل جانے پر اس نے پھر کہا البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا چنانچہ وہ پھر صدقہ لے کر گھر سے نکلا۔ اور ایک غنی کے ہاتھ پر جا کر رکھ دیا۔ لوگوں نے صبح کو پھر باتیں شروع کر دیں کہ آج رات ایک غنی انسان کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس صدقہ کرنے والے نے کہا اللّٰھم لک الحمد علی سارق وزانیۃ وغنی پھر اس صدقہ کرنے والے کو ایک خواب آیا جس میں اسے کہا گیا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا تو شاید وہ اس وجہ سے کہ آئندہ کے لیے وہ چوری سے بچ جائے۔ اور زانیہ عورت کو تیرا صدقہ دینا تو شاید وہ اس کی وجہ سے آئندہ کے لیے وہ زنا اور بدکاری سے بچ جائے۔ اور غنی کو تیرے صدقہ سے فائدہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ بھی عبرت گیر ہو کر راہ خدا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)

میں سے خرچ کرنا شروع کر دے اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لے یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھے۔

۲ے اس نے یہ الفاظ نذر یا قسم کے طور پر کہے۔

۳ے لوگوں نے یہ باتیں ایک چور کو صدقہ دینے پر تعجب انکاری کے طور پر کہیں۔

۴ے۔ اس شخص نے یہ کلمہ شکر کے طور پر کہا کہ چلو کچھ بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے کی توفیق تو دیدی۔ یا اس نے یہ کلمہ تعجب کے طور پر کہا۔ یا اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے کہا۔

۵ے۔ یعنی اس سے نفع ہوگا۔ یہ صدقہ بے فائدہ نہیں۔

۶ے۔ یعنی کم از کم اس دن تو شاید چوری کرنے سے بچا رہے گا کیونکہ اسے دن کی روزی تو مل گئی۔ لہٰذا آج چوری چکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۷ے۔ اور میرے صدقہ پر قیاس کر کے وہ بھی راہ خدا میں صدقہ کرنا شروع کر دے۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ الْإِسْمُ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي فَقَالَ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اس اثنا میں کہ ایک شخص جنگل لے میں کھڑا تھا۔ کہ اس نے ابر میں آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر۔ اس آواز پر وہ ابر ایک طرف کو ہوا اور اپنا پانی ایک پتھریلی زمین پر انڈیل دیا۔ پھر اچانک پانی کے راستوں میں سے ایک راستہ نے اس سارے پانی کو جمع کیا تو شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چل پڑا (آگے جا کر) کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور پانی کو اپنے بیلچے کے ساتھ ادھر اُدھر پھیر رہا ہے۔ پانی کے ساتھ ساتھ جانے والے شخص نے کہا اے اللہ کے بندے تیرا کیا نام ہے اس نے کہا میرا وہی نام ہے جو تو نے ابر کے اندر سنا پھر اس پانی کے ساتھ آنے والے شخص سے پوچھا اے اللہ کے بندے تو مجھ سے میرا نام کیوں دریافت کرتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے، سنا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں آدمی تیرا نام لے کر) کے باغ کو سیراب

إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هٰذَا مَاؤُهُ يَقُولُ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا قَالَ أَمَا إِذَا قُلْتَ هٰذَا فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ وَ آكُلُ أَنَا وَ عِيَالِي ثُلُثًا وَ أَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کرے۔ تو اپنے باغ میں کیا کرتا ہے اس آدمی نے کہا جب تو نے مجھ سے پوچھا ہی ہے تو (بات یہ ہے) کہ جو کچھ اس باغ سے برآمد ہوتا ہے میں اسے نگاہ رکھتا ہوں۔ پھر اس آمدن کا تیسرا حصہ فقراء میں صدقہ کرتا ہوں۔ ایک حصہ میں اور میرا عیال کھاتا ہے۔ اور ایک حصہ پھر اس باغ کی طرف لوٹاتا ہوں۔

مسلم شریف

۱ے یعنی ایک شخص صحرا اور کشادہ جنگل میں کھڑا ہے۔

۲ے حدیث میں لفظ حدیقہ آیا ہے بمعنی سبزہ زار یا درخت اور کھجوریں وغیرہ۔

۳ے یہاں حدیث میں لفظ حَرَّۃ آیا ہے (حا مہملہ کی زبر اور شد کے ساتھ) اس حدیث میں دوسرا لفظ شَرجۃ آیا ہے (شین کی زبر اور رجیم) بمعنی پانی کا وہ راستہ جو پتھریلی زمین میں سے گزر کر نرم زمین میں پہنچتا ہو۔ اس کی جمع شراج و شروج آتی ہے

۴ے یعنی وہ شخص جس سے بادل میں آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چل پڑا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ پانی کدھر جاتا ہے اور یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ وہ آدمی جس باغ میں یہ پانی بھیجا گیا ہے، کون ہے اور کہاں ہے۔

۵ے یہاں حدیث میں لفظ مِسحاۃ آیا ہے (میم کی زبر سین ساکن اور حا مہملہ) بمعنی لوہے کا بیلچہ۔

۶ے یعنی اس شخص نے جو باغ میں کھڑا تھا اس شخص سے کہا جس نے اس کا نام دریافت کیا تھا اور ابر میں اس کے نام کی آواز سنی تھی۔

۷ے جس کی وجہ سے تجھے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کہ عالم غیب میں تیرا نام لیا جا رہا ہے اور بادلوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جاؤ اور فلاں کے باغ کو پانی دو۔

۸ے یعنی از خود حقیقتِ حال ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور نہ تجھے بتانا چاہتا ہوں مگر جب کہ تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو میں اس حقیقت کو واضح کرتا ہوں۔

۹ے یعنی میں باغ کی آمدنی کے تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ فقراء کو دیتا ہوں۔ دوسرا حصہ اپنے اور عیال کی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں۔ اور تیسرا حصہ پھر اس باغ کی ضروریات میں صرف کرتا ہوں۔

وَعَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے

ثَلٰثَةً مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ اَعْمٰى فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ اِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاَتَى الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَّ جِلْدٌ حَسَنٌ وَّ يَذْهَبُ عَنِّيَ الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِيَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَ اُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَّ جِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْاِبِلُ اَوْقَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ اَوِ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَ قَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَآءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَّ يَذْهَبُ عَنِّيْ هٰذَا الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَ اُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰى فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ

کہ بیشک بنی اسرائیل میں تین شخص تھے۔ ایک کوڑھی۔ دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کرنا چاہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پیاری لگتی ہے اس نے کہا اچھا رنگ اور خوبصورت چمڑہ اور یہ کہ وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے (کوڑھ) جس کے باعث لوگ مجھے پلید اور ناپسند خیال کرتے اور مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر فرشتے نے اس کے اعضاء پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کے جسم پر سے پلید اور نفرت دلانے والی چیز (کوڑھ) دور ہو گئی اور اسے اچھا رنگ اور جسم کی خوبصورتی عطا کر دی گئی پھر اس فرشتے نے کہا تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے۔ اس نے جواب دیا اونٹ یا گائے۔ یہ اسحاق کا شک ہے مگر کوڑھی یا گنجے میں سے ہی ایک نے کہا مجھے اونٹ اور دوسرے نے کہا مجھے گائیں پسند ہیں تو اونٹ مانگنے والے کو ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دیدی گئی اور کہا اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا کرے۔ پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پسند پیاری ہے۔ اس نے کہا خوبصورت بال۔ اور یہ کہ مجھ سے وہ چیز (گنجے پن کی بیماری) دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے نفرت کی نگاہ دیکھتے اور مکروہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو فرشتہ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس سے گنجے پن کی بیماری مکمل طور پر دور ہو گئی۔ فرمایا کہ اسے خوبصورت بال عطا کر دیئے گئے۔ فرشتے نے کہا تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا گائے تو ایک حاملہ گائے دیدی گئی (ساتھ ہی) فرشتے نے دعا کی اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے

قَالَ اَنْ يَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَاُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَاُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهٗ اَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَهَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِيْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهٗ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ اِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی واپس کردے کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ حضور نے فرمایا تو فرشتہ نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کردی۔ فرشتے نے کہا تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا بکریاں۔ تو اسے بچہ جننے والی بکری دیدی گئی۔ اونٹ اور گائے والے دونوں حضرات کے ہاں بچے پیدا ہوئے۔ اور بکری والے ہاں بکری نے بچہ دیا۔ چنانچہ اونٹ والے کے پاس اونٹوں کی ایک وادی بھر گئی۔ گائے والے کے لیے گایوں کی وادی بھر گئی اور بکری والے لیے بکریوں کی وادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس اپنی پہلی صورت و ہیئت میں آیا اور کہا میں ایک مسکین و فقیر انسان ہوں۔ میرے سفر میں معاش کے اسباب ختم ہوچکے ہیں اس لیے (اپنی منزل تک) پہنچنے کی سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق و فضل کے کوئی صورت نہیں پھر تیری امداد و اعانت کے ساتھ۔ لہٰذا میں اس ذات کے نام سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اچھی کھال اور بہت سا مال عطا کیا۔ کہ مجھے ایک اونٹ دیدے جس کے ذریعے میں اپنا سفر طے کرسکوں۔ اس نے جواب دیا میرے ذمے اور بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا بیشک امر واقع یوں ہے کہ گویا میں تجھے جانتا ہوں۔ کیا تو پہلے کوڑھی نہ تھا لوگ تجھے پلید جانتے اور تجھ سے نفرت کرتے تھے تو فقیر اور محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت اور مال عطا کیا۔ اس نے کہا میں تو اپنے مال کا آباؤ و اجداد کی طرف سے وارث بنتا چلا آرہا ہوں۔ فرشتے نے کہا تو جھوٹا اور

فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ قَالَ وَ أَتَى الْأَعْمٰى فِي صُورَتِهِ وَ هَيْأَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَ ابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ دَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَ سَخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کاذب ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے کی طرح بنادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دوسرا) فرشتہ گنجے کے پاس آیا اپنی پہلی شکل وصورت میں۔ اور گنجے سے بھی اسی طرح کی بات کی جس طرح کی کوڑھی سے کی تھی۔ اور اسے بھی اسی طرح کا جواب دیا اور اس کی بات کو رد کیا جس طرح اس کوڑھی کو جواب دیا اور اس کی بات کا رد کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس اپنی پہلی صورت وہیئت میں آیا اور کہا میں ایک مسکین اور مسافر شخص ہوں۔ سفر کے اندر میرے اسباب معیشت اور مصارف سفر ختم ہوچکے ہیں، اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا مگر اللہ کی توفیق ومدد سے پھر تیری مدد واعانت سے میں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تیری بینائی تجھے واپس کی ایک بکری مانگتا ہوں جس کے ذریعے میں اپنا سفر طے کرسکوں۔ تو اس نابینا شخص نے بطور شکرانہ اظہار نعمت کرتے ہوئے کہا بیشک میں نابینا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی واپس کی تو جو لینا چاہتا ہے لے لے اور جو چھوڑنا چاہتا ہے چھوڑ جا اللہ کی قسم آج تو نے جو کچھ خدا کے لیے لیا ہے میں اس میں تجھے مشقت میں نہ ڈالوں گا (تجھے نہ روکوں گا) فرشتے نے کہا اپنا مال اپنے پاس روک رکھ کہ بیشک تمہیں تو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ (بخاری مسلم)

۱؎ کہ یہ لوگ میری نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

۲؎ یعنی یہ بیماری مجھ سے دور ہو جائے اور میں تندرست اور پاک وصاف ہو جاؤں یہاں حدیث میں لفظ یذھب ہے یا کی زیر اور پیش سے۔ اور لفظ قَذِرَنی ذال کی زیر باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے۔

۳؎ یعنی حضرت اسحاق راہویہ رحمۃ اللہ آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ہم عمر اور مجتہدین امت میں سے ہیں

۳ یعنی شک یقین میں ہے پھر ایک کے اونٹ کہنے اور دوسرے کے گائے کا نام لینے میں اس امر کی وضاحت ہے کہ ان دو کے علاوہ انہیں کوئی اور چیز پسند نہ تھی اور چونکہ اصل میں اونٹ کی روایت زیادہ مضبوط ہے اس لیے آگے فرمایا ۔ فَاُعْطِیَ نَاقَۃً عُشَرَاءَ کہ اسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دیدی گئی ۔

۵ لغت کی کتاب قاموس میں ہے عُشَرَاء عین کی پیش شین کی زبر آخر میں مد بمعنی وہ اونٹنی جسے حاملہ ہوئے آٹھ یا دس ماہ گذر چکے ہوں ۔ اس کا زیادہ تر اطلاق اونٹ اور گھوڑے پر ہوتا ہے ۔

۶ کہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھے نتائج و ثمرات سے بہرہ ور کرے ۔

۷ یہاں گائے کے لیے لفظ حامل استعمال کیا حاملۃ نہ کہا کیونکہ یہ لفظ مونث کے لیے ہی آتا ہے اس لیے اس میں مذکر و مونث دونوں طرح جائز ہے ۔

۸ یعنی ان دونوں کے اونٹ اور گائے نے بچے دیئے یہاں حدیث میں جو انتج آیا ہے اس کی تحقیق دوسرے مقام میں کردی گئی ہے ۔

۹ یاد رہے کہ عربی میں لفظ انتاج و تولید کا ایک ہی معنی ہے ۔ مگر انتاج کا زیادہ تر استعمال اونٹوں کے لیے ہوتا ہے اور تولید کا بکریوں میں ۔ پھر ناتج اور مولد کا معنی ہے جنے والا ۔ یعنی بچہ جننے کے کام کو سنبھالنے والا جس طرح انسان کے لیے دایہ ۔ اور اس میں کیا شک ہے مالک اپنے حیوانات و مویشیوں کے بچہ جننے کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے

۱۰ یعنی اس کی بکریاں بہت ہوگئیں جن سے وادیاں بھر گئیں ۔

۱۱ اس فرشتے کا ایک مسکین اور خستہ حال مسافر کی صورت میں آنا صدقہ کرنے سے انکار و منع کی مذمت و برائی کو زیادہ واضح کرتا ہے ۔

۱۲ یہاں حدیث میں لفظ حبال (با موحدہ کے ساتھ آیا ہے) حبل کی جمع ۔ بمعنی رسی اس سے مراد اسباب و ذرائع معیشت ہیں ۔ ایک روایت میں حیال یعنی یا سے بھی آیا ہے ۔ یہ حیلہ کی جمع ہے بمعنی حیلے اور کوشش ۔ اور وہ روایت خطا اور تحریف ہے جو جیم اور بار سے ہے ۔ یعنی جبال ۔

۱۳ یہ کلام سببیت و مجاز کے طور پر علی سبیل التنزل ہے ۔ اور اس طرح کہنا جائز ہے کہ میں نے اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی ہے اس کے بعد تیرے سامنے البتہ اس طرح کہنا جائز نہیں کہ یہ حاجت میں خدا کے آگے اور تیرے آگے پیش کرتا ہوں ۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے ۔

۱۴ یہ اس نے صاحب مال کے مہربان ہونے کے لیے کہا حقیقتاً خبر دینے کے لیے نہیں کہا کیونکہ اصل واقعہ اس طرح ہے کہ اس صاحب مال نے کہا کہ حقوق بہت ہیں جن کی ادائیگی میرے ذمہ ہے ۔

۱۵ یعنی ایک جماعت کثیر کے حقوق میرے ذمہ ہیں ۔ تجھے دینے کی باری کہاں آسکتی ہے ۔

۱۲؎ یہاں حدیث میں لفظ سُخِطَ ماضی مجہول کی صورت میں بھی مروی ہے۔

وَ عَنْ اُمِّ بُجَیْدٍ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمِسْکِیْنَ لَیَقِفُ عَلٰی بَابِیْ حَتّٰی اَسْتَحْیِیْ فَلَا اَجِدُ فِیْ بَیْتِیْ مَا اَدْفَعُ فِیْ یَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ادْفَعِیْ فِیْ یَدِهٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحْرَقًا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مسکین میرے دروازے پر آکر کھڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ مجھے شرم آجاتی ہے۔ اور میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو میں اس کے ہاتھ میں دے دیا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دیدیا کرو اگرچہ گائے بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ احمد، ابوداؤد و ترمذی۔ اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ بُجید (با کی پیش، جیم پر زبر) آپ کا نام حوا ہے۔ آپ صحابیہ انصاریہ ہیں۔ پورا نام اس طرح ہے۔ امّ بجید بنت یزید بن السکن آپ اسماء بنت یزید بن السکن کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ ظِلْف ظا کی زیر سے ہے بمعنی چرا ہوا کھر گائے یا بکری۔ وغیرہ کا۔ مراد حقیر اور معمولی چیز ہے۔ جس کا کچھ نفع نہ ہو۔ مقصود مبالغہ ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ ضرور دیا کر۔

وَ عَنْ مَوْلًی لِّعُثْمَانَ قَالَ اُهْدِیَ لِاُمِّ سَلَمَةَ بُضْعَةٌ مِّنْ لَّحْمٍ وَّ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِیْهِ فِی الْبَیْتِ لَعَلَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُهٗ فَوَضَعَتْهُ فِیْ کُوَّةِ الْبَیْتِ وَ جَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَی الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِیْکُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِیْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اُمَّ سَلَمَةَ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو گوشت کا ایک ٹکڑا ہدیۃً دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا اس لیے مائی صاحبہ نے خادمہ سے فرمایا اسے گھر میں رکھ دے۔ شاید اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمائیں۔ تو خادمہ نے گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا (اتنے میں) مانگنے والا ایک سائل آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگا صدقہ کرو اللہ تمہیں برکت دے گھر والوں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے۔ وہ سائل چلا گیا (اُدھر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور اور فرمایا اے ام سلمہ تمہارے پاس میرے کھانے کے لیے کوئی چیز ہے؟ مائی صاحبہ نے عرض کی ہاں۔

عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِّنَ الطَّعَامِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِيْ فَأْتِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

اور خادمہ سے فرمایا جا اور وہ گوشت لے آ۔ خادمہ گئی مگر اس نے طاق میں ایک ٹکڑا پتھر کے سوا کچھ نہ پایا۔ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ گوشت ہے جو پتھر بن گیا ہے۔ کیونکہ تم نے سائل کو نہ دیا۔

اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

[1] صراح میں ہے خادم یعنی نوکر مرد ہو یا عورت۔ یہاں عورت مراد ہے۔

[2] یہ دراصل خادم کو نہایت نرمی سے جواب دینے کا ایک انداز ہے جس طرح آج کل بارک اللہ کی جگہ یفتح اللہ کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے کھول دے۔

[3] مروہ چمکنے والے سفید پتھر کو کہتے ہیں بعض نے کہا اس پتھر کو مروہ کہتے جس میں سے رگڑنے پر آگ نکلے۔ یعنی سنگ چقماق۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا قِيْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يُسْأَلُ بِاللهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ شخص کہ رتبہ کے اعتبار سے بہت بُرا ہے۔ کہا گیا ہاں (بتائیں) آپ نے فرمایا وہ شخص جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے۔ مگر وہ اس کے نام پر بھی کچھ نہ دے[1]۔

[1] علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ مشکل جملہ ہے۔ اس مشکل کا حل اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ صدقہ دینے والا شخص سائل کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہو کہ یہ صدقہ لینے کا مستحق نہیں۔ اس بنا پر اسے نہ دے تو معذور ہے اس مشکل کے جواب میں، (عبدالحق) یہ جواب دیتا ہوں کہ جس سے سوال کیا گیا ہو وہ خود محتاج اور ضرورت مند ہو۔ یا صدقہ دینے والے کے پاس ہاتھ میں جو کچھ ہو اس کے سوا کچھ نہ ہو اس بنا پر سائل کو کچھ نہ دے تو بھی معذور ہے۔

وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ انہوں نے

عَلٰی عُثْمَانَ فَاَذِنَ لَهٗ وَبِیَدِہٖ عَصَاہُ فَقَالَ عُثْمَانُ یَا کَعْبُ اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ تُوُفِّیَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَا تَرٰی فِیْهِ فَقَالَ اِنْ كَانَ یَصِلُ فِیْهِ حَقَّ اللّٰهِ فَلَا بَاْسَ عَلَیْهِ فَرَفَعَ اَبُوْ ذَرٍّ عَصَاہُ فَضَرَبَ كَعْبًا وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اُحِبُّ لَوْ اَنَّ لِیْ هٰذَا الْجَبَلَ ذَهَبًا اُنْفِقُهٗ وَیُتَقَبَّلُ مِنِّیْ اَذَرُ خَلْفِیْ مِنْهُ سِتَّ اَوَاقِیَّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ یَا عُثْمَانُ اَسَمِعْتَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ[۱] کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دیدی[۲]۔ اس وقت حضرت ابوذرؓ کے ہاتھ میں اپنا عصا مبارک تھا۔ پھر حضرت عثمان نے کہا اے کعب بیشک عبدالرحمٰن وصال کر گئے ہے۔ اور اپنے پیچھے مال[۳] چھوڑ گیا ہے۔ نیز اس مال کے بارے میں کیا خیال ہے[۴] حضرت کعب نے کہا اگر وہ اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا تھا تو پھر اس پر کوئی حرج (گناہ) نہیں۔ اس پر حضرت ابوذرؓ نے اپنا عصا اٹھایا اور کعب کو مارا۔ اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس اس پہاڑ کی مقدار سونا ہو میں اسے راہ خدا میں خرچ کر دوں اور وہ قبولیت کا مقام بھی پائے[۵]۔ اور میں اس میں سے صرف چھ اوقیہ سونا اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں اے عثمان میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تو نے بھی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابوذر[۶] نے یہ لفظ تین بار فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا ہے۔ (احمد)

[۱] یعنی امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔

[۲] اس وقت حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔

[۳] یعنی بہت سا مال۔

[۴] یعنی تیرا کیا خیال و عقیدہ ہے اس کے بارے میں کہ وہ جو بہت سا مال اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس کا وبال ان پر پڑے گا؟

[۵] اس میں مبالغہ ہے یعنی باوجودیکہ وہ خرچ کردہ مال درگاہ خداوندی میں درجہ قبولیت بھی حاصل کرے پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور اپنے پیچھے چھ اوقیہ (دو سو چالیس درہم) بھی چھوڑ کر جاؤں بلکہ چاہتا ہوں کہ سب اپنی زندگی میں ہی خرچ کر جاؤں۔

[۶] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فقراء صحابہ اور ان کے زہاد میں سے ہیں آپ کا مذہب ترک کل، تجرید کو اختیار کرنا اور

کسی چیز کا ذخیرہ بنانا تھا۔ اس بارے میں مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ہر چیز و مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ قابل مذمت اندوختہ اور ذخیرہ و خزانہ نہیں ہے۔ نہ اس کے ذخیرہ بنانے پر کوئی زجر و ڈانٹ ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ اس میں صدقات نافلہ کی صورت میں حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی کرتا ہو۔ اس مسئلہ میں حضرت ابوذر کا حضرت معاویہ سے ملک شام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جھگڑا اور نزاع بڑا مشہور و معروف ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ.

حضرت عقبہ[۱] بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مدینہ منورہ کے اندر نماز عصر ادا کی۔ تو آپ نے نماز سے سلام پھیرا اور بہت جلدی اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی بعض ازواج مطہرات کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ اس طرح جلدی تشریف لے جانے پر گھبرا گئے[۲] پھر آپ گھر سے نکل کر لوگوں کے اندر تشریف لائے۔ اور آپ نے کہا کہ لوگ آپ کی اس جلدی کرنے سے تعجب میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے کچھ سونا[۳] یاد آگیا ہے جو ہمارے پاس پڑا تھا تو میں نے ناپسند جانا کہ وہ مجھے روک[۴] لے تو میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم[۵] دیا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں اپنے گھر میں صدقے کا کچھ سونا چھوڑ آیا تھا میں نے رات کے آنے تک اس کے اپنے پاس رہنے کو ناپسند جانا۔ (بخاری)

[۱] آپ صحابی قرشی نوفلی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے

[۲] کہ پتہ نہیں کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ آپ اس قدر جلدی تشریف لے گئے ہیں۔

[۳] حدیث میں لفظ تبر آیا ہے۔ تا کی زیر با ساکن۔ یعنی خالص سونا جس پر ابھی مہر نہ لگی ہو۔

[۴] یعنی مقام قرب سے روک لے ماسوا اللہ کے ساتھ مصروف و مشغول کر دے۔

[۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقربین حق تعالیٰ کو ماسوا اللہ کی جانب التفات سے بھی مشغولیت ہو جاتی ہے۔ اور انہیں بلند مقام سے نیچے لے آتی ہے یا یہ سب کچھ امت کی تعلیم و تنبیہ کے لیے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیشک وہ فرماتی

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهٖ سِتَّةَ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةً فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجَعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِيْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَ هٰذِهٖ عِنْدَهٗ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں جو آپ میرے پاس کاٹ رہے تھے، چھ یا سات دینار پڑے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں بانٹ[1] دوں تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی تکلیف نے مجھے ان کے بانٹنے سے مصروف رکھا (میں تقسیم نہ کر سکی) پھر آپ نے سوال کیا تو نے ان چھ یا سات دیناروں کا کیا[2] ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا میں انہیں تقسیم نہیں کر سکی۔ اللہ کی قسم آپ کی بیماری اور درد نے اس کے تقسیم کرنے سے مشغول رکھا آپ نے وہ دینار منگوائے پھر انہیں اپنے دست مبارک پر رکھا۔ تو فرمایا اللہ کے نبی کا گمان کیا ہے اگر وہ اللہ عزوجل سے ملاقات کرے اور یہ دینار اس کے پاس پڑے ہوں۔ (احمد)

[1] حدیث میں لفظ اُفَرِّق آیا ہے جس کا معنی ہے جدا کرنا اور ہر جگہ دینا اور تقسیم کرنا۔

[2] یعنی تو نے انہیں مساکین میں بانٹ دیا ہے یا نہیں؟

[3] یعنی ان دیناروں کا ہاتھ میں ہونا مقام نبوت کے منافی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَّعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ اَدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لائے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بلال یہ کیا ہے عرض کیا یہ شے ہے جو کل (آنے والے دن) کے لیے ذخیرہ کر رکھا[1] ہے۔ تو آپ نے فرمایا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تو کل قیامت کو دوزخ کی آگ میں دھواں دیکھے[2] اے بلال خرچ کر اور عرش والے (رب تعالیٰ) سے کم ہونے سے نہ ڈر[3]

۱؎ یعنی خشک کھوروں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔
۲؎ یعنی میں نے کل کے لیے ان کا ذخیرہ کر رکھا ہے۔
۳؎ یعنی تجھے ان کا اثر پہنچے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں کو اس کا دھواں پہنچا ہے۔ یعنی اس کا اثر پہنچا ہے۔
۴؎ یعنی اسے خرچ کر۔ اور تنگ دست ہونے سے نہ ڈر۔ کیونکہ وہ قادر ذات جس نے عرش عظیم کو پیدا کیا ہے۔ اور تیری روزی رساں ہے، تجھے ضرور روزی عطا فرمائے گی یہ دراصل مقام توکل اور خدا تعالیٰ سبحانہ پر اعتماد کرنے کی تلقین وارشاد ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ:

انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے۱؎ جو شخص سخی ہوتا ہے وہ اس درخت کی شاخ پکڑ لیتا ہے۔ تو وہ شاخ اسے نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کر دیتی ہے۔ اور (اس کے برعکس) بخل وکنجوسی دوزخ میں ایک درخت ہے تو جو شخص بخیل ہوتا ہے وہ اس درخت کی شاخ کو پکڑتا ہے۔ وہ شاخ اسے نہیں چھوڑتی یہاں تک اسے دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔ ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ یعنی ایک درخت کی طرح ہے۔ جس کی شاخیں ہوں۔ سخی انسان ان میں سے کسی ایک کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو وہ اسے بہشت لے آتی ہے جیسا کہ آگے فرمایا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ جلدی کرو۔ کہ بلاؤ مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی۱؎

اسے رزین نے روایت کیا۔

۱؎ کہ وہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی بلکہ وہیں رک جاتی اور دفع ہو جاتی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ

صدقہ کی فضیلت کا باب

یہاں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ صدقہ سے صدقات نافلہ مراد لیے جائیں کہ صدقہ کا غالب واکثر اطلاق صدقات نافلہ پر بھی ہوتا ہے ۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرض ونفل دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہو ۔ پھر صدقہ کو لفظ صدقہ سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ صدقہ کرنے والے انسان کے دعویٰ ایمان کے سچا ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے لفظ زکوٰۃ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو پاک کرتی ہے اور اس کے صحیح اور کامل الایمان ہونے کی گواہی دیتی ہے ۔ اس بارے میں کچھ دوسری وجوہ بھی بیان ہو چکی ہیں ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے کسب حلال میں سے ایک کھجور کے برابر[1] چیز کی تعداد صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ حلال وپاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے[2] تو اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے قبول کرتا ہے پھر اس صدقہ کو بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک وہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے ۔

(بخاری مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عَدل آیا ہے ۔ عین کی زبر سے ہو تو اس کا معنی ہے قیمت میں ایک چیز کا دوسری کی مثل ہونا ۔ اور عین کی زبر سے ہو اس کا معنی ہے دیکھنے میں ایک شے کا دوسری کی مثل ہونا ۔ بعض نے کہا عین کی زبر سے ہو تو معنی ہوگا کسی غیر جنس چیز کا دوسری سے برابر ہونا ۔ اور اگر عین کی زیر سے ہو تو معنی ہے ہم جنس چیز کا برابر اور مثل ہونا ۔ بہرصورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ جو بندہ کھجور کے برابر چیز کا صدقہ کرتا ہے ۔ الی آخرہ

[2] جب کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ ۔ اللہ تعالیٰ طیب ہے وطیب

چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔

سکہ حدیث میں واقع لفظ فلو بروزن عدو وسمو یعنی فا کی زیر سے یعنی گھوڑے کا بچہ جب کہ اسے دودھ چھڑا دیا جائے یہاں تک کہ وہ ایک سال کا ہو جائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَالٍ وَ مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّ مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا[1] اور معاف کر دینے سے بندے کی عزت میں ہی اضافہ ہوتا ہے[2]۔ اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وانکساری اختیار نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ بلندی عطا کرتا ہے[3]۔

(مسلم شریف)

سلہ یعنی صدقہ کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہے مگر حقیقۃً اس میں کمال واضافہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالتا، آفات و مصائب دور کرتا اور اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔

سکہ یعنی جس بندہ خدا نے کسی کے جرم و برائی کو معاف کیا جو وہ اس کے لیے سوچ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت دوبالا کرتا ہے۔ یعنی عفو اور ترک انتقام اگرچہ بظاہر خواری اور بدحالی ہے مگر حقیقت میں عزت و غلبہ کا موجب و ذریعہ ہے ایک بزرگ نے فرمایا کہ معاف کر دینے کے برابر کوئی انتقام نہیں۔

سکہ اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ اعتبار حقیقت کا ہے ظاہر کا نہیں۔ اور معتبر معنیٰ ہے صورت نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ الْاَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَ لِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چیزوں میں سے دو چیزیں[1] اللہ کی راہ میں خرچ کیں اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور بہشت کے بہت سے دروازے ہیں۔ تو جو شخص نمازیوں[2] میں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد سے ہوگا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اسے صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو روزہ داروں میں سے ہوگا

اَھْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَھْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے باب الریان[5] سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہے ان دروازوں سے بلایا جائے اسے کوئی ضرورت وحاجت نہیں[6]۔ کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا آپ فرمایا ہاں۔ اور مجھے امید ہے کہ تو ان میں سے ہے۔ (بخاری مسلم)

[1] جیسے دو درہم، یا دو دینار یا دو کپڑے۔ اور دو گھوڑے۔ بعض نے کہا دو چیزوں سے دو جنسوں کی چیزیں مراد ہیں جیسے ایک درہم ایک دینار یا ایک درہم اور ایک کپڑا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو تیسری فصل میں آرہی ہے معنیٰ اول صراحۃً مذکور ہے۔ بعض نے کہا دو چیزوں سے تکرار صدقہ مراد ہے۔ کیونکہ جب اس نے ایک بار ایک درہم خرچ کیا پھر دوبارہ خرچ کیا تو اس نے دو چیزیں خرچ کر دیں۔ مگر یہ معنیٰ قدرے بعید ہے۔

[2] احتمال خیر کے مطابق جنت کے دروازے بھی بہت ہیں

[3] یعنی جس میں نماز کا عمل غالب واکثر ہوگا۔ اسے اس دروازے سے بلایا جائے گا جو اہل نماز کے لیے خاص ہے۔

[5] ریان راکی زبر یا کی تشدید۔ یہ لفظ ری کی راکی زبر سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے سیرابی۔ یہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو روزہ داروں کے اندر آنے کے لیے مخصوص ہے۔

[6] یعنی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی کو تمام دروازوں سے بلایا جائے۔ کیونکہ اگر ایک دروازے سے بھی بہشت کے اندر آگیا تو اس کی مراد حاصل ہوگئی۔ لیکن اس کے باوجود کہ تمام دروازوں سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں کوئی ایسا بھی ہوگا جسے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

[7] کہ تو انواع خیرات وبرکات وحسنات کا جامع ہے (سبحان اللہ)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کس نے روزہ کی حالت میں صبح کی ہے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا

بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِيْ امْرِءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں .حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کون جنازے کے ساتھ چلا ہے .حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کس نے بیمار پرسی کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جمع ہوئیں یہ تمام بھلائیاں کسی میں مگر وہ جنت میں داخل ہوگا[۱]

(مسلم شریف)

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ میں کہنا اور بقصد طلب وامید ثواب اور اپنے لیے فضیلت ثابت کرنا منع نہیں ہے ۔ اور وہ جو بعض صوفیہ کرام نے کلمہ انا (میں) زبان پر لانے سے روکا ہے تو وہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ بارادہ تکبر و دعویٰ ہستی و انانیت کہے ورنہ کلمہ انا (میں) کا صدور و قوع کتاب و سنت اور آثار میں اس کثرت سے آچکا ہے کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے ۔ لہٰذا مطلقاً اس سے ممانعت کس طرح ہو سکتی ہے ۔ یہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک اَنَا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے ثابت و قائم رکھنا اس کے جواز کے لیے کافی اور بس ہے ۔ حضرت شیخ توربشتی رحمۃ اللہ نے یہاں مبسوط کلام کیا ہے جسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اے مسلمان عورتو تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے ۔ اگرچہ بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو[۲]

(بخاری مسلم)

[۱] یعنی مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ ہدیہ وصدقہ کرنے میں اپنی ہمسایہ عورت کو حقیر اور چھوٹی خیال نہ کریں ۔ بلکہ ہدیہ وصدقہ وغیرہ کے ذریعہ ان کی ہمدردی اور خاطر و مدارات کیا کریں ۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ فرسن (فا کی زبر را ساکن سین کی زیر آخر میں نون ۔ بروزن زبرج) آیا ہے ۔ اس کا معنی ہے

اونٹ کا پاؤں - کبھی بکری کے پاؤں پر بھی اس کا اطلاق کر دیتے ہیں - بکری کے پائے کے لیے اکثر عربی میں لفظ ظلف آتا ہے۔ جیسے گھوڑے اور گدھے کے پاؤں کے لیے حافر آتا ہے - یہ اتنی معمولی چیز ہے کہ عموماً اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا نہ اس میں ہدیہ اور صدقہ دینے کا رواج ہے - لہذا یہاں اس کا ذکر مبالغہ کے طور پر ہے - یعنی اپنی پڑوسن کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرے۔ ایک دوسری حدیث میں وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ آیا ہے یعنی اگرچہ بکری کا جلا ہوا پایا ہی کیوں نہ ہو - یہ بھی اس امر کا احتمال رکھتی ہے کہ ایک عورت کو چاہیے کہ کم از کم اپنی ہمسائی کو اتنی مقدار کی چیز تو ہدیۃً دے دیا کرے - یا یہ اس عورت کے لیے ہو جسے اس کی ہمسایہ عورت نے معمولی سی چیز ہدیۃً دی ہو تو فرمایا کہ عورتوں کو نہ چاہیے کہ وہ اپنی ہمسایہ عورت کو اتنا حقیر و معمولی خیال کریں۔ پھر یہاں مردوں کے بجائے عورتوں کی تخصیص اس لیے کی کہ عورتوں کے مزاج میں ناشکری اور غصہ زیادہ پایا جاتا ہے - دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک ہمسایہ عورت نے اتنی سی چیز ہدیۃً بھیجی ہو تو لینے والی کو چاہیے کہ اسے حقیر و معمولی شے خیال نہ کرے۔

وَعَنْ جَابِرٍ وَّ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر و حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے - فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے[1] - (بخاری مسلم)

[1] یعنی ہر کار خیر جس سے درگاہِ خداوندی میں تقرب مقصود ہو اور وہ نگاہ شرع میں معروف اور اچھی چیز ہو منکر اور بری نہ ہو چاہیے وہ عطاء مال ہو یا نرم بات یا خندہ پیشانی سے ملنا جس سے دل کو آرام پہنچے اور دل خوش و شاد ہو کہ یہ سب صدقہ ہے اور صدقہ کا لفظ مال کے ساتھ خاص نہیں ہے

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی نیک کام کو معمولی و حقیر خیال نہ کرنا[1] اگرچہ تو اپنے مسلمان کو خندہ پیشانی سے ہی ملے (کہ یہ بھی صدقہ اور کار خیر ہے)۔ (مسلم شریف)

[1] یہاں حدیث میں لفظ لاتحقرن آیا ہے (تا کی زبر اور تا ساکن)۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے کہا اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ فرمایا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اس سے اپنے آپ کو نفع دے اور صدقہ کرے[1]۔ لوگوں نے کہا اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو[2] یا وہ اس طرح نہ کرے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غمناک حاجتمند کی مدد کرے لوگوں نے کہا اگر وہ یہ کام نہ کرسکے[3]۔ فرمایا پھر نیک کام کا ہی حکم دے۔ لوگوں نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کرے۔ فرمایا تو برائی اور شر پھیلانے سے رکا رہے۔ کہ اس کے لیے وہی صدقہ ہے[4]

(بخاری مسلم)

[1] ضرورت سے زائد مال کا صدقہ کرے۔

[2] یہ راوی کا شک ہے معنیٰ اس کا بھی وہی ہے کہ اگر نہ کرسکے۔

[3] یہاں بعض نسخوں میں فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ آیا ہے۔ یعنی اگر ایسا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

[4] خصوصاً جب کہ برائی اور شر پھیلانے کی قدرت وطاقت رکھتا ہو۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ان کے ہر جوڑ کے بدلے صدقہ لازم ہے۔ ہر دن جس میں سورج طلوع کرتا ہے۔ دو انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا صدقہ ہے[1] (اسی طرح) سواری پر بٹھانے میں دوسرے کی مدد کرنا یا اس کے سامان کو اس کی سواری پر رکھوانا بھی صدقہ ہے اور پاک و نیک کلمہ[2] صدقہ ہے اور ہر قدم[3] جو وہ اٹھا کر مسجد کو جاتا ہے: صدقہ ہے۔ نیز راستے میں تکلیف دہ چیز

اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَّ يُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کو دور کرنا صدقہ ہے۔ (بخاری مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ سُلامٰی آیا ہے (سین کی پیش لام ساکن) بمعنی عضو دہڈی۔ اور اس کا معنٰی جوڑ بھی کیا گیا ہے۔ آخری معنٰی زیادہ پسندیدہ ہے۔ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جس طرح کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ اور جب کہ ان جوڑوں کی پیدائش میں کامل حکمتیں اور عظیم نعمتیں مضمر ہیں تو ان کا شکرانہ بھی بندے کے ذمہ لازم ہے۔

سلہ ان الفاظ سے اس امر کو واضح فرمایا کہ لفظ صدقہ مال خرچ کرنے سے خاص نہیں ہے۔

سلہ یعنی مظلوم کو ظلم سے بچانا اور ظالم کو ظلم سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

سمہ یا نرمی اور حلیمی سے گفتگو کرنا بھی صدقہ ہے۔

شہ یہاں حدیث میں لفظ خُطوہ آیا ہے اگر خا پر زیر ہو تو اس کا معنٰی قدم ہے اور زبر ہو تو اس کا معنٰی ہے ایک بار قدم اٹھانا۔

لہ جیسے کانٹا۔ پتھر اور نجاست وغیرہ کو راستے سے دور کرنا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلٰثِمِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلٰثِ مِائَةٍ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَّقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے تو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمدللہ کہا۔ کلمہ لاالہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ اور استغفراللہ[1] یا اللہم اغفرلی کہا لوگوں کے راستے سے پتھر دور کیا۔ یا کانٹا یا ہڈی دور کی۔ اور نیکی کا حکم دیا برائی سے روکا یہ کام اس نے تین سو ساٹھ مرتبہ کیے[2] تو بیشک وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے[3] کہ اس دن اس[4] نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے دور کرلیا ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

سلہ یا اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ۔

سٹہ یعنی اس نے یہ کلمات کہے یا یہ افعال سرانجام دیئے سب کے سب یا ان میں سے بعض کیے۔ تین سو ساٹھ جوڑوں کی مقدار کے مطابق خصوصاً امر معروف اور نہی منکر کہ باقی تمام افعال و اقوال ایک طرف اور یہ دو کام ایک طرف کہ ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے ۔

سکہ یہاں ایک روایت یمشی کے بجائے یُمسی آیا ہے یا کی پیش میم ساکن اور سین مہملہ ۔ یعنی وہ بندہ اس حال میں شام کرتا ہے کہ اس دن الی آخرہ ۔

سکہ پھر " اس دن " میں اس جانب اشارہ ہے کہ روزانہ اُسے یہ کام انجام دینے چاہییں تاکہ بدن کے جوڑوں کی نعمت کا شکرانہ قرار پائیں ۔

وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَةٍ صَدَقَةً وَ کُلِّ تَهْلِیْلَةٍ صَدَقَةً وَ اَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً وَ نَهْیٍ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةً وَ فِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیَاْتِیْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَ یَکُوْنُ لَهٗ فِیْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَءَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْهِ فِیْهِ وِزْرٌ فَکَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَهٗ اَجْرٌ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تسبیح پر صدقہ کا ثواب ہے ۔ اور ہر تکبیر پر صدقہ ہے یعنی اس کا ثواب ہے ہر الحمد للہ پر صدقہ ہے ۔ اور ہر لا الہ الا اللہ کہنے پر ثواب صدقہ ہے ۔ اور ہر امر معروف پر صدقہ کا ثواب ہے ہر نہی منکر پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے ۔ اور تمہاری ہر شرمگاہ پر صدقہ کا ثواب ہے ۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ۔ ہم میں سے ایک شخص جب اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اس پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت حرام جگہ رکھے تو کیا اس کے ذمہ گناہ لازم آئے گا ۔ یعنی بیشک گناہ لازم آئے گا ۔ تو اسی طرح جب وہ اپنی شہوت حلال جگہ رکھے اور استعمال کرے تو وہ اس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہے ۔ (مسلم شریف)

سلہ یعنی مجامعت جو وہ اپنی بیوی یا لونڈی سے کرتا ہے ۔ تو یہ صدقہ ہے یعنی صدقہ کا ثواب ملتا ہے ۔ اور چونکہ اپنی بیوی یا لونڈی سے مجامعت پر ثواب حاصل ہونا ایک بعید سی بات ہے اس لیے صحابہ کرام نے استفسار کرتے ہوئے عرض کیا ۔ قالو یا رسول اللہ ایاتی احدنا الی آخرہ ۔

سٹہ یعنی اگرچہ مجامعت فی نفسہ صدقہ و عبادت نہیں ہے لیکن جب کہ اس کے ضمن میں بیوی کے حق کی ادائیگی اور اپنے نفس کو

کو حرام سے بچانا ہے کہ نفس کو گناہ سے بچانا اجر و ثواب کا موجب ہے ۔ اسی سبب یہاں فی لایا گیا اور کہا گیا فی بضع احدکم صدقہ مگر تسبیح و تحمید وغیرہ میں لفظ فی نہیں آیا کیونکہ یہ عین عبادت ہے ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً وَّ الشَّاةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً تَغْدُوْا بِاِنَاءٍ وَّ تَرُوْحُ بِاٰخَرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ بہت دودھ[۱] دینے والی اونٹنی کا عطیہ ہے ۔ نیز بہت دودھ دینے والی بکری بھی اچھا عطیہ ہے جو صبح بھی دودھ کا ایک برتن بھرے اور شام کو بھی ایک برتن بھرے[۲] ۔ (بخاری مسلم)

۱؎ یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں چند الفاظ قابل وضاحت ہیں ۔ چنانچہ لِقْحَہ (لام کی زیر و زبر) دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں ۔ اسے لَقوح (بفتح لام) بھی کہتے ہیں ۔ پھر وہ اونٹنی جب سے بچہ دیتے ہوئے دو تین ماہ گزر جائیں اسے لَقوح ۔ اس کے بعد لبون کہتے ہیں دوسرا لفظ صفی ہے ۔ بروزن غنی ۔ یعنی بہت دودھ دینے والی اونٹنی ۔ تیسرا لفظ منحہ ہے (میم کی زیر نون ساکن) اصل میں عطیہ کے معنی میں آتا ہے ۔ پھر اس کا غالب واکثر استعمال اس اونٹنی اور بکری کے لیے آتا ہے ۔ جو کسی محتاج کو دودھ کا نفع حاصل کرنے کے لیے عاریۃً دی جائے اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد مالک کو واپس کر دے ۔ یہ عادت مالدار عربوں میں متعارف و مشہور تھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی مدح وثنا فرمائی ۔

۲؎ یعنی وقت بے وقت خوب دودھ دیتی ہو اور بکری والے اس سے خوب نفع اٹھاتے ہوں ۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَّغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَّ مَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے پھر اس سے کوئی انسان یا پرندہ یا حیوان کھاتا ہے مگر وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے ۔ بخاری مسلم ۔ اور مسلم کی ایک روایت میں جو حضرت جابر سے مروی ہے یہ لفظ بھی آیا ہے کہ جو اس میں سے چوری کر لیا جاتا ہے ۔ وہ بھی صدقہ ہے ۔

(بخاری مسلم)

سلہ حدیث میں واقع لفظ صدقۃ پیش اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَاْسِ رَکِیٍّ یَلْهَثُ کَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَآءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَآئِمِ اَجْرًا قَالَ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بدکار عورت صرف اس نیکی سے بخشی گئی کہ ایک کنوئیں کے اوپر ایک کتے کے پاس سے گذری جس نے پیاس سے زبان دراز کی ہوئی تھی اور قریب تھا کہ پیاس اسے ہلاک کر دے۔ (اس عورت نے کتے کی یہ حالت دیکھ کر) اپنا موزہ اتارا اور اپنے دوپٹے سے باندھا اور کنوئیں سے پانی نکال کر اسے پلایا۔ تو اس نیکی کے عوض اسے بخش دیا گیا۔ آپ سے کہا گیا مویشیوں کی خاطر مدارات میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے آپ نے فرمایا ہر جگر تر رکھنے والی چیز میں اجر و ثواب ہے۔ (بخاری مسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ مُومِسَہ آیا ہے (میم اول کی پیش دوسری میم کی زیر) بمعنی زانیہ اور بدکار عورت۔ یہ لفظ وَمْس سے مشتق ہے بمعنی ایک چیز کو رگڑنا۔ یعنی ایک چیز کو دوسری میں ملنا۔ یہاں حدیث میں دوسرا لفظ کی بروزن زکی آیا ہے۔ بمعنی کنواں۔

سلہ یہاں لفظ خمار آیا ہے (خا کی زیر) بمعنی عورتوں کا سرپوش۔

سلہ یعنی جب ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کے عمل سے وہ عورت بخشی گئی۔ تو انسان خصوصاً نیک انسان کے ساتھ بھلائی کرنے کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے۔

سلہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بطور استفہام عرض کیا۔

سلہ جگر تر سے زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ رطوبت اور تری لازمہ زندگی ہے۔ بعض نے کہا جگر جب پیاسا ہوتا ہے تو تر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب اسے آگ پر رکھا جائے۔ بعض نے کہا کہ جگر کو تر اس کے سیراب ہونے کے اعتبار سے کہا۔ اور ایک روایت میں کبد حرا آیا ہے یعنی گرم جگر والا۔ علماء نے یہ بھی کہا کہ لفظ کبد رطبہ میں مبالغہ ہے کہ جب جگر تر میں اجر و ثواب ہے تو جگر گرم میں زیادہ اجر و ثواب ہوگا۔ مگر حیوانات وغیرہ کے ساتھ یہ نیک سلوک غیر موذیوں میں ہے کہ موذی حیوانات جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ میں اجر نہیں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت کو

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَاَۃٌ فِیْ هِرَّۃٍ اَمْسَکَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَکُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْکُلَ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

بلی کی وجہ سے عذاب میں ڈالا گیا جس نے اسے باندھے رکھا یہاں تک کہ بھوک سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ نہ تو اس نے خود اسے کھانے کے لیے کوئی چیز دی اور نہ اسے کھولا کہ وہ خود زمین سے کیڑے[1] وغیرہ کھاتی۔ (بخاری مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ خشاش آیا ہے۔ (خا نقطہ والی کی زیر) یعنی حشرات الارض (زمین کے کیڑے کوڑے) جو دماغ نہیں رکھتے۔ اور خا کی پیش و زبر و زیر تینوں حرکتوں کے ساتھ یعنی زمین کے حشرات یعنی چڑیاں وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَۃٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا گذر درخت کی ایک ایسی شاخ کے پاس سے ہوا جو عین گذرگاہ کے[1] اوپر تھی۔ اس شخص نے کہا میں ضرور اس کو رستے سے دور کر دوں گا[2] تاکہ وہ اذیت نہ دے۔ تو اس عمل[3] کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (بخاری مسلم)

[1] یعنی وہ شاخ راستے کی پشت پر پھیلی ہوئی تھی۔

[2] یہاں حدیث لانحین آیا ہے (ہمزہ کی پیش نون کی زبر حا مشدد کی زبر سے) تنحیہ سے مشتق ہے۔ اور نون ساکن حا مخفف یا کی زیر اور نون ثقیلہ انحا سے بھی مشتق قرار دیا گیا ہے۔

[3] یعنی یا تو صرف یہ نیت کرنے سے ہی بخشا گیا۔ یا اس نے راستہ سے اس شاخ کو دور بھی کر دیا تھا تو اس عمل سے اس کی بخشش ہو گئی۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّۃِ فِیْ شَجَرَۃٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِیْقِ کَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو جنت میں چلتے اور سیر کرتے دیکھا ہے[1] محض اس نیکی کی وجہ سے کہ اس نے راستے سے ایک درخت کو کاٹ کر دور کر دیا جس سے گذرنے والے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (مسلم شریف)

[1] کہ وہ جنت میں گھوم رہا اور اس کی نعمتوں سے سرفراز ہو رہا ہے۔

سے اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث کی طرح ہے۔ مگر اس میں تاکید ومبالغہ زیادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چشم مبارک سے اسے جنت میں ہر سو نازونعمت میں گھومتے پھرتے دیکھا۔ گذشتہ حدیث میں بھی قدرے مبالغہ تھا۔ کہ گذرگاہ سے صرف ایک شاخ دور کرنے سے اسے جنت عطا کردی گئی۔ پھر جائے کہ سارا درخت ہی راستے سے دور کر دیا جائے کہ اس شکل تو بطریق اولیٰ جنت کا مستحق قرار پائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اَعْزِلِ الْاَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) حَاتِمٍ اتَّقُوا النَّارَ فِيْ بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حضرت[1] ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے ایسی چیز سکھائیے جس سے میں نفع پاؤں فرمایا مسلمانوں کے راستے سے تکلیف واذیت کی چیز دور کر دے[2] مسلم شریف اور ہم حضرت[3] عدی بن حاتم کی حدیث اتقوا النار۔ باب علامات النبوۃ میں ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کریں گے۔ (مسلم شریف)

سلہ برزہ (باکی زبر را ساکن اور زا) حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ مشہور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ غزوات اسلامیہ میں ہمیشہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے فتح مکہ کے دن عبداللہ بن خَطَل (خا وطا کی زبر) کافر کو قتل کرنے والے یہی صحابی ہیں۔

سلہ جیسے کانٹا، پتھر وغیرہ۔ اشیاء کو راستہ سے ہٹا دے اور اپنے معنی کے عموم کی تاویل سے ہر قسم اور ہر جنس کی تکلیف دہ چیز کو شامل ہے۔

سلہ یعنی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ کہ ان کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ اتقوا النار۔ اور یہ ایک لمبی حدیث ہے جو اس کے زیادہ مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلَ مَا قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا

حضرت عبداللہ[1] بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ[2] تشریف لائے تو میں حاضر خدمت ہوا[3] جب میں نے آپ کے چہرہ انور کو اچھی[4] طرح دیکھا تو میں پہچان گیا کہ آپ کا چہرہ انور معاذ اللہ جھوٹے اور کاذب کا چہرہ نہیں ہے آپ نے پہلی گفتگو[5] جو فرمائی، یہ تھی۔ اے لوگو سلام

السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)	کو عام کرو[۷] مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ[۸] رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں[۹]۔ عذاب سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔

[۱] حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے تھے۔ پہلے آپ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔

[۲] یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

[۳] یعنی تحقیق حال اور آپ کی رسالت کی صحت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوا۔

[۴] اچھی طرح دیکھنے کا مطلب ہے کہ غور و خوض سے دیکھا یا نور فراست سے مجھے معلوم ہو گیا۔ یا تورات میں مذکور علامت نبوت کے ذریعہ میں نے پہچان لیا۔ حدیث کا بیان معنی اول کی جانب ہی اشارہ کرتا ہے۔ (ابیات)

در دل ہر امتی کز حق مزہ است   روئے و آواز پیغمبر معجزہ است

ترجمہ۔ چونکہ ہر امتی کے دل میں حق و صدق کا ذائقہ موجود ہے۔ اس لیے ہر نبی کے واقعات اس کے لیے معجزہ کا کام دیتے ہیں چنانچہ آپ اسی مجلس میں ایمان لائے یہودیوں نے آپ پر بڑا حسد کیا اور بڑے بغض و عناد سے آپ سے پیش آنے لگے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر مذکور ہے۔

[۵] یعنی لوگوں کو نصیحت و دعوت اسلام کے طور پر سب سے اول جو گفتگو فرمائی وہ یہ تھی۔ جو حدیث میں مذکور ہے۔

[۶] یہاں حدیث میں لفظ افشوا آیا ہے یعنی بالکل کھلے ڈلے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ یا علی الاعلان اور ظاہر و بلند آواز سے سلام کیا کرو تاکہ جس کو سلام کر رہے ہو وہ سن لے۔ یا اس کا معنی ہے سلام کو آپس میں عام کرو۔ واقف حال اور بیگانے کی تمیز نہ کرو۔ بلکہ مسلمانوں میں سے جو بھی سامنے آئے اسے سلام کہا کرو۔ کیونکہ سلام کہنا حقوق اسلام میں سے ہے۔ حقوق صحبت میں سے نہیں۔

[۷] یعنی مہمانوں، مسکینوں اور محتاج لوگوں کو کھانا کھلایا کرو۔

[۸] رحموں کے رشتہ کو جوڑو یعنی ان پر احسان کرو۔ ان سے میل جول رکھو۔ اور رشتہ داری میں ان کے نزدیک یا دور ہونے کے مطابق ان سے حسن سلوک کرو۔ صلہ رحمی دراصل وہ رشتہ ہے جو رحم سے بواسطہ پیدائش قائم ہوتا ہے۔ رحم کا اصل معنی بچہ دانی ہے۔

[۹] کیونکہ یہ وقت اخلاص، حضور قلب اور جمعیت خاطر کے لیے زیادہ موثر ہے۔

[۱۰] یعنی عذاب دوزخ، خدا تعالیٰ سے دوری اور حجاب سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس حدیث

میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن میں تین صفات کے جمع ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ صفت تواضع۔ صفت جود وسخا اور صفت عبادت وبندگی اور یہ تین صفات بدنی ومالی نیز اپنی ذات تک محدود رہنے والے اور دوسروں پر اثر انداز ہونے والے اصولی اور بنیادی کمالات ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو خدائے رحمٰن کی عبادت کرو۔ حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(ترمذی ابن ماجہ)

لہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق عبادت کا ذکر کیا نماز ہو یا کوئی اور عبادت کھانا کھلانے کا ذکر اس حدیث میں سلام سے پہلے کیا کہ اس کا نفع زیادہ ہے گذشتہ حدیث میں سلام کا ذکر کھانے سے پہلے کیا اس جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ وہ آپس میں محبت والفت پیدا کرنے میں زیادہ قریب ہے۔ پھر گذشتہ حدیث میں صلہ رحمی اور رات کو لوگوں کے سونے کے وقت نماز کا ذکر ان کا اہتمام اور اہمیت واضح کرنے کے لیے کیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا اور بُری موت کو دور کرتا ہے[۲]۔

(ترمذی شریف)

لہ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

۲ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ صدقہ کی برکت سے دنیا و آخرت اور مبدء ومآل میں بندے کو سلامتی اور عافیت نصیب ہوتی ہے اور لفظ مِیتۃ (میم کی زیر یا ساکن) یعنی موت کی حالت۔ اور مِیتۃ السوء سے بوقت موت بُری حالت مراد ہے۔ جو بندے کو کفر اور ناشکری تک پہنچائے۔ جیسے آلام ومصائب۔ طرح طرح کے درد بے صبر ذکر موت سے غفلت کلمہ شہادت کا زبان پر جاری نہ ہونا۔ ذات رحمٰن سے بعد وحجاب شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہونا وغیرہ ذالک کہ یہ سب امور سوء خاتمہ اور بڑے انجام تک پہنچانے والے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) پھر غیر محمود حالت میں اچانک موت کا آنا بھی اسی قبیلہ میں سے ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَ اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَّ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِىْ اِنَاءِ اَخِيْكَ .

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کار خیر صدقہ ہے ۔ اور بیشک کار خیر میں سے ہے یہ کہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔[1] اور یہ کہ تو اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں کچھ ڈالے[2]

(احمد ترمذی)

[1] یعنی امورات خیر و احسان میں سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے یہاں حدیث میں لفظ طَلق آیا ہے (طا کی زبر لام ساکن) بمعنی خندہ روئی جیسا کہ حضرت ابوذر کی حدیث میں فصل اول میں گزرا ۔

[2] یعنی جو پانی تیری ضرورت سے زائد ہو۔ اس کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے مگر فضل و احسان کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنی دوسروں کو اپنے فضل و احسان سے نواز ہے ۔

وَ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِىْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَّ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِىْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِئَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِىْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ .

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا متبسم چہرے سے اپنے بھائی سے ملنا صدقہ اور تیرا نیک کام کا حکم دینا صدقہ ہے ۔ اور برے کام سے روکنا صدقہ ہے ۔ اور تیرا کسی بھولے ہوئے[1] کو راستہ دکھانا صدقہ ہے اور نابینا انسان کی مدد کرنا صدقہ ہے ۔ اور تیرا راستہ سے پتھر، کانٹے اور ہڈی وغیرہ[2] دور کرنا صدقہ ہے ۔ اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی صدقہ ہے ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ۔

ترمذی شریف

[1] یعنی ایسی زمین میں جہاں لوگ راستہ بھولتے ہوں، راستہ دکھانا صدقہ ہے ۔

سے جن سے گذرنے والوں کو تکلیف پہنچتی ہو۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَ قَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت سعد بن عبادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بیشک سعد کی ماں فوت پاگئی ہے تو کونسا صدقہ بہتر و افضل ہے فرمایا پانی[2] (اس پر) حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا[3] اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے[4] (ابو داؤد۔ نسائی)

[1] حضرت سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ اور مقبولان بارگاہ نبوت میں سے ہے۔

[2] تمام صدقات سے بہتر و افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے کنواں کھودے۔ اور پیاسوں کو پانی پلائے۔

[3] تاکہ خیر و ثواب اس کے لیے جاری رہے۔

[4] تاکہ اس کا ثواب اسے پہنچتا رہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ رَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے ننگے مسلمان کو کپڑا پہنایا اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس[1] پہنائے گا۔ اور جس نے مسلمان کو کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اسے جنت کا پھل کھلائے گا۔ اور جس مسلمان نے پیاسے[2] مسلمان کو پانی پلایا اللہ تعالیٰ اسے شراب خالص و پاکیزہ سے سیراب کرے گا۔ (ابو داؤد۔ ترمذی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عُری (عین کی پیش راساکن) بمعنیٰ برہنگی۔ لُبس کی ضد (لام کی پیش) دوسرا لفظ خُضر ہے خا کی پیش ض ساکن اخضر کی جمع۔ یہ اللہ عزوجل کے قول مبارک عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ریشمی سبز لباس پہنے ہونگے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ ظَمَا آیا ہے صراح میں ہے ظا و میم کی زبر آخر میں ہمزہ بمعنی پیاسا ہونا۔ حدیث میں واقع ہ

لفظ رحیق مختوم کا معنٰی ہے پاک خالص اور صاف شراب جس کے برتنوں پر مہر لگی ہوئی ہو گی۔ ان کی نفاست کی وجہ سے قرآن مجید میں فرمایا۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتَامُہٗ مِسْکٌ یعنی مٹی کی بجائے اس پر کستوری خالص کی مہر لگی ہو گی اور یہ اس کی غایت نفاست کی طرف اشارہ ہے۔ یا اس کے پینے کے بعد کستوری خالص کی خوشبو آئے گی۔

وَعَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ[1] قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الْاٰیَۃَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے[2] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی۔ یعنی نیکی صرف یہ نہیں کہ تم لوگ اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کر لو۔

(ترمذی ابن ماجہ۔ دارمی)

[1] حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قریشی خاندان کی چشم و چراغ اور ان خواتین اسلام سے ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی خاطر ہجرت اختیار کی۔

[2] یعنی مال کی زکوٰۃ تو فرض ہے ہی مگر اس کے ساتھ صدقہ نفل بھی مستحب ہے جس طرح نماز، روزہ، حج فرض بھی ہیں اور نفل بھی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلب کے اثبات اور تائید کے لیے آیت لیس البران تولوا الی آخرہ تلاوت فرمائی۔ اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولا اہل ایمان کی مدح اس بنا پر کی کہ وہ مال کی محبت کے ہوتے ہوئے اپنے خویشوں، یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی مدح ثنا اس بنا پر کی کہ وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ دینا مال خرچ کرنے کے علاوہ ہے۔ اور وہ صدقہ نفل ہے۔

وَعَنْ بُھَیْسَۃَ عَنْ اَبِیْھَا قَالَتْ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ اَلْمَاءُ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ اَلْمِلْحُ قَالَ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ اَنْ تَفْعَلَ الْخَیْرَ خَیْرٌ لَّکَ۔

حضرت بُہیسہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہے۔ چنانچہ بہیسہ کہتی ہیں کہ ان کے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز کونسی ہے جس کا روکنا حلال نہیں، فرمایا پانی[1]۔ انہوں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کا روکنا جائز نہیں۔ فرمایا نمک انہوں نے پھر عرض کی یا نبی اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال نہیں فرمایا تیرا ہر نیک کام تیرے لیے بہتر ہے[2]

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ) (ابو داؤد شریف)

سلہ بہیسہ باکی بنت صلاکی زیریا ساکن اور سیں مہلہ آپ صحابیات میں سے ہیں ان کی حدیث اہل بصرہ میں شمار ہوتی ہے۔

سلہ جیسے کسی کا کنواں یا نہر ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کو اس سے پانی لینے سے منع کرے۔ یا کسی کو اپنے نمکدان سے نمک لینے سے روکے۔ پھر پانی کے مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے جس کا ذکر باب احیاء الموات والشراب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ اور چولہے سے آگ لینے سے منع کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا۔

سلہ یہ جامع کلمہ ہے جو تمام خیرات کو شامل ہے۔ یعنی تو جو کچھ دے سکتا ہے وہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ ہو اس سے کسی کو نہ روک۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَّیْتَۃً فَلَہٗ فِیْھَا اَجْرٌ وَّ مَا اَکَلَتِ الْعَافِیَۃُ مِنْہُ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مردہ[1] یعنی بنجر زمین آباد کی تو اس کے لیے اس میں اجر و ثواب ہے اور اس میں سے کھانے والی جو چیز بھی کھائے[2] گی وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ نسائی و دارمی۔ اور بعض نسخوں میں رواہ دارمی آیا ہے یعنی اسے دارمی نے روایت کیا۔

سلہ یعنی جو زمین زراعت اور کھیتی باڑی کے لیے قابل نہ تھی جس نے محنت کر کے اسے آباد کیا تو اس کے لیے اجر و ثواب ثابت و موجود ہے۔ اس کا حکم باب احیاء الموات میں آ رہا ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ عافیۃ آیا ہے۔ عافیۃ ہر طالب رزق کو کہتے ہیں انسان ہو یا چارپایہ یا پرندہ۔ عافی ایک فرد طالب رزق عافیہ جماعت جو رزق و خوراک کی متلاشی و طلبگار رہو۔ اور ایک روایت میں بصورت صیغہ جمع العوافی بھی آیا ہے۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَحَ مِنْحَۃَ لَبَنٍ اَوْ وَرِقٍ اَوْ ھَدٰی زُقَاقًا کَانَ لَہٗ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَۃٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عطا کیا عطیہ دودھ[1] کا یا عطا کیا عطیہ چاندی[2] کا یا کسی بھولے ہوئے کو راستہ دکھایا تو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

(ترمذی)

سلہ یعنی جس شخص نے کسی فقیر و محتاج انسان کو دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری عطا کی تاکہ وہ اس کے دودھ سے پیئے۔ پھر اسے واپس کر دے۔

۳؎ حدیث میں لفظ وَرِق آیا ہے واؤ کی زبر را کی زیر بمعنی مہر شدہ درہم یعنی جاری رکھ۔ مراد بطور قرض درہم ودینار دینا ہے۔ قرضہ کی رقم کو بھی منیحۃ (عطیہ) اس وجہ سے قرار دیا کہ انہیں بھی واپس کرنا پڑھتا ہے۔ لفظ منیحۃ مطلق عطیہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۴؎ یعنی کسی راہ بھولے ہوئے یا اندھے کو راستہ دکھایا۔ حدیث میں لفظ ہُدیٰ ہدایت سے نکلا ہے۔ بمعنی راہنمائی کرنا۔ زُقاق زکی پیش بمعنی گلی جو کسی مکان یا گھر کو جاتی ہو۔ زقاق رستہ کے معنی میں بھی آتا ہے جو کہ باغات کے اندر ہوتا ہے اس صورت میں ہدی ہدیہ سے مشتق ہوگا۔ یعنی رستہ درختان کھجور کسی کو عطا کرے۔ اور صدقہ کرے۔ جو معنی بھی ہو ہُدیٰ دال مخفف سے ہے ایک روایت میں دال کی شد سے بھی آیا ہے مبالغہ کا معنی دینے کے لیے۔ واللہ اعلم معنی یہ ہوگا کہ جو شخص یہ چیزیں خیرات کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ ابْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِہٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْہُ قُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ قُلْتُ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْکَ السَّلَامُ عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ الْمَیِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَیْکَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَکَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَہٗ کَشَفَہٗ عَنْکَ وَ اِنْ اَصَابَکَ عَامُ سَنَۃٍ فَدَعَوْتَہٗ اَنْبَتَھَا لَکَ وَ اِذَا کُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاۃٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُکَ فَدَعَوْتَہٗ رَدَّھَا عَلَیْکَ قُلْتُ اعْھَدْ اِلَیَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَہٗ حُرًّا

حضرت ابو جُرَیّ (جابر بن سُلَیم) سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مدینہ آیا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کہتا مگر لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں میں نے کہا یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جابر بن سلیم کہتے ہیں میں گیا اور عرض کیا علیک اسلام یا رسول اللہ۔ آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ میں نے یہ کلمہ دوبارہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک اسلام نہ کہ یہ میت کا سلام ہے (بلکہ اس طرح) کہ السلام علیک۔ میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں اس اللہ کا رسول ہوں جو ضرور تکلیف پہنچنے پر جب تو اسے پکارتا ہے تو تیرے دکھ کو دور کرتا ہے اور اگر تجھے قحط سال پہنچتی ہے اور تو اسے پکارتا ہے تو وہ تیرے لیے فصل اگاتا ہے۔ اور جب تو کسی ہلاک کرنے والے جنگل میں ہوتا ہے اور تیری سواری گم ہو جاتی ہے تو تیرے پکارنے پر وہ تیری سواری تجھے واپس کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کریں فرمایا کسی کو گال نہ دینا۔ تو میں نے اس کے بعد نہ کسی آزاد انسان کو گال دی نہ غلام کو

وَلَا عَبْدًا وَّ لَا بَعِيْرًا وَّ لَا شَاةً قَالَ وَ لَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ وَ اَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَ اَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ ارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِيَّاكَ وَ اِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَ اِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ اَوْ عَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنُ لَكَ اَجْرُ ذٰلِكَ وَ وَبَالُهٗ عَلَيْهِ۔

نہ اونٹ کو نہ بکری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کسی نیک و معروف کام کو حقیر خیال کرنا۔ اور میں تجھے اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائی سے گفتگو کے وقت خندہ پیشانی سے رہنا۔ کہ یہ بھی نیکی میں سے ہے اور اپنا تہبند نصف پنڈلی تک بلند رکھنا اور اگر اس طرح نہ کر سکے تو ٹخنوں کے اوپر ضرور رکھنا اور اپنے آپ کو تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے دور رکھنا۔ کیونکہ یہ تکبر میں سے ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا اس عیب کی بنا پر تیری سرزنش کرے جو تجھ میں موجود ہو۔ اور اسے اس کا علم بھی ہو تو تو اس کے اس عیب کی وجہ سے اس کی سرزنش نہ کرنا جسے تو جانتا ہو۔ کیونکہ اس کا گناہ اس کے ذمہ ہے۔ اسے ابو داود نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حدیث اسلام تک روایت کیا۔ اور ایک روایت میں فانما وبال ذالک علیہ کے بجائے یہ لفظ آتے ہیں۔ فیکون لک اجر ذالک وو بالہ علیہ۔ یعنی ایسا کرنے سے اس کا اجر تجھے ملے گا اور اس کا وبال اس پر ہوگا۔

لہ جُرَیّ (جیم کی پیش را کی زبر یا مشدد) آپ کا نام جابر بن سلیم ہے (سُلیم سین کی پیش لام کی زبر سے) بعض نے سلیم بن جابر کہا ہے۔ مگر اول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔ آپ صحابی ہیں قلیل الروایہ ہیں ان سے حضرت محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی لوگوں کو جو معاملہ بھی پیش آتا ہے اسے لے کر آپ کے پاس آتے اور عرض کرتے ہیں۔ پھر جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے فرمایا لایقول شیا الی آخرہ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ صدور آیا ہے جس کا اصل لغوی معنی پانی سے واپس آنے کا ہے یعنی پیاسے آدمی کا پانی سے سیراب ہو کر واپس لوٹنا یہ لفظ ورود کی ضد ہے۔ جس کا معنی ہے۔ پانی پر اترنا۔ اور صدور کا لفظ کبھی مطلق واپس آنے کے لیے بھی آتا ہے۔

سلہ یعنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے۔

ﻫ کہ اس سے مُردہ کو سلام کرتے ہیں ۔

ﻫ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ جب مردہ کی زیارت کو جائیں تو کہیں علیک السلام جس طرح کہ زندہ کو السلام علیک کہتے ہیں ۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ میت کو بھی السلام علیک ہی کہا جاتے ۔ یعنی اسلام کا لفظ علیک سے پہلے لایا جاتے کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی زیارت کے وقت فرماتے تھے اسلام علیک ۔ تو وہ جو یہاں حضور علیہ اسلام نے فرمایا کہ علیک اسلام مُردوں کا سلام ہے یہ لوگوں کی اغلب واکثر حالت کے اعتبار سے فرمایا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندہ انسان سلام کا جواب دیتا ہے رہا علیک اسلام تو اگر سلام کہنے والا بھی علیک اسلام کہے تو اس طرح تکرار لازم آسئے گا ۔ بخلاف میت کو سلام کے کہ سلام کا جواب اس کی طرف سے متحقق نہیں ہوتا ۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سلام کا حکم اس لیے ہے کہ سلام کہنے والا جس کو سلام کہہ رہا ہے اس کے لیے امن وسلامتی کی دُعا کرنے میں جلدی کرے ۔ علیک مقدم لانا ضرور و نقصان کے لیے آتا ہے ۔ جو اس مفہوم کے منافی اور غیر مناسب ہے جیسا کہا گیا ہے ! اسے سمجھو ۔ آگے پھر حضرت جابر بن سلیم فرماتے ہیں قلت انت الیٰ آخرہ ۔

ﻫ یہاں حدیث میں لفظ دعوتہ میں تا پر زبر ہے ۔ اور صیغہ مخاطب ہے ایک روایت کے مطابق دعوتہ برائے واحد متکلم بھی آیا ہے ۔ یعنی اگر تجھے کوئی نقصان وتکلیف پہنچے اور میں اس کے لیے دعا کروں کہ میں اس کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ تیری اس تکلیف وپریشانی کو دور کرے گا ۔ اسی طرح بعد کی عبارت میں بھی صیغہ مخاطب ومتکلم دونوں طرح پڑھنا درست ہے ۔

ﻫ یہاں حدیث میں لفظ ارض قفر یا فلاۃ آیا ہے قفر بمعنیٰ خوفناک جنگل وصحراء ۔ اور لفظ او (یا) لانا راوی کے شک کی وجہ سے ہے ۔ لفظ قَفرٌ (قاف مفتوح مقدم بعد میں فا) کا اصل معنیٰ ہے ایسی زمین جس میں گھاس اور پانی دستیاب نہ ہو ۔ اور لفظ فلاۃ فا کے ساتھ بمعنیٰ جنگل اور کشادہ صحراء پھر حضور علیہ اسلام کے قول مبارک میں کہ میں اس کا رسول ہوں جس کی یہ صفتیں ہیں" میں اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ پروردگار عالم کی طرف سے نبی مبعوث ہوں جو سب کا حاجت روا اور مشکلات کا آسان کرنے والا ہے ۔ اور یہ کہ میں اس کی جانب سے وسیلہ رحمت اور ہر طرح کی خیر وبرکت پہنچنے کا ذریعہ ہوں ۔

ﻫ یعنی انسان تو انسان میں نے اس کے بعد حیوان کو بھی گالی نہ دی جس طرح کہ عوام عرب کی عادت ہے ۔

ﻫ یعنی ہر نیک اور اچھا کام جو کوئی تیرے لیے کرے یا تو کسی کے لیے کرے ۔ بلکہ جو بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے اس کی نیکی کو بڑا خیال کر ۔ اور اس کا شکر ادا کر ۔ اور تجھ سے بھی جو نیک کام ہو سکے وہ کر اور اسے غنیمت جان ۔

ﻫ یعنی اگر تہ بند نصف پنڈلی تک رکھنے کو تیرا نفس اور طبیعت نہ مانے تو پھر ٹخنوں سے اوپر ضرور رکھنا ان سے نیچے نہ کر ۔

ﻫ یہاں حدیث میں لفظ مخیلۃ آیا ہے میم کی زبر خا کی زیر یا ساکن سے بمعنیٰ تکبر ۔ اسی طرح لفظ خال وخیلاء خا کی پیش یا کی زبر بمعنیٰ تکبر ہے ۔ یہ مسئلہ اپنے ملحقات کے ساتھ کتاب اللباس میں انشاء اللہ تعالیٰ آرہا ہے ۔

ستلہ کہ تجھے اس کے وبال میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے اور تو اسے بدی کا بدلہ بدی کی صورت میں کیوں دیتا ہے۔ بیت۔

بدی راہ بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء۔

برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دینا آسان ہے۔ اگر تو مرد ہے تو جس نے تجھ سے برائی کی ہے اس کے ساتھ نیکی اور احسان کر ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص میں ان صفات مذکورہ کی مخالف بری صفات محسوس کی تھیں۔ اس لیے آپ نے اسے ان صفات کی وصیت فرمائی۔

ستلہ یعنی اس حدیث کو ان پورے الفاظ کے ساتھ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے روایت کیا۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کے الفاظ سلام تک روایت کیے کہ حضرت ابو جری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیک السلام کے الفاظ سے سلام عرض کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ ان الفاظ سے آگے الفاظ کو امام ترمذی نے حدیث کے آخر الفاظ تک روایت نہ کیا۔ بعض حواشی میں مذکور ہے کہ امام ترمذی نے بھی مکمل حدیث روایت کی۔ مگر دوسرے الفاظ میں جو ابوداؤد کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اور کتاب میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ ابوداؤد کے ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (گھر والوں) نے ایک بکری ذبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اس بکری سے کیا بچا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا اس کے ایک کندھے کے سوا باقی کچھ نہیں بچا[۱] اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کندھے کے علاوہ ساری بکری باقی بچ گئی ہے[۲]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔

لہ یعنی اس کے شانے اور کندھے کے سوا باقی ساری بکری صدقہ کے طور پر فقیروں اور ہمسایوں کے گھر بھیج دی ہے صرف ایک کندھا گھر میں باقی رہ گیا ہے۔

سلہ یعنی باقی رہنے والا بکری کا وہ حصہ ہے جو تم نے لوگوں میں بانٹ دیا ہے کہ اس کا ثواب روز بقا میں ثابت و قائم ہو چکا ہے اور جو حصہ گھر میں رہ گیا ہے وہ فانی اور ختم ہو جانے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہمیشہ باقی رہے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ

يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظٍ مِّنَ اللهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

جس مسلمان نے دوسرے مسلمان کو کپڑا پہنایا تو وہ بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے[1] جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی باقی رہتا ہے۔ (احمد ترمذی)

[1] اکثر روایتوں میں یہاں فی حفظ من اللہ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت رہتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ يَرْفَعُهُ قَالَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُوْا كِتَابَ اللهِ وَرَجُلٌ يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا اُرَاهُ قَالَ مِنْ شِمَالِهٖ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ اَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ اَحَدُ رُوَاتِهٖ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيْرُ الْغَلَطِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب تلاوت کرتا ہے[1]۔ دوسرا وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے۔ چھپا کر۔ راوی کہتا ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے بائیں ہاتھ سے چھپا کر[2] تیسرا وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا اس کے ساتھی شکست کھا گئے مگر وہ شخص دشمن کی طرف آگے بڑھتا رہا[3] اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے[4]۔ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی (ابو بکر بن عیاش) کثیر الغلط راوی ہے[5]۔

[1] یعنی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ نماز میں یا غیر نماز میں۔ ظاہر معنیٰ اول ہے۔

[2] یہ اس کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ ہے۔

[3] اور جہاد میں مصروف رہا یہاں تک کہ اسے فتح حاصل ہو گئی۔

[4] غیر محفوظ کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

[5] عیاش یا اور شین کے ساتھ اس راوی سے بہت دفعہ غلطی واقع ہو جاتی ہے امام ترمذی کا یہ کلام (اعتراض) اس خاص اسناد میں سے ہے۔ البتہ دوسرے الفاظ کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ وَثَلٰثَةٌ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اور تین آدمیوں سے بغض رکھتا ہے

يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَاَلَهُمْ بِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْاَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْيَانِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَّا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِيْ اَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْا اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ اَلشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمْ)

وہ تین شخص جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور ان سے اللہ کے نام پر[1] مانگا۔ ان کے درمیان باہمی قرابت و رشتہ داری کی کی بنا پر نہ مانگا۔ انہوں نے اسے کچھ نہ دیا[2]۔ تو ان میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا[3]۔ اور اسے پوشیدہ طور پر کچھ دے دیا کہ اس عطیہ کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا پھر وہ شخص جس نے وہ عطیہ دیا[4] ہوتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک قوم میں تھا جو رات کو سفر کر رہی تھی تو انہیں نیند زیادہ محبوب[5] ہو گئی تو انہوں نے اپنے سر رکھ دیئے تو وہ شخص کھڑا[6] ہو گیا اور میری آیتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اور اس نے مجھ سے چاپلوسی شروع کر دی۔ اور ایک وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا اور دشمن سے ٹکرا گیا باقی لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر یہ سینہ تانے آگے بڑھا[7]۔ یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا یا اس کی وجہ سے فتح حاصل ہو گئی اور وہ افراد جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے تو ان میں سے ایک بڈھا زانی[8] ہے۔ دوسرا متکبر فقیر[9] تیسرا ظالم دولتمند[10]۔ ترمذی و نسائی مگر نسائی نے ثلاثۃ یبغضہم اللہ کا ذکر نہ کیا[11]۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پر۔

[2] یعنی جو کچھ اس نے ان سے مانگا وہ انہوں نے اسے نہ دیا۔

[3] امام توربشتی رحمۃ اللہ نے اس عبارت کی شرح میں فرمایا کہ اس شخص نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ یا قوم کے مخصوص افراد کو جنہوں نے دینے سے انکار کیا، الگ چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھا۔ اور اسے کچھ نہ کچھ دیا۔ یا ان سے آگے بڑھ کر کوئی چیز اسے دیدی اور انہیں پیچھے چھوڑ دیا۔

[4] یہاں طبرانی کی روایت میں بَیْنَ اَعْیَانِہِمْ کا لفظ بھی آیا ہے۔ طبرانی کی یہ روایت "پیچھے چھوڑنے" کے لفظ کے زیادہ مشابہ اور زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں فلاں شخص فلاں ساتھ میں پیچھے رہ گیا یعنی ساتھ نہ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی قوم کے لوگوں سے جدا ہو گیا۔ اور سائل کو اپنے ساتھ خلوت و علیحدگی میں لے گیا اور اسے پوشیدہ طور پر کوئی چیز عطا کر دی جیسا

ترجمہ - تکبر بڑی صفت ہے پھر گداگروں میں اس صفت بد کا پایا جانا اور بھی بڑا ہے ۔ جیسے برف باری کے دن اور وقت سرد اور گیلے کپڑوں کے باوجود کوئی شخص اترانا پھرے ۔

ہاں فقیر کی وہ بے نیازی اور سوال سے گریز و پرہیز جو عزت نفس ، تفقد بر خداوندی پر رضا مندی اور دنیا و اہل دنیا کو خاطر میں نہ لانے کی صفت و خوبی ہو ایک دوسری چیز ہے حضرت بشیر بن حارث نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرمایئے ۔ آپ نے فرمایا دولتمند لوگوں کا فقراء کے حال پر مہربانی کرنا کتنا اچھا فعل ہے خصوصا اجر و ثواب کی نیت سے ایسا کرنا ۔ مگر اس سے بہتر و اعلیٰ درجہ ان فقراء کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کرتے ہوئے دولتمندوں کے ساتھ بے نیازی سے پیش آئیں ۔

لہ یعنی تیسرا شخص جس سے اللہ تعالیٰ بغض و دشمنی رکھتا ہے ۔ ظالم دولتمند ہے ۔ جو اپنے نفس و مخلوق پر ظلم کرتا ہے ۔ کہ نعمتِ دولت کا شکر ادا نہیں کرتا ۔ اور زیر دستوں اور اہل حاجت پر مہربانی نہیں کرتا ۔ بعض علماء نے کہا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ جو دولتمند اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کرتا ۔ اور لیا ہوا قرض واپس نہیں کرتا ۔ اس کا ایسا کرنا ظلم و زیادتی ہے ۔

سلہ کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے عبارت ثلاثہ یبغضہم اللہ ذکر نہ کی یعنی امام نسائیؒ نے ان تین افراد کا ذکر نہ کیا جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے ۔ انہوں نے صرف محبوبان حق تعالیٰ کے ذکر پر کفایت کی ۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمِ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمِ النَّارُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور انہیں زمین میں گاڑھ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی لہ اس پر فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب کیا چنانچہ فرشتوں نے عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے ۔ فرمایا ہاں لوہا لہ ہے ۔ انہوں نے عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے : فرمایا ہاں آگ لہ ہے ۔ انہوں نے پھر عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ

قَالَ نَعَمِ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمِ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔	سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں پانی ہے[۵]۔ فرشتے نے کہا تیری مخلوق میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا ہاں ہوا ہے[۶]۔ فرشتے بولے یا رب تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے۔ فرمایا ہاں وہ انسان[۷] جو اپنے ہاتھ سے خیرات کرے جسے بائیں ہاتھ سے بھی چھپائے رکھے۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	(ترمذی)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔	اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور حضرت معاذ کی یہ حدیث کہ صدقہ خطائیں بجھا دیتا ہے، کتاب الایمان میں ذکر کردی گئی ہے۔

[۱] لفظ قال بات کرنے اور مارنے کے معنی میں آتا ہے۔

[۲] یعنی پہاڑوں کے زمین پر گاڑھنے سے زمین مضبوط اور قرار پذیر ہوگئی۔ سعدی فرماتے ہیں۔

زمین از تپ لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ۔

زمین تپ لرزہ سے کانپتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دامن پر پہاڑوں کی میخیں گاڑھ دیں۔

[۳] کہ وہ پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔

[۴] کہ آگ لوہے پر غالب و قاہر ہے کہ اسے پگلا کردیتی ہے۔

[۵] کہ پانی آگ کو بجھا دیتا اور ٹھنڈا کردیتا ہے۔

[۶] کہ وہ پانی میں جنبش پیدا کردیتی اور اسے متزلزل متحرک کردیتی ہے۔

[۷] کہ یہ انسان ان تمام اشیاء سے سخت تر ہے کیونکہ صدقہ کرنے میں مخالفت نفس، طبیعت پر قہر، اور شیطان سے مقابلہ اور اس کی مدافعت ہے۔ اور یہ چیزیں مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتیں۔ اور انسان نظری و طبعی صفات بہم پیدا کیا گیا ہے جن کا قلع قمع ممکن نہیں مگر ریاضت و مجاہدہ اور کمال توفیق و تائید خداوندی سے۔ حالانکہ انسان کے مزاج و سرشت میں سمعہ، ریا، عجب، حب مدح و ثنا اور اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں پر بلندی و فوقیت چاہنا پایا جاتا ہے۔ اس لیے جب بندہ کوئی چیز راہ خدا میں خرچ کرتا ہے تو ریا کے طور پر چاہتا ہے کہ اس کا اظہار اور اس کی نمائش ہو۔ اور جب بندہ

نفس و خواہشات کو بجھاتا اور ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی چاہے وہ کتنی بھی سخت اور قوی ہو۔ اگر فرض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کی صورت میں اپنا عذاب نازل کرے اور کوئی بندہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ ادا کر دے تو وہ صدقہ مذکور عذاب کو دور کر دے گا اور وہ عذاب آتا آتا رک جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ پوشیدہ صدقہ ہوا سے بھی زیادہ سخت و قوی ہے۔ بعض نے کہا صدقہ سرا (پوشیدہ) اس وجہ سے سخت و قوی ہے کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض نے کہا اس وجہ سے کہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت زیادہ ہے ورضوان من اللہ اکبر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یُّنْفِقُ مِنْ کُلِّ مَالٍ لَّہٗ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا اسْتَقْبَلَتْہُ حَجَبَۃُ الْجَنَّۃِ کُلُّھُمْ یَدْعُوْہُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ قُلْتُ وَکَیْفَ ذٰلِکَ قَالَ اِنْ کَانَتْ اِبِلًا فَبَعِیْرَیْنِ وَ اِنْ کَانَتْ بَقَرًا فَبَقَرَتَیْنِ۔

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

تیسری فصل

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے ہر مال سے جوڑا[1] اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ مگر جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک اس چیز کی طرف بلائیگا جو اس کے پاس ہوگی[2]۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے کرے۔ فرمایا اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہو تو دو گائیں دے۔[3] (نسائی)

[1] جیسے دو گھوڑے۔ یا دو اونٹ۔ یا دو جنس میں سے ہم مثل جیسے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ۔ یا ایک درہم اور ایک دینار۔

[2] یعنی وہ ناز و نعمت کی چیزیں کہ زبان ان کی شرح کرنے سے قاصر ہے۔

[3] اور جب کہ خود حدیث میں زوجین کی تفسیر بیان ہو گئی ہے تو یہ بات متعین ہو گئی کہ مراد یہی ہے۔ ہاں محض احتمال لفظ کی بنا پر دو جنسوں کے ساتھ بھی تفسیر کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ شاید کسی دوسری جگہ سے بھی یہ دوسری تفسیر سمجھ آجائے واللہ اعلم۔

وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ

حضرت مرثد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت

حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ صَدَقَتُهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

سے فرماتے ہیں بمجھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا قیامت کے دن مسلمان کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا[2] (احمد)

[1] مرثد میم کی زبر را ساکن ثا کی زبر سے۔ حضرت مرثد بن عبداللہ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ اپنے وقت میں مصر کے مفتی تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

[2] یعنی قیامت کے روز مومن کی جائے پناہ اور اس کا سایہ اور اس کے آرام کا سبب اور اس کی نجات کا ذریعہ اس کا وہ صدقہ ہوگا جو اس نے راہ خدا میں دیا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صدقہ کو قیامت کے دن سائبان کی شکل میں ان کے اوپر پھیلا یا جائے گا کہ روز محشر کی گرمی سے اس کے سر پر سایہ کرے گا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِیَالِهٖ فِی النَّفَقَةِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ قَالَ سُفْیَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَرَوَی الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْهُ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَجَابِرٍ وَضَعَّفَهٗ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دسویں محرم شریف کے دن اپنے بچوں کے خرچ میں فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ سارا سال اس کو فراخی عطا کرے گا۔ حضرت سفیان[1] فرماتے ہیں ہم نے اس حدیث کا تجربہ کیا تو ایسے ہی پایا۔ (رزین)[2] اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی عبداللہ بن مسعود و ابوہریرہ اور ابو سعید و جابر کے روایت کیا اور اسے ضعیف قرار دیا۔ (ضعیف)

[1] حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ۔

[2] یعنی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت رزین عبدری نے روایت کیا۔ جو اکابر علمائے حدیث میں سے ہیں۔

[3] یعنی امام بیہقی نے اسے ابن مسعود، ابوہریرہ و ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ سے روایت کیا۔ اور اسے ضعیف

کہ تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا۔ تو اللہ جس مرد سے پیار کرتا ہے وہ یہ مرد ہے جو اپنی قوم کے لوگوں سے الگ اور جدا ہوا اور سائل کو چپکے سے کچھ دیا۔ اس سے وہ مرد مراد نہیں جو ایک قوم کے پاس مانگنے کے لیے آیا جیساکہ ظاہر عبارت سے مفہوم رہتا ہے۔

۵ یعنی جس چیز کو نیند کے برابر قرار دیا جاسکتا ہے اس سے بھی زیادہ انہیں نیند محبوب ہو گئی۔

۶ بعض نسخوں میں نقام احدہم آیا ہے یعنی ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا۔

۷ چاپلوسی سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے مناجات کرنے لگے۔ اور غایت تضرع و عاجزی میں ڈوب جائے پھر حدیث کے الفاظ تبلو آیاتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک کو نقل کیا بغت کی کتاب صراح میں ہے تملق بمعنیٰ چاپلوسی کردن اور تملق بمعنی اس نے دوستی و نرمی کی۔ اور تملق میں اس ناز و نیاز کا بیان ہے جو محب و محبوب کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور اس میں ان اسرار و رموز کی جانب اشارہ ہے جو زبان حال و وقت سے ہی بیان ہو سکتے ہیں۔ جیساکہ زبان مجاز سے اس جانب اشارہ کیا گیا ہے ہے مگر حقیقی حال میں اس سے بہت بلند ہے۔

اے عاشق ناز ارجمنداں معشوق نیاز مستمنداں

چشم کرم تو عین ناز است نازی کہ درو دصد نیاز است

اے ارجمند (خوش قسمت) لوگوں کے ناز و ادا کے عاشق۔ اور محتاج لوگوں کے نیاز کے معشوق۔

تیری چشم کرم عین ناز ہے۔ تیرا یہ ناز ایسا ناز ہے کہ اس میں سو درجے نیاز پایا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہی بلند شان والا ہے۔ جو پاک وعزت و بزرگی والا ہے۔ مشائخ طریقت قدس اسرارہم فرماتے ہیں۔ بہشت کے تمنانات میں سے جو اس دنیا میں رکھا گیا ہے ذوق چاپلوسی ہے جو محبوں اور عاشقوں کو وقت سحر کی مناجات میں نصیب ہوتا ہے۔ یہ دراصل مشاہدہ قلبی کی جانب اشارہ ہے جو اس عالم آخرت میں دیدار بصری کی صورت میں نصیب و عطا ہوگا اسے اللہ ہمیں مشاہدۂ قلبی اور دیدار بصری عطا فرما۔

۸ یعنی اس نے جنگ و جہاد کی طرف رخ کیا۔ "سینہ تانے آگے ہوا" میں اس کے شیر نے اور بہادری میں مبالغہ کا بیان ہے۔ یعنی سینہ کھولے بے تحاشا جرأت و دلیری سے آگے بڑھا۔

۹ کہ اسے شرم نہیں آتی کہ ضعف آلہ اور عدم قدرت کے باوجود محض خبث باطن اور گرفتاری شہوت کے تحت اپنے آپ کو اس گھناؤنے گناہ سے آلودہ کرتا ہے۔

۱۰ یعنی وہ درویش وگداگر ہے جس میں تکبر و سرکشی پائی جاتی ہو کہ اسباب غربت نامرادی اور خستہ و شکستہ حال کے باوجود نفس و شیطان کے بہکانے سے غرور و سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ سے

بس زشت است از گدایان نشست تر دزیبد و وقت سرد و جامہ تر۔

قرار دیا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس حدیث کے طرق ضعیف ہیں۔ لیکن بعض کو بعض سے ملایا جائے تو ضعف ختم ہو کر اس میں قوت آجاتی ہے۔

واضح ہو کہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے یوم عاشورہ کے بارے میں جو اعمال پایہ ثبوت کو پہنچے ہیں۔ وہ ایک تو روزے ہیں دوسرے طعام و کھانے کی وسعت و کشادگی روز دن کی حدیث تو صحیح ہے مگر طعام کی حدیث ضعیف مگر طرق کی کثرت تعداد سے یہ حدیث مرتبہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ میں روزہ عاشورہ میں وارد صحیح، حسان اور ضعیف و موضوع احادیث سب تفصیل سے بیان کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَۃَ مَاذَا ھِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُّضَاعَفَۃٌ وَعِنْدَ اللّٰہِ الْمَزِیْدُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت[1] ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوذر نے عرض کیا یا نبی اللہ فرمایئے صدقہ کا درجہ و مرتبہ کیا ہے۔ فرمایا وہ چند در چند ہے[2] (یعنی دو گنا دو گنا) اور اللہ کے ہاں زیادتی اس کے علاوہ ہے۔ (احمد)

[1] حضرت ابو امامہ مشہور صحابی ہیں۔ ایک ابو امامہ تابعین میں سے بھی ہیں۔ مگر اس کنیت کے ساتھ مذکورہ صحابی زیادہ مشہور ہیں۔

[2] یعنی صدقہ کا ثواب دو گنا دو گنا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دس سے سات سو تک ہے اور آیہ کریمہ۔ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ (ترجمہ آیۃ) اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال اس ایک دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے ہر خوشے میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس سات سو سے بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ دوسرے قول میں فرمایا۔ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ اس آیۃ کریمہ کے آخر میں اس جانب اشارہ موجود ہے۔ لفظ ضعف ضاد کی زبر کے ساتھ بمعنی چیز کی مثل جیسے ایک برابر۔ زیادہ کریں تو اس کا دوگنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جتنا آگے چلتے جاؤ۔

بَابُ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ

افضل صدقہ کا بیان

صدقہ کی فضیلت: اس کا بہترین ہونا، اس اعتبار سے ہے کہ صدقہ اپنی حدذات میں نفع مند نقل ہے۔ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ پھر جس قدر اس کی ضرورت وحاجت ہوگی اسیقدر صدقہ کی افضیلت ہوگی۔ جس طرح پانی۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کی کسی وقت یا حالت یا کسی قوم کی حاجت وضرورت کے لحاظ سے ضرورت وحاجت ہوتی ہے۔ یا ہر وہ جو صدقہ کرنے والے کی اچھی حالت کے اعتبار سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسے تنگدستی کی حالت میں صدقہ کرنے یا اس کے غنی کی پشت سے ہونا جیسا کہ احادیث کی شرح میں اس کا معنیٰ معلوم ہوگا۔ یوں ہی صدقہ کا بہابت اخلاص، صدق نیت اور شرح صدر کے ساتھ بغیر احسان جتلانے اور تکلیف دینے کے مسکین کے ہاتھ میں پہنچنا۔ اس کے علاوہ اور اچھائیوں کا موجود ہونا۔ یا جس کو صدقہ دیا جارہا ہے اس میں کسی عمدہ صفت کا موجود ہونا۔ اس سے سوال کرنا اسی طرح کی اور باتیں۔ اور اس باب میں اکثر احادیث جو مذکور ہوئی وہ اسی قسم اخیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان مذکورہ وجوہات کے تحت جو صدقہ دیا جائے گا ان کی وجوہات کی اہمیت کے مطابق بہتر سے بہتر قرار پائے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَّ ابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَکِیْمٍ وَّحْدَهٗ)

حضرت ابوہریرہ اور حکیم بن حزام[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو توت غنا سے ہو۔ اور خرچ کی ابتداء ان سے کر جن کی تو پرورش کرتا ہے۔

اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے اسے صرف حکیم سے روایت کیا۔[1]

[1] حزام حاکی زیر بعد میں زا۔ آپ مشہور صحابی ہیں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ ہیں، اشراف قریش میں سے ہیں۔ ایک سو بیس برس عمر پائی ساٹھ برس دور جاہلیت میں گذرے اور ساٹھ برس اسلام کا زرین دور دیکھنا نصیب ہوا۔

ؔ یعنی وہ صدقہ بہترین صدقہ ہے جو غنی کی قوت سے صادر اور وقوع پذیر ہوا۔ یعنی وہ دولتمندی جس پر صدقہ کرنے والے کو اعتماد ہوتا ہے۔ یعنی اپنی دولتمندی کو باقی رکھتے ہوئے صدقہ کرنے والا۔ کہ وہ صدقہ تو دا سے محتاج و فقیر نہ کرے مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے خرچہ اور روزی رکھ کر زاید مال صدقہ کرنے والا۔ ایسا نہ کرے کہ سب مال صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کو بھوکا مارے۔ چنانچہ حدیث کے آخری جملہ وابدأ بمن تعول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ چیز بیان فرمادی۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ لفظ ما کان عن ظہر غنی کہ صدقہ غنا اور سخاوت نفس سے ہو۔ خدا تعالیٰ پر توکل بھروسہ کرتے ہوئے۔ اور یہ کہ صدقہ کرنے میں فقر و محتاجی سے نہ ڈرے۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا کی جب کہ آپ نے سارا مال صدقہ کر دیا اور گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا اپنے عیال کے لیے تو نے کیا باقی رکھا ہے۔ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا افضل الصدقہ جہد المقل یعنی افضل صدقہ وہ ہے جس سے تنگدستی لاحق ہو جائے۔ جیسا کہ دوسری فصل میں آرہا ہے۔ مگر معنیٰ اول کے بارے میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ اور تحقیق مقام یہ ہے کہ توکل صحیح اور اہل و عیال بھی موافقت کرے سب کچھ دیدے ورنہ اہل و عیال کی رعایت کرے۔ اور جانب نفس و عیال کا لحاظ کرے۔ پھر صدقہ جہد المقل میں بھی اپنے عیال کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

ؔ یعنی اس حدیث کو مسلم نے صرف حضرت حکیم سے روایت کیا اور امام بخاری نے حضرت حکیم و ابوہریرہ دونوں سے روایت کی تو حکیم کے اعتبار سے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور صرف ابوہریرہ سے بخاری کے افراد میں سے ہو گئی۔ (فتامل فیہ)

وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً.	حضرت ابو مسعود[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی طلب میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے[2]
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	(بخاری مسلم)

ؔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ ان کو بدری صحابی کہا گیا ہے۔ مگر جمہور علماء اس پر ہیں کہ ان کی بدر کی طرف نسبت ان کے بدر میں سکونت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آپ بدر میں رہتے تھے۔ اس وجہ سے بدری نہیں کہتے کہ آپ غزوہ بدر میں حاضر و موجود تھے۔ واللہ اعلم۔

ؔ یعنی اگرچہ فقراء و مساکین کو نہ دے بلکہ ثواب کی نیت سے صرف اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو یہ بھی اس

کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَ دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار وہ ہوتا ہے جو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور ایک وہ دینار جو تو گردن آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اور ایک وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرتا ہے۔ اور ایک دینار جو تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے ان سب میں زیادہ ثواب اس کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے۔

(مسلم شریف)

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى عِيَالِهٖ وَ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى دَابَّتِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دینار جو انسان خرچ کرتا ہے۔ وہ ہے جسے انسان اپنے بال بچوں پر خرچ کرے[۱]۔ اور دوسرا وہ دینار جسے انسان اللہ تعالیٰ کے لیے گھوڑے پر خرچ کرے[۲]۔ اور وہ دینار جسے بندہ اللہ کی راہ میں اپنے دوستوں پر خرچ کرے[۳]۔

(مسلم شریف)

[۱] بال بچوں سے مراد بیوی بچے اور ہر وہ فرد ہے جس کی پرورش اس کے ذمہ ہے۔

[۲] یعنی ایسے گھوڑے پر جو راہ خدا (جہاد فی سبیل اللہ) کے لیے ہو اس پر خرچ کرنا بھی کار ثواب ہے۔ البتہ وہ گھوڑا جو اپنی سواری کے لیے ہو تو گھریلو سامان کی طرح ہے۔

[۳] کہ یہ تین مقامات صدقہ کے افضل مصارف ہیں۔ باقی رہی بات کہ ان تینوں میں سے فضیلت کس عمل کو حاصل ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ جو اس مقام پر یہاں پہلے ذکر کیا گیا ہے (یعنی بال بچوں پر خرچ کرنا) اس کا پہلے ذکر ہی اس بنا پر کیا گیا ہو کہ وہ سب سے افضل ہے۔ اور دوسری کئی حدیث اس امر کی صراحت بھی کرتی ہیں۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِیْ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں

عَلٰی بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اِنَّمَا ھُمْ بَنِیَّ فَقَالَ اَنْفِقِیْ عَلَیْہِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْہِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ابو سلمہ[۲] کے بچوں پر خرچ جو میرے ہی بچے ہیں، خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان پر خرچ کرو تمہیں ان پر خرچ کا ثواب ہے۔ (مسلم بخاری)

[۱] یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

[۲] حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ام سلمہ کے شوہر تھے۔ اور اکابر صحابہ میں سے تھے۔ جب ان کا وصال ہوگیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئیں حضرت ابو سلمہ کے بچے رہ گئے تھے۔ جن پر حضرت ام سلمہ خرچ کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے ان پر خرچ کرنے میں ثواب ملے گا؟ کیونکہ جب وہ میرے خاوند کے بچے ہیں تو گویا میرے بھی بچے ہیں۔ یاد رہے کہ ابو سلمہ کے بچوں سے وہ بچے مراد نہیں جو حضرت ام سلمہ کے بطن مبارک سے تھے کہ وہ تو حقیقۃً حضرت ام سلمہ ہی کے بچے تھے۔ ان بچوں کی نسبت صرف ابو سلمہ کی طرف کرنا چنداں فائدہ نہیں رکھتی۔ اور وہ بچے عمر و زینب تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ یعنی جن کی پرورش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوتی تھی۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ زَیْنَبَ امْرَاَۃِ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰی عَبْدِ اللہِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِیْفُ ذَاتِ الْیَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَۃِ فَأْتِہٖ فَاسْئَلْہُ فَاِنْ کَانَ ذٰلِكَ یُجْزِیْ عَنِّیْ وَاِلَّا صَرَفْتُہَا اِلٰی غَیْرِکُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِیْ عَبْدُ اللہِ بَلِ ائْتِیْہِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَاَۃٌ مِّنْ

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب[۱] سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کے گروہ صدقہ[۲] کیا کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو۔ فرماتی ہیں میں عبد اللہ کی طرف لوٹ کر آئی اور ان سے کہا تم کچھ مسکین اور تنگدست انسان ہو[۳] اور رسول اللہ صلی اللہ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے تم وہاں حاضر ہو کر پوچھ آؤ۔ اگر تم کو میرا صدقہ درست ہے[۴] تو خیر ورنہ میں آپ لوگوں کے سوا کسی اور جگہ خرچ کروں[۵]۔ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت عبد اللہ نے کہا تم ہی[۶] وہاں جاؤ میں چلی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر

الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ قَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْاَلَانِكَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى اَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى اَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَ تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَاَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَاَةُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

ایک اور انصاری عورت بھی موجود تھی جسے میرے جیسا[1] ہی کام تھا حضرت زینب فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت کی طرف سے ہیبت عطا کی گئی تھی۔ فرماتی ہیں ہمارے پاس حضرت بلال آئے۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤ۔ اور عرض کرو کہ دروازے پر دو عورتیں حاضر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی ہیں۔ کہ کیا ان کا اپنے خاوندوں اور ان یتیموں[2] پر خرچ کرنا جو ان کی پرورش میں ہوں، صدقہ بن جائے گا اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون[3] ہیں۔ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون ہیں عرض کیا کہ ایک انصاری عورت اور حضرت زینب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کونسی زینب[4] عرض کیا عبداللہ کی زوجہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ہے۔ ایک قرابت کا ثواب دوسرا اجر صدقہ۔

(مسلم بخاری اور الفاظ مسلم کے ہیں)

[1] آپ صحابیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم وعنایت خاص سے بہرہ ور تھیں ان سے ان کے خاوند حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں۔

سے یعنی عورتوں کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے ہوئے ۔
سے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے یہ کلمہ سن کر میں اپنے خاوند عبداللہ کی طرف واپس آئی ۔
سے یعنی تم فقیر اور تنگدست انسان ہو زیادہ مال نہیں رکھتے ۔
شہ یعنی کیا یہ بات کفایت کرے گی آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقہ کروں حالانکہ ازدواجی زندگی کے اعتبار سے میرا ہر چیز میں آپ کے ساتھ اشتراک واختلاط پایا جاتا ہے ۔ اس کے باوجود میرا آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقہ کرنا ثواب کیلئے کفایت کرے گا ۔

سے یعنی اگر میرا تم پر اور تمہاری اولاد پر صدقہ کرنا کفایت کرتا ہے تو میں اسے ادا کرتی ہوں اور تم پر صرف کر دیتی ہوں اور اگر کفایت نہ کرے تو میں دوسرے لوگوں پر صرف کر دیتی ہوں یہاں حدیث میں الی غیر کم اور علی غیر کم دونوں طرح روایت ہے ۔

سے یعنی حضرت عبداللہ نے فرمایا بلکہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا اور آپ سے یہ مسئلہ دریافت کر ۔ مجھے جانے کی تکلیف نہ دے گویا حضرت عبداللہ یہ دریافت کرنے سے شرم کھا گئے ۔ کیونکہ یہ حیا وحجاب کا مقام تھا ۔
شہ یعنی اس نے بھی یہ مسئلہ دریافت کرنا تھا کہ شوہر اور اس کے متعلقین پر عورت کا خرچ درست ہے یا نہیں ۔
سلہ بظاہر یہ دونوں عورتیں اپنے خاوند پر مال خرچ کرنے کا مسئلہ دریافت کرنے آئی تھیں مگر ان کے دل میں یتیموں پر مال خرچ کرنے کا مسئلہ بھی موجود تھا ۔ بالیقین اس وقت ان کے دل میں یہ مسئلہ پوچھنے کا خیال پیدا ہوا ۔
سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارا نام نہ لینا تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں اپنے پاس بلانے میں تکلیف محسوس نہ کریں اور آپ کا وقت ضائع ہو دوسرے اس وجہ سے بھی کہ نام لینے کی حاجت وضرورت نہیں ہے ۔
سلہ کیونکہ بہت سی صحابیات کے نام زینب تھے ۔ اس لیے آپ نے دریافت فرمایا کونسی زینب ۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر کہ مشہور زینب یہی ہیں، مطلق زینب کا نام لے لیا ان کے خاوند کا نام نہ لیا ۔ یا حضرت بلال نے صرف اس عورت کا نام سنا تھا دوسری کا نام نہ سنا تھا ۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بیوی کو کفایت کرتا ہے کہ اپنے شوہر اور اس کے یتیم تعلق داروں پر خرچ کرے ۔ بعض نسخوں میں لفظ نعم نہیں ہے ۔ بلکہ آپ نے صرف اسقدر فرمایا لھما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ یعنی ان دونوں عورتوں کو دو اجر ملیں گے ایک اجر قرابت اور دوسرا اجر صدقہ ۔ لہذا ان پر خرچ وصدقہ کرنا ان کے غیر پر صدقہ وخرچ کرنے سے افضل واکمل ہوگا ۔

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحٰرِثِ أَنَّهَا أَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ

حضرت میمونہ بنت حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک لونڈی آزاد کی

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ اَجْرِكِ.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تو لونڈی اپنے ماموؤں کو دیدیتی تو تجھے بڑا ثواب ملتا۔

(بخاری مسلم)

سلہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا۔

سلہ جنہیں خادم کی ضرورت تھی ۔ تو تجھے بہت زیادہ ثواب ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے غلام آزاد کرنے سے صلہ رحمی کا درجہ و ثواب زیادہ ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بیشک میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں ۔ فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہے

(بخاری شریف)

سلہ اس بارے میں معتبر ہمسائے کے دروازے کی نزدیکی ہے ۔اس کے گھر سے متصل یا قریب ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو سلہ

(بخاری شریف)

سلہ کہ کچھ شوربہ ان کے گھر بھی بھیجو۔ حدیث میں لفظ مَرَق میم درا کی زبر سے بمعنی شوربہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا صدقہ سب سے افضل ہے فرمایا افضل صدقہ وہ جو کم مال والا انسان اپنے کو مشقت میں ڈال کر کرسکے ۔اور پرورش وخرچ کی ابتدا اپنے

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) عیال سے کر۔

لہ یعنی کم مال والا بندہ اپنے آپ کو مشقت و تکلیف میں ڈال کر جو صدقہ کرتا اور اپنی وسعت وطاقت کے مطابق دینا ہے یہ افضل صدقہ ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جُہد جیم کی پیش وزبر دونوں لغت ہیں۔ بعض نے کہا جیم پر زبر کی صورت میں اس کا معنی مشقت ہے۔ اور جیم پر پیش پڑھیں تو اس کا معنی وسعت وطاقت ہے۔ مگر یاد رہے یہ اس وقت افضل صدقہ قرار پاتا ہے جب کہ صحیح توکل اور قوت یقین سے ہو۔ اور بندے کے بال بچے بھی اس سے موافقت کریں۔ اور اگر وہ سب کچھ دینے پر راضی نہ ہوں تو پھر جائز نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر۔

وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سلیمانؓ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین پر صدقہ کرنا ایک درجہ ثواب رکھتا ہے۔ اور وہی صدقہ ذی رحم رشتہ داروں پر کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی احمد۔ ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ۔ اور دارمی۔

لہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے یعنی سُلیمان سین کی پیش اور یا کے ساتھ۔ علماء نے کہا ہے کہ درست سَلمان ہے یعنی سین کی زبر اور بغیر یا کے سلیمان یا تو کاتب کا سہو ہے یا صاحب کتابت کا۔ کتاب مغنی میں فرمایا کہ ہر جگہ سلیمان یا کے ساتھ ہے ماسوائے سلمان فارسی وسلمان بن عامر وسلمان اعز وعبدالرحمٰن بن سلمان کہ یہ یا کے بغیر ہیں اور سلیمان بن عامر صحابی ہیں ان کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِيْ دِيْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میرے پاس ایک دینار ہے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کر۔ اس نے کہا میرے پاس ایک درہم اور ہے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کر اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر لہ اس نے عرض کیا میرے پاس اور دینار بھی ہے۔ فرمایا تو بہتر جانتا ہے لہ۔

أَنْتَ أَعْلَمُ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ) ابوداؤد نسائی

سلہ یا سواری کے جانور کو بھی خادم کے حکم میں داخل کیا۔

سلہ یعنی تو مستحق انسان کا حال بہتر جانتا ہے۔ تو جسے تو مستحق جانتا ہے اسے دیدے۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِيْ يَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ لَهٗ يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ فِيْهَا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَ لَا يُعْطِيْ بِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں سب سے بہتر انسان کی خبر نہ دوں بہترین مرد وہ ہے جو راہ خدا میں جہاد کے لیے جانے کی خاطر اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا ہے پھر اس کے بعد سب سے بہترین انسان میں تمہیں نہ بتلاؤں جو الگ اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے میں تمہیں سب سے بدتر انسان بتلاؤں۔ یہ وہ شخص ہے جس سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا جائے اور وہ نہ دے۔ (ترمذی نسائی۔ دارمی)

سلہ یعنی سوار ہو کر کفار کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کھڑا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ انسان بہترین لوگوں میں سے ہے ورنہ وہ شخص جو علم الٰہی زیادہ رکھتا ہو۔ بہت متقی اور بہت ڈرنے والا اور دنیا سے بہت بے رغبت ہو اور اس پر جہاد بھی فرض نہ ہو تو وہ اس شخص سے بھی بہتر ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

سلہ کہ فقراء پر بھی صدقہ کرتا ہے۔

سلہ اس ترجمہ کے مطابق یسأل صیغہ مضارع مجہول ہوگا اور لا یعطی مضارع معروف۔ اور بہ مسئول عنہ کا حال ہے بعض نے یَسْأَلُ معروف اور ولا یعطی بہ مجہول پڑھا ہے یعنی جو خدا کے نام سوال کرے مانگے اور وہ نہ دے کہ اس طرح انکار سے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی ہتک لازم آتی ہے۔

وَ عَنْ أُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کو کچھ دیکر واپس کیا کرو اگرچہ بکری کی جلی ہوئی

مُّحْرَقٍ کھری ہی کیوں نہ ہو۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ مَعْنَاهُ) اسے مالک، نسائی نے روایت کیا اور ترمذی وابو داود نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

سلہ بجید با کی پیش، جیم کی زبر اور یا آخر میں دال۔ آپ انصاریہ صحابیہ ہیں۔

سلہ حدیث میں واقع لفظ ظِلف ظا معجمہ کی زبر لام ساکن سے بمعنی گائے بکری کا پھٹا ہوا کھر۔ اور یہ مبالغہ ہے۔ پھر محرق جلا ہوا) میں زیادہ مبالغہ ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَ مَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَ مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَ مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَاْتُمُوْهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے اللہ کے نام پر پناہ لے[1] اسے پناہ دو۔ اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے کچھ دو۔ اور جو تمہاری دعوت کرے اس کی دعوت قبول کرو[2]۔ اور جو تم سے بھلائی کرے[3] اسے بھلائی کا بدلہ دو۔ پھر اگر ایسی چیز نہ پاؤ جس سے اس کا بدلہ دے سکو تو اس کے لیے دعا ہی کرو یہاں تک کہ تم خیال کرو کہ تم نے اس کا بدلہ دیدیا ہے[4]۔ احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی۔

سلہ یعنی تمہارے شر یا کسی اور کے شر سے۔

سلہ جب کہ اس میں کوئی حسی یا شرعی مانع اور رکاوٹ نہ ہو۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ صَنَعَ آیا ہے جو صُنع سے مشتق ہے۔ یعنی صاد کی پیش سے۔ اس کا معنیٰ ہے نیکی کرنا جس طرح معروف کا معنی بھی نیکی ہے۔ پھر یہاں لفظ صَنَعَ فعل کے معنیٰ میں ہے۔

سلہ یعنی دعا کرنے میں اتنا مبالغہ اور تکرار کرو کہ اس کا بدلہ بن جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی مکافات کے لیے جزاک اللہ خیرا کہنا کفایت کرتا ہے اور فرماتے تھے کہ مکافات میں مبالغہ یہ ہے کہ مکافات کی پوری کوشش کے باوجود اپنے نفس کو اس کا بدلہ دینے میں عاجز محسوس کرتے ہوئے۔ اس کے بدلے کو خدا سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کرے۔

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْاَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام پر نہیں مانگی جاتی مگر جنت

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ) (ابو داؤد)

لے یعنی اس کی ذات اور اس کے نام سے جنت ہی مانگی جاتی ہے۔ اس کے اور معنی ہیں ایک لوگوں کو منع کرنا کہ وہ اللہ کے نام سے نہ مانگا کریں۔ کیونکہ جب آپ نے فرمایا سوال نہ کیا جائے اللہ کے نام سے مگر جنت۔ اور جنت کا کریہ سوال لوگوں سے کیا نہیں جاسکتا۔ اس سے خود بخود لازم آگیا کہ لوگوں سے اللہ کے نام پر کوئی چیز نہ مانگی جائے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہ مانگی جائیں دنیا کی چیزیں اور سامان کیونکہ دنیا بہت حقیر و فانی چیز ہے۔ اگر خدا سے سوال کرو تو جنت کا سوال کرو کہ وہ عظیم المرتبہ اور باقی رہنے والی ہے۔ مقصود اس عبارت سے بھی مبالغہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِّنْ نَّخْلٍ وَّ كَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهٖ بَيْرُحَآءَ وَ كَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَ يَشْرَبُ مِنْ مَّآءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ اِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرُحَآءَ وَ اِنَّهَا صَدَقَةٌ لِّلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَ ذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا

تیسری فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تمام انصار سے زیادہ باغات کے مالک تھے اور انہیں زیادہ پیارا مال باغ بیر حاء تھا۔ جو مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے جاتے اور وہاں کا بہترین پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ نازل ہوئی حضرت ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کھڑے ہوکر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ رب تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر یعنی تم لوگ اس وقت تک بھلائی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو۔ اور میرا پسندیدہ مال باغ بیر حاء ہے۔ اب وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَیْثُ اَرَاکَ اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَھَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَۃَ اَفْعَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَسَمَھَا اَبُوْ طَلْحَۃَ فِیْ اَقَارِبِہٖ وَبَنِیْ عَمِّہٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کا ثواب اور اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں۔ یا رسول اللہ آپ اسے وہاں خرچ کریں جہاں رب تعالیٰ آپ کی رائے قائم فرمائے (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یہ تو بڑا نفع کا مال ہے۔ جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں میں وقف کردو ابوطلحہ بولے یا رسول اللہ میں بھی چاہتا ہوں۔ پھر ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچا زادوں میں تقسیم کردیا۔

(مسلم بخاری)

۱؎ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت انس کی والدہ کے شوہر ہیں۔

۲؎ بیرحاء ایک باغ کا نام ہے۔ اس لفظ کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ مشہور تلفظ با کی زبر حا الف مقصورہ یا ممدودہ کے ساتھ۔ جیسا کہ اول کتاب میں گذرا۔ یہ باغ مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا۔ حضور علیہ السلام اس میں موجود عمدہ اور شیریں پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی جس کو آپ دینا چاہتے ہیں دیں اور جو جگہ آپ مناسب جانتے ہیں وہاں صرف کریں۔

۴؎ بخ بخ بمعنی خوب خوب۔ بخ بخ دراصل ایسا کلمہ ہے جو فخر مدح اور کسی چیز پر راضی وخوش ہونے پر بولا جاتا ہے فارسی میں لفظ خہ خہ کا بھی یہی معنی ہے۔ یعنی بیرحاء بہت نفع مند مال ہے اسے خرچ کردے۔ تکرار مبالغ کے لیے ہے اس کا آخر ساکن ہے اور جب دوسرے سے ملاتے ہیں تو مجرور اور نون تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ مخفف ہے کبھی شد سے بھی پڑھتے ہیں۔

۵؎ میں نے سن لیا اور قبول کیا جو تو نے کہا اور نیت خیر کی۔

۶؎ تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب تجھے ملے۔ حضرت ابوطلحہ نے کہا میں ایسا ہی کرتا ہوں جیسا آپ نے فرمایا ہے۔ اور میں اسے اپنے خویش واقارب میں خرچ کرتا ہوں۔

۷؎ یہ اقارب کا بیان ہے یا اقارب ان کے علاوہ ہیں۔ منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امارت میں حضرت ابوطلحہ کے اقارب سے یہ باغ خرید لیا اور اس جگہ بلند محل تعمیر کیے۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ تُشْبِعَ کَبِدًا جَائِعًا۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو بھوکے جگر کو سیر کرے[1]۔
اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا بھوکے جگر والا مومن ہو یا کافر انسان ہو یا غیر انسان۔

بَابُ مَا تُنْفِقُہُ الْمَرْأَۃُ مِنْ مَّالِ زَوْجِھَا

اس امر کا بیان کہ عورت اپنے خاوند کے مال میں سے کیا خرچ کرسکتی ہے

مؤلف رحمۃ اللہ کی عادت شریف ہے کہ کبھی باب کو بے ترجمہ ذکر کرتے ہیں اور اس باب میں باب سابق کے متممات و ملحقات بیان کرتے ہیں۔ اور بعض نسخوں میں باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج آیا ہے۔ اور بعض میں باب نفقۃ المرأۃ من مال زوجھا آیا ہے۔ اس باب کی احادیث عورت کے نفقہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ بلکہ خازن اور خادم کو بھی شامل ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِھَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَھَا اَجْرُھَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِھَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُھُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فصل اول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے سے کچھ خیرات کرے بشرطیکہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو تو اسے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے خاوند کو کمانے کا ثواب۔ اور خزانچی کو بھی اس کے برابر جن میں کوئی دوسرے کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا[1]۔
(بخاری مسلم)

سب کو کامل ثواب ملے گا۔ کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ پھر یہ حدیث اس بات سے مطلق اور عام ہے کہ عورت نے اس کھانے میں سے خرچ کرنے کی خاوند سے اجازت لی ہو یا نہ لی ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت کے لیے اپنے مرد کے مال سے بلا اس کی اجازت کے کچھ بھی خرچ کرنا جائز نہیں۔ اور اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ اہل حجاز کی عادت پر مبنی ہے کہ گھر والوں اور خادم کو انہوں نے اجازت دی ہوتی ہے۔ کہ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں سائلوں اور ضعیفوں کو صدقہ کرتے ہیں۔ مگر آیندہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ مرد کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز ہے۔ شاید کہ علماء کی مذکورہ جماعت اسے امر جدید پر حمل کرتی ہو۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَلَهَا نِصْفُ اَجْرِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بیوی نے مرد کی کمائی سے بلا اجازت اس کے حکم کے خرچ کیا[1] تو اس کو نصف ثواب[2] ملے گا۔ (بخاری مسلم)

[1] مگر عورت کو اپنے خاوند کی رضامندی کا پتہ یا تو صریحًا یا دلالۃً ہوتا ہے اور چیز بھی معمولی ہو جیسا کہ حواشی میں مذکور ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا کہ مرد کا امر و حکم لوگوں کی عادت سے متعلق ہے۔ خواہ شہری ہو یا دیہاتی۔ اور مختار پسندیدہ قول یہی ہے۔

[2] یعنی وہ ثواب دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ الْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِيْنُ الَّذِیْ يُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُّوَفَّرًا طَيِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ فَيَدْفَعُهٗ اِلَی الَّذِیْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان امانت دار خزانچی کو جو اسے حکم دیا جائے وہ پورا اور مکمل خوشدلی[1] سے خیرات کرے اور اس کو دے جسے دینے کو کہا گیا تو وہ بھی دو میں سے ایک صدقہ[2] دینے والا ہے۔ (بخاری مسلم)

[1] یعنی خوشدلی سے دے بوجھ محسوس نہ کرے۔ اور دل تنگ ہو کر نہ دے۔

[2] دو صدقہ کرنے والوں میں سے ایک تو خود وہ مالک ہے کہ حقیقۃً صدقہ کرنے والا وہی ہے۔ دوسرا یہ خازن ہے

بجز ان صفات مذکورہ سے موصوف ہو وہ بھی صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔ یہ عبارت دراصل اس قبیل میں سے ہے جو کہتے ہیں کہ القلم احد اللسانین کہ قلم دو زبانوں سے ایک زبان ہے والخال احد الابوین کہ ماموں دو باپوں میں سے ایک باپ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ بھی ثواب واجر میں شریک ہے۔ اور لفظ متصدقین قاف کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی جمع مذکر کی شکل میں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَ اَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بیشک میری ماں اچانک فوت ہو گئی ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ اگر بولتی تو خیرات کرتی تو کیا اسے ثواب ہوگا اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں فرمایا ہاں۔ (مسلم بخاری)

لہ حدیث میں لفظ افتلتت آیا ہے جو فتلہ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے اچانک موت کا حادثہ پیش آجانا۔ افتلات کا معنی لے جانے کا بھی آتا ہے۔

لہ یعنی اگر وہ ہوشیار ہوتیں اور بول سکتیں تو کسی چیز کا صدقہ کرتیں اور صدقہ کرنے کی وصیت کرتیں۔

سہ ہاں اسے اجر و ثواب ملے گا اگر تو اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اسی طرح دعا و استغفار کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اہل حق (اہلسنت وجماعت) کا مذہب بھی ہے۔ ہاں بدنی عبادات میں اختلاف ہے۔ مثلاً نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ۔ اس میں ہی پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روضۃ الریاحین میں فرمایا کہ شیخ اجل اکرم عزالدین عبدالسلام رحمۃ اللہ کو لوگوں نے بعد وفات خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا ہم دنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم برزخ میں آکر ہم نے اس کے خلاف پایا ہے۔ اور اللہ ہی دعاؤں کو سننے والا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کے خرچ نہ کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کھانا بھی نہیں[1] فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے[2]

(ترمذی)

[1] یعنی کیا کھانے سے بھی کچھ بے اجازتِ خاوند نہیں دے سکتی باوجود کہ اس کی مالیت اور قدر و قیمت دراہم و دینار کی طرح نہیں ہوتی۔

[2] آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں دے سکتی کیونکہ وہ سب مالوں سے بہتر و افضل مال ہے کہ اس سے تو فی الفور روزی کی حاجت برآری ہوتی ہے اور انسان کی بقائے زندگی بھی اس پر ہے۔ یہاں کھانے سے مراد غلہ اور کھجوریں ہیں پکا ہوا کھانا مراد نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کھانے کا لفظ عام ہو۔ اور پکے ہوئے کھانے کو بھی شامل ہو۔ بعض نسخوں میں افضل اموال الناس آیا ہے یعنی لوگوں کا افضل ترین مال۔

عَنْ سَعْدٍ[1] قَالَ لَمَّا بَايَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَأَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا كَلٌّ عَلَى أَبْنَائِنَا وَأَزْوَاجِنَا فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَقَالَ الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِينَهُ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت سعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک معزز عورت جو گویا قبیلہ[2] مضر کی عورتوں میں تھی اٹھی اور بولی۔ یا نبی اللہ ہم تو اپنے باپ دادوں، اولاد اور خاوندوں پر بوجھ[3] ہیں۔ ہمیں ان کے مالوں میں سے کسقدر حلال و درست ہے فرمایا تر کھانا[4] جسے تم کھاؤ اور ہدیہ دے سکو۔

(ابو داؤد)

[1] یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

[2] مضر میم کی پیش ضاد کی زبر یہ قبائل عرب میں مشہور قبیلہ ہے۔ اور مضر بن نزار کی اولاد ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ کَلّ آیا ہے۔ کاف کی زبر لام مشدد کے ساتھ بمعنی بوجھ اور عیال۔ اور وہ شخص جو اپنے

مستقل اور ازادحیثیت نہ رکھتا ہو۔

سے جس کے جلدی خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جیسے شوربا۔ دودھ۔ میوہ اور سبزی وغیرہ۔ کہ اس کے کھانے کی نہیں اجازت ہے۔ اور اس میں سے تم کسی کو ہدیہ بھی دے سکتی ہو جسے دینا چاہتی ہو۔ ان چیزوں میں سے کھانے میں خاوند سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کے کھانے میں عرف وعادت یہی ہے۔ کہ اجازت نہیں لی جاتی بلکہ چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر خشک خوراک میں مرد کے اذن اور اس کی رضامندی ضروری ہے۔ علامہ طیبی نے کہا یہ اجازت باپوں۔ بیٹوں اور ماؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ خاوندوں بیویوں کے مسئلہ میں بلا اذن اجازت نہیں ہے مگر یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ بیویاں بھی اس میں شامل ہیں۔ مگر حقیقتہً دار و مدار عرف و عادت پر ہے جیسا کہ کہا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عُمَيْرٍ مَّوْلٰى اٰبِى اللَّحْمِ قَالَ اَمَرَنِىْ مَوْلَاىَ اَنْ اُقَدِّدَ لَحْمًا فَجَآءَنِىْ مِسْكِيْنٌ فَاَطْعَمْتُهٗ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذٰلِكَ مَوْلَاىَ فَضَرَبَنِىْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهٗ فَقَالَ يُعْطِىْ طَعَامِىْ بِغَيْرِ اَنْ اٰمُرَهٗ فَقَالَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا وَ فِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَصَدَّقُ مِنْ مَّالِ مَوَالِىَّ بِشَىْءٍ قَالَ نَعَمْ وَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا نِصْفَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت عمیر[۱] سے روایت ہے جو آبی اللحم کے غلام ہیں فرماتے ہیں مجھے میرے مولی نے گوشت کھانے کا حکم دیا کہ اتنے میں ایک مسکین آگیا۔ جسے میں نے اس میں سے کچھ دیدیا۔ اس کی خبر میرے مولی کو ہوئی تو اس نے مجھے مارا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا تم نے اسے کیوں مارا عرض کیا کہ یہ میرا کھانا میری بغیر اجازت دے دیتا ہے۔ فرمایا ثواب تم دونوں کو ہے[۲] ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں میں غلام تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنے مولی[۳] کے مال سے کچھ خیرات کر دیا کروں۔ فرمایا ہاں۔ اور ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ہو گا۔

(مسلم شریف)

لے عمیر عین کی پیش میم پر زبر ہے ۔ آپ صحابی ہیں ۔ جنگ خیبر میں حاضر ہوئے ۔ اپنے مولیٰ حضرت آبی اللحم سے حدیث روایت کرتے ہیں ۔ حضرت آبی اللحم قدماء اور مشہور صحابہ میں سے ہیں ۔ جو غزوہ بدر میں موجود تھے ۔ غزوہ حنین میں جام شہادت نوش فرمایا ۔ آبی اللحم (گوشت سے انکار کرنے والا) ان کا لقب ہے ۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آپ مطلق گوشت نہ کھاتے تھے ۔ بعض نے کہا کہ دور جاہلیت میں بتوں کے لیے ذبیحہ کا گوشت نہ کھاتے تھے ۔

ستلہ اس کا ثواب تم دونوں کے درمیان مشترک ہے ۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے یہ نہیں کہ غلام کو ملک مولیٰ میں علی الاطلاق تصرف کرنے کا حق حاصل ہے ۔ بلکہ مقصود مالک کو تسلی دینا ہے ۔ اور یہ کہ اس فعل پر غلام کو نہ مارنا چاہیے کہ اس کا ثواب مالک اور غلام دونوں کے درمیان مشترک ہے اور ثواب کو غنیمت جاننا چاہیے ۔ نہ کہ ایسے فعل پر غلام کو مارا پیٹا جائے ۔

ستلہ بعض نسخوں میں بلفظ جمع موالی آیا ہے ۔

بَابُ مَنْ لَّا يَعُوْدُ فِي الصَّدَقَةِ

باب اس شخص کے بیان میں جو صدقہ سے واپس نہ پھرے

یعنی یہ نہ چاہیے کہ صدقہ کرنے کے بعد صدقہ کی چیز واپس لے لے ۔ اور دینے کے بعد پشیمان ہو ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اسے خرید کر بھی واپس اپنے قبضہ میں نہ لائے ۔ اس میں درحقیقت صدقہ واپس لینے سے نفی و ممانعت میں مبالغہ ہے اور ایسا کرنے سے بچنے کی ترغیب ہے ۔ ورنہ خریدنا حقیقت میں واپس کرنا نہیں ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِيَهٗ وَظَنَنْتُ اَنَّهٗ يَبِيْعُهٗ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهٖ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَاِنْ

پہلی فصل

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں میں نے اللہ کی راہ میں کسی کو گھوڑا دیا ۔ جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اسے ضائع کر دیا ۔ میں نے چاہا کہ وہ گھوڑا خرید لوں ۔ میرا خیال تھا کہ سستا بیچ ڈالے گا ۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا اسے نہ خرید اور اپنا صدقہ واپس نہ لے ۔ اگرچہ تجھے ایک درہم میں دے کیونکہ اپنا صدقہ واپس

أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي صَدَقَتِهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے۔ ایک روایت میں ہے صدقہ واپس نہ لے کر اپنے صدقہ بیع کرنے والا ویسا ہے جیسے اپنی قے دوبارہ کھا لینے والا۔

(مسلم بخاری)

لہ یعنی اس نے اس کی اچھی طرح نگہداشت نہ کی۔ اور اس سے اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اور اس کی دیکھ بھال میں خبردار نہ رہا تو گویا اس نے اسے ہلاک ضائع کر دیا۔ ضیاع کا معنیٰ ہے ہلاک ہونا۔ اضاعت کا معنیٰ ہے ہلاک کرنا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ رخص آیا ہے۔ راکی پیش سے معنیٰ ارزانی اور ارزاں جاننا۔

سلہ کہ اسے خرید لوں یا نہ خریدوں۔

سلہ کلام کے چلاؤ۔ اور نظر بہ ظاہر عبارت یوں معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ ایک درہم سے بھی فروخت کرے تو نہ لے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اس کے سستا ہونے اور شرعًا اس بیع کی جائز و درست ہونے کو نہ دیکھ بلکہ اس امر کو دیکھ کہ یہ ہبہ اور صدقہ بظاہر معنوی طور پر اسے واپس لوٹانے کے مترادف ہے۔ اسے سمجھو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرمائی اور واپس لوٹانے کی قباحت ارشاد فرمائی یعنی فان العائد فی صدقتہ میں۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رض قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا قَالَ صُومِي عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَتْ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی یارسول اللہ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی ماں فوت ہو گئی[1]۔ فرمایا تمہارا ثواب پورا ہو گیا۔ اور میراث نے تمہیں لونڈی واپس کر دی[2]۔ عرض کیا یارسول اللہ میری ماں پر ایک مہینہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ دوں۔ فرمایا رکھ دے۔ عرض کی اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں۔ فرمایا ہاں۔ اس کی طرف سے حج کر[3]

(مسلم)

لہ یعنی وہ لونڈی ماں کے فوت ہونے کے بعد بطور وراثت میری ملک میں آ رہی ہے۔ تو آپ اس بارے کیا فرماتے

رہیں۔ یہ بھی صدقہ دیکر واپس لینے کے قبیلہ میں سے تو نہیں ۔
سلہ یعنی ملک وارثت ایک بدیہی امر ہے اور بندے کے اختیار کے بغیر ثابت ہے بخلاف صدقہ دیکر اسے خریدنا کہ وہ اپنے اختیار سے واپس کرنے کے حکم میں ہے ۔
سلہ جو اس نے بیماری یا سفر یا خون حیض آنے کی وجہ سے نہ رکھے تھے ۔
سلہ واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ میت کی طرف سے ادا کرے جو اس کے ذمہ تھا جیسے قضائے رمضان کے روزے یا نذر یا کفارہ ۔ اس حدیث کی رو سے اسی جانب امام احمد گئے ہیں ۔ مگر دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اسے جائز قرار نہیں دیا جیسا علامہ طیبی نے کہا ۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ولی میت کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے ۔ اور نہ نماز ادا کرے ۔ بلکہ کھانا کھلائے اور فدیہ دے اگر میت وصیت کر گیا ہے ۔ پھر یہ فدیہ تیسرا حصہ ترکہ سے واجب ہو گا ۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی تو پھر فدیہ استحساناً تبرعاً جائز ہے ۔ لازم نہیں ہے ۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وصیت کی بھی ضرورت نہیں ۔ جیسا کہ ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے تفصیل کلام اس طرح ہے کہ عبادات کی چند قسمیں ہیں ۔ ایک محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ دوسری محض بدنی عبادت جیسے نماز ۔ تیسری وہ عبادت جو بدنی و مالی سے مرکب ہے جیسے حج بیت اللہ اوّل قسم عبادت میں حالت اختیار و ضرورت میں نیابت درست و جائز ہے۔ کیونکہ مقصود فعل کا وجود میں آنا ہے جو نائب سے بھی وجود میں آجاتا ہے ۔ دوسری قسم عبادت میں نیابت کسی بھی حالت میں جائز و روا نہیں ہے ۔ کیونکہ اس سے مقصود نفس کو مشقت میں ڈالنا ہے اور وہ نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہوتا ۔ تیسری قسم میں حالت عجز و مجبوری میں نیابت درست و جائز ہے دوسری وجہ کے اعتبار سے کہ انسان مال خرچ کر کے دوسرے کی طرف سے حج کرے ۔ اور قدرت و طاقت ہونے کی صورت میں نیابت جاری نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں نفس کو مشقت میں ڈالنے کا مقصد حاصل نہ ہو گا ۔ البتہ حج نفل میں حالت اختیار و قدرت میں بھی کسی کو نائب بنانا جائز و روا ہے ۔ کیونکہ نفل میں وسعت و کشادگی ہے ۔ حدیث کی عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حج نفل تھا ۔ اسے سمجھو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ کتاب الزکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے مکمل ہو گئی ۔ اس کے پیچھے کتاب الصوم ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے اتمام کا سوال کرتے ہیں ۔

کِتَابُ الصَّوْمِ

روزے کا بیان

لغت میں صوم وصیام کا لفظ امساک روکنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ شرع میں صوم عبارت ہے۔ نفس کو کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنے سے اس میں اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز۔ جمہور کے نزدیک نماز باقی تمام اعمال سے افضل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے اعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ یعنی جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہتر نماز ہے۔ بعض نے کہا روزہ افضل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے علیك بالصوم فانه لاعدل له یعنی روزے کو لازم جان کہ اس کے برابر کوئی عمل نہیں ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ روزے کی افضلیت خاص مخاطب کے لیے تھی اسے سمجھو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَ سُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَ فِیْ رِوَايَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان[1] شریف آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں (مسلم، بخاری)

[1] رمضان رمض سے مشتق ہے یعنی ریت یا زمین وغیرہ کا سورج کی سخت تپش سے خوب گرم ہونا اور قدموں کا جلنا۔ اور بھیڑ بکریوں کا سخت تپش میں چرنا۔ اور اندر کا جلنا اور تپش کی وجہ سے اندرونِ جسم کا مریض پڑ جانا۔ علماء فرماتے ہیں جب لغت قدیم میں مہینوں کے ناموں کو نقل کیا گیا تو اس وقت جس قسم کا موسم تھا اس کے مطابق مہینوں کے نام رکھ دیے گئے اتفاق سے اس وقت یہ مہینہ سخت گرمیوں میں آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر یہاں حدیث میں واضح لفظ فُتِّحَتْ مخفف و مشدد دونوں طرح آیا ہے آسمانوں کے دروازوں کو کھول دینا کنایہ ہے لگاتار رحمت نازل کرنے اور بے روک ٹوک اعمال کے آسمانوں پر جانے دعاؤں کے قبول ہونے اور بہشتوں کے دروازوں کے کھلنے سے کہ بندہ کو اللہ کی طرف سے مال خرچ کرنے کی توفیق ملتی ۔ اور اس کے اعمال کو حسنِ قبولیت میسر آتی ہے ۔ اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا کنایہ ہے ۔ روزہ داروں کے فواحش کی آلودگی، گناہوں پر ابھارنے والے اسباب سے خلاصی پانے اور شہوات و خواہشات نفسانی کو نفس سے اکھیڑنے سے ۔ اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑنا کنایہ ہے ۔ شیاطین کے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کرنے اور وسوسہ اندازی میں ڈالنے سے رک جانے سے ۔ آخری روایت جس میں فرمایا کہ رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان سب کی تفسیر اور ان تمام معانی مذکور کا خلاصہ اور بیان ہے ۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں ۔ ان میں ایک دروازہ ہے جسے ریّان[1] کہتے ہیں ۔ نہ داخل ہوں گے اس دروازے سے مگر روزہ دار[2] ۔ (بخاری و مسلم)

[1] ریان را کی زبر یا شد سے یہ ریّ سے مشتق ہے بمعنی سیرابی ۔
[2] اس کا بیان باب فضل الصدقہ میں گذر چکا ہے ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ لَهٗ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان کے ساتھ[1] اور ثواب کی نیت سے اس کے گناہ گذشتہ بخش دیے جاتے ہیں اور جس نے رمضان میں قیام[2] کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے گئے اور جس نے لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے گئے ۔ (مسلم، بخاری)

[1] یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس کے احکام و فرامین کی بجا آوری کے جذبہ کے تحت اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے ۔ نیز اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے ۔

سے یعنی رمضان شریف کی راتوں میں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا ہر عمل دو گنا ہوتا ہے ایک نیکی کے مثل دس نیکیاں ملتی ہیں سات سو درجے تک[1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کہ وہ بے شک میرے لیے[2] ہوتا ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا[3] وہ اپنا کھانا اور شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت[4] اور دوسری خوشی اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کے وقت[5] اور روزہ دار کے منہ کی بو[6] اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک خالص کی خوشبو سے بہتر ہے۔ اور روزے ڈھال[7] ہیں۔ اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن[8] ہو تو نہ بری بات کہے نہ شور[9] مچائے اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ[10] دے کہ میں روزہ دار ہوں (مسلم، بخاری)

[1] یہ اضافہ شدت ریاضت، صدقِ نیت، اللہ سبحانہٗ کے لیے اخلاص اور اس کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔

[2] یعنی اس کی جزا اور بدلے کا اثر بے حد و بے اندازہ ہوتا ہے۔

[3] جس کو دینی چاہتا ہوں اور جتنی دینی چاہتا ہوں حد و شمار سے زیادہ۔ کیونکہ روزہ خالص میرے لیے ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر چیز اور تمام عبادتیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ و تقدس کے لیے ہوتی ہیں مگر روزے کو ان سب میں خصوصیت حاصل ہے اور روزے کو خاص عزت اور بزرگی عطا فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایسی عبادت ہے جو ریا سے دور اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ بخلاف دوسری عبادتوں کے کہ ان میں ریا کو راستہ مل جاتا ہے۔ اسی لیے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں مگر فرض روزہ میں کہ وہ تو متعین و معلوم ہی ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ روزہ میں

نفس کے لیے کوئی حصّہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا "یدع شہوتہ وطعامہ" کہ بندہ خواہش نفس کو چھوڑ دیتا ہے۔ خصوصًا کھانے پینے کو حالانکہ اس کی ضرورت وحاجت بہت زیادہ ہے مگر وہ میرے لیے اور مجھ سے طلب ثواب اور میری رضا کے حصول کے لیے ایسا کرتا ہے اور ایک روایت میں طعامہ وشرابہ کا لفظ آیا ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ صرف حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پوجا کی گئی ہے۔ کفار نے کسی بھی زمانے میں اپنے معبودوں کی تعظیم وتکریم روزہ کی عبادت کے ساتھ نہیں کی۔ اگرچہ نماز وسجدہ کے ساتھ ان کی عبادت و پوجا کی گئی ہے۔

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ کھانے پینے اور دوسری شہوات سے بے نیازی خدائے پروردگار کی صفات میں سے ہے اور جب بندے نے اس کی بلند وبزرگ درگاہ میں ایسی چیز کے ساتھ قرب چاہا جو اس کی صفات اور اس کے مشابہ وموافق ہو تو اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کر دی اور سیاق حدیث کے موافق یہ بات ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مقدار ثواب کا عالم ہے اور اس کے دوگنا کرنے پر قادر اور ایسا کرنے میں منفرد ویکتا ہے۔

۴ یہ فرحت وخوشی یا تو اس وجہ سے ہے کہ بھوکا اور پیاسا رہنے کے بعد جب بندہ روزہ افطار کرتا ہے تو سیر وسیرابی کے ساتھ اس کی طبیعت میں سرور وسرور کی لہر اٹھتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ نورانیت عبادت اور شکر بھی مل جاتا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ سرد وشیریں پانی پینے سے اندرون دل سے شکرانے کے جذبات ابھرتے ہیں یا بندے کو اس وجہ سے مسرت وخوش نصیبی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت وتوفیق پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔

۵ دوسری مسرت وخوشی آخرت میں خدا تعالیٰ سے ملاقات ودیدار کے وقت حاصل ہوگی۔

۶ یہ دراصل ایک عقلی چیز ہے جس کے ساتھ مثال اور اس کی تصویر کشی ہے۔ پھر یہاں حدیث میں خلوف خاکی پیش سے ہے۔ اور زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بوئے دہن اور اخلاف کا معنیٰ ہے منہ کی بو کا تبدیل ہو جانا۔

۷ یعنی روزہ شرِ شیطان اور شرِ دنیا سے ڈھال اور پناہ کا کام دیتا ہے۔ یا آخرت میں آتش دوزخ سے بچاؤ اور نجات کا ذریعہ بنے گا۔

۸ تو چاہیے کہ زبان سے قبیح اور فحش کلمات نہ نکالے۔

۹ یہاں حدیث میں لفظ لیصخب آیا ہے۔ خاکی زبر سے معنیٰ یہ ہے کہ بکواس اور جھگڑے کی باتوں سے آواز بلند نہ کرے اور شور وغوغا کرنے سے بچے۔

۱۰ یہ بات وہ دل سے کہے یا زبان سے کہ میں روزے سے ہوں مجھے نہ چاہیے کہ کسی کو گالی دوں یا جھگڑوں۔ بعض نے کہا کہ اگر فرض روزہ رکھا تو زبان سے کہے اور اگر نفلی روزہ ہو تو دل سے کہے تاکہ ریا سے دور رہے قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا کہ اس بارے میں اختلاف کا مقام نفلی روزہ ہے کہ فرض روزے میں تو زبان سے ہی کہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَ مَرَدَةُ الْجِنِّ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَ يُنَادِیْ مُنَادٍ يَا بَاغِیَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَ يَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ لِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَ ذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رمضان شریف کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ[1] دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں تو ان میں سے کسی کو نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ پس کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے خیر کے طالب آگے[2] آ اور اے شر و برائی کے طالب رک[3] جا اور اللہ کی طرف سے گناہ گار بندے آزاد کیے جاتے[4] ہیں۔ دوزخ کی آگ سے یہ کام رمضان کی ہر رات میں جاری رہتا ہے۔ (شب قدر کے ساتھ خاص نہیں)

(ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے ایک شخص سے یہ حدیث روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ "صفدت" آیا ہے۔ جو صفاد سے نکلا ہے۔ (صاد کی زیر اور دال) یعنی بند و طوق اور وہ زنجیر جس سے قید وغیرہ کرتے ہیں یہ لفظ صفدت فا کی شد کے ساتھ بھی ایک روایت ہے حدیث میں دوسرا لفظ مَرَدَۃ ہے میم و را و د کی زبر سے یہ مَارِدٌ کی جمع ہے جس طرح طلبۃ و طالب۔

[2] کہ یہ تیرے آگے بڑھ کر خیر و نیکی حاصل کرنے کا وقت ہے۔

[3] یعنی گناہوں سے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور انھیں چھوڑ دینے کا وقت ہے۔

[4] یعنی رمضان شریف میں

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ صِیَامَهٗ تُفْتَحُ فِیْهِ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَتُغْلَقُ فِیْهِ اَبْوَابُ الْجَحِیْمِ وَ تُغَلُّ فِیْهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ لِلّٰهِ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَّنْ حُرِمَ خَیْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمھارے پاس رمضان کا مہینہ آیا ہے جو مبارک مہینہ ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض کیے ہیں اس میں آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس میں دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس میں سرکش جنوں کو طوق و زنجیر ڈال دیے جاتے ہیں اس ماہ مبارک کی ایک رات ایسی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے افضل[۱] و بہتر ہے جو اس رات کی خیرات و برکات سے محروم کر دیا گیا وہ خیر کثیر[۲] سے محروم کر دیا گیا

(ترمذی و نسائی)

[۱] یعنی شب قدر

[۲] بلکہ ہر چیز سے محروم ہو گیا جیسا کہ یہ مضمون حضرت انس رض کی حدیث میں آرہا ہے ۔ یہ مبالغہ ہے یا خیر سے مراد وہ خیر ہے جو ماہ رمضان سے متعلق ہے ظاہر یہ ہے کہ ایسا شخص حقیقت خیر سے ہی محروم کر دیا گیا قطع نظر اس کے متعلقات کے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ وَ الْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَ الشَّهَوٰتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَ یَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے ۔ روزہ کہے گا اے میرے رب بے شک میں نے اس بندے کو کھانے اور شہوت کی چیزوں سے دن کو روکے رکھا[۳] تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما قرآن پاک کہے گا میں نے اسے رات کو نیند سے روکے رکھا میری شفاعت بھی اس کے حق میں قبول کر تو دونوں کی شفاعت[۴] قبول کی جائے گی ۔

(اسے بیہقی نے شعب ایمان میں روایت[۵] کیا)

سلہ جیسے دن کے وقت پانی پینے اور اپنی عورت سے جماع کرنے سے ۔ ظاہر یہ ہے (واللہ اعلم) کہ تمام نفسانی شہوات مُراد ہیں جیسے حواس کو لذت عطا کرنے والی چیزیں اور روزہ کامل جو اہلِ طریقت کا ہوتا ہے وہ ہے جو تمام اعضاء اور حواس کو ریاضت میں ڈالتا اور نہ کرنے والی چیزوں سے باز رکھتا ہے ۔ رحمت الٰہی کے کرم نے بندے سے صرف کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرنے پر کفایت کر دی ۔ تاکہ سب انسان اس سے بہرہ ور ہو جائیں ۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ غیبت روزے کو توڑ دیتی ہے ۔

سلہ شفاعت کا معنیٰ ہے کسی کا کسی کے گناہ کی معافی کی خواہش و درخواست کرنا اس خواہش کرنے والے کو شفیع اور شافع کہتے ہیں اور تشفیع کا معنیٰ ہے شفاعت قبول کرنا مشفع وہ شخص جس کی شفاعت قبول کر لی گئی ۔

سلہ اور احمد و طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ۔ بیہقی کے رجال صحت کے لیے حجت ہیں ۔ حاکم نے کہا صحیح مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے ۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَّنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رمضان شریف آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ مہینہ تمھارے پاس آیا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینہ سے افضل ہے جو اس سے محروم رہا بے شک وہ تمام خیرات و برکات سے محروم کر دیا گیا اور اس کی خیر بھلائی سے محروم نہیں ہوتا مگر ہر محروم[سلہ] انسان ۔ (ابن ماجہ شریف)

سلہ جو سعادت سے محروم اور محرومی کے نام سے موسوم ہے اور جس پر محرومی کی مہر لگ چکی ہوتی ہے یہ عبارت اس معنی اخیر کو ظاہر کرتی ہے ۔ ترجمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیے ۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شعبان کے آخری دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ۔ "لوگو! تم پر ایک عظیم المرتبت مہینہ سایہ فگن ہوا وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کی ایک رات ہزار مہینہ سے بہتر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے

جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَّنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَ مَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَ الصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَ شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَ عِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَ مَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَ مَنْ خَفَّفَ

فرض کیے ہیں اور اس کی رات کا قیام نفل و سنت ٹھہرایا ہے۔ جو بندہ اس میں نیکی کے ذریعہ اللہ کی درگاہ میں قرب (نزدیکی) چاہے گا (نفل ادا کرے گا) وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے رمضان کے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا ہو۔ اور جس نے اس مہینہ میں فرض ادا کیا وہ اس کی طرح ہے جس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے۔ اور یہ صبر[ش] کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب و بدلہ جنت ہے۔ اور یہ غم خواری[ش] کا مہینہ ہے اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے[ش] جو شخص اس میں روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے وہ اس کے لیے گناہوں سے مغفرت کا ذریعہ اور اس کی گردن کیلئے آتش دوزخ سے نجات و آزادی کا سبب بنتا ہے۔ اور اس افطار کرانے والے کو بھی اس روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر و ثواب سے کچھ کمی ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے[ش] ہر شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے ہم روزہ دار کا روزہ افطار کرائے[ش] (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ افطار روزہ کا یہ ثواب اس کو بھی عطا کر دیتا ہے جو کچھ لسی[ش] کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کراتا ہے یا ایک کھجور سے یا پانی کے ایک گھونٹ سے۔ اور جس نے روزہ دار کو سیر کیا اللہ تعالیٰ اسے میرے[ش] حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہ لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیگا[ش] اور یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول حصہ میں رحمت[ش] درمیانی حصہ میں بخشش[ش] اور آخری حصہ میں دوزخ سے آزادی[ش] ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام[ش] کو

عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

تخفیف و آسانی دے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے آتش دوزخ سے آزادی عطا کرے گا۔

سلہ نفسانی خواہشات سے رکنے کا مہینہ

سلہ یعنی فقراء اور بھوکے لوگوں سے ہمدردی اور دل جوئی کرنے کا مہینہ ہے۔ مواسات (غمخواری) کا معنی ہے مال یا اپنے بدن سے کسی کی غمخواری کرنا۔

سلہ اور اس کے رزق میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ جب اس ماہ مبارک میں اہل حاجت کے ساتھ ہمدردی اور ان کے لیے رزق میں فراخی کا حکم دیا گیا ہے۔ تو یہ حکم فقراء اور حاجت مندوں کے لیے رزق میں وسعت و کشادگی کا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے۔

سلہ اکثر نسخوں میں بحذ نون سے صیغہ جمع متکلم ہے۔ بعض نسخوں میں یا سے آیا ہے۔ اور یہ قاعدہ عربیت کے مطابق زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ اپنی جگہ میں یہ ایک طے شدہ دستور و قاعدہ ہے۔

ےہ یہاں حدیث میں مذقہ کا لفظ آیا ہے جس کا معنیٰ ہے پانی میں ملا ہوا دودھ۔ عرب لوگ مذیق اس دودھ کو کہتے ہیں جس میں پانی ملایا گیا ہو عربوں کی عادت ہے کہ دودھ میں پانی کو ملا کر پیتے ہیں۔

ےہ یعنی حوض کوثر سے۔

ےہ جس میں تمام نعمتیں حاصل و موجود ہوں گی۔

ےہ کہ اس کے اول حصہ میں جناب حق تعالیٰ سے رحمت کا افاضہ ہوتا ہے جس کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے انوار و اسرار کے ظہور کے قابل و مستعد ہو جاتا ہے اور گناہوں کی تاریکیوں اور معصیت کی کثافت سے باہر نکل آتا ہے۔

ےہ یعنی گناہوں سے مغفرت و بخشش۔

سلہ کیونکہ جب طاعات و عبادات میسر آئیں، گناہ بخش دیے گئے تو آتش دوزخ سے آزادی مل گئی۔ اور بندہ جنت میں داخل ہونے کے لیے مستعد و تیار ہو گیا۔

سلہ جو روزہ رکھتا ہے تاکہ وہ تکلیف و مشقت میں نہ پڑیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّ اَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رمضان شریف کا مہینہ داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قیدی کو آزاد کر دیتے تھے۔ اور ہر سائل کو عطا کرتے تھے سلہ

۱؎ ممکن ہے یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ ہر اسیر وقیدی کو رہا کرنا کس طرح درست وروا ہوسکتا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی قیدی پر کسی دوسرے کا حق لازم ہو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدی نہ ہوتے تھے مگر کفار جو غزوات میں گرفتار ہوکر آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار عطا کر دیا گیا تھا کہ کسی قیدی پر احسان کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیں یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں ۔ یا کسی کو کسی مسلمان کا غلام بنا دیں ۔ یہ تو اکثر ائمہ کے نزدیک ہے اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک دو میں سے ایک بات متعین ومقرر ہے یا تو اسے قتل کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جائے مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر لوگوں کے حقوق مثل قرض وغیرہ نہ ہوں اور جس کے ذمہ قرض وغیرہ کوئی بندوں کا حق ہوتا تھا شاید حضور علیہ السلام اس کو اس وجہ سے آزاد کرتے تھے ۔ کہ اہل حقوق کو راضی کرا لیتے تھے ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلٰی حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ یَوْمٍ مِّنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِیْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ عَلَی الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَیَقُلْنَ یَا رَبِّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ اَعْیُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْیُنُهُمْ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جنت کو رمضان کے لیے آراستہ کیا جاتا سال کے ایک سرے سے آیندہ سال تک۱؎ ۔ فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے حوروں۲؎ پر ایک ہوا چلتی ہے تو وہ کہتی ہیں اے ہمارے رب ہمارے لیے اپنے بندوں میں سے ایسے خاوند بنا جن کے ساتھ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں ۔ اور ان کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں۳؎ ۔

رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ۔

(ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا) ۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ تُزَخْرَفُ آیا ہے جو زُخْرُفٌ سے نکلا ہے زا کی پیش کے ساتھ بمعنی سونا اور ہر وہ چیز چمکیلی ہو اور آراستگی کے لیے استعمال ہوتی ہو ۔ مزخرف وہ چیز ہے جو دنیا کی آرائشوں میں سے ہو ۔

۲؎ حدیث میں لفظ حور عین آیا ہے جس کا معنیٰ ہے گورے رنگ والی چاندی کے بدن والی ۔ جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت سفید اور سیاہی بہت سیاہ اور دراز آنکھوں والی ؛ حور : حوراء کی جمع ہے اور عین عیناء کی جمع ہے ۔

۳؎ حدیث میں " تقرّ " آیا ہے ۔ قاف کی زبر اور زیر سے یا یہ قر سے بنا ہے قاف کی پیش سے بمعنی ٹھنڈک اور یہ دستور ہے کہ محبوب کے دیدار ومشاہدہ سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوتی ہے ۔ جس طرح دشمن کو دیکھنے سے آنکھیں

سوزش اور گرمی محسوس کرتی ہیں یا یہ لفظ قَرٌّ قاف کی زبر سے نکلا ہے یعنی چین و قرار جب انسان کی آنکھ محبوب پر پڑتی ہے ۔ تو سکون اور قرار پذیر ہو جاتی ہے ۔ اور دائیں بائیں نہیں پھرتی ۔ ایک حدیث میں آیا ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ یعنی میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے ۔ اولاد کو جو قرۃ العین کہتے ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آپ کی امت[1] کی رمضان شریف کی آخری رات میں مغفرت کر دی جاتی ہے ۔ عرض کیا گیا[2] یا رسول اللہ ! کیا یہ لیلۃ القدر[3] میں ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں[4] بلکہ کام کرنے والے کو جب وہ کام مکمل لیتا ہے تو اس کی پوری اجرت دی جاتی ہے[5]

(احمد)

[1] ایک روایت میں یہاں لامتہ کے لفظ کی بجائے لامتی آیا ہے ۔

[2] یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا

[3] کیونکہ خواص و عوام کے لیے آفات سے سلامتی نصیب ہونا اس رات کے لوازمات میں سے ہے ۔

[4] یعنی یہ شب ، شب قدر نہیں ہے ۔

[5] اور عمل و کام کا مکمل ہونا ، رمضان شریف کی آخری شب میں ہوتا ہے ۔ یعنی یہ مغفرت و بخشش کام سے فراغت کی وجہ سے ہوتی ہے ، شب قدر کی وجہ سے نہیں ۔

بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ

چاند دیکھنے کا باب

غرہ قمر کا نام ہلال ہے بعض نے کہا دو رات تک اسے ہلال کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا تین رات تک ، بعض کے نزدیک سات رات تک ہلال کہلاتا ہے ۔ پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے ۔ کہ مہینہ کی ستائیسویں اور اٹھائیسویں دو راتوں اور اس کے بعد کی راتوں میں وہ قمر کہلاتا ہے جیسا کہ قاموس میں آیا ہے ۔ یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے ۔ جب کہ وہ

دکھائی دیتا ہے یعنی رمضان کی پہلی شب یا شوال کی شب اوّل جس کی صبح کو روزہ رکھنا یا افطار کرنا فرض ہوتا ہے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَ لَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھو اور افطار نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھو ۔ پھر اگر بادل کی وجہ سے چاند چھپا رہے (دکھائی نہ دے) تو مہینے کا اندازہ کرو[۱] ۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے ۔ کہ مہینہ انتیس رات کا ہوتا ہے ۔ تو روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھو ۔ اور اگر بادل کی وجہ سے چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو[۲] ۔ (بخاری، مسلم)

[۱] یعنی اس صورت میں مہینے کا اندازہ کرو کہ اس کے روزوں کو شمار کرو ۔ اور تیس دن پورے کرو ۔ اس طرح اس مہینے کے دنوں کا عدد تمام و کامل کرو ۔ جس میں بادل کی وجہ سے انتیس کو چاند نظر نہ آئے ۔ مواہب لدنیہ میں کہا یہی مذہب امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور سلف و خلف علماء کا ہے ۔ بعض نے کہا اندازہ کرنے کا مطلب ہے منازل قمر اور نجوم کا حساب کرو تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ مہینہ تیس کا ہے یا انتیس کا ۔ مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ نجومیوں کا قول نامقبول و غیر معتبر ہے ۔ شرع میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ۔ لہٰذا اس پر اعتماد نہ کرنا چاہیے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آپ کے صحابہ و تابعین، سلف و خلف رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا ۔ اور نہ ہی اس کا اعتبار کیا ہے اور عربوں کی عادت کے بھی خلاف ہے ۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے ۔ جس میں فرمایا نحن اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لا نکتب ولا نحسب ہم عرب نہ لکھنے پڑھنے والی امت ہیں ۔ ہم نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں ۔

[۲] یہ روایت اس امر میں صریح ہے ۔ کہ اندازہ سے تیس روز مراد ہیں ۔ نجوم کا حساب اور منازل قمر وغیرہ مراد نہیں ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چاند دیکھ کر روزہ رکھو ۔ پس اگر تم پر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ (مسلم ، بخاری)

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَ لَا نَحْسُبُ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ عَقَدَ الْاِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ ثُمَّ قَالَ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا يَعْنِيْ تَمَامَ الثَّلٰثِيْنَ يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ وَ مَرَّةً ثَلٰثِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ بے پڑھی جماعت ہیں ہم نہ لکھیں نہ حساب لگائیں مہینہ یا تو اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے[۱] ۔ تیسری بار میں انگوٹھا شریف بند کر لیا[۲] ۔ پھر فرمایا مہینہ اتنا ، اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی پورے تیس دن کا ۔ مطلب یہ کہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا ۔ (مسلم ، بخاری)

[۱] یعنی تین بار دونوں ہاتھوں کی ساری انگلیاں اشارے کی صورت میں دکھلائیں ۔

[۲] یعنی تیسری بار انگوٹھا مبارک بند کر لیا ۔ انتیس کا عدد متعین کرنے کے لیے ۔

وَ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَ ذُو الْحِجَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوبکرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے[۲] یعنی رمضان اور ذوالحجہ کا مہینہ (مسلم ، بخاری)

[۱] بکرۃ با کی زبر کاف ساکن آخر میں ۃ آپ مشہور صحابی ہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پسندیدہ اور نیکو کار اصحاب میں سے ہیں ۔ آپ کا اصل اسم مبارک نُفیع (ن کی پیش ، عین کی زبر) آپ نے طائف کے دن اپنے آپ کو کنوئیں کے رہٹ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دیا ۔ اس لیے آپ کی کنیت ابوبکرہ پڑ گئی ۔ بکرہ با کی زبر اور کاف ساکن بمعنی کنوئیں کا رہٹ ۔

۲ یعنی حکم شریعت اور ثواب آخرت میں کم نہیں ہوتے۔ اگرچہ عدد میں کم ہوں اور تیس کے بجائے انتیس کے آ جائیں۔ اور یہ رمضان اور عید بقر کا مہینہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ مگر وہ شخص جو پہلے سے روزہ رکھتا[1] ہو۔ کہ وہ اس دن روزہ رکھ لے[2]

(مسلم، بخاری)

۱ یعنی مگر وہ شخص جس کی عادت تھی کہ وہ معین دن میں روزہ رکھا کرتا تھا۔ جیسے پیر یا جمعرات کا روزہ رکھتا تھا پھر اتفاق سے رمضان سے پہلے یہ دن آگیا۔

۲ بعض نے کہا یہ مخالفت ضعیف اور کمزور لوگوں کے لیے تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شعبان اور رمضان کے روزے جمع کیے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ　　　دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان ہو جائے تو روزہ نہ رکھو[1]

(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

۱ یہ حکم بھی اس شخص کے لیے ہے جو لگاتار روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کی تحقیق کیلئے شعبان کی گنتی کیا کرو[1]

(ترمذی شریف)

لہ تاکہ ایام رمضان کی تشخیص ہو جائے اور پتہ چل جاتے کہ انتیس دن کا ہوتا ہے یا تیس دن کا۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھتے ہوں۔ مگر شعبان اور رمضان کے روزے

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی وابن ماجہ)

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جس نے شک کے دن[لہ] (تیس شعبان کو) روزہ رکھا تو بے شک اس نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی

(ابوداؤد۔ نسائی، ترمذی، ابن ماجہ دارمی)

لہ واضح ہو کہ شک کا دن اس دن سے عبارت ہے جس کے بارے میں شک ہوتا ہے۔ کہ یہ رمضان کا دن ہے یا رمضان کا دن نہیں۔ بوجہ اس کے کہ انتیسویں شب رمضان کو آسمان ابر آلود ہو یا کسی اور وجہ سے۔ پھر علمائے کرام کا شک کے دن کے روزہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اکثر ائمہ کے نزدیک شک کے دن روزہ نہ رکھیں۔ کہ اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر رکھیں تو نفل کی نیت سے رکھیں۔ کیونکہ اگر کچھ وقت گذرنے پر یہ ثابت ہو گیا کہ آج رمضان ہے تو وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

احناف کے نزدیک اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جس کی عادت کا روزہ اس دن میں آجاتے اسی طرح خواص کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ دوپہر کے بعد یہ روزہ توڑ دیں۔ امام احمد اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس دن اگر آسمان پر کوئی علت (ابر وغیرہ) ہو تو یہ شک کا دن نہیں ہے۔ اور اس دن کا روزہ رمضان کا متصور ہو گا۔

حضرت ابن عمر اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب شعبان کے انتیس دن پورے ہوتے تو چاند تلاش کرتے تھے۔ پھر اگر چاند دیکھ لیتے یا چاند ہونے کی اطلاع انھیں پہنچ جاتی۔ تو روزہ رکھتے ورنہ اگر مطلع صاف ہوتا اور آسمان پر کوئی علت نہ ہوتی تو افطار کرتے۔ اور اگر آسمان پر کوئی علت ہوتی مطلع صاف نہ ہوتا تو بھی روزہ

رکھتے اور اس روزے کو نفلی روزہ قرار دیتے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت کر کے رکھیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِي هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آج ہلال یعنی ہلال رمضان دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے عرض کی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تو کوئی گواہی دیتا ہے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دے کہ روزہ رکھیں۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ دارمی)

؎ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ایک مستور الحال (جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو) کی خبر بھی رمضان کے بارے میں مقبول و معتبر ہے اور اس میں لفظ شہادت استعمال کرنا شرط نہیں ہے۔

یہاں تفصیل مذاہب یہ ہے کہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور امام شافعی کا صحیح مذہب نیز امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہلالِ رمضان کا ثبوت ایک عادل شخص کی خبر سے ہو جاتا ہے۔ اور یہاں لفظ شہادت کی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ ایک دینی کام ہے جس کے ساتھ روزے کا وجوب متعلق ہے۔ تو یہ خبر ان احادیث و اخبار کے مشابہ ہو گئی جو ایک عادل راوی کی روایت سے مروی ہیں۔ اور امام مالک کے نزدیک اور ایک قول میں شافعی کے نزدیک اور احمد سے ایک روایت کے مطابق اور اسحاق کے نزدیک دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ جیسا کہ دوسری شہادتوں میں ضروری ہے لیکن خبر دینے والے کا عادل ہونا سب کے نزدیک ضروری اور شرط ہے۔ امام طحاوی نے کہا اس بارے میں عادل اور غیر عادل دونوں کی خبر مقبول ہے۔ گویا غیر عادل سے مستور الحال شخص مراد ہے جیسا کہ ظاہر حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک عورت اور غلام کی خبر بھی مقبول ہے۔ یہ اس روزے میں ہے کہ آسمان پر بادل چھائے ہوں۔ اور آسمان پر بادلوں کی صورت میں روزہ نہ رکھنے کے لیے، عدد، شہادت، عدالت اور آزاد ہونا شرط لازم ہے اور اگر آسمان پر بادل نہ ہوں تو پھر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے

کے لیے (تیس رمضان) ایک جماعت کثیرہ کی شہادت ضروری ہے ۔ کثرت سے مراد عدد تواتر ہے ۔ اور بعض کے نزدیک اہل محلہ کی شہادت ضروری ہے ۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت کے مطابق پچاس مردوں کی شہادت ضروری ہے ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگ ایک دوسرے کو ہلال دکھانے میں مصروف تھے[۱] کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا (ابو داؤد ۔ دارمی)

[۱] یعنی لوگ میدان میں چاند دیکھنے کے لیے جمع تھے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کی ایسی حفاظت کرتے تھے[۱] کہ اور کسی کی نہ کرتے تھے ۔ پھر رمضان کا چاند ہونے پر روزہ رکھتے ۔ اور اگر آپ پر مطلع ابر آلود ہوتا تو تیس دن کی گنتی پوری کرتے پھر روزہ رکھتے ۔ (ابو داؤد شریف)

[۱] یعنی شعبان کے دن یاد رکھتے اور ان کی نگہداشت کرتے یعنی آپ شعبان کے ایام کی گنتی میں تکلف اور مبالغہ سے کام لیتے ۔ تاکہ رمضان کے دنوں کی ٹھیک گنتی ہو سکے ۔ یہاں حدیث میں لفظ تحفظ آیا ہے ۔ جس کا معنیٰ ہے ہشیار ہونا ، بیدار ہونا اور ایک ایک کر کے یاد کرنا ۔

وَعَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ

حضرت ابو البختری[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ عمرہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے جب ہم لوگ بطن نخلہ[۲] میں اترے تو چاند دیکھنے کے لیے جمع ہوئے

فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَاَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَقَالَ اَيَّ لَيْلَةٍ رَاَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّهٗ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لَيْلَةَ رَاَيْتُمُوْهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَ نَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ لَهٗ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَمَدَّهٗ لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بعض لوگوں نے کہا یہ تیسری رات کا چاند ہے۔ بعض نے کہا یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ پھر ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملے ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو بعض نے کہا۔ یہ تیسری رات کا چاند ہے بعض کہتے ہیں دوسری رات کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے عرض کیا فلاں رات[۳]۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی[۴]۔ وہ اسی رات کا ہے جب تم نے دیکھا۔ انھی سے ایک روایت ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند[۵] دیکھا جب ہم مقام ذات عرق[۶] میں تھے۔ ہم نے حضرت عباس کے پاس ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے بھیجا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی ہے۔ تو اگر تم پر مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو[۷]۔

(مسلم شریف)

[۱] بختری "با" کی زبر "خا" ساکن "تا" کی زبر۔ حضرت ابوالبختری تابعین میں سے ہیں۔ ان کا نام سعید بن فیروز کوفی ہے۔

[۲] یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

[۳] یعنی انھوں نے اس رات کا تعین کیا جس رات میں انھوں نے چاند دیکھا تھا۔

[۴] یعنی رمضان کی مدت چاند دیکھنے کے وقت کو قرار دیا۔ یعنی جب تم چاند دیکھو تو رمضان کے روزے رکھنے

شروع کرو۔

؎ اہلال اور استہلال کا معنی ہے چاند دیکھنا اور چاند دیکھنے کے وقت آواز بلند کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

؎ ذات عرق "عین" کی زیر "را" ساکن۔ یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔

؎ یعنی تیس دن پورے کرو اور روزے رکھو۔

بَابٌ
سحری اور روزے کے مختلف مقاصد کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَۃً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت ہے؎" (بخاری، مسلم)

؎ حدیث میں لفظ سحور آیا ہے۔ "سین" کی زبر اور پیش (ُ) دونوں طرح جائز ہے اگر زبر (َ) سے ہو تو اس کا معنی ہے سحری کھانا اور پیش (ُ) سے ہو تو اس کا معنی ہے سحری کا کھانا کھانا۔ اکثر محدثین کے نزدیک فتح کی روایت زیادہ محفوظ ہے۔ مگر معنوی لحاظ سے پیش کی روایت زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ برکت سحری کے کھانے میں ہے کہ اس میں سنت کی متابعت ہے نہ کہ محض تیار شدہ کھانے میں جیسا کہ کہا گیا ہے

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَۃُ السَّحَرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق و امتیاز سحری کا کھانا ہے (مسلم شریف)

سلہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہت سی ایسی چیزیں مباح کی ہیں جو ان کے لیے حرام تھیں تو ہمارا ان کی مخالفت کرنا اس نعمت کی شکر گزاری ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ اکلہ آیا ہے۔ "ہمزہ" کی زبر "کاف" ساکن یعنی ایک بار کھانا اور "ہمزہ" کی پیش سے بمعنیٰ لقمہ۔ اور "سحور" فتح سین کی روایت کے موافق ہے۔ تاہم یہاں "ہمزہ" کی زبر سے مروی ہے۔

وَعَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ اس وقت تک خیر و نیکی پر رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے" (بخاری، مسلم)

سلہ یعنی حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور یہ آخری صحابی ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔

سلہ یہ خیر و نیکی بھی اہلِ کتاب سے مخالفت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اہلِ کتاب ستاروں کے چمکنے تک روزہ افطار کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ ہماری ملت اسلام میں بھی بعض اہلِ بدعت کا یہ شعار و دستور ہے کہ افطار میں دیر کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ تاہم جلدی سے وقت افطار کی تحقیق و یقین اور اس میں احتیاط کے بعد جلدی کرنا مراد ہے وقت کا صرف شک یا گمان ہونے پر جلدی کرنا مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب تکلف سنت کا پیرو ہونے کے اظہار میں کرتے ہیں۔

امام تورپشتی نے کہا اگر دیر کرنے سے مقصود تادیب نفس، اس کی سرکشی کو دور کرنا اور اسے مطیع فرمان کرنا ہو یا دونوں عشاؤں کو نفلوں کے ساتھ ملانا مطلوب ہو۔ دیر کرنے کو ضروری نہ جانتا ہو تو پھر تاخیر میں حرج نہیں۔ اس تاویل و معنیٰ کی مؤید ہے وہ حدیث صحیح جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "کہ وصال نہ کرو (ایک روزے کو دوسرے روزے سے بغیر کچھ کھائے پیئے نہ ملاؤ۔) اور جو شخص تم میں سے وصال کرنا چاہے اسے چاہیے کہ سحری تک وصال کرے۔ اور اس بنا پر افطار میں تاخیر کرنا کہ نفس کی اصلاح ہو اور نفسانی شہوات کو کاٹا جائے تو بہت سے علماء ربانیین اور ارباب احوال و معاملات طریقت نے ایسا کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہم پر لوٹائے آمین۔ تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَ سَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَ اَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔

جب ادھر (مشرق) سے رات آجائے[1] اور اس طرف سے دن پشت دے کر چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو بے شک روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جانب مشرق سے رات کی تاریکی سامنے آجائے اور جانب مغرب سے دن رخصت ہو جائے، اور سورج غروب ہو جائے، رات کا آنا اور دن کا جانا سورج کے غروب ہونے سے ہی ہوتا ہے تو غروب آفتاب کا لفظ اس بات کی تاکید و تحقیق کے لیے ہے کہ رات داخل ہو جائے۔

[2] یعنی روزے کی افطاری کا وقت ہو گیا اب چاہیے کہ روزہ دار روزہ افطار کرے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَ يَسْقِيْنِيْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزۂ وصال سے[1] منع فرمایا۔ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں[2] آپ نے فرمایا اور میری مثل تم میں کون ہے؟ بیشک میں ایسی حالت میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے[3]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (مسلم، بخاری)

[1] روزہ وصال یہ ہے کہ بندہ دو یا دو سے زیادہ روزے اس طرح رکھے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کھائے پیئے

[2] اور ہمیں آپ اپنی اتباع و فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں۔

[3] واضح ہو کہ اس کھانے پینے میں چند اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے اور پینے سے حسی کھانا پینا مراد ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شب آتا تھا آپ وہ کھاتے اور پیتے تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی تھی۔ جو آپ کے ساتھ خاص تھی۔ اور آپ کا یہ کھانا پینا روزہ کے وصال کے منافی اور روزہ کے باطل ہونے کا موجب نہ تھا۔ اگرچہ یہ کھانا پینا دن کے وقت بھی فرض کر لیا جائے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے اظل عند ربی یطعمنی و یسقینی یعنی میں دن کو اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے کیونکہ جس کھانے سے روزہ شرعاً ٹوٹتا ہے وہ یہ مادی کھانا پینا ہے۔ وہ کھانا جو خرق عادت (معجزہ) کے طور پر

بہشت سے خدا تعالیٰ بھیجتا ہے اس کے کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔
بعض نے کہا یہاں کھانے پینے سے قوت و طاقت مراد ہے جو خوراک سے حاصل ہوتی ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا مجھے میرا پروردگار کھانے پینے والے انسان کی طرح قوت و طاقت عطا کرتا ہے ۔ اور وہ چیز جو کھانے پینے کے قائم مقام ہے وہ مجھے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے ۔ اس کی وجہ سے مجھے عبادت و طاعت کی قوت حاصل ہوتی ہے ۔ یا کھانے پینے سے سیری اور سیرابی مراد ہے ۔ جو آپ کو کھانے پینے کے بغیر حاصل ہوتی ہے ۔ اور آپ کو بھوک پیاس کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی ۔ یہ معنیٰ اس مذکورہ قوت کے علاوہ ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے ، کہ بھوک پیاس کے باوجود آپ کے اندر یہ قوت و طاقت موجود رہتی ہو اس معنیٰ میں وہ قوت سیری اور سیرابی کے اندر موجود رہتی تھی ۔ کہا گیا ہے کہ معنیٰ اول زیادہ راجح ہے کیونکہ سیر و سیراب ہونا روزے دار کے حال کے منافی ہے ۔ اور روزہ وصال کے مقصد کو فوت کرتا ہے کیونکہ روزہ کے عمل کی روح بھوک اور پیاس ہے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بھوک کی حالت میں رہتے تھے ۔ چنانچہ آپ شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے ۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے ۔ مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ اس کھانے پینے سے محسوس کھانا پینا مراد نہیں ہے ۔ اور اس کا لازم مراد ہے جو کہ قوت و سیرابی ہے بلکہ اس سے غذائے روحانی مراد ہے ۔ جو آپ کے قلب مبارک پر معارف ، لذات و مناجات اور فیضان لطائف الٰہیہ کی صورت میں وارد ہوتی تھی ۔ اور اس کی بدولت آپ جسمانی غذا اور اس کے لوازمات سے بے نیاز رہتے تھے ۔ یہ چیز مجازی محبتوں و مسرتوں میں ایک تجربہ شدہ چیز ہے ۔ تو محبت حقیقی اور مسرت معنوی کا کیا عالم ہوگا ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت حاصل رہتی تھی ۔

تنبیہ :۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے وصال کے روزے رکھنے جائز ہیں یا حرام یا مکروہ ہیں ۔ ایک گروہ کہتا ہے اس شخص کے لیے یہ روزے جائز ہیں جو ان کی قدرت و طاقت رکھتا ہو ۔ اور مخالفت رحمت و شفقت اور آسانی کے طور پر ہے ۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں اس کی تصریح آچکی ہے ۔ اور بعض صحابہ کرام مثل عبداللہ بن زبیر وغیرہ اور تابعین مثل عبداللہ بن ابی معمر و عامر بن عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابراہیم تیمی سے منقول ہے مگر اکثر علماء اس پر ہیں کہ وصال کے روزے حضور علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہیں ۔ امام ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے ان کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی ہے ۔ اول زیادہ صحیح ہے امام احمد نے کہا سحری تک وصال صحیح ہے ۔ اور یہ درحقیقت تاخیر افطار ہے وصال نہیں ہے جمہور علماء اس پر ہیں ۔ کہ یہ حضرت نبوت کے خصائص میں سے ہے ۔ ظاہر حدیث بھی اسی پر ہے اور اہل سلوک و تصوف میں سے جو حضرات ریاضت نفس اور اسے گھلانے کا بہت شوق رکھتے ہیں وہ پانی کے ایک چلو سے روزہ افطار کرتے ہیں تاکہ اصل وصال سے باہر نکل آئیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ حَفْصَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یُجْمِعِ الصِّیَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِیَامَ لَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ وَقَفَہٗ عَلٰی حَفْصَۃَ مَعْمَرٌ وَ الزُّبَیْدِیُّ وَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ وَ یُوْنُسُ الْاَیْلِیُّ کُلُّھُمْ عَنِ الزُّھْرِیِّ۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر سے پہلے روزے کا ارادہ[1] (نیت) نہ کرے اس کے روزے نہیں ہوتے۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی۔ اور ابوداؤد نے فرمایا اسے معمر[2]، زہری ابن عینیہ اور یونس ایلی[3] نے حضرت حفصہ پر موقوف کیا۔ یہ سب حضرات[4] زہری سے روایت کرتے ہیں۔

[1] یہاں حدیث میں یجمع آیا ہے۔ یا کی پیش جیم ساکن میم کی زیر۔ اجماع سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے عزم کی درستی اور کسی کام پر ثابت عزم والا ہونا۔

[2] میم کی زبر دوسری میم پر بھی زبر دونوں کے درمیان عین بے نقطہ آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ثوری، ابن عینیہ اور عبدالرزاق ان سے روایت کرتے ہیں۔ زبیدی "زا کی پیش" "با" کی زبر یا ساکن زبید کی طرف منسوب ہے ان کا نام منبہ بن صعب ہے۔ یہ زہری کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ دس سال ان کے ساتھ رہے۔ اور ان سے حدیث کا سماع کیا ابن عینیہ بھی تبع تابعین سے ہیں اور مشہور شخصیت ہیں۔

[3] یونس الایلی۔ ایلی ہمزہ کی زبر یا ساکن یہ ایلہ کی طرف نسبت ہے۔ ولایت شام میں مشہور شہر کا نام ہے ان کے باپ کا نام یزید ہے۔

[4] یعنی حضرت معمر، زبیدی، سفیان، ابن عینیہ اور یونس امام زہری سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو حضرت حفصہ پر موقوف کرتے ہیں۔ حدیث موقوف کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ وہ صحابی کا قول ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک مرفوع نہیں ہوتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے بخاری کے سوا پانچ کتابوں کے اصحاب نے اسے روایت کیا ہے دار قطنی نے بھی روایت کی۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی اسناد کے رجال سب ثقہ ہیں۔

اس حدیث کا ظاہر معنیٰ تو یہ ہے رات کے وقت نیت کے بغیر روزہ درست نہیں ہوتا۔ وہ روزہ چاہے فرض ہو جیسے رمضان کا روزہ یا قضا اور نذر و کفارہ کا روزہ یا نفلی روزہ۔ مگر یہاں مختلف مذہب ہیں۔ امام مالک کا یہی مذہب ہے کہ روزہ کے لیے رات کو نیت کرنا شرط ہے۔ جو روزہ بھی ہو۔ اس حدیث کے عموم پر نظر کرتے ہوئے۔ اور بغیر نفل میں امام احمد و امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر نفلی روزہ امام شافعی کے نزدیک زوال سے پہلے نیت کرنے اور بعد زوال نیت کرنے سے درست ہو جاتا ہے اور روزہ قضا اور کفارہ اور نذر مطلق کے روزہ کے لیے رات کو نیت کرنا شرط ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے دلائل شرح (عربی) میں مذکور ہیں۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ النِّدَآءَ اَحَدُكُمْ وَ الْاِنَآءُ فِيْ يَدِهٖ فَلَا يَضَعْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے اپنی حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے[۱]

(اسے ابوداؤد نے روایت کیا)

[۱] یعنی پانی پی لے۔ یہاں احتمال ہے کہ اس سے مراد مغرب کی اذان ہو۔ تو اس میں روزہ افطار کرنے میں جلدی کی تاکید ہے۔ اگرچہ اذان کے وقت کھانا پینا ترک کر دینا مسنون ہے اس سے صبح کی اذان بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی صبح ہونے کا دارومدار اذان پر نہیں بلکہ حقیقتاً صبح ہونے پر ہے۔ اگر اسے یقین ہو گیا کہ صبح ہو گئی ہے تو کھانا پینا بند کر دے۔ شک کی صورت میں غور و تامل سے کام لے اگر رات کا ظن غالب ہو تو کھا پی لے۔ ورنہ نہ کھائے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس سے حضرت بلال کی اذان مراد ہے۔ جیسا کہ باب اذان میں گذرا۔ اور برتن کے ہاتھ میں ہونے کی قید اتفاقی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحَبُّ عِبَادِيْ اِلَيَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بندوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ بندہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے[۱]

(ترمذی)

ـــہ کیونکہ اس میں متابعت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پانے کا شرف ہے نیز اس میں آسانی اور نعمت کو غنیمت جاننے پر شکر گذاری ہے۔ اور اپنی بندگی اور محتاجی کا اظہار ہے۔ بعض نے کہا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار روزہ میں دیر کرتے تھے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔

حضرت سلمانؓ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور پر افطار کرے کیونکہ وہ برکت ہے[۲] اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے کرے کیونکہ پانی بھی بندے کو پاک کرنے والا ہے[۳]

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَمْ يَذْكُرْ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ غَيْرُ التِّرْمِذِيِّ۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی اور فانہ برکۃ کا لفظ سوائے ترمذی کے کسی نے ذکر نہ کیا

⁂

ـــہ آپ صحابی ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں سلیمان "یا" کے ساتھ آیا ہے۔ مگر یہ کاتب کی خطا ہے یا مؤلف کتاب کی جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

ـــہ کہ کھجور برکت اور زیادتی ثواب کا موجب و سبب ہے۔

ـــہ یا پانی سے افطار کرنا معدے کو آلائشوں سے پاک وصاف کرنے کا ذریعہ ہے اور خوراک کی اشتہاء کا موجب ہے۔ بعض علماء نے کہا معدہ جب خالی ہوتا ہے اور اس میں کھانے کی طلب اور اشتہاء پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ پوری رغبت سے کھانے کو قبول کرتا ہے۔ پھر جب سب سے پہلے اس میں کوئی میٹھی چیز پہنچتی ہے تو اس سے معدہ کو بہت نفع پہنچتا ہے۔ اور بدن اس سے غایت درجہ فائدہ حاصل کرتا ہے خصوصاً نظر کہ میٹھی چیز سے اسے زیادہ قوت وطاقت پہنچتی ہے اور جب کہ اہل حجاز کے ہاں میٹھی چیز کھجور ہے تو ان کی طبیعت اسی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اور ان کے ابدان واجسام اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں باقی رہا پانی تو جب جگر روزہ کی وجہ سے خشک ہو چکا ہوتا ہے۔ تو پانی سے غذا کامل کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پیاسے اور بھوکے انسان کے حال کے زیادہ مناسب و اولیٰ یہ چیز ہے کہ تھوڑا سا پانی پی کر کھانا کھائے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَیْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تُمَیْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّآءٍ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے پہلے چند تر کھجوروں پر افطار کرتے تھے۔ اگر تر کھجوریں موجود نہ ہوتی تھیں تو خشک کھجوروں[۱] سے روزہ افطار کرتے اور خشک کھجوریں بھی موجود نہ ہوتیں تو پھر پانی کے چند گھونٹ پیتے۔

اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] بعض روایتوں میں تین تر کھجوریں اور تین خشک کھجوریں واقع ہوئی ہیں۔

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِیًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ۔

(رَوَاہُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَمُحْیِ السُّنَّۃِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَقَالَ صَحِیْحٌ۔

حضرت زید[۱] بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزہ دار کا روزہ افطار کرایا یا غازی کو سامان جہاد فراہم کیا تو اسے ان جیسا ثواب ملتا ہے اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور محی السنہ نے شرح سنہ میں اور کہا یہ حدیث صحیح[۲] ہے۔

[۱] حضرت زید بن خالد مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[۲] اور ترمذی نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے[۱] تو کہتے پیاس[۲] چلی گئی رگیں تر ہوگئیں اور اجر و ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ثابت و موجود ہوگیا

(ابوداؤد شریف)

[۱] افطار کے وقت

[۲] یہاں حدیث میں لفظ ظما آیا ہے ہمزہ کے ساتھ پھر ہمزہ ممدودہ اور مقصورہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ مُرْسَلًا)

حضرت معاذ بن زہرہ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔

اسے ابو داؤد نے مرسلاً روایت کیا

[1] زہرہ "زا" کی پیش "ہا" کی ساکن۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین اس وقت تک ظاہر و غالب رہے گا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کہ بے شک یہود و نصاریٰ دیر کرتے ہیں[1]

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

[1] تو ان کے خلاف اور ان کے عمل کی بنا گرانے میں دین اسلام کا غلبہ اور شوکت ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دین کی مضبوطی اور اس کا غلبہ دشمنانِ دین کی مخالفت میں ہے۔

وَعَنْ أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ قَالَتْ أَيُّهُمَا

حضرت ابی عطیہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور عرض کیا اے ام المومنین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دو شخص ایسے ہیں کہ ایک ان میں سے افطار میں بھی جلدی کرتا ہے اور نماز میں[2] بھی دوسرا افطار میں بھی دیر کرتا ہے اور نماز میں بھی۔ آپ نے فرمایا افطار اور نماز میں کون جلدی

يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَ يُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ قُلْنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ مُوْسٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرتا ہے۔ ہم نے کہا عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ اور دوسرے مرد حضرت ابو موسیٰ[۵] تھے۔

(مسلم شریف)

[۱] آپ تابعی ہیں اور حضرت مسروق کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔

[۲] یعنی نمازِ مغرب میں

[۳] پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رخصت پر اور حضرت ابن مسعود احکام کے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اسلام کی اتباع میں ان سے آگے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ بھی اکابر صحابہ میں سے ہیں شاید انھوں نے کسی سند یا عذر کی وجہ سے ایسے کیا ہو اور وہ بھی کبھی کبھار۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ[۱] بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ اِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت عرباض[۱] بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کے کھانے کی طرف بلایا اور فرمایا اس مبارک کھانے کی طرف آ۔ بے شک سحری کھانے میں برکت ہے

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] آپ صحابی ہیں۔ اہل صُفّہ میں سے ہیں۔ اور ان کہنے والوں میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم (ترجمہ: نہ ان پر حرج ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں کہ آپ انھیں سواری فراہم کریں۔ الی آخر الآیۃ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " مومنوں کی بہترین سحری کھجور ہے[۱]"۔

(ابوداؤد شریف)

سلہ ایک تو خود سحری ہی بابرکت چیز ہے پھر کھجور برکت میں اضافہ کا موجب ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ روزہ افطار کرنے میں برکت ہے تو اسے سحری میں کھانے سے روزے کے اول و آخر دونوں میں برکت ہی برکت ہو جائے گی۔

بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ

روزے کو پاک رکھنا

یعنی روزے کو ان چیزوں سے دور رکھنا جن سے وہ ٹوٹتا یا مکروہ ہو جاتا ہے۔ تنزہ کا معنی ہے دور ہونا۔ تنزیہ باری تعالیٰ کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں سے دور رکھنا جو اس کی شانِ اقدس کے لائق نہیں ہیں۔ جیسے عیوب و نقائص۔ ایک حدیث میں آیا ہے" الایمان تنزہ " یعنی ایمان گناہوں سے دور ہونے کا نام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔" الجابیہ تنزہۃ" یعنی جابیہ وبا وغیرہ سے دور ہے۔ جابیہ دمشق میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا[1] اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی حاجت[2] نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔

(بخاری شریف)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ زور آیا ہے اس کا اطلاق باطل اور بہتان پر بھی ہوتا ہے۔ زور (جھوٹ) کلام کی بھی ایک قسم ہے یہاں جھوٹ کا وہ معنیٰ مراد ہے۔ جو قول و فعل سب کو شامل ہے۔ یہ عمومیت اس لیے ملحوظ رکھی گئی ہے تاکہ والعمل بہ یعنی (جھوٹ پر عمل) کو بھی شامل ہو جائے۔

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ انسان صرف کھانے پینے کو ترک کرے اس میں اس کے روزے کے نہ قبول ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ یعنی روزہ کے لازم و مشروع کرنے سے مقصود بھوکا پیاسا رکھنا نہیں

بلکہ شہوت توڑنا اور نفسانیت کی آگ بجھانا ہے تاکہ نفس امارگی سے باہر ہو کر مطمئنہ بن جائے۔

مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ روزہ تین قسم ہے۔ عوام کا روزہ، کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا عموم سارے جہان کے لیے یہ ہے کہ بندہ کھانے پینے اور جماع سے باز رہے۔ دوسرا خواص کا روزہ۔ وہ یہ ہے کہ بندہ تمام اعضاء، حواس، لذتوں اور حرام و مکروہ شہوتوں سے رُکا رہے۔ بلکہ مباح چیز کے اندر انہماک سے بھی گریز کرے۔ جو نفس کو توڑنے اور اس کی خواہشات کی بنیاد اکھیڑنے کے منافی ہیں۔ تیسرا روزہ اخص الخواص کا ہے اور وہ ہر ماسوا اللہ سے دور رہنے اور اس کے ماسوا کی طرف توجہ و التفات نہ کرنے اور ماسوا سے تعلق نہ رکھنے سے عبارت ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَ يُبَاشِرُ وَ هُوَ صَائِمٌ وَ كَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاَرَبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چومتے[1] تھے، مباشرت[2] کرتے تھے حالانکہ آپ نے روزہ رکھا ہوتا تھا اور آپ اپنی شہوت و حاجت[3] پر تم سب سے زیادہ قدرت رکھنے والے تھے (مسلم، بخاری)

[1] بوسہ دیتے تھے۔

[2] یعنی جسم مبارک کی کھال کو عورتوں کی کھال کے ساتھ لگاتے تھے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ ارب آیا ہے بمعنی حاجت و شہوات۔ ایک روایت میں لاربہ کی جگہ لنفسہ آیا ہے یعنی ہمزہ، را کی زبر سے بمعنی حاجت، محدثین کے نزدیک مشہور روایت میں ایسا ہی ہے۔ اور کبھی ہمزہ کی زیر اور را ساکن سے بھی روایت کرتے ہیں یہ لغت بھی حاجت کے معنیٰ میں ہے۔ پھر یہ لفظ عضو مخصوص اور فرج کے معنیٰ میں بھی آتا ہے عضو مراد لینے کی صورت میں عضو مخصوص مراد ہوگا۔ تورپشتی نے کہا یہاں اس سے عضو مخصوص مراد لینا طریقہ ادب و ثواب سے خارج اور دور ہے۔ لہٰذا احسن یہی ہے کہ یہاں حاجت کا معنیٰ لیا جائے۔

ترمذی نے کہا کہ اس باب میں حدیث حضرت عمر بن الخطاب، حضرت حفصہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی آئی ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث، حسن و صحیح ہے۔ پھر اس بارے میں علما صحابہ وغیرہم کا اختلاف ہے۔ کہ روزہ دار کے لیے بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے بوڑھے مرد کو اجازت دی ہے۔ جوان کو اجازت نہیں دی اور مباشرت اس سے بھی سخت اور نامناسب عمل ہے یعنی مرد کا اپنے جسم کو عورت کے جسم سے لگانا۔ بعض نے کہا بوسہ سے ثواب کم ہوتا ہے روزہ ٹوٹتا نہیں ترمذی کا کلام ختم ہوا۔

ہم احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر جماع کے مرتکب ہونے یا انزال کا اندیشہ نہ ہو تو بوسہ لینے میں حرج نہیں اور اگر اس کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ بوسہ فی ذاتہٖ روزے کو نہیں توڑتا۔ لیکن ممکن ہے مجامعت تک پہنچا دے

اس لیے حالتِ امن میں تو بوسہ کی ذات کا اعتبار کیا گیا۔ اور غیر امن کی حالت میں اس کے انجام کا لحاظ کیا گیا ہے امام محمد رحمۃ اللہ نے موطا میں کہا کہ اپنے آپ کو بوسہ سے باز رکھنا افضل ہے۔ اور یہ امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کا قول ہے۔ جو ہم سے پہلے گذرے ہیں اور مباشرت بوسہ کے حکم میں ہے۔ ظاہر روایت میں۔ اور مباشرت فاحشہ مکروہ ہے، کہ خوف فتنہ ہے۔ اور موطا میں کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بوسہ اور مباشرت دونوں سے روکتے تھے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بوسہ سے بھی منع کرتے تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی اور فرد کو عصمت و حفاظت حاصل نہ تھی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِّنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَلْيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح آلیتی تھی جب کہ آپ بغیر احتلام کے جنبی ہوتے تھے۔ تو آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے[۱]۔ (مسلم، بخاری)

[۱] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی مثل ایک روایت آئی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا کرتے تھے کہ جو جنبی حالت میں صبح کرتا ہے اس کا روزہ نہیں جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی حدیث پہنچی تو حضرت ابوہریرہ نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور کہا کہ وہ دونوں اس بارے میں مجھ سے زیادہ دانا اور عالم ہیں۔ یہاں ایک قصہ ہے جسے میں نے شرح سفر السعادت میں ذکر کیا ہے۔ اور اکثر علماء اسی پر ہیں۔ طیبی نے نخعی سے نقل کیا کہ نفلی روزہ ایسا ہونا درست ہے مگر فرض روزہ کی قضا کرے۔

ترمذی نے کہا کہ تابعین کی ایک جماعت اس پر ہے کہ جب ایک شخص جنبی حالت میں صبح کرے تو اس روزے کی قضا کرے تاہم قول صحیح تو پہلا قول ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ کبھی حضرت عائشہ کے قول "بغیر احتلام کے" سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احتلام ہونا جائز ہے۔ ورنہ اس قید کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احتلام ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے مواہب لدنیہ میں قرطبی سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احتلام جائز نہیں۔

حدیث میں احتلام سے مراد خواب میں صرف احتلام ہوتے دیکھنا ہے اور یہ شیطان کی طرف سے نہیں ہے یا قید کی بنا احتلام کے عدم جواز پر ہے۔ یعنی آپ کا غسل جماع سے ہوتا تھا احتلام سے نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ کے لیے احتلام جائز نہیں اسے سمجھو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگھی لگوائی[1] حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے اور آپ نے سینگھی لگوائی حالانکہ آپ روزہ دار تھے[2]

(بخاری، مسلم)

[1] یعنی ایک آلے سے اپنا خون کشید کیا حالانکہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ محرم کے لیے ایسا کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی بال نہ اکھڑے اور اگر کوئی بال اکھڑ جائے تو اس کا بدلہ دے جیسا کہ اس مسئلہ کی وضاحت باب احرام میں آرہی ہے۔

[2] اس سے ظاہر ہوا کہ سینگھی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فعل کرنا مکروہ بھی نہیں اور کوئی قضا و کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے مگر امام احمد کے نزدیک سینگھی لگوانے اور لگانے والے دونوں کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور ان پر قضا واجب ہو جاتی ہے۔ کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اور عطا کے نزدیک سینگھی لگانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ طیبی نے کہا روزہ دار شخص کے سینگھی لگوانے میں مزید کلام حدیث افطر الحاجم والمحجوم میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَ سَقَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس روزہ دار نے بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے[1] کہ بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے[2]

(بخاری و مسلم)

[1] کہ اس کا روزہ باطل نہ ہوا۔

[2] یہ حکم سب ائمہ کے نزدیک ہر روزہ کے لیے عام ہے۔ فرض روزہ ہو یا نفل۔ مگر امام مالک کے ہاں کہ ان کے نزدیک اس صورت میں روزہ رمضان کی قضا لازم ہو جاتی ہے۔ اور قیاس بھی یہی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر لوگوں کے اقوال نہ ہوتے تو میں بھی قضا کا قائل ہوتا یعنی اگر ائمہ کرام نے اس حدیث کو روایت نہ کیا ہوتا تو میں یقیناً اس کی قضا کا قائل ہوتا۔ ہدایہ میں کہا جب یہ حکم کھانے پینے کی

چیزوں میں ثابت ہو گیا تو رکنیت میں برابر ہونے کی وجہ سے جماع کے اندر بھی یہ حکم ثابت ہو گیا۔

وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ مَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِيْ وَأَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا میں نے اپنی عورت سے روزہ کی حالت میں مجامعت کر لی ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو گردن (غلام) پاتا ہے جسے تو آزاد کرے اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ لگاتار دو مہینے روزے رکھے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا بیٹھ جا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتظار کرنے لگے۔ ہم لوگ اسی اثنا میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کی ایک ٹوکری پیش کی گئی۔ ٹوکری ایک بڑے پیمانے کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا یہ لے اور اسے فقراء پر صدقہ کر اس شخص نے عرض کیا کیا اپنے سے زیادہ محتاج انسان پر صدقہ کروں یا رسول اللہ؟ تو اللہ کی قسم! مدینہ طیبہ کے دو سنگستانوں کے درمیان یعنی مدینہ طیبہ کی زمین کے دو جلے ہوئے کالے پتھروں کے درمیان کوئی گھر والا میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج نہیں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے

اَنْیَابُہٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْہُ اَھْلَکَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اگلے دانت ظاہر ہوگئے پھر آپ نے فرمایا یہ کھجوریں اپنے بال بچوں کو کھلا دیجئے (مسلم، بخاری)

سلہ ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے " اور میں نے اپنی بیوی کو بھی ہلاک کر دیا کہ میں نے اسے بھی گناہ میں مبتلا کر دیا "

سلہ اور تو نے کیا کیا کہ ایسی بات کر رہا ہے ۔

سلہ ایک روایت میں " واناصائم " کے بجائے " فی نہار رمضان " واقع ہوا ہے یعنی رمضان شریف کے دن میں نے اپنی بیوی سے مجامعت کرلی ہے ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ مکث " کاف " کی پیش اور میم وکاف کی زبر دونوں طرح جائز ہے یہ کھانا اس لیے دے تاکہ اس کا کفارہ بن جائے ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ " عرق " آیا ہے " عین " اور " را " کی زبر اور " را " ساکن سے بھی آیا ہے اس کا معنی زنبیل کا ہے ۔ یعنی بڑی زنبیل جس میں پندرہ سے بیس صاع تک جنس آتی ہے ۔ اور پندرہ صاع ساٹھ سیر ہوتے ہیں ۔

سلہ انیاب، ناب کی جمع ہے ناب اگلے دانتوں کو کہتے ہیں اور درندوں میں بڑے درندوں کے دانتوں کو بھی ناب کہتے ہیں ۔ اور یہ نیچے والے دو دانتوں کے ساتھ والے دانت ہیں ۔ روایات میں " بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ " کے الفاظ بھی آئے ہیں ۔ نواجذ سب سے پچھلے دانتوں کو کہتے ہیں جنھیں عقل ودانائی کے دانت بھی کہتے ہیں یہ عقل و بلوغت کے وقت اگتے ہیں ۔ ان دانتوں کا ہنسنے کے وقت نمایاں ہونا ناممکن ہے ۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ان سے مطلق دانت مراد ہیں ۔ اس کی مزید تحقیق اپنی جگہ کر دی گئی ہے ۔

سلہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص نہایت محتاج اور تنگدستی میں مبتلا ہے تو فرمایا خود ہی کھالے اور کفارہ طاقت وقدرت ہونے پر دوسرے وقت ادا کر دینا کہ اکثر علماء کے نزدیک اپنے ہی گھر والوں کا کھا لینا کفارہ میں کافی نہیں ہے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ خاص تھا بعض نے کہا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے ۔ اور قول قدیم وہی ہے جو کہا گیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بوسہ لیا

يُقَبِّلُهَا وَ هُوَ صَائِمٌ وَ يَمُصُّ لِسَانَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کرتے تھے ۔ حالانکہ آپ روزے سے ہوتے تھے اور آپ حضرت عائشہ کی زبان مبارک چوسا کرتے تھے[1] (ابوداؤد شریف)

[1] حدیث میں لفظ "یمص" مص سے نکلا ہے اس کا معنیٰ ہے چوسنا یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصمصہ ، مضمضہ کی طرح ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ اگر صاد کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے زبان کے کنارے سے چوسنا اور ض سے ہو تو معنی ہے پورے منہ سے چوسنا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا کرنا اس صورت میں جائز ہے جب کہ منہ کا لعاب گلے سے نیچے نہ اُترے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی محمد بن دینار الحاجی البصری اور دوسرا سعید بن انس ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهُ وَ اَتَاهُ اٰخَرُ فَسَاَلَهُ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِيْ رَخَّصَ لَهُ شَيْخٌ وَ اِذَا الَّذِيْ نَهَاهُ شَابٌّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزے دار کی عورت سے مباشرت[1] کے بارے میں سوال کیا آپ نے اجازت دے دی پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی یہی سوال کیا آپ نے اسے اجازت نہ دی تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ جس کو آپ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا آدمی تھا اور جسے آپ نے اجازت نہ دی تھی وہ نوجوان[2] تھا (ابوداؤد شریف)

[1] یہاں مباشرت سے مرد و عورت کا ایک دوسرے کے جسم سے مس کرنا مراد ہے ایک دوسرے کی شرمگاہ کا ایک دوسرے سے ملنا مراد نہیں ہے ۔

[2] تو معلوم ہوا کہ بوڑھے کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے نوجوان کے لیے نہیں ۔ اس کا مآل امن اور خوف ہے کہ بڑھاپے میں غالباً خوف فتنہ نہیں ہوتا جوانی میں ہوتا ہے ۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَ هُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَ مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ۔

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص پہ قے غالب آگئی اور وہ روزہ دار تھا تو اس پر روزے کی قضا نہیں[1] اور جس نے دانستہ قے لائی وہ روزہ قضا کرے

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ لَا اُرَاهُ مَحْفُوْظًا۔

اسے ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے نہیں پہچانتے مگر عیسٰی بن یونس سے اور محمد یعنی بخاری نے کہا میں اس حدیث کو محفوظ گمان نہیں کرتا۔[۳]

[۱] کہ وہ روزہ کو نہیں توڑتی

[۲] کہ ایسی قے روزے کو توڑ دیتی ہے۔ مگر اکثر علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ لازم نہیں اور یہ دونوں صورتیں مطلقاً ہیں یعنی دونوں صورتوں میں قے منہ بھر کر آئے یا منہ بھر کر نہ آئے تینوں ائمہ کا یہی مذہب ہے باقی رہا ہمارے اصحاب حنفیہ کا مذہب تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مطلق قے کی صورت میں تینوں ائمہ کے موافق ہیں۔ کیونکہ حدیث پاک مطلق ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کو دانستہ قے کیساتھ مقید کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قے منہ بھر کر آئے پس اگر قے منہ بھر کر نہ آئے بلکہ قلیل ہو تو قضا نہ کرے گا۔ جبکہ حدیث میں قضا کا ذکر نہیں ہے۔ اور ہدایہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ذکر نہ کیا۔ اور ہدایہ کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ امام محمد کا قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک قول پر مبنی ہے میں کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں۔ کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے موطا میں کہا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

[۳] محفوظ شاذ کے مقابل حدیث کو کہتے ہیں ان الفاظ کے معانی مقدمہ کتاب میں مذکور ہو چکے ہیں۔

وَ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ رض اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَ

حضرت معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کر دیا معدان کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ ابوالدرداء نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کر دیا ثوبان رض نے فرمایا ابوالدرداء نے

اَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وُضُوْءَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

سچ کہا ہے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی ڈالا تھا۔ (اسے ابوداؤد ترمذی اور دارمی نے روایت کیا)

سلہ معدان میم کی زبر عین ساکن سے یعنی حضرت معدان بن طلحہ آپ تابعی ثقہ ہیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

سلہ حضرت ثوبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

سلہ اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ قے وضو توڑ دیتی ہے اور حدیث سابق جس میں استقاء کا لفظ آیا ہے کہ قرینہ سے دانستہ قے مراد ہوگی۔ مگر راوی تمیز نہ کرسکا جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور اس حدیث سے امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحاق و ابن المبارک اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ قے وضو کو توڑ دیتی ہے اور جو حضرات جیسے امام شافعی کہ قے ان کے نزدیک وضو نہیں توڑتی وہ وضو سے منہ دھونا مراد لیتے ہیں اور وضو کرنا مستحب قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا اُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عامر[1] بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے بلاتعداد مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ مسواک کرتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار ہوتے تھے[2] (اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا)

سلہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

سلہ یہ حدیث روزہ دار کے مسواک کرنے کے جواز میں مطلق ہے۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک مسواک کرنا جائز قرار دیتے ہیں خواہ مسواک خشک ہو یا پانی سے تر کی ہوئی ہو۔ نیز خواہ زوال سے قبل ہو یا بعد زوال۔ اور امام ابویوسف نے کہا ہے کہ ہری مسواک اور پانی سے تر کی ہوئی مسواک مکروہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے۔ کہ بعد زوال مسواک کرنے سے منہ کی وہ بو ختم ہوجاتی ہے جو روزہ سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ یہ بو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہے اور امام احمد و اسحاق کے نزدیک دن کے آخر حصے میں مسواک کرنا مکروہ ہے پس وہ حضرات جو مسواک کرنے کو مکروہ قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک مسواک سنت یا مستحب ہے جیسا کہ زعفرانی میں ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنَيَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَ اَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کی میں نے اپنی دونوں آنکھوں کی شکایت کی[۱]۔ تو کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ ڈال سکتا ہوں[۲]۔ آپ نے فرمایا ہاں[۳]۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ لَيْسَ لَهٗ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَ اَبُوْ عَاتِكَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ)

(اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے اور ابو عاتکہ راوی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے[۴])

[۱] یعنی میری دونوں آنکھیں درد کرتی ہیں چنانچہ کہتے ہیں میں نے اپنے پیٹ کے درد کی شکایت کی جبکہ پیٹ کو درد ہو یا آنکھ درد کرتی ہو کبھی اس طرح کہتے ہیں اس کا پیٹ شکایت کرتا ہے ۔ یعنی اس میں درد ہے اور وہ بیمار ہے شکایت کا اصل معنی گلہ کرنے کا ہے اور یہ بھی اسی باب سے ہے ۔

[۲] کیونکہ سرمہ آشوب چشم کا علاج ہے ۔

[۳] یعنی روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا روزے کو کوئی نقصان نہیں دیتا ۔ لہذا اگر تو سرمہ ڈالنا چاہتا ہے تو ڈال لے تجھے اجازت ہے ۔

[۴] اور امام ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس باب میں ابو رافع سے بھی حدیث مروی ہے اور حضرت انس کی حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے ۔ اور اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز صحیح سند سے ثابت نہیں ۔

پھر اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض اہلِ علم نے روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنے کو مکروہ کہا ہے اور یہ قول حضرت سفیان، ابن المبارک اور امام احمد و اسحاق کا ہے ۔ اور بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے ترمذی کا کلام ختم ہوا ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی رخصت و اجازت کا ہے ۔ اور امام مالک سے اس کی کراہت نقل کی گئی ہے ۔ اور جامع الاصول میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بروایت ابوداؤد آیا ہے ۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ ڈالا کرتے تھے ۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس طرح لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہیے کہ اس سے پرہیز کرو مگر یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں واللہ اعلم ۔

وَ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم

قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَ هُوَ صَائِمٌ مِّنَ الْعَطَشِ اَوْ مِنَ الْحَرِّ.

صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج[1] میں دیکھا کہ آپ اپنے سر مبارک پر پانی ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ ایسا آپ پیاس یا گرمی[2] کی وجہ سے کر رہے تھے۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(اسے مالک اور ابوداؤد نے روایت کیا)

[1] عرج عین کی زبر را ساکن ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا یہ مدینہ طیبہ میں ایک جگہ ہے۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ پیاس کی وجہ سے آپ ایسا کر رہے تھے یا گرمی کی وجہ سے۔

وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَ هُوَ يَحْتَجِمُ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِيَدِيْ لِثَمَانِ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُوْمُ.

حضرت شداد[1] بن اوس رضی اللہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان جنت البقیع[2] میں ایک شخص کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ شخص سینگی لگا رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ رمضان شریف کی اٹھارویں شب کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ جاتا رہتا ہے[3]۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ تَاوَّلَهٗ بَعْضُ مَنْ رَخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ اَيْ تَعَرَّضَا لِلْاِفْطَارِ الْمَحْجُوْمُ لِلضُّعْفِ وَ الْحَاجِمُ لِاَنَّهٗ لَا يَاْمَنُ مِنْ اَنْ يَّصِلَ شَيْءٌ اِلٰى جَوْفِهٖ بِمَصِّ الْمَلَازِمِ.

اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا شیخ امام محی السنہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جو حضرات روزہ کی حالت میں سینگی لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض نے اس کی یہ تاویل[4] کی ہے کہ دونوں روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتے ہیں، جسے سینگی لگائی جائے وہ تو اس وجہ سے کہ اس پر ضعف و کمزوری چھا جاتی ہے اور سینگی لگانے والا اس وجہ سے کہ خطرہ ہے اس کے پیٹ میں کچھ داخل ہو جائے۔ سینگی کے شیشے کو چوسنے کی وجہ سے۔

سلے شداد، شین کی زبر، دال مہملہ کی شد سے۔ اوس ہمزہ کی زبر واو ساکن۔ آپ انصاری صحابہ میں سے ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ آپ خود اور آپ کے والد والدہ بھی صحابی ہیں۔

سلے بقیع مدینہ مطہرہ کا قبرستان ہے۔

سلے یعنی دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔

سلے یعنی ان حضرات نے حدیث کی (جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سنگی لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) کی تاویل کی ہے اور وہ کہتے ہیں سنگی لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ روزہ ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ سنگی لگانے یا لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا ہے سنگی لگوانے والے کا تو اس وجہ سے کہ اس کا خون کم کرنے کے سبب اسے ضعف اور سستی لاحق ہو جاتی ہے۔ یعنی نزدیک ہے کہ اسے ضعف لاحق ہو جائے۔ جس کی وجہ سے کچھ کھانے پینے پر مجبور ہو جائے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے۔ اور سنگی لگانے والے کے روزہ کو یہ خطرہ لاحق ہو چکا ہوتا ہے۔ کہ شاید سنگی کا شیشہ (بوتل) چوسنے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں کچھ خون وغیرہ داخل ہو گیا ہو۔ حجامت یعنی سنگی سے اس طرح خون کم ہوتا ہے کہ جہاں سنگی لگانی ہوتی ہے پہلے اس جگہ کو تیز دھار آلے (استرے) وغیرہ سے پچھتے ہیں۔ پھر کسی جانور کے سینگ یا بوتل سے اس جگہ کے خون کو منہ سے چوستے ہیں عربی میں اس سینگ یا بوتل کو محجم کہتے ہیں یعنی میم کی زبر سے تو یہ ایسا عمل ہے کہ اس سے منہ میں کوئی چیز آسکتی ہے۔ اور پیٹ میں جا سکتی ہے۔ اور اس حدیث میں واقع لفظ ملزوم ملزم کی جمع ہے یعنی سنگی لگانے کی بوتل جس میں خون جمع ہو جاتا ہے۔

واضح ہو کہ جمہور اس پر ہیں کہ سنگی لگانے کے عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور سنگی کا یہ عمل روزہ دار کے لیے مکروہ بھی نہیں مگر اس وجہ سے کہ اس سے ضعف و کمزوری طاری ہو سکتی ہے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور یہی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت مثل سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، زید بن ارقم اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے فعل مبارک سے مروی ہے۔ اور امام احمد اور علماء کا ایک گروہ جیسے عبداللہ بن المبارک، امام اوزاعی، اسحاق اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ سنگی (سنگی کا عمل کرنے والے اور کروانے والے دونوں کے روزے کو توڑ دیتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا ظاہر ترجمہ ہے۔ اور قضا بھی واجب ہوتی ہے۔ اور امام عطاء نے اس میں مزید سختی کی ہے۔ اور کہا کہ کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اور امام احمد کے قول ہی کے قائل ہوئے ہیں بعض شافعیہ جیسے ابن خزیمہ و ابن المنذر و ابن حبان رضی اللہ عنہم۔ اور زعفرانی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ امام شافعی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے سنگی لگوائی حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم کہ سنگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور میں ان دونوں احادیث میں سے کسی کو ثابت نہیں مانتا تو اگر روزہ کی حالت میں سنگی لگوانے والا احتیاط کرے اور سنگی نہ لگوائے تو اس کی یہ بات میرے نزدیک محبوب تر ہے اور اگر یہ عمل کرے تو میں یہ نہ

کہوں گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ۔ امام ترمذی نے کہا کہ امام شافعی جب بغداد میں تھے تو سنگی لگانے کے عمل سے منع کرتے تھے اور جب مصر آئے تو رخصت و اجازت کی جانب آپ کا میلان ہو گیا ۔ اور فتح الباری میں کہا کہ امام شافعی کہا کرتے تھے کہ عمل حجامت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اسناد کی حیثیت سے دلیل بنانے میں زیادہ عمدہ ہے ۔ مگر اس کے باوجود اگر روزہ دار احتیاط کے طور پر اس سے پرہیز کرے تو بہتر ہے ۔ قیاس بھی حضرت ابن عباس کی حدیث کے موافق ہے کیونکہ عمل حجامت (سنگی) سے چیز اندر سے باہر آتی ہے ۔ باہر سے اندر کوئی چیز نہیں جاتی علاوہ ازیں یہ عمل ضعف لاحق ہونے اور شہوت توڑنے کا موجب و سبب ہے ۔ اور روزے کی مصلحت کے موافق و مطابق ہے اور جماع اور عورت سے صحبت ہی اگرچہ ایسی چیز ہے مگر اس سے بچنا اور پرہیز کرنا نص سے ثابت ہے ۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے ۔ اور صحابہ و تابعین عام اہل علم سے محفوظ و قوی بات یہ ہے ۔ عمل حجامت سے روزہ نہیں ٹوٹتا ایک قوم یہ کہتی ہے کہ عملِ حجامت سے اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں تاہم مکروہ ضرور ہے ۔ کیونکہ اس سے ضعف اور ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور امام احمد کے مذہب کے علماء نے " افطر الحاجم والمحجوم " صحیح قرار دینے میں مبالغہ سے کام لیا ہے ۔ اور انھوں نے اپنے مذہب کا موید معقول و منقول دونوں کو قرار دیا ہے ۔ اور انھوں نے کہا ہے کہ صحابہ میں سے بارہ افراد نے اس باب میں حدیث روایت کی ہے ۔ اور جمہور علماء اس کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روزہ ٹوٹنے سے روزہ ٹوٹنے کے قریب ہونا مراد ہے ۔ جیسا کہ مؤلف نے محی السنۃ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ قول یعنی " افطر الحاجم والمحجوم " دو معین اشخاص کے لیے تھا جنھوں نے اس عملِ حجامت کے علاوہ کسی اور امر کا بھی ارتکاب کیا تھا ۔ جو مفسد روزہ تھا ۔ محض عمل سنگی سے ان کا روزہ نہ ٹوٹا تھا ۔ اور وہ امر یہ تھا کہ انھوں نے کسی کی غیبت بھی کی تھی ۔ اور غیبت سے روزہ ٹوٹنے کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت شام کے قریب سنگی لگانے اور لگوانے والے کے پاس سے گذرے تھے ۔ اور یہ قول ارشاد فرمایا تھا اور در اصل اس قول میں آپ نے ان کی طرف سے عذر بیان کیا تھا ۔ یعنی انھوں نے اس وقت عمل سنگی کا کر کے اچھا کام نہیں کیا ۔ لیکن کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ شام کا وقت (روزہ افطار کرنے کا وقت آن پہنچا ہے) اور بعض کہتے ہیں یہ اجازت و رخصت ممانعت کے بعد کی بات ہے اور نہی منسوخ ہو چکی ہے واللہ اعلم ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بلا رخصت[۱] و عذر و مرض کے رمضان کا روزہ نہ رکھا وہ تمام عمر بھی اگر اس کے عوض روزے رکھے تو اس کی قضا نہیں کر سکتا[۲]۔

الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَ اِنْ صَامَهٗ .

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ الدَّارِمِيُّ وَ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ اَبُو الْمُطَوِّسِ الرَّاوِيْ لَا اَعْرِفُ لَهٗ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ)

اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی اور بخاری نے اپنے ترجمہ باب میں[3] روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا میں نے محمد سے یعنی محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ابوالمطوس[4] راوی کو میں اس حدیث کے سوا نہیں جانتا۔

[1] یعنی بلا رخصت شرعی جیسے سفر، بڑھاپا اور بیماری کا ڈر۔

[2] یہ حدیث تشدید و مبالغہ کی قسم سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ روزہ فرض کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ نفل روزہ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ ساری عمر نفلی روزہ اس کے عوض رکھے۔ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ دو ماہ بطور کفارہ روزہ رکھنا کافی ہوجاتا ہے۔

[3] یعنی احادیث بیان کرنے کے انداز میں اس کا ذکر نہیں کیا جس طرح کہ بخاری کی حدیث میں ہے۔

[4] مطوس "میم" کی پیش "طا" کی زبر اور واؤ زیر والی کی شد۔ آخر میں سین مہملہ۔ اور امام بخاری نے یہ بھی کہا میں گمان نہیں کرتا کہ اس کے باپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن خلف سے یہ حدیث سنی ہو۔ قرطبی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے ایسی حدیث دلیل کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ بعض حواشی میں مذکور ہے۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ .

رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ .

انھیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنھیں روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا[1]۔ اور کتنے ہی رات کو عبادت میں کھڑے ہونے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو اس کھڑے ہونے سے سوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا[2]

اسے دارمی نے روایت کیا اور لقیط[3] بن صبرہ کی حدیث باب سنن الوضوء[4] میں ذکر ہوچکی ہے۔

سلہ جیسا کہ وہ روزہ دار جو جھوٹ ، غیبت اور دوسرے ممنوعات سے باز نہ رہے یہاں حدیث میں واقع لفظ ظمأ دو زبر اور الف ممدودہ و مقصورہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے ۔ اس کا معنیٰ ہے پیاس اور تشنگی یا سخت تشنگی ۔

سلہ جیسے وہ شخص جو غصب کردہ زمین میں نماز پڑھے اور گناہوں کا ارتکاب کرے اور فرض نماز با جماعت اور جماعت کے ارکان و آداب کا خیال نہ رکھے ۔

سلہ لقیط لام کی زبر قاف کی زیر سے ، صبرہ . صاد کی زبر با کی زیر کہ اس کی حدیث میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنے سے روکا گیا ہے ہر روزہ دار کو ۔

سلہ اگرچہ مصابیح میں یہ حدیث اس جگہ مذکور ہوئی ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ اَلْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالْاِحْتِلَامُ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ زَيْدٍ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ .

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں ، سنگی لگانا ، قے کرنا[1] اور احتلام ہونا اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے ۔[2] اور عبدالرحمن بن زید راوی حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے[3] ۔

سلہ قے سے وہ قے مراد ہے ۔ جو خود بخود آجائے ۔ اور بندے کی طبیعت پر غالب آجائے مگر دانستہ خود قے نہ لائے ۔ کہ وہ روزہ توڑ دیتی ہے جیسا کہ گذرا ۔

سلہ یعنی شاذ ہے ۔

سلہ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کو دار قطنی و بیہقی نے روایت کیا ہے ۔ اور ابو داؤد نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک مرد سے روایت کی ہے ۔ ابو حاتم نے کہا ابو داؤد کی حدیث صواب کے زیادہ مشابہ اور ابو زرعہ نے کہا کہ یہ بہت صحیح حدیث ہے ۔

وَعَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ

حضرت ثابت البنانی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے

كُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضَّعْفِ - (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دریافت کیا گیا کہ تم لوگ (صحابہ کرام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سنگی لگانے کو مکروہ جانتے تھے؟ آپ نے جواب دیا نہ مگر کمزوری[۲] اور ضعف لاحق ہو جانے کے باعث۔

(اسے بخاری نے روایت کیا)

[۱] ثابت البنانی۔ با کی پیش، نون مخفف آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ حضرت انس سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی سنگی لگانا بذاتہٖ مکروہ نہیں اور نہ روزے کو توڑتا ہے۔ بلکہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے مکروہ کہا گیا ہے۔

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ -

امام بخاری رحمۃ اللہ سے تعلیقاً[۱] روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سنگی لگواتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار ہوتے تھے[۲] پھر آپ نے چھوڑ دیا اور آپ رات کو سنگی لگواتے تھے۔

[۱] تعلیق کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں ذکر ہو چکا ہے۔

[۲] یعنی روزہ کی حالت میں سنگی لگواتے تھے۔

وَعَنْ عَطَاءٍ[۱] اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ لَا يَضِيْرُهُ اَنْ يَزْدَرِدَ رِيْقَهُ وَمَا بَقِيَ فِيْ فِيْهِ وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهُ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُنْهٰى عَنْهُ - (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حضرت عطاء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر کسی نے منہ میں پانی ڈالا پھر وہ پانی منہ سے الٹا دیا تو منہ کا لعاب اور جو کچھ منہ میں[۲] باقی بچا تھا اسے گلے سے نیچے اتارنے میں روزے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور اخروٹ وغیرہ کا چھلکا[۳] نہ چبائے اور اگر اس چھلکے والا لعاب گلے سے نیچے اتارا تو میں نہیں کہتا کہ روزہ توڑ دے[۴] تاہم اُسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ اور بعض نسخوں میں لا یمضغ العلک میں لفظ لا نہیں ہے[۵]

(اسے بخاری نے ترجمۃ الباب میں روایت کیا)

[۱] حضرت عطاء رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔

سے بعض نے یہاں کہا ہے کہ ما بقی فی فیہ میں ما نافیہ ہے موصولہ نہیں ترجمہ یہ ہوگا کہ اس کے منہ میں پانی بھی ہوتی کوئی چیز نہ تھی ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل عبارت ماذا بقی ہے ۔ ذا کاتب کے قلم سے رہ گیا۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے منہ میں کیا چیز باقی رہ گئی تھی ۔ یعنی منہ سے پانی گرانے سے اس کے منہ میں کوئی چیز باقی نہ رہی تھی ۔ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے ۔ کہ دوسری روایات میں لفظ ماذا صراحتہً آچکا ہے اس میں غور کر۔

سے یہاں حدیث میں لفظ علک آیا ہے ۔ (عین کی زیر لام ساکن) یعنی مصطگی اور اسے ملک اولی کہتے ہیں سا سے دانتوں کی قوت کے لیے چباتے ہیں اور علک چکناہٹ اور چپکنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے ۔ جیسے سریش وغیرہ اور اگر علک یعنی عین کی زبر ہو تو اس کا معنیٰ چبانے کا بھی آتا ہے ۔

سے کیونکہ اس چھلکا سے کوئی ایسی چیز جدا نہیں ہوتی جو گلے سے نیچے اُترے ۔ جس سے اس کا روزہ ٹوٹے مگر ایسا کرنا مکروہ اور خلاف احتیاط ہے ۔

ے علماء نے کہا ہے کہ یہ عبارت سیاق کے زیادہ موافق ہے اسے سمجھ ۔

بَابُ صَوْمِ الْمُسَافِرِ

مُسافر کے روزے کا بیان

واضح ہو کہ مسافر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں وارد احادیث مختلف ہیں بعض احادیث تو مطلقاً جواز میں وارد ہیں اس وضاحت کے بغیر کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے ۔ اور بعض احادیث میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھے یا نہ رکھے ۔ اور بعض احادیث روزہ نہ رکھنے کے جواز اور روزہ رکھنے کی مذمت میں وارد ہیں ۔ مگر یہ حالات اور اوقات کے اختلاف و فرق پر مبنی ہے ۔

جمہور علماء جو اہل فتویٰ میں سے ہیں اس پر متفق ہیں کہ روزہ نہ رکھنا اور رکھنا دونوں امر جائز ہیں ۔ اور اس میں مختلف ہیں کہ ان دونوں میں افضل و اولیٰ کیا ہے ۔ یا دونوں برابر ہیں ۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ثوری وغیرہ اس پر ہیں کہ روزہ رکھنا افضل ہے اس شخص کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو ۔ کیونکہ اس طرح وہ ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا ۔ اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ موافقت و مطابقت کی بنا پر آسانی اور سہولت بھی ہے ۔ اور رمضان کے گذرنے کے بعد اس کے لیے قضا کرنے میں دشواری لاحق ہوگی اور روزہ رکھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ان کی دلیل ہے ۔ اور احمد، اسحاق، اوزاعی اور سعید بن المسیب کے نزدیک مطلق روزہ نہ رکھنا افضل ہے ۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے

امام شافعی سے بھی اس قول کو نقل کیا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ اور ان احادیث سے بھی جو سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی مذمت میں وارد ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل ظاہر سفر میں روزہ رکھنے کو جائز ہی قرار نہیں دیتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر سفر میں روزہ رکھے گا تو اس کی قضا کرے گا۔ کیونکہ اس کا وقت غیر رمضان ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جو آسان ہو وہ افضل و اولیٰ ہے۔ بعض اس پر ہیں کہ دونوں برابر ہیں اور بندے کو اس میں اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيِّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَ كَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَ اِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک حمزہ بن عمرو الاسلمی[1] نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ اور یہ صاحب کثرت سے روزے رکھتے تھے آپ نے فرمایا اگر تو چاہے روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو نہ رکھ[2]

(بخاری، مسلم)

[1] آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ اس پوچھنے والے کے حال کے مطابق روزہ رکھنا نہ رکھنا برابر تھا۔ اور یہ حدیث دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور روزہ دار کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔

وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشَرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَ مِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَ لَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شریک ہوئے رمضان کی سولہ تاریخ کو تو ہم میں سے کچھ وہ تھے جنھوں نے روزہ رکھا اور کچھ وہ تھے جنھوں نے روزہ نہ رکھا پھر روزہ رکھنے والوں نے روزہ نہ رکھنے والوں پر کوئی اعتراض کیا اور نہ رکھنے والوں نے رکھنے والوں کو

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) کوئی نکتہ چینی نہ کی (اسے مسلم نے روایت کیا)

لہ یہ حدیث بھی بحالت سفر روزہ رکھنے نہ رکھنے کے جواز و اختیار اور مساوات میں ظاہر ہے مگر یہ کہ روزہ نہ رکھنے پر اعتراض نہ کرنا اصل جواز کے پیش نظر ہو اگرچہ دونوں میں سے ایک جانب افضل ہو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ آپ نے ہجوم لہ دیکھا۔ اور ایک آدمی دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا لہ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ روزہ دار ہے لہ۔ آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں لہ۔ (مسلم، بخاری)

لہ حدیث میں لفظ زِحام آیا ہے "زا" کی زیر سے بمعنی ہجوم۔

لہ یعنی خیمہ وغیرہ کے ساتھ تاکہ پیاس کی مشقت اور گرمی کی تپش سے بچ سکے اور اپنی ٹھیک حالت پر آجائے یا سایہ کا مطلب ہے کہ لوگ اس کے گرداگرد سایہ کی طرح کھڑے تھے۔

لہ یعنی یہ ہجوم کیسا ہے اور یہ سایہ اور اس کا سبب کیا ہے؟

لہ جو روزہ کے ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے۔

لہ یعنی جو روزہ دار مشقت و ضعف کی اس حد تک پہنچ جائے اس کے لیے روزہ رکھنا نیکی نہیں بلکہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصُّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم میں سے کچھ روزہ دار تھے اور کچھ نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ اور ہم لوگ ایک گرم دن میں ایک جگہ اترے تو روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ قائم اور کھڑے رہے انھوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کے دن بے روزہ لوگ

ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اجر و ثواب لے گئے ۔[1]

(بخاری، مسلم)

[1] اس حدیث سے یہ دلیل سامنے آتی ہے۔ کہ قوت برقرار رکھنے کے لیے روزہ نہ رکھنا۔ ضعف و ناتوانی کی حالت میں روزہ رکھنے سے افضل و اولیٰ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بندہ ضعیف (عبدالحق ، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات سے چشم پوشی فرمائے) کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "الیوم" (آج کے دن) میں اس جانب اشارہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے میں فضیلت، ان کی روزہ داروں کی خدمت گذاری کی وجہ سے ہے نہ کہ انھیں مطلقاً روزہ داروں پر افضیلت حاصل ہے اسے سمجھو۔ حدیث میں اس امر کی بھی دلیل موجود ہے کہ صالحین کی خدمت کرنا نفل عبادت سے افضل ہے جیسا کہ اسے شیخ (شہاب الدین) نے اپنی کتاب عوارف میں ذکر کیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے (یعنی فتح مکہ کے سال) تو آپ نے (راستے میں) روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ مقام عسفان[1] میں پہنچ گئے پھر آپ نے پانی منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں کی بلندی تک بلند کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ اور روزہ توڑ ڈالا یہاں تک آپ مکہ معظمہ پہنچے اور یہ رمضان شریف کا واقعہ[2] ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا ہے[3] تو جو چاہے سفر میں روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے[4]

(بخاری، مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں جو حضرت جابر سے مروی ہے اس طرح آیا ہے انہ شرب بعد العصر کہ آپ نے نماز عصر کے بعد پانی نوش فرمایا۔

[1] عسفان۔ عین کی پیش، بعد میں سین اور فا۔ یہ مکہ معظمہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔

جہاں میٹھے پانی کا ایک کنواں ہے ۔

سے مشہور یہ ہے کہ آپ مدینہ طیبہ سے دس رمضان کو نکلے ۔ اور مکہ معظمہ میں بیس رمضان شریف کو پہنچے اور مکہ فتح کیا ۔

سے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک دونوں طرح پر ہے ، روزہ رکھنا اور نہ رکھنا ۔

سے یعنی دونوں عمل برابر ہیں اور بندہ کو اس میں اختیار ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَ الصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَ عَنِ الْمُرْضِعِ وَ الْحُبْلٰى ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت انس بن مالک الکعبی سے روایت ہے (یہ صحابی حضرت انس بن مالک کے علاوہ ہیں) فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نماز کا ایک حصہ[1] ساقط کر دیا ہے اور روزے کو مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے ذمہ سے ساقط کر دیا ہے[2] ۔ (اسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

سے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض نماز کا ایک حصہ مسافر سے ساقط کر دیا ہے کہ چار رکعت فرض کو دو کر دیا ۔

سے یعنی روزہ کی فرضیت اور وجوب کو مسافر پر سے ساقط کر دیا ہے ۔ پھر دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے ذمہ سے روزہ کی فرضیت اس صورت میں ساقط ہے جب کہ بچے یا ان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور دودھ پلانے والی سے مراد وہ عورت ہے جو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر مقرر کی گئی ہو اور اس عقد اجرت کی وجہ سے اس پر دودھ پلانا لازم و ضروری ہو چکا ہو ۔ باقی رہی بچے کی ماں تو اس پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے ۔ اگر وہ دودھ پلانے سے انکار کرے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کر سکتے ۔ مگر اس صورت میں کہ بچے کا باپ تنگ دست ہو اور کرایہ پر دائی مہیا نہ کر سکتا ہو یا کرایہ پر دائی نہ ملتی ہو ۔

وَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ

حضرت سلمہ بن محبق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے سیری اور

حَمُوْلَةٌ تَأْوِيْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

آسانی کی حالت میں منزل تک پہنچا دے تو اسے رمضان کا روزہ رکھنا چاہیے جہاں بھی ملے رمضان کا مہینہ پہنچے

(ابوداؤد شریف)

سلہ محبق، میم کی پیش، حا کی زبر باشدد زبر والی۔ آخر میں قاف۔ اور با کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے لیکن محدثین با کی زبر سے ہی پڑھتے ہیں آپ صحابی ہیں امام حسن بصری ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت سلمہ بن محبق کے بیٹے حضرت سفان بن سلمہ جو بہادروں اور پہلوانوں میں سے ہیں اور چند غزوں میں شریک ہوئے وہ بھی صحابی ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ حمولۃ آیا ہے۔ حا کی زبر سے وہ جانور جس پر بوجھ لادا جائے جیسے اونٹ اور گدھا وغیرہ یعنی سواری کا جانور۔

سلہ یا جہاں بھی وہ رمضان کا مہینہ پالے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسانی اور آسائش کی صورت میں سفر کے اندر روزہ رکھنا چاہیے۔ اور صیغہ امر ندب واستحباب پر مبنی ہے۔ ورنہ بحالت سفر روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ چاہے مشقت نہ بھی ہو۔ اس پر علماء کا اجماع ہے پھر اس حدیث میں ان راویوں کی بنا پر جو ان کے اسناد میں واقع ہیں ان کے ضعیف ہونے کی بنا پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسے شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف نکلے۔ تو آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ مقام کراع الغمیم[1] تک جا پہنچے۔ اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور اسے بلندی کی طرف اٹھایا یہاں تک کہ اسے لوگوں نے دیکھا پھر آپ نے پیا تو آپ سے اس کے بعد کہا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے[2] آپ نے اس پر فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں[3]۔

(مسلم شریف)

سلہ کراع الغمیم کاف کی پیش، را مخفف غمیم اغ کی زبر سے ۔ یہ جگہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان مقام عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔

سلہ یعنی انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ توڑنے کے باوجود اپنے روزے نہیں توڑے یا انھوں نے دوسرے دن روزے رکھ لیے ۔

سلہ یعنی آپ نے تاکید اور زجر و تشدید کے طور پر یہ الفاظ مکرر ارشاد فرمائے ۔ کیونکہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی رخصت و اجازت کو قبول نہ کیا تھا ۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ رخصتوں کے قبول کرنے کو پسند کرتا ہے ۔ جس طرح وہ اپنی عطا کردہ عزیمتوں کو پسند کرتا ہے مگر وہ لوگ اس وجہ سے نافرمان قرار نہ دیے گئے کہ سفر میں روزہ رکھنا حرام تھا ۔ جس طرح فرقہ ظاہریہ کا وہم و خیال ہے ۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس سفر میں سارا دن روزہ رکھا اور یہاں آکر توڑا ۔ بلکہ ان کے نافرمان ہونے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مخالفت تھی ۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَآئِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنے والا اس کی طرح ہے جو گھر میں روزہ نہ رکھے سلہ (ابن ماجہ)

سلہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اسی طرح ممنوع و ناجائز ہے جس طرح گھر میں روزہ نہ رکھنا ممنوع و ناجائز ہے ۔ مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ روزہ رکھنے میں نقصان پہنچنے اور موت کا خوف ہو اور بعض حواشی میں مذکور ہے کہ ممانعت میں مشابہت و مساوات اس امر میں ہے کہ ایک رخصت کا تارک ہوا اور دوسرا عزیمت کا تارک بنا ۔

وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيِّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ

حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمی سے روایت ہے بیشک انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں ۔ تو مجھ پر گناہ تو نہیں (روزہ رکھنے میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اللہِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَ بِھَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رخصت و اجازت ہے جو اس رخصت کو اختیار کرتا ہے تو اچھی بات ہے[1] اور جو روزہ رکھنا پسند کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں[2]۔ (مسلم شریف)

[1] اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ اور اس کی طرف سے مہیا کردہ آسانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنے عجز و ضعف کو مد نظر رکھتے ہوئے جیسا کہ گذرا۔

[2] اس میں روزہ نہ رکھنے کی افضلیت کی جانب اشارہ ہے۔

بَابُ الْقَضَاءِ

قضا کا باب

ظاہر یہ ہے کہ قضا سے روزۂ رمضان کی قضا مراد ہے۔ اور اگر اس سے عام روزہ مراد ہو تو بھی گنجائش ہے۔ رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی تین صورتیں ہیں۔ اور اگر معمول کر روزہ نہ رکھا تو اس صورت میں نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ۔ اور اگر دانستہ رمضان کا روزہ قضا کیا تو اس میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔ گذشتہ ابواب میں اس کا حکم گذر چکا ہے اور اگر کسی عذر مثلاً مرض یا سفر کی وجہ سے رمضان کا روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں صرف قضا لازم ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رضی قَالَتْ کَانَ یَکُوْنُ عَلَیَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَقْضِیَ اِلَّا فِیْ شَعْبَانَ قَالَ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ یَعْنِی الشُّغْلَ مِنَ النَّبِیِّ اَوْ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا لازم ہوتی تھی تو میرے لیے ان کی قضا کی گنجائش نہ ہوتی تھی مگر ماہ شعبان میں[1] یحییٰ بن سعید کہتے ہیں حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گنجائش نہ ملتی تھی یا میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے گنجائش نہ ملتی تھی (بخاری، مسلم)

سلہ جو کہ عذر کی وجہ سے میرے ذمہ ہوتے تھے۔
سلہ یعنی میں آخر سال تک ان کی قضا میں تاخیر کرتی تھی۔
سلہ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعبان کے سوا دوسرے مہینوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشغولی، روزے کی قضا کرنے سے روکے رکھتی تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صحبت و جامعت کے طلبگار رہتے تھے یا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مجامعت کی خواہش رکھتی تھیں۔ اور شعبان کے مہینہ میں اکثر دن بلکہ سارا شعبان روزے رکھتے تھے۔ تو اس ماہ میں حضرت عائشہ کو فرصت ملتی تھی۔ جس میں آپ رمضان کے روزے قضا کرتی تھیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ روزے رکھے جب کہ اس کا خاوند گھر پر موجود ہو مگر اس کی اجازت سے[1]۔ اسی طرح کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مرد کے گھر میں کسی مرد کو گھسنے کی اجازت دے مگر اپنے خاوند کی اجازت سے[2]۔
(مسلم شریف)

سلہ حدیث کی عبارت شامل ہے۔ اس صورت کو بھی کہ عورت بلا اجازت روزہ رکھے ہی نہ یا اگر رکھے تو توڑ دے۔ البتہ رکھ کر توڑنے کی صورت میں قضا کرے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کا مذہب ہے۔ جو ان کے موافق ہیں۔ کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہے۔ اس بنا پر اس حدیث کا اس باب میں لانا درست ہوگا یا ترجمہ باب میں قضا روزہ سے وجوبًا یا عدمًا قضا مراد ہے یعنی قضا لازم آتی ہے یا لازم نہیں آتی۔ اس صورت میں یہ حدیث امام شافعی اور ان لوگوں کے موافق ہوگی جو اس کی قضا کو لازم تسلیم نہیں کرتے۔ اسے سمجھ۔
سلہ اگرچہ عورت کا محرم ہی کیوں نہ ہو۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِی الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ

حضرت معاذۃ العدویہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے یہ کہ اس خاتون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا وجہ ہے۔ کہ حیض والی عورت روزے قضا کرتی ہے مگر نماز قضا نہیں کرتی[2]۔ حضرت عائشہ[3] نے فرمایا ہم پر حیض کا وقت آتا تھا تو ہمیں روزے کی قضا کا

بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَ لَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوۃِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حکم دیا جاتا تھا ۔ نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔[3] (مسلم شریف)

[1] حضرت معاذہ عدویہ ثقہ تابعی خاتون ہیں ان کی کنیت ام الصہباء ہے۔

[2] حالانکہ دونوں فرض ہیں اور دونوں عذر کی وجہ سے ساقط ہوتے ہیں ۔

[3] یعنی یہ ایک شرعی حکم ہے جس کا شارع علیہ السلام نے حکم صادر فرمایا ہے اس کی وجہ اور علت دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اس کی یہ وجہ بیان کی جائے کہ قضائے نماز میں بڑا حرج اور بڑی مشقت ہے اس وجہ سے اس کی قضا واجب نہیں ۔ لیکن حضرت عائشہ نے یہ وجہ بیان نہ کی بلکہ گفتگو کا راستہ ہی بند کر دیا۔ شاید حضرت عائشہ نے یہ کہا ہو کہ ہمارے لیے کوئی مشقت اور حرج نہیں ہے ۔ اور آپ نے اس جانب اشارہ کیا ہو کہ ہمیں احکام شرع میں علت و وجہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ شارع علیہ السلام کا حکم ہے وہ جو فرمائے کرنا چاہیے (علت و وجہ دریافت نہ کرنا چاہیے)

وَ عَنْ عَائِشَۃَ رضی قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ عَلَیْہِ صَوْمٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی اور وارث روزے رکھے[1]۔ (بخاری، مسلم)

[1] واضح ہو کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص مرے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں ایک گروہ اس جانب گیا ہے ۔ کہ جائز ہے کہ اس کی جانب سے اس کا ولی روزے رکھے ۔ امام احمد اس قول کے قائل ہیں ۔ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے ۔ مگر بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کے ولی کو اس کی طرف سے روزہ رکھنے یا کھانا کھلانے کا اختیار ہے ۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں ۔ کہ ولی کے لیے کھانا کھلانا جائز و متعین ہے ۔ اور اس کھانے کو فدیہ کہتے ہیں اسی کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے اکثر اصحاب کے نزدیک امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق امام شافعی بھی ۔ پس احناف کے نزدیک اگر وہ میت وصیت کر گیا ہے اور اس کے ترکہ سے تہائی حصہ مال لیا جائے گا ۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وصیت کی ہو یا نہ کی ہو کل مال سے وہ فدیہ لیا جائے گا اور انھوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ولی کے روزہ رکھنے سے ولی کا کھانا دینا اور کفارہ ادا کرنا مراد ہے مگر یہ تاویل بعید ہے الا یہ کہ دوسرے دلائل سے

ثابت ہو جائے کہ فدیہ واجب ہے روزہ درست نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ.

حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہے تو اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر پر موقوف ہے[۱]۔

[۱] مگر یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ کفارے کا معین اندازہ شارع علیہ السلام سے سننے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ. (رَوَاهُ فِی الْمُوَطَّا)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہیں یہ روایت پہنچی کہ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا جاتا تھا کہ کیا انسان دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے اور کیا ایک انسان دوسرے کی طرف سے نماز ادا کر سکتا ہے تو آپ جواب میں فرمایا کرتے تھے نہ بندہ دوسرے کی جانب سے روزہ رکھ سکتا ہے نہ دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے[۱] (موطا امام مالک)

[۱] یعنی وہ نماز اور روزہ جو دوسرے کے ذمہ ہوتا ہے۔ البتہ روزہ رکھ کر اور نماز پڑھ کر اس کا ثواب دوسرے کو بخشنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ ثواب بخشنا جائز و روا ہے۔

بَابُ صِيَامِ التَّطَوُّعِ

نفلی روزوں کا باب

تطوع، طوع سے مشتق ہے بمعنی طاعت و فرمانبرداری کرنا، امام تورپشتی نے کہا تطوع کا معنی ہے توانائی ظاہر کرنا اور جو عبادت فرض نہیں اسے بجالانا۔ اور نفلی عبادت کو اس لیے تطوع کہتے ہیں کہ بندہ اپنی طرف سے فرمانبرداری ظاہر کرتا اور طاعت بجالاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ شارع علیہ السلام نے اسے اس عبادت کا مکلف کیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ وَكَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم[1] کہتے تھے کہ اب روزے ترک نہ کریں گے۔ اور آپ روزے رکھنا اس طرح ترک کر دیتے تھے کہ ہم لوگ کہتے تھے کہ اب روزے نہ رکھیں گے اور آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے کے پورے روزے نہ رکھتے تھے سوائے رمضان کے۔ اور نہ دیکھا آپ کو میں نے کہ شعبان کے سوا کسی مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوں[2] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سارا شعبان روزے رکھتے تھے اور آپ شعبان کے بغیر روزے رکھتے مگر تھوڑے دن[3]۔ (بخاری، مسلم)

[1] یہاں حدیث میں واقع لفظ نقول تا فوقانیہ سے بھی ایک روایت ہے یعنی [illegible] مطلب! یہاں تک کہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ اب روزہ نہ چھوڑیں گے۔ الی آخرہ۔ مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ نفلی روزہ

رکھنے میں ہمیشگی اور دوام و استمرار نہ تھا۔ چنانچہ کبھی تو آپ مسلسل رکھتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ گمان کر لیتے تھے کہ آپ کبھی افطار نہ کریں گے۔ اور کبھی آپ روزے رکھنا ترک کر دیتے تھے۔ کہ لوگوں کا یہ گمان ہو جاتا تھا کہ آپ روزے نہ رکھیں گے۔

ؔ۲ یعنی جس کثرت سے آپ شعبان میں روزے رکھتے کسی اور مہینے میں نہ رکھتے جیسا کہ آگے فرمایا۔

ؔ۳ اور جب کہ سارا شعبان روزے رکھتے ہیں۔ بایں طور مبالغہ ہے کہ اکثر کو کل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ کَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِیْلًا بعض علماء فرماتے ہیں عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا شعبان روزے رکھتے تھے اور کبھی اس کے اکثر دن روزہ دار رہتے تھے۔ یہ معنی زیادہ بہتر ہیں خصوصًا اس روایت کے پیش نظر جس میں "کان یصوم شعبان الا قلیلًا" میں کَانَ سے پہلے لفظ واؤ آیا ہے۔ اسے سمجھ لے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهُ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهُ صَامَ شَهْرًا كُلَّهُ إِلَّا رَمَضَانَ وَلَا أَفْطَرَهُ كُلَّهُ حَتّٰى يَصُوْمَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عبد اللہ ؔ۱ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ کے پورے روزے رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتی کہ آپ نے رمضان شریف کے علاوہ کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ اور نہ آپ پر کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں آپ نے کوئی روزہ نہ رکھا ہو ؔ۲ یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے ؔ۳ (مسلم شریف)

ؔ۱ آپ کبار تابعین اور ان کے ثقہ حضرات میں سے ہیں۔

ؔ۲ یعنی رمضان شریف کے علاوہ آپ پر کوئی ایسا مہینہ نہ گذرا جس میں آپ نے کوئی روزہ نہ رکھا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس کے آپ نے پورے روزے رکھے ہوں۔

ؔ۳ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهِ۔ یعنی یہاں تک کہ آپ اپنے راستے پر سے گذر گئے ان الفاظ میں آپ کے وصال مبارک کی طرف اشارہ ہے اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ آپ کا دنیا میں ہونا اور ٹھہرنا محض ادائے رسالت اور تبلیغ احکام کے لیے تھا۔ اور یہ کہ آپ کی سعی و کوشش ہمیشہ راہ آخرت میں ہوتی تھی۔ اور آپ کی پوری توجہ عالم آخرت کی طرف رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنا کام مکمل کرتے ہی آخرت کی جانب رخ کر لیا اور وصال فرما گئے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوْ سَاَلَ رَجُلًا وَّعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرانؓ بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے سوال کیا یا کسی اور شخص سے سوال کیا اور عمران بن حصین سُن رہے تھے حضورؐ نے فرمایا، اے ابو فلاںؓ کیا تو نے آخر شعبان کو روزہ نہیں رکھا اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو جب رمضان کے روزوں سے فارغ ہو جائے، تو دو دن روزے رکھنا (بخاری و مسلم)

لے حصین "حا" کی پیش، "صاد" کی زبر) آپ مشہور صحابی ہیں بتیس سال بستر علالت پر رہے فرشتے آپ کی زیارت اور آپ کو سلام کہنے کے لیے آتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک بار آپ نے زخم کا داغ جلا ڈالا۔ (داغنے سے اس کا علاج کیا) تو فرشتوں کے دیکھنے سے محجوب ہو گئے۔

سے اس صورتِ حال میں شک کا بیان ہے بہر حال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال یہ ہے کہ فقال یا ابا فلان الیٰ آخرہ اور ابو فلاں اس کی کنیت کی جانب اشارہ ہے۔ جیسے ابو محمد یا ابو عبد اللہ اور آپ نے انھیں ان کی مخصوص کنیت سے بلایا جس طرح اکثر اوقات جب کسی کو بلانا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں اے فلاں، اے فلاں یا ان کی کوئی کنیت نہ تھی اس لیے مطلق کنیت (ابو فلاں) کے لفظ سے ان کا ذکر کیا گیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخصوص کنیت کے ساتھ پکارا تھا۔ مگر راوی کو وہ کنیت بھول گئی۔ واللہ اعلم۔

سے گویا اس شخص نے دو دن کے روزوں کی نذر مان رکھی تھی۔ یا مہینے کے آخر میں دو دن روزے رکھنا ان کی عادت تھی۔ اور جب اس صحابی نے رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے رکھنے سے ممانعت کا سنا جیسا کہ باب "رویۃ الہلال" کی فصل اوّل میں گزرا تو وہ نذر یا عادت کے روزے سے رک گئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ روزہ نذر یا عادت والا ممنوع نہیں ہے۔ وہ رکھ لینا چاہیے۔ اور اگر وہ روزہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرنی چاہیے۔

پھر یہاں حدیث میں لفظ سرر آیا ہے۔ (سین کی زبر، "را" کی زیر سے) اور بعض نے سین کی پیش اور را کی زبر سے بھی پڑھا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے مہینے کا اوّل حصہ یا درمیانہ اور آخری حصہ جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا یہاں بمعنی اوّل یا وسط (درمیانہ) ہے۔ کیونکہ شعبان کے آخری دن کی نہی تو آچکی ہے۔ مگر اس بارے میں

تحقیق یہ ہے کہ سرر یا سرار مہینے کے ان آخری دو دنوں کو کہتے ہیں جن کی راتوں کو چاند دکھائی نہیں دیتا بلکہ روپوش رہتا ہے۔ اور اس کی تاویل و توجیہ دی ہے جو بیان کی گئی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ. وَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ صَلٰوةُ اللَّیْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم[1] کے ہیں۔ اور فرض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد[2]) ہے۔ (مسلم شریف)

[1] بعض نے کہا ماہ محرم سے عاشوراء کا روزہ مراد ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور اس کی مؤید ہے وہ حدیث جو بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آگے آرہی ہے۔ اور اضافت و نسبت (یعنی اللہ کا مہینہ) اس کی عظمت شان کے اظہار کے لیے ہے۔ تخصیص کی بنا پر نہیں ہے (یعنی یہ مطلب نہیں کہ صرف محرم ہی اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے) اور محرم سے محرم کا سارا مہینہ مراد لیا جائے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اشرف و افضل ماہ محرم ہے تو پھر آپ سارا شعبان یا اکثر شعبان کے روزے کیوں رکھتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید شعبان کی افضلیت آخر میں جا کر ظاہر ہوئی۔ یا ماہ محرم کے روزوں میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو چکی تھی۔

[2] نماز تہجد کی افضلیت اس میں مشقت و ریاضت اور وجود اخلاص کی بنا پر ہے۔ باقی رہیں مؤکدہ سنتیں اس ترتیب کے ساتھ جو ان میں ہے۔ جیسا کہ حنفیہ رحمہم اللہ کے مذہب میں اور اکثر شافعیہ کے نزدیک ہے کہ ان کی بھی بڑی تاکید آئی ہے۔ تو اس افضلیت کا تہجد کی افضلیت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ پھر نوافل اور سنن مؤکدہ کے درمیان افضلیت کا تفصیلی بیان شرح (عربی) میں کر دیا گیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَارَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَحَرّٰی صِیَامَ یَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَیْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَ هٰذَا الشَّهْرَ یَعْنِیْ شَهْرَ رَمَضَانَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی روزہ رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کی فضیلت دوسرے پر ہو۔[1] مگر اس دن کو یعنی عاشورا کے دن کو اور اس ماہ مبارک رمضان کو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری مسلم)

لہ یعنی وہ دن فضیلت رکھتا ہو یا اس دن کا روزہ فضیلت رکھتا ہو۔ یاد رہے یہاں حدیث میں لفظ تحری وارد ہوا ہے جس کا معنی سب سے قصد کرنا اور ایسی چیز طلب کرنا۔ جو ظن غالب میں زیادہ مناسب اور بہتر ہو۔ عاشورا محرم کے دسویں دن کا نام ہے۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ عاشورا محرم کے نویں دن کو کہتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے اس وہم اور غلطی دونوں کی وجہ شرح میں مذکور ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عاشورا کے روزہ کی افضلیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فہم وسمجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال وقال سے ایسا ہی سمجھا۔ ورنہ عرفہ کا دن عاشورا کے دن سے افضل ہے۔ بلکہ جمعہ کے علاوہ باقی تمام دنوں سے افضل ہے۔ کیونکہ عرفہ اور جمعہ کی ایک دوسرے پر افضلیت میں اختلاف ہے۔ اور بلاشبہ یہ بھی روایات میں وارد ہوا ہے۔ کہ عاشورا کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور نویں ذوالحجہ (عرفہ) کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔

وَعَنْہُ قَالَ حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُہُ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے دن کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اگلے سال تک دنیا میں رہا تو میں ضرور نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا لہ

(مسلم شریف)

لہ یعنی محرم کی صرف نویں تاریخ کو یا نویں اور دسویں دونوں تاریخوں کو روزہ رکھوں گا۔ دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب سے مخالفت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ محرم تک دنیا میں تشریف فرما نہ رہے بلکہ اسی سال کے ماہ ربیع الاول شریف میں وصال فرماگئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنا سنت ہے۔ اگرچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا روزہ نہ رکھ سکے۔ مگر آپ نے اس کا ارادہ ... کرلیا تھا۔ پھر محرم شریف کے روزوں کے تین مرتبے ہیں سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ محرم کی نویں دسویں اور گیارہویں تینوں تاریخوں کو روزے رکھے۔ امام احمد کی حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور محدث بزار نے حضرت ابن عباس سے نویں دسویں کا اور صرف دسویں کا روزہ بھی روایت کیا ہے۔

وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اِنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهُ۔

حارث کی بیٹی ام الفضل[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس اس امر میں شک کیا اور جھگڑا کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) کو روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا آپ نے روزہ رکھا ہے بعض نے کہا نہیں رکھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (یہ جھگڑا سن کر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ ارسال کیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں اپنے اونٹ پر سوار تھے تو آپ نے وہ دودھ پی لیا[2]۔

(بخاری، مسلم)

[1] حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ ان کا نام لبابہ ہے آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ام الفضل سے مشہور ہیں اور ان کی یہ کنیت ہے۔

[2] اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے روزہ نہ رکھا ہوا تھا۔ ایسا ہی عمل حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے نہ میں اس دن روزہ رکھتا ہوں اور نہ کسی کو منع کرتا ہوں۔ سلف صالحین بھی اسی پر ہیں کہ میدان عرفات میں کھڑے ہونے والوں کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ عرفات میں کھڑے رہنے اور دعا کرنے کی قوت و طاقت ان میں بحال رہے۔
بعض اہل علم سے منقول ہے کہ انھوں نے عرفات میں روزہ رکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس بارے میں اختلاف حالات اور کمزوری و طاقت کے اختلاف کی بنا پر رہا ہے۔ اور بے شک عرفہ کے دن کے روزے میں احادیث وارد ہوئی ہیں کہ یہ روزہ سال گذشتہ اور سال آیندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ حاجیوں کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے مستحب ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا[۱]۔ (مسلم شریف)

[۱] واضح ہو کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت میں احادیث وارد ہو چکی ہیں اور ان دس دنوں میں مطلق عمل کی فضیلت میں بھی احادیث آئی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ذوالحجہ شریف کے دس دنوں سے کوئی دن افضل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دنوں میں روزہ رکھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ان کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ اپنی دانست کے مطابق خبر دے رہی ہیں ۔ اور فرما رہی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان دنوں میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شاید حضرت عائشہ کو آپکے روزہ رکھنے کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دنوں میں کوئی مانع در پیش آیا ہو جیسے سفر یا بیماری یا پھر کوئی اور عارضہ۔

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضـ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کیا آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں اس کی اس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک[۲] ہو گئے ۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا غصہ دیکھا ۔ تو کہا ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوئے ۔ اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر راضی ہو[۳] گئے ۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے غضب و غصہ سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کا تکرار کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا[۴] یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے ۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے نہ روزہ رکھا نہ روزہ افطار کیا[۵]۔ یا آپ نے فرمایا ؛ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ

يُفْطِرُ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَ يُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَ يُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّ يُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُّ اَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَ السَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یفطر" یعنی مضارع علم کے صیغہ سے بیان فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے[۲] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن روزہ نہ رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے[۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن روزہ نہ رکھے۔ فرمایا یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے کہ اس کی طاقت و قوت عطا کر دی جاتی[۴] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ماہ میں تین روزے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک روزے (کافی اور بہتر ہیں[۵]) اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہیں۔ اور عرفہ کے دن کا روزہ تو اللہ تعالیٰ پر میرا گمان ہے کہ وہ گذشتہ ایک سال اور آنے والے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے[۶]۔ اور عاشورا کا روزہ تو اللہ تعالیٰ پر گمان ہے کہ وہ اسے گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بناتا ہے[۷] (مسلم شریف)

ف

۱؎ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص اور اس کے یہ دریافت کرنے پر کہ اے اللہ کے نبی آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں کیونکہ سوال کا حق یہ تھا کہ وہ اپنے حال کے بارے میں یوں سوال کرتا کہ میں کس طرح روزہ رکھوں۔ تاکہ آپ اس کو اس کے حال کے مطابق جواب ارشاد فرماتے۔ نہ یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے متعلق سوال کرے۔ کہ آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے کم یا زیادہ ہونے میں ایسے اسرار و رموز اور مصالح مضمر ہیں، جو دوسروں کے حال سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمانوں کے مصالح، ازواج مطہرات اور مہمانوں کے حقوق میں مشغول و مصروف رہتے تھے۔

۳؎ ان کلمات کی شرح کتاب الایمان میں ذکر ہو چکی ہے۔

ے یعنی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی سوال کیا ۔ جو اس شخص نے کیا تھا ۔ مگر تفصیل سے اور ادب و نیاز کے انداز میں ۔

ے اس کا روزہ رکھنا تو ظاہر ہے البتہ روزہ نہ رکھنے کی توجیہہ و تاویل میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا روزہ نہ رکھنے کا مطلب ہے اس نے سنت کی مخالفت کی ۔ جو روزہ اور اس کے اجر و ثواب میں نقص و عیب کا موجب ہے ۔ بعض نے کہا چونکہ یہ صورت ممنوع دنوں میں بھی روزہ رکھنے کو شامل و مستلزم ہے ۔ اس لیے اس نے روزہ رکھنے کے باوجود گویا روزہ نہ رکھا ۔ بعض نے یہ کہا یہ صورت چونکہ اس شخص کے لیے اپنے آپ کو نقصان زدہ کرنے ، مشقت میں پڑنے ، اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے ، جہاد سے عاجز بننے اور دوسرے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث ہے ۔ اس لیے اس کا روزہ رکھنا نہ رکھنے کے مترادف ہے ۔ ان توجیہات کے مطابق یہ نہی اس شخص کے ساتھ مخصوص ہوگئی ۔ جو ممنوع ایام میں بھی روزہ رکھے ۔ نیز اس شخص کے ساتھ مخصوص ہوگی جسے ضرر و نقصان اور ضعف و کمزوری لاحق ہوتی ہو ۔ اسی لیے ائمہ کرام کی ایک جماعت ہمیشہ روزہ رکھنے کے جواز کی جانب گئی ہے ۔ اس شخص کے بارے میں جس کی حالت اس کے خلاف ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابوطلحہ انصاری ، حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی ہمیشہ روزہ رکھتے تھے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس عمل پر قائم رہنے دیا ۔ منع نہ فرمایا ۔ پھر یہی عمل بہت سے تابعین وغیرہم سے بھی منقول ہے ۔ بعض نے کہا آپ نے یہ اس شخص کے لیے فرمایا جو اس کی عادت بنالے ۔ اور ہمیشہ روزہ رکھنے کا خوگر ہو جائے ۔ یہاں تک کہ روزے کا عادی ہو جانے کے باعث مشقت و ریاضت کا معنیٰ زائل ہو جائے ۔ جس پر اجر و ثواب کا دار و مدار ہے ۔ اور جو روزہ کے مشروع ہونے کا مقصد ہے یہ وجہ ، اس وجہ اول کے برعکس ہے جس میں بیان ہوا کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے تکالیف و مشقت میں پڑ جائے گا واللہ اعلم ۔

ے کہ یہ صورت بھی مشکل و دشوار ہے اور اس میں بھی بڑی مشقت ہے اس کلام کی غرض و غایت بھی یہ ہے کہ بندے کو اس صورت کے قبول و رضا سے دور رکھا جائے ۔ پھر اس کلام شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے روزے کے قبول نہ ہونے کی وجہ مشقت و تکلیف میں پڑنا ہے ۔

ے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے اس روزہ میں ایک درجہ فضیلت و کمال ہے کہ اس میں ایک گونہ میانہ روی اور اعتدال پایا جاتا ہے ۔ تاہم اس میں بھی مشقت و کلفت پائی جاتی ہے ۔ جیسا کہ اسلوب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے ۔

ے اور میرے لیے ادائے حقوق و مصالح و ذمہ داریوں سے مانع نہ بنے ۔ اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے ۔ اس کی بھی مجھ میں طاقت نہیں اور ایسے بھی میری طبیعت برداشت نہیں کرتی ۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی طاقت و ہمت عطا کر دے اس کلام مبارک سے بھی غرض اس صورت کو طبع انسانی سے دور دکھانا اور اس کا رد کرنا ہے ۔

۹ہ یعنی یہ صورت بہتر و مناسب اور کافی ہے ۔ کہ بندہ ہر مہینے میں تین روزے رکھے ۔ اور رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حدیث کے الفاظ " ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک " اس تاکید کے لیے ہیں کہ بندہ ہمیشہ ہر رمضان کے روزے رکھے اور اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اس طرح روزے رکھنے والے کا روزہ گویا ہمیشہ کا لگاتار روزہ ہے جیسا کہ آگے فرمایا فھذا صیام الدھر کلہٗ کہ یہ گویا ساری عمر کا روزہ ہے ۔

۱۰ہ " مجھے اللہ تعالیٰ پر گمان ہے " کا مطلب ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد ہے کہ اس سے وہ میرے گذشتہ سال کے گناہ بھی بخش دے گا ۔ یعنی جو گناہ اس نے اس سال کے اندر کیے اور آنے والے سال کے گناہ بھی یعنی آنے والے سال کے گناہوں سے محفوظ رکھے گا ۔ یا اگر بالفرض آنے والے سال میں گناہ سرزد ہو گئے تو ان روزوں کی برکت سے وہ بھی بخش دے گا ۔

۱۱ہ یعنی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزے کے طفیل گذشتہ سال کے گناہ بخش دے گا ۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ عرفہ کے روزہ کو عاشورا کے روزہ پر اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہے ۔ بخلاف یوم عاشورا کے روزہ کے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا روزہ ہے ۔ (جسے اس شریعت میں بھی برقرار رکھا گیا ہے)

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اسی دن پیدا ہوا ہوں ۔ اور اسی دن مجھ پر پہلی وحی نازل کی گئی (مسلم شریف)

۱ہ یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے سبب یا پیر کے دن روزہ رکھنے کے استحباب کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا ہو گا ۔ دونوں صورتوں میں اس دن روزہ رکھنے کا سبب باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک اور دین و شریعت کی نعمت کے شکرانے کو قرار دیا گیا ہے ۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے ؟ فرمایا

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہاں ۔ میں نے پوچھا مہینہ کے کن دنوں میں یہ روزے آپ رکھتے تھے ؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا آپ اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ مہینہ میں کس کس دن روزہ رکھیں[1] ۔ (مسلم شریف)

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھنے جس دن بھی ہوں کفایت کرتے ہیں تیرہویں چودھویں پندرہویں کے دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ تاہم اکثر احادیث و آثار ان ہی تین تاریخوں کے بارے میں وارد ہیں لہٰذا ان تاریخوں میں روزہ رکھنا زیادہ محبوب و افضل ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر ماہ میں کوئی سے تین روزے رکھ لے۔ کہ یہ طریقہ بھی سلف سے منقول ہے۔ یہاں کل دس قول ہیں۔ جن کو میں نے شرح (عربی) میں بیان کر دیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ رضی اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ایوب[1] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان شریف کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس کے پیچھے چھ روزے شوال کے رکھے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے ساری زندگی روزے رکھے۔ (مسلم شریف)

[1] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بزرگ صحابی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انھی کے گھر رونق افروز ہوئے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور قربانی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے[1]۔ (بخاری، مسلم)

[1] یہ مخالفت تمام ائمہ فقہ کے نزدیک متفق علیہ امر ہے۔ پھر اکثر ائمہ کے نزدیک ان دن نذر کا روزہ رکھنا بھی

منع ہے۔ ہم احناف کے نزدیک نذر جائز ہے مگر اسے کسی دوسرے دن قضا کر لینا چاہیے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ایک عید الفطر کے دن دوسرے عید قربان کے دن[1] (بخاری، مسلم)

[1] اور ان دنوں میں نذر کا روزہ رکھنا حقیقت میں ان کے اندر رکھنا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اصول فقہ میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نبیشہ[1] الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تشریق[2] کے دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں[3]۔ (مسلم شریف)

[1] نبیشہ۔ نون کی پیش، با کی زبر، یا ساکن ہے۔ ہذلی۔ ہا کی پیش، ذال کی زبر۔ یہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس کی طرف نسبت ہے۔ آپ صحابی ہیں آپ کو نبیشہ الخیر کہتے ہیں۔

[2] ایام تشریق ذوالحجہ کے تین دن ہیں یعنی گیارہواں، بارہواں، تیرہواں دن ان دنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی کے دن بھی کہتے ہیں تشریق کا معنیٰ لغت میں گوشت خشک کرنے کا ہے۔ عرب لوگ ان دنوں میں گوشت خشک کرتے تھے۔ اسی طرح قربانی کا جانور سورج طلوع ہونے کے ساتھ کرتے ہیں۔ تشریق کا معنیٰ سورج چمکنے کا بھی آتا ہے۔

[3] یعنی کھانے پینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل بھی نہیں ہوتے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا اذکروا اللہ فی ایام معدودات یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گنتی کے دنوں میں۔ مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر فرض نماز کے بعد تکبیرات تشریق، جانور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنے اور کنکریاں مارنے وغیرہ سے کی ہے جیسا کہ کتاب الحج میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر اس طرح کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے[1] (بخاری ، مسلم)

[1] یعنی جمعہ کا تنہا روزہ نہ رکھے ۔ بلکہ ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ بھی رکھے ۔ اور اگر جمعہ کے ساتھ جمعرات اور ہفتہ دونوں دنوں کا رکھے تو بہتر ہے ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَّصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب بیداری کے لیے جمعہ کی رات کو مخصوص نہ کرو اور روزہ رکھنے کے لیے دنوں میں سے صرف جمعہ کے دن کو خاص نہ کرو ۔ مگر اس صورت میں کہ تم میں سے کوئی شخص ہمیشہ سے اس تاریخ کو روزہ رکھتا ہو[1] (مسلم شریف)

[1] یعنی نذر یا عادت کی بنا پر صرف جمعہ کا روزہ رکھے ۔ مثلاً ایک شخص ہمیشہ دسویں یا گیارہویں تاریخ روزہ رکھنے کا عادی ہے ۔ یا روزہ نذر رکھنے کا دن اتفاقاً جمعہ آگیا تو اس صورت میں تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع نہیں ۔

واضح ہو کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں حدیث صحیح آچکی ہے ۔ اس ممانعت کی تاویل و توجیہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں ۔ ان سب اقوال کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا موجب ہے ۔ شرح (عربی) میں وہ سب اقوال تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں ان مذکورہ وجوہ تاویل میں سے زیادہ قریب یہ ہے کہ صرف جمعہ کا روزہ رکھنے میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے ۔ کہ وہ ایک معین و مقرر دن کی تعظیم کرتے اور عبادت و طاعت سے خاص کرتے ہیں جیسے یہودی ہفتہ کے دن کو اور نصاریٰ اتوار کے دن کو ماسوائے اس تعظیم و تخصیص کے جو شرع میں ثابت و وارد ہے ۔ اور ان گمراہ قوموں کے ساتھ اس میں مشابہت کا وہم بھی نہیں ہے ۔ کہ ایسی تعظیم ہماری شریعت میں بھی جائز ہے ۔ ہمیں از خود کسی چیز کی تعظیم و توقیر و تخصیص کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ علماء نے کہا ہے ۔

بندۂ ضعیف (عبدالحق) اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے کہتا ہے کہ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ تمام اوقات عبادت و طاعت میں مصروف رہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ عزاسمہ کی رحمتوں کے جھونکوں کے سامنے کھڑا رہے

ایک وقت کو (عبادت کے لیے) مخصوص کرنا اور دوسرے اوقات کو بے کار رکھنا، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میرا بیان کردہ یہ معنیٰ شب جمعہ کو بیداری کے لیے مخصوص کرنے کی ممانعت کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ دانا پر پوشیدہ نہیں ہے اسے سمجھ لے۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے موطا میں کہا میں نے اہل علم و فقہ میں سے کسی سے نہیں سنا جن کی اقتداء کی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی صرف جمعہ کے دن کے روزے کی ممانعت کی ہو۔ اور میں نے بعض کو خود دیکھا کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ امام مالک نے جو کچھ کہا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ دوسروں کی رائے ان کے خلاف ہے اور سنت امام مالک اور ان کے مخالف لوگوں کی رائے پر مقدم ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ معذور ہیں کہ ان کو یہ حدیث نہ پہنچی اور داؤدی نے جو امام مالک کے ساتھیوں میں سے ہیں، کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث نہ پہنچی۔ اگر ان تک پہنچ جاتی تو آپ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دوزخ سے ستر سال کی مسافت پر دور کر دیتا ہے[۱]۔ (مسلم، بخاری)

[۱] یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جہاد کی حالت میں روزہ رکھا۔ اور تیسری فصل میں جہاد سے متعلق احادیث آرہی ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا ہو سکتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے لوجہ اللہ یعنی اللہ کی رضا مراد ہو۔ اس دوسرے معنیٰ کی مؤید ہے وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے باب کے آخر میں آرہی ہے۔ اور حدیث میں خریف سے مراد سال ہے کہ عرب سال کی ابتداء خریف سے کرتے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے عبداللہ کیا مجھے خبر نہیں دی

عَبْدَ اللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَ اَفْطِرْ وَ قُمْ وَ نَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَ اقْرَاِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَ اِفْطَارَ يَوْمٍ وَ اقْرَاْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَ لَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

گئی کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات[1] کو بیدار رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کر۔ بلکہ روزہ بھی رکھ اور نہ بھی رکھ۔ اسی طرح رات کو عبادت بھی کر اور سویا بھی کر۔ کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق[2] ہے۔ اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق[3] ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق[4] ہے اور تیری زیارت کرنے والوں کا بھی تجھ پر حق[5] ہے جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے "حقیقۃً" روزہ نہ رکھا ہر مہینے میں تین روزے رکھنا ساری عمر روزے رکھنے کی طرح ہے (اسلئے) ہر مہینے تین روزے رکھ لے اور ہر ماہ میں پورا قرآن پڑھ۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا افضل روزہ رکھ، یعنی حضرت داؤد والا روزہ۔ وہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن نہ رکھ۔ اور سات رات میں ایک بار قرآن ختم کر۔ اس سے زیادہ آگے نہ بڑھ[6]۔

(بخاری، مسلم)

[1] ان الفاظ میں تہدید اور ڈانٹ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

[2] لہٰذا اسے زیادہ مشقت میں نہ ڈال تاکہ بیمار نہ ہو جائے اور اسے ہلاک نہ کر دے۔

[3] لہٰذا تجھے کچھ وقت نیند کرنی چاہیے اور اسے آرام دینا چاہیے۔

[4] یاد رہے لفظ زوج تا کے بغیر عورت پر بولا جاتا ہے اور تا کے ساتھ بھی یعنی زوجہ۔

[5] کہ تیری زیارت کو آنے والوں اور تیرے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے جو تجھے دیکھنے آئیں تاکہ تو ان سے باتیں کرے، ان کے ساتھ بیٹھے اور ان کے ساتھ کھانا کھائے یاد رہے حدیث میں واقع لفظ زور، زا کی زبر واو ساکن کے ساتھ زائر کی جمع ہے جس طرح راکب کی جمع رکب ہے۔

ے اس کی وجہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

ے یعنی روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے میں اس سے زیادتی نہ کر۔

ے اس حدیث کو بخاری مسلم کے علاوہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے پس یہ حدیث صحاح کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے۔ (ترمذی، نسائی)

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَ اَنَا صَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں[1]۔ تو میں نے محبوب جانا کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میں روزہ دار ہوں[2]۔ (ترمذی شریف)

لے یعنی درگاہ رب العزت میں یا اعمال لکھنے والے ملائکہ کے سامنے پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں یہ ملائکہ ہر دن رات بندوں کے اعمال لے کر جاتے ہیں پھر ہو سکتا ہے کہ ان دو دنوں میں پیش کرتے ہوں یا ہر دن پیش کرتے ہوں پھر ان دونوں میں دوبارہ ان کا مجموعہ پیش کرتے ہوں اجمالاً اور تفصیلاً۔ ان حکمتوں اور مصلحتوں کے لیے جنھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جس طرح شب نصف شعبان میں اعمال پیش کیے جانے کے بارے میں کہا گیا ہے

ے لہٰذا میرا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا سبب یہ ہے اور پیر کے دن روزہ رکھنے کی دوسری وجہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو فصل اول میں مذکور ہوئی، معلوم ہو چکی ہے۔ اسے یاد رکھو اس دن روزہ رکھنے کا سبب اس دن کی فضیلت ہے۔ یا اس بنا پر ہے کہ اس بات کا پتہ نہیں کہ کس وقت دنیا سے لے جائیں اور روزہ سارے دن کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ روزے کے ساتھ اور بھی نیک عمل جمع ہو جاتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّھْرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ وَاَرْبَعَ عَشْرَۃَ وَخَمْسَ عَشْرَۃَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر جب تو مہینے میں تین دن روزے رکھے تو تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو رکھ [1]

(ترمذی، نسائی)

[1] انھیں ایام بیض کہتے ہیں یعنی وہ دن جن کی راتیں روشن وتاباں ہوتی ہیں گذشتہ بیان میں مذکور ہوچکا ہے۔ کہ مہینے کے کوئی سے تین دن روزہ رکھ لے تو ٹھیک ورنہ ہے۔ مگر ان تین دنوں میں روزہ رکھنا افضل ہے اس بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں بعض روایات میں وہ دن جن کی راتیں تاریک ہوتی ہیں یعنی ستائیسویں اٹھائیسویں اور انتیسویں کے روزوں کا ذکر آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّۃِ کُلِّ شَھْرٍ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَقَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ اِلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی دفعہ ہر مہینے کے پہلے تین دن کا روزہ رکھتے تھے اور جمعہ کے روز کم ہی ہوتا تھا کہ آپ روزہ نہ رکھتے ہوں [1]۔

اسے ترمذی، نسائی نے روایت کیا اور ابوداؤد نے الی ثلاثۃ ایام تک روایت کیا [2]

[1] اس روایت کا ظاہر اس بارے میں مطلق ہے کہ آپ تنہا جمعہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یا اس کے ساتھ دوسرا دن بھی ملاتے تھے۔ اسے سمجھ۔

[2] یعنی ترمذی اور نسائی نے تو اس حدیث کو مکمل روایت کیا مگر ابوداؤد نے صرف ثلاثۃ ایام تک روایت کیا اور اس کے آخری الفاظ یعنی قَلَّمَا کان یفطر یوم الجمعۃ روایت نہ کیے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّھْرِ السَّبْتَ وَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے تین دن ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ

اَلْاَحَدَ وَ الْاِثْنَيْنِ وَ مِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلٰثَاءَ وَ الْاَرْبِعَاءَ وَ الْخَمِيْسَ۔

رکھتے تھے۔ پھر دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی شریف)

[1] حدیث میں واقع لفظ الثلاثاء مد کے ساتھ اور ثا کی زبر و پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مگر اول روایت اکثر ہے اربعاء میں باء مد کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنِيْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوَّلُهَا الْاِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیا کرتے تھے کہ میں ہر ماہ میں تین روزے رکھوں پہلا روزہ پیر اور جمعرات کا ہو[1]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ) (ابوداؤد۔ نسائی)

[1] ان میں سے پہلا روزہ پیر سے بدھ وار تک کا ہوتا تھا اور کبھی پہلا جمعرات کا یا جمعہ کا ہوتا تھا۔ ایک روایت میں لفظ او الخمیس آیا ہے۔ یعنی کلمہ او سے آیا ہے جیسا کہ طبرانی نے روایت کیا اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ آپ اختیار دیتے تھے۔ کہ ان روزوں کی ابتداء پیر کے دن سے کرے یا جمعرات کے دن سے کہ دونوں متبرک ہیں اور کتاب کی روایت کو جو کہ واؤ سے ہے، بھی اس معنیٰ پر حمل کیا جا سکتا ہے اسے سمجھ۔

وَعَنْ مُّسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ رض قَالَ سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَ كُلَّ اَرْبِعَاءَ وَ خَمِيْسٍ فَاِذًا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔

حضرت مسلم القرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دریافت کیا یا آپ سے دریافت کیا گیا ساری عمر روزہ رکھنے کے بارے میں تو آپ نے فرمایا بیشک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے[2]۔ اس لیے رمضان کے روزے رکھ اور ان دنوں کے جو اس کے بعد اس سے متصل ہیں[3]۔ اور ہر بدھ وار اور جمعرات کو روزہ رکھ اس طرح کرنے سے گویا تو نے ساری عمر کے روزے رکھ لیے[4]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) (ابوداؤد، ترمذی)

سلہ آپ صحابی ہیں یعنی ابوعبداللہ مسلم۔ بعض نے کہا عبداللہ ابومسلم۔
سلہ اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے ضعف وکمزوری اور حقوق کی ادائیگی میں فتور اور کمی واقع ہوگی۔
سلہ اس سے مراد شوال کے چھ روزے ہیں۔ بعض نے کہا ماہ شعبان کے روزے مراد ہیں۔ شرح ابن فرشتہ میں ایسا ہی آیا ہے۔
سلہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری عمر روزہ رکھنے کا ثواب ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کے حساب پر منحصر نہیں ہے بلکہ حضرت شارع (اللہ تعالیٰ) اپنے فضل سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب عطا کرتا ہے اس حساب (ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب) سے بھی اور اس حساب کے بغیر بھی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا سلہ (ابوداؤد)

سلہ نویں ذوالحجہ کے دن میدان عرفات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ اس کے معمولات و وظائف کے ادا کرنے میں مشقت اور دقت لاحق نہ ہو۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ علماء فرماتے ہیں۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔ نہی تحریمی نہیں ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رض بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِهٖ الصَّمَّاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اَحَدُکُمْ اِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ اَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْیَمْضَغْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن بسر سلہ سے وہ اپنی بہن حضرت الصماء سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو سلہ مگر وہ جو تم پر فرض ہو سلہ تو اگر نہ پائے تم میں سے کوئی شخص کھانے کے لیے کوئی چیز، مگر درخت انگور کا چھلکا سلہ یا درخت کی شاخ تو وہی چبا لے سلہ
(احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی)

سلہ بُسر - با کی پیش، سین ساکن کے ساتھ - الصماء - صاد کی زبر اور میم مشدد مدو الی - یعنی حضرت عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ صحابی - ان کے باپ بُسر ان کی ماں حضرت عطیہ اور ان کی بہن حضرت صماء رضی اللہ عنہم سب صحابی ہیں -

سلہ یعنی صرف ہفتہ کے دن کا روزہ

سلہ اگرچہ یہ فرضیت نذر کی وجہ سے ہو -

سلہ یہاں حدیث میں لفظ لحاء لام کی زیر اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے بمعنی چھلکا -

سلہ یعنی اگر کھانے کے لیے اور کچھ نہ ملے تو یہی چیزیں چبا کر ہفتہ کے دن کا روزہ توڑ ڈالے - ہفتہ کے دن کے روزے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح اس کی تعظیم لازم آتی ہے - اور اس تعظیم میں یہود سے مشابہت پیدا ہوتی ہے کہ یہودی اگرچہ اس دن روزہ نہیں رکھتے کیونکہ یہ ان کا عید کا دن ہے - مگر وہ اس وجہ سے اس دن کی تعظیم بہت کرتے ہیں - حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آرہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار دونوں کا روزہ رکھتے تھے تاکہ یہود سے مخالفت لازم آئے کہ یہ لوگ اس دن کے عید ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے پس کسی وقت تو آپ نے ان دو دنوں کا روزہ نہ رکھا - تاکہ ان دنوں کی تعظیم لازم نہ آئے - اور کبھی ان کی مخالفت کی نیت سے ان دو دنوں میں روزہ رکھتے تھے - روزہ رکھنے نہ رکھنے کی حیثیت و نوعیت مختلف ہے -

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ النَّارِ خَنْدَقًا کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)	حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور آتشِ دوزخ کے درمیان اتنے بڑے فاصلے کی خندق ڈال دیتا ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے[1] (ترمذی شریف)

سلہ اس سے مقصود مبالغہ ہے اور یہ الفاظ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث (بعد اللہ وجہہ عن النار سبعین خریفا یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کے چہرے اور آتش دوزخ کے درمیان ستر سال کی مسافت کا فاصلہ ڈال دیتا ہے) سے زیادہ بلیغ ہیں - خندق اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کسی شہر کے ارد گرد کھودا جاتا ہے -

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	حضرت عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَةِ۔

فرمایا۔ سردیوں کا روزہ مفت کی غنیمت[۲] ہے۔

(اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث مرسل[۳] ہے اور حدیث ابو ہریرہ کی ما من ایام احب الی اللہ باب الاضحیۃ میں ذکر کی گئی ہے[۴]۔

[۱] ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا تابعی۔ بعض نے ان کو صحابہ میں شمار کیا اور بعض نے تابعین میں۔

[۲] یہ اس سے کنایہ ہے کہ سردیوں کا روزہ بغیر مشقت و تکلیف کے رکھا جاتا ہے۔

[۳] ترمذی کا یہ قول عامر بن مسعود کے تابعی ہونے پر مبنی ہے صحابی ہونے پر مبنی نہیں ہے۔

[۴] یعنی حضرت ابو ہریرہ کی وہ حدیث جس کے اول میں یہ الفاظ ہیں ما من ایام الی آخرہٖ جس میں ذوالحجہ کے دس دنوں اور ان میں عمل خیر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو پایا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ انھوں نے کہا یہ ایک عظیم دن ہے۔ اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی اور اسی دن فرعون اور اس کی قوم کو خدا تعالیٰ نے غرق کیا تو شکرانہ کے طور پر حضرت موسیٰ نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَامَهُ شُكْرًا فَنَحْنُ اَحَقُّ وَ اَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا اور ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم سے حضرت موسیٰ کے زیادہ حقدار اور ان کے زیادہ قریب ہیں[۲] ۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا ، اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا[۳] ۔

(بخاری ، مسلم)

[۱] حدیث میں واقع لفظ غَرَّقَ را مشدد کی زبر سے ۔ اور را مخفف کی زیر سے بھی ایک روایت ہے اس دوسری روایت کے مطابق لفظ فرعون مرفوع ہوگا ۔ (فاعل واقع ہونے کی وجہ سے)

[۲] اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم جو اس دن روزہ رکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موافقت کے لیے رکھتے ہیں تمھارے ساتھ موافقت کے لیے نہیں رکھتے ۔

[۳] یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ دینی باتوں میں یہود کی خبر غیر معتبر ہے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر پر کیوں عمل کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تواتر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر کا صدق ظاہر ہو گیا ہو یا دوسرے مسلمانوں کی خبر کی بنا پر جو یہودیوں سے اسلام لا چکے تھے یا ان کے خبر دینے کے بعد بذریعہ وحی ان کی خبر کی صداقت نمایاں ہوئی تھی ۔

وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَ يَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کا اکثر روزہ رکھتے تھے ۔ اور فرمایا کرتے تھے[۱] کہ یہ دونوں دن مشرکین[۲] کے لیے عید کے دن ہیں تو میں ان کی مخالفت کرنا پسند کرتا ہوں

(احمد)

؎۱ یعنی ان دو دنوں کا روزہ رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے۔
؎۲ مشرکین سے کفار یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان میں بھی بت پرستی راہ پا چکی تھی۔ اور یہ پرستش ایک متعین چیز بن چکی تھی۔ اور جب کہ یہ دن ان کے عید کے دن تھے۔ تو وہ اس کا روزہ نہ رکھتے تھے لہٰذا ان دو دنوں میں روزہ رکھنا ان کی مخالفت کے سبب ہوتا تھا۔ اس کلام کا تتمہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَ يَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَ يَتَعَاهَدُنَا عِنْدَنَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر؎۱ بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورا کے دن کے روزے کا حکم دیا کرتے تھے اور ہمیں اس پر ابھارا کرتے تھے۔ اور عاشورا کا روزہ رکھنے کی ہمیں تاکید کیا کرتے تھے؎۲ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پھر نہ آپ نے ہمیں اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا اور نہ اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی؎۳
(مسلم شریف)

؎۱ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادہ ہیں۔
؎۲ اور وعظ و نصیحت کی صورت میں ہمارے حالات کی نگرانی کرتے تھے۔ اور اس دن کے آنے پر ہمیں اس کے روزہ رکھنے کی تلقین و تاکید کرتے تھے۔
؎۳ اس دن کے موجود ہونے پر۔

وَعَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَ الْعَشْرِ وَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَ رَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں چار باتیں ایسی تھیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نہیں کیا۔ عاشوراء کا روزہ، ذوالحجہ شریف کے دس دنوں کا روزہ؎۱ ہر ماہ کے تین دن کے روزے۔ اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں؎۲
(نسائی شریف)

لہ یعنی ذوالحجہ شریف کے نو دن کے روزے۔
سلہ یعنی فجر کی دو سنتیں کہ اتنی مقدار رکعتیں موکدہ ہیں۔ پھر ان دنوں کے روزوں کو ان کا قرینہ بنایا تاکہ ان روزوں کی تاکید کی قوت وطاقت کا پتہ چل جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ اَيَّامَ الْبِيْضِ فِيْ حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض (۱۳ویں، ۱۴ویں اور ۱۵ویں تاریخ) کے روزے سفر وحضر میں کبھی ترک نہ کرتے تھے لہ
(نسائی شریف)

لہ یہ حدیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان دنوں کے روزوں کی بڑی تاکید ہے اور ان کا کامل اہتمام کرنا چاہیے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَّزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی زکوٰۃ لہ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے سلہ۔
(ابن ماجہ)

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہر نعمت کی زکوٰۃ ہے کہ نعمت موجب شکر ہے اور شرع شریف میں زکوٰۃ کا مشہور اطلاق مال کی زکوٰۃ پر ہوتا ہے۔
سلہ یعنی بدن، وجود اور صحت وعافیت کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ گویا کہ بندہ بھوک، پیاس اور ترک شہوت کے ذریعے بدن سے کچھ نہ کچھ اللہ رب العزت کی درگاہ میں بھیجتا ہے۔ اور اس ذات کے حوالے کرتا ہے جس طرح مال میں سے کچھ مال راہ خدا میں دیتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بخش

مُسْلِمٍ اِلَّا ذَا هَاجِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

دیتا ہے[2]۔ مگر دو قطع رحم کرنے والوں کو نہیں بخشتا[3] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں کو چھوڑ دے یہانتک کہ یہ اپنی اصلاح کرلیں۔ (احمد - ابن ماجہ)

[1] یعنی میں ان دنوں کا روزہ ان دنوں کی عظمت شان، شکر نعمت، اور مغفرت ورحمت الٰہی سبحانہٗ کے حصول کے لیے رکھتا ہوں۔

[2] یہاں حدیث میں الاذا ہاجرین میں کلمہ ذا زائد ہے اس کا کوئی معنیٰ نہیں۔

[3] یعنی خدا تعالیٰ ہر اس انسان اور فرشتے کو کہتا ہے جو ان دو آدمیوں کی مغفرت کا اس سے سوال کرتا ہے ان کو رہنے دے اور ان کی مغفرت کا اس وقت تک سوال نہ کر جب تک کہ یہ آپس میں اتفاق اور صلح نہ کرلیں۔ بعض احادیث میں یہاں دعھما کی جگہ لفظ اترکوا آیا ہے۔ یعنی ان کو چھوڑ دو (ان کے بارے میں بات نہ کرو) اور بعض احادیث میں یہاں لفظ (انظروا) آیا ہے۔ جو انظار سے مشتق ہے۔ یعنی مہلت دینا مطلب یہ ہوا کہ ان کو مہلت دو ان کی مغفرت کی درخواست پیش نہ کرو۔ یعنی بصیغہ جمع آیا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰى مَاتَ هَرِمًا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا چاہنے کے لیے ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے اتنا دور کر دیتا ہے جتنا اڑنے والے کوے کا دور فاصلہ ہوتا ہے اور وہ اتنی دیر اڑتا رہتا ہے کہ بچہ ہونے کے وقت اڑا تھا اور موت تک اڑتا رہا[1]۔ اسے احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمہ بن قیس[2] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[1] یعنی اپنے اخیر بڑھاپے تک لگاتار اڑتا رہا یاد رہے کوے کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے جب وہ اپنی پوری عمر اڑتا رہا تو اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ کتنی لمبی مسافت طے کر جائے گا اس مسافت کی مقدار اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم سے دور کر دے گا۔

[2] آپ صحابی ہیں اور اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔

باب

گذشتہ ابواب میں مذکور روزہ نفل روزے کے ٹوٹنے اور اس کی قضا سے متعلق ملحق امور اور متمات کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تمھارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے۔ ہم نے عرض کیا نہیں فرمایا تو پھر میں روزہ دار ہوں[۱]۔ ایک دن اس کے بعد پھر ہمارے پاس تشریف لائے[۲] تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہمارے پاس ہدیے کے طور پر آیا ہوا حیس[۳] (ایک قسم کا حلوہ) موجود ہے فرمایا اسے مجھے دکھاؤ[۴]۔ البتہ بے شک میں نے آج صبح سے روزے کی نیت کی ہوئی تھی[۵]۔ پھر آپ نے اسے کھایا[۶]۔

(مسلم شریف)

---

[۱] کہ کچھ نہیں ہے تو میں نے روزے کی نیت کر لی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ کی دن چڑھے نیت کر لینا درست ہے۔ ہم احناف کا مذہب یہی ہے اور اس کے قائل ہیں امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء (اس کے برعکس) امام مالک اور بعض دوسرے ائمہ اس امر کے قائل ہیں کہ نفلی روزے کی نیت رات سے کرنا واجب ہے جس طرح فرض روزے میں ضروری ہے جس طرح باب رویۃ الہلال کے بعد ایک باب میں گزرا۔

[۲] یعنی آپ نے ایک دن پھر دریافت فرمایا کہ تمھارے پاس کوئی چیز (کھانے کی) ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اسی دن پھر گھر میں تشریف لائے تو یہ بات دریافت کی۔

[۳] حیس حا کی زبر یا ساکن آخر میں سین مہملہ، یہ ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجور، خشک پنیر اور گھی سے تیار

کیا جاتا ہے۔ اور کبھی خشک پنیر کے بجائے آٹا یا ستو اس میں ملاتے ہیں۔ حَیس کا لغت میں معنیٰ ہے چند چیزوں کو آپس میں خلط ملط کرنا۔

سکہ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کیسا ہے؟ اس لیے اسے میرے پاس لا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اسے میرے نزدیک کر۔

ھٰ یعنی میں آج صبح روزے کی نیت کرکے اٹھا ہوں۔

سلٹہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ نفلی روزہ بلا عذر توڑ دینا جائز ورَوا ہے اکثر علماء اسی پر ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اکثر اصحاب اس کے قائل ہیں کہ اسے مکمل کرنا لازم و واجب ہے۔ اور اسے عذر ضیافت وغیرہ کے بغیر توڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نیک عمل کو باطل کرنا ہے۔ اور نیک عمل کو شروع کرکے باطل کرنا اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (اپنے اعمال کو باطل نہ کرو) کے مطابق منع ہے اسی طرح ہر نیک عمل کو شروع کرکے توڑنا منع ہے۔ کیونکہ شروع کرکے اس کی تکمیل لازم ہو جاتی ہے۔ اب اگر اسے توڑے گا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور ایک روایت میں مطلقاً ہر عمل کو توڑ دینا جائز ہے۔ کیونکہ قضا اس کا خلیفہ موجود ہے۔ اس لیے اس کے توڑ دینے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں پھر نفلی روزہ کی قضا میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس صورت میں قضا لازم ہے جبکہ بلا عذر توڑے ورنہ نہیں یہ بحث امام زہری کی عروہ سے روایت کردہ حدیث میں تفصیل سے آرہی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَّ سَمْنٍ فَقَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهٖ وَ تَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهٖ فَاِنِّيْ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَّ اَهْلِ بَيْتِهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم (حضرت انس کی ماں) کے پاس تشریف لائے تو ام سلیم نے کھجوریں اور گھی خدمت اقدس میں پیش کیا آپ نے فرمایا اپنے گھی کو اسکے برتن میں واپس لوٹا دو[1] اور اپنی کھجوروں کو اس کے برتن میں ڈال دو کیونکہ میں روزے سے ہوں[2]۔ پھر آپ گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے اور فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز پڑھی۔ اور ام سلیم اور اس کے گھر والوں کے لیے دعا کی[3]۔

(بخاری شریف)

سلہ یعنی جس برتن سے اسے نکالا ہے۔ گھی اور شہد کو عرب مشک میں ڈال کر رکھتے تھے۔

سکہ اس موقعہ پر آپ نے تناول نہ فرمایا کیونکہ کوئی عذر موجود نہ تھا۔ گذشتہ واقعہ میں ظاہراً عذر موجود

تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بعد زوال کا ہو یا افطار جائز ہے۔ اور افطار نہ کرنا اس کے جواز کے منافی نہیں ہے۔

سکہ گویا یہ دعا اہلِ خانہ کے دل کی تسلی اور تشفی کے لیے تھی۔ تاکہ وہ حضور کے کچھ تناول نہ فرمانے کو محسوس نہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی تھی کہ جب کسی کے گھر تشریف لاتے تو نماز ادا کرتے اور اہلِ خانہ کے لیے دعا کرتے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ وَّفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ فَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ وَاِنْ کَانَ مُفْطِرًا فَلْیَطْعَمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے کی طرف بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو چاہیے کہ کہے میں روزہ دار ہوں[1]۔ اور ایک روایت میں یوں فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوتِ طعام کی طرف بلایا جاتے تو اس کی دعوت قبول کرے اور اگر روزہ دار ہو تو نماز پڑھنے میں مصروف ہو جائے[2] اور اگر روزہ نہ رکھا ہوا ہو تو کھا پی لے۔ (مسلم)

سلہ یعنی روزہ نہ توڑے اور زبان سے یہ بات کہنے میں کچھ کلام و تشریح ہے۔ جو کتاب الصوم کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

سکہ یا دعا کرنے میں مصروف ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ لَمَّا کَانَ یَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَکَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰی یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِیٍٔ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِیْدَةُ بِاِنَاءٍ فِیْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِیٍٔ فَشَرِبَتْ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں فتح مکہ کے دن حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئیں اور حضرت ام ہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب۔ تو ایک بچی ایک برتن لے کر آئی۔ جس میں پینے کی کوئی چیز دیا نی یا اور کوئی چیز) لے کر آئی اور وہ برتن رسول اللہ

مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَ التِّرْمِذِيِّ نَحْوَهُ وَ فِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَا إِنِّيْ كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيْرُ نَفْسِهٖ إِنْ شَاءَ صَامَ وَ إِنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ آپ نے اس میں سے پیا پھر آپ نے وہ برتن حضرت ام ہانی کو پکڑایا، ام ہانی نے بھی اس سے پیا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار تھی۔ مگر میں نے روزہ افطار کر دیا ہے۔[1] اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو کوئی چیز قضا کر رہی تھی۔[2] ام ہانی نے عرض کیا نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو کوئی نقصان کی بات نہیں رہے ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔ اور امام احمد اور ترمذی کی روایت میں اسطرح آیا ہے جس میں اس روایت کے الفاظ سے قدرے مختلف ہے اس میں اس طرح ہے کہ ام ہانی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آگاہ رہیں کہ بیشک میں روزے سے تھی آپ نے فرمایا نفلی روزہ دار بندہ اپنے نفس پر حاکم دامیر ہوتا ہے[3] چاہے روزہ رکھے چاہے نہ رکھے۔

[1] ایک روایت میں ہے کہ میں نے روزہ توڑ کر گناہ کیا ہے۔ اس لیے میرے گناہ کی بخشش طلب کریں۔
[2] یعنی کیا تو رمضان یا نذر کا روزہ قضا کر رہی تھی؟
[3] یعنی وہ اپنے نفس کا حاکم ہوتا ہے۔ کہ روزہ توڑنے یا رکھنے کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے پھر یہاں ایک اور روایت میں امین نفسہ اور امیر نفسہ بھی آیا ہے۔ یعنی بندہ اپنے نفس کا امین یا امیر ہوتا ہے۔ یہ راوی کا شک ہے۔

امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل و توجیہہ یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کو اختیار و اجازت حاصل ہے کہ ان امور میں جن کا اسے امین اور امیر بنایا گیا ہے کسی مصلحت پر نظر کرتے ہوئے روزہ افطار کر دے جیسے اس نے کچھ لوگوں کی دعوت طعام کی ہو یا وہ کسی کے پاس پہنچا اور یہ محسوس کرے کہ روزہ نہ افطار کرنے میں اہل خانہ وحشت و اجنبیت محسوس کریں گے تو اسے اجازت ہے کہ ان کی موافقت کرے۔ اور اس امر میں ان سے تعاون کرے جو آپس میں انس والفت کا موجب ہے۔ اور ایسا کرنے میں شرعاً حرج اور مشقت بھی نہ ہو۔ پس اس تاویل کے مطابق اس قول میں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ اپنے اوپر روزہ لازم کرنے کے بعد اس پر قضا لازم نہیں ہوتی خصوصاً جب کہ

حدیث میں قضا کا حکم آچکا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آرہا ہے اسے سمجھو۔

یہاں یہ بات باقی ہے کہ سیر و تاریخ کی متفقہ روایات میں آیا ہے کہ مکہ معظمہ رمضان میں فتح ہوا اس صورت میں حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا کے روزہ کا نفلی روزہ ہونا مشکل ہے اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں قیل و قال بھی کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس کے اسناد میں قیل و قال ہے امام منذری نے کہا کہ ام ہانی کی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور اس کے اسناد میں بہت اختلاف ہے امام نسائی نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ منذری کا کلام ختم ہوا۔ اور حضرت ام ہانی کی حدیث میں فتح مکہ کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں لائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یوم فتح مکہ سے فتح کا پہلا دن مراد نہیں بلکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح مکہ معظمہ فتح ہونے تک قیام مراد ہے تو یہ مراد بھی ٹھیک اور درست ہے اور بعید از فہم نہیں۔ نیز روایات میں آپ کا مکہ میں ٹھہرنا اور پھر وہاں سے واپس تشریف لے جانے تک ذکر آیا ہے۔ یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ فتح بعد از رمضان ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا أَصَحُّ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ.

زہری عروہ سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے اور حضرت حفصہ نے روزہ رکھا ہوا تھا کہ ہمارے سامنے ایسا کھانا لایا گیا جو ہمیں پسند تھا تو ہم نے اس میں سے کھا لیا پھر حضرت حفصہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دونوں روزہ سے تھیں کہ ہمارے سامنے ہماری پسند کا کھانا لایا گیا ہم نے اس میں سے کھا لیا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ روزہ کسی دوسرے دن قضا کر لینا [1] اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور ایک جماعت حفاظ حدیث کا ذکر کیا جنھوں نے زہری سے انھوں نے عروہ سے انھوں نے حضرت عائشہ سے مرسلاً روایت کیا اور انھوں نے عروہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ صحیح تر ہے [2] اور ابو داؤد نے اسے زمیل مولی عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا [3]۔

لہ یہ حدیث حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی نفلی روزہ کے قضا کرنے کی دلیل ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ نفلی روزہ کو توڑنے سے قضا واجب ولازم آتی ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قضا کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نذر یا قضا کا تھا۔ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نفلی روزے کی قضا واجب نہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ اگر کسی نے رات کو روزہ نفل کی نیت کی تھی۔ پھر دن کو بلا عذر کھا پی لیا۔ تو قضا واجب ہے ایسا ہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً قضا واجب ہے۔ کہ نفل عبادت شروع کر لینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے اس کی مزید تحقیق اصول فقہ میں ہے۔

سلہ اور انھوں نے اس میں عروہ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ گذشتہ روایت میں زہری اور حضرت عائشہ کے درمیان ان کا واسطہ آیا ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ عروہ کا ذکر جو نہیں کیا۔ تو یہ زیادہ صحیح ہے۔ اور یہاں ارسال حدیث سے راوی کا اسناد سے سقوط مراد ہے۔ سقوط یعنی انقطاع نہیں ہے اور یہ بھی ایک اصطلاح ہے مشہور یہ ہے کہ مرسل وہ حدیث ہے۔ جس میں تابعی کا ذکر ہو صحابی کا ذکر نہ ہو۔ بعض نے تابعی کبیر کی قید لگائی ہے۔ یعنی تابعی کبیر کا ذکر ہو صحابی کا ذکر نہ ہو اور یہ بھی ایک اصطلاح ہے۔

سلہ زمیل۔ زا کی پیش، میم کی زبر، یا ساکن۔ یہ صاحب حضرت عروہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

سلہ اس حدیث میں بھی قیل و قال کی گئی ہے۔

وَعَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهُ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِي فَقَالَتْ إِنِّي صَائِمَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّائِمَ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ام عمارہ[1] بنت کعب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ام عمارہ نے آپ کے لیے کھانا منگوایا آپ نے اسے فرمایا کھا تو انھوں نے عرض کیا بیشک میں روزہ سے ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک روزہ دار بندے کے پاس جب کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کھانے والے کھانے سے فارغ ہوں[1]

احمد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی۔

سلہ عمارہ عین کی پیش میم کی زبر غیر مشدد سے۔ یعنی حضرت ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہا آپ انصاری صحابیہ ہیں آپ کا نام نسیبہ ہے (نون کی زبر، سین کی زیر) آپ بیعت العقبہ میں موجود تھیں، غزدہ بدر میں بھی اپنے شوہر حضرت عاصم بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئیں آپ کو اس جنگ میں گیارہ زخم آئے۔ پھر آپ بیعت الرضوان کے موقع پر بھی حاضر و موجود تھیں۔ اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں شریک ہوتی رہیں۔ آپ کو گیارہ یا بارہ زخم آئے تھے۔ اور آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔

سلہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روزہ پر قائم رہنے دیا اور آپ کو فرشتوں کی دعا کی بشارت دی۔ یہاں حدیث میں امر اباحت وجواز کے لیے ہے اسے سمجھ لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ بُرَيْدَةَ رض قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ اِنِّىْ صَائِمٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَ فَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِى الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ اَنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهٗ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

تیسری فصل

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کا کھانا تناول فرما رہے تھے آپ نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال! چاشت[2] کے اس کھانے میں شرکت کرو۔ حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ میں روزے سے ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے اپنا رزق کھایا اور بلال کا زائد رزق جنت میں ہے۔ اے بلال تو نے سمجھا کہ بے شک روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں۔ اور جب تک اس کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

(اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

سلہ بریدہ با کی پیش سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ قبیلہ اسلم کی شاخ سہم سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات انجام دینے میں آپ کی مساعی جمیلہ قابل صد ستائش ہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے آپ کی قبر مبارک مقام مرو میں زیارت گاہ ہے۔ اور دنیا اس سے برکت و فیض حاصل کرتی ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ الغداء آیا ہے۔ غین کی زبر، دال بے نقطہ سے بمعنی چاشت کا کھانا۔

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا بیان

واضح ہو کہ لیلۃ القدر (قدر والی رات) کو اس وجہ سے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں (مخلوقات) کے رزق کا اندازہ کیا جاتا ہے (کہ کس کو کتنا دیا جائے اور کس کو کتنا) نیز اس رات کے اندر بندوں کے اوقاتِ موت اور اس سال کے اندر جس قدر احکامات بھی وقوع پذیر ہوں گے ان سب کا اندازہ اور تعین کیا جاتا ہے اس معنٰی کے مطابق لفظ قدر دال کی جزم سے پڑھا جائے گا۔ اگرچہ مشہور روایت دال کی زبر سے ہے۔ بعض نے کہا شرف وعظمت والی رات ہونے کی وجہ سے اسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اس رات کی عبادات وطاعات کی قدر ومنزلت دوسری راتوں سے بڑھ کر ہے۔

پھر اس رات کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثر احادیث اس میں ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہے۔ خصوصًا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں۔ خصوصًا ستائیسویں رات۔ ایک قول میں یہ رات سارے سال میں گھومتی ہے۔ اور ایک ماہ سے دوسرے ماہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس قول کو حنفیہ کا مشہور قول قرار دیا۔ اور کہا کہ قاضی خان اور ابوبکر رازی نے یہ قول علمائے حنفیہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی نے (اللہ تعالٰی ان کی روح کو آسودگی عطا کرے) کہا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ شب قدر رمضان میں ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کون سی رات ہے۔ کبھی وہ رمضان کے پہلے دنوں میں ہوتی ہے کبھی آخری دنوں میں۔ آپ کے صاحبین (حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد شیبانی) سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ تاہم ان دونوں حضرات کے نزدیک وہ ایک معین رات ہے آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ فتاوٰی قاضی خان میں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ وہ سارے سال کے دنوں میں ادل بدل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ وہ رمضان میں بھی آتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے ان دلیلوں کا جواب جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہی ہوتی ہے۔ یہ دیا ہے کہ رمضان

سے مراد وہ رمضان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آیا۔ اور آپ نے اسے تلاش وطلب کیا۔ حدیث کا سیاق اس شخص کے نزدیک جو حدیث کے طرق والفاظ میں غور وتامل کرتا ہے۔ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ قاضی خان کا کلام ختم ہوا۔

کاتب حروف بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین عفی اللہ عنہ کہتا ہے۔ کہ اقوال کی تطبیق اور ان کے جمع کرنے میں یہ قول زیادہ احسن ہے۔ پھر علماء فرماتے ہیں کہ اس رات کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ عبادت و نیکی میں کوشش ومحنت کریں۔ صرف اس رات کی عبادت پر بھروسہ نہ کرلیں۔ علماء فرماتے ہیں جو شخص مسلسل ایک سال بیدار شبی اختیار کرے وہ انشاء اللہ یہ رات پالے گا۔ یہی معنیٰ مراد ہے اس شخص کا جس نے کہا ہے جو شخص اللہ کی قدر نہیں جانتا وہ قدر والی رات کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس رات کی کچھ علامتیں اور نشانیاں ہیں۔ ان علامات کو انھوں نے احادیث و آثار سے پایا ہے۔ ان میں سے بعض آثار وعلامات ارباب کشف اور اصحاب بصیرت ونظر سے حاصل کی ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شب قدر ہر اس شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ جس پر عالم ملکوت (عالم بالا) کی اشیاء منکشف ہوتی ہیں۔ امام طبری رحمہ اللہ نے ایک قوم سے نقل کیا کہ شب قدر میں درخت سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں۔ اور اپنے تنوں پر سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ہر چیز اس رات میں سجدہ کرتی ہے۔ بیہقی نے فضائل اوقات میں از طریق اوزاعی از عبیدہ حضرت ابن ابی لبابہ سے روایت کی ہے۔ کہ زمین کے تمام شور پانی اس رات میں میٹھے ہوجاتے ہیں۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو علم حدیث کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ از طریق زہرہ بن معبد الیسی ہی روایت نقل کی ہے۔ پھر اس رات میں بڑے انوار پھیلتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریک جگہوں میں بھی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اور ملائکہ کی طرف سے سلام اور جواب سنائی دیتا ہے۔ مگر درست بات یہ ہے کہ اس رات میں ان مذکورہ چیزوں کا مشاہدہ کوئی ضروری اور شرط نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ شب دکھائی دیتی ہے مگر ان امور کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رات دو آدمیوں کو دکھائی دے۔ اور ایک پر یہ چیزیں منکشف ہوں دوسرے پر نہ ہوں۔ اور احسن بات یہ ہے کہ اس رات میں عبادات ومناجات اور خشوع وخضوع ذوق وحضور اور اخلاص کی توفیق نصیب ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ کرامات میں سے ہیں۔ اور خوارق عادات کا مشاہدہ محل خطرہ اور شبہ میں مبتلا ہونے کا مقام ہے۔ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس رات میں بیداری کی ترغیب وتحریض میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ پسندیدہ اور معتبر بات یہ ہے کہ اس رات کا اکثر حصہ عبادت میں جاگ کر گذارے۔ اور اگر ساری رات جاگ کر گزارے اور بیدار ہونے سے سست وملول ہونے اور ادائے فرض وسنن میں کوتاہی واقع نہ ہو تو یہ افضل واکمل ہے۔ بصورت دیگر جتنی مقدار ہوسکے بیدار رہے کہ اس طرح بھی

مقصود کے حاصل ہونے کی امید ہے ۔ قرآن حکیم میں ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى یعنی انسان کو اس کی سعی اور کوشش کے مطابق پھل ملتا ہے ۔ اور فرمایا کان سعیہ مشکورا ۔ اس کی کوشش مقبول و منظور ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شب بیداری کی توفیق عطا فرمائے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو[1] (بخاری شریف)

[1] یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے ان پانچ سے باہر نہیں ہوتی ۔ مگر مبہم ہے ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کو آخری سات راتوں میں خواب[1] کے اندر شب قدر دکھائی گئی ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہاری خواب کو آخری سات راتوں کے بارے میں ٹھیک[2] اور مناسب جانتا اور دیکھتا ہوں ۔ تو جو شخص تم میں سے اسے کوشش کے ساتھ تلاش کرنا چاہے اسے چاہیے کہ آخری سات راتوں میں تلاش کرے[3] (مسلم، بخاری)

[1] یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ آخری سات راتوں سے مراد وہ سات راتیں ہوں جو بیسویں شب کے متصل بعد شروع ہوتی ہیں ۔ یا وہ سات راتیں مراد ہیں جو مہینے کی آخری سات راتیں ہیں ۔ یہ دوسرا احتمال زیادہ ظاہر و واضح ہے ۔ واللہ اعلم ۔

ٹ یہاں حدیث میں لفظ تواطأت آیا ہے۔ بعض نسخوں میں تواطت آیا ہے۔
سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح اور نیک انسان کی خواب قابلِ اعتبار اور حق و درست ہوتی ہے خصوصًا جبکہ بہت سی نیک اور صالح لوگوں نے دیکھی ہو بشرطیکہ وہ خواب شرعی احکام کے مخالف نہ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِي سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِي خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی شب قدر کو۔ نویں رات میں جو باقی ہوتی ہے[1] اور ساتویں میں جو باقی ہوتی ہے[2] اور پانچویں رات میں جو باقی ہوتی ہے[3]۔

(بخاری شریف)

سلہ اس سے انتیسویں شب مراد ہے۔
سلہ یعنی ستائیسویں شب رمضان المبارک
سلہ یعنی پچیسویں شب رمضان المبارک۔ اور یہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے موافق ہے۔ جو آگے آرہی ہے۔ یا نویں، ساتویں یا پانچویں سے یہی نویں، ساتویں اور پانچویں راتیں مراد ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ یا ساتویں الی آخرہ سے وتر اور طاق راتیں مراد ہیں۔ جو واقع ہوتی ہیں۔ ورنہ رمضان کے جو دن بقایا ہوتے ہیں۔ وہ تئیسواں، پچیسواں، ستائیسواں اور انتیسواں دن ہوتا ہے۔ یا وہ طاق راتیں مراد ہیں، جو سات دنوں کے اندر واقع ہوتی ہیں۔ اور وہ تین راتیں ہیں۔ اور طاق راتیں پانچ دنوں کے اندر دو آتی ہیں اسے سمجھ۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَمَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا۔ پھر درمیانی دس دنوں کا ایک ترکی خیمہ میں[1]۔ پھر آپ نے اس سے اپنا سر مبارک باہر نکالا[2] اور فرمایا میں نے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا اس رات (شب قدر) کی تلاش کے لیے۔ پھر میں نے درمیانی دس دن کا اعتکاف کیا[3]۔ پھر میرے پاس کوئی آیا[4]

كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ رَاَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اَسْجُدُ فِيْ مَآءٍ وَّطِيْنٍ مِّنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنٰى وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْبَاقِيْ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ لَيْلَةَ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور مجھ سے کہا گیا کہ وہ رات آخری دس دنوں کے اندر ہے۔ تو جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرے اسے چاہیے کہ آخری دس راتوں کا اعتکاف کرے۔ کہ بے شک وہ رات مجھے دکھائی گئی۔[3] پھر مجھے وہ بھلا دی گئی۔ اور بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس رات کی صبح کو کیچڑ کے اندر سجدہ کر رہا ہوں۔ تو اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرو اور اسے ہر طاق رات میں تلاش کرو۔[4] اور اس رات بارش ہوئی تھی اور مسجد درختوں کی شاخوں[5] کی بنی ہوئی تھی تو مسجد ٹپکی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں چشم مبارک دیکھیں۔ اس وقت آپ کے ماتھے مبارک پر پانی اور مٹی کا اثر موجود تھا۔ یہ اکیسویں رات کی صبح کا واقعہ ہے۔[6] بخاری و مسلم دونوں معنی حدیث میں متفق ہیں۔ اور الفاظ مسلم کے ہیں۔ یعنی مسلم کے الفاظ فقیل لی انہا فی العشر الاواخر تک ہیں باقی الفاظ بخاری کے ہیں۔[7] اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن انیس[8] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے تئیسویں رات کا ذکر کیا۔

(مسلم شریف)

[1] یہ نمدے کا بنا ہوا ایک چھوٹا خیمہ ہوتا ہے۔ فارسی زبان میں اسے خرگاہ کہتے ہیں۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ "اَطْلَعَ" آیا ہے یعنی ہمزہ کی زبر طا ساکن مخفف کے ساتھ۔

[3] شب قدر کی تلاش کے لیے۔

[4] یعنی میرے پاس فرشتوں میں سے آنے والا آیا۔

[5] اس رات کی تلاش کرنے والوں کے ساتھ امر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب انھوں نے اسے طلب و تلاش کریں اور نہ پائیں تو پھر اعتکاف کریں۔ اور اسے تلاش کریں تاکہ اسے پالیں۔ اور جو لوگ اس رات کے طالب نہیں ہیں۔ وہ

اس سے فارغ البال ہیں کہ اعتکاف بیٹھیں یا نہ بیٹھیں۔

۶ یعنی معین رات دکھائی گئی رمضان کے آخری عشرہ میں۔

۷ کہ وہ ان طاق راتوں سے باہر نہیں ہے۔

۸ یہاں حدیث میں لفظ عریش آیا ہے (عین کی زبر را کی زیر آخر میں شین) یعنی ایسا مکان جو درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنایا جاتا ہے جیسا کہ انگوروں کی بیلوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔ پھر عریش اسے بھی کہتے ہیں جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد نبوی شریف کھجور کے درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی۔

۹ یہ روایت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ شب قدر رمضان کی اکیسویں تاریخ تھی۔

۱۰ اور یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔

۱۱ انیس ہمزہ کی پیش، نون کی زبر اور یا ساکن سے۔ آپ بزرگ انصاری صحابی ہیں۔

وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ[۱] قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَّقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرَادَ أَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِيْ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِيْ أَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا.

حضرت ابوزر[۱] بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی بن کعب سے سوال کیا اور کہا کہ بے شک تیرا بھائی عبداللہ بن مسعود کہتا ہے جو شخص سارا سال شب بیداری کرتا ہے، وہ شب قدر پالیتا ہے اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اس پر رحم کرے۔ اس نے یہ چاہا کہ لوگ بھروسہ اور اعتماد نہ کر بیٹھیں[۲]۔ ورنہ ان کو پتہ ہے کہ وہ رات رمضان میں ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ اور انھیں یہ بھی پتہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے پھر حضرت ابی بن کعب نے قسم کھائی جس میں آپ نے انشاء اللہ نہ کہا بلکہ پورے یقین کے ساتھ قسم کھائی۔ کہ وہ ستائیسویں رات ہی ہے حضرت زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا اے ابوالمنذر[۳] آپ کس دلیل سے یہ بات کہتے ہیں آپ نے فرمایا اس رات کی وہ نشانی[۴]

جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یہ ہے کہ اس دن سورج اس حالت میں طلوع کرتا کہ اس کے لیے روشنی اور شعاع نہیں ہوتی۔ (مسلم شریف)

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

لے زِر ، زا کی زیر، را کی شد۔ حبیش (حا کی پیش با کی زبر یا ساکن) حضرت زِر بن حبیش رضی اللہ عنہ ثقہ تابعی ہیں آپ نے زمانہ جاہلیت بھی پایا۔ اور ساٹھ سال دورِ جاہلیت میں گذارے پھر ساٹھ سال اسلام کا روشن زمانہ بھی نصیب ہوا آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی بعض نے کہا ایک سو تیس سال۔ بعض نے کہا ایک سو پچاس سال آپ کی عمر ہوئی۔ آپ اکابر علمائے قراءت میں سے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود عربی زبان سے متعلق چیزیں ان سے دریافت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے کہا کرتے تھے اے زر تو نہیں چاہتا کہ قرآن میں سے ایک آیت بھی چھوڑے مگر یہ کہ تو مجھے اس بارے میں ضرور پوچھتا ہے۔

لے یعنی ایسا کہنے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ اعتماد نہ کر بیٹھیں۔ کہ جب شب قدر کو پالیں تو اس کے ثواب عظیم کے حصول پر ہی بھروسہ کرلیں اور باقی سارا سال آرام و آسائش میں گذاریں، اور نیک عمل کے لیے کوئی جدوجہد نہ کریں۔

سے یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

سے راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ علامۃ کہا یا الآیۃ

ھ یعنی اس رات کی علامت یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو سورج اس حالت میں طلوع کرتا ہے کہ اس کی روشنی (تیز) نہیں ہوتی۔ احمد رحمۃ اللہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کی صبح کو سورج طشت کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات نشانی سے معلوم کی نہ کہ نص سے۔ اور اگر یہ نشانی کسی اور رات میں پائی جائے تو بھی ممکن ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو بلایا اور سب سے شب قدر کے بارے میں پوچھا۔ سب صحابہ نے بالاتفاق کہا کہ وہ آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں یا میرا گمان ہے کہ وہ ماہ رمضان کی ساتویں گذرنے والی رات ہے۔ یا دس میں سے ساتویں رات جو باقی ہوتی ہے۔ یعنی ستائیسویں رات۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تمھیں اس رات کا کیسے علم ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا کیں۔ ہفتے کے سات دن پیدا کیے۔ اور زمانہ ان سات دنوں کے اندر گردش کرتا ہے۔ آدمی سات اعضاء سے پیدا ہوا ہے سات اندام سے

کھاتا ہے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرتا ہے۔ طواف کے بھی سات چکر ہیں۔ جمعہ کا دن بھی ساتویں دن آتا ہے۔ اسی طرح اور چیزیں بھی بیان فرمائیں۔ جن کا عدد سات ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک تیرے علم میں وہ چیزیں ہیں جو ہمارے علم میں بھی نہیں۔

بعض فضلائے کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ "انا انزلناہ" میں تین بار لیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے اور یہ نو حرف ہیں۔ تین بار نو جمع کرنے سے ستائیس حرف بنتے ہیں۔ مگر یہ اور اس طرح کے دوسرے دلائل ظنی نشانیاں ہیں۔ قطعی اور یقینی نشانیاں نہیں ہیں۔ ان ظنی نشانیوں سے کسی کو یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کا معین علم تھا تو صحابہ کو اس کے بتانے کی آپ کو اجازت نہ تھی اور صحابہ کرام میں سے بھی کسی کو اس رات کا علم تھا تو انھیں بھی اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ اس بنا پر کہ اس کے پوشیدہ رکھنے میں کچھ حکمتیں مضمر ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات کا پوچھا اور عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے کہ آپ مجھے ضرور شب قدر بتائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غصے میں آگئے اور فرمایا اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتانے کی اجازت ہوتی تو میں ضرور تمھیں بتاتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان شاء اللہ کیوں نہ کہا اور یقین سے کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلبہ ظن حاصل ہو جانے کی بنا پر حضرت ابی بن کعب کا بطور مبالغہ کلام ہے۔ اور غلبہ ظن کی حالت میں قسم کھانا جائز ہے۔ اور اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اسی طرح جس نے بھی ایسا کہا ہے۔ غلبہ ظن اور اجتہاد کی بنا پر کہا ہے۔ اور اجتہاد کرنے والا غلطی بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کا اجتہاد درست اور ثواب بھی ہوتا ہے واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی آخری دس راتوں میں عمل خیر میں اتنی کوشش کرتے کہ دوسرے دنوں میں اتنی کوشش نہ کرتے تھے۔ (مسلم شریف)
وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری دس دن ہوتے تھے تو ازار مبارک باندھ لیتے تھے۔ اور

اَحْیٰی لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

راتیں جاگ کر گذارتے تھے [۲] اور اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے [۳] (بخاری، مسلم)

[۱] یہ عام اوقات میں اپنی عادت شریفہ سے بڑھ کر عبادات میں کوشش وسعی کی جانب اشارہ ہے یا یہ عورتوں سے کنارہ کشی کی جانب اشارہ ہے۔

[۲] آپ رات کو زندہ رکھتے تھے یعنی شب بیداری کرتے تھے۔ یا اپنی ذات مبارک کو بیداری شب کے لیے بیدار رکھتے تھے۔ یاد رہے کہ رات کو زندہ کرنے یا رکھنے کے دو معنی ہیں۔ ایک تو رات کو زندہ رکھنا کہ وقت کی زندگی اور تازگی اس میں عبادت کرنے سے ہوتی ہے۔ دوسرے رات کے وقت اپنے آپ کو زندہ کرنا کہ انسان کی زندگی شب بیداری میں ہے خصوصاً عبادت میں رات گذارنے سے۔ کہ نیند موت کی طرح ہے اور بے کار رہنا اپنے آپ کو مردہ بنانے کے مترادف ہے

[۳] تاکہ وہ بھی عبادت کریں اور شب قدر کی دریافت کی سعادت سے محروم نہ رہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رض قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ صَحَّحَہٗ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتلائیں اگر میں شب قدر کو جان لوں تو اس میں کیا ذکر و دعا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ [۱] (اسے احمد، ابن ماجہ، اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح حدیث قرار دیا)

[۱] اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے۔ معافی کو پسند کرتا ہے۔ مجھے بھی معاف کر دے۔

وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْھَا یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَبْقَیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَبْقَیْنَ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اس رات کو تلاش کرو نو راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں [۱]۔ یا سات راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں یا پانچ راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں۔ یا تین

اَوْ فِیْ خَمْسٍ تَبْقَیْنَ اَوْ ثَلٰثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ
راتوں میں یا رمضان کی آخری رات میں سلہ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی شریف)

سلہ اور وہ چار طاق راتیں ہیں ۔ اور سات میں تین راتیں طاق آتی ہیں ۔ اور پانچ میں دو طاق راتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم نے ذکر کیا ہے ۔

سلہ " تین راتیں جو باقی ہوتی ہیں " یعنی ستائیسویں رات ، یا انتیسویں رات جو رمضان کی آخری طاق رات ہے کہ اس پر طاق راتوں کی انتہا ہو جاتی ہے ۔ اور بندہ اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ فی تسع یبقین سے بائیسویں رات مراد ہے ۔ اور فی سبع سے چوبیسویں رات مراد ہے ۔ اور فی خمس سے چھبیسویں رات مراد ہے اور آخری رات سے رمضان کی انتیسویں رات مراد لی جائے گی ۔ اور بعض مہینہ کے نکلنے کے اعتبار سے ان راتوں کو شمار کرتے ہیں ۔ اس میں غور کر ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَقَالَ ھِیَ فِیْ کُلِّ رَمَضَانَ۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ رات سارے سلہ رمضان میں ہے ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ) (اسے ابوداؤد نے روایت کیا)

وَقَالَ رَوَاہُ سُفْیَانُ وَشُعْبَۃُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ مَوْقُوْفًا عَلَی ابْنِ عُمَرَ ۔
اور کہا کہ اسے سفیان اور شعبہ نے ابو اسحاق سلہ سے روایت کیا ۔ جو کہ ابن عمر پر موقوف ہے ۔ سلہ

سلہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ ہر رمضان میں ہوتی ہے ۔ کسی ایک رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے دوسرا یہ کہ یہ رات سارے رمضان میں گھومتی ہے ۔ آخری دس دنوں کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا ۔

سلہ یہ ابواسحاق رحمہ اللہ اکابر تابعین میں سے ہیں ۔

سلہ یعنی یہ حدیث حضرت ابن عمر پر موقوف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ
حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ

بَادِيَةً أَكُونُ فِيهَا وَ أَنَا أُصَلِّي فِيهَا بِحَمْدِ اللهِ فَمُرْنِي بِلَيْلَةٍ أَنْزِلُهَا إِلَى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَنْزِلْ لَيْلَةَ ثَلٰثٍ وَ عِشْرِيْنَ قِيْلَ لِابْنِهٖ كَيْفَ كَانَ أَبُوْكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَإِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهٗ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَ لَحِقَ بِبَادِيَتِهٖ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا ایک گاؤں ہے جس میں رہتا ہوں ۔ اور میں بحمد اللہ تعالیٰ اس میں نماز پڑھتا ہوں ۔ تو آپ مجھے فرمائیں کہ میں کون سی رات اس مسجد (نبوی) میں اترا کروں[1]۔ آپ نے فرمایا تئیسویں رات کو اس مسجد میں آیا کر۔ پھر ان کے بیٹے سے دریافت کیا گیا کہ تیرا باپ مسجد (نبوی) میں کیا کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا (میرا باپ) نماز عصر پڑھنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا کرتا تھا پھر وہ کسی کام کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلتا تھا[2] یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لیتا تھا۔ جب صبح کی نماز پڑھ لیتا تو مسجد کے دروازے پر اپنی سواری موجود پاتا تھا۔ اس پر بیٹھتا اور گاؤں کو چلا جاتا۔ (ابوداؤد شریف)

[1] اس سے اس شخص نے مسجد نبوی شریف کی طرف اشارہ کیا۔ گویا اس کا ارادہ تھا کہ شب قدر میں مسجد نبوی شریف میں آکر عبادت کرے اور ثواب حاصل کرے۔

[2] یعنی ایسے کام کے لیے جو اعتکاف کے منافی ہو اور بعض اصول میں الا لحاجۃ آیا ہے۔ یعنی وہ مسجد سے باہر نہ نکلتا تھا۔ مگر ضروری حاجت کے لیے جیسے حاجت بشری (قضائے حاجت وغیرہ) کیونکہ اعتکاف والا اس حاجت کے لیے نکلنے پر مجبور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَ فُلَانٌ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے باہر تشریف لاتے تو اچانک دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے آپ نے ان کو (جھگڑتے دیکھ کر) فرمایا میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا۔ تو فلاں فلاں نے

فَرُفِعَتْ وَ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِی التَّاسِعَةِ وَ السَّابِعَةِ وَ الْخَامِسَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

آپس میں جھگڑا کیا۔ جس کی وجہ سے وہ رات اٹھا لی گئی[1] اور قریب ہے کہ اس کا اٹھانا تمہارے لیے بہتر ہو[2]۔ تو اسے تلاش کرو نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں[3]۔ (بخاری شریف)

[1] یعنی گھر سے اس وقت باہر تشریف لائے جب کہ وہ رات آپ کو دکھائی گئی۔

[2] یعنی اس نزاع اور جھگڑے کی نحوست سے اس رات کا تعین اٹھا لیا گیا اور وہ بھلا دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں نزاع اور جھگڑا بہت برا ہے۔ اور برکات وخیرات سے محرومی کا سبب ہے۔ غالباً یہ نزاع کسی ناحق معاملے میں تھا۔ یا حد سے تجاوز کر چکا تھا۔

[3] یعنی بہت نزدیک ہے کہ اس کے تعین کا اٹھا لینا اور اسے مبہم رکھنا تمہارے لیے بہتر ہو۔ کہ عبادت وطاعات میں کوشش ومحنت اور کثرت کا سبب ہے۔

[4] یعنی انتیسویں شب میں اور ستائیسویں وپچیسویں شب میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وہ رات تین راتوں کے اندر متردد طور پر دکھائی گئی۔ یا ان تین راتوں کے درمیان تردد غلبہ ظن کی وجہ سے تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ کَبْکَبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَّذْکُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِهِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰی بِهِمْ مَلٰٓئِکَتَهٗ فَقَالَ یَا مَلٰٓئِکَتِیْ مَا جَزَآءُ اَجِیْرٍ وَّفّٰی عَمَلَهٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآؤُهٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُهٗ قَالَ مَلٰٓئِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَ اِمَآئِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت[1] کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعا واستغفار کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے پھر جب بندوں کا عید کا دن ہوتا ہے۔ یعنی عید الفطر کا دن تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے فرشتوں پر فخر کرتا ہے[2]۔ اور فرماتا ہے اے میرے ملائکہ! اس مزدور کی کیا جزا ہے جو اپنا کام پورا کر چکا ہو اور فرماتا ہے اے میرے ملائکہ میرے بندوں اور میری لونڈیوں نے میرے فریضے کو جو ان پر تھا پورا پورا ادا کر دیا ہے[3] پھر

عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ إِلَى الدُّعَاءِ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كَرَمِيْ وَ عُلُوِّيْ وَ ارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَ بَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَهُمْ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

میرے بندے نکلے ہیں (نماز عید کے لیے) میرے آگے دعا کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوئے مجھے اپنی بزرگی، اپنے جلال، اپنے کرم اور اپنی عظمت اور اپنے بلند درجہ کی قسم میں نے ان کی دعا قبول کر لی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واپس لوٹ چلو بے شک میں نے تم کو بخش دیا اور میں نے تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بندے عید گاہ سے بخشے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

⁂

سلہ حدیث میں لفظ کبکبہ آیا ہے ۔ کاف کی پیش اور زبر سے بمعنی جماعت۔

سلہ اور اپنے بندوں کے ساتھ اپنے ملائکہ کے سامنے ناز کرتا ہے ۔ جنھوں نے انسانوں کی نافرمانی کا طعنہ دیا تھا۔

سلہ یعنی رمضان شریف کے روزے رکھے ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ یعجون آیا ہے ۔ عین کی زیر اور زبر کے ساتھ۔

سلہ یعنی میں تمھاری بدیوں کو معاف کرتا ہوں ان کے نشانات و آثار مٹاتا ہوں ۔ اور تمھاری نیکیوں کو قبول کرتا اور ثابت و مضبوط کرتا ہوں ۔ اور طاعات و عبادات کے انوار و برکات کو ظاہر و نمایاں کرتا ہوں ۔ یا تمھارے نفس میں ملکہ معصیت کو ملکہ طاعت سے تبدیل کرتا ہوں بلکہ میں ہر معصیت کو طاعت کے ساتھ بدلتا ہوں اور عذاب کی جگہ ثواب درج کرتا ہوں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (فرشتے) ایک بندے کو بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے سامنے اس کے گناہ صغیرہ کو ظاہر کرو۔ اور اس کے کبیرہ گناہوں کو پوشیدہ رکھو۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ یہ گناہ کیے تو وہ بندہ اپنے صغیرہ گناہوں کا اقرار کرے گا۔ اور کبیرہ گناہوں کا اقرار نہ کرے گا۔ مگر ڈر رہا ہوگا کہ مبادا کبیرہ گناہ بھی ظاہر نہ کر دیں۔ تو حکم ہوگا کہ اسے اس کی برائی (صغیرہ) کے بدلے نیکی عطا کرو۔ اس وقت بندہ کہے گا میرے بڑے بڑے گناہ (کبیرہ) بھی تھے ۔ جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا الی آخر الحدیث

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

لغت میں اعتکاف کا معنی ہے باز رکھنا، روک کر رکھنا اور ٹھہرنا اور ایک جگہ یا ایک چیز کے ساتھ چمٹ جانا اور کسی جانب رخ کرنا۔ شرع میں اعتکاف کا معنی ہے مسجد میں ٹھہرنا اور مخصوص طریقہ اور نیت سے اس میں پڑے رہنا۔

پھر اعتکاف، حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ظاہر مذہب کے مطابق سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال مبارک تک اس پر مداومت اور ہمیشگی فرمائی۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ زہری نے کہا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ اعتکاف کس طرح ترک کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کبھی ادا کیے کبھی ادا نہ کیے۔ مگر اعتکاف کبھی ترک نہ کیا اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے واجب نہیں کہا باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک سال اعتکاف نہ کیا تو دوسرے سال اسے قضا کیا۔ اور دس دن اعتکاف میں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک واجب کے بارے میں یہ تھی۔ کہ اس پر خود مواظبت اور ہمیشگی کے باوجود دوسروں کو بھی اس کے کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور نہ کرنے پر ڈانٹتے تھے مگر اعتکاف کے بارے میں آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اعتکاف کرنا چاہے کرلے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے اور دوسرے سال دس دن کا اعتکاف قضا کی نیت سے نہ تھا کہ یہ سال وصال تھا۔ بلکہ درگاہ الٰہی میں پہنچنے کے کمال شوق اور تیاری و استعداد کے طور پر تھا۔

درست بات یہ ہے کہ اعتکاف تین قسم ہے:۔

اعتکاف واجب: یہ وہ اعتکاف ہے جو نذر کی نیت سے ہو اور اپنی ذات پر لازم کر لیا ہو

دوسرا سنت اعتکاف: وہ رمضان کے آخری عشرہ کا ہے

ان دو قسموں کے علاوہ باقی اعتکاف مستحب ہے۔ پھر حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مسجدوں میں اعتکاف جائز قرار دیا ہے مگر یہاں مسجد سے گھر کی وہ جگہ مراد ہے جو نماز کے لیے الگ کی ہوتی ہے۔ اس جگہ کا حکم اگرچہ مسجد کا حکم نہیں مگر عورتوں کے اعتکاف کے لیے مسجد کا حکم رکھتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور ہمارے (احناف کے) بعض حضرات سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے مسجد میں اپنے مرد کے ساتھ اعتکاف کرنا جائز ہے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو اس کی اجازت دینا اس جواز کی دلیل ہے

عورتوں کو ممانعت مصلحت کی بنا پر ہے جو آگے آرہی ہے۔

پھر امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کے لیے اس مسجد کو خاص کیا ہے جس میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا ہوتی ہوں۔ تاکہ اعتکاف سے ترک جماعت کا جو اس سے بھی زیادہ سنت مؤکدہ ہے۔ لازم نہ آئے اور اس ترک جماعت سے بچ جانے کی صورت میں پانچ وقت جائے اعتکاف سے باہر نکلنے کی نوبت نہ آئے۔ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسجد سے غیر مسجد جامع مراد ہے کہ اس میں اعتکاف جائز ہے اگرچہ اس میں پانچ وقت کی جماعت قائم نہ ہوتی ہو۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ جس مسجد میں نماز باجماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف جائز نہیں ہاں نفل اعتکاف غیر جماعت والی مسجد میں بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کے لیے مسجد جامع کو شرط قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے۔ اور کتاب حاوی میں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی کتاب ہے۔ جامع مسجد اعتکاف کے لیے بہتر اور اولیٰ ہے۔ مگر جمہور شافعیہ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ اعتکاف کی اکثر مدت کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ اگر کوئی پوری زندگی اعتکاف کی نیت کرلے تو روا اور جائز ہے۔ ہاں کم سے کم مدت میں اختلاف ہے۔ کہ وہ کتنی ہے بعض کے نزدیک کم مدت ایک ساعت بھی ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ جب مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلے تاکہ اس کا ثواب بھی حاصل ہوجائے اس قائل کے نزدیک مسجد میں ذرا بیٹھنا بھی شرط نہیں ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بہ نیت اعتکاف مسجد میں سے صرف گذر جانا معتبر نہیں اور بعض کے نزدیک اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک دن ہے۔ احناف کے مذہب میں بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اختلاف اعتکاف میں روزے کی شرط کے اختلاف کی فرع ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتکاف کے لیے روزے کی شرط ہونے کے باوجود یہ احتمال ہے کہ اعتکاف ایک دن سے کم کا بھی ہو۔ لہٰذا روزہ دار اگر مسجد میں ایک ساعت یا دو ساعت ٹھہرے گا تو اعتکاف حاصل ہوجائے گا اور روزہ کو اعتکاف کی شرط قرار دینے کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے کہ جب اعتکاف کی نیت رات کو کرے گا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ رات روزہ رکھنے کا وقت نہیں ہے مزید گفتگو احادیث کی شرح کے ضمن میں آرہی ہے۔

## پہلی فصل	## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال مبارک تک	عَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ

الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے[۱]۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں[۲]۔

(بخاری۔مسلم)

[۱] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ اوّل پھر عشرہ اوسط کا اعتکاف کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپ نے پہلے دو اعتکافوں میں شب قدر نہ پائی اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ آخری دس راتوں میں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا۔

[۲] یعنی آخری عشرہ میں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اعتکاف کرتے تھے نیز یہ حدیث اعتکاف کی سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَ كَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ ——— يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امور خیر میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی یا زیادہ کامل و مضبوط تھے اور سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے رمضان[۱] میں ہوتے تھے۔ رمضان شریف کی ہر رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قرآن پیش کیا کرتے تھے[۲]۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے تو اس وقت آپ آزاد چھوڑی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ خیر و نیکی کرنے والے ہوتے تھے[۳]۔

(بخاری۔مسلم)

[۱] رمضان المبارک میں آپ باقی اوقات سے بڑھ کر جواد و سخی ہوتے تھے۔ کیونکہ یہ مہینہ اعمال خیر و نیکی کے لیے زیادہ اشرف اور زیادہ مناسب ہے۔

[۲] کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن پاک سنایا کرتے اور ان کے ساتھ دور کیا کرتے تھے۔

[۳] یعنی جن اوقات میں حضرت جبرئیل آپ سے ملنے آتے تھے آپ ان اوقات میں آزادی سے چلنے والی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی، زیادہ تیز اور زیادہ اچھی حالت میں ہوتے تھے۔ یعنی اس ہوا سے جو بارش کی بشارت کے لیے

اس سے پہلے چلتی ہے اس میں دراصل حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قادر ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتی ہے اس کی رحمت سے آگے آگے بشارت دینے کے لیے، تو یہ ہوا بادلوں کو اٹھاتی ہے جس کے ساتھ بارشیں ہوتی ہیں۔ پھر ان بارشوں سے رزق و برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود شریف ہے جو خیرات و نیکیوں اور برکات کا باعث ہے خصوصًا ان اوقات میں یعنی رمضان شریف میں۔ حدیث میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ افضل اوقات اور نیکیوں کی صحبت و مجلس میسر آنے کے وقت فعل خیر اور کسب خیرات میں زیادہ کوشش کیا کرے اس حدیث کو باب اعتکاف میں اس مناسبت کی بنا پر لایا گیا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں اعتکاف میں ہوتے تھے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال قرآن پیش کیا جاتا تھا[۱]۔ پھر جس سال آپ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ آپ پر قرآن پیش کیا گیا اور آپ ہر سال رمضان کے دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے اور جس سال آپ نے وصال فرمایا اس میں بیس[۲] دن اعتکاف کیا

(بخاری)

[۱] پیش کرنے والے حضرت جبرئیل ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبرئیل علیہ السلام پر قرآن پیش کرنے کی اس سے کوئی منافات نہیں جیسا کہ حدیث اول کا مدلول ہے کیونکہ پہلے حضرت جبرئیل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل پر قرآن پیش کرتے تھے۔ جیسے شیخ حدیث سے حدیث سماع کرنے پھر اس کے سامنے پڑھنے میں ہوتا ہے۔ اس میں طریقہ قراءت میں انتہائی مضبوطی اور عمدگی پائی جاتی ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے سامنے بطور مدارست و تکرار قرآن پاک پڑھتے جس طرح حفاظِ قرآن ایک دوسرے کے ساتھ دور قرآن کیا کرتے ہیں۔

[۲] حدیث میں یہاں دو عشرہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور بیس دن کا بھی، مآل دونوں عبارتوں کا ایک ہی ہے اور آپ نے وصال مبارک کے سال جو بیس دن کا اعتکاف کیا وہ درگاہِ حق تعالیٰ میں پہنچنے کے کمال شوق و تیاری کی وجہ سے تھا۔ بیت

وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

(ترجمہ) وصل کا وعدہ جب نزدیک آجاتا ہے تو شوق کی آگ تیز ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَكَفَ اَدْنٰى اِلَىَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہوتے تھے تو اپنا سر مبارک میرے قریب کرتے تھے اور میں آپ کے سر مبارک کو کنگھی[1] کرتی تھی اور آپ مسجد سے گھر میں تشریف نہ لاتے تھے مگر انسانی حاجت کے[2] لیے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ فَاُرَجِّلُهٗ آیا ہے ترجیل سے۔ ترجیل کا معنیٰ ہے بالوں کو کنگھی کرنا اور بال نیچے لٹکانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کے لیے سر مسجد سے باہر نکالنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[2] جیسے بول و براز کے لیے یوں ہی غسل جنابت کی غرض سے کیونکہ اس صورت میں مسجد سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے یوں ہی نماز جمعہ کے لیے نکلنا بھی ٹھیک ہے مگر غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنے کے جواز میں میں نے اصول میں کوئی روایت نہیں پائی ماسوائے اس کے کہ شرح اوراد میں فرمایا کہ آپ مسجد سے غسل کی خاطر باہر نکلتے تھے۔ وہ غسل فرض ہوتا یا نفل۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِى الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے جاہلیت میں مسجد خانہ کعبہ میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لیے[1]

(بخاری، مسلم)

[1] اس حدیث سے امام شافعی نے اور امام احمد نے ان سے ایک روایت کے مطابق یہ استدلال کیا ہے، کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں مگر جب کہ نذر کے ساتھ روزہ بھی لازم کرے۔ کیونکہ اگر اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہوتا تو اس طرح اس شرط کے پورا کرنے کا حکم نہ دیتے۔ مگر اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ایک دن کے اعتکاف کی نیت کی پس وہ حدیث جس میں رات کا ذکر ہے اس سے دن رات مراد ہیں جیسا کہ لفظ یوم سے دن رات دونوں مراد ہوتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما دونوں کے نزدیک مطلق اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔ وہ

اعتکاف واجب ہو یا نفل۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو آ رہی ہے ۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے لَا اِعْتِکَافَ اِلَّا بِالصَّوْمِ یعنی روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ۔ اور حدیث اس امر میں صریح ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے ایک سال اعتکاف نہ کیا تو دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا[1]۔ (ترمذی ، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)

[1] اور گذشتہ سال کے اعتکاف کی قضا کی ۔ یہ عمل بظاہر وجوب اعتکاف کی علامت ہے تاہم سنت مؤکدہ کی قضا کا ذکر بھی آیا ہے ۔ جیسا کہ سنت ظہر کی قضا بعد نماز عصر آئی ہے یہ بات کتاب الصلوۃ میں گذری ہے ۔

عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّعْتَکِفَ صَلَّی الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِیْ مُعْتَکَفِہٖ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھتے پھر آپ جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے ۔ (اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا[1])

[1] علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور دیگر اصحاب صحاح نے بھی طویل حدیث کی صورت میں اسے روایت کیا ہے ۔ پھر اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کی ابتداء عشرہ آخری کی صبح سے کرے ۔ اسی کے قائل ہیں ۔ امام اوزاعی، سفیان ثوری اور لیث ایک قول میں ۔ اور امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالی اس پر ہیں کہ جائے اعتکاف میں پہنچ آئے غروب آفتاب کے وقت جس نے مہینے کا اعتکاف کرنا ہو یا آخری دس دنوں کا وہ اس حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد میں تشریف لائے، جب آپ نے صبح کی نماز ادا کی تو وہ حجرہ جو آپ کے اعتکاف کے لیے بنایا گیا تھا اس میں تشریف لے آئے۔ اور لوگوں سے میل ملاپ منقطع کر دیا۔ اور تنہائی اختیار کر لی۔ جائے اعتکاف سے وہ حجرہ مراد ہے جو ٹاٹ وغیرہ سے آپ کے لیے بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے اس طرح اعتکاف کا وقت تو غروب آفتاب سے شروع ہوا مگر علیحدگی و تنہائی صبح کے وقت سے ہی اختیار کر لی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَ هُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ فَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی بیمار پرسی کرتے تھے حالانکہ آپ اعتکاف میں ہوتے تھے تو آپ مخصوص ہیئت میں گذارتے[1] تھے اور آپ کسی جانب متوجہ نہ ہوتے[2] تھے۔ بیمار سے اس کا حال دریافت کرتے تھے[3] (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی آپ عیادت کے لیے جس شکل و ہیئت سے جاتے تھے بالکل اسی حالت میں واپس جائے اعتکاف میں آجاتے تھے۔

[2] کہ نہ تو آپ راستے میں اِدھر اُدھر متوجہ ہوتے تھے نہ ہی راہ میں کھڑے ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ بیمار کے پاس جاتے اور اس کا حال دریافت فرماتے۔ یہاں حدیث میں لفظ "لَا يُعَرِّجُ" آیا ہے۔ تعریج سے بمعنی کھڑے ہونا اور اِدھر اُدھر مائل ہونا۔

[3] یہ عیادت کا بیان ہے طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چاروں ائمہ کے نزدیک طے شدہ مسئلہ ہے کہ معتکف جب جائے اعتکاف سے قضائے حاجت کے لیے نکلے اور راستہ میں اتفاق سے بیمار کی بیمار پرسی کر لے یا نماز جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو ان امور کے علاوہ کسی اور جانب متوجہ نہ ہو اور نہ ہی اپنے راستے سے اِدھر اُدھر پھرے اور نماز پڑھنے کی مقدار سے زیادہ وقت کھڑا نہ ہو تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ اور اگر اپنے راستے سے اِدھر اُدھر مڑ جائے یا زیادہ دیر کھڑا رہے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور حسن و نخعی نے کہا کہ معتکف کے لیے نماز جمعہ، عیادت مریض اور نماز جنازہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔ حضرت حسن و نخعی کا بیان ختم ہوا۔

وَعَنْهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کو نہ جائے اور نہ نماز جنازہ کے لیے جائے[1] اور نہ عورت کو چھوئے

يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

اور نہ اس سے مباشرت کرے[۲]۔ اور سوائے حاجت[۳] ضروری کے کسی کام کے لیے نہ نکلے۔ اور اعتکاف درست نہیں مگر روزے[۴] کے ساتھ اور اعتکاف جائز نہیں مگر مسجد جامع میں[۵]۔

(ابوداؤد شریف)

❖ ❖

[۱] مگر اس شکل میں جس کا ذکر گزشتہ حدیث میں ہوا۔

[۲] عورت کو چھونے کا مطلب ہے اس کے جسم کو ہاتھ لگانا۔ اور لفظ مباشرت بھی اسی معنی میں آتا ہے بشرہ کا معنیٰ ہے ظاہر چمڑے کی شکل۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مسّ سے مجامعت مراد ہے۔ اس سے بالاتفاق اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر مباشرت شرمگاہ عورت کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو تو بعض کہتے ہیں اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر انزال ہو جائے تو ٹوٹ جاتا ہے، انزال نہ ہو تو نہیں ٹوٹتا ہدایہ میں کہا کہ اگر معتکف نے غیر فرج (شرمگاہ) میں جماع کیا۔ اور انزال ہو گیا یا بوسہ لیا یا مس کیا اور انزال ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ معنیٰ جماع ہی ہے یہاں تک کہ ایسا کرنے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور انزال نہ ہو تو اعتکاف باطل نہ ہوگا اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے۔

[۳] جیسے قضائے حاجت وغیرہ کے لیے

[۴] یہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔

[۵] یہاں جامع مسجد سے جماعت والی مسجد مراد ہے یا بہ اولیٰ اور افضل اعتکاف کا بیان ہے واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوْضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کرتے تو آپ کے لیے چٹائی بچھائی جاتی تھی جو آپ کی تھی اور آپ کے لیے آپ کی چارپائی بھی بچھائی جاتی تھی[۱] ستون توبہ کے پیچھے[۲]۔

(ابن ماجہ شریف)

۱؎ جس پہ آپ سوتے تھے اور چارپائی پر جب بستر نہ ہو تو اسے عربی میں سریر کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں او یوضع یعنی واؤ کے بجائے کلمہ او (معنی یا) کے ساتھ آیا ہے۔

۲؎ یعنی آپ کے لیے آپ کی چٹائی اور چارپائی ستون توبہ کے پیچھے یا آگے بچھائی جاتی تھی۔ اس ستون کا نام ستون توبہ تھا۔ اہل سیر فرماتے ہیں یہ وہ ستون تھا جس کے ساتھ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے قبولیت توبہ تک اپنے آپ کو باندھا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ کتب سیر و احادیث میں مسطور و مذکور ہے یہاں حدیث میں لفظ اسطوانہ آیا ہے۔ ہمزہ کی پیش سین ساکن یعنی ستون۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ وَهُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَ يُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ اسے گناہوں سے بچایا جاتا ہے اور اسے تمام نیکیاں کرنے والے انسان کی طرح نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۱؎۔ (ابن ماجہ شریف)

۱؎ یعنی معتکف کو ان تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ جو وہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ جیسے بیمار کی عیادت، نماز جنازہ میں شرکت اور بھائیوں وغیرہ کی زیارت و ملاقات۔ یہاں حدیث میں ایک روایت یجزی کے بجائے یجزی کے ساتھ بھی ہے۔ یجزی اجزاء سے مشتق ہے۔

كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ

فضائل قرآن مجید

لفظ فضائل فضیلت کی جمع ہے. فضل (اضافہ) نقص (کمی) کی ضد سے مشتق ہے۔ قرآن قرآت یا قرآن سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا۔ جوڑنا۔ قرآن مجید میں قصص، امر و نہی وعدہ و وعید اور سورتوں و آیتوں کو جمع کیا گیا ہے اور ایک دوسرے سے جوڑا گیا ہے۔ صاحب صحاح و قاموس نے مادہ قرآت کے باب میں ذکر کیا نہ کہ قرآن کے باب میں اور وہی ظاہر ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو قرآن سکھائے[1] (بخاری شریف)

[1] علماء نے فرمایا ہے مراد یہ ہے کہ یہ شخص بھی بہتر لوگوں میں سے ہے کیونکہ بہتر ہونا معلم و متعلم کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی آیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایک شخص نے بقدر ضرورت قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تو اس کی تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ کا درجہ برابر ہے۔ بقدر ضرورت سے زیادہ فقہ حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مگر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ تعلیم و تعلم قرآن سے کلمات قرآن کی تعلیم و تعلم مراد ہو۔ ورنہ علم فقہ حاصل کرنا لوازم و توابع قرآن میں سے ہے۔ کہ خود زمانہ نبوت میں علم فقہ یہی قرآن پاک کا سمجھنا تھا۔ احادیث نبویہ اس کی تفسیر کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے باب امامت میں قاری صحابہ کرام کو سب سے زیادہ علم والا کہا گیا ہے اس میں غور کر۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّۃِ فَقَالَ اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنْ یَّغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ اِلٰی بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِیْقِ فَیَاْتِیَ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِیْ غَیْرِ اِثْمٍ وَّلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِکَ قَالَ اَفَلَا یَغْدُوْا اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَیُعَلِّمَ اَوْ یَقْرَاَ اٰیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلٰثٌ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلٰثٍ وَّاَرْبَعٌ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَّمِنْ اَعْدَادِ ھِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ صُفّہ ؎۲ میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ہر دن صبح کے وقت موضع بطحان ؎۳ یا عقیق کی جانب جائے۔ اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑی کوہان ؎۴ والی لائے بغیر کوئی گناہ اور بغیر قطع رحم کیے ؎۵۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مسجد کو نہیں جاتا پس وہاں جاکر تعلیم دیتے ؎۶ یا یا دو آیتیں کتاب اللہ کی پڑھے کہ یہ عمل اس کے لیے دو مذکورہ صفت کی اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیتوں کی تلاوت تین اونٹنیوں سے بہتر ہے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں اسی کا اندازہ اونٹوں سے بھی بہتر ہیں ؎۷

(مسلم شریف)

؎۱ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کے حالات گذشتہ صفحات میں کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

؎۲ صُفّہ (صاد کی پیش، فا کی شد) مراد مسجد نبوی سے ہے یہ مسجد نبوی شریف میں ایک طرف اس کے سامنے چھتی ہوئی جگہ تھی بعض نے کہا صُفّہ قدیم مسجد تھی جس کا قبلہ جانب بیت المقدس تھا۔ اس قبلہ کے منسوخ ہونے کے بعد اسے اپنی جگہ پر ہی رہنے دیا گیا۔ فقراءِ صحابہ جن کو اصحاب صُفّہ کہتے تھے اسی جگہ میں رہتے تھے۔

؎۳ بُطحان (با کی پیش، طا ساکن) او العقیق یا موضع عقیق۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحان کا ذکر کیا یا موضع عقیق کا۔ یہ دونوں مدینہ منورہ میں دو جگہیں ہیں یہاں بازار تھا جس میں اونٹ فروخت ہوتے تھے۔

؎۴ یہاں حدیث میں لفظ " کوماوین" آیا ہے کاف کی زبر واو ساکن یعنی بڑی موٹی کوہان والی اونٹنی۔

؎۵ جس کا جوڑنا واجب وضروری ہے۔ یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ یہ سخت ترین معصیت ہے۔

۶ بعض روایتوں میں "فیعلم" تخفیف کے ساتھ آیا ہے ۔ علم سے مشتق ہے ۔ اس صورت میں کلمہ او شک یا متعدد انواع بیان کرنے کے لیے ہے ۔

۷ یعنی پانچ چھ آیتیں پڑھنا پانچ چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس ۔ یاد رہے کہ ابل اسم جنس ہے نر و مادہ کو شامل ہے صرف اونٹ کو جمل کہتے ہیں اور صرف مادہ کو ناقہ جس طرح لفظ انسان کہ مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ پھر صرف عورت کے لیے لفظ زن اور مرد کے لیے لفظ رجل آتا ہے ۔

کوئی شخص اگر یہ کہے کہ قرآن کی ایک آیت ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اونٹوں میں کیا فضیلت ہے کہ آیتوں کی ان پر افضلیت کا ذکر کیا جائے اور قرآن کی فضیلت اس انداز میں بیان کی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اصل مراد یہ ہے کہ دینی کام میں مشغولیت اس محنت و مشقت سے بہتر ہے جو طلب رزق کے لیے اٹھائی جاتی ہے ۔ غایۃ الامر یہ ہے آپ نے اسے خاص مثال کی صورت میں بیان فرمایا اور فربہ کوہان والی اونٹنی کو مخصوص کیا کیونکہ وہ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے یا یہ مراد ہے کہ قرآن سیکھنا اور دینی کام میں مشغول رہنا معاملہ معاش میں بھی نافع اور مزید خیر و برکت کا موجب ہے اور لوگوں کی زیادہ تر مشغولیت و مصروفیت اسباب دنیا میں ہوتی ہے ۔ قرآن کریم میں فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا ۔ جب تقویٰ اختیار کر لینے دنیوی رزق میں اضافہ ہو جاتا ہے تو جو شخص امور آخرت کی ہی تیاری میں مصروف رہتا ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں ۔ اسے اللہ تعالیٰ کیا کچھ عطا فرمائے اسے سمجھ و باللہ التوفیق ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلٰثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلٰثُ اٰيَاتٍ يَّقْرَاُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس امر کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس لوٹے تو وہ ان کے اندر تین بڑی اور موٹی حاملہ[۱] اونٹنیاں موجود پائے ہم نے کہا ہاں (ضرور) فرمایا کہ قرآن کی تین آیتیں جو تم میں سے کوئی اپنی نماز میں پڑھتا ہے ۔ اس کے لیے تین ایسی اونٹنیوں سے بہتر ہیں[۲] (مسلم شریف)

لہ حدیث میں یہاں لفظ خلفات آیا ہے جمع خلف (خا کی زبر، لام کی زیر) یعنی حاملہ اونٹنیاں
لہ اس قیاس کے مطابق یہ بھی پہلی حدیث کی ہم معنی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن کا ماہر اور جامع عالم[1] فرشتوں اور نبیوں کے ساتھ ہوگا جو کہ بزرگ اور نیک لوگ ہیں۔ اور وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے مگر اسے خوب طرح نہیں پڑھ سکتا اور وہ اسے مشکل محسوس ہوتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر و ثواب[2] ہے (بخاری، مسلم)

لہ یعنی جو بندہ حفظ و تجوید قرآن میں زیرک، اسے اچھی طرح جاننے والا اور استاد ہو وہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ یہ حضرات بزرگ و نیکو کار لوگ ہیں یعنی یہ شخص دنیا میں ان جیسے نیک کام کرنے والا ہے تو دنیا میں عمل کی صورت میں ان کے ساتھ ہے اور آخرت میں بھی ان کا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ حدیث میں واقع لفظ سَفَرَة سافر کی جمع ہے یعنی کاتب سفر سے مشتق ہے۔ بمعنی کتابت یا سفیر کے معنی میں ہے۔ جو سفارت سے مشتق ہے بمعنی نمائندگی کرنا، پیغام رسانی انجام دینا اس سے مراد ملائکہ ہیں جو لوحِ محفوظ سے آسمانی صحیفوں میں باتیں درج کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر بن کر ذاتِ الٰہی کی طرف سے ہدایات لاتے ہیں نیز خدا تعالیٰ اور امتوں کے درمیان سفارت کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام مراد ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قرآن پاک لکھا یا بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں پھر حدیث میں واقع لفظ کرام کریم کی جمع ہے بمعنی عزت والے اور بررہ بار کی جمع ہے۔ بمعنی نیکوکار۔

لہ اگرچہ قرآن کا ماہر اور جامع عالم افضل و اکمل ہے مگر مشقت و دقت اٹھانے کے لحاظ سے اس دوسرے شخص کو بھی فضیلت حاصل ہے اور اجر و ثواب ثابت ہے دراصل اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ایسے شخص کو تسلی دینا اسے ثابت قدم رکھنا اور ریاضت و مشقت پر قائم کرنا ہے اسے سمجھ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جائے رشک نہیں مگر دو آدمیوں پر ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا وہ اس کے ساتھ رات اور

يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا تو وہ اسے دن اور رات کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے[1]۔

(مسلم، بخاری)

[1] کتاب العلم میں اس حدیث کی مثل ایک حدیث فضیلتِ علم میں گذر چکی ہے۔ حقیقت میں دونوں حدیثوں کا مآل ومعنی ایک ہی ہے کیونکہ علم تو قرآن ہے باقی سب علوم اس سے مستفاد ہیں مگر یہاں صرف تلاوتِ قرآن کی فضیلت ثابت کی اور یہ تلاوت بھی مفید علم ہے۔ اسے سمجھو۔

وَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَّ طَعْمُهَا مُرٌّ وَّ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَّ طَعْمُهَا مُرٌّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مومن کی مثال[2] جو قرآن پاک پڑھتا ہے ترنجبین کے میوے کی طرح ہے۔ جس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل کی طرح ہے جس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل ریحان کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ کڑوا ہوتا ہے

(بخاری، مسلم)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَ يَعْمَلُ بِهٖ

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے[3] کہ قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے

كَالْاُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ۔

مومن کی مثال میوہ ترنجبین کی طرح ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے مگر اس پر عمل کرنے والے مومن کی مثال کھجور کی طرح ہے۔

لہ یعنی اس کا قصہ اور حال "اُتْرُجَّہ" (ہمزہ کی پیش تا ساکن، راکی پیش جیم مشدد) بغیر تا کے اترج، ترنجہ اور ترنج بھی کہتے ہیں ایک روایت میں ترنجہ بھی آیا ہے یہ ایک مشہور میوہ ہے جو خوشبودار بھی ہوتا ہے اور لذیز بھی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رِيْحُهَا طَيِّبَةٌ اِلٰى اٰخِرِهٖ اسی طرح وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے لہٰذا اس سے لذت بھی محسوس ہوتی ہے اور اس سے نور کی شعاعیں بھی پھیلتی اور دوسروں تک پہنچتی ہیں۔

لہ پہلی روایت میں تو صرف مومن کے عنوان پر کفایت کی کہ مومن کا معنی عمل کو مستلزم ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ذائقہ مومن کے اعتقاد سے عبارت ہو جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ بہت سے لوگوں کو رفعت و بلندی عطا کرتا ہے[1] اور بہت سے لوگوں کو اس کے ساتھ ذلت کے گڑھے میں ڈالتا ہے[2] (مسلم شریف)

لہ یعنی ان لوگوں کو بلند مرتبہ پر فائز کرتا ہے جو اس پر ایمان لاتے، اس پر عمل کرتے اور اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اخلاص سے پیش آتے ہیں۔ اس کے برعکس ان لوگوں کو ذلیل و پست کرتا ہے جو اس کے الٹ چلتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهٗ مَرْبُوْطَةٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ ثُمَّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت اسید بن حضیر[1] رضی اللہ عنہ نے کہا اس اثناء میں کہ وہ (اسید بن حضیر) رات کے وقت سورۃ بقرہ شریف پڑھ رہے تھے۔ اس وقت ان کا گھوڑا ان کے قریب ہی بندھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے کودنا[2] شروع کر دیا۔ تو حضرت اسید بن حضیر خاموش ہو گئے اور قرآن پڑھنا ترک کر دیا۔ اس کے

قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيٰى قَرِيْبًا مِّنْهَا فَاشْفَقَ اَنْ تُصِيْبَهٗ وَلَمَّا اَخَّرَهٗ رَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَى السَّمَاۤءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَاشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ تَطَأَ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْبًا فَانْصَرَفْتُ اِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَأْسِيْ اِلَى السَّمَاۤءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجَتْ حَتّٰى لَا اَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِيْ مَا ذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلٰۤئِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجَتْ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ۔

ساتھ ہی گھوڑے کو بھی سکون ہو گیا حضرت اسید بن حضیر نے پھر قرآن پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے پھر کودنا ٹاپنا شروع کر دیا گھوڑے کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اسید خاموش ہو گئے اور گھوڑے کو بھی سکون ہو گیا حضرت اسید نے پھر قرآن پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا پھر بدکنے لگ گیا۔ (اس واقعہ کے دوران) ان کا بیٹا یحییٰ اس گھوڑے کے قریب تھا۔ حضرت اسید کو خوف لاحق ہوا کہ گھوڑا اس پر نہ آ گرے جب حضرت اسید نے اپنے بیٹے کو گھوڑے سے دور ہٹا دیا تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ سائبان کی طرح کی کوئی چیز پھیلی ہوئی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کچھ چیزیں روشن ہیں جب صبح ہوئی تو حضرت اسید نے یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن حضیر پڑھ اے ابن حضیر پڑھ۔ حضرت ابن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے پڑھا تو مجھے ڈر لاحق ہوا کہ وہ گھوڑا میرے بچے کو پامال نہ کر دے کہ گھوڑا اس کے قریب تھا اسلئے میں اپنے لڑکے یحییٰ کی طرف لوٹا اور میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سائبان کی طرح کی ایک چیز چھائی ہوئی ہے اور اسمیں چراغوں کی طرح کی چیزیں چمک رہی ہیں پھر میں اپنی جگہ سے باہر نکل آیا حتیٰ کہ اب وہ چیزیں نظر نہیں آتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے کہ وہ کیا تھا حضرت اسید نے عرض کیا میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا وہ ملائکہ تھے جو تیری آواز سن کر آئے تھے اور اگر تو پڑھتا رہتا تو لوگ اس حال میں صبح کرتے کہ وہ فرشتوں کو دیکھتے وہ فرشتے لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے (بخاری، مسلم) اور لفظ بخاری کے ہیں اور صحیح مسلم شریف میں اس طرح آیا ہے کہ وہ سائبان اوپر فضا میں چلا گیا یعنی لفظ "فخرجت" کی جگہ لفظ "عرجت فی الجو" آیا ہے یعنی وہ سائبان اوپر فضا میں چلا گیا۔

؎۱ اسید (ہمزہ کی پیش، سین کی زبر)

؎۲ حضیر (حا کی پیش، ضاد کی زبر) آپ انصاری صحابی ہیں نقبائے انصار میں سے ہیں بڑی شان والے فاضلترین صحابہ کرام میں سے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کا جنازہ اٹھانے میں شریک ہوئے اور آپ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ سنہ ۲۰ھ میں وصال فرمایا بعض نے کہا سنہ ۲۱ھ میں رحلت فرمائی

؎۳ یہاں حدیث میں لفظ جالت آیا ہے صراح میں ہے جولان یعنی گرد کا اٹھنا۔

؎۴ اور اسے کوئی تکلیف پہنچائے۔

؎۵ اس تکرار سے قراءت و تلاوت ہمیشہ کرتے رہنا مراد ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے واپس لوٹنے اور قراءت چھوڑ دینے کا عذر بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں ڈر گیا۔ الی آخرہ

؎۶ حدیث میں لفظ جو آیا ہے۔ جیم کی زبر واو مشدد۔ یعنی آسمان و زمین کے درمیان کی فضا۔ اور وادی کا کشادہ ہونا۔

؎۷ یعنی مسلم کی روایت میں فخرجت صیغہ متکلم کے بجائے عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ[۱] قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَ إِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ[۲] فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَ تَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ[۳] فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ[۴] تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گھوڑا بھی ایک رسی[۲] سے بندھا ہوا (کھڑا) تھا کہ اس گھوڑے پر بادل کی طرح کی ایک چیز چھا گئی ہے تو وہ بادل قریب ہوتا گیا اور قریب ہوتا گیا گھوڑے نے اس سے گریز[۳] کرنا شروع کر دیا جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا وہ سکینہ[۴] تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (بخاری، مسلم)

؎۱ حضرت البراء رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں۔

؎۲ شطن۔ ش اور ط دونوں کی زبر یعنی رسی یا لمبی رسی۔

؎۳ تنفر۔ تا اور یا دونوں روایتیں ہیں اور لفظ فرس مذکر و مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے

؎۴ سکینہ یعنی آرام و آہستگی اور یعنی رحمت بھی آتا ہے اور اس چیز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے آرام و

سکون اور صفائی قلب حاصل ہو اور جس سے ظلمت نفسانیت دور ہو اور جس سے ضیائے رحمت حضور ذوق و غنیمت نصیب ہو یہ رحمت و سکینہ کبھی ابر رحمت کی شکل وغیرہ میں نمودار ہوتا ہے سکینہ کی تشریح و معنی میں کتاب العلم کی فصل اول میں اس سے زیادہ گفتگو ہو چکی ہے اس میں غور کر۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْہُ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ قَالَ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ ثُمَّ قَالَ اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سعید بن معلی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے آپ کے بلانے کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ میں نے نماز مکمل کی پھر میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض[۲] کی یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا استجیبوا للہ وللرسول الی اخر الآیہ یعنی بات مانو اللہ اور رسول کی جب کہ وہ تمہیں بلائیں[۴]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت نہ بتاؤں۔ تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر جب مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ میں ضرور تجھے قرآن کی سورتوں میں سے ایک عظیم ترین سورت بتاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اعظم ترین سورت الحمد للہ رب العالمین الی آخرہ ہے یہی سورت السبع المثانی ہے اور یہی سورت القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے[۵] (بخاری شریف)

[۱] معلی۔ میم کی پیش عین کی زبر لام مشدد یہ حضرت سعید بن معلی رضی اللہ عنہ انصاری مدنی صحابی ہیں۔

[۲] اپنے جواب نہ دینے کا عذر بیان کرتے ہوئے۔

[۳] اس وجہ سے جواب نہ دے سکا۔

[۴] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو کہ اس کا بلانا خدا تعالیٰ کا بلانا اور اس کی اطاعت

خدا تعالیٰ کی طاعت ہے۔

شہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ یعنی بے شک ہم نے آپ کو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں عطا کی ہیں یا وہ آیتیں عطا کی ہیں جن کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز کی بنا پر ثنا اور تعریف کی گئی ہے۔ یا وہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتی ہیں جس کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اہل اور لائق ہے۔ کہ اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اس کی مزید تحقیق کتب تفسیر میں مذکور ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ قصہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَاُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بیشک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے[1]۔ (مسلم شریف)

[1] یعنی اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح ذکر، تلاوت اور عبادت سے خالی نہ رکھو کہ قبرستان میں جو مردے پڑے ہوتے ہیں وہ مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام نہیں کرتے اس کے بعد آپ نے وہ چیز بیان فرمائی جو گھروں اور گھر والوں کے لیے افضل اور بہت نفع مند ہے اور وہ تلاوت قرآن پاک ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رض قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ... کَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَایَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَکَةٌ وَتَرْکَهَا حَسْرَةٌ وَلَا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے قرآن پڑھا کرو کہ بیشک وہ قیامت کے دن اسے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا[1] اور دو روشن و تاباں سورتیں پڑھا کرو یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران۔ کہ بیشک وہ دونوں سورتیں قیامت کے دن آئیں گی (اس حال میں) کہ گویا وہ دو بادل ہیں[2] یا دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں یا گویا وہ پرندوں کی دو جماعتیں ہیں صف[3] باندھے ہوئے

يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وہ دونوں انھیں پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی سورۃ بقرہ کو پڑھو کہ اس سورۃ کو لینا برکت[۴] ہے اور اسے چھوڑ دینا حسرت وافسوس کی بات ہے اور سست[۵] لوگ اسے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔
(مسلم شریف)

[۱] یعنی جو لوگ ان کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں۔

[۲] قاموس میں کہا غمام بمعنی سفید ابر ۔ غیایتان دو یا کے ساتھ ۔ بمعنی ایسی دو چیزیں جو سر پر سایہ فگن ہوں جیسے بادل وغیرہ ۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ صواف آیا ہے بمعنی صفیں باندھنا ۔ اور لفظ فرقان ۔ فا کی زیر را ساکن ۔ اصل بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں مراد ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دینا ہے ۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ پڑھنے کی پھر تلقین وتاکید فرمائی ۔

[۴] اور مزید نعمت وسعادت کا سبب ہے ۔

[۵] یہاں حدیث میں لفظ بطلۃ آیا ہے ۔ اس کا معنی سستی کرنے والوں کے علاوہ جادو کرنے والے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے والوں کا بھی آتا ہے ۔

وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس[۱] بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن اور اس کے پڑھنے والوں کو جو اس پر عمل بھی کرتے تھے[۲] لایا جائے گا قرآن کریم کی پیشوائی کر رہی[۳] ہو گی سورت بقرہ اور سورۃ آل عمران گویا کہ وہ دو سفید ابر ہیں یا دو سیاہ[۴] رنگ کے سائبان ہیں ان دونوں کے درمیان فاصلہ اور فرق[۵] ہو گا ۔ گویا وہ پرندوں کی دو صفیں ہوں گی جو انھیں پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑتی ہوں گی ۔
(مسلم شریف)

سلہ نواس، نون کی زبر واؤ مشدد۔ سمعان سین کی زبر یا زیر۔ آپ صحابی ہیں ملک شام میں سکونت رکھتے تھے
سلہ یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔
سلہ یہاں حدیث میں لفظ تقدمہ آیا ہے یعنی دال کی پیش سے۔
سلہ سیاہ اس بنا پر کہ وہ مقدار میں زیادہ اور ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔
شہ یعنی نام کی وجہ سے اس کے آپس میں امتیاز و فرق ہوتا ہے۔ شرق کا لغت میں معنیٰ ہے۔ بکری کے کان چیرنا۔ بعض حضرات یہاں شرق بمعنی اشراق لیتے ہیں۔ یعنی روشن و درخشندہ ہونا۔ یہ بھی نور اور روشنی کا نام ہے۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو منذر[1]! تو جانتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں سے کون سی آیت تیرے نزدیک اعظم و بزرگ تر ہے۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی اور بزرگ آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ[2]۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک[3] مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر! تجھے علم مبارک[4] ہو۔ (مسلم شریف)

سلہ منذر، میم کی پیش، نون ساکن، ذال کی زیر۔ یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ کی کنیت ہے۔
سلہ یعنی آیت الکرسی
سلہ بعض نسخوں میں بِیَدِہٖ کا لفظ صریحاً مذکور ہے۔
سلہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قرآن کریم کی اعظم آیت دریافت

کرلینے پر ان کی مدح و ثنا کی اگرچہ وہ دریافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف روحانی اور آپ کے القا کی وجہ سے ہوئی یہاں حدیث میں مبارک لیھنک کا ترجمہ ہے ۔یا ساکن کی زبر یا ساکن نون کی زیر ۔بعض نسخوں میں یھنئک ہمزہ کے ساتھ ہے اور اصل لفظ یہی ہے ۔یھنک اس کی تخفیف ہے ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِيْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ وَلِيْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهُ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِيْ فَاِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ذمہ رمضان کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) کی حفاظت کا کام لگایا تو میرے پاس ایک آنے والا آیا اور دونوں ہاتھوں سے اس صدقہ فطر کا غلہ لینا شروع کر دیا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا کر لے جاؤنگا اس شخص نے کہا میں ایک محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کا بوجھ ہے مجھے اس کی بڑی ضرورت ہے (اس کی بات سنکر) میں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں نے صبح کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ! تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا اس نے اپنی شدید مجبوری اور اپنی عیالداری کا شکوہ کیا ۔ تو مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا ۔ آپ نے فرمایا آگاہ رہ بیشک اس نے غلط بیانی سے کام لیا وہ عنقریب پھر آئے گا آپ کے یہ خبر دینے پر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ میں نے اسکی انتظار شروع کر دی ۔ اس دوران وہ آگیا اور اس نے غلہ میں سے اٹھانا شروع کر دیا ۔ تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا لے چلوں گا ۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دے کہ میں ایک محتاج اور عیالدار ہوں ۔ میں پھر نہ آؤں گا ۔

لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَّ عِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِيْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَءْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرُبُكَ شَيْطٰنٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمٰتٍ يَّنْفَعُنِيْ

تو مجھے اس پر ترس آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر میں نے صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے اپنی شدید محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا مجھے اس پر ترس آگیا اور میں نے اس کا راستہ آزاد چھوڑ دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا آگاہ رہ بے شک اس نے جھوٹ بولا۔ اور عنقریب وہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ میں نے اس کی انتظار کرنا شروع کر دی کہ اچانک وہ آنکلا اور اس نے غلہ گندم دونوں ہاتھوں سے لینا شروع کر دیا۔ میں نے پھر اسے پکڑ لیا اور میں نے کہا کہ میں ضرور تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا لے چلوں گا۔ یہ تیسری اور آخری بار تھی۔ بے شک تو دعویٰ کرتا ہے کہ واپس نہ آئے گا مگر پھر آجاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے گا (وہ یہ کہ) جب تو اپنے بستر پر پہنچے تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کر۔ ھو العلی العظیم تک۔ کہ بے شک (آیۃ الکرسی پڑھنے سے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر ہمیشہ ایک محافظ موجود رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہ آسکے گا۔ صبح ہونے تک تو میں نے اس کو رہا کر دیا۔ پھر صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟

اللّٰہُ بِھَا قَالَ اَمَا اِنَّہٗ صَدَقَکَ وَ ھُوَ کَذُوْبٌ تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلٰثِ لَیَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاکَ شَیْطٰنٌ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

میں نے کہا اس نے کہا کہ میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہ بیشک اس نے سچ کہا۔ حالانکہ وہ باقی باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے۔ اے ابوہریرہ تو جانتا ہے کہ تو تین راتیں کس سے باتیں کرتا رہا۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔ (بخاری)

سلہ یعنی صدقہ فطر کی حفاظت کا کام میرے ذمہ لگایا تاکہ کسی دوسرے وقت میں فقراء کے اندر تقسیم کیا جائے۔

سلہ کہ میں بہت محتاج ہوں۔ عیالدار ہوں اور مجھے اس کی سخت حاجت و ضرورت ہے۔

سلہ اسے آیۃ الکرسی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں وہ آیت ہے جس میں کرسی کا لفظ آیا ہے۔

سلہ یعنی جنوں اور انسانوں میں سے کوئی شیطان تیرے قریب نہ آسکے گا۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ تو فرمایا تھا کہ اسے رہا نہ کرنا اور نہ یہ فرمایا تھا کہ اسے ضرور میرے سامنے لانا۔ اس لیے حضرت ابوہریرہ اسے رہا کر دیتے تھے۔

سلہ یعنی اس نے آیۃ الکرسی کی جو خاصیت بیان کی ہے۔ ٹھیک بیان کی ہے۔ فی الواقع آیۃ الکرسی کی وہی خاصیت ہے جو اس نے بیان کی۔

سلہ یعنی وہ شیاطین میں سے ایک شیطان تھا جو صدقات میں کمی کرنے اور جائے خیر میں خلل اندازی کے لیے آیا تھا۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَیْنَمَا جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِیْضًا مِّنْ فَوْقِہٖ فَرَفَعَ رَاْسَہٗ فَقَالَ ھٰذَا مَلَکٌ نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ لَمْ یَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر سے آواز سنی تو حضرت جبرئیل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو کھولا گیا ہے یہ آج کے دن کے

فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَیْنِ اُوْتِیْتَهُمَا لَمْ یُؤْتَهُمَا نَبِیٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَ خَوَاتِیْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا اِلَّا اُعْطِیْتَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوا کبھی نہیں کھولا گیا اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے حضرت جبرئیل نے کہا یہ ایک ایسا فرشتہ زمین پر نازل ہوا ہے جو آج کے دن کے سوا کبھی بھی نازل نہیں ہوا اس فرشتے نے آکر سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں وہ آپ سے پہلے کسی بھی نبی کو عطا نہیں کیے گئے (وہ دو نور) ایک تو سورۃ فاتحۃ الکتاب ہے دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری آیات[۳] آپ ان کا کوئی حرف ہرگز نہ پڑھیں گے مگر وہ آپ کو عطا کر دیا جائے گا[۴] (مسلم شریف)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ نقیض آیا ہے (قاف اور ضاد معجمہ کے ساتھ) یعنی ایسی آواز جو کجاوے یا پالان کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہاں دروازہ کھلنے کی آواز کا کجاوے کی آواز کے مشابہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔

۲؎ یعنی یہ راوی کا کلام ہے۔

۳؎ یعنی سورۃ بقرہ کی دو آخری آیات۔ ایک آمن الرسول دوسری ربنا لا تواخذنا آخر سورت تک۔

۴؎ یعنی آپ سورۃ فاتحۃ الکتاب اور بقرۃ کی آخری آیات میں سے کوئی حرف نہ پڑھیں گے۔ مگر اس کا ثواب آپ کو عطا کر دیا جائے گا۔ یا قبول کر لی جائیں گی وہ دعائیں جو ان سورتوں میں ہیں یعنی یہ عمل مقبول ہے۔ اور ان سورتوں میں واقع دعائیں بہر حال مقبول و مستجاب ہیں۔ یہاں حرف سے دعا کے وہ کلمات مراد ہیں جو ان سے آئے ہیں جیسے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اور رَبَّنَا لَا تُحَمِّلْنَا وغیرہ یعنی اول کے لحاظ سے اگر حروف سے حروف تہجی مراد لیے جائیں جو کلمات کے اجزاء ہیں تو یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کے ہر ہر حرف پر اجر و ثواب ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِیْ لَیْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ بقرہ کے آخر میں دو آیتیں ہیں۔ جو انہیں رات کو پڑھ کر سوتا ہے۔ وہ اس کے لیے کافی ہوتی ہیں[۱] (بخاری و مسلم)

ؔ۱ ان کا نام مبارک عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ انصاری ہے۔ رضی اللہ عنہ۔
ؔ۲ یعنی اللہ تعالیٰ جنوں و انسانوں کے شر سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یا رات کے باقی ورد و وظائف کی جگہ صرف یہی دو آیتیں کافی ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کریں۔ وہ دجالؔ۱ سے بچا لیا گیا۔ (مسلم)

ؔ۱ دجال سے دجال معہود مراد ہے۔ جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالے گا۔ یا ہر کذاب و فریبی کے شر سے بچایا جائے گا۔ دجل کا معنی لغت میں ہے۔ کذب و خیانت۔ اور دھوکا و فریب۔
ؔ۲ ترمذی شریف میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں تین آیتوں کا ذکر آیا ہے جیسا کہ فصل ثانی میں آ رہا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّقْرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بھی کمزوری دکھاتا ہے کہ ایک رات میں تیسرا حصہ قرآن پاک کا پڑھ لے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ قرآن کا تیسرا حصہ ایک رات میں کیسے پڑھا جا سکتا ہےؔ۱۔ آپ نے فرمایا سورہ قل ھو اللہ احد قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہےؔ۲۔ (مسلم شریف) اور بخاری نے اسے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ؔ۱ کہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ پڑھنا مشقت سے خالی نہیں خصوصاً ہر رات میں دوسرے اوراد و وظائف کے ساتھ اتنا حصہ قرآن پڑھنے کا اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے حقوق کی بھی رعایت ملحوظ رکھو۔
ؔ۲ یعنی ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے طور پر فضیلت و ثواب میں یہ سورت قرآن کے تیسرے حصے

کی تلاوت کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس سورت کے کئی گنا ثواب کو قرآن کے تیسرے حصے کے ثواب کے برابر کر دیتا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے مضامین تین حصوں میں منقسم ہیں۔ قصے۔ احکام۔ اور توحید۔ اور سورۃ قل ھو اللہ احد بیان توحید پر مشتمل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلٰوتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللهَ يُحِبُّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے ایک چھوٹے[1] دستے کے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی نمازوں میں قراءت کرتا اور سورۃ قل ھو اللہ پر ختم کرتا[2] تھا جب یہ مجاہدین واپس آئے تو انہوں نے اس بات[3] کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس سے دریافت کرو۔ یہ اس طرح کس لیے کرتا رہا ہے۔ صحابہ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا میں اس لیے ایسا کرتا ہوں کہ اس میں ذات رحمٰن کی صفت و ثنا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں (اس پر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بندے کو بتلادو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت[4] کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہاں حدیث میں سریہ آیا ہے۔ سین کی زبر را مخفف۔ یا کی شد سے۔ بمعنیٰ فوج کا ایک حصہ جو کسی جگہ بھیجا جائے نہ کہ لشکر عظیم۔

[2] یعنی وہ مرد جب نمازمیں اپنے ساتھیوں کی امامت کرتا تو اپنی قراءت سورۃ قل ھو اللہ احد پر ختم کیا کرتا تھا یعنی اس کی عادت یہ تھی کہ وہ سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قل ھو اللہ پڑھا کرتا تھا۔ کذا قال الطیبی۔

ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنی قراءت (سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت) کے بعد ہر رکعت میں سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھا کرتا تھا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سورہ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد پڑھا کرتا اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھتا تھا۔ اس پر اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تو اپنی قراءت اس سورت سے شروع کرتا ہے۔ پھر اس سورت (اخلاص) پر کفایت نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ اور سورت بھی پڑھتا ہے۔

یا تو یہی سورت پڑھ یا اسے چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھ۔ اس نے جواب دیا میں اس (سورۃ اخلاص) کا پڑھنا ترک نہیں کر سکتا۔ اگر تم لوگ میری امامت پسند کرتے ہو تو میں ایسا ہی کروں گا۔ ورنہ میں تمہاری امامت کرنا چھوڑ دیتا ہوں اس قریہ کے لوگ اس شخص کو اپنے لئے افضل اور اچھا جانتے تھے۔ اور اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی اور ان کی امامت کرے۔

سے یعنی اس قصہ کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔

سے یعنی اس سے دریافت کرو کہ یہ سورۃ اخلاص پڑھنے کا اس قدر پابند کیوں ہے۔

ے صحیح بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے سورۃ اخلاص ترک کرنے سے کس چیز نے روکا۔ ہر رکعت میں تو اس سورت کے پڑھنے کی پابندی کیوں کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا مجھے اس سورۃ سے خصوصی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر اس سورۃ کی محبت تجھے بہشت میں لے جائے گی۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس سورت سے پیار ہے۔ یعنی سورۃ قل ہو اللہ احد سے آپ نے فرمایا بیشک تیرے دل میں اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔[1]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ مَعْنَاهُ)	اور بخاری نے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی[2]

لے یعنی تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔

سلے یعنی امام بخاری نے یہ حدیث دوسرے الفاظ سے روایت کی۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيٰتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔	حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نہیں دیکھتا یا نہیں جانتا[1]۔ ان آیات کو جو اس رات نازل ہوئی ہیں۔ جن کی مثل کبھی کوئی آیت نہیں دیکھی گئی[2]۔ یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم شریف)

ل اس استفہامی انداز کلام سے خود تعجب میں پڑنا اور دوسروں کو تعجب میں ڈالنا مطلوب ہے۔
ل یعنی باب تعوذ میں ان کی مثل کوئی سورت دیکھنے میں نہیں آئی کیونکہ ان میں ظاہری باطنی اور جسمانی و روحانی نقصان دہ اور ناپسندیدہ امور سے بڑے مبالغہ اور تاکید سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَ وَجْهِهٖ وَ مَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب ہر رات اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہاتھ اکٹھے کرتے پھر ان میں پھونکتے[۱] اور دونوں ہاتھوں میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے[۲] پھر دونوں ہاتھ جسم کے ان تمام حصوں پر پھیرتے جہاں تک ہاتھ جا سکتے تھے۔ اپنے سر مبارک اور چہرہ انور اور بدن کے اگلے حصے سے شروع کرتے تھے[۳] اسی طرح آپ تین[۴] مرتبہ کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَابِ الْمِعْرَاجِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اور عنقریب ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کا اول لَمَّا اُسْرِيَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، باب المعراج میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

ل یہاں حدیث میں لفظ نفث آیا ہے۔ نفخ، نفث، تفل سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ نفخ کا معنی ہے اس طرح دم کرنا کہ پھونک نکلے مگر منہ کا لعاب ساتھ نہ نکلے۔ تفل کا معنی ہے اس طرح پھونکنا اور دم کرنا کہ اس کے ساتھ لعاب دہن بھی ہو۔ نفث وہ دم کرنا جو تفل سے کمتر ہو۔
ل یہاں حدیث میں واقع لفظ فقرا میں کلمہ فاء جو تعقیب کے لیے ہوتا ہے، کا مدلول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے آپ دم کرتے تھے پھر یہ سورتیں پڑھتے تھے۔ حالانکہ ظاہرا اس کے برعکس ہوتا ہے کہ پہلے پڑھتے ہیں پھر دم کرتے ہیں۔ لہٰذا بعض علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دم کرنے سے ارادہ دم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں فا تعقیب کے لیے

نہیں بلکہ واؤ کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا آپ جادوگروں کی مخالفت کے لیے پہلے دم کرتے پھر پڑھتے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ راوی یا کاتب کا سہو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سے۳ پھر بدن کے دوسرے حصوں پر پھیرتے تھے۔

سے۴ یعنی آپ یہ پڑھنا۔ دم کرنا اور بدن پر ہاتھ ملنا تین بار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض موت میں حضرت عائشہ کے دونوں ہاتھ پکڑتے تھے۔ ان پر یہ دو سورتیں پڑھتے اور دم کرتے تھے اور حضرت عائشہ کے دونوں ہاتھ اپنے جسد اطہر پر پھیرنے اور ملنے کا حکم دیتے تھے۔

سے۵ اور اس حدیث میں سورۃ بقرہ شریف کی آخری آیتوں کے عطا ہونے کا ذکر موجود ہے۔

سے۶ کہ اس کا ذکر باب المعراج میں زیادہ مناسب ہے۔ اور مصابیح میں یہ حدیث باب فضائل القرآن میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ وَ الْاَمَانَةُ وَ الرَّحِمُ تُنَادِیْ اَلَا مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ شَرْحِ السُّنَّةِ)

دوسری فصل

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گی۔ ایک قرآن پاک جو بندوں کے متعلق حجت اور دلیل بنے گا۔ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ دوسری چیز امانت ہے اور تیسری چیز رشتہ رحم ہے یہ رشتہ رحم ندا کرتا اور فریاد کرتا اور کہتا ہے لوگو آگاہ رہو جو شخص مجھے ملاتا اور جوڑتا اور میرے حق کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس سے ملا رہتا ہے اور اس کے حق کی رعایت کرتا ہے اور جو شخص مجھے کاٹتا ہے مجھے نہیں جوڑتا اور نہ میرے حق کی رعایت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب اسے کاٹ دیتا ہے اور درگاہ رحمت سے اسے دور ڈال دیتا ہے۔ (شرح سنۃ)

لہ "تین چیزیں روز قیامت عرش کے نیچے ہوں گی" اس جملے میں ان تین چیزوں کے کمال قرب اور درگاہ عزت میں بڑے اعتبار و اہتمام سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حقوق ضائع نہ کرے گا۔ اور جو ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب عطا کرے گا۔ ان پر عمل کرنے والوں کو ان کا بدلہ ضرور دے گا۔ جیسا کہ بادشاہوں کے مقربوں کا حال ہے کہ بادشاہ ان کو ضرور انعام و اکرام سے نوازتے رہتے ہیں۔

۲ہ کبھی تو بندوں کے حق میں حجت اور دلیل بنے گا جب کہ انہوں نے اس کے حقوق کی رعایت کی ہوگی۔ اور کبھی ان کے خلاف دلیل و حجت بنے گا۔ جب کہ وہ اس کے حقوق ضائع کریں گے۔ اور اس کے احکام و فرائض اور حدود سے اعراض و بے رخی کریں گے۔

۳ہ قرآن کا ظاہر وہ ہے جس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں سب مسلمان شریک ہیں۔ اور اس کا باطن وہ ہے جس کی سمجھ تک صرف خاصان حق کے ذہن ہی جاتے ہیں۔ اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان سے قرآن کے بارے میں اس کے فہم و سمجھ کے مطابق اس کے حقوق و فرائض سے متعلق مطالبہ و مواخذہ ہوگا۔

۴ہ دوسری چیز امانت ہے۔ امانت سے مراد لوگوں کے حقوق ہیں جو ان کے سوال، ان کی عزتوں اور ان کے خون سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا امانت سے لوگوں کے صرف مال مراد ہیں۔ جیسے لوگوں کی امانتیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے ان کی امانتیں مراد ہیں۔ ورنہ وہ امانت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ہے۔ اور اس سے جس امانت کی جانب اشارہ ہے۔ وہ تمام شرعی تکالیف اور احکام کو شامل ہے۔

۵ہ مذکورہ رحم کے ساتھ خاص کرنے میں اس کے غایت اہتمام و عظمت کی جانب اشارہ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا. رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب قرآن لہ سے کہا جائے گا۔ قرآن حکیم پڑھتا اور بلندی درجات کی طرف بڑھتا جا۔ اور صحیح و عمدہ طریقے سے پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا کیونکہ تیری منزل اس آیت کے پاس ہے جو تو سب سے اخیر پڑھے گا۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد و نسائی)

لہ صاحب قرآن سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کی تلاوت کا خوگر ہو اور اس پر عمل پیرا رہے۔ اس سے کہا جائے گا قرآن حکیم کو پڑھ۔ اور درجات جنت میں اوپر کو بلند ہوتا جا جس قدر کہ قرآنی آیات پڑھ سکتا ہے۔ پھر اگر سارا قرآن پڑھے گا

تو جنت کے ان آخری درجات تک پہنچ جائے گا جو اس کے لیے تیار کیے گئے اور اس کے لائق حال ہوں گے۔ یہ امر و حکم تمام اصحاب قرآن کو شامل ہے۔ انبیاء و مرسلین ہوں یا اولیاء و علماء اور دوسرے تمام صالحین کرام ان کے درجات کے مطابق۔
سلہ لغت کی کتاب صراح میں ہے ترتیل بمعنی ہموار، سکون بخش اور حروف کو نمایاں اور صاف پڑھنا ترتیل دو زبروں سے بمعنی عمدہ گفتگو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهِ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)
وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پیٹ میں قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہیں وہ ویران لہ گھر کی طرح ہے۔
(ترمذی و دارمی)
اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سلہ جس میں کوئی آدمی نہ ہو۔ حدیث میں لفظ جوف آیا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے جوف بمعنی اندرون شکم بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے زیادہ قرآن یاد نہ ہو بعض علماء نے اس میں تعمیم اختیار کی ہے بعض نے کہا ناظرہ یا حفظ کسی طرح قرآن نہ پڑھتا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جسے قرآن کی (تلاوت) نے میرے ذکر اور میرے حضور دعا کرنے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خدا تعالیٰ کو مخلوق پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔
(ترمذی۔ دارمی۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یعنی اس ذکر دعا وسوال سے باز رکھا جو قرآن کے علاوہ ہے۔

ﻪ۲ ظاہر یہ ہے کہ مانگنے والوں سے ذکر کرنے والے مراد ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ذاکرین کے بجائے سائلین فرمایا اور صرف سوال کے ذکر پر اکتفا فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر بھی درحقیقت دعا ہی ہے لیکن ذکر کنایہ واشارہ کے طور پر دعا ہے۔ کیونکہ کریم کا ذکر اور اس کی ثنا معنیٰ طلب وسوال ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے جسے میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھے میں اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔ لہٰذا ذکر دعا سے افضل ہے۔ اور قرآن تمام اذکار سے افضل ہے اور دعا قرآن کا جز ہے اور قرآن سب کو محیط ہے اور وہ جو درویش ومشائخ اپنے مریدین کو ذکر میں مشغول کرتے . اور کچھ وقت کے لیے تلاوت قرآن پاک سے روک رکھتے ہیں اس میں مصلحت یہ ہے کہ ذکر کا اثر جلدی اور واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن پاک کا اثر کچھ دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے مگر ظاہر ہونے اور زیادہ کامل اور پورے طور سے نمایاں ہوتا ہے۔ جو پھر زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ ذکر کا نتیجہ اور اثر جلدی جاتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ قرآن کریم کا اثر ملکہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بندے کو فنا سے تمام تک لے جاتا ہے مشائخ کا مشہور قول ہے۔ الفانی لایرد الی اوصافہ۔ فانی اپنی صفات بشریہ کی طرف واپس نہیں لوٹتا۔ اور قرآن کریم کا اثر دیر سے آتا اور دیر تک قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے حضرت شیخ موسف قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طالب حق قرآن اور تلاوت قرآن کے ذریعے (نماز میں ہو یا غیر نماز میں) ہر آرزو تک جو بھی وہ رکھتا ہے، پہنچ جاتا ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتٰبِ اللّٰهِ فَلَهٗ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيْمٌ حَرْفٌ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پاک کا ایک حرف بھی پڑھا۔ اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے۔ ترمذی۔ دارمی۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن صحیح ہے۔

سلہ یعنی یہ امر طے شدہ ہے کہ ہر نیکی کی جزا کم از کم دس نیکیاں ہیں۔ اس سے زیادہ کی حد نہیں اگر سوال کیا جائے کہ یہ بات تو تمام نیکیوں میں پائی جاتی ہے۔ قرآن کی فضیلت کہاں گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے ہر ایک حرف پر نیکی ملنا قرآن کی خاص نیکی ہے کہ اس کے ہر ایک جزو پر ثواب ملتا ہے۔ باقی اعمال میں ایک عمل پر ایک نیکی ملتی ہے۔ نہ کہ اس کے ہر ایک حصے پر ایک نیکی عطا ہوتی ہے۔ ہاں وہ عمل جو چند اعمال سے مرکب ہو وہاں پر ہر عمل پر جو اس پورے عمل کا حصہ ہوتا ہے نیکی عطا کی جاتی ہے۔ اسے سمجھو۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے الخ۔

سلہ یعنی میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف تنہا ایک حرف ہے۔ اسی طرح لام اور میم بھی ایک ایک حرف ہے۔ اس کلام سے یہ مراد نہیں کہ الم کے حرف ہونے کی نفی کی جائے۔ جو تین حروف سے مرکب ہے اور جو سورتوں کے ابتداء میں واقع ہے۔ اور حروف کے اسماء کا اثبات مراد ہے۔ بلکہ اسماء کی نفی اور مسمیات کا اثبات ہے جو بسیط حروف ہیں بس معنی کے لحاظ سے سورۃ بقرہ کے ابتداء میں واقع الم کی نو سے نیکیاں ہوں گی اور الم ترمیں تیس نیکیاں۔ اسے سمجھو۔

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِؓ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ يَخُوضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ

حضرت حارث اعور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں سے گزرا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مسجد میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہیں۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگوں کے اس طرز عمل کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا فی الواقع لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا ہاں واں پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آگاہ رہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے آگاہ رہو کہ عنقریب فتنہ پھیلے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے نکلنے اور نجات پانے کی کیا صورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب کہ اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں اور واقعات ہیں۔ اور تمہارے بعد آنے والے واقعات بھی ہیں نیز اس میں تمہارے لیے ہر طرح کا حکم اور فیصلہ

اَبْتَغَى الْهُدٰى فِىْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَ هُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَ هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَ الَّذِىْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَآءُ وَ لَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَ لَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَ لَا يَنْقَضِىْ عَجَآئِبُهٗ هُوَ الَّذِىْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِىْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَ مَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَ مَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَ مَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ) وَ قَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ وَ فِى الْحَارِثِ مَقَالٌ۔

موجود ہے۔ قرآن دو ٹوک بات کرتا ہے۔ [۱۰] لاف زنی سے مبرا ہے جو متکبر اور ظالم بھی اسے پس پشت ڈالے گا اللہ تعالیٰ اس کے ظلم و تکبر کو توڑ دے گا اور اسے پارہ پارہ کرے گا۔ اور جو شخص ہدایت کی روشنی غیر قرآن سے چاہے گا۔ اللہ اسے گمراہی میں ڈالے گا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی [۱۱] اور ذکر حکیم [۱۲] ہے۔ وہ صراط مستقیم ہے اور یہ قرآن ہی وہ چیز ہے جس کی برکت کے سبب نفسانی خواہشات کجی سے محفوظ [۱۳] رہتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ زبانیں ہر قسم کے اشتباہ [۱۴] سے بھی بچی رہتی ہیں اور علماء اس سے سیر [۱۵] نہیں ہوتے۔ اور اس کے بار بار تکرار و تلاوت [۱۶] سے اس میں بوسیدگی لاحق نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کے عجائبات [۱۷] ختم ہوتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات [۱۸] نہ رکے یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت و رشد کا راستہ دکھاتا ہے۔ تو ہم اس پر ایمان لے آئے جس [۱۹] نے قرآن کو پڑھا اس نے راست گوئی اختیار کی جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر و ثواب عطا کیا گیا جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف اختیار کیا اور جس نے لوگوں کو اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت نصیب ہو گئی اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ وہ حدیث [۲۲] ہے جس کا اسناد مجہول [۲۳] ہے۔ اور حارث راوی میں قیل و قال کی گئی ہے۔

[۱] حضرت حارث اعور رضی اللہ عنہ تابعی ہیں کوفی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت و مجلس اختیار کرنے میں مشہور ہیں۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ مسجد سے مسجد کوفہ مراد ہے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ یخوضون آیا ہے جس کا لغوی معنی ہے۔ پانی میں گھسنا، باتوں میں مصروف ہونا اور

کسی کام میں مشغول ہونا۔

سٓ۴ھ اور کیا واقعی اس شنیع اور برے کام میں مصروف ہیں۔ اور لغو و باطل باتوں میں گھسے ہوئے ہیں۔

۵ھ یعنی لوگوں کا آپس میں اختلاف اور بے ہودہ اور نفسانی خواہشات میں مبتلا ہونا۔

سٓ۶ھ اس فتنہ سے نجات پانے کا راستہ کونسا ہے۔

سٓ۷ھ یعنی قرآن حکیم میں گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات (عبرت) درج ہیں۔ اور اس میں تمہارے بعد آنے والے لوگوں کے حالات اور قیامت کے واقعات مذکور ہیں۔

سٓ۸ھ کہ اس میں تمہارے معاملات سے متعلق فیصلے اور واقعات بھی موجود ہیں۔

سٓ۹ھ کہ حق و باطل کے درمیان واضح فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔ یا یہ دو ٹوک انداز میں کیا گیا کلام ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ اور ابہام نہیں ہے۔

سٓ۱۰ھ یعنی اس میں بیہودہ اور نادرست باتیں نہیں ہیں۔ ہزل بمعنیٰ لاف زنی اس کے مقابل لفظ جِدّ آتا ہے۔ بمعنیٰ مبنی حقیقت پر مبنی بات۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے قول مبارک۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک یہ قرآن دو ٹوک باتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں لاف زنی کا کوئی شائبہ نہیں۔

سٓ۱۱ھ یعنی جو شخص قرآن حکیم کو اپنے پاس سے دور رکھتا ہے۔ اس کا مطیع نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز جانتا ہے۔ صرف اپنی عقل و رائے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے تو ایسے متکبر و سرکش اور حق سے عناد رکھنے والے کو اللہ توڑتا اور پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

سٓ۱۲ھ کہ یہ بندے کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ قرب میں لے جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندے اس قرآن سے تعلق قائم کر کے اس کی درگاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

سٓ۱۳ھ یعنی قرآن حکیم ایسا ذکر ہے جو دنیا و آخرت ظاہر و باطن کی سعادت و کمال کے بیان پر مشتمل ہے نیز یہ کتاب صراط مستقیم ہے کہ اس پر چل کر انسان جلدی اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

سٓ۱۴ھ یعنی قرآن مجید وہ چیز ہے جس کے سبب نفسانی خواہشات حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں الا یہ کہ انسان متشابہات کا پیرو کار بنے اور آیات محکمات پر عمل کرنا ترک کر دے۔

سٓ۱۵ھ یعنی قرآن کی یہ صفت بھی ہے کہ یہ غایت امتیاز اپنی منفرد حیثیت اور اپنی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان کی عمدگی کی بنا پر کسی دوسری چیز کے ساتھ رل مل نہیں سکتا بلکہ الگ اور ممتاز ہی رہتا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ یہ زبانوں پر دشوار اور تنگ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی تلاوت سے دلوں کو انشراح نصیب ہوتا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ لاتلبس التباس سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی پر کام کا پوشیدہ ہونا اور روشنی کا تاریکی سے رل مل جانا

۱۶؎ یعنی علماء کے علوم قرآنی حقائق و معارف کا احاطہ نہیں کر سکتے کہ وہ کسی مقام پر جا کر رک جائیں جس طرح ایک شخص جب کھانے سے خوب سیر ہو جاتا ہے تو وہ مزید کھانے سے رک جاتا ہے۔ اور اس سے فارغ ہو جاتا ہے۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا تلاوت سے سیر نہیں ہوتا جب کہ وہ اس کا معنی جانتا اور دل حاضر رکھ کر پڑھتا ہو۔ کیونکہ اس کے الفاظ میں عجیب سلاست اور لطافت پائی جاتی ہے۔

۱۷؎ یعنی بار بار پڑھنے اور اس کا تکرار کرنے سے اس میں بوسیدگی محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کی رونق و رواج میں فرق پڑھتا ہے اور نہ اس کی لذت میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی سننے والے کا دل اس سے بھرتا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ یخلق یا کی زبر لام کی پیش سے پڑھا گیا ہے اور یا کی پیش لام کی زیر سے پڑھنا بھی ایک روایت ہے۔

۱۸؎ یعنی اس کے معانی و مطالب اور اسرار و معارف کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے نہ علماء اس سے سیر ہوتے ہیں نہ اس کے بار بار تلاوت کرنے سے اکتاہٹ لاحق ہوتی ہے۔

۱۹؎ جنات اسے سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی مدح و ثناہی کرتے چلے گئے۔ اور اس کی مدح سے توقف و صبر نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بے سوچے اور عجلت میں یوں کہا۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک اور اچھے کام کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ رُشد کا معنی ہے۔ صحیح راستے پر رہنا۔ اور درست راہ پر چلنے کا سامان مہیا ہونا۔

۲۰؎ یہ بھی جنات کا مقولہ اور آیت مذکورہ کا تتمہ ہے۔

۲۱؎ یعنی اس کے بعض رجال اسناد مجہول ہیں۔

۲۲؎ یعنی حارث اعور میں جو اس حدیث کے اسناد کا آخری راوی ہے، قیل و قال کی گئی ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ ایک قول میں کہا لاباس بہ شعبی نے کہا کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ مگر بعض نے کہا ثقہ ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِيِّ	حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ	نے قرآن پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا قیامت
وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدُهُ	کے دن اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا
تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهُ اَحْسَنُ	جس کی روشنی تمہارے دنیا کے گھروں پر پڑنے والی
مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ	سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی اگر وہ سورج
الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا	تمہارے درمیان موجود ہوا تو جو اس پر عمل کرنے

ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

والا ہوگا اس کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔ (احمد و ابوداؤد)

سلہ جُہنی جیم کی پیش ہا کی زبر سے۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

سلہ اس فقرہ میں اس کی روشنی و نورانیت بطریق مبالغہ بیان کی گئی ہے۔ بعض نے کہا تاج پہنانا آخرت میں انہیں ملک و سرداری عطا کرنے سے کنایہ ہے۔

سلہ یعنی اس شخص کے متعلق تم کیا گمان کرتے ہو جو اسے پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے یعنی جس کے ماں باپ کو اس کی وجہ سے یہ درجہ اور یہ عزت حاصل ہوگی تو اس پر خود اس شخص کو قیاس کرنا چاہیے کہ اس کی شان کس قدر بلند و ارفع ہوگی۔

وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ إِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اگر قرآن کو چمڑے میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ نہ جلے گا[1] (احمد۔ ابوداؤد) (دارمی)

سلہ یعنی اس کی عظمت شان و شرف اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بفرض و تقدیر اسے آگ میں بھی ڈال دیں تو آگ اسے نہ جلائے گی تاہم قرآن کی اس عظمت کا ظہور ہر شخص کے ہاتھ پر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا قرآن کا یہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کرامت نشان کے ساتھ خاص تھا اور آپ کے زمانہ اقدس میں ہی پایا جاتا تھا۔ بعض نے کہا حدیث میں واقع آگ سے دوزخ کی آگ مراد ہے جو حق و باطل کے درمیان امتیاز و فرق کرے گی اور صحیح جگہ پر ہی وہ کام کرے گی۔ بعض نے کہا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اہاب (چمڑہ) سے انسان کا چمڑہ اور اس کا بدن مراد ہے۔ یاد رہے کہ اِھاب (ہمزہ کی زیر سے) ایسے رنگے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ میں مزید یہ مبالغہ پایا جاتا ہے کہ بے رنگا چمڑہ جلد خراب ہوتا اور جلتا ہے اور اس میں خرابی جلدی سرایت کرتی ہے۔

وَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اسے یاد کیا اور اس کے

فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کی شفاعت اس کے گھر کے ان دس افراد کے حق میں قبول کرے گا جن کے لیے دوزخ واجب[1] ہو چکی تھی۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ہم (دارمی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور حفص بن سلمان راوی قوی نہیں بلکہ ضعیف راوی سمجھا جاتا ہے۔

[1] یعنی اس کے ان گھر والوں کے حق میں شفاعت قبول کرے گا جو فاسق اور آتش دوزخ میں جلنے کے مستحق قرار پا چکے تھے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَيْفَ تَقْرَاُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَرَاَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرٰىةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَرَوَى الدَّارِمِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا تو نماز میں کس طرح کی تلاوت و قراءت کرتا ہے تو ابی بن کعب نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات اقدس کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں کی گئی اور بے شک یہ سورۃ فاتحہ سبع المثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور دارمی نے حضور کے قول مبارک ما انزلت سے روایت کیا اور ابی بن کعب اور ان کے سوال وجواب کا ذکر

مَا اُنْزِلَتْ وَ لَمْ يَذْكُرْ اُبَيَّ بْنِ كَعْبٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

نہ کیا بلکہ یوں روایت کیا من ابی ھریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انزلت فی التوراۃ ولا الانجیل ولا الزبور ولا القرآن مثلہا[۲] ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] لفظ سبع المثانی کی تفسیر فصل اول میں واقع حضرت سعید بن المعلی کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

[۲] یعنی ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کی مثل کوئی سورت نہیں۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَءُوْهُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَءَ وَ قَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَ مَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَ هُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! قرآن سیکھو پھر اسے پڑھو کہ بے شک قرآن کا حال اس شخص کے حق میں جو اسے سیکھتا پھر پڑھتا اور رات کو اس کے ساتھ قیام کرتا ہے[۱]۔ اس شکیزے کی طرح ہے جو خوشبو سے بھرا ہوا اور اس سے ہر مکان مہک[۲] رہا ہو اور اس شخص کا حال جس نے قرآن پڑھا اور سو گیا[۳] حالانکہ قرآن اس کے سینے میں موجود ہے اس شکیزے کی طرح ہے جس کا منہ اوپر سے بند کر دیا گیا ہو[۴]۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

[۱] یعنی رات کو ذکر و نفل عبادت میں اس کی تلاوت کرتا ہے۔

[۲] حدیث میں لفظ تفوح آیا ہے جو فوح سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے خوشبو کا مہکنا۔

[۳] یعنی رات کو نفل عبادت کے لیے نہ اٹھا۔ اور اس میں قرآن کی تلاوت نہ کی حالانکہ اس کے سینے میں قرآن موجود تھا۔

[۴] واضح ہو کہ حدیث کا ظاہر معنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام سے رات کو اٹھنا اور رات کی نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے۔ یہ معنی اگلے لفظ رقد (اور سو گیا) سے مفہوم ہوتا ہے بعض قیام سے قرآن پر عمل کرنا مراد لیتے ہیں اور سو جانے کو غفلت اور ترک عمل پر محمول کرتے ہیں سا سے سمجھو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص

قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ اِلٰی اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ وَ اٰیَةَ الْكُرْسِیِّ حِیْنَ یُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰی یُمْسِیَ وَ مَنْ قَرَءَ بِهِمَا حِیْنَ یُمْسِیْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰی یُصْبِحَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

سورۃ حٰم مومن لفظ الیہ المصیر[۱] تک پڑھتا ہے نیز صبح کے وقت آیۃ الکرسی پڑھتا ہے۔ وہ شام تک محفوظ[۲] رہتا ہے اور جو انہیں شام کے وقت پڑھتا ہے اسے صبح تک محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ (ترمذی و دارمی)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یعنی جو شخص اس سورت کو پڑھتا ہے جسے حٰم مومن کہتے ہیں۔ یعنی اس سورت کی پہلی آیت پوری پڑھتا ہے۔ جو کہ یہ ہے۔ حٰم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم۔ غافر الذنب وقابل التوب۔ شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو الیہ المصیر۔ یعنی یہ کتاب اللہ عزیز و علیم کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ جو گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا۔ سخت عذاب دینے والا اور بڑا طاقتور ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

[۲] یعنی اسے شام تک ظاہری باطنی آفات و بلیات سے حفاظت میں رکھا جاتا ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِاَلْفَیْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰیَتَیْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَاٰنِ فِیْ دَارٍ ثَلٰثَ لَیَالٍ فَیَقْرَبُهَا الشَّیْطٰنُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت نعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی[۲]۔ اس میں سے دو آیتیں وہ ہیں جو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں[۳]۔ یہ کسی گھر میں تین راتیں نہیں پڑھی جاتیں۔ پس شیطان اس گھر کے قریب آسکے۔ (ترمذی، دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] آپ ہجرت سے چودہ ماہ گزرنے پر مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ پہلے بچے ہیں جو انصار مدینہ کے ہاں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔ خود آپ کو اور آپ کے والدین کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

۲ یعنی ملائکہ کو اس کتاب کے لکھنے کا حکم دیا۔
۳ اس کتاب اور دو ہزار سال میں اس کتاب کی کتابت کی تحقیق شرح عربی (لمعات) میں کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ ثَلٰثَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ الْکَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورہ کہف کی پہلی تین آیات پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ اسے فتنہ دجال سے بچا لیتا ہے[1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ جس طرح اصحاب کہف کو ایک جابر بادشاہ (دقیانوس) کے شر سے بچا لیا گیا تھا۔ فصل اول میں بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بحوالہ مسلم شریف حدیث گزری کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرتا ہے وہ دجال کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے دس آیتوں کی یہ خاصیت ہو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم میں مزید وسعت ہوئی اور تین آیتوں کے پڑھنے اور یاد کرنے سے یہ حفاظت نصیب ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ يٰسٓ وَ مَنْ قَرَاَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۃ یٰسین شریف[1] ہے۔ اور جو شخص سورۃ یٰسین پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس دفعہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ)
وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

(ترمذی و دارمی)
ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ علماء فرماتے ہیں کہ دل خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سورۃ بھی مختصر عبارت اور چھوٹے حجم

کے باوجود بدرجہ اتم واکمل قرآن حکیم کے جملہ مقاصد و معارف پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم۔

۲ ؎ یعنی اس سورت کے پڑھنے کے سبب اللہ تعالیٰ دس بار قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا اور عطا کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَرَءَ طٰهٰ وَ یٰسٓ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ الْقُرْاٰنَ قَالَتْ طُوْبٰی لِاُمَّةٍ یُّنْزَلُ هٰذَا عَلَیْهَا وَ طُوْبٰی لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰی لِاَلْسِنَةٍ تَتَکَلَّمُ بِهٰذَا۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ و یٰسین پڑھی (ظاہر کی) جب فرشتوں نے قرآن[۱] پاک سنا تو کہا اس امت کو خیر و خوبی نصیب ہو جس پر یہ قرآن اترے گا۔ اور وہ سینے اور پیٹ بھی خیر و خوبی سے رہیں جن کے[۲] اندر یہ قرآن ہوگا۔ اور وہ زبانیں بھی خوش اور مسرور رہیں جن پر یہ قرآن جاری ہوگا۔

(دارمی شریف)

۱ ؎ یاد رہے لفظ قرآن اصل میں مصدر ہے بمعنیٰ قراءت۔ پھر پڑھے جانے والے (قرآن) پر اس کا اطلاق کرنے لگے۔ یہاں قرآن سے کتاب اللہ مراد لینا بھی درست ہے اور قرآن سے یا تو سارا قرآن مراد ہے کہ طٰہٰ اور یٰسین اس کا جزو ہیں یا صرف طٰہٰ اور یٰسین مراد ہیں کہ قرآن کے جزو و کل دونوں پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوتا ہے۔

۲ ؎ یعنی قرآن مجید کے حفاظ کرام۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِیْ لَیْلَةٍ اَصْبَحَ یَسْتَغْفِرُ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات کے وقت سورۃ حٰم دخان پڑھی وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کر رہے ہوتے ہیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور عمر بن خثعم[۱]

وَ عُمَرُ بْنُ اَبِیْ خَثْعَمٍ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ یَعْنِی الْبُخَارِیَّ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِیْثِ۔

راوی کو حدیث کا ضعیف راوی قرار دیا گیا ہے۔ محمد نے یعنی امام بخاری نے کہا یہ شخص منکر الحدیث ہے۔

لہ خثعم خا کی زبر ثا ساکن اور عین کی زبر سے۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ قَرَءَ حٰمٓ الدُّخَانِ فِیْ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَ هِشَامٌ اَبُوالْمِقْدَامِ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کی رات[1] میں سورۃ حٰم الدخان کی تلاوت کرتا ہے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اور کہا یہ حدیث ضعیف[2] ہے۔ اور ہشام ابوالمقدم راوی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

لہ اس حدیث میں جمعرات کی تخصیص آئی ہے۔ گزشتہ حدیث میں یہ تخصیص نہیں تھی بلکہ ہر شب میں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے جمعرات ہو یا غیر جمعہ کی رات۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جمعہ کی رات اس سورت کا پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے کہ اس میں یقیناً بڑی فضیلت ہے۔

۲ لہ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہاں غریب ضعیف آیا ہے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ ہشام ابوالمقدام راوی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

وَ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ یَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ یَّرْقُدَ یَقُوْلُ اِنَّ فِیْهِنَّ اٰیَةً خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰیَةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ رَوَی الدَّارِمِیُّ عَنْ خَالِدٍ

حضرت عرباض[1] بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات[2] سورتیں پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیت سے بہتر[3] ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

اور دارمی نے اسے خالد بن معدان[4] سے

بْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلاً) — مرسلاً روایت کیا۔

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔ — اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ آپ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ الآیہ۔

۲؎ مُسَبِّحات با کی زیر سے۔ یعنی وہ سورتیں جن کے ابتداء میں لفظ سبحان یا یسبح یا سبّح کے الفاظ ہیں جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

۳؎ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا وہ آیت مبہم ہے جس طرح شب قدر اور جمعہ کے روز قبولیت دعا کی گھڑی مبہم ہے واللہ اعلم، اور ہوسکتا ہے کہ اس سے سورہ حشر کی آخری آیت مراد ہو۔ کہ وہ ماثورہ دعاؤں میں مذکور و مشہور ہے اسی طرح اول سورۃ حدید سے تا علیم بذات الصدور تک بھی مراد لی گئی ہے۔ طیبی کے نزدیک یہ حدیث اجمال پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴؎ مَعْدان۔ میم کی زبر اور عین ساکن سے۔

۵؎ کیونکہ خالد بن معدان راوی تابعی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک قرآن حکیم میں ایک سورت ہے جو تیس آیات پر مشتمل ہے اس نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا۔ اور وہ سورت تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسَبُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے ایک قبر پر خیمہ لگایا انہیں گمان نہ تھا کہ اس جگہ قبر ہے۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ اس میں ایک

اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِيْهِ اِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

بندہ ہے جو سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے پوری سورت پڑھی، یہ ماجرا دیکھ کر وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور اس واقعہ کی آپ کو خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت روکنے والی[۲] ہے اور یہی نجات دینے والی ہے۔ جو اسے اللہ کے عذاب سے نجات دیتی ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یہاں حدیث میں لفظ خباء آیا ہے۔ خا کی زیر اور الف ممدودہ سے بمعنیٰ خیمہ۔ بعض نسخوں میں آخر میں ہمزہ کے بجائے تا آیا ہے یعنی خباۃ۔

[۲] یعنی اس سورت کی تلاوت کرنے والے سے عذاب کو باز رکھنے والی ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک کہ سورۃ الٓمّ تنزیل اور سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(احمد، ترمذی)
(دارمی)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ غَرِيْبٌ۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور اسی طرح شرح سنۃ میں بھی[۱] ہے اور مصابیح میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یعنی امام محی السنۃ نے شرح سنۃ میں بھی اسی طرح فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور کتاب مصابیح

میں کہا یہ حدیث غریب ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی۔ مگر جبکہ غریب سے شاذ مراد ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے[1]۔ اور سورۃ قل ہو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قل یا ایہا الکافرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے[2]۔ (ترمذی)

[1] کہ اس کے پڑھنے کا ثواب نصف قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

[2] سورۃ اذا زلزلت کے نصف قرآن کے برابر ہونے کی توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن میں مبدء و معاد (دنیا و آخرت) کا بیان ہے اور اس سورت میں سب آخرت کا ذکر ہے۔ سورۃ قل ہو اللہ احد کا ایک تہائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ گزشتہ بیان میں مذکور ہو چکی ہے اور سورۃ قل یا ایہا الکافرون کے ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم تقریر توحید اثبات احکام اور قصص پر مشتمل ہے یہ سورۃ تقریر توحید پر مشتمل ہے کیونکہ شرک سے براءت توحید کا اثبات ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَرَاَ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ

حضرت معقل[1] بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو صبح اٹھ کر تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیات[2] پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے وکیل[3] مقرر کر دیتا ہے۔ جو اس کے لیے شام تک دعا[4] کرتے رہتے ہیں۔

مَلَكٍ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَّاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَّمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔

اور اگر اس کی اسی دن موت آجاتی ہے تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔ اور جو بندہ شام کو یہ کلمات پڑھ لیتا ہے۔ اس کو بھی یہی مرتبہ ملتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ مَعقِل میم کی زبر عین ساکن قاف کی زیر۔ یسار یا کی زبر سین غیر مشدد۔ آپ صحابی ہیں اور اہل بیعت رضوان میں سے ہیں۔ ان سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

سلہ ہو اللہ الذی سے لے کر آخر سورت تک۔

سلہ حدیث میں لفظ وکّل آیا ہے جو توکیل سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے کسی کام کو کسی کے حوالے کرنا تاکہ وہ اس کا کام بہتر طور پر انجام دے۔

کلہ اور خدا تعالیٰ سے اس کی بخشش مانگتے رہتے ہیں۔

ھہ اور شہیدوں کا ثواب پاتا ہے۔

لہ یعنی اسے بھی وہی مرتبہ ملتا ہے جو صبح کو اٹھ کر پڑھنے والے کو ملتا ہے۔ یعنی ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرنے اور بخشش طلب کرنے پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس دن فوت ہوتا ہے تو شہیدوں کا درجہ پاتا ہے۔

شہ یعنی اگر کوئی شخص رات کے وقت یہ کلمہ یعنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم تین بار پڑھتا ہے اسی طرح سورہ حشر کی آخری تین آیات بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت پڑھنے والے کی طرح اس کی حفاظت کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں۔ یہ فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس رات میں فوت ہو جاتا ہے تو اسے شہید کی موت کا ثواب ملتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِّائَتَيْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو شخص ہر دن میں دو سو مرتبہ سورۃ قل ہو اللہ احد پڑھتا ہے اس کے پچاس سال

مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔

کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں مگر یہ کہ اُس کے ذمے قرض ہو کہ اُس کی بخشش نہیں ہوتی جب تک کہ قرض ادا نہ کرے)

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

وَفِيْ رِوَايَتِهٖ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَلَمْ يَذْكُرْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔

اور ایک روایت میں دو سو کی بجائے پچاس مرتبہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور دارمی نے اِلّا ان یکون علیہ دین کا ذکر نہیں کیا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ "مُحِیَ" آیا ہے جو محو سے بنا ہے محو کا معنیٰ ہے لکھی ہوئی چیز کو مٹا دینا اور تختی پر لکھے ہوئے نقوش کو صاف کر دینا۔

سلہ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ قرض ادا نہ کرنے کا گناہ اس سورت کے پڑھنے سے بھی نہیں مٹتا۔ یہاں قرض کو گناہ کہا گیا ہے تاکہ لوگ قرض کی ادائیگی کو اہم چیز سمجھیں اور نہ ادا کرنے کی صورت میں شدید ناراضگی کا اظہار ہے۔ اس لفظ کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ سر پر قرض موجود ہونے کی صورت میں بندے کے دوسرے گناہ بھی نہیں مٹائے جاتے اور سورت کا پڑھنا کوئی اثر نہیں دکھاتا واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَاَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرتا ہے اور دائیں پہلو پر بیٹھ جاتا ہے پھر ایک سو دفعہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے رب تعالےٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو جنت کی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص

سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کیا چیز واجب ہو گئی۔ فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اسے مالک، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اَوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِيْ فَقَالَ اقْرَأْ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت فروہ[1] بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک میرے باپ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایسی چیز کی تعلیم دیجیے جسے میں اپنے بستر پر پہنچنے کے وقت پڑھ لیا کروں[3] آپ نے فرمایا پڑھ لیا کر سورۂ قل یا ایہا الکافرون کیونکہ بے شک یہ سورت شرک سے[4] بیزار ہونے کا اعلان کرتی ہے اسے ترمذی، ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] فا کی زبر اور را ساکن آپ تابعی ہیں۔ بعض نے کہا آپ صحابی ہیں۔

[2] یعنی حضرت نوفل جو صحابی ہیں۔

[3] یعنی سونے کے وقت کیا پڑھا کروں۔

[4] کیونکہ اس سورت میں ان بتوں کی عبادت نہ کرنے کا اعلان ہے جن کی کافر عبادت کرتے ہیں پس جب تو یہ سورت پڑھ کر سوئے گا تو شرک اور اس کی آلائش سے پاک ہو کر سوئے گا اور اگر اس رات میں تو موت کی آغوش میں جائے گا تو توحید الٰہی پر مرے گا۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْ غَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مقام جحفہ[1] اور مقام الابواء کے درمیان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک ہمیں آندھی اور شدید تاریکی نے آگھیرا تو حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ نے سورۃ اعوذ برب[2] الفلق اور سورۃ اعوذ برب

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

الناس پڑھنا شروع کر دی تاکہ آپ پناہ حاصل کریں اور آپ فرما رہے تھے اے عقبہ تو بھی ان دو سورتوں کے ساتھ پناہ حاصل کر کیونکہ ان دو سورتوں کے مثل کوئی چیز نہیں ہے جس کے ساتھ پناہ حاصل کی جائے اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

۱؎ ج کی پیش اور حا کی جزم سے آخر میں حرف فا۔

۲؎ ہمزہ کی زبر اور با کی جزم ایک روایت کے مطابق ہمزہ کی زیر بھی آئی ہے۔ یہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان دو جگہیں ہیں (اللہ تعالیٰ مکہ اور مدینہ دونوں کی بزرگی اور عزت میں اضافہ کرے)

۳؎ بعض نقلی روایات میں آیا ہے کہ ان دو سورتوں سے لفظ قل چھوڑ کر بھی پڑھنا جائز ہے۔ یہ حدیث اس بات کی سند ہو سکتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ رض قَالَ خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةِ مَطَرٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَكْنَاهُ فَقَالَ قُلْ قُلْتُ مَا اَقُوْلُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُصْبِحُ وَحِيْنَ تُمْسِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن خُبَیب۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ بارش والی شدید تاریک رات میں باہر نکلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرنے کے لیے تو ہم نے آپ کو پا لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھ میں نے عرض کیا کیا پڑھوں فرمایا قل ہو اللہ احد اور معوذتین۲؎ یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس یعنی یہ تینوں سورتیں صبح شام تین تین مرتبہ پڑھ لیا کر کہ یہ تیرے لیے ہر آفت و بلا کو دفع کرنے میں کافی ہیں۔ اسے ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

۱؎ خا کی پیش اور با کی زبر۔ آپ مدنی صحابی ہیں۔ انصار کے دوستوں میں سے ہیں۔

۲؎ معوذتین م کی پیش اور ذ کی زیر

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رض

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَقْرَءُ سُوْرَةَ هُوْدٍ اَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللهِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں سورہ ہود اور سورہ یوسف پڑھا کروں (یعنی پناہ حاصل کرنے کے ارادے سے) فرمایا ہرگز تو کوئی چیز نہیں پڑھے گا جو زیادہ آسان اور زیادہ مکمل ہو پناہ جوئی کے لیے قل اعوذ برب الفلق[1] کے سوا اسے احمد نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] کیونکہ اس سورت میں تمام مخلوقات کے شر سے عموماً اور خصوصاً پناہ کا ذکر موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَآئِبَهٗ وَغَرَآئِبُهٗ فَرَآئِضُهٗ وَحُدُوْدُهٗ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] قرآن کے معنی بیان کرو اور انہیں ظاہر کرو۔ اور اس کے غرائب[2] کی پیروی کرو۔ قرآن کے غرائب اس کے فرائض اور اس کی حدود ہیں۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ اُعربوا القرآن آیا ہے۔ اعربوا اعراب سے بنا ہے جس کا معنی لغت میں بیان اور اظہار ہے زیر زبر اور جزم وغیرہ جسے اہل نحو اعراب کہتے ہیں۔ اسے اعراب کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ زیر و زبر وغیرہ سے معنی ظاہر و واضح ہوتا ہے۔ قرآن کا معنی ظاہر اور بیان کرنے میں ہر وہ شخص شریک ہے جو زبان عربی سے واقف ہونے کے بعد قرآن مجید کا معنی اور مطلب بیان کرے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پاک کے معنی بیان کرنے کے سلسلے میں اس چیز کو بیان فرمایا جس کے ساتھ اہل شریعت اور مسلمان ممتاز ہیں یعنی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک کے معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے غرائب کی پیروی کرو۔

[2] حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لفظ غرائب کی قرآن مجید کے فرائض و حدود سے تفسیر فرمائی یعنی قرآن مجید کے غرائب اس کے احکام واجبہ اور اس کی حدود ہیں یعنی سنتیں اور آداب یہ قرآن پاک کی حدود ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ قرآن مجید کے فرائض اور حدود کو لفظ غرائب سے کیوں تعبیر فرمایا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان فرائض اور حدود کو جاننے اور ان پر عمل کرنے والے صرف اہل دین ہیں۔ اور جس طرح کہ عام دنیا کے ماحول کے سامنے ایمان غریب ہے

یعنی اجنبی اور نووارد ہے۔ اس کے احکام بھی لوگوں کے لیے اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ لوگ ان سے ناواقف اور اجنبی جیسا سلوک کرتے ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ فرائض سے وراثت کے حصے اور حدود سے قرآن کے احکام مراد ہیں یا فرائض سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کی اتباع مکلف اور بالغ انسان کے لیے ضروری ہے اور حدود سے قرآن پاک کے اسرار و رموز مراد ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا قرآن مجید کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ علامہ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن مجید کو نماز میں پڑھنا اس کے غیر نماز میں پڑھنے سے افضل ہے[1]۔ اور قرآن پاک غیر نماز میں پڑھنا تسبیح کرنے اور تکبیر کہنے سے افضل ہے[2] اور تسبیح صدقے سے افضل ہے[3] اور صدقہ روزے سے افضل ہے[4]۔ اور روزہ دوزخ کی آگ کے آگے ڈھال ہے۔

❖

[1] نماز میں تلاوت قرآن کی افضل حالت یہ ہے کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد بیٹھتے ہیں۔

[2] اگرچہ یہ تسبیح و تکبیر اور حمد و ثنا نماز میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تسبیح و تکبیر حمد و ثنا کلمہ لا الہ الا اللہ۔ سب قرآن پاک کے اجزا ہیں۔ اور جز کل کے ماتحت ہوتا ہے چونکہ نماز میں قرآن پاک جو حالت قیام میں پڑھا جاتا ہے۔ قرآن پڑھنے کی تمام حالتوں سے بہتر حالت ہے اسی لیے علماء نے نماز کی حالت قیام کو رکوع و سجود سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ چونکہ حالت قیام قرآن پاک پڑھنے کی حالت ہے۔

[3] تسبیح و تحمید اور ذکر الٰہی صدقہ اور راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے اس لیے افضل ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے مشہور یہ ہے کہ وہ عبادت جس کا فائدہ خود انسان کو پہنچنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی پہنچے اس عبادت سے افضل ہے جس کا نفع خود اس کرنے والے کو ہی پہنچتا ہو۔ لیکن یہ حکم غیر ذکر الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے ذکر الٰہی افضلیت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے افضل و اکبر ہے جیسا کہ صحیح احادیث

یہی آیا ہے کہ ذکر الٰہی راہ خدا میں سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی افضل اور بہتر ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور یہ حدیث بھی جو اس کتاب (مشکوٰۃ) میں مذکور ہے انہی احادیث میں سے ہے اس میں غور کرو۔

سکہ علماء نے فرمایا ہے کہ روزہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو اپنے نفس سے کچھ وقت کے لیے روک لیتا ہے پھر خود ہی اُس مال کو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے۔ اور صدقے میں مال دوسروں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے دوسروں پر خرچ کرنا افضل اور اعلیٰ ہے اسی لیے اس حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ روزے سے افضل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت

وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری ز خود باز گیری وہم خود گیری

ترجمہ :۔ یعنی وگرنہ کیا ضرورت کہ تو مشقت اٹھائے کہ اپنے سے اپنے مال کو کچھ وقت کے لیے روک لے اور پھر خود ہی کھائے۔

روزے کی افضلیت کی جانب وہ اشارہ جو کتاب الصوم کی ایک حدیث میں گزرا کہ آدم کے بیٹے کا ہر عمل ایک کے بدلے دس کا ثواب رکھتا ہے مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لیے ہوتا ہے اور میں خود اس کا ثواب عطا کرتا ہوں۔ اپنی جگہ باقی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے مسائل میں حیثیتوں اور جہتوں کے اختلاف کا بڑا اعتبار ہے۔ اسی جانب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول مبارک میں اشارہ فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے یاد رہے کہ روزہ نفسانی شہوات کی آفتوں اور شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت و نگاہ داشت کا سبب ہے کیونکہ یہ چیزیں بندے کو دوزخ میں داخل کرتی ہیں۔ تو روزہ بندے کی حفاظت کر کے اسے بچا لیتا ہے۔ لہٰذا روزہ دوزخ کی آگ سے بچنے میں ڈھال کا کام دیتا ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ جب عبادت کی ذات پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نماز صدقے سے افضل ہے اور صدقہ روزے سے افضل ہے۔ اور اگر ان میں سے ہر ایک کے اثر اور خاصیت پر نگاہ ڈالی جائے تو روزہ افضل معلوم ہوتا ہے۔ علامہ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِيْ غَيْرِ مُصْحَفٍ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ انسان کا قرآن پاک میں سے دیکھ کر نہ پڑھنا (زبانی پڑھنا) ایک ہزار درجہ رکھتا ہے اور قرآن پاک میں

تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ۔ دیکھ کر پڑھنا دو ہزار سے بھی زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

لہ اوس ہمزہ کی زبر اور واو ساکن ثقفی تا اور ق کی زبر سے۔

ےہ یعنی حضرت عثمان اپنے دادا سے جن کا نام اوس ہے، یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان تابعی ہیں اور حضرت اوس صحابی

سہ یعنی قرآن پاک زبانی پڑھنے کا ایک ہزار درجہ ثواب ہے۔

کہ اس صورت میں ثواب زیادہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا قرآن کے حروف پر نگاہ ڈالتا اُسے چھونا اور اسے اٹھاتا ہے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن مجید پر نظر ڈالنا بھی عبادت ہے۔ بہت سے صحابہ کرام اور سلف صالحین قرآن پاک دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک میں دو قرآن پاک بوسیدہ ہوئے۔ کیونکہ آپ بڑی کثرت سے انہیں پڑھتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (کہ دیکھ کر پڑھنے کا اتنا ثواب) ہر حالت میں نہیں ربلکہ پڑھنے والا یاد پڑھنے کی صورت میں زیادہ تدبر زیادہ تفکر اور زیادہ حضور قلب سے پڑھ رہا ہو تو قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اس طرح یاد پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔ اور اگر دونوں حالتیں برابر ہوں اشتا پڑھنے والا عالم قرآن ہے تو پھر اُس کے لیے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں معنیٰ میں تفکر اور معنیٰ کو سمجھنے اور اس کے فہم پر قدرت و دسترس زیادہ پائی جاتی ہے مگر علامہ طیبی کا یہ قول قاعدہ کلیہ نہیں کہلا سکتا

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک یہ دل میل کچیل سے بہت آلودہ ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا پانی میں پڑنے کی وجہ سے کالا اور بدشکل ہو جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کو روشن کرنے اور چمکانے والی چیز کیا ہے۔ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت۔ ان چاروں مذکورہ احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان

الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ نے روایت کیا ہے۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ تصدأ آیا ہے جس کا معنی ہے زنگ آلود اور سیاہ ہو جانا۔

۲ لہ لفظ تلاوت کی تا پیش اور زیر دونوں طرح روایت آئی ہے۔ پیش کی صورت میں کثرت تلاوت کی بجائے اصل تلاوت مراد ہوگی۔

وَعَنْ اَيْفَعَ بْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ رض قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَ اُمَّتَكَ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَآئِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ایفع لہ بن عبد الکلاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن کی کونسی سورت لہ سب سے عظیم اور بزرگ تر ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا سورہ قل ہو اللہ احد اس شخص نے پھر عرض کیا قرآن میں سب سے عظیم آیت کونسی ہے آپ نے فرمایا آیت الکرسی جو اللہ لا الہ الا اللہ ہو الحی القیوم سے شروع ہوتی ہے پھر اس شخص نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ کس آیت کے بارے میں چاہتے ہیں کہ وہ آپ لہ کو اور آپ کی امت کو ملے آپ نے فرمایا سورہ بقرہ کی آخری آیت کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ خزانے ہیں جو کہ عرش کے نیچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ خزانے اس امت کو عطا فرمائے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی ایسی نہیں جو اُن میں نہ ہو۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

لہ ایفع ہمزہ کی زبر یٰ ساکن اس کے بعد حرف فا۔ الکلاعی ک کی زبر لام مخفف (یعنی غیر مشدد) اس کے بعد نقطے والا عین۔ یہ ذی الکلاع کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک جگہ ہے۔ آپ صحابی ہیں اپنی قوم کے سردار تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلا لیا تھا۔ آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور آ کر مسلمان ہو گئے۔

۲ لہ گزشتہ بیان میں یہ گزرا ہے کہ قرآن کی سورتوں میں سے اعظم اور بزرگ سورت سورۃ الفاتحہ ہے اور اس

حدیث میں سورۃ قل ہو اللہ احد کو اعظم سورت کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اپنی حیثیتوں اور جہتوں کے کے اعتبار سے اعظم سورت ہے۔ اور سورہ قل ہو اللہ احد اپنی حیثیتوں اور جہتوں کے لحاظ سے اعظم سورت ہے لہذا دونوں سورتیں اپنی اپنی حیثیت سے اعظم سورت ہیں۔

سے یعنی یا رسول اللہ آپ کونسی آیت کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ اُس کی خیر و برکت اور دعا آپ کو اور آپ کی اُمت کو عطا ہو۔

سے چنانچہ اُس کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ امن الرسول سے آخر سورت تک کی آیتیں ہیں۔ لفظ امن الرسول میں ایمان و تصدیق کی طرف اشارہ ہے اور لفظ سمعنا و اطعنا میں اسلام اور ظاہری احکام کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ الیک المصیر میں آخرت میں جزائے عمل کی جانب اشارہ ہے پھر لفظ لا یکلف اللہ نفسا الی آخرہ میں دنیاوی اور اُخروی فائدوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

حضرت عبدالملک بن عمیر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ فاتحہ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ ہر قسم کی بیماری کے لیے شفا[۲] ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

لے ع کی پیش م کی زبر سے مرسلا یعنی بطریق ارسال روایت ہے کیونکہ یہ عبدالملک بن عمیر ثقہ تابعی ہیں آپ امام شعبی کے بعد کوفے کے قاضی تھے۔

سے یعنی ہر جسمانی، روحانی درد و تکلیف اور بیماری کے لیے شفا ہے جبکہ ایمان اور یقین کے ساتھ اسے پڑھا جائے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَأَ اٰخِرَ اٰلِ عِمْرَانَ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ.

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے (یعنی حضرت عثمان نے) فرمایا کہ جو شخص رات کے وقت سورہ آل عمران کی آخری[۱] آیت پڑھتا ہے تو اُس کے لیے ساری رات جاگنے کا ثواب[۲] لکھا جاتا ہے۔

۱؎ یعنی ان فی خلق السموٰت والارض سے آخر سورت تک۔
۲؎ یعنی رات کی بیداری اور نماز تہجد پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تہجد کے لیے نیند سے بیدار ہو کر ان آیتوں کا پڑھنا بہت سی احادیث میں مذکور و مشہور ہے۔

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَآئِكَةُ اِلَى اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز سورہ آل عمران پڑھتا ہے اس کے لیے رات پڑنے تک فرشتے استغفار کرتے اور دعائے رحمت مانگتے رہتے ہیں ان دونوں احادیث کو امام دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ حضرت مکحول شام کے رہنے والے ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَآءَكُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَّقُرْبَانٌ وَّدُعَاءٌ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا)

حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا جو مجھے اس خزانے میں سے عطا کی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے تو اے لوگو انہیں سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ کیونکہ ان آیتوں کے کلمات میں رحمت ہی رحمت ہے اور یہ خدا کے قرب کا ذریعہ ہیں اور دعا بھی ہیں۔ اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

۱؎ ج کی پیش با کی زبر اور یا ساکن نفیر ن کی پیش فا کی زبر آخر میں یا ساکن۔ آپ شام کے ثقہ تابعین میں سے ہیں آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے
۲؎ یعنی ان دو آیتوں کے کلمات سیکھو اور اپنی عورتوں اور گھر کے سب افراد کو سکھاؤ۔
۳؎ جس طرح فرشتوں کی دعا میں آیا ہے کہ وہ رحمت ہی کی دعا کرتے ہیں نیز یہ آیتیں جناب صمدیت میں قرب و نزدیکی کا سبب ہیں کیونکہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح یہ آیتیں دعا بھی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کے سارے مطالب مقاصد کو شامل ہیں۔

وَعَنْ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اقْرَءُوْا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔
(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

نے فرمایا جمعہ کے روز سورہ ہود پڑھا کرو۔[۲]
اسے دارمی نے روایت کیا

ا۔ حضرت کعب بن مالک سے یہ حدیث روایت ہے۔ آپ کے والد حضرت مالک مشہور صحابی ہیں۔
۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کی جزا اور ثواب کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ اس سورت کے پڑھنے پر ثواب ملنا بالکل ظاہر بات ہے یا اس لیے ثواب و جزا کا ذکر نہ فرمایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ شمار میں نہیں آسکتا۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَاَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھتا ہے اس کے لیے دو جمعوں کے درمیانی دنوں میں روشنی پھیلا دی جاتی ہے۔[۱]
اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

ا۔ کہ اس کے لیے ایمان اور ہدایت کا نور دونوں جمعوں کے درمیانی وقفے میں پھیلا دیا جاتا ہے۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ اقْرَءُوا الْمُنْجِيَةَ وَهِيَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ فَاِنَّهٗ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَقْرَؤُهَا مَا يَقْرَءُ شَيْئًا غَيْرَهَا وَكَانَ كَثِيْرَ الْخَطَايَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْ لَهٗ فَاِنَّهٗ كَانَ يُكْثِرُ قِرَاءَتِيْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰى فِيْهِ وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهٗ بِكُلِّ خَطِيْئَةٍ حَسَنَةً وَ

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں نجات[۱] دینے والی سورت کی تلاوت کیا کرو اور وہ سورہ الٓمّٓ تنزیل[۲] ہے کیونکہ بے شک مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک[۳] شخص یہی سورت پڑھا کرتا تھا اور کوئی سورت نہیں پڑھتا تھا یہ شخص بہت ہی خطاکار اور گناہگار تھا تو اس سورت نے اپنے پر اس پر پھیلا[۴] دیے اور کہنے لگی اے میرے رب اسے بخش دے کیونکہ یہ کثرت[۵] سے میری تلاوت کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے حق میں اس سورت کی شفاعت کو

اِرْفَعُوْا لَهٗ دَرَجَةً وَقَالَ اَيْضًا اِنَّهَا تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ مِنْ كِتَابِكَ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَاِنْ لَّمْ اَكُنْ مِّنْ كِتَابِكَ فَامْحُنِيْ عَنْهُ وَاِنَّهَا تَكُوْنُ كَالطَّيْرِ تَجْعَلُ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ فَتَشْفَعُ لَهٗ فَتَمْنَعُهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَالَ فِيْ تَبَارَكَ مِثْلَهٗ وَكَانَ خَالِدٌ لَا يَبِيْتُ حَتّٰى يَقْرَأَهُمَا وَقَالَ طَاؤُسٌ فُضِّلَتَا عَلٰى كُلِّ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ بِسِتِّيْنَ حَسَنَةً (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

قبول فرمایا اور فرمایا اے فرشتو اس بندے کے لیے اس کے ہر گناہ کے بدلے نیکی لکھو اور اس کے لیے اس کا درجہ بلند کرو حضرت خالد نے یہ بھی کہا کہ بیشک یہ سورت پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں رب تعالیٰ سے جھگڑا کرتی ہے اور کہتی ہے یا اللہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو اس انسان کے حق میں میری شفاعت قبول کر اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا دے اور بے شک یہ سورت پرندے کی طرح اس انسان پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے۔ اس کے لیے شفاعت کرتی ہے اور اسے عذاب قبر سے محفوظ کرتی ہے۔ حضرت خالد بن معدان نے سورہ تبارک الذی بیدہ الملک کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ اور حضرت خالد یہ سورت رات کو پڑھنے کے بغیر نہیں سوتے تھے حضرت طاؤس نے فرمایا یہ دو سورتیں قرآن مجید کی تمام سورتوں پر ساٹھ نیکیاں زیادہ فضیلت اور درجہ رکھتی ہیں۔ اسے دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ م کی زبر اور ع ساکن۔ آپ ملک شام کے ثقہ تابعین میں سے ہیں آپ کو ستر صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

۲؎ یعنی جو عذاب دنیا اور آخرت سے نجات دینے والی ہے۔

۳؎ یعنی سورہ الم تنزیل جس میں آیت سجدہ بھی ہے۔

۴؎ یعنی اس نے صرف اسی سورت کو پڑھنا اپنا ورد بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی سورت نہیں پڑھتا تھا۔

۵؎ یعنی قبر میں وہ سورت اس کے پاس آئی اور اس پر پھیل گئی اور اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ دراصل یہ الفاظ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس سورت کے پڑھنے کا نتیجہ ثواب کی شکل میں اس پر ظاہر ہوا۔

۶؎ یعنی اے فرشتو اس کی برائیوں کو معاف کر دو اور اس کی نیکیوں کو قبول کر لو بلکہ ہر بدی کے عوض نیکی لکھو۔

اور عذاب کی بجائے اس کے لیے ثواب لکھ دو۔

ے یعنی اس کے لیے صرف گناہوں کے معاف کرنے پر کفایت نہ کر بلکہ اس کے درجات بھی بلند کر۔

ہ یعنی اسے پڑھنے والے کی جانب سے قبر میں خدا سے جھگڑتی ہے۔ اور حدیث میں واقع اگلے الفاظ اللہ تعالیٰ سے کہتی ہے۔

ؔ یعنی حضرت خالد بن معدان جو اس حدیث کے راوی ہیں رات کو نہیں سوئے تھے تاوقتیکہ ان دونوں سورتوں کو پڑھ لیتے تھے۔

نلہ یعنی طاؤس ایرانی نے کہا جو مشہور تابعین میں سے ہیں۔

سلہ یعنی یہ دو حدیثیں وہ ہیں جنہیں دارمی نے روایت کیا مؤلف نے ان دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور طاؤس کا قول ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اُسے بھی دارمی نے ہی روایت کیا یہ احادیث اگرچہ سند کے لحاظ سے مرسل ہیں لیکن حکماً مرفوع حدیث کی طرح ہیں کیونکہ یہ چیزیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں جیسا کہ پہلی حدیث میں ہم اس کی جانب اشارہ کر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ[۱۲] قَالَ بَلَغَنِیْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّھَارِ قُضِیَتْ حَوَآئِجُہٗ.	حضرت عطاء بن رباح[۱۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن کے پہلے حصے میں سورہ یٰسین پڑھ لیتا ہے اس کی ساری حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔
(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا)	اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

سلہ لفظ رباح را کی زبر با مخفف یعنی غیر مشدد۔ آپ تابعی ہیں بلند درجہ علماء اور جلیل القدر فقہاء میں سے ہوئے ہیں۔ بڑے معتمد اور کثیر حدیث ہوئے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شان میں فرمایا میں جن جن لوگوں سے ملا ہوں اُن میں سب سے زیادہ فاضل اور کامل عطا بن رباح کو ہی پایا۔ یہ حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ رنگ کے سیاہ تھے آپ کی ایک ہی آنکھ تھی نہایت کمزور بے طاقت اعضاء والے تھے۔ لنگڑا کر چلتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے یہ بزرگ ابن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت ابوسعید، حضرت جابر، حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اٹھاسی سال کی عمر میں سن ۱۱۵ ہجری میں اس دار فانی سے آپ نے رحلت فرمائی۔

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ	حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خالص اللہ کی رضا چاہنے کے لیے سورہ یٰسں کی تلاوت کرتا ہے اُس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں تو اے لوگو اپنے مُردوں کے پاس پڑھا کرو۔

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان نے روایت کیا۔

۱؎ معقل م کی زبر ع کی جزم ادرق کی زیر۔ یسار ی کی زبر س کی جزم۔ مزنی م کی پیش زا کی زبر پھر حرف ن یہ مزنیہ کی طرف نسبت ہے جو ایک قبیلے کا نام ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ اہل بیت رضوان میں سے ہیں۔ آپ سے حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی ان پر جو موت کو جا تک رہے ہوں یعنی عالم نزع میں ہوں یہ سورت اُن کے پاس پڑھوا در انہیں سنواؤ اور اس سورت کے معنی اُن کے دلوں پر سے گزارو۔ یہ ایسا ہوگا گویا مرنے والے خود اس سورت کو پڑھ رہے ہیں اور ایسا کرنا اُن کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنے گا یہ بھی احتمال ہے کہ اس موقع پر سورہ یٰسں پڑھنے میں گناہوں سے بخشش کی خصوصیت ہو۔ اسی لیے اس وقت میں اس سورت کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ لُبَابًا وَّاِنَّ لُبَابَ الْقُرْاٰنِ الْمُفَصَّلُ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک اُنھوں نے فرمایا کہ ہر چیز اپنے اندر ایک بلندی اور رفعت رکھتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورہ بقرہ ہے اور بے شک ہر چیز کا ایک مغز ہے اور قرآن کا مغز قرآن کی مفصل سورتیں ہیں۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ سنام آیا ہے جس کا اصل معنی اونٹ کی کوہان ہے پھر اس سے ہر بلند چیز کا کنایہ کرتے ہیں۔ اسی طرح سنام زمین کے وسط حصے کو بھی کہتے ہیں پھر کوہان سے رفعت اور بلندی بھی مراد لے لیتے ہیں۔

۲؎ قرآن مجید کی سورتیں سورہ حجرات کے اول سے آخر قرآن تک مفصل سورتیں کہلاتی ہیں یہاں لفظ مفصل کی تفسیر میں کچھ اور اقوال بھی ہیں جو کتاب الصلوات کے باب القراءت میں گزر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْءٍ عُرُوْسٌ وَعُرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے ہر ایک چیز کے لیے ایک دلہن[1] ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورہ الرحمٰن ہے۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ عروس آیا ہے یعنی ع کی زبر سے۔ یہ لفظ سجے ہوئے مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں حسن و جمال مراد ہے۔ جو سجے ہوئے مرد یا عورت میں پایا جاتا ہے۔ اس سورت کا حسن و جمال اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے تکرار کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کلمے کا تکرار اس سورت کو خاص حسن و جمال عطا کرتا ہے۔ پھر اس حدیث میں شے سے وہ چیز مراد ہے جس کی طرف عروس کی نسبت کرنا مناسب ہو۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ سُوْرَۃَ الْوَاقِعَۃِ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ لَمْ تُصِبْہُ فَاقَۃٌ اَبَدًا وَکَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَاْمُرُ بَنَاتِہٖ یَقْرَاْنَ بِھَا کُلَّ لَیْلَۃٍ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات میں سورہ الواقعہ پڑھتا ہے وہ فاقے[1] اور تنگ دستی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رہتا ہے اور حضرت ابن مسعود اپنی بیٹیوں کو ہر رات میں یہ سورت پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے[2]۔

(رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ فاقہ بمعنیٰ درویشی اور محتاجی۔

[2] واضح ہو کہ شارع علیہ السلام نے بعض عبادات کی خصوصیت سے رغبت دلائی ہے کیونکہ وہ دنیوی امور میں خصوصیت سے موثر اور نفع بخش ہیں۔ پھر دین کے بارے میں بھی ممد اور معاون ہیں تاکہ لوگ ہر صورت میں ان عبادات کے ادا کرنے میں مشغول رہیں۔ جس قدر بھی اُن سے ہو سکے اور یہ چیز عبادات سے محبت و شوق پیدا کرنے کا موجب ہے اور عبادات سے محبت اُس ہستی سے محبت کا ذریعہ بنتی ہے جو ان عبادات کے لیے کرائی ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ انعام فرمانے والے کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے احسان جتلاتے ہوئے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔ (اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّ تُنْدَدُمٍ -

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی مویشیوں کے ذریعے بیٹوں کے ذریعے باغات اور چشموں اور کھیتوں وغیرہ کے ذریعے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت سے محبت رکھتے تھے[1] یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ سے۔

اسے احمد نے روایت کیا۔

[1] علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سورت سے محبت رکھنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر تھی جو اس سورت میں آیا ہے کہ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم وموسیٰ۔ ترجمہ بے شک یہی باتیں پہلے صحیفوں میں بھی آچکی ہیں یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں کیونکہ قرآن پاک کے یہ الفاظ قرآن کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں۔ اور ان میں مشرکین اور اہل کتاب کا بھی رد ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اقْرَاْ ثَلٰثًا مِّنْ ذَوَاتِ الٓرٰ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّيْ وَاشْتَدَّ قَلْبِيْ وَغَلُظَ لِسَانِيْ قَالَ فَاقْرَاْ ثَلٰثًا مِّنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرِئْنِيْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَاَقْرَاَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے پڑھا دیجئے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھو جن کے ابتدا میں لفظ الٓرٰ[1] آیا ہے اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے میرا دل سخت[2] ہو چکا ہے اور میری زبان موٹی ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جن سورتوں کے ابتدا میں حٰم آیا ہے ان میں سے تین پڑھ لیا کرو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمانے پر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ پھر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی جامع سورت پڑھائیں تو آپ نے اسے سورہ اذا زلزلت الارض مکمل[3] سورت پڑھائی اس شخص نے کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق دے کر

لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

بھیجا ہے کہ میں اس سے زیادہ کبھی کچھ نہ پڑھوں گا پھر وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا۔ تو آپ نے دو دفعہ فرمایا کہ یہ پیارا مرد فلاح اور کامیابی حاصل کر گیا۔

اسے احمد، ابو داؤد نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی جو سورتیں حرف را سے شروع ہوتی ہیں اور وہ کل پانچ سورتیں ہیں ان میں سے تین پڑھ لیا کرو۔ اور ایک دوسرے نسخے میں تین کا لفظ نہیں آیا۔ بلکہ صرف اتنا آیا ہے کہ حرف المرا والی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس دوسرے نسخے کے مطابق المر والی سورتیں بھی داخل ہوں گی۔

۲؎ یعنی اس شخص نے ان سورتوں کے نہ پڑھ سکنے کا عذر بیان کرتے ہوئے عرض کیا۔

۳؎ کہ میں ان کو اس عمر میں یاد نہیں رکھ سکتا۔

۴؎ یعنی ایسی سورت پڑھائیے جو مختصر بھی ہو مگر دنیوی اور اخروی مطالب کو بھی شامل ہو اور اس میں ثواب و عذاب کا بھی ذکر ہو۔

۵؎ یعنی آخر سورت تک اسے پڑھائی اور اس سورت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ ترجمہ: جو شخص ایک رائی برابر نیک عمل کرے گا قیامت کے دن اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک رائی برابر برا عمل کرے گا اسے بھی دیکھے گا وہ مرد جس قسم کی جامعیت چاہتا تھا۔ اس سورت کے ان الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

۶؎ یعنی میں اس سورت کے یہی الفاظ پڑھوں گا انہی سے نصیحت حاصل کروں گا اور انہی پر عمل کروں گا۔

۷؎ یہاں حدیث میں لفظ رُوَیجل آیا ہے یعنی را کی پیش و کی زبر ج کے نیچے زیر یہ راجل کی تصغیر ہے۔ راجل بمعنی پیادہ یا یہ لفظ رجل بمعنی مرد کی تصغیر ہے۔ یاد رہے یہ تصغیر اظہار عظمت یا اظہار شفقت کے لیے ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالُوْا وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ہر دن میں ہزار آیت پڑھا کرے؟ صحابہ نے عرض کیا ہر دن میں ہزار آیت پڑھنے کی کون طاقت رکھتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کیا تم میں کوئی شخص

يَوْمٍ قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.)

یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۂ الھٰکم التکاثر پڑھ لیا کرے۔

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان سے روایت کیا۔

۱؎ یعنی رکاوٹوں اور دوسرے کام کاج کے باوجود تم میں سے کوئی شخص ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے۔

۲؎ یعنی اگر یہ سورت پڑھ لیا کرے تو اُسے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ اس قدر ثواب ملنے کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے اسی طرح احکام شرع کی تعداد معین کرتے ہیں جو راز پوشیدہ ہے۔ اُس کی حقیقت بھی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَاَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ بُنِيَ لَهٗ قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَاَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَءَ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا ثَلٰثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا لَّنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سعید۱؎ بن مسیب سے مرسلاً۲؎ روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی سورہ قل ہو اللہ احد دس دفعہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص یہ سورت بیس مرتبہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں دو محل بنائے جاتے ہیں۔ اور جو شخص یہ سورت تین مرتبہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ پھر تو ہم اپنے لیے بہشت۳؎ سے محل بنائیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ کشادہ۴؎ اور فراخ ہے۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ حضرت سعید بن مسیب بلند مرتبہ تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی انہوں نے یہ حدیث بطریق ارسال روایت کی ہے۔

۳؎ یعنی جبکہ اس سورت کے پڑھنے کا اس قدر زیادہ ثواب ہے تو ضرور ہم لوگ یہ سورت بہت زیادہ

پڑھیں گے اور اس کے پڑھنے کے سبب جنت میں بہت سے محل تیار کریں گے۔
ؔ یعنی خدائے تعالیٰ کی قدرت اس کی رحمت اور اس کا فضل بہت کشادہ ہے۔ اس لیے اس پر تعجب ذکر
اور اسے بعید نہ سمجھو۔ علامہ طیبی نے ان الفاظ کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
مقصد اس سورت کے زیادہ پڑھنے کی جانب میلان و رغبت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اس کا پڑھنا تو عمل قلیل ہے مگر
اس کا ثواب بہت زیادہ ہے لہٰذا حضرت عمر نے یہ کلمات تعجب اور بعید جانتے ہوئے نہیں فرمائے تھے جیساکہ
آپ کا ظاہر قول یعنی پھر تو ہم اسے بہت پڑھیں گے ،اس پر دلالت کرتا ہے تو جواب کا معنی یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ
کا ثواب اور اس کا فضل اس سے بھی وسیع تر ہے لہٰذا اے لوگو اس سورت کے پڑھنے کی طرف رغبت کرو اور کوئی
تعجب نہ کرو۔ بار ،عام انسان کے ذہن میں اس سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ نفی کی صورت میں جواب اس کو
شامل ہے مگر ایسا جواب دینا اور اس ثواب کو بعید جاننا جیساکہ علامہ طیبی نے کہا ٹھیک نہیں ہے۔ واضح ہو کہ
حدیث کی عبارت مطلق ہے۔ یعنی یہ سورت عمر میں ایک بار پڑھے یا ہر روز اس کو ورد بنائے دونوں صورتوں میں
اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بہت وسیع ہے۔

وَعَنِ الْحَسَنِؒ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِّائَۃَ اٰیَۃٍ لَمْ یُحَاجَّہُ الْقُرْاٰنُ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَمَنْ قَرَاَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِّائَتَیْ اٰیَۃٍ کُتِبَ لَہٗ قُنُوْتُ لَیْلَۃٍ وَّمَنْ قَرَاَ فِیْ لَیْلَۃٍ خَمْسَ مِائَۃٍ اِلَی الْاَلْفِ اَصْبَحَ وَلَہٗ قِنْطَارٌ مِّنَ الْاَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا۔

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بطریق ارسال یہ حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کے وقت سو آیتیں پڑھ لیتا ہے تو قرآن اس رات اس سے کوئی جھگڑا نہیں کرتا ،اور جو شخص رات کو دو سو آیتیں پڑھ لیتا ہے تو اس کے لیے ساری رات کی فرمانبرداری اور قیام و دعا اور خشوع خضوع لکھا جاتا ہے اور جو شخص رات میں پانچ سو سے ایک ہزار تک قرآن کی آیتیں پڑھ لیتا ہے وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اسے قنطار ڈھیر کی مقدار اجر و ثواب دیا جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا قنطار کیا ہوتا ہے آپ نے فرمایا بارہ ہزار کو قنطار کہتے ہیں۔

(دارمی)

لہ قرآن پاک اس شخص کے مخالف ہو جاتا ہے جو اسے نہیں پڑھتا اور اس کی تلاوت کی عادت نہیں بناتا۔ مگر جو
شخص اتنی مقدار یعنی سو آیتیں رات کو پڑھ لیا کرتا ہے تو قرآن اس سے اپنا جھگڑا اور ناراضگی ختم کر دیتا ہے۔ یہ بندہ

اس رات میں گویا قرآن کا حق ادا کر دیتا ہے۔

سلہ دراصل قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں جو مقدار میں بارہ ہزار کو پہنچا ہو۔ قاموس میں فرمایا قنطار چالیس اوقیہ سونے کے وزن کو کہتے ہیں یا دو ہزار درہم کو یا گائے کے چمڑے کو بھر دینے والا سونے اور چاندی کو قنطار کہتے ہیں۔ دراصل اس میں کثرت ثواب کا اظہار و بیان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آخری معنی (یعنی گائے کا چمڑا سونے کی مقدار زیادہ مناسب اور زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے) طیبی نے کہا کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ سونے کو کہتے ہیں اور اوقیہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ مقدار کو کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ قالو کی ضمیر امام حسن بصری کے ساتھیوں سے تعلق رکھتی ہو۔ اور لفظ قال حضرت حسن بصری سے متعلق ہو یعنی یہ بات حسن بصری نے فرمائی۔

بَابُ اٰدَابِ التِّلَاوَةِ

آداب تلاوت کا بیان

مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں میں یہ باب ترجمہ اور عنوان کے بغیر واقع ہوا ہے جس طرح کہ تتمات اور گزشتہ مضمون سے تعلق رکھنے والی باتوں کے ذکر کرنے میں مؤلف مشکوٰۃ کی عادت ہے مگر مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہاں باب کا عنوان باب آداب تلاوت و درس القرآن کے الفاظ کی صورت میں بھی آیا ہے۔ قرآن پاک بلا ناغہ اور لگاتار پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں جس طرح ورد وظائف میں ہوتا ہے۔ تجوید کے طور پر قرآن پاک سیکھنے کے لیے پڑھنے کو مشائخ اور علماء ادائے قرآن کہتے ہیں لفظ قرات تلاوت اور اداب دونوں کو شامل ہے۔ لفظ درس بھی قرات کے معنی میں آتا ہے۔ درس سے مدرسہ بنا ہے۔ جس کا معنی ہے دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا آپس میں درس و تکرار کرنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو تازہ رکھو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے البتہ قرآن پاک رسیوں میں بندھے ہوئے اونٹوں سے بھی چھوٹ جانے یعنی ہاتھ سے نکل جانے میں زیادہ سخت ہے (بخاری مسلم)

لہ یعنی قرأت اور تلاوت کو اپنی عادت بناؤ اور اس کی حفاظت نگہداشت کرو۔ تاکہ دلوں سے اتر نہ جائے اور بھول نہ جائے۔ یہاں حدیث میں لفظ تعاہد آیا ہے جس کا معنیٰ ہے دو شخصوں کا آپس میں کسی معاہدے کو تازہ کرنا اور اس کا ذکر کرنا دراصل حضور کے اس ارشاد میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ جب قرآن سے کیا ہوا عہد تازہ رکھتا ہے اور درس و تدریس کی شکل میں اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو یہ شخص گویا قرآن پاک سے کیے ہوئے عہد کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہے۔

۲لہ یعنی رسیوں سے بندھے ہوئے اونٹ رسیوں کو توڑ کر بھاگ جاتے ہیں قرآن پاک کے الفاظ و معنی اگر ان کی نگہداشت نہ کی جائے انسان کے ذہن سے نکل جانے میں ان اونٹوں سے بھی زیادہ سخت اور تیز ہیں۔ یہاں حدیث میں لفظ عقل آیا ہے جو کہ عقال کی جمع ہے بمعنیٰ اونٹ کو باندھنے کا رسہ۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ اٰيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں وہ آدمی برا ہے جو کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی ہے بلکہ یوں کہے مجھے بھلا دی گئی ہے اور قرآن پاک کا تکرار کیا کرو اور پابندی سے ایک دوسرے کو پڑھایا کرو کیونکہ یہ لوگوں کے سینوں سے بھاگ اور چھوٹ جانے میں مویشیوں سے بھی زیادہ سخت اور طاقتور ہے۔ (بخاری و مسلم۔ اور مسلم نے بعقلہا کا لفظ زیادہ بیان کیا ہے۔

لہ پہلے قول کے برا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی عبارت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ میں نے قرآن کی تلاوت چھوڑی رکھی اس کی تلاوت نہ کی اور اس سے لاپروائی برتی اس وجہ سے فلاں فلاں آیتیں میں نے بھلا دیں۔ دوسرے قول میں (مجھے بھلا دی گئی ہیں) اپنی کوتاہی پر اظہار حسرت اور شرمندگی ہے کہ میں ان آیتوں کو یاد رکھنے کی سعادت سے کیوں محروم ہو گیا اور یہ نعمت ہاتھ سے نکل جانے کا مجھے افسوس ہے یا اس دوسرے لفظ میں گناہ کا مرتکب ہونے کی تصریح سے اجتناب و پرہیز پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ میں نے فلاں فلاں آیتیں بھلا دی ہیں بے حیائی۔ بیبا کی قرآن اور ترک آداب کو ظاہر کرتا ہے۔

۲لہ یعنی جن مویشیوں کو اگر نہ باندھیں اور ان کی نگہداشت نہ کریں تو وہ بھاگ جاتے اور باہر چلے جاتے ہیں قرآن پاک سینوں سے نکل جانے میں ایسے مویشیوں سے بھی زیادہ سخت اور زور آور ہے۔

۲ے یعنی امام مسلم نے اپنی روایت میں بِعُقُلِھا کا لفظ بھی روایت کیا ہے اس لفظ کے معنی گزشتہ حدیث میں بیان ہو چکے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو یاد کرنے اور پڑھنے والے کی مثال پاؤں سے بندھے ہوئے اُن اونٹوں والوں کی طرح ہے۔ اگر ان کی نگرانی کرتے ہیں تو اپنے پاس روکے رکھتے ہیں اور اگر انہیں آزاد چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ادھر اُدھر بھاگ جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَیْہِ قُلُوْبُکُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جندب[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو اُس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دلوں کا اُلفت[2] اُس سے قائم رہے جب تمہاری طبیعت منتشر ہونے لگے، دل ادھر اُدھر[3] بٹنے لگے تو اُسے پڑھنا چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

لہ جندب د کی پیش اور زبر آپ صحابی ہیں کبھی انہیں ان کے دادے کی طرف نسبت کرتے ہوئے جندب بن سفیان بھی کہہ دیتے ہیں اور انہیں بجلی اور عقلی بھی کہتے ہیں یعنی ع اور لام کی زبر اس کے بعد حرف ق۔ پہلے آپ کوفے میں رہتے تھے پھر وہاں سے رہائش تبدیل کر کے بصرے میں آ گئے۔ آپ سے حضرت امام حسن اور ابن سیرین احادیث روایت کرتے ہیں۔

۲ے یعنی جب تک قرآن پڑھنے پر دل جما رہے اور تمہارے دلوں میں قرآن کی قرات کا ذوق و شوق اور نشاط و سرور موجود رہے۔

۳ے یعنی جب تمہاری طبیعت تبدیل ہونے لگے اور تھکاوٹ و ملالت اور دل میں انتشار و تفرقہ محسوس ہونے لگے تو قرآن پاک کا پڑھنا موقوف کر دو اور اٹھ جاؤ۔ ملالت اور بے ذوقی سے نہ پڑھو یہاں ایک نقطے کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حدیث کے لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ بندے کو چاہیے کہ قرآن پاک کی تلاوت کی عادت ڈالے رکھے تلاوت کے لیے جدوجہد کرے۔ نفس کو ریاضت اور مشقت میں ڈالے تاکہ اس کو زیادہ تلاوت کرنے سے طبیعت

ملال محسوس نہ کرے بلکہ نشاط و سرور میں اضافہ ہو کیونکہ سست اور آسودہ دل لوگ جو اس کی عادت اور اس کے لیے ریاضت اور مشقت نہیں کرتے جلدی تھک جاتے ہیں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ صرف ایک پارہ پڑھنے سے تھک جاتے ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو دس پارے پڑھ لیتے ہیں مگر ان کے ذوق و شوق میں ذرہ فرق نہیں پڑتا اور ان کے دل پر ملالت و تھکاوٹ کا ذرہ سا نشان بھی محسوس نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق مانگنی چاہیے۔ اس حدیث میں واقع لفظ اقلال وقیام کے معنی میں اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں جو ہماری شرح عربی میں مذکور ہیں۔

وَعَنْ قَتَادَةَ[1] قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا[2] ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَ يَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَ يَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔[3] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کیسی ہوتی تھی. فرمایا آپ کی قرات لمبی اور دراز ہوتی تھی۔ پھر حضرت انس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو لمبا کر کے پڑھا بسم اللہ کو بھی لمبا کیا الرحمٰن بھی لمبا کر کے پڑھا اور لفظ رحیم بھی۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] حضرت قتادہ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ مَدّاً بروزن حمراء آیا ہے۔ ایک روایت میں مدا کی بجائے بصورت صحیح مصدر مدًّا آیا ہے۔ مدًّا و مدًّا دونوں کا ایک معنی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحیح لمبائی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے یعنی بسم اللہ میں لفظ اللہ کے لام کو ٹھیک طور پر کھڑا کرتے تھے اسی طرح لفظ رحمٰن میں میم کو اور لفظ رحیم میں یا کو صحیح مقدار میں لمبا کرتے تھے۔

[3] واضح ہو کہ یہاں مد اصلی مراد ہے جسے مد طبعی کہتے ہیں کیونکہ مد والے حروف میں مد کرنا لازم اور طبیعت کے مطابق ہے جس طرح لفظ قال میں الف اور واو اور لفظ قیل میں یا۔ یہ مد حرف حرکات کے مکمل کرنے یا الف کو تھوڑا سا لمبا کرنے سے یا کچھ کم کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر اس طرح نہ پڑھا جائے تو ان حروف کا پڑھنا درست طریقے پر نہیں ہو سکتا اور مد مشہور جس سے ارباب فن تجوید بحث کرتے ہیں اسے مد فرعی کہتے ہیں اس کے دو سبب ہوتے ہیں ایک جزم و سکون اور ایک ہمزہ جو ان حروف کے بعد واقع ہوتا ہے اور حرف یا سکون کی وجہ سے مدغم بھی ہوتا ہے۔ جیسے دابۃ اور والضالین یا ادغام کے بغیر بھی جیسا کہ ان سورتوں میں جن کی ابتدا میں الف، لام، میم

قاف ق میں لون ن اور پڑھا جاتا ہے کہ ان حروف پر بھی مد سبب ادغام پڑھی جاتی ہے کسی حرف پر بعض دفعہ سکون وقف عارضی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جس طرح لفظ نستعین اور المفلحون اور اولی الالباب پھر ہمزہ یا تو ایک کلمے میں ہوگا جیسے السماء اور السوء اور جیٔ یا دو کلموں میں ہوگا جیسے ما انزل اور قالوا آمنا وفی انفسہم۔ قاری حضرات کا اس مد کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض ڈیڑھ الف کی مقدار قرار دیتے ہیں بعض اڑھائی الف سے تین الف تک بلکہ چار الف تک بھی کہتے ہیں۔ مد کی پوری تفصیل تجوید کی کتابوں میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَّا اَذِنَ لِلنَّبِيِّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی شے کے پڑھنے سے اتنا راضی اور خوش نہیں ہوتا جتنا کہ نبی کے قرآن پاک خوش آوازی سے پڑھنے سے خوش ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی چیز کو سننے اور کان لگانے پر اتنا راضی نہیں ہوتا یعنی اُسے پسند نہیں کرتا جتنا کہ وہ کسی پیغمبر کے قرآن پڑھنے پر کان لگاتا اور سنتا ہے کیونکہ پیغمبر نہایت خوش آوازی اور عمدگی سے اُس کی تلاوت کرتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَّا اَذِنَ لِلنَّبِيِّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ يَجْهَرُ بِهٖ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کان لگا کر نہیں سنتا جتنا کہ وہ کسی نبی کی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے سے جسے وہ نبی بلند آواز سے پڑھتا ہے، کان لگا کر سنتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نبی کی تلاوت کو خوش آوازی سے پڑھنے کا پابند کر دیا ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہ انتہائی خوبصورت اور بہت خوش آواز ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی جب بھی پڑھتا ہے نہایت خوش آوازی اور خوش الحانی سے پڑھتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے

بِالْقُرْاٰنِ ۔ جو قرآن پاک تغنی سے نہیں پڑھتا۔[1]

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] واضح ہو کہ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں تغنی کرنا مستحب ہے خصوصاً یہ حدیث جس میں تغنی نہ کرنے پر ڈانٹ موجود ہے ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تغنی سے بلند آواز سے پڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ پچھلی حدیث میں آیا کہ اُس کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں تغنی با القرآن سے یہ مراد ہے کہ جسے قرآن پاک کا علم مل گیا وہ لوگوں سے بے نیاز ہو گیا اور اپنے مقصود کے ساتھ غنی ہو گیا ۔ یہ لفظ غنا بمعنی گانے سے نہیں ہے یعنی خدائے تعالےٰ نے جسے علم شریعت اور قرآن پاک عطا فرمایا اُسے چاہیے کہ سب سے بے نیاز ہو کر خدا پر توکل کرے لوگوں پر اعتماد نہ کرے اُن سے کوئی طمع نہ رکھے اور اُن کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرے اور علم قرآن کو کسی دنیا کا مال و متاع جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ تغنی بمعنی استغناء یعنی بے نیازی کسی لغت میں نہیں آیا اور اس کا یہ معنی ٹھیک نہیں درست معنی وہی ہے جو پیچھے گزرا ۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ تغنی سے مراد آواز کو خوبصورت و عمدہ بنانا ہے اسی طرح آواز کی آرائش اُس میں رقت اور سوز پیدا کرنا جس کے سننے سے دلوں میں اثر و سوز پیدا ہو اور جو خدائے تعالیٰ کی خشیت اور سکون دل اور زیادتی حضور قلب کا باعث بنے ۔ اور دل کو شوق و ذوق سے بھر دے مگر خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے میں علم تجوید کے قواعد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔ کلمات و حروف کو اس طرح پڑھنا جس طرح قرینے سے موتی پروئے گئے ہوں بہت عمدہ اور بہتر انداز ہے ۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " قرآن پاک کو اپنی خوش آوازی سے زینت دو " اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول میں بھی کہ یا رسول اللہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اُسے اور زیادہ خوبصورت بنا کر پڑھتا، اس جانب اشارہ ہے ۔ قرآن پاک کی تلاوت میں حسن و عمدگی جو ان کی طبعی آواز میں پائی جاتی ہے اور اس میں تکلف اور بناوٹ کی کوشش نہیں کی جاتی جسے عرب کا لہجہ کہتے ہیں ، قرآن پاک کا پڑھنا اولیٰ اور احسن ہے مگر تکلف سے موسیقی کا انداز اختیار کرنا مکروہ ہے اور اگر سُر لگانے سے قرآن کے معنی میں ہی تبدیل واقع ہو جائے تو بالکل حرام ہے ۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ قرآن پاک کو سُر اور خوش آوازی سے پڑھنا جائز ہے جبکہ وہ حدود قراءت کے قواعد سے خارج نہ ہو ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلَی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، جب کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے

الْمِنْبَرِ اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ. قَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاۗءِ حَتّٰى اَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ مجھ پر قرآن پاک پڑھ (مجھے قرآن پاک پڑھ کر سنا) میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں حالانکہ وہ آپ پر نازل ہوا۔ آپ نے فرمایا ہے شک میں پسند کرتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن پاک سنوں۔ تو میں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا۔ وہ حال کیسا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب بس کرو میں نے حضور نبی پاک علیہ والصلوٰۃ والسلام کی طرف اپنا منہ پھیرا اور آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

(بخاری و مسلم)

؎۱ یعنی قرآن پڑھنا تو آپ کا حق ہے کیونکہ جیسا وہ نازل ہوا ہے اس طرح آپ ہی پڑھ سکتے ہیں کسی دوسرے کی کیا مجال کہ آپ کے سامنے پڑھ سکے۔

؎۲ گویا کہ دوسرے سے سننے میں حکمت یہ ہے کہ معنی کا سمجھنا اور اس میں غور و فکر دوسرے سے سننے میں زیادہ کامل و زیادہ آسان ہے سننے والا یوں سمجھتا ہے کہ یہ کلمات غیب سے اتر رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت طور سے کلام کا ظہور ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

؎۳ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پروردگار عالم فرماتا ہے ان کافروں کا کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے یعنی ہر امت کا پیغمبر اپنی امت کے خلاف فساد عقائد اور برے اعمال کے بارے میں گواہی دے گا۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ہم ان تمام پیغمبروں پر گواہ لائیں گے۔ آپ گواہی دیں گے کہ یہ سب پیغمبر اپنی امتوں کے خلاف گواہی دینے میں سچے ہیں یا اے نبی آپ اپنی امت پر گواہی دیں گے جب کہ آپ کی امت دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی۔ اس آیت سے مقصود قیامت کا دن یاد دلاتا ہے کہ عجب سخت دن ہوگا جب کہ امتوں کو پکڑا جائے گا اور پیغمبر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں جب میں نے

یہ آیت پڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ اب بس کرو آگے نہ پڑھو۔

سلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رونا اور گریہ کرنا قیامت کے ڈر کے تصور اور لوگوں کے حالات کی سختی کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق پر سب سے زیادہ رحمت اور شفقت رکھتے ہیں۔ یہ مضمون اچھی طرح ذہن نشین کرو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اٰللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی[1] ابن کعب سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن پاک پڑھوں (تجھے قرآن پڑھ کر سناؤں) اس پر حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے[2] میرا نام لیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں[3] حضرت ابی ابن کعب نے پھر عرض[4] کیا کیا اللہ رب العالمین کے حضور میں میرا ذکر آیا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ تو یہ سن کر حضرت ابی ابن کعب کی آنکھوں سے آنسو جاری[5] ہو گئے ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تجھ پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے یعنی سورہ لم یکن پڑھنے کا۔ حضرت ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا؟ فرمایا ہاں تو حضرت ابی پر گریہ[6] طاری ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ کاتب وحی ہیں اور ان چھ نفوس قدسیہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ آپ صحابہ میں سب سے اعلیٰ درجے کے قاری تھے چنانچہ آپ کو سید القراء کہا جاتا ہے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں سید الانصار کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام سید المومنین رکھا ہوا تھا۔

سلہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے میرا نام لیا ہے اور میرے نام کا وہاں ذکر ہوا ہے؟ آپ نے یہ کلمات تعجباً اور حیرت کے انداز میں اپنے نفس کی شکستگی اور گمنامی ملاحظہ کرتے ہوئے کہے کہ میں اس مقام و مرتبے کے

کب لائق ہوں کہ میرا نام اللہ تعالیٰ خود لے یا غایت شوق و لذت کی بناء پر یہ الفاظ کہے کہ کس قدر عزت افزائی اور مہربانی ہے جو آپ میرے حال پر کر رہے ہیں۔

۳؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے تیرا نام لیا ہے اور تیرا نام لے کر مجھے فرمایا ہے۔

۴؎ حضرت ابی ابن کعب نے تحقیق حال کے طور پر اپنے مزید اطمینان کے لیے بطور تعجب دوبارہ عرض کیا کہ فی الواقع تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور میرا ذکر آیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک پروردگار کے حضور میں خصوصًا تیرا ذکر آیا ہے۔

۵؎ یہ خوشی کا گریہ تھا جو محبوب کے لطف و مہربانی اور حصول وصال کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی یہ عجیب قدرت ہے کہ دل کا غم آنکھوں کے راستے باہر آتا ہے۔

۶؎ اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قرآن حکیم کے ماہر اور علم و فضل والے کے سامنے قرآن پاک کا پڑھنا مستحب ہے اگرچہ قرآن پاک پڑھنے والا سننے والے سے افضل ہی ہو۔ فضیلت یہ ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ابی ابن کعب کے سامنے قرآن پاک پڑھنا اُن کی تعلیم اور انہیں ذہن نشین کرانے کے لیے تھا تاکہ وہ اُسے یاد کر لیں اور حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ مبارک سے اپنے کانوں سے سن لیں۔ اسی بناء پر حضرت ابی ابن کعب سب صحابہ سے بڑھ کر قرآن پاک کے قاری تھے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا اے لوگو ابی ابن کعب تم سب سے زیادہ قاری ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ اکابر تابعین نے ان سے علم قرأت حاصل کیا۔ پھر اس سورت کی تخصیص کی وجہ میں علماء نے فرمایا ہے کہ یہ سورت اپنے اختصار کے باوجود دین کے اصولوں اور بنیادی امور سے متعلق بے شمار فوائد کی جامع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کی ڈانٹ۔ اخلاص عبادت اور تطہیر قلوب کا ذکر ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے علاقے کی طرف سفر کر کے جانے کے وقت قرآن پاک ساتھ لے جانے سے منع فرمایا۔

(بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّيْ لَا

مسلم کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ قرآن پاک ساتھ لے کر سفر میں نہ نکلو کیونکہ بے شک میں اس بات سے

اَمِنَ اَنْ یَّنَالَہُ الْعَدُوُّ۔ — بے خوف[1] نہیں ہوں کہ شاید وہ دشمن کے ہاتھ میں آجائے۔[2]

ؔ

[1] اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں تو قرآن پاک کتاب کی شکل میں موجود ہی نہ تھا۔ قرآن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات کے بعد کتابی شکل میں لکھا گیا تو اُسے ساتھ لے جانے سے منع کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مکمل قرآن نہیں لکھا گیا تھا لیکن جس قدر نازل ہو چکا تھا اُسے ہر ایک اپنے لیے اپنے پاس لکھ کر رکھتا اور اُس کی حفاظت کرتا تھا۔ یا یہ بات غیب کی خبروں میں سے ہے جس نے حضور کے بعد ظہور پذیر ہونا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن سے پورا قرآن مراد نہیں بلکہ قرآن کا کچھ حصہ مراد ہے۔ جسے ہر صحابی اپنے ساتھ یادداشت کے طور پر رکھتا تھا اور آپ نے اُس جماعت کو منع فرمایا تھا جس کے پاس قرآن پاک محفوظ ہوتا تھا۔ اس جماعت کو دشمن کی زمین پر سفر کرنے سے منع فرمایا تاکہ وہ قتل نہ ہو جائیں اور اتنی مقدار قرآن ضائع ہو جائے جبکہ اُن کے پاس محفوظ ہوتا تھا اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام جو قرآن پاک کے حافظ ہوتے تھے کفار سے جہاد کے لیے جنگوں میں جایا کرتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منع فرمانے کے باوجود اُن کے جانے کا کیا مطلب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ نے اُن کے اکیلے سفر میں جانے سے منع کیا لشکر میں شامل ہو کر انہیں جانے سے منع نہ کیا ہو کیونکہ لشکر کے ساتھ جانے میں اُن کی ہلاکت کوئی یقینی امر نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

[2] کیونکہ قرآن پاک کے دشمن کے ہاتھ میں آجانے سے خطرہ ہے کہ وہ اس کی بے ادبی کرے اور اُسے ضائع کر دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَۃٍ مِّنْ ضُعَفَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ اِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرْیِ وَ قَارِیٌٔ یَقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ضعفائے مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُن میں سے بعض صحابہ کے ساتھ اپنی برہنگی[3] چھپا رہے تھے اور ایک قاری ہمارے سامنے قرآن پاک پڑھ رہا کہ اچانک حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور ہمارے سروں پر کھڑے ہو گئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِىْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّذٰلِكَ خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

اگر کھڑے ہو گئے تو قرآن پاک پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں سلام کہا اور فرمایا تم لوگ کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا " ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سن رہے تھے اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں انہیں کے ساتھ صبر کرکے بیٹھوں پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپ اپنی ذاتِ پاک کو برابر حیثیت والے انسان کی طرح ظاہر کریں۔[2] پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس طرح ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام حلقہ باندھ کر آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے ان کے چہرے حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ظاہر اور نمایاں تھے۔ پھر آپ نے فرمایا اے فقراء[3] مہاجرین کے گروہ تمہیں قیامت کے دن نورِ تام[4] کی بشارت دیتا ہوں تم لوگ دولت مند لوگوں سے جنت میں آدھا دن پہلے داخل ہو جاؤ گے اور یہ آدھا دن پانچ سو[5] سال کا ہو گا۔ (ابوداؤد)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عِصابہ آیا ہے۔ عین کی زیر سے یہاں ایک لفظ عُصبہ بھی آتا ہے۔ عین کی پیش سے لغت میں ان دونوں الفاظ کا معنیٰ ہے۔ مردوں کی وہ تعداد جو دس سے چالیس تک ہو۔

[2] یعنی بعض صحابہ کے پاس پہننے کے لیے پورا لباس بھی نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ مجلس میں ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھ کر اپنی برہنگی چھپاتے تھے کیونکہ اُن پر بے مائیگی اور تنگ دستی چھائی ہوئی تھی۔ یہاں حدیث میں لفظ عُری، عین کی پیش یا کی جزم سے آیا ہے بمعنیٰ برہنگی۔ مقصد صحابہ کرام کے فقر اور اُن کی تنگ دستی کا بیان ہے کہ ان پر اتنی تنگ دستی چھائی ہوئی تھی کہ پورے جسم کے لیے اُن کے پاس کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے اس وجہ سے ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھتے تھے۔ تاکہ کچھ نہ کچھ اپنا جسم چھپا سکیں۔

[3] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک پڑھنے والے کو قرآن پاک پڑھنے کی حالت میں سلام کہنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے علماء نے فرمایا ہے اگر کسی نے ایسی حالت میں سلام کہا تو اس کا جواب لازم نہیں۔

۴ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاری کی قراءت اگر نہیں سنی تھی تو استفہام اپنی حقیقت پر مبنی ہے ورنہ اس سے انہیں بشارت دینے کی تمہید مقصود ہے جو آپ نے انہیں اگلے الفاظ میں دی تھی۔

۵ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ ترجمہ۔ اپنی ذات ملائے رکھو ان سے جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ کی طرف اشارہ ہے۔

۶ یعنی تاکہ آپ اپنی ذات شریف کو ہمارے درمیان برابر حیثیت کا انسان ظاہر فرمائیں اور ہم سے اپنے آپ کو ممتاز اور اونچی حیثیت کا ظاہر نہ کریں۔

۷ یہاں حدیث میں لفظ صَعَالِيْك آیا ہے جو صعلوک کی جمع ہے۔ بمعنٰی وہ فقیر جو کچھ مال نہ رکھتا ہو جس طرح ممالیک مملوک کی جمع ہے۔

۸ اس میں اللہ تعالیٰ کے قول مبارک نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب ہمارا نور کامل فرما دے کی طرف اشارہ ہے۔

۹ قرآن حکیم میں وارد ہے کہ قیامت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ بے شک تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

یہاں اغنیاء سے شکر کرنے والے اغنیاء مراد ہیں اور فقراء سے صبر کرنے والے فقراء یعنی بالفرض اغنیاء لوگ اپنے ثواب کے لحاظ سے زیادہ افضل اور تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اس کے باوجود یہ سبقت فقراء ہی کو حاصل ہوگی۔ اس حدیث کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ یہ فضیلت و سبقت فقراء مہاجرین کے ساتھ خاص ہے۔ مگر چونکہ اس فضیلت و سبقت کی علت فقر ہے اور یہ علت تمام صابر فقرا میں مشترک ہے اس لیے یہ حکم تمام صابر فقراء امت کو شامل ہوگا۔ ایک حدیث میں مطلق فقراء کا ذکر بھی آیا ہے یعنی اس میں مہاجرین کا لفظ نہیں آیا۔ چنانچہ اس حدیث کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ فقراء اغنیاء سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب فضل فقراء میں انشاء اللہ تعالیٰ آ رہی ہے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ	حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! قرآن پاک کو اپنی خوش آوازی سے زینت

بِاَصْوَاتِكُمْ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

سلہ آپ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ اس سے پہلے آپ چھوٹی عمر کے تھے آپ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی پیروکاروں اور ساتھیوں میں سے ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ جنگِ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں ساتھ رہے۔ آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وصال فرمایا۔

سلہ کیونکہ قرآن پاک کو صحت، خوش آوازی اور خوبصورتی سے پڑھنا دلوں پر زیادہ اثر کرتا ہے اور اس طرح پڑھنے سے اُس کی تاثیر زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور سننے والوں میں زیادہ رقت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ گانا اپنی ذات کے اعتبار سے باطل ممنوع چیز ہے۔ مگر خوش آوازی اگر حق اور عمدہ چیز کے لیے آرائش کا ذریعہ بنے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جبکہ مریدین کی روحوں میں صحیح حالت پیدا کرے تنگی اور انقباض سے نجات عطا کرے نشاط و سرور میں اضافہ کرے۔ رغبت اور آسانی بڑھائے تو ٹھیک ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کڑوی مگر نفع مند دوائی کو شکر اور چینی میں ملا کر مریض کو دی جائے تاکہ اُس کے اندر آسانی سے چلی جائے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کے لیے آواز کو خوبصورت بنانا بہت ہی پسندیدہ فعل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اصل میں الٹی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن پاک سے زینت دو۔ قائل نے یہ بات ادب کو نگاہ رکھتے ہوئے کہی کیونکہ بندوں کی آواز سے قرآن کو زینت حاصل نہیں ہوتی بلکہ قرآن آواز کو زینت عطا کرتا ہے یہ بیان زیادہ آسان ہے کہ جو چیز شے کو زینت دیتی ہے وہ اُس شے کے تابع ہوتی ہے۔ جیسا کہ زیور دلہن کے تابع ہوتا ہے۔ دلہن زیور کے تابع نہیں ہوتی یعنی زیور کو دلہن کے حُسن سے آرائش ملتی ہے نہ کہ زیور سے دلہن کو۔ تو گویا قرآن صاحبِ جمال ہے جس کا حسن ذاتی ہے اور آواز ایک اچھا زیور ہے جس سے دلہن کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت براء کی ایک حدیث تیسری فصل میں آرہی ہے جو اس معنی میں بالکل صریح اور واضح ہے۔

یہاں زینت سے قرآن کی قرارت مراد ہے۔ جو بندے کا فعل ہے۔ قرآن سے ذات قرآن مراد نہیں جو ذات باری تعالیٰ جل شانہ کی صفت ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ہم اس کی جانب اشارہ کر چکے ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِئٍ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی شخص جو قرآن پاک پڑھتا ہے پھر اُسے

يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ)	بھلا دیتا ہے گروہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں گے اسے ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ عُبادہ عین کی پیش با غیر مشدد۔ آپ انصار کے بارہ نقباء میں سے ہیں۔ اپنی قوم میں بزرگ شمار ہوتے ہیں فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

ﷺ یہاں حدیث میں لفظ اجذم آیا ہے جو جذم سے نکلا ہے بمعنیٰ قطع۔ اجذم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے اعضاء مرض جذام کے باعث جو ایک مشہور بیماری ہے جھڑ چکے ہوں۔ بعض نے اجذم کا معنیٰ کٹے ہوئے ہاتھ والا کیے ہیں یعنی قیامت کے دن یہ شخص خیر و برکت سے خالی ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ساقط الاسنان ہے۔ یعنی وہ شخص جس کے دانت گر چکے ہوں۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ اس کی زبان بے کار ہو چکی ہوگی یعنی اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور وہ بے زبان ہوگا۔ یاد رہے کہ قرآن پاک تھوڑا یا بہت یاد کرنے کے بعد بھلا دینا، علماء نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں بہت وعیدیں آئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں حدیث میں بھلا دینے سے مراد ترکِ عمل و ترکِ قراءت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ)	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس شخص نے قرآن پاک نہ سمجھا جس نے تین رات سے کم وقت میں اسے پڑھ دیا۔ اسے ترمذی۔ ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یعنی وہ شخص فقیہ نہیں ہے اور نہ ہی اس نے قرآن پاک کے معنی کو جانا اور نہ ان میں غور و تامل اور فکر و تدبر سے کام لیا۔ جس نے قرآن پاک تین رات سے کم وقت میں پڑھ لیا۔

واضح ہو کہ پورا قرآن ختم کرنے کے وقت میں سلف صالحین کی عادت مختلف رہی ہے۔ بعض حضرات تو دو ماہ میں آٹھ قرآن بھی ختم کیے ہیں۔ یہ حضرات دن رات اس کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ بعض نے فرمایا تین دن سے کم میں ختم نہیں کرنا چاہیے۔ اور چالیس دن سے زیادہ وقت نہیں لینا چاہیے۔ بعض حضرات ہفتے میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ختم قرآن کا وقفہ اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے جن حضرات پر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے باریک لطائف اور معارف ظاہر فرماتا ہے وہ اس کے مطابق وقت صرف

کرتے ہیں بعض دوسرے حضرات جو تعلیم درس و تدریس، تصنیف و تالیف، شرعی مقدمات کے فیصلوں اور مسلمانوں کے واقعات اور مہمات میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت میں اس قدر وقت صرف کرتے ہیں جس سے ان چیزوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو علم حاصل کرنے اور اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ مہیا کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بھی ضروریات میں سے ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔

حضرت عقبہ[1] بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلند آواز[2] سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسے ہے جیسے اعلانیہ صدقہ کرنے والا اور پست[3] آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسے ہے جیسے خفیہ طریقے سے کسی کو صدقہ دینے والا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] آپ صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں حضرت امیر معاویہ کے بھائی حضرت عقبہ بن ابوسفیان کے بعد حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر رہے۔

[2] یعنی جس طرح اعلانیہ اور کھلے بندوں فقراء کو صدقہ کرنے والے شخص کو ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضیلت حاصل ہوتی ہے ایسا ہی ثواب بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے۔

[3] کہ آہستہ پڑھنے والے کو افضل و اکمل ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ نمائش اور ریا سے پاک ہوتا ہے۔ مگر یہاں صدقے سے نفلی صدقہ مراد ہے اور اس مقام سے تعلق رکھتا ہے جہاں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔

حضرت صہیب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص قرآن پر ایمان نہ لایا جس نے قرآن مجید کی حرام کردہ چیزوں کو حلال[2] جانا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ

اور کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں

إِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ۔ ہے۔

۱؎ یعنی حضرت صہیب رومی جو فقراء صحابہ میں سے بڑی شان والے صحابی ہیں آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔
۲؎ یعنی وہ شخص قرآن پاک پر کامل ایمان نہ لایا جس نے قرآن پاک کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جانا یعنی جس شخص نے محرمات اور ممنوعات کا ارتکاب کیا گویا وہ قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا کیونکہ ایمان لانے کا حق یہ ہے کہ عمل کرے جیسا کہ محبت کا حق یہ ہے کہ پیروی اختیار کرے۔
۳؎ کیونکہ اس حدیث کے بعض راوی کمزور ہیں۔

وَعَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ[۱] عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُمَلَّكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)	حضرت لیث بن سعد[۱] حضرت ابن ابی ملیکہ[۲] سے روایت کرتے ہیں وہ یعلیٰ بن مملک[۳] سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں حضرت ام سلمہ سے دریافت کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بالکل ٹھیک ٹھیک حضور کی قراءت کا نقشہ کھینچ کر بتایا[۴] اور ایک ایک حرف جدا جدا کر کے اس طرح پڑھا جس طرح حضور علیہ السلام پڑھتے تھے۔ اسے ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ فقیہ ہیں تابعی ہیں اور اہل مصر کے امام ہیں۔
۲؎ میم کی پیش لام کی زبر یا ساکن۔ آپ ثقہ تابعی ہیں مشہور علماء تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے تیس صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں آپ مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔
۳؎ یا کی زبر عین ساکن پھر لام پر زبر۔
۴؎ میم اول کی زبر دوسری پر جزم لام پر زبر آخر میں قاف۔ آپ بھی ثقہ تابعی ہیں۔
۵؎ یعنی اپنے قول یا فعل کے ساتھ حضور کی قراءت کو کشادہ اور روشن طور پر بیان کیا۔

وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ[۱] عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقُوْلُ	حضرت ابن جریج[۱] حضرت ابن ابی ملیکہ سے اور ابن ابی ملیکہ حضرت ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قراءت مبارک بالکل جدا جدا اور الگ[۲] الگ کر کے پڑھتے تھے۔

يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ.

آپ اس طرح پڑھتے تھے۔ الحمد للہ رب العالمین پھر وقف کرتے تھے پھر پڑھتے تھے الرحمٰن الرحیم پھر وقف کرتے تھے پھر پڑھتے تھے مالک یوم الدین۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ اللَّيْثَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُمَلَّكٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَحَدِيْثُ اللَّيْثِ اَصَحُّ.

اور کہا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں کیونکہ لیث بن سعد نے یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے اس نے یعلی بن مملک سے۔ اس نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے۔ اور لیث بن سعد کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

لہ جیم اول کی پیش را پر زبر جریج کا اصل نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے۔ آپ دین کے ائمہ اور بلند درجہ علماء میں سے ہوئے ہیں آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد تابعین میں سے ہیں مگر یہ بزرگ یعنی ابن جریج علم میں اپنے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور زیادہ قابل اعتماد تھے۔

سلہ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قرارت مبارک بالکل جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ حروف وکلمات ایک دوسرے سے الگ الگ رکھتے تھے۔ جیسا کہ لفظ ترتیل کا معنی ہے۔ اور آیات کے آخر پر وقف کرتے تھے اگرچہ ایک آیت کا ما قبل آیت سے تعلق بھی ہوتا تھا۔

سلہ یعنی آخر سورت تک اسی طرح پڑھتے تھے۔ اور ان مقررہ قواعد کے مطابق آپ کی تلاوت ہوتی تھی جو ارباب قرارت کے ہاں ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور اگر ایک آیت دوسری آیت سے گہرا تعلق رکھتی ہو تو دونوں کو ملا کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر آیت ختم ہو رہی ہو تو اس پر وقف کرنا اور اگلی آیت سے ابتدا کرنا سنت ہے۔

سلہ جیسا کہ گزشتہ حدیث کے دوران گزرا اور ابن ابی ملیکہ نے بلا واسطہ حضرت ام سلمہ سے روایت نہیں سنی۔ اسی بنا پر گزشتہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم لوگ قرآن پاک پڑھ رہے تھے

وَفِيْنَا الْاَعْرَابِيُّ وَالْعَجَمِيُّ فَقَالَ اقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

اس وقت ہم میں دیہات کے لوگ اور غیر عربی[۱] بھی موجود تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن پاک پڑھو کہ سب ٹھیک اور اچھا[۲] ہے۔ اور عنقریب[۳] کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن پاک کے حروف و کلمات کو قواعد تجوید کے مطابق اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کی اجرت طلب کرنے میں جلدی کریں گے۔ اپنی قرأت پر اجرت حاصل کرنے میں دیر کو برداشت نہ کریں گے۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

✣ ✣

[۱] یہاں حدیث میں لفظ اعرابی اور عجمی آیا ہے۔ اعرابی کا معنی صحرا نشین لوگ اور غیر عربی یعنی عجمی لوگ ظاہر ہے۔ کہ ان کی قرأت علم تجوید اور اس کے قواعد کی رعایت میں اس پایہ کی نہیں ہو سکتی جو فصیح عربوں کی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود حضور نبی پاک علیہ السلام نے ان سب کو قرآن پاک کے پڑھنے اور ان کی پڑھائی کے اچھا ہونے کا اظہار فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا تم سب لوگ قرآن پاک پڑھو کیونکہ جس طرح بھی تم پڑھو گے اچھا اور ٹھیک ہے۔

[۲] یعنی تم سب لوگ جس طرح بھی پڑھو گے خواہ عربی ہو یا عجمی سب کی پڑھائی ٹھیک اور اچھی ہے۔ اس ارشاد مبارک سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قرآن پاک کی قرأت میں زیادہ مشقت زیادہ تکلف اور زیادہ تنگی میں نہ ڈالا جائے جو کہ تجوید کی انتہائی پابندی کے تحت ہوتی ہے۔ بلکہ تلاوت قرآن پاک میں اصل توجہ حصول ثواب اور عمل کے خالص لوجہ اللہ اور معنی میں غور و فکر اور اس کے سمجھنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اگرچہ الفاظ کی خوبصورتی اور کلمات کی عمدگی اپنی انتہا کو نہ بھی پہنچی ہوئی ہو کیونکہ تلاوت اور قرأت سے اصل مقصود معنی کا سمجھنا اور عمل کا خالص رضائے الٰہی کے لیے ہونا مطلوب ہے۔ لہٰذا معنی کے غور و فکر اور اس کے مطابق عمل میں کوتاہی اور غفلت کی صورت میں صرف الفاظ کی عمدہ ادائیگی سے چنداں نفع نہیں ہے۔ اس کے برعکس الفاظ کی عمدہ اور قواعد تجوید کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اگر ادائیگی نہ ہو سکے مگر معنی میں تدبر اور تفکر اور اس کے مطابق خالص اللہ کے لیے عمل ہو سکے تو اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

[۳] یعنی میری امت میں بہت جلد ایسے گروہ پیدا ہوں گے جو قرآن پاک کو قواعد تجوید کے مطابق پڑھیں گے اور اپنی خوش آوازی کی نمائش کریں گے۔ مگر اس تلاوت سے ان کا مقصود یہ ہو گا کہ انہیں اسی دنیا میں ابھی اس کی اجرت مل جائے۔ وہ اس چیز کو برداشت نہ کریں گے کہ آخرت کے ثواب تک اس میں تاخیر کریں۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی قرأت قرآن

کو دنیا کے عوض بیچیں گے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا وَ اِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَ لُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَ سَيَجِيْءُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَانُهُمْ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو عربوں کے لہجے اور اُن کی آواز میں پڑھو۔ اہل عشق اور اہل کتاب کے لہجے سے بچو۔ اور عنقریب میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو اس طرح سُر لگا کر پڑھے گی جس طرح گانے اور نوحہ خوانی کرنے والے کرتے ہیں۔ قرآن پاک ایسے لوگوں کے گلے سے آگے تجاوز نہ کرے گا۔ ان کے دل فتنے میں مبتلا ہوں گے۔ اور اُن لوگوں کے دل بھی جو اُن کے اس طرح سُر لگا کر پڑھنے کو پسند کریں گے۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

۱؎ یعنی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ اکابر صحابہ میں سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی رازداں اور منافقین کا علم رکھنے میں منفرد تھے۔ یہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک عربوں کے لہجے اور اُن کی خوش آوازی کے مطابق پڑھو۔ یہاں حدیث میں لفظ لحون آیا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے۔ لحن بمعنی آواز اور آواز کو گھمانا، قرأت میں لحن کا معنی ہے اپنی آواز میں خوبصورتی پیدا کرنا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص زیادہ لحن کرنے والا ہے یعنی فلاں شخص کا پڑھنا بہت اچھا ہے اور خوبصورت ہے۔ یہاں حدیث پاک میں لحون عرب سے مراد یہ ہے کہ آواز کو خوبصورت اور عمدہ کیا جائے اور اس میں موسیقی کے قوانین کے ملحوظ رکھنے کا تکلف نہ کیا جائے۔ اور اپنی طبیعت سے ایسی مدد لی جائے جو گانے بجانے والوں کے انداز سے مشابہت رکھتی ہو۔ جیسا کہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔

۲؎ اہل عشق کے لہجے سے مراد دراصل اُن لوگوں کا انداز اور لہجہ مراد ہے جو کہ عورتوں سے عشق و محبت کے تحت غزل خوانی کے لیے اختیار کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھ کر انداز گفتگو اختیار کرتے موسیقی کے قاعدوں کو بروئے کار لاتے اور اس میں تکلف سے کام لیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک یہود و نصاریٰ جو کہ اہل کتاب کہلاتے ہیں اُن کے لہجے میں نہ پڑھو کیونکہ وہ بھی اس میں تکلف اور بناوٹ سے کام لیتے ہیں

بعض لوگ یہاں اہل عشق کی بجائے اہل الفسق کا لفظ پڑھتے ہیں مگر یہ غلط اور تحریف ہے۔ صحیح نہیں ہے۔
۲؎ یعنی جس طرح گانے اور نوحہ کرنے والے آواز کو گلے میں گھماتے ہیں اس طرح قرآن پاک نہ پڑھنا۔
۴؎ یعنی اُن کی تلاوت اللہ کی طرف بالکل بلند نہیں ہوتی اور نہ مقام قبولیت تک پہنچتی ہے۔
۵؎ یعنی اُن کے دل دنیا کی محبت کے فتنے میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے وہ قرآن کی تلاوت سُر لگا کر کریں گے تاکہ لوگ اُن سے خوش ہوں۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اُن کے اس طرح پڑھنے سے خوش ہوں گے وہ بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے لوگو قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے خوبصورت بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن پاک کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ (دارمی)

وَعَنْ طَاؤُسٍ[۱] مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْسَنُ قِرَاءَةً قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهٗ يَقْرَأُ اُرِيْتَ اَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤُسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنے میں سب سے بہتر شخص کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا وہ شخص کہ جب تو اسے قرآن پاک پڑھتا ہوا سنے تو تجھے محسوس ہو کہ اس کے دل میں خدا کا خوف اور اُس کی خشیت موجود ہے۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی ایسی ہی قرأت فرماتے تھے۔ (دارمی)

۱؎ حضرت طاؤس یمنی ہیں مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت سے فیض یافتہ ہیں۔ یہ حدیث آپ نے بطریق ارسال روایت کی ہے۔
۲؎ یعنی اُس کے قرآن پاک پڑھنے کو سُن کر تجھے یہ گمان پیدا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہے اور اُس کے دل پر خدائے تعالیٰ کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔
۳؎ ط کی زبر لام ساکن۔ آپ تابعین میں سے ہیں جب آپ قرآن پاک پڑھتے تھے تو آن کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ

کا خوف اُس کی خشیت اور ہیبت ٹپکتی تھی۔

وَعَنْ عَبِيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاۤءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعْجَلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبیدہ[۱] الملیکی[۲] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت[۳] حاصل تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو قرآن پاک کو تکیہ اور سرہانہ[۴] مد بنانا بلکہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اور اس قرآن پاک کو لوگوں میں ظاہر کرنا اور پھیلانا[۵] اور اسے خوش آوازی سے پڑھنا اور اس میں غور و فکر سے کام لینا تاکہ تمہیں فلاح اور نجات نصیب ہو۔ اور اس کا ثواب جلدی طلب[۶] نہ کرنا کیونکہ قرآن پاک کا ثواب بہت زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کو آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

[۱] عین کی زبر، باکی زیر سے۔

[۲] میم کی پیش۔ لام کی زبر۔ یا ساکن۔ ایک روایت میں ملیکی کی بجائے۔ الملوکی آیا ہے۔ یہ شام کے رہنے والے تھے۔

[۳] کتاب اصابہ میں فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ انہیں حضور کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں مع رسول اللہ کی بجائے قال قال رسول اللہ آیا ہے۔ اس دوسرے نسخے کے مطابق یہ حدیث مرفوع کہلائے گی۔ اور پہلے نسخے کے مطابق موقوف کہلائے گی۔ اس حدیث کو رفع اور وقف دونوں صورتوں میں روایت کیا گیا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں فرمایا۔

[۴] اُسے سرہانے رکھ کر اُس پر سو نہ جاؤ۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت میں سستی اور غفلت کو قریب نہ آنے دو۔ بلکہ اس کے حقوق صحیح طور پر ادا کرو۔

[۵] یعنی قرآن پاک لوگوں کو پڑھانا اس طرح کہ انہیں سنانا اس کی تعلیم دینا اس کا درس دینا اس کی تفسیر بیان کرنا۔ اور اپنے قلم سے لکھ کر لوگوں میں اس کی اشاعت کرنا۔

[۶] یعنی اس کے معنی میں غور و تامل کرنا اور اس میں جو معانی اور احکام آئے ہیں ان کے پیچھے پیچھے چلنا اور ان کے مطابق عمل کرنا اس امید پر کہ تم نجات یافتہ بن جاؤ اور تمہیں کامیابی نصیب ہو۔

ک؎ یعنی اس کی جزا دنیا میں ہی طلب نہ کرنا اور اس کے عوض اس جہان کی لذتوں کو حاصل نہ کرنا یعنی اسے دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنانا۔

ھ؎ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی روایت کیا مگر اس میں مرفوع صورت میں روایت نہیں کیا۔ البتہ طبرانی نے اس کو مرفوع سند کی شکل میں روایت کیا ہے۔

قرآن پاک جمع کرنے کا باب

یہ باب بھی بے ترجمہ اور بے عنوان آیا ہے۔ مگر مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں اس کا عنوان اس طرح واقع ہوا ہے۔ باب فی اختلاف القرآن و جمع القرآن یعنی اختلاف قرآن اور جمع قرآن کا باب۔ ظاہر یہ ہے کہ اختلاف سے قرارت اور لغات میں اختلاف مراد ہے۔ اور جمع سے تمام آیات قرآنی ایک جگہ اکٹھا کرکے اسے کتابی شکل دینا مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاَنِيْهَا فَكِدْتُ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَاْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَءَ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ھشام بن حکیم بن حزام ل؎ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ سورہ فرقان اس طریقہ سے پڑھ رہے تھے جو میرے پڑھنے کے طریقے کے خلاف تھا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے یہ سورت پڑھائی تھی۔ تو قریب ۲؎ تھا کہ میں ان پر جلدی سے اپنے غصے کا اظہار کر دیتا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی قرات سے فراغت حاصل کر لی یعنی مکمل سورت پڑھ لی پھر میں نے ان کے گلے میں چادر ۳؎ ڈالی اور انہیں کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک میں نے اس کو سورہ فرقان اس طرح پڑھتے ہوئے پایا ہے جو اس طریقے کے خلاف ہے جس طرح آپ نے مجھے یہ پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيْ اِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور ہشام سے فرمایا کہ پڑھ تو اس نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اسے پڑھتے ہوئے سنا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر مجھ سے فرمایا کہ تو بھی پڑھ تو میں نے پڑھا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی۔ بے شک یہ قرآن سات[4] قرأتوں اور لغتوں میں اتارا گیا لہٰذا اس قرآن پاک کو پڑھو جس طرح تمہیں آسان ہو۔ بخاری ومسلم۔ حدیث کے یہ الفاظ مسلم کے الفاظ ہیں۔

[1] حا کی زیر زا مخفف یعنی غیر شدہ آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ فضلائے صحابہ میں سے ہیں جس طرح ان کے باپ حضرت حکیم بن حزام بھی فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے باپ یعنی حضرت حکیم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے ہیں۔

[2] یعنی یہ سورت جس طرح میں پڑھتا تھا اور حضور علیہ السلام نے جس طرح مجھے یہ سورت پڑھائی تھی۔ حضرت ہشام اُس کے خلاف پڑھ رہے تھے۔ اس بنا پر نزدیک تھا کہ میں اُن کے بارے میں جلدی کر بیٹھتا اور اُن سے اُلجھ پڑتا، اور اُن پر اپنا غصہ نکالتا مگر میں نے اُن کو مہلت دے دی۔ انہیں چھوڑ دیا اور اُن کے بارے میں کوئی جلد بازی نہ کی۔

[3] اور میں نے انہیں کھینچا۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ تلبیب کا معنی ہے جھگڑے کے وقت گریبان سے پکڑ کر کسی کو کھینچنا۔ لفظ لبب اور لبہ، سینے کے اوپر کے حصے کو کہتے ہیں جہاں سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

[4] یہاں حدیث میں سات حرف کا لفظ آیا ہے۔ حرف سے سات قراتیں یا سات مختلف لغات مراد ہیں۔ اس کی تحقیق کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سنا کہ آپ اُس شخص کی تلاوت کے خلاف طریقہ پر پڑھ رہے تھے۔ میں اُس شخص کو حضور کی خدمت میں لے کر آیا اور

فِیْ وَجْھِہٖ الْکَرَاھِیَۃَ فَقَالَ کِلَا کُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اخْتَلَفُوْا فَھَلَکُوْا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا، تو میں نے حضور علیہ السلام کے چہرہ انور پہ ناراضگی اور ناخوشی کا نشان محسوس کیا۔ پھر آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ آپس میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (بخاری)

لہ یعنی حضرت ابن مسعود کے اُس شخص سے جھگڑنے اور مخالفت کرنے کی وجہ سے حضور کے چہرۂ انور پر ناخوشی کے آثار محسوس ہوئے۔

لہ یہاں اختلاف سے مراد ہے کہ قرارت کے متعدد طرق جن کے مطابق قرآن پاک نازل کیا گیا ہے اُن میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کیونکہ تمام قرارتیں جن کے مطابق قرآن نازل ہوا سب حق اور ٹھیک سب ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کا انکار بھی درست نہیں۔ اور اگر انکار کیا جائے گا تو وہ قرآن پاک کا انکار ہو گا۔ لیکن بعض قاریوں کی قرارت متواتر روایات سے ثابت ہے اور بعض کی خبر واحد کی شکل میں مروی ہے۔ جیسا کہ سات قراءتوں میں پڑھنا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ بعض حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو دس قراءتوں میں پڑھنا بھی متواتر روایات سے ثابت ہے۔ ہر قاری کی اپنی قرارت میں خصوصیت اُس کے اپنے اختیار اور اعتبار کی بنار پر ہے ورنہ سب قراءتیں ٹھیک اور صحیح ہیں۔

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُّصَلِّیْ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً سِوٰی قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوۃَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ ھٰذَا قَرَأَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰی قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَاَمَرَھُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں مسجد کے اندر موجود تھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، اُس شخص نے قرارت اپنے طور پر شروع کی جسے میں ٹھیک تصور نہیں کرتا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص مسجد میں آیا اُس نے بھی قرارت شروع کی جو پہلے شخص کی قرارت کے علاوہ تھی، جب ہم لوگ نماز مکمل کر چکے تو ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایسی قرارت کی ہے جسے میں نے ٹھیک نہیں جانا پھر ایک اور شخص آیا جس نے پہلے آدمی کی قرارت کے علاوہ اور طریقے سے قرارت کی اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن دونوں کو قرآن پاک پڑھنے کا

شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا فَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِي يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حکم دیا۔ آپ نے دونوں کی قراءت سن کر ان دونوں کو اچھا اور ٹھیک قرار دیا۔ حضرت ابن کعب فرماتے ہیں ان دونوں کی تصدیق اور تائید کرنے پر میرے دل میں تکذیب اور غلط قرار دینے کا نشان محسوس ہوا۔ ایسا غلط گمان پیدا ہوا جو کبھی میرے دل میں دور جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے اندر شیطان کے اس وسوسے کو محسوس کیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے میرے سینے کو مارا تو مجھ سے پسینہ جاری ہو گیا اور میری یہ کیفیت ہو گئی کہ گویا میں ڈر اور خوف کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا اے ابن کعب مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پاک کو سات حرفوں پر تلاوت کروں اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع کیا کہ یا اللہ میری اُمت کے لیے آسانی پیدا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ وحی بھیجی کہ اے میرے حبیب قرآن پاک کو دو حرفوں کے مطابق پڑھ۔ میں نے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع کیا کہ یا اللہ میری اُمت پر آسانی فرما تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار اس کے جواب میں فرمایا کہ سات حرفوں کے مطابق قرآن پاک کی قراءت کریا کر۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اے میرے حبیب تیرے لیے ہر بار میرے حضور میں رجوع کرنے پر جو کچھ تو مجھ سے مانگے گا تجھے عطا کیا جائے گا۔ پھر میں نے کہا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ دوبارہ فرمایا اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دفعہ مغفرت مانگنے کو میں نے مؤخر کیا اس دن کے لیے جس دن ساری مخلوق میری طرف رغبت کرے گی اور مجھ سے شفاعت طلب کرے گی۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس دوسرے شخص کی قراءت کو حضرت ابوکعب نے غلط تصور نہ کیا۔ اسی لیے آپ نے اس آدمی کی قراءت کے ذکر میں اپنا انکار بیان نہ فرمایا۔

۲؎ یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ قَضَیْنَا کی بجائے قَضَیَا آیا ہے بلفظ تثنیہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب یہ دونوں آدمی نماز مکمل کر چکے۔

۳؎ یہ نشان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں حضرات کی قراءت کے درست قرار دینے اور اچھا کہنے کی بنا پر پیدا ہوا۔ اس گمان کے تحت کہ اللہ تعالیٰ کا کلام چاہیے کہ ایک ہی طریقے پر ہو۔ ہر شخص اپنے اپنے طریقے کے مطابق پڑھے اور پھر وہ ٹھیک بھی ہو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۴؎ یعنی ایسی تکذیب والا انکار دور جاہلیت کے وقت بھی کبھی میرے دل میں نہیں آیا تھا۔ اس کلام میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دور جاہلیت کے وقت میں جاہل تھا اس وقت ایسے خیال کا آنا کوئی بعید نہیں تھا مگر اس زمانے میں میرے دل میں ایسی تکذیب کبھی پیدا نہ ہوئی مگر اسلام کے بعد یقین اور معرفت حاصل ہونے پر ایسے خیال کا میرے دل میں آنا بہت بڑی بات تھی۔

۵؎ وہ وسوسہ میرے اندر تکذیب و انکار کی حد تک محسوس ہونے لگا۔

۶؎ یعنی اس وسوسے کے ازالے کے لیے اظہار تصرف اور قوت باطنی کو بروئے کار لانے کے لیے آپ نے ایسا کیا۔

۷؎ یہاں حدیث میں لفظ فِضْتُ۔ فا کی زیر ض ساکن نے آیا ہے۔ یاد رہے یہ لفظ فیضان سے مشتق ہے یعنی کثیر پانی کا بہہ پڑنا۔

۸؎ یہاں حدیث میں لفظ فَرَقًا آیا ہے۔ فا اور را کی زبر سے بمعنی ڈرنا۔

۹؎ یہاں حدیث میں لفظ ارسل آیا ہے۔ بصیغہ مجہول و معلوم دونوں طرح مروی ہے۔ اسی طرح حدیث میں واقع لفظ اقرا بھی لفظ متکلم اور امر کی شکل میں مروی ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ قرآن پاک کو ایک ہی قراءت حرف میں پڑھنے سے میری امت کو تنگی لاحق ہوگی تو میں نے عرض کیا۔ یا اللہ قراءت قرآن کا معاملہ میری امت پر آسان فرما۔ اور انہیں اس میں گنجائش عطا فرما۔

۱۰؎ یعنی آپ نے دوبارہ عرض کیا یا خدائے تعالیٰ نے دوبارہ فرمایا اور جواب دیا اور میری طرف دوسری بار وحی بھیجی۔

۱۱؎ یعنی اس میں مزید کشادگی عطا فرما۔

۱۲؎ یعنی تیسری بار اللہ تعالیٰ نے میرے رجوع کرنے پر مجھے جواب ارشاد فرمایا اور مجھے وحی بھیجی کہ سات حرفوں

یعنی قراءتوں میں قرآن پاک پڑھ لیا کرو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حروف سے سات قراءتیں یا لغتیں مراد ہیں ۔جبکہ سوال و جواب اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع اس بات کو ظاہر کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک جو اس کے محبوب و مقبول ہیں کے درمیان مطلوب کے حاصل ہونے میں توقف اور دیر محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے از خود برکت اور کرم نوازی فرمائی کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ کی بہت زیادہ برکتیں اور عزتیں ہیں جو آپ کی امت مرحومہ کے لیے عمل آخرت سے تعلق رکھتی ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امت کے بارے میں مقصود و مطلوب کا حاصل ہونا۔اور دنیا میں بھی آسانی کا مہیا ہونا تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی اور سہولت امت کے لیے جمع ہو جائے اس لیے حکم ہوا کہ آپ تیسری بار پھر سوال کریں۔پہلی دو دفعہ رجوع کرنے کے بعد اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد اور اے میری درگاہ میں مقبول بندے میں نے تیرے ہر دفعہ رجوع کرنے پر تیرے سوال کو قبولیت عطا دوں گا یعنی تین بار طلب نہ کر بلکہ یہ سوال کر کہ میں تجھے عطا ہی کرتا رہوں گا۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں دفعہ سوال کرنے کے وقت اُمت کے لیے بخشش و مغفرت چاہی۔اور اس چاہنے میں اس جانب اشارہ کیا اکمل چیز بندے کی مغفرت و بخشش ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت تعاون نہ کرے تو کوئی بھی خلاصی نہ پا سکے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے یا اللہ اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم لوگ خسارے میں پڑ جائیں گے پھر تین بار رجوع کرنے سے اس جانب اشارہ فرمایا کہ دو مغفرتیں حضور کی اُمت کے لیے وہ ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ میری اُمت کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ بخش دیے جائیں۔اور تیسری بار رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اولین اور آخرین ساری مخلوق کو بخش دے۔

۱۳ یعنی میں نے تیسری بار بخشش مانگنے کو اس دن کے لیے مخصوص کر لیا ہے جبکہ لوگ میری جانب رغبت کریں گے میرے سامنے خواہش ظاہر کریں گے اور میری طرف متوجہ ہوں گے اور مجھ سے ساری مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شفاعت چاہیں گے یعنی خصوصاً اپنی ذات کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام میری شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہوا (والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین) یعنی وہ ذات جس سے مجھے اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمائے گی یا تیسری بار مغفرت مانگنے میں توقف سے مراد اپنی امت کے لیے قیامت کے دن مغفرت و شفاعت مراد ہے۔یہاں خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس بنا پر کر دیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔

جیسا کہ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے اور جمہور علماء کی طرف سے اس بارے میں کوئی تصریح آپ کے غیر میں واقع نہیں ہوئی۔بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء علیہ السلام سے افضل و برتر ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَاَنِىْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهٗ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهٗ وَيَزِيْدُنِىْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِىْ اَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْاَحْرُفَ اِنَّمَا هِىَ فِى الْاَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِىْ حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے قرآن پاک ایک حرف یعنی ایک لغت[1] میں پڑھایا تو میں نے جبرائیل کی طرف رجوع کیا میں مسلسل اس میں اضافہ طلب کرتا رہا اور جبرائیل اس میں وسعت پیدا کرتے رہے یہاں تک کہ سات حرفوں[2] پر یعنی لغتوں پر پہنچ گئے[3] ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات حرف دین کے احکام کے بارے میں ایک ہی چیز ہیں یعنی متحد اور متفق ہیں جو حلال و حرام میں بالکل مختلف نہیں۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی ایک ہی لغت پر پڑھنے کی مجھے اجازت دی جو کہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ اس زمانے میں عربوں کی سات لغتیں (انداز ادا) سات قسم کی تھیں جو فصاحت اور بلاغت کے لیے مشہور تھیں۔ جیسا کہ کتاب العلم میں یہ بیان آچکا ہے۔

[2] آپ کا زیادہ طلب کرنا اور حضرت جبرائیل کی طرف سے زیادہ گنجائش کا ملنا ایک ہی وقت اور ایک ہی مجلس میں واقع ہوا تھا۔ جبرائیل اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمانے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں آتے جاتے اور عرض کرتے رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گنجائش و کشادگی متعدد اوقات میں حاصل ہوئی ہو۔

[3] آپ زہری کے نام سے مشہور ہیں۔ تابعین میں بڑے اونچے درجے کے عالم شمار ہوتے ہیں۔

[4] یعنی سب کا مطلب اور معنی ایک ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں کیونکہ سات قراتیں آپس میں معنی کے لحاظ سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتیں۔ اسی طرح سات لغتیں جو سات حرفوں سے مراد لی گئی ہیں ان میں بھی کوئی اختلاف تناقض نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ — دوسری فصل

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَقِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ اِنِّىْ

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل سے ملے[1] آپ نے فرمایا اے جبرائیل میں ایک ایسی امت کی

بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَ الْجَارِيَةُ وَ الرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ لَيْسَ مِنْهَا اِلَّا شَافٍ كَافٍ وَ فِیْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِیِّ قَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ اَتَيَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِیْ وَ مِيْكَائِيْلُ عَنْ يَسَارِیْ فَقَالَ جِبْرِيْلُ اِقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ قَالَ مِيْكَائِيْلُ اسْتَزِدْهُ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ وَكُلُّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ۔

طرف بھیجا گیا ہوں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی۔ اُن میں بہت بوڑھی عورتیں بہت بوڑھے مرد اور بچے اور بچیاں بھی ہیں اور ایسے مرد بھی ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی اس پر حضرت جبرائیل نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک قرآن اتارا گیا ہے سات حرفوں پر (یعنی سات لغتوں اور سات قراءتوں میں اسے پڑھنے کی گنجائش ہے) اسے ترمذی نے روایت کیا اور ایک روایت میں جو احمد اور ابوداؤد سے مروی ہے یہ لفظ زیادہ آئے ہیں کہ جبرائیل نے فرمایا کہ ان سات حروف میں سے ہر حرف شافی اور کافی ہے اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جبرائیل اور میکائیل میرے پاس آئے جبرائیل میرے دائیں طرف بیٹھ گئے اور میکائیل میری بائیں جانب۔ تو جبرائیل نے کہا کہ آپ قرآن کو ایک حرف یعنی ایک لغت پر پڑھیں میکائیل نے کہا کہ ان کے لیے گنجائش طلب کریں یہاں تک کہ جبرائیل سات حرفوں تک پہنچ گئے یعنی سات لغتوں میں پڑھنے کی گنجائش مل گئی اُن میں سے ہر حرف یعنی لغت شافی اور کافی ہے۔

١ جو بالکل ناخواندہ ہیں کہ انہوں نے پڑھنا لکھنا بالکل نہیں سیکھا۔

٢ یہاں حدیث میں لفظ عجوز آیا ہے یعنی وہ عورت جو بہت ہی عمر رسیدہ ہو۔ لغت کی کتاب قاموس میں (فرمایا) عجوز بمعنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت۔ اس کے آخر میں ۃ نہیں آتا۔ اگر کہیں آیا ہے تو وہ ردی اور غیر فصیح لغت ہے۔

٣ یہاں حدیث میں لفظ غلام اور جاریہ آیا ہے۔ یعنی بچہ اور لڑکی پس یہ لفظ غلاموں اور لونڈیوں پر جو بولتے ہیں تو ان کی حقارت کی وجہ سے بولتے ہیں جس طرح لفظ فتا وفتاۃ یعنی جوان مرد اور جوان عورت کیونکہ بچوں اور بچیوں اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ تعظیم وتکریم والا وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو بوڑھوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۴ یعنی سینے کی تمام بیماریاں جیسے کفر جہالت وغیرہ کے لیے بہت شفا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اپنے اعجاز میں نبی علیہ السلام کے صدق کی دلیل ہونے اور دین کی حقانیت ثابت کرنے اور منکرین و معاندین پر حجت قائم کرنے میں کافی ہے۔

۵ یعنی ان سے کہو کہ دوسری لغت اور قرأت میں بھی پڑھ لیا کریں۔

۶ جب توسیع مل گئی تنگی چلی گئی اور معاملہ قرأت میں آسانی عطا کر دی گئی تو اُمت کے لیے جس طرح بھی پڑھیں گنجائش دے دی گئی۔ اگر یہ گنجائش اور توسیع نہ دی جاتی بلکہ ایک ہی حرف و لغت میں پڑھنے کی پابندی برقرار رکھی جاتی تو اُمت کیلئے بڑی تنگی اور دقت واقع ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ[۱] أَنَّهُ مَرَّ عَلَى قَاصٍّ يَقْرَأُ ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران[۱] بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ ایک قصہ گو آدمی کے پاس سے گزرے جو قرآن پڑھتا تھا اور لوگوں سے سوال کرتا تھا حضرت عمران نے اس کو اس حالت میں دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا[۳] پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جو شخص قرآن پاک پڑھے اُسے چاہیے کہ اللہ ہی سے[۴] مانگے۔ اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے اور اس کے عوض لوگوں سے سوال کریں[۵] گے (احمد ترمذی)

۱ آپ مشہور صحابی ہیں ملائکہ آکر آپ کی زیارت کرتے تھے اور انہیں سلام کہتے تھے آپ مسلسل تیس سال بیماری کے بستر پر پڑے رہے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ قاص آیا ہے جو قص سے مذکور ہے بمعنی بتلانا اور خبر دینا۔ قاص اُس شخص کو کہتے ہیں جو ادھر اُدھر کی خبریں دے اور قصے کہانیاں بیان کرے۔ یہاں قاص کی بجائے وقاص بر وزن وعاظ بھی اطلاق کر دیتے ہیں وقاص کا معنی بھی قصہ گوئی کرنے والا ہے۔

۳ جس طرح کہ مصیبت کے وقت یہ لفظ زبان سے پڑھتے ہیں۔ گویا قرآن پڑھنا اور سوال کرنا اس کے لیے ایک مصیبت تھی کہ وہ قصہ گو شخص اس میں مبتلا تھا یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمران اس بری حالت کے مشاہدہ سے مصیبت میں پڑ گئے جو ان کو اس آدمی کی حالت سے پہنچی۔

۴ یعنی چاہیے کہ قرآن کے ساتھ خدا ہی سے سوال کرے اور اپنی دینی و دنیوی حاجت خدا ہی سے طلب کرے۔

جس طرح اگر آیت رحمت پر پہنچے یا جنت کا ذکر پڑھے تو اُسے اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرنا چاہیے اور اگر عذاب کی آیت یا آتش دوزخ کا ذکر پڑھے تو اس کے ساتھ خدا ہی سے پناہ طلب کرے یا مراد یہ ہے کہ جب قراءت سے فارغ ہو تو منقول دعاؤں کے ساتھ دعا مانگے۔

۵؎ یعنی قرآن پاک پڑھیں گے اور اُس کی پڑھائی کے عوض لوگوں سے مانگیں گے اور ان کے سامنے دستِ گدائی پھیلائیں گے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے عوض لوگوں سے چیزیں[2] لے کر کھاتا پیتا ہے قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگا جس پر کوئی گوشت[3] نہ ہوگا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ یعنی بریدہ اسلمی باکی پیش سے۔ آپ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ آپ نے حضرتِ نبوت اور خلفائے راشدین کے لیے مساعی جمیلہ اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۲؎ یعنی قرآن کو کمینی دنیا کا ساز و سامان جمع کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بناتا ہے۔

۳؎ یعنی بہت کمزور اور لاغر ہوگا اور خوار و بے عزت حالت میں قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کا دوسری سورت سے جدا ہونا اور فرق کرنا نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہیں[1] ہوتا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱؎ اس حدیث کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے اور جدا کرنے کے لیے نازل ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم احناف کا مذہب ہے۔

وَعَنْ عَلْقَمَةَ رض قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا اُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ فَبَيْنَمَا هُوَ يُكَلِّمُهُ اِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ اَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علقمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ شہر حمص[2] میں تھے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف پڑھی ایک شخص نے کہا یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی تو حضرت عبداللہ نے فرمایا اللہ کی قسم البتہ میں نے بے شک اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا تھا تو حضور نے فرمایا تھا تو نے اسے خوب اچھی طرح پڑھا ہے۔ پھر اسی دوران کہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعود سے باتیں کر رہا تھا حضرت ابن مسعود نے اس آدمی سے شراب کی بو[3] محسوس کی تو فرمایا تو شراب پیتا ہے اور کتاب اللہ کی تکذیب کرتا ہے[4] حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس پر شراب پینے کی سزا جاری کی۔ (بخاری ومسلم)

[1] حضرت علقمہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

[2] حمص، حا کی زیر میم ساکن، یہ بلادِ شام میں سے ایک شہر ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ وجد میں مجہول اور معروف دونوں طرح روایت آئی ہے۔

[4] اگر ابن مسعود نے جو کچھ پڑھا وہ قرات مشہورہ میں سے تھا اور وہ یقیناً کتاب اللہ میں سے تھا تو اس کی تکذیب اور انکار یقیناً کفر ہے اور اگر ایسا نہیں تھا بلکہ انہوں نے شاذ قرات پڑھی تھی تو پھر اس پر تکذیب کتاب کا اطلاق بطور تغلیظ و تشدید ہوگا (یعنی زجر و ڈانٹ کے لیے ہوگا) اور ظاہر یہی ہے۔ اسی لیے آپ نے اسے مرتد قرار دینے کا حکم صادر نہ فرمایا۔ بلکہ صرف شراب کی سزا نافذ کرنے پر کفایت فرمائی۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ اَبُوْ بَكْرٍ مَقْتَلَ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهٗ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِيْ فَقَالَ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ

حضرت زید[1] ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل یمامہ کے وقت قتل کے موقع پر میری طرف کسی شخص کو بھیجا۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا تو اچانک ان کے پاس اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک عمر میرے پاس آئے

بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ وَ اِنِّیْ اَخْشٰی اِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَیَذْهَبُ كَثِیْرٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَ اِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ هٰذَا وَ اللّٰهِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ عُمَرُ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِذٰلِكَ وَ رَاَیْتُ فِیْ ذٰلِكَ الَّذِیْ رَاٰی عُمَرُ قَالَ زَیْدٌ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَّا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَنِیْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْتُ كَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَ اللّٰهِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ اَبُوْ بَكْرٍ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِلَّذِیْ شَرَحَ لَهٗ

ہیں اور کہا ہے کہ جنگ یمامہ کے دن قرآن پاک کے بہت سے قاری بڑی تعداد میں قتل ہو گئے ہیں اور اس جنگ نے قتل کا بازار خوب گرم کیا ہے اور بے شک مجھے ڈر ہے کہ مختلف مقامات میں قاریوں کے قتل کا بازار قتل اسی طرح گرم رہا تو بہت سا قرآن ضائع ہو جائے گا اور بے شک میں خیال کرتا ہوں کہ آپ قرآن پاک کے جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ میں نے حضرت عمر سے کہا تم وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم یہ کام خیر اور اچھا ہے۔ حضرت عمر مسلسل اس کام کے لیے مجھ سے رجوع کرتے رہے اور مجھے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دیا۔ اور میں نے اس چیز میں خیر و مصلحت کو پا لیا۔ جسے حضرت عمر نے پایا تھا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا اے زید تو جوان اور عقلمند آدمی ہے ہم تجھ پر خیانت اور غفلت کی تہمت نہیں لگا سکتا۔ اور بے شک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو لکھا کرتا تھا۔ لہٰذا تو قرآن پاک کو تلاش کر پھر اسے ایک کتاب کی شکل میں جمع کر۔ اس پر حضرت زید ابن ثابت نے فرمایا اللہ کی قسم اگر لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ادھر ادھر کرنے کا حکم دیتے وہ میرے لیے اتنا بھاری نہیں تھا جتنا کہ مجھے انہوں نے یہ حکم دیا کہ میں قرآن کو جمع کروں۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو بکر سے کہا آپ ایسا کام کس طرح کر سکتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ

صُدُوْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَ اللِّخَافِ وَ صُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُّ اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَةَ الْاَنْصَارِیِّ لَمْ اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِہٖ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ حَتّٰی خَاتِمَةِ بَرَآءَةٍ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِیْ بَكْرٍ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَیٰوتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

علیہ وسلم نے نہیں کیا حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اللہ کی قسم یہ کام خیر ہے تو حضرت ابوبکر بار بار مجھ سے اس کام کے لیے رجوع فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو بھی اُس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سینے کو کھولا تھا۔ تو میں نے قرآن پاک کو تلاش کرنا شروع کیا میں اُسے کھجوروں کی شاخوں[1] سے سفید پتھروں[2] کے اوپر سے اونٹوں کے شانوں پر سے اور پسلو کی ہڈیوں پر سے اور مردوں کے سینوں[3] میں سے اکٹھا کیا۔ یہاں تک کہ میں نے سورہ توبہ کے آخری حصے کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا۔ سورۃ توبہ کا یہ آخری حصہ میں نے کسی اور کے پاس نہ پایا سورہ توبہ کا آخری حصہ یہ ہے۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم سے سورہ کے آخر تک تو قرآن پاک کے جمع شدہ یہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی پھر حضرت عمر کی زندگی میں اُن کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ[4] کے پاس رہے۔ (بخاری)

[1] آپ فقہائے صحابہ میں سے ہیں بلند مرتبہ فقیہہ کاتب وحی اور علم وراثت کے بہت بڑے عالم تھے۔

[2] یعنی حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو بھیجا اور مجھے اپنے حضور طلب فرمایا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ اہل یمامہ کا قتل واقع ہوا۔ دراصل یہ بنی حنیفہ کے قتل کے موقع کی بات ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جھوٹا نبی مسیلمہ کذاب قتل ہوا جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔ اس جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری صحابہ شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بلانے پر اُن کی خدمت پر مامور ہو گیا۔

[3] یعنی جنگ یمامہ کے دن قتل کا بازار خوب گرم ہوا اور بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے اور قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہو گئے عرب لوگ سخت اور مشکل کام کو گرم کام سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس جنگ میں کوئی

سات سو قاری شہید ہوئے تھے۔

ؔ۴ یعنی میں اس کام میں یہ مصلحت محسوس کرتا ہوں کہ آپ قرآن پاک کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا حکم دیں۔

ؔ۵ یعنی حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے فرمایا تو وہ کام کیسے کر سکتا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا۔

ؔ۶ یعنی حضرت عمر نے فرمایا خدا کی قسم قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنا اچھا کام اور اچھی بدعت ہے۔ بہت ساری بدعتیں یعنی نئی چیزیں ایسی ہیں جو ضروری ہوتی ہیں۔ جیسے علم صرف و نحو کی تعلیم۔ بعض بدعتیں مستحب ہوتی ہیں جیسا کہ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں گزرا۔

ؔ۷ اور حضرت عمر کی بات مجھے بڑی پسند آئی اور میں نے بھی خیر و مصلحت اسی چیز میں دیکھی جس میں حضرت عمر خیر و مصلحت دیکھ رہے تھے۔

ؔ۸ یا یہ کہ تو اس میں بھول جائے اور اپنے پاس سے کوئی اور چیز لکھ ڈالے۔

ؔ۹ یعنی قرآن کو جمع کرے جہاں سے بھی میسر پائے۔ یہاں حدیث میں لفظ تتبع آیا ہے جس کا معنی ہے کسی شے کو طلب کرنا اور اس کی تلاش کے پیچھے جانا۔

ؔ۱۰ یہاں حدیث میں لفظ کلفونی آیا ہے جو تکلیف سے بنا ہے تکلیف کا معنی ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جو اس کے اندازہ طاقت سے باہر ہو اور جس میں شدید مشقت پائی جاتی ہو۔

ؔ۱۱ یہاں حدیث میں لفظ عُسُب عین کی پیش اور سین کی بھی پیش یعنی کھجور کی شاخیں۔ یہ عسیب کی جمع ہے۔ یعنی کھجور کی وہ شاخ جس کو ابھی پھل نہ لگا ہو یا وہ شاخ جس سے پتے الگ کر لیے گئے ہوں۔ بعض نے اس لفظ کی کھجور کے پھل سے تعبیر کی ہے۔

ؔ۱۲ یہاں حدیث میں لفظ لخاف آیا ہے لام کی زیر خا مخفف۔ یہ لخفہ کی جمع ہے۔ یعنی چھوٹا سفید پتھر۔ ایک روایت میں والرقاع بھی آیا ہے۔ رقعہ کی جمع یعنی چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑے اور ایک روایت میں وقطع الادیم بھی آیا ہے۔ یعنی چمڑے کے ٹکڑے۔ اسی طرح ایک روایت میں الاکتاف آیا ہے یعنی اونٹ یا بکری کے شانے اور ایک روایت میں والاضلاع آیا ہے۔ یعنی جانوروں کے پہلو کی ہڈیاں۔ حسب ضرورت ان سب چیزوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قرآن پاک لکھا ہوا تھا۔

ؔ۱۳ یعنی اُن مردوں کے سینوں سے جو صحابہ میں سے قرآن پاک کے حافظ تھے۔ قرآن مجید کی اصل بنیاد اور قابل اعتماد یہی چیز تھی۔ کھجوروں کی شاخوں سفید پتھروں وغیرہ پر قرآن کا لکھا ہوا ہونا۔ مزید تاکید توثیق کے لیے تھا یاد رہے کہ قرآن پاک متواتر اور یقینی روایات سے آیا ہے جب تک تمام صحابہ اتفاق و اجماع نہیں کرتے تھے کوئی آیت نہیں لکھی جاتی تھی

اور یہ جو فرمایا حتیٰ کہ میں نے سورہ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا لقد جاءکم رسول تا آخرہ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے اس حصے کو اُن کے پاس لکھا ہوا پایا۔ کسی اور کے پاس محفوظ نہ پایا۔ اسی طرح وہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ صحابہ کرام اُس شخص سے قسم لیتے تھے جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ پاتے تھے کہ یہ قرآن ہے۔ یا دو گواہ گزارے جاتے تھے تو اس سے مراد بھی بغرض احتیاط تحقیق و تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو گواہوں سے اُس کا حفظ و کتابت مراد ہے۔ علامہ سخاوی نے جمال القراء میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گواہ اگر گواہی دیتے تھے کہ مکمل ہوئی یہ تحریر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھی گئی تھی صرف حفظ پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (اللہ تعالیٰ اُس سے چشم پوشی فرمائے) کہتا ہے کہ قرآن مجید بالقطع والیقین صحابہ کے ہاں معلوم و مشہور اور اپنے ماسوا سے ممتاز و الگ تھا اور تمام صحابہ کے نزدیک مجمع علیہ تھا۔ قرآن پاک کی کوئی چیز اور کوئی آیت اُن کے نزدیک مشتبہ نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ بعض حضرات کے نزدیک کچھ آیتیں ایسی تھیں جو بعض دوسروں کے پاس نہ تھیں۔ مگر اُس کے قرآن ہونے کا کوئی بھی منکر نہ تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ دوسروں کو اُس کی شناخت نہ ہو اس لیے حلف و شہادت کے ساتھ اس کا قرآن ہونا ثابت کرتے تھے۔ حاشا وکلا ایسی بات بالکل نہ تھی بلکہ صحابہ کرام میں قرآن پاک اپنی معجزانہ تالیف کی وجہ سے مشہور و ممتاز تھا۔ نظم و عبارت اور بالتحقیق اُس کے مشاہدہ سے جو کہ وہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تئیس سال کے عرصے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُس کی تلاوت سنتے اور کرتے آ رہے تھے۔ لہٰذا انہیں قرآن پاک کی کسی بھی آیت کے قرآن ہونے میں کسی بھی قسم کا شک و اشتباہ نہ تھا۔ پھر صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اُس کی حافظ بھی تھی۔ لہٰذا قرآن مجید ہر قسم کی ملاوٹ سے محفوظ پاک تھا۔ یہ تحقیقات اور تفتیشات تاکید اور مزید پختگی کے لیے تھیں جو کہ مضبوط اور قابل اعتماد چیز ہے۔ امام سیوطی حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کی کتابت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کا حکم ارشاد فرماتے تھے صرف اتنی بات تھی کہ آپ کے زمانہ میں یہ قرآن پاک کاغذ کے مختلف ٹکڑوں وغیرہ اشیاء میں منتشر صورت میں تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مختلف جگہوں سے اسے اکٹھا کر کے کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے اس کی مثال یہ ہے کہ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان میں قرآن کے بکھرے ہوئے اوراق پڑے تھے جو صحابہ نے پائے تو انہوں نے اُن سب کو جمع کر دیا اور رشتۂ انتظام و ترتیب میں پرو دیا تاکہ اُن میں سے کوئی چیز گم نہ ہونے پائے۔

خطابی نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک قرآن کی شکل میں جمع نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو انتظار اور امید ہوتی تھی کہ شاید بعض احکام منسوخ ہو جائیں لہٰذا آپ قرآن کی آیتوں کی صرف تلاوت جاری رکھتے تھے۔ ایک کتاب کی شکل میں جمع نہیں فرماتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک سے نازل قرآن کا سلسلہ اختتام پذیر

ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کو الہام فرمایا کہ وہ اسے کتابی شکل میں جمع کریں تاکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا جو وعدہ صادق فرمایا تھا پورا ہو جائے۔ تو اس مبارک کام کی ابتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی۔

جاننا چاہیے کہ سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنا وحی کے ذریعے ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی واقعہ سے متعلق کوئی آیت لے کر جب آتے تھے تو کہتے تھے کہ اس کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھا جائے اس بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں چنانچہ قرآن پاک کی ترتیب و جمع نقل متواتر کے ساتھ وقوع پذیر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ سے قرآن پاک کی یہی ترتیب مروی اور منقول ہے۔ اس میں شک و شبے کا شائبہ تک نہیں ہے لوح محفوظ میں بھی قرآن پاک اسی ترتیب سے لکھا ہوا موجود ہے وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان دنیا پر قرآن پاک لاتے تھے پھر وہاں سے حسب واقعات و ضرورت سورتوں اور آیات کو لے کر نازل ہوتے تھے نزول آیات کی ترتیب تلاوت کی ترتیب کے خلاف ہے۔ پھر حضرت جبرائیل ہر سال رمضان میں ایک بار تمام قرآن اسی ترتیب سے لاتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے درس و تکرار کی صورت میں پڑھتے تھے جس سال حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم سے رحلت فرمائی اُس سال دو بار آپ قرآن لے کر آئے اور حضور علیہ السلام کے سامنے درس و تکرار کی صورت میں اس کی تلاوت فرمائی۔ (انّہٗ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید) ترجمہ۔ بے شک البتہ یہ عزت والی کتاب ہے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم اور حمید ذات کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اور جب حضرت زید ابن ثابت نے باتفاق صحابہ اس قرآن پاک کو متعدد صحیفوں میں جمع کر لیا تو پھر اُسے رکھ دیا گیا۔ مگر مصحف میں جمع کرنے کا اتفاق میسر نہ آسکا۔

۴ھ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ایک مصحف میں جمع کیا اور اُس کے متعدد نسخے لکھوا کر اسلامی ممالک میں بھیجے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِيْ اَهْلَ الشَّامِ وَفِيْ فَتْحِ اَرْمِيْنِيَةَ وَاَذْرَبِيْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ فتح آرمینیہ کے سلسلے میں اہل شام سے جہاد کرنے گئے ہوئے تھے اسی طرح آپ اہل عراق سے علاقہ آذربیجان کے لوگوں سے بھی جہاد کرنے گئے ہوئے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَدْرِكْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوْا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلٰى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِيْ إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلٰى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلٰثِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمٰنُ الصُّحُفَ إِلٰى حَفْصَةَ وَأَرْسَلَ إِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِّمَّا نَسَخُوْا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُّحْرَقَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِيْ خَارِجَةُ ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ

کو لوگوں کے قرآن پاک کی قراءت میں اختلاف سے گھبراہٹ لاحق ہوئی تو حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین اس امت کو سنبھالیے اس سے پہلے کہ ان میں کتاب اللہ کے اندر اختلاف پیدا ہو، جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں اختلاف پیدا ہوا تھا تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کی طرف کسی کو بھیجا کہ آپ تمام صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم انہیں مختلف مصحفوں میں لکھ لیں، پھر آپ کے پاس سے لائے ہوئے صحیفے آپ کو واپس کردیں گے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ نے وہ تمام صحیفے یعنی اوراق حضرت عثمان کے پاس بھیج دیے پھر حضرت عثمان نے حضرت زید ابن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید ابن عاص اور حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو ان حضرات نے ان صحیفوں اور اوراق کو قرآن پاک کے چند نسخوں کی شکل میں تحریر فرمایا حضرت عثمان نے تین قرشی حضرات سے فرمایا جب تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن کے بارے میں کسی جگہ اختلاف واقع ہو تو اُسے قریش کی زبان میں تحریر کرنا کیونکہ قرآن پاک قریش کی زبان و لغت میں نازل ہوا ہے ان حضرات نے ایسا ہی کیا جب یہ حضرات اُن صحیفوں اور اوراق کو قرآن کے چند نسخوں کی شکل میں لکھ چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ کو واپس کر دیے اور ہر نسخہ جو انہوں نے لکھا تھا مختلف اسلامی علاقوں کی طرف بھیج دیا حضرت عثمان نے یہ بھی حکم دیا کہ ان موجودہ مصحفوں کے علاوہ جہاں جہاں اور جس جس چیز پر بھی قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں،

زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُّ اٰيَةً مِّنَ الْاَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنٰهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَاَلْحَقْنَاهَا فِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

سب جلادیؓ جائیں۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ بے شک انہوں نے زید ابن ثابت کو سنا کہ وہ کہتے تھے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت گم ہوگئی جبکہ ہم قرآن پاک کا نسخہ لکھ رہےؓ تھے حالانکہ میں وہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا جب کہ آپ اس آیت کو پڑھتے تھے ہم نے وہ آیت تلاش کرنا شروع کی تو اسے ہم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس پایا اور اسے سورۃ احزاب میں قرآن پاک کے نسخے میں لکھ دیاؓ۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ ارمینیہ آیا ہے۔ ہمزہ کی زبر، را ساکن میم کی زبر، پہلی یا ساکن، نون کی زیر۔ دوسری یا مخفف جیسا کہ کتاب المغنی میں ہے۔ قاموس میں ہمزہ کی زیر سے بیان کیا۔ کتاب جامع الاصول میں آیا ہے کہ ہمزہ کو تینوں حرکتوں (زبر، زیر پیش) سے پڑھا گیا ہے۔ دوسری یا کو شد سے پڑھنے کی بھی ایک روایت آئی ہے۔

۲؎ آذربیجان۔ ہمزہ کی مد۔ ذال کی زبر، را ساکن، با کی زیر پھر یا ساکن اس کے بعد جیم۔ اس کلمہ کے حرف با کو زبر سے بھی پڑھا گیا ہے۔

۳؎ آپ کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ لوگ قرآن کو مختلف اور متعدد لغتوں میں پڑھ رہے تھے۔ اور انہوں نے اس میں وسعت پیدا کر رکھی تھی۔

۴؎ اور ان کی دستگیری کیجئے اس سے پہلے کہ امت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو۔

۵؎ کہ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں کئی طرح کی تبدیلیاں اور تحریفیں کر لی تھیں۔ علماء نے یہود و نصاریٰ کی تبدیلیوں اور تحریفوں کے بارے میں کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں کی حفاظت و نگہداشت خود ان کے ذمہ لگائی تھی۔ جیسا کہ فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ (اس وجہ سے کہ کتاب اللہ کی حفاظت ان کے ذمہ لگائی گئی تھی) تو وہ ان کی حفاظت نہ کر سکے۔ اور اس ذمہ داری کو محسوس نہ کیا اس لیے لامحالہ ان کی کتابوں میں جابجا تبدیلیاں اور تحریفات واقع ہوگئیں۔ اس کے برعکس قرآن مجید کی شان میں فرمایا۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ کہ بے شک ہم ہی

اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بغرض اللہ تعالیٰ خود اپنی اس آخری کتاب کا حافظ و نگہبان بن گیا۔ جس کی بدولت قرآن مجید میں کسی قسم کا فصل، اور تغیر و تبدل محال و ناممکن ہو گیا۔

۶ یعنی جو صحیفے اور اوراق آپ کے پاس ہیں، وہ ہمیں بھیج دیں۔

۷ ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار میں سے ہیں۔ باقی تین حضرات مکی اور خاندان قریش میں سے ہیں۔

۸ یعنی اگر لغات قرآن میں کسی جگہ تم میں اختلاف پیدا ہو۔

۹ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ قرآن مجید قریش کی لغت و زبان اور ان کے لہجہ میں نازل ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں التماس اور گزارش کرنے سے اس میں وسعت و گنجائش دی گئی۔ اور اس امر کی رخصت مل گئی کہ ہر شخص اپنی لغت و لہجہ میں پڑھ سکے۔ اب امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باتفاق صحابہ کرام لوگوں کے اختلاف کے خطرہ کے تحت قریش کی لغت کے علاوہ باقی تمام لغات کو کالعدم قرار دے دیا اور صرف لغت قریش میں پڑھنے کی اجازت برقرار رکھی۔ قرآن کے لغت قریش میں نازل ہونے کا یہی معنیٰ ہے۔

۱۰ یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیا۔ اسلام کے علاقے میں ان لکھے ہوئے قرآن کے نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ یہاں حدیث میں لفظ اُفق آیا ہے۔ ہمزہ اور فا کی پیش سے۔ بعض روایات میں فا کی جزم سے بھی آیا ہے بمعنی گوشہ اور جانب۔ یا افق سے آسمان کا کنارہ مراد ہے۔ جہاں سے ستارے طلوع کرتے اور غروب ہوتے ہیں چونکہ ہر علاقے اور شہر کے افق و کنارے مختلف ہیں۔ اس لیے انہیں آفاق و بلاد بھی کہتے ہیں۔

۱۱ یا انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف کر دیا جائے۔ زنلف کردہ صحیفوں سے ظاہراً وہ صحیفے مراد لیے گئے ہیں جو کاغذوں کے مختلف ٹکڑوں اور مختلف شاخوں کے چھلکوں وغیرہ پر لکھے ہوئے تھے۔ اس قسم کے جتنے بھی صحیفے اور متفرق اوراق تھے چاہے وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہی تھے سب کے سب تلف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں حدیث میں لفظ یُحرق۔ حا اور خا دونوں روایتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اختلاف راوی کے شک کی وجہ سے ہو۔ تاہم حا کی روایت اکثر ہے۔ حدیث پاک کا ظاہر یہ ہے کہ جو کچھ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ وعدہ پورا کرنے کے بعد اسے حضرت حفصہ کو واپس کر دیا۔ اور متفرق اوراق جلا دیے گئے۔ پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قرآن پاک کے نسخے لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھیجے اُن کی تعداد کیا تھی۔ مشہور یہ ہے کہ پانچ نسخے تیار کرائے گئے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا وہ کہتے تھے کہ سات نسخے تیار کیے گئے جو مختلف علاقوں میں بھیجے گئے یعنی ایک نسخہ مکہ شریف ایک ملک شام ایک یمن ایک بحرین ایک بصرے اور ایک کوفے بھیجا گیا اور ایک نسخہ مدینہ پاک میں ہی محفوظ رکھا گیا۔

۱۲؎ یعنی ابن شہاب زہری نے مجھے بتایا کہ حضرت خارجہ جو کہ حضرت زید ابن ثابت کے بیٹے اور علمائے تابعین میں سے اونچے درجے کے عالم تھے نیز مدینہ طیبہ کے سات فقہا میں سے ایک تھے۔

۱۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ گمشدگی اُس وقت واقع ہوئی تھی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن پاک لکھا گیا تھا۔ یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن پاک کی لکھائی اور تیاری صحابہ کرام کے اتفاق سے ہوئی تھی۔ اگرچہ اُس کے لکھنے لکھانے کی ذمہ داری حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

۱۴؎ جو کہ صاحب شہادتین ہیں۔ وہ آیت یہ تھی۔ (مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ)

۱۵؎ یعنی ہم نے یہ آیت اُس سورت میں درج کر دی۔ اسی قسم کا کلام سورہ توبہ کی آیت کے بارے میں بھی گزر چکا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے اس گمشدہ آیت کو تلاش کیا تو ہمیں یہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے مل گئی۔ جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے۔

تنبیہ۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو تین بار جمع کیا گیا ایک تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ مگر وہ ایک قرآن کی شکل میں جمع نہ کیا گیا۔ بلکہ متفرق چیزوں پر لکھا گیا۔ دوسری مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جمع کیا گیا۔ حضرت عبد خیر جو کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں میں سے ایک ہیں، سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ قرآن مجید جمع کرنے کے بارے میں اجر و ثواب کے لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم ترین شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمتیں نازل فرمائے آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل کی کتاب مبارک قرآن پاک کو یکجا کیا۔ پھر تیسری بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا تو انہوں نے قریش کی لغت میں قرآن پاک کے چند نسخے تیار کیے اور ہر علاقے کی طرف قرآن کا ایک نسخہ بھیجا۔ یہ کام ۲۵ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا "عثمان کے بارے میں خیر کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ خدا کی قسم انہوں نے جو کیا جو کچھ کہ کیا اگر صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے اور ان کے اتفاق سے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان قاریوں کی شان میں تم لوگ کیا کہتے ہو۔ یہ امر واقع ہے کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بعض قاری کہہ رہے ہیں میری قرات تیری قرات سے بہتر ہے۔ نزدیک ہے یہ بات کفر میں شمار ہو جائے۔ ہم لوگوں نے کہا اے عثمان پھر آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے اور آپ کس چیز میں مصلحت دیکھتے ہیں آپ نے فرمایا میں یہ مناسب دیکھتا ہوں کہ سب لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کیا جائے تاکہ اس میں کوئی انتشار یا اختلاف نہ رہے۔ ہم لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے جو کچھ کہ آپ نے محسوس کی ہے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ نہ کرتے جو انہوں نے کیا تو وہ کام مجھے کرنا پڑتا۔حضرت علی کا کلام ختم ہوا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے جمع قرآن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطرے کے تحت قرآن پاک کو جمع کیا کہ اس کا کوئی حصہ ادھر ادھر بکھرے ہونے کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کو جمع کرکے اس لیے کتابی شکل دی تاکہ اس میں کسی قسم کا اختلاف واقع نہ ہو۔حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ قرآن پاک کے جامع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا صرف یہ تھا کہ سب لوگوں کو لغت قریش پر جمع کر دیا جبکہ آپ کو ڈر لاحق ہوا کہ اہل عراق اور اہل شام حروف قرارت میں فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کرنے سے پہلے قرآن پاک سات لغتوں میں نازل ہوا یعنی پڑھا جاتا تھا۔لوگوں کی آسانی اور سہولت کے لیے اور جب اس کی ضرورت نہ رہی اور سب کے لیے لغت قریش میں قرآن کا پڑھنا آسان ہو گیا تو آپ نے سب کو ایک ہی لغت پر اکٹھا کر دیا جس میں اصل نزول قرآن ہوا تھا۔لیکن امر واقع یہ ہے کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے والے سب سے پہلے شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔حارث محاسبی کا کلام ختم ہوا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع فرمایا۔علماء نے کہا ہے اگر حضرت علی کا جمع کردہ قرآن لوگوں کے معمول میں داخل ہوتا تو مشہور ہوتا اور اس سے لوگوں کو علم کثیر حاصل ہوتا یعنی لوگوں کو ناسخ و منسوخ کی پہچان ہو جاتی جو کہ ایک ضروری علم ہے۔گمان یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے اختلاف کے ڈر سے اپنے تیار کردہ نسخے سے کام نہ لیا۔تاکہ سب لوگ ایک طریقے اور ایک طرز تحریر پر اکٹھے ہو جائیں۔واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِي وَإِلَى بَرَاءَةٍ وَهِيَ مِنَ الْمِئِينَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا سَطْرَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَا حَمَلَكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ کو کس چیز نے سورہ انفال کی طرف رخ کرنے پر آمادہ کیا۔ حالانکہ وہ مثانی میں سے ہے۔اسی طرح سورہ براءۃ کی طرف تمہارا رخ کس وجہ سے ہوا۔ حالانکہ براءۃ ان سورتوں میں سے ہے جو کہ سو آیتوں پر مشتمل ہے تم نے ان دونوں سورتوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے اور تم نے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور

عَلٰی ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا فَاِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)۔

تم نے سورہ انفال یا توبہ کی سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا ہے ایسا کرنے پر کس چیز نے آپ کو آمادہ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا وقت بھی آتا تھا کہ آپ پر ایسی سورتیں نازل ہوتی تھیں جن میں بہت سی آیتیں ہوتی تھیں جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ بعض ایسے لوگوں کو بلاتے تھے جو لکھنا جانتے تھے آپ انہیں فرماتے کہ ان آیتوں کو اُس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر آیا ہے جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں یہ یہ ذکر آیا ہے۔ اور سورۂ انفال اُن سورتوں میں سے ہے جو سب سے پہلے مدینہ پاک میں نازل ہوئی تھیں اور سورہ براءۃ (توبہ) نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخری سورت ہے۔ سورہ انفال اور سورہ براءۃ دونوں کے مضامین آپس میں ملتے جلتے تھے اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اٹھا لیے گئے اور آپ نے اس امر کی وضاحت نہ فرمائی کہ سورۂ انفال سورہ براءۃ میں سے ہے یا اُس سے علیحدہ ہے تو مضامین کی مطابقت کی بنا پر دونوں کو ملا دیا گیا اور دونوں کے درمیان میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور میں نے ان دونوں کو سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا۔
اسے احمد ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

لہ یعنی سورۂ انفال اُن سات لمبی سورتوں میں سے ہے جنہیں پڑھا جاتا ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ مَثین آیا ہے جو مائۃ کی جمع ہے یعنی سو۔ یہ اُن سورتوں کا نام ہے جو کہ سورہ فاتحہ کے بعد آتی ہیں چونکہ یہ سورتیں سو سے زیادہ یا سو کے قریب آیتوں پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ کئی سو آیتوں والی سورتوں کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں قوالی کہتے ہیں۔ یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔ تو گویا قوال سورتیں کئی آیتوں والی سورتوں کے تابع ہیں اور کئی سو والی سورتیں ان سے پہلے ہیں۔ یا ان سورتوں کو مکرر اور بار بار پڑھا جاتا ہے اور یہ کئی سو آیتوں والی سورتوں سے زیادہ ہیں پھر قوالی کے بعد مفصل سورتیں ہیں۔ قرآنی سورتوں کی تقسیم اور ان کے اسماء علماء نے ایسے ہی بیان فرمائے ہیں جیسا کہ امام سیوطی نے اپنی تفسیر الاتقان میں بیان فرمایا ہے پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے سورہ انفال کو مثانی میں داخل فرمایا ہے جو کہ سات لمبی سورتوں کا نام ہے اور سورہ براءۃ کو اُن سورتوں میں سے شمار کیا ہے جو کئی سو آیتوں پر مشتمل ہیں۔ حالانکہ سورۂ انفال سورہ براءۃ سے چھوٹی ہے اور اگر تم نے سورہ انفال کو انہی سورتوں میں سے شمار کر لیا ہے تو ان سورتوں کے درمیان تم نے بسم اللہ شریف نہیں لکھی۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ ذٰلک آیا ہے بعض نسخوں میں ذالکم آیا ہے۔ تو گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دو سوال کیے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُس کا جواب ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو سورتوں کے بارے میں یہ شبہ موجود ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں اس حیثیت سے سورہ انفال کو سات لمبی سورتوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اور اس بنا پر درمیان میں بسم اللہ شریف نہ لکھنا بھی درست ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں دو سورتیں ہیں اس بنا پر دونوں کے درمیان ہم نے فاصلہ بھی چھوڑ دیا۔

۴؎ یعنی وحی اور سورتوں کو لکھتے تھے جیسا کہ حضرت زید ابن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہ

۵؎ بظاہر یہ دو فقرے مکرر دکھائی دیتے ہیں دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا ہاں اتنا فرق محسوس ہوتا ہے کہ پہلے فقرے میں لفظ آیات آیا ہے دوسرے میں لفظ آیت۔ مقصود دونوں سے تقریر و تاکید ہے۔

۶؎ کیوں کہ اس میں غزوہ بدر کا ذکر ہے۔

۷؎ کہ اس میں منافقین کی ذلت و خواری کا ذکر ہے نیز اس میں مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے بھی روکا گیا ہے۔

۸؎ کیوں کہ دونوں سورتوں میں دین کی بلندی، مشرکین و منافقین کی ذلت و خواری کا ذکر ہے۔

۹؎ لیکن دونوں کے متحد یا متعدد ہونے کے احتمال و اشتباہ کی بنا پر ہم نے دونوں میں فاصلہ چھوڑ دیا مگر اس فاصلے کا یہاں صریحاً ذکر نہیں کیا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سوال دو سورتوں کے بارے میں اور اُن کے درمیان بسم اللہ شریف نہ لکھنے سے متعلق تھا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سوال یہی ہو اور آپ کا قول کہ وہ مثانی میں سے ہے اور براءۃ کئی سو والی سورتوں میں سے ہے؟ مطالب کو قریب کرنے کے لیے ہو یا وہ واقعہ کا بیان ہو کر تقدیم و تاخیر سے

متعلق سوال ہو اس میں غور کرو۔

سنلہ اللہ تعالے کی مدد اور اس کی توفیق سے فضائل قرآن کا بیان تکمیل کو پہنچا۔اس کے متصل بعد باب کتاب الدعوات کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

کِتَابُ الدَّعْوَاتِ

دعاؤں کا باب

واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں دعا کرنے کا حکم آیا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم جواز یا استحباب کے لیے ہے۔لازمی حکم نہیں ہے مگر نزول بلا یا خوف کے وقت دعا کرنا انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کی سنت اور ان سے منقول و ماثور ہے اور دعا سے خاموشی اختیار کرنا، اللہ کے علم اور اس کی تقدیر پر اکتفاء کرنا بھی آیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا قول مبارک حسبی عن سوالی علمہ بحالی یعنی میرے سوال کرنے سے اس کا علم میرے حال کے لیے کافی ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے یہ کلمات حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس وقت کہے جب کہ کافر آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ آپ کو اس مصیبت سے بچائے آپ نے اس وقت فرمایا اللہ تعالے کا میرے حال کو جاننا میرے لیے سوال کرنے سے کافی ہے۔

حضرت شیخ ابن عطا اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کتاب الحکم میں فرماتے ہیں کہ کبھی اوقات اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے تو وہ ذات الٰہی کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے بلکہ قسمت پر اعتماد کرتے اور سوال کرنے کے بجائے اس کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ دعا افضل ہے یا سکوت و رضا بہتر ہے بعض کہتے ہیں افضل دعا کیونکہ اپنی حدوذات میں عبادت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء مخ العبادۃ۔یعنی دعا عبادت کا مغز ہے لہٰذا دعا نہ کرنے کی بجائے کرنا بہتر ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔دعا کرنا خدا کا حق ہے آگے اسے قبول نہ کرنا اس کی مرضی ہے اور بندہ کی حاجت دعا کے نہ قبول ہونے کی بنا پر پوری نہیں بھی ہوتی تو بھی دعا کے ذریعے بندہ اپنے پروردگار کا حق ادا کرنے میں مصروف ہوتا ہے کیونکہ اپنی محتاجی کا اظہار اپنے بندہ ہونے کی بہترین صورت کا اظہار ہے۔حضرت ابوحازم اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "دعا سے محروم ہونا (دعا نہ کرنا) میرے نزدیک دعا قبول نہ ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے"۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اتم واکمل پر اعتماد کرتے ہوئے سکوت و گمنامی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اور حق عزوجل کی تقدیر پر راضی رہنا اور دعا نہ کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو کچھ بندے کے لیے ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے اس پر راضی رہنا زیادہ بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ انسان اپنے وقت و حال کو دیکھ کر گھبرا جائے اور اللہ تعالیٰ سے تکرار شروع کر دے"

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جسے میرے ذکر نے میرے آگے دعا کرنے سے روکا میں اس کو اس سے بہتر اور زیادہ دیتا ہوں جو میں مانگنے اور دعا کرنے والوں کو دیتا ہوں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندے کو چاہیے کہ زبان سے صاحب دعا ہو اور دل سے صاحب رضا کہ اپنے لیے دونوں حالتیں جمع کرے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ کہا جائے اوقات و حالات مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات خاموشی سے دعا بہتر ہوتی ہے اور ادب بھی اسی میں ہوتا ہے۔ بعض حالات میں دعا کی نسبت خاموشی افضل ہوتی ہے اور وہی ادب ہوتا ہے اور یہ چیز وقت کے مطابق پہچانی جاتی ہے کیونکہ آنے والے وقت کا علم اسی وقت میں حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر اپنے دل میں دعا کرنے کا اشارہ پائے تو دعا افضل ہے اور خاموش رہنے کا اشارہ پائے تو خاموشی بہتر ہے۔ حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ بندے کو چاہیے کہ اپنے پروردگار کے شہود و حضور سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور نہ اسے بھولے دعا کے وقت بھی اس کی یہی حالت ہونی چاہیے تو چاہیے کہ اپنے حال پر نگاہ ڈالے اگر یہ محسوس کرے کہ دعا میرے اندر کشادگی اور زیادہ قرب کا باعث بن رہی ہے تو چاہیے کہ اپنے حال پر نگاہ ڈالے اگر دل کی طرف رجوع کرنے سے یوں محسوس کرے کہ دعا کرنے سے طبیعت میں ڈانٹ اور تنگی محسوس ہو رہی ہے تو پھر ایسے وقت میں دعا نہ کرنا بہتر ہے اور اگر دل میں نہ تو کشادگی پائے نہ تنگی تو ایسی حالت میں دعا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت علم کا غلبہ ہو تو دعا افضل ہے کیونکہ دعا عبادت ہے اور اگر کسی وقت دل پر معرفت اور حال کا غلبہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یوں کہا جائے کہ جس چیز میں کسی مسلمان کا یا خدا کا حق ہو اس میں دعا افضل ہے اور جس چیز میں نفس کا حصہ ہو اس سے خاموشی بہتر ہے۔ حدیث میں آیا ہے بندہ دعا کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرماتا ہے اس کی دعا کی قبولیت میں دیر کر اور اس کی حالت میں توقف کر کیونکہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بندے کی آواز سنتا رہوں اور کبھی ایک بندہ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنا دشمن جان رہا ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ جبرائیل سے فرماتا ہے اس کی حاجت جلد پوری کر کیونکہ میں اس کی آواز سننا نہیں چاہتا۔ امام قشیری کا کلام ختم ہوا۔

واضح ہو کہ رسالہ تسلیۃ المصاب[1] میں دعا کے کرنے یا نہ کرنے اور اس کے موقع و محل کے بارے میں کلام طویل

---

[1] یہ رسالہ حضرت شیخ عبدالحق محدث مولف اشعۃ اللمعات رحمۃ اللہ علیہ کا تالیف کردہ رسالہ ہے۔ جو حضرت شیخ قدس سرہ کے مکتوبات میں موجود ہے۔ مترجم غفر اللہ تعالیٰ عنہ۔

حاوی اور کامل کر دیا ہے تفصیل دیکھنی ہو تو وہاں سے دیکھ لی جائے۔ دعا کی دوسری شرائط آداب اوقات اور قبولیت کی علامتیں اس باب میں واقع احادیث کی شرح کے ضمن میں معلوم ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهٗ وَاِنِّیْ اخْتَبَاْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَهِیَ نَائِلَةٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِيِّ اَقْصَرُ مِنْهُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول[1] ہوتی ہے۔ تو ہر نبی نے دعا کرنے میں[2] جلدی کی اور بے شک میں نے چھپائے رکھا ہے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے۔ تو وہ دعا ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچ کر (قبول ہو کر) رہے گی۔ ہر اس شخص کے لیے جو میری اُمت میں سے مرے گا اس حالت میں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کیا ہوگا یعنی جس کی موت ایمان[3] پر واقع ہوئی ہوگی۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور بخاری کے الفاظ مسلم کے الفاظ سے مختصر[4] ہیں۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ وہ اپنی امت کے حق میں ہر پیغمبر کو دعا کرنے کی اجازت دیتا ہے یا ان کے خلاف دعا کرنے کو کہتا ہے جسے وہ ضرور قبول فرماتا ہے۔

[2] یعنی ہر نبی نے دنیا میں ہی اُس کی قبولیت کو پا لیا۔

[3] یعنی جو دنیا سے ایمان کے ساتھ گیا اگرچہ گناہ گار ہی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی باقی دعائیں، بعض کہتے ہیں وہ بھی سب کی سب قبول ہوتی ہیں مگر یہ تحقیقی بات نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی اُمت کے لیے تین چیزیں مانگیں جن میں سے دو چیزیں مجھے عطا کر دی گئیں اور ایک سے روک دیا گیا جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

[4] یعنی اس حدیث کو ان الفاظ سے مسلم نے روایت کیا۔ بخاری نے ان سے مختصر تر الفاظ میں یہ حدیث روایت کی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اتَّخَذْتُ عِنْدَکَ عَھْدًا لَّنْ تُخْلِفَنِیْہِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰذَیْتُہٗ شَتَمْتُہٗ لَعَنْتُہٗ جَلَدْتُّہٗ فَاجْعَلْھَا لَہٗ صَلٰوۃً وَّ زَکٰوۃً وَّ قُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ بِھَا اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ بے شک میں نے تجھ سے ایک وعدہ لے رکھا ہے جس کی تو ہرگز مجھ سے خلاف[1] ورزی نہ کرے گا سو واقعہ یہ ہے کہ بے شک میں بشر ہوں[2] تو ایمان والوں میں سے جسے بھی مجھ سے تکلیف پہنچے اس کے بارے میں میری زبان پر گالی آ جائے یا میں کسی کو لعنت کروں یا اسے کوڑے سے لگاؤں[3] تو میری ان تمام چیزوں کو اس کے لیے رحمت و پاکیزگی اور اپنی درگاہ میں قرب کا ذریعہ بنانا اور اسے قیامت[4] کے دن اپنے قرب میں جگہ دینا۔ (بخاری و مسلم)

[1] اس سے مقصود دعا کی قبولیت اور اس کی تاکید مقصود ہے اور اپنی امید کو نمایاں کرنا ہے گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خدا کے ساتھ ایسا عہد ہو چکا ہے جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایسا وعدہ فرما لیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

[2] کہ مجھے بھی کبھی کبھی بہ تقاضائے بشریت غصہ آ جاتا ہے اور بشریت کے تقاضے جن کا کچھ حصہ میرے اندر باقی رکھا گیا ہے ان میں مصلحتیں ہیں جن کی بنا پر مجھے غصہ آ جاتا ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ جَلَدْتُّ آیا ہے جو جلد سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے انسان کے چمڑے پر کوڑے لگانا۔

[4] یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت مرحومہ پر کمال شفقت و مہربانی ہے جو آپ برے عمل کرنے والوں پر بھی فرماتے ہیں۔ اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ امت کے نیکوکار لوگوں پر حضور علیہ السلام کی شفقت و مہربانی کس قدر زیادہ ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اذیت دینے کے مستحق ہیں اور جو مستحق نہیں سب پر میری کمال شفقت و مہربانی ہے یہ مفہوم رحمت اور رأفت کے باب میں بہت ہی مکمل اور ابلغ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہو جو اذیت پہنچنے کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِیْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے۔ اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہتا ہے تو مجھے[1] رزق عطا کر

اِنْ شِئْتَ وَ لْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بلکہ اپنی طلب و سوال میں[2] یقین کو بروئے کار لائے یعنی میرا یقین ہے کہ تو میری ان دعاؤں کو قبول کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ (بخاری)

[1] یعنی دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں شک و تردد نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت کے ساتھ تعلق نہ کرے۔

[2] یعنی طلب و سوال میں یقین کو کام میں لائے۔ یہاں حدیث میں لفظ لیعزم آیا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے کہ یعزم عزم اور عزیمت سے بنا ہے۔ جس کا معنی ہے کسی چیز کا ارادہ کرنا اور دل کو اس چیز پر رکھ دینا۔ قاموس میں ہے عزم یعنی ارادہ فعل اور یقین سے کسی کام کا کرنا۔ اور اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ یاد رہے یہاں حدیث میں لفظ کرہ آیا ہے جو اکراہ سے بنا ہے جس کا معنی ہے کہ کسی کو اس کی چاہت و مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرنا یعنی تمہیں چاہیے کہ تم یقین اور پختہ ارادے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرو آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو چاہے کرے تمہیں کوئی ضرورت نہیں کہ اپنی دعا میں اللہ کے چاہنے کا ذکر کرو کیونکہ دعا میں اس کے چاہنے کا ذکر عبث و فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبولیت کے وعدے کو پورا کرتا ہے۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ قبولیت دعا پر یقین رکھے۔ نور یقین سے اپنے سینے کو کشادہ کرے اور دل کو یقین کی روشنی سے منور و روشن کرے کیونکہ یقین نور ہے اور شک و تردد ظلمت و تاریکی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَ لْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ اَعْطَاهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش بلکہ یقین[1] اور پوری رغبت[2] سے دعا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی چیز بھی بھاری اور بڑی نہیں ہے جو وہ اپنے بندے کو دینا چاہتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

[1] یعنی چاہیے کہ اپنی خواہش و ہمت کو دعا کے وقت مضبوط اور قوی رکھے۔

[2] تو چاہیے کہ رغبت زیادہ ہو اور اس کا مطلوب و مقصود بھی عظیم ہو بندہ کو چاہیے کہ مطالب عظیمہ کے طلب کرنے میں اپنی ہمت کوتاہ نہ کرے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِالْاِثْمِ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ يُسْتَجَابُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَ يَدَعُ الدُّعَاءَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے جب کہ وہ گناہ[1] یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور اس میں جلد قبول ہونے کی خواہش[2] نہ کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا کہ مثلاً بندہ یوں کہے بے شک میں نے دعا[3] کی۔ بیشک میں نے دعا کی ہے میں نے نہیں دیکھا کہ میری وہ دعا قبول ہوئی ہو، تو بندہ اس طرح کہنے کے بعد تھک[4] جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

(مسلم)

[1] مثلاً یوں کہ یا اللہ مجھے فلاں گناہ کی طاقت دے اور قطع رحمی کی مثال یہ ہے کہ کوئی بندہ خدا سے یوں دعا کرے کہ یا اللہ مجھے فلاں رشتہ دار سے بے زار کر دے اور میرا تعلق اُس سے کاٹ دے کہ ان چیزوں میں بندے کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس میں بندے کا نقصان ہے۔ ان کے علاوہ جائز کاموں میں بندے کی دعا البتہ قبول ہوتی ہے۔

[2] یعنی کہ مجھے میرا مدعا جلد حاصل ہو۔

[3] یعنی میں نے مکرر اور بار بار دعا کی ہے مگر میں نے اپنی دعا کی قبولیت کا کوئی نشان نہیں دیکھا۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ یستحسر آیا ہے جو استحسار سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کہ کسی کام کے کرنے سے بندے کا ملول ہونا اور تھک جانا۔

حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الحکم میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کے وقت قبولیت میں دیر ہونے اور دعا مانگنے پر جلد نہ ملنے سے تجھ میں مایوسی اور ناامیدی نہ پیدا ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل اُس چیز کے لیے تیری دعا قبول کرنے میں تیرا ضامن بن چکا ہے جو اُس نے تیرے لیے اختیار کی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تو اپنے لیے کسی چیز کو اختیار کرے۔ یہاں شیخ عطاء اللہ کا قول کہ اللہ تعالیٰ سے بار بار اور لپٹ لپٹ کر دعا کرنا دونوں طرف سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ مثلاً تو کہے کہ میں نے بار بار دعا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی بارگاہ سے گویا چمٹ کر میں نے اُس سے اپنا مدعا طلب کیا ہے مگر افسوس کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی پھر حضرت شیخ موصوف فرماتے ہیں جبکہ دعا میں تجھے دوام اور ہمیشگی حاصل ہے تو قبولیت دعا کے لیے تجھے کوئی غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تیرا مقصود حاصل ہے۔ اس لیے کہ یہی دعا اور تضرع و زاری دعا سے اصل مقصود ہے۔ دعا

کا قبول ہو جانا تو نفس کا حصہ ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں دعا کا فائدہ اپنی محتاجی اور بے بسی کا اظہار ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو چاہے کرے حضرت سیدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحکم کی شرح میں فرماتے ہیں دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جو نزول بلا یا خوف کے وقت بندے کے دل سے آکر ملتی ہے جس طرح نماز اپنے وقت سے ملی ہوتی ہے اور دعا پر قبولیت کا مرتب ہونا اس طرح ہے جس طرح نماز پر ثواب کا مرتب ہونا۔ اس ثواب کا تعین یا کیفیت کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب بھی دعا کرتا ہے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے یا اس کا مطلوب اس جہان میں اُسے جلدی مل جاتا ہے یا اُسے اُس کے لیے آخرت کے جہان میں ذخیرہ بنا دیتا ہے یا اُس دعا کی برکت سے کسی اور تکلیف و برائی کو اُس سے دور کر دیتا ہے یا ایسی ہی کوئی اور چیز دعا کے عوض اُسے دے دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ دعا کی قبولیت بہر صورت ہوتی ہے یہ قبولیت اس بات میں منحصر نہیں ہے کہ بندے کا معین مقصود حاصل ہو یا وقت معین میں حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ جو کیا ہے کہ میں دعا قبول کرتا ہوں تو اس سے مطلق قبولیت دعا مراد ہے یہ مراد نہیں کہ بندہ جو چیز مانگ رہا ہوتا ہے وہی اس کو مل جائے یا اسی وقت اُسے مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کی دعا کو اپنی پسندیدگی کی طرف لے جانا بندے کی پسندیدگی کو اختیار نہ کرنا درحقیقت بندے پر اللہ تعالیٰ کا عین لطف و کرم اور اُس کے حال کی بہتری کے لیے ہے کیونکہ بندہ جاہل اور بے خبر ہے وہ بسا اوقات شر کو اپنے لیے خیر تصور کرتا ہے۔ فرد

بس دعا ہا کان زیان است و وبال — از کرم می نشنود شان ذوالجلال

ترجمہ۔ بہت سی دعائیں بندے کے لیے درحقیقت نقصان و وبال ہوتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے کرم کی بنا پر اُن دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔

پھر اس وجہ سے بھی بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کی دعا قبول نہیں کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی ہیبت اور احکام عبودیت کی تکمیل بندے پر ظاہر فرمانا مقصود ہوتا ہے تاکہ بندہ نگاہ رکھنے سے بے خوف نہ ہو جائے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت کو ملاحظہ کرتا اور دعا کی عدم قبولیت کے باعث اپنی بے بسی محسوس کرتا ہے تو مزید صدق و اخلاص کی کوشش کرتا ہے اور اپنی بے بسی اور پریشانی ملاحظہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کیفیت سے اس لیے دوچار کرتا ہے تاکہ اُسے ہمیشہ اپنی نزدیکی کی چٹائی پر بٹھائے رکھے۔ اور اس کام میں لگائے رکھے کہ وہ اُس کے دروازہ قرب و محبت کو کھٹکھٹاتا رہے۔ کہ فی الحقیقت دعا کا اصل فائدہ یہی ہے۔ مثنوی۔

ہیچ نبود از دعا مطلب شان — جز سخن گفتن بآن شیریں دہاں

دل ز حرص مدعا خالی شدہ — ذوق عجز و بندگی خالی شدہ

گر اجابت کرد شان فہو المراد   ورنہ با دیدار نقد اند شاد
در کند رد لذت آں بیشتر   بہر تقریب سخن بار دگر

(۱) ان کا مطلب و مقصود دعا کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس شیریں دہن محبوب سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) ان کا دل منصور کی حرص سے خالی ہوتا ہے اور ان کا ذوق عجز و بندگی بھی ہر خواہش سے خالی ہوتا ہے۔

(۳) اگر ان کا محبوب ان کی دعا قبول کر لیتا ہے تو ان کی یہی مراد ہوتی ہے۔ ورنہ دولت دیدار سے ہی وہ خوش ہوتے ہیں۔

(۴) اور اگر وہ ان کی دعا رد کر دیتا ہے تو اس میں انہیں بہت لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے لذت زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ انہیں دوبارہ باتیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَاْسِهٖ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندۂ مسلم کی دعا اپنے بھائی کے لیے اس کے پس پشت قبول ہوتی ہے اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ موجود ہوتا ہے کہ جب بھی وہ بندہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے وہ فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ تجھے بھی اس کی مثل[1] عطا ہو۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ ولک بمثل یہاں لفظ مثل پر حرف با زائد ہے اور لفظ مثل میم کی زیر سے بھی ایک روایت ہے بہر صورت حدیث میں لفظ مثل پر تنوین ہے۔ بعض روایتوں میں بمثلہ یعنی یا اور ھا کے ساتھ لفظ تثنیہ کی صورت میں ایک روایت ہے یعنی اے دعا کرنے والے تجھے اپنے بھائی کی نسبت دو حصے عطا ہوں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓی اَوْلَادِكُمْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کے لیے بددعا نہ کرو، اور نہ اپنی اولاد کے لیے اور نہ اپنے مال کے لیے کیونکہ تمہاری دعا کی موافقت اگر

وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓى اَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيْهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيْبَ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس گھڑی سے ہرگز جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتا ہے اور کسی کو کوئی چیز عطا کرتا ہے تو تمہاری وہ بددعا بھی قبول[۱] ہو جائے گی۔ اسے مسلم نے روایت کیا

اسے مسلم نے روایت کیا۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فِيْ كِتَابِ الزَّكٰوةِ۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جس کے اول میں یہ لفظ ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔

[۱] یعنی دن رات میں ایک گھڑی ایسی بھی ہے کہ بندے اس میں جو دعا کرتے ہیں قبول ہو جاتی ہے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال کے لیے کسی وقت بھی بددعا نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ بددعا اُس گھڑی میں ہو رہی ہو اور وہ قبول ہو جائے پھر تمہیں اُس پر ندامت اور پشیمانی ہو۔ یہ ممانعت دراصل اُن نادان لوگوں کے لیے ہے جو غصے کے وقت بددعائیں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں بلکہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔

[۲] یعنی ابن عباسؓ کی حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے اور کتاب مصابیح میں یہاں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت نعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا ہی عبادت[۲] ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ میرے حضور دعا کرو کہ میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں[۳]۔

اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[۱] نعمان۔ نون کی پیش عین ساکن۔ بشیر با کی زبر شین کی زیر۔ آپ چھوٹی عمر کے صحابہ کرام میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔

[۲] یعنی دعا کرنا عبادت ہے۔ بلکہ بطور مبالغہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے اور دعا

اسی کو عبادت کا نام دینا چاہیے۔ کہ دعا کے وقت بندے کی تمام تر توجہ جناب حق کی طرف ہوتی ہے اور ما سوائے حق ہر چیز سے اس نے منہ پھیر لیا ہوتا ہے۔ اس وقت کسی اور سے بندے کی امید وابستہ نہیں ہوتی اور نہ ہی خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے دور رہا ہوتا ہے پھر دعا کے اندر چند چیزیں خصوصی طور پر پائی جاتی ہیں جیسے اخلاص خدائے تعالیٰ کا صبر و شکر اس کے حضور دست گدائی دراز کرنا اس کی توحید پر یقین و ایمان اس کی ذات برحق کے حضور شوق و رغبت کا اظہار اس سے مناجات اس کے سامنے تضرع و تذلل اس سے طلب مدد اور اس کے حضور اپنی فریاد پیش کرنا، کیونکہ دعا ان تمام چیزوں کی جامع ہے اس لیے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دعا ہی دراصل عبادت ہے۔

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا ان چیزوں میں سے ہے جن کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی مرتب ہوتا ہے تو جو چیز اس نوعیت کی ہو وہ بلا شبہ عبادت ہے۔ پھر اس آیت کے آخر میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بھی اس امر کی دلیل ہیں کہ دعا عبادت ہے۔ آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں (ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین) بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار حالت میں۔ یہاں عبادت سے دعا مراد ہے پھر اس آیت میں واقع ڈانٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کرنا واجب و ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دعا کرنا واجب نہیں بلکہ مباح یا مستحب ہے اور اس آیت میں دوزخ میں داخل ہونے کی جو دھمکی پائی جاتی ہے وہ بندے کے تکبر اور سرکشی سے متعلق ہے۔ یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز و خلاصہ[1] ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یوں ہے کہ اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

سلہ کیونکہ عبادت کی حقیقت اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و تذلل اور اپنی خواری اور بے بسی کا اعتراف کرے اور یہ چیز دعا میں بطریق اکمل و اتم پائی جاتی ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ مخ میم کی پیش سے بمعنی ہڈیوں اور دماغ کا مغز اور آنکھ کی پتلی اور ہر چیز کا خالص اور نکھرا ہوا حصہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بھی معزز اور مکرم نہیں ہے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] کیونکہ دعا اُن معانی، حالات اور کیفیات پر مشتمل ہوتی ہے جو عبادت کا مغز اور خلاصہ کہلاتی ہیں۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر و قضا کو کوئی چیز نہیں پھیر سکتی مگر دعا[1] اور بندے کی عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی مگر نیکی[2]

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] گویا دعا کی تاثیر اس قدر زیادہ ہے کہ وہ بلا اور مصیبت کو جو بندے کی تقدیر میں لکھی ہوتی ہے دعا کی تاثیر سے دفع ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تقدیر کو پھیرنا ممکن ہوتا تو وہ دعا سے پھر جاتی۔ بعض نے کہا کہ تقدیر کے پھر جانے سے یہ مراد ہے کہ دعا کی تاثیر و برکت سے بندے کے لیے تقدیر کے تابع ہونا آسان اور سہل ہو جاتا ہے گویا دعا کی وجہ سے بندہ یوں محسوس کرتا ہے کہ مجھ پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہی نہیں ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ قضا سے وہ چیز مراد ہے جس سے بندہ ڈر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس پر نازل نہ ہو جائے تو وہ اس سے پرہیز کرتا اور بچتا ہے جب بندے کو دعا کی توفیق مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے مصیبت و بلا کو اٹھا لیتا ہے مگر ان تمام توجیہات میں تکلف پایا جاتا ہے یعنی کی اصل تحقیق یہ ہے کہ تقدیر سے تقدیر معلق مراد ہے اور دعا سے تقدیر معلق فی الواقع ٹل جاتی ہے اور دعا کو اس تقدیر معلق کے پھیر دینے کا سبب تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ قضا اور تقدیر سبب سبب اور مسبب سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتی کہ سب چیزیں قضا اور تقدیر سے رونما ہوتی ہیں اور تقدیر معلق میں یہ بات بھی لکھی ہوتی ہے کہ یہ کام فلاں سبب کی وجہ سے ہوگا اور فلاں سبب اختیار کرنے سے یہ کام ظاہر نہ ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کلام کا کیا فائدہ ہوا کیونکہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا فائدہ یہ ہے کہ بطور مبالغہ یہ چیز بیان کر دی گئی ہے کہ اس میں یعنی تقدیر معلق میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

سلہ عمر کے زیادہ ہونے کا شاید یہ مطلب ہے کہ اُس کی عمر ضائع نہیں ہوتی بلکہ اُس میں خیر و برکت عطا ہوتی ہے مگر تحقیقی بات وہی ہے جو گزشتہ تقدیر کی بحث میں ذکر کی گئی ہے یعنی کہ اُس کی عمر اتنی ہو گی اگر نیکی کرے گا اور اگر نیکی نہ کرے گا تو پھر اتنی ہو گی یاد رہے کہ مقام تقدیر و سبب میں مٹانا اور باقی رکھنا واقع ہوتا رہتا ہے مگر حقیقت میں کسی قسم کا تغیر اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ نے چاہا وہی ہوتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دعا نفع دیتی ہے اُس چیز کے بارے میں بھی جو نازل ہو چکی ہوتی ہے اور اس چیز کے بارے میں بھی جو نازل نہیں ہوئی ہوتی[1] تو اے اللہ کے بندو اپنے اوپر دُعا کو لازم کرو[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور امام احمد نے اسے حضرت معاذ بن جبل رض سے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ یعنی بلا اور مصیبت کو دعا دفع کر دیتی ہے اور جو بلا و مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی ہوتی دُعا سے وہ بھی ٹل جاتی ہے۔

سلہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دعا کرنے کا حکم شرعًا دیا گیا ہے لہٰذا طریقہ بندگی یہی ہے کہ حکم شرعی کی پیروی کی جائے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر کو بھی تسلیم کیا جائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْعُوْا بِدُعَاءٍ إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ مَا سَأَلَ أَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهُ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اُسے یا تو جو اُس نے مانگا ہوتا ہے اُسے دے دیتا ہے یا اسی طرح کی کوئی تکلیف اُس سے روک[1] لیتا ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ کے لیے یا قطع رحمی کے لیے دعا نہ کرے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ یعنی تکلیف اور برائی کی بات کہ اُس کی دعا کی وجہ سے اُس پر وارد ہونے سے روک لیتا ہے یہ بندے پر خدائے تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا ہے۔ کیونکہ ضرر اور تکلیف کی چیز کو دفع کرنا بندے کو نفع بخش چیز عطا کرنے سے زیادہ اہم و ضروری ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْاَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ انْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگا کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اُس سے مانگا جائے اور افضل عبادت یہ ہے کہ بندہ کشائش اور کشادگی لہ کے انتظار میں رہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی ثواب کے امیدوار رہنے میں یہ چیز بہت افضل ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی طرف سے کشائش اور کشادگی کا منتظر رہے اور غم و اندوہ اور مصیبت کے دور ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے منتظر رہے درحقیقت ان الفاظ میں صبر و ترکِ شکایت کی تلقین ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر کا اجر و ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ (انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب) سوائے اس کے نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حد و حساب دیا جائے گا بعض علماء نے کشائش کی انتظار کا معنی یہ لکھا ہے کہ دعا کی قبولیت میں جلد بازی کو ترک کر دیا جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اُس پر غضب ناک ہوتا ہے لہ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی سخاوت و مہربانی کرنا چاہتا ہے تو بندوں کے اُس سے مہربانی طلب نہ کرنے سے خدائے تعالیٰ کو غصہ آتا ہے علماء فرماتے ہیں رحمٰن وہ ذات ہے جو طلب کرنے پر بندے کو عطا کرتی ہے۔ اور رحیم وہ ذات کہ اگر اُس سے نہ مانگا جائے تو اُس کو غصہ آئے۔ مراد یہ ہے کہ کبر و نفرت کے تحت اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا خدائے تعالیٰ کو غصے میں لاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہوتے ہوئے سر تسلیم خم کرنا ایک بلند ترین مقام ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت جود و سخاوت کرتے اور

رحم و مہربانی کرنے کے لیے تیار رہتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْأَلَ الْعَافِيَةَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگی جاتی کوئی چیز جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اس کے علاوہ کہ اس سے صحت و عافیت[1] مانگی جائے۔

(ترمذی)

[1] عافیت بمعنی صحت یہ بیماری کی ضد ہے مگر یہاں حدیث میں تمام آفات بیماریوں، بلاؤں ظاہری بلاؤں دنیا و آخرت میں بری اور ناپسندیدہ چیزوں سے سلامتی مراد ہے۔ اور یہ معنی تمام خیرات و بھلائیوں کو شامل ہے۔ اور قواعد الطریقہ میں مذکور ہے کہ عافیت کا معنی ہے (سکون القلب مع اللہ) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے دل کا سکون پذیر ہو جانا تو اگر کسی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا اور مصیبت میں بھی خوش اور سکون میں ہے تو اس کے لیے یہی عافیت ہے۔ مگر یہ عافیت اہل کمال کو نصیب ہوتی اور بندے کے تمام حالات باطنی کو شامل ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصیبتوں اور سختیوں میں پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے اسے چاہیے کہ سہولت اور[1] آسانی کے وقت اس کے حضور میں زیادہ دعا کرے۔

(ترمذی)

اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی اسے چاہیے کہ نرمی اور خوشی کی حالت میں اس کے حضور زیادہ دعا کرے یہ حد سے بڑھنے والے اور منحرف لوگوں کی حالت کے برعکس حالت ہے کیونکہ سرکش لوگ سختی اور نقصان کے وقت تو دعا کرتے ہیں مگر جب سختی دور ہو جاتی ہے تو حد سے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللهَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تمہیں اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہونا چاہیے اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَاَلْتُمُوا اللهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤْدَ)

حضرت مالک بن یسار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو ہاتھوں کی پشتوں[2] سے سوال نہ کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشتوں سے نہ مانگو پھر جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہروں[3] پر مل لو۔

(ابوداؤد)

[1] یا کی زبر اور سین مخفف آخر میں را۔

[2] کیونکہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مانگنا دعا کے قبول ہونے کے یقین اور صورت طلب کی بہترین شکل ہے پھر یہاں ہاتھ کی بجائے ہاتھوں کا لفظ جو جمع کے لیے ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت کچھ عطا فرماتا ہے اور ہاتھ کی پشت سے دعا کرنا دعا کے رد ہونے کی شکل کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ بارش کے لیے دعا کرتے وقت آپ ہاتھوں کی پشتوں سے دعا کرتے اور آسمانوں کی طرف اشارہ کرتے تھے بعض علماء نے کہا دعا سے جب ایسی چیز طلب کی جا رہی ہو جو نعمتوں کی جنس میں سے ہو تو ہتھیلیوں سے دعا کرنا مستحب ہے اور ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہونی چاہییں اور اگر دفع فتنہ کے لیے دعا کر رہا ہو تو چاہیے کہ آسمان کی طرف ہاتھوں

کی پشتیں کرے اس بارے میں مزید کلام باب استغفار میں گزر چکا ہے۔
سے تاکہ تم پر قبولیت دعا کے انوار حاصل ہوں۔ پھر چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ تمام اعضاء سے زیادہ اشرف و عمدہ عضو ہے تو اشرف و اعلیٰ عضو کو ان انوار سے مستفید کرنا بہت بہتر ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارا رب بڑا ہی باحیا اور بڑا ہی کریم ہے اسے اپنے بندے سے شرم آجاتی ہے جبکہ بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ خالی[1] رکھے۔

اسے ترمذی نے اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

[1] یہاں حدیث پاک میں لفظ صفر آیا ہے۔ ص کی زیر فا کی جزم بمعنی خالی ہاتھ اسی سے اصفار بنا ہے یعنی خالی ہاتھ ملانا اور محتاج ہو جانا۔ واضح ہو کہ حیاء مہربانی وغیرہ الفاظ جو خدا کی صفات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، آثار و افعال کے اعتبار سے ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ مبادی کے اعتبار سے ان کا استعمال نہیں ہوتا جن میں ایک چیز سے اثر پذیر ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اپنے چہرہ انور پر ملنے سے پہلے نیچے نہیں کرتے تھے۔

(ترمذی)

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَا سِوٰى ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن دعاؤں کو پسند فرماتے تھے جو بڑی جامع اور کامل ہوتی تھیں اور ان کے سوا دوسری دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔

(ابوداؤد)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو بندہ غائب شخص[1] کے لیے کرتا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] کیونکہ ایسی دعا میں صدقِ اخلاص اور محبت پائی جاتی ہے اور اس میں بناوٹ یا ریا کی کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ لِي وَقَالَ اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِي دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي اَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ وَلَا تَنْسَنَا)

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے مجھے اجازت دے دی اور آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بھائی[1] اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرنا وقت دعا ہمیں فراموش نہ کر دینا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا کلمہ[2] ارشاد فرمایا جو کہ اس کے بدلے ساری دنیا بھی اگر مل جائے تو اتنی خوشی مجھے نہیں ہو سکتی۔ اسے ابوداؤد نے اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت حدیث کے لفظ ولا تنسنا پر ختم ہو جاتی ہے۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ اُخَیَّ بصیغہ تصغیر آیا ہے جس کا معنی ہے اے میرے پیارے بھائی۔ تو یہ تصغیر لطف و مہربانی کے معنی میں ہے۔

[2] ہو سکتا ہے کہ وہ کلمہ یہی ہو (اے میرے پیارے بھائی) یا کوئی اور کلمہ ہو جو اس کلمے کے علاوہ فرمایا ہو جس سے زیادہ عنایت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہو۔

[3] اور اگلی عبارت یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا کلمہ ارشاد فرمایا، ترمذی کی روایت میں نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُھُمُ الصَّائِمُ حِیْنَ یُفْطِرُ وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَھَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار کی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ عدل و انصاف کرنے والے بادشاہ کی۔ اور مظلوم[1] کی دعا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو بادلوں سے اُوپر[2] لے جاتا ہے۔ اور اُس کی دعا کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے[3] جاتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور ہی تیری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر کے بعد[4] ہو۔ (ترمذی)

[1] ظاہراً عبارت یوں چاہیئے تھی۔ والمظلوم یعنی اُن تین میں سے تیری دعا جو رد نہیں کی جاتی۔ مظلوم کی دعا ہے لیکن بجائے اس عبارت کے یوں فرمایا ودعوۃ المظلوم۔ یہ طرز کلام مظلوم کی دعا کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

[2] یہ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت و اجابت کے بلند مقام کی طرف اُس کی دعا کو لے جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر بھی بادل پیدا فرمائے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا (یوم تشقق السماء بالغمام) جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ پڑے گا۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ تفتح آیا ہے مگر ایک روایت میں یا سے بھی آیا ہے یعنی یفتح۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

[4] یہ اللہ تعالیٰ کا مظلوم آدمی سے خطاب ہے۔ ایک روایت میں حدیث میں واقع لفظ لانصرنک ک پر زبر کی بجائے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا مجھے اپنی عزت کی قسم کہ اے مظلوم کی دعا میں تیری ضرور ہی مدد کروں گا۔ مگر ک پر زبر کی روایت اصل ہے۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِیْھِنَّ دَعْوَۃُ الْوَالِدِ وَدَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ایک باپ کی دعا[1]۔ دوسری مسافر کی دعا[2]۔ تیسری مظلوم کی دعا۔

اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے

وَابْنُ مَاجَةَ) نے روایت کیا۔

لہ یعنی باپ کی اپنی اولاد کے لیے دعا یا بد دعا قبول ہو کر رہتی ہے۔ جب باپ کی دعا کی یہ تاثیر ہے تو ماں کی دعا بطریق اولیٰ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ ماں کی شفقت و مہربانی باپ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

لہ یعنی مسافر کا اپنے لیے دعا کرنا یا دوسرے کے لیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ مُرْسَلًا حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَهٗ اِذَا انْقَطَعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے ہر آدمی اپنے رب سے ہی حاجت طلب کرے حتیٰ کہ اپنے جوتے کا تسمہ[1] بھی جب ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے مانگے۔ راوی نے ثابت البنانی[2] سے مرسلاً یہ بھی روایت کیا کہ ہانڈی کا نمک بھی خدا ہی سے مانگے اور اس کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو خدا ہی[3] سے مانگے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ شِسع آیا ہے۔ ش کی زیر سین ساکن بمعنی جوتے کا تسمہ۔

لہ بنانی با کی پیش سے آپ تابعین میں سے ہیں۔

لہ حضرت ابو علی دقاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تو اپنی کوئی حاجت بھی معمولی ہو یا بڑی خدا ہی سے مانگے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق جب دامن گیر ہوا تو عرض کیا (رب ارنی انظر الیک) اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک روٹی کے محتاج ہوئے تو اس وقت بھی عرض کیا (رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر) اے میرے پروردگار بے شک میں اس چیز کے لیے جو میری طرف تو خیر و بھلائی میں سے نازل کرتا ہے محتاج ہوں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں

يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔ | اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

۱؎ یعنی بعض اوقات آپ اپنے ہاتھ مبارک زیادہ اوپر اٹھاتے اور بعض اوقات زیادہ نہیں اٹھاتے تھے یہاں حدیث میں لفظ ابطیہ ہے جو کہ تثنیہ ہے مگر بعض روایتوں میں ابطہ آیا ہے ہمزہ کی زیر با ساکن اور با کی زیر سے بمعنی بغل۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَيَدْعُو | حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی انگلیاں مبارک کندھوں۲؎ کے برابر اٹھا کر دعا کرتے تھے۔

۱؎ یعنی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں تمام صحابہ کے بعد فوت ہونے والے یہی صحابی ہیں۔

۲؎ یہاں تک ہاتھ اٹھانا درمیانی درجہ ہے۔

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ ؓ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ۔ | حضرت السائب۱؎ بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا کرتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ۲؎ ملتے تھے۔

رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ | ان تینوں۳؎ احادیث کو بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں حضور کے زمانے میں آپ چھوٹی عمر کے تھے ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یہ ملنا جب ہوتا تھا جبکہ آپ نے ہاتھ اوپر اٹھائے ہوتے تھے اور جب نہیں اٹھائے ہوتے تھے تو چہرہ انور پر نہیں ملتے تھے لیکن دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں داخل ہے۔

۳؎ یعنی حضرت انس کی حدیث دوسری حضرت سہل کی اور تیسری حضرت سائب بن یزید کی۔

وَعَنْ عِكْرِمَةَ ؓ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ الْمَسْئَلَةُ اَنْ | حضرت عکرمہ سے روایت ہے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا دعا کا

وَرَفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ أَوْ نَحْوَهُمَا وَالِاسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيرَ بِإِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ وَالِابْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيعًا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ وَالِابْتِهَالُ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُورَهُمَا مِمَّا يَلِي وَجْهَهُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک یا ان کے نزدیک[۱] تک اٹھائے اور استغفار[۲] کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنی ایک ہی انگلی اٹھائے اور تضرع[۳] کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے دونوں ہاتھ پوری طرح پھیلائے اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔تضرع اس طرح ہے اور آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اپنے ہاتھوں کی پشتوں کو اپنے چہرے کی طرف کیا۔

(ابوداؤد)

سلہ کیونکہ جب کسی سے کوئی چیز طلب کی جاتی اور سوال کیا جاتا ہے تو دونوں ہاتھ اس کی جانب پھیلائے جاتے ہیں۔

سلہ ایک انگلی سے یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔کیونکہ استغفار کے وقت مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان نفس امارہ اور شیطان مردود کو برا کہے اور خدا کے حضور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگے لہٰذا استغفار کے وقت ایک انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ ابتہال آیا ہے۔قاموس میں فرمایا ابتہال کا معنی ہے دعا میں کوشش کرنا اور اسے ہر قسم کی نمائش سے خالص کرنا لغت کی کتاب صحاح میں فرمایا ابتہال بمعنی تضرع قرآن حکیم میں فرمایا ثم نبتہل جس کا معنی ہے ہم دعا میں خلوص رکھتے ہیں کتاب مجمع البحار میں فرمایا ابتہال کا معنی ہے دونوں ہاتھ دراز کرنا اس میں اصل تضرع اور دعا و سوال میں مبالغہ ہے طیبی نے کہا حدیث میں ابتہال سے مراد شاید اس چیز کا دفع کرنا ہے جو عذاب کے مقابلہ میں متصور ہوتی ہے تو بندہ دونوں ہاتھ تلوار کی طرح گھماتا ہے تاکہ کوئی ناپسندیدہ چیز لاحق نہ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّ رَفْعَكُمْ أَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَا زَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا يَعْنِيْ إِلَى الصَّدْرِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک تمہارا اپنے ہاتھوں کو اٹھانا بدعت[۱] ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک اس سے زیادہ بلند نہ ہوتے تھے یعنی سینے[۲] سے اوپر بلند نہ ہوتے تھے۔

اسے احمد نے روایت کیا۔

سلہ یعنی سینے سے بھی زیادہ بلند ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔
سلہ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے یہ الفاظ راوی کی تفسیر ہے جوائں نے حضرت ابن عمر کے قول کی کرائی۔ اور جس کی طرف حضرت عمر نے لفظ ھذا سے اشارہ کیا تھا یعنی دعا میں سنت سینے تک ہاتھ اٹھانا ہے نہ کہ سینے سے بھی اوپر۔ طیبی نے کہا ابن عمر کا اعتراض ان لوگوں پر ہے جو غالبًا دعا اور سوال میں سینے سے بھی اوپر ہاتھ اٹھاتے اور مختلف حالات میں فرق نہیں کرتے کہ کس کام کے لیے سینے تک ہاتھ اٹھائیں اور کس کام کے لیے سینے سے بلند کر کے کندھوں تک یا کس کام کے لیے کندھوں سے بھی اوپر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ أَحَدًا فَدَعَا لَهُ بَدَأَ بِنَفْسِهِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ.

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے۔[1]

(اسے ترمذی نے روایت کیا۔)

اور کہا یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

سلہ یعنی کسی کا ذکر جب دعا میں کرتے تو یوں فرماتے (اللھم اغفرلی ولفلان) حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کے ساتھ اپنے آپ کو مخصوص کرنا صرف مغفرت کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر دعا پہلے آپ اپنے لیے کرتے تھے پھر دوسرے کے لیے۔

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا إِثْمٌ وَّلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلٰثٍ إِمَّا أَنْ يُّعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَإِمَّا أَنْ يَّدَّخِرَ هَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ اس دعا کی وجہ سے اُسے تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا کرتا ہے یا تو جلدی[1] اس کی دعا قبول کرتا ہے یا اس کی دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ بناتا ہے یا اُس سے اس کی مثل کوئی تکلیف کی چیز دور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اب تو ہم لوگ بہت[2] دعائیں کیا کریں گے

مِنَ السُّوْٓءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَكْثَرُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی اکثر اور زیادہ ہے۔ (احمد)

؎۱ یعنی اسی جہاں میں اُسے اُس کی دعا کی قبولیت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

؎۲ یعنی جبکہ ہمیں پتہ چل گیا کہ ہماری دعائیں سب کی سب قبول ہی ہوتی ہیں اور اس قبولیت کے یہ تین طریقے ہیں تو پھر ہم لوگ کثرت سے دعائیں مانگا کریں گے۔

؎۳ یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا ثواب دعاؤں کی کثرت سے بھی زیادہ ہے۔ وہ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں لائے گا جتنی بھی دعائیں ہوں۔ اور اُس کے خزانہ فضل میں سے جتنا بھی زیادہ تم لوگ مانگو گے وہ تمہاری طلب سے بڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْعُدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَاَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پانچ دعائیں قبول کی جاتی ہیں ایک مظلوم کی دعا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتا ہے دوسری حاجی کی دعا اُس کے گھر واپس پہنچنے تک تیسری مجاہد کی دعا جہاد کے ختم ہونے تک۔ چوتھی بیمار کی دعا اُس کے تندرست ہونے تک پانچویں بھائی کی بھائی کے لیے دعا اُس کی پشت کے پیچھے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا ان پانچوں میں سے بھی جلدی قبول ہونے والی بھائی کی بھائی کے لیے غائبانہ دعا ہے۔

اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

؎۱ یہاں حدیث میں لفظ یفقد آیا ہے نا اور ق سے جس کا معنی ہے گم ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے اسباب و آلات گم کرنے تک یعنی اُس سے فارغ ہونے تک بعض نسخوں میں یفقد کی بجائے یقعد آیا ہے ق اور عین کے ساتھ۔ یعنی جہاد سے فارغ ہو کر بیٹھنے تک اور بعض روایتوں میں یقفل آیا ہے ق اور فا کے ساتھ یعنی گھر واپس لوٹنے تک یہ لفظ قفول سے بنا ہے بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ مجاہد جب تک جہاد میں مصروف رہتا ہے اور

اس سے فارغ نہیں ہوتا اور گھر واپس نہیں لوٹتا اللہ تعالیٰ اس کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔

بَابُ ذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ

اللہ عزوجل کے ذکر اور اس کی بارگاہ میں نزدیک ہونے کا باب

واضح ہو کہ ذکر دو طرح کا ہوتا ہے دل سے اور زبان سے افضل ذکر وہ ہے جو زبان اور دل دونوں سے ہو۔ اور اگر ان میں سے صرف ایک سے ہو تو پھر دل سے ذکر کرنا بہت افضل ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں ایسا ہی فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حق سبحانہ کا ذکر دو قسم پر ہے۔ دل سے ذکر اور زبان سے ذکر پھر ذکر قلب کی دو قسمیں ہیں ان دونوں قسموں میں سے ایک قسم بہت بلند اور اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال میں اُس کی بزرگی اور اس کی بادشاہت میں زمین و آسمان میں اس کے پھیلے ہوئے نشانات قدرت میں غور و فکر کرنا۔ اسے ذکر خفی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا دوسرا ذکر جو دل سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کے امر و نہی کو دل میں حاضر کرنا اور اس کے مطابق چلنے کا پختہ ارادہ رکھنا۔ امام نووی کا کلام ختم ہوا۔

بعض فقہا فرماتے ہیں کہ ذکر صرف زبان سے ہی ہوتا ہے اس کا کمتر درجہ یہ ہے کہ بندہ آتنی آواز سے ذکر کرے کہ خود اپنے آپ کو سنا سکے۔ ان فقہاء کے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے۔ اگر اتنی بلند آواز سے ذکر نہ کیا جو بندہ خود نہ سن سکے تو اس ذکر کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح کہ نماز میں قرأت ہے یا طلاق کے الفاظ اگر زبان سے ادا کیے جائیں۔ اور وہ ذکر جو دل سے ہوتا ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم ہے اُسے ذکر نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اُسے قرأت بھی نہیں کہہ سکتے ذکر اُس چیز کا نام ہے جو زبان کے فعل سے وجود میں آئے۔ مگر معلوم نہیں کہ ان فقہا کا اس گفتگو سے کیا مطلوب و مقصود ہے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ لغت میں دل کے ذکر کو ذکر نہیں کہتے تو یہ ایک دوسری بات ہے جس کا تعلق لغت کی کتابوں سے ہے لغت کی مشہور کتاب صحاح اور قاموس میں فرمایا کہ ذکر نسیان (بھولنے) کی ضد ہے اور یہ خود دل کا فعل ہے یعنی کسی چیز کو یاد رکھنا دل کا فعل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے لحاظ سے بھی دل میں کسی چیز کو یاد رکھنا ذکر کہلاتا ہے۔ لہٰذا ان فقہا کا قول سنت کے اعتبار سے بھی درست نہیں ہے ہاں زبان کے فعل کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ لہٰذا لفظ ذکر مشترک ہے دل کے فعل اور زبان کے فعل میں یعنی ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے (واذکر ربک اذا نسیت) اپنے رب کا ذکر کر جبکہ تو بھول جائے تو ثابت ہوا کہ ذکر بمعنیٰ قول و کلام نہیں ہے اور اگر اسے کلام قرار دیا جائے تو پھر یہ کلام نفسی ہوگا

لفظی نہ ہوگا۔ کلام لفظی وہ ہے جو زبان سے ہوتا ہے اور نفسی وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے تو پھر جبکہ کلام کی دو قسمیں ہیں تو ذکر بھی قلبی اور لسانی ہو سکتا ہے اور اگر ان فقہا کی مراد یہ ہے کہ وہ فضائل اور خصوصیات جو ذکر کی شان میں آئی ہیں زبان کے فعل سے متعلق ہیں اور اسی پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ دل کے فعل پر مرتب نہیں ہوتا تو فقہا کا یہ قول بھی بلا دلیل ہے کیوں اس پر ثواب مرتب نہ ہوگا جبکہ وہ بھی اس کے نام کا ذکر ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ افضل ذکر وہ ہے جو زبان سے ہو اور دل بھی اس ذکر کی موافقت کر رہا ہو تو یہ ایک علیحدہ بات ہے اس میں کوئی نزاع اور کوئی جھگڑا نہیں۔

مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارھم کے نزدیک ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر قلبی و ذکر لسانی قلبی ذکر کا اثر بڑا قوی، بڑا عظیم اور بہت زیادہ ہے اس ذکر کی نسبت جو صرف زبان سے ہوتا ہے بلکہ درحقیقت ذکر قلبی ہی ذکر ہے۔ ذکر کی حقیقت ان مشائخ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا ہر چیز کو مکمل طور پر فراموش کر دینا ہے۔ ذکر کا قیاس قرأت اور عتاق پر غلط ہے کیونکہ شرع شریف میں صریحاً ثابت ہو چکا ہے کہ قرأت اور عتاق وغیرہ زبان کے فعل پر مرتب ہوئے ہیں سوائے زبان کے فعل کے قرأت و عتاق وغیرہ میں احکام شرعاً مرتب نہیں ہوتے اور ذکر الٰہی ان احکام سے الگ ایک چیز ہے۔ اور شاید کہ ان کا مقصود یہ ہو کہ وہ اذکار و اوراد جو شرع میں وارد ہوئے ہیں جیسا کہ تسبیح و تحمید اور تکبیر جو نماز میں اور نماز کے بعد اسی طرح کرنے کا حکم آیا ہے وہ زبان کا فعل ہے اور ثواب بھی اسی صورت میں ملتا ہے جبکہ یہ اذکار زبان سے کیے جائیں۔ جس طرح کہ نماز میں قرأت تو یہ بھی الگ بات ہے۔ کتاب حصن حصین کے اوائل میں امام جزری کا کلام دلالت کرتا ہے جبکہ ان کے کلام کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھا جائے۔ وہ لوگ جو دل سے خدا کو یاد کرنے کو بالکل ذکر قرار نہیں دیتے اور نہ اسے خدا کی یاد کرنے کو بالکل ذکر قرار نہیں دیتے اور نہ اسے خدا کی یاد سمجھتے ہیں نہ اس پر کوئی ثواب و نتیجہ مرتب ہونا تسلیم کرتے ہیں تو ان کا یہ موقف محل نظر ہے یعنی درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بھی بلاشبہ شرعاً جائز درست ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میرا جو بندہ میرا علانیہ ذکر کرتا ہے۔ حدیث کے اس فقرے کے بالمقابل فرمایا اور جو شخص میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے" بلند آواز سے ذکر کرنے کی ایک دلیل حق سبحانہ و تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے اذْكُرُوا كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے ختم ہونے کا پتہ مجھے اس سے چلتا تھا کہ لوگ اختتام نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔ پھر تکبیرات عید کو بلند آواز سے کہنا۔ اسی طرح نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور ملک کی سرحدوں پر اذ...

سفر میں بلند آواز سے تکبیر کہنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ جب صحابہ کرام نے بہت بلند آواز سے ذکر کرنا شروع کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا پڑا اے لوگو اپنی جانوں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو بلکہ اُن سے نرمی کرو اور اُن کے لیے آسانی پیدا کرو زیادہ بلند آواز سے ذکر نہ کرو۔ کیونکہ تم لوگ ایسی ذات کو نہیں پکار رہے جو سنتی نہیں یا جو تم سے غائب ہے۔

اس حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے اوپر نرمی کرو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا صحابہ کرام کو بلند آواز سے ذکر کرنے سے روکنا شفقت کی بنا پر تھا۔ اس بنا پر نہیں تھا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے مقامات میں بلند آواز سے ذکر اور دعائیں کی ہیں جیسا کہ جنگ خندق میں خندق کھودتے وقت اور مسجد تعمیر کرتے ہوئے پتھر اور اینٹیں اٹھاتے وقت اور دوسرے مقامات میں آپ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ پھر بلند آواز سے ذکر کرنا صحابہ کرام اور اُن کے بعد کے سلف صالحین سے بھی منقول ہے۔ یہ سب دلائل اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور ایسے ذکر کے لیے جمع ہونا جائز و روا ہے۔ لیکن یہ مذکورہ واقعات خاص جگہوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں احتمال ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا انہی مقامات کے ساتھ خاص ہو۔ تو جو حضرات معنی اور علت کو دیکھتے ہیں وہ تمام اوقات میں بلند آواز سے ذکر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور جو اس کے خصوص پر نظر کرتے ہیں وہ بلند آواز سے ذکر کرنے کو انہی مقامات سے خاص رکھتے ہیں۔ مگر پہلا طریقہ یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا شرع کے مقاصد و مطالب سے موافق و مطابق ہے تو اس تحقیق سے جو مذکور ہوئی ظاہر ہو گیا کہ بعض مشائخ کرام بلند آواز سے ذکر کے لیے جو جمع ہوتے، اور ایک گروہ کی شکل میں حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں درست و جائز ہے۔ حدیث پاک میں ذکر کے لیے حلقہ باندھنے کا ذکر آیا ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اس طریقے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک مشائخ کی طرح کا یہ عمل صحابہ و تابعین سے منقول نہیں اور اس لیے بھی درست نہیں تاکہ راستے کو بند کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ لوگ اس ذکر میں اپنے پاس سے کئی اضافے نہ کر دیں اور حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

مشائخ شاذلیہ قدس سرہ ارواحھم کے بعض متاخرین فرماتے ہیں بلند آواز سے ذکر کے لیے اجتماع اور حلقے بنانا دین کے رواج میں سے ہے اور اس کا جائز ہونا بالکل متعین ہے۔ اسے دلیل بنانا چاہیے کیونکہ اس زمانے میں اصل حقائق تو ناپید ہیں۔ کم از کم ذکر کی ایسی مجلسیں تو قائم ہونی چاہییں۔ اور اگر ایسی مجالس ذکر منعقد کرنا بدعت قرار دیا جائے گا تو یہ بدعت مختلف فیہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ اسے مکروہ قرار دیا جاتے خلاصہ کلام یہ کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں اُن کے نزدیک یہ عمل صحیح ہے اور شاید کہ شارع علیہ السلام نے ایک جماعت کو جو صحابہ کے بعد پیدا ہوئی ترغیب دینے کے لیے ایسا کیا ہو کیونکہ انہیں بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی

ایک عمل زمانے جگہ بلکہ اختلاف اشخاص کی بنا پر مباح یا مستحب ہونے میں مختلف ہوتا ہے۔ اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے وہ شرائط و آداب اپنی جگہ میں مذکور ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بیٹھتی کوئی قوم گر فرشتے اس جماعت کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور ان پر رحمت کے انوار و آثار چھا جاتے ہیں۔ اور ان پر اس وقت نورانیت اور طمانیت[1] چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان کے سامنے کرتا ہے جو اس کی درگاہ میں مقرب[2] ہوتے ہیں۔ (مسلم)

[1] اور انہیں حضور قلب وجمعیت ذوق و شوق جو حاصل ہوتا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں مزید گفتگو کتاب علم کی فصل اول اور فضائل قرآن میں گزر چکی ہے۔ اسے یاد رکھو۔

[2] اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا چرچا اس بنا پر کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کے ساتھ فخر کرتا اور فرشتوں پر انسانوں کی فضیلت و کرامت کا اظہار کرتا ہے کیونکہ فرشتوں نے اپنے لیے تسبیح و تقدیس کا ذکر کیا تھا اور فساد پھیلانے اور خون بہانے کا ذکر انسانوں کے لیے کیا تھا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُّقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ مکہ کے راستے پر چل رہے تھے آپ کا گزر ایک پہاڑ پر سے ہوا جسے جمدان کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو اور تیز چلو یہ جمدان پہاڑ ہے کہ اکیلے چلنے والے آگے گزر گئے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اکیلے چلنے

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَ الذَّاكِرَاتُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

والے کون لوگ ہیں فرمایا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اس کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کا ذکر الٰہی کرنا ان کے بوجھوں کو ان پر سے ہٹا دیتا ہے۔ تو یہ لوگ قیامت کے دن بالکل ہلکے پھلکے[۶] آئیں گے۔

۱؎ یعنی جو راستہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے۔
۲؎ جمدان جیم کی پیش میم ساکن میم کے بعد دہے یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔
۳؎ اور یہاں سے مدینہ بالکل نزدیک ہے۔
۴؎ یہاں حدیث میں لفظ مفردون آیا ہے۔ف کی زبر را کی شد اور زیر کی بجائے را پر زبر بھی پڑھی گئی ہے و فا ساکن اور را کی زیر غیر مشدد اور را پر زبر بھی آئی ہے اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے چلنے والے آگے نکل گئے ہیں اور اپنے آپ کو لوگوں سے الگ رکھنے والے سب سے آگے چلے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں کسی سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے۔ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت مدینہ منورہ کے قریب پہنچی تو انہیں اپنے وطن اور اپنے اہل و عیال میں پہنچنے کا زبردست شوق پیدا ہوا یہ جماعت دوسرے لوگوں سے جدا ہو گئی اور بڑے شوق و ذوق سے اپنی جگہوں میں پہنچ گئی۔ اور ایک دوسری جماعت جس میں شوق و نشاط نہ تھا پیچھے رہ گئی۔ حضور علیہ السلام نے اس پیچھے رہنے والی جماعت سے فرمایا کہ چلو اور تیز چلو۔ کہ منزلیں نزدیک آ گئی ہیں۔ اور اکیلے چلنے والے باقی لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں۔
۵؎ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں نے یہ سوال کیا کہ اکیلے چلنے والے کون لوگ ہیں لیکن سوال کرنے والوں کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اکیلے چلنے والوں کی حقیقت بیان فرمائیں ان کی ماہیت کا نشان بتلائیں۔ گویا صحابہ کرام کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ یہی مخصوص اشخاص جو آگے نکل گئے ہیں کہ تیز چلنے میں یہ مراد نہیں کیونکہ ان کو تو صحابہ کرام جانتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت کی جانب رُخ کرتے ہوئے اکیلے چلنے والوں کی تفسیر ارشاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا اکیلے چلنے والوں سے وہ مرد اور عورتیں مراد ہیں جو خدائے تعالیٰ کا ذکر بہت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو ہر ما سوا اللہ چیز سے جدا اور خالص کر لیا ہے۔ یا وہ لوگ جو خدا کی عبادت اور خلوت میں بیٹھ کر اللہ سبحانہ کے ذکر کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں اور جنہوں نے مخلوق سے الگ ہو کر گوشہ تنہائی اختیار کر لیا اور ما سوائے حق کے ہر چیز سے کٹ چکے ہیں۔ دوستوں کی صحبت کو بھی انہوں نے ترک کر دیا ہے اور

اسباب دنیوی شہوات نفسانی کو بھی ترک کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہو کر رہ گئے ہیں۔ یا درہے بندے کے اس مقام کو مقام تفرید کہتے ہیں یعنی اللہ کے ذکر کے لیے سب سے الگ ہو جانا، قرآن مجید کی آیت (وتبتل الیہ تبتیلا) (سب سے کٹ کر اسی کے لیے ہو جا)۔ میں اسی مقام تفرید کی طرف اشارہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حدیث میں واقع لفظ معزدون یا مفردون سے وہ اصحاب توحید مراد ہیں جو غیر خدا کو جانتے ہی نہیں اور دیدہ شہود سے اس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے۔ وہ ایک ذات ہی کی بات کرتے ہیں ایک ذات کو ہی جانتے اور ایک ذات کو ہی دیکھتے ہیں اور کلیۃً یاد حق کے لیے ہو کر رہ گئے ہیں۔ کتاب مشارق میں فرمایا فرد ارجل اس شخص کے لیے کہتے ہیں جس نے دین کا علم حاصل کیا اور پھر اس پر عمل کے لیے گوشہ خلوت و تنہائی اختیار کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہی ہو کر رہ گیا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی حفاظت کرتا اور ذات سبحانہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ لغت کی کتاب قاموس میں بھی معزدون یا مفردون کا یہی معنیٰ بیان کیا گیا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مفردون وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر پر شیفتہ و فریفتہ رہتے ہیں۔ ترمذی کی روایت میں اصل لفظ مستہتر آیا ہے جس کا معنیٰ ہے ایسا شخص جو کسی انسان یا کسی چیز پر سخت فریفتہ ہو چکا ہو یہاں تک کہ وہ سوائے اس کے کسی کی بات نہ کرے۔ اور اس کے سوا کسی کو یاد نہ کرے۔

سلہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن محشر کے میدان میں فقراء امت اپنے اسلحہ کے ساتھ آئیں گے۔ دو زانو ہو کر بیٹھیں گے اور عرض کریں گے ہمیں کس لیے یہاں روکا گیا ہے اور ہم سے کونسا حساب و کتاب لینا چاہتے ہو۔ حکم دو کہ ہم جائیں اور بہشت میں پہنچیں اور وہاں جا کر آرام کریں۔ جیسا کہ باب فضل الفقراء میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَ الَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَ الْمَيِّتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا حال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس شخص کا حال جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا۔ زندہ انسان اور مردہ انسان کی طرح ہے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ کہ ذکر کرنے والا زندہ انسان کی طرح ہے کیونکہ اس میں اصل زندگی یعنی روحانی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسے روحانیت کی صفائی معرفت الٰہی، ذوق و شوق اور صحبت جس طرح ایک زندہ انسان میں زندگی کے آثار جیسے چلنا پھرنا، کھانا پینا، بولنا وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جو ذکر سے غافل ہے وہ اس کے برعکس مردہ انسان کی طرح ہے۔

بیت:۔ زندگانی نتوان گفت حیاتیکہ مراست ۔ زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

ترجمہ:۔ اس زندگی کو زندگی نہیں کہتے جو کہ مجھے حاصل ہے۔ زندہ وہ ہے جسے اپنے دوست کا وصال نصیب ہو چکا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ذہن اور گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو اس کا میرے متعلق[۱] ہوتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے میں بھی اس کی یاد اس طرح[۲] کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی جماعت کے اندر یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر جماعت[۳] میں یاد کرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو اس کا میرے متعلق ہوتا ہے یعنی میں اس کے گناہ بخشتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے میں اس کو بخشش دیتا ہوں اور اس کی توبہ قبول کرتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے توبہ کرتا اور گناہوں سے باز آتا ہے۔ اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے حاجت طلب کرتا ہے تو میں اس کی حاجت پوری کرتا ہوں۔ اس جملے کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ مگر صحیح تو یہ ہے کہ اس سے رجاء اور امید مراد ہے۔ یعنی جو شخص مجھ سے میرے عفو و کرم کی امید رکھتا ہے تو میں اس سے عفو و درگزر فرما دیتا ہوں اور اگر مجھ سے سزا کا گمان رکھتا ہے تو میں اسے سزا دیتا ہوں۔ اس لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ امید و رجاء کا تصور دل میں زیادہ ہونا چاہیے۔ محققین فرماتے ہیں کہ رجاء و امید کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ عمل کرے خدمت بجا لائے اور قبولیت کی امید رکھے اور وہ شخص جو عمل نہیں کرتا نافرمانی و سرکشی کرتا ہے توبہ و استغفار نہیں کرتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک سلوک کی امید رکھتا ہے۔ یہ اس کی صرف آرزو ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جیسے کہ ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا تاہم کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

بیت:۔ ناامید از در لطف تو کجا باید رفت درگاہ تو چنان است کہ درگاہ ترا ثانی نیست

ترجمہ:۔ تیری مہربانی کے دروازے سے ناامید ہو کر کہاں جا سکتے ہیں۔ تیری درگاہ وہ ہے کہ اس جیسی اور کوئی درگاہ نہیں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث میں لفظ ظن سے علم یقینی مراد ہے یعنی میں اپنے بندے کے یقین و علم کے نزدیک ہوں کہ ایک دن بندہ میری طرف لوٹے گا اور میں ہی اس کا حساب لوں گا۔ اور جو کچھ میں اس کے لیے خیر و شر سے مقدر کر چکا ہوں ضرور اسے پہنچ کر رہے گا۔ یعنی جب بندہ مقام توحید پر پورے استحکام سے متمکن ہو جاتا ہے تو

میرے قریب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو دعا کرتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ یا ظن سے اس کا علم مراد ہے یعنی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ یا میں اس کو جزا و ثواب عطا کرتا ہوں جبکہ وہ پوشیدہ یا ظاہر کوئی نیک عمل بجا لاتا ہے۔ اس آخری معنیٰ کے مطابق اس کے بعد کے الفاظ تفصیل و تفسیر کے طور پر ہیں چنانچہ فرمایا کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اور قریب ہوں یعنی اپنی خدمت کی مشقت اٹھانے کی اسے توفیق دیتا ہوں اور اپنے نور حضور کے مقام سے اسے سرفراز کرتا ہوں۔ اور جب کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے دل کے اندر موجود ہوتا ہوں گویا کہ وہ مجھے دیکھتا ہے۔

۲ے یعنی جب کہ وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی چپکے چپکے ثواب عطا کرتا ہوں اور اس کی ذات کا کارساز بنتا اور اپنے ذکر میں اس کی ذات کو ثابت و قائم کرتا ہوں۔ یہ سب کام اس طرح پوشیدہ طریقے سے کرتا ہوں کہ نہ تو اس کی اس حالت کو کوئی فرشتہ جانتا ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اور۔ علماء نے اس کا معنی یہی بیان کیا ہے۔

۳ے یعنی میرا بندہ مجھے اگر انسانوں کی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ان سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں جو کہ ملائکہ مقربین کی جماعت ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ ملا میم اور لام کی زبر سے بمعنیٰ قوم کے اشراف اور سردار لوگ ہیں اس میں شک نہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفسی بھی ہے اور لفظی بھی جیسا کہ دوسرے مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دونوں قسم کے کلام سے یاد کرتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ثواب لازم ہے اور اس کا اثر بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ اللہ کے اپنے بندے کا ذکر کرنے سے ظاہری معنیٰ مراد ہو یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ بندے کو ذکر کر کے عزت و بزرگی عطا فرماتا ہے اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اونچی آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ بات باقی ہے کہ کچھ لوگ اس حدیث سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انسان سے فرشتے افضل ہیں۔

طیبی نے کہا کہ ملاء سے ملائکہ مقربین و ارواح مرسلین مراد ہیں نہ صرف ملائکہ واضح ہو کہ ابھی تک اشکال باقی ہے اس ذکر کی بنا پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کیا گیا ہو مگر یہ کہ یوں جواب دیا جائے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی روح مقدس بہت سے اوقات میں ملائکہ کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اسی بناء پر فرشتوں کی جماعت کو بہتر اور خیر جماعت کا نام دیا گیا اور یہ لازم نہیں کہ جب ذکر کیا جا رہا ہو تو حضور علیہ السلام کی روح اس مجلس میں ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی حضور کی روح پاک ملائکہ میں موجود ہو۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔ تاہم احسن و بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فرشتوں کی جماعت کا بہتر ہونا ان کے اللہ تبارک و تقدس کے قریب اور اس بلندی میں ہونے

کی وجہ سے ہے کیونکہ فرشتوں کی بلند جماعت جسے ملاء اعلیٰ کہتے ہیں کو اللہ تعالیٰ کے حضور بہت قرب اور بلند ہونے کی وجہ سے یہ افضلیت حاصل ہے۔ اور جو افضلیت اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے حاصل ہو کوئی شک نہیں کہ بشر اُس سے افضل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بشر کو بھی افضلیت حاصل ہے مگر یہ افضلیت بندے کی عبادت پر کثرت ثواب کی وجہ سے ہے۔ باوجودیکہ بندہ جسمانی موانع اور عوارض میں پھنسا ہوا ہوتا ہے تو ان موانع اور عوارض کے باوجود جو بندہ اللہ کی عبادت پورے اخلاص اور حضور قلب سے کرتا ہے اُس کے افضل ہونے میں کیا شک ہے۔ اسی تحقیق کے قریب ہے وہ بات جو بعض لوگوں نے کہی ہے کہ فرشتوں کا افضل ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ فرشتے خدائے عزوجل کے نزدیک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا (ان الذین عند ربك لا یستکبرون) ترجمہ۔ بے شک وہ بندے یعنی فرشتے جو تیرے رب کے قریب ہیں تکبر سے پاک ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے اس قول میں کہ (انی معکم) اس آیت میں لفظ عند اور معیت اگرچہ انسانوں کے لیے بھی ثابت وشامل ہے مگر ملائکہ کے لیے پہلے اور اول حاصل ہے پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے غلبے کا ظہور اور اُس کے قدس کے انوار عالم ملکوت میں زیادہ واضح اور کثیر مقدار میں ہیں اگرچہ بشر کی افضلیت و بزرگی اور وجہ سے ہے بہت سے علماء نے جہات کے اختلاف کی بنا پر ملائکہ اور انسانوں کے لیے الگ الگ افضلیت بیان فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِیْدُ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِیْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَجَزَآءُ سَیِّئَةٍ مِّثْلُهَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً وَمَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اُسے اُس کے بدلے دس گنا ثواب ملتا ہے اور اُس سے بھی زیادہ۱؎ اور جو ایک برائی کرتا ہے تو اُس کی مثل جزا دی جاتی ہے یا میں اُسے بخش۲؎ دیتا ہوں۔ اور جو بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک گز اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ ایک گز میرے۳؎ قریب ہوتا ہے میں دو گز اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے قریب چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ۴؎ کر آتا ہوں اور جو شخص مجھ سے زمین جتنے گناہ کر لے گا اس حال میں کہ اُس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہوگا تو میں اُس سے زمین۵؎ جتنی مغفرت کے ساتھ

خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً۔ ملاقات کروں گا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (اسے مسلم نے روایت کیا)

۱؎ یعنی جسے چاہتا ہوں اُس کے عمل میں صدقِ اخلاص کے اندازے کے مطابق زیادہ ثواب بھی عطا کرتا ہوں یہاں تک کہ سات سو نیکی تک اُسے ثواب عطا کرتا ہوں۔

۲؎ یعنی ایک برائی کی جزا ایک ہی درجہ عذاب ہے۔

۳؎ یعنی اور اگر میں چاہوں تو اُس کو بالکل سزا نہیں دیتا اس سے مقصود اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کا دوسرا فضل وہ ہے جو اگلی عبارت میں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے۔ الی آخرہ۔

۴؎ یعنی جو شخص تھوڑا سا عمل کرتا ہے جو بارگاہ الٰہی میں کس قدر قرب کا ذریعہ بنتا ہے تو میں اُسے اُس سے زیادہ ثواب اور بدلہ عطا کرتا ہوں اور جس کام مستحق و لائق ہوتا ہے میں اُس سے بھی زیادہ اُسے اپنی بارگاہ میں قرب عطا فرماتا ہوں۔ یہاں حدیث میں لفظ شبر آیا ہے شین کی زیر با ساکن بمعنیٰ ایک بالشت۔ یہاں دوسرا لفظ ذراع آیا ہے یعنی کہنیوں تک لمبا ہاتھ جیسا کہ صراح میں آیا ہے اور قاموس میں فرمایا کہ شبر اُس درازی کو کہتے ہیں جو انگوٹھے سے لے کر سب سے چھوٹی انگلی کے کنارے تک ہوتی ہے۔ اور ذراع اُس لمبائی کو کہتے ہیں جو کہنی کے کنارے سے درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتی ہے۔ حدیث میں تیسرا لفظ 'باع' ہے جس کا معنیٰ ہے دو ہاتھ کے مقدار فاصلہ۔

۵؎ یہاں حدیث میں لفظ ہرولہ آیا ہے۔ ہا کی زبر را ساکن و کی زبر بمعنیٰ دوڑنا۔ جیسا کہ صراح میں مذکور ہے قاموس میں فرمایا ہرولہ اُس رفتار کو کہتے ہیں جو آہستہ چلنے اور دوڑنے کے درمیان کی رفتار ہوتی ہے۔ دراصل یہ کنایہ ہے۔ اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کا قرب اپنے بندوں کی طرف بندوں سے بھی زیادہ تیز پہنچ کرآتا ہے۔ اور اس میں بندوں کے اعمال اور اُن کی نیکیوں پر زیادہ ثواب و زیادہ فضل و عطا کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

۶؎ یہاں حدیث میں لفظ قُراب آیا ہے ق کی پیش یا زیر سے بمعنیٰ ایسی چیز جو کسی چیز کی مقدار کے قریب ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس شخص نے میرے دوست سے دشمنی کی تو بے شک میں نے اُسے

تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَ مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ وَ لَا بُدَّ لَہٗ مِنْہُ ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

اپنے ساتھ جنگ کے لیے آگاہ کر دیا۔[۱] اور میرا بندہ مجھ سے نزدیکی حاصل نہیں کرتا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اُس سے جو کچھ میں نے اُس پر فرض کیا ہے (یعنی میرے بندے کو میرے نزدیک سب سے زیادہ قرب اس سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ میری فرض کردہ چیزوں کو ادا کرے) اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ساتھ میرے قریب ہوتا رہتا ہے[۲] یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں جب میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے[۳] اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے[۴] اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں اگر میرے پاس پناہ لیتا ہے تو میں ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں اور میں توقف اور دیر نہیں کرتا اُس کام میں جسے میں کرنے والا ہوتا ہوں جتنا کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں توقف اور دیر کرتا ہوں بندہ مومن موت کو نہیں چاہتا اور میں نہیں چاہتا کہ اُسے تکلیف میں ڈالوں حالانکہ موت کا اس پر طاری ہونا ضروری امر ہے (بخاری)

﴿ ﴿ ﴿ ﴿

[۱] اور میں اُسے اپنے ساتھ جنگ کرنے کی خبر دیتا ہوں یہاں حدیث میں لفظ ولی آیا ہے جو ولایت سے نکلا ہے ولایت کا معنی محبت کرنا اور مدد کرنا۔ یا اس کا معنی ہے کام کسی کے سپرد کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نظام کائنات کے بہت سے کام اپنے ولیوں کے سپرد کرتا ہے۔

[۲] یعنی ادائے فرائض کے ساتھ بندے کو میرا جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اُس قرب سے جو بندہ نفل عبادت ادا کرنے سے حاصل کرتا ہے کیونکہ فرائض کی ادائیگی میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ زیادہ محبوب اور مجھے زیادہ مطلوب ہے پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نوافل سے جو قرب حاصل ہوتا ہے اُس کا نتیجہ بھی بڑا بلند اور

اس کا درجہ بھی بڑا عظیم ہے کیونکہ نوافل فرائض کو تمام و کمال تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

۳ؑ یعنی ان عبادتوں کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ جو شرعاً فرض و واجب نہیں ہیں۔

۴ؑ یہاں حدیث میں لفظ یبطش آیا ہے۔ رلغت کے لحاظ سے اس لفظ کا معنیٰ ہے کسی پر حملہ کرنا۔ اور کسی کو سختی سے پکڑنا مگر یہاں مطلق پکڑنا مراد ہے۔

۵ؑ یہاں بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ وَفُؤَادَہُ الَّذِیْ یَعْقِلُ بِہٖ۔ یعنی اور میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے۔ اور یہ لفظ بھی آئے ہیں۔ ولسانہ الذی یتکلم بہ۔ اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے اس حدیث کے آخر میں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ وبی یسمع اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ وبی یبصر اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔ وبی یبطش اور میرے ساتھ پکڑتا ہے۔ وبی یمشی۔ اور میرے ساتھ چلتا ہے۔ یعنی وہ بندہ نہیں سنتا، نہیں دیکھتا، نہیں پکڑتا اور نہیں جاتا کسی جانب مگر اس کا ملحوظ خاطر اور اس کا مقصود صرف میری رضا ہوتی ہے اور میری طاعت کو ہی اختیار کرتا ہے۔ اور اس کا منظور و مشہود صرف میری ذات ہی ہوتی ہے۔ بندے کے اس حال کا ابتدائی مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کرتا اور ذات سبحانہ کے قرب کی نیت کرتا ہے۔ یہ مرتبہ عمل کہلاتا ہے۔ اس کا آخری مرتبہ توحید الٰہی میں فنا ہونا ہے۔ اس کلام کی ایک تفسیر وہ ہے جو کتاب فتوح الغیب کی شرح میں کردی گئی ہے۔ جب بندہ اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ مستجاب الدعا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی دعا اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا اور خالص عبادت بن چکی ہوتی ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا اور اس کے مطلوب و مقصود سے نوازتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے برائیوں اور مکروہ امور سے پناہ مانگتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔ یاد رہے کہ یہ معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ جیسا کہ اول روایت کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہے۔ اور چونکہ پناہ دینا اور ذکر سے کلام کا افتتاح کرنا دوستی اور محبت کو ظاہر کرتا تھا اس کی مناسبت سے کلام کا اختتام بھی ایسے مضمون پر کیا جو اسی مذکورہ معنیٰ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا کہ میں کسی کام کے کرنے میں اتنا متردد نہیں ہوتا نہ اس میں اتنا توقف کرتا ہوں جتنا کہ میں اپنے بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد و توقف کرتا ہوں۔ کہ بندہ مومن بہ تقاضائے طبیعت موت سے نفرت کرتا ہے۔ اور میں اسے تکلیف دینا اور ناراض کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں بعض روایتوں میں اس سے آگے یہ عبارت بھی ہے۔ وَلَا بُدَّ لَہٗ مِنْہُ۔ یعنی حالانکہ اسے مرنے سے کوئی چارہ کار نہیں۔ یعنی مجھے اپنے بندۂ مومن سے جو محبت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس کی جان قبض کرنے میں تردد و توقف کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ موت کو ناپسند جانتا ہے تاہم چونکہ موت سے چارہ نہیں اس لیے اسے موت کی آغوش میں جانا ہی پڑتا ہے۔ مگر وہ موت بھی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ موت کے ذریعے وہ طرح طرح کی عزتوں اور بلند درجات پر فائز ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ

کے قرب اور اس کی رضا و خوشنودی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ تردد و توقف استعمال ہوا ہے۔ جو درحقیقت اس کی بلند و پاک درگاہ کے لائق نہیں، کیونکہ تردد و توقف کا معنی ہے دو ارادوں کا مختلف ہونا اور دو ارادوں کا آپس میں ٹکرانا جو ایک فعل سے متعلق ہوں۔ کہ یہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق ارادہ کی غایت اور انتہا کے اعتبار سے ہے۔ یعنی کسی ارادہ کی انتہا اور غایت یہ ہوتی ہے کہ ارادہ کرنے والا اپنا ارادہ پورا کرتا ہے یا پورا نہیں کرتا۔ اسی طرح مخلوق کی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی جاتی ہیں۔ جیسے غضب، حیا اور مکر وغیرہ کہ ان الفاظ کا وہ معنی مراد ہوتا ہے جو ان کا غایت اور انتہاء کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں تردد و توقف کا معنی یہ ہوگا کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں اس طرح تردد و توقف کرتا ہوں جس طرح ایک انسان کسی کام کے انجام دینے میں کرتا ہے (گر میں بندۂ مومن کی جان قبض کے علاوہ کسی کام میں تردد و توقف نہیں کرتا) اور میں اسے موت دینے میں اس لیے تردد کرتا ہوں کہ اس پر موت طاری ہونا آسان ہو جائے۔ اور وہ موت کی جانب مائل ہو جائے، اور موت کا مشتاق اور گرویدہ بن جائے۔ اور موت کا اشتیاق ظاہر کر کے میرے مقرب بندوں کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اور ملاء اعلیٰ کے گروہ میں شامل ہو جائے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا موت میں تردد و توقف کرنے کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ بوقت موت اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندہ پر اپنے لطائف و کرم نوازیوں کا خصوصی اظہار کر کے اس کے دل سے موت کی نفرت نکال دیتا ہے۔ اور اس پر ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ رد و کراہت جو موت کے بارے میں بندے کے اندر موجود ہوتی ہے، وہ دور ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ملاقی ہونے کی بشارت نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام عزت اس کے سامنے نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس حالت تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے کئی قسم کے حالات میں سے گزارتا ہے کہ اسے بیمار کرتا ہے۔ اس پر بڑھاپا طاری کرتا، اس پر فاقہ مسلط کرتا ہے۔ اس پر سے لمبی ڈالتا ہے اور اسے بلا و مصیبت کی شدت میں رکھتا ہے۔ تاآنکہ ان منازل سے گزار کر دنیا سے جدائی کا صدمہ اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اور پھر دنیا سے اس کا تعلق منقطع کر دیتا ہے۔ اور وہ جان کندن کی حالت میں دنیا میں رہنے کی اُمید دل سے نکال دیتا ہے۔ اور اسے اس چیز کا امیدوار بنا دیتا ہے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے۔ اور اسے اپنے دیدار کی عزت اور آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کا مشتاق و گرویدہ بنا دیتا ہے۔ ان اسباب مذکورہ سے اس کے لیے موت کی منزل آسان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کو اس طرح آہستہ آہستہ موت کی حالت تک لے جانا گویا اسے موت دینے میں تردد و توقف کرنا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِى الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِىْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يَحْمَدُوْنَكَ وَ يُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِىْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِىْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَّ اَكْثَرَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْئَلُوْنَ يَسْئَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اہل ذکر کو تلاش کرنے کے لیے جب وہ کسی گروہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں معروف پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی حاجت (مقصد) کی جانب آجاؤ (جسے تم تلاش کر رہے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو وہ فرشتے ان پر آسمان دنیا تک اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا رب ان سے دریافت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ علم والا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے رب تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ہیں یا رب العزۃ وہ تیری تسبیح کر رہے ہیں تیری بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ تیری حمد و ثنا کر رہے ہیں تیری عظمت و بزرگی بیان کر رہے ہیں حضور فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے تجھے بالکل نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ (بندے) تجھے دیکھ لیں تو تیری عبادت زیادہ کریں گے تیری تعظیم زیادہ کریں گے اور تیری تسبیح کثرت سے کریں گے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے (مجھ سے) کیا مانگ

حِرْصًا وَّ اَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَّ اَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ فَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَ اللّٰهِ يَارَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَّ اَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَّيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَئُوْا مَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى السَّمَآءِ قَالَ

رہے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں واللہ یارب انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا حضور نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو اس کی حرص وچاہت زیادہ کریں گے اور اسے بہت زیادہ طلب کریں گے اور اس کی جانب بڑی رغبت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس وہ کس چیز سے پناہ پکڑتے ہیں حضور نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے حضور نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں واللہ یارب انہوں نے اُسے بالکل نہیں دیکھا حضور نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو اس سے بہت دور بھاگیں گے اور اس سے بہت زیادہ ڈریں گے (اس پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے ان کو بخش دیا حضور فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ایسا ہے جو ان میں سے نہیں ہے۔ وہ اپنے کسی کام آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے وہ ذاکر بندے ایسے ہم نشیں ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بدبخت (بدنصیب) نہیں ہوتا۔ (بخاری)

اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو

فَيَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِحَالِهِمْ مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُولُونَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِي الْأَرْضِ يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيُهَلِّلُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيَسْأَلُونَكَ جَنَّتَكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِي قَالُوا لَا أَيْ رَبِّ قَالَ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِي قَالُوا وَيَسْتَجِيرُونَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيرُونِي قَالُوا مِنْ نَارِكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا نَارِي قَالُوا لَا قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِي قَالُوا يَسْتَغْفِرُونَكَ قَالَ فَيَقُولُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَأَعْطَيْتُهُمْ مَا سَأَلُوا وَأَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوا قَالَ يَقُولُونَ رَبِّ فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُولُ وَلَهُ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

زمین میں گھومتے رہتے ہیں یہ فرشتے بڑے فاضل اور اعلٰی درجے کے ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے ذکر کی مجلس تلاش کرتے ہیں جب وہ کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں تو اس میں بیٹھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنے پر پھیلاتے ہیں یہاں تک اس جگہ سے کر آسمان دنیا تک ساری فضا پُر کر دیتے ہیں جب ذکر کرنے والے بکھر جاتے ہیں تو وہ فرشتے اوپر آسمانوں کی طرف چڑھتے اور اوپر آسمان کی طرف عروج کر جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے (حالانکہ وہ ان سے زیادہ علم والا ہوتا ہے) کہ تم کہاں سے آئے ہو فرشتے کہتے ہیں ہم تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو زمین میں ہیں۔ وہ بندے تیری تسبیح کرتے ہیں تیری بڑائی بیان کرتے ہیں۔ تیری تہلیل کرتے ہیں (کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں) تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور بعض نسخوں کے مطابق تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے تیری جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار انہوں نے تیری جنت کو نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری جنت دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہوگا۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ وہ بندے تجھ سے پناہ پکڑتے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں تیری آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں انہوں نے آگ کو دیکھا تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری آگ کو دیکھ لیں تو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ وہ بندے تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بے شک میں نے ان کو بخش دیا۔ اور میں نے ان کو عطا کر دیا جو انہوں نے مجھ سے مانگا۔ اور میں نے ان کو پناہ دے دی اس چیز سے جس

سے انہوں نے مجھ سے پناہ طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یا رب ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی ہے جو بڑا بدکار اور گنہگار ہے۔ وہ تو صرف گزر رہا تھا کہ ان میں بیٹھ گیا (اس نے تیرا کوئی ذکر نہیں کیا) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اس بندے کو بھی بخش دیا وہ ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا۔

لے جو سب آسمانوں سے نیچے اور زمین سے نزدیک تر ہے۔

ﷲ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے دریافت کرنے اور سوال کرنے کا فائدہ انسان کے شرف کا اظہار۔ اور ان کی اچھائی ان کی تسبیح و تقدیس کا بیان ہے۔ اور ضمناً ملائکہ پر چوٹ ہے جنہوں نے انسان کے خسارے اور نافرمان ہونے کی گواہی دی تھی اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے والا ظاہر کیا تھا۔

ﷲ اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے۔

ﷲ یعنی وہ جنت پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں اور جنت کے موجود و ثابت ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ بخلاف ملائکہ کے کہ وہ جنت کو دیکھ کر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ﷲ اگرچہ وہ ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے کسی کام آیا ہوتا ہے۔ ان ذکر کرنے والوں کے کام (ذکر) میں شامل ہونے کے لیے نہیں آیا۔ میں نے اس کو بھی بخش دیا اور اس کے گناہ معاف کر دیے۔

بیت۔ ہمنشینی اولیاء چوں کیمیا است کیمیائے خود باین خوبی کجاست

اولیاء اللہ کے ساتھ محبت و ہمنشینی کیمیا کا درجہ رکھتی ہے۔ بلکہ کیمیا بھی ان کی صحبت کی برکتوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

ﷲ یہاں حدیث میں لفظ فُضُلاً آیا ہے۔ فا کی پیش، ض ساکن یا ض پر بھی پیش۔ بعض نسخوں میں فُضَلاء بروزن فُصَحَاء آیا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگرچہ یہ لفظ اپنی حد ذات میں فصیح ہے مگر یہاں اسے بروزن فصحاء پڑھنا درست نہیں بلکہ وہم ہے۔

ﷲ بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے کہ حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے حالات کو بہت بہتر جانتا ہے۔

ﷲ یہاں حدیث میں لستجیرونی آیا ہے یعنی بعض نسخوں میں یہاں بغیر نون مشدد کے آیا ہے۔

ﷲ یعنی اُن کے پاس بیٹھنے اور اُن کی صحبت اختیار کرنے کی وجہ سے اُن کے پاس بیٹھنے والا بدبختی کی نحوست سے بچا لیا جاتا ہے۔ حضور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

أَنَا مِنْ رِجَالٍ لَا يَخَافُ جَلِيسُهُمْ
رَيْبَ الزَّمَانِ وَلَا يَرَى مَا يُرْهَبُ

ترجمہ۔ یں اُن مردانِ خدا میں سے ہوں جن کے پاس بیٹھنے والے کو زمانے کے حادثات کا کوئی خطرہ نہیں اور نہ وہ ایسی چیزیں دیکھے گا جن سے انسان ڈر جاتا ہے۔

وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا

حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق ملے تو فرمایا اے حنظلہ تم کیسے ہو میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہہ رہے ہو میں نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمارے سامنے دوزخ اور جنت کا ذکر اس طرح کیا کرتے ہیں گویا کہ ہم جنت اور دوزخ کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر آ جاتے ہیں بیویوں اور اولاد اور زمینوں اور باغات سے ہماری مصروفیت جاتی تھی تو ہمیں بہت سی چیزیں بھول جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم بھی اپنے اندر ایسی ہی حالت محسوس کرتے ہیں حضرت حنظلہ فرماتے ہیں تو میں اور ابوبکر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ کیا بات کر رہے ہو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے دوزخ اور جنت کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اس طرح محسوس کرتے ہیں گویا کہ ہم لوگ انہیں آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں جب ہم آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں اور اپنی

كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بیویوں اپنی اولاد اور اپنی زمینوں اور باغات وغیرہ سے رَل مِل جاتے ہیں تو ہم بہت سی چیزیں بھلا دیتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ مسلسل اسی حالت میں رہو جو میرے پاس تمہاری ہوتی ہے یعنی ذکر کی حالت میں بھی تو تمہارے بستروں پر فرشتے تم سے آکر مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ ایک گھڑی میں حالت کچھ ہوتی ہے اور دوسری گھڑی میں کچھ ہوتی ہے یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

سلہ راکی پیش با کی زبر یا کے نیچے زیر مشدد۔

سلہ الاسیدی ھمزہ کی پیش سین کی زیر یا مشدد کی زیر اور ایک روایت میں یا ساکن بھی آئی ہے یہ لفظ اسید بن امر بن تمیم کی طرف منسوب ہے آپ صحابی ہیں کاتب وحی تھے عرب کے زاہد اور عبادت گزار اور عقلمند لوگوں میں سے تھے آپ نے طویل عمر پائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت کے ابتدائی ایام میں وصال فرمایا۔

سلہ یعنی تمہارے یقین وایمان کا حال کیا ہے۔

سلہ یعنی اس خلوص ایمانی کے ہوتے ہوئے تم اپنی طرف نفاق کی نسبت کیوں کر رہے ہو۔

۵ یعنی جب ہم لوگ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس سے اٹھ کر باہر آتے ہیں تو ہم پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور وہ حالت باقی نہیں رہتی جو حضور کی مجلس میں ہوتی ہے۔ یاد رہے یہاں حدیث میں عافسنا آیا ہے جو معافست سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے رَل مِل اور گھل مِل جانا۔ حدیث میں دوسرا لفظ الضیعات ہے جو کہ ضیعۃ کی جمع ہے بمعنیٰ ایسی چیزیں جن سے بندے کی معاش متعلق ہوتی ہے جیسے تجارت اور زراعت وغیرہ یہ لفظ پیشے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ قاموس میں فرمایا ضیعۃ اس زمین کو کہتے ہیں جو حاصل کی ہوتی ہے۔

سلہ یعنی ہماری حالت بھی ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے اور آپ سے غائب ہو جانے کی حالتوں میں فرق واقع ہو جاتا ہے اگرچہ یقین وایمان اپنی حالت پر برقرار رہتے ہیں۔ مگر قلبی کیفیت میں فرق پڑ جاتا ہے۔

ﻛﻪ کیونکہ اس کا ظاہر اور باطن ہر وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔

۵۸ گزشتہ حدیث کے الفاظ میں لفظ عافسنا صیغہ غائب تھا یہاں لفظ حاضر سے ہے یعنی عافسنا۔
۵۹ یعنی ہمیشہ تم لوگ ملائکہ کو مختلف حالتوں میں دیکھتے۔
۶۰ یہاں حدیث میں لفظ ساعۃ وساعۃ آیا ہے اور مصابیح میں ساعۃ فساعۃ یعنی ایک گھڑی حضور قلب کی ہوتی ہے جس میں تم اپنے پروردگار کے حقوق ادا کرتے ہو اور دوسری گھڑی اس سے غائب ہونے کی ہوتی ہے جس میں تم اپنی جانوں کے حقوق ادا کرتے ہو بندے کا وجد وحضور کی ایک ہی حالت پر ہر وقت قائم رہنا مشکل اور دشوار ہے اور (اس کی حکمت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

بیت۔ اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشاندے
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ترجمہ ا: اگر درویش ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو دونوں عالم سے اپنا ہاتھ جھاڑ بیٹھتا۔
۲: کبھی تو میں اونچے محل پر جا بیٹھتا ہوں اور کبھی میں اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ سکتا۔
۶۱ ظاہر یہ ہے کہ تین دفعہ فرمانے سے اس فقرے کا تین دفعہ فرمانا مراد ہے یعنی یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تین دفعہ کے تکرار سے تکرار ساعت مراد ہو یعنی بندے کی ایک گھڑی تو ذکر اور پروردگار کے حقوق ادا کرنے میں گزرتی ہے اور دوسری گھڑی اپنے نفس اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے میں بسر ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَ اَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَ اَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَ خَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَ الْوَرِقِ وَ خَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَ یَضْرِبُوْنَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں تمہارا سب سے بہتر عمل نہ بتاؤں اور وہ عمل جو تمہارے بادشاہ یعنی پروردگار کے نزدیک سب سے پاکیزہ عمل کہلاتا ہے اور جس عمل سے تمہارے درجے سب سے زیادہ بلند ہوتے ہیں اور جو عمل تمہارے لیے سونا اور چاندی[۱] کے خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے جہاد میں ٹکراؤ اور تم ان کی گردنوں کو اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنوں کو اڑائیں[۶۲] یعنی جو عمل جہاد سے بھی افضل ہے اور اللہ

اَعْمَالِكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّ مَالِكًا وَقَفَهٗ عَلٰى اَبِى الدَّرْدَاءِ ۔

کے دستے میں جان فدا کرنے سے بھی بہتر ہے صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے ۔ اسے مالک اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ۔ مگر مالک نے اس حدیث کو ابو درداء صحابی پر موقوف رکھا ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ ورق ہے ۔ قاموس میں ہے کہ ورق بروزن کتف درجل وہ درہم جو سکے کے طور پر چلتے ہوں ۔

سلہ یعنی تم کافروں کو مارو اور کافر تمہیں ماریں ۔ مطلب یہ ہے کہ کفار سے لڑائی اور جہاد کرنا ۔

سلہ یعنی وہ عمل ہمیں ضرور بتائیں جس کی آپ نے اتنی تعریف کی ہے ۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے افضل ذکر خدا ہے ۔ حتیٰ کہ صدقے اور راہ خدا میں جہاد و قتال سے بھی افضل ہے ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ دوسروں میں اثر کرنے والی عبادت صرف اپنی ذات میں محدود رہنے والے اثر کی عبادت سے افضل ہے یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ افضلیت ذکر خدا کے علاوہ دوسری عبادتوں میں ہے ۔

شلہ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اس حدیث کو نہیں ملایا ۔ یاد رہے حدیث موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں جیسا کہ مقدمہ میں گزرا ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَ حَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سب سے بہتر انسان کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا مبارک ہے وہ شخص جس کی عمر لمبی ہوئی اور ساری نیک کاموں میں گزری ۔ اعرابی نے کہا یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے جس کا ثواب بھی زیادہ ہو آپ نے فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو سلہ ۔

اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا ۔

؎ با کی پیش سین ساکن آپ صحابی ہیں۔ ان کا باپ، ان کا بھائی علیبہ اور ان کی بہن حضرت صماسیے صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھران کی زیارت کے لیے آیا کرتے اور ان کے پاس آ کر کھانا کھاتے تھے اور ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ مشہور قول کے مطابق آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے ملک شام میں وصال فرمایا۔

؎ زبان کا تر ہونا اس امر سے کنایہ ہے کہ زبان پر اللہ کا ذکر بڑی سہولت بڑی آسانی اور بڑی روانی سے جاری ہو جیسا کہ خشک زبان چلنے میں دقت محسوس کرتی ہے۔ یا زبان کے تر ہونے سے اس جانب اشارہ ہے کہ موت کے قریب اس کی زبان پر مسلسل ذکر جاری ہو اور زبان ذکر سے نہ رکی ہو اور خشک نہ ہوئی ہو کہ اس سے پہلے موت طاری ہو جائے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ جنت کے باغوں میں سے گزرو تو ان میں سے کھا لیا کرو ؎ صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کیا چیزیں ہیں فرمایا ذکر الٰہی کے حلقے ؎ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

؎ یہاں حدیث میں لفظ فارتعوا آیا ہے جس کا معنی ہے چرلیا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کھا لیا کرو۔

؎ کہ لوگ جمع ہوتے ہوں اور ذکر خدا کرتے ہوں اس لیے کہ ذکر کی ایسی مجلسیں بندے کو جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہیں یا ایسی مجلس سے تمہیں وہ ذوق وحضور نصیب ہو گا جو جنت کی نعمتوں کے ذائقے کی طرح اور اس کے نمونے کی مانند ہو گا۔

بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ دنیا میں بہشت کی لذت وہ ذوق اور وہ چاشنی و مٹھاس ہے جو سحری کے وقت مناجات میں اللہ تعالیٰ سے چاپلوسی کرتے وقت نصیب ہوتی ۔ یہاں حدیث میں حلق الذکر آیا ہے حلق حا کی زیر لام کی زبر سے حلقہ کی جمع ہے جو کہ حا کی زبر لام ساکن سے پڑھا جاتا ہے جیسے بدرۃ و بدر اور قصع و قصعہ اور حلق و حلقہ دونوں کلموں کو زبر سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی حلق حلقہ جوہری نے کہا کہ حلق اور حلقہ دونوں لام ساکن سے ہیں۔ جیسے تمر و تمرہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ حلقہ اور دائرہ بنا کر ذکر کرنا جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے

يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَ مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تو اُس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور نقصان ہے اور جو آدمی پہلو پر لیٹ کرسے گر اُس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اسے اللہ کی طرف سے حسرت اور نقصان لاحق ہوتا ہے[۱]۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یعنی بندے کو چاہیے کہ ہر حال میں اپنی نشست و برخاست نیند اور بیداری کی حالت میں شب روز اللہ کے ذکر میں مصروف رہے کیونکہ جو وقت اللہ کے ذکر سے خالی گزرے گا قیامت کے دن بندے کو اُس پر بڑی حسرت اور ندامت لاحق ہوگی۔

بیت۔

چو اول شب آہنگ خواب آورم — بہ تسبیح نامت شتاب آورم

وگر نیم شب سر برآرم زخواب — ترا خوانم و ریزم از دیدہ آب

وگر بامداد ست راہم بہ تست — ہمہ روز تا شب پناہم بہ تست

ترجمہ (۱) جب رات کے اول حصے میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو سبحان اللہ کے ساتھ تیرا نام زبان پر جلدی لاتا ہوں۔

(۲) اور اگر آدھی رات نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں تو میں تجھے ہی پکارتا اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوں۔ اور گراتا ہوں آنکھ سے پانی۔

(۳) اور اگر صبح کو مجھے تیرا راستہ ملتا ہے تو سارا دن رات تک میری پناہ تجھ سے ہی ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَّ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گروہ نہیں جو کسی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اُس میں خدا کا ذکر نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ کھڑا ہوتا ہے گدھے کے مردار کی مثل چیز سے اور وہ مجلس اُن کے لیے حسرت و افسوس کا موجب بنے گی[۱]۔

اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یعنی جو لوگ مجلس میں مل کر بیٹھیں اور دنیا کی باتوں اور گپ شپ میں یا بیہودہ گوئی میں مصروف رہیں تو اُن کی مثال ایسے ایسے لوگوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو گدھے کے مردار کے پاس بیٹھے ہوئے ہوں اور پھر کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد اٹھ کر چل پڑیں اور

منتشر ہو جائیں خلاصہ حدیث یہ ہے کہ جو مجلس اللہ کے ذکر سے خالی ہو وہ نحوست و خرابی میں ایسی ہے جیسے گدھے کے مردار جسم سے بری بدبو پھیل رہی ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْہِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّہِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْہِمْ تِرَۃً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَہُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَہُمْ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بیٹھا کوئی گروہ کسی مجلس میں جس میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک نہیں پڑھتا مگر ان کا اس طرح بیٹھنا اُن کے لیے حسرت و ندامت ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو انہیں بخش دے گا[1]

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] یعنی اگر چاہے گا تو ذکر و درود کے ترک پر انہیں سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی اس تقصیر کو معاف کر دے گا۔

وَعَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْہِ لَا لَہٗ اِلَّا اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ نَہْیٌ عَنْ مُّنْکَرٍ اَوْ ذِکْرُ اللّٰہِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے بیٹے کی ہر گفتگو اس پر بوجھ بنی ہوئی ہے اُس کے لیے فائدہ مند ہو گی مگر وہ جو اس نے نیک کام کا حکم دیا ہوگا یا بُرے کام سے روکا ہوگا یا اللہ کا ذکر کیا ہوگا یعنی مجلس میں بیٹھ کر نیک بات کا حکم دینا برائی سے روکنا یا اللہ کا ذکر کرنا تو قیامت کے دن اسے فائدہ پہنچائے گا اور جو گفتگو اس کے علاوہ ہوگی وہ بندے کے گناہوں میں لکھی جائے گی اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب[1] ہے۔

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز اور مباح گفتگو بھی موجب نقصان ہے۔ اس حدیث میں درحقیقت مباح گفتگو سے بھی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسی گفتگو میں بھی خسارہ ہے اور اس سے بھی دل سخت اور سیاہ ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ وَ اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو اس لیے کہ ذکر الٰہی کے بغیر بولتے رہنا دل کو سخت[1] کرتا ہے اور بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور وہ دل ہے جو سخت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] یعنی بے ذکر خدا بولتے رہنا دل کی سختی کا موجب ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ غافل دل سے اور خوف و امید کے جذبات سے خالی دل سے ذکر کرنا بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتا اور ایسے انسان کے دل میں اچھی اور پسندیدہ صفتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ نَزَلَتْ فِي الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ لَوْ عَلِمْنَا اَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهٗ فَقَالَ اَفْضَلُهٗ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَّ زَوْجَةٌ مُّؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهٗ عَلٰى اِيْمَانِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی (والذین یکنزون الذھب والفضۃ) اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا اور چاندی) اس وقت ہم لوگ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کسی سفر میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا کہ سونے اور چاندی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کاش ہمیں پتہ چل جائے کہ کونسا مال بہتر اور اچھا ہے تاکہ ہم اُسے جمع کریں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے۔ اسی طرح بہتر مال سچے ایمان والی بندے کی بیوی ہے جو اس کے ایمان پر اس کی مددگار[2] ہوتی ہے۔ اسے احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] حضرت ثوبان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں سفر و حضر میں ہر وقت حضور کی درگاہ اقدس میں حاضر رہتے تھے۔

۵؎ یعنی جو احکام ایمان میں اُس کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنے اور اسے بچ لینے رزق حلال کھانے عفت اور پاکیزگی ۔ذکر الٰہی میں دل جمعی اور حضور قلب کی نعمت کے نصیب ہونے میں اُس کی مدد گار بنے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِیَۃُ عَلٰی حَلْقَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا آللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا غَیْرُہٗ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَکُمْ وَ مَا کَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَلَّ عَنْہُ حَدِیْثًا مِّنِّیْ وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ ھٰھُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ وَ نَحْمَدُہٗ عَلٰی مَا ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَ مَنَّ بِہٖ عَلَیْنَا قَالَ آللّٰہِ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا آللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِکَ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَکُمْ وَلٰکِنَّہٗ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد کے اندر لوگوں کے ایک حلقے (مجلس) کی طرف تشریف لائے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے یہاں بٹھا رکھا ہے لوگوں نے کہا ہم لوگ ذکر الٰہی کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کیا تم لوگ قسم کھاتے ہو کہ تمہیں اللہ کے ذکر کے سوا کسی اور چیز نے نہیں بٹھایا لوگوں نے کہا ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہمیں ذکر الٰہی کے سوا کسی چیز نے نہیں بٹھایا فرمایا آگاہ رہو بے شک میں نے تم سے تم پر کوئی تہمت لگانے کے لیے قسم نہیں اٹھوائی اور کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میرے مرتبے پر میری طرح نہ تھا میں ہی آپ سے سب سے کم حدیث بیان کرتا تھا اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کرام کے ایک حلقے پر تشریف لائے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے یہاں بٹھا رکھا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا ہم لوگ یہاں اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم لوگ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں دین اسلام پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائی اور اسلام کی نعمت عطا کر کے ہم پر احسان فرمایا آپ نے فرمایا تم لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہو کہ تمہیں ذکر الٰہی کے سوا کسی چیز نے نہیں بٹھایا لوگوں نے کہا ہم اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کہ میں کسی چیز نے ان کے سوا نہیں بٹھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو بے شک میں نے کسی تہمت کے خدشے کی بناء پر تم سے قسم نہیں لی بلکہ امر واقع یہ ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور مجھے خبر دی کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔[۵] (مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ آللہ آیا ہے لفظ اللہ پر حرف قسم یعنی و محذوف ہے جب حرف قسم محذوف ہوتا ہے تو یہ کلمہ یعنی اللہ پہ زبر پڑھی جاتی ہے کبھی اس پہ اس صورت میں زیر بھی پڑھ دیتے ہیں اس کے بعد حرف استفہام بھی لاتے ہیں جسے لمبا کر کے پڑھتے ہیں یعنی آللہ۔

۲ہ یہاں بھی لفظ اللہ پر حدیث میں ھمزہ استفہام صرف پہلی قسم کے ساتھ شکل ملانے کے لیے لایا گیا ہے۔

۳ہ یعنی تمہیں جھوٹا جانتے ہوئے میں نے تم سے قسم نہیں اٹھوائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیروی اور اتباع کے ارادے سے قسم اٹھوائی ہے کیونکہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ کرام کا ایک حلقہ مسجد میں بیٹھا ہوا ہے آپ نے اُن سے بھی اسی طرح قسم اٹھوائی تھی جیسا کہ میں نے تم سے اٹھوائی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگلی حدیث پاک بیان فرمائی۔

۴ہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے مقصد بیان واقع ہے (یعنی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتا تھا) یا اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بھولتی تھی کیونکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اور کم حدیثیں یاد رکھنا آسان ہوتا ہے کیونکہ جو شخص زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے اس میں بھولنے کا احتمال بھی ہوتا ہے۔

۵ہ اور تم سے فرشتوں پر ناز کرتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَاَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ شریعت اسلامی کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہو گئے یعنی میں انہیں زیادہ خیال کرتا ہوں تو آپ مجھے ایسی چیز کی خبر دیں جسے میں اپنے پنجے سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لوں۔[۱] آپ نے فرمایا تیری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ[۲] تر رہنی چاہیے۔

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب

حسنٌ غریبٌ ۔

لہ یہ وہ صحابی ہیں جن کا ذکر گزشتہ فصل ثانی میں قریب ہی گزرا ہے۔

لہ یعنی مجھے ایسا عمل بتائیں جس سے مجھے ثواب کثیر حاصل ہو اور میں اُسے لازم پکڑ لوں اور اسے فرائض کے بعد اُسے اپنا وِرد بنا لوں اور باقی تمام نوافل و اوراد سے بے نیاز ہو جاؤں۔ علمائے کرام نے اس کلام کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

لہ اس عبارت کا معنی فصل ثانی میں گزر چکا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِهٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَیَخْتَضِبَ دَمًا کَانَ الذَّاکِرُ لِلّٰهِ اَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا بندوں میں سب سے افضل اور درجے کے لحاظ سے سب سے بلند قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کونسا بندہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ہوں گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے غازیوں سے بھی افضل اور بلند مرتبہ ہوں گے۔ فرمایا ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کفار و مشرکین کو اپنی تلواروں سے اتنا ماریں کہ اُن کی تلواریں ٹوٹ جائیں اور خون سے رنگین ہو جائیں تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا درجے کے لحاظ سے افضل ہی ہے لہ۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی اگرچہ کفار سے جہاد اور جنگ اس حد کو بھی پہنچ جائے کہ مجاہدین کی تلواریں ٹوٹ جائیں اور کافروں کے خون سے رنگین ہو جائیں تو پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی افضل اور اعلیٰ ہے۔ معمولی درجے کا جہاد کرنے والا تو اس سے بہت ہی کم درجے والا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان

اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ تَعْلِیْقًا)

آدم کے بیٹے کے دل پر بیٹھا رہتا ہے اور اس سے چمٹا رہتا ہے جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دل سے جدا ہو جاتا ہے اور جب وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو فوراً وسوسہ[1] اندازی شروع کر دیتا ہے ۔ اسے بخاری نے تعلیقاً[2] روایت کیا۔

[1] یعنی جب بندہ ذکر خدا سے غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے تو شیطان دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جاثم آیا ہے جو جثوم سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے پرندے یا آدمی اور چوپے وغیرہ کا زمین پر اپنا سینہ رکھ دینا یعنی وہ چیزیں جو زمین پر حرکت کرتی ہوں اور جانور وغیرہ ۔ حدیث میں دوسرا لفظ خنس آیا ہے جو خنوس سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا پیچھے ہٹ جانا اور کسی چیز کا پوشیدہ ہو جانا اور لفظ وسواس کا معنیٰ ہے دل میں برے برے خیالات ڈالنا۔

[2] یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو بطور تعلیق روایت کیا۔ تعلیق کا معنیٰ ہے اسناد کے اول سے کسی راوی کا نام حذف کر دینا امام بخاری اس قسم کی احادیث الابواب کے تراجم میں لاتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمے میں گزرا۔

وَعَنْ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِلِیْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّیْنَ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِلِیْنَ كَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِیْ شَجَرٍ یَابِسٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ مِثْلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِیْ وَسْطِ الشَّجَرِ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِلِیْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِیْ بَیْتٍ مُّظْلِمٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِلِیْنَ یُرِیْهِ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ حَیٌّ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِی الْغَافِلِیْنَ یُغْفَرُ

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے غافل لوگوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا انسان ایسا ہے جیسے بھاگ جانے والوں کے پیچھے دشمن کے مقابلے میں ڈٹ کر لڑنے[1] والا اسی طرح اللہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال خشک درخت میں سے سرسبز شاخ کی طرح ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ غافل لوگوں میں ذکر کرنے والے کا کیا حال ایسا ہے جیسے سوکھے درختوں کے درمیان سرسبز درخت اسی طرح غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال اندھیرے گھر میں روشن چراغ کی طرح ہے غافل لوگوں کے درمیان اللہ کے ذکر کرنے والے انسان کی اللہ تعالیٰ اتنی مقدار میں مغفرت

لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَّ اَعْجَمَ وَ الْفَصِيْحُ بَنُوْ اٰدَمَ وَ الْاَعْجَمُ الْبَهَائِمُ۔	کرتا ہے یعنی اُس پر بخشش اور رحمت نازل کرتا ہے جتنی تعداد دنیا میں پھیلے ہوئے انسانوں اور تمام حیوانات کی ہے۔
(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)	اسے رزین نے روایت کیا۔

لہ یعنی میدان جنگ سے ایک جماعت بھاگ کھڑی ہو اور اُن میں سے ایک آدمی میدان جنگ میں ہی ڈٹا رہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے تو اس کی فضیلت بھاگ جانے والی جماعت پر کس قدر زیادہ ہوگی مگر اللہ کا ذکر کرنے والے کی شان اور فضیلت اس مجاہد سے بھی بڑھ کر ہے۔

سلہ یعنی یا تو خواب میں یا بیداری میں یا دکھانے سے مراد ہے کہ اُسے ایسا یقین عطا کرتا ہے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بندہ کو سب سے بڑھ کر نجات عطا کرنے والا کوئی عمل جو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہوتا لہ۔ مالک ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لہ یعنی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والا سب سے اعلیٰ اور بڑھ کر عمل خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ جب کہ اُس کے دونوں ہونٹ حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	اسے بخاری نے روایت کیا۔

لہ مراد یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں ذکر میں مصروف ہوتے ہیں اور یہ افضل حالت ہے اور یہ کلمہ جبکہ وہ "میرا ذکر کر رہا ہوتا ہے" اُس کی تفسیر نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ذکر صرف زبان سے ہی ہو سکتا ہے بلکہ حدیث پاک سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ دل سے بھی ذکر ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَّصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہر چیز کے لیے اس کے اوپر سے زنگ اور میل کچیل دور کرنے کے لیے ایک چیز ہوتی ہے اور دل کا زنگ دور کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والی ذکر اللہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں فرمایا نہیں چاہے مجاہد اپنی تلوار اس قدر چلاتا رہے کہ اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے[1] اسے بیہقی نے دعوات الکبیر میں روایت کیا۔

[1] یعنی جہاد کرتے کرتے اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس مجاہد سے افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید کی حدیث میں گزرا اور کتاب حصن حصین میں ہے کہ چاہے وہ مجاہد اپنی تلوار کے ساتھ کافروں سے اتنا جہاد کرے کہ اس کی تلوار ہی ٹوٹ جائے یعنی پہلی روایت میں لفظ ینقطع اور دوسری روایت میں لفظ تنقطع آیا ہے اور بعض نسخوں میں ننقطع آیا ہے یعنی اس حد تک تلوار چلائیں کہ ہمارے جسم ہی ٹوٹ پھوٹ جائیں تب بھی ذکر الٰہی کرنے والا انسان افضل ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص جہاد مستثنیٰ ہے اور یہ دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ لہٰذا ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینا ضروری ہے یا ہم یوں کہیں گے کہ ننقطع کی روایت راوی کا وہم ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ہے یا یوں کہا جائے گا کہ وہ جہاد جو ذکر سے کم درجہ ہے وہ جہاد ہے جو ذکر سے خالی ہو اور اگر جہاد کرنے والا جہاد کے ساتھ ساتھ ذاکر بھی ہو تو کوئی شک نہیں کہ یہ جہاد صرف ذکر سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

کِتَابُ اَسمآءِ اللّٰہِ تَعَالیٰ

اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کی کتاب

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سب کے سب توقیفی ہیں یعنی شرع شریف اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اجازت پر موقوف ہیں یعنی کہ شرع میں جس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر آچکا ہو اسی ہی نام سے اسے پکارنا درست ہے اپنی عقل سے اس کے لیے کوئی نام تجویز نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ دونوں ناموں کا ایک ہی معنیٰ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کو عالم کہہ سکتے ہیں۔ عاقل نہیں کہہ سکتے۔ اور جواد کہہ سکتے ہیں سخی نہیں کہہ سکتے اور شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء جن سے اس کی صفت کرنا مقصود ہو عقل سے بھی تجویز کرنا جائز ہے مگر بطور نام اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ امام غزالی کا یہ قول اس شرح و بیان کا متقاضی ہے جو عربی شرح میں کر دی گئی ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ بندہ اللہ کی صفتوں سے موصوف اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ بندہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی صفتوں کا حامل بن جاتا ہے۔ خدا کی پناہ کہ بندے کی صفات اللہ کی صفات کی مثل ہو جائیں کیونکہ مثل اُسے کہتے ہیں جو دوسری چیز کے ساتھ ہر لحاظ سے مثل اور اس کے ساتھ شریک ہو یہ بات یہاں ناممکن ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ لیس کمثلہ شیٔ ہے (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہو سکتی) بلکہ مراد یہ ہے کہ بندے کی صفات کسی نہ کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو بن جاتی ہیں۔ جو کہ بندے کے حال کے مناسب ہوتا ہے جس طرح کہ اس نام کا اطلاق کر سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں بندے کی خدا کے ساتھ کسی بات میں مشارکت نہیں ہو سکتی سوائے لفظی اطلاق کے مثلاً لفظ رحمت قدرت اور عزت جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے اعتبار سے ان کی حقیقت کچھ اور ہے اور جب ان کا اطلاق بندے پر کیا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ بندے میں رحمت بھی ہے اور قدرت و عزت بھی کہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں تو بندے میں ان کا معنیٰ وہ نہیں جو خدا کے لیے ان کا معنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے وہم و تصور سے بھی پاک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفتوں سے بندے کا متخلق ہونا اسم اللہ کے ماسوا میں ہے یعنی ان میں رہا ہے جو اسماء صفات میں سے ہیں اور جن کا تعلق ان اسماء سے ہے جن کے معنیٰ کا اعتقاد رکھتے ہوئے صدق ہمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس طرح حق عبودیت ادا کرتے ہیں تو اس حقیقت کے باوجود بندہ جن جن اسماء کے معنی سے متخلق ہوتا ہے ان کا ذکر آئندہ شرح کے ضمن میں آئے گا تاہم اسم اللہ سے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی بھی متخلق اور متصف نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مِّائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَّنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَّهُوَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مبارک ہیں[۱] جو شخص انہیں گنتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا یعنی اس کے ایک کم سو[۲] نام ہیں جو شخص انہیں گنتا اور حفظ کرتا ہے وہ جنت[۳] میں داخل ہوگا اور ایک روایت میں یوں آیا ہے اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق عدد کو پسند[۴] کرتا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

[۱] یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت شدہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی سات صفتیں ہیں تو پھر یہ اتنے نام کہاں سے آگئے دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانوے کی تعداد سے زیادہ ہیں تو پھر صرف اس عدد کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ صفات سات ہیں مگر افعال زیادہ ہیں لہٰذا اسماء کی کثرت افعال کی کثرت کی وجہ سے ہے اور حقیقت میں ان صفات میں سے کسی ایک صفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے صرف اتنے عدد میں حصر کرنا صفت کی وجہ سے ہے کیونکہ فرمایا جو شخص انہیں گنتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا تو شاید کہ جنت میں داخل ہونے کی خاصیت انہی اسماء کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ کسی بادشاہ کے پاس ایک لاکھ سوار ہوں اور وہ یوں کہے کہ میرے ہزار سوار ایسے ہیں میں انہیں جہاں پہنچنے کا حکم دیتا ہوں وہ اس جگہ پہنچتے اور فتح حاصل کرتے ہیں اگرچہ سوار زیادہ ہوتے ہیں مگر یہ صفت ہزار سوار کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ علماء نے اس کا یہی مطلب بیان کیا بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ ہر انسان میں ایک کم سو بری اور تاریک خصلتیں ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک کم سو نام ایسے منتخب فرمائے جن میں سے ہر نام کا نور نفس کی ظلمت وکدورت زائل کرنے کے لیے مناسبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی خصوصیات وانوار میں سے ایک خصلت اور نور ان تاریک نفسانی خصلتوں پر وارد ہوتا ہے تو نفس کی وہ تاریکی اللہ تعالیٰ کے اسم کے نور سے زائل ہو جاتی ہے اور بندہ نور الانوار یعنی ذات حق تک پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یہاں حدیث میں مائۃ الا واحدۃ ہے بعض نسخوں میں واحدۃ کی بجائے بغیر تا کے لفظ واحد آیا ہے یعنی ایک کم سو یاد رہے کہ یہ گزشتہ لفظ تسعۃ و تسعین (ننانوے) کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اتنے ہی نام ہیں اس سے

زیادہ یا کم کوئی خیال نہ کرے یا تسعہ وتسعین کے بعد مائۃ الا واحدۃ کا کلمہ اس لیے آیا ہے تاکہ کتابت سے کوئی شبہ لاحق نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ لکھنے میں تسعۃ وتسعین کو سبعۃ وسبعین یا سبعۃ وتسعین یا تسعۃ وسبعین پڑھ دیتے ہیں۔

۳ یعنی اُس کے مقرب اور سابقین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا یہاں گننے سے انہیں یاد کرنا مراد ہے بعض نے کہا گننے سے اُن کے معنی کا علم اور اُن پر ایمان اور جس ذات کے یہ نام ہیں اس کی تعظیم مراد ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ گننے سے حسب طاقت انسانی ہر اسم کے تقاضے کے مطابق عمل مراد ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ اُس کے ہر ہر اسم کے مطابق تعلق اور موصوف ہونا مراد ہے۔

۴ یہاں حدیث میں لفظ وتر واو کی زبر یا زیر سے آیا ہے بمعنیٰ طاق عدد جیسے ایک، تین، پانچ، یہاں اس کلمے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بمعنی فرد (یگانہ) آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کئی جزوں سے نہیں بنا نہ اُس کی کئی جزیں ہوسکتی ہیں اور نہ ہی وہ متعدد اجزا میں منقسم ہوسکتا ہے۔ صفات میں اس کے واحد ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ اُس کی صفات کے مشابہ کسی کی صفت نہیں اور نہ اُس کی مثل کسی کی صفت اور اس کے افعال میں فرد کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس کا کوئی مددگار نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور عدد فرد اس کی ذات کے مشابہ ہے اور ان میں سے بعض معانی میں عدد وتر سے محبت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق عدد پر زیادہ ثواب عطا کرتا ہے اس لیے شرع شریف میں بہت سے مقامات پر عدد وتر کی رعایت کا ذکر آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی تِسْعَةً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے مبارکہ ہیں جو انہیں گن لیتا ہے جنت میں داخل ہوگا وہ اسماء یہ ہیں ہو اللہ الذی لا الٰہ ہو الرحمٰن الرحیم۔

۱ ظاہراً عبارت کا طرز ادا یہ بتلاتا ہے کہ یہاں اسمائے مبارکہ تعداد کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں توصیف اور خبر دینے کے طریق پر ان اسماء کا ذکر آیا ہے یعنی ان اسماء کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت سے صفت کی گئی ہے اور اس کی صفات کمال کی خبر دی گئی ہے اور اُس کے اسماء کے گننے کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے یہاں اسماء کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ بندے کو خدائے تعالیٰ کی توحید کے سلسلے میں بیداری، شوق، ذوق اور

لذت نصیب ہو نیز اُس کی صفات سے بھی یہ کیفیت نصیب ہو پھر اس عبارت میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے باقی اُس کی صفات ہیں جو اُس کی ذات کیلئے ثابت ہیں اور اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعداد بھی معلوم ہوتی ہے یاد رہے یہاں کلمہ ہو ذات مجردہ اور ہویت مطلقہ کی طرف اشارہ ہے اور لفظ اللہ سے مرتبہ جامعہ کی طرف اشارہ ہے جو مجملاً تمام اچھی صفات سے متصف ہے اور لفظ الرحمٰن الرحیم سے صفتوں کی تفصیل اور اُس ذات کے مفصلاً ان صفات سے موصوف ہونے کی جانب اشارہ ہے پس لفظ ہو سے اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ دل میں راز کی طرح پنہاں ہے کی جانب اشارہ ہے۔ اور لفظ اللہ مشاہدہ روح کے لیے اور لفظ الرحمٰن الرحیم مکاشفہ دل کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ اس گروہ اہل طریقت ا کے ہاں کلمہ ھو کی شرح میں عجیب کلمات اور غریب اشارات موجود ہیں جنہیں بیان کا کر بند جمع نہیں کر سکتا اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کے کرم سے اسمائے الٰہی کی شرح میں گفتگو شروع کرتے ہیں۔

اَللّٰہ :

اُس موجود اور حق ذات کا نام ہے جو الوہیت کی صفات کی جامع ہے۔ منفرد ہے اور وجود حقیقی سے موجود ہے اُس کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے اُسے اسی موجود حقیقی کی ذات سے وجود عطا ہوا ہے کیونکہ اُس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ اپنی حد ذات میں معدوم ہے۔ اُس کا وجود اس وجہ سے ہے کہ اُس کی نسبت ذات حق سے ہے اور اُس کا منہ اُس ذات برحق کی جانب ہے اس تشریح کے مطابق یہ آیت کل شئی ھالک الا وجہہ۔ (ترجمہ۔ اُس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے) بالکل مطابق ہے اور یہ کہنا بھی بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت اور بالذات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے جو کہ معبود برحق ہے اور لفظ الٰہ بمعنیٰ معبود مطلق ہے حق ہو یا باطل لفظ اللہ کے مفہوم میں تمام صفات کی جامعیت ملحوظ ہے۔ باقی اسماء صرف ایک ایک صفت پر دلالت کرتے ہیں اسم اللہ کا اطلاق بطریق حقیقت و مجاز کسی طرح بھی غیر حق پر نہیں بولا جا سکتا۔ جس کے برعکس دوسرے اسماء کا اطلاق بطریق مجاز غیر حق پر بھی کر لیا جاتا ہے۔ اس گفتگو سے واضح ہوا کہ اسم مبارک اللہ اُس کے تمام اسماء سے اعظم ہے دوسرے اسماء کو اسماء اللہ کہتے ہیں اس کا عکس نہیں ہو سکتا باقی اسماء کے معانی بندے کے لیے بھی متصور ہو سکتے ہیں جو کہ اُن معانی سے اُس طور پر متخلق ہو۔ جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا ہے مگر اسم اللہ بندے کے ساتھ تعلق کے لیے ہے۔ تخلق اور موصوف ہونے کے لیے نہیں ہے۔ اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ بندہ اُس کی محبت میں سرگردان رہے اور اپنے دل کو مکمل طور پر اُس کی یاد میں مستغرق کر دے اُس کے غیر کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور نہ اُس کے غیر سے کوئی اُمید رکھے نہ ہی غیر خدا سے ڈرے اور اپنے دیدہ شہود سے اُس کے غیر کو نہ دیکھے

بیت۔ رفت او در میان ہمیں خدا ماند خدا الفقر اذا تم ھو اللہ ایں است

ترجمہ:۔ بندہ درمیان میں سے چلا جاتا ہے پیچھے خدا ہی خدا رہ جاتا ہے جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ ہی کی ذات

باقی رہ جاتی ہے۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ :

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔مبالغے کے لیے آتے ہیں رحمٰن میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رحمت کو شامل اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کے ساتھ خاص ہے۔لفظ رحمت کا معنیٰ ہے محتاجوں تک خیر و بھلائی کا پہنچانا اور اُن کے لیے خیر کا ارادہ کرنا حق تعالیٰ کی رحمت عام ہے جو دنیا اور آخرت کی نعمتوں اور ہر قسم کی ضرورتوں و حاجتوں کو شامل ہے اور ہر قسم کی جود و عنایت کی خصوصیات اور فضیلتوں کو شامل ہے اُس کی عنایت بندے کے شامل حال بغیر کسی غرض و عوض کے ہوتی ہے ان دو اسموں سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ جب وہ پہچان لیتا ہے کہ منعم حقیقی اور مطلق ولی نعمت وہی ہے تو پھر بندے کو چاہیے کہ اُسی پر توکل کرے اور اپنے سب کام اُسی کے سپرد کرے اور کلیۃً اُس کی جناب رحمت کی طرف متوجہ ہے اُس کے غیر سے حقیقتاً مدد طلب نہ کرے اور اُس کے غیر کی طرف رخ بھی نہ کرے ان معانی کے مطابق تو ان دو اسموں سے یہ تعلق ہے اور ان دو اسموں سے خود متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بندگانِ خدا پر رحمت کرے سب کو نظر رحمت سے دیکھے برائی کے دور کرنے میں کوشش کرے محتاجوں کی حاجت حتی الامکان پوری کرے یہ سب کچھ بطریق مہربانی اور ارادہ خیر و بھلائی کرے کسی غرض اور عوض کو ذہن میں نہ رکھے اگرچہ واقع میں حقیقتاً انسان کی رحمت دوسرے پر کسی غرض اور عوض کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اَلْمَلِكُ :

یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے کہ دونوں عالم کی ملکیت اُس کے احاطہ قدرت و تصرف میں ہے۔بادشاہ حقیقی وہی ہے تمام اشیاء پر غالب ہے ہر چیز میں اُسی کا تصرف کار فرما ہے۔اشیاء کو وجود میں لانے اور وجود سے عدم کی طرف لے جانے زندہ کرنے مارنے تکلیف دفع کرنے اور عطا کرنے کی قدرت بھی اُسی کو ہے اپنی ذات و صفات میں ہر موجود سے بے نیاز ہے اُس کے سوا ہر موجود چیز اپنی ذات و صفات میں اور وجود و بقا، افعال و آثار میں اُس کی محتاج ہے تو جو چیز بھی اُس کے ماسوا ہے وہ اُس کی مملوک اور تابع فرمان ہے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اپنی تقدیر و تدبیر میں یگانہ ہے اُس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اُس کے ارادہ سے کوئی سرکشی نہیں کر سکتا پس وہی ذات بادشاہ اور حاکم علی الاطلاق ہے پھر ملک مالک کی نسبت زیادہ خاص اور زیادہ بلیغ ہے ہر ملک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک ملک نہیں ہوتا جب بندے نے یہ جان لیا کہ علی الاطلاق وہی بادشاہ ہے بندہ تو اُس کی درگاہ اور اُس کے کوچے کا ایک گدا ہے عزت کی طلب اُسی کے آستانہ خدمت و طاعت سے کرتا ہے۔بندہ جب یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اُسی کا محتاج اُسی کے تابع اور اُسی کے زیر حکم ہے تو بندے کو لازم ہے کہ اُسی کی جناب قدرت اور تصرف میں پیش کرے اور لوگوں سے بالکلیہ بے نیاز ہو جائے کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے مخلوقات

میں سے کسی سے کوئی ڈر اور امید وابستہ نہ کرے پھر بندے کا اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس دل اور جسم کے ملک میں حکمرانی کرے اس میں منشاء خداوندی کے مطابق تصرف کرے اور ہر چیز کا مالک بنے اپنے اعضاء اور قوتوں کو خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور حکم شرع کے تابع کرے یہاں تک کہ اپنے وجود کے جہاں کا بادشاہ بن جائے طالبان حق اور اس راستے پر چلنے والوں میں تصرف کرے کسی بزرگ سے لوگوں نے وصیت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا دنیا و آخرت کا بادشاہ بن یعنی اپنی ہر دنیوی حاجت اور خواہش کو اپنے اندر سے الگ کر دے کیونکہ بادشاہی اور حکمرانی کے لیے آزادی اور بے نیازی ضروری ہے۔

اَلْقُدُّوْسُ :

یعنی نقص و عیب کے ہر نشان اور حدوث و امکان کے ہر شائبہ سے انتہائی پاک و منزہ ذات بلکہ ہر ایسے وصف سے بھی منزہ اور پاک جو حس و خیال اور وہم میں آ سکتی ہے یا جس وصف کا عقل احاطہ کر سکتی ہے جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے ہر وہ شے جو تیرا دل محسوس کرے یا ہر وہ صورت جو دل یا خیال میں ابھرے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

بیت:۔
ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست　　　وانچہ در اندیشہ ناید آن خداست

ترجمہ:۔ جو کچھ تو تصور میں لا سکتا ہے وہ تو فانی ہونے والی چیز ہے اور جو تیرے تصور میں نہیں آ سکتا وہ خدا ہے۔

اس اسم مبارک سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اس جناب اقدس تک وصول ممکن نہیں ہے مگر عالم حس سے عروج اور لذائذ جسمانی سے خروج اور لوح دل سے غیر کے نقوش کی صفائی کے بعد اسی طرح جو کچھ ماسوائے حق ہے اس سے اپنی کو مکمل طور پر پاک اور منزہ کر لینے کے بعد ہی اس کی ذات کا وصال ممکن ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندے کا مقدس ہونا و منزہ ہونا یہ ہے کہ بندہ اپنے علم کو خیال میں لانے والی چیزوں و محسوسات اور وہم میں آنے والی چیزوں اور اپنے تمام ارادوں کو بشری حظوظ و لذائذ سے جو شہوت و غضب سے تعلق رکھتی ہیں بالکل پاک کرے۔ تاکہ باقی نہ رہے اس کے لیے کوئی لذت اور حصہ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس میں ذات حق کی ملاقات کے سوا کسی چیز کا شوق نہ رہے اور اس کے قرب کے سوا کسی چیز سے خوشی نہ ہو۔

اَلسَّلَامُ :

لغت میں اس کا معنیٰ سلامتی ہے یہاں بمعنیٰ سالم اور محفوظ ہے یعنی وہ ذات کہ اس کی ذات اور صفتیں ہر قسم کے عیب و نقصان سے سالم اور محفوظ ہوں اور اس کے افعال میں کسی قسم کا شر نہ ہو یعنی ایسا شر جس کے ضمن میں کوئی خیر یا حکمت نہ پائی جاتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال بالذات خیر ہی خیر ہیں ان میں کوئی شر نہیں۔ ماسوائے وقتی اور عارضی شر کے طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے قدوس اور سلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسم قدوس اس نقص اور عیب سے پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے جو مقتضائے ذات ہو اور اسم سلام اس عارضی نقص سے بریت پر دلالت کرتا ہے جو کسی وقتی عارضے کی بناء پر لاحق ہو بعض نے

اس طرح کہا کہ قدوس اس پاک ذات کا نام ہے جو ازل سے ابد تک ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے یہ معنی پہلے
معنی کے قریب ہے اور سلام کا معنی ہے مومنوں کو کفر اور عذاب آخرت کی آفت سے بچانے والا اس کا معنی بہشت میں
سلام کہنے والے کا بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک سلام قولا من رب رحیم اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام
غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر بندہ جو کینے کدورت بغض وحسد ارادہ شر سے اس کا دل سلامتی میں ہو اور اس کا خیال گناہوں
اور معاصی سے پاک ہو اور جس کا جسم ذلیل صفات، ردی اخلاق سے محفوظ ہو وہ بندہ بھی سالم و محفوظ کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ
کے قرب میں اللہ تعالیٰ کے سلام سے مشرف ہوتا ہے رذیل صفات سے مراد یہ ہے کہ اس کی عقل شہوت و غضب کی اسیر
نہ ہو مگر صحیح بات یہ ہے کہ شہوت و غضب عقل کی اسیر ہوں اور اس کے تابع ہوں یہ بھی ذہن میں رکھا جائے کہ سلام اور اسلام
سے وہی مسلمان موصوف ہو سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور جس کا دل اللہ کی یاد کے ساتھ غفلت
سے محفوظ رہے۔

المُؤمِنُ:

یعنی مخلوق کو امن دینے والا، امن کے اسباب و آلات پیدا فرما کر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو امن عطا کرنے
کے لیے اعضاء حواس و غذائیں، دوائیں، مکانات، قلعے، ہتھیار و لشکر، معاون و مددگار دنیا میں عطا فرمائے کہ بندہ ان
کے ذریعے دنیوی آفات سے امن میں رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کو آخرت کی آفات سے کلمہ توحید کے ساتھ
بچانے والا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے اس قلعے میں داخل ہو گا وہ میرے
عذاب سے امن میں رہے گا۔ بلکہ یہ کلمہ دنیوی اور اخروی آفات سے امن میں رہنے کا مضبوط قلعہ ہے۔ امن کے یہ
اسباب تو جانداروں کے لیے ہیں غیر جانداروں میں بھی اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایسے اسباب سے مربوط کر دیا جو
اسے ہلاکت و فنا آفات و حوادث کے مقامات اور ہلاکت اور فساد کے امور سے امن میں رکھتے ہیں۔ پس خلاصہ کلام یہ
ہوا کہ جہاں میں کسی کو جناب حق کی ذات کے سوا کہیں بھی امن حاصل نہیں ہوتا تو کامل طور پر مومن یعنی امن عطا کرنے والا
وہی ہے اسی طرح یہ بات بھی بندے کو امن عطا کرنے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان مومنین کو اپنے دین
کی سچائی پر واضح دلیلیں سکھلا دیں اور ایمان کی حفاظت کے لیے اسے یقین کے انوار عطا فرمائے۔ پھر اسے ہر قسم کے
گناہوں سے بچنے کے لیے اور ان سے حفاظت کے لیے اپنی تائید اور توفیق عطا فرمائی۔ مومن کا معنی مصدق کا بھی
کیا گیا ہے یعنی اپنے کلام سے اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا اسی طرح معجزات عطا کر کے اپنے نبیوں کی تائید فرمانے
والا مومن کے موجودات کو وجود میں لا کر اور کائنات کو ظاہر کر کے اپنی تصدیق کرنے والے کے بھی
کیے گئے ہیں۔ لفظ مومن کی بہ تحقیق جان لینے کے بعد بندے کو چاہیے کہ وہ اس چیز کا یقین رکھے کہ شر نفس اور مکر شیطان
سے اللہ تعالیٰ شانہ ہی مجھے امن میں رکھنے والا ہے تو بندے کو چاہیے کہ اس کی جناب میں التجا کرے اور تمام

آفات اور ظاہری و باطنی ڈرانے والی چیزوں سے اسی سے امن طلب کرے پھر اس اسم کے ساتھ بندے کے تعلق اور متصف ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ اپنے شر سے مخلوق کو بچائے اور اُن کے لیے خوف و ہلاکت کی چیزوں سے دفع کرنے کا سبب بنے یاد رہے کہ دین دُنیا میں اس نام کا مستحق ترین وہ ہے جو مخلوق کے لیے اللہ کے عذاب سے امن کا سبب بنے اور وہ اس طرح کہ اُن کی ہدایت کا ذریعہ بنے انہیں حق و ارشاد کے راستے پر ڈالے جو کہ نجات کا راستہ ہے اور یہ اصل میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مشن اور پیشہ ہے۔ اور ان انبیاء میں سب سے بزرگ ترین ہستی سید الانبیاء حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اجمعین اس کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تبعین اور پیروکار علمائے دین ہیں واضح ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ امن کے اسباب پیدا کرنے کی وجہ سے مومن یعنی امن دینے والا کہلاتا ہے اسی طرح مخوف بھی کہلاتا ہے یعنی خوف و ڈر کے اسباب پیدا کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر کے اسباب پیدا کرنے والا ہونا اُس کے امن عطا کرنے والے کی صفت کے خلاف نہیں جس طرح کہ اُس کی صفت معز مذل (عزت عطا کرنے والا) (ذلت دینے والا) کے خلاف نہیں۔ اسی طرح صفت قابض و باسط اور ضار و نافع میں بھی کوئی منافات و ٹکراؤ نہیں لیکن شرع شریف میں مخوف کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔

المُهَيْمِنُ :

لغت میں اس کا معنیٰ گواہ اور نگہبان آتا ہے اور اس ذات کے لیے جو دوسرے کو ہر خوف و خطر سے بے خوف کردے یہی معنیٰ لفظ رقیب کا ہے مگر رقیب میں حفاظت کا معنیٰ زیادہ پایا جاتا ہے رقیب سے ہی لفظ مراقبہ بنا ہے جس کا معنیٰ ہے اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فیضان کا منتظر رہنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا معنیٰ ہے وہ ذات جو مخلوق پر اُس کے اعمال اُس کے رزق اور اُس کی اجل پر ہر وقت نگران و نگہبان ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے علم اپنے غلبے اور اپنی حفاظت سے ہر چیز پر حاوی و نگہبان ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی حقیقت سے واقف اور آگاہ ہو اللہ تعالیٰ اُس پر بھی غالب ہے اور اُس کا بھی محافظ و نگران یہی معنیٰ لفظ مہیمن کا ہے یہ تمام معانی مکمل اور مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے۔ بندے کو چاہیے جب اُس نے خدائے تعالیٰ کو پہچان لیا کہ وہ ہر معاملے میں مہیمن و رقیب ہے اور میرے ظاہری اور باطنی جملہ حالات کا نگہبان اور اُن سے واقف و آگاہ ہے تو اپنے تمام حالات میں اس معنیٰ کو پیش نظر رکھے اور ہر ناشائستہ حرکت کرنے میں اُس سے شرم کرے یاد رہے کہ اس گروہ کی زبان میں اپنے حالات کی طرف اس طرح دھیان رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس اسم کے ساتھ بندے کے تعلق و متصف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کا محافظ و نگران بنے اپنے باطنی اسرار اور دل کی کیفیات سے مطلع رہے قلبی حالات اور اوصاف کے درست اور ٹھیک رکھنے میں گویا مہیمن اور گواہ بنا رہے اور جب کوئی شخص بندے کے حالات کو درست و نیکی کی جانب لگانے اور انہیں

برائی سے محفوظ رکھنے میں اُن کی پوری طرح حفاظت کرے گا تو بندے میں اس قسم کا معنیٰ مکمل طور پر جلوہ گر ہو جائے گا۔

العزیز:

بمعنیٰ غالب، قوی اور بے مثل آتا ہے اور وہ ذات جس تک پہنچنا آسان نہ ہو اُسے عزیز کہتے ہیں یہ صفات تمام و کمال صورت میں صرف پروردگار تعالیٰ شانہٗ کے لیے ہی ثابت ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ لئے اپنے فیض سے کسی کو اپنی عزت سے حصہ عطا کرے تو یہ دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے عزت ملے تو عزت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہی ہے۔ جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ عزت والا وہی ہے تو وہ اسی سے عزت چاہتا ہے اور حقیقی عزت بندے کو اُس وقت ملتی ہے جبکہ وہ اُس کی طاعت اور خدمت کر کے اُس سے عزت چاہتا ہے مخلوق میں سے کسی کی طرف بھی عزت و بزرگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا مگر اُسے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہو اور عزیز بنایا ہو۔

بیت۔ عزیزی و خواری تو بخشی و بس عزیز تو خواری نہ بیند ز کس

تو ہی عزت و ذلت بخشنے والا ہے اور بس۔ جسے تو نے عزت دے دی وہ کسی سے ذلت و خواری نہ دیکھے گا بندے کا اس صفت سے موصوف ہونا اس طرح ہے کہ بندہ اپنے نفس و خواہش پر غالب ہو اس کی قوت اور اس کا حملہ نفس اور شیطان پر سخت ہو اور اپنی عزت و آبرو طمع اور سوال کے ذریعے اہل دنیا کے دروازوں پر نہ گرائے اور نہ اس طرح ذلت کے گڑھے میں گرے اپنی محتاجی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے نیز علم و عمل میں اس قدر بلند ہو جائے کہ دوسرے اُس کی مثل نہ بن سکیں اور دوسروں کو اُس کے مرتبے تک پہنچنا مشکل ہو جائے جیسا کسی شے کی حقیقت کو پانا مشکل ہوتا ہے۔

الجبار:

لغت میں اس لفظ کا معنیٰ ہے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنا اور باندھنا اور کسی کا حال درست اور ٹھیک کرنا اور زور و غلبے سے کسی کو کام پر لگانا۔ یہ لفظ بلندی اور اونچائی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں نخلۃ جبار۔ یعنی ایسی اونچی کھجور جس کی بلندی تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ لفظ جبار میں مبالغہ پایا جاتا ہے یعنی بہت ہی درستی فرمانے والا اور بہت ہی بلند و بالا یہ معنیٰ مکمل طور پر ذات پاک خدائے قدوس کے لیے ہے اور حقیقت و کمال کے اعتبار سے اسی میں منحصر ہے کیونکہ ہر قسم کی شکستگی کو جوڑنے والا وہی ہے۔ اصلاح و درستی کرنے والا بھی وہی ہے اہل زمانہ کے خراب حالات کو بہتر کرنے والا بھی وہی ہے اسی طرح تمام موجودات اُس کی مشیت کے غلبہ و فرمان کے نیچے ہیں کسی کو بھی اُس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں۔ چاہیے کہ بندہ ہمیشہ ذات جبار جل شانہ کے حضور شکستہ دل اور نیاز مند رہے اور اُس کی جناب میں اس بات کا ملتجی رہے کہ اُس کی ہر طرح کی شکستگی میں بہتری اور اچھائی ہے اور اس کا

حال صلاح و بہتری کی طرف رُخ کرے اور اُس کے تشریعی و ارادی اوامر و احکام میں بجا آوری کرے اور اُن کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور اپنی قوت و طاقت سے اظہار بیزاری کرے اپنی تدبیر و اختیار کو ترک کر دے تاکہ عبادت اور عبودیت کی صفت سے موصوف ہو جائے اس اسم سے بندے کے موصوف ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ بندہ اپنے نقائص نفس کی شکستگی کو کمال کی تحصیل اور فضائل کی تکمیل سے جوڑے اور پُر کرے۔ اور مقام اصلاح میں بیٹھ کر دلوں کے حالات کے صحن کو ہر قسم کے فساد سے پاک کر دے اور اپنے نفس سرکش پر مسلط اور غالب ہو جائے اور اُسے ہمیشہ تقویٰ اختیار کرنے اور طاعات کی پابندی کرنے پر آمادہ کرتا رہے اسی طرح مخلوقِ خدا کی ہر طرح کی کمی پوری کرے اُن کے حالات کی اصلاح کرے شکستہ دلوں کا دستگیر بنے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے امورِ شریعت کے جاری کرنے میں غالب ہو۔ اس بارے میں کوشش سے کام لے اور ہمت بلند رکھے۔

الْمُتَكَبِّرُ:

تکبر اور استکبار کا معنیٰ ہے اپنی بڑائی ظاہر کرنا اور سرکشی دکھلانا۔ لفظ کبریا کا معنیٰ ہے بزرگی اور بڑائی یہاں اسم متکبر سے بڑائی اور بزرگی میں مبالغہ اور کمال مراد ہے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اس طرح کی بڑائی و بزرگی کی مستحق نہیں کبیر علی الاطلاق وہی ہے بندہ جب حق تعالیٰ کی کبریائی اور اُس کی بلندی شان کو پہچان لیتا ہے تو اُسے چاہیے کہ دل کو اُس کی کبریائی میں مستغرق رکھے تواضع و تذلل کا طریقہ اپنائے اُس کی بندگی میں اپنی گردن نرم رکھے اُس کے اوامر و احکام سے سرتابی نہ کرے اس اسم سے بندے کے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام چیزوں کو جو کہ اُس کی جناب قدس کے وصول اور وصول کے اسباب کے علاوہ ہیں۔ جیسے دنیا کی خواہشات بلکہ آخرت کی لذیذ چیزیں اُن سب کو چھوٹی اور حقیر جانے اور دنیا و اہل دنیا اور دنیا کی زینت و زیبائش کی چیزوں کی طرف نہ جھکے بلکہ انسانیت کی بلندی شان اور دین کے مرتبے کی رفعت کا لحاظ کرتے ہوئے دنیا کی بے حقیقت اور پست چیزوں پر قدم نہ رکھے اپنی ذات کو عظیم جانتے ہوئے اپنے نفس کو اپنی عظمت و تکبر میں مبتلا نہ کرے۔

الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ:

یہ تینوں اسماء پیدا کرنے وجود میں لانے اور کسی چیز کو نیست سے ہست کرنے کے معنیٰ میں سب ایک ہیں تاہم ان میں سے ہر اسم اپنا اپنا الگ اور خاص معنیٰ بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ پیدا کرنے سے پہلے کسی چیز کے خاکے اور ڈھانچے کا اندازہ کرنا خلق ہے۔ اور برء کا معنیٰ ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہے۔ تصویر کا معنیٰ صورت بنانا اور کسی شے کو شکل اور ہیئت عطا کرنا ہے ہر چیز جو عدم سے وجود میں آتی ہے اولاً اس کی محتاج ہوتی ہے کہ اُس کا اندازہ کیا جائے اُس کے بعد وہ پیدا کرنے کی محتاج ہے اُس کے بعد اس امر کی محتاج ہوتی ہے کہ اُسے کوئی صورت عطا کی جائے اس کی مثال یوں سمجھے کہ ایک عمارت ہو پہلے اُس کے خاکے کا اندازہ کیا جاتا ہے اُس کے بعد وہ وجود میں آتی ہے

پھر ایک صورت اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے کسی چیز کو پیدا کرنے میں یہ تینوں حالتیں بیک وقت موجود
ہوتی ہیں۔ مگر ایک کا رتبہ دوسرے سے مقدم ہے۔ یعنی پہلے طے کا اندازہ پھر اُسے پیدا کرتا اور پھر صورت عطا کرنا۔
جو کچھ عالم علوی اور سفلی میں عرش سے زمین کے نیچے تک ہے پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہوگا ملک و ملکوت میں اُس کا
ظہور ہو چکا ہے یا ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی خلق اُس کی تقدیر اُس کی ایجاد اور اُس کی تصویر کشی ہے۔ سب چیزوں کا
پیدا فرمانے والا وہی تعالیٰ شانہ ہے جس نے محکم ترتیب بہترین صورت پر حکمتوں ومصلحتوں سے لبریز کرکے اشیاء
کو پیدا کیا ہے۔ اور ہر چیز کو مناسب ترتیب کے مطابق پیدا فرمایا چنانچہ فرمایا (فتبارک اللہ احسن الخالقین) (بہت برکت
والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی جس چیز پر بھی
نگاہ ڈالے اُس سے اُس کے پیدا کرنے والے کی یاد دل میں لائے اور جس صورت کو بھی دیکھے اُس سے تصویر بنانے
والے کا مشاہدہ کرے اور ہمیشہ بیدار رہے اور بصیرت ونصیحت کی آنکھ سے اشیاء کو دیکھے ان صفات سے بندے
کے موصوف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندے میں یہ صفتیں بطور مجاز پائی جاتی ہیں کیونکہ حقیقتاً تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ
ہی ہے صرف اتنی بات ہے کہ انسان کو قصد وافعال میں اعضاء کو حرکت میں لانے کی قوت دی گئی ہے جس سے
وہ کمالات وطاعات کا کسب واکتساب کرتا ہے نیز اپنی ذات میں جسمانی وروحانی چیزوں کی صورتوں کو حاصل کرتا
اور حضور وتوجہ قلبی سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اس کی حکمتوں اور اُس کے اسرار رموز کے جھونکوں سے سرشار ہوتا
ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بندے کا ان اسماء سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت عبادت کی ذمہ داریوں
سے فراغت پائے تو اپنی معیشت اور روزی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کسب وکار کرے خصوصاً ایسا کام جس کا اثر اُس کی
موت کے بعد بھی باقی رہے تاکہ اُس کا فیض تا دیر لوگوں کو پہنچتا رہے۔

اَلْغَفَّارُ:

یاد رہے کہ مغفرت اور غفران کا معنی ہے بخش دینا۔ خداوند تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے لفظ غفار
میں یہ معنی بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ لفظ غفور میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے شرح میں آرہا ہے
غفر کا معنی چھپانے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں گناہوں کو چھپاتا نیز قبیح چیزوں کو چھپاتا اور جمیل
چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اور گناہ بھی قبیح اشیاء میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنی رحمت سے چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ
کی صفت پردہ پوشی میں سے یہ بھی ہے کہ بندے کے ظاہری بدن پر جو چیزیں قبیح دکھائی دیتی ہیں اسی طرح جو
چیزیں اُس کے شکم میں ہوتی ہیں یعنی آلائشیں وغیرہ اللہ تعالیٰ اُسے ظاہری جمال وحسن عطا کرکے نگاہوں سے قبیح چیزوں
کو پوشیدہ کر دیتا ہے بڑے بڑے خیالات وقبیح ارادے جو اُس کے دل میں ہوتے ہیں۔ مخلوق کے علم سے پوشیدہ
رکھتا ہے تاکہ کوئی بھی اُس کے باطنی حالات وارادوں سے مطلع نہ ہو نعوذ باللہ اگر جو کچھ آدمی کے دل میں وسوسے

خطرات اور قبیح ارادے موجود ہوتے ہیں مخلوق پر ظاہر ہو جاتے تو مخلوق میں اس کا جو سب سے زیادہ دوست ہوتا وہ اُسے سب سے زیادہ دشمن اور بد تر محسوس ہوتا اور سب لوگ اس کی دشمنی اور ہلاکت میں کوشش کرتے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق غفار اور ستار کا معنیٰ ایک ہی بن جاتا ہے لیکن حدیث کی اس روایت میں لفظ ستار مذکور نہیں ہے لہٰذا ان دونوں اسموں کے معنوں میں یہاں فرق بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اسم ستار بھی مذکور ہوتا تو غفار کے معنیٰ یہ ہوتے وہ ذات جو گناہوں کو بخشنے والی ہے اور ستار کے معنیٰ یہ کیے جاتے عیبوں کو چھپانے والا جیسا کہ بعض دعاؤں میں آیا ہے یا غفار الذنوب ویا ستار العیوب۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ غفار الذنوب ہے تو اس کی مغفرت اور رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتا اور رد کے ہاتھ مجرم کے سینے پر نہیں مارتا اور جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے تو اس نعمت کے شکرانے سے کسی وقت بھی غافل و فارغ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت غفاریت پر بھروسہ کر کے مغرور ہو جائے اور توبہ و انابت سے غفلت نہ کرے اور اس میں تاخیر کو جائز نہ رکھے کیونکہ عمر فانی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بیت۔ لطف حق گرچہ مدارا ہا کند لیک چوں از حد بشد رسوا کند

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اگرچہ بندے کی بہت ہی دل جوئی کرتا ہے لیکن بندہ جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ اُسے رسوا بھی کر سکتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیر کا سوال کرتے ہیں۔

بندے کا اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ لوگوں کے جرائم اور اُن کی زیادتیوں سے درگزر کرے اور اُن کے عیبوں کو چھپائے۔

اَلْقَهَّارُ:

یہ لفظ قہر سے بنا ہے قہر کا معنیٰ ہے غلبہ کرنا اور کسی پر تسلط ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ قاہر و غالب ہے کہ جابروں اور متکبروں کی پشتیں توڑنے والا اور انہیں خوار و ہلاک کرنے والا ہے تمام مخلوقات اُس کے حملہ قہر کے آگے مقہور و مغلوب اور عاجز و خوار ہے اور اُس کے قبضہ قدرت و عظمت کے سامنے حیران اور اُس کی وادی قہر و جلال میں سرگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) (آج کے دن ملک اور بادشاہی کس کی ہے صرف اللہ واحد و قہار کی ہی ہے)

جو شخص اس کی قہاریت کو پہچان لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیروں اور اُس کے اچانک قہر سے ترساں و لرزاں رہتا اور انتہائی خوف و ڈر کے تحت اُس کی جناب لطف و کرم میں ملتجی رہتا ہے اُس کے بندوں میں سے قہار وہ ہوتا ہے جو اپنے باطنی غلبہ حال اور حملہ عزت و بزرگی سے دین کے دشمنوں یعنی جنوں انسانوں اور شیاطین پر

غالب آتا ہے اپنے وقت و حال کے دروازے اُن سے بند رکھتا ہے۔ تاکہ وہ راہِ حق سے ادھر اُدھر نہ بھٹکیں اور طریقت و سلوک میں سالک کے چلنے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ جاننا چاہیے کہ انسان کا بدترین دشمن اُس کا نفس ہے جو اُس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان چھپا بیٹھا ہے بندے کا یہ نفس قلب کی نورانیت کے غلبے سے ہی حق کے تابع اور حالت اطمینان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ نفس طاعت و بندگی میں آرام پذیر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کامل شخص مخلوق کو زدوکوب، زجر و ڈانٹ، قتل و غارت، حدود و شرعا کے ترک پر اُن سے سختی سے پیش آتا ہے اور نفس کو بھی آداب و سنن کے ترک پر اور لایعنی و بے ہودہ امور میں مشغول و مصروف ہونے پر اُس کی سرزنش کرتا ہے۔ تاہم مردوں کے گروہ میں سے وہ مرد بھی ہے کہ جو شخص بھی اس کے مقابلے اور مزاحمت کی جرات کرتا ہے مغلوب و مقہور ہو جاتا ہے۔ صاحب فتوحات مکیہ قرآن مجید کی ہر آیت کو کسی نہ کسی ولی کی طرف منسوب کرتے اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناسب حال یہ آیت ہے (ھو القاھر فوق عبادہ) (وہ ذات غالب ہے اپنے بندوں پر)

الوَهَّابُ :

وہب و ہبہ بمعنی کوئی چیز بخشنا و عطا کرنا موہبت بمعنی بخشش اللہ جل جلالہ و عم نوالہ کثیر الہبہ اور دائم العطا ہے جس کی بخشش کی کوئی حد نہیں اور جس کا فیض کبھی بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ حقیقی ہبہ وہ عطیہ ہے جو غرض و عوض سے خالی و پاک ہو کیونکہ غرض و عوض کے تحت کوئی چیز عطا کرنے والا ہے حقیقت میں بخشنے اور عطا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو کوئی چیز بیچنے والا ہے۔ یعنی اپنی غرض کے عوض جب کوئی چیز دی تو فی الواقع وہ عطیہ اور ہبہ نہیں ہے۔ پس وہاب کا معنیٰ ہے بہت ہی سخاوت کرنے اور عطا کرنے والا اس روایت میں اسم جواد کا ذکر نہیں ہے وہاب کا ذکر ہے۔ جود اور ہبہ فی الحقیقت ذات مقدس باری تعالیٰ میں منحصر ہے کیونکہ وہی ہے جو ہر محتاج کی حاجت اُس کی احتیاج سے زیادہ عطا کرتا ہے اور عطا بھی بے غرض اور بے عوض کرتا ہے اس جہاں میں بھی عطا کرتا ہے اور اُس جہاں میں بھی وہ بندے کے کام میں اپنی حکمت و درستی سے بندے سے موافقت کرتا ہے بندہ جب اس بات کو جان لیتا ہے کہ وہاب مطلق اُس کی بلند ذات ہے تو پھر وہ سب کچھ اُسی سے چاہتا اور اُسی سے ہر قسم کا طمع وابستہ کرتا ہے۔ ہر قسم کی اُمید بھی اُسی سے رکھتا ہے۔ اُس کے سوا باقی سب سے طمع کاٹ لیتا ہے۔ غیر سے منہ پھیر لیتا ہے غیر سے ہر قسم کی توقع بھی ختم کر لیتا ہے اور اپنی ہر خواہش چاہے کتنی بھی دشوار بلکہ ناممکن محسوس ہو اُس کے طلب کرنے میں نہیں شرماتا۔ اس کاتب حروف بندہ مسکین (الشیخ عبدالحق) کی دعا اپنی ابتدائی پیاس کی حالت میں جبکہ وہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی سے ملی ہوتی تھی، یہ ہوتی تھی کہ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (اے میرے رب مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو) اگرچہ یہ دعا اپنے عموم و اطلاق کے اعتبار سے محال دکھائی دیتی ہے لیکن حال کی خصوصیت اور استعداد

کے ملاحظہ کرنے کی صورت میں ایک قسم کی تاویل کے طور پر انشاء اللہ قبول ہونے کے لائق ہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کے ہاتھ میں جو کچھ ہو اُسے خرچ کرے۔ اگرچہ اپنی جان ہی کیوں نہ ہو اور راہِ حق میں خرچ کرنے میں کسی قسم کے دنیوی حصے آخرت کے ثواب اور اچھی شہرت خیال میں لانے کے بغیر ہونی چاہیے اگرچہ ہبہ اور جود کی حقیقت تمام زاد سے ممکن نہیں کیونکہ بندہ جو فعل بھی کرتا ہے اسی وجہ سے کرتا ہے کہ اُس کے نزدیک اُس کا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہوتا ہے اس کے علاوہ اُس کی نگاہ میں جب تک کوئی غرض و غایت نہیں ہوتی اُس کام کے کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے اور عطا میں سب سے اکمل حضور سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہے جنہوں نے باذن خدا عطا کرنے اور انعام فرمانے میں انتہا کر دی اُس میں غرض و عوض کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ محض اللہ تبارک و تعالیٰ و تقدس کے حکم کی بجا آوری کے تحت آپ کا جود و عطا تھا۔ اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کی حالت ہوتی تھی۔

اَلرَّزَّاقُ :

رزاق بمعنی روزی عطا کرنے والا انسانوں جنوں، چرند و پرند اور تمام حیوانات و بہائم کو روزی فراہم کرنے والا ان میں سے ہر ایک کے حال و حکمت کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور اسم رزاق کا یہی معنیٰ ہے۔

واضح ہو کہ رزق کی دو قسمیں ہیں رزقِ محسوس اور رزقِ معقول رزقِ محسوس تو وہ رزق ہے جو ہر چیز کے بدن کو پہنچتا ہے اور رزق معقول روحوں کا رزق ہے پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ رزق ایسی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ ضامن بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے رزق کی ضمانت اپنے ذمے لے لی ہے یہ رزق و ضمانت تمام جانداروں کو شامل ہے کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (زمین میں کوئی چلنے والی شے نہیں مگر اُس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ رزق کی ایک قسم وہ ہے جسے رزقِ موعود کہتے ہیں یعنی جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں سے کر رکھا ہے جو انہیں بغیر تھکاوٹ اور مشقت کے اس جگہ سے ملتا ہے جہاں سے کوئی وہم و گمان نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے وعدہ کر رکھا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ) جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اُس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اُسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا اسی طرح ایک رزق رزق مقسوم ہے جو کہ قسمت میں کر دیا گیا ہے وہ بہرحال پہنچ کر رہتا ہے چاہے رزق مضمون ہو یا رزق موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) اور جب بندہ جان لیتا ہے کہ رزق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اپنے رزق کی انتظار اللہ تعالیٰ سے ہی رکھتا ہے غیر سے توقع نہیں رکھتا نہ ہی اپنا کام کسی اور کے حوالے کرتا ہے بلکہ وہ اسی پر توکل و بھروسہ کرتا ہے اور جب جان لیتا ہے کہ روزی مقدر ہو چکی ہے تو روزی کی فکر میں دل تنگ نہیں ہوتا نہ ہی

خلوق سے کوئی گلہ شکایت کرتا ہے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو لوگوں کے بدنوں کی روزی کا خزانہ بنانا اور زبان کو دلوں کی روزی کا خزانہ بناتا ہے ایسا شخص خدائے تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جسمانی و روحانی روزیوں کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے کہ وہ تعلیم و ہدایت دینے اور دعائے خیر کرنے میں لوگوں پر سب کچھ خرچ کرتا ہے۔
اس اسم کے ساتھ متخلق ہونے کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال اور جن کی پرورش اس کے ذمے ہے، روزی کی وسعت اور کشادگی کرتا ہے ان کے لیے خرچ میں تنگی نہیں کرتا مہمان کے آنے پر ترش رو نہیں ہوتا کیونکہ مہمان تو تیرے دسترخوان پر بیٹھ کر اپنی روزی کھاتا ہے۔ بیت

مر ترا منت ز مہمان داشت باید ہر آنکہ ‏ ‏ ‏ میخورد بر خوان انعام تو نان خویشتن

تجھے اپنے مہمان کا احسان مند ہونا چاہیے کیونکہ وہ تیرے انعام کے دسترخوان پر بیٹھ کر اپنی روزی ہی کھا رہا ہوتا ہے۔

اَلْفَتَّاحُ:

فتح بمعنی کھولنا اور حکم کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فتاح کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی تمام قسموں پر اپنی رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے نیز مخلوق کے درمیان حاکم علی الاطلاق بھی وہی ہے تمام کاموں کی کشائش بھی اسی کی طرف سے ہے پھر دنیا میں بواسطہ اسباب اور آخرت میں بے واسطہ بے حجاب سب کے درمیان فیصلے بھی وہی فرمائے گا۔ یاد رہے کہ فتح بمعنی مدد بھی آتا ہے چنانچہ فرمایا اذا جاء نصر اللہ والفتح وانا فتحنا لک فتحا مبینا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر فضل و برکت کے دروازے کھول دیے اور وہی اپنے نبیوں اور کفار کے درمیان حکم و فیصلہ فرمانے والا ہے وہ اس طرح کہ انبیاء اور ان کے متبعین کی دشمنان دین پر مدد و نصرت فرماتا ہے چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ) اور البتہ بے شک ہمارا کلمہ اپنے مرسل بندوں کے لیے طے ہو چکا ہے کہ بے شک یہی وہ بندے ہیں جن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آکر رہے گا اللہ تعالیٰ کے فتاح ہونے کا یہ معنی بھی ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے دلوں پر معرفت کے دروازے اور اپنے فرمانبردار بندوں پر بخشش کے دروازے کھول دیے ہیں وہی عاجزوں اور غمناک دلوں کی مدد فرمانے والا ہے۔
مختصر یہ کہ اسم فتاح جامع اسم ہے جو خیرات کے تمام دروازوں اور ہر قسم کی برکتوں کو کھولنے والا ہے۔ جب بندہ جان لیتا ہے کہ وہی ذات فتاح ہے یعنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھولنے والی ہے تو اسے چاہیے کہ فتاح اور کشادگی کی امید لیے ہوئے اس کے دروازۂ کرم پر بیٹھ جائے اس کے افضال کے حصول کی انتظار میں بغیر کسی تھکاوٹ و جلد بازی کے رہے اور اس کے حکم کے تحت سکون و تسلیم سے اپنے شب و روز بسر کرے۔

بیت۔ ہمہ درہا بیکل برخود فرو بند درِ او گیر و ہم دل در و بیند

سب دروازے سختی سے اپنے اوپر بند کر دے صرف اس کا دروازہ اختیار کر لے۔ دل کو اس سے لگا لے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خیر کے طالبوں پر مال و علم کا دروازہ کھولے۔ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کرے اور مظلوم و درماندہ افراد کی مدد و نصرت کرے۔

اَلْعَلِيْمُ:

یہ عالم کا مبالغہ ہے یعنی بہت ہی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و پوشیدہ اور دل کے خیالات اور خطروں اور جو کچھ کہ ابھی دل میں نہیں گزرا سب کا جاننے والا ہے اس کا علم تمام اشیاء کے ظاہر و باطن کی کلیات و جزئیات اور ان کے حقائق کو محیط ہے اس کی معلومات غیر متناہی ہیں اور جب بندے نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کے جمیع اسرار و رموز سے واقف ہے تو بندے کو چاہیے کہ ہر ایسے کام و خیال سے جو نہیں چاہیے پاک رکھے۔ اور خالق کے علم کا ملاحظہ مخلوق کے علم سے پہلے کرے۔ بندے کا حصہ اس اسم سے یہ ہے کہ دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کرے ان حقائق و معارف کو حاصل کرے جو اس کے نفس کی تکمیل اور اسے عبادت پر آمادہ کرنے والے ہوں اور اس کے ظاہری و باطنی حال کی درستی کا سبب ہوں کیونکہ علم نافع ایسے ہی علم سے عبارت ہے اور رب زدنی علما کی ندا و دعا میں مشغول و معروف رہے۔

اَلْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ:

قبض یعنی اکرفتگی و تنگی اور بسط یعنی ارزانی اور پھیلانا یہ دونوں اسم ایک دوسرے کی ضد ہیں اللہ تعالیٰ اپنے ان اسماء کے تحت جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کرتا جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے رزق حسی یا معنوی تنگی سے دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے فراخی سے دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اجسام سے بوقت موت روحوں کو قبض کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے زندہ کرنے کے وقت روحوں کے ساتھ اس کیلئے فراخی پیدا کرتا ہے یا نیند کے وقت روحوں کو قبض کرتا اور بیداری میں روحوں کو پھیلاتا ہے یا تجلی صفات قہریہ و جلالیہ سے دلوں کو غم و پریشانی سے تنگ کرتا اور صفات لطیفہ و جمالیہ کے ظہور سے فرحت و مسرت کی فراخی و کشادگی عطا کرتا ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دولت مندوں سے صدقات قبض کرتا ہے اور انہیں فقراء میں پھیلاتا ہے۔ اس گروہ صوفیا نے قبض و بسط اور اس کے آداب میں خاص کلام فرمایا ہے۔ جو کہ فتوح الغیب کی شرح میں بعض مشائخ عظام کے کلام کی روشنی میں تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ قابض و باسط اللہ تعالیٰ ہی ہے تو وہ مدت قبض میں صبر سے کام لیتا اور حالت بسط نصیب ہونے کا امیدوار رہتا ہے۔ بسط کی حالت میں ایک طرف خدائے تعالیٰ کا شکر گزار رہتا ہے دوسری طرف حالت قبض طاری ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اور جہاں بھی قبض و بسط محسوس کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے جانتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے قابض و باسط وہ ہیں جو کہ لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کا خوف دلانے سے تنگ کرتے ہیں۔ عذاب و بلا کے تصور سے دلوں پر قبض کی کیفیت طاری کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لطف و عطا اور اس کی نعمتوں اور عزتوں کی بے شمار اقسام کی بشارت دے کر انہیں بسط کی کیفیت عطا کرتے ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نااہل لوگوں پر اسرار الہیہ کے حقائق کے دروازے تنگ کر دیتا ہے اور انہیں ان اسرار سے واقف نہیں کرتا۔ دوسری طرف جو ان اسرار کے اہل ہوتے ہیں اُن پر صفت بسط کے تحت فیضان کا بہاؤ تیز کر دیتا ہے۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

بعض علماء فرماتے ہیں ان دو اسموں سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس بد کو شرع کے حکم کے نیچے رکھے اور جو بھی اُس کے سامنے آئے اُس کے ساتھ ان دو صفتوں کے مطابق مناسب معاملہ کرے تاکہ تربیت اپنے کمال کو پہنچے اور جب یہ دیکھے کہ جو لوگ میری تربیت میں ہیں وہ تھکاوٹ، اکتاہٹ محسوس کر رہے ہیں تو بسط و کشادگی سے اُن کے ملال کو دور کرے اور اگر یہ دیکھے کہ میری تربیت کے تحت جو لوگ ہیں وہ کچھ جرأت اور شوخی دکھلانے لگے ہیں تو اُن کے ساتھ قبض و ضبط کا معاملہ اختیار کرے۔

علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفس اگر طاعت و بندگی میں اطمینان و آرام سے کام میں مصروف ہو تو بندے کو چاہیے اُس میں حد سے نہ بڑھے تاکہ نفس مرجھا نہ جائے اور کام کرنے میں پریشان نہ ہونے لگے کیونکہ جو طاعت و عبادت انبساط و نشاط کی حالت میں ہوتی ہے، قبولیت کے زیادہ نزدیک ہوتی ہے تاہم اگر نفس مسلسل ہوا و ہوس اور شیطان کے راستے پر دوڑنا چاہتا ہو تو پھر پوری ذمہ داری و جانفشانی سے اُس پر ضابطہ ڈالے اور اُس کی کسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے دے۔ بیت

گر کنی یک آرزوئے خود تمام در تو صد ابلیس زاید والسلام

اگر تو اپنی یعنی اپنے نفس کی ایک آرزو بھی پوری کرے گا تو اس سے تجھ میں سو شیطان اور پیدا ہو جائیں گے

اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ:

خافض خفض سے بنا ہے یعنی نیچے رکھنا۔ رافع رفع سے بنا ہے یعنی اوپر اٹھانا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو بدبختی کی طرف لاتا اور مومنوں کو نیک بختی کی طرف بلند کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے نزدیک کر کے بلندی عطا کرتا ہے اپنے دشمنوں کو اپنے سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہے۔ نیز جسے چاہتا ہے اُسے اُس کی طبیعت کی سب سے ردی حالت میں نیچے ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی محبت کی بلند ترین فضاؤں میں اٹھائے جاتا ہے۔ یوں ہی جسے چاہتا ہے دوزخ کے بالکل نچلے طبقات میں نیچے ڈال دیتا ہے جسے چاہتا ہے جنات نعیم میں بلندیوں پر فائز کرتا ہے ان دو صفتوں کے بے شمار مراتب اور درجات ہیں۔

کہ اللہ تعالیٰ ہی بلندی اور پستی عطا کرنے والا ہے تو چاہیے کہ اسی کے پاس پناہ لے کہ کہیں بدبخت لوگوں کا ساتھی بن کر پستی میں نہ گر جائے۔ یہ بات بھی اسی سے چاہے کہ نیک بختوں کا ہم نشین بن کر درجات کی بلندی حاصل کرے دونوں جہان میں اسی حالت کا طلبگار رہے۔ ان دو اسموں سے متخلق ہونے کی شکل یہ ہے کہ بندہ باطل کو پست کرے حق کو بلند کرے دین کے دشمنوں کو زیر کرے اُن سے دشمنی رکھے حق کے دوستوں کو بلند کرے اور اُن سے دوستی رکھے کیونکہ بندے کا سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لیے محبت کرے اور اسی کے لیے دشمنی رکھے جیسا کہ فرمایا افضل الاعمال الحب اللہ والبغض للہ اسی طرح اپنے نفس کے مرتبے کو جو کہ تمام دشمنوں سے بڑھ کر بندے کا دشمن ہے نیچے کرے۔ دل اور روح کے مقام کو بلند کرے اسی طرح مشائخ اہل یقین اور اپنے دینی بھائیوں کے مرتبے بلند و بالا دیکھے اپنے مقام کو اُن سب سے نیچے جانے بلکہ اپنے آپ کو نہ ہی دیکھے اور اگر دیکھے تو ناقص و کمینہ دیکھے۔ بیت

ہنرمندے کہ رہ را پا و سر دید	ز خود عیب و ز بیگانہ ہنر دید
حکیمانیکہ دور اندیش بودند	دوائے خلق و درد خویش بودند

(۱) وہ ہنر مند جو راستے کے سر اور پاؤں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے میں عیب اور دوسرے میں کمال دیکھتا ہے۔

(۲) وہ دانا لوگ جو دور اندیش تھے مخلوق کے لیے دوا اور اپنے لیے مجسم درد بنے ہوئے تھے۔

اَلْمُعِزُّ الْمُذِلُّ :

المعز اعزاز سے بنا ہے۔ اعزاز بمعنی کسی کو عزت دینا مذل اذلال سے بنا ہے بمعنی ذلیل و خوار کرنا یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دنیا میں توفیق طاعت و ہدایت دے کر اور معصیت و ضلالت کے راستے سے بچا کر عزت عطا کرتا ہے اور عقبیٰ میں بلندی مرتبہ، جنت کی نعمتوں اور اپنی ذات پاک کے دیدار سے عزت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اُسے مذکورہ صفات کے خلاف صفتوں میں مبتلا کر کے ذلت میں ڈالتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہی اللہ ہے جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔

یاد رہے کہ دائمی عزت اور حقیقی بادشاہت، حاجت کی ذلت نفس کی اسیری غلبہ شہوت یا جہالت کے عیب سے نجات پانے میں ہے۔ پس وہ شخص جس کے دل سے حجاب اٹھا لیے گئے حضرت عزت باری تعالیٰ کے مشاہدہ جمال سے سرفراز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ملک قناعت اور مخلوق سے بے نیازی کی بادشاہت عطا فرماتا ہے نیز اس کے نفس پر غالب آنے میں اُسے قوت دے کر اور اس کی تائید کر کے اس کی مدد فرماتا ہے تو حقیقت یہ ہوئی کہ اس نے عزت دی تو ایسے ہی شخص کو عزت دی اور اُسے ہی دین و دنیا کی بادشاہی عطا فرمائی۔ اس کے برعکس جس شخص

کے لیے مخلوق کی طرف اُس کی چشم حاجت کو دراز کر دیا اہل حاجت کو اُس پر حاوی کر دیا حرص کو اُس پر مسلط کر دیا تو وہ قناعت سے محروم ہو گیا اور نفس و استدراج کے مکر و فریب کے دھوکے میں پڑ گیا۔ اور جہالت کی تاریکی میں ہی پھنس کر رہ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے حقیقی ملک چھین لیا۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

واضح ہو کہ امام غزالی نے جس اعزاز و اذلال کا ذکر کیا ہے وہ اعزاز و اذلال حقیقی روحانی ہے وہ اعزاز و اذلال جو حسی و جسمانی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا کرشمہ ہے جیسا کہ قوت، کمال جاہ و جلال اور مال و اسباب شرفِ نسب لوگوں کا کسی کے لیے مدد و نصرت کے لیے مددگار و پیروکار بننا۔ اسی طرح ان کمالات کی ضد اگر کسی پر ظاہر ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا ظہور ہے اسی طرح وہ تمام چیزیں جس کا دین میں نفع یا نقصان ظاہر ہوتا ہے اور جن کا اثر اہل دین میں باقی رہتا ہے بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ عزت و ذلت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو وہ دنیا و آخرت کی عزت اُس سے چاہتا اور اُس کی درگاہ سے ذلت و خواری سے پناہ مانگتا ہے۔ وہ اس بات کو بھی جان لیتا ہے کہ عزت فرمانبرداری میں ہے اور خواری نافرمانی و معصیت میں لہٰذا بندے کو چاہیے کہ حرص و طمع اور شہوت نفس میں گر کر اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرے۔

حکایت :-

منقول ہے کہ دو بچے کھیل رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں خشک روٹی تھی دوسرے کے ہاتھ میں اچھی اور تر روٹی۔ خشک روٹی والے بچے نے دوسرے سے کہا کہ مجھے بھی اپنی اچھی روٹی میں سے دے اُس نے کہا آ اور میرا کتا بن تاکہ میں تجھے یہ روٹی دوں وہ بچہ راضی ہو گیا۔ دوسرے بچے نے اُس کے گلے میں رسی ڈالی اور اُسے کھینچا۔ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ (جو ایک کامل بزرگ گزرے ہیں) نے جب یہ دیکھا تو فرمایا اگر یہ بچہ اپنی خشک روٹی پر قناعت کرتا تو اپنے دوست کا کتا بن کر ذلیل و خوار نہ ہوتا۔ بیت۔

بنان خشک قناعت کنیم و جامۂ دلق که بار محنت خود به ز بار منت خلق

ہم خشک روٹی اور پھٹے ہوئے کپڑے پر قناعت کریں گے کیونکہ اپنی محنت کا بوجھ اُٹھانا مخلوق کے احسان کا بوجھ اٹھانے سے بہتر ہے۔

اس اسم سے متخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اُن بندوں کو عزیز جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت اور مخالفت نفس و ہوا سے عزت عطا فرمائی اور انہیں خوار جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفر و ضلالت کمینی دنیا سے میل ملاپ موافقت نفس اور جہالت و نفسانی شہوات کے گڑھے میں ڈال دیا۔

اَلسَّمِیْعُ اَلْبَصِیْرُ :

یہ دو صفتیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ میں سے ہیں جن کے ساتھ وہ تمام چیزیں جو سننے اور دیکھنے سے تعلق

رکھتی ہیں، منکشف ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ انکشاف مکمل اور تمام ہوتا ہے اُسے اس کے لیے کسی آلے اور قوت حاسہ کی کوئی محتاجی نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر کان سے نہیں وہ دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں۔ اس طرح کا سننا اور دیکھنا بڑا اکمل و جامع ہوتا ہے کیونکہ اعضاء و آلات پر تغیر، حادثات و آفات کا اثر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے دور و نزدیک سب برابر ہیں اُس کی یہ بھی شان ہے کہ ایک چیز کا سننا اور دیکھنا اُسے دوسری چیز کے سننے اور دیکھنے سے مزاحم نہیں۔ ان دو صفتوں کے اثبات کے مقام میں تشبیہ سے بچنا ضروری ہے اور جب کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی صفات سے منزہ ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تشبیہ سے بھی پاک و منزہ ہے۔ قرآن مجید ان دونوں صفتوں کو ثابت کرتا ہے۔

ان دونوں صفتوں کی علم سے تاویل کرنا (یعنی یہ کہنا کہ سمیع و بصیر سے مراد اُس کا علم ہے) اس کی یہ تاویل خلاف ظاہر ہے اور جب بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے تو وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو چنانچہ وہ جو کچھ کہتا ہے ادب و احترام سے کہتا ہے غیبت، بہتان، گپ شپ، مدح نفس اور لعن طعن سے پرہیز کرتا ہے وہ نہیں دیکھتا اور نہیں سنتا مگر خدا کا کلام۔ اور خدا کی ہیروی کرنے والوں کا کلام۔ چنانچہ وہ اسی چیز سے راضی ہوتا ہے جس سے خدا راضی ہوتا ہے وہ نظر کو بھی حرام سے بچاتا ہے اسی طرح آنکھ کو دنیا کی چمک دمک اور آرائش و زیبائش کے دیکھنے سے بھی بچاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور اُس کی عجیب عجیب مخلوقات کو دیکھتا اور عبرت حاصل کرتا ہے پھر اس کے نتیجے میں وہ دائمی مراقبۂ دل کی کیفیت کو اپنے لیے لازم کر لیتا ہے اور محاسبے کی شکل میں ہر وقت اپنے نفس کا مطالعہ کرتا رہتا ہے حدیث پاک کے الفاظ (بی یسمع و بی یبصر) (وہ میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ دیکھتا ہے) میں اسی جانب اشارہ ہے۔

الحکم:

بمعنی حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ حاکم علی الاطلاق ہے کہ تشریعی و ارادی ہر قسم کا حکم اُسی کا نافذ ہے۔ وہی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے والا وہی ظلم کی بنیادوں کو اکھیڑنے والا اور زیادتی اور ظلم کو دفع کرنے والا ہے نیز ظالموں سے مظلوموں کا انصاف لینے والا ہے۔ اور جزا کے دن وہی ساری مخلوق کے درمیان عدل و انصاف فرمانے والا ہے۔ اور اپنے بندوں میں بدبختی اور نیک بختی کا فیصلہ کرنے والا بھی وہی ہے۔

قاموس میں فرمایا کہ حکم بمعنی قضا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکم سے قضا و قدر سامنے آتی ہے تو اسباب کے پیدا کرنے میں اصل بنیاد اُس کا حکم اور اُس کی تدبیر ہوتی ہے جو کہ امر رب سے عبارت ہے جو کہ آنکھ جھپکنے کے وقفے میں وجود میں آجاتی ہے۔ پھر اسباب کلی کو پیدا کرنا جیسے زمین و آسمان اور ستارے قضا کہلاتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ اسباب پر مُسَبَّبات کے مرتب ہونے کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس مقام کا تفصیلی بیان حضرت امام غزالی نے شرح اسماء حسنیٰ میں کیا ہے۔ ہم نے اس کا بہت سا حصہ اپنی شرح عربی میں نقل کر دیا ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہے تو چاہیے کہ بندہ

اس کے حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے اور اس کا فرماں بردار بنا رہے نیز اس کی قضاء پر راضی رہے اور اپنے ذمے جتنے بھی حقوق ہیں ان سے بری الذمہ ہو جائے یعنی انہیں پوری طرح ادا کرے۔ لوگوں کے ساتھ جھگڑے کرنے سے احتیاط کرے اور اگر کسی کو اس سے کوئی تنازعہ اور جھگڑا ہو تو انصاف کو نگاہ رکھے تاکہ ظالموں میں سے نہ اٹھایا جائے اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے فیصلے کرے گا، اس کے حضور شرمندہ اور رسوا نہ ہو پھر اس صفت کے تحت یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ازلی سے ہر وقت ڈرتا رہے اور غم و خوف محسوس کرتا رہے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ جھگڑے مٹائے۔ عدل و انصاف سے حکومت کرے اور اپنے نفس پر حاکم بن کر رہے اسے مجاہدات و ریاضات میں ڈالے اور ایسی تدابیر اختیار کرے۔ جن سے اس کی دنیا اور دین دونوں بہتر ہو جائیں۔

العدل :

عدل کا معنیٰ لغت میں انصاف ہے اور انصاف کرنے والا عدل ظلم اور جور کی ضد ہے پھر یہ لفظ استقامت و اعتدال اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ برابر کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جور و ظلم سے منزہ ہے کیونکہ ظلم دراصل غیر کی ملک میں دخل دینے کا نام ہے اور کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی ملک سے باہر نہیں بلکہ سارا عالم اس کی ملک ہے۔ خداوند تعالیٰ کے تمام افعال مستقیم و معتدل اور لاتعداد حکمتوں و مصلحتوں پر مشتمل ہیں اور جیسے کہ چاہیے ویسے ہی ہیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ) اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ اس کے عمل کے مطابق معاملہ فرماتا ہے اور اس کی لگن اور چاہت کے مطابق اسے اپنی محبت و نعمت کے لائق بناتا ہے یہ اس کا عدل ہے۔ کبھی کبھی معاف بھی فرما دیتا ہے بلکہ معاف کرنے کی بجائے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے یہ اس کا فضل ہے اس بیان کی روشنی میں جب بندے نے یہ جان لیا کہ حاکم مطلق وہی ہے اور قضاء و قدر کے تمام فیصلے اسی کی طرف سے ہیں تمام افعال میں حکمتیں ہی حکمتیں پائی جاتی ہیں اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی تدبیر حکمت میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ سب حق و عدل کے مطابق جانے اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں میں عدل کا نظام کرے خصوصاً رعیت میں پورے انصاف سے کام لے بندے کی حکومت کے نیچے اس کا اپنا وجود بھی ہے اور شہوت و غضب بھی تو چاہیے کہ عقل کی سیاست و تدبیر کے تحت اپنی ان قوتوں کو درست اور دین کی قید کے دائرے میں رکھے۔ اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ اس صفت کی روشنی میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرتے ہوئے استقامت کے راستے پر چلے۔ بیت

سعدیا راست رواں گوئے سعادت بردند ۔۔۔ راستی کن کہ بمنزل نہ رود کجرفتار

اے سعدی سیدھے راستے پر جانے والے ہی سعادت کا گیند اٹھاتے ہیں۔ اس لیے راستی اختیار کر کیونکہ

کہ رفتار انسان منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

اللطیف:

یہ لفظ لطف سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے نرمی اور کام و کردار میں نازک مزاجی دکھلانا اور کسی سے نیکی کرنا۔ بندے پر خدا کا لطف یہ ہے کہ وہ اُسے طاعات کی توفیق دیتا اور معصیت سے بچاتا ہے بندوں پر اُس کے لطف و کرم میں یہ بات بھی ہے کہ وہ بندے کو کفایت و ضرورت سے بڑھ کر عطا کرتا اور اس کی طاقت سے کم اُسے تکلیف دیتا ہے اور عمر کی مختصر سی مدت میں معمولی سی سعی و کوشش سے اُسے سعادت ابدی سے ہمکنار کرتا ہے بلکہ ایک ساعت کے اندر اُسے سعادت ابدی سے بہرہ ور فرما دیتا ہے جیسا کہ ایک شخص ایمان لایا اور ایمان لاتے ہی دنیا سے رحلت کر گیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لطف و نرمی کے نمت بندے کے لیے مشقت، مجاہدہ، محنت و ریاضت میں آسانی مہیا کر دیتا ہے۔ اور اگر چاہے تو بغیر ریاضت و مجاہدہ کی زحمت کے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور اپنے قرب اور اپنی درگاہ میں قبول ہونے کے ساتھ مخصوص و مشرف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصلحتوں کی باریکیوں کا علم رکھتا اور مخفی امور سے پوری طرح واقف ہوتا ہے جملہ امور کو پورے رفق و نرمی سے اپنے اپنے بہتر مقام تک لے جاتا ہے یہ دونوں امور یعنی باریکیوں اور مخفی امور کا خدائے تعالیٰ کا احاطہ کرنا اور افعال میں رفق و نرمی کو بروئے کار لانا، احاطہ حصر و بیان سے باہر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مثالوں کے ضمن میں اُس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور اُس کی نرمی بچے کے ساتھ شکم مادر سے لے کر آخر عمر تک ساتھ رہتی ہے پھر وہ شکم میں بچے کو غذا پہنچاتا ہے اسی طرح شیر خوارگی کی حالت میں بھی اُسے دودھ کی غذا مہیا فرماتا ہے نیز اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے خون و گوبر کے درمیان سے صاف اور میٹھا دودھ نکالتا ہے۔ اور پتھروں کے درمیان سے نفیس قسم کے موتی پیدا فرماتا ہے شہد کی مکھی سے بہترین شہد پیدا کرتا ہے کیڑوں سے ریشم پیدا کرتا ہے اسی طرح لمبے لمبے اور عجیب عجیب سیپ پیدا کرتا ہے جس سے قیمتی موتی بر آمد ہوتے ہیں اُس کے لطف و کرم کی عجیب تر کیفیت یہ ہے کہ وہ آدمی کے اندر معرفت کی امانت رکھتا اور حامل امانت بناتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کے مشاہدے کراتا اور بندے کو اپنی ذات و صفات کا عارف بنا دیتا ہے یہ سب اُس کے لطف و کرم کی مثالیں ہیں۔ اس طرح کی اور اتنی مثالیں ہیں جو حدود شمار میں نہیں آسکتیں۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے دلوں کے پوشیدہ تمام اسرار و رموز جاننے والا ہے اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندے کو بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ظاہر و باطن کو شیطانی مکر و فریب ترک عدل اور بُرے اخلاق سے محفوظ رکھے اُس کی نعمت کا شکر ادا کرے اُس سے خیر و طاعت کی توفیق مانگے اپنی تقصیرات و کوتاہیوں کا اعتراف کرے اُس کے حضور میں تائب ہو اور عذر خواہی کرے

اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے لطف و نرمی سے پیش آئے چاہے ان کا تعلق حسی اور دنیوی جہان سے ہو چاہے روحانی و دینی منافع سے ہو اور حق تعالیٰ کے طریقہ کے مطابق لطف و نرمی سے مخلوق کو اللہ کی طرف بلائے ہدایت کا راستہ دکھلائے یونہی لطف و حکمت سے اچھی اچھی نصیحتوں، حقائق کا علم پوشیدہ دقائق کا فہم پورے رفق و سہولت اور نرمی سے لوگوں تک پہنچائے اور نامدے سے بہرہ ور کرے۔

الخبیر:

خبیر یعنی آگاہ و دانا، زمینوں و آسمانوں کے ملک و ملکوت میں کوئی متحرک و ساکن چیز نہیں ہے اور زمینوں و آسمان میں بھی کوئی چیز نہیں اور کوئی ذرہ بے چین یا مطمئن نہیں اور کون و مکان میں بھی کوئی شے نہیں اور نہ کوئی چیز سانس لینے والی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ اُس کے نزدیک اور اُس سے باخبر ہے اس معنیٰ کے مطابق خبیر کا معنیٰ علیم کے معنیٰ کی طرف لوٹ جائے گا مگر یہ کہ خبیر کو خبر دینے سے مخصوص کیا جائے اور عالم کو تمام خبروں کا عالم قرار دیا جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خبیر بمعنیٰ علیم ہے لیکن علم کی نسبت جب باطنی مخفی امور کی طرف ہو تو اس علم کو خبرت کہتے ہیں اور اُن کے جاننے والے کو خبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

کبھی خبیر کا معنیٰ خبر دینے والا بھی کرتے ہیں یعنی اپنے کلام کے مخفی اسرار بتانے والا اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ساتھ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دینے والا ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق اس اسم کا معنیٰ صفت کلام کی طرف لوٹ جاتا ہے پھر خبرت اور اختبار کا معنیٰ آزمانے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو امر و نہی اور تکلیف شرعی سے آزماتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا (لیبلوکم ایکم احسن عملا) (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے) جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبیر ہے تو اُسے چاہیے کہ اس کا مراقبہ اور اس کے علم کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جن اوامر و نواہی کی خبر دی ہے اُن کی تصدیق کرے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ دین کے کاموں میں دانا اور باریک بین بنے اور جو کچھ بھی اس کے دل و جسم پہ گزرے، بصیرت اور ہوش سے اس سے آگاہ رہے نفس کی مکاریوں اور اُس کے مکر و دھوکے سے پوری طرح خبردار ہے نیز نجات کے راستے کی طرف لوگوں کو بلانے میں مصروف رہے اور لوگوں کو آزماتا رہے کہ وہ کس حد تک صراط مستقیم کو اختیار کرتے ہیں۔

الحلیم:

حلم یعنی آہستگی و بردباری حلیم اُس ذات کو کہتے ہیں جسے اس کا غصہ راہ راست سے بھٹکنے نہ دے اور انتقام لینے اور سزا میں مبتلا کرنے میں جلدی نہ کرے اور قدرت رکھنے کے باوجود اگر بندہ توبہ کرے تو اُسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو بہ کے بغیر ہی رحمت کر دے۔ حلیم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے بندہ کبھی سزا دینے میں عملاً جلدی نہیں کرتا مگر اس کے دل میں کئی دفعہ اس کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور دل میں کینہ بھی چھپا کر رکھتا ہے تاکہ فرصت اور گنجائش کے

وقت اپنا کینہ بروئے کار لائے اللہ تعالیٰ نے صفت انتقام بھی اپنے لیے ثابت فرمائی ہے۔ پس بندے کا حق یہ ہے کہ اس کے انتقام سے ڈرتا رہے اور اس کے حلم سے معافی کا امیدوار رہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اُس سے اس وقت حلم و نرمی کا سلوک کیا ہے۔ آئندہ بھی وہ مغفرت فرمائے گا اور چاہیے کہ ایسی ذات جو سزا دینے پر کامل قدرت رکھتی ہے اس کے باوجود انتقام نہیں لیتی بلکہ اُسے معاف کرتی ہے جو نعمتیں اُس نے دی ہیں انہیں واپس نہیں لیتی، اُس کا شکر گزار رہے۔ اور شرم کرے کہ ایسی کریم ذات کی نافرمانی کا مرتکب ہو اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی بھی غلط چیز کو دیکھ کر راستے سے نہ بھٹکے بلکہ سنجیدگی و وقار سے راہ راست پر قائم رہے اور اپنے ماتحت لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ عفو و درگزر کو اپنا وطیرہ بنائے ہاں حدود شرعیہ کے جاری کرنے میں بالکل سستی اور نرمی نہ کرے۔

العظیم:

یہ لفظ العظیم اور العظمۃ سے بنا ہے بمعنیٰ بزرگ ہونا عظمت کبھی تو اجسام میں پائی جاتی ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں یہ جسم عظیم ہے اور وہ جسم اس سے بھی عظیم تر ہے یہ اُس وقت کہتے ہیں جب کہ دوسرا جسم طول عرض اور موٹاپے میں دوسرے سے زیادہ ہو پھر آگے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اُس کی عظمت آنکھ کو بھر دے اور بندے کی آنکھ اُس کا پورا احاطہ کرے جیسا کہ کہا گیا ہے دوسری عظمت وہ ہے کہ نگاہ اُس کی اطراف کا احاطہ نہ کر سکے جیسے زمین و آسمان اور یہ اول سے بھی عظیم تر ہے اور کبھی عظمت کا اطلاق باطنی بصیرتوں کے استعمال پر بھی کرتے ہیں۔ اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ عقل جس کی حقیقت کی تہہ کو پالے عظمت کی ایک قسم وہ ہے جس کے ادراک سے اکثر یا بعض عقلیں قاصر ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ حقیقت کی تہہ کو پانا اور اُس کا احاطہ کرنا ادراک عقل سے باہر ہو اور عظیم مطلق وہ برتر ہے جو سب سے عظیم اور حد عقول کی دسترس سے باہر ہو اور دائرہ ادراک میں نہ آئے اور کوئی بھی عقل اُس کی ذات و صفات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے وہ ذات حق تعالیٰ و تقدس ہے جو شخص اللہ جل جلالہٗ کی عظمت جان لیتا ہے وہ اُس کی ذات عظیم کے سامنے اپنی ذات کو حقیر و خوار جانتا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور احکام کے بجا لانے میں پوری پھرتی دکھاتا ہے بندے کو چاہیے کہ عظمت و جلال حق کو دل میں اس طرح لائے کہ کسی بھی شخص اور کسی بھی چیز کو ذات حق سبحانہ کے سامنے کچھ نہ جانے۔ اس صفت سے متعلق ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ اپنی ہمت بلند رکھے اور کسی دنیا کے لیے اپنا سر نیچے نہ جھکائے۔ دونوں جہان کو عظمت الٰہی کے سامنے کوئی حیثیت نہ دے اور ایسے کمالات و صفات شریفہ کی تکمیل کرے جس سے کہ اُس کی عظمت عظیم سے عظیم تر ہو جائے اور ایسے مرتبے تک پہنچ جائے کہ اکثر عقول انسانی اُس کی شان و قدر کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک باعمل عالم جو لوگوں کو خیر و نیکی کی تعلیم دیتا ہے اُس کا نام عالم بالا میں عظیم رکھا جاتا ہے

انسانوں میں عظیم ترین ہستیاں انبیاء اور علماء ہیں کیونکہ ایک صاحب عقل انسان جب اُن کی صفات کا تصور کرتا ہے تو اس کی عقل اُن کی کیفیت و عظمت سے پُر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے اعظم ترین مخلوق سید المرسلین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے کیونکہ مخلوق میں آپ سے عظیم تر کوئی ہستی وجود میں نہیں آئی اور عالم اجسام میں عرش سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی اور عالم معانی میں ارواح انسانی سے بڑھ کر کوئی چیز عظیم نہیں مگر ان سب کی عظمت عظمتِ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہی رخ کرتی ہے۔

الغفور:

بمعنیٰ غفار ہے یہ دونوں صیغے مبالغہ کے لیے آتے ہیں۔ غفور میں غفار سے زیادہ مبالغہ ہے یعنی غفار بمعنیٰ ایسی ذات جو بہت ہی بخشش فرمانے والی ہے اور بخشش اور مغفرت اُس سے بہت زیادہ وجود میں آتی ہے اور وہ گناہوں کو بہت ہی بخشتی ہے غفور وہ ذات جس کی بخشش تمام و کامل ہو اور وہ بڑے سے بڑے گناہوں کو بخشتا ہے اس کی بخشش و مغفرت آخری درجے و مرتبے تک پہنچی ہوئی ہے بعض نے کہا غفور وہ ذات ہے کہ جب بندے کے گناہوں میں سے کسی ایک قسم کے گناہ بخشے تو تمام لوگوں کے تمام گناہوں کو بخش دے اور جب کہ غفر پوشیدہ کرنے کے معانی میں بھی آتا ہے۔ غافر کا معنیٰ یہ ہوگا ایسی ذات جو بندوں کے اعمال ناموں میں گناہوں کو پوشیدہ رکھتی ہے اور غفور وہ ذات جو فرشتوں کے دلوں سے بھی بندوں کے گناہوں کے نشانات مٹا دیتی اور پوشیدہ کر دیتی ہے تاکہ گناہوں کی ذلت پر پردہ پڑا رہے بلکہ گناہ گار کے ذہن سے بھی اُس کے گناہوں کو بھلا دے تاکہ گناہوں کو یاد کر کے شرمسار و خوار نہ ہوتا رہے۔ بیت

سر خجالت درویش زاں بود در پیش کہ گر گناہ نہ بخشند شرمساری ہست

درویش کا سر شرمندگی سے اس لیے نیچے ہوتا ہے کہ اگر اس کے گناہ بخشتا ہے تو یہ بھی اُس کے لیے شرمساری کی بات ہے کہ اُس سے گناہ ہوا کیوں۔

اس نام سے متعلق ہونے کی وجہ اسم غفار کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔

الشکور:

شکر بمعنیٰ کسی کی قدردانی کرنا اور اس کی صفت و ثنا کرنا کیونکہ اُس نے اُس پر انعام کیا ہوتا ہے یہ معنیٰ بندے کے خدا کے شکر گزار ہونے کا ہے۔ شکر کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو شاکر اور شکور کے نام سے موسوم کرتے ہیں شکور کا معنیٰ ہے تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کرنے والا دنیوی زندگی کے چند گنے چنے ایام میں تھوڑے سے عمل پر آخرت کا عظیم ثواب دینے سے بڑھ کر اور کونسا ثواب بڑا ہو سکتا ہے۔

بعض نے کہا شکور کا معنیٰ ہے فرماں بردار بندوں کی صفت و ثنا کرنے والا یہ معنیٰ شکر کے معنیٰ کے قریب ہے بعض نے کہا بطریق مشاکلت شکر کی جزا کو بھی شکر کہہ دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ثواب عطا فرمانے والا ہے

تو گویا اس طرح وہ بندے کی طاعت و فرمانبرداری پر بندے کی صفت و ثنا فرماتا ہے بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا اُس کے شکر اور اُس کی طاعت میں ہر لحظہ آگے بڑھتا رہے اور صدق و اخلاص سے کام لیتا رہے اس اسم سے متعلق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ کی نعمت پر اُس کا شکر گزار رہے اور اُس کا بھی شکر گزار رہے جو اُس پر احسان کرے اور جہاں تک ہو سکے اچھائی کی شکل میں اُس کا بدلہ دے اگر اُس کا بدلہ اُس کی طاقت سے باہر ہو تو اُس کے لیے دعا کرے اور کچھ نہیں تو یوں ہی کہے "جزاک اللہ خیراً"

العلی :

یہ لفظ علو سے بنا ہے بمعنیٰ بلندی اور کسی جگہ کا بلند ہونا اور بلندی پر آنا اور کسی چیز کے اوپر ہونا پھر بلندی کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر بلند ہونا اور ایک عقلی جیسے ایک چیز کا رتبے میں دوسری چیز سے بلند تر ہونا اللہ تقدس مرتبے میں سب سے بالاتر ہے۔ کوئی بھی رتبہ اُس کے رتبے سے بلند نہیں ہے تمام مراتب اُس کے مرتبے سے نیچے ہیں کیونکہ سبب اور علت مسبب اور معلول سے بلند تر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسببات اور معلولات کا سبب و علت ہے اور علیت و فاعلیت کے تمام مراتب اُس کی ذات پر ختم ہوتے ہیں لہٰذا کوئی چیز اُس سے بالاتر نہیں بلکہ وہ سب سے بلند و بالا ہے نیز موجودات دو قسم کی ہیں۔ ایک مردہ دوسری زندہ پھر زندہ چیزوں کی تقسیم اس طرح ہے کہ جس کا ادراک حس کی حد تک ہے وہ حیوانات ہیں اور کچھ زندہ چیزیں ایسی ہیں جن میں ادراک حسی کے علاوہ ادراک عقلی بھی ہوتا ہے جن چیزوں میں ادراک عقلی پایا جاتا ہے وہ پھر آگے منقسم ہوتی ہیں۔ اُس چیز کی طرف کہ اُس کے معلومات کے بالمقابل اُس میں شہوت و غضب بھی پائی جاتی ہے وہ انسان ہے اس کی دوسری قسم وہ ہے جو شہوت و غضب کے مقابلے سے سالم و محفوظ ہے اُس میں کسی قسم کی میل کچیل بھی نہیں ہے پھر جو چیزیں اس سے سالم اور محفوظ ہیں وہ یا تو ممکن ہیں مگر اُن میں شہوت و غضب کی ملاوٹ پائی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے شہوت و غضب سے سلامتی عطا کر دی ہوتی ہے اور دوسری وہ چیز ہے جس کے حق میں شہوت و غضب میں مبتلا ہونا یا شہوت و غضب کا اُس میں پایا جانا محال و ناممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مرتبے میں سب چیزوں سے بلند ہے کہ اُس سے عالی تر اور کامل تر کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ اور عوام کی سمجھ میں جو کہ حیوانات کے مرتبے میں ہیں حسی بلندی کے سوا اور کوئی بلندی نہیں اس کے برعکس خاصانِ حق جو بصیرتوں کے ادراک کی بدولت معنوی بلندی سے آگاہ ہوتے ہیں اور بلند مراتب کو حسی بلندی سے اوپر سمجھتے ہیں، عوام کے درجہ سے بالکل الگ ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے اوپر ہونے کا کیا معنیٰ ہے کیونکہ عرش تمام اجسام سے اوپر ہے اور وہ موجود جو حد میں ہونے اور اجسام کی حدود کے اندازے سے بھی منزہ ہے اور اُن کی مقادیر سے بھی اونچا ہے وہ تمام اجسام سے مرتبے میں بلند ہوگا۔ عرش سے تخصیص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام اجسام سے اوپر ہے اور جبکہ اللہ تعالیٰ اُس سے بھی اوپر ہے تو وہ سب سے اوپر ہوا۔ پھر علو کسی پر غلبہ

کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے جیسا کہ فرمایا (واللہ غالب علی امرہ) پس بندے کو چاہیے کہ قیاس عقلی اور ترتیب فطری کو اس کی ذات وصفات کی حقیقت کی جانب راستہ نہ دے اور معرفت کے راستے میں اس بات کو اپنے باطن سے نکال دے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے بلکہ اپنے عاجز ہونے کا اعتراف کرے کیونکہ معرفت کا کمال بھی یہی ہے اپنی عقل کو اس کے امر وحکم کے غلبے کے سامنے بالکل نیست ونابود کر دے۔ حکم کی بجا آوری اور تسلیم خم کرنے کے انداز میں اس کے سامنے آئے اس اسم سے موصوف ہونے کی صورت یہ ہے کہ علم وعمل کی تحصیل میں اس قدر کوشش کرے کہ اپنے بنی نوع افراد سے کمالات میں فائق وبلند ہو جائے مراتب ومقامات میں عروج حاصل کرے لیکن بندے کے لیے کامل بلندی ممکن نہیں کیونکہ اس کے اوپر اپنے اپنے درجات کے مطابق انبیاء کے درجات ہیں تمام درجات سے بلند تر درجہ جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں، حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے اور مطلق اعلیٰ ذات خدائے تعالیٰ جل جلالہ وتعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے اس صفت سے متعلق ہونے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنے نفس وخواہش پر غالب رہے اہل دنیا کی صحبت سے بلندی اور علیحدگی اختیار کرے۔ امر حق کے علاوہ کسی جانب بھی اپنی ہمت نیچے نہ لائے۔ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص درگاہِ حق کی جانب توجہ کرنے میں صادق ہو گیا اس کی ہیبت آسمان وزمین والوں کے دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ سب اس سے ڈرتے ہیں۔

الکبیر:

یعنی بزرگ اور صاحب کبریا کامل ذات سے عبارت ہے اور کمال سے کمال وجود مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کمال وجود دو چیزوں سے تعلق رکھتا ہے ایک دوام وجود سے جب آدمی کے وجود کی مدت لمبی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ زیادہ عمر والا ہو گیا جب طویل الوجود کو کبیر یعنی بڑا کہتے ہیں تو وہ ہستی جو دائم الوجود ہو پھر ازلی وابدی بھی ہو تو وہ اس اسم کے ساتھ موسوم ہونے کے زیادہ لائق اور مستحق ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وجود وہ وجود ہے کہ اس سے سارے وجود صادر ہوئے پس کبیر کا معنی ہو گا کامل الذات تام الوجود اور عظیم کا معنی ہو گا کامل الصفات رفیع القدر اور عالی مرتبہ اس اسم سے متعلق ہونے کی وجہ قریب قریب وہی ہے جو اسم العلی کی شرح میں گزری۔

الحفیظ:

حفظ نگاہ میں رکھنا جو کچھ کہ عالم میں ہے اُسے ہر طرح کی آفتوں اور ضائع ہونے سے بچانے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ وہ باقی رکھتا ہے ان تمام چیزوں کو جو ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہیں جیسا کہ وہ عناصر کو چیزوں کی پیدائش میں نگاہ رکھتا ہے، وہ ان کی ایک خاص ترکیب اور خاص مزاج اور قوتوں کو میانہ روی کی حالت میں رکھتا ہے یونہی حیوانات کی حفاظت کرتا ہے وہ اس طرح کہ حیوانات کی ذوات میں اُن کی حفاظت کے لیے آلات واعضاء پیدا کرتا ہے اسی طرح سینگ دار میں اور پنجے وغیرہ۔ جیسے اسلحہ وہتھیار پھر وہ اُن میں معرفت وہدایت پیدا کر کے انہیں راہ راست

پر قائم رکھتا ہے نیز حیوانات میں حواس پیدا کرتا ہے جو کہ جاسوس کے فرائض انجام دیتے ہیں اور اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ دشمن اور آفات اُن کے قریب آرہی ہیں جیسے کہ آنکھیں اور کان وغیرہ اسی طرح ملکوت و آسمان و زمین کا ہر ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ حتیٰ کہ وہ گھاس جو زمین سے اُگتی ہے اللہ تعالیٰ اُس کے مغز کو چھلکے کے ذریعے اور اُس کی طراوت کو رطوبت اور بخارات کے ساتھ جو کہ اُس سے اٹھتے ہیں، حفاظت کرتا ہے پھر کانٹا نباتات اور پودوں کا ہتھیار ہے جس طرح کہ سینگ کاٹنے والے دانت اور پنجے حیوانات کا ہتھیار ہیں۔ اسی طرح پانی کے ہر قطرے کے ساتھ حفاظت کرنے والا ایک فرشتہ لگا ہوا ہے جو اُس کی حفاظت کرتا ہے کہ وہ قطرہ ہوا کی شکل اختیار نہ کرے۔

ایک حدیث میں آیا ہے بارش سے کوئی قطرہ نیچے نہیں گرتا مگر اُس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اُس کی نگرانی کرتا ہے تاکہ وہ قطرہ زمین میں اُسی جگہ گرے جو اُس کا مستقر و مقام ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ حق ہے اور ارباب باطن کا مشاہدہ اور اُن کی بصیرت کی نگاہیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ارباب مشاہدہ اُس پر بصیرت کے تحت ایمان رکھتے ہیں نہ کہ تقلید کے طور پر۔ اسماء اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے دروازے اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اُس رب جلیل کی حفاظت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مومنوں کے ایمان اُن کے سینوں میں باقی رکھتا ہے۔ اور اُن کے عقائد کو کجی و لغزش سے بچاتا ہے پھر توحید کے سلسلے میں ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے وعید کر رکھے ہیں ان پر دلائل و براہین قائم کر کے انہیں دین کی صداقت پر قائم رکھتا ہے۔ ان تمام دلائل و براہین میں قوی ترین دلیل نور یقین ہے جو وہ اُن کے دلوں میں ڈالتا ہے بندے کے کسب و اختیار کا اُس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ اس عالم میں مذاہب اور دینوں کے اس قدر اختلافات کے باوجود ہمارے دلوں میں اپنے دین کے بارے میں ذرا بھی کوئی خطرہ نہیں گزرتا کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی ایمان کی گرہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ نور ایمان دل میں ثابت اور باقی رہتا ہے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو ایمان پر ثابت رکھ۔ حفظ بمعنی کسی چیز کو یاد کرنے کا بھی آتا ہے جو نسیان اور بھول جانے کی ضد ہے۔ اس معنی کے مطابق بھی حفیظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے درست ہے کیونکہ تمام چیزیں اُس کے علم میں محفوظ ہیں اور سہو و نسیان کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی چیز کا مٹ جانا بالکل ناممکن ہے۔

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بزرگ بندے کو وراثت میں بہت سا مال ملا۔ اُس نے اُس مال کو دیکھ کر عرض کیا یا الٰہی تو نے مجھے ان دراہم کا محتاج پیدا کیا ہے۔ لیکن حضور قلب کے ساتھ اس دولت کی حفاظت میں نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے میرے دل میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے اے میرے خدا تو ہی میرا حفیظ بن اور تو ہی مجھے

اپنی نگاہ میں رکھ۔ اُس بزرگ نے یہ کہہ کر سارا مال درویشوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا۔ اُس کے بعد اُس بزرگ کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی خدائے تعالیٰ غیب سے وہ چیز اُسے عطا کر دیتا۔

جب بندے نے یہ جان لیا کہ میرا پروردگار میرا محافظ ہے تو اُسے چاہیے کہ تمام آفات اور ڈر کی چیزوں اور نفس و ہوا کے غلبے سے اس کی حفاظت اور حمایت کی پناہ میں رہے۔ بیت۔

ہرکس بخدا پناہ آرد اورا از بلا نگاہ دارد

ہر شخص جو خدا کی پناہ میں آتا ہے اللہ تعالیٰ ہر بلا سے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ احکام شرع کی مدد کی حفاظت کرے۔ اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچائے اپنے دل کو غیر کے ذکر سے بچائے رکھے اور اپنے باطن کو ملاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اپنے تمام حالات کو حدِ استقامت و اعتدال سے باہر نکلنے سے محفوظ رکھے اور بے بس و عاجز لوگوں کی دستگیری کرے اُن کی محافظت کرے قرآن و حدیث کا حافظ بنے اُن کے معانی و مطالب دل کے اندر بٹھائے۔

المُقِیت:

یعنی روزی کا خالق اور ابدان تک اُن کی خوراک پہنچانے والا۔ یہ لفظ قوت سے بنا ہے۔ قوت دراصل اُس خوراک کو کہتے ہیں جس سے انسان کا بدن قائم رہتا ہے۔ جیسے مختلف کھانے لفظ مُقیت کا مصدر اقاتت ہے بمعنیٰ خوراک عطا کرنا۔ مذکورہ خوراک بدن سے تعلق رکھتی ہے اور روح کی خوراک معرفت و ایمان ہے۔ لفظ مقیت بمعنیٰ توانا حفاظت کرنے والا اور گواہ و حاضر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف و ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اسم مقیت علم و قدرت کے دونوں معنوں کا جامع ہے بندے کو چاہیے کہ تن اور جان کی روزی اور قوت اُس سے چاہے اور اس کے علم پر اکتفا کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ روزی کسے کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا اُس زندہ ذات کا ذکر کرنا جو موت سے پاک ہے۔ بعض حضرات اس طرح حکایت بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی خوراک کیا ہے فرمایا اللہ لوگوں نے کہا ہم کھانے کی وہ مقدار دریافت کرتے ہیں جس کے بغیر چارہ نہیں فرمایا اللہ کے بغیر چارہ نہیں۔ لوگوں نے کہا ہم اُس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں جس سے لوگوں کے بدن اور جسم قائم ہیں فرمایا تمام اجسام اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہو۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بھوکوں کو کھانا دے۔ غافلوں کو راہ راست دکھلائے اپنے نفس کے حالات سے مطلع رہے اور اپنے حال کی اصلاح پر قادر ہو۔

الحَسِیبُ:

یعنی کافی اور تمام کاموں کا سرپرست اور ضامن ہونا احساب کا معنیٰ ہے کسی کام کے لیے کافی ہونا عرب لوگ کہتے ہیں (احسبنی الشئی) یعنی کفانی یعنی وہ شخص میرے لیے کافی ہوگیا پس حسیب بمعنیٰ محسب ہوگا یعنی ہر کام کے لیے کافی یہ وہ وصف ہے جس کا حقیقتاً ثبوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کافی ہونے کی حاجت وضرورت وجود کے اعتبار سے اور دوام وجود وکمالِ وجود کے لحاظ سے بھی ہے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو کہ کسی چیز کے لیے کافی ہو مگر اللہ تعالیٰ کیونکہ اُسی سے وجود اشیاء ہے اور اُسی سے دوام وجود اور کمالِ وجود بھی ہے۔ باقی سب اسباب جن کا وجود اشیاء میں دخل ہے اور جن سے اشیاء کمال کو پہنچتی ہیں تو وہ بھی سب خدائے تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں پس وہی کافی مطلق ہے۔ بعض نے کہا حسیب بمعنیٰ محاسب ہے یعنی حساب لینے والا۔ جیسے جلیس وندیم بمعنیٰ مجالس ومنادم یعنی ہمنشین اور ساتھی اور خدائے تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق سے حساب لے گا اور دنیا اور آخرت میں اُن کے سانس تک گنے گا۔ بعض نے کہا حسیب بمعنیٰ شریف ہے جو حسب سے بنا ہے یعنی کسی کے فضائل وطریبان شمار کرنا جب بندے سے لیے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہے تو چاہیے کہ اُسی کو کافی جانے اور اُسی کی تدبیر پر بھروسہ کرے اور تمام امور میں اُسی پر توکل کرے قرآن مجید میں فرمایا (ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اُس کے لیے کافی ہوتا ہے بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی کے سانس بھی گن رہا ہے اور ایک ایک سانس کا حساب لے گا کہ میں نے اس میں کیا کیا۔ تو چاہیے کہ اپنے اعمال ضابطے کے اندر رکھے اپنے احوال کو ٹھیک کرے جب وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ شرف وکمال تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تو اُس پر اپنے نفس کی کمینگی اور عیب ظاہر ہو جاتا ہے پھر وہ اپنی ذات پر تکبر نہیں کرتا اور نہ اپنے اعمال کو دیکھ کر خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ محتاج لوگوں کی حاجات کی کفایت کا ذریعہ بنے اپنے نفس کا محاسبہ کرے اس سے پہلے کہ اُس کا حساب لیا جائے اور اپنے نفس کو معرفت وطاعت سے شریف اور نیک بنائے۔

الجَلِیلُ:

جلال اور جلالت بمعنیٰ بزرگی اور بزرگ درجے والا ہونا اللہ تعالیٰ جلیل مطلق ہے۔ جلال وکمال کی صفتوں کا جامع ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبیر تو اُسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں کامل ہو اور جلیل اُسے جو صفات میں کامل اور عظیم اُسے کہتے ہیں جو ذات وصفات دونوں میں کامل ہو ایسا کمال کہ کسی کی بصیرت کا ادراک اُس کے کمالات کا احاطہ نہ کر سکتا ہو۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

گروہ اولیاء کی اصطلاح میں صفات قہریہ کے آثار کے ظہور کو جلال۔ صفات لطیفہ کے آثار کے ظہور کو جمال کہتے ہیں

جمیل بھی اسماءِ حسنیٰ میں آیا ہے اگرچہ اس روایت میں مذکور نہیں ہے لفظ جمیل دراصل اُن خوبصورتی کے لیے وضع کیا گیا ہے جو ظاہری صورتوں میں پائی جاتی ہے اور آنکھ سے محسوس ہوتی ہے جس کا حسن بڑا نمکین اور آنکھ کو بڑا پسند آتا ہو اور دل کے بہت موافق ہو۔ اصل میں جمیل کا معنیٰ یہ ہے جو بیان ہوا اس کے بعد اس لفظ کا استعمال باطنی صورتوں کی خوبصورتی کے لیے ہونے لگا جو بصیرت سے محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں سیرت جمیل و خُلق جمیل اور جمیل مطلق صرف اُس کی ذات ہے جس طرح کہ جلیل مطلق بھی وہی ہے کیونکہ عالم میں جس جگہ بھی کوئی حسن یا جمال یا کمال یا جلال پایا جاتا ہے اُسی کی ذات کے انوار اور اُسی کی صفات کے آثار کا پر تو ہے۔ جب بندہ اس بات کی شناخت کر لیتا ہے کہ جلیل و جمیل مطلق اُسی کی ذات پاک ہے تو وہ صرف اُس کی تعظیم کرتا اور صرف اُس کو دوست رکھتا ہے۔ بزرگی میں اُس کی قدر کو سب سے ارفع جانتا ہے اور اپنے وجود مجازی میں اُسی کے انوار جلال و جمال اور اس کی عظمت اور کبریائی کو اپنا ورد و زبان بناتا ہے اور اُس کے آگے دست دعا دراز کرتا ہے۔ اُس کے آگے مطلق نیست بن جاتا ہے تاکہ اُس میں ہست مطلق ظہور پذیر ہو جائے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شرقنی و غربنی　　اخرجنی عن وطنی
اذا تغیبت بدا　　وان بدا غیبنی

ترجمہ۔ مجھے وہ مشرق کی جانب لیے گیا اور مغرب کی جانب لے گیا حتیٰ کہ مجھے اپنے وطن سے ہی نکال کر لے گیا

(۲) جب میں غائب ہو گیا تو وہ ظاہر ہو گیا اور اگر وہ ظاہر ہوا تو مجھے غائب کر دیا۔ بیت۔

گم شدم در گم شدن دین منست　　نیستی از ہستی آئین منست !
تو در و گم شو کہ تجرید ایں بود　　گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

ترجمہ (۱) گم ہونے میں گم ہو جانا میرا دین ہے۔ ہست سے نیست ہو جانا میرا دستور ہے۔
(۲) تو اُس میں گم ہو جا کہ تجرید یہ ہے۔ گم ہونے کو بھی گم کر دے کیونکہ تفرید یہ ہے۔

اس صفت سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے نفس کو صفات کمال سے آراستہ کرے اپنی صفات باطنہ کو نیک کرے اخلاقِ ذمیمہ کو مہذب بنائے تاکہ خود بھی جلیل و جمیل بن جائے اور خدا و مخلوق سب اُس سے دوستی کرنے لگیں۔

الکریم :

بعض بزرگ اور بعض علماء فرماتے ہیں جب تو نے کسی کو کریم کہہ دیا تو گویا تمام نیک صفات اُس کے لیے ثابت کریں۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔ جب وعدہ کرے

پورا کرے۔ جب عطا کرے اُمید سے زیادہ عطا کرے جو اُس سے التجا کرے اُسے ضائع نہ ہونے دے اور تمام وسیلوں اور سفارشیوں سے بے نیاز کر دے۔ کریم بمعنیٰ مکرم بھی کیا گیا ہے جس طرح جلیل بمعنیٰ مجل یعنی بزرگی عطا کرنے والا کریم بمعنیٰ جواد (بہت سخی) بھی آیا ہے کامل طور پر یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کی کریم اور بلند ذات کے ساتھ خاص ہے۔

منقول ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ قیامت کے دن ہمارا حساب کون لے گا فرمایا اللہ تعالیٰ خود ہی حساب لے گا یہ سُن کر اعرابی خوش ہوا اُس کے منہ پر تبسم بکھر گیا۔ لوگوں نے پوچھا تمہارے تبسم کرنے کی کیا وجہ ہے اُس نے کہا کریم جب عیب دیکھتا ہے انہیں چھپا دیتا ہے۔ جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ شکر و کرم عفو و درگزر اور جود و سخاوت کو اپنا دستور بنائے اور دل میں ایسے کریم کی محبت و دوستی بٹھلائے۔ اس اسم سے متصف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان صفات کے حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کے لیے زور لگائے تاکہ اُسے بھی ان صفات میں سے کچھ یا زیادہ حاصل ہو جائے اس طور پر جو اُس کے حال کے لائق ہے۔ ان صفات سے باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام متصف ہوتے ہیں اور سید الانبیاء علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا سب سے کامل تر و کریم تر ہستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہیں پھر آپ کی اُمت کے اولیاء و علماء اپنے اپنے درجات و مراتب کے مطابق اہل کرم ہیں۔

الرَّقِیْبُ:

صراح میں ہے رقیب بمعنیٰ نگہبان و نگاہ میں رکھنے والا کام بنانے والا علامہ طیبی نے کہا رقیب بمعنیٰ حفیظ ہے کہ تمام اشیاء کی نگہبانی کرتا اور ہر ایک شئے کا ملاحظہ کرتا ہے تو زمین و آسمان میں ایک ذرے کی مقدار چیز بھی اُس سے غائب نہیں۔

امام غزالی نے فرمایا کہ رقیب علیہ بمعنیٰ حفیظ ہے پس جو مخفی چیزوں پہ نگاہ رکھے اُس سے غافل نہ ہوا نہیں ملاحظہ کرے اور اگر یہ ملاحظہ و نگرانی اُس کے لیے لازم و دائم ہو تو وہ رقیب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس لفظ کا معنیٰ رقابت یعنی حفاظت بعلم و حفظ کی جانب رجوع کرتا ہے لیکن اس اعتبار سے کہ یہ علم و حفظ لازمی ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو پیچھے گزر چکا ہے کہ علماء نے رقیب کی یہی تفسیر کی ہے لیکن انہوں نے رقابت میں مبالغے کا مفہوم بھی ملحوظ رکھا ہے یعنی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا اس اعتبار سے دونوں کے درمیان فرق ہوگا بندے کے اس صفت سے متعلق اور متحقق ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ یعنی بندہ اپنی نگہبانی کرے اپنے آپ کو نفسی و قلبی عوارض یعنی فریب، و زبردستی وغیرہ سے بچائے۔ ہمیشہ حق تعالیٰ کی نگاہ میں با ادب رہے اور نامناسب امور سے پوری طرح پرہیز کرے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر ظاہری اور باطنی حال پر رقیب و گواہ ہے۔ اور اس بات کی فکر میں ہے کہ نفس و شیطان

تاک میں بیٹھے ہیں فرصت کی تلاش میں ہیں اور مجھے غفلت میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ جب میں غافل ہو جاؤں تو اپنا کام کریں۔ اور اپنے غصے کا نشانہ بنائیں۔ تو بندے کو چاہیے کہ ان سے ہمیشہ ڈرتا رہے ان کے مکر و فریب سے ہوشیار رہے اور دل میں ان کے آنے کے راستے بند کر دے مراقبے کا یہی معنیٰ ہے۔

المُجیب:

اجابت سے بنا ہے بمعنیٰ جواب دینا۔ اجابت کا معنیٰ دعا کرنے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جواب دیتا ہے جو بھی اسے پکارتا ہے وہ ہر دعا کو قبول فرمانے والا ہر سوال پہ عطا فرمانے والا اور وہی پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے جب کہ وہ قال اور حال کی زبان سے دعا کرتا ہے۔ بلکہ دعا کرنے سے پہلے ان کی دعائیں قبول فرمانے والا اور طلب کرنے سے پہلے انہیں عطا کرتے والا۔ اجابت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مخلوق کی دعائیں سننا اور اس کی حاجتوں کے لیے کافی ہوتا ہے جو اس نے بندوں کے کاموں کی تدبیر کے لیے تدبیریں کر دی ہیں ان کی پیدائش سے پہلے وہ اس طرح کہ اس نے اسباب پیدا کر دیے ان کے رزق کے انتظامات کیے زمین و آسمان میں ایسے آلات پیدا فرمائے جن سے بندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں تو بندے کیلئے چاہیے کہ امر و نہی میں حق تعالیٰ کی دعوت قبول کرے بندوں کی حاجات کے پورا کرنے میں کوشش کرے جہاں تک اس سے ہو سکتا ہے ان کی ضروریات کو پورا کرے اگر عاجز اور بے بس ہو تو نرمی اور نرم بات سے ان کو جواب دے ان کی باتیں سنے ان کی طرف سے ہدیہ قبول کرے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔

الواسع:

یہ لفظ سَعَت سے بنا ہے بمعنیٰ فراخی و فراخ کرنا اور سب کو پہنچانا اس فراخی کی نسبت علم کی طرف بھی کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا علم تمام معلومات کو وسیع و محیط ہے احسان کی طرف بھی اس کی نسبت کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں اس کا احسان وسیع ہے اور اس کی نعمت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے پھر اس کی نسبت قدرت، ملک و غنا کی طرف بھی کرتے ہیں ان تمام صفات میں واسع مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جو کہتے ہیں سعت بمعنیٰ دولتمندی و توانائی و دسترس بھی آتا ہے تو وہ اسی تعلق کی بنا پر آتا ہے۔ اور بندے کے ذمے لازم ہے کہ جب اس نے خدا کو پہچان لیا اور اس کے علم قدرت ملک اور بے نیازی کو بھی جان لیا کہ جہالت بے بسی فقر اور محتاجی کی تنگی میں نہ پڑا رہے بلکہ بے نیاز ہو جائے اور تمام کاموں میں اسی کے حضور التجا کرے اور تنگی کے وقت اسی سے پناہ چاہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ علوم و معارف میں وسعت پیدا کرے۔ اخلاق جود و سخاوت اختیار کرے سینے کو کشادہ کرے دل کو فراخ کرے اس پر جو حوادث بھی نازل ہوں اور جو اذیت بھی پہنچے اس سے دل تنگ نہ ہو اور کوئی چیز کسی سے بٹا کر نہ رکھے سب کے ساتھ ہر لحاظ سے کشادہ رو رہے۔ بیت۔

بند ہا بردار گر خواہی کشاد دست دل بکشا اگر خواہی مراد

بندشیں اٹھائیے اگر کشادگی چاہتا ہے دل کے ہاتھ کھول اگر مراد چاہتا ہے۔

الحکیم :

حکمت سے بنا ہے حکمت کمال علم اور حسن عمل، ایقان اور علم وعمل کے احکام سے عبارت ہے علم محکم کو بھی حکمت کہتے ہیں پس یہ لفظ احکام کے اضافے کے ساتھ علیم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں حکیم حاکم کا مبالغہ ہے اور حکیم اُسے کہتے ہیں جو حقائق اشیاء کا عالم ہو اور جو مصنوعات کی باریکیوں کو بہتر طور پہ جانتا ہو اور کسی چیز کے بنانے میں بہت محکم اور پائیدار ہو ان تمام معانی میں کمال صرف خدائے تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ جو کام بھی کرتا ہے بہ تقاضائے حکمت کرتا ہے اور دانش اور بینش سے کرتا ہے وہ اپنے کاموں میں سستی و کمزوری سے منزہ و مبرا ہے۔ وہ اسرار کے حقائق و دقائق کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص جان لیتا ہے کہ پروردگار تعالیٰ حکیم ہے اُس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اُس کے حکم سے راضی ہو اور اس بات کو جانے کہ ہر بات میں اُس نے بہت اعلیٰ اعلیٰ حکمتیں رکھی ہیں اگرچہ ظاہراً معلوم نہیں ہوتیں تو اُسے چاہیے کہ کسی بات پر اعتراض نہ کرے نہ غصہ کرے اور یہ جانے کہ وہ فاعل مختار اور حاکم علی الاطلاق ہے۔ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اُس کا حکم دیتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ حقائق کے سمجھنے میں اسم الحکیم کے فیض کی طرف متوجہ رہے۔

اس اسم سے تخلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ قوت نظریہ کی تکمیل اور قوت عملیہ کی تحسین میں پوری پوری کوشش کرے اور اُن علوم وفنون کو اچھی طرح جانے جو اُس کے نفس کی تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس اسم کے مطابق بندے کو یہ بھی چاہیے کہ بے وقوفی اور لغو باتوں سے پرہیز کرے کوئی بھی کام حقانی اشارے اور ربانی تقاضے کے بغیر نہ کرے تاکہ اسم الحکیم کے اطلاق کا مستحق بنے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے علاقہ مغرب کے بارے میں سنا کہ وہاں ایک شخص ہے جو علم وحکمت میں مشہور ہے میں اُس کی زیارت کے لیے گیا میں چالیس دن اُس کے دروازے پر پڑا رہا وہ شخص وقت نماز مسجد میں آتا اور پھر حیرانی اور گم سم حالت میں گھر واپس چلا جاتا میری طرف کوئی توجہ نہ کرتا۔ اُس کی اس حالت سے مجھے تنگی لاحق ہوئی۔ میں نے کہا اے جوانمرد میں چالیس دن سے یہاں کھڑا ہوں میری طرف تو نے کوئی توجہ نہیں کی اور مجھ سے کوئی بات نہیں کی مجھے کوئی نصیحت کر اور حکمت ونصیحت کی بات سکھا تاکہ میں اُسے یاد رکھوں اس نے کہا تو اُس پر عمل کرے گا میں نے کہا ہاں اگر خدا نے توفیق دی اُس نے فرمایا دنیا کو دوست نہ رکھ فقر کو دولتمندی شمار کر مصیبت کو نعمت جان اور روک رکھنے کو عطا سمجھ۔ غیر حق سے اُنست کرنہ ہی غیر حق سے محبت کر دین کے لیے خواری کو عزت سمجھ۔ زندگی کو موت سمجھ اور طاعت کو حرمت وعظمت جان اور توکل کو اپنا ذریعہ معاش بنا۔

از سینہ محو کن ہمہ نام ونشان غیر   الا کسیکہ میدہد از وے نشان

سینے سے غیر کا نام ونشان تک مٹا دے مگر اُس کا نقش نہ مٹانا جو تجھے اُس کا نشان بتاتا ہو۔

الودود:

دکی پیش وزبر وزیر سے۔ اس سے مودت بھی بنا ہے یعنی دوستی کرنا۔ بعض نے فرمایا کہ مضبوط دوستی قائم کرنے کا نام مودت ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں سے دوستی کرتا ہے اور مومن اُس سے دوستی رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا (یحبھم ویحبونہ) یعنی وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کرتا ہے اُن کے لیے خیر چاہتا ہے انہیں نعمت سے سرفراز کرتا ہے اُن پر احسان فرماتا ہے۔ اور اُن کی صفت وثنا کرتا ہے۔ اور ایمان والے اُس سے دوستی رکھتے ہیں یعنی اُس کی فرمانبرداری کرتے اُس کی تعلیم بجالاتے اور اُس کی ہیبت دل میں رکھتے ہیں اور اُس کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور فرمایا (ھوالغفور الودود) یہاں اسم غفور کو اسم ودود سے پہلے بیان فرمایا تاکہ عاصی گناہ گار جو غبار معصیت سے آلودہ ہوتے ہیں وہ بھی نااُمید نہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پہلے عاصیوں کے حال کے رخسار پر سے عفو ومغفرت کے ساتھ غبار معصیت صاف کرتا ہے اور اُن کے اوپر سے معصیت کا گرد وغبار جھاڑتا اور انہیں پاک کرتا ہے اُس کے بعد اپنے محبوبوں اور معشوقوں کے دائرے میں لاتا ہے۔ بیت

از من گناہ آید ومن آنم   وز تو کرم آید وتو آنی

مجھ سے گناہ ہی سرزد ہوتا ہے اور میں وہی گناہ گار ہوں۔ تجھ سے کرم ہی سامنے آتا ہے اور تو وہی کرم نواز ہے۔

اس اسم سے   ہونے کی وجہ ظاہر ہے پھر اس ° سے متعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہل دین سے دوستی کرے خیر وبھلائی میں سے جو کچھ اپنے لیے چاہتا ہے، دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرے بلکہ اپنے نفس پر ایثار کرنے میں انہیں ترجیح دے اس اسم میں کمال پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اُسے ایثار واحسان سے کوئی چیز بھی نہ روک سکے اور غضب وکینہ وایذا، ایثار کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے اور جو شخص اُس سے تعلق کاٹے یہ اُس سے تعلق جوڑے جو اُسے محروم کرے یہ اُسے عطا کرے جو اس پر ظلم کرے یہ اُس سے درگزر کرے اس محبت کا فرد اعلیٰ یہ ہے کہ محبوبان حق کی محبت میں بالکل ثابت قدم رہے اور محبوں کے طریقے کے مطابق چلنے میں پوری کوشش صرف کرے استقامت وپامردی دکھائے اور اُس کے دوستوں کی دوستی کو اپنی نجات کا وسیلہ عظمیٰ جانے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے تمام محبوبوں سے محبوب ترین اور تمام محبوں سے محب ترین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وطاعت کو لازم جانے کیونکہ وہ عین محبت حق وطاعت حق ہے۔

حکایت:

ایک عجیب حکایت مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں میں سے ایک عاشق کو ستر ہزار دینار

بطور وراثت ملے۔ اچانک اُس کے سامنے حضور نبی پاک علیہ السلام کا ایک بال مبارک کسی کے ہاتھ میں سامنے آیا۔ اُس عاشق نے وہ ستر ہزار دینار دے کر آپ کا موئے مبارک خرید لیا۔ بیت

جمائے چند دادم جان خریدم بحمد اللہ عجب ارزان خریدم

میں نے چند پتھر دیئے اور جان خرید لی۔ الحمد اللہ کہ میں نے عجیب سستا سودا کر لیا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اُس کے رگ و ریشے میں حضرت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سرایت کر چکی ہو۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی دوستی کا نشان یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت سے محبت ہو اور اُن تمام سے بھی جو آپ سے نسبت رکھتے ہیں۔ بیت

دوست را دوست داری دوستش را دوست دار دوست را بر دیدہ دار و دیدہ را بر دوست دار

اگر تو دوست سے دوستی رکھتا ہے تو اُس کے دوست سے بھی دوستی کر۔ دوست کو آنکھ پر رکھ اور آنکھ کو دوست پر رکھ۔

ایک کتے نے دو تین دن اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ساتھ اختیار کیا تو اُسے انسانی صورت مل گئی اور ہمیشہ کی نعمتیں مل گئیں۔ تو آدمی کیوں نا اُمید ہو۔ پیر ہری قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں جب پتھر کو پھل لگ سکتا ہے اور کتے کو دیدار نصیب ہو سکتا ہے تو عبد اللہ کو نا اُمیدی سے کیا سروکار۔

المجید :

یہ ماجد سے صیغہ مبالغہ ہے۔ صراح میں ہے بمعنی بزرگی و مجید بمعنی بزرگ۔ قاموس میں ہے مجد بمعنی شرف و کرم کو پالینا۔ علامہ طیبی نے فرمایا مجد کرم کی فراخی کو کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجید وہ ذات ہوتی ہے جو بزرگ ہو اور جس کے افعال جمیل و خوبصورت ہوں اور جس کی عطا اور بخشش جزیل اور بہت زیادہ ہو پس مجید، جلیل، وہاب و کریم کے معنی کا جامع ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا وظیفہ بجا لائے اُس کی نعمت و طاعت کی شکر گزاری میں ذرا بھی غفلت نہ کرے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے میں شرف و بزرگی حاصل کرے وہ اس طرح کہ اپنے میں شرف و بزرگی کے اسباب یعنی علم و عمل اور تہذیب اخلاق پیدا کرے۔ دوسروں کو بھی اپنی عطا و سخاوت سے فائدہ پہنچائے۔

الباعث :

بعث سے بنا ہے بمعنی قبر سے اٹھانا سوئے ہوئے کو نیند سے جگانا اور کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنا۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا ہے۔ غافل دلوں کو غفلت و غرور کی نیند سے بیدار کرنے والا اور رسولوں کو مخلوق کی طرف بھیجنے والا ہے۔ بعض نے کہا کہ باعث کا معنی ہے ہمتوں کو نیک کاموں کے لیے اُبھارنے والا ہے پس بندے کو

چاہیے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو اور رسول پاک علیہ السلام کی نافرمانی سے بیزار اور بعث و نشور کا دن یاد رکھے اپنے آپ کو آخرت کے کاموں میں مشغول رکھے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ مردہ دلوں کو جہالت کی قبر سے جو کہ موت اکبر ہے۔ باہر نکالے۔ علم کے ساتھ جو کہ حیات ابدی کا سبب ہے زندہ کرے۔ غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے اپنی روح کو خیر کے جذبے سے لبریز کرکے (جو کہ رسول کی طرح ہے) اپنے اعضاء اور قوتوں کی جانب بھیجے اور مخلوق کی جانب تعلیم وارشاد ورسل ورسائل کی صورت میں ارسال کرے اور ہمت کو خیر و نیکی کے کاموں کے لیے مقرر کرے۔

الشہود:

یہ شہود سے نکلا ہے بمعنیٰ حاضر آنا یا شہادت سے نکلا ہے بمعنی گواہی دینا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ظاہر و باطن اور غیب و شہادت سب پر حاضر و مطلع ہے۔ اور قیامت کے دن مخلوق کے اعمال وافعال پر گواہی دینے والا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ اپنی وحدانیت پر شاہد و گواہ ہے جیسا کہ فرمایا (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں یا اپنے رسول کو مدد دینے اور یوم میثاق میں پیغمبروں سے ایمان پر گواہی لینے والا ہے کہ جب تمہارے بعد میرا رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا یہ آیت اس عہد پر دلالت کرتی ہے۔ بعض نے فرمایا شاہد بمعنیٰ ظاہر کرنے والا بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے بطریق وحی والہام احکام دین اسلام کو ظاہر کرنے والا ہے۔ بعض نے شہید بمعنی مشہود لہٗ بھی کیا ہے۔ یعنی انبیاء و اولیاء علماء اور ملائکہ اس کی ذات کی وحدانیت اور اس کی صفات کے کمال کی گواہی دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت پانے سے عاجز و قاصر ہیں۔ بیت

خطبہ بر نام تو خوانند ایں ہمہ	از تو جز نامی ندانند ایں ہمہ
گرچہ توحید تو میخوانیم ما	ہم تو میدانی کہ نادانیم ما

(۱) یہ سب تیرے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مگر تیرے نام کے سوا کچھ نہیں جانتے۔
(۲) اگرچہ ہم تیری توحید کا سبق پڑھتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ ہم نادان ہیں۔

بندے کو چاہیے کہ مراقبے کے ذریعے خدائے تعالیٰ کے حضور و اطلاع اور اعمال پر اس کی شہادت سے غافل نہ ہو اور رسول کے تشریف لانے پر اللہ تعالیٰ کی شہادت اور اس کے صدق کی تصدیق کرے اور دین اسلام کے احکام کا متبع بنے اس کی ذات وصفات کے کمال کا اعتراف کرے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ اول معنیٰ کے لحاظ سے علیم و خبیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے بندے کو چاہیے کہ اہل شہادت سے تزکیہ و تصفیہ اور عدل و انصاف کا نور دنیا و آخرت میں حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میثاق انبیاء پر شاہد بنے تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں

میں سے ہو جائے۔

الحق:

بمعنی ثابت وہست اس کے بالمقابل لفظ باطل آتا ہے بمعنی نیست و ناچیز و معدوم۔ یاد رہے ثابت وہست مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی موجودات امکان کی حیثیت سے معدوم ناچیز اور نیست ہیں اور حد ذات میں اُن کے لیے کوئی وجود ثبوت نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے (اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ) سو اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل و فانی ہے۔

تفصیل کلام یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں حق مطلق و باطل مطلق، ایک اعتبار سے حق دوسرے اعتبار سے باطل۔ پس ممتنع بالذات باطل مطلق ہے اور ممکن لذاتہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک کے اعتبار سے باطل اس ممکن کا اپنی ذات کے لحاظ سے بالکل کوئی وجود نہیں پس ممکن اپنی ذات میں باطل ہے اُس کا وجود غیر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اُس میں جانب وجود کو لگا دیا گیا ہے۔ پس اس اعتبار سے ممکن بھی حق ہے یہی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ کے قول مبارک (کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ) اُس کے سوا ہر چیز فانی ہے، کا۔ پس معلوم ہو گیا کہ حق مطلق وہی موجود حقیقی ہے کیونکہ وہی اپنی ذات سے موجود ہے یعنی اُس کا وجود کسی سے مستعار نہیں ہر چیز اُسی سے وجود حاصل کرتی ہے حق مطلق خدائے عزوجل تعالیٰ و تقدس ہے پھر حق بمعنی صدق و راستی اور اقوال و اعتقادیں درستی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور مذاہب کو بھی حق کے ساتھ موصوف کرتے ہیں کیونکہ ان کی نسبت بھی چونکہ ثبوت کے اعتبار سے حق کے ساتھ ہوتی ہے اس وجہ سے انہیں بھی حق کہہ دیا جاتا ہے۔ حق بمعنی لائق و مستحق کے بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ الوہیت کے لائق و مستحق ہے۔ اُس کے اقوال و افعال بطلان و کذب کے شائبہ سے بھی منزہ و مبرا ہیں اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ متابعت حق جو شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے سے موصوف ہو جائے تاکہ اُس شریعت کا نور حضور اُس کے دل پر غالب آ جائے اور وہ اُس نور حضور کی وجہ سے حق تعالیٰ کے وجود اور اُس کے ذکر و حضور میں مستغرق ہو جائے یہاں تک کہ حقانیت سے متصف ہو جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃً فرماتے ہیں بندہ اگرچہ حق ہے لیکن اپنی ذات میں حق نہیں ہے بلکہ خدا اور اُس کی ذات کے ساتھ حق ہے۔ چنانچہ بندہ بذات خود باطل یعنی نیست ہے۔ اگر خدا نے اُسے موجود نہ کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ نیست ہی رہتا۔ پس اُس شخص نے غلطی کی ہے جس نے کہا ہے اُس کا یہ قول دو تاویلوں سے درست ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اُس کی مراد یہ ہو کہ اللہ حق ہے، علماء فرماتے ہیں کہ یہ تاویل بعید ہے۔ کیونکہ لفظ اس تاویل پر دلالت نہیں کرتے، دوسری تاویل یہ ہے کہ حق ہونا صرف خدا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُس کے ماسوا جو کچھ ہے وہ بھی حق ہے اگرچہ خدائے تعالیٰ کے حق کرنے سے حق ہوا ہے۔ ایک دوسری تاویل یہ بھی ہے کہ بندہ وجود حق میں مستغرق ہو جائے یہاں تک کہ

شہود کے اعتبار سے اُس کے باطن میں غیر کی گنجائش نہ رہے ، اور ہر وہ چیز جو کل اور مکمل طور پر کسی چیز میں فنا اور مستغرق ہو جاتی ہے تو بطور مبالغہ یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہی ہے یہیں سے کہا گیا ہے انا من اھوی ومن اھوی انا میں بعین وہ ہو گیا ہوں جسے میں چاہتا ہوں اور جسے میں چاہتا ہوں میں وہی ہو گیا ہوں ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عاشق معشوق کی ذات میں فانی اور مستغرق ہو چکا ہے ۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا ۔

اے موجود حق اور اے نورِ مطلق ہم پر اپنے وجود کی حقانیت و نورانیت انڈیل دے تاکہ ہم تیرے عرفان و شہود کے دریا میں ڈوب جائیں اور اپنے بندے کے دل کو اپنے اسم کے نور سے منور کر دے تاکہ جس طرح وہ اسمًا وصورۃً عبد الحق ہے حقیقتًا و معنًی بھی عبد الحق ہو جائے اور حقیقت کے پالینے سے اپنے اندر آگاہی و ہوشیاری پیدا کرے اور مستی و بے خودی کو نگاہ رکھے تاکہ انا الحق کہنے کی بجائے انا عبد الحق کہے (اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

الوکیل :

وکیل اُسے کہتے ہیں جس کے ذمے کوئی کام لگا دیں اور عمل دخل کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں دے دیں ۔ خداوند تعالیٰ نے خود بخود ہی بندوں کے کام اپنے ذمے لے رکھے ہیں اور دنیا کی ابتداء و انتہا میں بندوں کے کاموں کے لیے خود ہی سرپرست بن چکا ہے وہ اس طرح کہ بندے جس چیز کے محتاج ہیں وہ انہیں عطا کرتا اور سب کی ضروریات اپنی عنایت و کرم سے پوری کرتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی اپنا کام اُس کے حوالے کرے یا اُسے اپنا وکیل بنائے ۔ اور وکیل ایسا بھی ہوتا ہے جس کی قدرت جس کام کے لیے وہ وکیل بنا ہوتا ہے پوری نہیں اترتی ۔ وکیل مطلق جس کے حوالے تمام کام ہوں اور جو تمام کاموں کے لیے کافی و وافی ہو اور کرم و عنایت سے ہر کام پورا کرے ، صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے تمام کام اُس کے حوالے کرے اور خود کلیۃً اُس پر متوکل ہو جائے اور اُس کی استعانت اور مدد پر اعتماد کرتے ہوئے غیر سے بالکل کٹ جائے ۔ بیت

کار خود را بخدا باز گزار　　　کہ نمی بینم ازین بہتر کار

اپنا کام خدا پر چھوڑ دے کیونکہ اس سے بہتر مجھے کوئی کام نظر نہیں آتا ۔

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ضامن ہونے پر اعتماد رکھا جائے ۔ اکثر طور پر توکل کا استعمال رزق کے بارے میں ہوتا ہے مگر مفہوم اور معنیٰ عام ہے ۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیفوں و درماندہ لوگوں کے کام کرنے میں سعی کرے اُن کی مشکلات حل کرنے کی کوشش کرے ۔ اُن کے مطالب و مقاصد پورا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے ۔ گویا کہ اُن کا وکیل وہی ہے ۔ نیز خدائے تعالیٰ کو نفس کے خلاف اپنا وکیل بنائے اور حقوق الٰہی اور اس کے اوامر و نواہی کے پورا کرنے میں اپنے نفس کا دشمن بنا رہے ۔

اَلْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ :

قوی بمعنیٰ توانا متین بمعنیٰ مضبوط امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوت، قدرت تامہ کاملہ بالغہ پر اور متانت شدت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے کہ قوت بالغہ کاملہ رکھتا ہے قوی ہے اور اس حیثیت سے کہ شدید القوت ہے متین ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف اس طرح بیان فرمایا (ذو القوۃ المتین) یعنی بڑی سخت قوت اور طاقت والا یہ معنیٰ قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قدرت کا ذکر آگے آرہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ عجز۔ بے بسی ضعف اور درماندگی سے منزہ و مبرا ہے۔ بعض کہتے ہیں قوی متین بمعنیٰ خالق قوت و متانت ہے۔ اس اعتبار سے فعیل بمعنیٰ مُفعِل ہوگا جب یہ حقیقت بندے پر منکشف ہوگئی تو چاہیے کہ تمام کاموں میں قوت و نصرت اسی سے چاہے۔ اور اپنے آپ کو بلکہ سب کو بلکہ تمام چیزوں کو اسی کا مسخر و مطیع جانے اور جرأت و بے ادبی کی حالت میں اُس کی قوت و قدرت سے ڈرے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہش پر قوی و غالب ہو۔ اس بارے میں سخت مضبوط ہو کر یقین میں قوی اور متین بن جائے۔ شریعت کے احکام جاری کرنے میں سستی اور کاہلی کو بالکل قریب نہ آنے دے۔ بیت

نفس کافر کیش را بر خویشتن سلطان مکن ۔ دشمن است او ہر چہ فرماید کہ آن کن آن مکن

کافر صفت نفس کو اپنے پر غالب نہ ہونے دے۔ وہ دشمن ہے جو کچھ وہ کہے کہ کر وہ کام نہ کر۔

الولی :

ولی بمعنیٰ محب و ناصر حق سبحانہ و تعالیٰ مومنوں و متقیوں کا محب ہے۔ ان کی مدد فرماتا اور ایمان والوں سے دوستی لگاتا ہے چنانچہ فرمایا (اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ ولی بمعنیٰ متولی یعنی امورات کی سرپرستی کرنے والا بھی آتا ہے حق تعالیٰ صالحین کے امور کا لطف و اصلاح کے ساتھ متولی اور کارساز ہے کیونکہ انہوں نے اسی پر توکل کیا ہوتا ہے اپنے سارے کام اسی کے حوالے کیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سب امور کا متولی ہے اور جس جس چیز کے محتاج ہیں اُن کی حاجتیں پوری کرتا ہے جیسے دنیا میں روزی پہنچانا اور آخرت میں نجات و سرفرازی عطا کرنا ولی بمعنیٰ قریب بھی آتا ہے۔ اسی کی رحمت اُس کے مخلص بندوں کے قریب ہے۔ چنانچہ فرمایا (وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ) اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ بندے کو چاہیے کہ اپنے ایمان کے تمام شعبوں کو مکمل کرکے اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی دوستی کے مزید لائق بنائے۔ تمام کاموں میں اُس سے مدد و نصرت چاہے اور اس کی سرپرستی و محبت پر شکر گزار رہے۔ اُس کے قرب سے آگاہی حاصل کرے دل کو غیر کی طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے دوستوں سے دوستی کرے اُس کے دین کی اشاعت میں مدد کرے اُس کے دوستوں کی بھی مدد کرے مخلوق کی حاجتیں پوری کرنے میں پوری کوشش سے کام لے مخلوق کے انتظامات کرنے میں چستی دکھلائے تاکہ وہ بھی اس اسم سے مشرف ہو جائے اور اُس کا نام بھی ولی اللہ ہو جائے

ولایت کے نشانات میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و نصرت ہمیشہ اُس کے ساتھ رکھے اُسے ذلیل وخوار نہ کرے۔ یہاں تک کہ بندہ اگر معصیت و برائی کا ارادہ بھی کرے تو اُسے بچالے اور اگر اچانک کسی گناہ میں پڑ بھی جائے تو اسے فوراً توبہ و انابت کی توفیق دے اور برائی سے نکال کر نیکی کی طرف لے آئے یہ معنٰی ہے اس حدیث کا۔ (اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ) جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو گناہ اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ولایت کے نشانات میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اُسے اپنے دوستوں کے دلوں میں جگہ دیتا ہے کیونکہ اُن کے دل خدا کی نگاہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ اور بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو اُن کے دلوں میں پاتا ہے۔ تو اُس کا پرتو اس پر بھی پڑتا ہے۔ بیت۔

دل بدست آر گر دلے داری در رہ فقر حاصلے داری

ترجمہ۔ اگر دل رکھتا ہے تو دل کو قابو میں رکھ۔ اسی سے تجھے فقر کی دولت حاصل ہو گی۔ اے اللہ ہمیں عطا فرما۔

الحمید

حمد و محمدۃ بمعنی صفت کرنا اور صفت کیا جانا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی صفت کرتا اور ازل میں اپنے کلام سے اپنی ثنا کرنے والا ہے اسی طرح اپنی آیاتِ قدرت بکھیر کر ہمیشہ اپنی صفت کرتا رہے گا (لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ) ترجمہ۔ (میں تیری ثنا کی گنتی نہیں کر سکتا۔ جیسی کہ تونے خود اپنی ذات کی ثناء کی ہے) یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت خود کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء اور حضرات اولیاء کی بھی ثنا کرنے والا ہے وہ اس طرح کہ انہیں ایمان احسان اور عرفان کی دولت عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کی ثناء کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق بھی اُس کی صفت و ثنا کرتی ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا (وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ) نہیں ہے مخلوقات میں سے کوئی چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے یا حمید بمعنٰی وہ ذات جو تمام حمدوں کی مستحق ہے کیونکہ وہ ہر کمال سے موصوف ہے اور ہر نعمت عطا کرنے والا ہے اور ہر حمد و ثنا اُس کی ذات اقدس کی جانب رجوع کرتی ہے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ بندہ تمام اوقات و حالات میں ہمیشہ حق کی تعریف کرے اور اس امر کی کوشش کرے کہ دوسروں کو بھی کمال تک پہنچائے اور انہیں بھی نعمتیں عطا کرے تاکہ خدا کے نزدیک محمود و ممدوح بن جائے اور اُس کے بندوں کی نگاہوں میں بھی محمود و ممدوح وہ ہے جس کی صفات، اخلاق و عادات، اعمال و اقوال اور عادات و اطوار اچھے ہوں۔ اُن میں نقصان و سرکشی کا شائبہ تک نہ ہو تو ایسی کامل ہستی وہ سید رسل ہیں جن کا نام پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ پھر وہ ہستیاں جو اپنے اپنے مقامات و مراتب کے مطابق درجات قرب پر فائز ہیں جیسے انبیاء اولیاء علماء و صلحا کہ ان میں سے ہر ایک اندازہ کمال و فیضان کے مطابق محمود و ممدوح ہے اور حمید مطلق اللہ تعالیٰ ہے جل جلالہٗ و عم نوالہٗ۔

المحصی:

محصی احصاء سے بنا ہے بمعنی گننا اور کسی چیز کو مکمل طور پر جان لینا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محصی کی تفسیر عالم سے کی ہے اور فرمایا ہے کہ علم کی نسبت معلومات کی طرف جب حدود اور احاطے کی حیثیت سے ہو تو اُسے احصا کہتے ہیں محصی مطلق وہ ہوتا ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی حد منکشف ہو جائے اور اُس کی گنتی اور تعداد بھی سامنے ہو بندے کے لیے اگرچہ ممکن ہے کہ اپنے علم سے بعض معلومات کا احاطہ کرے لیکن اکثر معلومات کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے (وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا) نہیں دیا گیا تمہیں علم میں سے مگر تھوڑا پس محصی مطلق صرف خدا تعالیٰ عزشانہ ہے۔ وہی اشیاء کے دقائق وحقائق کا دانا ہے اور اسی کا علم کائنات کے تمام ذروں کے اعداد کو محیط ہے۔ اس کی صفت کمال یہی ہے کیونکہ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا وَّ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔ اس ذات نے تمام اشیاء کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور اسی نے ہر شے کے عدد کو گن رکھا ہے بندے کو چاہیے کہ اپنے اعمال و احوال کی جزئیات پر خدا کے علم کو مراقب اور نگران جانے۔ روز قیامت کے حساب سے غافل نہ ہو اور اپنی زندگی میں اپنی آخرت کا حساب کرے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھے کہ جس طرح نیک کام کے ترک کرنے پر تاسف کرتا ہے نیک تر کام کے رہ جانے پر بھی بہت افسوس کرے۔ بیت۔

غافل مشو کہ عمرے زیں تازہ تر نیابی دادش بدہ کہ چوں شد عمرے دگر نیابی

ترجمہ۔ غافل نہ ہو کیونکہ اس سے زیادہ تازہ عمر دوبارہ تجھے نصیب نہ ہوگی۔ جو کچھ کرنا ہے کر لے کیونکہ جب یہ عمر چلی جائے گی واپس تجھے نصیب نہ ہوگی۔

بندے کے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسا کہ اس صفت علم کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے جس قدر ہو سکے کمال پیدا کرے۔ اس اسم سے موصوف ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے اعمال گنتا رہے۔ قبل اس کے کہ اُس کے اعمال کو گنا جائے۔ محاسبہ شروع ہونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ اس محاسبے میں سستی سے کام نہ لے بلکہ کوشش کرے تاکہ اپنے اعمال و احوال کی باریکی اور اپنے ظاہر اور باطن سے آگاہ رہے۔

المُبدی المُعید:

مبدی ابداء سے بنا ہے بمعنیٰ ابتدا کرنا کوئی نئی چیز پیدا کرنا۔ معید اعادت سے بنا ہے بمعنیٰ کسی چیز کو واپس کرنا، عدم سے وجود میں لانا اور طرح طرح کی مصنوعات اور عجیب چیزوں کو اپنے فیض سے باہر لانے والا اور عدم کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لانے والا۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اُس کی قدرت تمام کو شامل ہے وہی جو اشیاء کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے۔ مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ بیت۔

آنکہ مارا اول از خاک آفرید ایں چنیں شائستہ و پاک آفرید
گر کند ما را پس از مردن درست نو دانہ قدرت عجب تراز نخست

ترجمہ. وہ ذات جس نے ہمیں اولاً خاک سے پیدا کیا اور اس طرح شائستہ اور پاک پیدا کیا. اگر وہ ہمیں مرنے کے بعد درست اور ٹھیک طور پر پیدا فرماے تو اُس کی قدرت کے آگے ابتدا پیدا کرنے سے عجیب تر نہیں ہے. اور مُعید کو پروردگار تعالیٰ کے انعامات، فوائد، اپنے الطاف و افضال پر جو وہ بندے پر کرتا ہے پھر بندے کی بعض کوتاہیوں و مجبوریوں کی بنا پر عدم و انحطاط کی جانب لے جاتا ہے پھر عفو و کرم و احسان سے بندے کی جانب دوبارہ رجوع فرماتا ہے، پر بھی حمل کیا گیا ہے سنتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو دیتا پھر لے لیتا ہے. تاکہ نعمت کی قدر پہچانے اور اُس کا شکر ادا کرے اس معنیٰ کے مطابق مُبدی کا معنیٰ ہوگا انعامات کو پیدا فرمانے والا یعنی بندے کو وجود اور لوازم وجود عطا کرنے والا. اللہ تعالیٰ بندے پر اُس کے پیدا ہونے سے پہلے اپنی نعمتوں کی بارش برسا رہا ہے لہٰذا بہر تقدیر اور بہر صورت بندے کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا رہے اور ہر حالت میں اُس کی رضا کا متلاشی رہے. اور اس زندگی کی نعمت کے شکریے کے طور پر جو اُسے اس جہاں میں نصیب ہوئی ہے. آخرت کی زندگی کو سازگار و تابناک بنائے.

اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ خیرات کے ابتدا کرنے اور احسانات کی بنیاد رکھنے میں سعی و کوشش کرے اور جو کچھ اُس کی کوتاہی اور بے اعتدالی کی بنا پر اُس سے ضائع ہو چکا ہے واپس لانے کی کوشش کرے.

المُحْیِی المُمِیْت،

محیی یعنی جسم میں زندگی کو پیدا کرنے والا. ممیت یعنی زندگی کو جسم سے دور کر دینے والا. یاد رہے کہ زندہ کرنا اور مارنا دو قسم کا ہے ایک صوری و جسمانی و دوسرا دلوں کو ایمان و معرفت سے زندہ کرنے والا اور کفر و ظلمت سے مارنے والا کہ یہ روحانی و معنوی زندگی و موت ہے. دونوں طرح کی زندگی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے. بندے کو چاہیے کہ اس زندگی کی نعمت کے شکرانے میں مشغول رہے. اس فانی زندگی کو حیات ابدی حاصل کرنے میں صرف کرے اور کسی بھی سبب کو حیات و موت میں موثر حقیقی نہ جانے. اس اسم سے متخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے دل کو معارف الٰہیہ کے ساتھ زندہ کرے اور نفس کی قوت غضبیہ و شہویہ کے مارنے میں لگا رہے. بیت

حَیَاتُ الْقَلْبِ عِلْمٌ فَاغْتَنِمْہُ وَمَوْتُ الْقَلْبِ جَھْلٌ فَاجْتَنِبْہُ

ترجمہ. دل کی زندگی علم سے ہے اس لیے علم کو غنیمت جان. دل کی موت جاہل رہنے میں ہے لہٰذا جاہل رہنے سے بچ.

پھر طالبوں و مریدوں کے دلوں کو انوار ہدایت سے زندہ کرنا اور گمراہی کی ظلمتوں سے ان کے نفوس کو مارنا کہ شیخ و مرشد کامل وہ ہوتا ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، تو یہ بھی اسی باب میں سے ہے اور بھوکوں کو غذا دینا جو ابدان کے باقی اور زندہ رہنے کا سبب ہے. نیز کافروں کے خلاف جہاد کرنا جو ناپاک لوگوں کو نیست کرنے کے مترادف ہے، بھی ان دو عظیم الشان اسماء کے ساتھ متخلق ہونے میں داخل ہے.

الحیُّ:

یعنی ازل وابد سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی زندہ ہے ۔جس پر کبھی موت نہیں آسکتی ۔ نہ ہلاک اور زوال پذیر ہو سکتا ہے حیات ایک صفت ہے جو علم و فعل ارادی کا موجب ہے ۔جس میں کامل مطلق وہ ہو سکتا ہے کہ تمام مدرکات اس کے ادراک کے نیچے اور تمام موجودات اس کے فعل کے تحت ہوں ۔تاکہ اس کے مدرکات سے کوئی مدرک باہر اور کوئی مفعول اس کے فعل سے خارج نہ رہے وہ خدا تعالیٰ ہے ۔تو وہی حی مطلق ہے ۔اس کے سوا جو حی و زندہ ہے اس کی حیات اور اس کے ادراک و فعل کے بقدر ہے ۔

پھر بندہ جب جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا تو وہ اسی پر توکل و بھروسہ کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ۔ اس ذات پر بھروسہ کر جو ہمیشہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی اور جو شخص مخلوق پر اعتماد کرتا ہے ۔ہو سکتا ہے وقت ضرورت وہ مرجائے اور اس کی امید ضائع ہو جائے ۔ اس اسم سے متخلق و موصوف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اس کی یاد سے زندہ رہے تاکہ پھر کبھی مر نہ سکے ۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے وہ بڑے خوش باش ہیں ۔بیت ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہ مرے گا صفحہ عالم پر ہمارا دوام ثبت ہو چکا ہے ۔ ع

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ أَحْيَاءٌ

کچھ لوگ فوت ہو چکے ہوتے ہیں حالانکہ وہ لوگوں میں زندہ ہوتے ہیں ۔

القَیُّومُ:

یعنی اپنی ذات سے قائم ۔ اور اپنے غیر کو قائم اور زندہ رکھنے والا ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اشیاء کا وجود و بقا اس کی ذات کے بغیر ممکن و متصور نہیں ہو سکتا ۔اور لوگوں کی بقا اس کی قیومیت سے وابستہ ہے ۔علماء فرماتے ہیں کہ قیوم قیم کا مبالغہ ہے اور قیم مصلح امور کو کہتے ہیں اور اسے جو لوگوں کے امور کو صلاح و تدبیر کی جانب لاتا ہے اور جو صلاح و درستی کا راستہ کھولنے والا اور بندوں کے مسائل معاش و معاد کو درست کرنے والا ہے ۔جو شخص جان لیتا ہے کہ اشیاء کو قائم رکھنے اور امور کی اصلاح کرنے والا وہ ہے تو وہ خود تدبیر کرنے کی مشقت سے نجات پا جاتا اور اپنی زندگی کو راحت میں کر لیتا ہے ۔ اور اس کے سایہ توکل و تفویض میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے ۔اس صفت سے بندے کا حصہ اس قدر ہے کہ جتنا وہ غیر خدا سے بے نیاز ہوتا ہے ۔بندے کے لیے اس صفت سے یہ بھی حصہ ہے کہ وہ لوگوں کی مدد کرتا اور ان کے امور کی اصلاح کرتا ہے ۔علماء فرماتے ہیں اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اسم اعظم ہے ۔جو کوئی سجدہ میں سر رکھ کر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِیْثُ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے ۔

الواجدُ:

واجد وجود سے بنا ہے وجود بمعنی ہستی اور مطلوب کو پانا۔ وَجد اور وَجدۃ بمعنی دولت مند ہونا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود ہے کوئی مراد اور کوئی مقصود اُس سے گم نہیں ہو سکتا اور کوئی چیز بھی اُس کے وجود کے بغیر موجود نہیں ہو سکتی وہ غنی علی الاطلاق ہے کہ کسی چیز اور کسی شخص کی جانب محتاج نہیں اور نہ وہ کسی کا نیاز مند ہے اُس کا غیر جو بھی ہے وہ ایک لحاظ سے شے کو پانے والا اور دوسرے لحاظ سے شے کو گم کرنے والا ہے۔ بعض چیزوں سے بے نیاز ہے اور بعض کا محتاج ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ وَجد بمعنی علم بھی آیا ہے تمام چیزیں جس صفت اور جس کیفیت میں بھی ہیں اُس کے علم میں ثابت اور موجود ہیں۔ پھر واجد غنی اور علیم میں یہ فرق بیان کیا جا سکتا ہے کہ غنی میں دو چیزیں ہیں ایک تو جس چیز کو وہ چاہے وہ اُسے حاصل ہو اور غیر کی جانب محتاج نہ ہو پہلے اعتبار سے واجد ہے دوسرے اعتبار سے غنی۔ اسی طرح علم میں انکشاف وحصول ہے۔ پہلی حیثیت سے علیم ہے دوسری حیثیت سے واجد ہے۔ واللہ اعلم۔

بندے کو چاہیے کہ حق کی مراد کے تابع رہے اور اُسی کا اپنے آپ کو محتاج جانے۔ اور اُس کے علم سے آگاہ ہے اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ضروری کمالات کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ اپنی مراد کو پالے اور اپنا مقصود حاصل کرے اور ماسوائے حق سے خدا کے فضل کے ساتھ بے نیاز ہو جائے۔ ؎

چوں تو داریم یعنی ہمہ داریم ہمہ

ہم تجھے اپنے پاس رکھتے ہیں تو معنیٰ تمام چیزیں اپنے پاس رکھتے ہیں

الماجد:

بمعنی مجید ہے۔ جس طرح عالم بمعنی علیم ہے لیکن مجید میں مبالغہ وتاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بالغ وکامل ہیں۔ لیکن کبھی الفاظ میں مبالغے اور تاکید سے خبر دی جاتی ہے اور کبھی اصل معنیٰ پر اکتفا کر دیتے ہیں جو کہ اصل ذات میں ہوتا ہے کسی اور لفظ کے دلالت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس اسم سے تخلق وتعلق ہونے کا معنیٰ اسم المجید کی شرح میں گزر چکا ہے۔

الواحد:

واحد بمعنی ایک وحدت ایک ہونا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات میں ایک ہے اور اپنی صفات کمال میں بھی یگانہ ہے یاد رہے یہ وہ ایک نہیں جو کہ عدد کی ابتداء ہوتی ہے کیونکہ عدد محدود ہوتا ہے اور ایک انتہا پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ و سبحانہ ایسا واحد ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور عددوں کو جمع کرنے والا بھی وہی ہے۔ عرف میں واحد کے دو معنیٰ آتے ہیں ایک وہ ذات جو جز اجزاء اور بعض بعض نہ ہو سکے جیسے جوہر فرد دوسرا معنیٰ ہے وہ ذات جو بے مثل اور بے مثال ہو جس طرح آفتاب جس کی نظیر نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ اُس کی نظیر پیدا ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ ایسا منفرد اور موجود ہے جس کے وجود کی تقسیم نہیں ہو سکتی اور

اُس کے وجود کی نظیر ممکن نہیں ازلاً وابداً اواحد مطلق وہی ہے بندہ کبھی واحد ہوتا ہے جب کہ انسانوں میں کوئی شخص اُس کی خصلتوں میں سے کسی خصلت میں اُس جیسا نہ ہو کسی وقت بھی اُس کی مثل اور کوئی نہ ہو۔ باوجودیکہ دوسری خصلت میں اُس جیسا کوئی دوسرا موجود ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی واحد علی الاطلاق نہیں ہے اور جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ کمال میں واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہیں تو چاہیے کہ اُس کی جانب متوجہ رہے اور کسی بھی غیر کو اُس کا شریک نہ بنائے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ممکنات کے اندر فضل و کمال میں متوحد اور یگانہ بنے۔ یہ بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں بھی یکتا ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ الوہیت میں ایک ہے بندے کو چاہیے کہ یک جہت ویک رو اور یک دل ہو کر ذات واحد کی جانب متوجہ رہے تاکہ وحدت کے فیض سے مشرف اور توحید کی گہرائی میں ڈوب جائے اور اس کی حالت یہ ہو جائے کہ ایک ہی زبان سے کہے ایک ہی جانے ایک ہی دیکھے اور ایک کو ہی تلاش کرے جو کچھ دیکھے اُس کی طرف سے دیکھے اور اُسی کی طرف سے جانے۔ بیت۔

از بہر آں یکے دو جہاں وادہ ام بباد بیم مکن کہ حاصل ہر دو جہاں یکے ست

ترجمہ۔ میں نے اُس ایک ذات کے لیے دونوں جہان کو قربان کر دیا مجھے عیب نہ لگا کہ دونوں جہان کا حاصل اور خلاصہ وہی ایک ذات ہے۔

منقول ہے کہ حضرت شبلی قدس اللہ سرالعزیز ایک رنگریز کی دوکان کے پاس سے گزرے جو کہ یہ آواز لگا رہا تھا۔ لوگو! میرے پاس ایک ہی رنگ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت شبلی یہ سن کر وجد میں آ گئے اور فریاد کرنے لگے کہ ایک کے سوا اور کیا باقی ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں جو جامع ترمذی دعوات بیہقی اور شرح السنۃ میں آئی ہے اس میں اسم الاحد نہیں آیا لیکن جامع الاصول میں الواحد الاحد دونوں اسم آئے ہیں۔ ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے احد اور صفات کے اعتبار سے واحد ہے۔ بعض اس کا الٹ بیان کرتے ہیں اور کبھی یوں بھی کہتے ہیں کہ واحد یعنی ایسی ذات جس کی جزیں جزیں نہ ہو سکتی ہوں اور احد ایسی ذات جس کی نظیر ممکن نہ ہو۔

الصَّمَدُ:

یعنی ایسا سید و سردار جس کی تمام مطالب و آرزوئیں اُس کی اس درگاہ کی جانب رخ رکھتی ہوں صمد بمعنیٰ قصد بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام نقائص اور آفات سے منزہ اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اس اعتبار سے صمد بمعنیٰ مصمد ہو گا وہ چیز جس کا اندر خالی نہیں ہوتا۔ یہ لفظ مصمد میں ایک لغت ہے۔ اس اسم کی روشنی میں بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اُسی کی درگاہ کی جانب دوڑنے کا قصد کرے اپنے تمام مقاصد و حاجات اُسی سے حاصل کرے اور اُسے تمام نقائص اور آفات سے منزہ جانے۔ اُسی سے مدد اور اپنا کمال چاہے اور اپنا چہرہ اُس سے ہٹا کر دوسری طرف نہ کرے اس اسم سے متخلق

ہونے کا معنی یہ ہے کہ محتاج لوگوں کی کارسازی اور طالبوں کی حاجات کے پورا کرنے میں کوشش کرے۔ بُری عادتوں اور لذات وشہوات کی جانب بھٹکنے سے نفرت کرے تاکہ تمام حاجات بندگان خدا کا مقصد و مرجع بن جائے اور تمام آفات ونقائص سے محفوظ ومصون ہو جائے اور احکام دین کی رعایت کرنے میں پختہ و سخت ہو جائے نیز علم ویقین کے راستے میں متمکن و مستقیم بن جائے۔

القَادِرُ المُقتَدِرُ:

قدر و قدرت واقتدار و مقدرت بمعنی توانائی اور کر سکنا قادر و مقتدر بمعنی صاحب قدرت۔ مقتدر میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ قادر اُس ذات کو کہتے ہیں جو اگر چاہے تو کرے نہ چاہے تو نہ کرے قدرت اس معنی سے عبارت ہے کہ ممکن اس کے ارادے کے مطابق موجود ہو جائے قادر حقیقی وہ ذات ہے جو ہر موجود کا اختراع کر سکتی ہے اور اُس اختراع اور بنانے میں وہ یگانہ اور بے نیاز ہو اُسے کسی کی مدد لینے کی محتاجی نہ ہو۔ ایسی ذات صرف خداوند تعالیٰ جل جلالہ ہے۔ بندے میں اگرچہ قدرت ہے مگر خدا کے عطا کرنے سے ہے وہ بھی بعض چیزوں میں بعض حالات میں ناقص قدرت کے تحت۔ پھر بندہ جن چیزوں کو بناتا ہے وہ خدا کی قدرت کے تابع ہیں لہٰذا بندہ اس لائق ہے کہ اُسے قادر نہ کہا جائے مگر بصورت مجاز اور کسی خاص چیز کے لیے ثابت ہوا کہ قادر علی الاطلاق صرف وہی ہے۔ جو شخص پہچان لیتا ہے کہ بطریق کمال قادر علی الاطلاق وہی ذات ہے جس کو چاہے کر سکتا ہے چاہے تو نیست کو ہست کر دے۔ چاہے تو ہست کو نیست۔ تو بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اُس کے قہر سے ڈرتا رہے اور اُس کے لطف کا امیدوار رہے اُس کے حکم و ارادے کے تحت اپنے آپ کو رکھے جب یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ مولا سے قدوس انتقام لینے پر قادر ہے تو وہ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے سے انتقام نہ لے اور اُسے رنج نہ پہنچائے۔ اس اعتقاد کے تحت کہ خدا کی قدرت اور اس کا انتقام نفس کے لیے میرے انتقام لینے سے زیادہ سخت اور زیادہ کامل ہے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ بندہ نفس کو شریعت کی مخالفتوں سے روک کر رکھے۔ شیطان کی گمراہیوں سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور اپنی طبیعت اور خواہش کو شہوتوں اور لذتوں کی جانب میلان کرنے سے روکے۔

المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ:

خا کی زیر۔ مقدم تقدیم سے بنا ہے یعنی آگے کرنا تاخیر۔ پیچھے ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو اپنے دوستوں کو اپنی درگاہ عزت کے نزدیک کرتا اور اپنے قرب کی درگاہ کا راستہ دکھاتا ہے اسی طرح دین کے دشمنوں کو پیچھے ڈالتا اور اپنے لطف و مہربانی سے دور پھینکتا ہے اور ان کے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیتا ہے تو جسے اُس نے نزدیک کیا اُسے گویا اُس نے آگے کیا اور جسے اُس نے دور کیا اُسے شرف و رتبے سے پیچھے کر دیا۔ یاد رہے تقدیم وتاخیر کبھی تو جگہ کے اعتبار سے برتی ہے کبھی زمانے کے اعتبار سے اور کبھی شرف و رتبہ کے لحاظ سے سب کو خدا کی طرف سے رتبہ

ملتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں وجود عطا فرما کر پہلے ظاہر کیا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کے بعد مگر قیامت کے دن اس کا الٹ ہوگا اسی طرح حضور علیہ السلام کی اُمت کی نسبت دوسری امتوں کا حال ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ) ہم سب سے آخر ہیں یعنی دنیا میں، سب سے آگے ہوں گے یعنی آخرت میں قرآن مجید میں فرمایا (وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ) اور سبقت سے جانے والے ہی سبقت لے جانے والے ہوں گے یہی لوگ مقرب ہوں گے۔ جب بندے نے جان لیا کہ تقدیم و تاخیر خدا کی طرف سے ہے تو چاہیے کہ اپنی قوت و طاقت سے اظہار بیزاری کرے۔ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اپنی نگاہ منحصر کر دے۔ اس اسم سے تعلق رکھنے والے کو پیچھے کرے ایسے لوگوں کو بھی پیچھے ڈال دے جو خیر سے لوگوں کو روکنے والے ہیں اس کے برعکس اُن لوگوں کو مقدم و معظم رکھے جنہیں خدائے تعالیٰ نے بھی مقدم اور مقرب بنایا ہے، اور اُن لوگوں کو پیچھے جانے اور حقیر سمجھے۔ جنہیں خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے پیچھے کیا اور دور ڈال دیا ہے۔

اَلْاَوَّلُ الْاٰخِرُ:

وہ ایسا اول ازلی ہے جس کے وجود کی ابتدا اور جس کی ہستی کا آغاز نہیں وہ ایسا آخر دائمی و ابدی ہے کہ اُس کی بقا کے لیے کوئی انتہا نہیں، اس کا دوام کبھی ختم نہ ہوگا یا اول کا معنٰی یہ ہے کہ تمام اشیاء سے اس کا وجود پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی اور وہ ایسا آخر ہے کہ فنائے خلق کے بعد بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ) (جو کچھ بھی زمین کی سطح پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے) یا وہ اول ہے وجود کے اعتبار سے آخر ہے سلوک کے اعتبار سے سب کی ابتدا اُس سے ہے۔ سب کی انتہا آخر کار اُس ذات تک ہے یا اللہ تعالیٰ احسان کے اعتبار سے اول اور غفران کے لحاظ سے آخر ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے عارف بندوں کو ہدایت و احسان کی راہ پر ڈالنے میں اول اور راہِ یگانگی سے جلد واقف کرنے والا بھی وہی ہے اور اس لحاظ سے آخر ہے کہ اپنے لطف و امتنان کے کمال سے بندگانِ عارفین کے کام پورے کرتا ہے۔ پس ابتدائے تصرف کے لحاظ سے اول اور کمال لطف کے لحاظ سے آخر ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ہی ہدایت سے نوازا انتہا میں بھی وہی اس کے لیے کافی ہوگا۔

اَلظَّاهِرُ الْبَاطِنُ:

یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ اُس کا وجود اور اُس کی ہستی غالب نشانیوں کے ساتھ زمین و آسمان میں ظاہر و موجود ہے وہ باطن بھی ہے کہ اُس ذات مقدس کی حقیقت اس کے جلال و کبریا میں پوشیدہ ہے یا وہ نعمت کے ساتھ ظاہر رحمت کے ساتھ باطن ہے نیز اپنی قدرت کے ساتھ ظاہر اور عذر کے لحاظ سے باطن ہے۔ دل کی آنکھوں سے ظاہر ہے ظاہری آنکھوں سے باطن ہے۔ ظاہر ہے بغیر قرب کے اور باطن ہے حجاب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ ہونا اُس کی

شدت ظہور کی وجہ سے ہے اور اُس کا ظہور سبب بن چکا ہے اُس کے پوشیدہ ہونے کا اُس کا نور اس کے نور کا حجاب ہے (سُبْحَانَ مَنْ خَفِیَ بِشِدَّۃِ ظُہُوْرِہٖ وَ احْتَجَبَ بِنُوْرِہٖ) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے شدت ظہور کی وجہ سے مخفی اور اپنے نور کے نور کی وجہ سے حجاب میں ہے) تو اللہ تعالیٰ ہی ایسا ظاہر ہے کہ اُس سے ظاہر تر کوئی چیز نہیں اور وہ ایسا باطن ہے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی باطن نہیں۔ ان دو اسماء سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اپنے حال کی درستی کا اہتمام کرے اپنی اول حالت میں غور کرے اپنی آخری حالت میں فکر و تدبر کرے۔ اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے، عالم کے حدوث و فنا کو جانے اور دل اس سے نہ لگائے اور ظاہر اشیاء کو نظر تدبر سے دیکھے۔ اُن سے اپنے صانع (اللہ تعالیٰ) کا راستہ تلاش کرے اور دین کے کام میں پیش پیش اور سب سے آگے رہے۔ دنیا کے کاموں میں پیچھے اور دور رہے اپنے آپ کو شریعت کے احکام سے ظاہر کرے اور اسرار حقیقت کے ساتھ باطن رہے۔ اسی طرح ظاہراً مخلوق کے ساتھ رہے اور باطناً خدا کے ساتھ جیسے کہ کہا گیا ہے (الصوفی کائن وبائن) صوفی ساتھ بھی ہوتا ہے اور جدا بھی ہوتا ہے یعنی ظاہراً لوگوں کے ساتھ اور باطناً اُن سے الگ ہوتا ہے۔ بیت۔

ہو الاول ہو الاخر ہو الظاہر ہو الباطن بغیر از ہو و باطن ہو دگر چیزے نمیدانم

ترجمہ۔ وہی اول ہے وہی آخر ظاہر ہے وہی باطن۔ میں اُس کے سوا کسی چیز کو نہیں جانتا۔

اَلْمَوْلِیُّ:

یہ لفظ ولایت سے بنا ہے یعنی و کی زیر سے بمعنی تصرف کرنا اور قبضہ کرنا۔ اس لفظ کو و کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنی مددگی کرنا اور حکومت چلانا سیبویہ نے کہا کہ ولایت یعنی و کی زبر سے مصدر ہے اور و کی زیر سے اسم ہے والی وہ ہوتا ہے جو جملہ امورات کرنے والا اور سب کا مالک ہوتا ہے۔ لفظ ولایت تدبیر قدرت اور فعل کو ظاہر کرتا ہے جب تک یہ تینوں معانی کسی میں جمع نہ ہو جائیں اُسے والی نہیں کہہ سکتے۔ والی امور علی الاطلاق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کیونکہ وہ اولاً تدبیر کرنے والا ہے اور اس تدبیر کرنے میں یگانہ ہے اور ثانیاً احکام کو نافذ کرنے والا ہے۔ اشیاء اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ تیسری بات یہ کہ بندے کو چاہیے کہ امر و نہی میں فرمانبرداری ظاہر کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم جانے اپنے وجود کی مملکت کو حسن تدبیر و تنفید احکام شریعت سے مضبوط کرے۔ شیاطین و جن و انس کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ کے امر اور اُس کے حکم سے اپنے وجود کی مملکت کا والی بنے۔ اُس پر حکمرانی کرے۔

اَلْمُتَعَالِیْ:

بمعنی سب سے زیادہ بلند قدر نیز سب والیوں کا والی تمام نقائص و آفات سے بلند۔ یاد رہے کہ لفظ عالی اور متعالی میں اعلیٰ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بندے کے ان دو اسموں کے ساتھ متعلق و متخلق ہونے کا بیان گزر چکا ہے۔

اَلْبَرُّ :

یہ لفظ با کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نیکی کرتا با کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نیکی کرنے والا فی الحقیقت نیکی کرنے اور احسان جتلانے والا اللہ جل جلالہ دعم نوالہ ہی ہے کوئی نیکی و احسان نہیں مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اس کا متولی ہے خدا کا فضل و احسان مخلوق پر حصر و بیان کی حد سے باہر ہے جیسا کہ فرمایا (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا) ترجمہ اگر تم لوگ اللہ کی نعمت شمار کرنے لگو تو نہیں شمار کر سکتے۔

بندے کو چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اور نیکی پر اس کا شکر ادا کرے خلق خدا سے نیکی و احسان کرے خصوصاً ان سے جن کا حکم آیا ہے جیسے ماں باپ رشتے دار۔ ہمسائے اور باقی اہل حقوق بلکہ مستحقین و غیر مستحقین سے نیکی کرے بیان کرتے ہیں ایک شخص غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مال زکوٰۃ لے کر آیا اور عرض کیا میں مستحق و نا مستحق کو نہیں جانتا۔ ان کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔ آپ فرمائیں کہ میں یہ مال کس کو دوں۔ فرمایا مستحق و غیر مستحق دونوں کو دے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے وہ کچھ عطا کرے جس کا تو مستحق ہے۔ اور وہ کچھ بھی دے جس کا تو مستحق نہیں ہے۔

اَلتَّوَّابُ :

توبہ کا معنیٰ ہے گناہ سے لوٹ آنا۔ اصل معنیٰ رجوع ہے جب اس کی نسبت بندے کی طرف کرتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے گناہوں سے رجوع کر لینا اور اگر اس کی نسبت خدائے تعالیٰ کی جانب ہے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے رحمت اور توفیق کا ارادہ پھر اللہ تعالیٰ ہی توبہ کے اسباب پیدا کرتا اور بندے کو اس کی توفیق دیتا اور خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے وہ اس طرح کہ ڈر اور خوف کی چیزیں اس کے سامنے لاتا اور معاصی کے نتائج کی برائی پر متنبہ کرتا ہے پس بندہ توبہ اور ندامت کے ذریعے رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر فضل و کرامت سے رجوع فرماتا ہے نتیجہ کلام یہ ہوا کہ رب تعالیٰ کی توبہ بندے کی توبہ سے پہلے ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا (ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا) پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرماتا ہے تاکہ وہ توبہ کریں۔ ؎

توبہ کنیم و بشکنیم توبہ دہی و نشکنیم

ہم توبہ کرتے ہیں اور توڑتے ہیں تو ہمیں توبہ عطا کر پھر ہم اسے نہ توڑیں گے

بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ امید کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہے ناامیدی کا دروازہ بند کر دے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ طلب کرے گناہوں سے پریشان ہو اپنے عبرت کے دونوں کان کھلے رکھے۔ توبہ کرنے میں دیر نہ کرے۔ اور (عَجِّلُوْا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ) ترجمہ۔ موت سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو، کہ حکم کی بجا آوری کرے۔

حکایت ۔ عیسیٰ بن عیسیٰ وزیر اپنے درباریوں کے جھگٹے میں جا رہا تھا اور لوگوں کو راستے سے ہٹایا جا رہا تھا جس طرح کہ وزیروں کی عادت ہوتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے۔ اس وقت ایک بڑھیا راستے پر بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا

کتنی مرتبہ کہو گے کہ یہ کون ہے۔ سنو یہ ایک بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی آنکھ نے دور کر دیا ہے اور اس حال میں مبتلا کر دیا ہے۔ عیسیٰ بن عیسیٰ نے یہ بات سن لی اور اپنے محل کی طرف واپس آ گیا۔ وزارت چھوڑ دی توبہ کی دولت سے مشرف ہوا اور مکہ معظمہ میں آ کر خانہ کعبہ کا مجاور بن گیا۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کی لغزشوں پر درگزر کرے اگر وہ عذر خواہی اور توبہ کریں تو اُن کی توبہ قبول کرے اور کرم و انعام کے ذریعے اُن کی طرف رجوع کرے۔

جو شخص چاشت کی نماز کے بعد یہ دعا سو دفعہ پڑھتا ہے (اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ) اے اللہ مجھے بخش دے میری توبہ قبول کر بے شک تو التواب الرحیم ہے۔ اُس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں جیسا کہ کتب حدیث میں آ چکا ہے۔

اَلْمُنْتَقِمُ:

یہ اسم انتقام سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سزا کی صورت میں کسی سے بدلہ لینا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات مبارکہ میں سے ایک صفت انتقام ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے انتقام لینا انہیں ڈرانے اور مہلت دینے کے بعد نہایت سخت و شدید ہو جاتا ہے اور ان سے بدلہ لینے میں جلدی کرتا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کافروں سرکشوں سے ان کے کفر و سرکشی کی وجہ سے انتقام لیتا ہے مگر عاصی اور فاسق لوگوں کے بارے میں یہ ہے کہ اگر چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ چاہتا ہے تو درگزر کر دیتا ہے۔

بندے کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچتا رہے۔ معاصی سے اجتناب کرے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ حدود و احکام شرع کی پوری پوری حفاظت کرے۔ نرمی اور چشم پوشی کو قریب نہ آنے دے بلکہ دشمنان دین سے انتقام لے۔ انسان کا دشمن ترین اس کا نفس امارہ ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جب وہ معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کرے۔ یا عبادت میں کوتاہی کرے تو اس سے انتقام لے۔ اور اسے سزا میں ڈالے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میرے نفس نے ورد و وظیفہ میں سستی کی تو میں نے اسے سزا میں ڈالا وہ اس طرح کہ پورا ایک سال اسے کھانے پینے کی چیز نہ دی۔

اَلْعَفُوُّ:

یعنی سیئات کو معاف کرنے والا۔ معاصی سے درگزر کرنے والا۔ اس لفظ کا معنیٰ الغفور کے معنیٰ کے قریب ہے۔ لیکن غفور سے یہ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ لفظ غفران ستر و کتمان کے معنیٰ سے خبر دیتا ہے۔ پس غفار کا معنیٰ ہوا گناہوں کو چھپانے والا۔ اور عفو محو و اعدام کو ظاہر کرتا ہے۔ بندہ کتنا ہی گنہ گار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا امیدوار رہتا ہے۔ لہٰذا کسی مجرم کی پیشانی پر رد کا ہاتھ نہیں رکھ سکتے (اسے مردود قرار نہیں دے سکتے) شاید کہ اللہ تعالیٰ کرم نوازی کرتے ہوئے بخش دے اور اسے شرع اور احکام دین قائم کرنے کی توفیق عطا کر دے۔

ردمکن بدرجہ ادنی در ازل نام او در نامۂ نیکاں بود
وردو جاسے نیکاں ایں گمان بر تو در روز جزا تاوان بود

کسی کو بھی ازلی مردود نہ جانو کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا نام نیک لوگوں میں درج ہو۔
اور اگر نیکوں کے متعلق تیرا یہ گمان ہو تو پھر قیامت کے دن تجھ پر تاوان و جرمانہ عائد ہوگا۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کی تقصیرات و جرائم جو تیرے ساتھ کیے، ان سے درگزر کرے تاکہ درجہ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے) کو پالے۔

اَلرَّءُوْفُ:

رافت سے بنا ہے بمعنیٰ رحمت اور اس کا غلبہ، بعض نے کہا رافت اس احسان کو کہتے ہیں جس کا مبدء شفقت ہوتی ہے اور رحمت اس احسان کا نام ہے جس کا مبدء کسی کی محتاجی ہوتی ہے۔ جس پر کہ احسان کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ کہ بندوں میں رسول مبعوث فرمائے۔ شریعت کی وضاحت فرمائی جس پر عمل پیرا ہونے سے بندہ آخرت کی سزا کے اسباب سے حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ ذرا سی لغزش سے بھی بچے رہنا معصیت کی بخشش سے زیادہ بلیغ ہے۔ رافت معنیٰ اول سے عبارت ہے اور رحمت معنیٰ ثانی سے اس اسم مبارک سے تعلق و تخلق ہونے کا معنیٰ اسم الرحمٰن الرحیم کے بیان میں گزر چکا ہے۔

مَالِكُ الْمُلْكِ:

یعنی اس کا حکم اور مشیت اس کے ملک میں نافذ ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو وجود بخشتا ہے بعض کو نیست و نابود کرتا بعض کو باقی رکھتا اور بعض کو فنا کرتا ہے۔ اس اسم سے تعلق و تخلق کا بیان اسم مبارک الملک میں گزر چکا ہے۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ:

یعنی وہ ذات کہ ہر جلال و کمال اس کے لیے ثابت ہے اور ہر کرامت و کرمت بھی اسی ذات جل جلالہ وعم نوالہ سے صادر ہے پس جلال اس کی ذات کی صفت ہے۔ اور کرامت اس کے فعل کی کہ اس کی طرف سے اس کے بندوں پر فائض ہوتی ہے۔ بندوں پر اس کے اکرام کی انواع دائرۂ حصر و شمار سے باہر ہیں۔ اس کا اجمالی بیان آیۃ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی، نیز فرمایا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے، میں مندرج و مذکور ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے جلال کو جان لیتا ہے وہ اس کی درگاہ میں اظہار تذلل کرتا ہے۔ اور جو بندہ اس کے اکرام کو دیکھتا ہے وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ پھر وہ صرف اسی کی خدمت گزاری کرتا ہے اور اسی ذات واحد سے سوال کرتا ہے۔ اس

اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات ونفس کے لیے جلال وشرف وکمال پیدا کرے۔ اس کے بندوں پر انعام و اکرام کرے۔ جیسا کہ وہ اس کے انعام واکرام کا مستحق اور اس کے لائق ہے۔

اَلْمُقْسِطُ :

قسوط بمعنیٰ ظلم وجور۔ اقساط بمعنیٰ عدل وانصاف کو پھیلانا۔ مقسط اس ہستی کو کہتے ہیں جو انصاف کرنے، مظلوم کی داد رسی کرے اور ظالم سے اس کا بدلہ لے۔ اس معنیٰ کا کمال یہ ہے کہ قیامت کے روز ظالم ومظلوم دونوں کو ایک دوسرے سے خوش کریگا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آچکا ہے جس کی شرح اسم العدل میں گزر چکی ہے۔

اَلْجَامِعُ :

یہ لفظ جمع سے بنا ہے بمعنیٰ اکٹھا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ایک جیسی مخلوق کو اکٹھا کرنے والا ہے۔ جیسا کہ انسانوں کو اس نے روئے زمین پر جمع کر دیا ہے۔ پھر محشر میں دوبارہ سب کو جمع کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری کے متباین و مخالف چیزوں کو بھی جمع کرنے والا ہے۔ یعنی آسمانوں، زمینوں، ستاروں، ہواؤں اور دریاؤں حیوانات، نباتات اور پتھروں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور مختلف معدنوں کو بھی جمع کرنے والا ہے۔ یہ تمام چیزیں مختلف شکلیں مختلف رنگ، ذائقے اور اوصاف رکھتی ہیں۔ مگر اپنی قدرت کاملہ سے اس نے ان سب کو زمین میں جمع کر دیا ہے۔ اور سب کو جہاں میں اکٹھا کر دیا ہے۔ اسی طرح حیوانات میں اس نے ہڈیوں، انتڑیوں، رگوں مغز اور دوسری چیزوں کو جمع کر دیا ہے اور اس نے متضاد اشیاء کو بھی جمع کر دیا ہے۔ جیسے عناصر اور ان کی مختلف کیفیات کو مزاج میں جمع کر دیا ہے۔ یہ جمع کی بلیغ ترین صورت ہے۔ پھر اس نے عارفین کے دلوں کو تقدیر میں میدان شہود کے اندر جمع کر دیا تاکہ وہ پراگندگی کے اسباب درمیانی واسطوں کے دیکھنے اور حادثات سے نجات پا گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طلب میں اُن کی فکر وسرج کو ایک نکتے پر جمع کر دیا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اُن کے دل ذکر الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء اولیاء اور علماء کے فضائل وکمالات کو بھی جمع کر دیا اور بعض کاملین اولیاء میں علم، سرداری کرامت اور عزت وقدرت کو بھی جمع کر دیا۔ پھر اولین وآخرین کے فضائل حضور سید المرسلین میں جمع کر دیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہم اجمعین۔

بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عجیب عجیب چیزوں اور مصنوعات کو جمع کر دیا ہے اُس میں تفکر وتامل کرتا رہے اُس کے غیر متناہی افعال میں بھی غور وتدبیر کرتا رہے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے اندر علم وعمل نفسانی وجسمانی کمالات اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور اچھی اچھی صفتوں کو جمع کرے۔ پسندیدہ اخلاق عبادات کے وظائف خیرات مبرات اور باقی فضائل وکمالات کو اپنے میں جمع کرے۔ اپنے ارادوں کو یکجا کرے سکون قلب حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو ملائے رکھے۔ بیت۔

در جمعیت کوش تا جمع ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

ترجمہ ۔ دل کو جمع کرنے میں کوشش کرتا کہ تو سارے کا سارا ذات بن جائے ۔ مجھے ڈر ہے کہ تو منتشر رہ کر اپنے آپ کو مات ہی نہ کر دے ۔

الغنی المغنی :

غنا بمعنٰی بے نیاز ہونا ۔ اغناء بے نیاز کر دینا ۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے کہ ذات وصفات اور افعال میں سب سے بے نیاز ہے اور بے نیاز ہونے کی وجہ دوسروں کو بے نیاز کر دیتا ہے ۔ یعنی اپنے بندوں کو بے نیاز کر دیتا ہے ۔ لیکن جو ہستی دوسرے کے بے نیاز کرنے سے غنی ہوتی ہے وہ غنی مطلق نہیں ہو سکتی بالفرض اگر اپنے جیسے افراد سے وہ بے نیاز بھی ہو پھر بھی حقیقتاً محتاج ہے اور غنی مطلق صرف حق تعالیٰ و تقدس ہے ۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو صفت و ثنا والی بے نیاز ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ بندے نے جب یہ جان لیا کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ بے نیاز ہے تو اُس کے حضور میں اپنی نیازمندی ظاہر کرے اور جب اُس نے یہ جان لیا کہ وہ بے نیاز کرنے والا ہے تو سب سے طمع کا تعلق کاٹ دے ۔ اگر سوال کرے تو صرف اسی سے سوال کرے اگر نیازمند بنے تو اسی کا نیازمند رہے مخلوق سے بے نیاز رہے ۔ اس اسم سے موصوف ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ نیازمندوں کی دستگیری کرے اور جیسے بھی ہو سکے اُن کی محتاجی کو دور کرے ۔ خدائے تعالیٰ کی جو نعمتیں اور کرم نوازیاں اُس پر ہیں ۔ فقراء و مساکین پر انہیں تقسیم کرے اور انہیں فیض پہنچائے اور انہیں سوال سے بے نیاز کر دے تاکہ اسم المغنی سے بھی حصہ پائے ۔

اَلْمُعْطِی اَلْمَانِعُ :

جو چاہتا ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے نہیں دیتا ۔ ایک حدیث میں فرمایا لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعَ ۔
ترجمہ ۔ جو کچھ اللہ کسی کو دینا چاہتا ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ روکنا چاہے اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا بندہ جب جان لیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی دینے والا اور روکنے والا ہے تو وہ اُس کی عطا کا اُمیدوار بن جاتا ...... اور اُس کے روک لینے کے خوف سے ڈرتا رہتا ہے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ صالحین متقین کو عطا کرے اور فاسق اور ظالم لوگوں سے اپنی عطا روک کر رکھے ۔ یا دل اور روح کو حضور و طاعت کے انوار سے حصہ عطا کرے اور نفس و طبیعت کو ہوا و شہوت سے روک کر رکھے ۔

اس روایت میں جو کہ حضرت ابو ہریرہ سے کتاب میں مذکور ہے ۔ المعطی کا ذکر نہیں ہے ۔ منع کی بھی اس روایت کے مطابق تفسیر کرتے ہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انسانی بدنوں کو ہلاک و نقصان کے اسباب سے روک کر رکھتا ہے اور دین کو عقل پیدا کر کے اور شرع کی روشنی سے فیضان عطا کرتا ہے ۔ اس معنٰی کے مطابق یہ لفظ حفیظ کے معنٰی کی طرف رجوع کرتا ہے ۔ کیونکہ ہلاکت کے اسباب کو روک لینا حفظ کی ضروریات و لوازم میں سے ہے ۔ یہ حفاظت اُس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لیکن منع کی نسبت ہلاک کرنے والے سبب کی طرف کرتے ہیں ۔ اور حفظ کی نسبت ہلاکت سے محفوظ

رہنے کی جانب کرتے ہیں۔ منع سے مقصود اور غرض و غایت بندے کی حفاظت ہے پس اسم الحفیظ میں جس قدر بھی معنی ہیں وہ سب ان دو قسموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

الحفیظ کے معنی میں تعلق اور موصوف ہونے کا جو ذکر پیچھے گزرا ہے اسم المانع میں بھی ملحوظ ہوگا۔ دو معنوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ معنی اول کے لحاظ سے عطا سے روکنا مراد ہوگا اور معنی ثانی کے لحاظ سے بلا و مصیبت سے روکنا بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور اُس کا کرم ظاہر و علانیہ ہوتا ہے اور کبھی عطا سے روکنا بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا ہے لیکن یہ لطف و کرم پوشیدہ ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُس بندے کو اُس کی آرزوؤں اور شہوتوں سے روک لیتا ہے جسے وہ اپنے فضل و کرم سے مخصوص کرنا چاہتا ہے اور اُسے اپنے خاص بندوں میں سے کر لیتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندے کے دل سے اُس کے ارادوں اور اختیارات کو روک لیتا ہے جسے وہ اپنی ذات کے لیے خالص کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے اہل خلوص کا مقام اہل خصوص سے بلند تر ہے۔ بندہ جب جان لیتا ہے کہ میرا مولا تعالیٰ ہلاکت و نقصان کے اسباب مجھ سے روک کر رکھتا اور اپنی حفاظت میں میری نگرانی کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اس نعمت پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس اسم سے موصوف ہونے کا معنی یہ ہے کہ فساد کے راستوں سے دور رہے اور اپنے آپ کو روک کر رکھے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور جو لوگ دین میں صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کی دین میں حفاظت کرے اور اہل دین کو آفات و بلیات سے حفاظت میں رکھے۔

اَلضَّآرُّ النَّافِعُ:

یعنی اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے اور خالق نفع و ضرر ہے اور وہی درد و دوا کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی خوشی اور تکلیف گرمی و سردی و خشکی و تری کو پیدا کرنے والا ہے۔ یہ گمان نہ کرو کہ دوا بذات خود نفع دیتی ہے اور نہ زہر بذات خود ہلاک کرتا ہے اور کھانا بذات خود بندے کو سیر کرتا ہے اور پانی بذات خود بندے کو سیراب کرتا ہے یہ تمام چیزیں عادی اسباب ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عادت مبارکہ اس طرح جاری ہے کہ اُس نے ان چیزوں کو اسباب بنایا ہے اور ان کے ذریعے چیزوں کو ظاہر فرماتا ہے اگر وہ چاہے تو ان کے بغیر بھی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان اسباب کے باوجود کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عالم علوی و سفلی کے تمام اجزاء میں یہی چیز کارفرما ہے۔ واسطے اور اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و تامہ کے تابع ہیں۔ ان تمام اسباب کی نسبت قدرت ازلی کی جانب اس طرح ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم کہ وہ قلم بے توقف لکھتا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس قلم میں لکھنے والے کی قدرت و ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ قدرت ایک ایسی صفت ہے جو اکثر صفات کو شامل ہے بصورتاً صفات فعلیہ کو۔ ان میں فرق عموم و خصوص اور جہات و حیثیات کا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ ضرر و نفع سب کچھ خدا کی طرف سے جانے اور عالم اسباب کو اُس کی قدرت کے آگے مغلوب تصور کرے۔ قضائے الٰہی کے آگے اپنے آپ کو ڈال دے اور اپنے تمام امور کو اُس کے حوالے کرے

اور ایسی زندگی بسر کرے کہ لوگوں کو اُس سے راحت پہنچے اور لوگ اُس سے آرام میں رہیں۔

حکایت :-

بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دانت درد کا عارضہ لاحق ہوا آپ اُس درد سے خدا کے حضور میں رو پڑے حکم ہوا فلاں گھاس دانتوں پر رکھیں تاکہ آرام آ جائے۔ آپ نے وہ گھاس اپنے دندان مبارک پر رکھی تو فوراً آرام آ گیا۔ ایک مدت کے بعد دوبارہ آپ کو پھر دانتوں کا درد لاحق ہوا آپ نے پھر وہی گھاس دانتوں پر رکھی تو بجائے آرام آنے کے درد زیادہ ہوگیا۔ عرض کیا یا الٰہی یہ وہی گھاس ہے جو تو نے مجھے بتلائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھڑک والا خطاب آیا کہ پہلی بار تیری توجہ میری جناب کی طرف تھی تو ہم نے شفا دے دی۔ اس دفعہ تیری توجہ گھاس کی طرف تھی اس لیے ہم نے درد کو زیادہ کر دیا تاکہ تو جان لے کہ شفا عطا کرنے والے ہم ہیں نہ کہ گھاس۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کسی کو ضرر پہنچائے تو خدا کے امر و شہادت کے حکم کے مطابق پہنچائے دین کے دشمنوں کو ڈانٹے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نفع پہنچائے اُن کی مدد کرے تاکہ ارادہ و عمل کے تحت دونوں عملوں کا تقاضہ پورا کرے۔ حقیقت و شریعت کو جمع کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

اَلنُّوْرُ :

عرف عام میں نور بمعنیٰ روشنی ہے اور اسم الٰہی میں نور بمعنیٰ منور ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ستاروں اور سیاروں سے روشن کرنے والا زمین کو انبیاء اولیاء علماء مومنین مومنات، باغات اور پھولوں سے روشن کرنے والا ہے اسی طرح مومنوں اور عارفوں کے دلوں کو نور ایمان، طاعات و اخلاق و معارف و حقائق سے روشن کرنے والا ہے۔

خاص لوگوں کے نزدیک نور ایسی چیز سے عبارت ہے جو خود بھی بہت ظاہر ہو اور غیر کو ظاہر کرنے والی ہو جب وجود و عدم کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو وجود عدم سے ظاہر ہوتا ہے اور عدم پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی چیز عدم سے زیادہ تاریک نہیں ہے۔ پس وہ ذات جو عدم سے پاک ہو بلکہ عدم کے امکان سے بھی پاک ہو اور جو اشیاء کی حقیقتوں کو ظلمت عدم سے باہر لانے والی ہو وہ باقی ہر چیز سے زیادہ مستحق ہے کہ اُس کا نام نور رکھا جائے۔ وجود بھی ایک نور ہے جو تمام اشیاء پر جلوہ گر ہوتا ہے تمام چیزوں کا وجود اُس کی ذات کے نور سے ہے۔

اس دوران ایک رسالہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ظہور پذیر ہوا ہے جو نور کے اسرار و رموز کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بندے کو چاہیے کہ طبیعت کی تاریکی اور نفس کی میل کچیل سے باہر نکلے اور ہدایتوں سے سینے ... اور شریعت کے چراغ سے نور حاصل کرے علم و عمل کے نور سے نیک کو بد سے الگ کرے شیطانی و نفسانی خیالات ملکانی اور رحمانی خیالات سے جدا کرے بزرگوں نے فرمایا ہے طریقت کا ہر وہ حال جو علم شریعت کا نتیجہ نہ ہو اگرچہ کتنا ہی عظیم حال

کیوں نہ ہو اُس کا ضرر اُس کے نفع سے زیادہ ہے۔ اور جو شخص ظاہر علم اور آدابِ شریعت کو نظر انداز کرتا ہے اُس کے دل میں حقیقی نور نہیں آسکتا۔ اِس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ ایمان و عرفان کے نور سے اپنے آپ کو منور کرے دین کے احکام کو ظاہر کرے۔ ریاضت و مجاہدہ تزکیۂ نفس تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح اور نور الافواہ کے ذریعے بشریٰ ظلمتوں کو فنا کرے نیز نوروں کے نور سے اپنے آپ کو باقی کرے بلکہ عین نور بن جائے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا۔ اے اللہ میرا نور زیادہ کر اور مجھے مجسم نور بنا دے۔

اَلْھَادِی

یہ لفظ ہدایت سے بنا ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا اور منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ تمام چلنے والوں کا راہنما وہی ہے جو شخص دنیا کے راستے پر چلتا ہے اُس کا راہنما وہی ہے جو آخرت کے راستے پر چلتا ہے اُس کا رہبر بھی وہی ہے اور جو اُس کی جناب قرب کے راستے پر اُس کے وصال کے لیے چلتا ہے۔ اُس کے جذباتِ محبت و عنایت کا ہادی بھی وہی ہے۔ بیت۔

گر نہ چراغ لطف تو راہ نماید از کرم قافلہائے شب روان پے نبرد بمنزلے

ترجمہ۔ اگر تیری کرم نوازی سے تیرے لطف و کرم کا چراغ راستہ نہ دکھائے تو رات کو چلنے والے قافلے منزلِ مقصود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔

خداوند تعالیٰ کی ہدایت کے اقسام و انواع شمار میں نہیں آسکتے۔

چنانچہ بچے کو ماں کے شکم سے باہر آنے کے ساتھ ہی پستان سے دودھ چوسنے کی ہدایت دیتا ہے۔ مرغی کے بچے کو انڈے سے نکلنے کے فوراً بعد دانہ چُگنے کی راہنمائی کرتا ہے۔ شہد کی مکھی کو مسدس شکل میں گھر بنانے کی راہنمائی بھی وہی کرتا ہے۔ یہ مسدس شکل شہد کے ذخیرے کے لیے نہایت موافق اور بہترین شکل ہے۔ ہدایت کی شرح بہت لمبی ہے۔ افضل و اعلیٰ ہدایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریق کی راہنمائی فرماتا ہے جو بندے کو جناتِ نعیم اور اُس کی ذات کے چہرہ کریم کے دیدار تک پہنچاتا ہے پھر اپنے خاص بندوں کے باطن میں توفیق کے عجیب عجیب انوار پیدا کرتا اور ایسے اسرار و تحقیق سے بہرہ ور فرماتا ہے کہ اُس کے سبب بندہ طاعت و معرفت کی طرف ہدایت پاتا ہے۔

ہدایت سے سب سے بڑھ کر موصوف ہونے والے اور اِس اسم سے متعلق ہونے والے انبیاء اولیاء اور علماء ہوتے ہیں کیونکہ یہ حضرات مخلوقات کے لیے ہادی ہیں کہ صراطِ مستقیم و طریقِ قویم پر لوگوں کو چلاتے ہیں خصوصاً سید انبیاء ختم رُسل صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ و اصحابہ و اتباعہ، جو حق کے راستے کے ہادی اور دینی علوم کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اے اللہ ہمیں توفیق دے ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا نہ اُن کے راستے پر جو تیرے غضب کا نشانہ بنے اور نہ گمراہوں کا راستہ۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں تین چیزیں عارفین کے اخلاق میں سے ہیں۔ غم زدہ لوگوں کی تنگ دلی کو کھولنا غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کر کے اللہ کی یاد میں مصروف کرنا اور توحید کی زبان سے مسلمان کو حق کا راستہ دکھانا یعنی اُن کے دل کے چہرے کو دنیا سے موڑ کر دین کی طرف کرنا۔ اور دنیوی زندگی سے دل ہٹا کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ کرنا۔

اَلْبَدِیْعُ:

بمعنی بے مثل و بے مثال جو ہستی اپنی ذات اپنی صفات اور افعال میں بے مثل و بے مانند ہو وہ بدیع المطلق ہوتی ہے اور وہ صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسم بدیع بمعنی مبدع بھی آتا ہے یعنی نئی شکل و صورت میں بنانے والا جس کا پہلے سے کوئی نمونہ نہ ہو اس اسم کی دونوں طرح تفسیر کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) میں مفسرین نے دونوں طرح تفسیر کی ہے۔ بندے کو چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو عجیب عجیب اور نئی نئی خدائی مصنوعات پر نگاہ ڈالتا رہے تو دل کو خدائے بے مثل و مانند کی جانب جو اُسے بھی نئی شکل و صورت میں لانے والا ہے لے جائے اور اس کے قدیم وجود پر نئے نئے حادثات کے رونما ہونے سے دلیل پکڑے۔ حضور نبی علیہ الصلاۃ والسلام جب کوئی نیا میوہ دیکھتے تو فرماتے تھے کہ یہ ابھی ابھی میرے رب کی طرف سے آیا ہے اسی معرفت کا اثر ہے۔ ہر بندہ جو کہ نبوت کی خاصیت سے مخصوص ہوتا ہے اور ولایت و علم جو اُس میں بے مثل و بے نظیر ہوتا ہے یا نئی سامنے آنے والی چیز جو بھی ہوتی ہے اور جو صفت کمال کی طرف لوٹتی ہے اپنے وقت و زمانے میں انوکھی شکل و صورت میں نمایاں ہوتی ہے اُسے بھی بدیع کہتے ہیں۔

تمام مخلوقات میں سے بے مثل ذات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے میں فرد کامل اور واحد ذات ہیں اور اسمائے واجب تعالیٰ سے علی الاطلاق موصوف ہونے والے بھی آپ ہی ہیں کوئی بھی ہستی آپ کی مثل اور نظیر نہیں ہے اللّٰھم صلّ وسلّم علی محمد بعدد کل ذرۃ۔ شعر

منزہ عن شریک فی محاسنہٖ　　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ترجمہ۔ آپ اپنے حسن و جمال میں شریک سے منزہ ہیں تو حسن کا ذخیرہ جو آپ میں پایا جاتا ہے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ علیہ من الصلوات افضلھا و من التحیات اتمھا واکملھا۔

اَلْبَاقِیْ

یعنی دائم الوجود جو ہرگز فنا کو قبول نہ کرے۔ بندے کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بقا کے عکس میں اپنے آپ کو فانی کر دے اور دل کو ماسوا کے تعلق سے محفوظ رکھے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسے کمالات حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کے نشانات اس جہاں میں بھی باقی رہیں اور اُس جہاں میں بھی اور بندے کو یہ بھی چاہیے کہ جلال حق میں فانی ہو جائے

تاکہ اس طرح حیات ابدی پاکر ہمیشہ کے لیے باقی ہو جائے۔

اَلْوَارِثُ:

وارث سے مراد وہ ذات ہے جو تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گی کیونکہ تمام املاک کے فانی ہونے اور تمام مالکوں کے فنا ہونے کے بعد سب ملکیتیں اُسی کی جانب رجوع کر جائیں گی یہ کلام ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ ازل سے ابد تک مالک علی الاطلاق وہی ہے۔ اُس کی ملکیت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آسکتی اور تمام ملک و ملکوت بلا کسی شرکت کے اُس کی ملکیت میں ہیں تمام اہل بصیرت گوش ہوش سے یہی ندا سنتے ہیں (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) جل جلالہٗ عظم شانہٗ۔

پس بندے کو چاہیے کہ مال و وراثت کی فکر میں نہ پڑے اور یہ جانے کہ سب کچھ چھوڑ جانا ہے اور سب سے ہاتھ اٹھا لینا ہے (مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا) مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یہ عارفوں کا دستور اور طریقہ ہے۔ بیت۔

دل بریں منزل فانی چہ نہی رخت بر بند کہ انا للہ

ترجمہ۔ اس فانی منزل پر کیا دل لگاتا ہے سامان باندھ لے کیونکہ ہم سب اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔

اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ دین کے علوم و معارف حاصل کرے تاکہ انبیاء کا وارث بن جائے۔

الرشید:

یہ لفظ رشد سے بنا ہے بمعنیٰ صحیح راستے پر ہونا یہ گمراہی کی ضد ہے۔ رُشد یہ ہے کہ بندے کے اقوال صحیح و درست ہوں، اُس کے افعال ٹھیک اور مناسب ہوں اور اُس کے احکام مضبوط اور ٹھوس ہوں ان میں خلل اور لغزش کا شائبہ نہ ہو اُس کی تمام تدبیرات صحیح نتائج تک پہنچانے والی ہوں اور غلطی و کجی سے محفوظ ہوں۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں رشید بمعنیٰ مرشد ہے یعنی بندوں کو دین و دنیا کے مقاصد میں اور اس جہاں میں کتاب و ترتیب کے مطابق درستی کے راستے پر چلانے والا ہو۔ اس اسم سے تعلق و تخلق کی وجہ ظاہر ہے۔

الصبور:

صبر کا معنیٰ لغت میں ہے برداشت کرنا۔ صبور اُسے کہتے ہیں جو گناہ گاروں کی گرفت میں جلدی نہ کرے۔ انہیں سزا دینے اور اُن سے انتقام لینے میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ صبور حلیم کے معنیٰ کے قریب ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ صبور اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ اُس نے صبر کیا ہوا ہے لیکن آخر کار اُسے گرفت میں لائے گا۔ حلیم اس سے مطلق ہے یعنی آخر کار گرفت میں لائے یا نہ لائے بعض کہتے ہیں۔ صبور بمعنیٰ صبر دینے والا۔ بندے کو صبر دینے والا بلا و مصیبت میں اس طرح امانت کا بوجھ اٹھانے میں بندے کو صبر دینے والا۔ اور خواہش اور شہوت کی مخالفت کرنے میں صبر کرنے والا۔ اسی طرح بندے کو عبادت کے ادا کرنے میں مشقت پر صبر دینے والا وہی سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ بندے کو چاہیے کہ تمام

مصیبتوں تکلیفوں اور برائیوں میں اسی سے صبر چاہے اور اس کی نافرمانی سے دور رہے۔

حکایت:۔

بیان کرتے ہیں کہ اکابر اسلام میں سے ایک بزرگ نے فرمایا "میں مکہ معظمہ میں تھا میں نے ایک درویش دیکھا جو مسجد خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور طواف کیا اور ایک رقعہ جیب سے نکالا۔ اسے دیکھا اور چلا گیا۔ دوسرے دن بھی اس نے اسی طرح کیا اور چلا گیا۔ میں چند دن اس کے اس حال کی نگرانی کرتا رہا۔ وہ اسی طور پر آتا اور چلا جاتا۔ ایک دن آیا اور طواف کیا اور رقعے پر نظر ڈالی اور جان اللہ کے حوالے کر دی" میں اپنی جگہ سے اٹھا رقعے کو دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

ترجمہ۔ اپنے رب کے حکم پر صبر کر بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی کام میں بھی جلد بازی اور شتابی نہ کرے بلکہ آرام و آہستگی اختیار کرے اور فراق کی تکلیف میں امید وصال سے پناہ حاصل کرے۔ اور اپنے درد و اشتیاق کا علاج محبوب کے ذکر سے کرے۔ تاکہ اپنے مقصود کو پاسکے اور کامیاب و بامراد بن جائے۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کو انڈیل دے۔ ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔

اے ایمان والو صبر کرو۔ صبر کی تلقین کرو۔ جہاد کے لیے تیار رہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں صبر کا پیالہ پی یارہ۔ اگر تو قتل ہو جائے گا تو شہید ہوگا۔ اور اگر زندہ رہے گا تو نیک بخت ہوگا۔

بیت۔

صبرے کنیم تا کرم او چہ میکند	با ایں دل شکستہ غم او چہ میکند
عیسیٰ دم است نفس و ہوا پیش او بکش	وانگہہ نظارہ کن کہ دم او چہ میکند

(۱) ہم صبر سے کام لیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کا کرم کیا سلوک کرتا ہے۔ اور اس دل شکستہ سے اس کا غم کیا سلوک کرتا ہے۔

(۲) میرا معشوق حضرت عیسیٰ کا سانس رکھتا ہے نفس و خواہش کو اس کے آگے ختم کر دے پھر دیکھ کہ اس کی پھونک کیا کام کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو اسمائے حسنیٰ کی شرح مکمل ہو گئی جن کا ذکر اس حدیث میں آیا تھا۔ اسے ترمذی نے اپنے جامع میں اور بیہقی نے اسے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔ (دعوات کبیر ایک کتاب ہے جو امام بیہقی نے تصنیف کی ہے

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کے سوا اور اسماء بھی آئے ہیں جیسے الاحد والمنعم۔ الرب۔ العلی یا ان اسمائ کے بدلے دوسرے نام آئے ہیں یا ان سے کچھ زیادہ نام آئے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو سے بڑھ جائیں گے۔ حق بات یہ ہے کہ کتاب و سنت میں اسمائے الٰہی ایک کم سو سے زیادہ آئے ہیں بعض مفرد بعض مرکب۔ ایک کم سو میں ہی منحصر نہیں ہیں مگر اُس خصوصیت کے اعتبار سے جو کہ حدیث پاک میں مذکور ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ [1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت بریدہ [1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ اللّٰھم انی اسالک بانک لا الٰہ الا انت الاحد الصمد [2] الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلے سے کہ بے شک تو ہی معبود ہے یگانہ ہے بے نیاز ہے اور تو وہ ہستی ہے جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اُسے کسی نے جنا ہے اور اُس کی مثل کوئی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے یہ الفاظ سن کر فرمایا کہ اس بندے نے اللہ تعالیٰ کو اُس کے اسم اعظم سے پکارا ہے۔ یہ وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ اللہ سے مانگا جائے تو وہ عطا کرتا ہے [3] اور جب اس کے ساتھ اُس سے دعا کی جائے [4] تو دعا قبول کرتا ہے۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

[1] یعنی حضرت بریدہ اسلمی۔

[2] یعنی بے نیاز ذات کہ تمام حاجتیں اُسی کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

[3] یہاں سوال و دعا میں فرق بیان کیا گیا ہے سوال کا معنیٰ طلب کرنا اور چاہنا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے اللّٰھم اعطنی۔ اے اللہ مجھے عطا فرما۔ اور دعا کا معنیٰ بلانا اور ندا کرنا جیسا کہ کوئی کہے یا اللہ اور اجابت کا معنیٰ دعا قبول کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے لبیک عبدی یعنی اے میرے بندے میں تیری دعا قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

[4] واضح ہو کہ اسم اعظم کی تحقیق میں علماء کے مختلف اقوال آئے ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الدر المنظم فی بیان الاسم الاعظم میں ذکر کیا ہے کہ بعض علماء اس بات پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اسم اعظم ہیں ان میں سے

بعض کو بعض پر فضیلت دینا جائز نہیں ۔ یہ قول شیخ ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے علاوہ ایک جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ جہاں بھی اسم اعظم کا ذکر آیا ہے وہاں اسم اعظم سے اسم عظیم مراد ہے ۔ طبرانی نے فرمایا کہ اسم اعظم کی تعیین میں اختلاف ہے ۔ میرے نزدیک سب اقوال صحیح ہیں کیونکہ کسی حدیث میں بھی واقع نہیں ہوا کہ یہ اسم اعظم ہے اور کوئی دوسرا اسم اس سے اعظم نہیں ہے تو گویا امام طبرانی اس امر کے قائل ہیں کہ اس کے تمام اسماء کو اعظم کہا جا سکتا ہے ۔ پس اعظم عظیم کے معنیٰ کی طرف رجوع کرے گا ۔

ابن حبان فرماتے ہیں کہ اسماء کے لیے جو عظمیت احادیث میں آئی ہے اس سے مراد ان اسماء سے پکارنے والے کو زیادہ ثواب دیا جانا مراد ہے ۔ یہ معنیٰ قرآن آیات میں بھی جاری ہے کہ بعض آیات کی تلاوت زیادہ ثواب کی موجب ہوتی ہے ۔ اگرچہ فی نفسہ اس کا سارا کلام عظیم ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے ۔ بعض کہتے ہیں اسم اعظم کا تعیین اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن کی خاص گھڑی کو خدا ہی جانتا ہے ۔ بعض علماء نے ظاہر احادیث کو دیکھتے ہوئے اسم اعظم کا تعیین کیا ہے ۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث حضرت بریدہ کی یہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ اسم اعظم لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد ۔ امام سیوطی نے شیخ ابن حجر سے نقل کیا ہے ۔ کہ شیخ ابن حجر نے فرمایا " یہ قول اس باب میں باقی تمام اقوال سے سند کے لحاظ سے زیادہ راجح ہے ۔ دوسری حدیث حضرت انس کی حدیث ہے جیسا کہ مؤلف نے فرمایا ۔

وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ أَسْأَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس وقت ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا تو نماز پڑھنے والے نے کہا " اللھم انی اسئلک بان لک الحمد لا الٰہ الا انت الحنان المنان بدیع السموات والارض یاذا الجلال والاکرام یا حی یا قیوم ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلے سے کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تیرے سوا کوئی معبود بحق نہیں ، تو مہربان اور نعمت عطا کرنے والا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کو بغیر نمونے کے پیدا فرمانے والا ہے اے بزرگی اور اکرام والے یا حی یا قیوم ۔ ان کے معانی اسماء کے ذکر میں گزر چکے ہیں اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بندے نے اللہ تعالیٰ

سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

کہ اس کے اسم اعظم سے پکارا وہ اسم اعظم کہ جب اس سے پکارا جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے۔ اسے ترمذی ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

سلہ اس بارے میں ایک اور حدیث حضرت اسماء کی ہے جیسا کہ مؤلف نے فرمایا۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ. اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۙ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت اسماء[1] بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ ایک آیت والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور آل عمران کی ابتدائی آیت اور وہ یہ ہے۔ الٓمّ اللہ لا الٰہ ھو الحی القیوم۔

اسے ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی[2] نے روایت کیا۔

سلہ آپ جلیل القدر انصاری صحابیہ ہیں بڑے عقل و دین والی تھیں غزوہ تبوک میں شریک تھیں آپ نے اس جنگ میں اپنے خیمے کی لکڑی سے نو کافروں کو قتل کیا۔

سلہ پس اس روایت کے مطابق اسم اعظم الرحمٰن الرحیم الحی القیوم ہوگا۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لَمْ يَدْعُ بِهَا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ذوالنون (یونس) کی دعا جب کہ آپ نے اپنے رب کے حضور کی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے یہ دعا تھی لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ کوئی مسلمان شخص بھی کسی بارے میں ان الفاظ کے ساتھ دعا نہیں کرتا مگر اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔

رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتُجَابَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔[1]

[1] اس روایت کے مطابق اسم اعظم لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ مگر یقینی طور پر دعا کا قبول ہونا اسم اعظم کے خاصوں میں سے ہے۔ جبکہ اس کے مقررہ آداب و شرائط کا لحاظ رکھا جائے بعض روایات میں صراحتاً اسے اسم اعظم فرمایا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَاءً فَاِذَا رَجُلٌ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَقُوْلُ هٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِيْبٌ قَالَ وَاَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِهٖ ثُمَّ جَلَسَ اَبُوْ مُوْسٰى يَدْعُوْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو اچانک ایک شخص بلند آواز سے پڑھ رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ فرمائیں گے کہ یہ شخص ریاکار ہے فرمایا نہیں بلکہ یہ مومن ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کی قرأت سننا شروع کر دی پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے اور یوں کہنے لگے اللھم انی اشھدک انک انت اللہ لا الٰہ الا انت احد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد یعنی اے اللہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں تیری کہ بیشک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو ایک ہے بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور کوئی بھی اس کی مثل نہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ

سَاَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخْبِرُهٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُهٗ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ اَنْتَ الْيَوْمَ لِيْ اَخٌ صَدِيْقٌ حَدَّثْتَنِيْ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

سے اُس کے اُس اسم سے مانگا ہے کہ جب اس اسم کے ساتھ اُس سے مانگا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اس اسم کے ساتھ جب اُس سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے حضرت بریدہ فرماتے ہیں یارسول اللہ جو کچھ میں نے آپ سے سنا ہے اس کی خبر میں اس شخص کو دوں۔ فرمایا ہاں تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارک کی اُسے خبر دی حضرت ابو موسیٰ نے مجھ سے فرمایا تو آج کے دن سے میرا مخلص دوست ہے کہ تو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی ہے۔

(اسے رزین نے روایت کیا)

لہ یعنی یہ حدیث پاک جس میں قبولیت دعا کی بشارت ہے مگر حدیث کو مطلق بیان کیا اس جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ سے دوستی اور بھائی چارہ اس بنا پر ہے کہ آپ نے مجھے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنائی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہی حدیثیں لائی ہیں۔ یہاں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ بعض نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اسم اعظم کہا ہے بعض نے فرمایا کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے اسے ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ بعض الحی القیوم کو اسم اعظم کہتے ہیں بعض مالک الملک کو اور بعض کلمہ توحید کو یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بعض کہتے ہیں کہ اللہ لا إلٰہ الا ھو رب العرش العظیم اسم اعظم ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام زین العابدین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ رب العزت سے درخواست کی کہ مجھے اسم اعظم بتلایا جائے تو آپ کو خواب میں بتلایا گیا کہ اسم اعظم لا الٰہ الا اللہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں اسم اعظم اسمائے حسنیٰ میں پوشیدہ ہے۔ اس قول کی تائید حضرت عائشہ کی حدیث کرتی ہے کہ آپ جب بعض اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیا کرتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ انہی اسماء میں اسم اعظم ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ لفظ اللھم اسم اعظم ہے۔

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جمع الجوامع میں بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جس نے اللھم کہا اور دعا کی تو اس نے تمام اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی قسم کا قول حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منقول ہے۔ بعض نے کہا الٓمٓ اسم اعظم ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے منقول ہے بعض فرماتے ہیں

اسمائے الٰہی میں سے جس اسم کے ساتھ بھی بندہ اللہ کو پکارتا ہے اور اس میں حضور و استغراق پیدا کرتا ہے کہ اس کے باطن میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو کوئی حضور و استغراق کی اس حالت میں دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہے۔ یہ قول حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ جنید وغیرہم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ابن نعیم نے حلیہ میں حضرت بایزید بسطامی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا اسم اعظم کے لیے کوئی حد متعین نہیں درحقیقت اسم اعظم یہ ہے کہ تیرا دل حق تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے مکمل طور پر فارغ ہو جائے۔ جب تیرا یہ حال ہو جائے تو پھر ہر اسم سے جو بھی تو ارادہ کرے گا اس سے مشرق اور مغرب میں جا سکتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں میں نے بعض مشائخ سے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا فرمایا تو اپنے دل کو جانتا ہے میں نے کہا ہاں۔ فرمایا جبکہ تو اپنے دل کو اس حالت میں دیکھے کہ اس کی توجہ مکمل طور پر خدا کی طرف ہے اور دل میں رقت و سوز موجود ہے تو اس وقت اپنی حاجت مانگ کہ یہی اسم اعظم ہے۔

حضرت ابو ربیع سائح رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے ان سے عرض کیا کہ مجھے اسم اعظم بتلائیں فرمایا لکھ بسم اللہ الرحمن الرحیم، اطاعت کر خدا کی تاکہ خدا تیری اطاعت کرے۔

بزرگ فرماتے ہیں عارف و ولی کا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا اس طرح ہے جس طرح خداوند تعالیٰ و تقدس کا لفظ کن فرمانا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ ثَوَابِ التَّسْبِيحِ وَالتَّحْمِيدِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ

تسبیح، تحمید، تہلیل و تکبیر کے ثواب کا باب

تسبیح بمعنی منزہ کرنا اور پاکی سے یاد کرنا۔ تحمید بہت اور بار بار حمد و ثنا کرنا۔ اسی معنی کے مطابق لفظ محمد کا اشتقاق حمد سے ہوا ہے کیونکہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے۔ تکبیر بمعنی بزرگ قرار دینا اور تہلیل لا الٰہ الا اللہ کہنا یہاں اس سے مراد ان احادیث کا بیان ہے جو سبحان اللہ الحمد للہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کے ثواب میں وارد ہیں تہلیل لا الٰہ الا اللہ سے مشتق ہے۔ عربوں کے نزدیک جب کسی چیز کا استعمال زیادہ ہوتا ہے تو وہ دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملا دیتے ہیں کہ ایک کلمے کے بعض حروف کو دوسرے کلمے کے بعض حروف سے جوڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں حمدلہ و حوقلہ و بسملہ اور کہتے ہیں ہلل الرجل و ہلل جبکہ کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اسی طرح حیعل بمعنی حی علی الفلاح۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثواب کے لحاظ سے افضل کلام چار کلمے ہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَا يَضُرُّكَ بِاَيِّهِنَّ بَدَاْتَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین چار کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو ان میں سے جس سے بھی شروع کرے گا تجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

اسے مسلم نے روایت کیا۔

لہ سُمرہ س کی زبر میم کی پیش سے۔ جندب د کی پیش اور زبر سے آپ مشہور صحابی اور کثیر الحدیث ہیں۔

سہ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنا مقصودی معنیٰ بیان کرنے میں مستقل کلمہ ہے۔ ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کے جلال و کمال کا بیان ہے۔ لہٰذا ان کے آگے پیچھے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم اس ترتیب سے جو حدیث میں آئی ہے۔ مناسب معانی ہیں کیونکہ یہ کلمات اللہ کی معرفت کو ظاہر کرتے ہیں وہ اس طرح کہ اولاً اس کی تنزیہ کا بیان ہے پھر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تمام نعتیں اور کمالات اسی کی ذات میں منحصر ہیں جب وہ ان دو باتوں کو جان لیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی توحید منکشف ہوتی ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو اس کی ثنا اور توحید میں عاجز پاتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے اللہ اکبر۔ امام غزالی نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین کلام یہ کلمات ہیں تو اس سے مراد قرآن مجید کے علاوہ کلام مراد ہے۔ پھر یہ کلمات قرآن میں بھی آئے ہیں سوائے چوتھے کلمے کے۔

اور ایک روایت میں یہاں یوں آیا ہے (افضل الذکر بعد کتاب اللہ، یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے افضل ذکر یہ چار کلمات ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا میرے نزدیک اُن تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج طلوع کرتا ہے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا)

لہ یعنی دنیا و ما فیہا سے زیادہ پسند ہے یہ گویا تمام مخلوقات سے کنایہ ہے صرف دنیا کی گھٹیا چیزوں کی نسبت پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ذکر خدا تمام عالم کی چیزوں سے افضل و محبوب ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں سو مرتبہ کہتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ اس کی تمام خطائیں جھاڑ دی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ لہ جتنی ہوں۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی کثرت و زیادتی میں اُس کے گناہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں تو اس کلمے کے پڑھنے سے اُس کے سب گناہ مٹ جاتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَاْتِ اَحَدٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ اَوْ زَادَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت پڑھتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ سو بار تو نہیں آئے گا کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل چیز کے ساتھ۔ سوائے اُس شخص کے جس نے یہی کلمہ پڑھا ہوگا یا اس سے زیادہ پڑھا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یہاں دو اعتراض کیے جاتے ہیں ایک یہ کہ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اس شخص کی مثل کہتا ہے تو وہ اس سے افضل ہو جاتا ہے یہ اعتراض بالکل ظاہر ہے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ شمار اور گنتی میں شرع کی مقرر کردہ حدود میں زیادتی جائز نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر کی چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھے پس ان کلمات سے زیادہ پڑھنا کیسے جائز ہوگا۔
سوال اول کا جواب یہ ہے کہ کلام کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے برابر اور اس سے افضل نہیں لا سکے گا ماسوائے اس شخص کے جس نے یہی کلمات کہے ہوں گے تو وہ اس کے برابر ہوگا۔ یا وہ شخص جس نے اس سے زائد کلمات کہے ہوں گے تو وہ اس سے افضل ہوگا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ زیادتی اُس صورت میں ناجائز ہے جبکہ شارع علیہ السلام کی طرف سے زیادہ کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اور جبکہ حدیث میں زیادہ کرنے کی صراحت موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ایسے کلمات میں اضافہ کرنے کی اجازت ہے۔ پس یہ زیادتی ظہر کی چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھنے کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ نماز تہجد اور نماز چاشت کی طرح ہے جن کی تعداد آٹھ رکعت آئی ہے اگر کوئی شخص تیرہ رکعت اور بارہ رکعت پڑھے تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں جس زیادتی کا ذکر کیا ہے وہ دوسرے اعمال خیر ہوں نہ کہ تسبیح میں اضافہ مراد ہو۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہونے ہیں اعمال کے ترازو پر بھاری ہوں گے اور رحمٰن کے نزدیک بہت پیارے ہیں وہ کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم۔

(بخاری ومسلم)

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ہر دن میں

اَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِّنْ جُلَسَائِهِ كَيْفَ يَكْسِبُ اَحَدُنَا اَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُ مِائَةَ تَسْبِيْحَةٍ فَيُكْتَبُ لَهُ اَلْفُ حَسَنَةٍ اَوْ يُحَطُّ عَنْهُ اَلْفُ خَطِيْئَةٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِيْ كِتَابِهٖ فِيْ جَمِيْعِ الرِّوَايَاتِ عَنْ مُوْسَى الْجُهَنِيِّ اَوْ يُحَطُّ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ الْبَرْقَانِيُّ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ وَاَبُوْ عَوَانَةَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ مُوْسٰى فَقَالُوْا وَيُحَطُّ بِغَيْرِ اَلِفٍ هٰكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ

ہزار نیکی کمائے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کوئی شخص ہزار نیکی کیسے کما سکتا ہے فرمایا جو سو دفعہ تسبیح پڑھ لے تو اس کے لیے ہزار نیکی لکھ دی جاتی ہے یا اس سے ہزار گناہ مٹائے جاتے ہیں۔

اسے مسلم نے روایت کیا۔

اور مسلم کی کتاب میں تمام روایات کے اندر حضرت موسیٰ جہنی سے اویحط کا لفظ آیا ہے۔ ابوبکر البرقانی فرماتے ہیں کہ اسے شعبہ ابو عوانہ اور یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا۔ اور انہوں نے ویحط بغیر الف کے روایت کیا۔ کتاب الحمیدی میں ایسا ہی آیا ہے۔

۱؎ مشہور حساب کے مطابق کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۲؎ کہ ہزار گناہوں کا مٹنا ہزار نیکیوں کے ملنے کی طرح ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جلسائہ آیا ہے اس میں ضمیر حضور علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے مگر اس لفظ کا اطلاق احادیث میں مانوس اور مشہور نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر سعد بن ابی وقاص کی طرف لوٹتی ہو۔ اور یہ قول سعد راوی کا ہو گویا حضرت سعد کے ساتھیوں میں سے کسی کو پریشانی لاحق ہوئی ہو اور اس نے حدیث مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا ہو۔ اسے سمجھ لو۔

۳؎ جیم کی پیش ہا کی زبر سے یہ ثقہ راوی ہے ان کی روایت میں ویحط کی جگہ اویحط آیا ہے۔ اور یہ او تردید کے لیے ہو گا جیسا کہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

۴؎ با کی زبر و پیش اور زیر سے برقان کی طرف نسبت ہے اور یہ علاقہ خوارزم میں ایک بستی ہے

۵؎ اگر یہ روایت بغیر الف کے ہو تو معنی یہ ہو گا کہ ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہزار خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔ ظاہر یہی ہے کیونکہ حسنات سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔

۶؎ یعنی کتاب حمیدی میں اسی طرح بیان ہوا ہے اور یہ حمیدی کی کتاب وہ ہے جس میں بخاری و مسلم دونوں کی

حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَا اصْطَفَی اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسا کلام سب سے افضل ہے فرمایا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا۔ (مسلم)

لہ جوکہ تسبیح وتہلیل ہے۔ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ (ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک) کیونکہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائے اس کی دلیل فرشتوں کا وہ قول ہے یعنی (لاعلم لنا الا ما علمتنا) اور فرشتوں کا وہ کلام سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔

وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّی الصُّبْحَ وَهِیَ فِیْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰی وَهِیَ جَالِسَةٌ قَالَ مَا زِلْتِ عَلَی الْحَالِ الَّتِیْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰی نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح ان کے پاس سے باہر تشریف لائے جبکہ آپ نے فجر کی پڑھی اس وقت حضرت جویریہ اپنی نماز کی جگہ تشریف فرما تھیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لائے۔ نماز چاشت پڑھنے کے بعد وہ اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں جس حالت میں تجھ سے جدا ہوا تھا ابھی تک تو اسی حالت میں اور اسی جگہ بیٹھی ہوئی ہے۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے تیرے بعد ایسے چار کلمات تین دفعہ پڑھے ہیں کہ اگر تو انہیں وزن کرے جو آج کے دن تو نے پڑھے ہیں تو ضرور وہ کلمات ان تسبیحات کے برابر ہوں گے جو تو نے پڑھے ہیں۔ اور وہ چار کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ عدد ورضی نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ۔ (مسلم)

۱؎ جیم کی پیش راء کی زبر یا ساکن۔ آپ امہات المؤمنین میں سے ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ مسجدہا یعنی حضرت جویریہ اپنی جائے نماز میں بیٹھی ہوئی ذکر و تسبیح کر رہی تھیں۔ شاید اس سے وہ مقام مراد ہے جو آپ نے اپنے گھر میں نماز کے لیے بنایا ہوا تھا۔ اس جگہ کو بعض دفعہ جیم کی زبر سے بھی پڑھتے ہیں۔

۳؎ یعنی صبح سے کر اب تک کہ وقت چاشت ہو گیا ہے تو اپنی جگہ ذکر میں ہی مصروف ہے۔

۴؎ یعنی تیرے پاس سے اٹھ کر باہر آنے کے بعد چار کلمے تین تین دفعہ پڑھے ہیں۔ وہ ایسے کلمے ہیں کہ اگر اُن کا وزن اُن کلموں سے کیا جائے جو تو نے کہے ہیں تو وہ ان کے برابر ہوگا۔ اور یہ کلمات وہ ہیں جو لکھے گئے ہیں۔ ان کلمات میں مبالغہ اور کمال پایا جاتا ہے۔ یہ کلمات تسبیح و تحمید میں مشترک ہیں یعنی میں تیری تسبیح و تحمید تیری مخلوقات کے شمار جتنی کرتا ہوں کہ وہ بے شمار اور بے اندازہ ہے ایسی تسبیح و تحمید جو تیری رضا کا موجب بنے جس کا وزن تیرے عرش عظیم جتنا ہو اور جو تیرے کلمات کی مقدار جتنے ہوں یعنی تیرے کلام جتنے ہوں یا تیرے اسماء و صفات جتنے ہوں یا تیرے علم جتنے ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَّكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّمُحِیَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَیِّئَةٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنَ الشَّیْطٰنِ یَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰی یُمْسِیَ وَلَمْ یَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سو بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر پڑھ لیتا ہے اُسے دس گردنوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۱؎ اور سو گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ اور یہ کلمے اس کے لیے اُس دن شیطان اور اُس کے شر سے پناہ بن جاتے ہیں۲؎ اور کوئی شخص بھی اس سے افضل عمل نہیں لا سکے گا۔ مگر وہ شخص جو اس سے بھی زیادہ عمل کرے۔

وَرَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ عدل عین کی زیر وزبر دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی مثل وبرابر بعض نے کہا زبر سے ہو تو معنی ہوگا غیر جنس سے برابر زیر سے پڑھا جائے تو معنی ہوگا اپنی جنس کے ساتھ برابر۔

۲ یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں بغیر الف کے وحیط کا لفظ آیا ہے۔

۳ یعنی شام تک یہاں حدیث میں لفظ حرزا آیا ہے۔ حا کی زیر سے بمعنی حفاظت وتعویذ مگر وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ یہ حدیث اس اعتراض سے محفوظ ہے جو حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں پہلی شق پر وارد ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ رَضِیَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِىْ تَدْعُوْنَهُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى وَاَنَا خَلْفَهُ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِىْ نَفْسِىْ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو لوگ خوب بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ کیونکہ تم لوگ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم لوگ سمیع وبصیر ذات کو پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو تمہاری سواری کی گردن سے بھی تمہارے نزدیک ہے۔ حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں اور میں آپ کے پیچھے کھڑا اپنے دل میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ رہا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن قیس میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلاؤں۔ میں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔	فرمایا وہ خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۳۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	(بخاری ومسلم)

۱ھ اور اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو اور اتنی بلند آواز سے ذکر نہ کرو۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے سے روکنا آسانی اور نرمی کے لیے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ذکر جہر نا جائز ہے۔ حق یہ ہے کہ بلاشبہ ذکر جہر جائز ہے مگر کسی عارضے کی بناء پر۔ ہم نے اس مسئلے کو اپنے رسالہ در دو ظائف میں ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید کے طور پر زیادہ اونچی آواز سے ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے اور فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ ہے علم وحضور سے۔ یہاں بصیر کے ساتھ سمیع کا ذکر دونوں میں مناسبت کی بناء پر کر دیا کیونکہ دونوں اکثر مقامات میں اکٹھے مذکور ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس جانب بھی اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے ہمارے حالات کو جانتا اور ہماری ہیئت اور صورت سے بھی واقف ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ بصیر کا اضافہ سمیع کے ساتھ اس لیے کیا کہ جو سمیع وبصیر ہوتا ہے وہ سننے والے مگر آنکھوں سے اندھے سے زیادہ بات کو سمجھتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

۲ھ یعنی اونٹ پر سوار یا پیادہ

۳ھ یعنی یہ کلمہ بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس کلمے کو پڑھنے والا اپنے لیے اتنا ثواب حاصل کر لیتا ہے گویا کہ اُسے دنیا کے خزانے مل گئے۔ بلکہ دنیا کے خزانے اُس کے سامنے کیا شے ہیں۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ کوئی ذکر بھی عمل پر زیادہ معین ومدد اس کلمے سے بڑھ کر نہیں ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی قوت وطاقت سے بری ہوتا ہے اور اپنے نفس پر اعتماد وبھروسہ کرنے سے دور ہو جاتا ہے۔

جبکہ یہ فقیر یہ حدیث حضرت شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ رہا تھا تو حضرت سے اس خزانے کی کیفیت و حقیقت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اس خزانے کا پتہ وہاں چل کر معلوم ہوگا یہاں اس میں بحث کی ضرورت نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سبحان اللہ العظیم وبحمدہ پڑھتا ہے

وَ بِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اُس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگایا جاتا ہے ۔ (ترمذی)

وَ عَنِ الزُّبَيْرِ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَبَاحٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مُنَادٍ يُنَادِيْ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی صبح نہیں جو بندے کرتے ہیں مگر ایک آواز دینے والا آواز[1] دیتا ہے کہ تسبیح کہو[2] الملک القدوس اور یوں کہو سبحان اللہ الملک القدوس ۔ (ترمذی)

[1] یعنی ایک فرشتہ آواز دیتا ہے ۔

[2] یعنی خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو اور یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور تمام نقائص سے پاک ہے

وَ عَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الذکر[1] لا الٰہ الا اللہ اور افضل دعا[2] الحمد للہ ہے ۔ اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ۔

[1] اگرچہ اذکار بہت ہیں ۔ اقوال و افعال میں سے جس طرح بھی خدا کی یاد کی جائے ذکر ہی ہے ۔ لیکن یہ کلمہ کلمۂ توحید و ایمان ہے ۔ اس کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہو سکتا ۔ اس کلمے سے مشغول ہونا اور ورد اسے پڑھتے رہنا اپنے اندر عجیب و غریب اسرار اور خاصیتیں رکھتا ہے ۔ اس سے باطن کی تطہیر اور دل کا تصفیہ نصیب ہوتا ہے اور وہ راز ظہور پذیر ہوتا ہے جو دل میں بطور امانت رکھا گیا ہے اسی لیے مریدوں کی تربیت کے لیے مشائخ نے اس کلمے کو اختیار کیا ۔

[2] حمد کو دعا اس بنا پر کہا گیا ہے کہ کریم کی صفت و ثنا درحقیقت اُس سے دعا اور سوال ہے اور افضل اس وجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حمد جو کہ منعم حقیقی ہے شکر کے معنی میں ہے ۔ بلکہ حمد شکر کی سردار ہے اور شکر نعمت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے ۔

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رض

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

فَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ رَاْسُ الشُّکْرِ مَا شَکَرَ اللّٰہَ عَبْدٌ لَّا یَحْمَدُہٗ۔

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد شکر کا سر[1] ہے وہ بندہ اللہ کا شکر نہیں کرتا جو اُس کی حمد[2] نہیں کرتا۔

[1] کیونکہ شکر منعم کی تعظیم کا نام ہے اور زبان کا فعل اس تعظیم پر زیادہ ظاہر طریقے سے دلالت کرتا ہے۔ دل کا فعل پوشیدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ بندہ اپنے اعضاء سے بھی حمد کرتا ہے مگر اس کا تعلق نیت سے ہوتا ہے اور شکر منعم کی تعظیم کا نام ہے۔ یا دل سے محبت کرنے کا نام ہے یا زبان سے ثناء کرنا یا اعضاء سے خدمت کرنے کا نام شکر ہے اور اعضاء کے افعال منعم کی تعظیم پر دلالت کرنے میں ناقص اور کوتاہ ہیں اور ان میں احتماع بھی پایا جاتا ہے۔

[2] یعنی وہ بندہ خدا کا شکر کامل نہیں کرتا جو اس کی حمد نہیں کرتا اس کلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ باطنی تصفیے کے باوجود اپنے ظاہر کی بھی حفاظت کرے۔ اور دل کو منور کرلے کے ساتھ زبان کے فعل سے بھی اُس کی تکمیل کرے تاکہ ظاہر و باطن دونوں کمال حاصل کریں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا یُدْعٰى اِلَى الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ (رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے قیامت کے دن جنت کی طرف جن کو بلایا جائے گا وہ لوگ ہوں گے جو خوشی اور ناخوشی[1] دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والے ہوں گے ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] یعنی تمام حالات میں اُس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ اَوْ اَدْعُوْکَ بِہٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰى قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ یَا رَبِّ کُلُّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا اے میرے رب مجھے ایسی چیز سکھا جس کے ساتھ میں تیرا ذکر کروں یا جس کے ساتھ میں تجھے پکاروں[1]۔ فرمایا اے موسیٰ کہہ لا الٰہ الا اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تیرے سارے بندے

عِبَادُكَ يَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ قَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ وَ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِيْ كِفَّةٍ وَّلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

یہ کلمہ پڑھتے ہیں میں تو ایسی چیز چاہتا ہوں جو تو میرے لیے خاص کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا انہیں آباد کرنے والی ہر چیز[۳] اور ساتوں زمینیں ان سب کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا[۴] بھاری ہو جائے گا۔ اسے شرح السنۃ میں روایت کیا۔

[۱] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں اذکرک بہ آیا ہے یا ادعوک بہ آیا ہے بعض نسخوں میں لفظ او کی جگہ واد عوک بہ آیا ہے۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ یا اللہ مجھے سکھا کہ میں کس طرح تیرا ذکر کروں اور تجھ سے دعا مانگوں۔

[۲] یعنی ایسا خاص ذکر اور خاص دعا مجھے بتلا جس میں میرے ساتھ دوسرے لوگ شریک نہ ہوں۔

[۳] یعنی تمام اہل آسمان اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا استثنا آسمانوں کو آباد کرنے والی اشیاء سے بطور مجاز و انقطاع ہے۔ یہاں حدیث میں واقع لفظ عامر بمعنیٰ اصلاح کرنے والا اور خلل اور خرابی سے حفاظت کرنے والے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں استثنا اپنی حقیقت پر ہوگا۔ یہاں زمینوں کے آباد کرنے والے کا ذکر نہیں کیا یا تو ان کی کمی کی وجہ سے یا آسمانوں میں ذکر پر کفایت کرتے ہوئے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

[۴] یعنی آسمانوں زمینوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوقات کے وزن سے اس کا وزن بھاری ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِيْ لَا شَرِيْكَ لِيْ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الْحَمْدُ وَاِذَا

حضرت ابوسعید و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا وانا اکبر اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا وحدی لا شریک لی اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا لی الملک ولی الحمد اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو خدائے تعالیٰ

فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِيْ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِيْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

فرماتا ہے لا الٰہ الا انا ولا حول ولا قوۃ الا بی[1] اور حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ کلمات اپنی بیماری کے دوران کہتا ہے پھر مرجاتا ہے تو اُسے دوزخ کی آگ نہ کھائے گی اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کی بات کو اور اس کے ان اقوال کو صحیح قرار دیتا ہے اور اپنے بندے کے موافق وہ بھی ایسا ہی فرماتا اور اُسے قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ان کلمات کو پڑھنا ان کلمات کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَاَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَآءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے[1] جب کہ اس عورت کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے بھی تیرے لیے آسان اور افضل[2] بھی ہو وہ یہ ہے سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء وسبحان اللہ عدد ما خلق فی الارض۔ وسبحان اللہ عدد ما بین ذلک وسبحان اللہ عدد ما ھو خالق واللہ اکبر مثل[3] ذلک والحمد اللہ مثل ذلک ولا الٰہ الا اللہ مثل ذلک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مثل ذلک۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُو دَاوُدَ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ عورت حضرت جویریہ تھیں جو امہات المومنین میں سے ہیں یا اُن کے علاوہ کوئی اور عورت تھیں۔ واللہ اعلم۔

لہ یہ راوی کا شک ہے۔ یہ خاتون اُن گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہی تھیں جیسا کہ آج کل بھی متعارف ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایسا متعارف نہ تھا بعض لوگ بوسیدہ گٹھلیاں یا کنکریوں کو اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور ان پر شمار کرتے تھے۔ بعض لوگ بے دھاگے وغیرہ میں باندھ لیتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔

لہ یعنی تعداد اور شمار کے لحاظ سے افضل ہے۔

لہ یعنی حضور علیہ السلام نے واللہ اکبر عدد ما خلق فی السماء الا آخرہ پڑھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عدد ما خلق فی السماء الی آخرہ کی جگہ لفظ مثل ذلک استعمال فرمایا ہو۔

وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍؓ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ وَ مَنْ حَمِدَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَمَلَ عَلٰى مِائَةِ فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَنْ هَلَّلَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ اَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَ مَنْ كَبَّرَ

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت سو بار اللہ کی تسبیح کی یعنی سبحان اللہ کہا اور سو بار شام کی تو وہ ایسا ہے جیسا کسی نے سو حج کیے ہوں۔ اور جس نے صبح کے وقت سو دفعہ اللہ کی حمد کی اور شام کو بھی سو بار حمد کی یعنی سو بار الحمد للہ کہا اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے سو گھوڑوں پر مجاہدین فی سبیل اللہ کو جہاد کے لیے بھیجا اور جس شخص نے سو بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ صبح کو پڑھا اور شام کو بھی سو مرتبہ تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے سو گردنیں اولاد اسماعیلؑ میں

اللہَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ لَمْ يَأْتِ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ اَحَدٌ بِاَكْثَرَ مِمَّا اَتٰى بِهٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ اَوْ زَادَ عَلٰى مَا قَالَ.

سے آزاد کیں۔ اور جس نے سو بار صبح کو اللہ اکبر کہا اور شام کو بھی سو مرتبہ تو کوئی شخص بھی اس دن اس سے زیادہ ثواب والا نہ ہوگا جو اس نے کیا مگر وہ شخص جس نے اسی کی مثل کہا یا اس سے زیادہ کہا جو اس نے پڑھا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] اس قسم کی گفتگو کو کامل کے ساتھ ناقص کو ملا دینا کہتے ہیں۔ اس عمل کی فضیلت کے لیے اس قسم کی گفتگو مبالغے کے طور پر ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں شاید کہ ایسی صورت میں اصل سے کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اس کے باوجود یہ حدیث ذکر خدا کی فضیلت اور اس کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے۔

[2] علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا خالص عربوں کو غلام بنانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب کے مشرکوں میں دو ہی صورتیں ہیں یا انہیں قتل کیا جائے یا وہ ایمان لے آئیں یہ حدیث قول اول کو ثابت کرتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے غفلت اور نادانستہ طور پر قیدی اور غلام بنایا ہو۔ بعض کہتے ہیں یہ مبالغہ ہے۔

[3] اس حدیث میں بھی ویسا ہی کلام ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی بات والی حدیث میں فصل اول میں گزرا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهٗ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُوْنَ اللهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسبیح نصف میزان[1] ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گی اور لا إلٰہ الا اللہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچا رہتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ.

اور کہا یہ حدیث غریب ہے اس کا اسناد قوی نہیں۔

[1] یعنی تسبیح ایک طرف اور باقی تمام اعمال ایک طرف یہ تسبیح اُن سب کے برابر ہوگی۔

۲؎ یعنی صلاس تمام میزان کو بھر دے گی اور لفظ الحمد للہ سبحان اللہ سے زیادہ افضل ہے کیونکہ الحمد للہ خدا کی نعمتوں کا شکر ہے اور شکر مزید نعمتوں کو لاتا ہے تو الحمد للہ کا ثواب اکثر اور زیادہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو کہ الحمد للہ سبحان اللہ کے برابر اور مساوی ہے کہ نصف وہ اور نصف یہ دونوں کے ثواب سے مل کر ترازو کا پلہ پر ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۳؎ کہ راستے میں اس کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی کیونکہ وہ حق کی توحید ہے اور توحید اللہ کے ساتھ قائم ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَآئِرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مخلص طریقہ سے ہرگز لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے۱؎ جبکہ وہ کبیرہ۲؎ گناہوں سے بچتا رہے (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ جو کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریا کا مقام ہے دراصل یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ یہ کلمات خدائے تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث میں گزرا۔

۲؎ یعنی جب کہ وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے اور ان سے الگ رہے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے کی شرط اس لیے لگائی کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے کی نیکی جلد قبول ہوتی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچتی ہے کیونکہ ایمان عمل کے بغیر ناقص ہوتا ہے اور ایمان کا بلند مقام خلاص سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (والعمل الصالح یرفعہ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِیْتُ اِبْرَاهِیْمَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّی السَّلَامَ وَ اَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَیِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَ اَنَّهَا قِیْعَانٌ وَّاَنَّ غِرَاسَهَا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لیلۃ المعراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا۔ اور انہیں خبر دو کہ بے شک جنت اچھی اور پاک زمین والی ہے اس کا پانی بھی میٹھا ہوتا ہے اور بے شک وہ ہموار زمین ہے مگر اس میں درخت نہیں ہیں

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور بے شک اُس کے درخت یہ کلمات ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر[۳] (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

اور فرمایا یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن غریب ہے۔

[۱] یعنی اُس رات جب کہ آپ کو شب معراج مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک لے گئے۔

[۲] یعنی اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ یہاں حدیث میں لفظ اقرا آیا ہے، ہمزہ کی زبر راکے نیچے زیر یہ اقراء سے بنا ہے یعنی پڑھا دینا۔ بعض نسخوں میں اقرء آیا ہے یعنی ہمزہ کی زبر اور را کی زبر سے یہ قرات سے بنا ہے یعنی میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنا۔ اس لفظ کی تحقیق کتاب میں دوسری جگہ کر دی گئی ہے۔

[۳] یعنی لوگوں کے اعمال کی جزا کے طور پر جنت میں درخت لگائے جائیں گے ان کلمات مذکورہ میں سے ہر کلمے کے عوض بہشت میں درخت لگایا جاتا ہے اور جبکہ جنت کے درخت ان کلمات کی جزا ہیں تو گویا بعینہٖ یہ کلمات وہاں کے درخت ہیں یہاں حدیث میں لفظ قیعان آیا ہے جو قاع یعنی ایسی ہموار زمین ہے جس میں درخت اور پودے نہ ہوں۔ حدیث میں دوسرا لفظ غراس آیا ہے جو غرس سے بنا ہے۔ غرس یعنی درخت لگانا اور غرس یعنی پودا۔

وَعَنْ يُسَيْرَةَ بِنْتِ يَاسِرٍ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَلَا تَغْفُلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت یُسیرہ[۱] بنت یاسر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ مہاجر عورتوں میں سے تھیں۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اے عورتو تسبیح وتہلیل اور تقدیس اپنے پر لازم کر لو اور انگلیوں کے ساتھ گرہ[۲] لگایا کرو بے شک انگلیوں سے بھی پوچھا جائے گا اور اُن سے بھی کلام کرایا[۳] جائے گا۔ لہٰذا ذکر خدا سے غفلت[۴] نہ کرو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کی رحمت سے محروم کر دیا جائے۔

اسے ترمذی وابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یا اول کی پیش اور سین ثانی ساکن سین پر زبر اور ایک روایت میں یا کی جگہ پیش والا ہمزہ آیا ہے یعنی اُسیرہ آپ صحابی عورت ہیں اور ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بعض کہتے ہیں آپ انصاری عورتوں میں سے ہیں مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

۲ یعنی اے عورتو خدا کی یاد اپنے پر لازم جانو اور اس کی پاکیزگی اور تنزیہ بیان کرو اور یوں کہو سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح یا یوں کہو سبحان الملک القدوس یا ایسے الفاظ کہو جن کے یہ معنی ہوں جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔

۳ یعنی اللہ کی تسبیح وغیرہ کو انگلیوں سے شمار کرو۔ اور اہل حساب انگلیوں کے ساتھ گننے کے لیے اپنے ہاں مقرر طریقے رکھتے ہیں۔

۴ یعنی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ کیا انگلیوں کے ساتھ تم نے اللہ کی تسبیحات کو گنا یا نہیں۔

۵ جس طرح دوسرے تمام اعضاء بولیں گے اور اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔

۶ یعنی خدائے تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تقدیس سے غافل نہ ہونا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھلا دیا جائے اور رحمت سے محروم کر دیا جائے۔ ایک روایت میں بصیغہ معلوم بھی آیا ہے جس کا معنیٰ ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کی رحمت سے محروم ہونا پڑے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ کَلَامًا اَقُوْلُہٗ قَالَ قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ قَالَ فَھٰٓؤُلَآءِ لِرَبِّیْ فَمَا لِیْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ شَکَّ الرَّاوِیْ فِیْ عَافِنِیْ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا مجھے ایسا کلام سکھائیے جو میں کہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یوں کہہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ رب العالمین لا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ ترجمہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اللہ بڑا ہے بہت بڑا ہے کثرت سے اُسی کے لیے حمد و ثنا ہے پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر اللہ غالب اور حکیم کے ساتھ۔ اعرابی نے کہا یہ سارے کلمات تو میرے رب کے لیے ہوئے میرے لیے کیا ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا یوں کہہ اللھم یعنی اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما راوی کو لفظ عافنی میں شک ہے کہ حدیث میں یہ لفظ ہے یا نہیں (مسلم)

ا؎ ایک روایت میں العزیز الحکیم کی جگہ العلی العظیم آیا ہے اعرابی نے کہا کہ یہ الفاظ تو خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا ہوئی میرے لیے کیا ہوا کہ میں اپنے لیے دعا کروں اور اپنے لیے خیر طلب کروں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعِبَادِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سوکھے ہوئے پتوں والے درخت کے پاس سے گزرے آپ نے اس درخت کو اپنے عصا شریف سے مارا تو اس درخت کے پتے جھڑ گئے آپ نے فرمایا بے شک الحمد للہ و سبحان اللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا پڑھنا بندے کے گناہوں کو اس طرح گراتا ہے جس طرح اس درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قَالَ مَكْحُوْلٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ كَشَفَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ بَابًا مِّنَ الضُّرِّ اَدْنَاهَا الْفَقْرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت مکحول سے روایت ہے وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کر کیونکہ بے شک یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں جو شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا ہے اور ساتھ یہ بھی پڑھتا ہے لامنجا من اللہ الا الیہ تو اللہ تعالیٰ اس سے تکلیفوں کے ستر دروازے کھول دیتا ہے (ستر تکلیفیں دور کر دیتا ہے) ان میں سے سب سے چھوٹا دروازہ فقر اور محتاجی کا دروازہ ہے۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ

اور کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے

اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَّ مَكْحُوْلٌ	متصل نہیں ہے اور مکحول نے ابوہریرہ سے یہ
لَمْ يَسْمَعْ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔	حدیث نہیں سنی ہے

لہ حضرت مکحول شامی علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۲ کیونکہ اس میں نفس کے حیلے اور اس کی توانائی سے برات کا اعلان ہے کیونکہ نفس کے حیلے اور اس کی توانائی فنا اور توکل کے راستے پر چلنے میں رکاوٹ ہے۔ شیخ امام قطب ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے اپنے سفر حیات کے دوران ایک مرد خدا کی صحبت نصیب ہوئی اس نے مجھے وصیت کی کہ نیک اقوال میں اچھے اعمال پر کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے بڑھ کر کوئی قول زیادہ ممد ومعاون نہیں کیونکہ اس کلمے کے ذریعے بندہ اپنے نفس سے بھاگتا اور خدا کی طرف جاتا ہے اور اس کے فضل کو مضبوطی سے تھامتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی جس شخص نے خدا کی ذات کو مضبوطی سے تھام لیا تو اسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت نصیب ہوگئی۔ ابوالحسن شاذلی کا کلام ختم ہوا۔

۳ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہے نہیں ہے گناہ سے بچنے کا کوئی حیلہ اور نہ اطاعت اور فرمانبرداری کی توانائی مگر خدا کی توفیق سے۔

۴ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے گریز اور فرار مگر اس کی طرف۔ بعض روایتوں میں یہاں منجا کی جگہ ملجا بھی آیا ہے۔ لفظ منجا منصوب ہے اور لفظ ملجا ممدود ہے۔

۵ ذہبی نے کاشف میں فرمایا کہ مکحول حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ سے بھی بطریق ارسال روایت کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِّنْ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ دَاءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ایک کم سو بیماریوں کی دوا ہے ان میں سب سے کم فکر اور پریشانی لہ کی بیماری ہے۔

لہ فکر اور پریشانی سے طریقت اور باطن کی فکر مراد ہے یعنی نفس میں گرفتاری کی فکر خود بینی اور خود پرستی کی فکر اور فرق غنی کی بیماری یا ہر باطنی وظاہری فکر وتشویش مراد ہے اور یہ مراد لینا زیادہ ظاہر ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے ایسا کلمہ نہ بتاؤں لہ جو عرش کے نیچے جنت

تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالَى أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

کے خزانوں میں سے ہے وہ کلمہ یہ ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے اسلام قبول کیا میری فرمانبرداری کی اور ساتھ اعتقاد و اخلاص میں میری اطاعت اختیار کی اور اس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیا۔ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

لہ جو کہ خدائے سبحانہ کی قدرت اس کی عظمت اور اس کی خاص کبریائی کا مقام ہے۔

ٹہ بعض نے فرمایا یہاں حدیث میں لفظ اسلم واستسلم دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور مقصود تکرار و تاکید ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هِيَ صَلوٰةُ الْخَلَائِقِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَلِمَةُ الشُّكْرِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَسْلَمَ وَاسْتَسْلَمَ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لفظ سبحان اللہ ساری مخلوق کی عبادت ہے[1] اور کلمہ الحمد للہ کلمۂ شکر ہے لا الٰہ الا اللہ کلمۂ اخلاص اور اللہ اکبر بھر دیتا ہے[2] آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کو اور جو بندہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بندے نے میری فرمانبرداری اختیار کی اور اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیا۔ (رزین)

لہ یعنی یہ کلمہ ساری مخلوق کی صلوٰۃ و عبادت ہے کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ کی قائل ہے اور سب اس کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا وان من شئی الا یسبح بحمدہ (کوئی چیز نہیں مگر وہ اس کی تسبیح اور حمد کرتی ہے) دوسری جگہ فرمایا کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ یعنی ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کو جانتی ہے اور یہ نماز و تسبیح یا تو زبان حال سے کرتی ہے یا زبانِ قال سے۔

ٹہ کیونکہ لفظ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ کی بڑائی و عظمت کو محیط و شامل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کے لفظ سے سارا عالم مراد ہو۔

بَابُ الْاِسْتِغْفَارِ وَ التَّوْبَةِ

معافی مانگنے اور توبہ کا باب

لغت میں استغفار کا معنی طلب غفر ہے۔ غفر کا معنی چھپانا۔ اور شرع میں گناہ پوشیدہ کرنے کی طلب کرنا اور گناہوں کو بخشنا۔ لغت میں توبہ کا معنی رجوع آنا ہے۔ شرع شریف میں توبہ کا معنی ہے معصیت سے رجوع کرنا اور اس سے پشیمان ہونا ایسے مضبوط ارادے کے ساتھ کہ دوبارہ گناہ کی طرف نہیں جائے گا کبھی توبہ کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف بھی کرتے اور کہتے ہیں تاب اللہ علیہ یعنی خدائے تعالیٰ نے رحمت اور توفیق توبہ سے اُس کی جانب رجوع فرمایا یا شدت سے نرمی کی جانب رجوع فرمایا یا رکاوٹ سے اجازت کی جانب رجوع فرمایا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا توبہ کسے کہتے ہیں فرمایا گناہ کو بالکل بھلا دینا توبہ کہلاتا ہے یعنی دل سے گناہ کا مٹھاس اس طرح مٹ جائے گویا کہ وہ گناہ کو پہچانتا ہی نہیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ توبہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا توبہ یہ ہے کہ تو گناہ کو بالکل فراموش نہ کرے جیسا کہ کتاب تعرف میں ہے۔ شرح تعرف میں فرمایا کہ حضرت سہل تستری نے مریدین کے حال کی جانب اشارہ فرمایا کیونکہ مریدین خوفِ سزا اور زیادتی مجاہدہ کے تحت اپنے گناہ کو کبھی نہیں بھولتے۔ اور حضرت جنید نے اپنے قول میں محققین کی توبہ کا بیان کیا۔ کہ وہ دوام ذکر اور دل پر عظمتِ خدا کے غلبے کی وجہ سے گناہ کو بالکل یاد ہی نہیں کرتے کیونکہ حالت وفا میں جفا کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں ہوتا بعض نے کہا گناہ کو بھول جانے سے مراد یہ ہے کہ بندہ گناہ کی طرف دوبارہ نہ آئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں ایک دن میں اللہ سے ستر دفعہ بخشش مانگتا اور اُس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری)

وَعَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت[1] اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک امر واقع یہ ہے کہ میرے دل پہ بھی پردہ سا چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(مسلم)

[1] ہمزہ کی زبر اور غین کی زبر۔ راء مشدد سے۔ مزنی میم کی پیش زا کی زبر۔ یہ قبیلہ مزینہ کی طرف منسوب ہے یہ عرب کا مشہور قبیلہ ہے۔ آپ صحابی ہیں اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں بعض نے انہیں اہل بصرہ میں شمار کیا ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ لیغان آیا ہے جو غین سے نکلا ہے غین بمعنیٰ بادل۔ صراح میں فرمایا غین بمعنیٰ ابر و تیرگی بعض نے کہا کہ غین باریک بادل کو کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ علماء و عرفاء اس حدیث کا معنیٰ بیان کرنے میں بڑے حیران اور سرگرداں ہیں اور یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ وہ حیران و پریشان ہوں کیونکہ کسی بھی شخص کی مجال نہیں کہ وہ قلب مصطفوی کی حقیقت کے بارے میں کچھ جان سکے اور اُن حالات کے بارے میں کچھ بیان کر سکے جو آپ کے قلب اطہر کو عارض ہوتے ہیں۔ اس بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے یا کہا جاتا ہے ظن و تخمینے سے ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ کوئی شخص کشف و یقین کا ہی دعویٰ کیوں نہ کرے ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض محققین عارفین کے باطن میں حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور مبین کا پرتو پڑتا ہے۔ واللہ اعلم

پس بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ آپ کے دل پر پردے کا آنا دنیا و آخرت میں اُمت کے متعلق غم اور پریشانی کی وجہ سے تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے جانے کے بعد بھی اُمت کے حالات سے واقف تھے اور حضور علیہ السلام اُن کے لیے توبہ و استغفار کرتے تھے۔ لیکن لفظ اتوب الیہ جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔ اس معنیٰ کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح آئندہ حدیث میں بھی آ رہا ہے کہ اے لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کیا کرو کہ بے شک میں بھی اس کے سامنے دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ اسے سمجھو۔

شاید یہاں توبہ سے بھی یہ مراد ہو کہ آپ اُمت کے لیے توبہ نصیب ہونے کی توفیق طلب کرتے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ دل پر پردہ چھانے سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکہ اُمت کے کاروبار اور اُن کے بہتری کے کاموں میں جیسے رشد و ارشاد انہیں ہدایت دینا اپنی بیویوں کے ساتھ خلط ملط کھانا پینا اور دشمنان دین سے جنگ و جہاد میں مصروف رہتے تھے اور یہ باتیں ایسی تھیں جو آپ کے دل کو کمال جمعیت و حضور سے ذرا ہٹاتی تھیں۔ اگرچہ یہ بھی اعظم طاعت و اشرف عبادت تھیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علو مقام اور رفعت درجہ اور بارگاہ الٰہی میں منفرد حیثیت کی بناء پر اور حضور کے غلو میں قلب اور بلندی ہمت

کی وجہ سے آپ اتنے سے تعلق کو بھی گویا گناہ تصور کرتے اور اس سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہوتے ہیں"۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ پردہ انوار کا پردہ تھا اغیار کا پردہ نہ تھا اور یہ اشارہ ہے اُس جانب جو بعض عارفین نے کہا ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب شریف کی یہ حالت تھی کہ ہر گھڑی صفات حق کے انوار آپ کے دل پر پڑتے تھے اور آپ ہر آن اُن تجلیات میں ترقی کرتے چلے جاتے تھے۔ جب آپ اوپر کے درجے میں پہنچتے تو نیچے والے درجے کو اپنے لیے گناہ کی طرح خیال کرتے۔ اس وجہ سے آپ اُس نچلے درجے میں ہونے سے استغفار کرتے تھے آپ کے قلب شریف کا حال دائماً اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور آپ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار تو گویا ذات کے لیے حجاب ہیں اگرچہ یہ حجابات نورانی ہیں اور اسی جانب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس قول مبارک میں ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

اس مقام میں سب سے بلند ترین کلام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے جبکہ اُن سے اس حدیث کا معنیٰ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اے پوچھنے والے اگر تو کسی دوسرے کے قلب کے متعلق پوچھتا تو میں کچھ کہتا اور بیان کرتا جو میں جانتا مگر قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بارے میں دم بھی نہیں مار سکتا کہ وہ کیسا ہے۔ بلکہ آپ کے قلب انور کا حال متشابہات میں سے ہے کہ اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اصمعی کو خیر و برکت عطا کرے کہ وہ نہایت ادب و اجلال اور تعظیم و حرمت کے راستے پر چلے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا دل مبارک اللہ تعالیٰ کی وحی اور قرآن اترنے کی جگہ تھی۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم اس مقام میں دو طریقوں پر چلیں گے۔ ایک یہ کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ جب کہ قلب مصطفوی صلی اللہ علیہ السلام تمام ترین کامل ترین روشن ترین اور سب سے عارف ترین دل تھا اور اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریعت کی تشریع اور سنت کی تاسیس میں مصروف ہوتے تھے اور آپ کو آسانی اور نیچے کے مقام کی طرف ان ضروریات کے لیے نیچے اُترنا پڑتا تھا اور بعض دفعہ نفس کی لذتوں کے امتحان میں بھی گزرنا پڑتا تھا۔ احکام شریعت کی وضاحت کے لیے اور بشریت کے جائز تقاضوں کو بیان کرنے کے لیے۔ جب آپ ان شرعی مقاصد کے تحت بشری تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے نیچے کی طرف اترنا پڑتا تھا تو اس وجہ سے آپ کے اصل بلند مقام کی نسبت سے آپ کے دل مبارک پر کچھ کدورت سی آجاتی تھی اور کمال نورانیت میں ذرا سا غبار محسوس ہوتا تھا کیونکہ کوئی چیز جتنی زیادہ رقیق اور جتنی زیادہ صاف ہوگی اتنے ہی اُس پر ظاہر کا اثر زیادہ جلدی نمایاں ہوگا۔ اور حضور نبی پاک علیہ السلام جب اپنی اس حالت کو دیکھتے تھے تو اسے گناہ شمار کرتے تھے اور اس سے توبہ و استغفار کرتے تھے اور اسی وجہ سے جب آپ وضو خانے سے باہر تشریف لاتے تھے زبان مبارک سے غفرانک کہتے تھے کیونکہ ایسے مقام میں آپ زبان سے ذکر نہیں کرسکتے تھے

یہاں دوسرے طریقے سے ہم یوں کہتے ہیں جبکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو تمام عالمین سے برگزیدہ کیا۔ اور ان کی طرف بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی چاہا کہ آپ لوگوں کے درمیان رہیں تاکہ لوگ آپ سے نفع حاصل کر سکیں۔ اس وقت تک کہ لوگ تمام و کمال ارشاد و ہدایت و تکمیل کے مقام کو پالیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر اس حالت میں رکھا جاتا تھا تو آپ کو حضور و تجلیات الٰہیہ کی فراغت اور فرصت نہیں ملتی تھی۔ بلکہ آپ کو منکر کے سمجھانے اور جاہل کو تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آتی تھی پس حکمت الٰہی نے اس امر کا تقاضا کیا کہ اس فریضہ ہدایت کو ادا کرنے کے لیے آپ کے دل پر انوار ذات کے آگے کچھ حجاب اور پوشیدگی آپ کے قلب شریف کے لیے پیدا کی جائے تاکہ آپ اس جہاں کے ساتھ مشغول رہ سکیں اور لوگ آپ سے مکمل طور پر حصہ اور نفع حاصل کریں تو حضور علیہ السلام اپنے حال کی نسبت سے اس حالت میں رہنے کو گویا گناہ جانتے اور اس سے استغفار کرتے تھے یہ امام تورپشتی کے کلام کا خلاصہ ہے۔ ان کی بیان کردہ پہلی وجہ پہلے معنی کی جانب رجوع کرتی ہے اور وجہ ثانی کا رخ بھی اسی جانب ہے۔

علامہ طیبی نے بھی اس مقام پر دو وجہیں بیان کی ہیں۔ شیخ الوقت شہاب الدین سہروردی نقل فرماتے ہیں کہ ان کی ثانی وجہ دوسری دو وجہوں کے زیادہ قریب ہے جو تورپشتی نے ذکر کی ہیں۔ اور رسالہ مرج البحرین میں یہ تمام وجوہ میں نے احسن طریقے سے بیان کر دی گئیں ہیں۔ اس فقیر (عبدالحق) ضعیف کے نزدیک اصمعی کا کلام سب سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّىْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو بے شک میں دن میں سو بار اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔
(مسلم)

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِىْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِىْ اِنِّىْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِىْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بیان میں سے جو اللہ کی طرف سے روایت کیا جاتا ہے یہ بھی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو بے شک میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کر دیا ہے۔ اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا

اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ جسے میں ہدایت دوں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر وہ جسے میں کھانا دوں تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جسے میں لباس عطا کروں پس تم لوگ مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہیں لباس دوں گا۔ اے میرے بندو بے شک تم لوگ گناہ کرتے ہو رات میں بھی اور دن میں بھی اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا اے میرے بندو، بے شک تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو بھی تم مجھے پہنچانا چاہو اور اگر تم ہرگز مجھے نفع نہیں پہنچا سکتے جو بھی مجھے نفع پہنچانا چاہو اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے تمہارے پچھلے تم میں سے انسان اور تم میں سے جن سب کے سب کسی اعلیٰ ترین مرد کے اعلیٰ درجہ کے تقویٰ والے دل پر ہو جائیں یا تم میں سے کوئی اس حالت کا ہو جائے تو یہ بات میرے ملک میں کسی چیز کو بڑھا نہیں سکتی۔ اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے انسان، تمہارے جن ایک فاسق ترین آدمی کے دل کی حالت پر ہو جائیں یا تم میں سے کوئی ایک اس کی حالت پر ہو جائے تو اس سے میرے ملک میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہو سکتی اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے تمہارے پچھلے تمہارے انسان اور تمہارے جن ایک روئے زمین پر کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے

اُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوال کریں جو وہ چاہیں اور میں ہر ایک انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کردوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی مگر اتنی کمی کہ اگر کوئی شخص سمندر میں سوئی داخل کرے اور اس سے جو پانی لگ کر باہر آئے اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جن کو میں گن رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ تو وہ شخص جو خیر کو پائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو شخص اس کے سوا کچھ اور پائے تو وہ نہ ملامت کرے مگر اپنے نفس کو ہی۔ (مسلم)

لہ یعنی میں نے اپنی ذات سے ظلم کو بالکل ہی سلب کر رکھا ہے یہ اس امر سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے بالکل منزہ و مقدس ہے۔ حرام کرنے کا ذکر اگلی عبارت کے ساتھ مناسبت کی بناء پر ہے یعنی میں نے اسے تمہارے اندر بھی حرام کیا ہے۔

سلہ یعنی حد اعتدال و انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

سلہ یعنی سب کچھ میری طرف سے ہے۔ چاہے دینی نعمت ہو جیسے ہدایت۔ چاہے دنیا کی نعمت ہو جیسے خوراک لباس۔ مگر پہلی نعمت بعض انسانوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسری سب کو عام ہے۔ پس یہ سوال وارد نہ ہوگا کہ الا من کسوتہ فاستکسونی اکسکم۔ استثناء کا تعلق کس سے ہوگا حالانکہ وہ سب کے لیے ثابت ہے اور اس سے کوئی محروم نہیں۔ طیبی نے کہا یہاں طعام اور لباس سے رزق و دولت میں فراخی مراد ہے۔ اے مجھ

سکہ یہاں حدیث میں تبلغوا آیا ہے تا کی پیش اور با ساکن طاء کی زیر۔

شہ یعنی نافرمانی کرکے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہاں حدیث میں لفظ ضر آیا ہے ض کی پیش اور زبر سے یعنی نقصان پہنچانا یہ لفظ نفع کی ضد ہے جبکہ ض پر پیش ہو۔ اور اگر ض پر زبر ہو تو پھر یہ مصدر ہے۔ جیسا کہ قاموس میں فرمایا اور کتاب مشارق میں فرمایا کہ ضر کے ساتھ جب نفع کا لفظ آیا ہو تو ض پر پیش ہی پڑھی جاتی ہے۔

سلہ یعنی فرمانبرداری کر کے تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور بندوں کی معصیت سے درگاہ صمدیت حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور نہ فرمانبرداری سے اسے کوئی نفع اور کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دونوں صورتوں میں بندوں کا ہی نفع اور نقصان ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْاَلُ فَاَتٰى رَاهِبًا فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اَلَهٗ تَوْبَةٌ قَالَ لَا فَقَتَلَهٗ وَجَعَلَ يَسْاَلُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِئْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَ كَذَا فَاَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلٰٓئِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى هٰذِهٖٓ اَنْ تَقَرَّبِيْ وَ اِلٰى هٰذِهٖٓ اَنْ تَبَاعَدِيْ فَقَالَ قِيْسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ اِلٰى هٰذِهٖٓ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ایک کم سو انسانوں کو قتل کیا پھر وہ مسئلہ پوچھنے[1] نکلا تو وہ ایک راہب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے[2] اس نے کہا تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر اس نے پوچھنا شروع کر دیا تو ایک آدمی نے اس سے کہا کہ فلاں فلاں[3] بستی میں جاؤ وہ اُدھر چل پڑا اور راستے میں ہی اسے موت[4] نے آلیا۔ تو اس آدمی نے اپنا سینہ گھسیٹ کر اس بستی کے نزدیک کیا پھر اس کی موت واقع ہو گئی تو اس بندے کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی طرف وحی بھیجی کہ تو قریب ہو جا اور اس زمین کی طرف وحی بھیجی کہ دور ہو جا۔ پھر فرمایا ان دونوں کے درمیان پیمائش کرو تو وہ بندہ صرف ایک بالشت اس بستی کے قریب پایا گیا تو اسے بخش دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

۱ے کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا وہ خدا سے مغفرت کی دعا کر سکتا ہے اور استغفار کر سکتا ہے۔ پہلا نسخہ اگلے قول کہ وہ ایک راہب کے پاس آیا زیادہ مناسب ہے۔

۲ے یہاں حدیث میں لفظ اَلَہٗ توبۃ آیا ہے۔ بعض نسخوں میں الکَ توبہ آیا ہے اور یہ اگرچہ معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے مگر روایت کے لحاظ سے پہلا لفظ زیادہ صحیح ہے۔

۳ے جو کہ رحمت کی جگہ ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس بستی میں ایک عالم ہے جو تیری مشکل حل کرے گا۔

۴ے یعنی موت کی علامات ظاہر ہو گئیں۔

۵ے یعنی اپنے سینے کو زمین پر گھسیٹا اور اس جانب قریب ہوا جدھر وہ جا رہا تھا یہاں حدیث میں لفظ ناء بصدرہ آیا ہے یعنی سینے سے کسی جانب اٹھ کنا۔

ےہ رحمت کے فرشتے کہتے تھے کہ یہ مرحوم مغفور ہے اور عذاب کے فرشتے کہتے تھے کہ یہ مغضوب و معذب ہے۔

ے یعنی اس بستی کی طرف جدھر یہ جا رہا تھا کہ تو اس کے نزدیک ہو جا۔

ے یعنی ظلم والی بستی سے فرمایا جس سے وہ ہجرت کرکے جا رہا تھا کہ تو میت سے دور ہو جا۔

ے۹ اس حدیث میں رحمت الٰہی کی وسعت کمال درجہ بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مغفرت کی بڑی اُمید رکھنی چاہیے مگر اس کے لیے توبہ و استغفار میں صدق نیت ضروری ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ	فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس
وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ	ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے
لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ	اگر تم لوگ گناہ نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائیگا
بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ يُّذْنِبُوْنَ	اور ایسی قوم لائے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ
فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔	سے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش[1]
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	دیں گے۔ (مسلم)

ے۱ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا بندے کے گناہوں کو بخشنا اور معاف کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم عفو و غفور کے تقاضے کا اظہار فرمائے۔ بیت

گر جرم ز بندگان نیاید عفو تو جمال کے نماید

ترجمہ۔ اگر بندوں سے جرم صادر نہ ہو تو تیرا عفو کیسے اپنا جمال دکھائے۔

اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ مغفرت چاہتا ہے کہ لوگ اس کے حضور توبہ و استغفار کریں اس سے مراد گناہوں پر دلیر کرنا نہیں ہے اور نہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ گناہ کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ نے گناہوں سے روکا ہے اور پیغمبروں کو بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو گناہوں سے باز رکھنے والے سمجھو اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضؓ قَالَ قَالَ	حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ
اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ	تعالیٰ رات کو اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن کو
لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ	برائی کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے۔ اور دن کو اپنا
يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ	دست رحمت پھیلاتا ہے[1] تاکہ رات کے وقت برائی

بِاللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرنے والوں کی توبہ قبول کرے۔ اللہ تعالٰی ایسا ہی کرتا رہے گا یہاں تک کہ مغرب سے سورج طلوع کریگا۔ (مسلم)

لہ ہاتھ پھیلانا مغفرت کی وسعت اور اظہار کرم سے کنایہ ہے۔

ٹہ اس کا بیان کتاب کے آخر میں علاماتِ قیامت کے بیان میں آئے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور خدائے تعالٰی کی رحمت کی جانب رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اُس کی توبہ قبول کرتا اور اپنی رحمت سے اُس کی جانب رجوع کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرے گا اللہ تعالٰی اُس کی توبہ قبول کرے گا اور اُس پر اپنا فضل و کرم فرما دے گا۔ (مسلم)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندے کی توبہ سے انتہائی خوش ہوتا ہے جبکہ وہ اُس کے حضور توبہ کرتا ہے۔ اُس کی خوشی اس آدمی سے زیادہ ہوتی ہے جس کی سواری جنگل میں گم ہو گئی اور اُس سواری پر اُس کا کھانا اور پانی تھا اور وہ اُس سواری کے دستیاب ہونے سے مایوس ہو گیا تو وہ ایک درخت کے نیچے آیا اور اُس کے سایہ کے

ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ إِذْ هُوَ قَائِمَةٌ عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نیچے سو گیا اس حالت میں کہ وہ اپنی سواری سے ناامید ہو چکا تھا وہ اسی مایوسی کی حالت میں ہوتا ہے کہ اچانک اس کی وہ سواری اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ اُس کی مہار پکڑ لیتا ہے پھر وہ بندہ شدت خوشی سے بول اٹھتا ہے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں یہ خطا وہ انتہائی خوشی[1] کی وجہ سے کرتا ہے۔ (مسلم)

[1] یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ وہ یوں کہتا کہ تو میرا پروردگار اور میں تیرا بندہ مقصود تو یہ تھا کہ انتہائی رضائے حق کو بیان کرے اور اس بات کی تشریح ہے کہ ایک شخص جو اپنی گم شدہ اور بھاگی ہوئی چیز کو پا کر بہت ہی خوش ہوتا ہے اور بندہ گنہگار اللہ تعالیٰ سے بھاگا ہوا بندہ ہے اور اُس کا توبہ کرنا اس طرح ہے جیسا کہ بھاگا ہوا غلام واپس دروازے پر آ جائے۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي فَقَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بندہ گناہ کرتا ہے تو کہتا ہے اے میرے رب میں نے گناہ کیا پس اس گناہ کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ایسا ہے جو گناہ بخش دیتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا پھر بندہ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ٹھہرا رہتا ہے یعنی گناہ نہیں کرتا پھر گناہ کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے اے میرے رب میں نے گناہ کیا پس اُسے بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ہے جو اُس کا گناہ بخش دے اور جو اس کی گرفت بھی کر سکتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا پھر بندہ جب تک اللہ چاہتا ہے ٹھہرا رہتا ہے یعنی گناہ نہیں کرتا پھر بندہ گناہ کرتا ہے تو عرض کرتا ہے اے میرے رب مجھ سے

أَعَلِمَ عَبْدِیْ أَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَآءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور گناہ ہوگیا تو میرے ۱ سے وہ گناہ بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کا گناہ بخش دیتا ہے اور اسے گرفت میں بھی لا سکتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ بندہ جو چاہے کرے ۲۔ (بخاری و مسلم)

۱ اس مرتبہ لفظ لی آیا ہے اور بعض نسخوں میں اول اور دوم مرتبہ بھی لفظ لی موجود ہے مگر صحیح نسخے میں اسی طرح ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

۲ اس سے مقصود استغفار کی فضیلت کا بیان اور یہ ظاہر کرنا مراد ہے کہ استغفار مغفرت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بندہ جتنے چاہے گناہ کرے۔

وَ عَنْ جُنْدُبٍ ۱ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَ اللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَتَأَلّٰى عَلَیَّ أَنِّیْ لَا أَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَإِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَ أَحْبَطْتُ عَمَلَكَ أَوْ كَمَا قَالَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جندب ۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص ۲ نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں کو نہیں بخشے گا اور بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون شخص ہے جو میرے اوپر قسم ڈالتا ہے ۳ کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا بے شک میں نے بخش دیا فلاں کو اور بے شک تیرے سارے عمل ضائع کر دیئے ۴۔ یا جیسا حضور علیہ السلام نے فرمایا ۵۔ (مسلم)

۱ جیم کی پیش نون ساکن دال کی پیش اور زبر یہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے آپ اکابر و زاہد صحابہ میں سے ہیں۔ جندب بعض دوسرے صحابہ کا نام بھی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت ابو ذر مراد ہیں۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ وہ فلاں شخص اپنے فسق و گناہ پر اڑا ہوا تھا اور اس مرد نے فضول کلام کیا اور یہ قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا۔

۳ یہاں حدیث میں لفظ یتالّی آیا ہے یعنی ہمزہ اور لام مشدد کا کسرہ۔ یہ لفظ ایلاء سے بنا ہے بمعنی قسم کھانا۔

۴ یہاں اس مرد سے خطاب ہے جس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو نہیں بخشے گا۔ یا اس سے مراد اس کا قسم والا یہ عمل مراد ہے یعنی میں نے تجھے جھوٹا قرار دیا اور میں نے تیری قسم کو باطل کر دیا۔ اور میں نے اس کو

بخش دیا۔

ؒ یا راوی نے کہا۔ ایسے الفاظ وہاں کہے جاتے ہیں جہاں راوی کو بعین ہی حدیث کے الفاظ محفوظ نہ رہے ہوں۔ سلہ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں اُس شخص کو ڈانٹا گیا ہے اور حقیقت پسندی کا راستہ بتایا گیا ہے جو فاسق اور بدکار کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اللہ اُسے نہیں بخشے گا بلکہ اُسے پکڑ لے گا۔ یہی کہا گیا ہے۔ بیت۔

نا امید مکن از سابقۂ روز ازل　　تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب است و کہ زشت

ترجمہ۔ روز ازل میں جو کچھ ہو چکا ہے مجھے اس سے نا اُمید نہ کر کہ اے مخاطب تو نہیں جانتا کہ پردے کے پیچھے اچھائی ہے یا برائی۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ قَالَ وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَ هُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت شدادؓ ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے اللھمؐ انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وان عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علی۔ فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص یہ کلمات یقین سے پڑھ لیتا ہے اور وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور جو شخص ان کلمات کو رات کے وقت پڑھتا ہے، ان پر یقین رکھتے ہوئے اور وہ پھر صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔

(بخاری)

سلہ پہلے شین مشدد کے ساتھ اور ہمزہ کی زبر واو ساکن۔ آپ انصاری صحابی ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت کے بھتیجے ہیں یہ اور ان کے باپ دونوں صحابی ہیں۔

سلہ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود حق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے اور جو شر بھی تو نے بنایا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں میں اعتراف کرتا ہوں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اور میں اپنے گناہ کا بھی اعتراف کرتا ہوں تو مجھے بخش دے بے شک کوئی نہیں بخشنے والا مگر تو۔

سلہ یعنی میں تیری عبودیت کے عہد پر قائم ہوں اور جو وعدہ میں نے تجھ سے کیا ہے اگرچہ میں اسے پورا نہیں کر سکتا اور میں عہد و وعدہ تو نہیں نبھا سکتا مگر تیرے فضل و کرم سے اہل ایمان کے لیے اور تیرے اہل طاعت کے لیے پس میں تیرے عہد پر مقیم اور اعتماد کرنے والا ہوں اور تیرے وعدے کی تصدیق کرنے والا ہوں اور دل باندھے تیری امید کے دروازہ پر بیٹھا ہوں اگرچہ مجھ میں ایسی کوئی عبادت نہیں جو ہونی چاہیے۔

سلہ یعنی میں اتنی پابندی کر سکتا ہوں جتنی مجھ میں استعداد ہے اتنی نہیں کر سکتا جو تیری درگاہ کے لائق ہو۔ اور جس سے میں تیرا حق ادا کر سکوں کیونکہ وہ بشر کی قدرت اور آدمی کی طاقت سے باہر ہے۔

سلہ اور میں تیری ذات کے پاس پناہ لیتا ہوں اس بدی سے جو مجھ سے سرزد ہو چکی ہے۔ اور ان گناہوں سے جو مجھ سے ہوئے ہیں بلکہ اس بندگی اور طاعت سے بھی میں پناہ پکڑتا ہوں کیونکہ میری یہ طاعت معنیٰ حسن و احسان سے خالی ہے اور میری اپنی لیاقت اور قوت کے دعوے کو متضمن ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

میں تیری نعمت کا اعتراف کرتا ہوں جو کہ میرے اوپر متواتر فیضان کی طرح نازل ہو رہی ہے۔

سلہ یعنی ہمیشہ اور دائماً جو گناہ مجھ سے ہوتے ہیں میں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور تیری نعمتوں سے شکر کی کوتاہی کو بھی تسلیم کرتا ہوں یہ معنیٰ دائمی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے۔ نعمت کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور گناہوں کا صدور بندے کی طرف سے ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کب تک میری طرف سے تجھ پر خیر و برکت نازل ہوتی رہے گی اور کب تک تیری طرف سے شرک و کفران صادر ہوتا رہے گا۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور تجھ سے دوستی رکھتا ہوں حالانکہ میں تجھ سے بے نیاز ہوں اور تو مجھ سے دشمنی کرتا ہے اور میری معصیت اور نافرمانی کرتا ہے۔ حالانکہ تو میرا محتاج ہے۔

سلہ اس میں غایت درجہ عجز و انکسار اور نہایت درجہ ذلت و محتاجی و انکساری ہے اس لیے اس کو سید الاستغفار کہا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سے معانی جمع ہو چکے ہیں۔ سید اسے کہتے ہیں جو قوم کا سردار و پیشوا ہو۔ سب

حاجتیں اُس کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اس استغفار کا حاصل معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے گناہوں و تقصیرات پر نظر رکھے اور بالکل محتاج و فقیر ظاہر کرے۔ اس لیے کہ اگر اپنے نفس کے عیوب کی تفتیش کرے گا تو اپنے عمل کو ناقص پائے گا کہ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں قربت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اُس کی شان کے لائق ہیں کسی نے کتنا ہی اچھا کہا ہے۔ بیت۔

طاعت ناقص ما موجب غفران نشود   راضیم گر مدد علت عصیان نہ شود

ترجمہ۔ ہماری ناقص طاعات ہماری بخشش کا سبب نہیں بن سکتی۔ ہم راضی ہیں اگر ہمارے گناہوں کو کہیں سے مدد نہ ملے۔

بیت۔ گر طاعت خود نقش کنم بر نانے   واں نان بنہم پیش سگے بر خوانے
واں سگ سالہا گرسنہ در زندانے   از ننگ وراں نزد و دندانے

ترجمہ (۱) اگر میں اپنی طاعت اور فرمانبرداری کا کسی روٹی پر نقش بنادوں اور وہ روٹی کتے کے آگے رکھ دوں تو وہ کتا اگر سال بھر بھی قید میں پڑا رہے اور وہ روٹی اس کے سامنے ہو تو شرم کے مارے اُس روٹی کو دانت نہ لگائے اللہ تعالیٰ اس کہنے والے پر رحم فرمائے۔

اور اگر فرضاً کوئی عمل خالص بھی ہو جائے گر حال صحیح نہ ہو جب اُس کا وقت صاف اور ٹھیک ہو تو بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا مشاہدہ کرتا ہے اپنی طرف سے نہیں جانتا اور اُس پر مغرور اور دھوکے میں نہیں آتا۔ اور اپنے آپ کو اہل و مستحق نہیں سمجھتا۔ پس بندہ ہمیشہ اپنے عمل کے عیبوں کو دیکھتا رہتا ہے اُس کے بالمقابل خدا کے فضل پر نگاہ رکھتا ہے۔ بندے کا یہ حال اعلیٰ درجے کا عرفان اور بہت ہی نفع اور سلامتی والی حالت ہے۔ بندہ اس کے باوجود حق تعالیٰ کے وعدے کو مضبوطی سے تھامے اور اُس کے عہد کو مضبوطی سے باندھے۔ اُس کی علامت یہ ہے کہ بندہ عہد عبودیت کو پورا کرنے میں ثبات واستقامت دکھائے اور عبودیت کے حقوق ادا کرنے میں پوری کوشش کرتا ہے اب اس کے بعد حضور علیہ السلام سید الاستغفار کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جو شخص یہ کلمات دن کو پڑھتا ہے اِلیٰ آخرہٖ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ	دوسری فصل
عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے بے شک

إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَ رَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ وَلَا أُبَالِي يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ لَقِيتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

تو جب تک مجھ سے دعا کرے گا اور مجھ سے امید رکھے گا تو میں تجھے بخش دوں گا اُس کے باوجود جو کچھ تیرے اندر ہو گا[1]۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں[2] اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان کے اوپر کے کناروں[3] تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اے آدم کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملاقات کرے گا زمین جتنے گناہوں کے ساتھ پھر تو مجھے ایسے حال میں ملے کہ تو نے مجھ سے کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہو گا تو میں زمین جتنی مغفرت لے کر تیرے پاس[4] آؤں گا۔ اسے ترمذی ؒ ابو داؤد اور دارمی نے ابو ذر سے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی تیرے گناہ۔

[2] کہ کوئی یہ کہے کہ جو شخص گنہگار و لائق سزا تھا اسے کیوں بخش دیا۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ عنان آیا ہے عین کی زبر سے بمعنیٰ ابر اور ابر کی نسبت بلندی میں مبالغے کے لیے کی جاتی ہے۔ ایک روایت میں عنان عین کی زیر سے بھی آیا ہے بمعنیٰ وہ چیز جب تو اوپر کو سر اٹھائے تو تجھے آسمان میں نظر آئے اور تو اس کی جانب دیکھے اور اعنان بمعنیٰ ادر گرد جمع عنن بھی ایک روایت ہے۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ قراب آیا ہے ق کی زیر یا پیش سے بمعنیٰ ایسی چیز جو مقدار میں دوسری کے قریب ہو پس قراب ارض بمعنیٰ زمین کے بھرے ہوئے ہونے کے قریب۔

کتاب مشارق میں فرمایا کہ قراب ق کی زیر سے چمڑے کے بنے برتن کو کہتے ہیں جس میں تلوار یا نیام یا چھری اور تازیانہ وغیرہ رکھتے ہیں اور مسافر کا توشہ جو ہلکا ہوتا ہے وہ بھی اس میں رکھتے ہیں اور قراب یعنی ق کی پیش سے بمعنیٰ قرب آتا ہے۔ حدیث میں پیش اور زیر دونوں طرح آیا ہے۔ کتاب مشارق کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَلِمَ اَنِّىْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰى مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِىْ مَا لَمْ يُشْرِكْ بِىْ شَيْئًا.

(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو بندہ یہ جانتا ہے کہ میں گناہوں کے بخشنے پر قدرت رکھتا ہوں تو میں اُسے بخش دیتا ہوں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے جب تک کہ اُس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا[1] ہوگا۔

اسے شرح سنہ میں روایت کیا۔

[1] کیونکہ جب وہ جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ گناہوں کو بخشنے پر قادر ہے تو وہ اُس سے اُمید رکھتا ہے اور جو شخص کریم سے اُمید رکھتا ہے تو کریم اُسے محروم نہیں کرتا۔ قدرت کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ کو عذاب دینے کی طاقت بھی ہے اسی لیے وہ بندہ خوف بھی رکھتا ہے اور جو شخص ڈرتا ہے وہ اُس پر رحم کرتا ہے۔ نیز یہ شخص کیونکہ خدائے تعالیٰ اور اُس کی صفتوں پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اس کے شامل حال ہوتی ہے یہاں شرک نہ کرنے کا ذکر ایمان کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے لیے استغفار کو لازم کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ پیدا کر دیتا ہے اور ہر فکر سے اُسے کشادگی عطا کرتا ہے اور اُسے اُس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان نہیں ہوتا[1]۔

احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] اور جہاں سے اُس کو امید نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص استغفار کو اپنے لیے لازم کر لیتا ہے تو اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں وہ متقی کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور متقی کا حال یہی ہے جو ذکر کیا گیا ہے کہ اُسے وہاں سے روزی ملتی ہے جہاں سے کوئی گمان نہیں ہوتا۔

وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے استغفار کر لیا اُس نے گناہ پر اصرار[1] نہ کیا

اسْتَغْفَرَ وَ اِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

اگرچہ وہ دن میں ستر دفعہ گناہ کی طرف لوٹے۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

[1] اصرار معنی کسی حالت پر ہمیشہ رہنا اور کسی چیز پر مقیم ہو جانا گناہ پر اصرار کرنا مذموم ہے اور صغیرہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے پس حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اصرار سے باہر نکل آتا ہے اور بے استغفار گناہ کرنے والا گناہ پر اصرار کر رہا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اصرار کی حد یہ ہے کہ گناہ کو بار بار کرے اور دل میں بے باکی محسوس کرے بہرحال استغفار کرنے سے اصرار کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے اکثر بیٹے خطاکار[1] ہیں اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔ اسے ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ خطاء آیا ہے یہ صیغہ مبالغہ ہے اور اس میں کثرت خطا کا اعتبار کیا گیا ہے ۔ یا یہ معنی ظاہر کرنے کے لیے کہ آدم کا بیٹا بہت ہی خطاکار ہے یاد رہے کہ خطا ثواب کی ضد ہے اسی طرح آدم کا بیٹا برائی اور گناہ بھی کرتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے سوا باقی لوگ خطا سے معصوم نہیں۔ اور اگر خطا میں صغیرہ گناہ بھی شامل کریں جیسا کہ بعض کے قول کے مطابق کہ صغیرے کا صادر ہونا بھی جائز مانتے ہیں اور خطا کو صغیرے میں شامل کرتے ہیں تو اس صورت میں انبیاء بھی اس میں داخل ہوں گے۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَ اسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَ اِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَا قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک کالا نکتہ[1] پڑ جاتا ہے پھر اگر توبہ اور استغفار کر لیتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتا ہے تو یہ وہی میل کچیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے

الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔

اپنے کلام میں فرمایا ہے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون[2]

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

اسے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] یعنی وہ گناہ دل میں سیاہ نکتہ پڑنے کا سبب بن جاتا ہے اور نکتہ بمعنیٰ نقطہ آتا ہے اصل میں نکتہ اس اثر کو کہتے ہیں جو زمین پر چھڑی مارنے سے پیدا ہوتا ہے۔

[2] بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے اُن کے اُن اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (ملتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اس کے گلے میں جان پہنچنے سے پہلے تک۔[1]

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] یعنی جب تک کہ اس کی روح گلے میں نہیں پہنچی ہوئی۔ یہاں حدیث میں یغرغر آیا ہے جو کہ غرغرہ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے آواز کا گلے میں آنا جانا اور جان کا گلے میں پہنچ جانا۔ اصل میں غرغرہ کہتے ہیں گلے میں پانی کو گھمانا اور مرنے کے وقت گلے میں غرغرے کی طرح آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ موت کے حاضر ہو جانے پر توبہ قبول نہیں ہونی چاہیے کفر سے توبہ ہو یا گناہ سے۔ اور آیہ مبارکہ انما التوبہ بھی اس معنیٰ کو ظاہر کرتی ہے مگر بعض علماء اس جانب گئے ہیں کہ موت دیکھ لینے کے وقت گناہ سے توبہ صحیح ہے کفر سے صحیح نہیں ہے۔ پس اُن کے نزدیک وہ ایمان مقبول نہیں جو مایوسی کے وقت بندہ قبول کرتا ہے مگر توبہ مایوسی کے وقت کی بھی مقبول ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَالَ وَ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شیطان نے کہا یا رب مجھے تیری عزت کی قسم ہے میں

عِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِيْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَ ارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ہمیشہ تیرے بندوں کو بھکاتا رہوں گا جب تک اُن کی روحیں اُن کے جسموں میں باقی رہیں گی تو رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اپنے جلال اور اپنے بلند مرتبے کی قسم کہ جب تک میرے بندے مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے میں بھی اُن کو ہمیشہ بخشتا رہوں گا ۔

(احمد)

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ سَبْعِيْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَ ذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ[2] (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ رکھا ہے جس کی چوڑائی ستر سال ہے یہ توبہ کا دروازہ ہے یہ دروازہ بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب کی جانب سے طلوع نہ ہوگا اور یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول مبارک یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانہا لم تکن آمنت من قبل۔ ترجمہ۔ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی یعنی ظاہر ہو جائیں گی تو کسی جان کو اُس کا ایمان نفع نہ دے گا جس نے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] عسال عین کی زبر سین مشدد آپ صحابی ہیں، کوفہ میں سکونت پذیر رہے آپ بارہ جنگوں میں شریک ہوئے۔ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود ان سے حدیث روایت کرتے تھے۔

[2] لیکن اس آیت کا ظاہر یہ واضح کرتا ہے کہ ایمان قبول نہیں ہوتا جو کہ کفر سے توبہ ہے اور حدیث مطلقاً دلالت کرتی ہے کہ اس وقت کسی قسم کی کوئی توبہ قبول نہ ہوگی چاہے کفر سے ہو چاہے گناہ سے ہو جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت ختم نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی اور توبہ منقطع نہ ہوگی

حَتّٰی تَنْقَطِعَ التَّوْبَۃُ وَ لَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِھَا۔

جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو گا۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤدُ وَالدَّارِمِیُّ)

اسے احمد ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں ہجرت سے مراد ہجرت متعارف نہیں جو کہ مکے سے مدینے کی طرف ہو کیونکہ وہ تو منقطع ہو چکی ہے بلکہ ہجرت سے گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دینا مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے یا ہجرت سے وہ مقام مراد ہے جس میں نیک بات کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی قدرت ختم ہو جائے۔ تو بندے کو حکم ہے کہ وہاں سے چلا جائے۔ یہ ہجرت اس وقت منقطع ہو گی جب اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی شریعت ختم ہو گی اور یہ وہ وقت ہو گا جبکہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا کہ اس وقت توبہ قبول نہ ہو گی۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلَیْنِ کَانَا فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مُتَحَابَّیْنِ اَحَدُھُمَا مُجْتَھِدٌ فِی الْعِبَادَۃِ وَالْاٰخَرُ یَقُوْلُ مُذْنِبٌ فَجَعَلَ یَقُوْلُ اَقْصِرْ عَمَّا اَنْتَ فِیْہِ فَیَقُوْلُ خَلِّنِیْ وَ رَبِّیْ حَتّٰی وَجَدَہٗ یَوْمًا عَلٰی ذَنْبٍ اسْتَعْظَمَہٗ فَقَالَ اَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِیْ وَ رَبِّیْ اَبُعِثْتَ عَلَیَّ رَقِیْبًا فَقَالَ وَ اللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکَ اَبَدًا وَ لَا یُدْخِلُکَ الْجَنَّۃَ فَبَعَثَ اللّٰہُ اِلَیْھِمَا مَلَکًا فَقَبَضَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بنی اسرائیل میں دو آدمی رہتے تھے اُن دونوں کی آپس میں بڑی محبت تھی اُن میں سے ایک عبادت میں بڑی کوشش کرتا تھا دوسرا یہ کہتا تھا کہ میں بڑا گناہگار ہوں تو وہ آدمی جو عبادت زیادہ کرتا تھا اُس نے کہا اے گناہ کرنے والے تو اس سے رک جا جس میں تو پڑا ہوا ہے وہ بندہ کہتا تھا مجھے اور میرے رب کو خالی چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ ایک دن اس عابد مرد نے دوسرے کو ایک گناہ میں پایا جو اسے بڑا عظیم محسوس ہوا تو اس سے کہا باز آجاؤ اس نے کہا مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو کیا تو میرے اوپر نگہبان بن کر آیا ہے تو اس عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ بخشے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف فرشتہ

رُدُّوا اَحَدَهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَهٗ فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ وَقَالَ لِلْاٰخَرِ اَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تَحْظُرَ عَلٰى عَبْدِيْ رَحْمَتِيْ فَقَالَ يَا رَبِّ قَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى النَّارِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بھیج دیا فرشتے نے اُن دونوں کی روحیں قبض کریں تو وہ دونوں بندے اُس کے پاس جمع ہوگئے اللہ تعالٰی نے گنہگار سے فرمایا تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تجھ میں طاقت ہے کہ تو میری رحمت میرے بندوں سے روک دے۔ عرض کیا یا رب مجھے یہ طاقت نہیں ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔

(احمد)

لہ اور تو میرے اُوپر نگران بن گیا ہے گویا وہ مرد استغفار کرتا تھا اور اپنے استغفار کو چھپا کر رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ حدیث باب استغفار میں لائی گئی۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ محض اللہ تعالٰی کے فضل و رحمت سے بہشت میں جائیگا تو مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو باب وسعت رحمت میں لایا جاتا جو کہ آگے آئے گا۔

لہ کیونکہ یہ اپنے عمل پر عجب و اعتماد کرتا تھا اور گنہگار کیلئے قادر کریم کی بخشش کی نفی کرتا تھا مگر امید ہے کہ آخر کار یہ عمل والا انسان بھی بخشا جائیگا اور بہشت میں داخل ہوگا بیت

غافل مشو کہ مرکب مردان زہد را در سنگلاخ بادیہ پہا بریدہ اند

ترجمہ۔ تو غفلت اور فریب میں نہ پڑ کہ زہد و پرہیزگاری دکھانے والوں کی سواریوں پر سلوک و طریقت کے پتھریلے صحراؤں میں ڈاکے پڑ چکے ہیں (شیطان انہیں بہکانے میں کامیاب ہو چکا ہے) اور قدرت ازلی فیصلوں کے تحت رحمت و بخشش سے دور پھینک دیے گئے ہیں بیت

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

یعنی ایک ہی بار سچی توبہ کی اور اللہ کی درگاہ میں قبول ہوگئی تو سب ہی حق کی سرت کے امیدوار ہیں اور وہ قادر و مختار ہے۔ بیت

ای سوختہ سوختہ سوختنی وے آتش دوزخ ز تو افروختنی
تاکے گوئے کہ بر عطار رحمت کن حق را تو کئی کہ رحمت آموختنی

ترجمہ (۱) اے جلے ہوئے تو جل رہی رہے گا اور آتش دوزخ تجھ سے ہی روشن ہوگی۔
(۲) تو کب تک کہے گا کہ عطر پر رحمت کر تو کون ہے جو حق کو رحمت کرنا سکھاتا ہے۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پہ زیادتی کی ہے اللہ تعالٰی کی

رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا وَّ لَا يُبَالِيْ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ يَقُوْلُ بَدَلَ يَقْرَأُ.

رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں[2] اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح السنۃ میں یقرأ کی جگہ یقول آیا ہے۔

[1] آپ جلیل القدر انصاری صحابیہ ہیں آپ کا خاندان عقل دین و شجاعت میں مشہور تھا۔ آپ غزوہ تبوک میں شریک تھیں اور آپ نے خیمے کی لکڑی سے ۔۔۔ نو کافروں کو مارا تھا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول مبارک ہے یعنی اللہ تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی جیسا کہ فصل اول میں گزرا کہ اے بندے میں نے تجھے بخشا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا قول ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے تھے اور کوئی ڈر محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ اس مضمون کو چھپاتے تھے۔ تیسری فصل میں حضرت ثوبان کی حدیث کے بیان میں اس کی مزید وضاحت آ رہی ہے۔

[3] چنانچہ وہاں اس طرح روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یاعبادی الذین اسرفوا الی آخرہ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ إِلَّا اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ لَا أَلَمَّا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق کہ الا اللمم[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش[2] دے گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کیا[3]۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

[1] پوری آیت اس طرح ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ یعنی وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور فواحشات سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بے شک تیرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ یعنی صغیرہ اور تھوڑے گناہ۔ تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہوں کے لیے فراخ مغفرت والا ہے

لغت کی کتاب صراح میں آیا ہے لمم بمعنی گناہ صغیرہ کرنا۔

سلے یہاں حدیث میں بڑے گناہ کے لیے لفظ جمّا آیا ہے۔ جیم کی زبر میم کی شد سے بمعنی کبیر وعظیم۔

سلے یعنی تیری شان اور تیرا فضل یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کو بھی بخش دے صغیرہ کیا ہوتے ہیں۔ اور تیرے بندوں میں سے کون ہیں جن سے صغیرہ گناہ نہ ہوا ہو اور تیری شان تو یہ ہے کہ تو گناہ حسنات سے بدل دیتا ہے۔ دراصل یہ اُمیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے جو شعرائے جاہلیت میں سے ہوا ہے۔ یہ شخص اپنے زمانے میں اپنے آپ کو دین دار سمجھتا تھا اور حکمت اور دانائی کی باتیں کیا کرتا تھا حضور علیہ الصلوۃ والسلام اُس کے شعر سنا کرتے تھے اور انہیں پڑھا کرتے تھے اس شخص کے حالات بیان شعر کے باب میں آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام شعر بنا نہیں سکتے تھے دوسرے کے شعر پڑھ سکتے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُ فَسْئَلُوْنِی الْھُدٰی اَھْدِکُمْ وَکُلُّکُمْ فُقَرَآءُ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَسْئَلُوْنِیْ اَرْزُقْکُمْ وَکُلُّکُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْکُمْ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَۃٍ عَلَی الْمَغْفِرَۃِ فَاسْتَغْفَرَنِیْ غَفَرْتُ لَہٗ وَلَا اُبَالِیْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ وَلَوْ اَنَّ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں تو مجھ سے ہی ہدایت مانگو تمہیں ہدایت دوں گا۔ تم سب فقیر ہو سوائے اس کے جسے میں غنی کر دوں تو مجھ ہی سے مانگو میں تمہیں روزی دوں گا اور تم سب گنہگار ہو سوائے اس کے جسے میں سلامتی عطا کروں۔ تو تم میں سے جس نے جان لیا کہ میں بخشش دینے پر قادر ہوں پھر اس نے مجھ سے معافی مانگی تو میں اسے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اگر تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے زندے مردے تر و خشک میرے بندوں میں سے نیک ترین بندے کے دل پر جمع ہو جائیں تو ان کی یہ نیکی میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں بڑھا سکے گی اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر و خشک میرے بندوں میں سے بدبخت ترین دل پر

اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِيْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْكُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِيَّتُهٗ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ اِلَّا كَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ اِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا ذٰلِكَ بِاَنِّيْ جَوَادٌ مَّاجِدٌ اَفْعَلُ مَا اُرِيْدُ عَطَائِيْ كَلَامٌ وَّعَذَابِيْ كَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِيْ لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

جمع ہو جائیں تو اُن کے یہ جرم میرے ملک سے کچھ کے برابر بھی کم نہ کر سکیں گے اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر و خشک ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور پھر تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی تمنا اور آرزو مجھ سے طلب کرے پھر میں ہر مانگنے والے کو دے دوں تو یہ میرے ملک کے مقابل ایسا ہی کم اور تھوڑا ہوگا جیسا تم میں سے کوئی دریا پر گزرے اُس میں سوئی ڈبوئے پھر اُسے اٹھالے[1] یہ اس لیے ہے کہ میں بہت دینے والا ہوں بہت بزرگ[2] ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں[3] میری عطا صرف فرما دینا ہے اور میرا عذاب بھی فرما دینا[4] ہے۔ میرا حکم کسی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب کچھ چاہتا ہوں فرما دیتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اسے احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] اس کلام میں اس چیز کا بیان ہے کہ عافیت گناہوں کے چھوڑنے میں ہے۔ اور ایسی ہی عافیت اتم اور اکمل ہے۔

[2] درحقیقت یہ کنایہ ہے تمام بندوں سے وہ جس صفت پر بھی ہوں جیسا کہ فرمایا (ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین) نہیں ہے کوئی تر اور خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں موجود ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ تر سے نباتات و درخت مراد ہیں اور خشک سے پتھر اور اینٹیں وغیرہ یعنی اگر فرض کر لیں کہ جو کچھ زمین میں ہے یعنی پتھر درخت سب انسان بن جائیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تر اور خشک سے انسان اور جن مراد ہوں کیونکہ انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا۔

اور جن کو آگ سے اور اس معنی کی تائید کرتی ہے حضرت ابو ذر کی وہ حدیث جو فصل اول میں گزری ہے جس میں جکم وانس کم آیا ہے۔

ؔ ظاہر ہے سوئی میں دریا کا پانی کتنا آئے گا ابھی دریا میں بہت پانی ہے اور اس کی کوئی نہایت نہیں ہے یہ سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان کی۔

ؔ وجود میری صفت ذاتی ہے تمام عالم میرے وجود کے آثار انوار سے پُر ہے اور کسی کو عطا کرنے میں میری کوئی غرض وغایت نہیں ہوتی ماسوا اس کے کہ میں بزرگ وکریم ہوں۔ ان معانی کی تفسیر شرح اسمار حسنیٰ میں گزر چکی ہے۔

ؔ یعنی یہ سب جود وکرم میرے ارادہ واختیار سے ہے بندے کے ارادے اور اس کی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

ؔ یعنی ایک ہی بات سے میں یہ سب کچھ کر سکتا ہوں اسباب کا محتاج نہیں ہوں اور نہ میرا کوئی کام اسباب پر موقوف ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب میں کسی کام کے لیے کہتا ہوں کہ ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ یعنی بغیر کسی تاخیر کے داخل یہ کسی کام کے جلد وجود میں لانے کی تمثیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنت الٰہی ایسی ہی جاری ہوئی ہو کہ کسی چیز کو ایجاد کرنے کے لفظ کن فرماتا ہے وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَرَاَ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى فَمَنِ اتَّقَانِيْ فَاَنَا اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ہُوَ اہل التقویٰ واہل المغفرۃ وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے تو جو مجھ سے ڈرے گا میں اس لائق ہوں کہ اسے بخشش دوں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)
وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمار کیا کرتے تھے ایک مجلس میں جس میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے کہ آپ رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور سو بار پڑھتے

مَرَّةً۔

ترجمہ:

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔

حضرت بلال بن یسار[1] بن زید سے روایت ہے جو حضور نبی کریم علیہ السلام کے غلام ہیں فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے میں معافی مانگتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے اور اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اُس کی بخشش کر دی جائے گی اگر چہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَلٰكِنَّهُ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ هِلَالُ بْنُ يَسَارٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

(ترمذی، ابوداؤد)

لیکن ابوداؤد کے نزدیک راوی ہلال بن یسار[2] ہیں اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یسار یا کی زبر غیر مشدد آپ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں اور یہ زید کی صفت ہے۔ یہ زید، زید ابن حارثہ کے علاوہ ہیں۔ آپ زید بن بولی با کی زبر و ساکن سے۔ یہ نوبی کے غلام ہیں صحابی ہیں۔ یہ بلال اور ان کے باپ تابعی ہیں بلال باپ سے روایت کرتے ہیں اور اپنے دادا سے۔

[2] قاموس میں بھی ہلال بن یسار فرمایا مگر مشہور بلال بن یسار ہے۔ اور اکثر کتابوں میں جیسے جامع الاصول اور الکاشف وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بے شک اللہ عزوجل البتہ نیک بندے کا درجہ جنت میں بلند کرتا ہے وہ بندہ صالح عرض کرتا ہے یا رب میرے لیے درجے کی یہ بلندی کہاں سے آگئی ہے اللہ تعالیٰ اس وقت فرماتا ہے تیرے بچے کی تیرے لیے استغفار کی وجہ سے۔ (احمد)

لہ یہ نکاح کے منافع میں ایک نفع ہے اور فوائد نکاح میں سے بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور یہ ان تین چیزوں میں سے ایک ہے جو بندہ مومن کی موت کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے اس تک پہنچتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ کتاب کے ابتدا میں گزرا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہوتا میت قبر میں مگر ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح جو کہ دعا کی انتظار میں ہوتا ہے جو اسے باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے جب ان میں سے کسی کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس میت کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ اہل قبور کے لیے داخل کرتا ہے۔ اہل زمین کی دعائیں پہاڑوں کی مانند بنا کر اور بے شک زندوں کا ہدیہ مُردوں کے لیے ان کے لیے استغفار ہے۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبارک ہے اس

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِلْاِسْتِغْفَارَ کَثِیْرًا۔

شخص کو جو اپنے عمل نامے میں بہت زیادہ استغفار[۲] پائے گا۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَی النَّسَائِیُّ فِیْ عَمَلِ یَوْمٍ وَّ اللَّیْلَۃِ)

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا۔

[۱] یہ اکی جبش میں ساکن۔ آپ صحابی ہیں آپ کے باپ ماں، بھائی بہن سب صحابی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور ان کے لیے دعائے خیر فرماتے تھے آپ نے ملک شام میں قیام فرمایا اور حمص شہر میں وفات پائی۔

[۲] اس سے مطلوب استغفار کی مدح اور اہل استغفار کو بشارت ہے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَ اِذَا اَسَآءُوْا اسْتَغْفَرُوْا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر کہ جب وہ نیکی کریں تو خوش ہوں[۱] اور جب ان سے برا کام ہو جائے تو استغفار کریں۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ)

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں۔

[۱] یعنی توفیق الٰہی کا شکر کرکے خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر خوشی منائیں اور جب برائی ہو جانے کی صورت میں اپنی کوتاہی کو دیکھ کر استغفار کریں تو نیک عمل سے آراستہ نہ ہونے پر پریشان ہوں۔ بزرگ فرماتے ہیں دل کے زندہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جب ان سے نیک عمل ہو تو خوشی محسوس کریں اور جب کوئی برائی ہو جائے تو غمناک ہوں۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَیْدٍ رض قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثَیْنِ اَحَدُھُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ الْاٰخَرُ عَنْ نَّفْسِہٖ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَاَنَّہٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَّخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْہِ

حضرت حارث بن سوید رض سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے۔ اپنی طرف سے جو آپ نے حدیث بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مومن جب اپنے گناہ دیکھتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کے

وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا أَيْ بِيَدِهِ فَذَبَّهُ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِي أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مَهْلَكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِيَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ رَوَى مُسْلِمٌ الْمَرْفُوعَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَحَسْبُ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَوْقُوفَ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ أَيْضًا۔

سے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس پر گر پڑے گا اور بے شک فاجر اور بدکردار اپنے گناہ دیکھتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے جیسے مکھی اس کی ناک کے اوپر سے گزر گئی۔ تو اس مکھی کی طرف یوں اشارہ کیا تو اسے اپنے پر سے اڑا دیا۔ دوسری حدیث جو حضور علیہ السلام سے روایت کی وہ یہ تھی کہ پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی زمین میں اترا جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو اور وہ بیابان ہو۔ اس کے ساتھ اس کی سواری ہو سواری پر اس کا کھانا پینا ہو، اس نے اپنا زمین پر سر رکھ دیا اور سو گیا پھر بیدار ہوا اس حالت میں کہ اس کی سواری کہیں جا چکی ہو وہ اسے تلاش کرے یہاں تک کہ جب اس پر گرمی اور پیاس شدید ہو جائے یا جو اللہ تعالیٰ چاہے اس بلا مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کہنے لگے میں اپنے اس مکان کی طرف چلتا ہوں جہاں میں تھا۔ تاکہ میں مر جاؤں تو وہ اپنا سر اپنی کلائی پر رکھتا ہے تاکہ مر جائے پھر وہ آنکھیں کھولتا ہے تو اچانک اپنی سواری کو اپنے پاس پاتا ہے۔ اس پر اس کا سفر خرچ اور پانی موجود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اس آدمی کی نسبت جسے اپنی سواری اور سفر خرچ واپس مل جاتا ہے روایت کیا مسلم نے مرفوع حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور بس۔ اور روایت کی بخاری نے موقوف حدیث کو حضرت ابن مسعود سے بھی۔

۱؎ سین کی پیش واو کی زبر یا ساکن سے آپ کوفہ کے اکابر تابعین اور وہاں کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں حضرت امام احمد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ شخصیت اُن لوگوں میں سے نہیں ہے جن کا حال بیان ہو سکے یعنی ان کی خوبیاں احاطہ بیان سے باہر ہیں۔

۲؎ یعنی وہ اپنے گناہوں کو چاہے کبیرہ ہوں یا صغیرہ پہاڑوں کی مانند دیکھتا ہے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ یہ میرے اوپر گر نہ پڑے۔ یعنی گناہ کو بہت بڑی پریشانی اور نقصان کی چیز خیال کرتا ہے۔

۳؎ یعنی اپنے ناک کے اوپر سے مکھی کو اڑا دیتا ہے یا اپنے اوپر سے اڑا دیتا ہے اور اسے اپنے گناہ سے کوئی خوف و ڈر نہیں ہوتا اور بندہ اس کی سزا کے طور پر ہلاکت میں گرنے کا خوف محسوس کرتا ہے۔

۴؎ یہاں حدیث میں لفظ دویۃ آیا ہے۔ دال کی زبر واو مشددہ کی زیر اس کے بعد یا مشدد بمعنی بیابان اور ایسی خالی زمین جس میں گھاس نہ اگتی ہو۔ ایک روایت میں الف کی زیادتی کے ساتھ داویۃ بھی آیا ہے۔ ددیہ کا اصل واو مشدد کے ساتھ بمعنی بیابانی زمین بعض دفعہ ایسے کلمے میں الف کو بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے طی کو طائی یہاں حدیث میں ایک دوسرا لفظ مہلکۃ آیا ہے یعنی جائے ہلاکت میم کی زبر لام کی زیر سے اور ایک روایت میں مہلکۃ آیا ہے یعنی میم کی پیش لام کی زبر سے بمعنی ہلاک کرنے والی جگہ۔

۵؎ اس آدمی سے بھی جس کا توشہ گم ہو چکا ہوتا اور اس کی سواری بھاگ چکی ہوتی ہے اسی طرح بندہ گناہ گار اپنے مولا تعالیٰ سے بھاگا ہوتا ہے۔ اور توبہ کرنے سے وہ پھر اس کے پاس آ جاتا ہے۔

۶؎ مسلم نے ان دونوں حدیثوں میں سے اسی مرفوع حدیث کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتی ہے روایت کیا جس میں کہ سواری کے بھاگ جانے اور پھر واپس آنے کا قصہ مذکور ہے۔ پس موقوف حدیث کو جو ابن مسعود پر موقوف ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ مومن گناہ کو پہاڑ کی طرح دیکھتا ہے اور منافق مکھی کی طرح روایت نہیں کی۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفْتَنَ التَّوَّابَ ۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بندہ مومن سے جو فتنے[۱] میں مبتلا اور توبہ کرنے والا ہو، محبت کرتا ہے۔

۱؎ یعنی اس بندہ مومن سے پیار کرتا ہے جو معاصی میں مبتلا ہو اور گناہوں کی آزمائش میں پڑا ہو مگر بڑی توبہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی جناب رحمت و مغفرت میں رجوع کرتا ہو اور گناہوں کی آزمائش میں پڑا ہو مگر بڑی محبت اس کی توبہ کی وجہ سے ہے اس کی معصیت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لیے بعض لوگ ایسے توبہ کرنے والے کو فضیلت دیتے ہیں جو شہوت و معصیت کی لذت چکھ چکا ہو۔ اس آدمی پر جو ابتدا عمر سے ہی عفت اور نیکی پر پیدا ہوا ہو دیا ہو سے کہ یہ بات قابل غور ہے

کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص جو ابتدائے عمر سے ہی تقویٰ پر پروان چڑھا ہو وہ قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے نیچے ہو گا جس دن اُس کے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا (از مترجم)

وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْاٰيَةَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ میں اس آیت کے بدلے تمام دنیا کی چیزوں کو بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اس آیت میں تمام گناہوں سے مغفرت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ آیت یہ ہے ۔ یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ (اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) ایک شخص نے کہا کہ جس نے شرک کیا کیا وہ بھی بخشا جائیگا نبی پاک علیہ السلام خاموش رہے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا آگاہ رہو اور سنو جس نے شرک کیا ہوگا اللہ تعالیٰ اُسے بھی بخش دے گا لیکن توبہ کے ساتھ شرک کے سوا باقی گناہ اگر چاہے گا تو بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا صحیح مذہب میں ایسا ہی آیا ہے ۔ یہ بات حضور علیہ السلام نے تین بار ارشاد فرمائی ۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهٖ مَالَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَخِيْرَ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ پردہ واقع ہونے سے پہلے اپنے بندے کو بخش دیتا ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا پردہ یہ ہے کہ انسان شرک و کفر پر مر جائے ۔ ان تینوں احادیث کو امام احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے آخری حدیث کو کتاب البعث و النشور میں روایت کیا ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يَعْدِلُ بِهٖ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِبَالٍ ذُنُوبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے[1] گا کہ وہ دنیا میں کسی شے کو اس کے برابر نہیں کرتا تھا یعنی دنیا میں اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کرتا تھا۔ پھر اس پر اگر پہاڑوں جتنے بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔

اسے بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

[1] یعنی آخرت میں ملے گا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی[1] نہیں۔

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ النَّهْرَانِيُّ وَهُوَ مَجْهُولٌ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ رَوَى عَنْهُ مَوْقُوفًا قَالَ النَّدَمُ تَوْبَةٌ وَالتَّائِبُ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔

اور بیہقی نے کہا کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں النہرانی منفرد ہے۔ اور وہ مجہول[2] ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ گناہ سے پشیمان ہونا توبہ ہی[3] ہے اور توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

[1] کیونکہ توبہ کی وجہ سے بندے کو اس گناہ کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ چیز ناقص کو کامل کے ساتھ ملانے کے باب میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اور شرح السنہ میں اس سے یعنی ابن مسعود سے بطریق موقوف حدیث کو روایت کیا۔

[3] اور گناہ کی طرف دوبارہ کبھی رجوع نہ کرنے کا ارادہ بھی ندامت میں ہی داخل ہے۔

آگے گزشتہ ابواب کے لواحقات تتمات کا باب ہے۔ بعض نسخوں میں یہاں باب فی سعۃ آیا ہے۔

⁂

بَابُ فِی سَعَةِ رَحْمَتِهٖ

گزشتہ ابواب کے لواحقات ومتممات کا باب

بعض نسخوں میں یہاں باب فی سعۃ رحمۃ اللہ آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا باب یہ ترجمہ باب میں واقع احادیث کے مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَی اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عَرْشِهٖ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ غَلَبَتْ غَضَبِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اس نے ایک کتاب لکھی وہ کتاب اُس کے پاس اُس کے عرش پر[1] ہے، وہ کتاب یعنی تحریر یہ ہے بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور ایک روایت لفظ سبقت کی جگہ غلبت[2] آیا ہے۔

[1] ان الفاظ میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ وہ کتاب بڑی عظمت والی ہے اور اُس کی شان بڑی بلند ہے۔

[2] دونوں کا مقصود ایک ہے۔ اور رحمت کا غضب پر سبقت لے جانا اور اس پر غالب آنا یہ معنی ہے کہ اس کی رحمت کے غلبے کے آثار یعنی وجود وانعام تمام مخلوق پر چھائے ہوئے ہیں گنتی میں نہیں آسکتے بخلاف غضب کے آثار کہ وہ انسانوں میں بعض وجوہ سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ فرمایا وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اور اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو اور یہ بھی فرمایا عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں انہیں جنہیں میں چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام چیزوں کو وسیع ہے پھر بندے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی نہیں کر سکتے اُن کی یہ سستی اور کوتاہی حد سے بڑھ چکی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے پکڑتا تو زمین پر کوئی چلنے والی چیز باقی نہ چھوڑتا۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر باقی رکھتا ہے روزی

دیتا ہے۔ انہیں نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور دنیا میں انہیں عذاب نہیں کرتا اور آخرت میں اللہ سبحانہ کی رحمت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اگلی حدیث اسے بیان کر رہی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَ الْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَ بِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَ بِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَ اَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَّ تِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی سو[1] رحمتیں ہیں اُس نے اُن میں سے جنوں اور انسانوں کے درمیان صرف ایک نعمت نازل فرمائی ہے اور مویشیوں اور کیڑوں کوڑوں کے درمیان بھی ایک ہی رحمت نازل فرمائی ہے جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کرتے ہیں اور اس رحمت کے ساتھ وحشی جانور اپنی اولاد پر مہربان[2] ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں قیامت کے دن کے لیے پیچھے کر رکھی ہیں اُن کے ساتھ وہ اپنے بندوں[3] پر رحمت کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ سَلْمَانَ نَحْوُهٗ وَ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ۔

اور ایک روایت میں مسلم کے نزدیک سلمان[4] سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ اُس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ اُن ایک کم سو رحمتوں کو اس ایک رحمت کے ساتھ مکمل فرما دے گا جو اس نے جنوں اور انسانوں[5] وغیرہ پر کی تھی۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ اس سے کثرت کی جانب اشارہ ہے۔ یا اس سے اُس کی انواع مراد ہیں کہ ہر نوع کے نیچے غیر متناہی افراد ہیں۔ یا سو میں حصر اس وصف کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] وحشی جانوروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں اُنست و الفت کا پایا جانا بڑی بعید بات ہے۔

[3] کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ آخرت میں بخشش اور رحمت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہوگی۔ لہٰذا بندوں سے مراد اُس کے بندگان مومن ہیں۔ کیونکہ آخرت میں رحمت مومنوں کے لیے ہی ہوگی۔

۹؎ یعنی حضرت سلمان فارسی سے ایسی ہی روایت آئی ہے جو معنًا میں متفق علیہ ہے ۔ اور لفظوں میں اختلاف ہے ۔

۱۰؎ اس روایت سے لازم آتا ہے کہ قیامت کے دن یہ رحمت بھی ہوگی اور ایک کم سو دوسری رحمتیں بھی اس کے ساتھ ملائی جائیں گی ۔ یہاں تک کہ کل سو رحمتیں بن جائیں گی ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنِطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بندہ مومن جان لے جو اللہ کے پاس عذاب ہے جس کے ساتھ وہ بندوں کو سزا دے گا تو کوئی بھی ایمان والوں میں سے بہشت کی امید اور اس کا طمع نہ رکھے ۔ اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کتنی ہے تو اس کی جنت سے کوئی بھی ناامیدہ ہو ۔

(بخاری ومسلم)

۱؎ یعنی کافروں میں سے بھی کوئی ناامید نہ ہو یہاں حدیث میں قنط آیا ہے نون کی زبر اور زیر سے ۔ بھی ایک روایت ہے اور کتاب صراح میں اُسے نصر اور ضرب وسمع سے کہا قاموس میں فرمایا کہ یہ نصر اور ضرب اور حسب اور کرم سے آتا ہے اس حدیث کا انداز اللہ تعالیٰ کی صفت لطف وقہر اور رحمت وغضب کے بیان کے لیے ہے ۔ کہ کوئی بھی اُس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ۔ پس مومن جو کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ولطف کا مظہر ہے اگر اُس کے قہر کا تصور کرے تو ان میں سے کوئی بھی بہشت کا تصور نہ کرسکے ۔ اگر کافر جو کہ غضب وقہر کا مظہر ہے اگر اُس کی رحمت ولطف پر نگاہ ڈالے تو وہ بھی ناامید نہ ہو ۔ اور یہ ایک دوسرا مقصود ہے جو کہ غضب پر غلبہ رحمت اور سبقت اُس طریقے سے جو بیان کی گئی ہے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتا ۔ یعنی سعائی میں سعدی نے فرمایا ہے

تہدید گر بر کشد تیغ حکم بمانند کروبیاں صم وبکم

دگر در دہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

(۱) اگر ڈانٹ کے طور پر اٹھائے تلوار حکم کی تو رہ جائیں گے فرشتے بھی بہرے اور گونگے ۔

(۲) اگر وہ کرم کی ایک آواز دے تو ابلیس کہے گا کہ مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے ۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کو شامل ہے مگر ہوگا وہی کچھ جس کے بارے میں اس نے ارادہ فرمایا ۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے

حکم دیتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِّنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَ النَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور آگ بھی ایسی ہی ہے[1]۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] یعنی وہ بھی جوتے کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہے: یہ جنت اور دوزخ کے مردوں کے قریب ہونے کی تمثیل وتشبیہ ہے کیونکہ جنت یا دوزخ میں جانے کا سبب بندے کی سعی اور خدا کا حکم ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں بالفعل موجود اور حاصل ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ لِاَهْلِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِيْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِي الْبَرِّ وَ نِصْفَهٗ فِي الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَ اَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی جب اسے موت آئی تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اسے جلادو پھر اس کا آدھا حصہ جسم کا جنگل میں اور آدھا دریا میں اڑادو اللہ رب کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہنم میں کسی کو نہ دے پھر جب وہ مرگیا تو جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا اور جنگل کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا پھر اس سے

قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَ اَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی وہ بولا یا رب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے تو اس بندے کو رب تعالیٰ نے بخش دیا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ حدیث میں لفظ اذرو آیا ہے جو کہ ذر سے بنا ہے۔ یعنی ذ کے ساتھ بمعنیٰ ہوا کا کلیان وغیرہ کو اڑانا اسی سے لفظ ذاریات بنا ہے یعنی اڑانے والی ہوائیں اور لفظ اذرو ہمزہ کے وصل اور قطع دونوں طرح روایت ہے اور ذرونی بھی ایک روایت ہے یعنی ذ کی زبر یا پیش سے اور را کی شد سے۔ ذر کا معنیٰ ہے پیسنا اور بکھیرنا۔ گویا اس مرد کا گمان یہ تھا کہ عذاب اسی کو ہوتا ہے جس کو قبر میں رکھتے ہیں۔

سلہ یعنی اُسے زندہ کرنے کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی۔

سلہ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ اس قول پر وارد ہوتا ہے کہ لئن قدر اللہ) یعنی اگر اللہ کو قدرت ہوئی اور یہ خدا کی قدرت میں شک ہے اور یہ کفر ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں بہت سی توجیہات و تاویلات کی گئی ہیں۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ یہاں لفظ قدر قدرت سے نہیں بلکہ قدر سے ہے جس کا معنیٰ تقضاد قدر ہے اور ایک روایت میں لفظ قدر بھی آیا ہے د کی شد سے۔ یہ قول معنیٰ تقدیر میں صریح ہے اور یہی توجیہ حضرت یونس علیہ السلام کے قول مبارک فظن ان لن نقدر میں بھی کی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں قدر بمعنیٰ تنگی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ومن قدر علیہ رزقہ) میں فرمایا اور جس پر اُس کا رزق تنگ کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام عرب میں مجاز ہے۔ اسے تجاہل العارف کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ شک کی صورت میں ہے مگر مراد اس سے یقین ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسے مرد کا واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت سے بے خبر تھا اور متکلمین کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے جاہل ہو وہ کافر ہے یا نہیں یا اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص اُس زمانے میں ہوا ہے جو زمانہ فترت کہلاتا ہے جس میں صرف توحید ہی کافی اور نفع مند ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ وہ کلام ہے جو غلبہ قہر اور دہشت و خوف و خشیت کی حالت میں واقع ہوا ہے۔ اس حالت میں مرد مجنون کی طرح اور مغلوب العقل ہوتا ہے اس حالت میں بندے کی گرفت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اُس شخص کا قول جس نے انتہائی فرحت و سرور کی حالت میں بے خودی کے اندر کہہ دیا کہ تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔

وَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رض قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَاِذَا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں سے ایک عورت کی

امْرَأَةٌ مِّنَ السَّبْيِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْيُهَا تَسْعٰى إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَ أَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ فَقُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهُ فَقَالَ اللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں سے کوئی بچہ پاتی تو اسے پکڑتی اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلاتی یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال[1] کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے ہم نے عرض کیا کہ اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے[2] جتنی یہ اپنے بچے پر ۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہاں حدیث میں اتروں ہے یعنی تا کی پیش سے ایک روایت میں تَروں تا کی زبر سے ۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ دوزخ میں نہ ڈالے یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ تو کافروں کو ہمیشہ کے لیے اور گناہ گاروں کو جب تک چاہے گا دوزخ میں ڈالے گا اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کو ان کے انکار و تکبر اور نافرمانوں کو ان کی عدم پیروی اور بندگی کے ترک پر ڈالے گا گویا کہ وہ اللہ کے بندے ہی نہ رہے تھے جیسا کہ فصل ثالث میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں آرہا ہے ۔

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُّنْجِيَ أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَ الْقَصْدَ الْقَصْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا لوگوں[1] نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہ دے سکے گا فرمایا مجھے بھی نہ دے سکے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپا لے[2] ۔ لہٰذا ٹھیک رہو میانہ روی اختیار کرو صبح شام اور کچھ اندھیری رات[3] میں نیکیاں کر لیا کرو ۔ میانہ روی میں رہو پہنچ جاؤ گے[4]

تَبْلُغُوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری ومسلم)

سلہ لوگوں نے بطریق استفہام پوچھا یعنی آپ بھی اپنے عمل سے نجات نہ پائیں گے۔ حالانکہ آپ کا عمل بڑا عظیم و کامل ہے فرمایا نہیں۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ غمد آیا ہے۔ غین کی زیر یعنی تلوار کا غلاف جبکہ یہ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نجات کی علت بننے میں عمل کی کوئی حیثیت نہیں تو یہ بات عمل کے سبب ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور بندے کے عمل کا بندے کی نجات میں دخل ہے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کے ثابت کرنے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ اپنے عمل کو ٹھیک اور درست کرو اس میں افراط و تفریط نہ آنے دو جیسا کہ بالکل سیدھا تیر نشانے پر جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ سددو آیا ہے جو سداد سے بنا ہے۔ سداد سین کی زبر سے یعنی کردار و گفتگو کی درستی وراستی یہاں حدیث میں دوسرا لفظ قاربوا آیا ہے یعنی عمل میں میانہ روی اختیار کرو اس میں افراط و تفریط نہ کرو۔ یہ معنیٰ سددوا کی طرح ہے۔

سلہ یہاں حدیث کا لفظ دُلجہ ہے دکی پیش لام ساکن یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی عبادت الٰہی میں بسر کرو۔ یہ نماز تہجد سے کنایہ ہے۔ اور حدیث میں واقع لفظ شیٔ زیر و پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

سلہ یعنی تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤ یہ تینوں چیزوں کا جواب ہے یعنی صبح کو چلو شام کو چلو اور رات کے کچھ حصے میں چلو یا اس کا تعلق میانہ روی سے ہے۔ یعنی میانہ روی سے لگے رہو گے تو اپنے مقصد کو پاؤ گے۔

وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُہُ الْجَنَّۃَ وَلَا یُجِیْرُہٗ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے مگر اللہ کی رحمت سے۔

(مسلم شریف)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ یُکَفِّرُ اللّٰہُ عَنْہُ کُلَّ سَیِّئَۃٍ کَانَ زَلَفَہَا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اسلام لایا اور اس کا اسلام اچھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر برائی جو وہ گزشتہ زمانہ میں کر چکا ہوتا ہے

وَ کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ کَثِیْرَۃٍ وَ السَّیِّئَۃُ بِمِثْلِھَا اِلَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ اللّٰہُ عَنْھَا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

مٹا دیتا اور بخشش دیتا ہے اس کے بعد قصاص اور بدلہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ نیکی تو ایک سے دس اور دس سے سات سو تک ملتی ہے۔ اور گناہ اس کے برابر مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ معافی عطا کر دے۔

(بخاری)

۱؎ یعنی اس میں شک و نفاق کا شائبہ تک نہ رہا بلکہ وہ اخلاص و یقین سے پوری طرح معمور ہو گیا۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ زلفہا ہے لام کی شد سے تخفیف لام سے بھی ایک روایت ہے۔ زلف، زلف، ازلف سب کا ایک معنیٰ ہے۔ اس کا اصل زلفیٰ ہے بمعنی قریب۔

۳؎ یعنی اس کے بعد عمل میں جزا اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی اسے وجود میں لایا جاتا ہے۔ قصاص قصص سے نکلا ہے بمعنی کسی نشان کے پیچھے چلنا اور مرد کا اس جگہ پہ چلے جانا جہاں سے آیا تھا۔ اور جب کہ جزا عمل کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے بھی قصاص کہہ دیتے ہیں۔

۴؎ یعنی بندے کی مشقت اور صدق و اخلاص کے مطابق ملتی ہے۔

۵؎ اور اس کا یہ برائی کی سزا بھی نہ دے۔ یہ فضل و کرم الٰہی ہے۔ کہ نیکی کی جزا تو اتنی زیادہ عطا کرتا ہے اور بدی سے مکمل طور پہ درگزر فرماتا ہے۔ اور اگر برائی کا بدلہ دیتا بھی ہے تو صرف ایک۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَ السَّیِّئَاتِ فَمَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً فَاِنْ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ کَثِیْرَۃٍ وَ مَنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہوئی ہیں۔ تو جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر اسے عملاً نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس پوری نیکی لکھتا ہے۔ اگر وہ ارادہ بھی کرتا ہے اور عملاً بھی وہ نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس دس نیکیوں سے سات سو گنا تک لکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھتا ہے۔ جو برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر عملاً اسے

هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک نیکی کامل لکھتا ہے۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ بھی کرتا ہے پھر عملاً بھی وہ برائی کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک برائی لکھتا ہے[1]۔
(بخاری ومسلم)

[1] یعنی ایک حقیر قلیل برائی لکھتا ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے بے انتہائی فضل وکرم وعفو و درگزر کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعْمَلُ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ يَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ كَمَثَلِ رَجُلٍ كَانَتْ عَلَيْهِ دِرْعٌ ضَيِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَكَّتْ حَلْقَةٌ ثُمَّ عَمِلَ اُخْرٰى فَانْفَكَّتْ اُخْرٰى حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَى الْاَرْضِ.
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عقبہ[1] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کا حال جو برے عمل کرتا ہے پھر اچھے عمل کرتا ہے اُس شخص کے حال کی طرح ہے جس پر تنگ زرہ ہو جس نے اُس کے گلے کو تنگ کر رکھا ہو پھر وہ کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اُس کا حلقہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری نیکی کرتا ہے پھر دوسرا حلقہ کشادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زرہ رفتہ رفتہ بدن سے الگ ہو کر زمین پر آگرتی ہے[2]۔

اسے شرح السنۃ میں روایت کیا۔

[1] آپ مشہور صحابی ہیں۔

[2] خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کرنا سینے کی کشادگی و فرحت کا موجب ہے اور برا کام کرنا سینے اور دل کی تنگی کا موجب ہے حضور علیہ السلام نے اس کیفیت کو زرہ پہننے کے ساتھ تشبیہ دی جو بعد میں تنگی اور کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے جس سے بندے کو فراخی اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک

سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّانِيَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَقُلْتُ الثَّانِيَةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّالِثَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَقُلْتُ الثَّالِثَةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِي الدَّرْدَاءِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر تشریف فرما ہو کر وعظ فرما رہے تھے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہے تھے (ولمن خاف مقام ربه جنتان یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اس کے لیے دو بہشتیں ہیں) میں نے عرض کیا یعنی بطور سوال استفہام کہا کہ اگرچہ اس سے زنا کیا ہو چوری کی ہو یا رسول اللہ آپ نے دوبارہ فرمایا (ولمن خاف مقام ربه جنتان) میں نے دوبارہ کہا اگر اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو آپ نے تیسری دفعہ پڑھا ولمن خاف مقام ربه جنتان میں نے تیسری بار عرض کیا یارسول اللہ اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اگرچہ ابودردا کی ناک خاک آلودہ ہی ہو[۱]۔ (احمد)

[۱] ناک کے خاک آلودہ ہونے سے مراد ناپسندیگی اور خواری ہے۔ جب حضرت ابودردا نے اس حکم میں دوری محسوس کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے قول کے خلاف مکرر اور بار بار فرمایا اس میں حضرت ابودردا کے لیے ناپسندیگی پائی جاتی تھی اور وہ عرف میں کہتے ہیں کہ میں نے اس کے رغم پر یوں کیا اور یوں کہا تو اس کا یہی معنیٰ ہوتا ہے کہ اگرچہ تمہیں کتنا ہی ناگوار ہو بات ایسی ہی ہے۔ اور ایسی بات کہنا اس امر کو مستلزم نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں بھی اس کے خلاف ہی ہو۔ جیسا کہ عرف عام میں لوگ سمجھ لیتے ہیں۔

وَعَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ يَعْنِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَفِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ قَدِ الْتَفَّ

حضرت عامر الرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا۔ عرض کیا یارسول اللہ میں ایک درخت کی جھاڑی

عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيهَا أَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَأَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِي كِسَائِي فَجَاءَتْ أُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلَى رَأْسِي فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ بِكِسَائِي فَهُنَّ أُولَاءِ مَعِي قَالَ ضَعْهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ وَأَبَتْ أُمُّهُنَّ إِلَّا لُزُومَهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَعْجَبُونَ لِرُحْمِ أُمِّ الْأَفْرَاخِ فِرَاخَهَا فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ اَللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ أُمِّ الْأَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا اِرْجِعْ بِهِنَّ حَتّٰى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُنَّ وَأُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤدَ)

پر گزرا۔ تو میں نے اس جھاڑی میں چڑیا کے چوزوں کی آواز سنی میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ دیا۔ اتنے میں ان کی ماں آگئی وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی میں نے اس کے سامنے وہ بچے کھول دیے وہ ان پر گر پڑی میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا وہ سب میرے ساتھ ہیں۔ فرمایا انہیں رکھ دو میں نے انہیں رکھ دیا ان کی ماں انہیں چمٹی رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی ماشتا پر تعجب کرتے ہو اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں چوزوں پر۔ انہیں واپس لے جاؤ حتی کہ انہیں وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے اور ان کی ماں ان کے ساتھ رہی وہ انہیں واپس لے گیا۔

(ابوداؤد)

لہ رام رامی کا مخفف ہے یعنی تیر انداز اور بعض عامر بن الرام کہتے ہیں مگر اول صحیح تر ہے۔

لہ یہاں حدیث کے بعض نسخوں میں بفراخہا آیا ہے اور رام کی بجائے رحم آیا ہے۔ یعنی را کی پیش حا ساکن اور ما کی پیش۔

لہ کیونکہ اس نے اس قدر بے اندازہ نعمتیں بندوں کے حال پر نثار کر رکھی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ بندے میری طرف آئیں، توبہ کریں اور اس کی درگاہ قبولیت میں حاضر ہو جائیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَ امْرَاَةٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِهَا وَ مَعَهَا ابْنٌ لَّهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهٖ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم بعض غزوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم پر گزرے پوچھا تم کون لوگ ہو وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں ایک عورت ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی اُس کے ساتھ اُس کا بچہ تھا جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچے کو دور ہٹا دیتی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا ہاں تو اُس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اللہ تعالیٰ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحیم نہیں فرمایا ہاں بولی کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچے سے زیادہ مہربان نہیں فرمایا ہاں تو بولی کہ ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا اور آپ بہت روئے پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ تعالے اپنے بندوں میں سے صرف سرکش بندے ہی کو عذاب دے گا جو اللہ تعالیٰ

عَلَى اللّٰهِ وَ اَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

پر سرکشی کرے اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکاری ہو گئے۔

(ابن ماجہ)

ۛ۱ یہاں حدیث میں لفظ حصب آیا ہے یعنی آگ جلانا اور ایندھن کے لیے لفظ حطب آتا ہے۔ اور ابن عباس نے قرآن پاک کے لفظ حصب جہنم کو حضب جہنم بھی پڑھا ہے۔

ۛ۲ یہاں حدیث میں لفظ وہج آیا ہے دونوں زبروں کے ساتھ یعنی آگ کا شعلہ۔

ۛ۳ یہاں حدیث میں اکب آیا ہے جو کہ اکباب سے بنا ہے یعنی منہ نیچے کر لینا۔ یہاں اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ پوری طرح متوجہ ہوئے۔ یہ معنی قاموس میں بیان کیا گیا ہے بعض احادیث میں بھی یہ معنی آیا ہے۔

ۛ۴ یعنی توحید الٰہی کے اقرار سے سرکشی کرتا ہے۔ لفظ مارد یا مرید جنوں اور انسانوں میں سے ان شیاطین کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے خالی اور عاری ہوں اور جو کچھ ان کے ذمے واجب ہے اس سے وہ باہر رہتے ہیں اور تمرد اسے کہتے ہیں جو بہت ہی سرکش ہو۔ اس کا اصل مرد ہے مارد برہنہ ہونے اور خالی ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ امرد اس جوان کو کہتے ہیں جسے ابھی داڑھی نہ آئی ہو۔ اور اس درخت کو بھی کہتے ہیں جس پر پتے نہ ہوں۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِجِبْرِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُّرْضِيَنِيْ اَلَا وَاِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى فُلَانٍ وَّ يَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَ يَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهُ اِلَى

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے۔ اس جستجو میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے۔ آگاہ رہو کہ اس پر میری رحمت ہے تو حضرت جبرائیل کہتے ہیں فلاں پر اللہ کی رحمت ہو یہی بات عرش اٹھانے والے فرشتے کہتے ہیں یہی ان کے ارد گرد کے فرشتے کہتے ہیں حتیٰ کہ ساتویں آسمان والے یہ کہنے لگتے ہیں پھر یہ رحمت اس کے لیے زمین پر نازل ہوتی

الْاٰدَمِیْنَ۔ ہے۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ) (احمد)

لہ یہاں حدیث میں لفظ تہبطہ آیا ہے لینی بصیغہ معلوم بھی آیا ہے۔ یہ لفظ ہبوط سے بنا ہے بمعنی نیچے اترنا اور احباط بمعنی نیچے لانا۔ اس کی مثل ایک اور حدیث ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول (ان الذین آمنوا وعملوا الصلحات سیجعل لھم الرحمن ودا) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل اختیار کرے عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کے لیے دوستی پیدا کرے گا۔ کی تفسیر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں میں سے کسی بندے کو اپنا دوست بنا تا ہے تو حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے میں نے فلاں بندے کو اپنی دوستی کے لیے چن لیا۔ تو بھی اُسے دوست بنا اور ملائکہ کو بھی خبر دے دے کہ وہ بھی اُس سے دوستی کریں۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اس بندے کی محبت انسانوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے تو سارے انسان اُس سے دوستی کرنے لگتے ہیں یہی سبب ہے اولیاء کرام اور دوستان حق کی قبولیت و شہرت کا کہ تمام اُن سے دوستی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو مختلف حیلوں اور مکر و فریب کے ذریعے عوام کے دل اپنی طرف کھینچتے ہیں ایسے لوگ کسی اہمیت کے لائق نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں لوگوں کو مکر و فریب سے بچائے۔

وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ[1] عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ قَالَ کُلُّھُمْ فِی الْجَنَّۃِ۔
(رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق کہ بعض لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں۔ اسے بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

لہ اُسامہ بن زید بن حارثہ آپ درگاہ نبوت کے محبوب و مقرب صحابی ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب کہتے تھے اور زید ابن حارثہ جو آپ کے باپ ہیں حضور علیہ السلام کے متبنیٰ تھے۔ یہ حضرت اسامہ بن زید اللہ تعالیٰ کے قول مبارک جو اوپر مذکور ہوا ہے کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس آیت کا اول حصہ اس طرح ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ۔ ترجمہ۔ تو ہم نے دی کتاب اور شریعت ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ فرمایا۔ ایمان اور اسلام کے ساتھ پس ان برگزیدہ بندوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں جو کہ عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ میانہ رو ہیں جو غالب اوقات

عمل میں لگے رہتے ہیں مگر جتنی کوشش چاہیے نہیں کرتے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عمل میں غایت درجہ کی کوشش و محنت کرتے اور علم و عمل سے خود منور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی تعلیم و ارشاد میں بھی لگے رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ظالم سے جاہل، میانہ رو سے طالب علم اور سابق سے عالم مراد ہیں۔ اس قیاس کے مطابق خیرات اور بھلائیوں میں ایک تو ادنیٰ مرتبہ ہے ایک درمیانہ اور ایک اعلیٰ یہ تینوں قسم کے لوگ برگزیدگان میں شامل ہیں اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث کے آخر میں فرمایا کلہم فی الجنۃ کہ یہ سب کے سب اپنے مراتب و درجات کے مطابق جنت میں ہوں گے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَالْمَنَامِ

ان دعاؤں کا باب جو صبح شام اور سونے کے وقت پڑھی جاتی ہیں

لفظ صباح و صبح بمعنیٰ فجر اور سورج نکلنے کے وقت تک پر بھی صبح کا اطلاق کرتے ہیں۔ مساء بمعنیٰ شام صباح کی ضد ہے۔ اس باب میں مذکورہ دعائیں جو صبح اور شام کو پڑھی جاتی ہیں انہیں بھی شامل ہیں جو نماز فجر و مغرب سے پہلے اور ان کے بعد اور سونے کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ سونے سے رات مراد ہے۔ یہ قیلولے کو شامل نہیں ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری حدیث میں ایک قول جس میں فرمایا اذا اخذ مضجعہ من اللیل۔ یعنی جب آپ رات کو اپنے بستر پر جاتے تھے۔ اس میں غور کرو واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ اَمْسَيْنَا وَ اَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام کرتے تو کہتے ہم نے رات کی اور ملک نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے رات کی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کوئی معبود نہیں سوائے

اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اُس کے وہ وحدہ لاشریک ہے۔ ملک اسی کا ہے اُس کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ بے شک میں تجھ سے اس رات کی خیر مانگتا ہوں اور اُس کی خیر جو اس میں[1] ہے اور میں تیرے ساتھ اس رات کے شر سے اور اس رات میں جو شر ہے اُس سے پناہ لیتا ہوں اے اللہ بے شک میں تیرے ساتھ کاہلی سے، ردی[2] قسم کے بڑھاپے اور بڑھاپے کی برائی[3] سے پناہ لیتا ہوں اور دنیا کے فتنے[4] اور عذاب قبر سے بھی پناہ لیتا ہوں ہم نے صبح کی[5] اور ملک نے بھی اللہ کے لیے صبح کی۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور پڑھتے تھے اے میرے رب بے شک میں تیرے پاس عذاب دوزخ اور عذاب قبر سے پناہ لیتا ہوں۔ (مسلم)

۱ یعنی کائنات اور حوادث کی نیکی جو اس رات میں پائی جاتی ہے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ ہرم آیا ہے دونوں زبروں کے ساتھ۔ بمعنی بہت زیادہ بڑھاپا۔

۳ یہاں حدیث میں لفظ سوء الکبر آیا ہے ک کی زیر با کی زبر یہ گویا لفظ ہرم کی تفسیر اور اس کی تاکید ہے۔ ک کی زیر اور با ساکن سے بھی ایک روایت ہے بمعنی تکبر۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ ظاہر ہے۔

۴ یعنی اس کی بلاؤں آزمائشوں سے اور عذاب قبر سے یعنی فتنہ عذاب قبر سے۔

۵ یعنی جب آپ صبح کرتے تھے تو اس طرح فرماتے تھے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضي قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب اپنے بستر پر جگہ[1] لیتے تھے تو اپنا دست مبارک اپنے رخسار مبارک کے نیچے رکھتے[2] تھے۔ اپنے دائیں پہلو پر پھر آپ فرماتے تھے اے اللہ میں تیرے

وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَمُسْلِمٌ عَنِ الْبَرَاءِ)

نام کے ساتھ مرتا اور تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تھے تو کہتے تھے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور مسلم نے اس حدیث کو حضرت براء بن عازب سے روایت کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ مَضْجَعَہٗ آیا ہے بمعنی خواب گاہ یہ لفظ ضجعۃ سے بنا ہے بمعنی زمین پر پہلو رکھنا مضجع میم اور جیم کی زبر سے پہلو رکھنے کی جگہ اور اسے مُضْطَجَع بھی کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی دائیں ہاتھ مبارک جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

۳؎ یعنی تیرے نام سے سوتا اور تیرے نام سے بیدار ہوتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے حقیقی موت و حیات مراد ہو۔

۴؎ اس عبارت کا ظاہر معنی اول کو ظاہر کرتا ہے۔

۵؎ یعنی قیامت کے دن اُسی کے حضور اٹھنا ہے۔

۶؎ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا تو پھر اسے متفق علیہ کیوں نہ کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ متفق علیہ حدیث میں اصطلاح کے مطابق ایک صحابی سے روایت ہونی چاہیے۔ اور جب کہ بخاری نے اسے حذیفہ سے روایت کیا اور مسلم نے حضرت براء سے تو یہ حدیث متفق علیہ نہ ہوئی۔ جیسا کہ شیخ نے فرمایا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ اِزَارِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ مَا خَلَفَهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّىْ وَضَعْتُ جَنْبِىْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر میں جائے تو اپنے تہ بند کے اندر والے پلو سے بستر جھاڑ لے کہ کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے پھر کہے یا رب میں تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا

اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ

اور اگر اسے واپس بھیجے تو اس کی اس ہی سے حفاظت فرمانا جس سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت[۴] فرماتا ہے۔

وَ فِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ لِيَضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ لِيَقُلْ بِاسْمِكَ -

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے باسمک ربی الیٰ آخرہ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ[۵] ثَوْبِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا -

اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار[۵] جھاڑے اور یوں کہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمائے تو اسے بخش دینا۔

[۱] یہاں حدیث میں لفظ اوی آیا ہے یعنی الف مقصورہ کے ساتھ بمعنی اس نے پناہ لی اور مد کے ساتھ آوی یعنی پناہ دی اور کبھی دونوں کلمے ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں مگر الف مقصورہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ فصیح اور اکثر ہے۔ لہٰذا یہاں قصر سے پڑھا جائے گا مد بھی ایک روایت ہے۔ اور حضرت انس کی حدیث میں جو آوانا آیا ہے وہ مد سے ہے۔

[۲] اندر والے کنارے سے جو جسم سے لگا ہوتا ہے۔

[۳] یعنی پہلے اپنے کپڑے سے بستر جھاڑنا چاہیے پھر اس پر سونا چاہیے شاید کوئی کیڑا یا خس و خاشاک اس پر پڑا ہوا ہو۔

[۴] آدمی جب سو جاتا ہے تو مردے کی طرح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح نکال لیتا ہے یا اس کی روح کی حفاظت کرتا ہے اور پھر اس کی روح کو واپس بھیجتا ہے اور اسے زندہ کرتا ہے۔ پس بندہ دعا کرتا ہے خداوندا اگر تو نے میری حفاظت کی اور مجھے موت دی ہے تو مجھے بخش دے۔ اور اگر تو نے میری روح کو واپس بھیجا اور زندہ رکھا ہے تو میری اس طرح حفاظت فرما جس طرح تو صالح بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

[۵] یہاں حدیث میں لفظ صنفہ ص کی زبر نون کی زیر اور بعد میں فا آیا ہے یعنی تہبند کا وہ کنارہ جس طرف سے کھلا ہوتا ہے اس روایت میں امسکت نفسی فاغفر لہا بجائے فارحمہا آیا ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ دائیں پہلو پر سونے میں حکمت یہ ہے کہ دل بائیں پہلو میں ہے بندہ جب دائیں پہلو پر سوتا

ہے تو دل لٹک جاتا ہے اور اسے کوئی زیادہ استراحت حاصل نہیں ہوتی، گہری نیند نہیں پڑتی اور شب بیداری کے لیے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے اور اگر بندہ بائیں پہلو پر سو جائے تو دل کو قرار ملتا ہے زیادہ راحت حاصل ہوتی ہے اور نیند بھی گہری آتی ہے۔ کتاب شرح سفر السعادت میں یہ بات زیادہ تحقیق کے ساتھ بیان کی گئی ہے وہاں سے دیکھ لی جائے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اور اپنا کام تیرے سپرد کیا۔ تیرے کرم پر ٹیک لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سوائے تیری طرف کے میں تیری اتاری ہوئی کتاب اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا جس کو تو نے رسول بنا کر بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ یہ کلمات کہہ لیتا ہے پھر اسی رات مر جائے تو ایمان پر مرے گا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ مُتَوَضِّئًا وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلْ

اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کی طرح کا وضو کر پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جا پھر کہہ میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا آخر کلام اور سات تک

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ اِلٰی قَوْلِہٖ اَرْسَلْتَ وَقَالَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَیْلَتِکَ مُتَّ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَ اِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَیْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور فرمایا اگر تم اس رات مر گئے تو اسلام پر مرو گے۔ اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے۔

(بخاری و مسلم)

لہ یعنی میں نے تیرے اوپر ہی اعتماد کیا اور تمام کاموں میں میں نے تیری ہی پناہ لی۔

۲ہ یعنی تیری صفات قہریہ سے تیری صفات لطیفہ کے پاس ہی پناہ لیتا ہوں لفظ ملجا ہمزہ سے اور منجا الف سے ہے۔

۳ہ یعنی ہر کتاب پر پیغمبر پر یا قرآن پاک اور حضور کی ذات پاک۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور قرآن پر ایمان لانا ہر مومن کے لیے فرض ہے اسی طرح ہر پیغمبر پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ کَفَانَا وَ اٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور جس نے ہمیں بچایا[1] اور ہمیں پناہ[2] دی کیونکہ بہت سے وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے[3] والا۔ (مسلم)

لہ اپنی تمام مہمات میں ہمارے لیے کافی ہوا اور ہر قسم کی مضر چیزوں کے شر سے ہمیں بچایا۔

۲ہ یہاں حدیث میں لفظ آوَیْنَا مد سے آیا ہے۔ ایک روایت قصر سے بھی ہے۔

۳ہ بلکہ انہیں ان کے شر کے ساتھ ہی چھوڑ دیا ہے اور انہیں کوئی جگہ بھی نہیں دی بلکہ انہیں حیران و پریشان جنگلات اور وادیوں میں چھوڑ دیا ہے یا کفایت اور مدد سے مومنوں کی مدد مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ۔ ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا محافظ ہے اور بے شک کافروں کے لیے کوئی محافظ نہیں۔

وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ فَاطِمَۃَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک فاطمہ الزہرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

وَسَلَّمَ تَشْكُوا اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهٗ جَآءَهٗ رَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَآئِشَةَ فَلَمَّا جَآءَ اَخْبَرَتْهُ عَآئِشَةُ قَالَ فَجَآءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَآءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهٖ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبِّرَا اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں حاضر ہوئیں اُس تکلیف کی شکایت کرنے کے لیے جو اُن کے ساتھ چکی سے پہنچتی تھی انہیں خبر ملی تھی کہ حضور کے پاس غلام آئے ہیں۔ مگر انہوں نے حضور کو نہ پایا اور حضرت عائشہ سے کہہ آئیں جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے میرے اور فاطمۃ الزہرا کے درمیان بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتاؤں جب تم اپنے بستر لو تو بستر لو تو تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لو اور تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ مال غنیمت میں۔

۲؎ اور اس وجہ سے اپنا حال بیان نہ کر سکیں۔

۳؎ یہ حضور علیہ السلام کی اُن کے ساتھ انتہائی مہربانی شفقت اور بے تکلفی تھی۔ جیسا کہ عربی کا محاورہ ہے جب الفت آجاتی ہے تو کلفت اور بے چینی ختم ہو جاتی ہے۔

۴؎ ہو سکتا ہے ٹھنڈک سے یقین کی ٹھنڈک مراد ہو جو کہ حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باطن شریف میں سرایت کر گئی تھی۔

۵؎ جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ اور جو تم نے خدمت گزار مانگے ہیں بس یہ ورد تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے

لفظ خادم خدم کا واحد ہے۔ اور یہ مذکر مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کتاب صراح میں ہے کہ خادم بمعنی ذکر ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کوئی لونڈی مانگی تھی۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِيْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَتَحْمَدِيْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَتُكَبِّرِيْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّ ثَلٰثِيْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّ عِنْدَ مَنَامِكِ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت فاطمہ الزہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے کے لیے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے بہتر ہے تینتیس بار سبحان اللہ پڑھا کرو تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت[1] پڑھ لیا کرو۔

(مسلم)

[1] اس حدیث میں نماز کے بعد اور سونے کے وقت دونوں کا ذکر ہے گزشتہ حدیث میں صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے۔ ان کلمات کا ہر نماز کے بعد پڑھنا متوارد و مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا یہ ورد کبھی بھی مجھ سے فوت نہ ہوا یہاں تک کہ جنگ صفین کی رات بھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ نَمُوْتُ وَ وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَاِذَا اَمْسٰى قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کا وقت پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے تیرے رحم سے جئیں گے تیرے فضل سے مریں گے اور تیری طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پائی اور تیرے فضل سے صبح کریں گے تیری مہربانی سے جئیں گے اور مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے[1]۔

(ترمذی، ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

[1] اس حدیث میں صبح اور شام دونوں میں اصبحنا اور امسینا دونوں کا ذکر آیا ہے لیکن صبح میں اصبحنا کو امسینا سے پہلے بیان کیا۔ اور شام میں امسینا کو اصبحنا پر مقدم کیا اور صبح میں ایک المصیر اور شام میں ایک النشور آیا ہے۔ مشہور روایت میں صرف اصبحنا ہے۔ اور ایک النشور صبح شام دونوں کے لیے صحیح ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور بک نحیٰ وبک نموت صبح میں مذکور ہے شام میں مذکور نہیں ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِيْ بِشَيْءٍ اَقُوْلُهٗ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَيْتُ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَشِرْكِهٖ قُلْهُ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ وَاِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز بتائیے جو میں صبح اور شام کے وقت پڑھ لیا کروں فرمایا یوں کہا کر اے اللہ اے کھلی چھپی چیزوں کے جاننے والے۔ اے آسمانوں و زمین کے پیدا کرنے والے۔ اے ہر چیز کے رب و مالک میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت اور اس کے شرک[1] سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)
(دارمی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ شرک آیا ہے شرک شین کی زبر سے بھی ایک روایت ہے اس کا معنیٰ ہے شکاری کا جال اس سے مراد فتنے اور اختلاف ہیں جس میں وہ ڈالتا ہے اور جن کے سبب وہ آدمی کو گرفتار کرتا ہے جیسے طرح تیں

مال و اولاد کہ یہ چیزیں انسان کو خدا کی یاد سے غافل کرتی ہیں۔

وَعَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ رضی قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِىْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَّ مَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرُّهٗ شَيْءٌ فَكَانَ اَبَانُ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانُ مَا تَنْظُرُ اِلَيَّ اَمَا اِنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّىْ لَمْ اَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِيَ اللّٰهُ عَلَيَّ قَدَرَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت اباؔن بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح اور شام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے سکتی ہے نہ آسمان کی اور وہ سنتا اور جانتا ہے پھر اُسے کوئی چیز نقصان بھی دے۔ حضرت ابان کو کچھ فالج ہو گیا ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیوں دیکھ رہا ہے حدیث ویسی ہی ہے جیسی کہ میں نے تجھے سنائی لیکن میں اس حال میں یہ دعا نہ کر سکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضا و قدر نافذ کر دے۔

(ترمذی - ابن ماجہ / ابوداؤد)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ تُصِبْهُ فَجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِيَ۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح بلائے ناگہانی نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھ لیا کرے اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی۔

سلہ ہمزہ کی زبر اور با مخفف سے آپ تابعین میں سے ہیں جنگ جمل میں جو حضرت عائشہ کے ساتھ ہوئی سب

سے پہلے جو شخص اس جنگ میں بھاگ کھڑے ہوئے وہ یہی ہیں۔ یہ بھینگے اور مرض جذام کے مریض اور کانوں سے بہرے تھے۔ اور آخر میں ان کو فالج ہو گیا تھا یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی۔

سلہ فالج یہ ایک مشہور مرض ہے جو بندے کو زمین پر گرا دیتا ہے اور بدن کے دو حصوں میں سے ایک حصہ سست اور بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ اُس حصے میں سے بلغمی مواد بہہ جاتا ہے۔ جس نے روح کے راستوں کو بند کیا ہوا ہے۔

سلہ یعنی تم نے خود روایت کی ہے کہ جو شخص ہر روز یہ دعا پڑھ لیتا ہے اُسے کوئی بیماری نہیں پہنچتی اور تم پڑھتے بھی ہو تو پھر تمہیں فالج کی بیماری کیوں لاحق ہوئی اُس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ میں نے اُس حالت میں یہ دعا نہیں پڑھی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آج اس کو پڑھنے کی توفیق نہ دی۔

سکہ یہاں حدیث میں لفظ فجاءۃ آیا ہے یعنی فا کی زبر جیم ساکن اور ہمزہ کی زبر سے اور فا کی پیش جیم کی زبر اور مد سے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰی اَمْسَیْنَا وَ اَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ رَبِّ اَسْئَلُکَ خَیْرَ مَا فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَ خَیْرَ مَا بَعْدَھَا وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَھَا رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَ مِنْ سُوْءِ الْکِبَرِ اَوِ الْکُفْرِ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مِّنْ سُوْءِ الْکِبَرِ وَ الْکِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَ عَذَابٍ فِی الْقَبْرِ وَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِکَ اَیْضًا اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پائی اللہ کا شکر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا ملک ہے اُس کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی اور اُس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں یا رب میں سستی اور بڑے بڑھاپے یا کفر سے

اور ایک روایت ہے کہ بڑے بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں یا رب میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور آپ جب صبح پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور

اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)
وَفِيْ رِوَايَتِهٖ لَمْ يَذْكُرْ مِنْ سُوْٓءِ الْكُفْرِ ۔

اللہ کے ملک نے صبح پائی۔
(ابو داؤد، ترمذی)
اور ایک روایت میں کفر کی برائی کا ذکر نہ فرمایا۔

وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو۔ اللہ پاک ہے اس کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ جو صبح کے وقت یہ کہہ لے گا شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جو شام کے وقت یہ کہے گا تو صبح تک اس کی حفاظت ہوگی۔
(ابو داؤد)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَكَذٰلِكَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح کے وقت کہہ لے اللہ کی پاکی شام و سویرا پاتے وقت اس کی حمد ہو رہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی تسبیح پڑھو۔ کذلک تخرجون تک تو اس دن میں جو نیکی چھوٹ

تُخْرَجُوْنَ ٠ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ كَذٰلِكَ وَ مَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ لَيْلَتِهٖ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

گئی ہو اُسے پالے گا اور شام کے وقت یہ پڑھ لے گا تو اس رات میں چھوٹی نیکی پالے گا۔

(ابوداؤد)

لہ اس آیت میں پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا ذکر ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ عَيَّاشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَانَ لَهٗ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ حُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّ رُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّ كَانَ فِيْ حِرْزٍ مِّنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ اِنْ قَالَهَا اِذَا اَمْسٰى كَانَ لَهٗ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ فَرَاٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا عَيَّاشٍ يُحَدِّثُ

حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا ملک ہے اُس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے اولادِ اسماعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے اور اُس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اس کے درجے بلند ہوں گے اور اس کے لیے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی اور اگر یہی کلمات شام کے وقت کہہ دے تو صبح تک اُسے یہی ملے گا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ابو عیاش آپ سے

عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ أَبُوْ عَيَّاشٍ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ابو عیاش سچے ہیں۔

(ابو داؤد ابن ماجہ)

سلہ یا کی شد اور شین سے آپ صحابی ہیں آپ کا نام زید بن ثابت انصاری ہے۔ ایک ابو عیاش تابعی ہے۔ وہ زید ابن عیاش مخزومی ہے۔

سلہ اس کا بیان باب تسبیح وتحمید میں حدیث عمر ابن شعیب فصل الثانی کے اندر گزر چکا ہے۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمٍ رض التَّمِيْمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَسَرَّ إِلَيْهِ فَقَالَ إِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ أَنْ تُكَلِّمَ أَحَدًا اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِيْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِنْهَا وَإِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَإِنَّكَ إِذَا مُتَّ فِيْ يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِنْهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت حارث[1] بن مسلم تیمی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے خفیۃً[2] فرمایا جب نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لیا کرو۔ الٰہی مجھے آگ سے بچا جب تم یہ کہہ لوگے تو پھر اگر اس رات میں مر جاؤ گے تو تمہیں آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا۔ اور جب تم فجر پڑھو یہ کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہو جاؤ تو تمہارے لیے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا۔

(ابو داؤد)

سلہ آپ تابعی ہیں۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ اسَرّ جو اسرار سے بنا ہے حمزہ کی زیر سے ہے بمعنی کوئی بات پوشیدہ کرنا

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح شام کے وقت یہ کلمات پڑھنا کبھی نہ

اَلْکَلِمَاتِ حِیْنَ یُمْسِیْ وَ حِیْنَ یُصْبِحُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَھْلِیْ وَ مَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِیْ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ مِنْ خَلْفِیْ وَ عَنْ یَمِیْنِیْ وَ عَنْ شِمَالِیْ وَ مِنْ فَوْقِیْ وَ اَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ یَعْنِی الْخَسْفَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

چھوڑتے تھے۔ الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا اور آخرت میں الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار اور مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ الٰہی میرے عیبوں کو چھپا لے اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن دے الٰہی مجھے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر سے محفوظ رکھ میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے کہ نیچے سے نہ ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر۔

(ابوداؤد)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ عورات آیا ہے یعنی بہت سے عیب صراح میں ہے عورت بمعنی وہ عضو جسے برہنہ کرنے سے، دیکھنے سے، انسان شرم محسوس کرتے ہیں۔ یہاں عیب مراد ہے۔

۲؎ یعنی کوئی عذاب یا آفت آسمان سے نازل ہو۔

۳؎ یعنی ایسی جگہ سے جس کا مجھے شعور نہ ہو۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ اَللّٰھُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْھِدُکَ وَ نُشْھِدُ حَمَلَۃَ عَرْشِکَ وَ مَلٰٓئِکَتَکَ وَ جَمِیْعَ خَلْقِکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح کے وقت یہ کہہ لے الٰہی ہم نے صبح کر پا لیا ہے ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دوسرے فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے ہیں کہ تو اللہ ہے تجھ اکیلے کے

اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ مِنْ ذَنْبٍ وَ اِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ ۔	سوا کوئی معبود نہیں تیرا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں مگر اللہ اس دن کے سارے گناہ معاف کر دے گا اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے گا تو اللہ تعالیٰ اس رات کے اس کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)	ترمذی ۔ ابوداؤد۔
وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ	ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یہ آٹھ فرشتے ہیں اور اتنے بڑے بڑے فرشتے ہیں کہ ان کے کان اور کندھوں کے درمیان دو ہزار سال کا سفر اور ایک روایت میں سات ہزار سال کا سفر ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ رضہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَ اِذَا اَصْبَحَ ثَلٰثًا رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی[1] ہونے پر راضی ہوا مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہوگا کہ قیامت میں اسے راضی فرمائے[2]۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)	(احمد و ترمذی)

لہ ان کلمات کی شرح کتاب کے ابتدا میں کتاب الایمان کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

۲ہ یعنی اسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب

كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ رَأْسِهٖ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْبَرَآءِ)

سونا چاہتے تو آپ اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے[1] پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا، یا[2] اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔

ترمذی اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔

[1] فصل اول میں حضرت حذیفہ کی حدیث میں بھی ایسا ہی گزر چکا ہے اور آگے حضرت حفصہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ اپنا دست مبارک رخسار کے نیچے رکھتے تھے۔ پس احتمال ہے کہ سر اور رخسار کے قریب ہونے کی بنا پر کبھی رخسار مبارک کے نیچے رکھتے تھے کبھی سر کے نیچے۔ بہر صورت اس طرح سونے میں حکمت یہ تھی کہ آپ بیداری کی تیاری کے لیے ایسا کرتے تھے جیسا کہ دائیں پہلو پر سونے میں بھی یہی حکمت ہے۔ جیسا کہ گزرا۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث کے الفاظ تجمع ہیں یا تبعث ہیں۔

وَعَنْ حَفْصَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دائیں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر تین بار کہتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا۔ جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔

(ابوداؤد)

وَعَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَ كَلِمَاتِكَ التَّآمَّاتِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی

مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَ الْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَ لَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

شرارت سے جس کی پیشانی[۱] تو پکڑے ہوئے ہے۔ الٰہی تو ہی کرب اور گناہ کو دور کرتا ہے۔ الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں کھاتا۔ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا اور تیرے مقابل بخت[۲] والے کو بخت نفع نہیں دیتا۔ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔

(ابوداؤد)

۱؎ یعنی ہر وہ چیز جو زمین پر چلنے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک میں فرمایا۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ نہیں ہے کوئی بھی چلنے والی چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے۔

۲؎ یعنی کسی کا بخت تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں حدیث میں لفظ جد آیا ہے یعنی باپ کا باپ۔ یہیں سے وہ بھی مراد لیا گیا ہے یعنی کسی کا نسب کام نہ دے گا یہ لفظ جیم کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ کوشش یعنی کسی کی کوشش کام نہیں دے سکتی رکوع کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ پہلی وجہ یعنی بمعنیٰ بخت زیادہ صحیح زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَاْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ اَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ اَوْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ اَوْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بستر پر جاتے وقت یہ کہے میں اس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تین بار کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ یا اڑنے والی ریت[۱] یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں[۲] کے برابر ہوں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی اگرچہ اس کے گناہ وادی عالج جتنے ہوں یہ علاقہ مغرب میں ایک وادی ہے جس میں ریت بہت زیادہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عالج بمعنی بہت ادھر ادھر بھرنے والی ریت۔ اس صورت میں لفظ عالج لفظ رمل بمعنی ریت کی صفت ہوگا۔

لہ یہاں چار چیزوں کے درمیان لفظ یا آیا ہے اور یہ مبالغے کے لیے ہے یعنی ان میں سے جو بھی زیادہ ہو اس کے مطابق شمار کرلو۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّاْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَاءَةِ سُوْرَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُّؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے قرآن شریف کی کوئی سورت پڑھ لے مگر اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے پھر کوئی ایذا دینے والی چیز اس کے قریب نہیں آسکتی حتیٰ کہ بیدار ہو جب بھی بیدار ہو۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلَا وَهُمَا يَسِيْرٌ وَمَنْ يَّعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُّسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّيَحْمَدُهٗ عَشْرًا وَّيُكَبِّرُهٗ عَشْرًا قَالَ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر ضرور جنت میں جائے گا وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اللہ کی تسبیح کہے دس بار اس کی حمد کرے اور دس بار تکبیر کہے راوی فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنی انگلیوں پر گن کر فرمایا کہ یہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُھَا بِیَدِہٖ
قَالَ فَتِلْکَ خَمْسُوْنَ وَ مِائَۃٌ
بِاللِّسَانِ وَ اَلْفٌ وَّ خَمْسُ مِائَۃٍ
فِی الْمِیْزَانِ وَ اِذَا اَخَذَ
مَضْجَعَہٗ یُسَبِّحُہٗ وَ یُکَبِّرُہٗ
وَیَحْمَدُہٗ مِائَۃً فَتِلْکَ
مِائَۃٌ بِاللِّسَانِ وَ اَلْفٌ فِی
الْمِیْزَانِ فَاَیُّکُمْ یَعْمَلُ فِی
الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ اَلْفَیْنِ
وَخَمْسَ مِائَۃِ سَیِّئَۃٍ قَالُوْا
وَکَیْفَ لَا نُحْصِیْھَا قَالَ یَاْتِیْ
اَحَدَکُمُ الشَّیْطٰنُ وَھُوَ فِیْ
صَلٰوتِہٖ فَیَقُوْلُ اذْکُرْ کَذَا اذْکُرْ کَذَا
حَتّٰی یَنْفَتِلَ فَلَعَلَّہٗ اَنْ لَّا
یَفْعَلَ وَ یَاْتِیْہِ فِیْ مَضْجَعِہٖ
فَلَا یَزَالُ یُنَوِّمُہٗ حَتّٰی یَنَامَ
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ
النَّسَائِیُّ)

وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاوٗدَ
قَالَ خَصْلَتَانِ اَوْ خَلَّتَانِ لَا
یُحَافِظُ عَلَیْھِمَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ
وَ کَذَا فِیْ رِوَایَتِہٖ بَعْدَ قَوْلِہٖ
وَ اَلْفٌ وَّ خَمْسُ مِائَۃٍ فِی
الْمِیْزَانِ قَالَ وَیُکَبِّرُ اَرْبَعًا
وَّ ثَلٰثِیْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ

زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں مگر میزان یعنی
ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گی اور جب
اپنے بستر پر پہنچے تو سو بار اللہ کی تسبیح
تکبیر اور حمد کرے تو یہ زبان میں ایک
سو ہیں مگر میزان میں ایک ہزار تو بتاؤ
تم میں سے کون ہے جو کہ ایک رات
دن میں ڈھائی ہزار گناہ کرے لوگوں
نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی
کیوں نہ پابندی کریں گے فرمایا جب
کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان
اس کے پاس پہنچ کر کہتا ہے
فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر
حتی کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے
تو شاید وہ یہ عمل نہ کر سکے اور
شیطان اس کی خواب گاہ پر پہنچ
کر اسے سلاتا رہتا ہے حتی کہ وہ
سو جاتا ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد
ونسائی)

. ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے
کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں
ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان
حفاظت نہیں کرتا اسی طرح ابوداؤد
کی روایت میں اس کلام کے
بعد کہ میزان میں ڈیڑھ ہزار ہے
اور فرمایا چونتیس بار تکبیر کہے، جب اپنا

وَ يَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ يُسَبِّحُهٗ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ فِیْ اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔

بستر سے اور تیتیس بار الحمد للہ کہے تیتیس بار سبحان اللہ کہے اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔

سلہ یعنی بحساب ایک کے بدلے دس۔

سلہ اور ان دو خصلتوں کا مجموعہ دو ہزار پانچ سو ہوگا۔

سلہ یعنی ان کلمات کا ثواب اڑھائی ہزار گناہوں کو بھی مٹا سکتا ہے۔ اور دن رات میں اڑھائی ہزار گناہ کون کرسکتا ہے لہٰذا جتنے گناہ ہوں گے وہ بخشے جائیں گے اور باقی ثواب سے درجات بلند ہوں گے۔

سلہ بعض نسخوں میں یہاں تثنیہ کا صیغہ آیا ہے یعنی ہم ان دونوں عادتوں پر کیوں پابندی نہ کریں۔

ھ یہ کنایہ ہے شیطان کے خطرات اور وسوسوں سے جو وہ نمازی کے دل میں ڈالتا ہے۔

سلہ یعنی جب کہ نماز میں حضور قلب فوت ہوگیا اور نمازی وسوسوں میں گرفتار ہوگیا تو شاید اسے یہ کلمات یاد نہ آئیں اور اسے ان کا کہنا میسر نہ ہو سکے یہ انہیں نہ گننے کا بیان ہے اور پہلی خصلت یعنی نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنے کا بیان ہے دوسری خصلت پر پابندی نہ کرنے کا بیان جو رات کو سونے کے وقت ہوتا ہے اسکے الفاظ میں مذکور ہے۔

سکہ یہ بعض الفاظ میں اختلاف کی جانب اشارہ ہے ایک یہ کہ ابو داؤد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ خصلتان اَوْ خلقان یعنی اس میں شک ہے کہ خصلتان فرمایا یا خلتان ۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ فرمایا لا یحافظ علیھما عبد مسلم بجائے لا یحصیار جل مسلم۔

شہ اس میں اس طرح واقع ہوا ہے کہ چونتیس بار اللہ اکبر کو پہلے بیان فرمایا اور بستر پر آنے کا لفظ بعد میں اور حمد و تسبیح کا ذکر بھی بعد میں فرمایا اور ہر ایک کا بیان عدد بھی بعد میں بیان کیا اور دوسری روایت میں بستر پر آنے کا ذکر مقدم ہے اسی طرح تسبیح اور حمد کا ذکر بھی مقدم ہے اور تکبیر کا ذکر بعد میں ہے اور عدد کا بیان ہے ہی نہیں اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے یہ دوسرا فائدہ مذکور ہے۔ جو کہ عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے۔ نیز مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبد اللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ

حضرت عبد اللہ بن غنام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ صبح

يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَ مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری ہر نعمت جو مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تجھ اکیلے کی طرف سے ہے تیرا کوئی شریک[1] نہیں اس لیے تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے تو اس نے آج کے دن کا شکر ادا کر دیا اور جو اسی طرح شام کے وقت کہہ دے تو اس نے اس رات کا شکر[2] ادا کر دیا۔

۱ اگرچہ نعمت کے ملنے میں درمیان میں کوئی سبب و واسطہ بھی ہو کیونکہ وہ سبب و واسطہ بھی تیری طرف سے اور تیری قدرت اور تیرے ارادے سے ہے۔

۲ روایات میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیری نعمتیں میرے پاس بہت زیادہ ہیں میں ان کا شکر کیسے کروں تو فرمان الٰہی آیا اے داؤد جب تو نے جان لیا کہ جو کچھ تیرے پاس نعمتیں ہیں وہ میری طرف سے ہیں تو تو نے ان کا شکر ادا کر دیا۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبَّ الْاَرْضِ وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَ النَّوٰى مُنَزِّلَ التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الْاٰخِرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض کرتے اے اللہ اے آسمانوں کے رب اے زمین کے رب[1] اے ہر چیز کے رب[2]۔ اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر نکالنے والے[3] اور توراۃ و انجیل اور قرآن[4] کو اتارنے والے میں ہر اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں

فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَ اَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ۔

اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں اور تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو ہی چھپا ہے کہ تیرے[۵] پیچھے کچھ نہیں میرا قرض ادا کر دے[۶] اور مجھے محتاجی سے بے نیاز کر کے دولتمندی[۷] عطا کر۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ۔

ابو داؤد و ترمذی۔ ابن ماجہ۔ اور مسلم نے اسے تھوڑے فرق سے روایت کیا۔

[۱] اس میں بقائے عالم کے اسباب وکلیہ کی جانب اشارہ ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہر چیز کو عام ہے جو بھی آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے وہ عناصر ہیں یا ان سے پیدا ہونے والی چیزیں یا افراد وجزئیات۔

[۳] اس میں جسمانی ارزاق کی جانب اشارہ ہے جس سے اجسام کی بقاء وابستہ ہے۔ دانہ انسانی خوراک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور گٹھلی پھل وغیرہ کے لیے۔

[۴] یعنی یہ جلیل الشان تین کتابیں اس نے نازل فرمائیں۔ اس میں روحانی ارزاق کی جانب اشارہ ہے۔ جو آخرت کے حالات کی تدبیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں زبور کا ذکر نہ کیا کیونکہ اس میں احکام وشرائع کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس میں اکثر وبیشتر اذکار ودعوات ومناجاتیں مذکور تھیں بلکہ زبور حقیقتاً توراۃ کا ایک جزو تھا جیسا کہ علماء نے فرمایا۔

[۵] جو چیز بلند ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے جو چیز نیچے ہوتی ہے وہ پوشیدہ ہوتی ہے تو اوپر ہونے کی نفی ظہور کے مناسب ہے اور نیچے ہونے کی نفی پوشیدگی کے مناسب ہے یہاں حدیث میں واقع لفظ دون فوق کی ضد ہے۔

[۶] یعنی مجھے قرضے سے بری کر دے اور مجھے توفیق دے کہ میں قرضے کو ادا کر دوں وہ اس طرح کہ مجھے قرضے کے ادا کرنے کے اسباب عطا فرما۔ عربی میں لفظ قضا کا معنیٰ ہے ادا کرنا پہنچانا اور کسی کی حاجت پوری کرنا۔

[۷] یہاں حدیث میں لفظ من الفقر ہے اور من بمعنیٰ بعد ہے یعنی یہ مجھے محتاجی کے بعد دولتمندی عطا فرما۔

وَ عَنْ اَبِي الْاَزْهَرِ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ

حضرت ابو الازہر انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنی خواب گاہ پر

مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَ اَخْسِئْ شَيْطَانِيْ وَ فُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

تشریف لے جاتے تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ کے لیے میں نے اپنا کروٹ رکھ دی الٰہی میرے گناہ بخش دے میرے شیطان کو دور کر دے اور میرا رہن چھڑا دے اور مجھے اعلیٰ مجلس میں داخل فرما۔ (ابوداؤد)

۱؎ ہمزہ کی زیر نون ساکن آپ صحابی ہیں شام میں سکونت رکھتے تھے۔

۲؎ یعنی اس شیطان کو جو میرا ساتھی ہے یا ہر اس شیطان کو جو بہکانے کا ارادہ کرے۔ یہاں حدیث میں لفظ خسا آیا ہے جس کا معنیٰ ہے کتے کو دھتکارنا۔

۳؎ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے نفس کو میرے اعمال کی جزا سے نجات عطا کر۔ اور میرے اعمال کے بدلے مجھے وہاں گرو نہ رکھ لینا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا (كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ) ہر جان اپنے کیے کے بدلے مرہون ہوگی۔ عربی میں لفظ فک غلامی دینے اور رہن سے باہر آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رہان ر کی زیر سے بمعنیٰ گرو۔

۴؎ جو کہ ملائکہ کرام مقربین کی مجلس ہے ندی نون کی زبر دو کی زیر اور شد بمعنیٰ مجلس اور اہل مجلس کو بھی کہتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مرتبہ عزت و فضیلت و کرامت میں ملائکہ سے اعلیٰ و اکمل ہیں مگر درگاہ علو و ارتفاع کے قرب کی ملاقات کا شوق آپ کو دامن گیر رہتا تھا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ مقام ملکوت میں ہی تشریف فرما رہیں اور آپ یہی چاہتے تھے کہ عالم ناسوت یعنی عالم دنیا سے میل جول اور خلط ملط جو کہ بشریت کا تقاضا ہے سے بالکل بری اور بلند رہیں اسے سمجھو و باللہ التوفیق۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَاٰوَانِيْ وَ اَطْعَمَنِيْ وَ سَقَانِيْ وَ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَ الَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنا بستر اختیار فرماتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جو میرے لیے کافی ہوا اور جس نے مجھے کھلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا اور جس نے مجھے دیا تو بہت

عَلٰی کُلِّ حَالٍ اَللّٰھُمَّ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّ مَلِیْکَہٗ وَ اِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

زیادہ[2] دیا۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اے اللہ اے ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں۔

(ابوداؤد)

[1] پہلا فقرہ کیفیت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مقدار کے اعتبار سے۔

[2] یعنی فقر و غنا کی حالت ہو یا شدت و کشادگی کی یا نعمت و بلا کی حالت بلکہ دونوں میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم یا ظاہر ہوتا ہے یا پوشیدہ اور دونوں صورتیں بندے کے شامل حال ہوتی ہیں۔

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ شَکٰی خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَنَامُ اللَّیْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِکَ فَقُلِ اللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَ رَبَّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ وَ مَا اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَوْ اَنْ یَّبْغِیَ عَزَّ جَارُکَ وَ جَلَّ ثَنَاءُکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں اُن کے رب اور اے زمینوں کے اور جنہیں زمین اٹھائے ہوئے ہے اُن کے رب اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں اُن کے رب تو اپنی ساری مخلوق کے شر سے میری پناہ بن جا کہ اُن میں سے کوئی بھی مجھ پر زیادتی یا ظلم کر سکے تیری پناہ غالب ہے تیری ثنا بہت عزت والی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے۔

(ترمذی شریف)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَ حَكِيْمُ بْنُ ظُهَيْرِ الرَّاوِىْ قَدْ تَرَكَ حَدِيْثَهٗ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

اور ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم بن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے۔

لہ یا کی پیش سے آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲ہ یہاں حدیث میں لفظ الارق ھمزہ اور را کی زبر سے۔ آخر میں ق ایسی بیداری جو کسی بیماری کی وجہ سے ہو۔

۳ہ زمین کو کبھی مفرد لاتے ہیں یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ زمین کے طبقات ایک ہی طبقے کی طرح ہیں کبھی جمع لاتے ہیں اس لیے کہ زمین کے ٹکڑے متعدد ہیں اور کبھی جمع کی تاویل لفظ آفاق اور اقالیم سے کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴ہ مراد شیاطین کے لشکر ہیں تاکہ جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہو جائیں۔

۵ہ یہ توحید کی تاکید و تقریر ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوابی شیطان اور جن کے تصرفات میں سے ہے۔

۶ہ بعض روایتوں میں حکم بن ظہیر یعنی حکم دونوں پیشوں سے اور ظہیر میں ظا پر پیش اور ھا پر زبر۔

۷ہ امام بخاری اور ابو زرعہ۔ نسائی اور ابن ابی حاتم نے ایسا ہی کہا ہے۔ ابن حصین نے کہا کہ یہ شخص کوئی شے نہیں۔ ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں۔ حاشیے میں لکھا ہے کہ حکیم کی بجائے حکم یا کے بغیر زیادہ درست ہے جیسا کہ تقریب اور کاشف میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَ نَصْرَهٗ وَ نُوْرَهٗ وَ بَرَكَتَهٗ وَ هُدَاهُ

حضرت ابی مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی صبح پائے تو کہے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العالمین کے ملک نے صبح کی۔ اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اس کی کشادگی اس کی نصرت اس کا نور اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا

وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْهِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ ؕ ثُمَّ اِذَا اَمْسٰی فَلْیَقُلْ مِثْلَ ذٰلِکَ ․ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

ہوں اور جو اس دن میں ہے اس کی اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں پھر جب شام پائے تو اسی طرح کہہ دے۔ (ابوداؤد)

لہ بعض مالک اشجعی کہتے ہیں آپ صحابی ہیں آپ کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام کعب بن مالک ہے۔

سلہ یعنی عمل و اعتقاد میں راہ راست کی توفیق مانگتا ہوں اور حق و ثواب پر قائم رہنے کا سوال کرتا ہوں تمام برکتوں اور تمام خیرات کا منبع یہی چیز ہے اور توفیق و تائید الٰہی کے سوا میسر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا کرے۔

سلہ اس میں تاکید و مبالغہ اور اس بات کا بیان ہے کہ میں ہر شر سے جو مسلسل آرہا ہو یا مسلسل نہ آرہا ہو پناہ مانگتا ہوں۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اَسْمَعُکَ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ تَقُوْلُ کُلَّ غَدَاةٍ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تُکَرِّرُهَا ثَلٰثًا حِیْنَ تُصْبِحُ وَ ثَلٰثًا حِیْنَ تُمْسِیْ فَقَالَ یَا بُنَیَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْ بِهِنَّ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ ․ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبدالرحمان بن[1] ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے عرض کیا ابا جان میں آپ کو ہر صبح[2] یہ کہتے سنتا ہوں الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے[3]۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اسے تین بار تکرار فرماتے ہیں جب سویرا ہوتا ہے اور تین بار جب شام ہوتی ہے فرمایا اے میرے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اس سنت کی پیروی[4] کروں۔ (ابوداؤد)

سلہ بکرہ بالکی زبر آخر میں تا آپ مشہور صحابی ہیں آپ نے جنگ طائف کے دن ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا کہ کنوئیں سے جھپٹ کر اپنے آپ کو زمین پر نیچے ڈالا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوبکرہ مقرر فرمائی۔ بکرہ کنوئیں کے راہٹ کو کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ تابعی ہیں کثیر الحدیث ہیں۔

ؔ۲ یہاں حدیث میں لفظ غداۃ آیا ہے یہاں اس سے دن مراد ہے جو صبح شام کو شامل ہے۔

ؔ۳ یعنی میری بینائی کو عافیت عطا فرما۔ یہاں اعضاء اور اجزائے بدن میں سے کان اور آنکھ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ دو عضو بڑی اہمیت و عظمت والے ہیں پھر کان کا ذکر آنکھ سے پہلے کیا کیونکہ کان آنکھ سے افضل ہے۔ جیسا کہ اکثر علماء فرماتے ہیں اکثر و بیشتر ان دو عضوؤں کا ذکر اسی ترتیب سے آتا ہے۔

ؔ۴ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دعا وغیرہ کے عمل میں مطلوب اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی بجا آوری اور سنت کی اتباع ہے نہ کہ عمل کی جزا اور قبولیت دعا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰی[۱] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الْكِبْرِيَاۤءُ وَ الْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ وَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ مَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَّ اَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَّ اٰخِرَهٗ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ۔

حضرت عبد اللہ بن ابی[۱] اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا اللہ ہی کی حمد و بڑائی ہے۔ اور عظمت اللہ کے لیے ہے، خلق و حکم اور رات و دن اور جو ان میں رہتے ہیں سب اللہ کے لیے ہیں۔ الٰہی اس دن کا اول درستی بنا، درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے رحم کرنے والے اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی[۲] کی روایت سے بیان کیا۔

ؔ۱ آپ مشہور صحابی ہیں۔
ؔ۲ سُنی سین کی پیش اور نون مشدد سے۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى[۱] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ

حضرت عبد الرحمٰن بن ابزی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور

الْإِسْلَامِ وَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَعَلَى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى مِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ)

اخلاص کے کلمے پر اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر صبح کو پایا۔ حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے۔ مشرکوں سے نہ تھے۔

(احمد۔ دارمی)

لہ ہمزہ کی زبر یا ساکن زا مقصورہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پایا ہے اور حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی ہے آپ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔ آپ کی اکثر روایات امیر المومنین حضرت عمر و حضرت ابی بن کعب سے مروی ہیں۔

بَابُ الدَّعْوَاتِ فِي الْأَوْقَاتِ

مقررہ وقت کی دعاؤں کا باب

یعنی ان دعاؤں کے ذکر کا باب جنہیں مخصوص اوقات میں پڑھا جاتا ہے۔ وقت ایسے زمانے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے لیے مخصوص کیا گیا ہو۔ جیسے کہتے ہیں وقت نماز وقت روزہ اور وقت حج پھر جس طرح دعا کے لیے مخصوص اوقات ہیں اس کے لیے مخصوص حالات بھی ہیں جیسے حالت غضب اور کافروں کے مقابلے میں جنگ کرنے کے وقت، صف بنانے کی حالت وغیرہ۔ چونکہ حالت بھی اوقات میں ہی ہوتی ہے۔ اس لیے مؤلف نے سب کو اوقات میں ہی داخل کر دیا تاہم بعض حضرات اوقات کا جدا ذکر کرتے ہیں اور حالات کا الگ کیونکہ جہاں حالات کو الگ بیان کرتے ہیں وہاں حالات کا بیان کرنا مطلوب و مقصود ہوتا ہے نہ کہ وقت اسے اچھی طرح سمجھو۔

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے

اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّاْتِیَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مِمَّا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ یُّقَدَّرْ بَیْنَهُمَا وَلَدٌ فِیْ ذٰلِکَ لَمْ یَضُرَّهٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو یہ کہہ دے بسم اللہ خدایا شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے گا۔ تو اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان[1] نہ دے سکے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جماع و صحبت کے لیے۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس مخصوص وقت میں یہ دعا نہ پڑھے اور اسے دعا کے ذکر کی توفیق نصیب نہ ہو تو شیطان کو اس وقت بھی اپنی شیطانی کرنے کا راستہ مل جاتا ہے اور وہ نقصان پہنچاتا ہے ایسا خوش قسمت کون ہے جسے اس وقت بھی ذکر دعا کی توفیق مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل اولاد کے حالات اور ان کی تباہ کاریاں اور ان کا فساد طبیعت حد سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ الْکَرْبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف[1] کے وقت یہ کہتے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا علم والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب[2] ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ کرب آیا ہے صراح میں لکھا ہے کہ کرب ایسی تکلیف کو کہتے ہیں جو بندے کا سانس بند کر دے یعنی سخت تکلیف۔

[2] عظیم و کریم عرش کی صفت ہے یا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر کہا جائے کہ یہ ذکر ہے دعا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر بھی دعا کے حکم میں ہے کیونکہ کریم کی ثنا کرنا اس سے سوال کرنے کے مترادف ہے نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے جس بندے کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک دیتا ہے میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوْسٌ وَّاَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ. اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ لَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلیمان بن صرد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں دو شخصوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں گالی گلوچ کی ہم لوگ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے اُن میں سے ایک شخص دوسرے شخص کو غصے میں برا بھلا کہہ رہا تھا اُس کا منہ سرخ ہو چکا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں اگر وہ پڑھ دے تو اُس کی یہ حالت جاتی رہے جسے وہ محسوس کر رہا ہے وہ دعا یہ ہے میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی پاک علیہ السلام فرما رہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ نہیں۔[2] (بخاری و مسلم)

[1] ص کی پیش رکی زبر سے آپ صحابی ہیں بہت بڑے عالم و فاضل اور بڑے عبادت گزار ہوئے ہیں کافی عمر پائی اپنی قوم کے معزز اور شریف انسان سمجھے جاتے تھے اور اس لشکر کے امیر بنے جس نے کینے کے تحت امام شہید حسین بن علی بن ابی طالب کا خون گرایا تھا۔

[2] اور یہ کلمات اس شخص کو کہتے ہیں جو دیوانہ ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ایسا کلام وہ شخص کرتا ہے جو انوار شریعت سے آراستہ نہ ہو اور جس کو دین کی سمجھ نہ ہو تو اس شخص نے یہ وہم کیا کہ اعوذ باللہ پڑھنا دیوانے کے لیے خاص ہے۔ اُس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ غصہ بھی شیطان کے اثرات میں سے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ شخص منافق یا عرب کے سخت مزاج لوگوں میں سے تھا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ سے اُس کا فضل مانگو کیونکہ مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے

فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَإِنَّهٗ رَاٰى شَيْطَانًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور جب تم گدھے کا ہینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔

(بخاری ومسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ دیکھا آیا ہے یعنی ہیبت سے مرتے یہ لفظ دیک زیر یا کی زبر سے پڑھا گیا ہے یہ دیکہ کی جمع ہے دکی زیر یا ساکن جیسے قِرْدَۃٌ وقِرَدٌ۔

سلہ تو اس وقت اس امید میں دعا کرو کہ شاید وہ فرشتہ ہماری دعا پر آمین کہے۔ واضح ہو کہ مرغ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں مگر محدثین ان احادیث میں قیل وقال کرتے ہیں اور وہ حدیث جو سفید مرغ کے بارے میں آئی ہے کہ وہ عرش کے نیچے ہوتا ہے جب وہ بانگ دیتا ہے تو سارے مرغ بانگ دیتے ہیں اس حدیث میں بھی قیل وقال ہے یہ بحث تفصیل سے شرح سفر السعادت میں مذکور ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو روانہ ہوتے ہوئے اونٹ سلہ پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کر دیا۔ ہم اسے مطیع سلہ نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے سلہ ہیں الٰہی ہم تجھ سے اپنے سفر میں بھلائی پرہیزگاری اور تیرے پسندیدہ امور کی توفیق، مانگتے ہیں اے اللہ ہم پر اس سفر کو آسان سلہ کر دے اور اس کی درازی سمیٹ دے اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر بار میں والی ہے اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقت سلہ سے اور برے انتظار سلہ سے اور بری واپسی سلہ

وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَ إِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سے مال میں، گھر بار میں اور جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے۔ ان کلمات میں یہ کلمے اور بڑھا دیتے تھے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے رب تعالیٰ کے ثناگو ہیں[۸]۔ (مسلم)

[۱] یعنی اونٹ ہو یا کوئی اور سواری۔

[۲] حقیقت یہ ہے کہ حیوانات میں سے گھوڑا اونٹ اور ہاتھی اگر خدائے تعالیٰ انہیں تابع نہ کرے تو انسان میں ان پر سواری کرنے اور انہیں تابع کرنے کی کب طاقت ہے یہ محض خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اس کا اقتدار ہے کہ یہ انسان کے تابع کر دیے گئے ہیں۔ صراح میں ہے کہ مُقرن را کی زیر سے اُسے کہتے ہیں جس کے پاس مویشی چلانے کی طاقت یا ہمت نہ ہو۔

[۳] اس عبارت کا پہلے کلام سے یہ تعلق ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے انسان سواری اختیار کرتا ہے اور بڑا انتقال وہ انتقال ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف ہو نیز سواری خطرے اور ہلاکت کی چیز ہے پس سوار کو چاہیے کہ اپنی ہلاکت سے غافل نہ ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کے لیے تیار رہے۔

[۴] تاکہ ہمیں اس میں تھکاوٹ اور تکلیف نہ پہنچے۔

[۵] یہاں حدیث میں لفظ وعثاء آیا ہے جو وعث سے بنا ہے۔ یعنی ایسی نرم جگہ جس میں پاؤں نیچے دھنس جانے اور آسانی سے چلنا مشکل ہو بلکہ وہاں چلنے سے پاؤں لڑکھڑاتے ہوں۔

[۶] یہاں حدیث میں لفظ کابۃ المنظر آیا ہے یعنی نفس کی شکستگی جو کہ آنکھوں سے دیکھنے کا مقام ہے لفظ کابۃ کاف کی زبر سے بروزن رفت، بمعنی شکستگی بدحالی اور غم و اندوہ۔

[۷] یہاں حدیث میں لفظ سوء المنقلب آیا ہے لام کی زبر سے یعنی مال اور اہل میں بری واپسی سے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ ہماری واپسی ہمیں غم و اندوہ میں ڈال دے وہ اس طرح کہ ہم گھر والوں میں کوئی نقصان یا گمشدگی دیکھیں یا ایسی حالت میں اپنے گھر واپس نہ آئیں کہ جس مقصد کے لیے گئے تھے وہ حاصل نہ ہوا ہو۔

[۸] بعض نسخوں میں آئبین و تائبین و عابدین ۔ حامدین بھی آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَ الْمَالِ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ سفر کے نقصانات سے واپسی کی تکلیف سے بھلائی کے بعد برائی کے مظلوم کی بددعا سے اور گھر بار و مال میں برائی دیکھنے سے۔

(مسلم)

۱؎ سرجس سین کی زیر را ساکن جیم کی زیر آپ بصری صحابی ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ الحور بعد الکور ہے یعنی زیادتی کے بعد نقصان سے اور اضافے کے بعد کمی سے ۔ اور درستی کے بعد فساد سے اور ساتھیوں کی جماعت کے بعد اکیلا رہ جانے سے ۔ ایک روایت میں الحور بعد الکون بھی آیا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اچھی حالت نصیب ہونے کے بعد بری حالت طاری ہونے سے پناہ مانگتا ہوں اور ثابت قدمی کے بعد پاؤں کے لڑکھڑانے سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اصل لغت میں کور دستار پیٹنے کو کہتے ہیں اور حور اسے کھول دینے کو کہتے ہیں۔

۳؎ مظلوم کی بددعا سے پناہ مانگنا درحقیقت ظلم سے پناہ مانگنا ہے۔ یعنی ہم کسی پر ظلم نہ کریں تاکہ وہ مظلوم ہمارے خلاف بددعا نہ کرے۔

وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت خولہ[۱] بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوق کے شر سے تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی۔

(مسلم)

۱؎ خا کی زبر و ساکن سے آپ عالم و فاضل صحابیات میں سے ہیں۔

سلہ یعنی وہ کلمات تام اور کامل ہیں جن میں نقصان کو راستہ نہیں مل سکتا مراد قرآنی کلمات ہیں۔ بعض نے کہا اس سے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی شر پیدا کیا ہے بندہ ان اسماء کی برکت سے اُن سے محفوظ رہتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَقِیْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِی الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِیْنَ اَمْسَیْتَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا یا رسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت تکلیف پہنچی فرمایا اگر تم شام کے وقت یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں۔ تمام مخلوق کے شر سے تو تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا۔ (مسلم)

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ وَ اَسْحَرَ یَقُوْلُ سَمَّعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَ حُسْنِ بَلَآئِهٖ عَلَیْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَ اَفْضِلْ عَلَیْنَا عَآئِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے[1] سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اُس کی حمد پر اچھی نعمت ہے لے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہو جا اور ہم پر فضل کر[2] آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔[3] (مسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ سمع آیا ہے سلے دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے ایک میم کی زیر سے اور میم پر بغیر شد کے یعنی سماع سے بمعنی سننا۔ دوسری روایت یوں ہے کہ سمّع میم زبر اور شد سے جو تسمیع سے بنا ہے بمعنی کسی کو سنوانا۔ دونوں صورتوں میں الفاظ خبر ہیں اور معنیً امر ہے۔

پہلی صورت کے مطابق معنیٰ یہ ہے کہ ہم خدا کی جو حمد کرتے ہیں اُسے سننے والا سنے اور ہم پر جو اُس نے اچھی اچھی نعمتیں کیں ہیں وہ بھی سنے اور دیکھے تاکہ اس کی اتباع کرے اور اس پر گواہ بنے۔ بلا کا لفظ نعمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس

کی حقیقت خدا کی طرف سے بندے کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو بندے کو تکلیف پہنچا کر اس کا امتحان لیتا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ بندہ صبر کرتا ہے کہ نہیں اور کبھی مسرت و خوشی عطا کر کے بندے کو آزماتا ہے کہ یہ میرا شکر کرتا ہے کہ نہیں اور یہ دونوں نعمتیں ہیں۔ اس اعتبار سے کہ جب بندہ اس کے مطابق اپنے آپ کو رکھتا ہے تو اس پر اجر و ثواب ملتا ہے اور کمال ایمان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لفظ کی دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو چاہیئے کہ دوسروں کو بھی سنوائے اور دوسروں تک بھی اپنا حمد کرنا پہنچائے تاکہ دوسرے بھی حمد کرنے میں پیروی کریں۔

جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دین کی باتیں سننے والے کو چاہیئے کہ وہ غائب تک بھی دین کی باتیں پہنچائے بعض علماء اس کو خبر کے معنیٰ میں ہی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنیٰ یہ ہے کہ جس کے کان ہیں اس نے ہماری حمد سن لی ہے اور دوسروں کو بھی سنا دی ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو مشہور و عام ہے کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۲ یعنی اپنے کرم و عنایت سے ہم پر مزید احسان فرما۔ درحقیقت یہ مزید عنایت و نعمت کے ہمیشہ رہنے اور حصول برکت کی مزید طلب ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی لگاتار بارش کے باوجود اس کی مزید نعمتوں سے بے نیاز نہیں ہے۔ ع

آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

جو لوگ جتنے زیادہ غنی ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔

۳ یا معنیٰ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ سے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہوئے اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ پہلے معنیٰ کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہوگا اور ثانی معانی کے مطابق یہ راوی کا قول ہے۔

۴ تیجہ لو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے یا حج یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو زمین میں ہر اونچائی پر چڑھتے ہوئے تین تکبیریں پڑھا کرتے تھے پھر آپ فرماتے کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ وحدہ لا شریک ہے اس کے لیے ملک اور وہی حمد کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوگ لوٹنے والے

قَدِيْرٌ اٰيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے اس کے حضور سجدہ کرنے والے اور اسی کی حمد کرنے والے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے[2] اس نے اپنے بندے کی[3] مدد کی اور اس نے دشمنوں کے تمام لشکروں کو اکیلے شکست[4] دی۔
(بخاری و مسلم)

[1] یہ آپ کی تمام حالات میں دائمی عادت تھی۔ کہ جب بھی آپ بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ تورپشتی نے کہا کہ نئی حالت اور نئی کیفیت پیدا ہونے کے وقت ذکر کرنا مستحب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی رعایت اور اس کا لحاظ جگہ اور وقت کے مطابق کرتے تھے۔ جیسا کہ وقت صبح اور شام اور بیداری اور نیند کے وقت ذکر کرتے تھے۔ اس طرح آپ اس جانب اشارہ کرتے تھے کہ انسان کو چاہیے کہ حالات کی تبدیلی کے وقت حالات تبدیل کرنے والی ذات سے غافل نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ تبدیلی حالت کے وقت تکبیر کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب بندے کو بلند جگہ پر چڑھنے کا موقع میسر آتا ہو اور حسی رفعت حاصل ہوتی ہو تو شاید اس کے دل میں تکبر وغیرہ میں سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہو تو نفس کے اس وسوسے کو خدائے تعالیٰ کی کبریائی کے مشاہدے اور اس کی عظمت کے تصور سے دور کرے اور اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی یہ خوبی حاصل کرے اور یہ معنیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال شریف کے بہت موافق و احسن ہے۔ تیسری فصل کے آخر میں آرہا ہے کہ اترتے وقت آپ سبحان اللہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ نیچے اترتے وقت آپ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ یہ اس وجہ سے آپ کرتے تھے کہ نیچے اترنا ذلت انکسار اور تنزل کی حالت ہے پس آپ خدائے تعالیٰ کو اس سے منزہ ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے قول مبارک سے ظاہر ہوتا ہے۔

[2] یعنی دین اسلام کی تقویت و تائید میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

[3] یہ حضور علیہ السلام کے اپنے وجود شریف سے عبارت ہے۔

[4] اگرچہ بظاہر مسلمانوں نے جہاد کیا اور شکست دی لیکن حقیقت میں سب کچھ اللہ ہی کی قدرت سے ہوتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ گروہوں سے مشرکین کے گروہ اور یہود کے قبائل مراد ہوں۔ کہ غزوہ خندق میں جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں جمع ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اپنے لشکر ترتیب دیئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف لڑنے پر متفق ہو کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آندھیاں بھیجیں۔ اور ملائکہ کے لشکر روانہ کیے جنہوں نے ان پر ہلاکت و تباہی مسلط کر دی اور اللہ تعالیٰ کے قول صدق وعدہ سے خدائے تعالیٰ سبحانہ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وکفی اللہ المؤمنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی طرف سے لڑنے میں کافی ہے اور اللہ تعالیٰ قوی و غالب ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن مشرکین پر بددعا فرمائی اور فرمایا اے اللہ کتاب یعنی قرآن یا تمام آسمانی کتابیں نازل کرنے والے بندوں سے جلد حساب لینے والے یعنی علم و احاطہ کی بدولت بندوں کے قلیل وکثیر تمام اعمال کا حساب لینے والے۔ اے اللہ کفار کے ان گروہوں کو شکست دے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا۔ اور ان کے پاؤں کو پھسلا دے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اوفی ہمزہ کی زبر واو ساکن اس کے بعد فا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ صحابہ کرام میں سے کوفہ میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابی یہی ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِیْ فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِیَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهُ وَيُلْقِی النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى وَفِیْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِی النَّوٰى عَلٰى ظَهْرِ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِیَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِیْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهٖ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا اس سے حضور علیہ السلام نے کچھ کھایا پھر کھجوریں پیش کی گئیں تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ لے کر پھینکنے لگے کہ کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا تو حضور نے اسے پیا پھر میرے والد نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا اے اللہ انہیں جو روزی دی ہے اس میں برکت ڈال اور انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔ (مسلم)

لہ بُسر باء کی پیش سین ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے آپ کے باپ آپ کی ماں آپ کے بھائی اور آپ کی بہن سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے گھر تشریف لائے کھانا کھایا اور ان کے حق میں دعا فرمائی جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔

ؔ یہاں حدیث میں لفظ وطبۃ آیا ہے۔ اس لفظ کو کئی صورتوں میں روایت کیا گیا ہے اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے۔ قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں حرف واؤ میں فرمایا کہ یہ لفظ وطئہ ہے۔ طا کی زیر اس کے بعد ہمزہ ممدودہ اس کھجور کو کہتے ہیں جسے پہلے خستہ کرتے ہیں پھر اس میں دودھ ملاتے ہیں۔ ابن درید نے فرمایا کہ یہ لفظ طبیہ ہے یعنی کھجور کا شیرہ۔ اس لفظ میں اختلاف و وہم بہت زیادہ ہے اور صحیح یہی ہے اور سمرقندی نے کہا کہ یہ لفظ رطبہ ہے۔ را کی پیش اور طا کی زبر۔ رطب کا واحد یعنی تر کھجور اور وطبہ بھی آیا ہے یعنی طا ساکن اس کے بعد با۔ نقل کرنے والوں نے نووی سے نقل کیا ہے کہ اکثر روایت واؤ وطا ساکن اور با سے ہے۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی موجود ہے اس کا معنیٰ دودھ کی مشک بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا رَاَی الْھِلَالَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَ السَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللّٰہُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت طلحہ لہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو کہتے اے اللہ اسے ہم پر امن وایمان سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا ؔ اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے ؔ۔ (ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

ؔ یعنی آفات نفس اور زمانے کی خوفناک چیزوں سے ہمیں اس چاند میں حالت امن میں رکھ اور اس میں ہمیں ایمان کی پختگی بھی عطا فرما۔ ہمارے دل کی سلامتی اور اسلام کے بہتر حالات میں نصیب فرما اور تمام احکام الٰہی پر عمل کی توفیق سے سرفراز فرما۔ یہ چاند ان حالات کے ساتھ ہم پر چمکتا رہے۔ کیونکہ یہ عطائیں اور عظیم نعمتوں کے اصول ہیں بلکہ تمام نعمتوں

کو شامل ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ہلال تین رات تک کے چاند کو کہتے ہیں اس کے بعد اسے قمر کہتے ہیں۔ قاموس میں فرمایا کہ ہلال دو یا تین رات یا سات رات تک کے چاند کو کہتے ہیں اور مہینے کی آخری دو راتیں جو کہ چھبیسویں اور ستائیسویں رات ہوتی ہے کے چاند کو قمر کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دعا میں اول مہینے کا چاند مراد ہے۔ اور اقوال میں سے مشہور قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

سے اس میں اس امر کی تنبیہ اور پاکیزگی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرا اور میرا خالق اور شریک سے پاک ہے اس میں فرقہ دہریہ کا رد ہے۔ اس حدیث میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ نشانیوں کے ظہور حالات کے بدلنے اور خدائے تعالیٰ کی مصنوعات میں نظر کرنے اور ان کا مشاہدہ کرنے کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَاٰی مُبْتَلًی فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا اِلَّا لَمْ یُصِبْہُ ذٰلِکَ الْبَلَاۗءُ کَائِنًا مَا کَانَ۔

حضرت عمر ابن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی کو بلا میں گرفتار دیکھے تو یہ کہہ دے۔ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا۔ جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر فضیلت اور بزرگی عطا کی۔ مگر اسے یہ بلا و مصیبت نہ پہنچے گی۔ جو بھی بلا و مصیبت[1] ہو۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا۔

وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ الرَّاوِیْ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ۔

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں۔

لہ لیکن علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ کہنا اور ان کلمات سے مخاطب کرنا اس شخص کے لیے ہے جو فسق و معصیت میں مبتلا ہو اور علانیہ فسق و معصیت کا ارتکاب کرتا ہو تاکہ وہ یہ سن کر متاثر ہو۔ اور فسق و معصیت کو ترک کر دے لیکن اگر کسی بیمار تا ناقص الجسم انسان کو دیکھے یا ایسے فاسق کو دیکھے جس کا حال پوشیدہ ہو تو اسے مخاطب نہ کرے اور بلند آواز سے یہ کلمات نہ پڑھے بلکہ دل میں کہے اور بس۔ تاکہ وہ تکلیف اور اذیت محسوس نہ کرے اور ملول نہ ہو جائے۔

وَعَنْ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَّمَحَاعَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَّرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَّبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ مَنْ قَالَ فِيْ سُوْقٍ جَامِعٍ يُّبَايَعُ فِيْهِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت وہی دیتا ہے، وہ خود زندہ ہے کبھی نہ مرے گا اس کے قبضہ میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے عوض لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے[1] (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنت میں اس طرح ہے کہ جو بھرے بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے یہ الفاظ دخل السوق کے بجائے کہے۔

[1] علامہ طیبی نے اس حدیث کی تقریر میں دراز گفتگو فرمائی ہے۔ اور جامع بیان سپرد قلم کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام ثواب اس وجہ سے ہے کہ ایسا شخص درحقیقت اہل بازار سے جو کہ جھوٹ اور جھوٹی قسموں کی جگہ ہے غفلت کی تاریکی کو دور کرتا ہے۔ اور جبکہ بازار میں یہ تاریکی گنی اور سخت ہوتی ہے تو ان کلمات کے پڑھنے پر ثواب بھی کثیر اور عظیم مقرر کیا۔ چونکہ جو شخص یہ کلمات پڑھتا ہے وہ ہدایت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتا ہے اس لیے اُسے اجر بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رض قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَّدْعُوْا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فَقَالَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں۔

اَیُّ شَیْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ فَقَالَ دَعْوَةٌ اَرْجُوْ بِهَا خَيْرًا فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِ اسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَ هُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَاَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَسَلْهُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا پوری نعمت کیا چیز[1] ہے۔ اس نے عرض کیا یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی امید کرتا ہوں[2] فرمایا کہ پوری نعمت جنت میں جانا اور آگ سے نجات[3] ہے۔ اور آپ نے ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی واکرام والے تو فرمایا تیری دعا قبول ہو گی اب مانگ لے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں فرمایا تو نے اللہ سے مصیبت اور آفت[4] مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت[5] مانگ۔

(ترمذی)

[1] یعنی وہ تمام نعمت جو تو مانگ رہا ہے کیا ہے۔

[2] یعنی میں مجمل طور پر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پوری نعمت ہے اور میں اسے ہی طلب کرتا ہوں مگر اس کی حقیقت تفصیل سے نہیں جانتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پوری نعمت سے آگاہ فرمایا۔

[3] کہ بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نعمتوں سے محظوظ و مسرور زندگی بسر کرے آخرت میں عذاب دوزخ سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے دیدار و مشاہدہ سے مشرف ہو جائے تو اس سے زیادہ مکمل نعمت اور کیا ہو گی۔

[4] کیونکہ صبر بلا و مصیبت کے وقت ہوتا ہے۔

[5] یعنی خدائے تعالیٰ سے عافیت طلب کر اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تمام آفات و بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ مصیبت کو برداشت کرنا درحقیقت بلا و مصیبت ہے۔ جو نہیں طلب کرنی چاہیے اور اگر بلا نازل ہو تو صبر کرنا چاہیے یہی طریقہ یہ ہے اور بندے کے حال کی بہتری اور آداب کی اصلاح اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغف[1] زیادہ ہو تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ دے پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں

وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔

کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں مگر اس کی وہ تمام حرکات معاف کر دی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترمذی شریف اور بیہقی نے دعوات الکبیر میں۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ لغط آیا ہے۔ قاموس میں فرمایا لفظ غین کی زبر اور جزم سے بھی آیا ہے۔ بمعنی آوازیا ایسی آوازیں جن کا معنیٰ سمجھ نہ آئے۔ یہاں بے فائدہ اور لایعنی کلام مراد ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّهٗ اُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلٰثًا وَ اللهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آپ کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لایا گیا آپ نے جب رکاب میں اپنا پیر مبارک رکھا تو فرمایا بسم اللہ جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمد للہ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنا دیا۔ اور ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے۔ اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں پھر تین بار کہا الحمد للہ پھر تین بار اللہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقیناً اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا پھر آپ ہنس پڑے عرض کیا گیا یا امیر المؤمنین آپ کس چیز سے ہنسے ہیں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس چیز سے ہنسے ہیں فرمایا تمہارا رب اپنے بندے

ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ يَقُوْلُ يَعْلَمُ أَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِيْ.	سے خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔[2]
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ)	(احمد، ترمذی) (ابو داؤد)

[1] اس کا ترجمہ فصل اول میں گزر چکا ہے۔

[2] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رب العزت جل شانہ کے قول مبارک سے ہنس پڑے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور کی اتباع کے ارادے سے ایسا کیا یا آپ بھی اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول مبارک سے ہنس پڑے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَدَّعَ رَجُلًا أَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ اسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ.	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھڑاتے[1] یہاں تک کہ وہ شخص خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا[2] اور فرماتے میں تیرا دین تیری امانت[3] اور تیرا آخری عمل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ تیرے عمل کے خاتموں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ فِيْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يُذْكَرْ وَ اٰخِرَ عَمَلِكَ.	ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ ان دونوں کی روایت میں آخر عملک کا ذکر نہیں۔

[1] آپ کا یہ طرز عمل غایت تواضع اور سلامت کے ساتھ انتہائی نرمی اور شفقت کی بناء پر ہوتا تھا۔

[2] تعجب اس مرد کے حال پر کرنا چاہیے جو اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے اور پھر جلدی اپنا ہاتھ چھڑا لے کہ

خوشش دولتی است اینکہ ترا دست دادہ دست

ترجمہ۔ یہ کتنی اعلیٰ درجے کی دولت ہے کہ تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔

یعنی وہ مال جس کے ذریعے تو لوگوں سے لین دین کرتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے لیے اُس کے امورِ دین دنیا کی حفاظت کی دعا فرمائی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ انسان کو سفر کی وجہ سے مشقت اور تکلیف پہنچتی ہے جس کی وجہ سے انسان لبسا اوقات طاعات واورادسے محروم رہتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ اور اچھی معاشرت اختیار نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ امانت سے اہل واولاد مراد ہیں۔

۴ یعنی ایک روایت میں آخر عملک کی بجائے خاتمہ عملک آیا ہے۔ آخر عمل کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اعتبار خاتمے کا ہے۔ اس روایت میں خواتیم عملک بھی موجود نہیں ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَطْمِيِّ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَ أَمَانَتَكُمْ وَ خَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ خطمی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تو فرماتے میں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت اور تم لوگوں کے آخری عمل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ (ابو داؤد)

۱ خا کی زبر طا کی جزم آپ انصاری صحابی ہیں۔ آپ سترہ سال کی عمر کے تھے کہ غزوہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

وَعَنْ أَنَسٍ رضی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ قَالَ وَ يَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ سفر خرچ[۱] عطا فرمائیے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا کرے عرض کیا کچھ زیادہ دیجیے فرمایا تیرے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجیے۔ فرمایا اللہ تجھے بھلائی عطا کرے تو جہاں بھی ہو۔ ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی میرے لیے برکت اور سفر میں امن وعافیت کی دعا فرمائیں جو سفر خرچ کی طرح ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ توشہ سے ظاہری اور مشہور سفر خرچ مراد ہو اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے اس کے لیے تقویٰ کی دعا فرمائی جو راہ آخرت کا توشہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَ التَّکْبِیْرِ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّی الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَطْوِلَہُ الْبُعْدَ وَ ھَوِّنْ عَلَیْہِ السَّفَرَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمائیے فرمایا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اپنے پر لازم کرے اور ہر بلندی پر تکبیر کہہ جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو حضور نے فرمایا الٰہی اس کے لیے دوری لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔

(ترمذی)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ فَاَقْبَلَ اللَّیْلُ قَالَ یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَ رَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَ شَرِّ مَا فِیْکِ وَ شَرِّ مَا خُلِقَ فِیْکِ وَشَرِّ مَا یَدُبُّ عَلَیْکِ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ اَسَدٍ وَ اَسْوَدَ وَ مِنَ الْحَیَّۃِ وَ الْعَقْرَبِ وَ مِنْ شَرِّ سَاکِنِ الْبَلَدِ وَ مِنْ وَّالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور رات آ جاتی تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے میں تیرے[لہ] اور تیری اندرونی چیزوں[لہ] اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں میں شیر سے، کالے ناگ سے[لہ] تمام سانپوں سے اور بچھوؤں سے اور شہر میں رہنے والوں کے شر سے اور ہر جننے[لہ] والے اور جنے ہوئے کے شر سے۔ اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

(ابوداؤد)

لہ یعنی اس شر سے جو تیری ذات میں پیدا ہو جیسے زمین میں دھنسنا اور صحراؤں میں حیران اور سرگرداں ہونا۔

سے یعنی حیوانات کیڑوں کوڑوں اور جنوں وانس سے۔

سے جیسے غاریں اور گڑھے وغیرہ۔

سے کہ یہ سانپوں کی ایک بدترین قسم ہے۔

ھہ ایک روایت میں اور کا لفظ نہیں ہے۔

سے اس سے مراد انسان ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد جن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جن ہیں جو ہر شہر اور ہر زمین میں بستے ہیں اور اگر ان سے دونوں مراد لیے جائیں تو بھی ٹھیک ہے۔

سے جننے والے سے ابلیس مراد ہے اور جنے ہوئے سے اس کی نسل۔ اور اگر عام چیزیں مراد لی جائیں تو زیادہ مناسب ہے تاکہ سب کو شامل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو فرماتے الٰہی تو میری قوت بازو ہے میرا مددگار ہے تیرے بھروسے ہی سے دفع کرتا ہے تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں تیری امید سے جہاد کرتا ہوں۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ عضد عین کی زیر ض کی پیش سے یہ اس لفظ کا مشہور استعمال ہے اور یہ مشہور عضو کا نام ہے یعنی بازو اور عرف میں بمعنیٰ ناصر و معین آتا ہے۔ پس اس سے اگلا قول ونصیری اس کی تفسیر اور اس کا بیان ہے۔

سلہ تاکہ دشمنوں کو دفع کر دوں یا میں تیرے ساتھ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف حرکت کرتا ہوں۔

سے یعنی تیری تائید و نصرت سے جہاد کرتا ہوں۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰیؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس کرتے تو فرماتے اے اللہ ہم ان کے مقابل تجھے کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ لیتے ہیں۔

(احمد و ابوداؤد)

لہ یہاں حدیث میں لفظ نحور آیا ہے جو نحر کی جمع ہے نحر سینے کے اوپر کے حصے کو کہتے ہیں جہاں سے جانور کو ذبح کرتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں میں نے اسے دشمن کے سینے میں کر دیا۔ یہ کلمہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی کو دشمن کے مقابلے میں مقرر کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی طرف سے لڑے اور جنگ کرے اور درمیان میں حائل ہو جائے۔ سینے کا ذکر اس لیے کیا کہ لڑائی کے وقت دشمن سینے کے مقابل ہی کھڑا ہوتا ہے یا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم ان کے ذبح اور قتل کرنے ہی رہیں گے۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوٗدَ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا رَفَعَ طَرْفَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو فرماتے شروع اللہ کے نام سے اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم پھسل[1] جائیں یا بھٹک[2] جائیں یا کسی کو ستائیں[3] یا ستائے جائیں یا کسی سے جہالت سے[4] پیش آئیں یا کوئی ہم سے جہالت سے پیش آئے۔ (احمد۔ ترمذی۔ نسائی)

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے ابو داؤد ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے پھر فرماتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بھٹکوں یا بھٹکا[5] جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت سے پیش آؤں یا کوئی مجھ سے جہالت سے پیش آئے۔

لہ یہ لفظ زلت سے بنا ہے بمعنی راستے میں چلتے ہوئے پاؤں کا پھسلنا اور گر پڑنا در اصل یہ کنایہ ہے۔ اس بات سے کہ انسان بلا ارادہ گناہ میں گر پڑے۔

سکہ یا راہ راست چھوڑ دیں اور ٹیڑھے راستے پر چل پڑیں اور ادامتیاراً ہم سے گناہ واقع ہو جائے۔

سکہ یہاں حدیث میں لفظ نَظْلِمُ آیا ہے نون کی زبر لام کی زیر سے اس سے اگلا لفظ نُظْلَمُ نون کی پیش لام کی زبر سے معنی یہ ہے کہ ہم کسی پر ظلم کریں یا کوئی ہم پر ظلم کرے کیونکہ یہ بھی ناپسندیدہ اور مذموم ہے اس لیے کہ ذلت و خواری اور خستہ حالی پر اگرچہ انسان کو اجر ملتا ہے مگر اس میں ایک دوسرا نقصان بھی ہے کہ شاید بندہ تنگ آ کر ظالم کے لیے بددعا کرے یا بدلہ لینے میں حد سے بڑھ جائے ایسی صورت میں ظلم اس بندے کی طرف لوٹ آئے گا تو سلامتی اسی میں ہے کہ نہ ظالم بنے نہ مظلوم۔

سکہ یعنی کسی کو ایذا یا نقصان پہنچائیں یا کوئی ہمیں ایذا پہنچائے۔

سکہ اس روایت میں لفظ ازل نہیں ہے اور لفظ نَضِلَّ صیغہ مجہول زیادہ آیا ہے اور دعا لفظ مفرد سے کی گئی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يُقَالُ لَهٗ حِيْنَئِذٍ هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَ وُقِيْتَ فَيَتَنَحّٰى لَهُ الشَّيْطَانُ وَيَقُوْلُ شَيْطَانٌ اٰخَرُ كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَ كُفِيَ وَ وُقِيَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ لَهُ الشَّيْطَانُ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے تو کہے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت تو اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت اور کفایت دی گئی اور تو محفوظ کر لیا گیا پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔ اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے تجھے اس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت اور کفایت دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا۔ ابو داؤد۔ اور ترمذی نے لہ الشیطان تک روایت کیا۔

سلہ یعنی تیرے گھر سے نکلنے کے بعد تجھے صحیح راستہ ملے اور تو درست و ٹھیک کام کرے یا مراد یہ ہے کہ تو نے خدا کا نام لیا اس پر توکل کیا اپنی قوت و طاقت سے تو باہر نکل آیا تو تو نے ہدایت پائی۔ اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا یہ چیز اس وقت انسان کو نصیب ہوتی ہے کہ بندہ خدا کی یاد میں ہو اور اپنے کام اس کے حوالے کر دے۔ بیت

کار خود را بخدا باز گزار ۔۔۔ کت نمی بینم ازیں بہتر کار

ترجمہ۔ اپنا کام خدا کے حوالے کر دے کیونکہ اس سے بہتر میرے نزدیک کوئی کام نہیں ہے۔

سے یعنی تمام نعمات تیری حفاظت میں کر دی گئیں اور تمام شر و ر سے تمہیں بچا لیا گیا۔

سے اور اُسے گمراہ کرنے بہکانے اور ایذا پہنچانے سے رک جاتا ہے۔

سے دوسرا شیطان اُس شیطان سے کہتا ہے جو ایک طرف ناکام و نامراد ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اُسے بہکانے اور گمراہ کرنے سے عاجز آ جاتا ہے یہ اُس کی تسلی کے لیے کہتا ہے۔

ھ یعنی تجھے اُس سے کوئی چھیڑ چھاڑ کی گنجائش نہیں جو کہ ہدایت کی راہ پر قائم ہو گیا اور جس کے لیے اللہ کافی ہو گیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ امام طیبی کی تقریر یہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیطان بندے سے بچتے وقت حسرت کھانے نامراد و ناکام ہونے کے بعد پھر اُسے اغوا کرنے اور گمراہی میں ڈالنے کا خیال کرے اور کسی دوسرے مکر و کر اور حیلے میں مبتلا کرنے لگے اور اس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہو اتنے میں دوسرا شیطان اُس سے کہے کہ یہ خیال چھوڑ دے کیونکہ اب تیرا اس کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑنا بالکل بے فائدہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَ عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى اَهْلِهٖ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے اے الٰہی میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں[۱] اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کریں[۲]۔

(ابوداؤد)

لہ کہ میرا گھر سے نکلنا اور گھر میں آنا نیکی پر مشتمل ہو اور اس میں نیکی ہی نیکی پائی جاتی ہو یہاں حدیث میں مولج آیا ہے لام کی زیر اور مخرج رکی زبر ہے۔

سلہ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی سلام کہے اور یوں بولے السلام علی عباد اللہ الصالحین اور ملائکہ کی نیت کرے۔ جو وہاں موجود رہتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّاَ الْاِنْسَانَ اِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے

تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

اللہ تجھے برکت دے[1] اور تم دونوں پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے[2]۔
(احمد۔ ترمذی)
(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

[1] یہ مرد کو خطاب ہے پھر آپ مرد و عورت دونوں کو مخاطب کرکے فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو برکت عطا کرے۔ برکت کا معنی لغت میں زیادہ کرنے کا ہے۔ تبریک کا معنی ہے برکت کی دعا کرنا۔

[2] یعنی تم دونوں کو اتفاق اور حسن سلوک عطا کرے۔ یہاں حدیث میں لفظ رفاء آیا ہے فاکی شد آخر میں ہمزہ یہ لفظ ترفیہ سے نکلا ہے۔ لغت میں رفو کا معنی ہے آپس میں ملنا اور نیکی میں کپڑا پھٹا اور کاٹنا اور پھاڑنا۔ جاہلیت میں نکاح کے وقت ان الفاظ سے دعا کی جاتی تھی بالرفاء والبنین یعنی تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تمہیں نرینہ اولاد عطا ہو شرع میں یہ دعا کرنا منع ہے کیونکہ اس میں بچیوں سے نفرت کا اظہار پایا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس موقع پر دعا کرتے تو یوں فرماتے بارک اللہ لک۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمُ امْرَاَةً اَوِ اشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فِي الْمَرْاَةِ وَ الْخَادِمِ ثُمَّ لْيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَ لْيَدْعُ

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خادم خریدے تو یوں کہے اے اللہ بے شک میں تجھ سے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس چیز کی خیر مانگتا ہوں جس پر تو نے اسے پیدا کیا اور بے شک میں تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا اور جب تم میں سے کوئی اونٹ خریدے تو اس کی کوہان[1] پکڑے اور یہی کلمات کہے ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عورت اور خادم خریدتے

بِالْبَرَكَةِ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

وقت ان کی پیشانی کو پکڑے اور برکت کی دعا کرے۔
(ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

۱ یہاں حدیث میں لفظ ذُروہ یا ذِروہ یعنی پیش یا زیر سے ہر چیز کی بلندی کو کہتے ہیں اور کوہان کی بلندی اور پہاڑ کی بلندی اور سنام بمعنی پہاڑ۔

وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غمگین بندے[2] کی دعائیں یہ ہیں۔ الٰہی میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو مجھے ایک لمحہ کے بقدر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر میرے سارے کام بنا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔
(ابو داؤد)

۱ بکرہ با کی زبر ک ساکن آخر میں تا آپ مشہور صحابی ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔
۲ یعنی وہ دعا جو غمگین آدمی پڑھے تو کوئی غم واندوہ باقی نہ رہے اور چونکہ یہ دعا معانی کثیرہ پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے گویا یہ کئی دعائیں ہیں اس لیے اس ایک دعا کے لیے لفظ جمع یعنی دعوات کا لفظ لایا گیا۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِيْ وَدُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُكَ كَلَامًا اِذَا قُلْتَهٗ اَذْهَبَ اللهُ هَمَّكَ وَقَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے غم[1] و قرض چمٹ گئے تو فرمایا میں تجھے وہ دعا نہ سکھا دوں کہ جب تو اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ تیرے سارے غم مٹا دے اور تیرا قرض اتار دے۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ضرور فرمایا روزانہ صبح و شام کے وقت یہ پڑھ لیا کر الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ لیتا ہوں اور عاجزی و سستی سے بھی تیری ہی پناہ لیتا ہوں اور کنجوسی و بزدلی

الْكَسَلِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّيْ وَ قَضٰى عَنِّيْ دَيْنِيْ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آجانے سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ یہ صحابی فرماتے ہیں میں نے اس[۳] پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم مٹا دیا اور میرا قرض ادا کر دیا۔ (ابوداؤد)

[۱] حدیث میں لفظ ہم آیا ہے یعنی الیسا غم اور ایسی بیماری جو جسم کو پگھلا کر رکھ دے۔

[۲] حدیث میں لفظ ہم و حزن آیا ہے دونوں کا معنی غم ہے مگر اتنا سا فرق ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں جس کی توقع ہو اور حزن وہ غم جس میں بندہ مبتلا ہو چکا ہو۔

[۳] یعنی میں نے صبح و شام یہ کلمات پڑھے۔

وَ عَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّهٗ جَآءَهٗ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّيْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِيْ فَاَعِنِّيْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک آپ کے پاس ایک مکاتب[۱] آیا اور کہنے لگا میں اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں میری کچھ مدد فرمائیے۔ فرمایا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ سے ادا کرا دے۔ یہ پڑھا کر خدایا مجھے اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام[۲] سے تو کافی ہو جا اور مجھے تو اپنی مہربانی سے اپنے سوا سے بے نیاز کر دے۔ ترمذی و بیہقی دعوات الکبیر

وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِيْ بَابِ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ اِنْ شَآءَ

اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو الی آخرہ۔ برتن ڈھکنے کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

سلہ مکاتب اُس غلام کو کہتے ہیں جس نے اپنی آزادی کے لیے اپنی قیمت مقرر کرلی جب وہ ادا کر دے تو آزاد ہو جائے۔

سلہ یعنی آپ مجھے ایسی چیزیں جو میرے لیے بدل کتابت بن جائے مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف مکاتب بھی ہے کہ زکوٰۃ میں سے بدل کتابت دینا جائز ہے یا اُس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے آپ ایسی دعا سکھلائیں کہ میں اس کی برکت سے بدل کتابت ادا کرکے غلامی سے نجات حاصل کروں۔

سلہ یعنی مجھے رزق حلال دے تاکہ میں حرام سے بے نیاز ہو جاؤں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا اَوْ صَلّٰى تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَاَلْتُهُ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ اِنْ تُكَلِّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعًا عَلَيْهِنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنْ تُكَلِّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے۔ میں نے حضور سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی[1] بات کی جائے تو ان پر روز قیامت[2] مُہر لگ جاتی ہے۔ اور اگر بُری بات کہی گئی ہو تو یہ کلمات اُس کا کفارہ بن جاتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ الٰہی تو پاک ہے تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (نسائی)

سلہ اس کلام میں اچھی بات کی جائے تو اس پر ثواب ہے یا اس میں عذاب نہیں اس صورت میں حدیث میں واقع لفظ تکلم ہوگا یعنی تا کی زیر کاف ساکن یا اگر تکلم پڑھا جائے۔ اس صورت میں تینوں حرفوں پر زبر ہوگی یعنی تا کاف اور لام پر۔

سلہ یعنی ان کے صحیح ہونے کی دلیل بن جائے گی۔

سلہ یعنی ان کلمات کے سوا اُس کا گناہ چھپا دیا جائے اور اُسے بخش دیا جائے گا اور یہ کلمات یا تو مجلس میں کہے جائیں یا بعد نماز۔

وَعَنْ قَتَادَةَ[1] بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے[2] بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو، بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو، بھلائی اور خیر کا چاند ہو پھر فرماتے اُس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ[3] لے آیا۔ (ابو داؤد)

[1] آپ جلیل القدر علمائے تابعین اور اُن کے مشاہیر میں سے ہوئے ہیں آپ اکثر روایات حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو طفیل و سعید ابن المسیب سے بھی روایت کرتے ہیں۔

[2] یہ لفظ آپ نے تین بار فرمایا رشد را کی پیش شین ساکن بمعنی صحیح راستے پر چلنا اور گمراہی سے بچنا۔

[3] اور آپ آیندہ ماہ کا نام لیتے اور اس پر شکر ادا کرتے تھے آپ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ گزرنے والا مہینہ اور آنے والا مہینہ دونوں خیر والے ہوں یا یہ کہ ان میں عمر اور سلامتی باقی رہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهٗ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاۤؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر رنج و غم زیادہ چھا جائے وہ یہ دعا پڑھے الٰہی میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے اور تیری بندی کا بچہ ہوں میری پیشانی تیرے قبضے[2] میں ہے۔ مجھ میں تیرا حکم جاری[3] ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا[4] رکھا یا جو نام تو نے اپنی کتاب میں اُتارا یا جو نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو

عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاۤءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ غَمَّهٗ وَاَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج و غم کا علاج اور دفعیہ بنا دے۔ یہ کلمات کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا غم دور کر دیتا اور اس کے عوض کشادگی عطا کرتا ہے

(رزین)

۱؎ یعنی تیری ملک اور تیرے تصرف میں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں تیرے قبضے میں ہے یعنی تیری ملک میں ہے اور لفظ قبضہ کاف کی پیش اور زیر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۲؎ یعنی اسے کوئی روک نہیں سکتا نہ اس میں کوئی دیر ہو سکتی ہے تو جو چاہتا ہے اور کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

۳؎ یہ عام ہے اور تمام اقسام کو شامل ہے اس کے بعد خود ان اقسام کا ذکر فرمایا۔

۴؎ بعض نسخوں میں حاشیے میں جیم کی علامت آئی ہے اور اس کے بعد لفظ انزلتہ فی کتابک۔

۵؎ یعنی جس طرح موسم بہار زمین میں زندگی اور آثار رحمت کے ظہور کا سبب ہے معارف قرآنی سے یہی میرا دل زندہ کر دے اور اسے نزول رحمت کی جگہ بنا دے۔

۶؎ رنج و غم دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے مگر لفظ ہم مستقبل کے لیے اور غم ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۷؎ یہاں حدیث میں لفظ فرج آیا ہے یا فا اور را کی زبر بمعنی کشائش۔ چنانچہ کہتے ہیں فرج اللہ عنک غمک یعنی اللہ تعالیٰ تیرا غم دور کرے اور یہاں فرج کی جگہ فرحا بمعنی خوشی بھی آیا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ایسے مقامات میں جیم کے ساتھ ہی آتا ہے۔ مگر اس جگہ بعض نسخوں میں حا کے ساتھ فرحا بھی آیا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم اونچی جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح۱؎ کہتے تھے۔

(بخاری)

۱؎ بعض روایات میں لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی آیا ہے۔ اس کی وجہ تسبیح تکبیر اور تہلیل کے باب میں گزر چکی ہے

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ يَقُولُ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز غمگین کرتی تو فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ بِمَحْفُوظٍ.

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور محفوظ نہیں۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ شَيْءٌ تَقُولُهُ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوهَ أَعْدَائِهِ بِالرِّيحِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یارسول اللہ کوئی ایسا وظیفہ ہے جو ہم پڑھیں کیونکہ دل گلوں میں پہنچ گئے ہیں[1] فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک دے[2] ہمارے خوفوں کو امن سے بدل دے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا کے ساتھ بھگا دیا۔[3] (احمد)

[1] یہ غم اور تنگ دلی سے کنایہ ہے۔ علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یعنی ہر طرف سے ہم پر غم کے بادل چھا رہے ہیں خوف کی سختی بڑھ رہی ہے جس سے ہمارے دل گلے میں اور گلے کے باہر کے حصے میں پہنچنے کو تیار ہیں جو کہ کھانے اور پانی کے داخل ہونے کی جگہ ہے مگر بیضاوی کا یہ کہنا کہ دل اس جگہ پہنچ جائے جو کھانے پینے کی جگہ ہے۔ قابل اعتراض ہے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دل اُس رگ کے اوپر کے سرے تک پہنچ جائے جو سانس کی گزرگاہ ہے۔ طعام اور پانی کی گزرگاہ وہ رگ ہے جسے مری کہتے ہیں۔ اور یہ سانس کی رگ سے نیچے ہوتی ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ عورات آیا ہے بمعنی بیت سے عیب۔ لفظ عورت کا معنیٰ اصل میں یہ ہے کہ ایسی چیز ظاہر ہونا یا دیکھنا جس سے شرم لاحق ہو۔ یہاں دوسرا لفظ روعات آیا ہے۔ بمعنیٰ ڈرنا جبکہ ر کی زبر سے ہو اور بمعنیٰ دل جبکہ ر کی پیش سے ہو۔

[3] یہ واقعہ قرآن میں صراحتاً مذکور ہے اور یہ غزوہ خندق کا قصہ ہے اسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ مفصل واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً[1] خَاسِرَةً۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو فرماتے اللہ کے نام سے الہٰی میں تجھ سے اس بازار کی خیر اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس بازار کے شر اور جو اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ الہٰی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کوئی گھاٹے کا سودا کروں۔

اسے بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ صفقہ آیا ہے یعنی سودا کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارنا جس سے آواز پیدا ہو۔ یہ چیز سودا بیچتے وقت اور بیعت کرتے وقت کی جاتی ہے۔

بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ

پناہ طلب کرنے کا باب

لغت کے مطابق لفظ عوذ و عیاذ و معاذ استعاذہ یعنی پناہ حاصل کرنا چنانچہ کہتے ہیں عذت بہ واستعذت بہ میں نے اس سے پناہ لی۔ وھو عیاذی یعنی وہ میری پناہ ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ افضل اعوذ باللہ ہے یا استعیذ باللہ اکثر دوسرے قول پر ہیں کیونکہ ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ ترجمہ۔ جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کے پاس پناہ لے اخبار و آثار اول کلمے میں بھی وارد ہوئی ہیں اور یہ قرآن پڑھنے میں ہے ماثورہ دعاؤں میں لفظ اعوذ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ معنی سب کا ایک ہے۔ اختلاف و گفتگو صرف لفظ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَ دَرْكِ الشَّقَاءِ وَ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ .

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو آفت کی شدتوں[۱] سے اور بدبختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کے طعنوں سے ۔

(بخاری ومسلم)

[۱] یعنی بلا کی مشقت اور اس کی انتہا اور شدت سے انسان کا حال یہ ہے کہ انسان کو امتحان کے طور پر مشقت اور بلا کے فتنے میں ڈالا جاتا ہے انسان اس سے گزرنے میں دشواری محسوس کرتا ہے ۔ یہاں حدیث میں لفظ جہد آیا ہے جیم کی پیش سے بمعنیٰ طاقت اور وسعت زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ مشقت و انتہا ۔ یہاں زبر سے پڑھنا مناسب ہے بعض نے کہا اس سے مراد وہ حالت ہے کہ انسان موت کو زندگی پر اختیار کرنے لگے ۔ بعض نے کہا قلت مال اور کثرت عیال مراد ہے ۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ اس سے ہر طرح کی مشقت اور تکلیف مراد ہے ۔ اس حدیث میں واقع اگلا لفظ درک الشقاء ہے بمعنیٰ سختی و دشواری کا پیش آنا شقا شین کی زبر سے بمعنیٰ شدت اور تنگ دستی ۔ حدیث میں واقع تیسرا لفظ سوء القضاء ہے یعنی بری قضا سے بھی پناہ مانگو ۔ اس سے وہ قضا مراد ہے جس میں انسان کو بری اور ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں ۔ اور بری قضا کہے گئے ۔ کلام سے تعلق رکھتی ہے قضا سے تعلق نہیں رکھتی اور یہ اس کے عکس ہے جو کہتے ہیں کہ قضا پر راضی ہونا واجب ہے تاکہ اس تکلیف ومحنتی پر جو قضا کر دی گئی ہے راضی ہو جائے اگلا لفظ شماتۃ الاعدا یعنی دینی و دنیوی دشمنوں کے خوش ہونے سے بھی پناہ مانگو ۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو جو دنیا کی چیزوں میں اسراف کرے اور فسق و فجور اور ظلم وستم پھیلائے اور دشمن ایسے شخص کے زوال پر خوش ہوں تو اس سے پناہ مانگنا جائز نہیں ۔ اس سے پناہ مانگنا تو طلب فسق وظلم ہوگا اور اس طلب کے لیے دعا کرنا جائز نہیں ۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَ ضَلَعِ الدَّيْنِ وَ غَلَبَةِ الرِّجَالِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں رنج وغم سے ۔ عاجزی اور سستی سے بزدلی اور کنجوسی سے ۔ اور قرض چڑھ[۱] جانے اور لوگوں کے غلبہ سے ۔

(بخاری ومسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ ضلع میں کی زبر لام کی زبر بمعنی بھاری بوجھ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے۔ الہٰی میں تیری پناہ لیتا ہوں سستی سے بڑھاپے سے قرض سے اور گناہ سے۔ الہٰی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنہ[1] سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور مالداری اور فقیری کے فتنہ[2] سے اور مسیح دجال کے فتنہ[3] سے۔ اللہ میری خطائیں دھو دے برف کے اور اولوں کے[4] پانی سے۔ اور میرا دل ایسا صاف کر دے جیسے سفید کپڑا[5] میل سے صاف کیا جاتا ہے اور میری اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کر دے جیسا مشرق و مغرب[6] میں کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی ایسے فتنے سے پناہ لیتا ہوں جو عذاب نار میں پہنچانے کا باعث بنے۔

سلہ اس عبارت میں زیادہ شر کی جانب اشارہ ہے حقیقت میں یہ اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ مالداری اور محتاجی دونوں حالتوں میں فتنہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اور انسان کے فتنے میں مبتلا ہونے میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ پھر انسان دولت کی وجہ سے فسق و اسراف میں مبتلا ہوتا ہے اور محتاجی کی وجہ سے بے صبری کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

سلہ اس کا بیان کتاب کے ابتدا میں گزر چکا ہے۔ و علامات قیامت میں انشاء اللہ العزیز مزید آئے گا۔

سلہ بعض روایتوں میں پانی اور برف اور اولوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے۔

شہ سفید کپڑے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ سفید کپڑے میں صفائی اور نکھار زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور اس میں صفات

فطرت اور طہارت کی جانب اشارہ ہے اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ دل پر جو میل کچیل چڑھتی ہے وہ عارضی اور وقتی چیز ہے۔ بندے کی اصل فطرت طہارت کا تقاضا کرتی ہے۔

؎ اس کی شرح بھی کتاب الصلوٰۃ کے باب ما یقرء بعد التکبیر میں آچکی ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ[1] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلٰهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے سستی، بزدلی، کنجوسی، بڑھاپے اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری دے۔ اُسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی نفس کا والی و وارث ہے۔ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نفع نہ دے اور اُس دل سے جو عاجزی نہ کرے اور اُس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اُس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو۔[2] (مسلم)

؎۱ آپ انصاری صحابی ہیں آپ سترہ غزوں میں حاضر ہوئے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خصوصی ساتھیوں میں سے ہیں۔

؎۲ جس طرح وہ علماء جو دین سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے۔ اور تیری عافیت کے بدل جانے سے

عَافِيَتِكَ وَ فُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَ جَمِيْعِ سَخَطِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور تیرے اچانک عتاب[1] سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے ۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ فجاءۃ تو فا کی پیش بعد ہمزہ اور ایک روایت میں فا کی زیر اور جیم ساکن بغیر مد کے بھی آیا ہے معنٰی یہ ہے اچانک پکڑ لینا۔ اور لفظ نقمتک نون کی زبر اور زیر سے پڑھا گیا ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَ مِنْ مَالَمْ اَعْمَلْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کیے کی برائی سے اور نہ کیے[1] کی برائی سے ۔ (مسلم)

[1] یعنی مستقبل میں بھی مجھ سے ایسا کام نہ ہو جس سے تو راضی نہ ہو یا مجھ میں ایسا گمان پیدا نہ ہو کہ میں دعویٰ تو یہ کروں کہ مجھ سے برائی نہ ہو گی مگر عملاً ہو جاتی ہو۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ وَ بِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِيْ اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ الْجِنُّ وَ الْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا میں تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسے پر کفار سے جھگڑتا ہوں الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے تو وہ زندہ ذات ہے جسے موت نہیں۔ اور تمام جن وانسان مر جائیں گے۔ (مسلم بخاری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَّا یُسْمَعُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَالنَّسَائِیُّ عَنْهُمَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اس دل سے جس میں عاجزی نہ ہو اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے۔

احمد، ابوداؤد ابن ماجہ

اور ترمذی نے اسے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں سے۔

وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِّنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ بزدلی سے بخل سے بری عمر[1] سے سینوں کے فتنوں[2] سے اور عذاب قبر سے۔

(ابوداؤد و نسائی)

[1] یعنی اس کی ایسی درازی سے جس میں قوی و حواس قوت و طاقت اور بندگی کی سکت نہ رہے۔

[2] یعنی برے اخلاق و عقائد باطلہ سے جن سے دلوں کو تنگی لاحق ہوتی ہے اور وہ قبول حق اور مشقت برداشت کرنے سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَ الْقِلَّةِ وَ الذِّلَّةِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں. فقیری اور کمی[1] اور ذلت[2] سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی کو ستاؤں یا ستایا جاؤں۔

(ابو داؤد و نسائی)

[1] یعنی خیرات اور نیکیوں کی کمی سے۔

[2] ذلت ذ کی زیر سے یعنی نفس کی خواہش سے جو خدائے تعالیٰ اور اہل دین کے نزدیک خواری کہی جاتی ہے بلکہ مجھے عزت عطا فرما جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. عزت اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور اس کے ایمان والوں کے لیے ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَ النِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں عداوت[1] منافقت[2] اور بد خلقی سے۔

(ابو داؤد و نسائی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ شقاق ہے شین کی زیر سے یعنی اہل دین سے عداوت کرنا اور ان سے مخالفت کرنے سے پناہ لینا۔

[2] نفاق کا اصل معنی کفر کا چھپانا اور ایمان کا ظاہر کرنا ہے یہاں شاید اس سے یہی عام معنی مراد ہے جو ریا کو بھی شامل ہے نفاق کی علامتیں جھوٹ خیانت۔ خلاف وعدہ اور اپنے احباب و اصحاب کے ساتھ اس کے خلاف ظاہر کرنا ہے جو دل میں ہو۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کیونکہ یہ بستر کی بری ساتھی ہے۔ اور خیانت[1] سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بدترین مشورہ دینے والی اور بری صفت ہے

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔ (ابوداؤد۔ نسائی ابن ماجہ)

لے بھوک سے پناہ لینا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان کے بدن اور اس کی قوتوں، ظاہری اور باطنی حواس کو اس سے نقصان پہنچتا ہے اور بندے کی دلجمعی اور حضور قلب میں فتور لاحق ہوتا ہے۔ اور بندہ اللہ تعالیٰ کی خدمت و طاعت سے رک جاتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے ایسی بھوک کو بستر کا ساتھی قرار دیا جو اس کے ساتھ بستر پر بھی چمٹا رہتا ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ انسان کے لیے وہ بھوک مذموم ہے جو اس کے ساتھ چپٹی رہے اور جو بھوک عبرت نصیحت اور ریاضت کے طور پر اعتدال کی حد تک ہو اور بندے کے باطنی حال کی درستی کے موافق ہو وہ مضر نہیں ہے۔ بلکہ وہ باطن کی صفائی دل کی نورانیت بدن کی صحت اور سلامتی کی موجب ہے کیونکہ بندہ ایسی بھوک کی برکت سے غیر متعلق امور سے منہ پھیرے رکھتا ہے۔

۲ یعنی بے امانتی اور بے دیانتی سے بھی پناہ لیتا ہوں، صراح میں لکھا ہے خیانت نا راستی اور کسی کا حق کم کرنا

۳ یہاں حدیث میں لفظ بطانہ آیا ہے با کی زیر سے اصل میں بطانہ کوٹ وغیرہ کے اندر کے کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے لگا ہوتا ہے کوٹ کے ظاہری کپڑے کو ظہارہ اور ابرہ کہتے ہیں۔ درحقیقت اس میں اشارہ ہے کہ وہ خیانت بہت ہی بدترین ہے جو بندے کے باطن میں گھس چکی ہو۔ اور اس کے باطن کا مزاج بن چکی ہو۔ اور بندہ اُسے اپنے اندر چھپا کر رکھتا ہو۔ گہری دوستی کو بھی بطانہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے۔ یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں برص کی بیماری سے کوڑھ سے دیوانگی سے اور بری بیماریوں سے۔ (ابوداؤد و نسائی)

لے با اور را کی زبر یعنی جسم کے بعض حصوں کا سفید ہو جانا جو مزاج میں خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ جذام آیا ہے جیم کی پیش اس کے بعد ذال یہ ایک مشہور بیماری ہے جو بدن میں سودا کے پھیلنے سے پیدا ہوتی ہے اس سے اعضاء کا مزاج اور ان کی شکلیں خراب ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَ الْاَعْمَالِ وَ الْاَهْوَآءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

پڑھا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے بُرے کاموں سے اور بری خواہشوں سے[2]۔ (ترمذی)

[1] ق کی پیش طا ساکن اس کے بعد با آپ کوفی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

[2] یعنی ایسی خواہشوں سے جن کی طرف نفس میلان کرے اور منکر وہ چیزیں ہیں جو شرعًا میں ناپسندیدہ اور دین میں ناآشنا ہوں۔

وَعَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ تَعْوِيْذًا اَتَعَوَّذُ بِهٖ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَ شَرِّ بَصَرِيْ وَ شَرِّ لِسَانِيْ وَ شَرِّ قَلْبِيْ وَ شَرِّ مَنِيِّيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت شُتیر[1] بن شَکَل[2] بن حمید[3] سے جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے کوئی ایسا تعویذ سکھایئے جس سے میں تعویذ[4] کیا کروں فرمایا کہہ یا اللہ میں پناہ لیتا ہوں اپنے کان[5] اپنی آنکھ۔ اپنی زبان۔ اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے۔ ابوداؤد۔ ترمذی نسائی۔

[1] شین کی پیش تا کی زبر یا ساکن آخر میں را۔

[2] شین اور کاف کی زبر سے۔

[3] حا کی پیش میم کی زبر سے۔ آپ کوفی تابعی ہیں ان کے باپ حضرت شکل ابن حمید کوفی صحابی ہیں۔ یاد رہے کہ ان کے بیٹے کے سوا کسی نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

[4] صحاح میں ہے تعویذ یعنی ایسی چیز جس کے ساتھ پناہ حاصل کی جائے۔

[5] اس سے بری باتیں سننا۔ آنکھ کا شر یہ ہے کہ اس سے بری باتیں دیکھنا۔ اور زبان کا شر یہ کہ اس سے بری باتیں سنی جائیں دل میں جو بُرے بُرے خیالات آئیں انہیں زبان پر لانا اور منی کا شر یہ کہ انسان اس کی وجہ سے زنا کی برائی میں گرے۔ غیر محرم کو دیکھے اور شہوت کے فتنے میں مبتلا ہو۔ کیونکہ ان چیزوں کی بنیاد یہ مادہ ہے۔

وَعَنْ اَبِي الْيَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْعُوْا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَدَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَ الْحَرَقِ وَ الْھَرَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِكَ مُدْبِرًا وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عمارت گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گر جانے اور ڈوب جانے ۔جل جانے اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ مجھے شیطان وسوسے میں ڈالے موت کے وقت اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ سے پیٹھ پھیرتا مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ زَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَالْغَمِّ)

ابوداؤد ۔نسائی ۔اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ غم سے

[1] یا کی زبر سے ۔آپ مشہور صحابی ہیں انصار میں سے ہیں ۔بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر تھے ۔

[2] حدیث میں لفظ ہدم آیا ہے ہا کی زبر سے اس مکان کو کہتے ہیں جو گر جائے دال کی زیر سے بھی آیا ہے اس کا معنی ہوتا ہے وہ آدمی جو دیوار کے نیچے آکر مر جائے ۔حدیث کی مشہور روایت میں یہاں دساکن سے ہے جیسا کہ اس کے ساتھ والے الفاظ میں ہے اور دکی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے ۔

[3] یہ دونوں لفظ غرق اور حرق ہیں یعنی غین ورا کی زبر اور حا ورا کی زبر اور ایک روایت میں دونوں میں را کو ساکن بھی کہا گیا ہے ۔مگر تورپشتی نے کہا کہ را کو زبر سے پڑھنا خطا ہے ۔

[4] یعنی اس بات سے کہ شیطان وسوسہ اندازی کرے ایذا پہنچائے اور تباہ کر دے ۔صراح میں ہے کہ لفظ تخبط کا معنی ہے کسی کو جن وغیرہ کا دیوانہ بنا دینا ۔قرآن مجید میں ہے ۔کَالَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ یعنی اس شخص کی طرح جسے شیطان چھو کر خرابی میں ڈال دے ۔

[5] یعنی میں اس بات سے بھی پناہ لیتا ہوں کہ تیرے راستے میں پیٹھ پھیرتے اور بھاگتے ہوئے مجھے موت آئے ۔بھاگنے سے کافروں کی جنگ سے بھاگنا مراد ہے اور ہو سکتا ہے کہ شیطانی لشکر سے بھاگنا مراد ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طلب حق اور سلوک طریقت سے بھاگنا مراد ہو اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس حاصل ہونے کے بعد صبر اس سے عدم لگاؤ مراد ہو نیز یہ کہ اللہ کے رستے میں گرمی اور طلب پیدا ہونے کے بعد جذبات کا سرد ہو جانا مراد ہو جو ایسی

حالت سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

وَعَنْ مُعَاذٍ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ إِلٰى طَبْعٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع[1] سے جو مہر لگ جانے تک پہنچا دے۔

احمد و بیہقی

دعوات کبیر

[1] یعنی ایسے طمع سے پناہ لیتا ہوں جو عیب اور برائی اور دین میں نقصان و شرافت اور انسانیت کے لیے نقصان کا موجب ہو لفظ طمع دو زبروں کے ساتھ ہے یعنی لوگوں سے مال کی اُمید رکھنا اور طبع طا کی زبر سے اصل میں تلوار وغیرہ پر زنگ وغیرہ آ جانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں مراد عیب اور نقص کا پیدا ہونا ہے۔ مجمع البحار میں فرمایا کہ طبع باساکن سے یعنی مہر لگانا اور اگر با پر بھی زبر پڑھی جائے یعنی طَبَعًا تو اس کا معنیٰ میل کا آتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طمع ایسے مال کی اُمید رکھنا ہے جس کا ملنا بندے کے لیے مشکوک ہو اور اگر یقین ہو جیسا کہ تنخواہ یا وظیفہ یا وعدہ صادق یا محبت راسخ تو اُسے طمع نہیں کہتے اور میرے شیخ نے فرمایا جب ہماری کشتی جزیرہ کمران میں پہنچی تو تین عرب صوفیوں کے لباس میں ہمارے پاس آئے اور کہا کہ جب کشتی کا موسم ختم ہو جائے گا اس سے ہمارے باطن میں اُمید پیدا ہو گی کہ کچھ لوگ ہمارے پاس پہنچیں گے اور ہمیں کچھ دیں گے۔ فرمایا یہ چیز اور یہ امید طمع میں داخل تھی یا نہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ایسی اُمید طمع میں داخل اور مذموم ہے ہم نے اُن کے جواب میں کہا کہ کشتی کا موسم تمہارے حق اور ہمارے حق میں بارش کے موسم کی طرح ہے اگر کوئی شخص بارش کے موسم میں بارش کی امید رکھے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَإِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا تو فرمایا اے عائشہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ۔ یہ وہی غائب ہو جانے والا ہے گرہن لگنے کے وقت[1]۔

(ترمذی)

[1] یعنی یہی ہے غائب ہونے والا جبکہ غروب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورہ فلق میں واقع ہے۔ ومن شر غاسق اذا

وقب ، یعنی اُس کے شر سے جو غاسق ہے جبکہ وہ ڈوب جاتا ہے ۔ مفسرین نے غاسق کی تفسیر شب تاریک سے کی ہے جبکہ سورج کی سرخی اور چاند کے روپوشس ہونے سے تاریکی چھاتی ہے اور غاسق سے مرد کا مخصوص آلہ بھی مراد لیا گیا ہے جبکہ وہ عورت کے اندام نہانی میں چھپ جاتا ہے یا جبکہ وہ قائم ہوتا ہے اسی طرح وقب کا معنی آفتاب وغیرہ غروب ہو جانا بھی آتا ہے ۔ نیز تاریکی کا آنا اور چاند و آفتاب کو چھپا لینا یہ معنی بھی کیا گیا ہے ۔ اس حدیث میں غاسق کی تفسیر چاند سے کی گئی ہے ۔ جبکہ اُسے گرہن لگ جائے ۔ اس سے پناہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ سورج یا چاند گرہن اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ہیں جو خوف اور ڈر پیدا کرتی ہیں اور اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ وقت حادثات اور مصائب کے نازل ہونے کا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ ڈر اور خوف کی حالت میں کھڑے ہو گئے مگر اس سے وہ حوادث و مسائل مراد نہیں ہیں جو نجومی لوگ سورج یا چاند کے گرہن کے وقت ثابت کرتے ہیں کیونکہ نجومیوں کے قاعدوں کا اہل اسلام کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس سے خدائی نشانیاں مراد ہیں ۔ مثلاً یہ کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں کہ جب چاند اس قدر نورانیت کے باوجود اس گھڑی میں بے نور ہو جاتا ہے اور اُس سے نور چھین لیا جاتا ہے تو بندے کو بھی ڈرنا چاہیے کہ اُس کے سینے سے ذرا سی غلطی کی بنا پر نور ایمان و عمل چھین نہ لیا جائے اسی طرح عبرت کی اور باتیں حاصل کی جا سکتی ہیں ۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا اے ابو حصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو ۔ میرے والد نے عرض کیا سات معبودوں کو ۔ چھ زمین کے اور ایک آسمان کا فرمایا ان میں سے اُمید اور ڈر کس سے رکھتے ہو ۔ عرض کیا اُس آسمان والے سے فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں گا جو تمہیں بہت فائدہ دیں گی فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہو گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وہ دعائیں سکھایئے جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا ۔ فرمایا یہ

عَلِّمْنِیْ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔

پڑھا کرو۔ یا اللہ مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

لہ اور وہ یغوث یعوق نسر لات منات اور عزیٰ ہیں ان چند بتوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور ایک آسمان میں ہے جو تمام اشیاء کا خالق ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِى النَّوْمِ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وُلْدِهٖ وَ مَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِيْ صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ۔

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرائے تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات[۱] کی پناہ لیتا ہوں اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں[۲] سے ان کی حاضری سے تو ان سے کچھ نقصان[۳] نہ پہنچے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر[۴] اپنی بالغ اولاد کو یہ دعا سکھاتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ هٰذَا لَفْظُهٗ)

ابو داؤد۔ ترمذی اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔

[۱] یعنی ایسے کلمات جو کامل اور نقصان سے مبرا ہیں۔

[۲] جنہیں وہ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں ڈرنا شیطان کی مداخلت سے ہوتا ہے۔

[۴] جو حضرت شعیب کے دادا اور اس حدیث کے راوی ہیں اپنی بالغ اولاد کو یہ کلمات سکھایا کرتے تھے۔

ف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذ لکھ کر گردن میں ڈالنا جائز ہے۔ علماء کا یہاں اختلاف ہے مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ منکے وغیرہ گلے میں لٹکانا حرام اور مکروہ ہے۔ مگر قرآن پاک یا اسمائے الٰہی لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ تعویذات کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت مانگتا ہے تو جنت کہتی ہے یا اللہ اسے جنت میں داخل فرما۔ اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگتا ہے تو آگ کہتی ہے یا اللہ اسے آگ سے امن دے دے۔ (ترمذی و نسائی)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ لَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِىْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهٗ مَا هُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ لَيْسَ شَىْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِىْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت کعب احبار نے فرمایا کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیا کرتا تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے اُن سے عرض کیا گیا وہ کلمات کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی جو عظمت والا ہے جس سے بڑی کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار اور بدکار آگے نہیں بڑھ سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور جو مجھے معلوم نہیں اُن تمام چیزوں کے شر سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھیلایا اور ٹھیک کیا۔ (مالک)

لہ ق کی زبر عین ساکن آپ تابعی ہیں ۔ کعب احبار بھی تابعی ہیں یہ یہود کے دانشوروں میں سے ہیں نبوت کا زمانہ پایا مگر حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ۔ حضرت عمر ابن الخطاب کے زمانے میں ایمان لائے ۔

۲ یعنی جادو کے ڈر سے کیونکہ میرا ایمان لانا انہیں بڑا دشوار گزرا اور گدھا بنانے سے مراد یا تو انہیں ذلیل کرنا یا کند ذہن بنانا یا بے عقل کرنا ہے ۔ یا واقعتہً انہیں گدھے کی شکل میں تبدیل کر دینا بھی مراد لیا گیا ہے ۔ جیسا کہ طیبی نے ذکر کیا ۔

۳ کلمات سے اُس کے اسماء و صفات مراد ہیں ۔ پس تمام اشیاء اُس کے احاطے سے باہر نہیں ہیں اور اگر کلمات سے قرآن کے کلمات مراد ہوں جیسے اُس کا وعدہ وعید ۔ ثواب و عذاب تو اس سے بھی کوئی چیز خارج نہیں ۔

۴ یہ تینوں الفاظ معنیٰ میں ایک دوسرے کے نزدیک ہیں تھوڑے تھوڑے فرق ہیں اور تفسیر کے حواشی میں لفظ برء لکھا گیا ہے یعنی اُس نے مخلوق کو نقصان اور کمی بیشی سے پاک پیدا کیا اور اُس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی تھی اُس کے مطابق پیدا کیا ۔

وَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَ الْفَقْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ فَکُنْتُ اَقُوْلُھُنَّ فَقَالَ اَیْ بُنَیَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ ھٰذَا قُلْتُ عَنْکَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُھُنَّ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَ التِّرْمِذِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ وَ رَوٰی اَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِیْثِ وَ عِنْدَہٗ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ ۔

حضرت مسلم بن[۱] ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میرے والد ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر محتاجی اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی یہ دعا پڑھنے لگا ۔ آپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے حاصل کی میں نے کہا آپ سے[۲] تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے ۔

(ترمذی ۔ نسائی)

لیکن ترمذی نے نماز کے بعد کا ذکر نہیں کیا ۔ اور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کیے اور اُن کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے کا لفظ[۳] آیا ہے ۔

لہ آپ ثقہ تابعی ہیں ۔

۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوراد و ظائف مشائخ اور بزرگوں سے حاصل کرنا اور اُن سے اجازت لے کر شروع کرنا

اہم بات ہے۔

۳؎ اس روایت میں لفظ کل زیادہ آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نسائی کی روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَعْدِلُ الْکُفْرَ بِالدَّیْنِ فَقَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَیُعْدَلَانِ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا آپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں [۱] اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور محتاجی سے تو ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر [۲] ہیں فرمایا ہاں۔ (نسائی)

۱؎ مگر آپ نے اس کی وجہ بیان نہ فرمائی وجہ یہ ہے کہ لوگ قرض کی وجہ سے جھوٹ بولتے ہیں اور خلاف وعدہ کرتے ہیں اور یہ صفات کفار و منافقین کی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آچکا ہے۔

۲؎ یعنی اس شخص نے بطور استفہام پوچھا کہ کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں کیونکہ فقر بھی انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے جبکہ انسان اس پر صبر نہ کرے اور ایسی باتیں کہے اور ایسے کام کرے جن سے کفر لازم آجائے۔

بَابُ جَامِعِ الدُّعَآءِ

جامع دعا کا باب

گزشتہ ابواب میں جو کچھ مذکور ہوا وہ استغفار یا استعاذہ سے خاص تھا اور اوقات و حالات سے مخصوص تھا۔ اس باب میں جو دعائیں ذکر کی گئی ہیں وہ تمام مقاصد و مطالب کو جامع ہیں کسی خاص وقت یا حالت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ یا جامع سے مراد ایسی دعائیں ہیں جن کے الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہیں جیسے

وہ احادیث اور دعائیں جو جوامع الکلم کہلاتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَ اِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَ خَطَائِیْ وَ عَمَدِیْ وَ کُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ میری خطائیں میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے یا اللہ میری دانستہ نادانستہ اور ساری خطائیں اور بے ارادے جو میرے پاس[۱] ہیں بخش دے الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کیے اور جو پیچھے کیے[۲] جو چھپ کر کیے اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھا[۳] نے والا ہے اور تو ہی پیچھے کر دینے والا اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی یہ سب قسمیں میرے پاس ہیں۔ یہ تواضع اور کسر نفسی اور اللہ کے حضور میں اظہار عجز ہے حقیقت میں یہ امت کو تعلیم ہے کہ وہ اس طرح استغفار کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے قول لیغفرلک اللہ میں جو توجیہات علماء نے بیان کی ہیں وہ اس میں بھی جاری ہوتی ہیں۔

[۲] یہ تمام گناہوں سے کنایہ ہے یا اگلے پچھلے گناہوں سے قطع نظر صرف یہ معنیٰ مراد ہے کہ میرے تمام گناہ بخش دے یا نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کی تمام خطائیں اگر سرزد ہوتی ہوں مراد ہیں یا بعض گناہوں کا بعض کے اعتبار سے واقع ہونا مراد ہے یعنی کچھ پہلے اور کچھ بعد یا پیچھے والے گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جو ابھی سرزد نہیں ہوئے ان کی بخشش سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ سرزد ہو جائیں تو انہیں بھی بخش دے۔

۳؎ یعنی اپنی درگاہ قرب کی طرف قریب کرنے والا ہے جب توفیق دیتا ہے اور تو ہی پیچھے ڈالنے والا ہے جسے چاہتا ہے اس معنیٰ کی تحقیق باب اسماء اللہ تعالیٰ میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِيْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْيَایَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَاشِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِيْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَيْرٍ وَّ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ میرا دین ٹھیک کر دے جو میرے کام کی حفاظت کرنے والا ہے[۱] اور میری دنیا درست کر دے جس میں میری زندگی ہے اور میری آخرت درست فرما دے[۲] جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی بنا[۳] اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت[۴] قرار دے۔

(مسلم)

۱؎ اس لیے کہ نفس مال اور عزت دین سے حاصل ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے اور عذاب آخرت سے امن ایمان کامل سے نصیب ہوتا ہے۔

۲؎ درستی فساد کی ضد ہے۔ دنیا کی اصلاح اس چیز میں ہے کہ انسان جسقدر ہوسکے حلال روزی حاصل کرے تاکہ اس سے اس کی ضروری معیشت پوری ہوتی رہے۔ حلال روزی میں یہ برکت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کے لیے معاون و مددگار ہوتی ہے اور دینی و دنیوی آفات کے رونما ہونے کے خلل اور تشویش سے بچاتی ہے۔ یہ بھی آخرت کی اصلاح ہے کہ انسان کو ایسے کاموں کی توفیق ملے جو اس کے لیے عذاب سے نجات کا سبب ہوتے ہیں اور جس سے سعادت آخرت نصیب ہوتی ہے۔

۳؎ کہ میں زیادہ دیر زندہ رہوں اور وہ سارا وقت زیادہ سے زیادہ نیک کاموں میں ہی بسر کروں اس میں کوئی شک نہیں کہ کار خیر میں لگے رہنا دراز زندگی ملنے اور اس میں برکت کا سبب ہے۔

۴؎ یعنی اگر کوئی فتنہ پیدا ہو جو گناہ کے ارتکاب کا باعث بنے اور جس سے دین اور احکام ایمان سے برگشتہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو تو مجھے اس سے پہلے دنیا سے اٹھا لینا۔ اور رب مجھے اس فتنے میں مبتلا نہ کرنا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا کہ جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اس فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی موت دے دینا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَ التُّقٰى وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آپ عرض کرتے یا اللہ بے شک میں تجھ سے راہ راست پر چلنا، پرہیزگاری، پاک دامنی[1] اور دولتمندی[2] مانگتا ہوں۔ (مسلم شریف)

[1] پاک دامنی یعنی اس چیز سے بچے رہنا جو شریعت میں حلال و محمود نہ ہو جیسے مانگنا گداگری کرنا اور خوار ہونا۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے عفت بمعنی پارسائی اور حرام کام اور سوال سے باز رہنا۔

[2] دولتمندی سے مال اور دل کی دولتمندی مراد ہے کیونکہ اصل دولتمندی دل کی اور ماسوائے حق سے بے نیاز ہونا ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَ سَدِّدْنِيْ وَ اذْكُرْ بِالْهُدٰى هِدَايَتَكَ الطَّرِيْقَ وَ بِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے علی یوں کہو یا اللہ مجھے ہدایت دے مجھے ٹھیک رکھ[1] اور اے علی ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا[2]۔ اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ سدد آیا ہے صراح میں ہے سداد بمعنی کردار و گفتار کی درستی۔

[2] جیسا کہ ایک راستہ سیدھا اور درمیانہ ہو اور اس کے ساتھ کئی راستے ٹیڑھے ہوں تو جب تو یہ کہے کہ یا اللہ مجھے ہدایت دے تو اس سے سیدھے راستے پر چلنے کا تصور کرنا در حقیقت اس کلام میں عقلی چیز کو حسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ بات بہتر طور پر سمجھ میں آ جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ

حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

اِذَا اَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ اَمَرَهٗ اَنْ یَّدْعُوَ بِهٰؤُلَآءِ الْكَلِمٰتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَ ارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَ عَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ کوئی شخص جب اسلام لاتا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لئے نماز کی تعلیم دیتے تھے پھر آپ اُسے حکم دیتے تھے کہ وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرے یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے عافیت عطا کر اور مجھے رزق دے۔ (مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر و بیشتر یہ دعا ہوتی تھی۔ اے اللہ ہمیں دنیا میں حسنہ عطا فرما اور آخرت میں حسنہ عطا فرما۔ اور نار کے عذاب[لہ] سے بچا۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہ دعا تمام خیرات وحسنات کی جامع ہے۔ طالب صادق اگر حضور مناجات کے وقت خلوت و صفائی باطن کی حالت میں دنیوی اور اخروی اور ظاہری اور باطنی تمام حسنات و بھلائیوں کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگے اور چاہے اور اس بات کو جانے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمانے والا ہے تو اُسے بہت زیادہ ذوق و شوق جمعیت و نورانیت اور سعادت حاصل ہوگی پھر حسنات کا سب سے اونچا اور اعلیٰ فرد یہ ہے کہ حسنہ سے دنیا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تحصیل کمال کا ارادہ کرے اور حسنہ آخرت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے جمال کے دیدار کا ارادہ کرے کیونکہ یہی معنیٰ اتم و اکمل ہے۔ اے اللہ ہمیں یہ سعادت عطا فرما۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْ وَیَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے یا رب میری

تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَاكِرًا لَكَ ذَاكِرًا لَكَ رَاهِبًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

مدد کر[۱] میرے خلاف دوسروں کی مدد نہ کر[۲] مجھے مدد و نصرت عطا فرما میرے مقابل کسی کو مدد و نصرت نہ دے میرے لیے تدبیر[۳] فرما میرے خلاف تدبیر نہ فرما۔ مجھے ہدایت دے اور میرے لیے ہدایت آسان کر مجھے اُن پر فتح عطا فرما جو میرے خلاف بغاوت کریں۔ یارب مجھے اپنا بندہ شکر گزار[۴] اپنا ذکر کرنے والا اپنے سے خوف کرنے[۵] والا تیرا مطیع تیری طرف رجوع کرنے[۶] والا آہ و زاری کرنے والا[۷]۔ تیری طرف لوٹنے والا بنا۔ یارب میری توبہ قبول کر میرے گناہ دھو ڈے[۸] میری دعا قبول فرما میری دلیل مضبوط کر میری زبان درست رکھ میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی[۹] دور کر دے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

[۱] مجھے دین و دنیا میں میرے دشمن پر اور نفس و شیطان، جن و انس پر غلبہ عطا فرما۔

[۲] یعنی اور اُن پر مجھے فتح اور کامیابی عطا فرما۔ انھیں مجھ پر فتح اور کامیابی نہ عطا کر۔ یہاں حدیث میں لفظ نصر آیا ہے یعنی مدد کرنا ہم نے یہاں مدد سے اُس کا اثر اور نتیجہ مراد لیا۔ تاکہ معنیٰ اعانت سے ذرا الگ معنیٰ سامنے آ سکے۔ لغت کی کتاب صراح میں نصر بمعنیٰ عطا بھی آیا ہے۔

[۳] یعنی میرے دشمنوں کے لیے مجھے تدبیر عطا فرما، اور میری مدد فرما۔ میرے خلاف تدبیر نہ کر۔ یہاں حدیث میں لفظ مکر آیا ہے بمعنیٰ دھوکا اور خدا کے مکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں پر ایسی مصیبت مسلط کرے جس کا انہیں گمان نہ ہو جیسا کہ استدراج کے معنیٰ میں کہا گیا ہے۔ صراح میں کہا کہ مکر بمعنیٰ حیلہ اور بمعنیٰ بُرا سوچنا اور کسی پر فریفتہ ہونا۔

[۴] یعنی مجھے ایسا بندہ شکر گزار بنا کہ میں تیری تمام نعمتوں کا شکر ادا کروں اور ہر حالت میں تیرے ذکر میں رہوں۔

[۵] یعنی وہ ڈر عطا فرما جو تیری محبت اور تعلیم کی وجہ سے ہو اور وہ تیری فرماں برداری اور تیرے احکام کی بجا آوری کا شوق پیدا کرے۔ وحشت و نفرت کا خوف دل میں نہ ڈال جو کہ فرار اور فراق کا باعث بنے۔ دوسری روایات میں بطور مبالغہ یہ الفاظ آئے ہیں شکارًا، ذکارًا اور ہابًا۔

[۶] یہاں حدیث میں لفظ مُخْبِتْ آیا ہے یعنی تیرے حضور تواضع اور عاجزی کرنے والا یہ لفظ خبت سے بنا ہے

یعنی پست اور ریتلی زمین۔

ے یہاں حدیث میں لفظ اواہ آیا ہے وکی شدت سے یعنی گناہوں کی وجہ سے بہت آہ وزاری کرنے والا اور ہر وہ کلام جو غم وحزن ظاہر کرے اُسے بھی آہ وزاری سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح اواہ کا معنی دعا میں یقین کرنے والا مہربان نرم دل بہت غصہ جاننے والا مومن اور عاجزی کرنے والے کا بھی آتا ہے۔

ۛ یہاں حدیث میں لفظ حوبتہ حا کی زبر اور پیش سے بمعنی گناہ ہے۔

۹ تاکہ کھوٹ کینے حسد اور باقی تمام صفات ذمیمہ سے پاک اور صاف ہو جائے۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی فَقَالَ سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِّنَ الْعَافِیَۃِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

وَقَالَ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر رو پڑے تو فرمایا اللہ تعالیٰ سے معافی اور امن[۱] مانگو کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد اس سے بہتر نعمت نہیں دی گئی[۲]

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن غریب ہے۔

۱ یعنی گناہوں سے معافی اور فتنہ وبلا سے امن۔

۲ یعنی یقین وایمان کے بعد امن وعافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں گویا حضور علیہ السلام کا گریہ اُمت کے فتنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تھا اور وہ فتنے یہ تھے کہ میری امت جنگ وقتال خواہش وحرص غفلت وتقصیرات اور بری عادات میں ملوث ہوگی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الدُّعَآءِ اَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّکَ الْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ثُمَّ اَتَاہُ فِی الْیَوْمِ الثَّانِیْ فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ کونسی دعا افضل[۱] ہے فرمایا اپنے رب تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں امن وچین[۲] مانگ پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَاِذَا اُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ ۔

کونسی دعا افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پھر فرمایا۔ پھر وہ شخص تیسرے دن حاضر ہوا اور اسی طرح عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا ۔

ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن اور اسناد کے لحاظ سے غریب ہے۔

سلہ اور بہتر اور نفع کے لحاظ سے بڑھ کر ہے۔

سلہ یعنی ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے امن دیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے امن میں رکھے اور ان کا آزار تجھ سے دور کرے اور تیرے آزار سے انہیں بچائے تاکہ ہر ایک ایک دوسرے کے شر سے محفوظ رہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِي دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيْمَا تُحِبُّ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں مجھے نفع دے۔ یا اللہ مجھے جو تو میری پسندیدہ چیز دے تو مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند کرے۔ یا اللہ جو میری محبوب چیز مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لیے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنا دے۔ (ترمذی)

سلہ خا کی زبر طا ساکن۔ قبیلہ خطمہ کی طرف نسبت ہے جو کہ قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے آپ صحابی ہیں سترہ سال کی عمر میں حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

سلہ یعنی مجھے اسے توانائی کا سبب بنا دے جن چیزوں کو تو پسند کرتا ہے یعنی جو نعمتیں تو نے مجھے مال و عافیت اور

امن وچین کی شکل میں اور باقی نعمتیں بھی جو دنیا میں دی ہیں انہیں شکر و طاعت کا باعث بنا۔

سلہ یعنی جو چیز تو نے مجھ سے لے لی جو میں ان مذکورہ چیزوں میں چاہتا تھا تو اس چیز کو میرے لیے فارغ البالی کا سبب بنا اس چیز میں جسے تو چاہتا ہے تاکہ میں فارغ البالی سے بغیر رکاوٹوں اور موانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تو مجھے عطا کرے تو اس پر مجھے شکر کی توفیق عطا فرما تاکہ میں شکر گزار دولتمندوں میں سے بن جاؤں اور اگر کوئی محبوب چیز مجھ سے روک لے اور مجھے نہ دے تو میرے دل کو اس سے فارغ کر دینا۔ میرے دل کو اس سے ملکنے نہ دینا تاکہ میں صابر فقیروں میں سے ہو جاؤں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَّجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے صحابہ کے لیے یہ دعائیں مانگ لیتے تھے یا الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ اور رکاوٹ بن جائے اور ہمیں اپنی طاعت سے وہ حصہ عطا کر جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے اور یقین کا وہ حصہ نصیب فرما جس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کرے اور ہمیں اپنی آنکھوں کانوں اور قوت سے نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۔ اور اسے ہمارا وارث بنا۔ اور ہمارا غضب وغصہ اس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے اور ہمیں ان پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں اور ہمارے دین میں ہمارے اوپر مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو ہمارا بڑا اور اہم مقصود نہ بنا اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا اور ہم پر ایسا شخص مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یعنی جب ہم تیرے گناہ کا ارادہ کریں تو تیرا ڈر اور خوف درمیان میں رکاوٹ بن جائے اور ہمیں ایسا موقع فراہم نہ کرنے دے جس سے ہم گناہ میں پڑ جائیں۔

سلہ مصیبت سختی اور غم کو کہتے ہیں جو کسی کو پہنچتا ہے۔

سلہ بعض روایتوں میں قوت کی بجائے قوانا آیا ہے یعنی قاف کی پیش جمع قوت کہ دوسرے الفاظ میں اسے حواس کہتے ہیں۔

سلہ یعنی ہمارے اس جہان سے جانے کے بعد اسے باقی اور موجود رکھ کیونکہ مردے کا وارث وہ ہوتا ہے جو اس کے بعد باقی رہتا ہے۔ باقی رہنے سے مراد خیرات کے بارے میں اچھی وصیت بھی ہو سکتی ہے۔ یا مذکورہ چیزوں کو یعنی کانوں آنکھوں اور قوتوں کو وارث بنا مطلب یہ کہ موت تک انہیں باقی رکھ۔ یعنی مدت حیات تک اعضاء و حواس کو سلامت رکھ۔

ھ یعنی ہمیں ظالموں پر قدرت عطا فرما۔ یا ہماری طرف سے تو ان پر اپنا غصہ ڈال بغیر اس کے کہ ہم اپنی کینہ کشی کا اظہار کریں۔ علماء فرماتے ہیں اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہماری کینہ کشی ظالموں کے لیے ہی خاص رکھ ایسا نہ ہو کہ ہم کینہ کشی میں حد سے بڑھیں اور غیر ظالم کو اس کا نشانہ بنائیں جیسا کہ لوگ جاہلیت میں کرتے تھے کہ ظالم کے تعلق داروں کو بھی اپنے کینے کا نشانہ بناتے تھے اور ظالم کے قبیلے اور اس کے خویش و اقارب کو بھی قتل کر دیتے اور مار دیتے تھے۔

سلہ یعنی ہمارے دین و دنیا کے دشمن۔

سلہ کہ ہم کامل طور پر دنیا کی فکر میں ہی ڈوب جائیں اور اسی کی مہمات کے اہتمام میں لگے رہیں۔ اہم کا لفظ اس لیے فرمایا کہ کھانے پینے اور لباس وغیرہ دنیوی ضروریات سے تو کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ بِمَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے یا اللہ تو مجھے اس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم زیادہ کر۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور دوزخیوں کے حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔ ترمذی اور ابن ماجہ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے

غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔ غریب ہے۔

لہ مجھے اس علم کی توفیق عطا فرما۔

ٹلہ اس میں اس جانب اشارہ ہے جو وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے سیکھے ہوئے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے نا سیکھا ہوا علم عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا کہ یا اللہ میرا علم زیادہ کر۔

ٹلہ یعنی نعمت بلا شدت اور کشادگی ہر حالت میں خدا کا شکر ہے کیونکہ کوئی بھی حال اللہ تعالیٰ کے لطف مہربانی سے خالی نہیں وہ لطف و مہربانی ظاہر ہو یا پوشیدہ اور اُس کا کم سے کم لطف یہ ہے کہ اُس نے موجود مصیبت سے بڑھ کر زیادہ مصیبت میں مبتلا نہ کیا اس میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے جو بعض عارفین نے کہی ہے کہ بلا اور مصیبت کے وقت وظیفہ جاری رکھنا بھی شکر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لطف خفی کا مشاہدہ ہے اور یہ جزا اور ثواب آخرت کو شامل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ جلالیہ کی بندے کو پہچان نصیب ہوتی ہے۔ مگر طبیعت اور بشریت کے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے صبر کے بیان پر کفایت کی گئی ہے۔

ٹلہ اس میں اشارہ ہے ایمان کی نعمت کے شکر کی جانب جو تمام نعمتوں کو شامل ہے اگر فرضاً دنیا میں ہمیشہ مصیبتوں میں ہی بندہ رہے تو آخرت میں آتش دوزخ سے نجات پانے کی نعمت ہی کافی اور بس ہے کہ بندہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَيَّ عَشْرُ اٰيَاتٍ مَّنْ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی تو ہم کچھ دیر ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہیلہ تو حضور علیہ السلام نے قبلہ کی جانب منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی یا الٰہی ہم سب کو بڑھائے گھٹائیےلہ نہیں عزت دے ذلیل نہ کر ہمیں عطا کیں دے محروم نہ کر ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے ہمیں راضی کر ہم سے راضی ہو جالہ پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں جو انہیں قائم کرے گا یعنی اُن پر عمل کرے گا جنت

اَنَا مِمَّنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَءَ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى خَتَمَ عَشْرَ اٰيَاتٍ۔	میں جائے گا۔ پھر تلاوت فرمائی۔ قد افلح المومنون سے دس آیتوں تک
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)	(احمد، ترمذی)

لہ یہاں حدیث میں لفظ دوی د کی زبر واؤ کی زیر یا کی شد بمعنی آواز۔ لفظ دوی الریح یعنی ہوا کی آواز۔ اسی طرح دوی نحل وطائر بھی آتا ہے یہ آواز یا تو وحی کی آواز تھی جسے صحابہ نے سنا مگر ان پر اس کا مطلب واضح طور پر منکشف نہ ہوا اور انہوں نے جو کچھ سنا اُسے سمجھ نہ سکے جیسا کسی آدمی سے کوئی شخص گنگناہٹ سنے مگر مطلب نہ سمجھے یا یہ وہ آواز تھی جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے سانس کی تنگی اور سختی کی آواز ہوتی تھی جو وحی کے بوجھ کی وجہ سے ہوتی تھی مگر اول معنی سب سے ظاہر ہے۔ کیونکہ وحی کی آواز کی صفت گھنٹی کی آواز کی صفت سے بھی کی گئی ہے۔

سلہ یعنی جو حالت عارض ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی۔ یہ لفظ تسریہ سے بنا ہے یعنی غم کا دور ہو جانا۔

سلہ یعنی دنیا اور آخرت کی نعمتیں زیادہ کر انہیں کم نہ کر۔

سلہ یہ لفظ حدیث میں اہانت سے آیا ہے اور ہوان و مہانت سے بنا ہے جس کا معنی ہے خواری، ذلت اور تنگ کرنا اور معمولی سمجھنا۔

ھ اور ہمیں اتنا دے کہ ہم راضی ہو جائیں اور تو بھی ہم سے راضی ہو جا یعنی ہمیں ایسے کاموں کی توفیق دے جو تیری رضا کا سبب بن جائیں رضا کا معنی ہے خوش ہونا اور پسند کر لینا۔

سلہ جو انہیں قائم کرتا ہے یعنی انہیں پڑھتا اور اُن پر عمل کرتا ہے۔

# اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ	# تیسری فصل
عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهٗ اَنْ	حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک ایک نابینا شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے آرام دے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں۔ اور اگر چاہے تو صبر کر۔ یہ صبر تیرے لیے اچھا ہے[1] اس نے عرض کی حضور رب تعالیٰ سے دعا کریں[2]۔

تَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَ يَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

راوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے۔ اور یہ دعا کرے۔ یا اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف تیری رحمت والے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری کرے۔ الٰہی میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول کر۔ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ حا کی پیش نون کی زبر یا ساکن آپ صحابی ہیں انصار کے معززین میں سے ہیں آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے۔

سلہ کیونکہ اس پر آخرت کا ثواب ملے گا کہ اس کا ثواب بہشت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ جس بندے کی آنکھیں میں لے لیتا ہوں اور وہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اُسے بہشت دوں گا۔

سلہ اُس شخص نے کہا میں آنکھوں کی بیماری کا آرام چاہتا ہوں تو آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کریں اُس نے یہ بات پریشانی اور بے صبری کی وجہ سے کہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کے لیے ثواب چاہتے تھے اسی لیے آپ اُس سے راضی نہ ہوئے اور اُس کے لیے دعا میں مشغول نہ ہوئے بلکہ اُسے یہی فرمایا کہ تو دعا کر تاہم جب آپ نے اُسے مجبور دیکھا تو اُسے دعا سکھلائی اور اپنے آپ کو شفیع اور وسیلہ قبولیت دعا بنایا جیسا کہ فرمایا۔

سمہ کہ آپ کو رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اور نبی الرحمت آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ھہ یہ حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اور بعض روایات میں صریحاً یا محمد اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ یعنی اے محمد بے شک میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

سلہ یہاں کلمہ فی زیادہ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک واصلح لی فی ذریتی میں۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَآءِ دَاوٗدَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں سے یہ دعا بھی تھی

يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَ الْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَاَهْلِيْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ وَقَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

کہ آپ عرض کیا کرتے تھے یا اللہ بے شک میں تجھ سے تیری رحمت اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت تک پہنچائے مانگتا ہوں ۔ یا اللہ تو اپنی محبت میرے نزدیک میری ذات میرے مال اور میرے اہل اور ٹھنڈے پانی[1] سے بھی زیادہ کر دے ۔ حضرت ابو دردا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت داؤد کا ذکر فرماتے اور اُن کی باتیں بیان فرماتے تو یوں کہتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۔

[1] بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں الی العطشان یعنی پیاسے آدمی کے نزدیک ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ اپنی محبت میرے دل میں کر ۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيْهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَ اَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا عَلَيَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ هُوَ اُبَيٌّ غَيْرَ اَنَّهٗ كَنٰى عَنْ نَفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَآءِ ثُمَّ جَاءَ

حضرت عطاء بن السائب[1] سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمار بن یاسر[2] نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا اس پر ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی[3] تھیں ۔ جب آپ اٹھے تو لوگوں میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چل پڑا وہ میرے والد[4] تھے ہاں انھوں نے اپنی ذات کو اشارۃً ذکر کیا ۔ ۔ تو ان سے وہ دعا پوچھی پھر آئے اور وہ دعا لوگوں کو بتائی کہ الہٰی

فَاَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ اَللّٰهُمَّ اَسْاَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَ اَسْاَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَ اَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَ الْغِنٰى وَ اَسْاَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَ اَسْاَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَ اَسْاَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ اَسْاَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

اپنے علم غیب سے اور مخلوق اوراپنی قدرت کے طفیل مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک کہ زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور مجھے وفات دے دینا جب موت کو میرے لیے بہتر جانے الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں اور تجھ سے خوشی و ناخوشی کی حالت میں سچی بات کی توفیق مانگتا ہوں اور تجھ سے امیری و غریبی میں میانہ روی مانگتا ہوں اور تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمت مانگتا ہوں اور تجھ سے آنکھ کی وہ ٹھنڈک مانگتا ہوں جو بند نہ ہو اور تجھ سے تقدیر کے بعد رضا مانگتا ہوں اور تجھ سے موت کے بعد ٹھنڈی اور چین کی زندگی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں ۔ بغیر مضر چیز کے نقصان اور بغیر گمراہ کن فتنے کے یا اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔

(نسائی)

۱؎ حضرت عطاء ثقہ تابعین میں سے ہیں یہ اپنے باپ حضرت سائب صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی ہماری امامت کی۔

۳؎ یعنی قرات لمبی نہ کی یا زیادہ لمبی دعا نہ مانگی جیسا کہ انداز حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعائیں آپ نے تشہد میں پڑھی ہوں گی اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع نماز میں ہی پڑھ لی ہوں یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ اختصار سے قرات میں اختصار مراد ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اگر قرات میں اختصار کیا ہے تو دعائیں زیادہ مانگ لی ہیں لہٰذا اس نقصان کی کمی میں نے پوری کر دی ہے اور اگر دعا میں اختصار مراد ہو تو

پھر مطلب ظاہر ہے یعنی میں نے وہ دعا مانگ لی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے سنی تھی اس لیے بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۵؎ یعنی حضرت عطاء نے بتایا کہ وہ میرے والد حضرت سائب تھے انہوں نے اپنا ذکر کنایہ کے طور پر کیا۔

۶؎ یعنی لوگوں کی رضامندی اور ان کے غصے کی حالت میں، مطلب یہ ہے کہ میں حق ہی کہوں مخلوق راضی ہو یا ناراض جیسا کہ کہا گیا ہے ہمیشہ حق بات ہی کہو اگرچہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے راضی ہونے کی حالت میں اور ان کے ناراضی ہونے کی حالت میں میری زبان پر سچی بات ہی آئے۔ ایسا نہ ہو کہ جب میں ان سے راضی ہوں تو ان کی صفت و ثنا کروں اور جب ناراض ہوں تو ان کی برائی بیان کروں جیسا کہ عوام کی عادت ہے۔

۷؎ کہ نہ تو زیادہ غریب ہو جاؤں اور محنت و مشقت میں پڑ جاؤں اور نہ زیادہ امیر ہو جاؤں کہ اسراف و فضول خرچی شروع کر دوں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے بقدر کفایت روزی فقر و غنا سے بہتر ہے۔

۸؎ یعنی بہشت کی نعمت۔ دنیا کی ایسی نعمت جس کے خیر و بھلائی کے نشان تا ابد باقی رہیں۔

۹؎ مراد یہ ہے کہ میرے بعد میری اولاد باقی رہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا (وَهَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ) یا اللہ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا یا ہمیں پابند نماز بنا۔ اور اس کا ثواب ہمارے لیے ہمیشہ باقی رکھ۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا میرے لیے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی آنکھوں کا سرور، قرار اور محبوب کو دیکھنا جس سے آنکھ قرار اور ٹھنڈک پاتی ہے اور اسے دائیں بائیں دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔

۱۰؎ اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو پھر یہ لذت آخرت میں نصیب ہو گی اور اگر دل کی آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو پھر یہ لذت دنیا میں بھی حاصل ہے۔

۱۱؎ یعنی ایسی موت جو مجھے تیرے وصال سے ہمکنار کر دے۔

۱۲؎ اس کا تعلق یا تو شوق ملاقات سے ہے مراد یہ ہے کہ میں ایسا شوق چاہتا ہوں جو میری طریقت کے سیر و سلوک میں مجھے نقصان نہ پہنچائے بلکہ احکام شرعی کی رعایت اور طریق ادب کے مطابق استقامت سے بہرہ ور ہو کیونکہ جو شوق سالک کو غلبہ حال کے وقت نقصان پہنچائے اور بے ہوشی میں غیر شرعی حرکات میں مبتلا کرے مجھے اس سے محفوظ رکھ۔

۱۳؎ اس کا تعلق یا تو اس سے ہے جو پیچھے فرمایا کہ مجھے زندگی عطا فرما تا کہ یہ لفظ سب الفاظ سے متعلق ہو جائے یعنی مجھے ان مذکورہ تمام نعمتوں کے ساتھ زندہ رکھ۔ اور اس غربت میں بھی زندہ رکھ جس میں مجھے صبر نصیب ہو اور میں تیری شکر گزاری میں رہوں۔

۴ یعنی جس طرح ہم دوسروں کو راستہ دکھائیں خود بھی راہ راست پر قائم رہیں اور ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا (لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ) اے لوگو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر[۱] کے بعد یہ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے نفع بخش علم مقبول عمل اور حلال وطیب[۲] روزی مانگتا ہوں۔

احمد۔ ابن ماجہ بیہقی دعوات کبیر میں

۱ بعض روایتوں میں فجر کے بعد کا لفظ آیا ہے۔ یعنی بَعْدَ الْفَجْرِ

۲ یہاں نماز فجر کا ذکر اتفاقی ہے۔ یا راوی نے اس وقت دعا کے یہ الفاظ سنے یا فجر کی نماز کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ جب دن کی ابتداء علم وعمل اور حصول رزق طیب سے ہو گی تو دن نیکیوں اور خیر میں گزرے گا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَ اُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَ اَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَ اَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا ایسی یاد کی ہے جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا یعنی الٰہی مجھے ایسا کر دے کہ تیرا بہت ہی شکر[۱] کروں اور تیرا بہت ہی ذکر کروں اور تیری نصیحت[۲] کی پیروی کروں اور تیری وصیت کی حفاظت کروں۔

(ترمذی)

۱ یہاں حدیث میں لفظ اعظم آیا ہے جو اعظام اور تعظیم دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ اکثر دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اکثار سے یا تکثیر سے۔

۲ نصیحت کا معنی خالص ہونے کا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں عسل ناصح یعنی شہد خالص۔ یعنی تیرے حقوق کے ادا کرنے میں صدق وخلوص کے راستے پر گامزن رہوں اور تو نے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان کی حفاظت کروں ان کے حقوق پورے کروں۔ علامہ طیبی نے فرمایا لفظ نصح اور وصیت جو حدیث میں آئے ہیں۔ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ۔

روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے یا اللہ میں تجھ سے صحت[1] پاک دامنی[2]، امانت[3] حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنا مانگتا ہوں۔

[1] یعنی صحت بدن۔

[2] یعنی حرام اور گداگری سے پاک رہنا۔

[3] یعنی لوگوں کے مالوں میں یا تمام حقوق شرعی میں۔

وَعَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ[1] قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔

حضرت ام معبد[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا یا اللہ میرے دل کو نفاق[2] سے پاک کر اور میرے عمل کو ریا[3] سے میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت[4] سے پاک کر بے شک تو خیانت کرنے والی آنکھ کو جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں سینے اپنے اندر[5] چھپا کر رکھتے ہیں۔

رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا۔

[1] یہ دو عورتوں کے نام ہیں اور دونوں صحابیہ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ سفر ہجرت میں حضور نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے پاس نزول فرمایا۔ دوسری بنت کعب بن مالک ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسری مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اور اس کی صفات اور علامتوں سے بھی پاک کر۔

[3] اپنا نیک عمل لوگوں کو دکھلانا۔

[4] یعنی نظر حرام سے صراح میں ہے خیانت بمعنی غلط روی اور کسی کا حق کم کرنا۔

[5] یعنی شہوت اور گناہوں کے ارادے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خائنۃ الاعین کی تفسیر میں مروی ہے کہ مثلاً مردوں کی ایک جماعت بیٹھی ہو کہ اچانک کوئی عورت ان کے سامنے سے گزرے اور وہ ایک دوسرے کے شرم

کی وجہ سے اُس عورت کو نہ دیکھیں اور جب وہ سب اپنی آنکھیں بند کر لیں تو ایک آدمی اپنی آنکھ اٹھا کر اُن سے چوری چوری اُس کو دیکھے تو یہ نگاہ کی خیانت ہوگی۔

وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَوْ تَسْاَلُهٗ اِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَقُوْلُ اللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهٗ وَلَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَفَلَا قُلْتَ اللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی کی جو بہت کمزور ہو چکا تھا[1] گویا چوزے کی طرح ہو گیا تھا۔ اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی خاص دعا کیا کرتا تھا[2] یا کوئی خاص چیز مانگا کرتا تھا اُس نے عرض کیا ہاں میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہے وہ مجھے دنیا ہی میں دے دے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔ فرماتے ہیں اُس شخص نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگی تو اللہ نے اُسے شفا بخش دی۔

(مسلم)

[1] یہاں تک کہ اُس کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ حدیث میں لفظ خفت آیا ہے بمعنی پستی اور آواز کا بیٹھ جانا کہتے ہیں۔ خفت المیت جبکہ مرنے والا خاموش ہو جائے اور کلام کرنا بند کر دے۔

[2] یہاں کلمہ یا میں شک کا احتمال ہی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو مختلف چیزیں بیان کرنا مطلوب ہوں

وَ عَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو لائق نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے لوگوں

نَفْسَهٗ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَآءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

نے پوچھا حضور ذلیل کرنے سے کیا مراد ہے فرمایا کہ اپنے آپ کو اُن آفتوں پر پیش کرے جن کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

ترمذی۔ ابن ماجہ۔ بیہقی۔ شعب الایمان اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّآلِّ وَالْمُضِلِّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا اور فرمایا یوں کہو یا اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو نیک بنا[1] اے اللہ بے شک میں تجھ سے وہ نیک ترین چیز مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو اہل، مال اور اولاد میں سے دیتا ہے جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ کن ہو۔ (ترمذی)

[1] یہ اس لیے فرمایا کہ شاید کہ باطن ظاہر سے بہتر ہو جائے مگر ساتھ ہی فرما دیا کہ ظاہر بھی نیک ہو اور باطن اُس سے بھی نیک ہو۔

[2] اللہ تبارک و تعالیٰ جو سلائیں کرنے والا ہے اُس کی توفیق سے کتاب الدعوات مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد اس سے متصل کتاب المناسک ہے۔

كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

احکام حج کا بیان

لفظ مناسک منسک سین کی زبر یا سین کی زیر سے بمعنیٰ قربانی کرنا قربانی کی جگہ اور قربانی کا مکان اور اگر یہ کلمہ نسک نون اور سین کی پیش سے مشتق ہو تو بمعنیٰ عبادت ہوگا اور منسک بمعنیٰ جائے ذبح بھی آتا ہے نسک بہ ذبیحہ کو کہتے ہیں اس لفظ کا اکثر استعمال حج کے امور کے لیے ہوتا ہے اور لفظ حج میں حا کی زبر اور زیر یہ دونوں لغات آئی ہیں اور دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اس آیت میں حج البیت اور حِج البیت دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حج ہجرت کے بعد فرض ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت سے پہلے حج کرنے کا جو ذکر آیا ہے تو وہ دور جاہلیت میں قریش کی عادت کے طور پر آیا ہے کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے جمہور علماء اس پر ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا۔ علماء کا ایک گروہ اس پر ہے کہ ۹ھ ہجری میں حج فرض ہوا اور اسی سال میں خود حضور نبی کریم اسباب سفر حج کی تیاری میں مصروف ہو رہے تھے۔ لیکن غزوات، احکام شریعت کی پختگی اور مختلف وفود کو تعلیم دینے کی مصروفیت کی بناء پر اس سال حج کو نہ جا سکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر الحاج بنا کر مکہ شریف بھیجا تاکہ لوگوں کے ساتھ حج ادا کریں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا میرے ماتحت بن کر آئے ہیں آپ نے عرض کیا بلکہ میں آپ کے ماتحت رہنے کے لیے آیا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور مصلحت کے لیے بھیجا تھا وہ یہ تھی کہ آپ مجمع حج میں لوگوں کے سامنے سورۂ توبہ کی تلاوت کریں اور منافقین کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو توڑ ڈالیں اور معاہدہ توڑنے کے لیے اہل بیت میں سے آدمی ہونا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے لوگو تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے تو حج کرو۔ ایک شخص[1] نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال[2] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین بار کہا تو فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب[3] ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس کام میں میں تم کو آزادی[4] دیے رکھوں کہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے[5]۔ اس لیے جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اُسے کرو[6] اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں۔ تو اسے چھوڑ دو۔ (مسلم)

[1] یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع بن حابس تھے۔

[2] گویا اس مرد نے دوسرے فرائض پر قیاس کیا تھا۔ جو بار بار کیے جاتے ہیں۔

[3] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ شرعی احکام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیے گئے ہیں یعنی آپ جو کچھ فرمائیں وہی شرعی حکم بن جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا مذہب یہی ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس مرد سے فرمایا گیا تجھے دوبارہ جواب دیا جائے گا کیونکہ قول عام ہے وحی سے ہو یا اپنی طرف سے۔ اسے سمجھ لو۔

[4] یعنی مجھ سے یہ سوال نہ کرو کہ کتنا ہے اور کیوں ہے جب تک کہ میں اس تفسیر میں نہ جاؤں اور میں خود بیان نہ کروں کہ کتنا ہے اور کیوں ہے یعنی جو کچھ میں کہوں تم اسے کرو۔ اگر میں مطلق حکم دوں بغیر کسی قید کے قائم کے مطابق عمل کرو۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ اتنی بات کرو یا اس طرح کرو تو پھر اس کے مطابق کرو کیونکہ مجھے شرعی احکام کے بیان کرنے کے لیے بھیجا گیا اور شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے جو کچھ ہے میں اُسے خود بیان کروں گا۔ تمہارے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

[5] جیسا کہ بنی اسرائیل کے واقعات منقول ہیں۔

[6] یہ احکام الٰہیہ کے ادا کرنے میں مبالغہ اور تاکید ہے اور یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دیا جہاں تک تم میں طاقت ہے اس لفظ میں آسانی اور رفع حرج کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ نماز اس کے ارکان اور شرائط وغیرہ میں ہے کہ جب کسی رکن یا شرط کے بجا لانے سے عاجز ہو تو اس حد تک کرو

جتنا کہ کر سکتے ہو۔ یہ کرنے کے احکام میں ہے نہ کرنے کے احکام میں چاہیئے کہ احتیاط کرے اور نہ کرنے میں پوری کوشش صرف کرے جہاں تک کہ وہ کر سکتا ہے جیسا کہ اپنے قول مبارک سے حضور نے اس جانب اشارہ کیا۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا بہتر عمل کونسا ہے فرمایا اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا پھر کونسا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا عرض کیا گیا پھر کونسا فرمایا حج۔ (بخاری و مسلم)

لہ واضح ہو کہ حج مبرور کونسا ہوتا ہے علماء نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے حج مبرور وہ ہے جس میں حاجی خلاف شرع چیزوں کا ارتکاب نہ کرے اور نہ ہی ریا اور نمائش کا دل میں خیال آئے یہ صحیح ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ حج مبرور سے وہ حج مراد ہے جو خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں قبول ہو جائے اور اگرچہ قبولیت کا حج سبب وہی ہے جو علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ممنوعات سے بچے لیکن خدا کا فضل بہت وسیع ہے وہ کبھی بندے کی نیکی قبول کر لیتا ہے اور اُس کے گناہوں اور تقصیرات سے درگزر فرما دیتا ہے علمائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حج مبرور کی نشانی یہ ہے کہ حج سے واپس آنے کے بعد اس کی عملی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی ہو۔ اور آخرت کی طرف رغبت بڑھ چکی ہو۔ دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہو چکا ہو اور گناہوں کی طرف جانے کا خیال دوبارہ اُس میں نہ آئے۔

تنبیہ۔ احادیث افضل اعمال کے بیان میں مختلف ہیں اُن میں موافقت کی وجہ جہات حیثیات مقامات سوال کرنے والوں اور مخاطبین کے حال کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ کے ابتداء میں ہم اس جانب اشارہ کر چکے ہیں اس کو ذہن نشین کر لو۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے لیے حج کیا اس میں کوئی فحش کلامی نہ کی نہ فسق کی باتیں کیں تو حج سے ایسا ہو کر واپس لوٹے گا جیسے اُسے ماں نے آج ہی جنا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی جس نے صرف خدا کے لیے حج کیا دکھلاوے یا کسی اور غرض کے لیے نہ کیا پھر اس نے رفث یعنی فحش کلامی نہ کی۔ اور فسق کا مرتکب نہ ہوا۔ رفث را اور فا کی زبر سے بمعنی عورت سے جماعت کرنا اور عورتوں سے مجامعت کی حالت میں ننگی باتیں کرنا۔ اور نہایہ میں فرمایا وہ رفث جس سے منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ عورت کو مخاطب کر کے فحش اور بے حیائی کی بات کی جائے اگر عورت کو سنانے کے بغیر کوئی ایسی بات کرے تو یہ رفث نہ ہوگا اور فسوق سے مراد یہ ہے کہ انسان شرع کی حدود سے نکل کر حرام کا ارتکاب کرے۔ قرآن مجید میں حج کے دوران جدال سے منع کیا گیا ہے۔ جدال سے مراد یہ ہے کہ اپنے رفیقوں خادموں سے لڑے جھگڑے اور ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ اس حدیث میں جدال کا ذکر نہیں آیا گویا اسے بھی فسوق میں داخل فرمایا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کفارہ بن جاتا ہے[1] ان کے درمیانی وقفے کے لیے یعنی ان دونوں کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور حج مبرور کی جزا اور اس کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ جیسا کہ وضو نماز اور رمضان شریف کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے علمائے کرام وہاں صغیرہ گناہوں سے خاص کرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی صغیرہ گناہ ہی مراد ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی حج کے ساتھ خاص ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک رمضان شریف میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے[1]۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی ثواب میں اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ عمرہ اس حج کے برابر ہے جو اس نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا۔ یہ مبالغہ ہے اور اس میں ناقص کو کامل سے لاحق کیا گیا ہے جیسا کہ اس طرح کی دوسری مثالوں میں بھی واقع ہوا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بِالرَّوْحَآءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَرَفَعَتْ اِلَیْہِ امْرَاَۃٌ صَبِیًّا فَقَالَتْ اَلِھٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَکِ اَجْرٌ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

مقام روحا[1] میں کچھ سواروں سے ملے فرمایا یہ کون لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں پھر وہ بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول ہوں تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا اور بولی کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے[2] فرمایا ہاں اور ثواب تجھے ملے گا۔ (مسلم)

[1] یعنی را کی زبر واو ساکن حا کی مد سے یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب مکہ تین منزل کے فاصلے پر ہے۔

[2] یعنی اگر بچہ حج کرے تو اسے اجر و ثواب ملے گا؟ حالانکہ یہ بالغ نہیں ہے نہ اس پر حج فرض ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اور اسے بھی ثواب ملے گا اور تجھے بھی کیونکہ تو نے اسے اٹھایا ہوا ہے اور اٹھا کر لے جا رہی ہے اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے مگر یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ نابالغی کی حالت میں حج کرے تو اس پر بالغ ہونے کے بعد حج فرض ہوگا۔ اسی طرح غلام اگر آزاد ہو جائے تو پھر اس پر حج فرض ہوگا مگر فقیر اگر حج کرے تو وہ فرض کی ادائیگی میں شمار ہوگا اور امیر ہونے کے بعد اس پر حج کرنا فرض نہ ہوگا۔

وَعَنْہُ قَالَ اِنَّ امْرَاَۃً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ فَرِیْضَۃَ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ فِی الْحَجِّ اَدْرَکَتْ اَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا لَّا یَثْبُتُ عَلَی الرَّاحِلَۃِ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِکَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں بے شک قبیلہ خثعم[1] کی ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کے فریضہ میں جو کہ حج ہے اس نے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں فرمایا ہاں[2] اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں[3] ہوا۔ (بخاری و مسلم)

[1] خا کی زبر پھر عین کی زبر یہ ایک قبیلے کا نام ہے۔

[2] مسئلہ یہ ہے کہ غیر کی جانب سے اگر اس پر حج فرض ہو تو کرنا جائز ہے جبکہ وہ خود عاجز ہو اور اس کا یہ عجز موت تک باقی رہے اور وہ غیر کو حج پر بھیجنے والے کو حکم دے اور خرچہ بھی دے اور موت کے بعد اگر وصیت کر جائے تو بھی اس کی طرف سے حج کیا جائے۔ اور اگر نفل ہو تو خود حج کی قدرت کے باوجود دوسرے کو اپنی طرف سے بھیجنا مطلقاً جائز ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ والدین کی طرف سے ان کے حکم دینے اور ان کے وصیت کرنے کے بغیر بھی

جائز ہے اس کی تفسیر فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

سلہ یعنی اس عورت کا یہ کہنا، اپنے باپ کی حالت بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کا اُسے جواب دینا حجۃ الوداع میں ہوا وہاں ایک قصہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری پر حضور علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نہایت حسین وجمیل اور اٹھتی جوانی کی عمر میں تھے یہ عورت حضرت فضل کے حسن وجمال کو دیکھ کر اُن پر شیدا ہوگئی اور انہیں دیکھنے لگی یہ عورت بھی صاحب حسن وجمال تھی اور قبیلہ خثعم کی اکثر عورتیں حسین وجمیل ہوتی ہیں۔ دونوں نے اپنی اپنی آنکھیں ایک دوسرے کی نگاہ میں سی دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس حالت کا مشاہدہ فرمایا تو حضرت فضل بن عباس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور اُن کی گردن دوسری طرف موڑ دی۔ حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے چچے کے بیٹے کی گردن کیوں دوسری طرف پھیر دی ہے۔ فرمایا اے چچا کے بیٹے شیطان آدم کے بیٹے پر مسلط ہو جاتا ہے اور اُس کی رگوں اور چمڑے میں گھس جاتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ فوت ہوگئی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اُس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا۔ اس نے عرض کی ہاں ضرور کرتا فرمایا اللہ کا قرض بھی ادا کر کہ وہ قضا کے زیادہ لائق ہے۔ سلہ (بخاری ومسلم)

سلہ کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کا قرض ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اُس کا قرض ادا کیا جائے مگر اس صورت میں بھی اُسی وقت جائز ہوگا جبکہ وہ وصیت کر جائے اور خرچہ بھی دے جائے۔ یہ ہم حنفیوں کا مذہب ہے شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جو کوئی مرگیا اور اُس کی گردن پر خدا کا حق تھا حج ہو یا غیر حج اُس حق کا ادا کرنا لازم ہے۔ اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے اور اس قرضہ کی ادائیگی وصیت اور وارثوں میں تقسیم سے پہلے کرنا ضروری ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَاَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی عورت سے خلوت سلہ نہ کرے اور کوئی عورت سفر نہ کرے مگر یہ کہ اُس کے ساتھ اُس کا

يَا رَسُوْلَ اللهِ اُكْتُتِبْتُ فِیْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِیْ حَاجَّةً قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

محرم ہونا چاہیے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا ہوں[۳] اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی بیگانی عورت کے ساتھ چاہے وہ جوان ہو چاہے بڑھی خلوت کا معنی ہے تنہائی۔

[۲] محرم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ کبھی نکاح جائز نہ ہو سکے چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھی۔ بعض فقہی روایات میں آیا ہے کہ اگر سفر میں اس کے ساتھ کوئی با اعتماد با وثوق اور با اعتماد اور نیک عورت ہو تو بغیر محرم کے بھی سفر جائز ہے بعض نے فرمایا کہ متعدد با اعتبار عورتیں ہونی چاہییں جن کے ساتھ وہ سفر میں جائے۔ بعض نے فرمایا کہ ہجرت کے وقت کفار کے ملک سے نکلنے کے لیے ساتھی کا ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ کفار کے ملک میں ٹھہرنا حرام ہے۔

[۳] یہ لفظ حدیث میں اُكْتُتِبْتُ یعنی ہمزہ کی پیش کاف ساکن پھر پہلی تا کی پیش دوسری تا کی زیر پھر با ساکن بمعنی میرا نام لکھا گیا ہے۔ مجاہدین کے دفتر میں فلاں فلاں جنگ میں کہ میں نے بھی ان کے ساتھ جانا ہے۔ اور میری عورت حج کے ارادہ سے خانہ کعبہ کی طرف اپنے گھر سے نکل پڑی ہے تو میرے متعلق کیا حکم ہے کہ میں جہاد کو جاؤں اور عورت کو تنہا حج کے لیے جانے دوں یا جہاد پر جانے کی بجائے اپنی عورت کے ساتھ حج کو جاؤں۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی نہیں اور جہاد کو جانے والے بہت ہیں

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتِ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت[۱] چاہی تو آپ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے[۲]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت چاہی کہ میں جہاد کے لیے جاؤں۔

[۲] یعنی عورتوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ حج کے لیے باہر نکلیں۔ انہیں جہاد کو جانے کی ضرورت نہیں۔

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت ایک دن رات کے سفر پر نہ نکلے مگر اس حالت میں کہ اس کے ساتھ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) اُس کا محرم ہونا چاہیئے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ ذو محرم آیا ہے یہاں لفظ ذو زائد ہے۔ بعض روایات میں تین دن کی مسافت کا ذکر آیا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ ہر تقدیر پر کوئی معینہ حد مراد نہیں مطلق سفر مراد ہے۔ لہٰذا بڑا یا چھوٹا محدثین کے نزدیک سفر اور اُس کے احکام میں شارع علیہ السلام سے کوئی حد معین ثابت نہیں اس کی تحقیق باب نماز سفر میں گزر چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهٗ مِنْ اَهْلِهٖ وَكَذَالِكَ وَكَذَالِكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ[لہ] کو میقات مقرر فرمایا۔ اور اہل شام کے لیے مقام جحفہ[سلہ] کو اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل[سلہ] اور اہل یمن کے لیے یلملم[سلہ] کو تو یہ مقامات ان جگہوں کے میقات ہیں اور اُن لوگوں کے بھی میقات ہیں جو ان جگہوں کا رہنے والا نہ ہو تو جو شخص حج اور عمرے کا ارادہ کرتا ہو[سلہ] پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا باشندہ ہو تو اس کا احرام[لہ] اپنے گھر سے ہے اور اسی طرح اور اسی طرح[لہ] حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں[سلہ]۔

(بخاری و مسلم)

لہ ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب مکہ پانچ چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔ میقات یعنی کام کا وقت اور کام کی جگہ پھر یہ نام اُس جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا جہاں سے حاجی کے لیے بغیر احرام کے آگے گزرنا منع ہے یاد رہے کہ ان جگہوں سے باہر کے لوگوں کے لیے چند جگہیں ایسی مقرر ہیں جہاں سے بغیر احرام کے مکہ کی طرف جانا بالکل منع ہے۔ پس اہل مدینہ کے لیے ذا الحلیفہ کو میقات مقرر کیا گیا ہے۔

سلہ یعنی اہل شام کی میقات مقام ہے جیم کی پیش حا ساکن۔ اُس کے بعد فا یہ بھی مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

سلہ اور اہل نجد کے لیے میقات قرن المنازل ہے یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے نجد اصل میں نشیبی زمین کے بالمقابل اونچی زمین کو کہتے ہیں۔ آج کل نجد اُن تمام بلاد عرب کو کہتے ہیں جو یمامہ سے سرزمین عراق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ قرن بفتح کاف وسکون را اسے قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی طائف کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے لیکن وہ قرن جس کی

طرف حضرت اویس قرنی منسوب ہیں وہ را کی زبر سے ہے یعنی قرنی۔ یہ بلاد یمن میں سے ایک شہر ہے جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے۔

۴؎ یعنی اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ یا کی زبر لام کی زبر اور دونوں میم ساکن یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔ پس یہ مذکورہ جگہیں حج کے لیے جانے والے لوگوں کے لیے میقات ہیں جو ان کے پاس سے گزر کر خانہ کعبہ کی طرف جاتے ہیں اور وہ تمام لوگ جو دوسرے ممالک سے آتے اور ان مقامات سے گزر کر حج کے لیے بیت اللہ شریف جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل مدینہ براستہ شام مکہ کو آئیں تو انہیں جحفہ سے احرام باندھنا ہوگا حالانکہ ان کا اصل میقات ذوالحلیفہ ہے اور ہندوستانی یمن کی سمت سے مکہ جاتے ہیں تو انہیں یلملم سے احرام باندھنا ہوگا۔

۵؎ یعنی یہ میقات اُن لوگوں کے لیے ہے جو حج اور عمرے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے مگر اُس کا ارادہ حج و عمرے کا نہ ہو تو اُس کے مکے میں داخل ہونے کے لیے احرام لازم نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہی ہے مگر ہم احناف کے نزدیک بے احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اگرچہ حج اور عمرے کا ارادہ نہ بھی ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کوئی شخص بغیر احرام میقات کے آگے نہ گزرے یہ حدیث مطلق ہے اس میں حج اور عمرہ کے ارادہ کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ احرام کا وجود اس مقدس مقام کی تعظیم کے لیے ہے لہٰذا حاجی اور عمرہ کرنے والا اور ان کے ماسوا سب کے لیے یہ حکم مساوی ہے ہاں وہ شخص جو میقات کے اندر رہتا ہو اُس کے لیے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ جبکہ وہ کسی کام کے لیے مکہ شریف آرہا ہو کیونکہ جو لوگ اپنے ذاتی کام کاج کے لیے مکہ شریف آتے ہوں اُن کے لیے ہر بار احرام کی شرط لگانا تنگی اور دقت کا باعث ہے لہٰذا ایسے شخص کا حکم اہل مکہ کا حکم ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔"

۶؎ یہاں حدیث میں لفظ مُھَلَّہٗ آیا ہے یعنی میم کی پیش ھا کی زبر اور لام کی شد سے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان مذکورہ جگہوں کے اندر رہتا ہو وہ اسی جگہ سے احرام باندھے جہاں وہ رہتا ہو یہ لفظ اہلال سے بنا ہے جس کا اصل معنیٰ ہے آواز بلند کرنا مگر یہاں احرام مراد ہے کیونکہ اس میں بھی لبیک کہتے ہوئے آواز بلند کی جاتی ہے۔

۷؎ یعنی جو شخص جہاں جہاں بھی میقات کے اندر رہتا ہے تو اُس کی جائے احرام وہی ہے جہاں وہ رہتا ہے۔

۸؎ مگر یہ احرام حج کے ساتھ خاص ہے یعنی حج کا احرام مکے کے اندر سے باندھا جائے۔ البتہ عمرے کے لیے احرام اہل مکہ کو حرم کی حدود سے باہر نکل کر باندھنا پڑے گا۔ اور آج کل اہل مکہ کے لیے عمرے کا احرام باندھنے کے لیے ایک جگہ مشہور ہے جسے تنعیم کہتے ہیں۔ یہ جگہ حدود حرم سے باہر حرم مکہ کی حدود کے سب سے زیادہ قریب ترین جگہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی جگہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ آپ نے یہ احرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم سے باندھا تھا یہاں ایک جگہ ہے جسے مسجد عائشہ کہتے ہیں یعنی یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جہاں حضرت عائشہ نے نماز ادا کی اور احرام باندھا جیسا کہ حجۃ الوداع کے باب میں یہ واقعہ آرہا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقُ الْاٰخَرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا مدینہ والوں کی احرام گاہ ذوالحلیفہ ہے اور ان کا دوسرا راستہ جحفہ ہے اور عراق والوں کی احرام گاہ ذات عرق ہے اور نجد والوں کی احرام گاہ قرن ہے اور یمن والوں کی احرام گاہ یلملم ہے۔[۱]
(مسلم)

[۱] اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہوچکا ہے۔ حضور علیہ السلام کے قول مبارک کہ دوسرا راستہ جحفہ ہے سے مراد یہ ہے کہ اہل مدینہ جب شام کے راستے سے آئیں تو ان کا میقات جحفہ ہوتا ہے اور جائز ہے کہ وہ یہاں سے احرام باندھیں اور ذات عرق جو اہل عراق کی میقات ہے وہ حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ پھر عراق مشہور علاقے کا نام ہے جس کی لمبائی عبادان سے موصل تک اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک ہے۔ اس علاقے کا نام عراق اس بنا پر رکھا گیا ہے کہ یہ علاقہ دجلہ اور فرات کے کنارے سے واقع ہے۔ عراق ساحل سمندر کو کہتے ہیں ذات عرق ایک جگہ ہے۔ مکہ سے مشرق کی جانب دو منزل کے فاصلے پر یہ جگہ قرن کے بالمقابل ہے۔ عرق عین کی زیر سے چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِيْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةً مِّنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مِّنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے سب کے سب ذالقعدہ میں کیے مگر وہ عمرہ جو آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا[۱]۔ ان عمروں میں سے ایک عمرہ[۲] آپ نے ذالقعدہ میں حدیبیہ سے کیا۔ دوسرا عمرہ اگلے سال[۳] ذالقعدہ میں ہی کیا تیسرا عمرہ جعرانہ[۴] سے کیا جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں یہ بھی ذالقعدہ میں کیا اور ایک عمرہ آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا[۵]
(بخاری و مسلم)

لہ کردہ عمرہ آپ نے ذوالحجہ میں حج کے ایام میں کیا۔

سلہ یہاں حدیث میں عمرہ کے لفظ پر پیش و زبر دونوں پڑھے گئے ہیں ان چار میں سے یہ پہلا عمرہ جو آپ نے کیا مقام حدیبیہ سے کیا۔ حا کی پیش د کی زبر۔ پھر با کی زیر اور یا پر شد اور بغیر شد کے دونوں طرح آیا ہے بغیر شد کے پڑھنا زیادہ مشہور و اکثر ہے یہ ایک بستی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس بستی کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں ہے باقی حصہ حل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے بعض نے کہا ایک درخت کا نام ہے اور یہ جگہ اس درخت کے نام پر مشہور ہے بیعت الرضوان جو اس درخت کے نیچے لی گئی تھی اور قرآن مجید میں جس کی شان میں فرمایا (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ آپ سے بیعت ہو رہے تھے۔ درخت کے نیچے یہ درخت اسی جگہ میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے پیر کے دن سال چھ ہجری ذوالقعدہ کا چاند طلوع ہونے پر بقصد عمرہ چودہ سو یا اس سے زیادہ افراد کے ساتھ اس مقام پر جمع ہوئے مگر قریش نے حضور علیہ السلام کو روک دیا کہ آپ مکے میں داخل نہیں ہو سکتے آپ نے ان سے صلح کر کے واپسی اختیار فرمائی اور قریش سے معاہدہ ہو گیا کہ آپ آئندہ سال آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ حقیقت میں یہ عمرہ نہ تھا مگر اسے عمرہ شمار کر لیا گیا۔ اور محرم کے لیے راہ حج میں رکاوٹ کا مسئلہ یہیں سے شروع ہوا۔ اس صلح حدیبیہ کو فتح بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ فتح دوسری فتوحات کی بنیاد بنی۔ چنانچہ اس کے بعد فتح خیبر وغیرہ کے واقعات پیش آئے۔ حدیبیہ کا مکمل قصہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کتاب الجہاد میں اس کا کچھ حصہ مزید بیان کیا جائے گا۔

سلہ یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں آپ نے کیا۔ یہ گزشتہ سال کی صلح کے نتیجے میں آپ نے کیا چنانچہ آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے عمرہ کیا تین دن وہاں ٹھہرے چوتھے روز مکہ معظمہ سے برآمد ہوئے۔ اس عمرہ کو احادیث میں عمرۃ القضا کہا گیا ہے۔ یہ واقعہ حنفیہ کے مذہب کی تائید کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محرم رکاوٹ کی وجہ سے جب راستے میں ہی احرام کھول دے تو فوت شدہ عمرہ کی قضا لازم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم نہیں اور احادیث میں اس کے لیے جو لفظ قضاء آیا ہے وہ بمعنیٰ صلح ہے۔ قضاء کا معنیٰ صلح بھی آتا ہے۔

شافعی حضرات کے نزدیک عمرہ قضاء بایں معنیٰ ہے کہ سال آئندہ کے لیے حضور علیہ السلام کی ان کے ساتھ عمرہ کرنے کے بارے میں صلح ہو گئی۔

سلہ تیسرا عمرہ آپ نے جعرانہ سے کر تشریف لا کر کیا کیونکہ جعرانہ میں فتح حنین کی غنیمتیں تقسیم کرتے رہے۔ جعرانہ جیم کی زیر عین کی زیر اور را کی شد۔ یہ بھی مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے آپ فتح مکہ کے بعد ۸ھ ہجری کو غزوہ حنین کے لیے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقعے میں آپ کو بے شمار مال غنیمت عطا فرمایا۔ اور آپ

مقام جعرانہ میں پندرہ یا سولہ دن اقامت پذیر رہے اور مال غنیمت تقسیم کرتے رہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ آپ رات کے وقت عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سوار ہوئے اور مکے شریف آئے عمرہ ادا فرمایا اور اسی رات واپس ہو گئے اور صبح کی نماز جعرانہ میں جا کر ادا فرمائی۔

ھ یعنی چوتھا عمرہ جو آپ نے حج فرمانے کے بعد حج کے ساتھ کیا یہ عمرہ بہر حال ذوالحجہ میں ادا فرمایا یہ چار عمرے ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے۔ مگر آپ کا اسلامی حج صرف ایک ہی تھا۔ ایام جاہلیت میں قریش حج کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اُس وقت حج کیا کرتے تھے جن کی تعداد علماء نے بیان نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ بُخَارِي)	حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ کے مہینے میں حج سے پہلے دو عمرے[۱] کیے۔ (بخاری)

ل گویا حضرت براء بن عازب نے عمرہ حدیبیہ کو شمار نہ کیا، کیونکہ حدیبیہ میں فی الحقیقت آپ نے عمرہ نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ بس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمرے تین ہی ہوئے دو حج سے پہلے ایک عمرہ قضا دوسرا وہ عمرہ جو آپ نے جعرانہ سے کیا اور ایک حج کے بعد جو حجۃ الوداع کے ساتھ کیا۔

ل حج اور عمرے کی کیفیت آگے آرہی ہے اُس کا مجمل بیان یہ ہے کہ حج عرفات میں کھڑے ہونے، بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا نام ہے، اور عمرہ طواف اور سعی کرنے کا۔ احرام دونوں میں شرط ہے حج فرض بھی ہوتا ہے اور نفل بھی اور عمرہ نفل ہی ہوتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنے ذمے اُس کی نذر مان لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج لکھ دیا ہے یعنی فرض کر دیا ہے اس پر حضرت اقرع بن حابس[۱] کھڑے ہوئے اور عرض کی کیا ہر سال میں حج فرض ہے۔ یا رسول اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر میں اس پر ہاں کہہ دیتا[۲] تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا اور

تَسْتَطِيعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةٌ فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

اگر وہ ہر سال فرض ہو جاتا تو تم اس پر عمل نہ کر سکتے۔ نہ تم اس کی طاقت[۳] رکھتے ہو کہ حج ایک ہی بار فرض ہے جو ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل حج کرے گا۔
(احمد، نسائی، دارمی)

[۱] یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے۔ یہ صاحب بنی تمیم کے وفد میں اسلام لانے کے لیے آئے تھے۔ پہلے آپ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ اسلام اور جاہلیت دونوں میں بڑے شریف الطبع انسان تھے، بڑی بلند شان کے مالک تھے۔

[۲] یعنی اگر میں اس کی فرضیت کے لیے لفظ ہاں کہہ دیتا تو ہر سال میں حج فرض ہو جاتا۔

[۳] کیونکہ اس میں بڑی سخت مشقت ہے کہ اس سفر میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اہل و اولاد کی جدائی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اپنے وطنوں سے دور رہنا پڑتا ہے بخصوصاً ان لوگوں کے لیے جن کے شہر اور علاقے مکہ معظمہ سے بہت دور واقع ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَّذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَّهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَجْهُوْلٌ وَّالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو جو اسے خانہ کعبہ تک پہنچا سکتی ہے پھر اس نے حج نہ کیا تو[۱] اس کے لیے کوئی فرق نہیں کہ وہ کافر بن کر یہودی دین پر یا نصرانی کے دین پر مر جائے یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لیے لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج لازم ہے جو بھی اس تک پہنچنے کے راستے کی طاقت[۲] رکھتا ہے۔
اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کے اسناد میں قیل و قال ہے اور ہلال بن عبداللہ مجہول ہے اور حارث راوی حدیث میں ضعیف ہے۔

[۱] ان الفاظ میں تارک حج کے لیے سخت ملامت و شدت کا اظہار ہے۔ آپ نے یہود اور نصاریٰ کا ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں آسمانی کتاب اور دین کے مدعی ہیں اگرچہ کافر ہیں۔ مشرکوں اور مجوسیوں وغیرہ میں سے نہیں ہیں جو کہ ایمان اور دین سے

محروم اور دور رہیں۔

۲ اس آیت کے آخر میں فرمایا اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ یعنی جو شخص کفر اختیار کرے اور کفران نعمت کرے تو خدائے تعالیٰ تمام اہل جہان سے بے نیاز ہے۔ لوگ حج کریں یا نہ کریں اُسے اس سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچتا نفع اور نقصان خود اُن کا اپنا ہے۔ یہاں آیت میں جس قسم کی شدت کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس حدیث میں واقع شدت اور ڈانٹ سے بالکل موافق ہے۔ گویا بڑی شدت اور ڈانٹ کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ترک[۱] دنیا نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

۱ یہاں حدیث میں لفظ صرورت آیا ہے۔ صرورت بروزن ضرورت یعنی نکاح نہ کرنا اور حج نہ کرنا لغت کی کتاب صراح میں ہے اس شخص کو جس نے حج نہ کیا ہو، عورت کے قریب نہ گیا ہو کو صارورہ اور صرارہ کہتے ہیں۔ اصل کلمہ صر سے بنا ہے یعنی روکنا اور منع کرنا یعنی مسلمان کو چاہیے کہ نکاح اور حج ترک نہ کرے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

انہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کا ارادہ کیا اور وہ اُس پر قادر بھی ہو اور اس کی استطاعت رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ جلدی[۱] کرے۔ (ابوداؤد۔ دارمی)

۱ اور فرصت کو غنیمت جانے تاخیر نہ کرے۔ کہ

کہ آفتہاست در تاخیر و طالب را زیان دارد

ترجمہ۔ تاخیر میں بڑی خرابیاں ہیں اور طالب کو نقصان پہنچتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرہ کے درمیان متابعت کرو یعنی ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے کرو کہ بے شک یہ دونوں فقر اور

يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ لَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ۔

گناہوں کو بندے سے دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اور نہیں ہے حج مقبول کا ثواب مگر جنت۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ إِلَى قَوْلِهِ خَبَثَ الْحَدِيْدِ ۔)

اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور احمد و ابن ماجہ نے خبث الحدید تک روایت کیا۔

سلہ یہاں حدیث میں بھٹی کے لیے کیر آیا ہے ۔کاف کی زیر اس کے بعد یا اصل میں اس مشک کو کہتے ہیں جس میں لوہار ہوا بھرتے ہیں اور کور یعنی کاف کی پیش سے اس خانے کو کہتے ہیں جسے لوہار مٹی سے تیار کرتا ہے ۔ جیسا کہ قاموس میں آیا ہے ۔بعض کیر کو بھی اس بھٹی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔اس کے بعد حدیث میں لفظ خبث آیا ہے خا اور با کی زبر سے معنی وہ میل کچیل جسے بھٹی کی آگ معدنی جواہر سے الگ کرتی ہے ۔ خا کی پیش با ساکن سے بھی روایت کی گئی ہے یعنی خبیث وردی مگر اول روایت زیادہ مشہور و زیادہ ظاہر ہے ۔ بے شک حج و عمرہ بندے سے فقر و گناہوں کو دور کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسروں سے سوال کرنے کی بجائے سوال کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کیا جاتا ہے اور بہت سا مال بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا پڑتا ہے اور بندہ کئی گنا ثواب پاتا ہے اور حاجی بڑی مشقت اور مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں جو کہ عفو و مغفرت کا موجب ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔کونسی چیز حج کو فرض کرتی ہے (یعنی بلوغت کے بعد مکلف ہونے پر) آپ نے فرمایا زادسلہ اور سواری کا موجود ہونا حج کو فرض کرتا ہے ۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

سلہ یعنی اتنا سفر خرچ جس سے بندہ مکہ معظمہ جا سکے اور آسکے اور پیچھے اپنے عیال کے لیے بھی اتنے دنوں کا خرچہ کافی ہو۔سواری سے مراد ایسی سواری ہے جس پر وہ جا آ سکے ۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر پیدل چل کر حج کرنے کی طاقت موجود ہو تو پھر سواری کی شرط نہیں ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

انہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا السَّبِيْلُ قَالَ زَادٌ وَّ رَاحِلَةٌ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى ابْنُ مَاجَةَ فِيْ سُنَنِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْاَخِيْرَ)

سے پوچھا اور کہا حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے اور اس کی سات کیا ہونی چاہیے آپ نے فرمایا پراگندہ بال اور پراگندہ سر اور میلا کچیلا ہونا چاہیے۔اس پر ایک دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ افضل حج کونسا ہے۔فرمایا بلند آواز سے لبیک کہنا اور قربانی کا خون بہانا، ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قرآن کی آیت میں واقع راستے کی طاقت سے کیا مراد ہے فرمایا سفر خرچ اور سواری۔ اسے شرح سنت میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں روایت کیا۔مگر انہوں نے راستے والے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ شعث آیا ہے یعنی شین کی زبر عین کی زیر بمعنی پراگندہ بال اور گرد آلودہ سر۔

۲؎ یہاں حدیث میں تفل آیا ہے ت کی زبر ف کی زیر یعنی ناک سے بہنے والا پسینہ اور میل کچیل محرم میں یہ دو صفتیں جتنی زیادہ ہوں گی ریاضت و مشقت بھی زیادہ ہوگی۔اسی لیے ان دو صفتوں کا ذکر کیا گیا۔

۳؎ یہاں حدیث میں عج آیا ہے عین کی زبر جیم کی شد بمعنی تلبیہ کے لیے آواز بلند کرنا۔اس کے بعد دوسرا لفظ ثج ہے یعنی ث کی زبر جیم کی شد بمعنی قربانی کا خون بہانا۔

۴؎ یعنی آیت میں جو راستے کی طاقت کا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ سواری اور سفر خرچ موجود ہو۔

وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔)

حضرت ابو رزین[۱] العقیلی سے روایت ہے بے شک وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ بے شک میرا باپ بہت بوڑھا ہے حج و عمرے کی طاقت نہیں رکھتا[۲] نہ ہی سوار ہونے کی طاقت رکھتا ہے[۳]۔آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر[۴] اسے ترمذی۔ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ را کی زبر زا کی زیر العقیلی یعنی عین کی پیش کاف کی زبر آپ کا نام لقیط ہے۔آپ مشہور صحابی ہیں آپ کا شمار

اہل طائف میں ہوتا ہے۔

۲؎ کیونکہ اُس کے لیے اسباب سفر یعنی زادِ راہ اور سواری موجود نہیں۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ ظعن آیا ہے۔ ظا کی پیش عین ساکن اور عین کی زبر بمعنی سیر و سفر۔ سراح میں آیا ہے کہ ظعین عین ساکن اور اُس کی حرکت سے بمعنی جانا اور کوچ کرنا۔

۴؎ یعنی اُس کی طرف سے حج و عمرہ کر اگر اُس پر حج فرض ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے۔ یا اُس کا نفقہ مراد ہوگا اور اگر حج نفل ہے تو اُس کا ثواب اپنے باپ کو بخش دے اور یہ درست ہے اُس اختلاف کے ساتھ جو بدنی عبادت میں ہے بعض کے نزدیک والدین کی طرف سے مطلقاً حج کرنا ٹھیک ہے۔ یہ حدیث اور اسی طرح کی دوسری احادیث اُن کی دلیل و حجت ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِّيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِّيْ قَالَ اَحَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَّفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو کہہ رہا تھا لبیک عن شبرمۃ[۱] فرمایا شبرمۃ کون ہیں اُس نے کہا میرا بھائی ہے یا میرا قریبی[۲] ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنی طرف سے حج کر چکا ہے اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا پہلے تو اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمۃ کی طرف سے[۳] حج کر۔ اسے شافعی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ شین کی پیش یا ساکن را کی پیش یہ اُس شخص کا نام ہے جس کی طرف سے یہ شخص تلبیہ کہہ رہا تھا۔ اور اُس کی جانب سے حج کرنا چاہتا تھا۔

۲؎ یہ راوی کا شک ہے۔

۳؎ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے نائب بن کر حج کرنا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ خود اپنا فرض حج نہ کرے۔ اس مسئلے کی جانب آئمہ کی ایک جماعت گئی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اسی جماعت میں سے ہیں اور ایک جماعت اس جانب گئی ہے کہ خود اپنا حج نہ بھی کیا ہو تو بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے۔ فقہائے احناف اور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے موضع عقیق[1] کو میقات مقرر کیا۔
(ترمذی۔ ابوداؤد)

۱؎ عقیق عین کی زبر قاف کی زیر یہ ایک جگہ ہے ذات عرق کے قریب جو اہل عراق کی میقات ہے۔ لیکن یہ یعنی ذات عرق عقیق سے کچھ پہلے آتی ہے۔

پس امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ چاہیے کہ عقیق سے احرام باندھا جائے احتیاطاً دونوں حدیثوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے۔ پھر عقیق اس وادی کا نام بھی ہے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس عقیق سے مدینہ منورہ کی وادی عقیق مراد نہیں۔ مگر جبکہ کوئی شخص اس جانب سے آنا چاہے۔ واللہ اعلم۔
طیبی نے کہا کہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے کوئی میقات بیان نہیں فرمائی بلکہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عراق فتح کیا تو ان کے لیے حد بندی فرمائی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے ذاتِ عرق[1] کو میقات مقرر فرمایا۔
(ابوداؤد۔ نسائی)

۱؎ یاد رہے اہل مشرق اور اہل عراق دونوں کے لیے ذات عرق ہی میقات ہے۔ موضع عقیق بھی ذات عرق میں ہی شامل ہے۔ کیونکہ دونوں جگہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے جس نے حج اور عمرے کا احرام مسجد اقصیٰ[1] سے باندھا اور مسجد خانہ کعبہ تک گیا اس کے پچھلے اگلے تمام گناہ بخش دیے گئے[2] یا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔
(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

۱؎ یہ بیت المقدس کا نام ہے جو شام میں واقع ہے۔
۲؎ یعنی از اول تا آخر سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۵۳ یہ راوی کا شک ہے جب کوئی شخص مسجد اقصیٰ سے جو کہ ملک شام میں واقع ہے، مکہ معظمہ کو آتا ہے تو راستے میں مدینہ منورہ بھی آتا ہے تو یہ شخص افضل مقامات سے مشرف ہوتا ہے۔ یعنی ابتدا میں بھی کہ مسجد اقصیٰ سے روانہ ہوتا ہے درمیان میں بھی کہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے اور آخر کار خانہ کعبہ پہنچتا ہے تو لامحالہ ایسا شخص ثواب عظیم کا مستحق ہوتا ہے اسے خوب سمجھ لو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَاَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اہل یمن حج کے لیے روانہ ہوتے تھے مگر وہ زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگ متوکل ہیں۔ جب وہ مکہ شریف پہنچتے تو لوگوں سے مانگتے اور گداگری کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور زاد راہ اپنے ساتھ لے کر چلو کہ بہتر زاد راہ تقویٰ ہے[1]۔ (بخاری)

[1] اور تقویٰ اختیار کرو یعنی سوال و گداگری سے پرہیز کرو کیونکہ تقویٰ سفر آخرت کے لیے بہترین زاد راہ ہے۔ گویا کہ ان اہل یمن نے تقویٰ کی بجائے توکل کو زاد راہ خیال کر لیا تھا۔ تو انہیں حکم دیا کہ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اسے اپنا توشہ اور زاد راہ بناؤ۔ ان کا توکل حقیقت میں توکل نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ فی الواقع متوکل ہوتے تو اس کا حق ادا کرتے۔ کسی سے سوال نہ کرتے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَآءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر جہاد ہے جس میں کوئی لڑائی نہیں[1]، وہ حج و عمرہ ہے۔ (ابن ماجہ)

[1] چونکہ حضور علیہ السلام کے یہ فرمانے پر یہ وہم ہوتا تھا کہ وہ کونسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں تو آپ نے اس وہم کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جہاد حج و عمرہ ہے یعنی حج و عمرہ عورتوں کے لیے جہاد کی طرح ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَمْنَعْہُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَآءَ یَھُوْدِیًّا وَّ اِنْ شَآءَ نَصْرَانِیًّا۔ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو حج پر جانے سے کسی ظاہری حاجت[1] یا کسی ظالم بادشاہ[2] یا روک لینے والی بیماری نے نہ روکا اور وہ حج کرنے کے بغیر ہی مرگیا تو اُسے چاہیے کہ اگر وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے اور اگر چاہے تو عیسائی ہو کر مرے[3]۔ (دارمی)

[1] یعنی زادِ راہ اور سواری۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ سلطان جائر آیا ہے۔سلطان دراصل بمعنی سلطنت و غلبہ آتا ہے پھر اُس کا استعمال صاحب سلطنت کے لیے بھی ہونے لگا۔

[3] اس حدیث کی شرح حضرت علی کی حدیث میں فصل ثانی میں گزر چکی ہے۔مؤلف نے ترمذی سے اُس حدیث کے بعض راویوں پر طعن کیا ہے مگر دارمی کی اس حدیث میں کوئی طعن مذکور نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰہِ اِنْ دَعَوْہُ اَجَابَھُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْہُ غَفَرَ لَھُمْ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حج و عمرہ کرنے والے[1] اللہ کی جماعت[2] ہیں اگر یہ خدائے تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی دعا قبول کرے گا اور اگر یہ اُس سے مغفرت طلب کریں تو انہیں بخش دے گا۔ (ابن ماجہ)

[1] یعنی وہ لوگ جو حج و عمرہ کی نیت سے گھروں سے باہر آتے ہیں یا وہ لوگ جو حج و عمرہ کر لیتے ہیں۔یہ لفظ دونوں کو شامل ہے حج دراصل بمعنیٰ ارادہ ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ وفد آیا ہے یعنی آنے والے اور خدا کی درگاہ میں پہنچنے والے۔یہ لفظ وفادت سے بنا ہے یعنی واؤ کی زیر سے بمعنی قاصد بن کر آنا۔اسی سے وافد بنا ہے بمعنیٰ قاصد۔وفد واؤ کی زبر فا ساکن کے فرد اور فا کی زبر سے بمعنیٰ جماعت۔

وَعَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَفْدُ اللّٰہِ ثَلٰثَۃٌ اَلْغَازِیْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ کا وفد تین لوگ ہیں غازی، حاجی، عمرہ کرنے والا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔)

نسائی شریف اور بیہقی شعب الایمان میں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَقِيتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو حاجی کو ملے اور اُسے دیکھے تو اُسے سلام کہہ اور اُس سے مصافحہ[1] کر اور اسے کہہ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تیرے لیے دعائے مغفرت کرے کیونکہ وہ حاجی بخشا[2] ہوا ہوتا ہے۔

(احمد)

[1] مصافحہ کا معنی ہے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا۔ لفظ حاج اسم مفرد ہے اور جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
[2] لہٰذا بخشے ہوئے کا استغفار اور اس کی دعا مستجاب ہے۔ اُس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی قید اس لیے لگائی کہ ابھی وہ خدا کے راستے میں ہے اور اپنے اہل و عیال سے جا کر مشغول نہیں ہوا۔ تو یہ وقت خاص۔ اور حالت بھی خاص ہے اس حالت میں اس کی دعا مقبول ہونے کے قریب ہے۔ درحقیقت مراد یہ ہے کہ حاجی کا ثواب اور اس کا اللہ کے دفتر میں سے ہونا گھر سے نکلنے سے لے کر واپس گھر میں داخل ہونے تک بدستور موجود ہے۔ حج سے واپسی پر ابھی تک منقطع نہیں ہوا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِي طَرِيقِهِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَ الْغَازِي وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکلا حاجی بن کر یا عمرے کے لیے یا جہاد کے لیے پھر وہ اس راستے میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے غازی، حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] اور اسی کے حکم میں ہے وہ شخص جو تعلیم علم اور احکام دین سیکھنے کے لیے گھر سے نکلا۔

بَابُ الْاِحْرَامِ وَالتَّلْبِيَةِ

احرام اور تلبیہ کا باب

احرام وتحریم کا معنیٰ ہے کسی چیز کو حرام کرلینا۔ حج اور عمرے میں چند چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جن کا بیان آگے آ رہا ہے۔ تحریمہ نماز بھی اسی باب میں سے ہے۔ یعنی جب تکبیر تحریمہ کہہ لی جاتی ہے تو نماز کے علاوہ باقی کام حرام ہو جاتے ہیں۔ یا احرام کا معنیٰ ہے حرم شریف کے اندر آنا۔ اور چونکہ احرام حرم شریف کے اندر داخل ہونے کے جواز کا سبب ہے۔ اس لیے اسے احرام کہتے ہیں۔ تلبیہ کا معنیٰ ہے لبیک کہنا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشبو تیار کیا کرتی تھی آپ کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ کے کھلنے کے لیے طوافِ[1] بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک[2] ہوتی تھی۔ گویا میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ رہی ہوں۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی عید کے دن جبکہ لوگ مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اس کے بعد آخری جمرہ (شیطان) کو رمی کرتے اور احرام سے باہر آتے ہیں۔ اس احرام سے باہر آنے کے ساتھ ہی عورتوں کے سوا حاجی کے لیے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔ پھر مکہ آتے اور طواف کرتے ہیں اس کے بعد پھر منیٰ چلے جاتے ہیں۔ پھر طواف کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔

[2] یعنی میں نے آپ کے لیے خوشبو تیار کی جس میں مشک ملی ہوئی تھی۔ مستحب ہے کہ احرام میں مشک وگلاب استعمال کیا جائے۔ یعنی احرام باندھنے سے پہلے پہلے۔

سلہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ گویا کہ میں آپ کے سر کی مانگ میں خوشبو کی چمک دمک دیکھ رہی ہوں۔ یہاں حدیث میں لفظ وبیص ص کے ساتھ آیا ہے یعنی بجلی وغیرہ کا چمکنا۔ یہاں دوسرا لفظ مفارق آیا ہے جو مفرق کی جمع ہے۔ ر کی زیر سے یعنی سر کی مانگ اور مفارق بلفظ جمع بھی لاتے ہیں۔ جمع لانے کی وجہ یہ ہے گویا کہ ماتھے سے لے کر پیچھے تک مانگ کے کئی حصے ہیں تو ہر حصے کے لحاظ سے لفظ جمع لایا گیا ہے۔ اور ہر ہر حصے کو گویا الگ ایک مانگ قرار دیا گیا۔ حالانکہ آپ محرم تھے یعنی خوشبو کا اثر سر مبارک میں دکھائی دے رہا تھا۔

سکہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ احرام کے بعد بحالت احرام خوشبو کا اثر باقی رہنا احرام کو نہیں توڑتا بلکہ احرام باندھ کر خوشبو کا استعمال کرنا احرام کو توڑ دیتا ہے۔ وہ خوشبو جو احرام باندھنے کے وقت استعمال کر لی جائے اور پھر اس کا اثر باقی رہے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ ہم احناف اور امام احمد کا مذہب یہی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق ایسی خوشبو لگانا جس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے مکروہ ہے۔ اور علامہ طیبی نے امام شافعی کے قول کی اباحت اور امام مالک کے قول کی کراہت اور امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق فدیے کا واجب ہونا بیان کیا ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہدایہ اور اس کی شرح میں مذکور ہے اور کتاب خرقی جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی کتاب ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے شلالات کو احرام باندھا اور خوشبو لگائی۔ جب صبح کو اٹھا تو اس سے خوشبو کی سی مہک رہی تھی حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میرا اپنے جسم پر گندھک کو مل لینا میرے نزدیک ایسا کرنے سے بہتر ہے۔ یہ خبر حضرت عائشہ تک پہنچی تو حضرت عائشہ نے ان کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس حدیث کو روایت کیا۔ اور لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو دیکھا کہ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا اور آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں خوشبو لگی ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، میں نے سنا کہ آپ نے اپنے بال مبارک ایک دوسرے سے کسی چیز کے ساتھ جوڑے ہوئے تھے[1] مثلاً گوند وغیرہ کے ساتھ اور آپ اس طرح تلبیہ کہہ رہے تھے لبیک[2] اللھم لبیک۔ لاشریک لک لبیک ان الحمد[3] والنعمۃ لک والملک[4] لاشریک لک۔ آپ ان کلمات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے[5]۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی جبکہ آپ تلبیہ کہہ رہے تھے اس وقت آپ نے اپنے بالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہوا تھا جیسے گوند اور خطمی وغیرہ سے تاکہ بال ایک دوسرے کے ساتھ چپاں ہو جائیں تاکہ پراگندہ اور غبار آلودہ نہ ہوں اور ہوا سے بھی محفوظ رہیں۔

۲ے میں تیری خدمت و طاعت کے لیے کھڑا ہوں یا خدا تیرا کوئی شریک نہیں خدمت و طاعت میں

۳ے ان الحمد میں لفظ اِنّ کے ہمزہ پر زیر و زبر پڑھنا دونوں طرح مروی ہے۔

۴ے میم کی پیش سے معنیٰ بادشاہی۔

۵ے بعض روایات میں زیادہ الفاظ بھی آتے ہیں مگر ابن عمر فرماتے ہیں تلبیہ کے جو الفاظ میں نے سنے وہ یہی ہیں ان سے زیادہ نہیں ہیں (آتی مقدار ہی کافی ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پاؤں مبارک جب رکاب[1] میں داخل کرتے اور آپ کا ناقہ مبارک آپ کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو جاتا تو آپ مسجد ذا الحلیفہ[2] کے پاس سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیتے۔ (بخاری و مسلم[3])

۱ے یہاں حدیث میں لفظ غرز آیا ہے غین کی زبر، راساکن آخر میں زا۔ یہ اس رکاب کو کہتے ہیں جو چمڑے کی بنی ہو اور جو لکڑی اور لوہے کی بنی ہو اُسے عربی میں رکاب کہتے ہیں۔

۲ے جو کہ اہل مدینہ کی میقات ہے یہاں مسجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے بعد تعمیر کی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں یہاں مسجد نہ تھی راوی نے مسجد کا ذکر بعد کے زمانے کے مطابق کر دیا۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ پاک میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور نماز عصر ذا الحلیفہ میں آکر ادا فرمائی۔ پھر رات بھی یہیں بسر کی۔ صبح کو احرام باندھا۔ جب اونٹنی کی پشت مبارک پر ٹھیک طرح تشریف فرما ہو گئے اور اونٹنی کھڑی ہو گئی تو آپ نے لبیک اللھم لبیک الی آخرہ تک پڑھنا شروع کیا۔

۳ے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی پشت پر بیٹھ کر اور اونٹنی کے کھڑے ہونے کے بعد تلبیہ کہا۔ اسی کو امام شافعی نے لیا ہے۔ حنفیوں کے نزدیک نماز کے بعد تلبیہ کہنا مسنون ہے۔ امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔

ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ تلبیہ کہنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے بعد مروی ہے لیکن اگر سواری کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھنے کے بعد تلبیہ شروع کرے تو بھی درست ہے۔ لیکن نماز کے بعد کہنا افضل ہے۔ امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نماز کے بعد شروع کر دینا چاہیے مگر اُن کے بعض ساتھیوں کے نزدیک سواری پر ٹھیک طرح بیٹھ جانے کے بعد تلبیہ شروع کرنا پسندیدہ طریقہ ہے۔

کتاب شرفی کی شرح میں فرمایا کہ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز کے بعد تلبیہ کہنے یا اونٹنی کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھ جانے کے بعد تلبیہ کہنے میں اختلاف کیا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کہنے کی حقیقت کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ آپ نے احرام کی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد تلبیہ کہا تو اسے کچھ لوگوں نے سنا اور یاد کر لیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنی پر سوار ہوئے پھر تلبیہ کہا تو اسے کچھ اور لوگوں نے سنا تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلبیہ ابھی اونٹنی پر سوار ہو کر ہی کہا ہے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک بلند جگہ جس کا نام بیداء ہے پر پہنچے تو تلبیہ کہا لوگوں نے اسے سنا تو گمان کیا کہ حضور علیہ السلام نے اب تلبیہ کہنا شروع کیا۔ حالانکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تلبیہ کی ابتدا کو جانتا ہوں کہ آپ نے مصلی نماز پر ہی تلبیہ کہنا شروع کر دیا۔ اس گفتگو سے روایات میں مطابقت واقع ہو گئی۔ چونکہ حج کے اس موقع پر صحابہ کرام کا اجتماع اور ہجوم بہت تھا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ شمار سے باہر تھا۔ کہ ایک لاکھ سے زیادہ افراد آپ کے ساتھ تھے۔ ہر طرف جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے[1] یعنی بلند آواز سے تلبیہ کہتے تھے۔ (مسلم)

[1] یعنی ہم نے صرف حج کی نیت کی تھی یہ اختلاف کا مقام ہے آئندہ احادیث میں اس اختلاف کی شرح بیان ہو گی۔ یہاں حدیث میں لفظ صراخ ص کی پیش سے آخر میں خا بمعنی فریاد کرنا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَاِنَّهُمْ لَيَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِيْعًا اَلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابو طلحہ کے ساتھ سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور بے شک صحابہ کرام سب کے سب بلند آواز سے حج اور عمرے کے لیے تلبیہ کہہ رہے تھے۔ (بخاری)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا۔ اور ہم

اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَّعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لیا سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا جس نے عمرے کا احرام باندھا تھا وہ عمرے کے احرام سے عمرہ کرنے کے بعد باہر آ گیا لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ دسویں تاریخ تک احرام سے باہر نہ نکلا[۲]

(بخاری و مسلم)

[۱] حجۃ الوداع کو حجۃ الوداع کہنے کی وجہ آگے معلوم ہو گی۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ فلم یحل آیا ہے اور بعض نسخوں میں فلم یحلوا جمع کی ضمیر سے آیا ہے۔ یہاں تک کہ دسویں تاریخ یعنی عید کا دن آگیا جو حج کے مکمل ہونے اور احرام سے باہر آنے کا دن ہے۔ اگرچہ ابھی طواف باقی ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ بَدَاَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن عمرے سے حج کا تمتع کیا تو آپ نے پہلے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا۔

(بخاری و مسلم[۱])

[۱] اس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے عمرہ کیا پھر عمرے سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا اس کے بعد حج کا احرام باندھا۔

[۲] ارکان حج ادا کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک مُفرِد۔ میم کی پیش فا ساکن را کی زیر سے یعنی حج مفرد کرنے والا جو صرف حج کے لیے یا صرف عمرے کے لیے احرام باندھتا ہے۔ دوسرا قارن یعنی قران کرنے والا جو حج و عمرہ دونوں کے لیے احرام باندھتا ہے۔ تیسرا متمتع تمتع کی صورت یہ ہے کہ اول عمرہ کرے اگر قربانی کا جانور ساتھ لے گیا ہو تو عمرہ کرنے کے بعد احرام کی حالت میں ہی رہے اور اگر قربانی کا جانور ساتھ نہ لے گیا ہو تو عمرہ کرنے کے بعد احرام سے باہر آ جائے۔ اور مکے میں ہی بیٹھا رہے جب حج کے ایام آئیں تو پھر حج کا احرام باندھے اور حج کرے جیسا کہ ان احکام کے بیان میں آ رہا ہے۔ حج تمتع کی فضیلت یہ ہے کہ یہ دونوں عبادتیں ایک ہی سال میں میسر آ جاتی ہیں۔

احادیث و اخبار مختلف ہیں کہ صحابہ حج مفرد کرتے تھے یا حج قران یا حج تمتع اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک میں بھی صحیح احادیث آئی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج قران کیا، سترہ صحابہ نے اُسے روایت کیا ہے۔ حج مفرد کے بارے میں بھی بہت سی احادیث آئی ہیں اور تمتع میں بھی احادیث مروی ہیں۔

علمائے کرام نے ان احادیث و روایات کی موافقت و تطبیق میں گفتگو فرمائی ہے۔ اور قران کو ترجیح دی ہے یہ ساری بحث شرح سفر السعادت میں بیان کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔ بعض بے دین لوگوں نے یہاں اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ اپنے پیغمبر کے اصل حال کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے۔ کہ آپ قارن تھے یا مفرد حالانکہ اُس وقت تمہاری بڑی کثرت اور ہجوم تھا۔ مگر یہ اعتراض کرنے والے نادان لوگ یہ نہ جان سکے کہ یہی کثرت و اجتماع اور ہجوم تشخیص و تعیین میں رکاوٹ بن گیا اور اس کے باوجود کہ تحقیق و تطبیق سے حالت کا تعین ہو گیا۔ مگر تم لوگ بلا وجہ زبان اعتراض کھولے ہوئے ہو۔ ع

غرے بدرا بہانہ بسیار است

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِھْلَالِہٖ وَاغْتَسَلَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت زید ابن ثابت[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے احرام[2] کے لیے برہنہ ہوئے اور غسل فرمایا۔ (ترمذی و دارمی)

[1] حضرت زید ابن ثابت فقہائے صحابہ اور ان کے اکابر میں سے ہیں آپ کاتب وحی بھی ہیں قرآن کے جامع بھی ہیں۔ علم میراث کے مسائل کے ماہر تھے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ اہلال آیا ہے یعنی تلبیہ کے لیے آواز بلند کرنا۔ یہاں احرام مراد ہے جو کہ تلبیہ کا سبب ہے۔ مصابیح کے نسخے میں لاحرامہ آیا ہے احرام کے لیے غسل کرنا افضل و اکمل ہے۔ اور اگر صرف وضو کرے تو بھی کافی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَاْسَہٗ بِالْغِسْلِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک خطمی سے چپکائے[1]۔ (ابو داؤد)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ تلبد آیا ہے یعنی سر کو خطمی اور مٹی وغیرہ سے آپس میں چپکایا تاکہ بال منتشر و پراگندہ نہ ہوں جیساکہ فصل اول میں گزرا ـــــ بعض نے حدیث میں واقع لفظ غسل کو غسل پڑھا ہے بمعنی شہد مگر یہ بالکل غلط ہے۔

وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوِ التَّلْبِيَةِ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت خلاد بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم دوں یا میں انہیں کہوں کہ بلند آواز سے تلبیہ کہو[۲]
مالک۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ دارمی۔

۱؎ خلاد یعنی خا کی زبر لام مشدد آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی یا آپ نے اہلال کی بجائے لفظ تلبیہ ارشاد فرمایا مراد ایک ہی ہے۔ ذکر میں اگرچہ اخفاء افضل ہے مگر یہاں بلند آواز کرنا افضل ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّي إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتَّى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان لبیک نہیں کہتا اور نہیں پڑھتا مگر اس کے داہنے اور بائیں پتھر[۲] درخت یا مٹی کے ڈھیلے سب پڑھتے ہیں۔ یہاں سے لے کر زمین کے آخری کنارے تک[۳]
(ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ یعنی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جو اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ مدینہ منورہ میں سب سے آخر فوت ہونے والے صحابی یہی ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ من حجر او شجر او مدر آیا ہے۔ ایک روایت میں ما من یمینہ وشمالہ آیا ہے۔

۳؎ یعنی اس بندے کے داہنے اور بائیں زمین کے آخری کنارے تک حجر و شجر جتنی بھی چیزیں ہوتی ہیں سب تلبیہ کہہ رہی ہوتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْکَعُ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ بِہِ النَّاقَۃُ قَائِمَۃً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِی الْحُلَیْفَۃِ اَھَلَّ بِھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ وَیَقُوْلُ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ لَبَّیْکَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْکَ وَالْعَمَلُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِمُسْلِمٍ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز برائے احرام ادا فرماتے تھے پھر آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس جب اپنی ناقہ مبارک پر جو کہ کھڑی ہوتی تھی صحیح طرح بیٹھ جاتے تھے تو ان کلمات کے ساتھ تلبیہ کہتے تھے یعنی لبیک اللھم لبیک۔ لبیک وسعدیک[1] والخیر فی یدیک[2] لبیک والرغباء[3] علیک والعمل[4]۔

بخاری ومسلم۔ اور لفظ مسلم کے ہیں۔

[1] لبیک کے معنی تو معلوم ہو چکے ہیں سعدیک کا معنی یہ ہے میں بار بار تیری موافقت کرتا ہوں اور ہمیشہ تیرے دین کی نصرت وتقویت اور تیرے حکم کی بجا آوری میں مصروف رہتا ہوں۔

[2] یعنی نیکی بھی تیرے ہاتھ میں ہے اور قدرت و تصرف بھی تیرا ہی ہے۔

[3] یعنی میلان رغبت اور طلب بھی تیری ہی ہے کیونکہ ہر طرح کی خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ لفظ رغباء را کی زبر غین کا جزم آخر میں مد اور ر کی پیش اور الف مقصورہ دونوں روایتیں ہیں۔

[4] یعنی عمل کی انتہا بھی تیری طرف ہی ہے اور عمل سے مقصود بھی تو ہے اور ہر نیک عمل تیری طرف ہی چڑھتا ہے۔

وَعَنْ عُمَارَۃَ بْنِ خُزَیْمَۃَ بْنِ ثَابِتٍؓ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِیَتِہٖ سَأَلَ اللّٰہَ رِضْوَانَہٗ وَالْجَنَّۃَ وَاسْتَعْفَاہُ بِرَحْمَتِہٖ مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے باپ خزیمہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اُس کی رضا[1] اور جنت مانگتے اور اُس کی رحمت کے ساتھ اُس کی آگ سے بھی معافی[2] طلب کرتے تھے

(شافعی)

[1] کہ یہ حج وعمرہ اللہ تعالیٰ کے حضور پسندیدہ اور مقبول ہو، آپ یہ بھی سوال کرتے تھے کہ بہشت کی صورت میں مجھے ان کا ثواب ملے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ حج مبرور کا ثواب جنت ہے۔

[2] سنت یہ ہے کہ جب بھی حاجی تلبیہ کہے تو یہ دعا بھی کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِی النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَی الْبَیْدَآءَ اَحْرَمَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کیا۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہو گئے پھر جب آپ مقام بیداء[1] میں پہنچے تو وہاں سے احرام باندھا۔ (بخاری)

[1] بیداء ایک جگہ کا نام ہے یہ لفظ جنگل و بیابان کے معنی میں بھی آتا ہے آپ نے احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ آپ نے احرام کو مسجد ذوالحلیفہ سے باندھا، مگر تلبیہ یہاں سے شروع کیا۔ ایک روایت کے مطابق تلبیہ بھی مسجد سے ہی کہنا شروع کر دیا اور ایک روایت کے مطابق اپنی اونٹنی کی پشت پر بیٹھ کر تلبیہ کہنا شروع کیا۔ ان روایات کے درمیان مطابقت کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ کَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ فَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلَکُمْ قَدٍ قَدٍ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا وَھُمْ یَطُوْفُوْنَ بِالْبَیْتِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مشرکین تلبیہ کہتے وقت کہا کرتے تھے لبیک لاشریک لک اتنے الفاظ پر جب وہ پہنچتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم پر افسوس بس کرو بس کرو[1] مگر وہ لوگ اس کے بعد اس طرح پڑھتے الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک یعنی ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں حضور علیہ السلام اُن کے اس کلمے کو سن کر فرماتے کہ بس یہی کلمات پڑھو مگر وہ لوگ اُس کے بعد یہ بھی کہتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرے لیے ہے جس کا تو مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اُس کا بھی تو مالک ہے یہ الفاظ کہتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے[2]۔ (مسلم)

✧ ✧

[1] یہاں حدیث میں لفظ قدقد آیا ہے کاف کی زبر دال ساکن اور ایک روایت میں تنوین سے بھی پڑھا گیا ہے۔ دونوں روایتیں ہیں۔

[2] مشرکین بھی حج و عمرہ طواف اور حجر اسود کو چومتے اور اس گھر کی ہمیشہ تعظیم کرتے تھے لیکن شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تلبیہ میں یہ الفاظ پڑھتے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ وہ لوگ اس عبارت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ سے شریک کی نفی کرتے تھے

مگر اپنے بتوں کو مستثنیٰ کر لیتے اور کہتے تھے کہ وہ خدا کے شریک ہیں مگر وہ اس کے مملوک ہیں اگر وہ بت کسی چیز کے مالک ہیں تو وہ بھی خدا ہی کی ملکیت ہے۔ جب یہ لوگ لبیک لاشریک لک تک پہنچتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس اتنی مقدار سے آگے نہ کہو کیونکہ خدا کا کوئی شریک نہیں، اس سے بڑھ کر الا شریکا کے الفاظ نہ کہو۔ حقیقت یہ ہے کہ شرکت و ملکیت دونوں چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ مملوک مالک کا شریک نہیں ہوتا۔

بَابُ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

قصہ حجۃ الوداع کا بیان

وداع واؤ کی زبر سے کسی کو رخصت اور وداع کرنا پھر اس حج کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا، حجۃ الوداع کہتے ہیں کیونکہ آپ نے اس میں لوگوں کو شریعت کی تعلیم دی انہیں وداع فرمایا۔ اور اپنی رحلت کی خبر دی۔ اور انہیں ادائے رسالت و تبلیغ احکام پر گواہ بنایا۔ یہ سنہ ہجری کا واقعہ ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی عمر شریف کے سالوں کا آخری سال ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک اس بارے میں نہایت جامع اور اتم حدیث ہے یہ حدیث حضرت امام جعفر سے اُن کے باپ امام محمد باقر سے اور حضرت جابر سے روایت ہے۔ امام محمد باقر حضرت جابر کے شاگرد ہیں اور انہیں حضرت جابر سے حدیث سننے کا شرف حاصل ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ میری اولاد میں سے ایک شخص تجھ سے خدا کا علم حاصل کرے گا۔ امام محمد باقر عظمائے تابعین اور اکابر علماء میں سے ہوئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ فِى الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ طیبہ میں مقیم رہے ان سالوں میں آپ نے حج نہ کیا پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ مدینہ پاک میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو ہم لوگ آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ

اَلْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِيْ إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَطَافَ سَبْعًا فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى أَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلٰى مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَرَأَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهٗ قَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

جب ہم ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں حضرت محمد بن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے اُن بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب میں کیا کروں؟ فرمایا نہالے اور کوئی کپڑا باندھ لے اور احرام باندھ لے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی اور پھر آپ قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی تو حضور علیہ السلام نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا یعنی حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک تعریف و نعمت ملک تیرے ہی ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں ہم صرف حج کی نیت سے تھے عمرہ کو نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ جب ہم لوگ کعبہ شریف میں حضور نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے رکن کو بوسہ دیا۔ پھر سات پھیرے طواف کیا جس کے تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں معمول کے مطابق چال چلے پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت فرمائی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا۔ پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور بیت کے درمیان کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اُن دونوں رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون پڑھیں پھر رکن اسود کی طرف لوٹے اور اُسے چوما۔ پھر دروازے سے صفا پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جب صفا کے قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت کی بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی دینی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہم اُس سے ابتدا کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے

أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَأَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهُ وَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى إِلَى الْمَرْوَةِ حَتّٰى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى إِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى أَتَى الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى إِذَا كَانَ آخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهُ فَقَالَ لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلِعَامِنَا هٰذَا أَمْ لِأَبَدٍ فَشَبَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ وَاحِدَةً فِي الْأُخْرٰى

ابتدا کی۔ چنانچہ آپ نے صفا سے سعی شروع کی اس پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ معظمہ کو دیکھ لیا۔ تو کعبہ شریف کی طرف منہ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تکبیر بیان کی۔ اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا وعدہ[۱۸] پورا کر دیا اپنے بندے کی مدد[۱۹] کی اس اکیلے رب نے گروہوں کو بھگا یا پھر ان اذکار کے درمیان دعا مانگی۔ تین[۲۰] بار یہ فرمایا پھر اترے اور مروہ کی طرف[۲۱] چلے یہاں تک کہ جب نیچے وادی میں پہنچے اور آپ کے قدم مبارک سیدھے برابر ہو گئے تو پھر دوڑے[۲۲] یہاں تک کہ جب آپ کے قدم چڑھنے[۲۳] لگے تو معمول کی چال چلے حتی کہ مروہ[۲۴] پر پہنچ گئے۔ پھر مروہ پر بھی وہی کیا جیسا[۲۴] صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو آپ نے آواز دی جبکہ آپ مروہ پر تشریف فرما تھے اور لوگ آپ سے نیچے تھے فرمایا اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا تو ہم[۲۵] ہدی نہ چلاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے[۲۶] تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا دے[۲۷] اس وقت حضرت سراقہ[۲۸] بن مالک بن جعشم[۲۹] کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ کیا یہ حکم ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دو بار فرمایا کہ عمرہ حج

وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ
مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ وَقَدِمَ
عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا قُلْتَ
حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ
إِنِّيْ أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ
قَالَ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ
قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ
قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ
أَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَ
قَصَّرُوْا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْيٌ
فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا
إِلٰى مِنًى فَأَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى
بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَ
الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا
حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ
مِّنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَسَارَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ
تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى

میں داخل ہوگیا۔ یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ یمن[۳۱] سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی
کے اونٹ[۳۲] لے کر آئے تو آپ سے حضور علیہ السلام نے
پوچھا جب تم نے حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا[۳۳]۔ میں نے
عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں
جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ہے فرمایا میرے ساتھ
قربانی ہے اس لیے تم احرام نہ کھولنا[۳۴] فرماتے ہیں کہ ان
قربانیوں کا مجموعہ جو حضرت علی مرتضیٰ یمن سے لائے تھے
اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے[۳۵] تھے کل سو تھا۔
فرماتے[۳۶] ہیں پھر تمام لوگوں نے احرام کھول دیے اور بال
کتروائے[۳۷] سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سوائے
ان حضرات کے جن کے ساتھ قربانی کا جانور تھا پھر جب
بقر عید کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو لوگوں نے[۳۸] منیٰ کا رخ
کیا اور حج کا احرام باندھا[۳۹]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر عصر مغرب عشا اور فجر
پڑھی پھر تھوڑا ٹھہرے[۴۰] یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو نمرہ[۴۱] میں آپ کے لیے
اونی خیمہ لگا دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
چلتے رہے قریش کو اس میں شک و تردد ہی نہ تھا
کہ آپ مشعر الحرام[۴۲] کے پاس قیام کریں گے یعنی ٹھہر جائیں
گے جیسے اسلام سے پہلے (جاہلیت[۴۳] میں) قریش کرتے
تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے
آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفہ[۴۴] پہنچ گئے تو
آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہیں اتر
پڑے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی

اَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِىْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَىَّ مَوْضُوْعٌ وَّ دِمَآءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَّاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِىْ بَنِىْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ وَّرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَّ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِّبَانَا رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عبد المطلب فانه موضوعٌ كُلُّهٗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِى النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّىْ فَمَا اَنْتُمْ

قصواء[46] کا حکم دیا اُس پر کجاوا[47] کس دیا۔ پھر آپ وادی[48] کے نشیب میں تشریف لے گئے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر یونہی حرام ہیں۔ جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس شہر[49] میں حرمت ہے خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئیں[49] اور زمانہ جاہلیت کے خون ختم کر دیئے گئے[50] ہیں میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث[51] کا خون ہے یہ بنی سعد[52] میں شیر خوار بچے تھے تو انہیں قوم ہذیل نے قتل کیا اور زمانہ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا سود جسے میں ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سارا ہی ختم ہے[53]۔ عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے[54] ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے امان میں لے لیا ہے[55] اور کلمۃ اللہ[56] سے اُن کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے تمہارے ان پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں کو اُن سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند[57] کرتے ہو پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر ہلاکت[58] مار مار سکتے ہو اور عورتوں کی تم پر بھلائی[59] سے روزی اور بھلائی سے اُن کا کپڑا ہے۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اُس کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک کہ تم اسے تھامے رہو گے یعنی قرآن حکیم[60] اور تم سے میرے متعلق پوچھا[61] جائے گا تو تم کیا کہو گے سب بولے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ فرمائی اور امانت ادا کر دی

قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ
بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ فَقَالَ
بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى
السَّمَآءِ وَ يَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ
اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ
ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى
الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَ لَمْ
يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ
حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ
نَاقَتِهِ الْقَصْوَآءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ
وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا
حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ
قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَ اَرْدَفَ
اُسَامَةَ وَ دَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ
فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ بِاَذَانٍ
وَّاحِدٍ وَّ اِقَامَتَيْنِ وَ لَمْ يُسَبِّحْ
بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى
طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ
الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ
الْقَصْوَآءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ
فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ
وَهَلَّلَهُ وَ وَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا
حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ
تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَ اَرْدَفَ الْفَضْلَ

اور پوری خیر خواہی فرمائی۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت
کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف[۲۱]
جھکائی فرمایا اے خدا گواہ ہو جا اے خدا گواہ ہو جا تین بار[۲۲]
فرمایا پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور
انور نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھ لی۔
ان دو نمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا[۲۳] پھر آپ سوار
ہوئے یہاں تک کہ عرفات میں پہنچے اور جائے قیام
پر تشریف فرما ہوئے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں[۲۵]
کی طرف کر دیا اور جبل مشاۃ[۲۶] کو اپنے سامنے لیا
اور قبلہ شریف کو منہ کیا پھر وہاں اتنی دیر ٹھہرے
رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب
ہو گئی۔ یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ[۲۷] پورے طور پر
چھپ گئی۔ اور حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے اپنی
سواری پر بٹھایا اور روانہ ہوئے[۲۸] یہاں تک کہ
مزدلفہ پہنچ گئے[۲۹] پھر وہاں ایک اذان اور دو
تکبیروں[۳۰] سے نماز مغرب و عشا پڑھیں درمیان
میں کچھ نفل نہ پڑھے پھر کچھ لیٹ گئے حتی کہ فجر
طلوع[۳۱] ہو گئی پھر سویرا چمکتے[۳۲] ہی اذان و تکبیر[۳۳] کے
ساتھ فجر پڑھی پھر قصواء پر سوار ہو گئے یہاں تک کہ
مشعر الحرام[۳۴] پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے پھر قبلہ کو
منہ کیا اور رب تعالیٰ سے دعا مانگی تکبیر و تہلیل اور
توحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ
خوب اجالا[۳۵] ہو گیا تو سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے
روانہ ہوئے اور حضرت فضل ابن عباس کو
اپنے پیچھے سوار کر لیا[۳۶]۔ یہاں تک بطن وادی میں

بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّتِىْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِىْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِّنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّ سِتِّيْنَ بَدَنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهٗ فِىْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِىْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَ شَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت[۸۴] دی پھر درمیانی راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر جا نکلتا[۸۵] ہے تھی کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس[۸۶] ہے تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ جو کنکر ٹھیکری جیسے[۸۷] تھے۔ وادی کے نشیب[۸۸] سے رمی کی پھر قربان گاہ کی طرف لوٹ پڑے تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی[۸۹] کیے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو باقی[۹۰] انھوں نے قربانی کیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنی قربانی میں شریک کر لیا پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی[۹۱] لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا[۹۲] اور اس کا شوربہ[۹۳] پیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف کی طرف گئے[۹۴] نماز ظہر مکہ میں[۹۵] پڑھی پھر بنی عبد[۹۶] المطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے فرمایا اے بنی عبدالمطلب پانی کھینچے جاؤ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پانی کھینچنے میں تم پر غلبہ[۹۷] کرلیں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا پھر لوگوں نے حضور علیہ السلام کو ڈول پیش کیا تو آپ نے اس سے پانی پیا۔[۹۸] (مسلم)

لہ یعنی آپ حج کے ارادے سے باہر تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔

ﷺ بعض روایات میں آیا ہے کہ لوگ حد و شمار سے زیادہ اکٹھے ہوگئے۔ ان کی گنتی کی مقدار بیان نہیں کی گئی۔ غزوہ تبوک میں جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے ایک لاکھ افراد تھے۔ حجۃ الوداع میں جو اس کے بعد ہوا اس میں لامحالہ غزوہ تبوک سے بھی زیادہ لوگ جمع تھے۔ ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار کا ذکر آیا ہے اور ایک

روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار واللہ اعلم۔

۲؎ یعنی حضرت اسماء جو عمیس کی بیٹی ہیں عین کی پیش میم کی زبر سے۔ حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی، اور محمد بن ابوبکر کی والدہ ہیں یہ اسماء بنت عمیس نہایت خوب صورت اور دانا عورت تھیں۔ سب لوگ ان کو چاہتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے ان کے ساتھ نکاح کیا ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ اور جس وقت کہ آپ حج کے لیے روانہ ہوئی تھیں اس وقت حضرت ابوبکر کے نکاح میں تھیں۔ اور ان کے ہاں حضرت محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔

۴؎ یعنی میرے متعلق کیا حکم ہے میں احرام باندھے رکھوں یا نہ اور اگر باندھوں تو کیسے باندھوں۔

۵؎ یعنی خون نکلنے کی جگہ پر کپڑا باندھے اور جائے خون پر کپڑا باندھنے کی صورت یہ ہے یہاں حدیث میں لفظ استثفار یعنی ثا اور فا کے ساتھ ہے یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کمر سے باندھی جاتی ہے اور وہ کپڑے کا ایک چوڑا ٹکڑا ہوتا ہے۔ جسے خون نکلنے کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے دونوں کناروں کو کمر کے آگے پیچھے مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کو ثفر سے تشبیہ دی ہے ثفر یعنی ثا اور فا کے ساتھ یعنی خون کا ٹکڑا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفاس والی عورت کا احرام صحیح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

۶؎ یعنی اس اونٹنی پر سوار ہوئے جسکا نام قصواء تھا۔ کاف کی زبر ص ساکن اس کا نام قصواء اس بناء پر رکھا گیا کہ یہ چلنے میں سب سے تیز چلتی تھی رفتار میں بڑی تیز اور دلیر تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام قصواء اس لیے رکھا گیا۔ کہ اس کے کان کی ایک جانب کٹی ہوئی تھی۔ اور قصواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کی کوئی طرف کٹی ہوئی ہو۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں شاۃ قصواء وناقۃ القصواء وجمل اقصیٰ اس بکری یا اونٹنی یا اونٹ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کوئی حصہ کٹا ہوا ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قصواء اور عضباء عین کی زبر ض ساکن آخر میں با اور جدعاء جیم اور دال سے یہ حضور علیہ السلام کی ناقہ مبارک کا نام ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کان چوتھے حصے سے کم کٹا ہو تو اسے جدعاء کہتے ہیں اور اگر چوتھے حصے تک کٹا ہو تو اسے قصواء کہتے اور اگر چوتھے حصے سے زیادہ کٹا ہو تو اسے عضباء کہتے ہیں اور اگر کسی اونٹنی کے کان جڑ سے ہی کٹے ہوں تو اسے اصلم کہتے ہیں۔ ص کے ساتھ ان تمام الفاظ کے ساتھ روایات آئی ہیں۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کی اونٹنی مبارک کے کان بالکل کٹے ہوئے نہ تھے بلکہ پیدائشی طور پر ہی ایسے تھے۔

۷؎ یعنی حج کے مہینے میں عمرہ کرنا ہمارے علم میں نہ تھا۔

۸؎ یعنی حجر اسود کو بوسہ دیا رکن کو رکن کہتے ہیں مراد اس سے وہ کونہ ہے جس میں حجر اسود رکھا گیا ہے۔ اسے رکن اسود بھی کہتے ہیں۔ اور جب رکن کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے یہی کونہ مراد ہوتا ہے۔ استلام سے مراد بوسہ دینا ہے یا ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چومنا ہے۔ استلام سلام سے باب افتعال ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی پر سلام کرنا اور

اُس پتھر پر بھی سلام ہے کہ اُس کو بوسہ دیا جائے۔ اسی لیے اہل یمن اس رکن کو محیا کہتے ہیں ہیم کی پیش یا کی شد سے یعنی اسے سلام کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سلام سین کی زیر سے ہے بمعنی پتھر اس کا واحد سلمہ ہے۔ لام کی زیر سے۔ پھر اس سے لفظ استلام بنا جیسا کہ لفظ اکتحال کحل سے بنا بمعنی سرمہ ڈالنا۔ عرب لوگ کہتے ہیں استلمت الحجر یعنی میں نے اُس پتھر کو چھوا اس کی اور وجہیں بھی ہیں جو ہم نے شرح میں ذکر کی ہیں۔

۹ یعنی آپ نے طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکر عادت کے مطابق پورے کیے۔ یہاں حدیث میں طواف کا ذکر نہیں آیا کیونکہ ان الفاظ سے طواف پوری طرح سمجھا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں یوں لکھا ہے کہ آپ نے طواف کے سات چکر لگائے تو رمل فرمایا الی آخرہ۔ لفظ رمل را اور میم کی زبر سے بمعنی چلنے میں اچھل اچھل کر چلنا مگر اچھلنے کی کیفیت زیادہ نہ ہو۔ یا اپنے دونوں کندھوں کو پہلوانوں اور صف جنگ میں آنے والوں کی طرح ہلانا اور جنبش دینا اور چاہیے کہ رمل میں قدم نزدیک نزدیک ڈالیں۔ شریعت میں اس فعل کی اصل یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ قضا کے لیے مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے لاغر اور سست کر دیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ رمل کی شکل میں کاندھے ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح چلیں۔ اس طرح حرکت سے قوت و مضبوطی کا اظہار کریں۔ علت کے ختم ہونے کے بعد یہ حکم باقی رہا۔ اور حجۃ الوداع میں بھی ایسا ہی کیا۔ اگرچہ بعض دفعہ علت کے زوال سے حکم بھی زائل ہو جاتا ہے۔

۱۰ جیسا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ مگر یہاں رمل کا حکم ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ رمل ہر اُس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنی ہوتی ہے۔ جیسا کہ طواف عمرہ و طواف قدوم، طواف افاضہ، طواف وداع میں رمل نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد سعی نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ خطبہ یوم النحر کے باب کے آخر میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ میں رمل نہ کیا اس میں غور کر و ان الفاظ کے معانی احادیث کی شرح میں انشاء اللہ العزیز آرہے ہیں۔ اس حدیث میں اضطباع رمل اور رما کے ساتھ کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ اضطباع بھی مسنون ہے۔ دوسری احادیث میں اُس کا ذکر آرہا ہے۔ اضطباع کی کیفیت یہ ہے کہ چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالی جائے۔ لفظ ضبع کا معنی بازو ہے۔ زیر بغل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں بھی اپنی قوت کا اظہار ہے۔ جیسا کہ رمل میں۔

۱۱ مقام ابراہیم ایک پتھر کا نام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کا نشان ہے۔ اس وقت خانہ کعبہ کے سامنے ایک حجرہ میں لا کے رکھا گیا۔

۱۲ یہاں آیت میں لفظ آتخذو یعنی خا کی زیر و زبر سے دونوں طرح پڑھا گیا ہے مگر یہاں حدیث میں خا کی زیر سے ہے۔

۱۲؎ یہ دو رکعتیں احناف کے نزدیک واجب ہیں اور یہ ہر طواف کے بعد پڑھنی چاہئیں کیونکہ اس کے بارے میں صریحاً حکم آچکا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ دو رکعتیں سنت ہیں۔

۱۳؎ یعنی آپ مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوئے، یہ جگہ ان دو رکعتوں کے ادا کرنے کی سب سے افضل جگہ ہے ویسے جہاں بھی یہ دو رکعتیں ادا کرے جائز ہے۔

۱۴؎ یہاں قل ھو اللہ احد کو یا ایہا الکافرون سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ایسے ہی آیا ہے۔ شرح سنۃ کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی ہے اس کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ قل ھو اللہ ھو احد اثبات توحید کے لیے ہے اور قل یا ایہا الکافرون شرک سے بیزاری کے لیے ہے، لہٰذا اثبات توحید کی اہمیت کے پیش نظر سورہ قل ھو اللہ احد پہلی رکعت میں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

بعض روایات میں یا ایہا الکافرون پہلے بھی آیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے یہ حدیث اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ پچھلی سورت کو پہلی رکعت میں پڑھنا جائز ہے احادیث میں اس کے شواہد بہت ہیں۔

۱۵؎ یعنی صفا کے دروازے سے برآمد ہوئے صفا لغت میں بڑے اور سخت پتھر کو کہتے ہیں اب یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو ابو قبیس سے متصل ہے۔

۱۶؎ اس زمانے میں خانہ کعبہ صفا پہاڑ کے اوپر سے دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں کوئی پردہ نہ تھا۔ آج کل حرم کی تعمیر کی وجہ سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود حرم کے بعض دروازوں سے جو صفا کے بالمقابل ہیں۔ حجر اسود پر نگاہ پڑ سکتی ہے۔

۱۷؎ یعنی مکہ معظمہ فتح کیا اور دوسری عظیم فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔

۱۸؎ یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کی ذات مبارک کی۔

۱۹؎ یعنی آپ نے ذکر کیا اور دعا کی پھر ذکر کیا اور دعا کی آپ نے اس طرح تین دفعہ کیا۔

۲۰؎ مروہ یعنی ایک پہاڑ ہے جو صفا کے بالمقابل ہے۔

۲۱؎ یعنی بلندی سے پستی میں آ گئے، پھر اس میں شتابی چلنے لگے۔ یہاں حدیث میں لفظ انصبت آیا ہے جو انصباب سے بنا ہے۔ اصل میں اس کا معنی پانی گرانے کا ہے۔ رجب دو زبروں کے ساتھ یعنی نشیب جبکہ پاؤں بلندی سے پستی کی طرف تیزی کے ساتھ نیچے آتے ہیں۔ اس لیے لفظ انصباب سے تعبیر فرمایا۔ حدیث میں واقع لفظ بطن کا معنی شکم اور زمین کا گڑھا ہے۔

۲۲؎ حدیث میں اصعد آیا ہے ہمزہ کی زبر ص ساکن سے یعنی آپ نے چڑھنا شروع کیا۔ یعنی آپ پستی سے بلندی کی طرف جانے لگے اور آہستہ ہو گئے اور سعی کو چھوڑ دیا۔ اصعد کا معنی اصل لغت میں زمین کے اندر دور جانے کا ہے چاہے

بلندی میں جائے چاہے پستی میں یہاں بلندی کی طرف جانا مراد ہے ۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ۔ امام قاضی عیاض نے مشارق میں فرمایا کہ صعود و اصعاد کا ایک ہی معنیٰ ہے ۔ اس باب کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ہاجرہ جیم کی زبر سے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ایک دن جبکہ حضرت اسماعیل پیاسے تھے پانی کی تلاش کے لیے نکلیں جب آپ صفا مروہ کے درمیان نیچے وادی میں پہنچیں تو حضرت اسماعیل آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صفا اور مروہ کے اوپر آئے تاکہ وہ حضرت اسماعیل کو دیکھ سکیں پس یہ سنت ان سے باقی رہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی سعی فرمائی اور اب چونکہ زمین بلند کو خاک سے پر کر کے گڑھا نہیں چھوڑا گیا اس لیے صفا سے نیچے اترنے کے بعد نیچے کی طرف جانا موجود نہیں رہا اس لیے تکلف کرنا چاہیے کہ سعی میں انسان دوڑے سنت بجا لانے کے لیے ۔

۲۳ جو کہ صفا کے بالمقابل ایک پہاڑ ہے مروہ دراصل سفید چمکنے والے پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ چمکتی ہو ۔

۲۴ کہ تکرار توحید تکبیر اور دعا نہ کی یاد رہے صفا مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے ۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوگا اور مروہ سے صفا تک دوسرا پس صفا سے ابتدا کرے اور مروہ پر ختم کرے ۔

۲۵ ھدی ھا کی زبر ساکن سے بمعنیٰ وہ قربانی جو حرم میں بھیجی جاتی ہے ۔

۲۶ اور احرام سے باہر نکل آتے ۔

۲۷ اس کلام کی شرح تفسیر چاہتی ہے ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پہنچے عمرہ کرنے کے بعد صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جو اپنے ساتھ ھدی لے کر نہیں آیا (وہ قربانی جو ایام نحر میں ذبح کی جاتی ہے ۔) ساتھ نہ لایا ایسا شخص عمرہ کرے اور احرام سے باہر نکل آئے ۔ اور عمرے کے ساتھ حج کو فسخ کر دے اس کے بعد پھر حج کے ایام میں احرام باندھے اور حج کرے مگر جس شخص نے اپنے ساتھ ھدی لائی ہو وہ عمرہ کرے اور حالت احرام میں ہی رہے ۔ تاکہ حج کرنے کے بعد احرام سے باہر آئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ھدی اپنے ساتھ لائی تھی اور آپ اپنے احرام پر باقی رہے تھے یہ معنیٰ کئی وجوہ سے صحابہ پر گراں گزرا ایک یہ کہ خود وہ تو احرام سے باہر آجائیں مگر حضور علیہ السلام حالت احرام میں ہی رہیں ۔ ایسی صورت میں صحابہ کے لیے حضور کی متابعت کا ترک لازم آتا ہے ۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کہا ہمارے اور عرفہ کے درمیان پانچ دن سے زیادہ عرصہ نہیں ۔ تو مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگ احرام سے باہر نکل جائیں اور اپنی عورتوں کے قریب پہنچ جائیں ۔ اور ابھی ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپک رہی ہو کہ ہم فوراً بعد حج کا احرام باندھ کر عرفات میں پہنچ جائیں ۔ تیسری بات صحابہ کو یہ ناگوار گزری کہ حج کے مہینوں میں جاہلیت کے زمانہ میں عمرہ کرنا بہت برا سمجھا جاتا تھا ۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے اور فرمایا میں کیا کروں حکم الٰہی ایسا ہی ہے اگر میں یہ جانتا کہ تمہارا احرام سے باہر آنا تمہیں گراں گزرے گا تو میں اپنی ھدی ساتھ نہ لاتا اور احرام سے باہر نہ آتا ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ احرام کو فسخ کر دیتا مجھے معلوم نہ ہوا کہ حکم الٰہی ایسا ہی ہوگا ۔

۲۸ سین کی پیش سے۔

۲۹ جیم کی پیش عین ساکن اس کے بعد شین۔

۳۰ مقصود جاہلیت کے طریقے کو باطل کرنا تھا۔ جو کہ حج کے دنوں میں عمرے کو ممنوع قرار دیتے تھے۔

۳۱ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ یمن کے قاضی بن کر بھیجے گئے تھے۔ انہی ایام حج میں مکہ شریف آئے۔

۳۲ یہاں حدیث میں لفظ بدن آیا ہے یہ بدنۃ کی جمع ہے یعنی با کی پیش اور دال ساکن سے۔ جمع بدنۃ با کی زبر اور دوسرے یعنی اونٹ و گائے کی قربانی جو حرم میں لا کر کرتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک بدنہ کا لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور بہت سے قربانی کے جانور حضور علیہ السلام کے لیے لائے۔

۳۳ اور تو نے کیا نیت کی تھی جبکہ تو نے حج فرض کا ارادہ کیا اور احرام باندھا۔

۳۴ یعنی حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

۳۵ یعنی مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

۳۶ یعنی حضرت جابر۔

۳۷ گویا کہ بال کٹوانا سر منڈانے کے افضل ہونے کے باوجود جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس وجہ سے تھا تاکہ جو بال بچ جائیں ان کو حج میں منڈایا جائے۔ یا ابھی تک ان کی طبیعتوں میں احرام سے باہر آنے کی تنگی موجود تھی۔ تو انہوں نے سر منڈانے کی بجائے بال کاٹے اور بقدر کفایت پر انہوں نے کفایت کی۔ واللہ اعلم۔

۳۸ منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں خون بہائے جاتے ہیں یا اس وجہ سے منیٰ کہتے ہیں کہ جب جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو ان سے پوچھا آپ جس چیز کی تمنا کرتے ہیں بتائیں۔ فرمایا میں بہشت چاہتا ہوں۔

۳۹ یعنی سب نے یوم ترویہ کے دن جو ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ ہوتی ہے اس کا نام ترویہ اس لیے رکھا گیا کہ اس میں لوگ اونٹوں کو پانی سے سیراب کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رات بھر غور کی اور اپنی خواب کے بارے میں غور و فکر کیا جو کہ آپ نے حضرت اسماعیل کے ذبح کے بارے میں دیکھا تھا جیسا کہ قاموس میں آچکا ہے۔ آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا اور رات گزارنا احناف کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

۴۱ یعنی وادی نمرہ میں، نمرہ نون کی زبر میم کی زیر سے۔ یہ وادی عرفات کے قریب ہے۔ زمین حرم کے اختتام پر واقع ہے۔ وہاں ایک پہاڑ ہے پہاڑ پر ایک مینارہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کا نشان قائم کیا۔ یہ عرفات حرم سے باہر حل میں واقع ہے۔ نمر ایک مشہور حیوان کا نام ہے جسے چیتا بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ پر سیاہ اور سفید نکتے ہیں۔ اس وجہ سے اس پہاڑ کو چیتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۲؎ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے اور اسے قزح بھی کہتے ہیں۔

۴۳؎ کیونکہ قریش عرفات کی بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور اسی سے موقف حمس اہل حرم اللہ کہتے تھے عرفات میں نہیں جاتے تھے بخلاف باقی عرب کے کہ وہ عرفات میں جاتے اور عرفات میں قیام کرتے تھے ان کو گمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں قیام وقوف کریں گے۔

۴۴؎ عرفہ یعنی را کی زبر یہ عرفات کا مفرد ہے۔ زمانے اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ مگر لفظ عرفات جو کہ جمع ہے مکان کے ساتھ خاص ہے۔ عرفہ کی وجہ تسمیہ آگے آ رہی ہے۔

۴۵؎ کہ اس پر پالان رکھ دیا جائے۔

۴۶؎ یعنی اس پر حضور علیہ السلام کے لیے پالان کس دیا گیا۔

۴۷؎ یعنی وادی نمرہ میں تشریف لے گئے۔

۴۸؎ یعنی مکہ معظمہ میں اور یہ خون اور مال کے حرام ہونے کی تاکید و توثیق ہے۔ تمام عرب اس دن اس مہینے اور اس شہر کی حرمت کے قائل تھے کہ اس میں کوئی غیر مناسب کام نہیں کرنا چاہیے۔

۴۹؎ یعنی خوار و باطل اور متروک کر دی گئی ہیں۔

۵۰؎ یعنی متروک اور ضائع کر دیے ہیں اہل جاہلیت کی یہ رسم تھی کہ وہ لوگ کینہ دلوں میں بٹھا رکھتے تھے۔ ہر شخص ہر قبیلے میں سے جس نے خون کیا ہوتا تھا چاہے کتنی ہی مدت وہ خون ہوئے گزر چکی ہوتی تھی کینہ ان کے دلوں میں موجود ہی رہتا تھا اور وہ قتل کر کے ہی رہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام خون باطل کر دیے۔

۵۱؎ یعنی حارث بن عبدالمطلب۔ حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ہیں اور ربیعہ ان کے بیٹے صحابی ہیں انہوں نے خلافت امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام آدم یا تمام یا ایاس تھا۔ وہ ایک جنگ میں جو سعد اور ہذیل کے درمیان ہوئی تھی ایک پتھر لگنے سے مارا گیا تھا۔

۵۲؎ یعنی ربیعہ کے بیٹے قبیلہ بنی سعد میں شیرخوار تھے تو اسے ہذیل نے قتل کر دیا۔ ہذیل ہا کی پیش ذ کی زبر یعنی یہ سعد اور ہذیل کے درمیان جنگ کی وجہ سے قتل ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح خون ابن ربیعہ کا تھا۔ لفظ ابن کی زیادتی کے ساتھ جیسا کہ مسلم کی روایت سے مشکوٰۃ کی عبارت میں واقع ہوا ہے۔ اور مصابیح کے نسخوں میں ربیعہ کا خون واقع ہوا ہے۔ اس میں ابن کے لفظ کا ذکر نہیں ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں نے خطا کی ہے کہ ربیعہ کا خون کہہ دیا۔ صحیح ابن ربیعہ کا خون ہے تو بعض لوگوں نے لفظ ابن کو مصابیح کے نسخوں کے مطابق کر دیا۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ خطا معنی حدیث کے صحیح طور پر بیان ہونے کے باوجود راویان حدیث کو خطا پہ مانا جائے حالانکہ یہ بخاری کی روایت ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث نے بھی روایت کیا ہے کہ وہ ربیعہ کا

خون قصاص کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون کی نسبت ربیعہ کی طرف اس بنا پر ہے کہ وہ خون کے ولی ہیں اور خون کی نسبت جس طرح کہ مقتول کی طرف کی جاسکتی ہے اس کے والی اور وارث کی طرف بھی کی جاسکتی ہے اور کان میں جو ضمیر ہے وہ مقتول کی طرف لوٹتی ہے۔ اسے سمجھ لو۔

۵۳ اور باطل ہے عباس ابن عبدالمطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا دورِ جاہلیت میں لوگوں سے سود کھاتے تھے۔ اُن کے مال سود کے طور پر لوگوں کے ذمے تھے آپ نے اُن سب کو لوگوں کے ذمے سے گرا دیا اور باطل کردیا۔

۵۴ یعنی اُن کے حقوق ادا کرو۔

۵۵ اور تمہارے ساتھ اُس کا عہد ہوچکا ہے یا وہ عہد جو تم نے اُن کے ساتھ کیا ہے کہ اُن کے حقوق کی رعایت کرو۔

۵۶ اور وہ کلمہ خدا کا یہ حکم ہے کہ نکاح کرو۔ ایجاب و قبول کی صورت میں جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ یا کلمہ سے کلمہ توحید مراد ہے کیونکہ مسلمان عورت مسلمان مرد کے لیے ہی حلال ہے۔

۵۷ یہاں حدیث میں لفظ لایوطئن آیا ہے یہ لفظ ایطاء سے بنا ہے، ایطاء وطی سے نکلا ہے۔ بمعنی پامال کرنا۔ یہ کنایہ ہے کہ عورت غیر مرد کو اپنے آپ پر قادر کردے اور غیر مرد سے میل جول قائم کرے۔ اور اُن سے باتیں کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ عربوں کی عادت تھی۔

۵۸ یہاں حدیث میں لفظ غیر مبرح آیا ہے یعنی حا کے ساتھ بمعنی سختی اور نقصان و مشقت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا بستر کو پامال کرانا زنا سے کنایہ نہیں ہے۔ ورنہ اُس کی سزا تو وہی ہے جو زنا کی ہوتی ہے۔

۵۹ یعنی شریعت کے مطابق اور اعتدال کے بارے میں رزق کے معنیٰ اُن کی خوراک کا انتظام ہے اور کپڑے سے انہیں کپڑا پہنانا مراد ہے۔

۶۰ یعنی اُس پر عمل کروگے اور اُسے مضبوطی سے پکڑو گے اور اس کے پاس پناہ لوگے۔ کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد ہے نہ سنت رسول کتاب اللہ کے حکم میں ہے۔ اور اس کی مراد کو پورا کرنے والی ہے۔ یا اس سے مراد وہ ہے جو خدا نے لکھ دیا عورتوں پر فرض کر دیا۔

۶۱ کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تمہیں دین کے احکام پہنچائے یا نہ پہنچائے اور میں نے امانت و نصیحت ادا کی یا نہ کی۔

۶۲ صراح میں ہے کہ لفظ نکتہ نقطہ کی طرح ہے بمعنی نیچے جھکانا۔

۶۳ تین بار یہ کلمہ فرمایا یا تین بار اشارہ کیا اور انگلی نیچے جھکائی، لوگوں کو گواہ بنایا بعض کہتے ہیں کہ یہاں حدیث

میں واقع لفظ ینکتھا کے بارے میں بعض نے فرمایا کہ ینکبہا ہے یعنی با کے ساتھ تا کے بجائے کتاب مشارق میں فرمایا کہ روایت یا تا سے زیادہ بہتر ہے اور بعض ماہرین نے فرمایا کہ درست ایک نقطے کے ساتھ ہے تنکیب کا معنی ہے پھیرنا اور یکسو کرنا یعنی انگلیاں اٹھا کر لوگوں کی طرف اشارہ کرنا کیونکہ حضور علیہ السلام سواری کی حالت میں تھے مشارق کی عبارت ختم ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ تا کی روایت غیر ظاہر ہے۔ اگرچہ کلام اس کے قرینہ سے مجازاً اشارہ کیا جاسکتا ہے اور مجمع البحار میں دونوں روایتیں لائیں اور فرمایا کہ تا والی روایت معنیٰ کے لحاظ سے بعید ہے۔

۶۴ یعنی سنت موکدہ اور نوافل کچھ نہ پڑھے اس میں عرفات کے میدان میں جلدی کھڑے ہونے کی طرف اشارہ ہے یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں فرضوں کو نفل کی وجہ سے ترک کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں عرفات کے میدان میں فرض نماز وقت عصر میں ہے۔ مگر جلدی عرفات میں کھڑا ہونے کے لیے جو کہ نفل ہے۔ اس فرض کو ترک کیا گیا ہے۔

۶۵ یہاں حدیث میں لفظ صخرات آیا ہے جو کہ صخر کی جمع ہے بمعنی بڑا پتھر ایک روایت میں تصغیر کے ساتھ لفظ صخیرات آیا ہے۔ بمعنی چھوٹے اور سیاہ پتھر جو کہ جبل رحمت کے قریب ہیں۔ وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا۔

۶۶ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو وہیں عرفات میں ہے۔ یعنی اس جگہ کو آپ نے اپنے سامنے لیا اور منہ مبارک قبلہ کی طرف کیا جبل المشاۃ جبل یعنی حا کی زبر اور با ساکن سے بمعنی دور دراز پھیلی ہوئی ریت بعض کہتے ہیں کہ ریت کے بڑے ٹیلے کو جبل کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع حبال آتی ہے۔ بعض نے کہا حبال حا کے ساتھ ریت کے لیے آتا ہے۔ جس طرح جبال جیم کے ساتھ غیر ریت کے لیے آتا ہے اور مشاۃ میم کی پیش سے ماشی کی جمع ہے یعنی چلنے والے۔ اور جبل کی اضافت مشاۃ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ حاجی لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ جبل المشاۃ سے مراد مشاۃ کی صفت ، اور ان کے جمع ہونے کی جگہ ہے اس میں ان کی صفت کو ریت کے میدان سے تشبیہ دی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا عرفات میں موقف اسی جگہ تھا اور اگرچہ آپ کا موقف شریف لشخصہ متعین نہیں ہو سکا مگر ہو سکتا ہے کہ اس جگہ کے ارد گرد رہا ہو کبھی اس جگہ اور کبھی اس جگہ جو کہ وہاں قدیم عمارت کے قریب ہے۔ جسے عام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کا باورچی خانہ قرار دیتے ہیں شاید کوئی اس موقف شریف سے فائز اور اس نسبت سے مشرف ہو۔

۶۷ یہ سورج کے ڈوبنے کی تاکید ہے۔ تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مراد سورج کا قریب الغروب ہونا ہے۔

۶۸ اور میدان عرفات سے باہر آئے اور جلدی جلدی چلنے لگے۔

۶۹ مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ احناف کے نزدیک یہاں رات گزارنی واجب ہے۔ اسی طرح امام احمد اور بعض شافعیہ کے نزدیک بھی اور ان میں سے بعض کے نزدیک فرض ہے۔

اس جگہ کو مزدلفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مزدلفہ زلف سے بنا ہے بمعنیٰ نزدیک۔ لوگ اس میں منیٰ کے قریب جو کہ ارکان حج کی جگہ ہے میں آتے ہیں اسی طرح زلف ہموار زمین کو بھی کہتے ہیں جسے جھاڑو وغیرہ سے کہ صاف کیا گیا ہو اور اس جگہ کی زمین ایسی ہے اور مزدلفہ کو جمع (میم کی زبر و میم ساکن سے) بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم و حوا کے درمیان اسی جگہ ملاپ ہوا اور دونوں اسی جگہ اکٹھے ہوئے۔ اور عرفات میں دونوں کا تعارف ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلسلہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں اور بعض دوسرے ائمہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور بہت سے علماء ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کرتے ہیں کیونکہ عشا یہاں اپنے وقت میں ہے لہٰذا اس کے لیے جدا اقامت اعلان کی ضرورت نہیں اور عصر چونکہ اپنے غیر وقت میں پڑھی جا رہی ہے لہٰذا اس میں اعلان کی ضرورت زیادہ ہے۔ صحیح مسلم میں اسے ابن عمر سے روایت کیا۔ ترمذی نے بھی اسے اچھا اور صحیح قرار دیا۔

سلسلہ اس رات میں آپ تہجد کی نماز کے لیے بھی نہ اٹھے حالانکہ یہ آپ کی دائمی سنت تھی۔

سلسلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہوا تھا کہ صبح ہوئی ہے یہاں تک کہ بعد میں یہ روایت کر دیا کہ آپ نے فجر کی نماز غیر وقت میں پڑھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے یہ نماز تاریکی میں ادا کی مگر صحیح یہ ہے کہ آپ نے وقت میں نماز ادا کی۔ لیکن لوگوں کو شک گزرا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وحی یا کمال علم کی بنا پر ظاہر ہو گیا کہ طلوع فجر ہو چکی ہے۔ اور یہ لفظ کہ آپ نے غیر وقت میں نماز ادا کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے آج کی صبح اُس وقت میں نماز ادا نہ کی۔ جس وقت میں عادتاً آپ نماز ادا فرماتے تھے اس بارے میں گفتگو باب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

سلسلہ یہ اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ آپ نے جلدی کی اور بہت سویرے نماز پڑھی مگر اذان و اقامت جو آپ کی سنت دائمہ تھی اسے ترک نہ کیا۔

سلسلہ یہ بھی مزدلفہ میں ایک جگہ کا نام ہے جسے قزح کہتے ہیں کاف کی پیش زکی زبر آخر میں حا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں اس جگہ وقوف کرتے تھے۔ مشاعر مشعر کی جمع ہے اور شعائر شعیر کی جمع اس سے مراد حج کے امور اور ارکان اور اس کی علامتیں ہیں۔ اصل شعور بمعنیٰ علم ہے۔

۵۵ سلسلہ یہاں حدیث میں لفظ جدّاً آیا ہے بمعنیٰ کسی کام میں خوب کوشش کرنا۔ مزدلفہ میں یہ وقوف احناف کے نزدیک واجب ہے۔

۵۶ سلسلہ جس طرح کہ عرفات میں حضرت اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کیا تھا۔

۵۷ یعنی بطن وادی محسر میں آئے میم کی پیش حا کی زیر سین مشدد یہ مزدلفہ و منٰی کے درمیان ایک وادی ہے، دونوں کے درمیان گویا یہ ایک پردہ اور برزخ ہے اس کا کچھ حصہ مزدلفہ میں شامل ہے، کچھ منٰی میں یہ لفظ حسور سے مشتق ہے بمعنٰی تھک جانا اسی سے تحسیر بنا ہے بمعنٰی تھکا دینا یہ وادی گزرنے والوں کو تھکا دیتی ہے۔ یا اصحاب فیل کو اس نے تھکا دیا تھا جلیا کہ اس کی حکمت میں معلوم ہوگا۔

۵۸ اور تیز چلایا بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسے بہت ہی تیز چلایا، شاید کہ قلت زمانے کے اعتبار سے تھی جو کہ وادی کی مسافت کے مطابق ہے، اس وادی سے جلدی نکل جانا مستحب ہے اگر پیادہ پاؤں ہو تو جلدی چلے اگر سوار ہو تو سواری تیز چلائے اس ارادے سے کہ اسے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع نصیب ہو، اس وادی میں تیز چلنے کے سبب اور حکمت میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں اپنی ناقہ کو کیوں تیز چلایا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ یہ وادی اصحاب فیل پر نزول عذاب کی جگہ ہے۔ اصحاب فیل وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ شریف زادہا اللہ تعظیماً وتکریماً کے گرانے کے ارادے سے آئے تھے اس بنا پر حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں سے جلدی جانے کو مستحب جانا۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم لوط اور قوم ثمود کے علاقوں میں سے گزرنے والوں کو تیز چلنے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ ان علاقوں کو دیکھ کر روئیں اور ان سے عبرت پکڑیں اسی طرح آپ کی عادت مبارک تھی کہ جن جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا وہاں سے جلدی گزرتے تھے۔

کتاب مواہب لدنیہ میں امام اسنوی سے جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں، منقول ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ میں نصاریٰ کھڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ امام رافعی نے کہا یا مشرکین عرب اس جگہ کھڑے تھے۔ جیسا کہ کتاب وسیط میں کہا گیا ہے تو ہمیں ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املاء میں فرمایا کہ یہ جگہ کھلی اور کشادہ نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ شیاطین کی جگہ ہے۔ یہاں طاعون کے مرض سے بھاگنے والوں کے لیے دلیل اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب نزول عذاب کی جگہ سے تیز گزر جانا جائز ہے تو طاعون کی جگہ سے بھاگنا بھی جائز ہو کیونکہ یہ نادانی عدم فہم اور محض غلط ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس مقام سے تیز گزرنے کا حکم خوف حق اور اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کے مشاہدے کی وجہ سے تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ جگہ منحوس ہو چکی تھی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہاں عذاب نازل ہوا تھا۔ اور اگر آپ بھی کھڑے ہو جاتے تو عذاب نازل ہو جاتا۔ لہٰذا اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے باوجود طاعون سے بھاگنے کی صریح نہی اور منع اور ڈانٹ وارد ہو چکی ہے اور یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ دوسری بعض جگہوں سے بھی بھاگ جانے کا ذکر آیا ہے جس طرح کوئی شخص کسی گھر میں بیٹھا ہو اور وہاں زلزلہ آجائے اور یہ گمان ہو جائے کہ یہ مکان گر پڑے گا یا ایسی جگہ جہاں آگ لگ جائے اور اگر وہ وہیں رہے گا تو جل جائے گا تو ایسی جگہوں سے باہر آجانا چاہیے۔ اور اگر طاعون کو ان جگہوں پر قیاس کریں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ان جگہوں

سے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہلاک ہونے کا ظن غالب ہے اور طاعون کی جگہ صرف وہم ہے کہ طاعون کی بیماری مجھے بھی لگ جائے گی۔ اور وہ اسباب جو فنا کرتے ہیں اور وہ اسباب جن سے فنا کرنے کا محض وہم ہوتا ہے ان دونوں میں فرق ہے جہاں ہلاکت کا ظن غالب ہو وہاں سے بھاگنا توکل کے منافی نہیں ہے اور جہاں ہلاکت کا صرف وہم ہو وہاں سے بھاگنا توکل کے منافی ہے لہٰذا ایسی جگہوں سے بھاگنا ممنوع و ناروا آیا ہے اور اس کے مرتکب ہونے پر ڈانٹ ڈپٹ آئی ہے۔ جب طاعون کی جگہ سے بھاگنا ناروا ہے تو ایسی دوسری جگہوں سے بھاگنا کب جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب اور عذاب کے اسباب و موجبات سے اپنی پناہ میں رکھے۔

۷۹ھ اور یہ اس راستے کے علاوہ راستہ تھا جس راستے سے آپ پہلے گئے تھے۔ اس پہلے راستے کو طریق ضب کہتے ہیں ضب ضاد اور باشد سے۔ اس راستے کو طریق مازمین کہتے ہیں۔ یہ دو پہاڑوں کا نام ہے اس میں زا کی زیر اور میم کی زبر ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جاتے وقت وادی محسر سے نہ گزرے تھے۔

۸۰ھ جو کہ مزدلفہ کی جانب سے مسجد خیف کے قریب ہے مقصود راستے کی تعیین ہے مگر آج کل اس جمرہ کے پاس سے گزرتے ہیں اور اس جمرے تک پہنچتے ہیں جو جانب مکہ ہے جسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ عقبہ عین اور کاف کی زبر سے پہاڑ کے اندر سے گزرنے والے راستے کو عقبہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں گھاٹی ہے۔ یہ جمرہ اس پہاڑ کے نیچے ہے اور بیعۃ العقبہ جہاں انصار نے بیعت کی تھی وہ بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ ان جمروں کو کنکریاں مارنے کے احکام اپنے الگ باب میں آ رہے ہیں۔

۸۱ھ اس سے مراد یہی گزشتہ جمرہ عقبہ ہے جس کا ذکر ہوا۔

۸۲ھ یہاں حدیث میں لفظ خذف آیا ہے۔ خذف خا کی زبر ذ ساکن سے بمعنیٰ انگلیوں سے کنکری پھینکنا۔ یہاں ایک لفظ مخذفہ ہے۔ میم کی زیر خا ساکن بمعنیٰ غلیل۔ کنکری پھینکنے کی صورت یہ ہے کہ کنکری شہادت اور دوسری انگلی کے درمیان پکڑی جائے یا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی پر رکھی جائے اور پھر اسے پھینکا جائے یا لکڑی سے غلیل بنائی جائے اور اس سے کنکری پھینکی جائے۔ حدیث میں اس طرح پھینکنے سے نہی واقع ہوئی ہے۔ اس تشریح سے مقصود سنگریزوں کی مقدار ہے کہ وہ سنگریزے بڑے ہوں کہ چھوٹے۔ بعض علماء پھینکی جانے والی کنکریوں کی مقدار لوبیا کے دانے جتنی بتلاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ چنے سے ذرا بڑی ہو اور بندوق کی گولی سے ذرا چھوٹی۔ بعض بکری کی مینگنی جتنی مقدار بتلاتے ہیں۔

۸۳ھ جہاں پر یہ جمرہ واقع ہے۔

۸۴ھ جو کہ منیٰ میں ہے۔

۸۵ھ یہاں حدیث میں لفظ نحر آیا ہے بمعنیٰ اونٹ کے سینے پر نیزہ مارنا۔ نحر و ذبح اور جو کچھ اس بارے میں

سنت ہے کہ اونٹ میں نحر کیا جائے اور اس کے غیر میں ذبح اس کی پوری تحقیق باب الضحیہ میں گزر چکی ہے۔

۸۸۶ یعنی اونٹ یا چھری حضرت علی کو دی۔ تو آپ نے باقی اونٹوں کا نحر کیا۔ گزشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے کہ کل اونٹ سو تھے پس باقی سینتیس رہ گئے تھے۔

۸۸۷ یہاں حدیث میں لفظ بَدَنَۃ آیا ہے تینوں پہلے حرفوں پر زبر یہ بدن کا واحد ہے یعنی با کی پیش دال ساکن۔

۸۸۸ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن قربانیوں کے گوشت سے یا ہانڈی میں پکے ہوئے گوشت سے کھایا۔ یاد رہے کہ ہانڈی مونث استعمال ہوتی ہے۔

۸۸۹ یہاں حدیث میں لفظ مَرَق آیا ہے میم اور را کی زبر سے بمعنی شوربہ کیونکہ اپنی قربانی کے جانور سے کچھ کھانا مستحب ہے۔ باقی گوشت بخش دیا جائے یعنی تقسیم کر دیا جائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ باقی گوشت آپ نے تقسیم کروا دیا اور فرمایا کہ جو چاہے لے جائے۔

۸۹۰ اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اسے طواف افاضہ کہتے ہیں یہ عرفات میں وقوف کے بعد حج کا دوسرا رکن ہے۔ اس طواف کے ساتھ حج مکمل ہو جاتا ہے۔ دسویں کے دن ہی یہ طواف کر لینا افضل ہے۔ اور اگر گیارہویں بارہویں کو کریں تب بھی جائز ہے۔

۸۹۱ یہ حضرت جابر کی روایت ہے اور حضرت عائشہ بھی اسی جانب ہیں۔ ابن عمر کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز کے واپس آکر منیٰ میں ادا فرمائی یہ دونوں روایتیں صحیح میں موجود ہیں یہاں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ شرح میں اسے بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۹۲ یعنی آپ عبدالمطلب کے بیٹوں اور اولاد کے پاس آئے جیسے حضرت عباس اور ان کی اولاد عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کا نام ہے۔ زمزم سے پانی پلانے کا عہدہ اُن کے ہاتھ میں تھا۔

۸۹۳ یہ خطرہ اس بنا پر تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پانی سے ڈول کھینچنے لگتے تو سب لوگ آپ کی اتباع میں یہ کام کرنا شروع کر دیتے اسی طرح یہ عہدہ تمہارے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اور ڈول سے پانی کھینچنے کی خواہش میرے دل میں اس وجہ سے ہے کہ یہ کام اپنے اندر فضیلت اور شرف رکھتا ہے۔

۸۹۴ حج کے یہ احکام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوئے ہیں دوسرے احکام جو طواف کے بعد ہیں جنہیں منیٰ کے ایام میں کرتے ہیں، اپنی جگہ پر ان شاء اللہ مذکور ہوں گے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ہم میں سے بعض نے عمرے

بِعُمْرَةٍ وَّ مِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّ لَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّ اَهْدٰى فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ مِنْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَأْسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَ اُهِلَّ بِالْحَجِّ وَ اَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِيَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ اَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا بَعْدَ اَنْ رَّجَعُوْا مِنْ مِّنًى وَ اَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَّاحِدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا جب ہم لوگ مکہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور قربانی ساتھ نہ لایا ہو وہ احرام سے باہر نکل آئے[۱] اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور قربانی ساتھ لایا ہو وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے اور احرام سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ ان دونوں سے فارغ ہو جائے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر احرام سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ ہدی کی قربانی کرے[۲] اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مجھے بحالت احرام خون حیض آنا شروع ہو گیا حالانکہ میں نے ابھی نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا تھا نہ صفا مروہ کے درمیان سعی[۳] کی تھی تو میں اسی حالت حیض میں رہی حتیٰ کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے صرف عمرہ ہی کا احرام باندھا ہوا تھا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کروں[۴]، حج کا احرام باندھ لوں اور عمرہ چھوڑ دوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا حج پورا کر لیا۔ میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوڑے[۵] ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے[۶] عمرہ کروں فرماتی ہیں جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر احرام سے باہر آ گئے پھر منیٰ سے لوٹنے کے بعد ایک طواف[۷] کیا لیکن جنہوں نے حج و عمرہ جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی اس کے بعد حج کے لیے ایام حج میں نیا احرام باندھے۔
۲؎ عمرے کا احرام باندھنے والے کا یہی حکم ہے۔
۳؎ یاد رہے کہ سعی پر بھی طواف کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔
۴؎ یعنی احرام سے باہر نکل آؤں اور وہ کام اپنے لیے مباح کروں جو حالت احرام میں میرے لیے حرام تھے۔
۵؎ عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کے بھائی ہیں ان دونوں کی ماں بھی ایک ہے۔
۶؎ جو کہ حیض کی وجہ سے چھوٹ گیا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے احرام سے باہر آنا پڑا تھا۔
۷؎ تنعیم مکہ معظمہ سے باہر تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جو کہ حرم سے باہر حل کے اندر واقع ہے۔ یہ جگہ زمین حرم کے نزدیک ترین ہے۔ اس جگہ کو مسجد عائشہ بھی کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں سے حضرت عائشہ نے احرام باندھا تھا۔ عوام الناس اس تنعیم کو عمرہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔
۸؎ یعنی یوم نحر کو منیٰ سے واپس آنے کے بعد طواف زیارت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَ

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج و عمرہ کا تمتع کیا تو اپنے ساتھ ذا الحلیفہ سے ھدی لے کر گئے تو ابتداءیوں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا لوگوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کا تمتع کیا۔ بعض لوگ تو ھدی لے گئے تھے اور بعض نہیں لے گئے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو ھدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو تا آنکہ حج پورا کرے اور جو ھدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے اور احرام سے باہر نکل آئے پھر حج کا احرام

بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لْيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهٗ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى نِسَاءٌ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

باندھے اور قربانی کرے اور جسے قربانی میسر نہ آئے وہ تین روزے رکھے زمانۂ حج میں اور سات روزے گھر لوٹتے وقت[۱] پھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف آئے تو طواف کیا سب سے پہلے حجر اسود کو چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا۔ اور چار میں عام رفتار سے چلے پھر جب طواف کعبہ پورا کر لیا تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور لوٹے تو صفا پر آئے اور صفا مروہ کا سات بار طواف کیا پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ[۲] ہوئے حتیٰ کہ حج پورا فرما لیا۔ اور قربانی کی ھدی ذبح کر دی اور منیٰ سے چلے[۳] تو آکر بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام چیزوں سے حلال ہو گئے اور یہاں تک کہ عورتیں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کے تمام کام ھدی لانے والے لوگوں نے بھی کیے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی احرام سے باہر نہ آئے بلکہ حالت احرام پر ہی قائم و ثابت رہے۔

[۲] یہ اولیٰ درجہ ہے ورنہ سارا سر منڈانا افضل ہے۔

[۳] اور ارکان حج اور اعمال عمرہ کو بجا لائے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزرا یہاں مزید گفتگو یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حج تمتع کیا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حج قران کیا تھا۔ اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ تمتع سے اس کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی نفع اور لذت حاصل کرنا اس میں کوئی شک نہیں کہ نفع اور لذت کا معنیٰ حج قران میں بھی موجود ہے کیونکہ اس میں بندہ دو ارکان ادا کرنے کی بجائے

ایک ہی رکن ادا کرنے سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو حج تمتع کا حکم دیا۔ اور آپ کی طرف تمتع کی نسبت آپ کے سبب بننے کی وجہ سے کر دی۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے فلاں شہر تعمیر کیا۔ حالانکہ تعمیر کرنے والے معمار ہوتے ہیں نہ کہ بادشاہ خود تعمیر کرتا ہے مگر چونکہ وہ کاریگروں کو شہر تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے شہر کی تعمیر کی نسبت بادشاہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ باقی رہی یہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مفرد کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے احرام حج کا باندھا اس کے بعد عمرہ کی نیت فرمائی۔ اور آپ قارن بن گئے تو جس نے پہلے لفظ کو سنا یعنی مفرد کو اس نے یہ خیال کیا کہ آپ نے صرف حج کے لیے احرام باندھا اور حج مفرد کیا۔ یہ تاویلات روایات کے درمیان مطابقت کے لیے کی گئی ہیں۔ اس مقام میں کافی کلام ہے جو شرح سفر السعادت میں کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے بعد متمتع کا حال بیان فرمایا جو ھدی ساتھ نہیں چلتا کہ جب متمتع احرام سے باہر آ جائے اور طواف وسعی کر کے عمرے کو مکمل کرے تو پھر وہ حج کے لیے احرام باندھے۔

سکہ یاد رہے کہ ھدی لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ متمتع کے لیے خون بہانا ضروری ہے اس وقت کی شکر گزاری کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دونوں ارکان یعنی حج و عمرہ ادا کرنے کی توفیق دی۔

ھہ افضل یہ ہے کہ یہ تین روزے چاند کی ساتویں آٹھویں اور نویں کو رکھے اور بعض نے کہا کہ یہ تین روزے نویں تاریخ سے پہلے پہلے رکھ لے۔

ٹہ پہلے تین کے ساتھ یہ سات روزے ملنے سے کل دس روزے ہو گئے۔ قرآن مجید میں صرف لوٹنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ فرمایا وسبعۃ اذا رجعتم تو بعض نے لوٹنے کی تفصیل اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے سے کی اور بعض نے لوٹنے سے اعمال حج سے فارغ ہونا۔ اور منیٰ سے مکہ کی جانب آنا مراد لیا۔ بیضاوی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے طیبی نے بھی اسی کے موافق کہا لیکن ہدایہ میں کہا کہ یہ سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس حدیث کا ظاہر اس مذہب کی تائید کرتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ شریف تشریف لائے تو صحابہ کرام کو حدیث میں مذکور اگلی بات کا حکم دیا۔

ٹہ جیسا کہ پیچھے گزرا یعنی تین طوافوں میں یاد رہے کہ ایک دفعہ خانہ کعبہ کے گرد گھومنے کو ایک چکر کہتے ہیں۔

ٹہ مجموعہ سات چکر ہوئے۔ اسی عمل کو طواف کہتے ہیں۔

سلہ یہاں طواف سے ان دونوں کے درمیان سات چکر لگانا مراد ہے۔ اسے صفا مروہ کے درمیان سعی بھی کہتے ہیں۔

نلہ اور احرام سے باہر نہ آئے کیونکہ آپ قارن تھے۔ اگرچہ آپ متمتع بھی تھے اور اپنے ساتھ ھدی لائے تھے۔

۱۱؎ یعنی منیٰ سے چل کر مکہ شریف آئے۔

۱۲؎ قربانی کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے عورتیں حلال نہیں ہوتیں۔ جب طواف زیارت کر لیا جاتا ہے تو عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں ان ارکان کے ادا کرنے سے حج مکمل ہو جاتا ہے۔ اور حاجی احرام سے بھی مکمل طور پر باہر آ جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهٗ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایسا عمرہ ہے جس سے ہم نے نفع اٹھایا تو جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ احرام سے مکمل طور پر باہر نکل آئے۔ بے شک عمرہ قیامت کے لیے حج میں داخل ہو گیا ہے۔ (اس معنیٰ کی شرح گزر چکی ہے) اسے مسلم نے روایت کیا اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَطَآءٍؒ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ نَاسٍ مَّعِيَ قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ بِالْحَجِّ خَالِصًا وَّحْدَهٗ قَالَ عَطَآءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَاَمَرَنَا اَنْ نَّحِلَّ قَالَ عَطَآءٌ قَالَ حِلُّوْا وَاَصِيْبُوا النِّسَآءَ قَالَ عَطَآءٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نُّفْضِيَ اِلٰى نِسَائِنَا فَنَاْتِيَ عَرَفَةَ

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا وہ فرماتے تھے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کے لیے احرام باندھا عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقر عید کی چوتھی رات گزرنے پر صبح کو مکہ معظمہ پہنچے، تو ہمیں احرام سے باہر آنے کا حکم دیا۔ عطا فرماتے ہیں کہ فرمایا حلال ہو جاؤ اور عورتوں سے صحبت کرو۔ عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی مگر ان کے لیے عورتیں حلال فرما دیں۔ ہم نے خیال کیا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں تو ہم کو بیویوں

تَقْطُرُ مَذَاکِیْرُنَا الْمَنِیَّ قَالَ یَقُوْلُ جَابِرٌ بِیَدِهٖ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی قَوْلِهٖ بِیَدِهٖ یُحَرِّکُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْنَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَتْقَاکُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُکُمْ وَاَبَرُّکُمْ وَلَوْلَا هَدْیِیْ لَاَحْلَلْتُ کَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْیَ فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِیٌّ مِنْ سِعَایَتِهٖ فَقَالَ بِمَ اَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْدِ وَامْکُثْ حَرَامًا قَالَ وَاَهْدٰی لَهٗ عَلِیٌّ هَدْیًا فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ قَالَ لِاَبَدٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم لوگ عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے آلہ ہائے تناسل منی ٹپکاتے ہوں۔ راوی کہتے ہیں حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلنا دیکھ رہا ہوں فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ نیک عمل والا ہوں اگر میری ہدی نہ ہوتی تو جیسے تم حلال ہو رہے ہو میں بھی حلال ہو جاتا اور جو بات بعد میں کھلی اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی ہی نہ لاتے لہٰذا حلال ہو جاؤ۔ چنانچہ ہم حلال ہو گئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجا لائے۔ عطا فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے کہا پھر حضرت علی اپنے دار العمال سے آئے تو حضور انور نے پوچھا تم نے کونسا احرام باندھا ہے عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو۔ اور احرام میں ٹھہرو۔ حضرت علی ہدی لائے تھے حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے فرمایا ہمیشہ کے لیے (مسلم)

[1] یعنی عمرہ کی ملاوٹ کے بغیر۔
[2] حضرت جابر کے قول کی تفسیر کرتے ہوئے کہ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرہ کھول دینے کا حکم فرمایا۔
[3] اور آپ نے عورتوں سے مخصوص صحبت کرنا جائز قرار دیا۔
[4] یہاں حدیث میں لفظ مذاکیر آیا ہے جو لفظ ذکر کی جمع ہے یعنی ذ اور کاف کی زبر سے۔ یہ جمع خلاف قیاس ہے۔

۵ے یعنی تمثیل سے حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کرکے دیکھاتے تھے۔

۶ے بعض نسخوں میں لفظ علی اللہ آیا ہے یعنی تم سب سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک بزرگ اور متقی میں ہوں۔

۷ے یعنی اگر میں یہ بات جان لیتا کہ تمہارا احرام سے باہر آنا تمہیں اس قدر شاق گزرے گا تو میں ہدی اپنے ساتھ چلا کر نہ لاتا اور میں بھی احرام سے باہر آ جاتا۔

۸ے اور احرام سے باہر آ جاؤ کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہے۔

۹ے یعنی ہم نے رضا و اطاعت کے ساتھ آپ کا قول مبارک سنا۔

۱۰ے یعنی یمن سے تشریف لائے آپ یمن لوگوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ یہاں حدیث میں لفظ سعایۃ آیا ہے۔ یہ لفظ خراج اور مالیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۱۱ے یعنی ہدی اپنے ساتھ لے کر چل اور حالت احرام میں ہی ٹھہرا رہ۔ جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

۱۲ے جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَرْبَعٍ مَّضَيْنَ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ أَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ أَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ قَالَ أَوَمَا شَعَرْتِ أَنِّيْ أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ مَعِيَ حَتّٰى أَشْتَرِيَهُ ثُمَّ أَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید بقر کے چار یا پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور میرے پاس غصے کی حالت میں تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کس نے غصے میں ڈالا۔ خدا اسے دوزخ میں ڈالے۔ فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ اس میں تردد کرتے ہیں[۱] اور اگر بے شک میں پہلے سے وہ جانتا جو بعد میں جانا تو میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا۔ بلکہ یہاں سے ہی قربانی خریدلیتا[۲] پھر جیسے یہ لوگ احرام سے باہر آ گئے ہیں میں بھی احرام سے باہر آ جاتا ہے۔

(مسلم)

۱ے یعنی میرے حکم کی بجا آوری میں یہ لوگ دلیرا در توقف کر رہے تھے۔

۲ے یعنی احرام کے بعد قربانی خریدتا۔

بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ وَالطَّوَافِ

مکہ میں داخل ہونے اور طواف کا باب

مصنف نے اس باب میں مکہ شریف میں داخل ہونے کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ کس طرف سے مکے میں داخل ہو۔ اور کس وقت مکہ داخل ہو پھر اس باب میں طواف کی کیفیت بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہ حجر اسود کو چومنا لازم ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی مسائل بیان کیے۔ مکہ مک سے بنا ہے بمعنی ہلاک کرنا ، نقصان کرنا اس مقدس شہر کو مکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شہر گناہوں کو ہلاک اور فنا کر دیتا ہے اور اُسے بھی ہلاک کر دیتا ہے جو اس شہر میں ظلم کرتا ، اور الحاد و بے دینی پھیلاتا ہے۔ اس شہر کا دوسرا نام بکہ ہے بکہ بک سے بنا ہے ۔ بک بمعنی کوٹنا ہے چونکہ یہ جابر لوگوں کی گردنوں کو کوٹ دیتا ہے۔ اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں یا اس وجہ سے اس کا نام بکہ ہے کہ یہاں زبردست ہجوم کی وجہ سے لوگوں کی گردنیں پس جاتی ہیں یا اس وجہ سے اسے بکہ کہتے ہیں کہ یہ شہر لوگوں کو پیس ڈالتا ہے یعنی ریاضت و مجاہدے کی وجہ سے لوگوں کی قوت نفس اور تیزی کو پیس ڈالتا ہے ۔ لفظ طواف کا معنی ہے کسی چیز کے ارد گرد گھومنا۔ پھر یہ لفظ خانہ کعبہ کے گرد گھومنے کے لیے ہی اکثر اور بیشتر استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی تعظیم و بزرگی ہمیشہ بڑھاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِيْ طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَ يَغْتَسِلَ وَ يُصَلِّيَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَ اِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِيْ طُوًى وَ بَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَ يَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کبھی مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک مقام ذی طویٰ میں رات گزار دیتے یہاں تک کہ آپ غسل کرتے۔ نماز پڑھتے پھر دن کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوتے۔ اور جب مکہ شریف سے واپس ہوتے تو ذی طویٰ سے گزرتے وہاں رات گزارتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ ذی طوی کی زیر یا پیش اور زیر بھی آئی ہے مگر زبر زیادہ صحیح زیادہ فصیح اور زیادہ مشہور ہے پھر یہ لفظ تنوین اور بے تنوین بھی پڑھا گیا ہے یہ حرم شریف کے اندر مکہ معظمہ کے قریب عمرہ کے راستہ پر ایک جگہ ہے۔
سلہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز نفل مراد ہے جو کہ اس مقدس مقام میں داخل ہونے کی عظمت کے لیے آپ پڑھتے تھے۔

سلہ یعنی جس طرح حضرت ابن عمر مقام ذی طوی میں رات بسر کرتے غسل کرتے اور نماز پڑھتے تھے ایسا ہی حضور علیہ السلام کرتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے تاکہ کعبہ شریف پر نگاہ پڑے اور وہاں بندہ دعا کرے اور اب یہ عادت جاری ہے کہ لوگ جو جدہ سے آتے ہیں وہ سحری کے وقت خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہیں مگر سنت، اول تحقیق کے مطابق ہے اور اگرچہ خانہ کعبہ میں سحری کے وقت داخل ہونے کا ذوق و حال کچھ اور ہی ہے مگر بیت اللہ شریف کی عظمت، عزت اور جلالت و بزرگی وقت چاشت میں زیادہ ظاہر و واضح معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بیت اللہ شریف کی تعظیم و بزرگی کو ہمیشہ بڑھاتا ہے۔ دن میں داخل ہوتے وقت خانہ کعبہ کی بزرگی کا احساس اہل ذوق کو محسوس ہوتا ہے۔ والحمد للہ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَآءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَ خَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لاتے تو اس کے اوپر کے[1] حصے سے اس میں داخل ہوتے تھے اور اس کے نیچے کے حصے سے باہر تشریف[2] لے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اور یہ بھی ذی طوی کی جانب ہے۔ اور اسی جانب مکہ معظمہ کا قبرستان ہے جسے جنت المعلی کہتے ہیں۔ معلی میم کی زبر عین ساکن اور لام مخفف کے ساتھ۔ عامۃ الناس اسے معلی کہتے ہیں یعنی میم کی پیش اور لام کی شد سے۔
سلہ جو اس سے دوسری جانب ہے۔

وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ بَدَاَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ حَجَّ اَبُوْبَكْرٍ فَكَانَ اَوَّلَ

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پہلا وہ کام جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ آکر ابتدا کی یہ تھا کہ آپ نے وضو فرمایا پھر بیت اللہ شریف کا طواف[1] کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

شَیْئٍ بَدَءَ بِهِ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ عُمْرَةً ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتداء کی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان نے بھی اسی طرح عمل کیا۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ آپ اکابر تابعین اور ان میں سے ثقہ اور معتبر شخصیت ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت اسماء بنت ابوبکر کے بیٹے ہیں۔

۲؎ اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاء مکہ شریف میں آتے تو پہلا کام جو کرتے وہ خانہ کعبہ کا طواف ہوتا تھا اور وہ عمرہ بجا نہ لاتے تھے۔ یہاں بعض روایات میں لفظ ثم لم یکن غیرہ آیا ہے یعنی طواف کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا بعض نے کہا کہ یہ دوسری روایت غلط ہے لیکن معنیٰ صحیح ہے۔ واضح ہو کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ معظمہ میں آنے کے بعد عمرہ کرتے تھے اور جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا ہوتا تھا وہ اپنے احرام پر ہی قائم رہتا تھا۔ اور جو قربانی ساتھ نہیں لایا ہوتا تھا وہ احرام سے باہر آجاتا تھا مگر یہ کہ عمرہ کی نفی سے عمرہ کے ذریعے حج کو فسخ کرنا اور احرام سے باہر آنا مراد ہو۔ حضرت عروہ نے یہ کلام کسی ایسے شخص کے رد میں کہا جس نے یہ گمان کیا کہ حضور علیہ السلام نے حج کو عمرے سے فسخ کیا تھا اور بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے قران پر باقی رہے ہاں وہ حضرات احرام سے باہر آگئے، جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے انہیں فرمایا کہ وہ احرام سے باہر آجائیں اور عمرہ کے ساتھ حج کو فسخ کردیں پھر حج کے لیے دوسرا احرام باندھیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَافَ فِی الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ اَوَّلَ مَا یَقْدَمُ سَعٰی ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰی اَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ یَطُوْفُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کو آتے تو طواف کرتے اور تین چکروں میں تیز چلتے اور چار میں درمیانی چال چلتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا مروہ کا طواف فرماتے۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ یہ کل سات چکر بنتے ہیں ہر چکر کو شوط کہتے ہیں ارکان حج کے رسائل میں یہی لفظ شوط واقع ہوا ہے مقاصد میں فرمایا کہ فقہا کی ایک جماعت نے طواف کی بجائے اس لفظ کا اطلاق کروہ جانا ہے مگر اس کی وجہ بیان نہیں کی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لفظ طواف تعظیم پر دلالت کرتا ہے اور لفظ شوط جاہلیت کا لفظ ہے جیسا کہ مدینہ طیبہ کے لیے

لفظ یثرب کا اطلاق کروہ قرار دیا گیا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا وَكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکروں میں رمل فرمایا یعنی تیز چلے اور چار میں معمولی رفتار سے اور جب صفا مروہ کا طواف کیا تو نشیب وادی میں دوڑتے تھے۔ (مسلم)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهِ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس پہنچے[1] اسے چوما پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا۔ اور چار میں معمولی چال اختیار کی۔ (مسلم)

لہ یعنی طواف کی ابتدا حجر اسود سے کی۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ عَنِ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زبیر بن عربی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے حجر اسود کو چومنے سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے دیکھا۔[2] (بخاری)

لہ آپ تابعی ہیں اور ابن زبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ حجر اسود کو چومنے کے بارے میں ان سے یہ ایک حدیث مروی ہے۔

ٹہ گزشتہ ایک روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہاتھ سے چھونے پر بھی چومنے کا اطلاق ہوتا ہے اور منہ سے چومنا بھی آیا ہے گویا یہاں چومنے سے ہاتھ سے چھونا مراد ہے۔ کیونکہ آگے چومنے کا ذکر الگ آ رہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ شریف کے دو یمانی گوشوں[1] کے سوا کسی اور چیز

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) کو چومتے نہیں دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

لہ کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک حجر اسود والا کونہ اور دوسرا کونہ جو اس کے بالمقابل ہے۔ یمانی اسی کونے کا نام ہے لیکن یہاں دونوں کو بطور تغلیب یمانی کہہ دیتے ہیں بیت اللہ شریف کے دو کونے اور بھی ہیں ایک عراقی دوسرا شامی اور دونوں کو شامی کہتے ہیں۔ دونوں یمانی کونے افضل ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنا اور بنیاد پر قائم ہیں اسی بنا پر ان دونوں کے چومنے کی تخصیص آئی ہے۔ حجر اسود والا کونہ سب سے افضل ہے کیونکہ اس میں حجر اسود ہے اور اسی لیے اسے چوما جاتا ہے۔ اور رکن یمانی میں صرف چھونے پر کفایت کرتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکن یمانی کو چومنا ثابت نہیں ہے۔ جمہور علماء اسی پر ہیں اور دو شامی رکنوں کو چومنے میں کلام ہے۔ جس کا ذکر ہم نے شرح سفر السعادت میں کیا ہے۔ لفظ یمانی کی تصحیح بھی شرح میں کر دی گئی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف فرمایا۔ آپ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز کے ساتھ رکن کو چومتے تھے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ یعنی آپ حجر اسود کو اس لکڑی سے اشارہ کر کے لکڑی کو چومتے تھے۔ یہاں حدیث میں لفظ محجن آیا ہے میم کی زیر حا ساکن اور جیم کی زبر ایسی لکڑی جس کا سر آگے سے ٹیڑھا ہو جیسے ہاکی وغیرہ۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلَى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتَى عَلَى الرُّكْنِ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا جب بھی آپ حجر اسود کے سامنے آتے تھے تو اسے اس چیز سے اس کی جانب اشارہ کرتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور تکبیر بھی کہتے تھے۔ (بخاری)

لہ یعنی وہ لکڑی جو آپ کے دست مبارک میں تھی۔

۲ے اس حدیث میں اس چیز کو بوسہ دینے کا ذکر نہیں۔

وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود

بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَ يُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کر اپنے ہاتھ کی لکڑی سے چومتے تھے اور لکڑی کو بھی[۲] چومتے تھے ۔

[۱] آپ صحابی ہیں اور وفات کے لحاظ سے سب سے آخری صحابی ہیں ۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں اور پیروکاروں میں سے ہیں ۔

[۲] اس حدیث میں حجر اسود کو لکڑی سے اور لکڑی کو منہ سے چومنے کا ذکر ہے ۔ گزشتہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ آپ نے لکڑی سے اشارہ فرمایا تھا۔ مختصر یہ کہ جس چیز کی استطاعت رکھتا ہو وہ کرے خود حجر اسود کو بوسہ دینے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ کرے یا ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے یا لکڑی وغیرہ سے اس کی جانب اشارہ کرے ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ[۱] قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا أَبْكِي فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ ذَالِكَ شَيْئٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اور حج کے سوا کسی چیز کا خیال بھی نہیں کرتے تھے جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھے خون حیض آنا شروع ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں رو رہی تھی[۲]۔ فرمایا شاید تم مخصوص[۳] ایام میں داخل ہو گئی ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر مقرر فرما دی ہے تو جو کچھ حاجی کریں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہو جاؤ۔ (مسلم بخاری)

[۱] سرف سین کی زبر را کی زیر آخر میں فا یہ ایک جگہ کا نام ہے جو کہ ایک منزل مکہ سے دور ہے۔ اسی جگہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مرقد مبارک ہے۔ آپ کا نکاح اور آپ کی شب زفاف اور موت تینوں کام اتفاق سے اسی جگہ ہوئے۔

[۲] اس وجہ سے کہ مجھے یہاں حیض آنا شروع ہو گیا تب مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ شاید یہ میرے حج ادا کرنے میں مانع نہ بن جائے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ نفاس آیا ہے مگر یہاں نفاس سے حیض مراد ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اور وہاں لفظ نفست مجہول استعمال ہوتا ہے۔

؎ لہٰذا آپ کو کوئی اندیشہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خون حیض ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی واسطے کے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی گئی ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ خون حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی اس میں مفصل گفتگو باب حیض میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فِی الْحَجَّةِ الَّتِیْ اَمَّرَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ یَوْمَ النَّحْرِ فِیْ رَهْطٍ اَمَرَهُ اَنْ یُّؤَذِّنَ فِی النَّاسِ اَلَا لَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا یَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃ الوداع؎ سے پہلے بقر عید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کر سکے اور نہ کوئی ننگا طواف کرے۔ (بخاری و مسلم)

؎ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لے گئے گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب حج فرض ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوں میں مصروفیت کی بنا پر خود حج کے لیے نہ جا سکے۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔

؎ یہاں احتمال ہے کہ حدیث میں واقع لفظ امرہ میں ضمیر منصوب متصل حضرت ابوہریرہ کی طرف لوٹتی ہو۔

؎ بلکہ حج مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص کر دیا گیا۔

؎ یہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ لوگ برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگ ان کپڑوں میں خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے جن سے ہم گناہ کرتے رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّیِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ یَرَی الْبَیْتَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ۔

حضرت مہاجر مکی؎ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیتا ہے تو حضرت جابر نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم لوگ حضور علیہ السلام

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) کے ساتھ ایسا نہیں کرتے تھے[2] (ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] آپ تابعین میں سے ہیں۔

[2] یہاں لفظ نفعلہ نون کے ساتھ آیا ہے۔ ایک روایت میں یا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ نون کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ یا کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔ تینوں ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ البتہ امام احمد سے فرمایا کہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کرے۔ اور کتاب خرقی کی شرح میں جو امام احمد کے مذہب کی کتاب ہے۔ اس باب میں ایک حدیث روایت کی ہے۔ بعض رسائل میں جو مذہب حنفی میں لکھے گئے ہیں، مذکور ہے کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نگاہ پڑنے کے ساتھ دعا کرے۔ اور دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کا صحیح اور مناسب طریقہ ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَاشَاءَ وَيَدْعُوْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مکہ شریف میں داخل ہوئے تو حجر اسود کی طرف بڑھے اور اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پہاڑ پر آئے تو اس پر چڑھ گئے یہاں تک کہ آپ خانہ کعبہ کو دیکھتے تھے اور آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے تو آپ اللہ کا ذکر کرتے تھے جتنا آپ نے چاہا اور آپ نے دعا بھی کی[1] (ابوداؤد)

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر ڈالتے وقت آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا بھی فرمائی مگر گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کام صفا پر چڑھنے کی حالت کے علاوہ دوسری حالت میں کیا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ شریف کے گرد طواف کرنا نماز کی طرح ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ بے شک تم لوگ اس میں بات چیت کر سکتے ہو تو جو آدمی بحالت طواف کوئی بات کرے تو خیر کی بات ہی کرے

اسے ترمذی نسائی اور دارمی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے

وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ) — ایک جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اس حدیث کو ابن عباس پر ہی موقوف رکھا ہے۔

سلہ مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تم اس میں بات چیت کر سکتے ہو مگر نماز میں بات کرنے کی اجازت نہیں۔ اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ بات نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

سلہ یعنی نیک بات ہی کرے اگرچہ لوگوں کے کلام کی جنس میں سے ہی ہو۔ اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی گئی ہے کہ حقیقتاً ہر اعتبار سے تشبیہ مراد نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ نماز میں شرط ہے۔ ائمہ کا مذہب یہی ہے گو پوشیدہ نہ رہے کہ حقیقتاً ہر اعتبار سے تشبیہ مراد نہیں ہے۔ کپڑوں کی طہارت، قبلہ شریف کی طرف رخ، قرارت، باقی ارکان کا اس میں اعتبار نہیں ہے۔ تاہم احناف کے نزدیک باوضو ہونا افضل ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ نماز طواف سے افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسافروں کے لیے طواف افضل ہے کہ وہ اُن کے لیے غنیمت ہے کیونکہ وہ کسی اور جگہ نہیں ہو سکتا۔

سلہ اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے اس حالت میں اترا تھا کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا اُسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) — ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن[1] صحیح ہے۔

سلہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایمان کا امتحان مراد ہے اگر کامل الایمان ہے تو وہ اسے بلا تردد اور بلا تاویل قبول کرے گا۔ اور اگر ضعیف الایمان ہوگا تو اُسے اس میں تردد رہے گا۔ اور کافر انکار کرے گا۔ مجھے اپنی عمر کی قسم کہ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو دلیل قاطع کی مخالف اور ناممکن ہو۔ تاکہ تاویل کی ضرورت پیش آئے اور الفاظ کا معنی ظاہر سے پھیرا جائے۔ کچھ دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ ہم واضح دلائل سے جانتے ہیں کہ بہشت اور جو کچھ اس میں ہے، سب حقیقتاً اُن چیزوں سے بالکل الگ ہے جو اس دنیا فانی میں پیدا کی گئی ہیں اور دنیا کی چیزوں اور آخرت کی چیزوں کی خاصیتیں اور لوازمات بالکل الگ الگ ہیں کہ دنیا کی چیزیں زوال و فنا اور آفات میں گھری ہوئی ہیں۔ اور اس پتھر کو

بھی بہت سی آفات پہنچی ہیں۔ یہاں تک کہ قرامطہ اور ملاحدہ کے ہاتھوں سے ٹوٹ گیا۔ ابھی تک اس ٹوٹنے کا اثر اس میں باقی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اترنے کے بعد اس پتھر کے حالات میں تغیر و تبدل پیدا ہوا ہو جیسا کہ آدم علیہ السلام میں بھی تبدیلی واقع ہوئی کہ دنیا میں آکر آپ کو بھوک اور پیاس لگنے لگی، دوسرے عوارض بھی لاحق ہونے لگے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس پتھر کے جنت سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں یمن برکت اور شرف و کرامت اس قدر زیادہ ہے کہ گویا یہ جنت کی چیز ہے اور وہاں سے آیا ہوا ہے اور اس کے سفید ہونے پھر لوگوں کے گناہوں سے سیاہ ہو جانے سے اس امر کی جانب تنبیہ ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے گناہوں سے عبرت پکڑیں کہ جب گناہ پتھر میں اثر کر سکتے ہیں تو دلوں میں وہ کیوں اثر نہ کریں گے۔ اس بارے میں اگر کسی کو تردد و شک ہو اور تاویل کی ضرورت محسوس کرے تو یہ اس کی ظلمت باطن اور حیلہ نفس میں ہے۔ راہ راست یہ ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان لائیں۔ اور اس کی حقیقت کو علم الٰہی کے حوالے کریں اور یوں کہیں کہ ان اللہ علی کل شیء قدیر عربی شرح میں اس سے زیادہ وضاحت و تفصیل سے سیر حاصل لمبی گفتگو کر دی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فائدہ:۔

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حجر اسود میں ابھی تک کچھ نہ کچھ سفیدی موجود ہے۔ جب سفیدی بالکل ختم ہو جائے گی تو قیامت آجائے گی یا قیامت نزدیک آجائے گی۔ یہ فقیر حقیر اس بات میں متحیر تھا کہ اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں تو تاریخ مکہ میں جو فارسی زبان میں تصنیف کی گئی ہے، کہا گیا ہے کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ حجر اسود میں ایک چھوٹا سا سفید چیک دار نقطہ اب تک موجود ہے حضرت ابن حجر پانچسو اناسی ہجری ۵۷۹ھ میں ہوئے ہیں اور فقیہہ سلیمان عسقلانی نے اپنے مناسک میں فرمایا کہ میں نے حجر اسود میں تین جگہ سفیدی دیکھی ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ سفیدی ہر وقت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی یہ بزرگ ۸۰۰ھ ہجری میں ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَّنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے متعلق فرمایا اللہ کی قسم رب تعالیٰ اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا، ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولتا ہوگا ایمان کے ساتھ چومنے والوں کی گواہی دے گا۔

ترمذی۔ ابن ماجہ دارمی

سلہ یعنی اس کی شان میں۔
سلہ جن کے ساتھ وہ دیکھے گا اور جنہوں نے اسے چوما ہوگا انہیں پہچانے گا۔
سلہ اور ان کا محافظ و نگہبان بنے گا، یہاں حدیث میں لفظ حق آیا ہے یعنی جو ایمان پر ہوگا اور صدق و یقین سے اسے چومے گا۔ یہ حدیث بھی ظاہر پر محمول ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ پتھر میں بھی دیکھنے اور بولنے کی طاقت پیدا کر سکتا ہے مگر جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور فلسفے کا اثر ہے وہ اس کی تاویل کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ چومنے والے کے ثواب کے ثبوت اور راجروس کے ضائع نہ ہونے سے کنایہ ہے۔
علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ظن غالب یہی ہے کہ مراد یہی تاویلی معنیٰ ہے۔ اگرچہ ظاہری معنیٰ بھی ناممکن نہیں مگر علامہ بیضاوی کے اس قسم کے کلام پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کہ اُن کے مزاج میں ہی قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث کی شرح میں تاویل و فلسفیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے درگزر فرمائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں جن کی روشنی اللہ تعالیٰ نے چھپا لی ہے۔ اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ مشرق اور مغرب کے درمیان کو جگمگا دیتے۔ (ترمذی)سلہ

سلہ یعنی حجر اسود اور مقام سے مقام ابراہیم مراد ہے اور وہ ایک پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے اثر کا نشان ہے۔ یاقوت مشہور موتی کا نام ہے۔
سلہ یعنی تمام دنیا گویا ان کے نور کے چھپانے میں حکمت یہ ہے تاکہ ایمان بالغیب قائم رہے۔ اس صورت میں ایمان کا امتحان بھی ہے۔
سلہ امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی اسے روایت کیا ہے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَاَيْتُ	حضرت عبید بن عمیرؓ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکنوں پر اس قدر بھیڑ میں گھس جاتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ فَقَالَ اِنْ اَفْعَلْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِّلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَّلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّكَتَبَ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا فرماتے ہیں اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے[2] کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان دو رکنوں کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ شریف کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت اور احتیاط[3] سے طواف کرے تو وہ غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا قدم نہیں اٹھاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ اُن کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا اور ایک نیکی لکھتا ہے[4]
(ترمذی شریف)

[1] یہ دونوں لفظ یعنی عبید و عمیر اسم تصغیر ہیں۔ حضرت عبید تابعین اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں زمانہ نبوت میں آپ پیدا ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حضور علیہ السلام کو دیکھا بھی تھا۔ واللہ اعلم۔

[2] اور اس کے منکر نہ ہو کیونکہ میرے پاس اس کے لیے دلیل موجود ہے۔ وہ یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یعنی حدیث کا اگلا مضمون میں نے خود حضور سے سنا ہے۔

[3] یعنی واجبات سنتوں اور آداب کی حفاظت کرتا ہے۔

[4] یعنی ہر قدم پر ایک گناہ کم ہوتا اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤٗدَ)

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان (رکن یمانی و رکن اسود) یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا[1] یعنی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔
(ابوداؤد)

لہ علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف کی حالت میں سوائے اس دعا کے اور کوئی دعا کرنا صحیح روایت سے ثابت نہیں دوسری دعائیں جو لوگ پڑھتے ہیں وہ صحابہ تابعین اور سلف صالحین سے مروی ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِىْ بِنْتُ اَبِىْ تُجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ دَارَ اٰلِ اَبِىْ حُسَيْنٍ نَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَاَيْتُهٗ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهٗ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْىِ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْىَ ۔

حضرت صفیہ[1] بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھے ابو تجراۃ[2] کی بیٹی نے خبر دی کہ میں چند قریشی عورتوں کے ساتھ ابو حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی ۔ جبکہ آپ صفا مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے ۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہ بند[3] شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کر رہا تھا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو کہ بے شک اللہ تعالے نے تم پر سعی واجب[4] کردی ہے ۔

(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ مَعَ اخْتِلَافٍ)

شرح سنہ[5] ۔ اور احمد نے کچھ اختلاف سے روایت کیا ۔

لہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا تھا ۔ بعض کہتے ہیں نہیں دیکھا تھا اور محدث ابن حبان نے کتاب ثقات میں تابعین میں لکھا ہے ۔ آپ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن طلحہ حجبی ہیں ۔ خانہ کعبہ کی چابی جن کے ہاتھ میں تھی ۔

سلہ تا کی پیش جیم ساکن را کی زبر بعض نسخوں میں یہاں الف کی بجائے ہمزہ آیا ہے ۔

سلہ یہاں حدیث میں تہ بند کے لیے لفظ میزر آیا ہے ۔ میم کی زیر سے لحاف دلحفہ کے معنی میں بھی آتا ہے وہ لباس جو نیچے والے کپڑوں کے اوپر پہنا ہو اس جگہ یہی مراد ہے ۔

سلہ امام مالک ۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سعی کرنا فرض ہے ۔ احناف کے نزدیک واجب ہے ۔ بعض اسے نفل قرار دیتے ہیں ۔ اس آیۃ کے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے یعنی فلا جناح علیہ ان یطوف بہما ترجمہ ۔ حاجی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف بھی کرے ۔

ھہ یعنی کتاب شرح سنتہ میں اس حدیث کو ان لفظوں سے روایت کیا جو یہاں گزرتے ہیں اور امام احمد سے جو روایت آئی ہے اس کے الفاظ اس حدیث سے کچھ مختلف ہیں ۔

وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيْرٍ لَا ضَرْبَ وَلَا طَرْدَ وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت قدامہ[1] بن عبداللہ بن عمار فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا جس میں نہ اونٹ کا مارنا پیٹنا[2] تھا نہ لوگوں کو ہٹانا نہ ہٹو بچو فرمانا۔ (شرح سنہ)

[1] قدامہ کاف کی پیش وساکن آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں مکہ شریف میں ہی رہائش پذیر رہے وہاں سے ہجرت نہ کی۔
[2] یعنی آپ کی سعی کے دوران نہ تو راستہ صاف کرنے کے لیے کسی کو مارا گیا نہ کسی کو دور کیا گیا۔ اور نہ کسی کو ہٹایا گیا جس طرح کہ بادشاہوں اور حاکموں کے لیے کیا جاتا ہے۔

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رضی قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت یعلیٰ[1] بن امیہ[2] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے[3] ہوئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ دارمی)

[1] یا کی زبر عین ساکن۔
[2] ہمزہ کی پیش میم کی زبر یا کی شد آپ صحابی ہیں۔ قریش کے حلیف ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے جنگ حنین طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے حاکم تھے۔
[3] یہاں حدیث میں لفظ مضطبعاً آیا ہے جس کا معنی ہے چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهٗ اعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلٰثًا وَجَعَلُوْا أَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ ثُمَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مقام جعرانہ[1] سے عمرہ کیا تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا۔ اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے

فَدَ نُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

بائیں کندھوں پر ڈالا۔
(ابوداؤد)

۱ یہ ایک جگہ کا نام ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمرہ کرنے کے بیان میں پیچھے مذکور ہوا۔

۲ جرکہ اضطباع کا معنیٰ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے رات میں ہی مکہ تشریف لائے اور رات کو ہی واپس تشریف لے گئے کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عمرہ کسی دوسرے وقت میں کیا ہوگا۔ راوی اُس کی روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ مَا تَرَكْنَا اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَّلَا رُخَاءٍ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَا تَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی اور رکن اسود کا چومنا سہولت یا دشواری ۱ میں کبھی نہ چھوڑا۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا (بخاری و مسلم)

اُن کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ حجر اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا اُس وقت سے کبھی نہیں چھوڑا۔

۱ یعنی ہجوم و خلوت میں کبھی ان کو چومنا ترک نہ کیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَآءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ بے شک میں بیمار ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لے۔ تو میں نے (سوار ہو کر)

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی اِلٰی جَنْبِ الْبَیْتِ یَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

طواف کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی ایک جانب نماز پڑھ رہے تھے۔ اور نماز میں سورۂ والطور وکتاب مسطور پڑھ رہے۔

(بخاری و مسلم)

لہ کہ پیدل چل کر طواف نہیں کر سکتی۔ یہاں حدیث میں لفظ شکوت آیا ہے۔ جو لفظ شکوی و شکایت سے نکلا ہے۔ یعنی گلہ کرنا۔ بیمار ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مگر حقیقۃً یہ دوسرا معنی بھی پہلے معنی کی جانب ہی رجوع کرتا ہے۔ گویا بیماری میں بیمار عضو اپنی بیماری کے حال کی شکایت کرتا ہے۔

وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِیْعَۃَ قَالَ رَاَیْتُ عُمَرَ یُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ مَّا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عابس[1] بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجر اسود کو چوم رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں۔ بے شک میں جانتا ہوں تو ایک پتھر[2] ہے کسی کو نفع نقصان نہیں دے سکتا۔ اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا[3]۔

(بخاری و مسلم)

لہ عابس عین مہملہ بامکسورہ آخر میں سین۔ بعض علماء ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ بعض تابعین میں اکثر اسی پر ہیں کہ آپ تابعین میں سے ہیں۔

۲ یعنی دنیا میں ظاہراً ایک پتھر ہے۔ کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۳ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ بتوں اور پتھروں کی پوجا چھوڑ کر ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے اس امر کا اندیشہ تھا کہ اس پتھر کی عبادت کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو یہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المومنین یہ لفظ نہ کہیں کہ پتھر باذن اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع نقصان دیتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وُکِّلَ بِہٖ سَبْعُوْنَ مَلَکًا یَعْنِی الرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ فَمَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں تو جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت

قَالَ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِیْنَ۔
(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

میں عفو و عافیت مانگتا ہوں سلے ہمارے رب ہمیں دنیا میں حسنہ عطا فرما اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر اور ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا۔ تو وہ ستر فرشتے اس دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔
(ابن ماجہ)

سلہ جب رکن یمانی کی یہ فضیلت ہے تو اس سے رکن اسود (حجراسود) کی فضیلت خود بخود ثابت ہوگئی بلکہ اس سے زیادہ ثابت ہوگئی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ فضیلت و خاصیت رکن یمانی سے خاص ہو اور رکن اسود کے اور فضائل ہوں جو اس سے بھی اعظم و اجل اور زیادہ ہوں۔

وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ سَبْعًا وَّلَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مُحِیَتْ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَّکُتِبَ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّ رُفِعَ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّ مَنْ طَافَ فَتَکَلَّمَ وَھُوَ فِیْ تِلْکَ الْحَالِ خَاضَ فِی الرَّحْمَۃِ بِرِجْلَیْہِ کَخَائِضِ الْمَآءِ بِرِجْلَیْہِ۔
(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ شریف کا طواف سات چکر کرے۔ اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے کہ اللہ پاک ہے اللہ کی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت سلہ تو اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔ اور جو شخص طواف کرے اور ساتھ باتیں سلہ بھی کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے۔
(ابن ماجہ)

سلہ یعنی انہی کلمات کو پڑھے۔

سلہ علامہ طیبی نے اس حدیث کے معنی میں یہی تقریر کی ہے۔ بندۂ ضعیف اللہ اسے محفوظ رکھے کہتا ہے کہ دل میں یہ بات آتی ہے کہ اگر گفتگو کرے بھی تو لوگوں جیسی گفتگو کرے، تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر نہ کہے کیونکہ یہ الفاظ دلا بتکلم

الایمان اللہ کے مقابلے میں آئے ہیں۔ تو اس کلام کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے کہ یہ شخص اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو دریائے رحمت میں دونوں پاؤں سے داخل ہو جائے۔ اور بدن کے نچلے حصے تک اللہ کی رحمت پہنچ جائے۔ اُس کے اوپر کے حصے تک رحمت نہ پہنچے۔ کیونکہ وہ غیر خدا کے ذکر میں مشغول ہوا۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو سرتاپا نیچے سے اوپر تک اللہ کی رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسے سمجھ اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی ملتی ہے۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

عرفات میں کھڑے ہونے کا باب

واضح ہو کہ عرفات میں کھڑا ہونا حج کے دو رکنوں میں ایک رکن ہے۔ یہ رکن عظیم ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ کہ حج عرفہ ہی ہے۔ عرفہ مخصوص مکان کا نام ہے تاہم زمانہ کے لیے جو کہ عرفے کا دن ہے بھی آتا ہے۔ لیکن بصورت جمع یعنی لفظ عرفات صرف مکان کے لیے آتا ہے اور شاید کہ جمع اس وجہ سے آتا ہو کہ جہاں کھڑے ہوتے ہیں اُس کے اطراف و اکناف اور مختلف جگہوں میں کھڑے ہونے کی وجہ سے ہو۔ اس جگہ کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے اترنے کے بعد اسی جگہ حضرت آدم و حوا کا تعارف ہوا تھا۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اس مقام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارکان حج کی تعلیم دی تھی اور فرمایا تھا آپ نے پہچان لیا ہے اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ہاں میں نے پہچان لیا ہے یا اس جگہ کو اس لیے عرفات کہتے ہیں کہ یہ جگہ معظم اور مشہور ہے۔ گویا پہچان ہونے سے پہلے ہی یہ پہچانی ہوئی جگہ ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ اس کو عرفات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بندے اللہ تعالیٰ سے اپنی عبادتوں سے جان پہچان پیدا کرتے، اور دعائیں کرتے ہیں اگرچہ یہ معنیٰ اس جگہ اور دوسری جگہوں کے لیے مشترک ہے لیکن یہ ایک عظیم ترین جگہ ہے کہ زمین کی کوئی اور جگہ اس کے برابر و مساوی نہیں ہو سکتی اس لیے اس جگہ کا نام عرفات رکھ دیا گیا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ان وجوہات کے اعتبار سے یہ لفظ معرفت سے مشتق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ عرف عین کی زبر رساکن سے مشتق ہے۔ اس لفظ کا زیادہ استعمال خوشبو کے لیے آتا ہے اور جبکہ منیٰ شریف میں جانوروں کے ذبح ہونے کی بنا پر گندی بو پھیلتی ہے تو اُس کے مقابل جگہ یعنی عرفات کو عرفہ کہتے ہیں کیونکہ وہ منیٰ جیسی بو سے پاک اور خالی ہے۔ پھر عرفہ میں کھڑا ہونا اس سے عبارت ہے۔ کہ انسان وادی عرفات میں کھڑا ہو اگرچہ ایک گھڑی کے لیے اگرچہ نیند کی حالت میں ایک گھڑی کھڑا ہو۔ جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی یہاں کھڑا ہوا وہ حاجی ہو گیا اُس کے بعد طواف ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ الثَّقَفِیِّ اَنَّہٗ سَاَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَّ هُمَا غَادِیَانِ مِنْ مِّنًی اِلٰی عَرَفَةَ كَیْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِیْ هٰذَا الْیَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ یُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا یُنْكَرُ عَلَیْهِ وَیُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا یُنْكَرُ عَلَیْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت محمد بن ابوبکر ثقفی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے منیٰ سے عرفہ جاتے ہوئے[۲] حضرت انس بن مالک سے پوچھا کہ آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کیا کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیک کہتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر کہنے والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا[۳]

(بخاری و مسلم)

۱ آپ ثقہ تابعی ہیں۔

۲ یعنی صبح کے وقت عرفات کی طرف جاتے ہوئے۔

۳ یعنی یہ لازم نہ تھا کہ تلبیہ ہی کہیں اگر تلبیہ کہیں تو بھی جائز ہے۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ تکبیر کہنا رخصت ہے سنت یہ ہے کہ تلبیہ کہیں عرفے کے دن حاجیوں کے لیے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ جمرہ العقبہ کی رمی تک تلبیہ کہیں تکبیر کہنا نمازوں کے بعد سنت ہے چاہے حاجی ہو یا غیر حاجی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًی كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِیْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے یہاں[۱] قربانی کی ہے مگر سارا منیٰ ہی قربان گاہ[۲] ہے لہٰذا اپنی منزلوں[۳] میں قربانی کر سکتے ہو اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ ہی قیام گاہ ہے اور ہم نے یہاں وقوف[۴] مزدلفہ کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ[۵] ہے۔

(مسلم)

۱؎ یہاں منیٰ کی جگہوں میں سے معین جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کی اب بھی وہ جگہ معلوم و معروف ہے کہ اسے منحر النبی کہتے ہیں۔ یہاں تبرکاً ایک عمارت بنا دی گئی ہے۔

۲؎ ورنہ سارا مقام قربانی کی جگہ ہے۔

۳؎ جہاں تمہارا سامان وغیرہ پڑا ہوا ہے یہ بات آپ نے منیٰ کے بارے میں فرمائی۔ عرفات کے بارے میں آگے فرمایا۔

۴؎ مزدلفہ کو جمع بھی کہتے ہیں جیم کی زبر سے اس بنا پر کہ یہاں حضرت آدم و حوا جمع ہوئے تھے۔ یہ لفظ ازدلاف سے نکلا ہے جس کے معنی قرب اور جمع ہونے کے بھی آتے ہیں۔

۵؎ اس میں شک نہیں کہ وہ جگہ جہاں حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے سب سے افضل و اشرف ہے مگر کھڑا ہونا ہر جگہ جائز ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَّوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْا ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کرے اس دن بہت ہی قریب[۱] ہوتا ہے پھر ان سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے[۲] ہیں۔ (مسلم)

۱؎ یعنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔

۲؎ یعنی لفظ استفہام سے تعجب کرتا ہے تاکہ فرشتے اولاد آدم کی فضیلت کا اعتراف کریں۔ اور اپنے اعتراض سے جو انہوں نے ان پر کیا تھا نادم و پشیمان ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ خَالٍ لَّهٗ يُقَالُ لَهٗ يَزِيْدُ بْنُ شَيْبَانَ

حضرت عمرو بن عبداللہ بن صفوان[۱] سے روایت ہے وہ اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں جنہیں یزید بن شیبان[۲] کہا جاتا تھا۔ فرماتے ہیں ہم لوگ عرفات میں

قَالَ كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَّنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهٗ عَمْرٌو مِّنْ مَّوْقِفِ الْاِمَامِ جِدًّا فَاَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثٍ مِّنْ اِرْثِ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

اپنی منزل میں تھے عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی جگہ سے بہت دور تھی تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری آئے اور بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف قاصد ہوں۔ حضور علیہ السلام تم سے فرماتے ہیں کہ لوگو اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی ابن ماجہ

سلہ آپ قرشی تابعی ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا۔

۲ یہ یزید بن شیبان صحابی ہیں۔

۳ جو کہ زمانہ جاہلیت میں قدیم عرصہ سے ہمارے آباؤ اجداد کی طرف سے میراث چلی آرہی تھی۔ لوگ اُس جگہ میں کھڑے ہوتے تھے۔

۴ یعنی عمرو بن عبداللہ نے امام کے موقف سے اپنے موقف کو بہت دور بیان کیا۔

۵ مربع میم کی زیر را ساکن با کی زبر سے ان کا نام زید ہے یا یزید یا عبداللہ ہے۔

۶ حدیث کا حاصل معنی یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے ہر قبیلے کی عرفات میں کھڑے ہونے کی جگہ معین اور الگ تھی کہ ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ میں کھڑا ہوتا تھا۔ یزید بن شیبان کے قبیلے کی جائے وقوف حضور علیہ السلام کی کھڑے ہونے کی جگہ سے بہت دور تھی اور آپ امام کی حیثیت سے تشریف فرما تھے تو انہوں نے چاہا کہ حضور علیہ السلام کے قریب کھڑے ہوں یا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فراست باطنی سے خود جان لیا ہوگا کہ وہ یہ چاہتے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو جنہیں ابن مربع کہتے تھے، اُن کے پاس بھیجا کہ اپنی اپنی پرانی جگہوں پر ہی کھڑے رہو جہاں تمہارے باپ دادا کھڑے ہوتے تھے اور جو اُن کی مخصوص جگہیں تھیں۔ اُن سے دوسری جگہ نہ کھڑے ہو کیونکہ میدان عرفات سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے۔ امام سے دور ہونے یا نزدیک ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اُن کے آپس کے درمیان کوئی تنازعہ یا مخالفت نہ اٹھ کھڑی ہو۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَّمَنْحَرٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سارا منٰی قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور مکہ معظمہ کی ہر سڑک راستہ اور جائے قربان ہے۔[1]

(ابوداؤد و دارمی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ فجاج آیا ہے فا کی زیر سے فج کی جمع یعنی دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ یعنی جس راستے سے بھی مکہ شریف میں داخل ہوں درست ہے اور مکہ معظمہ میں جس جگہ بھی قربانی کریں جائز ہے۔ چاہیے تو یہ کہ قربانی حرم کے اندر ہو کیونکہ مکہ شریف حرم ہے لیکن منٰی میں ذبح کرنا ایک عادت بن چکی ہے۔ اور اس بناء پر بھی منٰی میں ذبح کرتے ہیں کہ حاجی لوگ دسویں ذوالحجہ کو منٰی میں ہوتے ہیں تو وہیں قربانی کر لیتے ہیں اور بعد ی شکر تمتع اور نذر وغیرہ کی قربانی اگر مکہ میں کریں تو کوئی حرج نہیں، حرم کی تمام جگہیں اصل جواز کے لحاظ سے برابر ہیں۔ ان میں سے کسی جگہ بھی قربانی کرنے سے حاجی قربانی کی ذمہ داری پوری کر دیتا ہے۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں ٹھہرے اور جہاں قربانی کی اور جس راستے سے چلے اُس کی فضیلت اپنی جگہ باقی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت خالد بن ہوذہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ عرفہ کے[2] دن اپنے دونوں رکابوں میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] ہوذہ ہا کی زبر واو ساکن اور ذ سے۔

[2] یعنی میدان عرفات میں سواری پر اُس کی رکابوں میں پاؤں رکھے ہوئے بحالت قیام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ اس طرح اس لیے خطبہ دے رہے تھے تاکہ آپ لوگوں سے بلند ہو جائیں اور کلام میں قوت پیدا ہو جائے۔ اس طرح دور نزدیک والے سب لوگ سن لیں گے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دعا عرفہ[1] کے دن کی دعا ہے اور یہ بہترین دعا اور ذکر ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کیا اور وہ یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور امام مالک نے طلحہ بن عبید اللہ سے لاشریک لہٗ تک روایت کیا۔

[1] جو کہ میدان عرفات میں یا ہر جگہ کرتے ہیں اس سے اصل مقصود حج اور حاجیوں کا بیان کرنا ہے۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُءِيَ الشَّيْطٰنُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ اِلَّا مَا رُءِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَاِنَّهٗ قَدْ رَاٰى جِبْرَائِيْلَ يَزَعُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت دھتکارا ہوا اور بہت ذلیل و غمناک نہ دیکھا گیا۔ یہ سب اس لیے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول اور اللہ تعالیٰ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا دیکھتا ہے اس کے سوا جو بدر کے دن دیکھا گیا۔ عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صفیں بنا رہے ہیں۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔)

مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا اور شرح سنہ میں مصابیح سے۔

[1] کریز کاف کی زبر را کی زیر اور یا ساکن آخر میں زا۔ عبید اللہ لفظ تصغیر کے ساتھ۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ یہ مصابیح اور ذہبی کی کاشف کے بعض نسخوں کے مطابق ہے۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی ایسا ہی

آیا ہے مگر صحیح عبداللہ ہے یعنی یا کے بغیر اور یہ اسماء الرجال کی اکثر کتابوں کے موافق ہے۔ آپ تابعی ہیں ان سے حمید الطویل حماد بن سلمہ اور مالک وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ ان کی حدیث مرسل ہے اور طلحہ بن عبیداللہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان ہیں۔ اور عثمان حضرت ابو قحافہ کا نام ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ ادحر آیا ہے یعنی مال اور حال کے ساتھ یعنی بہت دور پھینکا ہوا۔ یعنی شیطان ہمیشہ انسانوں کی طرف سے خیر و بھلائی دیکھنے کے وقت سخت غصے ہوتا اور ذلیل و خوار ہوتا ہے، مگر عرفہ کے دن باقی تمام دنوں سے زیادہ غصے اور خواری میں پڑتا ہے۔

۳؎ یعنی لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھتا ہے۔

۴؎ یعنی بدر کے دن مسلمانوں کی فتح و نصرت اور اسلام کی عزت و شوکت کو جب شیطان نے دیکھا تو عرفہ کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہوا۔

۵؎ کہ وہ صف بنا رہے ہیں مشرکوں سے جنگ کرنے کے لیے یہاں حدیث میں لفظ یزع آیا ہے جو وزع دزا اور دعین کے ساتھ بمعنی باز رکھنا اور روکنا اور لشکر کو جمع کرنا۔ اسی سے ایک لفظ وزع بنا ہے واؤ کی زبر سے بمعنی لشکر کا سردار اسے روک کر رکھنے والا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ عَرَفَۃَ اِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیُبَاهِیْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ فَیَقُوْلُ انْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَا رَبِّ فُلَانٌ کَانَ یُرَهَّقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَةٌ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عرفے کا دن ہوتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول۱؎ فرماتا ہے تو لوگوں سے فرشتوں پر فخر و ناز کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اے فرشتو میرے بندوں کی طرف دیکھو کہ وہ میرے پاس پراگندہ۲؎ بالوں سے اور فریاد کنندہ آئے ہیں ہر دور دراز اور کشادہ راستہ سے چل کر میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے ان کو بخش دیا تو ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ یا رب فلاں شخص تو ظالم اور بدکار۳؎ تھا اور فلاں مرد فلاں عورت بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کو بخش دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ

يَوْمٍ اَكْثَرُ عَتِيْقًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ۔

(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

کے دن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی دن بھی دوزخ کی آگ سے آزاد نہیں کرتا۔

(شرح سنہ)

۱؎ یعنی وہ اپنی رحمت، احسان اور کرم سے بندوں کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ شعث آیا ہے شین کی پیش سے جمع اشعث اسی طرح لفظ غبر کی پیش سے جمع اغبر۔ بمعنی غبار آلودہ اور ایک لفظ ضاجین آیا ہے یہ ضج سے بنا ہے من کے ساتھ بمعنی آواز دینا اور فریاد کرنا۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ یرہق آیا جو رہق سے بنا ہے بمعنی بدی کرنا حرام کا مرتکب ہونا اور جرم کرنا اسی طرح ملائکہ یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ یارب فلاں مرد اور فلاں عورت بھی غلط کار تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَّمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ اَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يَّاْتِىَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيْضَ مِنْهَا فَذَالِكَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ قریش اور ان کا طریقہ[۱] اختیار کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے[۲] انہیں بہادر[۳] کہا جاتا تھا۔ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس[۴] آئیں۔ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ[۵] چلیں۔

(بخاری ومسلم)

۱؎ یعنی ان کی متابعت کرنے والے۔

۲؎ لوگوں پر اپنی برتری اور فوقیت ظاہر کرنے کے لیے یہ لوگ کہا کرتے تھے ہم اہل اللہ اور اس کے حرم میں رہنے والے ہیں۔ ہم حدود حرم سے باہر نہ نکلیں گے۔ اور مزدلفہ حرم ہے عرفات حرم سے باہر ہے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ حمس آیا ہے یہ احمس کی جمع ہے۔ بمعنی بہادر اور شجاع یہ لفظ حماسہ سے بنا ہے۔

بمعنی شدت وشجاعت یا انکے اپنے دین میں شدید ہونے کی وجہ سے ان کو حمس کہا جاتا تھا۔ یا چونکہ ان کی انتہا نسبت خانہ کعبہ کی طرف زیادہ تھی کہ خانہ کعبہ کو حمساء بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں ایسے پتھر ہیں جو سیاہ مائل سفیدی ہوتے ہیں نیز سخت بھی ہوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے حمس کہتے ہیں۔

؎۴ یہاں حدیث میں لفظ لیفیض آیا ہے یا کی پیش سے یہ افاضت سے بنا ہے بمعنی آنسو اور پانی کثرت سے بہانا اور عرفات سے یکبارگی روانہ ہو پڑنا

؎۵ یہ قریش کو خطاب ہے اس سے تمام مسلمانوں پر بھی یہ حکم لاگو آتا ہے۔

وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَاُجِيْبَ اَنِّىْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَا خَلَا الْمَظَالِمَ فَاِنِّىْ اٰخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَىْ رَبِّ اِنْ شِئْتَ اَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ الظَّالِمَ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَ الدُّعَاءَ فَاُجِيْبَ اِلٰى مَا سَاَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِىْ اَضْحَكَكَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِىْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِىْ

حضرت عباس ابن مرداس؎۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت؎۲ کے لیے دعائے مغفرت کی تو جواب ملا کہ حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیے البتہ مظالم کا حق ضرور لوں گا۔ عرض کیا یا رب اگر تو چاہیے تو مظلوم کو؎۳ جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے اس شام کو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی وہی دعا دوبارہ کی تو آپ کا سوال پورا کر دیا؎۴ گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ سوال پورا ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یا مسکرائے۔ خدمت عالی میں حضرت ابو بکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس گھڑی آپ تبسم نہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش؎۵ وخرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسا رہی ہے فرمایا جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی اور میری امت کو بخش دیا تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے اور ہائے ہائے؎۶ کرنے لگا۔ ہم سے

اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَاْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَاَضْحَكَنِيْ مَا رَاَيْتُ مِنْ جَزَعِهٖ - (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهُ)

اس کی گھبراہٹ دیکھی تو اس سے ہنسی آگئی۔

(ابن ماجہ)

البیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی۔

لہ آپ صحابی ہیں۔ مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔ فتح مکہ سے ذرا پہلے اسلام لائے آپ کا اسلام صحیح اور مضبوط ہو گیا اپنی قوم میں بڑے سمجھے جاتے تھے فتح مکہ کے دن اپنی قوم کے ان پانچسو آدمیوں کو لے کر حضور کے ساتھ آکر ملے جنوں نے زمانہ جاہلیت میں خراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔

سلہ امت سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو اس دن عرفات میں حاضر تھے یا مطلق امت مراد ہے۔ اول معنی زیادہ ظاہر ہے

سلہ مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں۔ یہ مظلمہ لام کی زیر یا زبر سے ہے بعض لوگ زیر کے منکر ہیں، بعض پیش کو بھی جائز رکھتے ہیں۔ لفظ مظالم عام ہے جو مال وعزت سب کو شامل ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک میں مظلوم کا حق ضرور لوں گا اور اس قسم کے گناہ نہیں بخشوں گا۔ یہاں حدیث میں لفظ اخذ لفظ تکلم سے بھی روایت ہے۔

سمہ یعنی ظالم کے ظلم کے بدلے مظلوم کو جنت کی نعمتیں عطا کر۔

ھہ کہ امت کے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اگرچہ مظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

سلہ یعنی اس حالت کی شان اور تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپ ہنسیں یا تبسم فرمائیں یا اس گھڑی کی مثل مراد ہے۔ یہ تاویل میں اس لیے کر رہا ہوں کہ ابوبکر وعمر نے حضور علیہ السلام کو اس سے پہلے کبھی مزدلفہ میں نہ دیکھا تھا تاکہ انہیں یہ کہنا پڑے کہ آپ اس گھڑی میں ہنسا نہیں کرتے تھے۔

کہ یعنی آپ ہمیشہ خوش اور خوشحال رہیں۔

شہ یہاں حدیث میں یا ویلا یا ثبورا ویل بمعنی ہائے اور سختی اور ثبور بمعنی ہلاکت ہے۔ قاموس میں فرمایا ویل بمعنی شر کا اترنا اور ثبورنا کے ساتھ بمعنی شرمندگی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ویل دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

سلہ یعنی اس کی بے صبری اور اس کے نالہ و فریاد کو دیکھ کر۔ واضح ہو کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے حقوق العباد بھی بخش دیے جاتے ہیں۔ طبرانی نے کہا یہ ایسے ظالم کے لیے ہے جو توبہ کر چکا ہو اور ادائے حقوق سے عاجز آچکا ہو۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کے اور بہت سے شاہد ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور حجت ہے ورنہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا قول ویغفر ما دون ذلک (اللہ شرک کے ماسوا باقی تمام گناہوں کو بخش دے گا) کافی ہے اور ظلم شرک

کے ماسوا میں داخل ہے۔ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے کہا جو کچھ حدیث میں آیا ہے جو کوئی حج کرے کہ اس میں فسق اختیار نہ کرے وہ گناہوں سے اس طرح باہر آ جاتا ہے جس طرح اسے آج ہی ماں نے جنا ہو۔ یہ حدیث اُن معاصی سے متعلق ہے جو حقوق اللہ ہیں نہ کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ میں بھی نفس حق بندے کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا پس وہ شخص جس کے ذمے نماز یا کفارہ یا اس طرح کا کوئی اور حق اللہ ہو تو وہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں حقوق ہیں ذنوب نہیں ہیں۔ یہاں گناہ یہ ہے کہ اس نے حقوق کے ادا کرنے میں دیر کی تو حج کرنے سے تاخیر کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے نہ کہ اصل حقوق حج مبرور مخالفت کے گناہ کو ساقط کرتا ہے۔ حقوق کو نہیں مٹا سکتا۔ ابن تیمیہ نے جو مشہور علمائے محدثین میں سے ہے۔ کہا ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حج اس چیز کو ساقط کر دیتا ہے جو اللہ کے حقوق میں سے بندے پر واجب و لازم ہے جیسے نماز جو اس کے ذمے ہوتی ہے تو اس کے بخشے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس قول سے تجربہ کرنے کی توفیق دیتا ہے، اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر آدمی کا حق حج سے کسی طرح بھی ساقط نہیں ہوتا۔ اس کلام میں بڑی زیادہ تشدید اور تنگی پائی جاتی ہے۔ جو پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حج کے ذریعے حقوق اللہ بخش دیے جاتے ہیں۔ حقوق عباد کے بخشے جانے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ وہ حج سے نہیں بخشے جاتے۔ مگر ظاہر حدیث سے عموم محسوس ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

عرفہ اور مزدلفہ سے واپسی کا باب

یہ باب عرفہ اور مزدلفہ سے واپس آنے، وہاں سے باہر نکلنے اور جلد چلنے کے بیان میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں دفع کی بجائے اندفاع کا لفظ ہونا چاہیے کیونکہ دفع پھیرنے اور باہر لانے کے معنیٰ میں آتا ہے نہ کہ واپس آنے اور باہر آنے کے معنیٰ میں ہے لیکن یہاں دفع نکلنے اور جانے کے معنیٰ میں ہے۔ اس معنیٰ کو لفظ دفع سے اس بناء پر تعبیر کیا گیا کہ جب واپس لوٹنے کے وقت بہت ہجوم ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ یا دفع سے مراد سواری ہوتی ہے اس کا ذکر فصول سابقہ کی احادیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ یہاں اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت اسامہ بن

كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

زید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دن جب عرفات سے واپس لوٹے تو آپ کے چلنے کی کیا کیفیت تھی حضرت اسامہ نے فرمایا کہ آپ تیز چلتے تھے جب آپ راستہ پاتے سے تو زیادہ تیز چلتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت ہشام اپنے باپ کی طرح تابعی ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ عنق آیا ہے۔ دو زبروں کے ساتھ یعنی تیزی سے چلنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنیٰ وہ رفتار ہے جو تیزی اور آہستگی کے درمیان ہوتی ہے۔ بعض نے کہا قدم لمبے لمبے رکھنا مراد ہے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ فجوۃ آیا ہے۔ صراح میں ہے کہ فجوۃ فا کی زبر جیم ساکن سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ میں فرمایا (وھم فی فجوۃ منہ) (اور وہ اصحاب کہف اس غار کے اندر کھلی جگہ میں ہیں۔)

۴؎ یہاں حدیث میں لفظ نص آیا ہے ایسی رفتار جو خوب تیز ہو۔ صراح میں فرمایا نص اونٹنی تیز چلانے کو کہتے ہیں ایسی تیز کہ جتنی وہ تیز چل سکتی ہو چلے اس کا اصل معنیٰ کسی چیز کی نہایت تک پہنچنے کا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ اُسَامَةَ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَا لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک اسامہ بن زید عرفہ سے مزدلفہ تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری پر حضور کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فضل کو مزدلفہ سے منیٰ تک اپنے پیچھے بٹھایا تو یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کی رمی کرنے تک سارا وقت تلبیہ کہتے رہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضرت فضل بن عباس کو۔

۲؎ یعنی دسویں کے دن جمرہ عقبہ کی رمی جب شروع کی تو رمی کے بعد تلبیہ پڑھنا ختم کر دیا۔ جمرہ عقبہ کا ذکر گزشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اور رمی جمار کے باب میں مزید آ رہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ عرفہ کے دن چلے تو حضور نے اپنے پیچھے بڑی ڈانٹ ڈپٹ اور اونٹوں کو مارنے کی آواز سنی تو آپ نے

لِلْاِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان کی جانب اپنے چابک سے اشارہ کیا اور فرمایا لوگو! سکون اور سنجیدگی اختیار کرو کہ نیکی انہیں تیز چلانے میں نہیں ہے[۲]۔ (بخاری شریف)

[۱] یہ لوگ انہیں تیز چلانے جلدی کرنے اور بے چینی ظاہر کرنے کے لیے مار رہے تھے۔

[۲] کہ حج وغیرہ میں سواریوں کو مارنے انہیں تیز چلانے۔ جلدی کرنے۔ افراتفری کرنے میں نہیں ہے بلکہ نیکی محرمات ومکروہات اور رفث وفسوق سے اجتناب کرنے میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَّ لَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ[۱] میں اکٹھا کر کے پڑھا۔ ہر ایک کے لیے الگ اقامت کہی گئی[۲]۔ اور دونوں نمازوں کے درمیان اور ان کے پیچھے کوئی نفل نماز نہ پڑھی[۳]۔ (بخاری)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ جمع آیا ہے یہ بھی مزدلفہ کا ہی نام ہے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

[۲] اگرچہ اذان ایک ہی دی۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے باب کی فصل اول میں گزرا۔

[۳] یعنی آپ نے ان دونوں نمازوں کے بعد بالکل کوئی نفل نماز نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کے بعد کی سنتیں بھی نہ پڑھیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا لِمِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوتَيْنِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَ صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھی ہو مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء۔ آپ نے یہ دونوں نمازیں مزدلفہ میں ایک ہی وقت[۱] میں پڑھیں۔ اور آپ نے فجر کی نماز اس دن اپنے وقت سے[۲] پہلے پڑھی۔ (بخاری ومسلم)

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں چند نمازوں کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھنا اس طریقہ پر جو شافعی حضرات نے سمجھا ہے درست نہیں ہے۔ ظہر اور عصر کو عرفات میں اکٹھے پڑھنے کا یہاں ذکر نہ فرمایا۔ اس کی وجہ وہ مشہور

بات ہے جس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سلہ یعنی آپ فجر کی نماز ہمیشہ جس وقت ادا فرمایا کرتے تھے اور جو آپ کی عادت مبارک تھی اس وقت میں نہ پڑھی بلکہ تاریکی میں پڑھی، چنانچہ لوگوں کو شک و شبہ ہوا کہ وقت ہو گیا یا نہیں اور فجر طلوع ہو گئی ہے یا ابھی نہیں ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی سے جان لیا تھا کہ فجر ہو چکی ہے یا آپ نے اپنی زیادتی علم کے ذریعے جان لیا۔ ایک دوسری روایت جو صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہی مروی ہے، آیا ہے وہ حدیث اس حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اور وہ دوسری حدیث اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ نے فجر کی نماز طلوع فجر کے بعد پڑھی نا کہ پہلے۔

بخاری شریف کی ہی بعض روایتوں میں جو حضرت ابن مسعود سے ہی مروی ہیں فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے مزدلفہ میں فجر کی نماز طلوع فجر کے بعد پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کی نماز اس گھڑی میں ادا کی تھی بعض لوگوں کا یہ وہم ہے۔ کہ آپ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز دخول وقت سے پہلے ہی ادا فرمائی تھی، مگر یہ بات غلط اور خلاف اجماع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی کمزوری کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ پہلے ہی آگے بھیج دیا تھا یعنی مزدلفہ کی رات میں۔ (بخاری و مسلم)

لہ چنانچہ آپ نے اپنے گھر کے بچوں عورتوں کو پہلے بھیج دیا خود فجر کے سفید ہونے پر وہاں سے پہلے طلوع آفتاب سے پہلے سوار ہوئے سنت یہی ہے اور اپنے اہل و عیال کو پہلے بھیج دیا، اور فرمایا جمرہ عقبہ کو رمی نہ کرنا مگر سورج نکلنے کے بعد۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں آ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے بعض احادیث میں مطلق آیا ہے کہ جاؤ اور جمرہ عقبہ کو رمی کرو، اس کے اطلاق کی طرف نظر کرتے ہوئے امام شافعی اور امام احمد نصف رات کے بعد رمی کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شافعی حضرات کے مستقل قاعدے کے مطابق مطلق کو مقید پر حمل کرتے ہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِيْ عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ حَتّٰى دَخَلَ

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح سویرے جب لوگ روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا۔ سکون[لہ] اختیار کرو حضور علیہ السلام خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچتے[لہ]

مُحَسِّرًا وَّ هُوَ مِنْ مِّنًى قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِي يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ ۔

ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ وادی محسر میں داخل ہو گئے جو منیٰ کا ہی حصہ ہے۔ فرمایا کنکریاں چن لو۔ ٹھیکریوں کی طرح جن سے جمرہ کو مارا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)　　(مسلم شریف)

لہ جبکہ انھوں نے سواری تیز چلائی اور سواریاں کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور بہت مارا۔

۲ہ یہاں حدیث میں لفظ کاف آیا ہے۔ ناک شد سے یعنی روک رکھنا۔

۳ہ محسر سین مشددہ کی زیر سے۔

۴ہ بعض کہتے ہیں مزدلفہ کا حصہ ہے تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں کے درمیان سرحد اور برزخ ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

۵ہ گزشتہ صفحات میں ان کنکریوں کی مقدار اور مارنے کی کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ وہ کنکریز سے انھوں نے راستے سے اٹھائے تھے بعض روایات میں ہے کہ مزدلفہ سے اٹھائے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر اور سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جہاں سے بھی اٹھا لیا جائے جائز ہے۔ اور اگر وہاں سے ہی اٹھائی جائیں تو بھی اصل جواز باقی ہے۔ لیکن خلاف اولیٰ اور خلاف افضل ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ صرف سات کنکریاں اٹھائی جائیں جن کے ساتھ آج کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کیا جائے گی یا اکٹھی ستر کنکریاں اٹھائی جائیں۔ سات آج کے لیے اور تریسٹھ باقی دنوں کے لیے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَفَاضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَّ عَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَ اَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مُحَسِّرٍ وَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَ قَالَ لَعَلِّيْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکون وقرار کے ساتھ مزدلفہ سے لوٹے اور آپ نے لوگوں کو بھی سکون ووقار سے لوٹنے کا حکم دیا۔ مگر وادی محسر میں آپ نے اپنی سواری کو تیز[1] چلایا اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ چنے[2] کی مقدار کنکریوں کے ساتھ رمی کریں اور آپ نے فرمایا کہ شاید میں تمہیں اس سال کے بعد[3] نہ دیکھوں گا مؤلف کہتے ہیں میں نے اس حدیث کو بخاری ومسلم

الصَّحِیْحَیْنِ اِلَّا فِیْ جَامِعِ التِّرْمِذِیِّ مَعَ تَقْدِیْمٍ وَّ تَاخِیْرٍ۔

میں نہیں پایا۔[۵] مگر جامع ترمذی میں اس کو پایا ہے، کچھ تقدیم اور تاخیر کے ساتھ۔

[۱] وادی محسر کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

[۲] یا چھوٹی ٹھیکری کی مقدار جیسا کہ پیچھے گزرا۔

[۳] اس لیے دین کے احکام سیکھ لو اور اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس میں احکام حج تعلیم فرمائے اور ساتھیوں کو الوداع کہا۔

[۴] حالانکہ صاحب مصابیح کا اسے فصل اول میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

[۵] یعنی بعض الفاظ بعض سے پہلے آئے ہیں اور بعض بعض کے بعد، اس کی وجہ یہ ہے جو فصل ثانی میں ذکر کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَیْسِ بْنِ مَخْرَمَۃَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَھْلَ الْجَاھِلِیَّۃِ کَانُوْا یَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَۃَ حِیْنَ تَکُوْنُ الشَّمْسُ کَاَنَّھَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِیْ وُجُوْھِھِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَمِنَ الْمُزْدَلِفَۃِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حِیْنَ تَکُوْنُ کَاَنَّھَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِیْ وُجُوْھِھِمْ وَ اِنَّا لَا نَدْفَعُ مِنْ عَرَفَۃَ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَ نَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَۃِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ ھَدْیُنَا مُخَالِفٌ لِّھَدْیِ عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ وَالشِّرْکِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ)

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اہل جاہلیت عرفہ سے چلتے تھے جبکہ سورج ایسا ہو جاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں اُن کے چہروں میں غروب سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جبکہ دھوپ ایسی ہوتی تھی جیسے لوگوں کی پگڑیاں اُن کے چہروں میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہے۔

بیہقی نے وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا پھر اس کی مثل[۱] روایت کی۔ (بیہقی)

لے مخرمہ یعنی میم کی زیر خا ساکن را کی زبر میم کی زبر آپ ثقہ تابعی ہیں۔

سے علامہ طیبی نے قاضی سے اس کی وجہ تشبیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے تشبیہ دی۔ ایک چیز کو جو نور آفتاب کی طرح ہوتی ہے جبکہ وہ افق کے نزدیک ہو تو آپ نے عمامہ سے تشبیہ دی کیونکہ نور آفتاب لوگوں کے چہروں میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح عمامے کی سفیدی۔ بعض نے کہا گویا آفتاب جب غائب ہوتا ہے نصف گویا عمامہ ہے۔ پہاڑ کے اوپر کیونکہ عمامے کی شکل نصف دائرے کی ہوتی ہے۔

سے یعنی گزشتہ حدیث کی طرح حدیث روایت کی یعنی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور اصل کتاب میں بعض الفاظ کی جگہ سفید خالی جگہ ہے۔ اس عبارت کو جزری نے لکھا اور تخریج میں ابن حجر نے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ اُغَيْلِمَةَ بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمَيْرَاتٍ نَجَعَلَ يَلْطَحُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یعنی عبدالمطلب کے بچوں کو مزدلفہ کی رات گدھوں پر آگے بھیج دیا تو حضور علیہ السلام ہماری رانوں[1] پر مارتے تھے اور فرماتے تھے۔ اے میرے[2] بیٹو جمرہ کو سورج طلوع ہونے سے پہلے رمی[3] نہ کرو۔ (ابوداؤد۔ نسائی) (ابن ماجہ)

لے یعنی بطور شفقت و مہربانی کے وداع کے وقت یہاں حدیث میں لفظ یلطح آیا ہے جو کہ لطح سے بنا ہے۔ لطح اور حا کے ساتھ بمعنی پشت پر ہتھیلی نرم نرم مارنا۔

سے یہاں حدیث میں لفظ ابنی آیا ہے ہمزہ کی پیش با کی زبر یا ساکن نون کی زیر اور یا مشدد آخر میں بمعنی اے میرے بیٹو۔ اس لفظ کی تصحیح میں بہت گفتگو کی گئی ہے جسے ہم نے شرح میں بیان کر دیا ہے۔

سے کہ یہ رمی کا مستحب وقت ہے یعنی احناف کے نزدیک سورج نکلنے سے لے کر زوال تک رمی کا وقت حنفیوں کے نزدیک مستحب وقت ہے۔ تاہم طلوع فجر کے بعد بھی جائز ہے اگرچہ اس میں تھوڑی سی برائی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے بھی رمی کرنا بغیر کراہت و برائی کے جائز ہے البتہ لیکن نصف رات کے بعد ہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَرْسَلَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَأَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دسویں رات فجر سے پہلے جمرے کی رمی کے لیے بھیجا۔ پھر آپ چلی گئیں اور آپ نے طواف افاضہ فرمایا۔ اور یہ وہ دن تھا کہ اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے[1] پاس تھے۔

(ابو داؤد)

[1] یعنی اس دن ان کی باری تھی۔ گویا یہ اس جانب اشارہ ہے کہ رمی اور طواف زیارت میں جلدی کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ وہ رخصت ہے جو حضرت ام سلمہ کے ساتھ خاص تھی۔ اس حدیث میں قیل وقال ہے۔ علم حدیث کے ماہر علماء اس کے منکر ہیں۔ حضرت ام حبیبہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امہات المومنین کو بھیجا تھا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُلَبِّي الْمُقِيْمُ اَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مقیم[1] یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہتے رہیں۔

ابو داؤد اور ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس پر موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔

[1] یہ راوی کا شک ہے اور مقیم سے ایسا شخص مراد ہے جس نے مکہ میں اقامت اختیار کر لی ہو۔ اور وہاں رہ کر وہ عمرہ بجا لائے، پس عمرہ کرنے والے اور مقیم سے ایک ہی شخص مراد ہے مقصود یہ ہے کہ عمرہ میں حجر اسود کے چومنے کے ساتھ تلبیہ کہنا بند کرے۔ مگر حج میں جمرہ عقبہ کی رمی کے ساتھ تلبیہ بند کرے۔

[2] لیکن یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ رض اَنَّهٗ سَمِعَ الشَّرِيْدَ يَقُوْلُ اَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت یعقوب بن عاصم بن عروۃ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے حضرت شرید سے سنا کہ وہ فرماتے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْاَرْضَ حَتّٰى اَتٰى جَمْعًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کے ساتھ عرفات سے واپس لوٹا تو آپ کے دونوں قدم مبارک نے زمین کو نہ چھوا۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ[۳] پہنچ آئے۔
(ابوداؤد)

[۱] یعنی حضرت یعقوب بن عاصم بن عروۃ بن مسعود آپ ثقفی ہیں۔ اور ثقہ تابعی ہیں۔

[۲] شین کی زبر را کی زیر یا ساکن آخر میں دال آپ صحابہ میں سے ہیں، ثقفی ہیں۔ بعض نے کہا آپ حضرموت کے رہنے والوں میں سے ہیں۔

[۳] مقصد یہ ہے کہ آپ نے عرفات سے مزدلفہ تک کا فاصلہ سواری کی حالت میں طے کیا۔ پیدل نہ چلے مگر یہ مطلب نہیں کہ آپ کہے کے سوا کہیں نیچے نہیں اترے۔ بخاری کی حدیث میں جو حضرت اسامہ سے آئی ہے مروی ہے کہ آپ راستے میں ایک گھاٹی کی جانب تشریف لے گئے وہاں بول کیا اور وضو فرمایا۔ پھر حضرت اسامہ نے عرض کیا۔ الصلوٰۃ یا رسول اللہ۔ یا رسول نماز آپ کے سامنے ہے یعنی مزدلفہ میں آپ نے نماز ادا کرنی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ ابْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ اِلَّا سُنَّتَهُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن شہاب سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے سالم[۱] نے خبر دی کہ بے شک حجاج بن یوسف اُس سال جس میں اُس نے حضرت ابن زبیر سے جنگ کی، حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ عرفہ کے دن ہم موقف میں کیا کریں۔ حضرت سالم نے فرمایا جو کہ عبداللہ بن عمر کے بیٹے ہیں اے حجاج اگر تو سنت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو عرفہ کے دن دوپہر کے وقت نماز ادا کر۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ سالم نے ٹھیک کہا ہے۔ کیونکہ بے شک صحابہ کرام ظہر و عصر کی نماز سنت کے مطابق جمع کر کے پڑھتے تھے[۲] زہری کہتے ہیں میں نے سالم سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے تو سالم نے کہا کیا صحابہ کرام پیغمبر علیہ السلام کی سنت کے علاوہ کسی اور چیز کی پیروی کر سکتے تھے[۳]
(بخاری شریف)

لے آپ مشہور تابعین میں سے ہیں انہی کو زہری بھی کہا جاتا ہے۔
سے یعنی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔
سے یعنی حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حکمران یہ شخص عبدالملک بن مروان کی طرف سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں جنگ کے لیے مکے میں اترا اور حج بھی کیا۔
سے یہاں حدیث میں لفظ ہجر آیا ہے بمعنیٰ دوپہر۔ لفظ ہجر اور ہاجر دوپہر کے وقت کی گرمی کو کہتے ہیں تہجیر و اہجار بمعنیٰ دوپہر کو سفر کرنا۔
ھے ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ سالم کی ماں نے سالم کا نام ٹھیک اور درست رکھا ہے۔ یعنی اس نے ظالم کے سامنے کلمہ حق بیان کیا ہے۔ اور وہ مسئلہ بتانے میں مداہنت سے محفوظ رہا ہے حالانکہ ایسے ظالم کے سامنے انسان حق بات کہنے سے ہچکچایا جاتا ہے۔
لہ یعنی دوپہر کرنے میں اور دوپہر کے وقت نماز ادا کرنے میں صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی ہی پیروی کرتے تھے۔

بَابُ رَمْیِ الْجِمَارِ

کنکریاں مارنے کا باب

جمار دراصل چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں۔ جمار حج ان سنگریزوں کا نام ہے جن کے ساتھ رمی کی جاتی ہے اور ان جگہوں کو جنہیں کنکریاں مارتے ہیں جمرات کہتے ہیں ان کا نام اس لیے رکھا گیا کہ وہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں یا اس وجہ سے کہ وہ کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ جمر بمعنیٰ جمع کرنا۔ بعض کہتے ہیں کہ اجمار بمعنیٰ جلدی کرنا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام نے منیٰ میں ابلیس کو کنکریاں ماریں تو ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سے جلدی بھاگ کھڑا ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْمِیْ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ یَوْمَ النَّحْرِ وَ یَقُوْلُ لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِّیْ لَا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر نحر کے دن رمی کرتے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے چاہیے کہ تم لوگ احکام حج کو پکڑ لو اور

أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سیکھو کہ بے شک میں نہیں جانتا شاید میں اس حج کے بعد اور حج نہ کروں۔ (مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ مناسک آیا ہے جس کا معنی عبادات کا ہے۔ اس کا زیادہ تر اطلاق و استعمال حج کے اعمال اور اُن کی عبادت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کلام میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ آپ نے سوار ہونے کے بعد یہ فرمایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور پالیں۔

لہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ سواری کی حالت میں بھی رمی جائز ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ہر رمی جس کے بعد رمی ہو جیسا کہ جمرہ عقبہ کے بعد دوسرے جمرات کی رمی تو وہاں افضل یہ ہے کہ رمی پیادہ پا کرے کیونکہ اس رمی کے بعد کھڑے ہوتے اور دعا کرتے ہیں۔ اور اگر یہ وزاری کرتے ہیں، پیدل چلنے کی حالت گریہ وزاری کے زیادہ مناسب ہے۔ یہ افضلیت حضرت ابو یوسف سے مروی ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن جراح سے ایک حکایت مروی ہے کہ میں حضرت ابو یوسف کے پاس اُن کی مرض موت کے وقت گیا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا رمی کرنا سواری پر افضل ہے۔ یا پیادہ پا۔ میں نے عرض کیا پیادہ پا کرنا افضل ہے فرمایا تو نے خطا کی پھر میں نے کہا سواری پر افضل ہے آپ نے فرمایا تو نے اس میں بھی خطا کی۔ اس کے بعد فرمایا صحیح یہ ہے کہ ہر رمی جس کے بعد کھڑے ہوتے ہوں پیادہ پا افضل ہے اور وہ جس کے بعد کھڑے نہیں ہوتے سواری پر افضل ہے پھر میں آپ کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ مجھے تعجب ہوا اور مجھے اُن کے علم پر حریص ہونے سے عبرت ہوئی کہ انہوں نے اس آخری وقت بھی مسئلہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف پر بیش از بیش رحمتیں نازل فرمائے اور وہ جا احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحر کے دن جمرہ عقبہ کی رمی سواری کی حالت میں کی اور باقی دنوں میں آپ نے ہر جمرے کی رمی پیادہ پا کی۔

وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جمرے کو کنکری مار رہے تھے جتنی کنکری کہ چنے کے دانے جتنی ہوتی ہے۔ (مسلم)

لہ اس کی شرح حجۃ الوداع کے باب میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن چاشت

يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے وقت جمرے کو رمی کی اور نحر کے دن کے بعد اُس وقت رمی کی جبکہ سورج ڈھل گیا[۱]
(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی دسویں کے دن کے علاوہ باقی تین دنوں میں آپ نے سورج ڈھلے رمی کی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک وہ پہنچے جمرہ کبریٰ[۱] پر تو آپ نے بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب لیا اور منیٰ کو دائیں جانب اور آپ نے سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اسی طرح رمی کی تھی اُس ذات نے جس پر سورت بقرہ[۲] نازل ہوئی تھی۔
(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی وہ جمرہ جو مسجد خیف کی جانب ہے۔

[۲] اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف مراد ہے۔ سورہ بقرہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حج کے مناسک مذکور ہیں۔ یا مقصود قرآن کا اتارنا ہے اور سورۃ بقرہ تمام قرآنی سورتوں سے لمبی ارفع ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے، قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ وَرَمْيُ الْجِمَارِ تَوٌّ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَوٌّ وَالطَّوَافُ تَوٌّ وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ استنجاء کرنا طاق بار[۱] ہے اور جمروں کی رمی طاق بار ہے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار ہے اور طواف طاق بار ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص ڈھیلے لے تو طاق بار لے۔
(مسلم)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ تَوٌّ آیا ہے تا کی زبر کی شد سے بمعنی فرد و طاق۔ یہاں استجمار سے پتھروں سے استنجاء کرنا مراد ہے یعنی جائے استنجا کو پاک کرنے میں سنت یہ ہے کہ تین ڈھیلے یا تین پتھر استعمال کیے جائیں۔ اس کی شرح کتاب الطہارت

کے باب " آداب الخلا میں گزر چکی ہے ۔ بعض کہتے ہیں اس سے تین بار خوشبو سونگھنا مراد ہے ۔ یعنی خوشبودار لکڑی کے تین ٹکڑے سیکے جائیں ۔ یا تین بار گھمائیں ۔

سلے یعنی حج میں بھی طاق سنگریزے مارے جائیں جو کہ سات ہوتے ہیں بعض روایتوں میں جمار کی رمی مذکور نہیں ہے اور استجمار سے یہی مراد ہے ۔ اسی طرح صفا مروہ کے درمیان سعی بھی سات بار ہے ۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد بھی سات چکر ہیں ۔ حدیث کے آخر میں پھر جو فرمایا تم میں جو شخص استجمار کرے طاق عدد میں کرے تو یہ دوبارہ لانا پہلے حکم کی تاکید کے لیے ہے ۔ کیونکہ مقصود تین کے عدد کی رعایت کا اہتمام مبالغہ ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمَّارٍ[۱] قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ عَلٰى نَاقَةٍ صَهْبَاءَ لَيْسَ ضَرْبٌ وَّلَا طَرْدٌ وَّ لَيْسَ قِيْلُ اِلَيْكَ اِلَيْكَ ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ ۔

حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمار[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نحر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقہ صہبا[۲] پر جمرے کو رمی کرتے دیکھا ۔ اس میں کسی کو مارنا اور ہٹانا نہ تھا[۳] اور اس میں یہ کہنا نہ تھا کہ ایک طرف کو ہو جاؤ ایک طرف کو ہو جاؤ ۔ اسے شافعی ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ۔

سلے عمار عین کی زبر ۔ میم کی شد سے آپ صحابی ہیں قدیم الاسلام ہیں اور کم حدیثیں روایت کرتے ہیں آپ نے مدینہ کی جانب ہجرت نہ کی بلکہ مکے میں ہی مقیم رہے ۔

سلے یعنی صہبا سفید رنگ کی اونٹنی پر جس کے سر کے بال سرخ تھے ۔ صراح میں ہے اصہب اس سفید اونٹ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سرخی ملی ہوئی ہو ۔ اس طرح کہ پشم کا اوپر کا حصہ سرخ ہو اور اندر کا حصہ سفید ۔

سلے یعنی اس میں نہ تو لوگوں کو ہٹایا جاتا تھا نہ مارا جاتا تھا جیسا کہ بادشاہوں اور امراء کے آگے کیا جاتا ہے ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اس کے سوا نہیں کہ جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان سعی اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے[۱] مقرر کی گئی ہے

اللّٰہِ -

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لہ جب کہ حج کے اکثر افعال اس قبیلے میں سے ہیں کہ ان کے اسرار عقل میں نہیں آسکتے اور ان میں عبادت کا معنیٰ محسوس نہیں ہوتا، خصوصاً سنگریزوں کو مخصوص کیفیت کے ساتھ پھینکنا اور اس جگہ سے اس جگہ تک دوڑنا کہ یہ تمام امور محض شارع علیہ السلام کے کہنے کے مطابق عبادت ہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جانب اشارہ فرمایا کہ یہ امور اللہ کا ذکر اور اس کی یاد کرنے کے لیے مقرر و شروع قرار دیے گئے ہیں۔ اسی لیے ان کے ساتھ دعاؤں اور اذکار کو ملایا گیا ہے اگرچہ ان کا عبادت ہونا تمہاری عقل کے نزدیک بظاہر ان کا عبادت ہونا محسوس نہیں ہوتا یا یہ کہ عقل مند انسان اگر سعی و رمی میں مثلاً غور و فکر کرے گا تو اسے حیرت لاحق ہوگی اور وہ اس میں حکم شریع کے مطابق ہی عبادت کا معنیٰ پائے گا، اپنی عقل کو معذور و معطل سمجھے گا۔ اس میں شارع علیہ السلام کے حکم کے سوا کچھ نہ دیکھے گا اور اسمائے حق کے کچھ یاد میں نہ لائے گا۔ اور یہ بھی فنا کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جو ذکر حقیقی کی خاص قسموں میں سے ہے یہ اصل کے اعتبار سے ہے لیکن اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کا تصور اور ان جگہوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہونا، حضور کی اتباع میں ان جگہوں میں کھڑے ہونا، آپ سے موافقت کرنا اور منہ اور ہاتھوں اور پاؤں کا اس جگہ لگنا اور پہنچنا جہاں حضور علیہ السلام کا منہ مبارک اور ہاتھ اور پاؤں پہنچے اور لگے۔ لذت و نورانیت اور ذوق و حالت بندہ مومن کو عطا کرتا ہے وہ ایسے اثرات، ذوق و حلاوت بندے میں پیدا کرتا ہے کہ زبان ان کی تعبیر سے عاجز ہے۔ اسے وہی پہچان سکتا ہے جس نے اسے چکھا ہو۔ کسی نے کہا ہے۔

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

یعنی خدا کی قسم تو اس شراب کا ذائقہ چکھنے سے پہلے نہیں جان سکتا۔ اے اللہ ہمیں یہ حالت عطا کر۔ اور اس کا مزا چکھا۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَبْنِیْ لَكَ بِنَاءً يُظِلُّكَ بِمِنًی قَالَ لَا مِنًی مُنَاخٌ مَنْ سَبَقَ -

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم اہل بیت نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگ آپ کے لیے منیٰ میں ایسا مکان نہ بنائیں جو آپ پر منیٰ میں سایہ کرے آپ نے فرمایا یہ منیٰ ہر اس شخص کی منزل ہے جو وہاں پہلے پہنچ جائے۔ اسے ترمذی

وَالدَّارِمِيُّ) ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ مناخ آیا ہے جس کا اصل لغت میں معنی اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے یہاں مراد منزل ہے۔ یعنی منیٰ ایسی جگہ نہیں ہے جو کسی کے لیے خاص کی جائے بلکہ یہ جائے عبادت ہے اگر وہاں مخصوص لوگوں کے لیے مکان بنالیے جائیں تو بندگانِ خدا کے لیے جگہ تنگ ہو جائے گی۔ یہ مطلب شافعی حضرات کی توجیہ کے مطابق ہے۔ حنفیوں کے نزدیک اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حرم کی زمین وقف زمین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کیا اور حرم کی زمین کو وقف کر دیا لہٰذا کوئی شخص بھی اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ مگر اب عربوں نے بہت سی جگہیں اور وہاں بہت سے محل اور اونچی اونچی عمارتیں اپنی ملک کے طور پر تعمیر کر لی ہیں۔ کہ کوئی شخص اُن میں بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایک حکایت حضرت شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آتی ہے کہ آپ کے خادموں نے منیٰ میں ایک جگہ کرایہ کے طور پر سے کر آپکے لیے متعین کر رکھی تھی۔ جیسا کہ آج کل بھی عادت ہے۔ حضرت قاضی صالح سندھی مدنی جو ایک مردِ صالح اور عالم و فاضل تھے تشریف لائے اور اس جگہ بیٹھ گئے۔ خادم حضرت شیخ کے پاس آئے اور شکایت کرنے لگے کہ قاضی صالح آئے ہیں اور ہم وہاں جگہ بیٹھ گئے ہیں جو ہم نے اپنے لیے متعین کی ہوئی تھی آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو بیٹھنے دو۔ پھر آپ نے چند تھال کھانے اور پھلوں کے مہیا کر کے قاضی صالح موصوف کی خدمت میں بھیجے۔ اور فرمایا اُن سے عرض کرو کہ آپ نے خوب ٹھیک کیا۔ کہ یہاں آکر بیٹھے یہ آپ کی جگہ ہے۔ اور آپ نے قاضی صاحب موصوف کے ساتھ نہایت حسن خلق اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وُقُوْفًا طَوِيْلًا يُكَبِّرُ اللّٰهَ وَيُسَبِّحُهٗ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُو اللّٰهَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے دو جمروں کے پاس رمی کے بعد کھڑے ہوتے تھے اور کافی دیر کھڑے رہتے تھے۔ اس دوران آپ تکبیر کہتے، تسبیح کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے۔ (مالک)

لہ یہاں حدیث میں لفظ یحد تخفیف اور تشدید دونوں طرح روایت ہے۔

سلہ ان دو مقاموں میں زیادہ دیر کھڑے ہونا اور دعا و گریہ زاری کرنا مستحب و مسنون ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ سورت بقرہ کی مقدار پڑھنے کے وقفے تک یہاں کھڑا ہونا چاہیے، بعض اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ٹھنڈے پانی کے پیاسے

یہاں اتنی دیر کھڑے ہوئے ہیں کہ ان کے پاؤں بھی سوج جاتے۔ وباللہ توفیق۔

سے یعنی نہ تو دسویں کے دن اور نہ دوسرے دنوں میں۔ یوم نحر کے باب میں آرہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ عقبہ پہاڑ سے باہر نکلنے کے راستے کو کہتے ہیں یہ جمرہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اس کے پاس نہ کھڑے ہوتے دوسرے دو جمروں کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونے کی وجہ بھی اسی باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی۔

بَابُ الْهَدْيِ

ہدی کا بیان

لفظ ھدی ہا کی زبر دال کی جزم اور ھد کی زبر دال کی جزم اور یا کی شد دونوں طرح آیا ہے۔ پہلی لغت اہل حجاز اور قرآن کی لغت ہے۔ دوسری بنی تمیم کی لغت ہے۔ دونوں قراتوں سے یہ لفظ پڑھا گیا ہے۔ دونوں کا واحد ھدیہ ہے یہ وہ چیز ہے جو چار پایوں کی قسم سے مکہ بھیجی جاتی ہے تاکہ وہاں ذبح کی جائے کبھی یہ لفظ مطلق اونٹ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اسے ہدی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جناب حق تعالیٰ میں ھدیہ بھیجتا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب ڈھونڈتا ہے۔ ہدی اونٹ اور گائے دونوں سے جائز ہے۔ بکری کے ہدی ہونے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بکری کی ھدی بھی جائز ہے۔ پھر ہدی میں ہر وہ جانور جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهٖ فَاَشْعَرَهَا فِيْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَيْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَيْنِ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالْحَجِّ - (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں نماز ظہر ادا فرمائی پھر آپ نے اپنی اونٹنی مبارک منگوائی تو آپ نے اس کی کوہان کے دائیں جانب کا شعار فرمایا یعنی اسے نیزہ سے زخمی کیا اور اسکا خون پاک و صاف کیا اور اسکے گلے میں دو جوتے لٹکا دیئے پھر آپ اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے جب وہ ناقہ آپ کو لے کر مقام بیداء میں پہنچی تو آپ نے حج کا تلبیہ کہا۔ (مسلم)

۱؎ ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

۲؎ حدیث میں لفظ صفح آیا ہے بصراح میں ہے صفحہ انسان (وغیرہ) کے پہلو کو کہتے ہیں۔

۳؎ حدیث میں لفظ قلّدَ آیا ہے۔ جو تقلید سے مشتق ہے۔ بصراح میں ہے تقلید بمعنی کسی چیز کو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالنا۔ تاکہ وہ اس کے ہدی ہونے کی علامت قرار پائے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی عادت تھی جو وہ کرتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی و قربانی کا جانور ہے تاکہ کوئی اسے نہ مارے۔ اس طریقے کو اسلام میں بھی برقرار رکھا گیا کیونکہ اس کی غرض و مقصد درست ہے۔

۴؎ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔

۵؎ واضح کہ اشعار کا معنیٰ ہے کوہان کی ایک جانب کو زخمی کرنا یہاں تک کہ اس سے خون بہنا شروع ہو جائے یہ لفظ شعور سے مشتق ہے بمعنیٰ علم یعنی تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ ہدی ہے۔ اور دوسرے جانوروں سے رل مل جانے کے وقت وہ ممتاز و جدا نظر آئے۔ اور گم ہونے کی صورت میں اس کی شناخت ہو سکے۔ اور تاکہ اس کے مارنے وغیرہ سے لوگ باز رہیں۔ اور اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اسے صرف فقراء ہی کھائیں بکری کو اشعار نہ کرنے میں سب کا اتفاق ہے کیونکہ یہ کمزور جانور ہے۔ بکری کو اشعار نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اسے زخمی کیا جائے گا تو وہ زخم اس کے بالوں میں چھپ جائے گا۔ لہٰذا بکری کے گلے میں جوتا وغیرہ لٹکا دینا کافی ہے۔ پھر اشعار جمہور ائمہ کے نزدیک سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تقلید مستحب ہے۔ اور اشعار مکروہ ہے کیونکہ یہ مثلہ یعنی شکل بگاڑنا ہے اور ایک بے زبان حیوان کو عذاب دینا ہے۔ جو حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجبوری کے تحت اشعار کیا کہ مشرکین اشعار کے بغیر اس جانور کو چھیڑنے سے باز نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں بہت پیچ و تاب کھایا ہے۔ چنانچہ کچھ کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ اشعار کو تسلیم نہ کرنا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اشعار میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور شکل بگاڑنا نہیں بلکہ یہ فصد چھوڑنے سینگی لگانے ختنہ کرنے اور داغنے کے حکم میں ہے جو کہ مصلحت و ضروریات کے تحت کیا جاتا ہے۔ یہ جواب کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ مشرکین اشعار کے بغیر جانور کو چھیڑنے سے باز نہ آتے تھے۔ کیونکہ اسلام قوت و شوکت پکڑ چکا تھا۔ صحابہ کرام اس قدر کثرت اختیار کر چکے تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ قوم کے درمیان یہ کلام بہت مشہور ہو چکا ہے۔

علماء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اشعار کو مکروہ قرار دینا اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ اشعار کرنے میں مبالغہ کرتے تھے (جانور کو زیادہ زخمی کر دیتے تھے) اس حد تک کہ اس سے یہ خطرہ لاحق ہو جاتا تھا کہ زخم جسم میں سرایت کر جائے اور کسی عضو کو ہی نقصان پہنچائے۔ اس نقصان کے اندیشے کے تحت احرام میں صرف تقلید کو کافی قرار دیا گیا۔ کیونکہ مقصد تقلید (گلے میں جوتا وغیرہ لٹکانے) سے پورا ہو جاتا ہے

اشعار کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سرے سے اشعار کو ہی مکروہ و ناجائز قرار دیتے ہیں اور صرف تقلید کو درست قرار دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ اشعار کو ترک کر چکے تھے اور جو لوگ کرتے تھے وہ سخت قسم کا اشعار کرتے تھے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اشعار احرام کی علامت نہ رہی تھی۔ اس لیے آپ نے اشعار کو مکروہ قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ میں کافی کچھ تحریر کیا ہے جسے ہم نے اپنی شرح عربی میں نقل کیا ہے وباللہ التوفیق۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ اَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً اِلَى الْبَيْتِ غَنَمًا فَقَلَّدَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف ایک بکری بطور ہدی روانہ کی۔ تو اس کے گلے میں قلادہ ڈالا لیے اشعار نہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جَابِرٍ رضی قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے عید بقر کے دن ایک گائے ذبح کی لیے (مسلم)

لیے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت و اذن سے کیا۔ کیونکہ دوسرے کی جانب سے قربانی کرنا اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهٖ بَقَرَةً فِيْ حَجَّتِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کی طرف سے اپنے حج کے دوران ایک گائے ذبح لیے فرمائی۔ (مسلم)

لیے یہاں حدیث پاک میں واقع لفظ نحر ذبح کے معنی میں ہے کیونکہ نحر کا اصل معنی نیزہ مارنے کا ہے جو کہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ مشہور یہ ہے کہ گائے سات افراد کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ البتہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک گائے تمام گھر کے افراد کی جانب سے کافی ہے۔ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بن سکتی ہے۔ اگر سات سے زیادہ افراد کی طرف سے ذبح کی گئی ہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی فَتَلْتُ قَلَائِدَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں

بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَ اَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ اُحِلَّ لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے اونٹوں[۱] کے ہار بٹے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انہیں پہنائے۔ اور ان کا اشعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی[۲]۔ اس سے کوئی حلال چیز آپ پر حرام نہ ہوئی[۳]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ بدن آیا ہے۔ ب اور دال کے ضمہ سے اور دال کی جزم سے بھی روایت ہے۔ یہ بدنۃ تینوں زبروں کے ساتھ کی جمع ہے۔ لفظ بدنۃ اس کا واحد ہے۔

[۲] یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ شریف روانہ کیے یہ حج کی فرضیت کے سال اول کا واقعہ ہے جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر الحاج بن کر تشریف لائے تھے۔

[۳] یعنی صرف ہدی روانہ کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام احرام جاری نہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں جو شخص اپنی ہدی مکہ شریف روانہ کر دیتا ہے۔ اس پر ہر چیز حرام ہو جاتی ہے جو محرم پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ حرمت ہدی کے حرم میں پہنچنے اور ذبح ہونے تک باقی رہتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تردید فرمائی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں میرے پاس جو اون[۱] تھی میں نے اس سے ہدی کے ہار بٹے پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ[۲] کے ساتھ (مکے) بھیجا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ عہن آیا ہے۔ (عین کی زیر ھا ساکن) یعنی رنگین اون۔

[۲] یعنی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے اونٹ کو ساتھ ساتھ چلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا یہ تو ہدی کا اونٹ ہے (میں اس پر کس طرح سوار ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے فرمایا تجھ پر افسوس اس پر سوار ہو جا۔ آپ نے دوبارہ یا سہ بارہ بھی ایسا ہی فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ کریں سمجھے کہتا ہوں کہ اس پر سوار ہو جا اگر تو عذر کرتا ہے۔

سلہ وہ جو آپ نے اس حدیث میں فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تیسری بار بھی فرمایا۔ یہ تو اس روایت میں ہے۔ ایک روایت میں دو بار کا ذکر آیا ہے۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ہدی پر سوار ہونا جائز ہے یا نا جائز۔ کچھ لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ ہدی کو سواری سے کوئی نقصان نہ پہنچے تو جائز ہے۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سوار ہونے پر مجبور ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول مبارک ہے۔ اور حدیث میں واقع شخص کا معلوم نہیں کہ کیا حال تھا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ ؓ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الزبیر ؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ سے دریافت کیا گیا کہ ہدی پر سوار ہونا جائز ہے آپ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا معروف ؓ طریقہ سے اس پر سوار ہو جا جب کہ تو سوار ہونے پر مجبور ؓ ہو۔ یہاں تک کہ تجھے دوسری سواری میسر آ جائے۔ (مسلم)

سلہ آپ کا نام محمد بن مسلم ہے۔ آپ تابعی ہیں بڑے وسیع العلم تھے۔

سلہ یعنی حد اعتدال تک سوار ہو اس میں افراط و تفریط نہ کر۔

سلہ اور تجھے اس کی حاجت و ضرورت ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ لفظ معروف کا بیان اور اس کی تشریح ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَ اَمَّرَهٗ فِيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اصْبُغْ نَعْلَيْهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ اونٹ ایک شخص ؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیے اور اسے ان اونٹوں کا نگران اور امیر مقرر فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ان اونٹوں میں سے جو اونٹ چلنے سے عاجز آ جائے اسے کیا کروں۔ آپ نے فرمایا اسے ذبح کر دینا پھر اس کے دونوں پاؤں کو اس کے خون سے رنگ دینا

تَاْكُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پھر اس کے جوتے (پاؤں) کو اس کے ایک پہلو پر رکھ دینا۔ اس میں سے تو اور تیرا کوئی ساتھی نہ کھائے (مسلم)

۱ؔ اس شخص کا نام ناجیہ بن جندب اسلمی تھا۔

۲ؔ تاکہ ان کی نگہبانی کرے اور ان کی خبر گیری رکھے۔

۳ؔ یہاں حدیث میں لفظ اُبدِعَ آیا ہے۔ جو ابداع سے نکلا ہے۔ یعنی اونٹ کا چلنے سے عاجز آ جانا یا زیادہ بوجھ کی وجہ سے نہ چل سکنا۔ لفظ اُبدِعَ ہمزہ کی پیش، باساکن دال کی زیر سے اس لفظ کی قدرے تحقیق ہے۔ جس کی شرح عربی زبان میں شرح کے اندر کر دی گئی ہے۔ مگر اس کا خلاصہ یہی ہے جو یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔

۴ؔ یعنی اس اونٹ کے دونوں پاؤں اسکے خون میں رنگ کر اس کے گلے کا ہار بنا دینا۔

۵ؔ یعنی ایک پاؤں کو یا دونوں پاؤں کو دونوں کو ایک پاؤں سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ کیونکہ دونوں اپنے مقصد کے اعتبار سے گویا ایک ہیں ۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں جو دوسری فصل میں آ رہی ہے۔ نعل کا لفظ مفرد استعمال فرمایا باقی کوہان کے ایک پہلو پر رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ رہگذر لوگ جان لیں کہ یہ ہدی ہے ۔ اسے فقراء ہی کھا سکتے ہیں اغنیاء نہیں کھا سکتے کیونکہ اغنیا کے لیے ہدی میں سے کھانا حرام ہے۔

۶ؔ یعنی تیرے وہ رفیق جو سفر میں تیرے ساتھ ہوں فقیر ہوں یا غنی۔ فقراء کو بھی اس کے کھانے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ سب کے دل سے طمع اور خیانت کو کاٹ دیا جائے ۔ تہمت کو ان سے اٹھایا جائے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص ہدی کو عاجز آنے پر اسے ذبح کرے اور اسے کھا جائے کہ ایسی خیانت درست نہیں۔ حدیث میں واقع لفظ رفقہ راکی پیش اور زیر دونوں طرح آیا ہے۔ اور فاساکن ہے ۔ یہ رفیق کی جمع ہے ۔ یعنی راستے کا ساتھی و رفیق ۔ بعض نسخوں میں رفقہ کے ساتھ لفظ اہل نہیں ہے ۔ لیکن صحیح روایت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اضافت بیانی ہے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے یہ ممانعت اس اونٹ کے بارے میں ہے۔ جو کسی نے اپنے اوپر لازم رکھا ہو۔ نفلی اونٹ سے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر کوئی انسان نہ کھائے تو جنگلی درندے کھائیں گے اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد اہل دیہات آ جاتے ہیں اس میں سے کھاتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قافلہ آ جاتا ہے ۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ الْبَدَنَةَ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال ایک اونٹ سات افراد کی طرف

سَبْعَةٍ وَّالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سے اور ایک گائے سات اشخاص کی طرف سے ذبح کی۔[1]
(مسلم)

[1] یعنی حدیبیہ کے سال جبکہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے تشریف لائے اور حدیبیہ میں آپ کو روک دیا گیا کہ اس سال آپ مکے نہیں جا سکتے۔ یاد رہے بدنہ کا لفظ شافعی حضرات کے نزدیک اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ حنفیہ کے نزدیک گائے کو بھی بدنہ کہتے ہیں۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ کی تائید کرتی ہے کہ بدنہ کے مقابل گائے کا ذکر فرمایا باب الجمعہ میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ غالب واکثر ایسا ہی ہے۔ لیکن احناف یہ کہتے ہیں کہ یہاں اونٹ کے مقابلہ کی وجہ سے گائے کو الگ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ لفظ بدنہ اونٹ گائے اور بکری تینوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ اہل لغت نے فرمایا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر ایک شخص کے پاس تشریف لائے جس نے اونٹ بٹھا کر اسے ذبح کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اس کا پاؤں بندھا ہوا ہی لیے کھڑا کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت[1] کو لازم پکڑ۔
(بخاری ومسلم)

[1] اونٹ میں سنت نحر ہے۔ نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیا جائے اور اس کے سینہ کے بلند حصہ پر نیزہ مارا جائے۔ یہاں تک کہ خون بہنا شروع ہو جائے اور وہ گر پڑے۔ گائے اور بکری میں ذبح سنت ہے اونٹ میں بھی ذبح جائز ہے لیکن مذکورہ طریقہ پر اسے نحر کرنا سنت ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُوْمَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَأَجِلَّتِهَا وَأَنْ لَّا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہدی کے اونٹوں کے کاروبار کی خبرگیری کروں۔ اور مجھے حکم دیا کہ ان کا گوشت صدقہ کر دوں۔ اور ان کی جھل اور کجاوے بھی صدقہ کروں۔ اور نحر کرنے والے کو ان میں سے بطور اجرت کچھ نہ دوں حضور علیہ السلام نے فرمایا نحر کرنے والے اور کاٹ کر گوشت بنانے والے کو ہم اپنے پاس سے (اجرت) دیں گے۔
(بخاری ومسلم)

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا لَا نَاكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَ تَزَوَّدُوْا فَاَكَلْنَا وَ تَزَوَّدْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ اپنی قربانیوں کے گوشت سے تین دن سے زیادہ عرصہ نہ کھاتے تھے[1] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رخصت وا جازت دے دی[2] اور فرمایا کھاؤ اور ذخیرہ بناؤ تو ہم نے کھایا بھی اور ذخیرہ بھی بنایا۔[3] (بخاری و مسلم[4])

[1] یعنی ہم لوگ تین دن تک قربانیوں کا گوشت خود کھاتے اور لوگوں میں بانٹتے تھے۔ تین دن سے زیادہ کے لیے اس کا ذخیرہ نہ کرتے تھے۔

[2] یعنی تین دن سے زیادہ دن رکھنے کی اجازت دے دی۔

[3] جب کہ ابتدا اسلام میں غربت کی وجہ سے لوگوں کو ضرورت زیادہ تھی اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ گوشت صدقہ کر دیا کریں جمع نہ کریں۔ اور تین دن سے زیادہ وقت اپنے پاس نہ رکھیں۔ اس کے بعد جب ضرورت و محتاجی جاتی رہی اور سب لوگ قربانی کرنے لگے تو تین دن سے زیادہ وقت رکھنے کی اجازت و رخصت مل گئی۔ اور فرما دیا گیا کہ تین دن سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے۔

[4] ان ذبح کردہ جانوروں میں ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ قربانی، دم تمتع اور دم قران میں سے کھایا جائے مگر دم جنایات میں سے نہ کھائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ فِيْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِاَبِيْ جَهْلٍ فِيْ رَاْسِهٖ بُرَةٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ يَغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال[1] اپنی ہدیوں میں ایک اونٹ بھیجا جو کہ ابوجہل کا تھا۔ اس اونٹ کی ناک میں چاندی کا ایک چھلا[2] تھا۔ آپ اس کے ساتھ مشرکین کو غیظ و غضب دلاتے تھے۔ (ابو داؤد شریف)

سلہ جس میں محصر تھے (اپ کو عمرہ کے لیے کہ آنے سے روک دیا گیا تھا) یہ اونٹ بدر کے دن مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ برہ آیا ہے باکی زبر را مخفف یعنی اونٹ کی ناک میں پڑا ہوا چھلا اور حلقہ۔ یا اونٹ کی ناک کے گوشت میں جو حلقہ ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

سلہ تاکہ مشرکین اسے مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھیں اور مسلمان اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کو غمگین کرنا انہیں غصہ دلانا مستحسن و مستحب امر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ تاکہ مسلمانوں کی ترقی و کثرت سے اللہ تعالیٰ کفار کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔

وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَ بَيْنَهَا فَيَاْكُلُوْنَهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ)	حضرت ناجیۃ الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ ہدی کا جو اونٹ ہلاک ہو جائے اسے کیا کروں فرمایا اسے ذبح کر پھر اس کے کھر کو اس کے خون سے رنگ دے پھر اس کے اور لوگوں کے درمیان سے رکاوٹ دور کر دے تاکہ لوگ اسے کھائیں سلہ مالک، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد اور دارمی نے اسے حضرت ناجیۃ الاسلمی سلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

سلہ آپ صحابی ہیں۔ ان کا نام ذکوان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ناجیہ رکھا، آپ نے اپنی ہدی کے جانور ان کے سپرد کر کے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قریش سے نجات پانے کی وجہ سے ان کا نام ناجیہ رکھا ہو۔

سلہ یعنی فقراء لوگ کھائیں وہ لوگ نہ کھائیں جو سفر کے رفیق ہوں جیسا کہ گزرا۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف نسبت میں ہے ذات ایک ہے۔ کیونکہ صحابہ میں ناجیہ نام کے ایک ہی صحابی ہیں۔ کتب میں انہیں اسلمی کہا گیا ہے۔ مؤلف نے انہیں خزاعی کہا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللهِ	حضرت عبداللہ بن قرط سلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں میں سب سے

يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ذُكِرَ حَدِيْثَا ابْنِ عَبَّاسٍ وَ جَابِرٍ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ

بڑا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نحر (دسویں ذوالحجۃ) کا دن ہے پھر قر[2] کا دن ثور راوی حدیث فرماتے ہیں کہ[3] گیارہویں ذوالحجۃ کا دن ہے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ یا چھ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیے گئے تو ان میں سے ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتا تھا کہ آپ پہلے اسے ذبح کریں نحر کے بعد جب ان کے پہلو زمین پر گر چکے[4] تو راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ اور خفیہ کوئی کلمہ زبان مبارک سے ادا کیا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ[5] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہے[6] ان میں سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب الاضحیہ میں ذکر کی گئی ہے۔

[1] قرط قاف کی پیش را ساکن آخر میں طا مہملہ آپ صحابی ہیں۔ جاہلیت میں ان کا نام شیطان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔

[2] قر قاف کی زبر را مشدد ہے۔

[3] یعنی یوم القر روز نحر کا دوسرا دن ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے قرار پذیر ہونے کا دن ہے۔ مناسک وارکان حج کی مشقت ادا کرنے کے بعد اس دن لوگ منیٰ میں سکون پذیر ہوتے اور آرام کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عظیم القدر ایام میں سے نحر کا دن بھی ہے۔ ورنہ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے (نویں ذوالحجۃ) نحر کا دن بھی عظیم الشان دنوں میں سے ہے۔ جمعہ کے دن کے متعلق بھی آیا ہے کہ افضل دن ہے۔ لوگوں نے جمعہ اور عرفہ کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہفتہ کے ایام میں افضل جمعہ کا دن ہے۔ اور سال کے ایام میں سب سے افضل عرفہ کا دن واللہ اعلم۔

[4] اور ان کے جسم سرد ہو گئے۔

[5] اس شخص سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے فَسَأَلْتُ الذی علیہ یعنی

میں نے اس سے دریافت کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

ہ یہاں سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مالک کی اجازت سے اس کی چیز لوٹ لینا جائز ہو جاتا ہے۔

ے یعنی ان دونوں حضرات کی حدیث جو یہاں باب الہدی میں ذکر کی گئی ہے مصابیح میں باب الاضحیہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ[۱] قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَّ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْئٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَ اَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرے وہ تیسرے دن اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں اس کے گوشت میں سے کوئی چیز موجود ہو پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اس سال بھی اسی طرح کریں جس طرح گزشتہ سال کیا تھا[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، کھلاؤ اور گوشت بطور ذخیرہ بھی رکھ لو کیونکہ گزشتہ سال لوگ فقر و احتیاج اور تنگ دستی میں تھے۔ تو میں نے چاہا کہ ان کو مدد اعانت کرو۔[۳] (بخاری و مسلم)

لہ آپ مشہور صحابی ہیں بہادر اور نامی گرامی تیر اندازوں میں سے ہوئے ہیں آپ سواروں کے ساتھ پا پیادہ جنگ کیا کرتے تھے اور ان سے سبقت لے جاتے تھے۔

۲ے یعنی تین دن سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت نہ رکھیں۔

۳ے کہ لوگوں کو بھی کھلاؤ جب اس سال وہ محتاجی اور تنگی جاتی رہی تو ذخیرہ کر لینے کی ممانعت بھی ختم ہو گئی اب اگر تم لوگ رکھ لو تو اس کی اجازت ہے۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ

حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو تین دن سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا کرتے تھے تاکہ تم پر فراخی اور کشادگی کے دن آ جائیں تو اللہ تعالیٰ

جَآءَ اللّٰہُ بِالسَّعَۃِ فَکُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَأْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ ھٰذِہِ الْاَیَّامَ اَیَّامُ اَکْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّذِکْرِ اللّٰہِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

تم پر فراخی اور کشادگی سے آیا ہے تو کھاؤ اور ذخیرہ بناؤ اور اس کے ذریعہ اجر و ثواب کے طلب گار بنو۔ سنو بے شک یہ دن کھانے پینے اور ذکر خدا کے دن ہیں۔ (ابوداؤد)

۱؎ نبیشہ نون کی پیش با کی زبر یا ساکن اور شین معجمہ۔ آپ صحابی ہیں آپ کو نبیشہ الخیر کہتے ہیں۔

۲؎ تاکہ سب لوگوں کو گوشت کھانا میسر آجائے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ اتجروا ہے یعنی اجر و ثواب طلب کرو۔ یہ تجارت سے مشتق نہیں ورنہ تا مشدد سے ہوتا۔ کہ قربانی کے گوشت کی تجارت جائز نہیں مطلب یہ ہے کہ اے لوگو صدقہ کرو لوگوں کو کھلاؤ شاید اس گوشت کے خود کھانے میں بھی اجر و ثواب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں جیسا کہ خود آگے فرمایا۔

۴؎ یعنی منیٰ شریف میں قیام کے یہ دن کھانے پینے کے دن ہیں یعنی جب کہ تم نے سارا سال ریاضت و مشقت اٹھائی تو اب ان چند دنوں میں کہ تم نے حج کر لیا اور تمہاری مغفرت ہوگئی تو کھاؤ اور پیو۔ اور اپنے آپ کو آرام و راحت پہنچاؤ۔ مگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ کی یاد ضرور کرتے رہو۔ اس کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ یہ دن خدا تعالیٰ کی یاد کے دن بھی ہیں۔

بَابُ الْحَلْقِ

سر منڈانے کا باب

حلق کا معنی بال مونڈنے کا ہے۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے بال کٹوانے کے بجائے منڈوانا افضل و بہتر ہے۔ مگر عورتوں کے لیے حلق کرنا حرام ہے۔ قصر کی نسبت بال منڈانا اس لیے افضل ہے کہ قصر کرنے والا اپنے لیے کچھ نہ کچھ زینت باقی رکھتا ہے حالانکہ حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے حکم ہے کہ زینت ترک کر دیں اور تذلل و انکسار کو بروئے کار لائیں۔ قصر میں کم تر درجہ یہ ہے کہ تین انگل کی مقدار بال کٹوائیں۔ حلق میں اتنی مقدار سے کفایت ہو جاتی ہے کہ چوتھا حصہ سر کا مونڈ ڈالیں۔ تاہم سارے سر کا حلق سنت کے زیادہ قریب ہے۔ جیسا کہ وضوء میں سر کے مسح میں۔ اور حج و عمرہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق ثابت نہیں اور سارے بدن کے بال منڈانے میں تفصیل ہے۔ جو اپنی جگہ مذکور ہے۔ بہر اصل جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر اولیٰ اور بہتر اس کا ترک ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَاْسَهٗ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَ اُنَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ وَ قَصَّرَ بَعْضُهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن سر کا حلق کیا اور بعض صحابہ کرام نے بھی۔ اور بعض صحابہ نے حلق نہ کیا بلکہ کچھ بال کٹوائے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ شرف متابعت حاصل کرنے کے لیے نیز حلق کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین (سر منڈانے والوں) کے لیے چند بار دعا فرمائی۔

۲؎ رخصت واجازت پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا کے آخر میں قصر کرنے والوں کی درخواست پر ان کے لیے بھی دعا فرمائی تھی۔ جیسا کہ آگے حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِىْ مُعَاوِيَةُ اِنِّىْ قَصَّرْتُ مِنْ رَّاْسِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے کچھ بال کاٹے تھے (ان کا قصر کیا تھا) مروہ کے پاس قینچی سے۱؎۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ اس حدیث میں ایک اشکال ہے جو شرح کے اندر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ مشقص آیا ہے۔ میم کی زیر شین ساکن قاف کی زبر سے بمعنیٰ چوڑا یا لمبا بھالا یا تیر یہ بھالا اس میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا مشقص بمعنیٰ جلم (قینچی) جیم کی زبر بعد میں لام بمعنیٰ وہ قینچی جس سے بال، اون اور اونٹ کے بال کاٹتے ہیں۔ یہ معنیٰ زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحمت فرما۔ صحابہ نے عرض کیا اور قصر کرنے والوں پر بھی

يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یا رسول اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ سر منڈانے والوں پر رحمت فرما۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اور مقصرین پر بھی فرمایا اور مقصرین پر بھی[۲]

(بخاری ومسلم)

[۱] جب کہ آپ احرام سے باہر نکلے۔

[۲] یعنی صحابہ کرام کے دوبارہ عرض کرنے پر مقصرین کے لیے بھی دعا فرمائی۔ اور فرمایا یا اللہ اور مقصرین پر بھی رحم فرما۔ اس روایت میں آپ نے دو بار سر منڈانے والوں کے لیے دعا فرمائی تیسری مرتبہ قصر کرنے والوں کو بھی ان کے ساتھ دعائے رحمت میں شامل فرمایا۔ ایک روایت میں آپ نے تین بار سر مونڈانے والوں کے لیے دعا رحمت فرمائی چوتھی مرتبہ قصر کرنے والوں کو دعائے رحمت میں شامل کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلق کرنے والوں کے لیے اور درخواست کرنے پر قصر کرنے والوں کے لیے حجۃ الوداع کے موقعہ پر دعا فرمائی۔ یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ دعا عمرہ میں تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو احرام سے باہر آنے کا حکم صادر فرمایا۔ یا یہ حکم آپ نے نحر کے دن دیا جب کہ صحابہ حج کے احرام سے باہر آگئے۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ ہے جب کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا۔ تو احرام سے باہر آ گئے۔ اور حلق فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی حلق کرنے کا حکم صادر فرمایا صحابہ نے اس حکم کی بجا آوری میں توقف کیا۔ جیسا کہ باب الاحصار میں آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ يَحْيَى ابْنِ الْحُصَيْنِ[۱] عَنْ جَدَّتِهٖ[۲] اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِيْنَ ثَلٰثًا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ مَرَّةً وَّاحِدَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت یحییٰ بن الحصین[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنی دادی[۲] سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں سنا کہ آپ نے حلق کرنے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی اور مقصر کرنے والوں کے لیے ایک مرتبہ[۳]

(مسلم)

[۱] حاکی ہیں سے۔ آپ سچے اور ثقہ تابعی ہیں۔

[۲] آپ صحابیہ ہیں۔ آپ کی کنیت ام الحصین ہے رضی اللہ عنہا۔

[۳] ظاہر حدیث یہ ہے کہ آپ نے تین بار اللھم ارحم المحلقین فرمایا پھر چوتھی بار فرمایا والمقصرین۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دو بار حلق کرنے والوں کے لیے دعا کی ہو۔ تیسری مرتبہ مقصرین کے لیے دعا کی ہو اور یوں فرمایا ہو والمقصرین یعنی

حلق کرنے والوں کے ساتھ قصر کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔ یہ انداز بیان دونوں کے لیے دعا میں اشتراک ظاہر کرتا ہے۔ والمقصرین کا لفظ ارشاد فرمانے کا یہ کیا عجب موقعہ ہے کہ ان سے آپ کے حکم کی بجا آوری میں کوتاہی سرزد ہوئی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی محروم رہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی مِنًی فَاَتَی الْجَمْرَۃَ فَرَمَاھَا ثُمَّ اَتٰی مَنْزِلَہٗ بِمِنًی وَنَحَرَ نُسُکَہٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّہُ الْاَیْمَنَ فَحَلَقَہٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیَّ فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَیْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَہٗ فَاَعْطَاہُ اَبَا طَلْحَۃَ فَقَالَ اَقْسِمْہُ بَیْنَ النَّاسِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے اور جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو اسے رمی کی۔[۱] پھر آپ منیٰ میں اپنی جائے قیام میں آئے اور اپنی قربانی ذبح فرمائی۔ پھر سر تراشنے والے کو طلب فرمایا اور دایاں حصہ اس کے آگے کیا تو اس نے آپ کے سر کا دایاں حصہ مونڈ ڈالا۔ پھر آپ نے حضرت ابو طلحہ انصاری[۲] رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس حصہ کے بال اس کو عطا فرمائے۔ پھر آپ نے اپنے سر کا بایاں حصہ اس کے آگے کیا اور فرمایا اسے بھی مونڈ۔ اس نے اسے بھی مونڈا تو وہ بال بھی حضرت ابو طلحہ کو عطا فرمائے پس فرمایا۔ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دے۔[۳]
(بخاری و مسلم)

[۱] یہ نحر کے دن کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپ مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے۔

[۲] ان کا نام معمر بن عبداللہ ہے۔ قرشی عدوی ہیں۔ اور قدیم الاسلام ہیں۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت معمر حاضر ہوئے اور ہاتھ میں استرہ پکڑا اور حضور انور کے سر اقدس پر کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معمر تجھے اللہ کے رسول نے اپنے کان کے دونوں پر تصرف و قدرت دی ہے اور تیرے ہاتھ میں استرہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہوشیار رہو اور اس نعمت کی قدر پہچان حضرت معمر نے عرض کیا بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ اور یہ اس کا مجھ پر احسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔

[۳] اس حدیث کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے معتبر ابتداء اس کے دائیں حصے کی ہے جس کا سر مونڈا جا رہا ہو بعض حضرات منڈنے والے کی دائیں جانب مراد لیتے ہیں۔

[۴] جو کہ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک کھودی تھی

آپ حضرت ام سلیم کے خادمہ ہیں جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اسی وجہ سے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ بال مبارک ام سلیم کو دیے۔

۵ تو ہر شخص کو ایک یا دو موئے مبارک حصے میں آئے گویا ایک شاعر نے اپنے بیت میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ بیت۔

مرا ز زلف تو موئے بسنداست　　　فضول میکنم بوئے بسنداست

ترجمہ: مجھے تیری زلف کا ایک ہی بال کافی ہے میں نے یہ بے کار بات کہہ دی مجھے اس کی صرف خوشبو ہی کافی ہے اسی طرح آپ نے ناخن مبارک ترشوا کر وہ بھی حاضرین میں تقسیم کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی برکتیں آج تک باقی ہیں کہ ان کا تذکرہ باقی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود شریف کے اجزا کی یادداشت موجود ہے۔ گویا شاعر نے جو کہا کہ خوشبو ہی کافی ہے اس سے یہی مراد ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگایا کرتی تھی اور نحر کے دن بھی پہلے اس سے کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں[1]، خوشبو لگاتی تھی۔ ایسی خوشبو جس میں کستوری ملی ہوتی تھی[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی قبل اس کے کہ آپ حلق کریں یا احرام کے علاوہ دوسرے کپڑے پہنیں۔

[2] علماء کرام نے فرمایا ہے احرام کی خوشبوئیں اولیٰ و افضل مشک و گلاب ہے۔ جن کی خوشبو ہوتی ہے رنگ نہیں ہوتا۔ پھر نحر کے دن احرام سے باہر آ جاتے ہیں۔ اور عورتوں کے سوا باقی تمام چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ پھر طواف کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن طواف افاضہ فرمایا پھر واپس لوٹے اور منیٰ میں آکر نماز ظہر ادا فرمائی[1]۔ (مسلم)

[1] مگر حضرت جابر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ معظمہ میں ادا فرمائی۔ ان دو حدیثوں میں تعارض پایا جاتا ہے۔ رفع تعارض کے لیے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دی گئی ہے۔ حضرت جابر و عائشہ کی

حدیث اقرار مسلم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین میں ہے اور متفق علیہ ہے۔ اگرچہ یہاں صرف مسلم سے ان کی حدیث لائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ | دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ وَ عَائِشَۃَ قَالَا نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَۃُ رَاْسَھَا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی النِّسَآءِ الْحَلْقُ اِنَّمَا عَلَی النِّسَاءِ التَّقْصِیْرُ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں پر حلق نہیں۔ بلکہ ان پر صرف قصر کرانا ہے (ابوداؤد اور دارمی)

(وَ ھٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّالِثِ)

اور یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

گزشتہ مضمون کے متممات و لواحقات کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ | پہلی فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ بِمِنًی لِلنَّاسِ یَسْاَلُوْنَہٗ فَجَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دن منیٰ میں سب کھڑے ہوئے لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی میں نے بے سمجھے پہلے حلق کیا پھر قربانی کی ہے۔ فرمایا ایسا کرنے سے بھی

فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ فَقَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْئٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

کوئی حرج نہیں. پھر آپ کی خدمت میں ایک دوسرا شخص آیا اور عرض کی مجھے خیال نہیں رہا اور میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی ہے. آپ نے فرمایا اس طرح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی جگہ سے پہلے کیا گیا یا اپنے وقت سے مؤخر کیا گیا مگر آپ نے یہی فرمایا ایسا کرلو کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (بخاری ومسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَقَالَ اَفَضْتُ اِلَى الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ.

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کی میں نے رمی کرنے سے پہلے حلق کرلیا ہے۔ فرمایا رمی کرو کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور ایک دوسرا شخص آیا اور کہا میں نے رمی کرنے سے پہلے طواف افاضہ (طواف زیارت) کرلیا ہے[3]. آپ نے فرمایا رمی کرلے اور کوئی حرج نہیں۔

[1] یعنی آپ لوگوں کے لیے کھڑے ہوئے۔ دوسرے لوگ آپ سے مسائل اور احکام دریافت کرتے۔ اور اپنے شکوک وشبہات دور کرتے تھے۔

[2] حالانکہ پہلے قربانی پھر حلق کرنا چاہیے۔

[3] یہاں دو تین درجے تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُوْلُ لَا حَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَمَا اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نحر کے دن منیٰ میں مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کیے جاتے تھے تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج وگناہ نہیں۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا میں نے شام کرنے کے بعد رمی[1] کی ہے آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (بخاری شریف)

[1] حالانکہ رمی کا وقت صبح ہے۔

۲؎ ائمہ کے نزدیک اگر غروب آفتاب تک رمی میں تاخیر کرے تو دم لازم آتا ہے یہاں شام سے مراد عصر کے بعد شام کے قریب کا وقت ہے۔ احناف کے نزدیک اگر رمی رات کو بھی کرے تو کچھ لازم نہیں آتا اور اگر کل تک تاخیر کرے تو دم لازم آتا ہے۔ واضح ہو کہ یوم نحر کے چار افعال ہیں رمی، ذبح، حلق اور طواف۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ ترتیب سنت ہے یا واجب۔ اکثر علماء اس پر ہیں اور شافعی و احمد ان میں سے ہیں کہ ترتیب سنت ہے وہ اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی اُن میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب واجب ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفی حرج سے جہالت اور نسیان کی وجہ سے گناہ کا لازم نہ آنا مراد ہے لیکن ترتیب بدلنے سے دم ضرور لازم آتا ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے اس حدیث کی مثل روایت کی ہے اور دم کو واجب قرار دیا ہے تو اگر حضرت ابن عباس حدیث سے یہ معنی نہ سمجھتے تو اس کے خلاف حکم نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ اَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ وَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یارسول اللہ میں نے حلق کرنے سے پہلے طواف افاضہ کر لیا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ حلق کر یا قصر کر کوئی حرج نہیں۱؎۔ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی ہے فرمایا رمی کر لے اور کوئی حرج نہیں۲؎۔ (ترمذی)

۱؎ جب کہ حضور علیہ السلام نے ترتیب میں اُس کے لیے آسانی مہیا کی تو اُسے مزید یہ اجازت بھی دے دی کہ اگر تو حلق نہ کرے تو قصر پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

۲؎ یہ دو صورتیں گزشتہ احادیث میں مذکور نہیں ہوئیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَکَانَ

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی کہنے

اَلنَّاسُ یَأْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَیْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَیْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَیْئًا فَکَانَ یَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰی رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَّهُوَ ظَالِمٌ فَذَالِكَ الَّذِیْ حَرِجَ وَ هَلَكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

والا کہتا یا رسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی یا کوئی رکن پیچھے کردیا یا آگے کرلیا اس پر آپ فرماتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہاں حرج اُس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے[۲] کہ یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں پڑا اور ہلاک ہوگیا۔

(ابو داؤد)

[۱] شین کی زبر راکی زیر سے آپ صحابی ہیں۔ کوفے میں قیام فرمایا ان کی حدیث کوفیوں میں شمار ہوتی ہے۔

[۲] یعنی کسی کی غیبت کرے یا توہین وغیرہ کرے یہاں حدیث میں لفظ عرض آیا ہے عین کی زیر سے۔ صراح میں ہے عرض بمعنی عزت و آبرو۔ قاموس میں ہے عرض بمعنی مقام مدح و ذم خواہ انسان کی ذات میں ہو یا اُس کے باپ میں یا ہر اس چیز میں جو اُس کے لیے ضروری ہو اور جس پر وہ اپنی عزت و شرافت میں سے فخر کرتا ہو اور جسے نقص و عیب سے بچاتا ہو۔ ایسا شخص ناحق دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے کسی صحیح دینی غرض کے لیے نہیں کرتا۔ جیسے راویوں پر جرح یا گواہوں کو فاسق کہنا یا ان کی تکذیب کرنا وغیرہ۔ تو یہ شخص گناہگار ہے اور گناہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یاد رہے کہ حدیث میں واقع لفظ حرج را کی زیر سے بروزن سمع ہے۔

بَابُ خُطْبَةِ یَوْمِ النَّحْرِ

باب خطبہ یوم نحر اور ایام تشریق میں رمی کرنا اور طواف وداع کرنا۔

خطبہ خطب سے بنا ہے۔ خا اور طا کی زبر سے بمعنی شان اور وہ کام جس میں گفتگو واقع ہو۔ خطبہ کلام ایسے کلام کو کہتے ہیں جو نثر بھی ہو اور مسجع بھی ہو جیسا کہ قاموس میں آیا ہے۔ یہ لفظ خطاب کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے عرف میں اس کا غالب استعمال پند و نصیحت کے کلام کے لیے ہوتا ہے۔ جیسا کہ لفظ خِطبہ۔ خا کی زیر سے عورت کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی اُس کی منگنی کی طلب کے لیے ایام تشریق یوم نحر کے بعد کے تین دنوں کو کہتے ہیں۔ اصل میں لفظ تشریق کا معنیٰ

ہے گوشت خشک کرنا کیونکہ منیٰ میں قربانی کے گوشت ان دنوں میں خشک بیچے جانتے تھے اس لیے ان دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں اور اس بنا پر بھی ایام تشریق کہتے ہیں کہ قربانیاں طلوع آفتاب کے وقت کرتے تھے سورج کی روشنی چمکنے کے بعد حدیث میں آیا ہے کہ جس نے سورج چمکنے سے پہلے جانور ذبح کر لیا وہ اپنی قربانی دوبارہ کرے۔ عنوان میں واقع لفظ تودیع سے مراد طواف کے ساتھ خانہ کعبہ کو وداع کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف کے بعد وداع فرمایا اس لیے حضور علیہ السلام کے حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَۃُ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِّنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَۃِ وَذُوالْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ فَقَالَ اَلَیْسَ ذَا الْحِجَّۃِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ الْبَلْدَۃَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا قُلْنَا

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں عید بقر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا فرمایا کہ زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس دن کی حالت پر آگیا جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے زمین و آسمان بنانے کے دن کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے عزت و حرمت والے ہیں۔ تین تو مسلسل ہیں یعنی ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ، محرم اور چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادیوں اور شعبان کے درمیان ہے اور فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور علیہ السلام اس کے نام کے سوا کوئی اور رکھیں گے تو فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کونسا شہر ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش ہوئے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے۔ فرمایا کیا یہ شہر مکہ معظمہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کونسا دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں حضور خاموش رہے یہاں تک کہ

اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْأَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہمیں گمان ہو گیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے (اس کے اصلی نام کے سوا) فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے، ہم نے کہا ہاں فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں[۵] جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر اور اس مہینہ[۶] میں، عنقریب تم لوگ اپنے رب سے ملو گے[۷] وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا تو خبردار[۸] میرے بعد[۹] گمراہ ہو کر واپس گمراہی کی طرف لوٹ نہ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں[۱۰] مارنے لگیں۔ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کر دی سب بولے ہاں فرمایا اے اللہ تو گواہ[۱۱] ہو جا لازم ہے کہ موجود اور حاضر لوگ غائبوں تک پہنچا دیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

لہ باکی زبر کاف ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲ہ یعنی سال بلاشک و شبہ اپنی حالت پر واپس لوٹ آیا، مطلب یہ ہے کہ اس کی بناوٹ اور اس کا حساب پھر واپس آ گئے جس پر کہ آسمانوں اور زمینوں کو اس نے بنایا تھا۔

۳ہ یعنی اول پیدائش کے دن سے سال کے بارہ مہینے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ اللہ کی کتاب میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے) حضور علیہ السلام کے کلام مبارک کا معنی یہ ہے کہ عرب لوگ محرم کو صفر کے مہینے تک پیچھے کر دیتے تھے تاکہ اس میں جنگ جاری رکھ سکیں ایسا وہ ہر سال کرتے تھے اور ہر سال سے ایک روز کی چوری کرتے تھے، یہاں تک کہ چند سالوں کے بعد ایک سال تیرہ مہینوں کا ہو جاتا تھا اور اسے کبیسۃ العرب کہتے ہیں یہ سال جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا اسی زمانے سے مخصوص تھا تو آپ نے فرمایا کہ زمانہ اپنی اصل حالت پر واپس آ گیا اور محرم کا مہینہ اپنی اصل حالت پر آ گیا۔ اسی طرح ہر مہینہ اپنی اصل حالت پر واپس آ گیا، علماء فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حج کو مؤخر کیا تاکہ

آپ کا حج ذوالحجہ کے مہینے میں واقع ہو جو کہ اُس کا صحیح وقت ہے۔

ے ان مہینوں کو حُرُم اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں جنگ کرنا حرام ہے۔ لفظ حرم حرام کی جمع ہے۔

ے قعدہ کاف کی زبر سے اور زیر بھی پڑھی گئی ہے قعدہ بمعنیٰ بیٹھ جانا اس مہینے میں عرب چونکہ سفر کرنے سے بیٹھ جاتے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ ذالحجہ حا کی زیر سے وہ مہینہ جس میں حج کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک حا پر زبر بھی جائز ہے۔

ے میم پر پیش ض پر زبر یعنی مضر بن نزار جو قبیلے کا باپ ہے۔ مضر اصل میں کھٹے دودھ کو کہتے ہیں۔ چونکہ مضر ایسے دودھ کو پسند کرتا تھا اور اُسے بہت کھاتا تھا۔ اس لیے اس کا نام مضر پڑ گیا۔ یا اُس کے رنگ کی سفیدی کی وجہ سے اُسے مضر کہا گیا پھر رجب کی نسبت مضر کی طرف اس بنا پر کی گئی کہ وہ لوگ اس مہینے کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ یہ مہینہ جماری اخری اور شعبان کے درمیان ہے اس لیے فرمایا تاکہ اس مہینے کی شناخت اچھی طرح سے ہو جائے۔

ے اس سوال سے بیان مقصود کی تمہید دینا ہے اور اُسے ذہنوں میں اچھی طرح بٹھانا مقصود ہے۔

ے صحابہ کرام کی عادت مبارک تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے پر یہ کلام کرتے اور ادب کا اظہار کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کے سوال کا جواب جانتے بھی ہوتے تھے۔ خصوصاً اس جگہ باوجودیکہ انہیں اُس مہینے کا نام معلوم اور اُن کے ذہنوں میں متعین تھا مگر انہوں نے یہی کہا کہ اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ شاید کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس کے پوچھنے سے کوئی غرض متعلق ہے۔

ے یہاں حدیث میں لفظ بلدہ آیا ہے لام کی جزم سے بمعنیٰ ہر شہر پھر غالب طور پر اس کا استعمال صرف مکہ معظمہ کے لیے ہونے لگا کیونکہ یہی شہر تمام شہروں سے کامل اور یہی شہر خیرات و برکات اور فضائل و کمالات کا جامع ہے گویا شہر صرف یہی ہے جیسا کہ لفظ بیت کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ لفظ بلدہ کا معنی لغت میں ٹھہرنا ہے۔

ے کسے بے حق شرع کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔

ے یہ اُس کی حرمت و عزت کی تاکید ہے کہ یہ تینوں حرمت و احتیاط کا مقام ہیں۔ خصوصاً لوگوں کے اجتماع کے وقت

ے اور اُس کی بارگاہ میں پہنچو گے۔

ے یعنی دانا اور آگاہ رہو۔

ے یعنی میرے دنیا سے جانے کے بعد گمراہوں میں سے نہ ہو جانا اور ایک روایت میں لفظ کفاراً آیا ہے یعنی میرے بعد کافر نہ بن جانا۔

ے یہ ضلالت جو گمراہی کی سب سے بُری قسم ہے مقصود ظلم اور اس بات سے روکنا کہ خون مال اور عزت کی حرمت میں حد شرع سے نہ بڑھنا۔ اور اگر یہاں کفاراً کی روایت کر لیا جائے تو اُس کی توجیہ میں چند وجہیں

بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ کفر کا لفظ ظلم کو حلال جاننے والے کے لیے ہے۔ یا کفر سے کفران نعمت اور حق اسلام کا ضائع کرنا مراد ہے۔ یا یہاں کفر کے نزدیک پہنچنا مراد ہے کیونکہ حرام فعل کا ارتکاب کرنا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا اور کفر کے نزدیک کر دیتا ہے یا اس سے مراد ہے کہ ان کے افعال خونریزی وغیرہ میں، کفار کے افعال کے مشابہ ہوں۔ بعض نے کہا کہ کفر سے ہتھیار پہننے مراد ہیں کیونکہ لفظ کفر ہتھیار پہننے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس خطبے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا دانا اور آگاہ رہو کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ میں نے رسالت اور حکم شریعت لوگوں تک پہنچا نہیں دیا۔

لے گواہ ہو جا کہ انہوں نے میرے احکام الٰہی پہنچانے کا اقرار کر لیا ہے۔ تاکہ قیامت کے دن منکر نہ ہو جائیں اور نہ کوئی عذر پیش کر سکیں۔

وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى اَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰى اِمَامُكَ فَارْمِهٖ فَاَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْاَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت وبرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں کسی وقت جمروں کی رمی کروں فرمایا جب تیرا امام رمی کرے تو تو بھی[2] رمی کر۔ میں نے اُن سے یہ سوال دوبارہ کیا تو فرمایا ہم لوگ رمی کے وقت کا انتظار کیا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے۔ (بخاری)

لہ وکی زبر باکی زبر اور جزم سے آپ تابعین سے ہیں۔ ابن عمر اور سعید بن جبیر سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

لے ظاہر یہ ہے کہ امام سے سلطان وقت یا امیر مراد ہے جو مناسک حج ادا کرنے میں سلطان وقت کا نائب ہوتا ہے لیکن امام کی اقتدا کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ علم میں زیادہ ہو اسی لیے علامہ طیبی نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی اقتدا کر جو تجھ سے زیادہ علم والا ہو۔ اس کے بعد حضرت وبرہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سوال دوبارہ حضرت عمر سے کیا تو انہوں نے اگلا جواب ارشاد فرمایا۔

وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْمِي جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى

حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن عمر سب سے قریبی[1] جمرے کو سات کنکریوں سے رمی کرتے تھے۔ ہر کنکری کے پیچھے تکبیر کہتے تھے پھر آگے بڑھتے تھے یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ جاتے[2] تھے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دیر تک کھڑے رہتے[3] تھے اور دعا کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر

بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

درمیانی جمرے کو سات کنکریوں سے مارتے تھے ہر کنکری مارنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر بائیں طرف کو ہوتے تھے یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچتے اور قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے تھے پھر وادی کے نشیب سے جمرہ عقبہ کو سات کنکریوں سے مارتے تھے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے۔ پھر آپ واپس مڑتے اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسا ہی کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

۱ جو کہ مسجد خیف کی جانب مکانات کے قریب تر ہے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ لیسہل آیا ہے یہ لفظ سہل سے بنا ہے۔ بمعنیٰ نرم زمین یہ حزن کی ضد ہے۔ حزن حا کی زبر زا ساکن بمعنیٰ پتھریلی زمین۔

۳ علماء فرماتے ہیں آنی دیر تک کھڑے رہتے تھے جتنی دیر میں انسان سورہ بقرہ پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

۴ واضح ہو کہ سنت اسی طرح واقع ہے کہ پہلے دو جمروں کی رمی کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور کافی دیر کھڑے ہو کر دعا میں مشغول رہنا چاہیے پھر آخری جمرے کو کنکریاں مارتے اور واپس لوٹ جاتے ہیں نہ کھڑے ہوتے ہیں نہ دعا کرتے ہیں اس کا راز شارع علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں جانتا یاد رہے کہ حج کے بڑے بڑے ارکان و افعال سب کے سب ایسی عبادت ہیں جن کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے عقل کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ جمرہ اخیر کے پاس نہ کھڑے ہونا اور نہ دعا کرنا بھی اسی قبیلہ میں سے ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں نہ کھڑے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن بہت زیادہ مصروفیت ہوتی ہے مثلاً قربانی کرنا سر منڈانا اور مکے شریف جا کر طواف افاضہ کرنا مگر یہ منیٰ کے ایام میں مفقود ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جمرہ عقبہ کیونکہ راستے میں واقع ہے لہٰذا اس کے پاس کھڑے ہونا ہجوم کا موجب اور راستہ تنگ کرنے کا باعث ہے اس سے گزرنے والوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ بخلاف دوسرے دو جمروں کے کہ وہ راستے سے ہٹ کر واقع ہیں۔ درمیان میں واقع نہیں۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ دعا عبادت کے ابتدا اور وسط میں ہوتی ہے نہ کہ بالکل آخر میں نیز دعا عبادت کے اندر افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں نماز میں التحیات کے اندر سلام سے پہلے ہوتی تھیں

اور نماز سے باہر آنے کے بعد پہلے دو جمرے درمیان میں ہیں اس لیے ان میں دعا کی گر جمرہ عقبہ کے بعد عبادت ختم ہو گئی کتاب ہدایہ میں اس وجہ کی جانب اشارہ آیا ہے شمنی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ کتاب سفر السعادت میں بھی ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم یہ وجہ بھی ضعف و کمزوری سے خالی نہیں، کیونکہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا کرنا جائز و مشروع ہے کتنی ہی دعائیں اور اذکار نماز کے بعد منقول ہیں اسی طرح روزہ افطار کرنے کے بعد بھی دعا کا ذکر آیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قبولیت دعا کے حالات میں سے ایک حالت فرض نماز کے بعد اور قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ کے بعد بھی ہے۔ بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے اور معافی عطا فرمائے جبکہ اس عبادت سے مشرف ہوا تو اس کے دل میں بغیر کسی پیشگی غور و فکر کے بطریق الہام یہ نکتہ ڈالا گیا کہ اس جمرہ یعنی جمرہ عقبہ کے پاس نہ کھڑے ہونے کی وجہ اور امید ہے کہ یہ وجہ ٹھیک ہی ہوگی۔) یہ ہے کہ اس جمرے کے پاس کھڑا نہ ہونے میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب رحیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بندے نے پہلے دو جمروں میں مجاہدہ کیا ریاضت و مشقت اٹھائی اور اس میں مبالغے سے کام لیا اور رحمت و دعا کے دروازے پر کھڑا ہوا، سوال کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق حق خدمت ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے کام کو اس کے لیے آسان کر دیا اور اس کے لیے اپنے فضل و کرم کی بنا پر آسودگی و رحمت کو مباح کر دیا اور اس پر اپنی رحمت و عفو و مغفرت کا فیضان بہا دیا خاص کر اس عبادت میں کہ عبادت حج ہے جو کہ انتہائی رحمت کے آثار کی ثمر اور نتائج مغفرت میں سے ہے۔ جس طرح کہ عرفات شریف میں ایک بار ہی کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ تو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے وقت گویا خدائے تعالیٰ نے یوں فرمایا اے میرے بندو تم نے بڑی مشقت اٹھائی بہت مجاہدہ کیا اب ایک گھڑی کے لیے آرام کر لو اور آسودہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے گناہوں کو بخش دیا اور میں نے تم پر اپنی رحمت کر دی۔ میں نے اکابر علمائے مکہ معظمہ کے سامنے ایک مجلس میں یہ نکتہ پیش کیا خصوصاً ہمارے شیخ و مولا حضرت قاضی علی بن قاضی جار اللہ القرشی الظاہری مفتی مکہ معظمہ مشہور بابن ظہیرہ تو سب نے اسے قبول کیا و پسند کیا۔ اور اس فقیر کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهٖ فَأَذِنَ لَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ منیٰ کی راتیں مکے میں بسر کریں کیونکہ لوگوں کو آب زم زم پلانے کی ذمہ داری حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر تھی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ کیونکہ آب زم زم پلانے کا عہدہ بنی عبدالمطلب کے پاس تھا۔ اور ان دنوں بنی عبدالمطلب کے سردار حضرت عباس تھے۔ یہاں عربی میں لفظ سقایہ آیا ہے یعنی پانی دینے کی جگہ۔

۲؎ واضح ہو کہ منیٰ میں عرفات سے آکر راتیں گزارنا جمہور علماء کے نزدیک واجب ، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت ہے اسی طرح ایک روایت کے مطابق امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بھی سنت ہے وہاں رات بسر کرنے سے مراد رات کا اکثر حصہ ہے۔ اسی طرح وہ تمام جگہیں جہاں رات گزارنا مستحب ہے اُن سے رات کا اکثر حصہ گزارنا مراد ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہاں ایک گھڑی رہنا بھی کافی ہے۔ اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کیونکہ اگر وہاں رہنا واجب ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عباس کو مکہ میں راتیں بسر کرنے کی اجازت کیوں دیتے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اجازت عذر و ضرورت کے تحت تھی۔ بعض روایات میں لفظ اذن کی بجائے لفظ رخصت آیا ہے۔ کبھی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر وہاں راتیں بسر کرنا سنت ہوتا واجب نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ یعنی حضرت عباس بلا اجازت بھی جا سکتے تھے مگر یہ بات کمزور ہے۔ کیونکہ سنت کی مخالفت بھی بڑی خطرناک بات ہے۔ خصوصًا صحابہ کرام کے نزدیک خصوصًا ایسے مقام میں کیونکہ حضرت عباس کا حضور کے پاس سے پہلے جانا حضور علیہ السلام سے علیحدگی کو ظاہر کرتا ہے ، اس میں دوسرے تمام لوگوں کی مخالفت لازم آتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ رہنا لازم آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترک سنت میں بھی گناہ پایا جاتا ہے۔ حضرت عباس کا آپ سے اجازت لینا اس گناہ سے بچنے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ہدایہ میں فرمایا کہ منیٰ میں راتیں بسر کرنا حج کے مناسک میں مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ رمی کی آسانی کے لیے ہے تو اگر کوئی شخص منیٰ میں رات نہ رہے۔ مگر رمی کے وقت وہاں حاضر ہو جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا ترک ضرور لازم آتا ہے۔ اسی لیے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے ترک پر لوگوں کو سزا دیا کرتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَأْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اسْقِنِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آب زم زم پینے کی جگہ تشریف لائے تو پانی طلب فرمایا اس پر حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی ماں کے پاس جا۔ اور اُس کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے کر آ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے پانی پلا تو حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک لوگ اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے پانی پلا

اَیۡدِیۡھِمۡ فِیۡہِ قَالَ اسۡقِنِیۡ فَشَرِبَ مِنۡہُ ثُمَّ اَتٰی زَمۡزَمَ وَ ھُمۡ یَسۡقُوۡنَ وَ یَعۡمَلُوۡنَ فِیۡھَا فَقَالَ اعۡمَلُوۡا فَاِنَّکُمۡ عَلٰی عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوۡلَا اَنۡ تُغۡلَبُوۡا لَنَزَلۡتُ حَتّٰی اَضَعَ الۡحَبۡلَ عَلٰی ھٰذِہٖ وَ اَشَارَ اِلٰی عَاتِقِہٖ۔ (رَوَاہُ الۡبُخَارِیُّ)

تو آپ نے اُس سے پانی پیا پھر آپ آب زم زم کے پاس تشریف لائے اس حالت میں کہ اولاد عبدالمطلب لوگوں کو پانی پلا رہی تھی اور آب زم زم پر کام کاج کر رہی تھی حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ عمل کرتے رہو بے شک تم لوگ عمل صالح بجا لا رہے ہو۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہارے مغلوب ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نیچے اترتا یہاں تک کہ رسی اس پر رکھتا یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (بخاری)

لہ یعنی اپنے بیٹے کو فرمایا جن کا نام فضل تھا۔

لہ یعنی مجھے یہیں سے آب زم زم پلا۔ گھر سے پانی نہ ملا۔

لہ کیونکہ لوگ اگر اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو اس سے کیا ہوگا۔

لہ یعنی یہ پانی پلانا اور پانی پلانے کی خدمت انجام دینا نیک عمل ہے۔

لہ یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری سنت کی اتباع کی وجہ سے خود پانی کھینچنا شروع کر دیں گے، اس عمل میں تم پر غالب آ جائیں گے اور تمہیں آب زم زم کھینچنے کی مہلت نہ دیں گے۔ تو یہ کام تمہارے ہاتھ سے نکل جاتا۔

لہ نیچے اترتا یعنی اپنی اونٹنی سے نیچے اترتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس دن اونٹنی پر سوار تھے تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ سے احکام سیکھیں۔

لہ یعنی اس لفظ سے حضور علیہ السلام نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَ عَنۡ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھۡرَ وَ الۡعَصۡرَ وَالۡمَغۡرِبَ وَالۡعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقۡدَۃً بِالۡمُحَصَّبِ ثُمَّ رَکِبَ اِلَی الۡبَیۡتِ فَطَافَ بِہٖ۔ (رَوَاہُ الۡبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر مغرب اور عشا کی نماز پڑھی پھر آپ محصب[لہ] میں تھوڑی دیر کے لیے سو گئے پھر آپ سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف آئے اور اس کا طواف کیا[لہ]۔ (بخاری)

لہ محصب جس کی زبر اور شد سے ہر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے کنکریاں ہوں۔ آج کل ایک معین جگہ کا نام ہے جو مکے سے باہر جانب منی سعلی کے قریب واقع ہے اس جگہ کو البطح اور بطحا بھی کہتے ہیں۔ خیف بنی کنانہ بھی

اسی جگہ کا نام ہے۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا اور کچھ دیر سونا منیٰ سے باہر مکے کی طرف تشریف لانے کے وقت تھا یہ یوم نحر کا چوتھا دن اور ذوالحجہ کی تیرہویں تاریخ تھی۔

۲؎ یعنی طواف وداع۔

۵ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ اِفْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبدالعزیز رُفیع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا جس نے کہا آپ مجھے ایسی چیز کے بارے میں خبر دیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی کہ حضور نے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ[2] کو ظہر کی نماز کہاں پڑھی انہوں نے فرمایا کہ منیٰ[3] میں انہوں نے پھر پوچھا حضور نے روانگی کے دن[4] عصر کی نماز کہاں پڑھی، فرمایا مقام ابطح[5] میں۔ پھر حضرت انس نے فرمایا اسی طرح کرو جس طرح تیرے امراء اور حکام کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ را کی پیش۔ فا کی زبر سے۔ آپ مشہور اور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ حدیث میں لفظ ترویہ آیا ہے۔ اس دن لوگ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہیں۔ اس نام کی وجہ حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابر کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے ظہر سے پہلے نکلے۔

۴؎ یعنی حضرت ابن رفیع نے حضرت انس سے یوں کہا۔ حدیث کا ظاہر اسلوب عبارت کے موافق یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں نے کہا۔

۵؎ یہاں حدیث میں اس کے لیے یوم نفر آیا ہے نفر نون کی زبر فا ساکن اور فا پر زبر بھی جائز ہے نفر یا نفر یہ ایام نحر کے چوتھے دن کا نام ہے جبکہ حاجی لوگ منیٰ سے باہر نکلتے ہیں۔ صراح میں ہے نفر فا کی جزم سے یعنی حاجیوں کا گروہ گروہ بن کر منیٰ سے واپس لوٹنا۔

۶؎ ابطح وہی جگہ ہے جسے گزشتہ حدیث میں محصب کہا گیا ہے۔

۷؎ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو خود ایسا ہی کیا جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ تو اس طرح کر جس طرح تیرے امراء کریں۔ اور ان کی مخالفت نہ کر تاکہ کوئی فتنہ نہ بھڑک اٹھے اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے کہ مقام ابطح میں ہی نماز پڑھی جائے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ ـ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں وادی ابطح میں اترنا سنت نہیں ہے[1] سوائے اس کے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اترے کیونکہ آپ واپس روانگی کے لیے آسانی چاہتے تھے[2]۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کا وادی ابطح میں اترنا سنت کے طور پہ نہ تھا، نہ ہی مناسک حج کے طور پر تھا اور نہ نیت عبادت آپ وہاں اترے۔

[2] یعنی آپ کا اس جگہ اترنا مدینہ منورہ کی جانب روانگی کے لیے سہل تر اور آسان تر تھا۔ اس لیے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام ابطح میں نزول فرمایا اور اپنا سامان وغیرہ وہاں چھوڑا۔ خود مکہ شریف تشریف لائے اور طواف کیا تو پھر اسی راستے سے واپس مدینے جانا آپ کے لیے آسان ہو گیا۔

واضح ہو کہ وادی محصب میں اُترنے کے سنت یا عدم سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہاں اترنا حج کی سنتوں اور مناسک حج کے تتمہ میں سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کل انشاءاللہ خیف بنی کنانہ میں اتریں گے کیونکہ وہاں مشرکین نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا تھا اور قسم اٹھائی تھی کہ وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ میل جول رشتہ نکاح خرید وفروخت اور تعلقات کو ختم کر دیں گے جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد اور حوالے نہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ آپ اُس جگہ اسلام کے نشانات کو ظاہر کریں جہاں کفار نے کفر کے نشانات ظاہر کیے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی نعمت وفضل کا شکر ادا کریں۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا روانگی کی رات ابطح میں اترنا سنت ہے۔ اور آپ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے۔

ہدایہ میں کہا صحیح تر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محصب میں اترنا مشرکین کو دکھانے کے لیے تھا اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے اظہار کے لیے تھا۔ لہٰذا یہاں اُترنا سنت قرار پایا جیسا کہ طواف میں رمل کرنا۔ صاحب ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے بلکہ آپ کا یہاں اترنا اتفاقی امر تھا۔ حضرت ابو رافع جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام تھے اُن کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ آپ کے ذاتی سامان کی دیکھ بھال کیا کریں۔ یہ ابو رافع حضور

حضور علیہ السلام سے پہلے یہاں پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب فرمایا آپ نے یہ کام اپنی رائے اور اپنے خیال سے کیا حضور علیہ السلام کے حکم کے تقاضا کے تحت نہ کیا۔ جیسا کہ مسلم نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے، یہی قول حضرت ابن عباس کا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے ان سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی جانب ہیں جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جگہ نزول فرمانا اتفاقی امر تھا تاہم حضور کی اتباع بہت محبوب و احسن ہے صحابہ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موطا میں کہا کہ محصب میں اترنا احسن و اچھا ہے۔ اور اگر کوئی شخص نہ اترے تو کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح کرے اور اس کی امداد اور راہنمائی کرے کو جب شیخ امام اجل اکرم یگانہ وقت حضرت عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور ان کے زیر سایہ حج ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، پھر منیٰ سے جانب مکہ آپ روانہ ہوئے اور محصب میں پہنچے تو آپ نے وہاں نزول فرمایا، حضرت شیخ موصوف نے اس جگہ نماز ظہر ادا فرمائی اور سو گئے اور وہیں عصر کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد فرمایا سوار ہو جاؤ یہاں اتنی مقدار میں ٹھہرنا اتباع سنت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے اور آپ نے فرمایا یکفی بنا ھذہ یعنی ہمارے لیے یہاں اتنی دیر ٹھہرنا ہی کافی ہے حضرت شیخ موصوف کا یہ قول اس پر مبنی ہے جو علماء نے کہا ہے کہ محصب میں اترنا سنت ہے۔ تاہم حضور نبی پاک علیہ السلام کا یہاں عشاء تک قیام فرمانا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمرے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ واللہ اعلم

وَعَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَا وَجَدْتُهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا تو میں مکے میں داخل ہوئی اور اپنا عمرہ قضا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری انتظار مقام ابطح میں کرتے رہے یہاں تک کہ میں عمرے سے فارغ ہو لی تو آپ نے لوگوں کو جانب مدینہ کوچ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ محصب سے نکلے اور خانہ کعبہ پہنچے تو نماز صبح سے پہلے اس کا طواف کیا پھر مدینہ منورہ کی طرف نکل پڑے۔ مؤلف فرماتے ہیں میں نے اس حدیث کو بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔ بلکہ

اٰخِرِہٖ۔

میں نے اسے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد کی روایت کے ساتھ پایا ہے۔

سلہ جو کہ حیض شروع ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو چکا تھا جیسا کہ باب قصہ حجۃ الوداع میں گزرا ہے۔

سلہ یہ طواف وداع ہے اور اسے طواف صدر (د کی زبر سے) بھی کہتے ہیں۔ اس طواف میں رمل نہیں ہے نہ اس کے بعد سعی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِىْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگ ہر طرف[1] سے جاتے آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کا آخری[2] کام بیت اللہ شریف میں آنا نہ ہو مگر اتنی بات ہے کہ حیض والی عورت کے لیے تخفیف کر دی گئی ہے[3]۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی لوگ ہر طرف سے مکے میں آتے جاتے تھے اور طواف وداع نہ کرتے تھے۔

سلہ یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرے۔

سلہ یعنی حیض والی عورت کے ذمے سے طواف وداع ساقط کر دیا گیا ہے جبکہ وہ طواف زیارت کر چکی ہو واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ طواف وداع واجب ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا مذہب ہے، امام شافعی کا صحیح مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک کے نزدیک سنت ہے۔ گویا اتفاق ائمہ فرض نہیں ہے۔ لیکن گزشتہ حدیث کا ظاہر اگرچہ اس بارے میں ہے کہ مکے سے روانہ ہوتے کا حکم طواف کی قید کے بغیر ہے مگر یہ حکم طواف کر کے جانے پر محمول ہے۔ اس حدیث کے قرینے کی بنا پر۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا اُرَانِىْ اِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرٰى حَلْقٰى اَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِىْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ روانگی کی رات[1] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنا شروع ہو گیا تو حضرت صفیہ نے فرمایا میں نہیں جانتی اپنے آپ کو مگر یہ کہ میں نے تمہیں مدینہ کی جانب روانگی سے روک لیا ہے[2]۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے[3] بانجھ منڈی ہوئی کیا اس نے نحر کے دن طواف زیارت کر لیا ہے

عرض کیا گیا ہاں تو حضور علیہ السلام نے حضرت صفیہ سے
مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ رکنے کی ضرورت نہیں۔
باہر نکل اور روانہ ہو چل۔ (بخاری و مسلم)

سلہ روانگی کی رات سے یہی رات مراد ہے جس میں حضور علیہ السلام محصب میں ستھے۔ حج کے باب میں رات گزشتہ دن سے تعلق رکھنے والی مراد ہوتی ہے نہ کہ آنے والی رات جیسا کہ مشہور ہے۔

سلہ کیونکہ مجھے حیض آنا شروع ہو گیا ہے اور میں طواف نہیں کر سکی۔

سلہ یہاں حدیث میں عقری آیا ہے عین کی زبر کاف ساکن اور الف مکسورہ سے دوسرا لفظ حلق آیا ہے حا کی زبر لام ساکن آخر میں الف مکسورہ یہ بددعائیہ کلمہ ہے مگر حقیقت میں بددعا مراد نہیں ہوتی۔ یہ کلمہ عربوں کی زبان پر عادت کے طور پر چڑھا ہوا ہے جس طرح کہ اور بہت سے کلمات ان کی زبان پر چڑھے ہوتے ہیں مگر ان کا معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔ عقری عقر سے بنا ہے بمعنیٰ زخمی کرنا قتل کرنا اور ہلاک کرنا یا بمعنیٰ بچہ جننا۔ حلق بمعنیٰ گلے میں درد ہونا یا کوئی چیز حلق میں مارنا۔ اصمعی کہتے ہیں یہ وہ کلمہ ہے جو تعجب کے مقام میں استعمال کرتے ہیں ان دو کلموں کی اس سے زیادہ بھی تحقیق ہے جو شرح میں ذکر کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا قَالُوْا یَوْمُ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ بَیْنَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا اَلَا لَا یَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی وَالِدِہٖ اَلَا وَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا اَبَدًا

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ حجۃ الوداع کے دن فرما رہے تھے یہ کونسا دن ہے لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بے شک تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن کی حرمت۔ تمہارے اس شہر میں۔ آگاہ رہو کوئی زیادتی کرنے والا اپنی ذات پر زیادتی نہ کرے۔ آگاہ رہو کوئی زیادتی کرنے والا اپنے فرزند پر زیادتی کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے والد پر زیادتی کرے۔ سو بے شک شیطان

وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ ۔

البتہ مایوس ہو گیا کہ اس کی عبادت کی جائے اس شہر میں ہمیشہ کے لیے ۔ لیکن عنقریب اس کے لیے فرمانبرداری ہو گی ان اعمال میں جنہیں تم حقیر جانتے ہو تو وہ اسی پر راضی ہو جائے گا ۔ ابن ماجہ و ترمذی اور ترمذی نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ۔

لہ معزہ کی زبر صاساکن آخر میں میں آپ صحابی ہیں آپ سے آپ کے بیٹے حضرت سلیمان روایت کرتے ہیں ۔

سلہ یا رب سے حج اکبر مطلق حج کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں واقع ہے ۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اکبر اصغر کے مقابلہ میں ہے ۔ یعنی اصغر حج عمرہ ہے اور اکبر حج ہے ۔ وہ جو لوگوں نے آج کل جمعہ کے دن حج کو حج اکبر کہنا شروع کر دیا ہے تو یہ علم و شریعت کی بات نہیں ہے اس بارے میں ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا حج ستر حج کے برابر ہے ۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع و باطل ہے ہاں وہ حج جو حضور علیہ السلام نے کیا تھا جمعہ کے دن تھا اور بے شک جمعہ کے دن کے حج میں خاص فضیلت ہے ۔ کیونکہ جگہ اور وقت دونوں کی بزرگی اس میں جمع ہو جاتی ہے ۔

سلہ اس سے مقصود گناہ سے روکنا اور دوسرے پر ظلم کرنے سے منع کرنا ہے کیونکہ جو شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے حقیقت میں اپنے پر کرتا ہے کیونکہ گناہ اور اس کا بدلہ اسی کی جانب لوٹتا ہے ۔ پس یہ خبر نہی کے معنی میں ہے ۔ اور ایک روایت میں الا علی نفسہ ۔ اس صورت میں یہ جملہ خبر کے معنی میں ہے نہی کے معنی میں نہیں ہے ۔

سلہ اس حدیث کا ذکر اس بنا پر ہے کہ اپنوں کے ساتھ زیادتی کرنا اجنبی لوگوں پر زیادتی کرنے سے زیادہ قبیح و برا ہے ۔ یا اس بنا پر بھی " کہ عرب لوگ اپنی عادت جاریہ کے مطابق ایک آدمی کے زیادتی کرنے سے اس کے قریبیوں میں سے کسی کو پکڑ لیتے تھے اس وجہ کے مطابق یہ حکم سابق کی تاکید ہو گی اسے سمجھ لو ۔

شہ یہ تمہارے شہر میں بت پوجنے سے کنایہ ہے ۔ یعنی ہمیشہ قیامت تک تمہارے اس شہر میں بت پرستی نہ ہو گی ۔

سلہ یعنی تم ایسے کام کرو گے اور گناہ کے مرتکب ہو گے اور انہیں چھوٹا اور حقیر گمان کرو گے حالانکہ چھوٹی برائیوں میں بھی شیطان کی طاعت پائی جاتی ہے جس سے وہ راضی ہوتا ہے پھر چھوٹے درجے کے گناہ فتنے اور جنگ و شر بھڑکانے کا باعث بنیں گے ۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى

حضرت رافع بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں اونٹنی پر سوار ہو کر منیٰ میں چاشت کے وقت لوگوں کو

حِیْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰی عَلٰی بَغْلَةٍ شَہْبَآءَ وَعَلِیٌّ یُّعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَیْنَ قَآئِمٍ وَّ قَاعِدٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے تعبیر و تفسیر فرما رہے تھے اور لوگ کچھ کھڑے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

(ابوداؤد)

لہ میم کی پیش زا کی زبر نون نسبت کا قبیلہ یہ مزینہ کی طرف نسبت ہے آپ صحابی ہیں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔

لہ شہبا ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے بالوں کا اوپر کا حصہ سرخ اور اندر کا سفید ہو۔ جیسے شقرا شین اور قاف کے ساتھ۔

لہ اور لوگوں کو سنا رہے اور سمجھا رہے تھے اور ان لوگوں تک باتیں پہنچا رہے تھے۔ جو دور تھے۔

لہ حج میں تین خطبے مسنون ہیں ایک آٹھویں ذوالحجہ کے دن مکہ معظمہ میں دوسرا نویں ذوالحجہ کے دن عرفات میں تیسرا منیٰ شریف میں ہر جگہ کے جو احکام ہیں وہ آپ سکھاتے اور ان کی تلقین کرتے تھے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّیَارَةِ یَوْمَ النَّحْرِ اِلَی اللَّیْلِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت دسویں ذوالحجہ کے روز رات تک موخر کیا۔لہ

(ترمذی۔ ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

لہ اس حدیث کا ظاہر حضرت عائشہ کی اس حدیث کے معارض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف (زیارت) کیا اور مکہ معظمہ میں ہی نماز ظہر ادا فرمائی۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے اس کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو بخاری و مسلم کی حدیث ہے میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْمُلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْهِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ (طواف زیارت) کے سات چکروں میں رمل نہ کیا۔لہ

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

ل۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمل طواف زیارت اور طواف وداع میں نہیں ہے۔ لہٰذا رمل صرف طواف قدوم میں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَمٰى اَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے[۱]

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ۔

اسے شرح سنۃ میں روایت کیا اور کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔ اور احمد و نسائی کی روایت میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کرلی تو اس کے لیے تمام چیزیں حلال ہوگئیں سوائے عورتوں کے۔

ل۱ اور عورتیں بھی طواف کے بعد حلال ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰخِرِ يَوْمِهٖ حِيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مِنًى فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّيَقِفُ عِنْدَ الْاُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے بجانب مکہ برائے طواف زیارت اس دن کے آخری حصہ میں جبکہ آپ نے ظہر ادا فرمائی[۱] پھر آپ منیٰ واپس تشریف لائے تو ایام تشریق کی راتوں میں آپ نے منیٰ میں ہی قیام فرمایا۔ آپ ہر جمرے کی رمی کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا[۲]۔ ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے تھے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور آپ پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس دیر تک کھڑے رہتے، اور ساگریہ وزاری کرتے پھر تیسرے جمرے کو رمی کرتے تو اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے[۳]۔ (ابوداؤد)

ل۱ اس حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔

ل۲ یعنی مشرق سے مغرب کی جانب ڈھل جاتا۔

۳؎ یعنی آپ اس کی رمی کرتے اور رمل پڑھتے۔

وَعَنْ اَبِی الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْاِبِلِ فِی الْبَیْتُوْتَۃِ اَنْ یَّرْمُوْا یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ یَجْمَعُوْا رَمْیَ یَوْمَیْنِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ فَیَرْمُوْہُ فِیْ اَحَدِھِمَا۔

حضرت ابو البداح بن عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو رات بسر کرنے کی رخصت دی کہ نحر کے دن رمی کریں۔ پھر یوم نحر کے دن کے بعد کہ دو دنوں کی رمی ایک ہی دن میں کریں۔

رَوَاہُ مَالِکٌ وَّالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

مالک۔ ترمذی۔ نسائی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے

۱؎ با کی زبر دال کی شد آخر میں ح، عاصم یہ بداح کے باپ ہیں۔ ابو البداح ثقہ تابعی ہیں۔ ان کے باپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر منیٰ میں رات بسر نہ کریں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔

بَابُ مَا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ

باب اس چیز کا جس سے مُحرِم بچتا ہے

یعنی ان چیزوں کے بیان کا باب جن سے محرم پرہیز کرتا ہے یعنی جن کا کرنا محرم کے لیے حرام ہے۔ خواہ اس کے کرنے سے دم واجب آئے یا صدقہ یا کچھ لازم نہ آئے۔ صدقہ سے مراد نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کوئی تھوڑی سی چیز جس کی مقدار معین نہ ہو۔ اس قسم کے تمام مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ نیز مناسک حج کے رسائل وغیرہ میں بھی مذکور ہیں ہم نے خود ایک فارسی رسالہ میں ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ محرم کس قسم کا لباس پہنے تو آپ نے فرمایا قمیض[1] نہ پہنو نہ پگڑیاں۔ اور نہ شلواریں[2]۔ اور نہ ٹوپیاں[3]۔ نہ موزے مگر وہ شخص جو جوتا نہ پائے۔ مگر انہیں ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے[4]۔ اور ایسے کپڑے نہ پہنو جنہیں ذرا سا زعفران بھی لگا ہو۔ نہ وہ کپڑا جسے ورس[5] لگا ہو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ)

(بخاری و مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ روایت کیے اور احرام والی عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے[6]۔ اور دستانے بھی نہ پہنے[7]۔

[1] حدیث میں لفظ قمص آیا جو قمیص کی جمع ہے۔

[2] قمیص و شلوار اس صورت میں پہننے کی ممانعت ہے جب کہ مشہور و متعارف طریقہ پر انہیں پہنا جائے۔ یعنی قمیص گلے میں ڈالی جائے اور شلوار کو کمر بند سے باندھا جائے۔ اگر انہیں چادر کی طرح بدن پر ڈالا جائے تو کچھ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس صورت میں نہیں کہتے کہ اس نے قمیص یا شلوار پہنی ہے۔

[3] حدیث میں لفظ برانس آیا ہے جو برنس کی جمع ہے۔ با کی پیش نون کی پیش را ساکن۔ یعنی لمبی ٹوپی۔ مگر یہ تفسیر برنس کی پوری تفسیر کرنے سے قاصر ہے۔ برنس کا مشہور معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا کپڑا ہے جو بلاد شام سے لایا جاتا ہے۔ وہ تمام بدن سر و گردن کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اسے بارش کے وقت بھی پہنتے ہیں۔

[4] تاکہ وہ موزہ ہونے کی حد سے نکل جائے۔

[5] ورس واؤ کی زبر را ساکن۔ یہ ایک قسم کی زرد رنگ کی گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

اسے فارسی میں اسپرگ بھی کہتے ہیں۔

؎۶ یہاں حدیث میں تنقب آیا ہے بعض نسخوں میں لا تنتقب آیا ہے یعنی دو تا اور قاف کی شد سے نون کی زیر سے یعنی چہرے کو چھپانے والی چیز۔ نقاب

؎۷ یہاں حدیث میں لفظ تقفازین آیا ہے۔ قفاز کا تثنیہ ہے۔ قاف کی پیش فا کی شد آخر میں زا۔ یہ بھی ایک قسم کی پوشش ہے جسے عرب کی عورتیں پہنتی۔ اپنے ہاتھوں کو سردی وگرمی میں جس سے ان کے ہاتھوں کی انگلیاں ہتھیلیاں اور کلائیاں سب چھپ جاتی ہیں۔ بعض نے کہا یہ ایک قسم کا زیور ہے جسے عورتیں اپنے ہاتھوں کو پہنتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَ إِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا کہ آپ فرما رہے تھے جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہہ بند نہ ملے تو شلوار پہن لے۔ (بخاری و مسلم)

؎۱ لیکن موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بیان فرمایا۔ جمہور کا مذہب یہی ہے اور اگر اسی طرح ٹھیک طور پر پہن لے تو فدیہ دے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ موزے نہ کاٹے کیونکہ یہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ بلکہ ضرورت کے تحت جیسے ہیں ویسے ہی پہن لے اس صورت میں فدیہ بھی لازم نہیں۔ اسی طرح شلوار میں بھی اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شلوار کو ادھیڑ کر اس کا تہہ بند بنا لے۔

وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ أُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ فَقَالَ أَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ

حضرت یعلی ابن امیہ؎۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جعرانہ؎۲ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبکہ ایک اعرابی شخص آیا اس پر ایک جبہ تھا اور وہ مرد خلوق؎۳ خوشبو کے ساتھ آلودہ تھا؎۴ اس نے کہا یا رسول اللہ بے شک میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور یہ لباس میرے بدن پر ہے اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خوشبو جو تیرے ساتھ لگی ہوئی ہے اسے تین بار دھو ڈال اور جبہ بدن

اِصْنَعْ فِیْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِیْ حَجَّتِكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

سے آثار دے پھر اپنے عمرے میں وہی کام کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی یا کی زبر عین ساکن۔

۲؎ اُمیہ ہمزہ کی پیش میم کی زبر اور یا مشدد آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جنگ حنین و طائف میں شریک ہوئے۔

۳؎ یہ جگہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے آپ وہاں سے عمرے کے لیے تشریف لائے تھے۔

۴؎ خا کی زبر آخر میں قاف یہ ایک خوشبو کا نام ہے جسے عرب لوگ بناتے ، اور اس میں زعفران ڈالتے ہیں۔ یہ ان کے ہاں ایک مشہور خوشبو ہے۔ آلودہ کرنے کے لیے حدیث میں لفظ ضمخ آیا ہے یعنی جسم کو خوشبو سے اس طرح آلودہ کرنا گویا کہ وہ اس سے ٹپک رہی ہے۔

۵؎ کیونکہ زعفران کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ احرام کے بعد خوشبو کا اثر باقی رہنا احرام کو فاسد کرنے والا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

۶؎ گویا وہ شخص حج کے احکام جانتا تھا عمرے کے نہیں جانتا تھا تو حضور علیہ السلام نے عمرے کو حج سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا جو احکام و ارکان حج کے ہیں یعنی احرام اور اس کی شرائط عمرے کے احکام بھی وہی ہیں اور حج و عمرہ میں ماسوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ حج میں عرفات کے اندر وقوف ہوتا ہے عمرے میں وقوف نہیں ہے

وَعَنْ عُثْمَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا یُنْكِحُ وَلَا یَخْطُبُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم شخص حالت احرام میں نہ تو اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کے نکاح کا سرپرست و وکیل بنے اور نہ اپنے نکاح کی کسی عورت سے منگنی کرے۔

(مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں تینوں لفظ پیش اور جزم سے مروی ہیں۔ منگنی کے لیے یہاں لفظ خطبہ آیا ہے۔ یعنی خا کی زیر سے یعنی عورت کی خواہش کرنا۔ یہ امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے لیکن نکاح کرنے اور کرانے سے ممانعت تحریمی مراد ہے اور خطبے سے نہی تنزیہی۔ ہمارے نزدیک سب کچھ جائز ہے۔ ہماری یعنی احناف کی دلیل حضرت میمونہ کا نکاح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا جبکہ آپ حالت احرام میں[1] تھے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی آپ نے عمرہ قضا کے لیے احرام باندھا ہوا تھا۔

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ[2] ابْنِ اُخْتِ مَيْمُوْنَةَ رض عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت یزید بن الاصم ابن اخت میمونہ سے روایت ہے وہ حضرت میمونہ سے روایت کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ حالت احرام میں نہ تھے۔ (مسلم شریف)

قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ۔

شیخ محی السنۃ رحمہ اللہ اور اکثر محدثین اس پر ہیں کہ آپ نے حضرت میمونہ سے نکاح اس وقت کیا جبکہ آپ احرام میں نہ تھے اور آپ کے نکاح کرنے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا جبکہ آپ حالت احرام میں تھے پھر آپ نے حضرت میمونہ سے صحبت کی جبکہ آپ احرام سے باہر نکل آئے تھے صحبت کرنے کا معاملہ مقام سَرِف[3] میں ہوا جو کہ مکے راستے میں ہے۔

[2] یعنی آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہمشیرہ کے بیٹے ہیں بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ صحابی ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔

[3] سَرِف سین کی زبر راکی زیر آخر میں فا یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ کے راستے پر مکہ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بات عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال شریف بھی یہیں ہوا۔ اب اس جگہ آپ کے مرقد مبارک پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ جو بعض امراء نے تعمیر کی ہے۔

واضح ہو کہ حضرت ابن عباس کی حدیث اور حضرت یزید بن الاصم کی حدیث دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعارض ہیں۔ حضرت ابن عباس کی حدیث یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا۔ ابن الاصم کی

حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حالت احرام کی بجائے حالت غیر احرام میں ہوا۔ ہمارے اصحاب حنفیہ حدیث ابن عباس کو حدیث ابن الاصم پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ابن عباس حفظ و اتقان و فقہ میں افضل و اکمل ہیں اور ان کی حدیث متفق علیہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو حالت احرام میں نکاح کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ تو اس کی تاویل کی گئی ہے۔ وہ تاویل یہ ہے کہ نکاح کرنا یا نکاح کرانا محرم کے حال کے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے کام میں مصروف ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔ اور وہ جو شافعی حضرات نے حدیث ابن عباس کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کے نکاح کا معاملہ حالت احرام میں ظاہر ہوا اس وجہ سے کہہ دیا کہ حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا تو یہ تاویل تکلف پر مبنی ہے اور اس بات پر کہ یہ حلت قبل احرام والی اصل حلت تھی۔ حالانکہ اکثر روایات اس بارے میں ہیں کہ یہ حلت عارضی تھی جو کہ احرام کے بعد حاصل ہوئی تھی اس مفہوم کے مطابق ابن الاصم کی حدیث کو بھی اس پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ کہ مراد یہ ہے کہ آپ کے نکاح کرنے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا جبکہ آپ حالت حلت میں تھے۔ علم اصول کی کتابوں میں یہاں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے۔ اور میں نے شرح کے اندر اس کا بہت سا حصہ بیان کر دیا ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْسِلُ رَاْسَہٗ وَھُوَ مُحْرِمٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر دھوتے تھے حالانکہ آپ محرم[1] تھے۔

(بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ محرم کے لیے جنابت کی بناء پر اپنا سر دھونا بالاتفاق جائز ہے، صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے سر کے دھونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح خطمی وغیرہ کے ساتھ سر دھونے میں بھی اختلاف ہے۔ ہدایہ میں کہا غسل کرتے ہیں کوئی حرج نہیں اور حمام میں جاتے ہیں بھی کوئی حرج نہیں۔ شرح میں کہا کیونکہ صرف پانی کے دھونے سے بالوں کی پراگندگی دور نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ ہوتی ہے ہاں سر اور داڑھی خطمی کے ساتھ نہیں دھونی چاہیے۔ کیونکہ خطمی بھی ایک قسم کی خوشبو ہے جو سر کی جوؤں وغیرہ کو مارتی ہے اس لیے منع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ احْتَجَمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگائی حالانکہ آپ حالت احرام[1] میں تھے۔

(بخاری و مسلم)

[1] اکثر علماء محرم کے لیے سینگی لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بال نہ ٹوٹیں۔

وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ إِذَا اشْتَكَى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهُمَا بِالصَّبِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں ایک شخص کے بارے میں جس کی دونوں آنکھیں درد کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ حالت احرام میں تھا آپ نے فرمایا دونوں آنکھوں کو صبر کے ساتھ لیپ کرے۔ (مسلم)

لہ دونوں آنکھوں کی قید اتفاقی ہے اگر ایک آنکھ بھی درد کر رہی ہو تو اسے لیپ کرنا بطریق اولی ٹھیک ہے لفظ صبر کی زبر با کی زیر اور جزم دونوں طرح جائز ہے یہ لیپ کرنا جائز نہیں یعنی حالت احرام میں مگر بالوں کی ضرورت کے تحت صبر دراصل ایک مشہور کڑوی دوا ہے جس سے درد چشم کا علاج کرتے ہیں۔ اور آنکھ میں ڈالتے ہیں یہاں لیپ کرنے کے لیے لفظ تضمید آیا ہے جس کا معنی ہے پٹی کے ساتھ زخم کو باندھنا۔ زخم پر دوائی لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے اگرچہ اس پر پٹی نہ باندھی گئی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں پٹی کا باندھنا مراد ہے کیونکہ پٹی چہرے کے کچھ حصے کو چھپا لیتی ہے۔ اس لیے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ ضرورت کے تحت ہوا۔ حالت احرام میں ایسا کرنے سے کوئی جرم لازم نہیں آتا۔

وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال کو دیکھا اور ان دونوں میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارک کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے اپنا کپڑا اوپر اٹھائے ہوئے تھے جس کے ساتھ وہ حضور علیہ السلام کو گرمی سے محفوظ کر رہے تھے یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کی۔ (مسلم شریف)

لہ آپ صحابیہ ہیں حجۃ الوداع میں حاضر تھیں۔

۲ لہ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان دونوں نے آپ کے سر مبارک پر تاج کی طرح ایک چیز اٹھا رکھی تھی یہ حدیث اس بات کے جواز کی دلیل ہے کہ محرم کا سائے کے نیچے ہونا ٹھیک ہے۔ طیبی نے کہا کہ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مالک اور احمد اسے مکروہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَّهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَّالْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ اَتُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَاْسَكَ وَاَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلٰثَةُ اٰصُعٍ اَوْصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گزرے جبکہ آپ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ کے مقام میں تھے اور انہوں نے یعنی حضرت کعب نے احرام باندھا ہوا تھا اور وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور اُن کی جوئیں اُن کے چہرے پر گر رہی تھیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تیری جوئیں تجھے تکلیف دے رہی ہیں عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دے اور چھ مسکینوں کو بارہ[۲] کلو کھانا کھلا دے یا تین دن روزہ رکھ لے یا ایک جانور[۳] ذبح کر دے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] عجرہ عین کی پیش جیم کی جزم آپ انصاری صحابی ہیں، اصحاب شجرۃ الرضوان میں سے ہیں کہا گیا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے ان کا ایک بت تھا جسے یہ پوجا کرتے تھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کے دوست تھے۔ حضرت عبادہ ایک دن ان کے پاس آئے دیکھا کہ وہ بت کو پوج کر مکان سے باہر نکلے ہیں حضرت عبادہ ان کے مکان میں داخل ہوئے اور ان کے بت کو توڑ دیا۔ جب حضرت کعب اپنے گھر میں داخل ہوئے اور بت کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو غصے میں آگئے۔ اور چاہا کہ حضرت عبادہ کو گالیاں دیں مگر پھر سوچا کہ اگر اس بت میں کچھ طاقت ہوتی تو یہ اپنے آپ کو ٹوٹنے سے بچالیتا۔ یہ خیال آنے پر آپ نے اسلام قبول کر لیا۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ فرق فا کی زبر سے آیا ہے یعنی تین صاع کا ایک فرق ہوتا ہے اس طرح ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع دے جہاں ایک لفظ آصع آیا ہے جو کہ صاع کی جمع ہے یہ اصل میں اصوع تھا تو بدل کر آصع پڑھنے لگے جس طرح آدُر دار کی جمع ہے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ انسک آیا ہے بصیغہ امر

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو اُن کے احرام کی حالت میں منع فرماتے تھے

وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَالْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

کہ وہ حالت احرام میں دستانے استعمال نہ کریں اور چہرے پر نقاب نہ ڈالیں۔ اور ایسے کپڑے کو بھی نہ پہنیں جسے ورس اور زعفران لگا ہوا ہو اس کے علاوہ جس رنگ کے بھی کپڑے پہنیں تو انہیں اجازت[2] ہے۔ جیسے پیلے رنگ کا کپڑا۔ لباس خز[3] اور زیور یا قمیص یا موزے۔ (ابو داؤد)

[1] اس حدیث کا ترجمہ ابن عمر کی حدیث سے ظاہر ہو جاتا ہے جو فصل اول میں گزری۔

[2] یعنی احرام سے باہر آنے کے بعد کپڑوں میں سے جو کپڑا بھی پسند کرے پہن سکتی ہے۔

[3] خاذرلے یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ قاموس میں ہے کہ عصفر ایک مشہور بوٹی ہے اس سے لفظ معصفر بنا ہے یعنی وہ کپڑا جو اس بوٹی میں رنگا ہوا ہو اس حدیث میں زیور کو بھی لباس میں داخل فرمایا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا حَاذُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَاْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں سوار ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں تھیں تو جب وہ سوار ہمارے نزدیک سے گزرتے[1] ہم ازواج مطہرات اپنی چادریں اپنے منہوں پر ڈال لیتی تھیں جب وہ ہمارے پاس سے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے ننگے کر لیتی تھیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ کے ہاں اس کے معنیٰ کو روایت کیا ہے۔

[1] حدیث میں لفظ حاذوا اسی طرح واقع ہوا ہے یہ جواز سے مشتق ہے۔ سنن ابوداؤد میں ایسے ہی آیا ہے اور مصابیح میں لفظ جاوزونا آیا ہے جو مجاوزت سے نکلا ہے۔ حدیث کے بعض الفاظ میں حاذوا حا اور زے کے ساتھ آیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب تیل لگایا کرتے تھے حالانکہ آپ محرم ہوتے تھے تاہم آپ ایسا تیل لگاتے تھے جس میں خوشبو نہ ہوتی تھی۔ (ترمذی)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ غیر المقتت آیا ہے یعنی ایسا تیل جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو مقتت میم کی پیش تا کی شد سے یعنی ایسا تیل جس میں خوشبو میں ملائی گئی ہوں یا ایسا تیل جس میں خوشبودار روغن ڈالے ہوئے ہوں وقت اور تقتیت یعنی پھول میں روغن کی پرورش کرنا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر تیل میں خوشبو پائی جاتی ہے کیونکہ تیل میں خوشبو اصل ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَیَّ ثَوْبًا یَا نَافِعُ فَاَلْقَیْتُ عَلَیْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِیْ عَلَیَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت نافع سے روایت ہے بے شک حضرت ابن عمر کو سردی محسوس ہوئی تو فرمایا اے نافع میرے اوپر کپڑا ڈال دو۔ نافع کہتے ہیں میں نے آپ پر برنس (ایک قسم کا سلا ہوا چغہ ڈال دیا) اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا تو میرے اوپر یہ کپڑا ڈالتا ہے حالانکہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے لیے یہ کپڑا پہننے سے ۲؎ منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

۱؎ کیونکہ مجھے سردی لگ رہی ہے۔

۲؎ حضرت ابن عمر کا ظاہر مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلے ہوئے کپڑے سے مطلقاً پرہیز کرتے تھے جیسے بھی اس کو پہنیں۔ گزشتہ ایک حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر سلے ہوئے کپڑے کو متعارف طریقے سے نہ پہنیں تو کوئی حرج نہیں یا آپ نے زیادہ احتیاط کی بنا پر ایسا کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَیْنَةَ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْیِ جَمَلٍ مِّنْ طَرِیْقِ مَكَّةَ فِیْ وَسَطِ رَاْسِهٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبداللہ بن مالک سے روایت ہے جو عبداللہ بحینہ کے بیٹے ہیں۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خون کشید کیا جب کہ آپ حالت احرام میں تھے آپ نے یہ کام لحی جمل میں کیا جو کہ مکہ کے راستے میں ہے آپ نے وہ خون اپنے سر کے وسط سے کشید کیا۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ یہاں لفظ مالک پر تنوین ہے اور یہ عبداللہ کی صفت ثانی ہے۔ بحینہ با کی پیش حا کی زبر یا ساکن سے

عبداللہ کی ماں کا نام ہے ۔مالک اُن کے باپ کا نام ہے اور اگر مالک کو تنوین سے پڑھا جائے تو لازم آتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہو حالانکہ وہ ان کی بیوی ہیں۔میں نے اس بات کو دوسری جگہوں میں بھی ذکر کیا ہے اس میں غور کرو۔

ؔ۲ لام کی زبر اور حا ساکن سے اور جمل بلفظ حیوان مشہور یہ کہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

ؔ۳ یہاں لفظ وسط سین کی زبر سے ہے وَسَط اور وَسْط کے درمیان فرق مشہور ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ نے ایسا مجبوری کے تحت کیا کیونکہ سر کے درمیان سے خون کشید کرنا بالوں کے کاٹنے کے بغیر نہیں ہو سکتا اور اگر کسی ایسی جگہ سے خون کشید کیا جائے جہاں بال ہی نہ ہوں تو بغیر فدیے کے جائز ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ عَلٰی ظَھْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ کَانَ بِہٖ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کی پشت ؔ۱ سے خون کشید کیا حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے۔بوجہ اُس درد کے جو آپ کے پاؤں کو ہو رہا تھا۔ (ابوداؤد و نسائی)

ؔ۱ اور غالباً پاؤں کی پشت پر بال نہیں ہونے اور اس کے باوجود آپ کو درد بھی ہو رہا تھا لہذا یہاں سے خون کشید کرنے میں مجبوری تھی۔

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍؓ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَیْمُوْنَۃَ وَھُوَ حَلَالٌ وَّ بَنٰی بِھَا وَھُوَ حَلَالٌ وَّ کُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلُ بَیْنَھُمَا۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ)

حضرت ابورافعؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اُس وقت آپ حالت احرام میں نہ تھے اور اُن سے صحبت بھی کی اُس وقت بھی آپ حالت احرام میں نہ تھے اور میں اُن دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا۔ؔ۱ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

ؔ۱ حضرت ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں پہلے آپ حضرت عباس کے غلام تھے انہوں نے انہیں حضور کی خدمت میں پیش کیا آپ قبطی النسل تھے۔حضرت ابن عباس کو جب ان کے اسلام لانے کی خبر لوگوں نے پہنچائی تو آپ نے خوشی میں ان کو آزاد کر دیا حضرت ابورافع جنگ خندق اور احد میں شامل ہوئے بعض نے ان کا نام مصعب بیان کیا ہے بعض ابراہیم بتلاتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے سوا اور نام بیان کرتے ہیں آپ جنگ بدر سے پہلے ایمان لا چکے تھے مگر بدر میں حاضر نہ ہو سکے۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَجْتَنِبُ الصَّيْدَ

محرم کا شکار سے بچنے کا بیان

واضح ہو کہ محرم کا شکار کرنا یا دوسرے کو شکار کا راستہ دکھانا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اگر ان افعال میں سے کوئی فعل محرم کرے گا تو اُس کا بدلہ اُس کے ذمے لازم آئے گا مگر محرم کے شکار کا گوشت کھانے میں قدرے تفصیل ہے اگر وہ خود شکار کرے یا دوسرے محرم کو شکار کا حکم دے تو اس شکار کا کھانا بھی حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے شکار کرے یا محرم کے لیے اُس کی اجازت یا بغیر اجازت شکار کرے تو اس میں مختلف مذاہب اور اقوال ہیں بعض صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں اور ابن عباس و طاؤس و ثوری کا مذہب یہ ہے کہ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مطلقًا حرام ہے۔ اس کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ آرہی ہے۔ اور مالک و شافعی و احمد کا مذہب یہ ہے کہ محرم اگر خود شکار کرے یا کوئی دوسرا اُس کے لیے شکار کرے اُس کی اجازت یا بغیر اجازت کے تو اُس کا کھانا بھی حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے شکار کرے مگر اُس میں سے کچھ بطور ہدیہ محرم کو دے تو اُس کا کھانا محرم کے لیے حلال ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اُن کے ساتھیوں کا مذہب یہ ہے کہ دوسرے محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا حلال ہے جبکہ نہ تو محرم نے خود شکار کیا ہو، نہ اُس کا حکم دیا ہو اور نہ اس پر دلالت یا اشارہ یا اعانت کی ہو۔ خود اُس نے یا دوسرے محرم نے کسی نے بھی ایسا کیا ہو تو اگرچہ وہ شکار محرم کے لیے کیا ہو تو بھی اُس شکار کا گوشت کھانا محرم کے لیے حلال ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو قتادہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے یہ ہے اس بارے میں مذاہب کی تحریر۔ اس بارے میں احادیث ظاہر کے اعتبار سے مخالف و متعارض آئی ہیں جو ہم نے شرح سفر السعادت میں پوری تفصیل سے بیان کر دی ہیں وہاں سے دیکھ لی جائیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رض اَنَّهٗ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگلی گدھا جو انہوں نے شکار کیا ہوا تھا بطور ہدیہ پیش کیا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

رَاٰی مَا فِیْ وَجْهِهٖ قَالَ اِنَّا لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مقام ابوا یا مقام ودان میں تشریف فرما تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ ہدیہ حضرت صعب کو واپس کر دیا اور اُسے قبول نہ کیا۔ جب آپ نے اُن کے چہرے پر ناخوشی محسوس کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے فرمایا کہ بیشک ہم نے وہ ہدیہ تجھ پر واپس نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۞ ۞

سلہ ص کی زبر عین کی جزم سے جثامہ جیم کی زبر ثا پر شد آپ صحابی ہیں۔ حضرت ابن عباس اُن سے روایت کرتے ہیں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا۔

سلہ ابوا ہمزہ کی زبر با ساکن سے۔

سلہ ودان واؤ کی زبر دال کی شد ابوا اور ودان مکہ اور مدینہ کے درمیان دو جگہوں کا نام ہے یہ جگہیں مدینہ کے زیادہ قریب ہیں کہتے ہیں کہ حضور کے والد حضرت عبداللہ کی قبر وہاں ہے۔ یہ حضرت صعب بن جثامہ اس جگہ کے باشندے تھے۔

سلہ یعنی ناخوشی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کا ہدیہ نہ قبول کرنے کی وجہ سے اُن کے چہرے سے غم واندوہ محسوس کیا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ حُرُم آیا ہے جو کہ حرم بکسر حا یعنی حرام کی جمع ہے جیسا کہ قاموس میں آچکا ہے۔ صحاح میں فرمایا کہ حرام کی جمع ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث کا ظاہر اس بارے میں ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے جنگلی گائے زندہ بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ محرم کے لیے اس کا قبول کرنا جائز نہیں لیکن یہاں گفتگو شکار کے گوشت میں ہے کہ اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ یہ جنگلی گائے کے گوشت کا ہدیہ تھا۔ مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ جنگلی گائے کی ران بطور ہدیہ پیش کی تھی جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

ایک روایت میں یوں لائے کہ اس کا ایک شق بکسر شین حصہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ ایک روایت میں اس کے ایک عضو کے ہدیہ کا ذکر ہے۔ پس ان روایات کے قرینہ کی بنا پر اس حدیث میں بھی گوشت ہی مراد ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ جو حالت

وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَوْا حِمَارًا وَحْشِيًّا قَبْلَ اَنْ يَرَاهُ فَلَمَّا رَاَوْهُ تَرَكُوْهُ حَتّٰى رَاٰهُ اَبُوْ قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَهٗ فَسَاَلَهُمْ اَنْ يُنَاوِلُوْهُ سَوْطَهٗ فَاَبَوْا فَتَنَاوَلَهٗ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهٗ ثُمَّ اَكَلَ فَاَكَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا اَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلُوْهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ قَالُوْا مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا فَلَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمِنْكُمْ اَحَدٌ اَمَرَهٗ اَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا اَوْ اَشَارَ اِلَيْهَا قَالُوْا لَا قَالَ فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا)

احرام میں تھے پیچھے رہ گئے اور وہ خود غیر حالت احرام میں تھے تو انہوں نے یعنی احرام والے ساتھیوں نے جنگلی گدھے کو حضرت قتادہ سے پہلے دیکھ لیا۔ جب انہوں نے اُسے چھوڑ دیا تو کچھ دیر کے بعد حضرت قتادہ نے خود اُسے دیکھ لیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے میرا کوڑا پکڑاؤ[۲] انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا[۳] اس پر حضرت ابو قتادہ نے خود نیچے اُتر کر کوڑے کو پکڑا اور جنگلی گدھے پر حملہ کر کے اُسے زخمی کر دیا پھر اُس کا گوشت خود حضرت ابو قتادہ نے بھی کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا[۴] بعد میں پشیمان ہوئے جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ سے اُس کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس اُس کے گوشت میں سے کچھ ہے انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس اُس کا پاؤں[۵] ہے۔ آپ نے اُس پاؤں کو پکڑا اور اُسے کھایا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ یا اُس کی جانب اشارہ[۶] کیا ہو انہوں نے کہا ہم میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا تو اُس کے بچے ہوئے گوشت میں سے کھاؤ

---

[۱] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ واقعہ ۶ ہجری۔ حدیبیہ کے سال کا ہے۔

[۲] بعض کہتے ہیں کہ یہاں کوڑے سے تلوار مراد ہے۔ بعض روایات میں کوڑے کے ساتھ۔ نیزے کا ذکر بھی ہے۔

[۳] انکار کی وجہ یہ تھی کہ وہ حالت احرام میں تھے۔ احرام کی حالت میں شکاری کی مدد کرنا بھی منع ہے۔

۴؎ ایک روایت میں کوشت کے ساتھ نیزے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۵؎ اس بات پر پشیمان ہوئے کہ ہم نے حالت احرام میں شکار کا گوشت کیوں کھایا حضرت ابوقتادہ نے گوشت کا کچھ حصہ اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

۶؎ ایک روایت میں اس کے بازو کا ذکر آیا ہے۔

۷؎ یعنی اس کے شکار کرنے میں کسی قسم کی مدد کی ہو۔

۸؎ یہ حدیث پاک اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محرم کے لیے شکار کے گوشت میں سے کھانا جائز ہے جب کہ اس نے خود شکار نہ کیا ہو یا شکار کی جانب رہنمائی نہ کی ہو یا اس کی جانب اشارہ نہ کیا ہو یا اس کے شکار کرنے میں مدد نہ کی ہو گزشتہ حدیث مطلقاً حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ احادیث و آثار دونوں جانب بہت ہیں تو ضروری طور پر بعض ناسخ اور بعض منسوخ ہوں گی جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَّا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ اَلْفَارَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے پانچ چیزوں کو حرم میں اور حالت احرام میں قتل کیا اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں چوہے کو۔ کوے کو۔ گدھ کو۱؎ بچھو کو اور ہلکے کتے کو۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ الفارۃ آیا ہے یعنی را مخفف سے۔

۲؎ حدیث میں لفظ حداۃ آیا ہے یعنی حا کی زیر دکی زبر همزہ کی زبر سے بروزن عنبہ یہ ایک مشہور جانور ہے اسے غلیواز بھی کہتے ہیں بعراح میں اسے خات کہا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ اَلْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور فاسق یعنی شریر ہیں انہیں حل و حرم دونوں جگہوں میں قتل کر دیا جائے۱؎ سانپ، جنگلی کوا، چوہا، اڑنے والا کتا اور گدھ۲؎ (بخاری و مسلم)

۱؎ محرم کے لیے ان کا قتل کرنا جائز ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ ابقع آیا ہے یعنی یا ارق سے بمعنی جنگلی کوا جس میں سیاہی اور سفیدی دونوں رنگ ہوتے ہیں، اُس کی پشت اور پیٹ پر بھی سفیدی ہوتی ہے یہ صفت اور یہ رنگ اڑنے والے پرندوں اور کتوں دونوں میں پایا جاتا ہے۔ صراح میں بلقع کا معنیٰ پرندے کی سفیدی کا کیا ہے۔ حدیث میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں واقع ہوا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا گویا کہ میں ایک سفید رنگ کے کتے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو اپنا منہ اہل بیت کے خون میں ڈالے ہوئے ہے۔ شمر ملعون کی رنگت واقعی ایسی ہی تھی کیونکہ اُسے برص کی بیماری تھی۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ حدیا حداۃ کی تصغیر کی صورت میں آیا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں مذکور ہوا۔ واضح ہو کہ ان دونوں حدیثوں میں پانچ موذی چیزوں کا ذکر ہوا ہے لیکن گزشتہ حدیث میں بچھو کا ذکر تھا سانپ کا نہ تھا۔ بعد والی حدیث میں اس کے الٹ ہے۔ یعنی سانپ کا ذکر ہے بچھو کا نہیں اور کوا کبھی مطلق مذکور ہوتا ہے اور کبھی ابقع کے ساتھ موصوف ہو کر مراد ہوتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ وہ جانور جسے حل و حرم میں محرم اور غیر محرم دونوں قتل کر سکتے ہیں ان پانچ میں منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ تمام موذی جانوروں کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح تمام درندے جیسے شیر بھیڑیا۔ اور جیسا سب کاٹنے والے کتے میں داخل ہیں۔ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے انہیں قتل کرنا جائز ہے بلکہ حل و حرم میں ہر موذی جانور کا قتل جائز ہے مگر جرم کرنے والے انسان کا قتل جس نے حرم میں جرم کیا ہو یا حل میں کیا ہو۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک اگر جرم حرم میں کیا ہو یا حرم میں پناہ حاصل کرلی ہو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ اس پر جینا تنگ کر دیا جائے یعنی اس کے کھانے پینے کی چیزیں اس تک نہ پہنچنے دی جائیں تاکہ وہ حرم سے نکلنے پر مجبور ہو جائے جب وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکلے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس پر سزا جاری کر دی جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّيْدِ لَكُمْ فِي الْاِحْرَامِ حَلَالٌ مَا لَمْ تَصِيْدُوْا اَوْ يُصَدْ لَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شکار کا گوشت تمہارے لیے حلال ہے جبکہ تم نے اُسے شکار نہ کیا ہو[1]۔ یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

لہ یعنی جبکہ تم حالت احرام میں ہو۔

ے اگر شکار کرنے والا محرم نہ ہو۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔ یہ مذہب دو دوسرے مذہبوں کے درمیان ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَیْدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹڈی سمندری[۱] شکاروں سے ہے۔ (ابوداؤد ترمذی)

[۱] یعنی سمندری شکار کے حکم میں داخل ہے روایات میں آیا ہے کہ ٹڈی مچھلی کے ناک چھینکنے سے پیدا ہوئی ہے بعض کہتے ہیں ٹڈی مچھلی سے پیدا ہوتی ہے جیسے کیڑے پیدا ہوتے ہیں پھر دریا انہیں ساحل پر پھینک دیتا ہے تو وہ خشکی میں پرورش پاتی ہیں۔ اس حدیث سے بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے کہ ٹڈی کا شکار دریائی شکاروں سے ہے۔ اور دریائی شکار اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (احل لکم صید البحر یا دمتم حرما) (یعنی تمہارے لیے دریائی شکار حلال ہے باوجودیکہ تم حالت احرام میں ہو) کے مطابق حلال ہے۔ لیکن جو لوگ ٹڈی کا شکار جائز قرار نہیں دیتے وہ اسے خشکی کے شکار میں شمار کرتے ہیں کیونکہ یہ خشکی میں رہتی ہے۔ زمین میں انڈا دیتی ہے۔ نباتات اور پھلوں کو جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں اپنی خوراک بناتی ہے۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹڈی کو دریائی شکار کے حکم میں اس لیے شمار کیا کہ اسے دریائی شکار کی طرح بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِیَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا محرم حملہ آور درندے کو قتل کر سکتا ہے[۱]۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

[۱] یہ حملہ آور درندہ کاٹنے والے کتے کے حکم میں ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمَّارٍ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الضَّبُعِ اَصَیْدٌ ھِیَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَیُؤْکَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبدالرحمان بن ابوعمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بجو[۱] کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے جس کا قتل محرم کے لیے حرام ہے تو آپ نے فرمایا ہاں پھر میں نے کہا کیا اس کا کھانا حلال ہے حضرت جابر

قَالَ نَعَمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

نے فرمایا ہاں اُس کا کھانا حلال ہے تو میں نے کہا آپ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا ہاں[۳]۔ ترمذی۔ نسائی، شافعی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] عین کی زبر میم کی شد آپ تابعی ہیں کی اور قرشی ہیں عبادت کا بڑا ہی شوق رکھتے تھے ہمیشہ پاک دامنی اور ہر قسم کی آلائش سے پاک زندگی گزاری۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ ضبع آیا ہے ض کی زبر با کی پیش مشہور جانور ہے۔

[۳] واضح ہو کہ بجو کے گوشت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ وہ اسے کھایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے بھی اس کا جواز مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اسی طرف گئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اسکی کراہت کی طرف گئے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پھاڑنے والے دانت رکھنے والے درندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ پھر خاص اس کے گوشت کی کراہت میں بھی مروی ہے لیکن کہتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ شافعی حضرات یہ کہتے ہیں کہ بجو کو ہر درندے کے عموم کی ممانعت سے حضرت جابر کی حدیث کی بنا پر خاص کر لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ هُوَ صَيْدٌ وَّ يُجْعَلُ فِيْهِ كَبْشًا إِذَا أَصَابَهُ الْمُحْرِمُ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ وہ شکار ہے[۱] اگر اسے محرم قتل کر ڈالے تو اُس کے عوض ایک مینڈھا دے دے۔ (ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

[۱] کہ اُن کو اگر محرم مار ڈالے تو اُس کے ذمے جرم ثابت ہو جائے گا۔

وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ أَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ أَوَ يَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ۔

حضرت خزیمہ[۱] بن جزء[۲] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے کھانے کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بجو کو بھی کوئی کھاتا ہے[۳]۔ اور میں نے آپ سے بھیڑیے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا کیا بھیڑیے کو بھی کوئی کھاتا ہے جس میں خیر اور

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ)

بھلائی ہو۔ ترمذی شریف اور کہا کہ اس کا اسناد قوی نہیں۔

سلہ خا کی پیش زا کی زبر۔

سلہ جیم کی زبر زا ساکن اس کے بعد ہمزہ اور جیم کی زبر زا کی زیر اس کے بعد یا بھی پڑھا گیا ہے بعض حضرت زا کی شد اور یا کے بغیر اسے پڑھتے ہیں۔

سلہ یعنی بجو ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے کوئی کھائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَاُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ اَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ طَلْحَةُ وَافَقَ مَنْ اَكَلَهُ قَالَ فَاَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن[1] بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے ساتھ تھے اور ہم نے احرام باندھا ہوا تھا حضرت طلحہ کے لیے بھنے ہوئے پرندے بطور ہدیہ لائے گئے طلحہ اس وقت سو رہے تھے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے کھایا اور ہم میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے اس کے کھانے سے گریز کیا جب حضرت طلحہ بیدار ہوئے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت[2] کی فرمایا ہم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا ہے[3]۔ (مسلم شریف)

سلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبداللہ صحابی ہیں حضرت طلحہ بن عبداللہ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ یہ بیعت الرضوان کے بعد اسلام لائے بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے جس دن حضرت عبداللہ بن زبیر شہید کیے گئے یہ بھی اسی دن شہید ہوئے۔

سلہ یہ موافقت خواہ زبان سے کی یا عمل سے عمل سے اس طرح کہ ان کا جو گوشت بچا ہوا تھا وہ آپ نے کھا لیا۔

سلہ یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کے لیے بھی بھنے ہوئے پرندے بطور ہدیہ لائے گئے تھے، آپ نے انہیں کھایا تھا اس لیے کہ وہ پرندے ان کے لیے شکار نہیں کیے گئے تھے۔ یہ اس شخص کی تاویل ہے جو کہتا ہے کہ محرم اس میں سے کھا سکتا ہے جو غیر محرم نے شکار کیا ہو۔ اس حدیث کا ظاہر مطلق ہے اور جنہوں نے کھانے

سے پرہیز کیا انھوں نے دو سرے احتمالات کی وجہ سے پرہیز کیا یعنی یہ کہ شاید محرم نے شکار کی طرف رہنمائی کی ہو یا اُس کی طرف اشارہ کیا ہو یا شکار کرنے والے کی مدد کی ہو۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْاِحْصَارِ وَفَوْتِ الْحَجِّ

روکے جانے اور حج کے فوت ہو جانے کا باب

حصر و احصار بمعنی منع کرنا، روکنا اور کسی کو سفر یا کسی اور کام سے باز رکھنا اور کسی کو تنگی میں ڈالنا عربی میں یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں (احصرہ المرض او السلطان) یعنی بیماری یا بادشاہ نے اُسے روک لیا یہ الفاظ اس وقت کہتے ہیں جب کہ بیماری یا بادشاہ بندے کو اُس کے کام یا مقصد سے روک دیں اسی طرح کہتے ہیں حصرہم اللہ یعنی اللہ نے انہیں روک لیا جب کوئی شخص جو محرم ہو حج کرنے سے روک دیا گیا چونکہ اس صورت میں وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے وہ احرام سے باہر آجائے لیکن تین ائمہ یہ کہتے ہیں کہ رکاوٹ صرف دشمن کی بناء پر ہو سکتی ہے جیسا کہ واقعہ حدیبیہ میں ہوا۔ ان کے نزدیک مریض اپنے احرام پر باقی رہے گا اور اگر عذر ختم ہو گیا اور حج بھی فوت ہو گیا تو عمرہ کے عمل کے ساتھ احرام سے باہر نکل آئے۔ احناف کے نزدیک بیماری بھی رکاوٹ کا سبب ہے حدیث میں آیا ہے جو شخص لنگڑا ہو گیا یا اس کا پاؤں ٹوٹ گیا تو احرام سے باہر آجائے اور اگلے سال اُس کے ذمے حج لازم ہے۔ اس باب میں ایک دوسرا اختلاف بھی ہے وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک حرم شریف میں قربانی کا جانور بھیجے۔ کیونکہ خون بہانا قربت و عبادت شمار نہیں کیا گیا مگر مخصوص زمانے اور مکان میں اس کے برعکس شافعی حضرات کے نزدیک حرم شریف میں جانور کا پہنچانا موقوف نہیں بلکہ جہاں اُسے رکاوٹ لاحق ہوئی ہو وہیں قربانی کا جانور ذبح کرے جیسا خود حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں قربانی کے جانور ذبح کیے اور حدیبیہ حرم کی زمین سے باہر حِل میں واقع ہے۔ احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات کے لیے حرم میں قربانی کے جانور کا پہنچانا ممکن نہ تھا اس لیے مجبوراً اُن کو وہیں ذبح کرنا پڑا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں تو ہو سکتا ہے کہ انھوں نے حرم کی زمین میں ذبح کیا ہو۔ کتاب مواہب لدنیہ میں محب طبری سے لائے کہ حدیبیہ کا اکثر رقبہ حرم میں سے ہے۔ یہاں ایک اختلاف اور بھی ہے وہ یہ کہ جس کو حج سے روک دیا گیا وہ موقع ملنے پر اُس کی قضا کرے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضا نہیں ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کے عمرے کا عمرۃ القضا نام رکھنا احناف کے مذہب کی تائید کرتا ہے شافعی حضرات اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں قضا بمعنی صلح ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدْ أُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ وَ جَامَعَ نِسَاءَهُ وَ نَحَرَ هَدْيَهُ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو آپ نے اپنے سر مبارک کا حلق کیا اپنی عورتوں کے ساتھ مجامعت کی اور اپنی قربانی کے اونٹ ذبح کیے جو کہ آپ ساتھ لے گئے تھے یہاں تک کہ آپ نے اگلے سال اہل مکہ کے ساتھ صلح کر لینے کی بنا پر عمرہ کیا۔ (بخاری)

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَ حَلَقَ وَ قَصَّرَ أَصْحَابُهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ نکلے یعنی عمرہ کے لیے حدیبیہ سے تو قریش کے کفار ہمارے اور بیت اللہ شریف کے درمیان حائل ہو گئے یعنی وہاں جانے سے روک دیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانیوں کو ذبح کیا جو آپ ساتھ لے گئے تھے اور سر مبارک کا حلق کیا اور آپ کے صحابہ نے بال کٹوائے[1]

(بخاری شریف)

[1] یعنی بعض نے بال کٹوائے اور بعض نے کافی دیر توقف کرنے کے بعد حلق کیا احرام سے باہر آنے کے لیے توقف اس لیے کیا کہ انہیں مکہ شریف جانے سے کفار کے روکنے کا بڑا غم و صدمہ لاحق ہوا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے آپ خود احرام سے باہر آئیں اور حلق کریں تاکہ دوسرے بھی یہ کام کریں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احرام سے باہر آئے اور حلق فرمایا حضور کی متابعت کی ضرورت کے تحت صحابہ کرام میں سے بھی بعض نے حلق کیا اور بعض نے بال کٹوائے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلق کی فضیلت بیان کی تھی اس کے باوجود بعض افراد نے صرف بال کٹوانے پر کفایت کی۔

وَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرنے سے پہلے قربانی کی اور اپنے اصحاب

وَاَمَرَ اَصْحَابَهٗ بِذَالِكَ -
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کو بھی اس کا حکم دیا۔
(بخاری شریف)

۱؎ میم کی زبر سین کی جزم اور و کی زبر سے۔
۲؎ میم کی زبر خا کی جزم سے اور خا کے بعد را۔
۳؎ جیسا کہ دستور ہے۔ ہدایہ میں کہا کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک روک لیے جانے کی صورت میں ایک قول کے مطابق حلق یا تقصیر نہیں ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حلق یا قصر کرنا چاہیے، اگر نہ کرے تو بھی کوئی جرمانہ مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال حلق کیا مگر پہلے دو امام یہ فرماتے ہیں کہ حلق اس صورت میں قربت و عبادت ہے جبکہ وہ افعال حج و عمرہ پر مرتب ہو۔ اس کے بغیر وہ عبادت نہیں اور حضور علیہ السلام اور صحابہ نے جو کیا وہ اسی لیے کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام یہیں سے واپس لوٹنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيَ اَوْ يَصُوْمَ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا -
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے؟ سنت یہ ہے اگر تم میں سے کسی شخص کو حج سے روک دیا گیا ہو تو وہ بیت اللہ شریف اور صفا مروہ کا طواف کرے یعنی عمرہ کرے۔ پھر وہ ہر چیز کے لیے حلال ہو جائے گا۔ اور احرام سے باہر آ جائے گا یہاں تک کہ پھر وہ اگلے سال حج کرے تو ہدی کا جانور ذبح کرے اور اگر ہدی میسر نہ آئے تو روزہ[۱] رکھے۔ (بخاری شریف)

۱؎ اس حدیث میں حج سے روکے جانے کے احکام بیان فرما دیے گویا بعض لوگ ان احکام سے بے خبر تھے یا اس کے خلاف کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج سے روک لیا جائے تو عمرہ کرے اور احرام سے باہر آ جائے اس کے بعد حج کی قضا کرے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر کی بیٹی حضرت ضباعہ کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا شاید کہ تو

لَهَا لَعَلَّكِ اَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا اَجِدُنِیْ اِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّیْ وَاشْتَرِطِیْ وَقُوْلِیْ اَللّٰهُمَّ مَحِلِّیْ حَیْثُ حَبَسْتَنِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حج کا ارادہ رکھتی ہے؟[2] حضرت ضباعہ نے عرض کیا ہاں میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن اللہ کی قسم نہیں پاتی میں اپنے آپ کو مگر بیمار[3] تو حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا حج کرو اور شرط لگاؤ یعنی چنانچہ یوں کہو اے اللہ میں وہیں احرام سے باہر آجاؤں گی جہاں تو مجھے[4] روک لے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] ض کی پیش با مخفف اس کے بعد عین آپ حضور علیہ السلام کے چچے کی بیٹی ہیں اور زبیر عبد المطلب کے بیٹے ہیں جو حضور علیہ السلام کے چچوں میں سے ایک ہیں۔ یہ زبیر مشرف بالاسلام نہ ہوئے مگر حضرت ضباعہ صحابیہ ہیں۔ اور ان خواتین اسلام میں سے ہیں جنہیں حضور علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی۔

[2] یہ شفقت اور مہربانی کے لہجے میں حج سے متعلق استفسار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تو حج کرنا چاہتی ہے۔

[3] یعنی اپنے اندر ضعف محسوس کرتی ہوں اور نہیں جانتی کہ حج پورا کرنے کی قدرت مجھ میں ہے یا نہیں۔ یہاں درد کے لیے لفظ وجعۃ جو جیم کی زبر اور زیر دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ یعنی بہت تکلیف جیسے لفظ ورع و ورع۔

[4] اور مجھے باز رکھے گا یہاں احرام سے باہر آنے کے لیے لفظ محل آیا ہے جیم کی زبر اور حا کی زیر سے یعنی احرام سے باہر آنے کا مکان یا وقت۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حج سے رکاوٹ بیماری کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شرط لگانا بھی ٹھیک ہے اور وہ جماعت جو یہ کہتی ہے کہ صرف دشمن کی وجہ سے ہی حج سے رکاوٹ ہوسکتی ہے یہ کہتی ہے کہ اگر مرض ایسا ہوتا جس کی وجہ سے احرام سے باہر آنا جائز ہوتا تو شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شرط احرام سے باہر آنے کے لیے احرام سے باہر آنے میں جلدی ہوسکتی ہے اور اگر یہ شرط نہ لگائی جاتی تو ہدی کے اپنے مقام میں جو کہ حرم ہے احرام سے باہر آنے کو پیچھے کیا جاتا۔ جب یہ شرط لگائی گئی تو قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے بھی احرام سے باہر آنا جائز ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور جو لوگ ان کے موافق ہیں سب کا یہی مذہب ہے کہ بیماری بھی حج سے رکاوٹ ہے بعض نے کہا ہے کہ شرط لگانے کے باوجود احرام سے باہر آنا جائز نہیں اور یہ حکم جو اس حدیث میں مذکور ہے صرف حضرت ضباعہ کے ساتھ خاص تھا۔ واللہ اعلم۔

صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عمر حج میں شرط لگانے کے منکر تھے اور گزشتہ حدیث میں

آپ کا ارشاد کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں؟ اسی وجہ سے ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر بیماری کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہونے کے قائل ہیں۔ اسے سمجھ لو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ يُّبَدِّلُوا الْهَدْىَ الَّذِىْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِىْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا اپنی قربانی کو عمرۂ قضا میں تبدیل کریں جو انہوں نے حدیبیہ میں ذبح کی تھی[۱]

(ابوداؤد)

[۱] یعنی گزشتہ سال جو انہوں نے وقت رکاوٹ قربانی ذبح کی تھی آئندہ سال عمرہ قضا میں پھر قربانی کرے تاکہ یہ قضا والی قربانی حرم کی زمین میں ذبح ہو کیونکہ رکاوٹ والی قربانی حرم کے سوا کسی اور جگہ ذبح کرنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مگر یہ اس صورت میں تبدیلی کا حکم ہے جب کہ حدیبیہ کے اندر گزشتہ سال غیر حرم میں ذبح کی ہو اور یہ ظاہر بات ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حدیبیہ میں بھی حرم کے اندر ذبح کی تھی۔ کیونکہ موضع حدیبیہ کا اکثر حصہ حرم میں ہے۔ جیسا کہ ترجمے کی شرح میں ہم نے اس کی جانب اشارہ کر دیا ہے تو اس صورت میں تبدیلی کا حکم احتیاط اور دوبارہ فضیلت حاصل کرنے اور استحباب کے طور پر ہوگا

[۲] بعض نسخوں میں یہ عبارت زیادہ ہے وہ عبارت یہ ہے وفیہ ضعف وفی سندہ محمد بن اسحٰق یعنی اس روایت میں ضعف ہے اور اس کی سند میں محمد بن اسحٰق راوی ہے۔

وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى اَوْ

حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا پاؤں[۱] ٹوٹ گیا یا جو لنگڑا[۲] ہو گیا تو وہ احرام سے باہر آ جائے[۳] اور اس پر اگلے سال حج لازم[۴] ہے۔ ترمذی ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے۔ کہ ایک دوسری روایت میں یوں ہے یا بیمار ہو گیا اور ترمذی نے

مَرِضَ۔ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَ فِی الْمَصَابِیْحِ ضَعِیْفٌ)

کہا یہ حدیث حسن[۵] ہے۔ اور مصابیح میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف[۶] ہے۔

[۱] آپ صحابی ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں آپ کی حدیث حجاز والوں کے پاس ہے ان سے حضرت عکرمہ اور دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ کسر بصیغہ مجہول آیا ہے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ عرج آیا ہے را کی زیر سے۔

[۴] یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حج میں رکاوٹ دشمن کے علاوہ دوسری مجبوریوں کے تحت بھی ہو سکتی ہے جیساکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور شرط لگانے کی قید تکلف ہے۔

[۵] ایک نسخے میں اس طرح ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۶] توربشتی نے کہا کہ اس حدیث کو ضعیف کہنا باطل ہے۔ اور کہا کہ اس حدیث کا قول عکرمہ سے تمام موجود ہے اور یہ حجاج ابن عمرو کے راویوں میں سے ایک راوی ہے وہ قول یہ ہے کہ کہا یعنی عکرمہ نے کہ میں نے ابوہریرہ اور ابن عباس سے اس کا ذکر کیا کہ حجاج ابن عمرو یوں کہتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ انہوں نے ٹھیک فرمایا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَعْمُرَ الدِّیْلِیِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَیْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَیَّامُ مِنًی ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ۔

حضرت عبدالرحمان بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ حج عرفہ کا نام[۱] ہے جس شخص نے عرفہ کو جمع ہونے کی رات میں طلوع فجر سے پہلے پالیا اس نے حج کو پالیا[۲] اور منیٰ کے تین[۳] ایام ہیں تو جو شخص دو دنوں میں ہی جلدی کر کے منیٰ سے باہر نکلا اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں اور جو شخص دیر کرے تو اس کے ذمے بھی کوئی گناہ نہیں[۴]۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترمذی۔ ابوداؤد و نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سلہ یا کی زبر عین ساکن اور میم بھی زبر ہے۔
سلہ دکی زبر اور یا ساکن سے آپ صحابی ہیں کوفہ میں رہائش پذیر رہے۔ خراسان میں وفات پائی۔
سلہ یعنی حج کا دارومدار اور ارکان حج میں بڑا رکن عرفات میں وقوف ہے اگرچہ طواف بھی رکن ہے لیکن یہ اس سے عظیم تر ہے کیونکہ اس کے بغیر حج کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔
سلہ یعنی جس شخص نے عرفات میں وقوف مزدلفہ والی رات میں جو کہ ذالحجہ کی دسویں رات ہے، کر لیا صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پہلے تو بے شک اس نے حج پا لیا عرفات میں کھڑے ہونے کا اول وقت نویں کے دن زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس کا آخر وقت عید کے دن کی صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ وقوف کا معنیٰ اس وادی میں کھڑا ہونا ہے اگرچہ ایک گھڑی کے لیے اگرچہ نیند کی حالت میں ہو۔ یہاں ایک مسئلہ ہے علماء بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اگر رات کے آخری حصے میں وہاں پہنچا اور اس نے ابھی نماز عشاء پڑھنی ہو تو وہ کیا کرے یعنی کھڑا ہو یا نماز پڑھے کیونکہ اگر وہ کھڑا ہوتا ہے تو نماز کا وقت نکل جاتا ہے اور اگر وہ نماز میں مشغول ہوتا ہے تو حج ہاتھ سے جاتا ہے ایسا شخص کیا کرے نماز پڑھے یا حج کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز پڑھے کیونکہ وہ افضل عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حج کرے کیونکہ حج کے قضا کرنے میں بہت تنگی اور عظیم مشقت ہے۔ پسندیدہ بات یہی ہے کہ حج کرے۔
ھہ یعنی گیارھواں، بارھواں اور تیرھواں دن انہیں ایام تشریق بھی کہتے ہیں یہ تین دن منیٰ میں ہی گزارنے چاہییں اور وہیں رمی کرنی چاہیے۔
سلہ یعنی دوسرے دن ہی وہاں سے باہر آ گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں کسی واجب کا ترک نہیں پایا جاتا۔

سلہ اور تیرھویں کے دن بھی ٹھہرے تو اس پر بھی کوئی حرج نہیں اور اس نے کسی خلاف سنت کام کا ارتکاب نہ کیا۔ یعنی دونوں صورتیں برابر ہیں اگرچہ ٹھہرنا اور تاخیر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کثرت عبادت اور زیادہ مشقت ہے بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں دو گروہ پائے جاتے تھے۔ ایک گروہ جلدی کو گناہ جانتا تھا دوسرا تاخیر کو اس بارے میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور فرمایا گیا کہ تعجیل و تاخیر دونوں برابر ہیں ان میں سے کسی کے میں گناہ اور حرج نہیں ہے۔

بَابُ حَرَمِ مَكَّةَ حَرَسَهَا

باب حرم مکہ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کرے

حرم مکہ مخصوص قطعہ زمین ہے جس کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم و بزرگی کرنے کا حکم دیا اس قطعے کا نام حرم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی چیزوں کو وہاں حرام قرار دیا ہے جو کہ دوسری جگہ حرام نہیں بعض نے حرام قرار دینے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب زمین پر بھیجا تو آپ ڈر گئے کہ شیاطین آپ کو ہلاک ہی نہ کر دیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی حفاظت و نگہبانی کے لیے فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ آپ کی پاسبانی کریں وہ فرشتے حدود حرم کے ہر جانب کھڑے ہو گئے تو زمین کا وہ ٹکڑا جو مکہ معظمہ اور فرشتوں کے کھڑا ہونے کے درمیان میں تھا حرم قرار پایا۔ بعض کہتے ہیں جب حضرت خلیل الرحمان صلوٰۃ اللہ والسلام علیہ وعلیٰ انبیاء نے تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو رکھا تو اس کے دائیں بائیں اور مشرق و مغرب میں زمین کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔ پس حجر اسود کے نور سے زمین کا جو حصہ روشن ہو گیا وہ حرم کہلایا۔ حدود حرم کی علامات اور نشانیاں ہیں اور وہ مینار سے ہیں جو جدہ اور جعرانہ کی جانب کے سوا باقی اطراف میں تعمیر کیے گئے ہیں ان دو جانبوں میں تعمیر کرنے کا اتفاق نہ ہو سکا سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بتانے سے جس نے نشانات نصب کیے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اُن کے بعد قصی ابن کلاب نے نصب کیے بعض کہتے ہیں کہ یہ نشانات حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ کے بعد نصب کیے اُن کے بعد قصی نے نصب کیے۔ رکھنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے علامات نصب کیں وہ عدنان ابن اُدس ہے جبکہ اُسے خوف لاحق ہوا کہ حرم کی حدود کہیں مٹ ہی نہ جائیں اُن کے بعد قریش نے نشانات نصب کیے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال نشانات نصب فرمائے اُس کے بعد حضرت عمر ابن خطاب پھر اُن کے بعد حضرت عثمان ابن عفان نے نصب کیے پھر اُس کے بعد حضرت معاویہ بن ابو سفیان نے پھر حرم کی حدود ہر طرف سے مساوی نہیں۔ خانہ کعبہ کے سب سے زیادہ نزدیک جانب تنعیم ہے۔ تاریخ مکہ میں تمام اطراف و جوانب کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَ قَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ إِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَ لِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت[1] باقی ہے اور جب تمہیں نکالا جائے تو نکل پڑو اور آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرم قرار دیا ہے جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک بلد الحرام بن گیا ہے اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے لیے بھی حلال نہیں ہوا مگر دن کی ایک گھڑی میں پس وہ قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے بلد الحرام بن چکا ہے اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کے شکار کو تکلیف نہ دی جائے اور اس میں پڑی ہوئی گمشدہ چیز کو نہ اٹھائے مگر وہ شخص جو اس کی پہچان کرانا چاہتا ہو اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے اس پر حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ مگر اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دی جائے کیونکہ یہ گھاس ان کے لوہاروں کے کام آتی ہے اور ان کے گھروں میں بھی کام آتی ہے کیونکہ ہم اس گھاس کو اپنی قبروں میں اور اپنے گھروں میں ڈال لیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اذخر گھاس کاٹ سکتے ہو۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابو ہریرہ سے اس طرح مروی ہے کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کے گرے ہوئے سامان کو نہ اٹھائے کوئی شخص مگر وہ جو اس کا اعلان کرنے والا ہو۔

[1] یعنی جہاد اور نیت اب بھی باقی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت ہر اس شخص پر فرض تھی جو ہجرت کی استطاعت رکھتا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکہ معظمہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کرنے پر دوسرے

صاحب استطاعت مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض تھی جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو جو ہجرت فرض تھی وہ ختم ہو گئی کیونکہ دارالحرب نہ رہا لیکن دیار کفر سے دار اسلام کی طرف دین اور اسلام کے احکام کی حفاظت کے لیے ہجرت اب بھی باقی ہے۔ یہ ہجرت جہاد اور نیت کے لفظ کے تحت داخل ہے۔ یعنی جہاد اب بھی باقی ہے کیونکہ جہاد کے ذریعے وہ ثواب اور فضیلت حاصل کی جا سکتی ہے جو ہجرت کے ختم ہونے پر موجود ہے باقی رہی نیت کہ نیت کا درست رکھنا ہر عمل کو صحیح نیت سے کرنا یہ بھی ہمیشہ کے لیے باقی ہے اور اس میں بھی ہجرت کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی ترک ہوائے نفس اور بشریت کے وطن سے باہر آنا اور شارع علیہ السلام نے جس چیز سے منع کیا ہو اُسے ترک کر دینا کہ یہ بھی ایک قسم کی ہجرت ہے۔

۵۲ یعنی جب تمہیں بلایا جائے اور جہاد کے لیے گھر سے باہر نکالا جائے یعنی حاکم وقت حکم دے کہ کافروں کے ساتھ جنگ کے لیے گھروں سے باہر نکلو مسلمانوں کی مدد اور نصرت کرو تو نکل پڑو اور حکم کی بجا آوری کرو۔

۵۳ یعنی بے شک خدائے تعالیٰ نے شہر مکہ کو بلد حرام بنایا، اور چند چیزوں کے ارتکاب سے یہاں منع فرمایا ہے جس دن سے کہ اُس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے یعنی اس شہر کی حرمت قدیم چیز اور سابقہ شریعت ہے۔ یہ چیز نئی پیدا ہونے والی چیزوں میں سے نہیں اور کسی ایک شریعت کے ساتھ بھی خاص نہیں ہے یا مراد یہ ہے کہ اس شہر کی زمین جب سے پیدا کی ہے حرمت والی پیدا کی ہے، یہ صفت اس میں رکھ دی اگر کہا جائے کہ باب حرم المدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکے کو حرمت والا بنایا ہے اور اُسے حرم ٹھہرایا میں نے مدینہ کو حرم بنایا اور حرمت والا ٹھہرایا ہے اگر خانہ کعبہ کو حرم بنانا قدیم بات ہوتی تو پھر اسے باحرمت بنانے کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیوں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی حرمت کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیم نے حکم الٰہی لوگوں تک پہنچایا اور اس سے لوگوں کو آگاہ کیا، حقیقت میں شریعتوں اور احکام کا حکم دینے والا خدائے تعالیٰ ہے اُس کا حکم قدیم ہے۔ انبیاء علیہم السلام احکام پہنچانے والے ہیں یا جب بیت المعمور تک جو آسمانوں میں ہے طوفان نوح کے وقت خانہ کعبہ کو اٹھایا گیا اور اُس عمارت کے نشانات بالکل مٹ گئے جو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی۔ اور اُس کی حرمت ختم کر دی گئی اور شریعت سابقہ بالکل چھوڑ دی گئی اور فراموش کر دی گئی۔ تو یہ کیفیت ایک عرصہ تک برقرار رہی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ آ کر اس حرمت کو زندہ کیا۔

۵۴ یہ اُس لڑائی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت خالد بن ولید کی طرف سے وقوع پذیر ہوئی اور یہ ضروری اور ظاہر بات ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و اذن سے ہی جنگ کی ہو گی ایسے اکثر علماء اور امام ابوحنیفہ بھی اُن علماء میں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ فتح مکہ قہر و غلبہ سے فتح ہوا جسے فقہ کی کتابوں میں فتح عنوہ کہتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ مکہ شریف صلح کی شکل میں فتح ہوا کیونکہ وہ

لوگ جنگ کے لیے تیار نہ تھے اور جو جنگ ہوئی وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مکہ میں داخل ہونے پر اتفاقاً ہو گئی کیونکہ بعض مشرکین نے اُن سے چھیڑ چھاڑ کی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکہ شریف میں ایک گھڑی کے لیے جنگ کرنے سے عذر کرنا اس بات میں صریح ہے کہ مکہ میں جنگ واقع ہوئی اور فتح جبر و قہر سے ہوئی اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جو گروہ یہ کہتا ہے کہ مکہ شریف کا فتح کرنا جنگ سے ہوا وہ مکہ معظمہ کی زمین کے مکانات کے فروخت کرنے وہاں کی زمین اور مکانات کو کرائے پر دینا جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ حضور علیہ السلام نے اُسے کفار سے لیا اور مسلمانوں کے اندر وقف کر دیا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مکہ شریف پر قبضہ صلح صفائی سے ہوا وہ شہر مکہ کی زمین کی خرید و فروخت اور کرائے پر دینا جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں وہ زمین اُن کے مالکوں کی ہے اور اُن کی ملک اب تک باقی ہے۔

۵ جبکہ اُس کے کانٹے کاٹنے کی اجازت نہیں تو درخت کاٹنے کی اجازت کیسے ہو گی۔ کتاب ہدایہ میں فرمایا کہ جس نے حرم کی گھاس یا درخت کو کاٹا جو کسی کی ملکیت نہیں بلکہ خود بخود اُگا ہوا ہے تو اُس گھاس یا درخت کی قیمت ادا کرنا لازم ہے مگر وہ جو اُس میں سے خشک ہو چکا ہو کہ خشک شدہ گھاس یا درخت میں تاوان نہیں ہے کیونکہ وہ بڑھنے والا نہیں ہے اگرچہ حرم کی گھاس مویشیوں کو چرانا بھی منع اور اُسے کاٹنا بھی منع ہے مگر اذخر گھاس کہ اُس کی اجازت ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مویشیوں کو چرانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اُس کی ضرورت ہے اور مویشیوں کو اُس کے چرنے سے روکا بھی نہیں جا سکتا اس کے برعکس امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ حدیث ہے اور گھاس چرانا اس وجہ سے بھی منع ہے کہ گھاس حرم کے باہر زمین سے بھی لائی جا سکتی ہے لہٰذا حرم میں سے چرانے کی کوئی مجبوری نہیں۔ البتہ اذخر گھاس مستثنیٰ ہے جیسا کہ حدیث میں آ رہا ہے اس کا کاٹنا اور اسے چرانا بھی جائز ہے۔ اسی طرح کھنبی بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نباتات میں سے ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جو لوگ اُن کے موافق ہیں حرم کی گھاس مویشیوں کو چرانا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد کا مذہب احناف کے مذہب کی طرح ہے۔ شیخ امام اجل عارف نہایت متقی بہت بڑے عالم حضرت عبدالوہاب متقی جب اپنی عمر شریف کے آخری حصہ میں نابینا ہو گئے۔ اُس وقت یہ حکایت بیان کیا کرتے تھے کہ اُن کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جسے احمد سقا کہتے تھے۔ ایک دن حرم کی حدود سے ہاتھ میں پھول لیے حاضر ہوئے وہ پھول اُس نے ہمارے ہاتھ میں دیا تقدیر الٰہی کہ بھول واقع ہو گئی اور ہم نے اُس پھول کو سونگھ لیا جیسے ہی کہ اُس کی خوشبو ہم نے محسوس کی ہماری ناک میں درد شروع ہو گیا جیسے کہ ناک میں چیونٹی دوڑ رہی ہو وہ ناک سے دماغ میں پہنچا اور دماغ سے دونوں آنکھوں میں آیا پھر دن بدن وہ درد بڑھتا گیا حتیٰ کہ اُس حد تک پہنچ گیا جہاں تک کہ مقدر تھا۔

۶ جب شکار کو تکلیف پہنچانا حرام ہے تو اُسے قتل کرنا اور ضائع کرنا بطریق اولیٰ حرام ہو گا اور اگر اُسے تکلیف پہنچائی گئی اور وہ بھاگ پڑا اور ٹھہرنے اور سکون حاصل کرنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا تو اُس کا تاوان لازم آئے گا۔

۷؎ یعنی زمین سے گری ہوئی چیز کا اٹھانا بھی منع ہے مگر اُس شخص کے لیے جو اُس کی پہچان اور شناخت کرائے یعنی حرم میں گری ہوئی چیز کو اُس کی پہچان کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا بلکہ جب مالک ملے تو اُسے دے اُسے خرچ نہیں کر سکتا نہ اُس کا مالک بن سکتا ہے نہ بطور صدقہ کسی کو دے سکتا ہے جیسا کہ دوسری جگہوں میں گری ہوئی چیزوں کا حکم ہے کہ اُس کی شناخت کرائے اور اگر فقیر ہو تو خود استعمال کرے اُس کے بعد اگر اُس کا مالک آ جائے تو اُسے دے دے مگر یہاں نہیں دے سکتا یعنی حرم میں گری ہوئی چیز کی صرف پہچان کرا سکتا ہے۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ ظاہر قول ہے اور اکثر علماء حرم میں گری اور غیر حرم میں گری ہوئی چیز کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ احناف کا مذہب بھی یہی ہے اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو گری ہوئی چیز کے بارے میں مطلق وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ باب لقطہ میں انشاء اللہ آئے گا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں واقع لفظ الا من عرفہا کا معنیٰ یہ ہے کہ اٹھانے والا پورا ایک سال اعلان کرے جیسا کہ ہر جگہ کرتے ہیں۔ یہ اعلان موسم حج کے ساتھ خاص نہیں مگر یہ معنیٰ ظاہر عبارت کے خلاف ہے نیز اسلوب کلام حرم مکہ کی فضیلت اور اُس کے خصائص کے بیان میں ہے اور اگر اس کے لقطے کا حکم دوسری جگہوں پر لقطے کے حکم میں برابر ہے تو اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اس میں غور کرو۔

۸؎ یہاں حدیث میں گھاس کے لیے لفظ خلا استعمال ہوا ہے الف مکسورہ کے ساتھ۔ یعنی تر گھاس اور حشیش خشک گھاس کو کہتے ہیں اور اس لیے خشک گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ کانٹوں کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات لفظ خلا کو مد سے روایت کرتے ہیں مگر یہ غلط ہے جیسا کہ تورپشتی نے کہا۔

۹؎ یعنی آپ گھاس میں سے اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دیں اسے ممانعت سے مستثنیٰ کریں۔ اذخر ہمزہ کی زیر ز ساکن سے ایک مشہور خوشبودار گھاس کا نام ہے۔

۱۰؎ بعض روایات میں لفظ قینا آیا ہے قیون قین بفتح قاف وسکون یا ساکن کے ساتھ بمعنیٰ لوہار۔ صاحب نہایہ نے کہا کہ لوہار اور زرگر دونوں کو اس گھاس کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ دونوں قسم کے لوگ لوہے اور سونے کو اس سے پگھلاتے ہیں۔

۱۱؎ گھاس سے مکانات کی چھتیں تیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم اور بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ یا رسول اللہ ہم اس گھاس کو اپنی قبروں اور گھروں میں بھی ڈالتے ہیں۔ عرب لوگ اس گھاس کو قبر کے اندر نیچے بچھاتے ہیں حضرت عباس کے عرض کرنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے الا الاذخر فرماتے ہوئے اس گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دی۔ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ شریعت کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیے گئے ہیں آپ جو چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں کوئی چیز حلال فرما دیتے اور حرام کر دیتے ہیں۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گھاس کے کاٹنے کی اجازت اپنے اجتہاد سے دی مگر پہلا مذہب صحیح تر اور ظاہر تر ہے۔ واللہ اعلم

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے تم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ مکہ شریف کے اندر ہتھیار لے کر چلے پھرے۔[1] (مسلم)

[1] یعنی بے ضرورت اور بلا حاجت بعض نے کہا کہ مکہ شریف میں ہتھیار لے کر چلنا مطلقاً مکروہ ہے مگر قول اول زیادہ صحیح اور جمہور علماء کا قول ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضا میں ہتھیار بند ہو کر شہر میں داخل ہوئے لیکن کافروں نے کہا کہ حضور علیہ السلام اسلحہ کو پردے میں لے کر آئے ہیں اور فتح مکہ کے دن بھی آپ مسلح داخل ہوئے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَاءَ رَجُلٌ وَّ قَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُّتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں فتح مکہ کے دن اسی حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود[2] تھا جب آپ نے اس کو اتارا تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ابن[3] خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے تو آپ نے اسے فرمایا کہ اسے قتل کر دو۔ (بخاری و مسلم)

[2] حدیث میں خود کے لیے لفظ مغفر استعمال ہوا ہے یعنی میم کی زیر غین ساکن اور فا کی زبر بمعنی وہ زرہ جو ٹوپی کے نیچے پہنتے ہیں۔ جیسے کہ مراح میں ہے۔

[3] خا کی اور طا کی زبر سے ابن خطل کا نام عبداللہ ہے بعض کہتے ہیں اس کا نام غالب ہے یہ شخص مرتد ہو گیا تھا اور ایک مسلمان کو قتل کر کے بھاگا ہوا تھا نیز یہ شخص حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کی مذمت کیا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس کی دو لونڈیاں تھیں جو گاتی بجاتی تھیں اور گانے میں مسلمانوں کی مذمت کرتی تھیں۔

امام نووی نے کہا اس حدیث میں اس شخص کے لیے دلیل ہے جو اس امر کو جائز رکھتا ہے کہ حرم مکہ میں حدود و قصاص قائم کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ امام مالک و شافعی کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرم کعبہ میں حدود و قصاص قائم کرنا جائز ہے اور اس حدیث کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ ابن خطل کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے قتل کی اجازت اس گھڑی میں ہوئی تھی جس میں کہ حرم کے اندر جنگ کرنے کی اجازت ہوئی تھی اور شاید کہ اسے باہر سے ہی قتل کیا ہوا لایا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں فتح مکہ کے دن بغیر احرام داخل ہوئےلہ اور آپ کے سر پر سفید رنگ کی دستار مبارک تھی۔
(مسلم)

لہ یعنی آپ بغیر احرام کے داخل ہوئے اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سیاہ کپڑا پہننا مستحب ہے جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔ بعض کہتے ہیں سیاہ نہیں تھا مگر تیل کے استعمال اور لوہے کی رگڑ سے سیاہ دکھائی دیتا تھا اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام شرط نہیں، مگر اس صورت میں جبکہ حج وعمرہ کی نیت سے داخل ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے۔ حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ ایک گھڑی کے لیے آپ کو اس کی بھی اجازت دے دی گئی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَإِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ میں لڑائی کرے گا جب وہ باہر جنگلی زمین میں پہنچے گا تو ان کے اول وآخر سب زمین میں دھنسا دیے جائیں گے میں نے کہا یا رسول اللہ کس طرح ان کے اول وآخر دھنسا دیے جائیں گے جبکہ ان میں بازار والے بھی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں ان کے اول وآخر سب دھنسا دیے جائیں گے پھر انہیں نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

لہ یہ ایک خبر ہے جو آئندہ آخر زمانے میں واقع ہونے والی ہے اور لشکر سے لشکر سفیانی مراد ہے جو مہدی موعود کے زمانے میں بادشاہ مصر کی طرف سے نکلے گا اس کی تفصیل سیرت وتاریخ کی کتابوں میں تلاش کرنی چاہیے۔

۲ لہ یعنی بیابان میں پہنچیں گے بعض کہتے ہیں کہ بیداء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

۳ لہ بعض نے کہا کہ یہاں حدیث میں لفظ اسواق سوقہ کی جمع ہے بمعنی رعیت۔

۴ لہ یعنی جو ان کے ساتھ کفر ومعصیت تخریب کعبہ کے ارادے اور اہل مکہ کے ساتھ جنگ کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے بلکہ مثال کے طور پر کمزور وقیدی ہوں گے۔

۵ لہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ وہ برے لوگوں کی نحوست کی بنا پر ان نیک لوگوں کو بھی

ہلاک کر دیتا ہے جو اُن کے ساتھ رل مل کر رہ رہے ہوتے ہیں اُس کے بعد قیامت کے دن اُن کے آپس میں جدائی ڈال دی جائے گی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَیْقَتَیْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حبشے کا ایک ذوالسویقتین[1] کعبہ کو ویران کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] السویقتین سویقہ سے بنا ہے جو ساق کی تصغیر ہے۔ سویقتین اُس کا تثنیہ ہے۔ اکثر اہل حبشہ کی پنڈلیاں چھوٹی نحیف اور باریک ہوتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی پنڈلیاں اُن سب سے زیادہ باریک اور چھوٹی ہوں گی۔ اللہ کا حکم یوں ہی جاری ہو چکا ہے کہ کعبہ کی ہلاکت و بربادی اہل حبشہ کے ہاتھ آئے گی، یہ محض عبرت ہے کہ خانہ کعبہ اس قدر عظمت و بزرگی کے باوجود حقیر ترین لوگوں کے ہاتھوں برباد و ویران ہوگا اور سفیانی لوگ اپنی عظیم شرکت و عظمت کے باوجود جب خانہ کعبہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں گے تو زمین میں دھنسا دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب کعبہ ویران ہو جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی، دنیا کا ملک خراب و برباد ہو جائے گا کیونکہ اس عالم کی بقا و بربادی اس معظم اور مکرم گھر کے وجود سے وابستہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَاَنِّیْ بِهٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ یَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا گویا کہ میں خانہ کعبہ کو ویران کرنے والے کو دیکھ رہا ہوں اور یوں محسوس کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہے وہ سیاہ رنگ کا ہے اُس کے دونوں پاؤں کافی کھلے ہیں[1] وہ خانہ کعبہ کو ایک ایک پتھر کر کے اکھیڑے گا[2]۔ (بخاری)

[1] یہاں حدیث میں لفظ افحج ہے یعنی فا اور جیم سے پہلے حا یعنی ایسا شخص جس کے دو پاؤں کے درمیان کافی فاصلہ ہو اور اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے دور ہوں اور چلنے میں وہ اپنے پاؤں کے نزدیک دکھائی دیتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اُس کی دونوں رانوں کے درمیان فاصلہ ہوگا جیسا کہ اونٹ، گائے اور بکری کے درمیان دودھ دوہنے کے وقت ہوتا ہے۔

[2] اس حدیث کا ظاہر یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک آدمی ہوگا جو خانہ کعبہ کو ویران کرے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ

وہ قوم کا سردار ہو اور ساتھ کے ساتھ ویران کرنے والی فوج ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِحْتِکَارُ الطَّعَامِ فِی الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِیْہِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم شریف میں غلے کو روک کر رکھنا بے دینی اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہے[1]۔ (ابوداؤد شریف)

[1] اگرچہ تمام شہروں میں غلے کو روک رکھنا حرام و منع ہے مگر مکہ معظمہ میں ایسا کرنا سخت تر منع اور حرام ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ الحاد آیا ہے جس کا معنی ہے دین سے پھر جانا اور حرم میں حرام فعل کا ارتکاب کرنا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَّۃَ مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَّ اَحَبَّکِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْکِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فرمایا کہ تو کتنا اچھا شہر ہے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن صحیح غریب ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَۃِ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ وَ اَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَلَوْلَا اَنِّیْ اُخْرِجْتُ مِنْکِ مَا خَرَجْتُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عبداللہ عدی بن حمراء[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا تو فرمایا اللہ کی قسم بے شک تو اللہ کی زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہے اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

[1] آپ قرشی زہری ہیں۔ بعض نے کہا ثقفی ہیں۔ بنی زہرہ کے حلیف ہیں آپ صحابی ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

سلہ حزورہ حا کی زبر زا ساکن و کی زبر آخر میں تا۔ بعض زا اور و کو شد سے پڑھتے ہیں۔ مکہ کے عوام اس لفظ کو عزورہ کہہ کر پکارتے ہیں یعنی عین کے ساتھ جو کہ غلط ہے۔ اس لفظ کا معنیٰ ہے چھوٹا ٹیلا اور اب منارہ مسجد خانہ کعبہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے جو کہ باب اجیاد کے متصل ہے۔

سلہ بعض روایات میں اللہ کے نزدیک کی بجائے میرے نزدیک کا لفظ آیا ہے یعنی میرے نزدیک تو سب سے محبوب ترین جگہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول مبارک اُس وقت فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ سے عمرہ قضا کے وقت باہر نکلے کیونکہ قریش نے کہا تھا کہ تین روز کے بعد یہاں سے نکل جائیں اور یہاں نہ بیٹھیں بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ بات آپ نے ہجرت کے وقت نکلتے ہوئے فرمائی۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے بعض طریقوں میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ اُس وقت فرمائے جبکہ آپ سواری پہ سوار تھے اور ہجرت کے لیے نکلتے وقت آپ اس حالت میں نہ تھے بلکہ آپ خفیہ طریقے سے ہجرت کے وقت مکہ معظمہ سے نکلے اور اس سے بھی بعید تر بات ہے جو تاریخ ازرقی میں مذکور ہے کہ یہ بات آپ نے فتح مکہ کے دن فرمائی یہ اس لیے دور ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نکالے نہیں جا رہے تھے بلکہ اُس میں داخل ہوئے تھے مگر یہ کہ گزشتہ حال یاد کر کے آپ نے ایسا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَّهُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّةَ اَئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ یَّوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِئٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا یَعْضِدَ بِهَا

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا جبکہ وہ مکہ معظمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤں جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا میرے دل نے محفوظ کیا حضور علیہ السلام کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہیں بنایا تو کسی بھی شخص کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے نہ وہاں کا درخت کاٹے اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّ قَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ -
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي الْبُخَارِيِّ الْخَرْبَةُ الْجِنَايَةُ -)

کے جہاد سے اجازت سمجھے تو اُسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اُس کی اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی رب تعالیٰ نے مجھے دن کی ایک گھڑی میں اجازت تھی اب آج اُس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی حاضرین غائبین کو پہنچا دیں۔ ابو شریح سے کہا گیا تو پھر تم سے عمرو نے کیا کہا فرمایا وہ بولا اے ابو شریح میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دیتا ہے نہ خون کرکے بھاگے ہوئے کو نہ فساد کرکے بھاگنے والے کو۔

(بخاری و مسلم۔ اور بخاری میں ہے کہ خربہ خیانت ہے۔)

۱؎ ابو شریح العدوی عین اور دال کی زبر سے آپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی عمرو ابن سعید بن عاص اموی کو جو عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔

۳؎ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے۔

۴؎ یعنی تھوڑے سے وقت کے لیے۔

۵؎ جانتا ہوں کہ مکہ حرم ہے۔

۶؎ یہاں حدیث میں لفظ خربہ آیا ہے خا کی پیش را ساکن اور زبر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ را کے بعد با بمعنیٰ دین میں فساد و خیانت یعنی اگر کوئی شخص دین میں فساد یا کسی دوسرے سے خیانت کرے کہ کسی کا مال تلف کرے یا کسی کا حق ضائع کرے اور حرم میں بھاگ آئے تو اُس کی سزا اُس کے ذمے لازم رہتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر معصیت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ امام کی فرمانبرداری سے باہر نکل گئے ہیں اگر یہ حرم سے باہر نکل آئے تو میں ان کو سزا دوں گا ورنہ حرم میں ہی ان کو قتل کر دوں گا۔

۷؎ یعنی صحیح بخاری میں خربہ کی تفسیر خیانت سے کی۔

وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ

حضرت عیاش ابن ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ هَلَكُوْا۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت ہمیشہ خیر پر قائم رہے گی جب تک کہ وہ اس حرمت کی تعظیم کرتی رہے گی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے جب وہ اس تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ عین کی زبر اور یا کی شد بعد میں شین، ربیعہ را کی زبر اور با کی زیر سے۔ مخزومی تھا اور ان کے ساتھ آپ صحابی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی ہیں حضور علیہ السلام نے ان کے لیے قنوت میں دعا کی تھی اور کہا تھا اے اللہ عیاش بن ربیعہ کو نجات دے جیسا کہ باب القنوت میں گزر چکا ہے۔

۲؎ یعنی مکہ اور حرم کی حرمت بجالاتے رہیں گے اس میں ہر ممنوع فعل کے ارتکاب سے اجتناب کریں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے یعنی حرم کعبہ کی احتیاط کرنے میں پوری توجہ دیں گے۔

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ حَرَسَهَا اللهُ تَعَالٰى

باب ۱ حرم مدینہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے

مدینہ طاہرہ کی عزت و حرمت میں بہت سی احادیث آئی ہیں علماء نے اس کی چیزوں پر حرمت کا حکم مرتب ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ یہاں حرمت کا معنیٰ صرف تعظیم و تکریم ہے دوسرے احکام کے ثبوت کے بغیر جیسے شکار کی حرمت۔ درخت کاٹنے کی حرمت اور اس پر سزا کا حکم مرتب ہونا اور جو کوئی ان کاموں میں سے کوئی کام کرے تو گناہگار ہوگا اور اس پر کوئی سزا بھی نہیں عائد ہوگی یہی امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ امام نووی نے کہا کہ امام مالک۔ امام شافعی اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مدینہ پاک کے شکار اور اس کے درخت کاٹنے میں کوئی تاوان لازم نہیں ہاں البتہ شکار کرنا اور درخت کاٹنا بغیر تاوان کے بھی حرام ہے۔ تورپشتی نے کہا کہ مدینہ منورہ کے شکار کو حرام قرار دینے کے قائل نہیں ہوئے مگر گنتی کے چند صحابہ۔ صحابہ کی اکثریت مدینہ منورہ کے پرندوں کے شکار کے جواز کی منکر نہیں ہے اور ہم تک کسی بھی

معتمد طریقے سے اس کے بارے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں بھی جزا اور بدلہ لازم ہے جیسا کہ حرم مکہ میں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ حرم مدینہ کی خلاف ورزی کرنے کی جزا یہ ہے کہ اس شخص کا سامان چھین لیا جائے کیونکہ اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مسلم شریف کی ایک حدیث آرہی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ اس کے قائل نہیں ہیں مگر امام شافعی وہ بھی اپنے قول قدیم میں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَّسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّ مَنْ وَّالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں لکھا مگر قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ حرمت والا ہے۔ عیر سے لے کر ثور کے درمیان زمین کے ٹکڑے تک تو جو شخص اس میں ایسی چیز ظاہر کرے گا جو ممنوع ہے یا کسی بے دین کو پناہ دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور نہیں قبول کیا جائے گا اس کا فرض، نہ نفل۔ سب مسلمانوں کا عہد ایک ہے۔ کم اور ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی اس کے پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ عہد شکنی کرے گا تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ نہیں قبول ہوگا اس کی طرف سے فرض نہ نفل اور جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا بغیر اس کے دوستوں کی اجازت کے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت اور نہ قبول ہوگا اس کا فرض نہ نفل۔ (بخاری و مسلم)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ اَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے یا اپنے غیر مولاؤں سے ولا کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل۔

ا؎ جب کہ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کے علاوہ ایک اور صحیفے سے بھی مخصوص کیا ہے یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کے سوا اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے اس کے سوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ لکھ کر نہیں رکھا وہ صحیفہ ایک ورق تھا جس میں دیتوں کے احکام اور بعض دوسرے احکام تھے یہ صحیفہ اس وقت تلوار کے اس میان میں موجود ہے اور حرم مدینہ کا یہ حکم بھی اس میں ہے جو اگلے لفظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔

۲؎ یعنی حرم مدینہ کی حد عیر (عین کی زبر یا ساکن) اور ثور (ثا کی زبر و ساکن) یہ مدینہ منورہ کے دو پہاڑوں کا نام ہے۔ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی حدود حرم مدینہ کہلاتا ہے۔

۳؎ اور اعانت کرے گا۔یہاں حدیث میں لفظ محدث یعنی بے دین آدمی کی خلاف سنت نکالی ہوئی چیز یہاں پناہ کے لیے لفظاً آوی آیا ہے یعنی جو شخص خود بدعت کا مرتکب ہوگا یا دوسرے کی بدعت سے راضی ہوگا تو اس پر لعنت۔

۴؎ یہاں حدیث میں فرض کے لیے لفظ صرف آیا ہے۔بعض نے صرف کی تفسیر شفاعت سے کی ہے کیونکہ شفاعت مستحق عذاب سے عذاب کو پھیر دیتی ہے۔صرف کی تفسیر توبہ سے بھی کی ہے کیونکہ توبہ بندے کو گناہ سے روک لیتی ہے۔عدل کی تفسیر فدیے سے بھی کی ہے کیونکہ فدیہ اس چیز کے مساوی اور برابر ہوتا ہے جس کے بدلے دیا جاتا ہے پھر صحیفے میں جو احکام درج تھے ان میں سے ایک حکم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا عہد ایک ہے یعنی جو شخص مسلمانوں میں سے اگرچہ حقیر درجے کا ہی ہو جیسے غلام اور عورت کسی کافر کو امن دے دے یا اس سے معاہدہ کرے اور اپنی پناہ میں لے لے تو سب پر اس معاہدے کی رعایت و حفاظت لازم ہے کسی کے لیے بھی اس عہد کا توڑنا جائز نہیں۔اور عہد کو عربی میں ذمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا توڑنا موجب مذمت ہے۔

۵؎ یعنی عہد اور وثیقہ جو مسلمان کے ساتھ کیا ہو جو اسے توڑے اور غدر کرے یا مسلمان کے اس عہد کو توڑے جو ذمی کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ کلام کا انداز اس معنی کو ظاہر کرتا ہے۔

۶؎ واضح ہو کہ ولا دو قسم ہے ایک کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔عربوں کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور پیوستگی کرتے اور عہد باندھتے تھے۔اور اس بات کی قسم اٹھاتے تھے کہ نیکی بدی میں ایک دوسرے

کے شریک ممد و معاون ہوں گے اور دوست آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے اور دشمنوں کے دشمن۔ دور جاہلیت میں باطل و ناحق کے اندر بھی ایک دوسرے کی امداد و معاونت کرتے تھے اور اسلام میں حق کے اندر معاونت کرتے تھے اکثر علمی لوگ جو تابعین اور تبع تابعین میں سے تھے عربستان میں آئے اور صحابہ کے ساتھ عقد دوستی قائم کیا دوسری ولا ولائے عتاقہ ہے کہ جو کوئی غلام کو آزاد کرے گا تو آزاد کرنے والے کیلئے اُس کا حق ولایت ثابت ہوگا اور قریبی وارثوں کے نہ ہونے کی صورت میں اُس کا وارث وہ بنے گا یہاں حدیث میں احتمال ہے کہ موالی سے ولائے موالات ملانے مراد ہوں اور معنی یہ ہوگا کہ اس کے لیے موالی ہوں تو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے موالی کی اجازت کے بغیر دوسروں کو موالی بنالے۔ اور ان کے مشورے کے بغیر ایسا کرے کہ اس میں ایک قسم کی بدعہدی پائی جاتی ہے اور ان سے ایذا بھی پہنچتی ہے جس کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لیے کافروں سے موالات کرنا مراد ہے جو کہ سخت ممنوع ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ولا سے ولائے عتاقہ مراد ہو اس صورت میں معنی یہ یہ ہوگا کہ جو شخص اپنی نسبت اپنے آزاد کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کی طرف کرے گا وہ مستحق لعنت ہے جس طرح کوئی شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے تو لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

؎ یہ روایت تائید کرتی ہے کہ ولایت عتاقہ مراد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آزادی نسب کے رابطے کی طرح ایک رابطہ ہے۔

تنبیہ۔

اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ عیر تو مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے مگر جبل ثور تو مکے میں ہے نہ کہ مدینے میں اور یہ وہ پہاڑ ہے جس کی غار میں ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام چھپے تھے۔ مدینہ منورہ میں کوئی مشہور پہاڑ نہیں ہے جسے ثور کہتے ہوں اسی بنا پر بخاری شریف کے اکثر راوی اس کو مبہم چھوڑ گئے۔ بعض نے علامت کذا لکھ دی۔ بعض نے ثور کی جگہ سفید چھوڑ دی۔ فتح الباری میں کہا ظاہر یہ ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہو گی کہ عیر اور احد کے درمیان۔ امام احمد اور طبرانی کے نزدیک ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ عیر مکہ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ حرم مدینہ کی مقدار مسافت اتنی ہے جتنا کہ مکہ میں عیر و ثور کے درمیان فاصلہ ہے۔

شیخ مجدالدین نے قاموس میں کہا ثور مدینہ میں اُحد پہاڑ کے سامنے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ لہٰذا ثور کا ذکر صحیح ہے وہم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ کو گمان ہوا ہے۔ شیخ موصوف نے اس کے ثابت کرنے میں انتہائی تحقیق سے کام لیا ہے میں نے شرح عربی میں اُسے نقل کیا ہے۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک

أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَ قَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجُهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں حرام قرار دیتا ہوں مدینہ منورہ کے دو لابہ[۱] کے درمیانی حصہ کو کہ اس کے درخت کاٹے جائیں یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جان[۲] لیتے نہیں چھوڑے گا اسے کوئی بھی اس سے اعراض کرتے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ بدل کرے گا اس میں اس کو جو اس سے بہتر ہوگا اور نہیں ثابت قدم رہے گا کوئی بھی اس کی بھوک اور سختی پر اور اس کی مشقت محنت پر مگر میں اس کے لیے قیامت کے دن اس کی شفاعت[۳] کرنے والا اور اس کا گواہ بنوں گا۔

(مسلم شریف)

[۱] بالفتح سے وہ پتھریلی زمین جو مدینہ منورہ کے دونوں طرف واقع ہے اور مدینہ منورہ ان کے درمیان ہے۔ لفظ عضاہ عین کی زیر اس کے بعد ض آخر میں ہا۔ جمع عضہ بمعنی بڑے بڑے کانٹے دار درخت۔

[۲] دوسری حدیث میں آیا ہے کہ علاقے اور شہر فتح ہوں گے اور لوگ مدینہ سے باہر نکل کر ادھر جانا چاہیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ اسے جان لیں۔

[۳] یعنی اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور قیامت کے روز اس کی نیکیوں پر اس کا گواہ بننے والا ہوں گا علماء نے کہا ہے کہ لفظ مشقت کے لیے حدیث میں جو لفظ جہد آیا ہے اسے جیم کی پیش سے صحیح قرار دیا گیا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ جیم کی زبر سے ہے بمعنی مشقت اور اگر جیم کی پیش سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے وسعت اور طاقت بعض نے کہا یہ دونوں لغتیں دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں صبر کرے گا مدینہ منورہ کی محنت و شدت پر میرے امتیوں میں سے میرا کوئی امتی مگر یہ کہ میں اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

(مسلم شریف)

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں کہ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے جب آپ اس میوے کو پکڑ لیتے تو یوں دعا کرتے اے اللہ برکت[1] ڈال ہمارے لیے ہمارے پھل میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے شہر میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے صاع میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے مد[2] میں اے اللہ بے شک ابراہیم تیرا بندہ ہے تیرا دوست ہے اور تیرا پیغمبر ہے اور بے شک میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں[3] اور بے شک ابراہیم نے تجھ سے مکہ کے[4] لیے دعا کی اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے اتنی مثل کی دعا کرتا ہوں جتنی کہ حضرت ابراہیم نے مکے کے لیے کی اور اس جتنی اس کے ساتھ اور بھی دعا کرتا ہوں پھر آپ اپنے اہل بیت میں سے کسی چھوٹے بچے کو بلاتے تو اسے وہ پھل دے دیتے[5]۔

(مسلم شریف)

[1] برکت را کی زبر سے بمعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور ثبات و دوام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

[2] مدمیم کی پیش د کی شد سے۔ صاع اور مد دونوں پیمانے ہیں لیکن مد ایک رطل اور تیسرا حصہ رطل کا ہوتا ہے یعنی اہل حجاز کے نزدیک اور اہل عراق کے نزدیک مد دو رطل کا ہوتا ہے، صاع چار مد کا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رزق میں وسعت و برکت کی دعا فرمائی۔

[3] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں اپنے لیے خلت اور دوستی کو ثابت نہ فرمایا باوجودیکہ آپ کی ذات شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اتم و اکمل خلت پائی جاتی ہے اور نہ حب اپنے لیے ثابت فرمائی جو کہ خلت سے بھی اکمل ہے کیونکہ حبیب وہ محب ہوتا ہے جو محبوبیت کے مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ یہ محبوبیت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات شریف کا خاصہ ہے۔ یہ انداز آپ نے تواضع کی بناء پر اختیار فرمایا اور عبودیت کے ثبوت پر اکتفا فرمایا جو کہ اکمل صفات اور ارفع مقامات کا خاصہ ہے حقیقتاً عبودیت جو کہ اکمل صفات اور ارفع مقامات میں سے ہے، مقام محمدیت کا خاصہ ہے جو کوئی بھی آپ کے سوا ہے وہ اس میں آپ سے نیچے ہے جیسا کہ اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور یہ بھی

احتمال ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت کے بعد ان مقامات سے ملقب ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔
سے کہ اُسے حرم بنایا جائے۔
۵ یعنی میں مدینے کے لیے مکہ سے دوگنی دعا کرتا ہوں۔
۶ چھوٹے بچوں کو دینے کی تخصیص اُن پر زیادہ رحم و شفقت کی بنا پر ہوتی تھی اور اس بنا پر بھی کہ چھوٹے بچوں اور نئے پھل کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے کیونکہ چھوٹے بچے زیادہ راغب زیادہ مائل اور زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اور دوسرے دل کو اس پھل کے دے دینے میں اُمت کو اس بات کی ہدایت و تعلیم ہے کہ شہوت کی جڑ کاٹنی چاہیے خصوصاً اُس چیز میں جس کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہو۔ جیسے نئے پھل کی طرف طبیعت زیادہ مائل و راغب ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَکَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَّاِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ حَرَامًا مَّا بَیْنَ مَازِمَیْهَا اَنْ لَّا یُهْرَاقَ فِیْهَا دَمٌ وَّلَا یُحْمَلَ فِیْهَا سِلَاحٌ لِّقِتَالٍ وَّلَا تُخْبَطَ فِیْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا بے شک ابراہیم نے مکہ کو حرم بنا کر مکۃ الحرام بنایا۔ اور بے شک میں نے مدینہ کو حرام قرار دے کر مدینۃ الحرام بنایا ہے یعنی اُس حصے کو جو اس کی دو[۱] طرفوں کے درمیان ہے کہ نہ بہایا جائے اس میں خون اور نہ اٹھایا جائے اس میں ہتھیار لڑائی کے لیے اور نہ جھاڑا جائے اس میں[۲] کوئی درخت گر چارے کے لیے۔ (مسلم شریف)

۱ یہاں حدیث میں لفظ مازمے آیا اس کا مفرد مازم ہے یعنی دو پہاڑوں کے درمیان کی تنگ جگہ اس سے مراد اُس کی دو طرفیں ہیں جیسا کہ حضرت سعد کی حدیث میں گزرا۔
۲ یعنی درخت کے پتے، مولیشیوں کی خوراک کے لیے یہاں لفظ خبط استعمال ہوا ہے یعنی درخت کے پتوں کو لاٹھی وغیرہ سے جھاڑنا اس لفظ کو اگر خبط پڑھا جائے۔ خا اور با کی زبر سے تو معنیٰ ہوگا درخت کے جھڑے ہوئے پتے یعنی مدینہ منورہ کے درختوں کے پتے جھاڑنا بھی جائز نہیں تو کاٹنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا رَکِبَ اِلٰی قَصْرِهٖ بِالْعَقِیْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا یَّقْطَعُ شَجَرًا اَوْ یَخْبِطُهٗ فَسَلَبَهٗ

حضرت عامر[۱] ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک حضرت سعد سوار ہو کر وادی عقیق[۲] میں واقع اپنے محل کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے ایک

فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَآءَہٗ اَھْلُ الْعَبْدِ فَکَلَّمُوْہُ اَنْ یَّرُدَّ عَلٰی غُلَامِھِمْ اَوْ عَلَیْھِمْ مَا اَخَذَ مِنْ غُلَامِھِمْ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ اَرُدَّ شَیْئًا نَفَّلَنِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبٰی اَنْ یَّرُدَّ عَلَیْھِمْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

غلام کو پایا جو درخت کاٹ رہا ہے یا پتے جھاڑ رہا ہے تو آپ نے اس کے کپڑے اور تھیلا اس سے چھین لیے جب حضرت سعد واپس لوٹے تو اس غلام کے مالک آئے اور اُن سے اس بارے میں گفتگو کی کہ ہمارے غلام کو واپس کر دیں یا اُن پر واپس کر دیں حضرت سعد نے فرمایا اللہ کی پناہ کریں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔ اور آپ نے انکار کر دیا کہ اس کے مالکوں کو اس کا سامان واپس کریں۔ (مسلم)

سلہ آپ ثقہ تابعی ہیں اور سعد سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

سلہ وادی عقیق مدینہ منورہ کے پاس ایک مشہور و متبرک جگہ کا نام ہے جس کا ذکر اشعار میں بھی آتا ہے اس وادی کو وادی مقدس بھی کہتے ہیں۔

سلہ یہ راوی کا شک ہے کہ لفظ علی غلامہم یا علیہم ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ نفل آیا ہے دو زبروں کے ساتھ بمعنی غنیمت۔ انفال اس کی جمع ہے۔ تنفیل کا معنی غنیمت دینا۔

سلہ یہ اس غلام کی سزا تھی کہ اس نے حرم مدینہ کو نقصان پہنچایا جیسا کہ شرح ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وُعِكَ اَبُوْبَکْرٍ وَّبِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْھَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِھَا وَمُدِّھَا وَانْقُلْ حُمَّاھَا فَاجْعَلْھَا بِالْجُحْفَۃِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آنا شروع ہو گیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو اُن کے بخار کی خبر دی اس پر حضور علیہ السلام نے دعا کی یا اللہ ہماری طرف مدینے کو محبوب بنا دے جیسا کہ تو نے مکے کو ہمارا محبوب بنایا یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے اور مدینہ کی آب و ہوا درست کر دے اور ہمارے لیے اس کے صاع اور مد میں

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

برکت ڈال اور اس کے بخار کو یہاں سے لے جا اور جحفہ میں اُس کو رکھ دے۔ (بخاری و مسلم)

لے یہاں حدیث میں بخار کے لیے لفظ وعک استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے بخار یا بخار کی تکلیف۔ صراح میں ہے کہ وعک بخار کی تیزی کو کہتے ہیں۔

ٹے کہ اہل مدینہ کو اس کی آب و ہوا سے تندرستی نصیب ہو۔

ٹے جحفہ جیم کی پیش حا ساکن اس کے بعد فا۔ یہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اُس وقت وہاں یہود یا مسعود آباد تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ وبا، بلا، بخار اور بیماری کی جگہ تھی حضور علیہ السلام نے اُن کے لیے دعا کی کہ یہ چیزیں کفار کی زمین پر بھیج دے اس حدیث میں اس عمل کی دلیل ہے کہ کفار کے لیے بیماریوں اور موت ہلاکت اور ان کے شہروں کی بربادی کی بد دعا کرنا جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رض فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَأَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب جو انھوں نے مدینہ میں دیکھی کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالے رنگ کی عورت ہے جس کا سر پراگندہ ہے وہ مدینہ سے نکلی ہے یہانتک کہ مہیعہ کے مقام پر جا اتری ہے تو میں نے اُس کی تعبیر کی ہے کہ مدینہ کی وبا مہیعہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔ اور مہیعہ جحفہ کا نام ہے۔ (بخاری شریف)

لے مہیعہ ایک جگہ کا نام ہے میم کی زبر ہا ساکن یا کی زبر پھر عین آخر میں تا مہیعہ دراصل جحفہ ہی کا نام ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں مذکور ہوا۔ یہاں حدیث میں لفظ وبا آیا ہے جو کہ مد اور قصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ بمعنی عام بیماری کہ اسے فارسی میں مرگا مرگی بھی کہتے ہیں۔ قاموس میں فرمایا وبا یعنی طاعون کی بیماری یا ہر بیماری اور حرف فدان میں فرمایا طاعون وبا ہے۔ صراح میں فرمایا طاعون موت کی وبا ہے۔

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِيْ زُهَيْرٍ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يُبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ

حضرت سفیان بن ابو زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے تھے یمن فتح ہوگا تو ایک قوم سیر کرتے ہوئے آئے گی اور آکر اپنے اہل وعیال اور ان لوگوں کو لے

وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جائیں گی جو اُن کی بات مانیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر ہوگا اگر وہ اس کو جان لیتے اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم آہستہ آہستہ چل کر مدینہ آئے گی اور اپنے بال بچوں اور جو اُن کی بات مانے گا انہیں لے کر مدینہ سے کوچ کر جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا اگر وہ اس کو جان لیتے اور عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ آہستہ آہستہ چل کر آئیں گے تو اپنے اہل و عیال اور جو اُن کی بات مانیں گے انہیں ساتھ لے کر مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا اگر وہ جان لیتے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ زا کی پیش حا کی زبر اور یا ساکن سے آپ صحابی ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ یَبُسُّوْنَ یا کی زبر با کی پیش سین کی شد سے ہے۔ یعنی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو سنا آپ فرما رہے تھے کہ یمن فتح ہوگا تو وہاں سے ایک گروہ آہستہ آہستہ چل کر آئے گا اپنے مویشیوں کو چراتے ہوئے۔ بسون بس سے بنا ہے یعنی آہستہ چلنا اور مویشیوں کو چلانا جیسا کہ قرآن مجید میں واقع ہے ترجمہ (پہاڑوں کو چلایا جائے گا آہستہ آہستہ)

۳؎ یعنی اُن کے تبیع اور اُن سے تعلق رکھنے والے۔

۴؎ یعنی اسلام اسلامی ولایت کے تحت بہت سے علاقے فتح ہوں گے تو لوگ روزی کی وسعت دنیا کے مال و متاع اور فانی لذتوں کے لیے مدینہ منورہ سے باہر چلے جائیں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس و وحی کے اترنے کی جگہ اور منزل برکات سے منہ پھیریں گے، اگر وہ حقیقت حال اور سعادت مبداء و مآل کو جان لیں تو مدینہ میں ہی رہائش رکھیں کیونکہ مدینے میں رہائش رکھنا بہتر ہے درحقیقت اس ارشاد میں لوگوں کے حال کی تحقیر و مذمت بیان کی گئی ہے بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ لوگ مختلف علاقوں اور شہروں سے آئیں گے اور مدینہ میں سکونت اختیار کریں گے اس صورت میں اس حدیث میں رہائش اختیار کرتے والوں اور اس میں ٹھہرنے والوں کی مدح مقصود ہوگی مگر اول معنی صحیح تر بہتر اور ظاہر تر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک

۱؎ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۱۲

اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بستی میں جانے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ تمام بستیوں کو کھا جائے گی[1] لوگ اُسے یثرب[2] کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ مدینہ لوگوں کو اپنے اندر سے اس طرح دور کرے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل[3] کو دور کرتی ہے۔

(بخاری ومسلم)

[1] یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس بستی کی طرف ہجرت کروں جو دوسری بستیوں کو کھا جائے گی یعنی غالب آجائے گی اور سب کو اپنے پیچھے کرے گی یعنی جو بھی اُس بستی میں سکونت اختیار کرے گا، اُسے وطن بنائے گا تو وہ دوسروں پر غالب آجائے گا اور تمام شہروں کو فتح کرے گا یہ خصوصیت اس بلدۂ عظیم الشان یعنی مدینہ منورہ کی ہے کہ جو شخص بھی اس میں آتا ہے وہ باقی شہروں پر غالب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہاں عمالقہ آئے تو وہ غالب ہوئے اور انہوں نے شہروں اور علاقوں کو فتح کیا اُن کے بعد یہاں یہود سکونت پذیر ہوئے تو وہ عمالقہ پر غالب آئے۔ بعد ازاں یہاں انصار پہنچے تو انہیں یہودیوں پر غلبہ حاصل ہوا اس کے بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم یہاں تشریف لائے تو وہ غالب آئے اور ایسے غالب آئے کہ انہوں نے مشرق سے مغرب تک سارے جہان پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے اس متبرک و باعظمت شہر کے باشندوں کے حالات کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں جو مدینہ مطہرہ کی تاریخ ہے میں نے ذکر کر دیا، میں اس شہر پاک کے اسماء میں سے ایک اسم اکالۃ القریٰ اور اکالۃ البلدان ہے یعنی بستیوں اور شہروں کو ہڑپ کر جانے والی۔ اس لیے کہ اس شہر کو تمام شہروں، علاقوں پر غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔ اور تمام اطراف کے لوگوں پر اس کا حکم نافذ و جاری ہے۔ بعض علماء نے مدینہ منورہ کو فضائل اور کرامت میں باقی تمام جگہوں پر فضیلت و عزت دی ہے گویا باقی تمام جگہوں کے فضائل اور عزتیں اس کے فضائل کے آگے مضمحل و پوشیدہ ہیں جیسا کہ مکہ معظمہ کو اس بناء پر ام القریٰ کہتے ہیں کہ یہ تمام بستیوں کی اصل و بنیاد ہے باقی تمام بستیاں وجود میں آتے ہیں اس کے تابع ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ لفظ اکالۃ القریٰ کا مضمون ام القریٰ کے معنی سے زیادہ بلیغ و اکمل ہے کیونکہ امومت یعنی اصل ہونا مٹنے اور ہلاک کرنے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ وہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اصل و بنیاد ہے بخلاف اکالۃ القریٰ کے کہ اس میں کھا جانے کا معنیٰ پایا جاتا ہے کہ اس شہر کے سامنے باقی تمام علاقے اور شہر مضمحل اور چھپے ہوئے ہیں پھر اس شہر کے بہت سے اسماء اور القاب ہیں جو کہ سو سے بھی زیادہ ہیں میں نے اُن میں سے بعض کو کتاب مذکور میں نقل کر دیا ہے۔

[2] یعنی لوگ اسے اپنی قدیم زبان میں یثرب کہتے ہیں مگر یہ تو مدینہ ہے اور اب اس مبارک جگہ کا نام مدینہ ہے زمانہ نبوت سے پہلے اس کا نام یثرب بروزن مسجد تھا حضور علیہ السلام نے اس کا نام مدینہ رکھا جو کہ لوگوں کے تمدن اور

اجتماع کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لوگوں کی آپس میں انسیت اور الفت کو ظاہر کرتا ہے، حضور علیہ السلام نے اسے یثرب کہنے سے منع کر دیا۔ یا تو اس لیے کہ یہ جاہلیت کا نام ہے یا اس لیے کہ یہ لفظ ثرب بمعنی فساد و ہلاک سے نکلا ہے تثریب بمعنی ڈانٹنا اور ملامت کرنا یا اس مناسبت سے اس شہر کا نام یثرب رکھا گیا تھا کہ یثرب ایک بت کا نام تھا یا اس وجہ سے کہ یہ جابر بادشاہوں میں سے کسی جابر بادشاہ کا نام تھا۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی ہے جو شخص ایک بار یثرب کہے اُسے چاہیے کہ دس بار مدینہ کہے تاکہ اُس کا تدارک اور تلافی کر سکے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص یثرب کہے اُسے استغفار کرنا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ یثرب کہنے والے کو سزا دینی چاہیے اور وہ جو قرآن مجید میں آیا یا اہل یثرب تو یہ منافقوں کی زبان سے ہے کیونکہ وہ قصداً اہانت کے طور پر یہ نام لیتے تھے بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اکابر نے بھی اپنے اشعار میں یثرب کا لفظ استعمال کیا ہے۔

سے یہاں حدیث میں لفظ کیر آیا ہے کاف کی زیر ی ساکن بمعنی وہ بھٹی جو مٹی سے بناتے ہیں اور اس میں لوہے کو پگھلاتے ہیں یا کیر وہ مشک ہے جس کے ساتھ بھٹی میں ہوا داخل کرتے ہیں بعض نے کہا کہ مٹی سے بنائی ہوئی بھٹی کو کورہ کہتے اور ہوا بھرنے والی مشک کو کیر کہتے ہیں۔ یہ قول زیادہ درست اور زیادہ راجح ہے۔ لوگوں سے مراد اہل کفر و شرک ہیں جو مدینہ منورہ سے اسلام کے قوی ہونے کی بنا پر وہاں سے نکال دیے گئے اور اس مبارک جگہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔	حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینے منورہ کا طابہ رکھا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم شریف)

لہ اسی طرح اس کا نام اپنے حبیب کی زبان سے طیبہ رکھا یعنی طا کی زبر اور یا ساکن اور طیبہ یعنی یا کی شد سے اس کا نام طائب بھی رکھا۔ اس کے ہر قسم کے شرک سے پاک ہونے کی وجہ سے اور اس کی آب و ہوا طباع سلیمہ کے موافق ہونے کی بنا پر طیب عیش اور خوشی کی زندگانی جو اس میں گزرتی ہے۔ اور اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے بھی اسے طیب کہتے ہیں۔ اس کی تمام چیزوں کے عمدہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کا نام طیب یا طیبہ آیا ہے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کی خاک اور در و دیوار سے خوشبو دار ہوائیں مہکتی ہیں انہیں ہر وہ شخص محسوس کرتا ہے جس کے باطن کے سونگھنے کی قوت ٹھیک ہے، اور جو کفر و نفاق اور خبث اعتقاد کے زکام سے محفوظ ہے شاید کہ بعض عارفین

کے سونگھنے کی قوت اُن کے خلوص و شوق کی وجہ سے اُس خوشبو تک پہنچی ہو اور انہوں نے اُس خوشبو کو ظاہراً بھی محسوس کیا ہو۔ بیت:

دران زمین کہ نسیمے وزد زطرۂ دوست — چہ جائے دم زدن نافہائے تاتاریست

ترجمہ۔ اُس زمین میں کہ جہاں دوست کی زلف سے خوشبو مہکتی ہے تاتاری ہرنوں کے خون (نافہ) کے دم مارنے کی وہاں کوئی جگہ نہیں۔

ابو عبداللہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

بطیب رسول اللہ طاب نسیمها — فما المسك و الكافور والمندل والرطب

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے مدینہ کی ہوا خوشبو دار ہوگئی تو کستوری، کافور اور اچھی تر و تازہ خوشبو کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَ تَنْصَعُ طِيْبَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اس اعرابی کو مدینہ منورہ میں بخار شروع ہوگیا وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیعت مجھے واپس کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کردیا پھر وہ اعرابی آگیا کہنے لگا میری بیعت مجھے واپس کردیں آپ نے انکار کردیا اُس نے پھر کہا میری بیعت مجھے واپس کردیں (تیسری بار کہہ کر) وہ اعرابی مدینہ سے باہر چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو اس کی میل کچیل کو دور کردیتا ہے اور اچھی اور خالص چیز کو اپنے اندر رکھتا ہے[1]۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی پلید لوگوں کو اپنے سے دور کرتا، اور باہر نکال دیتا ہے اور پاک لوگوں کو پلید لوگوں سے پاک کرلیتا ہے یہاں حدیث میں خالص کرنے کے لیے لفظ تنصع ص اور عین سے ہے بمعنی پاک۔ اور خالص کرتا ہے یہ لفظ نصوع سے بنا ہے بمعنی خلوص۔ ناصع بمعنی ہر چیز میں خالص چیز اس صورت میں حدیث میں واقع لفظ طیبہا مرفوع ہوگا۔ بعض نے کہا

کہ یہ لفظ نصع بمعنیٰ خالص کرنے سے بنا ہے۔ اس صورت میں لفظ طیبہا پر زبر ہوگی۔ اور یہ لفظ تنصع بھی پڑھا گیا ہے یعنی ت کی پیش نون کی زبر ص کی زیر اور شد سے تنصیع سے شتق بھی ایک روایت ہے اسی طرح تبضع یعنی نون کی جگہ با کی بھی روایت لائے ہیں یہ بضع سے بنا ہے بمعنیٰ جمع کرنا اور بنفع سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی با اور ض بمعنیٰ گوشت کا ٹکڑا جیسا کہ مجمع البحار میں ہے تا کی زبر اور با ساکن سے اور نا کی زبر اور یا کی زیر اور شد دونوں روایتیں ہیں۔ ثانی روایت صحیح تر اور قوی تر ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ کا غلط لوگوں کو دور کرنا اور پاک لوگوں کو پلید لوگوں سے پاک کرنا حضور علیہ السلام کے زمانے میں تھا یا آخر زمانے میں ہوگا جبکہ دجال برآمد ہوگا۔ مدینہ منورہ کو اس وقت تین دفعہ ہلایا اور جھاڑا جائے گا جس سے ہر کافر و منافق مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دجال کی طرف چلا جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات ہر زمانے میں ہوتی ہو۔

حکایت۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہشام بن عبدالملک کی طرف سے ایک مدت تک مدینہ طیبہ کے حاکم رہے جب آپ کو وہاں سے باہر نکالا گیا تو آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ میرا شمار بھی ان لوگوں میں نہ ہو جن کو مدینہ اپنے پاس سے دور کر دے اسی طرح ہر وہ شخص ڈرتا ہے جو اس مکان شریف سے باہر نکلتا ہے یا رب اگر ضرورت کے تحت حکم شرع کے مطابق نکلنے کی اجازت ہے کیونکہ حق شرع کے لیے وہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانا جائز ہے۔

بیت۔

ضرورت ست دگر نہ خدائے میداند   کہ ترک صحبت جاناں نہ اختیار من ست

دوری ز حضرت تو نجستم باختیار!   خود ذرہ را ز مہر جدائی چہ درخورست

ترجمہ (۱) ضرورت کی بناء پر تیری صحبت کو چھوڑتا ہوں ورنہ خدا جانتا ہے کہ معشوق کی صحبت ترک کرنا میرے اختیار کے تحت نہیں ہے۔

(۲) تیری بارگاہ سے دور رہنا میں نے اپنے اختیار سے قبول نہیں کیا ایک ذرہ سورج کی جدائی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور اچھے انجام کی دعا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِیْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا یَنْفِی الْكِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مدینہ اپنے اندر سے شریر لوگوں کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم)

سلہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کا خبیث لوگوں کو اپنے اندر سے دور کرنا آخر زمانہ میں ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے راستوں[1] پر فرشتے مقرر ہوں گے، نہ داخل ہو سکے گا اس میں طاعون اور نہ دجال۔ (بخاری ومسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ انقاب آیا ہے جو نقب کی جمع ہے نون کی زبر اور پیش سے اور قاف ساکن بمعنی وہ راستہ جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ یا وہ سوراخ جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ دجال کا آنا بے شک آخر زمانے میں ہوگا۔ اور نگہبانی اس کے آنے تک رہے گی یا اس وقت کے لیے ہوگی یا ہمیشہ کے لیے ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَأُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ صَآفِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبِخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَّمُنَافِقٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی شہر مگر عنقریب اسے پامال کرے گا دجال مگر مکہ اور مدینہ کو کہ نہیں ہے کوئی راستہ اس کے راستوں سے مگر اس پر فرشتے مقرر ہیں صفیں باندھے ہوئے جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں تو دجال مدینہ سے باہر شور[1] والی زمین میں اترے گا مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین دفعہ جنبش میں آئے گا تو دجال کی طرف نکل پڑے گا ہر کافر و منافق۔ (بخاری ومسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ سبخہ آیا ہے سین اور با دونوں کی زبروں سے اور با ساکن بھی آئی ہے سبخہ یا سبخہ۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِيْدُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَآءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ کو ایذا نہ پہنچائے گا گروہ پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل[1] جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہ جس طرح کہ یزید بدبخت کا مال واقعہ حرہ کے تھوڑے دنوں بعد ہو گیا کہ ہلاک ہوا عذاب الٰہی میں گرفتار ہوا اور دق اور سل کی بیماری سے پگھلا اور فانی ہو گیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰی جُدُرَاتِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَہٗ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دَابَّۃٍ حَرَّکَھَا مِنْ حُبِّھَا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز کر دیتے اور اگر اونٹ کے سوا کسی اور سواری پر ہوتے تو اسے حرکت دیتے مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے۔ لہ (بخاری شریف)

لہ یعنی تیز چلانا تو اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور پاؤں سے حرکت دینا غیر اونٹ کے بیلے آتا ہے۔

وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَہٗ اُحُدٌ فَقَالَ ھٰذَا جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے اُحد پہاڑ نمودار ہوا تو فرمایا یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں لے اللہ بے شک ابراہیم نے مکے کو حرم بنایا اور بے شک میں دو پتھریلی زمینوں کے درمیان مدینے کی وادی کو حرم بناتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

لہ یعنی آپ کی نظر شریف اُحد پہاڑ پر پڑی۔ اُحد پہاڑ کی محبت کے متعلق بعض لوگ تاویل کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ مجاز کے طور پر کلام کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اہل اور اس میں رہنے والے سے مجھے محبت ہے یعنی کہ اس میں بسنے والے مومنوں اور اہل توحید سے جو کہ انصار ہیں مجھے اُن سے بڑی محبت ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا۔ ع۔

وَمِنْ مَّذْھَبِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَھْلِھَا

ترجمہ: میرے مذہب میں سے یہ بھی ہے کہ میں گھروں سے محبت رکھتا ہوں اُن کے اہل سے محبت کی بناء پر۔ بعض روایات میں اس کے مقابل یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں کہ جبل عیر ایک پہاڑ ہے جو ہم سے دشمنی رکھتا ہے اور ہم اس سے رکھتے ہیں۔ عیر مدینہ کی زبر سے ایک پہاڑ ہے جو ہم سے دشمنی رکھتا ہے اور ہم اس سے رکھتے ہیں کیونکہ اس میں رہنے والے منافق لوگ ہیں مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ ظاہر پر محمول ہیں کیونکہ علم و فہم اور لوازم محبت اسی طرح عداوت و دشمنی جمادات میں بھی اُن کے حال کے لائق پائی جاتی ہے۔ خصوصاً انبیاء اور اولیاء کے ساتھ خصوصاً سید الانبیاء اور سلطان اولیاء کے ساتھ جو کہ محبوب عالمین اور محبوب پروردگار عالمین ہیں۔ اور جسے خدا تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

ہر چیز اور سب لوگ اُسے دوست بنا لیتے ہیں کیونکہ ہر چیز کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور ہر چیز اُس کے حکم کے تابع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں ستون حنانہ کا رونا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس ستون کے رونے کی حدیث مشہور ہے جو حد تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُحد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اُس سے پیار کرتے ہیں۔ (بخاری شریف)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رَاَيْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا يَّصِيْدُ فِيْ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ الَّذِيْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهٗ ثِيَابَهٗ فَجَآءَ مَوَالِيْهِ فَكَلَّمُوْهُ فِيْهِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ اَخَذَ اَحَدًا يَّصِيْدُ فِيْهِ فَلْيَسْلُبْهُ فَلَا اَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَيْكُمْ ثَمَنَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سلیمان بن ابو عبداللہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو پکڑا ہوا تھا جو حرم مدینہ میں شکار کر رہا تھا اُس حرم مدینہ میں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا تو حضرت سعد نے اُس کے کپڑے چھین لیے۔ اُس کے مالک آئے اور انہوں نے حضرت سعد سے اُس کے بارے میں گفتگو کی کہ آپ اُس کے کپڑے واپس کر دیں آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم[2] بنایا۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اس میں شکار کرتے ہوئے آدمی کو پکڑے تو وہ اُس کے کپڑے اور سامان چھین لے لہٰذا میں اُس رزق کو واپس نہیں کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا[3] لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں اُس کی قیمت تمہیں دے دیتا ہوں۔

(ابوداؤد شریف)

[1] آپ تابعی ہیں آپ نے بہت سے مہاجرین کا زمانہ پایا۔ آپ سعد بن ابی وقاص حضرت ابوہریرہ

اور حضرت صہیب سے حدیث روایت کرتے ہیں اور آپ ثقہ راوی ہیں۔
۲؎ اور اس کی حدود متعین کی ہیں اور لوگوں کو اس میں شکار وغیرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔
۳؎ یعنی جو چیز آپ نے مجھے عطا فرمائی۔ یہاں حدیث میں لفظ طعمہ آیا ہے بمعنی عطا کہ آپ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ میں اُس کا سامان واپس نہیں کروں گا کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی مجھے عطا ہے اور مہربانی ہے جو حضور کے فرمان سے مجھے حاصل ہوئی۔

وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلًى لِسَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا وَجَدَ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُّقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت صالح رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلام دیکھے جو مدینہ منورہ کے درخت کاٹ رہے تھے آپ نے اُن کا سامان یعنی کپڑے وغیرہ چھین لیے اور اُن کے مالکوں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے آپ منع فرماتے تھے کہ مدینہ منورہ کے درختوں میں سے کوئی چیز کاٹی جائے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا جو شخص مدینہ پاک میں سے کوئی چیز کاٹے گا تو جو بھی کاٹنے والے کو پکڑے گا وہ اس کا سامان چھین کرلے جا سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ جبکہ انہوں نے اپنے غلاموں کا سامان واپس طلب کیا۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهٗ حَرَمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا اَنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ اَنَّهٗ بَدَلَ اَنَّهَا)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وضع وج اور اس کے درختوں کا شکار اللہ تعالیٰ کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ ابوداؤد شریف۔ اور محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وج کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ یہ طائف کی ایک جانب کا نام ہے اور خطابی نے کہا کہ یہاں لفظ انہا کی جگہ انہ ہے۔

۱؎ یعنی محی السنہ کی روایت میں جو ضمیر مونث آئی ہے خطابی نے کہا کہ وہ ضمیر مذکر ہے۔ بہرصورت یہ ضمیر وج کی جانب

لوٹتی ہے اور جگہوں کے ناموں میں مذکر و مونث دونوں ضمیریں لانا درست ہے ضمیر مونث تو بقعہ اور ناحیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے اور ضمیر مذکر موضع اور مکان کے اعتبار سے علماء نے کہا ہے کہ موضع وج کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ قرار دیا۔ بطریق حرم حرام قرار نہیں دیا۔ اور اگر بطریق حرم حرام قرار دیا تھا تو پھر یہ حرمت کچھ وقت کے لیے تھی۔ بعد میں منسوخ ہو گئی۔ شافعی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ حنفیہ اسی کی مثل حرم مدینہ کے لیے بھی کہتے ہیں اکثر علماء اس پر ہیں کہ حرم مدینہ اور وج تعظیم و احترام کے لحاظ سے ہے۔ تحریم اور جرم اور اس کی سزا کے لحاظ سے نہیں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّىْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گنجائش رکھتا ہو کہ مدینہ میں مرے تو اسے چاہیے کہ مدینے میں ہی مرے۔ کیونکہ میں مدینہ طیبہ میں مرنے والوں کی شفاعت[1] کروں گا۔ اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن صحیح غریب ہے۔

[1] بعض نسخوں میں اشفع کی جگہ اشفّع فا کی شد سے آیا ہے۔ یعنی مدینہ میں مرنے والوں کے لیے میری شفاعت قبول ہو گی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت عطا فرما۔ اور تیرے رسول کے شہر میں موت نصیب فرما۔ خدا کی شان کہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی ہم بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اس امید پر کہ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول ہو گی۔ حضور علیہ السلام ہمارے حق میں دعا کریں گے۔ تمام مسلمان مدینہ منورہ میں موت کی امید رکھتے ہیں کہ اس طرح حضور کی شفاعت ان سب کے لیے ہو گی۔ یا مدینہ میں مرنے والوں کے لیے حضور علیہ السلام خاص شفاعت فرمائیں گے جس سے ان کے سب گناہ مٹ جائیں گے اور وہ بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ یا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ میں مرتا ہے وہ ضرور ایمان پر مرتا ہے۔ کیونکہ مومن کے علاوہ حضور علیہ السلام کسی اور کی شفاعت نہیں کریں گے جس طرح کہ حضور علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے والوں کے لیے بھی ایسی بشارتیں آئی ہیں، وہاں بھی ایسی ہی توجیہات کی گئی ہیں۔ ایسی ہی بشارت حرم مکہ میں مرنے والوں کے لیے بھی آئی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخِرُ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الْاِسْلَامِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بستیوں میں سے ویران ہونے کے لحاظ سے سب

خَرَابًا الْمَدِيْنَةُ۔ | سے آخری بستی مدینہ منورہ ہوگی۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) | ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لے یعنی قیامت کے نزدیک سارا جہان اُجڑ جائے گا۔ اور مدینہ منورہ سب سے آخر میں اجڑے گا کہ حکم الٰہی کے تحت مدینہ منورہ پر سب سے آخر میں ویرانی چھائے گی۔ یہاں بستی کے لیے لفظ قریہ استعمال ہوا ہے بمعنی موضع دیگر ترتیب اس طرح ہے کہ قریہ کہتے ہیں بستی کو اُس سے بڑی بستی کو بلد اور بلد سے بھی بڑے شہر کو مدینہ کہتے ہیں اور سب سے بڑے اور جامع شہر کو مصر کہتے ہیں۔ بعض نے بلد اور مدینہ کو ایک ہی مرتبے میں رکھا ہے۔ اس وقت مدینہ اُس شہر کا نام ہے جس میں حضرت سید کائنات تشریف فرما ہیں۔ یہ شہر شرف و فضیلت کے لحاظ سے تمام شہروں سے اوپر ہے۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَيَّ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِيْنَةِ اَوِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ قِنَّسْرِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جریر[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ ان تین جگہوں[2] میں سے جس جگہ بھی تو اترے گا وہی تیرا ہجرت کا گھر ہوگا ان تین میں سے ایک مدینہ ہے۔ دوسرا بحرین[3] ... اور تیسرا قنسرین[4] ہے۔ (ترمذی شریف)

لے آپ مشہور صحابی ہیں بڑے شریف بلند مرتبہ لوگوں کے مخدوم جلیل القدر اور نہایت خوبصورت تھے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جریر سے بڑھ کر امت میں کوئی خوبصورت انسان نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی شہرت سنی گئی ہے۔ ان کی اچھی صفات شمار سے زیادہ ہیں۔

۲ے یعنی مجھے ہجرت کے لیے ان تینوں جگہوں میں سے کسی جگہ میں اترنے کا اختیار دیا گیا۔

۳ے بحرین ایک جزیرہ ہے جو بحر عمان کے علاقے میں پایا جاتا ہے۔

۴ے ق کی زیر نون مشدد کی زیر سین ساکن راء کی زیر یا زبر سے اور نون کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ شام کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ تاریخ مدینہ میں آگیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو پہلے ان تین جگہوں میں سے کسی بھی جگہ اترنے کا اختیار دیا گیا مگر بعد میں مدینہ طیبہ کو ہجرت کے لیے متعین کر دیا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَۃَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَھَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ عَلٰی کُلِّ بَابٍ مَلَکَانِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا مدینہ منورہ کے اندر مسیح دجال کا ڈر داخل نہ ہوگا اُس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے کھڑے ہوں گے۔

(بخاری شریف)

[1] بکرہ باکی زبر کاف ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔ اہل طائف میں سے ہیں جب حضور علیہ السلام نے طائف کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو کنوئیں کے رہٹ سے باندھا۔ اور اپنے آپ کو نیچے گرا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر میں پہنچے اور اسلام قبول کرلیا۔ ان کا نام آپ نے ابوبکرہ رکھا بکرہ یعنی کنوئیں کا رہٹ۔

وَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ دعا کی یا اللہ مدینہ منورہ میں مکہ معظمہ سے دگنی برکت رکھ دے[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] جیسا کہ فصل اول میں گزرا کہ حضور علیہ السلام نے فصل اول کی حدیث میں یہ دعا کی تھی مثلہ معہ یعنی مکہ کی مثل اس میں ایک گنا اور برکت رکھ یہ حدیث اور اس قسم کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ پر افضلیت حاصل ہے۔ یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے جانبین کے دلائل کو میں نے اپنی کتاب جذب القلوب میں ذکر کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

وَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ مَنْ سَکَنَ الْمَدِیْنَۃَ وَ صَبَرَ عَلٰی بَلَائِھَا کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا وَ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

آل خطاب میں سے ایک مرد سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس[1] نے قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جو شخص مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرے گا اور اس کی تکلیفوں[2] پر صبر کرے گا میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ اور سفارشی ہوں گا

وَمَنْ مَّاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اور جو شخص دو حرموں میں سے ایک حرم میں وفات پائے گا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھائے گا۔[۳]

[۱] یعنی اس طرح زیارت نہیں کرے گا کہ آیا کسی اور کام کے لیے اور اُس کام کے طفیل میری بھی زیارت کرلی بلکہ وہ آیا ہی میری زیارت کے لیے ہو تو ایسا شخص قیامت کے دن میری ہمسائیگی اور میری پناہ میں ہوگا۔ بعض عارفین سے منقول ہے کہ وہ حج کے لیے گئے مگر حضور کی زیارت کے لیے نہ آئے اور فرمایا میں اس لیے حضور کی زیارت اس وقت نہیں جاتا کہ یہ زیارت تو حج کے تابع اور طفیل ہوئی۔ جو مناسب نہیں ان کی یہ بات حضور علیہ السلام کی جانب غایت شوق و نہایت ادب کو ظاہر کرتی ہے لیکن درست یہ ہے کہ حج کا ارادہ زیارت کے ارادے سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتا۔ علمائے وقت ادائے حج کے بعد زیارت کے لیے مدینہ منورہ جاتے ہیں۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی دنیوی غرض اور سیر و سیاحت کے ارادے سے نہ آیا ہو۔ بیت۔

وقت بر بوئے سر زلف تو حقتے بچمن !! ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض

ترجمہ۔ چمن میں آنے سے تیری زلف کی بو کا سونگھنا مقصود تھا ورنہ سحری کی ہوا کھانے سے کوئی غرض نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں مکان یعنی مدینہ و مکہ حضور کے کمال و جمال کی جگہ ہیں۔ مطلوب حضور کی اتباع اور آپ کے احکام کی بجا آوری ہے۔ بیت

ہر دو جائے تست یا بدر الدجی

ترجمہ۔ اے اندھیروں میں روشنی پھیلانے والے چاند دونوں جگہیں تیری ہی ہیں۔

[۲] جیسا کہ حضور کے زمانے میں تھا بعض روایات میں لفظ بلا کی جگہ لفظ لاوائھا آیا ہے یعنی اس کی شدتوں پر صبر کرے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ تو میں اس کی نیکیوں کی شہادت دوں گا اور اُس کے گناہ کی معافی کی شفاعت کروں گا۔

[۳] یعنی اُسے روز قیامت کے عذاب سے امن میں رکھے گا۔ روایات میں آیا ہے کہ مکہ مدینہ کے قبرستان والوں کو بہشت میں جا بٹھائیں گے۔ ان سے سوال و جواب نہ ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی مَرْفُوْعًا مَّنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے جس نے حج کیا پھر میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[۱] زیارت شریف کے فوائد بشارتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضور کی زیارت کرنے والے کو آپ کی معنوی صحبت

اور اُس کے آثار و لوازمات میں سے حصہ ملتا ہے۔ یہ بات اس پر مبنی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام اپنی قبر انور میں حیات حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ ہیں۔ بخلاف شہداء کے کہ وہ حیات معنوی کے ساتھ مشرف ہیں۔ میں نے اس مسئلے کو مکمل تر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان کر دیا ہے۔

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ[1] أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِينَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أُرِدْ هٰذَا إِنَّمَا أَرَدْتُ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ بُقْعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ قَبْرِي بِهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

حضرت یحییٰ بن سعید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قبر مدینہ میں کھودی جا رہی تھی ایک شخص نے قبر میں جھانک کر دیکھا تو کہا مومن کے سونے کی جگہ بری ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے برا حرف زبان سے ادا کیا اُس آدمی نے کہا میں نے یہ ارادہ نہیں کیا[2]، سوائے اس کے نہیں میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ فی سبیل اللہ قتل ہونا بہت بہتر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) راہ خدا میں قتل ہو جانا بھی مدینہ منورہ میں مرنے سے افضل نہیں ہے۔ زمین پر کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جو مجھے زیادہ پیارا ہو کہ میری اس میں قبر بنے۔ مدینہ منورہ کے سوا آپ نے یہ بات تین دفعہ[3] ارشاد فرمائی۔ اسے مالک نے مرسلاً روایت کیا۔

[1] یحییٰ بن سعید دو ہیں۔ ایک یحییٰ بن سعید قطان جا کا بر ائمہ حدیث میں سے ہیں اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں یہ مالک، شعبہ، ثوری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ دوسرے یحییٰ بن سعید انصاری ہیں جو تابعین میں سے ہیں ان سے امام مالک شعبہ اور ثوری روایت کرتے ہیں۔

[2] یعنی اس سے میری مراد موت کی مذمت نہیں، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ راہ خدا میں شہید ہونا بہ مسافری میں جان دینا اپنے بستر پر مرنے سے بہتر ہے۔

[3] اس حدیث کی تقریر علامہ طیبی نے اسی طرح کی ہے کہ یہاں سے لازم آتا ہے کہ مدینہ پاک میں مرنا اور اس میں دفن ہونا شہادت اور دوسری جگہ دفن ہونے سے افضل ہے۔ یہ حدیث مدینہ منورہ کی فضیلت کے بیان کرنے اور اس میں دفن ہونے میں بہت واضح اور نمایاں ہے۔ لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا کہ راہ خدا

میں قتل ہونا مدینہ منورہ میں موت سے بہتر نہیں ہے حدیث کے الفاظ اس کا احتمال بھی رکھتے ہیں کہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہو کہ ہاں مدینے میں موت بھی راہ خدا میں شہید ہونے سے افضل نہیں ہے بلکہ شہادت فی سبیل اللہ سب سے افضل و اعظم ہے۔ اور اگر یہ چیز نصیب نہ ہو تو پھر مدینہ منورہ میں موت اور اس میں قبر باقی تمام شہروں اور وہاں کی قبروں سے افضل ہے۔ اس تقریر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں موت دوسری جگہوں میں مرنے سے افضل ہے لیکن راہ خدا میں شہید و قتل ہونے کی افضلیت اپنی جگہ باقی ہے۔ واللہ اعلم بالمراد۔

۴؎ یعنی امام مالک نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یحییٰ بن سعید سے یحییٰ بن سعید انصاری مراد ہیں جو کہ تابعی ہیں۔ امام مالک، ہشام بن عروہ شعبہ اور سفیان ثوری ان سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن سعید بن قطان مراد نہیں ہیں۔ جو ثقہ اور ائمہ حدیث اور ان کے اکابر میں سے ہیں کیونکہ یہ امام مالک، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری حضرت شعبہ اور سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں غور کرو۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ بِوَادِ الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتٍ مِنْ رَّبِّيْ فَقَالَ صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِ الْمُبَارَكِ وَ قُلْ عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ وَّ قُلْ عُمْرَةٌ وَّ حَجَّةٌ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جبکہ آپ وادیٔ عقیق[1] میں تھے آپ فرما رہے تھے آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا[2] آیا اور مجھ سے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو اور کہہ کہ عمرہ[3] حج میں ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یوں کہہ عمرہ[4] اور حج۔

(بخاری شریف)

۱؎ وادی عقیق مدینہ منورہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔ اس وادی کا ذکر اشعار و احادیث میں کثرت سے آیا ہے حضور علیہ السلام اس وادی میں جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

۲؎ یعنی میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا۔

۳؎ یعنی اس نماز کا اس طرح حساب کر کہ اسے اس عمرے کے برابر کہ جو حج میں ہوتا ہے۔ لفظ قول فعل کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۴؎ اس سے مقصود اس بقعہ شریفہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہاں نماز ادا کرنا گویا حج اور عمرہ کے برابر ہے۔

تمت بالخیر

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء۔ ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ ہجری بروز جمعرات

اعتذار

اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم کو زیور طبع سے آراستہ ہوئے سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ چھ سات ماہ کے اندر اندر اس کی تیسری جلد (جو اس وقت آپ کے سامنے ہے) بھی شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے مگر میری یہ خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ راقم ۱۹۶۶ء کے اواخر سے مرض شوگر کی گرفت میں ہے مصروفیات کے ساتھ ساتھ مختلف ذہنی صدمات کے باعث یہ مرض روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ مصنف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دلی عقیدت اور تبلیغ و اشاعت اسلام کی لگن کی بناء پر ناچیز کی زبردست خواہش تھی کہ کتاب کے مکمل ترجمہ کی سعادت نصیب ہو مگر افسوس کہ مرض کی شدت نے مجھے بہت حد تک بے بس کر دیا۔ ۱۹۸۵ء کے ماہ اپریل سے شوگر کی تیزی کے نتیجے میں بلڈ پریشر کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا جس سے بینائی بھی بہت زیادہ کمزور ہو گئی۔ ماہ جون ۱۹۸۵ء میں بعض مخلص دوستوں کی کوشش سے عمرہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت نصیب ہوئی یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بلڈ پریشر کا سخت حملہ ہوا اور مدینہ طیبہ میں ہی ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ اس صورت حال سے بیشتر اس تیسری جلد کے صرف دو صد صفحات لکھ پایا تھا کہ مذکورہ امراض نے زور پکڑ لیا اور تالیف و ترجمہ کا یہ کام قریب قریب رک گیا جس سے راقم کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ناچیز اس سرگردانی کے عالم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یکایک ایک ایسا معاون پیدا فرما دیا جو جانثار و بے لوث اللہ کے راستہ پر گامزن تھا اس نے فراخدلی سے دست تعاون دراز کیا۔ وہ زود نویس اور صحت لفظی میں بھی بہت حد تک قابل اعتماد تھا میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتظام بعض بزرگوں کے تصرف اور ان کی توجہ کا مرہون منت ہے الحمد للہ کہ آج ترجمہ کی تیسری جلد کی تکمیل سے بھی فراغت حاصل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو بھی پہلی دو جلدوں کی طرح قبولیت عام کا درجہ عطا کرے اور مصنف و مترجم کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ فالحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

فہرست مضامین

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد چہارم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

فہرست مضامین اشعۃ اللمعات (جلد چہارم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و من تبعہم باحسان الی یوم الدین

الحمد للہ! یہ امر باعث مسرت ہے کہ اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ کی جلد چہارم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے
تیسری جلد کے بعد درمیان میں طویل مدت اس لیے حائل ہو گئی کہ ترجمہ نگار فاضل محقق، علامۂ زماں حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ/ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کو وصال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام عطا فرماتے اور ان کے فرزند ارجمند مولانا حافظ عبدالرؤف سلمہ کو علم و عمل، تصنیف و تالیف اور خدمت دین میں صحیح جانشین بناتے، علامہ محمد سعید احمد نقشبندی ابتداءً سلسلہ نقشبندیہ میں پیر طریقت حضرت سید نور الحسن شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے، آخری سالوں میں انہوں نے حضرت مرشد طریقت مرشدنا حضرت اخندزادہ سیف الرحمٰن پیرارچی مدظلہ (پشاور) سے ذکر حاصل کیا۔

اشعۃ اللمعات فارسی چار جلدوں پر مشتمل ہے حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو جلدوں کا اردو ترجمہ کیا جو تین جلدوں میں شائع ہو کر علم دین کے طلبگاروں کے ہاتھوں تک پہنچ چکا ہے۔ قارئین کا پُرزور تقاضا تھا کہ چوتھی جلد بھی جلد شائع کی جائے، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور کے مالکان جناب سید اعجاز احمد اور جناب ڈاکٹر منیر احمد صاحبان بھی اس فکر میں تھے کہ شرح حدیث کی اس مبارک کتاب کا ترجمہ مکمل ہونا چاہیے تاکہ قارئین کی تشنگی دور ہو سکے اور جس کام کے آغاز کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

ان کی متلاشی نگاہیں مو جستجو تھیں کہ برادر عزیز حضرت علامہ مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری زید لطفہ نے اس اہم ترین کام کے لیے راقم کا نام پیش کر دیا میرے لیے معذرت کی گنجائش ہی نہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور ان کی شرح کا ترجمہ عظیم سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ موقع عطا کیا تو اسے کھو دینا بہت بڑی محرومیت ہوتی، پھر مالکان فرید بک سٹال اور علامہ قصوری ایسے اخلاص کے پیکروں اور دین متین کے خدمت گاروں کی فرمائش کو ٹالنا بھی میرے بس میں نہ تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یکم جنوری ۱۹۸۷ء کو فقیر نے ترجمہ شروع کر دیا، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں حدیث شریف اور علوم دینیہ کے طلباء کی خدمت اور مکتبہ قادریہ، لاہور کے انتظام کے ساتھ ترجمہ کا کام بھی کرتا رہا۔ اس عرصے میں والدین کریمین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طویل علالت کے دوران حتی الامکان وہ ذمہ داری بھی ادا کرتا رہا جو مجھ پر عائد ہوتی تھی۔ ۱۰ ذیقعدہ

۷ رجولائی سنہ ۱۴۰۷ھ / سنہ ۱۹۸۷ء کو والدۂ محترمہ اور ۲۵ شعبان ۲ اپریل سنہ ۱۴۰۹ھ / سنہ ۱۹۸۹ء کو والد ماجد مولوی اللہ دتا رحمہما اللہ تعالیٰ دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور قیامت کے دن اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ ظاہر ہے ان حالات میں تاخیر لازمی امر تھا

الحمد للہ تعالیٰ ۸ ار محرم ۱۲ ر اگست سنہ ۱۴۱۰ھ / سنہ ۱۹۸۹ء کو چوتھی جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی چونکہ اشعۃ اللمعات فارسی کی آخری دو جلدیں پہلی دو جلدوں کی نسبت زیادہ ضخیم ہیں اس لیے طے پایا کہ اشعۃ اللمعات کی تیسری چوتھی جلد کا ترجمہ چار جلدوں میں پیش کیا جائے پیش نظر جلد کے علاوہ تین جلدیں مزید ہوں گی اور پوری کتاب سات جلدوں میں مکمل ہو گی۔

راقم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ متن حدیث ایک کالم میں اور اس کا ترجمہ دوسرے کالم میں لکھا ہے، پھر ترجمہ پر تیر دے کر ان فوائد اور تشریحات کا ترجمہ کیا ہے جو حضرت رئیس المحدثین شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں، بعض مقامات پر ترجمے کی وضاحت کے لیے قوسین میں مختصر وضاحتی نوٹ لکھ دیے ہیں اور بعض مقامات پر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح مرآۃ اور محدث جلیل حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح مرقاۃ اور بعض دیگر کتب کے حوالے سے حواشی دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس ترجمہ کو جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مالکان فرید بک سٹال لاہور کو مع اہل و عیال صحت و تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے اور دنیا و آخرت میں بہترین جزا سے نوازے، انہوں نے اسلامی لٹریچر کا گراں قدر ذخیرہ شائع کر کے تمام مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ جملہ اہل اسلام کو ان کا ممنون ہونا چاہیے اور اشاعت اسلام میں ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ آخر میں جناب محمد عالم مختار حق کا بڑی محنت سے پروف ریڈنگ کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

۱۸ ار محرم سنہ ۱۴۱۰ھ
۱۲ ر اگست سنہ ۱۹۸۹ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پاکستان

تحریر: مولانا محمد منشا تابش قصوری

اشعۃ اللمعات کے جلیل القدر مترجم

استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ اہل سنت و جماعت کی ایک نامور علمی شخصیت ہیں، جن کی تحقیقی، فنی اور تاریخی کاوشیں شاہکار ہیں، بڑے وسیع القلب، نہایت مخلص، مہمان نواز اور شفیق ترین انسان ہیں سنیت کے تحریری خلا کو پُر کرنے کے لیے عرصہ سے قلمی جہاد میں مصروف قابل فخر کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی ذات گوناگوں اوصافِ حمیدہ کی جامع ہے۔ تبلیغ کا ہر شعبہ آپ پر ناز کرتا ہے۔ تحریر، تقریر، تدریس میں تعمیر سیرت، کردار سازی، اخلاقی بلندی اور روحانی برتری کی طرف خصوصی توجہ رکھتے ہیں۔ سنگین حالات، کٹھن مراحل اور دشوار گزار منازل میں صبر استقامت علم و تحمل کے پیکر جمیل نظر آتے ہیں۔

راقم کی آپ سے شناسائی قلم کا فیضان ہے۔ شہید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ پر میں نے ایک مختصر سا مضمون لکھا جو ضیائے حرم میں شائع ہوا۔ میرے ممدوح مکرم نے ملاحظہ فرمایا اور پسندیدگی کے گرامی نامہ سے سرفراز کرتے ہوئے حوالہ کی کتب طلب فرمائیں۔ باغی ہندوستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء وغیرہ پہلے مراسلت پھر ملاقات تک سلسلہ محدود رہا اور اب رفیق کار کی نسبت سے تعلق مستحکم ہے۔ (الحمد للہ علی منہ وکرمہ تعالیٰ)

مولانا شرف قادری صاحب ۱۳ اگست ۱۹۴۴ء / ۲۴ شعبان ۱۳۶۳ھ کو مرزا پور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا اللہ دتہ صاحب ابن صوفی نور بخش صاحب مرحوم نہایت پابند صوم و صلوٰۃ صوفی منش بزرگ تھے، جن کی خصوصی تربیت اور مقبول ادعیہ کے سایہ میں پروان چڑھے، پاکستان کے ظہور کے ساتھ ہی ہجرت کر کے لاہور مقیم ہوئے۔ آپ کے گھر سے قریب ہی خطیب ملت مولانا علامہ غلام الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جامع مسجد انجن شیڈ میں خطابت کے جوہر دکھایا کرتے تھے، والد ماجد علیہ الرحمۃ کی مولانا المرحوم سے عمدہ رفاقت تھی، شرف صاحب جب اپنے والد مکرم کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑے پیار سے آپ کو علامہ اور فاضل لاہوری کے القاب سے نوازتے، اس جلیل القدر شخصیت کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے کلمات اب مولانا شرف صاحب قادری کے وجود مسعود پر بالکل صادق آتے ہیں۔

ابتداءً پرائمری پاس کی۔ پھر دینی علوم کی طرف مائل ہوئے اور درج ذیل درس گاہوں سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

(۱) جامعہ رضویہ فیصل آباد (۲) جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (۳) جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال شریف، ضلع خوشاب۔ دارالعلوم

تحریر: مولانا محمد منشا تابش قصوری

اشعۃ اللمعات کے جلیل القدر مترجم

استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہٗ اہل سنت وجماعت کی ایک نامور علمی شخصیت ہیں، جن کی تحقیقی، فنی اور تاریخی کاوشیں شاہکار ہیں، بڑے وسیع القلب، نہایت مخلص، مہمان نواز اور شفیق ترین انسان ہیں سنیت کے تحریری خلا کو پُر کرنے کے لیے عرصہ سے قلمی جہاد میں مصروف قابل فخر کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی ذات گوناگوں اوصافِ حمیدہ کی جامع ہے۔ تبلیغ کا ہر شعبہ آپ پر ناز کرتا ہے۔ تحریر، تقریر، تدریس میں تعمیرِ سیرت، کردار سازی، اخلاقی بلندی اور روحانی برتری کی طرف خصوصی توجہ رکھتے ہیں۔ سنگین حالات، کٹھن مراحل اور دشوار گزار منازل میں صبر و استقامت علم و تحمل کے پیکرِ جمیل نظر آتے ہیں۔

راقم کی آپ سے شناسائی قلم کا فیضان ہے۔ شہید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ پر میں نے ایک مختصر سا مضمون لکھا جو ضیائے حرم میں شائع ہوا، میرے ممدوح مکرم نے ملاحظہ فرمایا اور پسندیدگی کے گرامی نامہ سے سرفراز کرتے ہوئے حوالہ کی کتب طلب فرمائیں۔ باغی ہندوستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء وغیرہ پہلے مراسلت پھر ملاقات تک سلسلہ محدود رہا اور اب رفیق کار کی نسبت سے تعلق مستحکم ہے۔ (الحمد للہ علی منہ وکرمہ تعالیٰ)

مولانا شرف قادری صاحب ۱۳ راگست ۱۹۴۴ء ۲۴ رشعبان ۱۳۶۳ھ کو مرزا پور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا اللہ دتہ صاحب ابن صوفی نور بخش صاحب مرحوم نہایت پابند صوم وصلوٰۃ صوفی منش بزرگ تھے، جن کی خصوصی تربیت اور مقبول ادعیہ کے سایہ میں پروان چڑھے، پاکستان کے ظہور کے ساتھ ہی ہجرت کر کے لاہور مقیم ہوئے۔ آپ کے گھر سے قریب ہی خطیب ملت مولانا علامہ غلام الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جامع مسجد انجن شیڈ میں خطابت کے جوہر دکھایا کرتے تھے، والد ماجد علیہ الرحمۃ کی مولانا المرحوم سے عمدہ رفاقت تھی، شرف صاحب جب اپنے والد مکرم کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑے پیار سے آپ کو علامہ اور فاضل لاہوری کے القاب سے نوازتے، اس جلیل القدر شخصیت کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے کلمات اب مولانا شرف صاحب قادری کے وجود مسعود پر بالکل صادق آتے ہیں۔

ابتداءً پرائمری پاس کیا، پھر دینی علوم کی طرف مائل ہوئے اور درج ذیل درس گاہوں سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

(۱) جامعہ رضویہ فیصل آباد (۲) جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (۳) جامعہ امدادیہ مظہریہ بندیال شریف، ضلع خوشاب۔ دارالعلوم

ضیاء شمس الاسلام سیال شریف

وقت کے جلیل القدر اساتذہ سے جملہ علوم وفنون اسلامیہ کی دولت حاصل کی جسے بڑی فیاضی سے ہر سطح پر تقسیم فرما رہے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں سے مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا الحاج محمد سردار احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چشتی قادری رضوی فیصل آباد

حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب رضوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد

رئیس المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد صاحب چشتی گولڑوی بندیالوی مدظلہ

حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امین صاحب جامعہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد۔

حضرت مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی، شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف۔

علوم وفنون اسلامیہ کے حصول کے ساتھ ہی آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔ جن اداروں میں آپ نے علوم درسیہ کی تعلیم دی ان میں درج ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ، مدرسہ اسلامیہ چکوال، جامعہ نعیمیہ لاہور، ان اداروں میں ایک مدت تک مسند درس پر فائز رہے پھر ۱۹۷۴ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں تشریف لے آئے اور تادم تحریر یہاں پر آپ بڑی تندہی، جانفشانی، انتہائی خلوص اور لگن کے ساتھ خدمات درس وتدریس، تحقیق وتصنیف میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ آپ کی ماہرانہ فنی وتدریسی صلاحیتوں کے پیش نظر حضرت مفتی مدظلہ نے آپ کو صدر المدرسین کا عہدہ تفویض فرمایا۔ یہاں پر آپ نے جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس فرمائی۔ ۱۹۷۴ء سے استاذ الحدیث کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔

علامہ شرف قادری صاحب بہت سی تاریخی، درسی، فقہی، علمی (عربی، فارسی، اردو) کتب کے مصنف، مترجم، محشی اور شارح کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ آپ کی ہر کتاب اور ہر مقالہ اہل علم وقلم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے، ذیل میں آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے شاہکار ملاحظہ ہوں جو بار بار زیور طباعت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

تذکرہ اکابر اہل سنت، یاد اعلیٰحضرت بریلوی، سوانح سراج الفقہاء، احسن الکلام، مسائل اہل سنت، غایۃ الاحتیاط فی مسئلۃ حیلۃ الاسقاط، سنی کانفرنس ملتان، سنی کانفرنس ملتان کا پس منظر، اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر

اردو تصانیف کے علاوہ عربی زبان میں بھی قابل قدر کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے درج ذیل بفضلہ وکرمہ تعالیٰ منصہ شہود پر جلوہ افروز ہو چکی ہیں۔: الحیاۃ الخالدۃ۔ حول مبحث التوسل، مدینۃ الحلم، المعجزۃ وکرامات الاولیاء

آپ نے اکابر کی بعض عربی وفارسی کتب کے نہایت عمدہ، آسان اور پرکشش ترجمے کیے، جنہیں مشاہیر اہل علم وقلم نے تراجم کی بجائے اصل تصانیف کے مترادف قرار دیا۔ نام ملاحظہ ہوں۔

کشف النور عن اصحاب القبور، تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی، الشرف المؤبد لآل محمد، ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ اشعۃ اللمعات اردو (جلد چہارم)

درج ذیل کتابوں کے حواشی لکھ کر علماء و طلباء کی دیرینہ آرزو کی تکمیل فرمائی۔

کریما، نام حق، تحفہ نصائح، بدائع منظوم، نحو میر، مرقاۃ (منطق)، کا عزل حاشیہ المرضاۃ

نیز آپ کی غیر مطبوعہ قلمی خدمات کی فہرست بھی دیکھنے جائیے

ہمعصر علماء و مشائخ کی آراء تحسین کسی بھی شخصیت کے لیے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہیں ہر زمانہ میں مشاہیر و اکابر نے اس روایت کو اپنایا، اور اپنی سیر چشمی، بلند ہمتی کا ثبوت دیتے ہوئے اصاغر نوازی کے جو اہرات بکھیرے، ماہ و سال کی برتری اور علم و فضل میں درجہ کمال کے باوجود حقائق کے اظہار میں اپنے سے عمر اور مرتبہ میں کم ہونے پر بھی کسی شخص میں اوصاف حمیدہ اور کمالات جمیلہ دکھائی دیئے تو برملا قرطاس و قلم سے اس کے مستقبل کو تابناک بنانے میں بصیرت افروز کلمات سے نوازا اور اس شخصیت کو نمایاں کرنے میں بڑی فراخدلی کا مظاہرہ فرمایا چنانچہ علامہ شرف قادری مدظلہ کے لیے بھی ملت اسلامیہ کی نامور شخصیات نے جب ان کی مفید ترین قلمی خدمات کو ملاحظہ فرمایا تو نہایت عمدہ انداز میں اکابر و مشاہیر نے کلمات تحسین و آفرین سے سرفراز فرمایا۔ اختصار کے پیش نظر چند آراء ملاحظہ ہوں۔

حضرت علامہ تقدس علی خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، اہل سنت و جماعت کی قابل قدر شخصیت ہیں۔ وہ اپنی ذات کو درس و تدریس، تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا بین ثبوت ہیں۔ ایک عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔ (شیشے کے گھر)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

رسوائے زمانہ کتاب البریلویہ کے رد میں فاضل جلیل مولانا موصوف نے اندھیرے سے اجالے تک" کتاب لکھی جو اسم با مسمیٰ ہے مصنف ممدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا۔ مدلل و مسکت جوابات دیئے ہیں۔ انتہائی سلیس اور پاکیزہ انداز بیان ہے۔ (شیشے کے گھر)

مولانا محمد احمد صاحب مصباحی (جامعہ اشرفیہ مبارکپور، انڈیا)

"اندھیرے سے اجالے تک" آپ کا عظیم جماعتی اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے۔ البریلویہ کے ہر الزام کا جواب لبسط و شرح سے پیش کیا گیا ہے، ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تار عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (شیشے کے گھر)

پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری مدظلہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

نوازش نامہ اور تحفہ رفیقہ موصول ہوئے۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ مدلل محقق اور معتبر نگارشات دورِ جدید کا تقاضا ہے۔ آپ نے اس تقاضے کو بحسن و خوبی پورا فرمایا۔ آپ ان ممتاز اہلِ قلم میں سے ہیں جن سے ایک دنیا استفادہ کرتی ہے۔ آپ کی مساعی لائقِ تحسین و آفریں ہیں۔ (شیشے کے گھر)

محمد حسین تسبیحی (ایرانی محقق)

امروز از طرف مولانا محمد منشا تابش قصوری یک مجلد تذکرہ علماء و اکابر اہلِ سنت بدستِ من رسید آں را تصفح کردم و حظ وافر و فائدہ احسن بردم آفرین صد آفرین بر شما و قلم شما۔ (تذکرہ اکابر اہلِ سنت)

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ (شارح بخاری)

مولانا شرف قادری اہلِ سنت و جماعت کی قابلِ قدر علمی شخصیت ہیں۔ متعدد درسی کتابوں پر ان کے حواشی و تراجم اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ ایک متقی عالمِ دین اور خاموش طبع شخصیت ہیں یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ انہوں نے اپنی ذات کو درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر دیا ہے اور خلوص کے ساتھ مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کی قابلِ قدر خدمت کر رہے ہیں۔ (اسلامی عقائد)

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے حالات و واقعات کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تذکرہ علماء اہلِ سنت لاہور ــــــــــــ علامہ اقبال احمد فاروقی

۲۔ شریف التواریخ جلد ۳؍۲ ــــــــــــ سید شریف احمد شرافت نوشاہی رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۔ تحریک نظامِ مصطفیٰ میں جامعہ نظامیہ کا کردار ــــــــــــ محمد منشا تابش قصوری

۴۔ تعارف علماء اہلِ سنت ــــــــــــ مولانا محمد صدیق ہزاروی

۵۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ــــــــــــ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز

۶۔ تذکرہ اکابر اہلِ سنت ــــــــــــ علامہ شرف قادری صاحب

۷۔ اسلامی عقائد ــــــــــــ " " " "

۸۔ شیشے کے گھر ــــــــــــ " " " "

آپ کا تازہ شاہکار ترجمہ، اردو اشعۃ اللمعات جلد چہارم کی حسین صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تراجم کے مسلسل تجربات کے بعد قدرت نے اس عظیم شرح کے ترجمہ و حواشی کے لیے علامہ شرف قادری مدظلہ کو منتخب فرمایا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کِتَابُ الْبُیُوْعِ —⑫

اقسامِ تجارت اور ان کے احکام

بیع کبھی تو سودے کو کہتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مال ایک کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اسے مال کا مال سے تبادلہ بھی کہتے ہیں، عام طور پر بیع کا استعمال پہلی چیز میں ہوتا ہے یعنی مال کا ایک شخص کی ملکیت سے نکل جانا جسے بیچنا کہتے ہیں، بعض اوقات خریدنے کو بھی بیع کہہ دیتے ہیں، شراء اس کے برعکس ہے، عام طور پر خریدنے کو شراء کہتے ہیں، بعض اوقات بیچنے کو بھی شراء کہہ دیتے ہیں، بیع، باع سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہاتھ کا پھیلانا ہے (بیچنے اور خریدنے والا دونوں مال کے قبضہ میں لینے کا فیصلہ کرتے ہیں (اور یہ فیصلہ کرتے وقت عموماً ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں) —— حضرت مصنف کی عادت ہے کہ ہر کتاب کی ابتدا میں ایک باب لاتے ہیں جس میں اس چیز کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ جس کی نسبت سے کتاب کا عنوان قائم کرتے ہیں، چونکہ بیع وشراء کی فضیلت میں احادیث صرف اس لحاظ سے وارد تھیں کہ یہ طلب حلال ہیں اور جائز کمائی کا ذریعہ ہیں اس لیے ایک باب کسب اور طلبِ حلال کے لیے قائم کیا ہے۔

بَابُ الْکَسْبِ وَطَلَبِ الْحَلَالِ

۲۲۵۔ کمائی اور رزقِ حلال کی تلاش

کسب کا معنی رزق کا تلاش کرنا اور اس کی طلب میں دوڑنا ہے، لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے کسب کا معنی

اختیار کرنا اور اکٹھا کرنا ہے، اصل میں اس کا معنی جمع کرنا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۶۳۹ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ یْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مقدام بن معدی کرب[1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی[2] سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھایا کرتے تھے[3]۔ (بخاری شریف)

[1] معدی کرب کی راء کے نیچے کسرہ ہے، حضرت مقدام رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، حمص میں قیام پذیر رہے ۸۷ھ میں شام ہیں اکانوے سال کی عمر میں وصال ہوا۔

[2] یعنی محنت و مشقت کی کمائی سے۔

[3] یعنی رزق کی کمائی انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سنت ہے، حضرت داؤد علیہ السلام اپنے گزارے کے لیے زرہ بنایا کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کھانے اور خوراک کے لیے کسب حلال سب سے زیادہ اہم ہے اور اگر دیگر ضروریات مثلاً کھانے، پہننے اور سواری کے لیے کمائی کرے تو بلاشبہ یہ درجۂ کمال ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف میں کھانے سے مراد تمام ضروریات زندگی میں خرچ کرنا مراد ہو، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں اپنے زورِ بازو سے کھاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ضروریات زندگی اپنی کمائی سے پوری کرتا ہے۔

۲۶۴۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَّاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ پاک[1] ہی کو قبول فرماتا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی چیز[2] کا حکم دیا جس کا پیغمبروں کو حکم دیا، چنانچہ فرمایا: اے رسولو! تم حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ نیز فرمایا: اے ایمان والو! ان حلال کھانوں میں سے کھاؤ جو ہم نے

اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَّ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تمیں دیے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا حرام ہے اور لباس حرام ہے اور اسے حرام غذا دی گئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (مسلم شریف)

ل یعنی حلال کو، یاد رہے کہ طیب، خبیث کے مقابل ہے۔ اس کا معنی پاک اور لطیف ہے۔ بعض اوقات خوشدلی سے ماخوذ ہوتا ہے، وہ کام جو رضا و رغبت سے کیا جائے، کبھی خوشبو سے ماخوذ اور حلال کے معنی میں آتا ہے، کیونکہ نفس انسانی اسے شرعی طور پر پسند کرتا ہے کہ وہ یا حرام نہیں جانتا، انسانوں میں سے طیب وہ ہے جو نجاست اور جہل و فسق کی خباثت سے پاک اور علم اور حسن عمل سے آراستہ ہو، اللہ تعالیٰ کو اس معنی میں طیب کہتے ہیں کہ وہ عیب اور نقصان سے پاک ہے ——— حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور رزق حلال کو حرمت کی میل سے پاک ہونے کے سبب بارگاہِ الٰہی کے ساتھ مناسبت ہے لہٰذا وہ اس کی بارگاہِ عزت میں قرب کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ بخلاف حرام کے کہ اس کی ضد ہے وہ اس قابل نہیں ہے۔

۲ یعنی رزق حلال اور طیب کا کھانا۔

۳ اعمال صالحہ، حلال اشیاء کے کھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ لقمہ عمل کا بیج ہے۔

۴ حج یا کسی دوسری عبادت کے لیے محنت و مشقت برداشت کرتا ہے، اس صورت میں دعا کی قبولیت کا غالب گمان ہوتا ہے، احادیث میں ہے کہ مسافر کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

۵ فریاد کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو بلاتے ہوئے۔

۶ یعنی اس کی پرورش ابتداءً حرام سے ہوئی ہو، اگرچہ اس وقت حلال ہی کھاتا ہو ——— ہاں ایک صورت ہے کہ جو کچھ گزر چکا اس سے سچے دل سے صحیح توبہ کر لے۔

۲۶۳۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يُبَالِي الْمَرْءُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی جو کچھ حاصل کرے گا

مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ.

اس کے بارے میں پروا نہیں کرے گا کہ وہ مال حلال سے ہے یا حرام سے۔[1]

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری شریف)

[1] وہ حلال وحرام میں فرق نہیں کرے گا اور بلا خوف وخطر کھا پی جائے گا۔ شعر

ہرچہ آمد بدہان شان خوردند وانچہ آمد بزبان شان گفتند

دین سے لاپروائی کا یہ عالم ہوگا (اور اب تو ہو چکا) کہ جو مل گیا کھا لیا اور جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

۲۶۴۲ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نعمان بن بشیر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے، ان کے درمیان کچھ مشتبہ[2] چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے[3]، لہذا جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا[4] اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچا لی اور جو مشتبہ چیزوں میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہوا[5]، جیسے کہ ممنوعہ[6] علاقہ کے اس پاس جانور چرانے والا قریب ہے کہ اس میں چرانے لگے خبردار! ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے اور جان لو! کہ اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ حرام کام ہیں خبردار! جسم میں ایک لوتھڑا ہے وہ سدھر[7] جائے تو تمام جسم سدھر جاتا ہے اور وہ بگڑ جائے[8] تو تمام جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ جان لو! کہ وہ دل[9] ہے۔

(صحیحین)

[1] نعمان بن بشیر بروزن زبیر، انصاری، اور نوعمر صحابی ہیں۔ ہجرت سے چودہ مہینے بعد پیدا ہوئے وہ ہجرت کے بعد انصار کے ہاں پیدا ہونے والے پہلے بچے ہیں اور مہاجرین کے ہاں حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پہلے پہل پیدا ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت نعمان بن بشیر کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی، اہل مدینہ کے نزدیک انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مبارک نہیں سنی۔ جب کہ

اہل عراق کہتے ہیں کہ سنی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان کے وصال کے بعد یزید بن معاویہ نے انہیں کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کوفہ بھیجا تو اس وقت نعمان بن بشیر، یزید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے مسلم بن عقیل سے تعرض نہیں کیا اور ان کے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا، جب یہ اطلاع یزید کو پہنچی تو اس نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو بھیج دیا، اس کے بعد جو کچھ ہوا ہر کسی کو معلوم ہے، اور جب امام شہید کا سر مبارک شام بھیجا گیا تو حضرت نعمان بن بشیر نے اہل بیت کی مستورات طاہرات کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم۔

۲ جن کے بارے میں دلائل کے تعارض، اقوال کے اختلاف اور اسی قسم کے دیگر امور کے سبب شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ حلال ہیں یا حرام۔

۳ علم اور تمیز نہ رکھنے کے سبب۔

۴ یعنی جو محل اشتباہ میں واقع نہیں ہوا اس نے اس احتیاط کے سبب اپنے دین کو شرعی مذمت سے بچا لیا اور اپنی عزت، طعن و تشنیع کرنے والوں سے بچالی ــــ براءت کا معنی عیب سے بیزار ہونا اور عرض عین کے کسرہ کے ساتھ، عزت، شرافت۔

۵ یعنی یا تو وہ اسی وقت حرام میں واقع ہو گیا یا آئندہ واقع ہو جائے گا۔

۶ الرعی راء کے فتحہ کے ساتھ چرنا اور چرانا ــــــــــ حمٰی حاء کے نیچے زیر، میم پر زبر اور اس کے بعد الف مقصورہ، اس کا معنی ہے وہ چراگاہ جہاں حاکم وقت دوسروں کو جانوروں کے چرانے سے منع کر دیتا ہے، حرام کاموں کو ممنوعہ علاقے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ان کاموں میں واقع ہونے سے منع کیا گیا ہے اور ان سے بچنا واجب ہے مشتبہ کاموں میں واقع ہونے کو ممنوعہ علاقے کے ارد گرد جانور چرانے سے تشبیہ دی گئی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح چرواہے کو جانور ممنوعہ علاقے سے دور چراتے چاہئیں کہ کہیں اس علاقے میں نہ چلے جائیں اسی طرح آدمی کو چاہیے کہ وہ مشتبہ کاموں سے دور رہے تاکہ وہ حرام کاموں میں نہ جا پڑے۔

تنبیہ: امام اجل شیخ اکرم عبد الوہاب متقی نے مراتب اعمال کے بیان کرنے کے لیے ایک نقشہ اس طرح ترتیب دیا ہے۔

ضروری	مباح	مکروہ	حرام	کفر

جب بندہ قدرِ ضرورت پر اکتفا کرے جس کے ساتھ وہ زندہ رہ سکتا ہے تو وہ سلامتی میں رہتا ہے اور جب حدِ ضرورت سے آگے بڑھ کر مباح کاموں میں وسعت اختیار کرے تو وہ مکروہات میں واقع ہو جاتا ہے اور مکروہات سے محرمات میں اور محرمات سے کفر میں واقع ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک یہ تنزل کی راہ ہے۔

اس ضعیف (شیخ محقق) نے ترقی کے لیے ایک نقشہ اس طرح ترتیب دیا ہے۔

فرض	واجب	سنت	مستحب	ادب

جب انسان فرائض کے بعد واجبات، سنن اور مستحبات ادا کرے اور ان کے بعد آداب بجالائے تو وہ مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور خواص بلکہ اخص الخواص بندوں میں سے ہو جاتا ہے۔

ے جب وہ نیک ہو جائے، گناہوں اور نفسانی خواہشات کی رغبت اور شبہات میں واقع ہونے سے پاک ہو جائے اور محفوظ رہے۔

شہ گناہوں کی رغبت اور حرام اور نفسانی خواہشات میں واقع ہو جانے سے۔

۹ے وہ لوتھڑا دل کا مظہر اور متعلق ہے ورنہ حقیقتہً دل وہ لطیفۂ نورانیہ ہے جو عالم ہے جیسے کہ آنکھ قوتِ باصرہ کی نسبت سے، نظم

دل اگر ایں بہرہ آب و گل است ۔۔۔ خرہم از اقبالِ تو صاحب دل است

بہ کرنے مغرور باایں دل شوی !! ۔۔۔ کش بزوگربہ چوں غافل شوی

اگر دل مٹی اور پانی سے پیدا شدہ اسی لوتھڑے کا نام ہے تو تیری قسمت سے گدھا بھی صاحب دل ہے۔
بہتر ہے کہ تو اس دل پر مغرور نہ ہو کہ تو اس کے سبب بکری اور بلی کی طرح غافل ہو جائے گا۔

۲۶۴۳ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت رافع بن خدیج[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتے کی قیمت پلید ہے، زانیہ عورت کا مہر[۲] پلید ہے، خون نکالنے والے کی کمائی[۳] پلید ہے۔ (مسلم شریف)

لہ رافع بن خدیج خاء پر زبر، دال کے نیچے زیر، یا ساکن اور آخر میں جیم، یہ انصاری صحابی ہیں، بدر میں کم سنی کے سبب حاضر نہیں ہوئے: احد، خندق اور دیگر تمام جنگوں میں شریک ہوئے، اُحد کے دن انہیں ایک تیر لگا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تیرے لیے گواہی دوں گا، عبد الملک کے زمانے میں ان کا زخم پھر ہرا ہو گیا، چھیاسی سال کی عمر میں ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ان کا وصال ہوا۔

۲ے اس جگہ مہر سے مراد زنا کا معاوضہ ہے ــــ بغیٌّ بار مفتوح، غین مکسور اور یاء مشدد، زانیہ عورت، بغیٌّ باء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی زنا ہے۔

سے وہ معاوضہ جو خون نکالنے پر لیا جائے۔

ان تین چیزوں کو خبیث قرار دیا گیا ہے، خبیث، طیب کے مقابل استعمال کیا جاتا ہے اور بعض اوقات طیب مطلق حلال کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ لہٰذا خبیث کا معنی حرام ہوگا. بعض اوقات طیب کا اطلاق، حلال سے خاص معنی پر کیا جاتا ہے یعنی جو کراہت اور شبہہ کے بغیر پاک ہو، اس لحاظ سے خبیث حلال کے ادنیٰ مرتبے اور مکروہ کو شامل ہوگا اگرچہ کراہت تنزیہی سے مکروہ ہو، زانیہ کا معاوضہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے خبیث ہوگا کہ وہ حرام قطعی ہے، خون نکالنے والے کی اجرت دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے خبیث ہوگی کہ اس کمائی میں گھٹیا پن اور خست پائی جاتی ہے اور وہ حلال کا ادنیٰ درجہ ہے۔ کتے کے ثمن میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام محمد اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک ایسے کتے، بھیڑیے اور درندوں کی بیع جائز ہے جن میں کوئی فائدہ ہو، خواہ وہ سدھائے ہوئے ہوں یا نہ۔ امام ابو یوسف اور دیگر اماموں کے نزدیک کاٹنے والے کتے کی بیع جائز نہیں ہے جن حضرات کے نزدیک یہ بیع حرام ہے وہ خبیث کا لفظ پہلے معنی پر محمول کرتے ہیں، اور جو اسے جائز قرار دیتے ہیں وہ دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں کہ اس میں گھٹیا پن پایا جاتا ہے۔

۲۶۴۳ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِیِّ وَ حُلْوَانِ الْكَاهِنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ عورت کے مہر اور کاہن کی اجرت[2] سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

[1] مشہور صحابی ہیں. عقبۂ ثانیہ کے موقع پر حاضر ہونے والے صحابہ میں سب سے کم عمر تھے، انہیں بدری بھی کہا جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک انہیں اس لیے بدری کہا جاتا ہے کہ وہ بدر میں قیام پذیر تھے، اس لیے نہیں کہ وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے، بعض علماء نے کہا کہ وہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے، اس کے بعد غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔

[2] وہ نقدی جو کاہن کو اس کی کہانت پر دی جاتی ہے، حُلوان حاء مضموم، لام ساکن، حلاوت سے مشتق ہے اس کا معنی مٹھائی ہے، کاہن کی اجرت، عورت کے حق مہر اور مالِ رشوت کو بھی حلوان کہہ دیتے ہیں کہ ان میں مٹھاس بھی ہے اور محنت و مشقت کے بغیر یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ صراح (لغت کی کتاب) میں ہے کہ حُلْوا اور حُلوان اس چیز کو کہتے ہیں جو مزدور کو مزدوری کے علاوہ بطور خوشامد کے دی جائے — کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ کی خبریں دے اور اسرار کی معرفت کا دعویدار ہو، عراف اور منجم اسی کے حکم میں ہیں. ان کے پاس جانا اور خبریں دریافت کرنا اور ان کی تصدیق کرنا باتفاق اہل اسلام حرام ہے، اس کی تحقیق اور تفصیل باب السحر والکہانۃ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۶۴۵ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَ کَسْبِ الْبَغِیِّ وَ لَعَنَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْکِلَہٗ وَ الْوَاشِمَۃَ وَالْمُسْتَوْشِمَۃَ وَ الْمُصَوِّرَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا اور سود کھانے والے گودنے والی اور گدوانے والی اور مصوّر پر لعنت فرمائی۔ (بخاری شریف)

۱؎ ابوجحیفہ جیم پر پیش، حاء پر زبر، پھر یاء اور اس کے بعد فاء، کم عمر صحابہ میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، لیکن انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنے اور ان کی روایت کی، کوفہ میں قیام کیا، وہاں مکان تعمیر کیا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے بیت المال کے لیے مقرر کر دیا، ان کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے اور ۷۴ھ میں وصال ہوا۔

۲؎ یعنی خون کے بیچنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ پلید ہے اس کا بیچنا درست نہیں ہے، بعض نے اسے خون نکالنے والے کی اجرت پر محمول کیا اور اس کا حکم معلوم ہو چکا ہے۔

۳؎ وہ بیچنے والا ہے اور سود لیتا ہے۔

۴؎ مُوکِلہ میم پر پیش، واؤ ساکن، کاف کے نیچے زیر، سود کھلانے والا، خریدار ہے۔ اس پر لعنت فرمائی کہ وہ گناہ پر ابھارنے والا اور اس کے کرنے اور گناہ میں شریک ہے، دونوں گنہگار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک کھاتا ہے اور دوسرا کھلاتا ہے اور گنہگار مستحق لعنت اور مقام قرب و رضا سے دور ہے۔

۵؎ وشم کا معنی ہے جسم میں سوئی کا چبھونا اور اسے نیل یا سرمے سے بھر کر نقش و نگار بنانا جیسے کہ بعض عورتیں کرتی ہیں، واشمہ وہ عورت ہے جو کسی دوسرے کے جسم پر یہ کام کرتی ہے اور مستوشمہ وہ عورت جو اپنے جسم پر یہ کام کرواتی ہے، علماء کے کلام سے یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے ورنہ واشمہ کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو یہ کام کرے اپنے جسم پر یا دوسرے کے جسم پر، اور مستوشمہ وہ ہے جو دوسرے سے مطالبہ کرے کہ اس پر یہ عمل کرے، صحاح (لغت کی کتاب) میں یہی مطلب بیان کیا ہے۔

۶؎ جو جاندار کی تصویر بنائے، اس مسئلے کی تفصیل باب التصاویر میں آئے گی۔

۲۶۴۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَ ھُوَ بِمَکَّۃَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ

اِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَ الْمَيْتَةِ وَ الْخِنْزِيْرِ وَ الْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَ يُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَ يَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں[1] کی بیع کو حرام قرار دیا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مردار کی چربیوں کے بارے میں فرمائیں کہ وہ کشتیوں پر ملی جاتی ہیں، ان سے چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ ان سے چراغ جلاتے ہیں، فرمایا: انہیں نہ بیچو[2] وہ حرام ہیں، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک فرمائے، تحقیق اللہ تعالیٰ نے جب چار پایوں کی چربیاں ان پر حرام کیں[3] تو انہوں نے چربی پگھلا کر فروخت کی اور اس کی قیمت کھائی۔[4]

(صحیحین)

۱؎ بعض نسخوں میں یوم الفتح، فتح مکہ کے دن ہے، اس صورت میں ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے۔ حدیث کے سننے کی تاکید کے لیے ہے۔

۲؎ علماء نے فرمایا ہے کہ گانے بجانے اور لہو و لعب کا حکم بھی یہی ہے اور ان کے آلات توڑ دینے پر ضمانت نہیں ہے۔

۳؎ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان سے کسی طرح بھی نفع حاصل نہ کرو کہ وہ حرام ہے، اکثر شافعیہ کے نزدیک ناپاک تیلوں کا بیرونی استعمال جائز ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک زیتون کا پلید تیل بیچنا جائز ہے بشرطیکہ بیچنے والا بیان کر دے کہ وہ پلید ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے نقل کیا، ناپاک تیل سے چراغ روشن کرنے کو علماء نے مکروہ قرار دیا ہے خصوصاً مسجد میں۔

۴؎ سزا اور تنگی کے لیے ان پر سختی کی گئی۔

۵؎ یعنی انہوں نے حیلہ کیا کہ ممانعت تو چربی کے کھانے سے ہے اور ہم نے چربی نہیں کھائی بلکہ اس کی قیمت کھائی ہے، چربی کے پگھلانے کا مقصد تغیر و تبدل تھا گویا اب حقیقت تبدیل ہو گئی ہے، اس حدیث میں دلیل ہے کہ ہر وہ حیلہ حرام ہے جس کے ذریعے حرام تک پہنچا جائے، نیز یہ کہ شے کی قیمت کا وہی حکم ہے جو شے کا ہے۔

۲۶۴۷ / ۹ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو

الْیَھُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَیْھِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْھَا فَبَاعُوْھَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہلاک فرمائے، اُن پر چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے انہیں پگھلایا اور فروخت کیا[1]

(صحیحین)

[1] اور ان کی قیمت کھائی، جَمَلَ، اَجْمَلَ، اِجْتَمَلَ، چربی کا پگھلانا۔

۲۶۴۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے اور بلی[1] کی قیمت سے منع فرمایا۔

(مسلم شریف)

[1] سِنَّوْر، سین مکسور اور نون مشدد مفتوح، بلی ——— علامہ طیبی نے فرمایا بلی کے فروخت کرنے کی ممانعت تنزیہی ہے (یعنی بہتر ہے کہ اسے فروخت نہ کیا جائے) اس کا بیچنا، مفت دینا، عاریۃً دینا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ فروخت کرنا ناجائز ہے، انہوں نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔

۲۶۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حَجَمَ اَبُوْ طَیْبَۃَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَہٗ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّاَمَرَ اَھْلَہٗ اَنْ یُّخَفِّفُوْا عَنْہُ مِنْ خَرَاجِہٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابو طیبہ[1] نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پچھنے لگائے تو آپ نے انہیں ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم فرمایا اور ان کے مالکوں سے فرمایا کہ ان کے ٹیکس[2] میں کمی کر دیں۔

(صحیحین)

[1] ابو طیبہ طاء مفتوح اور یاء ساکن، انہوں نے پچھنے لگا کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون شریف نکالا۔
[2] عربوں کی عادت تھی کہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو اس بات کا پابند بنا دیتے تھے کہ محنت مزدوری کر کے ہمیں ہر روز اتنی کمائی لا کر دیں، جب حضرت ابو طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی تو آپ نے از راہ عنایت ان کو اجرت بھی دی اور ان کے مالکوں کو بھی حکم دیا کہ ان پر عائد کردہ ٹیکس میں کمی کر دیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی کمائی حلال ہے اور اسے اجرت دی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۷۵۰/۱۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيِّ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَ إِنَّ وَلَدَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک تم جو بہترین چیز کھاتے ہو وہ ہے جو تمہاری کمائی سے ہو اور تحقیق تمہاری اولاد تمہاری کمائی سے [1] ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ مرد جو بہترین چیز کھاتا ہے وہ ہے جو اس کی کمائی سے ہو اور بے شک اس کی اولاد اس کی کمائی سے ہے۔

[1] لہٰذا تمہاری اولاد تم پر جو کچھ خرچ کرے وہ بھی حلال اور طیب ہے۔ اور ہاتھ کی کمائی کے حکم میں ہے۔

۲۷۵۱/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ إِلَّا كَانَ زَادَهٗ إِلَى النَّارِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُوا السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُوا السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ إِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُوا الْخَبِيْثَ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہے کہ کوئی بندہ مال حرام کما کر اس سے صدقہ دے تو وہ قبول کر لیا جائے [1] یا اس میں سے خرچ کرے [2] تو اسے اس میں برکت دی جائے اور اسے اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا زاد راہ ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا [3] ہے تحقیق پلید پلید کو نہیں مٹاتا۔

اسے امام احمد نے روایت کیا اور اسی طرح شرح السنۃ میں ہے۔

[1] مطلب یہ ہے کہ مال حرام سے صدقہ دینے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نہ ہی اس پر ثواب ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس مشتبہ مال ہو تو صدقہ کر دے اور اپنے اوپر صرف نہ کرے۔

ت۲ یعنی مال حرام اپنی ذات پر خرچ کرے تو اس مال میں یا خرچ کرنے میں برکت نہیں دی جائے گی۔
ت۳ مال حرام کے صدقہ کرنے سے وہ گناہ نہیں مٹ سکتا جو حرام کی کمائی کے سبب اس پر لازم ہے (اس کے لیے اسے توبہ کرنا ضروری ہے، قادری)

۲۶۵۲/۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام[1] سے پیدا ہوا ہو، آگ حرام کھانے سے پیدا ہونے والے ہر گوشت کے زیادہ لائق ہے۔ (امام احمد، دارمی اور بیہقی شعب الایمان میں)

ل۱ سُحت سین پر ضمہ اور حاء ساکن، حرام، سحت کا اصل معنی ہلاک کرنا اور جڑ سے اکھیڑ دینا ہے۔

۲۶۵۳/۱۵ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان یاد کیا، اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں[1] ڈالے اور وہ اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے[2]، کیونکہ بے شک سچ اطمینان ہے اور تحقیق جھوٹ باعث تردد ہے[3]، امام احمد، ترمذی، نسائی اور امام دارمی نے صرف پہلا حصہ روایت کیا۔[4]

ل۱ یریبک میں یاء کا فتح اور ضمہ دونوں مروی ہیں رَابَہٗ اور اَرَابَہٗ کا معنی شک میں ڈالنا ہے۔
ل۲ مقصد یہ ہے کہ شبہات میں واقع ہونے سے بچنا چاہیے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ جب تیرے دل میں کسی چیز کے بارے میں شک ہو تو اسے چھوڑ دے اور اس چیز کو اختیار کر جو شک و شبہ سے خالی ہو کیونکہ کسی چیز میں شک و شبہہ کا پیدا ہونا اس کے باطل ہونے کی علامت ہے

ت۴ مطلب یہ ہے کہ مال حرام کا صدقہ کرنا گناہ ہے اس سے حرام کمانے کا گناہ نہیں دھل سکتا، بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا: جو شخص مال حرام صدقہ کر کے ثواب کی امید رکھے وہ کافر ہے اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اسے حرام دیا گیا ہے اور وہ اس کے لیے دعا کرے تو وہ بھی کافر ہے ۱۲ مرقاۃ

اور اطمینانِ قلب، اس کے حق ہونے کی نشانی ہے، یہ قاعدہ ہے کسی چیز کے حسن و قبح اور حلت و حرمت کے پہچاننے کا، لیکن یہ پہچان صرف ان قدسی صفات حضرات کو ہوسکتی ہے جن کے نفوس طیب و طاہر اور تقوٰی و عدالت سے موصوف ہوں، اس کی تفصیل آئندہ حدیث کی شرح میں آئے گی۔

سے رِیْبَۃٌ راء مکسورہ اور یاء ساکن، یعنی جھوٹ اور باطل، باعثِ شک اور تردد ہے۔ یہ حدیث کے بیان کردہ دونوں معنوں کو شامل ہے۔

سے امام دارمی نے حدیث کا صرف یہ حصہ روایت کیا دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ دوسرا حصہ فَاِنَّ الصِّدْقَ سے آخر تک روایت نہیں کیا۔

۲۶۵۴/۱۶ وَعَنْ وَابِصَۃَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا وَابِصَۃُ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَ الْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ اَصَابِعَہٗ فَضَرَبَ بِھَا صَدْرَہٗ وَ قَالَ اسْتَفْتِ نَفْسَکَ اسْتَفْتِ قَلْبَکَ ثَلٰثًا اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ وَ اطْمَاَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ وَ الْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی النَّفْسِ وَ تَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِ وَ اِنْ اَفْتَاکَ النَّاسُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت وابصہ[۱] ابن معبد رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: اے معبد! تو نیکی[۲] اور بدی کے بارے میں پوچھنے آیا ہے میں نے عرض کیا ہاں، راوی کہتے ہیں آپ نے اپنی انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے[۳] سینے میں ماریں اور فرمایا اپنے ضمیر سے پوچھ اپنے دل سے پوچھ، تین دفعہ یہ کلمات فرمائے[۴] نیکی وہ ہے جس کی طرف ضمیر[۵] مائل ہو اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں اثر کرے[۶] اور سینے میں کھٹکے[۷] اگرچہ لوگ تجھے فتوی ہی دیں[۸]۔ (امام احمد، دارمی)

لے وابصہ باء مکسورہ اور صاد مفتوح، مَعْبَد میم مفتوح، عین ساکن اور باء مفتوح، صحابی ہیں، نو ہجری میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، پیکر تقوٰی وصلاحیت اور بکثرت گریہ و زاری کرنے والے تھے۔ رضی اللہ تعالی عنہ۔

سے کیا تو یہ پوچھنے آیا ہے؟ کہ نیکی کیا ہے جس میں ثواب ہے اور برائی کیا ہے جس میں گناہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت وابصہ کے دل کی بات بطور کشف بیان فرمادی۔

سے یا اپنے سینے پر مار کر دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

سے اس کے بعد نیکی اور بدی کی نشانی بیان فرمائی۔

ھے جس سے آدمی کا ضمیر قرار اور آسودگی حاصل کرے اور اس کی طرف مائل ہو۔

لــه حَاكَ : حَيْكٌ سے مشتق ہے جس کا معنی بات کا دل میں اور تلوار کا زخم میں اثر کرنا ہے۔
ــه ایک روایت میں حَكَّ کاف کی تشدید کے ساتھ اور مَا حَاكَ شد کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی خلجان پیدا کرے اور دل اور سینہ کو چھیلے۔

ــه مطلب یہ ہے کہ گناہ وہ ہے جو دل پر اثر انداز ہو، بے قراری کی کیفیت کا حامل ہو، اور دل میں یہ بات آئے کہ یہ گناہ ہے اور تجھے یہ امر اچھا نہ لگے کہ لوگ اس پر آگاہ ہوں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحِی فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ جب تجھے شرم نہیں آتی تو جو چاہے کر، اس کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے، یہ فعل کے برا اور ناپسندیدہ ہونے کی نشانی ہے، اور اگر دل اس کام سے سکون و قرار محسوس کرے اور کوئی خدشہ اور کھٹکا محسوس نہ ہو تو اس فعل کے عمدہ اور اچھا ہونے کی نشانی ہے۔

لیکن یہ نفسانی خواہشات سے پاک صاف اور پرہیزگاری اور عدالت سے موصوف حضرات کے ساتھ خاص ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، کیونکہ ایسے دل اور ایسے نفوس نیکی کی طرف مائل اور برائی سے متنفر ہوتے ہیں چنانچہ شے اپنی جنس کی طرف کھنچتی ہے اور اپنی ضد سے متنفر ہوتی ہے، اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ بھی ایسے ہی دلوں کے بارے میں فرمایا ہے ورنہ نفسانی خواہشات میں ڈوبے ہوئے دل، نیکی سے نفرت اور شرم محسوس کرتے ہیں اور برے کاموں کو بے حیائی کی حد تک پسند کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ دل کی رائے اس وقت دریافت کی جائے گی جب کہ دلیل شرعی موجود نہ ہو، اگر آیات مبارکہ میں بظاہر تعارض ہو تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر سنن میں تعارض محسوس ہو تو اقوال علماء کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اقوال علماء بھی متعارض ہوں تو اس جانب رجوع کیا جائے گا۔ جدھر دل کا غالب رجحان اور فتویٰ ہو، اور اقوال علماء میں سے وہ قول اختیار کیا جائے گا جس پر قلب سلیم مطمئن ہو، یہی تقویٰ ہے اور یہی احتیاط ہے، اس حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے۔

۲۶۵۵ وَعَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عطیہ سعدی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اس مقام کو نہیں پہنچتا کہ متقین میں سے ہو جب تک کہ حرج والے کام سے بچنے کے لیے اس کام کو نہ چھوڑ دے جس میں حرج نہ ہو۔
(ترمذی و ابن ماجہ)

له عطیہ ابن عروہ سعدی سین مفتوح اور عین ساکن صحابی ہیں، شام میں قیام پذیر ہوئے۔
ــه مراح میں ہے بَأْسٌ کا معنی عذاب اور سختی ہے ـــــ مثلاً غیر شادی شدہ آدمی پیٹ بھر کر کھانے اور

خوشبو سے اس لیے پرہیز کرے کہ مجھ پر شہوت کا غلبہ نہ ہو جائے اور میں حرام میں واقع نہ ہو جاؤں ، محرمات ، مکروہات اور مشتبہات سے بچنے کے بعد یہ تقویٰ کی انتہا ہے تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو ایسا کام بھی مشتبہات میں داخل ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حلال کے دس حصوں میں سے نو حصوں کو اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں حرام میں واقع نہ ہو جائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اس خوف سے ستر قسم کے مباح کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ حرام میں واقع نہ ہو جائیں۔

۲۶۵۶/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس افراد پر لعنت فرمائی ، دوسرے کے لیے انگور نچوڑنے والے[1] اپنے لیے نچوڑنے والے ، شراب کے پینے والے ، اٹھا کر لانے والے[2] اور اس پر جس کے پاس لائی گئی پلانے والے ، بیچنے والے اس کی قیمت کھانے والے[3] اس کے خریدنے والے[4] اور اس شخص پر جس کے لیے خریدی گئی۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

[1] عاصر انگور کا شیرہ نچوڑنے والا خواہ وہ اپنے لیے نچوڑے یا دوسرے کے لیے ، اور معتصر اس کو کہتے ہیں جو دوسرے کے لیے نچوڑے۔

[2] جو اس کا برتن (مٹکا وغیرہ) اٹھا کر لایا ہو۔

[3] یہ بیچنے والے سے عام ہے ، بیچنے والے کے علاوہ دوسرا شخص بھی اگر شراب کی قیمت کھائے تو وہ بھی ملعون ہے ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیچنے والا کسی کا کارندہ ہو وہ شخص قیمت کھائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے (حضرت شیخ قدس سرہ اس وہم کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ بائع کا ذکر کرنے کے بعد قیمت کھانے والے کے ذکر کی کیا ضرورت تھی ؟ ۱۲ قادری)

[4] اگرچہ وہ خود نہ پیے ، اسی طرح اس شخص پر لعنت فرمائی جس کے لیے شراب خریدی گئی۔ اگرچہ وہ خود نہ پیئے۔

۲۶۵۷/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر

سَاقِيَهَا وَ بَائِعَهَا وَ مُبْتَاعَهَا وَ عَاصِرَهَا وَ مُعْتَصِرَهَا وَ حَامِلَهَا وَ الْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، (دوسرے کے لیے یا اپنے لیے) کشید کرنے والے، اسے اٹھانے والے پر اور اس شخص پر جس کی طرف اٹھا کر لے جائی گئی۔
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۲۷۵۸ وَعَنْ مُحَيِّصَةَ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُجْرَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَأْذِنُهُ حَتّٰى قَالَ اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَ أَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت محیصہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے کی اجرت کے بارے میں اجازت[2] مانگی آپ نے انہیں منع فرمایا، وہ اجازت مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: وہ اجرت اپنے پانی کھینچنے والے اونٹ اور غلام کو کھلا دے[3]۔
(امام مالک، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] محیصہ میم مضموم، حاء مفتوح، یاء مشدد مکسور، اس کے بعد صاد، محیصہ ابن مسعود، انصاری ہیں جنگ احد، خندق اور ان کے بعد کی دیگر جنگوں میں شریک ہوئے، ان کے بھائی حُوَیِّصہ ابن مسعود ہیں، حاء مضموم، واؤ مفتوح، اور یاء مشدد مکسور، وہ بھی صحابی ہیں، حویصہ بڑے بھائی ہیں لیکن حضرت محیصہ کے بعد اسلام لائے، ان کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ ایک وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ تم میں سے جسے کوئی یہودی مل جائے اسے قتل کر دے چنانچہ محیصہ نے جا کر ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا، حویصہ نے محیصہ کو کہا: تجھ پر افسوس کہ تو نے ایسے شخص کو قتل کر دیا کہ تیرے پیٹ کی چربی اس کے مال سے ہے، محیصہ نے کہا تو کیسی باتیں کرتا ہے؟ میں نے اسے اس ہستی کے حکم پر قتل کیا ہے کہ اگر حکم دیں تو تجھے بھی قتل کر دوں، حویصہ نے کہا سبحان اللہ! جس دین نے تجھے محبت اور اخلاص کی اس حد تک پہنچا دیا ہے۔ واقعی قابل قدر ہے۔ چنانچہ وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

[2] اور پوچھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؛ ظاہر یہ ہے کہ ان کا غلام پچھنے لگاتا تھا اور اجرت کا ایک حصہ انہیں دیتا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود پچھنے لگاتے ہوں یا کسی اور طریقے سے اس کام سے متعلق ہوں۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ پچھنے لگانے کی اجرت لینا مکروہ تنزیہی ہے، ورنہ آقا کے لیے جائز نہیں ہے کہ مال حرام غلام کو کھلائے۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچھنے لگانے والے

کو اجرت دی جیسے کہ باب الحجامۃ میں آئے گا (اس سے پہلے حضرت ابوطیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجرت دینے کی روایت گزرچکی ہے۔ ۱۲ قادری)

۲۶۵۹/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ. (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور گانے[1] والی عورت کی کمائی سے منع فرمایا۔ (شرح السنۃ)

[1] زَمَّارَةٌ زاء مفتوح اور میم مشدد، گانے والی عورت، زَمْر کا معنی گانا ہے اور مزمار گانے کا آلہ بعض علماء نے فرمایا زَمَّارَةٌ سے مراد زانیہ خوبصورت عورت ہے، زمیر خوبصورت لڑکے کو کہتے ہیں، زمیر حسین وجمیل کو بھی کہتے ہیں، یا زَمَّارَةٌ اس لیے فرمایا کہ زانی عورتیں عموماً گانے والی ہوتی ہیں بعض حضرات نے فرمایا: حدیث میں لفظ رَمَّازَه ہے پہلے راء اور بعد میں زاء، اس کا معنی آنکھ اور ابرو سے اشارہ کرنے والی ہے، زانی عورتیں ناز و ادا دکھا کر مردوں کو پھسلاتی ہیں۔

۲۶۶۰/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِیْعُوا الْقَیْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِیْ مِثْلِ هٰذَا اُنْزِلَتْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَلِیُّ بْنُ یَزِیْدَ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ جَابِرٍ نَهٰی عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ فِیْ بَابِ مَا یَحِلُّ اَكْلُهٗ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی.

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والی لونڈیوں کو فروخت کرو اور نہ ہی انہیں خریدو، اور نہ ہی انہیں گانا سکھاؤ[1]، اور ان کی قیمت حرام ہے، اور اسی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی، بعض لوگ گانا[2] خریدتے ہیں، یہ حدیث امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کے راوی علی بن یزید، حدیث میں ضعیف[3] ہیں ہم حضرت جابر کی روایت کہ حضور نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ باب ما یحل اکلہ میں بیان کریں گے۔

[1] یا انہیں خط کتابت نہ سکھاؤ جیسے کہ عورتوں کو خط کتابت سکھانے کی ممانعت آئی ہے۔ قَیْنَاتٌ

جمع ہے "قینۃ" کی قاف مفتوح اور یا ساکن، گانے والی کنیز، یہ لفظ مطلق کنیز کے معنی میں بھی آیا ہے۔ لغوی طور پر اس کا معنی آرائش ہے کنیزیں بھی گھر کی آرائش اور زیبائش کا سبب ہوتی ہیں، اس جگہ گانے والی کنیزیں مراد ہیں، بیع کی ممانعت سے صراحۃً اس کا فاسد ہونا ثابت نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ یہ ممانعت جرم کی امداد و اعانت کی بنا پر ہو، کیونکہ گانے والیاں اکثر زانیہ ہوتی ہیں، اپنی لونڈی سے گانا سننے کی رخصت ہے۔

۵۲ لہو الحدیث کا معنی عام ہے ہر لہو و لعب کو شامل ہے، لیکن یہ آیت گانے والی کنیزوں کے خریدنے کے بارے میں نازل ہوئی، بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت عجمیوں کے قصے خریدنے کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہیں پڑھ کر بازی گری اور معرکہ آرائی کیا کرتے تھے۔

۵۳ اکابر محدثین مثلاً امام احمد، یحییٰ، ابو زید اور نسائی وغیرہ نے اس راوی پر طعن کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث جو گانے کی حرمت کی اہم دلیل ہے۔ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، محدثین خود کہتے ہیں کہ گانے کی حرمت کے بارے میں کوئی حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی (تاہم اجنبی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا گانا سننا قباحت سے خالی نہیں ہے ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۶۶۱/۲۳ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کی کمائی کو طلب کرنا[۱]، فریضہ ایمان کے بعد فرض ہے[۲]۔

(شعب الایمان از امام بیہقی)

۱ یعنی رزق حلال کا کمانا فرض ہے، لفظ طلب لانے میں اشارہ ہے کہ بندے پر اپنی قوت و ہمت کا صرف کرنا واجب ہے تاکہ مقام متعین تک پہنچ جائے، کسب سے مراد مکتسب بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی رزق حلال کمانے والے کو تلاش کرنا ضروری ہے۔

۲ حدیث میں دوسرے فریضہ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے مطلب یہ ہے کہ طلب حلال، ایمان کے بعد فرض ہے اور اس میں مبالغہ ہے، اس سے یا تو فرض مراد ہے جو دین میں معلوم ہے یا وہ فرض مراد ہے جو تا زیست جاری رہتا ہے۔

۲۶۶۳/۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أُجْرَةِ كِتَابَةِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَأْسَ إِنَّمَا هُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَإِنَّهُمْ إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ أَيْدِيْهِمْ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قرآن پاک کی کتابت کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا[۱] تو انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ وہ الفاظ کے نقوش کھینچتے ہیں۔ اور وہ نہیں کھاتے مگر اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔ (رزین)

[۱] یعنی جو شخص قرآن پاک لکھ کر فروخت کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

[۲] سائل کو کتابتِ قرآن کی اجرت لینا بعید معلوم ہوا کیونکہ یہ ایک دینی کام ہے اور اس کا معاوضہ لینا مناسب نہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کہ خوشنویس الفاظ کے نقش تحریر کرتا ہے اور اس سلسلے میں محنت کرتا ہے اور اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ قرآن ہو یا غیر قرآن۔

تعلیم قرآن کا معاوضہ لینے میں اختلاف ہے علماء متاخرین نے اس کی اجازت دی ہے۔ دراصل یہ معاوضہ پابندی اور وقت صرف کرنے کا ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا، اسی طرح امامت وخطابت وغیرہ امور دینیہ میں ۱۲ قادری)

۲۶۶۴/۲۵ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت رافع ابن خدیج[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کونسی کمائی پاکیزہ ترین ہے فرمایا، آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی[۲] اور ہر صحیح خرید وفروخت[۳] (امام احمد)

[۱] رافع بن خدیج خاء مفتوح، اور دال مکسور مشہور صحابی ہیں۔

[۲] نہ کہ اولاد اور غلام کی کمائی۔ اگرچہ وہ بھی اسی کی کمائی ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

[۳] شریعت مبارکہ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری نہیں کرتا، بلکہ تجارت کرتا ہے اور اس میں دیانت وامانت اختیار کرتا ہے تو یہ بھی پاکیزہ کمائی ہے اور اس سے حاصل ہونے والا رزق، حلال اور طیب ہے۔

۲۶۶۵/۲۶ وَعَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ قَالَ كَانَتْ لِمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ جَارِيَةٌ تَبِيْعُ اللَّبَنَ وَيَقْبِضُ الْمِقْدَامُ ثَمَنَهُ فَقِيْلَ لَهُ سُبْحَانَ

ابوبکر بن ابی مریم[۱] سے مروی ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب کی ایک لونڈی دودھ بیچا کرتی تھی اور حضرت مقدام دودھ کی قیمت وصول کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ سبحان اللہ آپ دودھ بیچ کر

اللّٰهِ أَتَبِيْعُ اللَّبَنَ وَ تَقْبِضُ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ إِلَّا الدِّيْنَارُ وَ الدِّرْهَمُ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

اس کی قیمت وصول کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں پر وہ زمانہ ضرور آئے گا جس میں درہم اور دینار ہی فائدہ دیں گے۔[۳]
(امام احمد)

[۱] تابعی ہیں اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

[۲] یعنی کیا آپ دودھ بیچنے پر راضی ہیں؟ یا یہ مطلب ہو کہ کیا آپ اس پر راضی ہیں؟ کہ آپ کی کنیز دودھ بیچے اور آپ اس کی قیمت وصول کریں، حالانکہ دودھ تو فقرا اور زیر بار پر صدقہ کرنے اور احباب و متعلقین پر صرف کرنے کے لیے ہوتا ہے، ایسے کام پر راضی ہونا اور اس کی قیمت وصول کرنا آپ ایسے حضرات کے شایانِ شان نہیں ہے۔

[۳] اور حرام میں واقع ہونے اور لوگوں کے مال کی طمع سے باز رکھیں گے۔

۲۷۶۵ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ أُجَهِّزُ إِلَى الشَّامِ وَإِلَى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَأَتَيْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ أُجَهِّزُ إِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَا لَكَ وَلِمَتْجَرِكَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِّنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهُ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ۔

حضرت نافع[۱] فرماتے ہیں کہ میں اپنے کارندوں کے ہاتھ مال تجارت شام اور مصر بھیجا کرتا تھا پھر میں نے مال تجارت عراق بھیجنے کا ارادہ کیا، میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے ام المومنین میں سامان تجارت شام[۲] بھیجا کرتا تھا اس دفعہ میں نے عراق بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا ایسا نہ کرو[۳] تو اپنی تجارت سے کیا کر رہا ہے[۴]! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے کسی طریقے سے رزق کا سبب بنا دے تو اسے ترک نہ کرے یہاں تک

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ)

کہ اس کے لیے تکلیف یا نقصان کا باعث بن جائے (امام احمد، ابن ماجہ)

۱؎ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام، تجہیز کا معنی ہے سامان اور اسباب تیار کرنا دلہن یا مسافر یا میت کے لیے۔

۲؎ مصر کا ذکر نہیں کیا، صرف شام کا ذکر کیا۔ اس کی شرافت کے پیش نظر یا اس لیے کہ زیادہ تر شام ہی مال بھیجا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی عراق سامان تجارت نہ بھیج اور اپنی سابقہ عادت ترک نہ کر۔

۴؎ مُتجر میم مفتوح، تا ساکن اور جیم مفتوح، بمعنی تجارت، یعنی تو اپنی تجارت سے کیا کر رہا ہے؛ حالانکہ اس میں برکت اور نفع تھا۔

۵؎ اس جگہ اَوْ شک کے لیے ہے کہ راوی کو شک ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو صورتیں بیان کی گئی ہوں تغیر سے مراد تکلیف اور رنج ہے اور "تنکر" کا معنی اصل مال میں نقصان ہے۔ علامہ طیبی نے اسی طرح فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ ادائے حقوق کی آسانی کا نہ ہونا اور توفیق کے دروازے کا بند ہو جانا مراد ہے، یہ توکل اور تفویض کے سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے جس کی بنیاد، تدبیر اور اختیارِ نفس کا ترک کرنا اور حق کی ادائی کے مقام میں قیام کرنا ہے جو بندگی کے راستے پر چلنے کے واجبات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کسی مقام پر قائم فرماتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے لیے حقوق کی ادائی آسان ہو جاتی ہے اور توفیق کے دروازے کھل جاتے ہیں، خواہ بصورت تجرید ہو یا اسباب کی وابستگی میں، اس کی تفصیل شیخ ابن عطاء اللہ سکندری کی تصنیف کِتَابُ التَّنْوِیْرِ فِیْ اِسْقَاطِ التَّدْبِیْرِ میں ہے، مشائخ شاذلیہ قدست اسرارہم کے سلوک کا اسی پر مدار ہے، ہم نے اپنے بعض فارسی رسائل میں کسی قدر تفصیل نقل کی ہے جس سے مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

۲۶۲۴ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ لِاَبِیْ بَکْرٍ غُلَامٌ یُخْرِجُ لَہُ الْخَرَاجَ فَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ یَاْکُلُ مِنْ خَرَاجِہٖ فَجَاءَ یَوْمًا بِشَیْءٍ فَاَکَلَ مِنْہُ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ لَہُ الْغُلَامُ تَدْرِیْ مَا ھٰذَا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَمَا ھُوَ قَالَ کُنْتُ تَکَھَّنْتُ لِاِنْسَانٍ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ وَمَا اُحْسِنُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام انہیں آمدنی دیا کرتا تھا۱؎۔ ایک دن وہ کوئی چیز لایا جس میں سے کچھ حصہ حضرت ابوبکر نے کھایا تب غلام نے انہیں عرض کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا تھا؟ حضرت ابوبکر۲؎ نے فرمایا تم بتاؤ کیا تھا؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کے لیے

اَلْكِهَانَةَ اِلَّا اَنِّیْ خَدَعْتُهٗ فَلَقِيَنِیْ فَاَعْطَانِیْ بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِیْ اَكَلْتَ مِنْهُ فَاَدْخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَدَهٗ فَقَاءَ كُلَّ شَیْءٍ فِیْ بَطْنِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

فال کھولا کرتا تھا[۳] حالانکہ مجھے اچھی طرح فال کھولنا نہیں آتا تھا میں نے فریب دیا کرتا تھا وہ آج مجھے ملا اور اس کے بدلے وہ چیز دی جو آپ نے کھائی، ام المومنین فرماتی ہیں حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ منہ میں داخل کیا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا قے کرکے سب نکال دیا۔[۴] (بخاری شریف)

۱ عربوں کی عادت کے مطابق غلام کو پابند کیا ہوا تھا کہ اتنی رقم کما کر لائے۔

۲ یعنی میں کہاں سے لایا ہوں اور کس طرح لایا ہوں؟

۳ کہانت (فال کھولنے) کا معنی پہلی فصل میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بیان کیا جاچکا ہے اور اس کی تحقیق کہانت کے باب میں آئے گی۔

۴ کیونکہ وہ فال کھولنے کا نذرانہ یا دھوکے سے حاصل کیا ہوا مال تھا (اور وہ دونوں ناجائز ۱۲ قادری)

۲۶۶۸/۲۹ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جسے حرام غذا سے پالا گیا ہو۔

۲۶۶۹/۳۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّهٗ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا وَّاَعْجَبَهٗ فَقَالَ لِلَّذِیْ سَقَاهُ مِنْ اَيْنَ لَكَ هٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِّنْ نَّعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا لِیْ مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهٗ فِیْ سِقَائِیْ وَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهٗ

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ پیا تو انہیں پسند آیا، پلانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے ایک نہر کا نام لے کر بتایا کہ میں وہاں گیا تھا، وہاں کچھ لوگ صدقے کے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے، انہوں نے مجھ کو ان کا دودھ دوہ کر دیا جو میں نے اپنے مشکیزے میں ڈال لیا۔ یہ وہی دودھ تھا، حضرت عمر نے منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کر دی[۱] (یہ دونوں حدیثیں

فَاسْتَقَاءَهُ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

لہ زید بن اسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور اکابر تابعین میں سے ہیں، امام زین العابدین ان کی مجلس میں جاکر بیٹھا کرتے تھے اور ان سے حدیث سنا کرتے تھے۔

لہ۲ مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں میں حضرت عمر کی یہ حدیث موجود نہیں ہے، علامہ طیبی کے کلام سے اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔

۲۶۶۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ صَلٰوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ. ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِي اُذُنَيْهِ وَقَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم حرام کا تھا جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا، پھر انہوں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیتے ہوئے فرمایا: یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔

(یہ حدیث امام احمد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور فرمایا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔)

لہ حضرت عبداللہ ابن عمر پر زور انداز میں بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان خود آپ کی زبان اقدس سے سنا۔

صُمَّتَا صاد مفتوح اور میم مشدد صمم بمعنی بہرہ ہونا، صاد کے ضمہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

بَابُ الْمُسَاهَلَةِ فِي الْمُعَامَلَةِ

۲۲۶۔ معاملہ میں نرمی برتنا

اصل میں سہل کا معنی نرم زمین ہے۔ پھر اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کر دیا گیا جو نرمی کی طرف مائل ہو، اس جگہ معاملات میں چشم پوشی، نرمی کرنا اور آسانی فراہم کرنا اور سختی نہ کرنا مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۶۶۰/۳۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جو بیچنے، خریدنے اور حق کا مطالبہ کرنے[1] میں نرمی کرے۔ (بخاری شریف)

[1] یعنی قرض وغیرہ حق کی ادائی کا مطالبہ کرنے میں نرمی سے کام لے۔

۲۶۶۱/۳۳ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيْلَ لَهُ انْظُرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّيْ كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيْهِمْ وَأُنْظِرُ

حضرت حذیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص تھا، فرشتہ اس کے پاس اس کی روح قبض کرنے آیا تو اسے کہا گیا تو نے کوئی نیک[2] کام کیا ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا اسے کہا گیا کہ تو غور تو کر، اس نے کہا میں اور تو کچھ نہیں جانتا، البتہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا اور ان سے اپنے حق کا مطالبہ کیا کرتا تھا امیر مالدار کو مہلت[3] دیا کرتا تھا اور غریبوں کو

الْمُوْسِرَ وَ اَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ فَقَالَ اللّٰهُ اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ ۔

معاف کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ (بخاری و مسلم) امام مسلم نے اسی طرح حضرت عقبہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاری سے روایت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں بخشنے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں[۶] میرے بندے کو معاف کر دو۔

[۱] حضرت حذیفہ ابن الیمان مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاحب راز بھی کہتے ہیں۔

[۲] یعنی کوئی ایسا عمل کیا ہے؟ جو مخلوق کے لیے فائدہ بخش ہو، یہ سوال یا تو قبر میں تھا جس وقت رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا آپس میں اختلاف ہوا، یا قیامت کے دن ہوگا۔

[۳] اُنْظِرُ ہمزہ مضموم، نون ساکن اور ظاء مکسور، انظار ہمزہ مکسور، سے مشتق ہے اس کا معنی ہے مہلت اور وقت دینا۔

[۴] اور اسے اس کے عمل جیسی جزا عطا فرمائی، چونکہ وہ خلق خدا سے نرم انداز میں پیش آتا تھا اور انہیں معاف کر دیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے ساتھ عفو اور درگزر کا معاملہ روا رکھا۔ اگر یہ معاملہ قبر میں تھا تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا گیا، اور اگر یہ معاملہ قیامت کا ہے تو یہ حکم ظاہر پر محمول ہے (اسی وقت اسے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ ۱۲ قادری)

[۵] امام بخاری اور مسلم کی متفقہ روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے لِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلم کی روایت کا معنی تو یہی ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں۔ آئندہ الفاظ کریمہ امام مسلم کی روایت میں اضافہ ہیں۔

[۶] کیونکہ میں کریم اور غفور ہوں۔

۲۶۴۲ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَ كَثْرَةَ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَاِنَّهٗ يُنَفِّقُ ثُمَّ

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بیع میں زیادہ قسمیں کھانے[۲] سے بچو، کیونکہ قسم، مال بیچنے میں تو مدد کرے گی لیکن آخر کار برکت ختم

يَمْحَقُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) کر دے گی ۳ (مسلم شریف)

۱؎ ابو قتادہ مشہور صحابی ہیں، بیعت عقبہ، جنگ بدر اور احد میں شریک ہوئے، ان کے علاوہ تمام جنگوں میں شامل ہوئے، جنگ بدر یا احد میں انہیں ایسا زخم لگا کہ آنکھ باہر نکل آئی، ہاتھ پر رکھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ پکڑ کر اس کی جگہ رکھ دی، وہ دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہوگئی، وہ ماں کی طرف سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔

۲؎ جیسے کہ بازاری لوگوں کی عادت ہے۔

۳؎ یعنی وقتی طور پر جھوٹ بولنے اور قسمیں کھانے سے کاروبار چمکے گا لیکن آخر کار خیر و برکت جاتی رہے گی یُنَفِّقُ یا مضموم اور فاء مشدد ہے اور یَمْحَقُ میں یاء مفتوح، میم ساکن اور حاء مفتوح ہے۔

۲۶۶۲/۴۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ وَ مَمْحَقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قسم مال تو بکوا دیتی ہے ۱؎ لیکن برکت مٹا دیتی ہے۔ (صحیحین)

۱؎ مَنْفَقَةٌ میم مفتوح، نون ساکن، فاء اور قاف دونوں مفتوح، سِلْعَةٌ سین مکسور اور لام ساکن، سامان سودا مَمْحَقَةٌ بروزن مَنْفَقَةٌ۔

۲۶۶۳/۴۶ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین شخصوں سے کلام نہیں فرمائے گا ۱؎ نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے حضرت ابوذر نے عرض کیا: وہ تو خائب و خاسر ہوئے، یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا تہبند لٹکانے والا ۲؎، احسان جتانے والا ۳؎ اور جھوٹی قسم سے اپنا مال بیچنے والا۔ (مسلم شریف)

۱ مطلب یہ کہ انہیں مقام قرب سے دور پھینک دیا جائے گا اور ان کی پروا نہیں کی جائے گی۔
۲ تکبر اور ناز کے طور پر، اس کی حد کتاب اللباس میں آئے گی، عام طور پر اسبال کا استعمال تہ بند کے لٹکانے کے لیے ہے، لیکن ایسا کرنا سب کپڑوں میں کردہ اور حرام ہے کہ تکبر ہے اور فضول خرچی کا سبب ہے۔
۳ کسی کو دینے کے بعد احسان جتانے والا، مَنّ کا معنی حق میں کمی کرنا اور اس میں خیانت کرنا بھی آتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ وہ اجر جس میں کمی نہیں کی جائے گی، بعض علماء نے اس حدیث میں یہ معنی بھی مراد لیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۲۶۶۲ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سچا اور امین تاجر، انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔[۱]

(ترمذی، دارمی، دار قطنی)

ابن ماجہ نے ابن عمر سے روایت کیا

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

۱ قیامت کے دن ان حضرات کے ساتھ اٹھایا جائے گا، بعض نسخوں میں وَالصَّالِحِيْنَ بھی ہے، صحیح یہ ہے کہ روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ صدوق اور امین، مبالغہ کے صیغے ہیں، اس میں اشارہ یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہو تب یہ بلند مقام پا سکے گا۔

۲۶۶۳ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ غَرَزَةَ قَالَ كُنَّا نُسَمّٰى فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا

حضرت قیس بن ابی غرزہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں سماسرہ[۲] (دلال) کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے تو ہمیں اس سے بہتر نام[۳] عطا فرمایا

بِاسْمٍ هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ.

فرمایا: اے گروہ تجار! خرید و فروخت میں بیہودگی اور قسم پائی جاتی ہے لہٰذا اسے صدقہ کے ساتھ ملاؤ۔[4]

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

[1] قیس قاف مفتوح اور یا ساکن۔ ابی غرزہ غین، اس کے بعد را، پھر زا، تینوں مفتوح صحابی ہیں، ان کا شمار اہلِ کوفہ میں ہوتا ہے، بقول ابن عبد البرّ ان سے ایک حدیث مروی ہے، صدقہ کے بارے میں۔

[2] سَماسِرہ پہلا سین مفتوح، دوسرا مکسور، سِمسار پہلا سین مکسور، جو بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان معاملہ طے کرائے (دلّال) اسے مُقَوِّم اور مُقِیم بھی کہتے ہیں۔

[3] اس نام کے عمدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تجارت کا ذکر مقامِ مدح میں فرمایا ہے نیز بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان معاملہ کرانے والا۔ اُن کے تابع ہے اور کبھی ایک طرف جھکاؤ بھی رکھے گا لہٰذا امانت و دیانت سے دور ہو جائے گا (اس لیے تاجر بہتر نام ہوا۔ ۱۲ قادری)

[4] یعنی کچھ چیز صدقہ کرو تاکہ اس کا کفارہ بن جائے، کیونکہ بیہودگی اور قسم، اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے اور صدقہ ربِ کریم کی ناراضی کو کم کرتا ہے۔

۲۶۷۷/۳۹ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْبَرَآءِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حضرت عُبید بن رفاعہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ تاجر قیامت کے دن بدکار[2] اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جنہوں نے تقویٰ[3]، نیکی اور سچائی اختیار کی۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت براء سے روایت کی امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] عُبید عین مضموم اور با مفتوح رِفاعہ را مکسور، اس کے بعد فا، عُبید تابعی ہیں بعض حضرات نے فرمایا

وہ صحابی ہیں، ان کے والد حضرت رفاعہ بن رافع انصاری صحابی ہیں،

ـــــہ فجار جمع ہے فاجر کی، فجور، جھوٹ بولنا، نافرمانی اور بدکاری کرنا۔

ـــــہ یعنی جو حرام سے بچے، جھوٹی قسم نہ کھائے اور مال کی قیمت صحیح بتائے۔

بَابُ الْخِيَارِ

۲۲۷۔ اختیار کا باب

خیار اور اختیار کا معنی ہے پسند کرنا، بیع میں اختیار کی چند قسمیں ہیں (۱) خیار شرط (۲) خیار عیب (۳) خیار رؤیت (۴) خیار تعیین، فقہ کی کتابوں میں ان کے معانی، احکام اور ان میں پائے جانے والے اختلافات بیان کیے گئے ہیں خیار کی ایک اور قسم ہے جسے خیار مجلس کہتے ہیں یعنی جب ایجاب وقبول کے بعد سودا مکمل ہو جائے تو بیچنے اور خریدنے والوں میں سے ہر ایک کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے جب تک اس مجلس میں بیٹھے رہیں اور جب مجلس برخاست ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس اختیار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ اس کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب ایجاب وقبول مکمل ہو گیا تو اب کسی کو بھی یک طرفہ اختیار نہیں ہے، ہاں اگر انہوں نے اختیار کی شرط لگائی تھی تو اختیار صحیح ہوگا، اسے خیار شرط کہتے ہیں اور یہ تین دن تک ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۶۴۷۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُلُّ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار رہتا ہے، جب تک جدا نہ ہوں، سوائے اس بیع کے جس میں اختیار کی شرط لگائی گئی ہے۔ (بخاری ومسلم) امام مسلم کی ایک روایت میں ہے جب خرید وفروخت کرنے

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَكُوْنُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَاِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَخْتَارَا وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ اَوْ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اِخْتَرْ بَدَلَ اَوْ يَخْتَارَا

والے بیع کریں تو ان میں سے ہر ایک کو اپنی بیع کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہوں یا ان کی بیع اختیار کی شرط کے ساتھ ہو، تو جب ان کی بیع اختیار کی شرط کے ساتھ ہو تو اختیار ثابت ہو گیا۔ امام ترمذی کی ایک روایت میں ہے بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں یا اختیار رکھیں، بخاری اور مسلم میں اختیار کی جگہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو کہے اختیار کرے۔

لے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنے ساتھی پر بیع کو برقرار رکھے یا ختم کر دے۔

کے جب تک اس مجلس میں ہوں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں، جب وہ دونوں اٹھ جائیں اور الگ ہو جائیں یا ایک اٹھ جائے تو اختیار ختم ہو گیا۔

اس حدیث سے بظاہر اختیارِ مجلس ثابت ہوتا ہے، جو حضرات اختیار مجلس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اقوال کے اعتبار سے جدا ہونا مراد ہے یعنی جب تک وہ مصروف گفتگو ہیں اور ایجاب و قبول مکمل نہیں ہوا، ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے، جب ایجاب و قبول مکمل ہو گیا اور وہ اس سودے سے فارغ ہو گئے تو اب اختیار باقی نہ رہا، جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ اور اگر مرد و زن جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے بے نیاز کر دے گا، آیت میں مرد و زن کا طلاق میں جدا ہونا مراد ہے (مثلاً عورت نے طلاق مانگی، مرد نے دے دی۔ ۱۲ قادری) اگرچہ وہ جسمانی طور پر جدا نہ ہوں (بلکہ ایک ہی مجلس میں ہوں، اسی طرح حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک نے کہا میں نے یہ چیز اتنے میں بیچی اور دوسرے نے کہا میں نے خرید لی، تو اب کسی کو دوسرے کی مرضی کے بغیر سودا ختم کرنے کا اختیار نہیں ہے، اگرچہ مجلس وہی ہو۔ ۱۲ قادری)

سے کہ مجلس برخاست ہونے کے باوجود خیار باقی ہے، اس لحاظ سے یہ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا کے مفہوم سے استثناء ہے بعض علماء نے فرمایا، وہ بیع مراد ہے جس میں ایک فریق نے کہا تو نے بیع اختیار کر لی، دوسرے نے کہا ہاں اختیار کر لی، اس صورت میں یہ اصل حکم سے استثناء ہے یعنی اس فرمان سے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اپنے صاحب پر اختیار ہے۔

کے مکان میں یا قول میں۔

۵ اس صورت میں یہ قول اَوْ یَکُوْنُ بَیْعُهُمَا عَنْ خِیَارٍ کا بیان ہوگا، یا حدیث کا یہ معنی ہے کہ بیع ثابت ہوگئی کیونکہ شرط خیار کی صورت میں اصل بیع لازم ہو جاتی ہے، یا بیع سے مراد خیار تخاییر ہے جو پہلی روایت میں مذکور ہوا (ایک نے کہا اختیار کرلے دوسرے نے کہا بیع اختیار کی۔ ۱۲ قادری)

۶ اَلْبَیِّعَانِ بار مفتوح اور یار مشدد۔

۲۶۴۹ وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِیْ بَیْعِهِمَا وَاِنْ کَتَمَا وَکَذَبَا مُحِقَتْ بَرَکَةُ بَیْعِهِمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت حکیم بن حزام[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید و فروخت کرنے والے اختیار رکھتے ہیں۔ جب تک جدا نہ ہوں، پھر اگر انہوں نے سچ کہا اور عیب بیان کر دیا[۲] تو انہیں بیع میں برکت دی جائے گی، اور اگر انہوں نے عیب چھپایا اور جھوٹ[۳] بولا تو ان کی بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔ (صحیحین)

۱ حکیم بن حزام حار مکسور، اس کے بعد زار۔ وہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی ہیں، ان کی پیدائش کعبہ معظمہ میں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے ہوئی۔ دور جاہلیت میں ان کا شمار قریش کے معززین اور بزرگوں میں ہوتا تھا، فتح مکہ کے سال ایمان لائے، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ، خالد، یحییٰ اور ہشام بھی مشرف باسلام ہوئے یہ سب صحابی ہیں، حضرت حکیم کی عمر ایک سو بیس سال تھی، ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں۔ اہل علم نے اسی طرح بیان کیا ہے، وہ عالم و فاضل، متقی اور سردار تھے، ابتداءً اگرچہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے لیکن حسن اسلام کے ساتھ موصوف ہوئے، وہ بڑے متمول اور دولت مند تھے، زمانہ جاہلیت میں ایک سو اور ایک روایت کے مطابق دو سو غلام آزاد کیے، اسلام لانے کے بعد سو اونٹ فی سبیل اللہ دیے، حج کیا تو قربانی کے لیے سو اونٹ ساتھ لے گئے جن پر نفیس کپڑے کا جُھل ڈالا ہوا تھا، عرفہ میں ایک سو سے زیادہ غلام وقف کیے جن کے گلے میں چاندی کے ہار تھے ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں حکیم بن حزام کی طرف سے آزاد کردہ ہیں، ایک دفعہ ایک سرائے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار درہم میں فروخت کی اور وہ تمام دراہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیے، جنگ بدر کے موقع پر مشرکین کے ہمراہ تھے اور بچ گئے، اگر قسم کھاتے تو یوں کہتے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن نجات عطا فرمائی۔ مدینہ طیبہ میں سن پچاس، بعض نے کہا چون اور بعض نے کہا اٹھاون میں وصال ہوا، ان سے حضرت عروہ ابن زبیر، سعید بن مسیب اور ابن سیرین رضی اللہ عنہم نے

روایت کی۔

لے سامان کا یا اس کی قیمت کا۔

۲۶۵۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں خرید و فروخت میں دھوکا کھا جاتا ہوں، آپ نے فرمایا: جب تم خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہ ہو۔ لے چنانچہ وہ یہ کہہ دیا کرتے تھے۔ (صحیحین)

لے اس بات کا مطلب کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا: بیع کے وقت یہ بات کہہ دیا کرو تاکہ تم دوسرے آدمی پر واضح کر دو کہ میں تجارت میں تجربہ اور بصیرت نہیں رکھتا، تمہیں چاہیے کہ بیع میں مجھے دھوکا نہ دو اور نقصان نہ پہنچاؤ، لوگ اس وقت دیانتدار اور خیر خواہ ہوتے تھے، اپنے بھائیوں کے لیے وہی کچھ پسند کرتے تھے جو اپنے لیے پسند کرتے تھے خصوصاً جب انہیں توجہ دلادی جاتی اور معاملہ ان کے سپرد کر دیا جاتا، بعض علماء نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اختیار کی شرط لگا لیا کریں، دھوکا نہ ہو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اختیار کی شرط لگانے کا سبب بیان کر دیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ کہہ فریب نہیں ہے اور میں تین دن کے اختیار کی شرط لگاتا ہوں، بعض علماء نے کہا کہ مقصد یہ ہے کہ دھوکا ظاہر ہوا تو بیع کالعدم قرار دی جائے گی۔

دھوکے اور غبن کی صورت میں اگرچہ بیع فاسد نہیں ہوتی البتہ غبن کی بنا پر بیع کے کالعدم قرار دینے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء کے نزدیک کالعدم قرار دی جائے گی، بعض علماء کے نزدیک اگر خریدار تجربہ کار نہیں ہے تو اسے اختیار ہوگا، بعض نے کہا کہ اگر غبن فاحش ہو کہ اتنا فرق عام طور پر واقع نہ ہوتا ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی، یہ اقوال کتب فقہ میں مذکور ہیں حق یہ ہے کہ حدیث سے نہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قیمت لگا لینے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے یا اس سے اختیار ثابت ہوتا ہے۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرما دی اور اس شخص کو شرط لگانے کا حکم دیا۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا، گزشتہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اگر انہوں نے سچ کہا اور عیب بیان کر دیا تو انہیں برکت دی جائے گی، اسی کی تائید کرتا ہے۔

۲۶۸۱ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ أَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْيَةَ أَنْ يَّسْتَقِيْلَهٗ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب[1] اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں، مگر یہ کہ سودا ہی اختیار کا ہو[2] اور اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے ساتھی سے اس خوف کی بنا پر جدا ہو جائے کہ کہیں وہ سودا ختم ہی نہ کر دے[3]

(ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

[1] عمرو بن شعیب کے دادا محمد ہیں۔ اُن کے والد عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں۔ عمرو بن شعیب معتبر اور حجت ہیں بعض ان کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، بہرصورت ان کی اس سند سے روایت محل نظر ہے، کیونکہ جَدِّہٖ کی ضمیر اگر عمرو کی طرف راجع ہو جیسے کہ اَبِیْہِ کی ضمیر ان کی طرف راجع ہے، اور ان کے دادا محمد بن عبداللہ ہیں اور وہ تابعی ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل ہوگی اور اگر جَدِّہٖ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہو تو ان کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص صحابی ہیں لیکن عمرو نے انہیں نہیں پایا۔ لہٰذا حدیث منقطع ہوگی، اسی لیے بخاری اور مسلم میں اس سند سے ان کی روایت کردہ حدیث نہیں ملتی، عمرو بن شعیب اپنے والد، ابن مسیب، ربیع بنت معوذ، زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ایوب، حسین معلم، اوزاعی روایت کرتے ہیں، یحییٰ ابن سعید القطان کہتے ہیں کہ جب ان سے مستند حضرات روایت کریں تو وہ حجت ہے، مختصر یہ کہ ان کی شخصیت اختلافی ہے۔

[2] اس کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے،
صفقہ کا معنیٰ ہے ایک ہاتھ کا دوسرے پر اس طرح مارنا کہ اس سے آواز پیدا ہو، بیع اور بیعت میں ایک شخص کا دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔

[3] یعنی اسے چاہیے کہ مجلس میں کچھ دیر ٹھہرے اور اپنے مسلمان بھائی کی رعایت کرتے ہوئے اُٹھنے میں جلدی نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ سودا ختم کرنا چاہے۔ یہ حدیث بظاہر مجلس کے اختیار پر دلالت کرتی ہے۔ (جیسے کہ شافعیہ کا مذہب ہے۔ ۱۲ قادری) جب کہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ممانعت اس بنا پر ہو کہ ممکن ہے دوسرا ساتھی عیب پر آگاہ ہو کر سودا واپس کر دے۔

۲۶۸۲ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ اثْنَانِ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بائع اور مشتری باہمی رضامندی کے بغیر ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ (ابو داؤد)

۲۶۸۳ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ اَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو بیع کے بعد اختیار عطا فرمایا۔[1] (ترمذی) انہوں نے فرمایا یہ حدیث صحیح، غریب ہے۔

[1] یعنی عقد بیع مکمل ہونے کے بعد، اختیار مجلس یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر مثلاً غبن کا دعویٰ یا بیع پر ندامت کا اظہار کیا گیا ہو، لیکن اس طرح فریق ثانی کو راضی کر کے کیا گیا ہوگا۔

بَابُ الرِّبٰو

۲۲۸۔ سود کا باب

لغت میں ربا کا معنی زیادتی ہے۔ یہ حروف جہاں بھی ہوں گے زیادتی کا معنی دیں گے۔ شریعت میں اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور نفس عقد میں اس کی شرط لگائی گئی ہو، اسے واؤ، یاء اور الف تینوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۶۸۴ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَآءٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے[1]، کھلانے والے[2]، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں[3] پر لعنت فرمائی اور فرمایا، یہ سب[4] برابر ہیں۔

(مسلم شریف)

سلہ جو کہ سود لیتا ہے۔
سلہ مُؤکِلَہٗ میم مضموم، واؤ ساکن اور کاف مکسور، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی جو کہ سود دیتا ہے اور اس کے واسطے سے قرض لیتا ہے۔
سلہ جو کہ اس واقعہ پر گواہ بنتے ہیں کہ انہوں نے ناجائز کام کی امداد و اعانت کی۔
سلہ کھانے والا، کھلانے والا، لکھنے والا اور گواہ، لعنت کے وارد ہونے اور گناہ کا ارتکاب کرنے میں سب برابر ہیں۔ لعن کا معنی نیکی سے دور کرنا اور بھگا دینا ہے۔

۲۶۶۵ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، چھوہارے چھوہاروں کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر، دست بدستؔ بیچا جائے گا تو جب یہ قسمیں مختلفؔ ہوں تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ ایک ہاتھ دو، دوسرے ہاتھ لو۔

(مسلم شریف)

سلہ عبادہ عین مضموم اور باء مخفف۔
سلہ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو۔
سلہ مثلاً سونے کے مقابل چاندی اور گندم کے مقابل جو ہو۔
سلہ ادھار جائز نہیں ہے اگرچہ دونوں طرف مختلف جنسیں ہوں۔

اس حدیث میں خصوصی طور پر چھ چیزوں کا ذکر ہے، ائمہ مجتہدین نے باقی چیزوں کو ان چھ پر قیاس کیا ہے مثلاً لوہا، چونا اور باقی دانے دار غلے، ہر ایک نے ایک علت دو[illegible]ت کی [illegible] سوائے اہل ظاہر (غیر مقلدین) کے گروہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک سود صرف ان چھ چیزوں [illegible] ہے۔ ائمہ کرام کے نزدیک علت کیا ہے؟ اور اس پر کون سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، یہ سب کتب فقہ میں [illegible]ن کیا گیا ہے۔

۲۶۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ وَ الشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَ الْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَ الْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَآءٌ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے گندم گندم کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، چھوہارے چھوہاروں کے بدلے، نمک نمک کے بدلے بیچا جائے گا برابر برابر ہاتھوں ہاتھ[۱] جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی کاروبار کیا، لینے اور دینے والا اس میں برابر[۲] ہے۔ (مسلم شریف)

[۱] اس حدیث میں سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ نہیں ہے جو پچھلی حدیث میں مِثْلًا بِمِثْلٍ کی تاکید ہے، البتہ آئندہ عبارت زائد ہے۔

[۲] گناہ اور حرام کا ارتکاب کرنے میں۔

۲۶۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَبِیْعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّ لَا تُشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ وَلَا تَبِیْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ وَلَا تَبِیْعُوْا مِنْھَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا تَبِیْعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر، اُن میں سے بعض کو بعض پر زائد نہ کرو[۱] اور چاندی کو چاندی[۲] کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر، اور بعض کو بعض پر زائد نہ کرو، اور ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے نہ بیچو[۳]۔ (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں ہے سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو مگر وزن میں برابر برابر۔

[۱] لَا تُشِفُّوْا تاء مضموم، شین مکسور اور فاء مشدد، شَفٌّ کا معنی زائد ہونا اور فائدہ مند ہوتا ہے اور

اِشْفَافْ کا معنی چننا اور زیادہ کرنا ہے۔

۲؎ ورق واؤ مفتوح، اور راء مکسور یا ساکن، چاندی۔

۳؎ یعنی ادھار کو نقد کے بدلے نہ بیچو۔ ناجز پہلے نون پھر جیم مکسور اور آخر میں زاد نقد، تیار۔

۲۶۸۸ وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ طعام طعام[۲] کے بدلے برابر برابر بیچا جائے گا۔ (مسلم شریف)

۱؎ معمر دونوں میم مفتوح اور ان کے درمیان عین ساکن، قرشی، عدوی، قدیم الاسلام صحابی ہیں، وہ ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے اس لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے میں تاخیر واقع ہوگئی، پھر مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور طویل زندگی پائی۔

۲؎ مثلاً گندم ہو یا جو، اس حدیث میں خاص طور پر طعام کا ذکر موقع محل کی مناسبت سے فرمایا ہے ورنہ یہ حکم چھ چیزوں کو شامل ہے جیسے کہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

۲۶۸۹ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًوا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے سود ہے مگر دست بدست، چاندی چاندی کے بدلے سود ہے۔ مگر نقد بنقد۔ گندم گندم کے بدلے سود ہے مگر نقد بنقد جو جو کے بدلے سود ہے مگر نقد بنقد اور چھوہارے چھوہاروں کے بدلے سود ہیں مگر نقد بنقد[۱]۔ (صحیحین)

۱؎ اس حدیث میں نمک کا ذکر نہیں ہے ـــــ ہاء ہمزہ کے ساتھ اور اس کے بغیر دونوں طرح مستعمل ہے۔ اس کا معنی ہے پکڑ، یعنی بائع اور مشتری میں سے ہر ایک دوسرے کو کہے پکڑ، مطلب یہ کہ دست بدست اور نقد فروخت کریں، ادھار نہ بیچیں۔

۲۶۹۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَیْبَرَ فَجَآءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِیْبٍ فَقَالَ اَکُلُّ تَمْرِ خَیْبَرَ هٰکَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَیْنِ وَالصَّاعَیْنِ بِالثَّلٰثِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِیْبًا وَقَالَ فِی الْمِیْزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر حاکم مقرر فرمایا وہ آپ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں[1] لائے، آپ نے فرمایا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! خدا کی قسم سب ایسی نہیں ہوتیں، ہم دو صاع دے کر اس قسم کی ایک صاع اور تین صاع دے کر دو صاع خریدتے ہیں فرمایا: ایسا نہ کیا کرو[2] ملی جلی کھجوریں[3] پیسوں کے بدلے بیچ کر پیسوں سے عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو[4]، وزنی چیز کے بارے میں بھی ایسے ہی فرمایا[5] (صحیحین)

[1] جَنِیْب پہلے جیم اور اس کے بعد نون، کھجوروں کی بہترین قسم۔

[2] کہ یہ تو سود ہے۔

[3] جن میں عمدہ بھی ہوں اور ردی بھی۔

[4] تاکہ سود لازم نہ آئے۔

[5] یعنی کھجور کی طرح، اسی طرح وہ چیزیں جو پیمانے کے ساتھ ماپ کر یا ترازو کے ساتھ تول کر بیچی جاتی ہیں۔ جیسے کہ سونا اور چاندی ان کا بھی یہی حکم ہے کہ عمدہ کو ردی کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ فروخت نہیں کریں گے، بلکہ ردی کو پیسوں کے بدلے بیچ دیں اور انہی پیسوں سے عمدہ خرید لیں، گندم اور جو عرف شریعت میں ماپ سے بیچی جانے والی چیزیں ہیں۔ اگرچہ ہمارے علاقے (ہندوستان) میں تول کر بیچتے ہیں، دراصل سود کے معاملہ میں عمدہ اور ردی کا ایک ہی حکم ہے۔

۲۶۹۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَآءَ بِلَالٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِیٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی[1] کھجوریں لائے، آپ نے انہیں فرمایا: یہ کہاں سے لائے ہو[2]؟ انہوں

مِنْ اَيْنَ هٰذَا قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ قَالَ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبٰوا عَيْنُ الرِّبٰوا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے عرض کیا ہمارے پاس ردی کھجوریں تھیں، میں نے اس کے دو صاع ایک صاع کے عوض فروخت کیے، آپ نے فرمایا: ہائے افسوس! یہ تو خالص سود ہے۔ خالص سود، ایسا نہ کرو، لیکن جب تم خریدنا چاہو تو کھجوریں الگ بیع سے فروخت کرو پھر اس قیمت سے خرید لو۔ (صحیحین)

۱؎ بَرْنِی بار مفتوح، رار ساکن، اس کے بعد نون پھر یار نسبت، کُرسِی کی طرح، عمدہ کھجور کی مشہور قسم، قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے کہ اصل میں بَرنِیک بمعنی اچھا پھل تھا اسے عربی بنایا گیا تو بَرنِی کہا گیا۔

۲؎ یعنی تم نے خریدی ہیں یا تمہیں کسی نے دی ہیں؟ گویا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ کہیں بطور سود نہ خرید لائے ہوں۔

۳؎ یعنی ہمارے گھر والوں کے پاس ردی کھجوریں تھیں، ردائت ہمزہ کے ساتھ خراب اور ضائع ہونا۔

۴؎ دو دفعہ فرمانے کا مطلب یہ ہے یہ بلاشک و شبہ سود ہے۔

۵؎ یعنی ردی کھجوریں دے کر عمدہ کھجوریں خریدنا چاہو۔

۶؎ ردی کھجوریں الگ بیع سے دراہم کے بدلے یا طعام کے بدلے فروخت کرو۔

۷؎ اُن دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو، جیسے کہ اس سے پہلی حدیث میں گزرا ـــــ اَوَّہْ ہمزہ مفتوح واؤ مشدد مفتوح اور ہار ساکن، یہ ایسا کلمہ ہے جو شکایت کرنے اور دکھ درد کے اظہار کے وقت بولا جاتا ہے اصل میں واؤ ساکن اور ہار مکسور ہے (اَوْہِ) بعض اوقات واؤ کو الف سے بدل دیتے ہیں، کبھی واؤ کو مشدد مفتوح یا مکسور اور ہار کو ساکن پڑھتے ہیں، کبھی ہار کو حذف کر دیتے ہیں، اور ضمہ، فتحہ اور کسرہ بھی دیتے ہیں۔

۲۶۹۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَمْ يَشْعُرْ اَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهٗ يُرِيْدُهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غلام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہجرت کی بیعت کر لی۔ آپ کو یہ خیال نہ ہوا کہ وہ غلام ہے، اس کا آقا اسے لینے آیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا اسے میرے پاس بیچ دے، چنانچہ آپ نے دو

اَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ اَحَدًا بَعْدَهٗ حَتّٰى يَسْاَلَهٗ اَعَبْدٌ هُوَ اَوْ حُرٌّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سیاہ فام غلاموں کے بدلے میں لے خرید لیا، اس کے بعد آپ جس سے بھی بیعت لیتے اس سے پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد[2]۔ (مسلم شریف)

[1] یعنی وہ اسلام لے آیا اور عہد کیا کہ اپنے علاقے سے ہجرت کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جائے گا۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں خریدا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر اہلِ علم نے فرمایا کہ ایک حیوان دو حیوانوں کے بدلے میں خریدا جا سکتا ہے، خواہ دونوں طرف ایک ہی جنس ہو یا الگ الگ، ہاں ادھار ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت نے اس سے منع کیا ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح اور امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا یہی مذہب ہے۔

مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانور کی جانور کے ساتھ ادھار بیع سے منع فرمایا ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔ یہ علامہ طیبی کی تقریر ہے۔

۲۶۹۳ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھجوروں کے اس ڈھیر کے بیچنے سے منع فرمایا جس کا پیمانہ معلوم نہ ہو ان کھجوروں کے عوض جن کا پیمانہ معلوم ہو[1]۔ (مسلم شریف)

[1] یعنی ایک طرف کھجوروں کا ڈھیر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے اور دوسری طرف مثلاً دس یا بیس صاع کھجوریں ہیں تو یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ جب اس ڈھیر کی مقدار معلوم نہیں ہے تو وہ دوسری جانب سے زیادہ یا کم ہو سکتی ہیں جس سے سود لازم آجائے گا۔

۲۶۹۴ وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فِيْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُّ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ

حضرت فضالہ ابن ابی عبید[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خیبر کے دن بارہ دینار میں ایک ہار خریدا[2] جس میں سونا بھی تھا اور منکے بھی میں نے اسے الگ الگ کیا[3] تو اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا پایا، یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا ایسے ہار الگ الگ[4] کیے بغیر نہ

حَتّٰی تُفَصَّلَ ۔ پیچے جائیں ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

۱ فضالہ فا اور ضاد دونوں مفتوح، عُبَید عین مضموم ۔ فضالہ ابن ابی عبید انصاری صحابی ہیں پہلے پہل جنگ اُحد میں شامل ہوئے، پھر بعد کی جنگوں میں بھی حاضر ہوئے، بیعت رضوان اور غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئے، پھر شام چلے گئے اور دمشق میں مقیم ہوئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب امیر معاویہ جنگ صفین کے لیے گئے، سن ۵۵ھ میں دمشق میں وصال ہوا۔

۲ قِلادہ قاف مکسور، گلوبند، ہار۔

۳ خَرَز خا اور را دونوں مفتوح، اس کے بعد زا، موتی کے منکے۔

۴ فَفَصَّلْتُهَا علماء نے صاد کے مشدد ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

۵ ایک روایت میں ہے حَتّٰی تُمَیَّزَ یعنی جب تک سونا اور موتی جدا جدا نہ کیے جائیں تا کہ سود لازم نہ آئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۶۹۵/۱۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اَکَلَ الرِّبٰوا فَاِنْ لَمْ یَاْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ وَ یُرْوٰی مِنْ غُبَارِهٖ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جو سود نہ کھاتا ہو[۱]، اگر کوئی شخص سود نہیں کھائے گا تو اسے اس کا بخار ہی پہنچ جائے گا۔ ایک روایت میں اس کا غبار ہی پہنچ جائے گا۔[۲]

(امام احمد، ابو داؤد، نسائی ابن ماجہ)

۱ یعنی سود سے پاک تجارت کی شرائط ملحوظ رکھنے میں احتیاط نہیں کی جائے گی، اس ارشاد میں گویا مبالغہ ہے اسی لیے فرمایا کہ جو سود نہیں کھائے گا اسے اس کا بخار ہی پہنچ جائے گا۔

۲ یعنی اس کا اثر ہی پہنچ جائے گا مثلاً سود کا کھلانے والا، اس کا گواہ یا لکھنے والا، یا دونوں میں معاملہ کرانے والا یا سود خوار سے معاملہ کرنے والا اور اپنا مال اس کے مال سے خلط ملط کرنے والا ہو گا۔

۲۶۹۶/۱۳ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ وَلَا الْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ وَلَا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَلَا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ اِلَّا سَوَآءً بِسَوَآءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَلٰكِنْ بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَالشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گندم کو گندم کے بدلے، جَو کو جَو کے بدلے کھجور کو کھجور کے بدلے اور نمک کو نمک کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر، نقد بنقد، دست بدست[1] لیکن سونے کو چاندی کے بدلے، چاندی کو سونے کے بدلے گندم کو جَو کے بدلے، جَو کو گندم کے بدلے کھجور کو نمک کے بدلے اور نمک کو کھجور کے بدلے[2] دست بدست بیچو، جیسے چاہو۔

(امام شافعی)

[1] یہ عَیْنًا بِعَیْنٍ کی تاکید ہے۔
[2] یعنی جنس کو غیر جنس کے بدلے نقد بیچو، نہ کہ ادھار، جیسے چاہو برابر یا کم و بیش۔

۲۶۹۷/۱۴ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کھجور کے بدلے چھوہارے[1] خریدنے کے بارے میں سوال کیا گیا! آپ نے فرمایا: کیا کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے؟ عرض کیا ہاں! آپ نے اس[2] سے منع فرمایا۔

(امام مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

[1] تمر خشک کھجور کو کہتے ہیں، رُطَب راء مضموم، طاء مفتوح، تر کھجور، رَطْب راء مفتوح اور طاء ساکن ہر تر شے

میوہ وغیرہ۔

ﻟﮧ۲ کھجوروں کے عوض چھوہارے خریدنے سے سود لازم آنے کے سبب منع فرمایا، امام شافعی، امام ابو یوسف اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک تر کھجور کو چھوہارے کے عوض برابر برابر بیچنا جائز ہے کیونکہ تری اور خشکی، عمدگی اور ردی ہونے کی طرح بمنزلہ صفت ہے اور ثابت ہے کہ عمدہ اور ردی برابر ہیں، اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۶۹۸/۱۵ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيْدٌ كَانَ مِنْ مَّيْسِرِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت سعید بن مسیب بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیوان کے بدلے گوشت بیچنے سے منع فرمایا، حضرت سعید کہتے ہیں کہ یہ دور جاہلیت کا جوا تھا۔

(شرح السنہ)

ﻟﮧ۱ اکابر اور متقدمین تابعین میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔

ﻟﮧ۲ امام شافعی نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا ہے، ان کے نزدیک حیوان کے بدلے گوشت کا بیچنا جائز نہیں ہے خواہ گوشت اسی حیوان کی جنس سے ہو یا دوسری جنس سے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر اسی جنس سے ہو تو جائز نہیں ہے، البتہ اگر الگ گوشت، حیوان کے گوشت سے زیادہ ہو تاکہ زائد گوشت، حیوان کے باقی اجزاء کے مقابل آجائے تو جائز ہے ورنہ سود پایا جائے گا، جیسے کہ تلوں کے تیل کی بیع تلوں سے کی جائے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ موزوں کی غیر موزوں کے ساتھ بیع ہے، حیوان عادۃً موزوں نہیں اور وزن کے ساتھ اس کی پہچان بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ کبھی تو اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی بھاری۔

ﻟﮧ۳ میسر اگر یسر سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی آسانی ہے، جوئے کو میسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے مال آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے، اور اگر یسار سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی دولت مندی ہے اور جوا سبب دولت ہے۔

۲۶۹۹/۱۶ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔[1]

(ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

وَالدَّارِمِیُّ۔ دارمی)

لہ مشہور صحابی ہیں، حافظ اور بکثرت احادیث کے راوی ہیں۔

۲ہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا کہ اس مسئلے میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے۔

نُسِیْ نون پر کسرہ اور فتحہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، سین ساکن، کبھی نون کو فتحہ دیا جاتا ہے اور سین کو کسرہ دیا جاتا ہے اس کے بعد یاء اور اس کے بعد ہمزہ (نَسِیْئَۃٌ)

۲۷۰۰/۱۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهٗ اَنْ يُّجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْاِبِلُ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ لشکر کے لیے اسباب تیار کریں، پس اونٹ ختم ہو گئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ صدقے کی اونٹنیوں لہ کے عوض اونٹ خرید لیں چنانچہ دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ لیتے تھے صدقے کے اونٹوں کی آمد تک ۲ہ (ابوداؤد)

لہ قلوص جوان اونٹنی قلاص اور قُلُص جمع اور قلائص جمع الجمع ہے، یعنی جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو دے دیے جائیں گے۔

۲ہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کی حیوان کے بدلے ادھار بیع جائز ہے، احناف گزشتہ حدیث کے پیش نظر اس سے منع کرتے ہیں۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث ضعیف ہے اور حضرت سمرہ ابن جندب کی حدیث زیادہ قوی اور ثابت ہے، یا یہ حدیث سود کی ممانعت سے پہلے کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ صدقات کے آنے کا وقت معلوم نہیں تھا جب کہ مدت کی تعیین، شرط ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت اونٹوں کے صدقہ کی آمد کا وقت معلوم تھا یا یہ منسوخ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۲۷۰۱/۱۸ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبٰو فِي النَّسِيْئَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا

حضرت اسامہ ابن زید لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود ادھار میں ۲ہ ہے، ایک روایت میں ہے جو

رِبًوا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دست بدست ہو اس میں سود نہیں ہے[۳]
(مسلم، بخاری)

[۱] اسامہ بن زید، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں، اُن کے مناقب مشہور و معروف ہیں اور کتاب کے آخر میں مناقب اہل بیت میں آئیں گے۔

[۲] یعنی سود، ادھار میں پایا جاتا ہے اگرچہ اختلاف جنس کے ساتھ ہو، اور اگرچہ برابری کے ساتھ ہو، مثلاً گندم کا جو کے بدلے زیادتی کے ساتھ بیچنا درست ہے، اگر دست بدست ہو اور اگر ادھار ہو تو جائز نہیں ہے۔

[۳] اگر دونوں طرف جنس ایک ہے تو مقدار میں مساوات ضروری ہے، اختلاف جنس کی صورت میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔

۲۷۰۲/۱۹ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيلِ الْمَلٰٓئِكَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمُ رِبًوا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلٰثِيْنَ زِنْيَةً ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَادَ وَقَالَ مَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ ۔

حضرت حنظلہ غسیل[۱] ملائکہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم جسے آدمی جانتے ہوئے کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ شدید[۲] ہے۔ امام احمد دارقطنی، بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور اس میں اضافہ یہ کیا: جس کا گوشت حرام سے پیدا ہوتا ہے تو آگ اس کے زیادہ لائق ہے[۳]

[۱] غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے ان کا واقعہ مشہور[۱] ہے، اور اس سے پہلے بعض مقامات میں ذکر کیا گیا ہے، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بھی صحابی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے زمانے میں پیدا ہوئے، اور آپ کے وصال کے وقت سات سال کے تھے، انہوں نے آپ کی زیارت کی اور آپ کی احادیث مبارکہ سنیں، متبحر فاضل اور انصار کے سردار تھے، یزید بن معاویہ کی بیعت فسخ کرنے میں دیگر حضرات نے ان کی پیروی

---

[۱] احد کے موقع پر نئی نئی شادی ہوئی تھی، انہیں غسل کی حاجت تھی کہ جہاد کا اعلان ہوا اسی طرح چلے گئے اور شہید ہو گئے، فرشتوں نے انہیں غسل دیا۔ ۱۲ مرآۃ

کی حرہ کے دن سات بیٹوں کے ہمراہ شہید ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ؔ؎ یہ انتہائی تشدید اور توبیخ ہے۔ سود کھانے والے کے لیے اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے۔ سود کھانے والا خدا اور رسول سے جنگ کرتا ہے جیسے کہ قرآن عظیم میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا زنا سے زیادہ سخت ہے، چھتیس کے عدد میں کیا راز ہے؟ اسے شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں دوسرا کوئی نہیں جانتا، یہی حال اس کی دیگر مثالوں کا ہے۔ زنیۃ زا مکسور، نون ساکن، اس کے بعد یاء، زنا کرنا۔

ؔ؎ اور زیادہ قریب ہے۔ سُحت سین مضموم، حا ساکن، حرام۔ اصل میں اس کا معنی ہے جڑ سے اکھیڑنا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءًا اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر اجزاء ہیں ان میں سے چھوٹی جز یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے[1]

[1] اس سلسلے میں یہ شدید ترین زجر و توبیخ ہے، چونکہ اس زمانے میں لوگ سود میں حد درجہ مبتلا تھے اور گرداب ابتلاء میں پھنسے ہوئے تھے اور یہ دنیا اور نفس کی کمینگی کا معاملہ تھا اس لیے اس بارے میں سخت ترین ڈانٹ پلائی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى اَحْمَدُ الْاَخِيْرَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سود[1] اگرچہ بہت ہو لیکن اس کا انجام قلت[2] کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔ امام احمد نے دوسری حدیث روایت کی۔

[1] وہ مال جو سود سے حاصل ہو۔

[2] قُل قاف مضموم ہو تو اس کا معنی قلت ہے، مکسور ہو تو اس کا معنی خواری اور رسوائی ہے جیسے ذِلّۃ اور ذِلّۃ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَسَلَّمَ اَتَیْتُ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاۗءِ یَا جِبْرَئِیْلُ قَالَ هٰؤُلَاۗءِ اَكَلَۃُ الرِّبٰو۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

شب معراج میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح تھے ان میں سانپ تھے جو باہر سے دیکھے جا سکتے تھے، میں نے کہا اے جبریل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔

(امام احمد۔ ابن ماجہ)

لہ اَکَلَۃ پہلے تینوں حرف مفتوح آکل کی جمع۔ جیسے کاتِب کی جمع کَتَبَۃ۔

۲۷۰۶/۲۳ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰو وَ مُؤْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ مَانِعَ الصَّدَقَۃِ وَ كَانَ یَنْهٰی عَنِ النَّوْحِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھانے والے کھلانے والے، لکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے پر لعنت فرمائی اور نوحہ سے منع فرمایا کرتے تھے لہ

(نسائی شریف)

لہ بظاہر انداز کلام کا تقاضا یہ تھا کہ فرمانے نوحہ کرنے والی پر لعنت فرمائی، لیکن اس طرح نہیں فرمایا تو اس لیے کہ نوحہ کرنا گناہ ہونے میں زکوٰۃ نہ دینے اور سود کے برابر نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر ممنوع چیز کا ارتکاب موجب لعنت ہو سکتا ہے کہ نہی تنزیہی ہو، اور اگر تحریم کے لیے بھی ہو تو تمام حرام کام مرتبہ میں برابر نہیں ہوتے، یا اس لیے کہ نوحہ کا فعل اکثر اوقات میں واقع ہوتا تھا۔ اور یہ دور جاہلیت کی شنیع ترین رسم تھی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر و بیشتر ان پر لعنت بھیجنے کا ارادہ فرماتے تھے، اس صورت میں نوحہ کرنے والی عورت پر مبالغہ اور تاکید کے ساتھ شدید ترین لعنت ہوگی۔

۲۷۰۷/۲۴ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰیَۃُ الرِّبٰو وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ یُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰو وَالرِّیْبَۃَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آخر میں نازل ہونے والی چیز آیت ربا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ نے ہمیں اس آیت کی پوری تفسیر نہیں بتائی لہٰذا تم سود اور شک والی چیز سے بچو لہ

(ابن ماجہ، دارمی)

لے یعنی جس چیز میں سود کا شبہ بھی ہو اسے بھی چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ثابت و محکم ہے، منسوخ نہیں ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تفسیر بیان نہیں فرمائی کہ تمام جزئیات اور مواد کا حکم معلوم ہو جاتا، آپ نے چند چیزوں میں سود کا پایا جانا بیان فرمایا، باقی چیزوں کو قیاس اور اجتہاد پر چھوڑ دیا، لہٰذا نہیں چاہیے کہ صریح سود کو چھوڑ دو اور احتیاط و ورع کا تقاضا ہے کہ اس چیز کو بھی چھوڑ دو جس میں سود کا شبہ ہو، یہ وہ مطلب ہے جو کلام کی ظاہر روش سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ یہ آیت نہ تو منسوخ ہے اور نہ ہی متشابہ۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر نہیں فرمائی، لہٰذا اسے اس کے ظاہر معنیٰ پر محمول کرو اور اس میں شک و شبہ نہ کرو اور سود کو حلال کرنے کے حیلے اختیار نہ کرو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ کا یہی مطلب ہے

۲۸۰۸/۲۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص دوسرے کو قرض دے اور مقروض اسے تحفہ دے یا سواری پیش کرے تو سواری پر سوار نہ ہو اور ہدیہ قبول نہ کرے[1] ہاں اگر اُن کے درمیان پہلے سے یہ سلسلہ جاری[2] ہو۔ (تو حرج نہیں) (ابن ماجہ شریف، شعب الایمان از بیہقی)

لے تاکہ سود نہ بن جائے کیونکہ جس قرض کے ذریعے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

۲ے یعنی قرض دینے سے پہلے ان دونوں کے درمیان تحفے تحائف اور سواری پیش کرنے کی عادت ہو اور قرض دینا اس کا سبب نہ ہو۔

۲۸۰۹/۲۶ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ فَلَا يَاْخُذْ هَدِيَّةً. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى)

اُن ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی کسی کو قرض دے تو اُس سے ہدیہ[1] وصول نہ کرے۔ (تاریخ بخاری، المنتقیٰ)[1]

لے حدیث کا ترجمہ اگرچہ یہ ہے کہ وہ تحفہ نہ لے لیکن سابق حدیث کے مطابق مطلب یہ ہے کہ مقروض سے

تحفہ سے

۲؎ مُنْتَقیٰ میم مضموم، نون ساکن، تاء مفتوح اور اس کے بعد قاف، ایک حنبلی عالم کی تصنیف ہے جس میں فقہ کی ترتیب کے موافق احادیث جمع کی گئی ہیں، اس میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔

۲۷۱۰/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَلَقِیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ اِنَّکَ بِاَرْضٍ فِیْھَا الرِّبٰو فَاشٍ فَاِذَا کَانَ لَکَ عَلٰی رَجُلٍ حَقٌّ فَاَھْدٰی اِلَیْکَ حِمْلَ تِبْنٍ اَوْ حِمْلَ شَعِیْرٍ اَوْ حَبْلَ قَتٍّ فَلَا تَاْخُذْہُ فَاِنَّہٗ رِبٰوا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو بردہ ابن ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ آیا تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا، انہوں نے فرمایا تم ایسے علاقہ (عراق) میں ہو جہاں سود عام ہے، جب تمہارا کسی پر حق ہو اور وہ تمہیں بھوسے یا جو کا بوجھ دے یا چارے کا گٹھا دے تو نہ لو کیونکہ وہ سود (کے حکم میں) ہے۔

(بخاری شریف)

۱؎ ابو بردہ بار مضموم، راء ساکن اور اس کے بعد دال، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے، کوفہ کے رہنے والے تابعی اور معتمد علیہ ہیں، کوفہ کے قاضی تھے، اپنے والد حضرت علی، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے تھے اور جلیل القدر عالم تھے۔

۲؎ وہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور پہلے یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔

۳؎ فَشُوٌّ کا معنیٰ اصل میں خبر کا پھیل جانا ہے۔

۴؎ یعنی قرض ہو۔

۵؎ حِمل حاء مکسور، پشت یا سر پر اٹھایا جانے والا بوجھ۔

۶؎ حَبل حاء مفتوح اس کے بعد باء رسی سے باندھا ہوا بوجھ، بعض نسخوں میں حُمل میم ساکن کے ساتھ ہے۔

۷؎ قَتّ قاف مفتوح اور تاء مشدد، چارے کی ایک قسم جسے رطبہ کہتے ہیں، حواشی میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں اسے برسوم کہتے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا اسی کو اَبٌّ کہتے ہیں جیسے کہ قرآن پاک کی سورۂ عبس میں واقع ہے۔ (اَبًّا مَتَاعًا لَّکُمْ)

بَابُ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ

۲۲۹- تجارت کی ممنوع قسمیں

بعض نسخوں میں المنہی عنہ ہے۔ بیع کی ممانعت کبھی تو حرمت کی بنا پر ہوتی ہے جیسے کہ بیع فاسد میں ہے اس کی مثال وہ نماز ہے جس کے کچھ ارکان رہ گئے ہوں، اور کبھی کراہت کی بنا پر جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنا، اس کی مثال وہ نماز ہے جو غصب کی ہوئی زمین میں ادا کی جائے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حرام بیع کی دو قسمیں ہیں (۱) فاسد اور (۲) باطل، اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۷۴۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَاِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا اَوْ كَانَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ وَاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُبَاعَ لَهٗ مَا فِيْ رُؤُوْسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى اِنْ زَادَ فَلِيْ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزابنت[1] سے منع فرمایا اور وہ یہ کہ اپنے باغ کا پھل فروخت کرے اگر کھجور ہے تو چھوہارے کے عوض پیمانے سے بیچے اور اگر انگور کا باغ ہے تو انگور کو کشمش کے بدلے پیمانے سے فروخت کرے امام مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر کھیت ہے تو تر غلے کو خشک کے بدلے پیمانے سے بیچے، ان سب سے منع فرمایا۔ (بخاری و مسلم) ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مزابنت سے منع فرمایا اور فرمایا کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو چھوہاروں کے بدلے معین پیمانے سے بیچے اگر زیادہ ہوئی تو میری اور کم ہوں تو میرے ذمہ۔

[1] مزابنۃ میم مضموم اس کے بعد زاء اور باء مفتوح، زَبن سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی دفع کرنا ہے۔

۲؎ یعنی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کا اندازہ یہ ہے کہ دس پیمانہ ہوں گی انہیں گھر میں موجود دس پیمانوں کے بدلے فروخت کر دیا جائے۔

۳؎ مطلب یہ کہ بیلوں پر لگے ہوئے تر میوہ کو زمین پر رکھے ہوئے خشک میوہ کے بدلے پیمانے کے حساب سے فروخت کیا جائے۔

۴؎ کھیت کے لیے حائط (باغ) کا استعمال بطور مجاز اور مشاکلت ہے۔

۵؎ اس سے پہلے جتنی صورتیں بیان ہوئیں خواہ درخت پر لگی ہوئی کھجوریں ہوں یا انگور یا کھڑی فصل کا غلہ ہو۔ اسے مزابنہ اس لیے کہتے ہیں کہ لغت میں زبن کا معنی دفع کرنا ہے اور چونکہ اس بیع کی بنیاد قیاس اور اندازہ پر ہے اور اس میں کمی اور زیادتی کا احتمال ہے، اس لیے ممکن ہے کہ بائع اور مشتری میں جھگڑا واقع ہو جائے اور ہر ایک دوسرے کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

۶؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا راوی نے۔

۷؎ اگر زیادہ ہوں تو میرے لیے اور میرا فائدہ اور اگر کم ہوں تو مجھ پر اور میرا نقصان، اس میں دو احتمال ہیں (۱) یہ خریدار کا قول ہے اگر درخت پر موجود میوے کی کمی یا زیادتی مراد ہو (۲) یہ بائع کا قول ہے اگر زمین پر موجود میوہ مراد ہے، دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں لفظ ثمر ہے ثاء کے ساتھ اور دوسری روایت میں تمر ہے تاء کے ساتھ مقصود عام ہے، خاص شے کا ذکر بطور مثال ہے۔

۲۷۱۲/۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقِ حِنْطَةٍ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يَّبِيْعَ الثَّمَرَ فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا، محاقلہ یہ ہے کہ آدمی کھیتی کو سو فرق[1] گندم کے عوض بیچے۔ مزابنہ یہ ہے کہ کھجور پر لگے ہوئے پھل کو سو فرق کے بدلے بیچے اور مخابرہ[2] زمین کو تہائی یا چوتھائی پر کرایہ پر دینا ہے۔ (مسلم شریف)

۱؎ فرق پہلا اور دوسرا حرف مفتوح، ایک پیمانہ ہے جو مدینہ طیبہ میں معروف ہے اس میں سولہ رطل (آٹھ سیر) آتے ہیں۔ فرْق (راساکن کے ساتھ) اس میں ایک سو بیس رطل (ڈیڑھ من) آتے ہیں۔ اسی طرح نہایہ میں ہے،

سو فرق کا ذکر مثال کے طور پر ہے مقصد کھڑی فصل کا گندم کے عوض بیچنا ہے جیسے کہ مزابنہ کے بیان میں گزرا، لیکن مزابنہ عام ہے پھل میں بھی ہوتی ہے اور غلے میں بھی، کبھی مزابنہ کو خاص پھل کے لیے استعمال کرتے ہیں اور محاقلہ کو کھیتی کے لیے، حقل کا معنی لغت میں کھیتی آتا ہے جب تک کہ سبز ہو۔

۲ یہ دوسری روایت کے موافق ہے، صحیحین کی روایت میں بیع ثمر ثمار کے ساتھ ہے۔

۳ مخابرت کو مزارعت بھی کہتے ہیں، لیکن مخابرت میں بیج مزارع کا ہوتا ہے اور مزارعت میں مالک کا۔ خبر خاء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، اس کا معنی حصہ ہے، بعض علماء نے کہا کہ اس کی اصل خیبر سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھجوریں اہل خیبر کے پاس رہنے دیں اور ایک معین حصہ ان پر مقرر فرما دیا، جب لوگوں نے اس معاملہ میں جھگڑا کیا تو اس سے منع فرما دیا، بعد ازاں اس کی اجازت دے دی، مخابرت کی صحت میں اختلاف[1] ہے، بعض علماء نے کہا کہ خبار نرم زمین کو کہتے ہیں۔

۲۷۱۳ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مُحاقلہ، مُزابنہ، مُخابرہ اور مُعاومہ[1] سے اور کچھ مستثنیٰ[2] کرنے سے منع فرمایا اور عرایا کی بیع میں رخصت دی۔ (مسلم شریف)

[1] معاومہ میم مضموم اس کے بعد عین، اور الف کے بعد واؤ، درخت کا میوہ اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ایک یا دو سال کے لیے فروخت کرنا، بعض علماء نے کہا اس کا معنی زمین کا دو سال کے لیے کرایہ پر لینا ہے۔

[2] الثُّنْیا ثاء مضموم، نون ساکن، اس کے بعد یاء دنیا کے وزن پر اس کا معنی ہے سودے میں سے نامعلوم چیز کا استثناء کرنا (مثلاً کہے کہ اس باغ کا پھل اتنے میں تیرے پاس بیچتا ہوں مگر دس من میرا ہوگا، اب معلوم نہیں باقی کتنا اور کیسا پھل بچے؟ اور بچے بھی یا نہیں۔ تو یہ مجہول کی بیع ہوگی لہٰذا ناجائز ہے۔ ۱۲ قادری)

---

[1] امام اعظم ابوحنیفہ اس حدیث کے پیش نظر اس سے منع فرماتے ہیں، صاحبین کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور حدیث خیبر ناسخ ہے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی) البتہ اگر حالات حاضرہ کے پیش نظر حکومت مزارعت پر پابندی لگائے تو اسے اختیار ہے۔ ۱۲ قادری)

۳ عرایا پہلے عین پھر راء اور الف کے بعد یاء، عریّۃ بیاء مشدد کی جمع، اس کا معنی ہے عطیہ اور عاریۃً دینا عریّہ وہی مزابنت ہے، ضرورت کے تحت، محتاجوں کو رخصت دی جن کے پاس کھجوروں کے درخت نہیں جن سے تر کھجوریں حاصل کر کے کھائیں اور نقدی بھی پاس نہیں کہ تر کھجور خرید لیں، البتہ ان کی خوراک میں سے کچھ چھوہارے بچ جاتے ہیں جن کے بدلے وہ درخت کے مالک سے تر کھجوریں خرید لیتے ہیں۔

مروی ہے کہ مدینہ منورہ کے حاجت مند حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ آپ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے اور ہم تر کھجوروں کا شوق رکھتے ہیں، ہمارے پاس سونا چاندی نہیں ہے جس کے بدلے ہم خریدیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کچھ شرائط کے ساتھ اجازت دے دی جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ایک شخص کی چند کھجوریں ایک دوسرے صاحب کے باغ میں تھیں یا تو باغ کے مالک نے اسے ہبہ کی تھیں یا وہ خود ان کا مالک تھا، باغ کا مالک اہل مدینہ کی عادت کے مطابق اپنے اہل و عیال کے ساتھ آکر باغ میں بیٹھتا تھا اور وہ پہلا شخص درختوں سے کھجوریں اتارنے آتا تھا جس سے باغ کے مالک کو تکلیف ہوتی تھی، لہٰذا باغ کے مالک کو اجازت دے دی گئی کہ درختوں کے پھل کے اندازے کے مطابق چھوہارے دے دے اور پھل خرید لے۔

۲۷۰۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا اَنَّهٗ رَخَّصَ فِی الْعَرِیَّةِ اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا یَاْکُلُهَا اَهْلُهَا رُطَبًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت سہل بن ابی حثمہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تر کھجور چھوہاروں کے بدلے میں فروخت کرنے سے منع فرمایا مگر[۲] عریّہ کے بارے میں اجازت دی کہ درخت کا پھل اندازے[۳] سے خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچا جائے تاکہ صاحب[۴] عریہ تر کھجور کھا سکے۔ (صحیحین)

۱ سہل بن ابی حثمہ حاء مفتوح اور ثاء ساکن، انصاری صحابی ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کی پیدائش ہجرت کے تیسرے سال میں ہوئی لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی احادیث سنیں، لیکن ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں شامل تھے جنگ احد کی رات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھی تھے اور بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں حاضر رہے۔

۲ اِلَّا اَنَّهٗ یہ ضمیر شان ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا مگر شان یہ ہے کہ عریہ میں رخصت دی۔

ـــه۳ بخرصها کی ضمیر عریہ کی طرف راجع ہے یا کھجور کے درخت کی طرف۔ کھجور کو بھی عریہ کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ اس کا اطلاق بیع پر آیا ہے، مطلب یہ کہ اندازہ کیا جائے کہ درخت کی کھجوریں خشک ہو کر کتنی ہو جائیں گی۔

ـــه۴ خریدار اور محتاج، جیسے کہ اہل احتیاج کا واقعہ بیان ہوا۔

۲۷۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ فِیْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ۔ اَوْ فِیْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاوٗدُ ابْنُ الْحُصَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رخصت دی کہ عرایا کو اندازے سے چھوہاروں کے بدلے میں بیچ دیا جائے، یہ رخصت پانچ وسق سے کم میں ہے یا پانچ وسق میں[1]؟ اس میں داؤد بن حصین[2] کو شک ہے۔ (صحیحین)

ـــه۱ کیونکہ یہ اجازت، خریدار کی ضرورت اور احتیاج کی بنا پر تھی اور اس کے لیے یہ مقدار کافی ہے۔ وسق ایک سو ساٹھ سیر کا ہے لہٰذا پانچ وسق آٹھ سو سیر ہوئے۔ الحکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں، ایک صاع قریبا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے۔ ۱۲ قادری)

ـــه۲ جو اس حدیث کے راوی اور حضرت عمرو بن عثمان بن عفان کے آزاد کردہ غلام ہیں، وہ ابن معین وغیرہ کے نزدیک ثقہ ہیں، بعض کے نزدیک وہ ضعیف ہیں، ابو حاتم نے فرمایا: اگر امام مالک اُن سے روایت نہ لیتے تو ان کی حدیث متروک ہوتی، ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت عکرمہ سے ان کی روایت کردہ حدیثیں منکر ہیں اور دیگر مشائخ سے درست ہیں، لہٰذا پانچ وسق سے کم میں بیع بالاتفاق جائز ہے، زائد میں ناجائز اور پانچ وسق میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے، اس میں بھی اختلاف ہے کہ رخصت فقراء کے لیے خاص ہے یا مالداروں کو بھی شامل ہے۔

۲۷۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِیَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پختگی[1] ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا، بیچنے اور خریدنے والے دونوں[2] کو منع فرمایا (صحیحین) امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ کھجور کے پھل کے سرخ اور زرد ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا اور[3] سٹہ جب تک سفید اور

السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَ يَأْمَنَ الْعَاهَةَ۔

آفت سے محفوظ نہ ہو جائے اس کے بیچنے سے منع فرمایا۔

لہ یعنی اس وقت بیچنے کی اجازت ہے جب پک جائیں، کمال کو پہنچ جائیں اور تباہ ہونے کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں۔

۲ہ بیچنے والے کو اس لیے کہ خریدار کا مال ضائع نہ ہو جائے اور خریدار کو اس لیے کہ اپنا مال ضائع نہ کرے، آخر خطرہ تو موجود ہے۔

۳ہ زہو خوبصورتی، زہاء دنیا کا معنی دنیا کی زینت ہے۔ صُراح میں ہے زُہُوّ کا معنی کھجور کے گچھے کا رنگ پکڑنا اور خوبصورت دکھائی دینا ہے۔

۴ہ مقصد یہ ہے کہ پھل آفت سے محفوظ ہو جائے، جن رنگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ محفوظ ہونے کی علامت ہیں۔

۲۷۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ قِيْلَ وَ مَا تُزْهِيْ قَالَ حَتّٰى تَحْمَرَّ وَ قَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ رنگ پکڑ جائیں عرض کیا گیا کہ رنگ پکڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا سُرخ ہو جائیں اور فرمایا! یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک دے تو تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کا مال کس بنا پر کھائے گا؟

(صحیحین)

لہ یعنی پک جائیں اور کمال کو پہنچ جائیں ـــــ تُزْهِيَ تاء مضموم، زاء ساکن اور ہاء مکسورہ، اس کا اور گزشتہ حدیث میں مذکور تَزْهُوَ کا ایک ہی معنیٰ ہے، زَهَا يَزْهُوْا اور اَزْهٰى يُزْهِيْ دونوں طرح کہا جاتا ہے۔

۲۷۱۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَ اَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی سالوں تک کی بیع سے منع فرمایا، اور آفتوں کے سہما کرنے کا حکم دیا۔

(مسلم شریف)

إِلَّا مِثْلَهُ.

طرح ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

ا۔ خواہ وہ غلہ ہو یا اس کے علاوہ، وہ غلے کی طرح ہے کہ قبضے سے پہلے بیچی نہیں جا سکتی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غلے کے ماسوا کو غلے پر قیاس کیا ہے۔

۲۷۲۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بیع کے لیے سواروں سے پہلے ہی نہ جا ملو[1] تم میں سے بعض دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے[2] اور قیمت نہ بڑھاؤ[3] اور شہری، دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے[4]، اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکو[5]، جس نے اس کے بعد اسے خریدا تو اُسے دوہنے کے بعد دو چیزوں میں سے بہتر کا اختیار[6] ہے، اگر اسے پسند کرے تو رکھ لے، اور اگر پسند نہ کرے تو ایک صاع چھوہاروں[7] کے ساتھ اسے واپس کر دے (صحیحین)

امام مسلم کی روایت میں ہے جس نے ایسی بکری خریدی جس کا دودھ روکا گیا تھا تو اسے تین دن تک اختیار ہے اگر اسے واپس کرے تو گندم کے علاوہ کسی غلہ کا ایک صاع ساتھ دے[8]۔

ا۔ لا تلقوا تاء مفتوح اور قاف مشدد مفتوح ــــــ مثلاً قافلہ غلہ لے کر آ رہا ہے۔ ابھی وہ شہر اور بازار میں نہیں پہنچا کہ ایک جماعت آگے جا کر غلہ خرید لیتی ہے اور اسے شہر میں آکر بازار میں فروخت نہیں کرنے دیتی۔ (دینا جائز ہے)

۲۔ اس جگہ بیع خریدنے کے معنی میں ہے، مثلاً ایک شخص کوئی چیز خرید رہا ہے، بائع اور مشتری باہم راضی ہو چکے ہیں، ایک دوسرا شخص آتا ہے ان کا سودا ختم کر کے خود خرید لیتا ہے تو یہ بُرا ہے اور اگر اس کا ارادہ خریدنے کا نہیں ہے محض ان کا سودا ختم کرانا چاہتا ہے تو یہ اور بھی زیادہ بُرا ہے۔

لہ اسے بیع المعادمت کہتے ہیں، اس سے پہلے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔
لہ مثلاً ایک شخص نے پھل خریدا اور وہ آفت کا شکار ہوگیا تو بائع کو چاہیے کہ طے شدہ قیمت میں سے کچھ کم کر دے یا خریدار کو واپس دے دے، اگرچہ سودا مکمل ہو چکا ہے۔ یہ استحبابی حکم ہے ــــ جوائح جمع ہے جائحۃ کی، جوح کا معنیٰ اچانک ہلاک کرنا اور جڑ سے اکھیڑ دینا ہے اور جائحہ اس سے مشتق ہے۔

۲۷۱۹/۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اُن ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو اپنے بھائی کے پاس پھل فروخت کرے اور اسے آفت لاحق ہو جائے تو تیرے لیے اس سے کچھ بھی لینا جائز نہیں[1]۔ تو اپنے بھائی کا مال، ناحق کیوں لے گا؟ (مسلم شریف)

لہ یہ اس صورت میں ہے کہ پھل بالکل تباہ ہو جائے اور اگر آفت کے لاحق ہونے سے ناقص ہو گیا ہے تو کچھ پیسے کم کر دینے چاہئیں جیسے کہ گزشتہ حدیث میں فرمایا۔

۲۷۲۰/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوْا يَتَبَايَعُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ اَعْلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُوْنَهُ فِيْ مَكَانِهٖ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهٖ فِيْ مَكَانِهٖ حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام بازار کے بالائی حصے میں غلہ[1] خریدتے تھے اور اسی جگہ اسے بیچ دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اسے منتقل کریں[2]۔ (ابوداؤد) مجھے یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں[3] ملی۔

لہ یعنی گندم اور جو وغیرہ۔ یَتَبَایَعُوْنَ پہلے تاء، پھر باء، بعض نسخوں میں یَبْتَاعُوْنَ ہے پہلے باء پھر تاء۔
لہ یعنی قبضہ کر لے اور وصول کرنے سے پہلے۔
لہ یعنی قبضہ کریں اور وصول کر لیں، بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلہ خریدنے کے بعد اسی جگہ فروخت نہیں کرنا چاہیے، بلکہ دوسری جگہ لے جا کر فروخت کیا جائے، لیکن علماء فرماتے ہیں کہ منتقل کرنے سے مراد قبضہ لینا ہے، یعنی پہلے قبضہ لیا جائے پھر فروخت کیا جائے، قبضے سے پہلے فروخت نہ کیا جائے؛ اور اگر قبضے کے بعد

اسی جگہ فروخت کرے جہاں سے خریدا ہے تو حرج نہیں ہے چنانچہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے فرمایا حَتّٰی یَسْتَوْفِیَہٗ یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرے۔ آئندہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے، آج کل رواج ہے آرڈر دے کر بیرونی ملک سے مال منگوایا جاتا ہے، ابھی وہ مال پہنچا بھی نہیں کہ آگے بیچ دیا جاتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ ۱۲ قادری)

سلہ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہ حدیث پہلی فصل میں کیوں ذکر کی؟ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ امام بخاری یہ حدیث باب نَہْیِ التَّلَقِّیْ، کِتَابُ الْبُیُوْعِ میں لائے ہیں، حرف بحرف یہی روایت ہے، گویا اس جگہ حضرت مؤلف کا تتبع قاصر اور نا تمام ہے، یہ بھی لکھا کہ شیخ جزری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے علاوہ ابو داؤد، نسائی اور بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔

۲۷۲۱/۱۱ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعْہُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰی یَکْتَالَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص طعام خریدے تو وہ قبضہ[1] کیے بغیر اسے نہ بیچے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے: یہاں تک کہ اسے ماپ لے۔ (صحیحین)

سلہ قبضے سے پہلے کسی چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے، امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول۔ زمین وغیرہ، امام مالک کے نزدیک طعام میں جائز نہیں ہے۔ اس کے ماسوا میں جائز ہے، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین میں جائز ہے، امام احمد کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے کیونکہ زمین کا ہلاک ہونا نادر ہے۔

۲۷۲۲/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَّا الَّذِیْ نَھٰی عَنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھُوَ الطَّعَامُ اَنْ یُّبَاعَ حَتّٰی یُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا اَحْسِبُ کُلَّ شَیْءٍ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ غلہ قبضے سے پہلے بیچ دیا جائے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہر چیز غلے[1] کی

سلہ قبضے کی مختلف صورتیں ہیں مکان میں اپنا سامان رکھ دینا یا اپنا قفل لگا دینا، زمین میں حد بندی کر کے اپنی اینٹ گاڑ دینا قبضہ ہے، وزنی کیلی چیز کا وزن ناپ کر لینا قبضہ ہے۔ ۱۲ مرآۃ

۳ۃ لغت میں نجش کا معنی شکار کو برانگیختہ کرنا ہے، شریعت میں اس کا مطلب یہ ہے ایک آدمی بیچنے والے کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سودے کی تعریف کرتا ہے یا قیمت زیادہ لگا دیتا ہے تاکہ دوسرا سنے اور خریدنے پر مجبور ہو جائے۔

۴ۃ ایک دیہاتی غلہ لے کر شہر آتا ہے تاکہ آج کے بھاؤ کے مطابق فروخت کرے، شہری اس سے غلہ لے کر رکھ لیتا ہے تاکہ آہستہ آہستہ قلت پیدا ہو اور قیمت بڑھ جائے، دیہاتی اگر آج بیچتا تو شہر والوں کو سہولت اور فراخی حاصل ہوتی، شہری نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔

۵ۃ لاتصروا اس کے پڑھنے کی دو روایتیں ہیں (۱) تاء مفتوح اور صاد مضموم ہو۔ (۲) تاء مضموم اور صاد مفتوح ہو۔ تصریہ کا معنی یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کا دودھ نہ دوہا جائے تاکہ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے، خریدار دھوکا کھا کر زیادہ قیمت پر خریدے۔

۶ۃ یہ اس وقت ہے جب دوہنے کے بعد دودھ کم نکلے، آئندہ ان دو چیزوں کا بیان ہے۔

۷ۃ یہ چھوہارے اس دودھ کے عوض ہیں جو اس نے دوہا ہے، بعض علماء کے نزدیک غلے کا ایک صاع دے دے خواہ چھوہارے ہوں یا ان کے علاوہ، چھوہارے کا ذکر بطور مثال ہے، لیکن حدیث میں چھوہاروں کا صراحۃً ذکر ہے اس لیے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی تعیین مراد ہے۔

۸ۃ اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گندم کے علاوہ غلے کا ایک صاع ساتھ دے، لیکن علماء نے فرمایا کہ چھوہارے دینا متعین ہے ان کے علاوہ کوئی اور چیز گندم وغیرہ دینا جائز نہیں ہے، خاص طور پر گندم کی نفی اس لیے کی کہ لفظ طعام سے عام طور پر اسی کی طرف ذہن جاتا ہے، چھوہاروں کی تعیین اس لیے کی کہ وہ عام طور پر اہل عرب کی خوراک ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ کسی بھی طعام کا صاع دینا واجب ہے خاص طور پر گندم کا دینا واجب نہیں ہے بلکہ ایک صاع چھوہارے یا کھجور یا ان کے علاوہ دے، اس مسئلے میں اختلاف ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور اس کی تحقیق اصول فقہ میں کی گئی ہے[۱] ۔

---

[۱] امام شافعی نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ دودھ کم ہو یا زیادہ خریدار کو ایک صاع چھوہارے دینے پڑیں گے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس کے ظاہر پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ حدیث کتاب وسنت اور اجماع و قیاس کے خلاف ہے، (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریدار نے جتنا دودھ پیا اتنا ہی واپس کرے یا اس کی قیمت (۲)، حدیث شریف میں اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ نفع، ضمانت کے مطابق، اس سے بھی (بقیہ صفحہ آئندہ)

۲۷۲۴/۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: باہر سے لائے جانے والے غلے[1] کو راستے میں ہی نہ جا ملو لیکن جو راستے میں ہی جا ملے اور اس سے خریدے تو جب اس غلے کا مالک بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے[2]۔

(مسلم شریف)

[1] جلب جیم اور لام دونوں مفتوح، وہ غلہ جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لایا جائے، اور اس سے ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شہری غلہ لانے والوں کے پاس جائے اور ان سے غلہ خریدے جیسے کہ اس سے پہلے سواروں سے ملاقات کا مطلب بتایا جا چکا ہے، اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ممنوع ہے جب کہ شہر والوں کو نقصان پہنچائے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز اس کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ نرخ بیان کرنے میں سوداگروں کو دھوکا نہ دے اور اگر دھوکے اور فریب سے کام لے تو یہ بالاتفاق ممنوع ہے۔

[2] کہ چاہے تو سودے کو برقرار رکھے اور چاہے تو منسوخ کر دے، اگر خریدار نے شہر کے نرخ سے کم پر مال خریدا ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث کے عموم اور اطلاق کے پیش نظر سوداگر کو ہر صورت میں اختیار ہے چاہے خریدار جس قیمت پر بھی خریدے

۲۷۲۵/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا اِلَى السُّوْقِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: باہر سے لائے جانے والے مال سے راستے ہی میں نہ جا ملو، یہانتک کہ اسے بازار میں اتارا جائے۔

(صحیحین)

(بقیہ صفحہ سابقہ) معلوم ہوا کہ جتنا نفع حاصل کیا ہے ضمانت بھی اتنی ہی ہو گی (۳) اس پر اتفاق ہے کہ کسی چیز کے ضائع ہونے کی صورت میں مثل واجب ہے یا قیمت (۴) قیاس یہ ہے کہ جو چیز ضائع ہو جائے تو اس کی ضمانت ثمن، مثل یا قیمت سے دی جائے گی جب کہ چھوہارے نہ تو دودھ کی مثل ہیں نہ اس کی قیمت، ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے (الفوائد البہیتہ، مطبوعہ میر محمد، کراچی، ج ۲ ص ۲۱۸) ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ سود کے حرام کیے جانے سے پہلے کی بات ہے جب معاملات میں اس قسم کی چیزیں جائز رکھی جاتی تھیں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، جیسے کہ ابن الملک نے شرح مشارق میں کتب سیر کے حوالے سے ذکر کیا (مرقاۃ، مطبع امدادیہ، ملتان ج ۶ ص ۷۶) قادری۔

۲۷۲۶/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبْ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام دے[1]۔ ہاں مگر جب کہ وہ اسے اجازت دے دے[2]۔ (مسلم شریف)

[1] جب کہ ان میں معاملہ طے پا چکا ہو۔

[2] یعنی جب اس کا بھائی اسے کہہ دے میں نہیں خریدتا تم خرید لو، یا میں اس عورت کے پیغام نکاح سے دست بردار ہوتا ہوں تم پیغام دے دو (تو پھر جائز ہے)

۲۷۲۷/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے[1] (مسلم شریف)

[1] یعنی اگر اس کا اسلامی بھائی خریداری میں دلچسپی رکھتا ہے تو دلچسپی نہیں رکھنی چاہیے، ذمی کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۷۲۸/۱۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِّنْ بَعْضٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شہری، دیہاتی کے لیے فروخت نہ کرے[1]، لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو[2]۔ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

[1] اس کا مطلب اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

[2] یعنی دیہاتیوں کو چھوڑ دو کہ وہ غلہ باہر سے لائیں اور شہر میں سستا فروخت کریں اور شہریوں کے لیے وسعتِ رزق کا باعث بنیں۔ جیسے کہ عام طریقہ ہے۔

۲۷۲۹/۱۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ نَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهٖ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يُقَلِّبُهٗ إِلَّا بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَّنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهٖ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهٗ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ بَيْعَهُمَا مِنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ وَاللِّبْسَتَيْنِ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالصَّمَّاءُ أَنْ يَّجْعَلَ ثَوْبَهٗ عَلٰى أَحَدِ عَاتِقَيْهِ فَيَبْدُوْ أَحَدُ شِقَّيْهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْأُخْرٰى اِحْتِبَاؤُهٗ بِثَوْبِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

طرح کپڑا پہننے اور دو تجارتوں سے منع فرمایا، آپ نے چھونے کی بیع اور پھینکنے کی بیع سے منع فرمایا چھونے کی بیع یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے کے کپڑے کو دن یا رات کے وقت چھو لے، چھونے کے علاوہ اسے الٹ پلٹ کر نہ دیکھے[1] پھینکنے کی بیع یہ کہ ایک مرد اپنا کپڑا دوسرے کی طرف اور دوسرا اس کی طرف پھینک دے، دیکھنے جانچنے اور رضامندی کے بغیر یہی ان کی بیع ہو، کپڑا پہننے کی دو ممنوع قسموں[2] میں سے ایک قسم صماء ہے اور وہ یہ کہ اپنا کپڑا اپنے ایک کندھے پر ڈال لے اور دوسری جانب کھلی رہے اس پر کپڑا نہ ہو۔[3] دوسری قسم یہ کہ بیٹھ کر کپڑا اپنے گرد اس طرح لپیٹ لے کہ شرم گاہ پر کچھ نہ ہو۔[4]

(بخاری، مسلم)

[1] یعنی بیع کی جن دو قسموں سے منع فرمایا وہ یہ ہیں (۱) ملامسہ (۲) منابذہ، تجارت کی یہ دونوں قسمیں دور جاہلیت میں رائج تھیں، ان کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں (۱) ملامسہ لمس سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہاتھ لگانا ہے ایک شخص کہے کہ جب تو میرے کپڑے کو ہاتھ لگا لے یا میں تیرے کپڑے کو ہاتھ لگا لوں تو دونوں کپڑوں کی بیع لازم ہو جائے گی۔ (۲) ملامسہ کا معنی یہ ہے کہ دیکھے بغیر سامان کو کپڑے کے اوپر سے یا تاریکی میں چھوا جائے اور اسے کھولے اور دیکھنے بغیر سودا کر لیا جائے (۳) الٹ پلٹ کر دیکھنا ہی چھونا ہے جس سے اختیار ختم ہو جاتا ہے ــــــ ان اقوال سے ظاہر ہے کہ فروخت کیے جانے والے کپڑے میں گفتگو ہے۔ ایک تعریف حضرت مصنف نے خود مشکوٰۃ شریف میں کی ہے جو بعد میں آرہی ہے۔

ــــہ۲ یعنی حق تو یہ تھا کہ کپڑے کو کھول کر اور الٹ پلٹ کر دیکھتا، لیکن اس نے کھول کر نہیں دیکھا، صرف چھونے پر اکتفاء کیا حالانکہ چھونے سے کھول کر دیکھنے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، یہ تفسیر مُلامَسَہ کی تینوں تفسیروں کی جامع ہے۔

ــــہ۳ ذٰلِکَ کا اشارہ پھینکنے کی طرف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ کپڑے کا ایک دوسرے کی طرف پھینکنا ہی دونوں کپڑوں کی بیع ہے، یا ان دونوں افراد کی بیع ہے (یعنی بَیْعُھُمَا کی ضمیر دو کپڑوں کی طرف راجع ہے یا دو مردوں کی طرف ۱۲ قادری) ـــــ مُلَامَسَہ میں ایک دوسرے کے کپڑے کو چھونا تھا اور مُنَابَذَہ میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا پھینکنا ہے ـــــ بعض علماء نے کہا کہ مُنَابَذَہ یہ ہے کہ ایک شخص کہے کہ جب میں تیری طرف کنکر پھینک دوں تو بیع لازم ہو جائے گی، یہ تو ہوئیں بیع کی دو ممنوع قسمیں (کپڑا پہننے کی دو ممنوع قسمیں بعد میں آرہی ہیں ۱۲ قادری)

ــــہ۴ بعض نسخوں میں ہے وَاللِّبْسَتَانِ، صَمَّاء صاد مفتوح، میم مشدد اور اس کے بعد الف ممدودہ۔

ــــہ۵ صَمَّاء کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک اپنے بدن کو ایک کپڑے میں اس طرح لپیٹ لے کہ کوئی سوراخ باقی نہ رہے اور ہاتھ بھی اندر ہی رہیں، کپڑا جسم کے اوپر لپیٹنے کے اعتبار سے اسے اشتمال کہتے ہیں؛ اور کوئی سوراخ باقی نہ رہنے کے سبب اُسے صَمَّاء کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ سخت پتھر جس میں سوراخ اور شگاف کی گنجائش نہ ہو اسے صَخْرَہ صَمَّاء کہتے ہیں اور صِمَام تا، وہ اس چیز (کاک) کو کہتے ہیں جس کے ساتھ شیشی کا منہ بند کیا جاتا ہے ـــــ ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رکوع اور سجود کی حالت میں شرمگاہ کے منکشف ہونے کا احتمال ہے، دوسری وجہ دونوں ہاتھوں کا پوشیدہ ہونا ہے جب کہ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا ننگا ہونا سنت ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا، فقہاء کے نزدیک اشتمالِ صَمَّاء یہ ہے کہ جسم کو ایک کپڑے سے ڈھانپے اور ایک جانب سے اٹھا کر کندھوں پر رکھ لے جس سے شرمگاہ منکشف ہو جائے؛ حضرت مصنف کی عبارت اسی طرف مشیر ہے۔

ــــہ۶ اِحْتِبَاء کا معنی ہے دونوں ہاتھوں کا زانوؤں کے گرد حلقہ بنا کر سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھنا، کبھی زانوؤں کے گرد چادر لپیٹ لی جاتی ہے، اب اگر دوسرا کپڑا نہ ہوا تو شرمگاہ برہنہ ہوگی، ہاتھوں سے گھٹنوں کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھنا سنت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحن کعبہ میں اس طرح تشریف فرما ہوئے، اور اگر برہنہ ہونے کا خدشہ نہ ہو تو کپڑے کے لپیٹنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

۲۷۳۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْحَصَاۃِ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے کی بیع[۱] اور دھوکے کی بیع[۲] سے منع فرمایا۔

(مسلم شریف)

لہ حصا کنکر اور حصاۃ ایک کنکر، ـــــ اس کی صورت یہ ہے کہ خریداری کرتے وقت جس چیز پر کنکر پھینکتے اس کی بیع لازم ہوجاتی، بعض علماء نے کہا کہ چند چیزوں میں سے ایک چیز خریدتے وقت یہ شرط لگاتے کہ جس چیز پر کنکر گرے اسی کا سودا ہوگیا یا جہاں تک کنکر جائے وہاں تک کی چیز کا سودا ہوگیا۔

۲ہ غرر غین مفتوح، اس کے بعد دو مرتبہ راء، یہ غرور سے ہے اس کا معنی فریب ہے، دھوکے کی بیع کئی قسم کی صورتوں کو شامل ہے، اس سے پہلے چھونے کی بیع، پھینکنے کی بیع، کنکر پھینکنے کی بیع وغیرہ جتنی قسمیں بیان ہوئی ہیں وہ سب اس کی قسمیں ہیں، ان کو الگ اس لیے ذکر کیا گیا کہ وہ زمانۂ جاہلیت کی مشہور تجارتیں تھیں، دھوکا کئی طرح کا ہوتا تھا (۱) سودا نامعلوم ہوتا (۲) ثمن (قیمت) نامعلوم ہوتا (۳) اس کی سلامتی مجہول ہوتی (۴) مدت نامعلوم ہوتی۔

(۵) اس کا ادا کرنا اور سپرد کرنا طاقت سے باہر ہوتا جیسے مفرور غلام کی بیع یا ہوا میں اڑنے والے پرندے کی بیع، دھوکا کبھی معمولی ہوتا ہے اور جہالت بعض اوقات قابل برداشت اور لائق چشم پوشی ہوتی ہے، کیونکہ اجرت دے کر حمام میں جانے (کے جواز) پر اتفاق ہے، حالانکہ پانی صرف کرنے اور وہاں ٹھہرنے کے وقت میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح بہشتی سے پانی پینے کے جواز پر اجماع ہے حالانکہ جس قدر پانی پیا جائے گا وہ معلوم نہیں پھر پینے والوں کی عادت بھی مختلف ہوگی، ایسے امور سے مشقت کے بغیر نہیں بچا جاسکتا اور ان کی طرف احتیاج بھی ہے اس لیے انہیں جائز قرار دیا گیا۔

۲۷۳۱/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهٗ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلٰى اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حمل کے حمل لہ کی بیع سے منع فرمایا، یہ ایک بیع تھی جس کا اہل جاہلیت کاروبار کرتے تھے، ایک شخص ۲ اونٹ خریدتا یہاں تک کہ اونٹنی بچہ دے پھر اس کی بچی بچہ دے ۳۔ (صحیحین)

لہ حَبَل اور حَبَلہ کے پہلے دونوں حرف مفتوح ہیں، اس کا معنی پیٹ کا بچہ ہے، مشارق میں ہے کہ دونوں میں حاء اور باء دونوں پر فتحہ ہے، حبل میں باء ساکن کے ساتھ بھی روایت ہے، البتہ اس پر زبر زیادہ واضح اور زیادہ صحیح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اونٹنی کے پیٹ میں جو بچی ہے وہ جوان ہوکر جو بچہ دے گی وہ فروخت کیا جائے لہٰذا یہ حمل کے حمل کی فروخت ہوئی، یہ معدوم کی بیع ہے جس کی ابھی پیدائش ہی نہیں ہوئی، اور اگر وہ بچہ فروخت کیا جائے جو

ابھی پیٹ میں ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے چہ جائیکہ اس کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ فروخت کیا جائے، حدیث میں حمل کے حمل کا ذکر اس لیے ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اسی کی بیع کا رواج تھا۔ بعض علماء نے فرمایا اس بیع سے مراد یہ ہے کہ خریدار کہے کہ میں کچھ قیمت اس وقت ادا کروں گا جب وہ بچی جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے۔ حاملہ ہو جائے جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود اس حدیث میں تفسیر فرمائی ہے۔

۲؎ جزور جیم مفتوح اور زاء مضموم، کاشتکاری کے کام آنے والا اونٹ خواہ وہ نر ہو یا مادہ، البتہ یہ لفظ مؤنث ہے۔

۳؎ یہ بھی دھوکے کی بیع ہے۔

۲۷۳۲ / ۲۲ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت[۱] سے منع فرمایا۔ (بخاری شریف)

۱؎ صراح میں ہے عسب عین مفتوح اور سین ساکن، نر کے مادہ پر جست کرنے (کراسنگ)، کے کرایہ دینے اور جانور کے نطفہ کو بھی کہتے ہیں ــــ مطلب یہ ہے کہ اس فعل کا کرایہ دینا اور لینا ممنوع ہے، اس میں جہالت ہے کیونکہ نر کبھی جست کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا، پھر مادہ کبھی حاملہ ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، اکثر صحابہ اور فقہاء نے اسے حرام قرار دیا ہے، بعض نے اس خوف کے تحت کہ نسل ہی منقطع نہ ہو جائے اس کی اجازت دی ہے؛ یہ مقصد مفت دینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مفت دینا مستحب ہے، عاریۃً دینے کے بعد دوسرا آدمی اگر کچھ دے تو اس کا دینا اور لینا درست ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔

۲۷۳۳ / ۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْاَرْضِ لِتُحْرَثَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ کو جفتی کے لیے کرایہ پر دینے اور کاشتکاری کے لیے پانی اور زمین کے بیچنے[۱] سے منع فرمایا۔ (مسلم شریف)

۱؎ اس حدیث کا وہی مطلب ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے، اس جگہ بیع سے مراد کرایہ پر دینا ہے، ضراب کا معنی، نر کا مادہ پر چھلانگ لگانا ہے ــــ حدیث سابق میں نر کا ذکر ہے جو اونٹ وغیرہ کو شامل ہے، اس حدیث میں

خاص طور پر اونٹ کا ذکر ہے۔

۲ یہ مخابرہ پر محمول ہے یعنی زمین کا پیداوار کے تہائی یا چوتھائی حصہ کے کرایہ پر دینا مخابرہ میں اختلاف ہے جیسے کہ فصل کی ابتدا میں مذکور ہوا۔

۲۷۳۴/۲۴ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاۤءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اُن ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زائد پانی کے بیچنے سے منع فرمایا[1] (مسلم شریف)

[1] اگر کسی شخص کے پاس اس کی حاجت سے زیادہ پانی موجود ہے اور لوگ اس کی حاجت رکھتے ہیں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ لوگوں کو اس کے حاصل کرنے سے منع کرے اور اُن کے ہاتھ فروخت کرے، گھاس کا بھی یہی حکم کہ اس سے منع نہیں کرنا چاہیے، ہاں اگر مالک نے اسے باڑ وغیرہ کے ذریعے محفوظ کیا ہوا ہے جسے ممنوعہ علاقہ کہا جاتا ہے (تو اس کی گھاس فروخت کر سکتا ہے ــــ حاجت سے زائد پانی اگر کوئی پینا چاہے تو اسے نہ منع کرے اور نہ ہی فروخت کرے، اور اگر کوئی شخص اپنے کھیت کو سیراب کرنا چاہے تو اس کے پاس بیچ سکتا ہے، مرآۃ و مرقاۃ ۱۲ قادری)

۲۷۳۵/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاۤءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَاُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زائد پانی فروخت نہ کیا جائے کہ اس کے ذریعے گھاس فروخت کی جائے[1] (صحیحین)

[1] یعنی پانی کے فروخت کرنے سے گھاس کا فروخت کرنا لازم آئے گا، کیونکہ جب ایک شخص دوسرے کے کنوئیں کے آس پاس جانور چرانا چاہتا ہے اور کنوئیں کا مالک قیمت لیے بغیر پانی پلانے نہیں دیتا تو وہ پانی کے خریدنے پر مجبور ہو جائے گا اس طرح پانی کا بیچنا گھاس کا بیچنا قرار پائے گا، اور گھاس کا فروخت کرنا تو ممنوع ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی۔

۲۷۳۶/۲۶ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر غلے کے ایک ڈھیر[1] پر ہوا، آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کر دیا، آپ کی

يَدَهٗ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انگلیوں کو تری لگ گئی، آپ نے فرمایا: اے صاحب غلہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اس پر بارش پڑ گئی تھی، فرمایا: تو نے اسے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جس نے دھوکا دیا[3] وہ مجھ سے نہیں۔

(مسلم شریف)

[1] صُبْرَۃ صاد مضموم اور با ساکن، گندم یا جو وغیرہ غلہ جو ناپ تول کے بغیر اکٹھا کر دیا گیا ہو۔
[2] یعنی یہ تری کہاں سے آئی؟ اور اسے تر کیوں کیا؟
[3] یعنی جس نے خیانت کی اور مسلمانوں کی خیر خواہی ترک کی وہ مجھ سے نہیں اور میرے طریقہ پر نہیں

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۲۷۳۴ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الثُّنْيَا اِلَّا اَنْ تُعْلَمَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیع میں استثناء[1] کرنے سے منع فرمایا مگر جب کہ اس کی مقدار معلوم ہو[2]۔

(ترمذی شریف)

[1] ثُنْیَا تا مضموم اور نون ساکن، استثناء کرنا، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فروخت کیے جانے والے مال کے کچھ حصہ کو الگ کرنے سے منع فرمایا، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز فروخت کی مگر کچھ حصہ نہیں، اس وقت سودا مجہول رہ گیا۔
[2] یہ معلوم ہو کہ کتنی مقدار مستثنیٰ ہے مثلاً تہائی، چوتھائی، دس پیمانے یا بیس پیمانے۔

۲۷۳۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ [illegible] حَتّٰى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ هٰكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگور کے بیچنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ سیاہ ہو جائے[1] اور دانوں کے بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سخت ہو جائیں[2]، امام ترمذی اور ابو داؤد نے

عَنْ اَنَسٍ وَّ الزِّیَادَۃُ الَّتِیْ فِی الْمَصَابِیْحِ وَھِیَ قَوْلُہٗ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الثَّمَرِ حَتّٰی تَزْھُوَ اِنَّمَا ثَبَتَتْ فِیْ رِوَایَتِھِمَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ حَتّٰی تَزْھُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

حضرت انس سے اسی طرح روایت کی، مصابیح میں یہ بھی ہے کہ چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ پک جائیں[۱] یہ زیادتی امام ترمذی اور ابو داؤد کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما[۵] سے ہے انہوں نے فرمایا کہ کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ سرخ ہو جائے، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱ مطلب یہ ہے کہ انگور تیار ہو جائیں جیسے کہ دوسرے پھلوں کے بارے میں سرخ اور زرد ہونے کا ذکر ہے۔

۲ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ دانے تیار ہو جائیں۔

۳ ایک نسخے میں عَنْ بَیْعِ الثَّمَرِ ثمار کے ساتھ ہے،

۴ جیسے کہ فصل اول کی پانچویں حدیث میں بیان ہوا۔

۵ یہ کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہ جملہ حضرت انس کی روایت میں بحوالہ ترمذی و ابو داؤد ذکر کر دیا حالانکہ یہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کہ ان کی روایت میں بھی عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ ہے بَیْعِ الثَّمَرِ نہیں ہے ۱۲ مرآۃ)

۲۷۳۹/۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْکَالِیِٔ بِالْکَالِیِٔ.

(رَوَاہُ الدَّارُقُطْنِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار[۱] سے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

(دار قطنی)

۱ کالی ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے، یہ کلأ سے ماخوذ ہے جس کا معنی مؤخر ہونا ہے، ادھار کی ادھار سے بیع کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک شخص کوئی چیز ایک مدت کے ادھار پر خریدتا ہے، وقت معین آنے پر اس کے پاس ادائی کے پیسے قیمت نہیں ہے، وہ بائع کو کہتا ہے کہ تم میرے پاس یہی چیز ایک دوسری مدت کے ادھار پر فروخت کر دو اور قیمت میں کچھ اضافہ کر دو، تو وہ اس چیز کو قبض کیے بغیر زائد قیمت پر فروخت کر دیتا ہے (یہ ناجائز ہے) اصل میں یہ قبض سے پہلے بیع کرنے سے ممانعت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کا عمرو کے ذمہ ایک کپڑا ہے معین صفت والا، اور بکر کے بھی عمرو پر دس روپے ہیں، اب زید، بکر کو کہتا ہے کہ

میں نے تمہارے پاس وہ کپڑا فروخت کیا جو عمرو کے ذمہ ہے ان دس روپوں کے بدلے جو تم نے عمرو سے لینے ہیں، اس نے قبول کر لیا، یہ بیع بھی ناجائز ہے وجہ وہی ہے کہ یہ قبض سے پہلے بیع ہے۔

۲۷۴۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔

(امام مالک، ابو داؤد، ابن ماجہ)

لہ العربان عین مضموم، راء ساکن، اس کے بعد باء، اسے بیع العربون بھی کہتے ہیں، اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ خریدار سامان خریدتے وقت کچھ رقم دے دے اور بیچنے والے کو کہے کہ تو سوچ بچار کرے اگر تو فروخت کرنے کا فیصلہ کرے تو باقی قیمت بھی دے دوں گا اور اگر تو بیچنے سے ناخوش ہوا تو سودا واپس کر دوں گا اور جو رقم میں نے تجھے دی ہے وہ ضبط، اس کا مقصد سودے کو پختہ کرنا ہوتا ہے تاکہ کوئی دوسرا نہ خرید لے، یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ اس میں شرط بھی ہے اور دھوکا بھی (ایک صورت یہ ہے کہ گاہک کچھ رقم دے کر کہتا ہے کہ فلاں تاریخ تک پوری رقم دے کر مال اٹھالوں گا ورنہ یہ رقم ضبط، جیسا کہ آج کل عام رواج ہے ۱۲ مرآۃ)

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک یہ بیع جائز ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس بیع کا جائز قرار دینا مروی ہے۔

۲۷۴۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت علی مرتضیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجبور[1] کی بیع، دھوکے کی بیع[2] اور پھل کے پکنے سے پہلے کی بیع سے منع فرمایا۔

(ابو داؤد)

لہ وہ شخص کہ اپنے اختیار سے نہیں بیچتا بلکہ اسے مجبور کیا گیا ہے۔ علامہ طیبی نے [illegible] مطلب [illegible] جسے مجبور کیا گیا ہو اس سے کوئی چیز نہیں خریدنا چاہیے تاہم یہ عقد کراہت کے ساتھ [illegible] سے فرمایا کہ مضطر سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو مقروض ہے یا اس پر کوئی ذمہ داری آپڑی ہے لہٰذا ضرورت کے تحت [illegible]

وہ اپنا مال سستا بیچ رہا ہے تو مروت کا تقاضا ہے کہ اس کا مال نہ خریدا جائے بلکہ قرض یا عطیہ دے کر اس کی امداد کی جائے۔

۲؎ بَیْعُ الْغَرَرِ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بیع جس میں دھوکا ہو یا سودا نامعلوم ہو، یا اس کا خریدار کے سپرد کرنا دشوار ہو، اس کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۲۷۴۲/۳۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ كِلَابٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهٗ فِي الْكَرَامَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو کلاب کے ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نر کو جفتی کے لیے کرایہ پر دینے کے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے منع فرمایا، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نر عاریتہً[1] دیتے ہیں اور ہمیں یونہی بطور ہدیہ کچھ دے[2] دیا جاتا ہے تو آپ نے اسے ہدیہ لینے کی اجازت دے دی۔ (ترمذی)

۱؎ صراح میں ہے کہ اِطْرَاقٌ کا معنی جفتی کے لیے نر کا عاریتہً دینا ہے۔

۲؎ بطور اجرت کچھ طے کیا ہوا نہیں ہوتا۔

۲۷۴۳/۳۳ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِاَبِيْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَاْتِيْنِي الرَّجُلُ فَيُرِيْدُ مِنِّي الْبَيْعَ وَلَيْسَ عِنْدِيْ فَاَبْتَاعُ لَهٗ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ۔

حضرت حکیم بن حزام[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو[2] (امام ترمذی) امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ایک شخص میرے پاس آتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں کوئی چیز اسے فروخت کروں، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی، میں اس کے لیے بازار سے خرید لیتا ہوں، فرمایا، جو چیز تیرے پاس نہ ہو اسے فروخت نہ کر۔

۱؎ حکیم بن حزام حاء مکسور کے ساتھ، مشہور صحابی، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے اور عرب

کے معززین میں سے تھے، ان کے حالات باب الخیار کی ابتدا میں گزر چکے ہیں۔

۲؎ یعنی جو چیز کہ میں نے قبض نہیں کی یا گم ہو چکی ہے، یا بھاگ گئی ہے یا دوسرے کا مال ہے، یہ بیع سلم کے ماسوا میں ہے کہ وہ تو چند شرائط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے، نیز غیر کا مال فروخت کرنا جائز ہے لیکن یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی، امام شافعی کے علاوہ باقی تینوں اماموں کا مذہب یہی ہے۔[1]

۲۷۴۴/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعوں[1] سے منع فرمایا۔ (امام مالک، ترمذی، ابو داؤد نسائی)

۱؎ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں (۱) ایک شخص کہتا ہے کہ میں تیرے پاس یہ چیز نقد دس روپے میں اور ادھار بیس میں بیچتا ہوں (۲) کہتا ہے کہ میں اپنا غلام تیرے پاس ایک ہزار میں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تو اپنی کنیز میرے پاس سو میں فروخت کرے، یہ دونوں صورتیں قیمت نامعلوم ہونے کے سبب ممنوع ہیں پہلی صورت میں تو ظاہر ہے (کہ قیمت معین ہی نہیں ہوئی) دوسری صورت میں اس لیے کہ اس شرط سے لونڈی کا بیچنا لازم نہیں ہوتا لہٰذا قیمت متعین نہ ہوئی۔

۲۷۴۵/۲۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عقد[1] میں

۱؎ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ یہاں دو صورتیں ہیں (۱) مال گاہک کے لیے خریدے جیسے دلّال خریدتے ہیں تو یہ جائز ہے (۲) اپنے لیے خریدے، خود مالک بن کر خریدار کو دے یہ ممنوع ہے کہ ایسی چیز فروخت کر رہا ہے جس کا بیع کے وقت مالک نہیں ہے، ہاں وعدۂ بیع جائز ہے کہ آرڈر لے لیا پھر مال خرید کر یا بنا کر خریدار کو دے دیا۔ پھر مرقاۃ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایسی معین چیز کا بیچنا جائز نہیں جو آدمی کی ملک میں نہیں یا اس کے قبضے میں نہیں مثلاً کہے کہ فلاں غلام بیچتا ہوں جو اس کی ملک میں نہیں یا مفرور ہے اور اگر صفات کے لحاظ سے فروخت کرے جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے یا کوئی چیز بنوائی جاتی ہے تو جائز ہے۔

۱۲ ملخصاً۔

سَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ.

دو بیعوں سے منع فرمایا۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(شرح السنۃ)

۱؎ صفقہ کا معنی کسی کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے، لیکن مراد بیع ہے کیونکہ تاجروں کی عادت ہے کہ سودا طے ہونے پر ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں، اس کا مطلب پچھلی حدیث کی شرح میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۷۴۶/۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَّ بَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ وَّلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ادھار اور فروخت جائز نہیں[۱] نہ ہی بیع میں دو شرطیں[۲] جائز ہیں، اس چیز کا نفع جائز نہیں جس کا ذمہ دار نہ ہو[۳] اور نہ ہی اس چیز کا بیچنا جائز ہے جو تیرے پاس نہ ہو۔

(امام ترمذی، ابو داؤد، نسائی، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

۱؎ مثلاً کسی کو قرض دے اور اسے کوئی چیز اس کی قیمت سے زائد میں فروخت کر دے کیونکہ جس قرض کے ذریعے نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے۔

۲؎ بعض علماء نے اس کی تفسیر ایک بیع میں دو بیعوں کے ساتھ کی ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا کہ ایک شخص کپڑا فروخت کرتا ہے اور خریدار اسے کہتا ہے کہ تو اسے دھو کر اور سی کر دے گا، یہ بھی فرمایا کہ دو شرطوں کا ذکر اتفاقاً واقع ہوا ہے ورنہ ایک شرط بھی جائز نہیں ہے کیونکہ بیع اور شرط سے ممانعت وارد ہوئی ہے اور یہ اس وقت ہے کہ ایسی شرط لگائی جائے جسے بیع نہ چاہے، اگر چاہے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً خریدار کہے کر تو مجھے بے عیب مال دے گا یا تاجر کہے کہ تو مجھے کھرے روپے دے گا (اقادری)

۳؎ وہ چیز کہ قبضے اور ضمانت میں نہ آئی ہو، مطلب یہ ہے کہ قبضے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ چیز ابھی خریدار کی ضمانت میں نہیں آئی، جیسے کہ اس سے پہلے اس کا بیان ہوا۔

۲۷۴۷/۳۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَبِيْعُ الْاِبِلَ بِالنَّقِيْعِ بِالدَّنَانِيْرِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نقیع[۱] (بازار) میں دیناروں کے بدلے اونٹ بیچتا تھا پھر ان کی جگہ درہم لے لیتا، اور

اَبِیْعُ بِالدَّرَاهِمِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيْرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَاْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَ بَيْنَكُمَا شَيْءٌ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

دراہم کے بدلے بیچتا اور ان کی جگہ دینار لے لیتا، پھر میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ صورت عرض کی تو آپ نے فرمایا: اس دن کے بھاؤ کے مطابق ان[۲] کے لینے میں حرج نہیں، بشرطیکہ تم اس حال میں جدا نہ ہو کر تمہارے درمیان کچھ بقایا ہو[۳]

(امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی دارمی)

لہ نقیع پہلے نون اور پھر قاف، اور وزن پر بقیع، مدینہ منورہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام جہاں بازار تھا بعض نے بقیع باء کے ساتھ پڑھا ہے، مشہور جگہ جہاں مدینہ منورہ کا قبرستان ہے، قبرستان سے پہلے یہاں بازار ہوا کرتا تھا۔

۲ے یعنی دراہم اور دنانیر کے ایک دوسرے کے بدلے میں اس دن کے ریٹ کے مطابق لینے میں حرج نہیں، یہ مستحب ہے ورنہ جس نرخ کے حساب سے بھی لیں جائز ہے۔

۳ے یعنی فریقین کا قبض کرنا شرط ہے: مطلب یہ ہے کہ دراہم اور دنانیر کے باہمی تبادلے کے جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں فریق مجلس میں قبض کرلیں تاکہ نقد کی بیع ادھار کے ساتھ لازم نہ آئے اور یہ معاملہ سودی نہ بن جائے، ہمارے شیخ (سیدی عبدالوہاب متقی) جب مکہ معظمہ میں خادم کو دنانیر کے بدلے دراہم لانے کے لیے بھیجتے تو اسے تاکید فرماتے کہ خیال رکھنا اور معاملہ دست بدست کرنا، ایسا نہ ہو کہ فریقین کے قبض کرنے میں وقفہ پیدا ہو جائے۔

۲۷۴۸ وَعَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ اَخْرَجَ كِتَابًا هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ - (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عدا[۱] بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تحریر نکالی جس میں لکھا ہوا تھا یہ اس کی تحریر ہے جو عدا بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خریدا انہوں نے حضور سے غلام خریدا یا لونڈی[۲]، اس میں کوئی عیب نہیں[۳]، نہ ہی کوئی فساد[۴] ہے اور نہ ہی کوئی خرابی[۵] ہے۔ یہ مسلمان کے مسلمان سے خریدنے کی طرح[۶] ہے یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب[۷] ہے

۱؎ عَدَّاء عین مفتوح اور دال مشدد، اس کے بعد الف ممدودہ، ھَوْذَہ ہاء مفتوح، واؤ ساکن، اس کے بعد ذال، حضرت عداء صحابی ہیں۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد ایمان لائے، گاؤں میں رہائش پذیر تھے، ان کی روایت کردہ حدیث اہل بصرہ کے پاس تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتاب البیوع کی یہی حدیث انہوں نے روایت کی ہے۔

۲؎ کسی راوی کو شک ہے۔

۳؎ داءٌ کا معنی درد ہے لیکن اس جگہ ایسا عیب مراد ہے جو اختیار کا سبب ہو۔

۴؎ غائلہ اس حادثے کو کہتے ہیں جو ہلاکت کا باعث ہو، مراد وہ عیب ہے جو خریدار کے مال کو ہلاک کرے مثلاً غلام، چور ہو، یا بھگوڑا، بعض محدثین نے فرمایا کہ اس سے مراد خریدار کے حق میں خیانت اور دھوکا ہے۔

۵؎ خبثہ خار پر ضمہ اور فتحہ دونوں پڑھ سکتے ہیں، بار ساکن، اس کے بعد ثاء، قاموس میں ہے کہ غلام میں خبثہ یہ ہے کہ وہ صحیح غلام نہ ہو مثلاً ایسی قوم کے کسی فرد کو غلام بنا لیا گیا ہو جسے غلام بنانا صحیح نہ ہو جیسے آج کل کے بردہ فروش آزاد مسلمانوں کے بچوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور بیچ دیتے ہیں۔ ۱۲ قادری)

۶؎ اس میں اشارہ ہے کہ طرفین کو خیر خواہی اور حقوق اسلام کی رعایت کرنی چاہیے۔

۷؎ انہوں نے فرمایا کہ میں اس حدیث کو عباد کے علاوہ کسی سے نہیں پہچانتا ——— اور عباد ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے، محدثین فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی چیز فروخت کی ہوگی اور ہجرت سے پہلے بیچنا اور خریدنا دونوں پائے گئے ہیں۔

$\frac{۲۷۳۹}{۳۱}$ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَّ قَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَا الْحِلْسَ وَ الْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کمبل ۱؎ اور ایک پیالہ فروخت کیا، آپ نے فرمایا: یہ کمبل اور یہ پیالہ کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں یہ دونوں ایک درہم میں لیتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دےگا ۲؎؟ ایک دوسرے صحابی نے دو درہم پیش کیے تو آپ نے یہ دونوں چیزیں انہیں بیچ دیں۔ (امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

۱؎ حِلْس حاء مکسور اور لام ساکن، موٹا کمبل جو عمدہ بستروں کے نیچے بچھایا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی نہ تھیں، بلکہ ایک نادار صحابی کی تھیں، آپ نے بطور وکالت فروخت کر کے اس صحابی کے لیے سامانِ معیشت فراہم فرمایا جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے۔

۲؎ یہ حدیث بولی کے جائز ہونے کی دلیل ہے، بھائی کے سودے پر سودا کرنا الگ چیز ہے وہ یہ ہے کہ سودا طے پا چکا ہو پھر دوسرے کا سودا کرنا ممنوع ہے، بولی میں ایسا نہیں ہے۔ ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۷۶ عَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ وَ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تَلْعَنُهٗ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت واثلہ ابن اسقع[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے عیب دار چیز فروخت کی اور اس کے عیب سے آگاہ[2] نہیں کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں رہے گا اور فرشتے[3] اس پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ واثِلہ ثاء مکسور کے ساتھ ابن الاسقع ہمزہ مفتوح، سین ساکن اور قاف مفتوح، صحابی ہیں اور اس وقت ایمان لائے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے بعض محدثین نے فرمایا کہ انہوں نے تین سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اصحابِ صُفّہ میں سے تھے، بیت المقدس میں سو سال کی عمر میں وصال ہوا، بعض محدثین نے فرمایا کہ اٹھانوے سال کی عمر میں دمشق میں وفات ہوئی اور وہ دمشق میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ بعض نسخوں میں لَمْ يُبَيِّنْهُ وہ عیب بیان نہیں کیا۔

۳؎ بعض صحیح نسخوں میں واؤ کی بجائے اَوْ ہے، راوی کو شک ہے۔

باب

بیع کی ان ممنوع قسموں کا تتمہ

جن کا ذکر اس سے پہلے ہوا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۷۵۱ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَّلَهٗ مَالٌ فَمَالُهٗ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَعْنَى الْاَوَّلَ وَحْدَهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پیوند[۱] لگانے کے بعد کھجور کا درخت خریدا تو اس کا پھل بیچنے والے کا[۲] ہے اگر یہ کہ خریدار شرط کرے[۳] اور جس نے ایسا غلام خریدا جس کے پاس مال ہے[۴] تو وہ مال بائع کا ہے مگر یہ کہ خریدار شرط کرے[۵]۔

(مسلم شریف، امام بخاری نے صرف پہلی صورت بیان کی[۶])

[۱] تابیر کا معنی کھجور کے درخت کی اصلاح اور ملاپ ہے یعنی نر درخت کے گچھے کا کچھ حصہ مادہ کے گچھے میں ڈال دینا، جیسے کہ ہم کتاب کی ابتدا میں باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں بیان کر چکے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کا پھل ظاہر ہو چکا ہو کیونکہ یہ پیوندکاری کو لازم ہے، اور اگر پیوندکاری کی جا چکی ہو اور پھل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ حکم نہیں ہے۔

[۲] یعنی اگر کسی نے درخت خریدا جس کا پھل ظاہر ہو چکا ہے اور پک چکا ہے تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہوگا، درخت کے تابع نہیں ہوگا اور نہ ہی خریدار کو ملے گا۔

[۳] اور بیچنے والا اس پر راضی ہو جائے، اس حکم میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ پھل درخت کے تابع ہے خواہ پکا ہو یا نہ پکا ہو، بعض نے کہا کسی صورت میں بھی تابع نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ اگر پھل ظاہر

نہیں ہوا اور پکا نہیں ہے تو تابع ہے اور اگر ظاہر ہو چکا ہے اور پک گیا ہے تو تابع نہیں ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ پہلا مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے[عہ]۔

۴ یعنی بظاہر وہ مال غلام کا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ غلام مال کا مالک نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے پاس جو مال ہے وہ بیچنے والے کا ہے۔

۵ اس میں اختلاف ہے کہ اس نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں وہ کس کے ہیں؟ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیع میں شامل نہیں ہوں گے، بعض علماء نے فرمایا کہ اتنا کپڑا جو ستر عورت کے لیے ضروری ہو بیع میں شامل ہوگا اس سے زائد نہیں۔

۶ امام مسلم نے یہ پوری حدیث روایت کی ہے، امام بخاری نے صرف پہلی حدیث روایت کی ہے جس کا تعلق پھل کے ساتھ ہے، دوسرا حصہ روایت نہیں کیا جو غلام کے مال سے متعلق ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ مصنف کا سہو ہے کیونکہ امام بخاری نے یہ پوری حدیث کتاب الشرب کے آخر میں روایت کی ہے۔ ہاں کتاب البیوع اور کتاب الشروط میں حدیث کا وہ حصہ روایت کیا ہے جو کھجور سے متعلق ہے، حضرت مصنف نے صرف یہی مقام دیکھنے پر اکتفا کیا اور کتاب الشرب ملاحظہ نہیں فرمائی، اسی طرح بعض حواشی میں ہے۔

۲۷۵۲/۲ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ فَضَرَبَهُ فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيرُ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو تھک چکا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس اونٹ کو مارا تو وہ اتنا تیز چلنے لگا کہ اس طرح کبھی نہ چلتا تھا پھر آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس ایک اوقیہ میں بیچ دو، میں نے بیچ دیا، لیکن اپنے گھر تک سواری کی شرط لگالی، جب میں مدینہ طیبہ آیا تو اونٹ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا فرما دی، ایک روایت میں ہے اس کی قیمت عطا فرما دی اور وہ اونٹ بھی مجھے واپس

عہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھل بہر حال بیچنے والے کا ہے اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ہر صورت میں اصل کے تابع ہے اور خریدار کی طرف منتقل ہو جائے گا (مرقاۃ) ۱۲ قادری۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیِّ اَنَّہٗ قَالَ لِبِلَالٍ اِقْضِہٖ وَزِدْہُ فَاَعْطَاہُ وَزَادَہٗ قِیْرَاطًا۔

کردیا (بخاری ومسلم) امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: اسے قیمت ادا کردو اور کچھ زیادہ دے دو، چنانچہ انہوں نے انہیں قیمت ادا کردی اور ایک قیراط زیادہ دے دیا۔

سلہ اور چل نہیں سکتا تھا، یہ ایک سفر کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ آرہے تھے۔

ٹہ لکڑی سے یا چابک سے جو آپ کے دستِ اقدس میں تھا۔

ٹہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس اور آپ کی توجہ کی برکت تھی اور آپ کا تصرف تھا جو کمزور کو طاقتور اور لاشے کو شے بنا دیتا ہے، شعر

تو مرا دل دہ و دلیری بیں　　روبۂ خویش خوان و شیری بیں

یارسول اللہ! آپ میری ہمت بڑھائیں اور میری جرأت دیکھیں، آپ مجھے اپنی لومڑی بنالیں پھر میری شیر ایسی بہادری دیکھیں۔

ٹہ وُقِیَۃ واؤ مضموم، قاف مکسور اور یا مشدد مفتوح، لغات میں واؤ کا فتحہ بھی آیا ہے۔ اور فتحہ ہی زبان زد عام ہے۔ اُوقیہ ہمزہ مضموم اور واؤ ساکن کے ساتھ بھی کہتے ہیں، چالیس درہم کے وزن کا نام ہے۔

ٹہ یعنی میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ اونٹ بیچ دیا مگر مدینہ منورہ پہنچنے تک میں اس پر سوار رہوں گا، حملان حا مضموم، سواری کرنا، قاموس میں ہے حملان پہلے حرف کے ضمہ کے ساتھ اس چوپائے کو کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چوپائے کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بائع اس پر سواری کرے گا، یہی امام احمد کا مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک فاصلہ مختصر ہو تو جائز ہے کہ اس جگہ اسی طرح تھا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک وہ بیع جائز نہیں جس میں ایسی شرط لگائی گئی ہو جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو، فاصلہ زیادہ ہو یا کم، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے، اس حدیث سے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہ شرط سودے میں داخل نہ ہو۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تجھ سے یہ اونٹ ایک اوقیہ میں لیا، تو اس پر سوار ہوجا، لہٰذا ان کا سوار ہونا بطور عاریۃ تھا نہ کہ شرط کی بنا پر، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شرط سودے سے پہلے لگائی گئی ہو لہٰذا عقد کے فاسد ہونے کا سبب نہ ہوگی۔

۲۷۶۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيرَةُ فَقَالَتْ إِنِّي كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ وُقِيَّةٌ فَأَعِينِينِي فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ وَيَكُونُ وَلَاؤُكِ لِي فَذَهَبَتْ إِلٰى أَهْلِهَا فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيهَا وَأَعْتِقِيهَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرہ[1] نے آکر کہا کہ میں نے نو اوقیہ[2] پر عقد مکاتبت کیا ہے، ہر سال ایک اوقیہ، آپ میری امداد[3] فرمائیں، ام المومنین نے فرمایا اگر تمہارے آقا پسند کریں تو میں تمام رقم یک مشت ادا کر دوں اور تمہاری ولاء میرے لیے ہو گی، وہ اپنے مالکوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا ولاء ہمارے لیے ہوگی، اس کے علاوہ کچھ ماننے سے انکار کر دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اسے لے لو اور آزاد کر دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: حمد و ثنا کے بعد! لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں، جو شرط اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو باطل ہے، اگرچہ سو ناجائز شرطیں ہوں، لہذا اللہ کا فیصلہ عمل کے زیادہ لائق ہے، اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ مضبوط ہے ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] بریرہ بروزن سریرہ، پہلے با اس کے بعد دو رائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ کنیز، وہ پہلے ایک یہودی کی کنیز تھیں، جس نے انہیں مکاتب بنا دیا تھا۔

[2] نو اوقیہ یعنی تین سو ساٹھ درہم، کتابت کا معنی مال کے عوض غلام کا آزاد کرنا، غلام وقتاً فوقتاً ادائی کرتا رہے جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[3] یعنی مجھے کچھ عنایت فرمائیں تاکہ کتابت کے سلسلے میں ادا کر دوں، مکاتب، زکوٰۃ اور خیرات کے

مصارف میں سے ایک مصرف ہے، قرآن مجید میں فرمایا: وَ فِی الرِّقَابِ اس سے مراد مکاتب ہے۔

۴؎ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو فرمایا اگر تیرے مالک پسند کریں تو تمام قیمت ادا کر کے تمہیں خرید لوں، مکاتب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے بیچنا جائز ہے۔

۵؎ ولاء واؤ مفتوح، قرابت، وہ حق جو آزاد کرنے والے کو، آزاد کیے جانے والے غلام پر حاصل ہوتا ہے اور اسے غلام کی وراثت ملتی ہے۔

۶؎ یہ شرط لگانا یہودیوں کی جہالت اور ہٹ دھرمی تھی اور یہ ناجائز تھا کہ آزاد تو حضرت عائشہ کریں اور ولاء انہیں ملے؛ ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے، حضرت عائشہ نے یہودیوں کی یہ گفتگو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے آئندہ ارشاد فرمایا۔

۷؎ بریرہ کی ولاء تمہاری ہوگی، یہودی جو کچھ کہتے ہیں وہ بیہودہ اور ناجائز ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۸؎ اللہ تعالیٰ نے جو احکام بندوں پر لکھ دیے ہیں اور ان پر فرض کر دیے ہیں ان میں وہ شرطیں نہیں ہیں یعنی ناجائز ہیں۔

۲۷۵۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاۗءِ وَ عَنْ هِبَتِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولاء کے بیچنے اور اس کے ہبہ کرنے سے[۱] منع فرمایا۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی ایک شخص کا آزاد کیے ہوئے غلام پر حقِ ولاء ہے وہ کسی کے پاس بیچ دیتا ہے یا مفت دے دیتا ہے یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ولاء مال نہیں ہے جو کسی کو بیچا جا سکے یا مفت دیا جا سکے، سلف و خلف کے جمہور علماء اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں، بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ ان حضرات کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، ورنہ حدیث کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف حکم کیسے صادر کر سکتے تھے؟

۲۷۵۵ عَنْ مُخَلَّدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ ابْتَعْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهٗ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلٰى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيْهِ اِلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَقَضٰى لِيْ بِرَدِّهٖ

حضرت مخلد بن خفاف[۱] سے روایت ہے کہ میں نے ایک غلام خریدا اور میں نے اس کی آمدنی[۲] وصول کر لی، تب مجھے اس کے عیب کا پتا چلا، میں نے اس غلام کا مقدمہ حضرت عمر بن عبد العزیز[۳] کے سامنے پیش کیا، انہوں نے فیصلہ دیا کہ میں

وَقَضٰى عَلَىَّ بِرَدِّ غَلَّتِهٖ فَاَتَيْتُ عُرْوَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَرُوْحُ اِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَاُخْبِرُهٗ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْنِىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِىْ مِثْلِ هٰذَا اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَاحَ اِلَيْهِ عُرْوَةُ فَقَضٰى لِىْ اَنْ اٰخُذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِىْ قَضٰى بِهٖ عَلَىَّ لَهٗ۔

(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

غلام واپس کر دوں اور اس کی کمائی لوٹا دوں، میں حضرت عروہ[۴] کے پاس حاضر ہوا اور انہیں واقعہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ میں شام کے وقت ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے ہی مقدمہ میں فیصلہ فرمایا کہ آمدنی خرچ کے عوض[۵] ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ شام کو ان کے پاس گئے[۶] تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اس شخص سے آمدنی لوں جسے دینے کا انہوں نے مجھے حکم دیا تھا۔ (شرح السنۃ)

[۱] مخلد میم مفتوح اور خاء ساکن خفاف خاء مضموم اور فاء بغیر تشدید کے آخر میں ایک دوسری فاء ہے، مخلد کے والد حضرت خفاف اور دادا حضرت ایما ہمزہ مفتوح اور یاء ساکن، دونوں صحابی ہیں اور وہ خود تابعی ہیں، اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث ان سے معلوم نہیں ہے۔ اور اس کی سند بھی حجت نہیں ہے۔ ابن حبان نے انہیں مستند راویوں میں شمار کیا ہے،

[۲] غلہ آمدنی کو کہتے ہیں خواہ وہ زمین کی پیداوار ہو، باغ کا پھل ہو، جانور کا دودھ یا اس کا کرایہ یا اس کا بچہ ہو، صراح میں ہے کہ غلہ ہر چیز کی آمدن کو کہتے ہیں۔ مثلاً پیداوار، نقدی یا اس کے علاوہ۔

[۳] وہ اس وقت خلیفہ تھے، ارادہ یہ تھا کہ عیب کے سبب غلام واپس کر دوں۔

[۴] حضرت عروہ ابن زبیر، کبار تابعین اور مشہور سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔

[۵] یعنی جو غلام تم نے خریدا تھا اس کی آمدنی تمہاری ملکیت ہے کیونکہ وہ غلام تمہاری ضمانت میں آچکا ہے، بیع کے بعد قبضہ کرنے سے مال خریدار کی ضمانت میں آجاتا ہے، لہٰذا جو اس سے حاصل ہوا ہے وہ خریدار کی ملکیت ہے۔

[۶] اور جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا تھا انہیں بتا دیا۔

۲۷۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بائع اور خریدار آپس میں جھگڑ پڑیں تو بائع کی بات معتبر ہوگی اور خریدار کو

بِالْخِيَارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ قَالَ الْبَيِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْبَيْعُ قَائِمٌ بِعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ۔

اختیار ہے[۲] (ترمذی شریف)، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں ہے کہ جب بائع اور خریدار جھگڑ پڑیں اور سودا بعینہ موجود ہو اور ان کا گواہ بھی موجود نہ ہو تو بائع کی بات مانی جائے گی یا وہ دونوں بیع واپس کر لیں[۳]۔

لے بَیِّعَان باء مفتوح، یاء مشدد مکسور، بائع اور مشتری، مطلب یہ ہے کہ جب ان میں قیمت کی مقدار، شرط خیار یا مدت یا اس کے علاوہ کسی شرط میں اختلاف ہو جائے تو بات بائع کی مانی جائے گی، اسے قسم دی جائے گی کہ تو نے مال اس طرح فروخت نہیں کیا (جس طرح خریدار کہتا ہے)

سے[۲] اگر چاہے تو اس بات پر راضی ہو جائے جس کی بائع نے قسم کھائی ہے اور اگر چاہے تو قسم کھائے کہ میں نے صرف اس طرح مال خریدا ہے، پھر اگر دونوں قسمیں کھالیں تو دو صورتیں ہیں (۱) ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی بات ماننے کو تیار ہے تو اس پر اتفاق کرلیں (۲) کوئی بھی دوسرے کی بات ماننے پر تیار نہیں تو قاضی سودا ختم کر دے خواہ مال باقی ہو یا نہ۔

سے[۳] اس مسئلے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر قیمت میں اختلاف ہے اور گواہ کسی کے پاس بھی نہیں اور مال باقی ہے تو دونوں قسمیں کھائیں اور بیع ختم کر دی جائے، اور اگر ایک کے پاس گواہ ہے جو اس کی بات کو ثابت کرتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا اور دونوں گواہ پیش کر دیں تو جس کا گواہ زیادتی ثابت کرے اسے ترجیح ہوگی، اور اگر قیمت اور مال دونوں میں اختلاف ہو تو قیمت میں بائع کے گواہ کو ترجیح ہے اور مبیع میں خریدار کے گواہ کو، یعنی جو گواہ زیادتی ثابت کرے اسے ترجیح ہے، مدت، شرط خیار اور کچھ قیمت کے قبضہ کرنے میں اختلاف ہو تو ہمارے نزدیک فریقین قسم نہیں کھائیں گے، اسی طرح ہدایہ میں ہے، اس سلسلے میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب میں کلام ہے لہذا حدیث مشہور پر دارومدار ہونا چاہیے جس میں ہے کہ گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہے۔

۲۷۵۵ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان کی بیع کی واپسی[۱] قبول کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش معاف فرما دے گا۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ، شرح السنۃ

فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ شُرَیْحِ الشَّامِیِّ مُرْسَلًا)

میں مصابیح کے بیان کردہ الفاظ[۲] حضرت شریح شامی سے مرسلاً روایت کیے ہیں۔

[۱] اقالہ کا معنی بیع کا واپس کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز سے نجات دینا۔ عَثْرَۃٌ، عِثَارٌ سے ہے، پھسلنا۔

[۲] مصابیح میں یہ الفاظ ہیں مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا صَفْقَةً کَرِهَهَا جو کسی مسلمان کی بیع واپس کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ اَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشیں معاف فرما دے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۴۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰی رَجُلٌ مِّمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ عَقَارًا مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ فِیْ عَقَارِهٖ جَرَّةً فِیْهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِی اشْتَرَی الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ عَنِّیْ اِنَّمَا اشْتَرَیْتُ الْعَقَارَ وَلَمْ اَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ بَائِعُ الْاَرْضِ اِنَّمَا بِعْتُكَ الْاَرْضَ وَمَا فِیْهَا فَتَحَاكَمَا اِلٰی رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِیْ تَحَاكَمَا اِلَیْهِ اَلَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِیْ غُلَامٌ وَقَالَ الْاٰخَرُ لِیْ جَارِیَةٌ فَقَالَ اَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِیَةَ وَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی، خریدار کو زمین میں سے ایک گھڑا ملا جس میں سونا تھا، اس نے بیچنے والے کو کہا تو اپنا سونا مجھ سے لے لے، میں نے تجھ سے صرف زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا میں نے تجھے زمین اور جو زمین میں تھا سب بیچ دیا تھا، ان دونوں نے ایک تیسرے شخص کے سامنے مقدمہ پیش کیا، اس نے کہا تمہاری اولاد ہے؟ ایک نے کہا میرا لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے، جج نے کہا لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو، کچھ سونا ان پر خرچ کردو اور

اَنْفِقُوْا عَلَيْهِمَا مِنْهُ وَ تَصَدَّقُوْا۔ صدقہ بھی کرو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (دمیمین)

۱؎ جَرَّۃٌ جیم مفتوح اور راء مشدد، گھڑا، اس کی جمع جُرُوْرٌ اور جِرَارٌ ہے۔

۲؎ یعنی لڑکی اور لڑکے پر خرچ کرو تاکہ اس سونے کا فائدہ تم دونوں کو پہنچ جائے اور جو ان کی حاجت سے بچ جائے وہ صدقہ کردو، بعض علماء نے کہا کہ تَصَدَّقُوْا، اَنْفِقُوْا کی تفسیر ہے یعنی بچوں پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔

بَابُ السَّلَمِ وَالرَّهْنِ

۲۳۱۔ بیع سلم اور گروی کا باب

سَلَم پہلے دونوں حرف مفتوح، یہ تسلیم کا ہم معنیٰ اسم ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے کسی چیز کا اس طرح بیچنا کہ وہ بیچنے والے کے ذمہ ہو اور اس میں وہ شرطیں ملحوظ ہوں جو شریعت میں معتبر ہیں اور کتب فقہ میں بیان کی گئی ہیں، اسے سَلَم اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قیمت بائع کے سپرد کردی جاتی ہے اور بائع اس وقت سودا خریدار کے حوالے نہیں کرتا، جیسے کہ معروف ہے، بعض اوقات اسے سَلَف بھی کہتے ہیں، قرض کو بھی سلف کہتے ہیں، بیع سلم بالاتفاق جائز ہے اگر ادھار کی نقد کے ساتھ بیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی بیع پر محمول ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ اے ایمان والو! جب تم ایک مدت تک کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو ــــــ رہن کا معنی لغت میں قید ہے، جس چیز کو کسی دوسری چیز کے بدلے میں قید کیا جائے وہ رہن ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر جان اپنے اعمال کے سبب قید میں ہے، شریعت میں اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا ایسے حق کے بدلے قید کر دینا جس کا حصول اس سے ممکن ہو۔ جیسے کہ قرضوں میں ہوتا ہے۔ یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں لکھنے والا نہ ملے تو گروی رکھے ہوئے مال ہیں جو قبض کیے جائیں سفر کی قید اتفاقی ہے (سفر کے بغیر بھی رہن رکھا جا سکتا ہے)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۷۵۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلٰثَ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندے پھلوں میں سال دو سال اور تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔[1] آپ نے فرمایا، جو شخص کسی شے میں بیع سلم کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ معین[2] پیمانے اور معین وزن[3] میں معین مدت[4] تک کے لیے کرے۔ (صحیحین)

[1] یعنی نقدی ادا کر کے شرط یہ لگاتے تھے کہ مثلاً ایک سال بعد پھل ہمیں مہیا کر دو گے۔

[2] یعنی جو شخص بطور سلم ایسی چیز خریدتا ہے جو پیمانے کے ساتھ فروخت کی جاتی ہو تو اسے چاہیے کہ معین پیمانے میں بیع سلم کرے مثلاً دس پیمانے یا بیس پیمانے۔

[3] یعنی جو شخص ایسی چیز بطور سلم خریدے جو تول کر بیچی جاتی ہے جیسے سونا چاندی، اسے چاہیے کہ معین وزن میں سلم کرے۔

[4] مثلاً ایک ماہ، ایک سال وغیرہ۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ سلم میں مدت کا ہونا شرط ہے، یہی امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب اور یہی امام احمد کا صحیح مذہب ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مدت شرط نہیں ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مدت مقرر کریں تو وہ معین اور معلوم ہونی چاہیے۔

۲۷۶۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا مِّنْ يَّهُوْدِيٍّ اِلٰى اَجَلٍ وَّرَهَنَهٗ دِرْعًا لَّهٗ مِنْ حَدِيْدٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے معین مدت کے وعدے پر غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ گروی رکھی۔[1] (صحیحین)

لہ علامہ طیبی فرماتے ہیں یہ حدیث ذمیوں کے ساتھ معاملہ کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ اگرچہ ان کے اموال، سود اور شراب کی قیمت سے خالی نہیں ہوتے ـــــ چونکہ کفار، احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں اس لیے ان کے اموال میں حرمت نہیں پائی جاتی۔

۲۷۶۱ وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ، ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری شریف)

۲۷۶۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب سواری[1] رہن ہو تو اس کے خرچ کے بدلے اس پر سواری کی جا سکتی ہے، جب جانور رہن رکھا ہو تو اس کے خرچ کے بدلے اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے، خرچہ سواری کرنے اور دودھ پینے والے کے ذمہ ہے[2]۔

(بخاری شریف)

لہ نہایہ میں ہے کہ ظہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا جائے اور سواری کی جائے۔

۲ـہ خواہ وہ رہن رکھنے والا ہو یا جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شخص خرچ کرتا ہے جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے تو وہ سواری کر سکتا ہے اور دودھ پی سکتا ہے، اور اگر رہن رکھنے والا خرچ کرے تو سواری کرنا اور دودھ پینا اس کے لیے جائز ہے ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے وہ رہن پر خرچ بھی کرے گا اور نفع بھی حاصل کرے گا، جمہور علماء کی رائے اس کے خلاف ہے، ہدایہ میں ہے کہ مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا گیا) کے لیے جائز نہیں کہ رہن سے نفع حاصل کرے، اور خرچہ رہن رکھنے والے کے ذمہ ہے کیونکہ قرض کی بنا پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے، جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث آئندہ حدیث کی بنا پر منسوخ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۷۶۵ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَغْلَقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِیْ رَهَنَهٗ لَهٗ غُنْمُهٗ وَعَلَیْهِ غُرْمُهٗ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ مُرْسَلًا وَرُوِیَ مِثْلُهٗ اَوْ مِثْلُ مَعْنَاهُ لَا یُخَالِفُهٗ عَنْهُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مُتَّصِلًا۔

حضرت سعید بن مسیب[1] سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: رہن رکھنا رہن رکھی ہوئی چیز کو[2] رہن رکھنے والے مالک سے نہیں روکتا، اسی کے لیے اس کا فائدہ[3] ہے اور اسی پر اس کا تاوان[4] ہے، امام شافعی[5] نے یہ حدیث مرسلاً روایت کی، بعینہ اس کے مثل[6] یا اس کے معنی کے موافق جو حدیث مذکور کے خلاف نہیں حضرت سعید بن مسیب سے متصلاً مروی ہے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔

۱ حضرت سعید بن مسیب مشہور اور اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۲ رہن کا پہلا لفظ مصدر کے معنی میں اور دوسرا لفظ رہن رکھی ہوئی چیز کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رہن رکھنے سے وہ چیز رہن رکھنے والے کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی۔

۳ غُنْم غین مضموم اور نون ساکن، غنیمت اور وہ فائدہ اور زیادتی جو اس چیز سے حاصل ہو۔

۴ غُرْم غین مضموم اور راء ساکن، تاوان، خرچہ ـــــ مطلب یہ ہے کہ رہن رکھی ہوئی چیز سے حاصل ہونے والے منافع مالک کے ہیں اور اگر وہ چیز مرتہن کے پاس تباہ ہو جائے تو اس کی ضمانت بھی مالک پر ہے، مرتہن کے حق سے کوئی چیز ساقط نہیں ہوگی۔

۵ امام شافعی نے یہ حدیث حضرت سعید بن مسیب سے مُرسلاً (صحابی کا ذکر کیے بغیر) روایت کی، امام شافعی کے نزدیک سعید بن مسیب کی مُرسَل روایات مقبول ہیں اور مُسْنَد کا حکم رکھتی ہیں (مُسْنَد وہ حدیث جس کی پوری سند بیان کی گئی ہو۔)

۶ رُوِیَ مِثْلُهٗ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریقے سے سند متصل کے ساتھ بھی مروی ہے جو لفظاً اور معنًی حدیث مذکور کے موافق ہے۔ اَوْ مِثْلُ مَعْنَاهُ کا مطلب یہ کہ دوسرے طریقے سے مروی حدیث، اس حدیث کے ساتھ لفظاً موافق نہیں ہے صرف معنًی موافق ہے، اس قسم کی موافقت بیان کرنے کے لیے لفظ نَحْوَهٗ استعمال کیا جاتا ہے۔

ے یہ سند متصل اس لیے ہے کہ اس میں صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے، بعض حضرات نے کہا رَدَّی صیغہ معلوم کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس وقت اس کی ضمیر امام شافعی کی طرف راجع ہوگی اور لفظ رَسُلَہٗ اور مِثْلَ مَعْنَاہٗ کو منصوب پڑھا جائے گا (یعنی امام شافعی نے یہ حدیث سند متصل کے ساتھ بھی روایت کی ہے جو حدیث مذکور کے ساتھ لفظاً و معنیً موافق ہے یا صرف معنیً)

۲۷۶۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمِکْیَالُ مِکْیَالُ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَالْمِیْزَانُ مِیْزَانُ اَھْلِ مَکَّۃَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پیمانے تو اہلِ مدینہ کے ہیں اور آلاتِ وزن اہلِ مکہ کے ہیں۔ؐ

(ابوداؤد، نسائی)

لہ یعنی شرعی احکام مثلاً زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہیں، کیونکہ اہلِ مدینہ زراعت پیشہ ہیں لہٰذا وہ پیمانوں کے احوال کو زیادہ جانتے ہیں اور مکہ والے تجارت پیشہ ہیں اس لیے وہ اوزان سے زیادہ باخبر ہیں، اسی طرح بعض علماء نے فرمایا۔

۲۷۶۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْکَیْلِ وَالْمِیْزَانِ اِنَّکُمْ قَدْ وُلِّیْتُمْ اَمْرَیْنِ ھَلَکَتْ فِیْھِمَا الْاُمَمُ السَّابِقَۃُ قَبْلَکُمْ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپ تول والوں کو فرمایا: دو چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن میں تم سے پہلی امتیں لہ ہلاک ہو گئیں۔

(ترمذی شریف)

لہ بعض نسخوں میں السَّابِقَۃُ کی جگہ السَّالِفَۃُ ہے (اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۷۶۶ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَلَا یَصْرِفْہُ اِلٰی غَیْرِہٖ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کوئی چیز بیع سلم سے خریدے وہ قبض کرنے سے پہلے کسی دوسرے

قَبْلَ اَنْ يَقْبِضَهٗ . کو نہ بیچے [1]

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی قبض کرنے سے پہلے کسی کے پاس فروخت نہ کرے، یا یہ مطلب ہے کہ قبض کرنے سے پہلے اس کا تبادلہ کسی دوسری چیز سے نہ کرے، خلاصہ یہ کہ قبضے سے پہلے اس میں تصرف نہ کرے۔

بَابُ الْاِحْتِكَارِ

۲۲۲۔ ذخیرہ اندوزی کا باب

احتکار، حُکْر سے بنا ہے، لغت میں اس کا معنیٰ ظلم اور بدصحبتی ہے، عرف میں اس کا معنیٰ غلے کا روکنا ہے تاکہ مہنگا کرکے بیچے، اصطلاح شریعت میں مہنگائی کے انتظار میں غذاؤں کے روکنے کو کہتے ہیں، ایک شخص مہنگائی کے دنوں میں غلہ خرید کر محفوظ کرلیتا ہے تاکہ اور زیادہ مہنگا ہو تو فروخت کیا جائے، ہاں اگر گاؤں سے خرید کر لایا ہے یا سستے دنوں میں خرید کر محفوظ کرلیتا ہے اور مہنگائی کے وقت فروخت کرتا ہے تو یہ احتکار حرام نہیں ہے، اسی طرح غذاؤں کے ماسوا اشیاء کا سٹاک کرلینا حرام نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۷۶۷ وَعَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيْرِ فِيْ بَابِ الْفَيْءِ اِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالٰى.

حضرت معمر [1] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ذخیرہ اندوزی کرے وہ گناہگار ہے (مسلم شریف)

ہم بنو نضیر کے اموال کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث باب الفئ [2] میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[1] معمر دونوں میم مفتوح درمیان میں عین ساکن، اس نام کے بہت سے حضرات ہیں، ان میں سے ایک صحابی ہیں اور وہ ہیں معمر بن عبداللہ قرشی عدوی، بعض انہیں معمر بن ابی معمر کہتے ہیں، وہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، پہلے حبشہ

ہجرت کر کے گئے پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے، وہیں رہے اور طویل عمر پائی، اس نام کے باقی حضرات تابعی ہیں یا تبع تابعی، ان میں سے مشہور معمر بن راشد ہیں جن سے امام ثوری، ابن عیینہ، ابن مبارک اور عبدالرزاق روایت کرتے ہیں احادیث میں محدث عبدالرزاق کی معمر سے بہت روایتیں ہیں، حضرت مصنف نے جس معمر کا ذکر کیا ہے وہ یا تو صحابی ہیں، تب تو حدیث مرفوع ہوگی، یا تابعی ہیں اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہوگی۔

۲ نُضیر بروزن نُصیر، بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔

۳ باب الفئی، کتاب الجہاد کا ایک باب ہے، اس حدیث میں احتکار کا ذکر ہے، صاحب مصابیح نے وہ حدیث اس باب میں ذکر کی تھی۔

۲۷۶۸ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: غلہ لانے والے[1] کو رزق دیا گیا ہے۔ اور روکنے والا ملعون ہے[2]۔ (ابن ماجہ، دارمی)

۱ ذخیرہ اندوز کے برعکس غلہ اور خوراک لانے والا چاہتا ہے کہ شہر میں موجودہ نرخ کے مطابق بیچے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرماتا ہے۔

۲ ذخیرہ اندوز کی خواہش ہوتی ہے کہ غلہ روک سے تاکہ مہنگا فروخت کرے، اس پر لعنت کی گئی ہے اور اسے بارگاہِ قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور پھینک دیا گیا ہے۔

۲۷۶۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلِمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نرخ بہت بڑھ گیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمارے لیے بھاؤ مقرر فرمادیں[1] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے وہی تنگی اور فراخی فرمانے والا اور رزق دینے والا ہے[2]، مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوں گا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی خونی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہیں کرے گا[3]۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ) دارمی)

لے ہمارے لیے ریٹ مقرر فرما دیں اور لوگوں کو حکم دے دیں کہ اسی ریٹ پر فروخت کریں۔
۲ے یعنی نرخ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، کہ اس کے ذریعے لوگوں کی روزی میں تنگی اور فراخی فرماتا ہے، نرخ آسمانی چیز ہے۔
۳ے مَظْلِمَۃ لام کا کسرہ زیادہ مشہور اور فصیح ہے، اس پر فتحہ اور ضمہ بھی پڑھا گیا ہے، وہ چیز جو کسی نے ظلماً چھین لی اور مظلوم اس کا مطالبہ کرتا ہے ــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریٹ مقرر کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ لوگوں کے اموال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف ہے اور ان کے حق میں ظلم ہے، بعض اوقات اس کی وجہ سے لوگ مال بیچنے سے ہاتھ روک لیتے ہیں اور مصنوعی قحط پیدا ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو معین ریٹ کا پابند نہ کیا جائے اور انہیں مجبور نہ کیا جائے، ہاں انہیں حکم دیا جائے کہ مخلوقِ خدا سے انصاف، شفقت اور خیر خواہی سے پیش آئیں لے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۷۲۷ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَ الْإِفْلَاسِ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَ رَزِينٌ فِي كِتَابِهِ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کو نقصان دینے کے لیے ان کی خوراک روکے اللہ تعالےٰ اسے کوڑھ اور تنگ دستی میں مبتلا کر دے لے۔

(ابن ماجہ، امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں اسے روایت کیا۔

لے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کنٹرول ریٹ تاجروں کی قیمت خرید سے کم ہو لہٰذا انہیں کم قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کرنا ظلم ہوگا، نیز وہ مال کی سپلائی روک دیں گے تو صارفین کو پریشانی ہو گی، ہاں اگر حکومت خود کاروبار کرے یا مناسب ریٹ پر اشیاء ضرورت مہیا کرے تو ریٹ مقرر کیا جا سکتا ہے، اس طرح تاجروں کا نقصان بھی نہیں ہوگا اور اشیائے ضرورت کی قلت بھی پیدا نہیں ہو گی۔

۱۲ قادری

لہ یعنی اللہ تعالیٰ اسے جسمانی اور مالی مصیبت میں مبتلا کردے، اسے جسمانی طور پر تباہ کردے اور مال کی برکت سے محروم کردے۔

ےہ رزین راء مفتوح اس کے بعد زاء مکسور، محدث رزین کی کتاب کا نام تجرید ہے جس میں انہوں نے صحاح کی حدیثیں جمع کردی ہیں، پانچ سو بیس ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

۲۷۷۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَ بَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مہنگائی کے ارادے سے چالیس دن غلہ روکا تو وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار ہوا[1] اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے[2]۔ (رزین)

لہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور خلق خدا پر شفقت کرنے کا اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا۔

ےہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اور امان کا پہرہ اس سے اٹھالیا۔

۲۷۷۲ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا بہت برا آدمی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نرخ سستے کردے تو وہ غمگین ہوتا ہے اور اگر مہنگے کردے تو خوش ہوتا ہے (اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا)۔

۲۷۷۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَهٗ كَفَّارَةً. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چالیس دن غلہ روکے رکھے پھر اسے صدقہ کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ نہیں ہوگا۔ (رزین)

۱؎ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ صدقہ کرنا اس کے گناہ ڈھانپ نہیں سکے گا، یعنی اگرچہ صدقہ کر دے لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوگا؛ چالیس دن کی ذخیرہ اندوزی کی یہ سزا ہے، اگر اس سے کم ذخیرہ کرے گا تو اس کی سزا اس سے کم ہوگی، زیادہ کرے گا تو سزا بھی زیادہ ہوگی، ظاہر یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی مدت چالیس دن ہے اس سے کم ہو تو مدت کی کمی کے سبب بخشا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)

بَابُ الْاِفْلَاسِ وَالْاِنْظَارِ

۲۳۲۔ دیوالیہ کرنا اور مہلت دینا

فلس پیسے کو کہتے ہیں اس کی جمع فلوس ہے، افلاس ہمزہ مکسورہ اور فاء ساکن پیسے کے بغیر ہونا (یعنی ہمزہ سلب کے لیے ہے) مطلب یہ کہ وہ ایسی حد کو پہنچ گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں اس کے پاس ایک پیسہ نہیں ہے، یا یہ معنی ہے کہ پہلے اس کے پاس درہم و دینار تھے اب اس کے پاس پیسے رہ گئے ہیں (اب ہمزہ تصییر کے لیے ہے) انظار ہمزہ مکسور، نون ساکن اس کے بعد ظاء، مؤخر کرنا، وقت دینا، یعنی اگر ایک آدمی کا کسی پر حق تھا وہ دیوالیہ ہو چکا ہے اور اس وقت ادائی نہیں کر سکتا تو اسے مہلت دے اور اپنا حق طلب کرنے میں تاخیر کرے، جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے خوش حالی تک مہلت دینا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۷۷۳۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ اَفْلَسَ فَاَدْرَکَ رَجُلٌ مَالَہٗ بِعَیْنِہٖ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ مِنْ غَیْرِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دیوالیہ ہو گیا اور ایک شخص نے اپنا مال بعینہٖ اس کے پاس پایا تو وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔[۱]

(بخاری و مسلم)

لہ مثلاً ایک شخص نے کوئی چیز کسی قیمت پر خریدی اور دیوالیہ ہوگیا، قاضی نے بھی اس کے دیوالیہ ہونے کا فیصلہ کردیا، بیچنے والے نے وہی چیز بعینہ اس کے پاس پائی تو اسے حق پہنچتا ہے کہ بیع کو فسخ کرکے اپنا بیچا ہوا مال واپس لے لے، اور اگر اس نے کچھ قیمت وصول کر لی ہے اور کچھ خریدار کے ذمہ باقی ہے اور اس کا دیوالیہ ہوگیا تو جتنی قیمت باقی ہے اتنا مال لے لے۔[1]

۲۷۷۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ اُصِیْبَ رَجُلٌ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَکَثُرَ دَیْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَیْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَیْنِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهٖ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَیْسَ لَکُمْ اِلَّا ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے پھل خریدے تو انہیں گھاٹا پڑ گیا اور قرض بہت ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں صدقہ دو،[1] صحابہ کرام نے صدقہ دیا تو وہ قرض کی ادائی کے لیے کافی نہ ہو سکا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قرض خواہوں کو فرمایا: تمہیں جو ملتا ہے لے لو اس کے علاوہ تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔[2]

(مسلم شریف)

لہ اور ان کی مالی امداد کرو جس سے وہ قرض ادا کر دیں۔

۲ لہ یعنی تمہیں زجر و توبیخ اور قید کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ ان کا دیوالیہ ہونا ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا اس

لہ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی، مرقاۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو دیوالیہ کے پاس اپنا مال مل جائے تو وہ اپنا مال لے لے دوسرے قرض خواہ اس میں شریک نہیں ہوں گے یہ مال کسی قسم کا ہو، یہ امام شافعی کا مذہب ہے، احناف کے نزدیک صرف یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز شرط خیار کے ساتھ خریدی، اختیار بائع کے پاس تھا پھر اچانک خریدار دیوالیہ ہوگیا تو بائع کو اپنا مال لینے کا حق ہے اور اگر کچھ قیمت لے چکا ہے تو باقی قیمت کے مطابق مال لے سکتا ہے اور کسی صورت میں یہ مال نہیں لے سکتا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ہی فیصلہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ۱۲

وقت تک کے لیے مہلت دینا واجب ہے جب تک کہ ان کے پاس نہ آجائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ بائع کا حق، خریدار کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

۲۷۷۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَكَانَ یَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَیْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِیَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا وہ اپنے غلام[1] کو کہا کرتا تھا کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس جائے تو اس سے درگزر کر[2] ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے[3]، وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا[4] تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا (صحیحین)

[1] فتیٰ کا معنی جوان ہے، غلام کو بھی فتیٰ کہتے ہیں اگرچہ بوڑھا ہو! اس میں بڑھاپے کی عزت کا لحاظ کیا گیا ہے، علماء نے اسی طرح کہا ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اگرچہ بوڑھا ہے لیکن خدمت اور آمد و رفت میں جلدی کرتا ہے اس لیے اسے فتیٰ کہتے ہیں، اسی طرح کنیز کو فتاۃ کہتے ہیں وجہ وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی۔

[2] یعنی وہ فقر و فاقہ کی بنا پر ادائی نہیں کر سکتا تو اسے قرض معاف کر دے۔

[3] اور ہمارے گناہوں کے سبب ہم پر گرفت نہ فرمائے۔

[4] مرنے کے بعد یا قیامت کے دن۔

۲۷۷۷ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّنْجِیَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے نجات[1] عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت[2] دے یا معاف کر دے[3] (مسلم شریف)

[1] یُنْجِیَهُ یا مضموم، نون ساکن اور جیم مخفف مکسور، دوسری روایت کے مطابق نون مفتوح اور جیم مشدد ہے، کُرَب کاف مضموم اور را مفتوح کُرْبَۃٌ کی جمع، شدید غم۔

[2] تنفیس کا معنی آسائش اور رہائش فراہم کرنا ہے۔

۳ کل یا بعض۔

۲۷۷۸ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کے غموں سے نجات عطا فرمائے گا۔ (مسلم شریف)

۲۷۷۹ وَعَنْ اَبِي الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الیسر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا[2]۔ (مسلم شریف)

۱ ابو الیسر یا اور سین دونوں مفتوح، مشہور صحابی ہیں ان کا نام کعب بن عمرو انصاری ہے، بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر ہوئے، بدر کے دن انہوں نے ہی حضرت عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کیا تھا۔ ۵۵ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔

۲ یعنی اسے قیامت کے دن کی گرمی سے محفوظ رکھے گا اور اس کے لیے وہ دن آسان فرمادے گا۔

۲۷۸۰ وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ اِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا اَجِدُ اِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطِهِ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَ

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ایک جوان[1] اونٹ قرض لیا، پھر آپ کے پاس صدقے کے اونٹ آگئے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کا اونٹ ادا کر دوں[2]، میں نے عرض کیا کہ میں اس سے اچھا صرف سات[3] سال کی عمر کا اونٹ ہی پاتا ہوں، فرمایا، وہی[4] اسے دے دو، کیونکہ بہترین انسان وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے[5]۔

النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً .

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

لے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام

کے بکر بار مفتوح اور کاف ساکن، جوان اونٹ، اس کی مؤنث "بکرۃ" ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوبکر اس لیے تھی کہ ہر وقت ایک جوان اونٹ آپ کی سواری میں ہوتا تھا، ایک دوسرے مشہور صحابی ابوبکرہ ہیں، اس جگہ بکرہ کا معنیٰ کنوئیں کی چرخی ہے اور وجہ تسمیہ کئی جگہ بیان کی جا چکی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کا قرض لینا جائز ہے، حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

سے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے قرض لیا ہوا تھا۔

کے رباعی راء مفتوح اور باء مخفف وہ اونٹ جس کے رباعیہ دانت اُگ گئے ہوں، رباعیہ بر وزن ثمانیہ وہ دانت جو اگلے دو دانتوں اور کیل کے درمیان ہوں، اور ایسا ساتویں سال میں ہوتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ ان کا اونٹ جوان تھا اس کی جگہ سات سالہ کیسے دے دوں؟

ھے اگرچہ اس کا اونٹ عمر میں کم اور چھوٹا تھا۔

لے اس سے معلوم ہوا کہ قرض میں عمدہ معاوضہ دینا اچھے اخلاق میں سے ہے، اور اونٹ سودی مال نہیں ہے نیز نفس عقد میں شرط نہیں لگائی گئی تھی۔

۲۷۸۱/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَّ اشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً .

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرض کا تقاضا کیا، اور آپ سے سخت لہجے میں گفتگو کی، صحابہ کرام نے کچھ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، اسے رہنے دو، کیونکہ صاحب حق کو کچھ بات کرنے کا حق ہے، اس کے لیے اونٹ خریدو اور اسے دے دو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر والا ہی ملتا ہے، آپ نے فرمایا: وہی خرید لو اور اسے دے دو کہ تم میں سے افضل وہ ہے جو قرض کی ادائی میں بہتر ہو۔ (صحیحین)

ا؎ اس شخص کا قرض نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے شدت سے مطالبہ کیا جس میں معاذ اللہ مدح یا ذم کا کوئی پہلو نہ تھا ہو سکتا ہے کہ مطالبہ کرنے والا کافر ہو یا یہودی یا اس کے علاوہ، یہ قول زیادہ واضح ہے۔

۳؎ یعنی صحابہ کرام نے چاہا کہ اسے سزا دیں یا زجر و توبیخ کریں۔

۴؎ اور اس سے تعرض نہ کرو۔

۵؎ یعنی اگر سخت بات کہے تو کہہ سکتا ہے۔

۶؎ یعنی جو اونٹ تمہیں ملتا ہے اگرچہ اس کی عمر زیادہ ہی ہے وہی دے دو اور اس میں مضائقہ محسوس نہ کرو۔

۲۷۸۲/۹ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مال دار کا ٹال مٹول[1] کرنا ظلم ہے جب تم میں سے کسی کا قرض مال دار کے حوالے کیا جائے تو اسے چاہیے کہ حوالہ قبول کرلے[2]۔ (صحیحین)

ا؎ یعنی قرض کی ادائی میں تاخیر کرنا ظلم ہے، علماء فرماتے ہیں کہ یہ فسق ہے جس کی بنا پر گواہی رد کی جا سکتی ہے، اگرچہ ایک بار ہی ہو، بعض حضرات نے فرمایا یہ اس وقت ہے کہ وہ عادت بنا لے۔

۲؎ اُتْبِعَ ہمزہ مضموم اور تاء ساکن، فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مَلِيٌّ بر وزن کریم، ہمزہ کے ساتھ، یاء مشددہ کے ساتھ بروزن غَنِیٌّ بھی آتا ہے۔ فَلْيَتْبَعْ یاء مفتوح اور تاء ساکن مخفف کے ساتھ، ایک روایت میں تاء مشددہ اور مفتوح بھی آئی ہے۔ یہ امر استحبابی ہے، بعض علماء نے کہا کہ وجوب کے لیے ہے۔

۲۷۸۳/۱۰ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا لَّهُ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُوْلُ

حضرت کعب بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا جو اُن کے ذمہ تھا، دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کاشانۂ مبارک میں سن لیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی طرف تشریف لانے کا ارادہ کیا۔ حتیٰ کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔

حجرۂ مبارکہ کا پردہ۳ ہٹایا اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۴ بلایا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں، آپ نے دست اقدس سے اشارہ فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دو۔ حضرت کعب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا آپ نے فرمایا۵ تو اٹھو اور قرض ادا کر دو۶

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (صحیحین)

۱ـ مشہور صحابی ہیں اور غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے تین صحابہ میں سے ایک ہیں۔

۲ـ ابن ابی حدرد حاد مفتوح، دال ساکن اور را مفتوح، صحابی ہیں، پہلے پہل حدیبیہ میں حاضر ہوئے پھر خیبر میں، ان کا نام عبد اللہ اور کنیت ابو محمد ہے۔

۳ـ سجف سین مکسور، جیم ساکن اور اس کے بعد فاء، پردہ

۴ـ جو قرض کا تقاضا کرنے میں مبالغہ سے کام لے رہے تھے۔

۵ـ حضرت ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔

۶ـ اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ قرض کا تقاضا کرنے میں تنگی اور مبالغہ سے کام نہیں لینا چاہیے نرمی کرنا چاہیئے اور کچھ حصہ معاف بھی کر دینا چاہیے، نیز یہ کہ قرض خواہ کی طرف سے مصالحت اور رعایت کے بعد مقروض کو چاہیے کہ ادائی میں تاخیر نہ کرے۔

۲۷۶۴۔ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى فَقَالَ هَلْ

حضرت سلمہ بن اکوع۱ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا اس کے رشتہ داروں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھیے، آپ نے فرمایا کیا اس پر قرض ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ نے اس پر نماز پڑھی پھر ایک اور جنازہ لایا گیا، فرمایا: کیا اس پر

عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

قرض ہے ؟ عرض کیا گیا ہاں، فرمایا کیا اس نے کچھ چھوڑا ہے ؟ عرض کیا تین دینار آپ نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا، فرمایا کیا اس پر قرض ہے ؟ عرض کیا تین دینار ہیں، فرمایا کیا اس نے کچھ چھوڑا ؟ عرض کیا نہیں، فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھو[3]، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان پر نماز پڑھیں، اور ان کا قرض میرے ذمہ[4] ہے، تو آپ نے ان پر نماز پڑھی۔ (بخاری شریف)

[1] تینوں حرف مفتوح ابن اکوع ہمزہ مفتوح اور کاف ساکن، مشہور صحابی ہیں، بڑے طاقتور اور جنگ میں بڑے ہی بہادر تھے، وہ پیدل دوڑتے تھے اور سواروں کو پیچھے چھوڑ جاتے تھے، ان ہی سے بھیڑیے نے گفتگو کی تھی۔

[2] غالباً ان پر تین دینار ہی قرض تھے، یا قرض خواہوں نے کچھ قرض معاف کر دیا ہوگا اور تین دینار باقی رہ گئے ہوں۔

[3] میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا اس میں انتہائی زجر اور تشدید ہے قرض کے چھوڑ جانے اور اس کی ادائی کے لیے کچھ نہ چھوڑ جانے پر۔

[4] میں ان کا قرض ادا کروں گا۔

۲۷۸۵/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَهَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے اموال قرض لے کر ان کی ادائی کا ارادہ رکھتا[1] ہے اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا ہی دیتا[2] ہے اور جو لوگوں کا مال ضائع کرنے کے لیے لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس مال کو اس کے لیے ضائع کر دیتا[3] ہے۔

سلہ یعنی اس کی نیت یہ ہے کہ اس مال کو اس کے حق دار تک پہنچا دے، لازمی بات ہے کہ ایسا شخص ضرورت کے بغیر قرض نہیں لے گا۔
سلہ۲ اللہ تعالیٰ اسے اس کی نیت کے مطابق توفیق عطا فرماتا ہے اور ادائی کے وسائل مہیا فرما دیتا ہے
سلہ۳ یعنی اس کی امداد نہیں فرماتا اور ایسے لوگوں کا مال ادا کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

۲۷۸۶/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَیْرَ مُدْبِرٍ یُکَفِّرُ اللّٰہُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاہُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّیْنَ کَذٰلِکَ قَالَ جِبْرَئِیْلُ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیں کہ اگر میں صبر کرتے، اجر طلب کرتے، آگے بڑھتے ہوئے نہ کہ پیٹھ پھیرتے ہوئے اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، جب وہ پشت پھیر کر چل دیے تو انہیں بلایا اور فرمایا: ہاں قرض کے سوا[1]، جبرئیل امین علیہ السلام نے اسی طرح کہا ہے۔ (مسلم شریف)

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کے حقوق میں انتہائی سختی اور تنگی ہے کہ قرض شہید کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔

۲۷۸۷/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُغْفَرُ لِلشَّھِیْدِ کُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّیْنَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض کے علاوہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ (مسلم شریف)

۲۷۸۸/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰی عَلَیْہِ الدَّیْنُ فَیَسْاَلُ ھَلْ تَرَکَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کوئی جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے کہ اس نے قرض کی ادائی کے لیے

لِدَيْنِهٖ قَضَاءً فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهٗ تَرَكَ وَفَاءً صَلّٰى وَ إِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَامَ فَقَالَ أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مال چھوڑا ہے؟ پھر اگر بتایا جاتا کہ چھوڑا ہے تو نماز جنازہ پڑھتے ورنہ مسلمانوں کو فرماتے تم اپنے صاحب کی نماز جنازہ پڑھو[۱] پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور والی ہوں، لہٰذا جو مومن قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس کی ادائی میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے[۲]

(صحیحین)

[۱] میں نہیں پڑھتا۔
[۲] اپنی اُمت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احسان اور کرم تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۲۷۸۹ عَنْ أَبِيْ خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ[۱] قَالَ جِئْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ فِيْ صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ فَقَالَ هٰذَا الَّذِيْ قَضٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِمَتَاعِهٖ إِذَا وَجَدَهٗ بِعَيْنِهٖ ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو خلدہ زرقی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے بارے میں جو دیوالیہ ہو چکا تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا یہی وہ واقعہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جو شخص فوت ہو جائے یا دیوالیہ ہو جائے تو سامان کا مالک اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے جب کہ اسے بعینہٖ پائے[ع] (امام شافعی ابن ماجہ)

ع بعینہٖ کسی چیز کے پانے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ امانت ہو یا دیوالیہ ہونے سے پہلے اس نے خریدی اور بائع کو خیار تھا پھر اچانک وہ دیوالیہ ہو گیا، اور اگر بائع اس کے پاس وہ چیز فروخت کر چکا تھا تو دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ بقدر حصۂ قرض اس چیز میں شریک ہوگا ۱۲ مرآۃ

۱؎ ابو خلدہ خاء مفتوح اور لام ساکن، بعض نے اسے مفتوح بھی کہا ہے، اس کے بعد دال الزرقی زاء مضموم، راء مفتوح اور اس کے بعد قاف، عامر بن زریق تمیمی کی طرف نسبت ہے، ان کا نام خالد بن دینار خیاط ہے وہ تابعی ثقہ ہیں، حضرت انس، حضرت ابو العالیہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی وہ لوگوں کے مقروض تھے پھر دیوالیہ ہو گئے، ان کے بارے میں دریافت کیا کہ ان کا حکم کیا ہے؟

۲۷۸۰/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰی يُقْضٰی عَنْهُ. رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی جان اپنے قرض میں اٹکی رہتی ہے۱؎ یہاں تک کہ اس کی طرف سے ادا کیا جائے۔

(امام شافعی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی)

۱؎ یعنی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی صالحین کے گروہ میں داخل ہوگا۔

۲۷۸۱/۱۸ وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدَّيْنِ مَاسُوْرٌ بِدَيْنِهٖ يَشْكُوْا اِلٰی رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرُوِیَ اَنَّ مُعَاذًا كَانَ يَدَّانُ فَاَتٰی غُرَمَاؤُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَالَهٗ كُلَّهٗ فِیْ دَيْنِهٖ حَتّٰی قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَیْءٍ مُرْسَلٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الْاُصُوْلِ اِلَّا فِی الْمُنْتَقٰی وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ

حضرت براء بن عازب۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مقروض اپنے قرض میں قید رہے گا، قیامت کے دن اپنے رب کی بارگاہ میں تنہائی کی شکایت کرے گا (شرح السنۃ) مروی ہے کہ حضرت معاذ مقروض ہو جاتے تھے۲؎۔ ان کے قرض خواہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کا تمام مال ان کے قرض میں فروخت کر دیا یہاں تک کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ رہ گئے۔ یہ حدیث مرسل ہے۳؎۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں، مجھے یہ حدیث منتقی۴؎ کے علاوہ اصول کی کسی کتاب میں نہیں ملی: انہوں نے حضرت عبد الرحمان بن کعب بن مالک سے روایت کی کہ حضرت معاذ بن جبل سخی جوان تھے وہ اپنے

كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابًّا سَخِيًّا وَكَانَ لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى أَغْرَقَ مَالَهٗ كُلَّهٗ فِي الدَّيْنِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهٗ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهٗ فَلَوْ تَرَكُوْا لِأَحَدٍ لَتَرَكُوْا لِمُعَاذٍ لِأَجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهٗ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْءٍ رَوَاهُ سَعِيْدٌ فِيْ سُنَنِهٖ مُرْسَلًا۔

پاس کچھ نہ رکھتے تھے، وہ قرض لیتے رہے، یہاں تک کہ ان کا تمام مال قرض میں ڈوب گیا حضرت معاذ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ قرض خواہوں سے بات کریں، وہ لوگ اگر کسی کے لیے چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر حضرت معاذ کے لیے ضرور چھوڑ دیتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے حضرت معاذ کا تمام مال بیچ دیا یہاں تک کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ اٹھے، حضرت سعید نے یہ حدیث اپنی سنن میں مرسلاً روایت کی۔[۵]

۱ے حضرت براء بن عازب انصاری صحابی ہیں، پہلے پہل غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، اس سے پہلے کم عمر تھے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲ے وہ تنہائی، وحشت، قیدی ہونے اور صالحین اور شفاعت کرنے والوں کی صحبت سے دوری کی شکایت کرے گا یا دوزخ کی آگ میں وحشت زدہ ہونا مراد ہے۔

۳ے یَدَّان یاء مفتوح اور دال مشدد، باب افتعال سے فعل مضارع ہے، اس کی تحقیق علم صرف میں ہے۔

۴ے مُرسل وہ حدیث ہے کہ تابعی (صحابی کا ذکر کیے بغیر) روایت کرے، حضرت مصنف نے تابعی کا نام ذکر نہیں کیا۔

۵ے منتقی ابن تیمی (حنبلی) کی تصنیف ہے۔[عہ]

عہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں کہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا صاحب مصابیح پر اعتراض نہیں ہے بلکہ ان پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب اور اپنی تلاش کی کمی کا اعتراف ہے، مقصد یہ ہے کہ اگرچہ یہ حدیث مجھے صحاح ستہ اور دیگر کتب اصول میں نہیں ملی تاہم کہیں نہ کہیں ہے ضرور ورنہ منتقی میں بھی نہ ہوتی ۱۲ مراۃ ملخصاً۔

۶ تیس سال سے کچھ اوپر عمر تھی کہ وصال ہو گیا۔

۷ کہ وہ تمام قرض یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے بات کی مگر انہوں نے معاف نہیں کیا۔

۸ یہ منتقی کی عبارت ہے، حضرت مؤلف نے ان کے اعتماد پر نقل کر دی ہے اگر یہ حدیث کتب اصول میں نہ ہوتی تو صاحب منتقی کیسے نقل کرتے؟

۲۷۹۲/۱۹ وَعَنِ الشَّرِيْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ يُغَلَّظُ لَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ يُحْبَسُ لَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت شرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مال دار کا ٹال مٹول کرنا اس کی بے عزتی اور سزا کو جائز کر دیتا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں اس کی بے عزتی کے جائز ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی کی جائے اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔ (ابوداؤد)

۱ شرید شین کے ساتھ بر وزن رشید، مشہور صحابی اور ثقفی ہیں، ان کا نام مالک ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام شرید رکھا، کیونکہ وہ اپنی قوم کے کسی آدمی کو قتل کر کے مکہ معظمہ آ گئے اور مسلمان ہو گئے۔ شُرُوْدٌ اور شِرَادٌ کا معنی چوپائے کا بھاگ جانا ہے۔

۲ یعنی جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے مال موجود ہو اس کے باوجود ادا نہ کرے۔

۳ یُحِلُّ یا مضموم اور حا مکسور، عِرْض عین مکسور، اس کا مطلب وہی ہے جو دوسری حدیث میں آیا ہے مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۲۷۹۳/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلٰى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَهٗ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں تو فرمایا: کیا تمہارے ساتھی پر قرض ہے؟ عرض کیا، ہاں، فرمایا: اس کی ادائی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا: تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو، حضرت علی مرتضیٰ

طَالِبٌ عَلَى دَيْنِهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَعْنَاهُ وَقَالَ فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ اَخِيْكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقْضِيْ عَنْ اَخِيْهِ دَيْنَهٗ اِلَّا فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا قرض میرے ذمہ[1] ہے، چنانچہ آپ آگے بڑھے اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی، ایک دوسری روایت میں جو اس کے ہم معنی ہے یہ اضافہ ہے کہ حضرت علی سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ سے رہائی عطا فرمائے جیسے تم نے اپنے مسلمان بھائی کی جان چھڑائی[2]، جو شخص اپنے بھائی کا قرض ادا کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے رہائی عطا فرمائے گا۔[3]

(شرح السنۃ)

لہ اور میں اسے ادا کروں گا۔

[2] فک دو چیزوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کو کہتے ہیں جو آپس میں پیوستہ ہوں، نیز رہن رکھی ہوئی چیز کے رہائی دلانے کو بھی کہتے ہیں۔ رہان راء مکسورہ کے ساتھ، رہن یعنی مرہون کی جمع ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر نفس اپنے اعمال کے سبب گروی رکھا ہوا ہے اور عذاب کی قید میں ہے، اس کی طرف سے قرض ادا کرنا اسے گروی ہونے سے رہائی دلانا ہے۔

[3] رِہان جمع کا صیغہ یا تو اس لیے لایا گیا ہے کہ مختلف قسم کے کام کیے ہیں جن کی بنا پر وہ گرفتارِ بلا ہوگا، یا اس لیے کہ اس کا ہر عضو گروی اور قیدی ہوگا۔

۲۷۶۴ وَعَنْ ثَوْبَانَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ وَ الْغُلُوْلِ وَ الدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ تکبر یعنی اپنے آپ کو بڑا جاننے، مال غنیمت میں خیانت[2] اور قرض سے پاک اور بیزار ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔[3]

(امام ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

[1] حضرت ثوبان، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، سفر و حضر، ہر وقت بے وقت بارگاہِ اقدس میں حاضر رہتے۔

[2] غلول غین مضموم، مال غنیمت میں خیانت کرنا یا مطلق خیانت۔

۳؎ یعنی ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کا پایا جانا جنت میں داخل ہونے سے مانع ہے، یہ تینوں، لوگوں کو اذیت پہنچانے میں مشترک ہیں عزت کے لحاظ سے یا مال کے لحاظ سے، عمومی طور پر یا خصوصی طور پر۔

۲۷۹۵/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ یَّلْقَاهُ بِهَا عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَی اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَّعَلَیْهِ دَیْنٌ لَا یَدَعُ لَهٗ قَضَاءً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ جن بڑے گناہوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے بعد۱؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ جسے لے کر بندہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے یہ ہے کہ کوئی آدمی اس حال میں فوت ہو کہ اس پر قرض ہو اور وہ اس کی ادائی کے لیے کچھ نہ چھوڑ جائے۔

(امام احمد، ابوداؤد)

۱؎ بڑے گناہوں کے بعد اس لیے فرمایا کہ نفس قرض، کبیرہ گناہ نہیں ہے، اور جو حدیثیں وارد ہیں وہ زجر و تشدید اور مبالغہ پر مبنی ہیں۔

۲۷۹۶/۲۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَّالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاؤدَ وَانْتَهَتْ رِوَایَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ شُرُوْطِهِمْ)

حضرت عمرو بن عوف مزنی۱؎ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے، اور مسلمان اپنی شرطوں۲؎ پر رہیں، سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے۔

(امام ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، امام ابوداؤد کی روایت شروطھم پر ختم ہو گئی۳؎۔)

۱؎ مُزَنِی میم مضموم، زاء مفتوح اور اس کے بعد نون۔

۲؎ یعنی وہ شرطیں جو انہوں نے صلح اور جنگ وغیرہ کے بارے میں آپس میں طے کر رکھی ہیں ان کی رعایت لازم ہے۔۔ مخفی نہ رہے کہ باب کے عنوان سے اس حدیث کی مناسبت ظاہر نہیں ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے خرید و فروخت میں صلح، افلاس کے وقت ہو۔

۳ؔ اس میں الّا شرطاً الخ کا ذکر نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۷۹۷/۲۴ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ فَأَتَيْنَا بِهٖ مَكَّةَ فَجَاءَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيْلَ فَبِعْنَاهُ وَثَمَّ رَجُلٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِنْ وَأَرْجِحْ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)۔

حضرت سوید بن قیس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی[2] مقام ہجر[3] سے کپڑا لائے ہم اسے لے کر مکہ مکرمہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل چل کر ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم سے شلوار کا بھاؤ طے کیا، ہم نے آپ کے پاس بیچ دی وہاں ایک شخص معاوضے پر قیمت تول[4] رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تول اور جھکتا ہوا تول[5]۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی۔) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ؔ سُوَید سین مضموم اور واؤ مفتوح، ابن قیس آپ صحابی ہیں اور آپ کا شمار اصحاب کوفہ میں ہوتا ہے، ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲ؔ مَخرفہ میم مفتوح، خاء ساکن اور بعد ازاں فاء ہے، بعض علماء نے کہا کہ فاء کی جگہ میم ہے، عبدی عین مفتوح اور باء ساکن، یہ عبدالقیس کی طرف نسبت ہے۔ جلب کا معنیٰ ہے سامان کا ایک شہر سے دوسرے شہر فروخت کے لیے لانا۔

۳ؔ ہجر پہلے دونوں حرف مفتوح یمن کا ایک شہر، بحرین کے تمام علاقے کا نام، مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک جگہ، بز کپڑے کو کہتے ہیں، کپڑا بیچنے والے کو بزاز اور اس کاروبار کو بزازہ کہتے ہیں۔

۴ؔ یعنی قیمت کے تولنے پر مزدوری لے رہا تھا، امام ابویعلیٰ اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ سے روایت لائے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار درہم میں شلوار خریدی اور ان لوگوں کے پاس ایک تولنے والا تھا جو تول رہا تھا۔

۵ؔ ارجح ہمزہ مفتوح اور جیم مکسور، اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

شلوار خریدی لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے شلوار پہنی ہو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق کتاب اللباس میں آئے گی ۔ باب کے عنوان سے اس حدیث کی مناسبت بھی واضح نہیں ہے ، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیمت کا جھکتا ہوا تول ، بائع کے مفلس ہونے کے پیش نظر ہے اور یہ مہلت دینے کے حکم میں ہے ۔

۲۷۹۸/۲۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ . (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا[1] تو آپ نے مجھے ادا فرمایا اور زیادہ دیا ۔ (ابو داؤد)

[1] غالباً یہ اس اونٹ کی قیمت تھی جو آپ نے مدینہ منورہ آتے ہوئے سفر میں خریدا تھا جیسے کہ بے عنوان باب میں گزرا ۔

۲۷۹۹/۲۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ مِنِّي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَيَّ وَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ . (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیے ، پھر آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے ادا فرما دیا[2] اور فرمایا : اللہ تعالیٰ تیرے اہل و عیال اور مال میں برکت عطا فرمائے ، قرض کا بدلہ شکریہ اور ادا ہے ۔ (نسائی)

[1] حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ مخزومی صحابی ہیں ، قریش کے معزز افراد اور انتہائی خوبصورت لوگوں میں سے تھے ، ان کے والد ابو ربیعہ بھی صحابی ہیں ۔

[2] وہ چالیس ہزار ادا فرما دیے ۔

۲۸۰۰/۲۷ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو پھر وہ اسے مہلت[1] دے دے تو اس کے لیے ہر دن کے بدلے صدقہ ہوگا ۔ (امام احمد)

لہ جس پر حق ہے اسے مہلت دے دے، کلمہ مِنْ (مِمَّنْ اٰخِرَهٗ میں) تاکید کے لیے زائد ہے۔

۲۸۰۱ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْاَطْوَلِ قَالَ مَاتَ اَخِيْ وَتَرَكَ ثَلٰثَ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَّتَرَكَ وَلَدًا صِغَارًا فَاَرَدْتُّ اَنْ اُنْفِقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاكَ مَحْبُوْسٌ بِدَيْنِهٖ فَاقْضِ عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ اِلَّا امْرَاَةٌ تَدَّعِيْ دِيْنَارَيْنِ وَلَيْسَتْ لَهَا بَيِّنَةٌ قَالَ اَعْطِهَا فَاِنَّهَا صَادِقَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت سعید[۱] بن اطول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرا بھائی فوت ہوگیا، اس نے تین سو دینار اور چھوٹے بچے[۲] چھوڑے، میں نے ارادہ کیا کہ ان بچوں پر خرچ کروں[۳]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: تیرا بھائی اپنے قرض کے سبب قید[۴] میں ہے تو اس کی طرف سے قرض ادا کر، چنانچہ میں نے جا کر قرض ادا کر دیا پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بھائی کا قرض ادا کر دیا ہے صرف ایک عورت باقی ہے جو دو دیناروں کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، فرمایا: اسے دے دو وہ سچی ہے[۵]۔ (امام احمد)

لہ مشکوٰۃ شریف کے نسخوں میں اسی طرح ہے، اور صحیح سعد ہے بغیر یا کے، جیسے کہ اسماء رجال کی کتابوں میں ہے جامع الاصول میں کسی کا بھی ذکر نہیں ہے نہ سعد کا اور نہ سعید کا، مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں سعید کو سعد سے تبدیل کر دیا گیا ہے، صحابی ہیں اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے سن جو ۱۵ھ ہجری میں وصال ہوا۔

۲ے وُلد واؤ مضموم اور لام ساکن وَلَدٌ کی جمع، دونوں کو مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے، اس کا اطلاق ایک اور اس سے زائد پر ہوتا ہے، دونوں طرح مروی ہے۔

۳ے یعنی وہ دینار بھائی کی اولاد پر خرچ کر دوں اور قرض ادا نہ کروں۔

۴ے عالم برزخ میں نعمت کے حاصل کرنے اور صالحین کے ساتھ لاحق ہونے سے روک دیا گیا ہے۔

۵ے ہو سکتا ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا ہو کہ وہ سچی ہے یا آپ پہلے سے جانتے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے بطور احتیاط فرمایا ہو یعنی اسے دے دے اور اسے سچی گمان کر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرض، وراثت سے مقدم ہے۔

۲۸۰۲/۲۹ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوضَعُ الْجَنَائِزُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَأْطَأَ بَصَرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نُزِّلَ مِنَ التَّشْدِيدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا لَمْ نَرَ إِلَّا خَيْرًا حَتّٰى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نُزِّلَ قَالَ فِي الدَّيْنِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهُ.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ نَحْوُهُ)

حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحش[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہم مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر نگاہ جھکا لی اور دست اقدس اپنی پیشانی پر رکھا اور فرمایا: سبحان اللہ! سبحان اللہ کتنی سختی نازل ہوئی ہے۔ راوی فرماتے ہیں ہم اس دن اور رات خاموش رہے تو ہم نے بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ محمد (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ سختی کیا تھی؟ جو نازل ہوئی۔ فرمایا: وہ سختی قرض کے بارے میں ہے۔ قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری زندگی ہے۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے پھر زندہ ہو جائے، پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے پھر زندہ ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے پھر زندہ ہو جائے وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔[2]

(امام احمد، شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)[3]

[1] محمد بن عبد اللہ بن جحش جیم مفتوح اور حاء ساکن، حضرت محمد کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے

ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے، ان کے والد اکابر صحابہ میں سے اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا کے بھائی ہیں۔

۲؎ یعنی صحابہ کرام

۳؎ قِبَل قاف مکسور اور با مفتوح، طرف

۴؎ حضرت محمد بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ

۵؎ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے نہ پوچھا کہ وہ سختی کیا ہے؟

۶؎ یعنی ہم نے سختی اور عذاب نہ دیکھا، گویا ان کا خیال تھا کہ سختی اور تشدید سے مراد عذاب ہے جو بالفعل نازل ہونے والا ہے۔

۷؎ اور آپ نے ہمیں اس کی خبر دی تھی۔

۸؎ اگر ایسا ہوتا کہ

۹؎ اللہ تعالی کی راہ میں بار بار قتل کیا جانا قرض کا کفارہ نہیں بن سکے گا۔

۱۰؎ نحوہ کا مطلب یہ ہے کہ شرح السنۃ کی روایت، امام احمد کی روایت کے لفظوں میں موافق نہیں ہے صرف معنیٰ موافق ہے۔

بَابُ الشِّرْكَةِ وَالْوَكَالَةِ

۲۳۴۔ شرکت اور وکالت کا باب

شرک اور شرکت کا معنی ساجھی ہونا اور حصہ دار ہونا ہے، شریک حصہ دار کو کہتے ہیں، تشریک کا معنی حصہ دار بنانا ہے، وکالت واؤ مفتوح ہے اسے مکسور پڑھنا بھی جائز ہے۔ کوئی کام دوسرے کے ذمہ لگا دینا اور اس پر اعتماد کرنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۸۰۳ - ۱ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَخْرُجُ بِهٖ جَدُّهٗ

حضرت زہرہ بن معبد رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ ان کے دادا عبداللہ بن ہشام انہیں

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ اِلَى السُّوْقِ فَيَشْتَرِى الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيَشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ وَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ وَ دَعَا لَهٗ بِالْبَرَكَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بازار لے جاتے تھے اور وہ غلہ خریدتے تھے ان سے ابن عمر اور ابن زبیر ملاقات کرتے اور انہیں کہتے کہ ہمیں بھی شریک کرلو، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لیے برکت[۳] کی دعا فرمائی ہے تو وہ انہیں شریک کر لیتے، بعض اوقات پورا اونٹ[۴] جوں کا توں نفع میں پا لیتے اور اسے گھر بھیج دیتے۔ حضرت عبداللہ بن ہشام کی والدہ[۵] انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں، آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (امام بخاری)

[۱] زُہرہ زاد مضموم اور ہا ساکن، بن معبد میم مفتوح، عین ساکن اور بار مفتوح قریشی مصری، تابعی اور ثقہ ہیں، علامہ ذہبی کاشف میں فرماتے ہیں کہ وہ اولیاء میں سے تھے، عبدالرحمٰن دارمی فرماتے ہیں کہ ابدال میں سے تھے، اپنے دادا حضرت عبداللہ بن ہشام صحابی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] ان کے دادا حضرت عبداللہ دیلتے پوتے کو بازار لے جاتے تھے تاکہ انہیں خرید و فروخت کا طریقہ معلوم ہو)

[۳] اور مال و تجارت میں زیادتی کی۔

[۴] راحلہ طاقت ور اور لمبے سفروں اور بھاری بوجھوں کے متحمل اونٹ کو کہتے ہیں۔

[۵] حضرت زینب بنت حمید اپنے صاحبزادے کو بچپن میں بارگاہِ رسالت میں لے گئی تھیں

۲۸۰۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ قَالَ لَا تَكْفُوْنَنَا الْمَؤُنَةَ وَنُشْرِكْكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوریں تقسیم فرمادیں[۱]، فرمایا، نہیں[۲]! (پھر مہاجرین سے فرمایا) تم ہمیں مشقت[۳] سے

فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کفایت کرو گے اور ہم تمہیں پھلوں میں شریک کریں گے انصار نے کہا ہم نے سن لیا اور تعمیل کریں گے۔

(امام بخاری)

ف۱ یعنی ہمارے پاس کھجوروں کے جو درخت ہیں وہ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیں، انصار نے اپنے طور پر تمام چیزیں تقسیم کرلی تھیں، اور مہاجرین کو اپنے ساتھ شریک کرلیا تھا، یہاں تک کہ اگر ایک انصاری کی کئی بیویاں تھیں تو وہ ایک کو طلاق دے دیتے (اور عدت گزرنے کے بعد) مہاجر بھائی سے نکاح کردیتے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔

ف۲ میں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان کھجوریں تقسیم نہیں کروں گا۔

ف۳ یعنی پانی دینے اور مادہ کھجور کو گابھن کرنے وغیرہ کی مشقت سے ہمیں نجات دلا دو گے ـــــ اس صورت میں لا کا تعلق مذکورہ بالا کلام سے ہے، یعنی انصار نے جو کھجوروں کی تقسیم کی درخواست کی تھی اس کی نفی فرمائی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا اَ تَکْفُوْنَنَا سے پہلے ہمزۂ استفہام مقدر ہے، یعنی کیا تم ہمیں مشقت سے کفایت نہیں کرو گے؛ اس صورت میں لا تَکْفُوْنَنَا پر داخل ہوگا، کفایت کا معنی کسی کے لیے کام کرنا اور مؤنت کا معنی بوجھ ہے۔

ف۴ نَشْرَکُکُمْ فِي الثَّمَرَةِ نون مفتوح، شین ساکن اور راء مفتوح، شرک سے مشتق ہے پھر ہم پھلوں میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں گے، یہ بھی جائز ہے کہ نون مضموم اور راء مکسور ہو اور اشراک سے مشتق ہو، اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم تمہیں پھلوں میں شریک بنائیں گے، مطلب یہ کہ درخت تمہاری ملکیت ہی ہوں گے اس میں فریقین کے لیے تخفیف ہے اور حاصل ہونے والے پھل ہم دونوں میں مشترک ہوں گے ہم بھی کھائیں گے تم بھی کھانا، یا یہ مطلب کہ پھلوں میں تمہارا حصہ ہوگا مثلاً آدھا چوتھائی یا تہائی۔

ف۵ یعنی جس طرح بھی آپ حکم فرمائیں اور جس بات پر آپ راضی ہوں ہم وہی کریں گے۔ع۵

۲۸۰۵ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا

حضرت عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار عطا فرمایا تاکہ حضور کے لیے

ع۵ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث اس جگہ اس لیے لائے ہیں کہ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پھلوں میں شرکت جائز ہے باغ ایک کا محنت دوسرے کی اور پھل مشترک، اس سے معلوم ہوا کہ زمین ایک کی محنت دوسرے کی اور پیداوار مشترک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ ۱۲

لِيَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرَى لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اِحْدٰهُمَا بِدِيْنَارٍ وَّ اَتَاهُ بِشَاةٍ وَّ دِيْنَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْعِهٖ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ایک بکری خریدیں، انہوں نے آپ کے پیسے دو بکریاں خریدیں، پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی، اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع کما لیتے تھے[۲] (بخاری شریف)

[۱] عروہ بن ابی الجعد جیم مفتوح اور عین ساکن، البارقی، بارق بن عوف بن عدی کی طرف نسبت ہے، حضرت عروہ صحابی ہیں، حضرت عمر نے انہیں کوفہ کا حاکم اور قاضی مقرر فرمایا، ان کا شمار اہلِ کوفہ میں ہوتا ہے، ان کی روایت کردہ احادیث اہلِ کوفہ میں معروف ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ وہ عروہ ابن جعد ہیں یا عروہ ابن ابی الجعد؟ صحیح وہ ہے جو ابن مدنی نے فرمایا، وہ کہتے ہیں جس نے ابن الجعد کہا اس نے خطا کی وہ عروہ ابن ابی الجعد ہیں۔

[۲] یہ ان کے نفع کمانے کا بطور مبالغہ بیان ہے، ہو سکتا ہے کہ حقیقت پر محمول ہو کیونکہ مٹی کی کچھ قسمیں خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۲۸۰۶ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهٗ[۱] قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ رَزِيْنٌ وَجَاءَ الشَّيْطَانُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا[۱] روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں دو شریکوں کا تیسرا[۲] ہوں جب تک کہ اُن میں سے ایک اپنے صاحب سے خیانت[۳] نہ کرے، جب وہ خیانت کرے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔ (ابو داؤد) امام رزین نے یہ اضافہ کیا کہ شیطان آ جاتا ہے[۴]۔

[۱] اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچاتے ہوئے روایت کیا، حدیث مرفوع کا معنی مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

[۲] اور دونوں کی خیر و برکت سے امداد کرتا ہوں،

۳؎ مراح میں ہے کہ خیانت کا معنی ناراستی اور غلط کاری ہے۔
۴؎ اور اس کا موجود ہونا شر اور نقصان کا سبب ہوتا ہے۔

۲۸۰۷ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجھے امین بنائے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔[۱] (ترمذی، ابوداؤد دارمی)

۱؎ اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اچھے اخلاق اختیار کرنے چاہیں، جو برائی کرے اس پر احسان کیا جائے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا جائے ہ

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی احسن الی من اسا

برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر تو مرد ہے تو اس شخص پر احسان کر جو برائی کرے (ایک شاعر کہتا ہے

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟)

۲۸۰۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَدْتُ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ اِنِّيْ اَرَدْتُ الْخُرُوْجَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ اِذَا اَتَيْتَ وَكِيْلِيْ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَاِنِ ابْتَغٰى مِنْكَ اٰيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى تَرْقُوَتِهِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا سلام عرض کیا، اور عرض کیا کہ میں خیبر جانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: جب تم ہمارے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق[۱] لے لینا اور اگر وہ تم سے کوئی نشانی مانگے تو اس کے گلے[۲] پر ہاتھ رکھ دینا۔ (ابوداؤد)

۱؎ وسق واؤ مفتوح اور سین ساکن، ساٹھ یا ستر صاع (حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وسق ساٹھ صاع کو کہتے ہیں ۱۲ مرقاۃ۔ اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے ۱۲ مرأۃ)

۲؎ ترقوۃ تا مفتوح، را ساکن اور قاف مضموم، ہنسلی کی ہڈی،

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۰۹ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ثَلٰثٌ فِيْهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ اِلٰى اَجَلٍ وَّ الْمُعَارَضَةُ وَاِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت صہیب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزوں میں برکت ہے (۱) ادھار بیچنا[۲] (۲) قرض دینا[۳] (۳) گندم کو جو سے ملانا لیکن گھر کے لیے نہ کہ بیچنے کے لیے[۴]۔ (ابن ماجہ)

۱ صہیب صاد مضموم، ہا مفتوح اور یا ساکن، حضرت صہیب رومی مشہور صحابی ہیں۔ اس وقت اسلام لائے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے، تیس سے کچھ زائد حضرات کے بعد اسلام لائے، وہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے جنہیں کہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ کا دین اختیار کرنے پر عذاب دیا جاتا تھا، پھر آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے، آپ اولین سابقین میں سے ہیں، ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں، ان کے بارے میں صرف ایک حدیث کافی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عرب کا سابق ہوں، صہیب روم کے سابق، سلمان فارس کے اور بلال حبشہ کے سابق ہیں، وہ غزوۂ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲ اس میں قیمت وصول کرنے میں نرمی اور سہولت سے کام لیا گیا ہے۔

۳ ایک دوسرے کو قرض دینے میں باہمی امداد و تعاون ہے، بعض علماء نے فرمایا: اس جگہ معارضہ سے مراد مضاربت ہے یعنی کسی کو مال دینا تاکہ وہ تجارت کرے اور جو نفع حاصل ہو وہ طے کردہ شرائط کے مطابق مشترک ہو۔

۴ گھر کے استعمال کے لیے گندم میں جو ملانا باعث برکت ہے اور اگر گندم فروخت کے لیے ہو تو اس میں جو کا ملانا گناہ ہے۔

۲۸۱۰ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهٗ بِدِيْنَارٍ يَشْتَرِيْ لَهٗ بِهٖ اُضْحِيَّةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَ بَاعَهٗ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى اُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک دینار دے کر بھیجا تاکہ آپ کے لیے قربانی خریدیں، انہوں نے ایک دینار میں ایک مینڈھا خریدا اور اسے دو دینار میں بیچ دیا، پھر لوٹے کر ایک دینار میں ایک اور قربانی خریدی

فَجَآءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِيْ اسْتَفْضَلَ عَنِ الْأُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهٗ اَنْ يُّبَارَكَ لَهٗ فِيْ تِجَارَتِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ)

اور وہ قربانی اور دوسری قربانی سے بچا ہوا دینار لے کر حاضر ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دینار تو صدقہ کر دیا اور انہیں دعا دی کہ ان کی تجارت میں برکت دی جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

لے حکیم بن حزام حاء مکسور اور زاء، حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی اور صحابی ہیں، ایک سو بیس سال عمر پائی۔

لے ان کے ساتھ ایک دینار بھیجنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو ایک دینار دے کر ان کے ساتھ بھیجا۔

لے لوٹنے کا معنی یہ ہے کہ گھر واپس چلے گئے یا اس خریداری سے لوٹ کر دوسرا معاملہ شروع کر دیا۔

بَابُ الْغَصْبِ وَالْعَارِيَةِ

۲۲۵۔ ظلماً مال لینے اور مانگ کر لینے کا باب

غصب کا معنی ہے کسی کا مال بطور ظلم ہتھیا لینا بشرطیکہ چوری نہ ہو، عاریت یاء کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ صحاح میں ہے کہ گویا یاء مشدد پڑھنے کی صورت میں عار کی طرف نسبت ہے کیونکہ کسی چیز کا مانگ کر لینا عیب اور عار ہے، عارۃٌ بھی عاریت کے معنی میں آیا ہے، بعض علماء نے کہا کہ عاریت، تعاور سے مشتق ہے جس کا معنی باری باری کسی چیز کا ہاتھ میں پکڑنا ہے، اس طرح وہ چیز کبھی غیر کے ہاتھ میں جائے گی اور کبھی مالک کے ہاتھ میں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۸۱۱ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ

حضرت سعید بن زید[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک بالشت زمین ظلماً لے لی، قیامت کے دن اسے سات زمینوں سے طوق پہنایا جائے گا[2]

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)
(صحیحین)

لہ حضرت سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی ہیں۔

لہ یعنی زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں زمینوں سے لے کر اس کی گردن میں ڈالا جائے گا بعض علماء نے کہا کہ اسے اس قطعہ کے اٹھانے کی تکلیف دی جائے گی اور یہ طاقت سے شاق ہے۔

۲۸۱۲/۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تُؤْتٰى مَشْرُبَتُهٗ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهٗ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهٗ وَاِنَّمَا يَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی کا جانور[۱] اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے؛ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کے بالاخانے[۲] میں گھس جائے اور اس کا خزانہ توڑ کر غلہ لے جائے، چوپایوں کے تھن، لوگوں کی غذاؤں کے خزانے ہیں[۴]
(امام مسلم[۵])

لہ عام ازیں کہ وہ گائے، اونٹنی ہو یا بکری۔

۲ہ مَشْرُبَۃ میم مفتوح، اس کے بعد شین، پھر راء مضموم، بالا خانہ جہاں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

۳ہ خزانہ خاء مکسور، جہاں کوئی چیز محفوظ کی جائے۔

۴ہ یخزن میں زاء مضموم ہے۔ اطعمات جمع اطعمہ اور وہ طعام کی جمع ہے۔ جمع کی جمع کا صیغہ مبالغہ کے لیے لایا گیا ہے۔

۵ہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے: امام مسلم کتاب الغصب میں لائے ہیں اور امام بخاری کتاب اللقطہ میں، حضرت مؤلف کو بخاری شریف میں نہیں ملی۔

جمہور اہل علم کے نزدیک کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے، البتہ مخمصہ یعنی سخت بھوک کی حالت میں جائز ہے اور اسے ضمانت دینا پڑے گی، بعض علماء کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا، امام محمد اور اسحاق سخت بھوک کے بغیر بھی جواز کی طرف گئے ہیں، بعض علماء نے کہا کہ مسافر کے لیے جائز ہے کہ غیر کے پھل کھالے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند غریب سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی باغ میں آئے تو اس کے پھل کھا سکتا ہے اور کھانے کے علاوہ کچھ ساتھ بھی لے سکتا ہے۔ جمہور کے نزدیک سخت بھوک

کے بغیر جائز نہیں ہے۔ یہ تفصیل علامہ طیبی نے بیان کی۔

۲۸۱۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ أُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى أُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِّنْ عِنْدِ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ إِلَى الَّتِي كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِي بَيْتِ الَّتِي كَسَرَتْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ایک[1] بیوی کے ہاں تشریف فرما تھے کہ ایک ام المؤمنین[2] نے پیالے[3] میں کچھ کھانا بھیجا تو جس ام المؤمنین کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم[4] کے ہاتھ پر مارا جس سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے[5] جمع کیے اور جو کھانا پیالے میں تھا اس میں ڈالنے لگے اور ساتھ ہی فرماتے جا رہے تھے کہ تمہاری ماں غیرت کھا گئیں[6]، پھر آپ نے خادم کو روک لیا یہاں تک کہ جس ام المؤمنین کے پاس آپ تھے ان کے ہاں سے پیالہ لایا گیا تو آپ نے صحیح پیالہ انہیں بھیج دیا جن کا پیالہ توڑا گیا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی کے گھر میں رکھ لیا[7]۔

(بخاری شریف)

[1] اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جیسے کہ دوسری روایت میں آیا ہے، راوی نے حضرت عائشہ کے نام کی تصریح یا تو اس لیے نہیں کی کہ خود انہیں معلوم نہیں تھا یا اس لیے کہ وہ فعل مذکور کی نسبت ام المؤمنین کی طرف نہیں کرنا چاہتے تھے۔

[2] اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش یا حضرت ام سلمہ یا حضرت صفیہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔

[3] مراح میں ہے کہ صحفہ حا پہلے اور فا بعد، بڑا پیالہ، اس کی جمع صحاف ہے۔

۴؎ خادم کنیز اور غلام دونوں کو کہتے ہیں۔

۵؎ فلق کا معنی پھاڑنا ہے، فلقۃ کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں افلق فاء مکسور اور لام مفتوح اس کی جمع۔

۶؎ یعنی یہ بے تابی اور بلکا کام، غیرت اور رشک کی بنا پر ہے، یہ حضرت عائشہ سے اس فعل کے صادر ہونے پر عذر پیش کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے یہ کام غیرت کی بنا پر کیا جس پر انسان کی پیدائش ہے۔

۷؎ اس حدیث کو اس باب میں اس لیے لائے ہیں کہ انہوں نے پیالہ توڑنے کو غصب کے ساتھ تشبیہ دی ہے بہتر یہ تھا کہ اس حدیث کو ضائع کی ہوئی چیزوں کی ضمانت کے باب میں لاتے۔

۲۸۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ[۱] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن یزید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوٹ مار[۲] اور ناک کان وغیرہ کاٹنے سے منع فرمایا۔ (بخاری)

۱؎ انصاری صحابی ہیں، حدیبیہ میں سترہ سال کی عمر میں حاضر ہوئے، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے اور امام شعبی آپ کے کاتب تھے۔

۲؎ نُھْبَۃ نون مضموم اور ہا ساکن، مسلمانوں کا مال لوٹنا، مُثْلَہ میم مضموم اور ثا ساکن، ناک، کان وغیرہ اعضا کاٹ کر سزا دینا اور یہ حرام ہے، البتہ قصاص کے طور پر جائز ہے۔

۲۸۱۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ اٰضَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُوْنَهُ اِلَّا قَدْ رَاَيْتُهُ فِيْ صَلٰوتِيْ هٰذِهٖ لَقَدْ جِيْءَ بِالنَّارِ وَذٰلِكَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تو سورج کو گرہن لگ گیا، حضور نے لوگوں کو دو رکعتیں چھ رکوعوں اور چار سجدوں[۱] سے پڑھائیں، آپ اس وقت فارغ ہوئے جب سورج اپنی اصلی حالت پر لوٹ چکا تھا اور فرمایا: جس جس چیز کی تمہیں خبر دی گئی ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو میں نے اپنی اس نماز میں نہ دیکھ لی ہو، تحقیق دوزخ کی

حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ اَنْ يُّصِيْبَنِيْ مِنْ لَفْحِهَا حَتّٰى رَأَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَ الْمِحْجَنِ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَ كَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمِحْجَنِهٖ فَاِنْ فُطِنَ لَهٗ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ وَ اِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهٖ وَ حَتّٰى رَأَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَةَ الْهِرَّةِ الَّتِيْ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَ لَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا ثُمَّ جِيْئَ بِالْجَنَّةِ وَ ذٰلِكَ حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَقَدَّمْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ وَ لَقَدْ مَدَدْتُّ يَدِيْ وَ اَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ بَدَا لِيْ اَنْ لَّا اَفْعَلَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگ لائی گئی اور یہ اس وقت تھا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ اس خوف سے کہ کہیں مجھے اس کی تپش نہ پہنچ جائے اور یہاں تک کہ میں نے آگ میں نیزے[ا] والے کو دیکھا جو آگ میں اپنی انتڑیوں[۳] کو کھینچ رہا تھا، وہ اپنے نیزے سے حاجیوں کے کپڑے چرایا کرتا تھا، اگر کسی کو اس کی کارروائی کا پتا چل جاتا تو کہتا یہ چیز میرے نیزے سے اٹک گئی تھی[۳] اور اگر پتا نہ چلتا تو لے جاتا، اور یہاں تک کہ میں نے آگ میں اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ دیا تھا، پھر نہ تو اسے کچھ کھلایا اور نہ اسے رہا کیا کہ وہ زمین کے کیڑے کوڑے[ا] کھائے، حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی پھر جنت لائی گئی اور یہ اس وقت تھا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا تھا میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ جنت کے کچھ پھل توڑ لوں تاکہ تم انہیں دیکھو، پھر یہ رائے ملی ہوئی کہ ایسا نہ کروں[۴]

(مسلم شریف)

لہ یعنی ہر رکعت میں تین رکوع کیے البتہ سجدے معروف طریقے کے مطابق ہر رکعت میں دو ہی کیے۔

سلہ مِحجن میم مکسور، حاء ساکن اور جیم مفتوح، وہ لاٹھی جس کے کنارے پر لوہا لگا ہوا ہو اور وہ ہاکی کی طرح مڑا ہو مِحجن ہاکی کو بھی کہتے ہیں۔

سلہ قُصب قاف مضموم اور صاد ساکن، انتڑی، بعض علماء نے کہا وہ انتڑی جو پیٹ کے نیچے ہوتی ہے، اس کی جمع انصاب ہے، اس شخص کا نام عمرو بن لحی تھا لام مضموم حاء مفتوح اور یاء مشدد، دور جاہلیت میں ایک شخص تھا۔

سلہ میرا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

۵ خشاش خا مکسور، مفتوح بھی پڑھی جاسکتی ہے، بعض نے اسے مضموم بھی قرار دیا ہے، ایک شین الف سے پہلے اور ایک اس کے بعد، زمین کے کیڑے مکوڑے، کمزور پرندے، بعض نے اسے ما کے ساتھ بغیر نقطہ کے پڑھا ہے، اس سے مراد خشک گھاس ہے۔

۶ تاکہ تمہارا ایمان، ایمان بالغیب ہو۔

۲۸۱۶/۶ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ اَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت قتادہ[۱] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ (ایک دفعہ) مدینہ منورہ میں خوف وہراس پھیل گیا[۲]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ سے گھوڑا عاریۃً لیا جسے مندوب[۳] کہا جاتا تھا اور اس پر سوار ہوئے[۴]۔ واپسی پر فرمایا: ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا[۵] اور بے شک ہم نے اس گھوڑے کو تیز رو دریا پایا[۶]۔ (صحیحین)

۱ مشہور تابعی ہیں۔

۲ یہ افواہ پھیل گئی کہ ڈاکو یا دشمن کا لشکر حملہ آور ہو رہا ہے۔

۳ مندوب، ندب سے مشتق ہے جس کا معنی طلب کرنا ہے، اور مندوب اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنا کام جلد نمٹالے۔

۴ اور جدھر سے خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا ادھر تشریف لے گئے۔

۵ یعنی ہمیں تو خطرے کی کوئی چیز نظر نہیں آئی جس سے تم ڈر رہے تھے۔

۶ وہ گھوڑا اس سے پہلے بہت سست رفتار اور بری چال والا تھا، نہایہ میں ہے کہ مندوب، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام تھا، ممکن ہے کہ اس نام کا کوئی دوسرا گھوڑا آپ کے پاس ہو، یا اسی گھوڑے کو اس پر سوار ہونے کے سبب آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سواری کے بعد وہ آپ کی نذر کر دیا گیا ہو اور وہ آپ کے بابرکت گھوڑوں میں داخل ہو گیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ
دوسری فصل

۲۸۱۷/۷ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی اکرم

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جس نے بنجر زمین کو آباد کیا[۲] تو وہ اسی کی ہے اور ظالم رگ کا کوئی حق نہیں ہے[۳]۔ (امام احمد و ترمذی، امام مالک نے اسے حضرت عروہ سے مرسلاً[عہ] روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے)

۱؎ حضرت سعید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سلطان کی اجازت شرط ہے[۱] اور امام شافعی کے نزدیک شرط نہیں ہے، اس مسئلے کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

۳؎ یعنی جو شخص دوسرے کی ملکیت میں درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے تو اسے ان درختوں اور کھیتی کے باقی رکھنے کا حق نہیں ہے اور مالک کو حق ہے کہ اسے اکھیڑ دے، بعض علماء نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کی آباد کی ہوئی زمین میں کھیتی اگائے یا درخت لگائے تو وہ اس زمین کا حق دار نہیں ہو جائے گا، یہ معنی سیاقِ حدیث کے زیادہ موافق ہے۔

۲۸۱۸/۸ وَعَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ

حضرت ابو حرہ رقاشی[۱] اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار! ظلم نہ کرو، خبردار! کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر جائز نہیں۔

عہ مرقاۃ میں ہے کہ امام مالک کی روایت کے مطابق حضرت عروہ نے صحابی کا ذکر نہیں کیا، ممکن ہے کہ وہ صحابی حضرت سعید ہوں جیسے کہ مصابیح اور مشکوٰۃ کی روایت میں ہے یا کوئی دوسرے صحابی ہوں، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی نے فرمایا کہ عروہ صحابی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے حضرت عروہ تابعی ہیں۔ ۱۲ قادری۔

۱؎ مرقاۃ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ آدمی کے لیے وہی چیز ہے جس پر اس کے امام کا دل خوش ہو، اس سے اذن امام کا شرط ہونا ثابت ہے، لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے ۱۲۔

امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبٰى)

(امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور دار قطنی نے مجتبیٰ میں یہ حدیث روایت کی۔

ـلہ ابوحُرّہ حا مضموم اور را مشدد الرقاشی را مفتوح، قاف مخفف، تابعی ہیں ان کی حدیث بصریوں میں معروف ہے وہ ثقہ ہیں اگرچہ بعض حضرات نے انہیں ضعیف کہا ہے، (حضرت مصنف نے ان کے چچا کا نام بیان نہیں کیا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ صحابی ہیں اور صحابی کے نا معلوم ہونے سے روایت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ۱۲ مرقاۃ)

۲۸۱۹/۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں نہ تو جَلَب ہے، نہ ہی جَنَب[1] ہے اور نہ ہی شِغار[2]۔ جس کسی نے مال لوٹا وہ ہم میں سے نہیں ہے[3]۔

(ترمذی شریف)

ـلہ جلب اور جنب میں جیم، لام اور نون تینوں مفتوح ہیں، یہ دونوں گھوڑ دوڑ میں بھی ہوتے ہیں اور صدقے میں بھی، گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑا دوڑاتے ہیں تاکہ وہ آگے نکل جائے، اس میں جَلَب یہ ہے کہ ایک شخص کو اپنے گھوڑے کے پیچھے مقرر کرے تاکہ وہ اسے مارے، ڈانٹ ڈپٹ کرے اور اسے آگے نکلنے پر ابھارے اور جنب یہ کہ اپنے پہلو میں ایک خالی گھوڑا رکھے تاکہ اس کا گھوڑا تھک جائے تو دوسرے پر سوار ہو جائے، اور آگے نکل جائے، صدقہ میں یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی کرنے والا جا کر کسی جگہ ٹھہر جاتا ہے اور اصحاب اموال کو پیغام بھیجتا ہے کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ اس جگہ آکر ادا کرو (یہ جلب ہے) یا صاحب مال اپنی جگہ سے دوسری جگہ چلا جاتا ہے اور صدقات وصول کرنے والے کو تکلیف دیتا ہے کہ اس جگہ آکر صدقہ وصول کرو (یہ جنب ہے) جیسے کہ کتاب الصدقات میں گزر گیا۔

ـ۲ـہ شغار شین مکسور، اس کے بعد غین، یہ ہے کہ ایک شخص کسی کی لڑکی سے نکاح کرے اور اس کے بدلے میں اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دے اور مہر نہ ہو (یعنی نکاح کے بدلے نکاح۔ اور ہر نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو) اکثر علماء کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے، امام اعظم ابوحنیفہ اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح ہے (اور شرط باطل) اور مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

ـ۳ـہ اور ہمارے طریقے پر نہیں ہے۔ نَہْبٌ کا معنی لوٹنا ہے اور نُہْبَۃٌ نون مضموم اور ہا ساکن، اس کا اسم ہے

یعنی لوٹ۔

۲۸۲۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَرِوَايَتُهُ إِلٰى قَوْلِهِ جَادًّا.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی نہ لے اس حال میں کہ وہ مزاح کر رہا ہے اور سنجیدہ ہے[2]، لہٰذا جو شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے تو اسے واپس کر دے[3]۔ (ترمذی) امام ابوداؤد کی روایت جاداً تک ہے۔

[1] حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم عمر صحابی اور بنو امیہ یا بنو عبد شمس کے حلیف ہیں۔ سن دو ہجری میں پیدا ہوئے حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ہمراہ سات سال کی عمر میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ کے بازار کا حاکم مقرر فرمایا تھا، ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا، بعض علماء کے نزدیک سن وصال ۸۶ھ ہے، ایک قول کے مطابق وہ مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

[2] یعنی لاٹھی لینے میں مزاح کر رہا ہے اور سنجیدگی کا اظہار بھی کر رہا ہے، علماء کرام نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ ابتداءً تو اس نے کھیل اور مزاح کے طور لاٹھی لی پھر قبضہ ہی کر بیٹھا اس طرح وہ مزاح بھی کر رہا ہے اور سنجیدہ بھی ہے، بعض حضرات نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کا مال چھپا لیتا ہے، اس کا مقصد چوری کرنا نہیں ہے بلکہ اسے پریشان کرنا اور ہلکان کرنا ہے، لہٰذا وہ چرانے میں تو مزاح کر رہا ہے اور پریشان کرنے میں سنجیدہ ہے۔

[3] لاٹھی کا ذکر بطور مبالغہ ہے یعنی اس معمولی اور حقیر شے سے بھی ممانعت ہے تو اس سے بڑی سے بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی، ہمارے عرف میں عصا اس لکڑی کو کہتے ہیں جسے بوڑھے اور کمزور حضرات ہاتھ میں پکڑتے ہیں، اس کا حکم اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے، عرب اس لکڑی کو عصا کہتے ہیں جسے ہاتھ میں پکڑ کر خنزیر، گھوڑے اور اونٹ کی پٹائی کرتے ہیں اور معروف لکڑی کو بھی کہتے ہیں، عام مفہوم کے پیچھے وہ بھی داخل ہے[1]۔

---

[1] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ کسی کی معمولی چیز بھی دانستہ یا نادانستہ نہ لو اگر نادانی میں لے چکے ہو تو معلوم ہونے پر فوراً واپس کر دو، چیز چھپانے چرانے کا مذاق بھی جائز نہیں۔

۲۸۲۱ وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهٖ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ وَ يَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کے پاس اپنا مال بعینہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے اور خریدار بیچنے والے کا پیچھا کرے[2]۔ (امام احمد۔ ابو داؤد نسائی)

[1] حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی ہیں۔

[2] یتبع میں دو صورتیں صحیح ہیں (۱) تا ساکن اور با مفتوح (یَتْبَعُ) (۲) تا مشدد اور با مکسور (یَتَّبِعُ) بیّع با مفتوح، یا مشدد مکسور، بائع اور مشتری دونوں کے لیے آتا ہے، جیسے لفظ بَیِّعَانِ۔ باب الخیار میں گزرا ہے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کا مال غصب کر لیا، یا چوری کر لیا، یا کسی کا گم شدہ مال اسے مل گیا اور اس سے کسی نے خرید لیا، مالک جو اپنا مال خریدار کے پاس پائے تو اس سے لے لے اور خریدار بائع کو پکڑے اور اس سے اپنی رقم وصول کرے۔

۲۸۲۲ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاتھ پر[1] وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ ادا کر دے[2]۔ (امام ترمذی۔ ابو داؤد ابن ماجہ)

[1] یعنی ہاتھ والے پر اس چیز کی ضمانت لازم ہے جو اس نے پکڑی ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کا مال غصب کرے یا عاریۃً لے یا اس کے پاس امانت رکھی گئی ہو اس پر اس چیز کا واپس کرنا لازم ہے۔

۲۸۲۳ وَعَنْ حَرَامِ ابْنِ سَعْدِ ابْنِ مُحَيِّصَةَ اَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطًا فَاَفْسَدَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت حرام بن سعد بن محیصہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب کی اونٹنی نے ایک باغ میں داخل ہو کر اسے خراب کر دیا[2] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَلٰى اَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَ اَنَّمَا اَفْسَدَتِ الْمَوَاشِيْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى اَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

دن کے وقت باغوں کے مالکوں پر ان کی حفاظت لازم ہے، اور رات کے وقت چوپائے جو کچھ خراب کر دیں اس کی ضمانت ان کے مالکوں پر ہے[۳]۔ (امام مالک، ابو داؤد، ابن ماجہ)

[۱] حرام بروزن حلال بن سعد بن محیصہ میم مضموم، حاء مفتوح، یاء مشدد مکسور، حضرت حرام ثقہ تابعی ہیں اپنے والد اور حضرت براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں ۱۱۳ھ میں وصال ہوا۔

[۲] اسے پامال کیا اور توڑ پھوڑ کی۔

[۳] خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر چارپایہ کسی کا باغ دن کے وقت تباہ کر دے تو اس کے مالک پر ضمانت نہیں آئے گی کیونکہ دن کے وقت باغ کی حفاظت اس کے مالک کی ذمہ داری ہے لہٰذا کوتاہی اس کی طرف سے ہوئی ہے، اور اگر چوپایہ رات کے وقت نقصان کر دے تو چارپائے کے مالک پر ضمانت ہے، کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا، رات کے وقت چارپائے کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہے[ع]، یہ اس وقت ہے کہ مالک ساتھ نہ ہو اور اگر ساتھ ہو تو دن کے وقت بھی ضامن ہوگا، یہ امام مالک اور شافعی کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چارپائے کا مالک ساتھ نہ ہو تو اس پر کسی صورت میں بھی ضمانت نہیں خواہ دن ہو یا رات، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۲۸۳۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ[۱۴] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّجْلُ جُبَارٌ وَّقَالَ النَّارُ جُبَارٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کھُر[۱] باطل ہے اور آگ باطل ہے[۲]۔ (ابو داؤد)

[۱] رجل راء مکسورہ کے ساتھ یعنی چارپایہ راستے میں جس چیز کو پامال کر دے یا دولتی رسید کر دے وہ لغو ہے اور اس کی ضمانت لازم نہیں ہے۔

[۲] یعنی وہ چیز جسے آگ جلا دے، مثلاً ایک شخص اپنی ملکیت میں آگ جلاتا ہے، اس کا ارادہ کسی پر ظلم کرنے یا

ع مرآۃ میں ہے یہ کیا ہی نفیس فیصلہ ہے آج کل حکومتیں ایسے جانور کو پکڑ کر قید کر دیتی ہیں اور مالک جانور سے جرمانہ خود وصول کرتی ہیں جس کا باغ یا کھیت اجڑا اسے کچھ نہیں دیتیں یہ ظلم ہے ۱۲

ایذا رسانی کا نہیں ہے، اچانک ہوا اس آگ کو اڑا کر لے جاتی ہے اور کسی دوسرے کی ملکیت میں پھینک دیتی اور اس آگ سے کوئی چیز جل جاتی ہے یہ بھی باطل ہے اور آگ روشن کرنے والے پر کچھ لازم نہیں آئے گا، ہاں اس وقت ہے کہ آگ جلاتے وقت ہوا ٹھہری ہوئی ہو بعد میں چل پڑے، اور اگر ہوا کے تیز چلنے کے دوران آگ جلائی (اور کسی کا نقصان ہو گیا) تو ضمانت لازم آئے گی، جُبار جہم معدوم اور ہدر مخفف۔

۲۸۲۵/۱۵ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ عَلٰى مَاشِيَةٍ فَاِنْ كَانَ فِيْهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَاْذِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهَا فَلْيُصَوِّتْ ثَلٰثًا فَاِنْ اَجَابَهٗ اَحَدٌ فَلْيَسْتَاْذِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يُجِبْهُ اَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حسن[۱] حضرت سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چارپایوں کے پاس آئے تو اگر ان کا مالک ان میں موجود ہو تو اس سے اجازت لے اور اگر موجود نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے، پھر اگر کوئی اسے جواب دے تو اس سے اجازت لے اور اگر کوئی اسے جواب نہ دے تو دودھ دوہے اور پی لے اور ساتھ نہ لے جائے[۲]۔ (ابوداؤد[۳])

۱؎ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ یعنی اتنا ہی دوہے کہ پینے کے لیے کافی ہو، اس سے زیادہ نہ لے، علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حالت اضطرار اور سخت بھوک میں مبتلا ہو۔

۳؎ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر ہجرت فرما رہے تھے، آپ ایک پہاڑ کے پاس ایک پتھر کے پیچھے آرام فرما رہے تھے، ایک چرواہا وہاں بکریاں چرا رہا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بکری کا دودھ دوہا اور نبی اکرم تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے نوش فرمایا اور محو استراحت ہوئے کہتے ہیں کہ وہ بکری حضرت ابوبکر صدیق کے واقف کی تھی جو مکہ معظمہ میں رہتا تھا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اہل مکہ کی عادت تھی کہ بکریاں چلانے والے اپنے غلاموں کو اجازت دے دیتے تھے کہ اگر راستے میں کوئی شخص بھوکا ہو اور دودھ طلب کرے تو اسے دیا کرو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے چرواہے کو کچھ دے کر دودھ خرید لیا ہو، البتہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور مالک کی رضا شرط ہے، اس کی توجیہ وہی ہے جو بیان کی گئی۔

۲۸۲۶/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص باغ میں داخل ہو وہ کھا سکتا ہے، ذخیرہ نہ کرے[1]

(امام ترمذی۔ ابن ماجہ)

(امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

[1] خُبْنَۃ خاء مضموم با ساکن، اس کے بعد نون، وہ چیز جو دامن میں چھپائی جائے، صراح میں ہے خبن کا معنی ہے دامن وغیرہ میں کسی چیز کا لپیٹنا اور چھپا لینا، اور تنگی کے دن کے لیے طعام کا رکھنا (مرقاۃ میں ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے جاں بلب ہے اور باغ کا مالک موجود نہیں یا موجود ہے لیکن اجازت نہیں دیتا تو اتنا پھل کھا سکتا ہے کہ اس کی جان بچ جائے: پھر آمدنی ہونے پر اس کی قیمت ادا کرے، لہٰذا چکڑالویوں کا یہ اعتراض صحیح نہیں کہ حدیث میں چوری کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اضطرار کی حالت میں تو مردار تک کھانے کی اجازت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ مَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۱۲ ملخصاً)

۲۸۲۷/۱۷ وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت امیہ ابن صفوان[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے حنین کے دن اُن کی زرہیں عاریۃً لیں تو انہوں نے کہا اے محمد! کیا یہ غصب ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً، جس کی ضمانت دی جائے گی[1]

(ابوداؤد)

[2] صفوان بن امیہ بن خلف جمحی قرشی فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تو عمیر بن وہب اور ان کے صاحبزادے وہب بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کے لیے امان طلب کی، آپ نے امان عطا فرمادی اور بطور علامت چادر عطا فرمائی چنانچہ انہیں لاکر بارگاہ رسالت میں پیش کردیا گیا وہ غزوۂ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے مگر ایمان نہیں لائے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لیے انہیں مال غنیمت میں سے بہت سا حصہ عطا فرمایا۔ آپ کی سخاوت کو دیکھ کر ایمان لے آئے حضرت صفوان جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ ان کی بیوی ان سے ایک مہینہ پہلے ایمان لا چکی تھیں، ان کا نکاح برقرار رکھا گیا ۴۲ھ میں مکہ معظمہ میں وصال ہوا ۱۲ مرقاۃ

۱۵ اس جگہ ضمانت سے مراد عاریۃً لی ہوئی چیز کی واپسی ہے۔ بعض علماء نے اسے ظاہر پر محمول کیا ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عاریۃ میں بھی ضمانت ہے۔ پہلا مذہب امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم نواؤں کا ہے، دوسرا مذہب امام شافعی اور امام احمد کا ہے ۔ یہ صفوان اس دن کافر تھے، اس کے بعد اسلام لائے۔ وہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اموال غنیمت میں سے مالِ خطیر عطا فرمایا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس سخاوت کی متحمل نبی کی ذات ہی ہو سکتی ہے چنانچہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام مقبول ہوا۔

۲۸۲۸/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْعَارِیَۃُ مُؤَدَّاۃٌ وَّالْمِنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالدَّیْنُ مَقْضِیٌّ وَّالزَّعِیْمُ غَارِمٌ۔

حضرت ابو امامہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مانگی ہوئی چیز ادا کی جائے گی[۲]، عاریۃً دی ہوئی چیز واپس کی جائے گی[۳]، قرض ادا کیا جائے گا[۵] اور کفیل ضامن ہے[۶]۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(ترمذی، ابوداؤد)

۱ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

۲ یعنی عاریۃً لینے والے پر واجب ہے کہ دینے والے کو پہنچائے، یہ بات دونوں مذہبوں (جن کا ذکر ابھی کچھ پہلے ہو چکا ہے) پر ثابت ہے، جن حضرات کے نزدیک عاریۃً لی ہوئی چیز کی بھی ضمانت ہے (جیسے کہ امام شافعی کا مذہب ہے) ان کے نزدیک اگر وہ چیز موجود ہے تو وہ واپس کی جائے اور اگر ضائع ہو گئی ہے تو اس کی قیمت دی جائے۔

۴ منحہ میم مکسور، اصل میں اس کا معنی عطیہ اور ہبہ ہے، عام طور پر اس اونٹنی گائے یا بکری کو کہتے ہیں جو کسی کو دی جائے تاکہ وہ اس کی پرورش کرے، اس کا دودھ پیئے، اور اس کی اولاد سے بھی نفع حاصل کرے، جبکہ کاشت کی زمین اور باغ کے درختوں میں بھی یہ طریقہ جاری ہوتا ہے تاکہ دوسرا شخص زمین کاشت کرے، درختوں کی پرورش کرے اور ان سے نفع حاصل کرے، اسے منیحہ بھی کہتے ہیں، بہر صورت منحہ میں دوسرے شخص کو شے کی ذات کا مالک نہیں بنایا جاتا بلکہ اس کے منافع کا مالک بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس شے کا واپس کرنا واجب ہے۔

۵ اور اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

۶ یعنی کفیل جو کسی کی ذات یا مال کا ضامن بنا ہے اسے مجبور کیا جائے گا کہ اس ذات یا مال کو حاضر کرے جس کا

وہ ضامن بنا ہے۔

۲۸۲۹ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ[۱] قَالَ كُنْتُ غُلَامًا اَرْمِيْ نَخْلَ الْاَنْصَارِ فَاُتِيَ بِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ يَا غُلَامُ لِمَ تَرْمِي النَّخْلَ قُلْتُ اٰكُلُ قَالَ فَلَا تَرْمِ وَكُلْ مِمَّا سَقَطَ فِيْ اَسْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَشْبِعْ بَطْنَهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فِيْ بَابِ اللُّقَطَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)

حضرت رافع بن عمرو غفاری[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لڑکا تھا، انصار کے کھجور کے درختوں کو پتھر مارتا تھا مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے فرمایا: لڑکے! تو کھجور کو پتھر کیوں مارتا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں کھجوریں کھاتا ہوں۔ فرمایا: تو پتھر نہ مار[۲]، ان کے نیچے جو گری ہوئی ہیں۔ وہ کھا، پھر ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور دعا کی اے اللہ! اس کا پیٹ بھر دے۔

(امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ) حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث ہم ان شاء اللہ تعالیٰ باب اللقطہ میں بیان کریں گے۔

[۱] رافع بن عمرو غفاری غین مکسور اور فار مخفف، ان کا بصری صحابہ میں شمار ہے۔

[۲] یعنی اگر کھجوریں ہی کھانا چاہتے ہو تو پتھر نہ مارو اور درختوں کے نیچے گری ہوئی کھجوریں کھالو، علماء فرماتے ہیں کہ یہ حالت اضطرار کا حکم ہے، حنفی مذہب ہے کہ اضطرار کی حالت میں تو پتھر مارنا بھی درست ہے۔ اسی طرح طیبی میں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۳۰ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سالم اپنے والد[رض] سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے زمین کا کچھ حصہ ناحق لیا اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔

(امام بخاری)

لہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ٹہ (اشعۃ اللمعات کے نسخہ میں شَیئًا کی جگہ شِبْرًا ہے ایک بالشت)

۲۸۳۱ / ۲۱ وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُلِّفَ اَنْ يَحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت یعلیٰ ابن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا جس نے ناحق کوئی زمین لی تو اسے اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ محشر میں اس کی تمام مٹی سر پر اٹھائے ہوئے پھرے ٹہ۔ (امام احمد)

لہ یعلیٰ بن مرہ میم مضموم اور راء مشدد مفتوح، کوفی صحابہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ وہ بصری ہیں، صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، فتح حنین اور طائف کے موقع پر حاضر تھے۔

ٹہ پہلی فصل میں فرمایا کہ اس کی گردن میں طوق ڈالا جائے گا اور اس جگہ زمین میں دھنسا دینے اور مٹی کے سر پر اٹھانے کا ذکر ہے اور یہ عذاب کی مختلف قسمیں ہیں، بعض کو ایک سزا دی جائے گی اور بعض کو دوسری۔

۲۸۳۲ / ۲۲ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ كَلَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَّحْفِرَهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰخِرَ سَبْعِ اَرَضِيْنَ ثُمَّ يُطَوَّقَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ان ہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے بالشت بھر زمین ظلماً لی، اللہ تعالیٰ اسے تکلیف دے گا کہ وہ ساتویں زمین تک کھود لہ دے، پھر قیامت کے دن تک اسے زمین کا طوق پہنائے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے ٹہ۔ (امام احمد)

لہ اس بالشت بھر زمین کو۔

ٹہ علماء نے یُقْضٰی صیغہ معلوم پڑھنے کو بھی صحیح قرار دیا ہے، یعنی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے اور اس کا حکم مکمل ہو جائے۔

بَابُ الشُّفْعَةِ

۲۳۶ - شفعہ کا بیان

شُفعہ شین کے ضمہ کے ساتھ، شَفع سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ملانا اور جوڑنا بنانا ہے، اصطلاحی شفعہ کو شفعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں خریدی ہوئی زمین کو شفیع کی زمین سے ملا دیا جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک صرف شریک کو شفعہ کا حق پہنچتا ہے۔ پڑوسی کو حق نہیں پہنچتا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام احمد سے منقول صحیح روایت کے مطابق پڑوسی بھی حق شفعہ رکھتا ہے، پڑوسی کے شفعہ کے بارے میں احادیث درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں جس نے ان کی صحت میں کلام کیا ہے اس نے دلیل کے بغیر کلام کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۸۳۳ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو[1]۔ جس وقت حدیں مقرر کر دی جائیں اور راستے الگ الگ کر دیے گئے تو شفعہ نہیں ہے[2]۔ (بخاری شریف)

[1] اور مشترکہ ہو۔

[2] کیونکہ شرکت باقی نہیں رہی، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے تینوں امام اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۲۸۳۴ وَعَنْهُ قَالَ قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شِرْكَةٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر مشترکہ زمین میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا فیصلہ فرمایا، وہ گھر ہو یا باغ، اس کے لیے اپنے شریک کو اطلاع دیے بغیر

لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَإِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ ۔

فروخت کرنا جائز نہیں ہے ۔ پھر وہ شریک چاہے تو لے اور چاہے تو چھوڑ دے ، پس اگر اسے اطلاع دیے بغیر بیچ دے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

لہ رَبْعَۃٌ راء مفتوح، باء ساکن اور تاء وحدت کے لیے ہے، رَبْع کا معنی ہے سرائے منزل (گھر) محلہ اور موضع، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ غیر زمین میں نہیں ہوتا ، یہ مسئلہ چاروں اماموں میں متفقہ ہے ۔

۲۸۳۵ / ۳ وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهٖ ۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی اپنے قرب لہ کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری شریف)

لہ سقب سین اور قاف دونوں مفتوح ، ایک لغت میں صاد بھی پڑھا جاتا ہے (صقب) اس کا معنی قریب ہے (یعنی پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق دار ہے ، اسے شفعہ کا حق اس وقت پہنچتا ہے جب وہ قریب ترین اور متصل ہو، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پڑوسی کو بھی حق شفعہ ہے (جیسے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا)۔

۲۸۳۶ / ۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهٖ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے لہ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

لہ اہل علم فرماتے ہیں کہ نقصان نہ ہونے کی صورت میں یہ امر ایجابی ہے ، امام احمد اور محدثین کا یہی مذہب ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امر استحبابی ہے ، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اسی طرف گئے ہیں ، امام مالک کے دو قول ہیں ۔ اصح یہ ہے کہ یہ امر استحباب ہے ۔

۲۸۳۷ / ۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (جب راستے کے بارے میں

اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِی الطَّرِیْقِ جُعِلَ عَرْضُہٗ سَبْعَۃَ اَذْرُعٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ رکھی جائے گی[1] (مسلم شریف)

[1] جب گھر کے راستے میں اختلاف ہو جائے، یعنی کسی قبیلے کی زمین میں راستہ ہو اور وہ اس جگہ عمارت بنانا چاہیں تو اگر راستے کی کسی مقدار پر اتفاق ہو جائے تو فبہا ورنہ اگر اختلاف واقع ہو جائے تو راستہ سات ہاتھ رکھا جائے (شریعت میں ایک گز (ہاتھ) ڈیڑھ فٹ کا ہے ۱۲ مرآۃ) حدیث کا یہی مطلب ہے، لیکن اگر راستہ پہلے سے سات ہاتھ سے زیادہ چھوٹا ہوا ہو اور اس پر آمد و رفت جاری ہو تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ لے لے اور یہ کہے کہ راستہ صرف سات ہاتھ ہی کافی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۲۸۳۸ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ حُرَیْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاعَ مِنْکُمْ دَارًا اَوْ عَقَارًا قَمِنٌ اَنْ لَّا یُبَارَکَ لَہٗ اِلَّا اَنْ یَّجْعَلَہٗ فِیْ مِثْلِہٖ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت سعید بن حریث[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو مکان یا زمین فروخت کرے وہ اس لائق ہے[2] کہ اسے برکت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ قیمت اس کی مثل میں لگائے[3]۔ (ابن ماجہ، دارمی)

[1] سعید بن حریث حاء مضموم، راء مفتوح اور یاء ساکن، صحابی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر پندرہ سال کی عمر میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے، بعد ازاں کوفہ میں قیام کیا، خراسان کی جنگ میں شامل ہوئے اور کوفہ میں وصال ہوا، ان کی قبر وہیں ہے، بعض علماء نے فرمایا جزیرہ میں ہے۔

[2] قَمِنٌ قاف مفتوح اور میم مکسور، بمعنی لائق اور مستحق، قَمِیْنٌ بروزن فَعِیْلٌ بھی آیا ہے۔

[3] یعنی زمین خریدلے، عمارت بنانے اور اس کی مرمت میں لگائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکان اور زمین بیچ کر اس کی قیمت، قابلِ انتقال چیزوں میں صرف کرنا مستحسن نہیں ہے، کیونکہ زمین اور مکان کے فائدے زیادہ اور نقصان پہنچنے کا احتمال کم ہے۔

۲۸۳۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجَارُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ يُنْتَظَرُ بِهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حق دار ہے، اس کے شفعہ کا انتظار کیا جائے، اگرچہ وہ غائب ہی ہو، جب کہ ان کا راستہ ایک ہو۔ؔ

(امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

ؔ اور وہ دونوں اس میں شریک ہوں۔

۲۸۳۹ ب وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيكُ شَفِيعٌ وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهُوَ أَصَحُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شریک شفعہ کرنے والا ہےؔ اور شفعہ ہر چیز میں ہےؔ۔ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور فرمایا کہ یہ ابن ابی ملیکہؔ سے بھی روایت کی گئی ہے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کی ہے اور یہ زیادہ صحیحؔ ہے۔

ؔ یعنی جو زمین فروخت کی جا رہی ہے اس کا شریک، شفعہ کا حق رکھتا ہے۔

ؔ وہ مکان ہو۔ حویلی ہو یا باغ وغیرہ غیر منقول اشیاء میں سے، علماء اس امر پر متفق ہیں کہ زمین کے ماسوا حیوانات اور کپڑوں وغیرہ اشیاء میں شفعہ نہیں ہے۔

ؔ عبد اللہ بن ابی ملیکہ مشہور اور مستند ترین تابعی ہیں۔

ؔ یہ مرسل حدیث، سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے۔

۲۸۴۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيثُ مُخْتَصَرٌ

حضرت عبد اللہ بن حبشیؔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بیریؔ کاٹے اللہ تعالیٰ اسے سر کے بل جہنم کی آگ میں گرائے، یہ حدیث امام ابو داؤد نے روایت کی اور فرمایا یہ اختصار ہے۔ دوسریؔ حدیث کا جس میں فرمایا، جس نے جنگل کی بیری کاٹی جس کے نیچے

يَعْنِي: مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِي فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيلِ وَالْبَهَائِمُ عَشْمًا وَظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ يَكُوْنُ لَهُ فِيهَا صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔

مسافر اور چوپائے سایہ حاصل کرتے ہوں وہ محض ظلم وستم سے اسے کاٹے، اس میں اس کا کوئی حق نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے سر کے بل آگ میں گرائے ۵

۱ عبداللہ بن حبشی حار مضموم، بار مفتوح، یار ساکن اور پھر شین، بعض نسخوں میں ابن حبشی ہے حار مضموم، بار ساکن شین مکسور اور یار مشدد اور کہا گیا کہ یہی صحیح ہے، حضرت عبداللہ صحابی ہیں اور ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔

۲ سدرۃ سین مکسور، دال، ساکن، بیری، بیر کو عربی میں نبق کہتے ہیں، نون مکسور اور بار ساکن۔

۳ امام ابوداؤد وہ مکمل حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا یہ اختصار ہے۔

۴ غشم غین مفتوح اور شین ساکن، ظلم، اس کے بعد ظلم کا ذکر بطور تاکید ہے اسی طرح بغیر حق بھی تاکید ہے۔

۵ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مکہ معظمہ اور حرم شریف کی بیری مراد ہے، بعض نے فرمایا، مدینہ طیبہ کی بیری مراد ہے، ممانعت اس لیے فرمائی کہ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کرکے آنے والوں کے لیے بیری کے درختوں کی موجودگی باعث فرحت ہوگی اور وہ اس کے سائے میں بھی بیٹھ سکیں گے، بعض محدثین نے فرمایا: کسی بھی جنگل اور بیابان کی بیری مراد ہے جس کے سائے میں مسافر اور جانور فروکش ہوتے ہوں، جیسے کہ حدیث شریف کے کلمات سے ظاہر ہے، بعض نے فرمایا اس سے وہ بیر کا مراد ہے جو کسی کی ملکیت ہو اور دوسرا شخص اسے ظلماً کاٹ دے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۲۸۴۱/۱۰ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فِي الْأَرْضِ فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا وَلَا شُفْعَةَ فِي بِئْرٍ وَلَا نَخْلِ النَّخْلِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں، جب زمین میں حدیں واقع ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے، کنوئیں میں شفعہ نہیں اور نہ ہی کھجور کے نر درخت میں ۱۔ (امام مالک)

۱ کیونکہ شفعہ اس زمین میں ہے جو تقسیم کی جا سکتی ہو، کنواں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور نر درخت زمین نہیں ہے، درخت کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ لوگ کھجور کے درختوں کے وارث ہوتے تھے اور انہیں آپس میں تقسیم کر لیتے تھے، ان میں نر درخت بھی ہوتا تھا جس سے مادہ درخت کا ملاپ کراتے تھے، اب اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے حصے میں سے وہ نر

درخت اس کے حقوق سمیت فروخت کر دیا تو اس میں شریک کار افراد کو شفعہ کا حق نہ پہنچنا کیونکہ وہ زمین نہیں ہے۔ کنوئیں کے بارے میں یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک شفعہ کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ تقسیم کرنے کی مشقت کو دفع کر دیا جائے اور جو چیزیں (کنواں وغیرہ) تقسیم کا احتمال ہی نہیں رکھتیں ان میں یہ سبب نہیں پایا جاتا لہٰذا ان میں شفعہ نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک شفعہ ثابت ہے۔ اگرچہ تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا جیسے کہ حمام چکی وغیرہ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اَلشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْئٍ شفعہ ہر چیز میں ہے اور یہ سب کو شامل ہے (خواہ وہ تقسیم کے قابل ہوں یا نہ) نیز اس لیے کہ ہمارے نزدیک شفعہ کا سبب ملک کا متصل ہونا اور برے پڑوسی کی ضرر کو دفع کرنا ہے۔ اور یہ دونوں قسموں کو شامل ہے۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے۔

بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْمُزَارَعَةِ

۲۲۷۔ مساقات اور مزارعت کا بیان

مساقات کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص اپنے درخت دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے کہ تم انہیں پانی دینا ان کی پرورش کرنا اور تمہیں پیداوار کا ایک معین حصہ شلاً نصف، تہائی یا چوتھائی دیا جائے گا۔ مزارعت زمین کے بارے میں ایسے ہی عقد کو کہتے ہیں (یعنی زمین ٹھیکے پر دینا)

خلاصہ یہ کہ مساقات درختوں میں ہوتی ہے اور مزارعت زمین میں، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں عقد فاسد ہیں، صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) اور باقی تینوں اماموں کے نزدیک جائز ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ہمیں معلوم نہیں کہ اہل علم میں سے کسی نے اس سے منع کیا ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ امام زفر بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ یہ نامعلوم اور معدوم چیز کے عوض اس شخص کو اجرت پر لینا ہے لہٰذا یہ درست نہیں، نیز حدیث میں مخابرت سے ممانعت واقع ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۸۴۲
۱
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے کھجوروں کے باغ اور وہاں کی زمین: خیبر کے

نَخْلَ خَيْبَرَ وَ اَرْضَهَا عَلٰى اَنْ يَّعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ فِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَ يَزْرَعُوْهَا وَ لَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔

یہودیوں کو اس شرط پر دی کہ تم ان میں اپنے مالوں سے کام کرو گے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس کے آدھے پھل ہوں گے۔ (مسلم شریف)

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر[۱] اس شرط پر یہودیوں کو دیا کہ وہ اس میں کام کریں اور کاشتکاری کریں اور ان کے لیے پیداوار کا نصف ہوگا[۲]

لہ وہاں کی زمینیں اور باغات ان کے سپرد کیے۔

سہ دونوں روایتوں کا حاصل مطلب ایک ہی ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ نصف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہوگا اور دوسری روایت میں ہے کہ نصف یہودیوں کا ہوگا۔ پہلی روایت میں صرف پھل کا ذکر ہے جو درختوں کے ساتھ خاص ہے دوسری روایت میں پیداوار کا ذکر ہے جو غلے اور پھل دونوں کو شامل ہے۔ یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے اس بات پر کہ مساقات اور مزارعت جائز ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں یہ واقعہ اس قسم سے متعلق نہیں ہے کیونکہ زمین اور باغات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نہیں تھے جو یہودیوں کو مساقات اور مزارعت کے طور پر دیے گئے تھے، بلکہ ان کے باغات اور زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور ان پر خراج مقرر کر دیا، خراج دو قسم کا ہوتا ہے (۱) خراج مُوَظّف (۲) خراج مقاسمت۔ اہلِ خیبر پر خراج مقاسمت مقرر کیا گیا تھا، خراج مُوَظّف یہ ہے کہ امام ہر سال کچھ رقم ان پر مقرر کر دے۔ جیسے کہ اہل نجران پر ہر سال ایک ہزار دو سو حلے مقرر فرمائے (اردو میں اسے لگان کہتے ہیں) اور خراج مقاسمت یہ کہ زمین کی پیداوار کا ایک حصہ ان پر مقرر کر دے جیسے کہ اہل خیبر پر مقرر کیا (اسے اردو میں بٹائی کہتے ہیں)

۲۸۴۳ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ[۲] وَلَا نَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا حَتّٰى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا فَتَرَكْنَاهَا مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی[۱] سے روایت ہے کہ ہم زمین ٹھیکے پر دیا کرتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہیں جانتے تھے، یہاں تک کہ حضرت رافع بن خدیج[۲] نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے ہم نے یہ کام چھوڑ دیا۔[۳]

(مسلم شریف)

۱؎ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
۲؎ صحابی ہیں۔
۳؎ مخابرت، مزارعت ہی ہے جیسے کہ بیان ہوا، یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل ہے۔

۲۸۴۴/۳ وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمَّايَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْرُوْنَ الْأَرْضَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبِعَاءِ أَوْ شَيْءٍ يَسْتَثْنِيهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَقَالَ لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ وَكَانَ الَّذِي نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ مَا لَوْ نَظَرَ فِيهِ ذَوُوا الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيزُوهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حنظلہ بن قیس[۱] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ مجھے میرے دو چچاؤں نے خبر دی کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین کرائے پر دیا کرتے تھے اُس چیز کے عوض جو نالیوں[۲] پر اُگے یا جسے[۳] زمین کا مالک جدا کرے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ میں[۴] نے حضرت رافع سے کہا کہ دراہم و دنانیر کے بدلے مزارعت کیسی ہے؟ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جس[۵] سے منع کیا گیا ہے اگر حلال و حرام کا فہم رکھنے والے اس میں غور کریں تو اسے جائز قرار نہیں دیں گے کیونکہ اس میں جوا سا[۶] ہے۔

(صحیحین)

۱؎ اہل مدینہ کے ثقہ تابعی ہیں۔
۲؎ چھوٹی نہریں جن سے کھیتی کو سیراب کرتے ہیں، اربعاء بار مکسور، جمع ربیع نالی، چھوٹی نہر۔
۳؎ یعنی زمین کے معین ٹکڑے کو مستثنیٰ کرے، مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام اس شرط پر زمین کرایہ پر دیتے تھے کہ مزارع اپنے پاس سے بیج ڈال کر کاشت کرے اور نالیوں کے کناروں پر اگنے والی فصل، زمین کے کرایہ کے طور پر مالک کو دے اور جو باقی بچے وہ مزارع کا ہو، یا اس طرح شرط لگاتے کہ زمین کے فلاں حصے میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ مالک کا،

باقی مزارع کا ہوگا۔

ؔ۴ کیونکہ اس میں خطرہ اور دھوکا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس جگہ کوئی چیز پیدا ہی نہ ہو، مزارعت کو جائز قرار دینے والے ائمہ کے نزدیک مزارعت کی یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں ممانعت وارد ہوئی ہے، یاد رہے کہ مزارعت کے بارے میں مختلف حدیثیں آئی ہیں، فریقین کے لیے تاویل کا دروازہ کھلا ہے، جمہور ائمہ جواز کے قائل ہیں، دفع حاجت کے لیے ہمارے مذہب (حنفی) میں بھی جواز پر فتویٰ ہے۔

ؔ۵ حضرت حنظلہ فرماتے ہیں۔

ؔ۶ جیسے کہ اس کی صورت بیان کی جاچکی ہے (کہ مالک اپنے لیے کسی خاص جگہ کی پیداوار منتخب کرلیتا تھا)

ؔ۷ ممکن ہے اس جگہ پیداوار ہو یا نہ ہو جیسے کہ ہم نے بیان کیا۔

۲۸۴۵ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلًا وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِي أَرْضَهُ فَيَقُولُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهْ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل مدینہ میں زیادہ کھیتی باڑی[۱] رکھتے تھے، ہم میں سے ایک شخص اپنی زمین کرائے پر دیتا تو کہتا یہ ٹکڑا[۲] میرے لیے اور یہ تیرے لیے ہے، کئی دفعہ اس[۳] زمین میں پیداوار ہوتی اور اس میں نہ ہوتی، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمادیا[۴]۔ (صحیحین)

ؔ۱ صراح میں ہے کہ حقل حا بے نقطہ اور قاف کے ساتھ، وہ کھیتی جس کے پتے نمودار ہوچکے ہوں اور ابھی موٹے نہ ہوئے ہوں، محاقلہ کا معنی ہے کھیتی کا پکنے سے پہلے بیچ دینا، اور دانے کا بالی (سٹے) میں فروخت کرنا، اور تہائی یا چوتھائی پر مزارعت کو بھی کہتے ہیں۔

ؔ۲ جہاں پیداوار ہوتی ہو وہ میرے لیے ہے، باقی تیرے لیے ہے۔

ؔ۳ وہ خطہ جو مالک نے اپنے لیے مقرر کیا تھا یا مزارع کے لیے مقرر کیا تھا (مطلب یہ کہ ایک ٹکڑے میں پیداوار ہوتی، دوسرے میں نہ ہوتی، اس طرح ایک فریق خالص فائدے میں اور دوسرا محض نقصان میں رہتا)، ذِہْ ذال مکسور اور ہا ساکن، اسم اشارہ برائے مؤنث ہے جیسے تلک۔

ؔ۴ کہ اس میں خطرہ پایا جاتا ہے۔

۲۸۴۶ وَعَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ

حضرت عمرو[۱] فرماتے ہیں میں نے حضرت طاؤس[۲] سے کہا

لِطَاؤُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ أَيْ عَمْرُو إِنِّيْ أُعْطِيْهِمْ وَأُعِيْنُهُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِيْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ أَنْ يَّمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَّعْلُوْمًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کتنا اچھا ہوتا کہ آپ زمین اجرت پر دینا چھوڑ دیتے کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے: انہوں نے کہا اے عمرو! میں انہیں زمین دیتا ہوں اور ان کی امداد کرتا ہوں، صحابہ میں سے بڑے عالم یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھے خبر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، ہاں یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے بھائی کو زمین عاریۃً دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس پر مقررہ اجرت لے[۳]

(صحیحین)

[۱] حضرت عمرو بن دینار مشہور علماء اور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

[۲] طاؤس بن کیسان یمانی، ائمہ دین، اجلہ تابعین اور اولیاء کاملین میں سے ہیں، مستجاب الدعوۃ تھے، چالیس حج کیے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر رہے۔

[۳] یعنی مزارعت ایک معاملہ ہے جس میں کچھ دیا جاتا ہے اور کچھ لیا جاتا ہے، لیکن اگر بغیر کسی معاوضے کے زمین دے دے تو یہ بہتر اور افضل ہے ۔۔۔ یمنح منحہ سے مشتق ہے جس کا معنی عطا ہے، اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ منحہ زمین میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے کہ بکری اور اونٹنی میں ۔۔۔ ان یمنح میں دو روایتیں ہیں (۱) اِن ہمزہ مکسور، حرف شرط اور یمنح مجزوم (۲) اَن ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ اور یمنح منصوب۔

$\frac{۲۷۴۷}{۲}$ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبٰى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو تو وہ خود اسے کاشت کرے یا اپنے بھائی کو عاریۃً دے دے اور اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک لے۔

(صحیحین)

لے یعنی اس کا حصائی لینے پر آمادہ نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ شخص نہ تو خود کاشتکاری کرتا ہے اور نہ دوسرے کو دیتا ہے تو زمین محفوظ رکھے علماء فرماتے ہیں کہ اس میں کاشتکاری اور عاریۃً دینے سے گریز کرنے اور مزارعت پر دینے پر زجر و توبیخ ہے اور ایسے شخص کے لیے ڈانٹ ڈپٹ ہے جو مال سے نہ تو خود نفع حاصل کرے اور نہ ہی دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔

۲۸۴۸/۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّہٗ رَاٰی سِکَّۃً وَّ شَیْئًا مِّنْ اٰلَۃِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الذُّلَّ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ہل[1] اور کاشتکاری کے بعض آلات دیکھے تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا یہ کسی قوم کے گھر میں داخل نہیں ہوگا مگر اللہ[2] تعالیٰ اس میں ذلت داخل فرمائے گا۔

(بخاری شریف)

سلہ سکّہ سین مکسور اور کاف مشدد وہ لوہا جس کے ذریعے زمین کاشت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

سٹہ امام بخاری کی ایک روایت میں اسم جلالت (اللہ) نہیں ہے، اس صورت میں اَدْخَلَ کی ضمیر آلہ کاشتکاری یا کاشتکاری کی طرف راجع ہوگی۔ اس حدیث میں جہاد اور غزوات میں شامل ہونے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ ان لوگوں پر خراج بھی اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ کاشتکاری اور دنیاوی تعمیر میں مشغول ہو گئے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال سے روگردانی کی۔ البتہ اگر کوئی شخص رزق حلال حاصل کرنے کے لیے کاشتکاری کرتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۴۹/۸ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَرَعَ فِیْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِھِمْ فَلَیْسَ لَہٗ مِنَ الزَّرْعِ شَیْءٌ وَّلَہٗ نَفَقَتُہٗ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ جس نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کاشت کی تو اس کے لیے کاشت کا کوئی حصہ نہیں (دیا) اس کے لیے اس کی محنت کا خرچہ ہے۔

(امام ترمذی، ابو داؤد)

امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

۲۸۵۰/۹ عَنْ قَیْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ

حضرت قیس بن مسلم، حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں

أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِينَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُونَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَآلُ أَبِي بَكْرٍ وَآلُ عَلِيٍّ وَابْنُ سِيرِينَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ كُنْتُ أُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ فِي الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى إِنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّطْرُ وَإِنْ جَاءُوا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں جو تہائی اور چوتھائی پر کاشت نہ کرتا ہو، حضرت علی، سعد بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ، حضرت ابوبکر، عمر اور علی کی اولاد اور ابن سیرین نے کاشتکاری کروائی، عبدالرحمٰن بن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید سے کھیتی میں شرکت کیا کرتا تھا، حضرت عمر نے لوگوں کے ساتھ اس شرط پر معاملہ کیا کہ اگر وہ اپنے پاس سے بیج دیں تو ان کے لیے نصف ہے اور اگر مزارعین بیج لائیں تو ان کے لیے اتنا حصہ ہے۔

(بخاری شریف)

۱؎ قیس بن مسلم ثقہ ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ فرقہ مرجئہ میں سے تھے۔

۲؎ ابوجعفر یعنی حضرت امام محمد باقر سلام اللہ علیہ وعلی سائر اہل بیت النبوۃ (اللہ تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو ان پر اور تمام اہل بیت پر۔)

۳؎ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو وقاص کا نام مالک ہے۔

۴؎ مشہور تابعی ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ مبارکہ پایا مگر آپ کی زیارت یا آپ سے روایت ثابت نہیں۔

۵؎ وہ بھی تابعین میں سے ہیں۔

۶؎ اِنْ جاءَ میں اِنْ ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔

۷؎ یعنی تہائی یا چوتھائی جو شرط کیا گیا ہو۔

۸؎ یہ حدیث چند آثار پر مشتمل ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی، محدثین کے طریقے کے مطابق یوں کہنا چاہیے تھا۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ تَعْلِیْقًا۔

بَابُ الْاِجَارَةِ

۲۳۸- کرائے پر دینے کا بیان

اجارہ کسی چیز کا کرائے پر دینا، اجرت مزدوری، اجیر مزدور، اصطلاح شریعت میں اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نفع کا مالک بنا دیا جائے، قیاس کہتا ہے کہ یہ عقد جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ نفع موجود نہیں ہے، لیکن لوگوں کی حاجت کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا گیا ہے، احادیث و آثار سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۸۵۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَعَمْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَاْسَ بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مغفل[۱] فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بن ضحاک[۲] نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا اور زمین کرایہ پر دینے کا امر فرمایا[۳] اور فرمایا اس میں حرج نہیں۔ (مسلم شریف)

[۱] عبداللہ بن مغفل میم مضموم، غین مفتوح اور فاء مشددہ، مشکوٰۃ شریف کے نسخوں میں اسی طرح ہے، یہ بیعت رضوان میں شامل ہونے والے مشہور صحابی ہیں، مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے بعد ازاں بصرہ چلے گئے، ۶۰ھ میں وہیں وصال ہوا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بصرہ میں ان سے زیادہ شرافت والا کوئی نہ آیا، مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں ایک نسخہ معقل میم مفتوح، عین ساکن اور قاف مکسور کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، اسی طرح مسلم شریف کے نسخوں میں ہے، اور یہ دوسرے درجہ کے تابعین کوفہ میں سے ہیں۔ ثقہ اور جلیل القدر تابعی ہیں۔

[۲] ثابت بن ضحاک انصاری صحابی ہیں، کم سنی میں بیعت رضوان کے موقع پر حاضر ہوئے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ان کی ولادت ہجرت کے تیسرے سال ہوئی، ایک عرصہ بصرہ میں قیام کیا اور ابن زبیر کے فتنے کے زمانہ میں ۷۰ھ میں وصال فرمایا۔

[۳] یہ امر اباحت ہے، کرایہ پر دینے کا حکم یا تو اسی مزارعت کی صورت میں ہے یا مطلق اجارہ کا حکم ہے۔

مزارعت کی ممنوعہ صورت اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مالک اپنے لیے کوئی جگہ خاص کرلے، اور نقدی کے عوض زمین کا کرایہ پر دینا بلا کراہت جائز ہے ۱۲ مرقاۃ۔

۲۸۵۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَاسْتَعَطَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سینگیاں لگوائیں[۱] اور لگانے والے کو اس کا معاوضہ دیا اور نسوار لی[۲]

(صحیحین)

[۱] یعنی خون نکلوایا۔ اس سے اجارہ کا صحیح ہونا اور سینگیاں لگانے کے عمل کا جواز ثابت ہوا۔
[۲] نسعوط پہلا حرف مفتوح، وہ دوا جو ناک میں ڈالی جائے۔ اس سے ثابت ہوا علاج معالجہ جائز ہے۔

۲۸۵۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ بھیجا مگر انہوں نے بکریاں چرائیں[۱] صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں[۲] میں چند قیراط[۳] پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔

(بخاری شریف)

[۱] اگرچہ ایک دو ہی ہوں۔
[۲] میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔
[۳] قیراط دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ۔ بعض علماء نے فرمایا: قراریط، مکہ مکرمہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اور اپنے اہل کی بکریاں، اجرت کے بغیر چراتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بکریاں چرانے میں حکمت سیاست اور انتظام کا حصول، ان پر شفقت، چرانے کی مشقت پر صبر، اور خلوت کا حصول ہے، بادشاہ کی نسبت رعایا سے وہی ہوتی ہے جو چرواہے کی بکریوں سے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو پہچانیں جو بطور احسان انہیں عطا فرمائی، انہیں منتخب فرمایا اور اس کے بعد انہیں بلند مراتب پر فائز فرمایا جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ خطابی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دنیاداروں، بادشاہوں اور امیروں کو نبوت عطا نہیں کی بلکہ بکریاں چرانے والے اور متواضع حضرات کو عطا فرمائی، حضرت ایوب علیہ السلام سلائی کا

اور حضرت زکریا علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے، اسی طرح علامہ کرمانی نے نقل کیا۔

۲۸۵۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثَلٰثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اَعْطٰى بِىْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهٗ وَرَجُلٌ اسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں سے جنگ کروں گا۔ (۱) وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرے[1] پھر وعدہ خلافی کرے (۲) جو آزاد کو بیچ کر اس کے پیسے کھائے[2] (۳) جو مزدور اجرت پر لے اور اس سے پورا کام لے[3] کر اسے اجرت نہ دے۔ (بخاری شریف)

[1] اور میری قسم کھائے۔

[2] پیسے کھا لینا زجر و توبیخ کی زیادتی کے لیے تاکید ہے، قید نہیں حتیٰ کہ اس کا فروخت کرنا، قیمت کھائے بغیر حرام نہ ہو (خلاصہ یہ کہ آزاد کا بیچنا حرام ہے خواہ اس کی قیمت کھائے یا نہ کھائے، قیمت کھانے کی قید اتفاقی ہے)

[3] یعنی جس کام پر اسے مزدور بنایا تھا وہ تو پورا کروا لیا لیکن اسے مزدوری نہ دی۔

۲۸۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِّنْ رَاقٍ اِنَّ فِى الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا اَوْ سَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَاَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام ایک گھاٹ پر گزرے اس قوم میں ایک ایسا شخص تھا جسے کسی چیز نے ڈس لیا تھا۔[1] گھاٹ والوں میں سے ایک شخص نے آکر کہا کیا آپ میں کوئی دم کرنے والا ہے ہم گھاٹ پر ایک شخص ڈسا ہوا ہے، ایک صحابی نے جا کر چند بکریوں کی شرط پر سورۃ فاتحہ پڑھی[2] تو وہ شخص تندرست ہو گیا، چنانچہ وہ[3] بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو انہوں نے بکریاں لینے کے عمل کو ناپسند کیا[4] اور کہا آپ نے اللہ کی کتاب پر معاوضہ

عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَصَبْتُمْ اَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا.

لیا ہے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچے اور عرض کیا[۵] یا رسول اللہ! اس نے کتاب اللہ کے پڑھنے پر معاوضہ لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جن چیزوں پر تم معاوضہ لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ حق دار اللہ کی کتاب ہے[۶] (امام بخاری)۔ ایک روایت میں ہے کہ تم نے صحیح کیا[۷] تقسیم کرو[۸] اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی مقرر کرو[۹]

[۱] راوی کو اس میں شک ہے کہ روایت میں لفظ لدیغ تھا یا سلیم، معنی دونوں کا ایک ہے، اہل علم نے اسے سلیم کہنے کی وجہ، نیک فالی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ اسے سلامت رکھے، علامہ طیبی نے نقل کیا کہ اکثر طور پر بچھو کے کاٹے ہوئے کو لدیغ اور سانپ کے ڈسے ہوئے کو سلیم کہتے ہیں اس صورت میں راوی کو معنی میں شک ہوگی (کہ وہ شخص بچھو کا ڈسا ہوا تھا یا سانپ کا) صراح میں ہے کہ لدغ کا معنی سانپ یا بچھو کا ڈسنا ہے، لدیغ سانپ کے ڈسے ہوئے کو کہتے ہیں سانپ کے ڈسے ہوئے کو نیک فالی کے طور پر سلیم کہہ دیتے ہیں۔

[۲] یعنی انہوں نے شرط لگائی کہ اگر چند بکریاں بطور معاوضہ دو تو میں پڑھتا ہوں۔

[۳] یعنی جس صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھی تھی اور اس پر بکریوں کا معاوضہ لیا تھا۔

[۴] سانپ کے ڈسے ہوئے پر سورہ فاتحہ پڑھنے کے بدلے بکریاں لینے کو ناپسند کیا، ان کا موقف یہ تھا کہ قرآن پاک پر اجرت کیوں لی جائے۔

[۵] بکریاں لینے والے صحابی کی شکایت کے طور پر۔

[۶] کہ تم اسے تعظیم و تکریم سے پڑھو اور کسی گرفتار بلا کو رہائی دلاؤ۔

[۷] کہ تم نے اجرت لے لی۔

[۸] یعنی بکریوں کو آپس میں تقسیم کرو، بکریاں لینے کی نسبت سب کی طرف اس لیے کی کہ یہ عمل ان میں واقع ہوا تھا، گویا ایک شخص کا فعل سب کا فعل تھا یا یہ اشارہ فرمایا کہ جو کچھ اس صحابی نے کیا، چاہو تو تم بھی وہی کرو۔

[۹] اس کا مقصد صحابہ کرام کا دل خوش کرنا ہے اور یہ بتانا کہ یہ مال بغیر کسی شک و شبہ کے حلال ہے، اگر میں بھی اس سے لوں تو درست ہے، یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پاک کے ساتھ دم کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے

علماء متاخرین نے تعلیم اور کتابت کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تعلیم قرآن پر معاوضہ لینا حرام ہے۔ لیکن متاخرین نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ورنہ دین کا کام کون کرے گا؟ دراصل یہ معاوضہ قرآن پاک پڑھانے اور نمازیں پڑھانے کا نہیں ہے بلکہ وقت صرف کرنے اور پابندی کا ہے۔ ہمارے اجتماعی امور اور تنظیمیں اسی لیے ناکام ہیں کہ نہ معاوضہ دیا جاتا ہے اور نہ کام ہوتا ہے ۱۲ قادری غفرلہٗ

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۸۵۶ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْنَا عَلٰى حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ فَقَالُوْا اِنَّا اُنْبِئْنَا اَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَآءٍ اَوْ رُقْيَةٍ فَاِنَّ عِنْدَنَا مَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَجَآءُوْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً اَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ اَتْفُلُ قَالَ فَكَاَنَّمَا اُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَاَعْطَوْنِيْ جُعْلًا فَقُلْتُ لَا حَتّٰى اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلْ فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ اَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ لَقَدْ اَكَلْتَ

حضرت خارجہ بن صلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا سے راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے[۱] تو عرب کے ایک محلہ پر ہمارا گزر ہوا۔ انہوں نے کہا ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ اس مقدس ہستی کے پاس سے خیر لے کر آئے ہیں[۲] تو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دم درود ہے[۳]؟ ہمارے پاس ایک دیوانہ[۴] بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہم نے کہا ہاں[۵]! تو وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے دیوانے کو لے آئے میں نے اس پر تین دن صبح و شام سورۂ فاتحہ پڑھی، میں لعاب دہن جمع کرکے اس پر تھوک دیتا تھا[۶]، فرماتے ہیں کہ وہ گویا بندش سے آزاد کر دیا گیا[۷]، ان لوگوں نے مجھے معاوضہ[۸] دیا تو میں نے کہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں لوں گا۔ آپ[۹] نے فرمایا: کھا میری زندگی کی قسم کہ جس نے جھوٹے دم سے کھایا اس نے بُرا کیا، تو نے تو سچے دم سے کھایا ہے[۱۰]۔

بِرُقْيَةِ حَقٍّ .

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْدَاوُدَ) (امام احمد، ابوداؤد)

سلہ حضرت خارجہ تابعی ہیں، حضرت ابن مسعود اور اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے چچا صحابی ہیں
سلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرکے وطن واپس جارہے تھے۔
سلہ اسی محلہ والوں نے کہا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ اس ذات اقدس سے (نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) خیر کثیر لے کر آئے ہیں۔
سلہ رقیہ را مضموم، قاف ساکن، دم، منتر، جمع رُقٰی را کے ضمہ کے ساتھ۔
سلہ صراح میں ہے کہ معتوہ بے عقل اور اس شخص کو کہتے ہیں جس کا دل قابو میں نہ ہو، کتب فقہ میں ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کبھی پاگل ہو اور کبھی ہوشیار۔
سلہ ہمارے پاس دم موجود ہے۔
سلہ اتفل خا کے ضمہ کے ساتھ، اَجمع بزاقی جملہ حالیہ ہے۔
سلہ یعنی وہ دیوانہ تندرست ہوگیا اور دیوانگی سے رہائی پاگیا یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسی میں جکڑا ہوا تھا اب اسے رہائی مل گئی، انشاط اونٹ کو ڈھیل دے دینا، عقال اونٹ کا پاؤں باندھنے والی رسی۔
سلہ جُعْل جیم مضموم، عین ساکن، مزدوری۔
سلہ میں نے پوچھا آپ نے فرمایا۔
سلہ تم غمگین اور پریشان نہ ہو، لفظ رقیہ دونوں جگہ مضاف ہے۔

۲۸۵۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوا الْأَجِيْرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ .

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو۔ (ابن ماجہ)

سلہ مطلب یہ ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری جلد ادا کردو اور دیر نہ کرو۔

۲۸۵۸ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ

حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے

جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِي الْمَصَابِيْحِ مُرْسَلٌ)

پر بیٹھ کر آئے ہے۔
(امام احمد، ابوداؤد۔ مصابیح میں ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔)

۱ـہ گویا یہ اس کے سوال کی اجرت ہے، اسی مناسبت سے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں لائے ہیں۔

۲ـہ اس حدیث کی سند میں بعض ائمہ ناقدین نے کلام کیا ہے، امام احمدؒ نے فرمایا اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ دو حدیثیں بازار میں گردش کر رہی ہیں اور ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔ ایک تو یہی حدیث اور دوسری نَحْرُكُمْ يَوْمَ صَوْمِكُمْ، امام ابوداؤدؒ نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے، ان کے نزدیک یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

۳ـہ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مسند ہے، مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۵۹ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ النُّدَّرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طٰسٓمٓ حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ اِنَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَطَعَامِ بَطْنِهٖ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عتبہ بن ندرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے سورہ طٰسٓمٓ پڑھی یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے، فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ یا دس سال کے لیے مزدور بنایا پاکدامنی کی حفاظت اور پیٹ بھر کھانے کی شرط پر۔
(امام احمد، ابن ماجہ)

۱ـہ عتبہ عین مضموم، تا ساکن بن الندر نون مضموم، دال مشدد مفتوح، بعض نسخوں میں عقبہ قاف کے ساتھ ابن المنذر میم مضموم، نون ساکن اور ذال مکسور، بعض حضرات نے عتبہ بن عبد سلمی کہا ہے حضرت مولف (صاحب مشکوٰۃ) بھی کتاب الجہاد اسی طرح لائے ہیں اس جگہ عتبہ بن الندر کہہ دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ـہ سورہ قصص جس کی ابتداء میں طٰسٓمٓ ہے۔

۳ـہ جس میں ان کے مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچنے، ان کی صاحبزادی کے نکاح کا پیغام دینے اور اپنے آپ کو دس سال تک مزدوری کے لیے پیش کرنے کا ذکر ہے۔

۴ـہ انہیں اختیار تھا کہ آٹھ سال خدمت کریں یا دس سال۔

۵ اس سے مراد نکاح ہے عفت کا معنی پارسائی اور حرام سے باز رہنا ہے۔
۶ مہر بھی یہی تھا گویا ان کی شریعت میں جائز تھا کہ خدمت کو مہر بنا دیا جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہر کچھ اور ہو اور یہ خدمت اس کے علاوہ رضا کارانہ زائد ہو۔

۲۸۶۰/۱۰ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ أَهْدٰى إِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَأَرْمِيْ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا.
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبادہ بن صامت[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جنہیں کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان بطور ہدیہ پیش کی ہے اور یہ کوئی مال نہیں ہے[2] میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلاؤں گا۔ فرمایا: اگر تو پسند کرتا ہے کہ تجھے دوزخ کی آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لے[3]۔
(امام ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ عبادہ بن صامت علیٰ مفہوم اور بار محقق، اکابر صحابہ میں سے ہیں۔
۲ یعنی عرف میں اسے اموال میں سے شمار نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ اسے اجرت میں شمار کیا جائے، گویا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے۔ اسی لیے انہوں نے سوال کیا کہ کیا یہ کمان لوں یا نہ؟
۳ یہ کمان کے لینے کا عذر پیش کیا یا نہ لینے کی تاکید کے طور پر کہا کہ جب تعلیم قرآن کا معاوضہ لینا جائز نہیں تو اس کمان سے جہاد کرنا کیسے جائز ہوگا۔

---

۱ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت مزدوری کرنا اچھا ہے سوال برا ہے۔ بڑے سے بڑے شخص کو محنت سے عار نہ کرنی چاہیے، خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب کی بکریاں چرانا بی بی صفورا کا مہر نہ تھا بلکہ نکاح کی شرط تھی اس لیے آپ نے فرمایا تھا عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ تم میری مزدوری کرو آٹھ سال اور اگر مہر ہوتا تو علی کی بجائے بار آتی اور آپ اپنی بجائے لِ بی بی صفورا کا ذکر فرماتے قرآن کریم فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ بیویاں اپنے مالوں سے تلاش کرو لہٰذا مذہب حنفی بالکل حق ہے کہ مہر میں مال دینا پڑے گا۔ خدمت زوجہ مہر نہیں بن سکتا، امام شافعی کا فرمان کہ خدمت پر نکاح درست ہے اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ۱۲ مراۃ۔

لکھ اس کلام سے ظاہر یہ ہے کہ یہ اجرت میں داخل ہے اور اسے نہیں لینا چاہیے، یا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ اجرت میں تو داخل نہیں ہے تاہم نہ لینا ہی بہتر ہے، اگر کہا جائے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ لائق ترین وہ چیز جس پہ اجر لیا جائے وہ کتاب اللہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ محض رضائے الٰہی کے لیے تعلیم دیا کرتے تھے انہوں نے پسند نہیں فرمایا کہ ان کا اخلاص فوت ہو جائے اور ان کا عمل عزیمت (اصل) پر ہے اور جو اس سے پہلے گزرا وہ بیان رخصت تھا۔

بَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ وَالشِّرْبِ

۲۳۹- بنجر زمین کو آباد کرنے اور پانی دینے سے متعلق احادیث کا بیان

مَوات میم مفتوح کے ساتھ، وہ زمین جس کا کوئی مالک نہیں، اسی طرح قاموس میں ہے، نہایہ میں ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جسے کاشت نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی اس کا کوئی مالک بنا ہو، اس کے احیاء کا معنی یہ ہے کہ اسے آباد کیا جائے، ہدایہ میں ہے کہ موات ان زمینوں کو کہتے ہیں جن سے نفع حاصل نہ کیا جاتا ہو یا تو اس لیے کہ وہاں پانی ہی نہ پہنچتا ہو یا وہ جگہیں پانی میں ڈوب گئی ہوں یا اس کے علاوہ کچھ رکاوٹیں ہوں جن کی بناء پر کاشت کاری نہ کی جا سکے، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اس زمین کا کوئی مالک ہی نہیں ہے، ابتداء سے وہ شخصی ملکیت میں نہیں آئی۔ (۲) تاریخ اسلام میں وہ کسی کی ملکیت تو تھی لیکن اب اس کا مالک معلوم نہیں اور وہ گاؤں سے اتنی دور ہے کہ اگر آدمی آبادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہو کر آواز دے تو وہاں سنائی نہ دے، یہ بھی موات ہے۔

شِرب شین مکسور، پانی کا حصہ، لوگوں کا پانی میں حق ہے کہ انہیں روکا نہیں جا سکتا، اس جگہ دریاؤں، نہروں، ندیوں کے پانیوں اور ان پانیوں میں تفصیل ہے جو ظروف اور برتنوں میں محفوظ کر لیے گئے ہوں۔ ان کے احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ دریا کے پانی میں پینے، زمین کے سیراب کرنے اور اس سے نہریں کھود کر زمین تک لے جانے میں تمام انسانوں کا حق ہے، دریا کے پانی سے نفع حاصل کرنے میں چاند، سورج اور ہوا سے نفع حاصل کرنے کی طرح کسی کی خصوصیت نہیں ہے، اور سب لوگ اس میں شریک ہیں۔ جیحون، سیحون، دجلہ اور فرات وغیرہ بڑی نہروں کے پانی کا حکم دینی ہے جو دریا کے پانی کا ہے بشرطیکہ وہ کسی کو نقصان نہ دے۔ مثلاً ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ان کا رخ پھیر دے اور

بستیاں اور زمینیں زیر آب ڈوب جائیں، سب سے کنوئیں اور نہریں ان میں بھی عامۃ الناس کا حق ثابت ہے، کیونکہ ان کی تعمیر پانی کے جمع کرنے اور محفوظ کرنے کے لیے نہیں ہوتی، اور کوئی بھی مباح چیز محفوظ کیے بغیر ملکیت میں نہیں آتی مثلاً ہرن کسی کی زمین میں آکر رہائش گاہ بنالے (تو وہ اس کی ملکیت میں نہیں آجائے گا، انسان ہر جگہ اپنے ساتھ پانی نہیں لے جاسکتا حالانکہ اسے اپنے پینے اور اپنی سواری کے لیے پانی کی حاجت ہوگی (لہٰذا اسے کنوؤں اور نہروں سے پانی پینے اور سواری کو پلانے کا حق ملنا ضروری ہے)، اگر کوئی شخص چاہے کہ اس پانی سے زمین سیراب کرے تو نہر والے اسے منع کر سکتے ہیں خواہ وہ انہیں نقصان دے یا نہ، کیونکہ یہ ان کا مخصوص حق ہے۔ اور اگر کسی نے برتن میں پانی محفوظ کر لیا ہے تو وہ اس کی ملکیت ہے غیر کا حق اس سے متعلق نہیں رہتا، جیسے کوئی شکار کو پکڑ لے۔ (تو وہ اس کی ملکیت ہوجاتا ہے)۔

اور اگر کنواں، چشمہ یا نہر کسی کی مملوکہ زمین میں ہو تو اسے حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کو اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے روک دے یہ اس وقت ہے کہ اس پانی کے قریب ایسا پانی دستیاب ہو جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور اگر ایسا پانی دستیاب نہ ہو تو نہر کے مالک کو کہا جائے گا کہ یا تو خود ضرورت مند کو پانی لا کر دے یا اسے اجازت دے کہ آکر پانی لے لے بشرطیکہ کنوئیں کے جو تربے کو نقصان نہ پہنچائے، یہ اس وقت ہے کہ اس نے کنواں اپنی مملوکہ زمین میں کھودا ہو، اور اگر اس نے بنجر زمین میں کھودا ہو تو اسے پانی سے منع کرنے کا حق نہیں پہنچتا، زمین اگرچہ آدمی کی ملکیت ہوجاتی ہے لیکن پانی ملکیت نہیں ہوتا، اب اگر وہ ایسے شخص کو روکتا ہے جسے اپنی اور سواری کی ہلاکت کا خطرہ ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ ہتھیار کے ساتھ اس سے جنگ کرے، کنوئیں میں موجود پانی مباح ہے اور کسی کی ملکیت نہیں ہے، البتہ برتن میں محفوظ کیا ہوا پانی محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے۔ اگر کسی شخص کو ہلاکت کا خوف ہو تو ہتھیار کے بغیر جنگ کرے گا، شدید مجبوری کی حالت میں طعام کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کنوئیں کے پانی کیلئے بھی ہتھیار کے بغیر جنگ کرے، کیونکہ منع کرنے والا گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور اس سے لڑائی کرنا تعزیر کے قائم مقام ہے، یہ تمام تفصیل ہدایہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۸۶۱/۱ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَّرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی ملکیت نہیں ہے تو وہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ حضرت عروہ

بِهٖ عُمَرُ فِيْ خِلَافَتِهٖ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں یہی فیصلہ فرمایا[۲]۔ (بخاری شریف)

[۱] اور اسے کاشت کیا۔

[۲] امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں بادشاہ کی اجازت شرط ہے، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بادشاہ کی اجازت شرط نہیں ہے۔

۲۸۶۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الصَّعْبَ ابْنَ جَثَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت صعب ابن جثامہ[۱] نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چراگاہیں[۲] صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہیں۔ (بخاری شریف)

[۱] صعب صاد مفتوح اور عین ساکن ابن جثامہ جیم مفتوح اور ثا مشدد، حضرت صعب، صحابی ہیں اور ان کا شمار حجازیوں میں ہے، ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران اُن کا وصال ہوا۔

[۲] حمیٰ حا کے کسرہ کے ساتھ، وہ زمین جس کے گرد باڑھ لگا دی جائے تاکہ صدقہ وغیرہ کے مویشی وہاں چریں، دور جاہلیت کی عادت یہ تھی کہ عرب کے اغنیاء اور رؤسا سبزے اور پانی والی زمین کے گرد اپنے چوپایوں کیلئے باڑھ لگا دیتے تھے، وہ ایسی جگہ آکر کتے کو بھونکنے پر مجبور کرتے تھے، جہاں تک اس کی آواز جاتی تھی وہاں تک کی زمین محفوظ کر دیتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ زمین، صرف ان گھوڑوں اور اونٹوں کے چرانے کے لیے مخصوص کی جائے گی جن پر جہاد کے لیے یا فی سبیل اللہ سواری کی جائے گی، اس زمین میں صدقے کے مویشی چرائے جائیں گے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت، شرافت کا اظہار کرنے کے لیے ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی امام کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی ذات کے لیے کسی زمین کو محفوظ کرے، اس میں اختلاف ہے کہ عوامی مصلحت وضرورت کے لیے زمین کا مخصوص کرنا کیسا ہے؟ بعض علماء نے فرمایا کہ درست ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا، بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر شہر کی آبادی کے لیے تنگی کا باعث ہو تو ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

۲۸۶۳ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ

حضرت عروہ[۱] سے روایت ہے کہ حضرت زبیر کا

الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فِيْ شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَاسْتَوْفَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهٗ فِيْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ اَحْفَظَهُ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ اَشَارَ عَلَيْهِمَا بِاَمْرٍ لَهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ایک انصاری سے حرہ کی ایک نالی[۲] کے بارے میں جھگڑا ہوا، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر! تم پانی دے[۳] لو پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، انصاری نے کہا وہ آپ کے پھوپھی زاد جو ہوئے[۴] اس پر آپ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا[۵] پھر آپ نے فرمایا: زبیر! تم پانی دو، پھر اسے روک لو[۶] یہاں تک کہ منڈیر کی طرف لوٹ جائے[۷] پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، اب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً حضرت زبیر کو اپنا پورا حق لینے کا حکم دیا، جب کہ انصاری نے آپ کو ناراض کیا[۸]، حالانکہ آپ نے پہلے وہ حکم دیا تھا جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] حضرت عروہ ابن زبیر ابن عوام، اکابر اور ثقہ تابعین میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ کے سات نقہاء میں سے ایک ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں حضرت زبیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے ہیں۔

[۲] شرج، پانی کا وہ راستہ جو پتھریلی زمین سے نرم زمین کی طرف جائے، اس کی جمع شراج اور شروج ہے۔ حرہ حاء مفتوح اور راء مشدد، پتھریلی زمین، مدینہ منورہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان آباد ہے۔

[۳] یعنی اپنی کھیتی کو سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کی کھیتی کی طرف چھوڑ دو۔

[۴] آپ نے زبیر کے حق میں اس لیے حکم دیا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

[۵] یعنی ناراضگی سے چہرہ انور سرخ ہو گیا۔

[۶] یعنی پڑوسی کی کھیتی کی طرف نہ جانے دو۔

[۷] یعنی پانی تمام زمین کو پہنچ جائے، اس کا اندازہ یہ کیا گیا ہے کہ پانی آدمی کے ٹخنے تک پہنچ جائے۔

شہ حفیظ، حفاظ اور حفظ حاء کے کسرہ کے ساتھ، ناراضگی۔

۹ھ پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو چشم پوشی اور پڑوس کی پاسداری کا حکم دیا تھا، انہیں حکم دیا تھا کہ اپنا کچھ حق چھوڑ دو، اگرچہ ایسا کرنا ان پر واجب نہ تھا اور جب انصاری نے جہالت کا مظاہرہ کیا، تو حضرت زبیر کو حکم دیا کہ اپنا پورا حق وصول کر لیں۔ رہا یہ کہ انصاری نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے ادبی کیوں کی؟ بعض علماء نے کہا کہ وہ منافق تھا، اسے انصاری اس لیے کہا کہ وہ انصار کے قبیلے سے تھا، انصار کے بعض قبائل میں کچھ لوگ منافق بھی تھے۔ جیسے عبداللہ بن ابی وغیرہ، یا طیش کی شدت کی بنا پر اس سے لغزش واقع ہو گئی اور وہ بہک گیا، اسے قتل نہیں کیا گیا یا تو اس کی تالیف قلب کے لیے اور یا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منافقوں کی اذیتیں برداشت فرما لیتے تھے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸۶۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا فَضْلَ الْمَاۗءِ لِتَمْنَعُوْا بِهٖ فَضْلَ الْکَلَاۗءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زائد پانی نہ روکو تاکہ اس سے زائد گھاس روکو۔ لہ (صحیحین)

لہ مطلب یہ ہے کہ پانی سے منع کرنا گھاس سے منع کرنا ہے، اور گھاس سے منع کرنا تو ممنوع ہے کیونکہ چوپایوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے۔ لہذا پانی سے منع کرنا بھی ممنوع ہوگا، گھاس خشک ہو یا تر اس سے روکنا ممنوع ہے، البتہ اگر اسے محفوظ کیا ہوا ہو تو پانی کی طرح اس سے بھی روک سکتے ہیں۔

۲۸۶۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰی سِلْعَةٍ لَقَدْ اُعْطِیَ بِهَا اَکْثَرَ مِمَّا اُعْطِیَ وَهُوَ کَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ کَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا (۱) وہ شخص جس نے قسم کھائی کہ اسے مال کی زیادہ قیمت ملتی رہی ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے لہ (۲) جو عصر کے بعد لہ جھوٹی قسم کھائے۔ تاکہ اس کے ذریعے مسلمان کا مال تھیا لے۔ (۳) وہ شخص جو زائد

لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ الْيَوْمَ اَمْنَعُكَ فَضْلِيْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ فِيْ بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ۔

پانی روکے، اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا[۳] کہ آج میں اپنا فضل روکتا ہوں جیسے تو نے زائد پانی روکا جو تیرے ہاتھوں کی کمائی نہ تھا[۴] (متفق علیہ)

حضرت جابر کی حدیث ممنوعہ بیوع کے باب میں ذکر کی گئی ہے[۵]۔

[۱] یعنی ایک شخص سامان فروخت کرتا ہے، خریدار اسے قیمت کی پیشکش کرتا ہے، بائع قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ قیمت دی جا رہی تھی (لیکن میں نے مال نہیں بیچا)۔

[۲] عصر کے وقت کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ شرافت والا وقت ہے، اور اس وقت قسم کھانا بہت سخت ہے کیونکہ یہ انسانوں اور دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے، جیسے کہ آیت کریمہ۔ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ (دونوں گواہوں کو نماز (عصر) کے بعد روکو) کی تفسیر کی گئی ہے۔

[۳] یعنی قیامت کے دن۔

[۴] مطلب یہ کہ پانی تیرے دونوں ہاتھوں اور تیری قدرت سے بنایا ہوا نہ تھا، بلکہ محض میری قدرت سے پیدا ہوا، اگرچہ کنواں اور نہر آدمی کے عمل سے پیدا ہوئی، لیکن پانی کا نکلنا، اور کنوئیں میں پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ انسان کا کام صرف زمین کا کھودنا ہے۔

[۵] حضرت جابر کی روایت کردہ حدیث جس میں زائد پانی کے بیچنے سے ممانعت ہے مصابیح میں اسی جگہ مذکور ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے ممنوعہ بیوع کے باب میں ذکر کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۸۶۶ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَاطَ حَائِطًا عَلَى الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت حسن بصری، حضرت سمرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا، جو زمین کے گرد دیوار بنا لے تو وہ[۲] اس کی ہے۔ (ابو داؤد)

لے حضرت سمرہ ابن جندب مشہور صحابی ہیں اور حضرت حسن بصری ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔
۲ے جس زمین کے گرد اس نے احاطہ بنایا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوار کھینچ دینا زمین کا مالک ہونے کے لیے کافی ہے، مشہور روایت کے مطابق یہ امام احمد کا مذہب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک اس زمین کا آباد کرنا شرط ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رہائش کے لیے دیوار کھینچ لی جائے وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی رفاہ عام سے متعلق ہو تو اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

۲۸۶۷/۷ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِي بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ نَخِيْلًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت اسماء بنت[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کھجوریں بطور جاگیر عطا فرمائیں[2]

(ابوداؤد)

لے حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی اور حضرت زبیر بن عوام کی اہلیہ ہیں۔
۲ے اقطاع کا مطلب یہ ہے کہ امام زمین کا کوئی حصہ کسی فوجی کے لیے مختص کر دے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زمین مال غنیمت کے پانچویں حصے سے عطا فرمائی ہو جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ہے یا حضرت زبیر نے بے آباد زمین کو آباد کیا ہو۔

۲۸۶۸/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ حُضْرَ فَرَسِهٖ فَاَجْرٰى فَرَسَهٗ حَتّٰى قَامَ ثُمَّ رَمٰى بِسَوْطِهٖ فَقَالَ اَعْطُوْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کے دوڑنے کی حد تک زمین عطا فرمائی[1] انہوں نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا یہاں تک کہ وہ ٹھہر گیا[2] پھر انہوں نے اپنا چابک پھینکا تو فرمایا، ان کو دیدو جہاں تک ان کا چابک پہنچا ہے۔

(ابوداؤد)

لے یعنی اتنی زمین کہ گھوڑے کے دوڑنے کی انتہا تک ہو۔
۲ے صراح میں ہے کہ حُضر حاء مضموم، ضاد ساکن۔ گھوڑے کا دوڑنا۔

۲۸۶۹/۹ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت علقمہ[1] ابن وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد[2] سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَهُ اَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ قَالَ فَاَرْسَلَ مَعِيَ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَعْطِهَا اِيَّاهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

نے انہیں حضر موت[3] میں خطۂ زمین عطا فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا کہ وہ زمین انہیں دے دو[4]۔

(ترمذی، دارمی)

[1] علقمہ عین مفتوح، لام ساکن اور قاف مفتوح، وہ حضرمی، کوفی اور تابعی ہیں۔

[2] حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرمی اور مشہور صحابی ہیں۔

[3] حضرموت: ضاد ساکن، را، اور میم مفتوح، حضرت وائل اسی جگہ کے تھے۔

[4] زمین کی پیمائش کر کے ان کے سپرد کر دو۔

۲۸۷۰/۱۰ وَعَنْ اَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ الْمَارِبِيِّ اَنَّهُ وَفَدَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ الَّذِيْ بِمَارِبَ فَاَقْطَعَهُ اِيَّاهُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَقْطَعْتَ لَهُ الْمَآءَ الْعِدَّ قَالَ فَرَجَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَاَلَهُ مَاذَا يُحْمٰى مِنَ الْاَرَاكِ قَالَ مَا لَمْ تَنَلْهُ اَخْفَافُ الْاِبِلِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابیض[1] بن حمال ماربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بطور نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ مجھے مارب میں نمک کی کان عنایت فرما دیں، آپ نے انہیں عطا فرما دی[2]، جب حضرت ابیض واپس ہوئے تو ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے تو انہیں جاری رہنے والے پانی کا چشمہ[3] عنایت فرما دیا ہے، تب آپ نے اُن سے وہ چشمہ واپس لے لیا[4]، راوی کہتے ہیں انہوں نے پوچھا کون سے پیلو محفوظ کیے جا سکتے ہیں[5]، فرمایا: جنہیں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں[6]۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

[1] ابیض بروزنِ اسود (سفید) ابن حمال، حا مفتوح اور میم مشدد، کہتے ہیں کہ ان کا نام اسود (سیاہ) تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام ابیض (سفید) رکھ دیا۔ الماربی میم مفتوح، ہمزہ ساکن اور را مکسور، یمن کے ایک شہر مارب کی طرف نسبت ہے جہاں نمک کی کانیں ہیں، یہ صحابی ہیں ان سے تھوڑی حدیثیں مروی ہیں۔

ؔ؎ بعض نسخوں میں ہے فَاَقْطَعَہَا اس وقت یہ ضمیر زمین کی طرف راجع ہوگی۔

۳؎ آپ نے انہیں ایسا پانی دے دیا ہے جو کثیر ہے اور اس کا مادہ ختم نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ جاری رہتا ہے صراح میں ہے کہ عِدّ پہلا حرف مکسور، وہ پانی جو ختم نہ ہو جیسے چشمہ وغیرہ، کسی بھی چیز کی زیادہ مقدار، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ کثرت کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔

۴؎ محدثین فرماتے ہیں کہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال شریف یہ تھا کہ وہ قطعہ زمین کان ہے جس سے نمک، محنت ومشقت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، جب یہ معلوم ہوا کہ وہ نمک تو پانی اور گھاس کی طرح محنت ومشقت کے بغیر، آسانی سے حاصل ہوتا ہے تو آپ نے اس سے عوام الناس کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے مناسب یہی جانا کہ اسے واپس لے لیا جائے۔

۵؎ یعنی جس طرح گھاس کو محفوظ کیا جاتا ہے اور اسے چراگاہ بنایا جاتا ہے، اسی طرح اگر پیلو کو محفوظ کیا جائے تو کون سے پیلو محفوظ کیے جائیں۔

۶؎ مطلب یہ ہے کہ جب پیلو شہر اور آبادی سے دور ہوں، کیونکہ جو قریب ہوں گے شہر والوں کو ان کی ضرورت ہوگی، بعض شارحین فرماتے ہیں، رحمی سے اس جگہ مراد آباد کرنا ہے اور بے آباد زمین کو آباد کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ آبادی سے دور ہو، اس معنی پر محمول کرنے کا باعث یہ ہے کہ کسی جگہ کو بطور چراگاہ محفوظ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے، ہر شخص کا حق نہیں ہے۔

۲۸۷۱/۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِی الْمَاءِ وَالْکَلَاءِ وَالنَّارِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، (۱) پانی [۱] (۲) گھاس [۲]۔ (۳) آگ [۳]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ جو کہ کسی کے ساتھ خاص نہ ہو، اس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۲؎ جنگل کی گھاس، اس کا حکم بھی گزر چکا ہے۔

۳؎ اگر ایک شخص کے پاس آگ ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو آگ لینے، چراغ جلانے اور اس کی روشنی میں بیٹھنے اور ایسے ہی دیگر امور سے منع کرے، ہاں اگر ان میں سے کوئی کام اس کے لیے نقصان دہ ہو تو منع کر سکتا ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے چقماق پتھر مراد ہے، جس سے آگ روشن کی جاتی ہے، جیسے کہ آج کل

ماچس ہے، اس قول کے مطابق چنگاری لینے سے منع کیا جا سکتا کہ یہ ایک شخص کی ملکیت ہے اور اس طرح آگ بھی کم ہو جاتی ہے ۱۲ تادری)۔

۲۸۶۲ وَعَنْ اَسْمَرَ بْنِ مُضَرِّسٍ[۱] قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ[۲] فَقَالَ مَنْ سَبَقَ اِلٰى مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ اِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهٗ۔[۳]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت اسمر[۱] بن مضرس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت کی[۲] تو آپ نے فرمایا: جو شخص پہلے کسی پانی تک پہنچا اس سے پہلے اس تک کوئی مسلمان نہیں پہنچا تھا تو وہ اس کی ملکیت ہے[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] اسمر بروزن احمر، ابن مضرس میم مضموم، ضاد مفتوح، اور راء مشدد و مکسورہ آخر میں سین، صحابی ہیں، بنو طے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے، ان کی صاحبزادی عقیلہ عین مفتوح اور قاف مکسور، ان سے روایت کرتی ہیں۔

[۲] آپ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بیعت اسلام کی۔

[۳] اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، مسلم کی قید سے پتا چلتا ہے کہ اگر کافر وہاں پہلے پہنچ گیا تو وہ ملکیت سے منع نہیں کرے گا، کافر سے حربی مراد ہوگا، اسی طرح بیان کیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸۶۳ وَعَنْ طَاوٗسٍ[۱] مُرْسَلًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْيٰى مَوَاتًا مِّنَ الْاَرْضِ فَهُوَ لَهٗ وَعَادِيُّ الْاَرْضِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ مِنِّيْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِيَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ عِمَارَةِ الْاَنْصَارِ مِنَ

حضرت طاؤس[۱] مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بنجر غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اس کی ہے اور پرانی زمین[۲] اللہ اور اس کے رسول کی ہے، پھر وہ میری طرف سے تمہارے لیے ہے[۳] (امام شافعی)۔ شرح السنہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں کچھ مکان[۴] بطور جاگیر عطا فرمائے اور وہ انصار کی آبادی، ان کے گھروں اور کھجوروں کے درمیان تھے[۵]، بنو عبد بن زہرہ[۶] نے عرض کیا کہ

الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِ ابْنِ زُهْرَةَ نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِذًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُقَدِّسُ اُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِلضَّعِيْفِ فِيْهِمْ حَقُّهٗ۔

ابن ام عبد کو ہم سے دور کر دیجئے[۸]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: تب پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے[۹]؟ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کو گناہوں سے پاک نہیں فرماتا جن میں ضعیف کا حق نہ لیا جائے[۹]۔

[۱] حضرت طاؤس یمانی، اکابر تابعین میں سے ہیں۔

[۲] یعنی وہ پرانی زمین جو کسی کی ملک نہیں ہے، عادی، گزشتہ قوموں میں سے قوم عاد و ثمود کی طرف نسبت ہے۔

[۳] یعنی میں اس میں جس طرح چاہتا ہوں تصرف کرتا ہوں، اور جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں، ظاہر یہ تھا کہ فرمایا جاتا کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ اور میری طرف سے تمہارے لیے ہے، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تصرف عطا فرمایا ہے۔

[۴] وہ زمین مراد ہے جس میں وہ مکانات اور منزلیں تعمیر کریں، اس حدیث سے عمارات کے درمیان بنجر زمین کا بطور جاگیر دینا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ شہر سے دور ہونا شرط نہیں ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ مراد مالک بنانا نہیں بلکہ عاریۃً دینا مراد ہے۔

[۵] انصار کو یہ بات گراں گزری کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا گھر ان کے گھروں کے درمیان اور ان کی منزل، انصار کی منزلوں کے درمیان ہو۔

[۶] عبد بن زہرہ، نداء پر منصوب ہے، حضرت عبداللہ کے والد مسعود دور جاہلیت میں ان کے حلیف تھے، اور ان کی والدہ ام عبد ان کے خادموں اور متبعین میں سے تھیں۔

[۷] ام عبد حضرت عبداللہ بن مسعود کی والدہ ہیں، نکّب، نون مفتوح، کاف مشدد مکسورہ اور باء ساکن، تنکیب سے صیغہ امر ہے، نکوب کا معنی ہے ایک طرف ہونا اور تنکیب کا معنی ایک طرف کر دینا ہے، ان کی اس بات میں حضرت ابن مسعود کی توہین اور ان کو کم مرتبہ قرار دینا ہے۔

[۸] مطلب یہ کہ اگر میں ضعیفوں اور مسکینوں کی امداد اور تقویت نہیں کرتا تو میری بعثت کا مقصد کیا ہوگا، اور میرے بھیجنے میں کیا حکمت ہوگی؟

۹ه یعنی ابن مسعود تم میں ضعیف ہے اور مجھ پر لازم ہے کہ ان کی پشت پناہی کروں۔

۲۸۷۴/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِى السَّيْلِ الْمَهْزُوْرِ اَنْ يُّمْسَكَ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلَ الْاَعْلٰى عَلَى الْاَسْفَلِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہزور[1] کے پانی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ اسے یہاں تک محفوظ رکھا جائے[2] کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے پھر اوپر والا، نیچے والے کی طرف چھوڑ دے[3]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ مصابیح کے بعض نسخوں میں السیل المزور ہے اور بعض میں مَسِیْل المھزور ہے اور یہ روایت زیادہ واضح ہے کیونکہ مہزور ایک وادی کا نام ہے جو بنو قریظہ کے ہاں واقع ہے، وہاں سے پانی آتا تھا اور لوگوں کے کھیتوں اور باغوں تک پہنچتا تھا۔

ٹہ ان مقامات میں جو بلند ہیں۔

ٹہ جیسے کہ پہلی فصل میں حضرت عروہ کی حدیث میں گزرا، وہ نہر جو محنت ومشقت کے بغیر جاری ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۲۸۷۵/۱۵ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ كَانَتْ لَهٗ عَضُدٌ مِّنْ نَخْلٍ فِىْ حَائِطِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ اَهْلُهٗ فَكَانَ سَمُرَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَاَذّٰى بِهٖ فَاَتَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَطَلَبَ اِلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبِيْعَهٗ فَاَبٰى فَطَلَبَ اَنْ يُّنَاقِلَهٗ فَاَبٰى قَالَ فَهَبْهُ لَهٗ وَلَكَ كَذَا اَمْرًا رَغَّبَهٗ فِيْهِ فَاَبٰى فَقَالَ اَنْتَ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے باغ میں ان کے کھجور کے چند درخت تھے[1] انصاری کے ساتھ ان کے گھر والے بھی تھے، حضرت سمرہ باغ میں جاتے[2] تو انصاری کو تکلیف ہوتی، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا آپ نے حضرت سمرہ سے مطالبہ[3] کیا کہ اپنا حصہ باغ کے مالک کے پاس بیچ دیں، انہوں نے انکار کیا، آپ نے فرمایا: تبادلہ کرلیں[4] انہوں نے انکار کر دیا، فرمایا: پھر مالک باغ کو ہبہ کر دو اور تمہارے لیے اتنا ثواب ہے[5]۔ اس کی رغبت دلائی انہوں

مُضَآرٌّ فَقَالَ لِلْاَنْصَارِیِّ اذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا فِيْ بَابِ الْغَصْبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ صِرْمَةَ مَنْ ضَآرَّ اَضَرَّ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ بَابِ مَا يُنْهٰى مِنَ التَّهَاجُرِ۔

نے پھر انکار کر دیا، تو فرمایا: تو تکلیف دینے والا ہے[۶] انصاری کو فرمایا: جاؤ اور ان کے درخت کاٹ دو[۷] (ابو داؤد) حضرت جابر کی حدیث کہ جو زمین آباد کرے، باب غصب میں حضرت سعید بن زید کی روایت سے ذکر کر دی گئی ہے اور حضرت ابو صرمہ کی روایت جو نقصان دے اللہ تعالیٰ اسے نقصان دے گا، قطع تعلق کے ممنوع ہونے کے باب میں ذکر کی جائے گی[۸]۔

[۱] عضد عین پر زبر، ضاد پر پیش، وہ کھجور جہاں تک ہاتھ پہنچ سکے۔

[۲] اپنے اس درخت کو دیکھنے یا باغ کے مالک سے ملاقات کرتے۔

[۳] کسی کو بھیج کر حضرت سمرہ سے مطالبہ کیا کہ اپنا درخت باغ کے مالک کے پاس فروخت کر دیں جنہیں ان کی آمد و رفت سے اذیت ہوتی ہے۔

[۴] یعنی یہ درخت باغ والے کو دے دو اور اس کے بدلے میں مالک سے وہ درخت لے لو جو دوسری جگہ ہیں۔

[۵] یعنی جنت میں، اور ترغیب کے لیے اجر و ثواب کا ذکر کیا۔

[۶] اور جو کسی کو اذیت پہنچائے، اس کی اذیت کا دفع کرنا واجب ہے، اسلام میں کسی کو بلا وجہ اذیت دینا ممنوع ہے۔

[۷] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود حضرت سمرہ نے تعمیل نہیں کی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم لازمی نہیں تھا، بلکہ بطور شفاعت اور طلب رحمت تھا، اسی لیے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجر و ثواب بیان فرما کر رغبت دلائی ورنہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سمرہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں توقف سے کام لیتے، تاہم مخفی نہ رہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مبالغہ اور تاکید و ترغیب کے باوجود، حکم کی تعمیل میں توقف سے کام لینا، اگرچہ وہ حکم استحبابی ہی تھا، دل کے سخت ہونے اور دل پر پردے پڑے ہوئے ہونے سے خالی نہیں ہے، حق یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اخلاق کی تہذیب اور ان کے نفوس کا تزکیہ، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت شریفہ کی تاثیر اور آپ کے تصرف سے آہستہ آہستہ ہوتا تھا، ایسا نہیں تھا کہ تمام صحابہ کرام ابتداء ہی سے تہذیب یافتہ اور تزکیہ کے حامل تھے، اس کی نظیریں بہت ہیں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضرت سمرہ میں نفسانی صفت اور شدت و غلظت، باقی اور غالب تھی، بعد ازاں رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم

۵؎ ابو صیر مرصاد کے نیچے زیر اور را ساکن

۹؎ صاحب مصابیح نے یہ دو حدیثیں اس جگہ ذکر کی تھیں، صاحب مشکوٰۃ نے انہیں مناسب جگہ ذکر کردیا۔

۲۸۷۶/۱۶ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِىْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَآءُ وَ الْمِلْحُ وَ النَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْمَآءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَ النَّارِ قَالَ يَا حُمَيْرَآءُ مَنْ اَعْطٰى نَارًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا اَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَ مَنْ اَعْطٰى مِلْحًا فَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا طَيَّبَتْ تِلْكَ الْمِلْحُ وَ مَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً وَ مَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِّنْ مَّآءٍ حَيْثُ لَا يُوْجَدُ الْمَآءُ فَكَاَنَّمَا اَحْيَاهَا۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسی چیز ہے جس کا نہ دینا جائز نہیں ہے، فرمایا: پانی، نمک اور آگ، فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پانی کا حال تو ہم نے سمجھ لیا[۱] مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے[۲]؟ فرمایا: اے حمیرا[۳]! جس نے آگ دی اس نے گویا وہ سب کچھ صدقہ کیا ہے جو اس آگ نے پکایا، اور جس نے نمک دیا، اس نے گویا وہ سب کچھ صدقہ کیا ہے۔ جسے اس نمک نے لذیذ بنایا ہے، اور جس نے کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی کا ایک گھونٹ پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا ایک غلام آزاد کیا اور جس نے ایسی جگہ کسی مسلمان کو پانی کا ایک گھونٹ پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو تو اس نے گویا اسے نئی زندگی بخشی ہے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ کہ انسانوں اور جانوروں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، اور نہ دینے سے ان کا نقصان ہوگا۔

۲؎ یہ انتہائی معمولی چیزیں ہیں، ان کے دینے اور نہ دینے کی کیا حیثیت ہے۔

۳؎ حمیرا، احمر کی تصغیر ہے (احمر سرخ کو کہتے ہیں) حمیرا، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے جو ان کے رنگ میں گلاب کی سرخی تھی، اس لفظ کا ہندی زبان میں ایک معنی ہے جسے ارباب ذوق جانتے ہیں اغلباً گلابو کی طرف اشارہ ہے ۱۲ قادری۔

ہے اس کے بعد پانی پلانے کا ثواب بھی بیان فرما دیا۔

بَابُ الْعَطَايَا

۲۴۔ عطیات کا باب

عطایا جمع ہے عطیہ کی، جس کا معنی ہے بخشش اور عطا، اس باب میں عطیات کی مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، مثلاً وقف، ہبہ، عمریٰ، عین پر پیش اور رقبیٰ راء پر پیش صاحب مصابیح گزشتہ اور کتاب النکاح تک آنے والے تمام ابواب کو کتاب البیوع میں لائے ہیں، صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی پیروی کی ہے، ان ابواب کو کتاب البیوع میں لانے کی وجہ ظاہر نہیں ہے، خصوصاً آئندہ ابواب کو دور دراز کے تکلف ہی سے کتاب البیوع میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ان کے لیے مستقل کتاب کا اہتمام کیا گیا ہے (مثلاً کتاب العطایا، کتاب الفرائض وغیرہ)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۸۷۷ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَآءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر میں کچھ زمین پائی، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں کچھ زمین پائی ہے، اس سے زیادہ عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا، اس کے بارے میں آپ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں[۱]، فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین کو روک لو[۲] اور اسے صدقہ کر دو، چنانچہ حضرت عمر نے وہ اس طرح صدقہ[۳] کی کہ اس کا اصل نہ تو بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ موروثی ہوگا، انہوں نے وہ زمین، فقراء، رشتہ داروں، غلاموں کے رہائی دلانے[۴]، فی سبیل اللہ[۵] مسافروں[۶] اور

الرِّقَابِ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ الضَّیْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰی مَنْ وَلِیَهَا اَنْ یَّاْکُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ یُطْعِمَ غَیْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ غَیْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا۔

مہمانوں میں صدقہ کردی۔ اس زمین کا متولی اگر معروف طریقے کے مطابق اس میں سے کھائے یا کھلائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مال جمع نہ کرے۔ ابن سیرین کی روایت میں ہے۔ غَیْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا (معنی وہی ہے کہ مال جمع نہ کرے)

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

لہ میں اس مال کا کیا کروں؟ کیا راہ خدا میں کسی کو دے دوں؟ یا اسے اپنے پاس رکھوں اور اس کی پیداوار مسلمانوں میں تقسیم کر دوں؟

ٹہ متعدد نسخوں میں حَبَّسْتَ کو بار مشدد کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے۔ مجمع البحار میں علامہ کرمانی سے نقل کیا کہ بار مشدد ہو تو اس کا معنی وقف کرنا ہے اور مخفف ہو تو اس کا معنی روکنا ہے۔ بعض اوقات بمعنی وقف بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اصل زمین کو وقف کر دو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔

سٹہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔

سٹہ جیسے کہ زکوٰۃ، مکاتب غلاموں کو دی جاتی ہے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔

ھہ اس سے مراد حاجی اور غازی ہیں۔

ٹہ جو اپنے وطن سے دور ہیں اگرچہ اپنے گھروں میں بہت سے اموال رکھتے ہوں۔

ٹہ اس زمین کی پیداوار صدقہ کر دی۔

شہ جو اس زمین کے انتظامات کرتا ہو اور اس کی پیداوار کو اس کے مصارف تک پہنچاتا ہو۔

ٹہ شرعی طریقے کے مطابق، انصاف اور میانہ روی سے کھائے۔

نلہ اپنے نادار متعلقین کو کھلائے، یعنی خود کھائے دوسروں کو کھلائے۔ مگر بقدر ضرورت وحاجت۔

لله انہوں نے غیر متمول کا معنی بیان کیا۔ صراح میں ہے کہ تَأَثُّل کا معنی اصل مال کا لینا ہے۔ یتیم کے متولی کے بارے میں وارد ہے کہ خود اس کا مال کھا سکتا ہے۔ غَیْرَ مُتَاَثِّلٍ مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ جس چیز کی اصل قدیم اور مضبوط ہو اسے مُؤَثَّل کہتے ہیں۔ جیسے کہ مجد مُؤَثَّل کہتے ہیں۔ (قدیم اور مضبوط بزرگی)۔

۲۸۷۸۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر بھر کے لیے

قَالَ الْعُمْرٰی جَائِزَۃٌ۔ کوئی چیز دینا جائز ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

لہ عُمریٰ عین پر پیش، میم ساکن اور آخر میں الف مقصورہ، بروزن حُبلیٰ، اس کا معنی یہ ہے کہ مالک دوسرے شخص کو کہے کہ یہ مکان تیرا ہے جب تک تو زندہ ہے، اور یہ جائز ہے، جب تک وہ شخص زندہ رہے اسے نکالا نہیں جا سکتا، رہا یہ کہ اس کے بعد وہ مکان بطور وراثت اس کی اولاد کو ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔
تفصیلِ مقام یہ ہے کہ اس طرح کہنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) مالک کہے کہ یہ مکان یا یہ سرائے تیری ہے میں نے عمر بھر کے لیے تجھے دی، تیری وفات کے بعد تیرے وارثوں اور تیری اولاد کی ہے، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ہبہ ہے اور مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی، اس مکان یا سرائے کا وہ دوسرا شخص مالک ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کے رشتہ دار وارث بنیں گے، اور اگر وارث نہ ہوں تو یہ مکان بیت المال کا ہوگا (۲) مطلقاً یہ کہے کہ یہ مکان یا سرائے تا زیست تمہاری ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم وہی پہلی قسم والا ہے۔ اس شخص کے بعد اس کے رشتہ دار وارث ہوں گے، ہمارا مذہب بھی یہی ہے، اور اصح یہ ہے کہ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، بعض علماء کے نزدیک اس شخص کی وفات کے بعد یہ مکان اس کے وارثوں کو نہیں ملے گا بلکہ اصل مالک کو واپس مل جائے گا، (۳) یہ کہے کہ یہ مکان عمر بھر کے لیے تیرا ہے، اور اگر تو فوت ہو گیا تو میرا اور میرے وارثوں کا ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس کا حکم بھی پہلی قسم والا ہے، اور یہ شرط فاسد ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، امام شافعی کا صحیح ترین قول بھی یہی ہے اس مذہب والوں کا اعتماد احادیث مبارکہ کے ظاہر پر ہے جن میں سے ایک حدیث یہ ہے، امام احمد کے نزدیک عمر بھر کے لیے اس طرح دینا فاسد ہے، کیونکہ اس میں فاسد شرط لگائی گئی ہے، امام مالک کے نزدیک تمام صورتوں میں اصل مکان کا مالک نہیں بنایا گیا بلکہ منافع کا مالک بنایا گیا ہے۔

۲۸۷۹ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعُمْرٰی مِیْرَاثٌ لِاَھْلِھَا۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عُمریٰ، اہل عُمریٰ کی وراثت ہے لہ
(مسلم)

لہ یعنی اس کی ملکیت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد کی وراثت ہے، اس حدیث کا ظاہر بھی مذہب جمہور کی تائید کرتا ہے۔

۲۸۸۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

انہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شخص کہ اسے اور اس

اَيُّمَا رَجُلٍ اُعْمِرَ عُمْرٰى لَهٗ وَ لِعَقِبِهٖ فَاِنَّهَا لِلَّذِیْ اُعْطِيَهَا لَا يَرْجِعُ اِلَى الَّذِیْ اَعْطَاهَا لِاَنَّهٗ اَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی اولاد کو کوئی چیز عمر بھر کے لیے دی گئی تو وہ اسی کی ہے[1] جسے دی گئی، دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی، کیونکہ اس نے ایسا عطیہ دیا ہے جس میں وراثتیں جاری ہو گئیں[2]

(صحیحین)

[1] یعنی اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

[2] یعنی ہبہ صحیح ہے اور قبضہ بھی ہو چکا تو اب رجوع نہیں کر سکتا جیسے کہ تین قسموں میں سے پہلی قسم میں بیان ہوا۔

۲۸۸۱/۵ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِیْ اَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ هِیَ لَكَ وَ لِعَقِبِكَ فَاَمَّا اِذَا قَالَ هِیَ لَكَ مَا عِشْتَ فَاِنَّهَا تَرْجِعُ اِلٰى صَاحِبِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ وہ عُمریٰ جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا یہ ہے کہ مالک کہے، یہ عمریٰ ہے تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے لیکن اگر کہے کہ یہ تیرے لیے ہے جب تک تو زندہ رہے تو وہ اس کے صاحب کی طرف لوٹ جائے گی[1]

(صحیحین)

[1] یہ حدیث مذہب جمہور کے مخالف کی دلیل ہے، جمہور علما کہتے ہیں کہ یہ حضرت جابر کا اجتہاد ہے اور ان کی اپنی رائے ہے، یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ حدیث امام مالک اور امام زہری کی دلیل ہے، جمہور کی دلیل حضرت جابر کی روایت کردہ مرفوع حدیث ہے۔ اَلْعُمْرٰى مِيْرَاثٌ لِاَهْلِهَا، عمریٰ اس کے اہل کی میراث ہے (مرآۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۸۸۲/۶ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُرْقِبُوْا وَ لَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کو کوئی چیز بطور رُقبیٰ[1] یا عمریٰ نہ دو، جسے کوئی چیز[2] رُقبیٰ

أُرْقِبَ شَيْئًا أَوْ أُعْمِرَ فَهِيَ لِوَرَثَتِهِ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

یا عمریٰ کے طور پر دی گئی تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔

(ابوداؤد)

لہ لَا تُرْقِبُوْا تا پر پیش، را ساکن اور قاف کے نیچے زیر، رُقْبیٰ را پر پیش، اور قاف ساکن، یہ ہے کہ مالک کہے کہ یہ حویلی میں نے اس شرط پر تمہیں دی کہ اگر میں تم سے پہلے مرگیا تو یہ حویلی تیری ہوگی اور اگر تو مجھ سے پہلے مرگیا تو یہ میری ہوگی، اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر ہوتا ہے (رقوب کا معنی انتظار ہے)۔

کہ یعنی زمین ۔

سہ اس حدیث میں رُقبیٰ اور عمریٰ سے منع کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین اس شخص کی ہوجائے گی جسے دی گئی ہے اور تمہاری ملکیت سے نکل جائے گی، اور اس شخص کے وارثوں کے لیے ہوجائے گی لہٰذا تم اپنے اموال ضائع نہ کرو اور اپنی ملکیت سے بطور رقبیٰ دے کر خارج نہ کرو، یہ ممانعت جائز قرار دینے سے پہلے کی ہوگی یا مطلب یہ ہے کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے اگر زمین دے دی گئی تو یہ فعل صحیح ہوگا اور زمین اس شخص کی اور اس کے وارثوں کی ملکیت ہوگی۔ لہٰذا نسخ کا قول کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

۲۸۸۳ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عمریٰ اس کے اہل لہ کے لیے اور رقبیٰ اس کے اہل کے لیے جائز ہے۔

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

لہ اہل سے مراد وہ شخص ہے جسے مکان اور حویلی بطور رقبیٰ اور عمریٰ دی گئی ہے، ہدایہ میں ہے کہ رُقبیٰ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف کے نزدیک جائز نہیں ہے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمریٰ کو جائز قرار دیا اور رقبیٰ کو رد فرمایا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۸۸۴ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكُوْا أَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے اموال اپنے پاس محفوظ رکھو اور انہیں ضائع

لَا تُفْسِدُوْهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اُعْمِرَ عُمْرٰى فَهِيَ لِلَّذِيْ اُعْمِرَ حَيًّا وَّ مَيِّتًا وَّ لِعَقِبِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نہ کرو، کیونکہ جسے کوئی چیز بطور عمریٰ دی گئی تو وہ اسی کی ہے جسے دی گئی وہ زندہ رہے یا مر جائے اور اس کے پسماندگان کی[1]

(مسلم)

[1] اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو دوسری فصل میں بیان ہوا کہ یہ ممانعت، اجازت سے پہلے کی ہے یا اس لیے منع کیا گیا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے۔

بَابُ

۲۴۱۔ سابقہ ابواب کی متمم حدیثیں

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۸۸۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَفِيْفُ الْمَحْمِلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے سامنے ریحان پیش کیا جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ اس کا بوجھ ہلکا[1] اور خوشبو اچھی ہے۔

(مسلم)

[1] یعنی اس کا احسان معمولی ہے۔ ریحان خوشبودار قسم کی ایک خاص گھاس، ہر خوشبودار گھاس یا اس کے پتے وغیرہ اسی طرح قاموس میں ہے، مراح میں ہے کہ ریحان نازبو کو کہتے ہیں اسی پر ہر اس ہدیئے کو قیاس کیا گیا ہے جو معمولی ہو مگر مفید اسے واپس نہیں کرنا چاہیے تاکہ پیش کرنے والے کو اذیت نہ پہنچے[1]

---

[1] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی خوشبو تحفۃً پیش کرے، بعض عطر فروش کسی کو قیمۃً عطر پیش کرتے ہیں اور وہ خریدنے سے انکار کر دے تو اسے حدیث سنا کر (حاشیہ بقیہ صفحہ آئندہ)

۲۸۸۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرُدُّ الطِّیْبَ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرمایا کرتے تھے۔

(بخاری)

۲۸۸۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِیْ ہِبَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی چیز دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ بری صفت ہمارے لائق نہیں ہے[۱]

(بخاری شریف)

[۱] یعنی ہمیں مسلمانوں کی جماعت کو ایسے فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے ہمارے نزدیک قبض کے بعد ہبہ اور صدقہ کا واپس لینا جائز ہے[۲] مگر چند صورتوں میں جائز نہیں، مثلاً جس شخص کو ہبہ کیا گیا اس نے کوئی معاوضہ دے دیا یا دہ دینے والے کا ذی رحم محرم، قریبی رشتہ دار ہے، اور اس سلسلے میں ایک حدیث بھی پیش کی ہے، پیش نظر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے اور مروت کے خلاف ہے، باقی تین اماموں کے نزدیک

---

[۲] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں یہ حدیث رجوع کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ کتے پر حرام نہیں، یہ تشبیہ صرف نفرت دلانے کے لیے ہے، حضرت بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو غلام ہبہ کیا، حضور نے فرمایا، واپس لے جاؤ جیسے کہ آگے آ رہا ہے (مرآۃ) حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں، حضرت عمر نے ایک گھوڑا خریدنے کا ارادہ کیا جو انہوں نے فی سبیل اللہ دیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نہ خریدو اگرچہ تمہیں ایک درہم میں ملے اور تم اپنے صدقہ میں رجوع نہ کرو کیونکہ صدقہ دے کر واپس لینے والا ایسے ہے کہ جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے، اس حدیث سے صدقہ کا خریدنا حرام ثابت نہیں ہوتا اسی طرح ہبہ میں رجوع کی حرمت ثابت نہیں ہوگی، البتہ مکروہ ضرور ہے ۱۲ مرقاۃ۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ سابقہ) خریدنے پر مجبور کرتے ہیں، ایسے لوگ یا تو حدیث کا مطلب نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں مگر اپنی دوکانداری چلانے کے لیے حدیث کا سہارا لیتے ہیں ۱۲ ملخصاً۔

اس حدیث کے پیش نظر ہبہ کا واپس لینا جائز نہیں ہے، انہوں نے اس حدیث کو بیان حرمت پر محمول کیا ہے، امام شافعی کے نزدیک اور امام احمد سے مروی ایک روایت کے مطابق باپ اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرکے واپس لے لے تو یہ جائز ہے، کیونکہ اولاد اور اس کا مال باپ ہی کا ہے یہ بات احادیث سے ثابت ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کرکے واپس لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حاجت کے وقت اولاد کا دوسرا مال لے کر صرف کر سکتا اسی طرح ہبہ کیا ہوا مال بھی لے کر صرف کر سکتا ہے۔

۲۸۵۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ أَكُلُّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُوْنُوْا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا إِذًا وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِيْ أَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّيْ أَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِيْ أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، فرمایا، کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح غلام دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، فرمایا: پھر اسے واپس لے لو ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے کہ تمام اولاد تمہاری خدمت کرنے میں برابر ہو؟ عرض کیا کیوں نہیں،[۱] فرمایا: تب تو نہیں[۲] ایک اور روایت میں ہے کہ میرے[۳] والد نے مجھے ایک عطیہ[۴] دیا، حضرت عمرہ بنت رواحہ[۵] نے کہا میں راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ نہ بناؤ، وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے ایک عطیہ دیا ہے اس خاتون نے مجھے کہا ہے کہ یا رسول اللہ! آپ کو گواہ بناؤں فرمایا کیا تم نے اپنی باقی اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ عرض کیا نہیں[۶]، فرمایا: میں گواہ نہیں ہوں گا نیز فرمایا اللہ سے ڈرو[۷] اور اپنی اولاد میں انصاف کرو، فرماتے ہیں میرے والد

بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	لوٹ گئے، پھر اپنا عطیہ واپس لے لیا، ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: میں ظلم[11] پر گواہ نہیں بنتا (صحیحین)

[1] نعمان، نون پر پیش اور بشیر کی با پر زبر ہے، حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، ان کی ولادت، ہجرت کے چار ماہ بعد ہوئی، ہجرت کے بعد انصار کے ہاں پیدا ہونے والے وہ پہلے بچے ہیں، ان کے والدین بھی صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

[2] حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[3] یعنی سب تمہاری خدمت کریں، لفظ بِر عموماً والدین کی خدمت کے معنی میں آتا ہے۔

[4] میرے لیے یہ بات مسرت کا باعث ہے کہ سب میری خدمت کریں۔

[5] یعنی اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں فرق نہ کرو اور کسی کو خاص نہ کرو، خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، بعض علماء نے کہا کہ وراثت کی طرح بیٹوں اور بیٹیوں کی نسبت دوگنا حصہ دے سکتا ہے، بہر صورت اس حدیث میں افضل اور زیادہ انصاف والی صورت کا حکم دیا گیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک ہبہ جائز ہے۔ بعض کے نزدیک حرام ہے۔

[6] حضرت نعمان فرماتے ہیں۔

[7] خاص طور پر غلام کا ذکر نہیں ہے

[8] حضرت نعمان کی والدہ حضرت عمرہ، عین پر زبر، میم ساکن بنت رواحہ را پر زبر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن ہیں۔

[9] سب کو ایسا عطیہ نہیں دیا۔

[10] اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔

[11] جور کا معنی ہے راہ راست سے ہٹ جانا اور کسی پر ظلم کرنا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۲۸۸۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْجِعُ اَحَدٌ فِي هِبَتِهٖ اِلَّا الْوَالِدُ مِنْ وَلَدِهٖ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

کوئی شخص ہبہ دے کر واپس نہ لے، سوائے باپ کے اپنی اولاد سے[1]

(نسائی، ابن ماجہ)

[1] امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی اولاد کو ہبہ دے کر واپس لے سکتا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا مطلب وہ ہے جو اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے (وہ فرماتے ہیں کہ باپ ضرورت کے وقت اولاد کے مال میں تصرف کرسکتا ہے اسی طرح بوقت ضرورت ہبہ کیا ہوا مال بھی استعمال کرسکتا ہے)۔

۲۸۹۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعَ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ عطیہ[1] دے کر واپس لے، سوائے والد کے جو وہ اپنی اولاد کو دے، اور عطیہ دے کر واپس لینے والے کی مثال اس کتے کی سی ہے، جس نے کچھ کھایا[2] یہاں تک کہ جب وہ سیر ہوگیا تو اس نے قے کر دی پھر وہ قے چاٹ لی۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا)۔

[1] خواہ وہ ہبہ ہو، ہدیہ ہو یا صدقہ ہو۔

[2] اور اسے کھانا شروع کر دیا۔

۲۸۹۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهٗ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جوان اونٹنی[1] بطور تحفہ پیش کی۔ آپ نے اس کے بدلے

فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ فُلَانًا اَهْدٰى اِلَيَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اَقْبَلَ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ اَوْ اَنْصَارِيٍّ اَوْ ثَقَفِيٍّ اَوْ دَوْسِيٍّ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

اسے چھ جوان اونٹنیاں عطا فرمائیں، تو وہ ناراض ہو گیا[1] یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد[2] فرمایا: فلاں نے مجھے ایک اونٹنی تحفہ دی، میں نے اسے اس کے عوض چھ اونٹنیاں دیں تو وہ ناراض ہو گیا، میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں صرف قریشی انصاری، ثقفی، یا دوسی[5] سے ہی لیا کروں۔

(امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

[1] بکر باء پر فتحہ اور کاف ساکن، جوان اونٹ۔
[2] اس کے خیال میں چھ اونٹنیاں کم تھیں۔
[3] یعنی وہ شخص ناراض ہو گیا۔ اور انعام کو کم سمجھا۔
[4] جیسے کہ خطبہ اور کلام کی ابتدا میں آپ کی عادت کریمہ تھی۔
[5] دوسی دال پر زبر، واؤ ساکن، ثقفی اور دوسی دو قبیلوں کی طرف نسبت ہے، ان قبائل کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ کرم، بلندی ہمت، اور سخاوت نفوس ایسی صفات سے موصوف تھے۔

۲۸۹۲ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اُعْطِيَ عَطَآءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کو کوئی عطیہ دیا گیا اور اس کے پاس گنجائش ہے تو اس کا بدلہ دے، اور جس کے پاس گنجائش نہ ہو تو وہ تعریف کرے[1]، کیونکہ جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کیا[2] اور جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی، اور جس نے ایسی چیز[3] کے ساتھ اپنے آپ کو سجایا جو اسے نہیں دی گئی تھی تو وہ فریب کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے[4] (ترمذی، ابوداؤد)

سلہ یعنی اس کے پاس مال ہے تو وہ اس عطیے کا بدلہ اس مال میں سے دے۔

ٹلہ یعنی جس کے پاس بدلہ دینے کے لیے مال نہ ہو تو وہ دینے والے کی تعریف کرے اور اس کے عطیے کا اظہار کرے۔

شلہ یعنی جس نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے شکر ادا کر دیا کیونکہ مدح و ثنا بھی شکر کے افراد میں سے ہے محبت دل سے ہوتی ہے اور ثنا زبان سے اور خدمت ہاتھ اور پاؤں سے ہوتی ہے۔

ٹلہ خواہ وہ احوال ہوں یا صفات و کمالات۔

ھلہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو زاہدوں اور صالحین کا لباس پہنے اور حقیقت میں ان میں سے نہ ہو بعض علماء نے کہا کہ وہ شخص مراد ہے جو ایک پوشاک پہنے اور اس کے ساتھ دوسرے دو آستین ملائے تاکہ اس طرح دکھائی دے کہ اس نے دو پوشاکیں پہن رکھی ہیں کہتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا جو دو عمدہ کپڑے پہنتا تھا تاکہ لوگوں میں عزت و شرافت کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور وہ جھوٹی گواہی دیتا تھا

۲۸۹۳
۹

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص پر احسان کیا جائے اور وہ محسن کو کہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے تو اس نے اس کی تعریف کو انتہا تک پہنچا دیا۔ؕ

(ترمذی)

سلہ کیونکہ اس نے اپنی کوتاہی کا اقرار کیا ہے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ گزشتہ حدیث میں جو تعریف کا حکم فرمایا ہے اس میں بھی میانہ روی شرط ہے، شیخ اجل صاحب عدالت و کرامت عبدالوہاب متقی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صوفی کو چاہیے کہ مخلوق کے دینے اور نہ دینے میں استقامت کے دائرے سے باہر نہ نکلے اور راہ حق سے قدم باہر نہ رکھے، اگر کسی فاسق اور نا اہل سے عطا دیکھے تو اس کی اتنی تعریف نہ کرے کہ اسے ولی اور صالح ہی قرار دے دے، اور اس کے فسق کو نیکی کا رنگ دے دے، بلکہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا فرمائے اور اگر کوئی نیک آدمی اسے تکلیف پہنچائے تو اس کی نیکی کی نفی ہی نہ کر دے اور نہ ہی اسے گالی دے اور نہ ہی طعن و تشنیع کرے بلکہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اور ہماری مغفرت فرمائے۔ یہی اہل استقامت کی روش ہے، خلاصہ یہ کہ حق کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھے اور سنت کو ترک نہ کرے۔

۲۸۹۴
۱۰

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کا شکرادا نہیں کیا[1] اس نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہیں کیا۔

(امام احمد، ترمذی)

[1] اس انعام اور احسان میں جسے وہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کے واسطے سے پہنچا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہیں کیا، کیونکہ اس نے واسطے کے حق کی رعایت نہیں کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکرادا نہیں کرتا اور ان کی نعمت کا اعتراف نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہیں کرتا اس لیے وہ ناشکری کا عادی ہے اور کفرانِ نعمت اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔

۲۸۹۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَّلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِّنْ قَلِيْلٍ مِّنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَاِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف[1] لائے تو مہاجرین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! ہم جس قوم[2] کے مہمان بنے ہیں ہم نے اس کی نسبت، مال کثیر سے زیادہ خرچ کرنے والی[3] اور تھوڑے مال سے زیادہ امداد کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی، وہ ہماری جگہ محنت کرتے ہیں[4] اور پیداوار[5] میں ہمیں شریک کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ہمیں خوف ہے کہ وہ تمام اجر لے جائیں گے، فرمایا، نہیں[6] جب تک تم اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا مانگتے رہو، اور ان کی تعریف کرتے رہو[7]۔ (امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا)۔

[1] ہجرت کر کے۔

[2] مراد قوم انصار ہے، وہ تھوڑا بہت جو بھی رکھتے تھے اس میں سے مہاجرین پر خرچ کیا اور ان کی امداد کی ایسے کہ اس کے بعد آرہا ہے۔

۵۳؎ بدل کا معنی ہے کسی چیز کا محفوظ رکھنا اور اسے قربان کرنا۔

۵۴؎ ہماری طرف سے مشقت اٹھاتے ہیں اور ہماری غم خواری کرتے ہیں۔

۵۵؎ ہمیں اس چیز میں شریک کرتے ہیں جس سے زندگی گزاری جاسکے اور معاشی اصلاح کی جاسکے، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، قاموس میں ہے مَہْنَاٌ وہ چیز جو تجھے مشقت کے بغیر حاصل ہو، یعنی ہمیں مشقت میں نہیں ڈالتے بلکہ مشقت خود اٹھاتے ہیں اور راحت و آسائش میں ہمیں شریک کرلیتے ہیں۔

۵۶؎ وہ تمام اجر و ثواب نہیں لے جائیں گے۔

۵۷؎ یعنی جب تک تم ان کی نعمت کا شکر اور ان کے احسان کا اقرار کرتے رہو اور چونکہ تم دعا اور ثنا کرتے ہو لہٰذا تمہارے لیے بھی ثواب ہے اور تم احسان کا بدلہ چکا رہے ہو۔

$\frac{۲۸۹۶}{۱۲}$ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو کیونکہ ہدیہ کدورتوں[۱] کو دور کر دیتا ہے۔ (ترمذی)

۱؎ ضغائن ضاد اور غین کے ساتھ، ضغینہ کی جمع، جس کا معنی دشمنی ہے۔

$\frac{۲۸۹۷}{۱۳}$ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو کیونکہ ہدیہ سینے کے کھوٹ[۱] کو دور کرتا ہے، اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے دیئے جانے والے ہدیئے کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کے کھر[۲] کا ٹکڑا ہی ہو۔ (ترمذی)

۱؎ وَحَر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، کھوٹ اور وسوسہ، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا معنی دشمنی، بغض اور سخت غصہ ہے۔

۲؎ فِرْسِن فاء اور سین کے نیچے زیر اور درمیان میں راء۔

$\frac{۲۸۹۸}{۱۴}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں واپس

ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَ اللَّبَنُ۔ نہیں کی جائیں گی، تکیے، تیل[1] اور دودھ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ قِيْلَ اَرَادَ بِالدُّهْنِ الطِّيْبَ)۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا، یہ حدیث غریب ہے کہا گیا ہے کہ تیل سے مراد خوشبو ہے۔)

[1] جو سر اور باقی جسم پر ملا جاتا ہے۔

۲۸۹۹ / ۱۵ وَعَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيَ اَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهٗ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ حضرت ابو عثمان نہدی[1] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو خوشبو پیش کی جائے تو اسے واپس نہ کرے، کیونکہ خوشبو جنت سے آئی ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا) (امام ترمذی نے اسے مرسلاً روایت کیا۔)

[1] ابو عثمان نہدی، نون پر زبر، ہا ساکن، یہ نہد کی طرف نسبت ہے جو اُن کے اجداد میں سے ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں، انہوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا، کہتے ہیں کہ انہوں نے جاہلیت میں ساٹھ سال سے زیادہ زندگی گزاری اور اسلام میں بھی اتنی ہی زندگی گزاری۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۲۹۰۰ / ۱۶ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتِ امْرَاَةُ بَشِيْرٍ اِنْحَلِ ابْنِيْ غُلَامَكَ وَ اَشْهِدْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَاَلَتْنِيْ اَنْ اَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِيْ وَقَالَتْ اَشْهِدْ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بشیر[1] کی اہلیہ نے کہا کہ میرے بیٹے کو اپنا غلام دے دو اور اس پر میرے[2] لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں کی[3] بیٹی نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اپنا غلام اس کے لڑکے کو دے دوں اور اس نے کہا کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهُ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَهُمْ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى حَقٍّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرمایا: کیا اس لڑکے کے اور بھائی ہیں؟ عرض کیا ہاں، فرمایا: کیا تم نے ان سب کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جو اسے دیا ہے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا: پھر یہ درست[۴] نہیں ہے اور میں صرف حق پر گواہ بنتا ہوں (مسلم)

[۱] حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد۔

[۲] چونکہ بیٹے کا فائدہ ان کا فائدہ تھا اس لیے اپنی طرف نسبت کی ہے۔

[۳] مراد ان کی اپنی بیوی عمرہ بنت رواحہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن سے ہے، جیسے کہ فصل اول میں بیان ہوا۔

[۴] صراح میں ہے کہ صلاح کا معنی نیکی ہے اور یہ فساد کی ضد ہے۔

۲۹۰۱/۱۷ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِبَاكُوْرَةِ الْفَاكِهَةِ وَضَعَهَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَعَلَى شَفَتَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ كَمَا أَرَيْتَنَا أَوَّلَهُ فَأَرِنَا آخِرَهُ ثُمَّ يُعْطِيْهَا مَنْ يَكُوْنُ عِنْدَهُ مِنَ الصِّبْيَانِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کی خدمت میں نیا پھل لایا جاتا تو آپ اسے آنکھوں سے لگاتے اور اسے بوسہ دیتے[۱] اور عرض کرتے اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس کی ابتدا دکھائی ہے، اس کی انتہا بھی دکھا[۲]، پھر جو بچہ آپ کے پاس ہوتا اسے عطا فرما دیتے[۳]۔ (دعوات کبیر از امام بیہقی)

[۱] اللہ تعالیٰ کی تازہ نعمت کی تعظیم و تکریم اور محبت کے تحت ایسا کرتے۔ کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی سے نیا نیا آیا ہے اور اس کی جناب اقدس سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔

[۲] مطلب یہ کہ وہ نعمت ایک عرصہ تک باقی رہے اور اس سے نفع حاصل کیا جائے۔

[۳] کیونکہ بارگاہ الٰہی کے ساتھ قریبی تعلق ہونے میں نئے پھل اور بچوں میں مناسبت واضح ہے اور بچے نئے پھل پر

زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

بَابُ اللُّقَطَةِ

۲۴۲- گری ہوئی چیز کے اٹھانے کا بیان

لقط اور التقاط کا معنی زمین سے کسی چیز کا اٹھانا ہے۔ اور لُقطہ لام کے پیش اور قاف کے سکون اور اس کی زبر کے ساتھ بھی آیا ہے، کہتے ہیں کہ یہ زیادہ فصیح ہے، وہ مال جسے زمین سے اٹھائیں، خلیل سے مروی ہے کہ قاف کی زبر کے ساتھ، اٹھانے والے کا نام ہے، اور قاف کے سکون کے ساتھ، اٹھائے گئے مال کو کہتے ہیں۔ اکثر علماء لغت اس بات کے قائل ہیں کہ قاف کی زبر کے ساتھ بھی اس مال کو کہتے ہیں جو اٹھایا گیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۲۹۰۲/۱ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقْطَةِ فَقَالَ أَعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاءُهَا وَحِذَاءُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً

پہلی فصل

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لقطہ کا حکم دریافت کیا آپ نے فرمایا، تم اس کی تھیلی اور رسی کا اعلان کرو، پھر ایک سال اس کا اعلان کرو۔ اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ پھر اس سے نفع حاصل کرو۔ عرض کیا کہ گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے، عرض کیا کہ گم شدہ اونٹ؟ فرمایا، تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے اور اس کے پاؤں ہیں، پانی پر جائے گا، درخت کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے گا (صحیحین)، امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا،

ثُمَّ اَعْرِفْ وِكَاءَهَا وَ عِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ۔

ایک سال اس کا اعلان کرو، پھر اس کی تھیلی اور رسی پہچان لو پھر اسے خرچ کرلو، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے ادا کردو۔

لے حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں، کوفہ میں عبد الملک کے زمانہ میں سن اٹھتر ۷۸ھ میں ان کا وصال ہوا، بعض نے کہا کہ پچھتر سال کی عمر میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری زمانے میں وصال ہوا۔

۲ عِفاص عین کے نیچے زیر، اس کے بعد فا وہ برتن جس میں گم شدہ مال ہے چمڑے کا ہو یا کپڑے کا، صراح میں ہے عِفاص، عین کی زیر کے ساتھ چمڑے کا وہ ٹکڑا جو برتن کے سر پر باندھتے ہیں۔

۳ وِکار واو کے نیچے زیر، جس چیز سے مشکیزہ وغیرہ کا سر باندھا جائے، جیسے کہ قاموس میں ہے، نہایہ میں ہے کہ وکار وہ دھاگہ ہے جس سے تھیلی، پوٹلی اور مشکیزے کا سر باندھا جائے۔

۴ اس جگہ جہاں وہ مال ملا ہے، بازاروں میں، مسجدوں میں اور ان کے علاوہ لوگوں کے اجتماع کے مقامات میں، اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ بلند آواز سے کہے جس کسی کی کوئی چیز گم ہوئی ہو وہ آئے اور اس کی نشانی بتائے، ذکر اس کی تھیلی کیسی تھی، رسی کیسی تھی اور مقدار کیا تھی؟ امام محمد، شافعی، مالک اور احمد کے نزدیک اس حدیث کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے اعلان کی مدت ایک سال ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک صحیح تر یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت معین نہیں ہے، ایک سال کا ذکر اتفاقی ہے۔ غالب کا اعتبار کرتے ہوئے، ہدایہ میں ہے کہ اگر وہ مال دس درہم سے کم ہو تو چند دن اعلان کرے، اگر دس درہم ہو تو ایک ماہ اور اگر سو یا اس سے زیادہ ہو تو ایک سال اعلان کرے، یہ امام ابو حنیفہ سے روایت ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ ان میں سے کوئی سی مدت لازم نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ اٹھانے والے کی رائے کے سپرد ہے، وہ اس وقت تک اعلان کرے کہ اسے غالب گمان ہو جائے کہ اس مدت کے بعد کوئی آکر طلب نہیں کرے گا، اگر وہ کھانا ہو یا پھل وغیرہ تو اس وقت تک اعلان کرے کہ خراب نہ ہو جائیں۔

۵ اس کے سپرد کردو، اگر مالک گواہ پیش کردے تو ہمارے نزدیک مال اس کے حوالے کرنا واجب ہے، اور گواہ گزارے بغیر بھی دینا واجب ہے واگر اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ یہ مال اسی کا ہے، اگر نشانی بیان کرنے پر دے دے تو بھی درست ہے لیکن اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، یہ ہمارا مذہب ہے اور یہی امام شافعی اور امام مالک کا مذہب ہے جیسے کہ ہدایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

۶ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اٹھانے والا اعلان کے بعد مالک ہو جائے گا خواہ مالدار ہو یا فقیر، یہی اکثر صحابہ کا مذہب ہے، امام شافعی اور امام احمد اس کے قائل ہیں، بعض صحابہ اس طرف گئے ہیں کہ مالدار صدقہ کردے۔ وہ

مالک نہیں ہوتا، ابن عباس، سفیان ثوری، ابن المبارک اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا یہی مذہب ہے، ہدایہ میں ہے
کہ اگر اس کا مالک نہیں آتا تو اسے صدقہ کر دے۔ کیونکہ حق کو اس کے مستحق تک حتی الامکان پہنچانا واجب ہے۔ اگر
مالک مل جائے تو بعینہ اس کا حق اسے پہنچا دیا جائے اور وہ نہ ملے تو اس کا ثواب اسے پہنچا دیا جائے، ہدایہ میں یہ حکم
مطلقاً بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر بھی صدقہ کرے، علماء فرماتے ہیں کہ اس کا اپنی اصل اور فرع اور
اپنی بیوی پر صدقہ کرنا جائز ہے، اگر مالک آگیا اور اس نے صدقے کی اجازت دے دی تو اجر و ثواب اسے ملے گا۔
ورنہ یہ شخص ضمانت دے گا (یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرے گا اور ثواب بھی اسی کو ہوگا) (قادری) شرح وقایہ کے
بعض حواشی میں نہایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اعلان کے بعد صدقہ کرنے کی اجازت ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کی حفاظت
کی جائے۔

۷ھ اگر تو اس کی تشہیر کرے اور اس کے مالک کو نہ پائے تو وہ تیرے لیے ہے، تو اس سے نفع حاصل کر سکتا
ہے۔ یا تمہارے بھائی کے لیے ہے یعنی اس گم شدہ بکری کا مالک آجاتا ہے اور اسے حاصل کر لیتا ہے، یا تو نے تو
اس کی تشہیر نہیں کی لیکن مالک کو وہ اتفاقاً مل جاتی ہے، یا کوئی دوسرا آدمی اسے پکڑ کرلے جاتا ہے۔ یا بھیڑیے کے لیے
ہے۔ اگر ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی، خلاصہ یہ کہ گم شدہ بکری کے پکڑ لینے اور اس سے نفع حاصل کرنے
کے جائز ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے تاکہ ضائع نہ ہو جائے اور بھیڑیا نہ کھا جائے یہ حکم ہر اس جانور کو شامل ہے کہ
چرواہے کے بغیر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔

۸ھ مطلب یہ کہ اونٹ کو نہ پکڑو، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اسے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اسے پکڑا جائے
اور ضائع ہونے کا خطرہ بھی نہیں ہے۔

۹ھ اس سے مراد پیٹ کا اندرونی حصہ اور انتڑیاں ہیں جن میں رطوبت ہوتی ہے اور وہ رطوبت کئی دنوں
کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جتنے دن اونٹ پیاس برداشت کر سکتا ہے دوسرے جانور برداشت نہیں کر سکتے ہیں، کہتے ہیں کہ
اونٹ پندرہ دن تک پیاس برداشت کر سکتا ہے۔

۱۰ھ حذاء حا کے نیچے زیر اس کے بعد ذال اور آخر میں الف ممدودہ، صراح میں ہے حذا پہلے حرف کی
زبر کے ساتھ، جوتا، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کا سُم، مطلب یہ ہے کہ اس کے پاؤں میں چلنے، راستہ طے کرنے
پانی اور چارے کا قصد کرنے اور درندوں سے بچنے کی قوت موجود ہے، اونٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی جو سفر کا
سازوسامان اپنے ساتھ رکھتا ہو۔

۱۱ھ علماء فرماتے ہیں کہ ہر وہ حیوان، اونٹ کے حکم میں ہے کہ چرواہے کے بغیر اس کے گم ہونے کا خطرہ نہ ہو
جیسے گھوڑا اور گائے (امام مالک اور امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا، جنگل میں اونٹ

اور گائے کو نہیں پکڑا جائے گا اور یہ افضل ہے، اسی حدیث کے پیش نظر، نیز اس بنا پر بھی کہ غیر کا مال لینے میں اصل حرمت ہے اور مباح اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، چونکہ اس جگہ ضائع ہونے کا خوف نہیں ہے لہٰذا اسے پکڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن ضائع ہونے کا وہم تو باقی ہے۔ اس لیے اس کا پکڑنا مکروہ اور چھوڑ دینا مستحب ہے، ہمارے نزدیک ضائع ہونے کے وہم کی بنا پر ہر جگہ قبضہ کرنا مستحب ہے۔ لوگوں کے مال کی حفاظت کیلئے اس کا اٹھالینا اور اعلان کرنا سنت ہے، اس چیز کا اٹھالینا واجب نہیں ہے خواہ کوئی سا بھی مال ہو، اونٹ والی (پیش نظر) حدیث صرف اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اسے چھوڑنا جائز ہے نہ کہ واجب اور مستحب۔

۲۹۰۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو گم شدہ چیز کو پناہ دے وہ گمراہ ہے جب تک اس کا اعلان نہ کرے۔[۱]

(مسلم)

[۱] یعنی اسے چاہیے کہ اعلان کرے، اعلان کے بغیر اسے محفوظ نہ کرے کہ اس میں خیانت ہے اور گمراہی۔

۲۹۰۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاجی کی گری ہوئی چیز سے منع فرمایا۔[۲]

(مسلم)

[۱] حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے اور صحابی ہیں، ان کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) بیعت رضوان کے بعد (۲) فتح مکہ کے دن (۳) حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ۔

[۲] باب حرم مکہ میں بیان ہوا کہ حرم شریف میں کسی کی گری ہوئی چیز مل جائے تو اسے اعلان کرنے کے لیے ہی اٹھایا جاسکتا ہے، مالک بننے، اس سے نفع حاصل کرنے یا صدقہ کرنے کے لیے نہیں اٹھا سکتے، یہ امام شافعی کا مذہب ہے لہٰذا اس جگہ جو راوی فرماتے ہیں کہ حاجی کے لقطہ سے منع فرمایا اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ غالب یہ ہے کہ حاجی کا لقطہ حرم میں ہی ہوگا، یا حاجی کے لقطہ سے مطلقاً منع فرمایا خواہ حرم میں ہو یا غیر حرم میں، کیونکہ اس میں اعلان نہیں ہے وہ حاجی جلد متفرق ہوجاتے ہیں، البتہ حرم شریف محل اجتماع ہے اس لیے وہاں اعلان کیا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۲۹۰۵/۴ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ اَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِيْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوْبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِيْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهٗ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَاْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ الْعَادِيِّ فَفِيْهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهٖ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ اِلٰى اٰخِرِهٖ)

دوسری فصل

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لٹکائے ہوئے پھل[۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو حاجت مند[۲] اس سے لے اور ذخیرہ[۳] نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں[۴] اور جو کچھ لے کر نکل جائے[۵] تو اس پر دوگنا جرمانہ اور سزا ہے[۶] اور جو خرمن[۷] میں پہنچنے کے بعد اس میں سے کچھ چرائے اور وہ ڈھال کی قیمت[۸] کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا[۹] گم شدہ اونٹ اور بکری کا وہی حکم بیان کیا جو دوسروں[۱۰] نے بیان کیا ہے، عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ لقطہ[۱۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جو چیز آباد راستے[۱۲] اور بڑے گاؤں[۱۳] میں ملے تو ایک سال اس کا اعلان کر، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو اسے اس کے سپرد کر دو اور اگر نہ آئے وہ چیز تیری[۱۴] ہے اور جو پرانے ویرانے میں ہو تو اس میں اور دفینے میں پانچواں حصہ ہے (امام نسائی)

امام ابوداؤد نے حضرت عمرو بن شعیب سے سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ سے آخر تک حدیث روایت کی۔

لہ اس سے مراد وہ گچھے ہیں جو خشک کرنے کے لیے لٹکا دیے جاتے ہیں جیسے کہ عام معمول ہے یا درخت پر لگے ہوئے پھل اتارنے سے پہلے مراد ہیں۔

سلہ یعنی بھوکا، اگر شدید مجبوری کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔

سلہ خبن، پہلے خا پر زبر، چھپانا، مصیبت کے دن کے لیے طعام کا رکھنا، اور خُبنہ خا پر پیش، وہ کھانا جو دامن میں اٹھالیا جائے۔

لمہ وہ اس پر حلال ہے اور اس کی ضمانت لازم نہیں ہے۔

ہ یعنی پھل کھا بھی لے اور ساتھ بھی لے جائے تو اس پر ڈبل جرمانہ ہے، اس میں کمال زجر و توبیخ ہے، بعض علماء نے فرمایا: یہ مالی جرمانہ ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

لہ یعنی تعزیر، ہاتھ اس لیے نہیں کاٹا گیا کہ اس وقت باغات محفوظ نہیں ہوتے تھے۔

کہ جرین بروزن حزین، کھجوریں خشک کرنے کی جگہ۔

شہ یعنی تین درہم کو اور بقول بعض علماء چار درہم کو پہنچ جائے، یہ امام شافعی کے نزدیک چوری کا نصاب ہے ہمارے نزدیک یہ نصاب دس درہم ہے، علامہ شمنی نے کہا کہ اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی، اس کی تحقیق، چوری کی حدیث کے تحت آئے گی۔

ؤہ جیسے کہ چوری کی حد ہے۔

سلہ یعنی حدیث کے دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے۔

لالہ وہ مال جو راستے میں پڑا ہوا مل جائے۔

سلہ میتاء، میم کے نیچے زیر اور یا ساکن، اتی یاتی سے مفعال کا وزن ہے، وہ راستہ جس پر لوگوں کی آمدورفت رہتی ہو۔

سلہ جہاں لوگ جمع ہیں۔

سلہ کہ تو اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے، جیسے کہ بیان کیا گیا۔

۲۹۰۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَجَدَ	ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
دِیْنَارًا فَاَتٰی بِهٖ فَاطِمَةَ	راستے میں پڑا ہوا ایک دینار ملا، وہ اٹھا کر حضرت
فَسَاَلَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی	فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لائے
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ	اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هٰذَا رِزْقُ اللّٰہِ فَاَکَلَ مِنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَکَلَ عَلِیٌّ وَّفَاطِمَۃُ فَلَمَّا کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ اَتَتِ امْرَاَۃٌ تَنْشُدُ الدِّیْنَارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اَدِّ الدِّیْنَارَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے تو اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھایا، اس کے بعد ایک عورت دینار کو تلاش کرتے[۲] ہوئے آئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۳] اے علی! اسے دینار ادا کر دو[۴]

(ابوداؤد)

[۱] کہ اسے خرچ کریں یا نہ

[۲] تَنْشُدُ تا پر زبر، شین پر پیش

[۳] اس عورت نے کوئی نشانی بیان کی ہوگی، یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ دینار اسی کا ہے

[۴] اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلان نہیں کیا، بعض علماء کا یہی مذہب ہے کہ معمولی چیز میں اعلان نہیں کیا جائے گا اور دینار بھی مال قلیل ہی ہے، علامہ طیبی نے فرمایا: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقیر کی طرح مال دار بھی اس چیز کو اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے، واضح رہے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مالدار ہونا ثابت نہیں ہے۔

۲۹۰۷/۲ وَعَنِ الْجَارُوْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَالَّۃُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت جارود[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا گم شدہ مال آگ کا شعلہ[۲] ہے۔

(دارمی)

[۱] حضرت جارود صحابی ہیں، ہجرت کو نویں سال، عبد القیس کے وفد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، بعد ازاں بصرہ میں قیام فرمایا، بعض علماء نے کہا کہ ارضِ فارس میں قیام کیا سالہ[؟] میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں وصال فرمایا۔

[۲] اگر اٹھانے والا، اٹھانے کے شرائط اور آداب کو ملحوظ نہ رکھے، مراح میں ہے حَرَقٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر،

آگ اور اگر ہا ساکن ہو تو اس کا معنی جلانا ہے۔

۲۹۰۸ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقْطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ وَلَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے گری پڑی چیز مل جائے تو وہ عادل ہے کو گواہ بنائے اور اسے نہ تو چھپائے اور نہ ہی غائب کرے۔ پھر اس کا مالک مل جائے تو اس کے سپرد کر دے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (امام احمد، ابوداؤد، دارمی)

لہ عِیاض عین کے نیچے زیر، آخر میں ضاد، بن حمار حا کے نیچے زیر، صحابی ہیں اور اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدیمی دوست تھے ان سے حضرت حسن بصری اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔

ٹہ ایک نیک آدمی کو گواہ بنائے یا دو آدمیوں کو کہ یہ شہادت کا نصاب ہے۔ ان کو گواہ بنائے کہ یہ چیز مجھے ملی ہے، تاکہ بعد میں تہمت نہ لگائیں اور زیادتی کا دعویٰ نہ کریں نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس طرح نفس کے لالچ کا دفعیہ ہو جائے گا؛ اور اگر یہ شخص اچانک فوت ہو گیا تو وارث اس چیز کو ترکہ میں شامل نہیں کریں گے، بعض علماء نے کہا کہ گواہ بنانے کا حکم بطور استحباب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بطور وجوب ہے (پہلے قول کے مطابق گواہ بنانا مستحب اور دوسرے قول کے مطابق واجب)

سٹہ کہ اس کا اعلان نہ کرے، اور غائب نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بوقت ضرورت اسے حاضر کرے۔

سٹہ یعنی اس کا مالک بن جائے اور اس سے نفع حاصل کرے، کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے اسے بھیجا ہے؛ بعد میں اگر مالک کا پتا چل جائے تو اسے دے دے جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا۔

۲۹۰۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں لاٹھی، چابک، رسی اور اس جیسی چیزوں لہ کے بارے میں اجازت دی کہ ایک شخص انہیں اٹھا کر

الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

أن سے نفع حاصل کرتے۔ (ابو داؤد)۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ اَلَا لَا يَحِلُّ فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ

حضرت مقدام بن معدی کرب کی حدیث "الالا یحل"، باب الاعتصام میں بیان کر دی گئی ہے۔

سلہ جو عرف میں معمولی سمجھی جاتی ہیں اور ان کی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

سلہ اس میں اختلاف ہے کہ مال قلیل کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ دس درہم سے کم قلیل ہے اور بعض کے نزدیک ایک دینار (اشرفی) یا اس سے کم قلیل ہے۔

بَابُ الْفَرَائِضِ

۲۴۳۔ وراثت کے حصوں کا بیان

فرائض جمع ہے "فریضۃ" کی اور مشتق ہے "فرض" سے جس کا معنی اندازہ کرنا اور مقدر کرنا ہے، اس سے مراد وراثت کے وہ حصے ہیں جو قرآن پاک میں معین کر دیئے گئے ہیں۔ ایسے ہی وہ حصے جو حدیث شریف یا اجماع سے متعین ہو چکے ہیں ۱۲ قادری) پھر وراثتوں سے متعلق علم کا نام علم فرائض رکھ دیا گیا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۹۱۰ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَلْيَاْتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں لہٰذا جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو اور اس کی ادائی کے لیے مال نہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جو قرض یا بال بچے چھوڑ جائے وہ میرے پاس آئے

وَ فِیْ رِوَایَۃٍ مَّنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِہٖ وَمَنْ تَرَکَ کَلًّا فَاِلَیْنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

میں اس کا والی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا اور جو بوجھ چھوڑ جائے وہ ہمارے ذمہ ہے۔

(صحیحین)

۱؎ مہربانی میں، خیر خواہی میں اور خیر اندیشی میں۔

۲؎ تاکہ وہ شخص قرض کی وجہ سے گرفتار نہ ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ثواب سے محروم ہو۔

۳؎ ضِیاع ضاد پر زبر، اہل وعیال، کیونکہ اگر ان کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو وہ ضائع ہو جائیں گے، ایک روایت کے مطابق ضاد کے نیچے زیر ہے، اس وقت یہ ضائع کی جمع ہے جیسے جائع کی جمع جِیاع ہے۔

۴؎ یعنی اس کا وکیل یا وصی، کیونکہ بچے اپنا مطلب بیان کرنے سے قاصر ہوں گے۔

۵؎ میں اس کا دوست ہوں، میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال سے غم خواری کروں گا۔

۶؎ بال بچے اور قرض، کَلّ کاف پر زبر اور لام پر شد، بوجھ، یہ عیال اور قرض کو شامل ہے۔ ابتداء میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ اگر کوئی صحابی قرض چھوڑ کر فوت ہو جاتے اور اس کی ادائی کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاتے تو آپ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ بعد میں یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ قرض اپنے ذمہ لے لیتے اور نماز پڑھا دیتے، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی امت پر کمال رحمت و شفقت تھی۔

۲۹۱۱/۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَھْلِھَا فَمَا بَقِیَ فَھُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وراثت کے مقررہ حصے۱؎ ان کے مستحقین کو دو اور جو باقی بچے۲؎ وہ قریب ترین مرد کو دو۔

(صحیحین)

۱؎ جو کتاب اللہ میں معین ہو چکے ہیں۔

۲؎ اور جو فرائض ادا کرنے کے بعد باقی بچے وہ میت کے قریب ترین مرد کو دو، جسے عصبہ کہتے ہیں، حکم یہ ہے کہ فرائض سے جو کچھ بچے وہ عصبہ کا ہے عصبات میں جو زیادہ قریب ہوگا وہ زیادہ مقدم ہوگا۳؎ ذکر (مذکر) کا ذکر تاکید اور

۳؎ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ قریبی وارث (حاشیہ بقیہ صفحہ آئندہ)

عصبہ ہونے کا سبب بیان کرنے کے لیے ہے ورنہ رجل، مذکر ہی کو کہتے ہیں، عصبہ بیٹوں اور باپ کی طرف سے نرینہ رشتہ داروں کو کہتے ہیں، یہ مشتق ہے عصب سے جس کا معنی ہے قوت اور سختی، اسی لیے پٹھے کو عصب کہتے ہیں۔

۲۹۱۲ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان، کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کا وارث نہیں [1] (صحیحین)

[1] یعنی اختلاف دین، وراثت سے مانع ہے بعض صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہے، کافر مسلمان کا وارث نہیں، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

۲۹۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر قوم کا آزاد کردہ غلام ان میں سے ہوتا ہے [1] (بخاری)

[1] اسی لیے بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں پر بنو ہاشم کی طرح صدقہ حرام ہے۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے ہوتے ہوئے دور والے کو میراث نہ ملے گی، لہٰذا باپ کے ہوتے دادا محروم ہے، بیٹے کے ہوتے پوتا محروم، بھائی کے ہوتے بھتیجا محروم، چچا کے ہوتے چچازاد اولاد محروم یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ اس مال کے حصے بانٹو جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ اَلْاَقْرَبُوْنَ اسم تفضیل سے معلوم ہوا کہ قریبی کے ہوتے بعید کا رشتہ دار محروم ہے، آج بعض جہلاء نے یہ شورشہ چھوڑا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو بھی میراث دو، مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ باپ کے ہوتے دادا وارث ہو، بیٹی کے ہوتے یتیم نواسہ وارث ہو اور بھائی چچا کے ہوتے ان کی یتیم اولاد بھی وارث ہو ۱۲ مرآۃ۔ البتہ فوت ہونے والا اپنی وفات سے پہلے اپنے پوتے پوتی، نواسے، نواسی وغیرہ افراد کے لیے جو وارث نہیں اپنے مال کے تہائی حصے سے وصیت کر سکتا ہے۔ اور اگر وصیت نہیں کرتا اور یہ افراد نادار ہیں تو ان کی کفالت کرنا اسلامی سٹیٹ، عامۃ المسلمین اور خصوصاً رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے۔ (۱۲ شرف قادری)

آزاد کرنے والا، آزاد کیے ہوئے غلام کا وارث بنے گا اگر اس کا کوئی دوسرا نسبی وارث نہ ہو، آزاد کیا ہوا، آزاد کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا، اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

۲۹۱۴/۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ اِنَّمَا الْوَلَآءُ فِيْ بَابٍ قَبْلَ بَابِ السَّلَمِ وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ الْبَرَآءِ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَ حِضَانَتِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے[1]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "اِنَّمَا الْوَلَآءُ" باب سلم سے پہلے باب میں ذکر کر دی گئی ہے اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بچے کے بالغ ہونے اور اس کے پرورش کے باب[2] میں بیان کی جائے گی۔

[1] کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے اور وارث ہوتا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے، ذوی الارحام کے وارث ہونے میں علماء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک وارث ہوتے ہیں۔

[2] یہ باب کتاب النکاح میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۲۹۱۵/۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں[1]

(ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت جابر سے روایت کی)

لہ چنانچہ یہودی، عیسائی اور مجوسی ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے لہ

۲۹۱۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قاتل وارث نہیں بنتا لہ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

لہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بچہ اگر قتل کرے تو یہ قتل وراثت سے مانع نہیں ہے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ قتل خطا، وراثت سے مانع نہیں ہے۔

۲۹۱۷/۸ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ اِذْ لَمْ تَكُنْ دُوْنَهَا اُمٌّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت بریدہ لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایا بشرطیکہ اس سے پہلے ماں نہ ہو لہ۔ (ابوداؤد)

لہ حضرت بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں۔

لہ اگر ماں موجود ہو گی تو جدہ کے لیے حاجب بن جائے گی (ماں کے ہوتے ہوئے جدہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

۲۹۱۸/۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوُرِثَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بچہ پیدائش کے وقت آواز نکالے لہ تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اسے وارث بنایا جائے گا۔ (ابن ماجہ، دارمی)

لہ کیونکہ آواز نکالنا اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اگر آواز کے علاوہ اس کے زندہ ہونے کی کوئی

لہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ یہ امام شافعی کا مذہب ہے، امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس حدیث کا وہی مطلب ہے جو اس سے پہلے گزشتہ حدیث کا ہے کہ مومن اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، اس طرح ایک حدیث کی شرح دوسری حدیث سے ہو گی نیز حدیث شریف میں ہے اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ کفر ایک ہی ملت ہے ۱۲ ملخصًا۔

دلیل پائی جائے تو پھر بھی یہی حکم ہوگا، لہٰذا اگر ایک شخص فوت ہوا اور اس کا وارث پیٹ میں ہے تو وراثت اس کے لیے موقوف رکھی جائے اگر زندہ پیدا ہوا تو وارث ہوگا، پھر ترکہ اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوگا، ورنہ وراثت باقی وارثوں کی ہوگی۔

۲۹۱۹ وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيْفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت کثیر بن عبداللہ[۱] اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر قوم کا آزاد کردہ ان ہی میں سے ہے۔ قوم کا حلیف[۲] ان میں سے ہے اور قوم کا بھانجا ان میں سے ہے[۳]۔ (دارمی)

[۱] کثیر ضعیف الحدیث اور متروک ہیں۔ ان کے والد عبداللہ تابعی اور ان کے دادا حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

[۲] عرب کی عادت تھی کہ دو قبیلے آپس میں قسم کھاتے تھے کہ تمہارا خون، ہمارا خون تمہاری صلح ہماری صلح تمہاری جنگ ہماری جنگ اور تمہارا وارث ہمارا وارث پھر یہ حکم قرآن پاک سے منسوخ ہوگیا۔

[۳] جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۲۹۲۰ وَعَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَاِلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ وَاَنَا مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهٗ اَرِثُ مَالَهٗ وَاَفُكُّ عَانَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ يَرِثُ مَالَهٗ وَيَفُكُّ عَانَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاَنَا

حضرت مقدام[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر مومن کے اس کی جان سے زیادہ قریب اور والی ہوں، جس نے قرض یا بال بچے چھوڑے تو وہ ہمارے ذمہ، اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا اور میں اس کا والی ہوں[۲] جس کا کوئی والی نہیں، میں اس کے مال کا وارث[۳] بنوں گا اور اس کا قیدی چھڑاؤں[۴] گا، اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں[۵]۔ وہ اس کے مال کا وارث ہے گا اور اس کے قیدی کو چھڑائے گا، اور ایک روایت

وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ أَعْقِلُ عَنْهُ وَارِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد)

میں ہے، میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں میں اس کی دیت دوں گا اور اس کا وارث بنوں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ اس کی طرف سے دیت دے گا اور اس کا وارث بنے گا۔ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت مقدام بن معدی کرب، صحابی ہیں اور اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔

۲؎ والی اور متولی وہ کہ کسی کا کام اپنے ذمہ لے لے۔

۳؎ یعنی اس کا مال بیت المال میں رکھوں گا ورنہ انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔

۴؎ فدیہ دے کر رہان کا اصل عانی ہے، یاء تخفیف کے لیے حذف کر دی گئی، اس کا معنی قیدی کا ہے

۵؎ نہ ذوی الفروض سے اور نہ عصبات سے، ماموں اور خالہ ذوی الارحام میں سے ہیں۔

۶؎ اسی معنی سے جو گزرا (یعنی اس کا مال بیت المال میں رکھوں گا)۔

۲۹۰۲/۱۲ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحُوْزُ الْمَرْأَةُ ثَلٰثَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَاعَنَتْ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت واثلہ بن الاسقع[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عورت تین وراثتیں حاصل کرتی ہے[۲] (۱) آزاد کردہ غلام کی (۲) اس گرے پڑے بچے کی جسے اس نے اٹھالیا[۳] (۳) اور اس بیٹے کی جس پر اس نے لعان کیا[۴]۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ واثلہ ثاء کے نیچے زیر ابن الاسقع سین کے ساتھ، اہل صفہ میں سے صحابی ہیں تین سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی

۲؎ یہ بالاتفاق ہے جیسے کہ مرد وارث ہوتا ہے۔

۳؎ اسے بیٹا بنالیا، اور اس کی پرورش کی، یعنی اس بچے کا مال بیت المال کا ہے اور یہ عورت، دوسرے مسلمانوں کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کے پاس بچے کا چھوڑا ہوا مال خرچ کیا جائے۔

۴؎ لعان کا معنی ہے مرد کا عورت پر زنا کی تہمت لگانا اور کہنا کہ جو بچہ اس نے جنا ہے وہ میرا نہیں ہے، مرد و زن کے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کو بھی لعان کہتے ہیں۔ جیسے کہ باب اللعان میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، مرد نے لعان کے ساتھ جس بچے کی نفی کی ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے، البتہ اس بچے کا نسب ماں سے متعلق ہوگا اور وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، زنا کی اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کا نسب باپ سے نہیں ماں سے ثابت ہوگا۔

۲۹۲۲/۱۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کیا تو اولاد، حرام کی ہے نہ اولاد اس کی وارث نہ وہ اولاد کا وارث[۱]

(ترمذی)

۱؎ البتہ وہ ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۲۹۲۳/۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ مَوْلًى لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدَعْ حَمِيمًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوا مِيرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک آزاد کردہ غلام فوت ہوگیا اور کچھ مال چھوڑ گیا، اس کا نہ تو کوئی رشتہ دار تھا اور نہ ہی اولاد تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی وراثت اس کی بستی والوں میں سے کسی شخص کو دے دو[۱]

(ابوداؤد، ترمذی)

۱؎ چونکہ اس مولیٰ کا وارث کوئی نہیں تھا، اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے اور مسلمانوں پر صرف کیا جاتا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصلحت اس میں دیکھی کہ اس کے گاؤں والوں پر صرف کر دیا جائے، یا یہ محسوس فرمایا کہ دوسرے مسلمانوں کی نسبت اس گاؤں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں۔

۲۹۲۴/۱۵ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ فَأُتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيرَاثِهِ فَقَالَ الْتَمِسُوْا لَهٗ وَارِثًا أَوْ ذَا رَحِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهٗ وَارِثًا وَّلَا ذَا رَحِمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ انْظُرُوْا أَكْبَرَ رَجُلٍ مِّنْ خُزَاعَةَ).

ہے کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص فوت ہوگیا، اس کی وراثت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی، آپ نے فرمایا: اس کا کوئی وارث[1] یا ذی رحم تلاش کرو، صحابہ کرام کو اس کا نہ تو کوئی وارث ملا اور نہ ہی ذی رحم ملا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وراثت خزاعہ کے کسی قریبی رشتہ دار کو دے دو[2]۔ (ابوداؤد) ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خزاعہ کے کسی بزرگ ترین شخص کو دیکھو۔

[1] ذوی الفروض یا عصبات میں سے۔

[2] جو اس میت کے جداعلیٰ کے قریب تر ہو اگرچہ وارثوں میں سے نہ ہو، کُبْر کاف پر پیش، با، ساکن، اس جداعلیٰ کے قریب ہو جس کی طرف لوگ اپنی نسبت کرتے ہوں یہ حدیث، گزشتہ حدیث کی طرح ہے۔ بستی والوں میں سے کسی شخص کو وراثت دیتے ہیں، یہ ضرور ہے کہ اس جگہ ایسے شخص کی تخصیص کی گئی ہے جو جداعلیٰ کے قریب ہو، مطلب یہی ہے کہ اس شخص کا ترکہ بیت المال میں جمع کر کے، بعض مسلمانوں کو اس کا زیادہ حق دار قرار دے دیا۔

۲۹۲۵/۱۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْآيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهٖ دُوْنَ أَخِيْهِ لِأَبِيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ الْإِخْوَةُ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو: تمہاری کی ہوئی وصیت یا قرض کے بعد، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کا حکم دیا[1]، اور یہ کہ حقیقی بھائی وارث ہوں گے نہ کہ علاتی[2]، مرد اپنے بھائی کا وارث بنے گا جو والدین کی طرف سے ہو، نہ اس کا جو صرف باپ کی طرف سے ہو[3] (ترمذی، ابن ماجہ)، امام دارمی کی روایت میں ہے کہ فرمایا[4]: ماں جائے بھائی[5] ایک دوسرے

مِنَ الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ اِلٰى اٰخِرِهٖ) — کے وارث ہوں گے، نہ کہ علاتی۔

سلہ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے میت کی وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے ذمہ جو قرض ثابت ہے وہ ادا کیا جائے گا اس کے بعد وراثت تقسیم کی جائے گی، یعنی آیت میں وصیت، قرض سے پہلے مذکورہ ہوئی ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرض کو وصیت جاری کرنے سے مقدم رکھا ہے، کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ آیت مبارکہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل میں مخالفت ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرض حکم میں پہلے ہے، اگرچہ اس کا ذکر بعد میں ہوا ہے، وصیت چونکہ وارثوں کے دلوں پر بوجھ ہوتی ہے، اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

سلہ علات، عین پر زبر، لام مشدد، صرف باپ کی طرف سے بھائی، یعنی اگر حقیقی بھائی، علاتی بھائیوں کے ساتھ جمع ہو جائیں تو وراثت حقیقی بھائیوں کے لیے ہے۔ لہٰذا قرآن پاک میں بھائیوں کے ذکر سے یہ وہم نہیں ہونا چاہیے کہ سب برابر ہیں۔ وہ بھائی جو صرف ماں کی طرف سے ہوں وہ ذوی الفروض میں سے ہیں، یہ گفتگو عصبات کے بارے میں ہے۔

سلہ یہ کلام سابق کی تفسیر اور تاکید ہے۔

سلہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

سلہ وہ بھائی جن کی ماں بھی ایک ہو اور باپ بھی ایک ہو وہ وارث بنیں گے نہ کہ وہ بھائی جو باپ کی طرف سے ہوں اور ماں الگ الگ ہو، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ماں جائے بھائی سے مراد یہ ہو کہ ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ وہ وارث بنیں گے نہ کہ علاتی (جن کا صرف باپ ایک ہو) اس صورت میں ان کا یہ قول سابق کی تفسیر نہیں ہوگا جیسے کہ پہلی روایت میں تھا۔

۲۹۲۶/۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ قُتِلَ اَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيْدًا وَاِنَّ عَمَّهُمَا اَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی، اپنی دو بیٹیاں جو حضرت سعد سے تھیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض پرداز ہوئیں کہ یا رسول اللہ! یہ سعد بن ربیع کی دو بیٹیاں ہیں، ان کے باپ نے آپ کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے احد کے دن جام شہادت نوش کیا، ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے

مَالٌ وَلَا تُنْكَحَانِ اِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ اَعْطِ لِابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَاَعْطِ اُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

کچھ نہیں چھوڑا، اور مال کے بغیر ان کا نکاح نہیں کیا جا سکتا، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا، تب آیت میراث نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دے دو، جو باقی بچے وہ تمہارا۔
(امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)۔
امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ حضرت سعد بن ربیع، بدری اور انصاری صحابی ہیں، عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ میں حاضر ہوئے، جنگ احد میں شہید ہوئے اور حضرت خارجہ بن زید کے ساتھ احد میں ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔ ان کی اہلیہ محترمہ اپنی دو لڑکیاں لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

لہ جو ان کا حصہ بنتا [illegible] سعد کے بھائی نے لے لیا۔
لہ اس مال کے بارے میں، یعنی صبر کر تاکہ وحی آجائے اور اللہ تعالیٰ حکم فرما دے۔
لہ [illegible] نے حضرت سعد بن ربیع کا مال لے لیا تھا۔
لہ [illegible] اولاد چھوڑ کر فوت ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا ورنہ چوتھائی۔

۲۹۲۷/۱۸ وَعَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ مُوْسٰى عَنِ ابْنَةٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَاُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَائْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِيْ فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاُخْبِرَ بِقَوْلِ اَبِيْ مُوْسٰى فَقَالَ لَقَدْ

ہزیل بن شرحبیل فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ سے بیٹی، پوتی اور بہن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: آدھا مال بیٹی کے لیے اور آدھا بہن کے لیے، تم ابن مسعود کے پاس جاؤ، وہ ہماری ہی پیروی کریں گے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا اور انہیں حضرت ابو موسیٰ کی بات بتائی گئی تو انہوں نے فرمایا:

ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِيْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَ لِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَ مَا بَقِيَ فَلِلْاُخْتِ فَاَتَيْنَا اَبَا مُوْسٰى فَاَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيْكُمْ ۔

تب تو میں بھٹکا ہوا ہوں گا نہ کہ ہدایت یافتہ، میں اس مسئلے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹی کے لیے آدھا مال، پوتی کے لیے چھٹا حصہ، تاکہ دو تہائی[8] مکمل ہو جائیں، باقی بہن کے لیے ہے[9] ہم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابن مسعود کا قول بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: جب تک یہ علامہ[10] تم میں موجود رہیں مجھ سے سوال نہ کرو۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

[1] ہزیل ہا پر پیش، زا پر زبر، یا ساکن، بن شرحبیل شین پر پیش، را پر زبر حا ساکن، باء کے نیچے زیر، یا ساکن ہزیل تابعی ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔

[2] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[3] سوال یہ تھا کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑ گیا، ہر ایک کو ترکہ میں سے کتنا حصہ ملے گا؟۔

[4] اور پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔

[5] اور یہی جواب دیں گے جو میں نے دیا ہے۔

[6] یعنی ان کا فتویٰ بھی یہی ہو گا یا یہ کہ وہ بھی ہماری پیروی کریں گے۔

[7] اگر میں اس طرح فتویٰ دوں اور ان کی موافقت کروں۔

[8] یعنی دو بیٹیوں کا حق دو تہائی تھا، جب آدھا بیٹی کو مل گیا، تو دو تہائی سے کل مال کا چھٹا حصہ بچا وہ پوتی کو ملے گا۔

[9] یعنی ایک تہائی، حدیث شریف میں ہے: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔

[10] یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حبر حا پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، دانشور یہ حبر سے ماخوذ ہے

جس کا معنی سیاہی ہے یعنی وہ دانشور جو اپنے علم کو ضبط تحریر میں لاتا ہے یا تحبیر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے سنوارنا یعنی وہ شخص جو اپنا کلام خوب بنا سنوار کر پیش کرتا ہے۔

۲۹۲۸/۱۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ابْنِيْ مَاتَ فَمَالِيْ مِنْ مِيْرَاثِهٖ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ لَكَ سُدُسٌ اٰخَرُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ اِنَّ السُّدُسَ الْاٰخَرَ طُعْمَةٌ لَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت عمران بن حصین[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا بیٹا مرگیا ہے اس کی وراثت میں میرا کتنا حصہ ہے؟ فرمایا: تیرے لیے چھٹا حصہ ہے، جب اس نے پشت پھیری تو اسے بلایا اور فرمایا: تیرے لیے ایک اور چھٹا حصہ ہے، جب پھر جانے لگا تو اسے بلایا اور فرمایا: دوسرا چھٹا حصہ تیرے لیے خوراک ہے[2]۔

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال کئی جگہ لکھے جاچکے ہیں۔

[2] مطلب یہ ہے کہ دوسرا چھٹا حصہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہے، کیونکہ وہ اصل فریضہ سے زائد ہے اور متغیر نہیں ہوتا، اس مسئلہ کی صورت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے دو لڑکیاں اور یہ سائل چھوڑا جو لڑکیوں کا دادا ہے، دو تہائی حصہ لڑکیوں کو ملا، ایک تہائی بچا، اس میں سے ایک چھٹا حصہ، سائل کو صاحب فرض ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا چھٹا حصہ عصبہ ہونے کے لحاظ سے عطا فرمایا۔ بیک وقت تہائی حصہ عطا نہیں فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ صاحب فرض ہونے کے لحاظ سے اس کا حصہ تہائی ہے۔

۲۹۲۹/۲۰ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَسْاَلُهٗ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَالَكِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْءٌ وَمَالَكِ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ

حضرت قبیصہ بن ذویب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نانی[2] حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنی وراثت کا مطالبہ کرنے حاضر ہوئی، انہوں نے فرمایا: تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت میں کچھ نہیں ہے۔

فَارْجِعِیْ حَتّٰی اَسْاَلَ النَّاسَ فَسَاَلَ فَقَالَ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَاھَا السُّدُسَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ھَلْ مَعَکَ غَیْرُکَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَۃَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِیْرَۃُ فَاَنْفَذَہٗ لَھَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّۃُ الْاُخْرٰی اِلٰی عُمَرَ تَسْاَلُہٗ مِیْرَاثَھَا فَقَالَ ھُوَ ذٰلِکَ السُّدُسُ فَاِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَھُوَ بَیْنَکُمَا وَاَیَّتُکُمَا خَلَتْ بِہٖ فَھُوَ لَھَا۔ (رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

تو واپس جا یہاں تک کہ میں لوگوں سے دریافت کرلوں، انہوں نے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے جدہ کو چھٹا حصہ عطا فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت مغیرہ نے بیان کیا تھا، تو حضرت ابوبکر نے جدہ کے لیے چھٹے حصے کا فیصلہ فرما دیا، پھر ایک اور جدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس میراث کا سوال لے کر حاضر ہوئی، انہوں نے فرمایا جدہ کا حصہ وہی چھٹا حصہ ہے اگر تم دونوں جمع ہو جاؤ تو وہ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے اور تم دونوں میں سے کوئی ایک ہو تو چھٹا حصہ اسی کے لیے ہے۔
(امام مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)۔

لہ قبیصہ قاف پر زبر، بار کے نیچے زیر، یا ساکن۔ بن ذویب ذال پر پیش واؤ پر زبر، ابن عبدالبر نے اپنی کتاب میں ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، دیگر حضرات نے انہیں صحابی قرار نہیں دیا بلکہ تابعین شام کے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے، بعض علماء نے فرمایا، ان کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی۔ بعض علماء نے کہا فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ علم و فقاہت اور عظمت میں بلند مقام رکھتے تھے، مدینہ منورہ کے اکابر فقہاء میں سے تھے اکن چھیاسی میں وصال ہوا۔

لہ مرقاۃ میں ہے کہ اس جگہ جدہ کا معنی نانی ہے۔ جیسے کہ ایک روایت میں ہے۔ ۱۲ قادری)

لہ یعنی علماء صحابہ سے ہو سکتا ہے انہیں اس کے حکم کا علم ہو۔

لہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہو یا فیصلہ دیکھا ہو۔

شہ محمد بن مسلمہ میم پر زبر، سین ساکن اور لام پر زبر، مشہور صحابی ہیں۔

۱؎ باپ یا ماں کی طرف سے اسی میت کی جدہ آئی۔ اگر پہلی باپ کی طرف سے تھی تو یہ ماں کی طرف سے تھی، یا اس کے برعکس۔

۲؎ یعنی جدہ (دادی اور نانی کو شامل) کی وراثت چھٹا حصہ ہی ہے، خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنہا پہلی جدہ کے لیے چھٹے حصے کا حکم اس لیے فرمایا کہ وہ دوسری دادی سے مطلع نہ تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسری کا علم ہوا تو انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ چھٹا حصہ دونوں میں مشترک ہے۔

۲۹۳۰/۲۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا اِنَّهَا اَوَّلُ جَدَّةٍ اَطْعَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ ضَعَّفَهُ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دادی اور اس کے بیٹے۱؎ کے بارے میں فرمایا: یہ پہلی دادی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیٹے۲؎ کے ساتھ بیٹے کے زندہ ہوتے ہوئے چھٹا حصہ عطا فرمایا۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔

۱؎ جو میت کا باپ تھا، یعنی ایک شخص نے اپنے پیچھے باپ اور دادی چھوڑی۔

۲؎ جو میت کا باپ تھا اور زندہ تھا، اس حدیث۱؎ سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے موجود ہوتے ہوئے دادی وارث بنے گی، بعض صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے، دیگر علماء فرماتے ہیں کہ باپ کے موجود ہوتے ہوئے دادی کو وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ عطا فرمایا بطور خوراک تھا نہ کہ بطور وراثت

۲۹۳۱/۲۲ وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ سُفْيَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دادی باپ کے ہوتے بھی میراث پائے گی، باپ کی وجہ سے محروم نہ ہوگی، یہ ہی چند صحابہ اور بعض فقہاء کا مذہب ہے، عام صحابہ و علماء فرماتے ہیں کہ باپ کے ہوتے دادی محروم ہے، یہ حدیث اولاً ضعیف ہے، اگر صحیح بھی ہو تو حضور انور کا یہ فرمان بطور میراث نہ تھا بلکہ بطور عطیہ تھا جیسے ارشاد ربانی ہے۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ (۴/۸) یعنی اگر تقسیم کے وقت بعض (محروم) قرابت دار موجود ہوں تو انہیں بھی کو دے دو (خلاصہ) یا میت کا باپ کافر تھا یا غلام کہ میراث کا مستحق نہ تھا اور محروم وارث دوسرے کو محروم نہیں کرتا۔ ۱۲ مرآۃ ملخصاً۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ وَرِّثْ اِمْرَاَةَ اَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

نے انہیں لکھا کہ اشیم ضبابی ؓ کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت سے وراثت دو۔

(امام ترمذی، ابو داود)۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لہ حضرت ضحاک بن سفیان صحابی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کا والی مقرر فرمایا۔ بہادر اتنے تھے کہ انہیں سو سواروں کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ تلوار لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کھڑے رہتے تھے، ان سے ابن مسیب، حسن بصری اور دیگر حضرات نے روایت کی۔

ے اشیم ہمزہ پر زبر، شین ساکن، یاء پر زبر، ضبابی ضاد کے نیچے زیر، پہلی باء مخفف، ضباب بن کلاب کی طرف نسبت ہے، یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں غلطی سے قتل کر دیے گئے تھے، کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ عورت، مرد کی دیت سے وارث نہیں پائے گی، تو حضرت ضحاک بن سفیان نے انہیں یہ حدیث بیان کی، اسی طرح اسد الغابہ میں ہے۔

۲۹۳۲/۲۳ وَعَنْ تَمِيْمِنِ الدَّارِيِّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السُّنَّةُ فِيْ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَيْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَ مَمَاتِهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت تمیم داری لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مشرک کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے، فرمایا: وہ مسلمان اس ایمان لانے والے کا زندگی اور موت میں قریب ترین ہے ؎۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

لہ مشہور صحابی ہیں، پہلے عیسائی تھے نو ہجری میں مشرف با سلام ہو گئے، شب زندہ دار تھے، ایک رکعت میں قرآن پاک ختم فرماتے تھے اور کبھی ایک آیت کی تکرار تمام رات صبح تک کرتے رہتے، محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری سے ایک رات تہجد کی نماز ادا نہ ہو سکی اس کا کفارہ یوں ادا کیا کہ مکمل ایک سال نہیں سوئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے

نماز میں پہننے کے لیے کپڑوں کا ایک جوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد نبوی میں چراغ جلایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں دجال اور جساسہ کا واقعہ ان سے روایت کے طور پر بیان فرمایا جیسے کہ ذکر دجال کے باب میں آئے گا۔ آپ کے اجداد میں ایک شخص دار بن ہانی تھے اسی کی نسبت سے آپ داری کہلاتے ہیں۔

۲؎ یعنی وہ اس کا مولا ہے، کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں مولا ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، بعض علماء نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان زندگی میں اسلام لانے والے کی امداد کرنے کا اور وفات کے بعد اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ (اس صورت میں یہ حکم منسوخ نہیں ہوگا)۔

۲۹۲۳/۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا غُلَامًا كَانَ اَعْتَقَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَهٗ اَحَدٌ قَالُوْا لَا اِلَّا غُلَامًا لَهٗ كَانَ اَعْتَقَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيْرَاثَهٗ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور اس نے آزاد کردہ غلام کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا کوئی وارث ہے؟ عرض کیا سوائے ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا اور کوئی نہیں ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی وراثت اس کے آزاد کردہ غلام کے لیے مختص فرما دی۱؎

(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جن کے نزدیک آزاد کیا ہوا، آزاد کرنے والے کا وارث بنتا ہے، جب کہ اس کے عکس میں اتفاق ہے (یعنی کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کا نسبی وارث کوئی نہ ہو تو اس کے آزاد کرنے والے کو وراثت ملے گی ۱۲ قادری) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ اسی طرح ہے جیسے کہ آپ نے گاؤں کے ایک شخص کو فوت ہونے والے کا ترکہ عطا فرما دیا جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۲۹۲۴/۲۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ولاء کا وارث وہ ہوگا جو مال کا وارث ہوگا۱؎۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ إِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ) (ترمذی) انہوں نے فرمایا اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

لہ مثلاً باپ کا آزاد کردہ، یا باپ کے آزاد کردہ کا آزاد کردہ غلام فوت ہو گیا، تو اس کا بیٹا ان غلاموں کی وَلاء کا مالک ہو گا (جیسے کہ اپنے باپ کے مال کا وارث ہو گا ۱۲ قادری) یہ عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے عورت وَلاء کی وارث نہیں ہو گی، ہاں عورت نے جس غلام کو آزاد کیا تھا یا اس کے آزاد کردہ غلام نے جسے آزاد کیا تھا اس کی وَلاء اس عورت کو ملے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۹۳۵/۲۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْاِسْلَامِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو وراثت جاہلیت میں تقسیم کی جا چکی ہو وہ جاہلیت کی تقسیم پر رہے گی اور جس وراثت کو حکم اسلام نے پایا تو وہ اسلام کی تقسیم پر ہے۔لہ (ابن ماجہ)

لہ اسلام کے مطابق وراثت کی تقسیم تو معروف ہے، دور جاہلیت کی تقسیم کے بارے میں بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس طرح تھی۔

۲۹۳۶/۲۷ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ كَثِيْرًا يَقُوْلُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُوْرَثُ وَلَا تَرِثُ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)

محمد بن ابی بکر بن حزم سے روایت ہے کہ انہوں نے بہت دفعہ اپنے والد سے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ پھوپھی پر تعجب ہے کہ بھتیجا اس کی وراثت پاتا ہے مگر وہ وارث نہیں ہوتی۔لہ (امام مالک)

لہ وَلاء وہ لاوارث میت کا ترکہ ہے جو اس کے آزاد کرنے والے کو ملتا ہے ۱۲ قادری

لہ محمد بن ابی بکر بن حزم حا پر زبر، زہ ساکن، ثقہ راوی ہیں اور ان کے والد ابو بکر تابعین میں سے ہیں۔
لہ یہ حکم اس بات پر مبنی ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں بنتے، پھوپھیاں، ماں کی طرف سے چچے، ماں کی بہن اور بھائی خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہوں ذوی الارحام میں سے ہیں، جن علماء کے نزدیک ذوی الارحام وارث بنتے ہیں، ان کے نزدیک یہ لوگ بھی وارث بنیں گے۔ تفصیل علم میراث میں بیان کی گئی ہے۔

۲۹۳۷ / ۲۸ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ قَالَا فَإِنَّهُ مِنْ دِيْنِكُمْ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میراث کے احکام سیکھو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ فرمایا کہ طلاق اور حج کے احکام بھی سیکھو، دونوں نے فرمایا یہ تمہارے دین کے اہم مسائل ہیں۔ لہ

لہ اور لوگ ان کے سیکھنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔

بَابُ الْوَصَايَا

۲۴۴- وصیتوں کا باب

وصایا جمع ہے وصیت کی جیسے خطایا جمع ہے خطیئۃ کی، اصل میں وصیت کا معنی عہد ہے، پھر اس کا عام استعمال موت کے بعد کسی کام کے تاکیدی حکم کے لیے ہو گیا ہے۔ صراح میں ہے کہ وصیت کا معنی تاکیدی حکم کرنا ہے۔ وصیت واجب نہیں مستحب ہے۔ ظاہریہ کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے، وراثت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی۔ جب وراثت لازم ہو گئی تو وصیت کا وجوب منسوخ ہو گیا، اسی لیے ورثاء کے لیے وصیت درست نہیں ہے، علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر قرض ہے یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہوئی ہے تو وصیت کرنا۔

لہ۔ خیال رہے کہ بھتیجا تو عصبہ ہے مگر بھتیجی ذی رحم ہے اور یہاں وراثت سے مراد عصبۂ وراثت ہے ورنہ پھوپھی بھی بھتیجے کی ذی رحم وارث تو ہے، اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو ذی رحم کو وارث نہیں مانتے وہ حضرات اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ پھوپھی بالکل وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذی رحم ہے مگر وہ ہی مطلب قوی ہے جو ابھی عرض کیا گیا ۱۲ مرآۃ۔

اسے لکھ لینا اور اس پر گواہ بنانا ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۹۳۸ / ۱ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے پاس لائق وصیت کوئی چیز[۱] ہو تو اسے لائق نہیں کہ وہ دو راتیں[۲] بھی اس حال میں گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (صحیحین)

[۱] خواہ وہ مال ہو یا لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ ہو۔

[۲] دو راتوں کا ذکر بطور قید نہیں ہے بلکہ تھوڑا سا زمانہ مراد ہے، لیکن اس میں اشارہ ہے کہ اگر ایک رات گزار لے تو حرج نہیں ہے، اس سے زیادہ وقت نہیں گزرنا چاہیئے اور غفلت سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنا لازم اور واجب ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں تاکید اور مبالغہ ہے وصیت کے مستحب ہونے اور اس کے بارے میں جلدی کرنے کے بارے میں۔

۲۹۳۹ / ۲ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَيْتُ عَلَى الْمَوْتِ فَاَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَالًا كَثِيْرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِيْ اِلَّا ابْنَتِيْ اَفَاُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَيْ مَالِيْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ

حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کرنے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سارا مال ہے اور ایک بیٹی[۱] کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ فرمایا: نہیں عرض کیا دو تہائی مال کی؟ فرمایا: نہیں عرض کیا نصف کی؟ فرمایا: نہیں، پوچھا تہائی کی فرمایا: تہائی مال کی وصیت کر دو اور تہائی بھی زیادہ[۲] ہے، بے شک تم اگر[۳] اپنے وارثوں کو مالدار

قَالَ الثُّلُثُ وَ الثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چھوڑ جاؤ تو اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج بنا کر چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو بھی خرچ کرو گے تمہیں اس پر ثواب دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس لقمے پر جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

(صحیحین)

لہ یعنی ذوی الفروض میں سے، یا ان رشتہ داروں میں سے جن کے ضائع ہونے کا مجھے خوف ہے اور وہ ان کے وارث اور عصبات قریبہ تھے۔

۲ہ وصیت کرنے کے لیے اور خصوصاً اس مال میں سے جو تمہارے پاس ہے۔

۳ہ اَن تَذَرَ میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی روایت ہے (ترجمہ میں ان شرطیہ والی روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ۱۲ قادری)

۴ہ تکفّف کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص لوگوں سے ایک ایک مٹھی کھانا طلب کرتا ہے۔

۵ہ یعنی اگر تم زندہ رہے اور خرچ کیا (خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر تھی کہ حضرت سعد کی وفات اس مرض میں نہیں ہے، جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، تم ابھی جیو گے اور تم سے کچھ نفع پائیں گے اور کچھ نقصان ۱۲ مرآۃ)۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۲۹۴۰ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ فَقَالَ أَوْصَيْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ قُلْتُ بِمَالِي كُلِّهِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی جب کہ میں بیمار تھا، آپ نے فرمایا، تم نے کچھ وصیت کر دی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں لہ، فرمایا، کتنے کی؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام مال کی

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ فَمَا تَرَکْتَ لِوَلَدِكَ قُلْتُ ھُمْ اَغْنِیَاءُ بِخَیْرٍ فَقَالَ اَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ اُنَاقِصُہٗ حَتّٰی قَالَ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَ الثُّلُثُ کَثِیْرٌ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

فرمایا: تم نے اپنی اولاد کیلئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کی وہ اغنیاء ہیں ان کے پاس بہت مال ہے[2]۔ فرمایا دسویں حصے کی وصیت کر دو۔ تو میں اس مقدار کو کم قرار دیتا رہا[3] یہاں تک کہ فرمایا: تہائی حصے کی وصیت کر دو اور تہائی بھی بہت ہے۔

(ترمذی)

[1] یعنی میں وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

[2] انہیں ضرورت نہیں ہے کہ ان کے لیے کچھ چھوڑ جاؤں۔

[3] اس مقدار کو جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے رہے اور بار بار آپ سے درخواست کرتا رہا، ایک روایت میں اُنَاقِصُہٗ نقطے والے ضاد کے ساتھ ہے یعنی میں جواب عرض کرتا رہا۔ کہ حضور اتنی مقدار کی وصیت کم ہے۔ ۱۲ (قاری)۔

۲۹۱۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ عَامَ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ زَادَ التِّرْمِذِیُّ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَ لِلْعَاھِرِ الْحَجَرُ وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ وَ یُرْوٰی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ الْوَرَثَۃُ مُنْقَطِعٌ ھٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے[1]۔ اس لیے وارث کے لیے وصیت نہیں ہے[2] (ابو داؤد، ابن ماجہ) امام ترمذی نے اضافہ کیا کہ بچہ بستر والے کا ہے[3] اور زانی کے لیے پتھر ہے[4] اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے[5] ابن عباس، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔ مگر اس وقت کہ باقی وارث چاہیں[6]۔ یہ حدیث منقطع[7] ہے۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں۔ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا:

وَفِیْ رِوَایَۃِ الدَّارَ قُطْنِیِّ قَالَ لَا تَجُوْزُ وَصِیَّۃٌ لِّوَارِثٍ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ الْوَرَثَۃُ۔

وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دوسرے وارث چاہیں۔

۱ؔ مشہور صحابی ہیں۔

۲ؔ کہ وراثت میں ہر ایک کا حصہ مقرر فرما دیا ہے۔

۳ؔ آیت میراث کے نازل ہونے سے پہلے اقارب کے لیے وصیت کرنا واجب تھا، جیسے کہ قرآن مجید اس کے ساتھ ناطق ہے۔ جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

۴ؔ لفظی ترجمہ یہ ہے کہ بچہ عورت کا ہے جو اپنے شوہر کے نیچے ہے، مطلب یہ ہے کہ بچہ بستر والے کا ہے خواہ شوہر ہو یا مالک۔

۵ؔ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بچے کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کے لیے مٹی ہے۔ (یعنی کچھ نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ (اگر رجم کی شرطیں پائی گئیں)۔

۶ؔ کہ ہر ایک کو اس کے کردار کی جزا عطا فرمائے گا، یہ عبارت دوسرے معنیٰ کے زیادہ مناسب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم زانیوں پر حد جاری کریں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ چاہے تو پکڑ لے اور چاہے تو معاف فرما دے۔

۷ؔ کیونکہ وہ وراثت میں شریک ہیں۔

۸ؔ منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو گیا ہو جیسے کہ مقدمہ میں بیان ہوا۔

۹ؔ اس روایت میں صراحۃً ناجائز ہونے کا حکم ہے پہلی روایت میں احتمال ہے کہ اولویت کی نفی ہو۔

۲۹۴۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ وَالْمَرْاَۃُ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ سِتِّیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَحْضُرُھُمَا الْمَوْتُ فَیُضَآرَّانِ فِی الْوَصِیَّۃِ فَتَجِبُ لَھُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَاَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصٰی بِھَآ اَوْ دَیْنٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تحقیق مرد اور عورت ساٹھ سال اللہ تعالیٰ کی طاعت میں عمل کرتے ہیں پھر انہیں موت حاضر ہو جاتی ہے اور وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں۱ؔ تو ان کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو جاتی ہے پھر حضرت ابوہریرہ نے آیت کریمہ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ سے لے کر وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

غَیْرَ مُضَارٍّ اِلٰی قَوْلِہٖ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

تک پڑھی[۱] وراثت لیتے ہیں کی جانے والی وصیت یا قرض کے بعد اس حال میں کہ نقصان نہ پہنچائیں[۲]

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)۔

[۱] ایک شخص نے کسی کے لیے وصیت کی تھی اور یہ اسے نافذ نہیں کرتے یا اس میں کمی کر دیتے ہیں، یا اسے تبدیل کرکے کسی دوسرے کو دے دیتے ہیں۔

[۲] اس حدیث کی تائید کے لیے۔

[۳] نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) تہائی حصے سے زیادہ کی وصیت کرکے وارثوں کو نقصان پہنچائیں (۲) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وصیت نہیں کی بلکہ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کی ہے (۳) ایسے قرض کا اقرار کیا جائے جو اس پر لازم نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۹۴۳ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰی وَصِیَّۃٍ مَاتَ عَلٰی سَبِیْلٍ وَّ سُنَّۃٍ وَّ مَاتَ عَلٰی تُقًی وَّ شَھَادَۃٍ وَّ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وصیت پر مرا[۱] وہ دین کے راستے اور سنت پر مرا اور اس نے تقوے و شہادت کی مرتبے[۲] پائی اور بخشا ہوا مرا۔

(ابن ماجہ)

[۱] یعنی فوت ہوتے وقت، مال کے کچھ حصے کی وصیت فقراء کے لیے کر گیا۔

[۲] یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہو گیا۔

۲۹۴۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰی اَنْ یُّعْتَقَ عَنْہُ مِائَۃُ رَقَبَۃٍ فَاَعْتَقَ ابْنُہٗ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں چنانچہ اس کے بیٹے ہشام نے اس کی طرف سے

هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يُّعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

پچاس غلام آزاد کر دیے، پھر اس کے دوسرے بیٹے عمرو بن عاص[۲] نے ارادہ کیا کہ اس کی طرف سے باقی پچاس آزاد کر دیں، تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر ہی ایسا کروں گا، چنانچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں، ہشام[۲] نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کر دیے ہیں اور پچاس باقی رہ گئے کیا میں اس کی طرف سے غلام آزاد کر دوں؟[۳] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اگر مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے، صدقہ دیتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اسے ان اعمال کا ثواب پہنچ جاتا۔[۴]

(ابوداؤد)

[۱] عاص بن وائل سہمی، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا دادا تھا۔ اسلام نہیں لایا۔

[۲] عاص بن وائل کے دو بیٹے تھے (۱) حضرت عمرو بن عاص جو مشہور صحابی ہیں۔ (۲) حضرت ہشام بن عاص جو حضرت عمرو بن عاص کے بھائی ہیں وہ بھی صحابی ہیں اور قدیم الاسلام مکہ معظمہ میں اسلام لائے، وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، پھر جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کے بارے میں سنا تو مکہ معظمہ آ گئے، ان کے باپ اور ان کی قوم نے انہیں مکہ مکرمہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ غزوہ خندق کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہ حضرت عمرو سے چھوٹے تھے۔ اجنادین اور بعض علما کے قول کے مطابق یرموک میں سن تیرہ یا پندرہ ہجری کو شہید ہو گئے۔

[۳] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں پوچھ کر آزاد کروں گا کہ ایسا کرنا باپ کے لیے مفید ہے یا نہیں؟۔

۷ جو میرا بھائی ہے۔
۸ وصیت کے مطابق۔
۹ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کافر کے لیے مفید نہیں ہے اور اسے عذاب سے نجات نہیں دلاتا نیز یہ بھی معلوم ہو مسلمان کو مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے۔

۲۹۴۵/۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے وارث کی میراث قطع کی[1] اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی میراث جنت سے قطع کر دے گا[2]۔

(ابن ماجہ)۔ امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

۱ اسے وراثت سے محروم کیا۔
۲ جس کا یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ (وہ فردوس کے وارث ہوں گے) کے مطابق وعدہ کیا ہوا ہے۔

(۱۳) — کِتَابُ النِّكَاحِ

۲۴۵- نکاح کا بیان

لغت میں نکاح کا معنی ملانا اور جمع کرنا ہے، اور اس کا استعمال جماع کے معنی میں بھی آتا ہے کہ اس میں بھی ملانے اور جمع کرنے کا معنی موجود ہے۔ ہمارے نزدیک نکاح سنت ہے، اور اگر عورتوں کی طرف میلان اور ان کی طرف رغبت پائی جائے اور اس کے اخراجات کی قدرت بھی موجود ہو تو واجب ہے، ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اگر زنا کا خوف ہو تو واجب ہے اور رغبت و میلان کی صورت میں سنت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر بڑھاپے یا بیماری کے سبب رغبت نہ ہو تو مباح ہے، ایک روایت کے مطابق مستحب ہے، واجب ہونے کی صورت میں آیا لونڈی خرید لینے سے وجوب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اس جگہ دو قول ہیں۔ (ہاں! یا نہیں)۔

امام شافعی کے نزدیک اخراجات کی قدرت اور رغبت موجود ہو تو مستحب ہے اور اگر اخراجات کی قدرت نہیں تو بالاتفاق مکروہ ہے ہمارے نزدیک عبادت کے لیے مجرد رہنے سے نکاح کرنا افضل ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک عبادت کے لیے مجرد رہنا اور خلوت کا اختیار کرنا نکاح سے افضل ہے یہ اختلاف اس وقت ہے کہ نکاح واجب نہ ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۹۴۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانوں کے گروہ! تم میں جو جماع کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح نظر کو پوشیدہ کرنے والا اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔ اور جو طاقت نہ رکھے تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اسے خصی کرنا ہے۔

(صحیحین)

۱؎ شباب شین پر زبر، بار مخفف، بروزن سحاب، شابٌ کی جمع ہے۔ اور شُبَّان شین پر پیش، بار مشدد اور آخر میں نون، یہ بھی شابٌ کی جمع ہے، جوانی کی حد چالیس سال تک ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک تیس سال تک۔

۲؎۔ باءۃ میں چار لغات ہیں (۱) باءۃ تاء اور مد کے ساتھ جیسے کہ اس حدیث میں ہے۔ (۲) باء، مد کے ساتھ بغیر تاء کے۔ (۳) باھۃ ہاء اور تاء کے ساتھ (۴) باہ ہاء کے ساتھ بغیر تاء کے، اس کا معنی منزل ہے جو نکاح کرے گا لازمی طور پر اسے مکان کی ضرورت ہوگی۔

۳؎۔ کہ نامحرم عورت پر نہ پڑے، اغض عین اور ضاد دونوں نقطے والے، آنکھ کو سلا دینا۔

۴؎ احصن حاء کے نیچے زیر، جائے پناہ فرج راء ساکن، شرمگاہ۔

۵؎۔ وَجْءٌ واؤ پر زبر، جیم ساکن، خصی کرنا، وجاء واؤ کے نیچے زیر، اور مد کے ساتھ خصیے دکھو رہے کا پتھر سے کوٹ دینا۔

۲۹۴۷ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنِ التَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَهٗ لَاخْتَصَيْنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغیر نکاح کے رہنے[2] کی اجازت نہ دی اور اگر انہیں اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے[3]۔

(صحیحین)

[1] اکابر صحابہ مہاجرین میں سے ہیں۔

[2] تبتّل کا معنی دراصل کاٹنا اور جدا کرنا ہے۔ بتول اور بتیل مردوں سے الگ رہنے والی عورت کو کہتے ہیں یہ حضرت مریم بنت عمران کا لقب ہے کیونکہ مردوں سے الگ تھلگ رہتی تھیں۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بتول کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ سے لگائے رکھتی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں بتول اس لیے کہا گیا کہ وہ جہان بھر کی عورتوں سے فضیلت، دین اور جمال و کمال میں ممتاز تھیں۔

[3] یعنی عورتوں سے الگ تھلگ رہنے میں مبالغہ کرتے اور قریب تھا کہ ہم خصی ہو جاتے، ان کا گمان تھا کہ خصی ہونا جائز ہے۔

۲۹۴۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار صفات کی بنا پر نکاح کیا[1] جاتا ہے (۱) اس کے مال[2] (۲) اس کے خاندان[3] (۳) اس کے حسن[4] (۴) اور اس کے دین[5] کی وجہ سے اس تو دین کو حاصل کر[6] تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں[7]۔

(صحیحین)

[1] جیسے کہ عرف اور عادت ہے۔

[2] اس خیال سے کہ عورت مالدار ہے اور اپنا مال مرد پر خرچ کرے گی۔

[3] اس عورت کی ذات اور اس کا خاندان، عزت و شرافت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ سے اولاد کے نسب کو شرافت حاصل ہو جائے گی۔ بعض علماء نے کہا اس جگہ اس عورت کا نیک کردار اور نیک نہاد ہونا مراد ہے۔

[4] اس میں نفس کا حصہ ہے، فراغ خاطر ہے اور اس کی وجہ سے نعمت کا شکر کامل اور مکمل ہو گا۔

ے اس کا دین، اس کی نیکی اور عفت و عصمت، تقویٰ اور دین داری میں معاون اور مددگار ہو گی۔
ے اور اسے طلب کر۔
ے یہ کلمات کسی کو ذلت اور ہلاکت کی دعا دینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اس جگہ ان کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ انکار، تعجب اور کسی کام پر ناراضگی آمیز انداز میں ابھارنا مراد ہے۔

۲۹۴۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَّ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا تمام کی تمام نفع اور آسائش حاصل کرنا ہےلے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہےلے۔ (مسلم شریف)

لے یعنی خواہشوں اور لذتوں سے بہرہ ور ہونا ہے، مقصد یہ کہ دنیا معمولی اور حقیر چیز ہے۔
لے جو مصلحت کے مطابق اور معاملے کے سدھارنے کا باعث بنے۔

۲۹۵۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ پر سواری کرنے والیلے بہترین عورتیں، قریشلے کی نیک عورتیں ہیں، بچےلے پر اس کے بچپن میں بہت ہی مہربان اور شوہر کے مال کیلے حد درجہ حفاظت کرنے والی ہیں۔ (صحیحین)

لے اس سے مراد عرب کی عورتیں ہیں کہ وہ عموماً اونٹوں پر سواری کرتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ عرب کی بہترین عورتیں۔
لے یہ ایک مخصوص قبیلہ ہے اور دیگر قبائل سے افضل۔
لے کوئی بھی بچہ ہو خواہ اس کا اپنا ہو یا اس کے شوہر کا دوسری عورت سے۔
لے مال چونکہ ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ذات الید کہتے ہیں۔

۲۹۵۱ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی آزمائش نہیں چھوڑی۔[۱]

(صحیحین)

[۱] کیونکہ عورتیں گناہ اور مشقت میں واقع ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ اس حدیث سے اشارہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں حق کے دبدبے کے غلبے کی وجہ سے مردوں کے لیے عورتوں کی فتنہ گری نہ تھی، بلکہ آپ کے زمانہ مبارکہ کے بعد باطل کے غلبے کے سبب ایسا ہوا۔ ـــــ پہلے نیک عورتوں کی صفات اور ان کے فوائد بیان کیے اب ان کے نقصانات بیان کیے جا رہے ہیں۔

۲۹۵۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَ اِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْہَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَ اتَّقُوا النِّسَآءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَآءِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔[۱] اور اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے لوگوں کے بعد اس میں خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ لہٰذا تم دنیا (اور اس کے شر) سے پرہیز کرو۔ عورتوں (اور ان کے فتنوں) سے پرہیز کرو۔ کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں ہی کی طرف سے تھا۔[۲]

(مسلم)

[۱] اس کی لذت انسانی طبیعت اور دل کو اچھی لگتی ہے اور آنکھوں کو دل کش اور زیبا دکھائی دیتی ہے۔

[۲] کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے چچا کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا پھر اپنے چچا کو قتل کر دیا۔ اس پر گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ (یہ واقعہ کتب تفسیر میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے)

۲۹۵۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشُّؤْمُ فِی الْمَرْاَۃِ وَ الدَّارِ وَ الْفَرَسِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بدفالی عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے

(صحیحین)

وَفِيْ رِوَايَةٍ الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ ۔

ایک روایت میں ہے بدفالی تین چیزوں ۔ عورت، مکان اور چوپائے میں ہے[1]۔

[1] دونوں روایتوں کا حاصل مطلب ایک ہی ہے، البتہ مسکن دار سے عام ہے اور دابہ (سواری) گھوڑے سے عام ہے ۔ بعض علماء نے کہا کہ شوم کا معنی بدفالی ہے جسے عربی میں طِیَرَۃ کہتے ہیں احادیث مبارکہ کے پیش نظر بدفالی صحیح نہیں ہے۔ ان تین چیزوں میں بدفال بطور فرض ثابت کی گئی ہے۔ یعنی اگر بدفالی ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ نظر بد کا نقصان، تقدیر سے سبقت لے جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر بد تھی کہ اس کی تاثیر بڑی شدید اور قوی ہوتی ہے ۔ بعض علماء نے کہا: ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں سے بدفالی کے لیے ان تین چیزوں کو مخصوص کر دیا ہو اور ان کو یہ خاصیت دی ہو، جیسے کہ بعض علماء نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہے اس میں سے خارش اور کوڑھ کی تخصیص ہے۔ بعض علماء نے فرمایا، عورت کی نحوست یہ ہے کہ اس کے ہاں اولاد پیدا نہ ہو، وہ بدخلق ہو، گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو اور ہمسائے برے ہوں اور مصلحت کے مطابق نہ ہو اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ بدمزاج اور سرکش ہو اور اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جائے ۔ مختصر یہ کہ اس جگہ شوم سے مراد یہ ہے کہ شے کے مطلوبہ فوائد و منافع اس سے حاصل نہ ہوں، ان تین اشیاء کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان اہم ترین اشیاء میں سے ہیں جن کے فوائد و منافع بھی مطلوب ہوتے ہیں ۔

۲۹۵۴/۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيْبًا مِّنَ الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَبِكْرٌ اَمْ ثَيِّبٌ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ اَمْهِلُوْا حَتّٰى

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ کافروں سے کی جانے والی ایک جنگ میں شریک تھے۔ جب واپس ہوئے تو ہم مدینہ منورہ کے قریب تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نیا نیا شادی شدہ ہوں[1] فرمایا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ عرض کیا، ہاں! فرمایا: کیا وہ کنواری ہے یا بیوہ؟ میں نے عرض کیا وہ کنواری نہیں بلکہ بیوہ ہے، فرمایا، تو کنواری سے نکاح کیوں نہ کیا؟ تو اس سے کھیلتا وہ تجھ سے کھیلتی[2]، جب ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو ہم اپنے گھر جانے لگے

تَدْخُلَ لَيْلًا اَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَ تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تو فرمایا، ٹھہر جاؤ تاکہ ہم رات کو عشاء کے وقت گھر جائیں تاکہ پراگندہ بالوں والی کنگھی کرے اور غائب شوہر والی ناپسندیدہ بالوں کو دور کرے۔ (صحیحین)

۱؎ اگر اجازت ہو تو پہلے گھر چلا جاؤں۔

۲؎ اس سے صحبت، اختلاط اور محبت میں بے تکلفی اور کمال الفت مراد ہے۔ کیونکہ اگر بیوہ دوسرے شوہر کو پہلے شوہر کی طرح نہ پائے تو بعض اوقات اس کا دل پہلے شوہر کی یادوں سے وابستہ ہوگا اور دوسرے شوہر کی صحبت اور اس سے اختلاط میں تکلف سے کام لے گی۔

۳؎ شعث پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، الجھے ہوئے بالوں والا ہونا اور شعیث شین پر زبر عین کے نیچے زیر الجھے ہوئے بالوں والا۔

۴؎ مغیبہ میم پر پیش، غین کے نیچے زیر، استحداد کا معنی ہے لوہا استعمال کرنا، اور لوہے کے ساتھ بالوں کا مونڈنا اس جگہ بالوں کا اکھیڑنا مراد ہے، جیسے کہ عورتوں کی عادت ہے، لوہے کا استعمال کرنا مراد نہیں ہے مطلب یہ کہ صبر کرو تاکہ عورتیں اپنی آرائش کرلیں اور تمہاری صحبت کے لیے تیار ہوجائیں۔ اگر سوال کیا جائے کہ دوسری حدیث میں رات کے وقت سفر سے گھر آنے سے منع کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ اطلاع دیے بغیر اچانک گھر پہنچ جائیں، اور اگر اطلاع ہو چکی ہو تو ممانعت نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ لیل سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے، حاشیہ میں نسخہ کا نشان دے کر لیلاً کے بعد اَیْ عِشَاءً لکھا ہے یہ راوی کی تفسیر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۹۵۵/۱۰ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْاَدَاءَ وَ النَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ وَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی امداد اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ثابت ہے، (۱) مکاتب جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے (۲) نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کا ارادہ رکھتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ۔ (ترمذی ۔ نسائی۔

وَابْنُ مَاجَةَ) ابن ماجہ)

سلہ جس کا ارادہ ہے کہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائے۔

سلہ یعنی نکاح کرتے ہیں اس کی نیت یہ ہے کہ نا محرموں پر نظر کے واقع ہونے اور زنا کا مرتکب ہونے سے محفوظ ہو جائے۔

۲۹۵۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ إِنْ لَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں[1] وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین اور جس کے اخلاق تمہیں پسند ہیں تو اس سے نکاح کر دو[2] اگر ایسا نہیں کرو گے[3] تو زمین میں فتنہ اور وسیع فساد پیدا ہو جائے گا۔

(ترمذی)

سلہ یہ عورت کے اولیاء (قریبی رشتہ داروں سے خطاب ہے)۔

سلہ اور اسے لڑکی دے دو۔

سلہ اگر تم اس شخص کو رشتہ نہیں دو گے جس کی دین داری اور اخلاق تمہیں پسند ہیں، حالانکہ یہ امور بہتری کے موجب ہیں، اور تم محض مال اور خاندان کو دیکھتے ہو جو فساد اور سرکشی کا باعث ہیں تو زمین میں فتنہ و فساد پیدا ہو گا ——— یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم دین دار اور صاحب اخلاق حمیدہ سے نکاح نہیں کرتے بلکہ اہل دنیا کی عادت کے مطابق صاحب جاہ و مال کی انتظار میں رہتے ہو تو بہت سی عورتیں، شوہر کے بغیر اور بہت سے مرد عورت کے بغیر رہ جائیں گے، اس صورت میں زنا کی کثرت ہو گی، لڑکی کے وارثوں کے سر بار ندامت سے جھک جائیں گے۔ لہٰذا وہ بدنامی کا باعث بننے والے کو قتل کریں گے اور فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا بازار گرم ہو جائے گا۔

۲۹۵۷ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت معقل بن یسار[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: محبت کرنے والی بہت بچے جننے والی عورت[2] سے نکاح کرو، کیونکہ میں تمہاری وجہ سے دوسری امتوں پر غالب آنے والا ہوں[3]۔

(ابوداؤد، نسائی)۔

ل؎ مَعقل میم پر زبر، عین ساکن، قاف پر زبر بن یسار یا پر زبر سین مخفف، حضرت معقل صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شریک ہوئے، بصرہ کی نہر معقل ان کی طرف منسوب ہے۔

۲؎ اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کی یہ دو صفتیں اس کے رشتہ داروں سے پوچھی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ عام طور پر قریبی رشتہ داروں کی طبیعتیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور عادتیں ایک دوسرے سے مشابہت بھی رکھتی ہیں۔

۳؎ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری امت دوسرے پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ ہو، اس لیے زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو، محبت کرنے والی ہونا بھی ایسا وصف ہے جس کا بچہ جننے میں دخل ہے۔ کیونکہ محبت پیار اور رغبت شہوت کا باعث اور استقرار حمل اور پیدائش کا موجب ہے۔

۲۹۵۸/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مُرْسَلًا)

حضرت عبدالرحمن بن سالم بن عتبہ ل؎ ابن عویم بن ساعدہ انصاری اپنے والد سے وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کنواریوں سے نکاح کرو کیونکہ وہ منہ کی میٹھی ۲؎ ہوتی ہیں ان کا رحم حمل کو جلد قبول کرتا ہے ۳؎، اور کم پر ۴؎ زیادہ راضی ہونے والی ہوتی ہیں (امام ابن ماجہ نے یہ حدیث مرسلاً روایت کی)

ل؎ عُتبہ عین پر پیش، تا ساکن بن عُویم عین پر پیش، واو پر زبر اور یا ساکن، حضرت سالم اور عتبہ تابعی ہیں اور حضرت عویم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی ان کا لعاب دہن میٹھا اور دل پسند ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ ان کے الفاظ اور ان کی حکایات میں مٹھاس ہوتی ہے کہ ان میں فحش گوئی نہیں پائی جاتی۔

۳؎ نتق کا معنی ہے عورت کا زیادہ بچوں والی ہونا، رحم بچہ والی۔

۴؎۔ (چونکہ پچھلا تجربہ نہیں ہوتا اس لیے) وہ تھوڑے مال، کم سہولتوں اور کم جماع پر راضی ہو جاتی ہے۔

الفصل الثالث تیسری فصل

۲۹۵۹/۱۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مخاطب! تو نے دوستی کی زیادتی اور اس کی بقا کے طلب گار دوستوں کے لیے کوئی چیز رشتۂ نکاح ایسی نہیں دیکھی ہوگی۔[۱]

[۱] اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دو قوموں کے درمیان دشمنی ہو، پھر ان کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہو جائے تو ان کی دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے گی، اور اگر پہلے ہی محبت ہو تو اس میں لازمی طور پر اضافہ ہو جائے گا، بعض علماء نے کہا کہ مطلب یہ ہے اگر کسی شخص کے کسی عورت کے ساتھ دوستانہ روابط تھے اور وہ اس کا عاشق تھا تو نکاح کی بدولت اس کی الفت و محبت میں لطف و لذت کا اضافہ ہو جائے گا[۱]۔ یا یہ مطلب ہے کہ محبت کے بعد نکاح میں لذت و رغبت دوبالا ہو جائے گی۔

۲۹۶۰/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُّطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاف ستھرا[۱] ہو کر حاضر ہو تو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے[۲]۔

[۱] اس حال میں کہ وہ پاک ہو اور پاک کیا گیا ہو یعنی اس کی پاکیزگی کا حکم کیا گیا ہو۔

[۲] کیونکہ آزاد عورتیں، لونڈیوں کی نسبت زیادہ طاہر و مطہر ہوتی ہیں، اس لیے ان کی صحبت اور ہم نشینی سے مرد کو بھی طہارت کا حصہ ملے گا، یہ غالب اور اکثر کے لحاظ سے حکم ہے، لونڈی عموماً اپنے مولا کی خدمت میں معروف رہنے کے سبب تعلیم و تربیت سے محروم ہوتی ہے اس لیے اس کی بدولت مرد کو یا اس کی اولاد کو تقویٰ و طہارت اور اچھے اخلاق کا اثر نہیں پہنچے گا۔ ۱۲ فارسی)۔

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ فرماتے ہیں: اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے تو زنا نہ کرے کہ پھر بغض پیدا ہو جائے گا بلکہ نکاح کرے تب محبت دائمی رہے گی ۱۲ مرآۃ۔

۲۹۶۱/۱۶ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَقُولُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن نے خوف خدا کے بعد ایسی بیوی[1] سے بہتر کوئی چیز حاصل نہیں کی، اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اگر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے، اگر اس پر قسم کھائے[2] تو اسے پورا کر دے۔ اور اگر اس سے غائب ہو تو اپنی ذات[3] اور اس کے مال[4] میں خیر خواہی کرے۔ (مذکورہ بالا تینوں حدیثیں امام ابن ماجہ نے روایت کیں)

[1] خوب سیرت، خوب صورت۔
[2] مرد قسم کھا کر کہے کہ اسے یہ کام کرنا ہوگا تو وہ کام کر دے (بشرطیکہ شرعاً جائز ہو ۱۲ قادری)
[3] اپنے آپ کو فسق اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھے۔
[4] یعنی مرد کے مال میں خیانت نہ کرے اور اسے ضائع نہ کرے۔

۲۹۶۲/۱۷ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی شخص نکاح کرے تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا، باقی آدھے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے[1]

[1] علماء کرام نے اس حدیث کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ دین کے فساد کا سبب عموماً پیٹ اور شرمگاہ ہے نکاح کرنے سے شرمگاہ کے فساد سے نجات مل گئی اب اسے چاہیے کہ پیٹ کے معاملے میں خدا خوفی کو کام میں لائے تاکہ دین کی بہتری مکمل طور پر حاصل ہو جائے۔

۲۹۶۳/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

بڑا ہی بابرکت نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو[1] (یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں)۔

[1] یعنی اس کے اسباب مہیا کرنے میں زیادہ دقت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہترین عورتیں وہ ہیں جو تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جائیں۔ (آج کے رسم و رواج خانہ آبادی کی بجائے خانہ بربادی کا باعث ہیں بھاری حق مہر، لمبا چوڑا جہیز، باراتیوں کا ہجوم، انواع و اقسام کے کھانے، ویڈیو فلموں کا بنانا، ناچ گانا، ریکارڈنگ، یہ سب فضول رسمیں ہیں، بابرکت نکاح وہی ہے جو ان بیہودہ رسموں سے خالی ہو ۱۲ قادری۔

بَابُ النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ وَبَيَانِ الْعَوْرَاتِ

۲۴۵۔ جس عورت کو نکاح کا پیغام دیا جائے اسے دیکھنے اور ستر کا بیان

مخطوبہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو، یہ خطبہ خاء کے نیچے زیر سے مشتق ہے، لغت میں اس کا معنی خطاب اور کسی کی طرف روئے سخن پھیرنا ہے، کیونکہ مرد، عورت اور اس کے قریبی رشتہ داروں سے نکاح کرنے کی بات کرتا ہے، اس مرد کو خاطب اور عورت کو مخطوبہ کہتے ہیں، خُطبہ خاء پر پیش ہو تو یہ بھی خطاب سے ہے۔ خطبہ دینے والے کو خطیب کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک نکاح سے پہلے عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے، امام شافعی امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک بھی جائز ہے، امام مالک کے نزدیک عورت کی اجازت سے جائز ہے۔ ان سے ایک روایت ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے، اور اگر کسی ماہر اور امین عورت کو بھیجے تو بہتر ہے۔ عورت، انسان کے ان اعضاء کو کہتے ہیں کہ جن کے دیکھنے اور دکھانے سے شرم آئے، شرم گاہ اس کی جمع عورات ہے، اس کی واؤ ساکن اور زبر کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ — پہلی فصل

۲۹۶۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِىْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا۔

ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، فرمایا! اسے دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے[1]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[1] یعنی ان کی آنکھیں نیلی گوں یا زرد ہوتی ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصاری مردوں کی آنکھوں کو دیکھا۔ ان پر قیاس کرتے ہی فرمایا کہ عورتوں کی آنکھیں بھی ایسی ہی ہوں گی۔ یا لوگوں کی زبانی سنا کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں یہ صفت ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے لیے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے اگر آپ نے انصاری خواتین کا چہرہ اور ان کی آنکھیں دیکھی ہوں تو اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن محققین نے تصریح کی ہے کہ آپ کا باپ ہونا بطور شفقت اور خیر خواہی اور تعظیم و توقیر اور اطاعت کے واجب ہونے کے اعتبار سے ہے (یعنی عام عورتوں کے لیے آپ سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے ۱۲ قادری)۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے آیہ مبارکہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ کی تفسیر میں تصریح کی ہے۔ علماء محدثین نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض خواتین کے ساتھ تنہائی میں ملاقات فرمانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ آپ کی رضاعی خالہ تھیں یہ بات ہم نے اس کتاب کے بعض دیگر مقامات میں بھی بیان کی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ عورت کا چہرہ عورت نہیں ہے[2] فقہاء کرام نے بوقت ضرورت اس کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے، جیسے کہ کتب فقہ میں مذکور ہے لہٰذا اگر اتفاقاً کسی کی آنکھ پر نظر پڑ گئی ہو تو جائز ہوگا۔

۲۹۶۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

[2] در مختار میں ہے کہ جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ چہرہ اگرچہ عورت نہیں ہے لیکن فتنے کا خوف ہے (در مختار) یعنی اسلام صرف برائی ہی کو نہیں روکتا بلکہ برائی کے راستوں کو بھی بند کرتا ہے، آج معاشرے کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب جوان لڑکیوں کا بے پردہ، شیڈی لباس پہن کر منظر عام بازاروں، اخباروں اور ٹی وی پر آنا ہے یہی وجہ ہے کہ جنسی جرائم میں خوفناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے اور نظر کی پاکیزگی کا تو تصور ہی پرانا ہو چکا ہے ۱۲ قادری

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتُهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا ایسا نہ ہو کہ ایک عورت دوسری عورت سے ملاقات کرے پھر اس کا حلیہ اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (صحیحین)

۲۹۶۶ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد، مرد کی اور عورت، عورت کی شرم گاہ کی طرف نہ دیکھے[1] اور مرد، مرد کے ساتھ[2] اور عورت، عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں جمع نہ ہو[3]۔ (مسلم)

[1] مطلب یہ ہے کہ مرد کا عورت کے ستر کو دیکھنا اور عورت کا مرد کے ستر کو دیکھنا ہی ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ مرد کا مرد کے ستر کو اور عورت کا عورت کے ستر کو دیکھنا بھی ممنوع ہے ـــ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اسی طرح عورت کا ستر، عورت کے لیے بھی یہی ہے، مرد کے لیے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ عورت کا تمام جسم عورت ہے۔ اسے چھپانا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ صنف نازک کو عورت کہا جاتا ہے کہ وہ سراپا عورت ہے، صحیح ترین حکم یہ ہے کہ بے ریش لڑکا بھی عورت کے حکم میں ہے، اجنبی عورت پر (ضرورت شرعیہ کے بغیر) نظر ڈالنا حرام ہے خواہ شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شہوت کے بغیر دیکھنا مکروہ ہے۔ بعض روایات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بے ریش لڑکے کو دیکھنا اس وقت حرام ہے جب نظر شہوت سے ہو، اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

[2] یعنی دو سر دبرہنہ ایک لحاف میں نہ لیٹیں۔

[3] یعنی اس میں عام طور پر اگرچہ گناہ اور آفت کا خطرہ نہیں پھر بھی ایسا کرنا حرام اور مکروہ ہے۔ وہم جنسی کا خطرہ بہر صورت موجود ہے امردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم ہی پاکیزگی اور سلامتی کی راہ ہے۔ ۱۲ (قادری)۔

۲۹۶۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَاَۃٍ ثَیِّبٍ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ نَاکِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار! کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت کے پاس رات نہ گزارے مگر یہ کہ اس کا شوہر ہو یا محرم[1]۔

(مسلم)

[1] محرم وہ شخص ہے جس کے ساتھ کبھی بھی نکاح نہ کیا جا سکے، شادی شدہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ کنواری لڑکی تو شرمیلی ہوگی اور اس کے دل میں خوف ہوگا۔ ذکر اگر خدانخواستہ کسی غلط حرکت کی بنا پر حمل ٹھہر گیا تو اس کا کیا بنے گا جب کہ شادی شدہ عورت سمجھتی ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کا شمار کیا جائے گا ۱۲ قادری) اس لیے اس جگہ فتنے کا خوف کم ہوگا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے، بعض علماء نے کہا کہ ثیب سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو، زیادہ واضح یہ ہے اس سے مراد جوان عورت لینی چاہیے۔

۲۹۶۸ وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں[1] کے پاس جانے سے بچو، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں فرمائیے[2]؟ فرمایا: دیور تو موت ہے[3]

(صحیحین)

[1] جو کہ بیگانی ہوں۔

[2] اس کا عورتوں کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟ حمو حا پر زبر، میم ساکن، اس پر زبر بھی پڑھی جا سکتی ہے، مرد کی طرف سے عورت کا رشتے دار، مثلاً مرد کا بھائی اور بھتیجا کہ عورت کے محرم نہیں ہیں، برخلاف شوہر کے باپ اور بیٹے کے (کہ وہ محرم ہیں)۔

[3] یعنی دیور میں فتنہ زیادہ ہے کیونکہ اس کے بارے میں لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، گھر میں اس کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے، اس کے لیے میل جول اور رسائی حاصل کرنا آسان ہوتا ہے، دیور تو موت ہے یہ جملہ محاورات عرب میں کسی چیز کی شدت اور برائی بیان کرنے اور اس سے ڈرانے اور دور رہنے کی تلقین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ شیر موت ہے، بادشاہ آگ ہے، قریبی رشتہ داروں کے بارے میں خوف زیادہ ہوتا ہے اور فتنہ واقع ہوتا

رہتا ہے۔

۲۹۶۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ سَلَمَۃَ اسْتَاْذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحِجَامَۃِ فَاَمَرَ اَبَا طَیْبَۃَ اَنْ یَّحْجُمَھَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّہٗ کَانَ اَخَاھَا مِنَ الرَّضَاعَۃِ اَوْ غُلَامًا لَمْ یَحْتَلِمْ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فصد[۱] کی اجازت طلب کی، آپ نے حضرت ابو طیبہ کو ان کے فصد[۲] کا حکم دیا، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ وہ حضرت ام سلمہ کے رضاعی بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے[۳]۔ (مسلم)

[۱] خون نکلوانا۔

[۲] یَحْجُمَھَا جیم پر پیش، حضرت ابو طیبہ فصد لگانے کا کام کرتے تھے۔

[۳] بعض علماء فرماتے ہیں کہ علاج کی غرض سے طبیب کے لیے دیکھنا جائز ہے۔

۲۹۷۰ وَعَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَۃِ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِیْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر بن عبد اللہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے[۲] کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نظر پھیر لوں[۳]۔ (مسلم)

[۱] مشہور صحابی ہیں اور اکابر صحابہ کرام میں سے نہیں، دوسری جگہ ان کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] جو اجنبی عورت پر واقع ہو جائے۔ فجاءۃ فاء پر زبر، جیم ساکن، دوسری لغت یہ ہے کہ فاء پر پیش ہو، جیم پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ فُجَاءَۃ۔

[۳] یعنی اچانک پڑنے والی نظر معاف ہے لیکن چاہیے کہ دیکھتا ہی نہ رہ جائے اور دوسری نظر بھی نہ ڈالے کہ اس صورت میں معذور نہ ہوگا۔

۲۹۷۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِیْ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے[۱]۔ جب

صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْاَۃُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمِدْ اِلٰی امْرَاَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آئے اور دل میں گھر کر جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کا قصد کرے اور اس سے مباشرت کرے کہ یہ عمل اس کے دل کی رغبت کو دور کر دے گا۔

(مسلم)

لہ یعنی اسے آتے ہوئے آگے سے دیکھو یا جاتے ہوئے پیچھے سے بہر صورت دل میں وسوسہ پیدا کرتی ہے جیسے کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، آج کل عورتیں ٹیڈی لباس پہن کر میک اپ کر کے نکلتی ہیں تو سراپا دعوتِ نظارہ بنی ہوئی ہوتی ہیں، ایسے میں وہ شخص بڑا متقی ہے جو اپنی نگاہوں کو بہکنے سے بچالے، اس طرح عورت کا گھر سے نکلنا نہ صرف شرعاً ناجائز ہے بلکہ اخلاقی دیوالیہ پن کی دلیل بھی ہے ۱۲ قادری۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۹۰۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمُ الْمَرْاَۃَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْہُ اِلٰی نِکَاحِھَا فَلْیَفْعَلْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تم میں سے ایک شخص کسی عورت کے نکاح کا پیغام دینا چاہے تو اگر ہو سکے کہ ایسی چیز میں غور و فکر کرے جو اس کے نکاح کا باعث بنے تو ضرور غور کرے لہ۔

(ابو داؤد)

لہ باعثِ نکاح سے مراد یا تو وہ امور ہیں جو عموماً عورتوں میں پیش نظر رکھے جاتے ہیں مثلاً مال، حسب و نسب جمال، دینداری اور پاک دامنی تاکہ دین کے معاملے میں پورا اہتمام کیا جا سکے، یا اس سے خاص باعث مراد ہے یعنی غیر عورت کی طرف نگاہ نہ اٹھے اور امور معیشت میں کفایت حاصل ہو وغیر ذالک، دونوں صورتوں میں نظر کا معنی غور و فکر ہے، اور اگر منگیتر کی طرف دیکھنا مراد لیا جائے، کیونکہ یہ باب اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہے تو بھی درست ہے لیکن یہ مطلب ظاہر عبارت سے بعید ہے۔

۲۹۰۳/۱۰ وَعَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

قَالَ خَطَبْتُ امْرَاَةً فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ نَظَرْتَ اِلَیْھَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّہٗ اَحْرٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

ہے کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا: اسے دیکھ[1] لو کہ یہ دیکھنا تمہارے درمیان محبت والفت کے لیے زیادہ مناسب ہے[2]۔ (امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

[1] یعنی اگر تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو اسے دیکھ لو کسی حیلے بہانے سے یا کسی دیانت دار عورت کو دکھا دو (۱۲ قادری)۔

[2] ایدام کا معنی ہم آہنگی اور موافقت کرنا ہے، سالن کو جو ادام کہتے ہیں تو وہ بھی اسی مادے سے ہے۔

۲۹۷۴ — وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ امْرَاَۃً فَاَعْجَبَتْہُ فَاَتٰی سَوْدَۃَ وَھِیَ تَصْنَعُ طِیْبًا وَعِنْدَھَا نِسَاءٌ فَاَخْلَیْنَہٗ فَقَضٰی حَاجَتَہٗ ثُمَّ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ رَاٰی امْرَاَۃً تُعْجِبُہٗ فَلْیَقُمْ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاِنَّ مَعَھَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَھَا۔ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جو بھلی معلوم[1] ہوئی، آپ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[2] کے پاس تشریف لائے وہ خوشبو تیار کر رہی تھیں اور ان کے پاس کچھ عورتیں موجود تھیں انہوں نے تخلیہ کر دیا، آپ اپنی حاجت سے فارغ ہوئے پھر فرمایا: جو شخص کسی عورت کو دیکھے جو اسے بھلی لگے تو وہ اپنی بیوی کے پاس جائے کہ اس کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو اس دوسری عورت کے پاس ہے۔ (دارمی)

[1] پہلی نظر میں بتقاضائے طبیعت بھلی معلوم ہوئی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے بعض علماء شافعیہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں لکھا ہے کہ جو عورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند آجاتی وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ شان ہے جو امت میں سے کسی کی نہیں ہے، اور آپ کا کسی کام کو کرنا حکم شرعی کے وارد ہونے کا سبب ہوتا تھا اور وہ فعل سنت قرار پاتا تھا۔

[2] ام المومنین ہیں۔

ے ام المومنین حضرت سودہ سے حاجت پوری کی۔
ے اور اس سے جماع کرے۔
ے اور اپنی بیوی سے صحبت کرے تاکہ جو میلان اور خواہش اس عورت کے لیے پیدا ہوئی ہے وہ اس پر صرف ہو جائے اور اس کا خیال دل سے نکل جائے، بعض علماء شافعیہ نے ایک عجیب بات کہہ دی کہ اپنی عورت سے اس عورت کے خیال سے جماع کرے تاکہ اس کے خیال سے مکمل طور پر خالی ہو جائے۔

۲۹۷۵/۱۲ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، صنف نازک سراپا عورت ہے[1]۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے دیکھتا ہے[2]۔
(ترمذی)

ل اس کا حق یہ ہے کہ پوشیدہ اور چھپائی ہوئی ہو، یہی عورت کا معنیٰ ہے۔
ے اور اس کے درپے ہوتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اور مردوں کو اس کی طرف متوجہ کرے؛ استشراف کا معنیٰ ہے کسی چیز کو دیکھنے کے لیے آنکھیں اٹھانا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھنا جیسے کہ لوگ غور سے دیکھتے وقت عموماً کرتے ہیں۔

۲۹۷۶/۱۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَ لَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، اے علی! تو ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈال[1] کیونکہ پہلی نظر تیرے لیے جائز ہے اور دوسری نظر جائز نہیں۔
(امام احمد، ترمذی ابو داؤد، دارمی)

ل اِتباع ہمزہ کے نیچے زیر اور تا ساکن، پیچھے بھیجنا، اور اتباع تا مشدد کے ساتھ پیچھے جانا، یعنی پہلی نظر جو اچانک پڑ گئی (وہ جائز ہے) اس کے بعد دوبارہ نہ دیکھو۔

۲۹۷۷/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا زَوَّجَ اَحَدُکُمْ عَبْدَہٗ اَمَتَہٗ فَلَا یَنْظُرَنَّ اِلٰی عَوْرَتِھَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا یَنْظُرَنَّ اِلٰی مَا دُوْنَ السُّرَّۃِ وَفَوْقَ الرُّکْبَۃِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

جب تم میں سے ایک شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دے تو اس لونڈی کا ستر ہرگز نہ دیکھے[1] اور ایک روایت میں ہے کہ ناف سے نیچے اور گھٹنے کے اوپر کا حصہ[2] نہ دیکھے۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی جس کنیز کا اس نے نکاح کر دیا وہ اس کے لیے اجنبی عورت کی حیثیت رکھتی ہے اور اجنبی کنیز کا ستر ناف سے زانو تک ہے۔ جیسے کہ خود اس کی تفسیر فرمائی ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ (اجنبی کنیز کی) ناف اور زانو، ستر نہیں ہے۔

۲۹۷۸/۱۵ وَعَنْ جَرْھَدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَۃٌ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جرہد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ران، ستر ہے[2]

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] جرہد جیم پر زبر، اہل صفہ میں سے صحابی ہیں۔

[2] اسد الغابہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں حضرت جرہد کے پاس سے گزرے، ان کی ران برہنہ تھی، آپ نے فرمایا: ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران ستر ہے، یہ حدیث امام مالک کے خلاف دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ران ستر نہیں ہے۔

۲۹۷۹/۱۶ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا عَلِیُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی فَخِذِ حَیٍّ وَّ لَا مَیِّتٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے علی! اپنی ران برہنہ نہ کرو اور کسی زندہ یا مردہ کی ران کو نہ دیکھو[1]۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ستر میں مردہ اور زندہ کا ایک ہی حکم ہے۔

۲۹۸۰/۱۷ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ

حضرت محمد بن جحش[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَعْمَرٍ وَفَخِذَاهُ مَكْشُوْفَتَانِ فَقَالَ يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَاِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت معمر[۲] کے پاس سے گزرے۔ اس حال میں کہ ان کی دونوں رانیں منکشف تھیں، آپ نے فرمایا: اپنی رانوں کو ڈھانپ[۳] کیونکہ رانیں ستر ہیں۔

(شرح السنۃ)

[۱] محمد بن جحش جیم پر زبر، حا ساکن، جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں ان میں ان کا ذکر نہیں ملا۔ کلمات حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

[۲] معمر دونوں میموں پر زبر، عین ساکن، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔

[۳] غطّ غین پر زبر اور طا مشدد۔

۲۹۸۱/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَّا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ننگے ہونے سے بچو[۱] کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے مگر قضاء حاجت کے وقت[۲] اور اس وقت جب مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے[۳]۔ پس تم ان کا حیا کرو اور ان کی عزت کرو[۴]۔

(ترمذی)

[۱] اگرچہ تم تنہائی میں اکیلے ہی ہو۔

[۲] غائط اصل میں پست زمین اور گڑھے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد قضاء حاجت لیتے ہیں۔

[۳] اور اس سے جماع کرتا ہے۔

[۴] وہ فرشتے مراد ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں یعنی کرام کاتبین اور وہ فرشتے جو حفاظت پر مقرر ہیں۔ یہ دو وقتوں کے علاوہ ہمیشہ آدمی کے ساتھ رہتے ہیں، بعض علماء نے کہا کہ صرف محافظ فرشتے مراد ہیں کیونکہ کرام کاتبین کسی وقت آدمی سے جدا نہیں ہوتے۔

۲۹۸۲/۱۹ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے

كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَيْمُوْنَةَ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ)

کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں[1] اتنے میں ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دونوں اُن سے پردہ کرو، میں[2] نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ جو ہمیں نہیں دیکھتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں[3] نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں[4]؟

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] دونوں امہات المومنین میں سے ہیں۔

[2] حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔

[3] حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[4] یعنی وہ اگرچہ نابینا ہیں تم تو نابینا نہیں ہو۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح اگر برعکس ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہی اصل ہے۔ جس حدیث میں حبشیوں کے کھیلنے کا ذکر ہے وہ رخصت پر محمول ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت کم عمر تھیں، مختار یہ ہے کہ مرد کی ناف سے اوپر اور زانوؤں سے نیچے کی طرف عورت کا دیکھنا جائز ہے، اس پر عورتوں کے نماز کے لیے حاضر ہونے سے استدلال کیا گیا ہے، لازمی بات ہے کہ ان کی نظر مردوں پر پڑتی ہوگی، یہ سب اس صورت میں ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔

۲۹۸۳ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا

حضرت بہز بن حکیم[1] اپنے والد سے وہ ان کے دادا[2] سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی بیوی اور مملوکہ کنیز[3] کے علاوہ اپنا ستر چھپاؤ، میں نے عرض کیا یارسول اللہ!

مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَرَءَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

یہ فرمایئے کہ جب مرد تنہا ہو تو؟[۴] فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے حیا کیا جائے[۵]۔

(امام ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] بہز با پر زبر را ساکن، آخر میں زا، ابن حکیم، ثقہ تابعی ہیں ان سے امام ثوری، ابن مبارک اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں، بعض محدثین ان کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

[۲] ان کے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ حا پر زبر، یا ساکن، صحابی ہیں، بصرہ میں مقیم ہوئے اور خراسان میں وصال ہوا۔

[۳] جو خرید و فروخت سے تمہاری ملکیت میں ہے، ملک یمین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بیع کے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہیں اور قیمت ہاتھ میں تھما دیتے ہیں۔

[۴] یعنی آدمی اکیلا تنہائی میں ہو تو پھر بھی ستر چھپائے۔

[۵] اگرچہ اس جگہ کوئی دوسرا نہ ہو، اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے۔ اس میں ادب اور حیا کی انتہائی پاسداری ہے۔

۲۹۸۴ [۲۱] وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطٰنُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات نہیں کرتا مگر شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے۔

(ترمذی)

۲۹۸۵ [۲۲] وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر غائب ہوں کیونکہ شیطان، تم میں سے ایک کے خون کے

قُلْنَا وَ مِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ مِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

جاری ہونے کی جگہ جاری ہوتا ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بھی؟ فرمایا! میرے بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری امداد فرمائی تو وہ مسلمان ہوگیا[3] (ترمذی)

[1] مُغِیْبَۃ "میم پر پیش، غین کے نیچے زیر اور یا ساکن، وہ عورت جس کا شوہر غائب ہے، اس کی تخصیص اس لیے کی کہ اسے مباشرت کی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔

[2] اس کا تصرف اور وسوسہ، انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔

[3] وہ شیطان میرا مطیع اور فرمانبردار ہوگیا اور میں اس کے تصرف سے محفوظ ہوگیا ہوں ـــ ایک روایت میں اَسْلَمُ میم کی پیش کے ساتھ ہے، اب معنی یہ ہوگا کہ میں اس کے شر سے محفوظ رہتا ہوں، اس حدیث کی شرح کتاب کی ابتداء میں باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے۔

۲۹۸۴ / ۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ قَدْ وَهَبَهٗ لَهَا وَعَلٰى فَاطِمَةَ ثَوْبٌ اِذَا قَنَّعَتْ بِهٖ رَاْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا وَاِذَا غَطَّتْ بِهٖ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَاْسَهَا فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقٰى قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْكِ بَاْسٌ اِنَّمَا هُوَ اَبُوْكِ وَغُلَامُكِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے غلام کے ساتھ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے جو آپ انہیں ہبہ فرما چکے تھے، حضرت فاطمہ پر ایسا کپڑا تھا کہ جب اس سے سر ڈھانپتیں[1] تو پاؤں تک نہ پہنچتا اور جب اس سے پاؤں ڈھانپتیں تو سر تک نہ پہنچتا، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس[2] مشکل میں مبتلا دیکھا تو فرمایا! بے شک تم پر کوئی حرج نہیں، جن سے تم شرما رہی ہو وہ تمہارے والد ہیں اور تمہارا غلام ہے[3]۔ (ابو داؤد)

[1] صراح میں ہے مِقْنَع اور مِقْنَعَۃٌ میم کے نیچے زیر، اوڑھنی۔

[2] جو وہ اپنے جسم شریف کو ڈھانپنے کے لیے اٹھا رہی تھیں۔

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مملوک اس کا محرم ہے، اور قرآن میں جو واقع ہے. وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

تو یہ لونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد کنیزیں ہیں۔ عورت کا غلام اس کے لیے اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مملوک صرف اس حد تک دیکھ سکتا ہے۔ جہاں تک اجنبی دیکھ سکتا ہے[۱]۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۲۹۸۷/۲۴ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي اُمَيَّةَ اَخِي اُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَاِنِّي اَدُلُّكَ عَلَى ابْنَةِ غَيْلَانَ فَاِنَّهَا تُقْبِلُ بِاَرْبَعٍ وَ تُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک ہیجڑا[۱] تھا اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ ابن ابی امیہ سے کہا اے عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے کل تمہارے لیے طائف فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان[۲] کی بیٹی کا پتا دیتا ہوں، کیونکہ وہ آتی ہے چار کے ساتھ اور جاتی ہے آٹھ کے ساتھ[۳]۔ تب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اور اس قسم کے لوگ تمہارے پاس ہرگز نہ آیا کریں[۴]۔

(صحیحین)

[۱] مُخَنَّثٌ نون مشدد پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی پڑھی جا سکتی ہے وہ مرد جو گفتگو اخلاق اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو، اصل میں خنات کا معنی سست اور دوہرا ہونا ہوتا ہے، یہ وصف کبھی پیدائشی ہوتا ہے۔

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا اس حدیث سے استدلال کچھ ضعیف سا ہے۔ کیونکہ یہ غلام نابالغ اور غیر محل شہوت تھا عربی میں غلام نابالغ بچے کو کہتے ہیں، جس پر قرآن مجید، احادیث اور لغت کی کتب گواہ ہیں .... خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں غلام اپنی مالکہ کے لیے اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس کا چہرہ، ہاتھ، پاؤں ضرورۃً دیکھ سکتا ہے مگر امام شافعی کے ہاں محرم کی طرح ہے کہ اس کا سر، بازو، پنڈلی بھی دیکھ سکتا ہے۔

۱۲ مرآۃ۔

ایسی صورت میں گنا ہگار اور مستحق مذمت اور سزا نہ ہوگا اور کبھی بناوٹی جو تکلف سے اختیار کیا جاتا ہے اور یہ مذمت اور لعنت کا سبب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے اس ہیجڑے کا نام ماطع تھا میم اور طاء کے ساتھ بعض علماء نے اس کا نام ہیت بیان کیا، ہاء کے نیچے زیر، یا ساکن، بعد میں تاء ساکن، بعض علماء نے کہا اس کا نام ہنب تھا، پہلے ہاء پھر نون اس کے بعد باء۔

ﷺ غیلان غین پر زبر، یاء ساکن۔ ایک شخص کا نام، اس کی لڑکی کا نام بادیہ تھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے نکاح کیا۔

ﷺ اس کا موٹاپا بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ موٹے لوگوں کے پیٹ میں بل (سلوٹیں) پڑ جاتے ہیں، اگر وہ اگلی جانب چار ہوئے تو پچھلی جانب آٹھ ہوں گے کیونکہ دائیں، بائیں ان کے چار، چار کنارے ہوں گے۔ ان کو عربی میں "عُکَن" کہتے ہیں یہ عکنۃ کی جمع ہے، صراح میں ہے عکنہ موٹاپے کی وجہ سے پیٹ میں پڑنے والے بل (سلوٹ) کو کہتے ہیں عرب طبقا موٹی عورت کو پسند کرتے ہیں۔

ﷺ مخنث کی یہ بات سن کر۔

ﷺ پہلے اس مخنث کی آمدورفت امہات المومنین کے ہاں اس خیال کے تحت ممنوع نہ تھی کہ اسے عورتوں کی طرف میلان، رغبت اور حاجت نہیں ہے اور وہ غیر اُولی الاربۃ قسم کی چیز ہے جس سے قرآن مجید کی رو سے عورتوں کا پردہ کرنا واجب نہیں ہے، جیسے کہ پیر فرتوت اور وہ شخص جس کا عضو تناسل اور خصیتین کاٹ دیئے گئے ہوں اور وہ نیم پاگل جنہیں عورتوں کے معاملے کی بالکل خبر نہ ہو اور بچے ہوئے کھانے اور ایک دو لقموں کے لیے لوگوں کے گرد منڈلاتے ہوں، اب معلوم ہوا کہ وہ مخنث (ہیجڑا) اس قسم کا نہیں ہے تو اسے آنے جانے سے منع کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ انہیں تمہارے پاس نہیں آنا چاہیئے، اس حدیث میں ہیجڑوں کے عورتوں کے پاس آنے کی ممانعت ہے، خصی اور جس کا عضو کاٹ دیا گیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، علامہ بیضاوی نے کہا کہ ان دونوں میں اختلاف ہے۔

۲۹۸۸/۲۵ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيلًا فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَخْذَهُ فَرَآنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي خُذْ عَلَيْكَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا، میں اسے اٹھائے ہوئے چل ہی رہا تھا کہ میرا کپڑا مجھ سے گر گیا، میں اسے پکڑ نہیں سکا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا، اپنا کپڑا پکڑ کر پہن لو اور ننگے

ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوْا عُرَاةً. نہ چلا کرو۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

لہ منسوب میم کے نیچے زیر اور سین ساکن بن مخرمہ میم پر زبر، خا ساکن اور را پر زبر کم عمر صحابی ہیں، ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے بھانجے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

لہ پہلے تو حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنا کپڑا اٹھا کر باندھ لو پھر بطور عموم فرمایا: تم ننگے نہ چلا کرو۔

۲۹۸۹/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ أَوْ مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ستر کی طرف ہرگز نظر نہیں کیا یا میں نے ہرگز نہیں دیکھا۔ لہ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

لہ راوی کو شک ہے کہ ام المومنین نے مَا نَظَرْتُ فرمایا یا مَا رَأَيْتُ، جب کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہو کہ نظر قصداً کی جاتی ہے اور دیکھنا عام ہے (قصداً ہو یا اتفاقاً) مطلب یہ ہوا کہ میں نے قصداً دیکھا اور نہ بغیر قصد کے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نہ آپ نے مجھ سے دیکھا اور نہ میں نے آپ سے دیکھا۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے مخفی اعضاء کو نہ دیکھیں۔ بعض فقہاء نے فرمایا: ایک دوسرے کے اعضاء کا دیکھنا، قوت شہوت کا باعث ہے اور وہ مکمل طور پر نعمت کے حاصل کرنے کا موجب ہے اور وہ مزید شکر کا سبب ہے، انہوں نے فرمایا: اس ارادے سے دیکھنا مستحسن ہے۔

۲۹۹۰/۲۷ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا.

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو پہلی بار کسی عورت کی خوبیوں کو دیکھے پھر اپنی آنکھ نیچی کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا فرمائے گا جس کی وہ مٹھاس پائے گا لہ

(رَوَاهُ أَحْمَدُ) (امام احمد)

لہ پہلی نظر جو اچانک اس پر پڑ گئی۔

ؔ یہ سمجھا اس تلخی کی جزاء ہے جو اس نے صبر میں برداشت کی۔

۲۹۹۱ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت حسن بصری سے بطریق ارسال مروی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے دیکھنے والے پر[1] اور اس پر جس کی طرف دیکھا جائے[2] امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں روایت کی۔

[1] وہ شخص جو دوسرے کی شرم گاہ کی طرف دیکھے۔
[2] اگر اس کا ارادہ ہو اور اس کی دلچسپی شامل ہو۔

بَابُ الْوَلِیِّ فِی النِّکَاحِ وَاسْتِئْذَانِ الْمَرْأَۃِ

۲۴۶۔ نکاح کے ولی اور عورت سے اجازت لینے کا بیان

ولی وہ شخص ہے جو کسی کے کام کا ذمہ دار بن جائے اور اس کا کام اپنے ذمہ لے لے۔ اس جگہ وہ شخص مراد ہے۔ جو نکاح کے معاملے کا ذمہ دار ہو، جیسے باپ، دادا، وغیرہ، اس باب میں وہ حدیثیں لائیں گے، جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ آیا نکاح میں ولی کا موجود ہونا واجب ہے؟ اور کیا نکاح میں عورت سے اجازت لینا واجب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۲۹۹۲ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ اِذْنُھَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بیوہ کا نکاح نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے[1] اور کنواری کا نکاح نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے[2] صحابہ نے عرض کیا کنواری کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا: یہ کہ

قَالَ اَنْ تَسْكُتَ.
وہ خاموش ہو جائے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)
بخاری و مسلم

لہ اور اس سے مشورہ کیا جائے۔ ایّم ہمزہ پر زبر یا مشددہ کے نیچے زیر وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ، اس جگہ بیوہ مراد ہے کیونکہ کنواری کے مقابل واقع ہے۔

لہ بیوہ کے بارے میں تُسْتَاْمَرُ فرمایا یعنی اس کا امر اور مشورہ طلب کیا جائے اور کنواری کے بارے میں تُسْتَاْذَنُ فرمایا جس کا معنی ہے کہ اس کا اذن اور اس کی رضا طلب کی جائے، کیونکہ بیوہ حکم دے گی اور شرمائے بغیر صراحۃً اشارہ کر دے گی۔ برخلاف کنواری کے کہ صراحۃً بات کہنے سے شرمائے گی، ہاں وہ اجازت دے گی اور راضی ہو جائے گی اگرچہ بزبان خاموشی ہی ہو۔

لہ اس کی خاموشی ہی اجازت ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے امر اور اذن کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے، لیکن علماء نے اس جگہ تفصیل بیان کی ہے، عورت کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ بیوہ بالغہ، اس کے بارے میں اتفاق ہے کہ اگر وہ عاقلہ ہے تو اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

۲۔ نابالغ کنواری، اس میں اتفاق ہے کہ اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ نابالغ ثیّبہ (شادی شدہ) احناف کے نزدیک اس کا نکاح اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے، شافعیہ کے نزدیک نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ کنواری بالغہ ہمارے نزدیک اجازت کے بغیر اس کا نکاح جائز نہیں جب کہ شافعیہ کے نزدیک جائز ہے۔

ہمارے نزدیک ولایت اور اختیار کا دارومدار عورت کے بالغ ہونے پر ہے اور اختیار نہ ہونے کا مدار نابالغ ہونے پر ہے، امام شافعی کے نزدیک ثیّبہ اور کنواری ہونے پر مدار ہے (یعنی ثیّبہ کو اختیار ہے کنواری کو نہیں)، ہمارے نزدیک حدیث بالغہ پر محمول ہے خواہ بیوہ ہو یا کنواری، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان۔ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ امام شافعی پر حجت ہے جیسے کہ مخفی نہیں (ان کے نزدیک کنواری کو اختیار نہیں لہذا اس سے اجازت بھی نہیں لی جائے گی جب کہ حدیث میں صاف اجازت لینے کا ذکر ہے ۱۲ قادری۔

۲۹۹۳
۲
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَ الْبِكْرُ تُسْتَاْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَ الْبِكْرُ تُسْتَاْمَرُ وَ اِذْنُهَا سُكُوْتُهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شوہر عورت اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اسکی خاموشی ہے، ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: بیوہ اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا سکوت ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: بیوہ اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کی ذات کے بارے میں اس کا باپ اجازت لے اور اس کی اجازت، اس کی خاموشی ہے[1]۔ (مسلم)

[1] یہ دونوں روایتیں معنی کے لحاظ سے ایک دوسری کے قریب ہیں اور ان کا ترجمہ ظاہر ہے (مترجم نے ترجمہ بھی لکھ دیا ہے ۱۲ قادری)۔

۲۹۹۳ وَعَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَ هِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نِكَاحَ اَبِيْهَا۔

حضرت خنساء بنت خذام[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا جب کہ وہ شادی شدہ تھیں انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں[2] تو آپ نے والد کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا[3] (بخاری) امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا۔

[1] خنساء خا پر زبر اور نون ساکن بنت خذام خا کے نیچے زیر اور اس کے بعد ذال، دونوں نقطے والے حرف ہیں، صحابیہ انصاریہ ہیں۔ (پہلے ان کی شادی ہو چکی تھی اور اس وقت کسی کے نکاح میں نہ تھیں۔ ۱۲ قادری)۔

[2] اور اپنا حال عرض کیا۔

[3] مصابیح میں لکھا ہے اس کا عورت کا نکاح رد کر دیا۔

عہ تمام روایات کا مطلب ایک ہی ہے۔

۲۹۹۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَ هِیَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَ زُفَّتْ اِلَیْهِ وَ هِیَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِیْنَ وَ لُعَبُهَا مَعَهَا وَ مَاتَ عَنْهَا وَ هِیَ بِنْتُ ثَمَانِ عَشَرَةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب وہ سات سال کی لڑکی تھیں عہ اور رخصتی لہ کے وقت وہ نو سال کی لڑکی تھیں اور ان کے کھلونے ۲ ان کے ساتھ تھے اور حضور کا وصال ہوا اور آپ ان سے جدا ہوئے تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

(مسلم شریف)

لہ زفاف زا کے نیچے زیر، دلہن کو شوہر کے گھر بھیجنا۔

۲ لُعَب لام پر پیش، عین پر زبر، لُعْبَۃ پہلے حرف پر پیش، دوسرا ساکن، کی جمع ہے جس کے ساتھ بچیاں کھیلتی ہیں (کھلونا)۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۹۹۶ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح نہیں ہے مگر ولی کے ذریعے (امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

عہ مرآۃ میں ہے: یعنی چھ سال کی ہو کر ساتویں سال میں داخل ہو چکی تھیں لہٰذا یہ روایت ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں آپ کی عمر اس وقت چھ سال مذکور ہے۔ بہر حال آپ اس وقت بالغہ نہ تھیں معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کر سکتا ہے نکاح کے لیے بلوغ شرط نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاللَّائِیْ لَمْ یَحِضْنَ یعنی جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور انہیں طلاق ہو جائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے اگر بچی نابالغہ کا نکاح درست نہ ہوتا تو اسے طلاق کیسی؟ اور اس کی عدت تین ماہ کیسی؟ آج بعض منکرین حدیث نابالغہ لڑکی کے نکاح کا انکار کرتے ہیں ان کا یہ انکار صریحی آیت قرآنی کے خلاف ہے یہاں مرقاۃ نے فرمایا: حضرت عائشہ کا نکاح چھ سال کی عمر میں حدیث متواتر سے ثابت ہے ۱۲۔

اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

لہ حضرات شافعیہ اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ نکاح تب ہی ہوگا جب ولی اسے منعقد کرے۔۔ عورتوں کے الفاظ سے نکاح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی اس وقت ہے کہ لڑکی نابالغہ ہو، یا یہ مطلب ہے کہ کامل نکاح نہیں ہوتا۔ نیز اس حدیث کے صحیح ہونے میں بھی کلام ہے، بہت سے ائمہ حدیث اسے صحیح نہیں مانتے۔

۲۹۹۷ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ نَکَحَتْ نَفْسَھَا بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِھَا فَلَھَا الْمَھْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِھَا فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے لہ اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے لہ تو اس کے لیے مہر ہے اس امر کے بدلے کہ اس مرد نے اس عورت کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا، پھر اگر رشتے دار جھگڑا کریں لہ تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے لہ

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)۔

لہ تین بار فرمایا، اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے، امام احمد سے لوگوں نے پوچھا ولی کے بغیر نکاح کے بارے میں کوئی چیز ثابت ہے؟ فرمایا اس سلسلے میں میرے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو نابالغ لڑکی مراد ہے، یہ وہ عام ہے جو دوسرے دلائل کی بنا پر مخصوص ہے۔

لہ جس عورت نے اذنِ ولی کے بغیر نکاح کیا ہے اگر مرد اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے تو اس عورت کے لیے طے شدہ مہر ہے یا مہر مثل (یعنی اگر معین نہیں ہوا تو اس کی قریبی رشتہ دار عورتوں جیسا مہر دیا جائے گا۔)

لہ آپس میں جھگڑا کر بیٹھیں، اشتجار، شین نقطوں والا اور جیم کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کرنا۔

سے اور یا باہمی اختلاف کے سبب کالعدم قرار پائیں گے اور سلطان ولی ہوگا

۲۹۹۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ وَالْاَصَحُّ اَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زانیہ عورتیں وہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کرتی ہیں[1] زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس پر موقوف ہے[2]۔ (ترمذی)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ گواہوں کے بغیر نکاح باطل ہے۔ یہی ائمہ کا مذہب ہے اور یہی صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ بعض متاخرین کا اس سے اختلاف کرنا صحیح نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ بینہ سے مراد ولی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نکاح ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بطور مبالغہ اسے زنا کہا گیا ہے کیونکہ اس میں اختلاف کے پائے جانے کے سبب اس میں شبہ ہے۔

[2] یعنی یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے، بعض محدثین نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

۲۹۹۹ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَتِيْمَةُ تُسْتَاْمَرُ فِي نَفْسِهَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي مُوْسٰى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یتیم بچی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت طلب کی جائے گی[1] اگر وہ خاموش ہو جائے تو یہی اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کر دے تو اس پر کوئی جبر نہیں ہے[2]۔ (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور امام دارمی نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کی)۔

[1] یعنی اس کے نکاح کے بارے میں، یتیمہ سے مراد کنواری بالغہ ہے، سابقہ حالت کی بنا پر اسے یتیم کہا گیا ہے۔

[2] اور اسے زجر و توبیخ نہ کی جائے کیونکہ وہ بالغ ہو چکی ہے۔

۳۰۰۰ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ اِذْنِ سَيِّدِهٖ فَهُوَ عَاهِرٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَ الدَّارِمِيُّ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ زانی ہے[1]۔

(امام ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

[1] یعنی مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے، پھر اگر اس نے اس نکاح کی بنا پر صحبت کی تو یہ صحبت حرام ہوگی اور وہ زانی ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مولا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح جائز ہے لیکن وہ نافذ تب ہوگا جب مولا اجازت دے گا، اس کی اجازت سے نافذ ہو جائے گا۔ جیسے کہ فضولی کا نکاح (موقوف ہوتا ہے)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۰۰۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ ناخوش ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا[1]۔

(ابوداؤد)

[1] وہ لڑکی بالغہ تھی یا خیار بلوغ مراد ہے جیسے کہ ہمارا مذہب ہے لیکن اس میں ناپسندیدگی شرط نہیں ہے ہو سکتا ہے اس کا ذکر اتفاقاً ہو۔

۳۰۰۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ہی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ زانیہ وہ ہے جو خود اپنا نکاح کرتی ہے[1]۔

(ابن ماجہ)

لہ مراد نابالغ لڑکی ہے ۱۲

۳۰۰۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُّلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اسْمَہٗ وَ اَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی اَبِیْہِ۔

حضرت ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھے[1] اور اسے اچھا ادب سکھائے[2] اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے[3]۔ اور اگر بالغ ہونے پر اس کا نکاح نہ کیا اور اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے[4]۔

لہ کیونکہ اچھا نام مرد کے لیے جمال و کمال کا سرمایہ ہے، یہاں تک کہ بعض علماء نے گمان کیا کہ نام کی نام والے میں تاثیر ہے، ہم نے اس بات کی شرح سفر السعادۃ میں مکمل طور پر وضاحت کی ہے۔

ٹہ اسے شریعت مبارکہ کے احکام، معیشت اور معاشرت کے آداب سکھائے جو اسے دنیا اور آخرت میں فائدہ دیں۔

سہ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ نکاح بالغ ہونے کے بعد کرے۔

کہ کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے اور اس گناہ کا سبب بنا ہے، یہ مبالغہ اور حصر بطور تشدید ہے۔

۳۰۰۴ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی التَّوْرَاۃِ مَکْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُہٗ اثْنَتَیْ عَشَرَۃَ سَنَۃً وَّلَمْ یُزَوِّجْھَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِكَ عَلَیْہِ۔

حضرت عمر بن خطاب اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے اس کا نکاح نہیں کیا اور اس لڑکی نے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا تو اس کا گناہ لڑکی کے باپ کے سر ہے۔

لہ حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں، یعنی بغیر گواہ نکاح نہ کرے یا غیر کفو میں نکاح نہ کرے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا اسی پر فتویٰ ہے دیکھو در مختار، یہ مطلب نہیں کہ بالغہ بغیر ولی کے نکاح نہیں کر سکتی ورنہ وہ خرابیاں لازم ہوں گی جو پہلے عرض کی گئیں ۱۲ مرآۃ۔

رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ

(یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں)

بَابُ إِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

۲۴۷- نکاح کے اعلان، خطبہ اور شرط کا بیان

اعلان کا معنی ہے مشہور کرنا۔ نکاح کا اعلان مستحب ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اگرچہ دف کے ساتھ ہو، دف بجانے میں اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ حرام ہے، بعض نے اسے مطلقاً مکروہ اور بعض نے مطلقاً جائز قرار دیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ بعض اوقات میں مباح (جائز ہے) جیسے عید کے دن، کسی کی آمد کے دن اور نکاح کے موقع پر اس کے علاوہ حرام ہے، بعض علماء نے فرمایا نکاح میں دف بجانا مستحب ہے۔ خطبہ کی خاء پر محدثین نے زیر اور پیش دونوں کو جائز قرار دیا ہے، زیر پڑھیں تو اس کا معنی پیغام نکاح ہے اور پیش پڑھیں تو اس سے مراد خطبۂ نکاح ہے اور ظاہر یہ ہے کہ پیش پڑھا جائے، قاموس میں ہے۔ خطبہ وہ مسجع نثر ہے جو حمد و ثنا، درود شریف اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو، نکاح میں خطبہ سنت ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر عقد میں خطبہ سنت ہے مثلاً خرید و فروخت وغیرہ۔ شرط سے مراد وہ شرط ہے جس کا ذکر نکاح صحیح یا فاسد میں کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۰۰۵ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِينَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ

حضرت رُبَیِّع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میری رخصتی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے جیسے کہ تم میرے بستر پر بیٹھے ہوئے ہو ہماری بچیوں نے دف بجانا شروع کی اور بدر کے دن شہید ہونے والے میرے باپ دادا کا مرثیہ گانے لگیں اتنے میں ان میں سے ایک نے کہا، ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں

وَرَضِيْتُ مِنِّيْ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تو آپ نے فرمایا اسے رہنے دو اور وہی کہو جو تم کہتی تھیں۔ (بخاری)

لہ رُبیع را پر پیش، باء پر زبر، یا مشدد کے نیچے زیر بنت معوّذ، میم پر پیش عین پر زبر، واو مشدد کے نیچے زیر اور آخر میں ذال بن عفراء عین پر زبر، فا ساکن، صحابیہ انصاریہ ہیں، درخت کے نیچے بیعت کرنے والی خواتین میں شامل تھیں عظیم المرتبت اور بلند پایہ خاتون ہیں، طویل عمر پائی۔

لہ یعنی جب مجھے شوہر کے گھر بھیج دیا گیا۔

لہ یہاں شخص سے خطاب ہے جس نے ان سے حدیث روایت کی

لہ بچیوں یا کنیزوں نے — دُف دال پر پیش، فا مشدد۔

لہ ان کے والد حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے شہداء میں سے ہیں، ابوجہل ملعون نے انہیں شہید کیا، حضرت معوذ کے دو بھائی حضرت معاذ اور حضرت عوف بھی بدر کے دن شہید ہوئے، بعض علماء نے کہا کہ حضرت معاذ بدر کے بعد ایک عرصہ تک حیات رہے واللہ تعالیٰ اعلم — ندبہ کا معنی ہے میت کے اوصاف و خصائل کو بیان کرنا یَنْدُبْنَ دال کے پیش کے ساتھ ہے۔

لہ علماء فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کہنے سے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کی طرف علم غیب کی نسبت کی گئی تھی (اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بکثرت علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے پھر بھی) یہ نسبت آپ کو پسند نہیں آئی، بعض علماء نے فرمایا کہ اس لیے منع فرمایا کہ لہو و لعب کے دوران آپ کا ذکر مناسب نہ تھا — اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دُف بجانا اور اشعار کا پڑھنا جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اشعار ترنم سے پڑھے جا رہے تھے، اور ایسے مواقع پر یہ جائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچیوں کو اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔

لہ امام ترمذی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳۰۰۶/۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ زُفَّتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنے انصاری شوہر کے ہاں بھیجی گئی لہ۔ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی کھیل

مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ[۲]. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نہ تھا؟ انصار کو تو کھیل پسند ہے۔[۲] (بخاری)

[۱] زفاف کا معنی ہے دلہن کو اس کے شوہر کے پاس بھیجنا

[۲] لہو سے مراد گانا ہے، اصل میں لہو کا معنی کھیل ہے، اس جگہ سے شادی اور رخصتی کے وقت گانے کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کی پسندیدگی کو برقرار رکھا ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گانے کو پسند کرنا انصار کی دائمی عادت تھی، دوسری فصل میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ احادیث آئیں گی۔

۳۰۰۷ وَعَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَوَّالٍ وَّبَنٰى بِيْ فِيْ شَوَّالٍ فَأَيُّ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَحْظٰى عِنْدَهٗ مِنِّيْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیا اور میری رخصتی بھی شوال میں ہوئی پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں کون مجھ سے زیادہ آپ سے بہرہ ور ہوئی۔[۱] (مسلم)

[۱] صراح میں ہے حظوہ پہلے حرف پر پیش اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، عورت کا مرد سے بہرہ ور ہونا فیض یاب ہونا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوال کے مہینے میں نکاح کرنا اور رخصتی مستحب ہے، جب کہ اہل جاہلیت اسے منحوس جانتے تھے، کیونکہ شوال کا معنی ہے، اٹھانا، مٹانا، زمین پر کھینچنا اور مکمل کرنا، اسی طرح بیان کیا گیا ہے (ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب ترین زوجہ مطہرہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ اگر شوال کا مہینہ منحوس ہوتا تو میرا نکاح اور رخصتی اس مہینے میں نہ ہوتی۔ ۱۲ قادری)۔

۳۰۰۸ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ الشُّرُوْطِ أَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے زیادہ وفا کرنے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے تم اپنے لیے ستر

بِہٖ الْفُرُوْجَ۔ | حلال کرتے ہوئے

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) | (صحیحین)

لہ پردے کے مقام اپنے لیے حلال کرتے ہو اور ان میں مخصوص تصرف کرتے ہو، اس شرط سے مراد یا تو حق مہر ہے یا وہ حق ہے کہ عورت زوجیت کی بنا پر اس کی مستحق ہوئی ہے (مثلاً نان و نفقہ اور رہائش) اور جب مرد نے یہ حقوق اپنے ذمہ لے لیے ہیں تو گویا اس نے شرط مان لی ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ ہر وہ شرط مراد ہے جسے عورت کو نکاح پر آمادہ کرنے کے لیے مرد تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ حرام اور مکروہ نہ ہو (یہ حکم عورت کو بھی شامل ہے، یوں تو ہر تسلیم شدہ شرط پوری کرنی چاہیے خصوصاً جو نکاح کے متعلق ہو اسے تو ضرور پورا کرنا چاہیے بشرطیکہ جائز ہو، مثلاً مرد کہے کہ تم پردہ کروگی، فلاں سے نہیں ملوگی، میری اجازت کے بغیر باہر نہیں جاؤ گی، غرض یہ کہ نکاح سے متعلق شرائط کا مرد وزن کو کچھ زیادہ ہی پاس ہونا چاہیے۔ ۱۲، قادری)۔

۳۰۰۹ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَۃِ اَخِیْہِ حَتّٰی یَنْکِحَ اَوْ یَتْرُکَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ بھائی نکاح کرے یا چھوڑ دے لہ

(صحیحین)

لہ اگر دوسرے مسلمان بھائی نے نکاح کر لیا تو پیغام نکاح دینے کا سوال ہی نہیں رہے گا اور اگر وہ ترک کر دے تو پیغام دے سکتا ہے۔

۳۰۱۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْاَلِ الْمَرْاَۃُ طَلَاقَ اُخْتِہَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَہَا وَلِتَنْکِحَ فَاِنَّ لَہَا مَا قُدِّرَ لَہَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت اپنی بہن لہ کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کا پیالہ خالی کر دے لہ اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا جائے لہ کیونکہ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے لہ

(صحیحین)

لہ بہن سے مراد وہ عورت ہے جو مرد کے نکاح میں ہے، دین کے اعتبار سے اسے بہن کہا گیا ہے جیسے مسلمان بھائی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص شادی شدہ ہے اور دوسری عورت کو نکاح کا پیغام دیتا ہے، دوسری

عورت کہتی ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو، یا ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک بیوی کو اپنے شوہر کی توجہ اور چاہت زیادہ حاصل ہے اس لیے وہ چاہتی ہے کہ مرد اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دے۔

سے مطلب یہ کہ صرف وہی مرد سے استفادہ کرے ــــ استفراغ اور تفریغ کا معنی یہ ہے کہ برتن میں جو کچھ ہے برتن کو اس سے خالی کر دینا، صحفہ پہلے صاد، پھر حا ساکن بڑا پیالہ ــــ دوسری کے پیالے کو خالی کر دینا دوسری صورت کے لحاظ سے ہے (کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہوں ان میں سے ایک چاہے کہ دوسری کا حصہ بھی وہی حاصل کر لے ۱۲ قادری)۔

سے یہ پہلی صورت کے لحاظ سے ہے (کہ عورت مرد کو کہے کہ پہلے اپنی بیوی کو طلاق دو پھر مجھ سے نکاح کر لینا ۱۲ قادری) اور اگر نکاح بمعنی جماع ہو تو دونوں فعل (لتستفرغ صحفتھا اور لتنکح) دوسری صورت کے لحاظ سے ہوں گے (یعنی ایک بیوی یہ چاہے کہ دوسری بیوی کی جگہ نان و نفقہ بھی اسے ہی مل جائے اور عمل زوجیت بھی صرف اسی سے ہو ۱۲ قادری)۔

سے اور جو اس کی قسمت میں ہے۔

۳۰۱۱/۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ يُّزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ ابْنَتَهٗ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شغار[1] سے منع فرمایا، اور شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے اور ان کے درمیان حق مہر نہ ہو[2] (صحیحین) امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اسلام میں شغار نہیں ہے[3]۔

لہ شغار شین کے نیچے زیر اس کے بعد غین۔

سے یعنی تبادلہ ہی مہر ہو، دور جاہلیت میں نکاح کی یہ قسم رائج تھی، اسلام میں اسے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ لغت میں شغر اور شغار کا معنی ہے کتے کا پیشاب کرتے وقت ٹانگ اٹھانا، شہر کا لوگوں سے خالی رہ جانا، کسی کو کسی جگہ سے نکال دینا، پینے کے پانی کا دور ہونا اور جنگل میں دور چلے جانا۔

سے یہ الفاظ باب غصب و عاریت میں گزر چکے ہیں۔

۳۰۱۲/۸ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے متعہ[1] اور پالتو گدھوں[2] کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

[1] متعہ کہتے ہیں ایک معین مدت کے نکاح کرنے اور اس مدت تک عورت سے نفع حاصل کرنے کو اور یہ ابتداء اسلام میں مباح تھا پھر حرام ہوگیا۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ متعہ دو بار حلال ہوا اور دو ہی بار حرام ہوا۔ پہلے جنگ خیبر سے قبل حلال تھا پھر خیبر کے دن حرام ہوا پھر فتح مکہ کے دن حلال ہوا اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام ہوگیا: امام نووی (شارح مسلم) نے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی ہے

[2] جنگلی گدھے جن کو گورخر کہتے ہیں ان سے منع نہیں فرمایا، بعض روایات میں ہے کہ خیبر کے دن گدھوں کے گوشت ہنڈیوں میں اُبل رہے تھے کہ ان کی حرمت کا حکم نازل ہوگیا چنانچہ وہ تمام گوشت زمین پر انڈیل دیے گئے ___ مشہور روایت کے مطابق اِنْسِیَّہ ہمزہ کے کسرہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے یہ انس یعنی انسان کی طرف نسبت ہے مطلب یہ کہ وہ گدھے جو انسانوں سے مل جل کر رہتے ہیں۔ بعض روایات میں ہمزہ پیش کے ساتھ بھی آیا ہے، اُنس کا معنی اُلفت اور آرام ہے۔ اَنَسِیَّہ پہلے دو حرفوں کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے یہ بھی اُنس ہمزہ پر پیش کے معنیٰ میں ہے۔

۳۰۱۳ / ۹ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلٰثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سلمہ بن اکوع[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوطاس[2] کے سال تین دن کے لیے متعہ کی اجازت دی پھر اس سے منع فرما دیا۔ (مسلم)

[1] سلمہ بن اکوع ہمزہ پر زبر، کاف ساکن، مشہور صحابی ہیں، نامور بہادروں اور تیر اندازوں میں سے ہیں، جو پیدل ہوتے ہوئے بھی سواروں کے لشکر پر حملہ آور ہوجاتے تھے۔ بیعت رضوان کے موقع پر حاضر ہوئے۔

[2] اوطاس ہمزہ پر زبر، واؤ ساکن، قبیلہ ہوازن کے علاقے میں ایک وادی جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں، یہ فتح مکہ کے متصل بعد کا واقعہ ہے اس لحاظ سے اس رخصت کو فتح مکہ کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے جیسے کہ امام نووی کے کلام میں واقع ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۳۱۰۴ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّشَھُّدَ فِی الصَّلٰوۃِ وَالتَّشَھُّدَ فِی الْحَاجَۃِ قَالَ التَّشَھُّدُ فِی الصَّلٰوۃِ التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَ التَّشَھُّدُ فِی الْحَاجَۃِ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ یَقْرَأُ ثَلٰثَ اٰیَاتٍ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یٰاَیُّھَا

دوسری فصل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا تشہد اور حاجت[1] میں پڑھا جانے والا تشہد سکھایا، فرمایا: نماز میں تشہد یہ ہے، تمام عبادتیں اور نمازیں اور خوبیاں اللہ کے لیے، آپ پر سلام ہو اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود برحق نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول ہیں اور حاجت کا تشہد یہ ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے، ہم اس سے مدد اور معافی طلب کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مستحق عبادت نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول اللہ ہیں[2] اور تین آیتیں پڑھے۔ (۱) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو (۲) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ وَ فِیْ جَامِعِ التِّرْمِذِیِّ فَسَّرَ الْاٰیَاتِ الثَّلٰثَ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ وَ زَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهٖ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ بَعْدَ قَوْلِهٖ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَ الدَّارِمِیُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ عَظِیْمًا ثُمَّ یَتَکَلَّمُ بِحَاجَتِهٖ وَ رَوٰی فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ خُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ النِّکَاحِ وَ غَیْرِهٖ)

مانگتے ہو اور رحم کی رشتہ داریوں سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے[۱]۔ (۳) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کہو۔ اللہ تمہارے کام سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ دارمی)۔ جامع ترمذی میں ہے کہ سفیان ثوری نے ان تین آیتوں کا ذکر کیا۔ ابن ماجہ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بعد نَحْمَدُهٗ کا اضافہ کیا[۲] اور مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا کے بعد وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا کا اضافہ کیا، دارمی نے فرمایا: عظیما[۳] کے بعد اپنی حاجت کا ذکر کرے ہے۔ شرح السنۃ میں ابن مسعود کی روایت میں خطبہ حاجت کے بیان میں حاجت کی تفصیل نکاح وغیرہ سے کی ہے[۴]۔

---

[۱] مثلاً نکاح وغیرہ جیسے کہ حدیث کے آخر میں آئے گا، امام شافعی کے نزدیک تمام عقود مثلاً خرید فروخت اور نکاح وغیرہ میں خطبہ سنت ہے اور حاجت کا اسی طرف اشارہ ہے۔

[۲] اس کی شرح کتاب الصلاۃ میں گزر گئی ہے۔

[۳] ان کلمات کی شرح بھی خطبہ کتاب میں گزر گئی ہے۔

؎ بعض نسخوں میں ہے۔ اَلَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا، محدثین فرماتے ہیں ممکن ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہو یا راوی نے آیت بالمعنی نقل کردی، ہو یہ دوسری وجہ بعید ہے قرآن پاک میں اس طرح ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ○ (۴/۱)

؎ اس صورۃ میں لازماً نَسْتَعِیْنُهٗ سے پہلے واؤ بھی زائد کی جائے گی۔

؎ آیات کے آخر میں

؎ جو مشکل اسے درپیش ہے اس کا ذکر کرے۔

؎ جیسے کہ ہم نے حدیث کے ترجمہ کی ابتداء میں بیان کیا۔

۳۰۱۵ (۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَشَهُّدٌ فَهِیَ كَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ خطبہ جس میں کلمہ تشہد نہ ہو وہ کوڑھی ہاتھ کی طرح ہے؎۔ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

؎ یعنی برکت سے محروم اور بے فائدہ ہے، جذام مشہور بیماری (کوڑھ) ہے۔

۳۰۱۶ (۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَّا یُبْدَاُ فِیْهِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ اہمیت والا کام جسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام ہے؎۔

(ابن ماجہ)

؎ علامہ سیوطی نے فرمایا، بال کا معنی دل ہے گُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ کا مطلب ہو وہ کام جس کی طرف دل کو متوجہ کیا جائے، بعض علماء نے کہا کام کو ذِیْ بَالٍ (دل والا) اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ کام دل کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے تو گویا دل کا مالک ہو گیا اور دل اس کی گرفت میں آگیا، بعض علماء نے کہا: بال کا معنی حال اور

شان ہے یعنی وہ خاص عالم جو مخصوص شان رکھتا ہو۔ بعض نے فرمایا: وہ کام جو عظیم الشان ہے۔ تمام معانی کا حاصل یہ ہے کہ وہ کام اہمیت اور شرافت کا حامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ کام جو شرافت اور عظمت والا ہے۔

۲؎ ایک روایت میں بحمد اللہ دوسری روایت میں لا یبدأ فیہ بذکر اللہ تیسری روایت میں ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیا ہے۔

۳؎ وہ اس قطع کیا ہوا اور ناتمام ہے ایک روایت میں ہے فھو اجذم۔ امام نووی شرح مسلم میں (مسلم شریف میں خطبہ کی شرح میں فرماتے ہیں، یہ سب روایات حافظ عبدالقادر رہاوی کی کتاب الاربعین میں بیان کی گئی ہیں، انہوں نے یہ حدیث حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے بیان کی اور مشہور حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور امام نسائی نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا، اقطع کا معنی کم برکت والا ہے اور اجذم کا بھی یہی معنی ہے۔

۳۰۱۷/۱۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَ اجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو اور اس پر دف بجاؤ۔

یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔[۱]

۱؎ یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث کے راوی عیسٰی بن میمون انصاری کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

۳۰۱۸/۱۴ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَ الدُّفُّ فِي النِّكَاحِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ

حضرت محمد بن حاطب جمحی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح میں حلال اور حرام کے درمیان فرق آواز اور دف ہے۔[۱]

(امام احمد، ترمذی)

وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ) (نسائی، ابن ماجہ)

لہ محمد بن حاطب پہلے حار الف کے بعد طار کے نیچے زیر، یہ دونوں حرف بغیر نقطے کے ہیں۔ اَلْجُمَحِیُّ ۔ جیم پر پیش میم پر زبر اس کے بعد حار بغیر نقطہ کے اکم عمر صحابی ہیں۔ بچپن میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، ان کے چچا خطاب بھی صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد بن حاطب پہلے وہ شخص ہیں جن کا نام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی پر رکھا گیا، حبشہ میں پیدا ہوئے اور سن چوہتر میں مکہ مکرمہ میں وصال ہوا۔

۲ہ آواز سے مراد لوگوں میں ذکر اور تشہیر ہے، چونکہ اس کے ساتھ دف کا ذکر ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ آواز سے گانا مراد لیا جائے کیونکہ دف کی طرح نکاح میں گانا بھی جائز ہے۔

۳۰۱۹/۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي جَارِيَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ أَلَا تُغَنِّيْنَ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ ۔

(رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيْحِهِ)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! تم گیت کیوں نہیں گاتیں لہ کیونکہ انصار کے اس محلے والے گیت کو پسند کرتے ہیں۔

(صحیح ابن حبان ۲ہ)

لہ یعنی کسی کو گانے کا حکم کیوں نہیں دیتیں۔؟

۲ہ ابن حبان حار کے نیچے زیر، بار مشدد، ائمہ حدیث میں سے ہیں —— اصل میں یہ جگہ خالی تھی یہ عبارت حاشیہ میں لکھی گئی تھی۔

۳۰۲۰/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُغَنِّيْ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُولُ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انصار میں سے اپنی کسی رشتہ دار کا نکاح کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: کیا تم نے دوشیزہ لڑکی کو رخصت کر دیا لہ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا، تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھیجا؟ ام المومنین نے عرض کیا نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِیْھِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَھَا مَنْ یَقُوْلُ اَتَیْنٰکُمْ اَتَیْنٰکُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

نے فرمایا، انصار ایسی قوم ہے جو غزل کو پسند کرتی ہے، اس لڑکی کے ساتھ کسی کو بھیجا ہوتا جو کہتا، ہم آگئے ہیں، ہم تمہارے پاس آگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں زندہ رکھے[3]۔

(ابن ماجہ)

[1] ہدیٰ اور اھداء کی نسبت دلہن کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے دلہن کو اس کے شوہر کے گھر روانہ کرنا۔

[2] مغازلۃ النساء کا معنی ہے عورتوں سے گفتگو کرنا، صراح میں ہے مغازلہ عورتوں سے باتیں کرنا، عشق بازی کرنا اسم غزل پہلے دو حرف مفتوح، اس جگہ مراد گانا اور غزل خوانی کرنا ہے۔

[3] حاشیہ میں ہے اس کا دوسرا مصرع یہ ہے وَلَوْلَا الْحِنْطَۃُ السَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارَاکُمْ (اور اگر گندم نہ ہو تو تمہاری جوان لڑکیاں فربہ نہ ہوں)۔

۳۰۲۱/۱۷ وَعَنْ سَمُرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ زَوَّجَھَا وَلِیَّانِ فَھِیَ لِلْاَوَّلِ مِنْھُمَا وَمَنْ بَاعَ بَیْعًا مِنْ رَجُلَیْنِ فَھُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْھُمَا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس عورت کا نکاح دو ولی کر دیں تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کی ہوگی[2] اور جس نے کوئی چیز دو آدمیوں کے پاس بیچی وہ ان دونوں میں سے پہلے کی ہوگی۔

(امام ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

[1] سمرہ سین پر زبر، میم پر پیش۔

[2] اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اس کی بیوی ہوگی جس کے ساتھ ولی نے پہلے نکاح کیا، اور یہ اس وقت ہے جب دونوں ولی ایک مرتبہ میں ہوں (مثلاً دو بھائی یا دو چچا ہیں۔ ۱۲ قادری) ورنہ ولی اقرب مقدم ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۰۲۲ / ۱۸ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَآءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَخْتَصِيْ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَّسْتَمْتِعَ فَكَانَ اَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ ثُمَّ قَرَءَ عَبْدُ اللّٰهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے تھے، ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں، ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو آپ نے ہمیں اس سے منع فرمایا، پھر متعہ[1] کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ہم میں سے ایک شخص ایک کپڑے[2] کے بدلے عورت سے ایک مدت تک کیلئے نکاح کرتا تھا، پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی اے ایمان والو اللہ کی حلال کی ہوئی پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ جانو۔ (صحیحین)

[1] معین مدت کے لیے نکاح کرنے۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق مہر میں دس درہم شرط نہیں ہیں، ہمارے نزدیک اس کی ایک تاویل ہے جو باب المہر میں آئے گی، ہوسکتا ہے کہ جب متعہ جائز تھا اس وقت مہر میں بھی وسعت تھی پھر یہ وسعت منسوخ ہوگئی۔

۳۰۲۳ / ۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْاَةَ بِقَدْرِ مَا يَرٰى اَنَّهٗ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحُ لَهٗ شَيْئَهٗ حَتّٰى اِذَا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ متعہ ابتداء اسلام میں تھا، ایک شخص کسی شہر میں جاتا جہاں اس کی شناسائی نہ ہوتی تو وہ کسی عورت سے اتنی مدت کے لیے نکاح کر لیتا جب تک اس کے خیال میں قیام کرنا ہوتا، وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کا کھانا تیار کرتی[1] یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی مگر اپنی بیویوں پر یا ان کنیزوں

اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

پر جن کے وہ مالک ہیں ؎۔ ابن عباس نے فرمایا ان دو کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔

(ترمذی)

؎ مشکوٰۃ شریف کے نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح واقع ہوا ہے نَشِیَّۃٌ شین پر زبر اور یا مشدد بمعنی مَشْوِیٌّ بھونا ہوا یعنی اس کا کھانا۔ مشکلات حدیث کے کسی شارح نے اس کا ضبط نہیں کیا اور اس کی تحقیق نہیں کی، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ مَنِیَّۃٌ ہے یعنی اس کی ضرورت وحاجت کی اشیاء کو درست کرتی، جامع ترمذی کے عربی رسم الخط والے قدیم قلمی نسخہ میں اسی طرح دکھایا گیا ہے۔

؎ اور جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ زوجہ نہیں ہے کیونکہ وہ بالاتفاق وارث نہیں بنتی ازدجہ تو وارث ہے، معلوم ہوا کہ وہ عورت زوجہ نہیں ہے، اور مملوکہ کنیز بھی نہیں ہے لہٰذا اس آیت کی رو سے حرام ہے ۱۲ قادری۔

۳۰۲۴ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی قَرَظَةَ ابْنِ كَعْبٍ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ فِيْ عُرْسٍ وَاِذَا جَوَارٍ يُغَنِّيْنَ فَقُلْتُ اَيْ صَاحِبَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلَ بَدْرٍ يُفْعَلُ هٰذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَ اجْلِسْ اِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَاِنْ شِئْتَ فَاذْهَبْ فَاِنَّهُ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ.

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

عامر بن سعد ؎ سے روایت ہے کہ میں حضرت قرظہ بن کعب ؎ اور حضرت ابو مسعود انصاری ؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شادی ؎ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بچیاں ؎ گا رہی ہیں میں نے کہا: اے ؎ رسول اللہ کے صحابیو! اور اے بدر والو ؎! تمہارے پاس یہ کچھ کیا جا رہا ہے ؎؟ ان دونوں نے فرمایا: اگر تو چاہے تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر سن اور اگر چاہے تو چلا جا کیونکہ ہمیں شادی کے موقع پر گانے کی اجازت دی گئی ہے ؎

(نسائی)

۱ے عامر بن سعد بن ابی وقاص مشہور تابعی ہیں۔

۲ے قرظہ قاف، را، اور ظا تینوں پر زبر ہے بن کعب انصاری صحابی ہیں۔

۳ے ابو مسعود انصاری مشہور صحابی ہیں۔

۴ے ولیمہ کے کھانے کو بھی عرس کہا جاتا ہے۔

۵ے دو بچیاں یا دو کنیزیں۔

۶ے اَیْ ہمزہ پر زبر اور یا ساکن، یَا کی طرح حرف ندا ہے۔

۷ے یہ دونوں حضرات اصحاب بدر میں سے تھے، البتہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض محدثین کہتے ہیں کہ انہیں اس معنی میں بدری کہا جاتا ہے کہ وہ بدر میں مقیم تھے، اس لیے نہیں کہ وہ جنگ بدر میں شامل تھے۔

۸ے کہ بچیاں گا رہی ہیں۔

۹ے اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مشہور و معروف یہ تھا کہ گانا مکروہ اور حرام ہے اور عید یا شادی بیاہ کی تخصیص بعض کو معلوم تھی اور بعض کو نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

۲۴۸۔ محرمات کا بیان

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح حرام کیا گیا ہے ـــــ محرمات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نسب کی وجہ سے جیسے مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ان کی حرمت ہمیشہ کے لیے ہے کسی طرح بھی حلال نہیں ہے (۲) مصاہرت کی بنا پر یہ حرمت نکاح کی بنا پر آتی ہے، ان میں سے بعض کی حرمت دائمی ہے جیسے ساس و بیٹے، پوتے پرپوتے وغیرہ کی بیوی، باپ، دادا وغیرہ کی بیوی اور اس عورت کی بیٹی جس کے ساتھ دخول کیا ہے، اور بعض کی حرمت دائمی نہیں ہے جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی اور خالہ (کہ اس وقت تک حرام ہیں جب تک بیوی نکاح میں رہے) ان کی ذات حرام نہیں، انہیں بیوی کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، ایک تیسری قسم بھی ہے جو دودھ کے رشتے کی وجہ سے حرام ہے، اس کی تفصیل احادیث اور فقہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۰۲۵ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْاَۃِ وَ عَمَّتِھَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْاَۃِ وَ خَالَتِھَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت اور اس کی پھوپھی کو اسی طرح عورت اور اس کی خالہ کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔
(صحیحین)

لہ پھوپھی اور خالہ علیا اور سفلی دونوں کو شامل ہے علیا جیسے دادا یا دادی یا اسی طرح نانا یا نانی کی بہن پھوپھی اور خالہ کی تخصیص اتفاقی ہے کیونکہ سوال ہی ان کے بارے میں کیا گیا ہوگا، دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے لیکن ان کا ذکر تو نص قرآن میں واقع ہے اس لیے اس جگہ ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۳۰۲۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَۃِ۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دودھ پینے سے وہ عورتیں حرام ہوتی ہیں جو پیدائش سے حرام ہوتی ہیں لہ
(بخاری)

لہ اس قاعدہ کلیہ سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ (۱) بہن کی ماں (سگی بہن کی رضاعی ماں، رضاعی بہن کی سگی ماں یا رضاعی بہن کی رضاعی ماں ۱۲ قادری) (۲) بیٹے کی بہن (سگے بیٹے کی رضاعی بہن یا رضاعی بیٹے کی سگی بہن) (۳) باپ کی بیوی (رضاعی باپ کی بیوی) (۴) رضاعی بیٹے کی بیوی وغیرہ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۳۰۲۷ وَعَنْھَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّیْ مِنَ الرَّضَاعَۃِ فَاسْتَاْذَنَ عَلَیَّ فَاَبَیْتُ اَنْ اٰذَنَ لَہٗ حَتّٰی اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

انہی سے روایت ہے کہ میرے دودھ کے چچا لہ آئے اور انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی، میں نے انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ لوں لہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف

فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لائے تو میں نے آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا: وہ تمہارے چچا ہیں انہیں اجازت دے دو، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے تو صرف عورت نے دودھ پلایا تھا مرد نے تو نہیں پلایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ تمہارے چچا ہیں وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں، اور یہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کی بات ہے۔ (صحیحین)

لہ ان کا نام افلح تھا وہ ابوالقُعَیس قاف پر پیش، عین پر زبر یا ساکن اور آخر میں سین، کے بھائی تھے یہ ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رضاعی باپ اور اس عورت کے شوہر تھے۔ جس نے حضرت عائشہ کو دودھ پلایا تھا، بعض علماء کہتے ہیں کہ ابوالقعیس حضرت عائشہ کے چچا تھے، بعض نے کہا افلح، ابوالقعیس کے بیٹے تھے بعض نے افلح، ابوالقعیس کا نام ہے۔

لہ کہ ان کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں؟

لہ اس عورت کا دودھ جس مرد سے ہے وہ تمہارا رضاعی باپ ہوا اور اس کا بھائی تمہارا رضاعی چچا ہوا۔

۳۰۲۸ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَإِنَّهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِيْ قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو اپنے چچا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی میں رغبت ہے؟ وہ قریش کی حسین ترین دوشیزہ ہیں، آپ نے انہیں فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے سبب وہ عورتیں حرام فرمادی ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ (مسلم)

لہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی اس اعتبار سے تھے کہ ابولہب کی کنیز ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امیر حمزہ کو دودھ پلایا تھا۔ پہلے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

پلایا چار سال بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پلایا۔

۳۰۲۹ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَۃُ اَوِ الرَّضْعَتَانِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَائِشَۃَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّۃُ وَ الْمَصَّتَانِ وَفِی اُخْرٰی لِاُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْاِمْلَاجَۃُ اَوِ الْاِمْلَاجَتَانِ هٰذِہٖ رِوَایَاتُ لِمُسْلِمٍ

حضرت ام فضل[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک یا دو دفعہ دودھ پلانا[2] حرام نہیں کرتا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ ایک یا دو دفعہ چوسنا حرام نہیں کرتا حضرت ام فضل کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک یا دو دفعہ منہ میں پستان دینا[3] حرام نہیں کرتا ـــــــ یہ امام مسلم کی روایات ہیں[4]۔

[1] حضرت ام فضل، حضرت عباس کی زوجہ محترمہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت فضل بن عباس کی والدہ اور حضرت ام المومنین میمونہ بنت حارث کی بہن تھیں ان کا نام لبابہ بنت حارث تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

[2] ایک روایت میں ہے وَلَا الرَّضْعَتَانِ، مراد ایک یا دو مرتبہ چوسنا ہے جیسے کہ دوسری روایت میں ہے۔

[3] ملج کا معنی ہے بچے کا ہونٹوں سے پستان کو پکڑنا اور املاج کہتے ہیں بچے کے منہ میں ماں کے پستان دینے کو۔

[4] اور ان کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تین بار چوسنا حرام کرتا ہے، بعض علماء اسی کے قائل ہیں، بعض کے نزدیک دس مرتبہ چوسنا حرمت کا سبب ہے اکثر علماء، صحابہ و تابعین اور ہمارے نزدیک تھوڑا اور بہت برابر ہے۔ ایک دفعہ چوسنا بھی حرام کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا (ایک بار ہو یا اس سے زیادہ) اور تمہاری دودھ کی بہنیں حرام ہیں ۱۲ قادری)۔

۳۰۳۰ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ فِیْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ یُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن پاک کی نازل کردہ آیات میں یہ آیت بھی تھی کہ دس معلوم چسکیاں حرام کرتی ہیں[1] پھر یہ پانچ چسکیوں کے ساتھ منسوخ

فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيْمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کر دی گئیں[۲] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو یہ قرآن میں پڑھی جاتی تھی[۳] (مسلم)

[۱] یعنی دس مرتبہ چوسنا جو یقیناً معلوم ہو حرمت لاتا ہے۔

[۲] یعنی تعداد کم کر دی گئی۔

[۳] یعنی پانچ چسکیوں کا حکم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری دنوں تک باقی تھا پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم باقی ہے۔ یہ امام شافعی اور اسحاق کا مذہب ہے اور جمہور کے نزدیک آیت کے اطلاق سے یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، اس آیت کی تلاوت کے باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جن حضرات کو نسخ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی وہ پڑھتے رہے ورنہ اگر اس کی تلاوت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری وقت تک باقی تھی تو یہ متروک کیسے ہو گئی؟ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے بعد تو نسخ ہو نہیں سکتا۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو حضرت علی مرتضیٰ اور اہل بیت کرام پر بھی اعتراض آئے گا کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ آیت کیسے ترک کر دی گئی؟ ۱۲ (قاری)۔

۳۰۳۱ - وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَاَنَّهٗ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اِنَّهٗ اَخِيْ فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک شخص تھا گویا آپ نے اسے ناپسند فرمایا، ام المؤمنین نے عرض کیا یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے تو آپ نے فرمایا[۱] غور کر لو کہ کون تمہارے بھائی ہیں؟ کیونکہ دودھ پینے کا حکم (کہ حرمت لائے) نہیں ہے مگر بھوک سے[۲] (صحیحین)

[۱] تمام عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

[۲] کہ شیر خوار کو دودھ سے سیری ہو جاتی ہے، ایسا بچپن میں ہوتا، اکثر ائمہ کے نزدیک دو سال مکمل ہونے سے پہلے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال میں، اس مدت میں بچے کی سیری کھانے سے نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ حرمت رضاعت بڑی عمر میں دودھ پینے سے نہیں ہوتی اور وہ شخص جو حضرت عائشہ کے پاس تھا اور حضرت عائشہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ میرا بھائی ہے اس نے بڑی عمر میں دودھ پیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مذہب یہ ہے کہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

۳۰۳۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِیْ اِهَابِ بْنِ عَزِیْزٍ فَاَتَتِ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَ الَّتِیْ تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ اَرْضَعْتِنِیْ وَلَا اَخْبَرْتِنِیْ فَاَرْسَلَ اِلٰی اٰلِ اَبِیْ اِهَابٍ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ وَقَدْ قِیْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَیْرَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عقبہ بن حارث[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابواہاب[2] بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ اور اس[3] لڑکی کو دودھ پلایا ہے جس سے انہوں نے نکاح کیا ہے حضرت عقبہ نے فرمایا (مجھے علم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور تو نے مجھے (اس سے پہلے) خبر بھی نہیں دی[4] ۔ انہوں نے لڑکی کے گھر والوں کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہمیں علم نہیں کہ[5] اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہے ۔ تو وہ سوار ہو کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور آپ سے اس مسئلے کا حکم پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس لڑکی سے نباہ کیسے کر سکتے ہو؟ جب کہ یہ کہا گیا ہے[6] حضرت عقبہ نے اس لڑکی کو جدا کر دیا اور اس نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا ۔

(بخاری)

[1] عقبہ بن حارث ، نوفل بن عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور صحابی ہیں ، فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور اہل مکہ میں شمار کیے جاتے ہیں ۔

[2] ابواہاب ہمزہ کے نیچے زیر بن عزیز عین پر زبر ، اس کے بعد دو زاء اور ان کے درمیان یاء ، عزت والا ، ذلیل کے مقابل ۔

[3] ابواہاب کی بیٹی کو ، پس یہ لڑکی حضرت عقبہ کی رضاعی بہن ہوئی اور ان کے درمیان نکاح باطل ہوتا ہے ۔

[4] اور نہ ہی میں نے یہ بات سنی ہے ۔

[5] کہ کیا تمہاری بیٹی کو اس عورت نے دودھ پلایا ہے ؟

[6] کہ وہ تمہاری دودھ کی بہن ہے ——— یعنی دودھ کا پلانا اگرچہ گواہی سے ثابت نہیں ہو سکا لیکن ،

مروت، تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرو اور اسے اپنے آپ سے جدا کر دو، اکثر علماء کے نزدیک یہ واقعہ اسی پر محمول ہے، وہ کہتے ہیں کہ رضاعت اس وقت ثابت ہو گی جب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں، امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی، بعض علماء کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی چاہیے امام احمد کے نزدیک دودھ پلانے والی کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جائے گی، ان کے نزدیک حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نکاح ناجائز ہے یہ نہیں کہ یہ ورع و تقویٰ کا تقاضا ہے، حدیث کا ظاہر مطلب وہی ہے جو جمہور نے کہا واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۳۳/۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ بَعَثَ جَیْشًا اِلٰی اَوْطَاسٍ فَلَقُوْا عَدُوًّا فَقَاتَلُوْهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَیْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَایَا فَكَاَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْیَانِهِنَّ مِنْ اَجْلِ اَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْ ذٰلِكَ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اَیْ فَهُنَّ لَهُمْ حَلَالٌ اِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حنین کے دن ایک لشکر اوطاس[1] کی طرف بھیجا، ان کا دشمن سے آمنا سامنا ہوا اور ان پر غالب آ گئے اور ان کی کچھ عورتیں گرفتار ہو گئیں پس گویا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے ان عورتوں کی صحبت میں حرج محسوس کیا[2] ان کے مشرک شوہروں کے سبب[3]، تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل کی اور تم پر شوہر والیاں[4] حرام کی گئی ہیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں ہوں، تو یہ عورتیں ان کے لیے[5] حلال ہیں جب ان کی عدت گزر جائے[6]۔

(مسلم)

[1] اوطاس، ہوازن کے علاقے میں ایک وادی۔
[2] ان عورتوں سے جماع کرنے کو گناہ خیال کرتے ہوئے اجتناب کیا۔
[3] یعنی جب ان کے شوہر موجود ہیں تو ان سے جماع کیسے کیا جا سکتا ہے۔
[4] ان کو محصنات اس لیے کہا گیا کہ مرد ان کی پاک دامنی کے محافظ ہوتے ہیں۔ ایک قرأت میں

محصنات صاد کی زیر کے ساتھ ہے کہ یہ عورتیں اپنی شرمگاہوں کو اپنے مردوں کے لیے محفوظ رکھتی ہیں۔

۵ غازیوں کے لیے، اگرچہ ان عورتوں کے شوہر زندہ ہی ہیں لیکن گرفتار ہونے پر ان کا نکاح ٹوٹ چکا ہے ۱۲ (قادری)۔

۶ ان کی عدت استبراء ہے ایک حیض آجائے یا بچہ پیدا ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۳۰۲۴ ‎‏/ ۱۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ اَخِيْهَا وَ الْمَرْاَةُ عَلٰى خَالَتِهَا اَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ اُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَ لَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ بِنْتِ اُخْتِهَا)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر یا عورت سے اس کی خالہ پر یا خالہ سے بھانجی پر۱، چھوٹی سے بڑی پر اور بڑی سے چھوٹی پر نکاح نہ کیا جائے۲

(امام ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی) امام نسائی نے یہ حدیث بِنْتِ اَخِيْهَا تک روایت کی ہے۳۔

۱ مطلب یہ کہ ان عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

۲ یہ حکم سابق کی تاکید ہے، چھوٹی سے مراد بھتیجی اور بھانجی اور بڑی سے مراد پھوپھی اور خالہ ہے۔

۳ اور وَلَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى سے آخر تک کا حصہ ان کی روایت میں نہیں ہے۔

۳۰۲۵ ‎‏/ ۱۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّ بِیْ خَالِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ ابْنُ نِيَارٍ وَّ مَعَهٗ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَيْنَ تَذْهَبُ قَالَ بَعَثَنِيَ النَّبِيُّ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ماموں ابوبردہ بن نیار۱ جھنڈا لیے۲ میرے پاس سے گزرے، میں نے کہا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ انہوں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِيْهِ اٰتِيَهٗ بِرَاْسِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَ النَّسَائِيِّ وَ ابْنِ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيِّ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ وَ اٰخُذَ مَالَهٗ وَ فِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ قَالَ عَمِّيْ بَدَلَ خَالِيْ)

نے فرمایا، مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے کہ اس کا سر لاکر آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

(امام ترمذی، ابوداؤد) امام ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ اس کی گردن ماردوں اور مال ضبط کرلوں اور اس روایت میں ماموں کی جگہ چچا کا ذکر ہے۔

لہ ابو بردہ با پر پیش بن نیار نون کے نیچے زیر اس کے بعد یار۔

لہ یہ جھنڈا انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا تاکہ اس بات کی نشانی ہو کہ انہیں کسی خاص کام کے لیے بھیجا گیا ہے جیسے کہ آپ لشکر کے سردار کو جھنڈا عطا فرماتے تھے۔

لہ اس لیے اس میں اختلاف واقع ہوگیا کہ حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت براء بن عازب کے ماموں ہیں یا چچا، وہ اکابر صحابہ میں سے ہیں، عقبہ ثانیہ میں ستر انصاری صحابہ کے ساتھ حاضر ہوئے، جنگ بدر اور دوسری تمام جنگوں میں حاضر ہوئے، حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگوں میں حاضر ہوئے اسی طرح حضرت براء بن عازب بھی حاضر ہوئے —— ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا قتل کرنا اور اس کا مال ضبط کرنا اس کے اس فعل کی سزا تھی کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا ممکن ہے کہ یہ حکم سیاست پر مبنی ہو، محدثین فرماتے ہیں کہ اس شخص کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ عورت اس کے لیے حلال ہے اور اس نے حکم شریعت کا انکار کیا تھا اس بنا پر اس کے قتل اور مال کی ضبطی کا حکم فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰۳۶/۱۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَ كَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دودھ پلانے کی کوئی قسم حرام نہیں کرتی۔ مگر پستان کا وہ دودھ جو انتڑیوں کو کھولے لہ اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو لہ۔

(ترمذی)

؎ کھانے کی طرح، اور معدے میں غذا کی جگہ لے اور ایسا دودھ پلانے کی مدت دو، اڑھائی سال میں ہی ہوتا ہے، یعنی رضاعت کا حکم بڑی عمر میں ثابت نہیں ہوتا ۔۔۔ فِی الثَّدْیِ (پستان میں) سے مقصد، دودھ پلانے کا عمل ذکر کر کے صورت واقعیہ کا بیان ہے، حرمت رضاعت کے ثبوت کے لیے شرط نہیں ہے کہ پستان ہی سے پلایا جائے (پیالی سے پلا دیا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی ۱۲ قادری) اسی لیے مِنَ الثَّدْیِ (پستان سے) نہیں فرمایا۔

؎ فِطام فا کے نیچے زیر یعنی مدت رضاعت میں ہو، یہ پہلے کلام کی تاکید ہے۔ فطم اور فطام بچے کا دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں۔

۳۰۲۷/۱۲ وَعَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْاَسْلَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا یُذْهِبُ عَنِّیْ مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حجاج بن حجاج اسلمی؎ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسی چیز مجھ سے دودھ پینے کا حق ادا کر سکتی ہے؎؟ فرمایا: پیشانی، غلام یا کنیز؎۔

(امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

؎ حجاج بن حجاج اسلمی ثقہ تابعی ہیں، امام احمد نے فرمایا ان میں کوئی عیب نہیں ہے اپنے والد حجاج اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو صحابی ہیں، مروان الحمار کے زمانے میں سن ایک سو اکتیس ؁۱۳۱ میں وصال ہوا۔

؎ کونسی چیز ہے؟ جسے ادا کرنے سے دودھ پلانے والی کا حق ادا ہو جائے گا اور میرے ذمے سے ساقط ہو جائے گا ۔۔۔ مَذِمَّۃٌ میم پر زبر، ذال کے نیچے زیر اور میم مشدد وہ چیز جو ذمہ پر ثابت اور اس کی رعایت نہ کرنے پر آدمی کی مذمت کی جائے، ذال پر زبر ہو تو یہ ذم کے معنی میں بھی آتا ہے، عربوں کے ہاں اس بات کو پسند کیا جاتا تھا کہ بچے کا دودھ چھڑانے کے بعد دودھ پلانے والی کو اجرت کے علاوہ بھی انعام و اکرام سے نوازا جائے۔

؎ غرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو درہم سے بڑی مقدار میں گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے شرافت والی چیز اور غلام اور کنیز کے معنی میں بھی آتا ہے چونکہ مملوک چیزوں میں بہترین اور شرافت والا وہ انسان ہے جو مملوک ہو اس لیے اسے غرہ کہتے ہیں، دودھ پلانے والی اپنے آپ کو خادم بنا دیتی ہے اس لیے اسے اس کے فعل جیسی جزا دی جاتی ہے یعنی اسے خدمت گار مملوک دیا جاتا ہے۔

۳۰۳۸ وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ الْغَنَوِيِّ[۱] قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَتْ امْرَاَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءَهُ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيلَ هٰذِهٖ اَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو الطفیل غنوی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خاتون آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھا دی وہ اس پر بیٹھ گئیں، جب وہ چلی گئیں تو کہا گیا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔

(ابو داؤد)

[۱] ابو الطفیل غنوی غین اور نون پر زبر، غنی بن اعصر کی طرف نسبت ہے جو آپ کے اجداد میں سے ہیں ان کا نام عامر بن واثلہ ہے، کم عمر صحابی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف کے آٹھ سال پانے کا شرف حاصل ہوا، یہ آخری صحابی ہیں جن کی وفات سے صحابیت کا دور ختم ہوگیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے تمام جنگوں میں ان کے ساتھ رہے۔

۳۰۳۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ[۱۵] الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهٗ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَّ فَارِقْ سَائِرَهُنَّ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ[۱] ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، دورِ جاہلیت میں ان کی دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ اسلام لے آئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چار کو اپنے پاس رکھو اور باقی عورتوں کو جدا کر دو[۲]۔

(امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] غیلان غین پر زبر، اور یا ساکن بن سلمۃ لام پر زبر۔

[۲] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے نکاح صحیح ہیں، جب وہ مسلمان ہوں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر یہ کہ ان کے نکاح میں کوئی ایسی عورت ہو جس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے تو ان کو جدا کر دیا جائے گا ۱۲ قادری، اسی طرح شارحین نے فرمایا ہے، لیکن یہ احتمال ہے کہ مطلب یہ ہو کہ چار عورتوں کو نکاح کے لیے منتخب کر لو

فافہم (خوب اچھی طرح سمجھ لو) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرد و زن میں سے ایک کا ایمان لانا، مرتد ہونے کی طرح موجب تفریق ہے جیسے کہ احناف کا مذہب ہے‌عہ فافہم ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب ایک ساتھ ایمان لائے تھے اور یہ بعید ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روکنے سے مراد نکاح ہو جیسے کہ ہم نے اشارہ کیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۴۰/۱۴ وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ أَسْلَمْتُ وَ تَحْتِيْ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَ أَمْسِكْ أَرْبَعًا فَعَمَدْتُ إِلٰى أَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِيْ عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

حضرت نوفل بن معاویہ‌لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اسلام لایا تو میرے نیچے پانچ عورتیں تھیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ایک کو جدا کر دو اور چار رکھ لو چنانچہ میں نے ان میں سے قدیم صحبت والی ساٹھ سال سے بانجھ عورت کا ارادہ کیا اور اسے جدا کر دیا۔

(شرح السنۃ)

لہ حضرت نوفل بن معاویہ صحابی ہیں، پہلے پہل فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوئے، اسلام اس سے پہلے لا چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں ان کی عمر ساٹھ سال تھی، اسلام میں بھی ساٹھ سال عمر گزاری، بعض محدثین نے فرمایا! مسلمان ہونے کے بعد سو سال حیات رہے یزید بن معاویہ کے زمانے میں وصال ہوا۔

۳۰۴۱/۱۷ وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَسْلَمْتُ وَ تَحْتِيْ أُخْتَانِ قَالَ اِخْتَرْ

حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی‌رض اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اسلام لایا ہوں اور میرے نیچے دو بہنیں ہیں، فرمایا: ان میں سے جس ایک کو چاہے

عہ احناف فرماتے ہیں کہ مرد و زن میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا وہ بھی اسلام قبول کر لے تو دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے اور اگر انکار کر دے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی (ملخصًا در مختار، باب نکاح الکافر) یعنی تفریق اس لیے نہیں کی جائے گی کہ دونوں میں سے ایک ایمان لے آیا ہے بلکہ اس لیے کی جائے گی کہ دوسرے نے اسلام لانے سے انکار کر دیا ہے، پیش نظر حدیث سے بلاشبہ یہ ظاہر ہے کہ یہ سب اکٹھے ایمان نہیں لائے مگر حضرت غیلان کے ایمان لانے پر تفریق نہیں کی گئی ۱۲ قادری۔

أَيَّتَهُمَا شِئْتَ. اختیار کرے [1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ترمذی، ابو داود، ابن ماجہ)

[1] ضحاک بن فیروز فارسی زبردیارسا کن، تابعی ہیں ان کی حدیث بصرہ کے محدثین نے روایت کی، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ حضرات میں کیا ہے، ان کے والد حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، حضرت نجاشی کے بھانجے اور یمن میں جھوٹی نبوت کے دعویدار اسود عنسی کے قاتل ہیں۔

[2] خواہ اس سے پہلے نکاح کیا ہو یا بعد میں، یہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد) کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ساتھ آگے پیچھے نکاح کیا تھا تو اسے اپنے پاس رکھے جس کے ساتھ پہلے نکاح کیا تھا کیونکہ اس وقت بعد والی کا نکاح ہی صحیح نہ تھا، یہ اس وقت ہے کہ دو بہنوں میں سے ایک کو پہلے نکاح کے ساتھ رکھنا چاہے اور اگر پہلی کو طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کرلے تو صحیح ہے ۱۲، قادری)۔

۳۰۴۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ قَدْ أَسْلَمْتُ وَ عَلِمَتْ بِإِسْلَامِيْ فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخَرِ وَ رَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّهَا أَسْلَمَتْ مَعِيْ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ أَنَّ جَمَاعَةً مِّنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت اسلام لائی اور اس نے نکاح کر لیا پھر اس کا شوہر [1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! میں اسلام لا چکا ہوں اور اسے [2] میرے اسلام کا علم تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دوسرے شوہر سے لے کر پہلے شوہر کے سپرد کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا وہ میرے ساتھ اسلام لائی تھی تو آپ نے وہ عورت انہیں واپس کر دی (ابو داود)

شرح السنۃ میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کی ایک جماعت کو پہلے نکاح کی بنا پر ان کے شوہروں

الْاَوَّلِ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اِجْتِمَاعِ الْاِسْلَامَیْنِ بَعْدَ اخْتِلَافِ الدِّیْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِیْدِ بْنِ مُغِیْرَةَ کَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَیَّةَ فَاَسْلَمَتْ یَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ اِلَیْهِ ابْنَ عَمِّهٖ وَهْبَ بْنَ عُمَیْرٍ بِرِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْیِیْرَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ حَتّٰی اَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهٗ وَاَسْلَمَتْ اُمُّ حَکِیْمٍ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَاَةُ عِکْرَمَةَ بْنِ اَبِیْ جَهْلٍ یَوْمَ الْفَتْحِ بِمَکَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰی قَدِمَ الْیَمَنَ فَارْتَحَلَتْ اُمُّ حَکِیْمٍ حَتّٰی قَدِمَتْ عَلَیْهِ الْیَمَنَ فَدَعَتْهُ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰی نِکَاحِهِمَا.

(رَوَاهُ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلًا)

پر لوٹا دیا دونوں[1] اسلاموں کے جمع ہونے کے وقت، دین اور ملک کے جدا ہونے کے باوجود، ان ہی میں سے ولید بن مغیرہ کی بیٹی ہیں وہ صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں، فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں، ان کے شوہر اسلام سے بھاگ گئے، ان کے چچازاد بھائی وہب بن عمیر کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر بطور امان دے کر صفوان کے پاس بھیجا، جب وہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں چار مہینے کی سیر وسیاحت کی اجازت عطا فرمائی یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے پھر ان کی بیوی ان کے پاس رہیں (اسی طرح) ام حکیم بنت حارث بن ہشام عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی فتح کے دن مکہ معظمہ میں ایمان لے آئیں اور ان کے شوہر اسلام سے بھاگ کر یمن پہنچ گئے، چنانچہ ام حکیم سفر کرکے ان کے پاس یمن پہنچ گئیں اور انہیں اسلام کی دعوت دی وہ اسلام لے آئے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہے۔

یہ حدیث امام مالک نے ابن شہاب سے مرسلاً روایت کی۔

[1] جس کے نکاح میں وہ پہلے تھی۔

ےہ ایک نسخے میں ہے عَلِمْتَ آپ کو میرے اسلام کا علم ہے یہ اسلام لانے کی توثیق ہے یعنی میرا اسلام کسی شک وشبہ سے خالی ہے۔

ےہ یعنی مرد اور عورت کا اسلام۔

ےہ یعنی اگرچہ دین مختلف ہو گیا کہ ایک ایمان لے آیا اور دوسرا نہیں لایا، اور اگرچہ دار مختلف ہو جائے کہ ایک دار اسلام میں ہو اور دوسرا دار کفر میں، اور ملک کا اختلاف موجب فرقت ہے لیکن اگر دونوں اسلام لے آئیں تو فرقت واقع نہیں ہو گی اور نکاح سابق باقی رہے گا۔

شہ ان کا والد جنگ بدر میں حالت کفر میں مارا گیا، یہ بھی غزوہ حنین اور طائف میں کافر تھے فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

ےہ اپنے شوہر سے ایک ماہ پہلے۔

شہ وہب بن عُمیر عین پر پیش اور میم پر زبر۔

شہ جیسے اہل مکہ کو حکم دیا تھا کہ چار ماہ کے لیے زمین کی سیر و سیاحت کریں اور جہاں چاہیں جائیں یہاں تک کہ حیران، پریشان اور نادم ہو جائیں جیسے قرآن پاک میں مذکور ہے پھر آکر اسلام لائیں۔

۹ہ ایک ماہ کے بعد

۱۰ہ ولید بن مغیرہ کی بیٹی۔

۱۱ہ حارث بن ہشام ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی ہیں، صحابی ہیں، اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں اور قریشی ہیں دور جاہلیت میں بھی اوصاف حمیدہ رکھتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی، فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور دل وجان سے مسلمان ہوئے۔

۱۲ہ عکرمہ بن ابوجہل۔

۱۳ہ شوہر کی تلاش میں یہ سفر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے کیا تھا۔

۱۴ہ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا، مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ، مہاجر سوار کو خوش آمدید! ایک روایت میں ہے کہ اٹھ کر انہیں سینے سے لگایا، وہ دل وجان سے اسلام لائے اور ان کے مناقب بہت ہیں۔

۱۵ہ ام حکیم اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۱۶ہ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مرد و زن میں سے ایک کے اسلام لانے سے فرقت واقع نہیں ہوتی جیسے کہ شافعیہ کہتے ہیں (حضرت ابوالطفیل غنوی کی روایت کی شرح میں حضرت شارح قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ احناف کے نزدیک

فرقت واقع ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہاں کا تسامح تھا ۱۲ قادری۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۰۴۳/۱۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِّمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَّمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمُ الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نسب سے سات عورتیں حرام کی گئی ہیں اور سسرالی رشتے[1] سے سات عورتیں حرام کی گئی ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی[2]: تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ (الآیہ) (بخاری)

[1] مصاہرہ وہ رشتے داری جو نکاح کی بنا پر حاصل ہو۔

[2] اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے یہ آیت آخر تک پڑھی کیونکہ یہ آیت ان تمام عورتوں کے ذکر پر مشتمل ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور مصاہرت کی بنا پر حرام ہونے والی اکثر عورتوں پر مشتمل ہے۔ عنوان باب کی شرح میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۰۴۴/۲۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَاَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّنْكِحَ اُمَّهَا دَخَلَ بِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِهٖ اِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيْعَةَ وَالْمُثَنَّى ابْنُ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے صحبت کرے تو اس کے لیے اس عورت کی بیٹی سے نکاح حلال نہیں اور اگر اس کے ساتھ صحبت نہیں کی تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے[1]۔ اور جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے حلال نہیں کہ اس کی ماں سے نکاح کرے خواہ اس کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ[2]۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا، یہ سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ اسے صرف ابن لہیعہ[3] اور مثنی بن صباح

الصَّبَاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ۔

نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے اور وہ دونوں حدیث میں ضعیف ہیں۔

۱؎ اگر چاہے تو، لیکن پہلی منکوحہ سے علیحدگی (اور اس کی عدت گزر جانے) کے بعد، کیونکہ ماں اور بیٹی کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی بیٹی سے نکاح کے حرام ہونے میں اس عورت کے ساتھ دخول شرط ہے، اس عورت کی ماں سے نکاح کے حرام ہونے میں دخول شرط نہیں ہے۔ یہ دونوں حکم قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

۳؎ ابن لہیعہ لام پر زبر اور ہا کے نیچے زیر۔

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ

۲۴۴۔ مباشرت کا بیان

مباشرت کا اصل بَشَرہ اور بشرہ کا معنی انسان کی ظاہری جلد جو بالوں سے خالی ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان کو بشر کہتے ہیں کہ اس کی جلد بالوں سے خالی ہوتی ہے جب کہ دوسرے حیوانات میں ایسا نہیں ہوتا، مباشرت کا معنی ہے جلدوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ملنا۔ بطور کنایہ اس سے مراد جماع لیتے ہیں کہ اس میں مرد و زن کا جسم اور جلد ایک دوسرے سے ملتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۰۴۵ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتِ الْيَهُوْدُ تَقُوْلُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِيْ قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَاۤؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جب مرد عورت کے پیچھے سے اس کی فرج میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو تم اپنی کھیتیوں کو آؤ جیسے چاہو۔ (صحیحین)

لہ یعنی جماع تو اس کی اگلی جانب کرتا ہے جیسے کہ عادت ہے لیکن پشت کی جانب سے دخول کرتا ہے۔

سلہ کہ وہاں سے نتیجہ (اولاد کی صورت میں) حاصل ہوتا ہے۔

سلہ جس کیفیت اور جس طریقے سے چاہو، جب کہ کھیتی کی جگہ میں آؤ، کہ وہاں سے نتیجہ حاصل ہو، آیت مبارکہ میں اَنّٰی بمعنی کَیْفَ ہے یعنی کسی ہیئت اور وضع کی تخصیص نہیں ہے، اس جگہ اَنّٰی بمعنی مکان نہیں ہے حتیٰ کہ یہ معنی ہو کہ جہاں چاہو آؤ کیونکہ محل لواطت، کھیتی کی جگہ نہیں ہے ۱۲ قادری)۔

۳۰۴۴ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا۔

اُن ہی سے روایت ہے کہ ہم عزل[۱] کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا[۲]۔ (صحیحین) امام مسلم نے یہ اضافہ کیا: یہ بات[۳] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ہمیں منع نہیں فرمایا[۴]

لہ عزل عین بغیر نقطہ کے اور زاء نقطہ والی، نطفہ کو اس طرح خارج کرنا کہ رحم میں واقع نہ ہو۔

سلہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی نازل ہوتی تھی، ہم عزل کرتے تھے ہمیں اس سے منع نہیں کیا گیا۔

سلہ ہمارے عزل کرنے کی خبر۔

سلہ مطلب یہ کہ عزل کی ممانعت نہ تو کتاب اللہ سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے اس سے معلوم ہوا کہ عزل مباح ہے۔

۳۰۴۵ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میری ایک لونڈی ہے جو ہماری خادمہ ہے اور میں اس سے مباشرت کرتا ہوں[۱] اور اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں، فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کرو کیونکہ جو کچھ اس کے لیے مقدر[۲] ہے، وہ اسے اگر رہے گا[۳] وہ شخص کچھ وقت کے بعد پھر بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور

اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہنے لگا، لونڈی حاملہ ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا، میں نے تجھے پہلے ہی خبر دی تھی کہ جو اس کیلئے مقدر ہے وہ اسے آکر رہے گا۔ (مسلم)

۱؎ طواف کہتے ہیں کسی چیز کے گرد چکر لگانے کو، مراد یہ ہے کہ میں اس سے وطی کرتا ہوں۔

۲؎ مطلب یہ کہ اگر تم چاہتے ہو کہ حاملہ نہ ہو تو بے شک عزل کر لو لیکن اس کا فائدہ نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی اولاد۔

۴؎ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عزل مباح ہے، لیکن اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

۳۰۴۸ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ غَزْوَةِ بَنِى الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْيًا مِّنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَّعْزِلَ وَقُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَّسْاَلَهُ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَّسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا وَهِىَ كَائِنَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ بنو المصطلق میں نکلے، ہم نے عرب کے غلاموں میں سے کچھ قیدی پائے، پس ہم نے عورتوں کی رغبت کی اور بیویوں کے بغیر رہنا ہمارے لیے مشکل ہو گیا، ہم نے عزل کو پسند کیا ہم نے عزل کا ارادہ کیا اور ہم نے کہا کیا ہم پوچھے بغیر عزل کریں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں، ہم نے اس بارے میں آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، تم ایسا کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں، جو روح بھی قیامت کے دن تک پیدا ہونے والی ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ (صحیحین)

لہ مُصطلق میم پر پیش، صاد ساکن، طاء پر زبر، لام کے نیچے زیر اس پر زبر بھی آئی ہے، آخر میں قاف، ایک قبیلے کا نام ہے (یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا ۱۲ مرآۃ)۔

لہ عُزبہ عین پر پیش، زا ساکن، اس کے بعد باء ــــــ عورت کے بغیر یا مرد کے بغیر ہونا عَزَب، پہلے دونوں حرفوں پر زبر ــ مرد جو عورت کے بغیر ہو۔

لہ بطور استبعاد و انکار۔

لہ ایک روایت میں ہے لاعلیکم (معنی ایک ہی ہے) لا زائد ہے، ایک روایت میں ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اگر تم عزل کرو تو تم پر گناہ نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ تم پر واجب نہیں کہ عزل نہ کرو، اب لا زائدہ نہیں ہوگا۔

لہ جیسے کہ گزشتہ حدیث میں فرمایا، فانہ سیاتیھا ما قدرلہا اس کنیز کے لیے جو کچھ مقدر ہے وہ آکر رہے گا۔ نسمۃ پہلے دونوں حرف مفتوح، روح، انسان۔

۳۰۷۹ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَآءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ۔	ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا[1] تو آپ نے فرمایا: ہر منی سے بچہ نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی[2]۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

لہ کہ اس کا حکم کیا ہے؟ جائز یا ناجائز۔

لہ یعنی تمہارا خیال ہے کہ منی کا رحم میں گرانا بچے کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور عزل، بچے کے پیدا نہ ہونے کا سبب ہے۔ جیسے تم نے وہم کیا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے، کئی دفعہ منی رحم میں گراتے ہیں لیکن بچہ پیدا نہیں ہوتا اور کئی دفعہ عزل کرتے ہیں اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے، یہ صحیح ہے کہ بچہ نطفے سے پیدا ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ عزل کی صورت میں غیر اختیاری طور پر نطفے کا کچھ حصہ رحم میں واقع ہو جائے اور بچہ پیدا ہو جائے اگر تقدیر الٰہی میں بچے کا پیدا ہونا طے ہے تو وہ بغیر نطفے کے بھی پیدا کر سکتا ہے[3]، اور یہ تو عموماً ہوتا ہے کہ نطفہ رحم میں

لہ اس حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا کرنا چاہے اسے کوئی شے نہیں روک سکتی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

واقع ہوتا ہے اور بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

ان احادیث سے عزل (برتھ کنٹرول) کی اباحت معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی اس کے مکروہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، ہمارا اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ عورت اگر آزاد ہے تو اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں ہے اور اگر کنیز ہے تو جائز ہے خواہ منکوحہ ہو یا مملوکہ ۔ اس کی اجازت کی ضرورت نہیں، بعض علماء نے کہا کہ اگر کنیز منکوحہ ہے تو اس کے مالک کی اجازت معتبر ہے۔

۳۰۵۱/۶ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْزِلُ عَنِ امْرَاَتِیْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ الرَّجُلُ اُشْفِقُ عَلٰی وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَ الرُّوْمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اپنی بیوی [1] سے عزل کرتا ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں اس کے بچے پر خوف کھاتا ہوں [2]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ فعل نقصان دہ ہوتا تو فارس اور روم والوں کو نقصان دیتا [3]۔

(مسلم)

[1] اس عورت کا شیر خوار بچہ بھی تھا۔

[2] کہ یہ فعل اسے نقصان نہ دے، اشفاق ہمزہ کی زیر کے ساتھ، ازراہ مہربانی اس بات سے ڈرنا کہ کوئی چیز کسی آدمی کو نقصان نہ پہنچا دے، مُشفِق اور شفیق اسی سے مشتق ہے، بچے کے نقصان کا خوف اس لحاظ سے تھا کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ دودھ پلانے کی حالت میں عورت سے جماع کرنا اور عورت کا حاملہ ہو جانا بچے کو نقصان پہنچاتا ہے جسے وہ دودھ پلا رہی ہو کیونکہ دودھ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، نیز حمل کے زمانے میں

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں، اس شے میں بڑی وسعت ہے یعنی عزل، فرنچ لیدر (FRENCH LEATHER)۔ مانع حمل دوائیں، خاندانی منصوبہ بندی کی تدابیر وغیرہ کوئی شے آنے والے بچے کو نہیں روک سکتی آج تقدیر کے سامنے سائنس سر ٹیک گئی ۱۲ (مراۃ)۔

دودھ کم اور خشک ہو جاتا ہے اور پیٹ میں پیدا ہونے والے بچے کو یہ دودھ نقصان دیتا ہے اور اسے (عربی میں) غیلہ کہتے ہیں غین کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ زبر صرف اس وقت پڑھ سکتے ہیں جب تا کو حذف کردیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ تا کی موجودگی میں زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، غیلہ، قتل اور ہلاکت کے معنی میں آتا ہے جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

سے جو اس عمل کے عادی ہیں اور انہیں یہ عمل نقصان نہیں دیتا، لہٰذا اس خوف سے عزل نہ کرو کہ عورت حاملہ ہو جائے گی۔ اس جگہ عزل کی ممانعت میں مبالغہ ہے۔

۳۰۵۱ - وَعَنْ جُذَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُنَاسٍ وَّهُوَ يَقُوْلُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَاِذَا هُمْ يُغِيْلُوْنَ اَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَاَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جذامہ بنت وہب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں کچھ لوگوں[2] کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئی کہ آپ فرما رہے تھے کہ میں نے غیلہ سے منع کرنے کا ارادہ کیا[3] پھر میں نے روم اور فارس والوں میں غور کیا تو اچانک میں نے دیکھا کہ وہ اپنی اولاد کا غیلہ کرتے ہیں[4] اور یہ فعل ان کی اولاد کو کچھ نقصان نہیں دیتا[5]، پھر صحابہ نے آپ سے عزل کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خفیہ زندہ درگور کرنا ہے[6] اور یہ قبیح خصلت اس آیت کے مضمون کے نیچے داخل ہے کہ جب زندہ درگور کی ہوئی سے پوچھا جائے گا۔ (مسلم)

لہ جُذامہ جیم پر پیش، ذال مخفف بنت وہب واؤ پر زبر، ہا ساکن، مہاجرہ صحابیات میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ایمان لائیں اور اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کی، کہتے ہیں کہ وہ حضرت عکاشہ کی ماں کی طرف سے بہن کی بیٹی ہیں۔

کہ اُناس ہمزہ پر پیش اور اِنس ہمزہ کی زیر کے ساتھ، انسانوں کو کہتے ہیں۔

کہ لوگوں میں مشہور عقیدے کی بنا پر۔

کہ اور حمل کے دنوں میں دودھ پلاتے ہیں۔

۵ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا ارادہ اور اسے ترک فرمانا اجتہاد پر مبنی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ واؤ ہمزہ کے ساتھ، بچے کو زندہ درگور کرنا۔ اسے خفیہ اس اعتبار سے فرمایا کہ حقیقۃً اور ظاہراً زندہ درگور کرنا نہیں ہے، کیونکہ اس میں جان کا نکالنا نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے مشابہ اور اس کے حکم میں ہے۔ لہٰذا مکروہ ہوگا، بعض علماء عزل کو منع فرماتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر حق یہ ہے کہ عزل جائز ہے، یہ حدیث منسوخ ہے۔

۱۲ مراۃ بحوالہ مرقاۃ

۳۰۵۲/۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ الرَّجُلَ یُفْضِیْ اِلَی امْرَاَتِہٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْہِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑی امانت[۱] اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مرتبے والا وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جائے[۲] اور بیوی اس کے پاس آئے پھر وہ اس کا پوشیدہ راز ظاہر کرے[۳]

(مسلم)

۱ جس میں مرد خیانت کرے اور قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

۲ اور اس کے ساتھ مباشرت اور جماع کرے۔

۳ جیسے کہ اوباش اور گھٹیا لوگوں کی عادت ہے (کہ پہلی رات کی مخفی باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں ۱۲ قادری) سِرّ بمعنی جماع بھی آتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عورت کے کچھ عیوب مراد ہیں یا وہ باتیں مراد ہیں جو اس وقت میاں بیوی میں ہوتی ہیں اور ان کا بیان کرنا بے شرمی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۰۵۳/۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُوْحِیَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِسَآؤُکُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی، تمہاری بیویاں تمہاری

حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ الْآيَةَ أَقْبِلْ وَ أَدْبِرْ وَ اتَّقِ الدُّبُرَ وَ الْحِيضَةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

کھیتیاں ہیں تو تم اپنی کھیتیوں کو آؤ" آگے کی جانب سے یا پچھلی جانب سے آؤ اور دبر اور حالت حیض سے بچو (امام ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

لہ یہ آیت کریمہ فاتوحرثکم کی تفسیر ہے۔ اس میں یہودیوں کی مخالفت ہے کہ پچھلی جانب سے وطی کرنے سے منع کرتے تھے جیسے کہ پہلی فصل میں بیان ہوا۔

۳۰۵۴ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت خزیمہ بن ثابت لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا لہ تم عورتوں کو ان کی دبروں میں نہ آؤ (ان سے لواطت نہ کرو)۔ (امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

لہ خزیمہ خا پر پیش، زا پر زبر بن ثابت انصاری صحابی ہیں جنگ بدر اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے دن ان کی قوم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا، جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیے گئے تو انہوں نے تلوار کھینچی اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کا لقب ذوالشہادتین (دو گواہیوں والے) ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کے برابر قرار دی تھی ۱۲ قادری)۔

لہ اس میں انتہائی تاکید اور شدید حرمت پر تنبیہ ہے، یعنی یہ ایسی بات ہے کہ اس کا بیان کرنا بھی مکروہ ہے اگرچہ بطور ممانعت ہو لیکن حکم شرعی بیان کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

۳۰۵۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شخص ملعون ہے لہ جو اپنی بیوی کی دبر میں آئے (اس سے لواطت کرے)۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ) (امام احمد، ابوداؤد)

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قرب اور اس کی رضا سے دور کیا گیا ہے، ایک نسخہ میں ہے اِمْرَاۃً یعنی کسی عورت کو، ظاہر ہے کہ اجنبی عورت سے لواطت کرنا زیادہ شدید حرام اور گناہ ہے۔

۳۰۵۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ[۱۲] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ یَاْتِیْ اِمْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کی دبر میں آتا ہے (لواطت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ) (شرح السنۃ)

۳۰۵۷/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِ امْرَاَةً فِی الدُّبُرِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں آیا[۱]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

لہ اس میں شک نہیں کہ مرد سے لواطت زیادہ قبیح اور شنیع ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا، بعض علماء نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اپنی بیوی اور کنیز کے بارے میں ان کا کوئی قول ہے۔

۳۰۵۸/۱۴ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَاِنَّ الْغَیْلَ یُدْرِكُ الْفَارِسَ فَیُدَعْثِرُهٗ عَنْ فَرَسِهٖ۔

حضرت اسماء بنت یزید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اپنی اولاد کو خفیہ[۲] قتل نہ کرو کیونکہ غیل گھوڑے سوار کو آلیتا ہے اور اسے گھوڑے سے پچھاڑ دیتا ہے[۳]۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد)

لہ حضرت اسماء بنت یزید، صحابی کی بیٹی، انصاریہ صحابیہ ہیں، بڑی دانا تھیں، جنگ یرموک میں حاضر ہوئیں اور خیمے کی لکڑی سے نو کافروں کو قتل کیا۔

۲ے یہ غیلہ سے کنایہ ہے (عورت کا دودھ پلانے کی حالت میں حاملہ ہو جانا) کہ وہ قتل کے حکم میں ہے۔
۳ے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے، یعنی غیل کا اثر مزاج کے بگاڑ اور قوی کے ضعف سن بلوغ کو پہنچنے تک باقی رہتا ہے، لہٰذا جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرتے وقت کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے کی پشت سے گر پڑتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے، اس حدیث سے غیل کا اثر ثابت ہوتا ہے، جب کہ گزشتہ احادیث میں اس کی نفی ہوتی ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ نفی کا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مؤثر حقیقی نہیں ہے جیسے کہ دور جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فی الجملہ سبب عادی ہے۔ ——— ظاہر یہ ہے کہ ممانعت اور اس کا ترک دونوں باتیں اجتہاد سے تھیں، پہلے کوئی دلیل سامنے آئی تو ممانعت فرمادی، بعد ازاں اہل فارس و روم کے حال میں غور و فکر فرمایا اور دیکھا کہ انہیں نقصان نہیں پہنچتا تو ممانعت ترک فرمادی جیسے کہ حضرت جذامہ کی حدیث کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۵۹ ‎/‎ ۱۵ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ اِلَّا بِاِذْنِهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

۱ے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کنیز سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ہمارا مذہب ہے۔

باب

۲۵۰۔ گزشتہ باب کے لواحق اور تتمات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۳۰۶۰ ‎/‎ ۱ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عروہ ۱ے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِي بَرِيْرَةَ خُذِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے انہیں بریرہ[۲] کے بارے میں فرمایا انہیں خرید لو اور آزاد کر دو[۳] حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا[۴] تو انہوں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا[۵] اور اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو آپ بریرہ کو اختیار نہ دیتے[۶]۔ (صحیحین)

[۱] حضرت عروہ بن زبیر اکابر تابعین میں سے ہیں اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں۔

[۲] بریرہ بار پر زبر، پہلی را کے نیچے زیر، حضرت عائشہ کی آزاد کردہ کنیز، پہلے یہودیوں کی ملک تھیں۔ حضرت عائشہ نے انہیں یہودیوں سے خرید لیا، ان کا واقعہ کتاب البیوع میں گزر چکا ہے۔

[۳] چنانچہ ام المومنین عائشہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

[۴] کہ آزادی کے بعد شوہر کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں، اسے خیار عتق کہتے ہیں یعنی کنیز کسی مرد کے نکاح میں ہو پھر وہ آزاد ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ اس مرد کو اختیار کرے یا نہ کرے جیسے کہ خیار بلوغ ہوتا ہے۔

[۵] شوہر کے ساتھ رہنا قبول نہ کیا اور ان سے الگ ہو گئیں۔

[۶] یہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد) کا مذہب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آزادی کے بعد عورت کے لیے اختیار اس شرط پر ثابت ہوگا کہ اس کا شوہر غلام ہو تاکہ اسے یہ عار نہ ہو کہ آزاد، غلام کے نکاح میں کیسے ہو گی؟! امام ابو حنیفہ کے نزدیک اختیار ثابت ہے اگرچہ شوہر آزاد بھی ہو، امام اعظم کے نزدیک اختیار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اسے ملک کی زیادتی قبول نہ کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ مرد، آزاد عورت کو تین طلاقیں دے سکتا ہے لونڈی کو دو طلاقیں دے سکتا ہے، گویا ان کے نزدیک یہ زیادتی حدیث میں ثابت نہیں ہے کہ اگر حضرت بریرہ آزاد ہوتیں تو آپ انہیں اختیار نہ دیتے، یا راوی نے اپنے عقیدے اور مذہب کی بنا پر حدیث میں یہ کلمات شامل کر دیئے ہیں، اس مسئلے کی تحقیق اصول فقہ میں ہے، اگر زوجین کو بیک وقت آزاد کر دیا جائے تو اس پر اتفاق ہے کہ اختیار ثابت نہیں ہوگا اور اگر شوہر کو آزاد کیا جائے تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا، خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی۔

۳۰۶۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهٗ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَ دُمُوْعُهٗ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَ مِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِهٖ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر سیاہ فام غلام تھے، جنہیں مغیث[1] کہا جاتا تھا، گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مدینہ طیبہ کی گلیوں[2] میں روتے ہوئے[3] بریرہ کے پیچھے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی داڑھی پر بہ رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا! اے عباس کیا آپ بریرہ سے مغیث کی محبت اور مغیث سے بریرہ کی نفرت پر تعجب نہیں کرتے[4]؟ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اچھا ہوتا کہ تم اس کی طرف رجوع کر لیتیں[5] انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں[6]؟ فرمایا، میں صرف سفارش کر رہا ہوں[7] انہوں نے کہا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

(بخاری)

[1] مغیث میم پر پیش، غین کے نیچے زیر۔

[2] سکک، سین کے نیچے زیر، پہلے کاف پر زبر، سِکَّۃ کی جمع۔

[3] بریرہ کی جدائی میں

[4] کسی شاعر (حافظ شیرازی) نے کہا ہے۔

میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

میرا میلان وصال کی طرف اور اس کا جدائی کی طرف ـــــــ میں نے اپنی خواہش چھوڑ دی تاکہ محبوب کی خواہش پوری ہو جائے۔

[5] حضرت بریرہ کو فرمایا، کیا اچھا ہوتا کہ تم مغیث کو بحیثیت شوہر قبول کر لیتیں۔

[6] یعنی اگر آپ کا حکم ہے کہ میں رجوع کر لوں تو تعمیلِ حکم کے سوا چارہ نہیں۔

[7] یعنی میں حکم نہیں دے رہا، سفارش کر رہا ہوں اور تمہارا اختیار باقی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۰۶۲ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوْكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَاَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَبْدَاَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْاَةِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوکوں کو آزاد کرنا چاہا جو آپس میں میاں بیوی تھے[۱] انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا[۲] تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ عورت سے پہلے مرد سے ابتدا کریں[۳]۔
(ابوداؤد، نسائی)

[۱] زوج جوڑے کو کہتے ہیں، اس لیے مرد و زن دونوں کو زوج کہہ سکتے ہیں، مصابیح کے اکثر نسخوں میں زوجین کا لفظ واقع ہے، بعض نسخوں میں مملوکۃ لہا زوج واقع ہے لہا کی ضمیر مملوکہ کی طرف راجع ہے یہ دونوں نسخے زیادہ ظاہر ہیں۔

[۲] کہ پہلے کسے آزاد کروں؟ مرد کو یا عورت کو۔

[۳] آزاد کرنے میں ـــــــ تاکہ نکاح فسخ نہ ہو جائے اگر پہلے زوجہ کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے آپ کو اختیار کرلے (اور شوہر کو اختیار نہ کرے) اور اگر دونوں کو ایک ساتھ آزاد کریں تو بھی نکاح باقی رہتا ہے جیسے کہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا۔

۳۰۶۳ وَعَنْهَا اَنَّ بَرِيْرَةَ عَتَقَتْ وَهِیَ عِنْدَ مُغِيْثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا اِنْ قَرِبَكِ فَلَا خِيَارَ لَكِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

انہی سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ آزاد ہوئیں تو وہ حضرت مغیث کے پاس تھیں[۱] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا اور انہیں فرمایا اگر یہ تمہارے قریب[۲] ہوا تو تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے۔
(ابوداؤد)

[۱] اور ان کے نکاح میں تھیں۔

[۲] یعنی اگر تمہارے شوہر نے تم سے جماع کیا ـــــــ قَرِبَ کی راء کے نیچے زیر ہے از باب سَمِعَ یَسْمَعُ۔

۵۳ کیونکہ اس صورت میں ان کی زوجہ ہونے پر رضامندی پائی گئی ہے ــــــ خیار بلوغ میں محض خاموشی سے رضامندی حاصل ہو جاتی ہے ــــــ اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے۔

بَابُ الصَّدَاقِ

۲۵۱- مہر کا بیان

صداق صاد پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، صدقہ صاد کی زبر اور دال کی پیش کے ساتھ بھی آیا ہے حق مہر، اس کی جمع صُدُق ہے جیسے سحاب (بادل) کی جمع سُحُب، اور کِتَاب کی جمع کُتُب ہے ــــــ ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے، امام مالک کے نزدیک دینار کا چوتھائی حصہ اور وہ ڈھال کی قیمت ہے اور دہی ان کے ہاں چوری کا نصاب ہے (جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جو چیز ثمن بن سکتی ہے اور اس کی شرط لگائی گئی ہے، وہ مہر بن سکتی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام احمد کے بعض اصحاب سے روایت ہے کہ ایسی چیز ہو جس کی قدر و قیمت ہو، لہٰذا پیسہ یا اس جیسی معمولی چیز مہر نہیں بن سکتی ہدایہ میں حضرت جابر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لَا مَهْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشْرَةٍ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۰۶۳- عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَهَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَّمْ تَكُنْ لَكَ فِيْهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی ذات آپ کو ہبہ کر دی[۲]، پھر دیر تک کھڑی رہی[۳] تب ایک شخص کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! ان کا نکاح مجھ سے کر دیجئے اگر آپ کو ان کی حاجت نہیں ہے[۴]۔ فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ جو اسے مہر میں دو[۵]

عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ تَزَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہوں نے کہا میرے پاس تو صرف یہ تہبند ہے[5]۔ فرمایا تلاش تو کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو[6]، انہوں نے تلاش کی مگر کچھ نہ ملا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہارے پاس قرآن پاک کا کوئی حصہ ہے عرض کیا ہاں! فلاں فلاں سورۃ ہے، آپ نے فرمایا: میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا قرآن پاک کے اس حصے کی وجہ سے جو تمہارے پاس ہے[7] اور ایک روایت میں ہے جاؤ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا تم اسے قرآن پاک کی تعلیم دو۔

(صحیحین)

[1] سہل بن سعد ساعدی انصاری، مشہور صحابی ہیں، مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] یہ شریعت مطہرہ کا حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنی ذات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہبہ کر دے تو وہ بغیر مہر کے نکاح کرنے سے آپ کے لیے حلال تھی اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جیسے کہ قرآن پاک میں مذکور ہے وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور ایمان دار عورت اگر اپنی ذات نبی کو ہبہ کر دے، یہ خاص تمہارے لیے ہے (عام) مومنوں کے لیے نہیں)۔

[3] اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے اور اسے قبول کرنے یا رد کے ساتھ جواب نہیں دیا۔

[4] یعنی آپ انہیں حکم فرمائیں اور اس پر راضی کر دیں یا اس اعتبار سے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی امام ہے۔

[5] اِصْداق ہمزہ کے نیچے زیر، مہر مقرر کرنا۔

[6] جو انہوں نے باندھ رکھا ہے ــــ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند کس

کام کا؟ اگر تم پہنو گے تو وہ برہنہ رہے گی اور اگر اس نے پہنا تو تم برہنہ رہو گے۔

ے یہ حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مہر کی مقدار معین نہیں ہے۔ جو چیز ثمن بن
سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے، ہمارے علماء (احناف) فرماتے ہیں ایسی احادیث مہر معجل پر محمول ہیں کیونکہ عربوں کی
عادت تھی کہ دخول سے پہلے کچھ مہر بروقت دے دیتے تھے۔

ے ظاہر یہ ہے کہ اس خاتون کا مہر، تعلیم قرآن ہی کو مقرر فرمایا، بعض ائمہ کے نزدیک یہ جائز ہے جیسے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت اور ان کی بکریاں چرانے کو مہر مقرر فرمایا، احناف
کہتے ہیں کہ اس صورت میں مہر مثل واجب ہے، جیسے کہ مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں (مہر مثل واجب ہوتا ہے) حرف
با اس جگہ مقابلہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ سببیت کے لیے ہے یعنی میں نے قرآن پاک کے اس حصے کے سبب نکاح
کر دیا۔ جو تمہارے پاس ہے، اور اس کے ساتھ تیرے مجتمع ہونے کا سبب قرآن ہے، جیسے کہ آئندہ آئے گا کہ حضرت
ابو طلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسلام کے سبب نکاح کیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے
اس مرد کو حق مہر بخش دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۶۵ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَۃَ کَمْ کَانَ صَدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ صَدَاقُہٗ لِاَزْوَاجِہٖ ثِنْتَیْ عَشَرَۃَ اُوْقِیَۃً وَّ نَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ اُوْقِیَۃٍ فَتِلْکَ خَمْسُ مِائَۃِ دِرْھَمٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَّ نَشٌّ بِالرَّفْعِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْاُصُوْلِ)

حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟۔ انہوں نے فرمایا: آپ کا اپنی ازواج مطہرات کے لیے مہر بارہ اوقیہ[1] اور نش تھا، پھر انہوں نے فرمایا، جانتے ہو کہ نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا: آدھے اوقیہ کو کہتے ہیں تو یہ کل پانچ سو درہم ہوئے۔ (مسلم) شرح السنۃ اور دیگر تمام اصول میں نَشٌّ پیش کے ساتھ ہے[2]۔

[1] اُوقیہ ہمزہ پر پیش، واؤ ساکن، قاف کے نیچے زیر اور یا مشدد، چالیس درہم کو کہتے ہیں، نَشٌّ
نون پر زبر اور شین مشدد، بیس درہم، آدھا اوقیہ، نَشّ ہر چیز کے نصف کو کہتے ہیں، نَشٌّ نَشِیف، آدھی روٹی
[2] مصابیح کے اکثر نسخوں میں بھی اسی طرح ہے، اصل میں عبارت یوں ہوگی، وَمَعَہَا نَشٌّ (بارہ اوقیہ اور

ان کے ساتھ ادعا) یا تشدّدِ شین (ادعاء اند) مصابیح کے بعض نسخوں میں زِ نشاز برکے ساتھ ہے اس کا عطف ثنتی عشرۃ پر ہوگا یہ اگرچہ لفظ اور عبارت کے لحاظ سے ظاہر ہے لیکن روایت کے موافق نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۰۶۶ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَآءِ فَاِنَّهَا لَوْ کَانَتْ مَکْرُمَةً فِی الدُّنْیَا وَتَقْوٰی عِنْدَ اللهِ لَکَانَ اَوْلَاکُمْ بِهَا نَبِیُّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَکَحَ شَیْئًا مِنْ نِسَآئِهٖ وَلَا اَنْکَحَ شَیْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰی اَکْثَرَ مِنْ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِیَّةً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا! خبردار! عورتوں کا بھاری مہر مقرر نہ کیا کرو[۱] کیونکہ یہ اگر دنیا میں بڑائی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حق دار نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کیا ہو یا اپنی صاحبزادی کا نکاح کرایا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ پر[۳]۔

(امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)۔

[۱] لا تغالوا تاء کے پیش کے ساتھ۔

[۲] مکرمۃ میم پر زبر اور راء پر پیش۔

[۳] حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر اس سے بھی کم تھا یعنی چار سو درہم تھا جو بارہ اوقیہ سے کسی قدر کم تھا ـــــــ البتہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا یہ حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تھا، انہوں نے حبشہ میں ام المومنین کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا اس وقت ام المومنین حبشہ میں تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں (۱۲ قادری) ۔ اور آپ کی تعظیم وتکریم کے لیے اتنی مقدار میں مہر مقرر کیا ـــــــ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ افضل، اولیٰ اور عزیمت کا بیان ہے ورنہ اس سے زیادہ کے جائز ہونے اور اس کی رخصت میں کوئی کلام نہیں ہے

۳۰۶۷ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ نَبِیَّ اللهِ صَلَّی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْطٰى فِىْ صَدَاقِ امْرَاَتِهٖ مِلْاَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا اَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر ستو یا چھوہارے دیئے اس نے اسے اپنے لیے حلال کر لیا۔[1]

(ابوداؤد)

[1] اس حدیث سے بھی دیگر ائمہ کے مذہب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، کہ جو چیز طے پا جائے وہ مہر بن سکتی ہے، ہمارے نزدیک اس کی توجیہ وہی ہے جو مذکور ہوئی یعنی اس سے مہر معجل مراد ہے استحلال کا معنی ہے حلال قرار دینا۔

۳۰۶۸ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ بَنِىْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَّفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَهٗ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

حضرت عامر بن ربیعہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ[2] کی ایک عورت نے دو جوتوں پر نکاح کیا، انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم دو جوتوں کے بدلے اپنے نفس اور مال سے راضی ہو[3]؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔[4]

(ترمذی)

[1] عامر بن ربیعہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، انہوں نے دونوں ہجرتیں کیں (پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ) بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

[2] بنو فزارہ فاء اور زاء پر زبر، ایک قبیلے کا نام۔

[3] یعنی ان دو جوتوں کے بدلے تم نے اپنی ذات سپرد کر دی اور اس پر راضی ہو؟۔

[4] یہ بھی مہر معجل پر محمول ہے۔

۳۰۶۹ وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَهَا مِثْلُ

حضرت علقمہ[1] سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کیلئے کوئی چیز مقرر نہیں کی اور نہ ہی اس سے دخول کیا[2] یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا حضرت ابن مسعود نے

صَدَاقِ نِسَائِهَا وَلَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِّنَّا بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)	فرمایا[4] اس کے لیے اس جیسی عورتوں[4] کا مہر ہے نہ کم نہ زیادہ[5] اور اس پر عدت ہے[6] اور اس کیلئے وراثت ہے[7]۔ اس پر حضرت معقل بن سنان[8] اشجعی نے اٹھ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری ایک عورت بروع بنت واشق[9] کے حق میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا جیسا کہ آپ نے کیا تو حضرت ابن مسعود اس بات پر[10] خوش ہوگئے۔ (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

[1] علقمہ معتبر اور اکابر تابعین میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پیدا ہوئے حضرت ابن مسعود کے اکابر شاگردوں میں سے تھے۔

[2] اگر وہ شخص اس حالت میں طلاق دے دیتا تو متعہ واجب ہوتا (یعنی عورت کو کپڑے وغیرہ دیتا)۔

[3] اس مسئلے میں ایک ماہ تک غور و فکر اور اجتہاد کرنے کے بعد۔

[4] اس کی قوم کی عورتوں ایسا، مثلاً بہنوں، پھوپھیوں اور بیٹیوں کی مثل۔ جو مال، جمال، کنواری یا ثیبہ ہونے میں اس جیسی ہو۔

[5] وکس واؤ پر زبر، کاف ساکن اور آخر میں سین ساکن، کم ہونا، کم کرنا۔ شطط شین پر زبر اور اس کے بعد دو طاء بغیر نقطے کے، زیادتی۔ یعنی اس پر کمی بیشی کے بغیر مہر مثل واجب ہے۔

[6] اگرچہ اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو۔

[7] اس مرد کی، حضرت ابن مسعود نے یہ فیصلہ دینے کے بعد فرمایا: جو کچھ میں نے کہا وہ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

[8] معقل میم پر زبر، عین ساکن اور قاف کے نیچے زیر، ابن سنان سین کے نیچے زیر، صحابی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر حاضر تھے اور ان کی قوم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ حرہ کے روز جب یزید کی فوج نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اپنے بیٹے کے ساتھ شہید ہوئے۔

۹ بروزن بارک کے نیچے زیر اور زبر بھی آئی ہے اور راء ساکن بنت واشق شین کے نیچے زیر، صحابیہ ہیں قبیلہ اشجع سے تعلق رکھتی تھیں۔

۱۰ یا اس فتوی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی موافقت پر، صحیح حکم تک رسائی پانے کے شکریئے کے طور پر خوش ہوئے اور فرمایا: اسلام لانے کے بعد مجھے کبھی اتنی خوشی حاصل نہیں ہوئی جتنی خوشی اس بات پر ہوئی ہے کہ میرا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کے موافق ہے۔ حضرت علی اور صحابہ کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس مسئلے میں مذہب یہ ہے کہ چونکہ دخول نہیں ہوا اس لیے اس عورت کے لیے مہر نہیں ہے، اس پر عدت لازم ہے اور اس کے لیے وراثت ہے۔ امام شافعی کے اس جگہ دو قول ہیں ایک حضرت علی مرتضیٰ کے موافق اور دوسرا حضرت ابن مسعود کے مذہب کے مطابق، ہمارا مذہب وہی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۰۷۰ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلَ ابْنِ حَسَنَةَ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ام حبیبہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جحش[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، وہ سرزمین حبشہ میں فوت ہوگئے تو حضرت نجاشی نے ان کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کر دیا[۳] اور آپ کی طرف سے انہیں بطور مہر چار ہزار دیے ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم دیئے اور انہیں حضرت شرحبیل بن حسنہ[۴] کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

(ابوداؤد، نسائی۔)

۱ ام حبیبہ ام المومنین ہیں، حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی اور حضرت امیر معاویہ کی بہن ہیں (ان کا نام رملہ ہے)

۲ عبداللہ بن جحش پہلے جیم پھر حاء بغیر نقطہ کے اس کے بعد شین، مشہور صحابی اور ام المومنین زینب

بنت جحش کے بھائی ہیں ———— مشکوٰۃ شریف کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے صحیح عبیداللہ بن جحش یا ر تصغیر کے ساتھ ہے جیسے کہ سنن ابوداؤد، جامع الاصول اور دوسری کتابوں میں ہے۔ کیونکہ یہ عبیداللہ اسلام لانے کے بعد حبشہ چلا گیا اور وہاں عیسائی ہو گیا اور دین اسلام سے پھر گیا۔ اور وہیں فوت ہوا لیکن حضرت ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔

ﮯ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا تاکہ حضرت ام حبیبہ کو نکاح کا پیغام دیں۔

ﮯ اس روایت میں درہم کا صراحۃً ذکر ہے۔

ﮯ شرحبیل شین پر پیش، را، پر زبر، حا ساکن با، کے نیچے زیر اور یا ساکن، ابن حسنہ ابتدائی تینوں حرفوں پر زبر ———— آپ حبشہ کے مہاجرین میں سے تھے اور قریش کے سرکردہ لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

۳۰۷۱/۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا الْاِسْلَامَ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِيْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صَدَاقَ مَا بَيْنَهُمَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کیا تو ان کے درمیان حق مہر اسلام تھا۔ حضرت ام سلیم پہلے اسلام لے آئیں۔ حضرت ابوطلحہ نے انہیں نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا: میں اسلام لے آئی ہوں اگر تم بھی اسلام لے آؤ تو تمہارے ساتھ نکاح کر لوں گی چنانچہ وہ اسلام لے آئے۔ اس طرح اسلام ان کے درمیان حق مہر ہوا۔ (نسائی)

ﮯ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت انس کی والدہ ہیں، حضرت انس حضرت ابوطلحہ کے ربیب (یعنی ان کی بیوی کے سابق شوہر سے بیٹے) تھے، ام سلیم ان سے پہلے مالک کے نکاح میں تھیں جو حضرت انس کے والد ہیں۔

ﮯ دیگر ائمہ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہیں احناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام سبب بنا حضرت ابوطلحہ کے حضرت ام سلیم کو حاصل کرنے کا، یہ مطلب نہیں کہ مہر یہی تھا۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ

۲۵۲- ولیمہ کا بیان

نہایہ میں ہے کہ ولیمہ اس کھانے کو کہتے ہیں جو شادی کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے ولیمہ شادی کے کھانے یا ہر کھانے کو کہتے ہیں، اسے ولیمہ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ یہ مرد و زن کے اجتماع کے وقت تیار کیا جاتا ہے الْتِیَامٌ (مل جانا) کا مادہ بھی یہی ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک ولیمہ سنت ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ بعض علماء اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ ولیمہ کا وقت دخول کے بعد ہے یا عقد کے وقت یا دونوں وقت، دو دن سے زیادہ ولیمہ جاری رکھنے میں اختلاف ہے ایک جماعت اسے مکروہ قرار دیتی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک ہفتے تک مستحب ہے ——— مجمع البحار میں ہے کہ ضیافت کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) عرس، شادی کے موقع پر (۲) خرس خا پر پیش پیدائش پر (۳) اعذار، ختنہ (۴) وکیرہ، تعمیر (۵) نقیعہ، کسی کی سفر سے واپسی پر، وہ دوسروں کے لیے تیار کرے یا دوسرے اس کے لیے تیار کریں، یہ نقعٌ سے مشتق ہے جس کا معنی غبار ہے (۶) وضیمہ نقطے والے ضاد کے ساتھ، مصیبت کے وقت (۷) عقیقہ بچے کا نام رکھتے وقت (۸) مأدبہ ہمزہ کے ساتھ اور دال پر پیش اس کے بعد باء، وہ کھانا جو بغیر کسی سبب کے ضیافت کے لیے تیار کیا جائے، ولیمہ کے علاوہ باقی تمام قسمیں مستحب ہیں، ولیمہ بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے۔ بغوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نعمت عطا فرمانے پر دولہا بطور شکرانہ تیار کرے تو مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۰۶۲- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَۃٍ فَقَالَ مَا ھٰذَا قَالَ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَۃً عَلٰی وَزْنِ نَوَاۃٍ مِنْ ذَھَبٍ قَالَ بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ اَوْلِمْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف پر زردی کا نشان[۱] دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے[۲]؟ انہوں نے عرض کیا میں نے گٹھلی کے ہم وزن سونے[۳] پر ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ ولیمہ کرو اگرچہ

وَلَوْ بِشَاةٍ۔

بکری سے ہو گئے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

لہ جوان کے جسم یا کپڑے پر لگا ہوا تھا، یہ دلہن کی خوشبو زعفران وغیرہ تھی، بعض علماء کے نزدیک نکاح کرنے والے کے لیے زعفران کا استعمال جائز ہے۔

لہ یعنی اس کا سبب کیا ہے؟ اور یہ نشان کہاں سے لگا ہے؟ آیا شادی کی وجہ سے ہے یا اس کے علاوہ۔

لہ اہل حساب کے نزدیک گٹھلی کا وزن پانچ درم کو کہتے ہیں جو ساڑھے تین ماشہ ہوتا ہے۔

لہ یہ عبارت کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کے بیان کے لیے آتی ہے، شارحین فرماتے ہیں کہ اس جگہ تکثیر مراد ہے یعنی اگرچہ زیادہ خرچ ہو جائے تو کر دو کیونکہ اس زمانے میں بکری کا میسر ہونا بھی بڑی بات تھی، حضرت عبدالرحمن بن عوف اس زمانے میں حد غنا کو بھی نہیں پہنچے تھے جیسے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ستو اور حیس وغیرہ سے ولیمہ کرتے تھے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔

۳۰۷۳ وَعَنْهُ قَالَ مَا أَوْلَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا أَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ أَوْلَمَ بِشَاةٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیا، ایک بکری سے ولیمہ کیا لہ

(صحیحین)

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری سے ولیمہ کثیر (بہت) ہے۔

۳۰۷۴ وَعَنْهُ قَالَ أَوْلَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَّلَحْمًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آپ کے ہاں رخصتی ہوئی تو آپ نے لوگوں کو پیٹ بھر روٹی اور گوشت کھلایا۔ (بخاری)

۳۰۷۵ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ لہ کو آزاد

أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَ تَزَوَّجَهَا وَ جَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَ اَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کیا اور ان سے نکاح فرمایا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا[۲] اور ان پر حیس[۳] سے ولیمہ کیا۔

(صحیحین)

[۱] ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں ۱۲ مرقاۃ۔

[۲] یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ حقیقۃً یہ نکاح مہر کے بغیر تھا یا ہبہ تھا۔

[۳] حیس حا پر زبر یا ساکن، کھجور، ستو اور گھی سے تیار کیا جانے والا کھانا بعض اوقات ستو کی جگہ پنیر ڈال دیتے ہیں، یہ حلوے ایسی غذا تیار ہو جاتی ہے۔

۳۰۲۶ وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَ الْمَدِيْنَةِ ثَلٰثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ وَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَّلَا لَحْمٍ وَّ مَا كَانَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَاُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَ الْاَقِطُ وَ السَّمْنُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اس دوران حضرت صفیہ کو حاضری بارگاہ کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمے کی دعوت دی اس میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت، اس میں صرف یہ تھا کہ آپ نے چمڑے کے دستر خوان[۱] بچھانے کا حکم دیا اور ان پر کھجوریں، پنیر اور گھی[۲] رکھ دیا گیا۔

(بخاری)

[۱] أنطاع جمع ہے نطع کی نطع میں چار لغات ہیں نون پر زبر یا زیر اور طا ساکن یا مفتوح۔

[۲] اَقِط ہمزہ پر زبر، قاف کے نیچے زیر، پنیر ——— سَمن سین پر زبر، میم ساکن، گھی گزشتہ حدیث میں حیسہ کا ذکر تھا جو ان ہی چیزوں سے بنایا جاتا ہے، ممکن ہے دونوں ہی ہوں، باب معجزات میں گزرا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کے لیے حیسہ بھیجا۔

۳۰۷۷ وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات پر دو سیر جو[2] سے ولیمہ کیا۔ (بخاری)

[1] صفیہ بنت شیبہ شین پر زبر، یا ساکن، اس کے بعد با، ان کا نسب یہ ہے صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ حجبی، اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابیہ ہیں یا نہیں، دارقطنی نے فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا درجہ صحت کو نہیں پہنچا، ابن حبان نے کتاب الثقات میں انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ ولید کے زمانے تک حیات تھیں۔

[2] یعنی آدھے صاع سے ______ علامہ سیوطی نے فرمایا، اس سے مراد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

۳۰۷۸ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ اَوْ نَحْوَهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ ولیمہ میں شرکت کرے[1] (صحیحین) امام مسلم کی روایت میں ہے چاہیے کہ دعوت قبول کرے شادی ہو یا اس کی مثل[2]۔

[1] دعوت کا قبول کرنا خواہ کسی موقع پر ہو سنت اور مستحب ہے، غالباً ولیمہ میں زیادہ تاکید ہے۔ بعض علماء نے فرمایا دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، بعض نے فرض کفایہ کہا، چند چیزوں کی بنا پر وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ (۱) کھانا مشتبہ ہو۔ (۲) صرف مالداروں کو بلایا گیا ہو۔ (۳) فاسقوں کی مجلس ہو۔ (۴) کسی کو بطور رشوت بلایا گیا ہو اور ناجائز کام میں تعاون طلب کیا جا رہا ہو (۵) یا وہاں خلاف شریعت امور موجود ہوں (مثلاً دسترخوان پر شراب موجود ہو، بینڈ باجا بجایا جا رہا ہو، یا عورتوں کی بے پردگی ہو، یا جیسے کہ آج کل عورتوں کو مرد بیرے کھانا کھلاتے ہیں ویڈیو فلمیں بنائی جاتی ہیں ۱۲ قادری) ذمی (غیر مسلم) کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔

[2] مثلاً عقیقہ کی دعوت ہو، گویا اس روایت میں ولیمہ سے مراد مطلق کھانے کی دعوت ہے۔

۳۰۷۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ فَلْیُجِبْ فَاِنْ شَآءَ طَعِمَ وَ اِنْ شَآءَ تَرَکَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ قبول کرے[1]۔ پھر اگر چاہے تو کھانا کھائے اور چاہے تو نہ کھائے[2] (مسلم)

[1] اور مسلمان کی خاطرداری کے لیے حاضر ہو، البتہ اسے کھانا کھانے یا نہ کھانے کا اختیار ہے۔

[2] سنت یا واجب حاضر ہونا ہے نہ کہ کھانا اور اگر روزے سے نہ ہو تو کھانا مستحب ہے۔

$\frac{3080}{9}$ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَۃِ یُدْعٰی لَھَا الْاَغْنِیَآءُ وَ یُتْرَکُ الْفُقَرَآءُ وَ مَنْ تَرَکَ الدَّعْوَۃَ فَقَدْ عَصَی اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس کے لیے مالداروں کو بلایا جائے اور فقیروں کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت کا قبول کرنا ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی[1]۔ (صحیحین)

[1] ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا قبول کرنا واجب ہے یا سنت اور مستحب ہونے کی تاکید ہے اور یہ اس وقت ہے کہ کوئی مانع نہ پایا جائے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

$\frac{3081}{10}$ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُکْنٰی اَبَا شُعَیْبٍ کَانَ لَہٗ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِیْ طَعَامًا یَکْفِیْ خَمْسَۃً لَعَلِّیْ اَدْعُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَۃٍ فَصَنَعَ لَہٗ طُعَیِّمًا ثُمَّ اَتَاہُ فَدَعَاہُ فَتَبِعَھُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص ابوشعیب کنیت سے یاد کیا جاتا تھا ان کا گوشت بیچنے والا ایک غلام تھا، انہوں نے اسے کہا کہ میرے لیے کھانا تیار کر جو پانچ افراد کے لیے کافی ہو، ہو سکتا ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمیت پانچ حضرات کو دعوت دوں، غلام نے ان کے لیے تھوڑا سا کھانا تیار کیا، پھر انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو دعوت دی، ایک شخص مہمانوں کے پیچھے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا شُعَیْبٍ اِنَّ رَجُلاً تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَذِنْتَ لَہٗ وَاِنْ شِئْتَ تَرَکْتَہٗ قَالَ لَا بَلْ اَذِنْتُ لَہٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو شعیب ایک شخص ہمارے پیچھے آگیا ہے اگر تم چاہو تو اسے اجازت دو اور اگر چاہو تو اسے چھوڑ دو، انہوں نے کہا نہیں، بلکہ اسے میری طرف سے اجازت ہے[۱] (صحیحین)

[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مخصوص جماعت کو دعوت دے اور ایک شخص بلائے بغیر آجائے تو میزبان سے اجازت لینی چاہیے اور میزبان کو چاہیے کہ معزز مہمانوں کی پاس داری کرتے ہوئے اسے اجازت دے دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۰۸۲/۱۱ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِسَوِیْقٍ وَتَمْرٍ. رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ستو اور کھجور[۱] سے ولیمہ کیا۔ (امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

[۱] الگ الگ سے یا دونوں سے تیار کردہ ہریسہ سے۔

۳۰۸۳/۱۲ وَعَنْ سَفِیْنَۃَ اَنَّ رَجُلاً ضَافَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَہٗ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ لَوْ دَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَکَلَ مَعَنَا فَدَعَوْہُ فَجَاءَ فَوَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی عِضَادَتَیِ الْبَابِ فَرَاَی الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِیْ نَاحِیَۃِ الْبَیْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ فَتَبِعْتُہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا رَدَّکَ

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمان ہوا، انہوں نے اس کے لیے کھانا تیار کیا، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، کاش! ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلاتے تو آپ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرماتے، چنانچہ آپ کو بلایا آپ تشریف لائے اور دونوں ہاتھ دروازے کی چوکھٹ کے دونوں طرف رکھے، آپ نے دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں پردہ[۱] لٹکایا ہوا ہے آپ لوٹ گئے

قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ اَوْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے پیچھے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو واپس کر دیا؟ فرمایا میرے لیے یا کسی نبی کے لیے لائق نہیں کہ سجائے ہوئے گھر میں داخل ہو۔ (امام احمد ابن ماجہ)

لہ حضرت سفینہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے (مرآۃ) میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے انہوں نے اس شرط پر آزاد کیا کہ تا زیست نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کریں گے حضرت سفینہ نے کہا اگر آپ یہ شرط نہ لگائیں تب بھی میں خدمت کرتا، میرا جسم آزاد ہوا ہے مگر دل ہمیشہ ان کا غلام رہے گا ان کا نام رباح، مہران، یا رومان تھا، وہ سفر میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ بوجھ اٹھاتے تھے۔ ان کا نام ہی سفینہ (کشتی) رکھ دیا گیا۔

ٹہ قرام قاف کے نیچے زیر، باریک اور منقش پردہ، بعض علماء نے کہا کہ وہ پردہ منقش نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ دیوار کو ڈھانپا گیا تھا جیسے حجلہ عروسی ہوتا ہے اور یہ اہل تفاخر کی عادت ہے۔

سکہ اور گھر کے اندر تشریف نہیں لائے۔

ٹکہ آپ واپس تشریف لے آئے اور اندر نہیں آئے۔

ٹہ تزویق زاء اور قاف کے ساتھ، آراستہ کرنا، منقش کرنا (اشعۃ اللمعات میں ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لِنَبِيٍّ، درمیان میں لِيْ نہیں ہے ۱۲ قادری)۔

۳۰۸۴ / ۱۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيْرًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کھانے کے لیے بلایا گیا اور اس نے دعوت قبول نہیں کی لہ تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو بن بلائے آگیا تو وہ چور ٹہ کی حیثیت سے داخل ہوا اور لیٹرے سکہ کی حیثیت سے نکلا۔
(ابو داؤد)

لہ اور حاضر نہیں ہوا۔

ٹہ کیونکہ وہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر داخل ہوا گویا وہ چور کی طرح پوشیدہ طور پر داخل ہوا۔

سے اگر اس نے کچھ کھایا اور کچھ ساتھ لے گیا چونکہ مالک کی اجازت کے بغیر ہے اس لیے گویا وہ غصب اور لوٹ کا مرتکب ہے۔

۳۰۸۵ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِيْ سَبَقَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو دعوت دینے والے جمع ہوں تو قریبی دروازے والے[1] کی دعوت قبول کر اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے دعوت دی ہو تو پہلے کی دعوت قبول کر[2]۔ (امام احمد، ابو داؤد)۔

لے ہمسایہ ہونے میں گھر کا قریب ہونا نہیں بلکہ دروازے کا قریب ہونا معتبر ہے۔

سے واضح طور پر یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں کی دعوت قبول نہ کی جا سکے مثلاً وقت ایک ہو یا ایسی ہی کوئی دوسری وجہ ہو، اور اگر جمع کر سکیں تو دونوں کی دعوت قبول کرنی چاہیے، یہ پڑوس کا حکم ہے اگر دعوت دینے والوں کا تعلق ایک شہر سے ہو تو دیگر امور کی بنا پر ترجیح ہوگی، مثلاً جان پہچان، صلاح و تقویٰ دوستی یا دیگر حقوق واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰۸۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ اَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّانِيْ سُنَّةٌ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے دن کا کھانا حق[1] ہے۔ دوسرے دن[2] کا کھانا سنت[3] ہے اور تیسرے[4] دن کا کھانا دکھلاوا ہے[5]، اور جو شخص لوگوں کو سنائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے مشہور کرے گا[6]۔ (ترمذی)

لے ولیمہ اور ضیافت میں حق ہے یعنی واجب یا سنت مؤکدہ جیسے کہ اختلاف ہے۔

لے بعض نسخوں میں الیوم الثانی الف لام کے ساتھ ہے۔

سے سنت ہے اور مستحب، اس نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے جو پہلے دن میں واقع ہوا اور اس کی تکمیل کے لیے۔

سے بعض نسخوں میں الیوم الثالث ہے۔

ھ سُمْعَةٌ سین پر پیش، میم ساکن، یعنی اس مقصد کے لیے ہے کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں، کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کام سُمعہ اور ریا کے لیے کیا ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور سنیں۔

لہ دونوں سَمَّعَ سین کی زبر اور میم کی تشدید کے ساتھ تَسْمِیْعٌ سے مشتق ہیں، یعنی جو لوگوں کو سنائے اور اپنے آپ کو فخر اور ریاکاری کے طور پر مشہور کرے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، حشر کے میدان میں مشہور کرے گا کہ یہ ریاکار افترا پرداز اور جھوٹا ہے یا دنیا میں اسے رسوا کرے گا اور دکھلاوے اور نمائش کی جزا دے گا ۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو نعمت عطا فرمائے تو بندے کو چاہیے کہ اس کی نعمت کا شکر ادا کرے، اس کا اظہار کرے اور لوگوں پر احسان کرے لیکن میانہ روی سے تجاوز نہ کرے تاکہ فضول خرچی اور نمود و نمائش کی حدود میں داخل نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

۳۰۴۸ / ۱۲ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ) وَقَالَ مُحْيِي السُّنَّةِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کھلانے والے دو شخصوں لہ کا کھانا کھانے سے منع فرمایا۔ (ابو داؤد)

محی السنۃ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرسلاً کہ روایت کی۔

سلہ مُتَبَارِیَان وہ دو شخص ہیں جو ایک دوسرے کی ضد میں بڑھ چڑھ کر کھانا کھلائیں تاکہ کھانا کھلانے میں دوسرے پر غالب آجائیں، یعنی اگر فخر اور نمود و نمائش کے لیے کھانا پکائیں اور دعوت کریں تو ان کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے اور ان کا کھانا نہیں کھانا چاہیے، سلف صالحین ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان کا کھانا کھاتے تھے۔

کہ انہوں نے یہ حدیث ابن عباس یا کسی دوسرے صحابی کا ذکر کیے بغیر روایت کی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۰۸۸ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ[۱۷] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَارِيَانِ لَا يُجَابَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ يَعْنِي الْمُتَعَارِضَيْنِ بِالضِّيَافَةِ فَخْرًا وَرِيَاءً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو ضدیوں کی دعوت قبول نہیں کی جائے گی اور ان کا کھانا نہیں کھایا جائے گا۔

امام احمد نے فرمایا[۱]: اس سے مراد وہ دو شخص ہیں جو فخر اور ریاکاری کے لیے ضیافت کریں۔

[۱] مُتَبَارِیَانِ کی تفسیر کرتے ہوئے۔

۳۰۸۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ[۱۸] نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِيْنَ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوتِ طعام کے قبول کرنے سے منع فرمایا[۱]۔

[۱] کیونکہ فاسق عموماً کھانے میں احتیاط نہیں کرتے اور حرام کھاجاتے ہیں اور کبھی وہ ظالم بھی ہوتے ہیں اور ازراہ ظلم لوگوں کا مال ہتھیانے والے ظالم کا طعام بالاتفاق حرام ہے نیز اس کی دعوت قبول کرنے میں اس کی عزت افزائی ہے (حالانکہ ہمیں ان کی توہین اور ترک تعلق کا حکم دیا گیا ہے ۱۲ قادری)۔

۳۰۹۰/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَاْكُلْ مِنْ طَعَامِهٖ وَلَا يَسْاَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ وَلَا يَسْاَلْ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے تو اس کے طعام میں سے کھائے اور پوچھ گچھ نہ کرے[۱] اور اس کے پانی میں سے پیئے اور پوچھ گچھ نہ کرے[۲]، یہ تینوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور فرمایا: اگر یہ آخری حدیث صحیح ہو۔

قَالَ هٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يُطْعِمُهُ وَلَا يَسْقِيْهِ اِلَّا مَا هُوَ حَلَالٌ عِنْدَهٗ۔

تو اس اعتبار سے ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مسلمان اسے وہی کھلائے اور پلائے گا جو اس کے نزدیک حلال ہوگا۔

لہ کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کیسا ہے؟۔

لہ یہ نہ پوچھے کہ کہاں سے آیا ہے اور کیسا ہے؟ حسن ظن اور تالیف قلب کا یہی تقاضا ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ حرام ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے (تو نہ کھائے اور نہ پیئے) اور اگر وہ ایسا شخص ہے کہ حرام اس کے کھانے پر غالب ہے تو بھی نہ کھائے، اور اگر اسے علم ہو کہ اس کا کھانا، حلال اور حرام دونوں طرح کا ہوتا ہے تو اس احتمال کی بنا پر کھا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ حلال ہو، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے کہ وہ شخص حلال اور حرام میں فرق کرتا ہے یا نہیں۔

بَابُ الْقَسْمِ

۲۵۳۔ باری مقرر کرنے بیان

قسم قاف کی زبر کے ساتھ، تقسیم کرنا، اس جگہ عورتوں کی باری کے ملحوظ رکھنے کے معنی میں ہے، قاف کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی حصہ ہے، پہلے دونوں حرفوں پر زبر ہو تو اس کا معنی قسم (حلف) ہے۔ دو یا اس سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کی باری مقرر کرنا واجب ہے، اور اگر ایسا نہ کرے تو جس پر ظلم کیا گیا ہے اس کا حق پورا کرنا واجب ہے، ایک بیوی کی باری میں دوسری کے گھر میں رات گزارنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ان کی اجازت کے بغیر ایک رات میں دونوں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک رات میں امہات المؤمنین کے پاس تشریف لے جانا باری مقرر کرنے کے واجب ہونے سے پہلے تھا یا ان کی اجازت سے تھا، احناف کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باری کا مقرر کرنا واجب نہیں تھا، آپ کا باری کی رعایت فرمانا محض ازراہ لطف وکرم تھا واللہ تعالیٰ اعلم ——— سفر میں (ایک بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے) دیگر ائمہ کے نزدیک (قرعہ اندازی) واجب ہے اور ہمارے نزدیک مستحب ہے، سفر کے دنوں کی قضا واجب نہیں ہے اور اگر قرعہ اندازی کے بغیر کسی بیوی کو ساتھ لے جائے تو دوسری کے لیے قضا واجب ہے (جتنے دن دوسری کے پاس رہا ہے) مقیم کے لیے

باری کے سلسلے میں رات پر دارومدار ہے دن رات کے تابع ہے اور اگر کوئی شخص رات کو کام کرتا ہو تو اس کے لیے باری کے سلسلے میں دن اصل ہے، باقی احکام و مسائل فقہ میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۰۹۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَّكَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نو بیویاں[1] چھوڑ کر وصال فرمایا اور ان میں سے آٹھ کی باری مقرر فرماتے تھے[2]۔ (صحیحین)

[1] اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو سے زیادہ تھیں، جیسے کہ علماء نے اپنی جگہ بیان کیا ہے اور ہم نے شرح سفر السعادۃ میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ کیا ہے لیکن آپ کے وصال کے وقت نو امہات المومنین موجود تھیں۔ (۱) حضرت عائشہ (۲) حفصہ (۳) ام حبیبہ (۴) سودہ (۵) ام سلمہ (۶) صفیہ (۷) میمونہ (۸) زینب بنت جحش (۹) جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

[2] حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے باری مقرر نہیں فرماتے تھے کہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دی تھی جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۰۹۲ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبِرَتْ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِيْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوڑھی ہو گئیں[1] تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سے مجھے جو باری حاصل تھی وہ میں نے عائشہ کو دے دی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو دو دن عنایت فرماتے، ایک خود ان کا اور ایک حضرت سودہ کا۔ (صحیحین)

[1] کبرت باء کے نیچے زیر، باب سمع سے بوڑھا ہونا اور باء پر پیش ہو تو اس کا معنی قدر و منزلت میں بڑا ہونا۔

ہے بعض علماء نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے طلاق نہ دیجئے تاکہ قیامت کے روز آپ کی ازواج مطہرات میں میرا حشر ہو اور اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی (یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ محض ان کی پیرانہ سالی کی بنا پر آپ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا کیونکہ بیوی کے بوڑھی ہو جانے کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اسے طلاق دے کر الگ کر دیا جائے بلکہ جنگ بدر کے دن ان کے کچھ رشتے دار مشرکین کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے جن کے بارے میں حضرت سودہ نے اظہار غم کیا اور مرثیہ کے کچھ اشعار پڑھے تھے اس بنا پر ناخوش ہو کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا قصد فرمایا ۱۲ قادری)۔

۳۰۹۳ وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْئَلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض وصال میں دریافت فرماتے تھے کہ کل ہم کہاں ہوں گے؟ کل ہم کہاں ہوں گے؟ اس حال میں کہ آپ حضرت عائشہ کی باری چاہتے تھے، ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، چنانچہ آپ حضرت عائشہ کے گھر تشریف فرما رہے یہاں تک کہ ان کے ہاں ہی وصال ہوا۔

(بخاری)

لہ ہر روز امہات المومنین سے دریافت فرماتے تھے۔

ہے اور ان سے حضرت عائشہ کے ہاں قیام کی اجازت طلب فرماتے تھے۔

ہے اس میں انتہائی تعمیل اور رضا جوئی ہے ورنہ ظاہر یہ تھا کہ عرض کرتیں کہ آپ حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمائیں، نیز جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجمال رکھا اور حضرت عائشہ کے گھر کی تصریح نہیں فرمائی، امہات المومنین نے بھی اجمال سے کام لیا اور حضرت عائشہ کے گھر کی تصریح نہیں کی (یہ اس سوال کا جواب ہے کہ انہوں نے یوں کیوں نہیں کہا کہ آپ حضرت عائشہ کے ہاں قیام فرمائیں ۱۲ قادری) ——— اَذِنَ ہمزہ پر زبر، ذال کے نیچے زیر اور نون مخفف، صیغہ واحد کے ساتھ اور اَذِنَّ نون کی تشدید اور صیغہ جمع کے ساتھ بھی روایت ہے۔

۳۰۹۴ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ

اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے جن کا نام نکلتا انہیں ساتھ لے جاتے[1]۔

(صحیحین)

[1] قرعہ، فال نکالنا، سہم حصہ۔

۳۰۹۵/۵ وَعَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَّقَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَسًا رَفَعَهٗ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو قلابہ[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیوہ پر کنواری سے نکاح کرے تو اسکے پاس سات راتیں رہے اور تقسیم کرے[2] اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے پھر تقسیم کرے ابو قلابہ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو کہہ دوں کہ حضرت انس نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کی[3]۔ (صحیحین)

[1] حضرت ابو قلابہ ثقہ تابعی ہیں انہیں قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا اس سے بچنے کے لیے جنگل میں چلے گئے اور کسی وادی میں مقیم ہو گئے۔

[2] سات راتوں کے بعد نئی اور پرانی میں تقسیم کرے۔

[3] کیونکہ مختار یہ ہے کہ صحابی کا یہ فرمانا کہ سنت اس طرح ہے، مرفوع کے حکم میں ہے۔

۳۰۹۶/۶ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن[1] سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

[1] اس طرح کہ ہر بی بی کا نام کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر کسی بچے کے ذریعے ایک گولی اٹھواتے اس میں جس کا نام نکل آتا اس کو سفر میں لے جاتے، قرعہ ڈالنے کی اور بھی کئی صورتیں ہیں مگر یہ زیادہ مروج ہے ۱۲ مرآۃ ع ۔ یعنی اگر ہم اس وقت تمہارے پاس سات دن قیام کریں گے تو بقیہ بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ہی رہیں گے معلوم ہوا کہ باری اول ہی سے مقرر ہو جاتی ہے ورنہ چاہیے تھا کہ اگر حضرت ام سلمہ کے پاس سات دن قیام ہوتا تو باقی ازواج کے پاس چار چار دن قیام ہوتا کیونکہ تین دن تو ام سلمہ کے خصوصی حق کے ہوتے بعد میں باری مقرر ہوتی، لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے ۱۲ مرآۃ۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ وَ اَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ قَالَ لَهَا لَيْسَ بِكِ عَلٰى اَهْلِكِ هَوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَ سَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَ اِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَ دُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا لِلْبِكْرِ سَبْعٌ وَ لِلثَّيِّبِ ثَلٰثٌ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا اور انہوں نے آپ کے پاس صبح کی تو آپ نے انہیں فرمایا، تمہاری وجہ سے تمہارے قبیلے پر بے عزتی نہیں ۲۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات راتیں قیام کروں ۳ اور دیگر ازواج مطہرات کے پاس بھی سات راتیں قیام کروں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین راتیں رہوں ۴ اور دورہ کروں ۵۔ انہوں نے عرض کیا تین راتیں قیام فرمائیں ۶ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا: کنواری کے لیے سات اور بیوہ کے لیے تین راتیں ہیں۔ (مسلم)

۱ حضرت ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی تابعی ہیں اور ابوجہل بن ہشام کے بھائی کے پوتے ہیں۔

۲ صرف تین راتیں میرے قیام کرنے کی وجہ سے، کیونکہ یہ اس لیے نہیں کہ مجھے تمہارے پاس رہنے میں دل چسپی نہیں بلکہ اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے یہ صرف تین دن قیام کا عذر بیان کرنے کی تمہید ہے۔

۳ جیسے کہ کنواری عورت کا حکم ہے۔

۴ جیسے کہ بیوہ کا حکم ہے۔

۵ دیگر ازواج مطہرات کے ہاں باری باری جاؤں جیسے کہ طریقہ ہے۔

۶ سات راتیں قیام کی حاجت نہیں ہے یہ بات محتاج بیان ہے کہ جب تین راتیں جو خاص بیوہ کا حق ہیں حضرت ام سلمہ کے لیے ہوئیں تو چاہیے کہ دیگر ازواج مطہرات کے پاس چار چار راتیں قیام ہوتا نہ کہ سات سات راتیں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب بیوہ نے اپنے حق سے زائد (تین کی بجائے سات راتوں) کا مطالبہ کیا تو اس سے اس کا مخصوص حق ساقط ہو گیا (احناف کے نزدیک ابتداء ہی سے باری مقرر ہو جاتی ہے۔ سات راتیں قیام کرے یا تین راتیں، باقی بیویوں کے پاس بھی اتنی راتیں ہی گزارے گا۔ ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۰۹۷ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَآئِهٖ فَيَعْدِلُ وَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرماتے اور انصاف[1] فرماتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جہاں تک میں مالک ہوں[2] اور تو مجھے اس چیز[3] میں عتاب نہ فرما جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

(امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

[1] اور مساویانہ برتاؤ فرماتے تھے۔

[2] رات گزارنے اور ظاہر کی رعایت میں۔

[3] باطنی میلان اور محبت میں ——— تقسیم میں، جماع کرنے میں برابری شرط نہیں ہے۔

۳۰۹۸/۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ شِقُّهٗ سَاقِطٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب ایک شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

۳۰۹۹/۹ عَنْ عَطَآءٍ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُوْنَةَ بِسَرِفَ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ ہم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مقام سرف میں حضرت میمونہ کے جنازہ کو حاضر ہوئے ابن عباس نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ہیں جب ان کا جنازہ اٹھاؤ تو نہ انہیں زور سے

تُزَعْزِعُوْهَا وَلَا تُزَلْزِلُوْهَا وَارْفُقُوْا بِهَا فَاِنَّهٗ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعٌ نِسْوَةٍ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءٌ اَلَّتِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْسِمُ لَهَا بَلَغَنَا اَنَّهَا صَفِيَّةُ وَكَانَتْ اٰخِرَهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ رَزِيْنٌ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَهُوَ اَصَحُّ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِيْنَ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهٗ اَمْسِكْنِيْ وَقَدْ وَهَبْتُ يَوْمِيْ لِعَائِشَةَ لَعَلِّيْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ نِسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ

ہلاؤ اور نہ جھٹکا دو اور ان سے نرمی کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو بیویاں تھیں آپ ان میں سے آٹھ کی باری مقرر فرماتے تھے اور ایک کی باری مقرر نہیں فرماتے تھے، حضرت عطاء[1] فرماتے ہیں ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جس ام المومنین کے لئے آپ باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت صفیہ تھیں امہات المومنین میں سب سے آخر میں ان کا وصال ہوا ان کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا (صحیحین) رزین کہتے ہیں کہ حضرت عطاء کے علاوہ محدثین نے فرمایا: وہ حضرت سودہ ہیں۔ اور یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو بخش دی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا مجھے اپنے پاس رکھیں میں نے اپنی باری عائشہ کو بخش دی اس امید پر کہ میں جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہوں۔

[1] عطاء نام کے متعدد حضرات ہیں اور سب ہی تابعی ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہ عطاء ابن رباح ہیں جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

[2] حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن عباس کی خالہ اور امہات المومنین میں سے ہیں سرف سین پر زبر، راء کے نیچے زیر، مکہ مکرمہ سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضرت میمونہ کا مزار ہے، ان کا نکاح بھی اسی جگہ ہوا اور رخصتی بھی اسی جگہ ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسی جگہ میں اکاون ہجری میں ان کا وصال ہوا بعض نے کہا سن اکسٹھ میں وصال ہوا پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ لاتزلزلوھا، سابقہ جملہ فلا تزعزعوھا کی تاکید ہے۔ زعزعۃ طاقت سے ہلانا، اسی طرح قاموس میں ہے صراح میں ہے زلزلۃ اچھی طرح ہلانا۔ گویا اول زمین سے اٹھانے میں ہے اور ثانی اٹھا کر لے جانے میں ــــــ مقصد ان کی تعظیم ہے کہ ان کا جنازہ آرام اور ادب کے ساتھ اٹھایا جائے، گویا انہوں نے اٹھانے والوں سے کسی قدر بے احتیاطی اور بے ادبی ملاحظہ فرمائی تو فرمایا زیادہ نہ ہلاؤ۔

۵۳ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان آٹھ امہات المومنین میں سے تھیں جن کی باری نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقرر فرمایا کرتے تھے، ان کی شان کا اہتمام کیا کرتے تھے اور ان سے مساویانہ برتاؤ کیا کرتے تھے۔

۵۴ سن بلوغ یا پچاس میں۔

۵۵ رزین ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

۵۶ یہی مشہور قول ہے، خطابی فرماتے ہیں کہ یہ قول کہ وہ حضرت صفیہ تھیں، بعض راویوں کا وہم ہے، وہ حضرت سودہ تھیں۔

۵۷ اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو طلاق نہیں دی تھی۔ صرف ارادہ طلاق کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ درخواست کی تو آپ نے طلاق دینے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ آپ نے انہیں طلاق دے دی تھی جب انہوں نے یہ گزارش کی تو آپ نے رجوع فرمالیا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم قاضی عیاض روایت کرتے ہیں کہ جس کی باری مقرر نہیں فرمائی تھی وہ حضرت صفیہ تھیں اس کی انہوں نے ترجیح اور تصحیح کی ہے جیسے ہم نے شرح میں نقل کیا ہے۔

بَابُ عِشْرَةِ النِّسَآءِ وَمَا لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحُقُوْقِ

۲۵۴۔ بیویوں کے ساتھ رفاقت اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کا بیان

لفظ کل اس لیے لائے ہیں کہ عورتوں کی مختلف قسمیں مراد ہیں، مثلاً کنواری، بیوہ، خوش اخلاق، مالدار، غریب، ورنہ ظاہر یہ تھا کہ کہا جاتا۔ وَمَا لَهُنَّ مِنَ الْحُقُوْقِ ——— عشرت اور معاشرت کا معنی میل جول ہے، عشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں اس کی جمع عشائر ہے، عشیر، شوہر اور ہر ساتھی کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔ برا دوست ہے اور برا ساتھی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۱۰۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَ اِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو نیکی کی وصیت کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور بے شک سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اوپر والی ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو اسے توڑ دے گا اور اگر چھوڑ دے تو وہ ٹیڑھی رہے گی لہذا عورتوں کو نیکی کی وصیت کرو۔

(صحیحین)

۱؎ یا یہ معنی ہے کہ عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو یا یہ مطلب ہے کہ اپنے آپ سے وصیت طلب کرو (استفعال کا سین اور تا، طلب کے لیے ہے ۱۲ قادری) ——— وصیت کا معنی عہد ہے، ایصاء، توصیت اور استیصا کا معنی عہد کرنا ہے۔ صراح میں ہے وصیت نیکی کی نصیحت اور ایصاء نیکی کی وصیت کرنا۔

۲؎ ضِلَع ضاد کے نیچے زیر، لام پر زبر، پہلے دونوں حرفوں پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، پسلی صراح میں ہے۔ ضلع حرکت کے ساتھ، پیدائش میں ٹیڑھا ہونا، حضرت حوا کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اوپر والی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔

۳؎ پسلی کو ——— اسی طرح عورتیں ہیں جو پیدائشی طور پر اعمال اور اخلاق میں کجی رکھتی ہیں اگر مرد چاہیں کہ انہیں سیدھی اور درست کر دیں تو اس کا نتیجہ ٹوٹنے کی صورت میں ظاہر ہوگا یعنی طلاق ہو جائے گی جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا، لہذا عورتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ انہیں ان کی کجی پر چھوڑ دیا جائے، جب تک کہ اس میں گناہ، معصیت اور اصلاح احوال کی مخالفت نہ پائی جائے کہ اس صورت میں غفلت اور چشم پوشی جائز اور مناسب نہیں ہوگی۔

۴؎ یہ حکم تاکید کے لیے دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۱۰۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک عورت پسلی

إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سے پیدا کی گئی ہے وہ تیرے لیے راہ راست پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی، اگر تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اس کی کجی کے باوجود نفع حاصل کر اور تو اسے سیدھی کرنا چاہے گا تو اسے توڑ دے گا اور اس کے توڑنے سے مراد اس کی طلاق ہے۔ (مسلم)

۱؎ عوج عین کے نیچے زیر اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، لیکن زیر راجح ہے، کجی، بعض علماء نے کہا کہ صورت کی کجی ہو تو عین پر زبر اور صفات کی کجی ہو تو اس کے نیچے زیر۔

۳۱۰۲/۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن مرد، ایماندار عورت کو دشمن نہ رکھے، اگر اسے عورت کی ایک عادت یا ایک فعل ناپسند ہوگا تو اس کی دوسری عادت یا فعل پسند ہوگا۔۱؎ (مسلم)

۱؎ کیونکہ کسی بھی آدمی کے تمام اخلاق و اعمال برے نہیں ہوتے، اگر ان میں کچھ برے ہوں تو کچھ دوسرے اچھے ہوں گے، مرد وہی اچھے اخلاق و اعمال پیش نظر رکھے، راضی رہے اور صبر کرے، مقصد ترغیب ہے اور مبالغہ ہے۔ حسن معاشرت، صحبت کے برقرار رکھنے اور عورتوں کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین ہیں ——— فرک فا پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، عام بغض و عداوت یا خاص زوجین کی اسی طرح قاموس میں ہے۔ صحاح میں ہے کہ یہ لفظ میاں بیوی کے ماسوا میں نہیں سنا گیا۔ صراح میں ہے فرک، مرد کا عورت کو دشمن جاننا۔

۳۱۰۳/۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بنی اسرائیل۱؎ نہ ہوتے تو گوشت کبھی خراب نہ ہوتا اور اگر حوا۲؎ نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے کبھی خیانت نہ کرتی۳؎ (صحیحین)

۱؎ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ——— اسرائیل پیغمبر خدا حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے

تمام قوم بنی اسرائیل ان کی اولاد ہے۔ ــــــــ اللہ تعالیٰ نے میدان تیہ میں ان پر من وسلویٰ اتارا اور حکم دیا کہ اتنی مقدار میں لو جو تمہیں کافی ہو اور بچا کر نہ رکھو انہوں نے شدت حرص کے تحت آئندہ کے لیے گوشت اٹھا رکھا جو خراب ہو گیا پس یہ گوشت کا خراب ہونا ایک سزا ہے جو بنی اسرائیل کو ذخیرہ کرنے ایسے فعل قبیح پر دی گئی ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنے، بے اعتمادی اور حرص پر مبنی تھا اس کے بعد گوشت کا خراب ہونا دائمی ہو گیا۔

سلہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے حضرت حوا نے درخت کو چکھا، حالانکہ حضرت آدم نے انہیں درخت کے چکھنے سے منع فرمایا تھا، پھر انہیں بھی اکسایا چنانچہ انہوں نے بھی کھا لیا ــــــــ صراح میں ہے خِیَانَۃ، خَوْنٌ اور نَخَانَۃ راہ راست سے منحرف ہونا، اور یہ اسی کجی کا نتیجہ تھا جو حضرت حوا کی خلقت میں تھی۔

۳۱۰۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَمْعَۃَ[۵] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْلِدُ اَحَدُکُمُ امْرَاَتَہٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ یُجَامِعُھَا فِیْ اٰخِرِ الْیَوْمِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ فَیَجْلِدُ امْرَاَتَہٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّہٗ یُضَاجِعُھَا فِیْ اٰخِرِ یَوْمِہٖ ثُمَّ وَعَظَھُمْ فِیْ ضِحْکِھِمْ مِّنَ الضَّرْطَۃِ فَقَالَ لِمَ یَضْحَکُ اَحَدُکُمْ مِمَّا یَفْعَلُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبد اللہ بن زمعہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو کوڑے نہ مارے جیسے غلام کو مارتا ہے پھر دن کے آخر میں اس سے جماع کرے گا، اور ایک روایت میں ہے تم میں سے ایک شخص قصد کرتا ہے اور اپنی بیوی کو کوڑے مارتا ہے جیسے غلام کو مارتا ہے[۲] تو شاید کہ وہ اس دن کے آخر میں اس کے ساتھ سوئے گا[۳]۔ پھر گوز کے سبب ہنسنے پر انہیں نصیحت فرمائی اور فرمایا تم میں سے ایک شخص ایسے کام پر کیوں ہنستا ہے جو وہ خود کرتا ہے۔

(صحیحین)

سلہ عبد اللہ بن زمعہ زا اور زیر پر زبر، میم پر زبر اور اسے ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، ام المومنین حضرت سودہ کے بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کے والد کا نام زمعہ ہے۔

سلہ اسے چاہیے کہ ایسا نہ کرے۔

سلہ یعنی یہ مناسب نہیں کہ جس کے ساتھ تم یہ معاملہ کرتے ہو اس کے ساتھ وہ سلوک کرو، اگرچہ نافرمانی اور عدم موافقت کی صورت میں مارنے کی گنجائش ہے لیکن اس طرح نہیں (کرنا) ہے غلاموں کی طرح مارو حدیث میں اس طرف اشارہ ہے

کہ اگر غلام اور کنیز الفاظ اور کلام کے ساتھ سیدھے نہ ہوں تو انہیں مارنا جائز ہے۔
کے لوگوں کو۔

۳۱۰۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں[1] سے کھیلتی تھی اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ آپ سے چھپ جاتی تھیں[2] تو آپ انہیں میری طرف بھیج دیتے[3] تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔ (صحیحین)

[1] بنات کا معنی لڑکیاں ہیں، اس جگہ کپڑے کی بنائی ہوئی گڑیاں مراد ہیں جن سے بچیاں کھیلتی ہیں۔
[2] انقماع کا معنی ہے پوشیدہ ہو جانا، چھپ جانا۔
[3] تسریب کا معنی راستے پر بھیجنا سرب راستہ۔

۳۱۰۶ وَعَنْهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتّٰى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ

ان ہی سے روایت ہے کہ بخدا! میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور حبشی مسجد میں چھوٹے نیزے کے ساتھ کھیلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر سے چھپائے ہوئے تھے تاکہ میں آپ کے کان اور کندھے کے درمیان میں سے حبشیوں کا کھیل دیکھوں، پھر میرے لیے کھڑے رہتے یہاں تک کہ میں ہی واپس ہوتی[1] تو تم کھیل کی شوقین نو عمر لڑکی کے کھڑے ہونے کی مقدار کا اندازہ

الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لگا رکھے۔
(صحیحین)

لے حَرْبَہ حا پر زبر، را ساکن چھوٹا نیزہ ـــــــــ مسجد سے مراد یا تو مسجد سے متصل خالی جگہ ہے یا خود مسجد میں کھیلتے تھے، کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ چھوٹے نیزے کے ساتھ ان کا یہ کھیل، دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کے حکم میں تھا اور تیر اندازی کی طرح جنگ کی تیاری تھی، لہٰذا یہ کھیل عبادت کے حکم میں تھا اور عید کے دن تھا جب کہ کھیل کود مباح ہوتا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے منع کیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آج عید کا دن ہے انہیں منع نہ کرو، حضرت عائشہ نو عمر تھیں

۲ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حد تک صبر فرماتے اور کھڑے رہتے جب تک میں خود واپس نہ ہوتی اور بس نہ کرتی آپ نہ چلتے۔

۳ یعنی خیال کرو کہ نو عمر لڑکیاں کھیلوں کے دیکھنے کی کتنی شوقین ہوتی ہیں؟ میں اتنی دیر تک کھڑی رہتی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری خاطر کھڑے رہتے یہ آپ کے حسن معاشرت اور حسن اخلاق کا کمال تھا اور حضرت عائشہ سے آپ کی محبت اور ان پر آپ کی عنایت کا نتیجہ تھا۔

۳۱۰۷ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جانتے ہیں جب تم ہم سے راضی ہوتی ہو اور جب ہم سے ناراض ۱ ہوتی ہو، میں نے عرض کیا: آپ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ فرمایا: جب تم ہم سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو مجھے رب محمد مصطفیٰ کی قسم ۲ اور جب ہم سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ایسے نہیں ہے حضرت ابراہیم کے رب کی قسم ۳ میں نے عرض کیا: ہاں ۴ خدا کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام ہی ترک کرتی ہوں ۵۔
(صحیحین)

لے غضبیٰ پر وزن سلمیٰ ناراض عورت۔

سے یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتی ہو مگر ہمارے نام کی طرف مضاف کر کے۔

سے یعنی تم ہمارا نام نہیں لیتیں اور رب ابراہیم کہتی ہو۔

کے ایسے ہی ہے۔

شے یعنی ناراضگی کی حالت میں جب اختیار مغلوب ہو جاتا ہے یا باقی نہیں رہتا اس وقت بھی فقط آپ کا نام نامی ترک کرتی ہوں نہ کہ آپ کی ذات اقدس کو لے میرا دل اس وقت بھی آپ کی محبت سے معمور اور آپ کی ذات والا صفات پر قربان ہوتا ہے ——— علامہ طیبی فرماتے ہیں اُھجُرُ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ انہیں نام شریف کے ترک کرنے پر بھی صدمہ ہوتا تھا جیسے کہ محب، محبوب کو غیر اختیاری طور پر چھوڑنے پر دکھ محسوس کرتا ہے۔

۳۱۰۸ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَی الرَّجُلُ امْرَاَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْھَا الْمَلٰٓئِکَۃُ حَتّٰی تُصْبِحَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا مِنْ رَجُلٍ یَّدْعُوْا امْرَاَتَہٗ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَتَاْبٰی عَلَیْہِ اِلَّا کَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ سَاخِطًا عَلَیْھَا حَتّٰی یَرْضٰی عَنْھَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے لے پس مرد ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں (صحیحین) اور ان کی ایک روایت میں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے نہیں ہے کوئی مرد جو اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے مگر یہ کہ آسمان والا اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ مرد اس سے راضی ہو جائے۔

لے وہ سرکشی کا مظاہرہ کرے اور اس کے پاس نہ آئے۔

لے یہ ناراضی ناز کی ہے نہ کہ نفرت کی ورنہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ناراض ہونا کفر ہے، محبوبوں کی یہ ناراضی بھی پیاری ہوتی ہے لہذا اس حدیث سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتے اور جناب ام المومنین پر اعتراض نہیں کر سکتے ۱۲ مراۃ ملخصاً۔

۵ یعنی ساری رات۔
۶ امام بخاری اور مسلم
۷ ہو سکتا ہے کہ اَلَّذِیْ فِی السَّمَآءِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہو اس اعتبار سے کہ آسمانوں میں اس کا حکم جاری ہے اور کمال قدرت کا ظہور ہے ——— علامہ طیبی نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے غضب اور مخلوق کے قریب نزول فرمانے کا ذکر کیا جاتا ہے تو خاص طور پر آسمان کا ذکر کیا جاتا ہے، درحقیقت یہ از قبیل متشابہات ہے جن کا حکم معلوم ہے۔

۳۱۰۹ وَعَنْ اَسْمَآءَ[۱] اَنَّ امْرَاَۃً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ ضَرَّۃً فَھَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِیْ غَیْرَ الَّذِیْ یُعْطِیْنِیْ فَقَالَ اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت اسماء[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک سوکن[۲] ہے کیا مجھ پر کچھ گناہ ہے؟ اگر میں اپنے شوہر سے وہ چیز ظاہر کروں[۳] جو اس کی دی ہوئی چیز کے علاوہ ہے[۴]۔ فرمایا: جو شخص وہ کچھ ظاہر کرے[۵] جو اسے نہیں دیا گیا[۶] وہ دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔ (صحیحین)

۱ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
۲ ضَرَّتَانِ وہ دو عورتیں جو ایک مرد کے نکاح میں ہوں، ان میں سے ہر ایک دوسری کے لیے ضَرَّہ ہے۔
۳ یعنی اپنی سوکن کے سامنے غلط بیانی سے یہ ظاہر کروں کہ یہ چیز مجھے میرے شوہر نے دی ہے۔
۴ یعنی جو کچھ شوہر نے دیا ہے اس سے زیادہ کا اظہار کروں تاکہ سوکن کو غصہ دلاؤں اور اسے غمگین کردوں۔ اصل میں تشبع کا معنی ہے یہ ظاہر ہونا کہ سیر ہو چکا ہے حالانکہ سیر نہیں ہے۔
۵ نعمت اور مال و اسباب، تکبر اور تفاخر کے لیے
۶ تہبند اور اوڑھنے والی چادر، جیسے کہ ایک شخص نے مانگ کر کپڑے پہنے ہوئے ہوں اور ظاہر یہ کرے کہ یہ میری ملکیت ہیں، یا صوفیوں کا لباس پہنے تاکہ زاہدوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے یا قیمتی کپڑے پہنے تاکہ جھوٹی گواہی دے یا ایک رنگ کا کپڑا پہنے اور اس کی آستینیں دوسرے رنگ کی ہوں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس نے دو کپڑے پہن رکھے ہیں۔

۳۱۱۰/۱۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اٰلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِّسَائِهٖ شَهْرًا وَّ كَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهٗ فَاَقَامَ فِىْ مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اٰلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ کا ایلاء[1] کیا اور آپ کے پائے اقدس کا جوڑ کھل گیا تھا[2]، تو آپ نے بالاخانہ میں انتیس[3] راتیں قیام فرمایا، پھر نیچے تشریف لے آئے[4] صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا فرمایا: بے شک مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے[5]۔ (بخاری)

[1] یعنی آپ نے امہات المومنین کے پاس ایک ماہ تک نہ آنے کی قسم کھائی تھی، ایلاء فقہ کی کتاب الطلاق کا مشہور باب ہے (یہ لغوی ایلاء تھا، شرعی ایلاء یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائے، پھر اگر مدت میں رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا ورنہ یہ مدت گزرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی ۱۲ مراۃ ملخصاً)

[2] گھوڑے کی پشت سے زمین پر گرنے کے سبب، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پائے مبارک میں خراش آگئی تھی، تحقیق یہ ہے کہ پائے اقدس کا جوڑ کھل گیا تھا، انفکاک قدم کا معنی ہے پاؤں کے اجزاء کا ایک دوسرے سے جدا ہو جانا۔

[3] اقامت: کسی جگہ آرام کرنا ———— مشربہ میم پر زبر، شین ساکن، را پر پیش، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد با، بالاخانہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کاشانہ مبارک کچی اینٹوں سے بنا ہوا تھا اس کی چھت لکڑی اور کھجور کے پتوں سے تیار کی گئی تھی اس پر بالاخانہ بھی تھا ———— اس مدت میں آپ امہات المومنین کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔

[4] بالاخانے سے اتر کر اہل خانہ کے پاس تشریف لائے۔

[5] اور مہینہ تیس دن کا ہوتا اور آپ انتیس دن کے بعد نیچے تشریف لے آئے ہیں۔

[6] صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہینہ انتیس دن کا تھا جس میں آپ نے بالاخانے میں قیام فرمایا تھا۔

۳۱۱۱/۱۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ يَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر تشریف لائے اور رسول اللہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ
لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ قَالَ
فَاُذِنَ لِاَبِيْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ
اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ
لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاۤؤُهٗ
وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقَالَ
لَاَقُوْلَنَّ شَيْئًا اُضْحِكُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ رَاَيْتَ
بِنْتَ خَارِجَةَ سَاَلَتْنِي النَّفَقَةَ
فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَاْتُ عُنُقَهَا
فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ
حَوْلِيْ كَمَا تَرٰى يَسْاَلْنَنِي النَّفَقَةَ
فَقَامَ اَبُوْ بَكْرٍ اِلٰى عَائِشَةَ
يَجَاُ عُنُقَهَا وَقَامَ عُمَرُ
اِلٰى حَفْصَةَ يَجَاُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا
يَقُوْلُ تَسْاَلِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا لَيْسَ عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَاللّٰهِ
لَا نَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا
لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی
اجازت طلب کی، انہوں نے دیکھا کہ لوگ آپ کے
دروازے پر بیٹھے ہیں اور ان میں سے کسی کو اجازت
نہیں دی گئی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضرت
ابوبکر کو اجازت دی گئی تو وہ اندر چلے گئے، پھر
حضرت عمر آئے انہوں نے اجازت مانگی انہیں بھی
اجازت دے دی گئی انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارد گرد ازواج مطہرات
جمع ہیں اور آپ غمگین اور خاموش تشریف فرما ہیں
حضرت عمر نے کہا کہ میں کوئی ایسی بات کروں گا
کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہنسا دوں۔
کہنے لگے یا رسول اللہ! اگر آپ ملاحظہ فرماتے
کہ بنت خارجہ نے مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کیا
تو میں نے اٹھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ تو
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا:
جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو یہ میرے گرد جمع ہیں اور نفقہ
کا مطالبہ کر رہی ہیں، حضرت ابوبکر نے اٹھ کر حضرت
عائشہ کی گردن دبائی اور حضرت عمر نے اٹھ کر حضرت
حفصہ کی گردن مروڑی اور وہ دونوں فرما رہے
تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
وہ کچھ مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے
انہوں نے کہا بخدا! ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
سے ایسی چیز کا کبھی مطالبہ نہیں کریں گے جو آپ
کے پاس نہیں ہوگی پھر آپ نے ان سے ایک
مہینہ یا انتیس دن علیحدگی اختیار فرمائی اس کے

شَهْرًا اَوْ تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ
ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يٰاَيُّهَا
النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ حَتّٰى
بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا
عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَاَ بِعَائِشَةَ
فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنِّيْ اُرِيْدُ
اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا
اُحِبُّ اَلَّا تَعْجَلِيْ فِيْهِ حَتّٰى
تَسْتَشِيْرِيْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ
وَمَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
فَتَلَا عَلَيْهَا الْاٰيَةَ قَالَتْ
اَفِيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ
اَبَوَيَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
وَ اَسْاَلُكَ اَنْ لَّا تُخْبِرَ
امْرَاَةً مِّنْ نِّسَائِكَ بِالَّذِيْ
قُلْتُ قَالَ لَا تَسْاَلُنِيْ امْرَاَةٌ
مِّنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ
اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِيْ مُعَنِّتًا وَّ
لَا مُتَعَنِّتًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِيْ
مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بعد یہ آیت نازل ہوئی ، اے نبی اپنی ازواج مطہرات
کو فرما دیجئے یہاں تک کہ یہ ارشاد فرمایا ، اللہ نے
تم میں سے نیکو کاروں کے لیے اجر عظیم تیار فرمایا ہے[1]
راوی کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ سے ابتدا کی
اور فرمایا ، اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات
رکھنا چاہتا ہوں ، مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں[2] جلدی
نہ کرو یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر
لو ، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا بات
ہے؟ تو آپ نے ان کے سامنے آیت کی
تلاوت کی ، انہوں نے عرض یا رسول اللہ! کیا
میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے
مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے
رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور
آپ سے میری درخواست ہے کہ جو کچھ میں
نے عرض کیا ہے وہ دوسری بیویوں میں) سے
کسی کو نہ بتائیں! آپ نے فرمایا : ان میں
سے جو بھی ہم سے پوچھے گی[3] ہم اسے بتا دیں گے
بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشقت میں
ڈالنے والا اور مشقت میں واقع ہونے والا بنا کر
نہیں بھیجا ، لیکن ہمیں تو تعلیم اور آسانی دینے والا
بنا کر بھیجا ہے ۔

(مسلم)

۱ یعنی مسجد میں ۔
۲ داخل ہونے کی
۳ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۔

ﷺ وجم، وجُوْمٌ غم وغصہ کی وجہ سے خاموش ہونا نہایہ میں ہے وَاجِم، جس کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ہوں اور شدت غم سے سر جھکایا ہوا ہو۔

ﷺ ایک نسخہ میں ہے فَقُلْتُ پس میں نے کہا، دل میں یا زبان سے

ﷺ اس سے مراد ان کی زوجہ محترمہ ہیں۔

ﷺ یعنی اگر میری بیوی مجھ سے ضرورت سے زیادہ (اقادری) نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے تو میں اس کی گردن پر مکا رسید کرتا ہوں تاکہ مطالبے سے باز آجائے۔

ﷺ حضرت ابوبکر و عمر، حضرت عائشہ، حفصہ سے ———— رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ﷺ (حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہان کو غنی فرمادیا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا، اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ اور رسول نے انہیں اللہ کے فضل سے غنی کردیا۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں (رضا بریلوی)

بوریا ممنون خواب راحتش — تاج کسریٰ زیر پائے امتش

(مراۃ بتغیر)

ﷺ یہ راوی کو شک ہے ———— یہ علیحدگی اس رنج و غم کی وجہ سے تھی جو امہات المومنین کی طرف سے آپ کے دل اقدس کو پہنچا۔

ﷺ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی ازواج مطہرات کو فرما دیجئے اگر تم دنیا کی طلب گار ہو تو آؤ تاکہ تم سب کو مالِ دنیا دے کر اپنے سے جدا کردوں، اور اگر تم خدا اور رسول کی طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم نیکوکاروں کیلئے عظیم ثواب تیار کیا ہوا ہے۔

ﷺ یعنی سب سے پہلے حضرت عائشہ سے ابتدا کی کہ وہ آپ کو زیادہ محبوب تھیں اور زیادہ قریب تھیں۔

ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔

ﷺ جو نازل ہوئی تھی۔

ﷺ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے بعد یہ درخواست پیش کی۔

ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں نے خدا اور رسول کو اختیار کیا ہے تاکہ ان کا معاملہ بین بین رہے اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دنیا کو اختیار کرلے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد نکاح سے نکل جائے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق حضرت عائشہ کی محبت و غیرت کی انتہا ہے۔

۶ یعنی جس نے تمہارے جواب کے بارے میں پوچھا تو اسے ہم بتا دیں گے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ از خود نہیں بتائیں گے لیکن پوچھنے پر بھی نہ بتانا شفقت اور مہربانی کے خلاف ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام جہانوں کے لیے شفقت، خیر خواہی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۸ عنت پہلے دو نوں حرف متحرک، فساد، گناہ، ہلاکت، مشقت اور شدت۔

۹ ہمیں لوگوں کو دین کے احکام اور رشد و ہدایت کے راستے کی تعلیم دینے والا اور لوگوں کے کام آسان کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ــــــــــ یہ دین، خیر خواہی اور امت پر شفقت فرمانے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استقامت کا کمال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خصوصی لگاؤ کے باوجود ان کی خاطر حق کو ترک نہیں فرمایا۔

۳۱۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ . قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ عَلَى اللَّاتِيْ وَهَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۤءُ مِنْهُنَّ وَ تُؤْوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۤءُ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَاۤ اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاۤءِ ذُكِرَ فِيْ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں پر غیرت[۱] کھاتی تھی جنہوں نے اپنی جانیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہبہ کیں، تو میں نے کہا کیا عورت اپنی جان ہبہ کرتی ہے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان میں سے جسے چاہو مؤخر کر دو اور جسے چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جن کو آپ جدا کر چکے ہوں ان میں سے کسی کو طلب کریں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے[۲] تو میں نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری فرماتا ہے[۳]۔ (صحیحین)

حضرت جابر کی حدیث[۴] کہ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، حجۃ الوداع کے واقعہ میں بیان کر دی گئی ہے۔

۱ کہتے ہیں کہ اس جگہ غیرت کا لازم مراد ہے یعنی پیچ و تاب کھانا اور مشقت اٹھانا۔

۲ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت اپنی جان ہبہ کرتی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسے قبول کرنا لازم نہیں تھا اگر چاہتے قبول فرماتے اور چاہتے تو رد فرما دیتے۔

سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ۔
سے اور جو کچھ آپ چاہتے ہیں اور جس کا میلان رکھتے ہیں مرضی کرتا ہے[1] ۔
سے جو عورتوں کے حقوق ادا کرنے سے متعلق واقع ہے اور اس کی ابتدا اس جملے سے ہے ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَاءِ ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۱۱۳/۱۴ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُہٗ فَسَبَقْتُہٗ عَلٰی رِجْلَیَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُہٗ فَسَبَقَنِیْ قَالَ ھٰذِہٖ بِتِلْکَ السَّبْقَۃِ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی[1] تو میں پاؤں سے دوڑنے[2] میں آگے نکل گئی ، پھر جب میرا جسم بھاری ہو گیا تو میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے فرمایا : یہ اس سبقت کا بدلہ ہے[3] ۔ (حساب برابر ہو گیا) (ابوداؤد)

سلہ مسابقت کا معنی ہے آگے نکلنے کے ارادے سے ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ لگانا ۔
سلہ اس کلمہ سے مقصد کی تاکید مراد ہے اور وہ مقصد کمیل کا بیان ہے جیسے کہتے ہیں کَتَبْتُہٗ بِیَدِیْ میں نے وہ چیز اپنے ہاتھ سے لکھی اور اَبْصَرْتُہٗ بِعَیْنِیْ میں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا ۔
سلہ اس واقعہ کے تذکرہ سے مقصود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے حسن معاشرت اور

سلہ اس آیت کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اے محبوب ! جس عورت سے آپ چاہیں نکاح کریں اور اسے اپنے پاس رکھیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں آپ پر تعداد ازواج کی کوئی پابندی نہیں اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ ، دوسرے یہ کہ اے محبوب ! آپ کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو چاہیں اپنے سے علیحدہ رکھیں کہ اس کے لیے باری کوئی مقرر نہ فرمائیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں ، ام المومنین نے پہلی تفسیر اختیار فرمائی کہ آپ جس قدر عورتوں سے چاہیں نکاح کریں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المومنین کا عقیدہ یہ تھا سے

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد (مراۃ)

ان سے اختلاط کا بیان ہے خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو ازواج مطہرات میں سے آپ کی محبوب ترین زوجہ ہیں۔

۳۱۱۴/۱۵ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَ اِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِيْ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر[۱] وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا ہو اور میں تم سے بہترین ہوں اپنے گھر والوں کے لیے اور جب تمہارا ساتھی[۲] فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو (امام ترمذی، دارمی) امام ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لِاَهْلِيْ تک روایت کی[۳]

[۱] مخلوق اور خالق کے نزدیک۔

[۲] جو تمہارے درمیان رہتا تھا وہ فوت ہو جائے تو اس کے عیوب اور نقائص بیان نہ کرو، اس سے مراد یہ ہے کہ مردوں کی غیبت نہ کرو، جیسے کہ آیا ہے اُذْكُرُوْا مَوْتَاكُمْ بِالْخَيْرِ اپنے مردوں کو اچھائی کے ساتھ یاد کرو، بعض نے کہا مطلب یہ ہے کہ فوت ہونے والے پر رونا دھونا ترک کر دو، بعض علماء نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاحب سے اپنی ذات اقدس مراد لی ہے یعنی جب میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں اور اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھ پر حسرت و غم کا اظہار نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر فوت ہونے والے کا خلیفہ ہے، اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تمہارا معاملہ خیر و خوبی کے ساتھ رہے گا، الفاظ سے اس معنی کا سمجھنا کسی قدر بعید ہے لیکن گزشتہ کلام سے اس کی مناسبت بہت واضح ہے۔

[۳] ان کی روایت میں اِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ الخ مذکور نہیں ہے۔

۳۱۱۵/۱۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَ صَامَتْ شَهْرَهَا وَ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے[۱] اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے[۲] تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ یہ حدیث۔

(رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِی الْحِلْيَةِ) ابونعیم[3] نے حلیۃ الاولیاء[4] میں روایت کی۔

[1] جو اس پر فرض ہے۔

[2] ان امور میں جو نکاح سے متعلق ہیں مثلاً جماع وغیرہ (بشرطیکہ شوہر شریعت مطہرہ کے مخالف حکم نہ دے ورنہ اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی ۱۲ قادری)

[3] ابونعیم نون پر پیش۔

[4] علم حدیث کی کتاب جس میں بعض مشاہیر اولیاء کرام کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

۳۱۱۶/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

[1] اس میں مبالغہ ہے اور عورت پر مرد کی اطاعت کے کمال وجوب کا بیان ہے۔

۳۱۱۷/۱۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اس حال میں مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

۳۱۱۸/۱۹ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَاْتِهٖ وَ اِنْ كَانَتْ عَلَی التَّنُّوْرِ۔

حضرت طلق بن علی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد، عورت کو اپنی حاجت کے لیے بلائے تو اسے چاہیے کہ اس کے پاس آئے اگرچہ وہ عورت تنور پر ہو[2]۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

لہ طلق طا پر زبر، اس کے بعد قاف، بن علی، صحابی ہیں، یمامہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفد میں شامل تھے۔

سکہ یعنی اگرچہ کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور مال کے ضائع ہونے کا بھی احتمال ہو۔ مثلاً اس نے تنور میں روٹیاں لگائی ہوئی ہوں اور شوہر اسے طلب کرے، علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ روٹیاں مرد کی ہوں کیونکہ جب وہ اسے اس حالت میں بلائے گا تو وہ اپنے مال کے ضیاع پر راضی ہوگا، ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اگرچہ وہ عورت کسی مشکل میں مبتلا ہو اور ایسی جگہ ہو کہ وہاں حاجت کا پورا کرنا ممکن نہ ہو، اس میں مبالغہ ہے امر محال پر معلق کرنے کی صورت میں۔

۳۱۱۹/۲۰ وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِی امْرَأَۃٌ زَوْجَھَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ لَا تُؤْذِیْہِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُّفَارِقَکِ اِلَیْنَا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بھی کوئی عورت اپنے شوہر کو دنیا میں تکلیف دیتی ہے تو حور عین لہ میں سے اس کی بیوی کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے سکہ اسے تکلیف نہ دے، تیرے پاس تو وہ مہمان ہے سکہ عنقریب وہ تم سے جدا ہو کر ہمارے پاس آجائے گا سکہ۔

(امام ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ عِیْن جمع ہے عَیْنَاء کی، بڑی آنکھوں والی عورت۔

سکہ یہ اس عورت کے لیے بددعا ہے۔

سکہ تیرے پاس تو اس کا چند روز قیام ہے ——— دخیل اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے پاس آئے اور ان میں سے نہ ہو۔

سکہ یعنی وہ بہشت میں آئے گا اور تو دوزخ میں جائے گی ——— یُوْشِکُ (قریب ہے) اس لیے کہا کہ اس مرد کا جنتی ہونا یقینی نہیں ہے۔

۳۱۲۰ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَ لَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری[1] اپنے والد[2] سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ فرمایا: یہ کہ جب تو کھائے تو اسے کھلا، جب تو پہنے تو اسے[3] پہنا، چہرے پر نہ مار[4] اس کے اقوال و افعال کو برا نہ کہہ[5] اور اسے جدا نہ کر مگر گھر میں[6]۔

(امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

[1] قشیری قاف پر پیش، شین پر زبر، قشیر بن کعب کی طرف نسبت ہے، حضرت حکیم تابعی ہیں، امام نسائی نے فرمایا: ان میں کوئی حرج نہیں ہے، جامع الاصول میں ہے اعرابی ہیں اور ان کی روایت حسن ہے۔

[2] حضرت معاویہ بن حیدہ حا پر زبر، یا ساکن، اس کے بعد دال بغیر نقطے کے۔

[3] بعض روایات میں ہے مِمَّا طَعِمْتَ وَ مِمَّا اكْتَسَيْتَ یعنی جو خود کھاؤ اسے کھلاؤ اور جو خود پہنو اسے پہناؤ، مطلب یہ کہ خوراک اور پوشاک میں اسے اپنے برابر رکھو، پہلی روایات سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی؛ غالباً واجب نفقہ کے ماسوا مراد ہے۔

[4] اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت سے فحش افعال صادر ہوں یا فرائض ترک کرے یا اسے ادب سکھانا مقصود ہو تو چہرے کے علاوہ جسم کے دوسرے حصوں پر مار سکتا ہے لیکن چہرے پر مارنا ہر حال میں ممنوع ہے۔

[5] یا یہ مطلب ہے کہ اسے قَبَّحَكِ اللّٰهُ، اللہ تعالیٰ تجھے بدصورت بنائے کی بددعا نہ دے ـــــ یعنی اسے ناحق نہ پھٹکارے۔

[6] یعنی اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اسے جدا کیا جائے تو اس کا بستر الگ کر دو ایسا نہ کرو کہ دوسرے گھر میں ہی رہائش اختیار کر لو ـــــ اس سلسلے میں قرآن پاک کا حکم یہ ہے۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ تمہیں

جن عورتوں کی نافرمانی کا خوف ہو انہیں نصیحت کرو، ان کے بستر الگ کر دو اور انہیں مارو (یعنی پہلے زبان سے سمجھاؤ نہ مانیں تو بستر الگ کر دو، پھر بھی نہ مانیں تو انہیں مارو ——— پھر بھی وحشیانہ اور ظالمانہ انداز نہ ہو۔

۱۲ قادری)

۳۱۲۱/۲۲ وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ امْرَاَةً فِيْ لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ اِنَّ لِيْ مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُوْلُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيْهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اُمَيَّتَكَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت لقیط بن صبرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں کچھ چیز ہے یعنی زبان درازی[۲] فرمایا! اسے طلاق دے دو، میں نے عرض کیا، اس سے میری اولاد ہے[۳] اور اس کی میرے ساتھ رفاقت[۴] ہے فرمایا، تو اسے حکم دو یعنی اسے نصیحت کرو[۵]، اگر اس میں بھلائی ہوئی تو وہ قبول کرے گی[۶] اور اپنی بیوی کو ہرگز اس طرح نہ مارو جس طرح تم اپنی لونڈی کو مارتے ہو[۷]۔ (ابوداؤد)

[۱] لقیط لام پر زبر، قاف کے نیچے زیر، یا ساکن اور آخر میں بے نقطہ طاء۔ بن صبرہ صاد پر زبر، باء کے نیچے زیر، آخر میں راء، مشہور صحابی ہیں اور اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔

[۲] شئے سے ان کی مراد فحش گوئی، بدزبانی اور بیہودہ گوئی ہے۔

[۳] ولد کا استعمال ایک اور اس سے زائد دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

[۴] جس پر میں راضی ہوں۔

[۵] راوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مُرھَا کی مراد بیان کرنے کے لیے کہا یقول عظہا آپ نے فرمایا: اسے نصیحت کر۔

[۶] نصیحت قبول کرے گی اور فحش گوئی سے باز آجائے گی۔

[۷] ظَعِیْنَۃ نقطے والی ظاء کے ساتھ بروزن سکینہ، کجاوے میں بیٹھی ہوئی عورت یہ ظعن سے مشتق ہے جس کا معنی سفر اور رحلت ہے، کبھی بغیر کجاوے کے عورت کو بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی عورت سے خالی کجاوے کو بھی کہہ دیتے ہیں اس جگہ صاحبہ اور رفیقہ حیات مراد ہے، اگر زوجہ عورت کو اس عنوان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ——— اُمَیَّۃ ہمزہ پر پیش، یا مشدد، اَمۃ کی تصغیر ہے۔

۳۱۲۲/۲۳ وَعَنْ اِيَاسِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِيْ ضَرْبِهِنَّ فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰٓئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ایاس[1] بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کنیزوں[2] کو نہ مارو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر[3] ہو گئی ہیں تو آپ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی تو بہت سی عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہل بیت کے پاس چکر[4] لگائے وہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں[5]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سی عورتوں نے ہمارے گھر والوں کے پاس چکر لگائے ہیں وہ اپنے مردوں کی شکایت کرتی ہیں، وہ[6] تم میں سے اچھے نہیں ہیں۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

[1] ایاس ہمزہ کے نیچے زیر اور یاء مخفف۔

[2] اس سے بیویاں مراد ہیں، کیونکہ مرد اللہ تعالیٰ کے غلام اور عورتیں کنیزیں ہیں۔

[3] یہ ارشاد سن کر مردوں کی نافرمان ہو گئی ہیں ـــــــ ذَئِرْنَ نقطے والے ذال ہمزہ اور راء کے ساتھ دلیر ہو جانا۔

[4] اس جگہ اَطَافَ کو ہمزہ کے ساتھ صحیح قرار دیا گیا ہے۔ دوسری جگہ بغیر ہمزہ کے دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں مصابیح کے نسخوں میں دونوں جگہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔

[5] کہ انہوں نے ہمیں مارا ہے۔

۵۔ جو عورتوں کو مارتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ عورتوں کو مار کر اچھا نہیں کرتے۔

۳۱۲۳/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَاَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے سامنے اور غلام کو اس کے آقا کے سامنے خراب کرے[۱]۔ (ابو داؤد)

۱۔ یعنی عورت کی برائیاں مرد کے سامنے اور غلام کی برائیاں اس کے آقا کے سامنے بیان کرے۔

تخبیب نقطے دال خاء اس کے بعد دو مرتبہ باء، دھوکا دینا اور بگاڑ پیدا کرنا۔

۳۱۲۴/۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّ اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مومنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ ہے جو ان میں سے اچھے اخلاق والا اور اپنے اہل و عیال[۱] پر مہربان ہے۔ (ترمذی)

۱۔ کیونکہ ان کی طرف سے اذیت اور تکلیف زیادہ پہنچتی ہے اس کے باوجود خوش اخلاق اور نرم رویہ اپنانا ایمان اور صبر کا کمال ہے۔

۳۱۲۵/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّ خِیَارُكُمْ خِیَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ اِلٰی قَوْلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو اخلاق میں ان میں سے اچھا ہے اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، امام ابو داؤد نے یہ حدیث خُلُقًا تک

خُلُقًا۔ روایت کی۔

۳۱۲۶/۲۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَوْ حُنَيْنٍ وَ فِيْ سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيْحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِيْ وَ رَاٰى بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهٗ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَرٰى وَسْطَهُنَّ قَالَتْ فَرَسٌ قَالَ وَمَا هٰذَا الَّذِيْ عَلَيْهِ قَالَتْ جَنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لَهٗ جَنَاحَانِ قَالَتْ اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلًا لَهَا اَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ حَتّٰى رَاَيْتُ نَوَاجِذَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ تبوک[1] یا حنین[2] سے تشریف لائے، ام المومنین کے طاقچے[3] پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی تو اس سے پردہ اٹھ گیا اور حضرت عائشہ کی گڑیاں[4] دکھائی دینے لگیں آپ نے فرمایا، عائشہ! یہ کیا[5] ہے؟ عرض کیا یہ میری بچیاں ہیں، آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے[6] کے دو پر تھے، فرمایا: ہم ان کے درمیان یہ کیا دیکھ رہے ہیں؟ عرض کیا یہ گھوڑا ہے[7]، فرمایا یہ اس کے اوپر کیا ہے؟ عرض کیا دو پر ہیں فرمایا، گھوڑے کے دو پر[8]؟ عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے[9]، فرماتی ہیں آپ ہنسے یہاں تک کہ میں نے آپ کے اندرونی دانت دیکھے[10]۔ (ابوداؤد)

[1] تبوک پہلے تا پھر با، ملک شام کی مشہور جگہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا۔

[2] یہ راوی کو شک ہے ——— حنین حا پر پیش، پہلے نون پر زبر، مکہ مکرمہ سے چند مرحلوں کے فاصلے پر ایک جگہ ہے، یہ غزوہ، فتح مکہ کے متصل ۸ھ میں تھا۔

[3] سہوہ سین پر زبر، ہا ساکن، چھپر یا چھوٹا کمرہ جہاں غلہ وغیرہ محفوظ کیا جاتا ہے، یا طاقچہ جس میں کوئی چیز رکھی جاتی ہے ——— ستر سین کے نیچے زیر، تا ساکن، پردہ۔

[4] لعب، بنات کا بیان ہے، لام پر پیش، عین پر زبر، لُعْبَۃٌ کی جمع، بچیوں کے کھیلنے کی چیزیں جو کپڑے کی دھجیوں سے بنائی جاتی ہیں۔

۵۵ یہ کھلونے کیا ہیں؟
۵۶ رقاع رار کے نیچے زیر، رقعہ کپڑے کا ٹکڑا یا کاغذ۔
۵۷ اور اس کی تصویر ہے۔
۵۸ بطور تعجب فرمایا۔
۵۹ جن کے ساتھ وہ لڑتے تھے اور تخت کو ہوا میں اڑاتے تھے۔
۶۰ اس جگہ یہ سوال رہ جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کھلونوں اور تصویروں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھیلنے کو کیسے جائز قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کھلونوں کی واضح صورتیں نہیں تھیں کیونکہ تصویریں تو حرام ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ واقعہ تصویروں کے حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے یا اس لیے کہ بچوں کے کھلونوں کا حکم ہلکا ہے۔ ــــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۱۲۷/۲۸ عَنْ قَیْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَاَیْتُهُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ یُّسْجَدَ لَهٗ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَاَیْتُهُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ یُّسْجَدَ لَکَ فَقَالَ لِیْ اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حیرہ گیا، میں نے دیکھا وہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں سجدہ کیا جائے، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں حیرہ گیا اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، آپ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے آپ نے مجھے فرمایا: اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا تم اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا، نہیں! فرمایا: اب بھی سجدہ نہ کرو، اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا

لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ)

کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر حق رکھا ہے (ابو داؤد) امام احمد نے یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

لہ قیس بن سعد انصاری، خزرجی، مدنی صحابی ہیں، دس سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، بڑے جسیم، بلند قامت، سخی سردار، صاحب عقل و دانش اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہی تھے۔ ان کے والد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے (حضرت قیس، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی ۱۲ مرآۃ)

کہ حیرہ حا کے نیچے زیر، یا ساکن، اس کے بعد راء، کوفہ کے پاس مشہور قدیم شہر ہے۔

کہ مرزبان، میم پر زبر، راء ساکن، زاء پر پیش، شہسوار، بہادر، سردار۔

کہ یعنی اگر اس وقت میری تعظیم و تکریم اور ہیبت و جلال کے سبب سجدہ کرو گے اور جب میں اس جہان سے پردہ کر جاؤں گا تو سجدہ نہیں کرو گے، لہٰذا اس ذات کو سجدہ کرنا چاہیے جسے کبھی موت نہ آئے اور اس کا ملک کبھی زائل نہ ہو۔

$\frac{۳۱۲۸}{۲۹}$ وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْاَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ امْرَاَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد سے اس چیز کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا لہ جس پر اس نے اپنی عورت کو مارا لہ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

لہ ذرا تقویۃ الایمان کا انداز بھی ملاحظہ ہو، شاہ اسمٰعیل دہلوی یہ حدیث نقل کر کے کہتے ہیں: ف یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق ہوں؟ "حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں "مر کر مٹی میں ملنے والا" کے الفاظ سن کر کوئی بھی مسلمان اضطراب محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ الفاظ نہ تو حدیث کا ترجمہ ہیں اور نہ ہی اس سے مستفاد ہیں بلکہ سراسر ایجاد بندہ ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے، یہ تبصرہ صراحتہً اس حدیث کے منافی ہے ۱۲۔

(قادری)

لہ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔
۲ہ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی حدود اور شرائط کی رعایت کرے، حد سے تجاوز نہ کرے اور ظلم نہ کرے۔

۳۱۲۹/۳۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَہٗ فَقَالَتْ زَوْجِیْ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ وَیُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ وَلَا یُصَلِّی الْفَجْرَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَہٗ قَالَ فَسَاَلَہٗ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا قَوْلُھَا یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ فَاِنَّھَا تَقْرَاُ بِسُوْرَتَیْنِ وَقَدْ نَھَیْتُھَا قَالَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَتْ سُوْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ لَکَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُھَا یُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ فَاِنَّھَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا اَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُ امْرَاَۃٌ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حاضر بارگاہ تھے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: جب میں نماز پڑھتی ہوں تو میرے شوہر صفوان بن معطل[۱] مجھے مارتے ہیں، روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں، اور صبح کی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا ہے راوی کہتے ہیں کہ حضرت صفوان بھی حاضر تھے[۲]، آپ نے اُن سے ان کی بیوی کے بیان کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا کہنا ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مجھے مارتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو سورتیں پڑھتی ہے[۳] حالانکہ میں نے اسے منع کیا ہوا ہے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قرارت ایک سورت کی مقدار ہوتی تو لوگوں کے لیے کافی ہوتی، اس کا یہ کہنا کہ میں روزہ رکھتی ہوں تو یہ کھلوا دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلسل روزے رکھتی چلی جاتی ہیں، میں جوان مرد ہوں اور صبر نہیں کر سکتا[۴]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت مرد کی اجازت کے

إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

بغیر روزہ نہ رکھے، یہ کہتی ہیں کہ میں نماز نہیں پڑھتا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے گھر والے ہیں جس کے باشندوں کی عادت معروف ہے اور ہم طلوع آفتاب تک نہیں اٹھ سکتے[۵] فرمایا: صفوان! جب بیدار ہو تو نماز پڑھو[۶]

(ابو داؤد، ابن ماجہ[۷])

[۱] صفوان بن معطل میم پر پیش، عین بغیر نقطے کے، طاء مشدد مفتوح، صحابی ہیں واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق نازیبا بات آپ ہی سے منسوب کی گئی (جس کی تردید قرآن مجید نے کی غزوہ آرمینیہ میں ۱۹ھ میں شہید ہوئے، ساٹھ سال سے زیادہ عمر شریف ہوئی، بڑے باخبر بزرگ ہیں ۱۲ مرآۃ)۔

[۲] جن کی بیوی نے یہ شکایت کی تھی۔

[۳] یعنی طویل قرأت کرتی ہیں۔

[۴] جماع سے

[۵] اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم رات کو کھیت اور باغ کو پانی دینے میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو سونے کا موقع نہیں ملتا، لہٰذا ہم مجبوراً سورج کے نکلنے تک سوئے رہتے ہیں۔

[۶] ان کی کوتاہی کے باوجود ان کا عذر قبول کرنے میں مبالغہ کے ساتھ یہ امر بیان فرمایا ہے کہ مردوں کا حق عورتوں پر ثابت ہے۔

[۷] ابن ماجہ کے بعض نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے۔

۳۱۳۰/۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللهِ تَسْجُدُ لَكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر آپ کو سجدہ کیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ چوپائے اور درخت آپ کو سجدہ کرتے

اَنْبَھَا نِھُمْ وَ الشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ اَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ لَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَ مِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ فرمایا، اپنے رب، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے بھائی[1] کی تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اور اگر مرد عورت کو حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف اور سیاہ پہاڑ سے سفید پہاڑ[2] کی طرف پتھر منتقل کرے تو اسے چاہیے کہ یہ کام کرے۔

(امام احمد)

[1] اس سے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے[1]

[2] پہاڑوں کے مختلف رنگوں کا ذکر کرنے میں بطور مبالغہ پہاڑوں کی باہمی دوری کا بیان ہے کیونکہ ان اوصاف کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں پائے جاتے۔

۳۱۳۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلٰوةٌ وَ لَا تُصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ

۳۲

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے ۱، بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ اپنے مالکوں

[1] یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع اور لطف وکرم کا اظہار ہے، کسی امتی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کہے: آپ پر وحی نازل ہوتی تھی ہم پر نازل نہیں ہوتی لہٰذا آپ ہمارے بڑے بھائی ہوئے اور ہم ان کے چھوٹے" جیسے کہ تقویۃ الایمان میں ہے، کیا صحابہ کرام اور اہل بیت عظام بھی آپ کو بھائی کہہ کر دیا کرتے تھے؟ نہیں وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ۱۲ قادری ر

حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَوَالِیْهِ فَیَضَعَ یَدَهٗ فِیْ اَیْدِیْهِمْ وَالْمَرْاَةُ السَّاخِطُ عَلَیْهَا زَوْجُهَا وَالسَّکْرَانُ حَتّٰی یَصْحُوَ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

کے پاس واپس آجائے اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دے[۲]، (۲) وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو (۳) نشے والا یہاں تک کہ ہوش میں آجائے۔

(شعب الایمان، امام بیہقی)

[۱] یعنی انہیں اس نماز کا مکمل ثواب نہیں ملتا، اگرچہ وہ شرعاً صحیح ہوتی ہے۔ اور آدمی اس کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

[۲] اور ان کے تصرف اور ان کی خدمت میں آجائے، موالی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ مالک اور اس کی اولاد کی وفاداری کرے۔

۳۱۳۲/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَآءِ خَیْرٌ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کونسی عورت بہتر ہے۔ فرمایا: وہ کہ جب مرد اسے دیکھے اسے مسرور کر دے، جب حکم کرے[۱] تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی ذات اور اپنے مال[۲] میں ایسے طریقے سے مخالفت نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

(امام نسائی، شعب الایمان، امام بیہقی)

[۱] اور کسی کام کا کہے۔

[۲] اس مال میں جو اس کے تصرف اور اس کے ہاتھ میں ہے یا اس مال میں جو اس عورت کی ملکیت میں ہے اور مرد فقیر ہو تو اس پر صرف کرے۔

۳۱۳۳/۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَّنْ اُعْطِیَھُنَّ فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ قَلْبٌ شَاکِرٌ وَّ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَّ بَدَنٌ عَلَی الْبَلَآءِ صَابِرٌ وَّ زَوْجَۃٌ لَّا تَبْغِیْہِ حَوْبًا فِیْ نَفْسِھَا وَ لَا مَالِہٖ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ! جسے چار چیزیں دی گئیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کر دی گئی ۔ (۱) شکر کرنے والا دل[1] (۲) ذکر کرنے[2] والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے[3] والا جسم (۴) وہ عورت جو اپنی ذات اور سر[4] کے مال میں خیانت کی خواہاں نہ ہو۔

(شعب الایمان ، امام بیہقی)

[1] جو نعمت عطا فرمانے والے کا شکر گزار اور اس کا محب ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کریم جل شانہ کی طرف سے ہے ۔

[2] اللہ کریم جل مجدہ کا ۔

[3] جزع فزع (واویلا) سے بچنے والا ۔

[4] گزشتہ حدیث میں فِیْ مَالِھَا تھا (عورت اپنے مال میں مرد کی مخالفت نہ کرے) اور اس جگہ فِیْ مَالِہٖ ہے (ضمیر مرد کی طرف راجع ہے)

بَابُ الْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ

۲۵۵- خلع اور طلاق کا بیان

خلع پہلے حرف پر زبر، اس کا معنی ہے کھینچنا اور باہر نکالنا، عام طور پر اس کا استعمال پہنی ہوئی چیز مثلاً کپڑا موزہ اور جوتا جسم سے اتارنے کے معنی میں ہوتا ہے، اور خلع پہلے حرف پر پیش، اس کا اسم ہے اصطلاح شریعت میں اس کا معنی ہے عورت کا حق مہر یا کچھ اور دے کر اپنی ذات کو مرد سے واپس لینا، مطلق طلاق کو بھی خلع

کہہ دیتے ہیں، لغت میں طلاق کا معنی ہے کھولنا اور رہا کرنا، طلیق اس قیدی کو کہتے ہیں جو رہائی پا جائے۔ طَلِیْقُ الْوَجْہِ کشادہ چہرے والا طلیق اللسان وہ شخص جس کی گویائی کسی بھی رکاوٹ سے آزاد ہو، شریعت میں طلاق کا معنی ہے مرد کا عورت کو قید نکاح سے رہا کرنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۱۳۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَۃَ ثَابِتِ بْنِ قَیْسٍ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَیْہِ فِیْ خُلُقٍ وَّلَا دِیْنٍ وَّلٰکِنِّیْ اَکْرَہُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّیْنَ عَلَیْہِ حَدِیْقَتَہٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِیْقَۃَ وَطَلِّقْھَا تَطْلِیْقَۃً۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس[۱] کی بیوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے ثابت بن قیس کی عادت اور دین میں اعتراض نہیں ہے[۲]، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند رکھتی ہوں[۳]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم انہیں ان کا باغ واپس کر دو گی[۴]؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: باغ قبول کر لو اور انہیں ایک طلاق دے دو[۵]۔

(بخاری)

[۱] جو کہ انصاری تھے۔

[۲] یعنی میں ان سے اس لیے علیحدگی کی طلب گار نہیں ہوں کہ وہ بد اخلاق ہیں، اور ان کے دین میں نقصان ہے بلکہ وہ مجھے طبعاً پسند نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے خلاف اسلام کوئی فعل نہ واقع ہو جائے یعنی اگر نکاح برقرار رہا تو میں ان سے نباہ نہ کر سکوں گی اور ان کے حق میں کفران نعمت کی مرتکب ہو جاؤں گی آئندہ جملے وَلٰکِنِّیْ اَکْرَہُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ کا یہی مطلب ہے۔

سے۵ کہتے ہیں کہ وہ (ظاہری طور پر) خوب صورت نہ تھے اور قد بھی چھوٹا تھا، اور ان کی بیوی بڑی خوبصورت تھیں، ان کا نام بھی جمیلہ تھا اور وہ عبداللہ بن ابی کی بیٹی تھیں، بعض علماء نے کہا کہ وہ حبیبہ بنت سہل انصاری تھیں۔

کے۵ جو ثابت بن قیس نے انہیں مہر میں دیا تھا ——— صراح میں ہے حدیقہ باغ یا درخت کو کہتے ہیں۔

ے۵ حضرت ثابت بن قیس کو فرمایا۔

ے۵ فقہ میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خلع طلاقِ بائن ہے۔

۳۱۳۵/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَةً لَّهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَآءُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیالہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بارے میں سے ناراض ہوئے، پھر فرمایا، انہیں سے چاہیے کہ اس عورت سے رجوع کریں پھر اسے روکے رکھیں یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آجائے اور پاک ہو جائےکہ پھر اگر ان کی رائے ہو تو اسے چھونے سے پہلے پاکی کی حالت میں طلاق دیں یہ ڈھ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے ایک روایت میں ہے کہ انہیں حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کریں پھر پاکی کی حالت میں ئے یا حمل کی صورت میں طلاق دیں ۵۔

(مسلم، بخاری)

لہ کہ میرے بیٹے نے یہ کام کیا ہے۔

۵۲ ایسی حالت میں طلاق دینے کے سبب۔

۵۳ ابن عمر کو

۵۴ دوسرے حیض سے۔

۵۵ یعنی جماع کرنے سے پہلے۔

۵۶ حالت مذکورہ (پاکی کی حالت میں چھونے سے پہلے) طلاق دینا۔

۵۷ اگر حاملہ نہیں ہے۔

۵۸ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلاق کسی مصلحت کی بنا پر نہ دے رہا ہو بلکہ طبعی کراہت اور نفرت کی بنا پر دے رہا ہو، پاکی کی حالت میں یہ احتمال نہیں ہوگا، اس کے باوجود اگر کسی نے طلاق دے دی تو واقع ہوجانے کی اسی لیے فرمایا۔ فَلْيُرَاجِعْهَا انہیں رجوع کرنا چاہیے اور رجوع، طلاق کے واقع ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ دوسرے طہر تک تاخیر کا کیا فائدہ ہے؟ کیوں نہ پہلے طہر میں طلاق دے دے؟ اہل علم نے اس سوال کے کئی جواب دیے ہیں۔

۱۔ تاکہ رجوع، طلاق دینے کی غرض سے نہ ہو۔ اس لیے چاہیے کہ عورت کو ایک مدت تک اپنے پاس رکھے جس میں طلاق دینا حلال ہے۔

۲۔ یہ اس معصیت کی سزا ہے کہ اس نے حالت حیض میں طلاق دی۔

۳۔ پہلا طہر اور وہ حیض جس میں طلاق دی ہے ایک چیز کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا اگر پہلے طہر میں طلاق دے گا تو گویا یہ ایسے ہی ہوگا جیسے اس نے حالت حیض میں طلاق دی ہو۔

۴۔ طہر میں طلاق دینے سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس کے پاس عورت کے قیام کی مدت طویل ہوجائے اور ہوسکتا ہے کہ اس دوران اس سے جماع کرے اور اس کے دل میں پایا جانے والا طلاق کا سبب دور ہوجائے۔

ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے طہر تک روکے رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ اولیٰ اور مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱۳۶/۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار[۱] دیا تو ہم نے اللہ اور اس

اَللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے رسول کو اختیار کیا تو حضور نے اسے ہم پر کچھ شمار نہ کیا [۲]
(صحیحین)

[۱] کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت کی طلب گار ہو تو آؤ تاکہ میں تم سب کو مال دنیا دوں اور چھوڑ دوں، اور اگر خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طلب گار ہو تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے۔

[۲] تین طلاق نہ ایک اور نہ بائنہ نہ رجعی ———— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو کہے کہ اپنے آپ کو اختیار کرلے یا مجھے، اور وہ مرد کو اختیار کرے تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے ———— امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ بعض مرد کے اپنی بیوی کو اختیار دینے سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اگرچہ وہ اپنے شوہر کو ہی اختیار کرلے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد ان کے قول پر رد کرنا ہے، اور اگر عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک بائن اور امام مالک کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

۳۱۳۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حرام [۱] کے بارے میں روایت ہے کہ کفارہ دے بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین پیروی ہے [۲]۔
(صحیحین)

[۱] یعنی اگر بیوی یا اس کے علاوہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے اور وہ چیز حرام نہیں ہوتی، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے، امام شافعی کے نزدیک کفارہ نہیں ہے، بعض علماء نے کہا کہ اگر کہے کہ اللہ تعالیٰ کا حلال مجھ پر حرام ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ جمہور اہل علم کے مذہب کے خلاف ہے، ہاں اگر بیوی کو کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے اپنے اوپر حرام کیا اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق

کی نیت نہ کرے تو کفارہ ہے۔

۵ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے مذہب کی تقویت کے لیے یہ آیت پیش کی، ان کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہد کو حرام قرار دیا اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا فرض فرمایا ہے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دینا قسم ہے۔ ۱۲ قادری)

۳۱۳۸ / ۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَ شَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ اَنَا وَ حَفْصَةُ اَنْ اَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ اِنِّيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ اَكَلْتَ مَغَافِيْرَ فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ اَحَدًا تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِهِ فَنَزَلَتْ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھہرتے تھے[۱] اور آپ نے ان کے پاس شہد نوش فرمایا۔ میں نے اور حضرت حفصہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ[۲] کہے کہ میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کرتی ہوں، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے[۳]؟ آپ ان دونوں میں سے ایک[۴] کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے یہی بات کہی آپ نے فرمایا۔ کوئی حرج نہیں، ہم نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے۔ ہم آئندہ نہیں پئیں گے تحقیق ہم نے قسم کھائی ہے[۵] تم اس بات کی خبر کسی کو نہ دینا[۶]، آپ اپنی ازواج مطہرات کی رضا چاہتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں؟ جو آپ کے لیے اللہ نے حلال فرمائی ہے آپ اپنی ازواج کی رضا چاہتے ہیں[۷]

الآیۃ الآیۃ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

لہ ان کی باری پوری ہونے کے بعد کچھ دیر ان کے ہاں قیام فرماتے یا یہ مطلب ہے کہ عصر کے بعد امہات المومنین کے ہاں دورہ فرماتے تو حضرت زینب کے پاس کسی قدر زیادہ قیام فرماتے ۱۲ قادری زینب بنت جحش پہلے جیم مفتوح اس کے بعد حا، بے نقطہ ساکن۔

لہ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب ان کے اور حضرت عائشہ کے درمیان اتفاق واتحاد تھا جیسے کہ ان کے والدوں کے درمیان تھا۔

لہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

لہ مغافیر نقطے والی غین اور فا ر کے ساتھ، بروزن مصابیح، مسلم شریف میں مغافر بروزن مساجد واقع ہے ایک درخت کا گوند ایسا میوہ، اس کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے مگر اس میں بدبو بھی ہوتی ہے۔ اس کی بو کسی حد تک شہد کے مشابہ ہوتی ہے۔

لہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک کے پاس ــــــ ظاہر یہ ہے کہ راوی کو یاد نہیں رہا کہ ان میں سے کس کے پاس تشریف لے گئے۔

لہ کہ آئندہ شہد نوش نہیں کریں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر دیا۔

لہ تاکہ دیگر ازواج مطہرات کو معلوم نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدبودار چیز تناول فرمائی ہے۔

لہ مرضاۃ میم پر زبر، را ساکن، بمعنی رضا ــــــ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت، شہد کو حرام قرار دینے کے بارے میں نازل ہوئی بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ماریہ کو حرام قرار دینے کے بارے میں ہے، واقعہ میں اختلاف ہے جو اپنی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

لہ خیال رہے کہ جس گناہ کی بنیاد محبت رسول پر ہو اس سے توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل ایک عورت کے عشق میں گناہ کا مرتکب ہوا اسے توبہ نصیب نہ ہوئی حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں سے بڑے سخت امور صادر ہوئے مگر محبت یعقوبی حاصل کرنے کے لیے انہیں توبہ نصیب ہو گئی اور مقبول بارگاہ بھی ہو گئے، ان دونوں بیبیوں کی یہ ساری تدبیریں حضور کی محبت میں تھیں اس لیے رب تعالیٰ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۱۳۸/۶ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو عورت سخت ضرورت[2] کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے[3]۔

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

سلہ حضرت ثوبان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، سفر وحضر میں خدمت کیا کرتے تھے۔

سلہ ایسی ضرورت جو اسے جدائی پر مجبور کردے ——— بأس لغت میں جنگ کی سختی کو کہتے ہیں۔

سلہ یعنی جب مقربین اور نیکوکار، میدان محشر میں اسے محسوس کریں گے۔

۳۱۳۹/۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے

نے انہیں قرآن کریم میں توبہ کا حکم دیا کہ فرمایا۔ اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا پھر یہ بیبیاں پہلے کی طرح مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں اب ان پر زبان طعن کھولنا بدنصیبی ہے ——— بعض لوگ اس واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور کو علم غیب نہ تھا اگر ہوتا تو آپ کو پتا چل جاتا کہ ہمارے منہ شریف سے مغافیر کی مہک نہیں آرہی یہ محض غلط ہے کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور اس حدیث کے بھی، یہ سب کچھ ازواج مطہرات کو راضی کرنے کے لیے ہوا، اپنے منہ کی مہک نہیں ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

(۱۲ مرآۃ)

اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ ناپسندیدہ ترین چیز، طلاق ہے[1]

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ) (ابو داؤد)

[1] یعنی طلاق اگرچہ حلال اور مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، کئی چیزیں مباح اور جائز ہونے کے باوجود مکروہ ہوتی ہیں جیسے عذر کے بغیر گھروں میں نماز پڑھنا اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا۔

۳۱۴۸ وَعَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِکَاحٍ وَّلَا عِتَاقَ اِلَّا بَعْدَ مِلْکٍ وَّلَا وِصَالَ فِیْ صِیَامٍ وَّلَا یُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَّلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَّلَا صَمْتَ یَوْمٍ اِلَی اللَّیْلِ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے[1] اور آزاد کرنا نہیں ہے مگر ملک کے بعد، روزوں میں وصال نہیں[2]۔ بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں[3]، دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں[4] اور دن بھر رات تک خاموش رہنا جائز نہیں ہے۔

(شرح السنہ)

[1] کیونکہ طلاق، نکاح کی فرع ہے اور اس کا مطلب ہے عورت سے نفع حاصل کرنے کی ملکیت کا زائل کرنا اور جب ملکیت ہی نہ ہو تو اس کے زائل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام زہری جو ائمہ تابعین میں سے ہیں کے نزدیک طلاق کو نکاح پر معلق کرنا جائز ہے مثلاً کہے کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں گا اسے طلاق ہے یا معین عورت کو کہے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تمہیں طلاق۔ جب نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی[a]۔ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس کی تحقیق اصول فقہ میں

---

[a] فقہاء نے اس کی تدبیر یہ بیان کی کہ کوئی شخص اس مرد کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دے اور جب مرد کو اطلاع دے تو وہ زبان سے اجازت نہ دے بلکہ عمل سے اجازت دے مثلاً مہر ادا کر دے ۔ اب طلاق نہیں ہو گی

۱۲ قادری

ذکر کی گئی ہے عہ آزاد کرنے کے بارے میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔

کہ صوم وصال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور جیسے کہ کتاب الصیام میں بیان ہوا اور صوم وصال یہ ہے کہ دن کے وقت روزہ رکھا جائے اور رات کو افطار نہ کیا جائے۔

کہ یُتم یا پر پیش اور تا ساکن: یتیم ہونا۔

کہ اس کی مدت دو سال ہے یا اڑھائی سال ——— رضاع را کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں فطام فا کے نیچے زیر (دودھ چھڑانا)

ھ اس کا نہ تو ثواب ہے اور نہ ہی کچھ فضیلت، اگرچہ بعض پہلی امتوں میں چپ کا روزہ مشروع تھا لیکن اس امت کے لیے ممنوع ہے، صمت صاد پر زبر، خاموش ہونا۔

۳۱۴۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی نذر اس چیز میں نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو لہ اور اس چیز کا آزاد کرنا نہیں جس کا وہ مالک نہیں، جس کا مالک نہیں اس میں طلاق نہیں

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ أَبُوْ دَاوُدَ وَلَا بَيْعَ إِلَّا فِيْمَا يَمْلِكُ)

(امام ترمذی) ابو داؤد نے اضافہ کیا جس چیز کا مالک نہیں اس میں بیع نہیں

لہ مثلاً کہے اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ اس غلام کو آزاد کروں اور اس وقت وہ غلام اس کی ملک میں نہ ہو، بعد میں اس کی ملکیت میں آ بھی جائے تو آزاد نہیں ہوگا۔

عہ تعلیق کی صورت میں تعلیق اگرچہ نکاح سے پہلے پائی گئی ہے لیکن طلاق تو نکاح کے بعد ہی واقع ہوگی، لہٰذا مذہب امام اعظم حدیث کے خلاف نہیں ہے

۱۲ قادری۔

۳۱۴۲ وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ اَنَّهُ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ)

حضرت رکانہ[1] بن عبد یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ[2] کو طلاق بتہ دی[3] پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی[4] اور انہوں نے کہا بخدا! میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا خدا کی قسم! تم نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت رکانہ نے عرض کیا خدا کی قسم۔ میں نے صرف ایک کا ارادہ کیا ہے تو آپ نے عورت انہیں لوٹا دی، انہوں نے اسے دوسری طلاق حضرت عمر کے زمانے میں اور تیسری حضرت عثمان کے دور میں دے دی۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) مگر امام ابوداؤد کے علاوہ باقی ائمہ نے دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا۔

[1] رکانہ را پر پیش اور کاف مخفف بن عبد یزید قریشی، مطلبی صحابی ہیں، ان کی حدیث اہل حجاز میں معروف ہے، فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، عرب کے مشہور بہادروں میں سے تھے ۴۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۱۲ (مرآۃ)

[2] سہیمہ سین پر پیش ہا پر زبر اور یا ساکن

[3] اسے کہا اَنْتِ طَالِقٌ اَلْبَتَّةَ۔ بت کا معنی قطع کرنا ہے یعنی وہ طلاق جو کوئی تعلق نہ رہنے دے اور مکمل جدائی ڈال دے۔

[4] یعنی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ رکانہ نے ایسی طلاق دی ہے

اخبر صیغہ معلوم کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے یعنی حضرت رکانہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

۵ یعنی انہیں رجوع کا حکم دیا۔ بظاہر یہ حدیث امام شافعی کے مذہب کی تائید کرتی ہے ان کے نزدیک اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک بائن اور امام مالک کے نزدیک تین، ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں نئے نکاح کے ساتھ لوٹایا ہو اور فرمایا ہو کہ جاؤ نکاح کرو، اس وقت رد سے مراد تجدید نکاح ہوگی، بہر صورت اس حدیث سے امام مالک کے قول کی نفی ہوتی ہے۔

۳۱۴۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَ هَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَ الرَّجْعَةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مزاح بھی سنجیدگی ہے[۱]
(۱) نکاح (۲) طلاق۔ (۳) رجوع[۲]۔
(ترمذی، ابوداؤد)
امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث غریب ہے۔

۱ یعنی یہ تین چیزیں سنجیدگی سے بھی واقع ہو جائیں گی اور مزاح سے بھی، جد کا معنی درستی اور کسی کام میں کوشش کرنا ہے۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کا ارادہ کرے مثلاً کہے نکحت میں نے نکاح کیا یا کہے طلقتُ میں نے طلاق دی اور اس کے معنی کا ارادہ کرے اور ہزل یہ ہے کہ اس کے معنی کا ارادہ نہ کرے ——— یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا معنی مراد لے یا نہ لے بہر صورت واقع ہو جائیں گی۔

---

۲ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاقوں کی نیت کی جائے تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اسی پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم نے ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ اگر تین کی نیت کے باوجود ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو آپ قسم دے کر ہرگز نہ پوچھتے ۱۲ قادری۔

سے اگر کسی نے مزاح میں نکاح کر لیا یا طلاق دے دی یا طلاق کے بعد عورت سے رجوع کر لیا یہ نکاح، طلاق اور رجوع ثابت ہو جائے گا بر خلاف دوسری چیزوں مثلاً خرید و فروخت کے کہ وہ مزاح سے ثابت نہیں ہوں گی (پستول میں گولیاں بھری ہوئی ہوں اب کوئی شخص جان بوجھ کر چلائے یا ہنسی مزاح میں چلا دے تو گولی بہر صورت چل جائے گی اور جو اس کی زد میں آئے گا وہ لازماً زخمی بھی ہو گا یہی کیفیت طلاق کی ہے اب اگر کوئی شخص ڈرامے میں اپنی بیوی کو صریح الفاظ کے ساتھ طلاق دے دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ وہ کہے کہ میرا ارادہ طلاق دینے کا ہرگز نہیں تھا اسی طرح اگر دو گواہوں کے سامنے مرد و زن نے ایجاب و قبول کر لیا تو ان کا نکاح ہو جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہیں کہ ہمارا ارادہ نہیں تھا، دراصل ازدواج کا بندھن بھی لفظوں سے ہوتا ہے اور اس بندش سے آزادی بھی الفاظ سے متعلق ہے البتہ اگر الفاظ کنایہ سے طلاق دی گئی تو چند الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ میں نیت ہو گی تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں ۱۲ قادری)

۳۱۴۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اِغْلَاقٍ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ قِيْلَ مَعْنَى الْاِغْلَاقِ الْاِكْرَاهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجبوری[1] میں طلاق اور آزاد کرنا نہیں ہے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ) ۔ کہا گیا ہے کہ اغلاق کا معنی مجبور کرنا ہے۔

سلہ یعنی جس شخص کو مجبور کیا گیا ہو اس کی طلاق اور آزاد کرنا نافذ نہیں ہوتا

اغلاق ہمزہ کے نیچے زیر، اور غین نقطے والی، اکراہ، مجبور کرنا، گویا اس کے آگے مجبور کرنے والا دروازہ بند کر دیتا ہے، اسے اس کے معاملے میں بے بس کر دیتا ہے اور اس کا اختیار چھین لیتا ہے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ نے کہا کہ جسے مجبور کیا گیا ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، امام ابو حنیفہ کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے۔ وہ مزاح پر قیاس کرتے ہیں ہمارے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو عقد فسخ

عہ امام شعبی، نخعی اور ثوری کے نزدیک اکراہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت صفوان بن عمر طائی سے راوی ہیں کہ ایک عورت اپنے شوہر سے ناخوش تھی اس نے اسے سوتا ہوا پایا تو چھری لے کر اس کے سینے پر چڑھ گئی اور اسے جھنجوڑ کر کہا کہ مجھے (بقیہ صفحہ آئندہ)

ہونے کا احتمال نہیں رکھتا، جبر و اکراہ اس کے نافذ ہونے سے منع نہیں کرتا، اور جو چیز مزاح اور ہزل کے باوجود واقع ہو جاتی ہے۔ وہ اکراہ کے ساتھ بھی واقع ہو جاتی ہے، اس کی تحقیق اصول فقہ میں کی گئی ہے

۳۱۴۵/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الرَّاوِیْ ضَعِیْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِیْثِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر طلاق جائز ہے مگر مجنون[1] کی جس کی عقل مغلوب ہو۔

(امام ترمذی) انہوں نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور عطا بن عجلان[2] راوی ضعیف اور حدیث میں بھولنے والا ہے

[1] یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے، معتوہ سے مراد مجنون ہے جس کی عقل میں نقصان اور خلل ہو، کبھی غائب دماغ ہو اور کبھی ہوش میں آجائے ———— قاموس میں ہے عتہ کا معنی عقل اور ہوش کی کمی ہے معتوہ وہ شخص جس کا دل اور عقل قابو میں نہ ہو، کتب فقہ میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے لہٰذا حدیث شریف میں والمغلوب عطف تفسیری ہوگا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ایک روایت میں المغلوب بغیر واؤ کے واقع ہے۔ جب ایسے معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مکمل پاگل کی طلاق بطریق اولیٰ واقع نہیں ہوگی جو بالکل شعور نہ رکھتا ہو۔

[2] عطا بن عجلان عین پر زبر، اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دیگر ائمہ نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور ان پر انکار کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن آئندہ حدیث

تین طلاقیں دے دے نہیں تو تجھے ذبح کر دوں گی اس نے اسے خدا کا واسطہ دیا مگر وہ نہ مانی، چنانچہ اسے تین طلاقیں دے دیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، طلاق میں رجوع نہیں ہے (مرقاۃ) اس سے ثابت ہوا کہ اکراہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے نیز یہ کہ بیک وقت تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، پیش نظر حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں نہ دی جائیں کہ یہ بدعت ہے۔ ۱۲ قادری۔

قوی ہے۔

۳۱۴۶/۱۴ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰى يَعْقِلَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْهُمَا)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے قلم[1] اٹھالیا گیا ہے (۱) سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے (۲) بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۳) پاگل سے یہاں تک کہ ہوش میں آجائے۔

(امام ترمذی: ابو داؤد[2])

امام دارمی نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

[1] تین افراد سے تکلیف کا قلم اٹھالیا گیا اور ان کے اعمال لکھے نہیں جاتے ہے کہ ان پر بھی مواخذہ ہو۔

[2] ان دونوں حضرات نے یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۳۱۴۷/۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، لونڈی کی طلاق دو طلاقیں[1] اور اس کی عدت دو حیض ہیں[2]۔

(امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

[1] یعنی دو طلاقوں سے حرام ہو جاتی ہے، جیسے کہ آزاد تین طلاقوں سے، کنیز میں دو طلاقیں تین طلاقوں کا حکم رکھتی ہیں۔

[2] جیسے کہ آزاد عورت کی عدت تین حیض ہیں، امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ طلاق عورت سے متعلق ہے (لونڈی ہے تو اسے دو اور آزاد ہے تو اسے تین طلاقیں دی جائیں گی)۔ امام شافعی کے نزدیک مرد سے متعلق ہے (کہ غلام دو طلاقیں دے گا اور آزاد تین ۱۲ قادری) اور یہ بھی معلوم

ہوا کہ عدت حیض کے ساتھ ہے نہ کہ طہر سے (یعنی جب لونڈی کی عدت حیض سے معتبر ہے تو آزاد کی عدت بھی حیض ہی سے معتبر ہوگی) یہی امام اعظم کا مذہب ہے، امام شافعی کے نزدیک عدت طہر سے متعلق ہے

(۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۱۴۸/۱۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر سے اپنا جان چھڑانے والیاں[۱] اور خلع طلب کرنے والیاں[۲] منافق ہیں[۳]۔ (امام نسائی)

۱ اَلْمُنْتَزِعَاتُ زا کے نیچے زیر جو شوہروں سے موافقت نہیں کرتیں اور ان کی نافرمانی کرتی ہیں

۲ اَلْمُخْتَلِعَاتُ لام کے نیچے زیر۔

۳ اس میں تشدید اور تغلیظ ہے، گویا ان عورتوں پر اس لیے نفاق کا اطلاق کیا ہے کہ ازدواج اور اختلاط کا ظاہر اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ دل میں عداوت اور مخالفت پوشیدہ نہ رکھیں۔

۳۱۴۹/۱۷ وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِیَّةَ بِنْتِ اَبِیْ عُبَیْدٍ اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَیْءٍ لَهَا فَلَمْ یُنْكِرْ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع[۱] حضرت صفیہ بنت ابی عبید[۲] کی آزاد کردہ کنیز سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہ نے اپنے شوہر سے اپنی ہر چیز کے بدلے خلع کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس پر انکار نہیں کیا[۳]۔ (امام مالک)

۱ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام۔

۲ صفیہ بنت ابی عبید، مختار بن ابی عبید ثقفی کی بہن اور ثقہ تابعیہ ہیں، مختار کے حالات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

۳ اس لیے کہ ایسا خلع اگرچہ مکروہ ہے مگر جائز ہے۔

۳۱۵۰/۱۸ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ

حضرت محمود بن لبید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتٰبِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ۔ (رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں بیک وقت دے دی ہیں تو آپ غضب کی حالت میں کھڑے ہو گئے پھر فرمایا، کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جائے گا۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں، یہاں تک کہ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ (امام نسائی)

۵۱ حضرت محمود بن لبید، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، امام بخاری ان کی صحابیت کے قائل ہیں جب کہ امام مسلم اس کے قائل نہیں ہیں انہوں نے ان کا ذکر تابعین کے طبقہ ثانیہ میں کیا ہے، ابن عبد البر نے کہا کہ امام بخاری کا قول صحیح ہے۔

۵۲ ایک روایت میں یَلْعَبُ صیغہ معلوم کے ساتھ ہے ـــــــــ کتاب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (طلاق دو دفعہ ہے) اس سے مراد الگ الگ طلاق دینا ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام اور بدعت ہے، امام شافعی کے نزدیک اولیٰ اور افضل کے خلاف ہے؛ تاہم طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

۵۳ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کھیلنا کفر ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد زجر و توبیخ تھا، حقیقت کلام مراد نہ تھی، اس صحابی کو مراد معلوم نہ ہو سکی۔

$\frac{3151}{19}$ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِيْ مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ فَمَاذَا تَرٰى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلُقَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَ

امام مالک سے روایت ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو آپ مجھ پر کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا: وہ تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو گئی اور ستانوے

تَشۡعُرُوۡنَ اتَّخَذۡتَ بِهَا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (رَوَاهُ فِی الۡمُوَطَّاءِ)

طلاقوں سے تونے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا ہے[1]۔ (موطا امام مالک)

[1] ہزو ہا پر پیش اور زا ساکن، اس پر پیش بھی آتا ہے، آخر میں ہمزہ اور واؤ بھی پڑھی جاتی ہے، افسوس اور مزاح کرنا، یہ اشارہ ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف وَلَا تَتَّخِذُوۡا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا ٥ اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ اڑاؤ۔ عہ

۳۱۵۲/۲۰ وَعَنۡ مُعَاذِ بۡنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيۡئًا عَلٰی وَجۡهِ الۡاَرۡضِ اَحَبَّ اِلَيۡهِ مِنَ الۡعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيۡئًا عَلٰی وَجۡهِ الۡاَرۡضِ اَبۡغَضَ اِلَيۡهِ مِنَ الطَّلَاقِ۔ (رَوَاهُ الدَّارُ قُطۡنِیُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں فرمائی جو اسے غلام کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ چیز پیدا نہیں فرمائی۔ (دار قطنی)

عہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی یہی تمام ائمہ کا مذہب ہے مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس نیز صدیق اکبر کے زمانہ اور شروع خلافت فاروقی میں ایک دم تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں پھر فاروق اعظم نے انہیں تین طلاقیں قرار دیا۔ اس کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص تین طلاقیں اس طرح دیتا کہ تجھے طلاق ہے طلاق، طلاق، دوسری دو طلاقوں میں پہلی کی تاکید ہی کرنا مقصود ہوتا تھا یا کوئی شخص اپنی غیر مدخولہ بیوی کو کہے تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے تو اس سے صرف پہلی واقع ہوگی دوسری دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ وہ عورت پہلی طلاق سے نکاح سے خارج ہوگئی، عہد فاروقی میں حالات بدل چکے تھے لوگ اپنی مدخولہ بیوی کو تین ہی طلاقیں دیا کرتے تھے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف قانون جاری فرماتے اور صحابہ کرام خاموش رہتے (بقیہ صفحہ آئندہ)

بَابُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا

۲۵۶ - اس عورت کا بیان جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں

بعض نسخوں میں یہ الفاظ بھی زیادہ کیے گئے ہیں. وَفِيْهِ ذِكْرُ الظِّهَارِ وَالْإِيْلَاءِ. اور اس باب میں ظہار اور ایلاء کا ذکر ہے، ظہار کا معنی یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو ایسے عضو سے تشبیہ دے جو اس کیلئے حرام ہے جیسے کہے "اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ" تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے، مقصود عورت کو ماں سے تشبیہ دینا ہے لفظ ظہر (پشت) زائد ہے، یہ دور جاہلیت کی قسم ہے جسے شریعت مبارکہ نے برقرار رکھا اور اس کے حکم میں یہ تبدیلی پیدا کی کہ اس سے نکاح تو نہیں ٹوٹتا لیکن کفارہ ادا کرنے تک عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی، جب تک مرد کفارہ ادا نہ کرے اس کے لیے جماع اور اس کے وسائل جائز نہیں ہیں، ایلاء کا معنی یہ ہے کہ مرد قسم کھائے کہ چار ماہ تک جماع نہیں کرے گا، ظہار اور ایلاء کا حکم حدیث میں آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۱۵۳ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں رفاعہ کے پاس تھی تو انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور میری طلاق پختہ کر دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس جگہ مرقاۃ نے پندرہ حدیثیں نقل کی ہیں کہ تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی، نیز ہم نے اپنی کتاب "طلاق الادلہ" میں اس کی بہت تحقیق کی ہے۔ ۱۲ مرآۃ مختصراً۔

ع ظہار اسی وقت ہو گا جب تشبیہ دے گا اور اگر اپنی بیوی کو ماں یا بہن کہہ دے تو ظہار نہیں ہو گا اگرچہ اس طرح کہنا گناہ ہے ۱۲ قادری

فَبَتَّ طَلَاقِیْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پھر میں نے عبد الرحمن بن زبیر کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے پاس تو نہیں ہے مگر کپڑے کے پلوشے کی مثل، آپ نے فرمایا: کیا تو چاہتی ہے کہ رفاعہ کی طرف لوٹ جائے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: رجوع نہیں یہاں تک کہ تو اس کا کچھ مزہ چکھے اور وہ تیرا کچھ مزہ چکھے۔ (صحیحین)

۱؎ رفاعہ راء کے نیچے زیر، اس کے بعد فاء، حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں اور صحابی ہیں قرظی قاف پر پیش، راء پر زبر، اس کے بعد ظاء نقطے والی، یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کی طرف نسبت ہے۔

۲؎ یعنی ان کے نکاح میں تھی۔

۳؎ یعنی تینوں طلاقیں دے دیں کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہیں بچی۔

۴؎ زبیر زاء پر زبر، باء کے نیچے زیر، بروزن امیر اکثر صحابی ہیں، قاموس میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵؎ صراح میں ہے ہُدْبَۃٌ ہاء پر پیش، دال ساکن، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد باء ایک نقطے والی، کپڑے کے دھاگے، کپڑے کا ٹکڑا، مقصد عضو مخصوص کی کمزوری بیان کرنا ہے کہ وہ دخول نہیں کر سکتا۔

۶؎ میں اس کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں۔

۷؎ اور تیرا اس کی طرف رجوع جائز نہیں ہے۔

۸؎ یہ کنایہ ہے لذت جماع سے ——— یعنی جب تک دوسرا شوہر جماع نہ کرے، پہلے شوہر کی طرف رجوع جائز نہیں ہوگا، یہ حدیث مشہور ہے اس سے معلوم ہوا کہ حلالے کے لیے صرف نکاح کافی نہیں ہے بلکہ وطی بھی ضروری ہے، پھر محض دخول کافی ہے انزال شرط نہیں ہے لہٰذا بلوغ کے قریب لڑکے کا دخول کافی ہوگا بہت کم عمر ہو تو کافی نہ ہوگا۔ ۱۲۔ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۱۵۴/۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُحَلِّلَ وَ الْمُحَلَّلَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی حلالہ نکالنے والے اور اس شخص پر جس کے لیے حلالہ نکالا گیا[1]

(دارمی) ابن ماجہ نے حضرت علی، ابن عباس اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

[1] مُحَلِّل لام مشدد کے نیچے زیر، المحلل لہ لام مشدد پر زبر، محلل دوسرا شوہر جو عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کرنے والا ہے اور محلل لہ، پہلا شوہر جس کے لیے عورت حلال کی گئی ہے۔ ــــــــ محلل کہ دوسرا شوہر ہے اس پر اس لیے لعنت ہے کہ نکاح ہی جدائی کے لیے کر رہا ہے حالانکہ نکاح تو مشروع ہی ہمیشگی اور موافقت کے لیے ہے، وہ شخص بکرے کے حکم میں ہے جسے عاریتًہ لیا جاتا ہے جیسے کہ حدیث میں واقع ہوا ہے اور محلل لہ کہ پہلا شوہر ہے اس پر اس لیے لعنت فرمائی کہ وہ ایسے قبیح نکاح کا باعث ہوا در اصل ان دونوں کے گھٹیا پن کا اظہار مقصود ہے کیونکہ طبیعت سلیمہ ایسے فعل کو پسند نہیں کرتی، لعنت کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ نکاح میں حلالہ نکالنے کی زبان سے شرط لگانا مکروہ ہے، نیت و ارادہ میں ہو تو مکروہ نہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ وہ مصالحت کی نیت کی بنا پر مستحق اجر ہے، بہر حال یہ فعل قبیح ہے کہ اپنی بیوی کو دوسرے کے نیچے پسند کرے اور وہ دوسرا اپنی منکوحہ کو پہلے کے سپرد کر دے۔ شریعت نے حلالے کی صورت، زجر و توبیخ اور سزا دینے کے لیے رکھی ہے تاکہ تین طلاقیں دینے کا مرتکب نہ ہو۔

۳۱۵۵/۳ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُوْلِيْ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت سلیمان بن یسار[1] فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دس سے زیادہ صحابہ کرام کو پایا کہ ان میں سے ہر ایک کہتا تھا کہ ایلاء کرنے والے کو قید کیا جائے گا[1]۔

(شرح السنۃ)

سلہ سلیمان بن یسار، ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام اور اکابر تابعین اور مدینہ طیبہ کے سات جلیل القدر فقہاء میں سے ہیں، فقیہ، فاضل، مستند، عابد، متقی اور حجت ہیں، کہتے ہیں کہ وہ حضرت سعید بن مسیب سے زیادہ فہم رکھتے تھے۔ (۷۳ سال عمر ہوئی ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔)

۱۲۔ اکمال مرآۃ

سلہ تاکہ عورت سے رجوع کرے اور اس سے وطی کرے یا اسے طلاق دے دے۔

ایلا کا معنی ہے کہ مرد، چار ماہ تک عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے، پھر اگر اس نے چار ماہ میں وطی کی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور ایلا ختم ہو جائے گا کیونکہ قسم ٹوٹ جانے سے ختم ہو جاتی ہے اور اگر وطی نہ کی اور چار ماہ گزر گئے تو عورت طلاق بائن کے ساتھ اس سے جدا ہو جائے گی، یہ ہمارا مذہب ہے۔ علماء کی ایک دوسری جماعت اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا مذہب یہ ہے کہ محض چار ماہ کے گزرنے سے طلاق نہیں ہوتی بلکہ اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ رجوع کرے اور کفارہ دے یا طلاق دے، اور اگر انکار کرے تو حاکم طلاق دے دے کیونکہ وہ جماع کے معاملے میں عورت کا حق روک رہا ہے، پس قاضی اس کا نائب ہوگا، جیسے کہ نامرد کے مسئلے میں قاضی نائب ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کا حق روکا ہے اس لیے اس مدت کے گزرنے پر شریعت نے اسے نعمت نکاح ختم کر کے سزا دی ہے اور یہ قول حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، عبادلہ ثلاثہ، (حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر) اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، مختصر یہ کہ اس مسئلے میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف تھا۔

۳۱۵۶ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّ سُلَیْمَانَ بْنَ صَخْرٍ وَیُقَالُ لَہٗ سَلَمَۃُ بْنُ صَخْرِ الْبَیَاضِیِّ جَعَلَ امْرَاَتَہٗ عَلَیْہِ کَظَھْرِ اُمِّہٖ حَتّٰی یَمْضِیَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰی نِصْفٌ مِّنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیْھَا لَیْلًا فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَہٗ

حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ سلیمان بن صخر[سلہ] اور انہیں سلمہ بن صخر بیاضی کہا جاتا ہے نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پشت کی طرح قرار دیا[سلہ] یہاں تک کہ رمضان گزر جائے[سلہ] پھر نصف رمضان گزرنے پر رات کو ان کے ساتھ عمل زوجیت ادا کر بیٹھے، بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهِ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَاْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا لِيُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا .

نے فرمایا: ایک غلام آزاد کر، کہا میں غلام نہیں پاتا، فرمایا: دو ماہ پے در پے روزے رکھو، کہا مجھ میں طاقت نہیں، فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، کہا میں نہیں پاتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فروہ بن عمرو کو فرمایا: اسے وہ ٹوکری دے دو، یہ ایسی ٹوکری تھی جس میں پندرہ یا سولہ صاع کی گنجائش ہوتی ہے، تاکہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهُ قَالَ كُنْتُ امْرَءًا اُصِيْبُ مِنَ النِّسَآءِ مَا لَا يُصِيْبُ غَيْرِيْ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا اَعْنِيْ اَبَا دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ فَاَطْعِمْ وَسْقًا مِّنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا .

(امام ترمذی)

ابو داؤد، ابن ماجہ، اور دارمی نے سلیمان بن یسار سے انہوں نے سلمہ بن صخر سے اس کی مثل روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں ایسا مرد تھا کہ دوسرا مرد میری طرح عورتوں سے فائدہ حاصل نہیں کرتا تھا۔

ابو داؤد اور دارمی کی روایت میں ہے کہ کھجوروں کا ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ۔

لہ حضرت ابو سلمہ مشہور صحابی ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔

عہ اس جگہ حضرت شارح قدس سرہ کو تسامح ہوا ہے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کیفیت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

۵۲ سلمان بن صخر صاد پر زبر اور خا ساکن۔

۵۳ سلمہ پہلے تینوں حرفوں پر زبر، ابن صخر یہ صحیح تر ہے، البیاضی یہ نسبت ہے بیاضہ بن عامر کی طرف ——— صحابی ہیں اور سواری نہ ہونے کے سبب رونے والے حضرات میں سے ایک ہیں، ظہار کے بعد عمل زوجیت ادا کر بیٹھے جیسے کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔

۵۴ یعنی کہا۔ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے)

۵۵ یعنی تو مجھ پر ماہ رمضان کے گزرنے تک حرام ہے

۵۶ فروہ فا پر زبر، را ساکن بن عمرو۔ صحابی ہیں، علامہ طیبی نے کہا کہ بعض نسخوں میں عروہ بن عمرو واقع ہوا اور یہ غلط ہے۔

۵۷ جو کسی نے لا کر پیش کی تھی ——— عرق پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ٹوکری۔

۵۸ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع کھجوریں دینا واجب نہیں ہے۔ دوسری حدیثوں میں آدھے صاع کا ذکر ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اسی کا اعتبار کیا ہے جیسے کہ صدقہ فطر میں ہے۔ ہو سکتا ہے اس حدیث میں جو واقع ہے وہ آدھے صاع کے واجب ہونے سے پہلے ہو یا یہ حکم اس شخص کے ساتھ ان کے محتاج ہونے کے پیش نظر خاص ہو جیسے کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی دینے کی اجازت عطا فرمائی جیسے کہ باب التضحیہ میں بیان ہوا۔

۵۹ یعنی میرا جماع سے لطف اندوز ہونا اور اس کا خواہش مند اور حریص ہونا دوسروں سے زیادہ تھا اس لیے میں نے بے صبری کی اور اس عورت سے مباشرت کر بیٹھا۔

۶۰ وسق سین ساکن، ساٹھ صاع، اس روایت کے مطابق ہر مسکین کو ایک صاع مل گیا۔

۳۱۵۶ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت سلیمان بن یسار حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

بی ان کا نام ہے کثیر حدیثوں کے راوی ہیں (تابعی ہیں) انہوں نے ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث سنی، ان سے امام زہری، یحییٰ بن ابی کثیر اور شعبی وغیرہ ہم نے روایت کی ۱۰۷ھ میں، بہتر ۷۲ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ (مرقاۃ)

فِی الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَّاحِدَةٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

میں راوی کہ جو کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے فرمایا ایک ہی کفارہ ہے۔ (امام ترمذی، ابن ماجہ)

لے وقاع اور مواقعت جماع سے کنایہ ہے۔

لے جمہور ائمہ اسی کے قائل ہیں بعض ائمہ نے فرمایا کہ جب کفارے سے پہلے جماع کرے تو اس پر دو کفارے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۱۵۸ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنَ امْرَاَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُ بَيَاضَ حِجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِيْ اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَلَّا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور کفارہ دینے سے پہلے اس سے مباشرت کر بیٹھے، پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا تمہیں اس عمل پر کس نے ابھارا؟ کہنے لگے یا رسول اللہ! میں نے چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی دیکھی تو اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا اور اس سے مباشرت کر بیٹھا، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور انہیں حکم دیا کہ اس عورت کے قریب نہ جائیں، یہاں تک کہ کفارہ ادا کریں (ابن ماجہ)

امام ترمذی نے ان کی طرح روایت کی اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، (امام ابو داؤد)۔

وَ النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ مُسْنَدًا وَ مُرْسَلًا وَ قَالَ النَّسَائِيُّ الْمُرْسَلُ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ

اور نسائی نے بھی یہ حدیث اسی طرح مسنداً اور مرسلاً روایت کی، امام نسائی نے فرمایا ہا مسند کی نسبت مرسل، صحت کے زیادہ قریب ہے۔

۱ اصل میں غشی کا معنی ڈھانپنا ہے، صراح میں غشیانؒ پہلے حرف کے نیچے زیر، جماع کے وقت ڈھانپ لینا۔

۲ کفارے سے پہلے جماع کرنے۔

۳ حجل حاء کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، جیم ساکن، پازیب، جھانجر، بیڑی۔

۴ شعر۔ خسرو زرخ خوب در توبہ ہی زد !
ناگاہ بدید آں رخ زیبا نگران شد

خسرو حسین چہرے سے بچنے کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ ــــــ اچانک رخ زیبا پر نظر پڑ گئی تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

۵ اور دوسری بار اس سے مباشرت نہ کریں ــــــ اس جگہ تنبیہ ہے ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنے اور اپنے اوپر کنٹرول کرنے اور نفس کو فتنہ اور ابتلا کی جگہ میں بچانے اور محفوظ رکھنے پر، کیونکہ شیطان گھات میں ہے۔

بَابٌ

۲۵۷ــ گزشتہ باب سے متعلق بعض احکام

۳۱۵۹ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِيْ تَرْعٰى غَنَمًا لِّيْ فَجِئْتُهَا وَ قَدْ فَقَدَتْ

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ: میری ایک لونڈی میری بکریاں چرا رہی تھی میں جو اس کے پاس آیا تو ایک بکری گم پایا میں نے اس سے بکری کے

شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ أَفَأُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا. رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعَى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ أُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَإِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ آسَفُ كَمَا يَأْسَفُوْنَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُعْتِقُهَا قَالَ ائْتِنِيْ بِهَا فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا أَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ أَنَا قَالَتْ أَنْتَ

بارے میں پوچھا تو اس نے کہا اسے بھیڑیا کھا گیا ہے مجھے اس لونڈی پر بہت غصہ آگیا، میں بھی انسان تھا؛ اس کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا، اور میرے ذمہ ایک گردن ہے کیا میں اسی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے فرمایا، اللہ تعالیٰ کہاں ہے، اس نے کہا آسمان میں، فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اسے آزاد کر دو۔

(امام مالک) امام مسلم کی روایت میں ہے حضرت معاویہ بن حکم فرماتے ہیں میری ایک لونڈی میری بکریاں اُحد اور جوانیہ کی طرف چرایا کرتی تھی، ایک دن میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں؟ کہ ہماری ایک بکری کو بھیڑیا لے گیا ہے، میں بھی انسان ہوں، دوسروں کی طرح مجھے بھی افسوس ہوتا ہے، چنانچہ میں نے اس لونڈی کو ایک تھپڑ رسید کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس مارنے کو آپ نے مجھ پر بڑا قرار دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے آپ کی خدمت میں لے گیا تو آپ نے اسے فرمایا، اللہ تعالیٰ کہاں ہے، اس نے کہا آسمان میں، فرمایا، میں کون ہوں، اس نے

رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اَعْتِقْھَا فَاِنَّھَا مُؤْمِنَۃٌ۔ کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ فرمایا اسے آزاد کردو کہ یہ مومنہ ہے۔

لہ معاویہ بن حکم حاء اور کاف پر زبر، صحابی ہیں، ان سے حضرت ابو سلمہ اور عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں۔

لہ یا یہ معنی ہے کہ مجھے بکری کے ضائع ہونے کا افسوس ہوا ———— اسف پہلے دونوں حرفوں پر زبر، ناراض ہونا، غمگین ہونا، دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے ———— اَسِفَ سین کے نیچے زیر، باب سمع سے فعل ماضی، پہلے معنی کے مطابق علیہا کی ضمیر کنیز کی طرف راجع ہوگی اور دوسرے معنی کے مطابق بکری کی طرف۔

لہ اور انسان بشری تقاضے کے تحت غصے میں آجاتا ہے اور آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

لہ ظہار یا قسم کے کفارہ کے طور پر یا اس کے علاوہ۔

لہ تاکہ میں اپنے آپ کو بری الذمہ کر لوں اور اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کی وجہ سے مجھے جو پشیمانی اور شرمندگی لاحق ہوتی ہے اس سے نجات پا لوں، چونکہ بعض کفاروں میں ایمان شرط ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کنیز کا امتحان لیا۔

لہ ایک روایت میں ہے اَیْنَ رَبُّکِ تیرا پروردگار کہاں ہے؟۔

لہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے، اس جگہ مقصد اللہ تعالیٰ کا مکان پوچھنا نہیں ہے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ مشرکہ ہے یا موحدہ، اس لیے آپ نے اس بات پر اکتفا کیا کہ اس نے زمینی خداؤں کی نفی کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا، اور یہ کہ اسے اس حقیقت کا علم ہے کہ اس کا پروردگار ہے جو آسمان سے زمین پر حکم نازل فرماتا ہے، آپ نے اس سے تنزیہ خالص اور اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے علم کا مطالبہ نہیں کیا جن پر عقیدہ رکھنا واجب ہے، بعض اوقات ایسے مقامات میں اتنی مقدار پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، اسی طرح علماء نے فرمایا ہے۔

یا اس لیے کہ کفارہ قتل کے ماسوا میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایمان شرط ہے یا نہیں، گویا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک ایمان شرط نہیں تھا جیسے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں، اسی لیے کنیز کا جواب تسلی بخش نہ ہونے کے باوجود اسے آزاد کرنے کا حکم دیا، یا اس لیے کہ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ وہ مومن ہو اور اس میں اتنا ایمان ہی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لہ توحید کے متعلق پوچھنے کے بعد۔

۹ۓ جوانیہ جیم پر زبر واؤ مشدد، اس کے بعد الف اور نون، اس کے بعد یا مشدد، محققین نے اسی طرح ضبط کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یا مخفف ہے ـــــ مدینہ منورہ کے شمال میں اُحد پہاڑ کے قریب ایک جگہ کا نام۔

نلہ میں نے چاہا کہ اسکی سخت پٹائی کروں جیسے کہ غصے اور غم کا تقاضا تھا، لیکن میں نے ہلکی پٹائی پر اکتفاء کیا ـــــ صَکّ کوٹنا اور مارنا۔

اللہ اور فرمایا کہ تم نے بڑا گناہ کیا ہے۔

بَابُ اللِّعَانِ

۲۵۸ـ لعان کا باب

لعان اور ملاعنت، ایک دوسرے کو لعنت کرنا، جب مرد اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور اسے چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو حکم یہ ہے کہ مرد چار بار گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت، اس کے بعد عورت چار بار گواہی دے اور قسم کھائے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر مرد سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ہو اور جب دونوں لعان کر چکیں تو حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے، یہ احناف کا مذہب ہے۔ جمہور کے نزدیک قاضی کی تفریق کے بغیر ہی ان میں جدائی واقع ہو جائے گی اور عورت ہمیشہ کے لیے مرد پر حرام ہو جائے گی جیسے کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۱۶۰ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ

حضرت سہل بن سعد ساعدی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عویمر عجلانی[۲] نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ پھر تو مسلمان[۳] اسے قتل کر دیں گے

فَيَقْتُلُوْنَهُ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهٖ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ نَعَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلٰى اُمِّهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یا پھر وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم نازل ہو چکا ہے[۴]، جاؤ اور اسے لے آؤ، حضرت سہل فرماتے ہیں ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں دوسرے لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا، جب وہ فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس پر بہتان لگایا ہو گا اگر میں نے اسے اپنے پاس رکھا[۵] تو انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں[۶]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو اگر اس عورت نے سیاہ رنگ، گہری سیاہ اور کشادہ آنکھوں بھاری سرین[۷] اور موٹی پنڈلیوں[۸] والا بچہ جنا تو میرا یہی گمان ہے کہ عویمر نے اس کے بارے میں سچ کہا[۹] اور اگر اس نے سرخ رنگ[۱۰] کا بچہ جنا گویا وہ بامنی[۱۱] ہو تو میرا گمان یہی ہے کہ عویمر نے اس کے بارے میں جھوٹ بولا ہے، عورت نے اسی صفت والا بچہ جنا جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عویمر کی تصدیق کی تھی[۱۲]۔ بعد میں وہ بچہ ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا[۱۳]۔

(صحیحین)

لہ حضرت سہل بن سعد ساعدی مشہور انصاری صحابی ہیں، صحابہ کرام میں سے مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

ےہ عُوَیمر عین پر پیش، واؤ پر زبر، یا ساکن، میم کے نیچے زیر اور آخر میں را، العجلانی عین پر زبر، جیم ساکن، انصار کی ایک شاخ بنو عجلان کی طرف نسبت ہے۔

ٹہ مقتول کے رشتے دار، بعض نسخوں میں فَتَقْتُلُوْنَ تا رخطاب کے ساتھ ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو خطاب ہے۔

کہ جو شخص کسی مرد کو دیکھے کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا ہے اور اسے قتل کر دے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اگر وہ زنا پر چار گواہ پیش کر دے اور مقتول کے وارث بھی اس کا اقرار کریں تو فبہا ورنہ اسے قتل کیا جائے گا، تاہم اگر وہ سچا ہے تو عند اللہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

ےہ اس سے مراد آیت لعان ہے جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔

لہ جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

ےہ یہ تین طلاقیں دینے کی تمہید ہے، یعنی اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں اور اسے طلاق نہ دوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگایا تھا کیونکہ اسے روک کے رکھنا اس کے زنا کے منافی ہے اور میرا اسے اپنے پاس رکھنا اس بات پر دلالت کرے گا کہ میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی تھی اور وہ پاک دامن ہے اور اس نے زنا نہیں کیا۔

ہہ اپنے قول کی تصدیق کے لیے، یہ کارروائی ان کے اس گمان کی بنا پر ہے کہ لعان عورت کو مرد پر حرام نہیں کرتا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان کے درمیان تفریق نہیں فرمائی، لہٰذا یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جن کے نزدیک لعان سے جدائی حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ قاضی لعان کے بعد جدائی کا فیصلہ نہ کرے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ حضرت عویمر کو مسئلے کا حکم معلوم ہو، جمہور کے نزدیک نفس لعان سے جدائی واقع ہو جاتی ہے اور مرد کے لیے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔

۹ہ صراح میں ہے اُکَیْتِر پہلے حرف پر زبر دوسرا ساکن اچکی (سرین)

نلہ تخدیج خا اور دال پر زبر اور لام مشدد۔

للہ ظاہر یہ ہے کہ جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی گئی تھی وہ اسی صفت کا حامل تھا۔

ٹلہ اُحَیْمِر تصغیر ہے احمر کی۔

۴۳؎ وَحَرَة واؤ اور حا دونوں پر زبر، سرخ رنگ کا کیڑا جو زمین میں رہتا ہے۔ دسرخ رنگ کے سانپ ایسا چھوٹا سا کیڑا جسے اردو میں سانپ کی خالہ بھی کہتے ہیں ۱۲ امرأة ا۔ حضرت عویمر بھی ایسے ہی تھے۔

۴۴؎ یعنی زانی کی شکل و صورت والا بچہ جنا۔

۴۵؎ جیسے کہ ولد الزنا کا حکم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشابہت سے استدلال کرنا جائز ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیافہ کی بنا پر حکم کیا جا سکتا ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔

۳۱۶۱/۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَّامْرَاَتِهٖ فَانْتَفٰى مِنْ وَّلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْاَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ حَدِيْثِهٖ لَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهٗ وَذَكَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی عورت سے لعان کیا؎۱، وہ شخص اس عورت کے لڑکے سے الگ ہو گیا؎۲ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق فرما دی اور لڑکے کو عورت کے ساتھ لاحق کر دیا؎۳۔ (صحیحین) امام بخاری و مسلم حضرت ابن عمر ہی کی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرد کو نصیحت اور تذکیر؎۴ فرمائی اور انہیں بتایا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے پھر عورت کو بلایا، اور اسے وعظ و تذکیر فرمائی اور اسے بتایا کہ دنیا کا عذاب، آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے؎۵۔

۱؎ یعنی مرد اور اس کی بیوی میں لعان کا حکم دیا۔

۲؎ اور لعان کی وجہ سے اسے اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کر دیا۔

۳؎ اور اس کی طرف منسوب کر دیا۔

۴؎ انہیں آخرت کا عذاب یاد دلایا تاکہ غلط بیانی سے کام نہ لیں اور عورت پر بہتان نہ باندھیں۔

۵؎ دنیا کے عذاب سے مراد، مرد پر حد قائم کرنا ہے جس نے عورت پر زنا کا الزام لگایا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس خوف سے کہ اس پر حد قائم نہ کر دی جائے جھوٹی گواہی سے الزام کو ثابت کرے یا عورت نے زنا کیا ہو اور حد کے قائم

بچے جانے کے خوف سے اس کا اقرار نہ کرے تو لعان کریں گے۔

۳۱۶۲ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ اَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِيْ قَالَ لَا مَالَ لَكَ اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَ اِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ اَبْعَدُ وَ اَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد وزن کو فرمایا: تم دونوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ تمہارا اس[۱] عورت پر کوئی حق نہیں ہے[۲]، مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مال کا کیا حکم ہے[۳]؟ فرمایا، تمہارے لیے مال نہیں ہے۔ اگر تم نے اس پر سچا الزام لگایا ہے[۴] تو وہ مال عوض ہے اس کے کہ تم نے اس کی شرم گاہ کو اپنے لیے حلال کیا[۵] اور اگر تم نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس عورت سے مال کی واپسی دور اور بہت دور ہے[۶]۔ (صحیحین)

[۱] مرد کو مخاطب کرتے ہوئے۔

[۲] اور یہ عورت تم پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔

[۳] یعنی وہ عورت تو مجھ پر حرام ہوگئی، اسے جو میں نے مہر دیا تھا وہ بھی اس کے ساتھ جائے گا، اس کا کیا حکم ہے؟۔

[۴] تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے لیکن وہ مال گیا۔

[۵] اور اس میں تصرف کیا۔

[۶] یعنی ایک تو اس کی شرم گاہ کو اپنے لیے حلال کیا، دوسرا اس پر تہمت لگائی اور اسے دہشت زدہ کیا پھر حق مہر کی توقع کیسے رکھتے ہو؟ یہ حکم دخول کے بعد بالاتفاق ہے، اور اگر دخول سے پہلے ہو تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے آدھا مہر ہے، امام احمد سے مختلف روایات ہیں۔

۳۱۶۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ ابْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ[۱] نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

بِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةَ أَوْ حَدًّا فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللهُ مَا يُبْرِئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ وَإِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَفُوهَا وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ

پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کا الزام لگایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ پیش کرو یا اپنی پشت پر حد قذف قبول کرو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی پر کسی شخص کو دیکھے تو جا کر گواہ تلاش کرے؟۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ نہیں تو تمہاری پشت پر حد ثابت ہے، ہلال نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بے شک میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور وہ حکم نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے بری کر دے گا، جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے آپ پر یہ آیات نازل کیں۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ پھر آپ نے تلاوت کی۔ یہاں تک کہ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہلال آئے اور انہوں نے گواہی دی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ پھر عورت کھڑی ہوئی اور اس نے گواہی دی، جب وہ پانچویں گواہی پر پہنچی تو حاضرین نے اسے ٹھہرایا اور کہا کہ یہ واجب کرنے والی ہے ابن عباس نے فرمایا اس نے توقف کیا اور پلٹی یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ

قَالَتْ لَا اَفْضَحُ قَوْمِيْ سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْصِرُوْهَا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهٖ كَذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَاْنٌ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

لوٹ جائے گی[۱۱] پھر اس نے کہا میں اپنی قوم کو عمر بھر[۱۲] کے لیے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ وہ گزر گئی[۱۳] اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دیکھو اگر اس نے سرگیں آنکھوں والا، بھرے ہوئے سرینوں والا[۱۴] موٹی پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ شریک بن سحمار کا ہوگا[۱۵] تو اس عورت نے ایسا ہی بچہ جنا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتاب اللہ کا حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا[۱۸] تو میرا اور اس عورت کا ایک حال ہوتا[۱۹]

(امام بخاری)

لہ بلال بن امیہ انصاری صحابی ہیں اور ان تین حضرات میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔

سہ شریک شین پر زبر، رار کے نیچے زیر، بن سحمار سین اور حار بغیر نقطے کے پہلے حرف پر زبر دوسرا ساکن آخر میں الف ممدودہ یعنی کہا کہ اس شخص کے ساتھ زنا کیا ہے وہ بھی صحابی ہیں اور انصار کے حلیف، سحمار ان کی والدہ کا نام ہے ان ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

سہ اسی کوڑے۔

کہ یہ کونسی گواہوں کی جگہ ہے؟ اور اس کی فرصت کہاں ہے؟۔

شہ یُبْرِیْ رار مشدد کے ساتھ۔

لہ جن میں لعان کا حکم ہے۔

شہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ ——— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت بلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ جو حدیث سابق میں گزرا کہ تحقیق تمہارے بارے میں حکم نازل کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم سب کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم ایک سے زیادہ مرتبہ نازل ہوا ہو۔

۵۸ یعنی لعان کیا جس میں پانچ مرتبہ گواہی دی جاتی ہے۔

۵۹ اور اسے اس گواہی سے روکا۔

۶۰ یہ پانچویں گواہی تمہارے درمیان جدائی لازم کردے گی یا اگر تم جھوٹی ہو تو یہ گواہی عذاب کو لازم کرنے والی ہے۔

۶۱ یعنی اس نے ہچکچاہٹ اور تردد کا مظاہرہ کیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پانچویں گواہی نہیں دے گی۔

۶۲ لفظی معنی تو تمام دن ہے مراد تمام عمر ہے یا باقی دن ———— لفظ سائر تمام اور باقی دو نوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء لغت نے تمام کے معنی میں استعمال ہونے کا انکار کیا ہے۔

۶۳ اس نے گواہی اور لعان کو مکمل کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے درمیان جدائی کا فیصلہ فرمادیا۔

۶۴ سابغ بار اور نقطے والی غین کے ساتھ، مکمل اور کافی۔

۶۵ کہ وہ بھی اسی صفت کے حامل ہیں۔

۶۶ کہ لعان کرنے والے مرد و زن پر حد اور تعزیر قائم نہیں کی جائے گی۔

۶۷ میں اسے بہت بڑی سزا دیتا ———— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو ظنی علامات اور قرائن کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے بلکہ اس ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے جو دلائل و براہین سے ثابت ہو رہا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شباہت اور قیافہ دلیل نہیں ہے یہ تو صرف ظنی علامات ہیں لہذا ان کی بنا پر حکم نہیں لگایا جائے گا جیسے کہ ہمارا مذہب ہے، اس پر خوب غور کرنا چاہیے۔

۳۱۶۴/۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُّ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلًا لَمْ اَمَسَّهُ حَتّٰی اٰتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ كَلَّا وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنْ كُنْتُ لَاُعَاجِلُهٗ بِالسَّیْفِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ[۶۸] نے عرض کی کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں؟ یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں[۶۹]! انہوں نے عرض کیا ہرگز نہیں[۷۰] قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، تحقیق میں تو اسے اس[۷۱] سے پہلے تو ری

قَبْلَ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوْا اِلٰى مَا يَقُوْلُ سَيِّدُكُمْ اِنَّهٗ لَغَيُوْرٌ وَّ اَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

طور پر تلوار سے سزا دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ بے شک وہ غیرت مند ہے، میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ (مسلم)

لے سعد بن عبادہ مشہور صحابی ہیں، انہوں نے بطور سوال بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

ہے اسے ہاتھ نہ لگاؤں یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں جیسے کہ زنا کے ثبوت میں معتبر ہے۔

ہے اور میں اس طرح نہیں کروں گا۔

ہے گواہوں کے لانے سے پہلے ——— یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا رد اور اس کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے دل کی کیفیت کی خبر دی ہے یعنی شریعت کا حکم یہی ہے جو آپ نے فرمایا ہے لیکن میری غیرت اور میرے شغف کا یہ حال ہے ایسی صورت میں کیا کروں؟ اسی لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو!۔

ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد اس وصف کی تعریف کرنا ہے اور اشارہ ہے کہ یہ شرفاء اور سرداروں کی صفت ہے، اگرچہ اس جگہ شریعت کا حکم دوسرا ہے اور سعد کا قول اسی عادت شرفاء پر مبنی ہے، یہاں سے اس قول کے صادر ہونے کا عذر بیان فرمایا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کی تائید اور توثیق فرمائی ہے انسان سے غیرت اس وقت صادر ہوتی ہے جب وہ اپنے اوپر یا اپنے اہل پر کسی ناپسندیدہ چیز کو وارد ہوتا ہوا دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے اور ان کے حال پر جو عنایت ہے اسی کی بنا پر بندوں کو گناہوں اور محرمات سے منع فرماتا ہے تاکہ وہ بارگاہ قرب سے دور نہ ہو جائیں، جیسے کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے رہی زجر و توبیخ اس کی غیرت ہے۔

۳۱۶۵ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَاَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَاَتِيْ لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے فرمایا، اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو اس پر تلوار کا وار کروں گا، چوڑائی سے نہیں[1] یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا: کیا تم سعد کی غیرت

سَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَ اللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ وَ مِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَ الْمُبَشِّرِيْنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سے تعجب کرتے ہو؟ بخدا! میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت ہی ہے کہ اس نے تمام ظاہر و باطن بدکاریوں[۳] کو حرام فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو معذرت پسند نہیں ہے، اسی لیے ڈر اور خوشخبری سنانے[۴] والے پیغمبر بھیجے، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو ستائش پسند نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا[۵]۔

(صحیحین)

---

[۱] مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] یلکہ دھار کی طرف سے ——— صفح ہر چیز کی جانب کو کہتے ہیں، صفح انسان، اس کا پہلو، اور صفح سیف، تلوار کی چوڑائی، صاد پر زبر اور پیش، چوڑی تلوار کی چوڑائی، اصفاح چوڑا کرنا اور چوڑائی میں تلوار مارنا، مُصفح فا کے نیچے زیر اور زبر دونوں طرح روایت ہے، فا کے نیچے زیر ہو تو یہ تلوار مارنے والے کی صفت اور اس کا حال ہے اور زبر ہو تو یہ تلوار کا حال ہے، فا کو تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

[۳] فحش فا پر زبر، برائی کا حد سے گزر جانا، فاحش ہر وہ برائی جو حد سے گزر جائے، اور فاحشہ کا استعمال زنا کے معنی میں بھی ہوتا ہے، اس جگہ مطلق گناہ مراد ہیں، اللہ تعالیٰ کا گناہوں کو حرام فرمانا اور ان سے دنیا و آخرت میں سزا کا متعلق کرنا اس کی غیرت کی بنا پر ہے تاکہ بندہ کسی معصیت اور ناپسندیدہ حالت میں مبتلا نہ ہو جائے اور بارگاہ قرب و رحمت سے دور نہ ہو جائے۔

[۴] اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر سنانے والے اور اس کے ثواب کی خوشخبری سنانے والے ——— صراح میں ہے کہ عذر کا معنی ہے بہانہ اور معذور قرار دینا، بعض علما نے فرمایا کہ اس جگہ عذر سے مراد اِعذار ہے ہمزہ کے نیچے زیر، جس کا معنی عذر کا زائل کرنا اور اس کا قبول کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس لیے بھیجا تاکہ بندوں

کے لیے عذر کا موقع نہ رہ جائے، جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ تاکہ اللہ کی بارگاہ میں رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

ﻫ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے اور بندے اس پر شکر ادا کریں اور اس کی مدح و ثنا کریں، یا یہ مطلب ہے کہ جب اس نے بندوں سے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے تو بندے کثرت سے سوال کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے۔

۳۱۶۶/۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَغَارُ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَ غَیْرَۃُ اللّٰہِ اَنْ لَّا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ غیرت فرماتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے[ا] اور اللہ تعالیٰ کی غیرت اس لیے ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ (صحیحین)

ﻟﻪ یعنی غیرت اللہ تعالیٰ کی صفت اور بندہ مسلمان بھی یہ صفت رکھتا ہے۔

۳۱۶۶/۸ وَعَنْہُ اَنَّ اَعْرَابِیًّا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَ اِنِّیْ اَنْکَرْتُہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ لَکَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُھَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ ھَلْ فِیْھَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِیْھَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰی تَرٰی ذٰلِکَ جَآءَھَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَھَا قَالَ فَلَعَلَّ ھٰذَا

انہی سے روایت ہے ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میری بیوی نے سیاہ بچہ جنا ہے اور میں نے اس کا انکار کر دیا ہے[ا]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ عرض کی سرخ ہیں[۲]، فرمایا کیا ان میں کوئی سیاہ فام بھی ہے؟ عرض کیا ان میں خاکستری رنگ کے بھی ہیں[۳]۔ فرمایا: تمہارے خیال میں یہ رنگت ان میں کہاں سے آگئی؟ عرض کیا کسی رگ نے انہیں کھینچ لیا ہے[۴]۔ فرمایا ہو سکتا ہے اس بچے کو بھی کسی رگ نے کھینچ

یَعْزِقُ نَزَعَہٗ وَلَمْ یُرَخِّصْ لَہٗ فِی الْاِنْتِفَآءِ مِنْہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

لیا ہو اور اس اعرابی کو بچے سے قطع تعلق کی اجازت عطا نہ فرمائی۔ (صحیحین)

لہ کیونکہ بچے کی میرے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

لہ حمر میم ساکن ہو تو احمر (سرخ) کی جمع ہے اور میم پر پیش ہو تو حمار (گدھا) کی جمع ہے۔

لہ ورقہ دوسرے رنگ میں مل جمل سیاہی و راکھ ایسی، یہ رنگ اونٹوں اور کبوتروں میں ہوتا ہے اس لیے کبوتری کو ورقاء کہتے ہیں۔

لہ وُرُق واؤ پر پیش اور را ساکن، اورق کی جمع ہے جیسے اَحْمَرُ کی جمع حُمْرٌ ہے۔

لہ حالانکہ جن اونٹوں سے یہ پیدا ہوئے ہیں وہ سب سرخ ہیں۔

لہ یعنی ان کی اصل میں کوئی اونٹ اس رنگ کا ہوا ہے اور یہ اونٹ اپنی اسی اصل پر گئے ہیں اور اس کے مشابہ پیدا ہوئے ہیں۔

لہ اور اپنے جیسا بنا لیا ہو اسی لیے اس کا رنگ سیاہ ہے۔

۳۱۶۸/۹ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ عُتْبَۃُ ابْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَھِدَ اِلٰی اَخِیْہِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِیْدَۃِ زَمْعَۃَ مِنِّیْ فَاقْبِضْہُ اِلَیْکَ فَلَمَّا کَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَہٗ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّہُ ابْنُ اَخِیْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَۃَ اَخِیْ فَتَسَاوَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَخِیْ کَانَ عَھِدَ اِلَیَّ فِیْہِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص لہ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا مجھ سے ہے لہ، تو تم اسے اپنے قابو میں کر لینا، پھر جب فتح مکہ کا سال تھا تو سعد نے اس لڑکے کو پکڑ لیا لہ اور کہا کہ وہ میرا بھتیجا ہے، عبد بن زمعہ نے کہا کہ وہ میرا بھائی ہے لہ، تو دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا سعد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میرے بھائی لہ نے مجھے اس کے بارے میں وصیت کی تھی اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ

زَمْعَةَ اَخِیْ وَابْنُ وَلِیْدَةِ اَبِیْ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ یَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ اِحْتَجِبِیْ مِنْهُ لِمَا رَاٰی مِنْ شَبَهِهٖ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰهَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ هُوَ اَخُوْكَ یَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِیْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کی لونڈی کا بیٹا ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زمعہ! وہ تیرے لیے ہے[3]، بچہ صاحب فراش کا ہے[4] اور زانی کے لیے پتھر ہے[5]، پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو فرمایا تم اس سے پردہ کرو[6] کیونکہ آپ نے بچے کی عتبہ کے ساتھ مشابہت محسوس فرمائی تھی[7]، پھر اس لڑکے نے حضرت سودہ کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ تیرا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! کیونکہ وہ بچہ ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا[8]۔

(صحیحین)

[1] سعد بن ابی وقاص، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا بھائی عتبہ بعض علماء کے نزدیک صحابی ہے اسی نے اُحد کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک اور دندان شریف زخمی کیا تھا، ابو نعیم کہتے ہیں، بعض متاخرین نے اس کا ذکر صحابہ میں کیا ہے، مجھے اس کے اسلام کا علم نہیں ہے اور متقدمین میں سے کسی نے اس کا ذکر صحابہ میں نہیں کیا، اسی طرح اسد الغابہ میں ہے۔

[2] زمعہ زا پر زبر، میم ساکن اور اس پر زبر بھی پڑھی جا سکتی ہے، ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ——— عتبہ نے اس لونڈی کے ساتھ بطور زنا وطی کی تھی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، ان کا خیال یہ تھا کہ جب زانی دعویٰ کرے تو ولد الزنا کا نسب اس سے ثابت ہو جاتا ہے جیسے کہ جاہلیت کا رواج تھا، اس لیے فوت ہوتے وقت وصیت کی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

[3] جیسے کہ ان کے بھائی نے وصیت کی تھی۔

[4] جو میرے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔

[5] عتبہ نے وصیت کی تھی کہ اسے اپنی تحویل میں لے لینا۔

۵۶ اور تمہارا بھائی ہے۔

۵۷ بچہ اس شخص کا ہے کہ عورت جس کی فراش ہے۔

۵۸ اس سے مراد رجم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔

۵۹ آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ کو فرمایا کہ اگرچہ شرعاً وہ تمہارا بھائی ہے تاہم اس سے پردہ کرو۔

۶۰ اگرچہ مشابہت اور قیافہ، حکم شریعت میں معتبر نہیں ہے لیکن پرہیزگاری اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ تم اس کے سامنے نہ جاؤ۔

۶۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ راوی کا کلام ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے حق میں اس لیے فیصلہ دیا کہ وہ بچہ ان کے باپ کے بستر پہ پیدا ہوا تھا۔

۳۱۶۹/۱۰ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَّهُوَ مَسْرُورٌ فَقَالَ أَيْ عَائِشَةُ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَأَى أُسَامَةَ وَزَيْدًا وَّعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُءُوسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس خوش خوش تشریف لائے اور فرمایا! اے عائشہ! تمہیں معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی[۱] آیا، جب اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا تو ان دونوں پر کمبل ڈالا ہوا تھا[۲]۔ انہوں نے اپنے سر ڈھلپے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے تھے۔ تو اس نے کہا، یہ قدم بعض، بعض کی جز ہیں[۳]۔

(صحیحین)

۱ مجزز میم پر پیش، جیم پر زبر، پہلی زا مشدد کے نیچے زیر۔ مدلجی میم پر پیش، دال ساکن، لام کے نیچے زیر آخر میں جیم، قبیلہ، مدلج کی طرف نسبت، ایک شخص کا نام جو علم قیافہ میں یکتائے زمانہ تھا، کسی شخص کی صورت دیکھ کر اس کے اوصاف اور احوال معلوم کر لیتا تھا۔

۲ اور وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے ــــــ صراح میں ہے قطیفہ لپٹی ہوئی چادر کو کہتے ہیں اور قطیفہ اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں۔

ے مجزز مدلجی نے کہا ان پاؤں والے دونوں شخص آپس میں باپ اور بیٹا ہیں اور ان میں کلیت اور جزئیت کی نسبت پائی جاتی ہے ——— خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے، سفید فام اور خوبصورت تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاہ رنگ تھے اور اپنی والدہ ام ایمن کے مشابہ واقع ہوئے تھے اور وہ سیاہ رنگ کنیز تھیں منافق حضرت اسامہ کے نسب میں طعن کرتے تھے کہ ایسے باپ سے ایسا بیٹا کس طرح پیدا ہو گیا؟ جب اس قیافہ شناس نے فیصلہ دے دیا کہ یہ دونوں باپ اور بیٹا ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسرور ہوئے کیونکہ اس قیافہ شناس کی بات عربوں کے نزدیک تسلیم کی جاتی تھی اور اس طرح منافقوں کا اعتراض ختم ہو گیا ——— اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیافہ شناس کا قول احکام شریعت اور نسب کے ثابت کرنے میں معتبر ہو، یہ ہمارا مذہب ہے امام شافعی اور بعض دیگر ائمہ اسے معتبر قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر دو آدمیوں کی مشترکہ لونڈی کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور دونوں نسب کا دعویٰ کریں تو امام شافعی کے نزدیک قیافہ شناس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک وہ حکم شریعت میں دونوں کا لڑکا ہو گا اگرچہ واقع میں ایک ہی کا ہو گا۔

٣١٧٠/١١ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَ هُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کرے حالانکہ وہ جانتا ہو[ل] تو اس پر جنت حرام ہے[۲]۔ (صحیحین)

ل کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے۔

ے یہ زجر اور تشدید ہے، یا اس شخص کے بارے میں ہے جو اسے حلال جانے یا یہ مطلب ہے کہ وہ مقربین اور سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

٣١٧١/١٢ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آباء سے اعراض نہ کرو[ل]، پس جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے

آبِیْہِ فَقَدْ کَفَرَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَقَدْ ذُکِرَ حَدِیْثُ عَائِشَۃَ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ فِیْ بَابِ صَلٰوۃِ الْخُسُوْفِ۔

کفرانِ نعمت کیا[۲]۔ (صحیحین)

حضرت عائشہ کی حدیث مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ، باب صلوٰۃ الخسوف میں بیان کر دی گئی ہے۔

[۱] ان کی طرف اپنی نسبت ترک کرکے۔

[۲] یہ وہ نعمت ہے جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

$\frac{۳۱۷۲}{۱۳}$ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَۃُ الْمُلَاعَنَۃِ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْھُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ یُّدْخِلَھَا اللّٰہُ جَنَّتَہٗ وَ اَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَہٗ وَ ھُوَ یَنْظُرُ اِلَیْہِ احْتَجَبَ اللّٰہُ مِنْہُ وَ فَضَحَہٗ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت لعان کے نازل ہونے کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت کسی قوم پر ایسے شخص کو داخل کرے جو ان میں سے نہیں[۱] تو وہ اللہ تعالیٰ کی کسی شے[۲] میں داخل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہرگز جنت میں داخل نہیں فرمائے گا[۳] اور جو مرد اپنے بیٹے کا انکار کرے[۴] حالانکہ وہ اسے دیکھتا ہے[۵] تو اللہ تعالیٰ اس سے حجاب فرمائے گا[۶] اور اسے اولین اور آخرین تمام مخلوق کے سامنے[۷] ذلیل فرمائے گا۔

(امام ابوداؤد، نسائی، دارمی)

[۱] یعنی وہ زنا کرتی ہے اور اس سے لڑکا پیدا ہوتا ہے جو اس قوم میں داخل ہو جاتا ہے

[۲] اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رحمت میں۔ یہ تغلیظ اور تشدید ہے اس عورت پر اس جرم کا

ارتکاب کرنے کے سبب سے ۔

۵۳ یعنی مقربین، سابقین اور نیکوں کے ساتھ، اس عورت کے لیے یہ وعید ہے اور اسے ڈرسنایا گیا ہے ۔

۵۴ جو اس کی بیوی نے جنا ہے اور کہے کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے اور عورت پر زنا کی تہمت بھی لگائے ۔

۵۵ اور جانتا ہے کہ وہ اسی کا بیٹا ہے اور اسی کے بستر پر پیدا ہوا ہے ۔

۵۶ چونکہ اس نے دیدہ و دانستہ لڑکے کا انکار کیا ہے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اسے اپنا دیدار عطا نہیں فرمائے گا ۔

۵۷ قیامت کے دن، محشر کے میدانوں میں، یہ مرد کے لیے وعید ہے اور اسے ڈرسنایا گیا ہے جیسے کہ پہلے عورت کو ڈرسنایا گیا، یعنی عورت کو چاہیے کہ بدکاری نہ کرے اور مرد کو چاہیے کہ پردہ داری کرے (اور خواہ مخواہ عورت پر بدکاری کی تہمت نہ لگائے ۔

۳۱۷۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي امْرَأَةً لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّهَا قَالَ فَأَمْسِكْهَا إِذًا. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَفَعَهُ أَحَدُ الرُّوَاةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَحَدُهُمْ لَمْ يَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِثَابِتٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی چھونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی[1] فرمایا، اسے طلاق دے دو، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے محبت ہے[2] فرمایا: تب پھر اسے روک رکھو۔ (ابوداؤد، نسائی)۔

امام نسائی نے فرمایا: ایک راوی نے اسے ابن عباس تک پہنچایا اور ایک نے اسے ان تک نہیں پہنچایا[3]۔ امام نسائی نے فرمایا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے[4]۔

۱ یعنی جو شخص اس سے جماع کا ارادہ کرے تو اپنے آپ کو اس سے نہیں بچاتی۔ لمس کا معنی چھونا، جماع کرنا، ملامست کا معنی جماع کرنا۔

؎۵۲ اس کے حسن و جمال اور میری طبیعت کے موافق ہونے کی وجہ سے
؎۵۳ جب تمہارا یہ حال ہے اور تم اس کی محبت میں بے اختیار ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی جدائی کی وجہ سے فتنے میں پڑ جاؤ لیکن اس کی حفاظت کرو اور اسے زنا اور بدکاری میں واقع ہونے سے منع کرو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ "چھونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گھر میں سے کھانا وغیرہ کوئی چیز لے تو اسے منع نہیں کرتی، اس مطلب کی تائید[1] اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں (صراحۃً) بدکاری سے بچانے کا حکم نہیں دیا لیکن حدیث کے کلمات سے وہی معنیٰ متبادر ہے جو پہلے بیان کیا گیا۔
؎۵۴ اور سند متصل کے ساتھ حدیث ان تک پہنچائی۔
؎۵۵ اور سند متصل سے روایت نہیں کی۔
؎۵۶ یعنی اس کا اتصال ثابت نہیں بلکہ منقطع ہے[2]۔

۳۱۴۴/۱۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اسْتُلْحِقَ بَعْدَ أَبِيهِ الَّذِي يُدْعَى لَهُ ادَّعَاهُ وَرَثَتُهُ فَقَضَى أَنَّ مَنْ كَانَ مِنْ أَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ أَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ	حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا جو لڑکا اپنے باپ[1] کی وفات کے بعد اس باپ کے ساتھ لاحق کیا گیا جس کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے، اس کے باپ کے وارثوں نے اس کا دعویٰ کیا تو آپ نے حکم فرمایا کہ جو لڑکا ایسی لونڈی سے ہو۔

؎۱ غالباً صاحب مشکوٰۃ نے بھی حدیث کا پہلا معنیٰ ہی سمجھا ہے اسی لیے یہ حدیث باب اللعان میں لائے ہیں لیکن دوسرے معنیٰ کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ تو اس کو لعان کا حکم دیا نہ اسے حد قذف یعنی تہمت کی سزا دی اگر وہ زنا کا الزام دیتا تو ان دونوں چیزوں میں سے اسے کچھ کرنا پڑتا۔ ۱۲ مرآۃ۔
؎۲ یہ مطلب نہیں کہ اصل حدیث ہی ثابت نہیں یہ حدیث امام شافعی نے اپنی سند سے کچھ مختلف الفاظ سے نقل فرمائی۔ ۱۲ مرآۃ۔

بِمَنِ اسْتَلْحَقَهٗ وَلَيْسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ وَمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهٗ نَصِيْبُهٗ وَلَا يُلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اَنْكَرَهٗ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لَا يُلْحَقُ وَلَا يَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ هُوَ الَّذِي ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

کہ جس دن اس کے باپ نے اس لونڈی سے جماع کیا تو وہ اس کا مالک تھا[۲] تو وہ لڑکا اس شخص سے لاحق ہوگیا جس سے وہ لاحق کیا گیا اور اسکے لاحق کرنے سے پہلے جو وراثت تقسیم کر دی گئی ہو، اس میں سے اس کے لیے کچھ حصہ نہیں ہے اور جو وراثت اس نے اس حال میں پائی کہ تقسیم نہیں کی گئی تو اس کے لیے اس کا حصہ ہے[۳] اور وہ لاحق نہیں کیا جائے گا جب کہ اس کے باپ نے انکار کیا[۴] ہو جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا ہے اور اگر وہ ایسی لونڈی سے ہو کہ لڑکے کا باپ اسکا مالک نہیں تھا[۵] یا کسی آزاد عورت سے ہو جس سے اس نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا لاحق نہیں کیا جائے گا[۶] اگرچہ جس شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے[۷] اس کا دعویٰ دار ہو، وہ زنا کی اولاد چاہے آزاد سے ہو یا لونڈی سے (ابوداؤد)

[۱] باپ کی اس کی طرف نسبت، دعوے اور لاحق کرنے کے اعتبار سے ہے۔ الحوق کا معنی ہے، دو یا اس سے زیادہ چیزوں کا آپس میں ملنا۔ استلحاق کا معنی ہے باہم جمع ہونے کو طلب کرنا، مطلب یہ ہوا کہ وارثوں نے طلب کیا اور بلایا تاکہ اسے اپنے ساتھ لاحق کریں اور اپنی طرح اسے وارث بنا دیں جیسے کہ اس کے بعد فرمایا: اَلَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ جس باپ کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے۔

[۲] یعنی بہ جماع، حلال طریقے پر تھا اور اگر وہ ایسی آزاد عورت سے تھا جو اس کے نکاح میں تھی تو بطریق اولیٰ اس کے ساتھ لاحق ہوگا۔

[۳] یعنی وارثوں کے ساتھ لاحق ہوگیا اور ان کے حق میں وارث ہوگیا، پھر اگر سب وارثوں نے اسے ملانے کا مطالبہ کیا تھا تو سب کے حق میں وارث ہوگا اور ان کا شریک ہوگا اور اگر بعض نے مطالبہ کیا تھا تو ان بعض کے حق میں ہی وارث ہوگا۔

[۴] اپنی زندگی میں، چونکہ اس نے انکار کر دیا تھا تو وہ لڑکا اس کا وارث نہیں ہوگا دوسروں کے ساتھ ملانے کا کچھ اثر نہیں ہوگا، ایک روایت یُلْحِقُ صیغہ معلوم کے ساتھ ہے۔

۵ بلکہ وہ کسی دوسرے کی لونڈی سے ہے جس کے ساتھ اس نے زنا کیا تھا۔

۶ اور اسے میت کے ساتھ لاحق کرنا جائز نہیں ہوگا، اس جگہ بھی ایک روایت میں یُلحَقُ صیغہ معلوم کے ساتھ ہے۔

۷ یعنی باپ ——— یہ گزشتہ حکم کی تاکید ہے کہ زنا کی صورت میں لاحق کرنا جائز نہیں ہے، یعنی زنا کی اولاد کے بارے میں اگر زانی اپنی زندگی میں خود بھی دعوے کرے تو وہ وارث نہیں ہوگی چہ جائیکہ اس کے وارث اسے لاحق کریں کیونکہ ولد زنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا خواہ وہ آزاد عورت سے ہو یا لونڈی سے اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر آزاد منکوحہ عورت سے ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا اور بلا شبہ وارث ہوگا جیسے کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا اسی لیے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

۳۱۷۵ / ۱۶ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللهُ فَاَمَّا الَّتِيْ يُحِبُّهَا اللهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ فَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُهَا اللهُ فَالْغَيْرَةُ فِيْ غَيْرِ رِيْبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُبْغِضُ اللهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِيْ يُحِبُّ اللهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاخْتِيَالُهُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر بن عتیک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک غیرت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور ایک غیرت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے، لیکن وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے یہ وہ غیرت ہے جو شک و شبہ[۲] کی جگہ میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے وہ غیرت ہے جو شک و شبہ کی جگہ کے علاوہ ہو[۳]، اور ایک ناز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے اور ایک وہ ناز[۴] ہے جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے لیکن وہ ناز جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے وہ ناز ہے جو انسان جنگ اور خیرات[۵] کے وقت کرے اور وہ ناز جسے وہ ناپسند رکھتا ہے وہ انسان کا فخر میں ناز کرنا ہے[۶] اور ایک روایت میں ہے ظلم و ستم میں ناز کرنا ہے

(امام احمد، ابوداؤد)

وَ النَّسَائِیُّ) : نسائی کی

۱۵ جابر بن عتیک بروزن عتیق، انصاری اور مدنی صحابی ہیں بدر اور دوسری تمام جنگوں میں حاضر ہوئے تقریب میں فرمایا، جلیل القدر صحابی ہیں جنگ بدر میں حاضر ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ۶۱ھ میں اکانوے سال کی عمر میں وصال ہوا۔

۲ۓ جیسے کہ کسی شخص کی بیوی یا لونڈی اجنبی مردوں کے پاس جاتی ہو یا اجنبی مرد اس کے پاس آتے ہوں اور ہنسی مزاح وغیرہ کرتے ہوں۔

۳ۓ جیسے کہ بغیر کسی ثبوت اور علامت کے مرد کے دل میں بدگمانی پیدا ہو جائے، ریب را پر زبر، شک ریبۃ را کے نیچے زیر، وہ چیز جو شک اور تہمت میں ڈالے، اسی طرح صراح میں ہے۔

۴ۓ کافروں کے ساتھ جنگ کے وقت تکبر کرنا، ناز کرنا اور اکڑ کر چلنا، اپنی طاقت ظاہر کرنے اور دشمن کو معمولی اور حقیر جاننے کا اظہار کرنے کے لیے۔

۵ۓ فقراء کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آنا اور اپنی خوش حالی کا اظہار کرنا۔ (تاکہ فقراء یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے انہیں زیر بار کر دیا ہے)۔

۶ۓ فخریہ انداز میں اپنی اور اپنے آباء و اجداد کی بڑائی بیان کرنا وغیر ذالک۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۱۷۶/۱۴ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا اِبْنِیْ عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِی الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دِعْوَةَ فِی الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَ لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے، میں نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام میں اولاد کا ایسا دعویٰ[۱] جائز نہیں ہے، جاہلیت کا معاملہ ختم ہو گیا[۲] بچہ فراش[۳] والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

لہ زنا کی بناپر۔

۲ہ کہ زنا کی بناپر اولاد کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔

۳ہ جس کی بیوی ہو یا لونڈی، اور زانی کے لیے پتھر ہے یعنی محرومیت یا سنگسار کیا جانا

دِعوۃ دال کے نیچے زیر، بیٹے کا دعویٰ کرنا اور دال پر زبر ہو تو اس کا معنی اسلام کی طرف بلانا ہے، کھانے کے لیے بلانے کو دعوت کہتے ہیں دال کی زیر کے ساتھ یا پیش کے ساتھ اور زبر زیادہ مشہور اور مستعمل ہے۔

۳۱۷۷/۱۸ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مُلَاعَنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چار عورتوں میں لہ لعان نہیں ہے۔ (۱) عیسائی عورت مسلمان کے نیچے (۲) یہودن مسلمان کے نیچے (۳) آزاد عورت غلام کے نیچے اور (۴) لونڈی آزاد کے نیچے ہو لہ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

لہ یعنی ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان، بعض نسخوں کے حواشی پر شیخ عفیف الدین کے قلم سے صحیح کی علامت کے ساتھ لکھا ہے۔ وَبَيْنَ اَزْوَاجِهِنَّ اور ان کے شوہروں کے درمیان۔

۲ہ اس مسئلے میں قاعدہ یہ ہے کہ لعان، شہادت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مرد وزن دونوں شہادت کے اہل ہوں، غلام اور کافر، گواہی دینے کے اہل نہیں ہیں، پہلی دو صورتوں کا عکس متصور نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) مسلمان عورت، عیسائی یا یہودی کے نیچے ہو، البتہ غلام میں دونوں صورتیں متصور ہیں (کہ عورت مملوکہ ہو یا مرد مملوک ہو) جیسے کہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۱۷۸/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلًا حِيْنَ اَمَرَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ اَنْ يَتَلَاعَنَا اَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب لعان کرنے والے مرد وزن کو لعان کا حکم دیا تو ایک شخص کو فرمایا: کہ پانچویں قسم کے وقت مرد کے منہ پر ہاتھ رکھ دے لہ

الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيْهِ وَقَالَ اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ۔

اور فرمایا: یہ شہادت واجب کرنے والی ہے[۲]۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

[۱] تاکہ وہ گواہی نہ دے اور اس کی تعداد مکمل نہ کرے، اس سے پہلی شہادتوں میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ احتمال تھا کہ وہ خود رجوع کرے اور خاموشی اختیار کرے چونکہ پانچویں گواہی میں تعداد مکمل ہو رہی تھی اس لیے منہ پہ ہاتھ رکھنے کا حکم دیا تاکہ مکمل نہ کرے۔

[۲] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ گواہی واجب کرنے والی ہے جدائی کو یا گناہ کو اگر وہ جھوٹا ہو، مقصد اسے ڈرانا تھا تاکہ وہ گواہی مکمل کرنے سے باز آ جائے۔

۳۱۷۹/۳۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَاٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ وَمَالِيْ لَا يَغَارُ مِثْلِيْ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے[۱] تو مجھے آپ پر غیرت آئی[۲] پھر آپ تشریف لائے[۳] تو آپ نے دیکھا کہ میں کیا کر رہی ہوں[۴] اور فرمایا: عائشہ! تمہیں کیا ہے[۵]؟ کیا تم غیرت کھا گئیں[۶]، میں نے عرض کیا: کیا وجہ ہے؟ کہ مجھ ایسی خاتون آپ ایسی ہستی پر غیرت نہ کھائے[۷]، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا شیطان تمہارے پاس آ گیا[۸] فرماتی ہیں میں نے عرض کیا، کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ فرمایا، ہاں[۹]۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ[۱۰]؟ فرمایا: ہاں، لیکن اس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے میری امداد فرمائی[۱۱] یہاں تک کہ میں محفوظ رہتا ہوں[۱۲]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[۱] یہ ان کی باری کی رات تھی، یہ واقعہ شعبان کی پندرہ تاریخ کو پیش آیا جیسے کہ احادیث میں آیا ہے اور

باب الاعتکاف میں بیان ہوا۔

سلہ کہ آپ (میری باری میں) دیگر ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جائیں۔

سلہ اُس جگہ سے جہاں جانے کے ارادے سے آپ باہر تشریف لے گئے تھے۔

سلہ کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہی تھی۔ ——— یا یہ مطلب ہے کہ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس میرے پاس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے پیچھے پیچھے چلنے کی وجہ سے میرا سانس پھولا ہوا ہے جیسے کہ پندرہ شعبان کے واقعہ کی حدیث میں آیا ہے۔

سہ اور تم کیا کر رہی ہو؟۔

سلہ اور تم نے خیال کیا کہ میں تمہارے حجرے سے نکل کر کسی دوسرے حجرے میں چلا جاؤں گا۔

سلہ مجھ ایسی خاتون جو والہانہ محبت والفت رکھنے والی ہو۔ آپ ایسی ہستی پر غیرت نہ کھائے جو صاحب کمال وجمال بھی ہے اور نبی اور برگزیدہ بھی ہے۔

سلہ جس نے تمہیں اس خیال اور بھنور میں ڈالا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ تم گمان کرتیں کہ ہم تمہاری باری میں تمہارے ساتھ بے انصافی کریں گے۔

سلہ تمہارے ساتھ شیطان ہے۔

سلہ بھی شیطان ہے۔

سلہ اور مجھے میرے شیطان (ہمزاد) پر غالب فرمایا۔

سلہ یا یہ معنی ہے کہ وہ فرمانبردار ہو گیا ہے یا یہ کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ہم معصوم ہیں اس موضوع پر گفتگو کتاب کی ابتدا باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الْعِدَّةِ

۲۵۹ - عدت کا بیان

عدت مشتق ہے عَدٌّ سے جس کا معنی گننا ہے، عدت ان دنوں کو کہتے ہیں جنہیں عورت شمار کرتی ہے خواہ وہ دن حیض کے ہوں یا حمل کے یا اس کے علاوہ، قرآن پاک کی آیات میں اس کی قسمیں مذکور ہیں، احادیث بھی وارد ہیں اور اس پر اجماع بھی ہو چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۱۸۰ - عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَ هُوَ غَائِبٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا وَکِیْلُهُ الشَّعِیْرَ فَسَخِطَتْهُ فَقَالَ وَ اللّٰهِ مَا لَكِ عَلَیْنَا مِنْ شَیْءٍ فَجَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَیْسَ لَكِ نَفَقَةٌ فَاَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْكٍ ثُمَّ قَالَ تِلْكَ امْرَاَةٌ یَغْشَاهَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِّیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَاِنَّهُ رَجُلٌ

پہلی فصل

حضرت ابو سلمہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفص نے انہیں طلاق قطعی دے دی اس حال میں کہ وہ غائب تھے ابو عمرو کے وکیل نے فاطمہ کے پاس جو بھیجے جن پر وہ ناخوش ہوئیں، وکیل نے کہا خدا کی قسم! تمہارے لیے ہم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کی تو آپ نے انہیں فرمایا: تمہارے لیے نفقہ نہیں ہے، پھر انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت گزاریں، پھر فرمایا: وہ ایسی خاتون ہیں جن کے پاس میرے اصحاب اور اقربا کا ہجوم رہتا ہے۔ تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو وہ نابینا

اَعْمٰى تَضَعِيْنَ ثِيَابَكِ فَاِذَا حَلَلْتِ فَاٰذِنِيْنِيْ قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهٗ اَنَّ مُعَاوِيَةَ ابْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ وَ اَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِيْ فَقَالَ اَمَّا اَبُو الْجَهْمِ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ وَ اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ لَّا مَالَ لَهٗ اِنْكِحِيْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَكَرِهْتُهٗ ثُمَّ قَالَ اِنْكِحِيْ اُسَامَةَ فَنَكَحْتُهٗ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا وَّ اغْتُبِطْتُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْهَا قَالَ فَاَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِّلنِّسَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَكِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنِيْ حَامِلًا۔

شخص ہیں۔ تم اپنے یہ کپڑے اتار دو[1]، جب تم فارغ ہو جاؤ تو ہمیں اطلاع دینا[2]۔ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں جب میں فارغ ہو گئی تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم[3] نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے، آپ نے فرمایا، ابوجہم تو اپنی لاٹھی کندھے ہی سے نہیں اتارتے[4]، رہے معاویہ تو وہ فقیر ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے[5]، تم اسامہ بن زید[6] سے نکاح کر لو، تو مجھے وہ اچھے نہیں لگتے[7]۔ آپ نے پھر فرمایا، اسامہ سے نکاح کر لو۔ میں نے ان سے نکاح کر لیا[8]۔ اللہ تعالیٰ نے اس[9] میں بھلائی عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا گیا[10]۔ حضرت فاطمہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابوجہم عورتوں کو بہت مارنے والا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا، تمہارے لیے نفقہ نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ تم حاملہ ہو[11]۔

[1] ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف اکابر تابعین میں سے جلیل القدر عالم، مدینہ منورہ کے سات فقیہوں میں سے ایک اور حدیث کی کثرت سے روایت کرنے والے ہیں۔

[2] فاطمہ بنت قیس فہریہ، قرشیہ، ابتدائی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں، جمال و کمال اور عقل کی جامع تھیں۔

[3] ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ صحابی ہیں اور حضرت فاطمہ کے شوہر تھے۔

[4] جس نے نکاح کا تعلق منقطع کر دیا۔ البتہ کا معنی قطع ہے اور اس سے مراد تین طلاقیں ہیں۔

۵ تاکہ عدت کے دنوں میں ان سے کام چلائیں۔

۶ ان کے خیال میں یہ جو کم تھے، سخط کا معنی غصے ہونا، ناراض ہونا اور کسی کے عطیے کو کم جاننا، بعض نسخوں میں ہے۔ تَسْتَخِطْنَهُ

۷ کیونکہ تمہیں طلاق قطعی دی جا چکی ہے اور یہ بھی تمہیں دے رہا ہوں بطور احسان ہے اور اعزازی ہے

۸ ام شریک شین پر زبر، صحابیہ ہیں جو دولت مند تھیں، ان کا نام خولہ بنت حکیم ہے۔

۹ وہ ان کی دعوت کرتی ہیں، ان کا گھر عدت گزارنے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ وہ دولت مند، نیک اور صاحب فضیلت و کرم تھیں، لوگ ان کی زیارت کو جاتے تھے اور وہ ان کی دعوت کرتی تھیں۔

۱۰ مشہور صحابی ہیں۔

۱۱ یعنی زیب و زینت والے کپڑے عدت کے دنوں میں نہ پہنو، بعض حضرات نے اسی طرح کہا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم وہاں (دوپٹہ وغیرہ) کپڑے پہن کر یا اتار کر وقت بسر کر سکتی ہو کیونکہ وہاں کوئی نہیں ہوگا جس کی نگاہوں سے بچنے کی تمہیں فکر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ——— بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے جب کہ وہ اسے نہ دیکھ رہا ہو۔ صحیح قول جمہور ہی کا ہے کہ یہ حرام ہے، ارشاد ربانی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ۔ ایمان دار عورتوں کو فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے۔ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا کیا تم دونوں اندھی ہو، حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا حضرت ابن ام مکتوم کی طرف دیکھنا جائز تھا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابن ام مکتوم کے پاس تم محفوظ رہو گی کوئی غیر تمہاری طرف دیکھ نہیں سکے گا، کیونکہ ان کے گھر میں لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہے جیسے کہ ام شریک کے گھر میں آنا جانا رہتا ہے، البتہ تمہارے لیے نگاہیں جھکانے کا حکم بدستور ہے۔ جیسے کہ آیت مبارکہ اور حضرت ام سلمہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

۱۲ جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو ہمیں اطلاع دینا تاکہ ہم تمہارے نکاح کے بارے میں غور و فکر کریں۔

۱۳ قرشی اور عدوی صحابی ہیں۔ ——— میرے لیے کیا حکم ہے۔

۱۴ یعنی سخت مزاج شخص ہیں جو عورتوں کو مارتے ہیں۔

۱۵ کیونکہ ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرچ کرنے کے معاملے میں ہاتھ کھینچ کر رکھتے تھے اور ان کے اہل و عیال کو بھی ان سے شکایت رہتی تھی ——— صعلوک صاد پر پیش، درویش۔ تَصَعْلُکٌ درویشی ——— مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں نکاح کے لائق نہیں ہیں ——— اس سے معلوم ہوتا ہے جس سے مشورہ لیا جائے

اسے امین ہونا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغام نکاح کے وقت مرد یا عورت کے عیب کا ذکر کیا جا سکتا ہے تاکہ دوسرا فریق نقصان اور مشقت میں واقع نہ ہو۔

۱۶ه حضرت اسامہ بن زید، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کے بیٹے ہیں۔

۱۷ه یہ بات حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہی، کیونکہ وہ سیاہ فام تھے اور یہ فاطمہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور حسینہ تھیں، لیکن حضرت اسامہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب اور مقرب بارگاہ تھے۔

۱۸ه نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے۔

۱۹ه حضرت اسامہ میں یا اس نکاح میں۔

۲۰ه یعنی میری یہ کیفیت ہو گئی کہ لوگوں نے مجھ پر رشک کیا (اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کتنی برکتیں ہیں؟)۔

۲۱ه حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عورت تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو اس کے لیے نان و نفقہ ہے اور نہ ہی رہائش۔ نفقہ کی نفی تو خود صراحۃً مذکور ہے، رہائش کی نفی اس لحاظ سے کہ اگر رہائش ہو تو مرد کے گھر میں ہوگی نہ کہ دوسروں کے گھر میں رہی ابن عباس اور امام احمد کا مذہب ہے امام مالک اور شافعی کے نزدیک اس کے لیے رہائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ انہیں وہیں ٹھہراؤ جہاں خود ٹھہرو، لیکن پیش نظر حدیث کے مطابق نفقہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی موافقت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس عورت کے لیے نفقہ بھی ہے اور رہائش بھی، حضرت عمر نے فرمایا: میں ایک عورت کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں چھوڑ سکتا، مجھے معلوم نہیں کہ اس عورت نے یاد رکھا یا بھلا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان لَيْسَ لَكِ نَفَقَةٌ سے مراد وہ نفقہ ہے جو حضرت فاطمہ طلب کر رہی تھیں، مطلق نفقہ مراد نہیں ہے، حضرت فاطمہ کی دوسرے گھر میں رہائش کا ہو سکتا ہے کوئی سبب ہو، یہ حدیث رہائش کی نفی پر دلالت نہیں کرتی جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۱۸۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِيْ مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيْفَ عَلٰى نَاحِيَتِهَا فَلِذٰلِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ، خالی مکان میں تھیں۱ تو ان کے آس پاس۲ پر خوف کیا گیا، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں رخصت عطا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي فِي النُّقْلَةِ وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ اَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ تَعْنِي فِي قَوْلِهَا لَا سُكْنٰى وَ لَا نَفَقَةَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرمائی یعنی منتقل ہونے کی ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین نے فرمایا، فاطمہ کو کیا ہے؟ کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتیں؟ وہ یہ کہتی ہیں کہ ان کی عدت میں نہ رہائش تھی اور نہ خرچہ۔

(بخاری)

لے جہاں کوئی دوسرا رہائش پذیر نہ تھا، وحش واؤ پر زبر حا بغیر نقطہ کے ساکن، خالی جگہ، جنگلی جانور کو جو وحش اور وحوش کہتے ہیں اس کی یہی وجہ ہے (کہ وہ جنگل میں رہتے ہیں جہاں کوئی انسان نہیں رہتا) وحشت کا استعمال پریشانی اور تنگدلی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ے۲ یعنی خود ان پر۔

ے۳ حضرت فاطمہ کو اپنے گھر سے دوسرے گھر یعنی حضرت ابن ام مکتوم کے گھر جانے کی اجازت عطا فرمائی اصل تو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں قیام کرتیں، تنہائی کے خوف کی وجہ سے انہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کی اجازت دی گئی۔ نُقْلَةٌ نون پر پیش، قاف ساکن، انتقال سے بنا ہوا اسم ہے۔

ے۴ اور اس کے عذاب سے۔

ے۵ مطلب یہ کہ ان کی یہ بات غلط بیانی اور واقعہ کے مخالف ہے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ کہ اس طرح کہتی ہیں، یہ ام المومنین عائشہ کی طرف سے حضرت فاطمہ کی روایت کا انکار ہے جیسے کہ حضرت عمر نے انکار کیا اس سے امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کی عدت گزارنے والی کے لیے رہائش بھی ہے اور خرچہ بھی۔

۳۱۸۲/۳ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَاطِمَةُ لِطُوْلِ لِسَانِهَا عَلٰى اَحْمَائِهَا۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ اپنے دیوروں پر زبان درازی کی وجہ سے ہی منتقل کی گئیں لے

(شرح السنۃ)

لے مکان میں تنہا ہونے کے علاوہ یہ دوسری وجہ ہے، اَحْمَاء، شوہر کی طرف سے عورت کے رشتے دار۔

۳۱۸۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِيْ ثَلَاثًا فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلٰى فَجُدِّيْ نَخْلَكِ فَإِنَّهُ عَسٰى أَنْ تَصَدَّقِيْ أَوْ تَفْعَلِيْ مَعْرُوْفًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں[1] تو انہوں نے اپنی کھجور کا پھل توڑنا چاہا[2] تو ایک شخص نے انہیں نکلنے سے منع کیا[3]، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں[4] تو آپ نے فرمایا، ہاں[5]! تم اپنی کھجور کے پھل توڑ سکتی ہو کیونکہ قریب ہے کہ تم صدقہ کرو یا کوئی اور نیکی کا کام کرو[6]۔ (مسلم)

[1] اور وہ عدت گزار رہی تھیں۔

[2] تجد تا پر زبر جیم پر پیش اور دال مشدد، یہ مشتق ہے جداد سے جیم پر زبر اور اس کے نیچے زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ اس کا معنی ہے درخت سے کھجوروں کا کاٹنا، جیسے کہ صرام بے نقطہ صاد کے ساتھ اور قطاف قاف کے ساتھ، اور کھیتی میں حصاد کہتے ہیں۔

[3] انہیں علم نہ تھا کہ عدت میں گھر سے نکلنا جائز ہے۔

[4] اور عرض کیا کہ میں عدت گزار رہی ہوں اور مجھے کھجور کا پھل اتارنے کے لیے باہر جانے کی ضرورت ہے میرے لیے کیا حکم ہے باہر جاؤں یا نہ؟

[5] تم باہر جا سکتی ہو۔

[6] ہو سکتا ہے کہ تم کھجوروں کو صدقہ میں دو اگر وہ نصاب کی حد کو پہنچ جائیں یا کسی پر احسان کرو اگر نصاب سے کم ہوں۔ پس صدقہ سے مراد فریضہ زکوٰۃ ہوگا اور نیکی سے مراد نفلی خیرات، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقہ سے مراد فقیروں کو دینا ہو اور نیکی سے مراد فقیروں کے علاوہ دیگر افراد کو ہدیہ پیش کرنا ہو، یا کلمہ اَوْ شک کے سبب ہو، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت گزارنے والی عورت باہر جا سکتی ہے خصوصاً جب کہ کار خیر کے لیے ہو[1]۔

---

[1] خیال رہے کہ طلاق کی عدت میں عورت مزدوری کے لیے گھر سے باہر نہیں جا سکتی کیونکہ اس کا خرچہ طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے اسے مزدوری کی حاجت نہیں اور عدت وفات میں مزدوری کے لیے دن میں باہر جا سکتی ہے رات گھر میں گزارے کیونکہ اس عدت میں خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں۔ یہاں مزدوری کے واسطے نکلنا نہ تھا بلکہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے تھا اس مجبوری کو میں اب بھی نکلنا درست ہے بشرطیکہ رات گھر میں گزارے ۱۲ مرآۃ۔

۳۱۸۴/۵ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَيْعَةَ الْاَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاتِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ).

حضرت مسور بن مخرمہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ[۲] نے اپنے شوہر[۳] کی وفات کے چند راتوں کے بعد بچہ جنا[۴]، پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نکاح[۵] کرنے کی اجازت طلب کی، آپ نے انہیں اجازت عطا فرمادی[۶] تو انہوں نے نکاح کرلیا۔ (بخاری)

۱ے حضرت مسور بن مخرمہ کم عمر صحابی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے ہیں، ہجرت کے دو سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آٹھویں سال مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

۲ے سبیعہ سین پر پیش، با پر زبر، یا ساکن الاسلمیہ صحابیہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، ان سے حضرت ابن عمر اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں۔

۳ے ان کا نام ہے سعد بن خولہ خا پر زبر، واو ساکن۔

۴ے نفست نون پر پیش اور زبر دونوں طرح روایت ہے اور فا کے نیچے زیر ہے۔

۵ے دوسرے شوہر سے۔

۶ے کیونکہ حاملہ کی عدت، بچے کی پیدائش ہے خواہ اس کا شوہر فوت ہوا ہو یا اسے طلاق دی گئی ہو، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے، امام شافعی کے نزدیک اگر حاملہ کا شوہر فوت ہوا ہو تو اس کی عدت وہ ہے جو دو عدتوں (تین طہر یا بچے کی پیدائش) میں سے طویل ہو، یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، اس مسئلے کی تحقیق اصول فقہ کی کتابوں میں کی گئی ہے۔

۳۱۸۵/۶ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ لگائیں[۱]؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَّعَشْرٌ وَّقَدْ كَانَتْ اِحْدٰكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِيْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَاْسِ الْحَوْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا، نہیں اس عورت نے دو یا تین بار سوال کیا ہر دفعہ آپ فرماتے، نہیں پھر فرمایا: عدت صرف چار مہینے دس دن ہے تم میں سے ایک عورت زمانہ جاہلیت میں سال پورا کر کے مینگنی پھینکتی تھی۔ (صحیحین)

لہ ایک روایت میں ہے تکحلما تا کے ساتھ، یعنی وہ لڑکی اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے، تکحل حا پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں باب نصر اور فتح سے۔

لہ سرمہ نہ لگانا سوگ کی پاسداری کے لیے ہے، شوہر کی وفات کے بعد خوشبو، سرمہ نہیں لگائے گی اور زیب و زینت نہیں کرے گی، سرمہ لگانے میں اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک آنکھیں دکھ رہی ہوں تو رات کو سرمہ لگائے اور دن کے وقت صاف کر دے، امام احمد کے نزدیک بالکل جائز نہیں ہے، ہمارے نزدیک عذر ہو تو دن اور رات دونوں میں لگا سکتی ہے عہ اس حدیث کا ظاہر امام احمد کے مذہب کے موافق ہے۔

لہ لہٰذا اس مدت تک صبر کرنا چاہیے، اس سے پہلے سوگ ختم نہیں کرنا چاہیے، یا یہ مطلب ہے کہ چار مہینے دس دن کوئی زیادہ مدت تو نہیں ہے پھر بے چینی کیوں؟ ——— لفظ عشر مرفوع ہے جیسے کہ ظاہر عبارت کا تقاضا ہے (اس کا عطف ہے اربعہ پر)۔ کتب حدیث میں زبر کے ساتھ ہے لفظ قرآن کی موافقت کی گئی ہے، پھر اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عدت پورا سال ہوتی تھی اس کے علاوہ کئی مضحکہ خیز چیزیں لازم ہوا کرتی تھیں جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

لہ عدت سے باہر آتے وقت ——— بَعْرَۃٌ با پر زبر، عین ساکن، اونٹ اور بکری کی مینگنی کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند ہو جاتی، انتہائی گھٹیا قسم کے کپڑے پہنتی اور پورا سال نہ خوشبو لگاتی اور نہ ہار سنگھار کرتی، اس کے بعد گدھا یا بکرا لایا جاتا جس کے

عہ ہمارے ہاں بھی بیماری میں دوا لگانا درست ہے بشرطیکہ سرمہ کے سوا اور کوئی دوا مفید نہ ہو، یہاں دوسری دوا مفید ہو گی اس لیے منع فرما دیا ۱۲ مرآۃ۔

سا تو وہ اپنی شرم گاہ کو چھوتی اور اس کوٹھڑی سے باہر آجاتی، اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں جنہیں پھینک کر وہ عدت سے باہر آجاتی۔

۳۱۸۶ وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب بنت جحش[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے شوہر کے کہ اس پر چار مہینے دس دن سوگ منائے گی[۲]۔ (صحیحین)

[۱] دونوں امہات المومنین میں سے ہیں۔

[۲] تحد تا پر پیش اور حار کے نیچے زیر، روایت اسی طرح ہے۔ لغت میں تا پر زبر اور حار کے نیچے زیر، اور اس پر پیش بھی آئی ہے۔ حداد حداد کے نیچے زیر، سیاہ یا نیلے، سوگ کے کپڑے پہننا۔

۳۱۸۷ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ امْرَاَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيْبًا اِلَّا اِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِّنْ قُسْطٍ اَوْ اَظْفَارٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَلَا

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن، اور رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے مگر چتکبرا[۳]۔ سرمہ نہ لگائے اور خوشبو نہ لگائے مگر جب پاک ہو تو[۴] ایک ٹکڑا قسط[۵] یا اظفار کا۔ (صحیحین)

امام ابوداؤد نے اضافہ کیا کہ

یختضب۔ رنگین نہ کرے۔

سلہ حضرت ام عطیہ جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد میں شریک ہوکر زخمیوں کا علاج معالجہ اور بیماروں کی تیمارداری کیا کرتی تھیں، بصرہ تشریف لے گئی تھیں اس لیے اہل بصرہ کو ان سے حدیث حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا، ان کا نام نسیبہ ہے نون پر پیش، سین پر زیر، یار ساکن اس کے بعد باء۔

سلہ عصب عین پر زبر، صاد ساکن، یہ دونوں حرف بے نقطہ ہیں، وہ کپڑا جس کا دھاگہ بننے سے پہلے رنگا گیا ہو اور ایسا کپڑا زینت میں شمار نہیں کیا جاتا، فقہا کی تصریح کے مطابق ایسا کپڑا مردوں کے لیے بھی جائز ہے۔

سلہ حیض سے۔

سلہ قسط قاف پر پیش، سین ساکن، خوشبودار لکڑی جو ہندوستان میں پائی جاتی ہے، عرب میں بھی پائی جاتی ہے اور دواؤں میں استعمال کی جاتی ہے، قاف کی جگہ کاف اور طار کی جگہ تار بھی آتی ہے۔ (کُسْت)۔

سلہ اظفار جمع ہے ظُفُر (ناخن)، کی خوشبو کی ایک قسم جس کے ساتھ دھونی دی جاتی ہے. آدمی کے ناخن کے مشابہ ہوتی ہے اسے عورتیں استعمال کرتی ہیں۔

سلہ یعنی بالوں اور ہاتھوں کو مہندی نہ لگائے ــــــــ شوہر پر عورت کے سوگ منانے میں حکمت یہ ہے کہ وہ اس کی وفات پر اظہار افسوس کرتی ہے، برخلاف طلاق والی عورت کے کہ شوہر نے اسے طلاق دے کر وحشت زدہ کیا ہے، چار ماہ دس دن کی تخصیص کی وجہ شارع کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، جیسے کہ ہر جگہ اعداد کا یہی حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۱۸۸/۹ عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ کَعْبٍ اَنَّ الْفُرَیْعَۃَ بِنْتَ مَالِکِ بْنِ سِنَانٍ وَّھِیَ اُخْتُ اَبِیْ سَعِیْدِ ہِ الْخُدْرِیِّ اَخْبَرَتْھَا اَنَّھَا جَاءَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت زینب بنت کعب سلہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری کی بہن، فریعہ سلہ بنت مالک بن سنان نے انہیں بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ عَنْ تَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهَا فِيْ بَنِيْ خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِيْ طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبِقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِيْ فَقَالَ امْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس بنو خدرہ[3] میں لوٹ جائیں؟ کیوں کہ ان کے شوہر اپنے مفرور غلاموں کو تلاش کرنے گئے۔ تو انہوں[4] نے انہیں شہید کر دیا فرماتی ہیں[5] میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جاؤں؟ کیونکہ میرے شوہر نے مجھے ایسے مکان میں نہیں چھوڑا جس کے وہ مالک ہوں اور خرچ بھی نہیں ہے[6]۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں[7] تو میں پلٹ گئی یہاں تک کہ جب میں گھر کے صحن[8] میں تھی یا مسجد میں[9] تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا، تم اپنے گھر میں رہو[10] یہاں تک کہ لکھا ہوا اپنی مدت کو پہنچ جائے۔ فرماتی ہیں[11] میں نے اسی مکان میں چار مہینے دس دن عدت گزاری[12]۔

(امام مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

۱ زینب بنت کعب انصاریہ ہیں اور بنو سالم بن عوف سے تعلق رکھتی ہیں۔

۲ فریعہ فا پر پیش، را پر زبر اور یا ساکن، صحابیہ ہیں اور بیعت رضوان میں شریک ہوئیں، ان کی حدیث اہل مدینہ کے ہاں معروف ہے

۳ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلے کی طرف منسوب ہیں۔

۴ ان غلاموں نے یا ڈاکوؤں نے ______ اور مجھے وفات کی عدت گزارنی ہے۔

۵ حضرت فریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۶ مجھے خرچ کے بغیر ایسے ہی اس مکان میں چھوڑ کر چلے گئے اور شہید ہو گئے۔

۵ تم اپنے رشتے داروں کے پاس چلی جاؤ۔
۸ صراح میں ہے حجرۃ گھر کا کنارہ
۹ یہ راوی کو شک ہے کہ انہوں نے مجھ کہا یا مسجد
۱۰ جو تمہارا شوہر چھوڑ کر گیا ہے اگرچہ اس کی ملکیت نہیں ہے۔
۱۱ یعنی یہاں تک کہ عدت گزر جائے، اس عبارت سے مراد وقت اور مدت کا پہنچنا ہے، عدت کو کتاب یعنی مکتوب اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ فرض کی گئی ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔
۱۲ حضرت فریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
۱۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت گزارنے والی عورت بغیر ضرورت اور حاجت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی۔

۳۱۸۹ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِرًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ إِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ لَيْسَ فِيهِ طِيبٌ فَقَالَ إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ وَلَا بِالْحِنَّاءِ فَإِنَّهُ خِضَابٌ قُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِينَ بِهِ رَأْسَكِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ابو سلمہ کے وصال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے اوپر ایلوا[۱] لگا رکھا تھا، فرمایا ام سلمہ! یہ کیا ہے[۲]؟ میں نے عرض کیا یہ ایلوا ہے۔ اس میں خوشبو نہیں[۳] ہے فرمایا یہ چہرے کی رونق کو بڑھاتا ہے[۴]۔ لہٰذا تم یہ نہ لگاؤ مگر رات میں اور دن کے وقت اسے اتار دو اور خوشبو کے ساتھ کنگھی نہ کرو[۵] اور نہ ہی مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی رنگ ہے[۶]، میں نے عرض کیا کہ کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں[۷]؟ فرمایا بیری سے[۸]۔ تم اس کے ساتھ سر پر لیپ کر لو[۹] (ابو داؤد، نسائی)

۵۱ان کے شوہر۔

۵۲ صبر صاد پر زبر، بار کے نیچے زبر، بار کو ساکن بھی پڑھا جا سکتا ہے، مشہور کڑوی دوائی (مصبّر) بعض نے صاد کی زیر کے ساتھ بھی نقل کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ اپنے اوپر ایلوا لگانے کا مطلب یہ ہو کہ چہرے پر لیپ کی گئی ہو جیسے کہ حدیث کی روش سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۳ استفہام انکاری کے طور پر۔

۵۴ جو سوگ میں منع ہے۔

۵۵ یَشُبُّ شین پر پیش ـــ یہ چہرے کی چمک دمک کو بڑھاتا ہے ــــ شب شین پر زبر شبوب شین پر پیش، آگ کا بھڑکانا، شبوب شین پر زبر، وہ چیز جس کے ساتھ آگ روشن کی جائے، شباب بمعنی جوانی بھی اسی قسم سے ہے کہ اس میں حرارت غریزی تیز اور مشتعل ہوتی ہے۔

۵۶ وہ کنگھی استعمال نہ کرے جسے خوشبو لگائی گئی ہو۔

۵۷ اور سوگ میں بالوں کو رنگنا ممنوع ہے، نیز مہندی میں خوشبو بھی ہے۔

۵۸ ہمارے ہاں خوشبو اور مہندی کے ساتھ کنگھی کرنے کا رواج ہے۔

۵۹ یعنی اس کے پتوں سے۔

۶۰ یعنی اتنے زیادہ سر پر ڈالو کہ تمہارے بالوں کو ڈھانپ لیں، جیسے غلاف ڈھانپ لیتا ہے۔ تَغَلَّفِيْنَ تاء اور لام دونوں پر زبر، اصل میں تَتَغَلَّفِيْنَ تھا، بعض حضرات نے تاء پر پیش اور لام کے نیچے زیر بھی پڑھی ہے۔ (تُغَلِّفِيْنَ)۔

۳۱۹۰ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ سرخ رنگ کے کپڑے[۱] نہ پہنے اور نہ ہی گلابی[۲]، وہ نہ تو زیور[۳] پہنے نہ بال[۴] رنگے اور نہ ہی سرمہ لگائے۔

(ابوداؤد، نسائی)

۱ مُعَصْفَر وہ کپڑا جو عصفر سے رنگا ہو، صراح میں ہے عصفر سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔

۲ الممشقۃ پہلے میم پر پیش، دوسرے پر زبر، نقطوں والے شین پر زبر، آخر میں قاف، وہ کپڑے جو مشق سے

رنگے ہوئے ہوں، مشق میم کے نیچے زیر اور شین ساکن، سرخ پھول۔

۵ھ ملی حا پر پیش، لام کے نیچے زیر، اور یا مشدد، جمع ہے حلی کی حا پر زبر اور لام ساکن، زیور، جیسے ثُدی اور جمع ثُدِیّ۔

سکہ اور ہاتھ ــــ خضب اور اختضاب رنگ کرنا اور خضیبُ رنگین ہاتھ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۱۹۱/۱۲ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ الْأَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِيْنَ دَخَلَتِ امْرَأَتُهٗ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ إِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ زَيْدٌ أَنَّهَا إِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهٗ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سلیمان بن یسار[1] سے روایت ہے کہ احوص[2] اس وقت شام میں فوت ہوئے جب ان کی بیوی تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اور وہ انہیں طلاق دے چکے تھے[3] حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت زید بن ثابت[4] کو لکھ کر یہ مسئلہ دریافت کیا، حضرت زید نے انہیں لکھا کہ جب وہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوئی تو شوہر سے جدا ہو گئی[5] اور وہ اس سے جدا ہو گئے[6] نہ مرد اس کا وارث[7] اور نہ وہ مرد کی وارث[8]۔ (امام مالک)

سلہ اکابر تابعین اور سات فقیہوں میں سے تھے، ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام فقیہ، فاضل، عبادت گزار، متقی اور مستند تھے۔

سکہ احوص ہمزہ پر زبر، حا ساکن، تابعی، احمصی تھے۔

سکہ عورت تین حیضوں کے ساتھ عدت گزار رہی تھی جیسے کہ عدت طلاق کا حکم ہے۔ اور اب جو اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے تو اسے چار ماہ اور دس دن عدت گزارنی چاہیے اب وہ کیا کرے؟ نیز وہ مرد کی وارث ہو گی یا نہیں۔

سکہ حضرت زید بن ثابت جلیل القدر صحابی اور ماہر میراث

۵ تیسرا حیض دیکھتے ہی مرد کی قید سے رہا ہو گی۔

۶ یعنی طلاق کی عدت مکمل ہو گئی یا تو اس لیے کہ عدت کا اکثر حصّہ گزر گیا اور یا اس لیے کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی ہے اور عدت وفات محض تیسرا خون دیکھنے سے ساقط ہو گی۔

۷ اگر مرد زندہ ہوتا اور عورت فوت ہو جاتی۔

۸ مرد کی وفات کی صورت میں جیسے کہ اس صورت میں مذکور ہے ــــ حدیث کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں میراث کے بارے میں سوال کرنا مقصود تھا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عدت کے بارے میں سوال ہو کہ طلاق کی عدت گزارے یا وفات کی۔[۱]

۳۱۹۲/۱۳ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَيُّمَا امْرَاَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَيْضَةً اَوْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ رُفِعَتْهَا حَيْضَتُهَا فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَاِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذَالِكَ وَاِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ ثُمَّ حَلَّتْ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سعید بن مسیب[۱] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جس عورت کو طلاق دی جائے اور اسے ایک یا دو حیض آجائیں پھر اس کا حیض اس سے اٹھا لیا جائے[۲] تو وہ نو ماہ انتظار کرے گی اگر اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم ظاہر ہے[۳] ورنہ وہ نو ماہ کے بعد تین ماہ عدت گزارے گی[۴] پھر وہ عدت سے باہر آجائے گی۔ (امام مالک)

۱ مشہور اور اکابر تابعین میں سے تھے۔

---

۱ خیال رہے کہ یہ مسئلہ حضرت زید بن ثابت کے مذہب پر ہے کیونکہ ان کے ہاں عدت طلاق تین طہر ہیں، تیسرے حیض پر تین طہر پورے ہو چکے تھے، حضرت عائشہ اور ابن عمر کا یہی قول ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے خلفائے راشدین، عبداللہ بن مسعود، ابن زبیر، ابن عباس، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، عبادہ بن صامت اور ابو موسیٰ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں، یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ (۱۲ مرآۃ ملخصاً)

۵۲ اور منقطع ہو جائے، حیض کے اس انقطاع میں دو احتمال ہیں (۱) ناامیدی کی بنا پر منقطع ہوا ہو اور ایسی عورت کی عدت مہینوں سے ہوتی ہے (۲) یا حمل کی بنا پر ہوا اور حاملہ کی عدت، بچے کی پیدائش ہے۔

۵۳ کہ بچے کی پیدائش سے عدت ختم ہو جائے گی۔

۵۴ کیونکہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے ناامید ہو جاتی ہیں۔

بَابُ الْاِسْتِبْرَآءِ

۲۶۰۔ استبراء کا بیان

لغت میں استبراء براءت اور پاکی کے طلب کرنے کو کہتے ہیں، شریعت میں لونڈی کے رحم کے حمل سے خالی ہونے کے طلب کرنے کو استبراء کہتے ہیں، جو شخص خرید کر یا وصیت یا ہبہ یا وراثت سے لونڈی کا مالک ہو اس کیلئے اس سے جماع کرنا اور جماع کے وسائل بروئے کار لانا مثلاً چھونا، بوسہ لینا، بغلگیر ہونا حرام ہے جب تک ایک حیض گزار کر استبراء نہ کرے اگر اسے حیض آتا ہے اور اگر حیض نہیں آتا تو ایک ماہ گزارے اور اگر حاملہ ہے بچے کی پیدائش تک انتظار کرے، استبراء واجب ہے اگرچہ لونڈی کنواری ہو یا کسی عورت یا محرم سے خریدی ہو یا وہ پہلے بچے کی ملکیت تھی، قیاس کہتا ہے کہ ان صورتوں میں استبراء واجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ استبراء میں حکمت یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا رحم خالی ہے تاکہ دو مردوں کا نطفہ اس کے رحم میں جمع نہ ہو، یہ اس وقت ہے کہ رحم محترم پانی کے ساتھ مصروف ہو اور مذکورہ صورتوں میں رحم مار محترم کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکتا)

لیکن ائمہ دین نے نص کی بنا پر قیاس کو ترک کر دیا ہے اور وہ نص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ خبردار! کسی حاملہ سے وطی نہ کی جائے جب تک کہ اولاد پیدا نہ ہو جائے اور اگر حاملہ نہیں تو وطی جائز نہیں جب تک کہ ایک حیض نہ دیکھ لے، ظاہر ہے کہ ان میں کنواری لڑکیاں بھی ہوں گی اور ایسی عورتیں بھی ہوں گی جن کا حیض بند ہو چکا ہوگا وغیر ذالک، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام حکم فرما دیا تو اس کی تخصیص قیاس کے ساتھ درست نہ ہوگی، اور حکمت ایک نوع میں ملحوظ ہوتی ہے نہ کہ ہر ہر فرد میں یہی شریعت کا ضابطہ ہے، جیسے کہ شراب کو حرام قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ شیطان انسانوں میں دشمنی ڈال دیتا ہے

اور ان کو نماز سے روک دیتا ہے جیسے کہ نص قرآن میں واقع ہے اس سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں شراب پیتا ہوں اور دروازہ بند کر لیتا ہوں اور کسی کے ساتھ جھگڑا مول نہیں لیتا اور نماز ترک نہیں کرتا، تخصیص میں بے صفا بکی، خبط اور لوگوں کا گھاٹا ہے؛ خلاصہ یہ کہ یہ امر تعبدی ہے اور حکم شریعت سے اطلاق اور عموم کے ساتھ ثابت ہے اس میں تقیید اور تخصیص جائز نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۱۹۳ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاِمْرَاَۃٍ مُجِحٍّ فَسَاَلَ عَنْھَا فَقَالُوْا اَمَۃٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَیُلِمُّ بِھَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَہٗ لَعْنًا یَدْخُلُ مَعَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ کَیْفَ یَسْتَخْدِمُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ اَمْ کَیْفَ یُوَرِّثُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک حاملہ عورت کے پاس سے گزرے جس کے بچے کی پیدائش قریب تھی[1]۔ تو آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا[2]۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ فلاں کی لونڈی ہے[3]۔ فرمایا، کیا وہ اس سے محبت کرتا ہے[4]؟ عرض کیا ہاں[5]! فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ اس پر ایسی لعنت بھیجوں جو اس کے ساتھ قبر میں جائے[6] وہ لڑکے سے کیسے خدمت لے گا؟ حالانکہ اس سے خدمت لینا[7] جائز نہیں یا دوسرے کے بیٹے کو کیسے وارث بنائے گا؛ حالانکہ اسے وارث بنانا جائز نہیں[8]۔

(مسلم)

[1] مُجِحّ میم پر پیش، جیم کے نیچے زیر، بے نقطہ حا مشدد، وہ عورت جس کے بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہو اور اس کا پیٹ بڑھا ہوا ہو، یہ لفظ عام طور پر درندوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے اجحاج حاملہ ہونا۔

[2] کہ یہ کون ہے۔

[3] اور نئی نئی اس کی ملکیت میں آئی ہے۔

۵۳ کیا اس سے جماع کرتا ہے؟ ـــــــ المام کا معنی ہے اترنا۔

۵۵ اس سے جماع کرتا ہے۔

۵۶ یعنی ایسی سخت اور شدید لعنت کروں کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہے۔ لعنت کا یہ ارادہ اس لیے تھا کہ انہوں نے استبراء نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد اس وجہ کی طرف اشارہ فرمایا جو استبراء نہ کرنے پر لعنت بھیجنے کا تقاضا کرتی ہے چنانچہ فرمایا: کَیْفَ یَسْتَخْدِمُہٗ۔

۵۷ اور اسے غلام بنانا جائز نہیں ہے۔

۵۸ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب استبراء کے بغیر لونڈی سے وطی کرے اور اتنی مدت میں لڑکا پیدا ہو جائے جس میں احتمال ہو کہ وہ سابق شوہر کا ہو مثلاً چھ ماہ کے اندر پیدا ہو جائے اور وطی کرنے والا نسب کا اقرار کرلے کہ یہ میرا بیٹا ہے، تو دوسرے کے بیٹے کو وارث بنانا لازم آئے گا اور یہ حرام ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکا وطی کرنے والے کا ہو پس اگر اس کے نسب کا اقرار نہیں کرتا تو وہ لڑکا غلام بن جائے گا، اس سے اپنی اولاد کو خادم (اور غلام) بنانا اور نسب کا منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی حرام ہے۔ لہٰذا اس پر واجب ہے کہ نطفے کے اختلاط سے لازم آنے والے دو فسادوں سے بچنے کے لیے وطی نہ کرے جب تک کہ حال واضح نہ ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۱۹۴/۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَفَعَہٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ سَبَایَا اَوْطَاسٍ لَا تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلَا غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَۃً۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوطاس[۱] کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا، کسی حاملہ سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ بچہ جنے اور جو حاملہ نہیں اس سے وطی نہ کی جائے، یہاں تک کہ اسے ایک حیض آ جائے[۲]۔

(امام احمد، ابوداؤد، دارمی)

۱ اوطاس ایک جگہ کا نام ہے جہاں فتح مکہ کے بعد جنگ ہوئی۔

۲ اگر اسے کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو ایک ماہ گزار کر استبراء کیا جائے۔ یہ قسم چونکہ نادر اور قلیل ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ـــــــ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی ہو جانے سے سابق

نکاح ختم ہو جاتا ہے بظاہر یہ حکم مطلق ہے کہ اس کا زوج ساتھ ہو یا نہ ہو، یہی امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک اگر میاں بیوی اکٹھے گرفتار ہو جائیں تو ان کا پہلا نکاح باقی رہتا ہے۔

۳۱۹۵ (۳) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْقِيَ مَآءَهٗ زَرْعَ غَيْرِهٖ يَعْنِيْ اِتْيَانَ الْحُبَالٰى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّقَعَ عَلَى امْرَاَةٍ مِّنَ السَّبْيِ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّبِيْعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ زَرْعَ غَيْرِهٖ)

حضرت رویفع[1] بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حنین[2] کے دن فرمایا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو پلائے یعنی حاملہ[3] سے جماع کرے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ کسی قیدی عورت سے استبراء سے پہلے صحبت کرے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ غنیمت کو تقسیم سے پہلے فروخت کرے[4] (ابوداؤد) امام ترمذی نے یہ حدیث زرع غیرہ تک روایت کی۔

[1] رویفع را پر پیش، واؤ پر زبر، یا ساکن اور فا کے نیچے زیر، انصاری صحابی ہیں اور مصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، ۴۶ھ میں حضرت امیر معاویہ نے انہیں طرابلس کا امیر مقرر کیا اور ۴۷ھ میں انہوں نے افریقہ میں جہاد کیا۔ ۵۶ھ برقہ را کے نیچے زیر اور قاف مشدد، میں اور بعض نے کہا شام میں وصال ہوا۔

[2] فتح مکہ کے بعد واقع ہونے والے مشہور غزوہ کا نام ہے۔

[3] غیر کی کھیتی کو پانی دینے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد حاملہ عورتوں سے جماع کرنا ہے۔

[4] یہ مال غنیمت میں (تقسیم سے پہلے) تصرف کرنے اور اس میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۱۹۶ (۴) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ بِاسْتِبْرَآءِ الْاِمَآءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَ ثَلٰثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَآءِ الْغَيْرِ.

امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر لونڈی کو حیض آتا ہو تو ایک حیض کے ساتھ استبراء کیا جائے اور اگر اسے حیض نہیں آتا تو تین ماہ کے ساتھ استبراء کیا جائے[1] اور منع فرمایا کرتے تھے غیر کے پانی کو پانی دینے سے[2]

[1] جمہور کا اس امر پر اتفاق ہو چکا ہے کہ ایک ماہ سے استبراء ہو جاتا ہے اور ایک جماعت اس حدیث کے پیش نظر اس طرف گئی ہے کہ تین ماہ سے استبرا ہوتا ہے۔

[2] یعنی حاملہ عورتوں سے وطی کرنے سے منع فرمایا۔

۳۱۹۷ (۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْطَأُ اَوْ بِيْعَتْ اَوْ اُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِءْ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تَسْتَبْرِءُ الْعَذْرَآءُ. (رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب قابل جماع لونڈی[1] ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو وہ ایک حیض سے اپنے رحم کا استبراء کرے اور کنواری لونڈی استبراء نہ کرے[2] (امام رزین)

[1] یعنی بالغ

[2] حضرت شریح نے اس حدیث کو اختیار کیا اور فرمایا کہ کنواری کے لیے استبراء واجب نہیں ہے، جمہور ان کے خلاف ہیں، انہوں نے اوطاس کے قیدیوں کی حدیث کے عموم کا لحاظ کیا ہے جیسے کہ شرح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

بَابُ النَّفَقَاتِ وَحَقِّ الْمَمْلُوْكِ

۲۶۱۔ نفقوں اور مملوک کے حق کا بیان

لغت میں انفاق کا معنی فنا ہونا، ختم ہونا، چلے جانا اور ہاتھ سے نکل جانا ہے۔ اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرچ کی جائے۔ متعدد اقسام کے پیش نظر جمع کا صیغہ لایا گیا ہے مثلاً بیویوں، اولاد، والدین اور خویش و اقارب کا خرچہ، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ عام خرچہ مراد ہے خواہ واجب ہو یا نہ، اور مملوک کے حق سے مراد کھانا کھلانا، لباس فراہم کرنا اور اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دینا ہے جیسے کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۱۹۸/۱ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَّلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَا يَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ[1] نے عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک ابو سفیان بہت بخل سے کام لیتے ہیں اور مجھے اتنا سامان نہیں دیتے جو میرے لیے اور میری اولاد کی معیشت کے لیے کافی ہو، مگر وہ کہ ان کی بے خبری میں لے لوں[2]، فرمایا: تم اتنا مال لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے معروف[3] طریقے کے مطابق کافی ہو۔ (صحیحین)۔

[1] ہند بنت عتبہ مبین پرجوش اور تاراسا کن، بن ربیعہ بن عبد شمس ابن عبد مناف، عتبہ مشرکین مکہ کا سردار تھا اور یہ ہند ابو سفیان کی بیوی اور امیر معاویہ کی والدہ ہیں فتح مکہ کے سال اپنے شوہر کے بعد اسلام لائیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سابق نکاح کو برقرار رکھا، ان کے کفر کی داستان معروف ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ جب ہند بنت عتبہ ایمان لائیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک وقت وہ تھا کہ میرے نزدیک آپ کے اور صحابہ کرام کے خیموں سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی

خیمہ نہ تھا اور آج میری یہ حالت ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب آپ کا خیمہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: و ایضاً، شارحین حدیث نے اس کلمہ کے دو مطلب بیان کیے ہیں (۱) جب تمہارے دل میں ایمان راسخ ہو جائے گا تو اس سے بھی زیادہ محبت پیدا ہو گی۔ (۲) میں بھی اپنے دل میں ایسی ہی کیفیت محسوس کرتا ہوں، پہلے تم لوگ میرے نزدیک ناپسندیدہ تھے مگر اب محبوب ہو گئے ہو ــــــ ان کی وفات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوئی، اسی دن حضرت ابوبکر صدیق کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال ہوا۔

سے یعنی ان سے چوری چھپے لوں اور انہیں اطلاع نہ دوں۔

سے ایسے طریقے پر جو شریعت مبارکہ میں جانا پہچانا ہو اور شریعت اس کا حکم دے یعنی بقدر حاجت۔

۳۱۹۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْطَى اللّٰهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ[۲]۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو بہت سا مال عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے ابتدا کرے۔[۲] (مسلم)۔

لہ جابر بن سمرہ سین پر زبر، میم پر پیش، مشہور صحابی ہیں۔

سے یعنی پہلے اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر واجب خرچ سے زیادہ خرچ کرے۔

۳۲۰۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيْقُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کے لیے واجب ہے[۱] کھانا اور لباس، اور اسے اسی کام کی تکلیف دی جائے گی جس کی وہ طاقت رکھتا ہو۔ (مسلم)

لہ مالک پر واجب ہے کہ غلام کو بقدر حاجت، شہر کے عرف اور حال کے مناسب کھانا اور کپڑا فراہم کرے۔

سے یہ وجوبی حکم ہے، تکلیف کا معنی یہ ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم دینا ــــــ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ مالک مطلق اور مالک حقیقی ہے اپنے بندوں کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جو ان کی طاقت میں ہو، تو انسان جو مجازی مالک ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے ہم جنس غلاموں کے ساتھ بھی یہی طریقہ روا رکھیں۔

۳۲۰۱/۴ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ یَدَیْهِ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْكُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَّفَهُ مَا یَغْلِبُهُ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں[1] جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت بنا دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جس کے بھائی کو اس کا ماتحت[2] بنا دے تو چاہیے کہ جو خود کھائے اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسے[3] پہنائے اور اسے ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کے بس سے باہر ہو اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس میں اس کی امداد کرے[4]۔

(صحیحین)

[1] دین اور خلقت کے اعتبار سے۔

[2] اور خدمت گار

[3] یہ مستحب ہے، واجب اسی قدر ہے جو اس شہر کے عرف کے مطابق ہے، اسی طرح علماء نے فرمایا۔

[4] بعض صالحین سے مروی ہے کہ وہ آٹا پیسنے میں اپنی کنیزوں کی امداد کیا کرتے تھے۔

۳۲۰۲/۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَهُ قَهْرَمَانٌ لَّهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَیْتَ الرَّقِیْقَ قُوْتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَانْطَلِقْ فَاَعْطِهِمْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفٰی بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ یَّحْبِسَ عَمَّنْ یَّمْلِكُ قُوْتَهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ كَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ان کا خزانچی[1] ان کے پاس آیا، انہوں نے اسے فرمایا، کیا تم نے غلاموں کو خوراک دے دی ہے؟ کہا نہیں، فرمایا، جاؤ اور انہیں خوراک دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کے لیے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ اپنے مملوک سے خوراک روک لے اور ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے گناہ کے لیے یہی کافی ہے کہ جسے خوراک دیتا ہے۔ اسے

اَنْ يُّضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ۔ ہلاک کر دے کہ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لہ قہرمان قاف پر زبر ہا ساکن را پر زبر یہ دوسری زبان کا لفظ ہے جو عربی میں استعمال کیا گیا ہے خزانچی، مال کا محافظ، آدمی کا وکیل اور کارندہ۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی چیز صدقہ کرے جو اہل وعیال کی خوراک سے زائد ہو۔

۳۲۰۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَ بِهٖ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهٗ وَ دُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کے لیے اس کا خادم کھانا تیار کرے پھر اس کے پاس لائے اور وہ اس لہ کی گرمی اور دھواں برداشت کر چکا ہو تو اسے اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے سلہ اور اگر کھانا تھوڑا سلہ ہو تو اس کے ہاتھ میں کھانے میں سے ایک دو لقمے رکھ دے۔

(مسلم)

لہ کھانا پکانے کے دوران۔

سلہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے، یہ استحبابی حکم ہے (بہتر یہ ہے کہ اسے اپنے ساتھ کھلائے)۔

سلہ مشفوہ شَفَّۃٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہونٹ ہے، کنایہ کے طور پر تھوڑے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اتنا تھوڑا ہو کہ ہونٹوں سے کھایا جائے۔ اور دانتوں کی ضرورت نہ ہو۔ اصل میں مَشْفُوْہ اس پانی کو کہتے ہیں جسے پینے والے ہونٹ زیادہ ہوں اور پانی کم ہو۔ اس اعتبار سے مشفوہ اس کھانے کو کہیں گے جس کے کھانے والے زیادہ ہوں۔ بہرصورت قَلِيْلًا اس کی تفسیر ہے، بعض نسخوں کے حاشیہ میں مشفوھًا کی تفسیر کے طور پر قلیلاً لکھا گیا ہے۔ اکثر تصحیح کردہ نسخوں میں قَلِيْلًا متن میں واقع ہے اُكْلَةً لقمہ، اور ہمزہ پر زبر ہو تو اس کا معنی ایک دفعہ کھانا ہے، روایت ہمزہ کی پیش کے ساتھ ہے۔

۳۲۰۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غلام اپنے آقا کا مخلص ہو[1] اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرے تو اس کے لیے دوہرا[2] ثواب ہے۔ (صحیحین)

[1] اس کا خیر خواہ اور حق شناس ہو۔

[2] ایک تو آقا کی خدمت کی وجہ سے دوسرا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب، اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اپنے آقا کے لیے مخلص ہونا بھی عبادت ہے کہ اس پر ثواب ہے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل ہے، جیسے کہ والدین کی خدمت اور ان کے حکم کی تعمیل (بھی) اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا کہ ہر عمل پر اس کے لیے دو ثواب ہیں۔

۳۲۰۵ / ۸ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَّتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَيِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کے لیے یہ بہت اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں موت دے کہ وہ اچھی طرح اپنے رب کی عبادت اور مولا کی اطاعت کر رہا ہو[1]۔ یہ بہت ہی اچھا ہے[2]۔ (صحیحین)

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی خوب کرتا ہو اور اپنے مولا کی خدمت بھی خوب بجا لاتا ہو۔

[2] تاکید کے لیے یہ جملہ دوبارہ لایا گیا ہے۔

۳۲۰۶ / ۹ وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غلام بھاگ جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی، ان ہی[1] کی ایک روایت میں ہے کہ جو غلام بھی بھاگ

اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ

جائے تو اس سے ذمہ اسلام[3] اٹھ جاتا ہے

وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهُ قَالَ اَیُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَّوَالِیْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ۔

اور ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے تو وہ کافر ہو گیا یہاں تک کہ ان کی طرف لوٹ آئے[4]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[1] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشہور صحابی ہیں جو بڑے خوبصورت اور خوب سیرت تھے

[2] حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[3] اس سے اسلام کا ذمہ، اسلام کی امان اور اس کا عہد ختم ہو جاتا ہے یعنی وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کا خون اور مال مباح ہو جاتا ہے۔

[4] یہ انتہائی تشدید، تغلیظ اور مبالغہ ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ بھاگ کر دار الحرب میں چلا جائے۔ تو اس کا قتل جائز ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ بھاگ جانے ایسی معصیت کو حلال جانے۔ بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اس کے فرار کے دوران اس کے جرم کا جرمانہ اور اس غلام کا خرچہ اس کے مولا کے ذمہ نہیں ہے، یا کفر سے کفرانِ نعمت (ناشکری) مراد ہے۔

$\frac{3207}{10}$ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهٗ وَهُوَ بَرِیْءٌ مِّمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ كَمَا قَالَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مملوک کو گالی دے اور وہ غلام اس گالی سے بری ہو تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے مگر یہ کہ وہ غلام ایسا ہی ہو جیسے کہ اس نے کہا[1]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

[1] یعنی اگرچہ غلام پر زنا کی تہمت لگانے سے (مولا پر) دنیا میں حد نہیں لگائی جاتی، لیکن آخرت میں اس کی تلافی کی جائے گی اور اسے حد لگائی جائے گی، مطلب یہ ہے کہ غلاموں کو زنا کی تہمت لگانا گناہ ہے اور ممنوع ہے جیسے کہ عام عادت ہے (اسی طرح بچوں یا دوسرے لوگوں کو بے تکلف حرامی کہہ دیا جاتا ہے یہ بھی گناہ ہے کہ ان کی ماں پر تہمت ہے قادری)۔

$\frac{3208}{11}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهٗ حَدًّا لَمْ يَأْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ كَفَّارَتَهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے غلام کو ایسی حد لگائے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا[1] یا اسے تھپڑ مارے[2] تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔

(مسلم)

[1] یعنی اس نے حد کے سبب کا ارتکاب نہیں کیا، مطلب یہ کہ بغیر گناہ کے اسے حد لگا دے۔

[2] کسی کو بھی تھپڑ مارنا حرام ہے۔

۳۳۰۹ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ[1] قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّيْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِيْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَللّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِّوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مسعود انصاری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی ابو مسعود! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس پر جتنی قدرت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم پر قدرت رکھتا ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا[2] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے، آپ نے فرمایا: خبردار اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تمہیں آگ جلاتی[3] یا فرمایا کہ تمہیں آگ چھوتی

(مسلم)

[1] حضرت ابو مسعود انصاری مشہور صحابی ہیں، بعض نے انہیں اصحاب بدر میں شمار کیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدر کی طرف ان کی نسبت رہائش کے اعتبار سے ہے اس لیے نہیں کہ وہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے، البتہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے تھے۔

[2] التفات پیچھے مڑ کر دیکھنے کو کہتے ہیں جب کہ تلفت اس سے پہلے کے بدلے استعمال ہوتا ہے۔

[3] لفح زہر کے ساتھ گرمی، آگ اور لو کا جلانا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۲۱۰ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ مَالًا وَّاِنَّ وَالِدِیْ یَحْتَاجُ اِلٰی مَالِیْ قَالَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْیَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور میرا والد میرے مال کا حاجت مند ہوتا ہے۔ فرمایا: تم اور تمہارا مال، تمہارے والد کے ہیں[۱]۔ بے شک تمہاری اولاد، تمہاری پاکیزہ ترین کمائی سے ہے، تم اپنی اولاد کی کمائی سے[۲] کھاؤ۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] یعنی تم پر واجب ہے کہ والد پر خرچ کرو اور ان کی حاجت پوری کرو اور انہیں تمہارے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

[۲] یعنی تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے جو تمہارے وجود، تمہاری کوشش اور تمہارے فعل کے سبب حاصل ہوئی ہے لہٰذا تمہاری اولاد کی کمائی بھی تمہاری ہی کمائی ہے یا یہ مطلب کہ تمہاری اولاد کی کمائی بھی تمہاری کمائی میں سے ہے لہٰذا ان کی کمائی سے کھاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر باپ بیٹے کی لونڈی میں تصرف کرے تو حد واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کی ملک ہو جاتی ہے اور اس کے ہاں پیدا ہونے والا لڑکا قیمت کے بدلے آزاد ہوگا اس ارشاد سے اولاد پر باپ کا خرچ واجب ہونا بطور مبالغہ بیان کرنا مقصود ہے۔

۳۲۱۱/۱۴ وَعَنْهُ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ فَقِیْرٌ لَیْسَ لِیْ شَیْءٌ وَّلِیْ یَتِیْمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَّالِ یَتِیْمِكَ غَیْرَ مُسْرِفٍ

حضرت عمرو اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں فقیر ہوں، میرے پاس کچھ مال نہیں ہے اور میرے پاس ایک یتیم ہے[۱]۔ فرمایا: تم اپنے یتیم کے مال سے کھاؤ، بغیر فضول خرچی[۲]، جلد بازی[۳]

وَلَا مُبَادِرٍ وَّ لَا مُتَأَثِّلٍ۔ ۔۔ اور مال جمع کرنے کے علاوہ
(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ) ۔۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔

لہ جس کا باپ فوت ہوچکا ہے، وہ میری کفالت میں ہے اور میں اس کی پرورش کر رہا ہوں جیسے کہ عربوں کی عادت ہے، کیا میں اس کے مال سے کھا سکتا ہوں؟۔

سے حد سے تجاوز کیے بغیر۔

سے حاجت پیش آنے سے پہلے اس کا مال لینے میں جلدی نہ کرو یا یہ مطلب کہ یہ سوچ کر جلدی خرچ نہ کرو کہ بالغ ہو جائے گا تو میں کہاں سے خرچ کروں گا؟ پھر تو یہ خود مختار ہو جائے گا ۱۲ قادری (بدار بار کے نیچے زیر، دال بے نقطہ، کسی چیز کی طرف دوڑنا اور جلدی کرنا۔

کے اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کا سرپرست اگر فقیر ہے تو اس کے مال سے کھا سکتا ہے، مالدار نہیں کھا سکتا، اور فقیر بھی معروف طریقے کے مطابق کھائے گا (یعنی جتنی محنت اور دیکھ بھال کرتا ہے اس کی مزدوری کے مطابق ۱۲ قادری) فضول خرچی نہیں کر سکتا۔ یہی قرآن پاک کا فرمان ہے۔

$\frac{3212}{15}$ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِي مَرَضِهِ الصَّلٰوةَ وَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَ رَوَى أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض وصال[1] میں فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی حفاظت کرو[2] اور اس چیز کی جس کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں[3]۔ (شعب الایمان، امام بیہقی) امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت علی سے اسی طرح روایت کی۔

لہ اور اپنے آخری وقت میں

سے اور پابندی سے ادا کرو۔

سے یعنی مملوکوں اور غلاموں کے خرچ، ان کی خدمت اور ان پر احسان کرنے کے حقوق محفوظ رکھو۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری وقت میں دو چیزوں کی وصیت فرمائی (۱) نماز کی باقاعدہ ادائی (۲) غلاموں کے حقوق کی رعایت۔

$\frac{3213}{16}$ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ ۔۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے غلاموں سے بری طرح پیش آنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (امام ترمذی، ابن ماجہ)

[1] ملکہ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی ملک ہے کہتے ہیں فُلَانٌ حَسَنُ الْمَلَكَةِ فلاں شخص اپنے غلاموں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے والا ہے۔ وسَيِّئُ الْمَلَكَةِ ان کے ساتھ بری طرح پیش آنے والا ہے۔

۳۲۱۴/۱۲ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ مَكِيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَكَةِ يُمْنٌ وَ سُوْءُ الْخُلُقِ شُؤْمٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَلَمْ اَرَ فِيْ غَيْرِ الْمَصَابِيْحِ مَا زَادَ عَلَيْهِ فِيْهِ مِنْ قَوْلِهٖ وَ الصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ وَ الْبِرُّ زِيَادَةٌ فِي الْعُمُرِ)

حضرت رافع بن مکیث[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غلاموں سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا باعث برکت[2] ہے اور بداخلاقی بے برکتی[3] کا باعث ہے۔ (ابوداؤد)۔ صاحب مصابیح نے اس پر جو اضافہ کیا ہے وہ مجھے کسی دوسری کتاب میں دکھائی نہیں دیا اور وہ یہ ہے: صدقہ[4] بری موت کو روکتا ہے اور نیکی، عمر میں زیادتی کا سبب ہے[5]۔

[1] رافع بن مکیث میم پر زبر، کاف کے نیچے زیر، آخر میں تاء تین نقطوں والی۔ اہل حدیبیہ میں سے صحابی ہیں۔

[2] اور بھلائی میں زیادتی کا سبب ہے۔

[3] یمن یا پر پیش، میم ساکن، برکت اور نیک فالی، شوم شین پر پیش، ہمزہ ساکن: بدفالی، یمن کا مقابل۔

[4] اور فقراء کے ساتھ بھلائی کرنا، مِيْتَةَ میم کے نیچے زیر، یا ساکن، وہ ہیأت اور حالت جس پر آدمی فوت ہو۔ وہ حالت کبھی بری ہوتی ہے اور کبھی اچھی، مثلاً اچانک مرجانا یا بے صبری کے ساتھ جان دینا اور توحید اور حق تعالیٰ کی یاد سے غفلت کی حالت میں رخصت ہونا نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک۔ سوء سین پر پیش، زبر بھی پڑھی جا سکتی ہے، برائی۔

[5] خلق خدا پر احسان کرنا، عمر کی زیادتی اور برکت اور اس کے آثار کے باقی رہنے کا سبب ہے۔ بِرّ با کے نیچے زیر، نیکی، عام طور پر اس کا استعمال عقوق کے مقابل، والدین کی خدمت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

۳۳۱۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ خَادِمَهٗ فَذَکَرَ اللّٰهَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے[1] تو تم اپنے ہاتھ اٹھا لو[2]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ لٰکِنْ عِنْدَهٗ فَلْیُمْسِکْ بَدَلَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ)

(ترمذی) امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث روایت کی، لیکن ان کی روایت میں فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ کی جگہ فَلْیُمْسِکْ ہے[3] پس چاہیے کہ رک جائے۔

[1] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر فریاد کرے اور معافی مانگے۔

[2] اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی تعظیم کرتے ہوئے مارنے سے ہاتھ اٹھا لو، یہ اس صورت میں ہے کہ حقوق شریعت کی بنا پر نہ مارا جا رہا ہو۔

[3] دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

۳۳۱۶ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَحِبَّتِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

حضرت ابو ایوب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی ماں اور اس کی اولاد میں جدائی ڈالی[2] اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے پیاروں میں جدائی ڈالے گا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

(ترمذی، دارمی)

[1] حضرت ابو ایوب انصاری، مشہور صحابی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ان کے گھر میں قیام فرما کر انہیں شرف عطا فرمایا۔

[2] بیع، ہبہ یا کسی اور طریقے سے، مثلاً ماں کو فروخت کر دے اور اس کے بیٹے کو اپنے پاس رکھے یا بیٹے کو بیچ دے اور ماں کو اپنے پاس رکھے یا ایک کو ایک شخص کے پاس اور دوسرے کو کسی دوسرے کے پاس بیچ دے۔

۵۳ محدثین فرماتے ہیں کہ خاص طور پر ماں بیٹے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ماں اپنے بیٹے پر بہت شفیق ہوتی ہے یا اس لیے کہ اتفاقاً ایسا واقعہ پیش آیا ہوگا، باپ، دادا، دادی، بھائی اور بہن کا بھی یہی حکم ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ چھوٹے بچے کو اس کے ذی رحم محرم سے جدا کرنا مکروہ ہے، پس وہ بڑا ہو گیا تو اس کی نسبت سے یہ بات خارج ہو گیا۔ امام شافعی کے نزدیک سات آٹھ سال کا لڑکا بڑا ہے، ہمارے نزدیک بڑا وہ ہے جو بالغ ہو۔ امام احمد کے نزدیک ماں بیٹے کو جدا نہیں کیا جائے گا اگرچہ بیٹا بڑا اور بالغ ہی ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جدا کرنا مکروہ ہے اگر لڑکا کم عمر ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر ولادت کا تعلق ہو تو کسی صورت میں جدا کرنا بھی جائز نہیں ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

۳۲۱۷/۲۰ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دو لڑکے عطا فرمائے جو آپس میں بھائی تھے میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: علی! تمہارے غلام نے کیا کیا؟[۱] میں نے عرض کیا[۲] تو فرمایا: اسے واپس کر دو اسے واپس کر دو[۳]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

۱ اس کا معاملہ کیا ہے۔

۲ کہ میں نے اسے بیچ دیا ہے۔

۳ دو مرتبہ ارشاد فرمایا یعنی اس سودے کو ختم کر دو اور غلام واپس لے لو، تاکہ دو بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو، ایک روایت میں ہے۔ ادرکہ ادرکہ یعنی اس غلطی کو سنبھالو، ہاں سنبھالو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم ماں اور بیٹے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۳۲۱۸/۲۱ وَعَنْهُ اَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَّوَلَدِهَا فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک کنیز اور اس کے بچے میں جدائی ڈالی[۱] تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع

ذٰلِكَ فَرَدَّ الْبَيْعَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ مُنْقَطِعًا)

فرمایا: چنانچہ انہوں نے سودا ختم کر دیا[1]۔ امام ابو داؤد نے یہ حدیث بطور انقطاع[3] روایت کی ہے۔

[1] فروخت کر کے یا کسی اور ذریعے سے۔

[2] امام ابو یوسف نے بیع کے ناجائز ہونے پر ان دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے

[3] ان کی سند میں بعض راویوں کا ذکر نہیں ہے۔

۳۲۱۹/۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهٗ وَ اَدْخَلَهٗ جَنَّتَهٗ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَ شَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَ اِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوْكِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں اللہ تعالیٰ اس کی موت[1] آسان فرمائے گا اور اسے اپنی جنت میں[2] داخل فرمائے گا، (۱) کمزور کے ساتھ نرمی کرنا۔ (۲) والدین سے اچھی طرح پیش آنا[3]۔ (۳) غلام پر احسان کرنا[4]۔ (ترمذی)۔ انہوں نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اور موت کے سکرات کو ——— حتف حا پر زبر، تا ساکن، اس کے بعد فا، موت۔

[2] اپنی خاص جنت میں، مقربین سابقین کی معیت میں۔

[3] اور ان کی تکلیف سے ڈرنا ——— اشفاق کسی شخص یا کسی چیز کے بارے میں از راہ مہربانی ڈرنا۔

[4] ان پر اچھی طرح خرچ کرنا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالنا۔

۳۲۲۰/۲۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَاِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ اَهْلِ الصَّلٰوةِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ایک غلام ہبہ فرمایا: اور ارشاد فرمایا! اسے نہ مارنا[1] کیونکہ مجھے نمازیوں کے مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں

وَقَدْ رَأَيْتُهُ يُصَلِّي هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَفِي الْمُجْتَبٰى لِلدَّارَ قُطْنِيِّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّيْنَ.

نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، یہ مذکورہ الفاظ مصابیح کے ہیں، امام دار قطنی کی تصنیف مجتبیٰ میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا۔

۱؎ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

۲؎ اسے حق شرعی کے بغیر نہ مارنا۔

۳؎ نمازیوں کو مارنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی عزت و کرامت ہے اور لوگوں کے نزدیک ان کی عزت و توقیر کی رعایت ہے علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مار پیٹ سے محفوظ رکھا ہے تو ہمیں اس کے لطف و کرم سے اُمید ہے کہ انہیں آخرت میں عذاب دے کر رسوا نہیں فرمائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴؎ ان کی توہین کرنے اور انہیں رسوا کرنے سے منع فرمایا اگرچہ وہ غلام اور خدمت گار ہی ہوں۔

۳۳۲۱/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ نَعْفُوْا عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں؟ آپ خاموش رہے۔ پھر اس نے سوال کیا آپ پھر خاموش رہے، جب تیسری بار سوال کیا تو فرمایا، اسے ہر دن ستر مرتبہ معاف کرو۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

(ابو داؤد)

امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کی۔

۱ے اور جواب نہ دیا۔
۲ے کہ ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں!
۳ے اور کچھ جواب نہ دیا سراج میں ہے سکوت خاموش ہونا اور سکوت خاموش رہنا۔
۴ے اس سے تعداد کی تعیین مراد نہیں ہے بلکہ مبالغہ اور تکثیر مقصود ہے جیسے کہ اس عدد میں مشہور و معروف ہے، گویا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سوال کی کمزوری کی بنا پر خاموشی اختیار فرمائی، کیونکہ معاف کرنا مطلقاً مستحب اور مستحسن ہے، اس کی کوئی تعداد معین نہیں ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وحی کے انتظار کی وجہ سے خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

۳۲۲۲ [۲۵] وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَآءَمَکُمْ مِنْ مَّمْلُوْکِیْکُمْ فَاَطْعِمُوْهُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ وَاکْسُوْهُ مِمَّا تَکْسُوْنَ وَمَنْ لَّا یُلَآئِمُکُمْ مِنْهُمْ فَبِیْعُوْهُ وَلَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلاموں میں سے جو تمہاری موافقت[۱] کرے تو اسے ان کھانے میں سے کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور اس لباس سے پہناؤ جو تم پہنتے ہو[۲] اور جو ان میں سے تمہارے ساتھ موافقت نہ کرے اسے فروخت کر دو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب نہ دو[۳]

(امام احمد، ابوداؤد)

۱ے اور اطاعت و فرمانبرداری اسے یعنی تمہارے مزاج کے موافق واقع ہو اور جیسی تم چاہتے ہو ویسی خدمت ادا ہو اور تم اس سے راضی ہو۔
۲ے یعنی تم بھی اس کی خیر... دریافت کرتے رہا کرو اور اس کی رعایت کی کوشش کیا کرو، جیسے کہ وہ تمہاری خدمت اور تمہیں راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
۳ے یعنی جب وہ تمہاری طبیعت کے موافق تمہاری خدمت نہیں کرتا اور تم زبردستی اسے تکلیف دیتے ہو اور اپنی خدمت میں رکھتے ہو تو وہ تکلیف اور عذاب برداشت کرے گا، اسے اپنی ملکیت سے نکال دو تاکہ وہ عذاب برداشت نہ کرے اور تم بھی اس سے نجات پا لو۔

۳۲۲۳ [۲۶] وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِیَّةِ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِیْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهٗ

حضرت سہل بن حنظلیہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ، پشت کے

بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوهَا صَالِحَةً (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

ساتھ لگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ان پر اس حال میں سواری کرو کہ وہ سواری کے قابل ہوں اور اس حال میں چھوڑ دو کہ وہ سواری کے لائق ہوں۔

(ابوداؤد)

ل حضرت سہل انصاری صحابی ہیں اور حنظلیہ ان کے دادے کی ماں ہیں (عبارت سامنے مشکوٰۃ کا جو نسخہ ہے اس میں حنظلیہ ہے ۱۲ قادری) بعض نے کہا کہ وہ ان کی والدہ ہیں، حضرت سہل بیعت رضوان میں شامل تھے، وہ صاحب فضیلت عبادت گزار اور خلق خدا سے گوشہ نشین تھے، نماز اور ذکر کثرت سے ادا کرتے، شام میں مقیم ہو گئے تھے اور حضرت امیر معاویہ کے ابتدائی دنوں میں دمشق میں وصال ہوا۔

۲ بھوک اور پیاس کی شدت اور سواری کی کثرت کے سبب۔

۳ جو اپنا حال بیان نہیں کر سکتے۔

۴ اور بے بس نہ ہو چکے ہوں۔ مقصد اس بات کی رغبت دلانا ہے کہ جانوروں کے چارے اور پانی کا خیال رکھا کرو تاکہ وہ سواری کے لیے تیار رہیں اور ان پر دیر تک مسلسل سواری نہ کرو تاکہ وہ موٹے تازے رہیں اور اس قابل رہیں کہ ان سے فوائد حاصل کیے جاتے رہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۲۲۳/۲۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا الْاٰيَةَ انْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ يَتِيْمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهٗ مِنْ طَعَامِهٖ وَشَرَابَهٗ مِنْ شَرَابِهٖ فَاِذَا فَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيْمِ وَشَرَابِهٖ شَيْءٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو احسن ہو اور یہ آیت اتری کہ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں (پوری آیت) تو جن کے پاس یتیم تھا وہ چلے اور اس کا کھانا اپنے کھانے سے اور اس کا پانی اپنے پانی سے الگ کر دیا، جب یتیم کے کھانے اور پانی سے کچھ

حَبَسَ لَهٗ حَتّٰى يَاْكُلَهٗ اَوْ يَفْسُدَ فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَ شَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

بچ جاتا تو اسے اس کے لیے محفوظ کر دیتے[۴] یہاں تک کہ یا تو وہ اسے کھا لیتا یا خراب ہو جاتا[۵]، یہ بات ان پر گراں گزری، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے حبیب! تم سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیجیے کہ ان کی اصلاح بہتر[۷] ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ[۸] ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ چنانچہ[۹] انہوں نے یتیموں کا کھانا اور پانی اپنے کھانے اور پانی کے ساتھ ملا لیا۔ (ابو داؤد، نسائی)

لہ جو دیانت و امانت پر مبنی ہو۔

۲ہ اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں

۳ہ اور وہ اس کی کفالت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔

۴ہ کہیں اختلاط سے یتیم کے مال کا کھانا لازم نہ آ جائے۔

۵ہ تاکہ وہ دوسرے وقت کھائے۔

۶ہ اور ضائع ہو جاتا، مگر خود نہ کھاتے۔

۷ہ یعنی ہمیشہ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ یتیموں کی بھلائی ہو۔

۸ہ اور ان کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ ملا لو تو یتیم بچے تمہارے بھائی ہیں اور اس میں حرج نہیں کہ بھائی بھائی اپنا کھانا ملا لیں، اور اگر ایک کا کچھ حصہ دوسرے کی طرف چلا جائے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔

۹ہ جب شارع نے انہیں تسلی اور اجازت دے دی۔

$\frac{۳۲۲۵}{۲۸}$ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَ وَلَدِهٖ وَبَيْنَ الْاَخِ وَ بَيْنَ اَخِيْهِ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جس نے باپ اور اس کے بیٹے اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالی

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ)

(امام ابن ماجہ، دار قطنی)

۳۲۲۶/۲۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالسَّبْيِ أَعْطَى أَهْلَ الْبَيْتِ جَمِيْعًا كَرَاهِيَةَ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمْ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قیدی لائے جاتے تو آپ ایک گھر والوں کو اکٹھے قیدی[1] عطا فرماتے۔ اس بات کو ناپسند فرماتے ہوئے کہ ان کو الگ الگ فرمائیں۔

(ابن ماجہ)

[1] سبی قیدی اور قیدی بنانا۔

۳۲۲۷/۳۰ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَحْدَهُ وَيَجْلِدُ عَبْدَهُ وَيَمْنَعُ رِفْدَهُ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سے بدترین کون ہے؟ وہ شخص جو تنہا کھائے، اپنے غلام کو کوڑے مارے اور اپنی عطا روک رکھے[1][2]

(رزین)

[1] یعنی تمہیں بتاؤں! کہ تم میں سے بدترین کون ہے؟

[2] یعنی کسی کو کوئی چیز نہ دے۔ مطلب یہ ہے کہ بدترین انسان وہ ہے جو بدطینت، بداخلاق اور بخیل طبع ہو۔ یہ مبالغہ ہے یا اس جگہ شر سے مراد بدترین نہیں ہے بلکہ برا مراد ہے۔ صراح میں ہے شر برائی، برا اور بدتر۔

۳۲۲۸/۳۱ وَعَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَيْسَ أَخْبَرْتَنَا أَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غلاموں سے بری طرح پیش آنے والا جنت میں نہیں جاسکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے ہمیں بیان نہیں فرمایا؟ کہ پہلی امتوں سے اس امت کے غلام اور یتیم زیادہ ہوں گے

أَكْثَرُ الْأُمَمِ مَمْلُوكِيْنَ وَ يَتَامٰى قَالَ نَعَمْ فَأَكْرِمُوْهُمْ كَكَرَامَةِ أَوْلَادِكُمْ وَ أَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ قَالُوْا فَمَا يَنْفَعُنَا الدُّنْيَا قَالَ فَرَسٌ تَرْتَبِطُهٗ تُقَاتِلُ عَلَيْهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَمْلُوْكٌ يَكْفِيْكَ فَإِذَا صَلّٰى فَهُوَ أَخُوْكَ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

فرمایا، ہاں[3] پس تم انہیں اپنی اولاد کی طرح عزت عطا کرو[4] اور جو تم کھاؤ اس میں سے انہیں کھلاؤ، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہمیں دنیا کی کونسی چیز فائدہ دے گی؟[5] فرمایا: وہ گھوڑا[6] جسے تو باندھے کہ تو اس پر سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور وہ غلام جو تجھے کافی ہو[7] پس جب وہ نماز پڑھے تو وہ تیرا بھائی[8] ہے۔

(ابن ماجہ)

---

[1] حدیث کا اتنا حصہ دوسری فصل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے گزر گیا ہے۔ اس جگہ آئندہ حصے کا اضافہ ہے۔

[2] اس زیادتی کے باوجود اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ سب سے خوش اخلاق کے ساتھ پیش آئیں اور بداخلاقی ہرگز ہی نہ ہو، حدیث میں یتیموں کا ذکر بالتبع ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا تھا تو یہ بھی فرمایا تھا کہ اس امت کے یتیم زیادہ ہوں گے، راوی کا مقصد صرف غلاموں کا ذکر کرنا ہے۔

[3] اس امت کے مملوک زیادہ ہوں گے اور کثرت کے ہوتے ہوئے خوش اخلاقی مشکل ہے لیکن دوسری چیزوں میں ان کے ساتھ نیکی کرو تاکہ بداخلاقی کی تلافی ہو جائے۔

[4] شفقت اور مہربانی میں۔

[5] صحابۂ کرام کا یہ دوسرا سوال ہے۔

[6] اے مخاطب! تجھے وہ گھوڑا فائدہ دے گا۔

[7] تیرے کام میں اور تیری خدمت میں۔

[8] اس کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ سلوک کرو۔

بَابُ بُلُوغِ الصَّغِيرِ وَحَضَانَتِهِ فِي الصِّغَرِ

۲۶۲۔ بچے کے بالغ ہونے اور بچپن میں اس کی پرورش کا بیان

اس باب میں بچے کے بالغ ہونے کی حد بیان کی جائے گی حضن حاد کے نیچے زبر اور ضاد بالنقطہ ساکن : گود حضانت حاء کے نیچے زیر : ماں کا بچے کو گود میں لینا اور مرغی کا چوزے اور انڈے کو پروں کے نیچے لینا اس کا معنی تربیت بھی آتا ہے ۔ حاضنہ بچے کی پرورش کرنے والی عورت ، بچے کی پرورش کا حق ، ماں کا ہے خواہ مطلقہ ہو یا نہ ، اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس کے بعد نانی کا حق ہے یا اس سے بھی اوپر کوئی عورت ہو ، ان کے بعد دادی ہے ، اس کے بعد لڑکے کی بہن جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہو پھر وہ بہن جو باپ کی طرف سے ہو ۔ اس کے بعد خالہ اور پھوپھی ہے پرورش کی حد یہ ہے کہ بچہ خود کھا پی سے ، کپڑا پہن لے اور استنجا کرلے ، اس کا اندازہ سات سال کی عمر کے ساتھ کیا گیا ہے اور لڑکی ہو تو اسے حیض آجائے ، اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۲۲۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اُحُدٍ وَّ اَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشَرَ سَنَةً فَرَدَّنِي ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَ اَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِي فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ هٰذَا فَرْقُ مَابَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے اُحد کے سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اس وقت میں چودہ سال کا تھا تو آپ نے مجھے رد کر دیا ، پھر مجھے خندق کے سال پیش کیا گیا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا تو آپ نے مجھے اجازت دے دی حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا : یہ فرق ہے مجاہدوں اور بچوں میں

الذُّرِّيَّةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

لہ جہاد پر روانہ ہونے کے لیے۔

۲ہ اور مجھے جہاد کے لیے نہ لے گئے کیونکہ میں کم عمر تھا۔

۳ہ کیونکہ پندرہ سال بلوغ کی عمر ہے۔

۴ہ یہ عمر فرق کرنے والی ہے۔اس جماعت میں جو بالغ ہے اور انہیں مقاتلہ کہتے ہیں، یعنی وہ مرد جو کافروں سے جنگ کرتے ہیں اور ان کا نام مردوں اور مجاہدوں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے اور بچوں میں جو کم عمر ہوتے ہیں، ابھی بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے اور ان کا نام دفتر میں نہیں لکھا جاتا، ذریت، بچوں کو کہتے ہیں یہ مشتق ہے ذرؔ سے جس کا معنی بکھر جانا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بلوغ کی عمر پندرہ سال ہے۔ کہتے ہیں کہ اس عمر کا حد بلوغ میں اعتبار اس صورت میں کہ بلوغ کی علامت احتلام نہ دیکھے اور اگر یہ علامت دیکھ لے تو نو سال کی عمر کے بعد اور پندرہ سال سے پہلے بھی بالغ ہو سکتا ہے۔

۳۲۲۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَّدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَّيُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِيْ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَاخْتَصَمَ فِيْهَا عَلِيٌّ وَّزَيْدٌ وَّجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ اَنَا اَخَذْتُهَا

حضرت براء بن عازب[لہ] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن[۲ہ] تین چیزوں پر صلح فرمائی (۱) جو شرک آپ کے پاس آئے آپ اسے مشرکوں کی طرف واپس کر دیں گے (۲) جو مسلمان مشرکوں کے پاس چلا جائے وہ اسے واپس نہیں کریں گے (۳) آپ[۳ہ] اگلے سال مکہ معظمہ آئیں اور وہاں تین دن قیام فرمائیں۔ جب[۴ہ] مکہ معظمہ تشریف لائے اور مدت گزر گئی تو آپ واپس تشریف لے گئے، حضرت حمزہ کی صاحبزادی[۵ہ] چچا جان چچا جان[۶ہ]! کہتے ہوئے آپ کے پیچھے آگئی۔ حضرت علی نے اسے ساتھ لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کے بارے میں حضرت علی، حضرت زید[۷ہ] اور حضرت جعفر کا اختلاف ہو گیا حضرت علی نے کہا میں نے

وَ هِيَ بِنْتُ عَمِّيْ وَ قَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّيْ وَ خَالَتُهَا تَحْتِيْ وَ قَالَ زَيْدٌ بِنْتُ أَخِيْ فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَ قَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَ قَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ وَ أَنَا مِنْكَ وَ قَالَ لِجَعْفَرٍ أَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَ خُلُقِيْ وَ قَالَ لِزَيْدٍ أَنْتَ أَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا۔	اسے ساتھ لیا ہے[۹] اور وہ میرے چچا کی بیٹی ہے[۱۰]، حضرت جعفر نے کہا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے[۱۱] حضرت زید نے کہا وہ میری بھتیجی ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا فیصلہ ان کی خالہ کے حق میں کیا[۱۲] اور فرمایا خالہ، ماں کے قائم مقام ہے[۱۳]۔ حضرت علی کو فرمایا، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں[۱۴]۔ حضرت جعفر کو فرمایا: تم میرے ہم صورت اور ہم سیرت ہو اور حضرت زید کو فرمایا: تم ہمارے بھائی[۱۵] اور ہمارے پیارے ہو۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	(صحیحین)

۱؎ براء بن عازب مشہور صحابی ہیں اور ان کے حالات کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

۲؎ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے تشریف لائے تھے، لیکن مشرکین نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی، البتہ تین شرطوں پر مبنی صلح کی جیسے کتاب الجہاد میں آئے گا۔

۳؎ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کریں۔

۴؎ جب آئندہ سال مکہ معظمہ تشریف لائے اور قیام کی مدت تین دن گزر گئے۔

۵؎ ان کا نام عمارہ ہے عین پر پیش، میم مخفف، حضرت امیر حمزہ کی کنیت ابوعمارہ انہیں کی نسبت سے ہے۔

۶؎ اس کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چچا کہنا، حالانکہ آپ اس کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس اعتبار سے تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رضاعی بھائی تھے، نیز عربوں کی عادت تھی کہ بڑے شخص کو چچا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

۷؎ حضرت زید بن حارثہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقرب بارگاہ اور آزاد کردہ غلام۔

۸؎ حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت علی کے بڑے بھائی ——— یہ تینوں حضرات چاہتے تھے کہ حضرت عمارہ کو اپنے پاس رکھیں۔

۹؎ میں نے پہلے اسے اپنے ساتھ لیا ہے لہٰذا میں اس کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔

سلہ یہ وجہ اگرچہ ان کے اور حضرت جعفر کے درمیان مشترک ہے لیکن ساتھ لے جانے میں پہل کرنے کو اس لیے مرجح قرار دیا۔

سلہ ان کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

سلہ یہ اس لیے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھائی بھائی بنایا تھا تو اس وقت حضرت زید بن حارثہ کو حضرت امیر حمزہ کا بھائی بنایا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت امیر حمزہ کے رضاعی بھائی تھے۔

سلہ جو حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں۔

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کے فوت ہو جانے کے بعد پرورش کا حق خالہ کے لیے ہے۔ فقہاء نے جو دوسری رشتہ دار خواتین کو خالہ پر مقدم قرار دیا ہے تو وہ دیگر احادیث اور دلائل سے ثابت ہے ——— اس کے بعد تینوں حضرات کی تسکین اور تسلی کے لیے چند کلمات ارشاد فرمائے تاکہ وہ آزردہ خاطر نہ ہوں۔

سلہ یہ کنایہ ہے انتہائی اتحاد اور اخلاص سے۔

سلہ اسلام میں ہمارے بھائی ہو، اور ہمارے محبوب ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۳۳۱ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَاِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِيْ وَاَرَادَ اَنْ يَنْتَزِعَهٗ مِنِّيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ میرا پیٹ میرے اس بیٹے کے لیے ظرف تھا[1] میرا پستان اس کے لیے مشکیزہ تھا[2] اور میری گود اس کے لیے آرام کی جگہ تھی[3] اور تحقیق اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ بچہ مجھ سے چھین لے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی زیادہ حقدار ہو جب تک کہ نکاح نہ کرو[4]

(امام احمد، ابوداؤد)

سلہ عبداللہ بن عمرو بن العاص

سلہ۲ جس میں وہ ایک عرصہ رہا۔

سلہ۳ جس میں وہ دودھ پیتا تھا۔

سلہ۴ جو اسے سمیٹتی اور جمع کرتی تھی، صراح میں حِواء بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، لوگوں کے یکجا گھر، خیمے ہوں یا ان کے علاوہ۔

سلہ۵ یہ حدیث مطلق ہے، علماء نے اسے غیر محرم کے نکاح کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اگر محرم کے ساتھ نکاح کرے مثلاً بچے کے چچا کے ساتھ نکاح کرے تو چونکہ شفقت برقرار رہے گی اس لیے بچے کی پرورش کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

۳۲۳۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیَّرَ غُلَامًا بَیْنَ اَبِیْهِ وَ اُمِّهٖ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا۔ (ترمذی)

سلہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ غالباً یہ بچہ سن شعور کو پہنچ چکا ہوگا لہٰذا اسے اختیار دے دیا (کہ وہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس) اور یہ پرورش کے لیے نہیں ہوگا۔ گزشتہ حدیث میں جس بچے کا ذکر ہے وہ بہت چھوٹا تھا اور سمجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا اور اس کی پرورش کا مسئلہ تھا، لہٰذا پرورش کے معاملے میں ماں کو مقدم رکھا، ہمارے نزدیک بچے کی پرورش میں اسے اختیار نہیں دیا جائے گا جب کہ امام شافعی کے نزدیک اختیار دیا جائے گا۔

۳۲۳۳ وَعَنْهُ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَّذْهَبَ بِابْنِیْ وَقَدْ سَقَانِیْ وَ نَفَعَنِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَ هٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِیَدِ اَیِّهِمَا

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ اس بچے نے مجھے پانی پلایا ہے اور مجھے فائدہ دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے تو ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے چنانچہ اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور

شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

وہ اسے لے کر چلی گئی۔ (ابوداؤد، نسائی) (دارمی)

لہ یعنی اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھاتی ہوں۔

لہ اس حدیث سے بھی بچے کے اختیار کا پتا چلتا ہے ارزنا دیل وہی ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ یہ اختیار پرورش کے لیے نہیں تھا بلکہ بچہ سن شعور کو پہنچ چکا تھا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا کہ وہ جس کے پاس چاہے رہے ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۲۳۴ عَنْ هِلَالِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيْ مَيْمُوْنَةَ سُلَيْمَانَ مَوْلًى لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا جَالِسٌ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَيَاهُ فَرَطَنَتْ لَهُ تَقُوْلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ زَوْجِيْ يُرِيْدُ اَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ رَطَنَ لَهَا بِذٰلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِيْ فِي ابْنِيْ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ هٰذَا اِلَّا اَنِّيْ كُنْتُ

حضرت ہلال بن اسامہ لہ روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کے مولیٰ ابومیمونہ سلیمان لہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابوہریرہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کے پاس ایک فارسی عورت آئی اس کے پاس اس کا بچہ تھا اور اس عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی تھی، اور دونوں لہ نے بچے کا دعویٰ کیا، عورت نے فارسی میں کہا کہ اے ابوہریرہ! میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تم دونوں اس پر قرعہ ڈال لو، انہوں نے یہ بات اس عورت سے فارسی لہ میں کہی، اتنے میں اس کا شوہر آگیا اور کہنے لگا میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑ سکتا ہے لہ؟ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا، اے اللہ! میں یہ بات صرف اس لیے کہتا ہوں لہ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قَاعِدًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ زَوْجِيْ يُرِيْدُ اَنْ يَّذْهَبَ بِابْنِيْ وَقَدْ نَفَعَنِيْ وَسَقَانِيْ مِنْ بِئْرِ اَبِيْ عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذْبِ الْمَآءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُّحَاقُّنِيْ فِيْ وَلَدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ اَيِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ اس بچے نے مجھے فائدہ دیا ہے اور مجھے بیرابو عنبہ سے پانی پلایا ہے امام نسائی کی روایت میں ہے کہ مجھے میٹھا پانی پلایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں اس پر قرعہ ڈال لو عورت کے شوہر نے کہا کہ میرے بیٹے کے بارے میں میرے ساتھ کون جھگڑ سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے تو ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔ چنانچہ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

(ابو داود، نسائی، دارمی)

لہ ہلال بن اسامہ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔

لہ ابو میمونہ سلیمان تابعی ہیں اور حضرت ابوہریرہ اور ان کے علاوہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں بعض حضرات نے کہا کہ صحیح سلمان ہے بغیر یاء کے بعض سلیم، بعض نے سلمی اور بعض نے اسامہ کہا ہے

لہ مرد و زن نے

لہ رطانت کا معنی ہے کسی عجمی زبان میں بات کرنا جس کا مطلب کچھ نہ آئے اور چونکہ عجمی زبان عربوں کو سمجھ نہیں آتی اس لیے اسے رطانت کہتے ہیں۔ —— صراح میں ہے رطانت، عربی کے علاوہ کسی زبان میں بات کرنا۔

لہ تاکہ جس کا نام نکل آئے وہ بچہ لے جائے۔

۶ ظاہر یہ ہے کہ عجمیوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے صحابۂ کرام نے اتنی فارسی سیکھ لی تھی۔
۷ تُحَاقِّنِیْ یا پر پیش، حا بے نقطہ اور قاف مشدد، مجھ سے جھگڑے گا۔ حقاق حا کی زیر کے ساتھ۔ مُحَاقَّۃ جھگڑنا۔

۸ اور اس بے فیصلہ دیتا ہوں۔

۹ ابو عنبہ عین کے نیچے زیر، نون پر زبر با ایک نقطے والی اور آخر میں تاء، ایک کنوئیں کا نام ہے۔

۱۰ جو شہر سے باہر اور دور تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب النکاح مکمل ہو گئی

اور اس کے بعد کتاب العتق ہے

⑭ — کِتَابُ الْعِتْقِ

غلام آزاد کرنے کا بیان

عتق کے کئی معانی ہیں بخشش، خوبصورتی، نجابت، آزادی۔ اس جگہ آزادی مراد ہے جو مولیٰ کے فعل سے حاصل ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۲۳۵ / ۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَۃً مُّسْلِمَۃً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتّٰی فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمان غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے ایک عضو آگ سے آزاد فرمائے گا۔[1] یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے اس کی شرم گاہ کو۔[2]

(صحیحین)

[1] اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے مقابل آزاد کرنے والے کا ایک عضو دوزخ کی آگ سے آزاد فرمائے گا۔

[2] کہتے ہیں کہ اس قول میں مبالغہ ہے کیونکہ شرمگاہ محل زنا ہے جو بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے یا اس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ دوسرے اعضاء کی نسبت حقیر ہے، بعض شارحین نے فرمایا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس غلام کو آزاد کیا جائے وہ نہ تو خصی ہو اور نہ ہی اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو۔

۳۲۳۶ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِہَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ قَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاہَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُہَا عِنْدَ اَہْلِہَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّہَا صَدَقَۃٌ تَتَصَدَّقُ بِہَا عَلٰی نَفْسِکَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون عمل افضل ہے[1]؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا[2]۔ میں نے عرض کیا کونسی گردن افضل ہے[3]؟ فرمایا: بیش قیمت[4] اور اپنے مالک کے نزدیک نفیس ترین۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ نہ کروں[5]، فرمایا: تم کسی کاریگر کی امداد کرو[6] یا جو کام نہیں جانتا اس کا کام کر دو[7]۔ میں نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی نہ کروں تو؟ فرمایا: لوگوں کو شر سے بچاؤ۔ کیونکہ یہ صدقہ ہے[8] جو تم اپنے اوپر کرو گے۔

(صحیحین)

[1] اور زیادہ ثواب والا ہے۔

[2] یعنی اعمال میں سے افضل ترین دو چیزیں ہیں (۱) ایمان جو تمام اعمال کی جڑ ہے اور اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہے، یہ دل کا عمل ہے اور دل، انسان کے وجود کا خلاصہ ہے، اگر کامل ایمان مراد ہو تو وہ خود تمام اعمال کو شامل ہے اور سب سے بڑا کمال ہے۔

[3] اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنانِ دین سے جنگ کرنا کہ دینِ اسلام کی قوت اور مسلمانوں کے غلبے کا سبب ہے اس اعتبار سے جہاد، افضل ترین عمل ہے، اگرچہ دیگر وجوہ کے اعتبار سے نماز اور روزہ افضل ہیں ——— اگر جہاد سے مراد مطلقاً دین کے راستے پر چلنے میں محنت و مشقت برداشت کرنا مراد لیا جائے اور ایمان سے تصدیق مراد ہو تو حاصل جواب یہ ہوگا کہ بہترین عمل، ایمان لانا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے جیسے کہ فرمایا: کہو کہ میں ایمان لایا پھر ثابت قدم رہو۔

[4] یعنی کس غلام کا آزاد کرنا افضل ہے؟

[5] یعنی آزاد کرنے کے لیے بہترین غلام وہ ہے جو قیمت کے اعتبار سے گراں ہو، صراح میں ہے غلی قیمت

گراں کرنا اور کسی چیز کو بھاری قیمت پر خریدنا۔

ے۶ نفیس کا معنی ہے گراں قدر اور انفس کا معنی ہے بہت ہی گراں قدر مال، نفاست کا معنی رغبت بھی آتا ہے اور رغبت، بیش قیمت ہونے کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔

ے۷ یعنی غلام آزاد نہ کر سکو خصوصاً جو گراں قیمت اور نفیس ترین ہو۔

ے۸ اگر یہ کام نہیں کر سکتے تو کسی کاریگر کے کام اور پیشے میں امداد کرو، صنعت پیشہ اور کام کرنا اس جگہ وہ کام مراد ہے جس سے انسانی معاش پایۂ تکمیل کو پہنچے اور وہ کام صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کو شامل ہے یعنی کسی کاریگر کی امداد کرو جس کی کمائی اہل و عیال کے لیے کافی نہ ہوتی ہو تاکہ اس کی معاش ضرورت پوری ہو بعض نسخوں میں صانعاً کی جگہ ضائعاً واقع ہے۔ نقطے والے ضاد اور یاء کے ساتھ، یہ ضیاع سے مشتق ہے جس کا معنی ہلاک ہونا اور ضائع ہونا ہے مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص کی امداد کرو جو فقر و فاقہ کے سبب اہل و عیال کی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

ے۹ اخرق خاء نقطے والی اور قاف کے ساتھ، صانع کے مقابل، جو شخص کاریگری نہیں جانتا جس کے ذریعے کمائی کر سکے، صراح میں ہے خرق بے وقوف اور نادان ہونا خُرق خاء پر پیش، بے وقوفی، نادانی۔

ے۱۰ اپنے آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے بچاؤ۔

ے۱۱ برائی کا ترک کرنا ایسی چیز ہے جس کے ذریعے تم اپنے اوپر صدقہ کرتے ہو یعنی کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا بھی نیک کام کرنا ہے خصوصاً جب کہ برائی پر قدرت بھی ہو ؎

مرا از خیر تو امید نیست، بد مرساں

مجھے تیری بھلائی کی امید نہیں ہے تو برائی نہ پہنچا

بظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ یہ بھی صدقہ ہے جو تم لوگوں پر کرتے ہو لیکن لوگوں پر صدقہ کرنا دراصل اپنی ذات پر ہی صدقہ کرنا ہے اس لیے فرمایا کہ تم اپنی ذات پر صدقہ کرتے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۲۳۷ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِيْ عَمَلًا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل سکھائیے جو مجھے جنت میں لے

يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ قَالَ لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ أَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ قَالَ أَوَلَيْسَا وَاحِدًا قَالَ لَا عِتْقُ النَّسَمَةِ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا وَفَكُّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِيْنَ فِي ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ الْوَكُوْفَ وَالْفَيْءَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَأَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ.
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

(امام بیہقی، شعب الایمان)

جائے، فرمایا: اگرچہ تم نے مختصر کلام کیا[۲] ہے تاہم تم نے بڑا وسیع سوال کیا[۳] ہے، تم غلام آزاد کرو[۴] اور گردن کو رہائی دلاؤ[۵]، اس نے عرض کیا کہ آیا یہ دونوں ایک ہی مطلب[۶] ہیں؟ فرمایا: نہیں غلام کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تم اس میں مستقل[۷] ہو اور گردن کا رہا کرانا یہ ہے کہ اس کی قیمت میں امداد کرو[۸]، بطور عطیہ دودھ والا جانور دو[۹]، ظالم رشتہ دار پر رجوع کرو[۱۰] اور اگر تم اس کی طاقت[۱۱] نہ رکھو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کو نیکی کے علاوہ بات سے روک[۱۲] لو۔

ل حضرت براء بن عازب مشہور صحابی ہیں اور ان کے حالات کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

۲ جس کے ساتھ تم نے مجھے مخاطب کیا ہے (اسی لیے اس کلام کو خطبہ فرمایا)

۳ یعنی تمہاری عبارت اگرچہ مختصر ہے لیکن سوال بڑی وسعت رکھتا ہے کیونکہ تم نے جنت میں داخل ہونے ایسے عظیم امر کے بارے میں سوال کیا ہے (یہ سوال کرنے والے کی حوصلہ افزائی ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خصوصی وصف ہے ۱۲ قادری) پھر اس عمل کی تعلیم فرمائی۔

۴ نَسَمَۃٌ اور نَسِیْمٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، سانس، تَنْسِیْمٌ سانس لینا، قاموس میں ہے نَسَمٌ روح کو کہتے ہیں جیسے نسیم سانس کو کہتے ہیں۔

۵ اس کی قیمت کی ادائی میں امداد کرے، جیسے کہ کسی نے اپنے غلام کو کہا کہ اتنے پیسے ادا کر کے رہائی حاصل کرلو، اس رقم کے ادا کرنے میں اس کی امداد کرنا کہ یہ بھی آزاد کرنے کے حکم میں ہے۔ فُکَّ فا پر پیش، کاف مشدد پر زبر، صیغہ امر ہے۔ فکٌّ سے جس کا معنٰی ہے باہم پیوستہ دو چیزوں کا جدا کرنا۔

۶ وہ مراد کو نہ سمجھ سکے اور عرض کیا کہ کیا غلام کا آزاد کرنا اور گردن کا رہا کرانا ایک نہیں ہے؟

۷ لازمی بات ہے کہ مالک ہی ایسا کر سکتا ہے۔

۸ جس پر اس کی آزادی موقوف کی گئی ہے اور یہ کام وہی کرے گا جو غلام کا مالک نہیں ہوگا۔

۹ مِنْحَۃٌ میم کے نیچے زیر اور نون ساکن، اصل میں اس کا معنٰی عطیہ ہے، عام طور پر اس کا اطلاق اس اونٹنی یا بکری پر ہوتا ہے جو حاجت مند کو دی جائے تا کہ وہ اس کے دودھ اور اون سے نفع حاصل کرے۔ وَکُوْفُ واؤ پر زبر، بہت دودھ دینے والی، وَکْفٌ کا معنٰی اصل میں بارش کے سبب مکان کی چھت کا ٹپکنا ہے۔

۱۰ رحمت اور احسان کے ساتھ، اگرچہ وہ ظالم اور قطع رحمی کرنے والا ہو اور قرابت کے حقوق کی رعایت نہ کرتا ہو۔

۱۱ اگر امور مذکورہ کی طاقت نہ رکھو تو بھوکے پیاسے کو کھلاؤ پلاؤ کہ یہ کام امور مذکورہ سے آسان ہے۔

۱۲ خیر سے مراد وہ گفتگو ہے جس میں ثواب اور فائدہ ہو یا جس میں عذاب اور نقصان نہ ہو۔

۳۲۳۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِيُذْكَرَ اللّٰهُ فِيْهِ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِى الْجَنَّةِ وَمَنْ اَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔	حضرت عمرو بن عبسہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسجد بنائی تا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا، اور جس نے کسی مسلمان ذات کو آزاد کیا تو وہ اس کا بدلہ ہوگا جہنم سے اور جو شخص اللہ کی راہ[2] میں بوڑھا ہو گیا تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا۔
(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)	(شرح السنہ)

۱ عمرو بن عبسہ۔ عین بے نقطہ، باء اور سین تینوں پر زبر، صحابی ہیں اور چوتھے نمبر پر اسلام لائے، ان کے

حالات کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

سلہ اور اس کی عبادت کی جائے مسجد کے بنانے سے مقصد، ناموری، شہرت، فخر اور نمائش نہ ہو۔

سلہ یعنی جہاد، حج یا طلب علم کے راستے میں یا طلب مولیٰ اور طریق حق کے سلوک میں

۳۲۳۹ عَنِ الْغَرِيفِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ أَتَيْنَا وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيثًا لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَقْرَأُ وَمُصْحَفُهُ مُعَلَّقٌ فِي بَيْتِهِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ فَقُلْنَا إِنَّمَا أَرَدْنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَاحِبٍ لَنَا أَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ أَعْتِقُوا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت غریف بن دیلمیؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمیں ایسی حدیث بیان کریں جس میں کمی اور زیادتی نہ ہو تو وہ ناراض ہو گئے اور فرمایا: تم میں سے ایک شخص تلاوت کرتا ہے حالانکہ اس کا قرآن پاک اس کے گھر میں لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ زیادتی اور کمی کر جاتا ہے ہم نے عرض کیا کہ ہم وہ حدیث سننا چاہتے ہیں جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے ایک ساتھی کے بارے میں جس نے قتل کے ذریعے اپنے اوپر آگ واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے ایک عضو آگ سے آزاد فرما دے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

سلہ غریف نقطے والی غین پر زبر، راء کے نیچے زیر، یا ساکن، آخر میں فاء۔ ان کے والد کا نام ہے، عیاش بن فیروز الدیلمی، بعض اوقات ان کی نسبت دادا کی طرف کر دی جاتی ہے (غریف بن الدیلمی) تابعی، ثقہ، مقبول اور پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اپنے دادا اور حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں۔

سلہ واثلہ ثاء کے نیچے زیر، ابن الاسقع ہمزہ پر زبر سین بے نقطہ ساکن اور قاف پر زبر، صحابی ہیں، اصحاب صفہ میں سے تھے، اس وقت اسلام لائے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔

۳ یعنی وہ دن رات پڑھتا ہے اللہ اس کا قرآن پاک اس سے غائب نہیں ہوتا، اس کے باوجود بھول یا غلطی سے کمی بیشی کر بیٹھتا ہے معلوم ہوا کہ ضبط اور تکرار کے باوجود کمی بیشی ضرور ہو جاتی ہے (اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔

۴ حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بعینہٖ وہی الفاظ کریمہ بیان کریں لہٰذا انہوں نے عرض کیا کہ ہماری مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کا معنی تبدیل نہ ہو اور روایت میں احتیاط بھی ملحوظ رکھیں۔ اگر لفظوں میں کمی اور زیادتی واقع ہو جائے اور معنی تبدیل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۵ خودکشی سے یا دوسرے کو عمداً قتل کرکے۔

۶ آزاد شدہ غلام کے ہر عضو کے بدلے، آزاد کرنے والے کا ایک عضو، آتش جہنم سے آزاد فرمادے گا۔

۳۲۴ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت سمرہ بن جندب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ، وہ شفاعت ہے جس کے ذریعے غلام کو رہائی دلائی جائے[2]۔

(شعب الایمان ۔ امام بیہقی)

۱ سمرہ سین پر زبر، میم پر پیش بن جندب جیم پر پیش اور دال پر پیش، اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، مشہور صحابی ہیں۔

۲ قتل سے یا عذاب سے یا غلامی سے۔

بَابُ اِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَ شِرَى الْقَرِيْبِ وَ الْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

۲۶۳۔ مشترک غلام کو آزاد کرنا اور قریبی رشتہ دار کو خریدنا اور بیماری میں غلام آزاد کرنا

دو یا تین افراد کے درمیان مشترک غلام کے آزاد کرنے کا بیان کہ اگر ایک شریک اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا شریک کیا کرے؟ امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین (امام محمد اور امام ابو یوسف) میں اختلاف ہے کہ کیا آزاد کرنا تقسیم کو قبول کرتا ہے؟ کہ غلام آدھا آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے، امام اعظم فرماتے ہیں کہ ایسا ہو جاتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں ہوتا۔ اس پر کچھ دوسرے احکام میں اختلاف متفرع ہے، جن کا ذکر احادیث میں آئے گا۔

دوسرا مسئلہ ہے قریبی رشتہ دار کا خریدنا، کہ آزاد کیے بغیر محض خریدنے سے آزاد ہو جاتا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ قریبی رشتہ دار سے مراد کون ہے؟ کیا یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے یا تمام ذوی الارحام (وہ افراد جن کا کسی ایک رحم کے ساتھ تعلق ہو) کو شامل ہے۔ جیسے کہ ہم بیان کر چکے اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

تیسرا مسئلہ ہے بیماری میں آزاد کرنا یعنی غلام کو مدبّر بنانا (اور اسے کہنا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) اس کا حکم عنقریب آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۳۴۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْکًا لَّہٗ فِیْ عَبْدٍ وَّکَانَ لَہٗ مَالٌ یَّبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَیْہِ قِیْمَۃَ عَدْلٍ فَاُعْطِیَ شُرَکَاءُہٗ حِصَصَھُمْ وَعَتَقَ عَلَیْہِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْہُ مَا عَتَقَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے غلام میں اپنا حصہ[۱] آزاد کردیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہو[۲] تو اس پر غلام کی منصفانہ[۳] قیمت لگائی جائے گی اور اس کے شرکاء کو ان کے حصے دیے جائیں گے اور غلام اس پر آزاد ہوگا۔ ورنہ[۴] اس کا جو حصہ آزاد ہوگیا وہ ہوگیا[۵]

(صحیحین)

۱ شرک شین کے نیچے زیر، حصہ۔

۲ یعنی آزاد کرنے والا مال دار ہو۔

۳ کمی بیشی کے بغیر۔

۴ اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچے یعنی آزاد کرنے والا تنگ دست اور فقیر ہو۔

۵ اور باقی شریکوں کا حصہ بدستور غلام رہے گا ——— بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مال دار ہے تو وہ اپنے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا، اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر فقیر ہو تو جتنا حصہ آزاد کردیا وہ آزاد اور باقی غلام رہے گا اور آزادی اور غلامی منقسم ہوتی ہے دوسرے شریک کو پابند نہیں کیا جائے گا کہ اپنا حصہ آزاد کرے اور غلام سے کہ محنت مزدوری کرکے اس کے حصے کی قیمت ادا کردے، یہ امام شافعی کا مذہب ہے، امام اعظم ابو حنیفہ اگرچہ آزادی اور غلامی کی تقسیم کے قائل ہیں تاہم ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مال دار ہے تو وہ یا تو شریک کے حصے کی ضمانت دے، یا شریک غلام سے مزدوری کروا کر اپنے حصے کی قیمت وصول کرے یا آزاد کردے اور اگر فقیر ہو تو ضامن نہیں ہوگا البتہ شریک یا تو غلام سے محنت کے ذریعے قیمت وصول کرے

یا آزاد کر دے، آزاد کر دے تو وَلاء میں دونوں شریک ہوں گے (یعنی غلام فوت ہوا اور اس کے نسبی رشتہ دار نہیں ہیں تو اس کا مال دونوں کر لیں گے ۱۲ قادری) صاحبین کے نزدیک مال دار پر ضمانت ہے اور فقیر سے تو غلام سے مزدوری کروائی جائے اور وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی کیونکہ آزاد کرنا منقسم نہیں ہوتا۔ استسعاء کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو پابند کیا جائے کہ وہ مال کما کر شریک کے حصے کی قیمت ادا کرے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ غلام شریک کے حصے کے مطابق اس کی خدمت کرے اور ان کے نزدیک استسعاء کا یہی مطلب ہے۔

۳۲۴۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِيْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اُسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غلام کا ایک حصہ[1] آزاد کیا وہ غلام تمام آزاد کیا جائے گا[2] اگر اس کے پاس مال ہے[3] اور اگر اس کے پاس مال نہیں تو غلام کو مشقت میں ڈالے بغیر[4] اس سے محنت کروائی جائے گی (صحیحین)

[1] شِقص شین کے نیچے زیر، قاف ساکن اور صاد بے نقطہ، زمین اور ہر چیز کا ایک ٹکڑا۔

[2] مالک پر یا اس نے اپنے اوپر تمام غلام کو آزاد کر لیا، اعتق صیغہ مجہول اور معلوم کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے۔

[3] یعنی شریک کے لیے ضامن ہوگا۔

[4] اتنی قیمت اس کے ذمہ نہ لگا دی جائے جس کا ادا کرنا اس کے لیے دشوار ہو، یہ اس صورت میں ہے کہ استسعاء کا معنی طلب قیمت ہو، اور اگر بعض کے قول کے مطابق استسعاء کا معنی طلب خدمت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ایسی خدمت اس کے سپرد نہ کی جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

۳۲۴۳ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْكِيْنَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهٖ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّاَهُمْ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیے[1] جن کے علاوہ ان کے پاس کوئی مال نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلا کر تین حصوں میں تقسیم

أَثْلَاثًا ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَرَوَى النَّسَائِيُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أُصَلِّيَ عَلَيْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ لَوْ شَهِدْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ.

فرمایا پھر ان میں قرعہ ڈالا، دو کو آزاد کر دیا[۲] اور چار کو غلام بنا دیا اور میت کے لیے سخت بات فرمائی[۳] (مسلم) امام نسائی نے ان ہی[۴] سے حدیث روایت کی اور میت کے لیے سخت بات فرمائی کی جگہ یہ ذکر کیا کہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھوں اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ اگر ہم ان کے دفن سے پہلے حاضر ہوتے تو انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا[۵]۔

[۱] یعنی وفات کے وقت کہا کہ میں نے ان چھ غلاموں کو آزاد کیا۔

[۲] یعنی دو غلاموں کو آزادی کا حکم فرمایا، اور چار کی غلامی کا حکم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرض موت میں آزاد کرنا تہائی حصے میں نافذ ہوتا ہے کیونکہ اس شخص کے مال کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ اسی طرح وصیت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ مال کے تہائی حصے میں نافذ ہوتا ہے جیسے کہ معلوم ہے۔

[۳] کیونکہ آپ نے ان کے فعل کو ناپسند فرمایا اور تغلیظ و تشدد بد فرمائی کہ تمام غلاموں کو آزاد کیوں کیا؟ اور وارثوں کے حق کی رعایت نہیں کی، آپ نے یتیموں پر شفقت اور رحمت کا مظاہرہ فرمایا البتہ تیسرے حصے میں ان کے تصرف کو نافذ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو ظلم اور ناجائز کام پر برا کہا جا سکتا ہے اور حدیث شریف، اپنے مردوں کو خیر کے ساتھ یاد کرو، اس صورت کے ماسوا کے بارے میں ہے۔

[۴] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

[۵] ایک نسخے میں ہے لَمْ يُقْبَرْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ ترجمہ وہی ہے

۳۳۴۴/۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بیٹا اپنے باپ کو مکمل بدلہ نہیں دیتا مگر یہ کہ باپ کو کسی کا مملوک پائے اور اسے خرید کر آزاد کر دے[۱]۔ (مسلم)

لہ بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے آزاد نہیں ہوتا اہل ظاہر کا یہی مذہب ہے جمہور علماء کے نزدیک صرف مالک ہونے سے آزاد ہو جائے گا اور جمہور کا اس پر اجماع ہے۔ تیسری فصل کی ابتداء میں وہ حدیث آرہی ہے جو اس معنی پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔

۳۲۴۵ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْكًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ غَيْرُهٗ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْهِ مِنِّيْ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَدَوِيُّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَلِاَهْلِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ اَهْلِكَ شَيْءٌ فَلِذِيْ قَرَابَتِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ ذِيْ قَرَابَتِكَ شَيْءٌ فَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَقُوْلُ فَبَيْنَ يَدَيْكَ وَعَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کو مُدَبَّر[1] بنا دیا اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی مال نہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اسے مجھ سے کون خریدے گا؟ حضرت نعیم بن نحام[ؓ] نے اسے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔

(صحیحین) امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اسے نعیم بن عبداللہ عدوی[ؓ] نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا اور انہوں نے وہ درہم لاکر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے، آپ نے وہ دراہم غلام کے مالک کو عطا فرما دیئے[2]، پھر فرمایا: اپنی ذات سے ابتدا کرو اور اس پر خرچ کرو اور اگر کچھ بچ جائے تو تمہارے اہل وعیال کے لیے ہے اور اگر تمہارے اہل سے کچھ بچ جائے تو تمہارے رشتہ داروں کے لیے ہے[3] اور اگر تمہارے رشتہ داروں سے بھی کچھ بچ جائے تو اس طرح اور اس طرح آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ سامنے اور دائیں بائیں جانب والوں پر خرچ کرو[4]۔

لہ تدبیر کا معنی ہے غلام کو مرنے کے بعد آزاد کرنا اور یہ کہنا کہ جب میں مر جاؤں تو یہ غلام آزاد ہوگا اس غلام کو مُدَبَّر کہتے ہیں ۱۲ (قادری)

لہ نعیم نون پر پیش، ابن النحام نون پر زبر، بعض نے کہا کہ اس پر پیش ہے، حا بے نقطہ مشدد، حضرت نعیم صحابی ہیں اور بنو عدی میں سے ہیں، شارحین نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ لفظ ابن نہیں ہونا چاہیے، وہ نعیم بن عبداللہ نحام ہیں اور ان کو نحام اس لیے کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج جنت میں ان کی نحمہ سنی، نحمہ کھانسی کو کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے تھے اور حدیبیہ یا خیبر کے سال ہجرت کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ یہی امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مدبر کو بیچنا جائز نہیں ہے، انہوں نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا کہ یہ غلام، مقید مدبر تھا کہ اس کے مالک نے کہا تھا کہ اگر میں اس بیماری یا اس مہینے میں فوت ہو گیا تو تو آزاد ہوگا، اس قسم کا مدبر آزاد نہیں ہوتا، برخلاف مطلق مدبر کے کہ مالک نے کہا کہ جب بھی میں فوت ہو جاؤں تو تو آزاد ہوگا (مولیٰ کے فوت ہونے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا)، ایسے مدبر کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بعد از وفات آزادی کا حق دار ہو چکا ہے۔ ۱۲ قادری) دیگر احادیث اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

سے نعیم بن عبداللہ قبیلہ بنی عدی سے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی قبیلے سے تھے۔

کہ صراح میں ہے دفع کسی کو کوئی چیز دینا

شہ جو ذوی الارحام میں سے ہیں۔

لہ یعنی جو سائل سامنے اور دائیں بائیں جانب سے تیرے پاس آئیں، چونکہ عام طور پر سائل سامنے سے ہی آتے ہیں اس لیے سامنے کا ذکر پہلے فرمایا۔ ظاہر عبارت سے گمان ہوتا ہے کہ تین دفعہ ھکذا ھکذا کہنا چاہیے۔ تاہم دو مرتبہ بھی کافی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۲۴۶ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ

حضرت حسن بصری لہ، حضرت سمرہ سے روایت کرتے ہیں از رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ مملوک

حُرٌّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ — آزاد ہے۔ (امام ترمذی،
وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ) — ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ حضرت حسن بصری حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت روایت کرتے ہیں کیونکہ وہ بصرہ میں تشریف لا کر مقیم ہو گئے تھے۔

لہ خریدنے سے یا اس کے علاوہ ——— ذی رحم وہ رشتے دار ہے جو رحم کے واسطے سے ولادت کا تعلق رکھے، یہ شامل ہے اولاد، والد، بھائی اور چچا وغیرہ کو (جو ایک رحم سے تعلق رکھتے ہیں) اور محرم وہ ہے جس کے ساتھ (کبھی بھی) نکاح جائز نہ ہو، چچازاد بھائی وغیرہ اس سے خارج ہو جائیں گے، یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ یہ حکم تمام ذوی الارحام کو شامل ہے اور ان رشتہ داروں کے ساتھ خاص نہیں ہے جن کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے جیسے کہ دیگر ائمہ فرماتے ہیں۔

۳۲۴۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْ بَعْدَهٗ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد کی لونڈی اس سے بچہ جنے تو وہ اس کے پیچھے یا فرمایا اس کے بعد آزاد ہو گی لہ۔ (دارمی)

لہ راوی کو شک ہے کہ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ فرمایا یا بَعْدَهٗ فرمایا، دونوں کا معنی ایک ہی ہے ——— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں ہے اسی پر اجماع ہے اور جو اس کے مخالف آیا ہے وہ منسوخ ہے، اس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آئے گی۔

۳۲۴۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بِعْنَا اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں ام ولد (لونڈیوں) کو فروخت کیا، حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے ہمیں اس سے منع کر دیا تو ہم رک گئے لہ۔ (ابوداؤد)

۱۵ اس جگہ اشکال یہ ہے کہ باوجودیکہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ام ولد کو فروخت کرتے تھے، حضرت عمر نے اس سے کس طرح منع کر دیا؟ اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ام ولد (لونڈیوں) کے بیچنے کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو، یہ بیچنا اس وقت دلیل بن سکتا ہے کہ یہ بات آپ کے علم میں آئی ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو۔

۲۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ابتداءِ اسلام میں ایسا ہو، اس کے بعد منع کر دیا گیا ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدتِ خلافت کے مختصر ہونے اور مسلمانوں کے اہم کاموں میں مصروف ہونے کے بعد سے اس ممانعت کی اطلاع نہ ہوئی ہو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کی اطلاع پہنچ گئی تھی اس لیے انہوں نے اس بیع سے روک دیا، جیسے کہ متعہ کے بارے میں حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مٹھی کھجور اور آٹے کے بدلے میں متعہ کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرما دیا (خلاصہ یہ کہ ام ولد کی بیع اور متعہ، دونوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی ممانعت فرما دی تھی، بعض صحابہ کو اس کا علم نہ تھا، حضرت فاروق اعظم کو اس کا علم تھا اس لیے آپ نے سختی اور تشہیر کے ساتھ ان دونوں چیزوں سے ممانعت کا قانون نافذ کیا، ورنہ یہ کیسے ممکن تھا؟ کہ صحابہ کرام خاموش رہتے۔

(۱۲ قادری)

۳۲۲۹
۹

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَّلَهٗ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ السَّيِّدُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے غلام آزاد کیا اس حال میں کہ اس غلام کے پاس مال تھا تو غلام کا مال، مولیٰ کے لیے ہے[۱] مگر یہ کہ مولیٰ وعدہ کر لے[۲]۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

۱ جس نے غلام کو آزاد کیا ہے، کیونکہ غلام کی ملکیت میں کچھ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ مولیٰ کی اجازت سے تجارت یا کمائی کے ذریعے جو مال غلام کے ہاتھ میں حاصل ہے وہ مولیٰ کی ملکیت ہے، کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے مولیٰ کی ملکیت ہے۔ یعنی یہ وہم نہ کیا جائے کہ مال غلام کے قبضے میں ہے اور وہ آزاد ہو کر مالک بننے کا مستحق ہو گیا ہے۔ لہٰذا مال اسی کا ہوگا، اس لیے فرمایا کہ مال مولیٰ کی ملکیت ہے اور غلام کا اس میں کوئی

حصہ نہیں ہے۔

۵؎ آزاد کرتے وقت کہہ دے کہ یہ مال غلام کا ہے، لہذا وہ مال مولیٰ کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد غلام کے لیے عطیہ، صدقہ اور ہبہ ہوگا۔

۳۲۵۰ وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِّنْ غُلَامٍ فَذُكِرَ ذٰلِكَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوالملیح[۱] اپنے والد[۲] سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اس شخص کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے[۳] اور غلام کو مکمل آزاد فرما دیا[۴]۔

(ابوداؤد)

۱؎ ابوالملیح میم پر زبر، لام کے نیچے زیر، ان کا نام عامر بن اسامہ ہے۔ بعض نے کہا ان کا نام زید بن اسامہ ہے، ہذلی، بصری، تابعی اور ثقہ ہیں تیسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ متعدد صحابہ کرام سے حدیث بھی سنی ہے۔

۲؎ حضرت اسامہ بن عمیر سے اور وہ صحابی ہیں، ان سے روایت کرتے ہیں ان کے صاحبزادے حضرت ابوالملیح منفرد ہیں۔

۳؎ یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے اور وہ از قسم عبادت ہو اس کے نصف میں اپنے آپ کو شریک نہیں کرنا چاہیے، لہذا غلام کے آدھے حصے کو آزاد کرنا اور باقی آدھے کو غلام رکھنا مناسب نہیں ہوگا۔

۴؎ یعنی پورے غلام کی آزادی کا حکم فرمایا ——— اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزادی تقسیم نہیں ہو سکتی، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اس شخص کو پورا غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی۔

۳۲۵۱ وَعَنْ سَفِیْنَةَ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا لِاُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُعْتِقُكَ وَاَشْتَرِطُ عَلَیْكَ اَنْ تَخْدُمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتَ

حضرت سفینہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غلام تھا، انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تم زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرو گے

فَقُلْتُ اِنْ لَمْ تَشْتَرِطِيْ عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِيْ وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

میں نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ شرط مجھ پر عائد نہ بھی کریں تو میں عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوں گا۔[2] چنانچہ انہوں نے مجھ پر شرط عائد کر کے[3] آزاد کر دیا۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔

[2] یعنی آپ کو یہ شرط لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو خود ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کو سعادت سمجھتا ہوں۔

[3] حضرت سفینہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کیا کرتے تھے اور غزوات میں لوگوں کا ساز و سامان اٹھاتے تھے، جس کے پاس بوجھ ہوتا وہ ان کی پشت پر رکھ دیتا، اسی سبب ان کا لقب سفینہ بن گیا، سفینہ کشتی کو کہتے ہیں۔ ان کا نام مہران، رومان یا رباح ہے، ان کی کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ یا ابوالبختری یا پرندہ، خارساکن اور تار پسندیدہ ایک دفعہ ایک لشکر میں تھے جنگل میں راستہ بھول گئے، اچانک ایک شیر ان کے سامنے آگیا، آپ نے فرمایا: اے ابوالحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خادم سفینہ ہوں۔ شیر بڑی فرمانبرداری کے ساتھ آگے آگے چل پڑا یہاں تک کہ انہیں منزل تک پہنچا دیا۔

۳۲۵۲/۱۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهٖ دِرْهَمٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مکاتب[1] غلام ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت کے ایک درہم بھی باقی رہے۔

(ابوداؤد)

[1] مکاتب وہ غلام ہے جس کا مالک اسے آزاد کر دے یا اس کی قیمت اس کے ذمہ لگا دے اور مقرر کر کے لکھ کر دے دے کہ ہر ماہ اس میں سے اتنی مقدار ادا کرتا رہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک ایک درہم بھی اس کے ذمہ باقی رہے گا وہ غلام رہے گا، جب تک وہ پوری رقم ادا نہ کر دے وہ آزاد نہیں ہوگا ایسا نہیں ہے کہ وہ جتنی رقم ادا کر دے اس کا اتنا حصہ آزاد ہو جائے۔ صوفیائے کرام قدس اسرارہم اس حدیث کو

اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ جب تک آدمی کے وجود کا ایک ذرہ اور اس کا ماسوی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق باقی رہے گا اسے حریت اور رضا کا رخ زیبا دکھائی نہیں دے گا، اسی طرح حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

۳۲۵۳/۱۳ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ اِحْدٰىكُنَّ وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! جب تم میں سے ایک کے مکاتب کے پاس پورا بدل کتابت ادا کرنے کے لیے مال ہو تو اسے چاہیے کہ اس سے پردہ کرے[1]۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اگرچہ وہ اس وقت تک غلام ہے جب تک کہ بدل کتابت ادا نہ کردے اور محرم ہے۔ اور اس سے پردہ لازم نہیں ہے، لیکن اگر اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ بدلِ کتابت ادا کرسکتا ہے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے، یہ ورع اور احتیاط کا تقاضا ہے۔ جب وہ ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو گویا اس نے بالفعل ادا کر دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ عورت پردے کے لیے تیار اور آمادہ ہو جائے کہ اس کا وقت قریب آچکا ہے، کہتے ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے مکاتب کو فرمایا کہ جو کچھ تمہارے ذمہ ہے وہ ادا کر دو اور خدا حافظ، یہ کہا اور چہرے پر نقاب ڈال لیا۔

۳۲۵۴/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اُوْقِيَّةٍ فَاَدَّاهَا اِلَّا عَشَرَ اَوَاقٍ اَوْ قَالَ عَشَرَةَ دَنَانِيْرَ ثُمَّ عَجَزَ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ[1] پر مکاتب کیا اور دس اوقیہ یا فرمایا کہ دس دینار کے علاوہ باقی ادا کر دیا پھر وہ عاجز ہو گیا[2] تو وہ غلام ہے[3]۔

كَمُوَ دَقِيْقٌ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ (ترمذی، ابو داؤد،

وَ ابْنُ مَاجَةَ) ابن ماجہ)

لہ اوقیہ ہمزہ پر پیش، واؤ ساکن، قاف کے نیچے زیر اور یا مشدد، چالیس درہم کو کہتے ہیں۔ وقیۃ بغیر ہمزے کے بھی کہتے ہیں۔ جمع اَوَاقِیْ ہے ہمزے کے زبر کے ساتھ۔

سلہ بعض نسخوں میں عشرۃ تار کے ساتھ واقع ہے۔ صحیح بغیر تار کے ہے۔

سلہ دس اوقیہ کی جگہ دس دینار کہا، یہ راوی کو شک ہے، اس جگہ عشرۃ تار کے ساتھ ہے — مطلب یہ ہے کہ بدل کتابت کا کچھ حصہ ادا کیا۔

سلہ باقی کے ادا کرنے سے۔

شہ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو سابق حدیث کا ہے جس میں فرمایا کہ مکاتب غلام ہے جب تک اس کے ذمہ بدل کتابت سے ایک درہم بھی باقی ہے۔

۳۲۵۵/۱۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا اَوْ مِيْرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ يُوْدَى الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا اَدّٰى دِيَةَ حُرٍّ وَ مَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَ ضَعَّفَهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مکاتب حدیا وراثت پالے تو وہ اس حساب سے وارث ہوگا جتنا اس کا حصہ آزاد ہوا ہے۔

(ابو داؤد۔ ترمذی) امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ مکاتب جتنا بدلِ کتابت ادا کر چکا ہے اس کے مطابق اسے آزاد کی دیت[1] دی جائے گی اور باقی حصے کے مقابل غلام کی دیت دی جائے گی[2] اور امام ترمذی نے اسے ضعیف قرار دیا[3]۔

سلہ یعنی دیت۔

سلہ یودی صیغہ مجہول، دال کی تخفیف کے ساتھ۔

سلہ شارحین حدیث نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ مکاتب نے آدھا مالِ کتابت ادا کیا تھا

کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل، آزاد کی آدھی دیت وارثوں کو دے گا اور غلام کی آدھی قیمت مولا کو دے گا۔ مثلاً اسے ایک ہزار درہم پر مکاتب بنایا گیا اور اس کی قیمت سو درہم ہے، اس نے ابھی پانچ سو درہم دیے تھے کہ قتل کر دیا گیا اب غلام کے وارثوں کو آزاد کی دیت کا نصف، پانچ سو درہم ملیں گے اور مولا کو غلام کی دیت کا نصف یعنی پچاس درہم ملیں گے۔ اسی طرح شارحین نے کہا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب نے جتنا مال ادا کر دیا اتنا آزاد ہے اور دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام ہے جب تک کہ اس کے ذمہ کوئی چیز باقی رہے، لہٰذا وارث کو ملنے والی دیت کے اعتبار سے وہ غلام کے حکم میں ہوگا اور دیت کے دونوں حصے مولا کے لیے ہوں گے۔

ضعف کے علاوہ یہ حدیث احادیث صحیحہ کے معارض ہے۔ یہ حدیث امام نخعی کے علاوہ ائمہ فقہ میں سے کسی امام کے نزدیک معمول نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

٣٢٥٦/١٦ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمْرَةَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اُمَّهٗ اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ فَاَخَّرَتْ ذٰلِكَ اِلٰی اَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَیَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ اَتٰی سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیْ هَلَكَتْ فَهَلْ یَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا پھر اس کام کو صبح تک مؤخر کر دیا تو وہ فوت ہو گئیں، عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ اگر میں والدہ کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو یہ ان کو فائدہ دے گا، حضرت قاسم نے فرمایا: حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ تو کیا میرا ان کی طرف سے غلام آزاد کرنا انہیں فائدہ دے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

(امام مالک)

؎۱ حضرت عبدالرحمن مدینہ منورہ کے قاضی اور ثقہ تابعی تھے، ان کی حدیث اہل مدینہ میں مشہور تھی، اپنے والد حضرت ابوہریرہ اور حضرت عثمان سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد حضرت ابوعمرہ عین پر زبر میم ساکن، کا نام عمرو بن محصین ہے بعض نے کہا کہ ثعلبہ بن عمرو بن محصین ہے وہ صحابی ہیں۔

؎۲ اور انہیں آزاد کرنے کی توفیق نہ ہوئی اور آزاد کرنے سے پہلے فوت ہوگئیں

؎۳ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق وہ اکابر علماء اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے جلیل القدر شخصیت تھے۔

؎۴ سعد بن عبادہ عین پر پیش اور بار مخفف، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

؎۵ اسے فائدہ دے گا احساس کا ثواب اسے پہنچے گا، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سعد نے پوچھا کہ کونسا صدقہ بہتر ہے؟ کہ اپنی والدہ کی طرف سے دوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پانی دو کہ بہترین صدقہ ہے، حضرت سعد نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کنواں کھدوا کر فرمایا، یہ کنواں سعد کی والدہ کے لیے ہے۔ مالی عبادت میں صدقہ بالاتفاق صحیح ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ بدنی عبادت میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

۳۲۵۷ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ أُخْتُهُ رِقَابًا كَثِيرَةً (رَوَاهُ مَالِكٌ)	حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر کا سوتے ہوئے انتقال ہوگیا؎ تو ان کی طرف سے ان کی بہن حضرت عائشہ نے بہت سے غلام آزاد کیے؎۔ (امام مالک)

؎۱ یہ حدیث اہل سنت وجماعت کی دلیل ہے کہ میت کو صدقے کا ثواب پہنچتا ہے نیز کسی کی طرف منسوب کر دینے سے وہ چیز حرام نہیں ہو جاتی، حضرت سعد بن عبادہ نے نام زد کرتے ہوئے فرمایا، هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ، نام زد کرنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ صدقہ تو اللہ کی رضا کے لیے ہے لیکن اس کا ثواب فلاں شخصیت کے لیے ہے، دیوبندی وہابی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے اس نکتے کو نہیں سمجھے اور ایسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (تنبیہ جلیل) اس میں شبہہ نہیں کہ مسلمان جب ایصال ثواب کرتے ہیں تو دنیا سے رخصت ہونے والوں کو ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن کیا یہ عقل مندی ہے کہ ہم صرف دوسروں کی فکر کرتے رہیں اور اپنی فکر ہی چھوڑ دیں نہ نماز ادا کریں۔ نہ روزہ رکھیں اور نہ دیگر فرائض وواجبات ادا کریں۔ نہیں اور ہرگز نہیں! عقل ودانش کا تقاضا ہے کہ ہم جہاں دوسروں کی فکر کریں ، اس سے زیادہ اپنی فکر کریں۔ ۱۲ قادری

سلہ یحییٰ بن سعید تابعین میں سے ہیں، امام مالک، ہشام بن عروہ اور سفیان ثوری ان سے روایت کرتے ہیں اور یہ یحییٰ بن سعید انصاری ہیں، یحییٰ بن سعید القطان اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں جو امام مالک، ثوری اور اعمش سے روایت کرتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ یحییٰ بن سعید انصاری ہی مراد ہیں۔

سلہ عبدالرحمن بن ابی بکر صحابہ میں سے ہیں، حدیبیہ کے سال اسلام لائے۔ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا بعض نے کہا کہ عبدالعزیٰ تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے تبدیل کرکے عبدالرحمن نام رکھ دیا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔

سلہ یعنی اچانک فوت ہو گئے۔

سلہ دونوں کی والدہ بھی ایک تھیں ان کا نام ام رومان تھا۔

سلہ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ان کے ذمہ کئی غلاموں کا آزاد کرنا تھا اور انہیں آزاد کرنے کی فرصت نہیں ملی تھی، اس لیے حضرت عائشہ نے ان کی طرف سے کئی غلام آزاد کیے (۲) ناگہانی وفات میں ایک چیز ہے جو زیادہ صدمے کا باعث ہوتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ غمگین ہوئیں اور ایصال ثواب کے لیے، بہت سے غلام آزاد کیے، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، دوسرا احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

۳۲۵۸/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ مَالَهٗ فَلَا شَيْءَ لَهٗ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے غلام خریدا اور اس کے مال سلہ کی شرط نہیں لگائی تو اس کے سلہ لیے کوئی چیز نہیں ہے۔

(دارمی)

سلہ جو اس کے ہاتھ میں تھا۔

سلہ خریدار کے لیے کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ اس کے مولیٰ کا ہے اور اگر خریدار شرط کرے تو یہ ہبہ اور عطا کے حکم میں ہوگا۔

بَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

۲۶۴۔ قسموں اور نذروں کا بیان

ایمان، جمع ہے یمین کی جس کا معنی قسم ہے، کہتے ہیں کہ قسم کو یمین اس لیے کہتے ہیں کہ عرب، قسم کھاتے وقت ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے تھے اور قسم کھاتے تھے، پس اس کی اصل، یمین ہے دائیں ہاتھ کے معنی میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل، یمین ہو برکت و قوت کے معنی میں، کیونکہ قسم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرکے خبر کو تقویت دینا اور اس کے نام سے برکت حاصل کرنا ———— نذور، جمع ہے نذر کی، نذر کے نون پر زبر اور پیش پڑھ سکتے ہیں اور ذال ساکن ہے، نذر کا معنی ہے انسان کا اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کر لینا، اور کسی نیکی کو کسی سبب کی وجہ سے اپنے ذمے لینا۔ مثلاً مریض کا تندرست ہو جانا اور مسافر کا آجانا اسی طرح شارحین نے کہا ہے، ظاہر یہ ہے کہ غالب اور عادت کے مطابق سبب کی شرط لگائی گئی ہے ورنہ نذر بغیر سبب کے بھی جائز اور واقع ہے، نیکی کی شرط امام شافعی کے نزدیک ہے، ہمارے نزدیک کسی جائز اور مباح چیز کا واجب کرنا نذر ہے خواہ نیکی ہو یا نہ البتہ وہ چیز معصیت نہیں ہونی چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۲۵۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَکْثَرُ مَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْلِفُ لَا وَ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسم عموماً یہ ہوتی تھی اس طرح نہیں ہے دلوں کے بدلنے[1] والے کی قسم۔

(امام بخاری)

[1] ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، لا، کلام سابق کی نفی کے لیے ہے جیسے کہتے ہیں لَا وَاللّٰہِ۔

۳۲۶۰ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آباد و اجداد کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص قسم کھائے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چپ رہے[1]۔ (صحیحین)

[1] اور غیر خدا کا ذکر نہ کرے، بعض فقہاء کے نزدیک باپ کی قسم کھانے والا کافر ہے، ممکن ہے یہ اس صورت میں ہو کہ آباء و اجداد کی تعظیم کا عقیدہ رکھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں شریک کرے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو مکروہ اور حرام ہے۔

۳۲۶۱ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِاٰبَائِكُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد الرحمن بن سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بتوں[2] کی قسم نہ کھاؤ اور نہ ہی آباء کی قسم کھاؤ۔ (مسلم)

[1] حضرت عبد الرحمن بن سمرہ صحابی ہیں اور عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں، ان کی کنیت ابو سعید ہے اور عبد شمس کی نسبت سے انہیں شمسی کہا جاتا تھا، ان کا نام عبد الکعبہ تھا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر عبد الرحمن نام رکھ دیا، فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔

[2] الطواغی جمع ہے طاغیۃ کی بتوں کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہ سرکشی کا سبب ہیں۔ بتوں کی قسم کھانے سے اس لیے منع کیا گیا تاکہ زمانہ جاہلیت کی عادت کی بنا پر غیر ارادی طور پر بتوں کی قسم زبان پر نہ آجائے۔ ورنہ بتوں کی قسم کھانا مسلمانوں سے متصور ہی کب ہے؟ یہاں تک کہ اس سے منع کیا جائے۔

۳۲۶۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلِفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے قسم کھائی اور کہا مجھے لات و عزیٰ[1] کی قسم! تو اسے چاہیے[2] کہ کلمہ طیبہ پڑھے اور

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جو شخص اپنے ساتھی کو کہے کہ آ تیرے ساتھ جوا کھیلوں تو اسے صدقہ کرنا چاہیئے۔ (صحیحین)

سلہ یہ بتوں کے نام ہیں۔

سلہ اسے چاہیے کہ توبہ کرے اور کلمۂ توحید پڑھ کر تلافی کرے ، اگر دورِ جاہلیت کی عادت کے مطابق اور غیر ارادی طور پر لات و عزیٰ کی قسم زبان پر آگئی ہو تو کلمۂ توحید کے ساتھ تلافی اس لیے مستحسن ہے کہ یہ قسم صورت کے لحاظ سے کفر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہی مراد ہے ورنہ اگر بتوں کی تعظیم کے ارادے سے قسم کھائی گئی ہے ۔ تو یہ صراحۃً کفر اور ارتداد ہے اور اس کا دوبارہ اسلام میں داخل ہونا واجب ہے ۔

سلہ یعنی جس مال کے ساتھ جوا کھیلنا چاہتا تھا وہ صدقہ کر دے تاکہ اس قول کا کفارہ ہو جائے ۔ قمار اور مقامرۃ کوئی چیز گروی رکھ کر کھیلنا کہ اگر میں ہار گیا تو یہ چیز تمہاری ، اگر دونوں طرف سے یہ شرط ہو تو کھیل ناجائز ہے ۔ (۱۲ افادری)

۳۲۶۳ وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَ لَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَ مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَ مَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ

حضرت ثابت بن ضحاک[۵] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے اسلام کے علاوہ کسی دین پر جھوٹی قسم کھائی[۶] تو وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کہا اور ابن آدم پر اس چیز میں نذر نہیں ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے اور جس نے دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز کے ساتھ قتل کیا قیامت کے دن اسے اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا[۷] اور جس نے مومن پر لعنت کی تو یہ[۸] اس کے قتل کی طرح ہے اور جس نے مومن کو کفر کے ساتھ گالی دی تو یہ اسے قتل کرنے کی طرح[۹] ہے اور جس نے بہت سا مال حاصل کرنے کے لئے[۱۰] جھوٹا دعویٰ کیا اللہ تعالیٰ اس

یَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً۔　کے پیسے زیادہ نہیں فرمائے گا مگر مال کی کمی کو۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)　(صحیحین)

لے ثابت بن ضحاک، بنو خزرج سے تعلق رکھنے والے انصاری ہیں، ان کی کنیت ابو زید ہے، غزوہ خندق کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر سوار تھے، کم عمری میں بیعت رضوان میں شریک ہوئے، مدنی ہیں بصرہ میں مقیم ہوئے اور ۵۳ھ میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعہ شہادت کے موقع پر وفات پائی۔

لے مثلاً کہا کہ اگر یہ کام کروں تو میں یہودی یا نصرانی ہوں گا یا دین اسلام یا پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا قرآن سے بے زار ہوں گا۔ تو وہ اسی طرح ہوگا یعنی یہودی عیسائی اور دین اسلام سے بری ——— ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے والا محض قسم کھانے کی بنا پر قسم ٹوٹنے کے بعد کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اسلام کی عزت ضائع کر دی اور کفر پر راضی ہوا اور بعض نے کہا کہ یہ زجر و توبیخ اور وعید میں مبالغہ ہے اور اس کے یہودی، عیسائی یا اسلام سے بری ہونے کے حکم میں مبالغہ ہے ہمارے نزدیک یہ بات کہنے سے کافر نہیں ہوگا خواہ اس نے اس بات کو فعل ماضی پر معلق کیا یا مستقبل پر کیا۔ ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک اگر فعل ماضی پر معلق کیا تو کافر ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ کسی صورت میں کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ کافر عقیدے کی بنا پر ہوتا ہے۔ قسم کا مقصد اپنے آپ کو کام سے روکنا اور دھمکی دینا ہے اسی لیے اس نے ایسی چیز پر معلق کیا ہے جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ اور ممنوع ہے، اس کلام کی تفصیل شرح (لمعات) میں کی گئی ہے عہ۔

لے مثلاً جس شخص نے چھری کے ساتھ خودکشی کی تو قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں چھری دی جائے گی اور وہ اس کے ساتھ ہمیشہ خودکشی کرتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جیسے کہ دوسری حدیث میں خودکشی کرنے والے کے بارے میں آیا ہے۔

عہ مفتی احمد یار نعیمی فرماتے ہیں، یہ فرمان تشدد کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو عمداً نماز چھوڑ دے وہ کافر ہو گیا ایسی قسم میں امام ابو حنیفہ، احمد و اسحاق کے ہاں قسم منعقد ہو جائے گی کفارہ واجب ہوگا اور امام شافعی کے ہاں کفارہ بھی نہیں صرف گناہ ہے کہ یہ قسم نہیں صرف جھوٹ ہے یہ اختلاف جب ہے کہ یہ الفاظ آئندہ کے متعلق بولے مثلاً یہ کہے کہ اگر میں فلاں سے کلام کروں تو یہودی ہو جاؤں یا اسلام سے بری ہو جاؤں لیکن اگر یہ الفاظ گزشتہ کے متعلق بولے تو کسی کے ہاں کفارہ نہیں سب کے ہاں گناہ ہی ہے مثلاً کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں یہودی یا عیسائی ہوں اور حالانکہ میں وہ کام کیا تھا تو گناہ گار ہے ۱۲ مرآۃ۔

۵۴ لعنت کرنا اس کے قتل کرنے کی طرح ہے اور اس کے حکم میں ہے گناہ میں، حرام ہونے اور عذاب میں۔ ——— یہ بطور تشدد، تغلیظ اور مبالغہ ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے قبیلے سے ہے اسی طرح شارحین نے کہا ہے، یا اس صورت میں ہے کہ لعنت سے مراد کفر نہ ہو اور اگر لعنت سے مراد کفر ہو تو یہ کفر کے ساتھ گالی دینے کے حکم میں ہے جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۵۵ یہ تشبیہ بہت ظاہر ہے کیونکہ کفر، قتل کے اسباب میں سے ہے لہٰذا کفر کی گالی دینا کسی شخص کو قتل کرنے کی طرح ہے۔

۵۶ بعض نسخوں میں یَسْتَکْثِرُ ہے باب استفعال سے ——— یہ اشارہ ہے اس چیز کی طرف جو علم یا دعوے کی علت ہوتی ہے اس کے ساتھ مقید کرنا مقصود نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تکثیر بالکل مقصود نہ ہو تو اس پر جزا ہی مرتب نہ ہو۔

۵۷ اس کے دعوے اور مقصد کے برخلاف ——— یہ بات ان خود ساختہ اور جھوٹے صوفیوں میں بھی جاری ہے جو لوگوں کی نگاہوں میں مرتبہ و مقام حاصل کرنے کے لیے احوال و فضائل کا جھوٹا دعوٰی کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۳۲۶۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم! ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا کہ میں کسی چیز[۱] کی قسم کھاؤں پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر دیکھوں مگر میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور وہ کام کروں گا جو بہتر ہو[۲]۔ (صحیحین)

۱ یمین سے مراد وہ چیز ہے جس کے بارے میں قسم کھائی جائے یا علیٰ بمعنی با ہے معنی یہ ہوگا میں کوئی قسم نہیں کھاؤں گا۔

۲ حاصل یہ ہے کہ اگر میں نے قسم کھائی کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا حالانکہ اس کام کا کرنا بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو میں قسم کو توڑ دوں گا اور وہ کام کروں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور تاکید قسم کھا کر یہ بات فرمائی اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر کام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے

تو ہم اپنی قسم پر قائم نہیں رہیں گے کہ ہم نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ یہ کام نہیں کریں گے، لہذا اب کیسے کریں؟ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے باقی رہی قسم تو اس کا معاملہ آسان ہے اس کا کفارہ دے دیا جائے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ اپنے والدین سے کلام نہیں کروں گا اسے چاہیے کہ والدین سے کلام کرے تاکہ نافرمانی کی حد میں داخل نہ ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے جیسے کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ دوستوں کا دل دکھانا جہالت ہے اور قسم کا کفارہ آسان ہے۔

۳۲۶۵ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوْتِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُّكِلْتَ إِلَيْهَا وَ إِنْ أُوْتِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَ إِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ وَ ائْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم امیر ہونے[1] کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر مانگنے پر تمہیں امارت دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیئے جاؤ گے[2] اور اگر تمہیں مانگے بغیر امارت دی گئی تو اس پر تمہاری امداد کی جائے گی[3] اور جب تم کسی چیز کی قسم کھاؤ پھر تمہیں اس کے علاوہ کوئی چیز بہتر دکھائی دے تو تم اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا اور وہ کام کرنا جو بہتر ہو اور ایک روایت میں ہے تم وہ کام کرنا جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دینا۔

(صحیحین)

[1] اور حکومت کا مطالبہ نہ کرنا کہ تمہیں کسی جگہ کا امیر اور حاکم بنا دیا جائے۔

[2] وُکِلْتَ واؤ پر پیش اور کاف مخفف کے نیچے زیر ـــــ تمہیں تمہاری قوت و طاقت اور رائے اور تدبیر کے سپرد کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد تمہیں میسر نہیں ہوگی، اور اسی سے تمام شر اور فساد پیدا ہوتا ہے۔

[3] اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور تدبیر تمہاری مددگار اور معاون ہوگی اور تمام خیر اور بہتری

حاصل ہوگی۔

سے اس روایت اور پہلی روایت میں فرق یہ ہے کہ اس روایت سے کفارے کا قسم کے توڑنے سے موخر ہونا اور پہلی روایت سے کفارے کا پہلے ہونا معلوم ہوتا ہے، تینوں امام کہتے ہیں کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دیا جاسکتا ہے، لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف مالی کفارہ پہلے دے سکتے ہیں ہمارے نزدیک کفارہ پہلے دینا جائز نہیں ہے (کیونکہ قسم کا توڑنا سبب ہے کفارے کا اور شے اپنے سبب سے پہلے نہیں ہوتی ۱۲ قادری) اور حق یہ ہے کہ احادیث کفارے کے مقدم یا موخر ہونے پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ اس جگہ عطف واؤ کے ساتھ ہے جو مطلق جمع پر دلالت کرتی ہے ترتیب پر دلالت نہیں کرتی، جس روایت میں عطف ثُمَّ کے ساتھ ہے وہ ضعیف ہے۔ ۱۲ قادری) شرح (لمعات) میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔

۳۲۶۶/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَفْعَلْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے کسی کام پر قسم کھائی پھر اسے دوسرا کام اس سے بہتر دکھائی دیا تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور بہتر کام کرے[۱]

(مسلم)

[۱] اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو سابق حدیث کا ہے۔

۳۲۶۷/۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَنْ يَّلَجَّ اَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِیْ اَهْلِهٖ اٰثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ اَنْ يُّعْطِیَ كَفَّارَتَهُ الَّتِیْ افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم! تحقیق تم میں سے ایک شخص کا اپنے اہل کے بارے میں قسم پر اصرار کرنا[۱] اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے گناہ میں زیادہ واقع کرنے والا ہے بنسبت اس کے کہ وہ[۲] کفارہ ادا کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض فرمایا ہے۔

(صحیحین)

[۱] یعنی اس قسم پر قائم رہنا جو اہل و عیال کے حق سے متعلق ہے اور قسم پر اصرار کرنے سے وہ حق

فوت ہو جاتا ہے۔

ف۲ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے ـــــــ یعنی قسم توڑنے میں اگرچہ بظاہر قسم کھانے والے کے گمان میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی بے ادبی ہے اور اس میں گناہ بھی ہے لیکن قسم پر اصرار کرنے سے اہل وعیال کا حق فوت ہوتا ہے اور اس میں گناہ زیادہ ہے ـــــــ اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے جو سابقہ احادیث کا ہے کہ اگر وہ کام بہتر ہے جو قسم کے مخالف ہے تو قسم کا توڑنا اور کفارہ لازم ہے۔

یَلِجُّ یا پر زبر، لام پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، اور جیم مشدد، یہ مشتق ہے لجاج سے، جو دو جیموں پر مشتمل ہے، اصل میں اس کا معنی کسی بات کا منہ میں پھیرنا ہے، اس جگہ لازم ہونا ثابت ہونا چمٹ جانا اور اس پر قائم رہنا مراد ہے۔

۳۲۶۸/۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہاری قسم اس چیز پر محمول ہے جس پر تمہارا ساتھی تمہاری تصدیق کرتا ہے[1]۔

(مسلم)

[1] یعنی قسم کے سچے ہونے میں اس شخص کی نیت معتبر ہے جو تمہیں قسم دے رہا ہے اور وہ چیز معتبر ہے جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے۔ قسم کھانے والے کی نیت اور اس کا توریہ اور اس کی تاویل معتبر نہیں ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ ایک شخص کسی چیز کا حق دار ہو اور توریہ سے اس کا حق باطل ہوتا ہو مثلاً جب کہ قاضی یا اس کا نائب مدعا علیہ سے قسم لے اور حق دار کا حق باطل نہیں ہوتا یا اس جگہ کوئی قسم لینے والا نہ ہو تو حرج نہیں ہے، خصوصاً وہ توریہ جس میں ایک شخص کا فائدہ ہو، جیسے کہ حضرت سیدنا خلیل اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بہن ہے، مراد یہ تھی کہ دینی لحاظ سے بہن ہے تاکہ انہیں ظالم کے ہاتھ سے چھڑا لیں[ع] وغیر ذلک۔

ع توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا لفظ بولا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید، سننے والا سمجھتا ہے کہ قریب معنی مراد ہے جب کہ متکلم بعید معنی مراد لیتا ہے، مثلاً بہن کے دو معنی ہیں۔ (۱) نسبی اعتبار سے (۲) دینی لحاظ سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ لفظ استعمال فرمایا تو سننے والوں نے معنی قریب سمجھا جب کہ ان کی مراد معنی بعید تھا ۱۲ (قادری)۔

۳۲۶۹/۱۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم محمول ہے، قسم لینے والے[۱] کی نیت پر (مسلم)

[۱] گزشتہ حدیث میں صاحب حلف سے یہی مراد ہے جیسے کہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۲۷۰/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ فِيْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَقَالَ رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ کہ اللہ تمہاری گرفت نہیں فرماتا[۱] تمہاری لغو قسموں پر انسان کے اس قول کے بارے میں نازل کی گئی، نہیں خدا کی قسم! اور ہاں خدا کی قسم[۲]! (بخاری) شرح السنۃ میں مصابیح کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں اور شرح السنۃ میں فرمایا بعض نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے مرفوعاً[۳] روایت کی۔

[۱] اور تمہیں عذاب نہیں دیتا۔

[۲] عربوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے محاوروں اور مکالموں میں عموماً یہ کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم! ہاں خدا کی قسم! ان کا ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی، اسے یمین لغو کہتے ہیں۔ لغت میں لغو کا معنی ہے بے فائدہ بات کہنا، کتب فقہ میں یمین لغو کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ایک شخص کسی بات کی قسم کھاتا ہے اور اس کا گمان یہ ہے کہ یہ بات حق ہے حالانکہ واقع میں وہ غلط ہے (اور اس بات کا تعلق گئی ماضی کے ساتھ ہو۔ ۱۲ قادری)

[۳] بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچائی اور امام بخاری نے اسے حضرت عائشہ پر موقوف قرار دیا۔ مرفوع اور موقوف کا معنی مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے (مرفوع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور موقوف صحابی کی)۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۲۷۱/۱۳ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِکُمْ وَلَا بِاُمَّھَاتِکُمْ وَلَا بِالْاَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰہِ اِلَّا وَاَنْتُمْ صٰدِقُوْنَ۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ دادوں اور اپنی ماؤں کی قسم کھاؤ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے شریکوں[1] کی قسم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھاؤ مگر اس وقت جب تم سچے ہو۔
(ابوداؤد، نسائی)

[1] یعنی بتوں کی ــــــ مطلب یہ ہے کہ بتوں کی قسم نہ کھاؤ اور تعظیم اور اعزاز میں انہیں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ، یا انہیں مشرکوں کے اعتقاد کے مطابق شریک کہا گیا ہے۔ یعنی مشرک انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں، تم ان کی قسم نہ کھاؤ، اس جگہ خوب غور کیجئے۔ ــــــ انداد جمع ہے نِدّ کی، نون کے نیچے زیر، ہمسر اور مثل۔

۳۲۷۲/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے بغیر کی قسم کھائی[1] اس نے اسے شریک قرار دیا[2]۔
(ترمذی)

[1] اس غیر کی تعظیم کے ارادے سے۔

[2] تعظیم میں اسے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا، بعض فقہاء تکفیر کے قائل ہیں جیسے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

۳۲۷۳/۱۵ وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم

بِالْاَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ — میں سے نہیں ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) — (ابوداؤد، نسائی)۔

سلہ حضرت بریدہ اسلمی بار پیش، مشہور صحابی ہیں، ان کے حالات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

سلہ اور ہمارے طریقے پر نہیں ہے بلکہ ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والا ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کی عادت ہے اور نیز اس لیے کہ امانت، اللہ تعالیٰ کے اسمار اور صفات میں سے نہیں ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں مطلب یہ کہ نماز، روزے اور حج وغیرہ کی قسم نہ کھاؤ اور اس قسم میں کفارہ نہیں ہے۔ تورپشتی نے فرمایا کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی امانت کی قسم کھائے تو اس میں علمار کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی قسم منعقد ہو جائے گی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی امانت کو اس کی صفات میں سے قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام امین ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی امانت سے اللہ تعالیٰ کا کلمہ مراد ہو جیسے کہ بہت سے علمار نے آیہ کریمہ انا عرضنا الامانۃ (الآیۃ) میں امانت کی تفسیر کلمہ توحید سے کی ہے۔ امام ابویوسف سے اس کے خلاف مروی ہے، امام طحاوی کا مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کے ذریعے قسم منعقد نہیں ہوتی خواہ قسم اور عہد کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ (تورپشتی)۔

امام احمد کے نزدیک اگر امانت اور عہد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے اور کہے اللہ تعالیٰ کی امانت اور عہد کی قسم! تو قسم منعقد ہو جائے گی اور اگر مطلق امانت اور عہد کا ذکر کرے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، تاہم قسم منعقد ہو بھی جائے تو یہ قسم مکروہ ہے کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

۳۲۶۴/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کہا کہ میں اسلام سے بیزار ہوں سلہ پس اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہا سلہ اور اگر وہ سچا ہے سلہ تو اسلام کی طرف ہرگز صحیح سالم نہیں لوٹے گا۔

(ابوداؤد، نسائی)

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ) (ابن ماجہ)

۱؎ اگر یہ کام کروں۔

۲؎ اس نے قسم کو جھٹلا دیا یعنی وہ کام کرلیا۔

۳؎ یعنی دین اسلام سے بے زار ہے کیونکہ اس سے بری ہونے پر راضی ہے، جیسے کہ حضرت ثابت بن ضحاک کی حدیث میں گزرا۔

۴؎ اور اس نے اپنی قسم کو سچا کر دکھایا یعنی وہ کام نہ کیا تو اگرچہ وہ کافر نہیں ہوگا، لیکن اسلام کی طرف صحیح سالم ہرگز نہ لوٹے گا کیونکہ ایسی چیز کی قسم کھانا جو قسم توڑنے کی صورت میں کفر کا احتمال رکھتی ہو، اس پر جرات اور جسارت مسلمان کے حال کے لائق نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کی رضا پر مشتمل ہے اس لیے اس کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔

۳۲۷۵/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَھَدَ فِی الْیَمِیْنِ قَالَ لَا وَ الَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کے پختہ کرنے میں مبالغہ فرماتے تو یوں فرماتے: ایسے نہیں ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری ذات کی بقا ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ ابوالقاسم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت شریف ہے، بہت سی حدیثوں میں یہ کلمات آئے ہیں، قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری ذات کی بقا ہے، اس عبارت میں تاکید اور پختگی اس اعتبار سے ہے کہ یہ عبارت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور نبی اکرم کی ذات اقدس کے مسخر اور تابع ہونے پر دلالت کرتی ہے، ظاہر یہ ہے کہ تاکید میں کنیت کے ذکر کا کوئی خاص دخل نہیں ہے، بعض علماء نے فرمایا: دخل ہے ـــــــ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ کلمہ لا کلام سابق کی نفی کے لیے ہے لیکن محاورات عرب میں اس کا ذکر مقام قسم میں ہوتا ہے اور کلام سابق کی نفی مقصود نہیں ہوتی۔

۳۲۷۶/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَتْ یَمِیْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم کھاتے تو آپ کی قسم یہ ہوتی کہ نہیں اللہ تعالیٰ

كَذَا أَسْتَغْفِرُ اللهَ . — سے معافی مانگتا ہوں [1]

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی کلام قسم ہے، اس عبارت کو قسم کہنا بطور مجاز اور تشبیہ ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں معافی مانگتا ہوں اگر معاملہ اس کے خلاف ہو، اس سے کلام اور مقصد کی پختگی اور تاکید حاصل ہوتی ہے لہذا یہ عبارت معنی قسم میں ہوئی، بعض شارحین کہتے ہیں کہ اصل عبارت اس طرح ہے خدا کی قسم! اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں، استغفار اس لیے کہ یمین لغو ہے ارادہ زبان پر جاری ہو گئی اگرچہ وہ معاف ہے۔

٣٣٤٧/١٩ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی کام پر قسم کھائی اور کہا ان شاء اللہ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے [1]۔ (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اس حدیث کو ابن عمر پر موقوف قرار دیا [2]۔

[1] حنث کا معنی ہے گناہ اور قسم کے خلاف کام کرنا، مطلب یہ ہے کہ قسم ہی منعقد نہیں ہوگی اس پر گناہ کیسے مرتب ہوگا، اسی طرح ان شاء اللہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کرنا تمام عقود کے منعقد ہونے سے مانع ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب متصل کہے یہی اکثر علماء اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر وقفے سے ان شاء اللہ کہے تو بھی جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ خلفاء عباسیہ میں سے ایک خلیفہ نے آپ کو طلب کیا اور ناراضگی کا اظہار کیا کہ میرے جد امجد، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاصلے کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کو صحیح قرار دیتے ہیں تو آپ ان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ امام اعظم نے فرمایا: اگر اس طرح ہو تو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے کسی کی بیعت بھی درست نہیں ہوگی کیونکہ وہ باہر جا کر ان شاء اللہ کہہ دیں گے (اس طرح بیعت ختم

ہو جائے گی اخلیفہ کو یہ بات بہت پسند آئی عنہ ـــــ متصل ہونے کی حدیہ ہے کہ وہ دوسرے کلام میں معروف نہ ہو بعض علما نے کہا جب تک اس مجلس میں موجود ہو۔

سلہ یعنی انہوں نے کہا کہ یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، صحابی کے قول کو حدیث موقوف کہتے ہیں جیسے مقدمہ میں بیان ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

٣٢٧٨/٢٠ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ. قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ ابْنَ عَمٍّ لِّیْ اٰتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلَا یُعْطِیْنِیْ ثُمَّ یَحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَسْاَلُنِیْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَّا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَّ اُكَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِیْ. (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَفِیْ رِوَایَتِهٖ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَاْتِیْنِیْ ابْنُ

ابو الاحوص عوف بن مالک[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے میرے چچازاد بھائی کے بارے میں بتائیں! میں اس کے پاس جاکر اس سے[2] مانگتا ہوں تو وہ مجھے نہیں دیتا[3] پھر اسے میری طرف حاجت پیش آتی ہے اور وہ میرے پاس آکر مجھ سے[4] مانگتا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اسے[5] نہیں دوں گا اور اس سے صلہ رحمی نہیں کروں گا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو بہتر[6] ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردوں[7]۔

(نسائی، ابن ماجہ)

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس میرا چچازاد بھائی

عہ اس قسم کے بے شمار واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کے مخالفین کا یہ پروپیگنڈا بالکل بے بنیاد ہے کہ فقہ دورِ ملوکیت میں مرتب ہوئی تھی اس لیے اس میں مزاج شاہی کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا تھا، ائمہ دین اور علماء ربانی کی شان میں یہ بڑی جسارت ہے کہ وہ احکام اسلام بیان کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھتے تھے بلکہ بندوں کی رضا اور نارضامندی کو بھی سامنے رکھتے، جو شخص ایسا کرے وہ عالم ربانی نہیں ہو سکتا۔

۱۲ قادری

عَنِّيْ فَاَحْلِفُ اَنْ لَّا اُعْطِيَهٗ وَ لَا اَصِلَهٗ قَالَ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ .

آتا ہے اور میں قسم کھالیتا ہوں کہ اسے نہیں دوں گا اور نہ ہی اس سے صلہ رحمی کروں گا فرمایا تم اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔

؎۱ ابوالاحوص ہمزہ پر زبر، حا بے نقطہ ساکن اور صاد بے نقطہ، عوف بن مالک تابعی ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کا نام مالک بن نضلہ ہے نون پر زبر، ضاد بانقطہ ساکن اور وہ صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

؎۲ مال مانگتا ہوں۔

؎۳ اور صلہ رحمی نہیں کرتا جیسے کہ صلہ رحمی کرنی چاہیے۔

؎۴ کوئی چیز مانگتا ہے۔

؎۵ کوئی چیز نہیں دوں گا اور اس سے صلہ رحمی نہیں کروں گا، یہ اس کے عمل کی جزا ہے کہ خود تو کچھ دیتا نہیں اور مجھ سے مانگتا ہے۔

؎۶ اور وہ دیتا اور صلہ رحمی کرتا ہے۔

؎۷ جیسے کہ متعدد احادیث میں گزر گیا ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر تو مرد ہے تو برائی کرنے والے پر احسان کر۔

؎۸ اس روایت میں چچا زاد بھائی کے قول کا ذکر نہیں کیا کہ وہ خود دیتا نہیں ہے اور اس کا یہ طرز عمل سبب ہے اس بات کا کہ میں اسے نہیں دیتا۔

بَابٌ فِي النُّذُوْرِ

۲۶۵۔ نذروں کا بیان

گزشتہ باب میں قسموں اور نذروں کا اکٹھا بیان لائے تھے، اس باب میں صرف وہ حدیثیں لائے ہیں جو نذروں سے متعلق ہیں، اسی لیے بَابٌ فِي النُّذُوْرِ کہا ہے صرف بابٌ نہیں کہا جیسے کہ ان کی عادت ہے کہ ماسبق کے تتمہ اور ضمیمہ کے طور پر باب لے آتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۲۷۹/۱ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ ابْنِ عُمَرَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا وَ اِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نذر نہ مانا کرو[1] کیونکہ نذر تقدیر سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتی، اس کے ذریعے تو صرف بخیل سے کچھ مال نکالا جاتا ہے[2]۔ (صحیحین)

[1] لاتنذرو ذال پر پیش اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں یعنی اس عقیدے کے ساتھ منت نہ مانا کرو کہ وہ تقدیر کو رد کر دے گی۔

[2] چونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ نذروں کو منافع کے حصول اور مصائب کے دفعیہ پر معلق کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اس نیت کے ساتھ نذر نہ مانو کہ نذر کی وجہ سے وہ چیز پالو گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر نہیں فرمائی؛ درحقیقت اس غرض سے نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے مطلق نذر ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ نذر (جو ممنوع ہے) بخیلوں کا فعل ہے۔ سخی لوگ جب اللہ تعالیٰ

کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی راہ میں خرچ کرنے میں جلدی کرتے ہیں، لیکن بخیل کا نفس اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نکالنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک اسے مقابلے میں کوئی غرض یا عوض حاصل نہ ہو۔

۳۲۸۰-۲ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَهٗ فَلَا يَعْصِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر کی اسے چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے[1] اور جس نے اس کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے[2] (بخاری)

[1] اور اپنی نذر پوری کرے۔

[2] اور اس نذر کو پورا نہ کرے کہ وہ نذر صحیح نہیں ہے۔

۳۲۸۱-۳ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَّلَا فِيْ مَالَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمران بن حصین[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نافرمانی میں نذر کو پورا کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اس چیز میں کہ بندہ اس کا مالک نہ ہو[2]۔ (مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہے۔

[1] حضرت عمران بن حصین مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

[2] اس کا بیان گزشتہ باب کی پہلی فصل میں گزر چکا ہے۔

۳۲۸۲-۴ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نذر کا کفارہ وہی قسم کا کفارہ ہے[2] (مسلم)

لہ حضرت عقبہ بن عامر صحابی ہیں، حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے والی تھے، ان سے حضرت جابر، ابن عباس اور بے شمار تابعین روایت کرتے ہیں، کاشف میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بڑے صحابی، امیر، شریف فصیح، قراءت و میراث کے ماہر اور شاعر تھے مصر میں وصال ہوا۔

ٹہ امام شافعی کے نزدیک نذر میں کفارہ نہیں ہے، ہمارے نزدیک قسم، نذر کے تقتضیات اور لوازم میں سے ہے کیونکہ نذر، ایک مباح چیز کو واجب کرنا ہے اس کو حلال (یعنی مباح) کا حرام کرنا لازم ہے اور حلال کو حرام کرنا یمین ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اپنی قسموں کا کھولنا فرض فرما دیا ہے۔ مقاتل روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ کو حرام کرنے کے سلسلے میں ایک غلام آزاد فرمایا، اور اگر مطلق نذر مانے اور کہے کہ مجھ پر نذر ہے اور کسی چیز کا نام نہ لے تو اس پر بالاتفاق قسم کا کفارہ ہے۔ اسی طرح علماء نے کہا ہے، یہ حدیث مذہب احناف کی دلیل ہے اور اگر اسے مطلق نذر پر محمول کیا جائے جس میں کسی چیز کا نام نہ لیا گیا ہو تو پھر یہ اتفاقی مسئلہ ہوگا۔

۳۲۸۳/۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوْا اَبُوْ اِسْرَائِيْلَ نَذَرَ اَنْ يَقُوْمَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے لہ، آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تہ تو صحابہ کرام نے عرض کیا اس کا نام ابواسرائیل تہ ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں، سائے میں نہیں کہ ہوگا اور کلام نہیں کرے گا اور روزے سے رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہو کہ کلام کرے، سائے میں آئے، بیٹھ جائے اور اپنے روزے کو مکمل کرے شہ۔

(بخاری)

لے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے وقت وہ شخص حاضر تھا۔
لے کہ یہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ اور اس کا کیا حال ہے۔
سے وہ قریش کی شاخ میں سے ایک شاخ بنو عامر بن لوی سے تھے۔
سے صراح میں ہے۔ استظلال سائے میں پناہ ڈھونڈنا۔
ہے آپ نے روزے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا باقی امور کی نذر پوری کرنے کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی نذر صحیح ہے اس کے بغیر کی نذر صحیح نہیں ہے، امام مالک اور شافعی کا یہی مذہب ہے اصحابہ کرام کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے، بعض علماء کے نزدیک وہ چیز جس کی نذر مانی گئی ہے اگر مباح ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا کہ ایک عورت نے دف بجانے کی نذر مانی۔ ظاہر یہ ہے کہ احناف کا یہی مذہب ہے کیونکہ نذر کی تعریف، مباح کے واجب کرنے سے کی گئی ہے اگر کہا جائے کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے رہنے، سایہ نہ لینے اور گفتگو کے ترک کرنے کا حکم کیوں نہ دیا باوجودیکہ یہ تمام چیزیں مباح تھیں (اور حضرت ابو اسرائیل نے ان کی نذر مانی ہوئی تھی) اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشیاء کا ہمیشہ اپنانا اور ان کی ضدوں کا مطلقاً چھوڑ دینا حرام ہے نہ کہ مباح، اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے۔

۳۴۲۸/۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى شَيْخًا يُهَادٰى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَّمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ لَغَنِيٌّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّرْكَبَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ارْكَبْ اَيُّهَا الشَّيْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو دو بیٹوں کے درمیان چلا جا رہا تھا لہ، آپ نے فرمایا: اس کا کیا حال ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس نے نذر مانی ہے کہ پیدل چل کر بیت اللہ شریف تک جائے گا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنی جان کو عذاب دینے سے بے نیاز ہے۔ اور اسے حکم دیا کہ سوار ہو جائے (صحیحین)، امام مسلم، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک روایت میں لائے ہیں کہ فرمایا اے شیخ! سوار ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری

نَذْرِہٖ لَغَنِیٌّ ۔ نذر سے بے نیاز ہے ۔

لہ کمزوری کے سبب دو بیٹوں کا سہارا لے کر چل رہا تھا، یُہَادٰی مجہول کا صیغہ ہے مگر معروف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔

لہ اور پیدل جانے سے بے نیاز ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا حج پر ثواب دینا پیادہ پا جانے پر موقوف نہیں ہے ۔

لہ کیونکہ وہ چلنے سے عاجز تھا، ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار ہونے سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی یہی امام شافعی کا قول ہے ۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس پر جانور کا ذبح کرنا لازم ہے کیونکہ اس نے جس طرح نذر کا التزام کیا تھا اس پر قائم نہیں رہ سکا ۔ اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے ۔

۳۲۸۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَذْرٍ كَانَ عَلٰى اُمِّهٖ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهٗ فَاَفْتَاهُ اَنْ يَّقْضِيَهٗ عَنْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ لہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں پوچھا جو ان کی والدہ پر لازم تھی اور اسے ادا کرنے سے پہلے وہ وفات پا گئی تھیں، آپ نے انہیں فتویٰ دیا کہ وہ ان کی طرف سے نذر کی قضا کریں لہ (صحیحین)

لہ سعد بن عبادہ مشہور صحابی ہیں، باپ اور بیٹا دونوں صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

لہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو فتویٰ دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نذر کی قضا کریں ۔۔۔۔ جمہور علماء کے نزدیک اگر میت پر واجب نذر، غیر مالی ہو تو وارث پر اس کی قضا لازم نہیں ہے، اور اگر مالی ہو تو اور میت نے ترکہ بھی نہیں چھوڑا تو بھی وصیت کے بغیر لازم نہیں ہے البتہ مستحب ہے اصحاب ظواہر اس حدیث کی بناء پر کہتے ہیں کہ وارث پر واجب ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے نقل کیا ۔۔۔۔ مخفی نہ رہے کہ یہ حدیث وجوب پر دلالت نہیں کرتی، ہو سکتا ہے کہ قضا بطور تبرع (نیکی) ہو، یا میت نے ترکہ چھوڑا ہو اور وصیت کی ہو پھر یہ بھی احتمال ہے کہ نذر مالی ہو یا غیر مالی یا مطلق ہو، مثلاً انہوں نے کہا ہو کہ ہو سکتا ہے میں کوئی نیکی کروں، کوئی عمل صالح بجا لاؤں یا روزہ رکھوں یا غلام آزاد کروں یا صدقہ دوں، اور وہ جو ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ کو فرمایا کہ کنواں کھودو اور

پانی لوگوں کو دو، اور کہو کہ یہ کنواں ام سعد کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر مطلق تھی یا صدقہ سے متعلق تھی۔

۳۲۸۶ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِيْ صَدَقَةً إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَإِنِّيْ أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا طَرَفٌ مِنْ حَدِيْثٍ مُطَوَّلٍ.

حضرت کعب بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ میں[2] سے یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال سے نکل جاؤں اللہ اور رسول کی طرف اور مال کو صدقہ کر دوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنا کچھ مال روک لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ میں خیبر میں سے اپنا حصہ روک لیتا ہوں[3]۔ (صحیحین) یہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے[4]۔

[1] مشہور صحابی ہیں، اسلام کے شعراء میں سے ایک تھے، اور ان تین افراد میں سے ایک تھے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے۔ بعد ازاں توبہ کی اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا بیان ہے۔ ان کا واقعہ بہت ہی عجیب و غریب اور دل چسپ ہے۔ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں بھی بیان کیا ہے۔

[2] اور میری توبہ کو تمام و کمال تک پہنچانے والا یہ امر ہے کہ میں توبہ قبول ہونے کے شکریے میں تمام مال صدقہ کر دوں ــــــ انخلاع کپڑے، موزے یا جوتے سے بھی نکل جانا۔

[3] اس جگہ حضرت کعب نے اگرچہ نذر نہیں مانی تھی لیکن جب انہوں نے اپنے ذمہ ایسی چیز لازم کر لی جو لازم نہ تھی تو گویا یہ کام نذر کے معنی میں ہوا، اسی مناسبت سے حضرت مؤلف اس حدیث کو باب نذر میں لائے ہیں۔

[4] وہ طویل حدیث حضرت کعب کے پیچھے رہ جانے اور توبہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۲۸۷/۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَّ كَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ میں کوئی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے[1]۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

[1] اس کی شرح فصل اول میں گزر گئی ہے۔

۳۲۸۸/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهٖ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَّ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيْقُهٗ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا اَطَاقَهٗ فَلْيَفِ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَوَقَفَهٗ بَعْضُهُمْ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایسی نذر مانی کہ اس کا تعین نہیں کیا تو اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے[1]۔ اور جس نے گناہ میں نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی کہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے[2] اور جس نے ایسی نذر مانی کہ اس کی طاقت رکھتا ہے[3] تو اسے پورا کرے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

بعض راویوں نے اس حدیث کو ابن عباس پر موقوف قرار دیا[4]۔

[1] مثلاً کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر نذر ہے اور یہ تعین نہیں کرتا کہ وہ روزہ ہے یا کہ صدقہ۔

[2] کیونکہ اسے پورا کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا قسم کا کفارہ ادا کرے۔

سے کیونکہ نذر کو پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔
سے طَاقَۃٌ اور طَوْقٌ کا معنی ہے قوت اور ۲ طَاقَۃٌ کا معنی ہے کرسکنا۔
سے اور کہا کہ یہ ابن عباس کا قول ہے۔

۳۲۸۹/۱۱ وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ثابت بن ضحاک[۱] سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مقام بوانہ[۲] میں اونٹ نحر کرنے کی نذر مانی پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں[۳]! فرمایا، کیا وہاں مشرکوں کی کوئی عید ہوا کرتی تھی؟ عرض کیا نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کرو[۴]، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر پوری نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس چیز میں جس کا انسان مالک نہ ہو۔ (ابو داؤد)

سلہ ثابت بن ضحاک، صحابی ہیں ان کے حالات گزشتہ باب کی پہلی فصل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔
سلہ بُوَانَۃ با پر پیش، واؤ مخفف، مکہ مکرمہ کی نچلی جانب ایک وادی ہے، بعض اوقات تا حذف بھی کردی جاتی ہے۔
سلہ وہاں جاہلیت کا کوئی بت نہ تھا۔

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نذر مانے کہ فلاں جگہ جانور ذبح کروں گا تو اسے پورا کرنا لازم ہے بشرطیکہ وہ جگہ بتوں کی عبادت گاہ اور کافروں کے شعار کی جا کے اجتماع نہ ہو اگر اس طرح ہو تو نذر صحیح نہیں ہوگی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا اگر نذر مانی کہ فلاں معین شہر کے باشندوں پر خرچ کروں گا۔

۳۲۹۰/۱۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰى رَأْسِكَ بِالدُّفِّ قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَتْ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں، فرمایا: تم اپنی نذر پوری کر دو لہ

(ابو داؤد)

امام رزین نے اضافہ کیا کہ اس عورت نے عرض کیا میں نے فلاں فلاں جگہ جانور ذبح کرنے کی نذر مانی ہے جہاں اہل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے۔ فرمایا: کیا اس جگہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟ جس کی عبادت کی جاتی تھی، کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا وہاں ان کے میلوں میں سے کوئی میلہ ہوتا تھا؟ اس عورت نے کہا نہیں! فرمایا، تم اپنی نذر پوری کر دو لہ۔

لہ اس سے معلوم ہوا کہ دف بجانا مباح ہے، جو حضرات نذر کو؛ طاعت اور نیکی کے ساتھ خاص کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دف کا بجانا اگرچہ نیکیوں میں سے نہیں ہے جس کا پورا کرنا نذر ماننے والے پر واجب ہو بلکہ مباح چیزوں میں سے ایک ہے جیسے لذیذ کھانوں کا کھانا اور نرم و نازک کپڑوں کا پہننا لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عورت کے فعل کو اس کے صحیح مقصد کے پیش نظر نیکی قرار دیتے ہوئے نذر پوری کرنے کی اجازت عطا فرمائی، وہ مقصد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کامیاب و کامران ہو کر

سلامتی اور غنیمت کے ساتھ تشریف لانے پر فرحت وسرور کا اظہار تھا اس حدیث کی تفصیل کے ساتھ شرح کتاب کے آخر میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ محض اس جگہ میں اہل جاہلیت کا ذبح کرنا ذبح کی نذر کو پورا کرنے سے مانع نہیں ہے البتہ بت یا میلے کا پایا جانا مانع ہے۔

۳۲۹۱ وَعَنْ اَبِىْ لُبَابَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَهْجُرَ دَارَ قَوْمِي الَّتِيْ اَصَبْتُ فِيْهَا الذَّنْبَ وَاَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِيْ كُلِّهٖ صَدَقَةً قَالَ يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ۔
(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابو لبابہ؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا وہ علاقہ چھوڑ دوں جہاں میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور یہ کہ اپنے تمام مال سے جدا ہو جاؤں صدقہ کرتے ہوئے، فرمایا: تمہاری طرف سے تہائی کافی ہوگا؎۔
(رزین)

۱؎ حضرت ابولبابہ لام پر پیش اور دو دفعہ بار تخفیف کے ساتھ، انصاری صحابی ہیں ان کا نام رفاعہ بن عبد المنذر ان کی کنیت مشہور ہو کر نام پر غالب آگئی۔

۲؎ اور تمام مال سے الگ ہونے کی حاجت نہیں ہے ——— حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک قبیلے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کسی شخص کو آپ کی خدمت میں بھیج کر درخواست کی کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ ابولبابہ کو دیکھ کر کیا مرد اور عورتیں اور کیا بچے اور بڑے سب کھڑے ہو کر گریہ وزاری کرنے لگے یہاں تک کہ ابولبابہ کو ان پر ترس آگیا اور ان کا دل نرم ہو گیا، انہوں نے پوچھا کہ اے ابولبابہ اگر ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حکم پر اتر آئیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ ابولبابہ نے ہاتھ سے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تمہارا انجام یہ ہے کہ تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔

حضرت ابولبابہ فرماتے ہیں کہ ابھی میں نے اس جگہ سے قدم بھی نہیں اٹھایا تھا کہ مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے خدا اور رسول کے حق میں خیانت کی ہے، اس کے بعد حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا

اور فرمایا: میں اس جگہ سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری توبہ قبول نہیں ہوتی نماز کے وقت ان کی صاحبزادی آکر انہیں کھول دیتی تاکہ وہ نماز ادا کرلیں، نماز پڑھنے کے بعد پھر باندھ دیتی، جب لوگ انہیں کھولنے کے لیے آتے تو اس پر تیار نہ ہوتے اور فرماتے جب تک خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاکر اپنے ہاتھ سے نہیں کھولیں گے اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا، کئی دن کچھ کھائے پیئے بغیر گزار دیئے یہاں تک کہ ان کی بینائی اور سماعت ختم ہونے کے قریب پہنچ گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع پیش کی گئی تو فرمایا: میں کیا کروں؟ اگر وہ میرے پاس آکر دعائے مغفرت طلب کرتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا، اب جب کہ انہوں نے اپنے آپ کو بارگاہ خداوندی سے وابستہ کر دیا ہے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے کھولنے کا حکم نہ دے اس کا کھولنا ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے کھولنے کا حکم دیا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشریف لاکر انہیں کھول دیا، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اپنی توبہ کی تکمیل اس میں نظر آتی ہے کہ اپنے تمام مال سے الگ ہو جاؤں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مال کی حاجت نہیں ہے تیسرا حصہ کافی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حدیث میں اپنی قوم کا علاقہ چھوڑنے کا جواب مذکور نہیں ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا اور اسے پورا کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس میں نیکی اور طاعت کا معنی پایا جاتا ہے، شارحین نے فرمایا کہ قوم کے علاقہ سے مراد بنو قریظہ کے یہودی ہیں کیونکہ حضرت ابو لبابہ کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب اسی جگہ تھے۔

۳۴۹۲/۱۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ	حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت پڑھوں گا، آپ نے فرمایا: اسی جگہ پڑھ لو، انہوں نے دوبارہ یہی بات عرض کی تو فرمایا: تم یہیں پڑھ لو، انہوں نے پھر سوال کیا تو فرمایا

شَأْنَكَ إِذًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

تم اپنے کام کو لازم پکڑو۔[۵۵]
(ابوداؤد، دارمی)

۵۱ اور اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کیا تھا۔

۵۲ بیت المقدس میم پر زبر، قاف ساکن، دال کے نیچے زیر، ایک دوسری صورت بھی آئی ہے کہ میم پر پیش ہو، قاف پر زبر اور دال مشدد۔

۵۳ کہ یہ جگہ اس سے افضل ہے، آپ کا اشارہ مسجد حرام کی طرف تھا کہ وہ بیت المقدس سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے جیسے کہ اپنی جگہ یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مکہ مکرمہ میں ہو جیسے کہ ظاہر ہے یا مسجد نبوی کی طرف اشارہ ہو اگر آپ کا یہ فرمان مدینہ منورہ میں ہو۔

۵۴ کہ میں نے نذر مانی ہے کہ بیت المقدس میں دو رکعت ادا کروں گا۔

۵۵ جب تم ہمارے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو تم جانو جاؤ جو کرنا چاہتے ہو کرو اور وہ کام کرو جس کی تم نے نذر مانی ہوئی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھے گا تو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے اس کی نذر پوری ہو جائے گی اور اگر نذر مانے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھوں گا تو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو دوسری جگہ نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ جس جگہ نذر مانی ہے اس کے علاوہ میں جائز نہیں ہے، امام اعظم سے ایک روایت یہ ہے کہ افضل یا مساوی جگہ جائز ہے دوسری جگہ جائز نہیں۔

۳۲۹۳/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُخْتَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَإِنَّهَا لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ أُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے اسے چاہیے کہ سوار ہو اور ایک بدنہ ہدیہ بھیجے۔
(ابوداؤد، دارمی) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی بہن کو حکم دیا

اَنْ تَرْكَبَ وَ تُهْدِيَ هَدْيًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَ لْتَحُجَّ وَتُكَفِّرْ يَمِيْنَهَا۔

کہ سوار ہو اور ہدیہ بھیجے، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کی مشقت کو کچھ نہیں کرے گا۔ اسے چاہیے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

۱؎ حضرت عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی اونٹ یا گائے، بعض علماء نے کہا کہ بکری کا بھیجنا کافی ہے، بدنہ کا حکم استحبابی ہے، بعض نے کہا کہ ظاہر حدیث کے پیش نظر بدنہ واجب ہے، بعض علماء نے کہا کہ کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے ہدیہ بھیجنے کا امر استحبابی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳؎ ہدیہ اس قربانی کو کہتے ہیں جو حرم میں بھیجی جائے۔

۴؎ شقاء شین اور قاف پر زبر، شاقات اور مشقت کا معنی ہے سختی برداشت کرنا شقا اور شقاوت سعادت کے مقابل بدبختی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۳۲۹۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ[۱] اَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَهٗ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرُوْهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَ لْتَرْكَبْ وَ لْتَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت عبداللہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے بارے میں پوچھا جس نے نذر مانی تھی کہ وہ برہنہ پا اور برہنہ سر[۱] حج کرے گی آپ نے فرمایا، اسے کہو کہ سر پر دوپٹہ لے سوار ہو اور تین روزے رکھے[۲]۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی)

۱؎ اختمار نقطے والی خاء کے ساتھ اوڑھنی لینا صراح میں ہے خمار خاء کے نیچے زیر، عورتوں کا دوپٹہ، اختمار دوپٹہ سر پر لینا، اور معجر سر پر لپٹنے کا کپڑا۔

۲؎ بعض نسخوں میں ہے فلتختمر باب تفعیل سے۔

۵ سر پر اوڑھنی لینے کا حکم اس لیے دیا کہ عورت کا ننگے سر رہنا گناہ ہے، کیونکہ عورت کا سر اور اس کے بال عورت ہیں (جن کا ڈھانپنا ضروری ہے) اور سواری کا حکم اس لیے دیا کہ وہ عاجز تھی اور پیدل چلنا باعث مشقت تھا، تین روزوں کا حکم اس لیے دیا کہ یہ قسم کا کفارہ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ گزشتہ حدیث میں ہدیے کا حکم ہے تین روزے اس کا بدل ہیں۔

۳۲۹۵/۱۷ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَخَوَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ بَيْنَهُمَا مِيْرَاثٌ فَسَاَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ اِنْ عُدْتَ تَسْاَلُنِيْ الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِيْ فِيْ رِتَاجِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اِنَّ الْكَعْبَةَ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ وَكَلِّمْ اَخَاكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَمِيْنَ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَا فِيْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سعید بن مسیب[۱] سے روایت ہے کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان وراثت مشترک تھی[۲]، ان دونوں میں سے ایک نے اپنے بھائی سے تقسیم کا مطالبہ کیا تو اس[۳] نے کہا کہ اگر تم نے مجھ سے دوبارہ مطالبہ کیا تو میرا تمام مال بیت اللہ شریف کے دروازے پر صرف کر دیا جائے گا[۴] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کعبہ تیرے مال سے بے نیاز ہے[۵]، تم اپنی قسم کا کفارہ دو[۶] اور اپنے بھائی سے بات کرو[۷] کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تجھ پر نہ تو قسم ہے اور نہ ہی نذر ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور نہ قطع رحمی میں اور نہ اس چیز میں جو مملوک نہ ہو[۸]۔ (ابوداؤد)

۱ حضرت سعید بن مسیب اکابر تابعین، علماء اور سات فقہاء میں سے ہیں، قریشی، مخزومی، اور مدنی ہیں۔

۲ جو تقسیم ہونے والی تھی

۳ دوسرے بھائی نے تقسیم کا مطالبہ کرنے والے بھائی سے کہا، اس نے قسم کھائی اور پھر نذر مانی۔

۴ رتاج راء کے نیچے زیر، اس کے بعد تا اور آخر میں جیم، عظیم دروازہ جو بند ہو، رتج دروازے کا بند کرنا۔

حدیث میں خود کعبہ مراد ہے دروازے کا ذکر تعظیم کے لیے ہے جیسے کہتے ہیں جناب فلاں (جناب کا معنی صحن اور دربار ہے لیکن مراد فلاں کی شخصیت ہوتی ہے ۱۲ قادری)

ھ وہ اس امر کا محتاج نہیں کہ تم اپنا مال اس کی نذر کرو اور یہ امر واجب اور ضروری نہیں ہے۔

۶ھ اور اپنی قسم کو توڑ دو۔

ےھ اس کے سوال کا جواب دو اور وراثت تقسیم کرو۔

۸ھ خصوصی طور پر فرمایا کہ قطع رحمی میں قسم اور نذر نہیں ہے، اسی طرح اس چیز میں جو مملوک نہ ہو ایک روایت میں ہے یملک یا پر زبر اور لام کے نیچے زبر یعنی اس چیز میں کہ انسان اس کا مالک نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۲۹۶ / ۱۸ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ وَفِيْهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيْهِ وَلَا يُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عمران بن حصین[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: نذریں دو قسم ہیں تو جس شخص نے نیکی[۲] کی نذر مانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسے پورا کرنا[۳] واجب ہے اور جس نے گناہ[۴] کی نذر مانی ہے تو وہ شیطان کے لیے ہے، اسے پورا کرنا جائز نہیں ہے اس کا کفارہ[۵] وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

(نسائی)

لھ حضرت عمران بن حصین مشہور صحابی ہیں ان کے احوال کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

۲ھ اور اس چیز کی نذر مانی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

۳ھ عمل کرنا اور بجا لانا۔

۴ھ ایسی چیز کی نذر مانی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا، وہ نذر شیطان کے لیے ہے کہ وہ اس سے راضی اور مسرور ہوتا ہے۔

ے۵ اس کے گناہ کو وہی چیز ڈھانپتی ہے جو قسم کا کفارہ بنتی ہے یعنی اس کا کفارہ وہی قسم کا کفارہ ہے جیسے کہ احادیث میں مذکور ہے۔

۳۲۹/۱۹ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ اِنَّ رَجُلًا نَذَرَ اَنْ يَّنْحَرَ نَفْسَهٗ اِنْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ عَدُوِّهٖ فَسَاَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهٗ سَلْ مَسْرُوْقًا فَسَاَلَهٗ فَقَالَ لَهٗ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُّؤْمِنَةً وَّ اِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ اِلَى النَّارِ وَ اشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَاِنَّ اِسْحٰقَ خَيْرٌ مِّنْكَ وَ فُدِىَ بِكَبْشٍ فَاَخْبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اُفْتِيَكَ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

محمد بن منتشر[1] فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے دشمن سے نجات دی تو وہ اپنے آپ کو ذبح کرے گا[2] اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے[3] دریافت کی تو انہوں نے فرمایا، مسروق[4] سے پوچھو، ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو کیونکہ تم اگر مومن[5] ہو تو تم ایماندار جان کو قتل کر دوگے اور اگر کافر ہو تو جہنم کی طرف جلدی کر دوگے[6]۔ تم ایک دنبہ خرید و اور اسے مساکین کے لیے ذبح کرو، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام تم سے بہتر تھے اور ان کا فدیہ دنبہ دیا گیا تھا[7]، اس شخص نے ابن عباس کو بتایا[8] تو انہوں نے فرمایا میں تمہیں ایسا ہی فتویٰ دینا چاہتا تھا۔ (رزین)

ے۱ محمد بن منتشر میم پر پیش، نون ساکن، تا پر زبر اور شین کے نیچے زیر، تابعی ہیں، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور اپنے والد اور چچا سے روایت کرتے ہیں۔

ے۲ گویا اس کا دشمن کے ہاتھوں مرنا بہت ہی شدید، سخت اور رسوائی کا باعث تھا، اس نے کہا خداوندا! مجھ پر اصل موت سخت نہیں ہے میں اپنے اختیار سے اپنی جان تیرے سپرد کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا میرے لیے ناقابل برداشت ہے اگر تو مجھے اس سے نجات عطا فرما دے تو میں تیرے لیے خودکشی کر لوں گا، اور یہ نہ جانا کہ خودکشی اپنی جگہ خود بہت ہی شدید، قبیح، حرام اور ناپسندیدہ ہے۔

ے۳ اس مسئلے کا حکم دریافت کیا۔

ے۴ مسروق بن اجدع ہمدانی اکابر تابعین اور اجلہ علماء و فقہاء میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے وصال سے پہلے پیدا ہوئے اور صحابہ کرام کے صدر اول مثلاً چاروں خلفاء اور دیگر صحابہ کی زیارت کی، بچپن میں انہیں اغوا کر لیا گیا تھا اس کے بعد وہ مل گئے تھے اس لیے ان کا نام ہی مسروق پڑ گیا، ابن عباس نے سوال کا جواب ان کے سپرد اس لیے کیا کہ انہوں نے چاروں خلفاء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علم حاصل کیا تھا اور یہ ابن عباس کی احتیاط، دیانت اور صبر کا کمال تھا اور اس میں یہ مصلحت بھی ملحوظ تھی کہ اپنے فتوے کو اختلاف سے بچایا جائے۔

۵ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ——— تو تم مومن جان کو قتل کرو گے اور مومن کے قتل کرنے پر آگ میں ہمیشہ ڈالے جانے کی وعید ہے۔

۶ بہر صورت خود کشی ناجائز اور غیر معقول ہے۔

۷ یہ بعض کے قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا تھا وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ مشہور اور مختار قول یہ ہے کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں اس قول کو ثابت کرتا ہے۔ بعض اکابر کے کلام میں حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام بھی ملتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنے بعض رسائل میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب کی تحریفات میں سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ کہ حضرت مسروق نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

کِتَابُ الْقِصَاصِ

۲۶۶۔ قصاص کا بیان

قَصٌّ اور قَصَصٌ کسی کے پیچھے جانا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِہِمَا قَصَصًا (حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے لوٹے) مقتول کا ولی قاتل کے پیچھے جاتا ہے تاکہ مقتول کے بدلے اسے قتل کر دے، مقاصاۃ کا معنی برابری ہے، قصاص لینے سے مقتول کا ولی اور قاتل یا قاتل اور مقتول برابر ہو جاتے ہیں کیونکہ قاتل کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

۳۲۹۸/۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلٰثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالْمَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دینے والے مسلمان[۱] کا خون بہانا حلال نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے ایک سے۔ (۱) جان کے بدلے جان[۲]۔ (۲) شادی شدہ زانی (۳) اپنے دین سے باہر نکلنے والا، جماعت کو چھوڑنے والا۔ (صحیحین)

[۱] یہ اسلام کی تاکید اور اس کا بیان ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ دو شہادتوں کے زبان پر لانے سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کا خون گرانا حلال نہیں رہتا۔

[۲] ایک خصلت قتل عمد ہے جس کے سبب مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کیا جائے گا، یعنی قصاص لیا جائے گا۔

اور یہ مقتول کے ولی کا اس طرح حق ہے جس طرح شریعت میں مقرر ہے۔

۳ے دوسری خصلت زنا ہے جس کی بنا پر زانی محصن کو رجم کیا جائے گا شادی شدہ ہونا احصان کی صفات میں سے ہے باقی صفات آزاد ہونا اور مسلمان ہونا ظاہر ہیں۔

۴ے اپنے دین و ایمان سے مرتد ہو کر نکلنے والا، مروق کا معنی خروج ہے خوارج کو مارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امام کی اطاعت اور دین سے نکل گئے ہیں۔

۵ے یہ دین سے نکلنے والے کی تفسیر ہے، امام نووی نے فرمایا: یہ شامل ہے ہر اس شخص کو جو بدعت اور اجماع کی مخالفت کے سبب جماعت سے نکل گیا جیسے خوارج اور روافض وغیرھم اسی طرح علامہ طیبی نے بھی نقل کیا۔

۳۲۹۹/۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِّنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اپنے دین کی فراخی[1] میں رہے گا جب تک کہ کسی حرام خون تک نہ پہنچے[2]۔ (بخاری)

۱ے امور دین کی آسانی، عمل صالح کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدواری۔

۲ے اور کسی کا ناحق خون نہ گرائے، جب خون ناحق بہایا تو اس پر امور دین، عمل صالح کی توفیق اور امیدواری رحمت کا میدان تنگ ہو گیا۔

۳۳۰۰/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الدِّمَآءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں میں خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا[1]۔ (صحیحین)

۱ے اس جگہ بندوں کے حقوق میں حکم مراد ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حقوق کا تعلق ہے تو سب سے پہلے نماز کا حساب اور سوال کیا جائے گا جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔

۳۳۰۱ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ [1] اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَیَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّیْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَ اَقْتُلُهٗ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَطَعَ اِحْدٰى يَدَیَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَ اِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِیْ قَالَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اگر کسی کافر سے میرا سامنا ہو پھر ہم آپس میں جنگ کریں اور وہ تلوار کے وار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ دے، پھر مجھ سے بچ کر کسی درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا اور ایک روایت میں ہے جب میں اس کی طرف بڑھا تاکہ اسے قتل کر دوں تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا، تو کیا کلمہ پڑھنے کے بعد اسے قتل کر دوں۔؟ فرمایا: اسے قتل نہ کر، حضرت مقداد نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل نہ کر اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو بے شک وہ تیری جگہ ہے جہاں تو اسے قتل کرنے سے پہلے تھا[2] اور بتحقیق تو اس کی جگہ ہے جہاں وہ کلمہ طیبہ پڑھنے سے پہلے تھا۔ (صحیحین)

[1] حضرت مقداد بن اسود اکابر اور فضلاء و نجباء صحابہ کرام میں سے ہیں چھٹے نمبر پر اسلام لائے، حضرت علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے روایت کرتے ہیں غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ان کے والد کا نام عمرو بن ثعلبہ ہے وہ کندی تھے یا حضرمی، اسود بن عبد یغوث زہری کے حلیف تھے اسی سبب سے انہیں ابن اسود کہا جاتا ہے، بعض نے کہا کہ یہ اس کی آغوش میں رہے تھے کیونکہ اس نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا، بعض نے کہ اس کے غلام اور منہ بولے بیٹے تھے ابن عبد البر نے کہا کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

[2] یعنی اسلام لانے کی وجہ سے اس کا خون محفوظ ہے۔

سکہ یعنی وہ پہلے کافر اور واجب القتل تھا اور تم معصوم الدم تھے اور اب وہ مسلمان ہو گیا ہے تو وہ معصوم الدم ہو گیا لہٰذا اگر تم اسے قتل کرو گے تو تم واجب القتل ہو گے، لیکن اس کے قتل کا وجوب کفر کی وجہ سے تھا اور تمہارا قتل قصاص کی وجہ سے ہو گا، یہ تشبیہ کفر میں نہیں بلکہ قتل کے جائز ہونے میں ہے، اور اگر کفر ہی میں تشبیہ مراد ہو تو تغلیظ و تشدید مراد ہے اس لیے یہ لازم نہیں آئے گا کہ قتل کا مرتکب کافر ہے جیسے کہ خوارج کا مذہب ہے۔

۳۳۰۵ وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اُنَاسٍ مِّنْ جُھَیْنَۃَ فَاَتَیْتُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَذَھَبْتُ اَطْعَنُہٗ فَقَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَطَعَنْتُہٗ فَقَتَلْتُہٗ فَجِئْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَقَتَلْتَہٗ وَقَدْ شَھِدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِکَ تَعَوُّذًا قَالَ فَھَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃِ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْبَجَلِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِذَا جَآءَتْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَہٗ مِرَارًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہینہ[له] کی ایک جماعت کی طرف بھیجا۔ تو میں ان میں سے ایک شخص کے سر پر پہنچا اور اسے نیزہ مارنے لگا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ، میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ پھر میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ حالانکہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے دی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے جان بچانے کے لیے ایسا کیا، فرمایا: تم نے اس کے دل کو کیوں نہ چیر ڈالا۔ (صحیحین) حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی[له] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن آئے گا تو تم اس کا کیا انتظام[له] کرو گے؟ کئی دفعہ یہ ارشاد فرمایا۔ (مسلم)

۵۱ حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب اور مقرب بارگاہ تھے

۵۲ جہینہ جیم پر پیش، ہا پر زبر ایک قبیلے کا نام اُناسٌ ہمزہ پر پیش، لوگوں کی ایک جماعت۔

۵۳ باوجودیکہ وہ کلمہ اسلام پڑھ چکا تھا۔

۵۴ تاکہ تم اس کے دل کے حال کی تحقیق کرتے اور معلوم کرتے کہ کیا اس نے کلمہ طیبہ جان بچانے کے لیے پڑھا تھا یا اخلاص اور ایمان کی سچائی کے ساتھ پڑھا تھا ——— دل کا چیرنا اور اس شخص کے باطن کی حقیقت کا معلوم کرنا تو ممکن ہی نہ تھا لہٰذا ظاہر پر حکم کرتے ہوئے اس کے ایمان کا حکم کرنا چاہیے تھا۔

۵۵ جندب بن عبد اللہ بجلی بارادر جیم پر زبر، صحابی ہیں، حضرت حسن بصری اور ابن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں۔

۵۶ اور اس کلمہ کا کیا جواب دو گے؟ جب قیامت کے دن یہ کلمہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ اسے مخالف شخص کی شکل عطا فرمائے گا یا فرشتے، کلمہ طیبہ کی طرف سے جھگڑا کرنے کے لیے آئیں گے یا وہ شخص آئے گا جس نے کلمہ طیبہ پڑھا تھا۔

۵۷ حضرت اسامہ کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس شخص کو اجتہاد کی بنا پر قتل کیا تھا اور اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو مجتہد معذور ہوتا ہے، یا اس شخص نے مایوسی کی حالت میں اس وقت کلمہ پڑھا تھا جب تلوار چل چکی تھی، اس لیے حضرت اسامہ پر دیت لازم نہیں کی گئی ——— علماء کی ایک جماعت کے نزدیک صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ دینے سے مسلمان ہونے کا حکم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ نہ کہے، حضرت اسامہ پر واجب تھا کہ وہ ٹھہرتے اور اپنا ہاتھ روک لیتے تاکہ اس شخص کا حال معلوم ہو جاتا، حضرت اسامہ کو تشدید اور انکار کا سامنا اس لیے کرنا پڑا کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں حقیقت حال کے واضح ہو جانے تک توقف نہیں کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۳۰۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے معاہدہ کرنے[۱] والے کافر کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا[۲] حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال[۳] کی مسافت سے محسوس کی جائے گی۔

(بخاری)

سلہ جس نے امام سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا خواہ وہ ذمی ہو یا اس کے علاوہ، اس معنی کے اعتبار سے معاہد ہا کی زیر کے ساتھ ہے، ہا کی زبر کے ساتھ بھی روایت ہے یعنی وہ شخص جس کے ساتھ امام نے معاہدہ کیا ہے دونوں کا حاصل مطلب ایک ہی ہے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنا امام کے ساتھ معاہدہ کرنے کے حکم میں ہے۔

سلہ یرح اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یا اور را پر زبر، آخر میں بے نقطہ حا، رَاحَ یَرَاحُ سے (۲) یا پر زبر اور را کے نیچے زیر ہو رَاحَ یَرِیحُ سے، (۳) یا پر پیش اور را کے نیچے زیر ہو اَرَاحَ یُرِیحُ سے۔ سب کا معنی ایک ہے، تاہم پہلی صورت زیادہ بہتر اور زیادہ مشہور ہے۔

سلہ خریف سے مراد سال ہے کیونکہ موسم خریف (خزاں) سال میں ایک ہی ہوتا ہے، اور عرب سال کی ابتدا خریف سے کرتے ہیں اس مناسبت سے ذکر تو خریف کا کرتے ہیں، اور مراد سال لیتے ہیں ـــــ ایک روایت میں ستر سال اور ایک دوسری روایت میں سو سال اور موطا میں پانچ سو سال کا ذکر ہے، فردوس میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے، یہ اختلاف اعمال اور ان کے درجات کے اختلاف کے اعتبار سے ہے، اسی طرح علامہ سیوطی نے بیان کیا، بہشت کی خوشبو نہ پانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہی نہیں ہوگا جیسے کہ عرف میں اس عبارت سے سمجھا جاتا ہے، بلکہ اس ابتدائی وقت میں خوشبو کا نہ پانا مراد ہے جب صالحین اور مقربین جنت میں داخل ہوں گے، بعض شارحین نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جنت سے میدان محشر میں خوشبوئیں بھیجے گا تاکہ ان کے لیے وہاں ٹھہرنا آسان ہو جائے اور وہ لوگ اس میدان کی مصیبتوں سے راحت محسوس کریں اور بعض نافرمانوں کو ان سے محروم کر دیا جائے گا۔

۳۳۰۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَتَرَدّٰی فِیْهَا خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَّمَنْ تَحَسّٰی سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسُمُّهٗ فِیْ یَدِهٖ یَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَّمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جس نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں بلندی سے ہمیشہ ہمیشہ سلہ چھلانگ لگاتا رہے گا۔ اور جس نے زہر سلہ پی کر خودکشی کی تو زہر اس کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ جہنم کی آگ میں اسے ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا۔ اور جس نے لوہے کے ساتھ خودکشی کی تو اس کا لوہا اس کے

بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ فِيْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہاتھ میں ہوگا جسے وہ آتش دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔[5] (صحیحین)

[1] اَبَدًا خلود کی تاکید ہے

[2] سم سین پر زبر اور پیش دونوں آئے ہیں۔

[3] مثلاً چھری یا تلوار سے۔

[4] وجی اور وجار، واؤ کے نیچے زیر اور مد کے ساتھ، چھری گھونپنا ____ مطلب یہ ہے کہ خودکشی کرنے والا ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا جس کے ساتھ اس نے خودکشی کی ہے (یہ اس وقت ہے جب وہ حلال جان کر ایسا کرے، ورنہ نص قرآنی کے مطابق شرک کے علاوہ باقی گناہوں میں سے جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا بخش دے گا، لہٰذا خوارج اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے، ان کے نزدیک گناہگار ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ۱۲ قاری)۔

۳۳۰۵/۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ يَخْنُقُ نَفْسَهٗ يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ وَالَّذِيْ يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے[1] وہ آگ میں اپنا گلا گھونٹتا رہے گا۔ اور جو اپنے آپ کو نیزہ مارتا ہے وہ آگ میں اپنے آپ کو نیزہ ہی مارتا رہے گا۔ (بخاری)

[1] یَخْنُقُ۔ نون پر پیش ____ مراح میں ہے خنق، خناق اور اختناق کا معنی ہے گلا گھونٹنا۔

۳۳۰۶/۹ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَاَخَذَ

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کے زخم تھا۔ اس نے بے صبری کی اور چھری لے کر اس سے

سِكِّيْنًا فَجَزَّ بِهَا يَدَهٗ فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَادَرَنِيْ عَبْدِيْ بِنَفْسِهٖ فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اپنا ہاتھ کاٹ لیا، پس خون نہ رکا یہاں تک کہ وہ مرگیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے بندے نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے میں مجھ سے جلدی کی، پس میں نے جنت اس پر حرام کردی ہے۔ (صحیحین)

سلہ جرح جیم پر پیش ہو تو اس کا معنی خستہ ہونا زبر ہو تو اس کا معنی زخم ہے ۱۲ قادری) ۔۔۔۔۔ اس نے بے صبری کی اور وہ زخم کی تاب نہ لاسکا۔

سلہ حز بے نقطہ حا پر اور زا مشدد، سر اور کسی عضو کا کاٹنا، جیم کے ساتھ بھی روایت ہے جس کا معنی اُون اور کھجوروں کا قطع کرنا ہے۔

سلہ رقو آنکھ کے پانی اور خون کا رک جانا۔

سلہ خودکشی شریعت میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے، حقیقت میں یہ غیر کے ملک میں تصرف ہے، بندہ اپنے ظاہر و باطن اور جسم و روح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اسکا حق کیا پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں تصرف کرے اور اپنے آپ کو ہلاک کرے۔

۳۳۰۷ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ طُفَيْلَ بْنَ عَمْرِو الدَّوْسِيَّ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ وَهَاجَرَ مَعَهٗ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهٗ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهٗ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهٖ وَهَيْئَتُهٗ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهٗ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے آپ کی طرف ہجرت کی پس وہ شخص بیمار ہو گیا، اس نے بے صبری کی اور اس نے اپنے تیر لیے اور ان کے ساتھ اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیئے، تو اس کے دونوں ہاتھوں سے خون جاری ہو گیا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا، حضرت طفیل بن عمرو نے اسے خواب میں دیکھا اس کی حالت اچھی تھی اور دیکھا کہ اس نے دونوں ہاتھ ڈھانپ رکھے ہیں۔

غُفِرَ لِي بِهِجْرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت طفیل نے فرمایا تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے اس لیے بخش دیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر پوچھا کیا بات ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے دونوں ہاتھ ڈھانپ رکھے ہیں، کہنے لگے مجھے کہا گیا کہ ہم تیری اس چیز کو ہرگز درست نہیں کریں گے جسے تو نے تباہ کر دیا۔ حضرت طفیل نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے دعا مانگی یا اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔ (مسلم)

۱ طفیل طا پر پیش بن عمرو الدوسی دال پر زبر، دوس بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی طرف نسبت ہے حضرت طفیل صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ میں اسلام لائے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کی پھر اپنی قوم کے علاقے میں چلے گئے اور وہیں رہے۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے وصال تک بارگاہ اقدس میں حاضر رہے، سلاھ میں یمامہ میں شہید ہوئے، بعض نے کہا کہ حضرت عمر کی خلافت میں یرموک میں شہید ہوئے، ان کا شمار اہل حجاز میں ہے ان کا لقب ذوالنور تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قوم کے پاس بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے بطور کرامت کوئی نشانی عطا فرمائیں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت دوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی یا اللہ! اسے نور عطا فرما! ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا ہو گیا، انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے خوف ہے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ تو شکل کا بگاڑ ہے، وہ نور ان کے چابک میں منتقل ہو گیا تاریک رات میں ان کا چابک روشن ہو جاتا تھا، پھر انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ ان کے والد اسلام لے آئے لیکن والدہ مسلمان نہیں ہوئیں۔

۲ مشاقص جمع ہے مِشْقَص کی میم کے نیچے زیر، تیر کا لمبا چوڑا پھل یا وہ تیر جس میں اس قسم کا پھل ہو، قاموس میں ہے مشقص بروزن منبر، چھری اور بعض نے کہا بشرطیکہ وہ لمبی اور چوڑی ہو۔

۳ براجم جمع ہے بُرْجُمَۃ کی با اور جیم پر پیش، وہ جوڑ جو انگلیوں کی پشت پر ہوتے ہیں جہاں میل کچیل جمع

ہو جاتی ہے۔

ﷺ صراح میں ہے شُخْبٌ نقطہ والے شین پر پیش اور خار نقطے والی ساکن، وہ دودھ جو دوہنے کے وقت ایک دفعہ کھینچنے سے نکلے۔

ﷺ صراح میں ہے ہیئت پیکر اور شخصیت۔

ﷺ راہ ردیت سے مشتق صیغہ ماضی ہے اسی طرح تصحیح کردہ نسخے میں ہے اور ورار ہ کا معنی پیچھے ہے یعنی اسے اپنے پیچھے دیکھا۔

ﷺ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ﷺ خداوندا! جس طرح تو نے اس کے تمام اعضا کو بخشا ہے اسی طرح اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے ——— اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت حاصل ہوتی ہے اگرچہ ہجرت کرنے والا بعض ممنوعات کے ارتکاب میں مبتلا ہو۔

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت سے اسے بخش دیا جاتا ہے ——— احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وصال کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی زیارت ایسے ہی ہے جیسے حیات طیبہ ظاہرہ میں لہٰذا اس نعمت کے حصول کا امیدوار رہنا چاہیے اور غم کی گرہ دل سے کھول دینی چاہیے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ کا ارتکاب آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا موجب نہیں ہے جیسے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۳۳۰۸/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْکَعْبِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ اَنْتُمْ یَا خُزَاعَۃُ قَدْ قَتَلْتُمْ ھٰذَا الْقَتِیْلَ مِنْ ھُذَیْلٍ وَ اَنَا وَ اللّٰہِ عَاقِلُہٗ مَنْ قَتَلَ بَعْدَہٗ قَتِیْلًا فَاَھْلُہٗ بَیْنَ خِیَرَتَیْنِ اِنْ اَحَبُّوْا قَتَلُوْا وَاِنْ اَحَبُّوْا اَخَذُوا الْعَقْلَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ابو شریح کعبی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اے خزاعہ تم نے بے شک ہذیل کے اس مقتول کو قتل کیا ہے ﷺ اور بخدا! میں اس کی دیت دوں گا ﷺ اس کے بعد جس نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے وارثوں کو دو اختیار ہوں گے ﷺ (۱) اگر وہ پسند کریں تو قاتل کو قتل کر دیں (۲) اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں ﷺ (امام ترمذی)

وَالشَّافِعِيُّ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِإِسْنَادِهِ وَصَرَّحَ بِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ وَقَالَ وَأَخْرَجَاهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ يَعْنِي بِمَعْنَاهُ۔

شافعی، شرح السنۃ میں یہ حدیث امام شافعی کی سند کے ساتھ مذکور ہے اور انہوں نے تصریح کی کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں ابوشریح کی روایت سے نہیں ہے۔ اور کہا کہ صحیحین میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے باعتبار معنی کے مذکور ہے۔

ؔ۱ ابوشریح شین پر پیش، الکعبی یہ نسبت ہے کعب بن عمرو عدوی خزاعی کی طرف۔

ؔ۲ یہ حدیث اس خطبے کا تتمہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا، اس کا پہلا حصہ کتاب الحج کے باب حرم مکہ میں مذکور ہے ـــــــ ان دونوں قبیلہ خزاعہ نے دورِ جاہلیت میں قتل ہونے والے اپنے ایک فرد کے بدلے مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں قبیلوں میں فتنے کی آگ کو سرد کرنے کے لیے اس مقتول کی دیت ادا فرما دی۔

ؔ۳ عاقل مشتق ہے عَقْلٌ سے اور عقل کا معنی دیت دینا ہے، اصل میں عقل کا معنی ہے اونٹ کا باز و باندھنا اور اونٹ مقتول کے ولی کے صحن میں باندھے جاتے ہیں، نیز عقل کا معنی ہے منع کرنا اور باز رکھنا، اور دیت، قاتل کا خون بہانے سے روکنے والی ہے، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں شریعت کا قانون بیان فرمایا۔

ؔ۴ اسے دو حالتوں اور خصلتوں کے درمیان اختیار ہے خِيَرَة خاء کے نیچے زیر، یاء پر زبر، اختیار، صراح میں ہے اختیار کا معنی ہے منتخب کرنا اور خِيْرَة یاء کو ساکن پڑھا جا سکتا ہے۔ اور متحرک بھی، منتخب کیا ہوا کہا جاتا ہے۔ مُحَمَّدٌ خِيَرَةٌ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے منتخب کیے ہوئے ہیں۔

وہ دو حالتیں بعد میں بیان کی گئی ہیں۔

ؔ۵ اور اس سے قصاص لیں

ؔ۶ ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے اگر چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو دیت لے لیں، یہ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک دیت، قاتل کی رضا سے ثابت ہو گی امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے صحابہ کرام اور تابعین میں، اور حدیث کو دوسرے مذہب پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے (کہ دیت قاتل کی رضا سے ثابت ہو گی)۔

ؔ۷ یہ اعتراض ہے صاحب مصابیح پر، مصابیح اور شرح السنۃ دونوں امام بغوی کی تصنیف ہیں خود انہوں نے

شرح السنۃ میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیحین میں نہیں ہے اس کے باوجود یہ حدیث مصابیح کی فصل اول میں لائے ہیں حالانکہ پہلی فصل صحاح (صحیحین) کے لیے مختص ہے۔

۵ یعنی یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لفظ بلفظ مذکور نہیں ہے بلکہ اس کا معنی مذکور ہے: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیحین میں بالکل مذکور نہیں ہے نہ تو ابوشریح سے اور نہ حضرت ابوہریرہ سے۔

۳۳۰۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَاْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا؟ اَفُلَانٌ اَفُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَتْ بِرَاْسِهَا فَجِيْءَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَاْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا اس لڑکی سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے! کیا فلاں نے کیا ہے یا فلاں نے[۱]؟ یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا[۲] یہودی کو لایا گیا تو اس نے اقرار کر لیا[۳] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اقرار کے سبب اس کا سر کچلنے کا حکم دیا تو اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا[۴]۔ (صحیحین)

۱ ان لوگوں کا نام لیا گیا جن کے بارے میں اس فعل کا گمان تھا۔

۲ کہ ہاں اسی نے یہ کام کیا ہے۔

۳ صراح میں ہے کہ اعتراف کا معنی، گناہ کا اقرار کرنا ہے۔

۴ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے قتل کرنا موجب قصاص ہے۔ جس سے غالباً قتل واقع ہو جاتا ہو اور یہ اکثر علماء، ائمہ ثلاثہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہے امام اعظم کی دلیل وہ احادیث ہیں جو اس سلسلے میں وارد ہیں اور یہودی کو بطور سیاست قتل کیا گیا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نزعی بیان کی بنا پر قصاص نہیں لیا جائے گا اس کے لیے یا تو دو گواہ ہوں یا مجرم اقرار کرے، اگر یہودی انکار کر دیتا تو اس سے قسم لی جاتی، یہودی کو سیاست اور ملکی انتظام کے تحت قتل کیا گیا تھا نہ کہ بطور قصاص لہٰذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوگا کہ حدیث میں ہے۔ لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّيْفِ۔ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ کیونکہ یہودی اس قسم کے جرائم کا عادی مجرم تھا اسے تعزیر کے طور پر اسی کے طریق کار کے

مطابق قتل کیا گیا ۱۲ قادری)

۳۳۱۰/۱۳ وَعَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک کی پھوپھی حضرت ربیع ؓ نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا، وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے قصاص کا حکم ؔ دیا، حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا یا رسول اللہ بخدا اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انس! اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا ؔ قصاص ہے تو وہ لوگ راضی ہوگئے اور انہوں نے دیت ؔ قبول کرلی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے وہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کھا کر کچھ کہہ دیں ؔ تو اللہ تعالیٰ انہیں سچا کر دیتا ہے۔

(صحیحین)

لہ رُبیع را پر پیش، بار پر زبر یا مشددہ کے نیچے زیر ——— حضرت ربیع، مشہور صحابی حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ہیں ان کے والد کا نام نضر نقطے والے ضاد کے ساتھ، وہ مالک کے والد ہیں اور نضر حضرت انس کے دادا ہیں۔

سلہ کہ ربیع کا دانت بھی توڑنا چاہیے۔

سلہ یہ حضرت ربیع بنت نضر کے بھائی ہیں، حضرت انس بن مالک کا نام انہیں کے نام پر رکھا گیا تھا۔ حضرت انس بن نضر جلیل القدر صحابی ہیں، احد کے دن شہید ہوئے، اس روز ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے ۸۰ سے زیادہ زخم لگے اور انہوں نے فرمایا: میں احد پہاڑ کی طرف سے جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، پھر آگے

بڑھ کر مشرکین کے قلب پر حملہ کر دیا اور شہید ہو گئے ــــــ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قصاص کے طور پر ربیع کا دانت توڑنے کا حکم دیا تو حضرت انس بن نضر نے کہا بخدا! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا یا انہوں نے ہونے والے واقعے کی خبر دی کہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا اور اس خبر کا انہوں نے قسم کے ساتھ اس لیے پختہ کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر پختہ وثوق تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جو امید کی شمع روشن کر دی تھی اس کا انہیں یقین تھا، ماشاء و کلا! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کا انکار اور اس کا رد کرنے کے طور پر یہ بات ہرگز نہیں کہی تھی۔

تے اور اس کا حکم قصاص ہے اور میں نے اس کا فیصلہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہے وہ جو چاہے کرے۔

شہ صراح میں ہے کہ ارش، زخموں کی دیت کو کہتے ہیں۔

ئے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے اور وہ کام کر دیتا ہے اس کا مقصد حضرت انس بن نضر کی تعریف ہے کہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔

۳۳۱۱/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَلِیًّا هَلْ عِنْدَکُمْ شَیْءٌ لَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ فَقَالَ وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَءَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا فَهْمًا یُّعْطٰی رَجُلٌ فِیْ کِتَابِهٖ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قُلْتُ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِکَاكُ الْاَسِیْرِ وَاَنْ لَّا یُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا فِیْ کِتَابِ الْعِلْمِ۔

حضرت ابو جحیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہیں ہے تو انہوں نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو چیرا[2] اور انسان کو[3] پیدا کیا ہمارے پاس صرف وہی چیز ہے جو قرآن میں ہے، مگر کتاب اللہ کا وہ فہم جو کسی شخص کو دیا جائے[4] اور صحیفہ[5] میں ہے میں[6] نے عرض کیا کہ صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا، (۱) دیت[7] (۲) قیدی کو رہائی دلانے کا حکم[8] اور (۳) یہ کہ مسلمان کو کافر[9] کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ (بخاری) حضرت ابن مسعود کی حدیث کہ کسی جان کو ظلماً قتل نہ کیا جائے۔ کتاب العلم میں بیان کی جا چکی ہے۔

۵۱ ابو جحیفہ جیم پر پیش، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کم عمر صحابہ میں سے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب نے انہیں کوفہ کے بیت المال کا منتظم مقرر کیا، تمام جنگوں میں ان کے ساتھ رہے اور ۷۴ھ میں کوفہ میں وصال ہوا

۵۲ اور اس سے سبزہ نکالا۔

۵۳ اور ہر جاندار کو پیدا کیا ——— نَسَمَۃٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، انسان، جان اور حرکت کرنے والے ہر حیوان کو کہتے ہیں۔

۵۴ جس کے ساتھ وہ معانی کا استنباط کرتا ہے، اور ایسے اشارات، مخفی علوم اور باطنی اسرار معلوم کرتا ہے جو علماء راسخین پر ظاہر ہوتے ہیں اور ارباب یقین عارفین پر منکشف ہوتے ہیں۔

۵۵ یعنی تحریر میں کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کے غلاف میں ایک تحریر تھی جس میں بعض ایسے احکام تھے جو قرآن کریم میں لکھے ہوئے نہ تھے۔

۵۶ حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ سے پوچھا

۵۷ یعنی دیت کے احکام

۵۸ فکاک فاء پر زبر، اور ایک روایت میں زبر ہے۔ آپس میں پیوست ہونے والی دو چیزوں کا ایک دوسرے سے الگ کرنا اور چھڑانا۔

۵۹ خواہ وہ کافر ہو یا ذمی ہو یا حربی، یہ بہت سے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے، علمائے ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا، بہت سے ائمہ اس کے قائل ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے ——— کہتے ہیں کہ اس تحریر میں احکام مذکورہ کے علاوہ بھی بہت سے احکام تھے، لیکن اس جگہ ان کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس باب میں مقصود، قصاص اور دیت ہے اور قیدی کو رہائی دلانا اس کے مناسب ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو کچھ ایسے علوم اور اسرار کے ساتھ خاص کیا تھا جو دوسروں کے سامنے بیان نہیں فرمائے تھے اور یہ امر بعید نہیں ہے کیونکہ تمام علوم و اسرار اور حقائق و معارف سب صحابہ کے درمیان مشترک نہ تھے، لازمی بات ہے کہ بعض مقرب صحابہ، بعض اسرار و معانی کے ساتھ مختص تھے جو دوسروں کے پاس نہ تھے، جیسے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاحب سر (صاحب راز) کہا جاتا ہے۔ ہاں احکام شرعیہ، اوامر و نواہی کسی سے مخفی نہ تھے اور بعض صحابہ کو ان کے

ساتھ مخصوص نہیں فرمایا، اگر کچھ صحابہ حاضر ہوتے اور کچھ غائب تو حاضرین کو فرماتے کہ ان تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔ لہٰذا جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی چیز احکام میں سے ایسی ہے جو قرآن پاک میں نہیں ہے تو فرمایا: قرآن سب سے بڑا کل ہے اور بالقوہ اور اجمالی طور پر تمام علوم کا جامع ہے، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہتی لیکن اگر کسی کو اس کا فہم اور اس سے معانی و مطالب حاصل کرنے کی قوت دے دی جائے تو یہ بعید نہ ہوگا، یہ فہم بعض کو حاصل ہوتا ہے اور بعض کو حاصل نہیں ہوتا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از راہ تواضع و ادب یہ تصریح نہیں فرمائی کہ یہ میرے ساتھ خاص ہے اور واقع میں علی الاطلاق خاص بھی نہیں ہے بلکہ اس کے مختلف مراتب اور درجات ہیں جن میں سے بعض، بعض سے بلند و برتر ہیں، اور اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں سے کامل حصہ عطا فرمایا گیا ہے جو بہت سے صحابہ کو عطا نہیں کیا گیا اور یہ امر اضافی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

$\frac{3312}{15}$ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ وَوَقَفَهٗ بَعْضُهُمْ وَهُوَ الْاَصَحُّ۔ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا فنا ہو جانا آسان ہے ایک مسلمان مرد کے قتل[1] سے۔ (امام ترمذی، نسائی) بعض نے اسے موقوف[2] قرار دیا ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

[1] قتل کرنے یا قتل کیے جانے سے ——— اس میں مبالغہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے عارف مسلمان کے باقی رہنے کی تعریف ہیں، اس لیے کہ وہ مخلوق کے پیدا کرنے کا مقصود ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اسرار کا مظہر ہے، عالم محسوسات میں اس کے علاوہ زمین و آسمان وغیرہ جو کچھ ہے وہ اسی کے لیے مقصود ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا۔ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۶۵/۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ان کے برابر زمینیں، ان میں حکم نازل ہوتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے لہٰذا مسلم سے مراد وہ کامل مسلمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف اور احکام و آیات کا عالم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۲ بعض راویوں نے کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔

۵۳ اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، یہ امام ترمذی کا کلام ہے۔

۳۳۱۳/۱۶ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان و زمین کے تمام رہنے والے ایک مومن کا خون بہانے میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

۱ بعض محدثین نے فرمایا: صحیح لَكَبَّهُمُ اللّٰهُ ہے نہ کہ اَكَبَّهُمْ کیوں کہ اَكَبَّ کا معنی چہرے کے بل گرتا ہے اور كَبَّ کا معنی چہرے کے بل گرانا ہے (یعنی باب افعال لازم ہے اور مجرد متعدی ۱۲ قادری) انہوں نے کہا کہ اَكَبَّهُمْ بعض راویوں کا سہو ہے، علمائے لغت نے اسی طرح کہا ہے، لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ جو حدیث شریف میں ہے وہی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا ہے تو کہنا پڑے گا کہ علمائے لغت نے جو کہا ہے وہ غلط ہے۔

۳۳۱۴/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيْءُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ نَاصِيَتُهٗ وَرَاْسُهٗ بِيَدِهٖ وَاَوْدَاجُهٗ تَشْخَبُ دَمًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مقتول، قاتل کی پیشانی کے بال اور اس کے سر کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے اس حال میں آئے گا کہ مقتول کی گردن کی رگیں ۱ خون بہا رہی ہوں گی اور کہے گا۔

قَتَلَنِیْ حَتّٰی یُدْنِیَهٗ مِنَ الْعَرْشِ۔ پروردگار! اس نے مجھے قتل کیا تھا یہاں تک کہ مقتول قاتل کو عرش کے قریب کرے گا[۳]

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[۱] اَوْدَاج جمع ہے وَدَجْ کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر۔ یہ گردن کا احاطہ کرنے والی رگیں ہیں جنہیں ذبح کرنے والا قطع کرتا ہے۔ تَشْخَبُ۔ نقطے والے شین اور خاء کے ساتھ باب فتح اور نصر سے۔

[۲] یعنی میری فریاد کو قبول فرما۔

[۳] جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کبریائی کے ظہور کی خاص جگہ ہے۔ بطور کنایہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مقتول اپنے حق کا مطالبہ کس زور و شور سے کرے گا اور کس شدت سے انتقام لے گا۔

۳۳۱۵/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ یَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلٰثٍ زِنًا بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْ كُفْرٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَیْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهٖ فَوَاللّٰهِ مَا زَنَیْتُ فِیْ جَاهِلِیَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُّ مُنْذُ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ فَیَمَ

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف[۱] روایت کرتے ہیں کہ گھر کے محاصرے کے[۲] دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر جھانکا اور فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم[۳] دے کر کہتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون گرانا جائز نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے (۱) محصن[۴] ہونے کے بعد زنا کرنا (۲) اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا[۵] (۳) کسی کو ناحق قتل کرنا جس کے بدلے اسے قتل کیا جائے[۶]۔ خدا کی قسم! میں نے جاہلیت میں زنا کیا اور نہ ہی اسلام میں اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی اس وقت سے میں مرتد بھی نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے

تَقْتُلُوْنَنِیْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَلِلدَّارِمِيِّ لَفْظُ الْحَدِيْثِ)

کسی جان کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا، پھر تم مجھے کس سبب سے قتل کرتے ہو؟ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام دارمی نے الفاظ حدیث روایت کیے ہیں

۵۱ ابو امامہ ہمزہ پر پیش بن سہل بن حنیف حا پر پیش، نون پر زبر، ان کا نام اسعد ہے لیکن کنیت سے مشہور ہوئے۔ ان کی ولادت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان میں آپ کے وصال سے دو سال پہلے ہوئی، ان کا نام اور ان کی کنیت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھی، کم عمری کے باعث آپ کی احادیث نہیں سن سکے، اسی لیے ان کا ذکر صحابہ سے بعد والے لوگوں میں کیا گیا ہے، ابن عبد البر نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے اور اس کے بعد کہا کہ وہ جلیل القدر علماء اور افاضل تابعین میں سے ہیں، اپنے والد اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں ۱۰۰ھ میں وصال ہوا۔

۵۲ یعنی اس دن کہ کچھ لوگوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کیا اور ارد گرد جمع ہو گئے ــــــ اشراف کا معنی ہے اوپر سے نیچے دیکھنا۔

۵۳ انشد ہمزے پر زبر اور شین پر پیش۔

۵۴ یعنی اس شرط کے ساتھ کہ زانی محصن ہو یعنی وہ آزاد اور مکلف مسلمان ہے جس نے نکاح صحیح سے وطی کی ہو۔

۵۵ یعنی مرتد ہو جانا۔

۵۶ قصاص کے طور پر۔

۵۷ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ الحدیث انہوں نے محاصرہ کے دن حضرت عثمان غنی کے اوپر سے مخاطب کرنے کا واقعہ بیان نہیں کیا۔

۳۳۱۶/۱۹ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ہمیشہ تیز رفتار[۱] اور نیکی کرنے والا ہوتا ہے جب تک وہ حرام خون کو نہ پہنچے پس جب وہ خونِ حرام کو پہنچ جاتا ہے تو سست رفتار[۲] ہو جاتا ہے (ابو داؤد)

له اور جلدی کرنے والا ہوتا ہے اطاعت اور نیکیوں کے حاصل کرنے میں ـــــــ معنق میم پر پیش عین ساکن، اعناق سے مشتق ہے جس کا معنی جلدی کرنا ہے۔

له اور ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے۔ نیکیوں کے حاصل کرنے میں اس گناہ کی نحوست کی وجہ سے، پس قتل کا خاص تعلق ہے توفیق سے رکنے اور دل کے سیاہ ہونے سے، اگرچہ تمام گناہوں کا یہی حال ہے، لیکن قتل کا گناہ اس معاملے میں سب سے سخت ہے ـــــــ بلحؔ تھک گیا اور نیکی سے منقطع ہوگیا اور بلّحؔ لام کی تشدید کے ساتھ مبالغہ اور تکثیر کے لیے ہے، لام کی تخفیف کے ساتھ بھی روایت ہے۔

۳۳۱۷ وَعَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَهُ اِلَّا مَنْ مَّاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ مُّعَاوِيَةَ)
۲۰

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرما دے سوائے اس شخص کے جو حالت شرک میں مرگیا یا اس شخص کے جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا[له] (ابو داؤد، نسائی نے یہ حدیث حضرت معاویہ سے روایت کی ہے)

له اس میں انتہائی تشدید اور سختی ہے اور اس کی تاویل اہل سنت کے نزدیک مشہور ہے، بعض محدثین اس طرف گئے ہیں کہ جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کی آگ ہے، انہوں نے ظاہر آیت کو سامنے رکھا ہے اگرچہ اسے کافر نہیں کہتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

له امام ابو داؤد نے یہ حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

۳۳۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)
۲۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حدیں[له] مسجدوں میں قائم نہیں کی جائیں گی اور بیٹے کو قتل کرنے کے سبب باپ کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

(ترمذی، دارمی)

لہ مثلاً زنا اور چوری وغیرہ کی حدیں مسجدوں میں قائم نہیں کی جائیں گی قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کیونکہ مسجدیں صرف فرض نماز اور اس کے تابع، نفلی نمازوں ذکر اور تدریس علوم کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ یہ حکم سب مسجدوں کے بارے میں ہے اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے مسجد حرام میں پناہ لے لے تو اس کا کھانا پانی وغیرہ بند کر کے اس کا دائرہ تنگ کیا جائے گا تاکہ وہ بے بس ہو کر باہر نکل آئے پھر اسے قتل کریں گے یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اسے حرم میں قصاصاً قتل کرنا جائز ہے۔

۵۲ قود پہلے دونوں حرف متحرک، قاتل کو بدلے میں قتل کرنا، اس جگہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے تو اس سے قصاص لیں گے کیونکہ یہ بلاشبہ قتل عمد ہے، اور یہ جرم ہونے کی حیثیت سے زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں قطع رحمی بھی پائی گئی ہے اور اگر تلوار مارے تو قصاص نہیں ہے کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ اس نے ادب سکھانے کے لیے مارا ہو قتل کے ارادے سے نہ مارا ہو ۱۲ قادری)

۳۳۱۹ / ۲۲ وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا الَّذِیْ مَعَكَ قَالَ ابْنِیْ اِشْهَدْ بِهٖ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَا یَجْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِیْ اَوَّلِهٖ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی اَبِی الَّذِیْ بِظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِیْ اُعَالِجُ الَّذِیْ بِظَهْرِكَ فَاِنِّیْ طَبِیْبٌ فَقَالَ اَنْتَ رَفِیْقٌ وَاللّٰهُ

حضرت ابورمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ میرے والد نے کہا یہ میرا بیٹا ہے، آپ اس کے گواہ ہو جائیں ۔ آپ نے فرمایا، خبردار بے شک وہ تم پر جرم نہیں کرے گا اور تم اس پر جرم نہیں کرو گے ۔ (ابو داؤد، نسائی) شرح السنۃ میں اس کی ابتداء میں اضافہ کیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے وہ چیز دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پشت میں تھی تو انہوں نے عرض کیا مجھے اس چیز کا علاج کرنے دیجیے،

(الطَّبِیْبُ) جو آپ کی پشت میں ہے کیونکہ میں طبیب ہوں ^۵^ آپ نے فرمایا: تم رفیق ہو ^۶^۔ اور اللہ تعالیٰ طبیب حقیقی ہے ^۷^۔

^۱^ ابو رمثہ راء کے نیچے زیر، میم ساکن، اس کے تین نقطوں والی ثاء ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا رفاعہ فاء کے ساتھ، بعض نے کہا عمارہ بن یثربی تیمی، تیم رباب کی نسبت سے یا تیمی امرالقیس کی اولاد میں سے ہے۔

^۲^ یعنی آپ گواہ ہو جائیں کہ یہ میرا حقیقی بیٹا ہے، گواہ بنانے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے جرائم ان پر لازم کر دیں جیسے کہ دورِ جاہلیت کی رسم تھی کہ باپ اور بیٹے میں سے کوئی ایک جرم کرتا تو اس کے بدلے دوسرے کو پکڑ لیتے، اسی لیے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی۔

^۳^ یعنی تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے جرم کے سبب پکڑا نہیں جائے گا نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔

^۴^ یعنی مہر نبوت اور وہ کبوتر کے انڈے کی صورت میں ابھرا ہوا گوشت تھا حضرت ابو رمثہ کے والد نے گمان کیا کہ یہ کوئی پھوڑا ہے جو جسم کی غیر ضروری رطوبتوں سے پیدا ہوا ہے۔

^۵^ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہالت اور بے تمیزی پر مبنی یہ بات اور طب اور اس میں مہارت کا دعویٰ پسند نہیں آیا اس لیے فرمایا کہ تم رفیق ہو۔

^۶^ کہ تم علاج میں مریض کے ساتھ مہربانی اور نرمی ملحوظ رکھتے ہو اور اسے پہنچنے والی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہو، یہ نہیں کہ تم اس میں شفا پیدا کرتے ہو۔

^۷^ اور شفا کا پیدا کرنے والا، اس جگہ طبیب کا معنی شفا دینے والا ہے۔ مشاکلت کی بنا پر طبیب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

(خیال رہے کہ اس جگہ طبیب کا معنی شافی مطلق ہے نہ کہ فن طب سیکھا ہوا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا شرعاً درست نہیں ہے کہ یہ لفظ طبابت کا پیشہ کرنے والوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کو مُعلّم نہیں کہہ سکتے اگرچہ وہ خود فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کیونکہ معلم عموماً تنخواہ دار مدرسین کو کہا جاتا ہے اور جو لفظ دو معنی رکھتا ہو اچھے اور برے اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔

۱۲ مرآۃ بحوالہ مرقاۃ)

۳۳۲۰/۲۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيدُ الْأَبَ مِنِ ابْنِهِ وَلَا يُقِيدُ الِابْنَ مِنْ أَبِيهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت سراقہ بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ باپ کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور بیٹے کا قصاص اس کے باپ سے نہیں لیتے تھے۔[۲]

(امام ترمذی) امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا[۳]۔

[۱] سراقہ بن مالک صحابی ہیں، یہ وہ شخص ہیں جنہیں اہل مکہ نے ہجرت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے جانے کے لیے مقرر کیا تھا، جب قریب پہنچ گئے تو ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تب انہوں نے امان چاہی، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، پھر پلٹ گئے، اس وقت انہیں اسلام لانے کی توفیق نہیں ہوئی، فتح مکہ کے موقع پر شرف باسلام ہوئے۔

[۲] یعنی اگر بیٹا باپ کو قتل کر دیتا تو قصاص لیتے اور اگر باپ بیٹے کو قتل کر دیتا تو قصاص نہیں لیتے تھے۔

[۳] اور کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ حدیث صرف حضرت سراقہ سے اور صرف اس سند سے مروی ہے، اس کی سند صحیح نہیں ہے اور اس میں اضطراب ہے لیکن اہل علم کا عمل اس پر ہے کہ باپ بیٹے کو قتل کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور قذف کرے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔

۳۳۲۱/۲۴ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت حسن بصری، حضرت سمرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کے اعضاء کاٹے ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے[۲]

(امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

وَزَادَ النَّسَآئِیُّ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَمَنْ خَصٰی عَبْدَہٗ خَصَیْنَاہُ۔

امام نسائی نے ایک اور روایت میں اضافہ کیا کہ جس نے اپنے غلام کو خصی کیا ہم اسے خصی کریں گے۔[۳]

[۱] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، بصرہ میں مقیم ہوئے حضرت حسن بصری اور دیگر حضرات نے ان سے حدیث سنی اور روایت کی۔

[۲] صراح میں ہے کہ جدع کا معنی ہے ناک، کان، ہاتھ اور ہونٹ کا کاٹنا۔

[۳] ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے بدلے، مولا کو قتل نہیں کیا جائے گا اور یہ حدیث زجر اور سختی کے طور پر وارد ہے، تاکہ لوگ اس سے باز آئیں اور اس پر جرات نہ کریں، جیسے کہ شراب پینے والے کے بارے میں فرمایا: چوتھی یا پانچویں مرتبہ اسے قتل کر دو، حالانکہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چوتھی یا پانچویں مرتبہ شراب پینے والے کو لایا گیا تو آپ نے اسے قتل نہیں کیا ـــــــ بعض علماء نے فرمایا کہ وہ غلام مراد ہے جسے آزاد کر دیا گیا ہو، اسے سابق حال کے مطابق غلام کہا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم اللہ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا ـــــــ کتاب خرقی میں روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور ان کا نام مسلمانوں کے حصے سے کاٹ دیا لیکن اس سے قصاص نہیں لیا اور حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے ـــــــ کسی دوسرے کا غلام قتل کرنے پر آزاد کو قتل کرنے میں اختلاف ہے: ہمارا مذہب یہ ہے کہ آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح آزاد کے بدلے غلام کو بھی قتل کیا جائے گا، باقی تین ائمہ کے نزدیک غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ـــــــ اس کی تحقیق شرح میں کی گئی ہے۔

۳۳۲۲/۲۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰی اَوْلِیَآءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَآءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَآءُوْا اَخَذُوا الدِّیَۃَ وَھِیَ ثَلٰثُوْنَ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر قتل کیا اسے مقتول کے رشتہ داروں[۱] کے سپرد کیا جائے گا، اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں

حِقَّةً وَّ ثَلٰثُوْنَ جَذَعَةً وَّ اَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَّ مَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔

اور وہ تیس حقہ[2]، تیس جذعہ[3] اور چالیس خلفہ[4] ہیں اور جس پر صلح کر لیں وہ ان کے لیے ہے[5]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (امام ترمذی)

[1] اور اس کے کاروبار میں تصرف کرنے والے دوستوں کے سپرد کر دیا جائے گا

صراح میں ہے ولی، دوست، کسی کے حق میں تصرف کرنے والا ——— اتنا حکم پہلی فصل میں حضرت ابو شریح کی حدیث میں گزر چکا ہے، اس حدیث میں یہ بھی بیان فرمایا کہ دیت کتنی ہے؟

[2] حقہ حا کے نیچے زیر ——— دیت سو اونٹ ہے، ان میں تیس حقہ ہوں گے جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکے ہوں۔

[3] جذعہ ذال پر زبر ——— جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو۔

[4] خلفہ خا پر زبر اور لام کے نیچے زیر ——— حاملہ اونٹنی۔

[5] اصل دیت جو مقتول کے رشتہ داروں کا حق ہے سو اونٹ ہے اور اگر اس سے کم کسی چیز پر صلح کر لیں تو وہی چیز واجب ہو گی ——— یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور امام محمد بھی ان سے متفق ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک سو اونٹ لازم ہیں جو چار قسموں پر مشتمل ہوں گے، پچیس بنت مخاض (دوسرے سال میں داخل)، پچیس بنت لبون (تیسرے سال میں داخل)، پچیس حقے (چوتھے سال میں داخل) اور پچیس جذعہ (پانچویں سال میں داخل) ان میں حاملہ داخل نہیں ہیں، ان کی دلیل حضرت ثابت بن یزید کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار قسموں پر مشتمل سو اونٹوں کا حکم دیا اور جس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے وہ ثابت نہیں ہے کیونکہ دیت میں صحابہ کا اختلاف پایا جاتا ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہوتا، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرف ہیں۔ شرح میں شروح ہدایہ کے حوالے سے اس کی تحقیق کی گئی ہے[1]۔

---

[1] یاد رہے کہ عورت کے قتل خطا کی دیت مرد سے آدھی ہے غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بیہقی اور عبدالرزاق کے حوالے سے مرد کی نسبت عورت کی دیت کے نصف ہونے پر احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قرآن کریم میں لفظ دیت کے اجمال کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں ہمارے سامنے آ گئی کہ قتل خطا کی صورت میں مرد کی دیت کی مقدار سو اونٹ ہے اور عورت کے (حاشیہ بقیہ صفحہ آئندہ)

۳۳۲۳ — ۲۴

وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَؤُ دِمَآءُهُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے خون برابر ہیں[1] اور مسلمانوں کے معاہدہ کے لیے ادنیٰ مسلمان[2] کام کرے گا اور دور کا آدمی ان پر رد کرے[3] گا، اور مسلمان اپنے مقابل پر ایک ہاتھ کے حکم میں ہیں[4] خبردار! مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور ذمی جب تک ذمی ہے اسے قتل نہیں کیا جائے گا[5]۔ (ابو داؤد، نسائی)

امام ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

[1] قصاص اور دیت میں، اس سلسلے میں معزز کو عام آدمی پر، بڑے کو چھوٹے پر، عالم کو جاہل پر اور مرد کو عورت پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ جب کہ دورِ جاہلیت کی عادت اس کے خلاف تھی، کہتے ہیں کہ یہ ان احکام میں سے ایک حکم ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفے میں تھے (مطلب یہ ہے کہ مقتول مرد ہو یا عورت، اس کا قصاص لیا جائے گا یا دیت، اس معاملے میں دونوں برابر ہیں اگرچہ عورت کے قتل کی دیت، مرد سے آدھی ہے، جیسے کہ اس سے پہلے حاشیہ میں بیان ہوا ۱۲ قادری)۔

[2] مثلاً عورت اور غلام، یعنی اگر عورت یا کسی معمولی مرد نے کافر کو امن دے دیا اور اس سے معاہدہ کر لیا تو دوسروں کو اس سے توڑنے کا حق نہیں پہنچتا

[3] یعنی مال غنیمت ——— مطلب یہ ہے کہ جو دور والا ہے گا اسے قریب والے کو پہنچائے گا یہ اس صورت میں ہے کہ مسلمانوں کا لشکر جہاد کے لیے نکلا اور ایک دستہ، امام کے لشکر سے جدا ہو گیا اور دور نکل گیا جب کافروں کے شہروں میں پہنچا تو اسے مال غنیمت مل گیا، اسے چاہیے کہ یہ مال غنیمت اس لشکر تک پہنچائے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قتلِ خطا میں دیت کی مقدار مرد کی دیت کا نصف ہے یعنی پچاس اونٹ (اسلام میں عورت کی دیت ص ۱۱۱) مزید فرماتے ہیں یہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اجماع سکوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ائمہ اربعہ اور ان کے سب متبعین بلکہ تمام محدثین عورت کی نصف دیت پر متفق ہیں (ص ۳۷) ۱۲ قادری۔

ان کے پیچھے ہے اور دشمن کے شہروں تک نہیں پہنچا، ایسا نہ ہو کہ وہ دستہ یہ مال اپنے لیے مختص کر لے، بلکہ لشکر کے تمام افراد اس میں شریک ہیں ـــــــــ نہایہ میں یہی معنی بیان کیا گیا ہے اور قاضی ناصرالدین بیضاوی کا بھی یہی مختار ہے، یہ معنی صحیح ہے، البتہ غنیمت کے مراد لینے اور اس سے مقدر نکالنے پر عبارت دلالت نہیں کرتی ـــــــــ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کے شہروں سے دور رہنے والے بعض مسلمان کسی کافر کو امن دے دیں تو کسی کو اسے توڑنے کا حق نہیں ہے اگرچہ وہ ان شہروں کے قریب ہی رہنے والا ہو۔

؎۴ نصرت و امداد کرنے، اتفاق برقرار رکھنے اور اختلاف نہ کرنے میں ـــــــــ اپنے ماسوا یعنی کافروں کے مقابل ـــــــــ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک ہاتھ کے اجزاء میں حرکت کرنے اور پکڑنے میں اختلاف نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو باہم متفق ہونا چاہیے۔

؎۵ یعنی ذمی جب تک ذمی ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے ذمی ہونے کے مخالف ہو ـــــــــ معلوم ہوا کہ ذمی کا قتل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان اسے قتل کر دے تو اس مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کر دینا چاہیے جیسے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے حدیث شریف میں جو فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا تو اس کافر سے مراد کافر حربی ہے۔

۳۳۲۲/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْخُزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اُصِیْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَ الْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلٰثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ بَیْنَ اَنْ یَقْتَصَّ اَوْ یَعْفُوَ اَوْ یَاْخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا فِیْهَا مُخَلَّدًا اَبَدًا (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو شریح خزاعی؎۱ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا خون بہایا گیا یا جسے خبل؎۲ پہنچایا گیا، خبل کا معنی زخم ہے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اگر وہ چوتھے کام کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو؎۳ (۱) وہ قصاص لے۔ (۲) معاف کر دے یا (۳) دیت لے لے اگر ان میں؎۴ سے کچھ لے لے پھر اس کے بعد زیادتی کرے؎۵ تو اس کے لیے آگ ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

(دارمی)

لہ ابوشریح خزاعی یہ وہی ابوشریح خزاعی کعبی ہیں جن کا ذکر پہلی فصل میں گزرا، ان کو خزاعی اور عدوی بھی کہتے ہیں جیسے کہ ہم نے اسی جگہ اشارہ کیا تھا۔

؎۲ خبل نقطے والی خار پر زبر، با ساکن، زخم ـــــــــ خبل کا اصل معنی فساد ہے اور یہ افعال، ابدان اور عقلوں میں ہوتا ہے ـــــــــ مطلب یہ ہے کہ جس کا رشتے دار قتل کر دیا جائے یا زخمی کر دیا جائے تو اسے تین خصلتوں یا تین فعلوں میں سے ایک کا اختیار ہے ـــــــــ یا جو شخص قتل یا زخمی کر دیا جائے اس کے ولی کو تین خصلتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (خلاصہ یہ کہ اس جملے کی ابتدا یا آخر میں ایک لفظ مقدر ہے ورنہ جو قتل کر دیا گیا وہ تین میں سے کوئی ایک خصلت کیسے اختیار کر سکتا ہے۔ ۱۲ قادری)

؎۳ اور اسے وہ کام نہ کرنے دو۔

؎۴ مذکورہ تین خصلتوں میں سے۔

؎۵ مثلاً پہلے معاف کر دے پھر دیت یا قصاص کا مطالبہ کرے۔

۳۳۲۵ وَعَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ فِيْ رَمْيٍ يَكُوْنُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ اَوْ جَلْدٍ بِالسِّيَاطِ اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ خَطَاءٌ وَعَقْلُهٗ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهٗ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت طاؤس لہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بلوے ؎۲ میں قتل کیا گیا، ان کے درمیان سنگ باری تھی ؎۳ یا چابک مارنے ؎۴ سے یا لاٹھی مارنے سے تو یہ قتل، قتل خطا کے حکم میں ہے ؎۵ اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے ؎۶ اور جسے جان بوجھ کر قتل کیا گیا تو وہ قتل موجب قصاص ہے ؎۷ اور جو اس کے آگے حائل ہو ؎۸ تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ناراضگی ہے، اس کا فرض مقبول ہے اور نہ ہی نفل ؎۹۔ (امام ابوداؤد، نسائی)

لہ طاؤس یہ وہی لفظ ہے جو مشہور پرندے (مور) کا نام ہے۔ ـــــــــ یہ بزرگ یمانی تھے مشہور امام اکابر تابعین، اصحاب فضیلت اولیاء اور یمن کے عابدوں اور ان کے سرداروں میں سے تھے، اصل میں فارس کی اولاد میں سے تھے، چالیس حج کیے مقبول الدعوات تھے کہتے ہیں کہ ان کا نام ذکوان ہے اور طاؤس لقب

ہے، منقول ہے کہ ایک ٹھنڈی صبح جب کہ بادل گھرے ہوئے تھے اور ہوائیں چل رہی تھیں وہ نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرا اس کے حکم پہ ایک بیش قیمت چادر ان پر ڈال دی گئی، انہوں نے سر تک اٹھا کر نہ دیکھا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے اسلام پھیرنے کے بعد کندھوں پر چادر دیکھی تو اسے جھٹک کر پھینک دیا اور اس پر نظر ڈالے بغیر گھر چلے گئے۔ اکثر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحبت میں رہے۔

سے۲ عِمِّیّا عین کے نیچے زیر، میم اور یا مشدد، عمی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نابینا ہونا، اور جہالت یعنی ایسی حالت میں قتل کیا گیا کہ اس کا حال مشتبہ ہے اور نہ تو قاتل کا پتا چلتا ہے اور نہ ہی قتل کا۔ عین پر زبر اور پیش بھی آیا ہے۔

سے۳ یعنی وہ لڑ رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے کہ اچانک ایک پتھر لگا اور وہ مارا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر سے مارا گیا بلکہ پتھر کی قید بھی اتفاقی ہے، مراد یہ ہے کہ بھاری چیز سے قتل، دیت کا واجب کرنے والا ہے نہ کہ قصاص کا۔

سے۴ جَلدٌ جیم پر زبر، چابک مارنا سیاط جمع ہے سوط کی، چابک، کوڑا۔

سے۵ اگرچہ عمداً ہی ہو۔

سے۶ فقہا اسے شبہ عمد کہتے ہیں، لوہے کے علاوہ کسی چیز سے قتل کرنے کو شبہ عمد کہتے ہیں اگر چہ اس چیز سے غالباً قتل واقع ہو جاتا ہو، یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے عمداً قتل کرے جس سے عموماً قتل واقع نہیں ہوتا، اور اگر ایسی چیز سے قتل کیا ہے جس سے غالباً قتل واقع ہو جاتا ہے تو وہ قتل عمد کے زمرے میں آئے گا، حدیث میں جو پتھر اور لاٹھی کا ذکر ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے مطلق مراد ہے خواہ بھاری ہو یا ہلکا۔ امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک اس سے ہلکا مراد ہے، حاصل یہ ہے کہ بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنے میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک قصاص نہیں ہے، باقی ائمہ مذکورین کے نزدیک تفصیل ہے جو ابھی بیان ہوئی ۱۲ قادری۔

سے۷ اس میں وہی اختلاف ہے جو مذکور ہوا کہ اگر ایسے بھاری آلے سے قتل کیا گیا جس کے ساتھ عموماً قتل واقع ہو جاتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک شبہ عمد ہے باقی ائمہ مذکورین کے نزدیک قتل عمد ہے۔

(۱۲۔ قادری)

قَوَد قاف اور واؤ پر زبر، قصاص لینا، اصل میں اس کا معنی فرمانبرداری ہے۔ قصاص میں مجرم فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گردن جھکا دیتا ہے اور سزا کے لیے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

ے زبردستی یا مداہنت سے قصاص لینے اور حکم شریعت کے نافذ کرنے سے روکے ۔
۹ یا یہ مطلب ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہے اور نہ فدیہ یہ عبارت احادیث میں بہت جگہ واقع ہوئی ہے اس کا مطلب وہ ہے جو بیان کر دیا گیا ہے ۔

۳۳۲۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اُعْفِيْ مَنْ قَتَلَ بَعْدَ اَخْذِ الدِّيَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا جو دیت لینے کے بعد قتل کرے ۔ (ابوداؤد)

لے اس سے قصاص ضرور لوں گا ——— اُعْفِيْ ہمزہ پر پیش، عین ساکن . فار کے نیچے زیر اِعْفَاءٌ سے صیغہ متکلم ہے جس کا معنی چھوڑنا ہے ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی آیا ہے . (لَا اُعْفِيَ) مصابیح کے بعض نسخوں میں مضارع مجہول کا صیغہ لَا يُعْفٰى بھی آیا ہے اور یہ دونوں یا تو دعا کے معنی میں ہیں (خدا کرے کہ اسے معاف نہ کیا جائے ۱۲ ق) یا خبر نہی کے معنی میں ہے (کہ ایسے شخص کو معاف نہ کیا جائے ۱۲ ق) بعض علماء نے ان دونوں صورتوں میں اعفاء کا معنی زیادہ کرنا بھی لیا ہے جیسے کہ اَعْفُوا اللُّحٰى (داڑھیاں بڑھاؤ) مطلب یہ ہوگا کہ اس کے مال میں اضافہ نہ ہو اور وہ مستغنی نہ ہو ۔

۳۳۲۷ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِيْ جَسَدِهٖ فَتَصَدَّقَ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا نہیں ہے کوئی مرد جس کے جسم میں کوئی مصیبت لاحق ہو[1] تو وہ اس کا صدقہ کر دے[2] مگر اللہ تعالیٰ اس صدقے کے سبب اس کا ایک درجہ[3] بلند فرمائے گا اور اس کا ایک گناہ معاف فرما دے گا ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

لے کاٹنے، زخم لگانے یا تکلیف دینے سے ۔
۲ یعنی مجرم کو معاف کر دے تقدیر الٰہی پر صبر کرے اور اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لے ۔
۳ ثواب میں ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۳۲۸ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَةً اَوْ سَبْعَةً بِرَجُلٍ وَّاحِدٍ قَتَلُوْهُ قَتْلَ غِيْلَةٍ وَ قَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَأَ عَلَيْهِ اَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيْعًا (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهٗ)

حضرت سعید بن مسیب[1] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ یا سات افراد کو ایک شخص کے بدلے قتل کر دیا۔ انہوں نے اسے اچانک دھوکے سے قتل کر دیا[2] تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا، اگر صنعاء کے باشندے اس قتل پر متفق ہو جاتے[3] تو میں ان سب کو قتل کر دیتا (امام مالک) امام بخاری نے حضرت ابن عمر سے یہ حدیث اسی طرح روایت کی

[1] سعید بن مسیب، اکابر اور متقدمین تابعین میں سے ہیں۔

[2] غِیلَۃ غین کے نیچے زیر اور یا ساکن، اچانک اور دھوکے سے قتل کرنا۔

[3] اور ایک دوسرے کی امداد کرتے ——— صنعاء یمن کا مشہور شہر ہے ——— صنعاء کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ یہ لوگ اس جگہ سے تعلق رکھتے تھے یا اس لیے کہ عرب بطور مثال کثرت کا ذکر اس شہر کے حوالے سے کرتے ہیں، اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر ایک جماعت ایک شخص کے قتل میں شریک ہو تو سب کو قتل کیا جائے گا۔

۳۳۲۹ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ فُلَانٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيْءُ الْمَقْتُوْلُ بِقَاتِلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ سَلْ هٰذَا فِيْمَا قَتَلَنِيْ فَيَقُوْلُ قَتَلْتُهٗ عَلٰى مُلْكِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِهَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت جندب نے فرمایا کہ مجھے فلاں[1] نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو لائے گا اور[2] کہے گا اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے فلاں کی حکومت[3] میں قتل کیا تھا، جندب نے کہا اس[4] سے بچو!۔ (نسائی)

لہ فلاں صحابی نے ــــــــ یا تو جندب نے ان کا نام نہیں لیا یا راوی کو یاد نہیں رہا۔
سے اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا۔
سے کسی بادشاہ کا نام لے گا کہ میں نے اس بادشاہ کے زمانے اور اس کی امداد میں اس شخص کو قتل کیا تھا۔
سے نصرت اور امداد سے بچو ــــــــ یہ کسی بادشاہ کو خطاب ہے جب حضرت جندب نصیحت کر رہے تھے کہ کسی ظالم کی امداد نہ کرے ــــــــ اس معنی کے اعتبار سے ملک میم کی پیش کے ساتھ ہے۔ بعض نے میم کے نیچے زیر یعنی بیان کی ہے یعنی میں نے اسے ایسی جنگ میں قتل کیا جو میرے اور اس کے درمیان فلاں شخص مثلاً زید کی ملکیت کے بارے میں تھی اب (فَاتَّقِهَا) کی ضمیر جھگڑے کی طرف راجع ہو گی اور مقصد بیان واقع ہے۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

۳۳۳۰/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ كَلِمَةٍ لَقِیَ اللّٰهَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اٰيِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ[1] سے امداد کی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہو گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس (ابن ماجہ)

لہ بعض نسخوں میں ہے بِشَطْرِ کَلِمَۃٍ ــــــــ یعنی معمولی کلام اور معمولی امداد سے بعض شارحین نے فرمایا کہ آدھا کلمہ مراد ہے مثلاً اُقْتُلْ (قتل کر دے) کی بجائے کہے اُق۔

۳۳۳۱/۳۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْاٰخَرُ يُقْتَلُ الَّذِیْ قَتَلَ وَيُحْبَسُ الَّذِیْ اَمْسَكَ۔ (رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک شخص دوسرے کو پکڑ لے اور ایک دوسرا آدمی اسے قتل کر دے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا[1]۔ (دار قطنی)

۵ جیسے کہ ایک شخص کسی عورت کو پکڑے اور دوسرا اس سے زنا کرے تو پکڑنے والے پر حدِ زنا نہیں ہے بلکہ اس پر تعزیر ہے، اسی طرح پکڑنے والے پر قصاص نہیں ہے، اسی طرح شارحین نے فرمایا، لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ امداد ہے اور قتل میں امداد کرنے پر دیگر احادیث کے مطابق قصاص کا حکم آیا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

بَابُ الدِّيَاتِ

۲۶۷ - دیتوں کا بیان

دِیات، جمع ہے دِیۃ کی دال کے نیچے زیر، مقتول کا حق، اصل میں وَدْیٌ یدی کا مصدر ہے جیسے وعد کا مصدر عِدَۃٌ ہے اکثر طور پر اس کا استعمال اس مال میں ہے جو جرائم میں دیا جاتا ہے، دیت کی متعدد قسموں کے پیش نظر جمع کا لفظ لایا گیا ہے، کیونکہ ایک جان کی دیت ہے اور ایک اعضا کی دیت ہے ___ دیت اونٹوں میں سے ایک سو سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار درہم، جیسے کہ حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیت میں دس ہزار درہم کا حکم فرمایا، یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیت صرف ان ہی تین قسموں سے ہوتی ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان تین قسموں سے بھی ہوتی ہے نیز دو سو گائے دو ہزار بکریاں اور دو سو حلّے، ہر حلہ دو کپڑوں پر مشتمل ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۳۳۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَآءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھنگلی اور انگوٹھا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (امام ترمذی)

سلہ ان دونوں انگلیوں کی دیت برابر ہے، یہ اور یہ سے چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ فرمایا جیسے کہ راوی نے اپنے قول سے بیان کیا۔

سلہ دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں کی تمام انگلیاں کاٹ دینے میں پوری دیت ہے کیونکہ منفعت کی ایک جنس ہی ختم کر دی گئی ہے، لہذا ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے یعنی دس اونٹ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چھنگلی اور انگوٹھے کی دیت برابر ہے اگرچہ چھنگلی، انگوٹھے کی نسبت بہت کمزور اور حقیر ہے یا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ انگوٹھے کے دو جوڑ ہیں اور چھنگلی کے تین جوڑ ہیں۔ اسی لیے ان دو انگلیوں کی تخصیص فرمائی، کیونکہ دونوں اصل منفعت میں برابر ہیں لہذا جوڑوں کے کم اور زیادہ ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیسے کہ دایاں اور بایاں ہاتھ۔ (اگرچہ بایاں ہاتھ عموماً کمزور ہوتا ہے لیکن دیت دونوں کی برابر ہے)۔

(قادری)

چونکہ ہر انگلی میں کل دیت کا دسواں حصہ ہے، اسی لیے انگلی کے ہر جوڑ میں اس کے حساب سے دیت ہوگی انگلی کے ہر جوڑ میں دیت کا تیسواں حصہ اور انگوٹھے کے جوڑ میں بیسواں حصہ دیت ہوگی کیونکہ انگوٹھے میں دو جوڑ ہیں اور باقی انگلیوں میں تین تین جوڑ ہیں۔

۳۳۳۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلُ عَلَى عَصَبَتِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو لحیان سلہ کی ایک عورت کے پچے بچے کے بارے میں جو مردہ حالت میں گر گیا تھا ایک مملوک غلام یا لونڈی سلہ کا فیصلہ فرمایا، پھر وہ عورت فوت ہوگئی جس پر ایک غلام دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا سلہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی وراثت اس کے بیٹوں اور شوہر کے لیے ہے اور دیت اس کے رشتہ داروں پر ہے۔

(صحیحین)

سلہ بنو لحیان لام کے نیچے زیر اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں مہملہ لفظ حا ساکن قبیلہ ہذیل کی۔

ایک شاخ۔

۲ جنین وہ بچہ جو پیٹ میں ہو۔

۳ غرہ نقطے والی غین پر پیش، را راشد پر زبر مملوک دینے کا حکم تبیلے پر ہے، عاقلہ سے مراد رشتہ داروں کی جماعت ہے جن کے درمیان امداد اور تعاون پایا جاتا ہے عقل کا معنی دیت ہے جیسے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے —— غرہ کو تنوین اور اضافت دونوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، غرہ اصل میں گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں، پھر اس کا استعمال ہر روشن اور مشہور چیز کے لیے ہونے لگا، اس کے اور بھی کئی معانی ہیں (۱) مہینے کی پہلی رات (۲) دانتوں کی سفیدی (۳) قیمتی سامان (۴) قوم کا معزز فرد (۵) مرد کا چہرہ (۶) غلام اور لونڈی بعض علماء نے کہا کہ ان کا سفید ہونا شرط ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی قیمت دیت کے بیسویں حصے تک پہنچے —— واقعہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے کہ دو عورتوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی، ایک عورت نے دوسری کو پتھر دے مارا، جس سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ مر گیا اور مردہ حالت میں برآمد ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت میں ایک گردن دینے کا حکم فرمایا، اگر زندہ پیدا ہوتا اور وہ عورت اسے عمداً قتل کرتی تو بڑے آدمی کی مکمل دیت واجب ہوتی۔

۴ یہ ترجمہ اس وقت ہے کہ قضیٰ مجہول پڑھا جائے اور اگر معروف کا صیغہ پڑھیں تو معنی یہ ہوگا وہ عورت جس پر یعنی جس کے رشتہ داروں پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گردن دینے کا فیصلہ فرمایا، مراد مجرم عورت ہے۔

۵ اور وہ وارث نہیں ہوں گے، دیت دینے سے وارث ہونا لازم نہیں آتا؛ وارث دوسرے لوگوں کی جماعت ہے، بیٹوں اور شوہر کی تخصیص اس لیے ہوگی کہ اتفاقاً واقع میں یہی وارث ہوں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وراثت وارثوں کے لیے ہوگی جو بھی وارث ہوں جیسے کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے کہ عورت کی وارث اس کی اولاد ہوگی اور دیگر ان کے ساتھ ہوں گے۔

۳۳۲۲ وَعَنْهُ قَالَ اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِيْ بَطْنِهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِيْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٍ أَوْ وَلِيْدَةٍ وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا وَ

انہی سے روایت ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں[۱] ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ میں موجود بچے کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے[۲] اور مقتولہ کی دیت کا فیصلہ فرمایا کہ قاتلہ کے رشتہ داروں پر ہے اور اس کی اولاد اور ان کے ساتھی وارثوں کو اس

وَرَثَتُهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

عورت کا وارث قرار دیا۔
(صحیحین)

لـه جو ایک دوسری کی سوکن تھیں (دونوں ایک ہی مرد کی بیویاں تھیں ۱۲ قادری)

سـه اس سے معلوم ہوا کہ پتھر سے قتل کرنا قصاص نہیں بلکہ دیت کا موجب ہے اور یہ قتل عمد نہیں ہے بلکہ شبہ عمد ہے، جیسے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے، دیگر ائمہ اسے چھوٹے پتھر پر محمول کرتے ہیں۔

سـه یا اس کی دیت کا ــــــــــ ظاہر یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔ گزشتہ حدیث میں جرم کرنے والی عورت فوت ہوئی تھی اور مقصد اس کی وفات کا حال بیان کرنا اور اس پر حکم کرنا تھا اور اس حدیث میں وہ عورت اپنے بچے سمیت مرگئی جس کو پتھر مارا گیا تھا اور اس کی اولاد کو وارث بنانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو شرح میں طیبی کے حوالے سے اس کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

۳۳۳۵ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى بِحَجَرٍ أَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَأَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً عَبْدًا أَوْ أَمَةً وَجَعَلَهُ عَلٰى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ هٰذِهِ رِوَايَةُ التِّرْمِذِيِّ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتِ امْرَأَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُوْدِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلٰى فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَإِحْدَاهُمَا لِحْيَانِيَّةٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُوْلَةِ عَلٰى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں سوکنیں تھیں لـه ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمے سـه کی لکڑی ماری تو اس نے اپنے پیٹ کا بچہ گرا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچے کے بارے میں غلام یا لونڈی کا حکم دیا اور اسے سـه عورت کے رشتہ داروں پر لازم فرمایا یہ امام ترمذی کی روایت سـه ہے، امام مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمے کی لکڑی ماری اس حال میں کہ وہ حاملہ تھی اور اسے قتل کر دیا سـه، فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک لحیانیہ سـه تھی۔ نیز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے رشتہ داروں پہ مقرر فرمائی اور اس کے پیٹ کے بچے کے سبب ایک گردن

فِي بَطْنِهَا

مقرر فرمائی۔

ف۱ ایک مرد کے نکاح میں تھیں۔

ف۲ صراح میں ہے فسطاط فا پر پیش اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ فستاط اور فساط تینوں کا معنی ہے بڑا خیمہ۔

ف۳ بعض نسخوں میں ہے جعلھا یہ ضمیر غرہ کی طرف راجع ہے یا دیت کی طرف۔

ف۴ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ اس حدیث کو صحاح کے ضمن میں لائے ہیں (یعنی یہ امام ترمذی کی روایت ہے حالانکہ فصل اول میں صحیحین کی روایت لائی جاتی ہے ۱۲ قادری)

ف۵ اس حاملہ سوکن کو ——— اور ضرب سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا۔

ف۶ لحیان، قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے۔

ف۷ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل ہے کیونکہ خیمے کی لکڑی سے عادۃً قتل واقع ہو جاتا ہے اس کے باوجود قاتلہ کے رشتے داروں پر دیت مقرر فرمائی ۱۲ قادری) علامہ طیبی نے کہا کہ یہ محمول ہے چھوٹی لکڑی پر جس کے ساتھ غالباً قتل واقع نہیں ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۳۳۳۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ دِيَةَ الْخَطَاءِ شِبْهِ الْعَمَدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! قتل خطا، شبہ عمد، جو چابک اور لاٹھی سے ہو اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان[۱] میں سے چالیس کے پیٹ میں ان کی اولاد ہوگی۔ (امام نسائی، ابن ماجہ دارمی)۔ ابو داؤد نے ان سے[۲] اور ابن عمر سے روایت کی، اور شرح السنۃ میں مصابیح کے الفاظ[۳] ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں۔

سلہ ان سو میں ہے۔

سلہ۲ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے۔

سلہ۳ مصابیح کے الفاظ یہ ہیں۔ اَلَا اِنَّ فِیْ قَتْلِ الْعَمْدِ الْخَطَاِ بِالسَّوْطِ وَ الْعَصَا مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ مُغَلَّظَ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً فِیْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا۔ خبردار! قتل عمد خطا میں جو چابک اور لاٹھی سے ہو سو اونٹ ہیں سخت دیت، ان میں سے چالیس حاملہ ہوں جن کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو۔ گویا قتل عمد خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمد ہے۔

قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) خطائے محض ــــــــ قتل عمد سے مراد یہ ہے کہ لوہے کے ہتھیار یا اس چیز کے ساتھ جو اس کے حکم میں ہے قصداً قتل کیا جائے، شبہ عمد وہ ہے جو ہتھیار کے بغیر ہو خواہ اس کے ساتھ غالباً قتل واقع ہوتا ہو یا نہ، قتل خطا اس کے علاوہ ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے وہ عصا سے مطلق عصا مراد لیتے ہیں بھاری ہو یا ہلکا۔ دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر بھاری چیز کے ساتھ قتل کیا گیا ہے جس کے ساتھ عموماً قتل واقع ہو جاتا ہے تو یہ قتل عمد ہوا، یہ حضرات عصا سے ہلکا ڈنڈا مراد لیتے ہیں۔ جس سے قتل واقع نہیں ہوتا۔ جیسے کہ شرح حدیث کے دوران اس کی طرف اشارہ واقع ہوا۔

بعض روایات میں (دیت) مغلظہ کا ذکر واقع ہوتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بقول امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام احمد شبہ عمد میں تغلیظ یہ ہے کہ چار قسمیں واجب کی جائیں، پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ (علی الترتیب دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں سال میں داخل ۱۲ قادری)۔

امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک اس طرح ہے کہ تیس جذعہ، تیس حقہ اور چالیس ثنیہ لازم کیے جائیں جو سب حاملہ ہوں اور ان کے پیٹ میں ان کی اولاد ہو۔ قتل خطائے محض میں تغلیظ یہ ہے کہ پانچ قسمیں واجب ہوتی ہیں۔ بنت مخاض، ابن مخاض (مادہ اور نر) بنت لبون، حقہ اور جذعہ ہر قسم میں سے بیس بیس اور یہ بالاتفاق ہے یہ حدیث امام شافعی اور امام محمد کی دلیل ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جو ابن مسعود اور سائب بن یزید سے مروی ہے۔ (یہ حدیث مشکوک ہے ۱۲ قادری) اھ ہم نے متفق پر عمل کیا ہے اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے۔

۳۳۳۷ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سلہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانَ فِي كِتَابِهٖ أَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَإِنَّهٗ قَوَدُ يَدِهٖ إِلَّا أَنْ يَرْضٰى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ وَفِيْهِ أَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ وَفِيْهِ فِي النَّفْسِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ وَعَلٰى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِيْنَارٍ وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوْعِبَ جَدْعُهٗ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ وَفِي الْأَسْنَانِ الدِّيَةُ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي الْمَأْمُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِّنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِّنَ الْإِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِّنَ الْإِبِلِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ وَ

نے اہل یمن کی طرف فرمان عالی لکھا، آپ کے مکتوب گرامی میں تھا کہ جو شخص کسی مومن کو بلا وجہ[۱] قتل کر دے تو وہ اپنے ہاتھوں کا قصاص ہے[۲] مگر یہ کہ مقتول کے رشتے دار[۳] راضی ہو جائیں اور اس مکتوب میں یہ تھا کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا اور اس مکتوب میں تھا کہ جان کے قتل کرنے میں سو اونٹ[۴] دیت ہے۔ سونے والوں پر ہزار دینار[۵] اور ناک میں جب پوری[۶] کاٹ دی جائے، سو اونٹ ہیں، دانتوں میں دیت ہے[۷]، ہونٹوں میں دیت ہے[۸]، فوطوں میں دیت ہے[۹]، عضو تناسل میں دیت ہے۔ پشت میں دیت ہے[۱۰]، دونوں آنکھوں[۱۱] میں دیت ہے۔ ایک پاؤں[۱۲] میں آدھی دیت ہے اور وہ زخم جو سر کی جھلی تک پہنچ جائے اس میں دیت کا تہائی حصہ[۱۳] ہے، پیٹ کے اندر[۱۴] تک پہنچنے والے زخم میں دیت کا تہائی حصہ ہے، ہڈی کو توڑنے والے[۱۵] زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں[۱۶]۔

(امام نسائی، دارمی)

امام مالک کی روایت میں ہے کہ دونوں

فِي الْعَيْنَيْنِ خَمْسُوْنَ وَ فِي الْيَدِ خَمْسُوْنَ وَ فِي الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَ فِي الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ۔

آنکھوں میں پچاس ہاتھ میں پچاس، پاؤں میں پچاس اور ہڈی کو برہنہ کرنے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

ف۱ حزم بے نقطہ حا پر زبر اور زا ساکن ——— حضرت مولف نے باب فرائض میں فرمایا کہ محمد بن ابی بکر بن حزم سے مروی ہے اور اس باب میں فرمایا کہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے، پوری نسبت یہ ہے محمد بن ابو بکر بن عمرو بن حزم انصاری بخاری، حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں اور نجران میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل تھے۔ اور محمد بن عمرو بن حزم تابعی ہیں اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں سن دس ہجری میں ہوئی، بعض علماء نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم بھی تابعی ہیں اور طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں، ابوبکر کے دو بیٹے ہیں ایک عبداللہ بن ابی بکر وہ بھی تابعی ہیں اور اپنے والد اور حضرت انس سے روایت کرتے ہیں، دوسرے محمد بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، اور وہ عبدالمالک مدنی کے والد ہیں، عبدالملک اپنے والد کے بعد مدینہ منورہ کے قاضی بنے۔ محمد بن ابی بکر اپنے بھائی عبداللہ بن ابی بکر سے بڑے ہیں؛ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت مولف نے جہاں فرمایا ہے محمد بن ابی بکر بن حزم وہاں انہوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے جد اعلیٰ کی طرف نسبت کی ہے (کیونکہ حزم ابوبکر کے پردادا ہیں ۱۲ قادری)۔

ف۲ اور بغیر کسی جرم کے ——— اصل میں عبط کا معنی ہے اونٹ کو بغیر کسی بیماری کے قتل کرنا۔

ف۳ یعنی اس فعل اور جرم کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے یا قصاص، اس کے ہاتھ کے فعل کی جزا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ بغیر کسی مہلت کے قصاص لیا جائے گا جیسے کہا جاتا ہے دست بدست از ہاتھوں ہاتھ یا بہ کردہ اپنے دونوں ہاتھوں کے آگے ہے۔

ف۴ جن کے دستِ تصرف میں مقتول کا کاروبار ہے، دیت لیں یا معاف کر دیں۔

ف۵ اس شخص پر جس کے پاس اونٹ ہوں۔

ف۶ اور چاندی والوں پر دس ہزار درہم، اس کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ یہ حکم قیاس سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ واقع میں جن کے پاس اونٹ ہوں ان سے اونٹ اور سونے والوں سے سونا لیا جا سکتا ہے یہ مطلب نہیں کہ یہی لینا واجب ہے اور اس کے بغیر کوئی چیز مقبول اور شمار نہیں ہوگی۔

۵۷ اور جڑ سے قطع کر دی جائے ——— دطب اصل میں تمام اور مجموعہ کے معنی میں ہے آدعب اکفوم یعنی سب اکٹھے نیچے آ گئے ۔ احاطہ اور جمع کرنا بھی اسی باب سے ہے ۔

۵۸ پورے دانت توڑ دیے جائیں تو ان میں مکمل دیت ہے ۔

۵۹ دونوں ہونٹ کاٹ دیے جائیں ۔

۵۱۰ وہ دونوں کاٹ دیے جائیں ۔

۵۱۱ ریڑھ کی ہڈی اس طرح توڑ دی جائے کہ مادہ حیات (منی) منقطع ہو جائے ۔

۵۱۲ دونوں آنکھیں اندھی کر دی جائیں ——— اعضا اور اطراف کے کاٹنے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس سے جنس منفعت مکمل طور پر ختم ہو جائے یا اس جمال کے خاتمے کا سبب بن جائے جو مقصود ہوتا ہے تو پوری دیت واجب ہے، آدمی کی تعظیم کے پیش نظر اسے جان کے ضائع کرنے کے حکم میں اور اس کے ساتھ ملحق قرار دیا جائے گا، اس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ ہے جس میں آپ نے زبان اور ناک کے کاٹنے پر مکمل دیت کا حکم دیا، اس اصل سے بہت سی فروع پیدا ہوتی ہیں، ایک شخص نے ایک ضرب لگا کر دوسرے کی عقل، سماعت، بینائی اور گویائی کی قوت ضائع کر دی تو حضرت عمر نے اس پر چار دیتوں کا حکم فرمایا، اسی طرح اگر کسی کی داڑھی اس طرح مونڈ دی گئی کہ دوبارہ نہ اگی تو اس میں دیت ہے کیونکہ اس طرح (مردانہ) جمال ضائع کر دیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی کے سر کے بال مونڈ دیے گئے (اور وہ دوبارہ نہ اگے تو اس میں بھی دیت ہے، اسی طرح ہدایہ میں ہے (افسوس کہ آج مردوں نے مغرب کی تقلید میں داڑھیاں منڈا کر اپنے ہاتھوں مردانہ حسن و جمال ضائع کر دیا ہے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے الگ محروم ہو رہے ہیں۔ روزانہ داڑھی منڈانے کے خرچ کا وبال الگ ہے ۔

(۱۲ قادری) ۔

۵۱۳ ایک پاؤں کے کاٹنے میں آدھی دیت ہے کہ اس سے آدھی منفعت فوت ہو گئی ہے ۔

۵۱۴ تینتیس اونٹ اور ایک اونٹ کا تیسرا حصہ ——— اُمّ سر توڑنا آمّہ وہ زخم جو دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے اَمِیْمٌ مَامُوْمٌ ۔ تباہ شدہ دماغ ۔

۵۱۵ وہ زخم جو معدے یا سر کے اندر تک پہنچ جائے ——— جوف، پیٹ اور ہر چیز کا اندرونی حصہ ۔

۵۱۶ مُنَقِّلہ میم پر پیش، نون پر زبر، قاف مشدد کے نیچے زیر، وہ زخم جس سے ہڈی ٹوٹ گئی ہو، اسی طرح

صراح میں ہے قاموس میں ہے منقلہ وہ زخم ہے جس سے ہڈیوں کا پلستر اکھڑ جائے اور یہ پردے ہیں جو ہڈیوں کے اوپر اور گوشت کے نیچے بچھائے ہوئے ہیں۔

کے بعض علماء نے فرمایا پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم ——— سوال جب تمام دانتوں میں پوری دیت ہے تو ایک دانت میں پانچ اونٹ کیسے ہو گئے؟ دانت تو بتیس ہیں یا اٹھائیس جواب یہ تعینات محض تعبدی ہیں اور ان کی پہچان شارع علیہ السلام کے بیان اور آپ سے سنے بغیر نہیں ہو سکتی بعض قسموں میں وجہ معقول بھی معلوم کی جا سکتی ہے مثلاً دو آنکھوں میں پوری دیت ہے اور ایک آنکھ میں آدھی، لیکن اصل یہی ہے کہ یہ حکم توقیفی ہے۔

۳۳۳۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَوَاضِحِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ وَفِى الْاَسْنَانِ خَمْسًا خَمْسًا مِّنَ الْاِبِلِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِىُّ وَالدَّارِمِىُّ وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہڈی کو ظاہر کرنے والے زخموں میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) امام ترمذی اور ابن ماجہ نے پہلے حصے کو روایت کیا[1]۔

[1] یعنی موضحہ زخموں کی دیت کا ذکر کیا اور دانتوں کی دیت کا ذکر نہیں کیا۔

۳۳۳۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَآءً. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا[1]۔ (ابوداؤد، ترمذی)

[1] کیونکہ انگلیوں کے ضائع ہونے سے وہ منفعت ضائع ہو جاتی ہے جو ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ خاص ہے۔

۳۳۴۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَصَابِعُ سَوَآءٌ وَ الْاَسْنَانُ سَوَآءٌ اَلثَّنِيَّةُ وَ الضِّرْسُ سَوَآءٌ هٰذِهٖ وَ هٰذِهٖ سَوَآءٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، انگلیاں برابر ہیں[1]، دانت برابر ہیں۔ اگلے دانت اور داڑھیں برابر ہیں[2]، یہ اور یہ[3] برابر ہیں۔ (ابوداؤد)

[1] اگرچہ ان میں سے کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی ہیں۔

[2] اگرچہ داڑھیں، اگلے دانتوں سے بڑی ہیں ——— دانتوں کے مختلف نام ہیں۔ اگلے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں دو اوپر والے اور دو نیچے والے اس کے بعد رباعیہ ہیں اسی طریقے سے دو اوپر والے اور دو نیچے والے ان کے بعد انیاب اور ان کے بعد اضراس (داڑھیں) ہیں۔

[3] چھنگلی اور اس کے ساتھ والی، اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔

۳۳۴۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا حِلْفَ فِى الْاِسْلَامِ وَ مَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا شِدَّةً اَلْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيْرُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ تَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ دِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال خطبہ دیا پھر فرمایا، اے لوگو! اسلام میں حلیف بنانا[1] نہیں ہے اور جاہلیت میں جو حلیف بنانے کا معاہدہ ہوا تو بے شک اسلام اسے پختہ ہی کرے گا مومن آپس میں دوسروں کے مقابل ایک ہاتھ کی حیثیت رکھتے ہیں[2]، ان کا ادنیٰ فرد[3] ان پر پناہ دے گا اور ان کا دور کا آدمی ان پر مال غنیمت رد کرے گا، ان کے فوجی دستے (جو کافروں سے برسرپیکار ہیں، اور مال غنیمت ان فوجیوں پر رد کریں گے جو دارالحرب میں بیٹھے ہوئے ہیں[4]، کوئی مومن کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا[5]۔ کافر کی دیت

لَا جَلَبَ وَ لَا جَنَبَ وَ لَا يُؤْخَذُ صَدَقَتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

مسلمان کی دیت کا نصف ہے نہ منگا تا ہے اور نہ دور لے جاتا ہے۔ ان کے صدقات؛ ان کے گھروں میں ہی لیے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے معاہدہ کرنے والے کی دیت، آزاد کی دیت سے آدھی ہے۔ (ابوداؤد)

سلہ اسلام میں اس عقد کا آغاز نہیں کیا جائے گا ــــــــ حلف حاء کے نیچے زیر، لام ساکن، ایک روایت میں حاء پر زبر اور لام کے نیچے زیر بھی ہے، نہایہ میں ہے اصل میں حلف کا معنی ہے اتفاق اور ایک دوسرے کی امداد اور معاونت کا معاہدہ کرنا، دورِ جاہلیت میں فتنے اور قتل و غارت گری میں امداد کا معاہدہ کیا جاتا تھا اگرچہ ظلماً اور ناحق ہی ہو۔ اس سے اسلام میں منع کیا گیا ہے اور فرمایا :- لَا حِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ - اسلام میں حلیف بنانا نہیں ہے اور وہ جو مظلوم کی امداد اور صلہ رحمی کے بارے میں معاہدہ ہوتا تھا۔ وہ مسلم اور برقرار ہے۔ اسی کی طرف اس کے بعد اشارہ فرمایا ہے۔

سلہ کافروں کے مقابل باہمی اتفاق اور محبت میں، جیسے کہ ایک ہاتھ کے اجزاء میں مخالفت نہیں ہے اسی طرح مسلمانوں میں اتفاق ہونا چاہیے۔

سلہ قدر اور مرتبہ کے اعتبار سے۔

سلہ اور ان کو دشمن کے مقابل بھیجا ہوا ہے ــــــــ یہ کلام سابق کی تفسیر ہے اور اس حدیث کی شرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں، کتاب القصاص کی دوسری فصل میں گزر گئی ہے۔

سلہ اس حدیث کی شرح بھی اسی حدیث کے تحت گزر گئی ہے۔

۳۳۴۲ وَعَنْ خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَ عِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرًا وَ عِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ عِشْرِيْنَ جَذَعَةً

حضرت خشف بن مالک سلہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قتلِ خطا کی دیت میں فیصلہ فرمایا ایک سالہ بیس اونٹنیوں، ایک سالہ بیس نر سلہ اونٹ، دو سالہ بیس اونٹنیوں، تین سالہ سلہ بیس اونٹنیوں اور چار سلہ سالہ بیس اونٹنیوں کا۔

وَ عِشْرِيْنَ نِحِقَّةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ) وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ خِشْفٌ مَجْهُوْلٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدٰى قَتِيْلَ خَيْبَرَ بِمِائَةٍ مِّنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَ لَيْسَ فِيْ اَسْنَانِ اِبِلِ الصَّدَقَةِ ابْنُ مَخَاضٍ اِنَّمَا فِيْهَا ابْنُ لَبُوْنٍ۔

امام ترمذی ابوداؤد و نسائی)۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود پر موقوف ہے، اور خشف مجہول ہیں اور صرف اس حدیث سے پہچانے گئے ہیں ؎ شرح السنۃ میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے مقتول ؎ کی دیت، صدقے کے سو اونٹوں سے دی حالانکہ صدقے کے اونٹوں میں ایک سالہ نہیں تھے بلکہ دو سالہ تھے ؎۔

؎۱ خشف نقطے والی خاء کے نیچے زیر، نقطے والا شین ساکن اور آخر میں فاء ابن مالک ثقہ تابعی ہیں اپنے والد اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔

؎۲ ذکور، ابن مخاض کی تاکید ہے، یعنی بیس مادہ اونٹنیاں تھیں اور بیس نر اونٹ تھے، ذکور میں جر اور نصب دونوں طرح مروی ہے اور اس جر کو جر جوار کہتے ہیں۔

؎۳ جذعۃ جیم اور ذال دونوں پر زبر۔

؎۴ حقۃ حاء کے نیچے زیر ——— ان الفاظ (بنت مخاض اور بنت لبون وغیرہ) کے معنی مشہور ہیں اور کتاب الزکوٰۃ میں بیان کیے گئے ہیں ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دیت پانچ حصوں میں منقسم ہو گی اور اس پر اتفاق ہے۔ لیکن امام شافعی، ابن مخاض کی جگہ بیس بنت لبون کے قائل ہیں اور یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

؎۵ اور ان کا قول ہے۔

؎۶ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ وہ اپنے والد مالک طائی اور ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں تو وہ مجہول کیسے ہوئے؟ امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے (امام بخاری اور مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کے) چار اماموں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے، امام ابن ماجہ نے ایک دوسری حدیث بھی روایت کی ہے اسی طرح شارحین نے فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ے۵ ان کا واقعہ باب قسامت میں آئے گا۔
۵۵ یہ حدیث سابق پر رد ہے جس میں ابن مخاض کا ذکر ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہی معتبر ہے [1]۔

۳۳۴۳/۱۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَتْ قِيْمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَّ دِيَةُ اَهْلِ الْكِتٰبِ يَوْمَئِذٍ النِّصْفُ مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ فَكَانَ كَذٰلِكَ حَتَّى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَّ عَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَّ عَلٰى اَهْلِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں دیت کی قیمت [1] آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھے اور اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے آدھی تھی فرماتے ہیں دیت کا حکم اسی طرح تھا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا، اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے سونے والوں پر ہزار دینار، چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے والوں پر دو سو گائے، بکری والوں پر دو ہزار

---

[1] اس دلیل پر دو بحث ہیں ایک یہ کہ یہ دیت نہ تھی محض کرم و مہربانی تھی، اور نہ دیت قاتل پر ہوتی ہے نہ کہ بیت المال پر، وہاں قاتل کا پتا لگا ہی نہ تھا پھر دیت کیسی؟ دوسرے یہ کہ وہاں خیبر میں قتل خطاءً نہ ہوا تھا۔ قتل عمدًا تھا اور واقعی قتل عمد کی دیت میں ابن مخاض نہیں لیا جاتا، ہماری گفتگو قتل خطا کی دیت میں ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔ یاد رہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ سو اونٹ فقراء کی تملیک کے بعد دیت میں دیے تھے ورنہ صدقہ و زکوٰۃ کے اونٹ فقراء کا حق ہیں یہ دیت میں نہیں دیے جاتے (از مرقاۃ مع زیادہ)

۱۲ مرآۃ

الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَّ عَلٰى أَهْلِ الشَّاةِ أَلْفَيْ شَاةٍ وَ عَلٰى أَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ قَالَ وَتَرَكَ دِيَةَ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا فِيْمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

بکریاں اور کپڑے کے جوڑے والوں[۲] پر دو سو جوڑے، دیت مقرر کی اور ذمیوں کی دیت کو اسی حال پر رہنے دیا[۳]۔ دوسری دیت میں جو اضافہ کیا تھا اس میں نہیں کیا[۴]۔ (ابوداؤد)

[۱] یعنی اہل دیت، سو اونٹوں کی قیمت ——— بعض نسخوں میں ہے۔ کَانَتْ قِیْمَۃُ اَھْلِ الدِّیَۃِ۔

[۲] جن کا ساز و سامان کپڑے تھے ——— حلہ اوپر کی چادر اور تہ بند کا جوڑا۔

[۳] چار ہزار درہم

[۴] غالباً اسی سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا کہ ذمیوں کی دیت، مسلمانوں کی دیت کا تہائی حصہ ہے، جیسے کہ امام شافعی اور ان کے ہمنواؤں کا مذہب ہے، ہمارے نزدیک ذمی کی دیت مسلمانوں کی طرح ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا (ہماری دلیل وہ حدیث ہے دِمَاءُھُمْ کَدِمَائِنَا۔ ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں ۱۲ مرآۃ۔)

۳۳۴۴/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بارہ ہزار درہم، دیت مقرر کی۔ (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

۳۳۴۵/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ عَلٰى أَهْلِ الْقُرٰى أَرْبَعَ مِائَةِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گاؤں والوں پر قتل خطا کی دیت کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی سے[۱]

دِيْنَارٍ أَوْ عِدْلَهَا مِنَ الْوَرِقِ وَيُقَوِّمُهَا عَلٰى أَثْمَانِ الْإِبِلِ فَإِذَا غَلَتْ رَفَعَ فِيْ قِيْمَتِهَا وَإِذَا هَاجَتْ رُخْصٌ نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا وَبَلَغَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَرْبَعِ مِائَةِ دِيْنَارٍ إِلٰى ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى أَهْلِ الشَّاةِ أَلْفَيْ شَاةٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَقْلَ مِيْرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيْلِ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَقْلَ الْمَرْأَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا۔

مقرر فرماتے تھے اور دیت کی قیمت، اونٹوں کی قیمتوں کے مطابق مقرر فرماتے۔[۲] جب اونٹوں کی قیمت زیادہ ہوتی تو دیت کی قیمت زیادہ فرما دیتے اور جب ان کی قیمت کم ہوتی[۳] تو دیت کی قیمت بھی کم فرما دیتے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت کی قیمت چار سو دینار سے آٹھ سو دینار اور اس کی مثل چاندی سے آٹھ ہزار درہم تک پہنچی، اور راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گائے والوں پر دو سو گائے اور بکریوں کے مالکوں پر دو ہزار بکریوں کا حکم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت کا مال مقتول کے وارثوں کی میراث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت[۴]، اس کے عصبات میں تقسیم کی جائے گی اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں[۵] بنے گا۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ (ابوداؤد، نسائی)

[۱] یعنی وزن عشرہ کے چار ہزار درہم (یعنی وہ دراہم جو دس ہوں تو دس مثقال کے برابر ہوں گے ۱۲ قادری) ——— عدل عین پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، اس کا معنی مثل ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ زیر کے ساتھ اس وقت ہے جب مثل غیر جنس سے ہو اور جنس سے ہو تو زبر کے ساتھ اس صورت میں

زیر معین ہے (کیونکہ سونا اور چاندی الگ الگ جنسیں ہیں ۱۲ تادری) ۔ اور اگر روایت زبر کے ساتھ ثابت ہو جائے تو یہ قول باطل ہو جائے گا ۔

ےہ یہ راوی کے قول یُقَوِّمُ دِیَۃَ الْخَطَأِ کا بیان ہے یعنی دیت کی قیمت لگانے سے مراد اہل دیت کی قیمت لگانا ہے ۔

ےہ رخص، را پر پیش، خا ساکن ——— جب اونٹوں کی قیمت کا سستا ہونا ظاہر ہوتا ۔

ےہ یعنی جس عورت نے قتل ایسا جرم کیا ہے اس کی دیت اس کے عصبات ادا کریں گے جو اس کے معین اور مددگار تھے جیسے کہ مرد میں بھی اسی طرح ہے یعنی عورت غلام کی طرح نہیں ہے کہ اس کا جرم اس کی گردن سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ اس کے عصبات پر ۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس عورت سے مراد مقتولہ ہے یعنی اس کی دیت، ترکہ ہے جو دوسرے ترکوں کی طرح اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا ۔ لیکن عصبہ کا ذکر اس معنی کے خلاف ہے، اگر یہ معنی ہوتا تو ظاہر یہ تھا کہ فرماتے اس کی دیت اس کے وارثوں میں تقسیم کی جائے گی ۔

۱۵ہ اپنے مورث کو قتل کرنے دیت کا وارث ہو گا اور نہ ہی کسی دوسری چیز کا ۔

ےہ عورت اور مرد قصاص میں برابر ہیں، لیکن عورت کے قتل خطا کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور یہ حکم کتاب و سنت کی روح کے عین مطابق ہے، دراصل قرآن پاک کا حکم اس سلسلے میں مجمل ہے، اس کا بیان حدیث میں آیا ہے، کسی کو اپنی رائے سے تفصیل کرنے کا حق نہیں پہنچتا ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہے (سنن کبریٰ امام بیہقی ج ۸ ص ۹۵) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی دیت، مرد کی دیت کی مثل ہے یہاں تک کہ وہ تہائی کو پہنچ جائے اور یہ مُنَقِّلَہ میں ہے یعنی اس زخم میں جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے الگ ہو جائے، پھر جو مُنَقِّلَہ سے زائد ہو وہ مرد کی دیت کا نصف ہو گا جو کچھ بھی ہو (جراحت ہو یا جان) (مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۳۹۲) یہی حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے ۔ اسی پر عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں تعامل تھا ۔ یہی ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے ۔ آج یہ افسوسناک صورت ہے کہ معتزلہ بلکہ جہمیہ فرقوں سے تعلق رکھنے والے ابوبکر اصم اور ابن علیہ کی پیروی کرتے ہوئے امت مسلمہ کے متفقہ مسائل کو اختلافی ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ کیا اس طرح نظام مصطفیٰ نافذ ہو سکے گا؟ عوام اور ارباب اقتدار تو پہلے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

۳۳۴۶/۱۵ وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ وَ لَا يُقْتَلُ صَاحِبُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

اور ان ہی سے روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہ عمد کی دیت شدید ہے[1] قتل عمد کی دیت کی طرح اور شبہ عمد کے صاحب[2] کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ابو داؤد)

[1] شبہ عمد اور تغلیظ کا معنی پہلی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

[2] یعنی اس طریقے سے قتل کرنے والے کو ——— یہ بات اس لیے فرمائی تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس قتل کو خاص طور پر شبہ عمد کیوں کہا جاتا ہے، یعنی جب قتل عمد کے مشابہ ہے تو چاہیے کہ اس کا حکم قتل عمد والا ہو، اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

۳۳۴۷/۱۶ وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَّةِ لِمَكَانِهَا بِثُلُثِ الدِّيَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو ہی سے مروی ہے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آنکھ کے بارے میں دیت کے تہائی حصے کا فیصلہ فرمایا جو اپنی جگہ قائم اور برقرار ہو[1]۔ (ابو داؤد، نسائی)

[1] یعنی جو آنکھ زخمی ہوئی اور اس کی بینائی جاتی رہی، لیکن وہ نہ تو اپنی جگہ سے باہر آئی اور نہ ہی چہرے کے حسن میں خلل پڑا اور اس طرح دکھائی دیتی ہو کہ جیسے وہ بالکل صحیح ہو ——— اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ دو آنکھوں میں پوری دیت ہے، جو سو اونٹ ہے اور ایک آنکھ میں پچاس اونٹ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ۔۔ ہی یہ کہہ رہے ہیں کہ علماء کسی مسئلے پر متفق ہی نہیں ہیں۔ ہم نافذ کریں تو کون سا اسلام نافذ کریں؟ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا گراں قدر علمی مقالہ "اسلام میں عورت کی دیت" ملاحظہ کیا جائے۔

(۱۲ قادری)

اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اس طریقے سے آنکھ ضائع ہو جائے تو دیت کا تیسرا حصہ ہے، بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس صورت میں ایک عادل شخص کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ منفعت بالکل ہی تو ختم نہیں ہوگئی، تو اس کا حکم وہی ہے جو اس دانت کا ہے جو ضرب سے سیاہ پڑ گیا ہو، عادل کے فیصلے کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ زخمی، غلام ہوتا تو ایسے زخم سے اس کی قیمت کتنی کم ہوتی؟ اس حساب سے جو کچھ اس کی دیت سے باقی ہو وہی لازم ہوگا، اس حدیث کو بھی عادل کے فیصلے پر محمول کیا ہے، مطلب یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ جو تہائی دیت کا حکم دیا ہے تو اس لیے کہ اس مخصوص صورت میں ہرجانہ اسی مقدار کو پہنچتا تھا یہ مطلب نہیں کہ یہی قاعدہ کلیہ ہے، علامہ توربشتی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے۔

۳۳۴۸/۱۷ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنِیْنِ بِغُرَّۃٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَۃٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت محمد بن عمرو، ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچے کے بارے میں غلام، لونڈی، گھوڑا، یا خچر دینے کا حکم فرمایا۔

(ابوداؤد)

وَقَالَ رَوٰی هٰذَا الْحَدِیْثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ وَ خَالِدُ الْوَاسِطِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَ لَمْ یَذْکُرْ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

انہوں نے فرمایا، اس حدیث کو حماد بن سلمہ[1] اور خالد واسطی[2] نے محمد بن عمرو سے روایت کیا اور ان میں سے کسی نے گھوڑے اور خچر کا ذکر نہیں کیا۔

(ابوداؤد، نسائی)

[1] حماد بن سلمہ، بصرہ کے جلیل القدر علماء اور ان کے ائمہ میں سے ہیں، انہوں نے احادیث بکثرت روایت کی ہیں، انکی روایت کا دائرہ بہت وسیع ہے، اتباع سنت اور عبادت میں مشہور تھے حمید طویل کے بھانجے تھے، ان سے امام شعبہ، امام مالک، ابن مبارک اور وکیع نے روایت کی، کاشف میں ہے وہ ثقہ اور صادق ہیں لیکن امام مالک ان سے زیادہ قوی ہیں، ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔

[2] خالد واسطی طحان، اللہ تعالیٰ کے صالحین بندوں میں سے افضل ترین شخصیت حافظ اور صحیح الحدیث

تھے، اسحاق بن ازرق نے کہا کہ میں نے خالد بن طحان سے کسی افضل شخصیت کو نہیں پایا، حاضرین نے کہا کہ آپ نے سفیان کی زیارت بھی ترک کی ہے، انہوں نے کہا کہ سفیان اپنے کام کے آدمی تھے اور خالد عوام الناس کے مطلب کے آدمی تھے، کہتے ہیں کہ حضرت خالد نے اپنے آپ کو تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے خریدا اور اپنے وزن کے برابر چاندی تقسیم کی

۵۳ حضرت حماد اور خالد دونوں نے حضرت محمد بن عمرو سے روایت کی، اس نام کے بہت سے راوی ہیں ان میں سے ایک محمد بن عمرو بن حزم ہیں

۵۴ بعض شارحین نے فرمایا کہ گھوڑے اور خچر کا ذکر، راوی کا وہم ہے کیونکہ غرّۃ کا اطلاق صرف مملوک انسان پر کیا جاتا ہے۔

۳۳۴۹/۱۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بتکلف اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرے حالانکہ اس سے طب معلوم نہیں ہے[۱] تو وہ ضامن ہے[۲] (ابوداؤد، نسائی)

[۱] یعنی وہ طب میں مشہور نہیں ہے اور اس فن میں مہارت اور دسترس نہیں رکھتا اور اس کے علاج سے بیمار مر جاتا ہے۔

[۲] وہ خود ساختہ طبیب ضامن ہے اور اس پر دیت واجب ہے اس سے قصاص اس لیے ساقط ہے کہ مریض نے اسے علاج کی اجازت دی تھی اور اس پر راضی تھا۔ اکثر علماء کے نزدیک اس کی دیت اس کے قبیلے پر ہے۔

۳۳۵۰/۱۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ غُلَامًا لِاُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ اُذُنَ غُلَامٍ لِاُنَاسٍ اَغْنِيَاءَ فَاَتٰى اَهْلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا اُنَاسٌ فُقَرَاءُ فَلَمْ يَجْعَلْ

حضرت عمران بن حصین[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ فقیر لوگوں[۲] کے غلام نے چند امیروں کے غلام کا کان کاٹ دیا کان کاٹنے والے غلام کے متعلقین نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم فقیر لوگ ہیں تو آپ نے ان پر

عَلَيْهِمْ شَيْئًا.
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

کچھ دیت لازم نہیں فرمائی ۳
(ابوداؤد و نسائی)

۱ عمران بن حصین، صاحب مناقب و کمالات مشہور صحابی ہیں۔
۲ یعنی اس غلام کا قبیلہ فقیر تھا اور اس سے یہ جرم خطأً واقع ہوا تھا، بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ لڑکا آزاد تھا کیونکہ غلام کا جرم اس کی گردن پر ہوتا ہے نہ کہ قبیلے پر۔
۳ معلوم ہوا ہے کہ قبیلے کے فقراء پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اگر مجرم، غلام ہوتا تو اس کا جرم اس کی گردن سے متعلق ہوتا، یہی اکثر علماء کا قول ہے اور مولا کا فقیر ہونا اسے دفع نہیں کرتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۳۳۵۱ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ اَثْلَاثًا ثَلٰثٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَّ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ جَذْعَةً وَّ اَرْبَعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ ثَنِيَّةً اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ حِقَّةً وَّ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ جَذْعَةً وَّ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ بَنَاتِ لَبُوْنٍ وَّ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ بَنَاتِ مَخَاضٍ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

تیسری فصل

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شبہ عمد کی دیت، اس حال ۱ میں کہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ۳۳ حقہ ہیں، ۳۳ جذعہ اور ۳۴ ثنیہ ہیں (جو چھٹے سال میں داخل ہوں) یہاں تک کہ وہ ایک سال کے بازل ہوں ۲۔ اس حال میں کہ سب ہی حاملہ ۳ ہوں۔ اور ایک روایت میں فرمایا: قتل خطا چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ۲۵ حقہ، ۲۵ جذعہ، ۲۵ بنت لبون اور ۲۵ بنت مخاض ۴۔
(ابوداؤد)

۱ اَثْلَاثًا حال ہے یا تمیز۔
۲ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا۔ ثنیہ سے متعلق ہے ———— بازل وہ اونٹ ہے جس کی کیلیں نمودار ہو چکی ہوں اور اس کی طاقت پایہ کمال کو پہنچ جائے، اور یہ آٹھ سال کے پورے ہونے اور نویں سال کے شروع ہونے پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ثنی ہے اور اس کے بعد بازلُ عامٍ اور بازلُ عامَین۔

(ایک سالہ اور دو سالہ بازل) کہتے ہیں۔ بازل اس مرد کو کہتے ہیں جو تجربے میں کامل ہو، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اَنَا بَازِلُ عَامَيْنِ، حَدِيثُ ٢ لسِنِّي۔ یعنی میں جوانی کی قوتوں کا جامع اور مکمل طاقت والا ہوں۔

سے۵ خَلِفَاتٌ خا پر زبر، لام کے نیچے زیر۔

سے۵ یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

۳۳۵۲ وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَضٰى عُمَرُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلَاثِيْنَ حِقَّةً وَّ ثَلٰثِيْنَ جَذَعَةً وَّ اَرْبَعِيْنَ خَلِفَةً مَا بَيْنَ ثَنِيَّةٍ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شبہ عمد میں تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس حاملہ اونٹنیوں کا فیصلہ فرمایا جو ثنیہ سے لے کر ایک سال کی بازل تک ہوں۔ (ابوداؤد)

سے۵ حضرت مجاہد مشہور تابعی اور اکابر فقہاء اور قراء میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سواری کے وقت ان کی رکاب تھام لیتے تھے۔

سے۵ یہ امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔ خلاصہ یہ کہ دیت کی تعیین میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ ان کے بعد مجتہدین نے اسی تفصیل کو اختیار کیا جو ان تک پہنچی اور ان کے نزدیک راجح قرار پائی۔

۳۳۵۳ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي الْجَنِيْنِ يُقْتَلُ فِي بَطْنِ اُمِّهٖ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ وَلِيْدَةٍ فَقَالَ الَّذِيْ قُضِيَ عَلَيْهِ كَيْفَ اَغْرَمُ مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا اَكَلَ وَ لَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَ مِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هٰذَا

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود قتل کیے جانے والے بچے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غلام یا لونڈی کی پیشانی کا فیصلہ فرمایا، جس پر حکم کیا گیا تھا اس نے کہا کہ میں اس بچے کا تاوان کیسے ادا کروں؟ جس نے نہ کھایا، نہ پیا اور نہ ہی آواز نکالی۔ ایسا شخص تو ضائع کیا جانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا وَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا)

فرمایا: یہ شخص نہیں ہے۔ مگر کاہنوں کے بھائیوں سے[3]۔

امام مالک اور نسائی نے یہ حدیث مرسلاً روایت کی ابوداؤد نے سعید بن مسیب سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے متصلاً روایت کی۔

[1] پیٹ میں قتل کیے جانے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر پیدا ہونے کے بعد قتل کیا جائے تو ایک انسانی جان کو قتل کرنے کی وجہ سے پوری دیت واجب ہوگی۔ جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

[2] اور اس کا خون پھینک دیا جانا چاہیے ——— یُطَلّ۔ یا پر پیش اور لام مشدد، طَلٌّ سے فعل مضارع کا صیغہ، خون کا ضائع ہونا۔ ایک روایت میں بَطَلَ ہے، ایک نقطے والی باء اور لام کی تخفیف کے ساتھ، ابطلان سے فعل ماضی کا صیغہ۔

[3] جو شارع علیہ السلام کے مقابلہ میں قول باطل کہتا ہے۔ علاوہ ازیں ناپسندیدہ مسجع کلام بھی اہل کتاب کی عادت ہے، وہ باطل اقوال کو رواج دینے اور اہل باطل کے اقوال کو مقبول عوام بنانے میں ایسا کلام استعمال کرتے ہیں، مسجع کلام مطلقاً مذموم نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن و حدیث میں واقع ہے۔ ہاں اگر ایسا کلام تکلف سے بولا جائے اور مقصد باطل کو رواج دینا ہو تو وہ مذموم اور قبیح ہے جیسے کہ اس شخص نے کیا۔

بَابُ مَا لَا يُضْمَنُ مِنَ الْجِنَايَاتِ

۲۶۸۔ان جنایات کا بیان جن کی ضمانت نہیں دی جاتی

حضرت مصنف نے جب ان جرائم کا ذکر کیا جو ضمانت، مثلاً قصاص اور دیت کے موجب ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ ان جرائم کا ذکر کریں جن میں ضمانت نہیں ہے، اگرچہ ان سے نہی تحریمی یا تنزیہی وارد ہے۔ جیسے کہ احادیث میں آئے گا۔ اور اس نہی کی بنا پر تعزیر اور تادیب لازم آتی ہے۔ جنایات، گناہوں کو کہتے ہیں ضمان قبول کرنا تضمین قبول کرانا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۳۵۴ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَّ الْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چارپائے کا زخمی کر دینا باطل ہے[1]، کان باطل ہے۔ اور کنواں باطل ہے۔

(صحیحین)

[1] اس میں ضمانت کا مطالبہ نہیں ہے ——— عجماء عین پر زبر، جیم ساکن، آخر میں الف ممدودہ، چارپایہ اور ہر وہ چیز جو گفتگو کی طاقت نہ رکھے، مذکر کا اسم اور مونث کو عجماء کہتے ہیں جرح جیم پر پیش ہو تو اس کا معنی زخم ہے اور زبر ہو تو اس کا معنی زخمی کرنا ہے ——— جُبار جیم پر پیش، باء مخفف، ضائع اور باطل ——— یعنی اگر کسی کا چارپایہ کسی کا مال ضائع کر دے یا کسی کی کھیتی پامال کر دے تو کوئی چیز لازم نہیں ہے اور ضمانت بھی نہیں ہے یہ اس صورت میں ہے کہ اس کے ساتھ آ گیا

پیچھے سے چلانے والا نہ ہو اور اگر ہو تو اس پر ضمانت ہے، اگر اس کی پشت پر سوار ہو تو وہ بھی ضامن ہوگا، ہدایہ میں ہے پیچھے سے چلانے والا اس چیز کا ضامن ہے جسے چوپایہ ہاتھ یا پاؤں سے ضائع کر دے اور آگے سے کھینچنے والا اس چیز کا ضامن ہے جسے وہ ہاتھ سے ضائع کرے، جس چیز کو پاؤں سے ضائع کرے اس کا ضامن نہیں ہے اور سوار ہر اس چیز کا ضامن ہے جسے چوپایہ ہاتھ پاؤں یا سر سے ضائع کر دے اگر ایک سوار ہو اور دوسرا پیچھے سے چلانے والا تو ہانکنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ رات کے وقت بھاگ جائے۔ (تو ضمانت ہوگی) کیوں کہ رات، باندھنے اور حفاظت کرنے کا وقت ہے، اگر دن میں بھاگ جائے تو ضمانت نہیں ہے۔

۵ یعنی اگر کوئی شخص کان میں داخل ہوا یا اس کے کنارے کھڑا ہوا اور کان گر گئی اور وہ شخص ہلاک ہو گیا تو کان کھودنے والے پر ضمانت نہیں ہے یا ایک شخص کو کان کھودنے پر مزدور رکھا، کان اس پر گر پڑی اور وہ ہلاک ہو گیا تو کان والے پر ضمانت نہیں ہے۔ یہ حکم کان کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کے علاوہ کسی کو کرایہ پر لینے کی صورتوں میں بھی جاری ہے، پہلی وجہ اس معنی کے مطابق ہے جو شارحین نے وَالْبِئْرُ جُبَارٌ کی شرح میں بیان کیا ہے۔ یعنی ایک شخص نے مباح زمین میں کنواں کھودا، اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا، کنواں کھودنے والے پر اس کی ضمانت نہیں ہے۔

۳۳۵۵ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِي أَجِيْرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِّ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ وَقَالَ أَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک[۱] میں شرکت کی میرا ایک مزدور تھا وہ ایک آدمی سے لڑ پڑا ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ کھایا، جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا تو اس کے ثنیہ دانت اکھیڑ دیئے[۲]۔ تو وہ گر پڑے وہ شخص[۳] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کے ثنیہ دانت، باطل قرار دیئے[۴]۔ اور فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں رکھتا

کہ تم اسے نر ^۶ اونٹ کی طرح چبا ڈالتے۔

(صحیحین)

۱ یعلیٰ بن امیہ صحابی ہیں، قریش کے حلیف تھے، فتح مکہ کے دن اسلام لائے، غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نجران کے عامل تھے، اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲ غزوہ تبوک کو جیش العسرۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس موقع پر ہوا کی گرمی، زادِ راہ اور سواریوں کی قلت کے سبب بہت سختی اور دشواری تھی، یہاں تک کہ مروی ہے کہ صحابہ کرام بعض اوقات درختوں کے پتے کھاتے تھے اور اونٹوں کی اوجھڑی نچوڑ کر حلق تر کرتے تھے، اس لشکر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر خرچ فراہم کیا اور اس طرح جنت خرید لی، اسی لیے ان کے مناقب میں کہا جاتا ہے۔ مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ غزوہ تبوک کو سازوسامان فراہم فرمانے والے۔

۳ ندر بے نقطہ دال کے ساتھ، گر جانا، اِنْدَارٌ گرا دینا۔

۴ جس کے دانت ٹوٹ گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ اس کا حق دلائیں اور فیصلہ فرمائیں۔

۵ اور اس کے لیے کوئی معاوضہ لازم نہ فرمایا۔

۶ طاقتور اور تندرست اونٹ کی طرح ——— یہی اس شخص کا حکم ہے جو اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہو، جیسے کہ عورت، اس شخص سے اپنا دفاع کرے جو اس کے ساتھ فسق کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن چاہیے کہ مدافعت میں نرمی کرے (اور قتل کرنے سے گریز کرے) سوائے اس شخص کے جو قتل کا ارادہ رکھتا ہو۔ ———

قضم قاف اور نقطے والے ضاد کے ساتھ، چار پائے کا چارے کو کھانا، اور کسی چیز کو چبا کر ریزہ ریزہ کر دینا کہ اس کے لیے دانتوں کے کنارے ہی کافی ہوں، باب سَمِعَ سے یا ضَرَبَ سے۔

۳۲۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنے مال کے پاس ^۱ قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔ (صحیحین)

۱ مال کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، اسی طرح جو اپنے اہل کا تحفظ کرتا ہوا مارا گیا۔

۳۳۵۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ جَآءَ رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَخْذَ مَالِیْ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَاتَلَنِیْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ قَالَ فَاَنْتَ شَهِیْدٌ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ فِی النَّارِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص آئے جو میرا مال لینا چاہتا ہو تو؟ فرمایا: تم اسے اپنا مال نہ دو، انہوں نے کہا کہ اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہے تو؟ فرمایا: تم اسے قتل کر دینا، عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا تم شہید ہو، عرض کیا اگر میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: وہ آگ میں ہے۔

(مسلم)

لہ میں کیا کروں؟
لہ اور اس کے ساتھ جنگ کرو
لہ تو اس کا حال کیا ہے؟

۳۳۵۸ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِكَ اَحَدٌ وَّلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَخَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَیْنَهٗ مَا كَانَ عَلَیْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکےلہ اور تم نے اسے اجازت نہ دی ہو اور تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(صحیحین)

لہ صراح میں ہے اطلاع کا معنی ہے مسلسل کسی چیز کی طرف دیکھنا۔

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جائز طریقے سے حاصل ہونے والی نجی دولت کو کتنا تحفظ فراہم کیا ہے؛ تاہم اگر کچھ لوگ بھوک اور افلاس کے ہاتھوں جاں بلب ہوں اور دوسرے دولت کی فراوانی میں کھیل رہے ہوں تو حاکم کو اختیار ہے کہ ان سے زبردستی دولت وصول کر کے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے ۱۲ قادری

ے خذف نقطے والی خاء اور ذال کے ساتھ، انگشت شہادت اور انگوٹھے کے ساتھ کنکر پھینکنا، جیسے کہ اس کا طریقہ باب حج میں بیان کیا جا چکا ہے۔ امام شافعی نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس شخص پر ضمانت نہیں ہے، بعض علماء نے فرمایا، یہ اس صورت میں ہے کہ اسے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس پر ضمانت ہے اور حدیث مبالغہ اور زجر و تشدید پر محمول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴۵۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ فِيْ جُحْرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهٖ رَاْسَهٗ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِيْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے کے سوراخ[2] میں جھانکا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک سلائی[3] تھی جس کے ساتھ آپ اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے، آپ نے فرمایا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو یہ سلائی تمہاری آنکھ میں گھونپ دیتا[4]، اجازت لینا نگاہ کی حفاظت کے لیے ہی مقرر کیا گیا ہے[5]۔ (صحیحین)

لہ سہل بن سعد ساعدی انصاری، مشہور صحابی ہیں اور صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں رحلت فرمائی۔

کہ جحر پہلے جیم مضموم، پھر حاء ساکنہ، سوراخ۔

کہ مدری میم کے نیچے زیر، دال ساکن، بڑی سوئی ایسی لکڑی (کلپ) جیسے عورت بالوں کے اکٹھے کرنے کے لیے سر میں لگاتی ہیں، بعض علماء نے کہا خلال ایسی لکڑی یا لوہا جس کا سر ہوتا ہے، جہاں ہاتھ نہ پہنچے وہاں اس کے ساتھ کھجاتے ہیں صراح میں ہے مدری سیخ اور بڑی شاخ جس کے ساتھ عورتیں مانگ درست کرتی ہیں۔

کہ اس سوراخ سے ——— صراح میں ہے طعن نیزہ مارنا۔

ھ کسی اجنبی کے گھر میں داخل ہوتے وقت، اجازت طلب کرنا اسی لیے مشروع ہے کہ گھر کے

اندر دیکھنے پر پابندی عائد کی جا سکے۔ اجازت کے بغیر اندر دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے اجازت کے بغیر اندر آنا۔

۳۳۶۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَا تَخْذِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ اِنَّهٗ لَا يُصَادُ بِهٖ صَيْدٌ وَّلَا يُنْكَاُ بِهٖ عَدُوٌّ وَّلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَاُ الْعَيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مغفل[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کنکر پھینکتے ہوئے دیکھا اور فرمایا، کنکر نہ پھینکو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس سے نہ تو شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دشمن[۳] کو زخمی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ[۴] کبھی دانت توڑ دیتی ہے اور آنکھ پھوڑ دیتی ہے۔ (صحیحین)

[۱] عبداللہ بن مغفل میم پر پیش اور نقطے دال غین پر زبر، فا مشدد پر زبر، بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابی ہیں، پہلے مدینہ منورہ میں مقیم تھے پھر بصرہ چلے گئے وہاں مکان تعمیر کیا اور وہیں وصال ہوا۔ حضرت حسن بصری اور ابوالعالیہ ان سے روایت کرتے ہیں سنہ ۶۰ھ میں رحلت فرمائی۔

[۲] خذف کا معنی اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے (کنکر پھینکنا)

[۳] دین کے دشمن کو ——— یعنی اس میں نہ دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی: صرف لہو و لعب ہے۔ اس کے باوجود اس سے لوگوں کا نقصان بھی ہوتا ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[۴] لکنھا کی ضمیر اس فعل کی طرف راجع ہے یا کنکر کی طرف یا پھینکنے کی طرف۔ ——— اگر نقصان کسی کافر حربی کو پہنچے تو یہ کار خیر ہے لیکن عرف اور عادت کے مطابق اس کی وضع اس مقصد کے لیے نہیں ہے۔

۳۳۶۱ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مَسْجِدِنَا اَوْ فِيْ سُوْقِنَا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد[۱] یا ہمارے بازار میں گزرے اور

وَ مَعَهٗ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلٰى نِصَالِهَا اَنْ يُّصِيْبَ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهَا بِشَيْءٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس کے پاس تیر ہوں تو وہ ان کی نوک کو پکڑے اس خوف سے کہ ان کی نوکوں سے کسی مسلمان کو کچھ زخم نہ پہنچا دے۔
(صحیحین)

سلہ یعنی مسلمانوں کی مسجد یا ان کے بازاروں میں، اجتماع کے دیگر مقامات کا بھی یہی حکم ہے۔

۳۳۶۲/۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشِيْرُ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِيْ يَدِهٖ فَيَقَعُ فِيْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی پر ہتھیار سلہ سے اشارہ نہ کرے؛ کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ ہو سکتا ہے شیطان اس کے ہاتھ میں موجود ہتھیار کو کھینچ سلہ لے تو وہ شخص آگ کے گڑھے میں گر جائے سلہ۔
(صحیحین)

سلہ سلاح سین کے نیچے زیر، لوہے سے بنایا ہوا آلہ حرب۔
سلہ یعنی ہتھیار اس کے بھائی کو لگ جائے، یہ معنی اس وقت ہے جب ینزع بے نقطہ عین کے ساتھ ہو ایک روایت میں نقطے والی غین کے ساتھ آیا ہے ینزغ سے جس کا معنی فساد، تباہی میں ڈالنا اور ورغلانا ہے، یعنی اسے فساد میں ڈالے، اسے اکسائے کہ تم ہنسی، مزاح سے ہتھیار لہراؤ پھر اسے سنجیدگی پر ابھار دے۔
سلہ یعنی گناہ میں واقع ہو جائے (اور اپنے مسلمان بھائی کو زخمی کر دے یا قتل کر ڈالے)۔
۱۲ قادری

۳۳۶۳/۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَشَارَ اِلٰى اَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهٗ حَتّٰى يَضَعَهَا وَ اِنْ كَانَ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَ اُمِّهٖ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے سلہ سے اشارہ کیا (لہرایا) تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسے رکھ دے، اگرچہ وہ اس سلہ کا حقیقی بھائی ہی ہو۔
(بخاری)

۱؎ مثلاً تیر یا تلوار سے یا چاقو، سریا وغیرہ سے۔
۲؎ جس کی طرف اشارہ کیا گیا یا اشارہ کرنے والا، حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ایسی جگہ ارادے اور سنجیدگی کی گنجائش نہیں ہوتی، محض ہنسی، مزاح مقصود ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کی طرف لعنت متوجہ ہوتی ہے ایسی حرکت سے بطور مبالغہ منع کرنا مقصود ہے۔

۳۳۶۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِي هُرَيْرَةَ[11] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا[۱] وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری) امام مسلم نے اضافہ کیا جس نے ہم سے خیانت کی[۲] وہ ہم میں سے نہیں ہے

۱؎ اور ہمارے طریقے پر نہیں ہے ظاہر یہ ہے کہ ہتھیار کا اٹھانا لہو و لعب کے طور پر ہوگا، جیسے کہ سابق حدیث میں گزرا تاکہ اس حکم کا فائدہ دے ورنہ ظاہر ہے کہ جنگ کے طور پر ہتھیار اٹھانے والا مسلمانوں کے طریقے پر نہیں ہے۔
۲؎ اور خیر خواہی ترک کی، جیسے کہ مثلاً فروخت کیے جانے والے مال کے عیب کو چھپائے۔

۳۳۶۵ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ[12] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سلمہ بن اکوع[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہم پر تلوار کھینچی[۲] وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

۱؎ حضرت سلمہ بن اکوع مشہور صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شامل ہوئے، بہادر تیر انداز اور طاقتور تھے پیدل اتنا تیز دوڑتے کہ سواروں کو پیچھے چھوڑ جاتے۔
۲؎ یہ بھی مزاح اور جنگ کا ارادہ ترک کرنے پر محمول ہے، جیسے کہ اس سے پہلے کہا گیا، تاکہ یہ حدیث باب کے عنوان کے موافق ہو جائے۔ ورنہ جو شخص قتل کے ارادے سے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائے۔ مسلمانوں پر اپنے دفاع کے طور پر اسے قتل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ باغی ہے اور بغاوت کی بنا پر اس کے خون کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔

۳۳۶۶/۱۳ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلٰى اُنَاسٍ مِّنَ الْاَنْبَاطِ وَ قَدْ اُقِيْمُوْا فِي الشَّمْسِ وَ صُبَّ عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هٰذَا قِيْلَ يُعَذَّبُوْنَ فِي الْخَرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہشام بن عروہ[1] اپنے والد[2] سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم[3] شام میں کچھ کسانوں[4] کے پاس سے گزرے جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر زیتون کا تیل[5] ڈال دیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا یہ کیا ہے[6]؟ کہا گیا کہ انہیں ٹیکس کے بارے میں عذاب دیا جا رہا ہے، حضرت ہشام نے فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دوسرے لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔ (مسلم)

[1] ہشام بن عروہ، احادیث کثیرہ کے راوی، تابعی ہیں، بڑے عالم، ثقہ، امام اور حجت ہیں، امام شہید حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے دنوں میں پیدا ہوئے، حضرت انس اور اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زبیر سے حدیث سنی ۱۴۶ھ میں رحلت فرمائی۔

[2] حضرت عروہ بن زبیر بن عوام، وہ بھی اکابر اور ثقہ تابعین میں سے ہیں نیز مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں، وہ اپنے والد، والدہ، حضرت عائشہ، عبداللہ بن عمرو اور دیگر اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ سے ان کی روایات بہت ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھتے ۹۴ھ میں وصال ہوا۔

[3] ہشام بن حکیم بن حزام، افاضل صحابہ میں سے ہیں، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں مشہور تھے۔

[4] انباط جمع ہے نبط کی، یہ لوگ شام کے عیسائیوں کی رعایا میں سے تھے اور کچھ عراق کے اس پاس رہنے والے تھے۔

[5] گرم کیا ہوا۔

[6] اور ان کو عذاب کیوں دے رہے ہیں۔

ؔکہ جو انہوں نے ادا نہیں کیا۔

ؔشہ کسی حق شرعی کے بغیر خصوصاً ایسا سخت اور شدید عذاب اور ایسے جرم پر، اور اس چیز کے ساتھ عذاب دینا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسانوں کو عذاب دے گا جیسے زیتون کا گرم تیل سر پر ڈالنا۔

۳۳۶۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ (۱۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰی قَوْمًا فِیْ اَیْدِیْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ یَغْدُوْنَ فِیْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ یَرُوْحُوْنَ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ یَرُوْحُوْنَ فِیْ لَعْنَةِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری ؔلہ عمر دراز ہوئی تو قریب ہے کہ تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں جیسی چیز ؔلہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں صبح کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں شام کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں شام کریں گے ؔلہ (مسلم)

ؔلہ حضرت ابوہریرہ سے خطاب ہے یا کسی دوسرے صحابی سے۔

ؔلہ چمڑے کے تازیانے مراد ہیں۔

ؔلہ وہ لوگ مراد ہیں جو ظالموں کے دروازوں پر پھرتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں اور لوگوں کو مارتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور کاٹنے والے کتوں کا حکم رکھتے ہیں۔ (ناحق خلق خدا کو اذیت پہنچانے والے ظالم و جابر پولیس کے کارندوں اور افسروں کو بھی اس حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔)

۱۲ قادری

۳۳۶۸ وَعَنْهُ قَالَ (۱۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِیَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَ نِسَاءٌ كَاسِیَاتٌ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل نار کی دو قسمیں ہیں جنہیں ہم نے نہیں دیکھا ؔلہ (۱) کچھ لوگ ہوں گے جن کے پاس گائے کی دموں ایسے چابک ہوں گے ان کے ساتھ وہ لوگوں کو ماریں گے (۲) عورتوں کی ایک جماعت

عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَاِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہوں گی جو لباس پہن کر برہنہ ہوں گی[۲] مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں، خود ان کی طرف مائل ہونے والیاں[۳] ان کے سر بختی اونٹنیوں کی ایک طرف جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے[۴] وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی[۵] حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت[۶] سے محسوس کی جائے گی۔

(مسلم)

[۱] بلکہ ہم انہیں اپنے زمانے میں دیکھیں گے بھی نہیں، کیونکہ وہ زمانہ ایسے لوگوں سے پاک صاف تھا صنف صاد کے نیچے زیر، نون ساکن، قسم۔

[۲] اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں (۱) لباس کے ہوتے ہوئے جسم کو برہنہ رکھیں گی، (۲) ایسے باریک کپڑے پہنیں گی کہ ان کے جسم دکھائی دیں گے، لہٰذا وہ اگرچہ بظاہر کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی لیکن برہنہ کے حکم میں ہوں گی۔ (۳) کچھ جسم کو پوشیدہ رکھیں گی اور کچھ حصہ جسم کو برہنہ، جیسے برقع پس پشت ڈال دیں گی، چھاتی اور پیٹ کو برہنہ رکھیں گی جو محل شہوت ہیں (۴) دنیا میں تو انہوں نے قیمتی لباس پہنے ہوئے ہیں اور تقویٰ کے لباس سے عاری ہیں جس کے بدلے انہیں آخرت میں جنتی حلے ملتے۔

[۳] ممیلات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے برقعوں کو سروں سے اتار کر ایک طرف ڈالنے والیاں، تاکہ اپنے چہرے لوگوں کو دکھائیں اور مائلات کا مطلب ہے مردوں کی دل ربائی کے لیے ناز و انداز سے چلنے والیاں یا مائلات کا معنی ہے خرام ناز کا مظاہرہ کرنے والیاں اور ممیلات کا معنی ہے کندھوں اور کولہوں کو مٹکانے والیاں یا مائلات کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پاک دامنی سے برگشتہ ہونے والیاں جوان پر واجب ہے۔ اور ممیلات کا معنی ہے دوسری عورتوں کو اپنے جیسے کردار کی تعلیم دینے والیاں، اس کے علاوہ بھی کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں جو شرح لمعات میں مذکور ہیں۔

[۴] ان عورتوں نے بالوں کے جوڑے بنائے ہوئے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے موٹاپے کے سبب ایک طرف جھکی ہوئی کوہانیں ہوں۔ جیسے کہ مصر کی عورتوں کی عادت ہے (اب تو پاکستان میں بھی بالوں کی آرائش کے نت نئے ڈیزائن اور کئی طرح کے جوڑے دیکھے جا سکتے ہیں ۱۲ قادری) ________ مردوں کی وہ قسم

اور عورتوں کی یہ قسم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقدس مآب دور میں بالکل نہیں تھی، ان کی خبر دینا معجزہ ہے (اس حدیث میں امت کے غیبی احوال بیان کیے گئے ہیں ۱۲ قادری)

۵ اس کی تاویل اس سے پہلے گزر چکی ہے (کہ وہ اولین سابقین کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گی ورنہ اہل ایمان ضرور جنت میں جائیں گے اگرچہ اپنے گناہوں کی سزا برداشت کرنے کے بعد ہی سہی۔

۶ انتہائی دور دراز کی مسافت سے۔
۱۲ قادری

۳۳۶۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔
۱۶
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص جنگ[۱] کرے تو چہرے سے گریز کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت اور صفت پر پیدا فرمایا[۲]۔
(صحیحین)

۱ یعنی مارے پیٹے اور جھگڑا کرے، بعض شارحین نے فرمایا کہ جنگ اگرچہ کافروں سے ہو تو چہرے سے اجتناب کرے اور چہرے پر نہ مارے ——— اجتناب ایک طرف ہونا، کنارے پر ہونا۔

۲ اور انسان کو اپنی صفات جلالیہ اور جمالیہ کا مظہر بنایا، یا یہ مطلب ہے کہ اسے خاص صورت دے کر پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف صورت کی اضافت تشریف و تکریم کے لیے ہے جیسے کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں ہے بعض شارحین نے فرمایا: ضمیر آدم کی طرف راجع ہے[۱] یعنی اس صورت میں پیدا فرمایا جو آدم کے ساتھ خاص ہے۔ تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور خصائص و کرامات پر مشتمل ہے۔ حاصل مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اجناس مخلوقات میں سے اشرف بنایا اور اس کے اعضا میں سے چہرہ اشرف ترین عضو اور انسان کی صورت اور اس کے کمال کے جلوہ گر ہونے کا مقام ہے لہذا چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ شارحین نے فرمایا کہ یہ امر تجاہلی ہے، شرح میں اس سے زیادہ کلام کیا گیا ہے، وہاں مطالعہ کیا جائے۔

---

۱ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسانی صورت پر ہی پیدا فرمایا تھا، اس سے ڈارون کی تھیوری غلط ثابت ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ ہزاروں، لاکھوں سال کے کیمیاوی عمل کے نتیجے میں جمادات، نباتات، حیوانات سب نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور آج جو انسان نما جانور نظر آتا ہے وہ بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے یہ نظریہ نہ شرعاً درست ہے اور نہ ہی عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے۔ ۱۲ قادری۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۳۴۰ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَہٗ فِی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ یُّؤْذَنَ فَرَاٰی عَوْرَۃَ اَھْلِہٖ فَقَدْ اَتٰی حَدًّا لَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّاْتِیَہٗ وَلَوْ اَنَّہٗ حِیْنَ اَدْخَلَ بَصَرَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ رَجُلٌ فَفَقَأَ عَیْنَہٗ مَا عَیَّرْتُ عَلَیْہِ وَاِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰی بَابٍ لَا سِتْرَ لَہٗ غَیْرِ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِیْئَۃَ عَلَیْہِ اِنَّمَا الْخَطِیْئَۃُ عَلٰی اَھْلِ الْبَیْتِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پردہ اٹھایا[۱] اور قبل اس کے کہ اسے اجازت دی جائے، گھر کے اندر نظر ڈالے اور گھر والوں کے ستر[۲] کو دیکھ لے تو اس نے ایسا قابلِ سزا[۳] کام کیا ہے جو اس کے لیے جائز نہ تھا اور جب وہ اندر نظر ڈالے تو اگر اسی وقت کوئی مرد اس کے سامنے آجائے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو ہم اسے سرزنش نہیں کریں گے[۴] اور اگر کوئی مرد بے پردہ کھلے دروازے[۵] کے پاس سے گزرے اور اس کی نظر پڑ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ گناہ تو صرف اہلِ خانہ پر ہے[۶]۔

(امام ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ کشف، کھولنا، برہنہ کرنا۔

۲؎ صراح میں ہے عورت آدمی کی شرم کی جگہ اور ہر وہ چیز جس کے دیکھنے اور دکھانے سے شرم آئے۔

۳؎ اس جگہ حد سے مراد تعزیر ہے ______ یا وہ حد فاصل مراد ہے جو حائل ہو ان دو جگہوں کے درمیان جہاں آنا چاہیے اور نہیں آنا چاہیے۔

۴؎ اور اس پر اعتراض نہیں کریں گے۔

۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دروازہ بند کرنا ضروری ہے یا پھر آگے پردہ لٹکایا جائے۔

سے کہ انہوں نے دروازہ کیوں بند نہیں کیا اور پردہ کیوں نہیں لٹکایا۔

۳۳۷۱/۱۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برہنہ تلوار کے پکڑنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

لہ تعاطی کا معنی کسی کے ہاتھ سے پکڑنا ہے، اس جگہ مطلق پکڑنا مراد ہے (ظاہر یہ ہے کسی کے ہاتھ سے برہنہ تلوار لینا ہی مراد ہے مبادا کسی کا ہاتھ زخمی ہو جائے، ورنہ شمشیر زنی کرتے وقت اور دوران جنگ برہنہ تلوار ہی ہاتھ میں ہوگی ۱۲ قادری۔

۳۳۷۲/۱۹ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّقَدَّ السَّيْرُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حسن بصری حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

لہ حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی ہیں، بصرہ میں قیام پذیر تھے، حضرت حسن بصری اور دیگر محدثین ان سے روایت کرتے ہیں۔

سے قد قاف اور دال مشدد کے ساتھ، کاٹنا، چیرنا ——— سیر سین پہ زبر، یا ساکن تسمہ، ممانعت کی وجہ ہے کہ کہیں انگلی زخمی نہ ہو جائے۔ یہ از راہ شفقت، نہی تنزیہی ہے۔

۳۳۷۳/۲۰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے خون کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔ جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت

دُوْنَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے[2] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نون پر پیش، فا پر زبر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی ہیں۔

[2] اکثر علما اس امر کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کا خون بہانے یا مال لوٹنے کا ارادہ کرے یا اس کے اہل وعیال سے تعرض کرے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ اس شخص کو آسان اور اچھے طریقے سے دفع کرے اور اگر جنگ کے بغیر باز نہ آئے تو جنگ کرے، پھر اگر وہ مارا جائے تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ وہ شہید ہے۔

۳۳۷۴/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَوْ قَالَ عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) وَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَلرِّجْلُ جُبَارٌ ذُكِرَ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک بڑا دروازہ اس شخص کے لیے ہے جو میری امت یا فرمایا امت محمد پر تلوار کھینچے[1] (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث[2] کہ جو چیز[3] پاؤں سے تلف کی جائے ساقط ہے باب الغصب میں بیان کی گئی ہے[4]۔

[1] اس کی شرح دوسری فصل میں حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث کے تحت بیان کی گئی ہے۔

[2] جو صاحب مصابیح نے اس جگہ بیان کی ہے۔

[3] کھیتی وغیرہ

[4] اور اس کی شرح بھی اس جگہ گزر چکی ہے اور اس جگہ بھی فصل اول میں کچھ بیان گزرا ہے۔

بَابُ الْقَسَامَةِ

۲۶۹- قسم لینے کا بیان

قسامت، قاف پر زبر، قسم کھانا، شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی محلے میں کوئی مقتول پایا گیا اور اس کا قاتل معلوم نہیں ہے تو مقتول کے وارث پچاس قسمیں کھائیں گے کہ ہم مقتول کے خون کے مستحق ہیں یا محلے والے قسمیں کھائیں گے جن پر تہمت ہے کہ ہم نے قتل نہیں کیا، یہ دو صورتیں اس لیے ہیں کہ ائمہ میں اختلاف ہے، مقتول کے رشتے دار، محلے کے جن لوگوں کو منتخب کریں گے وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا پتا ہے، اس کی دلیل مشہور حدیث ہے۔ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور منکر پر قسم ہے اسی طرح تیسری فصل میں آنے والی حضرت رافع بن خدیج سے مروی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ان کے درمیان عداوت اور آویزش ہو اور غالب گمان ہو کہ انہوں نے قتل کیا ہے تو مقتول کے رشتہ داروں سے قسم لی جائے اور اگر وہ قسم کھانے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کی تہمت ہے۔ اس پر حضرت رافع بن خدیج کی پہلی حدیث دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعویٰ ہو، بلکہ اس میں دیت واجب ہے خواہ قتل عمد کا دعویٰ کریں یا خطا کا، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو قصاص لینا چاہیے، امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے، اس باب کے تمام مسائل اور دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ——— قسامت جاہلیت کے احکام میں سے ہے جنہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی برقرار رکھا اور انصار کی ایک جماعت میں اس کا حکم فرمایا جب انہوں نے خیبر کے یہودیوں پر قتل کا دعویٰ کیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۳۷۵ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ وَ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَّ مُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِى النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَآءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَّ حُوَيِّصَةُ وَ مُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُوْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوْا فِىْ اَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَاَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ كَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يَعْنِىْ لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْاَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحِقُّوْا قَتِيْلَكُمْ اَوْ قَالَ صَاحِبَكُمْ بِاَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْرٌ لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ فِىْ اَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَوْمٌ

حضرت رافع بن خدیج[۱] اور حضرت سہل بن ابی حثمہ[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سہل[۳] اور محیصہ بن مسعود[۴] دونوں خیبر آئے اور کھجور کے درختوں میں جدا جدا رستوں میں[۵] چلے گئے، پس عبد اللہ بن سہل قتل کر دیے گئے، حضرت عبد الرحمن بن سہل[۶] اور مسعود کے دو بیٹے حویصہ اور محیصہ[۷] نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ساتھی[۸] کے بارے میں گفتگو کی اور گفتگو کی ابتداء عبد الرحمن نے کی[۹]، حالانکہ وہ اس قوم میں سب سے کم عمر تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بڑے کی تعظیم کرو[۱۰]۔ یحییٰ بن سعید[۱۱] کہتے ہیں مطلب یہ تھا کہ بڑا آدمی گفتگو کرے[۱۲]۔ انہوں نے تفصیل بیان کی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی پچاس قسموں سے اپنے مقتول یا فرمایا ساتھی[۱۳] کے مستحق ہو جاؤ، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایسا معاملہ ہے جسے ہم نے نہیں دیکھا[۱۴]: فرمایا، پھر یہود تمہیں اپنی پچاس قسموں کے ذریعے تمہیں اس گمان سے بری کر دیں گے[۱۵]، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کافروں کی جماعت ہے[۱۶]

كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَتَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ اَوْ صَاحِبَكُمْ فَوَادَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ بِمِائَةِ نَاقَةٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے مقتول کے وارثوں کو فدیہ عنایت فرمایا، اور ایک روایت میں ہے تم پچاس قسمیں کھاؤ اور اپنے قاتل یا فرمایا اپنے صاحب کے مستحق بن جاؤ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی دیت ادا فرما دی۔

(صحیحین)

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ

یہ باب دوسری فصل سے ..... خالی ہے۔

۱؎ رافع بن خدیج نقطے والی خا پر زبر، بے نقطہ دال کے نیچے زیر، یا ساکن اور آخر میں جیم انصاری صحابی ہیں، بدر میں کم سنی کی باعث حاضر نہ ہو سکے، جنگ احد اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے ۷۴ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی ۱۲ مراۃ)۔

۲؎ سہل بن ابی حثمہ حا پر زبر، تین نقطے والی ثا ساکن، کم عمر صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ ابوحثمہ کا نام عبداللہ بن ساعدہ انصاری ہے۔

۳؎ عبداللہ بن سہل، یہ بھی انصاری ہیں، عبدالرحمٰن بن سہل کے بھائی اور صاحب علم و دانش تھے، اور محیصہ کے بھتیجے تھے۔

۴؎ محیصہ میم پر پیش، بے نقطہ حا پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر، بن مسعود، حویصہ بن مسعود کے بھائی اور دونوں مشہور صحابی ہیں۔

۵؎ تفریح کے لیے

۶؎ مقتول کے بھائی

۷؎ یہ دونوں مقتول کے چچا تھے ——— حویصہ حا پر پیش، واو پر زبر اور یا مشددہ

کے نیچے زیر۔

شہ جو شہید کر دیے گئے تھے۔

شہ جو مقتول کے بھائی تھے۔

نلہ یعنی جو تم سے بڑا ہے اسے پہلے بات کرنے دو ـــــــ اکثر روایات میں کَبِّرْ کَبِّرْ بڑے کو لازم پکڑو یا بڑے کو پہلے بات کرنے دو۔

لله جو اس حدیث کے راوی ہیں، اس کلام کی تفسیر کرتے ہوئے۔

لله یہ اس امر کی دلیل ہے کہ بڑا آدمی تعظیم اور پہلے کلام کرنے کا زیادہ حق دار ہے، نیز حدود میں وکیل بنانا جائز ہے اور حاضر شخص کا کسی کو وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ خون کے حق دار عبد الرحمن بن سہل تھے جو مقتول کے بھائی تھے اور حویصہ اور محیصہ ان کے چچا تھے۔

لله یعنی اس کی دیت یا قصاص کے ـــــــ خمسین، ایمان کا مضاف الیہ ہے یا اس کی صفت ہے پہلی صورت میں معنی ہوگا تمہارے پچاس مردوں کی قسموں سے، دوسری صورت میں یہ معنی ہے پچاس قسموں سے۔

لله اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟

لله کہ وہ قاتل نہیں ہیں اور اپنے ذمہ سے تہمت کی نفی کریں گے ـــــــ تبرئکم ابراء سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بے زار کرنا، بعض نسخوں میں۔ فتبرئکم تبرئۃ سے معنی وہی ہے۔

لله ان پر کیا اعتبار ہے۔

لله یعنی دیت اپنے پاس سے عطا فرمائی، فتنہ ختم کرنے کے لیے ـــــــ قبل قاف کے نیچے زیر یا پر زبر، جانب ـــــــ فدا فا کے نیچے زیر ہو تو آخر میں الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں پڑھ سکتے ہیں فا پر زبر ہو تو الف مقصورہ ہوگا۔ خون بہا، جان کی قیمت۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۳۷۶ عَنْ رَّافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ أَصْبَحَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ مَقْتُولًا بِخَيْبَرَ فَانْطَلَقَ أَوْلِيَاءُهُ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کا ایک شخص خیبر میں قتل ہو گیا۔ اس کے رشتہ داروں نے

اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اَلَكُمْ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلٰى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّمَا هُمْ يَهُوْدٌ وَقَدْ يَجْتَرِءُوْنَ عَلٰى اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوْا مِنْهُمْ خَمْسِيْنَ فَاسْتَحْلِفُوْهُمْ فَاَبَوْا فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قاتل پر گواہی دیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہاں مسلمانوں کا کوئی فرد نہ تھا وہ یہودی ہیں[1] اور تحقیق وہ اس سے بھی بڑے کاموں پر جرات کرتے ہیں[2]۔ آپ نے فرمایا: ان میں سے پچاس افراد منتخب کرو اور ان سے قسم لو، تو یہودیوں نے انکار کر دیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پاس سے اس مقتول کی دیت ادا فرما دی[3]

(ابو داؤد)

[1] یعنی ظلم، قتل، فساد، حیلہ گری اور مکر و فریب میں مشہور ہیں۔

[2] جیسے کہ انبیاء کرام کو شہید کرنا، کلام الٰہی میں تحریف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ختم کرنا جو قتل کے حکم میں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت اور شنیع۔

---

[3] یہ حدیث مذہب حنفی کی تائید کرتی ہے کہ احناف کے ہاں اگر کوئی مقتول کسی گلی کوچہ میں پایا جائے جس پر قتل کا اثر ہو جیسے خون یا زخم کاری یا گلا گھونٹنے کے آثار تب اولاً ولیِ مقتول سے گواہ طلب کیے جائیں۔ اگر دو گواہ قتل عمد کے مل گئے تو قاتل پر قصاص لازم ہوگا ورنہ اہل محلہ سے پچاس آدمیوں کی قسم لی جائے، یہاں حضور نے مدعیان سے دو گواہ مانگے، اس حدیث کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور حدیث متواتر سے بھی، حضور فرماتے ہیں۔ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے بھی اس کی تائید فرماتے ہیں جیسا کہ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے نقل فرمایا، پہلی فصل کی حدیث اگرچہ متفق علیہ ہے مگر حکم قرآنی اور احادیث متواترہ، اقوال صحابہ کے خلاف ہے، اسی لیے امام ابو حنیفہ نے اس پر عمل نہ فرمایا، اس کی پوری بحث اسی جگہ مرقاۃ میں ملاحظہ فرمایئے ۱۲ مرآۃ۔

بَابُ قَتْلِ اَهْلِ الرِّدَّةِ وَالسُّعَاةِ بِالْفَسَادِ

۲۷۔ مرتدوں اور فساد کی کوشش کرنے والوں کے قتل کا بیان

ارتداد کا معنی ہے لوٹنا، اس کا زیادہ تر استعمال اسلام سے برگشتہ ہونے کے لیے کیا جاتا ہے، جب مسلمان، معاذ اللہ! اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر اسے کوئی شبہ درپیش ہو تو اسے دور کیا جائے، اسلام کا پیش کرنا اور شبہے کا دور کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اسے دعوت اسلام پہنچ چکی ہے نئی دعوت کی حاجت نہیں ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اسے تین دن قید کیا جائے اس دوران اگر مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اگر مہلت مانگے تو اسے مہلت دی جائے۔ ورنہ کوئی حاجت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک امام پر واجب ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ جو اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مہلت دینا واجب نہیں ہے۔

سُعَاۃٌ جمع ہے سَاعٍ کی جیسے قُضَاۃٌ قَاضٍ کی جمع ہے مراد وہ لوگ ہیں جو فساد میں کوشش کرتے ہیں مراح میں ہے سعی کا معنی ہے دوڑنا، جلدی کرنا اور کام کرنا، ساعی خراج وصول کرنے والا۔ دوسرے کا کام کرنے والا سِعَایَۃٌ چغل خوری اور برائی کرنا، اس جگہ ڈاکو اور ان جیسے لوگ مراد ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا۔

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں ان کی جزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۳۷۷ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مرتد[1] لائے گئے تو آپ نے انہیں جلا دیا[2]۔ یہ بات[3] ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اگر میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا[4] کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب[4] کے ساتھ عذاب نہ دو، میں انہیں قتل کرتا[5]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو[6]۔ (بخاری)

[1] زنادقہ جمع ہے زندیق کی، زندیق اصل میں مجوسیوں کی ایک قوم کو کہتے ہیں جو زرد شت مجوسی کی تیار کردہ کتاب ژند کے پیروکار ہیں، اب اس شخص کو کہتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا منکر ہو۔ کتاب کی ابتداء میں اس لفظ کی تحقیق، تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ اس جگہ وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام سے برگشتہ ہو گئے ہوں۔ بعض محدثین نے فرمایا: یہ عبد اللہ بن سبا کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے فتنہ پردازی اور امت کو گمراہ کرنے کے لیے ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا ہیں۔ آپ نے انہیں گرفتار کیا اور انہیں توبہ کا حکم دیا، مگر وہ توبہ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ تو آپ نے ان کے لیے گڑھے کھدوائے ان میں آگ جلائی اور ان لوگوں کو جلا دیا۔

[2] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا، ان کی رائے یہ تھی کہ انہیں اور ان جیسے دیگر مفسدوں کے زجر و توبیخ کے لیے اسی میں مصلحت ہے۔

[3] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلانے کی اطلاع

[4] آگ میں جلانے

[5] جیسے کہ شریعت کا حکم ہے کہ مرتدوں کو قتل کیا جائے۔

[6] کہتے ہیں کہ جب ابن عباس کی یہ بات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے تصدیق

کی اور فرمایا: ابن عباس نے درست کہا اس سے معلوم ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل نص پر نہیں بلکہ رائے اور اجتہاد پر مبنی تھا اسی طرح شارحین نے فرمایا ہے۔

۳۳۷۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللّٰهُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب نہیں دیتا [1]۔ (بخاری)

[1] یعنی کسی دوسرے کو اس کے ساتھ عذاب نہیں دینا چاہیے۔

۳۳۷۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آخر زمانے میں ایک جماعت نکلے گی۔ نو عمر [2] ہلکی عقل والے [3] وہ ایسی بہترین باتیں کہیں گے جو مخلوق کہتی ہے [4] ان کا ایمان ان کے گلوں سے آگے نہیں جائے گا [5] وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے [6] جیسے تیر نشانے [7] سے تم انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو کیونکہ قتل کرنے والے کو ان کے قتل کرنے میں قیامت کے

---

[5] فی زمانہ بعض لوگ قتل مرتد کے انکاری ہیں، حالانکہ قتل مرتد قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاقْتُلُوْهُمْ ۲۱ تَقْتُلُوْهُمْ نیز حکومت کا باغی، لائق قتل ہے تو حکومت الٰہیہ کا باغی بھی قابل قتل ہونا چاہیے۔ مرتد حکومت کا باغی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دِیْنَہٗ سے مراد اسلام ہے۔ کیونکہ انسان کا اصلی اور روحانی دین اسلام ہی ہے۔ دوسرے دین تو دنیا میں آکر بری صحبتوں سے ملتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو اپنا دین یعنی اسلام ترک کر کے دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کر دو۔ شاید حضرت علی کو یہ روایت نہ پہنچی ہو ۱۲ مراۃ از حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ۔

فَاِنَّ فِیْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ دن اجر ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) (صحیحین)

ل حداث حا پر پیش، دال مشدد، جمع حدیث، نیا، قدیم کے مقابل۔ یہ جمع خلاف قیاس ہے۔ ایک روایت میں حَدَثَ تا ہ ۲ اَلْاَسْنَانِ ہے جیسے سفہار جمع سفیہ کی ہے۔ (اسی طرح حدیث کی جمع حدثا ہے۔)

(۱۲ قادری)

ل سُفَہٰ پہلے دونوں حرفوں پر زبر۔ عقل کا ہلکا ہونا، جہالت، اَحْلَام جمع ہے حلم کی حا کی زبر کے ساتھ عقل، وقار، حلم، حا پر پیش، خواب، بالغ، کی جمع بھی اَحْلَام آتی ہے۔

ل اس سے مراد قرآن کریم ہے ـــــــ مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے۔ مِنْ قَوْلِ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ۔ تمام مخلوق سے افضل ہستی کی باتیں کہیں گے۔ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ پہلا نسخہ زیادہ مناسب ہے اس چیز کے جو احادیث میں خوارج کے بارے میں واقع ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھیں گے۔ اس سے استدلال کریں گے اور غلط طریقوں سے اس کی تاویل کریں گے۔

ل اور مقام قبولیت کو نہیں پہنچے گا اور عمل کے ذریعے اس کا اثر خارج میں ظاہر نہیں ہوگا۔

ل وہ دین کے (واجب الاطاعت) امام کی فرمانبرداری سے نکل جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ وہ دین اسلام ہی سے نکل جائیں گے۔ بطور مبالغہ اور تشدید ان کی گمراہی بیان کی گئی ہے۔

ل اور تیزی سے گزرنے کی وجہ سے خون سے آلودہ نہیں ہوتا۔ جیسے کہ دوسری حدیث میں واقع ہوا ہے۔

ل اس جماعت سے مراد خوارج ہیں۔ ان کے امام کی اطاعت سے نکلنے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہیں ہلاک کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ انسان گناہ کبیرہ بلکہ صغیرہ کے ارتکاب سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں؟ فرمایا: مِنَ الْکُفْرِ فَرُّوْا۔ وہ کفر ہی سے تو بھاگے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں کافر کیسے کہوں؟۔ (پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں، اور یہ لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ سوال کیا گیا کہ آخر یہ ہیں کیا چیز؟ فرمایا: یہ ایسے لوگ ہیں جو فتنے کی زد میں آگئے ہیں۔ پس اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں

۱۲ مرآۃ

(اشعۃ اللمعات میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، تحقیق ان کے قتل کرنے میں قتل کرنے والے[عنہ] کے لیے ثواب ہے قیامت کے دن تک ۱۲ قادری)۔

۳۳۸۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ اُمَّتِیْ فِرْقَتَیْنِ فَیَخْرُجُ مِنْ بَیْنِہِمَا مَارِقَۃٌ یَلِیْ قَتْلَہُمْ اَوْلَاہُمْ بِالْحَقِّ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میری امت دو فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے ایک خارجی فرقہ نکلے گا[۱] اس فرقے کے قتل کا انتظام وہ گروہ کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا[۲]۔ (مسلم)

[۱] جو دین اور امام کی اطاعت سے نکل جائے گا، اس سے مراد خوارج ہیں جو امام کی اطاعت سے نکل گئے تھے ——— مروق کا معنی ہے تیر کا نشانے سے نکل جانا، خوارج کا نام خوارج اس لیے رکھا گیا کہ وہ دین سے نکل گئے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

[۲] یہ اشارہ ہے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف، انہوں نے خوارج کو ہلاک کیا۔

۳۳۸۱ وَعَنْ جَرِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جریر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حج الوداع کے موقع[۱] پر فرمایا میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں ماریں[۲]۔ (صحیحین)

[۱] یہ خطبہ آپ نے قربانی کے دن دیا۔

[۲] اس کلام کی توجیہات، حجۃ الوداع میں باب خطبۃ یوم النحر کی پہلی فصل میں گزر گئی ہیں۔ قریب ترین توجیہ یہ ہے کہ وہ فعل مراد ہے جو کفار کے فعل کے مشابہ ہے اور قریب ہے کہ دائرہ کفر میں لے آئے اور اس تک پہنچا دے۔

عنہ یا اس لیے قتل کرو کہ وہ مرتد ہیں یا اس لیے کہ وہ سلطانِ اسلام کے باغی ہیں، مگر یہ قتل شاہ اسلام کرے گا نہ کہ عام مسلمان ۱۲ مراۃ۔

کا سبب بن جائے، ایک روایت میں "کفارۃ" کی جگہ "مثلاً" لا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفارے مراد کیا ہے؟۔

۳۳۸۲ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ اَحَدُھُمَا عَلٰی اَخِیْہِ السِّلَاحَ فَھُمَا فِیْ جُرُفِ جَھَنَّمَ فَاِذَا قَتَلَ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ دَخَلَاھَا جَمِیْعًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ قَالَ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفِھِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ قُلْتُ ھٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّہٗ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب دو مسلمان آپس میں اس طرح ملیں کہ ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے کنارے[2] پر ہیں اور جب ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے[3]۔ حضرت ابوبکرہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، جب دو مسلمان آپس میں اپنی تلواروں کے ساتھ ٹکرائیں تو قاتل اور مقتول دوزخ میں ہیں۔ حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یہ تو قاتل ہے[4]۔ لیکن مقتول کا کیا قصور ہے[5]۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کا خواہشمند تھا۔ (صحیحین)

[1] حضرت ابوبکرہ، اہل طائف میں سے مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال بھی کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

[2] جرف جیم اور راء دونوں پر پیش، کٹاؤ جو دریاؤں کے کناروں پر ہوتا ہے۔

[3] شارحین فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو۔ اور اگر ایک حق پر ہو تو آگ میں وہی داخل ہوگا جو باطل پر ہوگا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جنگ، اشتباہ التباس اور تاویل پر مبنی نہ ہو۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ حقیقت میں زجر، تشدید اور مبالغہ مقصود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[4] اگر اس نے کسی انسان کو ناحق قتل کیا ہو تو اس کا دوزخ میں جانا ظاہر ہے اور یہ اس کے جرم کی سزا ہے۔

[5] وہ کیوں آگ میں جائے گا۔

؀ اور اس کے قتل کا عزم رکھتا تھا، لیکن اس سے قتل صادر نہیں ہو سکا، عزم اور نیت کی بنا پر وہ قاتل کے حکم میں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام فعل کی خواہش اور اس کی نیت پر مواخذہ ہے۔ اس جگہ دونوں کا ارادہ قتل کرنے کا تھا۔ اگر اپنا دفاع کرنا مقصود ہوتا تو مواخذہ نہ ہوتا کیونکہ دفاع تو جائز ہے۔

۳۳۸۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِّنْ عُكْلٍ فَاَسْلَمُوْا فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّاْتُوْا اِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَ اَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَ قَتَلُوْا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْاِبِلَ فَبَعَثَ فِيْ اٰثَارِهِمْ فَاُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَ اَرْجُلَهُمْ وَ سَمَلَ اَعْيُنَهُمْ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوْا وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَسَمَّرُوْا اَعْيُنَهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَرَ بِمَسَامِيْرَ فَاُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَ طَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ عکل[۱] کے کچھ لوگ حاضر ہوئے۔ اور اسلام لے آئے لیکن ان کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ[۲] آئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں میں جاکر ان کے پیشاب[۳] اور دودھ پئیں، انہوں نے ایسا ہی کیا[۴] تو وہ صحت یاب ہوگئے، پھر مرتد ہوگئے[۵] اور چرواہوں[۶] کو قتل کر کے اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں چند صحابہ کو بھیجا، وہ گرفتار کر کے لائے گئے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے[۷] اور آنکھیں پھوڑ دی گئیں[۸] اور انہیں داغا نہیں گیا[۹] حتی کہ مر گئے ـــــ اور ایک روایت میں ہے۔ پھر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں[۱۰] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تو سلائیاں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیر دی گئیں اور ان کو (مدینہ منورہ کے پتھریلے علاقے میں پھینک دیا گیا، وہ پانی مانگتے رہے لیکن انہیں پانی نہیں پلایا گیا[۱۱] حتی کہ پیاسے مر گئے[۱۲] (صحیحین)

۱ عکل عین پر پیش، کاف ساکن، ایک قبیلے کا نام ہے، بعض روایات میں ہے۔ من عکل وعرینۃ۔ وہ لوگ قبیلہ عکل اور عرینہ سے تھے۔ عرینہ عین پر پیش، را پر زبر، یا ساکن آخر میں نون، صحیح یہ ہے کہ وہ سات افراد تھے، چار عرینہ سے اور تین عکل سے۔

۲ اور وہ مدینہ طیبہ میں قیام پر خوش نہ ہوئے ——— وہ لوگ بیمار ہو گئے، ان کے رنگ زرد پڑ گئے اور پیٹ پھول گئے۔

۳ امام محمد نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے۔ یہی امام مالک اور امام احمد کے اصحاب کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پلید ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ ان کے لیے اس میں شفا ہے: امام ابو حنیفہ کے نزدیک بطور دوا وغیرہ پیشاب کا پینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شفا یقینی نہیں ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بطور دوا اس کا پینا حلال ہے۔ حضرت شافعیہ نشہ آور اشیاء کے علاوہ تمام پلید چیزوں کے بطور دوا استعمال کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۴ اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پیئے۔

۵ دین اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ گئے۔

۶ بعض نسخوں میں رُعا تھا ہے، جیسے کہ قاضی کی جمع قُضَاۃٌ ہے۔ راعی کی جمع دونوں طرح آتی ہے۔

۷ جیسے کہ مفسدوں اور ڈاکوؤں کا حکم ہے۔

۸ صراح میں ہے سَمْلٌ میم ساکن، آنکھ نکال دینا۔ مختصر النہایہ میں ہے سَمْلٌ آنکھ اندھی کر دینا، علامہ طیبی نے نقل کیا کہ سَمْلٌ کا معنی ہے گرم لوہے وغیرہ سے آنکھ اندھی کر دینا۔

۹ جیسے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد داغ لگاتے ہیں تا کہ خون رک جائے۔

۱۰ فسمر دا میم مشدد، سَمَّرَ اور تَسْمِیْرٌ آنکھ میں گرم سلائی پھیر دینا، اس کی تفسیر آئندہ روایت میں کی گئی ہے۔

۱۱ اور انہیں عذاب اور سختی کی قسموں کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

۱۲ شارحین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بطور قصاص یہ سزا دی۔ انہوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا تھا، یہ بھی روایت ہے کہ ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی، ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور آنکھوں اور زبانوں میں کانٹے پیوست کیے گئے، یہاں تک کہ وہ مر گئے، ان فسادیوں کا جرم

بھی تو بہت بڑا تھا، کیونکہ وہ دین اسلام سے برگشتہ ہو گئے۔ چرواہوں کو قتل کیا، ڈاکہ ڈالا اور اموال لے کر چلتے بنے، امام کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے معاملے زجر اور سیاست کے طور پر متعدد سزاؤں کو جمع کر دے یہ سب کچھ جہان کی بہتری اور نظام قائم کرنے کے لیے تھا نیز یہ صفت جلال کا ظہور تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلال و جمال اور لطف و قہر کے جامع تھے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے، باقی رہا پانی نہ دینا تو بعض شارحین نے کہا کہ یہ بھی قصاص تھا، بعض علماء نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ حاضرین نے اپنی صوابدید کے مطابق ایسا کیا اور اس امر پر اجماع ہے کہ جس شخص پر قتل کا حکم لازم ہو اگر وہ پانی مانگے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۳۳۸۴/۸ عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّنَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَ يَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ.
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ اَنَسٍ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں صدقے[1] کی ترغیب دیا کرتے تھے اور ہمیں مثلہ[2] سے منع فرمایا کرتے تھے۔

(ابوداؤد) امام نسائی نے بہ حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

[1] فقراء کو کوئی چیز دینے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے۔

[2] مثلہ میم پر پیش، تین نقطے والی ثا ساکن، اصل میں اس کا معنی سزا اور انتقام سے زیادہ ترا س کا استعمال مقتول کے ناک، کان، اعضاء مردی یا کچھ دیگر اعضاء کے کاٹنے میں ہوتا ہے۔ مثلہ کی ممانعت تحریمی ہے یا تنزیہی، اس میں مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض نے اسے منسوخ بھی کہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بطور قصاص تھا۔

۳۳۸۵/۹ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ اپنی حاجت[2] کے لیے تشریف

لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمَّرَةً مَّعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَفَرَّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

لے گئے، تو ہم نے ایک لال دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لیے وہ لال آئی اور پر پھیلا کر منڈلانے لگی، اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا: اسے اس کی اولاد کے سبب کس نے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے اسے واپس کر دو، آپ نے چیونٹیوں کا ایک ٹھکانہ دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا تو فرمایا: اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا، ہم نے، فرمایا: آگ سے عذاب دینا صرف آگ کے رب کے لائق ہے۔

(ابوداؤد)

لہ حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کم عمر تابعین اور مستند اکابر علماء میں سے ہیں حدیث کی کم روایت کرتے ہیں، اپنے والد اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ والد ماجد سے ان کی روایت میں محدثین نے کلام کیا ہے کیونکہ اس زمانے میں کم عمر تھے، سلیمان بن عبد الملک کے زمانے میں سنہ ۷۹ھ میں رحلت فرمائی۔

ٹہ ظاہر ہے کہ اس حاجت سے مراد حاجتِ انسانی (تقاضائے حاجت) ہے۔

سٹہ حُمَّرَۃ بے نقطہ حاء پر پیش، میم مشدد پر زبر، اسے مخفف بھی پڑھا گیا ہے، سرخ رنگ کا چڑیا ایسا ایک پرندہ۔

کٹہ تفرش یہ لفظ چند طرح روایت کیا گیا ہے (۱) تا پر زبر، فا ساکن، را، پر پیش (تَفْرُشُ) یہ فَرَشَ طائرٌ سے مشتق ہے جس کا معنی پر پھیلانا ہے (۲) تا، فا اور را مشددہ تینوں پر زبر (تَفَرَّشُ) یہ اصل میں تَتَفَرَّشُ تھا۔ (۳) تا پر پیش، فا پر زبر، را مشددہ کے نیچے زیر (تُفَرِّشُ) یہ تفریش سے مشتق ہے، معنی سب کا ایک ہے۔ (۴) رش فا کی جگہ عین کے ساتھ، آخری صورت کے مطابق، تعریش سے مشتق ہے، پروں کا سایہ کر لینا اور سایہ کرنا ، ہیں کہ دوسری وجہ صحیح ہے۔ اسی طرح توربشتی نے فرمایا۔

ﮧ اور کس نے اس کے پیچھے پڑ کر اسے رنج و الم میں بتلا کر دیا ہے، فجع کا معنی غم ہے اور جیم پر زبر ہو تو اس کا معنی غم اور مصیبت پہنچانا ہے۔

ﮨ حدیث میں قریۃ نمل سے مراد وہ جگہ ہے جہاں چیونٹیاں رہائش پذیر ہوں۔

ﮩ یعنی جلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، دوسرے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ یہ شدید ترین عذاب ہے،

مطالب المؤمنین میں ہے کہ حضرت محمد بن ابی سلمہ سے چیونٹی کے مارنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر وہ تکلیف دینے اور کاٹنے میں ابتدا کرے تو اسے مار سکتے ہو ورنہ نہیں، اور فرمایا: یہی ہمارا مختار ہے، اور ایک چیونٹی کی ایذا رسانی کی وجہ سے ان کی آبادی کو جلایا نہیں جائے گا، اسی طرح جوامع الفقہ میں ہے۔ چونٹیوں کو پانی میں پھینکنا مکروہ ہے، مروی ہے کہ ایک چیونٹی نے ایک پیغمبر کو کاٹ لیا، انہوں نے تمام چیونٹیوں کو جلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی کہ قصور تو ایک چیونٹی کا تھا، مطلب یہ کہ صرف اسی کو ہلاک کیا ہوتا۔ اسی طرح حاوی میں ہے۔

۳۳۸۶/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اِخْتِلَافٌ وَ فُرْقَةٌ قَوْمٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِيْلَ وَ يُسِيْئُوْنَ الْفِعْلَ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ عَنِ الرَّمِيَّةِ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰى يَرْتَدَّ السَّهْمُ عَلٰى فُوْقِهٖ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَ قَتَلُوْهُ يَدْعُوْنَ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَ لَيْسُوْا مِنَّا

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری امت میں اختلاف اور افتراق[1] ہو گا، کچھ لوگ قول کے اچھے اور کام کے برے ہوں گے وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے گلوں سے نیچے نہیں جائے گا[2]، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے، وہ واپس[3] نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تیر، چلے کی طرف لوٹ آئے، وہ مخلوق اور خلقت[4] میں سب سے زیادہ برے ہیں، خوشخبری ہے اس کے لیے جو انہیں قتل کرے اور جسے وہ قتل کریں[5]، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائیں گے[6] اور وہ ہم[7] سے کسی چیز میں نہیں، جو ان سے جنگ کرے گا وہ امت کے دوسرے

فِیْ شَیْءٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ اَوْلٰى بِاللّٰهِ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا سِيْمَاهُمْ قَالَ التَّحْلِيْقُ ۔

افراد امت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا زیادہ حق ہوگا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا، سر منڈانا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ) (ابوداؤد)

سلہ فُرقۃ فا پر پیش، جدائی، مفارقت اور فراق ایک دوسرے سے جدا ہونا

سلہ مطلب یہ ہے کہ درجہ قبول تک رسائی حاصل نہیں کرے گا ـــــــــ تراقی جمع ہے ترقوۃ کی تا پر زبر، قاف پر پیش، گھنڈی۔

سلہ دین کی طرف ـــــــــ فوق فا پر پیش، کمان کی وہ جگہ جہاں تیر رکھ کر چلایا جاتا ہے، (چلّہ) ـــــــــ ان کی واپسی کو ایک ناممکن چیز پر معلق کیا گیا ہے، کیونکہ تیر کی اپنے چلے کی طرف واپسی محال ہے، لہٰذا ان کا دین کی طرف واپس آنا بھی محال ہوگا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ، کافر جنت میں نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے، حدیث میں بطور تاکید اور مبالغہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی واپسی بھی محال ہے، کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ہم حق و ہدایت پر ہیں اس لیے وہ سرکشی جہالت اور گمراہی میں منہمک ہیں۔

سلہ قاموس میں ہے خلیقہ کا استعمال آدمیوں کے لیے ہوتا ہے جیسے خلق کا چوپایوں کے لیے، ترجمہ کے اعتبار سے خلیقہ تاکید کے لیے ہے، دوسرے معنی کے لحاظ سے تعمیم مراد ہے کہ وہ لوگ جو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں، جیسے ارشاد ربانی ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ چارپایوں ایسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

سلہ پہلی صورت میں وہ غازی ہوگا اور دوسری میں شہید۔

سلہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دین اسلام کی طرف بلائیں گے

سلہ مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

سلہ یا یہ مطلب ہے کہ اس گروہ کی نسبت، پہلا معنی زیادہ بہتر اور زیادہ مفید ہے۔

سلہ صراح میں ہے سیما الف مقصورہ کے ساتھ، چہرے میں پائی جانے والی علامت اور نشان

سلہ اور اس معاملے میں کثرت اور مبالغے سے کام لینا ـــــــــ ہوسکتا ہے کہ یہ اس لیے فرمایا ہو کہ اس زمانے میں عرب میں سر منڈانا معروف نہ تھا، بلکہ ان کی علامت لمبے لمبے بال رکھنا تھا، سر منڈانے کی مذمت اور اسے ناپسند

جانے کی بنا پر ایسا نہیں فرمایا، کیونکہ سرمنڈانا اللہ تعالیٰ کی علامت اور عبادت ہے اور اس کے نیک بندوں کی نشان ہے، اسی طرح شارحین نے فرمایا، بعض محدثین نے فرمایا کہ تحلیق سے مراد تکلف اور تسنع کے طور پر لوگوں کو حلقہ بنا کر بٹھانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ——— یہ حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ باب معجزات کی پہلی فصل میں آئے گی، اس میں خوارج کی دوسری علامتیں بھی مذکور ہوں گی۔

۳۳۸۷/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلٰثٍ زِنًى بَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهٗ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهٗ يُقْتَلُ اَوْ يُصْلَبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْ يَقْتُلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کلمہ طیبہ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کی گواہی[1] دینے والے کسی مسلمان مرد کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔ مگر تین خصلتوں میں سے ایک کے سبب (۱) محصن[2] ہونے کے بعد زنا کرنا کہ اسے رجم کیا جائے گا (۲) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے نکلا[3]، اسے قتل کیا جائے گا یا سولی چڑھایا جائے گا یا جلاوطن کر دیا جائے گا[4] (۳) کسی شخص کو قتل کر دے اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا[5]۔ (ابوداؤد)

[1] اس میں اشارہ ہے کہ اس سلسلے میں محض شہادت اور کلمہ طیبہ کا پڑھنا کافی ہے۔ تحقیق، تصدیق اور زائد عمل کی حاجت نہیں ہے۔

[2] احصان کا معنی ہے زانی کا آزاد، مسلمان، مکلف ہونا جس نے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کی ہو۔

[3] اس سے مراد ڈاکو ہے جو راہزنی اور فساد کرتا ہے، جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا (الآیۃ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں۔

[4] ڈاکو اگر کسی کو قتل کرے اور مال نہ لوٹے تو اسے قتل کیا جائے، اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لوٹے

تو اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ اسے ہلاک کر کے سولی پر لٹکایا جائے یا زندہ لٹکایا جائے یہاں تک کہ مر جائے ——— یُصَلَّب لام مشدد کے ساتھ، اور اگر مسافروں کو ڈرائے، دھمکائے لیکن نہ کسی کو قتل کرے اور نہ مال لوٹے تو اسے زمین سے دور کیا جائے یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے اور کسی جگہ ٹھہرنے نہ دیا جائے تاکہ ہمیشہ خوف زدہ اور بھاگتا رہے اور آوارہ گردی کرتا ہوا مر جائے، یا یہ مطلب ہے کہ اسے اس کے شہر سے نکال دیا جائے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ نفی کی تفسیر یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے، ان تین حکموں کے درمیان اَوْ کلمہ تردید کا لانا ان صورتوں پر محمول ہے جو بیان کی گئیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ امام کو اختیار ہے کہ کسی بھی ڈاکو کو ان سزاؤں میں سے کوئی سی سزا دے دے، اسی طرح تفسیر میں ہے۔

؎۵ بطور قصاص۔

۳۳۸۸/۱۲ وَعَنْ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَسِيْرُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰى حَبْلٍ مَّعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُّرَوِّعَ مُسْلِمًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ابن ابی لیلیٰ؎۱ سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رات کے وقت سفر کر رہے تھے ان میں سے ایک شخص سو گیا، ایک صحابی نے جا کر سونے والے صحابی کے پاس موجود رسی کو پکڑ لیا تو وہ ڈر گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کر دے؎۲

(ابو داؤد)

؎۱ ابن ابی لیلیٰ کا نام عبدالرحمٰن ہے، مشہور اور مستند تابعی ہیں، ان کے والد ابو لیلیٰ صحابی ہیں جو غزوہ احد میں شریک ہوئے، ابن ابی لیلیٰ اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال ابھی باقی تھے، وہ اپنے والد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عثمان بن عفان، اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کی زیارت کی جو اپنے زمانے کے بے نظیر تھے۔ ان کے شاگرد ان کی بہت تعظیم کرتے تھے ۸۲ھ میں ان کا وصال ہوا، ان کے صاحبزادے محمد بن عبدالرحمٰن کو بھی ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں، وہ فقہ کے مشہور امام، صاحب مذہب اور کوفہ کے قاضی تھے، کہتے ہیں کہ اگر محدثین ابن ابی لیلیٰ کہیں تو ان کی مراد عبدالرحمٰن ہوتے

ہیں اور اگر فقہا کہیں تو وہ محمد بن عبدالرحمٰن مراد لیتے ہیں۔

؎۲ یسرون یا پر زبر، سین ساکن اور را، پر پیش، سُری سین پر پیش، سے مشتق ہے جس کا معنی ہے رات کو چلنا، بعض نسخوں میں یسیرون ہے یعنی سیر کرتے تھے۔

؎۳ یعنی ایسا کام نہ کرے جو کسی مسلمان کے ڈر جانے اور خوف زدہ ہو جانے کا سبب بنے، جیسے کہ اس صحابی نے رسی پکڑلی تھی اور ان کا ساتھی سویا ہوا تھا، وہ ڈر گیا کہ یہ کون ہے اور کیا کر رہا ہے ——— یُرَوِّعُ یا پر پیش اور واو مشدد، رَوَّعَ ڈرنے اور ڈرانے کے معنی میں آتا ہے۔ لازمی اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔

۳۳۸۹/۱۲ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْیَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهٗ وَ مَنْ نَزَعَ صِغَارَ کَافِرٍ مِّنْ عُنُقِهٖ فَجَعَلَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ فَقَدْ وَلَّی الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے کوئی زمین اس کے جزیہ[۱] کے ساتھ خریدی اس نے اپنی ہجرت ختم کر دی[۲] اور جس نے کافر کی گردن سے ذلت اتار کر اپنے گلے میں ڈال لی[۳] اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا (ابوداؤد)

؎۱ یعنی اس کے خراج کے ساتھ، اس جگہ جزیہ سے مراد خراج ہے، ان کے درمیان علاقہ، لزوم ہے، جیسے جزیہ ذمی پر لازم ہو جاتا ہے اسی طرح زمین والے پر خراج لازم ہو جاتا ہے ——— مطلب یہ کہ جس نے خراج والی زمین کافر سے خرید لی اور خراج کی ادائی اپنے ذمہ لے لی۔

؎۲ وہ اسلامی ہجرت کے مقتضا سے نکل گیا، کیونکہ ذمی پر خراج کا ادا کرنا لازم تھا جب مسلمان نے اس معاملے میں اپنے آپ کو اس کی جگہ کھڑا کر لیا گویا اس نے مطالبہ کیا کہ اسلامی ہجرت واپس لے لی جائے اور اس سے باہر نکل گیا۔

؎۳ جیسے کہ اس جگہ زمین خرید کر، زمین کا خراج کافر سے لے کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

؎۴ اور اسے چھوڑ دیا، یہ کلام سابق کا بیان، تتمہ اور اسی کی تاکید ہے ——— صغار صاد پر زبر، اور نقطے والی غین، خواری، یہ کفر کو لازم ہے جیسے عزت اسلام کو لازم ہے: بعض شارحین نے کہا کہ صغار سے مراد وہ دھاگہ (جنیو) ہے جو کافر گردن میں ڈالتے ہیں جیسے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے زمانے میں تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس غیبی امر کی خبر دی، یا ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو کر کافروں کے ساتھ اس طرح کرنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۳۹۰/۱۴ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِّنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُّقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَاءٰى نَارَاهُمَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جریر بن عبداللہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر قبیلہ خثعم[2] کی طرف بھیجا، تو کچھ لوگوں نے سجدے کی پناہ لی[3] پس انہیں تیزی سے قتل کر دیا گیا[4]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع[5] پہنچی تو آپ نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم دیا اور فرمایا، میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان مقیم ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا ایسا کیوں ہے؟ فرمایا، مسلمان اور کافر کی آگیں ایک دوسرے کو نہ دیکھیں[6]۔

(ابوداؤد)

[1] حضرت جریر مشہور صحابی ہیں، خوب صورت اور خوب سیرت تھے، اور قوم کے سردار تھے۔

[2] خثعم نقطے والی خا پر زبر، تین نقطے والی ثا ساکن، یمن کا ایک قبیلہ ہے، قاموس میں ہے خثعم ایک پہاڑ کا نام ہے اور جو لوگ اس کے پاس رہتے ہیں انہیں خثعمی کہا جاتا ہے، اور سریہ سین پر زبر، را، مکسورہ کے نیچے، آخر میں یا مشددہ، لشکر کا ایک حصہ کہتے ہیں کہ بہترین سریہ وہ دستہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہے۔

[3] یعنی جب لشکر کو دیکھا تو فوراً سجدے میں گر گئے، ان کا مقصد اسلام کی علامت کا ظاہر کرنا تھا اور وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اسی طرح حواشی میں ہے۔

[4] یعنی لشکر نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کا مال سمیٹ لیا اور ان کے سجدے کا اعتبار نہ کیا۔

[5] لشکر کی کارروائی کی۔

[6] آپ نے پوری دیت کا حکم نہیں فرمایا باوجودیکہ ان کے اسلام کا علم ہو گیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے

کافروں کے درمیان قیام کر کے کسی حد تک اپنے قتل کا جواز فراہم کر دیا، جیسے کہ آئندہ فرمان میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

شه یعنی ان کے گھر ایک دوسرے سے اتنے دور ہونے چاہیں کہ اگر ان میں آگ جلائی جائے تو ایک کی آگ دوسرے کو دکھائی نہ دے، یہ علت ہے کافروں کے درمیان قیام کرنے والے مسلمان سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیزار ہونے کی۔

۳۳۹۱/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ قَیْدُ الْفَتْكِ لَا یَفْتِكُ مُؤْمِنٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان شب خون مارنے سے رکاوٹ ہے[۱]، مومن کسی کو اچانک قتل نہیں کرتا[۲]۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی ایمان دار کو اس سے روکتا ہے، جیسے کہ پاؤں کی بیڑی، چلنے اور حرکت کرنے سے روکتی ہے ——— فتک فا پر تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں، تا ساکن، اچانک پکڑنا اور اچانک قتل کرنا۔

[۲] بے تحقیق کیے بغیر کہ وہ مومن ہے یا کافر نیز اگر ذمی عہد اور امان کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے ہاں اگر مفسد اور غدار ہو، مسلمان کو تکلیف دیتے فتنہ پروری اور فساد کے درپے ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جیسے کہ کعب بن اشرف یہودی کو اچانک قتل کر دیا گیا، نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل، آسمانی وحی کی بنا پر تھا اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۳۳۹۲/۱۶ وَعَنْ جَرِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ اِلَی الشِّرْكِ فَقَدْ حَلَّ دَمُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب غلام بھاگ کر شرک[۱] کی طرف چلا جائے تو اس کا خون حلال ہے[۲]۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی دار شرک کی طرف

[۲] یعنی اگر اسے کوئی قتل کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اگرچہ وہ غلام مرتد نہ ہو، اس کا خون اس لیے حلال ہو گیا کہ وہ مشرکوں کے پڑوس میں آگیا اور دار الاسلام کو چھوڑ گیا ——— شارحین نے غلام کی تخصیص کی وجہ بیان نہیں کی، گویا یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ عموماً غلام ہی بھاگ کر جاتے ہیں۔

۳۳۹۳ (۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَشْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيْهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَاَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ پر طعن کیا کرتی تھی، ایک شخص نے اس کا گلا دبا دیا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا۔

(ابوداؤد)

لہ اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے جیسے کہ امام شافعی کا مذہب ہے، ہمارے نزدیک عہد نہیں ٹوٹتا، ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کفر ہے اور معاہدہ کے وقت جو کفر تھا وہ عہد کو منع نہیں کرتا تو بعد میں طاری ہونے والا کفر بھی معاہدہ کو منع نہیں کرے گا، اسی طرح ہدایہ میں ہے (اور یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا اس کا قتل ذمہ کے ٹوٹنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمان کا دینی غیض کی بنا پر تھا جس کی بنا پر یہ حکم جاری ہوا ۱۲ مرآۃ ــــــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی اور تنقیص کرنا کر برداشت کر جانا غیرت ایمانی کے منافی ہے اور گستاخ کو جہنم رسید کرنا ناموس عشق و ایمان کی پاسبانی ہے ۱۲ قادری)

۳۳۹۴ (۱۸) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جادوگر کی حد تلوار کا ایک وار ہے لہ۔

(ترمذی)

لہ یعنی قتل کرنا ہے۔ ضربۃ تلوار کے ساتھ ایک دفعہ مارنا۔ ایک روایت میں ہے ضربُہ ضمیر کے ساتھ، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر جادو موجب کفر ہو تو جادوگر کو قتل کیا جائے گا، اس پر اجماع ہے کہ جادو کا عمل کرنا حرام ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ کفر ہے، البتہ اس کی تعلیم کے بارے میں تین قول ہیں (۱) حرام (۲) مکروہ (۳) مباح، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۳۹۵ / ۱۹ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اُمَّتِيْ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت اسامہ بن شریک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خروج کرے[۲] اس حال میں کہ میری امت میں جدائی ڈالنا چاہتا ہو[۳] اس کی گردن مار دو[۴]۔ (نسائی)

[۱] اسامہ بن شریک شین پر زبر، صحابی ہیں، اہل کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی حدیث اہل کوفہ میں معروف ہے۔

[۲] اور امام کی اطاعت سے نکل جائے۔

[۳] کلمہ اسلام میں اور شر واقع کرے۔

[۴] پہلے اسے منع کیا جائے اور روکنے کی کوشش کی جائے، اور اگر اسے کوئی شبہ در پیش ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج کے ساتھ کیا۔

۳۳۹۶ / ۲۰ وَعَنْ شَرِيْكِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ اَتَمَنّٰى اَنْ اَلْقٰى رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْئَلُهٗ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيْتُ اَبَا بَرْزَةَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ

حضرت شریک بن شہاب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آرزو کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے ملاقات کر کے ان سے خوارج[۲] کے بارے میں دریافت کروں، چنانچہ میں عید کے دن حضرت ابو برزہ[۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے ساتھیوں کی جماعت میں ملا، میں نے انہیں عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوارج کا ذکر فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاُذُنَیَّ وَ رَاَیْتُہٗ بِعَیْنَیَّ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَہٗ فَاَعْطٰی مَنْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَ عَنْ شِمَالِہٖ وَلَمْ یُعْطِ مَنْ وَّرَآءَہٗ شَیْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ وَّرَآئِہٖ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِی الْقِسْمَۃِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَبْیَضَانِ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِیْدًا وَّقَالَ وَ اللّٰہِ لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِیْ رَجُلًا ھُوَ اَعْدَلُ مِنِّیْ ثُمَّ قَالَ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ کَاَنَّ ھٰذَا مِنْھُمْ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ سِیْمَاھُمُ التَّحْلِیْقُ لَا یَزَالُوْنَ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَخْرُجَ اٰخِرُھُمْ مَعَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْھُمْ ھُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَ الْخَلِیْقَۃِ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

کا ارشاد اپنے کانوں سے سنا اور آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مال لایا گیا، آپ نے دائیں اور بائیں جانب والوں کو عطا فرمایا اور پیچھے والوں کو کچھ نہ دیا، آپ کے پیچھے سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا اے محمد! آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا، وہ سیاہ فام، منڈے ہوئے سر والا ایک شخص تھا جس نے دو سفید کپڑے پہن رکھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! تم ہمارے بعد کوئی ایسا شخص نہیں پاؤگے جو ہم سے زیادہ عدل کرنے والا ہو، پھر فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ نکلیں گے، گویا یہ ان میں سے ہے، وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے، ان کی نشانی سر منڈانا ہے، وہ لوگ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری فرد مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا تم جب ان سے ملاقات کرو تو جان لو کہ وہ مخلوق کے بدترین افراد ہیں۔

(نسائی)

[1] حضرت شریک بن شہاب بصری تابعی ہیں۔ خوارج کے بارے میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی حدیث روایت کی ہے۔

[2] جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ ان سے دریافت کروں کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حالات بیان فرمائے ہیں۔

[3] حضرت ابو برزہ بار پر زبر، را ساکن، اس کے بعد زا، اسلمی قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوئے اور عبد اللہ بن خطل کو قتل کیا۔

[4] اور ان کے احوال کی خبر دیتے ہوئے۔

[5] ارشاد گرامی کے سننے کی تحقیق اور تاکید فرما رہے ہیں اور جب سننا دیکھنے کے ساتھ جمع ہو جائے تو زیادہ پختہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

[6] اور اس مال کی تقسیم میں مساوات ملحوظ نہیں رکھی کہ کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہیں دیا، حالانکہ سب اس کے مستحق تھے۔

[7] اوپر والی چادر اور تہ بند

[8] ان کے گروہ اور طبقے سے ہے۔

[9] یا اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں پاؤ تو قتل کر دو، کیونکہ وہ مخلوق کے بدترین افراد ہیں۔

۳۴۶۹ / ۲۱ وَعَنْ اَبِیْ غَالِبٍ رَاٰی اَبُوْ اُمَامَةَ رُءُوْسًا مَنْصُوْبَةً عَلٰی دَرَجِ دِمَشْقَ فَقَالَ اَبُوْ اُمَامَةَ کِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلٰی تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ خَیْرُ قَتْلٰی مَنْ قَتَلُوْهُ ثُمَّ قَرَاَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ "اَلْاٰیَةَ) قَالَ لِاَبِیْ اُمَامَةَ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَمْ اَسْمَعْهُ	حضرت ابو غالب سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کے راستے پر کچھ سر لٹکے ہوئے دیکھے[1]، اور حضرت ابو امامہ نے فرمایا: یہ جہنم کی آگ کے کتے ہیں۔ آسمان کی وسعت[2] کے نیچے بدترین مقتول، بہترین مقتول وہ ہیں جنہیں ان لوگوں نے قتل کیا۔ پھر یہ آیت پڑھی، جس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے[3] (آیت کریمہ) ابو غالب نے حضرت ابو امامہ سے کہا: کیا آپ نے[4] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے؟

اِلاَّ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلاَثًا حَتّٰی عَدَّ سَبْعًا مَا حَدَّثْتُکُمُوْہُ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ)

انہوں نے فرمایا: اگر میں نے آپ سے صرف ایک، دو یا تین مرتبہ سنا ہوتا یہاں تک کہ سات مرتبہ گن، تو میں تمہیں یہ حدیث بیان نہ کرتا[۶] (ترمذی، ابن ماجہ)
امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے[۷]۔

[۱] ابو غالب، بصرہ کے رہنے والے تابعی ہیں، ان کا نام حزور ہے حا اور زا اور واؤ پر زبر، واؤ مشدد اور آخر میں را، ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک وہ ضعیف ہیں، بعض نے انہیں صالح حدیث والا کہا ہے، دارقطنی نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں، حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں ان سے ابن عیینہ روایت کرتے ہیں۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ یہ خارجیوں کے سر تھے جنہیں قتل کیا گیا تھا ———— درج رار کی حرکت کے ساتھ، راستہ ———— دمشق دال کے نیچے زیر، میم پر زبر، اس کے نیچے زبر بھی آئی ہے۔

[۳] ادیم زمین اور آسمان کے چہرے (ظاہر) کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے: ادیم، زمین اور آسمان کا وہ حصہ جو ظاہر ہے۔

[۴] اس کے بعد ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ جن کے چہرے سیاہ ہوئے ہوں گے انہیں کہا جائے گا کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو تم اپنے کفر کے سبب عذاب چکھو۔ بعض شارحین نے فرمایا: یہ مرتدین تھے، بعض نے کہا کہ اہل بدعت تھے۔ حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ وہ خوارج تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۵] اس سلسلے میں کوئی ارشاد

[۶] مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت سنا تھا۔

[۷] اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب القصاص مکمل ہوئی۔ اس کے بعد کتاب الحدود ہے۔

⑮ — کِتَابُ الحُدُودِ

حدود کا بیان

لغت میں حد کا معنی منع کرنا ہے، اسی لیے دربان کو حداد کہتے ہیں کیونکہ وہ بغیر اجازت کے اندر یا باہر جانے سے روکتا ہے، لوہے کو اس لیے حدید کہتے ہیں کہ وہ اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، دو چیزوں کے درمیان حائل ہونے والی چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی رفع اور منع کرنا بھی آتا ہے شرح کتاب حرقی میں ہے کہ شریعت میں واقع ہونے والی حدیں گناہوں میں واقع ہونے سے منع کرتی ہیں نیز بندے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو بھی حدود اللہ کہا جاتا ہے جیسے ارشاد ربانی ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں ان کے قریب نہ جاؤ، وہ چیزیں جو شریعت میں معین کی گئی ہیں مثلاً طلاقوں کے لیے تین کی حد مقرر کرنا وغیرہ جیسے کہ ارشاد فرمایا۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، محرمات اور معین کردہ چیزوں میں بھی ممانعت کا معنی پایا جاتا ہے کہ ان کے قریب جانے اور ان سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں ہے شریعت میں حد اس سزا کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ قصاص کو حد نہیں کہتے کہ وہ بندے کا حق ہے۔ تعزیر کو بھی حد نہیں کہتے کیونکہ اس کا اندازہ مقرر نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۳۹۸ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلَی

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِّيْ اَنْ اَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِيْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّ بِجَارِيَةٍ لِّيْ ثُمَّ اِنِّيْ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلَى ابْنِيْ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَّ اِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَاَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَ جَارِيَتُكَ فَتُرَدُّ عَلَيْكَ وَ اَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَّ اَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ فرمایئے! دوسرے نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ فرمائیں، اور مجھے بات کرنے کی اجازت عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا کہو، انہوں نے عرض کیا کہ میرا بیٹا اس کے پاس مزدور تھا، تو اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا، مجھے لوگوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے۔ میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی کا فدیہ دیا۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ اور رجم صرف اس کی بیوی پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان ضرور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ تمہاری بکریاں اور کنیز تم پر واپس کی جائیں گی۔۔ البتہ تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، انیس! تم صبح اس کی بیوی کے پاس جانا اگر وہ اقرار کرلے

تو اسے رجم کر دینا، چنانچہ اس نے اقرار
کر لیا اور حضرت انیس نے اسے رجم کر دیا ۔[۱۰]
(صحیحین)

---

[۱] حضرت زید بن خالد مشہور صحابی ہیں۔ جہنی ہیں جیم پر پیش، ہا پر زبر، کوفہ میں ۷۸ھ میں عبد الملک کے زمانے میں ان کا وصال ہوا۔ بعض علماء نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری دنوں میں پچاسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔

[۲] ان کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ فیصلہ کروانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

[۳] یہ اس امر پر مبنی ہے کہ پہلے رجم کی آیت قرآن پاک میں تھی پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یا کتاب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

[۴] ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ عرض کرنا کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق حکم فرمائیں اس لیے تھا کہ انہوں نے لوگوں سے اس مسئلے کا حکم پوچھا تھا اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کتاب اللہ کا یہ حکم نہیں ہے لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق حکم فرمائیں، ورنہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ عرض کرنے کی کیا حاجت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ فرمائیں جب کہ آپ کتاب اللہ کے بغیر فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔

[۵] تاکہ میں صورت حال عرض کروں۔

[۶] فدیہ سر کی قیمت۔

[۷] تغریب غین پر پیش، اپنی جگہ سے دور ہونا تغریب شہر سے دور کرنا۔

[۸] معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا محصن نہیں تھا اور عورت محصنہ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں، آپ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ صحابہ کرام سے بھی مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

[۹] اس جلا وطنی کو بعض علماء حد میں داخل قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حد میں داخل نہیں ہے بلکہ ازراہ سیاست اور تعزیر ہے اور امام کی رائے کے سپرد ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔

[۱۰] انیس ہمزہ پر پیش اور نون پر زبر، ابن ضحاک اسلمی ایک شخص کا نام ہے جو عورت کی قوم کا سردار تھا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عورت پر حد جاری کرنے کے لیے بھیجا۔

سلہ کہ اس نے زنا کیا ہے۔

سلہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حد زنا میں ایک اقرار کافی ہے۔ جیسے کہ امام شافعی کا مذہب ہے، بعض علما فرماتے ہیں کہ چار اقرار شرط ہیں۔ بعض نے یہ بھی اضافہ کیا کہ چار مجلسیں شرط ہیں جیسے کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۳۳۹۹ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنٰى وَ لَمْ يُحْصِنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَّ تَغْرِيبَ عَامٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زید بن خالد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا۔ آپ غیر محصن[2] زانی کے بارے میں سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دے رہے تھے (بخاری)

سلہ حضرت زید بن خالد جہنی، صحابی جن کا گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔

سلہ لم یحصن یا پر پیش اور صاد کے نیچے زیر ــــــ محصن کے صاد پر زبر اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، شرح میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، احصان کا معنی ہے ایسا آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا جس نے نکاح صحیح سے وطی کی ہو۔

۳۴۰۰ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ وَ اَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین حق کے ساتھ بھیجا۔ اور آپ پر کتاب نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے سنگسار کیا، رجم، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ثابت ہے اس مرد اور عورت پر جس نے محصن ہوتے ہوئے زنا کیا، جب گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار[2]۔ (صحیحین)

لے جس کی تلاوت بعد میں منسوخ ہو گئی ۔
ﷺ گواہوں اور اقرار کا حکم ثابت ہے اور حمل کا حکم منسوخ ہے ۔

۳۴۰۱ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبُ عَامٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ! مجھ سے لے لو ، مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے واضح طریقہ مقرر فرما دیا ہے ، کنوارا کنواری سے زنا کرے تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور شادی شدہ ، شادی شدہ سے کرے تو سو کوڑے اور رجم ہے ۔ (مسلم)

لے حضرت عبادہ بن صامت ، اکابر صحابہ اور نقبائے انصار میں سے ہیں ۔
ﷺ یہ علم اور حکم
ﷺ کنوارے اور محصن کے درمیان فرق کے لیے
ﷺ ثیب سے مراد محصن ہے اور بکر سے مراد غیر محصن ہے ۔ اس سے کنوارے کے شادی شدہ عورت سے زنا کا حکم بھی معلوم ہو گیا ۔ —— اس حدیث سے کوڑے مارنے اور رجم کو جمع کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے اصحاب ظواہر اور بعض صحابہ اور تابعین نے اسی کو اختیار کیا ہے ، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس پر رجم ہے اس کے کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم فرمایا اور کوڑے نہیں مارے ، اسی طرح غامدیہ عورت کی حدیث میں ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا ، اسی طرح حضرت انیس کی حدیث میں ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا ۔

عہ زانی محصن کو رجم کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا زنا شرعی طریقے سے ثابت ہو ، چار مرد مسلمانوں کی گواہی جو زنا کا مشاہدہ کریں ۔ یا غیر خاوند والی عورت کو حمل قائم ہو جائے ، خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ خواہ خاوند والی مگر خاوند مفقود یا غائب شرعی ہو یا شرعی اقرار ہو چار بار ، اس کے بغیر رجم نہیں کیا جا سکتا ۔ خیال رہے کہ جیسے نماز کی رکعتیں ، زکوٰۃ کی مقدار قرآن میں موجود نہیں مگر حق ہے اس کا انکار کفر ہے ، ایسے ہی رجم اگرچہ اب قرآن مجید میں موجود نہیں مگر حق ۔ ست خیال رہے کہ خوارج کے سوا کسی فرقہ اسلامیہ نے رجم کا انکار نہ کیا ۔ ان کا انکار محض باطل ۔ (مرقاۃ) ۱۲ مرآۃ

۳۴۰۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ
اَنَّ الْيَهُوْدَ جَآءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهٗ اَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَامْرَاَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَاْنِ الرَّجْمِ فَقَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ فَاَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهٗ عَلٰى اٰيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَاَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوْا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيْهَا اٰيَةُ الرَّجْمِ فَاَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَا اٰيَةُ الرَّجْمِ تَلُوْحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ فِيْهَا اٰيَةَ الرَّجْمِ وَلٰكِنَّا نَتَكَاتَمُهٗ بَيْنَنَا فَاَمَرَ بِهِمَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ ان کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، تم توراۃ میں رجم کے بارے میں کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے کہا یہی کہ ہم زانیوں کو رسوا کریں اور انہیں کوڑے لگائے جائیں[1]، حضرت عبداللہ بن سلام[2] نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، توراۃ میں تو رجم کا حکم ہے، توراۃ لاؤ، اسے کھولا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پہ ہاتھ رکھ دیا[3] اس سے پہلی اور پچھلی عبارت پڑھی، حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو اچانک دیکھا کہ توراۃ میں رجم کا حکم موجود تھا، بعض یہودیوں نے کہا اے محمد! عبداللہ نے سچ کہا، توراۃ میں رجم کا حکم موجود ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا[4]، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو رجم کی آیت چمک رہی تھی اس شخص[5] نے کہا اے محمد! توراۃ میں رجم کی آیت بلاشبہ موجود ہے لیکن ہم اسے آپس میں چھپاتے ہیں، چنانچہ آپ کے

ترجمہ۔ حکم پس ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

سلہ اس عبارت میں اشارہ ہے کہ رسوا کرنا ان کے سپرد تھا، البتہ کوڑے لگانا لازم تھا۔

سلہ عبد اللہ بن سلام یہودیوں کے علماء اور احبار میں سے تھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ابتدائی دنوں میں ایمان لائے۔

سلہ آیت رجم توراۃ میں موجود تھی ہاتھ رکھ کر اسے چھپا دیا۔

سلہ اگر کہا جائے کہ رجم کے لیے محصن ہونا شرط ہے اور احصان کے لیے اسلام شرط ہے۔ وہ یہودی مسلمان نہیں تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے لیے رجم کا حکم کیونکر دیا، ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی کو توراۃ کے حکم کے مطابق رجم کیا گیا اور ان کے دین میں احصان شرط نہیں تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن پاک کا حکم نازل ہونے سے پہلے توراۃ کے مطابق عمل فرمایا۔ جب قرآن پاک کا حکم نازل ہوا تو توراۃ کا حکم منسوخ ہو گیا۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسلام احصان کے لیے شرط نہیں ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور الزام ان کے دین کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اور دو مرد و زن ان کے گمان کے مطابق مسلمان تھے۔

سلہ ہاتھ رکھنے والے تھے یا کسی دوسرے یہودی نے۔

۳۴۰۳/۶ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَّ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحّٰى بِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِيْ أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ إِنِّيْ زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمَّا شَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ کو پکار کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، تو وہ اس طرف حاضر ہوا جس طرف آپ نے رخِ انور پھیرا تھا، اور عرض کیا میں نے زنا کیا ہے۔ پھر آپ نے چہرہ مبارک پھیر لیا، جب اس نے چار مرتبہ گواہی دی سلہ تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: کیا تم پاگل

فَقَالَ أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا فَقَالَ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِينَةِ فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ حَتّٰى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتّٰى مَاتَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِهِ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا وَصَلّٰى عَلَيْهِ.

ہو؟ [۲] اس نے کہا نہیں، فرمایا: کیا تم محصن ہو، عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ فرمایا: اسے لے جا کر رجم کرو، ابن شہاب [۳] نے کہا کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے اسے مدینہ منورہ میں رجم کیا جب اسے پتھر لگے [۴] تو بھاگ کھڑا ہوا، ہم نے اسے حرہ [۵] میں جا لیا اور رجم کیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ (صحیحین)

حضرت جابر سے امام بخاری کی ایک روایت میں قَالَ نَعَمْ [۶] کے بعد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تو اس شخص کو عیدگاہ میں رجم کیا گیا، جب اسے پتھر لگے تو بھاگ نکلا، اسے پکڑ کر رجم کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کلمہ خیر فرمایا [۷] اور اس پر نماز جنازہ پڑھی

[۱] یعنی اپنے بارے میں چار مرتبہ اقرار کیا، جب انہوں نے اپنے بارے میں اقرار کیا تو گویا اپنے اوپر ایسی چیز کی گواہی دی جو حد کو واجب کرنے والی ہے۔

[۲] کہ تم گناہ کا اظہار کر رہے ہو اور اپنے قتل کا باعث بن رہے ہو، تمہیں توبہ کرنی چاہیے۔

[۳] ابن شہاب زہری مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[۴] اصل میں اذلاق کا معنی ہے کمزور اور بے چین کر دینا۔

[۵] حرہ بے نقطہ حا پر زبر اور را مشدد، وہ جگہ جہاں سنگریزے بکھرے ہوئے ہوں۔

[۶] جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد هَلْ أَحْصَنْتَ کے بعد کہا۔

[۷] یعنی تعریف فرمائی اور دعائے رحمت کی ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رجم

کیے جانے والے کو باندھا نہیں جائے اور اس کے لیے گڑھا بھی نہیں کھودا جائے گا، ورنہ فرار ممکن نہیں تھا، ہمارا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لیے گڑھا کھودا جائے گا اور یہ احسن ہے۔ (تاکہ بے پردگی بھی نہ ہو۔)

۳۴۰۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتٰی مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنِكْتَهَا لَا يَكْنِيْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب ماعز بن مالک[1] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا: شاید کہ تم نے بوسہ لیا ہوگا، یا ہاتھ سے اسے دبایا ہوگا[2] یا اسے دیکھا ہوگا[3]، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہے، فرمایا: کیا تم نے اس سے جماع کیا ہے[4]؟ آپ نے اس فعل کا ذکر بطور کنایہ نہیں کیا[5]؟ انہوں نے کہا ہاں! تو اس وقت آپ نے ان کے رجم کا حکم دیا۔

(بخاری)

[1] ماعز اسلمی بے نقط عین اور زاء کے ساتھ ——— انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے۔

[2] یا غمزت کا معنی ہے کہ تم نے آنکھ اور ابرو سے اشارہ کیا ہوگا۔

[3] مطلب یہ ہے کہ تم نے وہ کام کیا ہوگا جو زنا کے ابتدائی افعال اور مقدمات میں سے ہے اور تم نے اسے زنا خیال کر لیا اور اسے زنا کہہ رہے ہو۔

[4] اَنِكْتَهَا ہمزہ استفہام پر زبر، نون کے نیچے زیر اور کاف ساکن

[5] بلکہ صراحۃً فرمایا کہ تم نے اس سے جماع کیا ہے، کیونکہ کنایہ کے لفظ سے حد واجب نہیں ہوتی ——— نیک نون پر زبر، یا ساکن، جماع کرنا، نائک اس سے اسم فاعل، نَیَّاك اس سے مبالغہ۔

۳۴۰۵/۸ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَ أُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِهِ جُنُوْنٌ فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ فَقَالَ أَشَرِبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ خَمْرٍ فَقَالَ أَزَنَيْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فَلَبِثُوْا يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِّنْ غَامِدٍ مِّنَ الْأَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پاک فرما دیں۔ آپ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے! واپس جا، اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ اور اس کی بارگاہ میں توبہ کر حضرت بریدہ فرماتے ہیں۔ وہ تھوڑی دور گئے پھر آکر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے پاک فرما دیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے جیسی بات فرمائی یہاں تک کہ چوتھی بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کس سلسلے میں تمہیں پاک کروں؟ انہوں نے کہا زنا سے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا یہ پاگل ہے؟ بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے، فرمایا: کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ ایک شخص نے اٹھ کر انہیں سونگھا تو ان سے شراب کی بو محسوس نہیں کی، آپ نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے حکم دیا تو انہیں رجم کر دیا گیا صحابہ کرام دو یا تین دن ٹھہرے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا، ماعز بن مالک کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ انہوں نے ایسی توبہ کی کہ اگر بڑی جماعت میں تقسیم کر دی جائے تو ان سب کے لیے کافی ہو، پھر ازد کے قبیلہ غامد کی ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا

اللہِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكِ ارْجِعِيْ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوْبِيْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ تُرِيْدُ اَنْ تُرَدِّدَنِيْ كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ اِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى فَقَالَ اَنْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتّٰى تَضَعِيْ مَا فِيْ بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ قَالَ اِذًا لَّا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيْرًا لَّيْسَ لَهٗ مَنْ يُّرْضِعُهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِلَيَّ رَضَاعُهٗ يَا نَبِيَّ اللهِ قَالَ فَرَجَمَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا اذْهَبِيْ حَتّٰى تَلِدِيْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اذْهَبِيْ فَاَرْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ وَفِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا يَا نَبِيَّ اللهِ قَدْ فَطَمْتُهٗ وَقَدْ اَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ اِلٰى رَجُلٍ

یا رسول اللہ! مجھے پاک فرما دیں! فرمایا: تجھ پر افسوس! واپس جا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس کی بارگاہ میں توبہ کر۔ کہنے لگی کہ کیا آپ مجھے اسی طرح واپس فرمانا چاہتے ہیں؟ جیسے آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کیا تھا، یہ بندی زنا سے حاملہ ہے، فرمایا: تم؟ عرض کیا ہاں! فرمایا: یہاں تک کہ اپنے پیٹ کے بچے کو جنو۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مرد نے اس کی نگہداشت کا ذمہ لیا، یہاں تک کہ اس نے بچے کو جنم دیا، وہ انصاری نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا غامدیہ نے بچہ جن دیا ہے، فرمایا: ابھی ہم اسے رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو اس حال میں کم عمر نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اسے دودھ پلانے والا نہ ہو، پس ایک دوسرے انصاری نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے نبی! اس بچے کو دودھ پلانا میرے ذمہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اس عورت کو سنگسار کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس عورت کو فرمایا: تو جا یہاں تک کہ بچہ جنے، جب اس نے بچہ جنا، تو فرمایا: جا یہاں تک کہ تو اس کا دودھ چھڑا دے۔ جب اس عورت

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا اِلٰى صَدْرِهَا وَ اَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ فَرَمٰى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا وَ دُفِنَتْ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے بچے کا دودھ چھڑا دیا، تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بچے کو لائی، بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، عورت نے کہا! اے اللہ کے نبی! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اس نے کھانا کھایا ہے۔ آپ نے بچہ ایک مسلمان مرد کے سپرد کر دیا، پھر آپ کے حکم پر اس عورت کے لیے سینے تک گڑھا کھودا گیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اسے رجم کر دیا، اتنے میں خالد بن ولید ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر پر دے مارا، جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد کے چہرے پر پڑے، تو انہوں نے اس عورت کو برا کہا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد! رک جاؤ[۲]، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ ناجائز خراج اور عشر لینے والا[۳] کرتا تو اسے بخش دیا جاتا، پھر آپ نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس پر نماز پڑھی[۴] اور اسے دفن کر دیا گیا (مسلم)

[۱] حضرت بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں اور ان کے حالات کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں
[۲] ویک ایسا کلمہ ہے جو ترحم اور تعجب کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ اور ویل عذاب اور توبیخ کا کلمہ ہے۔

ﻪ۳ یعنی فرمایا کہ واپس جاؤ اور توبہ واستغفار کرو ـــــــــ وہ یہی کہتے رہے کہ مجھے پاک فرمائیں۔

ﻪ۴ کس چیز میں اور کس چیز سے پاک کروں؟ ایک روایت میں ہے مِمَّ اُطَهِّرُكَ تمہیں کس چیز سے پاک کروں۔

ﻪ۵ اور اس کی آلودگی سے۔

ﻪ۶ اور یہ بات پاگل پن کی بنا پر کہہ رہا ہے؟

ﻪ۷ اور یہ بات مستی اور نشے کی بنا پر کہتا ہے؟

ﻪ۸ نکہت منہ کی بو۔

ﻪ۹ یعنی رجم کے بعد دو تین دن گزر گئے، مگر ان کا کوئی تذکرہ نہ ہوا۔

ﻪ۱۰ یعنی ان کے لیے مزید مغفرت اور ترقی درجات کی دعا کرو حد کے قائم کرنے سے ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔

ﻪ۱۱ قاموس میں ہے امت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی طرف پیغمبر بھیجا گیا ہو ـــــــــ حد کے قائم کرنے کو اس لیے توبہ قرار دیا کہ انہیں توبہ کی طرح حد کے ذریعے گناہ سے برأت اور پاکیزگی حاصل ہو گئی، توبہ، نفس کے قتل کرنے کے حکم میں ہے اور اس جگہ تو نفس کو حقیقۃً قتل کر دیا گیا۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

ﻪ۱۲ غامد نقطے والی غین اور میم کے نیچے زیر، یمن کا ایک قبیلہ، ازد زا کے ساتھ، سین کے ساتھ بھی آیا ہے اور یہ زیادہ فصیح ہے، ازد بن یغوث قبیلے کا باپ تھا، سب انصار اسی کی اولاد ہیں۔ اسے ازد شنوءہ بھی کہتے ہیں۔

ﻪ۱۳ پہلی مرتبہ

ﻪ۱۴ اپنے آپ کو لفظ غائب کے ساتھ یہ بتانے کے لیے ذکر کیا کہ وہ مقام قرب کے لائق نہیں ہے یعنی میں زنا سے حاملہ ہوں اور بے شک و شبہ میں نے زنا کیا ہے۔

ﻪ۱۵ تم نے زنا کیا ہے اور تم زنا سے حاملہ ہو؟ یہ ایک قسم کا تجاہل ہے۔ اور زنا سے اس کی دوری بیان کرنا اور اس کی تردید ہے۔

ﻪ۱۶ میں نے زنا کیا ہے اور میں اس سے حاملہ ہوں۔

ﻪ۱۷ ہم تمہیں چھوڑتے ہیں اور تمہیں حد نہیں لگاتے۔

شلہ یعنی انہوں نے ذمہ لیا کہ بچے کی پیدائش تک میں اس کی دیکھ بھال کروں گا۔

ہلہ یعنی اگر ہم اسے رجم کر دیں تو اس کا بچہ چھوٹا رہ جائے گا، کوئی اس کی پرورش کرنے والا نہیں ہوگا، اور وہ ہلاک ہو جائے گا ۔۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولد زنا، عذاب اور ہلاکت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اس جرم میں اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

سنہ یعنی اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

لاہ اور اسے گالی نہ دو۔

سلہ مکس میم پر زبر، کاف ساکن، ناجائز طور پر عشر اور خراج لینا، نہایہ میں ہے مکس وہ خزانہ ہے جو عشر وصول کرنے والا حاصل کرتا ہے ۔۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکس بڑے گناہوں

عسہ رجم اسلامی سزا ہے آج منکرین حدیث اور تجدد زدہ لوگ رجم کے اسلامی حکم ہونے کا انکار کرتے ہیں غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہر رجم کے اسلامی حکم ہونے پر قرآنی آیات سے روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ میں رجم کا حکم موجود ہے۔ البتہ صراحت کے ساتھ اس کا ذکر احادیث صحیحہ کثیرہ میں وارد ہے۔ نفس رجم کے ثبوت میں وہ احادیث متواترۃ المعنی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کی سزا دی، پھر خلفاء راشدین نے اس پر عمل کیا، تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور تابعین و اتباع تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رجم اسلامی سزا ہے۔ اور کتاب و سنت کے خلاف نہیں، چند خوارج کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا (رجم اسلامی سزا ہے ص ۴) مزید فرماتے ہیں۔ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ (المائدہ آیت ۴۳) اور اے رسول وہ (یہودی) کس طرح آپ کو اپنا حکم فرماتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے ۔۔۔۔۔ اس آیت کریمہ میں لفظ "حکم اللہ" کے معنی متواتر صرف رجم ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک یہی معنی تواتر سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں۔ جس طرح قرآن کے الفاظ منقول متواتر "قرآن" ہیں بالکل اسی طرح قرآن کے معانی منقولہ متواترہ بھی قرآن ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا یعنی قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے ۔ بے شک لفظ "رجم" اس آیت میں صراحۃً مذکور نہیں۔ لیکن حکم اللہ کے معنی چونکہ "رجم" ہی ہیں، اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رجم کے معنی اللہ کی کتاب میں حق ہیں۔ اس کے معنی کی نفی مراد نہیں، اور معنی تواتر سے ثابت ہیں تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ قرآن میں رجم حق ہے یعنی اس کا حکم موجود ہے (رجم اسلامی سزا ص ۱۲-۱۳)

میں تا ہے، کیونکہ اس نے لوگوں پر بہت مظالم ڈھائے ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے بہت سے مطالبات اس کے ذمہ ہوتے ہیں، قاموس میں مکس، کمی کرنا اور ظلم کرنا۔

۵۲۳ جمہور محدثین کے نزدیک صَلّٰی، صاد اور لام کی زبر کے ساتھ، یعنی صیغہ معلوم ہے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی، امام طبری ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد کی روایت میں صُلِّیَ صاد پر پیش اور لام کے نیچے زیر، صیغہ مجہول کے ساتھ ہے یعنی صحابہ کرام نے نماز جنازہ پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی، امام ابو داؤد کی ایک روایت میں صراحۃً آیا ہے کہ لم یُصَلِّ عَلَیْہِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر نماز نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کا حکم دیا، اسی لیے اس پر نماز پڑھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک اسے مکروہ کہتے ہیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ امام اور اہل فضیلت نماز نہ پڑھیں، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دیگر فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص کلمہ طیبہ پڑھنے والا ہو اس پر نماز پڑھی جائے گی اگرچہ وہ فاسق اور حد لگایا ہوا ہی کیوں نہ ہو امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

٣٣٠٦/٩ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِكُمْ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ عَلَیْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کی کنیز زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے حد لگائے[۱] اور سرزنش نہ کرے[۲]، پھر اگر زنا کرے تو اسے حد لگائے اور ڈانٹ، پھٹکار نہ کرے، اس کے بعد اگر پھر زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے بیچ دے اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے ہی بکے۔ (صحیحین)

[۱] علماء شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مولا کو اپنی کنیز پر حد جاری کرنے کا اختیار ہے۔ احناف کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ وہ حد جاری کرنے کا سبب اور وسیلہ بنے اور اسے حاکم کے پاس لے جائے تاکہ اس پر حد جاری کرے، لونڈی کو آزاد عورتوں کی نسبت آدھے (پچاس) کوڑے لگائے جائیں گے

کنیز اور غلام پر رجم (سنگسار کرنا) نہیں ہے (کیونکہ رجم کے لیے محصن ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کی ایک شرط آزاد ہونا ہے ۱۲ قادری)

۵۲ یعنی کنیز کو کوڑے لگائے اور سرزنش پر اکتفا نہ کرے، جیسے کہ حد کا حکم نازل ہونے سے پہلے زانیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر اکتفا کیا جاتا تھا ——— ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہے کہ حد لگانے کے بعد ڈانٹ پھٹکار نہ کرے، کیونکہ حد، اس کے گناہ کا کفارہ بن چکی ہے، اس کے بعد سرزنش کا کیا مطلب؟ یہ حکم کنیز کے ساتھ خاص نہیں ہے، آزاد عورت کا بھی یہی حکم ہے، لیکن چونکہ عموماً کنیزیں، زجر و توبیخ اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنتی ہیں اس لیے ان کا خصوصی طور پر ذکر کیا ——— صراح میں تعنیف بمعنیٰ سرزنش کرنا اور سخت برا بھلا کہنا۔

۵۳ سوال:۔ مالک، کنیز کو اس لیے فروخت کرے گا کہ وہ اس سے خوش نہیں ہے، جب وہ اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو اپنے مسلمان بھائی کے لیے کیسے پسند کرے گا۔ شعر

هرچه بر نفس خویش نه پسندی
نیز بر نفس دیگرے مپسند

جو چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو۔

جواب:۔ وہ اس لیے فروخت کرتا ہے کہ ممکن ہے خریدار کی ہیبت، اس کے خوف یا اس کے احسان کی بنا پر، اس کے ہاں زنا کی مرتکب نہ ہو، کیونکہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا نکاح کر دے۔

۳۴۰۷/۱۰ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَقِيْمُوْا عَلٰى اَرِقَّائِكُمُ الْحَدَّ مَنْ اَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ يُحْصِنْ فَاِنَّ اَمَةً لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَجْلِدَهَا فَاِذَا هِيَ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُهَا اَنْ اَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، اے لوگو! اپنے مملوکوں پر حد جاری کرو، خواہ وہ محصن[۵۴] ہوں یا نہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک کنیز نے زنا کیا تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ اسے کوڑے لگاؤں، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے کچھ وقت پہلے بچہ جنا ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو اسے قتل ہی کر دوں گا[۵۵]۔ میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ دَعْهَا حَتّٰى يَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ أَقِمْ عَلَيْهَا الْحَدَّ وَ أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلٰى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔

تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا (مسلم) امام ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہاں تک کہ اس کا خون رک جائے، پھر اسے کوڑے مارنا۔ اور اپنے مملوکوں پر حدیں جاری کرو۔

سلہ اس جگہ محصن سے مراد شادی شدہ ہے۔

سلہ اس کی کمزوری اور ناتوانی کے پیش نظر، کیونکہ نفاس، بیماری کے حکم میں ہے، اس لیے تندرست ہونے تک حد موخر کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۴۰۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُنِ الْأَسْلَمِيُّ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَأَمَرَ بِهِ فِي الرَّابِعَةِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهُ بِهِ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز اسلمی نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا بے شک اس نے زنا کیا ہے۔ تو آپ نے ان سے رخ اور پھیر لیا، پھر انہوں نے دوسری طرف سے آکر عرض کیا کہ اس نے زنا کیا ہے، پھر آپ نے رخ اور پھیر لیا، پھر وہ اس طرف حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! بے شک اس نے زنا کیا ہے [۱]، پس آپ نے چوتھی مرتبہ ان کے بارے میں حکم فرمایا [۲] انہیں پتھریلی زمین کی طرف نکالا گیا اور پتھروں سے رجم کیا گیا، جب انہوں نے پتھروں کی چوٹ کو محسوس کیا [۳] تو تیزی

مَاتَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ فَرَّ حِيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَ مَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَفِيْ رِوَايَةٍ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ اَنْ يَّتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

سے دوڑ پڑے، یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی، انہوں نے وہی انہیں دے ماری، اور لوگوں نے بھی انہیں مارا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جب انہوں نے پتھروں کی چوٹ اور موت کی گرفت محسوس کی تو بھاگ اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیا۔؟ (امام ترمذی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کر لیتے[۵] اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا۔

[۱] اس دفعہ ماعز نے ندا کا اضافہ کیا، اس میں مقصد کی زیادہ تاکید اور پر زور اصرار ہے۔
[۲] کہ انہیں پتھریلی زمین کی طرف لے جاؤ۔
[۳] اور ان کی تکلیف محسوس کی۔
[۴] لحی لام پر زبر، حا ساکن، وہ جگہ جہاں آدمی کی داڑھی اگتی ہے، اور اونٹ کی وہ جگہ جہاں دانت اگتے ہیں، مراد وہ ہڈی ہے جو اس جگہ ہوتی ہے۔
[۵] اور گناہ سے رجوع کر لیتے۔

۳۴۰۹/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ اَحَقٌّ مَا بَلَغَنِيْ عَنْكَ قَالَ فَمَا بَلَغَكَ عَنِّيْ قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو فرمایا: کیا وہ بات حق ہے؟ جو مجھے تمہارے بارے میں پہنچی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے

بَلَغَنِيْ اَنَّكَ قَدْ وَقَعْتَ بِجَارِيَةِ اٰلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بارے میں آپ کو کیا بات پہنچی ہے؟ فرمایا، مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم نے آل فلاں[1] کی لونڈی سے زنا کیا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں! اور چار مرتبہ گواہی دی[2]، آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انہیں رجم کیا گیا (امام مسلم[3])

[1] ایک قبیلے کا نام ہے، وقاع بکثرت، جماع سے کنایہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
[2] یعنی چار مرتبہ اقرار کیا۔
[3] یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ اس حدیث کو پہلی فصل میں لانا چاہیے تھا ــــــ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماعز کے زنا کا علم تھا، لہذا آپ نے ان سے اقرار کروایا، جب کہ دوسری حدیثیں اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں۔ (جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود حاضر ہو کر اقرار کیا ۱۲ قادری) اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اختصار ہے، قصے کی تفصیل بیان کیے بغیر اصل رجم کا بیان کر دیا، اور ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماعز کے زنا کی خبر سنی ہو پھر ان سے اقرار کروایا اور اس کے بعد رخ انور پھیر لیا، جیسے کہ دوسری حدیثوں میں تفصیل ہے۔ اس لیے منافات نہیں ہے۔

$\frac{3410}{13}$ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ مَاعِزًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ عِنْدَهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ وَقَالَ لِهَزَّالٍ لَوْ سَتَرْتَهٗ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَكَ قَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ اِنَّ هَزَّالًا اَمَرَ مَاعِزًا اَنْ يَاْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُخْبِرَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

یزید بن نعیم[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر چار مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے ان کے رجم کا حکم فرمایا، اور حضرت ہزال[2] کو فرمایا: اگر تم انہیں اپنے کپڑے سے ڈھانپتے[3] تو تمہارے لیے بہتر ہوتا، ابن المنکدر[4] کہتے ہیں کہ حضرت ہزال نے ماعز کو کہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کریں۔ (ابو داؤد)

سلہ یزید بن نعیم نون پر پیش، عین پر زبر، حجازی تابعی ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے، اپنے والد اور حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں اور زید بن اسلم کے معاصرین میں سے ہیں۔

سلہ ہزال ہا پر زبر اور زا مشدد، اسلمی صحابی ہیں، ان سے ان کے صاحبزادے نعیم، پوتے یزید اور محمد بن المنکدر روایت کرتے ہیں، بعض محدثین فرماتے ہیں کہ محمد بن المنکدر ان کے صاحبزادے نعیم سے روایت کرتے ہیں، حضرت ہزال کی ایک کنیز تھی جسے انہوں نے آزاد کر دیا تھا، ماعز نے اس کنیز سے غیر شرعی نعل کیا، حضرت ہزال کو علم ہوا تو انہوں نے ماعز کو مشورہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اقرار کریں۔

سلہ اور ان کے زنا کے واقعے کو ظاہر نہ کرتے۔

سلہ محمد بن المنکدر جو تابعی ہیں اور اس حدیث کے راوی ہیں۔

۳۴۱۱/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَافَوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم حدوں کو آپس میں معاف کر دیا کرو[1] اور جو حد مجھے پہنچی (اور ثابت ہو گئی) تو اس کا قائم کرنا واجب ہو گیا۔ (ابو داؤد، نسائی)

سلہ اور انہیں محو کر دیا کرو، یہ حکمرانوں کے ماسوا افراد (عوام) کو خطاب ہے، یعنی حدود کو واجب کرنے والی چیزوں کو معاف کرو، انہیں چھپاؤ اور حکام تک مقدمہ نہ لے جاؤ۔ سلاطین اور حکام کے لیے جائز نہیں کہ جب ان کے سامنے مقدمہ پیش ہو جائے تو اسے معاف کر دیں۔

۳۴۱۲/۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مروت اور وجاہت والے لوگوں[1] کی لغزشوں کو معاف کر دو، سوائے حدود کے[2] (ابو داؤد)

لہ یعنی عزت اور شان والے لوگوں کو ـــــــ بعض محدثین نے فرمایا کہ متقی اور پرہیزگار حضرات مراد ہیں ـــــــ ہیئت کا معنی اصل میں صورت اور شکل ہے، اس جگہ وہ حالت مراد ہے جس کے ساتھ آدمی موصوف ہے مثلاً اخلاق اور اعمال ـــــــ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ اگر اچانک کسی گناہ اور لغزش میں واقع ہو جائیں تو ان کی پردہ داری کرنی چاہیے اور اسے فاش نہیں کرنا چاہیے۔

لہ مگر حدود شرع خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، کیونکہ ان کا بجا لانا اور انہیں قائم کرنا اور ان سے درگزر کرنا ضروری ہے، یہ حکام کو خطاب ہے۔

۳۴۱۳/۱۶ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ قَدْ رُوِيَ عَنْهَا وَلَمْ يُرْفَعْ وَهُوَ اَصَحُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمانوں سے حدود کو دور کرو لہ جہاں تک کہ تم کر سکتے ہو، پس اگر مسلمان کے لیے کوئی نکلنے کی جگہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ امام کا معاف کرنے میں خطا کرنا لہ بہتر ہے، سزا دینے میں خطا کرنے سے لہ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے رفع کے بغیر روایت کی گئی ہے۔ اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے۔

لہ قبل اس کے کہ مجھ تک پہنچے، جیسے کہ اس سے پہلے تَعَافَوُا الْحُدُوْدَ کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

لہ اور غلط راستے پر چلنا ان معافی کے سبب جو تم نے دی ہے۔

لہ یعنی واقعہ کی تحقیق کیے بغیر اور غلطی سے سزا دینے سے، کیونکہ جب مقدمہ امام تک پہنچ گیا تو اس کے لیے فیصلے کا نافذ کرنا لازم ہو جاتا ہے ـــــــ اس طرح اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو تَعَافَوُا الْحُدُوْدَ کا مطلب ہے اور حکمرانوں کے ماسوا (عوام) کو خطاب ہے، بعض شارحین نے اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ امام اسے اس طرح دفع کرے کہ کیا یہ شخص دیوانہ ہے، یا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ یا اس نے بوسہ لیا ہے یا جسم مسلا ہے؟ جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، اس معنی کے اعتبار سے خطاب حکام کو ہوگا،

۷ یعنی یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے اور اس کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی گئی۔

۸ رفع کے بغیر۔

۳۴۱۴ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اسْتُكْرِهَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَأَ عَنْهَا الْحَدَّ وَأَقَامَهُ عَلَى الَّذِي أَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت سے جبراً زنا کیا گیا تو آپ نے اس سے حد ساقط فرما دی، اور اس شخص پر حد قائم فرمائی جس نے اس کی عزت لوٹی تھی، راوی نے یہ بیان نہیں کیا کہ آپ نے اس عورت کے لیے مہر مقرر فرمایا۔

(امام ترمذی)

۱ وائل بن حجر حا پر پیش اور جیم ساکن، حضرمی صحابی ہیں، یمن کے بادشاہوں میں سے تھے جنہیں اقیال کہا جاتا ہے، یہ جمع ہے قیل کی، قاف پر زبر، یعنی یمن کے بادشاہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آمد سے پہلے خوشخبری دی تھی کہ تمہارے پاس وائل بن حجر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت کا جذبہ لے کر آرہے ہیں، جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا، اپنے پاس بٹھایا، اپنی چادر مبارک بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا اور فرمایا، یہ وائل بن حجر ہیں۔ اقیال کے باقی ماندہ فرد، اور ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور انہیں حضرموت کے سرداروں پر عامل مقرر فرمایا۔

۲ کُرْہٌ نہ چاہنا، اِکْرَاہٌ اور استکراہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر کسی کام پر بھی مجبور کرنا۔

۳ مرد پر ——— شارحین فرماتے ہیں کہ راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ مہر نہ ہو، دوسری احادیث سے مہر ثابت ہے، اس جگہ مہر سے مراد عُقر ہے عین پر پیش، قاف ساکن۔ وہ معاوضہ جو شبہ کی بنا پر واقع ہونے والی یا ناجائز وطی کی بنا پر دیا جائے۔ اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اگر وطی پر اجرت لینا جائز ہوتا تو جتنی رقم دی جاتی اتنی ہی اب دی جائے گی۔

۳۴۱۵ وَعَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

خَرَجَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهٗ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَ مَرَّتْ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِيْ كَذَا وَكَذَا فَاَخَذُوا الرَّجُلَ فَاَتَوْا بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا اذْهَبِيْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ وَ قَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِيْ وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوْهُ وَ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز کے ارادے سے نکلی، اسے ایک شخص ملا جو اس پر چھا گیا[۲] اور اس سے اپنی غرض پوری کی، وہ عورت چلائی۔ مرد چلا گیا۔ اتنے میں مہاجرین کی ایک جماعت وہاں سے گزری، عورت نے کہا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ اس اس طرح کیا ہے، انہوں نے اس شخص کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے اس عورت کو فرمایا: تو جا اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے[۳] اور اس پر واقع ہونے والے مرد کے بارے میں فرمایا: اسے سنگسار کر دو[۴] اور فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ ایسی توبہ[۵] کرتے تو ان سے قبول کی جاتی۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

[۲] اسے جُل کی طرح ڈھانپ لیا، مراح میں ہے "تجلّل" کسی چیز کے نیچے ہونا۔

[۳] کیونکہ تو اس فعل پر راضی اور خوش نہیں تھی۔

[۴] اُرْجُمُوْہُ ۔ ہمزے اور جیم پر پیش ———— یہ حکم زنا کے ثبوت کے بعد ہوگا نہ کہ محض اس عورت کے کہنے پر۔

[۵] یعنی اگر توبہ کی اتنی مقدار اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جاتی تو ان کے لیے کافی ہوتی۔ ... مطلب یہ کہ اگرچہ اس نے ابتدا میں بے حیائی کی اور فعل شنیع کیا، اس کے باوجود وہ پاک ہو گیا اور بخشا گیا۔

۳۲۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا زَنٰى بِامْرَاَةٍ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ [۱۹۰]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ أُخْبِرَ أَنَّهُ مُحْصِنٌ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اسے حد لگائی گئی، پھر بتایا گیا کہ وہ محصن ہے آپ کے حکم پر اسے رجم کیا گیا[۱]

(ابو داؤد)

[۱] یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر امام کسی حد کا حکم کرے پھر ظاہر ہو کہ واجب تو کچھ اور ہے، تو اس کے لیے واجب کی طرف لوٹنا ضروری ہے۔

۳۴۱۷/۲۰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُخْدَجٍ سَقِيْمٍ فَوُجِدَ عَلٰى أَمَةٍ مِّنْ إِمَائِهِمْ يَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا لَهُ عِثْكَالًا فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً.

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نَحْوَهُ)

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما[۱] سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ، قبیلے کے ایک ناقص الخلقۃ[۲]، بیمار شخص کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، وہ شخص ان کی[۳] لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر بدکاری[۴] کرتا ہوا پایا گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے ایک بڑی شاخ لو جس میں سو چھوٹی شاخیں ہوں[۵] اور (اس کے ساتھ) اسے ایک ضرب لگاؤ[۶]۔

(شرح السنۃ) ابن ماجہ کی روایت میں اس کی مثل ہے۔

[۱] حضرت سعید کو بعض محدثین نے صحابی قرار دیا ہے۔ ابو حاتم اور ابن حبان نے ان کو تابعین اور اکابر ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ ان کے لیے صحبت صحیح حاصل ہے۔ واقدی نے ان کا ذکر شرف صحابیت پانے والے حضرات میں کیا ہے۔ ان کے والد حضرت سعد بن عبادہ انصاری، ساعدی، خزرجی اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

[۲] مخدج میم پر پیش، خا ساکن، دال پر زبر، ناقص خلقت والا مرد۔ اصل میں خداج کا معنی ہے بچے

کا مدت سے پہلے پیدا ہونا، حدیث میں آیا ہے کہ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج یعنی ناقص ہے

سکہ محلے والوں کی۔

ٹکہ لفظی معنی یہ ہے کہ پلیدی کو تا ہوا پایا گیا، مراد زنا ہے۔

ھ اشکال بے نقطہ عین کے نیچے زیر، تین نقطے والی ثار ساکن، بڑی شاخ جس پر چھوٹی شاخیں ہوں ان میں سے ہر ایک شمراخ ہے شین کے نیچے زیر، خار نقطے والی۔

لٹہ جو سو کوڑے لگانے کے حکم میں ہو گی، اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوڑے لگائے جائیں امام کو چاہیے کہ اس کی جان کی حفاظت کرے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیمار سے حد مؤخر نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ بیمار سے حد مؤخر کی جائے گی یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے۔ حاملہ پر حد جاری کرنے کو مؤخر کیا گیا، اس حکم کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رہا یہ شخص تو ممکن ہے کہ اس کی بیماری ان طویل بیماریوں میں سے ہو کہ عادت کے مطابق اس کے صحت مند ہونے کی امید نہ ہو۔

۳۴۱۸/۲۱ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے تم قوم لوط کا عمل[1] کرتے ہوئے پاؤ تو اس کام کے کرنے والے اور جس کے ساتھ یہ فعل کیا گیا دونوں کو قتل کر دو[2]۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سلہ مردوں سے شہوت پوری کرنا اور اس فعل کو اس قوم کی نسبت کی وجہ سے ہی لواطت کہتے ہیں۔

سکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک لواطت میں حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے، جس قسم کی اور جتنی مقدار میں امام مناسب جانے، جامع صغیر میں یہ اضافہ کیا کہ اسے جیل میں بند کر دیا جائے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ حد لگانے میں لواطت، زنا کے حکم میں ہے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں ان میں سے ایک یہی ہے، دوسرا قول اس حدیث کی بنا پر یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے۔ خارج مجموعہ ۱۱ الاعلیٰ و ۲ الاسفل، اوپر والے فاعل اور نیچے والے، مفعول دونوں کو سنگسار کر دو۔

۳۴۱۹/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوْهَا مَعَهٗ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَاْنُ الْبَهِيْمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَّلٰكِنْ اَرَاهُ كَرِهَ اَنْ يُّؤْكَلَ لَحْمُهَا اَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فُعِلَ بِهَا ذٰلِكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص چارپائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کردو، اور چارپائے کو بھی اس کے ساتھ قتل کردو[1]، ابن عباس سے کہا گیا کہ چوپائے کا کیا حال ہے[2]؟ فرمایا، میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا، لیکن میرا گمان ہے کہ آپ نے اس بات کو مکروہ جانا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے[3]، حالانکہ اس کے ساتھ یہ قبیح فعل کیا جا چکا ہے[4]۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] شارحین فرماتے ہیں کہ چارپائے کو قتل کرنے میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ اس سے کہیں انسان نما حیوان یا حیوان نما انسان تو پیدا ہو جائے اور اس طرح اس کے مالک کو اس کی حفاظت میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے، بعض علماء نے فرمایا کہ جانور کو قتل کرکے جلا دیں، چاروں امام اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص چوپائے سے بدفعلی کرے، اسے تعزیر لگائی جائے گی، لیکن اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث زجر اور توبیخ پر محمول ہے۔

[2] اس کا کیا کیا جائے، (یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اسے قتل کرنے کی کیا وجہ ہے؟ قادری)

[3] کسی دوسرے طریقے سے، مثلاً اس کی کھال کو رنگا جائے۔

[4] یعنی جس چارپائے کے ساتھ یہ فعل شنیع کیا گیا ہے۔ اس سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے تو ضروری ہے کہ اسے قتل کیا جائے ______ بعض علماء نے فرمایا: اگر وہ ایسا جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا، ورنہ اس میں دو صورتیں ہیں (۱) اس حدیث کے ظاہر کے مطابق اسے قتل کیا جائے (۲) قتل نہ کیا جائے کیونکہ اسے ذبح کیا جائے گا تو وہ کھانے کے لیے تو نہیں ہوگا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، ہدایہ میں ہے کہ وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ ذبح کرکے جلا دینا چاہیے۔ تو یہ اس لیے کہ اس فعل کا چرچا نہ ہو۔ تاہم یہ واجب نہیں ہے۔

۳۴۲۰ – ۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جن امور کا مجھے اپنی امت پر خوف ہے ان میں سب سے خوف ناک قوم لوط کا عمل ہے[1] (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] یعنی میں ڈرتا ہوں کہ شہوت کے معاملے میں بے صبری کر کے اس بھنور میں نہ پھنس جائیں، یا یہ مطلب ہے کہ یہ فعل بہت ہی شنیع اور قبیح ہے اور اس کی حرمت، شدید اور سخت تر ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میرے امتی اس میں واقع ہو کر عذاب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

۳۴۲۱/۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ اَنَّهُ زَنٰى بِامْرَاَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَدَهُ مِائَةً وَّكَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمَرْاَةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَجَلَدَ حَدَّ الْفِرْيَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بنو بکر بن لیث[1] کے ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر چار مرتبہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، وہ غیر شادی شدہ تھا، آپ نے اسے سو کوڑے لگائے، پھر[2] آپ نے اس سے عورت پر گواہی دینے والے گواہ دریافت کیے، تو عورت نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم! اس نے جھوٹ بولا ہے[3]۔ تو آپ نے اسے حد قذف لگائی[4]۔ (ابو داؤد)

[1] ایک قبیلے کا نام۔

[2] پہلے اس کے اقرار کی بنا پر اسے حد لگائی اور چونکہ اس اقرار میں عورت پر زنا کا الزام بھی تھا اس لیے اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں جو گواہی دیں کہ اس عورت نے زنا کیا۔

[3] کہ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، خدا کی قسم! میں اس سے پاک ہوں۔

[4] چونکہ وہ گواہ پیش نہیں کرسکا اس لیے اسے حد قذف لگائی کہ اس نے عورت پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ حد قذف اسی کوڑے ہیں ——— فریۃ فا کے نیچے زیر، را ساکن، افترا اور جھوٹ، اس جگہ قذف مراد ہے۔

۳۴۲۲/۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ اَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَالْمَرْاَةِ فَضُرِبُوا حَدَّهُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب قرآن پاک میں میری برارت[1] کا بیان نازل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اسے بیان فرمایا۔ جب منبر سے اترے تو آپ کے حکم سے دو مردوں اور ایک عورت کو حد لگائی گئی[2]۔

(ابوداؤد)

[1] مجھے معذور قرار دینے اور ملامت ترک کرنے کا حکم نازل ہوا، یہ واقعہ افک کی بات ہے جو مشہور ہے۔ قرآن پاک میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزگی اور برارت کا بیان ہے۔

[2] صحابہ کرام میں سے دو مرد، حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور ایک عورت حمنہ بنت جحش حضرت ام المومنین زینب بنت جحش کی بہن، یہ تین افراد افک کے چکر میں پھنس گئے تھے، انہیں حد قذف لگائی گئی جوان پر واجب ہوئی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۴۲۳/۲۶ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِيْ عُبَيْدٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيْدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتّٰى اقْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ وَلَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ صفیہ بنت ابی عبید[1] نے انہیں بیان کیا کہ خلافت کے غلاموں میں سے ایک غلام، خمس کی ایک لونڈی پر جا پڑا اور جبراً اس سے زنا کیا اور اس کا پردۂ بکارت زائل کر دیا[2]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام کو کوڑے لگائے اور لونڈی سے چونکہ اس نے زبردستی کی تھی اسے کوڑے نہیں لگائے[3]۔

(بخاری)

[1] صفیہ بنت ابی عبید عین پر پیش، ثقفیہ، مختار بن ابی عبید کی بہن اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کی زوجہ، ثقہ تابعین میں سے ہیں، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتی ہیں، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی تھی، ان کے والد ابوعبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں، مختار کی پیدائش ہجرت کے سال میں ہے، اسے صحابیت اور روایت کا شرف حاصل نہیں ہے، علماء نے اسے کذاب کہا ہے۔ جیسے حجاج کو مبیر (خونخوار) کہا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان کہ ثقیف سے ایک کذاب اور ایک خونخوار پیدا ہوں گے، ان ہی دو شخصوں پر محمول کیا گیا ہے۔ احجاج کی خونخواری تو مشہور زمانہ ہے، مختار نے بعد میں نبوت کا دعوٰی کر دیا تھا ۱۲ قادری۔

سے۵ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ـــــــــــ مطلب یہ کہ اس سے وطی کا ارادہ کیا۔

سے۵ انتقاض، قاف اور نقطے والے ضاد کے ساتھ؛ پردہ بکارت کا زائل کرنا، قصر قاف کے نیچے زیر، لڑکی کا پردہ بکارت، انفضاض، فاء کے ساتھ ہو تو اس کا بھی یہی معنی ہے، لیکن اس جگہ قاف کے ساتھ ہی روایت ہے

ؔ جیسے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں گزرا ہے۔

۳۴۲۴/۲۷ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيْمًا فِيْ حِجْرِ اَبِيْ فَاَصَابَ جَارِيَةً مِّنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِيْ ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَ اِنَّمَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مَخْرَجًا فَاَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یزید بن نعیم بن ہزال[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک یتیم اور میرے والد[۲] کی آغوش میں تھے، وہ محلے کی ایک کنیز سے زنا کر بیٹھے، میرے والد نے انہیں کہا کہ تم نے جو کچھ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر دو، ہو سکتا ہے کہ آپ تمہارے لیے دعائے مغفرت فرمائیں[۳] اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ امید ہے ماعز کے لیے کوئی راستہ نکل آئے[۴] انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک میں نے زنا کیا ہے، آپ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا حکم قائم فرمائیں، آپ نے ان سے رخ انور پھیر لیا انہوں نے لوٹ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! تحقیق میں نے زنا کیا ہے، آپ مجھ پر اللہ تعالیٰ

اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَقِمْ عَلَیَّ کِتَابَ اللّٰہِ حَتّٰی قَالَہَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ قَدْ قُلْتَہَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ قَالَ بِفُلَانَۃٍ قَالَ ہَلْ ضَاجَعْتَہَا قَالَ نَعَمْ قَالَ ہَلْ بَاشَرْتَہَا قَالَ نَعَمْ قَالَ ہَلْ جَامَعْتَہَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِہٖ اَنْ یُّرْجَمَ فَاُخْرِجَ بِہٖ اِلَی الْحَرَّۃِ فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَۃِ فَجَزِعَ فَخَرَجَ یَشْتَدُّ فَلَقِیَہٗ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ اُنَیْسٍ وَقَدْ عَجَزَ اَصْحَابُہٗ فَنَزَعَ لَہٗ بِوَظِیْفِ بَعِیْرٍ فَرَمَاہُ بِہٖ فَقَتَلَہٗ ثُمَّ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ ہَلَّا تَرَکْتُمُوْہُ لَعَلَّہٗ اَنْ یَّتُوْبَ فَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

کا حکم جاری فرمائیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ بات چار مرتبہ کہی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! تم نے یہ کلمات چار مرتبہ کہے ہیں [۱] کس سے زنا کیا ہے؟ عرض کیا: فلاں عورت سے [۲]۔ فرمایا! کیا تم اس کے ساتھ لیٹے ہو؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا! کیا تم نے اس سے مباشرت [۳] کی ہے؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا: کیا تم نے اس سے جماع کیا ہے؟ عرض کیا ہاں! تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا، انہیں انہیں مقام حرہ [۴] لے جایا گیا، جب انہیں سنگسار کیا گیا اور انہیں پتھر کی چوٹ محسوس ہوئی تو گھبرا کر نکل بھاگے، انہیں حضرت عبداللہ بن انیس [۵] اس حال میں ملے، کہ ان کے ساتھی عاجز آچکے تھے [۶]، انہوں نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی [۷] کھینچ کر دے ماری اور انہیں قتل کر دیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر [۸] ہو کر واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا؟ ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا۔

(ابوداؤد)

[۱] یزید بن نعیم ان کا ذکر دوسری فصل میں گزر چکا ہے۔
[۲] حضرت ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

؎ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ کنیز حضرت ہزال کی آزاد کردہ تھی۔
؎ اور تمہارے گناہ کی بخشش کے لیے دعا فرمائیں۔
؎ انہوں نے حضرت ماعز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی نصیحت اس امید پر کی تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت، ان کے گناہ سے نکلنے کا ذریعہ بن جائے گی، یعنی ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ان کے رجم کا حکم فرمائیں، ان کے قول یستغفر لک سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔
؎ اور چار مرتبہ اقرار کیا ہے، تم پر زنا ثابت ہو گیا ہے۔
؎ میں طور پر اس عورت کا نام لیا۔
؎ کیا تم نے اپنی جلد اس کی جلد سے مس کی ہے؟ بشرہ انسانی جلد کے ظاہر کو کہتے ہیں۔
؎ مدینہ منورہ سے باہر پتھریلی زمین۔
؎ عبداللہ بن انیس ہمزہ پر پیش، نون پر زبر، انصاری، مدنی، عقبی صحابی ہیں جو بہادر تھے، جنگ احد اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔
؎ ان کے قتل کرنے سے بے بس ہو چکے تھے۔
؎ صراح میں ہے وظیف، نقطے والی ظاء کے ساتھ، چار پائے اور اونٹ کی پنڈلی اور کلائی کی باریکی۔
؎ حضرت عبداللہ بن انیس نے۔

$\frac{3425}{28}$ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عمرو بن العاص؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس قوم میں زنا کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ قحط میں مبتلا کر دی جاتی ہے؎ اور جس قوم میں رشوتیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ دشمنوں کے خوف وہراس میں گرفتار کر دی جاتی ہے؎۔ (امام احمد)

؎ حضرت عمرو بن العاص مشہور سہمی، قریشی، صحابی ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وزیر تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ اَسْلَمَ النَّاسُ وَ اٰمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ دوسرے لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے، دیگر احادیث بھی ان کے بارے میں وارد ہیں۔

سے کیونکہ زنا، نسل کی ہلاکت کا باعث ہے اور اس کی نحوست سے فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قحط سالی پیدا ہو جاتی ہے، درحقیقت یہ ایسی خاصیت ہے جو تقدیر الٰہی سے زنا پر مرتب ہوتی ہے۔

سے رُشا، را پر پیش، رشوت کی جمع، رشوت کی را پر پیش اور اس کے نیچے زیر پڑھ سکتے ہیں۔ ایک حصہ دینا، راشی رشوت دینے والا، مرتشی رشوت لینے والا، رائش جو رشوت دینے اور لینے والے کے رابطہ کا کام دے اور ایک کے لیے زیادہ اور دوسرے کے لیے کم کرے، رشوت، مشتق ہے رشا سے جس کا معنی ہے ڈول کی رسی، اس کے ذریعے مطلوب تک پہنچا جاتا ہے، رشا کا ایک معنی یہ بھی ہے۔ چوزے کا اپنی ماں کی طرف گردن لمبی کرنا تاکہ وہ اسے کچھ کھلائے رشوت وہ مال ہے جو ایک آدمی دوسرے کو اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ اس کے مقصد میں امداد کرے، اسی طرح فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ بعض علماء نے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ وہ مقصد اتنا مشکل نہ ہو کہ عرف میں اتنا مال اس کی اجرت میں دیا جائے، جیسے کہ بادشاہ کے سامنے بات کرنا اور اس سلسلے میں کوشش کرنا، اور اگر بغیر شرط کے دیں تو بھی رشوت ہے، اسی طرح کہا گیا ہے۔

۳۴۲۶/۲۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُوْنٌ مَّنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَّ فِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَهُمَا وَ اَبَا بَكْرٍ هَدَمَ عَلَیْهِمَا حَائِطًا

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شخص ملعون ہے۔ جو قوم لوط والا فعل کرے[1] (رزین[2])۔ ان ہی کی ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فاعل و مفعول دونوں کو جلا دیا اور حضرت ابوبکر نے ان پر دیوار گرا دی[3]۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

لہ لعنت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب و رضا سے دور کیا ہوا ہے۔

سے رزین را پر زبر، زا کے نیچے زیر، حدیث کے علماء اور محدثین کے ائمہ میں سے ہیں۔ ان کا وصال سن پانچ سو بیس ہجری کے بعد ہوا۔

سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں بلند مکان کی چھت سے نیچے گرا دیا جائے، اور اوپر سے پتھر مارے جائیں جیسے کہ قوم لوط کو سزا دی گئی، ان کا گاؤں اٹھا کر بلندی تک لے جایا گیا، پھر زمین پر پٹخ دیا

گی اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ بعض نے کہا کہ انہیں غلیظ ترین جگہ قید کر دیا جائے یہاں تک کہ مر جائیں، کوڑے لگانے اور سنگسار کرنے کی بھی روایت ہے۔

۳۴۲۷/۳ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوِ امْرَاَةً فِىْ دُبُرِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے ساتھ لواطت کی[عہ] (ترمذی) انہوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

۳۴۲۸/۳۱ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ هٰذَا اَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْاَوَّلِ وَ هُوَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص چار پائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے[۱] (ترمذی، ابو داؤد) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری نے فرمایا یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح[عہ] ہے اور وہ یہ ہے کہ جو چار پائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کر دو، اور اہل علم کا اسی پیش نظر حدیث پر عمل ہے[۵]۔

[۱] لیکن اس پر تعزیر ہے (کہ حاکم ایسے شخص کو قتل کر دے اور جانور کو ذبح کر کے دفن کر دے ۱۲ مراۃ)

عہ خیال رہے کہ لڑکے سے بدفعلی از روئے قرآن کریم حرام قطعی ہے، مگر عورت سے دبر میں صحبت از روئے قیاس حرام قطعی ہے کہ اس کی قطعی حرمت حائضہ و نفساء سے صحبت پر قیاس کی بناء پر ہے، لہٰذا اس حرمت کا منکر بھی کافر ہے، جو کوئی عورت سے اس فعل کو حلال جانے وہ مرتد ہے ۱۲ مراۃ عہ یعنی سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی یہ موقوف حدیث، اس مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں فرمایا گیا کہ اسے قتل کر دو ۱۲ مراۃ ۵ یعنی تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے والے پر حد نہیں تعزیر ہے ۱۲ مراۃ)

۳۴۲۹ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِى الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا تَاْخُذْكُمْ فِى اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حدیں قریب و بعید[1] پر قائم کرو، اور چاہیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین میں ملامت کرنے والے کی ملامت نہ پکڑے۔[2] (ابن ماجہ)

[1] یعنی اپنے اور بیگانے پر یا کمزور پر کہ اس تک پہنچنا نزدیک ہے اور اس پر حکم کرنا آسان ہے اور طاقت ور پر جس تک پہنچنا دور ہے اور اس پر حد کا قائم کرنا مشکل ہے پہلا معنی لفظ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے اور دوسرا معنی کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔

[2] اور دین کے احکام اور حدود کے جاری کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۳۴۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَةُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِىْ بِلَادِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِىُّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد کا قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کے تمام آباد شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔[1] (ابن ماجہ)

امام نسائی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

[1] کیونکہ گناہوں کا ارتکاب، خیر و برکات کے منقطع ہونے اور انعام الٰہیہ کے زائل ہونے کا سبب ہے اور حد کا قائم کرنا گناہوں اور معصیتوں سے بچنے کا باعث ہے، نیز حدود کا قائم کرنا بندوں کے احوال اور امور کے انتظام اور اصلاح کا سبب ہے، جیسے کہ بارش مخلوقات کی خوش حالی اور فراغ خاطر کا ذریعہ ہے، لیکن بارش کا تعلق خاص دنیا کی زندگی کے ساتھ ہے، اس لیے حدود کا قائم کرنا بہتر ہے کہ اس کا تعلق دنیا و آخرت کے فائدے کے ساتھ ہے (عارف رومی فرماتے ہیں ابر ناید از پئے منع زکوٰۃ۔ وز زنا افتد وبا اندر جہات ——— زکوٰۃ نہ دینے سے بارش کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ اور زنا سے اطراف عالم میں وبا پھیل جاتی ہے۔ (۱۲ قادری)

بَابُ قَطْعِ السَّرِقَۃِ

۲۷۱۔ چوری کی بنا پر ہاتھ کاٹنے کا بیان

بعض نسخوں میں ہے۔ بَابُ حَدِّ السَّرِقَۃِ اور چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے، سرقہ راء کے نیچے زیر اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، لغت میں اس کا معنی ہے غیر کی کوئی چیز پوشیدہ طور پر لینا خواہ وہ مال ہو یا نہ اسی سے اِسْتِرَاقِ سَمع ہے چوری چھپے سننا۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے کسی کا محفوظ اور مملوک مال خفیہ طور پر اڑا لینا، ہمارے نزدیک چوری کا نصاب دس درہم ہے اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک اس کا نصاب سونے سے چوتھائی دینار، چاندی سے تین درہم یا اس کی قیمت، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں دینار کے چوتھائی حصے میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا، لہٰذا چوتھائی دینار تین درہم ہوئے۔

ہدایہ میں ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس باب میں زیادہ مقدار کا اختیار کرنا بہتر ہے اسی میں حدود کے ساقط کرنے کی کوشش ہے۔ کیونکہ کم مقدار میں جرم نہ ہونے کا شبہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے۔ لَا تُقْطَعُ اِلَّا فِیْ دِیْنَارٍ اَوْ عَشْرَۃِ دَرَاھِمَ۔ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک دینار میں یا دس درہموں میں، اصل اس باب میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ڈھال کی مالیت کی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا، شافعیہ کہتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔ علامہ تمنی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی، جیسے کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ کافی میں نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کی مالیت میں ہاتھ کاٹا گیا، یہ مالیت دس درہم کے مساوی تھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۴۳۱ عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ — ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا بِرُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دینار کے چوتھائی حصے اور اس سے زیادہ میں[۱]۔ (صحیحین)

[۱] اس کی قیمت کا بھی یہی حکم ہے۔ ————— یعنی اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، ایک روایت میں صراحۃً آیا ہے کہ دینار کے چوتھائی حصے میں کاٹیں اور اس سے کم میں نہ کاٹیں، ایک اور روایت میں دینار کے چوتھائی حصے اور تین درہم کا ذکر ہے، ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس وقت دینار کا چوتھائی حصہ تین درہم اور ایک دینار بارہ دراہم کے برابر تھا جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا (احناف کا مذہب اور ان کی دلیل بھی اس سے پہلے بیان کی گئی ہے ۱۲ قادری)

۳۴۳۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ ایک ڈھال کے چرانے پر کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی[۱]۔ (صحیحین)

[۱] علامہ تورپشتی نے فرمایا: علماء کی ایک جماعت دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنے کی قائل نہیں ہے۔ وہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ قیمت اپنی رائے اور اجتہاد سے مقرر فرمائی، جو ان کے نزدیک ظاہر تھا انہوں نے بیان کر دیا۔ صحابہ کرام کا ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے۔ ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی، عمرو بن شعیب سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام ایمن اور ان کے صاحبزادے سے مروی ہے کہ اس وقت ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی، بہرحال روایات مختلف ہیں، جن حضرات کی روایت میں آیا ہے کہ جس ڈھال کے چرانے پر ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت دس درہم تھی، یہ حدیث تو اتفاقی ہے اور دس درہم سے کم پر ہاتھ کاٹنے والی روایت اختلافی ہے، علماء نے اجماعی روایت کو اختیار کیا۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ دینار کے چوتھائی حصے میں ہاتھ کاٹا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے دو روایتیں ہیں، ان میں سے قوی روایت ام المومنین حضرت عائشہ پر موقوف ہے: پھر یہ حدیث راویوں کے اختلاف سے بھی خالی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ انہوں نے ربع دینار کا ذکر اس بنا پر کیا کہ ان کے نزدیک ڈھال کی قیمت دینار کا چوتھائی حصہ تھی (تورپشتی)

خلاصہ یہ کہ اس باب میں اکثر کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا (الآیہ) کی مراد ایسے طریقے پر بیان کی جائے کہ اس میں شبہے کی گنجائش نہ ہو۔

۳۴۳۳/۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ السَّارِقَ یَسْرِقُ الْبَیْضَۃَ فَتُقْطَعُ یَدُہٗ وَیَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ یَدُہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے کہ وہ بیضہ (خود یا انڈہ) چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے[۱] (صحیحین)

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دس درہم تو اپنی جگہ ہے، تین درہم اور چوتھائی دینار سے بھی کم پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، لہٰذا یہ حدیث تمام ائمہ کے لیے مشکل ہوگی، اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بیضہ سے مراد لوہے کا خود ہے جسے مجاہدین سر پر پہنتے ہیں، یہ تاویل اگرچہ بیضہ میں درست ہے۔ لیکن رسی کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیونکہ اس کی قیمت دینار کے چوتھائی حصے سے بہرحال کم ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے کشتی کی رسی مراد ہے کہ اس کی قیمت اتنی مقدار ہو سکتی ہے۔ اور یہ تکلف ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ ابتداءً میں تھوڑی مقدار پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا اس کے بعد یہ طریقہ منسوخ ہو گیا، بعض محدثین نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امراء اور سلاطین کے طریقے کی طرف اشارہ کیا کہ وہ شرعی طریقے کے مطابق نہیں بلکہ سیاست اور سختی کے طور پر اس طرح کرتے ہیں، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تھوڑی چیز کے چرانے میں نفس کی پیروی کرتا ہے، پھر رفتہ رفتہ زیادہ مال چرانے لگتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۴۳۴/۴ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَّلَا کَثَرٍ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَالتِّرْمِذِیُّ

حضرت رافع بن خدیج[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تو پھل[۲] میں ہاتھ کاٹنا ہے اور نہ ہی درخت کی چربی[۳] میں (امام مالک، ترمذی)

وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ اِبْنُ مَاجَةَ)

(ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

۱؎ حضرت رافع بن خدیج نقطے والی خا پر زبر، بے نقطہ دال کے نیچے زیر، مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ بدر میں کم سنی کے باعث شریک نہیں ہوئے، اُحد، خندق اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے

۲؎ جب تک درخت پر رہے۔

۳؎ کثر تین نقطے والی ثاء کے ساتھ، بروزن ثمر، چربی ایسی سفید اور نرم چیز جو کھجور کے درخت کے درمیان ہوتی ہے اور لوگ اسے کھاتے ہیں، درخت کے سر کی طرف سے نمودار ہوتی ہے۔ اسے جُمّار بھی کہتے ہیں، جیم پر پیش میم مشدد بعض محدثین نے فرمایا کہ کثر کا معنی شگوفہ خرما ہے، اسے بھی کھایا جاتا ہے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

درخت پر لگا ہوا میوہ جو اتارا نہیں گیا اس میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محفوظ نہیں ہے، لیکن جو پھل توڑ کر محفوظ کر لیا گیا ہو اس کے چرانے پر امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا، ایک روایت یہ ہے کہ اگر پھل ایسے باغ میں ہے جس کے گرد دیوار بنی ہوئی ہے، یا ایسے درخت پر ہے جو گھر میں محفوظ ہے، اس سے اگر چوری کے نصاب کے برابر پھل چرایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ہمارے نزدیک ایسی چیز میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے جو جلدی ضائع یا متغیر ہو جانے والی ہو، جیسے دودھ اور پھل۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے عموم کی بنا پر۔ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ نیز فرمایا لَا قَطْعَ فِی الطَّعَامِ۔ یعنی اس طعام میں ہاتھ کاٹنا نہیں جو کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو، ورنہ گندم اور شکر میں بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائے گا۔ گوشت اور مشروبات وغیرہ کو کھانے پر قیاس کیا گیا ہے۔

۳۴۳۵/۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جس نے کھلیان۱؎ میں پہنچنے کے بعد اس میں سے کوئی چیز چرائی اور وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ گئی تو اس میں ہاتھ کاٹنا ہے۲؎۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ) (ابوداؤد، نسائی)

لہ جرین: جیم کے ساتھ، بروزن قرین، کھجور کے خشک کرنے اور اس کے ڈھیر کی جگہ، یُؤْوِیْ اِیْوَاءً سے مشتق ہے جس کا معنی جگہ دینا ہے۔

لہ۲ مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محفوظ نہیں ہے، جب یہ درخت سے توڑ لیا جائے اور کھلیان میں خشک ہونے کے لیے جمع کر دیا جائے تو اس میں ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ وہ محفوظ ہے۔

۳۴۳۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنِ الْمَکِّیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَّلَا فِیْ حَرِیْسَةِ جَبَلٍ فَاِذَا اٰوَاهُ الْمُرَاحُ وَالْجَرِیْنُ فَالْقَطْعُ فِیْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ۔

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی حسین مکی لہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: درخت پر معلق پھلوں میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور نہ ہی پہاڑ میں چرنے والے جانوروں لہ۲ میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ جب ان جانوروں کو طویلہ لہ۳ پناہ دے اور پھل کھلیان میں جمع کر دیے جائیں تو اس مقدار میں ہاتھ کاٹنا ہے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ) (امام مالک)

لہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، قریشی نوفلی ہیں۔ نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے تابعی قلیل الحدیث ہیں، ان سے امام مالک، شعبہ، سفیان اور دوسرے محدثین نے روایت لی ہے۔

لہ۲ یعنی اگرچہ وہ پہاڑ کی وجہ سے مقید ہیں اور ان کے ساتھ کوئی چرانے والا نہیں ہے، کیونکہ وہ محفوظ نہیں ہیں حریسہ بروزن فعیلہ، حراست سے مشتق ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ حریسہ کا معنی چرایا ہوا ہے، حرس اور حریسہ چرانے کے معنی میں آتے ہیں۔ حارس چور کو کہتے ہیں اور محترس اس شخص کو کہتے ہیں جو اونٹ اور بکریاں چرا کر کھا جائے۔

لہ۳ مراح میم پر پیش، وہ جگہ (طویلہ) جہاں اونٹ اور بکری کو رات کے لیے بند کرتے ہیں۔

۳۴۳۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَّ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَّشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

فرمایا، لوٹنے والے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے[1] اور جو کھلم کھلا لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے[2]
(ابو داؤد)

[1] کیونکہ لوٹ مار میں علی الاعلان غلبے سے مال ہتھیایا جاتا ہے اور چوری میں خفیہ طور پر مال حاصل کیا جاتا ہے اڈاکے کی سزا قتل ہے یا سولی پر لٹکانا یا مخلف جہتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹنا جیسے کہ قرآن مجید میں ہے (انوادری) نہب کا معنی ہے مالِ غنیمت بھی آیا ہے اس لحاظ سے معنی ہوگا مالِ غنیمت میں سے چوری کرنے والا، اگر اس معنی پر محمول کریں تو اس کا ہاتھ اس لیے نہیں کاٹا جائے گا کہ مالِ غنیمت میں اس کا بھی حصہ ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا کہ جنگ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

[2] اس طرح لوٹے کہ لوگ اسے دیکھیں وہ ہم میں سے اور ہمارے طریقہ پر نہیں ہے، اس عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نہبۃ کا معنی لوٹنا ہے لیکن شارحین نے اس معنی کی بھی گنجائش رکھی ہے کہ مالِ غنیمت میں سے مال لینا مراد ہے۔

۳۴۳۸ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ رُوِيَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَ تَوَسَّدَ رِدَآءَهٗ فَجَآءَ سَارِقٌ وَّ اَخَذَ رِدَآءَهٗ فَاَخَذَ صَفْوَانُ فَجَآءَ بِهٖ

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خیانت کرنے والے[1]، لوٹنے والے اور اچکنے والے[2] کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے
(امام ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی)

شرح السنۃ میں روایت کیا گیا ہے کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ آئے اور مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر سو گئے، ایک چور نے آکر ان کی چادر چرا لی، حضرت صفوان نے اسے پکڑ لیا اور لاکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر

إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ أَنْ تُقْطَعَ يَدُهُ فَقَالَ صَفْوَانُ إِنِّيْ لَمْ أُرِدْ هٰذَا هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِيْ بِهٖ وَرَوٰى نَحْوَهٗ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيْهِ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

دیا، آپ نے حکم فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے[۴]، صفوان نے کہا میرا یہ ارادہ نہ تھا[۵]، یہ چادر اس پر صدقہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ہمارے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ صدقہ کر دیا[۶]؟ اسی طرح ابن ماجہ نے یہ حدیث عبداللہ بن صفوان[۷] سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اور دارمی نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔

[۱] خیانت یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہے اس میں سے اڑا لے۔

[۲] مختلس کسی ظاہر چیز کا تیزی سے چھین لینا ——— ان صورتوں میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے پہلی صورت میں اس لیے کہ وہ مال محفوظ نہیں ہے، آخری دو صورتوں میں اس لیے کہ خفیہ طور پر نہیں لیا گیا۔

[۳] صفوان بن امیہ صحابی ہیں، ان کا باپ امیہ بن خلف بدر میں حالت کفر میں مارا گیا اور صفوان فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ وہ مولفۃ القلوب میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حنین کی غنیمتوں میں بھاری مقدار میں مال عطا فرمایا تو صفوان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اتنی بڑی سخاوت اور عطا پیغمبر کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان بن گئے، اس کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا ہِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ۔ فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ صفوان دور جاہلیت میں قریش کے معززین اور فصیح ترین افراد میں سے تھے۔

[۴] اس شخص کے چوری کا اقرار کرنے کے بعد۔

[۵] میں نے اسے آپ کی بارگاہ میں اس لیے پیش نہیں کیا تھا کہ آپ اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمائیں۔

[۶] لیکن اب جب ہم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا ہے تو اس پر عمل درآمد واجب ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور تمہارے معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، چادر تمہاری ملکیت ہے وہ اگر تم اسے دیتے ہو تو وہ ساقط ہو جائے گی۔ (واپس نہیں لی جائے گی) لیکن ہاتھ کا کاٹنا تمہارے معاف کرنے سے ساقط نہیں ہو سکتا۔

[۷] عبداللہ بن صفوان اکابر اور اشراف تابعین میں سے ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر مستند اور ثقہ راویوں میں

کیا ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھیوں میں سے تھے اور ۷۳ھ میں ان کے ساتھ اور اسی دن اس حال میں شہید کیے گئے کہ وہ بیت اللہ شریف کے پردوں سے لپٹے ہوئے تھے۔

۳۴۳۹/۹ وَعَنْ بُسْرِ بْنِ اَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ الْاَيْدِيْ فِي الْغَزْوِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا قَالَا فِي السَّفَرِ بَدَلَ الْغَزْوِ)

حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فروں سے جنگ کے دنن ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے[1]۔

(امام ترمذی، دارمی، ابو داؤد، نسائی) لیکن امام ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں فِي الْغَزْوِ کی بجائے فِي السَّفَرِ ہے۔

[1] یعنی جب لشکر دار الحرب میں ہو اور اس میں سربراہ مملکت اور لشکر کا سربراہ نہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹیں گے، اسی طرح باقی حدیں جاری نہیں کی جائیں گی۔ بعض فقہاء کا یہی مختار ہے، کیونکہ اس طرح فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا جائے وہ بھاگ کر دار الحرب ہی میں پناہ لے لے نیز اس طرح مجاہدین میں سستی اور افتراق کے پیدا ہونے کا بھی خوف ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا کہ امیر، دار الحرب سے واپس ہونے تک ہاتھ نہیں کاٹے گا، البتہ واپسی کے بعد کاٹ دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جنگ میں ہاتھ نہ کاٹنے کا یہ مطلب ہے کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کے چرا لینے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حصہ ہے۔

[2] اس کا اشارہ پہلے معنی کی طرف ہے کہ جب تک صاحب اختیار حاکم نہ ہو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(از قادری)

۳۴۴۰/۱۰ وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي السَّارِقِ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا

ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا کہ اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ[1] کاٹ دو، پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں[2] کاٹ دو۔ پھر چوری کرے تو اس کا دوسرا ہاتھ کاٹ دو۔ پھر چوری کرے تو اس کا دوسرا پاؤں بھی

رِجْلَهٗ۔ کاٹ دو

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ) (شرح السنۃ)

لـه یہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشہور اور اجلہ تابعین میں سے ہیں، ثقہ اور امام ہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں، اکثر احادیث کے راوی اور روایت پر مضبوط گرفت رکھنے والے ہیں، حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن عمر اور حضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث سنی۔ سنہ ۹۴ھ میں اور بعض نے کہا کہ سنہ ۱۰۴ھ میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سـه یعنی دایاں ہاتھ

سـه بایاں پاؤں

سـه۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ تیسری اور چوتھی مرتبہ کی چوری، جرم ہونے میں پہلی اور دوسری چوری کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر لہٰذا یہ چوری بطریق اولیٰ ہاتھ کاٹنے کو واجب کرے گی۔ ہمارے نزدیک اگر تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرے یا مر جائے۔ ہماری دلیل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے، انہوں نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں کھانے اور استنجا کرنے کے لیے اس چور کا ایک ہاتھ بھی نہ رہنے دوں اور چلنے کے لیے ایک پاؤں بھی نہ رہنے دوں۔ صحابہ کرام نے بھی اسی دلیل سے استدلال کیا اور ان کا اس پر اجماع ہوگیا۔ یقیناً ان کے پاس اس کی کوئی سند ضرور ہوگی۔ حدیث مذکور پر امام طحاوی نے (سند کے اعتبار سے) جرح کی ہے یا یہ حدیث زجر و توبیخ اور سیاست پر محمول ہے نیز دونوں ہاتھوں اور پاؤں کا کاٹ دینا ہلاک کر دینے کے برابر ہے اور حد تو گناہ سے روکنے والی ہوتی ہے نہ کہ ہلاک کرنے والی۔ باقی رہا رجم تو وہ دلیل قطعی سے ثابت ہے۔

۳۴۴۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جِيْءَ بِسَارِقٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْءَ بِهٖ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْءَ بِهٖ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْءَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا، کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا، پھر اسے دوبارہ لایا گیا تو فرمایا، کاٹ دو، چنانچہ کاٹ دیا گیا پھر تیسری بار لایا گیا، فرمایا، کاٹ دو چنانچہ کاٹ دیا گیا، چوتھی مرتبہ لایا گیا، فرمایا، کاٹ دو

بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ فَأُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَرْنَاهُ فَأَلْقَيْنَاهُ فِيْ بِئْرٍ وَّرَمَيْنَا عَلَيْهِ الْحِجَارَةَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِيْ قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ احْسِمُوْهُ۔

چنانچہ کاٹ دیا گیا[1]، پھر پانچویں مرتبہ لایا گیا تو فرمایا! اسے قتل کر دو، چنانچہ ہم نے اسے لے جا کر قتل کر دیا اور اسے کھینچ کر ایک کنوئیں میں پھینک دیا اور اس پر پتھر پھینکے[2]۔

(ابوداؤد، نسائی)

شرح السنۃ[3] میں چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر اسے داغ دو[4]۔

[1] اسی طریقے پر جیسے گزشتہ حدیث میں گزرا (پہلے دایاں ہاتھ، پھر بایاں پاؤں، اس کے بعد بایاں ہاتھ اور پھر دایاں پاؤں ۱۲ قادری)۔

[2] علامہ خطابی جو فقہ اور حدیث کے عظیم عالم ہیں، فرماتے ہیں کہ میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جس نے چور کا خون گرانے کو جائز قرار دیا ہو، اگرچہ اس نے بار بار چوری کی ہو، انہوں نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس حدیث سے جس میں فرمایا لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ کسی مسلمان کا خون گرانا حلال نہیں مگر تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی بنا پر (کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے، محصن ہوتے ہوئے زنا کرے یا مرتد ہو جائے ۱۲ قادری) بعض شارحین نے فرمایا اس چور کا قتل بطور سیاست تھا اور امام کو حق پہنچتا ہے کہ مفسدوں کی تعزیر کے لیے جو سزا چاہے تجویز کرے۔ بعض محدثین نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس شخص کا مرتد ہونا معلوم تھا اس لیے آپ نے اس کا خون مباح فرما دیا اور اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا، بعض حضرات نے فرمایا، بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس بنیاد پر محمول کیا جائے کہ وہ چوری کو حلال مانتا تھا ——— یہ تاویلات ضروری ہیں ورنہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے گھسیٹ کر کنوئیں میں پھینکنا جائز نہ ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[3] امام بغوی کی تصنیف۔

[4] آگ سے، تاکہ اس کا خون رک جائے (اور زخم آگے سرایت نہ کرے ۱۲ قادری)

۳۴۴۲ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ[12] قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت فضالہ بن عبید[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدُهُ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِي عُنُقِهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر آپ نے حکم دیا اور وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

لے فضالہ فا پر زبر، نقطے والا ضاد مخفف بن عبید عین پر پیش، انصاری صحابی ہیں اور بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے جنگ احد میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد دیگر غزوات میں حاضر ہوتے رہے، بیعت رضوان میں شریک ہوئے اور خیبر میں حاضر ہوئے بعد میں شام میں منتقل ہو کر دمشق میں مقیم ہو گئے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفین کی طرف نکلے تو ان کی طرف سے دمشق کے قاضی بنے، ۵۳ھ میں دمشق میں وصال ہوا۔
سے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔

۳۴۴۳/۱۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوْكُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب غلام چوری کرے تو اسے بیچ دو، اگرچہ بیس درہم میں ہی سہی۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

لے نش نون پر زبر، شین نقطے والا مشدد، آدھا اوقیہ، بیس درہم۔ بعض شارحین نے فرمایا، نش کسی بھی چیز کے نصف کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آدھا درہم بطور مبالغہ مراد ہو۔ ہو سکتا ہے کہ دوسری جگہ جا کر چوری نہ کرے۔

عہ کیا چور کے کٹے ہوئے ہاتھ کو پیوند کاری کے ذریعے دوبارہ جوڑا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا، جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا یہ ان کے جرم کی سزا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہاتھ جوڑنا جائز ہے، کیونکہ ہاتھ کاٹنے سے۔ فَاقْطَعُوْا کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔ خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بھی فراہم ہو چکا ہے۔ اور وہ اپنے کیے کی سزا بھی بھگت چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۴۴۴/۱۴ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوْا مَا كُنَّا نَرَاكَ تَبْلُغُ بِهٖ هٰذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا! آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا[1]، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمیں گمان نہیں تھا کہ آپ اسے اس حد تک پہنچادیں گے[2] آپ نے فرمایا: اگر فاطمہ[3] بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

(نسائی)

[1] یعنی اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ بعض نسخوں میں ہے فقطع ہائے ضمیر کے بغیر۔

[2] یعنی اس کا ہاتھ کٹوا دیں گے، بلکہ ہمارا گمان تھا کہ آپ اس سے رحمت و شفقت کا رویہ روا رکھیں گے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چور اس قسم کا تھا کہ اسے محل شفقت ہونا چاہیے تھا مثلاً ذی رحم یا ایسے ہی کسی دوسرے تعلق والا۔

[3] یعنی فاطمہ زہرا بتول، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راجیتی بیٹی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ چوری کرنے والی، مخزومیہ عورت ہو جیسے کہ آئندہ باب میں آئے گا۔

۳۴۴۵/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَ بِغُلَامٍ لَهٗ فَقَالَ اقْطَعْ يَدَهٗ فَاِنَّهٗ سَرَقَ مِرْاٰةً لِامْرَاَتِیْ فَقَالَ عُمَرُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ وَهُوَ خَادِمُكُمْ اَخَذَ مَتَاعَكُمْ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر فاروق کی خدمت میں اپنا غلام لایا اور کہنے لگا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے حضرت عمر فاروق نے فرمایا: ہاتھ کا کاٹنا اس پر لازم نہیں ہے۔ وہ تمہارا خادم ہے۔ اسی نے تمہارا سامان لیا ہے[1]۔

(امام مالک)

[1] گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرما کر ہاتھ نہ کاٹنے کی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ گھر میں آنے کی اجازت کا پایا جانا ہے، لہٰذا اس کی نسبت سے مال محفوظ نہ ہوا، یہی امام احمد کا مذہب ہے جب کہ

عام اہل علم اس کے خلاف ہیں عہ۔

۳۴۴۶ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ سَعْدَیْکَ قَالَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ یَکُوْنُ الْبَیْتُ فِیْہِ بِالْوَصِیْفِ یَعْنِی الْقَبْرَ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّبْرِ قَالَ حَمَّادُ بْنُ اَبِیْ سُلَیْمَانَ تُقْطَعُ یَدُ النَّبَّاشِ لِاَنَّہٗ دَخَلَ عَلَی الْمَیِّتِ بَیْتَہٗ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! میں نے عرض کیا میں آپ کی خدمت اور امداد کے لیے حاضر ہوں لہ۔ فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب لوگوں کو موت آئے گی لہ۔ اس وقت گھر، غلام کے بدلے میں ہوگا، گھر سے مراد قبر ہے لہ، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں لہ، فرمایا، صبر کو لازم پکڑنا لہ۔ حماد بن ابی سلیمان لہ فرماتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے لہ۔

(ابو داؤد)

لہ یعنی ارشاد فرمائیے! میں اطاعت و فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں۔

لہ یعنی وبا پھیلے گی تو تم بھاگو گے یا صبر کرو گے؟

لہ بیت (گھر) کی تفسیر قبر سے کی گئی ہے ——— وصیف بروزن شریف، خدمت گار۔ وصافت خدمت گاری

عہ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مولا اپنے مکاتب کے مال سے کوئی چیز چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح مکاتب اپنے آقا کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ وہ اس کا غلام ہے، اسی طرح اگر مولا کی بیوی کا مال چوری کرے، یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ امام مالک، ابو ثور اور ابن منذر کہتے ہیں کہ مولا کے علاوہ کسی کا مال چوری کرنے پر خواہ اس کی بیوی ہی کا مال کیوں نہ ہو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ حضرت عمر کا اثر تو اس وقت پیش نظر ہے۔ ابن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے، اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت منقول نہیں ہے لہذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا اس کے ذریعے آیت مذکورہ کی تخصیص کی جاسکتی ہے ۱۲ مرقاۃ۔

یعنی اس وقت قبر کی جگہ غلام کی قیمت کے بدلے خریدی جائے گی۔ کیونکہ لوگ بکثرت موت کا شکار ہو رہے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ قبر کھودنے کا معاوضہ اتنا گراں ہوگا کہ غلام کی قیمت کو پہنچ جائے گا۔

۵۴ یعنی میں نہیں جانتا کہ میرا حال کیا ہوگا؟ اس وقت صبر کر سکوں گا یا بھاگ جاؤں گا۔

۵۵ اور راہ فرار اختیار نہ کرنا۔

۵۶ حماد بن ابی سلیمان، کوفہ کے رہنے والے تابعی، ثقہ، امام مجتہد، کریم النفس اور پیکر سخاوت تھے۔ حضرت انس سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے تھے۔ ان سے امام ابوحنیفہ، مسعر اور شعبہ نے روایت کی۔ سن ۱۲۰ھ میں وصال ہوا۔ ان کے والد ابوسلیمان کا نام مسلم اشعری تھا، وہ ابراہیم بن ابوموسیٰ اشعری کے آزاد کردہ غلام تھے

۵۷ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کو گھر فرمایا ہے۔ لہٰذا قبر گھر کی طرح حفاظت کی جگہ ہوئی۔ اور اگر گھر سے کوئی چیز چرائی جائے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ لہٰذا قبر سے کفن چرانے پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حفاظت کا معنی کمزور ہے اس لیے نص قرآنی میں واقع ہونے والا لفظ سارق اسے شامل نہیں ہوگا۔ (ایسے شخص پر وقت کا حکمران تعزیر لگائے گا۔)

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُودِ

۲۷.۴۔ حدود میں سفارش کرنے کا بیان

اس باب میں وہ حدیثیں بیان کی جائیں گی جو حدود میں سفارش کرنے کے بارے میں وارد ہیں یعنی امام سے درخواست کرنا کہ حدود کے قائم کرنے سے درگزر کرے۔ غالباً چوری کی حد کے ساتھ اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس باب میں وارد ہونے والی اکثر احادیث کا تعلق چوری کی حد کے ساتھ ہے۔ اگرچہ ان کا مفہوم عام ہے۔ ایک حدیث ایسی بھی لائے ہیں جس میں عموم ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۴۴۷ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قُرَيْشًا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

اَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُّكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتِ امْرَاَةٌ مَّخْزُوْمِيَّةٌ تَسْتَعِيْرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاَتٰى اَهْلُهَا اُسَامَةَ فَكَلَّمُوْهُ

ہے کہ قریش کو ایک مخزومی عورت کے حال نے پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا کچھ حضرات نے کہا کہ آپ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب، اسامہ بن زید کے علاوہ کون جرات کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت اسامہ نے آپ سے گزارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا، تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک کیے گئے کہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کا کوئی معزز فرد چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو ہم ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتے۔

(صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ مخزومیہ عورت سامان مانگ کر لیتی اور انکار کر دیتی تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اس کے خویش و اقارب نے حضرت اسامہ کے پاس آکر ان سے گفتگو کی، انہوں نے

فَكَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں گزارش کی[۱۲]۔ اس کے بعد امام مسلم نے اسی طرح حدیث بیان کی جیسے پہلے بیان ہو چکی ہے[۱۳]۔

[۱] یعنی ان صحابہ کرام کو جو قریش سے تعلق رکھتے تھے ـــــــ مخزومیہ منسوب ہے مخزوم کی طرف جو قریش کے ایک قبیلے کا جد اعلیٰ تھا۔

[۲] اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود بن عبد الاسد تھا، یہ حضرت ابو سلمہ کی بھتیجی تھیں۔

[۳] حب حا کے نیچے زیر، جسے محبوب رکھا گیا ہو۔

[۴] بطور انکار و توبیخ فرمایا۔

[۵] کوئی بڑا اور طاقت ور آدمی۔

[۶] مداہنت سے کام لیتے ہوئے اس پر حد قائم نہ کرتے ـــــــ شرف بڑا اور بلند مرتبہ ہونا۔

[۷] ایک نسخے میں الْوَضِيْعُ ہے جو شریف کے مقابل ہے اور اکثر بلکہ تمام نسخوں میں الضَّعِيْفُ ہے اور یہی صحیح ہے۔

[۸] اَيْمُ اللّٰهِ۔ اس لفظ کی تحقیق اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔

[۹] جو ہمارے اہل بیت میں سے ہمیں بہت ہی عزیز اور پیاری ہیں۔

[۱۰] جحد علم کے باوجود انکار کر دینا۔

[۱۱] حد سرقہ کے طور پر کہ وہ لوگوں سے کوئی چیز مانگ کر لیتیں اور پھر انکار کر دیتیں۔ اگر سوال کیا جائے کہ انکار کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے مانگ کر لینے، پھر انکار کر دینے کا ذکر اس عورت کا حال بیان کرنے کے لیے ہے کہ اس کا یہ حال تھا، ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس نے چوری کی تھی، شارحین فرماتے ہیں کہ امام احمد اور اسحاق کے نزدیک کسی کی چیز لے کر انکار کرنے پر ہاتھ کاٹنا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ لیکن دوسری حدیثوں میں صراحۃً چوری کا ذکر آیا ہے یہ حضرات کہیں گے کہ عاریہ کے انکار ہی کو چوری کا نام دیا گیا ہے۔

[۱۲] کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

[۱۳]۔ حدود کے قائم کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ انتہائی اہتمام ہے اور حقانیت میں کمال استقامت ہے ـــــــ اللہ تعالیٰ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ پر رحمتیں نازل فرمائے، وہ اکابر علماء شافعیہ میں سے تھے

بہترین اخلاق سے موصوف اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت سے بہرہ ور تھے۔ انہوں نے جب یہ حدیث روایت کی تو اس جگہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم گرامی ذکر نہیں کیا، انہوں نے ایسے مقام پر حضرت خاتون جنت کا نام ذکر کرنا مناسب نہیں جانا بلکہ یوں کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں سے ایک عورت کا ذکر فرمایا ——— رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

یہ باب فصل ثانی سے خالی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۴۴۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُہٗ دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰہَ وَمَنْ خَاصَمَ فِیْ بَاطِلٍ وَّ ھُوَ یَعْلَمُہٗ لَمْ یَزَلْ فِیْ سَخَطِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِیْ مُؤْمِنٍ مَّا لَیْسَ فِیْہِ اَسْکَنَہُ اللّٰہُ رَدْغَۃَ الْخَبَالِ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ فِیْ رِوَایَۃِ الْبَیْھَقِیِّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مَنْ اَعَانَ عَلٰی خُصُوْمَۃٍ لَا یَدْرِیْ اَحَقٌّ اَمْ بَاطِلٌ فَھُوَ فِیْ سَخَطِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْزِعَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے آگے حائل ہوگئی[1] تو اس نے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کیا[2]، اور جس نے ناحق میں جھگڑا کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باطل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا یہاں تک کہ اس سے باز آجائے[3] اور جس نے کسی مومن کے بارے میں ایسی بات[4] کہی جو اس میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ اسے دوزخیوں کی پیپ کے کیچڑ[5] میں ٹھہرائے گا، یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے[6] (امام احمد، ابو داؤد) ۔ شعب الایمان میں امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ جس نے کسی جھگڑے میں امداد کی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ وہ حق ہے یا باطل تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہے، یہاں تک کہ اس سے باز آجائے[7]۔

لہ یعنی جو شخص اپنی سفارش سے اللہ تعالیٰ کی حد کو روک دے۔
۲ہ صراح میں ہے ضد غیر مماثل اور ندّ مماثل۔ ضَادَّہٗ اس کی ضد ہوا۔
۳ہ نزع اور نزوع کسی کام سے باز آنا۔
۴ہ عیب اور نقص۔
۵ہ رَدْغَۃٌ پہلے را پھر دال ساکن اور اس کے بعد نقطے والی غین۔ دال پر زبر بھی آئی ہے۔ لغت کی کتابوں میں اسی طرح ہے۔ محدثین سکون کے ساتھ روایت کرتے ہیں بمعنی کیچڑ۔ خبال نقطے والی خاء پر زبر، اصل میں اس کا معنی فساد اور تباہی ہے۔ اسی جگہ وہ فاسد مادے مراد ہیں جو دوزخیوں کے اعضاء سے زرد پانی کی صورت میں ٹپکیں گے اور بہیں گے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ وہ جگہ مراد ہے جہاں زرد پانی جمع ہوگا۔
۶ہ یعنی اس گناہ سے توبہ کے ذریعے، یا جس عذاب کا وہ مستحق ہوچکا ہے اسے برداشت کرنے کے بعد پاک ہوجائے۔
۷ہ اس جگہ دعید اور دھمکی زیادہ شدید ہے کہ جس جگہ حقانیت میں شک اور تردد ہو وہاں بھی امداد نہ کرے، سابقہ روایت میں بطلان کا یقین اور وثوق تھا۔ نیز اس جگہ جھگڑا تھا اور اس جگہ جھگڑے میں امداد ہے۔

۳۴۴۹/۳ وَعَنْ اَبِیْ اُمَیَّۃَ الْمَخْزُوْمِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اِعْتِرَافًا وَّلَمْ یُوْجَدْ مَعَہٗ مَتَاعٌ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اِخَالُکَ سَرَقْتَ قَالَ بَلٰی فَاَعَادَ عَلَیْہِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا کُلَّ ذٰلِکَ یَعْتَرِفُ فَاَمَرَ بِہٖ فَقُطِعَ وَجِیْءَ بِہٖ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَغْفِرِ اللّٰہَ وَتُبْ اِلَیْہِ

حضرت ابو امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا جس نے صاف طور پر اقرار کیا، اور اس کے ساتھ سامان نہیں پایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا، ہمارا گمان[۱] نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے، اس نے کہا کیوں نہیں[۲]! آپ نے دو یا تین مرتبہ یہی ارشاد[۳] دہرایا، ہر دفعہ اس نے اقرار کیا[۴]۔ آپ کے حکم پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر اسے لایا گیا[۵] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو! اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو[۶] اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی

فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ثَلٰثًا. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ) هٰكَذَا وَجَدْتُ فِي الْاُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ وَ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ اُمَيَّةَ وَ فِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ اَبِيْ رِمْثَةَ بِالرَّآءِ وَ الثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ الْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ .

چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دعا کی یا اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) میں نے یہ حدیث، مذکورہ چار کتابوں۔ جامع الاصول شعب الایمان اور معالم السنن میں اسی طرح حضرت ابوامیہ سے پائی ہے[۸] مصابیح کے نسخوں میں ہے عَنْ اَبِیْ رِمْثَۃَ راء اور تین نقطے والی ثاء کے ساتھ ہمزہ اور یاء کی جگہ[۹]

[۱] ابوامیہ ہمزہ پر پیش، میم پر زبر، یا مشدد، اہل حجاز میں شمار کیے جانے والے صحابی ہیں۔ ان کا نام معلوم نہیں ہے۔ چوری کی حد میں ان کی روایت کردہ یہی ایک حدیث ہے۔

[۲] اَخَالُ ہمزہ کی زبر کے ساتھ، مضارع متکلم کا صیغہ ہے جیسے کہ اَخَافُ، زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیتے ہیں۔ بعض زبر بھی پڑھتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد حد کا دفع کرنا اور رجوع کی تلقین تھا، جیسے کہ آپ نے زنا کی حد میں کیا، امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے۔ ہمارے نزدیک اور باقی ائمہ کے نزدیک یہ حد زنا کے ساتھ خاص ہے۔

[۳] میں نے چوری کی ہے۔

[۴] ہمارا گمان ہے کہ تم نے چوری نہیں کی

[۵] اور کہا کہ میں نے چوری کی ہے۔

[۶] ہاتھ کاٹنے کے بعد۔

[۷] کہ دوبارہ چوری نہیں کرو گے یا کوئی گناہ نہیں کرو گے۔

[۸] یعنی یہ حدیث ان سب کتابوں میں حضرت ابوامیہ سے مروی ہے۔

۵؎ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ غلط ہے اگرچہ حضرت ابو رمثہ بھی صحابی ہیں۔ لیکن یہ حدیث ان سے مروی نہیں ہے۔ ان کا ذکر اسی جگہ غلط ہے (صاحب مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے۔ ۱۲ قادری)

بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ

۲۷۳ — شراب کی حد کا بیان

خمر کا معنی شراب ہے۔ لغت میں اس کا معنی پوشیدہ کرنا ہے، شراب چونکہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس لیے اسے خمر کہتے ہیں، شراب کا پینا کتاب وسنت اور اجماع کی رو سے حرام ہے، شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہیں، یہی احناف اور جمہور علماء کا مذہب ہے امام شافعی اور بعض دیگر علماء کے نزدیک چالیس کوڑے ہیں۔ نیز امام احمد سے ایک روایت اسی طرح آئی ہے۔ ان کے مذہب کے اکثر ائمہ کے نزدیک اسی کوڑے مختار ہیں، ان سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ شراب پینے والے کو عدد معین کیے بغیر درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارتے تھے۔ ایک اور روایت میں چالیس کوڑے بھی آئے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں اسی طرح کرتے تھے، اس کے بعد صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا اجتہاد یہ ہے کہ اسی کوڑے لگائے جائیں۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس سے زیادہ کوڑے اس وقت لگواتے جب لوگ شراب پینے کے عادی ہوتے تھے۔ حقیقت میں یہ زیادتی تعزیر تھی اور امام کو اختیار ہے کہ اجتہاد اور موقع محل کے مطابق سزا میں اضافہ کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس کوڑے لگوائے، حضرت عمر نے اسی پورے کر دیے اور سب سنت ہیں۔ اب اسی کوڑوں پر اجماع ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۴۵۰ — عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ بِالْجَرِیْدِ وَ النِّعَالِ وَ جَلَدَ اَبُوْبَکْرٍ اَرْبَعِیْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَ فِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَضْرِبُ فِی الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَ الْجَرِیْدِ اَرْبَعِیْنَ۔

ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب پینے کی حد میں پتوں کے بغیر کھجور کی شاخوں اور جوتوں سے پٹائی کی[۱] اور حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے لگائے[۲]۔ (صحیحین)

حضرت انس کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے پر جوتوں اور شاخوں کے ساتھ چالیس تازیانے مارتے تھے[۳]۔

[۱] یعنی عدد کی تعیین کے بغیر۔

[۲] ایک روایت میں ہے چالیس کے قریب کوڑے مارے۔

[۳] اس روایت میں کوڑوں کی تعداد معین کی گئی ہے۔ امام شافعی نے اسی حدیث کو اختیار کیا ہے۔

۳۴۵۱ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانَ یُؤْتٰی بِالشَّارِبِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اِمْرَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَۃِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَیْہِ بِاَیْدِیْنَا وَ نِعَالِنَا وَ اَرْدِیَتِنَا حَتّٰی کَانَ اٰخِرُ اِمْرَۃِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِیْنَ حَتّٰی اِذَا عَتَوْا وَ فَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِیْنَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سائب بن یزید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت[۲] اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں شراب پینے والے کو لایا جاتا تو ہم اس پر کھڑے ہوتے اور اسے ہاتھوں جوتوں اور چادروں سے مارتے، یہاں تک کہ جب حضرت عمر کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے لگوائے۔ حتیٰ کہ شراب پینے والے حد سے گزر گئے اور اعتدال سے آگے نکل گئے[۳] تو انہوں نے اسّی کوڑے لگوائے[۴]۔ (بخاری)

[۱] حضرت سائب بن یزید کم عمر صحابی ہیں، انہوں نے کم حدیثوں کی روایت کی، بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے والد کے ہمراہ سات سال کی عمر میں حاضر ہوئے۔

سنہ ۵۰ھ اور بعض نے کہا سنہ ۵۶ھ میں وصال ہوا، ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

۲ اِمْرَۃ ہمزہ کے نیچے زیر، میم ساکن، امارت، بعض نسخوں میں امارۃ بھی آیا ہے۔

۳ وہ عادی شرابی بن گئے اور سرکشی کے مرتکب ہوئے۔

۴ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بطور تعزیر زیادہ کوڑے لگوائے، ورنہ حد قیاس سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۳۵۲ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ وَفِي أُخْرٰى لَهُمَا وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ، پھر اگر چوتھی مرتبہ پئے تو اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ نے اسے کوڑے مارے اور قتل نہیں کیا۔

امام ترمذی اور ابو داؤد نے یہ حدیث حضرت قبیصہ بن ذؤیب سے روایت کی، ان دونوں حضرات کی ایک دوسری روایت میں اور امام نسائی، ابن ماجہ اور

عنہ یعنی حضرت عمر نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ اتنی معمولی سزا سے شراب نوشی نہیں رکتی تو آپ نے اسی کوڑے مقرر کیے معلوم ہوا کہ نرم سزائیں جرم کی عادت روکنے کے لیے کافی نہیں، یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ شراب کی سزا اسی کوڑے مقرر ہیں مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ حضرت عمر نے یہ سزا حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رائے سے مقرر کی تمام صحابہ نے یہ سزا دیکھی اور کسی نے ناکار نہ اعتراض نہ کیا لہٰذا اس سزا پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہو گیا ۱۲ مرقاۃ۔

مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَ مُعَاوِيَةُ وَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَ الشَّرِيْدُ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاقْتُلُوْهُ)

دارمی کی روایت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت ابن عمر، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت شرید شامل ہیں۔ انہوں نے یہ حدیث فاقتلوہ تک روایت کی ہے

سلہ یہ ڈرانے، دھمکانے کے لیے تھا قتل کا حکم نہ تھا، یا یہ حکم بطور سیاست تھا یا قتل سے مراد شدید ضرب ہے بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حکم ابتدا میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ قتل کا حکم زجر اور دھمکی اور سیاست کے طور پر تھا، یا یہ حکم اس حدیث سے منسوخ ہو گیا امام نووی نے امام ترمذی سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنے پر امت کا اجماع ہو، وہ دو حدیثیں یہ ہیں۔ (۱) خوف اور بارش کے بغیر دو نمازوں کا جمع کرنا۔ (۲) چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو قتل کرنا۔

سلہ قبیصہ قاف پر زبر، باء کے نیچے زیر، یاء ساکن اور صاد بے نقطہ بن ذویب ذال پر پیش، واؤ پر زبر، یاء ساکن ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے اور بعض نے کہا کہ فتح کے سال پیدا ہوئے، انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ علمائے امت میں سے صاحب علم و فقاہت تھے، ابن عبد البر نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا۔ دیگر حضرات نے شام کے تابعین کے طبقۂ ثانیہ میں شمار کیا ۸۶ھ میں وفات پائی۔

سلہ امام ترمذی اور ابو داؤد

سلہ شرید شین پر زبر، راء کے نیچے زیر، یاء ساکن، ثقفی صحابی کا نام ہے۔ بعض محدثین نے کہا کہ وہ حضر موت سے ہیں اور اہل ثقیف میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی حدیث اہل حجاز میں ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کا نام مالک ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام شرید رکھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کے ایک فرد کو قتل کیا اور بھاگ کر مکہ معظمہ آ گئے اور مسلمان ہو گئے تھے، شرود کا معنی میدان سے بھاگ جانا ہے ——— محدثین کی مذکورہ جماعت نے ان صحابہ کرام سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

سلہ اور یہ عبارت نقل نہیں کی ثُمَّ اُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۳۴۵۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَزْهَرِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى

حضرت عبد الرحمٰن بن ازہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اضْرِبُوْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْمِيتَخَةِ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي الْجَرِيْدَةَ الرَّطْبَةَ ثُمَّ أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرَابًا مِنَ الْأَرْضِ فَرَمٰى بِهِ فِيْ وَجْهِهٖ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جب ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی۔ تو آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا اس کی پٹائی کرو۔ کچھ حضرات نے اسے جوتوں سے مارا۔ بعض نے ڈنڈے سے اور بعض نے کھجور کی شاخ[۲] سے

ابن وہب[۳] کہتے ہیں کہ اس سے مراد تر شاخ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین سے کچھ مٹی اٹھائی اور اس شخص کے منہ پر دے ماری۔

(امام ابو داؤد)

[۱] عبدالرحمٰن بن الازہر، ازہری صحابی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ ازہر، عوف کے بیٹے ہیں، جن حضرات نے انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے چچا کا بیٹا کہا ہے ان سے غلطی ہوئی ہے، وہ حضرت ابن عباس کے ہم عمر تھے ــــــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

[۲] بِالْمِيتَخَةِ۔ میم کے نیچے زیر، یاء ساکن اس کے بعد تاء مفتوحہ اور نقطے والی خاء، اس کے ضبط میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ میم پر زبر ہے۔ یاء سے پہلے تاء مشدد، بعض نے اسے سکینۃ کا ہم وزن قرار دیا ہے بعض نے کچھ اور ہی کہا ہے۔ قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح سے ہے جس کا معنی کاٹنا اور مارنا ہے، جو کچھ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ وہ اس کے مخالف ہے۔ وہ اس صورت میں درست ہے کہ تیخ اور وتخ سے مشتق ہو لیکن لغت کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

[۳] ابن وہب نے اس لفظ کی تفسیر میں فرمایا اس سے پتوں کے بغیر کھجور کی تر شاخ مراد ہے۔ بعض نے کہا اس کا معنی لاٹھی ہے۔ بعض نے باریک اور نرم شاخ مراد لی اور بعض نے کہا کہ ہر وہ چیز مراد لی جا سکتی ہے جس سے مارا جائے خواہ وہ درخت کی شاخ ہو، لاٹھی ہو یا درہ ہو۔

ابن وہب کا نام عبداللہ اور کنیت ابو محمد قرشی مصری ہے، وہ آزاد کردہ غلام تھے، مصر، حجاز، عراق کے محدثین اور ابن جریج اور ثوری وغیرہ۔ ہم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے احادیث اس کثرت سے روایت کی ہیں کہ مصر، حجاز اور شام

کے محدثین میں سے کثرت حدیث میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، احمد بن صالح نے فرمایا کہ ابن وہب کی ایک حدیث ایک لاکھ احادیث کے ہم پلہ ہے، ابن عدی نے کہا کہ جلیل القدر اور ثقہ انسان تھے، ان کی ولادت ۱۲۵ھ میں ہوئی اور وصال ۱۹۷ھ یا ۱۹۹ھ میں ہوا۔

۳۴۵۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ اضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ ثُمَّ قَالَ بَكِّتُوْهُ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ يَقُوْلُوْنَ مَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ مَا خَشِيْتَ اللّٰهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطٰنَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: اس کی پٹائی کرو، ہم میں سے کوئی اسے ہاتھ سے مار رہا تھا کوئی کپڑے سے اور کوئی جوتے سے مار رہا تھا، پھر فرمایا: اسے سرزنش کرو[۱]! صحابہ کرام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہیں بچا، تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں شرمایا۔ بعض حضرات نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے رسوا کرے[۲]، سرکار دو عالم نے فرمایا: اس طرح نہ کہو، اس کے خلاف شیطان کی امداد نہ کرو۔ یوں کہو اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ اس پر رحمت فرما[۳]۔

(امام ابوداؤد)

۱ـ اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرو

۲ـ یعنی آخرت میں یا دنیا و آخرت میں۔

۳ـ تاکہ وہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور اگر کرے تو توبہ کرے، قطب الوقت حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ العزیز کی حزب البحر میں ہے۔

وَاذْكُرْنَا اِذَا غَفَلْنَا عَنْكَ بِاَحْسَنِ مَا تَذْكُرُنَا بِهٖ اِذَا ذَكَرْنَاكَ وَارْحَمْنَا اِذَا عَصَيْنَاكَ بِاَتَمِّ مَا تَرْحَمُنَا بِهٖ اِذَا اَطَعْنَاكَ

یا اللہ! جب ہم تجھے یاد کرتے ہیں تو تو ہمیں یاد فرماتا ہے اور جب ہم تیری یاد سے غافل ہوں تو اس سے بھی بہتر طریقے پر ہمیں یاد فرما، اور جب ہم تیری فرمانبرداری کرتے ہیں تو تو ہم پر رحمت فرماتا ہے۔ یا اللہ! جب ہم تیری نافرمانی کریں تو ہم پر اس سے بھی کامل تر رحمت فرما۔

کیونکہ غفلت اور معصیت کے وقت ہمیں تیرے یاد فرمانے اور رحمت کی زیادہ حاجت ہے تاکہ ہم غفلت اور معصیت سے نکل جائیں۔ غالباً شاعر (حافظ شیرازی) کے پیش نظر یہی مطلب ہے۔

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو ۔۔۔ کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

اے خدا شناس! جا، بہشت ہمارا حصہ ہے کیونکہ گنہگار ہی مغفرت کے مستحق ہیں۔

۳۴۵۵/۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكِرَ فَلُقِيَ يَمِيلُ فِي الْفَجِّ فَانْطُلِقَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاذَى دَارَ الْعَبَّاسِ انْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهُ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ وَقَالَ أَفَعَلَهَا وَلَمْ يَأْمُرْ فِيهِ بِشَيْءٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص شراب پی کر مست ہو گیا، وہ اس حال میں ملا کہ راستے میں جھوم رہا تھا[۱] اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کی طرف لے جایا گیا، جب وہ حضرت عباس کے گھر کے سامنے پہنچا تو بھاگ کر حضرت عباس کے پاس چلا گیا اور ان سے لپٹ گیا، یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ ہنسے اور فرمایا، کیا اس نے ایسا کیا؟ اور اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] جیسے کہ بدہوشوں کی عادت ہے، مراح میں ہے "میل" جھکنا، "فج" فراخ راستہ، بعض نے کہا دو پہاڑوں کا درمیانی راستہ، بعض نے مطلق راستہ کہا ہے۔

[۲] حد یا تعزیر جاری کرنے کا حکم نہیں دیا، یا تو اس لیے کہ اس وقت شراب جائز تھی یا اس لیے کہ اقرار یا عادل گواہوں سے شراب کا پینا ثابت نہیں ہوا تھا، راستے میں جھومنے سے وہ نشہ ثابت نہیں ہوتا جو حد کو واجب کرتا ہے، اسی طرح کہا گیا ہے، اس کلام کی تحقیق شرح میں کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۴۵۶ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدِ النَّخْعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَقُوْلُ مَا كُنْتُ لِاُقِيْمَ عَلٰى اَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوْتُ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْهُ شَيْئًا اِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ وَذٰلِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمیر بن سعید نخعی[1] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں کسی شخص پر حد قائم کروں اور وہ مر جائے تو میں اپنے دل میں صدمہ محسوس کروں[2]۔ سوائے شرابی کے، کیونکہ اگر وہ مر جائے[3] تو میں اس کی دیت دوں گا اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب پینے کی حد مقرر نہیں فرمائی[4]۔ (صحیحین)

[1] عمیر عین پر پیش، میم پر زبر بن سعید النخعی نون پر زبر، نقطے والی خاء پر زبر، ثقہ تابعی ہیں، حضرت علی حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں ان سے امام شعبی اور امام اعمش نے روایت کی۔

[2] کیونکہ یہ شریعت کے حکم سے ہے اور وہ شخص رحمت و شفقت کا محل نہیں ہے۔

[3] اگر حد جاری کرنے سے اتفاقاً مر جائے۔

[4] کیونکہ یہ حد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مقرر نہیں ہوئی تھی، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا، اگرچہ بعض حدیثوں میں چالیس یا اس کی مثل کوڑوں کا ذکر ہے۔ پس جب میں اسی کوڑے لگاؤں اور وہ مر جائے تو مجھے خوف ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جتنی حد ہے اس سے زیادہ کوڑے لگا دیے گئے ہوں، اس لیے میں دیت دوں گا ــــــ امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ جس شخص پر حد واجب ہو اور اس پر حد شرعی جاری کرنے سے وہ مر جائے تو دیت لازم نہیں ہے، یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط ہے، ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کرنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ میرے نزدیک اسی کوڑے زیادہ محبوب ہیں۔

۳۴۵۷ وَعَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِيْ حَدِّ الْخَمْرِ

ثور بن زید دیلمی[1] سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شراب کی حد کے بارے میں مشورہ کیا[2]۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فَقَالَ لَہٗ عَلِیٌّ اَرٰی اَنْ تَجْلِدَہٗ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً فَاِنَّہٗ اِذَا شَرِبَ سَکِرَ وَاِذَا سَکِرَ ھَذٰی وَ اِذَا ھَذٰی افْتَرٰی فَجَلَدَ عُمَرُ فِیْ حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِیْنَ۔

(رَوَاہُ مَالِکٌ)

نے فرمایا، میری رائے یہ ہے کہ آپ شرابی کو اسی کوڑے لگائیں، کیوں کہ وہ جب شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اور جب مدہوش ہوتا ہے تو بے ہودہ گوئی کرتا ہے اور جب بیہودہ گوئی کرتا ہے تو افترا کرتا ہے۔ تو حضرت عمر نے شراب کی حد میں اسی کوڑے مارے۔

(امام مالک)

لہ ثور تین نقطے والی ثاء پر زبر، واؤ ساکن، مشہور حیوان (بیل) کا یہی نام ہے۔ بن زید الدیلمی، مشکوۃ کے مختلف نسخوں میں اسی طرح ہے مؤطا کے نسخوں میں دیلی ہے اور یہی صحیح ہے۔ ثور شامی حمصی تابعی ہیں امام مالک کے مشائخ سے روایت کرتے ہیں، ان سے ثوری اور یحیی بن سعید روایت کرتے ہیں، ثقہ اور عبادت گزار تھے۔ لیکن ان پر قدریہ میں سے ہونے کی تہمت لگائی گئی، چنانچہ انہیں حمص سے نکال دیا گیا اور ان کا گھر بھی جلا دیا گیا۔

سلہ کہ اس کی کتنی مقدار معین کی جائے؟

سلہ۔ حضرت عمر کو مخاطب کرتے ہوئے۔

سلہ قذف کرتا ہے گالیاں دیتا ہے اور پاک دامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتا ہے، اس طرح نشہ، زنا کی تہمت تک پہنچاتا ہے جس کی حد اسی کوڑے ہیں۔

شہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر، اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا۔

بَابُ مَالَا يُدْعٰی عَلَى الْمَحْدُوْدِ

۲۷۴۔ جس پر حد قائم کی جائے اس کو بد دعا نہ دی جائے

بعض نسخوں میں کلمہ ما نہیں ہے اور باب پر تنوین ہے۔ یعنی جس پر حد لگائی جائے اسے بد دعا نہ دی جائے۔ جیسے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شرابی کو کہا خدا تجھے ذلیل کرے تو آپ نے منع فرمایا کہ اس طرح نہ کہو! مغفرت اور رحمت کی دعا کرو! ایک نسخہ میں کلمہ ما موجود ہے عربی قاعدے کے مطابق اسے ما مصدریہ کہتے ہیں، یہ جس پر داخل ہوتا ہے اسے مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، معنی یہ ہوگا محدود کے خلاف دعا نہ کرنے کا باب، اس کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے معنی کا ہے۔

۳۴۵۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا اِسْمُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ يُلَقَّبُ حِمَارًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهٗ فِي الشَّرَابِ فَاُتِيَ بِهٖ يَوْمًا فَاَمَرَ بِهٖ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ نامی ایک شخص جن کا لقب حمار[۱] تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے[۲] شراب پینے پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں کوڑے بھی لگائے تھے[۳] پھر ایک دن انہیں لایا گیا اور آپ کے حکم پر انہیں کوڑے لگائے گئے، صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے کہا یا اللہ! اس پر لعنت فرما کیسی عجیب بات ہے کہ اسے کتنی بار لایا جاتا ہے[۴] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ بھیجو۔ خدا کی قسم! جو ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے[۵] (بخاری)

سلہ ان کی سادگی اور سادہ لوحی کی بنا پر۔

سلہ اپنی مضحکہ خیز باتوں یا حرکتوں سے جو بارگاہ اقدس میں کرتے تھے، کبھی گاؤں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مٹھایاں اور سبزیاں بھی لایا کرتے تھے

سلہ اور یہ فعل ان سے بہت دفعہ سرزد ہو جاتا تھا۔

سلہ شراب پینے کے سلسلے میں۔

سلہ بعض روایات میں آیا ہے۔ مَاعَلِمْتُہٗ اِلَّا اَنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ہم نے انہیں نہیں جانا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں۔ بعض دیگر روایات میں یوں آیا ہے۔ لَاتَلْعَنُوْہُ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ انہیں لعنت نہ کرو بے شک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض امور میں اتباع نہ کرنے کے باوجود نفسِ محبت پائی جا سکتی ہے۔ ہاں کامل اور مکمل محبت وہی ہے جو محبوب کی پیروی اور موافقت کے ساتھ ہو، اتباع کی طرح محبت کے بھی کئی مرتبے ہیں، محبت کی حقیقت، دل کا محبوب کی جانب کھنچنا ہے۔ پیروی اور موافقت اس کے آثار و ثمرات میں سے ہیں۔

۳۴۵۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اضْرِبُوْہُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِیَدِہٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِہٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِہٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاکَ اللّٰہُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا ھٰکَذَا لَا تُعِیْنُوْا عَلَیْہِ الشَّیْطٰنَ۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا: اسے مارو، ہم میں سے کوئی ہاتھ سے مار رہا تھا، کوئی جوتے سے اور کوئی کپڑے سے، جب وہ شخص واپس ہوا تو بعض حضرات نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرے، فرمایا: ایسے نہ کہو! اس کے خلاف شیطان کی امداد نہ کرو سلہ
(بخاری)

سلہ یہ حدیث بعینہٖ حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کی طرح ہے جو گزشتہ باب کی دوسری فصل میں گزری ہے، البتہ اس حدیث میں کسی قدر اختصار ہے۔

۳۴۶۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی نَبِیِّ اللّٰہِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اسلمی سلہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ اَنَّهٗ اَصَابَ امْرَأَةً حَرَامًا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ فَاَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ اَنِكْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ حَتّٰى غَابَ ذٰلِكَ مِنْكَ فِيْ ذٰلِكَ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا يَغِيْبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحُلَةِ وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا الزِّنَا قَالَ نَعَمْ اَتَيْتُ مِنْهَا حَرَامًا مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ حَلَالًا قَالَ فَمَا تُرِيْدُ بِهٰذَا الْقَوْلِ قَالَ اُرِيْدُ اَنْ تُطَهِّرَنِيْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَسَمِعَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اُنْظُرْ اِلٰى هٰذَا الَّذِيْ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدَعْهُ نَفْسُهٗ حَتّٰى رُجِمَ رَجْمَ الْكَلْبِ فَسَكَتَ عَنْهُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتّٰى مَرَّ بِجِيْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اَيْنَ

کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اوپر چار مرتبہ گواہی دی[۱] کہ انہوں نے ایک عورت کے ساتھ حرام کام کیا ہے، ہر دفعہ آپ ان سے اعراض فرماتے[۲]۔ پانچویں آن کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا تم نے اس سے وطی کی ہے[۳]، انہوں نے کہا جی ہاں[۴]! فرمایا، یہاں تک کہ تمہارا وہ اس عورت کی اس میں غائب ہو گیا[۵]؟ انہوں نے کہا جی ہاں! فرمایا[۶]، جیسے سلائی، سرمے دانی میں[۷] اور رسی[۸] کنوئیں میں غائب ہو جاتی ہے؟ بولے جی ہاں! فرمایا، تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے[۹]؟ بولے جی ہاں، میں نے اس عورت کے ساتھ وہ کام ناجائز طور پر کیا جو مرد اپنی بیوی کے ساتھ جائز طریقے سے کرتا ہے[۱۰]، فرمایا، تم اس گفتگو[۱۱] سے کیا چاہتے ہو عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں[۱۲] آپ نے حکم دیا تو انہیں رجم کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا کہ دو صحابیوں میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے یہ وہ شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے پردہ داری فرمائی لیکن اس کے نفس نے اسے نہیں[۱۳] چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا، آپ نے ان دونوں کو کچھ نہ فرمایا، پھر ایک ساعت چلے یہاں تک کہ ایک گدھے کی لاش کے پاس سے گزرے جس نے اپنی ٹانگ اٹھائی ہوئی تھی[۱۴] فرمایا، فلاں اور فلاں[۱۵] کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں، فرمایا:

فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَقَالَا نَحْنُ ذَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ انْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ فَقَالَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هٰذَا قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَكْلٍ مِنْهُ وَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنَّهٗ الْاٰنَ لَفِىْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)

تم دونوں اترو اور اس گدھے کی لاش[۱۰] سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! اس سے کون کھائے گا[۱۱]؟ فرمایا: تم دونوں نے ابھی اپنے بھائی کی جو بے عزتی کی ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے[۱۲] لگا رہے ہیں۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض نسخوں میں ہے۔ جاء ماعز الاسلمی

[۲] یعنی اقرار کیا

[۳] اور فرماتے کہ کیا تم نے بوسہ لیا ہے؟ یا اس کے چٹکی لی ہے؟ بطور کنایہ، جیسے اس سے پہلے بھی گزرا۔

[۴] نِكْتَهَا یہ لفظ اس معنی میں صریح ہے۔

[۵] اور تحقیق مجھ سے زنا صادر ہوا ہے۔

[۶] تو نے اس کے ساتھ وطی کی ہے؟ یہاں تک کہ تمہارا عضو مخصوص اس عورت کے عضو مخصوص میں غائب ہو گیا۔

[۷] تحقیق اور تاکید کے لیے

[۸] مِرْوَد میم کے نیچے زیر، را ساکن، واؤ پر زبر اور آخر میں دال، سرمے کی سلائی، مُكْحُلَة میم پر پیش، کاف ساکن، حا پر پیش، سرمے دانی۔

[۹] رِشَا را کے نیچے زیر، ڈول کے ساتھ بندھی ہوئی رسّی۔

[۱۰] تم زنا کا معنی اور اس کی حقیقت جانتے ہو؟ ایسا نہیں ہے کہ طریق مذکورہ کے ساتھ ہر وطی زنا ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کی حرمت میں شبہ ہو۔

لـه یعنی میں زنا کا مطلب سمجھتا ہوں، وہ بغیر شبہے کے حرام وطی تھی۔

لـه تم جو کہتے ہو کہ میں نے زنا کیا ہے اس سے کیا چاہتے ہو؟ اور تمہاری غرض کیا ہے؟۔

لـه آپ مجھے زنا کی نجاست اور اس کے گناہ سے پاک فرمادیں اور مجھ پر حد قائم کریں۔

لـه کہ پوشیدہ رہتا اس نے اسے ظاہر کر دیا۔

لـه زیادہ پھول جانے کی وجہ سے، جیفۃٌ جیم کے نیچے زیر، مردار، جس سے بد بو اٹھ رہی ہو، شول جانور کا دم کو اٹھانا، شائل جفتی کے لیے دم اٹھانے والی اونٹنی، اس جگہ اٹھانے کے معنی میں ہے۔

لـه جنہوں نے حضرت ماعز کی تحقیر کی تھی۔

لـه ظاہر یہ ہے کہ وہ لاش جنگل کے کسی کونے میں پڑی ہوئی تھی جیسے کہ عام عادت ہے۔

لـه یہ کھانے کے قابل نہیں ہے، آپ ہمیں اس کے کھانے کا حکم کیونکر دے رہے ہیں؟۔

لـه انغماس پانی میں غوطہ لگانا۔

۳۴۶۱ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ ذَنْبًا اُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذٰلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت خزیمہ بن ثابت[1] انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس کی حد[2] اس پر جاری کر دی گئی تو وہ[3] اس کا کفارہ ہے۔ (شرح السنۃ)

لـه خزیمہ نقطے والی خاء پیش، زاء پر زبر اور یاء ساکن بن ثابت انصاری، اوسی صحابی ہیں۔ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی، بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں حاضر ہوئے، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صفین میں حاضر ہوئے، اور جب سنا کہ حضرت عمار بن یاسر شہید ہو گئے تو تلوار کھینچی اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

لـه وہ حد جو شریعت میں وارد ہے۔ مثلاً اس نے زنا کیا اور اسے کوڑے لگائے گئے یا چوری کی اور اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

لـه وہ حد اس گناہ کو ڈھانپنے والی اور محو کرنے والی ہے[عه]۔

عه مگر قانون شرعی توڑنے کی توبہ کرنی پڑے گی، لہٰذا یہ حدیث، اس حدیث کے خلاف نہیں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کاٹ کر اس سے توبہ کروائی، ملکی قانون شکنی کی سزا یہ رجم ہی ہے اور رب تعالیٰ کو ناراض کرنے کی معافی کے لیے توبہ ہے، لہٰذا حدیث میں تعارض نہیں ۱۲ مرآۃ۔

۳۳۶۲ وَعَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوْبَتُهٗ فِی الدُّنْیَا فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ یُّثَنِّیَ عَلٰی عَبْدِهِ الْعُقُوْبَةَ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ یَّعُوْدَ فِیْ شَیْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی حد[1] کا ارتکاب کیا، پھر اسے دنیا میں جلد سزا دے دی گئی[2] تو اللہ تعالیٰ بہت عدل فرمانے والا ہے اس سے کہ اپنے بندے کو آخرت میں دوبارہ سزا دے[3] اور جس شخص نے کسی حد کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ داری فرمائی اور اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے اس سے کہ ایسی چیز میں پھر عذاب دے جسے وہ معاف فرما چکا ہے[4]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی ایسا گناہ کیا جس پر معین حد لازم ہے یا حد سے مراد وہ فعل ہے جو حرام ہے ارشاد ربانی ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یہ اللہ کی حدیں ہیں یعنی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔

[2] یعنی اسے حد لگائی گئی یا تعزیر۔

[3] اسے آخرت میں دوبارہ سزا نہیں ہوگی۔

[4] یہ اس صورت میں ہے کہ بطور معافی اس کا گناہ مخفی رکھا گیا ہو ورنہ پوشیدہ رکھنے سے معافی لازم نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے کہ سزا کو روز قیامت کے لیے اٹھا رکھا ہو۔ اگرچہ امید ہے کہ جب آج پردہ داری فرمائی ہے اور رسوا نہیں کیا تو کل بھی گرفت نہیں فرمائے گا ہو سکتا ہے کہ اس عبارت سے بطور کنایہ توبہ مراد ہو کہ توبہ کو معافی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

بَابُ التَّعْزِيْرِ

۲۷۵ - تعزیر کا بیان

قاموس میں ہے العزر، ملامت کرنا، عزر اور تعزیر، تعظیم اور تحقیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ منع کرنے اور رد کرنے کے معنی میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے، تعزیر کا معنی امداد کرنا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَتُعَزِّرُوْهُ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و امداد کرنا اور ان کے دشمنوں کو منع اور رد کرنا۔ یا ان کی تعظیم و توقیر بجا لانا، بطور سزا جو تعزیر جاری کی جاتی ہے وہ دوبارہ جرم کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ عَزَّرْتُهٗ زاء کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۴۶۳ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ نِیَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دس کوڑوں سے زیادہ نہیں لگائے جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے کسی حد میں۔

(صحیحین)

۱؎ ابو بردہ با پر پیش اور راء ساکن، بن نیار نون کے نیچے زیر یاء مخفف، اکابر صحابہ میں سے ہیں انصاری ہیں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماموں یا چچا ہیں، عقبۂ ثانیہ کے موقع پر ستر افراد کے ساتھ حاضر ہوئے، غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں حاضر ہوئے، ان سے حضرت براء بن عازب اور حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہ دونوں صحابی ہیں روایت کی، ۴۵ھ میں وصال ہوا۔

۲؎ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تعزیر میں دس سے زیادہ کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے ــــــــ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تعزیر انتالیس کوڑے

بیس امام ابو یوسف کے نزدیک پچھتر کوڑے، کم از کم بالاتفاق تین کوڑے ہیں کیونکہ ان سے کم سے زجر اور منع والا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اس پر اتفاق ہے کہ تعزیر، حد کی تعداد کو نہ پہنچے، لیکن اس سے زیادہ سخت ہو، بعض علماء نے فرمایا کہ یہ امام کی رائے کے سپرد ہے۔ اگر مناسب سمجھے تو سو سے زیادہ بھی کوڑے لگا سکتا ہے، مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل شرح (لمعات) میں بیان کیے گئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۳۴۶۴ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَتَّقِ الْوَجْهَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص مارے تو چہرے سے بچے[۱] (ابو داؤد)

[۱] اور چہرے پر نہ مارے، خواہ حد میں ہو یا تعزیر اور تادیب میں، تادیب بھی ایک قسم کی تعزیر ہے جب کوئی شخص کوتاہی کرے اور جو کچھ اسے کرنا چاہیے وہ کام نہ کرے۔

۳۴۶۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ یَا یَهُوْدِیُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَ اِذَا قَالَ یَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَمَنْ وَقَعَ عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک شخص دوسرے کو کہے او یہودی[۱] ! تو اسے بیس کوڑے لگاؤ اور جب کہے او ہیجڑے[۲] تو اسے بیس کوڑے لگاؤ، اور جو محرم عورت سے زنا کرے اس کو قتل کر دو[۳] (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کفر ہو یا ذلت و حقارت مقصود ہو، کیونکہ نص قرآن کے مطابق یہودی اس وصف میں مشہور ہیں، ارشاد ربانی ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کی گئی۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ پہلے معنی پر محمول کرنا زیادہ راجح اور بہتر ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے پر سزا (بیس کوڑے) وارد ہے۔

سے مخنث اسے کہتے ہیں جس کی گفتگو اور کلام میں نرمی اور لچک ہو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، کتاب النکاح کے باب النظر الی المخطوبہ و بیان العورات میں اس کا معنی گزر چکا ہے۔ ہدایہ میں ہے جب کوئی شخص، مسلمان کو گالی دے اور کہے او کافر! او فاسق! او خبیث! او چور! تو اس پر ایذا رسانی اور ہتک عزت کی بنا پر تعزیر واجب ہے اور اگر کہے او گدھے! یا او خنزیر! تو اسے تعزیر نہیں لگائی جائے گی کیونکہ وہ بات کردہ ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ عیب لگانا نہیں ہے بعض علماء نے فرمایا کہ ہمارے عرف کے مطابق تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ اسے گالی شمار کیا جاتا ہے، بعض علماء نے یہ کہا کہ جسے گالی دی گئی ہے وہ اگر معزز طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جیسے کہ فقہاء اور سادات سے ہے تو گالی دینے والے کو تعزیر لگائی جائے گی اور اگر عوام میں سے ہے تو تعزیر نہیں لگائی جائے گی (ہدایہ)

سے امام احمد نے اس حدیث کے ظاہر کے مطابق حکم کیا ہے، جمہور کے نزدیک یہ زجر و تشدید ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ وہ شخص اس بدکاری کو حلال اور حکم شریعت کا ہلکا جانے اور یہ اس کا حکم زنا والا ہی ہے کہ محصن ہے تو رجم کیا جائے اور کنوارا ہے تو اسے کوڑے مارے جائیں۔

۳۴ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَجَدْتُّمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَحْرِقُوْا مَتَاعَهٗ وَاضْرِبُوْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کی ہے[1] تو اس کا سامان جلا دو[2] اور اسے مارو[3]۔

(ترمذی، ابوداؤد)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی مال غنیمت کے تقسیم کیے جانے سے پہلے اس میں چوری کی ہے۔

سے کیونکہ اس نے اس مال میں خیانت کی ہے، وہ مال تو غانمین کا حق ہے۔ یہ مالی تعزیر کی قسم کی سزا ہے، علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے سامان جلانے سے منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابتداءً یہ حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا یا تغلیظاً اور تشدید پر محمول ہے، امام احمد نے اسے ظاہر پر محمول کیا ہے اور فرمایا کہ قرآن پاک، ہتھیار اور جانوروں کے علاوہ سامان جلا دیا جائے۔

سے بطور تعزیر ـــــــ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔

بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَوَعِيْدِ شَارِبِهَا

۲۷۹۔ شراب اور اس کے پینے والے کی وعید کا بیان

اس باب میں بیان کیا جائے گا کہ خمر کی حقیقت کیا ہے؟ اور خمر کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے پینے والے کے لیے کیا وعید وارد ہوئی ہے۔ "وعد" کا معنی ہے خوشخبری دینا، اس کا استعمال اچھی اور بری دونوں قسم کی چیزوں میں ہوتا ہے، لیکن اس وقت جب کہ اچھی اور بری چیز کا ذکر ہو، اور اگر ذکر نہ ہو تو "وعد" کا استعمال اچھی چیز میں اور وعید کا استعمال بری چیز میں ہوتا ہے۔

قاموس میں ہے کہ خمر یا تو انگور کے اس جوس کو کہتے ہیں جو نشہ لائے، یا عام ہے کہ وہ انگور کا جوس ہو یا اس کے علاوہ، انہوں نے کہا کہ عموم زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جب مدینہ منورہ میں خمر حرام کیا گیا تو اس وقت انگور کی شراب نہیں ہوتی تھی۔ اہل مدینہ کی شراب صرف کھجور کی ہوتی تھی، اس کا نام خمر اس لیے رکھا گیا کہ لغت میں خمر کا معنی پوشیدہ کرنا اور مخلوط کرنا ہے، خمر عقل کو ڈھانپ دیتا ہے اور اسے خبط کر دیتا ہے (قاموس) جاننا چاہیے کہ خمر ہر نشہ آور شراب کو کہتے ہیں۔ خواہ انگور کے پانی سے بنی ہوئی ہو، کھجور کی ہو یا ان کے علاوہ ان پانچ چیزوں سے ہو جنہیں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے شمار فرمایا، اور فرمایا تحقیق خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور وہ پانچ چیزوں سے تھی، انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد سے بلکہ کہتے ہیں کہ ان پانچ چیزوں میں بھی منحصر نہیں ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حدیث کے آخر میں بیان کیا کہ اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ خمر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے؛ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد) اور جمہور سلف و خلف اسی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔ کتب صحاح اور سنن میں مذکور حدیثیں اس پر دال ہیں اور اس سلسلے میں بہت احادیث وارد ہیں کہتے ہیں کہ امام احمد نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے جو اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی ہے، رب کائنات کی قسم! یہ مذہب احادیث کے موافق ہونے کے ساتھ ساتھ اس ام الخبائث کے استعمال اور اس کے مفاسد سے لوگوں کو روکنے اور دور رکھنے کے زیادہ لائق ہوتا ہے۔

لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خمر خاص طور پر انگور کے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو سخت ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اہل لغت کے نزدیک یہی معروف ہے۔ کیونکہ وہ اس کے علاوہ پر خمر کا اطلاق نہیں کرتے، یہ بھی فرمایا کہ یہ قلیل ہو یا کثیر، نشہ آور ہو یا نہ حرام ہے، اس کے علاوہ نشہ آور چیزیں حرام ہیں اور ان کے حرام ہونے کی علت، نشہ آور ہونا ہے، وہ نجس العین نہیں، ان کی تھوڑی مقدار جو نشہ نہ لائے حرام نہیں ہے اور جو ان کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے، وہ کافر نہیں ہے، کیونکہ ان کا حرام ہونا قطعی نہیں اجتہادی ہے۔ ان کی نجاست خفیفہ ہے اور ایک روایت میں غلیظہ ہے، دوسری روایات کے مطابق ان کے پینے پر اس وقت حد واجب ہے جب نشہ لائیں۔ برخلاف انگوری شراب کے کہ اس کی نجاست، باتفاق تمام روایات غلیظہ ہے۔ اسے حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے اور اس کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے[1]۔

---

[1] علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہ نے انگریزی دواؤں کے استعمال کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سوال یہ تھا کہ ایلو پیتھک کی رقیق دواؤں اور ہومیو پیتھک کی تمام دواؤں میں الکحل شامل ہوتی ہے اور اس کی ایک خاص مقدار نشہ دیتی ہے تو کیا شرعاً ایسی دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے پہلے انہوں نے بیان کیا کہ فقہاء احناف نے حرام شرابوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں (۱) خمر انگور کے اس کچے شیرے کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہونے کے بعد جوش میں آ کر جھاگ چھوڑ دے (۲) باذق انگور کے اس پکے ہوئے شیرہ کو کہتے ہیں جو پک کر دو تہائی سے کم ختم ہو جائے، اور وہ جوش کھانے کے بعد جھاگ چھوڑنے لگے (۳) سکر چھوہاروں میں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ دے۔ (۴) نقیع الزبیب، منقیٰ میں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ چھوڑ دے۔ یہ چاروں شرابیں حرام ہیں خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، نشہ آور ہو یا نہ ہو یہ حرام اور نجس ہیں، سوائے اضطرار اور مجبوری کے ان کو دواؤں میں بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

ان چاروں شرابوں کے علاوہ جس قدر نشہ آور مشروبات ہیں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ صرف اسی مقدار میں حرام اور نجس ہیں جس مقدار میں وہ نشہ آور ہوں اور اس سے کم مقدار میں وہ نہ حرام ہیں اور نہ نجس ان کو علاج اور تقویت (عبادت کی قوت حاصل کرنے) کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن عیش و طرب کے لیے انہیں قلیل مقدار میں بھی پینا حرام ہے، اور امام محمد کے نزدیک نشہ آور مشروبات اپنی ہر مقدار میں حرام ہیں: خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر، نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ اور ہمارے مشائخ نے فساد زمانہ کے لحاظ سے امام محمد کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

الکحل، آلو، گنے، چقندر، مکئی اور ایسی دوسری اجناس کے نشاستہ سے تیار کی جاتی ہے، جس سے سکر حاصل ہو سکے۔ شراب کی جن چار قسموں کا ذکر کیا گیا ہے الکحل ان سب سے خارج ہے۔ جس مقدار میں یہ نشہ آور ہو بالاتفاق حرام اور نجس ہے

بعض باطل پرستوں اور فاسقوں نے اس قول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے علاقے میں گڑ شکر وغیرہ سے تیار کی جانے والی شراب کو جائز قرار دے دیا حالانکہ یہ انگوری شراب سے بدرجہا زیادہ نشہ آور ہے۔ اور انہوں نے فسق و فجور میں مبتلا لوگوں کو اس کے پینے اور جائز ہونے کا فتوی دے دیا ہے۔ ایسے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ نشہ بالاتفاق، بغیر کسی شبہے کے حرام ہے۔ ایسا کون سا شخص ہے جو پینے پر آئے تو نشے کی حد تک نہیں پہنچے گا؟ یہ دیسی شراب (گنے کی رس سے تیار کردہ) تھوڑی پی جائے تو زیادہ پینے پر برانگیختہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ عقل ساتھ چھوڑ دیتی ہے، قوت برداشت اور صبر رخصت ہو جاتا ہے اور انجام کار ذلت کی موت کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ خمر کے علاوہ دیگر مشروبات، نشے کی حد تک پہنچے بغیر پینا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت جائز ہے کہ اس کا مقصد عبادت کی قوت حاصل کرنا ہو۔ اگر لہو و لعب مقصود ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ کیونکہ لہو حرام ہے۔ ائمہ احناف نے اس کی تصریح کی ہے۔ مثلث انگور کا وہ جوس ہے کہ پکانے سے اس کا دو تہائی حصہ خشک ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے، امام محمد کے نزدیک ناجائز اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ جائز ہے۔ لیکن یہ بھی اس وقت ہے جب عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے پیئے۔ اسی طرح

(حاشیہ بقیہ سابقہ) لیکن اس سے کم مقدار میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب کی رو سے یہ حرام اور نجس نہیں ہے اور امام محمد کے مذہب کے مطابق اس صورت میں بھی حرام اور نجس ہے۔ یہاں ہمارے مشائخ نے امام محمد کے قول پر اس لیے فتوی دیا ہے کہ کہیں لوگ مقدار قلیل کا بہانہ بنا کر عیش و طرب کے لیے شراب پینا نہ شروع کر دیں، انہوں نے فتنہ کا دروازہ بالکلیہ بند کرنے کے لیے امام محمد کا قول اختیار کر لیا۔

انگریزی دواؤں کا حکم:۔ آج چونکہ ہر شخص انگریزی دواؤں کے علاج میں مبتلا ہے اور ابتلاء عام کی بنا پر احکام میں تخفیف کر دی جاتی ہے اس لیے میں علمائے کرام سے گزارش کروں گا کہ مشائخ نے امام محمد کے مذہب پر مقدار قلیل کی حرمت و نجاست کا فتوی اس خطرہ کے پیش نظر دیا تھا کہ اسے پی کر لوگ کہیں شراب کے راستہ پر نہ چل پڑیں۔ لیکن دواؤں میں الکحل کی جتنی مقدار شامل ہوتی ہے اس پر دوسری ادویات اس قدر غالب ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ مخلوط اور قلیل مقدار، نہ شراب کی لذت سے آشنا کرتی ہے نہ اس کا راستہ دکھاتی ہے، لہٰذا جس علت کی بنا پر مشائخ نے مقدار قلیل میں امام محمد کے قول کا اختیار کیا ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی۔ پس چاہیے کہ علمائے کرام دواؤں کے معاملہ میں اصل کے مطابق امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب پر فتوی دیں اور خالص الکحل استعمال کرنے کے مسئلہ میں امام محمد کے قول پر فتوی دیں، یعنی خالص الکحل، حرام اور نجس ہے خواہ مقدار قلیل میں ہو یا کثیر میں، نشہ آور ہو یا نہ ہو، تقویت کے لیے پی جائے یا عیش و طرب کے لیے۔ (ملخصاً: مقالات سعیدی ص ۱۲-۵۱)

ہدایہ میں ہے۔

کافی[1] اور شرح علامہ سغناقی[2] میں ہے کہ حضرت ابو حفص کبیر[3] سے مثلث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس کا پینا حلال نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی مخالفت کی ہے تو انہوں نے فرمایا میں نے اس کی مخالفت نہیں کی، کیونکہ وہ صرف ہاضمے اور عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے جائز قرار دیتے ہیں اور ہمارے زمانے میں فسق و فجور اور لہو و لعب کے لیے پیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ کھانے کے ہاضمے اور عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے پئیں اور اگر عیش و نشاط اور لہو کے لیے پئیں تو بالاتفاق حرام ہے۔ امام ابو یوسف نے اپنی امالی[4] میں بیان فرمایا: اگر کوئی شخص فسق و فجور اور لہو و طرب کے لیے پینا چاہے تو اس کی تھوڑی مقدار ہو یا زیادہ حرام ہے، اس کے لیے بیٹھنا حرام ہے، اس کی طرف جانا حرام ہے، منقی اور کھجور کے نبیذ (وہ پانی جس میں یہ چیزیں بھگو دی گئی ہوں اور ان کی مٹھاس اس پانی میں منتقل ہو جائے) میں بھی یہی اختلاف ہے جب اسے پکایا جائے اور وہ سخت ہو جائے، جوش میں آجائے اور جھاگ چھوڑے، اسی طرح امام محبوبی[5] نے بیان فرمایا[6]۔

---

[1] کافی، حاکم شہید محمد بن محمد حنفی کی تصنیف ہے جس میں مبسوط امام محمد اور ان کی جوامع سے مسائل منتخب کرکے لکھے گئے ہیں۔ اس کی شرح علامہ سرخسی نے لکھی ہے جو مبسوط کے نام سے معروف ہے،
(فقہ اسلامی، مولانا عبد الاول جونپوری ص ۲۱۰)

[2] علامہ حسام الدین حسن بن علی سغناقی متوفی ۷۱۱ھ نے ہدایہ کی شرح نہایہ کے نام سے لکھی۔
(فقہ اسلامی ص ۲۴۳)

[3] مجتہد عصر احمد بن حفص بخاری تلمیذ امام محمد، متوفی ۲۱۶ھ (فقہ اسلامی ص ۲۹)

[4] یہ فقہ کی ایک بڑی کتاب ہے جس کا حجم تین سو جلدوں سے زیادہ ہے۔ یہ امام ابو یوسف کے املا سے جمع کی گئی۔
(فقہ اسلامی ص ۱۵۷)

[5] ہدایہ کے شارح امام تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ عبید اللہ محبوبی حنفی (فقہ اسلامی ص ۲۴۲)

[6] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں فی زمانہ امام صاحب کے قول پر فتوی نہ دیا جائے ورنہ فساق اس بہانہ سے شراب خوری کریں گے ——— افیون، بھنگ، چرس وغیرہ نشہ آور غیر پتلی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے کہ تا حد نشہ حرام ہیں اس لیے کم دواءً حلال، لہو و لعب کے لیے حرام نیز وہ چیزیں نجس نہیں ہیں
۱۲ مرآۃ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۲۶۷/۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شراب ان دو درختوں سے ہے، کھجور کے درخت اور انگور کی بیل سے [۱]۔ (مسلم)

[۱] شارحین فرماتے ہیں کہ ان دو درختوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ عربوں کی زیادہ تر شرابیں ان ہی دو درختوں سے تیار کی جاتی تھیں، یہ مطلب نہیں کہ دوسری چیزوں سے شراب نہیں بنتی، جیسے کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۲۶۸/۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلٰی مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ نَزَلَ تَحْرِیْمُ الْخَمْرِ وَهِیَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْیَآءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت شراب پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی۔ (۱) انگور (۲) کھجور (۳) گندم (۴) جو اور (۵) شہد اور شراب وہ چیز ہے جو عقل کو چھپا دے [۱]۔ (بخاری)

[۱] کہتے ہیں کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خمر ان پانچ چیزوں میں منحصر نہیں ہے۔ دوسری چیزوں سے بھی بنتی ہے اگر اس سے عقل پوشیدہ ہو جائے۔

۳۲۶۹/۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ حِیْنَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ خَمْرَ الْاَعْنَابِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو انگوروں کی شراب کم ہی ملتی تھی، عام طور پر ہماری شرابیں کچی کھجور [۱]

اِلَّا قَلِيْلًا وَ عَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَ التَّمْرُ - (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور چھوہارے کی ہوتی تھی۔ (بخاری)

لہ بسر با پر پیش، سین ساکن، کچی کھجور۔

لہ کھجور کے درخت سے جو چیز پہلے ظاہر ہوتی ہے اسے "طلع" کہتے ہیں اس کے بعد "خلال" پھر "بلح" پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کے بعد بے نقطہ حاد .... اس کے بعد "بسر"، پھر "رطب" اور اس کے بعد "تمر"۔

۳۴۷۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيْذُ الْعَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتع لہ یعنی شہد کی شراب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے۔ (صحیحین)

لہ بتع با کے نیچے زیر، تا ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لہ شہد کو پانی میں ملا کر کسی برتن میں ڈال کر محفوظ رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں تیزی پیدا ہو جائے جیسے کہ نبیذ تمر۔

لہ لہذا شہد کا نبیذ اگر نشہ دے تو وہ حرام ہے جیسے کہ نبیذ تمر کا بھی یہی حکم ہے، کہتے ہیں کہ اہل یمن کی شراب یہی بتع ہی تھی۔

۳۴۷۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَ هُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، جس نے دنیا میں شراب پی پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ اس کا عادی تھا لہ اور اس نے توبہ نہیں کی، وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا۔ (مسلم)

سلہ صراح میں ادمان ہمیشہ شراب پیتے رہنا ۔

۳۴۷۲ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهُ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آئے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا جو ان کے علاقے میں پی جاتی تھی اور جوار سے تیار کی جاتی تھی۔ اسے مزر کہا جاتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ نشہ دیتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔ بے شک شرابی کے لیے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ: طینۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا پسینہ یا فرمایا، دوزخیوں کا نچوڑ۔ (مسلم)

سلہ ذرۃ ذال پر پیش اور را مخفف، جوار، باجرہ۔

سلہ مزر میم کے نیچے زیر، پہلے زا ساکن پھر را، جوار سے تیار کی جانے والی شراب اسی طرح صراح میں ہے قاموس میں مزر جوار اور جو کا نبیذ۔

سلہ الخبال نقطے والی خا، پر زیر، با مخفف۔

سلہ زرد پانی جو دوزخیوں کا جسم نچوڑنے سے نکلے گا۔ عصر انگور وغیرہ کے نچوڑنے کو کہتے ہیں۔ عصارہ عین پر پیش، نچوڑنے سے حاصل ہونے والا پانی۔

۳۴۷۳ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ خَلِيْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّبِيْبِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوہارے اور کچی کھجور، اسی طرح کشمش اور کھجور اور کچی کھجور اور تر کھجور کے مخلوط نبیذ سے منع فرمایا

وَ التَّمْرِ وَ عَنْ خَلِيْطِ الزَّهْوِ وَ الرُّطَبِ وَ قَالَ انْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدٍ عَلٰى حِدَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور فرمایا: ہر ایک کو الگ الگ پانی میں ڈالو۔ مسلم

ؒ حضرت ابوقتادہ مشہور صحابی ہیں، ان کے حالات کئی جگہ لکھے جاچکے ہیں۔

ؒ یعنی ان دونوں کو ملا کر پانی میں نہ ڈالو۔

ؒ زہو زا پر زبر، ہا ساکن، کچی کھجور جس میں رنگ پیدا ہوچکا ہو۔ صراح میں ہے زہو زا پر زبر اور پیش، کچی کھجور کا رنگین ہوجانا۔

ؒ شارحین فرماتے ہیں کہ الگ الگ پانی میں ڈال کر نبیذ بنانا جائز ہے دو قسموں کا جمع کرنا ناجائز ہے: اس کی حکمت یہ ہے کہ مخلوط کرنے کی صورت میں ایک جنس میں تبدیلی جلد پیدا ہوجائے گی جسے نشہ آور ہونا لازم ہے، اور دوسری جنس بھی ضائع ہوجائے گی اور فرق تو رہے گا نہیں، اس طرح وہ حرام چیز کا استعمال کر بیٹھے گا، امام احمد اور امام مالک نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ مخلوط جنسوں کا نبیذ حرام ہے اگرچہ نشہ آور نہ ہو، جمہور علماء کے نزدیک مسکر ہو تو حرام ہے۔

۳۴۷۴/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں پوچھا گیا جسے سرکہ بنا دیا جائے[1]۔ فرمایا، نہیں[2]۔ (مسلم)

ؒ نمک، پیاز یا کوئی اور چیز ڈال کر جو اسے نشہ آور نہ رہنے دے کیا شراب سے بنا ہوا سرکہ جائز اور حلال ہے؟

ؒ وہ جائز اور حلال نہیں ہے —— یہ حدیث امام شافعی، امام مالک اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کی دلیل ہے، ان حضرات کے نزدیک وہ پلید اور حرام ہے اور ہمارے نزدیک وہ جائز اور حلال ہے، ہدایہ میں ہے جب شراب سرکہ بن جائے تو وہ حلال ہے، خواہ کسی چیز کے ملانے سے بنے یا اس کے بغیر، پرانی ہو کر سرکہ بن جائے یا دھوپ میں رکھنے سے۔ امام شافعی کے نزدیک اگر کسی چیز کے ڈالنے سے سرکہ بن جائے تو وہ حلال نہیں ہے[1] اس صورت میں ان کا

ؒ غالباً کاتب نے غلطی سے اشعۃ اللمعات میں اس جگہ لکھ دیا کہ "حلال ست"، حالانکہ ہدایہ میں ہے کہ حلال نہیں ہے۔ ۱۲ قادری

ایک ہی قول ہے، اور اگر کسی چیز کے ڈالے بغیر سرکہ بن جائے تو اس میں ان کے دو قول ہیں (ایک قول یہ ہے کہ حلال ہے اور دوسرا یہ کہ حلال نہیں ہے ۱۲ قادری)، ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلقاً فرمانا ہے نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ سرکہ بہترین سالن ہے (یہ ارشاد مطلق ہے، خواہ وہ ابتدائی حالت میں ہو یا پہلے شراب ہو پھر سرکہ بن گیا ہو ۱۲ قادری۔) نیز اس کا وصف مفسد (نشہ آور ہونا) زائل ہو چکا ہے (اصلاح اور اچھا وصف ثابت کرنا مباح ہے، سرکہ بنانے کی ممانعت شراب کے آثار کا قلع قمع کرنے کے لیے ابتداءً تھی، ہر صورت کے بعد بھی حرام ہو، ایسا نہیں ہے (ہدایہ) ایک روایت میں ہے خَيْرُ خَلِّكُمْ خَلُّ خَمْرِكُمْ تمہارا بہترین سرکہ وہ ہے جو شراب سے بنا ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴۷۵/۱۳ وَعَنْ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ ابْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّهُ دَاءٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت وائل حضرمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طارق بن سوید[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ میں دوا کے لیے شراب بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا: بے شک وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے[۳]۔

(مسلم)

[۱] حضرت وائل حضرمی یہ وہی وائل بن حجر ہیں جو یمن کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، بارگاہ رسالت میں معزز اور محترم تھے، ان کے تفصیلی حالات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] طارق بن سوید سین پر پیش، بعض نے سوید بن طارق کہا ہے، صحابی حضرمی ہیں۔ بعض نے کہا کہ جعفی ہیں۔

[۳] اکثر علماء کے نزدیک خالص شراب سے علاج ممنوع ہے، بعض علماء نے کہا کہ اگر حاذق طبیبوں کے فیصلے کے مطابق، علاج کے لیے شراب متعین ہو تو اس سے علاج کرنا جائز ہے، لیکن اگر گلے میں لقمہ اٹک جائے اور ہلاکت کا خوف ہو اور اسے نیچے اتارنے کے لیے پانی یا اس جیسی چیز موجود نہ ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ بعض اکابر اطباء اسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور اس میں لوگوں کے فائدے ہیں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شراب میں صحت اور شفاء ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس سے سرور اور انبساط حاصل ہوتا ہے اور ذہن کی تیزی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن آخر کار جسمانی طور پر نقصان دہ ہے اور حدیث میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۴۷۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ[۱۴] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَةِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ یَتُبِ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَّهَرِ الْخَبَالِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی صبح کی چالیس نمازیں قبول نہیں فرمائے[۱] گا پھر اگر توبہ کرے[۲] تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع فرمائے گا، پس اگر دوبارہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی صبح کی چالیس نمازیں قبول نہیں فرمائے گا، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع فرمائے گا[۳]، پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس صبحیں نماز قبول نہیں فرمائے گا اس کے بعد اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع نہیں فرمائے گا[۴]، اور اسے دوزخیوں کے زرد پانی کی نہر سے پلائے گا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ النَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو)

(ترمذی) امام نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی

[۱] ادا سے ان نمازوں کا ثواب عطا نہیں فرمائے گا، اگرچہ قضا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور وہ بری ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ نماز کی شرطیں پوری کرکے ارکان ادا کر چکا ہے۔ خاص طور پر نماز کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جب نماز باوجودیکہ وہ بدنی عبادتوں میں سے افضل ترین عبادت ہے، خصوصاً نماز فجر قبول نہیں تو دوسری

عبادتیں بطریق اولیٰ مقبول نہیں ہوں گی۔ لفظ صباح سے ، ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ صبح کی نماز مراد ہے جو افضل ترین نماز ہے ، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی چالیس دنوں کی نمازیں مقبول نہیں ہوں گی جیسے کہ اس حدیث میں ہے خُمِّرَتْ طِيْنَةُ آدَمَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا آدم علیہ السلام کے جسد خاکی کی مٹی چالیس دن بھگوئی گئی۔

سلہ اور شراب پینے پر پشیمان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف رجوع فرمائے گا ، اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اس کا گناہ معاف فرما دے گا۔

سلہ تیسری مرتبہ پینے تک اسی طرح فرمایا۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کے جسم سے زرد پانی اس قدر بہے گا کہ اس سے نہریں جاری ہو جائیں گی ——— واضح ہو کہ چوتھی مرتبہ توبہ کے قبول نہ ہونے کا حکم بطور زجر اور تشدید ہے ورنہ نصوص سے ثابت ہے کہ اگر فی الواقع توبہ پائی جائے تو مقبول ہے اور اس کا مقبول ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل سے واجب ہے اہل علم فرماتے ہیں کہ توبہ کے مقبول ہونے کا حکم قضائے مبرم ہے ، ممکن ہے کہ یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہو یا یہ مطلب ہو کہ اس خباثتوں کی جڑ کے استعمال کی نحوست سے اسے حقیقی توبہ ہی نصیب نہ ہو گی اور پینے والا اس پر مصر رہے گا اور اسی طرح دنیا سے رخصت ہو جائے گا اور یہ بھی درحقیقت مبالغہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۴۷۷/۱۵ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ۔	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے سلہ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)	(ترمذی ، ابو داؤد ، ابن ماجہ)

سلہ کیونکہ انسانی طبیعت اور عادت یہ ہے کہ تھوڑی مقدار ، زیادہ تک پہنچاتی ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے عہ۔

عہ کیونکہ تھوڑی شراب بہت کو عادی بنا دیتی ہے اس لیے تھوڑی سے بھی بچنا لازم ہے ، یہ حدیث ظاہر معنیٰ سے امام شافعی وغیرہم کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی افیون ، چرس ، بھنگ جو دواؤں میں استعمال کی جائے اور نشہ نہ دے تو حرام نہیں ، یہاں پتلی اور خشک کی قید نہیں ، لہٰذا اس کا وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ خمر یعنی شراب انگوری کا تو ایک قطرہ بھی حرام قطعی ہے اور دوسری شرابوں کا قطرہ بھی حرام ہے جب لذت یا طرب یا لہو کے لیے پئے یا اس لیے حرام ہے کہ وہ زیادہ پینے کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں (۱۲ مراۃ)

۳۳۷۸ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرْقُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا ایک فرق[1] نشہ دے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے[2]۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد)

[1] فرق فار پر زبر، رار ساکن، رار پر زبر بھی آئی ہے، مدینہ منورہ کا ایک پیمانہ ہے اور وہ سولہ رطل (آٹھ سیر) کا ہوتا ہے۔

[2] فرق اور چلو سے مراد کثیر اور قلیل ہے جیسے کہ گزشتہ حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

۳۳۷۹ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا وَ مِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَ مِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا وَ مِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت نعمان بن بشیر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق گندم سے شراب ہے، جَو سے شراب ہے، کھجور سے شراب ہے کشمش سے شراب ہے اور شہد سے شراب ہے[2]۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

[1] نعمان بن بشیر نقطے والی شین کے ساتھ، بروزن بعیر انصاری صحابی ہیں، ہجرت کے بعد انصار کے ہاں سب سے پہلے ان کی ولادت ہوئی، جیسے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت نعمان کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی۔

[2] محدثین کہتے ہیں کہ مقصود ان پانچ چیزوں میں حصر نہیں ہے بلکہ خصوصی طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ عموماً عرب کی عادت یہی تھی کہ شراب ان ہی چیزوں سے بنائی جاتی تھی، اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تمر، انگور کے پانی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اگر لغت میں اسی طرح ہے تو فبہا ورنہ شریعت میں خمر ان سب

قسموں کو شامل ہے عنہ۔

۳۳۸۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِیَتِیْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَۃُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْہُ وَقُلْتُ اِنَّہٗ لِیَتِیْمٍ فَقَالَ اَھْرِیْقُوْہُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی[۱] جب سورہ مائدہ[۲] نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کی ہے[۳]۔ فرمایا: اسے گرادو[۴]۔ (ترمذی)

[۱] یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم تھا جس کی ہم پرورش کرتے تھے، اس کے پاس کئی قسم کے اموال تھے، ان ہی میں شراب بھی تھی اور اس وقت شراب جائز تھی۔

[۲] جس میں تحریم خمر کی یہ آیت ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (الآیۃ) اے ایمان والو! حکم یہی ہے کہ شراب، جوا، بت اور فال نکالنے کے تیر، پلیدی ہیں، شیطان کے کام ہیں

[۳] اسے ضائع نہیں کیا جاسکتا، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

[۴] کیونکہ وہ بے قیمت مال ہے، اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے اور پلید چیز سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

۳۳۸۱ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّہٗ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِنِّیْ اشْتَرَیْتُ خَمْرًا لِاَیْتَامٍ فِیْ حِجْرِیْ قَالَ اَھْرِقِ الْخَمْرَ وَاکْسِرِ الدِّنَانَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت انس، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! کچھ یتیم میری پرورش میں ہیں میں نے ان کی شراب خریدی ہے[عہ] فرمایا اسے گرادو اور مٹکوں کو توڑ دو امام ترمذی

عہ مرقات نے فرمایا کہ ان تمام شرابوں کو خمر فرمانا مجازاً ہے یعنی یہ شرابیں گویا خمر ہی ہیں کہ عقل بگاڑتے، بے ہوش و نشہ کر دینے میں خمر کا کام کرتی ہیں اور ان کے نشہ پر بھی خمر کے نشہ کے احکام جاری ہیں ورنہ خمر صرف شراب انگوری کو کہا جاتا ہے جس کے دلائل پہلے عرض کیے گئے ۱۲ مرآۃ

وَ ضَعَّفَہٗ وَ فِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاوٗدَ اَنَّہٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَیْتَامٍ وَّرِثُوْا خَمْرًا قَالَ اَھْرِقْھَا قَالَ اَفَلَا اَجْعَلُھَا خَلًّا قَالَ لَا۔

نے اسے روایت کیا اور اسے ضعیف قرار دیا، امام ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ یتیموں کے بارے میں پوچھا جنہیں وراثت میں شراب ملی تھی، فرمایا: اسے گرادو، عرض کیا اسے سرکہ نہ بنادوں؟ فرمایا: نہیں!

لے حضرت ابوطلحہ، حضرت انس کی والدہ کے شوہر اور اکابر صحابہ میں سے ہیں، احادیث میں ان کا ذکر کثرت سے ہے۔

سے یہ شراب سرکہ بنانے کے لیے خریدی تھی، جیسے کہ حاشیہ میں لکھا گیا ہے ——— یا یہ معنی ہے کہ میں نے یتیموں کے لیے شراب خریدی ہے، یہ خریداری شراب کے حرام قرار دیے جانے سے پہلے تھی اور سوال اس وقت کیا گیا جب اسے حرام قرار دے دیا گیا، سوال یہ تھا کہ اسے محفوظ رکھوں یا گرادوں؟ اس معنی کے اعتبار سے یہ حدیث گزشتہ حدیث کے موافق ہوگی، امام ابوداؤد کی روایت بھی اسی معنی کے مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۴۸۲/۲۰ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ وَّ مُفْتِرٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور جسم میں سستی لانے والی[1] چیز سے منع فرمایا۔

(ابوداؤد)

لے مفتر میم پر پیش، فا ساکن اور تاء کے نیچے زیر، جسم میں سستی لانے والی چیز، قاموس میں ہے فتور کہتے ہیں تیزی کے بعد سکون اور سختی کے بعد نرمی کو، جسم کا فتور یہ ہے کہ جسم کے جوڑوں میں سستی اور نرمی آجائے اور اعضاء میں کمزوری پیدا ہو جائے نہایہ میں ہے مُفْتِر شراب وہ ہے کہ جب پی جائے تو جسم گرم ہو جائے اور اعضاء میں کمزوری اور فتور پیدا ہو جائے، اَفْتَرَ الرَّجُلُ اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کی پلکیں کمزور ہو جائیں اور آنکھ کے کنارے ڈھیلے پڑ جائیں ——— اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ بھنگ اور افیون وغیرہ وہ چیزیں حرام ہیں جن کے استعمال سے جسم ڈھیلا پڑ جائے اس سلسلے میں ہم باب کے آخر میں کچھ گفتگو کریں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۴۸۳ وَعَنْ دَيْلَمٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَ نُعَالِجُ فِيهَا عَمَلًا شَدِيدًا وَ إِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهِ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيهِ قَالَ إِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت دیلم حمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ٹھنڈے علاقے میں رہتے ہیں اور وہاں سخت محنت والا کام کرتے ہیں اور ہم اس گندم سے شراب بناتے ہیں جس سے ہم اپنے کاموں اور اپنے علاقے کی سردی پر قوت حاصل کرتے ہیں، فرمایا کیا وہ نشہ دیتی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: جی ہاں! فرمایا: اس سے بچو! میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں، فرمایا: اگر اسے نہ چھوڑیں تو ان کے ساتھ جنگ کرو۔ (ابوداؤد)

ؑ دیلم دال پر زبر، یا ساکن حمیری حا کے نیچے زیر، میم ساکن اور یاء پر زبر، یمن کے مشہور قبیلے حمیر کی طرف نسبت ہے، صحابی ہیں اور اہل مصر میں شمار ہوتے ہیں ان کی حدیث بھی ان کے ہاں معروف ہے۔

ؑ جو جسمانی طاقت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

ؑ قمح قاف پر زبر، میم ساکن اور آخر میں بے نقطہ حا، (گندم)

ؑ سائل نے گندم کی شراب کی اجازت اور رخصت طلب کرنے کے لیے مبالغہ سے کام لیا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اجازت عطا نہیں فرمائی یہاں تک فرمایا کہ اگر لوگ اسے نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو، اس سے یا تو حقیقۃً جنگ ہی مراد ہے یا منع کرنے میں شدت اور مار کٹائی مراد ہے۔

۳۴۸۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ الْكُوبَةِ وَ الْغُبَيْرَاءِ وَ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب، جوئے، شطرنج، اور جوار کی شراب سے منع کیا اور فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد)

ف۱ یسر سین کے نیچے زیر، جوا کھیلنا، کسی چیز کو گروی رکھ کر جوا کھیلنا اور اس چیز کا آپس میں بھی لین دین کرنا۔

ف۲ کوبۃ کاف پر پیش، واؤ ساکن، اس کے بعد ایک نقطے والی باء۔ قاموس میں ہے کوبۃ نرد، شطرنج، ڈھولکی اور بربط ــــــ اور یہ سب ممنوعات میں سے ہیں جو بھی مراد لیں صحیح ہے۔

ف۳ غبیراء نقطے والی غین پر پیش، ایک نقطے والی باء پر زبر، جوار (باجرے) کی شراب جسے سکر کہتے ہیں، اسے حبشی تیار کرتے ہیں۔ صراح میں ہے غبیراء جوار کا پانی جو نشہ دے۔

۳۴۸۵/۲۳ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَّلَا قَمَّارٌ وَّلَا مَنَّانٌ وَّلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَلَا وَلَدُ زِنْيَةٍ بَدَلَ قَمَّارٍ۔	انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کو اذیت دینے والا[۱]، جوئے باز، عطیہ دے کر احسان جتلانے والا[۲] اور عادی شراب نوش جنت میں داخل نہیں ہوگا (دارمی) امام دارمی ہی کی ایک روایت میں جوئے باز کی جگہ ولد زنا[۳] ہے۔

ف۱ کسی وجہ شرعی کے بغیر۔

ف۲ بعض شارحین نے کہا کہ اس جگہ منّان، منّ سے مشتق ہے جس کا معنی قطع کرنا ہے، اس سے مراد قطع رحمی کرنے والا ہے، جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔

ف۳ زنیۃ زاء کے نیچے زیر اور نون ساکن، بمعنی زنا ــــــ یعنی ولد زنا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ مراد تشدید اور زانی کے لیے تعریض ہے جو اس بچے کی پیدائش کا سبب ہے۔ ولد زنا جنت میں نہیں جائے گا، اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے۔ بعض شارحین نے یہ تاویل کی کہ ولد زنا سے مراد، عادی زانی ہے، جیسے کہ بہادروں کو بنو الحرب اور مسلمانوں کی اولاد کو بنو الاسلام کہتے ہیں، ورنہ ولد الزنا نے کوئی گناہ نہیں کیا جس کی اسے سزا دی جائے۔

۳۴۸۶/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَعَثَنِيْ	حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ وَ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَ الْمَزَامِيْرِ وَ الْاَوْثَانِ وَ الصُّلُبِ وَ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَ حَلَفَ رَبِّيْ عَزَّ وَ جَلَّ بِعِزَّتِيْ لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِّنْ عَبِيْدِيْ جُرْعَةً مِّنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَ لَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَّخَافَتِيْ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)	جہانوں کے لیے باعثِ رحمت اور ہدایت[1] بنا کر بھیجا اور مجھے میرے عزت و جلال والے رب نے حکم دیا باجوں[2]. بانسریوں[3] بتوں، صلیبوں نیز اور رسوم جاہلیت کے مٹا دینے کا۔ میرے رب جلیل نے اپنی عزت[4] کی قسم یاد فرما کر فرمایا کہ میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ[5] پیئے گا میں اسے اتنی ہی پیپ[6] پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف کے سبب اسے چھوڑے گا میں اسے پاکیزہ حوضوں[7] سے پلاؤں گا (امام احمد)

[1] مجھے دنیا و آخرت کی بھلائی اور سعادت کی راہنمائی کا سبب بنا کر بھیجا، یہ رحمت کی تفسیر ہے، اور معنوی اور روحانی رحمت کا بیان ہے، صوری اور جسمانی رحمت بھی آپ کے وجود شریف کے طفیل تمام مخلوقات کو یہاں تک کہ کافروں کو بھی شامل ہے جیسے زمین میں دھنس جانے، شکلوں کے مسخ ہونے اور غرق ہونے سے محفوظ و مامون رہنا جب کہ پہلی امتیں اس قسم کے عذابوں سے دوچار ہوئیں۔ بلکہ آپ تمام جہان کے سب اجزاء و ارکان کے لیے رحمت ہیں جیسے مٹی کا پاک کرنے والی ہونا، بدنوں اور کپڑوں سے نجاست دور کرنے والی ہونا اور مسجد ہونا اور ہلاکت و عذاب کا سبب نہ ہونا۔ ہوا کا دین اور اہل دین کی امداد کا سبب ہونا۔ صدقات جز فقراء و مساکین کی منفعت اور بھلائی کا سامان ہیں آگ کا انہیں نہ جلانا۔ شیاطین، فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے قریب جایا کرتے تھے آسمانوں کو ان کی نجاست سے پاک کر دیا گیا، خصوصاً معراج کے موقع پر تمام عالم بالا آپ کے نور اور برکتوں سے منور اور مشرق ہوا۔

[2] معازف بے نقطہ عین، زاء اور رفاء کے ساتھ، جمع ہے معزف کی بے نقطہ عین، زاء اور تاء کے ساتھ۔ گانے کا آلہ یعنی باجہ[a]

[a] حضرت شیخ محقق قدس سرہ نے اس جگہ چغانہ کا لفظ استعمال کیا ہے وہ ایک لکڑی ہوتی ہے روئی دھننے والوں کے دستے کی طرح جس کے ایک کنارے میں گھنگرو نٹ کر دیئے جاتے ہیں ۱۲ غیاث اللغات۔

عازف باجہ بجانے والا، قاموس میں ہے معازف لہو کے آلات جیسے عود اور طنبور، جمع ہے عزف کی یا معزف بروزن منبر کی۔ عزیف ان کی آوازوں کو کہتے ہیں۔ مختصر نہایہ میں ہے عزف دف وغیرہ ان آلات سے کھیلنا جن پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ہر کھیل عزف ہے عہ۔

سہ مزامیر جمع ہے مزمار کی، گانے کا آلہ، زمر اور تزمیر، بنسری کے ساتھ گانا، بنسری جس کے ساتھ گاتے ہیں اسے زمارہ اور مزمار کہتے ہیں۔ امام نووی نے فرمایا:

صحیح یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ امام غزالی کا میلان اس کے جواز کی طرف ہے، یہ حدیث اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ چیزیں قدیم زمانے سے فاسقوں اور فاجروں کی رسوم اور عادات میں سے تھیں، فقہاء فرماتے ہیں کہ طرب انگیز آلات کے ساتھ گانا حرام ہے اور محض آواز کے ساتھ گانا مکروہ ہے، اجنبی عورتوں کا گانا سننا سخت تر مکروہ ہے۔ اس مسئلہ میں تخصیص اور اس کی تفصیل اپنی جگہ پر بیان کی گئی ہے۔

سہ صلب صاد اور لام پر پیش، صلیب کی جمع ہے جسے عیسائی اپنے پاس رکھتے ہیں، یہ چلیپا سے معرب بنا ہوا لفظ ہے، صراح میں ہے صلیب مجوسیوں کی چلیپا کو کہتے ہیں اس کی اصل صلیبی شکل ہے یعنی ایک خط (زاویہ قائمہ پر) دوسرے کو قطع کرے۔ اور یہ اس شخص کی شکل ہے جسے سولی دی جاتی ہے، عیسائی بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا تھا، اس لیے اس شکل کو ہر چیز میں ملحوظ رکھتے ہیں تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر حسرت واندوہ کو تازہ رکھا جا سکے عہ۔

عہ خیال رہے کہ جھانج تو مطلقاً حرام ہے، دوسرے باجے اگر غرض صحیح کے لیے استعمال کیے جائیں تو حلال ہیں۔ کھیل تماشہ کے لیے بجائے جائیں تو حرام، چنانچہ نمازیوں کا طبل جو جنگ وغیرہ میں اعلان کے لیے بجایا جائے یا دف تاشہ اعلان نکاح کے لیے حلال ہے، یوں ہی عید و شادی کے موقع پر چھوٹی بچیوں کا دف بجانا احادیث میں آیا ہے، اس کے احکام ان شاء اللہ اپنے موقعہ پر آئیں گے۔

۱۲ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

عہ خیال رہے کہ جزیرہ عرب میں سوا اسلام کے کسی ملت کی اجازت نہیں، اس لیے عرب سے صلیب مٹادی جائے گی، عرب کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں ذمی کفار کو مذہبی آزادی دی جائے گی، لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اسلام میں تو ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہے پھر صلیب مٹانے کے کیا معنی؟ کہ یہ حکم جزیرہ عرب کے لیے ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں میں سے صلیب وغیرہ کو مٹاؤں کہ انہیں اس کی تعظیم سے دور رکھوں۔

(۱۲ مرآۃ)

ؔ۵ اور قدرت کے غالب ہونے کی ۔

ؔ۶ جرعہ جیم پر پیش، را ساکن، پانی اور شراب وغیرہ کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ پی جائے ۔

ؔ۷ ظاہر یہ ہے کہ صدید سے مراد وہی زرد پانی ہے جو دوزخیوں کے جسم سے ٹپکے گا اور جسے احادیث میں طینۃ الخبال کہا گیا ہے ۔

ؔ۸ یعنی جنت کے حوضوں سے ۔

۳۲۸۷/۷۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَۃٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمُ الْجَنَّۃَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ الْعَاقُّ وَ الدَّیُّوْثُ الَّذِیْ یُقِرُّ فِیْ اَھْلِہِ الْخُبْثَ ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ النَّسَائِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ نے تین اشخاص پر جنت حرام فرمادی ہے (۱) عادی شرابی (۲) والدین کا نافرمان (۳) وہ بے غیرت جو اپنے گھر والوں میں بے حیائیؔ۱ کو برقرار رکھے ۔

(امام احمد، نسائی)

ؔ۱ یعنی زنا ۔

۳۲۸۸/۷۶ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَۃٌ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ قَاطِعُ الرَّحِمِ وَ مُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ، تین افراد جنت میں داخل نہیں ہوں گے (۱) عادی شرابی (۲) قطع رحمی کرنے والاؔ۱ (۳) جادو کی تصدیق کرنے والاؔ۲ ۔

(امام احمد)

ؔ۱ جو اپنے رشتہ داروں سے تعلق نہیں رکھتا اور ان کے ساتھ محبت سے پیش نہیں آتا ۔

ؔ۲ اس کا عقیدہ ہے کہ جادو بالذات مؤثر ہے ورنہ یہاں معنی جادو کی تصدیق کرنا صحیح ہے کہ اس کی تاثیر ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے واقع ہے ، حدیث میں وارد ہے کہ جادو برحق ہے ۔ ممکن ہے کہ تصدیق سے مراد یہ ہو کہ جادو کرنے کی اباحت کا عقیدہ رکھتا ہو ، حالانکہ جادو کا عمل کرنا بالاتفاق حرام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ

کفر ہے۔

۳۴۸۹/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيْخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شراب کا عادی اگر (اسی حالت پر) مرگیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوگا جیسے بت پرست (امام احمد)

امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں محمد بن عبید اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، امام بیہقی نے فرمایا[1]: امام بخاری نے یہ حدیث تاریخ میں محمد بن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔

[1] مطلب یہ ہے کہ امام بیہقی نے اپنی کتاب میں محمد بن عبید اللہ کہا یا کے ساتھ اور امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے محمد بن عبد اللہ فرمایا، یا کے بغیر، اسماء الرجال کی کتابوں میں محمد بن عبید اللہ اور محمد بن عبد اللہ نام کے بہت راوی ہیں، کتاب (مشکوٰۃ) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کے والد عبد اللہ یا عبید اللہ صحابی ہوں گے یا عبد اللہ بن جحش مراد ہوں جو اکابر صحابہ میں سے ہیں اور قریشی اسدی ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمد بھی مشہور ہیں اور وہ بھی صحابی ہیں ان کی پیدائش ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی، انہوں نے پہلے اپنے والد یا جد کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ معظمہ آگئے اور وہاں ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے، اسی طرح جامع الاصول میں ہے، تقریب میں ہے محمد بن عبد اللہ کم عمر صحابی ہیں اور ان کے والد اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ تاریخ بخاری میں ہے وہی ٹھیک ہے۔

۳۴۹۰/۲۸ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں پروا نہیں کرتا خواہ شراب پی لوں یا اللہ تعالیٰ کی بجائے اس ستون کی عبادت کروں[2]۔ (امام نسائی)

لہ یعنی پتھر کی عبادت کروں، بت بھی پتھر ہی سے بنائے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ میرے نزدیک شراب پینا اور بت کی عبادت کرنا ایک ہی جیسا ہے اور ان دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

تنبیہ جلیل:

اس زمانے میں بھنگ کا استعمال عام ہو گیا ہے، اس سے پہلے اس کے بارے میں کم ہی کسی نے کلام کیا ہے۔ راقم الحروف (شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مکہ معظمہ میں امام علامہ ابو عبد اللہ محمد بن بدر الدین زرکشی شافعی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ دیکھا تھا، اس کی کئی فصلیں ہیں، ذیل میں ان فصول کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس کا نام کیا ہے؟ اور اس کا ظہور کب ہوا؟ اطباء اسے قنب ہندی کہتے ہیں، فارسی میں کنب نام ہوا، بعض لوگ اسے ورق شدانج، بنیرا، حیدریہ اور قلندریہ بھی کہتے ہیں، اس کا ظہور ۵۵۰ھ میں حیدر نامی ایک شخص کے ہاتھ پر ہوا، اسی لیے اسے حیدریہ کہتے ہیں، واقعہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنے ساتھیوں سے بھاگ کر جنگل میں چلا گیا؛ حیران اور پریشان سرگرداں تھا کہ اچانک اس کا گزر اس پودے پر ہوا، اس نے دیکھا کہ ہوا بند ہے اس کے باوجود اس پودے کے پتے حرکت کر رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اس میں ضرور کوئی راز ہے، اس نے کچھ پتے توڑ کر کھائے تو اسے سرور محسوس ہوا پھر اپنے ساتھیوں کو یہ بات بتائی اور کچھ پتے انہیں بھی کھلائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا ظہور احمد ساوجی قلندری کے ہاتھ پر ہوا، اسی لیے اسے قلندریہ کہتے ہیں۔

ابو العباس ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور دیگر متقدمین علماء نے اس کے بارے میں کلام نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں اس کا ظہور نہیں ہوا تھا، اس کا ظہور تاتاریوں کے دور حکومت میں چھٹی صدی کے آخر میں ہوا تھا۔

۲۔ انسانی جسم اور عقل کے لیے اس کے نقصانات؟ بعض حکماء نے اس کے ایک سو بیس دینی اور دنیاوی نقصانات شمار کیے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تفکرات اور اندیشوں کو جنم دیتی ہے، تفکرات، مزاج میں گرمی پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں، بعض اوقات یہ گرمی، طبعی حرارت پر غالب آجاتی ہے اور اسے جسم سے نکال دیتی ہے، پھر یہ عارضی گرمی بدن پر غالب آکر اس کی رطوبتوں کو خشک کر دیتی ہے اور جسم کو گرم بیماریوں کے لیے آماجگاہ بنا دیتی ہے۔

عالم اسلام کے مشہور طبیب محمد بن زکریا نے کہا کہ ورق شہدانہ بستانی (بھنگ) کا کھانا دردِ سر کا باعث بنتا ہے، منی کو خشک کر دیتا ہے، موجب تفکرات ہے، ناگہانی موت خلل دماغ، دق، سل، علت المشائخ اور استسقاء کا باعث ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جو نقصانات شراب میں ہیں وہ حشیش میں بھی موجود ہیں، دیگر جسمانی اور

روحانی ضرریں اس کے علاوہ ہیں، پھر انہوں نے اس کے بے شمار نقصانات شمار کیے، جن میں سے کچھ اس رسالے میں بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ یہ نشہ آور ہے اور عقل کو برباد کرتی ہے، نباتات کے ماہرین اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نشہ آور ہے وہ کہتے ہیں اس کی ایک قسم ایسی ہے جو صرف مصر میں پائی جاتی ہے اور باغات میں کاشت کی جاتی ہے، ایک یا دو درم کی مقدار کھائی جائے تو تیز سرور پیدا کرتی ہے، اور اگر زیادہ مقدار میں کھائی جائے تو عقل ہی الٹ جاتی ہے، یہی کیفیت سکر کی تعریف میں معتبر ہے، کچھ لوگوں نے یہ بوٹی کھائی تو ان کی عقل خبط ہوگئی اور ان کی ہلاکت کا باعث بن گئی۔

فقہاء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ یہ بوٹی نشہ آور ہے، اس سے گفتگو کا توازن بگڑ جاتا ہے، دل میں پوشیدہ رکھنے والی باتیں زبان پر آجاتی ہیں، بعض لوگوں کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ زمین و آسمان اور سرد و زن میں امتیاز نہیں کر سکتے، کہتے ہیں کہ ایک شخص یہ بوٹی کھایا کرتا تھا اس نے زمین پر چاند چمکتا ہوا دیکھا اور یہ خیال کیا کہ یہ دریا ہے، اس نے بڑی کوشش کی مگر وہ اس میں چھلانگ نہ لگا سکا۔ ابو العباس ابن تیمیہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ شراب کی طرح نشہ آور ہے کیونکہ اس کے کھانے والوں کو نشہ اور دماغ کا فتور لاحق ہو جاتا ہے، برخلاف خراسانی اجوائن کے کہ وہ نشہ نہیں لاتی اور کھانے کی خواہش پیدا نہیں کرتی، ابو العباس قرافی نے اپنے قواعد میں بیان کیا کہ ماہرین نباتات نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے کہ یہ نشہ آور ہے۔

(ابو العباس قرافی کہتے ہیں) مجھ پر جو ظاہر ہوا ہے کہ یہ مفسد عقل ہے، مُفسِد، مُسکِر اور مُرقِد میں فرق ہے، اگر کسی چیز کے استعمال سے حواس غائب ہو جائیں تو وہ مُرقِد ہے کہ نیند لاتی ہے (رقاد، نیند کو کہتے ہیں) اگر حواس غائب نہ ہوں تو اگر اس کے کھانے سے نشہ، سرور اور قوت نفس حاصل ہو تو وہ مُسکِر ہے، اور اگر یہ نہیں ہے تو اسے مفسد کہتے ہیں، پس مسکر جیسے کہ شراب، نشہ اور سرور دینے کے ساتھ ساتھ عقل کو غائب کر دیتی ہے اور مفسد عقل کو پریشان کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ غالباً سرور نہیں ہوتا جیسے کہ اجوائن خراسانی، سکر کی حالت میں شجاعت مسرت، قوت نفس اور دشمن کو گرفت میں لانے کا جذبہ ترقی کر جاتا ہے، اور آدمی اپنے ہاتھ سے کچھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ حشیشہ (بھنگ) مفسد ہے اور مسکر نہیں ہے اور اس دعوے پر دو دلیلیں قائم کیں، صاحب رسالہ شیخ بدر الدین نے اس پر اعتراض کیا اور ثابت کیا کہ یہ نشہ آور ہے اور یہی راجح ہے۔

یاد رہے کہ بنج (خراسانی اجوائن) قنب (بھنگ) کے علاوہ ایک چیز ہے قنب کو حشیشہ کہتے ہیں، قاموس میں ہے کہ بنج، حشیش کے علاوہ ایک مشہور گھاس ہے عقل کو خبط کرنے والی، باعث جنون، درد دل، پھوڑوں، پھنسیوں اور کان کے درد کو سکون بخشنے والی (قاموس) اور اس وقت حشیش کے لیے بنج کا استعمال مشہور ہو گیا ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عقل کسی مباح چیز مثلاً بنج اور گھوڑی کے دودھ سے زائل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی،

اس قول سے بعض جہلاء وہم کرتے ہیں کہ حشیش جائز ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے کیوں کہ بنج، حشیش سے الگ ایک چیز ہے۔

۴۔ بھنگ کا حکم یہ ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ کتاب وسنت کی نصوص سے ثابت ہے کہ نشہ آور چیز کا کھانا پینا حرام ہے، علاوہ ازیں اس میں وہ اوصاف پائے جاتے ہیں جو شراب کے حرام ہونے کا سبب ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ (ہمارے حبیب ان پر خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اور عقل کو فاسد کرنے والی شے سے زیادہ خبیث چیز اور کون سی ہو گی بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور جسم کو ڈھیلا کرنے والی چیز سے منع فرمایا، جیسے کہ اس سے پہلے احادیث گزر چکی ہیں، قرافی اور ابن تیمیہ نے اس کی حرمت پر اجماع کا دعویٰ کیا اور کہا ہے کہ جو اسے حلال جانے وہ کافر ہے، علامہ بدرالدین نے کہا کہ اس دعوے میں کلام ہے کیونکہ اس کی حرمت دین میں بداہۃً معلوم نہیں ہے، لہٰذا اس کا انکار کفر نہیں ہو گا۔

۵۔ بھنگ پاک ہے یا پلید؟ یہ مسئلہ گزشتہ تحقیق پر مبنی ہے کہ یہ نشہ آور ہے یا نہیں؟ کیونکہ جن حضرات کے نزدیک یہ نشہ آور ہے ان کے نزدیک قیاس یہ کہتا ہے کہ اسے ناپاک قرار دیا جائے، لیکن شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ یہ پاک ہے اور کہا کہ اس پر اجماع ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حشیش کی نجاست کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) پاک (۲) پلید۔ حشیش کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ وہ پاک ہے کیونکہ نباتات میں سے کوئی بھی پلید نہیں ہے۔ ہاں جسے پلید پانی دیا گیا ہو وہ پلید ہے، مخفی نہ رہے کہ یہ قیاس شافعیہ کے قول پر مبنی ہے، احناف کے مذہب کے مطابق قیاس یہ ہے کہ وہ پلید ہے نجاست خفیفہ کے ساتھ، جیسے کہ ترجمہ کی شرح میں ہمارے بیان سے یہ ظاہر ہو گیا ہے۔

۶۔ کیا اس میں حد واجب ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ چونکہ اس میں نشہ پایا جاتا ہے اس لیے حد واجب ہے، امام ماوردی نے تصریح کی ہے کہ نباتات میں سے جس چیز میں شدید طرب ونشاط پائی جائے اس میں حد واجب ہے۔ رافعی نے کہا کہ شرابوں کے علاوہ جو چیز عقل کو زائل کرنے والی ہے مثلاً بنج اس کے کھانے پر حد نہیں ہے، قرافی نے کہا کہ فقہائے عصر کا اس کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس میں حد واجب ہے یا تعزیر؟ اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ یہ نشہ آور ہے یا مفسد عقل؟ خلاصہ حنفیہ میں ہے کہ علاج کے لیے بنج کے پینے میں حرج نہیں ہے۔ پس اگر اس کے پینے سے عقل زائل نہ ہو تو بالاتفاق حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر نشہ دے تو امام محمد کے نزدیک حد لگائی جائے گی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حد نہیں تعزیر لگائی جائے گی۔

۷۔ متفرق مسائل۔

(۱) نمازی کے پاس بھنگ ہو تو اس کی نماز باطل ہو گی یا نہیں؟ یہ حکم اس کے پاک اور پلید ہونے پر مبنی ہے بعض

علماء نے کہا کہ اسے بھونے اور پکائے بغیر جیب میں ڈال کر نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز ہے، اور اگر اس کے بھوننے اور پکانے کے بعد ہو تو ناجائز ہے کیونکہ اس حالت میں وہ عقل کو فاسد کر دیتی ہے اور نشہ لاتی ہے، بھوننے سے پہلے وہ صرف سبزی کے پتے ہیں، بھوننے سے پہلے ان کا حکم وہی ہے جو انگور کا ہے اور اسے بھوننا ایسے ہی ہے جیسے انگور کے جوس کو جوش دینا۔

(۲) کیا اس کی تھوڑی مقدار جو نشہ نہ دے حرام ہے یا نہیں؟ امام نووی نے شرح مہذب میں تصریح کی ہے کہ حشیش کی تھوڑی مقدار کا کھانا حرام نہیں ہے برخلاف شراب کے کہ وہ پلید ہے اس لیے اس کی تھوڑی مقدار کا پینا بھی جائز نہیں ہے۔ احناف کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی مقدار کا کھانا جائز ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ حکم ان حضرات شافعیہ کے مذہب پر مشکل ہے جن کے نزدیک یہ نشہ آور ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جس چیز کی زیادہ مقدار حرام ہے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے، صاحب رسالہ نے کہا کہ حشیش کی کسی بھی مقدار کا کھانا جائز نہیں ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ برخلاف مذہب احناف کے (کہ اتنی مقدار کا کھانا جائز ہے جو نشہ نہ دے)

(۳) جب آدمی بھوک کے ہاتھوں اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے (اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو) تو اس کے لیے بھنگ کا کھانا جائز ہے، جب کہ شراب کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کو سخت پیاس لگی ہو (اور پینے کی کوئی چیز میسر نہ ہو)۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ شراب پینے سے پیاس بڑھ جاتی ہے اور بھنگ کے کھانے سے بھوک میں اضافہ نہیں ہوتا۔

(۴) اگر ثابت ہو جائے کہ بھنگ کچھ دردوں کے لیے مفید ہے جیسے کہ ردیانی نے اس کی تصریح کی ہے تو اس کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا کہ اس کے ساتھ علاج جائز ہے اگرچہ وہ نشہ دے دے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ (اس کے بغیر کوئی علاج نہ ہو ۱۲ قادری) امام شافعی نے سانپوں کے گوشت سے تیار ہونے والے تریاق کی حرمت کی تصریح کی ہے، البتہ حالت اضطرار میں جائز ہے کہ اس وقت مردار کا کھانا بھی جائز ہے۔

(۵) اس کا فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ وہ جمال گوٹا اور افیون کی طرح دواؤں میں مفید ہے، بشرطیکہ تھوڑی مقدار میں ہو، ہاں ایسے شخص کے پاس فروخت کرنا حرام ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ کھانے کے لیے خرید رہا ہے جیسے کہ شراب بنانے والے کے پاس انگور بیچنا، جن حضرات کے نزدیک بھنگ نشہ آور ہے ان کے قول کے مطابق قیاس یہ ہے کہ اس کی بیع باطل ہو۔ جیسے کہ لہو و لعب کے آلات۔

(۶) اس کی کاشت کرنا دوا سازی کے لیے ہو تو جائز ہے اور اگر استعمال اور نشے کے لیے ہے تو حرام ہے۔

(۷) کیا اس کے کھانے والے کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ اس کا حکم گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے

(کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ (۱۲ قادری)

مخفی نہ رہے کہ یہ اختلافات اصول شافعیہ پر مبنی ہیں کہ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے اور جو کثیر مقدار میں حرام ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، احادیث مبارکہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور جمہور ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ صرف خمر ایسی چیز ہے جو بعینہٖ حرام ہے خواہ تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کی تھوڑی مقدار حرام نہیں ہے، لہٰذا اس کے معاملے میں وسعت ہے جیسے اس سے پہلے معلوم ہو چکا۔

غالباً جمہور کا قول ہی حق ہے، دین میں یہی زیادہ احتیاط والا قول ہے اور فاسقوں اور جاہلوں کے لیے اسی میں وسائل کی زیادہ بندش ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

اللہ تعالیٰ کی امداد اور توفیق سے کتاب الحدود مکمل ہو گئی اب اس کے بعد کتاب الامارۃ والقضاء ہے۔

---

[1] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں کہ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن وغیرہ (۱۲ قادری) میں بھی اختلاف ہے، فیصلہ یہ ہے کہ دوا میں ان چیزوں کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ نشہ نہ دیں، نشہ دیں تو یہ حرام ہے، نیز ان کا استعمال لذت کے لیے حرام ہے اگرچہ نشہ نہ دیں، کہ ہر لہو باطل ہے۔

تمباکو کے احکام اس سے بھی ہلکے ہیں کہ تمباکو پینا یا کھانا نشہ کے لیے حرام ہے، نشہ نہ دے تو حرام نہیں، علامہ شامی نے شامی جلد پنجم کتاب الاشربہ میں تمباکو کے بہت خصوصی احکام بیان فرمائے، فیصلہ یہ فرمایا کہ تمباکو حلال ہے۔ مگر اس سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے، لہٰذا طبعاً مکروہ ہے، نشہ دے تو حرام ہے۔

۱۲ مرآۃ

(۱۶) کِتَابُ الْاِمَارَةِ وَالْقَضَاءِ

حاکم اور قاضی بننے کا بیان

اِمارۃ ہمزہ کی زیر کے ساتھ، فرمانروا اور امیر بنانا، اُمرۃٌ ہمزہ کے نیچے زیر، میم ساکن مصدر مذکور کا اسم ہے۔ امیری، امارت بمعنی علامت میں ہمزہ پر زبر ہے، قضا کا معنی حکم کرنا ہے، اس جگہ وہ منصب مراد ہے کہ امیر کسی شخص کے ذمہ لگا دے کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۴۹۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَّاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ وِزْرًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی[۱]، امام ڈھال[۲] کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے پیچھے جہاد کیا جائے گا، اور اس کی آڑ میں پناہ لی جائے[۳] گی، اگر وہ خوف خدا کا حکم دے اور انصاف کرے[۴] تو اس کے لیے اس سبب[۵] سے اجر و ثواب ہے اور اگر وہ اس کے بغیر کہے تو اس کام کی وجہ سے اس پر گناہ ہے[۶]

(صحیحین)

سلہ پس احکام شریعت کے مطابق حکام کی فرمانبرداری، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہے اور آپ کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے، اسی طرح نافرمانی ۔

سلہ جُنَّۃ جیم پر پیش، نون مشدد، ڈھال ۔

سلہ خوفناک امور اور آفتوں سے، یہ امام کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دینے کا بیان ہے، جیسے جنگ میں تیر اور تلوار لگنے سے بچاتی ہے اور درمیان میں حائل ہو جاتی ہے، اسی طرح سربراہ مملکت کا وجود آفتوں اور دین کے دشمنوں کی طرف سے پیش آنے والے حوادث سے باعث امن وامان ہوتا ہے ۔

سلہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کا حکم دے اور ظلم نہ کرے ۔

سلہ امام کے لیے اس امر اور عدل کے سبب سے ۔

سلہ اسی طرح صحیحین، کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں ہے مِنْهُ حرف جر کے ساتھ ضمیر متصل ہے مصابیح کے اکثر نسخوں میں مُنَّةٌ میم پر پیش، نون مشدد اور آخر میں تاء، یعنی قوت، شارحین نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس جگہ قوت کی کوئی ظاہر وجہ نہیں ہے ۔

۳۴۹۲ وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُّجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام الحصین[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر ایسا ناک اور کان کٹا غلام امیر بنا دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ تمہاری قیادت[2] کرے[3] تو تم اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو[4] ۔ (مسلم)

سلہ ام الحصین حاء پر پیش، صاد پر زبر، صحابیہ ہیں، حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہوئیں ۔

سلہ اور تمہیں شریعت کے مطابق حکم دے ۔

سلہ اس کا حکم رضا اور قبولیت کے ساتھ سنو ۔۔۔۔۔۔ غلام کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسجد تعمیر کی اگرچہ چڑیا کے گھونسلے ایسی ہو، حالانکہ کوئی مسجد چڑیا کے آشیانے جتنی نہیں ہوتی، لیکن مبالغہ مقصود ہے یا اس سے مراد سربراہ اور خلیفہ اکبر کا نائب ہے، ورنہ غلام، سربراہ اور امیر نہیں ہوتا، باقی احادیث کا مطلب بھی یہی ہے، ناک اور کان کٹا بھی اس لیے فرمایا کہ تاکید مقصود ہے، یعنی غلام جو حقیر اور بے وقعت ہو (یا یہ مطلب ہے کہ وہ غلام بزور بازو تسلط حاصل کرے ۔)

۱۲ قادری

٣٤٩٣ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِيْبَةٌ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایسا حبشی غلام، عامل مقرر کر دیا جائے جس کا سر ایسا ہو گویا کہ منقی ہے[1]۔

(بخاری)

[1] اس کا سر اتنا چھوٹا ہو جیسے منقی، حبشیوں کا سر بہت چھوٹا ہوتا ہے، سر کے چھوٹا ہونے اور پنڈلی کے باریک ہونے میں ان سے تشبیہ دی جاتی ہے، بعض علماء نے کہا ایسا شخص مراد ہے جس کا سر گنجی (اور پلپلا) ہو، بعض نے کہا کہ کم عقل مراد ہے۔

٣٤٩٤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَ كَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَ لَا طَاعَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر سننا اور حکم[1] بجالانا واجب ہے خواہ وہ کام اسے پسند ہو یا ناپسند[2]، جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے پس جب اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو اس حکم کا نہ تو قبول کرنا لازم ہے اور نہ ہی اس کی تعمیل ضروری ہے۔

(صحیحین)

[1] سربراہ کا حکم

[2] وہ کام اس کی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف۔

٣٤٩٥ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیکی میں ہے۔

(صحیحین)

۵ وہ اچھا کام جو شریعت میں معلوم ہو۔

۳۴۹۶ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَ الْيُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَكْرَهِ وَ عَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى عَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَ عَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَ فِي رِوَايَةٍ وَ عَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبادہ بن صامت[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی، حکم کے سننے اور فرمانبرداری پر، تنگی اور فراخی، خوشی[۲] اور ناخوشی[۳] میں اور اس صورت میں جب دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے[۴] اور اس بات پر کہ ہم اقتدار کے بارے میں اقتدار کے اہل سے جھگڑا نہیں کریں گے[۵]۔ اور ہم حق بات کہیں گے جہاں بھی ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی راہ[۶] میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم اقتدار کے سلسلے میں اس کے اہل[۷] سے نہیں جھگڑیں گے، مگر یہ کہ تم کھلا ہوا کفر[۸] دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل ہو[۹]۔ (صحیحین)

۱ حضرت عبادہ بن صامت مشہور صحابی ہیں ان کے احوال کئی بار لکھے جا چکے ہیں۔

۲ المنشط میں کے نیچے زیر، خوشی۔

۳ المکرہ میم اور راء دونوں پر زبر، غمی۔

۴ اثرۃ پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، ایثار مصدر کا اسم ہے، منتخب کرنا، علینا سے مراد یا تو انصار کی جماعت ہے یا عام مراد ہے جو انصار اور مہاجرین صحابہ کرام کو شامل ہے، پہلا مطلب زیادہ مناسب ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی، پس تم اس پر صبر کرنا یعنی عطیات، عہدوں اور حقوق میں ایک جماعت کو تم پر ترجیح دی جائے گی اور یہ بات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کے امراء کے دور میں واقع ہوئی اور انصار کرام نے صبر کیا۔

۵ یعنی اقتدار جن لوگوں کے سپرد کیا جائے گا ان سے جنگ نہیں کریں گے، ان کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے۔

ان کے خلاف نہ کچھ کہیں گے اور نہ کریں گے ـــــــــــــ یعنی دنیا کے امور اور سلطنت کے احکام میں، جہاں تک احکام دین اور حق شریعت کا تعلق ہے تو ہم خاموشی اختیار نہیں کریں گے اور مداہنت نہیں کریں گے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

؁ دین اور حق بات کے معاملے میں۔

؁ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سربراہوں اور والیان مملکت سے جھگڑا نہ کرو۔

؁ بواحا با پر زبر اور واؤ مخفف، بوح کا معنی ہے ظاہر ہونا باحۃ الدار، گھر کے صحن کو کہتے ہیں، ایک روایت میں واؤ کی جگہ را ہے براحا، اس کا معنی ہے ظاہر و باہر، براح ایسی فراخ زمین کہ اس میں نہ درخت ہوں اور نہ کھیتی ہو گویا کفر سے مراد احکام کفر اور گناہ مراد ہیں، حقیقت کفر مراد نہیں ہے۔

؁ قرآن پاک کی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت جس میں تاویل نہ کی جا سکے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ فسق اور ظلم کی بنا پر معزول نہیں ہوتا، اسے جدا کرنا اگر فتنہ وفساد کے ابھارنے کا باعث ہو تو اسے جدا نہیں کرنا چاہیے اور اگر اس کے بغیر ممکن ہو تو اسے معزول کرنا اولیٰ اور اصلح ہے۔

٣٤٩٧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت، حکم کے سننے اور اطاعت پر کرتے تو آپ ہمیں فرماتے کہ اس کام میں جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ (صحیحین)

سلہ یا تو یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے رخصت اور اجازت ہے کہ جہاں تک تعمیل تمہارے بس میں ہے کرو یا یہ تاکید اور تشدید ہے کہ جہاں تک تعمیل کر سکتے ہو کرو اور کوتاہی نہ کرو۔

٣٤٩٨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو صبر کرےلے، کیوں کہ جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہوا پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

جَاهِلِيَّةً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

لہ اطاعت کے ترک کرنے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے میں جلدی نہ کرے۔

لہ اور مسلمانوں کے متفقہ امر سے روگرداں ہوا۔

۳۲۹۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ أَوْ يَدْعُوا لِعَصَبِيَّةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي بِسَيْفِهِ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اطاعت سے نکلا اور جماعت سے جدا ہوا پھر وہ مرگیا تو جاہلیت کی موت مرا اور جس نے اندھے جھنڈے لہ کے نیچے جنگ کی کہ وہ تعصب کی بنا پر ناراض ہوا یا اس نے تعصب کی طرف بلایا یا تعصب کی امداد کی پھر وہ قتل کیا گیا تو وہ جاہلیت کا مارا جاتا ہے اور جو شخص میری امت کے خلاف تلوار لے کر نکلا اس کے نیک و بد کو قتل کرتا ہوا اور اس نے امت کے مسلمانوں کو قتل کرنے سے اجتناب نہ کیا اور صاحب عہد کے عہد لہ کا پاس نہ کیا تو وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لہ عمیۃ میں کے نیچے زیر اور اس پر پیش، میم مشدد کے نیچے زیر اور یا مشدد، وہ کام جو مشتبہ ہو اور اس کا معاملہ معلوم نہ ہو، یہ مشتق ہے تعمیہ بمعنی تلبیس سے، اس لفظ کی تحقیق کتاب القصاص کی فصل ثانی کے آخر میں حضرت طاؤس کی حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے ——— یعنی یہ جانے بغیر جنگ کرے کہ کون سا فریق حق پر ہے اور کون سا باطل پر۔

لہ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اظہار کرکے ——— عصبیت کا معنی ہے کسی جماعت کو ظلم میں

مدد دینا، لفظ عصبیت کا معنی وہ خصلت ہے جو عصبہ کی طرف منسوب ہو اور عصبہ آدمی کی قوم (جماعت ، پارٹی) کو کہتے ہیں جس کے لیے وہ تعصب اختیار کرتا ہے، تعصب کہتے ہیں حمایت کرنے کو اور کسی کی برائی کا دفاع کرنا جس کی رعایت تمہیں لازم ہے یا تم نے خود اپنے ذمہ لازم کر رکھی ہے یہ مشتق ہے عصابہ سے، وہ پٹی جو سر اور زخم پر باندھی جاتی ہے۔ یا مشتق ہے عَصَبْ سے انسانی بدن کا ایک عضو (پٹھا) جو سخت اور مضبوط ہوتا ہے ——— قِتْلَۃٌ قاف کے نیچے زیر، ایک قسم کا قتل۔

سے عہد کا معنی ہے امان، تاکید، قسم، نصیحت،

۳۵۰۱ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ لَا مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ أَلَا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَأْتِيْ شَيْئًا مِّنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِيْ مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ).

حضرت عوف بن مالک اشجعی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے بہترین سربراہ وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہوں، تم ان کے لیے دعائے رحمت کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہوں[2]، اور تمہارے بدترین سربراہ وہ ہیں جنہیں تم دشمن جانتے ہو، اور وہ تمہیں دشمن جانتے ہوں[3]، تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں[4]۔ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں ہم[5] نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہم انہیں پھینک نہ دیں[6]؟ فرمایا، نہیں، جب تک وہ ائمہ تم میں نماز قائم رکھیں، نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں[7]، سنو! جس شخص پر کوئی والی مقرر کیا جائے پھر وہ اسے کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی اس نافرمانی کو برا جانے جس کا ارتکاب کر رہا ہے اور اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

(امام مسلم)

[1] حضرت عوف بن مالک صحابی ہیں، پہلے پہل جنگ خیبر میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یعنی تم ایک دوسرے کے احوال کی حفاظت کی دعا کرتے ہو، مطلب یہ کہ بہترین سربراہ وہ ہیں جو عدل و انصاف اختیار کرتے ہیں اور امور سلطنت و معیشت میں اصلاح کرتے ہیں، اس لیے تمہارے اور ان کے درمیان امان کا تعلق پیدا ہو گیا ہے اور محبت، رضامندی اور خیر خواہی کا رشتہ مضبوط ہو گیا ہے ——— بعض شارحین نے صلوٰۃ سے مراد نماز جنازہ لی ہے۔

۳؎ جیسے کہ پہلی صورت میں باہمی محبت رکھتے تھے۔

۴؎ جیسے کہ پہلی صورت میں دعائے رحمت کرتے تھے۔

۵؎ یعنی صحابۂ کرام۔

۶؎ یعنی باہمی معاہدے کو توڑ دیں اور ان سے جنگ نہ کریں؟ ——— نبذ کا معنی ہے ہاتھ سے پھینک اور دور پھینکنا۔

۷؎ دوبارہ ارشاد فرمایا ——— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا ترک کرنا، معاہدہ پھینک دینے اور ان کی اطاعت ترک کر دینے کا موجب ہے، کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور ایمان و کفر میں فرق کرنے والی ہے، برخلاف باقی گناہوں کے، اس جگہ نماز کے ترک کرنے پر شدید ترین زجر و توبیخ ہے۔

۳۵۰۱/۱۱ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا اَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا لَا مَا صَلَّوْا اَىْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر ایسے حکمران ہوں گے کہ تم ان کے کچھ افعال کو جانو گے اور کچھ کا انکار کرو گے[۱]۔ تو جس نے انکار کیا وہ بری ہو گیا[۲]۔ اور جس نے کمروہ جانا وہ بچ گیا[۳] لیکن جو راضی اور پیروکار ہوا[۴]۔ صحابہ نے عرض کیا تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں۔ نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں یعنی جس نے دل سے برا جانا اور دل سے انکار کیا[۵]۔

(مسلم)

۱؎ یعنی ان کے کچھ کام معروف ہیں اور کچھ منکر، معروف کا معنی مشروع ہے یعنی اس فعل کا وجود شریعت میں پہچانا جاتا ہے اور منکر کا معنی ہے غیر شرعی یعنی وہ شریعت میں پہچانا نہیں جاتا۔

۔۔۲ جس نے زبان سے ان کے منہ پر انکار کیا اور کہا کہ یہ فعل غیر شرعی ہے پس تحقیق وہ مداہنت اور منافقت سے بیزار اور پاک ہو گیا۔

۔۔۳ جو زبان سے تو انکار نہ کر سکا، لیکن دل سے اس فعل کو برا جانتا، وہ گناہ اور وبال میں شریک ہونے سے بچ گیا، اسے ضعیف ترین ایمان فرمایا گیا ہے۔

۔۔۴ جو دل سے راضی ہوا اور اس نے اس غیر شرعی کام کو برا نہ جانا اور ان کے ساتھ موافقت کی، یعنی نہ زبان سے انکار کیا اور نہ دل سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ گویا وہ اس کام کے کرنے میں شریک ہے، اور جو اس کام کے کرنے میں پیروی کرے وہ بلا شبہ شریک ہے، اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ شارحین نے اس کلام کی اسی طرح تفسیر کی ہے ایک دوسری روایت میں صراحۃً آگیا ہے۔ مَنْ اَنْكَرَ بِلِسَانِهٖ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ اَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ فَقَدْ سَلِمَ جس نے زبان سے انکار کیا وہ بری ہو گیا اور جس نے دل سے انکار کیا وہ بچ گیا

۔۔۵ یہ راوی نے تفسیر کی ہے اس فرمانِ عالی کی وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ۔

۳۵۰۲ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ
۱۲
قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ اَثَرَةً وَّ اُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَدُّوْا اِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عنقریب تم ہمارے بعد دوسروں کو ترجیح[۱] دینا اور ایسے امور دیکھو گے جن کا تم انکار کرو گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: ان کا حق انہیں ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو[۲]۔

(صحیحین)

۔۔۱ جیسے کہ اس کا بیان حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اَثَرَةً پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس حدیث میں شارحین نے ہمزہ پر پیش اور ثاء کے سکون کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔

۔۔۲ یعنی تم اپنی طرف سے حکمرانوں کے حقوق، مثلاً اطاعت، تعمیل اور امداد ادا کرو اور اگر وہ تمہارے حق میں کوتاہی کریں تو صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو کہ وہ تمہیں جزا عطا فرمائے۔

۳۵۰۳ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ
۱۳
قَالَ سَاَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ

حضرت وائل بن حجر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمہ بن یزید جعفی[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الْجُعْفِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا اُمَرَاءُ يَسْئَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَ يَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَ عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! یہ فرمائیں کہ اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو آپ کا ہمارے لیے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: تم سنو اور اطاعت کرو کیونکہ جس چیز کے وہ مکلف ہیں وہ ان کے ذمہ اور تم جس چیز کے مکلف ہو وہ تمہارے ذمہ۔

(امام مسلم)

سلہ وائل بن حجر پہلے حا مضموم، اس کے بعد جیم ساکن، مشہور صحابی ہیں، یمن کے بادشاہوں میں سے تھے۔ آکر مشرف باسلام ہوئے اور عزت و کرامت پائی۔

سلہ سلمہ بن یزید جعفی جیم پر پیش، عین ساکن، صحابی ہیں کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، بعض محدثین نے کہا یزید بن سلمہ لیکن پہلی بات (سلمہ بن یزید) زیادہ صحیح ہے۔

سلہ یسئلونا اور یمنعونا دونوں میں نون مشدد ہے۔

سلہ یعنی عدل اور احسان۔

سلہ یعنی خوش دلی سے سننا اور تعمیل کرنا ـــــــــ تحمیل کسی پر بوجھ رکھنا۔

۳۵۰۳/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ وَ مَنْ مَاتَ وَ لَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(مسلم)

سلہ امام کی اطاعت سے انکار کر دیا اور بیعت کو توڑ دیا۔
سلہ یعنی ایمان کی دلیل۔

۳۵۰۵/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَآءُ کُلَّمَا هَلَكَ مِنْهُمْ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَآءُ فَیَکْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَیْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَآئِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کا سیاسی انتظام[۱] انبیاء کرام کیا کرتے تھے، ان میں سے کسی نبی کا وصال ہو جاتا تو دوسرے نبی ان کے جانشین ہوتے اور تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہیں، خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا، پھر آپ کا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: پہلے اول کی بیعت کو پورا کرو[۲] پھر اس کے بعد والے کی، ان کو ان کا حق دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے اس چیز کے بارے میں پوچھے گا جس کی نگہبانی پر انہیں مقرر فرمایا تھا۔[۳] (صحیحین)

سلہ سیاست، کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور امر و نہی کے ساتھ کسی کے معاملے کا مالک ہونا۔
سلہ فو فا پر پیش، واؤ ساکن، صیغہ امر ہے، یعنی وفا کرو ــــــــ اول اس لیے فرمایا کہ وہ بعد میں آنے والے کی نسبت پہلا ہے، مطلب یہ کہ ایک کے بعد دوسرا خلیفہ ہوگا، اسی طرح وہ یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے، تم بھی اسی ترتیب سے ان کی بیعت کرو گے، وفا کرو گے اور بیعت نہیں توڑو گے، مقصد یہ ہے کہ بیعت پہلے کے لیے ہے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔
سلہ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے رعایا کے حق کے بارے میں پوچھے گا، پس تمہارا حق بھی ان میں شامل ہوگا۔

۳۵۰۶/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دونوں میں سے بعد والے کو قتل کر دو۔[۱] (مسلم)

لہ اور پہلے کو باقی رکھو، یعنی دوسرے سے جنگ کرو یہاں تک وہ حکم الٰہی کی طرف لوٹ آئے یا مارا جائے کیونکہ وہ باغی ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ جنگ سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیعت فسخ کر دی جائے اور اسے کمزور کر دیا جائے۔ جیسے کہ کہتے ہیں کہ شراب کو قتل کر دیا یعنی پانی وغیرہ ملا کر اس کی تندی اور تیزی کو ختم کر دیا۔

۳۵۰۷/۱۷ وَعَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّهُ سَيَكُوْنُ هَنَاتٌ وَّ هَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُّفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَّنْ كَانَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عرفجہ لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق عنقریب فتنے اور فسادٌ پیدا ہوں گے، تو جو شخص اس امت کے معاملے کو بکھیرنا چاہے حالانکہ امت متفق سے ہو تو اس پر تلوار کا وار کرو، چاہے وہ کوئی بھی ہو ۴۔ (مسلم)

لہ عرفجہ عین پر زبر، راء ساکن، اور جیم کے ساتھ، یہ وہی صحابی ہیں کہ کلاب کے دن ان کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی، مگر اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سونے کی ناک لگوا لو، اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب اللباس کے باب الخاتم میں بیان کیا ہے۔

ٹہ ہنات جمع ہے ہنۃ کی اور وہ مونث ہے ہنٌ کی اور جس چیز کو قباحت اور شناعت کی بنا پر صراحۃً ذکر نہ کیا جا سکے اسے بطور کنایہ ذکر کرنے کے لیے لفظ ہنٌ استعمال کیا جاتا ہے۔

سہ اور ایک بات پر جمع ہو۔

۴ہ اگرچہ وہ سب لوگوں سے زیادہ شرافت اور علم والا ہو اور تم اسے سب سے زیادہ لائق امامت جانو، لیکن چونکہ فتنہ و فساد اور تفریق امت کا باعث ہے اس لیے لائق گردن زدنی ہے۔

۳۵۰۸/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَتَاكُمْ وَ أَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُرِيْدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تمہارے پاس اس حال میں آئے لہ کہ تمہارا معاملہ ایک شخص ٹہ پر متفق ہو، وہ چاہے کہ تمہاری لاٹھی پھاڑ دے سہ یا تمہاری جماعت

يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو بکھیر دے ع تو اسے قتل کر دو۔ (مسلم)

سلہ تمہیں بغاوت کی دعوت دے۔

سلہ یعنی ایک خلیفہ۔

سلہ یہ کنایہ ہے پارہ پارہ کر دینے اور جماعت سے جدا ہونے سے، گویا جماع ایک لاٹھی کی حیثیت رکھتا ہے جو لوگوں کو ایک امر پر متفق رکھتا ہے اور تفریق اس لاٹھی کو پاش پاش کر دینے کے مترادف ہے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ راوی کا شک ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اول کا مطلب دنیا کے معاملے میں پارہ پارہ کرنا ہو اور ثانی سے احکام دین میں جدا جدا کرنا مراد ہو۔

۳۵۰۹ / ۱۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ اٰخَرُ يُنَازِعُهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْاٰخَرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سربراہ کی بیعت کی، اسے اپنے ہاتھ کا عقد سلہ اور دل کا پھل سلہ دیا تو اگر طاقت سلہ ہو تو اس کی اطاعت کرے، پھر اگر دوسرا کوئی اس سے جھگڑتا ہے سلہ تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔ (مسلم)

سلہ صفق، بیع اور بیعت میں اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر مارنا۔

سلہ یعنی صمیم قلب سے عہد کرتا ہے، یا دل کے پھل سے مراد مال ہے، بعض شارحین نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ اپنے بیٹوں سمیت اس کی بیعت کرتا ہے۔

سلہ یعنی طاقت کے مطابق اطاعت کرے۔

سلہ پہلے امام کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور خود امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے عہ۔

عہ اس طرح کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے خوارج کہتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی اس لیے وہ واجب القتل تھے (معاذ اللہ) یزید کی حکومت کے قائم ہونے کے لیے اہل حل وعقد (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

۳۵۱۰ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ[۵۰] قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے[۵۱] روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم حکومت طلب نہ کرو، کیونکہ اگر مانگنے پر تمہیں حکومت دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے[۵۲] اور اگر مانگے بغیر تمہیں حکومت دی گئی تو اس پر تمہاری امداد کی جائے گی[۵۳]۔ (صحیحین)

[۵۱] عبد الرحمٰن بن سمرۃ سین پر زبر، میم پر پیش، عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے صحابی ہیں، انہیں عبد شمس کی نسبت سے ابو سعید عبشمی کہتے ہیں، فتح مکہ کے دن اسلام لائے، معافی یافتہ حضرات میں سے تھے، سجستان اور کابل کو فتح کیا اور ابھی وہیں تھے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ دگرگوں ہوگیا۔

[۵۲] تاکہ تم اس کی ذمہ داریاں پوری کرو، حالانکہ حکومت، مشکل ترین کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی امداد کے بغیر نبھایا نہیں جاسکتا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ تمہیں تمہارے نفس اور تمہاری قوت وطاقت کے حوالے کر دیا جائے گا۔

[۵۳] یعنی اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم تمہارے شامل حال ہوگا، تمہاری امداد کرے گا اور تمہیں عدل وانصاف اور فرائض حکومت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۳۵۱۱ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ[۵۴] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کا تائیدی ووٹ ضروری تھا، جن میں سے امام حسین نے اس کے حق میں ووٹ نہیں دیا اور اس کی بیعت نہیں کی لہذا اس کی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی، اس کے خلاف بغاوت کا کیا معنی؟ ابھی حدیث میں گزرا ہے کہ جو شخص تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ تمہارا معاملہ ایک شخص پر جمع ہو، یزید کی حکومت میں مسلمان جمع ہی نہیں ہوئے تھے، حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بھی بیعت نہیں کی، امام حسین کے ووٹ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کربلا میں ان کے مقابل بائیس ہزار کا لشکر جرار جمع کر دیا جاتا ہے، پھر اہل کوفہ نے بھی اس وقت بیعت نہیں کی تھی جبکہ ان کے خطوط امام کی خدمت میں آرہے تھے۔ اس لیے امام عالی مقام کے بارے میں یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ مسلمان ایک شخصیت پر مجتمع تھے اور امام ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کوفہ آئے تھے ۱۲ شرف قادری۔

قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَ سَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَ بِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بے شک تم عنقریب حکومت کی حرص رکھو گے، حالانکہ وہ قیامت کے دن ندامت ہوگی، اچھی حکومت دودھ پلانے والی اور بری حکومت دودھ چھڑانے والی ہے[1]۔

(بخاری)

[1] حکومت کے ابتدائی دور کی لذت و حلاوت کو تربیت اور مہربانی میں اس عورت سے تشبیہ دی جو بچے کو دودھ پلاتی ہے اور انجام کار کی تلخی اور سختی کو اس عورت سے تشبیہ دی جو بچے کا دودھ چھڑا دیتی ہے (یعنی حکومت کی ابتداء بڑی لذت آگیں اور کیف آور اور اس کا انجام بڑا خوفناک، مسٹر بھٹو اور محمد ضیاء الحق کی تازہ مثال ہمارے سامنے ہے ۱۲ قادری)۔

۳۵۱۲/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِيْ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِيْ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَ اِنَّهَا اَمَانَةٌ وَ اِنَّهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِزْيٌ وَّ نَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَ اَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَهٗ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّيْ اَرَاكَ ضَعِيْفًا وَ اِنِّيْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ لَا تَاَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَ لَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے حاکم کیوں نہیں بنادیتے[1]؟ فرماتے ہیں آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا[2] پھر فرمایا: ابوذر! تم کمزور[3] ہو اور حکومت امانت[4] ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت ہے، سوائے اس شخص کے جس نے اسے اس کے حق کے ساتھ حاصل کیا[5] اور اس میں جو ذمہ داریاں[6] اس پر عائد ہوتی ہیں وہ ادا کیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہیں فرمایا! ابوذر! ہم تمہیں کمزور دیکھتے ہیں[7] اور ہم تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتے ہیں جو ہمیں اپنے لیے پسند ہے[8] تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا[9] اور نہ یتیم کے مال کا متولی نہ بننا۔

(مسلم)

[1] تاکہ میں عدل کروں اور اس کا ثواب پاؤں۔

سلہ یا تو حکومت کے مطالبے سے منع کرنے اور روکنے کے لیے یا ان کے حال پر شفقت و عنایت فرماتے ہوئے تاکہ وہ انکار پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہو جائیں۔ صراح میں ہے منکب، کاف کے نیچے زیر، ہاتھ اور بازو کی جڑ (کندھا)

سلہ اس میں اشارہ ہے کہ ارباب طاقت و ہمت کے لیے حکومت مکروہ نہیں ہے۔ عدل اور نظم مملکت کا ثواب بڑا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہ تجرید اور زہد کے راہی تھے، امور دنیا کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے اور دنیا کے بوجھ برداشت کرتے تھے، ان کا یہ مطالبہ اور حکومت کی درخواست عجیب ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس وقت زہد اور تجرد کی نسبت، کمال کو نہیں پہنچی تھی، آخر میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت شریفہ کی برکت سے یہ نسبت کمال کو پہنچ گئی یا ان کا یہ سوال عدل کے اجر و ثواب کے کمال اشتیاق پر مبنی تھا۔

حکایت ا۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ گجرات (ہند) میں حضرت شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل میں یہ بات آئی کہ عدل و انصاف کا ثواب بے شمار ہے۔ اگر یہ ثواب حاصل ہو جائے تو غنیمت ہے، اس نیت سے کچھ عرصہ منصب عدالت حاصل کرنا چاہیے نیز تجربہ کرنا چاہیے کہ باطن کے حضور اور جمعیت کے ساتھ شغل دنیا جمع ہوتا ہے یا نہیں، سلطان محمود گجراتی آپ کا بہت ہی معتقد اور تابع فرمان تھا اسے یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اس بات کو کارخانہ حکومت کے لیے غنیمت اور سعادت جانا چنانچہ حضرت شیخ نے داروغہ کا منصب اختیار کر لیا اور کچہری میں بیٹھنے لگے۔ آپ کے کچھ خدام اور حاضر باش لوگوں نے رشوت لینا شروع کر دیا، بادشاہ کو اطلاع ملی کہ شیخ اس تقویٰ و دیانت کے باوجود رشوت لیتے ہیں اور افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں، بادشاہ نے اس بات پر یقین نہ کیا تو خبر دینے والوں نے کہا کہ وہ جماعت جو ہمیشہ شیخ کے ساتھ ہوتی ہے وہ رشوت لیتی ہے شیخ کو اس کا علم ہے اور وہ اسے برداشت کر رہے ہیں، جب شیخ نے سنا کہ بادشاہ کو اس قسم کی اطلاعات پہنچائی گئی ہیں تو کچھ وقت انہوں نے اصلاح کی کوشش کی۔ آخر دیکھا کہ معاملہ نہیں سدھرتا، ایک دن عدالت کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اپنا عصا اٹھایا اور دوستوں کو السلام علیکم کہہ کر تشریف لے گئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ دونوں کام جمع نہیں ہوتے، خدا کرے کہ عاقبت بخیر ہو۔

سلہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے اور اس میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

شہ جیسے کہ اس کے شایان شان ہے۔

سلہ مثلاً عدل و انصاف اور احسان۔

شہ کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔

شہ (یعنی اگر ہم ضعیف ہوتے تو ہم بھی حکومت و سلطنت اختیار نہ فرماتے، چونکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت دی ہے کہ قوت و حکومت دین و دنیا کو سنبھال سکتے ہیں۔ اس لیے ہم نے یہ قبول کی، لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض

نہیں ۱۲ (مراۃ)

۵ ؎ تاکہ وہ بدون تعلق امیر ہونا ـــــ تولّٰی اپنے ذمہ کام لے لینا

۳۵۱۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِیْ عَمِّیْ فَقَالَ اَحَدُھُمَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاکَ اللّٰہُ وَقَالَ الْاٰخَرُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّا وَ اللّٰہِ لَا نُوَلِّیْ عَلٰی ھٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَاَلَہٗ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَہٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو چچازاد بھائیوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ان دونوں میں سے ایک نے عرض کی یارسول اللہ! ہمیں کچھ ان کاموں پر امیر بنا دیجئے جن کی ولایت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، دوسرے نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم اس کام ؎ پر اس شخص کو مقرر نہیں کریں گے جو اس کا مطالبہ کرے یا اس کی خواہش رکھے، ایک دوسری روایت میں ہے ہم اپنے کام پر اس شخص کو عامل مقرر نہیں کریں گے جو اس کا طلب گار ہو ؎۔

(صحیحین)

؎ دین اور شریعت کے کام پر۔

؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جو شخص کسی عہدے کا مطالبہ کرتا اسے وہ عہدہ عطا نہیں فرماتے تھے کیونکہ عہدے کی درخواست سے خواہش اور نفسانیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ عطا فرمانے سے انکار نہ تھا بلکہ درحقیقت شفقت کرم اور احسان تھا۔

۳۵۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ اَشَدَّھُمْ کَرَاھِیَۃً لِھٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْہِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کچھ بہترین لوگوں کو اس کام ؎ سے سخت نفرت رکھنے والے پاؤ گے، یہاں تک کہ وہ اس میں واقع ہو جائیں ؎۔

(صحیحین)

لہ یعنی حکومت و اقتدار کے کام ——— مطلب یہ ہے کہ جو شخص حکومت کے قبول کرنے کو سخت ناپسند رکھتا ہے تم اسے بہترین انسان جانتے اور سمجھتے ہو۔

سلہ اور جب وہ اس کام میں واقع ہو جائے تو تمہاری نظر میں وہ بہترین انسان نہیں رہتا، بلکہ بدترین انسان قرار پاتا ہے (سبحان اللہ! انسانی نفسیات کا کس قدر گہرا تجزیہ ہے ۱۲ قادری)

۵۳۱۵/۲۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ فَالْإِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَّ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَ الرَّجُلُ رَاعٍ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَ الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَ وَلَدِهٖ وَ هِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَ عَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! تم سب چرانے والے[۱] ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، پس بادشاہ جو لوگوں کا سربراہ[۲] ہے وہ محافظ ہے، اس سے اس کی رعایا[۳] کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے، اس سے اس کی رعیت[۴] کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی محافظ ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مرد کا غلام اپنے آقا کے مال[۵] کا محافظ ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا[۶]۔ خبردار! تم سب محافظ ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(صحیحین)

لہ اور اپنی رعیت کی حفاظت کرنے والے ہو ——— رَعْیٌ چرنا، چرانا نگاہ رکھنا، راعی چرانے والا نگاہ رکھنے والا۔ رعیت بروزن فَعِیْلَۃٌ، اصل میں اس کا معنی ہے وہ جسے چرایا گیا ہو، عام طور پر رعیت، اس جماعت کو کہتے ہیں جسے محافظ کی حفاظت اور نگاہ شامل ہو۔

سلہ اور عوام کے حال کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے۔

سلہ یعنی عوام الناس، جن کا وہ بادشاہ ہے۔

۴ یعنی اہل خانہ

۵ جو اس کے سپرد ہے۔

۶ کہ اس کی اچھی طرح حفاظت اور اس میں دیانت داری سے کام لیا یا نہیں؟ ——— علماء فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اعضاء اور حواس کا پاسبان ہے اور اس سے پوچھا جائے گا کہ انہیں کہاں استعمال کیا اور کس طرح استعمال؟ حدیث میں ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ پوچھے جانے کے معاملے میں یہ ظاہر بھی ہیں اور قریب بھی نیز ان چیزوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا جنہیں عرف عام میں رعیت سمجھا جاتا ہے۔

۳۵۱۶/۲۶ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ وَالٍ يَلِيْ رَعِيَّةً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَ هُوَ غَاشٌّ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمان رعایا کا والی ہو اور ان کے حق میں خیانت۲ کرتے ہوئے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا۳۔ (صحیحین)

۱ معقل میم پر زبر، عین ساکن، قاف کے نیچے زیر، ابن یسار یا پر زبر، سین مخفف، صحابی ہیں اور بیعت رضوان میں شامل ہوئے، بصرہ میں رہائش پذیر ہوئے، حضرت حسن بصری اور دیگر تابعین ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲ اور ان پر ظلم کرتے ہوئے ——— غش غین کے نیچے زیر، خیانت کرنا، اس کے مقابل نصح ہے جس کا معنی خیر خواہی ہے۔

۳ پہلے پہل جانے والوں کے ہمراہ جنت میں نہیں جا سکے گا۔ (ورنہ ہر مومن کبھی نہ کبھی وقت جنت میں جائے گا ۱۲ قادری)۔

۳۵۱۷/۲۷ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَّسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ	ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو رعایا کا بادشاہ بنا دے پھر وہ خیر خواہی کے ساتھ رعایا کی

يَحُطُّهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نگہبانی [۲] نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا [۳]۔
(صحیحین)

[۱] حضرت معقل بن یسار سے۔
[۲] حیط، نگاہ رکھنا، محفوظ کرنا۔
[۳] بہشت میں داخل نہ ہونے کو بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۵۱۸/۲۸ وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائذ بن عمرو [۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بدترین حکمران وہ ہیں جو ظلم کرتے ہیں [۲]۔
(مسلم)

[۱] عائذ بے نقطہ عین یا کے نیچے زیر، ذال نقطے والا، ابن عمرو صحابی ہیں، صاحب عزت و سخاوت تھے، بیعت رضوان میں شریک ہوئے، مزنی ہیں، بصرہ میں قیام پذیر ہوئے، حضرت حسن بصری اور دوسرے تابعین ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] حطم حا پر پیش، طا پر زبر، دونوں بے نقطہ، جو رعایا پر ظلم کرے اور ان پر رحم نہ کرے، یہ ماخوذ ہے حطم سے جس کا معنی توڑنا ہے، اصل میں ایک شخص کا نام تھا جو اونٹوں کی نگہبانی، انہیں چلانے، پانی پہ لانے اور وہاں سے واپس لے جانے میں سختی کرتا تھا، صراح میں ہے حطمہ بہت کھانے والا آدمی اور وہ جو چوپایوں پر رحم نہ کرے۔

۳۵۱۹/۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بنایا گیا [۱] پھر اس نے انہیں مشقت میں ڈالا [۲] تو اسے مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بنایا گیا، پھر اس نے ان پر مہربانی کی، تو اس پر مہربانی فرما۔
(مسلم)

لہ ایک روایت میں ہے وَلِیَ واؤ پر زبر، لام مخفف کے نیچے زیر، ولایت سے مشتق ہے۔ یعنی جو شخص والی بنا۔ وُلِّیَ واؤ پر پیش، لام مشدد، تولیت سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے والی بنانا۔
ٓکہ ظلم اور سرد مہری کی وجہ سے ——— صراح میں ہے شَقَّ کام کا کسی کے لیے مشکل ثابت ہونا، کہا جاتا ہے۔ شَقَّ عَلَیْهِ الْاَمْرُ، قاموس میں ہے شَقَّ عَلَیْهِ اسے کو مشقت میں ڈالا، معنی یہ ہوگا کہ اس والی نے انہیں مشقت میں ڈالا۔

۳۵۳۰/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِىْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عادل[1] حکمران اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نور کے منبروں پر ہوں گے، رحمت کاملہ والے رب کے دائیں ہاتھ کی جانب[2] اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں[3]، وہ حکمران جو اپنے فیصلے، اپنے اہل[4] اور اس چیز میں عدل کرتے ہیں جس کے وہ والی ہیں[5]۔ (مسلم)

لہ مُقْسِطٌ انصاف کرنے والا، مشتق ہے اقساط سے، قَاسِطٌ اس کی ضد ہے، یہ قسوط سے مشتق ہے جس کا معنی ظلم کرنا ہے، منابر جمع ہے منبر کی، مشتق ہے نبر سے جس کا معنی اٹھانا اور بلند کرنا ہے۔
ٓکہ منابر کی صفت ہے یا مقسطین کی، یہ کنایہ ہے بارگاہ الٰہی میں ان کی عظمت سے، کیونکہ جس کا مرتبہ بڑا ہو وہ دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے۔
ٓکہ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ کے مقابل ثابت ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے ——— اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ کا استعمال از قبیل متشابہات ہے، مراد قدرت اور غلبہ ہے۔
ٓکہ جوان کے متعلقین اور ماتحت ہیں۔ یا اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِىْ حُكْمِهِمْ میں حکمرانوں کا بیان ہے اور اَهْلِيْهِمْ میں اہل و عیال والوں کا بیان ہے کہ وہ بھی محافظ ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں گزرا۔
ٓشہ یا اس کا معنی ہے، اس چیز میں جس کے والی بنائے گئے ہیں،، مَا وَلُوْا دو طرح مروی ہے پہلا معنی اس وقت ہے جب واؤ پر زبر لام مخفف پر پیش پڑھیں (وَلُوْا) اور دوسرا معنی اس وقت ہے جب لام مشدد پر پیش ہو

(اور واو پر بھی پیش ہو، اس وقت یہ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہوگا (ڈلڑا) ۱۲ قادری) ۔

۳۵۲۱/۳۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِیٍّ وَّ لَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِیْفَةٍ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَحُضُّهٗ عَلَیْهِ وَ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالشَّرِّ وَ تَحُضُّهٗ عَلَیْهِ وَ الْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اور جسے بھی خلیفہ بنایا اس کے دو خصوصی دوست[1] ضرور تھے ایک دوست اسے نیکی کا حکم دیتا اور اس پر ابھارتا تھا[2] اور دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا اور اس پر ابھارتا تھا[3]۔ اور معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے[4]۔

(امام بخاری)

[1] بطانہ با کے نیچے زیر، دوست، دلی اور خاص آدمی۔ آدمی کا بطانہ وہ صاحب راز ہے جس کے ساتھ آدمی مختلف کاموں میں مشورہ کرتا ہے اصل میں بطانہ اس استر کو کہتے ہیں جو کپڑے کے اندر ہوتا ہے۔ دو خصوصی دوستوں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہے وہ دونوں آدمی کے اندر ثابت ہیں، پہلا نیکی کا حکم کرتا ہے اور دوسرا برائی کا جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[2] یہ فرشتہ ہے۔

[3] یہ شیطان ہے۔

[4] یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نیز بعض خلفاء کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

۳۵۲۲/۳۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قَیْسُ بْنُ سَعْدٍ مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْاَمِیْرِ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس طرح تھے جیسے پولیس[1] والے امیر کے لیے۔

(بخاری)

لہ صاحب الشرط نقطے والی شین پر پیش، را پر زبر، پہلا سپاہی جو جنگ کو حاضر ہوا اور جانبازی کے لیے مقرر کیا گیا ہو، امرار اور حکمرانوں کی جماعت جو نشانیاں رکھتی ہے جن کے ساتھ وہ پہچانی جاتی ہے، شرط کا معنی علامت ہے (جیسے اشراط ساعت، علامات قیامت کو کہتے ہیں ۱۲ قادری) "شرط" کا واحد شُرطہ ہے پہلے حرف پر پیش، اسے شرطی (سپاہی) بھی کہتے ہیں، شرطی کی را رساکن ہے جیسے ترکی، را پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں جیسے جُہَنِی، وہ شخص جو امیر کے سامنے کھڑا ہو، تاکہ اس کے احکام داور امر کو نافذ کرے، وہ لشکر کشی بھی کرتا ہے، صراح میں ہے شرطی را ر ساکن، کوتوال ——— حضرت قیس بن سعد، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسی مرتبہ پر فائز تھے، دربار رسالت میں کھڑے رہتے تھے اور احکام کی تعمیل کرتے تھے، ایک کو قید کرتے تھے، دوسرے کو پکڑ کر مارتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کو چاہیے کہ ایسا شخص اپنے پاس رکھے (جو اس کے احکام نافذ کرے اور یہ سنت ہے ۱۲ قادری)۔

۳۵۲۳/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَھْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَاَۃً۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی کہ فارس (ایران) والوں نے اپنے اوپر کسرٰی کی بیٹی کو ملکہ بنا لیا ہے لہ تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جو اپنے اوپر عورت کو حاکم مقرر کرے ٹہ۔ (بخاری)

لہ اور بادشاہت اس کے سپرد کر دی ہے۔

ٹہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت، حکومت کے لائق نہیں ہے عہ۔

عہ چند حوالے ملاحظہ ہوں: بخاری شریف (اصح المطابع، کراچی) ج ۲ ص ۶۲۷، جامع ترمذی (طبع کراچی) ج ۲، ص ۵۲ المستدرک (طبع بیروت) ج ۳ ص ۱۱۹، سنن کبریٰ للبیہقی (طبع بیروت) ج ۱۰ ص ۱۱۸۔ علاوہ ازیں امام طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ یَّمْلِکُ رَاْیَھُمْ اِمْرَاَۃٌ (مجمع الزوائد للہیثمی، طبع بیروت ج ۵ ص ۲۰۹) وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جن کی رائے کی مالک عورت ہو۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم عقل اور دین میں ناقص ہو، عرض کیا گیا وہ کیسے؟ فرمایا، عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۵۲۴/۳۴ عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَۃِ وَ الْھِجْرَۃِ وَ الْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّا اَنْ یُّرَاجِعَ وَ مَنْ دَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ مِنْ جُثٰی جَھَنَّمَ وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت حارث اشعری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں (۱) مسلمانوں کی جماعت کی پیروی کرنا[2] (۲) سننا (۳) طاعت کرنا[3] (۴) ہجرت[4] (۵) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا[5]۔ اور جو شخص ایک بالشت بھر جماعت سے باہر نکلا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا[6]۔ مگر یہ کہ لوٹ آئے جس نے لوگوں کو جاہلیت کے طریقے[7] پر بلایا وہ جہنم کی جماعت[8] سے ہے۔ اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔

(احمد، ترمذی)

لہ حارث اشعری صحابی ہیں، شامی صحابہ میں شمار کیے جاتے ہیں، انہوں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی اور اس کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

۲ہ قول، عمل اور اعتقاد میں، اس باب میں اصل، سلف صالحین یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اور حیض کی حالت میں نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔ ملخصًا (بخاری شریف) مجتبائی دہلی ج ۱ ص ۴۴) قرآن پاک میں ہے الرجال قوامون علی النساء (۴/۳۴) مرد عورتوں پر حاکم اور نگران ہے۔ عقائد نسفی میں ہے کہ امام کے لیے شرط ہے کہ وہ ولایت کاملہ مطلقہ کی اہلیت رکھتا ہو، اس کی شرح میں علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان، آزاد، عاقل و بالغ مرد ہو۔ مزید تفصیل کے لیے علامہ مفتی محمد اشرف القادری (گجرات) کا رسالہ امارۃ المراۃ ملاحظہ ہو۔

کی پیروی سب ہے۔

ﻫ۵۳ امراء اور علماء سے کلمۂ حق سننا اور ان کے موافقِ شریعت احکام کی تعمیل اور پیروی کرنا۔

ﻫ۵۴ فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت تھی، فتح مکہ کے بعد دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف اور گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت ہے ____ دارالکفر وہ جگہ ہے جہاں احکام شرعیہ کا نفاذ نہ ہو سکے۔

ﻫ۵۵ کافروں سے اور اپنے نفس سے۔

ﻫ۵۶ ربقہ قاف کے نیچے زیر، با ساکن، مقدار، شبر شین کے نیچے زیر، با ساکن، انگوٹھے کے سرے سے لے کر چھنگلی کے کنارے تک (بالشت) ربق را کے نیچے زیر، رسی، پھندے سمیت جس کے ساتھ دنبے اور بکری کو باندھتے ہیں۔ ربقہ، پھندہ ____ مگر یہ کہ لوٹ آئے اور توبہ کرے۔

ﻫ۵۷ بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد بلانا اور ندا کرنا ہے، کہتے ہیں کہ جب دشمن کسی شخص پر غالب آجاتے تو بلند آواز سے پکارتے اے آلِ فلاں! اے آلِ فلاں! لوگ ان کی امداد کو دوڑ پڑتے، خواہ بلانے والا ظالم ہوتا یا مظلوم۔

ﻫ۵۸ جثی جیم پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ جمع ہے، اس کا مفرد ہے جثوۃ جیم پر زبر، زیر، پیش تینوں پڑھ سکتے ہیں۔ وہ چیز جو جمع کی گئی ہو، صراح میں ہے جثوۃ مٹی کا ڈھیر، قاموس میں ہے جثوہ وہ پتھر جو جمع کیے گئے ہوں۔

۳۵۲۵/۳۵ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ اَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَّ هُوَ يَخْطُبُ وَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ اَبُو بِلَالٍ اُنْظُرُوْا اِلٰى اَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ اَبُو بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَانَ

زیاد بن کسیب عدوی[1] سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ابن عامر[2] کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، وہ خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، ابو بلال[3] نے کہا، ہمارے امیر کو دیکھو، فاسقوں کے کپڑے پہنتا ہے[4]۔ حضرت ابوبکرہ نے فرمایا، خاموش ہو جا[5]، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس نے اللہ تعالیٰ کی زمین میں تسلط حاصل کرنے والے بادشاہ[6] کی اہانت کی، اللہ تعالیٰ اسے

سُلْطَانَ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔

ذلیل کرے گا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)۔

(ترمذی) انہوں نے فرمایا، یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

ؔ۱ زیاد زاء کے نیچے زیر بن کسیب کاف پر پیش، اس کے نقطہ سین پر زبر، یا ساکن، آخر میں بار، عدوی بصری تابعی ہیں، تیسرے طبقے سے تعلق رکھنے والے، ثقہ اور مقبول الروایۃ ہیں۔

ؔ۲ عبداللہ بن عامر بن کریز کاف پر پیش، راء پر زبر، یا ساکن، آخر میں زاء، امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماموں تھے، ان کی پیدائش نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی۔ پیدائش کے بعد انہیں بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو آپ نے انہیں دم کیا اور ان کے منہ میں لعاب دہن ڈالا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی روایت ثابت نہیں ہے، حضرت عثمان غنی نے انہیں بصرہ اور خراسان کا والی مقرر فرمایا، کہتے ہیں کہ وہ سخی، کریم النفس اور وسیع المناقب تھے، خراسان، اصفہان، کرمان اور حلوان فتح کیا۔

ؔ۳ ابو بلال بن سعد تابعی ہیں اور ان کے والد حضرت سعد صحابی ہیں۔

ؔ۴ ظاہر یہ ہے کہ وہ نرم اور نفیس کپڑے تھے جو فضول خرچ قسم کے مال دار لوگ پہنتے تھے، لیکن وہ ایسے کپڑے نہیں تھے جنہیں پہننا حرام ہے جیسے کہ بظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس زمانے میں امراء کا حرام کپڑے پہننا بعید ہے، لہذا وہ کپڑے مراد ہیں جو فاسقوں کے حال اور ان کی روش کے لائق تھے، ایسے نہ تھے جن کا پہننا فسق ہے۔

ؔ۵ ابو بلال کو فرمایا۔

ؔ۶ سلطان کا معنی تسلط، سلطنت اور غلبہ ہے، اس کا اطلاق ایسے شخص پر کرتے ہیں جو یہ صفت رکھتا ہو، یعنی اگرچہ اُن کا اس قسم کے کپڑے پہننا برا ہے، لیکن تمہارا امیر کی توہین کرنا زیادہ برا اور زیادہ سخت ہے جس کا نقصان عوام الناس کو پہنچ سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ امیر نے اس قسم کے کپڑے اس مقصد کے تحت پہن رکھے ہوں کہ عوام الناس میں عزت اور ہیبت ظاہر ہو جیسے کہ بعض اکابر علماء نے اس طرح کیا ہے۔

$\frac{۳۵۲۶}{۳۶}$ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ

حضرت نواس بن سمعان ؔ۱ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

الْخَالِقِ۔ ہے [1]۔

(رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ) (شرح السنۃ)

[1] نواس نون پر زبر اور واؤ مشدد بن سمعان سین کے نیچے زیر اور اس پر زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، صحابی ہیں شام میں قیام پذیر ہوئے۔

[2] یعنی مخلوق کا کوئی فرد اگر گناہ کا حکم دے اگرچہ وہ امیر ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے اور اگر مجبور کر دے تو پھر وہ کام گناہ نہیں ہے۔ (اس صورت میں گناہ کا ذمہ دار حکم دینے والا ہوگا ۱۲ قادری)۔

۳۵۲۷/۳۷ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَمِيْرِ عَشَرَةٍ اِلَّا يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَغْلُوْلًا حَتّٰى يَفُكَّ عَنْهُ الْعَدْلُ اَوْ يُوْبِقَهُ الْجَوْرُ

(رَوَاهُ الدَّارِمِىُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو شخص دس افراد کا بھی حاکم ہو قیامت کے دن اسے اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا [1] یہاں تک کہ انصاف اسے رہائی دلا دے [2]۔ یا ظلم اسے ہلاک کر دے [3]۔

(دارمی)

[1] خواہ وہ عادل ہو یا ظالم

[2] اور طوق اس کی گردن سے جدا کر دے ——— فکٌّ، آپس میں پیوستہ دو چیزوں کو ایک دوسری سے جدا کر دینا۔

[3] یعنی حاکم کو ایک بار باندھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اس کے بعد اگر وہ عادل ہوا تو اسے نوازا جائے گا اور اگر ظالم ہوا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۳۵۲۸/۳۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاُمَرَآءِ وَيْلٌ لِّلْعُرَفَآءِ وَيْلٌ لِّلْاُمَنَآءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَجَلْجَلُوْنَ بَيْنَ السَّمَآءِ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلاکت ہے حکمرانوں کے لیے، ہلاکت ہے سرداروں [1] کے لیے ہلاکت ہے امانت داروں [2] کے لیے، قیامت کے دن بہت سے لوگ آرزو کریں گے کہ کاش ان کی پیشانیوں کے بال ثریا ستاروں کے ساتھ بندھے [3] ہوتے اور وہ زمین و آسمان کے

وَ الْاَرْضِ وَ اِنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلًا (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ) وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ اَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا يَتَذَبْذَبُوْنَ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلَمْ يَكُوْنُوْا عُمِّلُوْا عَلٰى شَيْءٍ۔

درمیان حرکت کر رہے ہوتے[4] اور انہوں نے کسی کام کی سرداری نہ لی ہوتی[5] (شرح السنۃ) امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا، ان کی روایت یں ہے کہ ان کی زلفیں ثریا سے بندھی ہوتیں، وہ زمین اور آسمان کے درمیان ہچکولے کھا رہے ہوتے اور انہیں کسی چیز پر حکومت نہ دی جاتی[6]

[1] عرفاء جمع ہے عریف کی، پہچاننے والا، قوم کا وہ نمائندہ جو حکمرانوں کے پاس قوم کی کارگزاری کی تعریف کرے۔ اسے نقیب کہتے ہیں جو رئیس (سربراہ) کا ماتحت ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے عریف، قوم کے رئیس کو کہتے ہیں۔ یا اس سے کم درجہ نقیب، عرافت پہلے حرف کے نیچے زیر، بروزن امارت، عریف ہونا۔

[2] امناء جمع ہے امین کی، وہ شخص جو یتیموں پر ان کے اموال کی حفاظت کے لیے مقرر کیا جائے، یا وہ شخص جسے مال کے خزانے اور صدقات پر امین مقرر کیا جائے، ان کے لیے ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام خفیہ طور پر پھسلنے اور بھٹکنے کی جگہ ہیں، ان میں قائم رہنا اور انصاف اختیار کرنا بہت مشکل ہے، ہاں اس شخص کے لیے آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حفاظت جس کے شامل حال ہو جائے۔

[3] انہیں دنیا میں دوسرے انسانوں کے مقابل، عزت، سرداری اور برتری حاصل تھی، اس کے بدلے جب ذلت و رسوائی اور عذاب دیکھیں گے تو یہ آرزو کریں گے ——— پیشانی کے بالوں کا کسی چیز سے متعلق ہونا، ذلت و خواری کے بیان کرنے کے لیے محاورہ ہے۔

[4] اور لوگ انہیں دیکھتے اور ان کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ کرتے۔

[5] اور اس میں تصرف نہ کیا ہوتا۔

[6] عملوا عین پر پیش، میم مشدد کے نیچے زیر، فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ تعمیل سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے سرداری دینا۔

۳۵۲۹/۳۹ وَعَنْ غَالِبِ نِ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

غالب قطان[1] ایک شخص[2] سے، وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعِرَافَۃَ حَقٌّ وَّلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عُرَفَآءَ وَلٰکِنَّ الْعُرَفَآءَ فِی النَّارِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

سرداری[۳] حق ہے اور لوگوں کو سرداروں سے کوئی چارہ نہیں، لیکن اکثر سردار، آگ میں ہوں گے[۴]۔ (ابوداؤد)

[۱] غالب قطان قاف پر زبر، بے نقطہ طا رشد دار، ثقہ تابعی ہیں، امام احمد نے فرمایا ثقہ ہیں، امام یحییٰ اور امام نسائی نے فرمایا، صادق اور صالح ہیں، وہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام شعبہ اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہ راوی مبہم ہے، اس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

[۳] عرافت عین کے نیچے زیر، عریف ہونا۔

[۴] کیونکہ وہ سرداری میں عدل و انصاف اور سچائی کو ملحوظ نہیں رکھتے، چونکہ سرداری کی شرطوں کا پورا کرنا مشکل ہے اس لیے وہ ہلاکت اور عذاب کے بھنور اور خطرے میں ہیں۔

۳۵۴۰ وَعَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ مِنْ اِمَارَۃِ السُّفَھَآءِ قَالَ وَمَا ذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اُمَرَآءُ سَیَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ مَنْ دَخَلَ عَلَیْھِمْ فَصَدَّقَھُمْ بِکِذْبِھِمْ وَاَعَانَھُمْ عَلٰی ظُلْمِھِمْ فَلَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ وَلَنْ یَّرِدُوْا عَلَیَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَّمْ یَدْخُلْ عَلَیْھِمْ وَلَمْ یُصَدِّقْھُمْ بِکِذْبِھِمْ وَلَمْ یُعِنْھُمْ عَلٰی ظُلْمِھِمْ

حضرت کعب بن عجرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: میں تمہیں بے وقوفوں کی حکومت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بے وقوفوں کی حکومت کیا ہے[۲]؟ فرمایا: میرے بعد کچھ امراء ہوں گے، جو لوگ ان کے پاس گئے اور ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کی، اور ان کے ظلم پر ان کی امداد کی[۳] تو وہ مجھ سے نہیں اور میں ان سے نہیں[۴]، اور وہ ہرگز حوض کوثر پر میرے پاس وارد نہیں ہوں گے[۵] اور جو ان کے پاس نہ گئے، ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور ان کے ظلم میں ان کی امداد نہ کی تو وہ مجھ

فَاُولٰٓئِكَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ یَرِدُوْنَ عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ (امام ترمذی، نسائی)

سلہ کعب بن عجرہ عین پر پیش، جیم ساکن، اس کے بعد را، ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ ان کے پاس ایک بت تھا جس کی وہ بہت تعظیم کرتے تھے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے دوست تھے، ایک دن حضرت عبادہ ان کی ملاقات کے لیے گئے، حضرت کعب کسی کام سے باہر گئے تو انہوں نے کمرے میں جاکر بت کو تیشے سے چکنا چور کردیا، کعب واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بت ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ انہیں سخت غصہ آیا، پہلے تو حضرت عبادہ کو گالیاں دینے کا ارادہ کیا، پھر ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر یہ بت کوئی فائدہ دے سکتا تو اپنی حفاظت ضرور کرتا، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور انصار کے حلیف بن گئے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ انصار میں سے تھے۔

سلہ یعنی یہ حکومت کب ہوگی؟ کیسے ہوگی؟ اور یہ کون لوگ ہوں گے۔

سلہ قول اور فعل سے۔

سلہ ان کا ہمارے ساتھ بیعت کا تعلق نہیں اور ہمارا ان کے ساتھ محبت کا تعلق نہیں ہے۔

سلہ حوض کوثر جو رحمت و نعمت کے فیضان کی خاص جگہ ہے۔ اس ارشاد میں ایمان کی نفی کی سخت وعید ہے لیکن مراد یہ ہے کہ وہ عزت و کرامت کے مقامات سے دور اور محروم ہوں گے۔

۳۵۳۱ / ۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِیَةَ جَفَا وَ مَنِ اتَّبَعَ الصَّیْدَ غَفَلَ وَ مَنْ اَتَی السُّلْطَانَ افْتُتِنَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ) وَ فِیْ رِوَایَةٍ اَبِیْ دَاوٗدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطٰنَ افْتُتِنَ وَ مَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِّنَ السُّلْطٰنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بادیہ نشینی اختیار کی وہ درشت خو ہوگیا، اور جو شخص ہمیشہ شکار کے پیچھے دوڑتا ہے غافل ہوگیا اور جو بادشاہ کے پاس آیا وہ فتنہ اور بلا میں ڈالا گیا۔ (احمد، ترمذی، نسائی) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے جس نے بادشاہ کو لازم پکڑا فتنے میں ڈالا گیا، اور کوئی بھی بندہ خدا جتنا بادشاہ

دُنُوًّا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْدًا۔ | کے قریب ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا۔

لہ گاؤں میں رہنے سے آدمی کا دل سخت ہو جاتا ہے، کیونکہ عام لوگوں سے زیادہ ملاقات نہیں ہوتی لوگوں کے جور و جفا کے دیکھنے اور ان سے خوف اور شرم محسوس کرنے سے دل نرم ہو جاتا ہے اور آدمی کی عادت اچھی ہو جاتی ہے (جب عوام سے زیادہ ملاقات نہیں ہوگی تو دل بھی نرم نہیں ہوگا) نیز علماء اور اہل خیر کی ہم نشینی بھی میسر نہیں ہوگی جو اچھے اخلاق کے سیکھنے کا ذریعہ ہے۔ شعر

دِہ مرو، دِہ مرد را احمق کند — سینہ را بے نور و بے رونق کند

گاؤں میں نہ جا کر گاؤں آدمی کو بے وقوف بنا دیتا ہے اور سینے کو نور اور رونق سے خالی کر دیتا ہے۔

لہ جو لہو و لعب اور محض دل خوش کرنے کے لیے شکار کرتا ہے وہ عبادتوں اور جماعتوں کے لازم پکڑنے سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جنگل میں وقت بسر کرتا ہے اور محبت و رحمت کی جگہوں سے دور رہتا ہے، یہ اس شخص کے لیے تنبیہ ہے جو شکار کے مشغلے میں منہمک ہو جاتا ہے اور اس کی نیت، حلال روزی کے کمانے کی نہیں ہوتی، ورنہ بعض صحابہ کرام نے شکار کیا ہے اور بلاشک و شبہ شکار حلال ہے، تاہم بعض شعراء نے کہا ہے۔

بشرع گرچہ حلال است از مروت نیست — ہلاک صید کہ او نیز چوں تو جاندار است

شریعت میں اگرچہ جائز ہے لیکن شکار کو ہلاک کرنا جوانمردی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی تیری طرح جاندار ہے۔

کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نفیس کبھی شکار نہیں کیا اور کسی کو اس سے منع بھی نہیں کیا۔

لہ ظالم و جابر بادشاہ کے پاس ——— وہ دین و دنیا کے اعتبار سے آزمائش اور فتنے میں واقع ہوگا۔

۳۵۳۲/۴۲ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَفْلَحْتَ يَا قُدَيْمُ اِنْ مُتَّ وَلَمْ تَكُنْ اَمِيْرًا اَوْ كَاتِبًا وَّلَا عَرِيْفًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت مقدام بن معدیکرب لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کندھوں پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: اے قدیم لہ! تم کامیاب ہوا گر تم اس حال میں فوت ہو کہ تم نہ تو امیر ہو، نہ منشی ہو لہ اور نہ سردار ہو لہ۔ (ابوداؤد)

سلہ مقدام میم کے نیچے زیر، بن معدیکرب کاف پر زبر، راء کے نیچے زیر، صحابی ہیں اور اہل شام میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی حدیث اہل شام میں پائی جاتی ہے۔ ۸۷ھ میں اکانوے سال کی عمر میں شام میں ان کا وصال ہوا
سلہ قدیم قاف پر پیش، دال پر زبر، مقدام کی تصغیر، زائد حروف (میم اور الف) حذف کر دیے گئے ہیں۔
سلہ کسی امیر کے منشی نہ ہو۔
سلہ عریف بروزن شریف، قوم کا وہ نمائندہ جو حکمران کے پاس عوام کے اوصاف بیان کرے۔

۳۵۳۳/۴۳ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ يَعْنِي الَّذِي يَعْشُرُ النَّاسَ.

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا یعنی جو لوگوں سے دسواں حصہ لیتا ہے۔

(احمد، ابو داؤد، دارمی)

سلہ عقبہ بن عامر صحابی ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔
سلہ مکس میم پر زبر، کاف ساکن، آخر میں بے نقطہ سین، مراح میں ہے مکس خراج، عشر، نقص اور ظلم کے معنی میں بھی آتا ہے۔
سلہ جو لوگوں سے ظلماً دسواں حصہ وصول کرتا ہے۔

۳۵۳۴/۴۴ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَإِنَّ أَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَأَشَدَّهُمْ عَذَابًا وَفِي رِوَايَةٍ وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ.

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کی بارگاہ میں قریب ترین مجلس والا، عادل بادشاہ ہو گا[1] اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند اور سب سے زیادہ سخت عذاب والا اور ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ بعید مجلس والا، ظالم بادشاہ ہو گا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ جو راہ راست پر قائم ہو، مقصد عدل کی فضیلت بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ عادل بادشاہ اس حیثیت سے دوسروں سے افضل ہے۔

۳۵۳۵/۴۵ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِھَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ النَّسَآئِیُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، افضل جہاد اس شخص کا قول ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے۔

(ترمذی،
ابوداؤد، ابن ماجہ)
امام احمد اور نسائی نے یہ حدیث حضرت طارق بن شہاب لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

لہ طارق بن شہاب صحابی ہیں، انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، لیکن انہوں نے بہت کم حدیثیں سنیں، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں ۳۳ یا ۳۴ غزوات میں شرکت کی سنہ ۸۲ھ یا سنہ ۸۳ھ میں وصال ہوا۔

۳۵۳۶/۴۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِالْاَمِیْرِ خَیْرًا جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ صِدْقٍ اِنْ نَّسِیَ ذَکَّرَہٗ وَ اِنْ ذَکَرَ اَعَانَہٗ وَ اِذَا اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ ذٰلِکَ جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ سُوْءٍ اِنْ نَّسِیَ لَمْ یُذَکِّرْہُ وَ اِنْ ذَکَرَ لَمْ یُعِنْہُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے سچا وزیر لہ عطا فرماتا ہے، اگر بادشاہ بھول جائے تو وہ اسے یاد دلائے اور اگر یاد کرے تو اس کی امداد کرے لہ اور جب اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھلائی کے ماسوا لہ کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے برا وزیر لہ عطا فرماتا ہے اگر بادشاہ بھول جائے تو وہ اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر یاد کرے تو اس کی امداد نہیں فرماتا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ) (ابوداؤد، نسائی)

لہ جو گفتار اور کردار میں صراط مستقیم پر چلنے والا ہو۔
لہ جس سے یادداشت میں زیادتی اور پختگی حاصل ہو۔
لہ یعنی برائی کا
لہ گفتار کا بھی برا اور کردار کا بھی برا۔
لہ اللہ تعالیٰ کو ــــــــ وزیر، مشتق ہے وزرت، واؤ کے نیچے زیر، جس کا معنی ہے بوجھ اور گناہ، وزیر بادشاہ کے بوجھ اٹھاتا ہے، اس کی امداد کرتا ہے اور گناہ میں اس کا شریک ہوتا ہے یا مشتق ہے وزر سے، واؤ پر زبر، جس کا معنی ہے پشت پناہ، اس معنی کی مناسبت ظاہر ہے۔

۳۵۲۷/۴۶ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاَمِیْرَ اِذَا ابْتَغَی الرِّیْبَۃَ فِی النَّاسِ اَفْسَدَھُمْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم لوگوں میں شک اور تہمت لہ ڈھونڈنے لگے تو انہیں تباہ کردے گا

(ابوداؤد)

لہ صراح میں ہے ریب شک ریبۃ پہلے حرف کے نیچے زیر، وہ چیز جو شک میں ڈالے، قاموس میں ہے الریب والریبۃ راء کے نیچے زیر، تہمت، نہایہ میں اس کا معنی شک بیان کیا ہے۔ بعض علماء لغت نے اس کا معنی شک اور تہمت بتایا ہے ــــــــ یعنی جب لوگوں پر شک وشبہ کی بنا پر تہمت لگائے، ان پر بدگمانی کرے اور اس بنا پر ان پر گرفت کرے تو ان کے احوال کے بگاڑ کا باعث بنے گا اور لوگ شدت کے ساتھ اس چیز کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے احوال کی تفتیش اور عیوب کی تلاش نہ کی جائے، اور حکم دیا کہ ان کے عیوب کی پردہ داری کرے اور گناہوں کو معاف کیا جائے۔

۳۵۲۸/۴۷ وَعَنْ مُعَاوِیَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّکَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَھُمْ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم لوگوں کے عیوب کے پیچھے پڑو گے لہ ۔ تو انہیں بگاڑ دو گے

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ (امام بیہقی، شعب الایمان)

ملے اور ان کی جاسوسی کرو گے ۱۲ء

۳۵۲۹ وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتُمْ وَ اَئِمَّةٌ مِنْ بَعْدِي يَسْتَأْثِرُوْنَ بِهٰذَا الْفَيْءِ قُلْتُ اَمَا وَ الَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اَضَعُ سَيْفِي عَلٰى عَاتِقِي ثُمَّ اَضْرِبُ بِهِ حَتّٰى اَلْقَاكَ قَالَ اَوَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَيْرٍ مِنْ ذٰلِكَ تَصْبِرُ حَتّٰى تَلْقَانِي. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؛ جب ہمارے بعد حکام اس فئی کو اپنے لیے مختص کرلیں[1] گے، میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھوں گا پھر وہ تلوار اس وقت تک چلاؤں گا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں[1]، فرمایا: کیا اس سے بہتر چیز کی طرف تمہاری راہنمائی نہ کروں؟ تم صبر کرنا یہاں تک کہ ہم سے مل جانا[2]

(ابوداؤد)

ملے استیثار، خود بخود کسی کام میں مشغول ہو جانا، فیء وہ مال جو کافروں سے جنگ کے بغیر حاصل کیا جائے جیسے خراج اور جزیہ، جنگ کرکے جو مال کافروں سے حاصل کیا جائے اسے غنیمت کہتے ہیں، فیئ کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اس کا پانچواں حصہ نہیں لیا جاتا. مال غنیمت کا پانچواں حصہ لیا جاتا ہے ۱۲

عہ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب خصوصی طور پر جناب معاویہ سے ہے چونکہ یہ آئندہ سلطان بننے والے تھے تو غیوب داں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی ان کو طریقہ سنت کی تعلیم فرمادی کہ تم بادشاہ بن کر لوگوں کے خفیہ عیوب نہ ڈھونڈا کرنا، درگزر اور حتی الامکان عفو وکرم سے کام لینا اور ہو سکتا ہے کہ روئے سخن سب کی طرف ہو کہ باپ اپنی جوان اولاد کو، خاوند اپنی بیوی کو آقا اپنے ماتحتوں کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے نہ دیکھے، خیال رہے کہ یہاں بلاوجہ کی بدگمانیوں سے ممانعت ہے ورنہ مشکوک اور بدمعاش لوگوں کی نگرانی کرنا سلطان کے لیے ضروری ہے. جاسوسی کا محکمہ ملک رانی کے لیے لازم ہے ۱۲ مرآۃ مختصراً۔

شارحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فیئ کا عام معنی مراد ہے جو دونوں کو شامل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ بیت المال میں ظلم کریں گے اور مسلمانوں کو ان کے حقوق نہیں دیں گے۔

۲ یعنی قتل کر دیا جاؤں اور اس عالم میں آپ تک پہنچ جاؤں، یا یہ مطلب ہے کہ اپنی عمر کے آخر تک جنگ کروں گا۔

۳ یعنی صبر کرنا اور خاموش رہنا کہ ترک تعلق اور تجرید کے اعتبار سے یہ کام تلوار چلانے سے بھی بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۵۴۰/۴۹ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ السَّابِقُوْنَ اِلٰى ظِلِّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الَّذِيْنَ اِذَا اُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوْهُ وَاِذَا سُئِلُوْا بَذَلُوْهُ وَحَكَمُوْا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے[1] تک پہلے پہنچنے والے کون ہوں گے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: وہ لوگ کہ جب انہیں حق دیا جائے تو اسے قبول کر لیں[2] اور جب اُن سے حق مانگا جائے تو دے دیں[3] اور لوگوں کے لیے ایسا ہی حکم کریں جیسا اپنے لیے کرتے ہیں۔

۱ اس سے یا تو عرش خدا کا سایہ مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا سایہ۔

۲ یعنی وہ عادل حکمران کہ جب کوئی شخص انہیں رعایا میں انصاف کرنے کے بارے میں کلمۂ حق کہے تو اسے قبول کر لیں۔

۳ بذل، لٹا دینا اور کسی چیز کو بچا کر نہ رکھنا۔

۴ یعنی جو اپنے لیے پسند کرتے ہوں دوسروں کے لیے وہی پسند کریں۔ ایسا نہ ہو کہ خود تو جو چاہیں کریں اور نفسانی خواہشات پوری کریں اور دوسروں پر سختی کریں۔

۳۵۴۰/۵۰ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ — حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثَۃٌ اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَحَیْفُ السُّلْطَانِ وَتَکْذِیْبٌ بِالْقَدَرِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں سے ڈرتا ہوں[۱] (۱) چاند کی منزلوں[۲] سے بارش کا طلب کرنا (۲) بادشاہ کا ظلم[۳] (۳) تقدیر کا انکار کرنا[۴]۔

(احمد)

[۱] کہ وہ ان چیزوں کو اختیار کرے گی اور گمراہی میں گرے گی۔

[۲] اَنْوَاء جمع ہے نَوْء کی پہلے حرف پر زبر۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے کھڑے ہونا اور گر پڑنا۔ اور اب چاند کی منزلوں کا نام ہے۔ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں۔ ہر مہینے میں چاند ان میں سے کسی نہ کسی منزل میں ہوتا ہے چاند کا کھڑے ہونا اور گر پڑنا یعنی طلوع اور غروب ہونا ان منزلوں میں ظاہر ہے۔ عرب، بارش کی نسبت ان منزلوں کی طرف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں فلاں منزل کی طرف سے بارش دی گئی ہے، احادیث میں اس بات سے ممانعت واقع ہوئی ہے۔ توحید کی حقیقت بیان کرنے اور شرک کا وہم دفع کرنے کے لیے اس پر لفظ کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

[۳] کہ سلاطین، عوام پر ظلم کریں گے اور عوام اس کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ اطاعت کے دائرے سے باہر نکل جائیں گے اور بغاوت کریں گے۔

[۴] یہ کہا جائے گا کہ تقدیر، بندوں کے افعال اور ان کے پیدا کرنے سے وابستہ ہے جیسے کہ قدریہ کا مذہب ہے۔

۳۵۴۱ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِتَّۃَ اَیَّامٍ اِعْقِلْ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا یُقَالُ لَکَ بَعْدُ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ السَّابِعُ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِیْ سِرِّ اَمْرِکَ وَعَلَانِیَتِہٖ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھ دن[۱] فرمایا، ابوذر! جو بات تمہیں بعد میں بتائی جائے گی[۲] اسے اچھی طرح سمجھنا، پھر جب ساتواں دن ہوا تو فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اور جب تم کوئی برا کام کر بیٹھو

وَ اِذَا اَسَأْتَ فَاَحْسِنْ وَ لَا تَسْأَلَنَّ اَحَدًا شَيْئًا وَّ اِنْ سَقَطَ سَوْطُكَ وَ لَا تَقْبِضْ اَمَانَةً وَّ لَا تَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

تو اس کے بعد اچھا کام بھی کرنا[3]، اور کسی سے کوئی چیز نہ مانگنا اگرچہ تمہارا چابک ہی گر جائے تم امانت قبضے میں نہ لینا[4]، اور دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا۔

(احمد)

[1] چھ دن یہی فرماتے رہے۔
[2] اس بات میں خوب غور و فکر کرنا جو ہم تمہیں بعد میں بتائیں گے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھ دن تک اس بات میں غور و فکر کی تلقین فرماتے رہے اور کوئی بات بیان نہیں فرمائی۔
[3] کہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم کسی سے برائی کر بیٹھو تو اس کے ساتھ نیکی کرو۔
[4] کہ اس کا بوجھ بھاری ہے اور اس کا ادا کرنا مشکل ہے۔

۳۵۴۲/۵۲ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّلِيْ اَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ اِلَّا اَتَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَغْلُوْلًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَدُهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ فَكَّهٗ بِرُّهٗ اَوْ اَوْبَقَهٗ اِثْمُهٗ اَوَّلُهَا مَلَامَةٌ وَّ اَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ وَّ اٰخِرُهَا خِزْيٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہے کوئی شخص کہ دس یا اس سے زیادہ کے معاملے کا حاکم بنے[1]، مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس حال میں لائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوں گے، اس کی نیکی اسے رہائی دے گی یا اس کا گناہ اسے ہلاک کر دے گا، حکومت کی ابتداء ملامت[2] ہے اس کا درمیان ندامت ہے[3] اور آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔ (احمد)

[1] وہ ظالم ہو یا عادل، نیک ہو یا بدکار۔
[2] وہ ہر طرف سے ملامت کے تیروں کا نشانہ بنتا ہے کہ اس نے ایسا کیا، اس نے ویسا کیا۔
[3] وہ سوچتا ہے کہ میں نے اسے کیوں اختیار کیا اور اپنے آپ کو مصیبت اور مشقت میں کیوں مبتلا کیا۔

۹ے دنیا میں اس وقت رسوائی اور شرمساری کو برداشت کرنا پڑتا ہے جب اسے معزول کیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں عذاب اور سزا کا سامنا ہوگا۔ قیامت کے دن کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ اس دن کی رسوائی بہت سخت ہوگی۔

۳۵۴۳/۵۳ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَا زِلْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ابْتُلِيْتُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ اگر تمہیں حاکم بنا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا[1] اور انصاف کرنا، فرماتے ہیں میں ہمیشہ یہی خیال کرتا رہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی بنا پر حکومت میں مبتلا ہوں گا۔[2] یہاں تک کہ میں مبتلا ہو گیا (احمد)

۱ے اور اس کے عذاب سے بچنا۔

۲ے خیال اور گمان اس لیے رہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ شک اور تردد کے ساتھ فرمایا تھا کہ اگر تمہیں حاکم بنا دیا جائے، عدل اور تقویٰ کی وصیت کرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا، حضرت امیر معاویہ کو ان دو صفتوں کا اپنی ذات میں پایا جانا بعید محسوس ہوا اس لیے انہوں نے خیال کیا کہ یہ حکومت، ابتلا اور امتحان کا باعث بنے گی اور سلامتی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ نہ ہوا جا سکے گا۔

بعض شارحین نے کہا کہ کلمہ اِن اس جگہ جزم کے معنی میں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقیناً معلوم تھا اور آپ نے واقع کے مطابق خبر دی تھی کہ یہ بات ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا آخر کار حکومت ان کے سپرد ہوگی، اور ظن علم و یقین کے معنی میں ہے۔

۳۵۴۴/۵۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِيْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْيَانِ رَوَى الْاَحَادِيْثَ السِّتَّةَ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر کی ابتدا[1] اور بچوں کی حکومت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، یہ چھ حدیثیں[2] امام احمد نے روایت کی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ کی حدیث امام بیہقی نے دلائل النبوۃ

حَدِیْثَ مُعَاوِیَۃَ فِی دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ) میں روایت کی ۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے سال سے ستر سال مراد ہیں تاکہ یزید کی حکومت کو شامل ہو، اس کی حکومت سنہ ۶۰ھ سے شروع ہوئی (حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ستر کی دہائی کی ابتداء سے پناہ مانگو ۱۲ اتا دری) جیسے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں سنہ ۶۰ھ کی حکومت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، چنانچہ ان کا وصال سنہ ۵۹ھ میں ہو گیا بچوں سے مروان کی اولاد مراد ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے قریش کے لڑکوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح کھیلتے ہوئے دیکھا، دوسری حدیث میں فرمایا: میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔ ان احادیث سے مراد بھی مروان کی اولاد ہے۔

سلہ فصل کی ابتداء سے لے کر اس جگہ تک

سلہ یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے غیب کی خبر دی ہے۔

۳۵۴۵ وَعَنْ یَحْیَی ابْنِ هَاشِمٍ عَنْ یُوْنُسَ بْنِ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ یُؤَمَّرُ عَلَیْكُمْ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

یحییٰ بن ہاشم سلہ، یونس بن ابی اسحاق سلہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے تم ہوگے ویسے ہی لوگ تم پر حاکم بنائے جائیں گے سلہ۔

(بیہقی)

سلہ مجھے یحییٰ بن ہاشم کا ذکر اس کتاب میں نہیں ملا۔

سلہ ابو اسحاق سبیعی سین پر زبر، ہمدانی، تابعی ہیں، کثرت سے نفلی نمازیں اور روزے ادا کرنے والے اکابر علماء اور مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔ بکثرت احادیث کے راوی ہیں، چند بار جہاد میں شریک ہوئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے کہ ان کی پیدائش ہوئی، اڑتیس صحابہ کرام سے احادیث کا سماع کیا۔ جن میں حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت اسامہ حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں وہ ثقہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ حسن بصری، ابن سیرین اور مجاہد کی روایت کردہ احادیث سے ان کی روایات احسن ہیں، ان سے امام اعمش، شعبہ، ان کے دو فرزند یونس، حفیدہ اور دونوں سفیان روایت کرتے ہیں سنہ ۱۲۶ھ یا ۱۲۹ھ میں

بچانوے سال کی عمر میں وصال ہوا۔

۵ یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے اچھے یا برے، ویسے ہی عادل یا ظالم حکمران تم پر مقرر کیے جائیں گے۔ مقصد امراء کی مذمت بیان کرنے سے منع کرنا ہے۔ ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا چاہیے اور اپنی ذات کی طرف کوتاہی کی نسبت کرنی چاہیے۔

۳۵۴۶/۵۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ السُّلْطٰنَ ظِلُّ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ یَاْوِیْ اِلَیْهِ کُلُّ مَظْلُوْمٍ مِّنْ عِبَادِهٖ فَاِذَا عَدَلَ کَانَ لَهُ الْاَجْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّةِ الشُّکْرُ وَاِذَا جَارَ کَانَ عَلَیْهِ الْاِصْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّةِ الصَّبْرُ۔ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! بادشاہ، زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے[۱]، ہر مظلوم[۲] بندہ اس کی پناہ لیتا ہے۔ جب وہ انصاف کرے تو اس کے لیے ثواب ہے اور رعایا پر شکر[۳] لازم ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اس پر گناہ کا بوجھ ہے اور رعیت پر صبر لازم ہے۔ (بیہقی)

۱ یہ کنایہ ہے بادشاہ کی عظمت شان، بارگاہ الٰہی کے ساتھ اس کے خصوصی تعلق، اس کے خلیفۃ اللہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی صفات، رحمت و رافت، قہر اور عزت کے ساتھ موصوف ہونے اور ایسے ہی دیگر امور سے سایہ پناہ اور آرام کی جگہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے غریبوں، مسکینوں اور مظلوموں کا پشت پناہ بنایا ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۲ جو دوسرے لوگوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوتا ہے۔

۳ اس نعمت کا۔

۳۵۴۷/۵۷ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن، بندگان خدا میں سے مرتبے کے اعتبار سے دوسروں سے زیادہ فضیلت

رَفِيْقٌ وَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

والا شخص، عادل اور نرم دل بادشاہ ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مرتبے والا شخص ظالم اور نامہربان[۱] بادشاہ ہے۔ (بیہقی)

[۱] خَرِق نقطے والی خاء پر زبر، راء کے نیچے زیر، خَرَق سے ماخوذ ہے جو نرم دلی کے مقابل ہے۔ اصل میں اس کا معنیٰ پھاڑنا اور ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔

۳۵۴۸/۵۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ اِلٰى اَخِيْهِ نَظْرَةً يُخِيْفُهُ اَخَافَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ قَالَ فِيْ حَدِيْثِ يَحْيٰى هٰذَا مُنْقَطِعٌ وَ رِوَايَتُهٗ ضَعِيْفٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے اپنے بھائی کی طرف اسے ڈرانے والی نظر سے دیکھا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ڈرائے گا[۱]۔ امام بیہقی نے یہ چاروں حدیثیں شعب الایمان میں روایت کیں، انہوں نے یحیٰی کی حدیث[۲] کے بارے میں کہا کہ یہ حدیث منقطع ہے اور ان کی روایت ضعیف ہے۔

[۱] یہ حدیث بادشاہ کی نسبت سے رعایا کو شامل ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان دینی اخوت موجود ہے اور اس صورت میں ڈرانا کامل بھی ہے اور قوی بھی۔

[۲] جو ابھی (ایک حدیث سے پہلے) گزری ہے۔

۳۵۴۹/۵۹ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِيْ يَدِيْ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِيْ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں بادشاہوں کا مالک[۱] اور ان کا بادشاہ ہوں[۲]، ان کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں۔

حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَ الرَّأْفَةِ وَ إِنَّ الْعِبَادَ إِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَ النَّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَ التَّضَرُّعِ كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ.

(رَوَاهُ أَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

تو میں ان کے بادشاہوں کے دل رحمت و محبت[۳] کے ساتھ ان کی طرف مائل کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ناراضگی اور انتقام[۴] کے ساتھ ان کے دل پھیر دیتا ہوں اور وہ انہیں بُرا عذاب چکھاتے ہیں[۵]، لہذا تم اپنے آپ کو بادشاہوں کے خلاف دعا کرنے میں مصروف نہ کرو، اپنے آپ کو ذکر اور عاجزی میں مصروف کرو تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کو کفایت کردوں[۶]۔

(حلیۃ الاولیاء، ابونعیم[۷])۔

[۱] اور سب میرے بندے اور مملوک ہیں۔

[۲] اور سب میرے محکوم اور میرے سامنے مجبور ہیں۔

[۳] رحمت کا معنی ہے بخشنا اور مہربان ہونا اور رأفت کا معنی ہے بخشنا اور بہت مہربان ہونا۔

[۴] سخط پہلے حرف پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، غصے ہونا، رضا کے مقابل، حدیث میں سین کی زبر اور آخر میں تاء کے ساتھ روایت ہے۔ نقمت پہلے حرف کے نیچے زیر، کسی پر عتاب لگانا، کام کا ناپسند رکھنا اور دشمنی کا انتقام لینا۔

[۵] سوم لغت میں اصل کا معنی ہے خریدار کو سامان دکھانا، تکلیف دینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

[۶] اور ان کا شر تم سے دفع کردوں۔

[۷] ابونعیم مشہور محدث ہیں اور حلیۃ الاولیاء ان کی مشہور تصنیف ہے۔

فائدہ جلیلہ (از مترجم)

درج ذیل سطور میں مختصر طور پر خلافت کی تعریف خلیفہ کی ذمہ داریاں، شرائط اور اس کے انتخاب کے اسلامی طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔

دین اسلام، ان قوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو دنیا اور آخرت میں انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کی کامیابی اور بھلائی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت مسلمہ کو ایسے امام کی ضرورت تھی جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے تمام لوگوں کو دین کی پیروی کا پابند کرے تاکہ ہر آدمی اپنی حد پر قائم رہے اور حق کے سامنے طاقتور اور کمزور، صاحب حیثیت اور عام آدمی یکساں ہوں، ایسا شخص دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلافت عامہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے احیاء دین میں یہ امور آئیں گے علوم دینیہ کا زندہ کرنا، ارکان اسلام، جہاد اور اس کے متعلق امور کا قائم کرنا، مثلاً لشکروں کا ترتیب دینا، مجاہدین کا وظیفہ مقرر کرنا اور مال غنیمت سے انہیں حصہ دینا، مقدمات کے فیصلے کرنا، حدود کا قائم کرنا، ظلم کا قلع قمع کرنا۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (ازالۃ الخفاء فارسی ص ۲)

امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب (علی الکفایہ) ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص مرگیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، (لیکن اگر امام شرعی مقرر کرنے کی قدرت نہ ہو تو امت مسلمہ معذور قرار دی جائے گی)۔ نیز امت مسلمہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امام کے تقرر کو اہم ترین واجب قرار دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے دفن سے پہلے اس مسئلے کو طے کیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ بہت سے واجبات شرعیہ امام پر موقوف ہیں اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے (شرح عقائد)۔

امام کے لیے کیا شرائط ہیں؟ عقائد نسفی اور اس کی شرح میں ہے کہ امام کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ولایت کاملہ مطلقہ رکھتا ہو یعنی مسلمان آزاد، عاقل و بالغ مرد ہو (شرح عقائد) کافر، غلام، پاگل اور نابالغ امام نہیں ہو سکتا، اسی طرح عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قوت فیصلہ اور شوکت اقتدار کی بنا پر مسلمانوں کے معاملات میں فیصلوں پر عمل درآمد کر سکے اور اپنے علم، عدل اور شجاعت کی بنیاد پر اسلامی احکام نافذ کر سکے، اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت اور ظالموں سے مظلوموں کی دادرسی کر سکے۔ اس کے علاوہ ایک اہم شرط یہ ہے کہ قریشی ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے سامنے یہ حدیث پیش کی، اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ تمام امام قریش میں سے ہوں گے کسی نے اس پر

انکار نہیں کیا، لہذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا خلیفہ کا انتخاب اور تقرر چار طریقوں سے ہو تا ہے۔

۱۔ اہل حل و عقد یعنی علماء، قضاۃ (جج صاحبان) امراء اور سر کردہ لوگ کسی اہلیت رکھنے والی شخصیت کی بیعت کریں، اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام شہروں کے اہل حل و عقد متفق ہوں کیونکہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔ البتہ ایک دو شخصوں کا بیعت کرنا بے فائدہ ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طریقے سے منعقد ہوئی (ازالۃ الخفاء)۔

پاکستان کے موجودہ پارلیمانی انتخابات کا طریقہ، مغربی ممالک سے درآمد کیا گیا ہے جس میں ہر عام و خاص کو ووٹ دینے کا حق ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، متقی ہو یا فاسق بلکہ مسلمان ہو یا کافر، یہاں مفتی اعظم، شیخ الاسلام اور سپریم کورٹ کے جج کے ووٹ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک چپراسی اور بھنگی کے ووٹ کی ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ مغربی جمہوریت میں ووٹ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اس طریقے کی تائید نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ خلیفہ عادل، مسلمانوں کے مفاد میں ایسے شخص کو نامزد کر دے جو شرائط خلافت کا جامع ہو اور عوام و خواص کو اس پر متفق کر دے اور وصیت کر دے کہ میرے بعد اس کی اطاعت کی جائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طریقے پر قائم ہوئی۔

۳۔ شورائی طریقہ، خلیفہ وقت، شرائط خلافت کی جامع ایک جماعت کو مقرر کر دے کہ وہ اپنے ارکین میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، چنانچہ خلیفہ کی وفات کے بعد وہ لوگ مشورے سے کسی ایک فرد کو منتخب کر لیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب اسی طریقے پر ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی کہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کر لیں۔

۴۔ غلبہ اور تسلط۔ خلیفہ وقت کی وفات کے بعد جامع شرائط ایک شخص، خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تالیف قلوب، دباؤ اور جنگ کے ذریعے لوگوں کی حمایت و تائید حاصل کر لیتا ہے اور خلیفہ بن جاتا ہے، ایسی صورت میں عوام الناس پر اس کے احکام کی تعمیل لازم ہے، بشرطیکہ اس کے احکام شریعت کے موافق ہوں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح کے بعد اسی طریقے پر منعقد ہوئی، یہ چاروں طریقے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بیان کیے ہیں۔

۱۲، شرف قادری

بَابُ مَا عَلَى الْوُلَاةِ مِنَ التَّيْسِيرِ

۲۷۷۔ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ آسانی فراہم کریں

حکام پر لازم ہے کہ رعایا کو سہولتیں فراہم کریں، اور مہربانی اور شفقت برتیں۔ وُلاۃ وادِ پر پیش، والی کی جمع، جیسے قاضی کی جمع قُضَاۃٌ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۵۵۰ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِهٖ فِیْ بَعْضِ اَمْرِهٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی کام پر بھیجتے تو فرماتے خوشخبری دو[1] اور متنفر نہ کرو[2]۔ سہولت فراہم کرو اور تنگی نہ دو[3]۔ (صحیحین)

[1] لوگوں کو اطاعت اور اچھے کام کرنے پر اجر و ثواب کی خوشخبری دو، تبشیر خوشخبری دینا۔

[2] گناہوں اور کوتاہیوں پر عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو بھگاؤ نہیں۔

[3] زکوٰۃ، خراج اور جھگڑے وغیرہ حقوق کے حاصل کرنے میں جب کہ وہ شرعی طریقے کے مطابق واجب کو ادا کر دیں۔

۳۵۵۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ سَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سہولت دو اور دشواری میں نہ ڈالو، لوگوں کو تسکین فراہم کرو[1] اور بھگاؤ نہیں (صحیحین)

لہ خوشخبری اور رحمت کے ساتھ۔

۳۵۵۲ / ۳ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَدَّهٗ اَبَا مُوْسٰی وَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَ تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے دادا حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن بھیجا اور فرمایا: آسانی فراہم کرو اور تنگی میں نہ ڈالو، خوشخبری دو اور بھگاؤ نہیں، ایک دوسرے کی بات ماننا اور اختلاف نہ کرنا لہ (صحیحین)

لہ شارحین نے فرمایا کہ مولف رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ ابن ابی بردہ سے روایت ہے لفظ ابن کی زیادتی کے ساتھ، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو بردہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادے ثقہ تابعین ہیں سے اور کوفہ کے قاضی ہیں۔ بعض علماء نے ان کا نام حارث، بعض نے عامر بیان کیا، بعض نے کہا کہ کنیت ہی ان کا نام ہے، جلیل القدر علماء میں سے تھے، اپنے والد ماجد، حضرت علی اور حضرت زبیر سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے صاحبزادے عبداللہ، یوسف، سعید اور بلال روایت کرتے ہیں، یہ حدیث حضرت سعید بن ابی بردہ کی روایت ہے جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ سعید بن ابی بردہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد یعنی ابو بردہ سے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے والد یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا۔ یہ سعید بن ابی بردہ بھی کوفی ہیں۔ ثقہ ہیں اور پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ جب ابن ابی بردہ اپنے والد حضرت ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں تو یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت ابو بردہ نے یہ حدیث روایت کی جواب لفظ جدہ اس بات کے مخالف ہے، اس صورت میں کہنا چاہیے تھا کہ ان کے والد کو بھیجا، جیسے کہ صحیح بخاری میں ہے، ہاں لفظ ابن موجود ہو تو باپ اور دادا کہنا دونوں طرح صحیح ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ باپ کا ذکر ہونا چاہیے دیکھو پیش نظر روایت میں حضرت ابو بردہ راوی ہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ان کے والد ماجد ہیں ۱۲ قادری۔

۳۵۵۳ / ۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْغَادِرَ یُنْصَبُ لَهٗ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُقَالُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن عہد توڑنے والے کے لیے جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں

هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

سلہ غدر، بے وفائی کرنا اکثر طور پر اس کا استعمال عہد کے توڑنے کے لیے ہوتا ہے۔

۳۵۵۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ يُعْرَفُ بِهٖ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جس کے ساتھ وہ پہچانا جائے گا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

سلہ وہ اس جھنڈے کے ذریعے مشہور ہوگا اور محشر کے میدانوں میں یہ جرم اس کی طرف منسوب ہوگا۔

۳۵۵۵ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ عِنْدَ اِسْتِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِّنْ اَمِيْرِ عَامَّةٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن ہر عہد شکن کی سرین[1] کے پاس ایک جھنڈا ہوگا ایک دوسری روایت میں ہے قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے برابر بلند ہوگا خبردار! عوام الناس کے بادشاہ کی غداری سے بڑا کوئی بدعہد نہیں[2]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ استِ ہمزہ کے نیچے زیر تین ساکن، سرین، مقعد، اور یہ قیامت کے دن اس کی توہین کے لیے ہوگا۔ کیونکہ وہ جھنڈا جرأت کے لیے ہوتا ہے وہ چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔

سلہ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں (۱) عوام کے بادشاہ سے مراد وہ بادشاہ ہے جو بادشاہی کا مستحق نہ ہو اور اہل حل وعقد امومن، متقی اور دین کا فہم رکھنے والے حضرات، کے مشورے کے بغیر محض عوام الناس کے دوٹوں اور ان کی آراء سے کرسی اقتدار پر مسلط ہو جائے، بلاشبہ یہ بڑی غداری ہے۔ کیونکہ اس میں خدا اور رسول کے عہد کو توڑتا ہے۔ کہ اپنے ذمہ وہ کام لے لیا جس کا وہ مستحق نہیں ہے، اور مستحق کو اس سے محروم کر دیا۔ اور مسلمانوں کے عہد کو بھی توڑتا ہے کہ مسلمانوں کے امام کے خلاف بغاوت کی، ان کی جانوں اور مالوں پر بزور بازو تسلط حاصل کیا اور

ان پر شفقت، نرمی اور آسانی فراہم کرنے کو ترک کیا، کیونکہ اس طرح مسلمان خون خرابے اور فتنہ وفساد میں واقع ہوں گے (۲) بعض شارحین نے کہا کہ امیر عامہ سے مراد، امام اعظم اور وقت کا بادشاہ ہے، مقصد یہ ہے کہ رعایا کے لیے امام کے عہد کو توڑنا، خصوصاً بادشاہ وقت سے عہد شکنی کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں فتنہ وفساد بڑا اور شدید ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۳۵۵۶ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَّلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَ خَلَّتِهِمْ وَ فَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَخَلَّتِهٖ وَ فَقْرِهٖ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَآئِجِ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَ لِاَحْمَدَ اَغْلَقَ اللّٰهُ اَبْوَابَ السَّمَآءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَ حَاجَتِهٖ وَ مَسْكَنَتِهٖ)

حضرت عمرو بن مرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ کو کہا[۲] کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مسلمانوں کے کسی کام پر مقرر فرمایا، اور وہ ان کی حاجت ضرورت اور فقر سے چھپ جائے[۳] تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، ضرورت اور فقیری کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دے گا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے لوگوں کی حاجتوں کے لیے ایک شخص کو مقرر کر دیا۔

(ابوداؤد، ترمذی)

امام ترمذی اور احمد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت اور مسکینی کے آگے آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔

[۱] عمرو بن مرہ، میم پر پیش، را مشدد، قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ اکثر غزوات میں حاضر ہوئے، شام میں قیام فرمایا، حضرت امیر معاویہ اور بعض نے کہا کہ عبدالملک کے زمانے میں رحلت فرمائی
[۲] ان کی حکومت اور بادشاہی کے زمانے میں۔
[۳] یعنی ارباب حاجات کی حاجتوں کو پورا نہ کرے۔

سلے یعنی اسے اس کے مطلب و مقصد سے دور فرما دے گا اور اس کی دعا قبول نہیں کرے گا۔ دُون کے تین معنی ہیں (۱) پست (۲) سوا (۳) نیچے، فوق (اوپر) کے مقابل ـــــ حاجت خلت نقطے والی خاء پر زبر، اور فقر کا قریب قریب ایک ہی معنی ہے۔ اور تکرار، تاکید کے لیے ہے یا حاجت سے معمولی اور ہلکی ضرورت مراد ہے خلت سے بھاری اور شدید حاجت مراد ہے، کیونکہ خلت مشتق ہے خلال (اندر، درمیان) سے، گویا یہ وہ حاجت ہے جو باطن کی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہے یا اختلال سے مشتق ہے، کہ وہ ایسی حاجت ہے جس کی وجہ سے کام خلل پذیر ہو گئے ہیں، اور فقر سے شدید ترین حاجت مراد ہے۔ کیونکہ یہ فقارہ سے مشتق ہے جس کا معنی ریڑھ کی ہڈی ہے، مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسی حاجت ہے جس نے اس کی کمر توڑ دی ہے، اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو، قول مشہور اس کے برعکس ہے۔

۳۵۵۷/۸ عَنْ اَبِي الشَّمَّاخِ الْاَزْدِيِّ عَنِ ابْنِ عَمٍّ لَهُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَتٰى مُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهُ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْ ذِي الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهُ اَبْوَابَ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ وَ فَقْرِهِ اَفْقَرَ مَا يَكُوْنُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

ابو الشماخ ازدی[1] اپنے چچا زاد بھائی سے روایت کرتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی تھے، وہ امیر معاویہ کے پاس گئے ان سے ملے اور بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو لوگوں کے کسی کام کا والی بنایا گیا، پھر اس نے مسلمانوں، مظلوم یا صاحب حاجت کے سامنے دروازہ بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اور محتاجی کے وقت اپنی رحمت کے دروازے اس کے آگے بند کر دے گا جب وہ انتہائی حد تک اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوگا (بیہقی)

سلے ابو الشماخ شین پر زبر، میم مشدد اور خاء نقطے والی۔ الازدی ہمزے پر زبر، زاء ساکن ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا، ظاہر ہے کہ وہ تابعی ہیں۔

۳۵۵۸/۹ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اَنَّهٗ كَانَ اِذَا بَعَثَ عُمَّالَهٗ شَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَّا تَرْكَبُوْا بِرْذَوْنًا وَّلَا تَاْكُلُوْا نَقِيًّا وَّلَا تَلْبَسُوْا رَقِيْقًا وَّلَا تُغْلِقُوْا اَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

روایت ہے کہ جب وہ اپنے حکام کو بھیجتے تو ان کو ان شرائط کا پابند کرتے تھے کہ تم ترکی گھوڑے[1] پر سوار نہ ہو، میدہ[2] نہ کھانا، باریک اور عمدہ کپڑا نہ پہننا اور لوگوں کی حاجتوں کے آگے اپنے دروازے بند نہ کرنا۔ اگر تم نے ان میں سے کوئی کام کیا تو تمہیں سزا[3] ملے گی پھر انہیں الوداع کہنے[4] کے لیے ساتھ چلتے

یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیں۔

[1] برذون باء کے نیچے زیر، راء ساکن اور نقطے والے ذال پر زبر، ترکی گھوڑا، عربی گھوڑے سے مختلف برذون کا معنی قہر اور غلبہ ہے، شارحین نے کہا کہ ممانعت کی وجہ فخر اور تکبر ہے۔ صرف عربی گھوڑے پر سواری کرنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

[2] جو آٹے کو کئی بار چھان کر حاصل کیا جاتا ہے۔ نقاوۃ پاکیزگی اور لطافت۔

[3] اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے زجر و توبیخ اور معزول کیے جانے کی سزا مراد ہو۔

[4] تشییع اور مشایعت کا معنی ہے الوداع کہنے کے لیے مسافر کے ہمراہ چلنا۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَآءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

۲۷۸۔ قضاء کے فرائض انجام دینا اور اس سے ڈرنا

اس باب میں بیان کیا ہے کہ قضا کا عمل کیسے انجام دیا جائے گا ؟ یعنی کتاب و سنت کے مقتضا کے مطابق اور حق کو تلاش کرنے کے لیے اجتہاد اور کوشش صرف کرنے سے ۔ نیز قضا سے ڈرنے اور اس کے اختیار کرنے سے گریز کرنے کا بیان ہوگا ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۵۵۹ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ[1] قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو بکرۃ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے ۔ (صحیحین)

[1] ابو بکرہ باء پر زبر، کاف ساکن، آخر میں تاء مشہور صحابی ہیں۔ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام نفیع ہے نون پر پیش اور فاء پر زبر ۔

۳۵۶۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَ اَخْطَأَ فَلَهٗ

حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور صواب کو پہنچے[1] تو اس کے لیے دو اجر ہیں[2] اور جب اجتہاد کر کے فیصلہ کرے اور خطا

اَجْرٌ وَّاحِدٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (صحیحین)

سلہ اور حکم کو اس طرح معلوم کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے۔

سلہ ایک اجر اجتہاد کا اور دوسرا حق کو پا لینے کا۔

سلہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب کو پہنچتا ہے اور ہر صورت میں اسے ثواب ملتا ہے، اس مسئلے کی تحقیق اپنی جگہ پر کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۵۶۱ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی اور حاکم بنایا گیا تو اسے چھری کے بغیر ذبح کیا گیا۔ سلہ

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

سلہ اس سے غیر معروف ذبح مراد ہے، جس میں بدن ہلاک نہیں ہوتا، دین ہلاک ہوتا ہے۔ کیونکہ اس طرح دائمی رنج، سخت بیماری اور لاعلاج درد میں مبتلا ہونا ہے جس کا انجام ہلاکت ہے، چھری سے ذبح کرنے میں تو ایک گھڑی کی تکلیف ہوتی ہے۔ قاضی بننے میں عمر بھر کا رنج بلکہ قیامت تک رہنے والی حسرت ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جسے قاضی بنایا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کے خبیث میلانات، ردی خواہشیں اور نفسانی ارادے مر جائیں کیونکہ وہ چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا ہے۔

۳۵۶۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَآءَ وَ سَاَلَ وُکِّلَ اِلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اُکْرِہَ عَلَیْہِ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے قضا کی طلب کی اور اس کا سوال کیا سلہ اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے گا سلہ اور جسے جبراً قاضی بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر

مَلَكًا يُسَدِّدُهُ .

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ایک فرشتہ اتارے گا جو اس کی گفتار اور کردار کو بہت درست کرے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ بادشاہ سے۔

لہ اس سے توفیق اور امداد و اعانت روک دی جائے گی، اور جب اسے اس کے نفس کے سپرد کیا گیا تو شر اور فساد پیدا ہوگا کیونکہ شر کا منبع نفس ہی ہے۔

۳۵۶۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَّاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاِثْنَانِ فِي النَّارِ فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ .

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہیں، ان میں سے ایک جنت میں اور دو دوزخ میں ہیں۔ جنتی وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے[1] اور اس کا فیصلہ کرے اور جو شخص حق کو تو پہچانے مگر فیصلے میں ظلم کرے[2] تو وہ آگ میں ہے اور جو شخص جہالت کی بنا پر لوگوں کے فیصلے کرے وہ بھی آگ میں ہے[3]۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ اسے معلوم ہو کہ حق اس طرف ہے۔

لہ یعنی دیدہ دانستہ حق کو پامال کرے، مزاج میں بے جور، سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور فیصلہ کرنے میں کسی پر ظلم کرنا۔

لہ کہ اس نے حق کے دریافت کرنے میں پوری کوشش نہیں کی۔

۳۵۶۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کا قاضی بننے کا

الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى يَنَالَهُ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

مطالبہ کیا یہاں تک کہ یہ مرتبہ حاصل کر لیا پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب ہوا تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب ہو اس کے لیے آگ ہے[1]

(ابو داؤد)

[1] ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ انصاف یا ظلم کے غلبے سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ ہو اور دوسرا بھی موجود ہو، کیونکہ حکم تو غالب کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن شارحین فرماتے ہیں کہ دونوں حالتوں میں مراد یہ ہے کہ ایسی کیفیت پیدا ہو جائے ایک دوسرے کے لیے مانع بن جائے اور دوسرے پر غالب آ جائے۔ یعنی انصاف اتنا طاقت ور ہو جائے کہ ظلم کا وجود ہی نہ رہے اور ظلم اتنا بڑھ جائے کہ عدل کا نام و نشان نہ رہے اسی طرح علامہ تورپشتی نے کہا ہے۔

۳۵۶۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ وَلَا اٰلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ الْحَمْدُ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا[1] تو فرمایا، جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا، اگر تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ پاؤ، عرض کیا میں اپنے قیاس سے اجتہاد[2] کروں گا اور[3] کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر دست اقدس[4] مار کر فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر تعریف ہے جس نے

لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

رسول اللہ کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی جسے رسول اللہ پسند کرتے ہیں[۵]۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

[۱] قاضی (جج) بنا کر۔
[۲] مراد اس میں ہے اجتہاد، قوت اور توانائی کو کام میں لانا۔
[۳] اجتہاد کرنے اور حق کو تلاش کرنے میں۔
[۴] ان کے دل کو قوی کرنے اور مزید علم کے فیضان کے لیے۔
[۵] یہ حدیث قیاس اور اجتہاد کے جائز ہونے کی دلیل ہے، جب کہ اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) قیاس کے منکر ہیں۔

۳۵۶۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِيْ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر ہوں اور مجھے فیصلہ کرنے کا علم نہیں[۱] ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت[۲] اور تمہاری زبان کو پختگی عطا فرمائے گا۔ جب دو شخص تمہارے پاس مقدمہ پیش کریں تو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرنا، یہاں تک کہ دوسرے کی بات سن لو کیونکہ یہ طریقہ فیصلے کے ظاہر ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے کسی فیصلے میں شک واقع نہیں ہوا[۳]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

لہ یہ مطلب نہیں کہ بالکل ہی علم نہیں، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت وسیع علم رکھتے تھے، ورنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں قاضی کیسے بناتے؟ اور انہیں فیصلے کرنے کے لیے کیوں بھیجتے؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً مقدمات کے فیصلے دینے میں مصروف نہیں تھے، اور انہیں مدعی اور مدعا علیہ کے کلام کا جواب دینے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو کسی معاملے میں فریب دے رہا ہو اور قاضی اور اس کے معاونین کو اس کا پتا نہ چلے ——— اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ دینے کا طریقہ بیان فرمایا۔

لہ اور تمہیں فیصلہ کرنے کا طریقہ اور اس کی کیفیت سے آگاہ فرما دے گا۔

لہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ علی مرتضیٰ تم میں سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أُمِّ سَلَمَةَ إِنَّمَا أَقْضِيْ بَيْنَكُمْ بِرَأْيِيْ فِيْ بَابِ الْأَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى.

ان شاء اللہ تعالیٰ ہم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے إِنَّمَا أَقْضِيْ بَيْنَكُمْ بِرَأْيِيْ ، بابُ الأَقْضِيَةِ وَ الشَّهَادَاتِ میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۵۷۶/۹ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ آخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَإِنْ قَالَ أَلْقِهِ أَلْقَاهُ فِيْ مَهْوَاةٍ أَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی حاکم[1] لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا[2] کہ ایک فرشتہ اس کی گردن کو پکڑے ہوئے ہوگا، وہ فرشتہ اس حاکم کا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا[3] پھر اگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے دوزخ میں پھینک دو تو وہ اسے ہلاکت کی جگہ[4] میں پھینک دے گا، چالیس سال[5] کی مسافت۔

اَلْبَيْهَقِيُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) ۔ (امام احمد، ابن ماجہ، شعب الایمان ۔ امام بیہقی)

سلہ خواہ وہ عادل ہو یا ظالم

سلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ۔

سلہ جیسے طوق اس شخص کے سر کو اوپر اٹھاتا ہے جس کے گلے میں پڑا ہوا ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم، فرشتے کے ہاتھ میں مقہور اور مغلوب ہوگا، جیسے طوق والے کا سر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہوتا ہے اور اس میں سر کو حرکت دینے کی طاقت نہیں ہوتی، یہ علامہ طیبی کی تقریر ہے، بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا، یعنی منتظر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے؟ جیسے کہ ان کارندوں کی عادت ہے جو مجرموں کو بادشاہ کے سامنے کھڑا کرتے ہیں اور ان کی گردن ناپتے ہیں اور بلند جگہ پر بیٹھے ہوئے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہیں کہ کیا حکم صادر ہوتا ہے، یہ مطلب آئندہ جملے کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے ۔

سلہ ہُوِیٌّ ہا پر پیش، واؤ کے نیچے زیر اور یا مشدد، گرنا۔ اصل میں یہ ہوا سے مشتق ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے ۔

سلہ خریف، ربیع کے مقابل ایک معین موسم کا نام ہے (خریف، موسم خزاں، ربیع بہار ۱۲ فاروی) چونکہ یہ موسم سال میں ایک بار ہی آتا ہے، اس لیے اس سے سال مراد لیتے ہیں، عربوں کے نزدیک سال کی ابتداء خریف (خزاں) سے ہے۔ چالیس سال سے مراد، اس گڑھے کی گہرائی بیان کرنے میں مبالغہ مقصود ہے، اس مدت کی تعیین مراد نہیں ہے ۔ مَهْوَاة تنوین کے ساتھ اور اس کے بغیر دو روایتیں ہیں، یہ ظالم حاکم کا بیان ہے عادل حاکم کے بارے میں حکم ہوگا کہ اسے جنت میں لے جاؤ، جیسے کہ کتاب الامارۃ والقضاء میں حضرت ابو امامہ کی حدیث میں گزرا، ہو سکتا ہے کہ اس جگہ حاکم سے مراد ظالم حاکم ہی ہو ۔

۳۵۶۸/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِي الْعَدْلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِىْ تَمْرَةٍ قَطُّ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن عادل قاضی پر ایسا وقت آئے گا کہ وہ آرزو کرے گا کہ کاش اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا سلہ ۔ (امام احمد)

سلہ دہشت، خوف اور بارگاہ عزت و ہیبت میں کھڑے ہونے کی وجہ سے۔

سلہ چھوہارہ جو حقیر اور معمولی چیز ہے ——— ظالم قاضی کا کیا حال ہوگا؟ جس نے کثیر اور بڑی بڑی چیزوں کے بارے میں فیصلہ کیا ہوگا۔

۳۵۶۹/۱۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِيْ مَا لَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطٰنُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاِذَا جَارَ وَكَلَهُ اِلٰى نَفْسِهٖ)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے[2] جب تک وہ ظلم نہ کرے جب اس نے ظلم کیا تو اس سے جدا ہو جاتا ہے[3] اور شیطان اسے لازم پکڑ لیتا ہے[4]۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔

سلہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، حضرت عبد اللہ، حدیبیہ، خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال تک مدینہ منورہ میں ہی رہے اس کے بعد کوفہ چلے گئے۔ آپ کوفہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔ آپ کا وصال ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں ہوا۔ احناف کہتے ہیں کہ وہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی امام اعظم ابو حنیفہ نے زیارت کی، اس وقت امام کی عمر چھ یا سات سال تھی ——— واللہ تعالیٰ اعلم۔

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور توفیق و تائید قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ ظلم نہیں کرتا۔

سلہ اور اپنا لطف اور توفیق اس سے روک دیتا ہے۔

سلہ اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

۳۵۷۰/۱۲ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ مُسْلِمًا وَّيَهُوْدِيًّا اِخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاَى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهٗ عُمَرُ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ

حضرت سعید بن مسیب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، آپ نے دیکھا کہ حق یہودی کا ہے، آپ نے اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا

بِالْحَقِّ فَضَرَبَهٗ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ وَ قَالَ وَ مَا يُدْرِيْكَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَ اللّٰهِ اِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّهٗ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ اِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكٌ وَّ عَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَ يُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَا دَامَ مَعَ الْحَقِّ فَاِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَ تَرَكَاهُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

یہودی نے آپ سے کہا خدا کی قسم! آپ نے حق[2] کے ساتھ فیصلہ فرمایا، حضرت عمر نے اسے درہ مارا[3] اور فرمایا، تجھے کس چیز نے بتایا[4]؟ یہودی نے کہا بخدا! ہم توراۃ میں دیکھتے ہیں کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے کی دائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے اور بائیں جانب ایک دوسرا فرشتہ، وہ دونوں اسے گفتار و کردار کی درستی فراہم کرتے ہیں اور اسے حق کی توفیق[5] دیتے ہیں جب تک وہ حق کے ساتھ رہے اور جب وہ حق کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر اوپر چلے جاتے ہیں[6]۔ (امام مالک)

[1] حضرت سعید بن مسیب اکابر اور متقدمین تابعین میں سے ہیں۔
[2] ہو سکتا ہے کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کی تائید، توفیق اور راہنمائی سے فیصلہ کیا اور اپنے ہم مذہب کی طرف مائل نہیں ہوئے۔
[3] دِرَّۃ دال کے نیچے زیر، راء مشدد، کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے خوش طبعی اور شفقت کے طور پر درہ مارا تھا جیسے کہ عام عادت ہے، قہر و غضب سے نہیں مارا تھا کہ اسے تکلیف دیتا۔
[4] اور تجھے کیسے معلوم ہوا؟ کہ یہ حق کے ساتھ فیصلہ تھا۔
[5] کسی کو کسی کام میں امداد دینا۔
[6] اور توفیق اس سے واپس لے لیتے ہیں۔

$\frac{3571}{13}$ وَعَنِ ابْنِ مَوْهِبٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَ تُعَافِيْنِيْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ وَ مَا تَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

ابن موہب[1] سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر کو فرمایا: تم لوگوں میں فیصلے کیا کرو، انہوں نے عرض کیا امیر المومنین! آپ مجھے معاف رکھیں، فرمایا تم اس سے گریز کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ آپ

وَ قَدْ کَانَ اَبُوْکَ یَقْضِیْ فَقَالَ لِاَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ کَانَ قَاضِیًا فَقَضٰی بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِیِّ اَنْ یَّنْقَلِبَ مِنْهُ کَفَافًا فَمَا رَاجَعَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَایَةِ رَزِیْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا اَقْضِیْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ کَانَ یَقْضِیْ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ لَوْ اَشْکَلَ عَلَیْهِ شَیْءٌ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَشْکَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ سَاَلَ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ اِنِّیْ لَا اَجِدُ مَنْ اَسْاَلُهٗ وَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِیْمٍ وَّ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِیْذُوْهُ وَ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَجْعَلَنِیْ قَاضِیًا فَاَعْفَاهُ وَ قَالَ عُثْمَانُ. لَا تُخْبِرْ اَحَدًا.

کے والد فیصلے کیا کرتے تھے؟ عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو قاضی بنے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تو وہ اس لائق ہے کہ اس سے برابر برابر لوٹے۔ اس کے بعد انہوں نے انہیں یہ بات نہیں کہی۔ (ترمذی)

امام رزین کی روایت میں ہے کہ حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان غنی کو کہا کہ اے امیر المومنین! میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا، انہوں نے فرمایا: آپ کے والد تو فیصلے کیا کرتے تھے، عرض کیا کہ میرے والد کو کوئی مشکل پیش آتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے، اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش آتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ لیتے، اور میں کوئی ایسی شخصیت نہیں پاتا جس سے دریافت کروں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی، اس نے عظیم ذات کی پناہ مانگی اور یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اسے پناہ دو اور میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی بنا دیں۔ امیر المومنین نے انہیں معاف کر دیا اور فرمایا: کسی کو نہ بتانا۔

سلہ ابن موہب میم پر زبر، واؤ ساکن، ہا پر زبر، ان کا نام عبداللہ ہے، تابعی ہیں اور صادق، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے فلسطین کے قاضی تھے۔

سلہ یعنی زمانہ خلافت سے پہلے بھی۔

سلہ نہ فائدہ حاصل کرے اور نہ نقصان، اسی طرح نہ ثواب پائے اور نہ عقاب۔

سلہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے یہ بات اپنے والد ماجد سے سنی ہو گی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! میں خلافت سے صاف بچ جاؤں کہ مجھے کوئی فائدہ ہو اور نہ نقصان ــــــــ کفاف کاف پر زبر، یہ کف سے جس کا معنی ہے رک جانا اور روک دینا۔ یعنی میں اس سے باز رہوں وہ مجھ سے باز رہے، اور ہم دونوں ایک دوسرے سے محفوظ اور سلامت رہیں۔

سلہ حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام۔

سلہ دو سے زیادہ کے درمیان فیصلہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سلہ فیصلے کے سلسلے میں۔

سلہ یعنی ایسی شخصیت جس کی بات پر مجھے جزم اور یقین ہو کہ وہ صحیح ہے، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔

سلہ جس سے کوئی دوسرا بڑا نہیں ہے۔

سلہ اور اسے پریشان نہ کرو۔

سلہ اور انہیں قاضی بننے کی تکلیف نہ دی۔

سلہ یہ گفتگو جو میرے اور آپ کے درمیان ہوئی ہے، تاکہ دوسرے لوگ آپ کی بات سن کر قاضی بننے سے انکار ہی نہ کر دیں اور اس طرح یہ نظام ہی معطل ہو جائے ــــــــ بعض نسخوں میں ہے لا تحبو نون اور جیم کے ساتھ، یعنی میں کسی کو مجبور نہیں کرتا اور کسی پر دباؤ نہیں ڈالتا کہ وہ ایسا کام کرے جس میں اس کو فائدہ ہو۔

بَابُ رِزْقِ الْوُلَاةِ وَهَدَايَاهُمْ

۲۷۹۔ حکام کی روزی اور ان کے تحائف

یعنی والیانِ ریاست کو بیت المال سے ان کے لیے اور ان کے اہل وعیال کے لیے خوراک، لباس، رہائش اور سواری وغیرہ دی جائے گی، لوگ جو تحائف انہیں دیتے ہیں، ان کا حکم آئندہ احادیث سے ظاہر ہو جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۵۷۲/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں از خود تمہیں نہیں دیتا اور نہ ہی منع کرتا ہوں، میں قاسم ہوں، جہاں مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں رکھتا ہوں[1]۔ (بخاری)

[1] میں اسے دیتا ہوں جسے دینے کا مجھے حکم ہوتا ہے۔ وہ چیز جس کے دینے یا نہ دینے کی بات ہو رہی ہے یا تو مال ہے یا تبلیغ وحی اور علم احکام، یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علم وفہم عطا فرماتا ہے، دینے والا وہ ہے، اس کی تقسیم میرے ہاتھ میں ہے۔

۳۵۷۳/۲ وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت خولہ انصاریہ[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق واقع ہوتے ہیں[3]، قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ (بخاری)

سلہ خولہ نقطے والی خاء پر زبر، واؤ ساکن انصاریہ صحابیہ ہیں، خولہ نام کی دو صحابیہ ہیں خولہ بنت ثامر تین نقطے والی ثاء کے ساتھ اور خولہ بنت ثعلبہ، حضرت اوس بن صامت کی بیوی، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ دوسری مراد ہیں۔

سلہ یعنی بیت المال میں تصرف کرتے ہیں اور زکوۃ اور مال غنیمت، امام کی اجازت کے بغیر اور اپنے معاوضے سے زیادہ لیتے ہیں۔

۳۵۷۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُنَةِ اَهْلِيْ وَ شُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَيَاْكُلُ اٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ يَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے فرمایا میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کے خرچ سلہ سے کم نہ ہوتا تھا۔ اور اب میں مسلمانوں کے کام سلہ میں مصروف کر دیا گیا ہوں تو ابوبکر کے اہل وعیال اس مال سلہ سے کھائیں گے اور ابوبکر مسلمانوں کے لیے اس مال سلہ میں کاروبار کریں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(بخاری)

سلہ مؤنۃ، بوجھ، گرانی، یعنی میں کاروبار سے اتنا کمالیتا تھا جو میرے گھر والوں کی خوراک (وغیرہ) کے لیے کافی ہوتا تھا۔

سلہ ان کی اصلاح اور خدمت۔

سلہ مسلمانوں کے بیت المال سے۔

سلہ اسے حاصل کریں گے، اس کی حفاظت کریں گے اور اسے مسلمانوں کی حاجتوں اور ان کے مصارف میں خرچ کریں گے، کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر غلے کے تاجر تھے، حضرت عثمان کھجور اور کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور حضرت عباس عطر کا کاروبار کرتے تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اسی طرح شمنی نے بیان کیا ہے، نیز کہتے ہیں کہ بہترین تجارت، کپڑے کی تجارت ہے، اس کے بعد عطر، حدیث میں ہے کہ اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور اگر دوزخی تجارت کرتے تو سونے چاندی کا کاروبار کرتے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۵۷۵ / ۴ عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اسے رزق عطا کریں[۱] تو اس کے بعد جو لے گا وہ خیانت ہے[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] اس کام کا معاوضہ دیں۔
[۲] غلول پہلے حرف پر پیش، غنیمت کے مال میں خیانت کرنا، مطلق خیانت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۳۵۷۶ / ۵ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کام کیا تو آپ نے مجھے اس کام کی اجرت عطا فرمائی[۱]۔ (ابوداؤد)

[۱] تعمیل کام کی مزدوری دینا، عمالہ پہلے حرف پر پیش، مزدوری، اجرت۔

۳۵۷۷ / ۶ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ اَرْسَلَ فِيْ اِثْرِيْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ اَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ اِلَيْكَ لَا تُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ اِذْنِيْ فَاِنَّهٗ غُلُوْلٌ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن بھیجا، جب میں روانہ ہوا تو کسی کو میرے پیچھے[۱] بھیجا اور مجھے واپس بلایا گیا فرمایا: جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں پیغام بھیجا[۲] میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کہ وہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس چیز کے ساتھ آئے گا جو اس نے بطور خیانت حاصل کی تھی[۳]۔ اسی لیے میں نے تمہیں بلایا تھا۔ اب تم اپنے کام جاؤ[۴]۔ (ترمذی)

سلہ اثر ہمزے کے نیچے زیر، تین نقطے والی ثار ساکن، پیچھے۔
سلہ اور تمہیں واپس بلایا۔
سلہ اور اس پر اسے عذاب دیا جائے گا۔
سلہ جس کا ہم نے تمہیں حکم دیا ہے۔

۳۵۷۸ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا وَّفِيْ رِوَايَةٍ مَّنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت مستورد بن شدادؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ہمارا عامل ہو تو وہ بیوی حاصل کرے۔ اور اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم حاصل کرے اور اگر اس کی رہائش گاہ نہ ہو تو مکان حاصل کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو اس کے علاوہ لے گا تو وہ خائن ہے۔ (ابوداؤد)

سلہ مستورد میم پر پیش، سین ساکن، تاء پر زبر، راء کے نیچے زیر، بن شداد، دال مشدد، صحابی ہیں۔ اہل کوفہ سے ہیں، مصر میں قیام پذیر ہوئے اور ان ہی میں شمار ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بچے تھے، لیکن آپ کے ارشادات سنے اور یاد رکھے۔
سلہ یعنی اس کی بیوی نہ ہو تو نکاح کرے۔
سلہ یعنی خادم خریدے، غلام یا لونڈی۔
سلہ یعنی عامل کے لیے حلال ہے کہ بیت المال سے بیوی کا مہر، اس کا خرچہ اور لباس حاصل کرے، لیکن بقدر حاجت، فضول خرچی کے بغیر۔ اور اتنا مال حاصل کرے جتنا خادم اور مکان کے لیے ضروری ہو۔ اور اگر زیادہ لے تو وہ حرام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اس کی تنخواہ مقرر نہ کی گئی ہو اور بیت المال میں اس کی گنجائش ہو۔

۳۵۷۹ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ حضرت عدی بن عمیرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ فَهُوَ غَالٌّ يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ ذٰلِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَأْتِ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا أُوْتِيَ مِنْهُ أَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو شخص ہمارے کام پر مقرر کیا جائے[۲] اور وہ اس میں سے سوئی یا اس سے بڑھ کر[۳] کوئی چیز ہم سے چھپائے تو وہ خائن ہے، قیامت کے دن اس کے ساتھ آئے گا، انصار میں سے ایک صحابی[۴] نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجئے، فرمایا! تم کیا کہتے ہو[۵]؟ عرض کیا میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے[۶] فرمایا: ہم یہی بات کہتے ہیں جسے ہم کسی کام پر مقرر کریں، تو وہ اس سے حاصل ہونے والی تھوڑی، بہت چیز جو بھی ہو لائے، تو اس میں سے جو کچھ اسے دیا جائے لے لے اور جس سے منع کیا جائے رک جائے۔ (امام مسلم، ابو داؤد) الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔

[۱] عدی عین پر زبر، دال کے نیچے زیر، یا مشدد بن عمرہ عین پر زبر، میم کے نیچے زیر، یا ساکن، حضرمی صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے پھر جزیرہ چلے گئے اور وہیں وصال ہوا۔

[۲] تعیین کا معنی کام سپرد کرنا بھی آتا ہے جیسے کہ ظاہر لفظ سے سمجھا جاتا ہے، شارحین نے اس جگہ یہی معنی بیان کیا ہے۔ کسی کام کی اجرت دینے کے معنی میں بھی آتا ہے اس معنی پر محمول کرنا بھی صحیح ہے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں شارحین نے کہا ہے۔

[۳] حقیر ہونے میں سوئی سے بڑھ کر، یعنی سوئی سے بھی کم چیز۔

[۴] جو کسی جگہ کام پر مقرر کیے گئے تھے۔

[۵] یعنی یہ بات کس وجہ سے کہہ رہے ہو؟ اور کام واپس کر رہے ہو۔

[۶] یعنی معمولی سی چیز کی خیانت پر وعید ارشاد فرمائی ہے۔

؎ یعنی ہم پوری سنجیدگی سے یہ بات کہتے ہیں، اور یہ کیے بغیر نہیں رہیں گے، جو شخص اسے قبول کر سکتا ہے وہ ہمارا کام کرے جو نہیں کر سکتا وہ نہ کرے۔

۳۵۸۰/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رشوت؎ دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کی، امام احمد نے بھی روایت کی، امام بیہقی نے شعب الایمان حضرت ثوبان سے روایت کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رائش پر لعنت فرمائی۔ یعنی جو شخص رشوت دینے والے اور لینے والے کے درمیان رابطہ ہوتا ہے؎۔

؎ رشوت راء پر پیش اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ وہ چیز جو حق کو باطل کرنے اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے دی جائے۔ البتہ اگر حق کے ثابت کرنے اور اپنی ذات سے ظلم کے دفع کرنے کے لیے دیں تو اس میں حرج نہیں ہے (کیونکہ یہ رشوت ہی نہیں ہے ۱۲ قادری) اسی طرح اگر لینے والا کوشش کرے کہ حق والے کو اس کا حق مل جائے یا اس سے ظلم کو دفع کرے (تو بھی حرج نہیں) لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات قاضیوں اور حکمرانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے ہے، کیونکہ حق والے کا حق ثابت کرنا اور اسے دلانا اور مظلوم سے ظلم کا دفع کرنا ان پر واجب ہے، لہٰذا اس پر معاوضہ لینا جائز نہ ہوگا۔

؎ اور ایک کے لیے کم کرتا ہے اور دوسرے کے لیے زیادہ کرتا ہے (یعنی ان کے درمیان معاملہ طے کراتا ہے) اس حدیث میں مزید تفصیل کتاب الحدود کی تیسری فصل میں گزر چکی ہے۔

۳۵۸۱/۱۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ اجْمَعْ

حضرت عمرو بن عاص؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پیغام بھیجا کہ اپنے کپڑے اور ہتھیار پہن کر

عَلَيْكَ سِلَاحَكَ وَ ثِيَابَكَ ثُمَّ ائْتِنِيْ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَ هُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ يَا عَمْرُو اِنِّيْ اَرْسَلْتُ اِلَيْكَ لِاَبْعَثَكَ فِيْ وَجْهٍ يُسَلِّمُكَ اللّٰهُ وَيُغَنِّمُكَ وَ اَزْعَبُ لَكَ زَعْبَةً مِّنَ الْمَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَتْ هِجْرَتِيْ لِلْمَالِ وَ مَا كَانَتْ اِلَّا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ قَالَ نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

ہمارے پاس آجاؤ، فرماتے ہیں میں حاضر ہوا تو آپ وضو کر رہے تھے، فرمایا: عمرو! ہم نے تمہیں اس لیے پیغام بھیجا کہ تمہیں ایک طرف کام بھیجنا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ واپس لائے گا اور تمہیں غنیمت عطا فرمائے گا[۳] اور ہم بھی تمہیں کچھ مال دیں گے[۴]، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ہجرت مال کے لیے نہیں تھی، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے تھی[۵]، فرمایا: نیک آدمی کے لیے اچھا مال بہت اچھا ہے[۶]۔

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ رَوٰی اَحْمَدُ نَحْوَهٗ وَ فِیْ رِوَايَتِهٖ قَالَ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

(شرح السنۃ) امام احمد نے اس کی مثل روایت کی، ان کی روایت میں ہے اچھا مال، نیک آدمی کے لیے خوب ہے۔

[۱] عمرو بن عاص مشہور صحابی ہیں۔

[۲] یعنی سفر کی تیاری کرکے۔

[۳] یُسَلِّمُکَ اور یُغَنِّمُکَ دونوں میں عین کلمہ مشدد ہے۔

[۴] زعبۃ نقطے والی زاء پر پیش، بے نقطہ عین ساکن۔ مال کا ایک حصہ زعب پہلے حرف پر زبر، مصدر، مال دینا۔

[۵] یعنی میرا ایمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا، حضرت عمرو بن العاص نے ہجرت کے پانچویں سال حضرت خالد بن ولید کے ساتھ حبشہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی، بعض نے کہا یہ ہجرت آٹھویں سال تھی اور بعض نے کہا کہ حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے درمیان تھی۔ جب وہ حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعت کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، حضرت عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میں نے

اس سے پہلے جو گناہ کیے ہیں بخش دیے جائیں، فرمایا، عمرو! تم نہیں جانتے؟ کہ اسلام تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور ہجرت تمام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دوسرے لوگ ایمان لائے اور عمرو بن عاص بھی ایمان سے آئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عمرو بن عاص، قریش کے بہترین افراد میں سے تھے۔

سے اچھا مال وہ ہے جو جائز طریقے سے کمایا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی رعایت کی جائے، صلاح فساد کے مقابل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

٣٥٨٢/١١ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰی لَهٗ هَدِیَّةً عَلَیْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے کسی کی سفارش کی[1]، پھر اس نے اس سفارش کی بنا پر کوئی تحفہ پیش کیا، جو سفارش کرنے والے نے قبول کر لیا تو وہ سود کے ایک بڑے دروازے پر آیا[2]۔

(ابوداؤد)

[1] سلاطین، امراء یا دوسرے لوگوں کے پاس۔
[2] کیونکہ یہ رشوت ہے اور اسے سود اس لیے قرار دیا کہ یہ عوض سے خالی ہے۔

بَابُ الْاَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ

۲۸۰- مقدمات اور گواہیوں کا بیان

اقضیہ سے مراد وہ مقدمات ہیں جو فیصلے کے لیے حاکم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، شہادت، شہود اور مشاہدت کا اصل معنی حاضر ہونا اور آنکھ سے دیکھنا ہے، بعض اوقات ان کا اطلاق، بصیرت پر مبنی علم یقینی پر بھی کیا جاتا ہے اس خبر قطعی کو بھی کہتے ہیں جس میں دل اور زبان موافق ہوں، شریعت میں ایک آدمی کا حق دوسرے کے ذمہ ہونے کی خبر دینے کو کہتے ہیں، جیسے کہ اقرار، غیر کا حق اپنے ذمہ ہونے کی خبر ہے اور دعویٰ یہ خبر دینا ہے کہ میرا حق دوسرے پر ہے، اقضیہ (جمع ہے قضاء کی)، اس کی مناسبت سے شہادت بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ گواہی کے متعلقہ امور مختلف ہوتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۵۸۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَّ اَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِيْ شَرْحِهٖ لِلنَّوَوِيِّ اَنَّهٗ قَالَ وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْ صَحِيْحٍ زِيَادَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگوں کو صرف ان کے دعوے کی بنا پر (ان کا مدعا) دے دیا جائے تو کئی لوگ دوسروں کے خونوں اور مالوں کا دعویٰ کر دیں گے[1] لیکن قسم مدعا علیہ پر ہے۔ (مسلم)

امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا، سند حسن یا صحیح کے ساتھ امام بیہقی کی روایت میں ابن عباس سے مرفوعاً یہ اضافہ مروی ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم منکر پر ہے۔

عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ۔

لہ اور حاصل کر لیں گے۔

لہ اس روایت میں مدعی سے گواہوں کے مطالبے کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ یہ شریعت میں ثابت شدہ امر ہے گویا کہا گیا ہے کہ مدعی پر گواہ ہیں اور اگر گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ پر قسم ہے، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت میں آیا ہے۔

۳۵۸۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَّ هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے لزومی قسم[1] کھائی اس حال میں کہ وہ اس میں جھوٹا ہے اور قسم کھا کر مسلمان کا مال ہتھیا نا چاہتا ہے، قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد[2] اور قسموں کے بدلے تھوڑا مال[3] خریدتے ہیں۔ آخر آیت تک۔ (صحیحین)

لہ صبر، جزع اور بے صبری کے مقابل، برداشت، اصل میں اس کا معنی روکنا اور لازم ہوتا ہے۔ لزومی قسم کو یمین صبر اس لیے کہا گیا ہے کہ فیصلہ اس پر موقوف اور بند ہے یا اس لیے کہ وہ قسم اپنے صاحب کو لازم ہے، یا اس کا صاحب فیصلے کے لیے اس قسم کا پابند اور مجبور ہے (خلاصہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں، اس صورت میں مدعا علیہ قسم کھانے کا پابند ہے۔ یہ یمین صبر اور لزومی قسم ہے ۱۲ قادری) بعض شارحین نے کہا کہ یمین صبر یہ ہے کہ قسم کھانے والا دیدہ و دانستہ جھوٹ بولے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ ایک مسلمان کا مال ہتھیائے۔ اسی لیے فرمایا۔ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ وہ اس قسم میں جھوٹا ہو۔

لہ یعنی ادائے امانت کے بدلے جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں تاکیدی حکم دیا ہے۔

لہ یعنی دنیا کا مال۔

۳۵۸۵ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِیَمِیْنِہٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ النَّارَ وَ حَرَّمَ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ وَّ اِنْ کَانَ شَیْئًا یَسِیْرًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَ اِنْ کَانَ قَضِیْبًا مِّنْ اَرَاکٍ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ہتھیائے[1] تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ واجب فرمادی اور جنت حرام کر دی۔ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! اگرچہ معمولی چیز ہو فرمایا اگرچہ پیلو کی شاخ ہو۔

(مسلم)

[1] اقتطاع: کسی چیز کا ٹکڑا جدا کرنا، کاٹ لینا۔

۳۵۸۶/۴ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّ اِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِیَ لَہٗ عَلٰی نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْہُ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِشَیْءٍ مِّنْ حَقِّ اَخِیْہِ فَلَا یَاْخُذَنَّہٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَۃً مِّنَ النَّارِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں ہوں مگر انسان[1]۔ اور تم میرے پاس مقدمے لاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض، دوسرے بعض سے اپنی دلیل کو زوردار طریقے سے بیان کرنے والے[2] ہوں تو میں جیسے اس کی گفتگو سنوں ویسے ہی اس کے لیے فیصلہ کر دوں۔ پس میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو میں نے اس کے لیے آگ کا انگارہ کاٹا ہے۔

(صحیحین)

[1] مجھ پر بشری احکام اور عوارض طاری ہوتے ہیں۔ اور فطری احکام مجھ میں باقی رکھے گئے ہیں، سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعے میری تائید کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے تعلیم دی جائے۔

[2] لحن کے کئی معنی ہیں (۱) کلام میں خطا کرنا (۲) مقصد کی تصریح نہ کرنا (۳) طرب انگیز آواز نکالنا (۴) فطانت زیرکی اور فصاحت، اس جگہ آخری معنی مراد ہے۔

۳۵۸۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین مرد وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو اور کثرت سے جھگڑا کرے ۔ (صحیحین)

۱ الد ہمزے پر زبر، دال مشدد، خصم بہت جھگڑا کرنے والا، دونوں کا معنی قریب ہے۔ پہلا لفظ کہ معنی سختی کو ظاہر کرتا ہے اور دوسرے کا معنی کثرت کو۔

۳۵۸۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَّشَاهِدٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قسم اور گواہ کی بنا پر فیصلہ فرمایا ۔ (مسلم)

۱ یعنی مدعی کا ایک گواہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدعی کو فرمایا کہ تم قسم کھاؤ، تاکہ یہ قسم دوسرے گواہ کی جگہ ہو جائے، تینوں امام (امام مالک، شافعی اور احمد) اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور قسم کی بنا پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، دو گواہ ضروری ہیں، جیسے کہ قرآن مجید اس کے ساتھ ناطق ہے۔ کتاب اللہ کو خبر واحد کی بنا پر منسوخ قرار نہیں دے سکتے اور خبر واحد بھی وہ جو متعدد احتمال رکھتی ہو اور (دوسری مشہور حدیث میں ہے۔ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس جگہ معین فرد مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہے لہذا معنی یہ ہوگا کہ ہر گواہ مدعی کی طرف اور ہر قسم مدعا علیہ کی طرف ہے تو جو مدعی ہے وہ قسم کیسے کھا سکتا ہے؟ قادری)

ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدعا علیہ کی قسم کی بنا پر فیصلہ فرمایا ہو جب کہ مدعی صرف ایک گواہ پیش کر سکا ہو اور گواہی کا نصاب (دو گواہ) پورا کرنے سے عاجز رہا ہو یعنی آپ نے ایک گواہ کے موجود ہونے کا اعتبار نہیں کیا، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اختلاف، اموال میں ہے۔ اور اگر دعوے کا تعلق غیر مال سے ہو تو ایک گواہ اور مدعی کی قسم بالاتفاق مقبول نہیں۔

۳۵۸۹ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ وَرَجُلٌ

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى أَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَأْكُلَهٗ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک حضرموت[۲] کا اور دوسرا کندہ[۳] کا، حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! یہ شخص میری زمین پر غالب ہو گیا ہے، کندی نے کہا وہ میری زمین ہے اور میرے قبضے میں ہے، اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرمی کو فرمایا! کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! فرمایا! پھر تمہارے لیے اس کی قسم ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے، پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کس چیز پر قسم کھائی ہے[۴]؟ اور کسی چیز سے پرہیز بھی نہیں کرتا[۵]۔ فرمایا! تمہارے لیے اس کی طرف سے صرف قسم ہے، جب دوسرے شخص (کندی) نے پشت پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے حضرمی کے مال پر قسم کھائی تاکہ اسے ظلماً کھائے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرمانے والا ہو گا[۶]

(مسلم)

[۱] علقمہ بن وائل، حضرمی، کوفی، تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

[۲] حضرموت ضاد ساکن کے ساتھ، یمن کا مشہور شہر۔

[۳] کندہ کاف کے نیچے زیر، نون ساکن، یمن کا ایک قبیلہ ہے۔

[۴] سچ ہے یا جھوٹ۔

[۵] نہ قول سے نہ فعل سے

[۶] اور اس سے ناراض ہو گا۔

۳۵۹۰/۸ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰی مَا لَیْسَ لَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے[۱]، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (مسلم)

[۱] ہمارے طریقے اور ہمارے دین پر نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان مملوکہ اشیاء کے بارے میں ہے اور اپنے عموم کے اعتبار سے نسب اور ظاہر و باطن کے احوال کو شامل ہے۔

۳۵۹۱/۹ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ الشُّهَدَآءِ الَّذِیْ یَاْتِیْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ یُّسْئَلَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ گواہ جو اپنی گواہی پیش کرے، قبل اس کے کہ اس سے گواہی پوچھی جائے[۱]۔ (مسلم)

[۱] یعنی اس سے پہلے کہ اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم گواہ ہو؟ خود گواہی دے اور حق کا اظہار کرے، ہمارے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اس وقت تک گواہی نہ دے جب تک اس سے طلب نہ کی جائے، طلب کے بعد گواہی دینا واجب ہے، حدود میں گواہی کا چھپانا افضل ہے، حدیث میں ان لوگوں کی مذمت آئی ہے جو مطالبے کے بغیر گواہی دیں۔

اس حدیث میں طلب و سوال کے بغیر گواہی دینے والے کو بہترین گواہ قرار دیا گیا ہے، شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

۱۔ یہ اس شخص پر محمول ہے جس کے پاس کسی حق کی گواہی ہو اور مدعی کو علم نہ ہو کہ یہ گواہ ہے، اس صورت میں اسے چاہیے کہ مدعی کو بتائے کہ میں فلاں کیس میں تمہارا گواہ ہوں۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً زکوٰۃ، کفارات، رویت ہلال، وقف اور وصیتوں وغیرہ کے بارے میں ہے، حاکم کو ان امور کی اطلاع دینا واجب ہے۔

ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث، طلب کے بعد گواہی دینے میں جلدی کرنے اور مبالغہ پر محمول ہے

اور طلب سے پہلے گواہی دینے کی مذمت اس کے علاوہ میں ہے۔

۳۵۹۲/۱۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین لوگ، میرے زمانے کے لوگ ہیں[۱]، پھر جو ان سے متصل ہیں[۲] پھر انکے ساتھ والے[۳] پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہل کرے گی اور اس کی قسم اس کی گواہی سے[۴]۔ (صحیحین)

[۱] یعنی وہ جماعت کہ ہم ان میں ہیں، اس جماعت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں، بعض شارحین نے کہا کہ ہر وہ شخص مراد ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں زندہ تھا۔ قرن وہ جماعت ہے جو ایک زمانے میں مجتمع ہو، بعض اوقات اس زمانے کی تعیین بھی کرتے ہیں کہ وہ سو سال ہے یا تیس سال یا اس کے علاوہ، صحیح پہلا قول ہے۔ اس حدیث کی تحقیق کتاب کے آخر میں باب فَضْلِ الصَّحَابَۃِ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[۲] یعنی تابعین۔

[۳] یعنی تبع تابعین۔

[۴] یہ کنایہ ہے گواہی اور قسم کی حرص سے (انہیں اتنا شوق ہوگا کہ) کبھی ایک کو پہلے لائیں گے اور کبھی دوسری کو، یا گواہی اور قسم کے ادا کرنے میں سرعت کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس قدر بے پروا اور بے احتیاط ہوں گے کہ انہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ دونوں میں سے پہلے کسے لائیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کی کثرت بیان کرنا مقصود ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ کبھی تو اپنی گواہی کو قسم کھا کر مقبول بنانا چاہے گا اور کہے گا اللہ تعالیٰ کی قسم! کہ میں سچا گواہ ہوں، اور کبھی گواہی کو قسم کی تائید میں پیش کرے گا، مثلاً کہے گا کہ لوگ میری قسم کے صحیح ہونے کے گواہ ہیں۔

۳۵۹۳/۱۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ الْيَمِيْنَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جماعت پر قسم پیش کی، تو انہوں نے قسم کھانے میں

فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ يُّسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِى الْيَمِيْنِ اَيُّهُمْ يَحْلِفُ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

جلدی کی آپ نے حکم دیا کہ قسم کھانے کے لیے ان میں قرعہ اندازی کی جائے کہ ان میں سے کون قسم کھائے[۵۱]۔

(بخاری)

[۵۱] ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک جماعت پر دعویٰ کیا، اس جماعت نے انکار کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جماعت کو قسم کھانے کے لیے کہا، انہوں نے قسم کھانے میں جلدی کی، تو آپ نے انہیں قسم نہیں دی، بلکہ فرمایا کہ قرعہ اندازی کریں اور جس کے نام قرعہ نکلے وہ قسم کھائے، لیکن شارحین نے اس کی ایک اور ہی صورت پیش کی ہے، علامہ طیبی نے اسے نقل کیا ہے، صورت یہ ہے کہ دو شخصوں نے تیسرے فرد کے پاس موجود سامان کا دعویٰ کیا، دونوں دعویداروں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں، یا ہر ایک کے پاس گواہ ہیں، تیسرا شخص کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ سامان کس کا ہے؟ اس صورت میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس مدعی کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھائے۔ (طیبی)

غالباً یہ صورت اس اعتبار سے ہے کہ دونوں مدعیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حق کا منکر ہے واللہ تعالیٰ اعلم (حضرت شیخ محقق اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں تو مدعی ہیں اور قسم مدعا علیہ پر آیا کرتی ہے، جیسے کہ احناف کا مسلک ہے ۱۲ قادری) علامہ طیبی کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں وہ سامان تیسرے شخص کے پاس رہنے دیا جائے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں مدعیوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے، بعض علماء نے کہا کہ قول مذکور امام شافعی کا ایک قول ہے، دوسرا قول امام ابو حنیفہ کی مثل ہے قرعہ اندازی امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے بعض شروح ہدایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ گواہوں کے دونوں گروہوں میں سے جو زیادہ عادل ہوں ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

۳۵۹۴/۱۲ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِىْ وَ الْيَمِيْنُ عَلَى

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ مدعی پر ہیں اور قسم مدعا علیہ پر[۵۲]۔

الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

سلہ یعنی اگر وہ دعوے کا منکر ہو اور مدعی اس کی قسم کا مطالبہ کرے ۔

۳۵۹۵/۱۳ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِيْ مَوَارِيْثَ لَمْ تَكُنْ لَّهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوٰهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِّنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَقِّيْ هٰذَا لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِ اذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا ثُمَّ لِيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا صَاحِبَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَاْيِيْ فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيْهِ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص میراث کا مقدمہ لائے[۱]، ان کے پاس گواہ نہیں تھے، صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا، آپ نے فرمایا: میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں[۲] تو میں اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹتا ہوں، دونوں میں سے ہر ایک نے کہا یا رسول اللہ! میرا یہ حق میرے ساتھی کے لیے ہے[۳]، فرمایا: نہیں[۴]! البتہ تم جا کر وراثت تقسیم کرو. تقسیم میں انصاف کرو[۵]، پھر قرعہ اندازی کرو[۶]، پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو معاف کر دے[۷]، ایک روایت میں فرمایا: جس چیز کے بارے میں مجھ پر وحی نازل نہیں کی گئی میں اس کے بارے میں تمہارے درمیان صرف اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں ۔

(ابو داؤد)

سلہ یعنی انہوں نے ایک سامان کے بارے میں دعویٰ کیا ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ مجھے وراثت میں ملا ہے ۔

سلہ یعنی اس کا حق نہ ہو، جھوٹے گواہ پیش کر دے یا جھوٹی قسم کھالے اور میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں ۔

سلہ یعنی میں اس کے دعوے سے دست بردار ہوتا ہوں ۔

۵۴ اپنا حق بالکل ہی نہ چھوڑ دو۔

۵۵ اور حق کا قصد کرو، اوخی نقطے والی خاء کے ساتھ، درمیانی رفتار جو نہ تو تیز ہو اور نہ ہی سست، قصد اور حق کے تلاش کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۵۶ کیونکہ ممکن ہے ظن وتخمین سے تقسیم کرنے میں انصاف ملحوظ نہ رہا ہو۔

۵۷ یعنی ہر ایک دوسرے کو کہے کہ میرا حق جو تمہاری طرف گیا ہے وہ میں نے تمہارے لیے حلال کر دیا۔ یہ بھی از راہ احتیاط و تقویٰ ہے تاکہ یقینی طور پر حق تلفی سے برات حاصل ہو جائے۔ ممکن ہے کمی، بیشی ہو گئی ہو۔

۳۵۹۶ /۱۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَا دَابَّةً وَ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ بِأَنَّهَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے ایک چار پائے کا دعویٰ کیا اور ان میں سے ہر ایک نے گواہ پیش کر دیے کہ یہ اس کا چار پایہ ہے اور اس نے اس سے بچہ حاصل کیے ہیں ۵۸، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے فیصلہ فرمایا جس کے قبضہ میں تھا ۵۹ (شرح السنۃ)

۵۸ ناتج (بچے حاصل کرنے والا) دائی کی طرح ہے، جو عورتوں کو بچہ جننے میں امداد دیتی ہے اور بچے کی پیدائش کے انتظامات کرتی ہے۔

۵۹ اس مسئلے میں تفصیل ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں، اور اس میں متعدد اقوال ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں ہم نے کچھ تفصیل شرح (لمعات) میں بیان کی ہے۔

۳۵۹۷ /۱۵ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَجُلَيْنِ ادَّعَيَا بَعِيْرًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَيْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) وَ فِيْ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں دو شخصوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے دو گواہ پیش کر دیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں میں اونٹ آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ (ابو داؤد)

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَ لِلنَّسَائِيِّ وَ ابْنِ مَاجَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ ادَّعَيَا بَعِيْرًا لَيْسَتْ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَجَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا۔

نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے دو شخصوں نے ایک اونٹ کا دعوٰی کر دیا، کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دونوں میں مشترک قرار دے دیا۔

۳۵۹۸/۱۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِيْ دَابَّةٍ وَّ لَيْسَ لَهُمَا بَيِّنَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَى الْيَمِيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں کا ایک چار پائے میں جھگڑا ہو گیا، گواہ کسی کے پاس نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قسم پر قرعہ اندازی کر لو[۱]۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] یہ اسی طرح ہے جیسے پہلی فصل کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۳۵۹۹/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَهٗ اِحْلِفْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا لَهٗ عِنْدَكَ شَيْءٌ يَعْنِيْ لِلْمُدَّعِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا جسے آپ نے قسم دی[۱] کہ تم اس خدا کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ مدعی کی کوئی چیز تمہارے پاس نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

[۱] تحلیف، قسم دینا۔

۳۶۰۰/۱۸ وَعَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ رَجُلٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترکہ زمین تھی، اس نے میرے حصے کا

اَرْضِیْ فَجَحَدَنِیْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَیِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْیَهُوْدِیِّ اِحْلِفْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا یَحْلِفُ وَ یَذْهَبُ بِمَالِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (اَلْاٰیَةَ)	انکار کر دیا، میں نے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ عرض کیا نہیں، یہودی کو فرمایا، تم قسم کھاؤ، میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! تب تو وہ قسم کھا کر میرا مال لے جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت خریدتے ہیں۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)	(ابوداؤد، ابن ماجہ)

سلہ اشعث نقطے والی شین، تین نقطوں والی ثا بن قیس، صحابی ہیں۔ ہجرت کے دسویں سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی قوم کے سردار تھے، قوم ان کی اطاعت گزار تھی، اسلام میں معزز تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے قبیلے سمیت مرتد ہوگئے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں توبہ کی سعادت حاصل کی، حضرت ابوبکر نے اپنی ہمشیر کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عراق کا قصد کیا، قادسیہ، مدائن، جلولا اور نہاوند کے علاقے فتح کیے، کوفہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں وصال ہوا۔ ان کی نماز جنازہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھائی، اس سال جب امام حسن اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان صلح ہوئی۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں اور جنگ صفین میں ان کے میمنہ میں شامل تھے۔

سلہ یعنی یہودی کی قسم کا کیا اعتبار؟ کہ یہ جھوٹے لوگ ہیں۔

سلہ یعنی شریعت کا حکم یہی قسم دینا ہے۔ لیکن جو شخص جھوٹی قسم کھائے گا۔ اس کا وبال بھی اس کی گردن پر ہوگا۔ اور آخرت میں بھی اس کا کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں صراحۃً ارشاد فرمایا۔

۳۶۰۱/۱۹ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ	انہی سے روایت ہے کہ قبیلہ کندہ اور

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِّنْ كِنْدَةَ وَرَجُلًا مِّنْ حَضْرَمَوْتَ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَرْضٍ مِّنَ الْيَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أَرْضِي اغْتَصَبَنِيْهَا أَبُوْ هٰذَا وَهِيَ فِي يَدِهٖ قَالَ هَلْ لَّكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا وَلٰكِنْ أُحَلِّفُهٗ وَاللهِ مَا يَعْلَمُ إِنَّهَا أَرْضِي اغْتَصَبَنِيْهَا أَبُوْهُ فَتَهَيَّأَ الْكِنْدِيُّ لِلْيَمِيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ أَحَدٌ مَّالًا بِيَمِيْنٍ إِلَّا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ أَجْذَمُ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضُهٗ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرموت کے دو شخصوں نے یمن کی ایک زمین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا، حضرمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میری زمین اس کے باپ نے غصب کی تھی جو اس کے قبضے میں ہے، فرمایا: تمہارے پاس گواہ ہیں؟ عرض کیا نہیں! لیکن میں اسے قسم دیتا ہوں[۲] کہ اللہ کی قسم یہ نہیں جانتا کہ یہ زمین میری ہے جو مجھ سے اس کے باپ نے غصب کی تھی، کندی قسم کھانے کے لیے تیار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قسم کھا کر کوئی مال ہتھیائے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ وہ برکت سے محروم[۳] ہوگا، کندی نے کہا یہ زمین اس کی ہے[۴]۔

(ابوداؤد)

[۱] حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] اُحَلِّفُہٗ لام مشدد کے ساتھ ـــــــ میں اسے قسم دیتا ہوں ان الفاظ کے ساتھ (جو بعد میں مذکور ہیں)۔

[۳] جذام نقطے والے ذال کے ساتھ، اصل میں اس کا معنی کاٹنا ہے، اس جگہ برکت کا قطع کرنا مراد ہے جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کو بھلا دے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اَجْذَمُ (محروم برکت) ہوگا، بعض شارحین نے فرمایا وہ مقطوع الحجۃ ہوگا، یعنی اس کی زبان نہیں ہوگی جس کے ساتھ وہ کلام کرے ـــــــ جذام مشہور مرض ہے (جس میں انگلیاں گل کر گر جاتی ہیں) اس سے صیغہ صفت مجذوم آتا ہے نہ کہ اَجْذَمُ، حنفی مذہب ہے کہ اس جگہ ہاتھوں کے کاٹے ہوئے ہونے پر محمول کرنا بھی مناسب ہے، جب اس نے کسی کا مال ظلماً

لیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ۔

سکہ ان کے دل میں خوف خدا پیدا ہو گیا ——— اس حدیث کا مضمون، پہلی فصل میں حضرت علقمہ بن وائل کی روایت سے گزر چکا ہے، لیکن وہاں یہ اضافہ نہیں ہے کہ کندی نے کہا کہ یہ زمین اس کی ہے (نیز وہاں حضرمی نے کہا کہ یہ میری زمین اس شخص نے غصب کی ہے، جب کہ پیش نظر حدیث میں ہے کہ اس کے باپ نے غصب کی ہے یہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے ۱۲ قادری)

۳۶۰۲/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الشِّرْكُ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ وَمَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللّٰهِ يَمِيْنَ صَبْرٍ فَاَدْخَلَ فِيْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ اِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةٌ فِيْ قَلْبِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ بن انیس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت بڑے گناہوں میں شرک، والدین کی نافرمانی اور یمین غموس[2] ہے۔ جس شخص نے لزومی[3] قسم کھائی، اور اس میں مچھر کے پر کی مقدار[4] داخل کی تو قیامت تک اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کر دیا جائے گا[5]، (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ عبداللہ بن انیس ہمزے پر پیش، نون پر زبر، یا، ساکن، انصاری، عقبی صحابی ہیں، بہادر اور دلیر تھے، جنگ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔

سلہ غموس نقطے والی غین پر زبر، کسی گزرے ہوئے کام پر جھوٹی قسم کھانا، ہمارے نزدیک اس میں توبہ و استغفار کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں ہے، اس قسم پر آگ کی وعید واقع ہوئی ہے، اور اسے غموس اس لیے کہتے ہیں کہ قسم کھانے والے کو دوزخ کی آگ میں ڈبوتی ہے غمس نقطے والی غین کے ساتھ، غوطہ دینا اور پانی میں نیچے لے جانا، مقدمات میں جو کچھ ہوتا اور دوسروں کا مال اس شخص کو مل جاتا ہے وہ اسی قبیلے سے ہے۔

سلہ یمین صبر (لزومی قسم) کا معنی پہلی فصل کی ابتدا میں گزر چکا ہے اور اس کا حاصل وہی ہے جو یمین غموس کا ہے۔

۴؎ جھوٹ اور خیانت

۵؎ اور اس جہان میں ظاہر ہونے والا وبال باقی رہے گا۔

۳۶۰۳/۲۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِیْ ھٰذَا عَلٰی یَمِیْنٍ اٰثِمَۃٍ وَّ لَوْ عَلٰی سِوَاکٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّاَ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَہُ النَّارُ۔

(رَوَاہُ مَالِکٌ وَّ اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص ہمارے اس منبر۱؎ کے پاس جھوٹی بات پر قسم نہیں کھاتا اگرچہ سبز مسواک۲؎ پر ہو مگر اس نے اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالیا یا (فرمایا) اس کے لیے آگ واجب ہو گئی۳؎۔

(مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ وہ منبر جو عظیم الشان اور واضح برہان والا ہے۔

۲؎ کہ وہ لکڑی کا عام سا ٹکڑا ہے، سبز اس لیے فرمایا کہ خشک ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانے کی طرح مکان کے لحاظ سے بھی قسم میں سختی اور شدت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

۳۶۰۴/۲۲ وَعَنْ خُرَیْمِ بْنِ فَاتِکٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَآئِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاکِ بِاللّٰہِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَاَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ

حضرت خریم بن فاتک۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی، فارغ ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا، جھوٹی گواہی، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے کے برابر قرار دی گئی ہے۔ تین مرتبہ یہ فرمایا۲؎ پھر آیت مبارکہ پڑھی تم پلیدی سے بچو کہ وہ بتوں کی عبادت ہے۔ جھوٹی بات سے بچو، اس حال میں کہ تم ہر

اِجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيْمَنَ ابْنِ خُرَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَآءَةَ)

باطل سے اعراض کرنے والے ہوتے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے والے نہیں ہو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام احمد اور ترمذی سنے یہ حدیث ایمن بن خریم[۱] سے روایت کی مگر ابن ماجہ نے آیت کے پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔

[۱] خریم نقطے والی خا پر پیش، بے نقطہ را پر زبر، باء ساکن بن فاتک پہلے فا، پھر نقطوں والی تاء مکسور، اسدی صحابی ہیں، حدیبیہ میں حاضر ہوئے، بدر میں ان کی شرکت پایہ صحت کو نہیں پہنچی

[۲] کیونکہ شرک بھی جھوٹی گواہی کے قبیلے سے ہے، جیسے کہ توحید، سچائی کی گواہی ہے، زور زاء پر پیش، جھوٹ زَوْرٌ سے مشتق ہے جس کا معنی انحراف اور جھکاؤ ہے۔

[۳] صراح میں ہے تحنف مسلمانی اختیار کرنا، قول زور، جھوٹی گواہی سے عام ہے، جب جھوٹی بات (خواہ وہ گواہی ہو یا نہ) سے منع کیا گیا ہے تو جھوٹی گواہی جس میں لوگوں کی حق تلفی ہے، بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔

[۴] ایمن ہمزے پر زبر، یا ء ساکن، میم پر زبر، ابن خریم یہ اپنے والد خریم بن فاتک سے روایت کرتے ہیں ان کے صحابی ہونے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں اختلاف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کہتے ہیں کہ وہ حدیث مرسل ہے (درمیان میں کسی صحابی کا واسطہ ہے) ۱۲ قادری

۳۶۰۵ / ۲۳ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَآئِنٍ وَّلَا خَآئِنَةٍ وَّلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَّلَا ذِیْ غِمْرٍ عَلٰی اَخِیْهِ وَلَا ظَنِیْنٍ فِیْ وَلَآءٍ وَّلَا قَرَابَةٍ وَّلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَیْتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خیانت[۱] کرنے والے مرد اور عورت کی گواہی جائز نہیں اور نہ اس شخص کی جسے حد کے کوڑے لگائے گئے ہوں[۲]، اور نہ کینے[۳] والے کی اس کے بھائی[۴] کے خلاف، اور نہ اس شخص کی جس پر ولا اور رشتے داری میں تہمت[۵] لگائی گئی ہو اور نہ اس شخص کی جو کسی گھر والوں کے خرچ پر گزارا کرتا ہو[۶] (ترمذی)

هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّيَزِيْدُ بْنُ زِيَادِ نِ الدِّمَشْقِيُّ الرَّاوِيْ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ)

انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی یزید بن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے۔

سلہ اس سے مراد لوگوں کی امانتوں میں خیانت ہے، یعنی جو شخص اس حرکت میں مشہور ہے اور اس سے کئی بار خیانت ظاہر ہو چکی ہے۔ ورنہ خیانت ایک مخفی امر ہے جسے مخفی امور اور اسرار کا جاننے والا ہی جانتا ہے۔

بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس جگہ خیانت سے مراد مطلق فسق ہے، جو خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امانت، احکام شرع میں خیانت ہے، آئندہ حدیث میں اس کے بعد زنا کا ذکر، تعمیم کے بعد تخصیص ہے، یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے ورنہ فسق کی بہت سی قسمیں جو قبول شہادت سے مانع ہیں، ذکر کے بغیر ہی رہ جائیں گی، نیز خیانت کی تخصیص کی وجہ بھی کوئی نہیں ہے ——— فسق کہتے ہیں گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار کرنے کو۔

سلہ لیکن دیگر حدود میں توبہ سے پہلے گواہی مقبول نہیں ہے۔ توبہ کے بعد مقبول ہے، حد قذف (گواہوں کے بغیر زنا کی تہمت لگانے پر قائم کی جانے والی حد ۱۲ ق) میں توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک توبہ کے بعد تمام حدود میں مقبول ہے۔ اس مسئلے کی تحقیق اصول فقہ میں ہے۔

سلہ غمر نقطے والی غین کے نیچے زیر، میم ساکن، کینہ ——— یعنی اس دشمن کی گواہی قبول کی جائے گی جس کی دشمنی ظاہر اور مشہور ہو۔

سلہ بھائی کبھی تو نسبی ہوتا ہے اور کبھی دینی، اس جگہ بنی نوع انسان کا کوئی فرد مراد ہے کہ وہ مہربانی اور انصاف کا حق دار ہے۔ نہ کہ دشمنی اور کینے کے اظہار کا۔

سلہ ظنین نقطے والی ظاء کے ساتھ، بروزن فَعِيْلٌ، ظِنَّةٌ پہلے حرف کے نیچے زیر، بمعنی تہمت سے مشتق ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ میں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِيْنٍ، اس قراءت کے مطابق جس میں ظاء ہے۔ (اور ہمارے حبیب پر غیب کے بارے میں تہمت نہیں لگائی گئی ۱۲ ق)

اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کسی کا آزاد کردہ ہے، وہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کر کے کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے آزاد کیا ہے۔ حالانکہ اس کی بات جھوٹ ہے، اور وہ اس سلسلے میں مشہور ہے اور لوگ اس بات میں اسے جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ جھوٹا اور فاسق ہے۔ ولاء میں جھوٹ بولنا اور آزاد کرنے والے سے اسے منقطع کر کے کسی دوسرے شخص کے لیے ثابت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اور اس کے بارے میں وعید اور سختی وارد ہے۔ اسی طرح رشتہ داری کا حکم ہے مثلاً ایک شخص جھوٹا دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں یا فلاں کا بھائی ہوں (جیسے کچھ لوگ جعلی سید بن جاتے ہیں ۱۲ قادری) اور لوگ اس کے دعوے کو جھٹلائیں، اس پر تہمت لگائیں اور وہ اس میں مشہور ہو جائے۔ یہ بھی فسق ہے، باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے نسبت کے ملانے اور دعویٰ کرنے پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

سلہ وہ بھیک مانگنے والا جو معمولی خوراک لے کر قناعت کر لیتا ہے، اس جگہ وہ شخص مراد ہے جس کا خرچ دوسرے کے ذمہ ہو مثلاً خادم اور تابع (شاگرد، مرید، وغیرہ ۱۲ ق) کیونکہ وہ اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لیے گواہی دے گا، لہٰذا یہ گواہی ایسی ہی ہوگی جیسے کہ باپ اور بیٹے یا میاں بیوی کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی۔ (اور وہ مقبول نہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ۱۲ ق)

۳۶۰۶/۲۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خیانت کرنے والے اور زنا کرنے والے مرد و زن کی گواہی جائز نہیں اور کینے والے کی گواہی اس کے بھائی کے خلاف جائز نہیں، اور آپ نے اس شخص کی گواہی اس گھر والوں کے حق میں رد فرما دی جس گھر سے اس کا گزارا ہوتا ہے۔ سلہ

(ابو داؤد)

سلہ اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہو گیا (راقم قادری نے اس کا ترجمہ لکھ دیا ہے)

۳۶۰۷/۲۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگلی (دیہاتی) کی گواہی بستی والوں سلہ کے خلاف جائز نہیں۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

سلہ قریہ کا استعمال بلد (شہر) کے مقابل ہوتا ہے۔ لیکن اس جگہ شہر کو شامل ہے۔ یعنی بادیہ نشینوں، اور جنگلیوں کی گواہی شہریوں کے خلاف جائز نہیں، کیونکہ جنگلی لوگ احکام شریعت اور گواہ بننے کے طریقے سے بے خبر

ہوتے ہیں اور بھول جاتا ان پر غالب ہوتا ہے اور اگر معلوم ہو کہ وہ ایسا نہیں ہے، تو اس کی گواہی جائز ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ گواہی اس لیے مقبول نہیں کہ ان کے درمیان دوری اور عداوت پائی جاتی ہے۔ (فریقین ایک دوسرے کو برا جانتے ہیں ۱۲ قادری) اس صورت میں جنگلی اور شہری تخصیص کی وجہ ظاہر نہیں ہے بلکہ جہاں بھی دشمنی ہو گی گواہی جائز نہ ہو گی، امام مالک نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور انہوں نے شہری کے خلاف جنگلی کی گواہی کو رد کیا ہے، اکثر ائمہ کے نزدیک اگر جنگلی عادل ہے تو بستی والے کے خلاف اس کی گواہی مقبول ہے، اور لَا یَجُوْزُ کا معنی یہ ہے کہ یہ گواہی بہتر نہیں اور عدم جواز اس وقت ہے جب کہ صفات مذکورہ پائی جائیں۔

۳۶۰۸/۲۶ وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا اَدْبَرَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عوف بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ فرمایا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو اس نے کہا، میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی اور بہترین کارساز ہے[۲]، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ بے احتیاطی[۳] پر آدمی کو ملامت فرماتا ہے، لیکن تمہیں احتیاط سے کام لینا چاہیے، پھر جب تم پر کوئی چیز غالب آجائے[۴] تو کہو: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے[۵]۔ (ابوداؤد)

[۱] عوف عین پر زبر، واؤ ساکن بن مالک اشجعی صحابی ہیں، پہلے پہل خیبر میں حاضر ہوئے فتح مکہ کے دن بنو اشجع کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا، صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے، شام میں اقامت اختیار کی اور وہیں ۷۳ھ میں وصال ہوا، عوف بن مالک تابعی بھی ہیں۔ لیکن اس جگہ صحابی مراد ہیں۔

[۲] ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ مدعی نے ناجائز طور پر ان کا حق حاصل کر لیا ہے، غم واندوہ اور حسرت کی بناء پر یہ کلمہ کہا۔

[۳] اس جگہ عجز سے مراد، کیس کا مقابل ہے، کیس کاف پر زبر اور یا ساکن، زیرکی ہوشیاری معاملات

میں بیدار مغزی، اسباب پر توجہ دیتے ہوئے مصلحت کار اور انتظام کے لیے بہتر راستہ اختیار کرنا اور مقدمات کے معاملات میں غور و فکر کو بروئے کار لانا وغیرہ۔ یہ کیس اور کیاست کا معنی ہے اور اس کے مقابل عجز یہ ہے کہ یہ کام انجام نہ دے سکے اور فکر و تدبیریں بے بس ہو جائے، یعنی تمہیں چاہیے تھا کہ مقدمے اور معاملے میں بیدار مغزی اور ہوشیاری سے کام لیتے اور اس سلسلے میں مدعی کے گواہ پیش کرنے سے پہلے کرتا ہی سے کام نہ لیتے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

سمیہ غور و فکر کرنے اور اپنی پوری قوت استعمال کرنے کے باوجود۔

ھہ لیکن ہوشمندی اور احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے سے پہلے یہ کلمہ کہنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس جگہ متنبہ کرنا اور معاملات میں غور و فکر اور بیدار مغزی پر ابھارنا اور حق کے قائم کرنے اور اسباب کے ذریعے اسے ثابت کرنے کی کوشش میں سستی اور غفلت پر ملامت کرنا مقصود ہے، اور یہ طاقتور مومنوں کا حال ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ۔ طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے ——— یا اللہ! ہم کمزور ہیں، ہم دنیا و آخرت کے اپنے معاملات کی تدبیروں کی طاقت نہیں رکھتے، ہمیں اپنی طاقت کے ساتھ قوی اور توانا بنا دے۔ یا اللہ! گناہ سے بچنے اور نیکی کے اپنانے کی توانائی دینے والا تو ہی ہے، اے طاقت والے! تیرے سوا اس ناتواں کا کون ہے؟ اے قدرت والے! تیرے سوا عاجز کا کون دستگیر ہے؟

۳۶۰۹/۲۷ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِيْ تُهْمَةٍ۔	حضرت بہز بن حکیمؓ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت میں قید کیا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ ثُمَّ خَلّٰى عَنْهُ۔	(ابوداؤد) امام ترمذی اور نسائی نے اضافہ کیا کہ پھر اسے چھوڑ دیا۔

لہ بہز باء پر زبر، ہاء ساکن، اور آخر میں زاء بن حکیم، عن ابیہ عن جدہ، حضرت بہز کے دادا معاویہ بن حیدہ ہیں بے نقطہ حاء پر زبر، یاء ساکن، یہ بہز بن حکیم تابعی ہیں، علماء کا ان کے بارے میں اختلاف ہے، ایک جماعت نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، لیکن امام بخاری اور مسلم اپنی صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں لائے۔

سمہ ان پر قرض یا کسی گناہ کا دعویٰ کیا گیا تھا، یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ قید کرنا احکام شریعت میں سے ہے تاکہ مدعی کی سچائی اور گواہ معلوم ہو جائیں، اور جب گواہ قائم کر دیے جائیں تو مدعا علیہ کو رہا کر دیا جائے گا اور جو اس کے ذمہ لازم آتا ہے اس کا فیصلہ سنا دیا جائے گا ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۶۱۰/۲۸ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں فریق[1] حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ (امام احمد، ابوداؤد)

[1] مدعی اور مدعا علیہ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کو بیٹھنے کی اجازت دی جانی چاہیے یہ درست نہیں ہے کہ انہیں کھڑے رہنے پر مجبور کیا جائے ۱۲ قادری)

تصوّف کی بنیادی اور مشہور عالم کتاب

کشف المحجوب

مصنفہ

حجۃ الکاملین امام الواصلین حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری
المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

سلیس مستند عالمانہ ترجمہ از
سید محمد فاروق القادری ایم اے

مقدمہ
میاں محمد سلیم صاحب حماد دربار داتا صاحب لاہور

علماء، مشائخ، محققین اور عوام کے لئے عالمانہ، عارفانہ، محققانہ، سلیس شگفتہ اور پیرابندی کے حسن میں ڈھلا ہوا شایانِ شان ترجمہ۔ اس کے علاوہ ضروری مقامات پر تشریحی نوٹس، آیاتِ کریمہ کے حوالہ جات اور مستند مقدمہ کے سبب کتاب کی اہمیت و افادیت دوچند ہیں۔

فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار لاہور

صفحات ۷۶۸

قیمت مجلد -/۷۵ روپے

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال

اردو بازار

لاہور

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ صدق اللہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد پنجم

اشعۃ اللمعات

اردو

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

کتاب : اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ شریف

شارح : شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ

ترجمہ و حواشی و تعارف شارح : محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

ناشر : فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

کتابت : محمد نعیم خوشنویس، حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

پروف ریڈنگ : مولانا حافظ محمد شاہد اقبال

مطبع : رومی پرنٹرز ۱۰/۲۲ ریٹی گن روڈ، ہجویری پارک لاہور

سال اشاعت : یکم جنوری ۱۹۹۴ء

تعداد : ایک ہزار

ہدیہ : -/۲۲۵ روپے

ملنے کا پتہ

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے امام اہلِ سنت شیخ الاسلام شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشکوٰۃ شریف کی شہرۂ آفاق فارسی شرح اشعۃ اللمعات کے اردو ترجمے کی پانچویں جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ رب کریم جل شانہٗ کے اس احسانِ عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، دعا ہے کہ محض اپنے لطف جمیل سے ترجمہ کی باقی دو جلدیں بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ چوتھی جلد ماہ ربیع الاول، اکتوبر ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی، بحمدہ تعالیٰ اب پانچویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس کارِ عظیم اور گراں کی تکمیل کیلیے دعا فرمائیں۔

اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کا آغاز اہلِ سنت وجماعت کے بایہ ناز عالم فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ نے کیا تھا، ۴ ربیع الثانی ۷ اردسمبر ۷ ۱۴ھ/۱۹۸۶ء کو ان کا وصال ہوگیا تو اہلِ سنت وجماعت کے نامور ناشر جناب سید اعجاز احمد مالک فرید بک سٹال اردو بازار لاہور نے برادر دینی وایمانی مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وخطیب جامع مسجد ظفریہ مریدکے، کے مشورے سے یہ اہم ذمہ داری راقم کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی، یقیناً یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حبیب، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی خدمت کا موقع دیا گیا، ورنہ یہ سعادت بزورِ بازو تو حاصل نہیں کی جا سکتی۔

خوشا مسجد ومدرسہ خانقاہے
کہ در وے بود قیل وقالِ محمد

یہ ایک لافانی حقیقت ہے کہ انسانیت کی کامیابی وکامرانی کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں مضمر ہے

بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رو

احادیث مبارکہ کی شرح اور ترجمہ لکھنے اور شائع کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائی جائیں تاکہ مسلمان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل کریں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اولاد امجاد میں سے جناب ضیاء الحق سوز حکیم مقیم دہلی کی فرمائش پر راقم نے حال ہی میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں شیخ محقق کے سوانح کی جہاتِ مبارکہ، عقائد اور احوال و آثار کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے، یہ مقالہ پیش نظر جلد کی ابتدا میں شامل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اسے پسند کریں گے۔

متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم مولانا علامہ مفتی محمد خاں قادری فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور خطیب جامع مسجد رحمانیہ، شادمان لاہور اس کارِ خیر میں راقم کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گئے ہیں اور یہ ایک نیک فال ہے اُمید ہے کہ ان کے تعاون سے یہ کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور دین متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ پیش نظر جلد کی تبییض فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد شاہد اقبال خطیب جامع مسجد حضرت ابوبکر صدیق، بازار حکیماں، اندرون بھاٹی دروازہ لاہور نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

فرید بک سٹال لاہور کے مالکان، اشعۃ اللمعات اور دیگر کتب حدیث کے تراجم اور دیگر اسلامی و اعتقادی لٹریچر شائع کرنے پر تمام اہل اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

۸ / ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

۱۰ / جون ۱۹۹۲ء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز

شیخ الاسلام، امام اہل سنت، شیخ محقق

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک و کفر اور گمراہی سے نکالنے کے لیے انبیاء کرام بھیجے گئے فکر انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچا دیا، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات امور آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں، لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولت یقین فراہم نہ کر سکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ یقین عطا کیا جس کی بنا پر وہ جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر گئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا البتہ پیغمبرانہ جد و جہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لیے امت مسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے اور انہوں نے نہ صرف دعوت و ارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا بلکہ دین متین کے مقدس چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ دِيْنَهَا (ابو داؤد)

بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

علماء اسلام نے مجدد کے لیے جو شرطیں بیان کی ہیں یہ ہیں۔

- وہ علوم ظاہرہ اور باطنیہ کا جامع ہو۔

- اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر سے نفع عام ہو۔
- سنت کی اشاعت و ترویج اور بدعت کے خاتمے کے لیے کوشاں ہو۔
- ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت ہو اور لوگ دینی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہو، گزشتہ صدیوں میں سے ہر صدی میں ایک سے زیادہ مجدد ہوئے ہیں۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ) فرماتے ہیں :۔

مجدد مائۃ حادی عشر (گیارہویں صدی کے مجدد) یعنی الف ثانی، امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ھ، متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب "سبع سنابل" (متولد ۹۱۵ھ، متوفی ۱۰۱۷ھ) تھے۔[۱]

آئندہ صفحات میں گیارہویں صدی کے مجدد، پاسبان دین مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)، علوم دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر، دینی حمیت و غیرت کے پیکر، امام المحدثین، شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیات مبارکہ کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

حیات مبارکہ

۹۵۸ھ	۱۰۵۲ھ
۱۵۵۱ء	۱۶۴۲ء

امام اہل سنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شہر دہلی ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے، ان کے آباؤ اجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز رہے، بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت ان کے ہمراہ تھی۔[۲]

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے،

---

[۱] محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء، چودہویں صدی کے مجدد اعظم (جامعہ اشرفیہ، مبارکپور) ص ۲۲، ۲۳۔

[۲] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : تکملہ اخبار الاخیار (طبع مجتبائی، دہلی، ص ۲۸۹۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے[1]

حضرت شیخ نے تکملۂ اخبار الاخیار میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کیے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لیے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کریں، کام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

۲۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ و عزت اور کثرت اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوق خدا کے ساتھ الجھتے ہیں اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوا۔

۳۔ شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے کئی دفعہ فرمایا، کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے تو قبول کر لینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا؟

۴۔ اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو وہ کیا کام کرے گا؟ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت اور پیروی میں ہے، تم جو جنگ کرتے ہو وہ اپنے نفس کے لیے ہے نہ کہ بزرگوں کے لیے۔

۵۔ طریقت کے بہت معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحاب ہمت ادا کرتے ہیں، حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے، دست در کار و دل بایار[2]

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا بلکہ ان پر عمل پیرا رہے۔

شیخ سیف الدین دہلوی، ۲۷ شعبان ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمت حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تحصیل علم

حضرت شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے علم سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا، حافظہ حیرت انگیز

---

[1] خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ..... ندوۃ المصنفین دہلی ص ۶۷، ۶۶

[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار فارسی (مجتبائی، دہلی) ص ۳۰۲۔

حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں کہ

دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو[۱]

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھرپور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا پھر شیخ عبدالحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔

جب عربی نصاب اور منطق و کلام کی کتابوں تک پہنچے تو ماوراء النہر[۲] کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علوم دینیہ حاصل کیے۔ شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے، ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں صرف کرتے، اپنی محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر اتنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا[۳]

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دوران سبق عجیب عجیب بحثیں اور مفید باتیں ذہن میں آتیں، اساتذہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ کہتے۔

ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے[۴]۔

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے مروج علوم سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ ۸۸ ـ ۱۵۸۷ء میں حجاز مقدس پہنچے، ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک وہاں قیام کیا، اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا، مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثنا میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، ۲۲ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے، شیخ محقق فرماتے ہیں۔

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، ص ۳۰۰۔

[۲] نہر سے نہر جیحوں مراد ہے، ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں مثلاً بخارا، سمرقند، نسف اسبیجاب، خجند، خوارزم اور کاشغر وغیرہ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

[۳] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی ص ۳۰۲

[۴] ایضاً ص ۳۰۲

اس فقیر حقیر نے حضرت نبیر بشیر نذیر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو انعام واکرام کی بشارتیں پائی ہیں ان کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا۔[1]

بیعت و خلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بے حد شوق تھا، جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا یہ شوق بھی بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداءً والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے پھر ان کے ایماء پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے، مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔ شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو باوجود یکہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور خلافت رکھتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں عارف کامل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر بیعت کی تھی۔[2]

تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیات مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف دنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، فنی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں۔

۱۔ تفسیر	۲۔ تجوید	۳۔ حدیث	۴۔ عقائد
۵۔ فقہ	۶۔ تصوف	۷۔ اخلاق	۸۔ اعمال
۹۔ منطق	۱۰۔ تاریخ	۱۱۔ سیر	۱۲۔ نحو
۱۳۔ ذاتی حالات	۱۴۔ خطبات	۱۵۔ مکاتیب	۱۶۔ اشعار[3]

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے، چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، الشیخ محقق: اخبار الاخیار فارسی ص ۳۰۴۔

[2] خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۳۷۔

[3] ایضاً: ایضاً ص ۱۶۰۔ نوٹ: جناب نظامی صاحب نے ۹ پر فلسفہ و منطق کا شمار کیا ہے، حالانکہ فلسفہ میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ قادری

۱۔ اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کا فارسی میں ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے، اردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالےٰ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا، ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمہ لگا۔ راقم نے چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی ہے، ترجمہ کی دو جلدیں مزید ہوں گی۔ یہ سب کام فرید بک سٹال لاہور کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح جس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی)

۴۔ مدارج النبوۃ (فارسی) سیرت طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب۔

۵۔ اخبار الاخیار (فارسی) ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

۶۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) تاریخ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷۔ زبدۃ الاسرار (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸۔ زبدۃ الآثار (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

۹۔ تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلک اہل سنت وجماعت۔

۱۰۔ شرح فتوح الغیب (فارسی) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف فتوح الغیب کی شرح۔

۱۱۔ ماثبت بالسنۃ (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات، کتاب وسنت اور طریق اسلاف کی روشنی میں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبید احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الاکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال، امام ولی الدین، صاحب مشکوٰۃ کی تصنیف ہے اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام:

پیر عبدالغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا ان میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے، اس کی ابتدا میں لکھا ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام من تصنیف
زبدۃ المحققین شیخ عبدالحق دہلوی
رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء کو آسمان علم و معرفت کا نیر درخشاں احادیث نبویہ کا عظیم شارح، دین اسلام اور مقام مصطفےٰ کا محافظ اور مسلک اہل سنت کا پاسبان دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محو استراحت ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وقدس سرہٗ

شیخ محقق کی دینی اور علمی خدمات

حضرت شیخ محقق نے اپنی طویل زندگی دین اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقام مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کرنے میں صرف کر دی، دین متین کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی مؤثر سرکوبی کی، مسلک اہل سنت وجماعت کی شاندار ترجمانی کی۔

اس دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی جس کا آغاز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق تھا، بعد ازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک جا پہنچا کہ دین اسلام کے قطعی عقیدے ختم نبوت سے ٹکرا گیا، اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالتاً تھے اور یہاں تبعاً ہیں، اتباع رسول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ امتی، نبی کی مثل ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی، حضرت علی متقی، اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقام مصطفےٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کہتے ہیں۔

> اگر سولہویں اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانہ کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا۔
>
> تصور امام، عقیدۂ مہدویت، نظریہ الفی (دین اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ ق ن) دین الٰہی یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔
>
> شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کر دی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی

پر شدت سے تنقید کی۔[1]

یہ وہ دور تھا کہ علماء بدعتوں کی سرپرستی کرتے تھے اور فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، صوفیائے خام نے طریقت کو شریعت سے الگ کر کے تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، ایسے علماء اور مشائخ کی بیہودگیوں نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا، ورنہ بقول شیخ محقق ایک وقت وہ تھا کہ

بادشاہ اتباع شریعت اور عبادت کا پابند تھا، مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا، ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا۔[2]

پھر ایسا برگشتہ ہوا کہ دن بدن دین سے دور ہوتا چلا گیا، بقول ملا عبدالقادر بدایونی ارکان دین اور اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، وید، ابد الہی وغیرہ کا تمسخر اڑایا جانے لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحتہً اعتراضات کیے جانے لگے، کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوانخانے میں اعلانیہ نماز ادا کرے، چار وقت سورج کی عبادت کی جاتی، ماتھے پر قشقہ لگایا جاتا، اسلامی تعلیمات کے خلاف کتے اور خنزیر کی نجاست کا حکم کالعدم قرار دے دیا گیا اور ان کی زیارت کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔

ظاہر ہے ان حالات میں عقائد اور اعمال کے ہر گوشے میں بگاڑ کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا، شیخ محقق نے دینی دینی تعلیمات کو فروغ دے کر اس زہر کا تریاق فراہم کیا، شیخ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضی خاں کے ذریعے جہانگیر کو تاریخی خط لکھا جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملت اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس خط میں شیخ محقق نے دنیا کی بے ثباتی، عدل و انصاف کی اہمیت، مقام نبوت اور اتباع شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیش رو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو، اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دور کے دیگر امراء سلطنت کو بھی خطوط لکھے اور امراء کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی اور شیخ محقق دونوں ہم عصر بھی ہیں اور پیر بھائی بھی، تجدید اسلام، احیاء سنت اور اماتت بدعت کے سلسلے میں دونوں کا ہدف ایک ہے، البتہ طریق کار دونوں کا اپنا اپنا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۷۲

[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، رسالہ نورب الاقدام (مطبع نامی گرامی اسلامی) ص ۲۷۔

نفرت اور احیارِ سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحب کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحب نے کہا ہے[1]

دربار اکبری کے مشہور شاعر اور بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے، فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی عقیدت و محبت تھی، شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور ان کے فقر غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمتِ اسلام پر حرف آئے فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا تو اس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا، غیرتِ ایمان کا ابال ان کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔

> فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتاز روزگار تھا، لیکن افسوس کہ اس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگا لیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے اگر وہ مومن ہیں[2]

علم حدیث کی تشریح اور ترویج

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علوم دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی، انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ قال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے، ان کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ نور الحق بن شیخ محقق (متوفی ۹ ر شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح تیسیر القاری

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۰۲۔

[2] ایضاً ایضاً ص ۲۴۳۔

کے نام سے فارسی میں لکھی، انداز وہی ہے جو شیخ محقق کا اشعۃ اللمعات میں ہے۔ شرح شمائل ترمذی لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ نورالحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نوراللہ نے شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے لکھی، شیخ نورالحق کے دوسرے پوتے شیخ محب اللہ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی، شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخرالدین نے حصن حصین کی شرح، فارسی میں لکھی، حافظ محمد فخرالدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد، دہلی میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز رہے، انہوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے موطا امام مالک کی شرح، شرح محلی بمل اسرار المؤطا دو جلدوں میں لکھی، اس کے علاوہ شرح ترمذی لکھی، شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ نورالایمان اور رسالہ اصول الایمان لکھا[1]

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علوم دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

> حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند تدریس بچھائی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل، گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا، گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے، یہ سب شیخ عبدالحق کا اثر تھا[2]

شیخ محقق کی دینی خدمات کے بارے میں چند تاثرات ملاحظہ ہوں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر : حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲۲۴- ۲۵۸

[2] ایضاً ، ص ۳۴۴

باون سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے مُکنت (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے اور نشر علوم خصوصاً علم حدیث شریف میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل نہ ہوا تھا، ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنون علیہ خصوصاً فن حدیث میں کتب معتبرہ تصنیف کیں جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہل دانش خواص و عوام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں [1]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں :-

ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء مثلاً شیخ عبدالحق ترک دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اس علم کا فیضان کیا، شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہتر ین انداز میں یہ علم سکھایا، پھر یہ منصب ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے سنبھالا (ترجمہ) [2]

شیخ محقق کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

شیخ کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں، علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور واقعی وہ اس لائق ہیں، ان کی عبارات میں قوت، فصاحت اور سلاست ہے، کان انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لطف اندوز ہوتے ہیں (ترجمہ) [3]

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں :-

آپ کی فضیلت اور تنقید حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا، مگر وہ جس کو اللہ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے۔ اعاذنا اللہ منہا [4]

عقائد

اہل سنت و جماعت کے عقائد، کتب کلام مثلاً شرح عقائد، تمہید ابو شکور سالمی، المعتقد المنتقد اور

---

[1] فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ، مکتبہ حسن سہیل، لاہور ص ۴۳۰
[2] صدیق حسن خاں بھوپالی : الحطہ (طبع لاہور) ص ۱۲۰-۱۲۱
[3] ایضاً ص ۲۱۴
[4] فقیر محمد جہلمی، مرحوم : حدائق الحنفیہ ص ۴۳۰

تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں، دوسرا آخر میں کچھ مسائل کو نظامی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے، مدینہ منورہ کے احترام کے پیش نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے[1] سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کا قلم حدود شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے۔

شیخ محقق نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ثنائیش گو، دلے چوں نیست ایفائیش ز تو ممکن	بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکتفا کن
محال او را خدا از بہر شرع وحفظ دیں	دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن
خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ	جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن
جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں	بیاؤ عالمے را روشن از نور تجلی کن

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لیے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کر دو۔

یا رسول اللہ! میں آپ کے جمال اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محب صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہو گئی ہے، آپ تشریف لائیں اور نور تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی اور زار و قطار رونے لگے۔

خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔[2]

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۱۲

[2] ایضاً

علم مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف میں ہے "فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" شیخ محقق اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پس میں نے جان لیا وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہو گیا[1]

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسرار کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اول و آخر علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور "فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" کا مصداق ہوئے ہیں[2]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دنیا میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہو گئے، آپ نے بعض احوال کی خبر، صحابہ کرام کو بھی دی[3]

ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام احوال اور ذات باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا، اسی وسیع ترین علم کو علم ما کان و ما یکون کہا جاتا ہے۔

اختیار و تصرف

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، سَلْ (مانگو) حضرت شیخ محقق نے اس کی شرح میں، اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۱ ص ۳۳۳۔

[2] ایضاً مدارج النبوۃ فارسی (ایضاً) ج ۱ ص ۲

[3] ایضاً ج ۱ ص ۱۴۴۔

اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے :

مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے جو چاہیں جسے چاہیں، اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصہ ہیں، اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے تو ان کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر لے[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ قدرت و تصرف میں تھے[2]

حاضر و ناظر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مقدسہ میں تشریف فرما بعطا سابلی تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں، اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں۔

اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہٖ اُس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثالی کے ذریعے تشریف لے جائیں، خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ، اس کا احتمال ہے، جب کہ ہر حال میں روضۂ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے[3]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۳۹۶

[2] ایضاً ج ۱ ص ۲۲۴ [3] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۵۰

سلوک اقرب السبل میں فرماتے ہیں :-

علمائے امت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقت حیات سے دائم و باقی ہیں، اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر طالبان حقیقت اور بارگاہ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے فیض رساں اور مربی ہیں[1]

اس کے علاوہ مدارج النبوۃ فارسی ج ۱ ص ۶۲۱ اور اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ... بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے :-

جسم بے سایہ

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :-

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت اور نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے، تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا ...... چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا[2]

دیدارِ الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :-

مختار یہ ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں ہے، ہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شب معراج واقع ہے[3]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق ، سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل (بر اخبار الاخیار) ص ۵۵۔

[2] ایضاً ، مدارج النبوۃ فارسی ج ۱ ص ۱۱۸

[3] ایضاً ، اشعۃ اللمعات، فارسی ج ۴ ص ۴۲۴

حیاتِ انبیاء کرام و اولیاء عظام

مدارج میں فرماتے ہیں:
انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے، ان کی زندگی معنوی اور اخروی ہے اور انبیاء کرام کی زندگی حسی اور دنیاوی ہے اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں[1]

نیز ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۵۷۴۔
جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔
بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا کہ وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے یا اس سے زیادہ[2]
اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔
انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات اخروی معنوی سے[3]

سماعِ موتیٰ

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔
تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لیے جاننے اور سننے والے ادراکات ثابت ہیں[4]

زیارتِ قبور

تمام مومنوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بنا پر وہ زیارت

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق ، مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۲۴۷
[2] ایضاً ، جذب القلوب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۲۱۳
[3] ایضاً ، اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۰۲
[4] ایضاً ، جذب القلوب فارسی (نولکشور، لکھنؤ) ص ۲۰۱-۲

کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے[1]

زیارت روضۂ انور

جذب القلوب میں ہے :-

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت افضل سنتوں اور مؤکد مستحبات میں سے ہے، اس پر علماء دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے[2]

توسل اور استعانت

جذب القلوب میں فرماتے ہیں :-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے کہا : تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے۔ اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد، جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ بلکہ اس حدیث کی بنا پر بعد از وصال اولیاء کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے، ہاں اگر حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو قیاس درست نہ ہوگا، مگر دلیل کہاں ہے؟[3]

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :-

امام غزالی نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی[4]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : جذب القلوب فارسی (نولکشور، لکھنؤ) ص ۲۰۶

[2] ایضاً : ص ۲۱۰

[3] ایضاً : ص ۲۲۱

[4] ایضاً : اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۱۵

اشعۃ اللمعات فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:۔
منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہوگیا، کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے، اور ان کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست قرار دیتا ہے۔ اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے[1]

شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گناہگاروں نے دنیا میں اہل اطاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور انکی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے[2]

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔
ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بنا پر ہے، ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں، خواہ گناہوں کی بخشش کے لیے ہو یا درجات کی بلندی کے لیے، اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے، جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے[3]

محفل میلاد

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:۔
ابولہب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھا لیا،

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات فارسی ج ۳ ص ۴۰۲
[2] ایضاً : ج ۴ ص ۴۰۵
[3] ایضاً : ج ۴ ص ۴۰۸

جیسے کہ احادیث میں آیا ہے، اس جگہ میلاد منانے والوں کے لیے دلیل ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں، ابولہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت پر خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف کرنے پر جزا دی گئی، مسلمان جو محبت اور سرور سے مالا مال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کی پیدا کردہ بدعتوں شلاً گانے حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقۂ اتباع محرومیت کا سبب نہ ہو [۱]

ایصال ثواب

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں :-

مُردوں کے لیے زندوں کی دعاؤں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہلِ قبور کے لیے عظیم نفع ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں، نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے [۲]

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۹۷ ملاحظہ ہو۔

عرس

ماثبت من السنۃ میں فرماتے ہیں :-

مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہِ عزت اور مقامات قدس میں پہنچتے ہیں۔ اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید کی جاتی ہے۔ اور یہ ان امور میں سے ہے جنہیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے [۳]

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۱۹

[۲] ایضاً : تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۷-۷۶

[۳] ایضاً : ماثبت من السنۃ عربی، اردو (طبع لاہور) ص ۲۲۴۔

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق فرماتے ہیں :۔
آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لیے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تا کہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بستے ہیں، ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے، بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیے گئے [1]

قادریت

حضرت شیخ محقق کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی لیکن ان پر نسبت قادریہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی نسبت ہی کو اپنے لیے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے، فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتدا میں اپنا نام نہیں لکھا، اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔
اس حقیر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے کہ اس جگہ ذکر کیا جا سکے [2]
اخبار الاخیار میں متعدد ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے، لیکن شیخ محقق کا حسن عقیدت دیکھیے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلک

شیخ محقق مسلک اہل سنت و جماعت کے امام ہیں، ان کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے، حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مسلک امام ربانی طبع لاہور از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، یہی عقائد و معمولات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۲۷۲
[2] ایضاً ، شرح فتوح الغیب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۴۲۴

کے ہاں ملتے ہیں، الفقول الجلی کی بازیافت از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، یہ مقالہ رضا اکیڈمی لاہور نے حال ہی میں طبع کیا ہے۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں تاہم وہ اپنے مکتب فکر کا تعلق ان سے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری، استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔

ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے، غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں انہیں تو جانے دیجیے ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی، اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں[1] تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔

پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی، نیز حضرت شیخ عبدالحق کا مذاق کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا، غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا ہوں، سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا"۔ بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لیے شیخ محقق کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں۔

اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں[3]

---

[1] چاند کے چہرے پر گرد و غبار اڑانے والی بات ہے۔ ۱۲ اشرف قادری نقشبندی

[2] انظر شاہ کشمیری، مولوی: نقش دوام، ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

[3] خلیل احمد انبیٹھوی: براہین قاطعہ (کتب خانہ امدادیہ، دیوبند) ص ۵۵

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ

ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ[1]

اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں شیخ نے یہ بات بطور حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی، بدایوں، خیر آباد اور رامپور کے علماء یعنی علماء اہل سنت ہی شیخ محقق کے جانشین اور ان کے مسلک کے امین ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں۔

شیخ شیوخ علماء الہند، محقق فقیہ، عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت و عظمائے امت، قَدَّسَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِهِمْ وَاَفَاضَ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِهِمْ وَاَنْوَارِهِمْ[2]

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امام اہل سنت، شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربت انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، ان کی اولاد امجاد اور تمام اہل سنت و جماعت کو ان کے علمی ورثے کی حفاظت اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلاف کا خاتمہ فرمائے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۱۸ر شوال ۱۴۱۲ھ

۲۲ر اپریل ۱۹۹۲ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

جامعہ نظامیہ لاہور

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ا ص ،

[2] احمد رضا بریلوی، امام: مجموعہ رسائل حصہ دوم (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص ۱۰۹

کِتَابُ الْجِهَادِ

۲۸۵۔ جہاد کا بیان

الجہد جیم پر زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں، طاقت اور مشقت، جہاد جیم کے نیچے زیر اور مجاہدہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا (قاموس) غالباً جنگ کا ارادہ کرنا، اس کے لیے نکلنا اور قوت و طاقت کا صرف کرنا مراد ہے۔ کیونکہ حضرت مؤلف اس کے بعد ایک باب لائے ہیں "جہاد میں جنگ کرنا" اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بغیر بھی جہاد ہوتا ہے، کافروں کے ساتھ جہاد فرض کفایہ ہے، ہاں اگر جنگ کا اعلان عام ہو تو فرض عین ہو جاتا ہے۔ سمندر کا جہاد خشکی کے جہاد سے افضل ہے، قاموس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ بہترین شہداء اصحاب وکف ہیں یعنی وہ حضرات جنہیں کشتی پانی میں پھینک دے، امام سیوطی، جمع الجوامع میں حدیث لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمندر کے شہداء کی روحیں خود قبض فرماتا ہے اور ملک الموت کے سپرد نہیں فرماتا، مشکوٰۃ شریف میں بھی ڈوبنے والے کی فضیلت میں احادیث آئیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۶۱۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِیْ اَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ فِيْهَا قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَ اَعْلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَ مِنْهُ تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے[۱] تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر لازم اور ثابت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے یا اس زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے صحابۂ کرام نے عرض کی کہ ہم لوگوں کو خوش خبری نہ دیں؟ فرمایا: بے شک جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں[۲]، جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس کی دعا کرو کیونکہ وہ درمیانی[۳] اور بلند ترین جنت ہے، اس کے اوپر اللہ تعالیٰ[۴] کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں[۵]۔

(بخاری)

[۱] خاص طور پر نماز قائم کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کے ذکر میں اشارہ ہے ان کی عظمتِ شان کی طرف، نیز اس لیے تخصیص کی کہ یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہیں، بخلاف زکوٰۃ اور حج کے کہ سب پر واجب نہیں ہیں۔ صرف ان لوگوں پر واجب ہیں جو صاحبِ مال ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں۔

۵۲ یعنی ہاں! خوشخبری دے دو کہ اہل ایمان نمازی اور روزے دار، ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے، لیکن جنت کے بہت سے دوسرے درجات اور فضائل ہیں جو جہاد اور راہِ خدا میں شہادت سے حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا جہاد کے ذریعے انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

۵۳ یعنی افضل اور عمدہ ترین جنت ہے، وسط بہترین چیز کو کہتے ہیں۔

۵۴ عرش کی اضافت، رحمن کی طرف اس بنا پر ہے کہ عرش اور رحمت میں خصوصی تعلق ہے، جیسے عرش نے تمام اجسام اور عالم محسوس کے تمام اجزاء کا احاطہ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے تمام اجسام اور ارواح، محسوسات اور معقولات کا احاطہ کیا ہوا ہے، خواہ وہ عرش ہو یا اس کے علاوہ۔

۵۵ فردوس مشتق ہے فَرْدَسَہ سے جس کا معنی وسعت اور عظمت ہے۔

۳۶۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَا صَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا حال اس شخص کی طرح ہے جو روزہ دار، شب بیدار اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ قیام کرنے والا ہو، نہ روزے سے تھکے اور نہ نماز سے[۱] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس آجائے (صحیحین)

۱ اگرچہ مجاہد کے عمل میں تھوڑا اور وقفہ پیدا ہو جاتا ہے، بعض اوقات وہ کھانے، سونے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہے، لیکن وہ اس شخص کے حکم میں ہے جس کی عبادت میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا اور مجاہد کی ہر حرکت اور آرام پر ہمیشہ ثواب لکھا جاتا ہے، اس جگہ قنوت کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ قیام میں داخل ہے۔

۳۶۱۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌۢ بِيْ وَتَصْدِيْقٌۢ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے ضمانت دی ہے جو اس کے راستے میں نکلا[۱] اور اس کے نکلنے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے[۲] کہ میں اسے حاصل

اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہونے والے ثواب یا غنیمت[۳] کے ساتھ واپس کردوں گا یا اسے جنت میں داخل کردوں گا[۴]
(صحیحین)

لہ جہاد کے لیے۔

[۲] یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے، نہ کہ دنیا کی طلب کے لیے اور ریاکاری کے طور پر۔

[۳] اسے صرف ثواب آخرت ملتا ہے یا غنیمت، بعض روایات میں وَغَنِيْمَةٍ واؤ کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ غنیمت، ثواب کے منافی نہیں ہے۔

[۴] یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو پہلے پہل، حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اگر مجاہد شہید ہو جائے اور واپس نہ آئے، پس اسے موت کے بعد قیامت کے دن سے پہلے جنت میں داخل کردوں گا جیسے فرمایا: اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

۳۶۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر یہ مجبوری نہ ہوتی کہ کچھ مومنوں کے دل اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ ہم سے پیچھے رہیں اور انہیں سوار کرنے کے لیے ہم سواریاں نہیں پاتے، تو ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی لشکر[۱] سے پیچھے نہ رہتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ہماری جان ہے! ہمیں یہ بات محبوب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں، پھر زندہ کیے جائیں، پھر قتل کیے جائیں پھر زندہ کیے جائیں، پھر قتل کیے جائیں پھر زندہ کیے جائیں پھر قتل کیے جائیں[۲]
(صحیحین)

لہ سریّۃ سین پر زبر، را کے نیچے زیر اور یا مشدد۔ ہر لشکر کا ایک حصہ ۔ ______ یعنی ہم جو ہر لشکر اور فوج کے ہمراہ کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں جاتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم ہر لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے جاتے تو لازمی طور پر سواری اور دیگر ضروری سامان نہ ہونے کے سبب مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جاتی اور ہم سے جدا ہو جاتی۔ ہمارے پاس اتنی سواریاں نہیں ہوتیں کہ سب کو ان پر سوار کریں۔ اور اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور مسلمان جنگ میں شریک نہ ہونے اور ہم سے جدا ہونے کے سبب خوش نہیں ہوں گے اور اس بنا پر حسرت ویاس کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے دل شکستہ اور مغموم ہو جائیں گے۔ ورنہ ہمارے دل میں جہاد کی اس قدر محبت ہے کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بار بار شہید کیے جائیں اور بار بار زندہ کیے جائیں جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

ٹہ یعنی ہماری آرزو ہے کہ ہمیں ہر دفعہ نئی زندگی دی جائے اور بار بار شہید کیا جائے۔ تاکہ ہر بار نیا ثواب حاصل کریں۔

۳۶۱۵/۵ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن اسلامی ملک کی سرحد کا پہرہ دینا، دنیا اور جو دنیا پر ہے ٹہ اس سے بہتر ہے (صحیحین)

لہ سہل بن سعد ساعدی انصاری، مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

ٹہ دنیا کا ساز و سامان ______ ربط کا معنی ہے باندھنا۔ رباط دشمن کی سرحد کی حفاظت کرنا۔ مناسبت یہ ہے کہ پہرے کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے جاتے ہیں

۳۶۱۶/۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام چلنا دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے بہتر ہے۔ (صحیحین)

سلہ۔ غدوۃ نقطے والی غین پر زبر۔ دن کے ابتدائی حصے میں چلنا۔ سفر کرنا۔ روحۃ۔ راء پر زبر، دن کے آخری حصے میں سفر کرنا۔

۳۶۱۷ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَّ قِيَامِهٖ وَ اِنْ مَّاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَ اُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَ اٰمِنَ الْفَتَّانَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات، اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑا باندھنا، ایک مہینے کے روزوں اور رات کی نمازوں سے بہتر ہے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اسے اس عمل کا ثواب ملتا رہے گا جو وہ کیا کرتا تھا۔ اسے اس کا رزق دیا جائے گا اور فتنے میں ڈالنے والے سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سلہ جنت کا کھانا اور پانی۔

سلہ عذاب قبر کے فرشتے۔ یا دجال یا شیطان سے۔ ——— اٰمِنَ، اَمْنٌ سے صیغہ معلوم ہے، ایک روایت میں اُومِنَ مجہول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بے خوف کیا گیا۔ فَتَّان، فاء پر زبر، تاء مشدد، ایک روایت میں ہے۔ فُتَّانٌ فاء پر پیش، فَاتِنٌ کی جمع۔

۳۶۱۸ وَعَنْ اَبِيْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو عبس سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی بندے کے دونوں پاؤں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں پھر اسے آگ چھوئے۔ (بخاری)

سلہ ابو عبس بے نقط عین پر زبر، با ساکن اور بے نقط سین۔ انصاری صحابی ہیں۔ ان کا نام عبدالرحمٰن بن جبیر ہے۔ جیم پر زبر اور با ساکن۔ جاہلیت میں ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ۳۴ھ میں ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔

۵۲ یہ کنایہ ہے راہ جہاد میں کوشش کرنے سے۔ اس جگہ (شانِ جہاد میں) مبالغہ ہے کہ جب راہ جہاد میں قدموں کا غبار آلود ہونا۔ آگ کے چھونے سے مانع ہے تو خود جہاد کا کیا حال ہوگا؟
عام طور پر فی سبیل اللہ سے جہاد کی کوشش مراد لی جاتی ہے۔ بعض اوقات حج، علم اور رزق حلال کی کوشش بھی مراد لی جاتی ہے۔

۳۶۱۹/۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَّ قَاتِلُهٗ فِى النَّارِ اَبَدًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کافر اور اس کا قاتل۔ کبھی بھی آگ میں جمع نہیں ہوں گے ۵۳۔ (مسلم)

۵۳ یہ خوشخبری خاص طور پر اس شخص کے لیے ہے جو کسی کافر کو جہاد میں قتل کرے۔ کہ وہ ہرگز دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اور اصل میں یہ جہاد کی فضیلت کا بیان ہے۔ کیونکہ جو شخص جہاد کرے گا۔ غالب یہ ہے کہ وہ کسی کافر کو قتل کرے گا اور جو شخص جہاد کرنے اور اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور کسی کو قتل نہ کرے۔ اس کی جزا بھی بہشت ہے۔

۳۶۲۰/۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً اَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِى الْقَتْلَ وَ الْمَوْتَ مَظَانَّهٗ اَوْ رَجُلٌ فِىْ غُنَيْمَةٍ فِىْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ اَوْ بَطْنِ وَادٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَوْدِيَةِ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں میں سے ان کے لیے بہترین زندگی والا وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑتا ہے۔ اس حال میں کہ اس کی پشت پر اڑا جاتا ہے ۵۴، جب بھی کوئی خوفناک یا طلب امداد کی آواز ۵۵ سنتا ہے تو گھوڑے کی پشت پر اڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ وہ قتل یا موت کو ان جگہوں میں تلاش کرتا ہے جہاں ان کا گمان ہوتا ہے ۵۶ یا اس شخص کی زندگی بہتر ہے جو پہاڑوں کی ان چوٹیوں میں سے کسی چوٹی ۵۷ پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں چند بکریوں کے ساتھ رہتا ہو۔ نماز قائم کرتا ہو

يُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتّٰى يَاتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِي خَيْرٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

زکوٰۃ دیتا ہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتا ہو یہاں تک کہ اسے موت[۶] آ جائے، وہ لوگوں میں سے نیکی ہی میں ہے[۷]۔ (مسلم)

[۱] یعنی گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے دوڑنا ہے۔

[۲] ہیعۃ وہ آواز اور دشمن کا شور جو ڈرا دے ——— فزع کا معنی اصل میں ڈرنا ہے۔ اس جگہ اس کا اثر مراد ہے کہ فریاد اور استغاثہ ہے۔

[۳] یعنی مرنے سے ڈرتا نہیں ہے اور اس سے بھاگتا نہیں ہے، بلکہ اسے طلب کرتا ہے۔

[۴] شعف نقطوں والا شین اور بے نقطہ عین، دونوں پر زبر۔ پہاڑ کی چوٹی۔

[۵] اگرچہ بکریاں نصاب کو پہنچ گئی ہوں۔

[۶] یقین، موت کا نام ہے کہ اس کا آنا یقینی ہے۔

[۷] کہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے آپ کو ان سے بچا کر رکھتا ہے۔ نیکی میں ان کے ساتھ شریک ہے نہ کہ شر میں۔ اس حدیث کا حاصل مطلب، دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد اور نفس و شیطان کے مقابلہ کے لیے مجاہدہ اور خواہشوں اور لذتوں میں ڈوب جانے سے اعراض کی ترغیب ہے، اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر لوگوں سے میل جول رکھے تو دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لیے ہو، ورنہ علیحدگی اختیار کرے اور گوشہ نشین ہو جا۔ (اس حدیث میں میل جول کی نسبت، گوشہ نشینی کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، اس مسئلے میں اختلاف ہے، کہ دونوں میں کیا افضل ہے؟)

اصل دار و مدار فوائد اور فائدہ رسانی پر ہے۔ احیاء العلوم میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اور راقم الحروف (شیخ محقق) نے بھی اس کتاب (احیاء العلوم) کے عادات والے چوتھائی حصے کے ترجمے میں تفصیل بیان کی ہے۔

۳۶۲۱ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کو ساز و سامان فراہم کیا تو اس نے

غَزَا وَ مَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جہاد کیا[۲] اور جو غازی کا اس کے اہل و عیال میں خلیفہ بنا[۳]، اس نے جہاد کیا۔ (صحیحین)

[۱] زید بن خالد مشہور صحابی ہیں، ۷۸ھ، عبدالملک کے دور میں کوفہ میں اور بعض علماء نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ کے آخری دور میں ان کا وصال ہوا۔

[۲] یعنی وہ غازی کے حکم میں ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے۔ تجہیز، دلہن، مسافر اور مردے کا ساز و سامان تیار کرنا۔

[۳] اس کے بعد ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا رہا۔

۳۶۲۲/۱۲ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِّنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِّنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ اِلَّا وُقِفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهٖ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجاہدین کی عورتوں کی حرمت بیٹھنے والوں[۱] پر ان کی ماؤں کی حرمت کی طرح ہے[۲]۔ بیٹھے والوں میں سے جو شخص کسی مجاہد کا اس کے اہل میں خلیفہ بنتا ہے۔ پھر ان میں خیانت کرتا ہے۔ تو اسے مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا وہ اس کے عمل میں سے جو چاہے گا لے لے گا۔ تمہارا کیا گمان ہے[۳]؟ (مسلم)

[۱] جو جہاد کے لیے نہ جا سکے۔

[۲] اس امر کے بیان میں مبالغہ مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو مجاہدین کی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یعنی چاہیے کہ ان کی عورتوں میں خیانت نہ کریں۔ بری نظر سے نہ دیکھیں۔ اور انہیں اپنی ماؤں کی طرح حرام جانیں

[۳] کیا وہ مجاہد اس کی کوئی نیکی بھی چھوڑے گا۔؟ یا یہ مطلب ہے کہ اس خیانت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟

کیا تمہیں اس جزا کے دینے میں شک ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ جسے اللہ تعالیٰ نے یہ عزت و منزلت عطا فرمائی ہے اور اسے اس فضیلت کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اس کے بعد اسے مزید عزت میں عطا فرمائے گا۔

۳۶۲۳ / ۱۳ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَّخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مسعود انصاری[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ایک اونٹنی لایا جس کی ناک میں نکیل[۲] ڈالی ہوئی تھی اور اس نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے[۳]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے بدلے تمہارے لیے سات سو اونٹنیاں[۴] ہوں گی جن میں سے ہر ایک کی ناک میں نکیل ہوگی[۵]۔

(مسلم)

[۱] ابو مسعود انصاری مشہور صحابی ہیں۔

[۲] خطام پہلے حرف کے نیچے زیر، اونٹ کی ناک میں ڈالی جانے والی مہار جس کے ذریعے اسے قابو کیا جاتا ہے۔

[۳] یعنی میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بطور صدقہ دیتا ہوں۔

[۴] تمہیں سات سو اونٹنیوں کا ثواب ملے گا۔

[۵] جیسی اس اونٹنی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ثواب میں اس حد تک اضافہ کر دیا جاتا ہے کہ سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے۔ خصوصاً ایسا عمل جو جہاد کے لیے کیا جائے۔

۳۶۲۴ / ۱۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰى بَنِیْ لِحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل کے بنی لحیان[۱] کی طرف ایک لشکر[۲] بھیجا اور فرمایا۔ ہر دو مردوں میں سے ایک اٹھے اور جائے[۳] اور ثواب ان دونوں

اَحَدُهُمَا وَ الْاَجْرُ بَيْنَهُمَا۔ کو دے گا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لہ بنی لحیان لام کے نیچے زیر۔ اس پر زبر بھی آئی ہے۔ قبیلہ ہذیل ہا پر پیش، ذال پر زبر کی ایک شاخ۔

لہ بعث عین ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ لشکر جو کسی جگہ بھیجا جائے۔

لہ یعنی ہر قبیلے کے آدھے افراد روانہ ہوں۔

لہ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ بیٹھنے والا، مجاہد کا خلیفہ بنے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۳۶۲۵ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس[2] پر جہاد کرتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ (مسلم)

لہ جابر بن سمرہ سین پر زبر اور میم پر پیش، مشہور صحابی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ خالدہ بنت وقاص ہیں۔

لہ دین کے قائم رکھنے کے لیے۔

۳۶۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ اللهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُّكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ جُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَ الرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی نہیں کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی کیا گیا ہے۔ مگر وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم، خون اگل رہا ہوگا۔ جس کا رنگ، خون ایسا اور خوشبو، کستوری ایسی ہوگی۔ (صحیحین)

۵ کلم پہلے حرف پر زبر، زخمی کرنا، کلوم اور کلام زخموں کو کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ ثعب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، بے نقطہ عین، اور آخر میں ایک نقطے والی باء، پانی کا جاری کرنا۔ ثعب پہلے حرف پر زبر، پرنالہ۔

۳۶۲۷/۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں جانے والا کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس چلا جائے اور زمین کی تمام چیزیں اس کی ہوں، سوائے شہید کے، وہ دنیا کی طرف واپسی اور دس مرتبہ قتل کیے جانے کی آرزو کرے گا، اس عزت اور ثواب کی بنا پر جسے وہ دیکھے گا۔

(صحیحین)

۳۶۲۸/۱۸ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْنَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (الْاٰيَةَ) قَالَ اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ

حضرت مسروق[۱] سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔ (الآیۃ) انہوں نے فرمایا، ہم نے اس کے بارے میں[۲] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، ان پرندوں کے لیے قندیلیں[۳] ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ وہ جنت کے جس حصے میں چاہیں چرتے ہیں پھر ان قندیلوں میں آکر

بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا قَالُوْا اَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَ نَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوْا مِنْ اَنْ يَسْاَلُوْا قَالُوْا يَا رَبِّ نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

قیام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر جلوہ گری کر کے[۴] فرمایا: تم کوئی چیز چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم کس چیز کی آرزو کریں؟ جب کہ ہم جنت کے جس حصے میں چاہتے ہیں چرتے ہیں، ان سے تین مرتبہ یہی پوچھا گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ مانگنے سے چھوڑے نہیں جائیں گے[۵]، تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں[۶]، یہاں تک کہ ہمیں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی حاجت نہیں ہے[۷]، تو انہیں چھوڑ دیا گیا[۸]۔

(مسلم)

[۱] مسروق عظیم تابعی اور جلیل القدر فقہا میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے اسلام لائے، صدر اول یعنی خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ سے ملاقات کی۔ حضرت ابن مسعود کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں انہیں اغوا کر لیا گیا تھا۔ بعد میں دستیاب ہو گئے تھے، اسی دن سے ان کا نام مسروق پڑ گیا، نوافل اس کثرت سے ادا کرتے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے، اور حج کے لیے جاتے تو سجدے کے علاوہ کہیں نہ سوتے۔ (یعنی نوافل ادا کرتے کرتے سجدہ ہی میں سو جاتے ۱۲ قادری)

[۲] اس آیت کی تفسیر

[۳] جو گھونسلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

[۴] خاص عنایت کے ساتھ ان پر خصوصی تجلی فرمائی۔

۵۵ یعنی انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ وہ ضرور کوئی چیز مانگیں۔
۵۶ اور ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے۔
۵۷ کیونکہ پہلی بار شہید ہونے پر انہیں عظیم ثواب مل چکا ہے۔ اگر دوسری بار شہید ہوئے تو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا۔ اور اس کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ شہداء کا ثواب ایک ہی ہے، اور وہ انہیں حاصل ہو چکا ہے۔
۵۸ انہیں اس بات کی تکلیف نہیں دی گئی کہ ضرور کچھ مانگیں۔

سوال: اگر دوسری مرتبہ شہید ہونے پر بھی ہی اجر و ثواب ملنا ہے تو ان کے اس مطالبے کا کیا فائدہ ہے؟ کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دی جائیں، تاکہ وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے جائیں، شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کلام سے شہداء کا مطلب اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، در حقیقت روح کے لوٹائے جانے کا سوال نہیں ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے خیال میں آیا ہو کہ دوسری مرتبہ شہید ہونے کی جزا، استعداد اور مناسبت کے قوی ہونے کے سبب، پہلی بار کی نسبت بہتر اور زیادہ کامل ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی عادت کریمہ کے مطابق علم تھا کہ دوسری شہادت کی جزا بھی ایسی ہی ہوگی، اس لیے دوسری شہادت کی حاجت نہیں ہے، یہی وجہ تھی کہ اس کے بعد ان سے نہیں پوچھا گیا۔

البتہ یہ سوال باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت، تمام نعمتوں سے زیادہ عظیم اور کامل ہے، تو شہداء نے اس نعمت عظمیٰ کا سوال کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار، موقوف ہو اس کی کامل استعداد پر اور یہ استعداد صرف قیامت کے دن حاصل ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس استعداد کے حاصل ہونے کے وقت تک ان کے دل اس آرزو سے پھیر دیے، یا انہیں یہ علم عطا فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت سے پہلے نہیں ہوگا۔

۱۲ قادری)

اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ یہ لوگ جسمانی خواہشات اور لذتوں کا اگر مطالبہ کریں تو وہ بھی انہیں دے دی جائیں۔ لیکن انہوں نے رضا و قناعت اور شکر گزاری کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں پر اکتفا کیا جو انہیں حاصل ہو چکی تھیں۔

تنبیہ:

شارحین فرماتے ہیں کہ شہیدوں کی روحوں کو پرندوں کے پوٹوں میں اس طرح نہیں رکھا گیا کہ وہ ان بدنوں سے متعلق ہیں اور ان کے لیے مدبر ہیں۔ جیسے روحیں بدنوں کے لیے مدبر ہوتی ہیں جیسے دنیا وی بدنوں میں تھا، بلکہ انہیں بدنوں میں اس طرح رکھا گیا ہے جیسے موتی اور جواہرات صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں، یہ انہیں جنت میں لانے کے لیے

تعظیم اور اعزاز کا ایک طریقہ ہے، روحیں پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، پرندے جنت کے مختلف مقامات پر جاتے ہیں تو روحیں، جنت کی خوشبوئیں محسوس کرتی ہیں، اس کے انوار کا مشاہدہ کرتی ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب مقرب فرشتوں کی نزدیکی اور بلند ترین جنت کے حصول سے خوش حال ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی یہی مراد ہے۔ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ انہیں رزق دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو کچھ دیا اس پر وہ خوش ہوں گے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے تناسخ (آواگون) پر استدلال کیا ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو شہداء کا مرتبہ گھٹانے اور تنقیص کے مترادف ہے کہ ان کی روحوں کو انسانی جسموں کی بجائے حیوانی جسموں سے متعلق کر دیا گیا ہے، ہماری تقریر سے یہ اعتراض اور تناسخ کا استدلال دونوں ختم ہو جاتے ہیں (کیونکہ روحوں کے لیے وہ پرندے، ہیلی کاپٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ روحیں جو انسانی جسم سے متعلق تھیں اب حیوانی جسم سے متعلق ہو گئی ہیں۔

۱۲ قادری)

بعض شارحین نے کہا کہ ہو سکتا ہے شہیدوں کی روحیں درجہ کمال حاصل کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبز پرندوں کی صورت اختیار کر گئی ہوں، اور انہیں وہ ہیئتیں اور شکلیں حاصل ہو گئی ہوں۔ جیسے بعض اوقات فرشتے انسانی صورت میں آجاتے ہیں۔ یہ شکلیں ان اجسام کی نہیں ہیں جن سے یہ روحیں متعلق ہیں۔ بلکہ وہی روحیں، انسانی اجسام کی صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن یہ توجیہ، ظاہر حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ فافہم۔

راقم حروف، بندہ مسکین، عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ ابدان، انسانی بدنوں کے اوصاف کے حامل ہوں۔ اگرچہ وہ سبز پرندوں کی صورت میں ہوں، لیکن ان کے اوصاف نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ صورتوں اور شکلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے ——— اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ——— کہ وہ اجسام انسانوں کی صورت رکھتے ہوں۔ اور انہیں پرندے اس اعتبار سے کہا گیا ہو۔ کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جاتے ہوں، نہ کہ قدموں پر چل کر جیسے کہ دنیا میں انسان کی عادت ہے، لہٰذا شہیدوں کی تنقیص اور ان کے مرتبے کی کمی لازم نہیں آتی، رہا تناسخ (آواگون)، کا وہم تو وہ باطل ہے کیونکہ یہ اجسام وہ نہیں ہیں جن میں روحیں قیام کریں گی، حتیٰ کہ اس سے حشر و نشر کی نفی لازم آئے۔

جیسے کہ تناسخ کے قائلین کہتے ہیں، بلکہ روحوں اور جسموں کا یہ تعلق اس وقت تک ہے جب تک وہ روحیں قیامت اور حشر کے قائم ہونے سے پہلے جنت میں رہیں گی۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ روحیں، پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جسموں کو زندہ فرمائے گا تو ان روحوں کو ان کے

جسموں کی طرف لوٹا دے گا۔

۳۶۲۹/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْهِمْ فَذَکَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِکَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر فرمایا۔ بے شک جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان، افضل ترین اعمال ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس حال میں قتل کر دیے جاؤ تو تم قتل پر صبر کرنے والے، ثواب پر نظر رکھنے والے، آگے بڑھنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے کس طرح کہا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! جب کہ تم صابر، طالب ثواب، آگے بڑھنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، سوائے قرض کے، کیونکہ جبریل امین علیہ السلام نے مجھے یہی کہا ہے۔

(مسلم)

ف۱ حضرت ابوقتادہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔

ف۲ یعنی خطبہ ارشاد فرمایا۔

ف۳ ایمان تو ظاہر ہے کہ مطلقاً تمام اعمال سے افضل ہے، اور جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ، دشمنان دین کے قلع قمع اور جانوں کی قربانی کے اعتبار سے دین کے اعمال میں سے ارفع و اعلیٰ اور اکمل ہے۔

ف۴ اور ڈھانپ دیے جائیں گے؟

ف۵ یہ قتل، کفارہ بن جائے گا۔

ف۶ یا تو یہ آگے بڑھنے والے کی تاکید ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم کسی وقت بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہیں ہو۔

ف۷ اور کیا کہا تھا؟

ف۸ انہوں نے اپنی بات دہرائی۔

ف۹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنا جواب دہرایا ——— دوبارہ یہ ارشاد فرمانے کا مقصد تاکید ہے اور ساتھ ہی استثناء ذکر کرنا مقصود جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

ف۱۰ وہ ان چیزوں کے علاوہ جو قرض کی بنا پر لازم آتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ اور وعدہ خلافی وغیرہ کہ یہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ، علامہ تورپشتی نے فرمایا، قرض سے مراد اس جگہ مسلمانوں کے وہ حقوق ہیں جو شہید کے ذمے سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، ہر چیز کا کفارہ بن جاتا ہے۔ سوائے حقوق العباد کے۔

ف۱۱ یہ تمام بات جو گزری، اس امر میں ہے کہ قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

۳۶۳۰/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے علاوہ ہر چیز[۱] کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (مسلم)

ف۱ ہر چیز یعنی ہر گناہ کا، سوائے قرض کے، امام سیوطی نے بیان کیا کہ سمندر کے شہید اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کی شہادت، قرض کا بھی کفارہ بن جاتی ہے۔

۳۶۳۱/۲۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْتَشْهَدُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں سے ہنستا ہے[۱] کہ ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور وہ دونوں جنت میں داخل ہونے ہیں[۲]، یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے[۳] پھر اللہ تعالیٰ قاتل[۴] پر رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا ہے۔ اور وہ شہید کیا جاتا ہے۔

(صحیحین)

۱؎ یعنی راضی ہوتا ہے اور اپنی رحمت کا رخ ان کی طرف کرتا ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یَضْحَکُ سے مراد یہ ہے کہ ان پر رحمت کی بارش برساتا ہے، کہا جاتا ہے کہ بادل ہنسا، جب کہ کثرت سے بارش برسائے۔
۲؎ چونکہ اس کلام کے مفہوم میں غرابت تھی، اس لیے خود اس کی وجہ بیان فرمائی۔ (جیسے کہ اس کے بعد فرمایا)
۳؎ اور وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔
۴؎ جو کہ کافر تھا، چنانچہ وہ ایمان لے آتا ہے۔

۳۶۳۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ[۲۲] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ وَ اِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سہل بن حنیف[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پوری سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی، اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا تا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہوا ہو[۲]۔

(مسلم)

۱؎ حضرت سہل بن حنیف انصاری صحابی ہیں۔ جنگ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے اور احد میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب تھے اور حضرت علی نے انہیں مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر کیا۔ بعد ازاں انہیں فارس کا والی بنا دیا۔ ۳۸ھ کو کوفہ میں وصال ہوا۔

اور براء بن مالک حضرت انس کے بھائی اور عظیم القدر صحابی ہیں، کتاب القصاص میں ان کا اور ان کی پھوپھی ربیع بنت نضر کا ذکر گزر گیا ہے۔ نضر حضرت انس اور براء کے دادا ہیں (نسب یوں ہے انس بن مالک بن نضر ۱۲ قادری)۔
حضرت انس، ان کے والد مالک اور براء تینوں مشرف باسلام ہوئے اور شرف صحابیت پایا ۱۲ قادری)

سے کہ اس کا کیا حال ہوا! (صحابہ کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوتے ہوئے عالم برزخ میں پیش آنے والے حالات جانتے ہیں۔ تبھی تو انہوں نے سوال کیا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ انہیں فردوس اعلیٰ ملی ہے ۱۲ قادری)

سے تیر غرب نقطے والی غین پر زبر، را ساکن اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ تیر جس کا مارنے والا معلوم نہ ہو۔

سے یعنی اگر وہ بہشت میں نہ ہو (اس جملے میں ماں کی مامتا واضح طور پر جھلک رہی ہے، کیونکہ وہ صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکیں کہ اگر وہ بہشت میں نہ ہو یا اگر وہ دوزخ میں ہو ۱۲ قادری)

سے اور اپنی طاقت، رونے میں صرف کروں اور اتنا روؤں جتنا کہ میری طاقت میں ہو۔

سے یعنی جنت میں عظیم درجات ہیں۔

سے فصل کی ابتدا میں گزرا ہے کہ فردوس، اعلیٰ اور اوسط جنت ہے، اور ہو سکتا ہے کہ فردوس میں بھی مختلف درجات و مراتب ہوں۔

۳۶۳۴ وَعَنْهُ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ وَ جَآءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام روانہ ہوئے[1] یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر میں پہنچ گئے[2]، اور مشرکین بھی آگئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس جنت کی طرف اٹھو[3] جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے[4]۔ حضرت عمیر بن حمام[5] نے کہا واہ وا[6] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں واہ وا کہنے پر کونسی چیز ابھارتی ہے[7]، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! صرف یہ امید کہ میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں[8]، فرمایا:

قَالَ لَا وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا رَجَآءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِّنْ قَرْنِهٖ فَجَعَلَ يَاْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِيْ اِنَّهَا لَحَيٰوةٌ طَوِيْلَةٌ قَالَ فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تم جنت والوں میں سے ہو، (راوی (حضرت انس) فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترکش ۵۵ میں سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر کہا کہ اگر میں اپنی کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو یہ طویل زندگی ہے ۵۶ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ کھجوریں جو ان کے پاس تھیں پھینک دیں پھر مشرکوں سے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے ۵۷

(مسلم)

۵۱ یعنی غزوہ بدر کے موقع پر۔

۵۲ یعنی مشرکوں کے پہنچنے سے پہلے میدان بدر میں پہنچ کر اتر پڑے۔

۵۳ اور جلدی کرو۔

۵۴ مقصد جنت کی وسعت اور فراخی کا بیان ہے، لہذا اس چیز سے تشبیہ دی کہ مخلوق کے علم کے مطابق اس سے زیادہ وسیع و عریض کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی جنت میں داخل ہونے کا سبب، مشرکین کے ساتھ جہاد ہے، جنت کی طرف اٹھنے سے مراد عمل کرنا ہے۔

۵۵ عمیر، عین پر پیش، میم پر زبر اور یا ساکن بن الحمام حا پر پیش، اور میم مخفف، انصاری ہیں۔ اور بدر کے شہداء میں سے ہیں۔

۵۶ بخ بخ باپر زبر اور نقطے والی خا ساکن، اس پر تنوین بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ ایسا کلمہ ہے جو تعجب، مدح اور رضا کے مقام پر بولا جاتا ہے، اس کلمے کی تکرار مبالغے کے لیے ہے۔ جیسے فارسی میں کہتے ہیں زہے زہے (اور اردو میں واہ وا) ۱۲ قادری)

۵۷ غالباً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ حضرت عمیر سے یہ قول سوچے سمجھے بغیر صادر ہوا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص ازراہ مزاح اور گپ لگانے کے لیے کوئی بات کہہ دے، یا قتل اور جان دینے کے خوف اور اسے عظیم اور بعید سمجھتے ہوئے ایسی بات کہہ دے، حضرت عمیر نے اس قسم کے احتمالات کی اپنی ذات سے نفی کی (چاہیے کہ اس سے

آگے بیان ہوا۔ ۱۲ ن)

شہ مجھے شوق ہے کہ میں جنت میں جاؤں اور اس کا ثواب حاصل کروں۔

۵۹ قرن قاف پر زبر، اس کے بعد را، اور آخر میں نون، چمڑے کا ترکش جس میں لکڑی نہ ہو، یا لکڑی کا ترکش جس میں چمڑہ نہ ہو۔

۶۰ یہ مشرکوں سے جنگ اور جان کی بازی لگا دینے کے شوق اور بے تابی کا مظاہرہ ہے۔

۶۱ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے دن انصار میں سے شہید ہونے والے پہلے صحابی ہیں۔ (بے شک یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ صحابۂ کرام کے سینے اس تیقن سے معمور فرما دیے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی اور طلب جنت کے لیے ان کی بے تابی اس حد کو پہنچ گئی کہ وہ چند لمحات کی تاخیر بھی برداشت نہ کر سکے۔ ۱۲ قادری)

۳۶۳۵/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَآءَ اُمَّتِيْ اِذًا لَقَلِيْلٌ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے درمیان شہید کسے شمار کرتے ہو[۱]؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، فرمایا: تب تو ہماری امت کے شہید تھوڑے ہوں گے[۲]۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر گیا[۳] وہ شہید ہے، جو شخص طاعون (پلیگ) میں مر گیا[۴] وہ شہید ہے۔ اور جو شخص پیٹ کی بیماری[۵] میں مر گیا وہ شہید ہے۔

(مسلم)

۱ وہ کونسی حالت ہے؟۔ جس کی بنا پر رتبہ شہادت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور شہید کون ہے؟

۲ یعنی شہید صرف وہ نہیں جو تم نے بیان کیا۔

سے بغیر اس کے کہ اسے قتل کیا گیا ہو۔

سے اس بیماری کے سبب نہ بھاگے، اپنی جگہ صبر کرے اور مر جائے تو وہ شہید ہے ـــــ طاعون کے معنی کی تحقیق اور اس کے احکام دوسری جگہ بیان کیے گئے ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ طاعون کا معنی وبا اور مرض عام ہے۔

ھ خواہ وہ اسہال (دست) ہوں یا کوئی دوسری بیماری، پس وہ شہید ہے ـــــ یہ سب گروہ، ان ثوابوں اور درجات میں شریک ہیں جن کے شہداء مستحق ہیں، یہ مطلب نہیں کہ تمام احکام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

۳۶۳۶/۲۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فَتَغْنَمُ وَ تَسْلَمُ إِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ أُجُوْرِهِمْ وَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَ تُصَابُ إِلَّا تَمَّ أُجُوْرُهُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بڑا چھوٹا لشکر[1] جو دنیا میں جہاد کرے اور غنیمت حاصل کرے مگر انہوں نے دنیا میں دو تہائی ثواب حاصل کر لیا ہے[2]، اور نہیں ہے کوئی بڑا چھوٹا لشکر جو مال غنیمت حاصل نہ کر سکے[3] اور مصیبت[4] کا نشانہ بنے مگر ان کے ثواب مکمل ہو گئے ہیں[5]۔

(مسلم)

سلہ سَرِیَّۃٌ سین پر زبر، را کے نیچے زیر اور یا مشدد، لشکر کا وہ حصہ جو جنگ کے لیے بھیجا جائے۔ غزا بڑا لشکر بھیجنا، علماء سیرت کی اصطلاح کے مطابق لفظ غزوہ اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں اور سریہ اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوئے ہوں، لغت کے اعتبار سے لفظ غزوہ دونوں کو شامل ہے۔

سے کیونکہ انہیں غنیمت بھی حاصل ہے اور سلامتی بھی، باقی رہا ایک تہائی یعنی غزوہ اور دشمنان دین کے ساتھ جنگ اور اس کے ارادے کا ثواب، وہ قیامت کے دن حاصل کریں گے، اس تقریر کے مطابق جو صحیح سالم رہا اور اس نے مال غنیمت نہ پایا تو اس نے ایک تہائی حاصل کر لیا اور دو تہائی حصے باقی رہ گئے۔

سے تخفق تا پر پیش، خا ساکن، فا کے نیچے زیر، اور آخر میں قاف، اِخْفَاقٌ سے مشتق ہے۔ غازی یا

شکاری کا غنیمت یا شکار کے بغیر رہنا اور تلاش کرنے والے کا ناکام واپس لوٹنا۔

ﮧ قتل یا زخم کے ساتھ۔

ﮧ اس کے ثواب کے تینوں تہائی ہر صورت میں باقی رہ گئے۔ بہر صورت دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کا ارادہ کرنا اور اعلاء کلمۂ حق کی نیت، اجر و ثواب سے خالی نہیں ہوتی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ، اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

۳۶۳۷/۲۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے بارے میں اپنے دل میں سوچا ﮧ وہ منافقت کی ایک قسم پر مرے گا ﮧ۔ (مسلم)

ﮧ یعنی جہاد کا ارادہ اور اس کی آرزو نہ رکھی اور اپنے دل میں نہ کہا کہ اے کاش میں غازی ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا اور شہید ہوتا۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ رکھے اور ظاہر کے اعتبار سے اس کی نشانی یہ ہے کہ جہاد کے آلات اور ساز و سامان تیار رکھے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً یعنی اگر جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ رکھتے تو تحقیق اس کے لیے ساز و سامان تیار کرتے۔

ﮧ کیونکہ وہ منافقوں کے ساتھ ایک گونہ مشابہت رکھتا ہے، منافقین جہاد سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ شعبۃ۔ پہلے حرف پر پیش۔ شاخ شگاف، پیالے کے شگاف کو جوڑنا۔

۳۶۳۸/۲۸ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهٗ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک شخص، غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے ﮧ ایک شخص ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے ﮧ۔ اور ایک شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کا مقام دیکھا جائے ﮧ تو کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے ﮧ؟ فرمایا

فَقَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہو[۵] وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے[۶]۔ (صحیحین)

[۱] جو چاہتا ہے کہ دولت حاصل کر کے مالدار ہو جائے۔

[۲] وہ چاہتا ہے کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا ہے اور یہ محض سین پر پیش نمائش ہے۔

[۳] دین کی راہ میں بہادری اور مردانگی میں اس کا مقام و مرتبہ دیکھا جائے۔ —— مُرٰی یا پر پیش، را پر زبر، ایک روایت میں یا کے پیش اور را کی زبر کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی تاکہ لوگوں کو اپنا مقام دکھائے اور یہ ریا ہے۔

[۴] اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون مجاہد ہے؟

[۵] جس کی جنگ اس لیے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین، کفر کے دین سے سر بلند ہو۔

[۶] وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔

۳۶۳۹
۲۹
وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِي الْاَجْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ تبوک[۱] سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب ہوئے تو فرمایا: بے شک مدینہ طیبہ میں کچھ جماعتیں ایسی ہیں کہ تم نے جو سفر بھی کیا اور جس وادی کو بھی طے کیا وہ تمہارے ساتھ تھے اور ایک روایت میں ہے[۲] کہ وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک[۳] ہوئے، صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! باوجودیکہ وہ مدینہ منورہ میں ہیں[۴] فرمایا: اس کے باوجود کہ وہ مدینہ طیبہ میں ہیں[۵]۔ انہیں عذر نے[۶] روک دیا ہے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ) (بخاری) امام مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

لہ تبوک ایک زمین کا نام ہے جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے اور یہ غزوہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔

لہ دل، ہمت اور دعا کے ساتھ، اگرچہ وہ بظاہر تمہارے ساتھ نہ تھے، تاہم وہ ثواب میں شریک ہیں۔ اگرچہ تمہیں زیادہ فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ وہ معذور نہ ہوں۔

لہ اس عبارت کی جگہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔

لہ شرکوا راء کے نیچے زیر ہے۔

لہ یعنی باوجودیکہ وہ مدینہ منورہ میں ہیں، جنگ کے لیے نہیں نکلے اور اس سے پیچھے رہے وہ کس طرح ہمارے ساتھ اور اجر میں ہمارے ساتھ شریک ہوں گے؟

لہ پھر بھی اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

لہ مثلاً بیماری، پیدل ہونا، سازو سامان کا نہ ہونا وغیرہ، اس حدیث سے کارِ خیر کی نیت اور اس کے فوت ہو جانے پر افسوس کی فضیلت کا بیان ہے۔

۳۶۴۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهٗ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں[1]! فرمایا: پس تم ان دونوں میں جہاد کرو[2]۔ (صحیحین)

(وَفِيْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا) اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور اچھی طرح ان کی صحبت اختیار کرو[3]۔

لہ میرے والدین زندہ ہیں۔

لہ یعنی ان کی خدمت میں جہاد کرو، مطلب یہ کہ تمہارا ان کی خدمت میں حاضر رہنا بھی جہاد کا حکم رکھتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جہاد نفلی ہو، نماز، روزہ، حج اور باقی نفلی عبادات کا بھی یہی حکم ہے۔ بخلاف فرض کے (کہ والدین کی

خدمت کے لیے اسے ترک نہیں کیا جاسکتا ۱۲ قادری)
ؔ۵ ان کی خدمت کرو اور ان کا حق ادا کرو۔

۳۶۴۱/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا، فتح کے بعد ہجرت فرض نہیں ہے ؔلے لیکن جہاد اور جہاد کی نیت ہے، اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکلو ؔ۲۔ (صحیحین)

ؔلے فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرض عین تھی، بلکہ جس جگہ بھی کوئی شخص دار الکفر میں اسلام لے آتا اس کے لیے وہاں سے ہجرت فرض عین تھی، کیونکہ مدینہ منورہ میں اہل دین، کمزور اور تعداد میں کم تھے، لہٰذا ہجرت فرض کی گئی تاکہ ان سے مدد حاصل کی جائے، مشرکوں کا زور ٹوٹے اور مسلمان فتنوں میں واقع ہونے سے بچیں، نیز اس لیے کہ وہ مسلمان پوری آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں ۱۲ ق)

جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو علت زائل ہوگئی اس کے باوجود، جہاد، دار کفر یا فتنہ سے فرار یا طلب علم یا تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس ۱۲ ق) کی زیارت کے لیے اپنے وطنوں سے جدا ہونا قیامت کے دن تک مستحب ہے، کبھی علم دین حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کی ایک جماعت کا نکلنا فرض کفایہ ہوجاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت سے ایک چھوٹا گروہ دین کا فہم حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں نکلا؟

ؔ۲ یعنی جب امیر جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے تو نکلو اور اس کی اطاعت کرو۔ ——— خلاصہ یہ کہ ہجرت کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ لیکن جہاد کی فضیلت باقی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۶۴۲/۳۲ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اس حال میں حق پر ؔلے جہاد کرتا رہے گا، کہ ان لوگوں پر غالب رہے گا جو اسے دشمن رکھیں گے

یہاں تک کہ اس گروہ کا آخری فرد[۳] مسیح دجال سے جنگ کرے گا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد)

[۱] عمران بن حصین حا پر پیش، صاد پر زبر، مشہور صحابی ہیں۔

[۲] اور دین کی سربلندی کے لیے۔

[۳] اس سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں ———— مسیح، دجال کا نام ہے کیونکہ اس کی ایک آنکھ مسلی ہوئی ہے۔ یا اس لیے کہ وہ تمام زمین کا گشت کرے گا، لیکن جب اسے مسیح کہا جائے گا تو مسیح دجال کہا جائے گا، جب کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مطلق مسیح کہا جاتا ہے۔

۳۶۴۳/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ یَغْزُوَ لَمْ یُجَھِّزْ غَازِیًا اَوْ یَخْلُفْ غَازِیًا فِیْ اَھْلِہٖ بِخَیْرٍ اَصَابَہُ اللّٰہُ بِقَارِعَۃٍ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جہاد نہیں کیا، نہ ہی کسی غازی کو سازوسامان فراہم کیا[۲] یا کسی غازی کے اہل وعیال میں نیکی کے ساتھ خلیفہ نہ ہوا[۳]۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سے پہلے سخت حادثہ[۴] پہنچائے گا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد)

[۱] حضرت ابوامامہ باہلی، مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] یعنی اگر کوئی شخص خود جہاد نہ کرے تو سازوسامان سے غازیوں کی امداد کرے جس کے ذریعے وہ جہاد کریں۔

[۳] غازی کے بعد اس کے اہل وعیال کی رعایت اور حفاظت نہ کی۔

[۴] قارعۃ زمانے کی سختی، قیامت کا نام۔

۳۶۴۴/۳۴ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاھِدُوا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اپنے مالوں[۱]، جانوں[۲] اور زبانوں[۳] سے مشرکین کے ساتھ جہاد کرو۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ) (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

لہ کہ جہاد میں اپنے مال خرچ کرو۔

لہ۲ کہ جہاد میں اپنی جانکی بازی لگاؤ۔ اور شہید یا زخمی ہو جاؤ۔

لہ۳ کہ کافروں کے بتوں کی مذمت کرو، ان کو برا بھلا کہو، ان کے دین باطل کا جھوٹا ہونا ثابت کرو، ان کی شکست اور رسوائی کی دعا کرو، ان کو قتل اور قید سے ڈراؤ، مسلمانوں کے لیے فتح اور غنیمت کی دعا کرو اور مردان میدان اور بہادروں کو جنگ پر ابھارو۔

۳۶۴۵/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام پھیلاؤ[لہ]، کھانا کھلاؤ اور سروں پر تلوار مارو[۲] جنتوں کے وارث بنائے جاؤ گے۔[۳] (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ واقف اور ناواقف کو سلام کہو، یا یہ مطلب ہے کہ بلند آواز سے سلام کہو تاکہ وہ شخص سن لے جسے سلام کہا گیا ہے۔

لہ۲ کافروں کے سروں پر اور انہیں قتل کرو۔ ——————— ہام مع میم کی تخفیف کے ساتھ، سر، اس کی جمع ہام ہے۔

لہ۳ اور ان میں داخل کیے جاؤ۔

۳۶۴۶/۳۶ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ مَیِّتٍ یُّخْتَمُ عَلٰی عَمَلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُنْمٰی لَهٗ

حضرت فضالہ بن عبید[لہ] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مردہ اس عمل پر ختم کر دیا جاتا ہے جو اس نے کیا ہے[۲] سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرابط[۳] مرا، اس کے لیے اس کا عمل قیامت کے دن تک نشوونما دیا جاتا ہے اور وہ

عَمَلُهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ یَاْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (امام ترمذی، ابوداؤد) اور امام دارمی نے یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی۔

لہ فضالہ فاء پر زبر، نقطے والا ضاد مخفف بن عبید میں پر پیش، انصاری صحابی ہیں، پہلے پہل احد میں حاضر ہوئے، بیعت رضوان میں شامل ہوئے پھر خیبر میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد شام چلے گئے اور دمشق میں مقیم ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ جب صفین گئے تو ان کی طرف سے دمشق کے قاضی بنے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ۵۳ھ میں وصال ہوا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

لہ۲ یعنی مرنے کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔

لہ۳ مرابط وہ شخص ہے جو کافروں سے جنگ کرنے کے لیے اسلام کی سرحد پر بیٹھا ہوا ہو، مشتق ہے ربط قلب سے یا ربط خیل سے (یعنی اس نے اپنی تمام تر توجہ اسلامی سرحد کی حفاظت کے لیے صرف کر رکھی ہے یا جہاد کے لیے اپنا گھوڑا باندھ رکھا ہے "۱۲ قادری"۔

۳۶۴۷/۳۶ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا الْمِسْكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اونٹنی کے دودھ دوہنے کے وقفے کی مقدار[۱] اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی کیا گیا[۲] یا جسے تکلیف[۳] پہنچائی گئی تو وہ زخم اس حال میں آئے گا جیسے کہ وہ دنیا میں تازہ ترین تھا[۴] اس کا رنگ[۵] زعفران کا اور خوشبو کستوری ایسی ہو گی اور جس کے جسم پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھنسی[۶] پیدا ہو گی۔ تو بے شک اس پر شہیدوں کی مہر ہے[۷]

طَابَعَ الشُّهَدَآءِ .

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ) (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

سلہ شارحین کہتے ہیں کہ اس وقفے سے مراد یا تو صبح و شام دوہنے کا درمیانی وقفہ ہے۔ کیونکہ اونٹنی کا دودھ ان دو وقتوں میں دوہا جاتا ہے، یا ایک وقت میں دو مرتبہ دوہنے کا درمیانی وقفہ مراد ہے۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوھ کر اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ تھنوں میں دودھ اتر آئے۔ پھر دوبارہ دوہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی دوسرا مطلب مراد ہے۔ اسی میں مبالغہ ہے۔ نیز صبح سے شام تک جنگ نادر بلکہ مشکل ہے۔
صراح میں ہے فواق فا پر پیش، اونٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کا درمیانی وقفہ، یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیر بچے کو چوسنے کا موقع دیتے ہیں تاکہ دودھ اتر آئے، پھر دوبارہ دوہتے ہیں۔
قاموس میں ہے فواق دو مرتبہ دوہنے یا ہاتھ کے کھولنے اور پستان پر رکھنے کا درمیانی وقفہ۔

سلہ۲ جرح جیم پر زبر، زخمی کرنا۔ اور اگر اس پر پیش ہو تو اس کا معنی زخم ہے۔

سلہ۳ صراح میں ہے نَکْبَۃٌ نون پر زبر، تکلیف، تکلیف پہنچانا۔ نَکَبَاتٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، جمع قاموس میں ہے۔ نکبۃ مصیبت، اس کا استعمال اس زخم میں کیا جاتا ہے جو انگلی پر پتھر وغیرہ لگنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔

سلہ۴ یعنی جیسے کہ وہ دنیا میں تر و تازہ اور شدید ترین تھا صراح میں ہے غزر، نقطے والی غین اور زار کے ساتھ، زیادتی، زیادہ ہونا۔

سلہ۵ یعنی اس زخم کے خون کا رنگ زعفرانی ہوگا۔

سلہ۶ خراج نقطے والی خا پر پیش، آخر میں جیم، زخم، خون آلود ہونا۔

سلہ۷ طابع با پر زبر، یعنی مہر، ایک لغت کے مطابق با کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس جگہ شہیدوں کا نشان اور ان کی علامت مراد ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کی ہے اور جہاد کیا ہے۔ پس اسے مجاہدوں والی جزا دی جائے گی۔

۳۶۴۸ وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ ۳۸ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ

حضرت خریم بن فاتک سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ سلہ میں کوئی چیز خرچ کی تو اس کے لیے سات سو گنا ثواب

لَہٗ بِسَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ۔ لکھا جاتا ہے سے۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ) (ترمذی، نسائی)

سلہ خریم لفظ والی خار پر پیش، راو پر زبر۔ بن فاتک پہلے فاد، پھر تار مکسورہ، صحابی ہیں، غزوہ بدر میں اپنے بھائی سبرہ سین پر زبر، بار ساکن بن فاتک کے ساتھ حاضر ہوئے، بعض محدثین نے فرمایا۔ فتح مکہ کے دن اپنے بیٹے ایمن بن خریم کے ساتھ اسلام لائے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، فاتک ان کے دادا کا نام ہے، ان کے والد کا نام اخرم بن شداد بن فاتک ہے، ان کا شمار شامی اور بقول بعض کوفی صحابہ میں ہے۔

سلہ۲ اس سے مراد جہاد ہے۔

سلہ۳ نیک کاموں کا ثواب دس گن سے کم نہیں ہوتا، البتہ زیادہ ہوتا ہے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا سے کم نہ ہوتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۶۴۹/۳۹ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمِنْحَۃُ خَادِمٍ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ أَوْ طَرُوْقَۃُ فَحْلٍ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین صدقہ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیمے کا سایہ ہے سلہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خادم کا عطیہ ہے سلہ۲ یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی اونٹنی دینا ہے جو نر اونٹ کی سواری کے لائق ہو سلہ۳۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

سلہ جو کسی کو فراہم کیا جائے یا مجاہدین کے لیے لگایا جائے کہ اس کے سائے میں بیٹھیں ـــــــ فسطاط فار پر پیش، سین ساکن، بڑا خیمہ۔

سلہ۲ یعنی خادم، مجاہدین کے حوالے کر دے تاکہ ان کی خدمت اور اعانت کرے ـــــــ منحۃ میم کے نیچے زیر، نون ساکن، اصل میں اس کا معنی ہبہ اور عطیہ ہے، اس کا عام طور پر استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے :۔

۱۔ بغیر عوض کے منفعت کا مالک بنانا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ چیز مالک ہی کی رہے گی۔

۲۔ کسی کو اونٹنی دی جائے کہ تم کچھ عرصہ اس کا دودھ پی لو، کیونکہ عرب کے زیادہ تر عطیات اسی قسم کے ہیں۔

پھر وہ چیز مالک کو لوٹا دی جائے گی، اونٹنی کے ماسوا میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً درخت یا خادم کے عطیے کو بھی منحہ کہہ دیتے ہیں۔

سے یعنی کسی کو اس غرض کی اونٹنی دے کر نر اونٹ اس کے ساتھ ملاپ کر سکے، خلاصہ یہ کہ سواری کے لیے کسی کو فی سبیل اللہ اونٹنی دی جائے۔

۳۶۵۰ - وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَلِجُ النَّارَ مَنْ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَ زَادَ النَّسَائِیُّ فِیْ اُخْرٰی فِیْ مَنْخَرَیْ مُسْلِمٍ اَبَدًا وَ فِیْ اُخْرٰی لَهٗ فِیْ جَوْفِ عَبْدٍ اَبَدًا وَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَ الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا، یہاں تک کہ دودھ پستان میں لوٹ جائے[1]، اور کسی بندے پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا[2]۔ (ترمذی)

امام نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ یہ غبار اور دھواں کبھی بھی کسی مسلمان کے دو نتھنوں[3] میں جمع نہیں ہوں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی بندے کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہوں گے[4]، اور کسی بندے کے دل میں بخل[5] اور ایمان ہرگز جمع نہیں ہوں گے۔

لے یہ ایک ناممکن امر پر معلق کرنا ہے، کہ پستان سے دودھ دوھ لیا جائے، پھر وہ واپس چلا جائے۔

۲ے جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو جائے وہ دھوئیں سے آلودہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔

۳ے منخر میم اور خا دونوں کے نیچے زیر، ان دونوں پر زبر بھی آئی ہے، قاموس میں ان دونوں پر پیش بھی بتایا ہے، ناک کا سوراخ۔

۴ے یہ بھی امام نسائی کی ایک روایت میں ہے۔

۵ے شح مُثلّث بخل، بعض نے کہا اس کا معنی ہے وہ بخل جس کے ساتھ حرص بھی ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بخل بعض

چیزوں میں ہوتا ہے اور شح تمام چیزوں میں، نیز بخل مال میں اور شح مال اور نیکی میں ہوتا ہے۔

۳۶۵۱/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف[۱] سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رات بھر پہرہ دیتی رہی[۲]۔ (ترمذی)

[۱] اور اس کے عذاب کے ڈر سے۔

[۲] یعنی مجاہدوں کو کافروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے پاسبانی کرتی رہی اور بے دار رہی۔

۳۶۵۲/۴۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِّنْ مَّآءٍ عَذْبَةٍ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی ایک پہاڑی راستے[۱] میں گزرے جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا سا چشمہ[۲] تھا۔ وہ چشمہ انہیں پسند آیا، انہوں نے کہا کاش میں لوگوں سے الگ ہو کر اس گھاٹی میں قیام کر لیتا، انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی[۳]، تو آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو[۴] کیونکہ تم میں سے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ٹھہرنا، افضل ہے اس سے کہ وہ اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھے، کیا تمہیں یہ بات محبوب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل کر دے[۵]، تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو[۶]، جس نے اونٹنی کے دو دھ دوہنے کے درمیانی وقفے کی مقدار اللہ تعالیٰ کی

مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فُوَاقَ نَاقَۃٍ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

راہ میں جنگ کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔
(ترمذی)

لہ شعب شین کے نیچے زیر، پہاڑ کے درمیان راستہ، پہاڑ کے درمیان شگاف اگرچہ راستہ نہ ہو۔

لہ بعض نسخوں میں ہے، غبیۃ غُبیبۃ نقطے والی غین اور ضاد کے ساتھ، جنگل، شارحین نے فرمایا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

لہ یہ ترجمہ اس وقت ہے جب ذکر فعل معروف کا صیغہ ہو، اگر فعل مجہول کا صیغہ ہو تو ترجمہ ہوگا ۱۲ ق) یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی۔

لہ کہ اس گھاٹی میں قیام کرو اور لوگوں کے ساتھ رہنے کو ترک کر دو۔

لہ اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور کسی گھاٹی میں عبادت کرنے سے مغفرت حاصل نہیں ہوتی اسی لیے تو فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل کرے ۱۲ قادری۔

اس کا جواب علامہ طیبی نے یہ دیا کہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا اور واجب کو چھوڑ کر نفل میں مصروف ہونا گناہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کامل مغفرت اور جنت میں اولین سابقین کے ہمراہ داخل ہونے پر محمول کیا جائے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ گوشہ نشینی کی نسبت لوگوں کے ساتھ رہنا افضل ہے خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان میں، ہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے بعد بعض اوقات فتنے اور ابتلاء کے خوف سے، گوشہ نشینی افضل قرار پائی ہے۔

لہ کافروں سے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔

۳۶۵۳/۴۳ وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ یَوْمٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَنَازِلِ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن کفر کی سرحد پر رہنا اور اس جگہ گھوڑے باندھنا، اس کے علاوہ دوسری منزلوں میں ہزار دن کی عبادت سے بہتر ہے لہ۔
(ترمذی۔ نسائی)

سلہ اور یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر سرحد کی حفاظت واجب ہے، کیونکہ اس کا کسی دوسرے کام میں مصروف ہونا گناہ ہے، اگرچہ وہ مسجد ہی میں ہو کر اسے بھی رباط فرمایا گیا ہے[1]

۳۶۵۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ اَوَّلُ ثَلٰثَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِيْدٌ وَّ عَفِيْفٌ مُّتَعَفِّفٌ وَّ عَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَ نَصَحَ لِمَوَالِيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر وہ تین شخص پیش کیے گئے۔ جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے[2]۔ (۱) شہید۔ (۲) وہ پارسا جو اپنے آپ کو پارسائی کا پابند رکھے[3]۔ (۳) وہ غلام جو خوب اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اپنے آقاؤں کی خیر خواہی کرے[4] (ترمذی)

سلہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب کے بعد، گویا حکم کیا جائے گا کہ تین تین افراد آئیں، ان تین قسموں کے افراد پہلے آئیں گے، اور یہ تین اشخاص نہیں ہیں بلکہ جماعتیں ہیں، ایک روایت میں ہے اَوَّلُ ثُلَّةٍ يَدْخُلُوْنَ ثُلَّةٌ تین نقطے والی ثاء پر پیش اور لام مشدد، جماعت اصل میں بکریوں کے بڑے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

سلہ عفت، پارسائی، اور حرام سے باز رہنا۔ عفیف پارسا، تعفف کا معنی ہے پارسائی میں تکلف کا مظاہرہ کرنا اور اپنے آپ کو زبردستی اس پر قائم رکھنا اور اس میں مبالغہ کرنا، تورپشتی نے فرمایا: عفیف اس شخص کو کہتے ہیں جو حرام چیز سے پرہیز کرے اور متعفف وہ کہ مانگنے سے پرہیز کرے۔

سلہ اور ان کی خدمت کرے۔

۳۶۵۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ

حضرت عبد اللہ بن حبشی[5] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

سلہ یہ اس صورت میں ہے کہ جہاد فرض عین ہو چکا ہو یا اسلامی سرحد پر بہت خطرہ ہو، وہاں سے مسلمانوں کے ہٹ جانے سے اسلامی ملک خطرہ میں پڑ جائے، امن و سکون کے حالات میں دوسری منازل اس سے افضل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ارشاد ہوا کہ نماز کے بعد نماز کا انتظار اور مسجد میں حاضری کی پابندی رباط ہے رباط ہے رباط ہے ۱۲ ادارہ۔

الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِيَامِ قِيْلَ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيْلَ فَاَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قِيْلَ فَاَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهٖ وَنَفْسِهٖ قِيْلَ فَاَیُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ وَعُقِرَ جَوَادُهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ لَّا شَكَّ فِيْهِ وَجِهَادٌ لَّا غُلُوْلَ فِيْهِ وَحَجَّةٌ مَّبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَا فِی الْبَاقِیْ۔

قیام[2] کا طویل ہونا، عرض کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: فقیر کی طاقت[3]، عرض کیا گیا کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا: اس شخص کی ہجرت جو اللہ تعالیٰ کی اس پر حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے[4]۔ عرض کیا گیا کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا: اس شخص کا جہاد جس نے اپنی جان اور مال کے ذریعے کافروں سے جہاد کیا[5]، عرض کیا گیا: جہاد میں کس طرح قتل کیا جانا زیادہ فضیلت والا ہے؟ فرمایا: اس شخص کا قتل کیا جانا جس کا خون بہایا گیا اور اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں[6]۔ (ابوداؤد) امام نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: وہ ایمان جس میں شک نہ ہو[7]۔ وہ جہاد کہ اس سے حاصل ہونے والی غنیمت میں[8] خیانت نہ ہو، اور وہ حج کہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو[9]۔ عرض کیا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: وہ نماز جس میں قیام[10] طویل ہو، باقی حدیث میں امام ابوداؤد اور نسائی متفق ہیں[11]۔

۱؎ عبداللہ بن حبشی حا پر پیش، با ساکن، تین نقطے والا شین اور یا مشدد، صحابی ہیں اور اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہوئے۔

۲؎ یعنی نماز میں۔

۳؎ یعنی وہ صدقہ جو فقر اور احتیاج کے باوجود فقیر مشقت اور کوشش کے ساتھ دے۔ صراح میں ہے۔ اِقلال کم کرنا، نادار اور درویش ہونا، اٹھانا۔ اس کا بیان کتاب الزکوٰۃ میں باب افضل الصدقہ میں

گزر گیا ہے۔

۵۴ یعنی اگرچہ ہجرت کا معنی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا ہے، لیکن نفس کی حرام خواہشات کو ترک کرکے، طبیعت کے وطن سے باہر نکلنا اس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے، بلکہ دراصل پہلی قسم کی ہجرت کی حقیقت بھی یہی ہے، اس کی تفصیل کتاب الایمان کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

۵۵ یعنی اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور اس سے غازیوں کو ساز و سامان فراہم کیا، اور جان کے ذریعے جہاد یہ کہ خود کافروں سے جنگ کی اور زخمی یا شہید ہوا۔

۵۶ یعنی ایسی جنگ کی کہ خود شہید ہوگیا اور گھوڑا بھی کام آگیا۔ یہ جنگ کی شدت اور اس میں ثابت قدمی کی انتہا ہے ——— جواد تیز رو گھوڑا۔

۵۷ یہ اشارہ ہے دین کے کمال اور ایمان کے مقتضیات میں یقین کی قوت کی طرف، ورنہ ایمان شک کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ پھر زیادہ فضیلت والا ہونے کا کیا مطلب ؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایمان سے غلبہ ظن مراد ہو اور شک کا معنی لغوی مراد لیا جائے جو ظن کو شامل ہوتا ہے، یہ معنی مراد نہ ہو کہ دونوں طرفین برابر ہوں۔

۵۸ حج مبرور کا معنی کتاب الحج میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۵۹ اس جگہ قنوت کا معنی قیام ہے، خضوع و خشوع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۶۰ کونسا عمل افضل ہے ؟ احادیث میں مختلف اعمال کا بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر جگہ وہ عمل بیان فرمایا جو سائل کے حال کے مناسب تھا۔ تو جس شخص میں تکبر اور سختی کا کسی حد تک نشان پایا اسے فرمایا کہ افضل عمل تواضع اور نرم مزاجی ہے مثلاً سلام کا پھیلانا، نرم انداز میں گفتگو کرنا اور اگر اس میں بخل اور خست کا کوئی حصہ پایا تو فرمایا کہ افضل عمل، جود و سخا ہے مثلاً کھانا کھلانا اور اگر عبادت میں سستی ملاحظہ فرمائی تو جواب دیا کہ افضل عمل، رات کو نماز پڑھنا ہے جب کہ لوگ سو رہے ہوں، پس مطلب یہ ہوا کہ سائل کے حق میں فلاں عمل افضل ہے، یا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل، ان اعمال میں سے ہے جو افضل ہیں، ایسی ہی گفتگو دیگر مقامات میں بھی گزر چکی ہے۔

۳۷۵۶ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ

۳۶

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ فضیلتیں ہیں (۱) اسے پہلی دفعہ

خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دُفْعَةٍ وَّ يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ يَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَ يُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا وَ يُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَ يُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

میں ہی بخش دیا جاتا ہے، اسے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے[2] (۲) اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے (۳) بڑے خوف[4] سے محفوظ رہتا ہے (۴) اس کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ اس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (۵) بہتر جنتی حوروں[5] کے ساتھ اس کا نکاح کیا جائے گا۔

اور (۶) اس کے ستر رشتہ داروں میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

سلہ معدی کرب راء کے نیچے زیر۔

سلہ مراح میں ہے دُفعۃ دال کی پیش کے ساتھ، وہ بارش جو یکدم آجائے، دفع دال کی زبر کے ساتھ بارش کا ایک مرتبہ آنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں بارش کے لیے ہے۔ خون اور اس جیسی چیزوں میں اس کا استعمال بطور تشبیہ اور استعارہ ہے۔ حدیث میں زبر اور پیش دونوں کی روایت آئی ہے، زبر کے ساتھ زیادہ مشہور اور پیش کے ساتھ زیادہ واضح ہے، یعنی خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہیدوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

سلہ روح کے نکلنے کے وقت۔

سلہ اس سے مراد دوزخ کی آگ کا عذاب ہے یا اس وقت کا خوف جب لوگوں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، یا جب آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، یا اس وقت کا خوف جب موت کو ذبح کیا جائے گا اس وقت کافر آگ سے نجات پانے سے مایوس ہو جائیں گے۔

سلہ حور بہشتی عورتوں کا نام ہے، یہ حَوراء کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ عورت جس کی آنکھ کی سفیدی بھی گہری ہو اور سیاہی بھی، مراح میں ہے۔ حور پہلے دونوں حرفوں پر زبر، آنکھ کی سفیدی کا گہرا سفید ہونا اور سیاہی کا گہرا سیاہ ہونا۔ عِیْنٌ، عین کے نیچے زیر، یہ جمع ہے عَیْناء کی، کشادہ چشم

۳۶۵۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِّنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَ فِيْهِ ثُلْمَةٌ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص جہاد کے نشان کے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملے گا[1]، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس میں رخنہ ہوگا[2]۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] اور اس کی بارگاہ عزت میں جہاد کی نشانی کے بغیر ملے گا، یعنی اس کے جسم میں زخم یا تھکاوٹ نہیں ہوگی اور اس نے مال خرچ نہیں کیا ہوگا اور مجاہدین کے لیے سازوسامان تیار نہیں کیا ہوگا۔

[2] علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ جہاد شامل ہے جہادِ کفار اور جہاد نفس وشیطان کو، اس کی تائید حضرت ... رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آئندہ حدیث سے ہوتی ہے۔

٣٦٥٨ / ٤٨ وَعَنْهُ رض قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيْدُ . يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید، قتل کی اتنی ہی تکلیف پاتا ہے جتنی کہ تم میں سے ایک شخص چیونٹی کے کاٹنے کی محسوس کرتا ہے۔ (ترمذی، نسائی، دارمی۔) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] صراح میں ہے قرص انگلیوں سے چٹکی لینا، اور سرخ رنگ کے کاٹنے والے کیڑے کا کاٹنا۔ علامہ طیبی نے فرمایا، یہ اس شہید کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور اس کی روح اس سے خوش ہوتی ہے (طیبی) یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ موت کے بعد حاصل ہونے والی لذت و راحت کے مقابلے میں، شہید کو قتل کی جو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے چیونٹی کاٹ لے، اس لیے چاہیے کہ وہ بعد میں حاصل ہونے والی لذت پر راضی اور خوش ہو۔

٣٦٥٩ / ٤٩ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَى

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو نشانوں سے

اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَ اَثَرَیْنِ قَطْرَۃُ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَ قَطْرَۃُ دَمٍ یُّھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَۃٍ مِّنْ فَرَآئِضِ اللّٰہِ تَعَالٰی (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہنے والے آنسو کا قطرہ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جانے والا خون کا قطرہ[1] لیکن دو نشان تو ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگنے والا زخم کا نشان ہے[2] اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کا نشان ہے[3]

(ترمذی) انہوں نے کہا ہے کہ ... غریب ہے۔

[1] قطرہ پانی وغیرہ کا ٹپکنا۔

[2] شارحین نے اسی طرح تفسیر کی ہے اور اگر چلنے کے دوران پاؤں کے نشان سے تفسیر کی تو بھی درست ہے۔

[3] مثلاً وضو میں تری کا باقی رہنا، نماز میں چہرے ماتھے کا نشان، روزے میں منہ کی بو، حج کے راستے میں گرد آلود ہونا، گرمی میں ماتھے کا پھٹ جانا اور وضو سے ایڑی کا پھٹ جانا وغیرہ۔

۳۶۶۰/۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَرْکَبِ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَّ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دریا پر سواری نہ کرو، مگر اس حال میں کہ تم حج یا عمرہ یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہو[1] کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے[2]۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی عاقل کو چاہیے کہ اپنے آپ کو خوف اور ہلاکت کی جگہوں میں نہ ڈالے، مگر کسی دینی کام کے لیے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج، عمرہ یا جہاد کے لیے دریا کا سفر کرنا جائز ہے۔ دوسری حدیثوں میں

اس کی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً بہترین اور افضل شہداء وہ ہیں جن کی کشتی دریا میں الٹ گئی۔ اسی طرح صاحب قاموس نے مادۂ وکف میں بیان کیا ہے، علامہ سیوطی نے بیان کیا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو فرشتے کے واسطے کے بغیر قبض فرماتا ہے۔

۵۲ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن مجید میں وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (اور سلگائے ہوئے سمندر کی قسم!) اسی پر محمول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دریا سے ڈرانا اور اس کی سواری میں بڑے خطرے کی نشان دہی مقصود ہے۔ کیونکہ سمندر کی سواری کرنے والا اپنے آپ کو یکے بعد دیگرے آنے والی آفتوں اور ہلاکتوں کے لیے پیش کرتا ہے۔

۳۶۶۱/۵۱ وَعَنْ اُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَآئِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِيْ يُصِيْبُهُ الْقَيْءُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ وَالْغَرِيْقُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ۔

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا دریا میں سر چکرائے[۱] اور اسے قے لاحق ہو جائے اس کے لیے ایک شہید کا اجر ہے اور ڈوبنے والے کے لیے دو شہیدوں کا اجر ہے[۲]۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابو داؤد)

۵۱ کشتی کے کلنے اور مضطرب ہونے کی وجہ سے جس کا سر چکرائے، اور دل متلائے۔

۵۲ یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا کشتی پر سوار ہونا جہاد، حج، طلب علم اور صلہ رحمی وغیرہ کے لیے ہو اور اگر تجارت، اپنی بقا اور اہل وعیال کے اخراجات کے لیے ہو اور سمندر کی سواری کے بغیر حاصل نہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کی سواری، دریا کے مسخر کرنے اور اس کے ذریعے منافع حاصل کرنے کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے حبشہ کی ہجرت اور جہاد کے لیے دریا کا سفر کیا ہے۔

بہت سے علماء، اولیاء اور اتقیاء نے حج کے لیے دریائی سواری کے ذریعے سفر کیا ہے۔ بعض فقہاء دریائی سفر سے منع کرتے ہیں اور اسے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا قرار دیتے ہیں۔ یہ اور ایسی ہی دوسری حدیثیں ان کے خلاف دلیل ہیں۔ اس سفر کو راستے کے پر امن ہونے کے خلاف قرار دینا مردود ہے، کیونکہ اس معاملے میں غالب کا اعتبار ہے اور اس میں شک نہیں کہ غالب سلامتی ہی ہے اور کشتیوں کی حیثیت خشکی کی سواریوں ہی کی ہے، خصوصاً جنگلوں اور پہاڑوں میں، جہاں خطرے کا احتمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خشکی کی طرح سمندر میں بھی سواریاں بنائی ہیں۔

ہلاکت کا خوف و ہم ہے۔ عقل حکم کرتی ہے کہ دونوں قسم کی سواریاں اسباب عادیہ میں سے ہیں۔

سیدی احمد بن زروق جو مغرب کے اکابر علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ حزب البحر کی شرح میں فرماتے ہیں:

عوارض سے قطع نظر آج سمندر کی سواری کے جائز ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ سلف کی نظر اس مسئلے میں مختلف ہے۔ اور یہ پانچ حالتوں میں ممنوع ہے۔

۱۔ یہ سفر کسی فرض کے ترک کرنے یا اس کے نقص کا سبب بنے، کشتی میں سوار ہونے سے جس کا سر چکرائے اور وہ نماز چھوڑ دے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: افسوس اس شخص پر جو نماز بھی ترک کرے گا۔

۲۔ ایسے ناموافق موسم میں سفر کرے کہ اس میں ہلاکت کا خوف غالب ہو۔

۳۔ خطرہ ہو کہ دشمنان دین قید کر لیں گے اور تسلط حاصل کر کے جان و مال پر قبضہ کر لیں گے، برخلاف اس کے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہو اور مسلمان طاقت و شوکت رکھتے ہوں۔

۴۔ سمندر کا سفر کرنے سے دشمنان دین کے احکام قبول کرنے پڑیں (راستے میں کافروں کی حکومت ہو۔ ۱۲ ق)۔ ان کے سامنے ذلیل ہونا پڑے اور ان کے غیر شرعی افعال دیکھنے پڑیں۔ بعض مشائخ نے دشمن کے علاقے میں تجارت کے لیے جانے پر یہ حکم جاری کیا ہے۔ مذہب کا مشہور مسئلہ یہ ہے کہ یہ سفر جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے، علماء و صالحین کا سمندری سفر اسی پر مبنی ہے، وہ حج اور دیگر واجب امور کے حاصل کرنے کے مقابل اس سفر کی قباحتوں کو معمولی قرار دیتے تھے۔

۵۔ سوار ہونے سے بے پردگی کا خطرہ ہو، مثلاً عورتیں چھوٹی کشتی میں سوار ہوں جہاں پردے کا انتظام نہ ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص کو فرمایا: دریا کے سفر کی کیفیت بیان کرو انہوں نے بتایا مخلوق کی بڑی تعداد، کمزور مخلوق (کشتی) پر اس طرح سوار ہو جاتی ہے جیسے کیڑے مکوڑے لکڑی پر چڑھ جاتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا،

اگر حج اور جہاد نہ ہوتا تو اس پر سوار ہونے والے کی گردن پر درّہ مارتا، اس کے بعد حضرت عمر نے اس قول سے رجوع فرمایا۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ اس کے بعد سمندری سفر شرط مذکورہ کے ساتھ جائز قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے (شیخ ابن مرزوق کا کلام ختم ہوا) بحمدہ تعالیٰ آج جہاز رانی کے سلسلے میں بڑی ترقی ہو چکی ہے جتنے خطرات صحابۂ کرام کے دور میں تھے آج اتنے نہیں ہیں، اگرچہ بالکل ختم نہیں ہوئے۔ بالکل ختم تو خشکی کی ٹریفک میں بھی نہیں ہیں۔ بحری جہازوں میں بے پردگی کا خطرہ بھی نہیں ہوتا اس لیے کسی مسلمان کے لیے حج پر نہ جانے کے لیے یہ خطرات عذر نہیں بن سکتے ۱۲ ق)

۳۶۶۲ / ۵۲ وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِ نِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ وَقَصَہٗ فَرَسُہٗ اَوْ بَعِیْرُہٗ اَوْ لَدَغَتْہُ ھَامَّۃٌ اَوْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ بِاَیِّ حَتْفٍ شَآءَ اللّٰہُ فَاِنَّہٗ شَہِیْدٌ وَّ اِنَّ لَہُ الْجَنَّۃَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابو مالک اشعری[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلا[۲] اور مرگیا یا قتل کیا گیا، یا اس کے گھوڑے، یا اونٹ نے اسے پٹخ دیا[۳]، یا اسے کسی زہریلے کیڑے[۴] نے کاٹ لیا۔ یا وہ اپنے بستر پر مرگیا۔ جس موت سے بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو وہ شہید ہے، اس کے لیے جنت ہے۔

(ابو داؤد)

[۱] ابو مالک اشعری، انہیں ابو مالک اشجعی بھی کہتے ہیں اور ان کے نام میں اختلاف ہے۔

[۲] اور اپنے وطن سے جدا ہوا ——— صراح میں ہے فصل جدا کرنا اور جدا ہونا۔

[۳] اور اس کی گردن توڑ دے ——— وقص کوٹنا، توڑنا۔

[۴] ہامّۃ میم مشدد، ہر زہریلا جانور، اس کی جمع ہوام ہے۔ اسی طرح سامّۃ ہے میم مشدد کے ساتھ، حدیث میں ہوام اور سوام دونوں کا ذکر واقع ہے، بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ ہامّۃ وہ جو ہلاک کر دے اور سامہ وہ جو ہلاک نہ کرے جیسے بچھو اور بھڑ۔

۳۶۶۳ / ۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَۃٌ کَغَزْوَۃٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد کا جہاد سے واپس آنا[۱] جہاد کی طرح ہے۔

(ابو داؤد)

[۱] قفل پہلے قاف پھر فا سفر سے واپس آنا، قافلہ سفر سے واپس آنے والا گروہ، سفر کی ابتدا میں اس گروہ کو نیک فالی کے طور پر قافلہ کہتے ہیں۔ یعنی جائے اور خیریت سے واپس آئے۔ شارحین نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مجاہد کی وطن کی طرف واپسی اس کے جہاد کے لیے روانہ ہونے کے حکم میں ہے، یعنی اہل وعیال کی طرف

واپسی کا ثواب، جہاد کے لیے جانے کے ثواب کی طرح ہے، جیسے حج میں بھی اسی طرح کہا گیا ہے، بلکہ جہاں بھی عبادت کے لیے جائیں اور واپس آئیں، کیونکہ واپس آنا جانے کا ثمرہ ہے، اس حدیث کے دیگر مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں جو شرح (لمعات) میں مذکور ہیں۔

۳۶۶۴/۵۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِيْ أَجْرُهٗ وَلِلْجَاعِلِ أَجْرُهٗ وَأَجْرُ الْغَازِيْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غازی کے لیے اس کا ثواب ہے اور غازی کی مالی امداد کرنے والے کے لیے اس کا اور غازی کا ثواب ہے[1] (ابو داؤد)

[1] مالی امداد کرنے والے کے لیے دو ثواب ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ثواب۔

۲۔ اس غازی کے جہاد کا سبب ہونے کا ثواب، جعل سے مراد غازی کے لیے ساز و سامان مہیا کرنا اور اس کی امداد ہے۔ یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ باتفاق علماء بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اگر جعل سے مراد اجرت ہو تو اگرچہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور اس کی رخصت ہے، لیکن اجر و ثواب کا سبب نہیں ہے۔ لہٰذا پہلا مطلب ہی صحیح ہے۔ شرح میں اس جگہ تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

۳۶۶۵/۵۵ وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الْأَمْصَارُ وَسَتَكُوْنُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ يُقْطَعُ عَلَيْكُمْ فِيْهَا بُعُوْثٌ فَيَكْرَهُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَيَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِهٖ ثُمَّ يَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ يَعْرِضُ نَفْسَهٗ عَلَيْهِمْ مَنْ أَكْفِيْهِ بَعْثَ كَذَا أَلَا وَذٰلِكَ الْأَجِيْرُ إِلٰى آخِرِ قَطْرَةٍ مِّنْ

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر کئی شہر فتح کیے جائیں گے، اور بہت سے لشکر مجتمع[2] ہوں گے، تم پر ان لشکروں میں شمولیت کے لیے دستے مقرر کیے جائیں گے پس ایک شخص جہاد کے لیے بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا اور اپنی قوم سے بھاگ جائے گا[3]، پھر وہ دوسرے قبیلوں کو تلاش کرے گا، اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کرے گا، کہ میں فلاں بھیجے جانے والے دستے کے لیے کفایت

دمہ

(رواہ ابوداؤد)

کردہ ہے، خبردار رہو کہ وہ اپنے خون کے آخری قطرے تک ۵ مزدور ہی رہے گا۔

(ابوداؤد)

۱ ابوایوب مشاہیر صحابہ اور اکابر انصار میں سے ہیں۔

۲ مجنّۃ میم پر پیش، جیم پر زبر اور نون مشدد۔

۳ تاکہ جہاد کے لیے نہ جانا پڑے۔

۴ اور اس کی طرف سے میں یہ بوجھ اٹھالوں، یعنی مجھے معاوضہ دے اور مزدور بنالے تاکہ میں اس کی جگہ لشکر میں شمولیت کی مشقت برداشت کرلوں، مطلب یہ ہے کہ یہ شخص معاوضے اور مزدوری کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کرنے کے لیے راضی نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے حال کی قباحت بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ تمام عمر مزدور ہی رہے گا۔ اور جہاد پیا سے ثواب نہیں ملے گا۔

۵ یعنی قتل کیے جانے اور مرنے تک، مقصد بطور مبالغہ یہ بیان کرنا ہے کہ اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ وہ صرف مزدور ہے، اسے فقط طے کردہ مزدوری ملے گی اگرچہ جنگ میں کام آگیا۔

۳۶۶۶ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اٰذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَ اَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَيْسَ لِيْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ اَجِيْرًا يَكْفِيْنِيْ فَوَجَدْتُ رَجُلًا سَمَّيْتُ لَهٗ ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ اَرَدْتُّ اَنْ اُجْرِيَ لَهٗ سَهْمَهٗ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ مَا اَجِدُ لَهٗ فِيْ غَزْوَتِهٖ هٰذِهٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اِلَّا دَنَانِيْرَهٗ

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا۔ میں اس وقت معمر بوڑھا تھا۔ میرا کوئی خادم نہ تھا۔ میں نے ایک مزدور تلاش کیا جو میرے لیے کافی ہو، تو مجھے ایک شخص مل گیا۔ میں نے اس سے تین دینار طے کیے، جب مال غنیمت حاضر ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کا حصہ دے دوں، پس میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔

میں اس کے لیے اس جنگ میں، دنیا اور آخرت میں سوائے ان طے کردہ دیناروں کے

اَلتَّيِّ تُسَمّٰى ۔ کچھ نہیں پاتا ہے ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

سلہ یعلی یاء اور لام پر زبر بن امیہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نجران کے عامل تھے، اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں، صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمراہی میں شامل ہوئے اور شہید ہوئے۔

سلہ مطلب یہ ہے کہ وہ غنیمت اور ثواب آخرت سے محروم ہے، محدثین نے فرمایا کہ یہ اس مزدور کے بارے میں ہے جو خدمت کے لیے ہو، جس شخص کو جہاد کے لیے معاوضے پر شامل کیا گیا ہو اس کے لیے غنیمت میں سے حصہ ہے اگرچہ اسے ثواب نہیں ملے گا۔ علامہ طیبی اور بعض دوسرے علماء نے یہ قول احناف کی طرف منسوب کیا ہے ہمیں ہدایہ اور بعض دوسری کتابوں میں یہ قول نہیں ملا۔

۳۶۶۷/۵۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُرِيْدُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَهُوَ يَبْتَغِيْ عَرَضًا مِّنْ عَرَضِ الدُّنْيَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجْرَ لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دنیا کے مال و متاع سلہ کا بھی طلب گار ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

سلہ عرض راء پر زبر اور سکون دونوں جائز ہیں، مشہور روایت کے مطابق زبر ہے۔

۳۶۶۸/۵۸ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰى وَجْهَ اللّٰهِ وَاَطَاعَ الْاِمَامَ وَاَنْفَقَ الْكَرِيْمَةَ وَيَاسَرَ الشَّرِيْكَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَهٗ وَنُبْهَهٗ

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد دو قسم کے ہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی، امام کی اطاعت کی سلہ منتخب سلہ چیز خرچ کی، ساتھی سے نرمی کی سلہ، اور فساد سے بچا سلہ تو اس کا سونا اور جاگنا سلہ سب موجب ثواب ہے۔ لیکن جس نے فخر ... کے لیے اور

أَجْرُ كُلُّهُ وَ أَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَ رِيَاءً وَ سُمْعَةً وَ عَصَى الْإِمَامَ وَ أَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ.

لوگوں کو سنانے کے لیے جہاد کیا، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ ثواب کے ساتھ نہیں لوٹا [۵۸]

رَوَاهُ مَالِكٌ وَ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

(مالک، ابوداؤد، نسائی)

[۵۱] اور ثواب آخرت طلب کیا۔

[۵۲] جس طرح اس نے حکم کیا اسی طرح بجالایا۔

[۵۳] جان اور مال

[۵۴] یاسر، یُسر سے مشتق، باب مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔

[۵۵] قتل کرنے، لوٹنے، ویران کرنے میں شریعت کی حد سے تجاوز نہ کیا اور خیانت نہ کی۔

[۵۶] یعنی اگرچہ سویا بھی ہو اس کا سونا بھی باعث ثواب ہے ـــــ نبہ اکثر نسخوں میں نون کی زبر اور باد کے ساتھ تصحیح کی گئی ہے، بعض نسخوں میں بار کو ساکن قرار دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے نُبہ پیش کے ساتھ، دانائی، نیند سے اٹھنا۔

[۵۷] یعنی شہرت اور ناموری کے لیے۔

[۵۸] یا یہ مطلب ہے کہ وہ جہاد سے برابر سرابر نہیں لوٹا، کہ نہ ثواب ہو اور نہ گناہ، بلکہ اس حال میں لوٹے گا کہ گناہ ثواب پر غالب ہوگا۔

$\frac{۳۶۶۹}{۵۹}$ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو إِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَ إِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا

حضرت عبداللہ بن عمرو [۵۹] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے [۶۰]، فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! اگر تم نے صبر اور امید اجر کے ساتھ جنگ کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں صابر اور امیدوار ثواب اٹھائے گا [۶۱] اور اگر تم نے ریاکاری اور زیادتی کی حرص [۶۲] کے ساتھ جہاد کیا

بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰى اَيِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَكَ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں ریاکار اور زیادتی کا حریص بنا کر اٹھائے گا۔[۵] اے عبداللہ بن عمرو! تم جس حال میں جنگ کرو گے یا قتل کیے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال پر اٹھائے گا۔[۶]

(ابوداؤد)

[۱] عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
[۲] کہ کس طرح جہاد کیا جائے تو باعث ثواب ہوگا۔
[۳] تمہیں اسی صفت پر اٹھائے گا اور اس کا اجر عطا فرمائے گا۔
[۴] یعنی لوگوں پر فخر کرے اور کہے کہ میں مال، لشکر اور پیروکاروں میں تم سے زیادہ ہوں، یا یہ مطلب ہے کہ لوگ تمہیں کہیں کہ وہ مال و اسباب میں زیادہ ہے، مطلب یہ کہ اگر ناموری، شہرت اور مال و اسباب کے لیے جہاد ہو۔
[۵] اور اس کی سزا دے گا۔
[۶] شعر

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود
تا بدر راہ وصالت آں بود

دنیا میں تمہیں جس چیز کا خیال ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ اسی سے ملاقات رہے گی۔

۳۶۷۰/۱۰ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمْضِ لِاَمْرِيْ اَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَهٗ مَنْ يَمْضِيْ لِاَمْرِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ) وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت عقبہ بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم عاجز ہو کر جب ہم کسی شخص کو کسی کام پر بھیجیں اور وہ ہمارے حکم کو جاری نہ کرے تو تم اس کی جگہ اس شخص کو مقرر کر دو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔[۲]

(ابوداؤد)

حضرت فضالہ[۳] کی وہ حدیث جس میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کتاب الایمان[۴] میں ذکر کر دی گئی ہے۔

۵۱ عقبہ بن پیش بتاف ساکن بن مالک لیثی صحابی اور اہل بصرہ میں شمار کیے گئے ہیں۔
۵۲ یعنی اگر ہم ایک شخص کو حکم دیں اور کسی کام سے بھیجیں اور اس سے وہ کام نہ ہو سکے، تم اس کی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دو، جو بھی کام ہو، خواہ حکومت ہی ہو، مقصد کام کا کرنا ہے جو بھی کرے، یہ نہ کہو کہ اس کام کا حکم تو فلاں کو دیا، دوسرا وہ کام کیسے کرے۔
۵۳ فضالہ فا پر زبر۔
۵۴ کتاب الایمان اس کتاب کی ابتدا میں مذکور ہے، مصابیح میں یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۶۷۱/۲۱ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِيَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيْهِ شَیْءٌ مِّنْ مَّآءٍ وَّ بَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ بِاَنْ يُّقِيْمَ فِيْهِ وَ يَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنِّیْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغَدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لشکر کے ایک دستے[۱] میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ایک شخص ایک غار[۲] کے پاس سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزی تھی، اس شخص نے دل میں کہا کہ وہیں قیام کرے اور دنیا سے الگ تھلگ رہے، انہوں نے اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی[۳]، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمیں نہ تو یہودیت کے ساتھ بھیجا گیا اور نہ عیسائیت کے ساتھ[۴]، لیکن ہمیں آسان ملت[۵] کے ساتھ بھیجا گیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ہماری جان ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں[۶] صبح یا شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[۷]۔ اور تم میں سے ایک شخص کا جنگ کی صف میں

وَلَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِّنْ صَلوٰتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

کھڑے ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے ۵۸۔ (امام احمد)

۵۱ سریۃ سین پر زبر، را کے نیچے زیر، یا مشدد۔ لشکر کا ایک دستہ، پانچ افراد سے تین یا چار سو افراد تک۔

۵۲ غار، پہاڑ میں پست زمین، یا مطلق پست زمین۔

۵۳ اگر اجازت ہو تو وہاں قیام کر لیں۔

۵۴ جو رہبانیت اور مشقت اختیار کرتے ہیں، لوگوں سے میل جول اور ہر لذت کو ترک کر دیتے ہیں۔

۵۵ حنیف اسلام کی طرف مائل، عربوں کے نزدیک، حنیف وہ شخص ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہو۔ اصل میں حنیف کا معنی میلان کرنے والا ہے یعنی باطل سے حق کی طرف میلان کرنے والا۔ السمحۃ نرم اور آسان، جس میں سختی اور درشتی نہیں ہے، مسامحۃ معاملہ میں نرمی اختیار کرنا، تسمیح نرم رفتار سے چلنا اور سختی کے بعد چلنے سے نرمی برتنا۔

۵۶ یعنی دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں۔

۵۷ یعنی اگر وہ شخص دنیا اور اس کے مال و اسباب کا مالک ہو جائے اور رہتی دنیا تک اس میں تصرف کرے ایک وقت تو دنیا نے ختم ہونا ہی ہے، بلکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کر دے، کیونکہ صدقہ کے ثواب پر جہاد کو فضیلت ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ غَدْوَۃٌ اور رَوْحَۃٌ سے مراد مطلق زمانہ ہے یعنی ایک لمحہ اور ایک ساعت، غَدْوَۃٌ اور رَوْحَۃٌ کا ذکر بطور محاورہ ہے۔

۵۸ بعض شارحین نے فرمایا کہ نماز کی صف مراد ہے، مقصود منفرد کی نماز سے نماز با جماعت کی فضیلت بیان کرنا ہے، لیکن حدیث کا پہلا حصہ پہلے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (کہ جنگ کی صف مراد ہے)۔

$\frac{۳۶۷۲}{۶۲}$ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْوِ اِلَّا عِقَالًا فَلَهٗ مَا نَوٰى (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عبادہ بن صامت ۵۹ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک رسی ۶۰ کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی چیز ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ۶۱۔ (نسائی)

۱؎ حضرت عبادہ بن صامت، اکابر صحابہ اور نقبا انصار میں سے ہیں۔

۲؎ اونٹ کا پاؤں باندھنے والی رسی۔

۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ کرنا اگرچہ وہ معمولی اور حقیر ہی ہو اخلاص کے منافی ہے۔ اس میں مبالغہ ہے کہ غنیمت پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ اور اغراض دنیاویہ کے شائبہ کے بغیر خالص نیت کی ترغیب دی گئی ہے۔

۳۶۷۳/۶۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ وَ اُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ قَالَ وَ مَا هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ۱؎ اسلام کے دین ۲؎ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ حضرت ابوسعید خدری کو یہ کلمات بہت پسند آئے ۳؎، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کلمات مجھے دوبارہ بیان فرمائیں، آپ نے دہرائے، پھر فرمایا: ایک دوسری خصلت ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ بندے کو جنت میں سو درجے بلند فرمائے گا، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے، عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسی خصلت ہے، فرمایا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ (مسلم)

۱؎ اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا پروردگار ہے۔

۲؎ اسے وثوق ہو کہ اسلام میرا دین ہے۔

ﷺ کیونکہ یہ کلمات کامل بشارت اور مسرت کے حامل ہیں۔

۳۶۷۴/۶۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَالَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَیْئَةِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَیْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِهٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰی قُتِلَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں کے نیچے[1] ہیں، پس ایک فرسودہ[2] شکل والے آدمی نے اٹھ کر کہا اے ابو موسیٰ! کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟ انہوں نے کہا ہاں[3]! تو اس شخص نے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہا میں تمہیں سلام کہتا ہوں[4]۔ پھر اس نے اپنی تلوار کا میان[5] توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھ گیا، اس نے یہاں تک تلوار چلائی کر شہید ہو گیا۔ (مسلم)

ﷺ گویا ہر تلوار کے نیچے جنت کا ایک دروازہ ہے، یہ معرکہ جہاد میں حاضر ہونے سے کنایہ ہے۔

ﷺ رث تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، پرانا۔

ﷺ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

ﷺ بطور الوداع

ﷺ جفن جیم پر زبر اور فاء ساکن۔ نیام

۳۶۷۵/۶۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اِنَّهٗ لَمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُكُمْ یَوْمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا: جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید ہو گئے۔ تو

اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰہُ اَرْوَاحَھُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّۃِ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا وَ تَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ مُّعَلَّقَۃٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِیْبَ مَاْکَلِھِمْ وَ مَشْرَبِھِمْ وَمَقِیْلِھِمْ قَالُوْا مَنْ یُّبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اَنَّنَا اَحْیَآءٌ فِی الْجَنَّۃِ لِئَلَّا یَزْھَدُوْا فِی الْجَنَّۃِ وَ لَا یَنْکُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اُبَلِّغُھُمْ عَنْکُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَاتِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیں[1]، وہ پرندے جنت کی نہروں پہ اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں رہائش رکھتے ہیں، جب احد کے شہیدوں نے بہترین کھانے، مشروب اور رہائش گاہیں پائیں تو انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو ہمارے بارے میں کون اطلاع دے گا؟ کہ ہم زندہ ہیں تاکہ وہ جنت میں بے رغبتی اور جنگ میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں[2]۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمہارے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔ (آخر آیت تک)

(ابوداؤد)

[1] اس کی تحقیق اور تفصیل پہلی فصل میں، حضرت مسروق کی حدیث میں گزر گئی ہے۔

[2] اور جہاد ترک نہ کر دیں۔

۳۶۷۶/۶۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ فِی الدُّنْیَا عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَجْزَآءٍ اَلَّذِیْنَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں (۱) وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر شک میں نہ پڑے۔

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ يَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ .

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا[1] (۲) وہ شخص جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر امن میں ہوں[2]

(۳) وہ کہ جب طمع کے قریب پہنچے[3]، تو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ ہی دے[4]

(احمد)

[1] اس جماعت نے کامل ایمان اور تہذیب نفس کے ساتھ ساتھ مخلوق کو نفع پہنچایا اور انہیں پاک کیا، یہ لوگ مرتبے کے اعتبار سے اکمل و اشرف اور اعلیٰ ہیں۔

[2] یعنی وہ اگرچہ لوگوں کو نفع نہیں پہنچاتے اور ان کی بھلائی کا کام نہیں کرتے، لیکن انہیں نقصان بھی نہیں پہنچاتے، شرانگیزی نہیں کرتے، لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے اور ان سے کوئی لالچ نہیں رکھتے، جیسے کہ کہتے ہیں مصرع "امراز خیر تو امید نیست بد مرساں" مجھے تم سے بھلائی کی امید نہیں ہے۔ تم نقصان نہ پہنچاؤ۔

[3] اور اس کے دل میں آئے کہ لالچ کرے۔

[4] اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دے، یہ گروہ اگرچہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ لالچ کرے اور لالچ کے دائرے میں واقع ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ اسے حرص کے جال میں واقع ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ قسم، پہلی دو قسموں سے کم مرتبہ ہے۔ اس کے بعد دوسری قسمیں ہیں جو لائق اعتبار اور قابل توجہ نہیں ہیں۔ اس حدیث کی اس انداز سے یہ شرح اس فقیر حقیر (شیخ محقق) کے خیالات کا نتیجہ ہے۔

۳۶۷۷/۶۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عَمِيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُّسْلِمَةٍ يَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْكُمْ وَ اَنَّ لَهَا

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان جان جسے اس کا رب قبض کرے[2]۔ ایسی نہیں ہے جو تمہاری طرف لوٹنے[3] کو پسند کرے، اس حال میں کہ اس کے لیے دنیا و مافیہا ہو، سوائے شہید کے[4]

الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا غَيْرُ الشَّهِيْدِ قَالَ ابْنُ اَبِيْ عَمِيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ اَهْلُ الْوَبَرِ وَ الْمَدَرِ۔ (رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

ابن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانا زیادہ محبوب ہے۔ اس سے کہ اُون اور اینٹوں والے میرے مملوک ہوں۔ (نسائی)

۵۱ عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ عین پر زبر، میم کے نیچے زیر، یاء ساکن، صحابی ہیں، بعض محدثین کے نزدیک ان کے صحابی ہونے میں نظر ہے۔ ــــــــ۔ــــــــ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۲ یعنی اسے موت سے ہم کنار فرمادے۔

۵۳ دنیا میں واپس آنے۔

۵۴ اسے یہ بات محبوب ہے کہ دنیا میں واپس آئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جائے، کیونکہ وہ ثواب شہادت کے عظیم درجات کا مشاہدہ کر چکا ہے۔

۵۵ اُون والوں سے مراد بادیہ نشین ہیں جو اُون کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور اینٹوں والوں سے مراد شہری اور دیہاتی ہیں جن کے مکان پتھر، اینٹ، اور ڈھیلوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ تمام دنیا والوں کا مالک ہونے سے شہادت زیادہ محبوب ہے۔

۳۶۶۸/۶۸ وَعَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِي الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ وَ الشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ وَ الْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت حسناء بنت معاویہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے میرے چچا نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت میں کون ہے؟ فرمایا: نبی جنت میں ہے۔ شہید جنت میں ہے، چھوٹا بچہ[۲] جنت میں ہے اور وہ بچہ جنت میں ہے جسے زندہ دفن کر دیا گیا[۳]۔ (ابو داؤد)

۱؎ حسناء حا پر زبر، سین ساکن بنت معاویہ جو تیسرے طبقے سے تعلق رکھنے والی مقبول تابعیہ ہیں، اپنے چچا اسلم بن سلیم صحابی سے روایت کرتی ہیں۔

۲؎ خواہ مومن کا بچہ ہو یا کافر کا اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔

۳؎ اس سے زندہ درگور کی جانے والی بچی مراد ہے، جیسے کہ کافروں کی عادت تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ لڑکوں کو بھی بھوک اور تنگی کے وقت زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ممکن ہے کہ خاص طور پر ان چار اقسام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہو کہ پہلی دو قسمیں فضیلت اور شرافت کی حامل ہیں اور آخری دو قسمیں عمل اور کمائی کے بغیر جنت میں داخل ہوں گی۔

۳۶۷۹/۶۹ وَعَنْ عَلِیٍّ وَّ اَبِی الدَّرْدَآءِ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ اَبِیْ اُمَامَةَ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ كُلُّهُمْ یُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَقَامَ فِیْ بَیْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَّ مَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَنْفَقَ فِیْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی مرتضٰے، ابو الدرداء، ابو ہریرہ، ابو امامہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہم سب سے[۱] روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اللہ تعالٰی کی راہ میں خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر میں مقیم رہا[۲]۔ تو اس کے لیے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ہیں۔ اور جس نے خود اللہ تعالٰی کی راہ میں جنگ کی اور اس کی رضا کے لیے[۳] خرچ کیا تو اس کے لیے ہر درہم کے بدلے سات ہزار[۴] درہم ہیں۔
پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔
اللہ تعالٰی جس کے لیے چاہتا ہے ثواب زیادہ کرتا ہے۔
(ابن ماجہ)

لے ان آٹھ مشہور صحابہ سے روایت ہے۔
لے اور جہاد کے لیے نہیں گیا۔
لے یا اس جانب خرچ کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے راضی ہے۔
لے بعض نسخوں میں سات لاکھ درہم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کا اضافہ سات سو میں بند نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری فصل میں حضرت خریم بن فاتک کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

۳۶۸۰ وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَاْسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَمَا اَدْرِيْ اَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِّنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِي

حضرت فضالہ بن عبید لے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار قسم کے ہیں (۱) عمدہ ایمان والا مومن مرد اس نے دشمن لے سے ملاقات کی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی لے یہاں تک کہ وہ قتل کیا گیا، یہ وہ شخص ہے۔ جس کی طرف لوگ قیامت کے دن اس طرح اپنی آنکھیں اٹھائیں گے لے، اور اپنا سر اٹھایا لے، حتے کہ ان کی ٹوپی گر گئی لے،
راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے استاد نے حضرت عمر کی ٹوپی مراد لی یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لے۔
(۲) سرکار دو عالم نے فرمایا: بہترین ایمان والا مومن مرد، اس نے دشمن سے اس طرح ملاقات کی کہ بزدلی لے کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی گویا اس کی جلد میں خاردار درخت کا کانٹا چبھ گیا ہو اسے انجانا لے تیر لگا اور اسے قتل کر دیا۔

الدَّرَجَۃِ الثَّانِیَۃِ وَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰہَ حَتّٰی قُتِلَ فَذَاكَ فِی الدَّرَجَۃِ الثَّالِثَۃِ	تو وہ دوسرے درجہ میں ہیں[۶] (۳) وہ ایماندار مرد ہے جس نے اچھے اور برے ملے جلے عمل کیے[۷] اس نے دشمن کا سامنا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی[۸] حتے کہ قتل کیا گیا تو وہ تیسرے درجے میں ہے (۴) وہ ایماندار مرد
وَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰی نَفْسِہٖ لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰہَ حَتّٰی قُتِلَ فَذَاكَ فِی الدَّرَجَۃِ الرَّابِعَۃِ۔	جس نے اپنی ذات پر ناروا تصرف کیا[۹] دشمن سے ملاقات کی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل کیا گیا، تو وہ چوتھے درجے میں ہے[۱۰]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)	(ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

۱؎ فضالہ بن عبید عین پر پیش، انصاری صحابی ہیں۔ ان کے حالات دوسری فصل کے ابتداء میں گزر گئے ہیں۔

۲؎ یعنی کافروں۔

۳؎ اپنے عمل اور بہادری سے، اس نے جہاد کیا، صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کی صفت، صبر اور طلب ثواب بیان کی ہے اور اس کی خبر دی ہے جب اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کیا تو اس نے اس خبر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی۔

۴؎ اس کے مقام کی بلندی اور عظمت کی وجہ سے۔

۵؎ یہ بیان کرنے کے لیے کہ لوگ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھائیں گے۔ اور اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

۶؎ زیادہ سر اٹھانے کی وجہ سے۔

۷؎ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر اٹھانے کی کیفیت بیان کی تو ان کی ٹوپی گر گئی یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ پہلے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۸؎ اور خوف کی وجہ سے ——— طلح طاء پر زبر، بڑے کانٹوں والا ایک درخت، یہ کنایہ ہے خوف کی وجہ سے جسم پر بالوں کے کھڑے ہو جانے اور جسم کے اکڑ جانے سے۔

۹؎ جس کا مارنے والا معلوم نہیں۔

ﻪ۱۰ اور پہلے درجے سے کم مرتبہ ہے۔

ﻪ۱۱ اور اس کا ایمان پہلی اور دوسری قسم ایسا عمدہ نہیں ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی طرف رجوع فرمائے۔

ﻪ۱۲ صبر کیا اور بہادری اختیار کی۔

ﻪ۱۳ حد سے تجاوز کی اور معصیت اختیار کی۔

ﻪ۱۴ اور سب سے کم درجہ رکھتا ہے ——— اس تقسیم کا حاصل یہ ہے کہ شہید یا تو متقی اور بہادر ہے اور یہ پہلی قسم ہے یا متقی تو ہے لیکن بہادر نہیں ہے اور یہ دوسری قسم ہے یا بہادر ہے لیکن متقی نہیں ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کے اعمال اچھے اور برے، ملے جلے ہیں، وہ معصیت کار ہے لیکن حد سے متجاوز نہیں، اور ایک وہ ہے جو فاسق ہے اور حد سے متجاوز ہے، ان تمام قسموں میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق حاصل ہے۔ سوائے دوسری قسم کے، اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق سے مراد صبر پر قائم رہنا اور طالبِ ثواب ہونا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو موصوف کیا ہے اور ان کے اس وصف کی خبر دی ہے، اجر و ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد نہیں ہے کہ وہ تو دوسری قسم میں بھی حاصل ہے، حالانکہ اس قسم میں تصدیق کا ذکر نہیں ہے۔

۳۶۸۱/۱۷ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ نِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَتْلٰى ثَلٰثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذٰلِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِيْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ

حضرت عتبہ بن عبد سلمی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مقتول تین قسم کے ہیں۔ (۱) وہ مومن جس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، جب اس نے دشمن کا سامنا کیا تو جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں[2] فرمایا۔ وہ آزمایا[3] ہوا شہید ہے، اللہ تعالیٰ کے خیمے میں اس کے عرش کے نیچے[4]، انبیاء کرام کو ان پر صرف درجۂ نبوت میں فضیلت ہوگی[5]، (۲) وہ

وَ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَ خَطَايَاهُ اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَايَا وَ اُدْخِلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَ مُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ فَذَالِكَ فِي النَّارِ اِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُوا النِّفَاقَ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

مومن جس نے اچھے اور برے مخلوط عمل کیے[۱] اس نے اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، جب دشمن کا سامنا ہوا تو جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا، یہ شہادت محو کرنے والی ہے۔ اس نے اس کے گناہ اور خطائیں مٹا دیں۔ بے شک تلوار خطاؤں کو مٹانے والی ہے، اور اسے جنت میں داخل کیا جائے گا جس دروازے سے وہ چاہے گا۔ (۳) منافق نے اپنی جان اور مال سے جہاد کیا، جب دشمنوں سے ملا تو اس نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا تو وہ آگ میں ہے بے شک تلوار منافقت کو نہیں مٹاتی[۲]

(دارمی)

۵۱ عتبہ عین پر پیش اور تا ساکن بن عبد عین پر زبر اور با ساکن السلمی صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو الولید ہے، اہل حمص میں شمار کیے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کا نام عتلہ تھا عین پر زبر، تا ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد لام، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام عتبہ رکھ دیا۔

۵۲ اس مومن مجاہد کی تعریف میں۔

۵۳ اس مجاہد کا تجربہ کیا گیا ہے کہ یہ جہاد پر صبر کرنے والا اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی طاقت رکھنے والا ہے، نہایہ میں ہے ممتحن مہذب اور مصفا، جیسے چاندی کو ممتحن اس وقت کہتے ہیں جب آگ کے ساتھ اسے صاف کیا گیا ہو، آیت مبارکہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا تجربہ کیا ہے۔ انہیں نرم کیا ہے اور ان کو خلوص اور تقویٰ کے لیے پسند کیا ہے، امتحان علم اور معرفت کا سبب ہے۔

۵۴ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور مقام قرب میں، جیسے کہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا، چنانچہ مجھے اجازت دی جائے گی، پس میں سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ آخر حدیث تک۔

۵۵ یعنی نبوت اور اس سے متعلق کمال کے علاوہ تمام مراتب و کمالات، ان شہیدوں کو حاصل ہوں گے اس جگہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ شہداء، انبیاء سے ایک مرتبہ، یعنی مرتبۂ نبوت میں کم ہیں، کیونکہ نبوت کے کمالات بے حد و حساب ہیں، اور ولایت کے مراتب اس سے نیچے ہیں اور کمالات نبوت کے مقابل محسوس ہی نہیں ہوتے، تعریف یہ ہے کہ اولیاء کرام قدس اللہ اسرارہم کے کمالات کی نسبت، کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وہ ہے جو ٹپکنے والے قطرے کی پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے سے ہے، کم نظر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک قدم اور ایک مرتبہ انبیاء کرام سے نیچے ہیں۔ حالانکہ انہیں کمالاتِ نبوت کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ گمراہی اور کجروی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ!

۵۶ اور وہ خالص متقی نہیں ہے۔

۵۷ مُمَصْمِصَۃٌ پہلے میم پر پیش، دوسرے پر زبر، پہلا صاد ساکن، تیسرے میم کے نیچے زیر، پاک کرنے والی، بے نقطہ صاد اور نقطے والے ضاد کے ساتھ دونوں طرح روایت ہے، اور دونوں کا ایک ہی معنی ہے بعض شارحین نے کہا مصمصۃ بے نقطہ صاد کے ساتھ زبان کے کنارے سے اور نقطے والے ضاد کے ساتھ پورے منہ کے ساتھ (کسی چیز کو حرکت دینا) جیسے وضو میں کلی کرنا (اسے مضمضہ کہتے ہیں)، برتن وغیرہ کے دھونے کو کہتے ہیں۔ مضمضۃ و ذنوب، گناہوں کا مٹا دینا۔

۵۸ اگرچہ اس نے جنگ کی اور مارا گیا۔

۵۹ بخشش کے لیے ایمان ضروری ہے، اس کے علاوہ سب بے کار ہے۔

ایمان چو سلامت بلب گور بریم
احسنت زہے چستی و چالاکی ما

جب ہم قبر تک ایمان سلامت لے جائیں تو ہماری چستی اور مستعدی پر آفرین۔

۳۶۸۲/۷۲ وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ

حضرت ابن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرد کے جنازے کے ساتھ نکلے۔ جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس پر نماز نہ پڑھیں۔

عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَثٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَ قَالَ اَصْحٰبُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ قَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

کیوں کہ یہ فاسق مرد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: تم میں سے کسی نے اسے اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! اس نے ایک رات اللہ تعالی کی راہ میں پہرہ دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور اس پر مٹی ڈالی[۲][۳]۔ اور فرمایا: تمہارے ساتھی گمان کرتے ہیں کہ تم اہل نار میں سے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اہل جنت میں سے ہو۔ اور فرمایا: عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ لیکن تم سے فطرت[۴] کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(شعب الایمان، امام بیہقی)

۱؎ ابن عایذ یا اور نقطے والے ذال کے ساتھ، ابن عایذ متعدد صحابی ہیں۔ قیس بن عایذ اور منذر بن عایذ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ اس جگہ کون سے صحابی مراد ہیں؟ چونکہ تمام صحابی عادل ہیں، اس لیے ان کی جہالت، نقصان دہ نہیں ہے ۱۲ قادری،

۲؎ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے

۳؎ ان کے دفن کے وقت۔

۴؎ یعنی دین اسلام کے بارے میں علامہ طیبی نے اس کلام کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اے عمر! ایسے مقام میں مُردوں کے بُرے اعمال کی خبر نہ دو، بلکہ ان کے اچھے اعمال کی خبر دینی چاہیے

جیسے کہ ارشاد فرمایا: اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ۔ اپنے مُردوں کو اچھائی کے ساتھ یاد کرو۔ اصل میں انہیں اس طریقے سے منع کرنا تھا جس پر انہوں نے اقدام کیا تھا، اور اس میت کے فسق و فجور کی خبر دی تھی، کیونکہ اعتبار فطرت اور عقیدے کا ہے، اس کے علاوہ میت نے وہ اسلامی عمل بھی کیا ہے جو اسے کفایت کرتا ہے۔

بَابُ اِعْدَادِ اٰلَةِ الْجِهَادِ

۲۸۶۔ آلۂ جہاد کے تیار کرنے کا بیان

اس باب میں وہ حدیثیں بیان کی جائیں گی جن میں آلۂ جہاد، مثلاً تیر کمان، نیزہ، تلوار، زرہ اور گھوڑا وغیرہ کے تیار کرنے کا ذکر ہے، زیادہ تر احادیث میں تیر اندازی اور گھوڑے کی فضیلت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار، جھنڈے اور زرہ کی صفت بھی بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۶۸۳ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بر سر منبر فرماتے ہوئے سنا[1] کافروں کے لیے وہ قوت تیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور تین بار فرمایا، خبردار! قوت[2] تیر اندازی ہے[3]۔ (مسلم)

۵۱ آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

۵۲ جس کے تیار کرنے کا تمہیں آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

۵۳ مشکات کے بعض نسخوں میں رباط الخیل کا بھی ذکر ہے، بعض نسخوں میں اس پر خط کھینچا ہوا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ کلمات مسلم شریف میں نہیں ہیں، امام سیوطی نے کہا کہ یہ کلمات ابن منذر کی روایت میں ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں، اسی طرح درمنثور میں ہے، زمخشری اور بیضاوی نے قوت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہر چیز جس سے جنگ میں طاقت حاصل کی جائے (مثلاً آج کے دور میں ٹینک، جنگی طیارے، طیارہ شکن توپیں، آب دوزیں اور ایٹمی اسلحہ وغیرہ ۱۲ قادری) بیضاوی نے کہا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر تیر اندازی کا ذکر اس لیے فرمایا ہو کہ یہ زیادہ قوت والا عمل ہے، کشاف میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستر کمانیں توڑیں۔

۳۶۸۴ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ الرُّوْمُ وَيَكْفِيْكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّلْهُوَ بِاَسْهُمِهٖ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر روم فتح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں کفایت کرے گا، پس چاہیئے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے سے عاجز نہ ہو۔ (مسلم)

۱ یعنی اہل روم کی جنگ عموماً تیر اندازی سے ہے اس لیے تمہیں تیر اندازی سیکھنا چاہیے، اس کی تیاری اور مشق کرو، تاکہ رومیوں کے ساتھ جنگ کر سکو اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ بعض شارحین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ روم کی فتح کے باوجود تیر اندازی ترک نہ کرو اور اس کی مشق مسلسل جاری رکھو اور اس بات پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ روم فتح ہو گیا ہے اب تیر اندازی کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ اس کی حاجت دائمی ہے۔ اگرچہ روم کے فتح ہو جانے سے رومی جنگ میں اس کی حاجت نہ رہے، تیر اندازی کو صورت کے اعتبار سے لہو کہا گیا ہے۔ نیز ترغیب مقصود ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر لہو کی طرف مائل ہے، جیسے گھوڑے اور اونٹ کی دوڑ کا مقابلہ۔

۳۶۸۵ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَلِمَ

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا

الرَّمْیَ ثُمَّ تَرَکَہٗ فَلَیْسَ مِنَّا اَوْقَدْ عَصٰی۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تو وہ ہم میں سے نہیں[1] یا یہ فرمایا[2] کہ اس نے نافرمانی کی۔
(مسلم)

[1] اور ہمارے طریقہ پر نہیں۔
[2] راوی کو شک ہے کہ دونوں میں سے کونسی بات فرمائی۔

۳۶۸۶ وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَوْمٍ مِّنْ اَسْلَمَ یَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ ارْمُوْا بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا وَ اَنَا مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ لِاَحَدِ الْفَرِیْقَیْنِ فَاَمْسَکُوْا بِاَیْدِیْهِمْ فَقَالَ مَالَکُمْ فَقَالُوْا کَیْفَ نَرْمِیْ وَ اَنْتَ مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ قَالَ ارْمُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سلمہ بن اکوع[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے وہ بازار[2] میں تیراندازی کا مقابلہ کر رہے تھے[3]۔ آپ نے فرمایا: اے اولاد اسماعیل[4]! تیراندازی کرو کہ تمہارے جد امجد تیرانداز تھے اور ایک فریق[5] کو فرمایا کہ ہم بنو فلاں کے ساتھ ہیں، تو دوسرے قبیلے نے اپنے ہاتھ روک لیے فرمایا: تمہیں کیا ہوا[6] انہوں نے عرض کیا ہم کیسے تیراندازی کریں! جب کہ آپ بنو فلاں (دوسرے گروہ) کے ساتھ ہیں۔ فرمایا: تم تیراندازی کرو اور ہم تم سب کے ساتھ ہیں۔
(بخاری)

[1] سلمہ سین اور لام پر زبر، ابن الاکوع ہمزے پر زبر، کاف ساکن، اسلمی بیعت رضوان میں شریک ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے صحابۂ کرام کی ابتدا میں درمیان اور آخر میں بیعت کی۔ بڑے بہادر اور ماہر تیرانداز تھے، پیادہ یا سواروں سے جنگ کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ان ہی سے بھیڑیئے نے گفتگو کی تھی ۷۴ھ میں اسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہوا۔
[2] سوق بازار، بعض محدثین نے کہا کہ ایک جگہ کا نام ہے، بعض نے کہا کہ ساق کی جمع ہے اس سے مراد تیر ہیں، شرح ابن فرشتہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ سوق سین کی زبر کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے تناضل اور نا مند نقطے والے ضاد کے ساتھ۔ مل جل کر تیراندازی کا مقابلہ کرنا۔

سے ۵۳ یعنی اے عرب!

سے ۵۴ بنی اسلم کے دو قبیلے جو تیر اندازی کر رہے تھے ان میں ایک قبیلے کا نام لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ان کی طرف ہیں۔

سے ۵۵ یعنی جس قبیلے کی طرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اس کے مقابل قبیلے نے ہاتھ روک لیے۔

سے ۵۶ تم نے ہاتھ کیوں روک لیے؟۔

۳۶۸۷/۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ اِذَا رَمٰى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ اِلٰى مَوْضِعِ نَبْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ڈھال کی آڑ لیتے تھے[۱]۔ حضرت ابو طلحہ۔ بہترین تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر اٹھا کر اس جگہ کو دیکھتے تھے جہاں ان کا تیر گرتا تھا[۲]۔ (بخاری)

سے ۱ تترس، ڈھال کا آگے رکھنا۔

سے ۲ آپ دیکھتے تھے کہ تیر کسے لگا ہے اور کون سا دشمن اس کا شکار ہوا ہے؟ کیونکہ حضرت ابو طلحہ کا تیر خطا نہیں جاتا تھا، حضرت ابو طلحہ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابو طلحہ کی آواز سو مردوں سے بہتر ہے، حنین کے دن انہوں نے بیس افراد کو قتل کیا اور ان کا ساز و سامان حاصل کیا۔

۳۶۸۸/۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَرَكَةُ فِيْ نَوَاصِي الْخَيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے۔ (شیخین)

سے ۱ مقصود گھوڑوں کی ذوات میں برکت کا ثابت کرنا ہے، پیشانی کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ اشرف اور ظاہر و باہر

عضو ہے جیسے آدمی میں پیشانی

۳۶۸۹ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِىْ نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِإِصْبَعِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الْأَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے ایک جانب ہٹاتے ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ بھلائی قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں سے وابستہ[1] ہے، آخرت میں ثواب اور دنیا میں غنیمت۔ (مسلم)

[1] کیونکہ ان سے جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۳۶۹۰ وَعَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَإِنَّ شِبَعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِىْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی راہ میں گھوڑا باندھا[1] تو اس کا پیٹ بھرنا، پانی پینا، اس کا پیشاب اور لید، قیامت کے دن اس شخص کی میزان[2] میں ہوگی۔ (بخاری)

[1] اس نیت سے کہ ہو سکتا ہے جنگ چھڑ جائے اور گھوڑا کام آئے، حبس کا معنی منع کرنا ہے، وقف کے معنی میں بھی آتا ہے، گھوڑے کے حبس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہ اس نے نیک کام کرنے کا عمومی اور خصوصی طور پر حکم دیا ہے، اور گھوڑا باندھنے پر عظیم ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے جس نے گھوڑا باندھا۔

۵۲ اعمال کے ترازو میں، یعنی یہ چیزیں اس کے اعمال میں داخل ہوں گی اور ان کا ثواب ملے گا، شبع شین کے نیچے زیر، باء پر زبر، سیر ہونا، ری راء کے نیچے زیر، یاء مشدد، سیراب ہونا، پیاس بجھانا، اس جگہ وہ چیز مراد ہے جس سے بھوک اور پیاس مٹائی جاتی ہے مثلاً گھاس، دانہ اور پانی۔

۳۶۹۱/۹ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِي الْخَيْلِ وَ الشِّكَالُ اَنْ يَكُوْنَ الْفَرَسُ فِي رِجْلِهِ الْيُمْنٰى بَيَاضٌ وَّ فِي يَدِهِ الْيُسْرٰى اَوْ فِي يَدِهِ الْيُمْنٰى وَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو ناپسند فرماتے تھے، شکال[۱] یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو[۲]۔

(مسلم)

۱ شکال شین کے نیچے زیر، گھوڑے میں یہ ہے کہ اس کے تین پاؤں سفید ہوں اور ایک رنگ دار ہو یا اس کے برعکس، اس گھوڑے کو اس رسی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے ساتھ چوپائے کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، اسی طرح قاموس میں ہے۔ راوی نے ایک دوسرا معنی بیان کیا ہے۔

۲ شکال کو ناپسند رکھنے کی وجہ شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں، بظاہر یہ معنی، پہلے معنی کے مخالف ہے جو قاموس سے نقل کیا گیا ہے اور ان دونوں میں تطبیق ممکن ہے (کہ شکال کے کئی معانی ہو سکتے ہیں، ایک راوی کا بیان کردہ اور دوسرا وہ جو قاموس میں ہے ۱۲ قادری) نہایہ میں ہے کہ اسے اس لیے مکروہ قرار دیا کہ وہ صورت کے اعتبار سے مشکول ہے (یعنی اس جانور کے مشابہ ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھے گئے ہوں ۱۲ قادری) اور یہ اچھی فال نہیں ہے، ممکن ہے تجربے سے ثابت ہوا ہو کہ یہ جنس نجیب (اصل) نہیں ہوتی، بعض محدثین نے کہا کہ اگر اس کے باوجود سفید پیشانی والا ہو تو کراہت دور ہو جائے گی۔

۳۶۹۲/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لاغر کیے ہوئے گھوڑوں میں دوڑ کرائی[۱]

بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَ بَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَ بَيْنَهُمَا مِيْلٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حفیا[۲] سے اس گھوڑدوڑ کی انتہا ثنیۃ الوداع[۳] تھی، اور ان دو جگہوں[۴] کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے اور جن گھوڑوں کو لاغر نہیں کیا گیا تھا۔ ان کی ثنیہ سے لے کر مسجد بنو زریق[۵] تک دوڑ کرائی۔ اور ان دو جگہوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔

(صحیحین)

[۱] مسابقت گھوڑ دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا۔ اضمار کا طریقہ یہ ہے کہ گھوڑوں کو خوب چارہ کھلاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ موٹے اور طاقت ور ہو جاتے ہیں، پھر چارہ اس حد تک کم کر دیتے ہیں کہ وہ زندہ رہیں، انہیں کسی کمرے میں بند کر کے اوپر جل ڈال دیتے ہیں تاکہ گرمی سے پسینہ آ جائے، جب پسینہ خشک ہو جاتا ہے تو ان کا گوشت ہلکا ہو جاتا ہے اور ان کی رفتار میں تیزی آ جاتی ہے۔

[۲] حفیاء بے نقطہ حا پر زبر، فا ساکن، الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، حیفار فا سے پہلے یار کے ساتھ بھی آیا ہے۔

[۳] ثنیۃ الوداع، ایک پہاڑ کا نام ہے، اہل مدینہ سفر کرنے والوں کو وہاں تک رخصت کرتے تھے اسی لیے اس جگہ کو ثنیۃ الوداع کہتے ہیں۔ اسی طرح قاموس میں ہے، علامہ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں ایک عجیب وجہ ذکر کی ہے جو ہم نے شرح (لمعات) میں ذکر کی ہے۔

[۴] یعنی حفیاء اور ثنیۃ الوداع کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے جس میں دوڑ کراتے تھے۔

[۵] بنو زریق زا پر پیش

۳۶۹۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَ كَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُوْدٍ لَهُ فَسَبَقَهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جسے عضباء کہا جاتا تھا۔ یہ ایسی اونٹنی تھی کہ کوئی اونٹنی اس سے آگے نہیں نکلتی تھی۔ پس ایک بدوی جوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس اونٹنی سے

فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

آگے نکل گیا[4] مسلمانوں پر یہ بات[5] بہت گراں گزری، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر ثابت[6] ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی بلند ہو گی، اسے پست فرمائے گا۔ (بخاری)

[1] عضباء عین پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن، اس کے بعد باء، آخر میں الف ممدودہ، وہ اونٹنی جس کے کان کاٹے ہوئے ہوں یا ان میں شگاف ڈالا گیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ وہی مشہور اونٹنی ہے جسے قصوی بھی کہتے ہیں یا اس کے ماسوا ہے، ؟ اس میں دو قول ہیں، محدثین کہتے ہیں کہ یہ بابرکت اونٹنی عضباء نہیں تھی، بلکہ اس کے کان پیدائشی طور پر ہی ایسے تھے۔

[2] قعود قاف پر زبر، جوان اونٹ جس پر پہلی بار سواری کی گئی ہو اور اس نے سواری بننے کی صلاحیت نئی نئی حاصل کی ہو، اس کی عمر کم از کم دو سال اور زیادہ سے زیادہ چھ سال ہے، اس کے بعد اسے جمل کہتے ہیں۔

[3] دوڑنے میں۔

[4] اعرابی کے اونٹ کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی سے آگے نکلنا۔

[5] اس کی عادت کریمہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۶۹۴/۱۲ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ فِي الْجَنَّةِ صَانِعَهٗ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهٖ وَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا (۱). اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں ثواب کی امید رکھتا ہو[1]، (۲) اس کے چلانے والے[2] کو اور

مُنَبِّلَهٗ فَارْمُوْا وَ ارْكَبُوْا وَ اَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْا بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهٗ بِقَوْسِهٖ وَ تَادِيْبَهٗ فَرَسَهٗ وَ مُلَاعَبَتَهٗ اِمْرَاَتَهٗ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ) وَزَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ مَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهٗ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْ قَالَ كَفَرَهَا.

(۳) اس کے پکڑانے والے[۴] کو، تو تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو۔ تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے تمہارے سوار ہونے[۵] سے زیادہ محبوب ہے۔ ہر وہ چیز باطل[۶] ہے جس کے ساتھ مرد کھیلے۔ سوائے کمان سے تیر چلانے اپنے گھوڑے کی تربیت کرنے اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے، کہ سب حق ہیں[۷]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

امام ابو داؤد، اور دارمی نے یہ اضافہ کیا جس نے سیکھنے کے بعد تیر اندازی کو اس سے اعراض کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ تو بے شک اس نے ایک نعمت چھوڑ دی یا فرمایا اس نے نعمت کی ناشکری کی۔

---

[۱] اور اسے سیدھا کرنے والے کو۔

[۲] یعنی جو شخص اس نیت سے تیر بناتا ہے کہ اس کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلایا جائے۔

[۳] اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔

[۴] یعنی جو تیر انداز کو تیر پکڑائے، خواہ ابتداءً یا چلانے سے پہلے یا چلانے کے بعد نشانے کے پاس سے اٹھا کر۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر چلاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں تیر پکڑاتے تھے۔ مُنَبِّل، میم پر پیش، نون پر زبر اور بار مشدد کے نیچے زیر، مشتق ہے تَنْبِیْل سے، نون ساکن اور بار مخفف، یا مشتق ہے انبال سے، دو روایتیں ہیں (دوسری روایت کے مطابق مُنْبِل پڑھیں گے۔ ۱۲ ق)۔

[۵] بعض شارحین نے کہا کہ سوار ہونے سے مراد، نیزہ مارنا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نیزہ بازی سے تیر اندازی زیادہ محبوب ہے۔

[۶] اور ناجائز ہے۔

؎ اور حقیقت میں لہو میں داخل نہیں ہیں۔

۳۷۶۵ ۱۳ وَعَنْ اَبِیْ نَجِیْحِ السُّلَمِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَهُوَ لَهٗ دَرَجَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ وَمَنْ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَهُوَ لَهٗ عِدْلُ مُحَرَّرٍ وَمَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِی الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوٰی اَبُوْ دَاوٗدَ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ وَالنَّسَائِیُّ الْاَوَّلَ وَالثَّانِیَ وَالتِّرْمِذِیُّ الثَّانِیَ وَالثَّالِثَ وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَدَلَ فِی الْاِسْلَامِ۔

حضرت ابو نجیح سلمی؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پہنچایا؎ تو وہ اس کے لیے جنت میں عظیم درجہ ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلایا؎ تو وہ اس کے لیے آزاد کردہ غلام کے برابر ہے، اور جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا تو یہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن؎ نور ہوگا۔ (شعب الایمان، امام بیہقی) امام ابوداؤد نے پہلا حصہ؎، امام نسائی نے پہلا اور دوسرا حصہ؎۔ اور امام ترمذی نے دوسرا اور تیسرا حصہ؎ روایت کیا، امام نسائی و ترمذی کی روایت میں اسلام کی جگہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوڑھا ہوا؎۔

؎۱ ابو نجیح نون پر زبر، جیم کے نیچے زیر اور یا ساکن السلمی حضرت عمرو بن عبسہ کی کنیت ہے، اسلام لانے والے چوتھے فرد تھے۔ ان کے احوال شریفہ کئی جگہ لکھے جاچکے ہیں۔

؎۲ یعنی کسی کافر کو مارا۔

؎۳ خواہ وہ کافر کو لگا یا نہیں۔ اس توجیہ کے مطابق تیر کا پہنچانا تیر چلانے سے اعلیٰ ہے، انداز کلام یہ ہے کہ پہلے اعلیٰ کا ذکر ہے پھر ادنیٰ کا، یعنی اگر وہ نہ ہو تو اس کا بھی ثواب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیر پہنچانے سے مراد تیر لے کر میدان جنگ میں جانا ہو، عام ازیں کہ چلائے یا نہ چلائے۔ اور رمی کا مطلب ہو کافروں کی طرف تیر کا چلانا، اس معنی کے اعتبار سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوگی۔ درجہ سے وہ درجہ مراد ہے جو غلام آزاد

کرنے سے کم مرتبہ ہے۔ آزاد کرنے کا بڑا مرتبہ ہے۔

ﮯ۵۴ نور کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس جگہ اسلام سے مراد جہاد ہے۔ کیونکہ جہاد، اسلام کا ستون اور اس کا بلند ترین مقام ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔

ﮯ۵۵ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پہنچایا۔

ﮯ۵۶ ان دونوں حقوں کا تعلق، تیر کی فضیلت سے ہے۔

ﮯ۵۷ کہ جس نے تیر چلایا اور جو بوڑھا ہوا۔

ﮯ۵۸ اس روایت سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے کہا کہ اسلام سے مراد جہاد ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ تیسرے حصے کو بھی امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ لہٰذا ان کی دو روایتیں ہوں گی۔

۳۶۹۶/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبقت نہیں ہے مگر تیر، اونٹ یا گھوڑے میں ﮯ۱۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ﮯ۱ سبق بار کی زبر کے ساتھ، وہ مال جو گھوڑدوڑ اور تیراندازی وغیرہ میں جیتنے والے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، اور بار ساکن ہو تو اس کا معنی آگے نکلنا ہے، صحیح روایت میں اس جگہ بار پر زبر ہے اور اگر بار ساکن ہو تو بھی حاصل معنی یہی ہے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سبقت نہیں ہے مگر نصل میں، نون پر زبر بے نقطہ صاد ساکن، تیر، نیزہ اور تلوار کا لوہا، اس جگہ تیر کا پھل مراد ہے یہ تیراندازی سے کنایہ ہے، خف خا پر پیش، اونٹ کا پاؤں، حافر بے نقطہ حا کے ساتھ، گھوڑے کا سم، مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گھوڑے کے دوڑانے میں سبقت جائز ہے۔

بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقابلے میں سبقت لے جانے پر مال لینا جائز نہیں ہے۔ مگر ان تین چیزوں میں، فقہا کی ایک جماعت نے اس پر قیاس کیا ہے اور جو چیز ان کے موافق ہو۔ اور اسے جہاد کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اسے ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ مثلاً گدھا اور خچر گھوڑے کے اور ہاتھی اونٹ کے حکم میں ہے۔ کیونکہ جنگ میں ہاتھی، اونٹ سے زیادہ کارآمد ہے۔

کسی چیز کے مقابلے پر مال کا شرط کرنا جنگ کا ذریعہ ہے اور مال کا مقرر کرنا جہاد کی ترغیب ہے

برخلاف اس چیز کے جو جنگ کا سامان نہیں ہے جیسے پرندے اور کبوتر ان میں مقابلہ اور اس پر مال لینا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے انسانی دوڑ اور پتھر پھینکنے کے مقابلے کو ان تین چیزوں کے ساتھ لاحق کیا ہے کیونکہ یہ بھی تیر کے حکم میں ہیں امام عیاض نے مشارق الانوار میں کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقابلے کو گھوڑوں کے ساتھ خاص کرتے تھے۔

یاد رہے کہ مقابلے میں شرط لگانے کی صورت میں جوئے کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں ملکیت کو خطرہ ہے اور نفع نقصان میں تردد ہے اور یہی جوئے کا معنی ہے۔ ہاں اگر امام یا تیسرے آدمی کی طرف سے انعام مقرر ہو تو جائز ہوگا۔ مثلاً تیسرا آدمی کہے کہ جو مقابلہ جیت جائے گا میں اسے اتنا انعام دوں گا، یا مقابلے میں حصہ لینے والوں میں سے ایک کی طرف سے انعام ہو، مثلاً ایک شخص کہے کہ اگر تم جیت جاؤ تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ اور اگر میں جیت گیا تو تم مجھے کچھ نہیں دوگے۔ اور اگر دونوں طرف سے ہو مثلاً کہے کہ اگر میں جیت گیا تو تم مجھے اتنا انعام دوگے اور اگر تم جیت گئے تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ یہ جائز نہ ہوگا۔ یہ تو خالص جوا ہے۔ ہاں اگر تیسرا آدمی درمیان میں آجائے تو جائز ہوگا۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۶۹۷/۱۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ فَاِنْ كَانَ يُؤْمِنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ وَاِنْ كَانَ لَا يُؤْمِنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِيْ وَهُوَ لَا يَاْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ اَمِنَ اَنْ يُسْبَقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو گھوڑوں میں گھوڑا داخل کیا[۱] تو اگر اس کے بارے میں اطمینان ہے کہ وہ پیچھے نہیں رہے گا[۲] تو اس میں بھلائی نہیں ہے[۳] اور اگر اس بارے میں اطمینان نہیں ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گا[۴] تو اس میں حرج نہیں ہے[۵]۔ (شرح السنۃ)

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا۔ جس نے دو گھوڑوں میں تیسرا گھوڑا داخل کیا اور اسے[۶] پیچھے رہ جانے سے اطمینان نہیں ہے تو جوا نہیں ہے اور جس نے دو گھوڑوں میں تیسرا گھوڑا داخل کیا اور وہ پیچھے رہ جانے سے مطمئن ہے تو یہ جوا ہے۔

۱؎ یہ حلال اور جائز کرنے کی صورت ہے، حلال کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنا گھوڑا، مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں میں شامل کرتا ہے اور انہوں نے دونوں طرف سے شرط لگائی ہوئی ہے، اور یہ کھیل جوا بن چکا ہے تیسرا شخص اپنا گھوڑا اس شرط پر شامل کرتا ہے کہ اگر میرا گھوڑا جیت گیا تو دونوں انعام میں لوں گا اور اگر ہار گیا تو مجھے کچھ نہیں دینا ہوگا۔ یہ کھیل دونوں طرف سے شرط لگانے کی بنا پر جوا تھا تیسرے شخص کے شامل ہونے سے جوا نہ رہا، کیونکہ اب شرط ایک طرف یعنی تیسرے شخص کی طرف سے ہے اس لیے اسے محلل، حلال کرنے والا کہتے ہیں۔

۲؎ بلکہ اس کے تیز رو اور عمدہ گھوڑا ہونے کی بنا پر یقین ہے کہ وہ جیت جائے گا۔

۳؎ یہ کھیل حلال نہیں ہوگا یا حلال تو ہو جائے گا لیکن کراہت سے خالی نہیں ہے۔ لَا خَیْرَ فِیْہِ اور لَا بَأْسَ بِہٖ کا ظاہر اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

۴؎ بلکہ اس کے ہار جانے کا احتمال ہے۔

۵؎ اس کے ذریعے یہ کھیل، بغیر کراہت کے حلال ہو گیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یقین ہو کہ وہ تیسرا جیت جائے گا۔ اور دونوں کا انعام حاصل کرے گا تو گویا اس شرط کو باقی رکھ رہا ہے جو فریقین کے درمیان تھی، اور اسی کی وجہ سے کھیل جوا بن گیا تھا، اور اگر ہار جیت دونوں کا احتمال ہو اور یہ تیسرا جیت گیا تو دونوں انعام لے جائے گا اور اگر ہار گیا تو اسے کچھ نہیں دینا پڑے گا۔ لہذا شرط ایک طرف سے ہوئی اور دونوں طرف سے نہ رہی۔

۶؎ گھوڑے یا اس کے سوار کو۔[۱]

۱؎ خیال رہے کہ ان چیزوں میں دو طرفہ مالی شرائط حرام ہے کہ جوا ہے، لہذا اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ تیسرا شخص مال رکھے اور کہے کہ جو آگے بڑھ جائے اسے یہ مال ملے گا، یہ جائز ہے کہ یہ جوا نہیں، انعام ہے یا فریقین میں سے ایک شخص کہے کہ اگر تو مجھ سے آگے بڑھ گیا تو تجھے اتنا مال دوں گا لیکن اگر میں تجھ سے آگے نکل گیا تو تجھ سے کچھ نہ لوں گا یہ بھی جائز ہے کہ یہ بھی انعام ہے جوا نہیں ہے، باقی کبوتروں، کتوں وغیرہ کے مقابلہ میں یہ بھی حرام ہے کہ بدعت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)۔ لہذا اس حدیث کی بنا پر آج کل کی مروجہ ریس وغیرہ جائز نہیں کہ یہ خالص جوا ہے اور حرام ہے، دو طرفہ مالی شرط کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ تیسرا گھوڑا بیچ میں داخل کر دیا جائے جسے محلل کہتے ہیں۔ اس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔
۱۲ مراۃ المناجیح

۳۶۹۸/۱۶ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جَلَبَ وَ لَا جَنَبَ زَادَ يَحْيٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ فِي الرِّهَانِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ)

حضرت عمران بن حصین لے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور نہ ہی پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھنا ہے ٹے یحییٰ نے اپنی حدیث میں اضافہ کیا کہ گھوڑ دوڑ میں سے (ابوداؤد، نسائی) امام ترمذی نے یہ حدیث کچھ اضافے کے ساتھ باب الغصب میں روایت کی۔

لے حضرت عمران بن حصین اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ تیس سال تک مرض میں (صبر و شکر کے ساتھ) صاحب فراش سب اس حال میں کہ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے۔ ان کے باقی حالات کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

ٹے جلب اور جنب دونوں کے پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، کتاب الزکاۃ میں گزرا ہے کہ یہ دونوں لفظ زکات میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور گھوڑ دوڑ میں بھی، زکات میں جلب کا معنی یہ ہے کہ صدقہ وصول کرنے والا دور بیٹھ جائے اور صاحبِ مال کو کہے کہ اپنے مویشی اس جگہ میرے پاس حاضر کرو اور جنب یہ ہے کہ صاحب مال اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھے اور صدقہ وصول کرنے والے کو مشقت میں ڈالے اور کہے کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں آ جاؤ۔ یہ دونوں صورتیں ممنوع اور مکروہ ہیں۔ (پہلی صورت میں صاحب مال کو اور دوسری صورت میں وصول کرنے والے کو ناروا تکلیف دینا ہے۔

۱۲ قادری)

گھوڑ دوڑ میں جلب کا معنی یہ ہے کہ مقابلے میں حصہ لینے والا اپنے گھوڑے کے پیچھے دوسرا گھوڑا لگا دے اور اسے ڈانٹے اور للکارے تاکہ اس کا گھوڑا آگے نکل جائے۔ (خود پچھلے گھوڑے پر سوار ہو۔

۱۲ ق)

اور جنب یہ ہے کہ دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑے کے پہلو میں ایک دوسرا گھوڑا رکھے۔ جب پہلا گھوڑا تھک جائے تو دوسرے پر سوار ہو جائے۔ یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔

سے انہوں نے یوں حدیث روایت کی لَا جَنَبَ فِي الرِّهَانِ رہان سے مراد وہی گھوڑ دوڑ کا مقابلہ اور اس پر شرط لگانا ہے۔

۳۶۹۹/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ

حضرت ابو قتادہ لے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ الْخَیْلِ الْاَدْھَمُ الْاَقْرَحُ الْاَرْثَمُ ثُمَّ الْاَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْیَمِیْنِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ اَدْھَمَ فَکُمَیْتٌ عَلٰی ھٰذِہِ الشِّیَۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین گھوڑا وہ ہے جس کی پیشانی اور ناک سفید[۲] ہو، پھر وہ جس کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں[۳] لیکن دایاں ہاتھ سفید نہ ہو[۴]، پھر اگر سیاہ رنگ نہ ہو تو اسی صفت[۵] کا سرخ رنگ والا ہو۔

(ترمذی۔ دارمی)

[۱] ابو قتادہ، حضرت ابو سعید خدری کے ماں کی طرف سے بھائی اور اکابر صحابہ میں سے ہیں، بیعت عقبہ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

[۲] اقرح سفید پیشانی والا گھوڑا، ارثم تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، وہ گھوڑا جس کی ناک کی جانب سفیدی ہو، اُدہم دال پر پیش، سیاہی قرحہ قاف پر زبر، گھوڑے کے چہرے کی سفیدی جو غرہ سے کم ہو، اسی طرح قاموس میں ہے۔ رثم تین نقطے والی ثاء کے ساتھ اور رثمہ راء پر پیش، گھوڑے کی ناک کی جانب سفیدی، یا ہر وہ سفیدی جو گھوڑے، خچر اور گدھے کے نچلے ہونٹ تک پہنچے۔

[۳] تحجیل گھوڑے اور چوپائے کے ہاتھوں اور پاؤں کی سفیدی۔

[۴] طلق طاء اور لام پر پیش، طاء کی زبر اور لام کے سکون کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے، وہ گھوڑا جس کا ایک پاؤں سفید نہ ہو۔

[۵] پیشانی اور ناک سفید ہو۔ کمیت گہرے سرخ رنگ والا گھوڑا، بعض شارحین نے کہا وہ گھوڑا جس کا رنگ سیاہی اور سرخی کے درمیان ہو۔ شیۃ شین کے نیچے زیر، یاء پر زبر، علامت، بعض علماء نے کہا ہر وہ رنگ جو گھوڑے کے غالب رنگ سے مختلف ہو، بنی اسرائیل کی گائے کے واقعے میں فرمایا، لاشیۃ فیھا (اس کے زرد رنگ میں کوئی داغ نہ تھا۔ ۱۲ ق)۔

$\frac{3700}{18}$ وَعَنْ اَبِیْ وَھْبٍ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِکُلِّ کُمَیْتٍ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَشْقَرَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَدْھَمَ اَغَرَّ

حضرت ابو وہب جشمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اختیار کرو سرخ رنگ، سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والا گھوڑا، یا خالص سرخ پنج کلیان[۲]، یا سیاہ

مُحَجَّلٍ۔ پنج کلیان

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ) (ابوداؤد، نسائی)

سلہ ابووہب واؤ پر زبر اور ہا ساکن الجشمی جیم پر پیش، نقطے والے شین پر زبر، جشم بن معاویہ کی طرف منسوب، صحابی ہیں۔ یہ کنیت ہی ان کا نام ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سلہ شقرہ سرخی اور سفیدی، اشقر سرخ اور سفید، شارحین نے کہا کہ کمیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کمیت میں گردن اور دم کے بال سیاہ ہوتے ہیں۔ اور باقی سرخ اور اشقر میں یہ بھی سرخ ہوتے ہیں۔ اس اونٹ کو اشقر کہتے ہیں۔ جو گہرا سرخ ہو۔ اور آدمی وہ اشقر ہے جس کی سفیدی پر سرخی جھلکتی ہو۔

۳۷۰۱/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی برکت، سرخ اور سفید گھوڑوں میں ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

۳۷۰۲/۲۰ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَا مَعَارِفَهَا وَاَذْنَابَهَا فَاِنَّ اَذْنَابَهَا مَذَابُّهَا وَمَعَارِفَهَا دِفَاؤُهَا وَنَوَاصِيَهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ۔

حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں، گردنوں[۲] اور دموں کے بال نہ کاٹو کیونکہ ان کی دمیں، مکھیوں کو دور[۳] کرنے کا ذریعہ (مورچھل) ہیں، ان کی گردن کے بال ان کے گرم ہونے کا سبب[۴] (کمبل) ہیں اور ان کی پیشانیوں سے خیر وابستہ ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

سلہ عتبہ بن عبد سلمی صحابی ہیں، ان کا ذکر کتاب الجہاد کی تیسری فصل میں گزر چکا ہے۔

سلہ معارف، عرف کی خلاف قیاس جمع ہے، جیسے محاسن، حسن کی جمع ہے۔

سلہ اپنے آپ سے۔ مذاب جمع ہے مِذَبَّۃ کی، میم کے نیچے زیر، وہ چیز جس کے ساتھ مکھیوں کو دور کیا جائے، مشتق ہے ذَبٌّ سے، جس کا معنی دفع کرنا اور بھگانا ہے۔

لے دِثُ دال کے نیچے زیر، ثار ساکن اور آخر میں ہمزہ، گرمی، سردی کی ضد، اور دِثار دال کے نیچے زیر اور ثا سالف ممدودہ، وہ چیز جس کے ذریعے سردی دور کی جائے۔ اسی لیے علامہ طیبی نے اس کی تفسیر کمبل سے کی ہے۔

۳۷۰۳/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ وَهْبِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَیْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِیْهَا وَاَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، گھوڑے باندھو[۱]، ان کی پیشانیوں کے بالوں اور پچھاڑیوں یا فرمایا سرینوں پر ہاتھ پھیرو[۲]، ان کے گلے میں ہار پہناؤ[۳] لیکن تانت[۴] نہ پہناؤ۔

(ابوداؤد، نسائی)

لے یعنی انہیں کھلا پلا کر جہاد کے لیے موٹا کرو۔

ہے ہاتھ پھیرنے سے مقصد گرد و غبار کا صاف کرنا اور ان کے موٹاپے کا حال معلوم کرنا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح انہیں انس اور راحت بھی حاصل ہو، اَعْجَاز، جمع ہے عَجُزٌ کی، عین پر زبر، جیم پر پیش، سرین، اکفال، جمع ہے کَفَل کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی بھی سرین ہے۔

سے قِلادہ پہلے حرف کے نیچے زیر، گردن بند ہار۔ تقلید گردن میں ہار وغیرہ ڈالنا، گھوڑے کے گلے میں دین کی سربلندی کی نیت سے ہار ڈالنا مستحسن ہے۔

کے اوتار یا وتر واؤ کے نیچے زیر، کی جمع ہے، ایک لغت میں واؤ پر زبر ہے۔ کینہ، مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے کینوں کو پورا کرنے کے لیے سواری نہ کرو اور دشمنوں کو انہیں ہاروں کی طرح لازم نہ بنا دو، یا جمع ہے وتر کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی ہے کمان کا چلہ، دور جاہلیت کی عادت تھی کہ گھوڑوں کی گردن میں کمان کی ڈوری (چلہ) باندھ دیتے تھے تاکہ انہیں نظر نہ لگے، اس سے منع کر کے تنبیہ فرما دی کہ یہ تقدیر کو ٹال نہیں سکتی۔ یا اس لیے کہ گھوڑے کی گردن کو گھونٹ نہ دے۔ اور کسی شاخ میں نہ پھنس جائے۔ کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، حضرت رویفع بن ثابت کی حدیث میں اس کی شرح تفصیل کے ساتھ گزر گئی ہے۔

۳۷۰۴/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَّامُوْرًا مَّا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلٰثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُّسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لَّا نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَّا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

بندۂ مامور تھے[۱] ہمیں آپ نے دوسرے لوگوں سے الگ کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں فرمایا سوائے تین چیزوں کے (۱) ہمیں وضو کے مکمل کرنے کا حکم دیا[۲]۔ (۲) یہ کہ ہم صدقہ نہ کھائیں[۳] (۳) گدھے کو گھوڑی پر نہ چڑھائیں[۴]۔

(ترمذی۔ نسائی)۔

[۱] جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا وہی کرتے اور اپنی طرف سے، اپنی ذات اور طبیعت کے میلان کی بنا پر کسی چیز کا حکم نہ دیتے اور کسی کو یہاں تک کہ اہل بیت کو جو آپ کے قریبی اور خصوصی تعلق رکھنے والے تھے کسی حکم کے ساتھ مخصوص نہیں فرماتے تھے۔

جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[۲] اس کی تفصیل باب وضو میں گزر گئی ہے۔

[۳] اور زکوٰۃ کا مال نہ کھائیں، یہ مسئلہ باب زکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

[۴] کہ اس سے خچر پیدا ہو۔ اگر کہا جائے کہ مال صدقہ کھانے کی ممانعت کا خاص ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن وضو کے مکمل کرنے کا حکم اور گھوڑی پر گدھے کے چڑھانے کی ممانعت، تمام امت کو شامل ہے۔ خصوصیت کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو حکموں کا ان پر واجب اور لازم کرنا مراد ہے یا اس معاملے میں انہیں مبالغے کے ساتھ برانگیختہ کرنا اور تاکید مراد ہے۔ اور یہ امر اس کے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر کا ارادہ کیا ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ اس جگہ شیعہ پر رد ہے۔ ان کا گمان ہے کہ کچھ علوم اور احکام دوسرے لوگوں سے الگ اہل بیت کے ساتھ خاص ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ احکام شرعیہ ان کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ تو تمام امت کو شامل ہیں۔ ورنہ اگر اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کچھ معارف وحقائق۔ اسرار اور خبروں کے علوم کے ساتھ مختص ہوں تو اس میں بُعد نہیں ہے اور کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۰۵/۲۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هٰذِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کو ایک خچر پیش کی گئی[۱] جس پر آپ نے سواری فرمائی۔ حضرت علی نے کہا کاش کہ ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر چڑھاتے تو ہمارے لیے بھی ایسے جانور[۲] حاصل ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو علم نہیں رکھتے[۳]۔
(ابوداؤد، نسائی)

[۱] اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے دلدل نامی خچر پیش کی تھی۔
[۲] یعنی خچر۔
[۳] جو نہیں جانتے کہ شریعت کے احکام کیا ہیں؟ اور حکمت کے لائق اور مناسب ترین کیا ہے۔؟
اس حدیث میں گھوڑیوں پر گدھوں کے چڑھانے کی ممانعت ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ نہی کراہت کے لیے ہے۔

۳۷۰۶/۲۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار کے دستے کا۔ خول[۱] چاندی کا تھا۔
(ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ دارمی)

[۱] قبیعہ قاف پر زبر، با کے نیچے زیر، یا ساکن، چاندی یا لوہے کا خول جو تلوار کے دستے کے کنارے پر ہوتا ہے، اسی طرح قاموس میں ہے، نہایہ میں ہے وہ چیز جو تلوار کے دستے کے سر پر ہوتی ہے بعض نے کہا وہ چیز جو تلوار کے دستے کے دو پروں کے نیچے ہوتی ہے۔ صراح میں ہے قبیعہ تلوار اور چھری کا جوڑ۔ حواشی میں لکھا ہے کہ قبیعہ فارسی میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے آخر میں لگائی جائے۔ بعض نے اس کا معنی ٹوپی کیا ہے۔

۳۷۰۷/۲۵ وَعَنْ هُوْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ

ہود بن عبداللہ بن سعد[۱] اپنے نانا مزیدہ[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰی سَیْفِہٖ ذَھَبٌ وَّفِضَّۃٌ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھی۳۔ (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ہود ہا پر پیش، واؤ ساکن بے نقطہ دال ہے، عبداللہ بن سعد مقبول اور چوتھے طبقے سے تعلق رکھنے والے تابعی ہیں۔

۲؎ مزیدہ میم پر زبر، زا کے نیچے زیر اور یا ساکن، صحابی ہیں۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کو سونے اور چاندی سے مزین کرنا جائز ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند قوی نہیں ہے۔ اور سونے کے ساتھ مزین کرنا حرام ہے۔ اسی طرح مولانا محمد حنفی نے شرح شمائل میں فرمایا۔ تورپشتی نے کہا کہ حضرت مزیدہ کی یہ حدیث دلیل نہیں بنتی۔ کیونکہ اس کی کوئی قابل اعتبار سند نہیں ہے۔

بعض محدثین نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ چاندی پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو۔ اور یہ حرام نہیں ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۳۷۰۸/۲۶ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عَلَیْہِ یَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاھَرَ بَیْنَھُمَا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت سائب بن یزید۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُحد کے دن دو زرہیں زیب تن کر رکھی تھیں، دونوں کو جمع کیا ہوا تھا۲؎۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ سائب بن یزید کم عمر صحابی ہیں۔ ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے والد یزید بن سعید کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ سات سال کی عمر میں حاضر ہوئے۔

۲؎ دونوں نیچے اوپر پہن رکھی تھیں۔ ایک کو ابرہ اور دوسری کو استر بنایا ہوا تھا۔ یا تظاہر کا معنی تعاون اور باہمی مطابقت ہے، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی بہادری کی بنا پر تھا۔ کیونکہ جو شخص مردانہ وار میدان میں جائے اور اس کی کارروائی سخت ہو، اس کی تیاری اور اس کے ہتھیار بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے جب کہ یقین

اپنی جگہ بحال ہو۔

۳۷۰۹/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاءُهُ أَبْيَضُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا سیاہ اور چھوٹا جھنڈا سفید تھا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

لہ شارحین فرماتے ہیں کہ رایۃ بڑے جھنڈے اور لواء چھوٹے جھنڈے کو کہتے ہیں، بعض نے اس کے برعکس کہا۔ بعض نے کہا کہ رایت وہ جھنڈا ہے جو جنگ کے کمانڈر کے پاس ہوتا ہے، اور لواء وہ جھنڈا ہے جو امیر کے قیام کی علامت ہوتا ہے۔ بہر صورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دو جھنڈے تھے، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔

محدثین فرماتے ہیں کہ خالص سیاہ مراد نہیں ہے، بلکہ دور سے سیاہ دکھائی دیتا تھا کیونکہ آئندہ حدیث میں ہے کہ وہ نمرہ کا تھا اور نمرہ اس کمبل کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں سیاہی غالب تھی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات سیاہ ہو اور بعض اوقات دھاری دار ہو۔

۳۷۱۰/۲۸ وَعَنْ مُوسَى ابْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ يَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت محمد بن قاسم لہ کے آزاد کردہ غلام موسیٰ بن عبیدہ لہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب کے پاس، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے فرمایا: آپ کا جھنڈا دھاری دار اونی کپڑے لہ کا چار کونوں والا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد)

لہ محمد بن قاسم ظاہر یہ ہے کہ محمد بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

لہ موسیٰ بن عبیدہ، عین پر پیش، باء پر زبر، ان کے قوی اور ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔

لہ نمرہ نون پر زبر، میم کے نیچے زیر، سیاہ اور سفید دھاریوں والا کمبل، جسے بدوی پہنتے ہیں، چیتے کی

مشابہت کی بنا پر اسے نمرہ کہتے ہیں۔

۳۷۱۱/۲۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاۗءُهٗ اَبْيَضُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا جھنڈا سفید تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما انصاری، اکابر اور مشہور صحابۂ کرام میں سے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۳۷۱۲/۳۰ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاۗءِ مِنَ الْخَيْلِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ تھی[1] (نسائی)

[1] بعض شارحین نے فرمایا کہ حدیث شریف حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ میں اگر یہ روایت صحیح ہو کہ آپ نے تین چیزوں کو محبوب قرار دیا تو وہ تیسری چیز جس سے آپ نے سکوت فرمایا وہ گھوڑے ہی ہیں۔ اپنی جگہ یہ بات بیان کی گئی ہے۔

۳۷۱۳/۳۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَاٰى رَجُلًا بِيَدِهٖ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهٖ اَلْقِهَا وَعَلَيْكُمْ بِهٰذِهٖ وَاَشْبَاهِهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَاِنَّهَا يُؤَيِّدُ اللّٰهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّيْنِ وَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عربی کمان تھی، آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ اسے پھینک دو[1] یہ عربی کمان اور اس جیسی کمانیں اور نیزے[2] لازم پکڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین میں قوت عطا فرمائے گا اور شہروں میں قبضہ دے گا۔

يُمَكِّنُ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

۱؎ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ غالباً اس صحابی نے دیکھا کہ فارسی کمان زیادہ مضبوط اور سخت ہے، اس لیے عربی کمان کی جگہ اسے اختیار کیا، ان کا خیال تھا کہ وہ شہروں کے فتح کرنے اور جنگ میں زیادہ مددگار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی راہنمائی فرمائی کہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تمہارا خیال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ دین میں جسے چاہتا ہے امداد دیتا ہے۔ امداد اسی کی طرف سے اور اسی کی قوت وقدرت سے ہے نہ کہ سازوسامان کی قوت سے۔

۲؎ رماح جمع ہے "رُمح" کی، قنا قاف پر زبر، "قَنَاۃٌ" کی جمع ہے، دونوں کا معنیٰ نیزہ ہے، غالباً قنا کی طرف رماح کی اضافت اس کے مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ اٰدَابِ السَّفَرِ

۲۸۲۔ آداب سفر کا بیان

آداب، جمع ہے ادب کی، اور اس کا معنیٰ ہے اس چیز کی رعایت کرنا جو رعایت کے لائق ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ادب، حسن اخلاق کو کہتے ہیں ان شاء اللہ العزیز اس کا معنیٰ کتاب الآداب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا، سفر ضد ہے حضر (مقیم ہونے) کی، سفر کی ترکیب میں ظہور، کشف اور نکلنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، جیسے کہ اسفار صبح کہتے ہیں۔ روشنی اور اس کے ظاہر ہونے کو، سفر سین کے نیچے زیر کتاب کو کہتے ہیں، سفیر فریقین کے درمیان رابطے کو کہتے ہیں، سفر کے آداب بہت ہیں، بعض وہ ہیں جن کی رعایت سفر سے پہلے کرنی چاہیے۔ بعض کی دوران سفر اور بعض کی رعایت سفر سے واپسی پر کی جانی چاہیے۔ احیاء العلوم (از امام غزالی) ان کے بیان کے لیے کافی ہے، ہم نے بھی احیاء العلوم کے عادات والے چوتھائی حصے کے ترجمے آداب الصالحین اور شرح سفر السعادۃ میں کچھ آداب ذکر کیے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کیے جائیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۷۱۴ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانَ يُحِبُّ اَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت کعب بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک[2] کے موقع پر جمعرات کے دن نکلے، اور آپ جمعرات کے دن نکلنا[3] پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

[1] کعب بن مالک مشاہیر صحابہ اور شعرائے اسلام میں سے ہیں، غزوۂ تبوک کے موقع پر ان کے پیچھے رہ جانے کا واقعہ، عجیب اور حسین واقعات میں سے ہے۔

[2] تبوک، مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

[3] سفر کے لیے یا جہاد کے لیے۔

جامع الاصول میں، امام ابوداؤد کے حوالے سے حضرت کعب بن مالک کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو شاذ و نادر ہی کسی دوسرے دن تشریف لے جاتے ورنہ جمعرات ہی کو سفر کرتے، سنن العذری کی روایت کردہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن سفر کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ تورپشتی نے ایک مناسبت اور ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خمیس کا معنیٰ لشکر ہے۔ (عربی میں جمعرات کو خمیس کہتے ہیں ۱۲ ق)، جمعرات کے دن سفر کرنے میں یہ نیک فال ہے کہ جس لشکر کی طرف روانگی ہے اس پر فتح ہوگی نیز جمعرات کا دن بابرکت ہے جس میں بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جہاد ایسا افضل عمل پیش کیا جائے، یا اس لیے کہ یہ دن ہفتے کا آخری دن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ وہ طریقہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے، اصل دار و مدار، اللہ تعالیٰ سے خیر کے طلب کرنے، معاملہ اس کے سپرد کرتے اور توکل پر ہے سلف صالحین سے بالکل منقول نہیں ہے کہ وہ کسی ساعت کی خصوصیت کی بنا پر احکام کی تعمیل کرتے ہوں۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے ان کے پاس کہا کہ فلاں دن جاؤ اور

فلاں دن نہ جاؤ، آپ نے فرمایا، اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تمہارا سر قلم کر دیتا، ہم حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، ہم نے کبھی نہیں سنا کہ فلاں دن سفر کرنا چاہیے اور فلاں دن نہیں کرنا چاہیے۔ وہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے چاند کے برج عقرب یا محاق میں ہونے کے بارے میں منقول ہے وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچا۔

سنن الہدیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک قاعدہ منقول ہے جسے کسی نے نظم کر دیا ہے۔ قطعہ

ہفت روز نحس باشد در مہے ۔۔۔ یاد گیرش تا نیفتی در سہ رنج!

سہ و پنج و سیزدہ با شانزدہ ۔۔۔ بست و یک بابست و چار و بست و پنج

مہینے میں سات دن منحوس ہوتے ہیں۔ انہیں یاد کرے تاکہ تو کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ تین، پانچ، تیرہ، سولہ، اکیس، چوبیس اور پچیس تاریخ۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ان سات دنوں میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ اور سفر بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ان دونوں روایتوں کی صحت میں بھی کلام ہے۔

۳۷۱۵/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ تنہائی میں[1] وہ چیز جانتے جو میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرتا۔[2] (بخاری)

[1] یعنی تنہا سفر کرنے میں۔

[2] کوئی شخص تنہا سفر نہ کرتا۔ اگرچہ وہ سوار ہو، خصوصاً رات کے وقت ــــــ بعض شارحین نے فرمایا کہ سوار کی قید اس لیے لگائی کہ سوار کی مشقت زیادہ ہوتی ہے اور اس کا خوف شدید ہوتا ہے۔

۳۷۱۶/۳ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتے اس جماعت کے ہمراہ نہیں

رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَّلَا جَرَسٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو لے (مسلم)

لے رفقہ راء پر پیش یا پیش زیر ہم سفر گروہ، جماعت، رفاق راء کے پیچے زیر۔ جماعت، رفیق ساتھی، واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ربانی میں ہے۔ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا اور یہ اچھے ساتھی ہیں اس کی جمع رفقاء ہے۔ جب متفرق ہو جائیں تو انہیں رفقہ تو کہا جائے گا رفیق نہیں۔ جرس، پہلے دونوں حرفوں پر زبر، وہ چیز (گھنگرو) جو چوپائے کی گردن یا باز وغیرہ کے پاؤں میں لٹکائی جاتی ہے، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ناقوس کی طرح اس کی آواز بھی مکروہ ہے، یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ہر گھنگرو کے ساتھ شیطان ہے، نیز اس کی آواز ذکر و فکر سے مانع ہے۔ کتے سے مراد وہ کتا ہے جو پاسبانی کے لیے نہ ہو، پہرے اور چوپایوں کی حفاظت کے لیے کتا پالنا مباح ہے، شارحین نے یہ بھی کہا ہے کہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں نہ کہ محافظ۔ اور اعمال کے لکھنے والے کیونکہ وہ تو جدا نہیں ہوتے۔

۳۷۱۷ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجَرَسُ مَزَامِيرُ الشَّيْطٰنِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھنگرو شیطان کے باجے ہیں لے۔ (مسلم)

لے مزامیر جمع ہے مزمار کی۔ بنسری جس کے ساتھ گایا جائے۔ زمر اور زمیر بنسری کے ساتھ گانا۔ مزامیر جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا کہ اس کی آواز منقطع نہیں ہوتی۔ گویا اس کی ہر جزء مزمار ہے۔ باب العید میں اس کے معنی پر زیادہ گفتگو گزر چکی ہے۔ شیطان کی طرف اس کی اضافت اس لیے کی کہ وہ ذکر و فکر سے روک دیتی ہے۔

۳۷۱۸ وَعَنْ أَبِي بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَا تُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ. (متفق علیہ)

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار یا فرمایا مطلق ہار نہ چھوڑا جائے گر یہ کہ اسے کاٹ دیا جائے۔ (صحیحین)

۱؎ ابو بشیر با پر زبر شین کے نیچے زیر الانصاری طویل عمر والے صحابی ہیں، قول صحیح کے مطابق واقعہ حرہ کے بعد وصال ہوا۔

۲؎ وتر پہلے دونوں حرفوں پر زبر: کمان کا چلہ

۳؎ راوی کو شک ہے کہ تانت کا ہار فرمایا، یا مطلق ہار، مراد وہی تانت کا ہار ہے۔

۴؎ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے ظاہراً اس جگہ وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ جھانجھ دگھنگرو، لٹکاتے تھے۔

۳۶۱۹ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَاَسْرِعُوْا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَاِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيْقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ وَفِي رِوَايَةٍ اِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْيَهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم خوشحالی[۱] میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے ان کا حصہ دو[۲] اور جب تم قحط سالی[۳] میں سفر کرو تو اونٹوں پر تیزی سے سفر کرو[۴] اور جب تم رات کے آخر میں پڑاؤ ڈالو تو راستے سے بچو[۵] کیونکہ راستے چوپایوں کی گزرگاہیں اور رات کے وقت حشرات الارض کے ٹھکانے ہیں[۶] ایک اور روایت میں ہے جب تم قحط سالی میں سفر کرو تو جلدی سفر کرو اس حال میں کہ اونٹوں کی ہڈیوں کا مغز[۷] باقی ہو۔ (مسلم)

۱؎ خصب خا کے نیچے زیر، خوش حالی، یہ جدیب کے مقابل ہے جس کا معنیٰ قحط ہے۔

۲؎ یعنی انہیں وقتاً فوقتاً چھوڑتے رہو تاکہ وہ چرتے رہیں اور تیز چلیں۔

۳؎ سَنَۃٌ سال، خاص طور پر قحط والے سال میں بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔

۴؎ اور راستے میں تاخیر نہ کرو تاکہ کمزور ہونے سے پہلے تمہیں منزل تک پہنچا دیں۔

۵؎ یعنی راستے کے درمیان قیام نہ کرو، کیونکہ حشرات الارض اور چوپائے رات کے وقت راستوں پر کثرت سے بستے ہیں۔

۶؎ مثلاً سانپ اور بچھو وغیرہ ——— تعریس مسافر کا رات کے آخری حصے میں اپنے اور سواری کے آرام اور نیند کے لیے اترنا، لہٰذا باللیل فرمانا تحقیق اور تاکید کے لیے ہے، بعض علماء نے کہا کہ تعریس کسی

بھی وقت اترنے کو کہتے ہیں خواہ رات کے وقت ہو یا دن کو، اس صورت میں رات کا ذکر مقید کرنے کے لیے ہوگا۔

؎ یعنی ان کے جسم کی طاقت باقی ہو، نِقْیٌ نون کے نیچے زیر، قاف ساکن، ہڈی کا مغز، بعض اوقات چربی پر بھی نِقْیٌ کا اطلاق کر دیتے ہیں ——— ایک روایت میں نقبھا ہے۔ نون پر زبر، پھر قاف اور اس کے بعد باء، دو پہاڑوں کے درمیان راستہ، اور ضمیر زمین کی طرف راجع کی گئی ہے۔
علامہ تورپشتی نے کہا کہ یہ تلفظ کی غلطی ہے، بعض شارحین نے نقب کا معنیٰ، اونٹ کے پاؤں کا ہلکا ہونا بیان کیا ہے، کہا جاتا ہے نقب البعیر جب کہ اونٹ کا پاؤں ہلکا ہو جائے، بعض نے پہنے ہوئے جوتے کا پھٹ جانا مراد لیا، ان معانی پر محمول کرنے میں بھی چنداں عمدگی نہیں ہے۔ یہ بھی تلفظ کی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ علامہ طیبی نے ان احتمالات کو جائز اور غلطی سے خارج قرار دیا ہے۔

۳۷۲۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِیْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰی رَاحِلَۃٍ فَجَعَلَ یَضْرِبُ یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ مَعَہٗ فَضْلُ ظَھْرٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَّا ظَھْرَ لَہٗ وَمَنْ کَانَ لَہٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَّا زَادَ لَہٗ قَالَ فَذَکَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ حَتّٰی رَاَیْنَا اَنَّہٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِّنَّا فِیْ فَضْلٍ (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اونٹ پر سوار ایک شخص آیا اور اسے دائیں بائیں جانب مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زیادہ زادِ راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے مال کی کئی قسمیں بیان کیں، یہاں تک کہ ہم نے جانا کہ ہم میں سے کسی کا زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔

(مسلم)

سلہ اس لیے کہ وہ اونٹ تھک گیا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص اونٹ کی پشت سے دائیں بائیں لڑھک رہا تھا۔ بعض شارحین نے کہا کہ وہ شخص دائیں بائیں نگاہ دوڑا رہا تھا تاکہ اسے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے مطلوبہ چیز مل جائے۔

سلہ یعنی آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس حاجت سے زیادہ فلاں فلاں مال ہو، مثلاً کپڑا، اور سونا وغیرہ تو اسے چاہیے کہ اس شخص پر صرف کردے جس کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں۔

۳۷۲۱/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى نَهْمَتَهٗ مِنْ وَّجْهِهٖ فَلْیُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہےلہ، تم میں سے ایک شخص کو اس کی نیند اور کھانے پینے سے روک دیتا ہےسلہ تو جب وہ اپنی حاجتسلہ جس طرح وہ چاہتا تھا پورا کرے تو جلد اپنے اہل کی طرف لوٹے۔ (صحیحین)

لہ یعنی عذاب کی ایک قسم ہے۔

سلہ جس طرح ان چیزوں کا عادی ہوتا ہے اس طرح انہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر نیند اور کھانے پینے کا ذکر ازراہِ شفقت ہے۔ ورنہ سفر میں بہت وظائف طاعت وعبادت رہ جاتے ہیں۔

سلہ نَہْمَۃ نون پر زبر، ہا ساکن، حاجت، ہمت کا کسی چیز تک پہنچنا اور اس کی حرص کرنا۔ کہتے ہیں 'فُلَانٌ مَنْهُوْمٌ' فلاں شخص فلاں چیز کا بڑا شائق اور حریص ہے۔

۳۷۲۲/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّیَ بِصِبْیَانِ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَاِنَّهٗ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِیْ اِلَیْهِ فَحَمَلَنِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ثُمَّ جِیْءَ بِاَحَدِ ابْنَیْ فَاطِمَةَ فَاَرْدَفَهٗ خَلْفَهٗ قَالَ فَاُدْخِلْنَا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تو آپ کا اہل بیت کے بچوں کے ساتھ استقبال کیا جاتاسلہ، آپ ایک سفر سے تشریف لائے تو مجھے آپ کی خدمت میں سب سے پہلے پیش کیا گیا، آپ نے مجھے اپنے آگے بٹھالیا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے

اَلْمَدِیْنَۃَ ثَلٰثَۃً عَلٰی دَآبَّۃٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

لائے گئے تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ پس ہم تینوں ایک سواری پر مدینہ منورہ میں لائے گئے۔ (مسلم)

۱؎ عبداللہ بن جعفر قریشی، ہاشمی اور مدنی صحابی ہیں۔ آپ کو اسلام میں پہلے پیدا ہونے کی خصوصیت حاصل ہے حبشہ میں پیدا ہوئے اور ۸۰ھ عبدالملک کے دور حکومت میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال تھی، انہیں بحرالجود (سخاوت کا دریا) کہا جاتا تھا، مسلمانوں میں حضرت عبداللہ سے زیادہ سخی کوئی نہ تھا، وہ سخی ابن سخی تھے اور ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب بھی بڑے سخی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

۲؎ یعنی اہل بیت کے بچوں کو آپ کی خدمت میں لایا جاتا۔

۳؎ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک۔

۴؎ یعنی مجھے پیچھے کر کے انہیں آگے بٹھایا۔

۳۷۲۳/۱۰ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ اَقْبَلَ ھُوَ وَاَبُوْ طَلْحَۃَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَفِیَّۃُ مُرْدِفُھَا عَلٰی رَاحِلَتِہٖ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مدینہ منورہ کی طرف) روانہ ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جنہیں آپ نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ (بخاری)

۱؎ حضرت انس کی والدہ کے شوہر (سوتیلے والد)

۲؎ یہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر تھا، حضرت صفیہ، غزوۂ خیبر کی غنیمت میں شامل تھیں۔ پہلے حضرت دحیہ کلبی کو ملیں، ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر انہیں آزاد کیا اور اپنے نکاح میں لائے، راستے میں انہیں اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔

۳۷۲۴/۱۱ وَعَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَطْرُقُ اَھْلَہٗ لَیْلًا وَّ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف نہیں لاتے تھے، صرف

كَانَ لَا يَدْخُلُ إِلَّا غُدْوَةً أَوْ عَشِيَّةً.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چاشت یا شام کے وقت تشریف لاتے تھے۔

(صحیحین)

۱؎ یعنی سفر سے واپسی پر

۲؎ یعنی دن کے آخری حصے میں عصر یا مغرب سے پہلے۔

۳۷۲۵/۱۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی ایک کی غیر حاضری طویل ہو[۱] تو اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت نہ آئے[۲]

(صحیحین)

۱؎ یعنی اس نے طویل سفر کیا ہو۔

۲؎ طَرَقَ کا معنی اصل میں کوٹنا ہے، رات کے وقت آنے والے کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ اسے بھی دروازہ پیٹنا پڑتا ہے۔

۳۷۲۶/۱۳ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ أَهْلَكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات کو (شہر میں) داخل ہو تو تم اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ غائب شوہر والی لوہا[۱] استعمال کرے اور پراگندہ بالوں والی کنگھی کرے[۲]۔

(صحیحین)

۱؎ اِسْتِحْدَاد کا معنی زیر ناف بالوں کا مونڈنا ہے اس جگہ غیر ضروری بالوں کا ہر اس طریقہ سے زائل کرنا مراد ہے جس کی عورتیں عادی ہوں، لوہے (بلیڈ وغیرہ) کا استعمال عورتوں کی عادت نہیں ہے۔ مُغِیْبَۃ میم پر پیش، نقطے والی غین کے نیچے زیر، یاء ساکن۔ وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو۔

۲؎ شَعِثَۃ شین پر زبر، عین کے نیچے زیر، اس کے بعد تین نقطوں والی ثاء، بکھرے ہوئے بالوں والی، مطلب یہ ہے کہ مرد صبر کرے تاکہ عورت اپنے آپ کو سنوارے اور صحبت کے لیے تیار ہو جائے۔

۳۷۲۷/۱۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَحَرَ جَزُوْرًا اَوْ بَقَرَةً.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اونٹ نحر کیا یا گائے ذبح فرمائی۔

(بخاری)

۱ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص سفر سے واپس آئے تو سنت یہ ہے کہ طاقت کے مطابق کوئی جانور ذبح کرے۔

۳۷۲۸/۱۵ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ لِلنَّاسِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے دن ہی کو چاشت کے وقت تشریف لاتے تھے[۲] اور جب تشریف لاتے تو ابتداً مسجد سے فرماتے اس میں دو رکعت ادا فرماتے، پھر لوگوں کی ملاقات کے لیے جلوہ افروز ہوتے[۳]

(صحیحین)

۱ حضرت کعب بن مالک مشہور صحابی ہیں۔

۲ اکثر طور پر اسی طرح ہوتا، ورنہ اس سے پہلے گزرا ہے کہ صبح یا شام ہی کو تشریف لاتے تھے۔

۳ تاکہ صحابۂ کرام حاضر ہوں اور شرفِ زیارت حاصل کریں۔ سفر سے آنے والے کے لیے سنت ہے کہ مسجد میں بیٹھے، خواہ گھر جانے کے بعد یا اس سے پہلے۔

۳۷۲۹/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ لِيْ اُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جب ہم مدینہ منورہ آئے تو آپ نے مجھے فرمایا: مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرو[۱]

(صحیحین)

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد یا یہ سفر کی سنتیں تھیں۔ بعض علماء نے اس سے نماز چاشت کے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۳۷۳۰/۱۷ عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَۃَ الْغَامِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا وَکَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِیَّۃً اَوْ جَیْشًا بَعَثَھُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ وَکَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَکَانَ یَبْعَثُ تِجَارَتَہٗ اَوَّلَ النَّھَارِ فَاَثْرٰی وَکَثُرَ مَالُہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت صخر بن وداعہ غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما، اور آپ جب کوئی دستہ یا لشکر بھیجتے تو دن کے ابتدائی حصے میں بھیجتے، حضرت صخر تاجر تھے وہ اپنی تجارت کا مال دن کے ابتدائی حصے میں بھیجتے تھے تو وہ مالدار ہو گئے۔ اور ان کا مال بہت ہو گیا۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

سلہ صخر صاد پر زبر، خا ساکن، اس کے بعد را، ابن وداعہ۔ واؤ پر زبر ہے بے نقطہ دال مخفف۔ الغامدی نقطے والی غین، صحابی ہیں۔ طائف میں مقیم ہوئے اور اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

سلہ سفر وغیرہ کام، صبح کے وقت کرتے ہیں۔

سلہ یہ حضرت صخر سے حدیث روایت کرنے والے کے الفاظ ہیں، یا خود انہوں نے اپنے آپ کو غائب کے صیغے سے ذکر کیا ہے۔

سلہ سنت کی رعایت کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مقبول ہونے کی وجہ سے، ثروت مال کی زیادتی اور تونگر ہونا، اثراء تونگر ہونا۔

۳۷۳۱/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

رات کی تاریکی میں سفر کو لازم پکڑو، کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے[1][2]

(ابوداؤد)

[1] دُلجہ رات کے وقت سفر کرنا، اِدلاج دال ساکن، رات کے ابتدائی حصے میں چلنا، اِدّلاج دال مشدد رات کے آخری حصے میں چلنا۔

[2] سفر آسان ہو جاتا ہے، مسافر خیال کرتا ہے کہ اس نے تھوڑا سفر کیا ہے، حالانکہ وہ بہت مسافت طے کر چکا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت سفر میں موانع اور مشاغل پیش نہیں آتے۔ اور ایسی علامات اور نشانیاں نظر نہیں آتیں جو سفر کو مسافر کی نظر میں بوجھل کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ صرف دن کے وقت سفر کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ رات کے کچھ حصے میں بھی سفر کرو، یہ مطلب نہیں ہے کہ دن میں سفر نہ کرو۔ جیسے کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصے اور رات کے کچھ حصے میں سفر کرو۔

۳۷۳۲/۱۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَّالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلٰثَةُ رَكْبٌ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سوار ایک شیطان، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار۔ سواروں کی جماعت ہیں[1]

(مالک، ترمذی، ابوداؤد نسائی)

[1] وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں سوار کہا جائے اس لیے کہ وہ شیطان سے محفوظ ہیں۔ ایک سوار اور دو سواروں کو سفر سے منع فرمایا کیونکہ ایک سے جماعت فوت ہو جائے گی اور دو افراد کے لیے وقت بسر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دو افراد میں سے ایک اگر فوت ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو دوسرا ساتھی بے بس اور مجبور ہو جائیگا اور شیطان خوش ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ شیطان ہے جو انہیں شر کا حکم دیتا ہے، بطور مبالغہ خود انہیں شیطان فرما دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور یہ جماعت کی کم از کم تعداد ہے، نیز اگر ایک فرد کسی کام چلا جائے تو باقی دو ایک دوسرے سے انس حاصل کریں گے (اور بور نہیں ہوں گے ۱۲ ق) اور اگر

کام کرنے میں تاخیر ہو جائے تو دوسرا تحقیق حال اور خبر کے لیے چلا جائے گا اور سامان تنہا نہیں رہے گا۔

۳۷۳۳/۲۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سفر میں تین افراد ہوں تو چاہیے کہ وہ ان میں سے ایک کو امیر بنالیں[۱]

(ابوداؤد)

[۱] تاکہ اترنے، سوار ہونے اور ایسے ہی دوسرے معاملات میں اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ امیر کو چاہیے کہ ساتھیوں کے ساتھ خیرخواہی، نرمی اور امداد کا رویہ اختیار کرے اور ان کا خادم ہو، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ اور جیسے کہ مشائخ کرام کی حکایات میں آیا ہے۔

۳۷۳۴/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ الصَّحَابَۃِ اَرْبَعَۃٌ وَ خَیْرُ السَّرَایَا اَرْبَعُ مِائَۃٍ وَ خَیْرُ الْجُیُوْشِ اَرْبَعَۃُ اٰلَافٍ وَلَنْ یُّغْلَبَ اِثْنَیْ عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّۃٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ الدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین ساتھی چار ہیں[۱]۔ بہترین دستے چار سو ہیں اور بہترین لشکر چار ہزار ہیں، اور بارہ ہزار افراد قلت کی بنا پر مغلوب نہیں ہوں گے[۲]

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] اس لیے کہ اگر چار ساتھی ہوں اور ان میں سے ایک بیمار ہو جائے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو وصیت کرنا چاہے تو ان میں سے دو گواہ بن جائیں گے۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ چار سے پانچ بہتر ہیں۔ اور جتنے زیادہ ہوں اتنے ہی بہتر ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۲] حدیث شریف میں کم از کم تعداد بیان کی گئی ہے۔

سے۲ سریہ لشکر کا ایک حصہ ، پانچ افراد سے کر تین یا چار سو تک ، ارشاد فرمایا کہ بہترین دستے وہ ہیں جو چار سو افراد پر مشتمل ہوں ، کیونکہ یہ سریہ کی اعلیٰ قسم ہے ۔
سے۳ یعنی بارہ ہزار افراد اگر مغلوب ہو جائیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ وہ تعداد میں کم تھے ، بلکہ اس کا سبب کوئی دوسرا امر ہوگا ۔ مثلاً خود پسندی اور غرور وغیرہ ۔

۳۷۳۵/۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَ يُرْدِفُ وَ يَدْعُوْا لَهُمْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر چلتے ہوئے پیچھے رہتے[۱] ، کمزور کو چلاتے تھے ، سواری پر اپنے پیچھے بٹھاتے اور ان کے لیے دعا فرماتے تھے ۔ (ابوداؤد)

سلہ تَخَلُّف کسی سے پیچھے رہنا ۔
سے۲ اور اسے ساتھیوں تک پہنچاتے ۔ اِزْجَاءٌ باب افعال سے ، پیچھے سے چلانا ، ہانکنا ۔
سے۳ لشکریوں یا کمزوروں کے لیے ۔

۳۷۳۶/۲۳ وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِي الشِّعَابِ وَ الْاَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَ الْاَوْدِيَةِ اِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَلَمْ يَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلًا اِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يُقَالَ لَوْ بُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام جب کسی منزل پر اترتے تو پہاڑی راستوں اور نالوں[۲] میں بکھر جاتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمہارا ان پہاڑی راستوں اور نالوں میں بکھر جانا ، شیطان ہی کی طرف سے ہے[۳] ۔ اس کے بعد صحابہ کرام جب بھی اترتے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہو کر رہتے ، یہاں تک کہ کہا گیا اگر ان پر ایک کپڑا پھیلایا جائے تو ان سب پر پھیل جائے ۔ (ابوداؤد)

سلہ ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش، شین پر زبر، صحابی ہیں۔ ان کا نام جرثوم ہے جیم اور ثا پر پیش۔ ان کی کنیت مشہور ہے بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ شام میں مقیم ہوئے اور ۷۵ھ میں وصال ہوا، بعض محدثین نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وصال ہوا۔ اور یہ قول زیادہ مشہور ہے۔

سلہ شعب شین کے نیچے زیر، پہاڑی راستہ، وادی نالہ۔

سلہ وہ نہیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ دشمن تم پر غالب آئیں اور تمہیں تکلیف پہنچائیں۔

۳۷۳۷/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلٰثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ وَّكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ وَعَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَا اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰى عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن ہم تین تین افراد ایک اونٹ پر تھے، حضرت ابو لبابہ سلہ اور حضرت علی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھی تھے سلہ، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اترنے کی باری سلہ آتی تو دونوں حضرات عرض کرتے کہ ہم دونوں آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں ہم سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور ہم تم دونوں کی نسبت ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہیں سلہ۔ (شرح السنۃ)

سلہ ابو لبابہ انصاری صحابی ہیں اور کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کا نام رفاعہ ہے۔ را کے نیچے زیر، ان کے حالات عجیب وغریب ہیں، اس سے پہلے کسی جگہ لکھے گئے ہیں۔

سلہ زمیل، اٹھانا۔ زمیل، ساتھی سواری پر پیچھے بیٹھنے والا۔ اس جگہ باری باری سوار ہونے والا ساتھی مراد ہے، زاملہ وہ اونٹ جس پر سامان اور زادراہ لادا جائے۔

سلہ عقبۃ عین پر پیش، باری۔

سلہ اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی تواضع، ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احتیاج کا اظہار ہے۔

۳۷۳۸/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ فَاِنَّ اللّٰهَ اِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے چارپایوں کی پشتوں کو منبر نہ بنا ڈلے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے تابع بنایا ہے تاکہ تمہیں اس شہر تک پہنچائیں جہاں تک تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے ؎ اور تمہارے لیے زمین پیدا فرمائی ہے اس پر تم اپنی حاجتیں ؎ پوری کرو۔

(ابوداؤد)

سلہ یہ کنایہ ہے ان پر کھڑے ہونے سے اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس کی حاجت نہ ہو، اور اس سے صحیح غرض متعلق نہ ہو، کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرفات میں سواری پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔

سلہ یعنی اس سواری کا مقصد یہ ہے کہ تم مقصد تک آسانی کے ساتھ پہنچ جاؤ، لہٰذا انہیں زیادہ تکلیف دینا اور پریشان کرنا جائز نہ ہوگا۔

سلہ مثلاً کھڑے ہونا، بیٹھنا اور ایسی ہی جو بھی حاجت ہو، چارپایوں پر صرف اتنی سواری کرو کہ وہ تمہیں مقصد تک پہنچا دیں۔

۳۷۳۹/۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَا نُسَبِّحُ حَتّٰى نُحِلَّ الرِّحَالَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم کسی منزل پر پہنچتے تو کجاوے کھولنے ؎ سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

سلہ اور اونٹوں کی پشتوں سے اتارنے سے پہلے ــــــــــــ اکثر سُبْحَۃٌ اور تسبیح کا اطلاق نفل نماز پر آتا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ نماز چاشت مراد ہے جس کا وقت اترنے کے موقع پر آجائے۔ اس حدیث

سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فرض کجاوے کھولنے سے پہلے ادا کی جائے گی۔ ممکن ہے یہ اس صورت میں ہو کہ وقت میں گنجائش نہ ہو۔ (یعنی اگر وقت میں گنجائش ہو تو کجاوے پہلے اتار دیئے جائیں تاکہ جانوروں کو آرام میسر آسکے بعد میں نماز پڑھی جائے۔ فرض ہو یا نفل ۱۲ قادری)۔

۳۷۴۰/۲۷ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهُ لَكَ فَرَكِبَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

حضرت بریدہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص آئے جن کے ساتھ گدھا تھا[۲]، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ سوار ہو جائیں اور خود وہ پیچھے ہو گئے[۳]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! نہیں! تم اپنے چوپائے کے سینے کے زیادہ حق دار ہو، مگر یہ کہ تم اگلا حصہ ہمیں دے دو[۴]۔ انہوں نے عرض کیا میں نے آپ کو دیا تو آپ سوار ہو گئے[۵]۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ بریدہ اسلمی بار پیش، مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ اور وہ اس پر سوار تھے۔

۳؎ یعنی چارپائے کے سینے سے پیچھے ہو گئے جو سواری کی جگہ ہے۔ اگلا حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اور وہ خود پیچھے سوار ہو جائیں۔

۴؎ یعنی صراحۃً ہمیں دے دو۔ ورنہ ان کا پیچھے ہونا۔ اسی مقصد کے لیے تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے سوار ہوں۔

۵؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ انتہائی انصاف اور تواضع ہے کہ اس مرد کے پیچھے ہی بیٹھنے پر تیار ہو گئے۔ (نیز دراز گوش پر سواری فرمائی ۱۲ ق) اور سامنے کے لیے ادب کی تعلیم ہے۔

۳۷۴۱/۲۸ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِنْدٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت سعید بن ابی ہند[۱]، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِّلشَّيٰطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِّلشَّيٰطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيٰطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَّعَهٗ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْ بَعِيْرًا مِّنْهَا وَ يَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهٗ وَ اَمَّا بُيُوْتُ الشَّيٰطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اَرَاهَا اِلَّا هٰذِهٖ الْاَقْفَاصَ الَّتِيْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

کچھ تو اونٹ شیطانوں کے لیے ہوں گے اور کچھ گھر شیطانوں کے لیے ہوں گے۔ لیکن شیطانوں کے اونٹ تو میں نے انہیں دیکھا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جسے اس نے موٹا کیا ہوتا ہے۔ تو وہ ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا[۲]۔ اور اپنے مسلمان بھائی کے پاس سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ بے بس ہو چکا ہوتا ہے[۳] تو وہ اسے بھی سوار نہیں کرتا[۴]۔ لیکن شیطانوں کے گھر تو وہ میں نے نہیں دیکھے، حضرت سعید کہا کرتے تھے، میرا گمان یہی ہے کہ وہ یہ پنجرے[۵] ہیں جنہیں لوگ دیباج (ریشم) سے ڈھانپتے ہیں۔ (ابوداؤد)

[۱] سعید بن ابی ہند مشہور ثقہ، صاحب علم اور نیک خصلت تابعی ہیں۔ حضرت سمرہ بن جندب کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کی روایت کردہ احادیث قابل اعتبار ہیں۔ ۱۱۶ھ ہشام بن عبدالملک کے دور میں فوت ہوئے۔

[۲] اور ان پر سوار ہونے کی اسے حاجت ہی نہیں ہے۔

[۳] کمزوری اور عاجزی کی بنا پر چلنے اور سفر کرنے سے عاجز ہو چکا ہوتا ہے ـــــــ انقطع صیغہ معلوم اور مجہول، دونوں طرح صحیح قرار دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے کہ انقطع صیغہ مجہول، سفر سے عاجز آدمی۔

[۴] حاصل یہ کہ اس نے فخر، دولت مندی کے اظہار اور نام و نمود کے لیے یہ اونٹ رکھے ہوئے ہیں، اس کا مقصد اپنی یا مسلمان بھائی کی حاجت کا پورا کرنا نہیں ہے۔ گویا یہ اونٹ شیطان کے لیے ہیں کہ شیطان ان کی بنا پر راضی ہوتا ہے۔ یہ کہنا تو شیطان کے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں۔ بعض محدثین نے کہا کہ یہ راوی کا قول ہے اور حدیث، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مجمل ارشاد ہے کہ کچھ اونٹ اور کچھ گھر شیطانوں کے ہوں گے بعض حضرات کہتے ہیں کہ فلم اراھا تک حدیث ہے۔

۵ اس سے مراد کجاوے اور پالکیاں ہیں جنہیں فضول خرچ لوگ سفروں میں ریشمی کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں۔ اصل میں قفص پنجروں کو کہتے ہیں جہاں پرندے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اس جگہ اس کا اطلاق کجاوؤں پر کیا گیا ہے۔

۳۷۴۲/۲۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَ قَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُّنَادِيْ فِي النَّاسِ اَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سہل بن معاذ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد[2] سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہوئے تو لوگوں نے منزلیں تنگ کر دیں[3] اور راستہ کاٹ دیا[4]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والا بھیجا تاکہ لوگوں میں اعلان کرے کہ جس نے منزل تنگ کی اور راستہ کاٹا اس کے لیے جہاد کا ثواب نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

۱ سہل بن معاذ تابعی ہیں۔ مصر میں مقیم تھے، بعض نے کہا اہل شام میں سے تھے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ ضعیف ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب ثقات میں کیا ہے۔

۲ حضرت معاذ بن انس جہنی سے جو صحابی ہیں۔

۳ یعنی انہوں نے ایسی جگہوں پر قبضہ کر لیا جن کی انہیں حاجت نہیں تھی، اور اس طرح دوسروں کیلئے جگہ تنگ کر دی۔

۴ شارحین نے کہا کہ اس جگہ راستہ کاٹنے سے مراد یہی جگہ کا تنگ کرنا ہے اور دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ دونوں گناہ کی وجہیں ہیں۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

۳۷۴۳/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا دَخَلَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ اِذَا قَدِمَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی سفر سے آئے تو اپنے گھر والوں کے پاس آنے کا بہترین وقت

مِنْ سَفَرٍ اَوَّلَ اللَّيْلِ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

رات کا ابتدائی حصہ ہے[1]۔
(ابو داؤد)

[1] اور یہ اس صورت میں ہے کہ سفر نزدیک ہو۔ اور وہ جو اس سے پہلے گزرا ہے کہ رات کے وقت گھر نہ آؤ تو یہ اس وقت ہے جب دور کا سفر ہو۔ امام نووی نے فرمایا: اگر سفر دور بھی ہو لیکن آنے کی اطلاع مشہور ہو چکی ہو تو رات کے وقت گھر آنے میں حرج نہیں ہے کیونکہ مقصد تو اہل خانہ کا تیار ہونا ہے اور وہ آمد کی خبر کے مشہور ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض محدثین نے کہا کہ دخولِ اہل سے مراد، جماع ہے، کیونکہ مسافر پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے، جب وہ رات کے پہلے حصے میں فارغ ہو جائے گا تو آرام اور نیند کے زیادہ قریب ہو گا۔ نیز اس میں محبت اور اشتیاق کا اظہار حق زوجیت ادا کرنے کی جلدی اور انتظار کی تکلیف کا خاتمہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۷۴۳/۳۱ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَ وَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور رات کے آخری حصے میں اترتے[1] تو دائیں جانب لیٹتے[2]۔ اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو کلائی کھڑی کر کے سر مبارک ہتھیلی پر رکھ لیتے[3]۔
(مسلم)

[1] نیند اور آرام کے لیے۔

[2] یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سوتے وقت دائمی عادت یہ تھی کہ دائیں پہلو کے بل لیٹتے تھے۔ علماء کرام نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ دل بائیں جانب معلق ہے۔ لہٰذا اگر بائیں جانب لیٹ کر سویا جائے تو دل کو آرام اور قرار آ جاتا ہے اور نیند گہری آتی ہے، اور رات کی نماز کے لیے بیدار ہونا اور اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اطباء کا مقصد چونکہ بدن کی اصلاح، کھانے کا ہضم ہونا اور نیند میں راحت کا حصول ہے اسی لیے انہوں نے بائیں جانب لیٹ کر سونے کو ترجیح دی ہے۔

ﮯ۵ کیونکہ یہ طریقہ بیدار ہونے، پوری طرح آرام نہ پاتے اور گہری نیند نہ آنے کے زیادہ قریب ہے اور ان امور میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔

۳۷۴۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِي سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا أَصْحَابُهُ وَقَالَ أَتَخَلَّفُ وَأُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَا مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ[۱] کو ایک دستے میں بھیجا۔ اتفاقاً یہ بھیجنا جمعہ کے دن تھا۔ ان کے ساتھی تو چلے گئے اور انہوں نے سوچا کہ میں پیچھے رہ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھوں گا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے جا ملوں گا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے انہیں دیکھا اور فرمایا: تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہونے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا، میرا ارادہ یہ تھا کہ آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھوں پھر ساتھیوں سے جا ملوں، آپ نے فرمایا: اگر وہ سب کچھ خرچ کر دو جو زمین میں ہے[۲] تو تم ان کے صبح کے وقت روانگی کی فضیلت نہیں پا سکو گے[۳]۔
(ترمذی)

[۱] عبداللہ بن رواحہ مشہور صحابہ اور شعرائے اسلام میں سے ہیں۔ جنگ موتہ (شام کے قریب ایک جگہ) میں شہید ہوئے۔ ۱۲ (ق)

[۲] اسباب، اشیاء اور ساز و سامان وغیرہ۔

[۳] اس میں ثواب جہاد کے بیان کرنے میں انتہائی تاکید اور مبالغہ ہے رہی نماز جمعہ تو وہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے فرض نہیں ہوتی، جمعہ کے دن وقت شروع ہونے کے بعد روانہ ہونا اس شخص پر حرام ہے

جس پر جمعہ لازم ہے، یہ جمہور علماء کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، روانہ ہونا جائز ہے کیونکہ سفروں میں ضرورت پائی جاتی ہے بسا ساتھیوں کے چلے جانے کا خطرہ ہے۔ مسافر پر تو یوں بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔

البتہ اطاعت سے غفلت برتنے اور اعراض کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کے دن سفر کرنا ہی حرام ہے۔ اگرچہ زوال سے پہلے صبح کے وقت ہو۔ اسی طرح سفر السعادۃ میں ہے۔

۳۷۴۶ / ۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةُ رُفْقَةً فِیْهَا جِلْدُ نَمِرٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتے سفر کے ساتھیوں کی اس جماعت کے ہمراہ نہیں ہوتے جس میں چیتے[۱] کی کھال ہو۔ (ابوداؤد)۔

[۱] نمر نون پر زبر، میم کے نیچے زیر، مشہور درندے (چیتے) کا نام ہے۔ تحقیق۔ چیتے کی کھالوں پر سوار ہوتے اور ان کے پہننے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ کیوں کہ اس میں تکبر اور غرور ہے۔ نیز اس لیے کہ یہ عجمیوں کا لباس ہے۔

بعض علماء نے یہ وجہ بیان کی کہ اس کی کھال دباغت کے قابل نہیں ہے۔ اکثر طور پر اس کی کھال مرنے کے بعد اتاری جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا شکار کرنا بہت مشکل ہے، امر ممنوع کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے فرشتے ہمراہ نہیں ہوتے۔

۳۷۴۷ / ۳۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْقَوْمِ فِی السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ یَسْبِقُوْهُ بِعَمَلٍ اِلَّا الشَّهَادَةَ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر میں قوم کا بہترین فرد وہ ہے جو ان کی خدمت کرے[۲]۔ تو جو خدمت کے ساتھ ان پر سبقت لے جائے تو وہ لوگ شہادت کے علاوہ کسی عمل سے اس پر سبقت نہیں لے جا سکیں گے۔ (شعب الایمان، امام بیہقی)

۵۱ سہل بن سعد ساعدی انصاری مدنی ہیں۔ وہ خود اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ ان کا نام حزن تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام سہل رکھ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ انہوں نے طویل عمر پائی، ۹۱ھ میں ان کا وصال ہوا، مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ہیں۔

۵۲ یعنی قوم کے بہترین اور بزرگ ترین شخص کو چاہیے کہ قوم کی خدمت کرے۔ ان کی ضروریات پوری کرے اور ظاہر و باطن میں ان کے احوال کی رعایت کرے۔ بعض محدثین نے کہا: مراد یہ ہے کہ خدمت کرنے والا اگرچہ بظاہر ادنیٰ ترین فرد ہو۔ درحقیقت وہ ثواب کی زیادتی کی بنا پر ان کا سردار ہے اور یہ مطلب حدیث کے آئندہ حصے کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۳ یعنی خدمت سے زیادہ فضیلت والا کوئی عمل نہیں ہے ع۔

کہ مرداں ز خدمت بجائے رسند۔

مردانِ راہ خدا، خدمت سے بلند مقام تک پہنچے ہیں۔

ہاں وہ شخص کہ جنگ کرے، یہاں تک کہ مارا جائے اور شہادت کی فضیلت حاصل کرے وہ خدمت والے سے بھی سبقت لے جائے گا۔

بَابُ الْكِتَابِ إِلَى الْكُفَّارِ وَدُعَائِهِمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

۲۸۸۔ کافروں کو فرمان لکھنا اور انہیں اسلام کی دعوت دینا

جنگ سے پہلے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور دعوت اسلام سے پہلے جنگ کرنا حرام ہے۔ البتہ جن لوگوں کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو اور وہ عناد کا مظاہرہ کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ دعوت اسلام دیے بغیر بھی جنگ کی جا سکتی ہے ۱۲ (ق ا) ۔ اسلام کی دعوت، خصوصاً کافروں کے بادشاہوں اور سرکردہ لوگوں کو عام طور پر خط و کتابت کے ذریعے ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارکہ کے سلاطین کفار جیسے روم، ایران اور حبشہ کے بادشاہوں کو گرامی نامے بھجوائے، یہ مکتوبات اور فرامین فصاحت و بلاغت اور ایجاز میں اس مقام کو پہنچے ہوئے ہیں کہ ان سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بعض علماء مثلاً صاحب شفاء وغیرہ نے انہیں جمع کرکے اپنی کتابوں کو زینت بخشی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۷۲۸/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلٰى قَيْصَرَ يَدْعُوْهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَبَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَيْهِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى لِيَدْفَعَهٗ إِلٰى قَيْصَرَ فَاِذَا فِيْهِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ روم کو دعوت اسلام کا فرمان تحریر فرمایا۔ آپ نے گرامی نامہ حضرت دحیہ کلبی کے سپرد کیا اور انہیں حکم دیا کہ بصریٰ کے حاکم کو دیں تاکہ وہ شاہ روم کے سپرد کر دے اس میں تحریر تھا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، رحم والا۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی

إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ وَقَالَ إِثْمُ الْيَرِيسِيِّينَ وَقَالَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ.

طرف سے، شاہ روم، ہرقل کے نام، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ہے۔ اس کے بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام لے لاؤ تاکہ تم سلامت رہو، اسلام لے آؤ تو تمہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر مزارعوں اور رعایا کا گناہ ہے۔ اے کتاب والو! اس بات اور اس دین کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارے بعض افراد بعض کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہو کہ گواہ ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں۔ (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے اللہ کے رسول محمد کی طرف سے اور کہا کہ تم پر رعایا کا گناہ ہے اور یہ فرمایا کہ تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

۱ دحیہ کلبی دال کے نیچے زیر اور زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، مشہور صحابی ہیں جو قبیلہ بنو کلب کی طرف منسوب ہیں۔

۲ بُصریٰ با پر پیش سے بے نقطہ، صاد ساکن، شام کے ایک مشہور شہر کا نام۔

۳ روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسریٰ، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، ترک کے بادشاہ کو خاقان، قبط کے بادشاہ کو فرعون، مصر کے بادشاہ کو عزیز، حمیر کے بادشاہ کو تبع۔ تا پر پیش، با مشددہ پر زبر، اور ہندوستان کے بادشاہ کو رائے کہتے ہیں۔ اس قیصر کا نام ہرقل تھا ہا کے نیچے زیر،

را پر زبر اور قاف ساکن، را کو ساکن اور قاف کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔

اس حدیث کو حضرت ابن عباس نے حضرت ابو سفیان اموی سے روایت کیا ہے جب ابو سفیان تجارت کے لیے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام میں ہرقل کے پاس گئے تو ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے پاس بلا کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال پوچھے، پورا واقعہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مذکور ہے اور یہ حدیث آپ کی نبوت کے دلائل اور علامات میں سے ہے، حضرت مصنف نے بھی اسے علامات نبوت کے باب میں ذکر کیا ہے۔

ک‍ہ چونکہ وہ بادشاہ کافر تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اسے سلام نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا سلام علیک بلکہ ہدایت کے ہر پیروکار کو سلام کہا اور اس میں مختصر اور بہترین طریقے سے اس کے لیے حق و ہدایت کی ترغیب اور راہنمائی ہے۔

ھ‍ہ دنیا کی تکلیف و رسوائی اور آخرت کے عذاب سے

ل‍ہ جیسے کہ اہل کتاب کی شان ہے کہ انہیں اسلام لانے پر دوہرا ثواب دیا جائے گا جیسے کہ قرآن پاک میں ہے، ایک ثواب عیسائیت کا کہ ہماری بعثت سے پہلے تم اس میں حق پر تھے اور ایک ثواب ہم پر ایمان لانے کا۔

ے‍ہ اور اسلام کے قبول کرنے سے اعراض کیا۔

ث‍ہ اَرِیْسِیِّیْنَ جمع ہے اَرِیْسِیٌّ کی، ہمزے پر زبر اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، منسوب ہے اَرِیْسْ کی طرف، جس کا معنی مزارع اور کاشتکار ہے ایک روایت میں یَرِیْسِیِّیْنَ ہے اَرِیْسٌ کی جمع ہے یا نسبت کے بغیر، دونوں صورتوں میں ہمزے کو یا کے ساتھ بھی تبدیل کیا گیا ہے، بہر صورت مراد رعایا، متبعین، نوکر چاکر اور خدام ہیں کہ جب بادشاہ اسلام لے آئے گا تو اس کے ساتھ یہ لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے گا تو یہ بھی انکار کر دیں گے اس لفظ کی تصحیح اور تحقیق کی طویل تفصیل شرح میں بیان کی گئی ہے۔

ف‍ہ یعنی انسانوں میں سے ہے، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب اور پروردگار مانا۔

ن‍ہ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے۔

لہ یہ روایت پہلی روایت سے چند طرح مختلف ہے۔ (۱) پہلی روایت میں مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ہے جب کہ اس میں مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ہے (۲) پہلی روایت میں اَرِیْسِیِّیْنَ ہے جب کہ اس روایت میں ہمزے کو یا سے بدل دیا ہے (۳) پہلی روایت میں بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ ہے اس میں بِدَعَایَۃِ الْاِسْلَامِ

ہے، صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

۳۷۴۹ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا گرامی نامہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی[1] کے ذریعے شاہ ایران کو بھیجا، انہیں حکم دیا کہ یہ مکتوب بحرین[3] کے گورنر کو دینا[4]، بحرین کے گورنر نے شاہ ایران کو دے دیا اس نے پڑھا تو اسے پھاڑ دیا۔ ابن مسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ ایران اور اس کے ساتھیوں کے خلاف دعا فرمائی کہ انہیں مکمل طور پر پارہ پارہ کر دیا جائے[5]۔

(بخاری)

[1] عبد اللہ بن حذافہ سہمی، قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو کی طرف منسوب، قدیم الاسلام صحابی ہیں مہاجرین سابقین اولین میں سے ہیں، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور ایک قول کے مطابق بدر میں حاضر ہوئے۔

[2] کسریٰ کاف کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ عربی زبان میں خسرو کا بدل ہے، شاہ ایران، اس زمانے میں پرویز بن نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا۔ (پرویز، ہرمز بن نوشیروان کا بیٹا تھا۔ یعنی نوشیروان کا پوتا تھا ۱۲ ق)۔

[3] بحرین ایک جگہ کا نام ہے (بصرہ کے قریب لب سمندر مشہور شہر ہے ۱۲ مرأۃ)۔

[4] چنانچہ انہوں نے اسے پہنچا دیا۔

[5] اور وہ ہلاک ہو جائیں، چنانچہ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا اور خود اپنے باپ کے چھ ماہ بعد مر گیا۔ چنانچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت، ان کے گلے کا طوق بن گئی۔ (مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ہرگز ہرگز اپنے بیٹوں کا نام پرویز نہ رکھیں کہ اس نام والے بادشاہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی توہین کی تھی ۱۲ قادری)۔

۳۷۵۰/۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَاِلٰى قَيْصَرَ وَاِلَى النَّجَاشِيِّ وَاِلٰى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِيْ صَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایران، روم، اور حبشہ کے بادشاہوں اور ہر جابر بادشاہ کے نام گرامی نامہ بھیجا۔ یہ نجاشی ؒ وہ نہیں ہیں۔ جن پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔

(مسلم)

سلہ نجاشی نون پہ زبر، جیم مخفف اور یا ساکن، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور یہی درست ہے۔ بعض علماء نے یا مشدد پڑھی ہے۔ نون کے نیچے زیر بھی ہے۔ البتہ جیم کو مشدد سمجھنا بالاتفاق غلط، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔

سلہ جس نجاشی کی طرف آپ نے فرمان عالی بھیجا یہ اس نجاشی سے مختلف تھا جن کی غائبانہ نماز جنازہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پڑھی، وہ مسلمان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخلصین اور صحابہ کرام کے خادم تھے۔ ان کا نام اصحمہ تھا۔ ہمزے پر زبر، صاد ساکن، اور حا پر زبر۔ بعض نے حا سے پہلے میم پڑھی ہے۔

(اصحم) بعض نسخوں میں۔ اصحبہ ہے میم کی جگہ با کے ساتھ، صحمہ اور صمحہ بھی کہا گیا ہے۔ زیادہ مشہور اور کثیر الاستعمال اصحمہ ہے، ابتداء میں ہمزہ اور میم سے پہلے حا۔ جب ان کی وفات کی خبر آئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی اور نیک مرد فوت ہو گیا۔ اٹھو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو۔

ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اطراف واکناف کے بادشاہوں کو فرمان عالی بھیجے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کی طرف بھیجا۔ جب نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالی دیکھا تو تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ فرمان عالی کو بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اور حکم دیا کہ فرمان پڑھا جائے۔ جب اس کا مضمون سنا تو کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام لے آیا۔ اور کہنے لگا اگر میرے بس میں ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنے بیٹے کو تحفے اور ہدیے دے کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو راستے میں ہی ہلاک ہو گیا پھر حضور نے

ایک اور گرامی نامہ ان کی طرف بھیجا، دونوں فرمان عالی ان کی اولاد میں موجود ہیں۔ جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں اور ان سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

۳۷۵۱/۴ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلٰثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا

حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا دستے پر امیر مقرر فرماتے تو اسے اس کی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بھلائی کا حکم دیتے پھر فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ کا انکار کریں، جہاد کرو۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ بد عہدی نہ کرو۔ ناک کان نہ کاٹو۔ بچوں کو قتل نہ کرو، اور جب تم اپنے دشمن مشرکوں سے ملاقات کرو تو انہیں تین خصلتوں یا تین باتوں کی طرف بلاؤ وہ ان میں سے جسے بھی پسند کریں۔ تم ان سے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ، پھر تم انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان جائیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے باز رہو، پھر انہیں دعوت دو کہ وہ اپنے علاقے سے مہاجرین کے علاقے کی طرف منتقل ہو جائیں اور انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے لیے وہی کچھ ہے جو مہاجرین کے لیے اور ان کے ذمہ وہی کچھ ہے جو مہاجرین

ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يُجْرٰى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِىْ يُجْرٰى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِى الْغَنِيْمَةِ وَ الْفَىْءِ شَىْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَ قَاتِلْهُمْ وَ اِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ لَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَ ذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَ ذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ ذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ حَاصَرْتَ

پر ہے۔ پس اگر وہ اپنے علاقے سے منتقل ہونے پر تیار نہ ہوں۔ تو انہیں بتا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں[۱۴] کی طرح ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جاری کیا جائے گا جو مومنوں پر جاری کیا جاتا ہے اور ان کے لیے غنیمت اور فیئ میں سے حصہ نہ ہوگا[۱۵] مگر یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں[۱۶]، پھر اگر وہ (اسلام لانے سے) انکار کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو[۱۷]، اگر وہ مان لیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ اور اگر وہ انکار کریں[۱۹]۔ تو اللہ تعالیٰ سے امداد کی دعا کرو اور ان سے جنگ کرو[۲۰]۔ اور جب تم کسی قلعہ[۲۱] کے باشندوں کا محاصرہ کرو اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا ذمہ دو تو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا ذمہ نہ دو، بلکہ انہیں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو[۲۲]۔ کیوں کہ اگر تم[۲۳] اپنا اور اپنے ساتھیوں کا عہد و پیمان توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد و پیمان توڑنے کی نسبت ہلکا ہے۔ اور اگر کسی قلعے والوں کا محاصرہ کرو۔ اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر

أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ أَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ أَمْ لَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	اتار دو تو انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ اتارو، بلکہ اپنے حکم پر اتارو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ کا حکم پاسکو گے یا نہیں۔[۱۲] (مسلم)

[۱] سلیمان بن بریدہ با پیش، اسلمی مروزی، حضرت عبداللہ بن بریدہ کے بھائی، دونوں ایک ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ ثقہ تابعی ہیں۔

[۲] امّر میم مشدد ہے۔

[۳] اس کی ذات کے لیے تقوے و پرہیزگاری اور عزیمت (اصل) پر عمل کرنے کی وصیت فرماتے۔

[۴] یعنی چشم پوشی اور نرمی کرنے اور آسانی فراہم کرنے کا حکم دیتے، یہ صحبت کے حقوق اور حکومت کے آداب میں سے ہے۔
اسی طرح شارحین نے اس کلام کی تفسیر کی ہے۔

[۵] یہ تاکید ہے۔

[۶] صراح میں ہے مثلہ میم پر پیش، تین نقطے والی ثا ساکن، ناک اور کان کاٹنا ـــــــ
لا تغلوا نقطے والی غین پر پیش، ولا تغدروا دال کے نیچے زیر، ولا تمثلوا تین نقطے والی ثا پر پیش۔

[۷] راوی کو شک ہے کہ خصال فرمایا یا خلال، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ خلال جمع ہے خَلّۃ کی خا پر زبر، خصلت، یہ امیر سے خطاب ہے۔

[۸] ما اجابوک میں ما زائدہ ہے۔

[۹] اس سے زیادہ کی انہیں تکلیف نہ دو اور جان کے درپے نہ ہو۔

[۱۰] مسلم کے علاوہ دیگر روایات میں اُدعھم لفظ ثُمَّ کے بغیر ہے، اور یہ زیادہ ظاہر اور درست ہے، یہ پہلی خصلت کا بیان ہے، کہ پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی۔

سلہ اور مسلمان ہو جائیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے ہاتھ روک لو۔ ان کے مالوں اور خونوں سے تعرض نہ کرو۔

سلہ اور ان کے درمیان رہیں۔

سلہ اجر و ثواب اور مال فیئ کا استحقاق، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ جو مال فیئ عطا فرماتا تھا وہ خرچ کیا جاتا تھا اور دیہاتی مسلمانوں کو دیا جاتا تھا۔

سلہ جہاد کے لیے نکلنے کی شرطیں۔ جب امام حکم دے، خواہ دشمن کے مقابل اتنی تعداد ہو جو اس کا مقابلہ کر سکے یا نہ ہو، برخلاف غیر مہاجرین کے کہ اگر دشمن کے مقابل اتنے مجاہدین موجود ہوں جو اس کے لیے کافی ہوں تو ان پر جہاد کے لیے نکلنا واجب نہیں ہے۔

سلہ جنہوں نے اپنے وطنوں کو لازم پکڑا ہے اور دار کفر میں نہیں بلکہ جنگلوں میں رہتے ہیں۔

سلہ جیسے کہ مہاجرین کے لیے ہوتا ہے، غنیمت اور فیئ کا ایک معنی ہے۔ وہ مال جو کافروں سے حاصل ہو۔ بعض علماء نے فرق کیا ہے کہ غنیمت وہ مال ہے جو جنگ اور مشقت کے بغیر حاصل ہو اور فیئ وہ مال ہے جو جنگ اور مشقت سے حاصل ہو لہ۔

سلہ جب کہ مہاجرین کے لیے جنگ کے بغیر مال غنیمت میں سے حصہ ہے۔ یہ سب پہلی خصلت کا تتمہ ہے۔

سلہ یہ دوسری خصلت کا بیان ہے۔

سلہ جزیہ دینے سے انکار کر دیں۔

سلہ یہ تیسری خصلت کا بیان ہے۔

سلہ حصن، اصل میں اس کا معنی ہے پناہ، درستی، درست ہونا۔ اور شہر کے گرد دیوار کھڑی کرنا

سلہ یعنی ذمہ اور عہد دیتے وقت خدا اور رسول کا نام لینے کی حاجت نہیں ہے، اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام لینا ہی کافی ہے، اور حقیقت میں یہ اصل ہی کی طرف راجع ہے۔

سلہ اکثر نسخوں میں تَأَنَّكُمْ صیغہ خطاب کے ساتھ ہے۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں یَأتُنَّهُمْ ہے اور ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے۔ روایت کے اعتبار سے پہلا لفظ زیادہ صحیح ہے اور عقلی اعتبار سے

لہ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے ورنہ جنگ سے حاصل ہونے والے مال کو غنیمت اور بغیر جنگ کے حاصل ہونے والے مال کو فیئ کہتے ہیں ۱۲ قادری)۔

دوسرا لفظ زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عہد شکنی کی نسبت کافروں کی طرف بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ مومنوں کی طرف منسوب کی جائے۔

مصابیح کے نسخوں میں فَاِنَّهُمْ ہمزے کی زبر کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں ہمزہ کی زیر کے ساتھ ہے پہلا لفظ زیادہ قوی اور ظاہر ہے۔

۵۲۷ یعنی تم نے جو انہیں اترنے کا حکم دیا ہے تمہیں کیا خبر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے اور حکم الٰہی کے موافق ہے یا نہیں؟۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے غلطی کی ہو۔ جیسے کہ مجتہد کا حکم کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

۳۷۵۲/۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَيَّامِهِ الَّتِيْ لَقِيَ فِيْهَا الْعَدُوَّ اِنْتَظَرَ حَتّٰى مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن دنوں دشمن سے جنگ کرتے ان میں سے بعض دنوں میں انتظار فرمایا، یہاں تک کہ سورج کا زوال ہوگیا[۲]، پھر صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو[۳]، اللہ تعالیٰ سے عافیت[۴] مانگو اور سامنا ہو تو صبر کرو[۵]، اور جان لو کہ جنت، تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے[۶] پھر دعا کی اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے[۷] اور گروہوں[۸] کو شکست دینے والے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری امداد فرما۔

(صحیحین)۔

[۱] عبداللہ بن ابی اوفیٰ مشہور صحابی ہیں، کوفہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں، ۸۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔

۵۲ اکثر طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوپہر نماز ظہر کے وقت جنگ کی۔ محدثین نے فرمایا!۔
اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ ہواؤں کے چلنے اور دلوں کی راحت کا وقت ہے۔ اس کے بعد نماز اور دعا کا وقت ہے، حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اعمال مقام قبولیت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس وقت فتح ونصرت کے انوار کے نازل ہونے کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے کونسا عمل بلند وبالا اور زیادہ فضیلت والا ہوسکتا ہے۔
یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ اور اس کے سازوسامان کی تیاری کی جاتی ہے اور دن کا آخری حصہ رات کے قریب ہوتا ہے، اس لیے دن کا درمیانہ حصہ متعین ہوگیا۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۳ یعنی یہ آرزو نہ کرو کہ دشمن کے ساتھ جنگ چھڑ جائے۔ کیونکہ اس صورت میں مصیبت کا طلب کرنا ہے، اور مصیبت کا طلب کرنا ممنوع ہے۔ نیز اس میں غرور اور اپنی قوت وطاقت اور اپنی ذات پر بھروسا پایا جاتا ہے، نیز دشمنوں کے مقابلے کی تیاری کی کمی پائی جاتی ہے اور دشمن کو حقیر جانتا ہے۔
دانشوروں نے کہا ہے کہ دشمن کو حقیر اور بے چارہ نہیں جاننا چاہیے۔

۵۴ سلامتی اور بلا کے دفع کرنے کی دعا مانگو۔

۵۵ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آزمائش نہیں مانگنی چاہیے اور جب مصیبت نازل ہو جائے تو صبر کرنا چاہیے۔ آئندہ ارشاد میں دشمن کا سامنا ہونے کی صورت میں جنگ کی ترغیب دی گئی ہے۔

۵۶ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ جنگ اور قتال میں جب تلواریں سروں پر ہوں تو جنت بہت قریب ہوتی ہے۔

۵۷ مُنْزِل۔ میم پر پیش، نون ساکن اور زا کے نیچے زیر، مُجْرِی میم پر پیش، جیم ساکن اور را کے نیچے زیر۔

۵۸ صراح میں ہے حزب بے نقطہ حا کے نیچے زیر، زا ساکن، گروہ، اس کی جمع اَحْزَاب ہے اس سے وہ گروہ مراد ہے جو سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ہزم اور ہزیمت کا معنی ہے لشکر کو شکست دینا۔

۳۷۵۳/۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَ يَنْظُرَ إِلَيْهِمْ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَ إِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَ رَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَ إِنَّ قَدَمِيْ لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَ مَسَاحِيهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَّ الْخَمِيْسُ فَلَجَأُوْا إِلَى الْحِصْنِ فَلَمَّا رَاٰهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	جب ہمیں ساتھ لے کر کسی قوم سے جنگ کرتے[1] تو ہماری معیت میں جنگ نہ کرتے یہاں تک کہ صبح کرتے[2] اور اس قوم کی طرف دیکھتے[3] پس اگر اذان سنتے تو ان سے ہاتھ روک لیتے[4] اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے[5] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی طرف نکلے اور رات کے وقت ان تک پہنچ گئے، جب صبح ہوئی اور آپ نے اذان نہیں سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں حضرت ابوطلحہ[6] کے پیچھے سوار ہوا میرا پاؤں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کو چھو رہا تھا[7] حضرت انس نے فرمایا، اہل خیبر اپنی زنبیلیں اور پھاوڑے لے کر ہماری طرف نکلے[8] جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے یہ محمد ہیں۔ اللہ کی قسم! محمد اور لشکر[9] پھر انہوں نے قلعے میں پناہ لی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈر سنائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے[10]۔ (صحیحین)

[1] یعنی جب آپ جنگ کرتے اور ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

[2] صبح سے مراد صبح صادق ہے جو حملہ کرنے کا وقت ہے۔ جیسے کہ آیہ کریمہ کے معنی سے اس کی طرف

اشارہ ہے۔ فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا صبح کے وقت حملہ کرنے والے۔

سے اور ان کے حال میں غور فرماتے، اگرچہ یہ معلوم ہوتا کہ یہ کافروں کا شہر ہے، لیکن اس احتمال کو پیش نظر رکھتے کہ ممکن ہے ان میں مسلمان بھی ہوں۔

سے ان پر حملہ نہ کرتے اور نہ ہی تاخت و تاراج کرتے۔

ھ کیونکہ ان میں کفر کی علامت پائی جاتی تھی، اس لیے کہ اس وقت اذان کا ترک کرنا مسلمانوں سے متصور نہ تھا۔ فقہ کی روایت میں ہے کہ اگر ایک شہر والے اذان کے ترک کرنے پر متفق ہو جائیں تو امام پر واجب ہے کہ ان سے جنگ کرے، کیونکہ اذان اسلام کا شعار ہے۔

ہ حضرت انس کی والدہ کے شوہر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ھ کیونکہ ان کی سواری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے قریب تھی، حواشی میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں حضرات ایک سواری پر سوار تھے اور یہ بعید ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت انس حضرت ابوطلحہ کے پیچھے تھے تو ان کے پاؤں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس سے چھونا بعید ہے۔

ھ یعنی اپنے کھیتوں اور کھجور کے باغوں کی طرف، اور اس بات سے بے خبر کہ ہم ان کے سر پر پہنچ چکے ہیں۔ مکاتل جمع ہے مکتل کی وہ زنبیل جس میں پندرہ صاع غلے کی گنجائش ہو، مساحی جمع ہے مسحاۃ کی، لوہے کا وہ آلہ جس کے ساتھ زمین کو ہموار کرتے ہیں،

پھاوڑا، کدال۔ دونوں کی میم کے نیچے زیر ہے۔

سلہ لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ (۱) مقدمہ (۲) قلب (۳) میمنہ (۴) میسرہ (۵) ساقہ۔

سلہ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر سنا دیا گیا ہوتا ہے۔ شعر

ماتیغ برہنہ ایم در دست قضا	شد کشتہ کسے کہ خویش را بر ما زد
ترجمہ۔ ہم قضا کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہیں۔	جو ہم پر آ کر گرا وہ مارا گیا۔

۳۷۵۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ

حضرت نعمان بن مقرن[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوا تو جب آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے۔ یہاں تک کہ ہوائیں چلنے

اَنۡتَظَرَ حَتّٰی تَهُبَّ الرِّيَاحُ وَ تَحۡضُرَ الصَّلٰوةُ ۔ لگتیں اور نماز کا وقت آجاتا[۲]

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

[۱] نعمان نون پر پیش بن مقرن میم پر پیش ، قاف پر زبر ، را ر مشددہ کے نیچے زیر ، آخر میں نون ، حضرت سوید بن مقرن کے بھائی اور مزنی صحابی ہیں ۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا ، چار سو افراد کی جماعت میں اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی ، بصرہ میں مقیم ہوئے ، پھر کوفہ چلے گئے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہاوند کے گورنر تھے ، ۲۱ھ میں وہیں شہید ہوئے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

[۲] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ اس صورت میں ہوتی جب دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ ہوتی ۔ غالباً حالات مختلف تھے ، کبھی ابتدائی حصے میں جنگ ہوتی اور کبھی دوپہر کے وقت ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۳۷۵۵/۸ عَنِ النُّعۡمَانِ بۡنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدۡتُّ مَعَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ اِذَا لَمۡ يُقَاتِلۡ اَوَّلَ النَّهَارِ اَنۡتَظَرَ حَتّٰی تَزُوۡلَ الشَّمۡسُ وَ تَهُبَّ الرِّيَاحُ وَ يَنۡزِلَ النَّصۡرُ ۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا ۔ جب آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے ۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا ۔ ہوائیں چلتیں اور نصرت نازل ہوتی[۱]

(رَوَاهُ اَبُوۡدَاوُدَ) (ابوداؤد)

[۱] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی مثل ہے ، لیکن اس جگہ ہے کہ سورج ڈھل جاتا اور گزشتہ حدیث میں ہے نماز حاضر ہو جاتی ، مطلب ایک ہی ہے اس جگہ یہ اضافہ ہے کہ نصرت نازل ہوتی ۔ اس وقت آسمان کے دروازے کھل جانے سے ، جیسے کہ دوسری حدیث میں فرمایا : ہمیں باد صبا سے امداد اور فتح دی گئی ہے ۔

۳۷۵۶/۹ وَعَنۡ قَتَادَةَ عَنِ حضرت قتادہ ، حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتّٰى الْعَصْرِ ثُمَّ أَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُوا الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم[1] صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا، تو جب فجر[2] طلوع ہوتی تو آپ طلوع آفتاب تک جنگ سے اجتناب کرتے، جب سورج نکل آتا تو آپ جنگ کرتے، جب سورج سر پر آجاتا تو زوال آفتاب تک رک جاتے، جب زوال آفتاب ہو جاتا تو آپ عصر تک جنگ کرتے، پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا کرتے پھر[3] جنگ کرتے۔ قتادہ کہتے ہیں[4] کہا جاتا تھا کہ اس وقت نصرت کی ہوائیں چلتی تھیں[5] اور مومن اپنی نمازوں[6] میں اپنے لشکروں کے لیے دعا مانگتے تھے۔ (ترمذی)

[1] بعض نسخوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں۔
[2] مراح میں ہے فجر آخر شب کی سفیدی۔
[3] شام تک جنگ کرتے، جب آپ پورا دن جنگ کرتے تو اس ترتیب کو ملحوظ رکھتے۔
[4] اس انداز کی حکمت بیان کرتے ہوئے۔
[5] ان تمام اوقات میں جیسے کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے یا خاص زوال کے وقت، جیسے دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہوائیں چلتیں جو فتح و نصرت کا سبب بنتیں۔
[6] یعنی نماز کے بعد، یا دوران نماز، جیسے کہ قنوت پڑھنے کے بارے میں احادیث آئی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۵۷ ـ ۱۰ وَعَنْ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عصام مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّةٍ فَقَالَ اِذَا رَاَیْتُمْ مَسْجِدًا اَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

ایک دستے میں بھیجا اور فرمایا جب[۲] تم مسجد دیکھو یا کسی مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو کسی کو قتل نہ کرو۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] مقام عین کے نیچے زیر، صاد مخفف المزنی کم حدیثیں روایت کرنے والے صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی ایک حدیث ان سے مروی ہے۔ ان سے ان کے بیٹے روایت کرتے ہیں۔

[۲] دشمن کے علاقے کے کسی گاؤں میں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۷۵۸/۱۱ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی اَهْلِ فَارِسَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اِلٰی رُسْتُمَ وَمِهْرَانَ فِیْ مَلَاءِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّا نَدْعُوْكُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاَعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَا یُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

حضرت ابو وائل[۱] سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل فارس (ایرانیوں) کو مکتوب گرامی لکھا۔ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان، نہایت رحم والا خالد بن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کے نام جو ایرانیوں کی ایک جماعت[۲] میں موجود ہیں، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، سلام کے بعد! ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں[۳] پس اگر تم انکار کرو تو اپنے ہاتھ[۴] سے جزیہ دو اس حال میں کہ تم عاجز اور خوار ہو، اگر اس سے بھی انکار کرو تو میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جانے کو اس طرح محبوب رکھتے ہیں جیسے ایرانی شراب کو محبوب جانتے ہیں[۵] ہدایت

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ) کے پیروکاروں پر سلامتی ہو[۹] (شرح السنۃ)

۱ ابو وائل ان کا نام شقیق ہے، مشہور اور بڑے تابعی ہیں، انہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں کا زمانہ پایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کی عمر دس سال تھی۔ اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، بکثرت حدیثیں روایت کیں، ثقہ اور معتمد ہیں، حجاج بن یوسف اور بعض نے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں فوت ہوئے۔

۲ مہران میم کے نیچے زیر

۳ ملاء میم اور لام پر زبر، آخر میں ہمزہ، قوم کے سرکردہ اور معزز بن کر کہتے ہیں جن کی طرف دوسرے لوگ رجوع کرتے ہیں اور ان کی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے، انہیں مَلَأ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مجلسوں کو پُر کرتے ہیں۔

۴ تم مسلمان ہو جاؤ۔

۵ ایسا نہ ہو کہ کسی کے ہاتھ بھیج دو۔

۶ تم ہلاک اور پشیمان ہو گے۔

۷ یا قتل کرتے۔

۸ یعنی جنگ وقتال میں مست اور مدہوش ہو جاتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ نشاط و طرب اور ذوق ولذت حاصل کرتے ہیں۔

۹ راہ ہدایت کی پیروی اور دین اسلام کے اختیار کرنے پر تاکید اور ترغیب کے لیے فرمایا۔

بَابُ الْقِتَالِ فِی الْجِهَادِ

۲۸۹۔ جہاد میں جنگ کرنے کا بیان

یاد رہے کہ اس جگہ تین لفظ ہیں (۱) جہاد (۲) غزو (۳) قتال۔ جہاد اور جہد کا معنیٰ ہے مشقت برداشت کرنا اور اس میں طاقت صرف کرنا، غزو کا معنیٰ ہے باہر نکلنا اور کافروں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہونا اور ان پر حملہ کرنا قتال، تقاتل اور اقتتال کا معنیٰ ہے قتل کرنا۔ اس باب میں غازیوں کے مناقب اور مغازی بیان کیے جائیں گے حضرت مصنف کا یہ فرمانا درست ہے کہ جہاد میں جنگ کرنا اور ایک دوسرے کو قتل کرنا، کیونکہ کبھی جنگ کے بغیر بھی جہاد ہوتا ہے

ہاں جہاد، جنگ کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے کہ قاموس میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۷۵۹ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غزوہ اُحُد[1] کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ فرمائیں اگر میں قتل کر دیا گیا تو کہاں ہوں گا؟ فرمایا، جنت میں، انہوں نے اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں پھینک دیں[2] پھر جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید کر دیے گئے۔

(صحیحین)

۱ؔ اُحُد پہلے دونوں حرفوں پر پیش، ایک پہاڑ کا نام، اس کا نام اُحُد اس لیے رکھا گیا کہ وہ الگ تھلگ واقع ہے اور دوسرے پہاڑوں سے متصل نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: اُحُد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۲ؔ اور اتنی تاخیر روا نہ رکھی کہ انہیں کھا لیں۔

۳۷۶۰ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِيْ غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَّمَفَازًا وَّعَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اَمْرَهُمْ لِيَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو اسے کسی دوسری جنگ کے ساتھ پوشیدہ[1] فرما دیتے یہاں تک کہ وہ غزوہ[2] یعنی غزوۂ تبوک ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے لیے سخت گرمی میں نکلے، آپ نے دور دراز سفر، جنگلوں[3] اور کثیر التعداد دشمن کا قصد فرمایا[4] تو آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو ان کا کام بتا دیا تاکہ وہ جنگ کی تیاری کر لیں[5] اور صحابہ کرام کو اس راستے کی خبر دی جس کا

يُوَرِّيْ۔ آپ ارادہ رکھتے تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

لے وری واو پر زبر اور را شدد، توریہ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے کسی خبر کا پوشیدہ رکھنا اور دوسری خبر کی طرف متوجہ کر دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ جہاد کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے تو لوگوں کو یوں تاثر دیتے کہ دوسری جگہ جارہے ہیں، ایسی کاروائی ہوشمندی کی علامت ہے تاکہ تیاری بھی کر لی جائے اور دشمن کو خبر بھی نہ ہو تے پائے یہ ایک جنگی چال ہے (تاکہ دشمن کے جاسوس خبردار نہ ہو جائیں) جیسے کہ فرمایا: "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" جنگ، ایک پر فریب چال ہے، یہ توریہ، تعریض اور کنایہ کے طور پر تھا نہ کہ صراحت کے ساتھ، مثلاً ایک جگہ جنگ کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے تو دوسری جگہ کے حالات، اس کے راستے کی کیفیت دریافت فرماتے اور اس جانب خیمے گاڑ دیتے صراحۃً یوں نہ فرماتے کہ ہم فلاں جگہ جارہے ہیں تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے، جیسے کہ کہا گیا ہے۔ شعر

سکندر کہ با شرقیاں حرب داشت

در خیمہ گویند در غرب داشت

کہتے ہیں کہ سکندر شرق والوں کے ساتھ جنگ (کا ارادہ) رکھتا اور خیمے کا دروازہ مغرب کی طرف رکھتا۔

۲ے اس غزوہ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت کعب بن مالک کی نسبت سے معروف و مشہور تھا اور وہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہیں نکلے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے، یہ مشہور واقعہ ہے اور قرآن پاک میں مذکور ہے، حضرت کعب کا مطلب یہ ہے کہ وہ غزوہ جس کی بنا پر میں ابتلاء اور آزمائش میں واقع ہوا تھا، پھر وہ کچھ ہوا جو ہوگیا۔ ہم نے اس واقعہ کو شرح سفر السعادۃ کے باب سجدۂ شکر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ حسین و جمیل واقعہ اور عجیب حکایت ہے۔

۳ے کیونکہ تبوک، مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ہے اور مدینہ طیبہ سے وہاں تک چودہ مرحلے ہیں۔

۴ے بے آب و گیاہ میدان۔

۵ے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا جو ۹ھ میں واقع ہوا۔

۶ے تاَهَّبُ تیاری کرنا اُهْبَةٌ ہمزے پر پیش اور ہا ساکن۔

۷ے وِجْهَۃٌ اور جِهَۃٌ جانب، طرف، یہ پورا واقعہ اور وہ محنت و مشقت جو صحابہ کرام نے اس جگہ دیکھی کتب سیر میں مذکور ہے۔

۳۷۶۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگ مکر و فریب[1] ہے۔

(صحیحین)

[1] یعنی جنگ میں مکر و فریب، غلبہ پا لینے اور جنگ کی زیادتی سے زیادہ مفید ہے، مثلاً کسی جگہ میدانِ جنگ سے منہ موڑ لیا جائے اور دشمن کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ لوگ جنگ سے کترا کر واپس جا رہے ہیں، تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر اچانک حملہ کر کے اسے ملیا میٹ کر دیا جائے اور اسی قسم کی دوسری چالیں لیکن مکر میں کھلا جھوٹ نہ ہو۔ خدعہ خاء پر زبر اور پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ زبر زیادہ فصیح ہے، یعنی ایک مکر کے ساتھ جنگ کا پانسا پلٹ جاتا ہے، خاء کے نیچے زیر بھی آئی ہے، یعنی فریب کی ایک قسم، خاء پر پیش اور دال پر زبر (خُدَعَةٌ) بہت فریب دینے والا یعنی دوسرے آدمی کے خیال میں ایک بات ڈالے اور اسے اُس چیز کی توقع دلائے جب جنگ کرے تو اس کے خلاف ظاہر ہو جیسے ضُحَكَةٌ اور لُعَبَةٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہنسنے اور کھیلنے والا ہو۔

۳۷۶۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ مَعَهٗ اِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَآءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم[1] اور کچھ انصاری عورتوں کے ہمراہ جہاد کے لیے نکلتے تھے، جب آپ جہاد کرتے تو یہ عورتیں[2] پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں[3]۔

(مسلم)

[1] ام سلیم حضرت انس کی والدہ، بڑی عقل مند اور سمجھ دار خاتون تھیں۔

[2] غازیوں کو۔

[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھی عورتوں کا پانی پلانے اور علاج معالجہ کے لیے نکلنا جائز ہے[1]۔

---

[1] اس حدیث سے موجودہ نرسنگ کے طریقہ کار کو جائز ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ خواتین عمر رسیدہ اور بوڑھی تھیں، پھر یہ کہ وہ اپنے محرم مردوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اگر نامحرم مردوں کی خدمت بھی کرتیں تو ضروری نہیں کہ ایک کا جسم بھی بلا پردہ دوسرے سے چھوتا ہو، نیز اس وقت تجربہ کار مردوں کی قلت بھی تھی، آج ستم یہ ہے کہ مردوں کی دیکھ بھال (بقیہ صفحہ آئندہ)

۱۔ اگر مباشرت اور جنسی عمل کے لیے عورتوں کو ساتھ لایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ کنیزیں ہوں نہ کہ آزاد عورتیں۔

۳۷۶۳ وَعَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَ اُدَاوِي الْجَرْحٰى وَ اَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام عطیہ[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی، میں غازیوں کے بعد ان کی رہائش گاہوں میں رہتی تھی[۲]۔ ان کے لیے کھانا تیار کرتی۔ زخمیوں کا علاج کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔ (مسلم)

۱۔ ام عطیہ جلیل القدر صحابیہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں جایا کرتی تھیں۔

۲۔ اور ان کے سازوسامان کی حفاظت کیا کرتی تھی۔

۳۷۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَ الصِّبْيَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں[۱] اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

۱۔ کافروں کی عورتوں اور ان کے بچوں کے قتل سے منع فرمایا ـــــــ ہدایہ میں ہے عورت، بچے، شیخ فانی، اپاہج اور نابینا کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہمارے نزدیک قتل کی وجہ جواز جنگ[۱] کرنا ہے اور یہ لوگ جنگ نہیں کر سکتے۔

امام شافعی کا ہمارے ساتھ شیخ فانی اپاہج اور نابینا کے بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قتل کے جواز کی وجہ کفر ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا، آپ نے ایک عورت کی لاش دیکھی جسے قتل کیا گیا تھا۔ فرمایا: ہائے ہائے! یہ جنگ کرنے کے قابل نہ تھی اسے کیوں قتل کیا گیا ہے، ہاں اگر یہ لوگ جنگ کے بارے میں رائے دینے والے ہوں یا عورت ملکہ ہو یا

(بقیہ صفحہ سابقہ) پر جراح رسول کو مقرر کیا جاتا ہے اور عورتوں کے اپریشن تک مرد ڈاکٹر کرتے ہیں حالانکہ آج تربیت یافتہ مرد ڈاکٹروں کی طرح عورت ڈاکٹروں کی کمی نہیں ہے (۱۲ قادری)

جو ان لوگوں میں سے جنگ کرے اسے قتل کیا جائے گا، تاکہ اس کا شر دفع ہو۔

۳۷۶۵ وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِسَآئِهِمْ وَ ذَرَارِيِّهِمْ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ هُمْ مِّنْ اٰبَآئِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت صعب بن جثامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقے کے ان مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جائے اور ان کی عورتیں اور بچے[۲] قتل کر دیے جائیں۔ آپ نے فرمایا وہ ان ہی سے ہیں[۳] اور ایک روایت میں ہے وہ اپنے آباء سے ہیں[۴]۔ (صحیحین)

[۱] صعب صاد پر زبر اور عین ساکن دونوں بے نقطہ، بن جثامہ جیم پر زبر، تین نقطے والی ثاء مشدد، حجاز کے علاقہ ودان اور ابواء میں مقیم ہوئے، ان کی حدیث اہل حجاز میں معروف ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا وصال ہوا۔

[۲] مخلوط ہونے اور الگ الگ نہ ہونے کے سبب ذُرِّيَّةٌ اولاد، ذُرِّيَّاتٌ اور ذَرَارِيّ یاء ساکن کے ساتھ اس کی جمع ہے۔

[۳] یعنی عورتوں اور بچوں کے قتل کیے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ مشرک مردوں سے ہیں اور ان کے حکم میں ہیں۔ اس حدیث کے ظاہر سے عورتوں اور بچوں کے قتل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کا قتل جائز ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص رات کی تاریکی کے مانع ہونے اور بچوں کے جنگ جو مردوں کے ساتھ ملے جلے ہونے کے سبب انہیں تیر، تلوار یا نیزے سے زخمی کرے وہ گنہگار نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر عورتوں اور بچوں کو قتل کیے بغیر مردوں کو قتل نہ کیا جا سکے تو سب کا قتل جائز ہے۔ اور کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح مختلف احادیث میں مطابقت ہو جائے گی۔

[۴] یعنی بچے اپنے آباء سے ہیں اور ان کے حکم میں ہیں، یہ دنیا میں ہے، اصح قول کے مطابق آخرت میں جنت میں ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں دوزخ میں ہوں گے اور بعض نے اس مسئلے میں توقف کیا ہے۔

۳۷۶۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے

وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ ـ

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ
حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

وَفِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ـ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کھجوروں کے درخت کاٹ دیے اور جلا دیے ان ہی کے بارے میں حضرت حسان نے کہا: بنو لوی کے بیٹوں پر بویرہ کی پھیلنے والی آگ آسان ہوگئی[۲] اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: جو کھجوریں تم نے کاٹ دیں یا اپنی جڑوں پر کھڑی رہنے دیں[۳] تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ (صحیحین)

[۱] بنو النضیر نون پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن (غالباً یہ کاتب کی غلطی ہے، ورنہ ضاد کے نیچے زیر ہے ۱۲ قادری) یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ــــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل حرب کے درختوں کو کاٹا اور جلایا جا سکتا ہے یہی ہمارا مذہب ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ضرورت کے بغیر نہیں کاٹے جائیں گے کھجور کے یہ درخت یہودیوں کے آگے تھے، انہیں اس لیے کاٹ دیا گیا کہ جنگ کی جگہ ظاہر ہو جائے۔

[۲] ھون آسان ہونا، سراۃ سین پر زبر، راء مخفف، قوم کے معزز لوگ، صراح میں ہے مروت جوانمردی بہادری، سخاوت اور مروت سری جوانمرد اور سخی، اس کی جمع ہے سراۃ، لوی لام پر پیش، ہمزے پر زبر، بعض واؤ پڑھتے ہیں اور یاء مشدد، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد میں سے اور نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ہے۔ بنی لوی سے مراد قریش کے وہ معزز حضرات ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حریق آگ، بویرہ تصغیر ہے۔ بورۃ، بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات کی جگہ کا نام ہے۔ یہ اس وقت ہوا جب بنو نضیر نے عہد شکنی کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا ارادہ کیا، وحی نازل ہوئی اور ان کا ارادہ ظاہر کر دیا گیا لہٰذا انہیں خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا، ان کے باغات جلا دیے گئے اور ان کے گھر مسمار کر دیے گئے۔

[۳] اور انہیں کاٹا نہیں۔

۳۷۶۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبد اللہ بن عون[۱] سے روایت ہے کہ حضرت نافع[۲] نے یہ خبر دیتے ہوئے انہیں لکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ غَارِّيْنَ فِي نَعَمِهِمْ بِالْمُرَيْسِيعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بنی المصطلق[3] پر اس حال میں حملہ کیا کہ وہ بے خبر مقام مریسیع[4] میں اپنے چوپایوں میں مشغول تھے۔ چنانچہ آپ نے جنگجوؤں[5] کو قتل کیا اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ (صحیحین)

۱؎ عبداللہ بن عون عین پر زبر، واؤ ساکن اور آخر میں نون، اکابر تابعین میں سے ہیں حضرت انس بن مالک سے حدیث سنی، ان کے علاوہ قاسم بن محمد، حسن بصری، ابن سیرین اور شعبی سے حدیث سنی۔ ان سے ابن مبارک، حماد بن زید وغیرہ نے حدیث سنی۔ ابن مبارک نے فرمایا: میں نے ابن عون اور اوزاعی سے زیادہ فضیلت والا کوئی (محدث) نہیں دیکھا۔ یہ بھی فرمایا: جب ابن عون وصال فرما جائیں گے تو سب لوگ برابر ہو جائیں گے۔ ائمہ سلف نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔

۲؎ نافع، حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام۔

۳؎ بنی المصطلق میم پر پیش، صاد ساکن، طاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، بنی خزاعہ کی ایک شاخ۔

۴؎ مریسیع میم پر پیش، راء پر زبر، یا ساکن، سین کے نیچے زیر، اس کے بعد یاء پھر بے نقطہ عین، مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ، وہاں بنی المصطلق کا چشمہ تھا، غارّ راء مشدد، بمعنی غافل، غِرَّۃٌ سے مشتق ہے، غین کے نیچے زیر فریب دینا ——— یعنی بنی المصطلق اس جگہ غفلت کی حالت میں قیام پذیر تھے اور ان کے چارپائے ان کے ساتھ تھے۔

۵؎ جو لڑائی کے قابل تھے یعنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ماسوا کو

$\frac{3768}{10}$ وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا يَوْمَ بَدْرٍ حِيْنَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوا لَنَا إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو اُسَید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا، جب ہم نے قریش کے سامنے اور انہوں نے ہمارے سامنے صفیں بنا لیں[1] جب وہ تمہارے قریب آ جائیں[2] تو تیر چلانا اور ایک روایت میں ہے جب وہ تمہارے قریب آ جائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر بچا کر رکھنا[3] (بخاری)

وَحَدِيْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ

حضرت سعد کی حدیث جس کی ابتداء میں ہے

سَنَذْكُرُ فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِي بَابِ الْمُعْجِزَاتِ. إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى.

حتی تشغلونہ۔ ہم باب فضل الفقراء میں بیان کریں گے اور حضرت براء کی حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا۔ باب المعجزات میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالی۔

لہ ابو اسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر، بعض محدثین نے ہمزے پر زبر اور سین کے نیچے زیر پڑھی۔ پہلا طریقہ زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ انصاری صحابی ہیں۔ ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے۔

۲ہ جنگ کرنے کے لیے۔

۳ہ کہ تمہارے تیر ان تک پہنچیں۔ کثب: تین نقطوں والی ثا کے ساتھ (پہلے دونوں حرفوں پر زبر)، نزدیکی، اِکْثَاب نزدیک ہونا۔ اَکْثَبَہٗ اور کَثَبَہٗ اور بہٖ اس کے قریب ہونا۔ اَکْثَبُوْکُمْ اور کَثَبُوْکُمْ ہمزے کے ساتھ اور اس کے بغیر، دونوں طرح روایت ہے۔

۴ہ یعنی تمام تیر نہ چلا دینا بلکہ کچھ باقی رکھنا، اگر سب تیر ان پر برسا دو گے اور خالی ہاتھ رہ جاؤ گے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۳۶۹/۱۱ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: عَبَّانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بدر میں رات کے وقت سیٹ کیا۔ لہ

(ترمذی)

لہ یعنی ہماری جگہوں کو ترتیب دیا، صفوں کو درست کیا اور ہر شخص کو اس کے لائق اور مناسب جگہ متعین کیا۔ عَبَّأَ الْجَيْشَ اور عَبَّا بامشدد، ہمزے کے ساتھ اور اس کے بغیر لشکر کو تیار اور آمادہ کیا در بیر سل کی، قاموس میں ہے تعبیۂ جیش کا معنی ہے لشکر کو اس کے مقامات پر متعین کرنا۔

۳۷۰/۱۲ وَعَنِ الْمُهَلَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مہلّب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کافر تم پر شب خون

قَالَ اِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

اگر تم پر شب خون مارے تو چاہیے کہ تمہاری علامت حٰمٓ لا ینصرون ہو۔[1] (ترمذی، ابو داؤد)

[1] مطلب میم پر پیش، ہا پر زبر، لام مشدد پر زبر ان کی کنیت ابو سعید ہے۔ تابعی ہیں اور بصرہ کے تابعین کے پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمرؓ کی زیارت کی مگر ان سے روایت نہیں کی۔ صادق، دیندار، بہادر اور بابرکت شخصیت تھے۔ خراسان کے شہر مرو میں عبدالملک کے دور میں وصال ہوا۔ ان کی ولادت فتح مکہ کے سال ہے۔ اسی طرح جامع الاصول اور کاشف میں ہے۔

[2] تاکہ پہچان ہو جائے کہ مسلمان کون ہے اور کافر کون؟ لشکر کے سپاہیوں میں اس قسم کی علامت طے کر لی جاتی ہے تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو کہ یہ شخص کس جانب سے تعلق رکھتا ہے؟ خصوصاً شب خون کے موقع پر کہ اشتباہ زیادہ ہوتا ہے۔ حٰم اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور مطلب یہ ہے کہ خداوندا! کافروں کی مدد نہ کی جائے۔

$\frac{3771}{13}$ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَبْدُ اللّٰهِ وَشِعَارُ الْاَنْصَارِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین کی علامت کلمہ عبداللہ اور انصار کی نشانی کلمہ عبدالرحمن تھا۔ (ابوداؤد)

$\frac{3772}{14}$ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ زَمَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَا هُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ اَمِتْ اَمِتْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں حضرت ابوبکر کی معیت میں جنگ کی تو ہم نے کافروں پر شب خون مارا۔ اس حال میں کہ ہم انہیں قتل کر رہے تھے۔ اور اس رات ہمارا نشان اَمِت اَمِت[1] تھا۔ (ابوداؤد)

[1] مار دے، مار دے۔ اللہ تعالیٰ سے خطاب ہے یا قاتل سے۔

$\frac{3773}{15}$ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ

قیس بن عبادؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جنگ کے

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ.

وقت آواز کو ناپسند کرتے تھے ۲؎

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(ابو داؤد)

۱؎ قیس بن عبادہ عین پر پیش، با مخفف، کہتے ہیں عباد جہاں بھی آیا ہے اس کے پہلے حرف پر زبر اور دوسرا حرف شد دیا جاتا ہے، سوائے قیس بن عبادہ کے کہ اس کا پہلا حرف مضموم اور دوسرا مخفف ہے۔ بصرہ کے تابعین کے طبقۂ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تھوڑی حدیثیں روایت کی ہیں، ثقہ ہیں اور دعمل کے اعتبار سے بہترین صالحین میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ شیعہ تھے، حضرت علی کو خدا مانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے تھے۔ ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی۔ ابن اشعث کے ساتھ خروج کیا اور حجاج نے انہیں جبراً قتل کر دیا۔

۲؎ یعنی بلند آواز نکالنے کو، بطور فخر وغیرہ، جیسے کہ لڑائی کرنے والوں کی عادت ہے۔ اگر دشمن کو للکارنے اور خوفزدہ کرنے کے لیے آواز نکالتے ہیں۔ ۱۲ قاری) لیکن یہ ناپسندیدگی ذکر الٰہی کے ماسوا کے لیے تھی، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، اور یہ غالب احوال کے مطابق ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

۳۷۷۴/۱۶ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ اَیْ صِبْيَانَهُمْ.

حضرت سمرہ بن جندب ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مشرکین کے بوڑھوں ۲؎ کو قتل کرو اور ان کے بچوں ۳؎ کو زندہ رکھو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(ترمذی، ابو داؤد)

۱؎ سمرہ بن جندب، انصار کے حلیف اور بکثرت احادیث روایت کرنے والے صحابی ہیں۔

۲؎ اس سے وہ بوڑھے مراد ہیں جو طاقت ور ہوں، لڑائی کر سکتے ہوں اور جنگ کے بارے میں صاحب رائے و تدبیر ہوں۔

۳؎ شرخ شین پر زبر، را ساکن اور آخر میں نقطے والی خا، اس کی تفسیر بچوں کے ساتھ یا تو راوی نے کی ہے یا صاحب مصابیح نے۔ علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ شرخ کی تفسیر بچوں کے ساتھ اس لیے کی تا کہ یہ بوڑھوں کے مقابل ہو۔ لہٰذا شیوخ سے مراد طاقت ور اور جوان ہوں گے، اس لحاظ سے تقابل صحیح رہے گا۔ قاموس میں ہے کہ

شرخ، چڑھتی ہوئی جوانی ہے۔ اور یہ شارخ کی جمع ہے جس کا معنی جوان ہے۔ جیسے راکب اور اس کی جمع رکب۔ شرخ بھی جمع آتی ہے۔ نہایہ میں ہے شرخ، نئی جوانی اور اس کی قوت کو کہتے ہیں، صراح میں ہے شرخ جوانوں کو کہتے ہیں، شارخ کی جمع ہے، جوانی کی ابتداء، شروخ جمع۔ اپنے کے جوان ہونے کو بھی کہتے ہیں۔

۳۷۷۵/۱۷ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ أُسَامَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهِدَ إِلَيْهِ قَالَ أَغِرْ عَلٰی أُبْنٰی صَبَاحًا وَحَرِّقْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت اسامہ[1] رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا کہ اُبنٰی[2] پر صبح کے وقت حملہ کرو اور جلا دو[3]۔ (ابوداؤد)

[1] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔

[2] اُبنٰی ہمزہ پر پیش، با ساکن، آخر میں الف مکسورہ، شام میں عسقلان اور رملہ کے درمیان ایک جگہ کا نام۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے علاقوں پر حملہ کرنا اور جلانا جائز ہے۔

۳۷۷۶/۱۸ وَعَنْ أَبِیْ أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا أَكْثَبُوْا فَارْمُوْهُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوْفَ حَتّٰی يَغْشُوْكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو اسید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا: جب کافر تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر برسانا اور تلواریں میان سے نہ نکالنا[2] یہانتک کہ وہ تمہارے سر پر آجائیں[3]۔ (ابوداؤد)

[1] حضرت ابو اسید کا ذکر پہلی فصل کے آخر میں گزر چکا ہے۔

[2] تَسُلُّوْا تا پر زبر اور سین پر پیش، سَلّ سے مشتق ہے، کسی چیز مثلاً تلوار اور چھری کا نرمی کے ساتھ کھینچنا۔

[3] اتنے قریب آجائیں کہ تیر اندازی کی گنجائش نہ رہے۔

۳۷۷۷/۱۹ وَعَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِيْعِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت رباح بن ربیع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَاٰى النَّاسَ مُجْتَمِعِيْنَ عَلٰى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلٰى مَا اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيْلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ وَ عَلَى الْمُقَدَّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلْ اِمْرَاَةً وَّ لَا عَسِيْفًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کے ساتھ تھے آپ نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز پر جمع ہیں، آپ نے ایک صحابی کو بھیجا اور فرمایا۔ دیکھو یہ لوگ کس چیز پر جمع ہوئے ہیں؟ انہوں نے آکر عرض کی کہ ایک مقتول عورت، پر جمع ہیں آپ نے فرمایا، یہ جنگ تو نہیں کر سکتی تھی[۲] لشکر کے اگلے حصے پر حضرت خالد بن ولید[۳] مقرر تھے۔ آپ نے ایک صحابی کو بھیجا اور فرمایا: خالد کو کہو کہ کسی عورت کو قتل کرو اور نہ ہی کسی مزدور[۴] کو۔ (ابوداؤد)

[۱] حضرت رباح راء پر زبر، باء مخفف اور بے نقطہ حاء ابن الربیع، ربیع وہی لفظ ہے جس کا معنیٰ فصل بہار آتا ہے۔ بعض نے ربیعہ تاء کے ساتھ کہا ہے۔ زیادہ تر ربیع ہی آتا ہے بعض نے ان کا نام رباح بیان کیا ہے۔ راء کے نیچے زیر اور دو نقطے والی یاء کے ساتھ، صحابی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

[۲] اسے کیوں قتل کیا گیا ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ جواز قتل کی وجہ جنگ ہے، جیسے کہ احناف کا مذہب ہے۔ ۱۲ قادری)

[۳] مشہور صحابی (جن کا شہرۂ آفاق لقب سیف اللہ ہے۔ ۱۲ قادری)

[۴] جو اجرت لے کر خدمت کرتا ہے، شارحین نے کہا کہ وہ مزدور مراد ہے جو جنگ نہ کرتا ہو۔

$\frac{۳۷۷۸}{۲۰}$ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّ طِفْلًا صَغِيْرًا وَّلَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱] نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور رسول اللہ کے دین پر قائم رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ، کسی شیخ[۲] فانی، چھوٹے

امْرَاَۃً وَ لَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَکُمْ وَ اَصْلِحُوْا وَ اَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ
(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ اپنی غنیمتوں کو جمع کرو، آپس میں صلح کرو[۴] اور احسان کرو[۵] کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان[۶] کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔
(ابو داؤد)

[۱] غازیوں کو روانہ کرتے ہوئے۔

[۲] شیخ فانی وہ بوڑھا جس میں جنگ کرنے کی طاقت نہ رہی ہو اور فنا ہونے کے قریب ہو، فنا ختم ہو جانا۔

[۳] صراح میں ہے طفل انسانوں اور جانوروں کا نوزائیدہ بچہ۔

[۴] یعنی اگر مصلحت ہو تو کافروں کے ساتھ لڑائی جھگڑا ختم کرکے صلح کرلو (ظاہر یہ ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں صلح صفائی مراد ہے۔۱۲ فاری)

[۵] ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرو اور تمام نیک کام کرو۔

[۶] احسان، درحقیقت وہ ہے جو حدیث جبریل میں آیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ (حدیث)

۳۷۷۹/۲۱ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَۃُ بْنُ رَبِیْعَۃَ وَتَبِعَہٗ ابْنُہٗ وَ اَخُوْہُ فَنَادٰی مَنْ یُّبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَہٗ شَبَابٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَاَخْبَرُوْہُ فَقَالَ لَا حَاجَۃَ لَنَا فِیْکُمْ اِنَّمَا اَرَدْنَا بَنِیْ عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قُمْ یَا حَمْزَۃُ قُمْ یَا عَلِیُّ

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ[۱] آگے نکلا۔ اس کے پیچھے اس کا بیٹا[۲] اور بھائی[۳] آیا، ربیعہ نے کہا کون[۴] سامنے آئے گا؟ انصار کے نوجوانوں نے اسے جواب دیا[۵]۔ اس ملعون نے کہا تم کون ہو؟[۶] انصاری جوانوں نے اسے بتایا[۷] تو کہنے لگا ہمیں تمہاری حاجت نہیں ہے[۸]۔ ہماری مراد تو صرف ہمارے چچا کے بیٹے ہیں[۹]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمزہ تم اٹھو، علی تم اٹھو، عبیدہ بن حارث[۱۰]

قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ حَمْزَةُ إِلَى عُتْبَةَ وَأَقْبَلْتُ إِلَى شَيْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَالْوَلِيْدِ ضَرْبَتَانِ فَأَثْخَنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مِلْنَا عَلَى الْوَلِيْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُبَيْدَةَ ـ	تم اٹھو حضرت حمزہ عتبہ کی طرف متوجہ ہوئے[11] میں شیبہ کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت عبیدہ اور ولید کے درمیان تلوار کے دو واروں کا تبادلہ ہوا[11] اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقابل کو شدید زخمی کردیا[11]۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قتل کردیا، اور حضرت عبیدہ کو اٹھا لیا[11]۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)	(احمد، ابوداؤد)

سلہ عتبہ بن ربیعہ عین پر پیش، تا ساکن، مشرکوں کے سرداروں اور قریش کے بدبختوں میں سے ایک فرد تھا۔

سلہ ولید بن عتبہ۔

سلہ شیبہ بن ربیعہ

سلہ صف سے باہر آئے گا؟ تاکہ جنگ کرے۔

سلہ یعنی اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے باہر آئے۔ شباب شین پر زبر، اور باء مخفف، شابؒ یعنی جوان کی جمع۔

سلہ اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو۔

سلہ کہ ہم انصار ہیں۔

سلہ اور تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔

سلہ جو کہ قریش ہیں اور مہاجرین جو ہمارے رشتے دار اور قریبی ہیں۔

سلہ عبیدہ عین پر پیش اور باء پر زبر۔ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، عمر میں آپ سے بڑے اور قدیم الاسلام تھے۔ دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے۔ حارث بن عبدالمطلب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور آپ کے چچوں میں سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے۔

سلہ بعض روایات میں یہ اضافہ ہے فَقَتَلَهُ اور اسے قتل کردیا۔

۱۲؎ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ــــــ بعض روایات میں اس جگہ بھی یہ اضافہ ہے۔ فَقَتَلْتُهُ تو میں نے شیبہ کو قتل کر دیا۔

۱۳؎ سراح میں ہے اختلاف آنا جانا۔

۱۴؎ اِثْخَانٌ تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، زخم لگا کر کسی کو سست کرنا اور زخمی کرنے میں مبالغہ کرنا۔ (گہرا زخم لگانا)

۱۵؎ میدان جنگ سے حضرت عبیدہ جنگ بدر کے شہداء میں سے ہیں۔

۳۷۸۰ / ۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَاَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَاَنَا فِئَتُكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستے میں بھیجا، تو لوگوں نے گریز کی راہ اختیار کی ۱ پس ہم مدینہ منورہ آکر وہاں ۲ روپوش ہو گئے۔ اور کہا کہ ہم ہلاک ہو گئے ۳ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ۴ ہم راہ فرار اختیار کرنے والے ہیں، فرمایا بلکہ تم جنگ میں پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو ۵ اور میں تمہاری جماعت ہوں ۶

(ترمذی)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ نَحْوَهٗ وَقَالَ لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهٗ فَقَالَ اَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ابوداؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے فرمایا: نہیں! بلکہ تم حملے پر حملہ کرنے والے ہو ۷ ابن عمر فرماتے ہیں ہم قریب ہوئے اور آپ کے دست اقدس کو بوسہ دیا تو آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں کا گروہ ہوں ۸

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمَيَّةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثَ اَبِي الدَّرْدَاءِ اِبْغُوْنِيْ

ہم حضرت امیہ بن عبداللہ کی حدیث "كَانَ يَسْتَفْتِحُ" اور حضرت ابوالدرداء کی حدیث: اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ

فِيْ ضُعَفَآئِكُمْ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ان شاء اللہ تعالیٰ باب فضل الفقراء میں ذکر کریں گے۔ [۱۰]

[۱] شارحین نے اس جگہ دو احتمال بیان کیے ہیں۔

(۱) ناکس سے مسلمانوں کی یہی جماعت مراد ہو جو جہاد کے لیے گئی تھی اور راہِ فرار اختیار کرکے واپس آگئی تھی۔

(۲) دشمن مراد ہوں جنہوں نے مسلمانوں پر تند و تیز حملہ کیا، صراح میں ہے حَیْص، حُیُوص پلٹ جانا، راستے سے ایک طرف ہٹ جانا، اور قاموس میں ہے کہ حَیْص کا معنیٰ ہٹ جانا اور منع کرنا ہے۔ دوستوں کے لیے حَیْص استعمال کرتے ہیں اور دشمنوں کے لیے انہزام، لغت کے حوالوں سے پہلے معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

[۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کے سبب اور لوگوں سے شرمانے ہوئے۔

[۳] اور ہم گنہگار ہو گئے، کیونکہ ہم دشمنانِ دین کے سامنے سے بھاگ آئے ہیں۔

[۴] بطور معذرت اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے۔

[۵] اور اس میں مبالغہ کرنے والے ہیں۔

[۶] ان کی شرمندگی دور کرنے کے لیے فرمایا کہ تم حملے پر حملہ کرنے والے ہو جنہیں کرار کہا جاتا ہے، عکر کا معنیٰ ہے جنگ اور حملے کے لیے ایک طرف ہٹ جانا اور پلٹ جانا، یعنی اگر کوئی شخص اس نیت سے جنگ سے بھاگتا ہے کہ میں دوسرے لشکر تک پہنچ جاؤں اور اس سے مدد لے کر پھر جنگ کروں تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

[۷] اور تمہارے مددگار ہیں۔

[۸] اس روایت میں بل سے پہلے کلمہ لا زیادہ ہے۔

[۹] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا اپنی ذاتِ گرامی کو عظمت اور برکت کے اعتبار سے ایک جماعت قرار دیا، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً بے شک ابراہیم ایک جماعت تھے۔

[۱۰] مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اسی باب میں ذکر کی گئی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۱ ۳۷۸ / ۲۳ عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلٰى اَهْلِ الطَّآئِفِ۔

حضرت ثوبان بن یزید سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق [۱] نصب فرمائی۔

امام ترمذی نے یہ حدیث مرسلاً

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا) روایت کی۔[۲]

[۱] منجنیق جیم کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ قاموس میں زیر بیان کر کے کہا وہ آلہ جس کے ذریعے جنگ میں پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ اسے منجوق بھی کہتے ہیں۔ من چہ نیک (میں کتنا نیک ہوں) کو عربی بنایا گیا ہے۔

[۲] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثوبان بن یزید تابعی ہیں، لیکن ہمیں اسماء رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملا۔

بَابُ حُكْمِ الْأُسَرَاءِ

۲۹۰۔ قیدیوں کے حکم کا بیان

اُسَراء ہمزے پر پیش، سین پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، اَسِیر کی جمع، صراح میں ہے اَسْر تسمے سے باندھنا۔ اِسار پہلے حرف کے نیچے زیر، تسمہ، اَسْر اور اِسار کا معنی قیدی کو غلام بنانا بھی ہے، جمع ہے اُسَراء، اُسَارٰی اور اَسْرٰی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۷۸۲ / ۱ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ قَوْمٍ يُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُقَادُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو پابند سلاسل جنت میں لائے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے جو جنت کی طرف زنجیروں کے ساتھ کھینچے جاتے ہیں۔[۱]

(بخاری)

[۱] قود چارپائے وغیرہ کو آگے سے کھینچنا، سوق پیچھے سے چلانا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد

اس وقت فرمایا جب بدر کے قیدی زنجیروں میں لائے گئے، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عجیب عنایت دیکھو کہ انہیں زنجیروں کے ساتھ جنت کی طرف کھینچتا ہے۔ اور حقیقت میں شرعی تکلیفات (احکام) بھی زنجیروں کا حکم رکھتی ہیں کہ ان کے ساتھ بندوں کو جنت کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

۳۷۸۳ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ فِيْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوْهُ وَاقْتُلُوْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَنَفَّلَنِيْ سَلَبَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کر رہے تھے کہ اتنے میں مشرکین کا ایک جاسوس آپ کے پاس آیا اور آپ کے صحابۂ کرام کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا، پھر وہ پلٹ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تلاش کر کے قتل کر دو۔ میں[1] نے اسے قتل کر دیا۔ تو آپ نے اس کا سامان[2] مجھے عطا فرما دیا۔ (صحیحین)

[1] حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں۔

[2] کپڑے اور ہتھیار۔ نفل فا پر زبر، غنیمت، تنفیل غنیمت کا دینا، سَلَب پہلے دونوں حرفوں پر زبر، مقتول کے کپڑے اور ہتھیار جو اس سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

۳۷۸۴ وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ اَحْمَرَ فَاَنَاخَهٗ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِيْنَا ضَعْفَةٌ وَّرِقَّةٌ مِّنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ اِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَاَتٰى جَمَلَهٗ فَاَثَارَهٗ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ اَشْتَدُّ حَتّٰى اَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ

انہی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوازن[1] کی جنگ کے لیے نکلے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ[2] ہی کر رہے تھے کہ ایک شخص سرخ اونٹ پر سوار آیا۔ اونٹ کو[3] بٹھا کر وہ شخص دیکھنے لگا، ہم میں کمزوری اور سواریوں کی قلت تھی[4] ہمارے کچھ ساتھی پیدل تھے[5] اچانک وہ دوڑتا ہوا نکلا، اپنے اونٹ کے پاس آیا اور اسے اٹھایا، اونٹ اسے لے کر تیزی سے بھاگ پڑا، میں بھی

فَاَنَخْتُهٗ ثُمَّ اخْتَرَطْتُّ سَيْفِيْ فَضَرَبْتُ رَاْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ اَقُوْدُهٗ عَلَيْهِ رَحْلُهٗ وَسِلَاحُهٗ فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوْا ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ لَهٗ سَلَبُهٗ اَجْمَعُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	دوڑتا ہوا نکلا یہاں تک کہ میں نے اونٹ کی نکیل پکڑلی اور اسے بٹھا دیا، پھر میں نے تلوار نکال اور اس شخص کے سر پر وار کیا، پھر میں اونٹ کو اپنے پیچھے چلاتے ہوئے آیا۔ اس شخص کا سامان اور ہتھیار اونٹ پر لدے ہوئے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے میرا استقبال کیا، آپ نے فرمایا، اس شخص کو کس نے قتل کیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا سلمہ بن اکوع نے، آپ نے فرمایا اس کا سارا سامان اس کے لیے ہے۔[۹] (صحیحین)

[۱] ہوازن ہا پر زبر، زا کے نیچے زیر، قیس کا ایک قبیلہ ہے۔

[۲] بعض شارحین نے کہا کہ یہ معنیٰ ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاشت کی نماز ادا کر رہے تھے۔

[۳] اناخۃ اونٹ کو بٹھانا۔

[۴] جسمانی کمزوری اور پیدل ہونا وغیرہ۔ ضَعْفَۃٌ ضاد پر زبر، عین ساکن، بر وزن جلسۃ ایک قسم کی کمزوری ایک روایت میں عین پر زبر ہے، اس وقت یہ ضعیف کی جمع ہوگی، بعض نسخوں میں بغیر تا کے بھی آیا ہے (ضَعْفٌ کمزوری)

[۵] یعنی اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ ہمارے پاس سواریاں کم ہیں۔

[۶] جن کے پاس بالکل سواری نہ تھی۔

[۷] صحابہ کرام کے درمیان میں سے، تاکہ ہمارے دشمنوں کو جا کر اطلاع دے، یہ شخص جاسوس تھا اور جاسوسی کے لیے آیا تھا۔

[۸] خطام خا کے نیچے زیر، مہار، نکیل

[۹] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا جو جاسوس مسلمانوں میں آئے اسے قتل کرنا جائز ہے۔

۳۷۸۵ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ[۱] حضرت سعد بن معاذ[۲] کے حکم پر اترے، تو رسول اللہ

بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ فَجَاءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ قَالَ فَاِنِّىْ اَحْكُمُ اَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَ اَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِىْ رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللّٰهِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو پیغام بھیجا وہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲]: اٹھو اور اپنے سردار کی طرف جاؤ حضرت سعد آکر بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہارے حکم پر اترے ہیں[۱]۔ انہوں نے عرض کی میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجو[۳] قتل کیے جائیں اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ حضور نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ملک کی جگہ اسم جلالت (اللہ) کا ذکر ہے۔

(صحیحین)

[۱] یہودیوں کا ایک قبیلہ اپنے قلعے سے اترا۔

[۲] اکابر صحابہ اور مشاہیر انصار میں سے ہیں۔ قبیلہ اوس کے سردار تھے، بنو قریظہ اوس کے حلیف اور ان کی امان میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے بعد پچیس روز قریظہ کا محاصرہ کیا، پھر وہ حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر نیچے اتر آئے کہ جو کچھ وہ فیصلہ کریں گے ہمارے لیے قابل قبول ہوگا۔ اُن کا خیال تھا کہ جب ہم ان کے عہد و امان میں ہیں تو وہ ہماری رہائی کے لیے کوشش کریں گے۔

[۳] بنو قریظہ کو مخاطب کرتے ہوئے ——— مجلس میں آنے والے کے لیے جو حضرات کھڑے ہونے کے قائل ہیں جیسے کہ آج کل رواج اور معروف طریقہ ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قیام کا یہ حکم تعلیم و تکریم کے ارادے سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی تھے، غزوۂ خندق میں تیر ان کی ران میں لگا تھا۔ (معروف یہ ہے کہ ان کے بازو کی خون والی رگ میں تیر لگا تھا۔ ۱۲ حاشیہ) وہ از خود سواری سے اتر نہیں سکتے تھے اس لیے حکم دیا کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں اترنے میں مدد دو۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس بات کی تمہید ہو کہ حضرت سعد ان کے بارے میں جو حکم دیں گے وہ

اس کی اطاعت کریں گے۔

سکے کہ تم جو حکم کرو گے اسے قبول کریں گے۔

۵ یعنی وہ لوگ جو جنگ کے قابل ہیں۔

سے جو علی الاطلاق بادشاہ ہے۔ اس معنی کے مطابق مَلِک، لام کی زیر کے ساتھ ہے، اور اس کی تائید بعد والی روایت سے ہوتی ہے، ایک روایت میں لام پر زبر ہے، مَلَک فرشتے کو کہتے ہیں اور اس سے جبریل امین علیہ السلام مراد ہوں گے، یعنی یہ وہ حکم ہے جو جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ جب حضرت سعد کا وصال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی وفات پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش جھوم اٹھا ہے۔ رضی اللہ عنہ، پورا واقعہ کتب سیر میں مذکور ہے۔

۳۷۸۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ سَيِّدُ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجدؔ کی طرف بھیجے، وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص یمامہ سکہ والوں کے سردار کو پکڑ لائے، جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے نکلے اور فرمایا: ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ کے اس نے کہا اے محمد! میرے پاس بھلائی ہے۔ اگر آپ قتل کریں تو خون

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا سنت ہے جن احادیث میں تعظیمی قیام سے منع فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سردار بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں، یہی جمہور علماء کا مذہب ہے بعض نے کہا کہ یہ قیام تعظیمی نہ تھا بلکہ حضرت سعد بیمار تھے خود اتر نہ سکتے تھے۔ ان کی مدد کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ مگر یہ توجیہ کمزور ہے ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو انہیں اتارنے کے لیے بھیج دیا جاتا۔ سب کو یہ حکم نہ ہوتا، قُوْمُوْا جمع ہے۔ نیز پھر سَیِّدِکُمْ نہ فرمایا جاتا بلکہ مریضکم ارشاد ہوتا۔ سَیِّدِکُمْ فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام سرداری کی وجہ سے تھا نہ کہ بیماری کی وجہ سے، چونکہ قیام کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بھیجنا تھا۔ اس لیے اِلٰی ارشاد ہوا قیام تعظیمی کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ ۱۲ مرآۃ۔

فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ
فَقَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ
خَيْرٌ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا
دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى
شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ
الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا
شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى
كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهُ مَا
عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ
عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ
تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ
وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ
وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ
فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ
فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ
بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ
يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا
قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ
عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ
ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ
الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا
شِئْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

والے کو قتل کریں گے اور اگر احسان فرمائیں
تو شکرگزار پر احسان فرمائیں گے اور اگر
آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیں۔ آپ جتنا
مال چاہیں گے پیش کیا جائے گا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے
حال پر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ کل ہوا، تو
فرمایا: ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟ اس
نے کہا میرے پاس وہی ہے جو میں نے
آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ احسان فرمائیں
تو شکرگزار پر احسان فرمائیں گے اور اگر قتل
کریں تو آپ خون والے کو قتل کریں گے
اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیں
جتنا مال چاہیں گے پیش کر دیا جائے گا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے
اس کے حال پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ
پرسوں کا دن آگیا، آپ نے فرمایا ثمامہ
تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے
کہا میرے پاس وہی کچھ ہے جو میں نے
عرض کیا کہ اگر آپ احسان فرمائیں تو
احسان شناس پر کرم کریں گے۔ اگر
قتل کریں تو آپ خون والے کو قتل کریں گے
اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو طلب
کریں۔ آپ جتنا مال چاہیں گے پیش کیا
جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: ثمامہ کو رہا کر دو۔ چنانچہ وہ مسجد

اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰی
نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ
فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ
فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يَا مُحَمَّدُ
وَ اللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ
الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَيَّ
مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ اَصْبَحَ
وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا
اِلَيَّ وَ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ
دِيْنٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ
فَاَصْبَحَ دِيْنُكَ اَحَبَّ الدِّيْنِ
كُلِّهٖ اِلَيَّ وَ اللّٰهِ مَا كَانَ
مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ
بَلَدِكَ فَاَصْبَحَ بَلَدُكَ
اَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَ
اِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِيْ وَ اَنَا
اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى
فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَهٗ
اَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ
قَالَ لَهٗ قَائِلٌ اَصَبَوْتَ
فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اَسْلَمْتُ
مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

کے قریب کھجوروں کے درختوں کی طرف
گئے، غسل کیا[۲] پھر مسجد میں آکر کہنے لگے
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا
ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ
کے عبد کرم اور اس کے رسول ہیں اے
محمد! خدا کی قسم! میرے نزدیک روئے
زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے
زیادہ مبغوض نہیں تھا پس تحقیق اب
میرے نزدیک آپ کا چہرہ[۳] تمام چہروں
سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم!
میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین
سے زیادہ ناپسند نہ تھا۔ آج آپ کا
دین میرے لیے تمام دینوں سے زیادہ
محبوب ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک
کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ
نہیں تھا۔ آج آپ کا شہر میرے لیے
سب شہروں سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے[۴]
آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا
میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا پس آپ
کیا فرماتے ہیں[۵]؟ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری دی[۶] اور
انہیں عمرہ کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ
مکرمہ آئے تو کسی[۷] نے انہیں کہا: کیا تم
بے دین ہوگئے ہو[۸]؟ انہوں نے کہا نہیں[۹]

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَاللّٰهِ لَا تَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لایا ہوں ۱۰۔ خدا کی قسم! یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا یہاں تک کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ اخْتَصَرَهُ الْبُخَارِيُّ)

(مسلم) امام بخاری نے اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔

۱ نجد نون پر زبر جیم ساکن، اصل میں اس کا معنیٰ بلند زمین ہے، اس کے مقابل غور ہے جس کا معنیٰ پست جگہ ہے۔ نجد عرب کے کچھ شہروں کا نام ہے۔

۲ ایک قبیلے کا نام۔

۳ یمامہ یاء پر زبر، دونوں میم مخفف، یہ بھی کچھ شہروں کا نام ہے۔

۴ ثمامہ تین نقطوں والی ثاء پر پیش، دونوں میم مخفف بن اثال ہمزے پر پیش، تین نقطوں والی ثاء مخفف۔

۵ یعنی اس کے پاس تشریف لے گئے۔

۶ یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ کہ ہم تمہارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔

۷ یا یہ مطلب ہے کہ میرے پاس بہت مال ہے۔

۸ یعنی اس شخص کو قتل کریں گے جو قتل کیے جانے کا مستحق ہے، پس اس عبارت میں اپنے جرم اور اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے اور معذرت پیش کرتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا خون ساقط اور لغو نہیں ہے، اب اس میں اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں اپنی قوم کا سردار اور صاحب حیثیت شخص ہوں جس کا خون بے کار نہیں جائے گا، بلکہ میری قوم کے لوگ میرے خون کا دعویٰ کریں گے اور دشمنی پر کمربستہ ہو جائیں گے، بعض روایات میں ذا ذِمٍّ نقطے والے ذال کی زیر کے ساتھ یعنی آپ ذمہ دار صاحب عہد اور معزز آدمی کو قتل کریں گے جو کسی چیز کا عہد کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔

۹ اور اس سے تعرض نہیں فرمایا۔

۱۰ دوسرے دن بھی یہی فرمایا۔

ا ۱؎ تین دن تک یہ گفتگو جاری رہی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن میں تصرف فرمایا۔

۱۲؎ اس جگہ کے کنوئیں کے پانی سے۔

۱۳؎ چہرے سے مراد ذات ہے، چونکہ ایک دوسرے کا آمنا سامنا چہرے ہی سے ہوتا اور دوستی و دشمنی کا اثر اسی میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے ذات کو چہرے سے تعبیر کر دیا گیا۔

۱۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے، یہاں تک کہ محبوب کا علاقہ اور اس کے شہر بھی محبوب ہوتے ہیں، شعر ؎

وَمِنْ مَذْهَبِي حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا وَلِلنَّاسِ فِي مَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

میرا مذہب یہ ہے کہ شہروں سے ان کے باشندوں کے سبب محبت رکھتا ہوں۔ اور محبوب کے بارے میں لوگوں کے مختلف مذاہب ہیں۔

۱۵؎ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا میں جاؤں اور عمرہ ادا کروں؟

۱۶؎ خیر و برکت اور سلامتی کی۔

۱۷؎ مکہ مکرمہ کے مشرکین میں سے۔

۱۸؎ کیا تم ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں چلے گئے ہو؟ یا یہ مطلب ہے کہ دین حق کو چھوڑ کر دین باطل اختیار کر لیا ہے۔ صبوت کا معنیٰ اصل میں میلان اور ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکلنا ہے جو شخص اسلام قبول کر لیتا مشرکین اسے صابی کہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس بنا پر صابی کہتے تھے کہ آپ نے (ان کے خیال میں) آباء و اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کیا ہے۔

۱۹؎ دین حق سے دین باطل کی طرف منتقل نہیں ہوا (بلکہ میں پہلے بے دین تھا اب مجھے دین و ایمان نصیب ہوا ہے۔ ۱۲ قادری)

۲۰؎ اور دین حق، دین اسلام میں آیا ہوں اور دین یہی ہے، جسے تم دین سمجھتے ہو وہ دین نہیں ہے (بے دینی ہے ۱۲ ق)

۲۱؎ امام مسلم نے یہ حدیث اس تفصیل اور طوالت کے ساتھ روایت کی ہے۔

۳۷۸۶ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ	حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں ؎ کے بارے میں فرمایا۔ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر ان پلیدوں کے بارے

حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

میں ہم سے بات کرتا[۴] تو ہم اس کے لیے انہیں چھوڑ دیتے[۵] (بخاری)

[۱] جبیر بن مطعم میم پر پیش، طاء ساکن، عین کے نیچے زیر ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف، حضرت جبیر کی کنیت ابو محمد ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، بعض نے کہا کہ خیبر کے سال اور بعض نے کہا فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے، حضرت جبیر رضی اللہ عنہ رؤسائے قریش میں سے تھے سردار، صاحب علم، باوقار اور علم انساب اور ایام عرب کے عالم تھے، اس علم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ۵۴ھ میں ان کا وصال ہوا۔ مشہور قول کے مطابق انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث حالت کفر میں سنی اور حالت اسلام میں روایت کی۔

[۲] مجازی طور پر قیدیوں سے مراد عام معنیٰ ہے جو قیدیوں اور مقتولوں کو شامل ہے، یہ مشاکلت کے طریقے کے قریب ہے لہٰذا یہ سوال نہیں ہوگا کہ قیدیوں کی تعداد ستر تھی اور انہیں مطعم کی سفارش کے بغیر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور جو مقتول تھے اگر ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا تو وہ قیدی نہیں تھے، اور وہ جو کہتے ہیں کہ یہ قول قیدیوں کے بارے میں تھا اور مطلب یہ ہے کہ انہیں صحابہ کرام سے گفتگو کے بغیر ابتداءً بغیر کسی تردد کے چھوڑ دیا جاتا بعید ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ ہم انہیں چھوڑ دیتے، یہ ارشاد مقتولوں کے بارے میں ہے۔ الفاظ حدیث اور لفظ نتنٰی (پلیدوں) کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ کفر کے اعتبار سے پلید مراد لینے کا بھی احتمال ہے۔

[۳] حضرت جبیر کا والد۔

[۴] اور ان پلیدوں کے بارے میں ہم سے سفارش کرتا۔

[۵] اور انہیں اس کی خاطر قتل نہ کرتے۔ نتنٰی دونوں نونوں پر زبر، اور تاء ساکن نتن تاء کے نیچے زیر، کی جمع ہے، گندہ ہونا، ان کا گندے ہونا یا تو ان کے کفر کے اعتبار سے ہے۔ یا اس بنا پر کہ ان کے جسموں کی طرف اشارہ ہے جو گندے ہو چکے تھے۔

مطعم بن عدی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا اور وہ یہ کہ جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تو اس نے آپ سے مشرکوں کو دفع کیا تھا، یا یہ ارشاد حضرت جبیر کو اسلام کی طرف رغبت دلانے اور ان کی تالیف قلب کے لیے فرمایا۔ حدیث میں بہترین انداز میں بدلہ دیا گیا ہے تاکہ مشرک کا آپ پر احسان نہ رہے۔ نیز مشرکین کے قتل کو غیر اہم قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ انہیں گندے اور پلید کہنے سے معلوم ہوا کہ الفاظ سے مشرک کی توہین جائز ہے۔

۳۷۸۸ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سَلَمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَعْتَقَهُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی مرد تنعیم کے پہاڑ[1] سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے، وہ مسلح تھے، ان کا ارادہ یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی بے خبری سے فائدہ اٹھائیں[2]۔ آپ نے انہیں زندہ سلامت پکڑ لیا[3]، اور انہیں زندہ رہنے دیا، اور ایک روایت میں ہے پس انہیں آزاد کر دیا[4] تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: خدا وہی ہے جس نے بطن[5] مکہ میں ان کے ہاتھوں[6] کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا[7]۔ (مسلم)

[1] جبل تنعیم، مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مشہور جگہ ہے، جہاں سے لوگ عمرہ کرتے ہیں۔

[2] اور انہیں تکلیف دیں۔ غرۃ نقطے والی غین کے نیچے زیر اور راء مشدد، غفلت، فریب۔

[3] اس حال میں کہ وہ صلح کی بنا پر مطیع (فرمانبردار) اور ذلیل وخوار تھے، سَلَمًا سین اور لام پر زبر، اطاعت و فرمانبرداری کا قبول کرنا ایک روایت میں سین کے نیچے زیر اور لام ساکن ہے۔ اس کا معنیٰ صلح ہے۔ ابن اثیر نے کہا کہ پہلا معنیٰ واقعہ کے زیادہ مناسب اور لائق ہے، کیونکہ وہ لوگ بطور صلح گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ غلبے اور زبردستی کی بنا پر پکڑے گئے تھے، پھر انہوں نے بے بسی اور بے چارگی کی بنا پر اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا، دوسرے معنیٰ کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ جب یہ لوگ عاجز آ گئے اور غلامی پر راضی ہو گئے تو گویا انہوں نے اس پر صلح کر لی، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا اور آخر میں یہی صلح کا سبب بنا۔

[4] اور قتل نہ کیا، گویا انہیں غلام بنا لیا پھر آزاد فرما دیا۔

[5] مکہ مکرمہ کے درمیان اور اس کے آس پاس۔

[6] اور ان کی طاقتوں کو روک دیا کہ وہ تم سے تعرض کریں اور تمہیں تکلیف پہنچائیں۔

[7] کہ تم انہیں قتل کر دو۔

۳۷۸۹ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوا فِي طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيثٍ مُخْبِثٍ وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشَى وَاتَّبَعَهُ أَصْحَابُهُ حَتَّى قَامَ عَلَى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم دیا تو انہیں بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور پلید کنوئیں میں ڈال دیا گیا، اور حضور انور جب کسی قوم پر غالب آتے تو میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے۔ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ نے اپنی سواری کے بارے میں حکم دیا۔ اس پر پالان باندھا گیا، پھر آپ چلے اور آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے چلے، یہاں تک کہ آپ کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور مُردوں کو ان کے اور ان کے آباء و اجداد کے ناموں سے پکارنے لگے: اے فلاں ابن فلاں! اور اے فلاں ابن فلاں! کیا تمہیں اب یہ بات اچھی لگتی ہے؟ کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ پس بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا، تو کیا تم نے بھی وہ حق پایا؟ جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ان بے جان جسموں سے کیا گفتگو فرما رہے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی

مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جس کے قبضے میں محمد مصطفیٰ کی جان ہے تم میری گفتگو کو ان سے زیادہ نہیں سنتے اور ایک روایت میں ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

(صحیحین)

وَ زَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَّ تَصْغِيْرًا وَّ نِقْمَةً وَّ حَسْرَةً وَّ نَدَمًا.

امام بخاری نے اضافہ کیا کہ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا یہاں تک کہ زجر، تحقیر، انتقام، حسرت اور ندامت کے لیے حضور کا فرمان انہیں سنایا۔

۱ حضرت قتادہ مشہور تابعی ہیں۔

۲ حضرت ابو طلحہ، حضرت انس کی والدہ کے شوہر۔

۳ صناوید جمع صندید کی صاد کے نیچے زیر، سردار اور قوم کا بڑا آدمی، مطر صندید بڑے چھینٹوں والی بارش سخت اور تیز ہوا اور بارش کو صندید کہتے ہیں۔

۴ طوی طاء پر زبر، واؤ کے نیچے زیر، یاء مشدد، وہ کنواں جس کے اردگرد پتھر لگائے گئے ہوں۔ مُخبث میم پر پیش، خاء ساکن، پلید کرنے والا کنواں۔ علامہ طیبی نے خبیث مُخبث کا معنیٰ فاسد اور فاسد کرنے والا بیان کیا ہے۔ اس کنوئیں میں یہ صفت یا تو زمانۂ قدیم سے تھی کہ لوگ اس میں مردار اور غلاظتیں پھینکتے تھے یا اس لیے وہ کنواں اس صفت کا حامل ہو گیا کہ ان پلیدوں کی لاشیں اس میں ڈال دی گئی تھیں۔

۵ عرصہ عین پر زبر، راء ساکن، ہر وہ فراخ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو، اس جگہ میدان جنگ مراد ہے۔

۶ رکی راء پر زبر اور یاء مشدد، کنواں۔ جیسے کہ طویٰ کا یہی معنیٰ ہے۔ ایک روایت میں عَلَى قَلِيْبِ بَدْرٍ آیا ہے۔ قلیب کا معنیٰ بھی کنواں ہے۔ جس کی تعمیر نہ کی گئی ہو۔ طویٰ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی تعمیر کی گئی ہو۔ اس اعتبار سے دونوں روایتوں میں منافات لازم آئے گی، طویٰ مطلق کنوئیں کو بھی کہتے ہیں لہٰذا منافات نہیں ہے ۱۲ قادری)

۷ اور ان پر ایمان لائے ہوتے۔

۸ یعنی اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ دین اسلام حق ہے اور جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا تھا وہ حق ہے۔

۹ے یعنی یہ مردے ہیں اور سنتے نہیں ہیں، ان سے گفتگو کیسی؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟
۱۰ے یعنی یہ تم سے زیادہ سننے والے ہیں یا تمہارے برابر ہیں۔
۱۱ے مردوں سے گفتگو کو بعید جاننے اور ان کے سننے کا انکار کرنے کا جواب دیتے ہوئے۔
۱۲ے یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح اور امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کا سننا ثابت ہے اور جس چیز کے ساتھ انہیں خطاب کیا جائے اس کا انہیں علم حاصل ہوتا ہے اسی طرح امام مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے مدفون حضرات کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے انہیں مخاطب کر کے سلام کیا اور فرمایا: اے مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو تمہیں وہ چیز پہنچی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، کیونکہ جو شخص سنتا اور سمجھتا نہیں ہے اس کے ساتھ خطاب معقول نہیں ہے۔ ایسا فعل بے فائدہ شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی مکہ مکرمہ میں واقع قبر کی زیارت کرتیں تو انہیں مخاطب کر کے کہتیں کہ اگر میں تمہاری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تمہیں اسی جگہ دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی۔ اگر میں اس وقت حاضر ہوتی تو اب تمہاری زیارت نہ کرتی۔ جیسے کہ باب زیارۃ القبور میں گزرا۔
علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اکثر مشائخ اس کے قائل ہیں کہ مردہ نہیں سنتا، انہوں نے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر اس کی وفات کے بعد اس سے گفتگو کی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ قسم اس شخص کے بارے میں منعقد ہوتی ہے جو سمجھنے کی قابلیت اور حیثیت رکھتا ہے اور مردہ اس طرح نہیں ہے۔
مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ مردہ، لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس جماعت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سننا اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ یہ سوال و جواب کے لیے تیاری ہے، حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے ظاہر حدیث یہ ہے کہ مردے کو یہ حالت قبر میں حاصل ہے، اس باب میں ذکر کی گئی حدیث جو اس جماعت کے مذہب کے خلاف نص ہے کبھی تو اس جماعت نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور آپ کا معجزہ ہے، کافروں کی حسرت میں اضافہ کرنے کے لیے، مخفی نہ رہے کہ حدیث کو اس مطلب پر محمول کرنا محض احتمال ہے اور ایسی تاویل ہے جس پر اس وقت تک محمول نہیں کر سکتے جب تک کہ سننے کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سنانے پر قادر ہے اور حواس کا علم کے لیے سبب ہونا امر

عادی اور محض اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے، جیسے کہ کتب مذہب میں ثابت ہو چکا۔
اور کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ گفتگو بطور مثال ہے حقیقت کلام مراد نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے زیادہ بعید اور زیادہ کمزور ہے۔ باقی رہی قسمیں تو ان کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے نہ کہ حقیقت پر، فافہم۔
اس جماعت کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روایت کو رد کیا ہے، جب انہوں نے یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تو کہنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کس طرح فرما سکتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ اے حبیب! تم مردوں کو نہیں سناتے، اور تم ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، اسی طرح علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اب تم جانتے ہو کہ جو کچھ ہم کہتے تھے حق ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ حضرت عمر کو وہم ہوا جس کی بنا پر انہوں نے جاننے کی بجائے سننے کا ذکر کر دیا۔
خلاصہ یہ کہ حضرت عائشہ نے مردوں کے سننے کا انکار کیا اور قرآن پاک کی مذکورہ دو آیتوں سے استدلال کیا، لیکن علماء نے حضرت عائشہ کے ارشاد اور ان کے قرآن پاک سے استدلال کا جواب دیا ہے اور حضرت عائشہ کے اس ارشاد کو قبول نہیں کیا۔

مواہب لدنیہ میں اسماعیلی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ کو فہم و ذکا، کثرت روایت اور علوم غامضہ میں غور و خوض میں وہ مقام حاصل تھا کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہے لیکن کسی ثقہ شخصیت کی روایت کو اس وقت تک رد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی نص اس کی مثل پیش نہ کی جاتے جو اس روایت کے منسوخ، یا مخصوص یا محال ہونے پر دلالت کرے، قرآن پاک کی آیت سے مراد یہ ہے کہ اے حبیب! تم نہیں سناتے بلکہ اللہ تعالیٰ سناتا ہے نیز مَوْتٰى اور مَنْ فِى الْقُبُوْرِ سے مراد کافر ہیں اور سماع کی نفی سے مراد حق کو قبول نہ کرنا ہے (مطلب یہ ہوا کہ اے حبیب! حق کو قبول کرانا تمہارا کام نہیں ہے۔ ۱۲ ق)
اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت کافروں کو ایمان کی دعوت دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے بارے میں وارد ہوئی، اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ موتیٰ سے مراد مردہ دل لوگ ہیں، اور قبور سے مراد ان کے اجسام ہیں جن میں ان کے مرے ہوئے دل پڑے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے مغازی میں سند جید سے اور امام احمد بن حنبل نے بھی سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہ سے حضرت عمر کی حدیث جیسی حدیث روایت کی ہے۔ گویا حضرت عائشہ نے انکار

سے رجوع کر لیا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک اکابر صحابہ کی روایت ثابت ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ خود اس واقعہ میں حاضر نہیں تھیں۔ شروح بخاری میں بھی ایسا ہی کلام واقع ہوا ہے۔

علماء کی وہ جماعت جو سماع موتی کی قائل ہے انہوں نے حضرت قتادہ کے قول سے استدلال کیا ہے جو حدیث کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ اس قول کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کو قبروں میں زندگی کی ایک قسم اور ایک حالت عطا کی جاتی ہے جس سے سماع حاصل ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ کے اس قول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہیں ہے کہ یہ سماع بطور معجزہ واقع ہوا ہو، اور نہ ہی ان مردوں کی تخصیص ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ حالت تمام مردوں میں پیدا کر دے خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو اور کسی بھی زمانے سے تعلق رکھتا ہو، خوب اچھی طرح غور و فکر کیجئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اس جگہ ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ فرض کیجئے ہم سماع سے تنزل کرتے ہیں، کیونکہ سننا حس سامعہ سے ہوتا ہے اور بدن کی خرابی کی وجہ سے قوت سامعہ بھی خراب ہو جاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ سننے کی نفی سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ علم روح کی صفت ہے اور روح باقی ہے، لہٰذا دیکھی اور سنی جانے والی چیزوں کا علم ہوگا لیکن دیکھنے اور سننے سے نہیں ہوگا، جیسے کہ بعض متکلمین نے اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کی تاویل، سنی اور دیکھی جانے والی چیزوں کے علم سے کی ہے، اور بتحقیق اخبار و آثار سے ثابت ہے کہ مردے، زیارت کرنے والوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں، یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جمعہ کے دن زیارت زیادہ محبوب ہے، کیونکہ اس دن میت کا علم زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے اور زائرین کے حالات ان پر زیادہ ظاہر اور واضح ہوتے ہیں۔ نیز مردوں کو آخرت اور برزخ میں علم کے حاصل ہونے اور دین اسلام کی حقانیت کا علم حاصل ہونے میں شک نہیں ہے۔ جیسے کہ ام المومنین عائشہ نے فرمایا اور حدیث کی مراد میں یہ متفق علیہ امر ہے، پس دنیا اور احوال دنیا کا علم بھی ممکن ہے۔ اور جب روح باقی ہے تو اس علم کے زائل ہو جانے اور بھول جانے پر کیا دلیل ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کفار، دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریں گے، یہ بھی آیا ہے جب میت، منکر نکیر کے سوال کا جواب خیر سے دے دے گا اور راحت پائے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! کوئی ہوتا جو میرے گھر والوں کو خبر دیتا کہ میں راحت میں ہوں اور خوش ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کتاب و سنت ایسی چیزوں سے پُر ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ مردوں کو دنیا اور دنیا والوں کا علم ہوتا ہے، پس اس کا انکار وہی کرے گا جو احادیث سے جاہل ہو اور دین کا منکر ہو۔ میں نے بیان کر دیا اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اہل قبور سے استمداد کا بعض فقہاء نے انکار کیا ہے۔ ان کا انکار اگر اس بناء پر ہے کہ اہل قبور کو زائرین اور ان کے

احوال کا علم نہیں ہے اور وہ ان کی بات نہیں سنتے تو اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے اور اگر انکار اس بنا پر ہے کہ اہل قبور کو اس جگہ قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ امداد کریں، بلکہ وہ قید ہیں۔ انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ لاحق ہونے والی محنت اور سختی میں مصروف ہیں جس نے انہیں دوسروں سے روک رکھا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے خصوصاً متقین جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کی روحوں کو برزخ میں، قرب اور قدر و منزلت حاصل ہو جائے اور ان کا وسیلہ پکڑنے والے زائرین کی حاجتوں کی طلب، دعا اور شفاعت کی قدرت مل جائے، جیسے کو قیامت کے دن ہوگا، اس کی نفی پر کونسی دلیل ہے؟

علامہ بیضاوی نے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا الآیہ کی تفسیر بدن سے جدا ہوتے وقت نفوس فاضلہ کی صفات کے ساتھ کی ہے کہ انہیں جسموں سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور وہ خوشی خوشی عالم ملکوت کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہاں سیر کرتے ہیں اور حظائر قدس کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ پس وہ شرافت اور قوت میں مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں۔

کاش مجھے یہی علم ہوتا کہ یہ فرقہ جس استمداد اور امداد کا انکار کرتا ہے۔ اس سے مراد کیا ہے؟ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج اور فقیر دعا کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور بارگاہ عزت و بے نیازی سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب اور معظم اس ہستی کی روحانیت کو وسیلہ بناتا ہے اور کہتا ہے خداوندا! اس بندۂ کرم کی برکت سے جس پر تو نے رحمت اور سرفرازی کچھاور فرمائی ہے اور تیرا خاص لطف و کرم اس کی طرف مبذول ہے۔ میری حاجت بر لا کہ تو کریم حاجت روا ہے۔ یا اس بندۂ مکرم کو ندا کرتا ہے اے بندۂ خدا! اور اے اللہ تعالیٰ کے ولی میری سفارش کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میرا مقصد و مدعا پورا فرمائے اور میری حاجت بر لائیے، پس عطا فرمانے والا، اور جس سے سوال اور امید ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے۔ قادر، فاعل اور وجود میں تصرف فرمانے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فعل، اس کی قدرت اور اس کے غلبے کے سامنے فانی اور عاجز ہیں، ان کے لیے فعل، قدرت اور تصرف نہ اب ثابت ہے جب کہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ ہی اس وقت ثابت تھا جب وہ دنیا میں زندہ تھے۔ امداد و استمداد اس معنیٰ کے لحاظ سے جو ہم نے ذکر کیا اگر موجب شرک اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا سبب ہے۔ جیسے کہ منکر گمان کرتا ہے تو چاہیے کہ صالحین اور اولیاء اللہ کی حیات ظاہری میں بھی ان سے توسل اور ان سے دعا کی درخواست ممنوع ہو، حالانکہ یہ ممنوع نہیں ہے بالاتفاق مستحب اور مستحسن ہے بلکہ دین میں شائع اور متعارف ہے اور اگر کہیں کہ یہ حضرات وفات کے بعد معزول ہو گئے ہیں اور اس حالت اور کرامت سے باہر جا چکے ہیں جو انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی تو ہم پوچھتے ہیں اس پر کیا دلیل ہے۔ اور اگر کہیں کہ وفات کے بعد لاحق ہونے والی آفات

کے سبب انہیں روک دیا گیا ہے اور وہ ان آفات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ یہ مشغولیت قیامت کے دن تک مسلسل جاری رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مخلوق کی طرف توجہ ہمیشہ نہ ہو اور استمداد کا فائدہ عام نہ ہو، بلکہ ممکن ہے کہ بعض حضرات عالم قدس کی طرف منہمک ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف ان کی محویت کا یہ عالم ہو کہ نہ تو ان کی توجہ دنیا کی طرف ہو اور نہ ہی انہیں احساس ہو، اور وہ دنیا میں کوئی تصرف اور تدبیر بھی نہ کر سکتے ہوں، جیسے کہ اس جہان میں بھی مجذوبوں اور اصحاب ہوش کے حال کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

ہاں اگر زائرین کا یہ عقیدہ ہو کہ اہل قبور مستقل طور پر متصرف اور قادر ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے درخواست کرنے کی حاجت نہیں ہے، جیسے جاہل اور غافل عوام عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو دین میں حرام اور ممنوع ہیں مثلاً قبر کو بوسہ دینا، اسے سجدہ کرنا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا وغیرہ ایسے امور جن سے منع کیا گیا ہے اور ڈرایا گیا ہے۔ تو یہ عقیدہ اور یہ افعال ممنوع اور حرام ہوں گے، عوام کا فعل لائق اعتبار نہیں ہے بلکہ بحث ہی سے خارج ہے۔ حاشا وکلا کہ شریعت کا عالم اور احکام دین کی خبر رکھنے والا ایسا عقیدہ رکھے اور ایسا کام کرے۔

کاملین کی ارواح سے اہل کشف مشائخ کی استمداد اور استفادہ کی روایات بے شمار ہیں اور ان کی کتابوں اور رسائل میں مذکور ہیں اور ان میں مشہور و معروف ہیں۔ ہمیں ان کے ذکر کی حاجت نہیں ہے، ہو سکتا ہے بزرگان دین کے کلمات متعصب منکر کو فائدہ نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محرومی سے بچائے، اس جگہ گفتگو علم اور شریعت کی بنا پر ہے ہاں! زیارت قبور کے بارے میں مروی اور مسنون یہ ہے کہ اہل قبور کو سلام کہا جائے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور قرآن پاک کی تلاوت کی جائے لیکن اس جگہ استمداد سے ممانعت نہیں ہے۔ بس زیارت، اہل قبور کی امداد اور ان سے استمداد کے لیے دونوں طرح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں زائرین اور جن کی زیارت کی جاتی ہے دونوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔

یاد رہے کہ اختلاف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ میں ہے، کیونکہ انبیاء کرام زندہ ہیں۔ حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ اور اولیاء زندہ ہیں آخروی اور معنوی زندگی کے ساتھ، اس جگہ کلام طویل ہو گیا، کچھ عرصہ سے ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو ان اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کا منکر ہے جو دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خوشحال اور رزق دیے جاتے ہیں لیکن لوگوں کو شعور نہیں ہے، منکرین، ان حضرات کی طرف توجہ کرنے والوں کو شرک اور بت پرست جانتے ہیں اور جو ان کی زبان پر آتا ہے کہتے ہیں بعرصہ دراز سے اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل میرے دل میں تھی، آج توفیق الٰہی نے اس کے بیان کرنے میں یاوری کی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے

بخشنے کی ہمت عطا فرما۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم

۳۷۰۹/۹ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَاِمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ جَاءُوْا تَائِبِيْنَ وَاِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُّطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے جب ہوازن کا وفد اسلام لاکر حاضر ہوا، انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے اموال اور قیدی ہمیں واپس کیے جائیں، آپ نے فرمایا: دونوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو، قیدی یا مال، انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی تعریف اس چیز سے کی جو اس کے لائق ہے، پھر فرمایا، حمد وثنا کے بعد: تمہارے بھائی تائب ہوکر آئے ہیں اور ہماری رائے یہ ہے کہ ہم ان کے قیدی انہیں واپس کردیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص پسند کرتا ہے کہ خوش دلی سے ایسا کرے تو وہ اس طرح کرے اور تم میں سے جو شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے حصے پر رہے یہاں تک کہ ہم اسے اس پہلے مال میں سے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرماتے تو وہ یہ طریقہ اختیار کرے، صحابۂ کرام نے عرض کی ہم خوش دلی سے یہ کام کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی؟ تم واپس جاؤ، حتی کہ تمہارے

إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نمائندے ہمارے سامنے معاملہ پیش کریں[۳] چنانچہ صحابہ کرام لوٹ گئے، اور ان کے نمائندوں نے ان سے گفتگو کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکے اور عرض کی کہ صحابہ کرام نے خوشی دلی سے اجازت دے دی ہے[۴]

(بخاری)

[۱] مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ہجرت کے دوسرے سال، اور بعض نے کہا جنگ خندق کے سال۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کو مدینہ بدر کر کے طائف کی طرف بھیج دیا تھا، وہ حضرت عثمان بن عفان کی خلافت تک وہیں رہا، جب حضرت عثمان کی خلافت کا دور آیا تو مدینہ منورہ آگیا۔ مروان بھی اپنے والد کے ہمراہ آیا اور ۶۵ھ میں وفات پائی، کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ سے حدیث سنی۔ اُن سے حضرت عروہ بن زبیر اور امام جلیل حضرت زین العابدین علی بن حسین نے حدیث سنی اور یہ امر غریب ہے۔ یزید یا اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا اور باقی احوال اپنی جگہ مذکور ہیں۔

[۲] مسور میم کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین ساکن بن مخرمہ میم پر زبر، نقطے والی خاء ساکن اور راء پر زبر، قریشی زہری حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور کم عمر صحابی ہیں۔ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ کے ارشادات سنے اور انہیں یاد رکھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک وہیں رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے [illegible] کی حکومت تک وہیں رہے لیکن اس کی بیعت نہیں کی، حضرت ابن زبیر کے واقعہ شہادت میں آپ حطیم میں نماز [illegible] رہے تھے کہ ایک پتھر آکر آپ کو لگا اور آپ شہید ہوگئے۔ ان سے حضرت عروہ اور امام زین العابدین وغیرہما نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو مروان اور حضرت مسور دونوں نے روایت کیا ہے۔

[۳] اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

۵۴ ہوازن ایک قبیلے کا نام ہے، غزوہ ہوازن جسے غزوہ حنین بھی کہتے ہیں، فتح مکہ کے بعد تھا اور اس میں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔

۵۵ طائفہ کسی چیز کے حصے کو کہتے ہیں خواہ وہ جان ہو یا مال، انسان ہوں یا اس کے علاوہ۔

۵۶ جو ہمیں مال سے زیادہ عزیز ہیں۔

۵۷ جیسے کہ خطبے میں حمد و ثنا کرتے ہیں۔

۵۸ یعنی ہوازن، انہیں مسلمان ہونے کی بنا پر نیز ان پر رحم اور شفقت کی اپیل کرنے کے لیے بھائی فرمایا۔

۵۹ معاوضے کے بغیر۔

۶۰ یعنی جو قیدی اس کے حصے میں آئے ہیں انہیں معاوضے کے بغیر واپس نہ کرے۔

۶۱ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پابند نہیں فرمایا کہ بغیر معاوضے کے اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں، بلکہ انہیں اختیار دیا، یہ نرمی، رعایتِ حقوق اور صحابہ کرام کے امتحان کے زیادہ لائق ہے۔

۶۲ یعنی اجازت دینے والے اور نہ دینے والے ہم پر مشتبہ ہو جائیں گے۔

۶۳ رفع قضیہ کا معنیٰ ہے کسی واقعہ کو والی اور حاکم کے سامنے پیش کرنا عرفاء جمع ہے عارف اور عریف کی، پہچاننے والا، قوم کا کارگزار اور رئیس۔

۶۴ کہ ہوازن کے قیدی ان کے حوالے کر دیے جائیں۔

۳۷۹۱ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ[۱] قَالَ كَانَ ثَقِيفُ حَلِيفًا لِبَنِي عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ فَأَوْثَقُوهُ فَطَرَحُوهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ

حضرت عمران بن حصین[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثقیف[۲] بنی عقیل کے حلیف تھے، ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل کے ایک مرد کو گرفتار کر لیا[۳] اور باندھ کر تپتی ہوئی سنگلاخ زمین[۴] میں ڈال دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے پکارا، اے محمد! اے محمد! مجھے کس جرم میں پکڑا گیا ہے؟ فرمایا، تمہارے حلیف، ثقیف کے جرم کے سبب[۵]، پس آپ نے اسے وہیں چھوڑا اور

يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ! فِيمَ أُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيفٍ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذَيْنِ أَسَرَتْهُمَا ثَقِيفٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگے بڑھ گئے۔ اس نے پھر پکارا اے محمد! اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہربانی فرمائی اور واپس تشریف لا کر فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ فرمایا: اگر تم نے یہ بات اس وقت کہی ہوتی جب تم اپنے معاملے کے مالک تھے تو مکمل کامیابی حاصل کرتے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دو مردوں کے بدلے فدیہ دے دیا جنہیں ثقیف نے قید کر رکھا تھا۔

(مسلم)

۱۔ عمران بن حصین حا پر پیش، صاد پر زبر دونوں بے نقطہ، مشہور صحابی ہیں۔

۲۔ ثقیف تین نقطے والی ثاء پر زبر، قاف کے نیچے زیر، ہوازن کے مشہور قبیلے کا نام، بنی عُقیل عین پر پیش قاف پر زبر، یہ بھی ایک قبیلے کا نام ہے۔ عرب کے قبائل باہمی معاہدہ کرتے تھے کہ اچھے اور برے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ جب عہد اسلام آیا تو جاہلیت کے جو معاہدے حق کے موافق تھے انہیں برقرار رکھا گیا اور جو حق کے خلاف تھے انہیں ختم کر دیا گیا اور مسلمانوں نے کہا کہ اسلام کا عہد و پیمان ہی کافی ہے۔

۳۔ ان دو صحابیوں کے بدلے میں جنہیں ثقیف نے گرفتار کیا تھا، اس وقت طریقہ یہ تھا کہ ایک قبیلے کے آدمی اس کے حلیف قبیلے کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا، ظاہر ہے کہ فائدہ بھی اسی میں تھا، اور یہی شرط طے شدہ تھی۔

۴۔ صراح میں ہے حَرَّۃ سنگلاخ اور جلی ہوئی زمین۔

۵۔ کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ کر قید کر رکھا ہے، ان کے بدلے تمہیں گرفتار کیا گیا ہے۔

۶۔ اور تم کیا کام کرتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ ۱۲ قادری)

۷۔ گویا وہ سابق اسلام کی خبر دے رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کافر قید ہونے کے بعد اسلام کا دعویٰ کرے

اور کہے کہ وہ پہلے سے اسلام لا چکا ہے تو گواہوں کے بغیر اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں اب مسلمان ہو گیا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسلام کو قبول نہیں کیا، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ شخص بطور منافقت یا مجبوری کی بنا پر کہہ رہا ہے یا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حقیقت پر بھی عمل کرتے تھے اور اس شخص کے قتل کا حکم دیتے تھے جس کا انجام کفر ہوتا تھا جیسے کہ علماء سیرت نے آپ کی خصوصیات میں یہ بات شمار کی ہے۔ آئندہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔

۸ یعنی حالت اختیار میں رضامندی اور رغبت کے ساتھ اور گرفتار ہونے سے پہلے یہ بات کہتے۔
۹ دنیا میں قید اور غلامی سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے نجات پاتے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۷۹۲ / ۱۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ اَهْلُ مَكَّةَ فِیْ فِدَاءِ اُسَرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِیْ فِدَاءِ اَبِی الْعَاصِ بِمَالٍ وَّ بَعَثَتْ فِيْهِ بِقِلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيْجَةَ اَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلٰى اَبِی الْعَاصِ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيْدَةً وَّ قَالَ اِنْ رَاَيْتُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا اَسِيْرَهَا وَ تَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِیْ لَهَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ عَلَيْهِ اَنْ يُّخَلِّیَ سَبِيْلَ زَيْنَبَ اِلَيْهِ وَ بَعَثَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اہل مکہ نے کچھ لوگوں کو اپنے قیدی[۱] رہا کرانے کے لیے مال دے کر بھیجا تو حضرت زینب[۲] نے ابوالعاص کی رہائی کے لیے کسی کو مال دے کر بھیجا۔ انہوں نے اس مال میں اپنا وہ ہار بھی بھیجا جو حضرت خدیجہ کے پاس تھا[۳] انہوں نے وہ ہار پہنا کر حضرت زینب کو ابوالعاص کے ہاں[۴] رخصت کیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا[۵] تو آپ پر اس[۶] ہار کے دیکھنے کی بنا پر شدید رقت طاری ہوئی، اور فرمایا: اگر تم[۷] فیصلہ کرو کہ زینب کے لیے ان کا قیدی رہا کر دو اور ان کا مال[۸] انہیں واپس کر دو، صحابۂ کرام نے عرض کیا ہاں درست[۹] ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لیا[۱۰] تھا کہ زینب کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَقَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاْجِجٍ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَاْتِيَا بِهَا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضور کے پاس بھیج دیں اور ان کا راستہ نہ روکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری شخص کو بھیجا اور فرمایا: تم بطن یاجج میں ٹھہرنا یہاں تک کہ زینب تمہارے پاس سے گزریں تو تم ان کے ساتھ رہنا، یہاں تک کہ انہیں لے آنا۔

(احمد، ابوداؤد)

سلہ جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے۔

سلہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی جو اس وقت مکہ معظمہ میں تھیں ——— ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبد شمس بن عبد مناف، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت زینب کے شوہر، بدر میں گرفتار ہوئے ۔ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری)

سلہ وہ اسے پہنا کرتی تھیں، حضرت زینب حضرت خدیجہ کی صاحبزادی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ سے تھی سوائے حضرت ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے اور بچپن میں وصال فرما گئے رضی اللہ عنہم۔

سلہ نکاح کے موقع پر وہ ہار جہیز میں دیا تھا۔

سلہ اس ہار نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد دلادی۔

سلہ یا یہ مطلب ہے کہ حضرت زینب کی غربت اور تنہائی کا خیال کرتے ہوئے اور حضرت خدیجہ کے زمانے کی یاد سے سخت رقت طاری ہو گئی۔ رقت بہت نرم اور غمگین ہونا۔

سلہ صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے، قیدی سے مراد ابوالعاص ہے۔

سلہ جو حضرت زینب نے بطور فدیہ بھیجا ہے اور ابوالعاص کو مفت میں رہا کر دو اور اس پر احسان کرو، اگر مناسب جانو تو اس طرح کرو۔

سلہ چنانچہ صحابہ کرام نے ابوالعاص کو رہا کر دیا، وہ مکہ مکرمہ پہنچے حضرت زینب ان کے نکاح میں تھیں اور مسلمان تھیں، ابوالعاص، قریش کے دین پر تھے۔ اس وقت تک مسلمان عورت اور کافر مرد کے نکاح کا حکم باقی تھا۔

سلہ رہا کرتے وقت ان سے وعدہ لیا تھا کہ حضرت زینب کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دیں اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

سلہ یہ دونوں اگرچہ محرم شرعی نہیں تھے، لیکن یہ اجازت اسی مقام کے ساتھ خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہونے کی بنا پر امن اور اعتماد تھا۔

۱۲ لہ کفار مکہ کی شرارت اور ان کے در پئے ایذاء ہونے کے خطرے کے تحت حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں نہ جائیں۔

۱۳ لہ یا جج، مکہ معظمہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام۔ یا جج کو کئی طرح ضبط کیا گیا ہے۔ قاموس میں یا، تحتانیہ کے ساتھ اور پہلے جیم کے نیچے زیر بیان کی، پہلے نون، پھر جیم اور اس کے بعد بے لفظ حار کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔ مشکات کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، باقی وجوہ شرح (لمعات) میں بیان کی گئی ہیں۔

۱۴ لہ مدینہ منورہ ——— پس حضرت زینب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئیں اور ابوالعاص مکہ معظمہ میں دین کفر پر رہے، پھر انہیں تجارت کے لیے شام جانا پڑا، جب وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ان کا راستہ روک لیں اور ان کے پاس موجود اموال ضبط کرلیں، جب یہ اطلاع حضرت زینب کو ملی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ! کیا مسلمانوں کا عہد وامان ایک نہیں ہے! یعنی جب ایک مسلمان کافر کو امان دے دے تو سب کو چاہیے کہ امان دے دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اسی طرح ہے، حضرت زینب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ گواہ ہو جائیں کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی، صحابۂ کرام نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ہتھیاروں کے بغیر ابوالعاص کے پاس گئے اور اسے کہا اے ابوالعاص! تم قریش کے معزز افراد میں سے ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہو تم اسلام لے آؤ تاکہ یہ تمام اموال تمہاری ملکیت رہیں۔ ابوالعاص نے کہا تم نے بری بات کہی، حاشا وکلا! کہ میں اپنے اسلام کو ان پلید اموال کے ساتھ میلا کروں، چنانچہ ابوالعاص مکہ مکرمہ گئے اور لوگوں کے اموال ان کے سپرد کیے، اور کہا اے اہل مکہ! تمہارے اموال تمہیں پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا ہاں ابوالعاص نے کہا تو گواہ ہو جاؤ کہ میں مسلمان ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ان کے سپرد کردیا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ رخصتی پرانے نکاح سے تھی یا نئے نکاح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت تھی، ان پر بڑی عنایت تھی، اور ان کی تعریف فرماتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

۳۷۹۳/۱۲ وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسَرَ اَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ ابْنَ اَبِي مُعَيْطٍ وَّالنَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَمَنَّ عَلٰى اَبِيْ عَزَّةَ الْجُمَحِيِّ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

انہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو گرفتار کیا تو عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث[۳] کو قتل کر دیا اور ابوعزہ جمحی[۴] پر احسان فرمایا۔[۵] (شرح السنۃ[۶])

[۱] بعض نسخوں میں صرف وعن لکھا ہوا ہے اور راوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے۔ بعض نسخوں میں وعنہا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ اور بعض نسخوں میں وعن ابن مسعود ہے۔

[۲] عقبہ عین پر پیش، قاف ساکن۔ بن معیط میم پر پیش، عین پر زبر اور یا ساکن۔ ان بدبختوں میں سے ایک ہے جو غزوۂ بدر میں جہنم رسید ہوئے، اور یہ وہ بدبخت ہے جس نے اونٹ کی اوجھ (بلکہ بچے والی ۱۲ ق) نماز کی حالت میں سید رسل، ہادی سُبل صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکی تھی۔

[۳] نضر نون پر زبر۔ نقطے والا ضاد ساکن۔

[۴] ابوعزہ بے نقطہ عین پر زبر، زا مشدد الجمحی جیم پر پیش، میم پر زبر، حا بے نقطہ۔

[۵] اور اس کو معاوضہ لیے بغیر چھوڑ دیا، یہ کافر شاعر تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کو فدیہ لیے بغیر چھوڑنا درست ہے، جیسے کہ قتل کرنا اور فدیہ لینا درست ہے۔

[۶] بعض نسخوں میں اس جگہ حوالے کی کتاب کے نام کے لیے خالی جگہ ہے۔ بعض نسخوں میں ہے کہ اس حدیث کو شرح السنۃ میں روایت کیا اور بعض نسخوں میں ہے امام شافعی اور ابن اسحاق نے سیر میں روایت کیا۔

۳۷۹۴/۱۳ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِّلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس ملعون نے کہا کہ بچوں[۱] کے لیے کون ہے؟ فرمایا، آگ[۲] (ابوداؤد)

[۱] صبیۃ صاد کے نیچے زیر، با ساکن، اس ملعون نے کہا کہ بچوں کے لیے کون ہے؟ یعنی میرے بچوں

کا سرپرست اور غم خوار کون ہوگا۔

سلہ تیرے بچوں کی غم خوار دوزخ کی آگ ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استہزاء و تحقیر فرمایا، اور بیان کے ضائع ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

۳۷۹۵ وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرَائِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ اَصْحَابَكَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ اَلْقَتْلَ اَوِ الْفِدَاۤءَ عَلٰى اَنْ يُّقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِّثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاۤءَ وَ يُقْتَلُ مِنَّا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں قتل یا فدیے کا اس شرط پر اختیار دیجیے کہ آئندہ سال ان میں سے مشرکوں کی تعداد میں قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم فدیہ اختیار کرتے ہیں اور اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ ہم میں سے شہید کیے جائیں سلہ (ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے

سلہ قیدیوں کو قتل کریں یا مال لے کر انہیں چھوڑ دیں ——— فدیہ کا اس شرط پر اختیار ہے کہ آئندہ سال ستر صحابہ کرام شہید ہوں گے، یہی قیدیوں کی تعداد تھی، اور (وقتی طور پر) کافروں کو کامیابی حاصل ہوگی سلہ

سلہ یاد رہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے ستر قیدی لائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ ان کا کیا کیا جائے؟ انہیں قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل نہ کیجیے بلکہ زندہ رہنے دیجیے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ اور اسلام کی توفیق عطا فرمائے، ان سے فدیہ لیجیے تاکہ اس سے صحابہ کرام کو تقویت ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑا دیجیے، کیونکہ یہ کفر کے امام اور کافروں کے لیڈر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔ انہیں قتل کر دیں۔ یا فدیہ لے لیں، لیکن فدیہ کے لیے یہ شرط ہے

سلہ یہ بات وحی جبریل علیہ السلام میں مذکور نہ تھی ورنہ ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابی بھی اسے قبول نہ کرتے ہاں قتل کا ذکر تھا صحابہ کرام نے شوق شہادت میں اسے قبول کر لیا۔ ۱۲ حاشیہ

کہ آئندہ سال تمہارے ستر افراد شہید ہوں گے اور (وقتی طور پر) کافروں کو کامیابی حاصل ہوگی، صحابہ کرام نے اسی صورت کو اختیار کیا اور کہا کہ ہمیں یہ شرط قبول ہے کہ ہمارے ستر افراد شہید ہوں، چنانچہ آئندہ سال غزوۂ احد میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے جن میں حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رو رہے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تاکہ میں بھی رونے لگوں اور اگر بے اختیار رونا نہ آئے تو تکلف اور زبردستی سے رونے کی کوشش کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ساتھیوں پر رو رہا ہوں جنہوں نے فدیہ اختیار کیا، اور ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تحقیق اس درخت سے زیادہ نزدیک میرے سامنے عذاب پیش کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر عذاب بھیجا جاتا تو عمر اور سعد بن معاذ کے علاوہ کوئی نجات نہ پاتا، حضرت سعد کا مشورہ بھی وہی تھا جو حضرت عمر کا تھا رضی اللہ عنہما۔

شارحین فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے اس شق کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ بدر کے قیدیوں کے اسلام لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں نیز آئندہ سال شہادت حاصل کرنے کا انہیں بڑا شوق تھا اور رشتے داروں کی ہمدردی اور ان پر مہربانی بھی پیش نظر تھی۔

اس جگہ ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابۂ کرام کو اختیار دیا گیا تھا اور انہوں نے دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرلی تھی تو ان پر یہ عتاب اور عقاب کس بنا پر تھا؟ اختیار دینا تو اس بات کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار بطور امتحان دیا گیا تھا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو دین اختیار کریں یا دنیا، امتحان اس لحاظ سے تھا کہ آیا صحابہ کرام اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس طرف ان کے نفوس کا میلان ہے، چونکہ انہوں نے دوسری صورت کو اختیار کیا اس لیے عتاب نازل ہوا۔[۱]

---

[۱] رب تعالیٰ کا ارادہ تو یہ تھا جو صحابہ کی رائے ہو وہی ہو، یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینا، مگر مرضی یہ تھی کہ یہ قتل کردیے جائیں۔ صحابۂ کرام کی یہ رائے ارادہ الٰہی کے مطابق ہوئی۔ رضاء الٰہی کے خلاف۔ اس لیے ان حضرات پر وہ عتاب آیا جو آیہ کریمہ میں مذکور ہے لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کا گندم کھانا ارادہ الٰہی کے عین مطابق تھا۔ رضاء الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عتاب ہوا جس سے توبہ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

علامہ تورپشتی نے اختیار دینے کی حدیث کی صحت کو بعید قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث ظاہر قرآن کے خلاف ہے امام ترمذی نے بھی اسے غریب قرار دیا ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ غرابت کا حکم موجب طعن نہیں ہے کیونکہ حدیث غریب بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے، جیسے کہ مقدمہ میں گزرا میں کہتا ہوں کہ اس جگہ غریب شاذ کے معنیٰ میں ہے۔ امام ترمذی اکثر طور پر غریب سے شاذ مراد لیتے ہیں، جیسے کہ صاحب جامع الاصول نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۷۹۶/۱۵ وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عطیہ قرظی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں قریظہ کے قیدیوں[2] میں تھا۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، لوگ معائنہ کرتے تھے جس نے زیر ناف بال اگائے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس نے نہیں اگائے تھے اسے قتل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے میرا زیر ناف جسم کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ بال اگے ہوئے نہیں تھے تو انہوں نے مجھے قیدیوں میں شامل کر دیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

[1] حضرت عطیہ قرظی قاف پر پیش، راء پر زبر اور نقطے والی ظاء، صحابی ہیں، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی احادیث سنیں۔

[2] جن کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے

(بقیہ صفحہ سابقہ) کرائی گئی، ارادہ الٰہی کی مطابقت کی وجہ سے آپ کو خلافت زمینی عطا ہوئی، ان حضرات پر مخالفت رضاء الٰہی کی وجہ سے عتاب، عذاب سے ڈرانا ہوا، اور ارادۂ الٰہی کی موافقت کا انجام یہ ہوا کہ یہ قیدی مسلمان ہو گئے، اسلامی خدمات انجام دیں یہ جواب نہایت باریک ہے خیال میں رکھو ۱۲ مرآۃ۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم دنیا کے ساز و سامان کا ارادہ رکھتے ہو، منافقین سے خطاب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مقصود مال دنیا نہیں تھا بلکہ یہ خواہش تھی کہ یہ لوگ اسلام لے آئیں۔

۱۲ قادری

اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔

۳؎ یعنی ناف کے نیچے کے بال ــــــ کیونکہ یہ بالغ ہونے اور جوانی کی علامت ہیں۔

۴؎ اور قتل نہیں کیا۔

۳۷۹۷/۱۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ مَوَالِيهِمْ قَالُوا يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا خَرَجُوا إِلَيْكَ رَغْبَةً فِي دِينِكَ وَإِنَّمَا خَرَجُوا هَرَبًا مِّنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ رُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَا أَرَاكُمْ تَنْتَهُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا وَأَبٰى أَنْ يَرُدَّهُمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ غلام[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے، یعنی حدیبیہ کے دن، صلح[۲] سے پہلے، تو ان کے مالکوں نے آپ کو لکھا، اے محمد! خدا کی قسم یہ لوگ تمہارے دین میں دلچسپی کی بنا پر نہیں نکلے وہ صرف غلامی سے جان چھڑانے[۳] کے لیے نکلے ہیں، کچھ لوگوں نے[۴] کہا یا رسول اللہ! انہوں نے سچ کہا ہے انہیں واپس کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا، اے گروہ قریش! میں نہیں دیکھتا کہ تم باز آؤ گے[۵] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر ان لوگوں کو بھیجے جو اس حکم[۶] پر تمہاری گردنیں مار دیں اور انہیں واپس کرنے سے انکار فرما دیا۔ اور فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ (ابوداؤد)

۱؎ مکہ مکرمہ سے اپنے مالکوں سے بھاگ کر اور مسلمان ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عُبْدان عین کے نیچے زیر اور اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ با ساکن، عبد بمعنی مملوک کی جمع۔

۲؎ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش کے درمیان طے پائی تھی، صلح میں یہ طے پایا تھا کہ

ان میں سے جو شخص مسلمان ہو کر آئے اسے واپس قریش کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

۴۳ صرف پہلے دونوں حرفوں پر زبر پڑھا گیا۔

۴۴ جو تبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔

۴۵ نافرمانی اور حکم نفس کی تعمیل سے۔

۴۶ یعنی ان غلاموں کے واپس کرنے اور اسلام لانے کے بعد دار الحرب کی طرف لوٹانے پر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۷۹۸/۱۷ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلٰى بَنِيْ جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهٗ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهٗ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ أَسِيْرَهٗ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ[۱] کی طرف بھیجا، حضرت خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ اچھے انداز میں یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے وہ کہنے لگے ہم دین سے نکل گئے، ہم دین سے نکل گئے[۲] حضرت خالد نے انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کے حوالے اس کا قیدی کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن آیا تو حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے، میں[۳] نے کہا خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ ہی میرے ساتھیوں میں[۴] سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، یہاں تک کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! میں تیری

اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ . بارگاہ میں اس کام سے بری ہوں جو خالد نے کیا۔ دو دفعہ یہ کلمات کہے ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

ك بنی جذیمہ جیم پر زبر، ذال کے نیچے زیر، یا ساکن، ایک قبیلے کا نام۔

ك اضطراب اور بے چینی کے سبب۔

ك صبور کا معنی اصل میں مائل ہونا ہے۔ اس جگہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف مائل ہونا مراد ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ہم دین کفر سے دین اسلام کی طرف مائل ہوئے، یہ معنی صحیح ہے، لیکن اس مقصد کو ان لفظوں سے ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ کافر مسلمانوں کو صابی کہتے تھے، مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے آباؤ کے دین سے منحرف ہو کر دوسرے دین کی طرف مائل ہو گئے ہیں، تاہم یہ کفر نہیں تھا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد دین اسلام سے اعراض کر کے دوسرے دین کی طرف میلان ہو۔ اس اعتبار سے حضرت خالد نے ان کی بات قبول نہ کی اور ان کے اسلام کا حکم نہ کیا۔

ك حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ك جو میرے تابع ہیں۔

ك یعنی خالد کے رویے سے بیزاری اور ناراضمندی کا اعلان کرتا ہوں۔

ك اور یہ اس لیے کہ حضرت خالد نے احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیا۔ تاکہ ظاہر ہو جاتا کہ صبانا سے ان کی مراد کیا ہے، حالانکہ یہ الفاظ دین اسلام کے اختیار کرنے کا احتمال بھی رکھتے ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے صراحۃً یہ نہیں کہا کہ ہم اسلام لائے اس لیے حضرت خالد نے ان کی بات قبول نہیں کی اور اسے دوسرے معنی پر محمول کر دیا۔ چونکہ ان لوگوں کے الفاظ اسلام لانے کے لیے متعین نہیں تھے اسی لیے حضرت خالد بن ولید پر قصاص کا حکم نہیں لگایا گیا۔ ۱۲ (قادری)

بَابُ الْاَمَانِ

۲۹۱۔ امن دینے کا بیان

امن اور امان، خوف کے مقابل ہے، اس سے ظاہر یہ ہے کہ اہل حرب کا کوئی شخص امن کا طلب گار ہو اور مسلمانوں سے امان طلب کرے اور ان کے درمیان رہے تو اسے امن دیا جائے گا، اس کے مال اور خون سے تعرض حرام ہے۔ امان اس صورت کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ اس شخص کی امان کو شامل ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا ہو، اور اس سفیر کی امان کو بھی شامل ہے جو اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا۔ جیسے کہ احادیث میں آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۷۹۹ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ اِبْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰى

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کپڑے کے ساتھ آپ کے لیے پردہ کر رہی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی بنت ابو طالب ہوں آپ نے فرمایا: ام ہانی کو مرحبا! جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو کھڑے ہو گئے اور اس حال میں آٹھ رکعتیں ادا کیں کہ آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، پھر آپ پلٹے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے علی کہتے ہیں کہ

ثَمَانِیَ رَکْعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ عَلِیٌّ اَنَّہٗ قَاتِلٌ رَجُلًا اَجَرْتُہٗ فُلَانَ بْنَ ھُبَیْرَۃَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ یَا اُمَّ ھَانِیءٍ قَالَتْ اُمُّ ھَانِیءٍ وَ ذٰلِکَ ضُحًی

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں نے پناہ دی ہے اور وہ فلاں ابن ہبیرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی اسے ہم نے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی۔ ام ہانی کہتی ہیں کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تب چاشت کا وقت[۸] تھا۔

(صحیحین)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلتِّرْمِذِیِّ قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ اَحْمَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اٰمَنَّا مَنْ اٰمَنْتِ۔

امام ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں[۹] میں سے دو مردوں کو پناہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق ہم نے اسے امن دیا جسے تم نے امن دیا۔[۱۰]

[۱] حضرت ام ہانی ان کا نام فاختہ ہے۔ بعض نے عاتکہ بیان کیا۔ صحابیہ ہیں، فتح مکہ کے سال ایمان لائیں، ان سے حضرت علی حضرت عباس اور بہت سے تابعین روایت کرتے ہیں۔ ۵۰ھ کے بعد حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک حیات تھیں۔

[۲] ایک روایت میں ہے فتح مکہ کے دن، اور یہی مراد ہے۔

[۳] مرحبا کا معنی ہے کہ تم وسیع جگہ آئی ہو، مسرت اور دلداری کا اظہار مقصود ہے۔

[۴] التحاف اور اشتمال کا معنی کتاب الصلوٰۃ کے باب الستر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

[۵] یعنی نماز سے فارغ ہوئے۔

[۶] اجرتہ ہمزہ مقصورہ پر زبر، اجارۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پناہ دینا۔

[۷] فلاں ابن ہبیرہ ہا پر پیش، با پر زبر، یا ساکن، ہبیرہ حضرت ام ہانی کے شوہر کا نام ہے۔ حضرت ام ہانی کے اسلام لانے کے بعد ان میں جدائی ہو گئی، اور یہ مرد اس کی اولاد میں سے تھا حضرت ام ہانی نے

اسے امان دی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی امان کو قبول نہیں کیا تھا اور چاہتے تھے کہ اس شخص کو قتل کر دیں اس لیے حضرت ام ہانی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور صورت حال عرض کی۔

ش تو یہ چاشت کی نماز ہوگی مسلم کی بعض روایات میں ہے وَذَالِکَ سُبْحَۃُ الضُّحٰی اور یہ چاشت کی نماز تھی سُبْحَہ پہلے حرف پر پیش، نماز نفل کو کہتے ہیں، اور یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ وہ نماز چاشت کے وقت کی تھی، چاشت کی نماز کے ثابت کرنے کے لیے قابل اعتماد دلیل، حضرت ام ہانی کی یہی حدیث ہے اس سلسلے میں گفتگو صلوۃ الضحٰی میں گزر چکی ہے۔

ش۹ محرم مرد کی طرف سے عورت کا رشتے دار

ش۱۰ اَتُنَا اور آمنت دونوں ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۸۰۲ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْاَةَ لَتَاْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِیْ تُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک عورت قوم کے لیے امان پکڑتی ہے یعنی عورت کسی قوم کے لیے مسلمانوں پر امان دیتی ہے[1]۔ (ترمذی)

[1] یعنی جب مسلمان عورت کافروں کی کسی جماعت کو امان دے تو وہ امان مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے انہیں چاہیے کہ وہ اس پر راضی ہوں اور اسے توڑیں نہیں۔

۳۸۰۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَتَلَهٗ اُعْطِیَ لِوَاءَ الْغَدْرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی شخص کو اس کی جان پر امان دی[2]۔ پھر اسے قتل کر دیا تو اسے قیامت کے دن بدعہدی کا جھنڈا دیا جائے گا[3]۔ (شرح السنۃ)

لے حضرت عمرو بن الحمق حا پر زبر، میم کے نیچے زیر، خزاعی صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، پھر وہاں سے مصر چلے گئے۔ حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ۵۰ھ میں شہید کیے گئے۔ ان کے قتل کا عجیب واقعہ، علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں بیان کیا ہے۔ ہم نے بھی وہ واقعہ اسماء الرجال میں اور رسالہ تعیم البشارۃ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

۲ے اور اسے صاحب عہد بنا دیا۔

۳ے یہ کنایہ ہے اس شخص کو غدر اور بے وفائی کے سبب رسوا کرنے سے۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کو جھنڈا دیا جائے گا جس کے سبب وہ پہچانا جائے گا۔

۳۸۰۲ وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَ بَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَ كَانَ يَسِيْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَغَارَ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ أَوْ بِرْذَوْنٍ وَ هُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَاِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَاَلَهٗ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَ لَا يَشُدَّنَّهٗ حَتّٰى يَمْضِيَ اَمَدُهٗ

حضرت سلیم بن عامر[۱] سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ اور روم کے درمیان معاہدہ[۲] تھا حضرت معاویہ ان کے شہروں کی طرف چلتے تھے[۳] تاکہ جب معاہدہ ختم ہو جائے تو ان پر حملہ کر دیں[۴] تو ایک صاحب عربی یا ترکی گھوڑے[۵] پر سوار آئے اور وہ کہہ رہے تھے اللہ اکبر، اللہ اکبر[۶] واجب ہے کہ تم سے وفا ہو نہ کہ بے وفائی[۷] لوگوں نے اچانک دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہ[۸] رضی اللہ عنہ تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے اس بارے میں پوچھا[۹] تو انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ ہرگز اس عہد کو نہ کھولے[۱۰] اور نہ ہی تبدیل کرے[۱۱] یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا اس عہد کو برابری کے طور پر اس قوم کی طرف پھینک دے[۱۲]۔

حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت

اَوْ يَنْبِذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ۔	امیر معاویہ لوگوں کو لے کر واپس آ گئے ۱۳

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

لہ سلیم سین پر پیش اور لام پر زبر بن عامر شام کے تابعین کے دوسرے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں، بکثرت احادیث کے راوی ہیں، ثقہ اور مشہور ہیں، ابو حاتم نے کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لہ ۲ کہ مدت معینہ تک جنگ نہیں کریں گے۔

لہ ۳ اور ان کے قریب ہوتے تھے۔

لہ ۴ اچانک حملہ کر کے تاخت و تاراج کر دیں، اور اگر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہوتے اور معاہدہ ختم ہونے پر روانہ ہوتے تو دشمن خبردار ہو جاتا۔

لہ ۵ برذون باء کے نیچے زیر، راء ساکن، نقطے والے ذال پر زبر، واؤ ساکن، ترکی گھوڑا، عربی گھوڑے سے مختلف ایک قسم، لہٰذا فرس سے مراد عربی گھوڑا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ راوی کو شک ہو۔

لہ ۶ حضرت معاویہ کے فعل کو بعید اور بڑا ظاہر کرنے کے لیے تکبیر کہہ رہے تھے۔

لہ ۷ یعنی تم صلح کے دنوں میں جو دشمن کے شہروں کی طرف روانہ ہو رہے ہو یہ وفا نہیں بلکہ غدر ہے۔

لہ ۸ عمرو بن عبسہ پہلے تینوں حرفوں (عین، باء، سین) پر زبر، مشہور اور بزرگ صحابی، جن کے احوال کئی جگہ ذکر کیے جا چکے ہیں۔

لہ ۹ کہ اس جانب یہ سفر کس بنا پر غدر ہے اور بے وفائی ہے؟

لہ ۱۰ فلا یحلن یاء پر زبر اور حاء پر پیش۔

لہ ۱۱ یعنی کسی طرح بھی اس میں رد و بدل نہ کرے، مجموعہ کلام کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے میں تبدیلی نہ کرے ورنہ گرہ باندھنے اور مضبوط کرنے کے معنیٰ میں شدِ عہد قابل تعریف ہے۔

لہ ۱۲ یعنی انہیں بتا دے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو صلح تھی وہ اب نہیں ہے، اب ہم اور تم برابر ہیں۔ نبذ نقطے والے ذال کے ساتھ، کسی چیز کو ہاتھ سے پھینکنا۔

لہ ۱۳ اور جہاں سے چلے تھے وہاں پہنچ گئے۔

۳۸۰۳ ـ ۵ وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِيْ قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ	حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا قَالَ إِنِّيْ لَا أَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنِ ارْجِعْ فَإِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِكَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمْتُ (رواہ ابوداؤد)

کی خدمت میں بھیجا[۲] جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو اسلام میرے دل میں داخل کر دیا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں کبھی بھی قریش کی طرف لوٹ کر نہیں جاؤں گا[۳] آپ نے فرمایا ہم عہد و پیمان نہیں توڑ سکتے[۴] اور نہ قاصدوں کو نہیں روکتے[۵] لیکن تم واپس جاؤ، پھر اگر تمہارے دل میں اسلام کی وہ محبت ہوئی جو اب ہے تو واپس آجانا[۶]، ابو رافع کہتے ہیں کہ میں چلا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا[۷]

(ابوداؤد)

[۱] حضرت ابو رافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے، ان کا نام اسلم تھا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیے، جب وہ حضرت عباس کے اسلام کی خوشخبری لائے تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

[۳] یہ ان کے دل میں اسلام کے راسخ ہو جانے کی تاکید ہے۔

[۴] خیس نقطے والی خاء اس کے بعد یاء، عہد کا توڑنا، بے وفائی کرنا۔

[۵] برد باء پر پیش، راء ساکن، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، بَرِیْدٌ کی جمع جس کا معنی قاصد ہے۔

[۶] یعنی کافروں کے پاس سے ہمارے پاس جانا اور مسلمان ہو جانا۔

[۷] بغیر کسی تردد اور جھجک کے۔

۳۸۰۴ وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَا مِنْ عِنْدِ مُسَيْلِمَةَ أَمَا

حضرت نعیم بن مسعود[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے پاس سے آتے ہوئے دو مردوں کو فرمایا، سنو! اگر شریعت

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَكُمَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کا یہ حکم نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو ہم تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتے

(احمد ابوداؤد)

لہ حضرت نعیم بن مسعود نون پر پیش اور عین پر زبر اشجعی مدنی صحابی ہیں۔ جنگ خندق کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی، انہوں نے ہی بنو قریظہ اور سفیان بن حرب کے درمیان غزوہ خندق میں کوشش کی اور انہیں پسپا کیا، ان کا واقعہ مشہور ہے اور کتب سیرت میں بیان کیا گیا ہے۔

سلہ ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ جیسے کہ تیسری فصل میں آئے گا۔

۳۸۰۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ يَعْنِي الْاِسْلَامَ اِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الْاِسْلَامِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَقَالَ حَسَنٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا، جاہلیت کی قسم اور اس کے عہد و پیمان کو پورا کرو[1] کیونکہ اسلام اس کی پختگی کو ہی زیادہ کرتا ہے[2] اور اسلام میں نئی قسم نہ کھاؤ[3] امام ترمذی نے یہ حدیث حسین بن ذکوان کے واسطے سے عمرو سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، حضرت علی کی روایت کردہ حدیث کہ "مسلمانوں کے خون آپس میں برابر ہیں" کتاب القصاص میں بیان کر دی گئی ہے۔

لہ جیسے کہ تم نے آپس میں قسم کھائی ہے۔ صراح میں ہے حلف حاء کے نیچے زیر، لام ساکن قسم عہد، تحالفوا آپس میں عہد کرنا، تحالف باہمی معاہدہ کرنا مراد وہ قسم ہے جو دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور احکام اسلام کے مخالف نہ ہو، بعض نسخوں میں حاء پر زبر اور لام کے نیچے زیر منضبط کی گئی ہے۔

سلہ یعنی اسلام میں عہد اور قسم کا پورا کرنا جاہلیت کی حلف سے زیادہ سخت اور اہم ہے۔ اور اس کے

منافی نہیں ہے۔

۳؎ کیونکہ اس کی حاجت نہیں ہے، اور جس نے توی سہارے کو تھام لیا وہ کمزور سہارے سے بے نیاز ہے حاصل یہ ہے کہ جاہلیت میں لڑائی، فتنوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی جو قسم کھائی جاتی تھی جس کی بنا پر ظلم اور فساد کی امداد کی جاتی تھی وہ تو ممنوع ہے اور جو قسم ایسی نہ ہو اسلام اسے تقویت دیتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے

۴؎ مشکات شریف کے اصل نسخے میں یہاں جگہ خالی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۰۶ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَ ابْنُ اُثَالٍ رَسُوْلَا مُسَيْلِمَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَتَشْهَدَانِ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللهِ وَ رُسُلِهٖ لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُوْلًا لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُ اللهِ فَمَضَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا يُقْتَلُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کے دو نمائندے ابن النواحہ[۱] اور ابن اثال[۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انہیں فرمایا: کیا تم دونوں گواہی دیتے ہو؟ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا[۳] اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سنت یہ قرار پائی کہ ایلچی کو قتل نہیں کیا جائے گا[۴] (احمد)

۱؎ ابن النواحہ نون پر زبر، واؤ مشدد اور حا بے نقطہ۔

۲؎ ابن اثال ہمزے پر پیش اور تین نقطوں والی ثا مخفف۔ یہ دونوں مسیلمہ کذاب ملعون کے ایلچی تھے۔

۳؎ اس انداز میں انتہائی تواضع، طلب حق، حلم اور انہیں سزا دینے میں ترک تعجیل ہے۔ اور اس میں اس لعین کی نبوت کا انکار اور اس کے دعوے کی تکذیب ہے۔

ـــہ اگرچہ وہ نامناسب اور سخت گفتگو کرے اور قتل کا مستحق ہو۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُولِ فِيهَا

۲۹۲۔ غنیمتوں کی تقسیم اور ان میں خیانت کا بیان

لغت میں قسمت کا معنی ہے حصے ٹکڑے کرنا اور اندازہ کرنا، غنائم جمع ہے غنیمت کی، وہ مال جو کفار سے حاصل کیا جائے۔ غلول نقطے والی غین پر پیش، غنیمت کے مال میں خیانت کرنا، مطلق خیانت (خواہ غنیمت میں ہو یا اس کے علاوہ) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۸۰۷ / ۱ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِّنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس[1] ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ تھیں یہ[2] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ناتوانی دیکھی تو ہمارے لیے غنیمتیں حلال اور پاک کر دیں۔ (صحیحین)

ـــلہ یہ پہلے کلام کا تتمہ ہے۔ جیسے کہ تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے آئے گا۔ اسی لیے نکرہ تعلق میں کر رہا آیا ہے ـــــ پہلی امتوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ اموال غنیمت حاصل کر کے جمع کرتے تو اگر آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں جلا دیتی تو یہ اس غزوہ کی قبولیت کی علامت ہوتی، ورنہ مطلب یہ ہوتا کہ وہ غزوہ مقبول نہیں ہے۔

ـــلہ اموال غنیمت کا حلال ہونا۔

۳۸۰۸ / ۲ وَعَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِيْنَ جَوْلَةٌ فَرَاَيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَضَرَبْتُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ عَلٰى حَبْلِ عَاتِقِهٖ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَاَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِيْ ضَمَّةً وَّجَدْتُّ مِنْهَا رِيْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ اَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَاَرْسَلَنِيْ فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ فَقَالَ اَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ، مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا لَهٗ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُمْتُ فَقَالَ مَالَكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ

ہم حنین[1] کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب کافروں سے آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں میں اضطراب[2] پیدا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب ہو رہا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کے کندھے کی رگ[3] پر تلوار کا وار کیا اور میں نے اس کی زرہ کاٹ دی۔ وہ[4] میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے بری طرح لپٹ گیا، اس کے لپٹنے سے میں نے موت کی بو محسوس کی پھر اسے موت نے آلیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لوگوں کا کیا حال ہے[5]؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم[6] ہے، پھر صحابۂ کرام لوٹ آئے[7] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف فرما ہو کر فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کے پاس قتل کرنے کا گواہ موجود ہو تو کافر کا سامان[8] اسی کے لیے ہے، میں نے کہا: میرے لیے کون گواہی دے گا[9]؟ پھر میں بیٹھ گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسی ہی بات کہی[10]، میں نے کہا، میرے لیے کون گواہی دے گا[11]؟ پھر میں بیٹھ گیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی تو میں کھڑا ہو گیا۔ فرمایا: اے ابو قتادہ! تمہیں کیا ہوا[12] ہے؟ میں نے واقعہ بیان کیا[13] تو ایک شخص نے کہا

وَ سَلَبُهٗ عِنْدِیْ فَاَرْضِهٖ مِنِّیْ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لَا هَا اللّٰهِ اِذًا لَا یَعْمِدُ اِلٰی اَسَدٍ مِّنْ اُسُدِ اللّٰهِ یُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَیُعْطِیْكَ سَلَبَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَاَعْطِهٖ فَاَعْطَانِیْهِ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهٗ فِی الْاِسْلَامِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

انہوں نے سچ کہا اور کافر کا سامان میرے پاس ہے آپ ابوقتادہ کو مجھ سے راضی کر دیں[1] حضرت ابوبکر نے فرمایا: خدا کی قسم اس طرح نہیں ہونا چاہیے اب[3] نہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس شیر[3] کی طرف قصد نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کرتا ہے تو اس کافر کا سامان تمہیں دے[3] دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا[3] سامان ابوقتادہ کو دے دو، چنانچہ اس کے بدلے میں نے قبیلہ بنی سلمہ میں ایک باغ[3] خرید لیا، اور یہ پہلا مال تھا جسے میں نے اسلام میں اپنے مال کی بنیاد بنایا۔[4]

(صحیحین)

[1] غزوہ حنین، فتح مکہ کے بعد واقع ہوا۔

[2] جَوْلَةٌ جیم پر زبر، آس پاس نکل جانا، اپنی جگہ سے ہل جانا، آگے پیچھے جانا، مراد شکست کی صورت ہے جو اس جنگ میں مسلمانوں کو پیش آئی۔ راوی نے اسے شکست سے تعبیر کرنا پسند نہیں کیا، اور حقیقت میں شکست بھی نہیں تھی بلکہ ہلچل، اضطراب اور اپنی جگہ کا چھوڑ دینا تھا۔ اور اگر شکست بھی تھی تو کچھ سپاہیوں میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ جمے رہے، آپ سفید خچر پر سوار تھے اور آگے بڑھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن حارث خچر کی لگام پکڑے کھڑے تھے اور آپ کو حملے سے روک رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبْ	اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ
میں نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے	میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

[3] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی نے یہ ترجمہ کیا، تب تو حضور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف یہ قصد بھی نہ کریں گے کہ جو اللہ رسول کی طرف سے جہاد کرے تمہیں اس کا سامان دے دیں (مرآۃ)، اور یہی ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔

(۱۲ قادری)

ے۵۳ حبل عاتق ، گردن اور کندھے کی درمیانی جگہ ، جہاں چادر اوڑھی جاتی ہے۔
ے۵۴ وہ مشرک جس پر میں نے تلوار کا وار کیا تھا ۔
ے۵۵ کہ بھاگ رہے ہیں اور چکر لگا رہے ہیں ۔
ے۵۶ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو قتادہ کی مراد یہ ہو کہ شکست کے بعد لوگوں کا کیا حال ہوگا ؟ اور حضرت عمر کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہے ، آخر کار مسلمانوں کی فتح ہوگی ۔
ے۵۷ شکست کھانے کے بعد ، یہ پہلی صورت کے مطابق ترجمہ ہے ، دوسری صورت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ صحابہ کرام ، کافروں کی شکست کے بعد لوٹ آئے ۔
ے۵۸ سواری وغیرہ ، سَلَب پہلے دونوں حرفوں پر زبر ، سامان ، ہتھیار ، خوراک جو اس کی سواری پر ہے اور سونا جو اس کی پیٹی میں ہے ۔
ے۵۹ کہ میں نے مشرک کو قتل کیا ہے ۔
ے۱۰ یعنی دوبارہ فرمایا : جو شخص کسی کافر کو قتل کرے اور اس کے پاس گواہ بھی ہو تو مقتول کا سامان اس کے لیے ہے ۔
ے۱۱ کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے ۔
ے۱۲ اور تم کس لیے کھڑے ہو گئے ہو ۔
ے۱۳ کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے ۔
ے۱۴ تاکہ مقتول کا سامان مجھے ہی دے دیں ۔
ے۱۵ شیر سے مراد حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں ۔ جو مشہور بہادر تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار کہا جاتا تھا ۔ اَسَدٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر ، شیر اور اس کی جمع اُسُدٌ ہے پہلے حرف پر پیش ، دوسرا ساکن ۔
ے۱۶ اس شخص سے خطاب ہے جس کے پاس سامان تھا ۔ ۱۲ ق)
ے۱۷ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ کے بارے میں حضرت ابو بکر کی بات قبول فرمائی ۔
ے۱۸ خرف نقطے والی خاء ، اس کے بعد را ، میوہ چننا ، مخرف اور مخرفہ ، باغ ۔
ے۱۹ یہ پہلا مال تھا جس کا میں مالک ہوں اور اسے جمع کیا ۔ صراح میں ہے تَاَثَّلَ مال کو اصل اور بنیاد بنانا ۔

۴۰۰۹ - ۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْھَمَ لِلرَّجُلِ وَ لِفَرَسِہٖ ثَلٰثَۃَ اَسْھُمٍ سَھْمًا لَّہٗ وَ سَھْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد[1] اور اس کے گھوڑے کو تین حصے عطا فرمائے ایک حصہ مرد کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے[2] (صحیحین)

[1] اِسْھَام قرعہ ڈالنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس جگہ حصہ دینا مراد ہے۔

[2] یعنی گھوڑے کے سبب اور اس کے لیے دو حصے دیے، کیونکہ مالک کی نسبت گھوڑے کے اخراجات دو گنے ہوتے ہیں۔ اور یہی اکثر ائمہ کا قول ہے، بعض ائمہ کے نزدیک سوار کے لیے دو حصے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کو دو حصے عطا فرمائے۔ جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ہدایہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جب ابن عمر سے مختلف روایات آئی ہیں تو دوسرے صحابی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

۳۸۱۰ وَعَنْ یَزِیْدَ بْنِ ھُرْمُزَ قَالَ کَتَبَ نَجْدَۃُ الْحَرُوْرِیُّ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ یَسْاَلُہٗ عَنِ الْعَبْدِ وَ الْمَرْاَۃِ یَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ ھَلْ یُقْسَمُ لَھُمَا فَقَالَ لِیَزِیْدَ اُکْتُبْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَیْسَ لَھُمَا سَھْمٌ اِلَّا اَنْ یُّحْذَیَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ کَتَبَ اِلَیْہِ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّکَ کَتَبْتَ تَسْاَلُنِیْ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْزُوْا بِالنِّسَآءِ وَ ھَلْ کَانَ یَضْرِبُ لَھُنَّ

یزید بن ہرمز[3] سے روایت ہے کہ نجدہ حروری[4] نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھ کر دریافت کیا کہ عورت اور غلام غنیمت کو حاضر ہوں تو کیا ان کو بھی حصہ دیا جائے گا؟ انہوں نے یزید کو فرمایا اسے لکھو کہ ان دونوں کے لیے معین حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ انہیں تھوڑی سی کوئی چیز[5] دے دی جائے، اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس نے اسے لکھا کہ تم نے یہ سوال تحریر کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو ساتھ لے کر جہاد کیا کرتے تھے؟ اور کیا ان کے لیے حصہ مقرر فرماتے تھے؟ پس تحقیق آپ عورتوں کی ہمراہی میں جہاد کرتے تھے، عورتیں

بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْا بِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَ يُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ اَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يُضْرَبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ریضوں کا علاج کرتی تھیں اور انہیں غنیمت میں سے کچھ مال دیا جاتا تھا ۔ رہا حصہ تو ان کے لیے معین حصہ نہیں نکالا جاتا تھا ۔

(مسلم)

سلہ یزید ابن ہرمز ہا اور میم پر پیش ، را ساکن ، ہمدانی تابعی ہیں ۔ ابن سعد نے ان کا ذکر اہل مدینہ میں کیا ہے ۔ اور کہا کہ ثقہ ہیں ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام اجل محمد باقر اور امام زہری روایت کرتے ہیں ۔

سلہ نجدہ نون پر زبر جیم ساکن الحروری حا پر زبر اور را پر پیش ، منسوب ہے ۔ حروراء کی طرف جسے الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں ۔ کوفہ کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں خوارج کا پہلا اجتماع ہوا ۔

سلہ صراح میں ہے حذیا ما اور نقطے والے ذال کے ساتھ بر وزن فعلی پہلے حرف پر پیش ، مال غنیمت کا ایک حصہ ۔

سلہ اس روایت میں غلاموں کا ذکر نہیں ہے ، اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ غلاموں ، بچوں اور عورتوں کو کچھ مال غنیمت دیا جائے گا لیکن باقاعدہ معین حصہ نہیں دیا جائے گا یہی ہمارا مذہب ہے ۔ ہدایہ میں ہے کہ غلام کو کچھ حصہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ وہ جنگ کرے کیونکہ وہ اپنے مالک کی خدمت کر رہا ہے ، لہٰذا اس کا حکم وہی ہے جو تاجر کا ہے ۔ اور عورتوں کو بھی کچھ حصہ اسی صورت میں دیا جائے گا جب کہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کریں ، کیونکہ وہ جنگ کرنے سے تو عاجز ہیں ۔ ان کے لیے تیمارداری ہی جنگ کے حکم میں ہے ۔ برخلاف غلام کے کہ وہ حقیقتہً جنگ کرنے پر قادر ہے ۔

۳۸۱۱ ۵ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهٖ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ ، اپنے غلام رباح کے ساتھ بھیجے ۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا ، جب ہم نے صبح کی تو اچانک عبدالرحمٰن فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کیا اور

إِذَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ أَغَارَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلٰى أَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ الْمَدِيْنَةَ فَنَادَيْتُ ثَلٰثًا يَا صَبَاحَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِي آثَارِ الْقَوْمِ أَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَ أَرْتَجِزُ أَقُوْلُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَمَا زِلْتُ أَرْمِيْهِمْ وَ أَعْقِرُ بِهِمْ حَتّٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِّنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا خَلَّفْتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِيْ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَرْمِيْهِمْ حَتّٰى أَلْقَوْا أَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثِيْنَ بُرْدَةً وَّ ثَلٰثِيْنَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَ لَا يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِّنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رَأَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَحِقَ أَبُوْ قَتَادَةَ فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

لوٹ کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ آواز دی اور کہا یا صباحاہ[۱] پھر میں ان لوگوں کے قدموں کے نشانات کی راہنمائی میں نکلا اس حال میں کہ میں انہیں تیر مارتا تھا اور رجزیہ شعر[۲] پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ابن اکوع ہوں اور آج کمینوں کا دن[۳] ہے۔ میں ان پر تیر برساتا رہا اور ان کی سواریوں کی ٹانگوں کو زخمی کرتا[۴] رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری جتنے اونٹ پیدا کیے تھے وہ سب میں نے اپنی پشت کے پیچھے چھوڑ[۵] دیے، پھر میں نے تیر برساتے ہوئے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ انہوں نے ہلکے ہونے کے لیے تیس چادریں[۶] اور تیس نیزے پھینک دیے وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس پر پتھروں سے نشانات[۷] لگاتا جاتا تھا، کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیں حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار حضرت ابو قتادہ نے عبدالرحمٰن[۸] کو جا لیا اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آج ہمارے بہترین سوار ابو قتادہ ہیں اور بہترین پیادے[۹] سلمہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهٗ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْ قَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ اَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَ سَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ اَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآءَهٗ عَلَى الْعَضْبَآءِ رَاجِعِيْنَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

ہیں۔ حضرت سلمہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے سوار اور پیدل دونوں کے حصے میرے لیے جمع فرما دیئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹتے ہوئے مجھے عضباء[۱] نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

۱ے حضرت سلمہ بن اکوع معروف صحابی اور مشہور بہادر جو پیادہ یا سواروں سے جنگ کرتے تھے۔

۲ے ظہر پشت کو کہتے ہیں، اس جگہ اونٹ مراد ہیں جن کی پشت پر سواری کی جاتی ہے۔

۳ے رباح راء اور باء پر زبر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ـــــــ مواہب لدنیہ میں ہے کہ دودھ دینے والیاں اور بچہ جننے کے قریب بیس اونٹنیاں تھیں جو جنگل میں چرتی تھیں۔

۴ے عبدالرحمٰن فزاری فاء اور زاء پر زبر، مشہور کافر تھا۔

۵ے اَکَمَۃ ابتدائی تینوں حرفوں پر زبر، پہاڑ سے کم تر ٹیلہ یا وہ اونچی اور سخت جگہ جو ابھی پتھر نہ ہوئی ہو۔

۶ے یا صباحاہ یہ ایسا کلمہ ہے جس کے ساتھ لوٹ مار کے وقت فریاد کی جاتی ہے جو عموماً صبح کے وقت واقع ہوتی ہے۔

۷ے جو اونٹ چرا کر بھاگ گئے تھے۔

۸ے رجز راء اور جیم پر زبر، آخر میں زاء، شعر کے بحروں کی ایک قسم جو جنگ کے موقع پر پڑھی جاتی ہے۔

۹ یعنی اے کافرو! آج تم کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے۔ رُضّع راء پر پیش، نقطے والا ضاد مشدد، راضعٌ کی جمع جیسے رُکّعٌ جمع ہے راکعٌ کی۔ راضعٌ کمینے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے راضعٌ وہ کمینہ جس نے اپنی ماں کے پستان سے کمینگی حاصل کی ہو۔ اور اس چرواہے کو بھی راضعٌ کہتے ہیں۔ جو دودھ دوہنے کے برتن کو محفوظ نہیں رکھتا اور جو بھی اس سے دودھ مانگے تو کہتا ہے کہ میرے پاس دودھ دوہنے کے لیے برتن نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ راضعٌ اس کمینے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کا دودھ منہ لگا کر چوستا ہے تاکہ کوئی دودھ دوہنے کی آواز سن کر اس سے دودھ نہ مانگ لے، یا دوہنے سے کچھ دودھ برتن سے لگا ہوا نہ رہ جائے۔

شارحین فرماتے ہیں کہ آج رضّع کا دن ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آج معلوم ہو جائے گا کہ کس کو جنگ نے بچپن ہی سے دودھ پلایا ہے، اسی طرح مشارق میں ہے۔

۱۰ عقر چارپایوں کی ٹانگوں کو تلوار سے کاٹ دینا۔

۱۱ صَلْقَتُهُ لام مشدد کے ساتھ ــــ یعنی ہم نے کافروں سے تمام اونٹنیاں چھڑا لیں۔

۱۲ بردۃ دھاری دار چھوٹا کمبل، یا مربع قسم کا سیاہ کمبل جسے بدوی پہنتے ہیں۔ انہوں نے یہ سب چیزیں اس لیے پھینک دیں تاکہ ہلکے پھلکے ہو کر تیز دوڑ سکیں اور بھاگ جائیں۔

۱۳ آرام۔ ہمزہ ممدودہ کے ساتھ، ارمٌ بر وزن عنبٌ یا کتفٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی علامت اور نشان ہے جو بیابانوں میں راستے یاد رکھنے کے لیے مقرر کرتے ہیں، عربوں کی عادت تھی کہ جب انہیں راستے میں کوئی چیز ملتی اور وہ اسے ساتھ نہ لے جا سکتے تو اس پر پتھر رکھ دیتے۔ تاکہ واپسی پر اسے پہچان لیں۔

۱۴ اور صحابہ کرام پہچان لیں، اگر میرے پیچھے آئیں۔

۱۵ کہ وہ آرہے ہیں۔

۱۶ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرائے تھے۔

۱۷ رَجَّالۃ جیم مشدد اور آخر میں تاء، جمع ہے راجل کی جس کا معنی پیادہ ہے۔

۱۸ یہ ان پر غایت درجہ عنایت تھی کیونکہ اس جنگ کا بڑا حصہ حضرت سلمہ کی بدولت طے ہوا تھا۔ امام کے لیے جائز ہے کہ لوگوں کی ترغیب کے لیے جہاد میں زیادہ کوشش اور محنت کرنے والے کو حصے سے زیادہ انعام عطا کرے۔

۱۹ غضباء بے نقطہ عین پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا کان چیرا گیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا کان چیرا نہیں گیا تھا بلکہ وہ پیدائشی طور پر ہی ایسی تھی۔

۳۸۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ .. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ یَّبْعَثُ مِنَ السَّرَایَا لِاَنْفُسِہِمْ خَاصَّۃً سِوٰی قِسْمَۃِ عَامَّۃِ الْجَیْشِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لشکروں کو بھیجتے تھے ان میں سے بعض کو خصوصی طور پر ان کی ذات کے لیے عام لشکر کے حصے کے علاوہ زائد انعام دیتے تھے[1] (صحیحین)

[1] نفل کا معنی اصل میں زیادتی ہے۔ اسی لیے اس عبادت کو جو واجب نہ ہو نفل اور نافلہ کہتے ہیں، نافلہ نیزہ کو بھی کہتے ہیں۔ نفل پہلے دونوں حرفوں پر زبر، غنیمت۔ اس کی جمع انفال ہے، حدیث میں یُنَفِّلُ تشدید کے ساتھ تَنْفِیْل سے مشتق ہے غنیمت سے زیادہ دینا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غازیوں کو جہاد میں ترغیب دلانے کے لیے غنیمت کے حصے میں سے زیادتی سے سرفراز فرماتے تھے۔

۳۸۱۳/۷ وَعَنْہُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفْلًا سِوٰی نَصِیْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَاَصَابَنِیْ شَارِفٌ وَّ الشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْکَبِیْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خمس میں سے، ہمارے حصے کے علاوہ زیادتی عطا فرمائی۔ چنانچہ مجھے ایک معمر اونٹ ملا، شارف معمر اور بڑی عمر والے اونٹ کو کہتے ہیں[1] (صحیحین)

[1] قاموس میں ہے شارف، پرانا اور قدیم تیر اور بڑی عمر والی اونٹنی (اھ) شارف نقطے والا شین، را اور آخر میں فاء۔

۳۸۱۴/۸ وَعَنْہُ قَالَ ذَہَبَتْ فَرَسٌ لَّہٗ فَاَخَذَہَا الْعَدُوُّ فَظَہَرَ عَلَیْہِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَیْہِ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَبَقَ عَبْدٌ لَّہٗ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَہَرَ

اور ان ہی سے روایت ہے کہ ان کا ایک گھوڑا[1] بھاگ گیا، جسے دشمنوں نے پکڑ لیا پھر ان پر مسلمان غالب ہوئے تو وہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابن عمر کو واپس کیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کا ایک غلام بھاگ کر رومیوں کے پاس چلا گیا پھر مسلمان ان پر غالب آئے تو نبی اکرم

عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خالد بن ولید نے وہ غلام انہیں واپس کر دیا[3]

(بخاری)

[1] فرس کا اطلاق گھوڑے اور گھوڑی دونوں پر ہوتا ہے۔

[2] اور اسے عام مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ کافر اس کے مالک نہیں ہوتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور اس کے بعد یہی حکم تھا، اور اس پر علماء کا اتفاق ہے اگر تقسیم سے پہلے ہو، البتہ اگر تقسیم کے بعد ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

$\frac{3815}{9}$ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْكَ فَقَالَ إِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَّلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ وَّبَنِيْ نَوْفَلٍ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جبیر بن مطعم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم[2] نے عرض کیا کہ آپ نے خیبر کے پانچویں حصے میں سے بنو المطلب کو حصہ عطا فرمایا ہے اور ہمیں نہیں دیا حالانکہ ہمارا[3] آپ سے یکساں تعلق ہے، فرمایا صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں[4]، حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس[5] اور بنی نوفل[6] کو کچھ حصہ عطا نہیں فرمایا۔

(بخاری)

[1] حضرت جبیر بن مطعم قریشی، نوفلی صحابی ہیں۔

[2] یعنی میں نے اور حضرت عثمان غنی نے

[3] یعنی میرا حضرت عثمان غنی اور بنی المطلب کا آپ سے ایک جیسا رشتہ ہے کیونکہ ہم سب

عبد مناف کی اولاد ہیں اور وہ ہمارے اور آپ کے چوتھے دادا ہیں، کیونکہ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل سب عبد مناف کے بیٹے ہیں اور ہیں جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ہوں اور عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔

سے اتفاق واتحاد اور اس معاہدے کی بنا پر جو ان کے درمیان جاہلیت میں تھا اور اسلام میں ہے۔ بنی عبد شمس اور بنی نوفل نے بنی ہاشم کی دشمنی اور مخالفت کی بنا پر آپس میں معاہدہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ نکاح اور خرید فروخت نہیں کریں گے جب تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد نہیں کر دیں گے۔ بنی مطلب، بنی ہاشم کے ساتھ اس وقت بھی متحد و موافق اور ایک سا تھے۔ بعض نے سِیٌّ وَاحِدٌ بے نقطہ سین کے ساتھ روایت کیا، جس کا معنیٰ مثل اور برابر ہے اور وَاحِدٌ اس کی تفسیر ہے۔

ھ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔

ے جو میرے رشتہ دار تھے۔

۳۸۱۶/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا قَرْیَةٍ اَتَیْتُمُوْهَا وَاَقَمْتُمْ فِیْهَا فَسَهْمُكُمْ فِیْهَا وَاَیُّمَا قَرْیَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِیَ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ گاؤں[1] جہاں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے اور جو گاؤں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے[2] تو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے پھر وہ[3] اموال غنیمت تمہارے لیے ہیں۔ (مسلم)

لہ کافروں کا گاؤں، یعنی وہ جنگ کے بغیر جس گاؤں کو خالی کر دیں اور تمہارے ساتھ صلح کریں۔ ایسے اموال کو فیئی کہتے ہیں تو اس گاؤں میں تمہارا حصہ ہے۔ چنانچہ اسے فیئی کے مصارف میں صرف کیا جائے گا۔ امام شافعی کے علاوہ اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

سے اور تم نے جنگ، قہر اور غلبہ کے ساتھ حاصل کر دو۔

سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد وہ اموال غنیمت تمہارے لیے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ پہلی قسم سے وہ چیز مراد ہے جو لشکر کے ہاتھ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہمراہ نہ ہوں تو وہ لشکر کے لیے ہے اور دوسری قسم سے وہ چیز مراد ہے جو لشکر کو ملے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ ہوں تو اس میں سے

پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی لشکر میں تقسیم فرما دیتے ، اسی طرح اس حدیث کی تفسیر کی گئی ہے ۔

۳۸۱۷/۱۱ وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت خولہ انصاریہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق واقع ہوتے ہیں[2] تو قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ (بخاری)

[1] حضرت خولہ انصاریہ نقطے والی خاء پر زبر اور واؤ ساکن ، مشہور صحابیہ ہیں۔

[2] اور اس میں ناجائز تصرف کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کے مال سے مراد مال غنیمت ہے اور اگر فیئ مال زکوٰۃ وغیرہ کو شامل قرار دیں تو بھی درست ہے۔ لغت میں خوض کا معنیٰ پانی میں آنا ہے۔

۳۸۱۸/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ اَمْرَهُ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ بَعِيْرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا ، پس مال غنیمت میں خیانت کا ذکر کیا ۔ اس کے ارتکاب کی شدت بیان کی اور اس کے معاملے کی شدت بیان فرمائی ۔ پھر فرمایا : میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا ہو ، وہ شخص کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ۔ تحقیق میں تجھے شریعت کا حکم پہنچا چکا ہوں میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے ، اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا

لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَهُوَ اَتَمُّ)

رہا ہو، وہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے شریعت کا حکم پہنچا چکا، میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر بکری ممیا رہی ہو، وہ کہے کہ یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے حکم شریعت پہنچا چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اس کی گردن پر غلام چیخ رہا ہو، وہ کہے یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے حکم شرع پہنچا چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے۔ اس کی گردن پر کپڑے پھڑپھڑا رہے ہوں، وہ کہے یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے حکم خداوندی پہنچا چکا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے، اس کی گردن پر سونا چاندی ہو، وہ کہے یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا چکا۔

(صحیحین) اور یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور یہ لفظ زیادہ کامل ہے۔

لہ اور اس میں جو آخرت کا عذاب ہے۔

۲ہ اُلفِیَنَّ ہمزہ پر پیش، فار کے نیچے زیر، اِلفَاءٌ سے مشتق ہے جس کا معنی پانا ہے۔

۳ہ رُغَاءٌ راء پر پیش، نقطے والی غین مخفف، آخر میں الف ممدودہ، اونٹ کی آواز۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اونٹ ہوگا جو اس نے مال غنیمت میں سے چرایا ہوگا، وہ اس کے سر پر لاد دیا جائے گا جہاں وہ بلبلانے گا۔

۴ہ اور مجھے اس عذاب سے رہائی دلائیں۔

۵ہ اس عذاب کے دفع کرنے اور اس سے نجات دلانے کا۔

۶ہ اور تجھے بھرپور انداز میں ڈر سنایا، مگر تو نے اس پر عمل نہ کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ارشاد زجر و توبیخ اور سزا کے طور پر ہوگا اور ان لوگوں کی شفاعت میں تاخیر کی جائے گی۔ اور اگر شفاعت نہ بھی فرمائیں تو آپ پر واجب نہیں ہے[۱]۔

۷ہ حَمْحَمَۃٌ دونوں بے نقطہ حاؤں پر زبر، دونوں کے درمیان میم ساکن، گھوڑے کی آواز جو صہیل سے پست ہوتی ہے۔

۸ہ ثُغَاءٌ تین نقطے والی ثار پر پیش، نقطے والی غین مخفف، بکری کی آواز۔

۹ہ رِقَاعٌ راء کے نیچے زیر، رقعہ کی جمع، کپڑے کا ٹکڑا۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رقعہ سے مراد کاغذ کا وہ ٹکڑا ہو جس میں لوگوں کے حقوق اور اموال لکھے ہوتے ہوں۔

۱۰ہ سونے چاندی کو مال صامت کہتے ہیں۔

۱۱ہ امام مسلم کی روایت بعض مقامات پر لفظوں میں امام بخاری کی روایت کے مخالف ہے۔ تاہم امام مسلم کی روایت میں زیادہ تفصیل ہے۔

۳۸۱۹ وَعَنْهُ قَالَ اَهْدٰی رَجُلٌ[۱۲] لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا یُقَالُ	اور ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جسے مِدْعَم کہا جاتا تھا۔ مدعم رسول اللہ

۱ہ اگر یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خیانت حلال جان کر کریں وہ تو کافر ہو چکے اور کافر کے لیے شفاعت نہیں، اور اگر مسلمان فاسق مراد ہیں جو یہ حرکات حرام سمجھتے ہوئے کریں تو یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی شفاعت بڑے بڑے گنہگار مسلمانوں کو نصیب ہوگی۔ فرماتے ہیں شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خاص دعا قیامت میں شفاعت کرنے کے لیے چھپا رکھی ہے اور وہ دعا ہر مسلمان کو پہنچے جو ایمان پر مرے۔ ۱۲ مراۃ

لَهٗ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَصَابَهٗ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْ شِرَاكَيْنِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِّنَ النَّارِ اَوْ شِرَاكَانِ مِنَ النَّارِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے سامان کھول رہے تھے کہ اچانک انہیں اندھا تیر آ کر لگا، جس نے انہیں قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ انہیں جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن اموالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لی تھی، اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے، جب لوگوں نے یہ ارشاد سنا تو ایک شخص ایک یا دو تسمے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا، آپ نے فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا فرمایا: آگ کے دو تسمے ہیں۔

(صحیحین)

۱؎ مدعم میم کے نیچے زیر، دال بے نقطہ ساکن، عین بے نقطہ پر زبر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ فام غلام جو رفاعہ بن زید بن وہب جذامی (جیم اور نقطے والے ذال پر زبر) نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

۲؎ جس کے مارنے والے کا علم نہ ہو سکا۔

۳؎ کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اور شہید ہو گئے۔

۴؎ شملہ نقطے والے شین پر زبر، میم ساکن، چھوٹی چادر جو اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ اشتعال: آگ کا بھڑکنا۔

۵؎ تو ڈر گئے اور جس نے کوئی چیز لی تھی۔ اگرچہ معمولی ہی تھی لا کر بارگاہ اقدس میں پیش کر دی۔

۶؎ یعنی ان میں خیانت کرنا دوزخ کی آگ کا سبب ہے۔ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو۔

۳۸۲۰/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان[1] پر ایک شخص مقرر تھا جسے کرکرہ[2] کہا جاتا ہے۔ وہ فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ صحابہ کرام دیکھنے[3] کے لیے گئے تو انہیں ایک چادر[4] ملی جو اس شخص نے چرائی تھی۔ (بخاری)

[1] ثقل تین نقطے والی ثاء اور قاف، دونوں پر زبر، مسافر کا ساز و سامان جو چار پائے پر لادا گیا ہو۔

[2] کرکرہ پہلے کاف پر زبر اور زیر، دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ دوسرے کاف کے نیچے زیر ہی ہے۔ بعض شارحین نے دونوں پر زبر بیان کی ہے۔

[3] ان کا ساز و سامان دیکھنے کے لیے گئے، غالباً انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ وعید، مال غنیمت میں خیانت کی بنا پر ہے۔

[4] عباء عین پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، ایک قسم کی چادر۔

۳۸۲۱/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُصِيْبُ فِيْ مَغَازِيْنَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ وَلَا نَرْفَعُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں ہمارے غزوات میں شہد اور انگور ہاتھ آتے تھے اور اسے کھالیتے تھے اور اسے اٹھا نہ رکھتے تھے[1]۔ (بخاری)

[1] ہم ان چیزوں کو تقسیم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں لے جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے کو روا رکھتے تھے اور درست قرار دیتے تھے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ مجاہدین جب تک دار الحرب میں رہیں مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کھانے کی چیزیں، حاجت کے مطابق کھا سکتے ہیں۔

۳۸۲۲/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ اَصَبْتُ جِرَابًا مِّنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ ..

حضرت عبداللہ بن مغفل[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن مجھے چربی کی ایک تھیلی ملی میں نے اسے دبوچ لیا

فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَالْتَفَتُّ فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ إِلَيَّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور کہا کہ آج میں اس میں سے کچھ بھی کسی کو نہیں دوں گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔[۳]
(صحیحین)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَا أُعْطِيْكُمْ فِي بَابِ رِزْقِ الْوُلَاةِ.

حضرت ابوہریرہ کی حدیث جس کی ابتداء میں ہے مَا أُعْطِيْكُمْ ''سے باب رزق الولاۃ میں بیان کر دی گئی ہے۔

سلہ حضرت عبداللہ بن مغفل میم پر پیش، نقطے والی غین پر زبر اور فاء مشدد۔

سلہ دل میں یا زبان سے۔

سلہ میرے اس فعل پر کہ میں نے چربی کی تھیلی کو اپنے ساتھ چمٹایا ہوا تھا۔

سلہ مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۳۸۲۳/۱۷ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ فَضَّلَ أُمَّتِيْ عَلَى الْأُمَمِ وَأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ. (تِرْمِذِيٌّ)

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاء کرام پر فضیلت دی یا فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرمائیں[۲]
(ترمذی)

سلہ حضرت ابوامامہ باہلی مشہور صحابی ہیں۔

سلہ یہ تفضیل کا بیان ہے یا یہ مطلب ہے کہ دوسری فضیلتوں کے علاوہ یہ فضیلت بھی دی کہ غنیمتیں حلال کر دیں۔

۳۸۲۴/۱۸ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقَتَلَ اَبُوْطَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلًا وَّ اَخَذَ اَسْلَابَهُمْ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا: جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سازو سامان[1] اس کے لیے ہے حضرت ابو طلحہ[2] نے اس دن بیس کافروں کو قتل کیا اور ان کا سامان حاصل کیا۔ (دارمی)

[1] کپڑے اور گھوڑا (اور ہتھیار) وغیرہ
[2] جو حضرت انس کی والدہ کے شوہر تھے۔

۳۸۲۵/۱۹ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَمِّسِ السَّلَبَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عوف بن مالک اشجعی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ وہ تمام قاتل کے لیے ہے اور اس میں سے پانچواں حصہ نہیں لیا[1]۔ (ابوداؤد)

[1] جیسے کہ آپ اموال غنیمت میں سے لیتے تھے۔

۳۸۲۶/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ اَبِيْ جَهْلٍ وَكَانَ قَتَلَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بدر کے دن بطور انعام[1] ابو جہل کی تلوار عطا فرمائی، انہوں نے اسے قتل کیا تھا[2]۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی حصہ غنیمت سے زائد۔
[2] ابوجہل کو قتل کرنے والے دوسرے صحابی ہیں، لیکن اس کے قتل میں حضرت ابن مسعود کا بھی دخل تھا اور وہ

اس قتل میں شریک تھے، اس لیے ابو جہل کے مال میں سے حاصل ہونے والی تلوار انہیں عطا فرمائی، اس واقعے کی تفصیل تیسری فصل میں آئے گی۔

۳۸۲۷/۲۱ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِي فَكَلَّمُوا فِيَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّمُوهُ اَنِّي مَمْلُوكٌ فَاَمَرَنِي فَقُلِّدْتُ سَيْفًا فَاِذَا اَنَا اَجُرُّهُ فَاَمَرَ لِي بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ اَرْقِي بِهَا الْمَجَانِيْنَ فَاَمَرَنِي بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) اِلَّا اَنَّ رِوَايَتَهُ اِنْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ۔

حضرت آبی اللحم کے غلام حضرت عمیر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر کو حاضر ہوا، میرے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں گفتگو کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں غلام ہوں، تو آپ نے مجھے حکم دیا[2]، چنانچہ میرے گلے میں تلوار لٹکا دی گئی۔ میں اسے گھسیٹ[3] ہی رہا تھا کہ آپ نے میرے لیے کچھ مال غنیمت[4] کا حکم فرمایا۔ میں نے آپ کے سامنے ایک منتر پیش کیا جس کے ساتھ میں پاگلوں کو دم کیا کرتا تھا تو آپ نے مجھے اس کے کچھ حصے کے پھینکنے اور کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا[5]۔ (ترمذی، ابوداؤد) البتہ امام ابوداؤد کی روایت المتاع پر ختم ہو گئی ہے۔

[1] عمیر بے نقطہ عین پر پیش، آبی اللحم، ہمزہ پر مد، بار کے نیچے زیر، اس کا معنی ہے گوشت کھانے سے انکار کرنے والا، حضرت آبی اللحم قدیم اور مشہور صحابی ہیں، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور حنین کے روز شہید ہوئے۔ ان کے نام اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ آبی اللحم ان کا لقب ہے، اس لیے کہ وہ بالکل گوشت نہیں کھاتے تھے بعض محدثین نے کہا کہ دورِ جاہلیت میں بتوں پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ حضرت عمیر حضرت آبی اللحم کے غلام، غفاری اور حجازی ہیں، وہ بھی صحابی ہیں۔ فتح خیبر کے موقع پر اپنے آقا کے ساتھ حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے آقا سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

[2] کہ اسے جہاد کے لیے لے جائیں یا خدمت کے لیے، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے میری تعریف کی،

یا یہ پوچھا کہ کیا اسے مال غنیمت میں کوئی چیز دی جائے یا نہ؟

۳ کہ میں ہتھیار اٹھاؤں اور مجاہدوں اور غازیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔

۴ چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے۔

۵ خُرْثی نقطے والی خاء پر پیش، بے نقطہ راء ساکن، تین نقطوں والی ثاء کے نیچے زیر، اور یاء مشدد، گھریلو سامان میں سے معمولی چیز، مثلاً دیگچہ وغیرہ خرثی سرخ چیونٹی کو بھی کہتے ہیں، اس جگہ معمولی اور تھوڑی چیز مراد ہے۔

۶ ظاہر یہ ہے کہ اس منتر کے کچھ کلمات اچھے تھے اور کچھ قبیح تھے، پس آپ نے قبیح کے ترک کرنے اور باقی کے پڑھنے کا حکم دیا، دم کرنے کے کلمات کے بارے میں قاعدہ یہی ہے کہ اگر قرآن پاک کے کلمات اسماء الٰہیہ اور ان جیسے کلمات سے ہو تو انہیں پڑھنا چاہیے اور جو اس طرح نہ ہو یا اس کا معنیٰ معلوم نہ ہو تو اسے نہیں پڑھنا چاہیے۔ اس مسئلے کی تفصیل باب الرقی میں آئے گی۔

۷ اور اس میں عرضت علیہ سے لے کر آخر تک کا حصہ نہیں ہے۔

۳۸۲۸/۲۲ وَعَنْ مُّجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى اَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ اَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلٰثُ مِائَةِ فَارِسٍ فَاَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ اَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَاَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ اَنَّهٗ قَالَ ثَلٰثُ مِائَةِ فَارِسٍ وَاِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ۔

حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر سے حاصل ہونے والا مال اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا، چنانچہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا، لشکر ایک ہزار پانچ سو افراد پر مشتمل تھا، ان میں تین سو گھوڑے کے سوار تھے، پس سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ (ابوداؤد) امام ابوداؤد نے کہا کہ ابن عمر کی حدیث زیادہ صحیح ہے، اور اسی پر عمل ہے، مجمع کی حدیث میں وہم واقع ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ سوار تین سو تھے، حالانکہ سوار صرف دو سو تھے۔ ۱

۱؎ حضرت مجمع میم پر پیش، جیم پر زبر، میم مشدد کے نیچے زیر اور عین بے نقطہ بن جاریہ جیم، راء اور یاء کے ساتھ مدنی انصاری صحابی ہیں، ان کا باپ مسجد ضرار والے منافقوں میں سے تھا، حضرت مجمع مخلص اور صاحب استقامت تھے، قرآن پاک کے قاری تھے۔ حضرت ابن مسعود نے آدھا قرآن پاک ان سے حاصل کیا تھا، یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں پورا قرآن پاک یاد کیا تھا۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت دو سورتیں باقی تھیں (جو انہوں نے بعد میں یاد کیں۔ ۱۲ قادری)

۲؎ یہ حضرات بیعت رضوان سے مشرف ہوتے تھے، اس کے ایک سال بعد خیبر فتح ہوا۔ قرآن مجید میں اس فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

۳؎ جو پہلی فصل میں گزر گئی ہے، اس کے مطابق سوار کے تین حصے ہیں۔

۴؎ اکثر ائمہ کا عمل ہے۔

۵؎ یاد رہے کہ حضرت مجمع کی حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سوار کے دو حصے ہیں۔ جیسے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں، کیونکہ جب (اٹھارہ حصوں میں سے) تین سو سواروں میں سے ہر سو کو دو حصے عطا فرمائے تو چھ حصے نکل گئے، بارہ حصے باقی بچے، تو پیادوں میں ہر سو کے لیے ایک حصہ ہوا، جو حضرات کہتے ہیں کہ سوار کے تین حصے ہیں، ان کے قول کے مطابق تقسیم درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں سواروں کے نو حصے ہوں گے، اور پیادوں کے بارہ حصے ہوتے تو مجموعی طور پر اکیس ۲۱ حصے ہو جائیں گے۔ ابن عباس اور ابن عمر سے بھی حضرت مجمع کی مثل حدیث روایت کی گئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی حدیث زیادہ قوی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہل حدیبیہ کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں، ایک روایت میں ان کی تعداد ایک ہزار اور چار سو ہے، دو سو سوار تھے۔

۳۸۲۹/۲۳ وَعَنْ حَبِيْبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت حبیب بن مسلمہ فہری ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے ابتدا ۲؎ میں چوتھائی حصہ بطور انعام دیا اور واپسی ۳؎ پر تہائی حصہ عطا فرمایا۔ (ابو داؤد)

۱؎ حبیب بروزن کریم بن مسلمہ میم پر زبر دو میموں کے درمیان سین ساکن۔ الفہری فاء کے نیچے زیر اور ہاء ساکن

رومیوں کے ساتھ بکثرت جہاد کرنے کی وجہ سے انہیں حبیب الروم بھی کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب نے انہیں جزیرہ کا عامل مقرر فرمایا، صاحبِ فضیلت اور مستجاب الدعوۃ تھے۔ جامع الاصول میں اختلاف کا ذکر کیے بغیر ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ کاشف میں فرمایا کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی،

۲ جنگ کی ابتدا میں۔

۳ جنگ سے واپسی پر، یعنی جب لشکر کا ایک حصہ لشکر کے پہنچنے سے پہلے جنگ کی ابتدا میں دشمنوں کے ساتھ جنگ میں کود پڑتا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں غنیمت کا چوتھائی حصہ عنایت فرماتے اور باقی تین حصوں میں انہیں شریک کرتے، اور جب لشکر جنگ سے واپس ہوتا اور ایک جماعت دشمن پر یلغار کر دیتی تو اس جماعت کو غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے، اور باقی دو تہائی میں انہیں شریک فرماتے، کیونکہ واپسی پر جنگ میں ان کی کاروائی اور مشقت سخت ہوتی اور خطرہ بھی زیادہ ہوتا، ابتدا میں لشکر کی آمد آمد ہوتی ہے اور وہ آکر امداد کرتا ہے، برخلاف واپسی کے کہ سب لوگ لوٹ چکے ہیں، ایسی صورت میں کاروائی کرنا اور جنگ کرنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے اور انعام، جنگ میں مشقت اور کوشش کی بنا پر دیا جاتا ہے۔

$\frac{۳۸۳۰}{۲۴}$ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَالثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ اِذَا قَفَلَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچواں حصہ نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ انعام میں دیتے تھے[۱] اور واپسی پر پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تہائی حصہ دیتے تھے[۲] (ابوداؤد)

۱ یعنی جنگ کی ابتدا میں جیسے کہ گزشتہ حدیث میں گزر گیا ہے اور آئندہ عبارت بھی اس پر قرینہ ہے۔

۲ لیکن گزشتہ حدیث میں خمس کا ذکر نہیں ہے، اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ابتدا میں چوتھائی حصہ اور واپسی پر تہائی حصہ جو عطا فرماتے تھے وہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تھا یا اس سے پہلے اور اس جگہ بیان کیا ہے کہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تھا، پہلے پانچواں حصہ نکالتے تھے پھر چوتھائی یا تہائی اسی جگہ عطا فرما دیتے، بعد میں تقسیم کرتے تھے۔

$\frac{۳۸۴۱}{۲۵}$ وَعَنْ اَبِي الْجُوَيْرِيَةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ اَصَبْتُ بِاَرْضِ

حضرت ابو[۱] الجویریہ جرمی سے روایت ہے کہ مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الرُّوْمِ جَرَّةً حَمْرَآءَ فِيْهَا دَنَانِيْرُ فِيْ إِمْرَةِ مُعَاوِيَةَ وَعَلَيْنَا رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهٗ مَعْنُ ابْنُ يَزِيْدَ فَاَتَيْتُهٗ بِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اَعْطَانِيْ مِنْهَا مِثْلَ مَآ اَعْطٰى رَجُلًا مِّنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْ لَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نَفْلَ اِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ لَاَعْطَيْتُكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

کے زمانہ حکومت میں، روم کے علاقے میں ایک سرخ گھڑا ملا جس میں دینار تھے، ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بنو سلیم کے ایک شخص حاکم مقرر کیے گئے تھے جنہیں معن بن یزید کہا جاتا تھا۔ میں نے وہ گھڑا ان کی خدمت میں پیش کر دیا، جسے انہوں نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور اس میں سے مجھے بھی اتنا حصہ دیا جتنا دوسرے مسلمانوں کو دیا تھا، پھر فرمایا، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوتا کہ انعام پانچویں حصے کے بعد ہی ہوتا ہے تو میں تمہیں انعام دیتا۔

(ابوداؤد)

۱؎ الجویریہ جیم پر پیش، واؤ پر زبر، پہلی یار ساکن اور دوسری مخفف الجرمی جیم پر زبر اور رار ساکن۔ جرم بن زیاد کی طرف منسوب، بصری اور ثقہ تابعی ہیں، ابن عباس، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے ابن عیینہ اور شعبہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲؎ امرۃ ہمزے کے نیچے زیر، میم ساکن اور اس کے بعد ہمزہ نہیں ہے، یعنی حکومت۔

۳؎ سونے کے دینار

۴؎ بنو سلیم سین پر پیش، لام پر زبر، ایک قبیلے کا نام ہے۔

۵؎ معن میم پر زبر، عین ساکن

۶؎ یعنی سب کو برابر حصہ دیا اور مجھے زائد حصہ نہ دیا۔

۷؎ بعض مجاہدوں کو خاص طور پر جو زائد حصہ دیا جاتا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انعام خمس کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا انعام اس مال میں ہوگا جس میں سے خمس (یا پانچواں حصہ) نکالا جاتا ہے اور خمس اس مال میں ہوتا ہے جو کافروں سے زبردستی اور غلبے کی بنا پر حاصل کیا جاتا ہے، جسے مال غنیمت کہتے ہیں، وہاں جنگ ہوتی ہے

اور یہ مال فیٔ ہے اور اس میں خمس نہیں ہے لہذا انعام بھی نہیں ہوگا۔

۳۸۳۲/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ خَیْبَرَ فَاَسْهَمَ لَنَا اَوْ قَالَ فَاَعْطَانَا مِنْهَا وَمَا قَسَمَ لِاَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَیْبَرَ مِنْهَا شَیْئًا اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهٗ اِلَّا اَصْحَابَ سَفِیْنَتِنَا جَعْفَرًا وَّ اَصْحَابَهٗ اَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آگئے تو اتفاقاً[1] اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ نے خیبر فتح کیا تو آپ نے ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا، یا فرمایا کہ ہمیں بھی خیبر کی غنیمت سے مال عطا کیا، آپ نے فتح خیبر سے غیر حاضر ہونے والے کسی فرد کو اس غنیمت سے کچھ حصہ نہ دیا، سوائے ان کے جو آپ کے ساتھ حاضر ہوئے[2]، مگر ہماری کشتی والوں[3]، حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کو حاضرین کے ساتھ غنیمت میں سے حصہ عطا کیا۔[4] (ابوداؤد)

[1] حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے مکہ مکرمہ حاضر ہوکر اسلام لائے پھر ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے[1] وہاں سے واپس مدینہ منورہ آئے۔ اتفاقاً ان کی آمد اس وقت ہوئی جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تشریف لائے۔ یہ حضرات بھی ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے، سب مل کر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ نے خیبر فتح کیا۔

[2] یہ کلام سابق کی تاکید ہے۔

[3] جو ایک کشتی میں سوار ہوکر آئے تھے، حبشہ دریا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

---

[1] احادیث صحیحہ کے مطابق فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ دریا کے راستے یمن سے مدینہ منورہ کا ارادہ کرکے روانہ ہوئے قضاء الٰہی سے ہوا نے کشتی کو حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔ اس جگہ حضرت جعفر سے ملاقات ہوئی اور ان کے پاس ہی قیام کیا۔ جب صلح حدیبیہ ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو طلب فرمایا، ان کے ہمراہ حضرت ابوموسیٰ اس وقت مدینہ منورہ پہنچے جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا۔ ۱۲ امیر علی۔

آنے کے لیے کشتی کا سفر کرنا پڑتا ہے۔

۴؎ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ انہیں غنیمت میں سے حصہ اس لیے دیا گیا کہ یہ حضرات اگرچہ جنگ کے بعد حاضر ہوتے تھے لیکن مالِ غنیمت جمع کرنے سے پہلے پہنچ گئے تھے، یہ ان حضرات کی نادیل ہے جو کہتے ہیں کہ اس وقت حاضر ہونے والا غنیمت میں شریک ہوگا، جیسے کہ امام شافعی کا ایک قول ہے۔ دوسرے علماء جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ غازیوں اور غنیمت حاصل کرنے والوں کی رضا سے ان حضرات کو حصہ دیا گیا اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔

۳۸۲۳/۲۷ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِّنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت یزید بن خالد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی خیبر کے دن فوت ہو گئے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تو فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھو؎۔ اس بات پر لوگوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا؎، فرمایا: تحقیق تمہارے ساتھی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کی ہے، ہم نے ان کے سامان کی تلاشی لی تو ہمیں یہودیوں کا ایک منکا؎ ملا جو دو درہموں کے برابر نہ تھا؎۔ (مالک، ابو داؤد نسائی)

۱؎ یزید بن خالد، شارحین نے فرمایا کہ صحیح زید بن خالد ہے کیونکہ یزید بن خالد نام کے کوئی صحابی معلوم نہیں ہیں جامع الاصول میں ہے کہ حضرت زید بن خالد کی کنیت ابو طلحہ ہے، بعض نے کہا ابو عبدالرحمٰن صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان سے مشہور اور جلیل القدر تابعی حضرت عبداللہ بن منبہ نے روایت کی، ۷۸ھ عبدالملک کے زمانے میں اور بعض نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ کے آخری دنوں میں پچاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی یہ نہیں پڑھتا۔

۳؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی بنا پر۔

۴؎ یعنی وہ منکا جسے یہودی سنبھال کر رکھتے ہیں اور ان کی عورتیں پہنتی ہیں۔ خرز نقطے والی خاء اور راء دونوں پر زبر، آخر میں نقطے والی زاء، منکا، موتی۔

۵؎ یعنی اس کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔

۳۸۳۴/۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ غَنِيْمَةً اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهُ وَيُقَسِّمُهُ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِّنْ شَعْرٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا اَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ اَسَمِعْتَ بِلَالًا نَادٰى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَجِيْءَ بِهٖ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ اَنْتَ تَجِيْءُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلَنْ اَقْبَلَهٗ عَنْكَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مال غنیمت حاصل کرتے تو حضرت بلال کو حکم دیتے، وہ لوگوں میں اعلان کرتے[۱]، لوگ اپنی غنیمتیں لے آتے اور آپ پانچواں حصہ نکال کر دہ مال تقسیم فرما دیتے، ایک دن اس کے بعد ایک شخص نے بالوں کی لگام لا کر عرض کیا کہ یہ ہمیں مال غنیمت میں ملی تھی، فرمایا کیا تم نے تین بار بلال کا اعلان سنا تھا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا، پھر تمہیں اس کے لانے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے عذر پیش کیا[۲]۔ فرمایا جاؤ تم اسے قیامت کے دن[۳] لاؤ گے، میں ہرگز تم سے یہ قبول نہیں کروں گا[۴]۔ (ابوداؤد)

۱؎ کہ اپنے اپنے اموال غنیمت لے آؤ۔

۲؎ کہ فلاں سبب سے تاخیر ہو گئی۔

۳؎ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں۔

ؔ یہ وعید، سختی اور تغلیظ تھی ورنہ اگر آدمی توبہ کرے اور مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو راضی کرے تو ممکن ہے اس کی معذرت قبول کر لی جائے۔

۳۸۳۵/۲۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ حَرَّقُوْا مَتَاعَ الْغَالِّ وَ ضَرَبُوْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان جلا دیا اور اسے مارا [۱] (ابو داؤد)

[۱] بطور تعزیر، بعض اہل علم جن میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں اس حدیث کے ظاہر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خیانت کرنے والے کا مال جلا دیا جائے سوائے جانور اور قرآن پاک کے اور اس مال کے جو اس نے خیانت سے حاصل کیا ہے کیونکہ وہ غانمین کا حق ہے، علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ بطور تغلیظ اور تشدید وارد ہے، ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں۔

۳۸۳۶/۳۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّكْتُمْ غَالًّا فَاِنَّهٗ مِثْلُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص خیانت کرنے والے کو چھپائے [۱] بے شک وہ اس کی مثل ہے۔ (ابو داؤد)

[۱] اور اسے امیر کے سامنے نہ لائے، اور اس کی رعایت و حمایت کرے تو وہ خیانت میں اس کا مددگار ہے اور گناہ میں اس کا شریک ہے۔

۳۸۳۷/۳۱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَى الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے غنیمتوں کے خریدنے سے منع فرمایا۔ [۱]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

لہ کیونکہ وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہیں۔

۳۸۳۸/۳۲ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى اَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰى تُقْسَمَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے مال غنیمت کے حصے بیچنے سے منع فرمایا۔لہ (ترمذی)

لہ یعنی اگر کوئی شخص اپنا حصہ تقسیم سے پہلے فروخت کرنا چاہے تو وہ فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے۔

یہ مسئلہ ان حضرات کے نزدیک ہے جو ملکیت کو تقسیم پر موقوف مانتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو نہ تو سودے کا پوری طرح علم ہے اور نہ ہی اس کی صفت معلوم ہے۔

۳۸۳۹/۳۳ وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذِهِ الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَيْسَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا النَّارُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے، تو جسے وہ آدمی اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے اُسے اس میں برکت عطا کی جائے گی اور بہت سے افراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مال میں واقع ہوتے ہیں جسے ان کا نفس چاہتا ہے، ان کیلئے قیامت کے دن صرف آگ ہوگی۔ (ترمذی)

لہ حضرت خولہ بنت قیس صحابیہ ہیں، ان کو خویلہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت امیر حمزہ کی اہلیہ محترمہ نہیں، اسی طرح کاشف میں ہے۔

۲؎ یعنی مال غنیمت، سرسبز اور میٹھا ہے، جو دیکھنے میں اچھا لگتا ہے اور دل کو دلچسپ دکھائی دیتا ہے۔
۳؎ یعنی حلال طریقے سے۔
۴؎ مال غنیمت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔

۳۸۴۰/۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفِقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن ذوالفقار نامی تلوار خود بطور نفل (زیادتی) قبول فرمائی (ابن ماجہ)، امام ترمذی نے اضافہ کیا کہ یہ وہی تلوار تھی جس کے بارے میں آپ نے اُحد کے دن خواب۲ دیکھا تھا۔

۱؎ یعنی اپنے لیے منتخب فرمائی۔ ذوالفقار فاء پر زبر، یہ تلوار منبہ بن الحجاج کی تھی، قاموس میں ہے کہ عاص بن منبہ کی تھی جو بدر کے دن حالت کفر میں مارا گیا۔ بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادی۔ اسے ذوالفقار اس لیے کہتے ہیں کہ فقار ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں، اس تلوار کی پشت میں ریڑھ کی ہڈی ایسے منکے جڑے ہوتے تھے۔
۲؎ (اشعۃ اللمعات میں ہے کہ تلوار کے منکوں کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب دیکھا، صحیح یہ ہے کہ ضمیر تلوار کی طرف راجع ہے۔ ۱۲ قادری)
۲؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے ذوالفقار کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی اسے دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی بہتر ہوگئی، آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ اُحد کے دن شکست ہوگی آخر میں فتح ہوئی۔

۳۸۴۱/۳۵ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ

حضرت رویفع بن ثابت۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کسی چارپائے پر سوار نہ ہو

فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَعْجَفَهَا رَدَّهٗ فِیْهِ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَلْبَسْ ثَوْبًا مِّنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَخْلَقَهٗ رَدَّهٗ فِیْهِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

یہاں تک کہ جب اسے لاغر کرے تو اسے مال غنیمت میں واپس کر دے[2] اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کپڑا نہ پہنے حتیٰ کہ جب اسے پرانا کر دے تو مال غنیمت میں لوٹا دے۔
(ابوداؤد)

[1] حضرت رویفع راء پر پیش، واؤ پر زبر، یاء ساکن، فاء کے نیچے زیر اور آخر میں بے نقطہ عین، ابن ثابت بصری صحابی ہیں، بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، حضرت امیر معاویہ نے انہیں ۴۶ھ میں طرابلس کا امیر مقرر فرمایا، چنانچہ انہوں نے ۴۷ھ میں افریقہ میں جہاد کیا، ۵۶ھ میں شام میں وصال ہوا۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمزوری اور لاغری کا سبب نہ بنے تو سواری میں حرج نہیں ہے۔ یا یہ بات عرف اور عادت کے مطابق فرمائی کیونکہ سواری، ضرور کمزوری کا سبب بنے گی

۳۸۴۲/۳۶ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِی الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قُلْتُ هَلْ کُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَبْنَا طَعَامًا یَوْمَ خَیْبَرَ وَ کَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ فَیَاْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا یَکْفِیْهِ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت محمد بن ابی المجالد[1] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں طعام کا پانچواں حصہ لیتے[2] تھے؟ فرمایا ہمیں خیبر کے دن طعام حاصل ہوا، ایک شخص آتا اور اس میں سے اتنی مقدار لے لیتا جو اس کے لیے کافی ہوتی پھر واپس ہو جاتا۔[3]
(ابوداؤد)

[1] محمد بن ابی المجالد میم پر پیش، اس کے بعد جیم، کوفہ کے تابعین میں سے ہیں اور زہری کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی حدیث اہل کوفہ میں پائی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی کیا آپ اس میں سے پانچواں حصہ لیتے تھے؟ یا طعام کی جنس سے جو چیزیں ہوتی تھیں وہ تقسیم سے خارج ہوتی تھیں؟ اور جو چاہتا اس میں تصرف کرتا تھا۔
۳؎ مطلب یہ ہے کہ طعام میں سے پانچواں حصہ نہیں لینا چاہیے، لیکن حاضرین کو چاہیے کہ قدر کفایت سے زیادہ نہ لیں۔

۳۸۴۳/۳۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ جَيْشًا غَنِمُوْا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَّعَسَلًا فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک لشکر طعام اور شہد غنیمت کے طور پر لایا تو ان سے پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔[1] (ابوداؤد)

۱؎ لشکر والوں نے حاجت کی مقدار سے زائد نہیں لیا تھا چونکہ یہ امر ظاہر تھا اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳۸۴۴/۳۸ وَعَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَاْكُلُ الْجَزُوْرَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتّٰى اِذَا كُنَّا لَنَرْجِعُ اِلٰى رِحَالِنَا وَاَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوَّةٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عبدالرحمن کے مولا قاسم[1] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جنگ کے دوران اونٹ[2] کھایا کرتے تھے اور اسے تقسیم نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم اپنے سازوسامان کی طرف لوٹتے تو ہماری خورجیاں[3] اس سے بھری ہوتی تھیں۔ (ابوداؤد)

۱؎ قاسم شامی تابعی ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس مہاجر صحابہ کی زیارت کی ہے، کاشف میں ہے قاسم بن عبدالرحمن دمشقی بنو امیہ کے مولیٰ تھے، بعض محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا اور بعض نے ضعیف کہا، سنہ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت علی اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرسلاً روایت کرتے ہیں ان کے علاوہ حضرت معاویہ

اور حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کرتے ہیں، بعض محدثین نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت ابوامامہ کے علاوہ کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی (ان کے مولیٰ کا نام عبدالرحمٰن بن خالد ہے۔ ۱۲ مرآۃ)

ؔ۲ جزر (جیم پر زبر) اس کے بعد زاء، ذبح کیا جانے والا اونٹ۔ مطلب یہ کہ ہم گوشت کی حاجت اور رغبت کے وقت اونٹ ذبح کرتے تھے اور اس کا گوشت کھاتے تھے۔

ؔ۳ اَخرجہ ہمزے پر زبر، نقطے والی خاء ساکن، راء کے نیچے زیر اور جیم پر زبر، جمع ہے خُرج کی خاء پر پیش اور راء ساکن، بوجھ لادنے کا تھیلا، یہ عربی لفظ ہے، فارسی میں خرجین کہتے ہیں۔

۳۸۴۵/۳۹ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَاِنَّهٗ عَارٌ عَلٰى اَهْلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ.

حضرت عبادہ بن صامت[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹی اور بڑی سوئی ادا کرو اور غنیمت میں خیانت سے باز آؤ کیونکہ وہ قیامت کے دن اہل خیانت کے لیے عار ہوگی۔

(دارمی)

امام دارمی نے یہ حدیث حضرت عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی۔

ؔ۱ حضرت عبادہ بن صامت عین پر پیش اور باء مخفف، مشہور صحابی ہیں۔

ؔ۲ خیاط خاء کے نیچے زیر، مخیط میم کے نیچے زیر اور خاء ساکن، دونوں کا معنیٰ سوئی ہے۔ جیسے کہ مراح میں بیان کیا، قرآن مجید میں ہے فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ۔ قاموس میں ہے خیاط بروزن کتاب اور مخیط بروزن منبر وہ چیز جس کے ساتھ کپڑا سیا جاتا ہے، بڑی سوئی کو بھی کہتے ہیں، اگر ان دونوں میں سے ایک کا معنیٰ بڑی سوئی مراد لیا جائے تو تکرار نہیں رہے گی، خِیاط کو خَیط کی جمع قرار دینا جس کا معنیٰ دھاگہ ہے جیسے کہ حواشی میں لکھا ہے غلط ہے کیونکہ خَیط کی جمع خُیُوطٌ اور اَخیاطٌ آتی ہے جیسے کہ صحاح اور قاموس میں کہا ہے۔

۳۸۴۶/۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ

وَسَلَّمَ بَعِيْرٍ فَاَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ سَنَامِهٖ ثُمَّ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ شَيْءٌ وَّلَا هٰذَا وَرَفَعَ اِصْبَعَهٗ اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَقَامَ رَجُلٌ فِيْ يَدِهٖ كُبَّةٌ مِّنْ شَعْرٍ فَقَالَ اَخَذْتُ هٰذِهٖ لِاُصْلِحَ بِهَا بَرْذَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا بَلَغَتْ مَا اَرٰى فَلَا اَرَبَ لِيْ فِيْهَا وَنَبَذَهَا.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے قریب ہو کر اس کی کوہان کا ایک بال[1] پکڑا، پھر فرمایا: اے لوگو! میرے لیے فئی کے اس مال سے کوئی چیز نہیں ہے اور یہ بھی نہیں ہے، اور اپنی انگلی اٹھائی ہاں خمس ہے اور خمس بھی تم پر رد کیا جاتا ہے، تو تم چھوٹی اور بڑی سوئی ادا کرو، ایک شخص کھڑا ہوا، اس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک گچھا تھا اس نے کہا میں نے یہ کمبل درست کرنے کیلیے لیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میرے لیے اور بنی عبدالمطلب کے لیے ہے وہ تیرے لیے ہے۔ اس نے کہا جب یہ گچھا اس حد کو پہنچ چکا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے اس کی حاجت نہیں ہے اور اسے پھینک دیا۔

(ابوداؤد)

[1] وَبَر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اون، وَبَرَۃ ایک بال سَنَام اونٹ کی کوہان۔

[2] اون کا یہ گچھا جو معمولی اور حقیر چیز ہے۔

۳۸۴۷/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِّنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ

حضرت عمرو بن عبسہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنیمت کے ایک اونٹ کی طرف رُخ کر کے[2] ہمیں نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو کا ایک بال پکڑا پھر فرمایا: میرے لیے

قَالَ وَ لَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسُ وَ الْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ -

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

تمہاری غنیمتوں میں سے اتنا بھی حلال نہیں ہے، سوائے خمس کے اور خمس میں بھی تم میں لوٹا دیا جاتا ہے[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] حضرت عمرو بن عبسہ عین، باء اور سین تینوں پر زبر، مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ کئی جگہ ان کے احوال لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] یعنی اسے سترہ بنا کر

[۳] تم پر صرف کر دیا جاتا ہے۔

۳۸۴۸/۴۲ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذِي الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهُ اَنَا وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِيْ وَضَعَكَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَتَرَكْتَنَا وَ اِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَ قَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں کا حصہ[۱] بنی ہاشم اور بنی المطلب[۲] میں تقسیم فرمایا تو میں اور حضرت عثمان بن عفان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ بنی ہاشم ہیں سے ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے، آپ کے وجود شریف کی بنا پر کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے پیدا فرمایا ہے۔ آپ ہمیں بیان فرمائیں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کہ آپ نے ہمارے بھائیوں بنی المطلب کو مال عطا فرمایا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے[۳] حالانکہ ہماری اور ان کی قرابت ایک[۴] ہے، رسول اللہ

إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَ بَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف بنی ہاشم اور بنی المطلب ایک چیز ہیں، اس طرح اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال لیں ۶ ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

(امام شافعی)

وَ فِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيِّ نَحْوُهٗ وَ فِيْهِ اَنَا وَ بَنِي الْمُطَّلِبِ لَا نَفْتَرِقُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَ اِنَّمَا نَحْنُ وَ هُمْ شَيْءٌ وَاحِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں اس کی مثل ہے اور اس میں ہے میں اور بنی المطلب جاہلیت میں جدا ہوئے اور نہ ہی اسلام میں ۷، صرف ہم اور وہ ایک چیز ہیں، اور انگلیاں باہم پیوست کر لیں ۸

۱ حضرت جبیر بن مطعم نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے مشہور صحابی ہیں۔

۲ قرآن پاک میں خمس میں سے ان کا حصہ آیا ہے

۳ ہاشم اور مطلب دونوں بھائی تھے۔

۴ یعنی ایک سے ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے اس میں سے ہمیں عطا نہیں فرمایا۔

۵ یعنی ایک درجے کی رشتہ داری ہے۔

۶ ہم اس طرح ایک ہیں، اس کی صورت بیان کرنے کے لیے انگلیاں باہم پیوست کر لیں۔ مطلب یہ کہ ہم ایک دوسرے سے مخلوط اور متفق ہیں۔

۷ ہم ہمیشہ متفق اور متحد رہے ہیں، برخلاف عبد مناف کی باقی اولاد کے ——— بعض شارحین نے کہا کہ اِنَّا ہمزے کی زیر اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے بجائے اَنَا کے، ہمزے پر زبر اور نون مخفف۔

۸ حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث فصل اول میں گزر چکی ہے۔ اس جگہ ہم تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۴۹/۴۳ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِی الصَّفِّ یَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِیْثَۃً اَسْنَانُھُمَا فَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ بَیْنَ اَضْلَعَ مِنْھُمَا فَغَمَزَنِیْ اَحَدُھُمَا فَقَالَ اَیْ عَمِّ ھَلْ تَعْرِفُ اَبَا جَھْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُکَ اِلَیْہِ یَا ابْنَ اَخِیْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّہٗ یَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَئِنْ رَاَیْتُہٗ لَا یُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَہٗ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ وَغَمَزَنِی الْاٰخَرُ فَقَالَ لِیْ مِثْلَھَا فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ نَظَرْتُ اِلٰی اَبِیْ جَھْلٍ یَجُوْلُ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَیَانِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بدر کے دن جنگ کی صف میں کھڑا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اچانک میں نے اپنے آپ کو انصار کے دو نوعمر لڑکوں کے درمیان پایا۔ میں نے آرزو کی کہ کاش میں ان سے زیادہ طاقت ور لوگوں کے درمیان ہوتا، اتنے میں ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ دبایا اور کہا چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! بھتیجے تمہیں اس سے کیا کام ہے! اس نے کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں اسے دیکھ لوں تو میری ذات اس کی ذات سے جدا نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جلدی والا مر جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ فرماتے ہیں کہ دوسرے نے میرا ہاتھ دبایا اور اس نے بھی وہی بات کہی۔ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا تھا

هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِىْ تَسْأَلَانِىْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفِهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَيُّكُمَا قَتَلَهٗ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَاكُمَا قَتَلَهٗ وَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَ الرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَآءَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ میں نے ابوجہل کو لوگوں میں گردش کرتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے یہ تمہارا مطلوب شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے، فرماتے ہیں کہ ان دونوں بچوں نے دوڑ کر اپنی تلواروں سے اسے جا لیا اور اس پر تلواروں سے حملہ کر دیا، یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اطلاع پیش کی، آپ نے فرمایا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟ ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے، فرمایا، کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو ملاحظہ فرمایا، اور فرمایا، تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سامان کا معاذ بن عمرو بن الجموح کے لیے فیصلہ فرمایا، یہ دو مرد معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھے۔ [۱۲] (صحیحین)

[۱] اضلع نقطے والے ضاد کے ساتھ: ضلاعت، بازو کی قوت اور شدت اور پسلیوں کا مضبوط ہونا۔ یعنی یہ نوجوان لڑکے ناتجربہ کار ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بھاگ جائیں اور کوئی کام نہ کریں ساتھ ہی مجھے بھی بدنام اور عیب والا بنا دیں، اگر میرے پاس طاقتور اور تجربہ کار لوگ ہوتے تو مجھے بھی ان سے تقویت ملتی۔

[۲] کہ کون ہے؟ اور کہاں ہے؟۔ عربوں کا طریقہ ہے کہ اپنے سے بڑے کو چچا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

ے میں ابوجہل کو پہچانتا ہوں۔

ے یعنی جس کی موت کا وقت پہلے ہو (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا محبت ہے یہ سنا تھا کہ وہ مردود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا باتیں کہتا ہے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ۱۲ قادری)

۵ے کمال ہمت و شجاعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبت دیکھ کر اس نوجوان اور اس کی بات پر تعجب ہوا۔

۶ے جو پہلے نوجوان نے کہی تھی۔

ے اور گھومتے ہوئے۔

۸ے کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ مطلب یہ کہ دیکھ لو، یہی ابوجہل ہے۔

۹ے اور ان سے خون جدا کر دیا ہے؟

۱۰ے سامان، ہتھیار اور گھوڑے۔

۱۱ے معاذ بن عمرو بن الجموح جیم پر زبر، یہ ان دو مردوں میں سے ایک ہیں جن کا حدیث کی ابتدا میں انصار کے دو لڑکوں کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے کا نام معاذ بن عفراء ہے۔ بروزن حمراء، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۱۲ے صحیح بخاری میں معوذ بن عفراء ہے واؤ مشدد کے نیچے زیر، نیز آئندہ حدیث میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے عفراء کے دو بیٹے تھے، اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عفراء کا بیٹا ایک ہے اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہیں۔ ایک کا باپ عمرو بن الجموح ہے اور دوسرے کا باپ کوئی اور ہے، لہٰذا دونوں میں سے ایک کے نام کے ساتھ باپ کا ذکر کیا گیا اور دوسرے کے ساتھ ماں کا: علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے دو حضرات، معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء ہیں ان کے والد کا نام حارث ہے، اور والدہ کا نام عفراء ہے۔

اس جگہ دو سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے، پھر ساز و سامان صرف ایک کو کیوں دیا گیا؟ شارحین نے جواب دیا کہ ممکن ہے قتل میں دونوں شریک ہوں، لیکن جس نے اسے نڈھال کیا اور اسے اپنا دفاع کرنے سے معذور کیا وہ ایک ہی تھا بعد میں دوسرے نے بھی اگر زخم لگایا ہوگا اس کے ساز و سامان کا مستحق وہی ہوگا جس نے اسے بے بس کر دیا تھا اور دفاع کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ دونوں کا دل خوش کرنے کے لیے تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دوسری فصل میں حضرت ابن مسعود کی حدیث میں گزرا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ابوجہل کی تلوار بطور انعام عطا فرمائی تھی بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو قتل کیا تھا اس کی توجیہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب ابن مسعود پہنچے تو وہ آخری سانس لے رہا تھا انہوں نے اس کا سر کاٹا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سامان میں سے انہیں تلوار عطا فرمائی، امام مالک کے بعض شاگردوں سے منقول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ کافر مقتول کے سامان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جسے چاہے دے اس قول سے دونوں اعتراضوں کا جواب آجاتا ہے۔

۳۸۵۰ (۴۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَّنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ اَبُوْجَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهٗ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ فَقَالَ اَنْتَ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْ غَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ کون ہے؟ جو ہمارے لیے دیکھے کہ ابوجہل نے کیا کیا[۱] حضرت ابن مسعود گئے تو انہوں نے ابوجہل کو اس حال میں پایا کہ عفراء کے دو بیٹوں نے اس پر حملہ کیا ہے اور وہ بے بس ہو چکا ہے[۲] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ لی[۳] اور کہا کیا تو ہی ابوجہل ہے[۴]؟ اس نے کہا کیا تو اس شخص پر سوار ہے؟ جسے تم نے قتل کیا ہے[۵]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے کسان کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا تو بہتر ہوتا[۶] (صحیحین)

۱؎ اور اس کا کیا حال ہوا۔

۲؎ اور موت کے کنارے پہنچ چکا ہے۔

۳؎ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔

۴؎ جو اس ذلت کے ساتھ پڑا ہوا ہے اور تو نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی مول لی ہے۔

۵؎ یعنی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے اور تم آکر اس کے سینے پر چڑھ گئے ہو۔ ایک روایت میں ہے قَتَلَهٗ قَوْمُهٗ جسے اس کی قوم نے قتل کیا ہے۔

۶؎ یعنی میرے لیے قتل کیے جانے میں کوئی عار نہیں ہے۔ سوائے اس کے مجھے ایک کسان نے قتل کیا ہے۔

اکار کاف مشدد، کسان، کاشتکار، یہ اشارہ تھا قوم انصار کی طرف جو کھیتی باڑی اور کھجور کے باغوں کی رکھوالی کرتے تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے آرزو کا اظہار کیا ہو کہ کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا، ابراہیم بن سعد کے علاوہ دیگر حضرات نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے آکر ابوجہل کا سر کاٹا، شیخ ابن حجر نے کہا یہ اس پر محمول ہے کہ تینوں اس کے قتل میں شریک تھے۔ ابتداءً اسے بے بس کرنے والے حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح تھے۔

۳۸۵۱ / ۴۵ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَّ اَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ ثَلٰثًا وَّ اَجَابَهٗ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَ غَيْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُّكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِیْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا قَالَ الزُّهْرِیُّ فَنَرٰی اَنَّ الْاِسْلَامَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو مال عطا کیا، میں بھی بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ میرے نزدیک اس جماعت کا پسندیدہ ترین شخص تھا، میں نے اٹھ کر عرض کیا کہ فلاں شخص سے آپ کے اعراض کا کیا سبب ہے؟ خدا کی قسم! میں اسے مومن صادق گمان کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یوں کہو کہ میں اسے مسلمان جانتا ہوں، حضرت سعد نے یہ بات تین مرتبہ عرض کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہی پہلا جواب دیا، پھر فرمایا: میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا آدمی مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، اس خوف کی بنا پر کہ وہ شخص منہ کے بل آگ میں پھینکا جائے۔

(صحیحین)

امام بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ امام زہری نے فرمایا: ہمارا عقیدہ ہے کہ

اَلْكَلِمَةُ وَ الْاِيْمَانَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ ۔ اسلام کلمہ طیبہ ہے اور ایمان نیک عمل ہے۵

۱ یعنی اس میں کیا حکمت ہے؟ کہ آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور اسے کوئی چیز نہیں دی۔

۲ اراہ ہمزے پر پیش، میں گمان کرتا ہوں۔

۳ یعنی ایمان حقیقی جو تہ دل اور صدق باطن سے ہوتا ہے، اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس کی اطلاع ممکن نہیں، ہاں اسلام جس کا معنیٰ ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری ہے یقینی ہے، اس لیے یوں کہو کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مسلمان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت سعد پر مواخذہ اور ان پر اعتراض ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کے مستحق مال ہونے پر حجت و دلیل پیش کی اور اسے چھوڑ دینے کو بعید قرار دیا اور اس کے ایمان حقیقی کا دعویٰ کیا (یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ شخص مومن نہیں تھا بلکہ حضرت سعد کو تعلیم دی ہے کہ کسی کے ایمان کی قطعی گواہی نہ دو کہ ایمان دلی تصدیق کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ۱۲ مراۃ سعید گا)

۴ یعنی کسی کو مال دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ زیادہ محبوب اور افضل ہے، یہ ضروری نہیں کہ عطا فضائل دینیہ کے مطابق ہو، بلکہ کبھی ایک شخص کو ایمان کی کمزوری اور تالیف قلب کے لیے مال دیا جاتا ہے تاکہ وہ ناراض نہ ہو اور کفر کے بھنور میں نہ گر پڑے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ اس کے کامل الایمان ہونے کی سند پیش کر کے، اصرار کے ساتھ اسے مال دینے کا تقاضا نہ کرو، جب کہ ایمان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

۵ معنیٰ یہ ہے کہ ظاہر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسلام، عمل صالح اور احکام کی تعمیل کا نام ہے اور ایمان تصدیق ہے، لیکن چونکہ ظاہری اسلام کا حکم کرنے کے لیے کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور اقرار کافی ہے اور اعمال صالحہ ایمان پر مبنی ہیں اور قلبی تصدیق اور اس کے کمال کی شاخیں ہیں، اس لیے اسلام کے معنی میں کلمۂ طیبہ پر اکتفا کیا اور ایمان کی تفسیر عمل صالح سے کی۔ تاہم (خوب اچھی طرح غور وفکر کیجیے۔

۳۸۵۲/۲۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَعْنِىْ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِىْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَ حَاجَةِ رَسُوْلِهٖ وَ اِنِّىْ اُبَايِعُ لَهٗ فَضَرَبَ لَهٗ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، یعنی بدر کے دن اور فرمایا تحقیق عثمان غنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے لیے گئے ہیں۱، اور میں ان کے لیے بیعت کرتا ہوں۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَھْمٍ وَّلَمْ یَضْرِبْ لِاَحَدٍ غَابَ غَیْرُہٗ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا۔ اور ان کے علاوہ کسی غیر حاضر کے لیے حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد)

لے یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھے، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوتے تو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کو حضرت رقیہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ واپس بھیج دیا۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ عثمان غنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کام کے لیے گئے ہیں (جب قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس وقت حضرت رقیہ کو دفن کیا جا چکا تھا۔ (۱۲ قادری)

لے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا۔ یہ عثمان غنی کا ہاتھ ہے
لے مال غنیمت میں سے۔

۳۸۵۲ / ۴۷ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْعَلُ فِیْ قَسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِّنَ الشَّاءِ بِبَعِیْرٍ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اموالِ غنیمت کی تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیتے تھے۔ (نسائی)

لے حضرت رافع بن خدیج خادر بزبر، انصاری صحابی ہیں، خارزمی لے اور اوسی ہیں۔ بدر میں کم سنی کی بنا پر حاضر ہوئے۔ احد، خندق اور دیگر غزوات میں حاضر ہوتے۔ ۳۷ھ یا ۴۷ھ میں مدینہ منورہ اسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔

لے اشعۃ اللمعات کے نسخوں میں اسی طرح ہے۔ میرے نزدیک کاتب کی غلطی سے ایسا ہوا ہے۔ حارثی اوسی کہنا چاہیے یعنی اوس کے قبیلہ بنو حارث کے خاندان سے تھے۔ ۱۲ امیر علی۔

سلہ قسم قاف پر زبر، تقسیم کرنا، قسم قاف کے نیچے زیر، حصہ

۲۸۵۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَزٰی نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ فَقَالَ لِقَوْمِہٖ لَا یَتْبَعْنِیْ رَجُلٌ مَلَکَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَّهُوَ یُرِیْدُ اَنْ یَّبْنِیَ بِهَا وَلَمَّا یَبْنِ بِهَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰی بُیُوْتًا وَّلَمْ یَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرٰی غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَّهُوَ یَنْتَظِرُ وِلَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْیَةِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذٰلِکَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّکِ مَامُوْرَةٌ وَّاَنَا مَامُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَیْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَآءَتْ یَعْنِی النَّارَ لِتَاْکُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِیْکُمْ غُلُوْلًا فَلْیُبَایِعْنِیْ مِنْ کُلِّ قَبِیْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ یَدُ رَجُلٍ بِیَدِہٖ فَقَالَ فِیْکُمُ الْغُلُوْلُ فَجَآءُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایک نبی نے جہاد کیا[۱] اور اپنی امت کو فرمایا: وہ شخص ہمارے پیچھے نہ نکلے جو کسی عورت کے فرج کا مالک ہو[۲] اور وہ اس کے ساتھ دخول کرنا چاہتا ہو اور ابھی تک دخول نہ کیا ہو۔ وہ شخص بھی نہ نکلے جس نے مکان بنائے ہوں اور ابھی ان کی چھتیں نہیں ڈالیں، اور وہ شخص بھی نہ نکلے جس نے حاملہ بکریاں یا اونٹنیاں[۳] خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا منتظر ہو[۴]۔ اللہ تعالیٰ کے اس نبی نے جہاد کیا اور نماز عصر کے وقت یا اس کے قریب اس گاؤں[۵] کے قریب پہنچ گئے، سورج کو فرمایا: تو مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں[۶]، اے اللہ! اسے ہم پر روک دے[۷]۔ چنانچہ سورج روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ گاؤں فتح فرمادیا[۸]، انہوں نے غنیمتیں جمع کیں، آگ انہیں کھانے کے لیے[۹] آئی، لیکن انہیں نہیں کھایا[۱۰]، فرمایا: تم میں خیانت ہے، چاہیے کہ ہر قبیلے کا ایک فرد میری بیعت کرے، چنانچہ ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ فرمایا تم میں خیانت ہے تو وہ لوگ گائے کے سر کی شکل سونے کا سر

بِرَأْسِ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَأَى ضَعْفَنَا وَ عَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لے کر آئے ؐ آپ نے اسے رکھ دیا تو آگ نے آکر اسے کھا لیا۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں ہوئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرما دیں، ہماری کمزوری اور عاجزی دیکھی تو ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرما دیں۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا ــــ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

۲؎ یعنی اس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو۔ بضع باء پر پیش، فرج۔

۳؎ بنا گھر بنانا، عورت کا طلب کرنا اور مباشرت کرنا۔ اس جگہ یہی معنی مراد ہے، اصل معنی گھر بنانا ہی ہے، کیونکہ نکاح کرنے اور مباشرت کے لیے گھر بنانا لازم ہے، عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص عورت کے ساتھ دخول کرنا چاہتا ہے تو اس پر قبہ (حجلۂ عروسی) بنا دیتا ہے۔

۴؎ خلفات نقطے والی خاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، جمع ہے خَلِفَةٌ کی، حاملہ اونٹنیاں۔

۵؎ اللہ تعالیٰ کے اس نبی علیہ السلام کے ان لوگوں کو جہاد سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے تعلق، مضبوط ارادے کو کمزور کر دیتا ہے اور توجہ دو طرف تقسیم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مصلحت فوت ہو جائے گی، اس میں اشارہ ہے کہ اہم امور میں مصروفیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان تعلقات اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو تاکہ وہ اہم کام مکمل طور پر ادا کیے جا سکیں۔

۶؎ جس میں وہ جہاد کرنا چاہتے تھے (ظاہر یہ ہے کہ اس گاؤں سے مراد بیت المقدس ہے جیسے کہ تفاسیر میں مذکور ہے۔ ۱۲ حاشیہ۔

۷؎ گویا ان نبی کو رات کے آجانے اور اس میں کار جہاد کے خلل پذیر ہونے کا خوف محسوس ہوا (بلکہ خوف یہ تھا کہ ہفتے کی رات شروع ہو جائے گی تو جہاد کی کاروائی جاری نہیں رکھی جا سکے گی، کیونکہ ان کی شریعت میں ہفتے کو جہاد ممنوع تھا۔ ۱۲ قادری)

۸؎ اور اسے غروب نہ ہونے دے۔

۹؎ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے روکا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی سورج روکا گیا اور لوٹایا گیا۔ ان میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ میرے سوا صرف یوشع علیہ السلام کے لیے سورج روکا گیا۔ (مواہب)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کے لوٹائے جانے سے پہلے کا یہ ارشاد ہو۔ احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند بار سورج روکا گیا اور واپس کیا گیا، ایک بار اس وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر اقدس رکھا ہوا تھا، اسی حال میں وحی نازل ہوئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا سر انور نہ اٹھا سکے اور نماز عصر ادا نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی۔ خداوندا! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے ان پر سورج واپس فرما دے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا کی۔ مواہب لدنیہ میں اس جگہ طویل گفتگو ہے اس کا کچھ حصہ شرح (لمعات) میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۰؎ آسمان سے اموال غنیمت کو جلانے کے لیے آئی۔

۱۱؎ گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ مال غنیمت جنگل میں رکھ دیتے، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی۔ یہ اس کے مقبول ہونے کی نشانی تھی۔

۱۲؎ یہ وہ مال تھا جس میں انہوں نے خیانت کی تھی۔

۱۳؎ وہ مال غنیمت خیانت سے رجوع اور توبہ کی بدولت قبول ہو گیا۔

۱۴؎ تو ہم پر رحم کیا اور ہمارا کام آسان فرما دیا۔

۳۸۵۵/۲۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر نے بیان کیا کہ خیبر کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ صحابۂ کرام آئے اور کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے اور فلاں شہید ہے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا فلاں شہید ہے

وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلٰثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلٰثًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے، ایک چادر کی وجہ سے، جسے اس نے خیانت کے طور پر لیا تھا[۳] یا ایک کمبل کے سبب، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں تین بار اعلان کرو کہ جنت میں صرف اہل ایمان[۴] داخل ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نکلا اور میں نے تین بار[۵] اعلان کیا کہ سن لو! جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔

(مسلم)

۱؎ اسی طرح شہید ہونے والے صحابۂ کرام کے نام لیتے تھے۔

۲؎ جو قتل ہوا پڑا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ جب اس کے ذکر تک پہنچے اور اس کا نام لیا۔

۳؎ راوی کو شک ہے ـــــ عَبَاءَۃٌ عین پر زبر اور الف ممدودہ۔

۴؎ جو نیکوکار اور دیانت دار ہوں گے ـــــ بہ موقع محل کے مطابق زجر اور تشدید ہے یا سابقین اور نیکوکاروں کے ساتھ داخل ہونا مراد ہے۔

۵؎ جیسے کہ حکم تھا۔

بَابُ الْجِزْيَةِ

۲۹۲- جزیہ کا بیان

قاموس میں ہے جزیہ، زمین کا خراج اور وہ جو ذمی سے لیا جاتا ہے مشتق ہے جزا سے جس کا معنیٰ بدلہ ہے کیونکہ جزیہ اسلام کے ترک کرنے اور کفر پر باقی رہنے کی جزا ہے۔ بعض اجزاء سے مشتق کہتے ہیں جس کا

معنی ہے ذمیوں کے حرم کی حفاظت میں کفایت، پہلا معنی زیادہ صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۲۸۵۶ عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِيْ مَحْرَمٍ مِّنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت بجالہ[1] سے روایت ہے کہ میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ[2] کا منشی تھا۔ ہمارے پاس حضرت عمر بن خطاب کا مکتوب گرامی ان کے وصال سے ایک سال پہلے آیا کہ ہر ذی محرم[3] مجوسی کے درمیان تفریق کر دو اور حضرت عمر نے مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا[4] یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ہجر[5] کے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔ (بخاری)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ فِيْ بَابِ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ۔

حضرت بریدہ کی حدیث اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا، کفار کو خط لکھنے کے باب میں بیان کر دی گئی ہے۔

[1] بجالہ باء پر زبر، جیم مخفف، مکی اور ثقہ تابعی ہیں، ان کا شمار اہل بصرہ میں کیا جاتا ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی، ان سے حضرت عمرو بن دینار اور قتادہ روایت کرتے ہیں۔

[2] جزء جیم پر زبر، زاء ساکن، اس کے بعد ہمزہ۔ یہی صحیح ہے۔ بعض محدثین نے کہا کہ جیم کے نیچے زیر، زاء ساکن، اس کے بعد تاء دو نقطے والی۔ بعض نے کہا کہ جیم پر زبر، زاء کے نیچے زیر، اس کے بعد ... صاحب جامع الاصول نے ان کا ذکر تابعین میں کیا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے

کے قائل ہیں۔

احنف بن قیس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے لیکن شرف زیارت سے مشرف نہیں ہوسکے۔ اجلہ تابعین اور ان کے اکابر میں سے ہیں۔ اپنی قوم کے سردار، صاحب عقل، نجیب، حلیم، عقل، ذکاوت، احتیاط اور رائے صائب کے حامل تھے۔ آنکھوں میں بھینگا پن تھا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عباس سے روایت کرتے ہیں ۶۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی، بعض محدثین نے ۷۲ھ میں وفات بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کے ولی عہد ہونے کی وصیت کی تو ایک دن سر شب تیے میں تشریف فرما ہوئے تاکہ لوگ مبارک باد پیش کریں۔ ہر شخص ان کے مزاج کے مطابق بات کہتا تھا۔ احنف بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: کیا وجہ ہے؟ کہ تم کوئی بات نہیں کہتے، احنف نے کہا میں کیا کہوں؟ اگر جھوٹ کہتا ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اگر سچ کہتا ہوں تو آپ سے ڈرتا ہوں حضرت امیر معاویہ نے حضرت احنف کی اس بات کو پسند کیا اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ صفین کی جنگوں میں احنف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بھرپور امداد کی اور بہادری کا حق ادا کر دیا۔

۳ھ محرم اکثر اس شخص کے معنی میں آتا ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہو، کبھی مصدر یعنی حرمت کے معنی میں بھی آتا ہے، اس حدیث میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ عورتیں، ذی محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محارم مثلاً ماں، بیٹی اور بہن کے جدا کرانے کا حکم دیا جن کے ساتھ مجوسی نکاح کرتے تھے، اور انہیں اس حرکت سے منع فرمایا، اگرچہ یہ امر ان کے دین میں جائز تھا اور (اسلام میں) ذمیوں کو ان کے دین پر چھوڑا جاتا ہے، لیکن شعار اسلام کے خلاف ایسے شنیع کام پر انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

۴ھ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مجوسی اہل کتاب نہیں تھے اور جزیہ قرآن پاک میں اہل کتاب کے بارے میں واقع ہوا ہے۔

۵ھ ہجر، یمن کا ایک شہر ہے۔ پورے علاقے کا نام بحرین ہے۔ نیز مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے جہاں کے مٹکے مشہور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ۔ (جب پانی دو گھڑوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اسی گاؤں کے مٹکوں کو قُلّہ کہا جاتا ہے ۱۲ قادری)

ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ بحرین کا علاقہ مراد ہے۔ مُغنی میں ہے ہجر پہلے دونوں حرفوں پر زبر۔ بحرین کے علاقے کا مرکزی شہر ہے ——— جمہور علماء کا مجوسیوں سے جزیہ لینے پر اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک مجوسیوں اور عجمی

بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، اسی طرح ہدایہ میں ہے۔
ؔ۵ مصابیح میں وہ حدیث اسی جگہ ذکر کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۸۵۷/۲ عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْیَمَنِ اَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْ کُلِّ حَالِمٍ یَعْنِیْ مُحْتَلِمٍ دِیْنَارًا اَوْ عَدْلَہٗ مِنَ الْمَعَافِرِیِّ ثِیَابٌ تَکُوْنُ بِالْیَمَنِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف[1] بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ[2] سے ایک دینار لیں یا اس کے برابر معافری[3] لیں، ایک قسم کے کپڑے جو یمن میں ہوتے ہیں[4]۔

(ابوداؤد)

ؔ۱ قاضی اور حاکم بنا کر۔

ؔ۲ حلم پہلے حرف پر پیش، اور احتلام کا معنی ہے وہ خواب جسے بالغ دیکھتا ہے، مطلق خواب کے معنی میں بھی آتا ہے، قاموس میں ہے احتلام، خواب میں جماع کرنے کو کہتے ہیں، عام طور پر محتلم کا استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے، اسی لیے حالم کی تفسیر محتلم سے کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار جزیہ لیں۔

ؔ۳ معافری میم اور بے نقطہ عین پر زبر، فاء کے نیچے زیر، کپڑے کی ایک قسم جو یمن میں پائی جاتی ہے، اسکی نسبت معافر بن یعفر کی طرف ہے، قاموس میں ہے معافر ایک شہر کا نام ہے، قبیلۂ ہمدان کے مورث اعلیٰ کا نام، ثِیَابٌ مَّعَافِرِیَّۃٌ کی نسبت ان دونوں میں سے ایک کی طرف کی جاتی ہے، عدل پہلے حرف کے نیچے زیر یا اس پر زبر ہے۔ مثل بعض شارحین نے کہا کہ عدل کی عین پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے ہم جنس مثل، جیسے کپڑے کی مثل کپڑا اور زیر ہو تو اس کا معنی مخالف جنس مثل ہوگا جیسے کپڑا دینار کے مماثل ہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔

ؔ۴ یہ حدیث بظاہر امام شافعی کے مذہب کی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مالدار اور فقیر برابر ہیں۔ احناف کے نزدیک مال دار پر ہر سال اڑتالیس درہم ہر مہینہ میں چار درہم کے حساب

سے مقرر کیے جائیں گے، متوسط طبقے پر چوبیس درہم، ماہانہ دو درہم کے حساب سے اور کمائی کرنے والے فقیر پر بارہ درہم۔ ماہانہ ایک درہم کے حساب سے مقرر کیے جائیں گے۔ ہدایہ میں ہے کہ ہمارا مذہب حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے، مہاجرین اور انصار صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ علامہ تورپشتی کہتے ہیں کہ جو حضرات جزیہ میں کسی معین حد کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ یہ مقدار بصورت معاہدہ اور مصالحت طے پائی تھی یا یہ کہ وہ فقراء کی جماعت تھی جس پر جزیہ مقرر کیا گیا تھا، ان دو میں سے ایک توجیہ ضرور کرنا پڑے گی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن احنف (مشہور عثمان بن حنیف ہے ۱۲ حاشیہ) کو خطہ فارس میں بھیجا تاکہ حد بلوغ میں داخل ہونے والے پر جزیہ مقرر کریں۔ انہوں نے امیروں اور غریبوں میں فرق کیا۔ یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں تھا۔ اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۳۸۵۸ / ۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِيْ اَرْضٍ وَّاحِدَةٍ وَّلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمین میں دو قبلے درست نہیں ہیں[1]۔ اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے[2]۔

(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] بعض محدثین نے کہا کہ یہ حدیث، یہود و نصاریٰ کے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے پر محمول ہے تاکہ اس میں دو قبلے نہ ہوں، یہ معنی اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب، اہل قبلہ ہیں اور ہر ایک کا قبلہ اہل اسلام سے الگ ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا کہ اس قائل نے جو کہا ہے الفاظ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتے، کیونکہ الفاظ حدیث میں عموم ہے، فرمایا کہ ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہو سکتے، خواہ وہ عرب کی سرزمین ہو یا اس کے علاوہ، لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ کسی زمین میں دو قبلے اور دو دین غلبے کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے مسلمان کو نہیں چاہیے کہ دارالحرب میں کافروں کے درمیان جزیہ ادا کر کے قیام کرے، اور جس کا دین۔ اسلام کے مخالف ہے اسے دارالاسلام میں جزیہ ادا کیے بغیر قیام کی اجازت نہ دی جائے۔ اور اسے اپنے

دین کی ترویج و سربلندی اور اس دین کے شعائر کی تشہیر کی اجازت نہ دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمان کو نہیں چاہیے کہ کافروں کے درمیان جا کر رہے اور ذلت و خواری برداشت کرے اور کافر کو اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ دارالاسلام میں آئے اور جزیہ ادا نہ کرے، ساتھ ہی کفر کی اشاعت کرے، کہ ان دو صورتوں میں دین اسلام اور دین کفر، قوت و شوکت میں برابر ہو جائیں گے، ہونا یہ چاہیے کہ مسلمان صاحب قوت و شوکت ہوں اور کافر کمزور اور ذلیل ہوں۔

ف۲ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی اسلام لے آئے اور اس پر جو جزیہ مقرر کیا گیا تھا وہ اس نے ادا نہ کیا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

۳۸۵۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى اُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَاَخَذُوْهُ فَاَتَوْا بِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو دومہ کے بادشاہ اکیدر[۱] کی طرف بھیجا۔ چنانچہ حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کیا اور[۲] لے آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے خون کو محفوظ[۳] کیا اور اس سے جزیہ پر صلح فرمائی[۴]۔ (ابوداؤد)

ف۱ اکیدر ہمزے پر پیش، کاف پر زبر، یا ساکن اور دال کے نیچے زیر، دومہ کا بادشاہ دومہ دال پر پیش۔ اس پر زبر بھی آئی ہے، واؤ ساکن، تبوک کے پاس شام کا ایک شہر، یہ بادشاہ نصرانی تھا۔

ف۲ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اگر اسے گرفتار کر لیں تو میرے پاس بھیج دیں۔

ف۳ اسے قتل نہیں کیا، حقن خون گرانے سے روکنا، اور پیشاب وغیرہ کا محفوظ رکھنا۔

ف۴ بعد میں وہ صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۳۸۶۰ وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ جَدِّهٖ اَبِيْ اُمِّهٖ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حرب بن عبید اللہ[۱] اپنے نانا سے اور وہ اپنے والد[۲] سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر نہیں ہیں مگر یہود و نصاریٰ پر اور

قَالَ اِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى وَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

مسلمانوں پر عشر نہیں ہیں[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] حرب حا پر زبر، را ساکن، دونوں بے نقطہ، آخر میں با، بن عبید اللہ لفظ تصغیر کے ساتھ ثقفی تابعی ہیں اپنے نانا سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے عطاء بن سائب روایت کرتے ہیں جو اجلہ تابعین میں سے ہیں۔

[۲] امام ابوداؤد اس سند کو اسی طرح لاتے ہیں۔

[۳] بلکہ ان پر چالیسواں حصہ ہے، شارحین نے فرمایا۔ اس سے مال تجارت کا دسواں حصہ مراد ہے، صدقے والا دسواں حصہ مراد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر ان کی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے، علامہ خطابی نے فرمایا:۔

یہود و نصاریٰ پر وہ دسواں حصہ لازم ہے جو عقد ذمہ کے وقت بطور صلح طے کیا گیا ہو، اور ان پر شرط کیا گیا ہو، اور اگر کسی چیز پر صلح نہیں کی گئی تو ان پر صرف جزیہ لازم ہے، امام شافعی اسی کے قائل ہیں (خطابی) ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب ہم تجارت کے لیے کافروں کے علاقہ میں جائیں اور وہ ہم سے دسواں حصہ لیتے ہوں تو جب وہ ہمارے علاقوں میں آئیں گے تو ہم بھی ان سے دسواں حصہ لیں گے۔ اور اگر وہ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی نہیں لیں گے۔

۳۸۶۱/۶ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُوْنَا۔ وَ لَا هُمْ يُؤَدُّوْنَ مَا لَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَأْخُذُوْا كَرْهًا فَخُذُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں[۱]۔ کہ وہ نہ تو ہماری ضیافت[۲] کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارا وہ حق ادا کرتے ہیں جو ان پر لازم ہے۔ اور ہم ان سے جبراً بھی نہیں لیتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اگر وہ دینے سے انکار کریں مگر یہ کہ تم جبراً لو تو تم زبردستی لے لو[۳]

(ترمذی)

ے۱ حضرت عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں۔

ے۲ یعنی غزوات میں ہمارے پاس رقم نہیں ہوتی کہ ضروریات خرید لیں۔ اور نہ ہی وہ ہمارے ہاتھ بیچتے ہیں۔

ے۳ یُقْتِیْقُوْنَا یا مشدد اور نون مشدد اور مخفف دونوں طرح مروی ہے۔ ضیافت اس وقت شرط تھی جب مجبور ہوں۔

ے۴ اس کی مثل حدیث کی دوسری فصل میں گزر گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۶۲ عَنْ اَسْلَمَ[1] اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَ عَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا مَعَ ذٰلِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ ضِيَافَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت اسلم[1] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے والوں پر چار دینار جزیہ مقرر کیا، اور چاندی والوں پر چالیس درہم، اس کے ساتھ مسلمانوں کی خوراک اور تین دن کی ضیافت[2]۔

(امام مالک)

ے۱ حضرت اسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام، مدنی، ثقہ اور اکابر تابعین میں سے تھے، نیز حبشی تھے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ یمن کے قیدی تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ میں ۱۱ھ میں اس وقت خرید اجب امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں امیر الحج بنا کر بھیجا۔ زید بن اسلم بڑی فضیلت والی شخصیت تھے جیسے کہ ان کے احوال کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں اور اسامہ بن زید بن اسلم کہا کرتے تھے کہ ہم ہیں تو اشعری لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان کے منکر نہیں ہیں۔

ے۲ گویا یہ مسلمانوں کی خوراک کی تفصیل ہے۔

بَابُ الصُّلْحِ

۲۹۴۔ صُلح کا بیان

صلح اسم ہے صلاح (درستی) کا اور صلاح، فساد کی ضد ہے صراح میں ہے صلاح پہلے حرف پر زبر نیکی، فساد کی ضد جس کا معنی تباہی ہے. صلاح پہلے حرف کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی مصالحت کرنا ہے، صلح پہلے حرف پر پیش، اس کا اسم ہے، اصلاح، ضد ہے افساد کی تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ میں کفار مکہ سے دس سال تک جنگ نہ کرنے پر صلح کی، اس مدت میں سے تین سال ہی گزرے تھے کہ کافروں نے خزاعہ کے خلاف جنگ میں بنو بکر کی امداد کر کے معاہدہ توڑ دیا. قبیلہ خزاعہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیف تھا سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۲۸۶۳ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَ مَرْوَانَ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ بِضْعَ عَشَرَةَ مِائَةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَلَمَّا اَتٰى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَ اَشْعَرَ وَ اَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَ سَارَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِيْ

پہلی فصل

حضرت مسور بن مخرمہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مروان بن حکم[۲] سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ[۳] کے سال، ایک ہزار اور چند[۴] افراد کے ہمراہ نکلے، جب ذوالحلیفہ پہنچے[۵] تو ہدی کے گلے میں ہار ڈالا[۶]، اسے اشعار[۷] کیا اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھا اور روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب اس پہاڑی[۸] تک پہنچے، جہاں سے مکے والوں پر اترا جاتا ہے تو آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی. صحابہ کرام نے کہا اٹھو اٹھو[۹]! قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی[۱۰] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ
بِهٖ رَاحِلَتُهٗ فَقَالَ النَّاسُ
حَلْ حَلْ خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ
خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ وَمَا
ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ
حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ
قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ
لَا يَسْأَلُوْنِيْ خُطَّةً يُعَظِّمُوْنَ
فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا
اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا
فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى
نَزَلَ بِاَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى
ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ
النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلَبِّثْهُ
النَّاسُ حَتّٰى يَرْجُوْهُ وَشُكِيَ
اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ
فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهٖ
ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّجْعَلُوْهُ
فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ
يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى
صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ
كَذٰلِكَ اِذْ جَاءَ بُدَيْلُ

نے فرمایا: قصواء اڑیل نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے بلکہ اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے۔ پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ لوگ مجھ سے ایسے جس کام کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کریں گے۔ تو میں وہ کام انہیں دے دوں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی، تو آپ نے اہل مکہ سے رخ پھیر لیا۔ حتیٰ کہ حدیبیہ کے آخری حصے میں تھوڑے پانی والے مقام پر اترے جہاں سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لے رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے اس جگہ کا پانی کھینچ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی۔ تو آپ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اس کنوئیں میں ڈال دیں، خدا کی قسم! ان لوگوں کی سیرابی کے لیے پانی جوش مارتا رہا یہاں تک کہ وہ لوٹ گئے، صحابہ کرام اسی حالت میں تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی، خزاعہ کے چند افراد سمیت آگئے، پھر عروہ بن مسعود آگیا، راوی نے پوری حدیث بیان کی، یہاں تک کہ راوی نے کہا کہ اچانک سہیل بن عمرو آگیا۔

بْنُ وَرْقَآءَ الْخُزَاعِیُّ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ اَتَاهُ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَ سَاقَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اَنْ قَالَ اِذْ جَآءَ سُهَیْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اُكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَیْلٌ وَ اللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَیْتِ وَ لَا قَاتَلْنَاكَ وَ لٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِنْ كَذَّبْتُمُوْنِیْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَیْلٌ عَلٰی اَنْ لَا یَاْتِیْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَ اِنْ كَانَ عَلٰی دِیْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ عَلَیْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِیَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ا۔
لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے۔ اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔ البتہ آپ لکھئے۔ محمد بن عبد اللہ روای کہتے ہیں کہ۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
خدا کی قسم! بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ لکھو محمد بن عبد اللہ راوی کہتے ہیں کہ سہیل نے کہا اور اس شرط پر کہ ہمارا جو مرد بھی آپ کے پاس آئے گا۔ اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو۔ آپ اسے ہماری طرف لوٹائیں گے[۲۵]۔ پھر جب صلح نامہ لکھنے کے معاملہ سے فارغ ہوتے۔
تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا۔ اٹھو اور اونٹ نحر کرو[۲۶]۔ پھر سر منڈاؤ[۲۷] اس کے بعد کچھ ایمان دار عورتیں آگئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا ثُمَّ جَآءَ نِسْوَةٌ مُّؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ اَلْاٰیَة فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ یَّرُدُّوْهُنَّ وَ اَمَرَهُمْ اَنْ یَّرُدُّوا الصِّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَجَآءَهٗ اَبُوْ بَصِیْرٍ رَجُلٌ مِّنْ قُرَیْشٍ وَّهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِیْ طَلَبِهٖ رَجُلَیْنِ فَدَفَعَهٗ اِلَى الرَّجُلَیْنِ فَخَرَجَا بِهٖ حَتّٰی اِذَا بَلَغَا ذَا الْحُلَیْفَةِ نَزَلُوْا یَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَّهُمْ فَقَالَ اَبُوْ بَصِیْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَیْنِ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرٰی سَیْفَكَ هٰذَا یَا فُلَانُ جَیِّدًا اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْهِ فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ حَتّٰی بَرَدَ وَ فَرَّ الْاٰخَرُ حَتّٰی اَتَى الْمَدِیْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ یَعْدُوْا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لَقَدْ رَاٰی هٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ

فرمائی اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آجائیں آخر آیت تک۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان عورتوں کے واپس کرنے سے منع فرما دیا۔ اور انہیں حکم دیا۔ کہ ان عورتوں کا حق مہر واپس کر دو[۳۵]۔ پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ پس قریش کا ایک فرد ابو بصیر[۳۶] مسلمان ہوکر[۳۷]۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ مشرکین مکہ نے اسے لانے کے لیے دو شخص بھیجے، آپ نے ابو بصیر کو ان دو شخصوں کے سپرد کر دیا[۳۸]۔ وہ دونوں انہیں لے کر چل دیے۔ یہاں تک کہ جب ذوالحلیفہ[۳۹] پہنچے تو اتر کر کھجوریں کھانے لگے، حضرت ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو کہا اے فلاں! خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ تیری یہ تلوار بہت عمدہ ہے، دکھاؤ تو سہی، میں اسے دیکھ لوں، اس نے تلوار ان کے حوالے کر دی انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اور دوسرا بھاگ کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ وہ دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا[۴۰]! اس نے خوف دیکھا ہے؛ اس نے کہا۔ خدا کی قسم میرا

قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْ بَصِيْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهٗ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ وَانْفَلَتَ اَبُوْ جَنْدَلِ ابْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَا يَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهٗ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى

ساتھی قتل کر دیا گیا ہے، اور مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا[۳۲]۔ اتنے میں ابو بصیر بھی آ گئے[۳۳]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی ماں پر افسوس[۳۴]، یہ تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے[۳۵]۔ اگر اس کے لیے کوئی ہوتا[۳۶]۔ انہوں نے جب یہ بات سنی تو جان لیا کہ آپ انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیں گے۔ تو وہ نکل گئے۔ حتیٰ کہ سمندر کے کنارے[۳۷] پر چلے گئے ادھر ابو جندل بن سہیل[۳۸] بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے، پھر کیا تھا؟ قریش کا جو فرد بھی اسلام لا کر نکلتا تو وہ حضرت ابو بصیر کے پاس پہنچ جاتا، یہاں تک کہ ان[۳۹] کی ایک بڑی جماعت اکٹھی ہو گئی، خدا کی قسم! وہ قریش کے جس قافلے کے بارے میں سنتے کہ وہ شام کی طرف جا رہا ہے اس کا راستہ روک لیتے، انہیں قتل کرنے اور ان کا مال چھین لیتے۔ قریش نے کسی کو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اللہ تعالٰی اور قرابت داری کا واسطہ دے کر عرض کیا کہ آپ صرف یہ کام کریں کہ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو پیغام بھیجیں[۴۰]، پھر جو آپ کے پاس آئے۔ اور وہ امن والا ہے[۴۱]۔ چنانچہ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں

اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اِلَیہِمْ . پیغام بھیج دیا۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

۵۱ حضرت مسور میم کے نیچے زیر، بے نقطہ سین ساکن بن مخرمۃ میم پر زبر، نقطے والی خا ساکن، قریشی، زہری، کم عمر صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۵۲ مروان بن حکم قریشی، اموی ہیں، ان کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی لیکن آپ کی زیارت نہیں کی، کیونکہ انہیں ان کے والد سمیت طائف کی طرف نکال دیا تھا۔ حضرت مسور اور مروان کے احوال باب حکم الاسراء کی فصل اول میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۳ حدیبیہ کبھی یاء کی تخفیف اور کبھی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں۔ جو حل کا حرم سے دور ترین مقام ہے۔ اب اس کا مقام ہے، اب اس کا مقام نامعلوم ہو چکا ہے بلکہ صحابہ کرام بھی اسے بھول چکے تھے۔ جیسے کہ صحیح بخاری سے معلوم ہوتا ہے، اسی لیے لوگ اس جگہ کی برکت حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک کنویں کا نام ہے جو اس جگہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے چھٹے سال عمرہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے نکلے۔

۵۴ بضع با کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی آئی ہے۔ یہ لفظ تین سے نو تک کے لیے آتا ہے۔ اس جگہ مبہم ذکر کیا اور تعیین نہیں کی، کیونکہ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں چودہ سو اور بعض میں پندرہ سو آیا ہے۔ اور یہ عبارت عجیب و غریب واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ کہتے ایک ہزار چار سو یا ایک ہزار پانچ سو۔ ایک روایت اس طرح بھی آئی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ، چودہ سو سے پندرہ سو تک کی روایت کی توجیہ کی گئی ہے کہ مقصد اظہار کثرت ہے۔ یا اس بنا پر یہ الفاظ کہے ہیں۔ کہ سو سو کی ہر جماعت اترنے اور ایسے ہی دوسرے امور میں متفق تھی۔ (اس لیے ایک ہزار چار سو کی بجائے چودہ سو کہا ۱۲ قادری)۔

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ نکلے تھے۔ بعد ازاں آہستہ آہستہ زیادہ ہو گئے۔ جس نے پہلے دیکھا۔ اس نے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام دیکھے اور بعد میں آنے والی فوج کو نہ دیکھا۔ اور جس نے بعد میں آنے والوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی روایت کی اور جس نے تحقیق نہ کی اس نے کہا پندرہ سو یا اس سے زیادہ۔

۵۵ ذوالحلیفہ بے نقطہ حا، پر پیش۔ لام پر زبر، مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ جیسے کہ کتاب الحج میں بیان ہوا۔

۵۶ بدنہ وہ قربانی جو حرم شریف بھیجی جاتے۔ تقلید اس کے گلے میں کوئی چیز لگانا۔

۵۷ یعنی اونٹ کی کوہان کے دائیں جانب نیزہ مارا جس سے خون بہہ نکلا۔ یہ تقلید اور اشعار اس سبب سے کہ معلوم ہو جاتے کہ یہ حرم شریف کی قربانی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کتاب الحج میں گزر گئی ہے۔

۵۸ ثنیہ راستے کے درمیان واقع پہاڑی۔

۵۹ حل حل بے نقطہ حا پر زبر اور لام ساکن۔ مخفف، دو مرتبہ، اونٹ کو اٹھانے یا دوڑانے کے لیے استعمال کیا جانے والا کلمہ زجر۔

۵۱۰ خلات پہلے حرف کے نیچے زیر، آخر میں الف ممدودہ، اونٹنی کا نافرمانی کرنا اور بغیر کسی سبب کے بیٹھ جانا۔ اور بعض نسخوں میں خلات القصواء دو دفعہ واقع ہوا ہے۔ (جیسے کہ پیش نظر نسخے میں ہے) (۱۲ قادری)

۵۱۱ مکہ معظمہ کی جانب پیش قدمی کرنے سے روک دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ مشرفہ کو گرانے کے لیے آنے والے ہاتھی کو روک دیا تھا، اس جگہ بھی اسی نے قصواء کو روک دیا ہے۔ تاکہ قبل از وقت حرم شریف میں جنگ اور قتل و خونریزی واقع نہ ہو۔

۵۱۲ اس سے حرم شریف کی عزت اور اس میں جنگ سے باز رہنا مراد ہے۔ خُطّۃ نقطے والی خا پر پیش کا رعظیم، اس جگہ صلح مراد ہے جو اس موقع پر ہوتی۔

۵۱۳ یہ اشارہ تھا کہ تم سے جنگ کرنا مقصود نہیں ہے۔

۵۱۴ ثمد تین نقطے والی ثا، اور میم پر زبر، میم کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تھوڑا پانی، اس جگہ مقام مراد ہے تاکہ اسے قلیل الماء سے موصوف کرنا درست ہو۔

۵۱۵ برض پانی کا چشمے سے تھوڑا تھوڑا نکلنا۔

۵۱۶ یُلَبِّثُہٗ شارحین نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یا، پر پیش، لام ساکن اور با، مخفف، یہ مشتق ہے اِلْبَاثٌ بروزن اِکْرَامٌ سے۔ اس احتمال کی بھی تصحیح کی ہے کہ لام پر زبر اور با، مشدد ہو یہ مشتق ہے۔ تلبیث سے بروزن تصریف لبث کا معنی ہے دیر تک رکنا، اِلْبَاثٌ اور تَلْبِیْثٌ کا معنی ہے دوسرے کو دیر تک روکنا۔ نزح نقطے والی زا۔ اور بے نقطہ ح کے ساتھ، کنوئیں کا پانی کھینچنا اور بیئر۔ نزوح۔ اور کم پانی والا کنواں ہو۔

۵۱۷ جیش دریا اور ہنڈیا وغیرہ کا جوش مارنا یجیش راء کے نیچے زیر اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اور یا مشدد، سیراب ہونا۔

۵۱۸ یعنی صحابہ کرام واپس چلے گئے اور ابھی پانی باقی تھا۔ صدر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، پانی سے واپس جانا جیسے کہ وارد کا معنی ہے۔ پانی پر آنا۔

۵۱۹ بدیل با پر پیش، بے نقطہ دال پر زبر، یا، ساکن بن ورقاء واؤ پر زبر، را ساکن، قاف کے بعد الف ممدودہ الخزاعی خا پر پیش، یہ منسوب ہے۔ خزاعہ کی طرف اور وہ ازد کا ایک محلہ ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم سے قطع تعلق کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ خزع کا معنی قطع ہے۔ اور خزاعہ کسی چیز کے قطع کو کہتے ہیں۔

۵۲۰ یہ لوگ دور جاہلیت اور دور اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ یہ بدیل اور ان کے بیٹے عبداللہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ پہلے ہی اسلام لاتے تھے۔

۵۲۱ عروہ بن مسعود ثقفی اس واقعہ کے بعد ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طائف سے تشریف لانے کے بعد ایمان لائے

۵۲۲ چونکہ حدیث میں بدیل اور عروہ کی قریش کی مصالحت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ طویل گفتگو ہوئی تھی اس لیے صاحب مصابیح نے حدیث کا اختصار کر دیا۔

۵۲۳ سہیل بن عمرو، قریش کے معززین میں سے اور ان کے خطیب تھے، بدر کے روز قید ہو کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے دانت نکلوا دیجئے، تاکہ آئندہ اپنے خطبوں میں آپ کی مذمت نہ کر سکے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسے رہنے دو، یہ آخر کار ایسی جگہ کھڑا ہو گا جو قابل ستائش ہو گی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مکہ مکرمہ کے باشندوں میں اختلاف ہوا اور بعض مرتد ہو گئے تو انہوں نے خطبہ دیا۔ لوگوں کو تسلی دی اور اختلاف سے منع کیا۔ اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر بھی ہوتی۔ جب سہیل آتے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے لیے تمہارا کام آسان کر دیا گیا ہے۔ (کیونکہ سہیل مشتق ہے سہولۃ سے جس کا معنی آسانی دی۔ ۱۲ قادری۔) چنانچہ سہیل نے صلح کرا دی۔

۵۲۴ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول فرمالی، اس جگہ بھی حدیث میں اختصار ہے۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بخاری شریف کی کوئی دوسری روایت ہے۔ جس میں اتنی تفصیل ہی بیان کی گئی ہو۔

۵۲۵ یعنی اپنے ہدایا کو جنہیں تم حرم شریف میں ذبح کرنے کے لیے لاتے تھے ۱۲ قادری)۔

ف۲۶ یہ احصار کا حکم ہے احرم کو بیماری یا دشمن حج کرنے سے روک دے اسے حصار کہتے ہیں۔

(۱۲ قادری)

امام شافعی کے نزدیک اونٹ نحر کیے جائیں گے اگرچہ حرم شریف سے باہر ہی ہوں۔ کیونکہ حدیبیہ حل کا حصہ ہے نہ کہ حرم کا، ہمارے نزدیک حرم میں نحر کرنا شرط ہے، کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم ہے، اور کچھ حل حضرت مولف نے اس جگہ بھی اختصار کیا ہے جیسے کہ بخاری شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

ف۲۷ یعنی اگر کافر عورتوں کا مطالبہ کرنے آئیں اور وہ انہیں حق مہر دے چکے ہوں تو انہیں مہر واپس کردو اور اگر انہوں نے مہر ادا نہ کیا ہو تو انہیں کچھ نہ دو: اس جگہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ صلح عام تھی کہ ان کے مردوں اور عورتوں سے جو بھی آئے اسے واپس کیا جائے، اور چونکہ نہی کے وارد ہونے کی بنا پر عورتوں کا واپس کرنا متعذر ہوگیا تھا اس لیے مہر کا واپس کرنا عورتوں کے واپس کرنے کے حکم میں ہوگیا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف مردوں کی واپسی صلح میں طے ہوئی تھی۔ یہ قبول زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس حدیث کے یہ کلمات:

"ہمارا جو مرد بھی آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے واپس کریں گے۔ اس قول کی میں تائید کرتا ہوں۔

ف۲۸ ابوبصیر با۔ پہ زبر، قریش کے ایک فرد تھے، اصل میں وہ ثقفی تھے۔ لیکن بنو زہرہ کے حلیف تھے اس اعتبار سے انہیں قریش کا ایک فرد کہا۔

ف۲۹ اور قریش سے بھاگ کر مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے

ف۳۰ جیسے کہ معاہدہ تھا۔

ف۳۱ جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے

ف۳۲ ذعر نقطے والے ذال پر پیش اور عین ساکن، خوف،

ف۳۳ اگر آپ نے مجھے اس کے سپرد کر دیا۔

ف۳۴ ایک روایت میں ہے انہوں نے عرض کیا۔ واللہ وفی اللہ تعالیٰ نے آپ کا معاہدہ پورا فرما دیا کہ آپ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات عطا فرمائی۔

ف۳۵ تعجب کی بات کے وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

ف۳۶ کہ معاہدہ توڑنے کا سبب بن رہا ہے، صراح میں ہے سعر آگ اور جنگ کا بھڑکانا، مسعر میم کے نیچے زیر سین ساکن، عین پر زبر آگ اور لڑائی کا بھڑکانے والا۔

ف۳۷ اگر ایک آدمی ہی ابوبصیر کا یار و مددگار ہوتا۔ یا یہ مطلب ہے اگر کوئی شخص ہوتا تو انہیں سمجھاتا کہ

ہمارے پاس نہ آئیں تاکہ ہم پھر انہیں مشرکین کے حوالے نہ کردیں، یہ معنی سیاقِ حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ہو جو انہیں پکڑ کر مشرکین کے حوالے کر دے۔ حضرت ابو بصیر کو ڈرانے اور دھمکانے اور مشرکین کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بات فرمائی بلکہ یہ اشارہ ہے کہ بھاگ جاؤ (ورنہ پھر ان کے سپرد کر دیئے جاؤ گے [۱۲] قادری) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۸؎ سِیف سین کے نیچے زیر اور یاء ساکن، ساحلِ سمندر

۳۹؎ ابو جندل جیم پر زبر، بن سہیل سین پر پیش ـــــ ان کا واقعہ یہ ہے کہ سہیل بن عمرو جو صلح کے درپے تھے اور انہوں نے عملاً مصالحت میں حصہ لیا تھا، ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ابو جندل تھا وہ مکہ معظمہ میں اسلام لے آئے تھے، ان کے والد نے ان کو بیڑیوں میں قید کر دیا، جب صلح ہوئی اور اس میں یہ شرط طے پا گئی کہ قریش کا جو فرد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے اسے آپ واپس کر دیں گے، اسی موقع پر ابو جندل بیڑیوں سمیت مکہ مکرمہ کے نچلے راستے سے باہر آئے اور آکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا، سہیل نے کہا اے محمد یہ پہلا شخص ہے جس کا صلح کی بناء پر ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں، اسے میرے ساتھ واپس بھیج دیجئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تو صلح نامہ لکھا نہیں گیا اسے امن دے کر میرے سپرد کر دو، سہیل نے یہ بات نہ مانی اور اصرار کیا، اور کہنے لگا تب پھر ہمارے اور آپ کے درمیان صلح نہیں ہے، لہٰذا آپ نے انہیں ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ ابو جندل نے کہا اے مسلمانوں کے گروہ! کیا آپ مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہیں؟ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آپ کے درمیان آیا ہوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ مجھے کس طرح اذیتیں دے رہے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نقضِ عہد ہمارا شیوہ نہیں ہے، تم صبر کرو، تمہارا رب تمہیں کشادگی اور راستہ عطا فرمائے گا۔ رضی اللہ عنہ

۴۰؎ قریش کی یا مسلمانوں کی

۴۱؎ عِیر عین کے نیچے زیر، یاء ساکن، خوراک کا بوجھ اٹھانے والے اونٹ، مراد قافلہ ہے، قاموس میں ہے عیر وہ اونٹ جن پر خوراک لادی گئی ہو یا ہر وہ جانور جس پر خوراک لادی گئی ہو، خواہ وہ اونٹ ہو، گدھا ہو یا خچر۔

۴۲؎ کہ وہ مدینہ منورہ آجائیں اور ہمارے قافلوں سے تعرض نہ کریں ـــــ لَمَّا میم مشدد کے ساتھ، اِلَّا کے معنی میں آتا ہے، عرب اس حرف کو اپنے کلام میں اسی طریقے پر استعمال کرتے ہیں جس طرح حدیث میں واقع ہوا ہے یعنی کسی کام کا پر زور مطالبہ مقصود ہوتا ہے، کہتے ہیں سَاَلْتُكَ لَمَّا فَعَلْتَ میں تم سے مطالبہ کرتا ہوں کہ صرف اس کام کے لیے اہتمام کرو۔

۴۳؎ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس کسی کو بھیج دیں اور انہیں

مشرکوں کے قافلوں کے تعرض سے منع کر دیں تو اس کے بعد ہمارا کوئی فرد مسلمان ہو کر مکہ معظمہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آجائے تو وُہ امن میں ہے اور اسے واپس نہ کیا جائے، یعنی قریش اس شرط پر نادم ہوگئے اور کہنے لگے کہ کسی کو بھیج کر ابو بصیر کو منع کر دیجیے اور ہم اس شرط سے باز آئے۔

سے ۴۴ اور انہیں اپنے پاس بلالیا۔

۳۸۶۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا اِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ فَجَاءَ اَبُوْ جَنْدَلٍ يَحْجُلُ فِيْ قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهُ اِلَيْهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء بن عازب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر صلح کی (۱) مشرکین کا جو فرد آپ کے پاس آئے اسے ان کی طرف واپس کریں گے۔ (۲) مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے وُہ اسے واپس نہیں کریں گے[1]۔ (۳) آپ اگلے سال مکہ معظمہ میں داخل[2] ہوں، تین دن قیام کریں[3] اور مکہ مکرمہ میں صرف اس صورت میں داخل ہوں کہ ہتھیار، تلوار اور کمان وغیرہ غلاف میں پوشیدہ ہوں[5]، پس ابو جندل بن سہیل بیڑیوں میں چلتے[6] ہُوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں (شرائط کے مطابق) مشرکوں کی طرف لوٹا دیا۔ (صحیحین)

سلہ حضرت براء بن عازب مشہور صحابی ہیں۔
سلہ یہ قسم واقع میں نہیں پائی گئی اور اس کا وجود بھی نادر ہے لہ

لہ صلح میں ان شرائط کا قبول کرنا صحابہ کرام خصوصًا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا گراں ثابت ہُوا، حتیٰ کہ حضرت عمر نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھر حضرت ابو بکر صدیق سے عرض کیا کہ جب ہم حق پر ہیں (بقیہ صفحہ آئندہ)

سے ہم اس سال مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔
سے اس سے زیادہ قیام نہ کریں۔
ھ ہتھیاروں کی نمائش کرتے ہوئے داخل نہ ہوں کہ یہ قہر و غلبہ اور جنگ کی تیاری کی علامت ہے (اور ہتھیار چھپا کر لانا صلح کی نشانی ہے ۱۲ قادری) جلبان جیم اور لام پر پیش اور بار مشدد، کچا چمڑہ جس میں ہتھیار رکھے جاتے ہیں۔
ے حجل قیدیوں کی رفتار اور کوے کی طرح اچھل اچھل کر چلنا، نیز راستے پر کوے کے چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔
ے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شرط اس لیے قبول کی کہ اس وقت مسلمان کمزور تھے اور کافروں سے مقابلہ کرنے سے عاجز تھے، اس کے علاوہ عظیم مصلحتیں تھیں جن کے ظاہر و باہر فوائد و ثمرات مرتب ہوئے، مثلاً مکہ معظمہ کی فتح، وہاں کے لوگوں کا اسلام لانا، دین حق کا ظہور، فتح و ظفر کی وسعت اور لوگوں کا جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا اور اصل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اپنی بندگی کا اظہار تھا، اس کے علاوہ بے شمار حکمتیں اور اسرار تھے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۳۸۶۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَطُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ مَنْ جَاءَنَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكُمْ وَمَنْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صلح کی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ شرط عائد کی کہ آپ کا جو فرد ہمارے پاس آئے گا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور جو ہمارا فرد آپ کے پاس آجائے گا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تو پھر دب کر صلح کیوں کی جائے؟ لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مشرکین پہلی بار اسلامی سٹیٹ کو تسلیم کر رہے تھے، نیز مکہ مکرمہ سے آنے والا مسلمان اتنا کمزور ایمان والا نہ ہوتا کہ واپس کیے جانے پر وہ ایمان سے برگشتہ ہو جاتا، پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید واثق تھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ پیدا فرما دیتا اور مدینہ منورہ چھوڑ کر جانے والا تو منافق ہی ہو سکتا تھا، اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا، اسے واپس بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ اللہ کیا سیاسی بصیرت ہے؟ اور عواقب و نتائج کس طرح پیش نظر ہیں؟ ۱۲ قادری لہ یعنی مسلمانوں میں سے۔

جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوْهُ عَلَيْنَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهٗ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهٗ فَرَجًا وَمَخْرَجًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو آپ اسے ہماری طرف واپس کریں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم یہ شرط لکھیں[۱] فرمایا ہاں! بے شک شان یہ ہے کہ ہم میں سے جو چلا گیا[۳]، پس اللہ تعالیٰ نے اسے دُور[۴] پھینک دیا ہے، اور اُن کا جو فرد ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے عنقریب کشادگی[۵] اور نکلنے کی جگہ پیدا فرما دے گا۔ (مسلم)

[۱] یعنی مسلمانوں میں سے

[۲] اور اسے قبول کرلیں؟

[۳] اور ہم سے اعراض کرگیا

[۴] رحمت اور دائرہ اسلام سے دُور پھینک دیا ہے اور ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے اور وُہ کافروں کی ہم نشینی کے زیادہ لائق ہے۔

[۵] غم واندوہ اور سختی سے رہائی اور رنج والم اور مشقت سے نکلنے کا راستہ عطا فرمائے گا، جیسے حضرت ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳۸۶۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِيْ بَيْعَةِ النِّسَاءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ فَمَنْ أَقَرَّتْ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا يُكَلِّمُهَا بِهٖ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهٗ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عورتوں کی بیعت کے بارے میں مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے، اے نبی! جب ایماندار عورتیں تمہارے پاس آئیں تاکہ بیعت کریں[۱] تو ان میں سے جو عورت اس شرط کا اقرار کرتی تو آپ اسے فرماتے، تحقیق میں نے تمہیں بیعت کیا، اس عورت سے زبانی گفتگو فرماتے[۲] خدا کی قسم! بیعت کرتے وقت کبھی آپ کا دستِ اقدس کسی عورت کے ہاتھ سے

اِنَّمَا یَعۡنِیۡ ۔ نہیں چھوا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ) (صحیحین)

سلہ اس آیت کا پورا مضمون یہ ہے کہ ان شرائط پر بیعت کریں (۱) کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں (۲) چوری نہ کریں (۳) زنا نہ کریں (۴) اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، جیسے کہ رواج تھا کہ لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے (۵) بہتان نہ باندھیں اور (۶) نافرمانی نہ کریں۔

سلہ کہ میں نے تمہیں بیعت کیا اور تمہاری بیعت قبول کی۔

سلہ یعنی بیعت اگرچہ ہاتھ دینا ہے، لیکن یہ طریقہ مردوں کے لیے تھا، عورتوں کو صرف زبانی کہا جاتا تھا کہ میں نے تمہیں بیعت کیا، بعض مشائخ جو عورتوں کو مرید کرتے ہیں، انہیں بیعت کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ پانی میں ڈال کر عورت کو کہتے ہیں کہ تم بھی اپنا ہاتھ اس میں ڈال دو، بعض لوگ کپڑے کا ایک کنارا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور دُوسرا عورت کو پکڑا دیتے ہیں، تو ان تکلفات کی حاجت نہیں ہے، سنت پر اکتفا کرنا احسن اور افضل ہے۔ بیعت کی حدیث کو باب صلح میں اس لیے بیان کیا کہ دونوں شرط لگانے میں مشترک ہیں نیز صلح حدیبیہ کے واقعہ میں بھی بیعت واقع ہوئی تھی جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے۔ لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ (تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب اے حبیب! وہ تمہاری بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے ۱۲ ق) اس مناسبت سے عورتوں کی بیعت کی حدیث اس جگہ ذکر کر دی، اگرچہ یہ بیعت حدیبیہ میں نہ تھی۔

اَلۡفَصۡلُ الثَّانِیۡ

دُوسری فصل

۳۸۶۷ عَنِ الۡمِسۡوَرِ وَ مَرۡوَانَ اَنَّهُمۡ اصۡطَلَحُوۡا عَلٰی وَضۡعِ الۡحَرۡبِ عَشۡرَ سِنِیۡنَ یَاۡمَنُ فِیۡهِنَّ النَّاسُ وَ عَلٰی اَنَّ بَیۡنَنَا عَیۡبَةً مَّکۡفُوۡفَةً وَّ اَنَّهٗ لَا اِسۡلَالَ وَ لَا اِغۡلَالَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوۡ دَاوٗدَ)

حضرت مسور رضی اللہ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ مشرکوں نے دس سال تک جنگ بند کرنے پر صلح کی، لوگ ان سالوں میں امن سے رہیں اور اس شرط پر کہ ہمارے درمیان بند صندوق ہوگا اور یہ کہ نہ تو تلوار میان سے باہر نکالی جائے گی اور نہ ہی خیانت ہوگی۔

(ابو داؤد)

سلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔

سلہ عَیْبَۃٌ بے نقطہ عین پر زبر، یا رساکن، اس کے بعد بار، وُہ چیز جس میں کپڑے رکھے جاتے ہیں، جیسے بقچہ (صندوق، بریف کیس وغیرہ) کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا قیمتی اور نفیس کپڑوں کو کہتے ہیں صراح میں ہے عیبہ کپڑے رکھنے والی چیز، قاموس میں ہے عیبہ چمڑے کی زنبیل، اس کی جمع عِیَابٌ اور عَیْبَاتٌ ہے، اس عبارت کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں، زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان کینے، مکر، فریب، فساد اور تباہی سے پاک اور صلح و وفا کے حامل سینے ہوں گے۔ عرب، سینوں اور دلوں کو بطور کنایہ عیبہ کہتے ہیں کیونکہ یہ رازوں کی امانت گاہیں ہیں، جیسے کہ عیاب ان ظروف کو کہتے ہیں جن میں قیمتی کپڑے رکھے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ سینے کا اس دشمنی اور عداوت سے پاک ہونا مراد ہے جو جنگ و جدل، قتل اور لوٹ مار سے متعلق ہو، ورنہ مسلمانوں اور کافروں کے سینے عداوت اور دشمنی سے کیسے پاک ہو سکتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کافروں کی دشمنی فرض فرمائی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیبہ سے مُراد نفس مصالحت اور جنگ بندی ہو، یعنی یہ صلح اپنے حال پر بند ہوگی اور اسے کھولا نہیں جائے گا، عربوں کے کلام میں عیبہ کا اطلاق رازوں اور مخفی امور پر معروف و مشہور ہے، بعض شارحین نے کہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وُہ سر بند اور مقفل رہے اسے نہ تو ظاہر کیا جائے گا اور نہ ہی یاد کیا جائے گا۔

سلہ اِسلال ہمزے کے نیچے زیر، بے نقطہ سین، اِغلال ہمزے کے نیچے زیر نقطے والی غین ساکن۔ شارحین نے کہا کہ اسلال کا معنیٰ ہے پوشیدہ طور پر چوری کرنا اور اغلال کا معنیٰ خیانت کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی دُوسرے کا مال چوری چھپے یا اعلانیہ نہیں لے گا، بعض نے کہا اسلال کا معنیٰ تلوار کا میان سے نکالنا ہے اور اغلال کا معنیٰ زرہ پہننا ہے، قاموس میں ہے کہ غلائل زرہوں کو بھی کہتے ہیں اور غلالہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دُوسرے کپڑے کے نیچے پہنا جائے، جسے شعار بھی کہتے ہیں (جیسے بنیان وغیرہ) بہر صورت بطور کنایہ جنگ بندی مراد ہے۔

۳۷۶۸ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِّنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اٰبَائِهِمْ عَنْ رَسُوْلِ	صفوان بن سلیم[1]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے متعدد صاحبزادوں سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اپنے آباء سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ خبردار! جو معاہدہ کرنے والے[2] پر

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انْتَقَصَهٗ اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

ظلم کرے یا اس کے لیے مقرر کردہ مدت میں کمی کرے یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے یا اس کی خوشی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے تو قیامت کے دن میں اس کا فریق مخالف[۵] ہوں گا۔ (ابوداؤد)

[۱] صفوان بن سلیم، سین پر پیش، مدینہ منورہ کے باشندے جلیل القدر تابعی، اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں میں سے تھے، ثقہ، عبادت میں مشہور اور امام و مقتدا تھے، چالیس سال تک زمین پر پشت نہ لگائی، کہتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت کے سبب ان کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا تھا، تھوڑے مال پر قناعت کرتے، شاہی تحفے قبول نہیں کرتے تھے، حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، وفات کے وقت نزع کی شدت کے باوجود بیٹھے ہوئے تھے، ان کی صاحبزادی نے عرض کی کہ اگر آپ زمین پر لیٹ جائیں تو کیا حرج ہے؟ فرمایا، بیٹی! میں نے نذر مان کر اور قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اوپر جو چیز لازم کی تھی میں اسے اس وقت بھی پورا کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، حضرت ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، انس بن مالک اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام مالک اور ابن عیینہ وغیرہما روایت کرتے ہیں سنہ ۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۲ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

[۲] اس سے ذمی مراد ہے۔

[۳] نقطے والے ضاد کے ساتھ ــــ یعنی اس کے حق میں کمی کرے۔

[۴] اگر وہ ذمی ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ جزیہ لے اور اگر حربی ہے اور تجارت کے لیے (اجازت لے کر) آیا ہوا ہے تو مالِ تجارت کے دسویں حصے سے زیادہ لے ــــ تکلیف کسی کو طاقت کے مطابق کام کا حکم دینا۔

[۵] اس کے خلاف حجت پیش کروں گا اور اس پر غلبہ پاؤں گا۔

۳۸۶۹ وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ

حضرت امیمہ بنت رقیقہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِاَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَايِعْنَا تَعْنِي صَافِحْنَا قَالَ اِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ

(رَوَاهُ)

روایت ہے کہ میں نے عورتوں[1] کی ایک جماعت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی آپ نے ہمیں فرمایا: ہم نے تمہیں اس چیز میں بیعت کیا جس کی تم طاقت و استطاعت رکھتی ہو[3] میں نے کہا[4] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری جانوں سے زیادہ ہم پر مہربان ہیں (پھر) عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بیعت فرمائیں یعنی ہم سے مصافحہ[5] فرمائیں، فرمایا: سَو عورتوں کے لیے ہمارا قول ایسے ہی ہے جیسے ہمارا قول ایک عورت کے لیے[6] اس حدیث کو روایت کیا[7]

[1] امیمہ ہمزے پر پیش، دونوں میموں پر زبر، درمیان میں یاء ساکن بنت رقیقہ، راء پر پیش دونوں قافوں پر زبر، درمیان میں یاء ساکنہ اور آخر میں تاء دونوں صحابیہ ہیں اور اہلِ مدینہ میں شمار کی جاتی ہیں، ان سے محمد بن منکدر اور دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں، حضرت رقیقہ، حضرت ام المؤمنین خدیجہ کی بہن ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[2] انہوں نے بھی بیعت کی۔

[3] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں پر شفقت فرمائی کہ بیعت کو طاقت و استطاعت کے ساتھ مقید کر دیا۔

[4] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اور یہ مزید شفقت کا مطالبہ کرنے کی تمہید تھی۔ (مطالبے کا ذکر آ رہا ہے)

[5] یعنی اپنا دستِ مبارک ہمارے ہاتھوں پر رکھیں جیسے کہ بیعت کی حقیقت ہے اور جس طرح آپ مردوں کو بیعت کرتے ہیں، ہمیں صرف زبانی طور پر بیعت نہ فرمائیں۔

[6] جب حضرت امیمہ نے مطالبہ کیا کہ ہر ایک سے مصافحہ فرمائیں اور صرف زبانی ارشاد پر اکتفا نہ فرمائیں تو فرمایا کہ ہمارا زبان سے فرما دینا کافی ہے، مصافحہ کی ضرورت نہیں ہے، نیز ہر عورت کو الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سب کے لیے ایک ہی ارشاد کافی ہے۔

ے اصل کتاب میں یہاں جگہ خالی ہے، حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا، ان تمام حضرات نے یہ حدیث محمد بن منکدر سے اور انہوں نے حضرت امیمہ سے روایت کی، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، صحیح ہے، صرف محمد بن منکدر کی روایت سے معلوم ہے، اسی طرح علامہ جزری نے فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۳۸۷۰ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَّدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يَّدْخُلَ يَعْنِيْ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ يُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوْا هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالُوْا لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ وَلٰكِنْ اَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ

تیسری فصل

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذیقعدہ میں عمرے کا ارادہ کیا ۱ اہل مکہ نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخلے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، حتّٰی کہ آپ نے ان سے صلح فرمائی کہ آپ اگلے سال مکہ معظمہ آئیں اور تین دن وہاں قیام کریں ۲ جب صلح نامہ لکھا گیا تو صحابہ کرام نے لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، مشرکوں نے کہا۔ ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے ۳ اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کا راستہ نہ روکتے ہاں آپ محمد بن عبداللہ ہیں ۴ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور محمد بن عبداللہ ہوں ۵ پھر حضرت علی ابن ابی طالب کو فرمایا ۶ لفظ رسول اللہ مٹا دو ۷ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم! میں کبھی بھی آپ کا نام پاک نہیں مٹاؤں گا ۸ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح نامہ لے لیا، حالانکہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے

لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفَ فِي الْقِرَابِ وَ اَنْ لَّا يَخْرُجَ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتْبَعَهٗ وَ اَنْ لَّا يَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِكَ اُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْاَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھے [۹]، پس آپ نے لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے، مگر تلوار تھیلے میں ہوگی اور اگر اہلِ مکہ میں سے کوئی ان کے ساتھ جانا چاہے گا تو اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور اگر ان کا کوئی ساتھی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے منع نہیں کریں گے، جب آپ (اگلے سال) مکہ میں داخل ہوئے اور مدت گزر گئی [۱۰] تو مشرکین حضرت علی کے پاس آکر کہنے لگے، اپنے صاحب سے کہو کہ یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے [۱۱] چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے [۱۲]

(صحیحین)

[۱] اور اس کا احرام باندھا۔
[۲] اس سے زیادہ نہیں۔
[۳] لہٰذا ہمارے لیے یہ عبارت قابلِ قبول نہیں ہے۔
[۴] اور یہی نام معاہدے میں لکھیں۔
[۵] دونوں میری صفتیں ہیں جو بھی لکھو درست ہے۔
[۶] وہی صلحنامہ لکھ رہے تھے۔

۷؎ محو کا معنی ہے مٹانا اور صاف کر دینا۔

۸؎ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے، ورنہ مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی اور حقیقت میں مخالفت نہیں بلکہ عین موافقت ہے اور انتہائی محبت اور اخلاص پر مبنی ہے۔

۹؎ یعنی آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔

۱۰؎ قراب قاف کے نیچے زیر وُہ تھیلا جس میں تلوار نیام سمیت رکھی جاتی ہے، اسی کو اس سے پہلے ایک حدیث میں جُلُبّان کہا گیا ہے۔

۱۱؎ طے یہ پایا تھا کہ آپ تین دن مکہ معظمہ میں قیام کریں گے۔

۱۲؎ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیسا رہے؟ اگر ہم تمہاری دعوت کریں اور ایک دن مزید قیام کریں، انہی دنوں آپ نے حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا ان کے ولیمے کی تقریب بھی درپیش تھی، مشرکین نے کہا آپ تشریف لے جائیں۔ ہمیں آپ کے کھانے کی حاجت نہیں ہے۔[۱]

۱۳؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکھنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی نہیں لکھا اور آپ لکھ بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّی کہا ہے اور اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو کتاب سے پڑھ نہ سکے اور نہ ہی لکھ سکے، بعض علماء کہتے ہیں کہ جب آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو گئی اور شک و شبہہ ختم ہو گیا تو آپ نے بنفسِ نفیس لکھا۔ اس حدیث کا ظاہر ان حضرات کی دلیل ہے، انکار کرنے والے یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ کتابت سے مُراد لکھنے کا حکم دینا ہے اور یہ علماء بیان کے ہاں مشہور مجاز ہے، جیسے کہ کہتے ہیں کہ امیر نے شہر تعمیر کیا، مطلب یہ ہے کہ اس نے شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا، یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے ہاتھ سے شہر بنایا ہے، یہ ہے ان کے اختلاف کا خلاصہ اور اس سلسلے میں اجمالی گفتگو۔

اس مسئلے کی تفصیل فتح الباری میں بیان کی گئی ہے، مناسب رہے گا کہ ہم اسے اس جگہ نقل کر دیں علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام بخاری، مغازی میں ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ پکڑا، حالانکہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے، آپ نے لکھا یہ وُہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے طے کیا ہے، بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے مغرب کے عظیم عالم ابو الولید باجی اسی کے قائل ہیں، انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے نہیں

---

[۱] ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا (باقی صفحہ آئندہ)

لکھتے تھے بعد میں آپ نے لکھا، اندلس کے علماء نے ابوالولید پر طعن کیا اور انہیں قرآن مجید کی مخالفت کی بنا پر کافر اور زندیق قرار دیا، ارشادِ ربانی ہے وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ۔ تم اس سے پہلے کتاب دیکھ کر نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے۔ (ایسا ہوتا) تب تو جھوٹے شک میں پڑ جاتے۔

اس وقت کے بادشاہ نے علماء کو جمع کیا، ابوالولید باجی کے پاس جو علوم و معارف تھے ان کے سامنے پیش کئے اور کہا کہ میرا دعویٰ قرآنِ کریم کے مخالف نہیں ہے بلکہ مفہوم قرآن سے ماخوذ ہے، کیونکہ قرآن پاک میں خطِ کتابت کی نفی مقید ہے، نزولِ قرآن سے پہلے زمانے کے ساتھ، اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امّی ہونا ثابت ہو گیا اور اس بنا پر معجزہ متحقق ہو گیا اور شک و شبہہ دُور ہو گیا تو اس امر سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ کسی مخلوق کی تعلیم کے بغیر لکھنا سیکھ لیں اور یہ دُوسرا معجزہ ہوگا، یہ گفتگو سُن کر علماء کی ایک جماعت ابوالولید سے متفق ہو گئی، ان میں علامہ ابوالولید کے استاذ ابوذر ہروی، ابوالفتح نیشاپوری اور افریقہ کے دُوسرے علماء تھے۔

ان میں سے بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے مجالد سے اور انہوں نے عون بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے لکھ لیتے تھے اور لکھا ہُوا پڑھ لیتے تھے،

مجالد نے یہ حدیث امام شعبی سے بیان کی تو انہوں نے کہا عون نے صحیح کہا ہے میں نے بھی کسی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا ہے، قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ ایسے آثار اور روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حروف، خط اور خوشخطی کو پہچانتے تھے، اس سے لکھنے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اندازِ کتابت کے علم کا پتہ چلتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا کیا گیا تھا، اس کے بعد بھی اس مسئلے میں علامہ ابن حجر کی گفتگو طویل ہے۔ آخر میں فرمایا کہ حق یہ ہے کہ کتابت سے مراد کتابت کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شہر نہیں ہے، ہم تمہارے دباؤ پر نہیں بلکہ اپنی مرضی سے جب چاہیں گے چلے جائیں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ ۱۲

(حاشیہ اشعۃ اللمعات)

بَابُ اِخْرَاجِ الْیَهُوْدِ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ

۲۹۵۔ یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا بیان

جزیرہ وُہ زمین جس کا دریا نے احاطہ کر رکھا ہو، جزیرۂ عرب وُہ خطہ ہے جس کا احاطہ بحرِ ہند، بحرِ شام، دجلہ اور فرات نے کر رکھا ہے یا لمبائی میں عدن سے اطرافِ شام تک اور چوڑائی میں جدّہ سے ریفِ عراق تک، اسی طرح قاموس میں ہے، کتاب کی ابتدار باب الوسوسہ میں اس کے بارے میں ہم متعدد اقوال نقل کر چکے ہیں، حضرتِ مصنف نے عنوان میں عیسائیوں کے نکالنے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ فصل کے آخر میں ان کا ذکر واقع ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کو تو نکالا، لیکن عیسائیوں کے نکالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۸۷۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَ نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا اِلٰی یَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ یَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ

پہلی فصل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسجد میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانۂ مبارکہ سے تشریف لائے فرمایا: یہودیوں کی طرف چلو، ہم آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ ہم یہودیوں کے درس خانہ میں آئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا: اے گروہِ یہود! اسلام لے آؤ، تاکہ بچ جاؤ۔ جان لو کہ زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہے[۱] اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس علاقے سے نکال دوں[۲] تو تم

لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُجْلِیَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَّجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهٖ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں سے جسے اپنے مال کے بدلے کوئی چیز ملے تو لے بیچ دے[۵]

(صحیحین)

[۱] درس اور دراست کا معنی ہے کتاب کا پڑھنا، اسی طرح قاموس میں ہے، صراح میں ہے، درس، دراست اور تدریس، کتاب کا سبق پڑھانا، مدرسہ درس کی جگہ (صراح) بعض شارحین نے کہا کہ مدراس اس عالم کو کہتے ہیں جو کتاب کا درس دے مِفْعَلٌ اور مِفْعَالٌ مبالغے کے صیغے ہیں۔

[۲] دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے۔

[۳] اللہ تعالیٰ زمین کا خالق و مالک ہے اور بطورِ نیابت و خلافت، زمین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے قُلْ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ تم فرما دو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

[۴] اللہ تعالیٰ کے حکم سے ——— صراح میں ہے اِجْلَاءٌ مال و اسباب سے نکل جانا اور نکال دینا

[۵] یعنی زمین وغیرہ جو چیزیں منتقل نہیں کی جا سکتیں انہیں بیچ دو۔

۳۸۷۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ عُمَرُ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ يَهُوْدَ خَيْبَرَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ وَقَدْ رَاَيْتُ اِجْلَاءَهُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰى ذٰلِكَ اَتَاهُ اَحَدُ بَنِيْ اَبِي الْحُقَيْقِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُخْرِجُنَا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے ان کے اموال[۱] پر معاملہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم تمہیں اس وقت تک ٹھہرائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ٹھہرائے گا اور میں نے یہودیوں کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، جب حضرت عمر نے یہ طے کر لیا تو آپ کے پاس بنو ابو الحقیق[۲] کا ایک شخص آ کر کہنے لگا: امیر المؤمنین!

وَ قَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ وَّ عَامَلَنَا عَلَى الْاَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اِنِّیْ نَسِیْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُوْ بِكَ قَلُوْصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ كَانَتْ هُزَيْلَةً مِّنْ اَبِي الْقَاسِمِ فَقَالَ كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ فَاَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَ اَعْطَاهُمْ قِيْمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ الثَّمَرِ مَالًا وَّ اِبِلًا وَّ عُرُوْضًا مِّنْ اَقْتَابٍ وَّ حِبَالٍ وَّ غَيْرِ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کیا آپ ہمیں نکال دیں گے؟ حالانکہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمیں ٹھہرایا تھا اور ہمارے ساتھ اموال پر معاملہ کیا تھا[4]۔ حضرت عمر نے فرمایا: کیا تیرا گمان ہے؟ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا یہ فرمان[5] بھول چکا ہوں، اس وقت تیرا حال کیا ہوگا؟ جب تجھے خیبر سے نکالا جائے گا، تیری اونٹنیاں[6] ایک رات کے بعد دوسری رات تجھے لے کر بھاگ رہی ہوں گی، اس نے کہا کہ یہ تو ابو القاسم کا مزاح تھا، حضرت عمر نے فرمایا: او دشمنِ خدا تو نے جھوٹ کہا، چنانچہ آپ نے انہیں جلاوطن کر دیا اور ان کے پھلوں کی قیمت کے طور پر انہیں مال، اونٹ، سامان، اونٹوں کے پالان اور ان کی رسیاں[7] دغیرہ دیں۔

(بخاری)

[1] کھجور کے درختوں اور کھیتیوں وغیرہ پر۔

[2] بنو ابو الحقیق بے نقطہ حا، پر پیش، پہلے ق پر زبر، دونوں قافوں کے درمیان یار ساکن۔ وہ شخص یہودی قبیلوں کا ایک سردار تھا۔

[3] خیبر میں۔

[4] یہ فرمایا تھا کہ اموال ہمارے پاس رہیں گے اور ہم خراج دیں گے، جیسے کہ کتاب البیوع میں گزرا۔

[5] جو تجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

[6] قلوص قاف پر زبر، جوان اونٹ۔

ے ابوالقاسم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت ہے ——— یعنی یہ بات سنجیدگی سے نہیں بلکہ بطور مزاح فرمائی تھی۔

ےہ یعنی کھجوروں وغیرہ ——— زیادہ تر یہودیوں کا مال کھجوریں ہی تھیں۔

۹ہ اقتاب جمع ہے قتب کی قاف اور تاء دونوں پر زبر، چھوٹا پالان، حبال بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، حبل کی جمع، رسی۔

۳۸۷۳ / ۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصٰى بِثَلٰثَةٍ قَالَ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَأَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيْزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَ فَأُنْسِيْتُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال کے وقت تین وصیتیں فرمائیں: فرمایا: مشرکین کو جزیرۂ عرب[۱] سے نکال دو اور آنے والے نمائندوں کو تحفے[۲] دینا جس طرح ہم انہیں دیا کرتے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ تیسری بات سے آپ نے خاموشی اختیار کی[۳] یا انہوں[۴] نے فرمایا کہ مجھے وہ بات بھلا دی گئی۔ (صحیحین)

لہ شارحین نے فرمایا کہ اس جگہ جزیرۂ عرب سے مراد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے، علامہ طیبی نے نقل کیا کہ امام شافعی نے اس حکم کو حجاز کے ساتھ خاص کیا ہے، اور ان کے نزدیک حجاز نام ہے حرمین شریفین، یمامہ اور ان کے مضافات کا، یمن وغیرہ اس میں داخل نہیں۔

ٹہ صراح میں ہے جائزہ، عطا کو کہتے ہیں قاموس میں ہے جائزہ عطیہ، تحفہ اور مہربانی۔

سہ کسی عارضے کی وجہ سے۔

ٹہ مشکوٰۃ شریف کی عبارت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن عباس کا قول ہے، حاشیہ میں ہے کہ سکت سلیمان احول کا قول ہے جو حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباس سے راوی ہیں۔ یعنی سلیمان نے کہا کہ سعید بن جبیر نے تیسری بات کے بیان کرنے سے سکوت کیا یا حضرت سعید نے کہا کہ مجھے وہ بات بھلا دی گئی ہے۔
مشکوٰۃ شریف کی عبارت میں تسامح ہے۔ (حاشیہ)

حضرت قاضی عیاض نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ تیسری بات یہ ارشاد ہو کہ میری قبر کو میرے بعد بُت نہ بنالینا، جیسے کہ امام مالک نے موطا میں بیان کیا۔

۳۸۷۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لَا اَدَعُ فِيْهَا اِلَّا مُسْلِمًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَئِنْ عِشْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ہم جزیرۂ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو ضرور نکال دیں گے اور اس میں مسلمان کے سوا کسی کو رہنے نہیں دیں گے (مسلم) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر ہم زندہ رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے ضرور نکال دیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دُوسری فصل

لَيْسَ فِيْهِ اِلَّا حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَكُوْنُ قِبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّ فِيْ بَابِ الْجِزْيَةِ۔

اس فصل میں صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ دو قبلے نہیں ہوں گے، جو باب الجزیہ میں گزر چکی ہے[1]

[1] جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۸۷۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَجْلَى

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی

اَلْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ظَهَرَ عَلٰى اَهْلِ خَيْبَرَ اَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَ الْيَهُوْدَ مِنْهَا وَ كَانَتِ الْاَرْضُ لَمَّا ظُهِرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فَسَاَلَ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتْرُكَهُمْ عَلٰى اَنْ يَّكْفُوا الْعَمَلَ وَ لَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا فَاُقِرُّوْا حَتّٰى اَجْلَاهُمْ عُمَرُ فِیْ اِمَارَتِهٖ اِلٰى تَيْمَآءَ وَ اَرِيْحَآءَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو خطۂ حجاز سے جلا وطن کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب خیبر پر غلبہ حاصل کیا تو یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا جب خیبر پر غلبہ پایا گیا تو زمین[1] اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تھی، یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں اس شرط پر وہاں رہنے دیا جائے کہ وہ کام کی ذمہ داری سنبھال لیں گے اور ان کے لیے آدھا پھل[2] ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں[3] گے تمہیں اس شرط پر ٹھہرائیں گے، چنانچہ انہیں ٹھہرایا گیا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں تیما[4] اور اریحا[5] کی طرف نکال دیا۔

(صحیحین)

[1] سرزمین پر جو بھی ہو۔

[2] اور زمین کی آدھی پیداوار، یعنی تمام محنت و مشقت یہودی کریں گے اور پیداوار کا نصف بطور خراج دیں گے۔ لَهُمْ کی ضمیر مسلمانوں کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے، دونوں صورتوں کا مطلب ایک ہی ہوگا۔

[3] مطلب یہ کہ ہم تمہیں ہمیشہ ٹھہرانے کا معاہدہ نہیں کرتے، اگر ہم چاہیں گے تمہیں رہنے دیں گے اور

چاہیں گے تو نکال دیں گے۔

۴؎ تیماء، تاء پر زبر، یا ساکن، آخر میں الف ممدودہ، بروزن حمراء

۵؎ اریحاء، ہمزے پر زبر، یاء ساکن، بے نقطہ حاء اور الف ممدودہ، تیماء اور اریحاء شام کے دو شہر ہیں۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے، مشارق الانوار میں ہے کہ تیماء سمندر کے کنارے بنو طے کا مرکزی شہر ہے، وہاں سے لوگ شام کے شہروں کو جاتے ہیں، مختصر نہایہ میں ہے کہ اریحاء، بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں ہے، علامہ طیبی نے کہا اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد جزیرۂ عرب کا کچھ حصہ تھا جو حجاز میں ہے کیونکہ تیماء جزیرۂ عرب سے ہے اور حجاز سے نہیں ہے (طیبی) مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بیانات کے مطابق تیماء اور اریحاء دونوں جزیرۂ عرب سے ہیں پھر تیماء کی تخصیص کی کیا وجہ ہوئی؟

بَابُ الْفَيْءِ
۲۹۱۔ فیئے کا بیان

اس سے پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ فیئ اور غنیمت کا ایک ہی معنیٰ ہے قاموس، مشارق اور ہدایہ سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، صاحب نہایہ نے کہا کہ فیئ وہ مال ہے جو جنگ اور جہاد کے بغیر مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہو، حضرت مؤلف کی مراد بھی یہی معنیٰ ہے، فیئ کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے، اس میں نہ تو پانچواں حصہ ہے اور نہ ہی تقسیم، اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا جیسے کہ اس حدیث میں بیان کی جانے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۳۸۷۶ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ قَالَ

حضرت مالک بن اوس بن حدثان ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ خَصَّ رَسُوْلَهٗ فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهٖ اَحَدًا غَيْرَهٗ ثُمَّ قَرَءَ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ قَدِيْرٌ فَكَانَتْ هٰذِهٖ خَالِصَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ثُمَّ يَاْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهٗ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس فیئ میں ایک چیز کے ساتھ مخصوص فرمایا جو آپ کے علاوہ کسی کو نہیں دی، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: جو غنیمت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اُن سے دلائی ــــ قدیر تک[2] تو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی[3] آپ اس مال میں سے اپنے اہل و عیال کو ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے[4] پھر آپ باقی کو لے کر اللہ تعالیٰ کے مال کے مصرف میں صرف فرما دیتے تھے[5] (صحیحین)

[1] مالک بن اوس ہمزے پر زبر، واؤ ساکن اور بے نقطہ سین بن الحدثان پہلے دونوں بے نقطہ حرفوں پر زبر، ان کے بعد تین نقطوں والی ثاء، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر علماء کے نزدیک وُہ صحابی ہیں، امام بخاری نے فرمایا: بعض محدثین کہتے ہیں کہ وُہ صحابی ہیں، لیکن یہ بات پایۂ صحت کو نہیں پہنچی، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ حضرات میں کیا ہے اور کہا کہ جن حضرات نے انہیں صحابی قرار دیا ہے انہیں وہم ہُوا ہے، صحابۂ کرام سے بکثرت روایت کرتے ہیں، حضرات عشرہ مبشرہ سے بھی روایت کرتے ہیں عموماً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے بہت سے تابعین روایت کرتے ہیں، ان کا وصال مدینہ منورہ میں ۹۲ھ میں ہُوا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

[2] پوری آیت اس طرح ہے وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۵۹/۶) اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے، تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، ہاں اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرماتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نضیر کے اموال کا مالک بنایا ہے تو یہ ایسی چیز ہے جو تم نے جنگ اور غلبے سے حاصل نہیں کی کیونکہ ان کے گاؤں مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام حضرات پیدل گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہودیوں کے اموال پر تسلط عطا فرمایا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے دین کے دشمنوں پر اپنے رسولوں کو مسلط فرماتا ہے، پس اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ ان اموال کو جہاں چاہیں خرچ کریں اور جسے چاہیں عطا فرمائیں، یعنی اموالِ غنیمت کی طرح انہیں تقسیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مالِ غنیمت، جنگ کے بعد قہر اور غلبے سے حاصل کیا جاتا ہے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صحابۂ کرام نے تقسیم کا مطالبہ کیا، اسی طرح تفاسیر میں ہے کافروں کے اس قسم کے اموال جنہیں فیئ کہا جاتا ہے انہیں اموالِ غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جائے گا، یہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صوابدید کے سپرد ہیں، احادیث میں آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کس طرح صرف فرماتے تھے؟ یہ ہمارا مذہب ہے، علامہ طیبی نے امام شافعی کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے فیئ میں سے ۴/۵ اور ایک پچیسواں حصّہ تھا یعنی پچیس حصّوں میں سے اکیس حصّے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے اور باقی ۴ حصّے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے تھے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

۳؎ اس میں کسی دوسرے کا حصّہ نہ تھا۔

۴؎ اگر کہا جائے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں فرماتے تھے، تو ایک سال کا خرچہ کس طرح محفوظ فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی ذاتِ اقدس کے لیے ذخیرہ کرنے کی نفی ہے اور یہ خرچہ تو آپ کے اہل وعیال کے لیے ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کو بعض اوقات ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے (جسے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن صدقہ وخیرات میں صرف کر کے سال سے پہلے ہی خرچ کر دیتیں۔ قادری)

۵؎ یعنی اسے مسلمانوں کی ضروریات میں صرف فرما دیتے اور جس محتاج اور مسکین کو چاہتے عنایت فرما دیتے، اسی لیے انصار کے صرف تین افراد کو عطا فرماتے جو مسکین ہوتے تھے۔

۳۸۷۷/۲ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا

حضرت عمر ؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی نضیر ؓ کے اموال، اللہ تعالیٰ

اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِمَّا لَمْ یُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ فَکَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاصَّۃً یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِھِمْ ثُمَّ یَجْعَلُ مَا بَقِیَ فِی السِّلَاحِ وَالْکُرَاعِ عُدَّۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے تھے جن کے لیے مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، یہ اموال خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، اپنے اہل و عیال کو ایک سال کا خرچہ عطا فرماتے، پھر باقی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ساز و سامان تیار کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر صرف فرماتے۔ (صحیحین)

لہ بعض نسخوں میں ہے وَعَنْہُ وَعَنْ عُمَرَ (حضرت مالک بن اوس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے)

لہ بنی نضیر نون پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر، یا ساکن، یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا۔

لہ اس جگہ دو نسخے ہیں (۱) نَفَقَۃَ سَنَتِہٖ اہل کے ایک سال کا خرچ (۲) نَفَقَۃَ سَنَتِھِمْ (معنی وہی ہے) پہلا نسخہ لفظ اہل کے اعتبار سے اور دوسرا معنیٰ کے لحاظ سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۸۷۸/۳ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَتَاہُ الْفَیْءُ قَسَمَہٗ فِیْ یَوْمِہٖ فَاَعْطَی الْاٰھِلَ حَظَّیْنِ وَاَعْطَی الْاَعْزَبَ حَظًّا فَدُعِیْتُ فَاَعْطَانِیْ حَظَّیْنِ وَکَانَ لِیْ اَھْلٌ ثُمَّ

حضرت عوف بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب فیئ کا مال آتا تو اسی دن اسے تقسیم فرما دیتے، شادی شدہ مرد کو دو حصے اور غیر شادی شدہ[2] کو ایک حصہ عطا فرماتے، مجھے بلایا گیا اور آپ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے، میری بیوی بھی تھی، میرے بعد حضرت عمار بن یاسر

دُعِیَ بَعْدِیْ عَمَّارُ بْنُ یَاسِرٍ فَاُعْطِیَ حَظًّا وَّاحِدًا۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

کو بلایا گیا[۳] اور انہیں ایک حصہ دیا گیا۔
(ابوداؤد)

[۱] حضرت عوف بن مالک مشہور صحابی ہیں۔
[۲] آہل ہمزے پر مد، ہا کے نیچے زیر، بروزن کاہل، بیوی والا مرد، اعزب ہمزے پر زبر، بے نقطہ عین ساکن، زا پر زبر، عَزَب پہلے دونوں حرف متحرک، بغیر بیوی کے مرد۔
[۳] ان کی بیوی نہ تھی۔

۳۸۷۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا جَآءَہٗ فَیْئٌ بَدَاَ بِالْمُحَرَّرِیْنَ۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس پہلے پہل جو چیز آتی تو آپ ابتداء میں آزاد کئے ہوئے لوگوں[۱] کو عطا فرماتے
(ابوداؤد)

[۱] اس سے مراد مکاتب ہیں (جن کے مالک کہتے کہ اتنی رقم لادو، تو تم آزاد ہو گے ——۱۲ قادری)
بعض شارحین نے کہا وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مختص کر رکھا تھا کہ وہ ماسوائے حق کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے۔

۳۸۸۰ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِظَبْیَۃٍ فِیْھَا خَرَزٌ فَقَسَمَھَا لِلْحُرَّۃِ وَالْاَمَۃِ قَالَتْ عَائِشَۃُ کَانَ اَبِیْ یَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تھیلی لائی گئی جس میں منکے تھے، آپ نے اسے آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں تقسیم کر دیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میرے والد ماجد بھی آزاد اور غلام میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔
(ابوداؤد)

سلہ ظَبْيَةٌ نقطے دال ظاء، بر زبر، بار ساکن، چھوٹی تھیلی، بٹوہ خرز نقطے والی خار اور رار پر زبر، منکہ، موتی، موتیوں کے ساتھ عورتوں کے تعلق کی بنار پر ان ہی میں تقسیم فرمائے۔

سلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ——— اس سے معلوم ہوا کہ موتی، عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہی عطا فرمائے۔

۳۸۸۱ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا اَلْفَيْءَ فَقَالَ مَا اَنَا اَحَقُّ بِهٰذَا الْفَيْءِ مِنْكُمْ وَ مَا اَحَدٌ مِّنَّا بِاَحَقَّ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا اَنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ قَسْمِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَ قِدَمُهٗ وَ الرَّجُلُ وَ بَلَاؤُهٗ وَ الرَّجُلُ وَ عِيَالُهٗ وَ الرَّجُلُ وَ حَاجَتُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت مالک بن اوس بن حدثان[1] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک دن فیئ کا ذکر کیا اور فرمایا: میں اس فیئ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں[2] اور ہم میں سے کوئی بھی اس کا کسی دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں ہے، ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مراتب پر ہیں[3] پس ایک مرد اور اس کا پہلے اسلام لانا، ایک مرد اور اس کا راہِ خدا میں مشقت اٹھانا، ایک مرد اور اس کے اہل وعیال اسی طرح ایک مرد اور اس کی حاجت سب ہی معتبر ہیں[4]

(ابوداؤد)

سلہ حدثان دال پر زبر

سلہ صحابۂ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، مقصد اس وہم کا دور کرنا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح وہ بھی فیئ کے زیادہ حق دار ہوں گے، اس کے بعد عمومی طور پر کسی بھی شخص کے زیادہ حق دار ہونے کی نفی فرمائی۔

سلہ یعنی فیئ عامۃ المسلمین کے لیے ہے، اصل استحقاق میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے، ہاں

مراتب اور مقامات کا فرق درست ہے، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقسیم کرتے ہوئے اصحابِ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے حضرات کا امتیاز دوسرے حضرات سے ملحوظ رکھتے تھے، نیز اہل و عیال اور فقر و احتیاج کے اعتبار سے لوگوں کے حالات کا لحاظ فرماتے تھے، جیسے کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفصیل بیان کی ہے۔

ان حالات کے اختلاف کی بنار پر ان کے حصّے بھی مختلف ہوں گے۔

۳۸۸۲ وَعَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ فَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَ اعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ حَتّٰى بَلَغَ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتُ فَلَيَاْتِيَنَّ الرَّاعِيَ وَ هُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ نَصِيْبُهٗ مِنْهَا وَ لَمْ يَعْرَقْ فِيْهَا جَبِيْنُهٗ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے یہ آیت پڑھی کہ صدقات فقرار اور مساکین ہی کے لیے ہیں عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ تک، اور فرمایا: یہ صدقات ان لوگوں کے لیے ہیں، پھر انہوں نے دوسری آیت پڑھی: جان لو کہ تم نے جو چیز بطور غنیمت حاصل کی تو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے وَابْنِ السَّبِیْلِ تک"، پھر فرمایا: یہ اموالِ غنیمت ان ہی کے لیے ہیں، پھر تیسری آیت پڑھی: جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے دلائی ... لِلْفُقَرَآءِ تک، پھر چوتھی آیت پڑھی: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، پھر فرمایا: اس آیت نے عامۃ المسلمین کا احاطہ کیا ہے، اگر میں زندہ رہا تو ضرور سَرْوِ حِمْیَر میں چرانے والے کو ان اموال میں سے اس کا حصہ پہنچے گا، جن اموال کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔

(شرح السنۃ)

سلہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
سلہ جس میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔
سلہ ان اقسام کے لیے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔
سلہ جس میں اموالِ غنیمت کی تقسیم کا بیان ہے۔
سلہ جس میں فیئ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔
سلہ ان آیات میں بیان ہے کہ مہاجرین اور انصار اموالِ غنیمت کے مستحق ہیں۔
سلہ جس میں مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے حضرات کا ذکر ہے۔
سلہ یہ آیات جن میں اموالِ فیئ کا حکم بیان کیا گیا ہے تمام مسلمانوں کو شامل ہیں، حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مالِ غنیمت کی طرح فیئ کا بھی پانچواں حصہ لیا جائے لیکن وہ مختلف درجات کے مطابق عامۃ المسلمین کے مفادات کے لیے ہو جیسے کہ بیان ہوا، امام شافعی کے علاوہ اربابِ تقویٰ ائمہ کرام اسی طرف گئے ہیں، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا، مسلمانوں کے درجات کے فرق کی رعایت بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں مساوات کے قائل ہیں، انہوں نے سبقت لے جانے والے حضرات کی رعایت نہیں کی اور فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کیا اور ان کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، لہٰذا اموال میں ان کو ترجیح نہیں دی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ کو حضرت حفصہ پر اور حضرت اسامہ بن زید کو حضرت ابن عمر پر فضیلت دیتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
سلہ کفار کے شہروں کے فتح کرنے، فیئ کی کثرت اور تمام مسلمانوں کو اموال پہنچانے تک۔
سلہ سرو سین پر زبر، را ساکن، دونوں بے نقطہ، مشہور درخت کا نام، نیز یمن کے نواح میں ایک جگہ کا نام، حمیر حا کے نیچے زیر، میم ساکن اور یا پر زبر یمن کا مشہور شہر جو اس کے مضافات میں ہے۔
سلہ یعنی باوجودیکہ مسلمان دور دراز جگہوں میں رہتے ہوں گے ان کا حصہ انہیں پہنچے گا۔

۳۸۸۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ فِيْمَا احْتَجَّ بِهٖ عُمَرُ اَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ صَفَايَا بَنُو النَّضِيْرِ	ان ہی سلہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن چیزوں سے استدلال کیا سلہ ان میں یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزیں اپنے لیے منتخب فرمائی تھیں سلہ (۱) بنو نضیر سلہ (۲) خیبر سلہ (۳) فدک سلہ

فَكَانَتْ حُبُسًا لِنَوَائِبِهٖ وَ اَمَّا فَدَكُ فَكَانَتْ حُبُسًا لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَ اَمَّا خَيْبَرُ فَجَزَّاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْئَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ جُزْءً نَفَقَةً لِاَهْلِهٖ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ اَهْلِهٖ جَعَلَهٗ بَيْنَ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

بنی نضیر کے اموال تو آپ کی حوائج کے لیے تھے، فدک کے اموال، مسافروں[۵] کے لیے تھے، اور خیبر کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، دو حصے مسلمانوں میں صرف فرماتے اور ایک جزء اپنے اہل کے خرچہ کے لیے مقرر فرماتے اہل کے خرچ سے جو بچتا وہ فقراء[۶] و مہاجرین کو عطا فرما دیتے۔

(ابو داؤد)

سلہ حضرت مالک بن اوس سے

سلہ حضرت عباس اور حضرت علی نے حضرت عمر کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا تو حضرت عمر نے ان کے سامنے یہ دلیل پیش کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

سلہ صفیہ اس چیز کو کہتے ہیں جسے امام اپنے لیے مالِ غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے منتخب کرلے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ غنیمت میں سے کوئی چیز اپنے لیے منتخب فرماتے، ایک ام المومنین کا نام صرف اسی لیے صفیہ ہے کہ وہ خیبر کی غنیمت میں سے منتخب کی گئی تھیں، اس کے بعد آپ نے انہیں آزاد کرکے ان سے نکاح کیا تھا۔

سلہ بنو نضیر کے اموال جنہیں آپ نے جلاوطن کیا تھا، جس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

سلہ دُوسری قسم خیبر کے بعض اموال تھے، یہ چند گاؤں تھے جو گھوڑے اور اونٹ دوڑانے اور جنگ کرنے کے بغیر صلح سے حاصل ہوئے تھے جو فیئ تھے اور خاص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، اسی طرح غلبے اور قہر کے ذریعے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔

سلہ فدک، خیبر کا ایک گاؤں ہے، خیبر کی فتح کے بعد یہ خطہ صلح سے حاصل ہوا اس کا نصف حصہ بھی خاص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھا جسے آپ اپنے اہل، مسلمانوں اور عوامی ضروریات پر خرچ فرماتے،

یہ تمام وُہ صدقات ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اپنی ملکیت میں لینا حرام ہے۔

۵۷ آنے جانے والوں اور قاصدوں کی ضیافت کے لیے، اس کے علاوہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری کے لیے مُحبس بے نقطہ حاء پر پیش، بار ساکن، بمعنی محبوس اور محفوظ نوائب جمع ہے نائبۃ کی مراد وُہ حاجتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً آدمی کو پیش آتی ہیں۔

۵۸ جو اپنے اموال سے دُور ہو جاتے تھے اگرچہ اپنے وطنوں میں اموال چھوڑ کر آتے تھے۔

۵۹ ان کے فقر اور احتیاج کی بنا پر، انصار کو اس لیے عطا نہ فرماتے کہ وُہ فقیر اور محتاج نہ تھے، بنی نضیر کے اموال کے بارے میں روایت ہے کہ جب انصار نے اس میں سے حصّے کی درخواست کی تو فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو ہم اس میں سے کچھ چیز عطا کریں اور اگر چاہو تو ہم مہاجرین کو دے دیں اور تم نے جو عطیات انہیں دے رکھے ہیں وُہ تمہیں واپس کر دیں، انصار نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ آپ مہاجرین کو عطا فرما دیں اور ہم نے جو عطیات انہیں دے رکھے ہیں وُہ بھی ہم اُن سے نہیں لیتے، یہ بات سُن کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اُن کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔

۳۸۸۹ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِيْ مَرْوَانَ حِيْنَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَ يَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَ يُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَ اِنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ[۶۰] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز[۶۱] نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا: تحقیق فدک، رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھا، اس میں سے آپ خرچ فرماتے[۶۲] اس میں سے بنی ہاشم کے بچوں پر خرچ کرتے، اسی میں سے بنی ہاشم کی بیواؤں[۶۳] کا نکاح کرتے، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے سوال کیا کہ فدک انہیں دے دیں تو آپ نے انکار فرما دیا، چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس میں فدک اسی طرح رہا، یہاں تک کہ آپ اپنے راستے پر تشریف لے گئے[۶۴]

حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُّلِّیَ اَبُوْبَکْرٍ عَمِلَ فِیْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَیٰوتِهٖ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُّلِّیَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِیْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ فَرَاَیْتُ اَمْرًا مَّنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ وَّ اِنِّیْ اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ رَدَدْتُّهَا عَلٰی مَا کَانَتْ یَعْنِیْ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

جب حضرت ابوبکر والی بنائے گئے تو انہوں نے فدک کے سلسلے میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کیا تھا[۱] یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستے پر چلے گئے، جب حضرت عمر والی بنائے گئے تو انہوں نے بھی اس کے سلسلے میں وہی عمل کیا جو ان کے دونوں پیش رو حضرات نے کیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستے پر چلے گئے، پھر مروان نے اسے بانٹ لیا[۲] پھر وہ عمر بن عبد العزیز کے لیے ہوا[۳]، میری رائے یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاطمہ زہراء سے روک دیا تھا وہ میرے لائق نہیں ہے اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے اس حالت پر لوٹا دیا ہے جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کریمین کے زمانہ میں تھا۔

(ابوداؤد)

[۱] حضرت مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] حضرت عمر بن عبد العزیز عادل اور متقی تھے اور عبد العزیز بن مروان کے بیٹے تھے۔ (پانچویں خلیفہ راشد، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری)

[۳] اہل و عیال اور فقراء و مساکین پر۔

ؔ ایّم ہمزے پر زبر، یار مشدّد کے نیچے زیر، وُہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو، بعض اوقات اس مرد کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کی بیوی فوت ہوگئی ہو، پہلا استعمال زیادہ ہے۔

ؔ یہ آپ کے وصال سے کنایہ ہے۔

ؔ کیونکہ وُہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیفہ تھے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہل و عیال اور بنی ہاشم پر صرف کرتے، ان کی بیواؤں کا نکاح کرتے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

ؔ اِقطاع ہمزے کے نیچے زیر، بادشاہ کا زمین کو کسی کے لیے الگ کر لینا، ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ مروان کی حکومت کے دَور میں ہوا، اس نے فدک کا کچھ حصہ اپنی اولاد کو یا اپنے خاص افراد کو دے دیا ہوگا حواشی میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دَور میں ہُوا[1]۔

ؔ یعنی جب وُہ خطۂ زمین سلاطین اور امراء کے تصرّف میں گیا تو اب وُہ میرے پاس آگیا، اپنے آپ کو صیغۂ غائب کے ساتھ ذکر کیا۔ یہ اشارہ ہے ناراضمندی کی طرف۔

خیال رہے کہ بنی نضیر، فدک اور خیبر کے اموال خالص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملکیت تھے اور آپ کے بعد بھی باقی رہے، ان کے بارے میں جو کچھ واقعات پیش آئے ان میں طویل گفتگو ہے اور عجیب واقعہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حدیث کی کتبِ صحاح سے کچھ تفصیل نقل کی جائے، کیونکہ اس مسئلے میں گفتگو بڑی شہرت رکھتی ہے، خواص و عوام کی زبان پر جاری ہے اور بہت سے لوگوں کے فہم میں اس کی بنا پر خلل واقع ہُوا ہے، اگرچہ سلسلۂ کلام طویل ہو جائے گا (تاہم اس مسئلے کی تفصیل ضروری ہے۔ ۱۲ ق) جس طرح ہم نے ایسے خصوصی مسائل میں شرح و بسط سے کلام کیا ہے۔ اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور وہی راہِ راست کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

صحیح بخاری میں بواسطہ امام زہری حضرت مالک بن اوس بن الحدثان سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلایا، میں ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ اتنے میں ان کا خادم یرفأ (یار پر زبر، رار ساکن، فار پر زبر اور اس کے بعد ہمزہ) حاضر ہُوا اور کہنے لگا حضرت عثمان بن عفان، حضرت

---

[1] مرقاۃ نے فرمایا کہ مروان کی یہ تقسیم خلافتِ عثمانی میں ہوئی، محض غلط ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان و علی زندہ ہوں اور مروان کی یہ حرکت دیکھ کر خاموش رہیں، اور حضرت علی اپنے دورِ حکومت میں اس کی یہ تقسیم قائم رکھیں، مرقاۃ نے یہ سخت غلطی کی ہے ۱۲ مرآۃ

عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم دروازے پر اجازت کے منتظر ہیں، آپ اجازت دیں تو وہ حاضر ہو جائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں انہیں بلالاؤ، کچھ دیر ٹھہر کر یرفأ حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجازت طلب کرتے ہیں، اجازت ہو تو انہیں بلالوں، فرمایا: انہیں بھی بلالو، دونوں حضرات تشریف لے آئے تو حضرت عباس نے کہا امیر المؤمنین میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں، ان کا اموال فیئ میں اختلاف تھا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنی نضیر سے دلوائے تھے، حضرت عباس اور حضرت علی میں تلخ کلامی بھی ہوئی، دوسرے صحابہ جو تشریف فرما تھے انہوں نے کہا امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور ان کا اختلاف رفع کریں، حضرت عمر نے فرمایا: ذرا ٹھہریئے اور صبر کیجئے! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یعنی گروہِ انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، تشریف فرما صحابہ کرام نے فرمایا: ہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے، حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں خداوندِ قدوس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے، حضرت عباس اور حضرت علی نے کہا: ہاں فرمایا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: میں تمہیں اس حقیقت کی اطلاع دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس فیئ میں سے ایک چیز کے ساتھ مختص کیا ہے جو کسی کو آپ کے سوا نہیں دی، پھر یہ آیت مبارکہ پڑھی وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (الآیۃ) جو کچھ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے رسول کو دلایا، تو تم نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، خدا کی قسم! آپ نے وہ اموال اپنے پاس جمع نہیں کئے اور تم سے بچا کر نہیں رکھے، بلکہ وہ اموال آپ حضرات میں تقسیم کئے یہاں تک کہ ان کا کچھ حصہ باقی بچ جاتا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنے اہل وعیال کو ایک سال کا خرچہ عطا فرماتے تھے، باقی مال لے کر وہاں خرچ فرما دیتے جہاں اللہ تعالیٰ کا مال صرف فرماتے تھے یعنی کارہائے خیر اور مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اسی پر عمل کیا، پھر آپ کا وصال ہو گیا، حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ولی اور خلیفہ ہوں، چنانچہ انہوں نے ان اموال کو قبضے میں لے کر اسی طرح صرف کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم صرف کیا کرتے تھے،

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آپ حضرات اس وقت حضرت ابوبکر کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ابوبکر اس عمل میں ایسے ہیں، جیسے کہ تم کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر اس کام میں سچے، نیکوکار، حق کے پیروکار اور راہِ راست پر تھے، پھر قضائے الٰہی نے حضرت ابوبکر کو آلیا اور میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ولی اور خلیفہ ہوں، میں نے اس مال پر قبضہ کیا اور اپنی خلافت کے دو سال تک وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس بات میں سچا، اس معاملے میں نیکوکار، حق کا پیروکار اور راہِ راست پر ہوں، دو سال کے بعد آپ دونوں حضرات میرے پاس آئے، آپ دونوں کی بات ایک تھی، میں نے آپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم وراثت چھوڑ کر نہیں جاتے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، میں نے فیصلہ کیا کہ وہ مال آپ کے سپرد کر دوں، میں نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں یہ مال اس شرط پر آپ کے حوالے کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے معاہدہ کریں کہ آپ اس میں وہی عمل کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور میں نے خلیفہ بنائے جانے کے بعد کیا (مطلب یہ کہ یہ زمین آپ کی ملکیت نہ ہوگی، البتہ آپ اس سے نفع حاصل کریں گے ۱۲ ق) اور اگر آپ حضرات کو یہ شرط منظور نہیں ہے تو آئندہ اس سلسلے میں میرے ساتھ بات نہ کریں، آپ حضرات نے کہا کہ زمین ہمارے سپرد کر دیں ہمیں یہ شرط منظور ہے۔

اب کیا آپ یہ فرمائش کرتے ہیں اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ تو خداوند قدوس کی قسم! جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، میں قیامت تک کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کروں گا، اگر آپ حضرات اس کام سے عاجز ہیں اور اسے سرانجام نہیں دے سکتے تو آپ میرے سپرد کر دیں، میں خود مشقت اٹھاؤں گا اور آپ حضرات کو مشقت اٹھانے سے بے نیاز کر دوں گا۔

اس حدیث کے راوی امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عروہ بن زبیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا مالک بن اوس نے درست کہا، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے حضرت عثمانِ غنی کو اس مال میں سے حصہ وراثت طلب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر کے پاس بھیجا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور فیئی عطا فرمایا تھا۔ میں نے امہات المومنین کی تردید کی اور کہا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا تمہیں علم نہیں ہے؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ

چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اسی مال سے کھائیں گے، چنانچہ اُمہات المومنین نے وراثت کے مطالبے سے اس حدیث کی بنا پر رجوع کر لیا جو میں نے انہیں بیان کی، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ حضرت علی کے پاس تھا، انہوں نے حضرت عباس کو اس سے روک دیا اور اس پر غلبہ پا لیا، پھر حضرت حسن بن علی کے پاس پہنچا اس کے بعد حضرت حسین بن علی کے پاس منتقل ہُوا، ان سے حضرت علی بن حسین (زین العابدین) اور حضرت حسن بن حسن کو وُہ دونوں باری باری اسے تصرف میں لاتے تھے، ان سے حضرت زید بن حسن کو ملا، سلام اللہ علیہم اجمعین، یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صدقہ تھا، یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی جس کا ہم نے لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے، امام بخاری کتاب المغازی اور کتاب الخمس میں بھی یہ حدیث، کسی قدر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ لائے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس حضرت ابوبکر کے پاس آئے، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ فدک کی زمین اور خیبر کے حصہ سے انہیں وراثت دی جائے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اس میں سے کھائے گی: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے تعلق اور اُن کے حق کی پاسداری مجھے اپنے رشتہ داروں کے تعلق اور ان کے حق کی پاسداری اور صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے

جامع الاصول میں یہی حدیث امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی کی روایت سے لائے ہیں، انہوں نے کہا کہ امام ابو داؤد نے فرمایا: حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت عمر سے یہ مطالبہ تھا کہ یہ مال ان کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیں اور ان کے سپرد کر دیں، ایسا نہیں تھا کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا علم نہ تھا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، وُہ صحیح صورت کا ہی مطالبہ کر رہے تھے (کہ بطورِ ملکیت نہیں بلکہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہمارے حصّے الگ الگ کر دیں ۱۲ ق) حضرت عمر نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ اس جگہ تقسیم کا لفظ استعمال کروں جس سے ملکیت اور ہر ایک کے اپنے حصّے میں مستقل ہونے کا پتہ چلے، میں اسے اسی حال پر چھوڑتا ہوں جس پر وُہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے دلیل پیش کی اور صاحب جامع الاصول نے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح کتاب میں مذکور ہے، نیز حضرت ابی بن کعب سے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کتاب میں بیان کردہ روایت کی مثل حدیث بیان کی۔

امام بخاری، کتاب الخمس میں حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال بطور فیئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا اور جسے حضور چھوڑ گئے ہیں اس میں سے میرا حصّہ میراث مجھے دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابو بکر کو چھوڑ دیا اور یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ چھ مہینے اس دنیا میں رہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابو بکر سے مطالبہ یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر، فدک اور مدینہ منورہ میں موجودہ صدقہ میں سے جو چھوڑ گئے ہیں، اس میں سے میرا حصّہ دیا جائے، حضرت ابو بکر نے انکار کیا اور فرمایا کہ جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انجام دیا کرتے تھے میں اس میں سے کسی چیز کو بھی ترک نہیں کروں گا، میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے میں نے کسی چیز کو بھی چھوڑ دیا تو مجھے خوف ہے کہ میں راہِ حق سے دُور ہو جاؤں گا، حضرت عمر نے مدینہ منورہ کا صدقہ حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کر دیا، خیبر اور فدک کا حصّہ اپنے پاس محفوظ رکھا، انہوں نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش آنے والے حقوق میں صرف کئے جاتے تھے، آپ نے وہ صدقات امیر المؤمنین کے سپرد فرمائے، چنانچہ وہ اموال آج تک اسی حال پر ہیں، جامع الاصول میں یہ حدیث امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی کے حوالے سے حضرت عائشہ سے بعض الفاظ کے اختلافات کے ساتھ روایت کی۔

ترمذی شریف کے باب میراث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا، اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کا وارث کون ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ میری اولاد، حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں اپنے والد ماجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وارث کیوں نہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہاں میں اس شخص کی غمخواری کروں گا جس کی غمخواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، اور میں اس پر خرچ کروں گا جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔

امام ابو داؤد حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ، وراثت کے مطالبہ کے لیے حضرت ابو بکر کے پاس آئیں، حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو موت کا ذائقہ چکھائے تو وہ مال اس کے لیے ہے جو اُن کا قائم مقام ہو، بخاری،

مسلم، مؤطا اور ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المؤمنین نے وراثت کا مطالبہ کرنے کے لیے کسی کو بھیجنے کا ارادہ کیا، حضرت عائشہ نے کہا کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا؟ کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سنا؟ کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے، یہ مال ہمارے ہاتھ میں ہے جب ہم دنیا سے رحلت کر جائیں گے تو یہ مال اس کے ہاتھ میں ہوگا جو ہمارے بعد خلیفہ ہوگا، اس قسم کی یہ روایات صحاح ستہ میں متعدد سندوں سے مروی ہیں اور جتنی روایات ہم نے بیان کی ہیں وہی کافی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث شریف لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ "کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اموال کا مسلمانوں اور ان کی ضروریات میں مشترک ہونا اور ان اموال کا خلیفۂ وقت کے سپرد ہونا صحابۂ کرام، یہاں تک کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے نزدیک متفق علیہ ہے اور حضرت ابوبکر کے ساتھ خاص نہیں ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

لیکن اس جگہ اشکال یہ ہے کہ اگر ان اموال کا حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کرنا درست تھا تو حضرت عمر نے پہلی بار مطالبے پر وہ اموال اُن کے سپرد کیوں نہ کر دیئے؟ اور اگر یہ درست نہیں تھا تو بعد میں کیوں ان کے سپرد کیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے پہلے وہ اموال ان حضرات کو بطورِ ملکیت نہیں دیئے جیسے ان کا مطالبہ تھا، بعد میں بطور تصرف اور تولیت کے انہیں دے دیئے، جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصرف فرماتے تھے،

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے یہ صدقہ حضرت عمر سے ان کی بیان کردہ شرط کے مطابق لے لیا، انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وراثت نہیں ہے، اکابر مہاجرین صحابہ نے بھی گواہی دی، پھر انہیں کیا خیال آیا کہ دوبارہ مقدمہ پیش کر دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو تولیت میں شراکت دشوار نظر آئی، انہوں نے تقسیم کا مطالبہ کر دیا تاکہ ہر ایک اپنے حصے میں تصرف اور انتظام کرنے میں مستقل ہو، حضرت عمر نے انہیں تقسیم سے منع کر دیا تاکہ وہ زمین ملکیت نہ کہلانے لگے، کیونکہ تقسیم مملوکہ اشیاء میں ہوتی ہے، کچھ مدت گزرنے کے بعد ملکیت کا گمان کیا جائے گا، اسی طرح محدثین نے فرمایا ہے۔

اس واقعے کا مشکل ترین پہلو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ ہے، کیونکہ اگر کہا جائے

کہ انہیں اس سنّت کا علم نہیں تھا تو یہ بعید ہے اور اگر کہا جائے کہ ہو سکتا ہے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اشکال پیدا ہو گا کہ حضرت ابوبکر سے حدیث سننے اور اس پر صحابۂ کرام کی گواہی کے بعد کس طرح انہوں نے اس حدیث کو قبول نہ کیا؟ اور کیسے ناراض ہوئیں؟ اور اگر ناراضگی حدیث کے سننے سے پہلے تھی تو بعد میں ناراضگی کیوں ختم نہ کی؟ یہاں تک کہ ناراضی نے طول کھینچا اور آخری دم تک حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا، جیسے کہ حدیث میں ہے، علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں فرمایا: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ناراضی بتقاضائے بشریت تھی جو بعد میں جاتی رہی، چھوڑ دینے سے مُراد ملاقات سے طبعی انقباض اور کوفت ہے، وُہ ترکِ تعلق مراد نہیں ہے جو حرام ہے مثلاً سلام نہ کرنا وغیرہ۔ (کرمانی)

احادیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاطمہ کے جنازے میں حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی انہیں اطلاع ملی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے وصیّت کی تھی کہ ابوبکر ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں، محدثین فرماتے ہیں کہ یہ بات غلط اور افترا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ وصیت کس طرح کر سکتی ہیں؟ جب کہ سلطانِ وقت، نمازِ جنازہ کا زیادہ حق رکھتا ہے، اسی لیے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مقرر کردہ مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے دی اور فرمایا اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو تمہیں اُن کی نمازِ جنازہ پڑھانے نہ دیتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا کی نمازِ جنازہ رات کے وقت تھی اس لیے حضرت ابوبکر کو اس کا علم نہ ہو سکا، یہ بات بعید ہے کیونکہ حضرت اسماء بنت عمیس عین پر پیش اور میم پر زبر خثعمیہ نقطے والی خار پر زبر اور تین نقطے والی ثا ساکن، اس وقت حضرت ابوبکر کے نکاح میں تھیں اور حضرت اسماء نے حضرت فاطمہ زہرا کے غسل اور تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، یہ بعید بات ہے کہ حضرت ابوبکر کی اہلیہ محترمہ حاضر ہوں اور انہیں علم ہی نہ ہو، حضرت ابوبکر کے علم کا اس روایت سے صراحۃً ثبوت ملتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ مجھے میری وفات کے بعد مردوں کے سامنے پردے کے بغیر لایا جائے رواج یہ تھا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح باہر لاتے تھے جس طرح مردوں کو باہر لاتے تھے، ان کے لیے خصوصی پردے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، حضرت اسماء بنت عمیس نے فرمایا اور ایک روایت کے مطابق حضرت ام سلمہ نے بھی فرمایا کہ ہم نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ میت کے لیے کھجور کی شاخوں سے کجاوے کی طرح باپردہ جگہ بناتے ہیں ہم آپ کے لیے بھی ایسا ہی انتظام کریں گے، چنانچہ اُن کے سامنے پردہ تیار کیا گیا جسے دیکھ کر آپ مسکرائیں اور خوشی کا اظہار کیا، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غم و اندوہ کی شدت کی بنا پر

کسی نے انہیں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس کو وصیت کی کہ غسل اور تجہیز و تکفین کا انتظام تم کرنا اور علی مرتضیٰ تمہاری امداد کریں گے، اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا۔

جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں، وہ حضرت فاطمہ کے پاس جانا چاہتی تھیں، لیکن حضرت اسماء نے انہیں روک دیا، حضرت عائشہ نے حضرت ابو بکر کے پاس شکایت کی اور کہا کہ اس خثعمیہ کو کیا ہوا ہے جو ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اور مجھے اُن کے پاس جانے سے روک رہی ہے؟ نیز اس نے حضرت فاطمہ کے جنازہ کے لیے ایسا پردہ تیار کیا ہے جیسے دلہن کا کجاوہ ہو، حضرت ابو بکر، حضرت فاطمہ کے دروازے پر آئے اور کہنے لگے اسماء! تجھے کیا ہوا ہے؟ کہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آپ کی صاحبزادی کے پاس جانے سے روک رہی ہے اور تم نے ان کے لیے دلہن کے کجاوے کی طرح کیا چیز تیار کی ہے؟ حضرت اسماء نے کہا کہ مجھے حضرت فاطمہ نے حکم کیا تھا کہ ان کے وصال کے بعد کسی کو ان کے پاس نہ آنے دوں، اور جو کچھ میں نے تیار کیا ہے وہ بھی اُن کے حکم سے تیار کیا ہے اور انہیں دکھایا تھا تو وہ خوش ہوئی تھیں، حضرت ابو بکر نے فرمایا وہی کچھ کر جس کا انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔

اس واقعے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کا علم ہوا تھا، بعض محدثین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے حضرت ابو بکر کو وصال کا علم ہوا ہو اور اُن کا ارادہ بھی جنازہ میں شمولیت کا ہو، لیکن چونکہ حضرت علی نے اسے مخفی رکھا اور حضرت ابو بکر کو اطلاع نہ دی اور نہ ہی اُن کے پاس کسی کو بھیجا تو حضرت ابو بکر نے محسوس کیا کہ مخفی رکھنے میں حضرت علی کی کوئی مصلحت ہے، اس لیے انہوں نے حضرت علی کی رضا اور مصلحت کے خلاف راستہ اختیار نہ کیا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر اس انتظار میں رہے ہوں کہ حضرت علی انہیں یاد کریں گے تو حاضر ہو جائیں گے اور حضرت علی کا خیال ہو کہ حضرت ابو بکر بلائے بغیر آجائیں گے اس طرح وقت گزر گیا، پھر رات بھی تھی، اسی طرح علامہ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں بیان کیا، بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر حضرت فاطمہ کے پاس گئے اور دھوپ میں ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور ان کے سامنے معذرت پیش کی اور کہا خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت میرے نزدیک، اپنی قرابت سے زیادہ محبوب اور لائق احترام ہے لیکن میں کیا کروں؟ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا ہے اور صحابۂ کرام اس کے گواہ ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں، اس واقعہ کے سلسلے میں بہت جھوٹی اور بے سر و پا باتیں بھی کہی جاتی ہیں جو قابلِ وثوق اور لائقِ اعتماد نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد سے کتاب الجہاد مکمل ہوئی، اس کے بعد کتاب الصید والذبائح ہے۔

بحث فدک (از مترجم)

سلہ اہلِ تشیع کے خیال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک سنگین اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باغ فدک چھین کر ان پر ظلم کیا تھا، درج ذیل سطور میں اس مسئلے کی مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے تاکہ غلط فہمی کا غبار چھٹ جائے، کفار سے حاصل ہونے والے اموال دو قسم ہیں۔

(۱) وہ اموال جو لشکر کشی اور جنگ کے بعد حاصل ہوں انہیں غنیمت کہا جاتا ہے (۲) جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوں انہیں فیئ کہا جاتا ہے، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے ان میں سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے پانچویں حصے کے بارے میں سورۂ انفال آیت ۴۱ میں ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، رسولِ اکرم، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

فیئ کے بارے میں سورۂ حشر کی آیت ۷ میں ارشاد فرمایا (ترجمہ) جو کچھ اللہ نے دیہات والوں سے اپنے رسول کو دلوایا تو وہ اللہ کے لیے، رسول کے لیے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ـــــ ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور فیئ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتی ضروریات کے لیے بھی تھا اور رشتہ داروں اور ارباب حاجت کے لیے بھی فدک کا علاقہ اور خیبر کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا ان کی آمدن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امہات المؤمنین کو سال بھر کا خرچ عطا فرماتے، دوسرے رشتہ داروں کو بھی عطا فرماتے، باقی اصحاب حاجت کو عطا فرما دیتے، حضرت ابوبکر کا موقف یہ تھا کہ اس مال کو جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا، اور ظاہر ہے کہ وہ مال فیئ کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے سپرد نہیں کر سکتے تھے، آخر حکمِ قرآن کے مطابق باقی لوگ بھی تو مستحق ہیں، ان تمام لوگوں کو معین بھی تو نہیں کیا جاسکتا مثلاً کل جو بچہ یتیم تھا آج بالغ ہو کر خوشحال ہو گیا تو وہ مستحق نہ رہا اور دوسرے کئی بچے یتیم ہو گئے، وہ اب مستحق ہو گئے، یہی حال دوسری قسموں کا ہے ایسی صورت میں وہ مال وقف قرار پائے گا جسے حاکمِ وقت حاجت مندوں اور دیگر مستحقین میں تقسیم کرے گا۔

قرآنِ پاک کے بعد احادیثِ مبارکہ میں غور کیجیے مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا، ابو داؤد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں عطا نہیں فرمایا تو حضرت ابوبکر پر کیا اعتراض ہے؟ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی کہ ہم گروہ انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم

جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت عباس نے تسلیم کیا نیز حضرت عثمان غنی حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی تسلیم کیا۔ بخاری شریف موطا امام مالک اور ابوداؤد میں ہے۔ کہ امہات المومنین نے وراثت کے مطالبہ کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے انہیں یہی حدیث سنا کر مطالبے سے منع کیا چنانچہ انہوں نے مطالبے کا ارادہ ترک کر دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا نے وراثت کا مطالبہ کیا تو انہیں بھی یہی حدیث سنائی گئی۔ حضرت سیدہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا اور کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہو۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے رویئے کی تحسین کی جانی چاہیے کہ انہوں نے کسی صورت میں نبی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کیا بلکہ پوری مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہے اور جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت، امہات المومنین اور دوسرے رشتہ داروں کو حصہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر بھی دیتے رہے، ہاں انہوں نے اس خطہ زمین کے مالکانہ حقوق کسی کو نہیں دیے اور یہی قرآن پاک کا مفاد ہے اور یہی حدیث پاک کی تصریح کے مطابق ہے۔

حیرت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں غیظ وغضب کا اظہار کرنے والے حضرت علی مرتضیٰ پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟

کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں حضرت فاطمہ کا حق وراثت حاصل کر کے اسے اپنی ملکیت کیوں نہ قرار دیا؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اہل بیت کرام کی روایت یہ ہے کہ ایک بار ان کا حق نہ دیا جائے تو وہ دوبارہ لینا پسند نہیں کرتے، شیعوں کے خیال میں خلافت حضرت علی کا حق تھی جسے خلفاء ثلاثہ نے دبائے رکھا، پھر حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد حضرت علی نے خلافت کیوں قبول کر لی؟ تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کرام کی روایت کے خلاف ہے۔ بلکہ وہ خطہ جس کا مطالبہ تھا حضرت عمر نے ملکیت کے طور پر نہیں بلکہ تولیت کے طور پر دیا تو حضرت علی اور حضرت عباس نے لے لیا جو پہلے حضرت علی کے پاس پھر ان کی اولاد کے پاس رہا۔ تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کی شان کے لائق نہ تھا۔ حضرت علی کا اور ان کے بعد ان کی اولاد کا اس خطہ زمین پر قابض ہونا صاف اعلان کر رہا ہے: اور وہ زمین صدقہ نہ تھی ورنہ حضرت علی کے پاس کیا جواز تھا؟ کہ اس میں سے حضرت عباس اور ان کے بعد ان کی اولاد کو حصہ نہ دیتے آخر وہ بھی تو وارث تھے۔

جب وراثت کا پہلو مضبوط نظر نہیں آتا تو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔ حالانکہ اس دعوے کو دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ہبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک وہ شخص جسے ہبہ کیا گیا ہے، قبضہ نہ کرے وہ چیز اس کی ملکیت نہیں بنتی اور

روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں فدک کبھی بھی حضرت سیدہ فاطمہ کے قبضہ میں نہیں رہا بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس میں تصرف فرماتے رہے۔ نیز فدک وسیع اور زرخیز خطہ تھا جس کی آمدنی بقول ملاباقر مجلسی چوبیس ہزار دینار تھی اگر یہ علاقہ حضرت سیدہ کو مل گیا ہوتا تو ان کی سالانہ آمدن لاکھوں روپے ہوتی اور وہ مدینہ منورہ کی مالدار ترین خاتون ہوتیں۔ حالانکہ کسے نہیں معلوم؟ کہ زمانہ نبوی میں ان کی زندگی فقر و قناعت سے عبارت تھی۔ گھر کے تمام کام خود کرتی تھیں۔ پھر اگر ان کی سالانہ آمدن لاکھوں روپے ہوتی تو غزوہ تبوک کے موقع پر وہ دل کھول کر چندہ دیتیں، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپیل پر حضرت عثمان غنی نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار پیش کیے، حضرت عمر فاروق نے آدھا مال پیش کر دیا اور حضرت ابوبکر نے تمام مال لاکر ڈھیر کر دیا، دوسرے صحابہ کرام نے بھی استطاعت کے مطابق حصہ لیا۔ لیکن کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا۔ کہ حضرت خاتون جنت نے بھی اس میں حصہ لیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ہبہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ وہ حدیث جس میں ہے کہ انبیاء کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس آیت کے معارض ہے۔ لہذا وہ حدیث مقبول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے انیس ۱۹ بھائی تھے۔ ان کو بھی وراثت ملتی، صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ملتی۔ اس جگہ علم نبوت اور حکومت وغیرہ امور کا ورثہ مراد ہے اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (الآیہ)

مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اس میں بھی علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ کسی عالم نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے مالدار تھے اس لیے انہوں نے وارث کا مطالبہ کیا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت میراث کے مطابق بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصے ملتے ہیں۔ جب کہ اہلسنت جو حدیث پیش کرتے ہیں۔ وہ خبر واحد ہے اور نص قرآن کے معارض نہیں ہو سکتی۔ علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقۃ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوبکر کا استدلال خبر واحد سے نہیں تھا بلکہ اس حدیث سے تھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود سنی تھی اور وہ ان کے نزدیک خبر متواتر کی طرح قطعی تھی۔ اور قرائن کی بنا پر ان کے نزدیک وہ معنی قطعی تھا جو انہوں نے سمجھا تھا۔ لہذا اس حدیث کی بنا پر آیت مبارکہ میں تخصیص کی جاسکتی ہے۔ آیت کا حکم اُمتیوں سے متعلق ہے۔ انبیاء کرام سے متعلق نہیں ہے۔

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوبکر نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ عشرہ مبشرہ میں

سے جلیل القدر صحابہ نے یہاں تک کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے بھی تسلیم کیا۔ صرف یہی نہیں ہے بلکہ روافض کی کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

اصول کافی باب العلم والمتعلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم وراثت دیتے ہیں جس نے اس علم کا کچھ حصہ حاصل کیا۔ اس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔

من لا یحضرہ الفقیہ جلد دوم ص ۳۴۶ میں حضرت علی مرتضیٰ کا ارشاد منقول ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا۔ اصول کافی کے صفحہ ۱۷ پر باب صفۃ العلم میں حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد منقول ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

مخالفین اپنے پروپیگنڈے کو مؤثر بنانے کے لیے بخاری شریف کی ایک روایت کا بھی سہارا لیتے ہیں اور یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ، حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئیں اور آخری دم تک ناراض ہی رہیں اور اس سلسلے میں اس حدیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میری لخت جگر ہیں جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

بخاری شریف میں فدک کا پانچ مرتبہ ذکر آیا ہے۔ جلد اول ص ۵۲۶ پر حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھائے گی، خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ اور ان میں وہی عمل کروں گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت علی نے خطبہ پڑھ کر فرمایا:

اے ابوبکر! ہم تمہاری فضیلت جانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے اپنے رشتہ داروں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے حسن سلوک زیادہ محبوب ہے۔

اس حدیث میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ حضرت علی، خلیفہ اول کی فضیلت کا واضح اعتراف فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کون سی حق تلفی کی؟ جو کچھ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت خاتون جنت کو ملا کرتا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر بھی انہیں پیش کرتے رہے۔ حضرت عمر نے تو وہ خطہ بھی بطور تولیت حضرت علی اور حضرت عباس کو دے دیا تھا۔ اس کے باوجود معترضین کا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ اتنا ضرور ہے کہ شیخین کریمین نے حضرت سیدہ کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے۔ وہ تو انہوں نے امہات المومنین کو بھی نہیں دیے جن میں

ان کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بھی شامل تھیں۔ پھر مالکانہ حقوق نہ دینے کی بنیاد ذاتی رائے یا دشمنی قطعاً تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث تھی جسے رافضی مصنفین بھی بیان کرتے ہیں؛ اس میں حضرت ابوبکر کا کیا جرم ہے؟ اور حضرت فاطمہ کی ناراضگی کا کونسا پہلو ہے۔ کیا یہی کہ آپ میرے والد ماجد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر کیوں عمل کرتے ہیں؟

بات صرف اتنی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء نے ابتداءً مطالبہ کیا اور جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے خاموشی اختیار کرلی اور اس کے بعد کبھی اس مسئلے کو نہیں اٹھایا۔ بخاری شریف میں صرف ایک جگہ یہ الفاظ ہیں۔ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں اور حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا۔ اور یہ راوی کا اپنا خیال ہے کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت خاتون جنت نے فرمایا ہو کہ میں ابوبکر سے ناراض ہوں۔ راوی کو غلطی بھی واقع ہوسکتی ہے۔

قرین قیاس یہی ہے کہ چونکہ حضرت سیدہ نے بعد میں اس مسئلے پر حضرت ابوبکر سے بات نہیں کی اس لیے راوی نے سمجھا کہ وہ ناراض ہیں۔

شیعوں کی کتاب نجاج السالکین میں ہے۔ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَأَى اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِىْ اَمْرِ فَدَكَ ابوبکر نے جب دیکھا کہ فاطمہ نے ان سے انقباض محسوس کیا ہے۔ انہیں چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد فدک کے بارے میں بات نہیں کی" اس عبارت سے ہمارے دعوے کی بخوبی تائید ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ نے چونکہ بعد میں مسئلہ فدک پر بات نہیں کی اس لیے راوی نے اسے ناراضگی قرار دے دیا۔ اگر اس میں کچھ بھی واقعیت ہوتی تو شیعہ مصنف اسے اچھالنے سے کبھی دریغ نہ کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے کہ مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِىْ جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا لیکن یہ تو اسی وقت ہے جب کوئی شخص انہیں دیدہ ودانستہ ایذا پہنچائے اور ناراض کرے۔ جب کہ حضرت ابوبکر نے انہیں صاف لفظوں میں فرمایا۔ اے رسول اللہ کی بیٹی! مجھے اپنی قرابت کی نسبت حضور کی قرابت سے صلہ رحمی اور حسن سلوک زیادہ محبوب ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا کہ حضرت ابوبکر صدیق کی اہلیہ حضرت اسماء حضرت سیدہ کی تیمار داری کرتی رہیں اور حضرت سیدہ نے انہیں وصیت کی تھی کہ تم ہی مجھے وصال کے بعد غسل دینا اور کفن پہنانا، ایمانداری سے سوچئے کہ اگر خاتون جنت، حضرت ابوبکر سے ناراض ہوتیں تو ان کی اہلیہ کو اتنے قرب کی اجازت دیتیں؟

بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت فاطمہ، حضرت ابوبکر سے بتقاضائے بشریت ناراض تھیں تو اس بناء پر

جو وعید حضرت ابوبکر کو سنائی جاتی ہے وہی حضرت علی کو بھی سنانی پڑے گی، رافضیوں کی مشہور کتاب جلاء العیون ص ۱۸۶ میں ہے کہ ایک بار حضرت سیدہ زہراء، مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حضرت حسنین کریمین اور حضرت ام کلثوم کو ساتھ لے کر اپنے میکے چلی گئیں۔ بلکہ بعض اوقات تو اس قدر ناراض ہوئیں کہ حضرت علی کو سخت سست بھی کہہ گئیں، چنانچہ شیعوں کی معروف کتاب حق الیقین کے صفحہ ۲۳۳ پر ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ناراضگی میں یہاں تک کہہ دیا:۔

رحم میں پوشیدہ بچے کی طرح پردہ نشین ہو گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بھاگ گئے	مانند جنین در رحم، پردہ نشیں، شدہ مثل خائناں درخانہ گریختہ۔

الحمد للہ! ہمارے لیے کوئی الجھن نہیں ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کا مقصد اپنے کسی قول یا فعل سے حضرت سیدہ کو ناراض کرنا نہیں تھا۔ خانگی زندگی میں ایسے موڑ آہی جاتے ہیں کہ ایک فریق کی مصالحانہ کوشش کے باوجود دوسرا فریق ناراض ہو جاتا ہے۔ پھر یہ وقتی ناراضگی ہوتی تھی جو بعد میں دور ہو جاتی تھی، یہی کیفیت حضرت ابوبکر صدیق کی تھی۔

بقول ملا باقر مجلسی، حق الیقین ص ۲۳۱، حضرت ابوبکر نے فرمایا: میرے جملہ اموال اور احوال میں آپ کو اختیار ہے۔ ان میں سے آپ جو چاہیں لے لیں۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی سردار اور اپنے بیٹوں کے لیے بابرکت درخت ہیں۔ آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کا حکم میرے تمام اموال میں نافذ ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے مال میں آپ کے والد ماجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں کوئی عناد اور کدورت نہ تھا۔ ورنہ وہ اپنی پوری جائیداد کی پیش کش کبھی نہ کرتے۔

علامہ کمال الدین میثم البحرانی، نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا۔

> اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام آباء کے تاجدار کی لخت جگر! خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے سے بالکل تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کچھ کیا ہے جس کا حضور نے حکم دیا، حضور علیہ السلام فدک سے آپ حضرات کی ضرورت (خوراک وغیرہ) لیا کرتے تھے۔ اور باقی مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرماتے تھے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے فَرَضِیَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَیْهِ بِهٖ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں اور اسی پر عہد لیا

تک پیار ہنے کا ان سے وعدہ لیا۔ (ترجمہ)

(شرح نہج البلاغۃ، ج ۵، ص ۱۰۷)

اس تفصیل سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ پروپیگنڈا محض افتراء ہے کہ حضرت فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابو بکر میرے جنازے میں شریک نہ ہوں، بلکہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی کی دو روایتیں منقی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر نے ہی پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابو بکر جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تو ان کے لیے ضرور کوئی عذر ہو گا۔ جیسے کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں بیان فرمایا۔ اسے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر جلاء العیون میں کلینی کی روایت کے مطابق جنازہ میں صرف سات افراد شریک ہوئے۔ حضرت ابو ذر، سلمان عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود اور مقداد، امامت حضرت علی نے کرائی۔ اس روایت کے مطابق حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جنازہ کی نماز میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح متعدد وہ حضرات جنہیں شیعہ بھی مانتے ہیں، وہ بھی شامل نہیں ہوئے۔ کیا حضرت سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ اور ان کے بارے میں بھی یہ وصیت کی تھی کہ جنازے میں شریک نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ بے جا تعصب سے بچائے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی سچی محبت و عقیدت پر ہی قائم و دائم رکھے۔

شرف قادری

نوٹ:۔ اس مختصر مقالہ میں الصواعق المحرقہ، امام ابن حجر مکی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے مقالہ مسئلہ فدک (ضیائے حرم، فاروق اعظم نمبر، شمارہ مئی جون ۱۹۷۰ء) اور علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی کی تصنیف باغ فدک اور حدیث قرطاس سے استفادہ کیا ہے۔

کِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ

۱۸ــــــ شکار اور ذبح کی ہوئی چیزوں کا بیان

اصل میں صید کا معنی شکار کرنا ہے، پھر اس چیز کو صید کہا گیا جسے شکار کیا گیا ہو۔ شکار کرنا مباح ہے، قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ ابن ابی زید کا رسالہ مذہب مالکی میں ہے، اس میں ہے کہ لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے، اور لہو و لعب کے ارادہ کے بغیر مباح ہے، یہ امر ثابت نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شکار کیا ہو، لیکن آپ نے اس کی تائید فرمائی ہے۔

ذبیحہ کی جمع ذبائح ہے۔ وہ چیز جسے ذبح کیا گیا ہو۔ ذبح ذال کے نیچے زیر بھی اس معنی میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۸۸۵ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ اَمْسَكَ عَلَيْكَ فَاَدْرَكْتَهٗ حَيًّا فَاذْبَحْهُ وَاِنْ اَدْرَكْتَهٗ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَاِنْ اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَاِنْ اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنا کتا بھیجو تو اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ پس اگر وہ شکار کو تمہارے لیے روک لے، اور تم اسے زندہ پالو۔ تو ذبح کرو۔ اگر تم شکار کو اس حالت میں پاؤ کہ کتے نے اسے مار ڈالا ہو۔ اور اس سے (کچھ) نہ کھایا ہو تو اسے کھاؤ اور اگر کتے نے کھایا ہے تو نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے اپنے لیے روک رکھا ہے۔ اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پاؤ اور اس نے

فَاِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهٗ وَ قَدْ قَتَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَيُّهُمَا قَتَلَ وَ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ اِلَّا اَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ اِنْ شِئْتَ وَ اِنْ وَجَدْتَهٗ غَرِيْقًا فِي الْمَآءِ فَلَا تَاْكُلْ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مار دیا ہے تو نہ کھاؤ. کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کس نے مارا ہے[۵۵]؛ اور جب تم تیر چلاؤ تو اللہ تعالٰے کا نام لو، پس اگر شکار ایک دن تم سے غائب رہا اور تم نے اس میں صرف اپنے تیر کا اثر پایا ہے[۵۶]۔ تو اگر چاہو تو کھاؤ؛ اور اگر تم نے اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا[۵۷] ہے۔ تو نہ کھاؤ[۵۸]

(صحیحین)

۵۱ حضرت عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی، سخی ابن سخی، ۷ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بعض نے کہا ۱۰ھ میں حاضر ہوئے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوئے اور ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ صفین اور نہروان میں حاضر ہوئے ۶۷ھ میں مختار بن ابی عبید کے زمانے میں ان کا وصال ہوا۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ بعض نے ایک سو ستر سال عمر بتائی۔ پہلا قول حق کے زیادہ قریب ہے، وہ بکثرت شکار کیا کرتے تھے۔

۵۲ یعنی شکار کے لیے تو اللہ تعالٰی کا نام لو، جیسے کہ ذبح کے وقت لیتے ہیں۔ کیونکہ کتے کو شکار کے پیچھے بھیجنا ذبح کے قائم مقام ہے، شکاری کی طرف سے کتے کا بھیجنا شرط ہے۔ اگر کتا از خود چلا جائے اور شکار کو زخمی کر دے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بھیجتے وقت، اللہ تعالٰی کا نام نہ لیا گیا، ہاں اگر اسے زندہ پایا اور ذبح کر لیا تو وہ شکار میں شمار نہ ہوگا۔

۵۳ بعض نسخوں میں قُتِلَ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ یعنی وہ شکار مار دیا گیا ہے۔

۵۴ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے، اور شکار وہی حلال ہے جو سدھائے ہوئے کتے نے کیا ہو، تعلیم کی نشانی یہ ہے کہ تین بار شکار کو روکے اور کھائے نہیں۔

۵۵ اگر دوسرے کتے نے مارا ہو تو ہو سکتا ہے وہ سدھایا ہوا نہ ہو یا اسے بھیجتے وقت بسم اللہ شریف نہ پڑھی گئی ہو۔

ف۶ کہ یہ بھی ذبح کے قائم مقام ہے ——— ایک دن کی قید اتفاقی اور بطور مثال ہے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ پورا دن غائب رہا بلکہ اس سے بھی زیادہ غائب رہا۔ بشرطیکہ متعفن نہ ہو جائے۔ جیسے کہ آئندہ آئے گا۔

ف۷ اگرچہ اس پر تیر کا نشان بھی ہو۔

ف۸ کیونکہ ہو سکتا ہے پانی میں ڈوب کر مرا ہو۔

۳۸۸۶ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ إِنَّا نَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَا خَزَقَ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَقَتَلَهٗ فَإِنَّهٗ وَقِيْذٌ فَلَا تَأْكُلْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی[1] سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم سکھائے ہوئے کتوں کو بھیجتے ہیں، فرمایا: جو تمہارے لیے روک لیں[2] وہ کھاؤ، میں نے عرض کیا اگرچہ وہ مار ڈالیں؟ فرمایا: اگرچہ مار ڈالیں[3] میں نے عرض کیا ہم بے پر تیر[4] مارتے ہیں فرمایا: جسے زخمی کر دے[5] اسے کھاؤ اور جسے چوڑائی کے ساتھ لگے اور ہلاک کر دے تو وہ موقوذہ[6] ہے اسے نہ کھاؤ۔

(صحیحین)

ف۱ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ف۲ اور خود اس میں سے نہ کھائیں۔

ف۳ کیونکہ اگر زندہ ہو تو اسے ذبح کیا جائے گا، اسے محفوظ رکھنے کی حاجت نہ ہو گی۔

ف۴ اکثر اسے معراض کہتے ہیں کہ وہ چوڑائی میں لگتا ہے۔

ف۵ اور جسم میں داخل ہو جائے، جب کہ وہ لمبائی میں لگا ہو۔ خزق نقطے والی خاء پھر زاء اور آخر میں قاف تیر کا نشانے پر لگنا۔

ف۶ موقوذ قاف اور نقطے والے ذال کے ساتھ، وہ چیز جسے لاٹھی، پتھر یا کسی کند چیز کے ساتھ قتل کیا گیا ہو۔

۳۸۸۷ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ قَوْمٍ اَهْلِ الْكِتَابِ اَفَنَاْكُلُ فِیْ اٰنِیَتِهِمْ وَبِاَرْضِ صَیْدٍ اَصِیْدُ بِقَوْسِیْ وَبِكَلْبِیْ الَّذِیْ لَیْسَ بِمُعَلَّمٍ وَبِكَلْبِ الْمُعَلَّمِ فَمَا یَصْلُحُ لِیْ قَالَ اَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ اٰنِیَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاِنْ وَجَدْتُمْ غَیْرَهَا فَلَا تَاْكُلُوْا فِیْهَا وَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَكُلُوْا فِیْهَا وَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَیْرِ مُعَلَّمٍ فَاَدْرَكْتَ ذَكٰوتَهٗ فَكُلْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی! ہم اہل کتاب قوم کی زمین میں ہیں۔ کیا ہم ان کے برتنوں میں کھائیں؟ اور ہم شکار کی زمین[2] میں ہیں، میں اپنا کمان[3] اس کتے سے جو سکھایا ہوا نہیں اور سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں، تو کونسی چیز میرے لیے درست اور جائز ہے۔ فرمایا:۔ تم نے جو اہل کتاب کے برتنوں کا ذکر کیا ہے[4] تو اگر تمہیں دوسرے برتن ملیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کو ہی دھو لو اور ان میں کھاؤ[5]، اور جس جانور کا تم اپنی کمان سے شکار کرو اور اللہ تعالےٰ کا نام لو تو اسے کھاؤ۔ اور جو اپنے سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کا نام لو تو اسے بھی کھاؤ۔ اور جو اس کتے سے شکار کرو جو سدھایا ہوا نہ ہو اور اس کے ذبح کو پا لو تو اسے بھی کھاؤ۔

(صحیحین)

[1] ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش، شین پر زبر اور دونوں نقطے والے، خُشَن کی طرف نسبت، صحابی ہیں اور اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، بیعت رضوان میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تو ان کی قوم اسلام لے آئی، شام میں قیام پذیر ہوئے ۷۵ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق حضرت معاویہ کے زمانے میں وصال ہوا۔

۵۲ یعنی ہم ایسی جگہ ہیں جہاں شکار بہت ہے
۵۳ یعنی تیر اندازی سے
۵۴ ان کا حکم یہ ہے کہ۔

۵۵ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے برتن دستیاب ہوں تو ان کے برتنوں میں دھونے کے بعد میں نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن فقہاء کہتے ہیں کہ ان کے برتنوں کو دھو کر استعمال کرنا بغیر کراہت کے مطلقاً جائز ہے خواہ دوسرے برتن ملیں یا نہ،

لہذا حدیث سے مستفاد کراہت کو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ وہ برتن مراد ہیں جن میں اہل کتاب خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور نجاست کے لیے عام استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں جتنا بھی دھو لیا جائے مسلمان کو طبعی طور پر ان کے استعمال سے گھن آئے گی۔ (مثلاً پیشاب کے لیے استعمال کیا جانے والا برتن دھو بھی لیں تو اس کے استعمال سے کراہت محسوس ہوتی ہے ۱۲ ق)

اور فقہاء کی مراد وہ برتن ہیں جو عام طور پر نجاستوں کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے۔ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے جیسے کہ ہمارے راوی نے نقل کیا۔

۳۸۸۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَاَدْرَكْتَهُ فَكُلْ مَا لَمْ يُنْتِنْ ۔	ان[۱] ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اپنا تیر چلاؤ اور شکار تم سے غائب ہو جائے، پھر تم اسے پالو[۲] تو کھاؤ جب تک کہ متعفن[۳] نہ ہو۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

۱ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ

۲ یعنی تم اس میں اپنے تیر کے علاوہ کوئی نشان نہ پاؤ۔ جیسے کہ حضرت عدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۳ یُنْتِنْ یا پر پیش، تا کے نیچے زیر، اَنْتَنَ کا مضارع۔ بعض محدثین نے یَنْتِنْ بھی کہا ہے یا پر زبر تا کے نیچے زیر۔ یہ حکم بطور استحباب ہے۔ ورنہ گوشت بو دینے لگے تو حرام نہیں ہو جاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بو دینے والا گوشت تناول فرمایا۔ (جس کی بو وقت گزرنے کے سبب کسی قدر متغیر ہو گئی تھی۔)۔

اسی طرح حواشی میں ہے، ہو سکتا ہے کہ تعلیم جواز کے لیے تناول فرمایا ہو۔

۳۸۸۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الَّذِي يُدْرِكُ صَيْدَهُ بَعْدَ ثَلٰثٍ فَكُلْهُ مَالَمْ يُنْتِنْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو تین دن بعد اپنا شکار پالے تم اسے کھالو۔ جب تک وہ بدبودار نہ ہو۔

(مسلم)

۳۸۹۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هُنَا اَقْوَامًا حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَأْتُوْنَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِيْ اَيَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اَمْ لَا قَالَ اذْكُرُوْا اَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوْا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اس جگہ کچھ لوگ ہیں جن کا زمانہ شرک کے قریب[1] ہے وہ ہمارے پاس ایسے گوشت[2] لاتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ ان پر اللہ تعالےٰ کا نام لیتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا:۔ تم اللہ تعالےٰ کا نام لو اور کھا لو[3]۔

(بخاری)

[1] یعنی وہ نومسلم ہیں اور انہوں نے ابھی تک اسلام کے احکام مکمل طور پر حاصل نہیں کیے۔

[2] لحمان لام پر پیش۔ لحم کی جمع ہے حا ساکن، زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[3] شرح شافی میں ابن رشتہ سے منقول ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا اس وقت بسم اللہ پڑھنا، ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے قائم مقام ہو جائے گا، بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بسم اللہ شریف کا پڑھنا مستحب ہے اور یہ کہ تمہیں اس پر اللہ تعالےٰ کا نام لینا معلوم نہیں ہے۔ تو اس کا کھانا صحیح ہے جب کہ ذبح کرنے والا ایسا شخص ہو جس کا ذبیحہ حلال ہے، کیونکہ مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان ہونا چاہیے اور ان کے حال کو اچھائی پر محمول کرنا چاہیے، اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے

جو کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام لینا شرط نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال ضعیف ہے جیسے کہ ظاہر ہے (قرآن پاک میں ہے کہ اس جانور کو نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالٰی کا نام نہ لیا گیا ہو ۱۲ ق)

۳۸۹۱ وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ اِلَّا مَا فِي قِرَابِ سَيْفِي هٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِيْفَةً فِيْهَا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهٗ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الطفیل[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آپ حضرات[2] کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا؟ فرمایا:- ہمیں آپ نے کسی ایسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ جو آپ نے دوسرے لوگوں کو عمومی[3] طور پر نہ بتائی ہو، سوائے اس چیز کے جو میری اس تلوار کے پرتلے میں ہے پھر انہوں نے ایک کتابچہ نکالا جس میں تھا کہ اللہ تعالٰی اس شخص پر لعنت فرمائے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے[4] اور اس شخص پر لعنت فرمائے جو زمین کے نشانات[5] چوری کرے۔ اور ایک روایت میں ہے جو زمین کا نشان بدلے اور اللہ تعالٰی اس شخص پر لعنت فرمائے جو اپنے والد پر لعنت بھیجے[6]۔ اور اللہ تعالٰی اس شخص پر لعنت فرمائے جو بدعتی کو پناہ دے[7]

(مسلم)

سلہ[1] حضرت ابو الطفیل طاء پر پیش، مشہور صحابی ہیں۔ سب صحابہ کرام میں سے علی الاطلاق آخر میں فوت ہوئے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ فصیح اللسان اور حاضر جواب تھے۔

سلہ[2] یعنی کیا کچھ احکام ایسے ہیں جو صرف اہل بیت کو بتلائے ہوں؟ اور دوسرے حضرات کو نہ بتائے ہوں۔

سلہ[3] صراحۃً ہیں سب سے عموم سب کا احاطہ کر لینا ———— اس تخصیص کے بارے میں باب الدیات میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۵۴ قراب پر تلہ جس میں تلوار مع نیام رکھی جاتی ہے۔ (ظاہر ہے اس میں ستر گز کا قرآن تو نہیں آسکتا ۱۲ ق)

۵۵ جیسے کہ مشرکین بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔

۵۶ منار میم پر زبر، جمع ہے منارۃ کی علامت، اس سے مراد زمین کے وہ نشانات ہیں جن کے ذریعے حدیں جدا ہوں، یعنی وہ اپنے لیے زمین کا وہ حصہ مباح کرنا چاہتا ہے جو اس کا نہیں ہے بلکہ اس کے پڑوسی کا ہے نشانات کو اٹھا کر پڑوسی کا کچھ حصہ زمین اپنے حصہ میں داخل کر لیتا ہے۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کے نشانات کو بدل دیتا ہے اور انہیں اٹھا کر غائب کر دیتا ہے تاکہ لوگوں کو راستے کا پتہ نہ چلے اور اس طرح راستہ بند کر دیتا ہے، یہ مطلب آئندہ روایت کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۷ کہ یہ نافرمانی اور ایذا رسانی کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے باپ پر لعنت کرے اور دوسرا اس کے باپ کو لعنت کرے، پس وہ شخص اپنے باپ کی لعنت کا سبب بنا۔ گویا وہ خود اپنے باپ کو لعنت کر رہا ہے، جیسے کہ دوسری حدیث میں والد کو گالی دینے کی مخالفت آئی ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

گر مادر خویش دوست داری — دشنام مدہ بمادر من

اگر تجھے اپنی ماں پیاری ہے تو میری ماں کو گالی نہ دے۔

۵۸ بدعتی وہ شخص ہے جو دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو اصل میں نہیں ہے۔ اور وہ سنت کا مخالف اور سنت کا بدلنے والا ہے ——— ایواء جگہ دینا ماوی جائے پناہ۔ محدث دال کے نیچے زیر، نئی چیز نکالنے والا محدث دال کی زبر سے بھی آیا ہے، وہ چیز جو نئی لائی گئی ہے۔ جگہ دینے کا مطلب ہے اس پر راضی ہونا۔ اس پر صبر کرنا، اور اس کے کرنے والے کی تائید کرنا۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ لعنت کی دو قسمیں ہیں (۱) لعنت کفر یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا (۲) لعنت فسق یعنی بارگاہ عزت و قرب سے دور ہونا ——— احادیث میں اس معنی پر لعنت کا اطلاق بکثرت ہے، اور اس تفصیل میں بہت سے اشکالات کا جواب ہے۔

۳۸۹۲ وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَاقُوا الْعَدُوَّ غَدًا وَ لَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ	حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے ملاقات کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے۔ کیا ہم کانے کے ساتھ ذبح کریں؟ فرمایا: جو چیز خون کو جاری کرے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے

لَيْسَ السِّنَّ وَ الظُّفُرَ وَ سَأُحَدِّثُكَ عَنْهُ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَ اَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحُبُشِ وَ اَصَبْنَا نَهْبَ اِبِلٍ وَّ غَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْاِبِلِ اَوَابِدُ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَاِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَیْءٌ فَافْعَلُوْا بِهٖ هٰكَذَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے کھاؤ[۵] سوائے دانت اور ناخن کے۔ اور ہم عنقریب تمہیں اس کا سبب بتائیں گے[۵]۔ لیکن دانت تو وہ ہڈی ہے[۶] اور ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے[۷]۔ حضرت رافع فرماتے ہیں کہ (ہمیں غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں) ان میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا۔ ایک شخص نے اسے تیر مارا جس نے اس اونٹ کو روک دیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اونٹوں میں کچھ بھگوڑے ہوتے ہیں[۸] جیسے جنگلی جانور انسانوں سے بھاگتے ہیں تو جب ان میں سے کوئی اونٹ تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ ایسے ہی کرو[۹]۔

(صحیحین)

[۱] حضرت رافع بن خدیج خاء پر زبر، انصاری صحابی ہیں، کم سنی کی بنا پر بدر میں حاضر نہیں ہوئے اس کے بعد احد اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔

[۲] یعنی ہوسکتا ہے کہ ہمارے پاس چھری نہ ہو۔ مدی میم پر پیش، جمع ہے مدیۃ کی میم پر تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں بڑی چھری، صراح میں ہے مدیہ میم پر پیش اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، خنجر۔

[۳] جو چھری کی طرح تیز ہو۔

[۴] یعنی جس جانور کو خون بہانے والی چیز سے ذبح کیا گیا ہو اسے کھانا جائز ہے خواہ وہ لوہے کی ہو یا نہ اور یہ مسئلہ علماء کے درمیان متفق ہے۔

[۵] کہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنا کیوں جائز نہیں ہے؛ جیسے کہ اس کے بعد بیان فرمایا۔

[۶] اور ہڈی کے ساتھ ذبح جائز نہیں ہے، شیخ ابن صلاح نے کہا کہ مجھے بحث اور تفتیش کے بعد ہڈی سے ذبح کی ممانعت کی کوئی ایسی وجہ معلوم نہیں ہوسکی جو عقل میں آجائے۔ شیخ عزالدین عبدالسلام نے بھی اسی طرح کہا۔

حدیث پاک میں اتنا ہی فرمایا ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ دانت ہڈی ہیں۔

شیخ محی الدین نووی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہڈی ذبح کرتے وقت خون لگنے سے پلید ہو جائے گی اور ہڈی کو پلید کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔ اسی طرح امام سیوطی نے بیان کیا۔

ک۵ حُبُش حا پر پیش، جمع ہے حبش کی۔ اس توجیہ کا مطلب یہ ہے کہ ناخنوں سے ذبح کرنے میں اس قبیح فعل میں حبشیوں کے ساتھ مشابہت ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے اور حبشی کافر اور نصاریٰ ہیں اور ہمیں ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کی ممانعت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے جب کہ دانت منہ میں اور ناخن ہاتھ میں اپنی جگہ برقرار ہوں اور اگر دانت اور ناخن اپنی جگہ سے اکھیڑ دیے گئے ہوں تو ان کے ساتھ ذبح کرنے میں حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ذبح مکروہ ہے۔ اسینگ کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسرے ائمہ کی دلیل پیش نظر حدیث ہے اور ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ اَمِرِالدَّمَ بِمَا شِئْتَ خون بہاؤ جس چیز کے ساتھ چاہو، فَافْرِ الْاَوْدَاجَ اور جس چیز کے ساتھ چاہو رگوں کو کاٹو، حضرت رافع بن خدیج سے روایت کردہ (پیش نظر) حدیث میں وہ ناخن مراد ہیں جو اپنی جگہ برقرار ہوں کیونکہ حبشی انہی سے ذبح کرتے تھے۔

ک۵ جو انسانوں سے دور بھاگ گئے ہیں۔

۹۵ یعنی تیر مارو، یا جس طرح بھی انہیں ہلاک کر سکتے ہو کرو، بشرطیکہ ایسی چیز سے ہو جس کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ایسا جانور شکار کے حکم میں ہے، اسی طرح اگر اونٹ یا کوئی دوسرا جانور کنوئیں وغیرہ میں گر پڑے۔

پس ذبح دو قسم ہے۔ ۱۔ اختیاری۔ ۲۔ اضطراری، اختیاری ذبح یہ ہے کہ ہنسلی اور جبڑوں کے درمیان زخم لگایا جائے اور گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں اور اضطراری یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے پر زخم لگا دیا جائے۔ ہدایہ میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ جانور ذبح اضطراری سے حلال نہیں ہوتا اور چونکہ یہ نادر ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ حقیقی عجز معتبر ہے اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ نادر ہے بلکہ بکثرت ہے۔

۳۸۹۳ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ غَنَمٌ تَرْعٰى بِسَلْعٍ فَاَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَّنَا بِشَاةٍ مِّنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا.

حضرت کعب بن مالک[۹] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی بکریاں سلع[۱۰] نامی پہاڑ میں چرتی تھیں۔ ہماری کنیز نے ہماری ایک بکری کو مرتے ہوئے دیکھا، اس نے ایک پتھر توڑا اور اس کے ساتھ اسے ذبح کر دیا۔ حضرت کعب نے

فَذَبَحَتْهَا بِهٖ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔

(بخاری)

سلہ حضرت کعب بن مالک مشہور صحابی اور اسلام کے شاعر ہیں، غزوہ تبوک میں شامل ہونے سے رہ گئے بعد میں ان کی توبہ قبول ہوئی۔

سلہ سلع بے نقطہ سین پر زبر اور لام ساکن، مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اسی جانب مساجد اربع ہیں، اسی جگہ خندق کھودی گئی اور غزوہ خندق واقع ہوا۔

سلہ کہ اس بکری کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

۳۸۹۳ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت شداد بن اوس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا[2] واجب قرار دیا ہے۔ تو جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو[3] اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو[4]۔ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک آدمی اپنی چھری[5] کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[6]۔

(مسلم)

سلہ حضرت شداد دال مشدد بن اوس واؤ ساکن حضرت حسان بن ثابت کے بھتیجے اور انصاری صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت اوس بن ثابت بن منذر بھی صحابی ہیں، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شداد بن اوس کو علم اور حلم دونوں صفتیں عطا فرمائیں۔

سلہ یہاں تک کہ قتل اور ذبح میں۔

سلہ قتلہ قاف کے نیچے زیر، قتل کرنے کا طریقہ ـــــــ یعنی تلوار کو تیز کرو اور مقتول کی جلد خلاصی کرو اور اسے عذاب نہ دو۔

۵۴ ایک روایت میں الذبحۃ ہے ذال کے نیچے زیر جیسے قِتْلَۃ میں قاف کے نیچے زیر ہے۔
۵۵ شفرۃ شین پر زبر، چھری۔
۵۶ یعنی اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے، ٹھنڈا ہو جائے اور راحت پائے، یہ ذبح میں احسان کا بیان ہے، احسان کے زمرے میں یہ چیزیں بھی آئیں گی۔

۱۔ چھری تیز کرے۔
۲۔ جانور کے سامنے تیز نہ کرے۔
۳۔ اگر ممکن ہو تو ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کرے۔
۴۔ جسے ذبح کرنا چاہتا ہے اسے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ کر نہ لے جائے۔

۳۸۹۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ تُصْبَرَ بَهِيْمَةٌ اَوْ غَيْرُهَا لِلْقَتْلِ۔
١١

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات سے منع کرتے ہوئے سنا کہ چوپائے یا اس کے غیر کو قتل کے لیے باندھا جائے ۱؎۔

(صحیحین)

۱؎ اصل میں صبر کا معنی قید کرنا ہے۔ صراح میں ہے کہ صبر کا معنی ہے کسی کو پابند کرنا اور روک لینا قتل کے لیے یا قسم دینے کے لیے، مطلب یہ ہے کہ کسی جانور کو قید کیا جائے اور کھلائے پلائے بغیر قتل کرنے کے لیے اس کی نگہداشت کی جائے، یا یہ مطلب ہے کہ جانور کو باندھ کر اسے نشانہ بنایا جائے اور اس پر تیر چلائے جائیں، یہاں تک کہ وہ مر جائے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۸۹۶ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا۔
١٢

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو کسی ذی روح کو نشانہ ۱؎ بنائے۔

(مسلم)

۱؎ غرض یعنی دونوں حرفوں پر زبر، تیر کا نشانہ، ہدف

۳۸۹۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
١٣

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا شَیْئًا فِیْہِ الرُّوْحُ غَرَضًا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ذی روح چیز کو نشانہ نہ بناؤ[1]

(مسلم)

[1] اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے، لیکن اس جگہ صیغہ نہی ارشاد فرمایا اور اس جگہ اس فعل پر لعنت فرمائی۔ لعنت میں تغلیظ اور تشدید زیادہ ہے، بہر صورت اس فعل سے اگر جانور مر جاتے تو اسے عذاب دینا اور ضائع کرنا ہے اور اگر نہیں مرتا اور بعد میں ذبح کر لیا جاتے تو بے سبب عذاب دینا باقی ہے۔

۳۸۹۸/۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّرْبِ فِی الْوَجْہِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِی الْوَجْہِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرے[1] پر مارنے اور چہرے پر داغ لگانے[2] سے منع فرمایا۔

(مسلم)

[1] تھپڑ یا چابک وغیرہ، خواہ آدمی کا چہرہ ہو یا دیگر حیوانات کا۔

[2] صراح میں ہے وَسَمَ، وَسِمَۃٌ نشان لگانا، داغ لگانا۔

۳۸۹۹/۱۵ وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَیْہِ الْحِمَارُ وَقَدْ وُسِمَ فِیْ وَجْہِہٖ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الَّذِیْ وَسَمَہٗ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اسے داغ لگایا ہے[1]۔

(مسلم)

[1] واضح رہے کہ انسان یا دیگر حیوانات کے چہرے پر داغ لگانا بالاتفاق ممنوع ہے۔ رہا چہرے کے علاوہ جسم کے کسی حصے پر داغ لگانا تو بعض حضرات نے زکوٰۃ اور جزیہ کے جانوروں کو داغ لگانا مستحب قرار دیا ہے ان کے

علاوہ جانوروں میں مستحب ہے، مقصد، معین اور ممتاز کرنا ہے، آدمی کے بارے میں اخبار و آثار قولاً اور فعلاً مختلف آئے ہیں، بعض اقوال کے مطابق یہ محبوب اور بہتر نہیں ہے بعض اقوال میں اس کے ترک کرنے کی تعریف ہے، بعض اقوال میں اس کی ممانعت ہے، فعل جو جواز پر دلالت ہے یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک طبیب کو بھیجا جس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داغ لگایا، اور جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلائی کی رگ میں تیر لگا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں داغ لگنے کی اجازت عطا فرمائی۔

جب وہاں ورم پیدا ہوا تو دوبارہ داغ لگایا۔ اسی طرح حضرت جابر اور حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داغ لگایا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے کہ ضرورت اور حاجت کے بغیر احتیاطی طور پر داغ لگایا جائے اور اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، اسی طرح سفر السعادۃ میں بیان کیا گیا ہے، ارباب علم فرماتے ہیں کہ داغ لگانا اسباب وہمیہ میں سے ہے جس کا استعمال توکل کے خلاف ہے، جب کہ دوسرے علاج اسباب ظنیہ میں سے ہیں، اور اگر اس جگہ (داغ لگاتے میں) بھی ظن غالب حاصل ہو جاتے تو یہ بھی جائز ہے، مختار یہ ہے کہ داغ لگانا مکروہ تحریمی ہے، سوائے اس صورت کے طبیب حاذق کہہ دے کہ علاج اسی میں منحصر ہے اور اس کے قول سے ظن غالب حاصل ہو جائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ممانعت اس بنا پر ہے کہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ داغ لگانا یقینی طور پر فائدہ مند ہے۔ اس لیے انہیں منع کر دیا گیا تاکہ شرک خفی کے گڑھے میں نہ گر جائیں۔ مزید تفصیل شرح سفر السعادۃ میں ہے۔

۳۹۰۰/۱۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَدَوْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ لِیُحَنِّکَہٗ فَوَافَیْتُہٗ فِیْ یَدِہٖ الْمِیْسَمُ یَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَۃِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں صبح کے وقت عبد اللہ بن ابی طلحہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گیا تاکہ آپ انہیں گھٹی دیں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے والا لوہا تھا آپ صدقے کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے (صحیحین)

۵۱ عبداللہ بن ابی طلحہ حضرت انس کے ماں کی طرف سے بھائی تھے اور حضرت ابوطلحہ ان کے والدہ کے شوہر تھے لہٰذا حضرت عبداللہ ان کی والدہ سے پیدا ہوتے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۵۲ تحنیک کا معنی ہے کھجور یا اس جیسی کسی میٹھی چیز کا چبا کر نومولود بچے کے تالو میں لگانا۔ بچوں کے لیے ایسا کرنا سنت ہے۔

۵۳ میسم میم کے نیچے زیر یا ساکن، سین پر زبر، لوہا جس کے ساتھ داغ لگاتے ہیں۔

۳۹۰۱ / ۱۴ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي مِرْبَدٍ فَرَأَيْتُهُ يَسِمُ شِيَاهًا حَسِبْتُهُ قَالَ فِي آذَانِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہشام بن زید[۱] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ باڑے[۲] میں تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا کہ آپ جانوروں کے کسی حصے[۳] پر نشان لگا رہے تھے، ہشام کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضرت انس نے فرمایا ان کے کانوں میں نشان لگا رہے تھے۔ (صحیحین)

۵۱ ہشام بن زید ثقہ تابعی ہیں ان کے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

۵۲ مربد میم کے نیچے زیر، را ساکن اور با پر زبر، اونٹ لگاتے اور بکری کے بند کرنے کی جگہ، ربد کا معنی ہے قید کرنا۔

۵۳ یعنی ان کے اعضاء اور اطراف پر ——— بعض نسخوں میں شاۃ ہے یہ شاۃ (بکری) کی جمع ہے معنی کے اعتبار سے یہ نسخہ ظاہر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۳۹۰۲ / ۱۸ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ أَحَدَنَا أَصَابَ صَيْدًا وَلَيْسَ مَعَهُ سِكِّيْنٌ أَيَذْبَحُ بِالْمَرْوَةِ أَوْ شِقَّةٍ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیں کہ ہم میں سے ایک شخص شکار پاتے اور اس کے پاس چھری نہ ہو، کیا وہ پتھر[۱] یا لکڑی کے ٹکڑے کے ساتھ

الْعَصَاءِ فَقَالَ اَمْرِ الدَّمَ بِمَ شِئْتَ وَ اذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ ۔

ذبح کرے؟ فرمایا: جس چیز کے ساتھ چاہو خون بہا دو[2]۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ) (ابو داؤد، نسائی)

[1] مروہ سفید براق پتھر جس سے آگ نکلتی ہے، اس جگہ مطلق پتھر مراد ہے۔

[2] اَمْرِرْ مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں ہمزہ کے زبر، میم کے سکون اور راء کی زیر کے ساتھ ہے بغیر ادغام کے یہ اِمرار سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی جاری کرنا ہے۔ بعض نسخوں میں اِمرِ ہے ہمزہ کے نیچے زیر اور میم ساکن۔ یہ مَری سے بنا ہے جیسے اِرمِ رَمی سے بنا، ایک روایت میں ہے اَمِرّ وغیرہ ہمزہ پر زبر، میم کے نیچے زیر۔ اور راء مشدد۔ ایک اور روایت میں ہے اُمْرُ ہمزہ پر زبر، میم کے نیچے زیر اور راء ساکن۔ ان کی قسمیں اور معانی شرح لمعات میں مذکور ہیں۔

۳۹۰۳/۱۹ وَعَنْ اَبِي الْعُشَرَاءِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا تَكُوْنُ الذَّكٰوةُ اِلَّا فِي الْحَلْقِ وَ اللَّبَّةِ فَقَالَ لَوْ طَعَنْتَ فِيْ فَخِذِهَا لَاَجْزَءَ عَنْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ هٰذَا ذَكٰوةُ الْمُتَرَدِّيْ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا فِي الضَّرُوْرَةِ ۔

ابو العشراء[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ذبح صرف گلے اور ہنسلی[2] میں ہوتا ہے؟ فرمایا: اگر تم اس کی ران میں بھی نیزہ مارو تو تمہاری طرف سے کفایت کرے گا۔

(ترمذی، ابو داؤد، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی) امام ابو داؤد نے کہا یہ اس جانور کا ذبح ہے جو کنوئیں میں گر جائے[3] امام ترمذی نے کہا کہ یہ بوقت ضرورت ہے[4]۔

[1] ابو العشراء عین پر پیش، شین پر زبر، ان کا نام اسامہ بن مالک ہے۔ دارمی بصری تابعی ہیں بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور مجہول ہیں، امام بخاری نے فرمایا۔ ان کی حدیث اور ان کے اپنے والد سے سماع میں کلام ہے، ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا ان کی

حدیث میرے نزدیک غلط ہے۔

۵۲ لبۃ لام پر زبر اور با مشدد، سینے کا اوپر والا کنارہ۔

۵۳ یعنی یہ حکم ذبح اضطراری کا ہے۔

۵۴ انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کے علاوہ ابوالعشراء کی اپنے والد سے روایت معلوم نہیں ہے۔

۳۹۰۴ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ[۲۰] أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَّمْتَ مِنْ كَلْبٍ أَوْ بَازٍ ثُمَّ أَرْسَلْتَهُ وَ ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَ إِنْ قَتَلَ قَالَ إِذَا قَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَيْكَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس کتے یا باز کو سکھاؤ پھر اسے بھیجو اور اللہ تعالٰی کا نام لو تو جو کچھ تمہارے لیے روک لے اسے کھاؤ۔ میں نے عرض کیا اگرچہ ہلاک کر دے؟ فرمایا۔ جب اسے ہلاک کر دے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے تو وہ اس نے تمہارے لیے روکا ہے۔

(ابوداؤد)

۳۹۰۵ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ[۲۱] أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيْهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيْهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

ان[۱] ہی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں شکار کو تیر مارتا ہوں تو اس میں دوسرے دن اپنا تیر[۲] پاتا ہوں فرمایا: جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اسے ہلاک کیا ہے اور تم اس میں درندے کا نشان نہ دیکھو تو کھاؤ[۳]۔

(ابوداؤد)

۵۱ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ

۵۲ یعنی اپنے تیر کا نشان دیکھتا ہوں۔

۵۲ یعنی اگر درندے کا نشان پاؤ تو نہ کھاؤ اور اگر دوسرے کے تیر کا نشان پاؤ تو بھی نہ کھاؤ۔ جیسے کہ پہلی فصل میں بیان کردہ ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا اگر تم صرف اپنے تیر کا نشان پاؤ: یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ نہ تو اس میں درندے کا نشان پاؤ اور نہ ہی دوسرے کے تیر کا۔

۳۹۰۶ / ۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوْسِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں مجوسیوں[۱] کے کتے کے شکار سے منع کیا گیا۔ (ترمذی)

سلہ آگ کی عبادت کرنے والے ______ کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں، یعنی وہ جانور جسے مجوسی شکار کرے اگرچہ کتا مسلمان ہی کا ہو، ہاں اگر اسے زندہ پا لے اور ذبح کرے تو حلال ہے۔ اور اگر مسلمان مجوسی کے کتے سے شکار کرے تو حلال ہے اور اگر مسلمان اور مجوسی کتا چھوڑنے یا تیر چلانے میں شریک ہوں تو شکار حلال نہیں ہے۔

۳۹۰۷ / ۲۳ وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسِ فَلَا نَجِدُ غَيْرَ اٰنِيَتِهِمْ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوْهَا بِالْمَآءِ ثُمَّ كُلُوْا فِيْهَا وَاشْرَبُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم سفر میں رہتے ہیں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں اور ہمیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ملتے، فرمایا، اگر تمہیں ان کے علاوہ برتن نہ ملیں تو انہیں پانی کے ساتھ دھو لو، پھر ان سے کھاؤ پیو[۱]۔ (ترمذی)

سلہ باب کی ابتدا میں بھی حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس جگہ مجوسیوں کا ذکر نہ تھا۔ بلکہ شکار کا ذکر تھا، کیونکہ اس جگہ شکار کا ذکر مقصود تھا۔ اور اس جگہ برتن کا ذکر مقصود ہے

۳۹۰۸ / ۲۴ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

قبیصہ بن ہلب[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا۔ عیسائیوں کے کھانے کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ سَأَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ مِنَ الطَّعَامِ طَعَامًا اَتَحَرَّجُ مِنْهُ فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

بارے میں پوچھا[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص[۳] نے آپ سے دریافت کیا۔ اور کہا کہ کچھ کھانے وہ ہیں جن سے میں حرج[۴] محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا تمہارے سینے میں کوئی چیز نہیں آنی چاہیے اس شک میں تم نصرانیت[۵] کے مشابہ ہو گئے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] قبیصہ قاف پر زبر، با کے نیچے زیر اور یا ساکن بن ہلب ہا پر پیش اور لام ساکن تابعی ہیں۔ ان کے والد صحابی ہیں، ابن مدینی اور نسائی نے انہیں مجہول قرار دیا۔ عجلی نے کہا کہ ثقہ تابعی ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ امام ابو داؤد اور ترمذی نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

[۲] کہ اسے کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

[۳] کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے

[۴] حرج کا معنی اصل میں تنگی ہے۔ گناہ کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں، اَتَحَرَّجُ کا معنی ہے میں گناہ سے بچتا ہوں، یعنی اس کے کھانے کو گناہ جانتا ہوں۔

[۵] یعنی شک وشبہ، ایک روایت میں شے کی جگہ طعام کا ذکر ہے، شے عام ہے، لیکن سوال طعام کے بارے میں تھا۔

ملج بے نقطہ حا، ابتدا میں اور جیم آخر میں، حق کا پکڑنا، خلوج بادل کی چمک، تخلج بجلی کا مضطرب ہونا اسی طرح قاموس میں ہے، صاحب قاموس نے لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی چیز نہ آئے کیونکہ وہ پاکیزہ ہے یعنی مباح ہے (قاموس) ایک روایت میں لَا يَتَخَلَّجَنَّ نقطے والی خا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ خلجان سے مشتق ہے، شبہے کا دل میں پیدا ہونا۔

[۶] یعنی رہبانیت اور اپنے اوپر سختی کرنے کے، جیسے کہ گزشتہ امتوں کے راہب کرتے تھے، نصرانیت کے ساتھ تخصیص اس لیے کہ سوال کرنے والے حضرت عدی بن حاتم تھے اور وہ اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے مطلب یہ کہ تم آسان اور سہولت والی ملت حنیفہ پر ہو۔ ظاہر پر عمل کرو اور دلیل کے بغیر شک وشبہ میں نہ پڑو۔ کیونکہ اس طرح تم وسوسے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

۳۹۰۹/۲۵ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ[1] کے کھانے سے منع فرمایا اور یہ وہ جانور ہے جسے باندھ کر تیر کا نشانہ بنایا جائے[2]۔ (ترمذی)

[1] مجثمہ میم پر پیش، جیم پر زبر، مین نقطے والی ثاء مشدد مفتوح۔

[2] اور اسے ذبح کی بجائے اس طریقے سے ہلاک کیا جائے، اصل میں جثوم کہتے ہیں کہ مرغ اپنا سینہ زمین پر رکھے، جیسے پرندے، ارنٹ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قتل اور ہلاک کو جثوم کہہ دیا جاتا ہے کہ اس طرح جانور زمین کے ساتھ چپک جاتا ہے، قرآن پاک میں فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جَاثِمِیْنَ اسی معنی میں واقع ہوا ہے۔

۳۹۱۰/۲۶ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيسَةِ وَأَنْ تُوطَأَ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى سُئِلَ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ فَقَالَ أَنْ

حضرت عرباض بن ساریہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کیلوں والے درندے[2] اور ہر پنجوں[3] والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا، (اسی طرح) پالتو گدھوں[4] کے گوشت، اور ان جانوروں سے منع فرمایا جو ذبح کے بغیر ہلاک کیے گئے ہوں۔ یا درندے نے انہیں چیر پھاڑ ڈالا ہو[5]۔ اور حاملہ عورتوں سے وطی کرنے سے منع[6] فرمایا۔ یہاں تک کہ بچہ جنیں، محمد بن یحییٰ[7] نے کہا کہ ابو عاصم سے مجثمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ پرندے یا کسی جانور کو کھڑا کر کے تیر کا نشانہ بنایا جائے[8] ان سے خلیسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو

تُنْصَبُ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمَى وَ سُئِلَ وَ عَنِ الْخَلِيسَةِ فَقَالَ الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ فَيَمُوتُ فِي يَدِهِ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

فرمایا کہ بھیڑیے یا درندے کا وہ شکار ہے جسے آدمی پائے اور اس سے چھین لے اور وہ جانور ذبح سے پہلے اس کے ہاتھ میں مر جائے۔[۵]

(ترمذی)

[۱] حضرت عرباض بن ساریہ، اصحاب صفہ میں سے صحابی ہیں اور ان حضرات میں شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور سواری نہ ملنے پر روتے ہوئے اور حسرت زدہ ہو کر واپس گئے ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

[۲] اس جگہ ذی ناب (کیلوں والے، اگلے دو دانتوں کے دائیں بائیں جانب والے دانت) سے مراد وہ جانور نہیں جو دوڑتے ہیں اور کیلوں کے ساتھ چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ جیسے کہ شیر، بھیڑیا، چیتا اور ریچھ وغیرہ۔

[۳] مخلب میم کے نیچے زیر خا ساکن، لام پر زبر، زخمی کرنے والے پنجے، جیسے چرغ، گدھ وغیرہ وہ جانور جو پنجے سے شکار کرتے ہیں۔

[۴] پہلے پالتو گدھوں کا گوشت کھانا جائز تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے گوشت کی ہنڈیا جوش مار رہی تھی کہ حکم ہوا انہیں انڈیل دو۔

[۵] خلیسہ نقطے والی خا پر زبر، لام کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین۔ وہ جانور جسے بھیڑیا وغیرہ درندہ چیر پھاڑ دے اور اسے درندے کے منہ سے چھین لیا جائے مگر ذبح سے پہلے ہلاک ہو جائے۔

[۶] یہ اس وقت ہے کہ گرفتار ہو کر آنے والی لونڈی ہو۔ اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش سے پہلے اور اگر حاملہ نہیں تو ایک حیض گزرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ استبراء نہ کر لیا جائے۔

[۷] محمد بن یحییٰ نام کے بہت سے محدثین ہیں۔ اس جگہ محمد بن یحییٰ قُطَعی مراد ہیں قاف پر پیش بے نقطہ طا پر زبر، ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے۔ امام بخاری کے استاد ابو عاصم شیبانی ان سے روایت کرتے ہیں۔

۸ جیسے کہ حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں بیان کیا گیا۔
۹ خلیہ مشتق ہے خلس اور اختلاس سے جس کا معنی ہے چھین لینا۔

۳۹۱۱/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطٰنِ زَادَ ابْنُ عِيْسٰى هِيَ الذَّبِيْحَةُ يُقْطَعُ مِنْهَا الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شریطۃ الشیطان کے کھانے سے منع فرمایا۔ ابن عیسیٰ نے اضافہ کیا یہ وہ ذبیحہ ہے جس کی کھال کاٹ دی جائے اور گردن کی رگیں نہ کاٹی جائیں[۱] پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے[۲]
(ابوداؤد)

۱ حالانکہ ذبح کرنے کا مطلب گردن کی رگیں کاٹنا ہی ہے۔ فری فاء پر زبر اور راء ساکن، کاٹنا اوداج جمع ہے۔ ودج کی واؤ پر زبر، اس کے بعد دال، گردن کی رگ۔
۲ اہل جاہلیت چارپائے کے گلے کا کچھ چمڑا کاٹ کر اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جائے اسے شریطہ اس لیے کہا گیا ہے کہ شرط کا معنی نشتر مارنا ہے۔ یہ شرط حجام سے ماخوذ ہے یا شرط کا معنی علامت ہے اور شیطان کی طرف اس کی اضافت اس لیے ہے کہ اس عمل پر ابھارنے والا اسے حسین بنانے والا اور اس عمل سے راضی ہونے والا وہی ہے۔

۳۹۱۲/۲۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَكٰوةُ الْجَنِيْنِ ذَكٰوةُ اُمِّهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پیٹ میں موجود بچے کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے[۱]
(ابوداؤد، دارمی)
امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابوسعید سے روایت کی۔

۱ صراح میں ہے ذکوۃ نقطے والے ذال کے ساتھ اور تذکیہ کا معنی ہے بکری کا گلا کاٹنا ــــ یعنی ہمارا ذبح کرنا پیٹ کے بچے کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے۔ لہذا اگر ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ تینوں امام (مالک شافعی اور احمد) اسی کے قائل ہیں امام احمد اور امام شافعی

کے نزدیک وہ حلال ہے خواہ اس کے بال پیدا ہوئے ہوں یا نہ، امام مالک کے نزدیک اگر بچہ پورا بن چکا ہے اور اس کے بال پیدا ہو گئے ہیں تو وہ حلال ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحب ہدایہ کے مطابق صاحبین کے نزدیک بھی اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ زندہ نکلا اور اسے ذبح کیا گیا تو حلال ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شکار پانی میں گر جائے تو اسے نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے مرا ہو۔ جب روح کے نکلنے کا سبب مشکوک ہو تو آپ نے اس کا کھانا حرام قرار دیا۔ پیٹ کے بچے میں بھی یہی صورت موجود ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ ذبح سے مرا ہے یا دم گھٹنے سے۔ اور اگر زندہ نکلا تو بالاتفاق اس کا ذبح کرنا واجب ہے۔ امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے میں بھی کلام ہے۔

۳۹۱۳/۲۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَنْحَرُ النَّاقَةَ وَ نَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَ الشَّاةَ فَنَجِدُ فِیْ بَطْنِهَا الْجَنِیْنَ اَنُلْقِیْهِ اَمْ نَاْكُلُهٗ قَالَ كُلُوْهُ اِنْ شِئْتُمْ فَاِنَّ ذَكٰوتَهٗ ذَكٰوةُ اُمِّهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اونٹنی[1] نحر کرتے ہیں اور گائے[2] اور بکری ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے[3] ہیں تو کیا اسے پھینک دیں یا کھا لیں؟ فرمایا: اگر چاہو تو کھا لو۔ کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] نحر کا معنی ہے اونٹ کے سینہ میں نیزہ مارنا۔ اونٹ میں یہی سنت ہے۔ اگرچہ ذبح بھی جائز ہے۔
[2] ذبح گلے کی رگوں کا کاٹنا، جیسے کہ گائے اور بکری میں چاہیے
[3] یعنی مرا ہوا۔

۳۹۱۴/۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے چڑیا یا اس سے بڑھ کر[1] کسی جانور کو اس کے حق کے بغیر قتل کیا[2] تو اللہ تعالیٰ اس سے اس

سَأَلَهُ اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهٖ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا حَقُّهَا قَالَ اَنْ يَذْبَحَهَا فَيَأْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعُ رَأْسَهَا فَيَرْمِيْ بِهَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

کے قتل کے بارے میں پوچھے گا۔[۳] عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان کا حق کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ انہیں ذبح کرے اس طرح نہ کرے کہ ان کا سر کاٹ کر انہیں پھینک دے۔ (احمد، نسائی، دارمی)

[۱] جسم کے چھوٹا ہونے اور اس کے حقیر ہونے میں یا بڑا ہونے میں بڑھ کر۔
[۲] اس طرح قتل کیا جس طرح قتل نہ کرنا چاہیے تھا اور وہ جانور حلال نہیں ہوا۔
[۳] یعنی قیامت کے دن اس بارے میں اس سے بازپرس ہوگی اور وہ اس بنا پر ماخوذ ہوگا۔

۳۹۱۵ وَعَنْ اَبِيْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ[۱] قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَجُبُّوْنَ اَسْنِمَةَ الْاِبِلِ وَيَقْطَعُوْنَ اَلْيَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابو واقد لیثی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ اونٹوں کی کوہانیں[۲] اور بھیڑوں کی چکیاں[۳] کاٹ لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے کھایا نہ جائے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

[۱] حضرت ابو واقد لیثی ان کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے، قدیم الاسلام صحابی ہیں بعض علماء نے کہا کہ بدر میں حاضر ہوئے اور اس دن ان کے پاس بنو لیث کا جھنڈا تھا بعض نے کہا فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اہل مدینہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔
[۲] جَبَّ جیم اور اس کے بعد باء کاٹنا، باب نصر، اَسْنِمَہ جمع ہے سنام کی سین پر زبر (کوہان)
[۳] الیات جمع ہے اَلْیَہ کی ہمزہ پر زبر، مطلب یہ ہے کہ زندہ جانوروں کی کوہانیں اور چکیاں کاٹ کر کھاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۹۱۶/۲۲ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَّجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَارِثَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْعٰى لِقْحَةً بِشِعْبٍ مِّنْ شِعَابِ اُحُدٍ فَرَاٰى بِهَا الْمَوْتَ فَلَمْ يَجِدْ مَا يَنْحَرُهَا بِهٖ فَاَخَذَ وَتَدًا فَوَجَاَ بِهٖ فِيْ لَبَّتِهَا حَتّٰى اَهْرَاقَ دَمَهَا ثُمَّ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَمَالِكٌ وَّفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ)

حضرت عطاء بن یسار[1]، بنی حارثہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ کے ایک درے میں حاملہ اونٹنی[2] چرا رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ اونٹنی مرنے لگی ہے انہوں اس کے نحر کرنے کے لیے کوئی چیز[3] نہ ملی تو انہوں نے ایک کیل[4] لے کر اس کی گھنڈی اگلے ایں گھونپ[5] دی۔ یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع پیش کی تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (ابو داؤد، مالک) امام مالک کی روایت میں ہے کہ اسے تیز دھار لکڑی[6] سے ذبح کیا۔

[1] عطاء بن ابی یسار مشہور اور ثقہ تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے اکابر علماء میں سے ہیں، انہوں نے بڑی تعداد میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ۱۰۳ھ میں چوراسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔

[2] لقحۃ لام کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ وہ اونٹنی جس کے بچے کی پیدائش قریب ہو شعب پہلے حرف کے نیچے زیر، دو پہاڑوں کا درمیانی خلاء، دو پہاڑوں کے درمیان راستہ ہو اور پانی کی گزرگاہ۔

[3] مثلاً نیزہ اور چھری وغیرہ

[4] وتد واؤ پر زبر اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[5] وجا چھری گھونپ دینا

[6] شظاظ شین کے نیچے زیر، دونوں طرف نوکیلی والی، وہ لکڑی جس کی دونوں طرفیں تیز ہوں اسے دو بوروں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔

۳۹۱۷/۳۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْبَحْرِ اِلَّا وَقَدْ ذَكَّاهَا اللّٰهُ لِبَنِيْ اٰدَمَ۔ (رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دریا کا کوئی جانور نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد آدم کے لیے ذبح فرما دیا ہے[۱]۔ (دار قطنی)

[۱] یعنی ذبح کے بغیر حلال ہے اور اس کا دریا سے شکار کرنا ذبح کا حکم رکھتا ہے ـــــــ اس حدیث کے ظاہر سے تمام دریائی جانوروں کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے مچھلی تو اتفاقاً حلال ہے۔ باقی جانوروں میں اختلاف ہے[۲]۔

---

[۲] ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور اہل علم کی ایک جماعت قائل ہے کہ دریا کی ہر چیز حلال ہے۔ بعض نے اس میں سے دریائی خنزیر، کتے اور انسان کی تخصیص کی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سب چیزیں حلال ہیں۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ تمہارے لیے دریا کا شکار حلال کیا گیا ہے۔ دریا کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔ نیز حرمت کا سبب خون ہے اور ان چیزوں میں خون نہیں ہے کیونکہ خون والی چیز پانی میں نہیں رہتی۔ احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ رسول اللہ ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ مچھلی کے علاوہ وہ جتنی چیزیں ہیں طبیعت سلیم ان سے گھن محسوس کرتی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دوا کے استعمال سے منع فرمایا جس میں مینڈک ڈالا جاتا ہے (ابوداؤد) نیز کیکڑے کی بیع سے منع فرمایا۔ آیت کریمہ میں صید سے مراد شکار کرنا ہے اور شکار کرنا ہر جانور کا جائز ہے۔ حدیث پاک میں مردے سے مراد مچھلی ہے اور وہ دوسری مردہ چیزوں کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ لیکن مردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون۔ جگر اور تلی ہیں۔ ۱۲ قادری۔

بَابُ ذِكْرِ الْكَلْبِ

۲۹۲۔ کتّے کا بیان

اس باب میں بیان کریں گے کہ کس کتے کا پالنا جائز ہے اور کس کا پالنا جائز نہیں ہے۔ کس کو مارنا جائز ہے اور کس کو نہیں؟ ——— کتاب الصید میں کتے کا ذکر گزرا ہے۔ اسی مناسبت سے کتے کے بعض احکام بھی بیان کر دیئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۹۱۸ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ ضَارٍ[1] نُقِصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ۔[2] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جانوروں کے محافظ یا شکاری کتے کے علاوہ دوسرا کتا پالے اس کے عمل سے ہر دن دو قیراط کم کر دیئے جائیں گے (صحیحین)

[1] ضار نقطے والے ضاد کے ساتھ بروزن قاضٍ، شکاری کتا، ضراوۃ کا معنی ہے کتے کا شکار کے پیچھے دوڑنا۔

[2] کتا پالنے کی سزا کے طور پر، کیونکہ اس کی وجہ سے (رحمت کے) فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوں گے، وہ برتنوں میں منہ ڈالے گا اور لوگوں کو اذیت دے گا۔ قیراط نصف دانگ کو کہتے ہیں (دانگ چھ رتی کو کہتے ہیں ۱۲ لمعات) اس جگہ وہ مقدار مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے (ہمیں سمجھانے کے لیے لفظ قیراط استعمال کیا گیا ہے ۱۲ ق)

۳۹۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ مَاشِیَةٍ اَوْ صَیْدٍ اَوْ زَرْعٍ اِنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جانوروں کے محافظ، شکاری کتے یا کھیتی کے پاسبان کے علاوہ کتا پالے اس کے ثواب سے ہر دن ایک قیراط کم ہو جائے گا۔[1] (صحیحین)

[1] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی مثل ہے، اس جگہ کھیتی کے محافظ کتے کا اضافہ ہے، نیز ثواب میں ایک قیراط کی کمی بیان فرمائی۔ پہلی حدیث میں دو قیراط کی کمی کا ذکر ہے، اس فرق کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یا تو کتے کی مختلف قسموں کی وجہ سے ہے، جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔

۲۔ یا مواضع اور مقامات کے مختلف ہونے کے سبب سے ہے مثلاً حرم یا غیر حرم میں، یا شہروں اور گاؤں میں دو قیراط صحراؤں اور جنگلوں میں ایک قیراط۔

۳۔ یا یہ اختلاف زمانوں کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

۴۔ یا پہلے ایک قیراط کے نقصان کا حکم فرمایا اور جب کتوں سے اختلاط اور ان کی محبت زیادہ ہوئی تو زجر و توبیخ میں اضافہ ہو گیا۔

۵۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ اقتنا رکتے کے پالنے سے زائد ہے، یعنی اقتنا صرف کتے کے پالنے کو نہیں کہتے بلکہ پال لینے اور اس سے میل جول رکھنے اور محبت کرنے کو کہتے ہیں اس لیے ثواب میں دو قیراط کی کمی ہو گی۔ ۱۲ (ق)

۳۹۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْکِلَابِ حَتّٰی اَنَّ الْمَرْاَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِیَةِ بِکَلْبِهَا فَنَقْتُلُهٗ ثُمَّ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں کتوں کے مارنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت اپنے کتے کے ہمراہ جنگل سے آتی[1] تو ہم اس کے کتے کو مار ڈالتے[2]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قتل سے منع فرمایا۔ اور فرمایا

وَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

خاص طور پر ایک رنگ والے کالے سیاہ کتے کو مارو جس کی آنکھوں پر دو سفید نقطے ہوں، کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (مسلم)

۱؎ تقدم تاء اور دال مشدد پر زبر اور میم مضموم

۲؎ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حکم مدینہ منورہ کے ساتھ خاص تھا جہاں وحی کے انوار اور فرشتے نازل ہوتے تھے کتے فرشتوں کے داخلے سے مانع ہوتے ہیں اس لیے لائق تھا کہ مدینہ منورہ کو کتوں سے پاک کیا جاتا۔ عورت کی تخصیص اس لیے ہے کہ عورتیں جنگلوں میں رہتی ہیں۔ کتے پالتی ہیں اور انہیں کتوں کے رکھنے کی حاجت زیادہ ہوتی ہے یا اتفاقیہ عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳؎ بہیم ایک رنگ والا۔

۴؎ اس کتے کو شیطان اس لیے فرمایا گیا کہ اس میں خباثت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سب کتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے، پاسبانی میں نکما اور شکار کرنے سے دور رہتا ہے۔ حتیٰ کہ امام احمد نے فرمایا کہ سیاہ کتے کا شکار حلال نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ اور کا کاٹنے والے اور مضرت رساں کتے کے قتل کرنے میں اتفاق ہے۔ اگرچہ سیاہ نہ ہو۔

۳۹۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ مَاشِيَةٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکاری کتے یا بکریوں یا چوپایوں[۱] کے محافظ کے ماسوا کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ (صحیحین)

۱؎ راوی کو شک ہے کہ بکریوں کا محافظ فرمایا یا چوپایوں کا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۹۲۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ[۵] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبد اللہ بن مغفل[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ لَاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ اَسْوَدَ بَهِيْمٍ.

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ

وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَمَا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا اِلَّا نُقِصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ.

فرمایا اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو ہم ان سب کے قتل کا حکم دے دیتے تو ان میں سے ہر ایک رنگ والے کالے سیاہ کو قتل کر دو۔

(ابوداؤد، دارمی)

(امام ترمذی اور نسائی نے اضافہ کیا کہ جس گھر والے کتا باندھتے ہیں۔ ان کے عمل سے ہر دن ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے۔ سوائے شکار، یا کھیتی یا بکریوں کے کتے کے۔

۱؎ عبداللہ بن مغفل میم پر پیش، نقطے والی غین پر زبر فاء مشدد مفتوحہ۔ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ اگر ہم ان سب کے قتل کا حکم دے دیں تو مخلوق خدا میں سے وہ گروہ (نوع) ناپید ہو جائے گا، اور یقینی بات ہے کہ اس گروہ کے وجود میں ضرور کوئی حکمت ہوگی، امت جنس حیوان کی ایک نوع ہے امم جمع۔

۳؎ چونکہ سب کو ہلاک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے اسے ہلاک کرو جو زیادہ نقصان دہ ہے اور وہ ایک رنگ والا سیاہ کتا ہے۔

۳۹۲۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاپایوں کے لڑانے۱؎ سے منع فرمایا۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ رحم فرمائے آج مسلمانوں میں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ے جیسے اونٹوں اور بیلوں کو لڑوایا جاتا ہے، مرغوں کے لڑانے کا بھی یہی حکم ہے۔

بَابُ مَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَمَا يَحْرُمُ

۲۹۳- ان جانوروں کا بیان جن کا کھانا حلال ہے اور جن کا کھانا حرام ہے

یاد رہے کہ قرآن پاک سے چار چیزوں کی حرمت ثابت ہے (۱) مردار (۲) ذبح کے وقت بہنے والا خون۔ (۳) خنزیر کا گوشت (۴) وہ جانور جو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے جیسے کہ آیت کریمہ قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا (الآیہ) سے ثابت ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت نے چند دوسری چیزوں مثلاً ہر کیلوں والے یا پنجے سے شکار کرنے والے جانور اور پالتو گدھوں وغیرہ کا اضافہ کیا، ان میں سے بعض کی حرمت احادیث کے قطعی ہونے کی بنا پر متفقہ ہے اور بعض کی حرمت احادیث کے اختلاف کی وجہ سے آئمہ کے درمیان اختلافی ہے۔ اختلاف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بنا پر پیدا ہوا۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۱۵۷/۷) ہمارے حبیب ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔ ہمارے آئمہ نے اس آیت سے مچھلی کے علاوہ پانی کے دوسرے جانوروں کی حرمت پر استدلال کیا ہے، ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور اہل علم

(حاشیہ صفحہ سابقہ) مرغ لڑانا، کتے لڑانا، اونٹ بیل لڑانے کا بہت شوق ہے۔ یہ حرام سخت حرام ہے۔ کہ اس میں بلاوجہ جانوروں کو ایذا رسانی ہے۔ اپنا وقت ضائع کرنا، بعض جگہ مال کی شرط پر جانور لڑائے جاتے ہیں۔ یہ جوا بھی ہے، اور حرام در حرام ہے۔ جب جانوروں کا لڑانا حرام ہے تو انسان کا لڑانا سخت حرام ہے۔ خیال رہے کہ اسلامی فوج کو کفار سے لڑانا جہاد ہے۔ یوں ہی مشق کے لیے تیاری اور جہاد کے لیے کشتی لڑانا، لڑانا جہاد کی تیاری ہے۔ یہ دونوں کام عبادت ہیں۔ مسلمانوں کی آپس میں جنگ کرانا یہ حرام ہے۔ لڑانا اور چیز ہے کشتی اور جہاد اور چیز ہے ۱۲ مراۃ۔

کی ایک جماعت اس امر کی قائل ہے کہ سمندر میں جتنی چیزیں ہیں سب حلال ہیں۔ بعض علماء نے سمندری خنزیر، اس کتے اور انسان کا استثناء کیا ہے، امام شافعی سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کیا گیا، سے استدلال کرتے ہوئے سب کو حلال قرار دیا نیز سمندر کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں مچھلی کے علاوہ سمندر کا ہر جانور خبیث ہے۔ خبیث، طیب (پاکیزہ) کی ضد ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے طبیعت سلیم پلید جانے، مچھلی کے علاوہ ہر جانور کو طبیعت سلیم خبیث جانتی ہے امام احمد نے فرمایا کہ کتاب وسنت میں جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے ان کے علاوہ جس چیز کو عرب طیب کہیں وہ حلال ہے اور جسے خبیث جانیں وہ حرام ہے کیونکہ مخاطب عرب ہی ہیں کہتے ہیں کہ عرب سے مراد اہل حجاز اور شہروں کے باشندے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک ان پر نازل ہوا۔ بادیہ نشینوں کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ ضرورت اور بھوک کی بنا پر جو ملے کھا لیتے ہیں۔ اب گفتگو اس مسئلے میں چل پڑتی ہے کہ اشیاء میں اصل ممانعت ہے، اباحت ہے یا توقف، اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی کتاب، کتاب الخرقی اور اس کی شرح میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۳۹۲۴ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ فَاَكْلُهٗ حَرَامٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کیلوں والا جانور درندہ[1] ہے لہذا اس کا کھانا حرام ہے۔ (مسلم)

[1] اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ذی ناب درندے سے مراد وہ جانور ہے جو نوکیلے دانت سے شکار کرتا مثلاً شیر، بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔

۳۹۲۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِیْ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر کیلوں والے

نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَ كُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

درندے اور ہر پنجوں والے پرندے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

۳۹۲۶ (۳) وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں[1] کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ (صحیحین)

[1] یہ احتراز ہے جنگلی گدھوں سے جنہیں گورخر کہتے ہیں اور وہ بالاتفاق حلال ہیں۔

۳۹۲۷ (۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَ اَذِنَ فِیْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشتوں کی اجازت دی[1]۔ (صحیحین)

[1] سلف وخلف کے ائمہ کا گھوڑے کے گوشت کے مباح ہونے پر اتفاق ہے؛ البتہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے اس کا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہونا مروی ہے، فتاوی سراجیہ میں ہے کہ گھوڑے کا گوشت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اس کے بعد امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت تحریمی مراد ہے، ان کے بھائی امام فخر الاسلام علی بزدوی نے فرمایا کہ کراہت تنزیہی مراد ہے امام سرخسی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے اور صاحبین کے قول میں لوگوں کے لیے زیادہ وسعت ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور راجح یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اس جگہ دو روایتیں ہیں اور کراہت تحریمی کی روایت معروف ہے، مختصر ابو مکارم کی شرح میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک حلال ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ فتاوی عمادیہ میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے، نظم نسفی میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اسی طرح امام قاضی خان نے

اپنے فتاویٰ کی کتاب الذبائح اور کتاب الاشربہ میں بیان فرمایا، ہدایہ میں ہے کہ یہی اصح ہے، یہی صاحب حصر وغالباً صاحب بحر ہے ۱۲ قادری کا مختار ہے۔

کافی میں ہے کہ مکروہ ہے کراہت تنزیہی سے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی کراہت عزت کی بنا پر ہے تاکہ اس کے مباح قرار دینے سے آلۂ جہاد کی قلت پیدا نہ ہو، کراہت پلید ہونے کی بنا پر نہیں ہے اسی لیے اس کا جھوٹا پاک ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح امام فخر الاسلام اور ابو معین نے اپنی اپنی جامع میں بیان کیا اسی طرح امام قاضی خان نے اپنی جامع میں بیان کیا، امام اسبیجابی نے فرمایا، یہی اصح ہے، امام سرخسی نے فرمایا، اس میں لوگوں کے لیے زیادہ نرمی ہے، کیونکہ ظاہر عرف یہ ہے کہ اس کا گوشت بغیر کسی انکار کے فروخت کیا جاتا ہے، کفایۃ المنتہی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے گھوڑے کا گوشت کے حرمت کے قول سے اپنے وصال سے تین دن پہلے رجوع کیا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

مواہب لدنیہ میں اس مسئلے کے اصول و فروع پر طویل گفتگو کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ گھوڑے کے گوشت کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، امام شافعی اور جمہور سلف و خلف قائل ہیں کہ بغیر کراہت کے جائز ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت انس بن مالک اور حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا، اس وقت ہم مدینہ منورہ میں تھے، دارقطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت نے اسے کھایا۔ فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول سے کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جہاد کے بعد کا ہے، اس سے ان حضرات کا قول رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ چونکہ گھوڑا آلات جہاد میں سے ہے اس لیے اس کا کھانا ممنوع ہے، ان کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت نے بھی کھایا، ان حضرات پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے کھانے پر مطلع ہوئے ہوں کیونکہ حضرت ابو بکر کی آل سے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسے کام کا ارتکاب کریں گے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا جب تک کہ انہیں اس کے جائز ہونے کا علم نہ ہو کیونکہ ان کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت سے جدا نہیں ہوتے، علاوہ ازیں صحابہ کرام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرنے کا شوق بھی بہت تھا۔ اس لیے راجح مذہب تو یہ ہے کہ اگر صحابی کہے کہ ہم فلاں کام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمان شریف میں کیا کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جب دوسرے صحابۂ کرام کے بارے میں یہ حکم ہے تو حضرت ابو بکر کی آل کے بارے

یہ حکم کیوں نہ ہوگا؟ امام طحاوی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ گھوڑے کا گوشت کھانے کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں، صاحبین اور دیگر ائمہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس کے حلال ہونے کے بارے میں وارد احادیث متواترہ سے استدلال کیا ہے (اھ)

بعض تابعین نے اس کا حلال ہونا صحابہ کرام سے مطلقاً بغیر کسی استثناء کے نقل کیا ہے ابن ابی شیبہ نے شرط شیخین کے مطابق سند صحیح سے حضرت عطاء سے روایت کیا کہ تمہارے اسلاف ہمیشہ اسے کھایا کرتے تھے ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ کیا سلف سے آپ کی مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! میری مراد صحابہ کرام ہی ہیں، البتہ اس کی کراہت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک روایت ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے دو ضعیف سندوں سے نقل کیا ہے۔ اکابر علمائے مالکیہ میں سے ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ جواز کی دلیل واضح ہے۔ لیکن امام مالک کے مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر گھوڑے جہاد میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن یہ بات خارج از بحث ہے، اس میں کلام نہیں ہے۔ ایسا جانور جو بالاتفاق جائز ہو، اس کے بارے میں اگر کوئی ایسا امر پیدا ہو جائے کہ اس جانور کے ذبح کرنے سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب لازم آئے تو اس کا ذبح کرنا ممنوع ہو جائے گا، حالانکہ ضروری نہیں کہ اس کی حرمت کا قول کیا جائے (اھ)

بعض تابعین کہتے ہیں کہ اگر گھوڑا حلال ہوتا تو اس کی قربانی جائز ہوتی، ان کا یہ قاعدہ بہت سے وحشی حیوانات سے ٹوٹ جائے گا جن کا کھانا جائز ہے مگر ان کی قربانی جائز نہیں ہے۔ حضرت خالد بن ولید کی حدیث امام ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا، وہ حدیث ضعیف ہے، اگر اس کا ثابت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو وہ حضرت جابر کی حدیث کے معارض نہیں بن سکتی جو جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، حضرت خالد بن ولید کی حدیث کو امام احمد، بخاری، دارقطنی، خطابی، ابن عبدالبر اور عبدالحق وغیرہم نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض محدثین نے کہا کہ حضرت جابر کی حدیث حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا: رَخَّصَ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رخصت دی) کیونکہ رخصت کا معنیٰ ہے مانع کی موجودگی میں حرام کو مباح قرار دینے کی اجازت، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیبر میں صحابہ کرام کو شدید بھوک لاحق تھی اس لیے انہیں اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا یہ حدیث مطلقاً جائز ہونے پر دلالت نہیں کرے گی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اکثر روایات میں اذان کا لفظ آیا ہے جیسے کہ مشکوٰۃ شریف میں مذکور صحیحین کی حدیث میں ہے۔

نیز اگر گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت اور اس کی رخصت شدید بھوک کی بناء پر ہوتی تو پالتو گدھوں

کی اجازت بطریق اولیٰ ہونا چاہیے تھی اور وہ قرین قیاس بھی تھی کیونکہ گدھے بکثرت تھے اور گھوڑے قلیل مقدار میں تھے، اس لیے حدیث کا مفاد یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت، عام اباحت کی بنا پر تھی۔ خاص طور پر ضرورت کی بنا پر تھی، منع کرنے والے حضرت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت) علماء نے اس کا جواب بھی دیا ہے، اس مسئلے پر مکمل گفتگو شرح میں کی گئی ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۳۹۲۸ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَعَقَرَهٗ[۵] فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَيْءٌ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک وحشی گدھا دیکھا اور اسے زخمی کرکے ہلاک کر دیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے؟ عرض کیا ہمارے پاس اس کا پایہ ہے، آپ نے لے کر تناول فرمایا۔[۱] (صحیحین)

[۱] یہ حدیث اور اس کے احکام کتاب حج کے اس باب میں مذکور ہیں جس میں محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کھانے کا بیان ہے۔

۳۹۲۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا[۶] اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا فَقَبِلَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے مرّ الظہران[۱] میں ایک خرگوش کو بھگایا اور میں اسے پکڑ کر حضرت ابو طلحہ کے پاس لایا، انہوں نے اسے ذبح کیا اور اس کی سرین اور دونوں رانیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں جو آپ نے قبول کرلیں[۲]۔ (صحیحین)

[۱] مرّ الظہران میم پر زبر را مشدد، نقطے والی ظا پر زبر اور ہا ساکن (جگہ کا نام) نفخ نون، فا اور جیم خرگوش کا چھلانگ لگانا اور دوڑنا انفاج بھڑکانا اور دوڑانا۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ خرگوش جسے ارنب کہتے ہیں حلال ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ خرگوش کے

کھانے میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔

۳۹۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الضَّبُّ لَسْتُ اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گوہ کھاتا ہوں اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتا ہوں[۱]۔ (صحیحین)

[۱] ضب نقطے والے ضاد کے ساتھ، امام شافعی اور احمد کے نزدیک اس حدیث کی بنا پر گوہ کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم کھاؤ کہ یہ حلال ہے۔ لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ گوہ کے حلال ہونے اور مکروہ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے سوائے اس کے جو امام ابو حنیفہ کے اصحاب سے مروی ہے، ہمارے نزدیک حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت عائشہ نے اس کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ دوسری فصل میں حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کی روایت سے آئے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا، مختصر یہ کہ جب احادیث میں اختلاف ہے تو احتیاط اس کے نہ کھانے میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہی ناسخ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضب مشہور جانور ہے، اسی طرح قاموس میں ہے صراح میں ہے ضب گوہ، علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ضب زمین پر چلنے والا چھوٹا اور لطیف جانور ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نر کے دو عضو تناسل ہوتے ہیں۔ جن کی جڑ ایک ہوتی ہے وہ سات سو سال تک زندہ رہتا ہے اور پانی نہیں پیتا بلکہ ہوا پر اکتفا کرتا ہے۔ چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے، اور اس کے دانت نہیں گرتے۔ شیخ الاسلام کے رسالہ قصیدیہ میں ہے ضب ضاد کی زبر کے ساتھ فارسی میں سوسمار کہتے ہیں۔ وہ پانی نہیں پیتا۔ ہوا اور ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔ اس کی مادہ ستر انڈے دیتی ہے کہتے ہیں کہ سات سو سال تک زندہ رہتا ہے، اس کے نر کے دو عضو تناسل ہوتے ہیں اور مادہ کی دو شرمگاہیں ہوتی ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک گوہ نے فصیح زبان کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔

۳۹۳۱/۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے انہیں بیان کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهٗ وَ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ الضَّبُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهٗ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهٗ فَاَكَلْتُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيَّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ہمراہ حضرت میمونہ[1] کے پاس گئے وہ ان کی اور ابن عباس دونوں کی خالہ ہیں۔ تو ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ پائی[2] انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں گوہ پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک گوہ سے اٹھا لیا[3]۔ حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں۔ یہ ہماری قوم کی زمین میں نہ تھی تو میں اپنے آپ کو اس حال میں پاتا ہوں کہ اسے کروہ جانتا ہوں[4]۔ حضرت خالد نے فرمایا: میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کھایا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے[5]

(مسلم، بخاری)

[1] ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[2] حضرت خالد بن ولید نے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ______ حنذ بے نقطہ حا، نون اور نقطے والی ذال، گرم پتھر، گوشت پر رکھ دینا یہاں تک کہ وہ پک جائے اور اس کے گوشت کو حنیذ کہتے ہیں۔

[3] اور اس کے کھانے سے انکار کیا۔

[4] طبعی کراہت سے، لیکن اسے حرام نہیں فرمایا کیونکہ اس کے بارے میں کوئی وحی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

[5] اور مجھے منع نہیں فرمایا۔ اگرچہ حضرت خالد بھی اسی زمین (مکہ مکرمہ) سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہیں طبعی کراہت لاحق نہیں ہوئی۔

۳۹۳۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغ[1] کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا۔
(صحیحین)

[1] قاموس میں ہے کہ لفظ دجاج کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر کرتے ہیں۔ دال پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، علامہ سیوطی نے فرمایا: بعض علماء نے کہا نر کے لیے دال کی زیر کے ساتھ اور مادہ کے لیے زبر استعمال کرتے ہیں۔

۳۹۳۳ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ کُنَّا نَاْکُلُ مَعَہُ الْجَرَادَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو اوفیٰ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں سات غزوات میں حصہ لیا۔ ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھایا کرتے تھے[2]۔
(صحیحین)

[1] حضرت ابو اوفیٰ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یہ حدیث امام ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ امام مسلم کی روایت میں لفظ معہ نہیں ہے اور اکثر روایات اس زیادتی سے خالی ہیں، جن حضرات نے اس زیادتی کا ذکر کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتے تھے اور ٹڈی کھاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اکٹھے کھایا کرتے تھے یہ مطلب اگرچہ ظاہر لفظ کے خلاف ہے، لیکن ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ٹڈی تناول نہیں فرمائی اور فرمایا کہ نہ تو ہم کھاتے ہیں اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتے ہیں۔

۳۹۳۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَیْشَ الْخَبَطِ وَاُمِّرَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِیْدًا فَاَلْقَی الْبَحْرُ حُوْتًا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جیش الخبط[1] (پتوں والے لشکر) میں جہاد کیا، حضرت ابو عبیدہ[2] امیر بنائے گئے تھے۔ ہمیں سخت بھوک لاحق

مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَ اَبُوْعُبَيْدَةَ عَظْمًا مِّنْ عِظَامِهٖ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَ اَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَاَكَلَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہوئی، سمندر نے اتنی بڑی مردہ مچھلی کنارے پر ڈال دی کہ اس جیسی مچھلی ہم نے نہیں دیکھی تھی[۳] اسے عنبر[۴] کہا جاتا ہے۔ ہم اس سے نصف ماہ[۵] تک کھاتے رہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اس کی ایک ہڈی[۶] کھڑی کی تو سوار اس کے نیچے سے گزر گیا[۷]۔ جب ہم آئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: وہ رزق کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا[۸] اور تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ[۹]۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا کچھ حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔

(صحیحین)

[۱] جیش الخبط نقطے والی خاء اور باء دونوں پر زبر، باء ساکن بھی کہی ہے، وہ پتے جو درخت پر لاٹھی کے مارنے سے زمین پر گرتے ہیں، اس جہاد کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ مجاہدین حالت اضطرار میں درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ منہ اور ہونٹ زخمی ہو گئے اور اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہو گئے، اس جہاد کو غزوہ سیف البحر بھی کہتے ہیں سین کے نیچے زیر اور یاء ساکن سمندر کا کنارہ جو مدینہ منورہ سے پانچ رات کی مسافت پر تھا۔ یہ غزوہ ۶ھ صلح حدیبیہ سے پہلے تھا۔

[۲] حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس امت کا امین فرمایا۔

[۳] بعض روایات میں مچھلی کا نام ہے بغیر آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام نے دریا کے کنارے ایک جانور پایا۔

[۴] ایک روایت میں ہے دابۃ العنبر وہ جانور جس کا نام عنبر ہے، یہ بڑی مچھلی ہے جس کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں۔ بعض اوقات اس ڈھال کو بھی عنبر کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اسے دابۃ العنبر اس لیے کہتے ہوں کہ مشہور خوشبو عنبر اسی سے پیدا ہوتی ہو۔ قاموس میں ہے کہ عنبر سمندری جانور کی خوشبودار لید ہے یا یہ سمندری چشمے سے نکلتی ہے۔ ایک سمندری مچھلی کا نام بھی ہے جس کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں۔

۵۵ ایک روایت میں ہے کہ ہم اسے ایک ماہ تک کھاتے رہے۔ لشکر میں تین سو سے زیادہ افراد تھے۔

۵۶ جو پسلو کی ہڈی ہوگی۔

۵۷ سنن کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ہڈی کھڑی کی، پھر طویل ترین اونٹ منتخب کیا جو اس کے نیچے سے گزر گیا۔

۵۸ یعنی تم نے اسے کھا کر بہت اچھا کیا۔ مزید اگر موجود ہو تو وہ بھی کھاؤ یا یہ مطلب ہو کہ اگر تم اس جنس کا مزید رزق پاؤ تو اسے بھی کھاؤ۔

۵۹ یعنی اگر اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، یہ بات ان کے دلوں کو خوش کرنے اور اس مچھلی کی حلت کی تاکید کے لیے فرمائی، یا اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے فرمائی کیونکہ وہ ایسا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر عطا فرمایا تھا۔

۳۹۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ [۱۲] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهٗ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَّ فِی الْاٰخَرِ دَاءً۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے پوری کو ڈبو دے [۱] پھر اسے پھینک دے [۲]۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے [۳]۔

(بخاری)

۱ یعنی اسے برتن میں غوطہ دے، خواہ اس میں پانی ہو یا کھانا، غمس کسی چیز کو پانی میں ڈبونا۔

۲ طرح کسی چیز کو دور پھینکنا، پہلے دونوں حرفوں پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے وہ جگہ جو دور ہے۔

۳ دوسری نقل کے آخر میں یہ اضافہ ہے۔ وَاِنَّهٗ يُقَدِّمُ الدَّاءَ عَلَى الدَّوَاءِ کیونکہ وہ بیماری کو شفا سے پہلے لاتی ہے۔ یعنی وہ پر جس میں بیماری ہے اسے پہلے ڈبوتی ہے اس لیے اسے ڈبونا چاہیے تاکہ دوا والا پر بھی ڈوب جائے۔ بیماری کو دور کرے اور نقصان نہ پہنچائے [۱]۔

---

۱ بعض علماء نے بیان کیا کہ جس چیز میں مکھی پڑ جائے اس کے کھانے سے انسان طبعاً کراہت (البقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

۳۹۳۶/۱۳ وَعَنْ مَيْمُونَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِىْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَ كُلُوْهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چوہیا گھی میں گر کر مرگئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا[۲] تو آپ نے فرمایا: اسے اور اس کے آس پاس کے گھی کو پھینک دو اور باقی گھی کھالو۔[۳]

(بخاری)

[۱] فارۃٌ پہلے فاء، راء مخفف، ہمزے کے ساتھ (فَأْرَةٌ) اور بغیر ہمزہ کے (فَارَةٌ) دونوں لغتیں ہیں۔ سمن سین پر زبر، میم ساکن، گھی صراح میں ہے سمن روغن مسکہ، گھی۔

[۲] کہ جس گھی میں چوہیا مرگئی ہے کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

[۳] روغن زیتون چونکہ منجمد نہیں ہوتا اس لیے وہ سارا پلید ہو جائے گا۔ اکثر ائمہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز نہیں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز ہے۔ اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے چراغ جلانے اور کشتیوں پر ملنے وغیرہ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے لیکن مکروہ ہے، امام مالک اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ (ایک کے مطابق جائز دوسری کے مطابق ناجائز) امام مالک سے ایک روایت ہے کہ اسے مسجد کے چراغ میں جلانا جائز نہیں ہے۔

۳۹۳۷/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَاقْتُلُوْا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَ الْاَبْتَرَ فَاِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سانپوں کو قتل کر دو، دو دھاری[۱] والے اور بنڈے کو قتل کر دو۔ کیونکہ یہ دونوں بینائی ختم کر دیتے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محسوس کرتا ہے، طبعی کراہت کے باوجود جب آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے اسے کھائے گا تو اس کے نفس کی بیماری دور ہوگی اور اسے صفائے باطن حاصل ہوگی۔

(۱۲ قادری)

اَلْبَصَرَ وَ يَسْتَسْقِطَانِ الْحَبَلَ قَالَ عَبْدُ اللهِ فَبَيْنَا اَنَا اُطَارِدُ حَيَّةً اَقْتُلُهَا نَادَانِي اَبُوْ لُبَابَةَ لَا تَقْتُلْهَا فَقُلْتُ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فَقَالَ اِنَّهٗ نَهٰى بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُيُوْتِ وَ هُنَّ الْعَوَامِرُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حمل گرا دیتے ہیں[۴]، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سانپ کو قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کر رہا تھا[۵] کہ مجھے حضرت ابو لبابہ[۶] نے پکارا کہ اسے قتل نہ کرو، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپوں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے[۷]، انہوں نے فرمایا: اس کے بعد[۸] حضور نے گھروں میں رہنے والوں سے منع فرمایا اور یہ گھروں والے ہیں[۹]۔

(صحیحین)

[۱] طفیہ بے نقطہ طا پر پیش اور فا ساکن، وہ سانپ جس کی پشت پر دو سیاہ لکیریں ہوتی ہیں، طفیہ اصل میں ایک درخت، برگ مقل کا نام ہے، سانپ کی پشت کی لکیروں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[۲] ابتر کا معنی اصل میں قطع کیا ہوا ہے، اس سانپ کو ابتر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔

[۳] یہ دونوں سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ صرف ان کی طرف دیکھنے سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔

[۴] یعنی حاملہ عورت انہیں دیکھے تو خوف یا ان کی زہر کی خاصیت کی بنا پر حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ یَسْتَسْقِطَانِ کا معنی ہے کہ وہ دونوں طلب سقوط کرتے ہیں، اس میں مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گویا وہ طلب سقوط کرتے ہیں۔

[۵] صراح میں ہے مُطَارَدَۃٌ ایک دوسرے پر حملہ کرنا، یہ طَرْدٌ سے بنا ہے جس کا معنی بھگانا اور دور کرنا ہے۔

[۶] حضرت ابو لبابہ مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[۷] آپ مجھے اس سے کس طرح منع کرتے ہیں؟

[۸] یعنی حکم دینے کے بعد

[۹] یہ سانپ جو گھروں میں ہوتے ہیں یہ گھروں کے باشندے ہیں، بعض شارحین نے فرمایا عَوَامِرُ ان کی لمبی عمروں کی بنا پر فرمایا، بعض حضرات نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ یہ سانپ نہیں ہیں بلکہ جنات کی ایک قسم سے تعلق رکھتے ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں۔

۳۹۲۸/۱۵ وَعَنْ اَبِي السَّائِبِ حضرت ابو السائب[۱] فرماتے ہیں کہ ہم حضرت

قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ فَبَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ اِذْ سَمِعْنَا تَحْتَ سَرِیْرِہٖ حَرَکَۃً فَنَظَرْنَا فَاِذَا فِیْہِ حَیَّۃٌ فَوَثَبْتُ لِاَقْتُلَھَا وَاَبُوْ سَعِیْدٍ یُصَلِّیْ فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ اَجْلِسَ فَجَلَسْتُ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَشَارَ اِلٰی بَیْتٍ فِی الدَّارِ فَقَالَ اَتَرٰی ھٰذَا الْبَیْتَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ کَانَ فِیْہِ فَتًی مِّنَّا حَدِیْثُ عَھْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْخَنْدَقِ فَکَانَ ذٰلِکَ الْفَتٰی یَسْتَاْذِنُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنْصَافِ النَّھَارِ فَیَرْجِعُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاسْتَاْذَنَہٗ یَوْمًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ عَلَیْکَ سِلَاحَکَ فَاِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکَ قُرَیْظَۃَ فَاَخَذَ الرَّجُلُ سِلَاحَہٗ ثُمَّ رَجَعَ فَاِذَا امْرَاَتُہٗ بَیْنَ الْبَابَیْنِ

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے ان کی چارپائی کے نیچے حرکت کی آواز سنی، دیکھا تو اس میں ایک سانپ تھا میں نے اسے مارنے کے لیے چھلانگ لگائی، حضرت ابو سعید نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں بیٹھ گیا، جب وہ پلٹے تو انہوں نے گھر کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا تم اس کمرے کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: اس میں ہمارا ایک جوان رہتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی طرف نکلے تو وہ نوجوان دوپہروں کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی بیوی کے پاس چلے جاتے تھے ایک دن انہوں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہتھیار اپنے جسم پر سنبھالو، کیونکہ مجھے تم پر بنو قریظہ کی شرارت کا خوف ہے۔ اس شخص نے اپنا ہتھیار لے لیا پھر وہ لوٹ گیا۔ اچانک دیکھا کہ اس کی بیوی دو دروازوں کے درمیان کھڑی ہوئی ہے۔ اس نے مارنے کے لیے اس کی طرف نیزہ بڑھایا، اسے

قَائِمَةٌ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ لِيَطْعَنَهَا وَ اَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ فَقَالَتْ اُكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَ ادْخُلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَ مَا الَّذِیْ اَخْرَجَنِیْ فَدَخَلَ فَاِذَا بِحَيَّةٍ عَظِيْمَةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهٖ خَرَجَ فَرَكَزَهٗ فِی الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ فَمَا يُدْرٰی اَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعَ مَوْتًا اَلْحَيَّةُ اَمِ الْفَتٰى قَالَ فَجِئْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهٗ وَ قُلْنَا اُدْعُ اللّٰهَ يُحْيِيْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتِ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهَا ثَلَاثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَ اِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَ قَالَ لَهُمْ اذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ وَ فِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ

غیرت آ گئی[۵] خاتون نے کہا اپنا نیزہ روک لو اور گھر میں داخل ہو کر دیکھ لو کہ مجھے کس چیز نے نکالا ہے؟ وہ اندر داخل ہوئے تو اچانک دیکھا کہ ایک بڑا سانپ بستر پر کنڈلی مارے ہوئے (لہرا رہا ہے) انہوں نے اس پر نیزے کا وار کیا اور اسے نیزے میں پرو لیا[۶] پھر نکل کر نیزے کو گھر میں گاڑ دیا[۷]۔ سانپ نے تڑپ کر ان پر حملہ کیا، معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کس کی موت واقع ہوئی[۸] سانپ کی یا اس نوجوان کی، فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا اور عرض کیا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمارے لیے زندہ فرما دے[۹]، آپ نے فرمایا: اپنے ساتھی کے لیے دعائے مغفرت کرو[۱۰] پھر فرمایا: ان گھروں میں (جنات) رہتے ہیں[۱۱]، جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو اس پر تین دن تنگی کرو، اگر چلا جائے تو (فبہا) ورنہ اسے مار دو کہ وہ کافر ہے[۱۲] اور صحابہ کرام[۱۳] کو فرمایا جاؤ اور اپنے ساتھی کو دفن کر دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا مدینہ منورہ میں کچھ جنات اسلام لا چکے ہیں جب تم ان میں سے کسی چیز کو دیکھو تو اسے

بِالْمَدِیْنَۃِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَیْتُمْ مِّنْھَا شَیْئًا فَاٰذِنُوْہُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَاِنْ بَدَا لَکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاقْتُلُوْہُ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تین دن اطلاع (وارننگ) دو، اگر اس کے بعد تمہارے سامنے آئے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہے۔

(مسلم)

لہ ابوالسائب، بنو زہرہ کے آزاد کردہ غلام تابعی، مدنی اور ثقہ ہیں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

لہ مراح میں ہے اشارات کا معنی ہے ہاتھ سے منع کرنا۔

لہ جہاں غزوۂ احزاب ہوا تھا۔

لہ کیونکہ نوشادی شدہ تھے۔

ھ قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو اس جنگ میں قریش کے ساتھ اتحاد کر کے جنگ کے لیے آیا ہوا تھا۔

لہ یعنی اپنے گھر چلا گیا۔

لہ اندرونی اور بیرونی دروازوں کے درمیان۔

ہ کہ یہ باہر آ کر کیوں کھڑی ہے؟

لہ جیسے دھاگہ موتی میں پرو دیا جاتا ہے۔

نلہ مراح میں ہے رکز ابتدا میں مارا اور آخر میں زاد، زمین میں نیزے کا گاڑ دینا۔

للہ یعنی دونوں ایک ساتھ موت کی آغوش میں پہنچ گئے، یہاں تک کہ پتا نہ چلا کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی ہے؟

لہ محدثین فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی یہ عادت نہ تھی کہ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز طلب کریں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ اس جوان کی موت حقیقی نہیں ہے، بلکہ سانپ کے زہر کے اثر سے طاری ہونے والی بے ہوشی ہے، اس سے قطع نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، خرق عادت کی تمام قسموں کو شامل ہیں۔

اَحْیِیْ اسْمَہٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

داپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ لائق تھا کہ آپ کا نام لینے سے بوسیدہ ہڈیاں زندہ ہو جائیں۔

سلہ یعنی زندہ کیے جانے کی دعا کا مطالبہ کیا کرتے ہو؟ ان کی بخشش کی دعا مانگو کیونکہ ان کے لیے فائدہ مند یہ ہے کہ ان کی مغفرت کی دعا کی جائے نہ کہ زندہ کیے جانے کی دعا کیونکہ وہ اپنے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔

سلہ مومن بھی اور کافر بھی۔

ھلہ تین بار یا تین دن۔ ——— جیسے دوسری روایت میں آیا ہے کہ انہیں باہر نکالو اور ان کے مارنے میں جلدی نہ کرو اور کہو کہ ہمارے اس پاس نہ پھرو، باہر نہ آؤ اور تکلیف نہ دو۔ ہم نے تمہیں خبردار کر دیا ہے، اگر اس کے بعد باہر آؤ گے اور تکلیف دو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے، آگے تم جانو اور تمہارا کام، اگر چلا جائے تو بہتر اور اگر واپس آئے تو مار ڈالو جیسے اس کے بعد فرمایا۔

ملہ اس کا تعلق کافر جنوں کے ساتھ ہے۔

ےلہ اس صحابی کی قوم۔

ثلہ بعض نسخوں میں منکم اور بعض میں منھا ہے۔

ولہ یعنی کافر ہے۔

۳۹۳۹/۱۶ وَعَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَ قَالَ كَانَ يَنْفُخُ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام شریکؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گرگٹؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونکیں مارتا تھاؓ۔ (صحیحین)

لہ ام شریک شین پر زبر، راء کے نیچے زیر، ایک صحابیہ انصاریہ ہیں اور دوسری بنو لوئی بن غالب سے قریشیہ عامریہ ہیں وہ بھی صحابیہ ہیں۔ اس لیے یہ معلوم کرنے کی حاجت نہیں ہے کہ اس جگہ کونسی خاتون مراد ہیں؟

ےلہ وزغ پہلے واؤ پھر نقطے والی زاء دونوں پر زبر، ایک جانور جسے فارسی میں سام ابرص (گرگٹ) کہتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سام ابرص بڑے گرگٹ کو کہتے ہیں، وزغ دوسرا حرف ساکن، اس کا معنی رعشہ ہے، اس جانور کا نام وزغ اس لیے رکھا گیا کہ یہ ہلکا پھلکا رہتا ہے۔ اور تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ چار پاؤں والا جانور ہے جو گھاس کی جڑوں میں دوڑتا رہتا ہے۔

سلہ جب انہیں نمرود نے آگ میں ڈالا تھا، دوسری حدیث میں ہے کہ اگر بیت المقدس کو آگ لگ جائے تو یہ اس

میں پھونکیں مارے گا۔ آدمیوں کے کھانے اور پانی میں اس کی وجہ سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے، تجربہ سے یہ حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔

۳۹۴۰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَ سَمَّاهُ فُوَيْسِقًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام چھوٹا فاسق[1] رکھا۔ (مسلم)

[1] فُوَیْسِق تصغیر ہے فاسق کی مطلب یہ ہے کہ وہ ان پانچ فاسق جانوروں کی نظیر ہے جنہیں حرم کے اندر اور باہر قتل کیا جاتا ہے، لغت میں فسق کا معنی نکلنا ہے، شریعت میں اس سے مراد اطاعت اور راہ حق سے نکلنا ہے۔

۳۹۴۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِيْ اَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّ فِي الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ وَفِي الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گرگٹ کو پہلی ضرب سے مار دیا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دوسری ضرب سے مارا تو اس سے کم اور تیسری ضرب سے اس سے کم (مسلم)

۳۹۴۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَاُحْرِقَتْ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ اَنْ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چیونٹی نے اللہ تعالےٰ کے ایک نبی کو کاٹ لیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کی بستی جلا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ

فَقَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِّنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ایک چیونٹی کے کاٹنے پر تم نے تسبیح کرنے والی ایک امت کو جلا دیا۔ (صحیحین)

لہ قرص پہلے قاف اور آخر میں بے نقطہ صاد، کپڑے کو بڑے کا کاٹ لینا۔

لہ مرقاۃ میں امر صیغہ معروف قرار دیا گیا ہے جب کہ حضرت شیخ محقق نے اس جگہ صیغہ مجہول کا ترجمہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں) ۱۲ قادری) حکم کیا گیا کہ چیونٹیوں کی بستی جلا دی جائے ظاہر یہ ہے کہ یہ جلانا اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً اس فعل کی نسبت ان کی طرف کرنے سے اجتناب کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے حکم دیا۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے بعض اصحاب نے یہ حکم دیا ہوگا جس میں نبی علیہ السلام کی اجازت اور رضا شامل رہی ہوگی اسی لیے فرمایا: أَحْرَقْتَ (تم نے جلادی) چیونٹیوں کی بستی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں چیونٹیاں رہتی تھیں۔

سه ازراہِ عتاب

سه اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی ——— یہ عتاب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیغمبر علیہ السلام پر کہتے ہیں کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی شریعت میں چیونٹیوں کا مارنا اور جلانا جائز تھا، عتاب اس لیے ہوا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ چیونٹیوں کو جلا دیا، ہماری شریعت میں جانور کو جلانا جائز نہیں ہے جوں وغیرہ جانداروں کا بھی یہی حکم ہے۔ مطالب المؤمنین میں چیونٹی کے مارنے کے بارے میں محمد بن مسلم کا قول ہے کہ اگر تمہیں ایذا رسانی کرے تو اسے مار دو ورنہ نہ مارو، فقیہ ابو اللیث نے فرمایا یہی ہمارے نزدیک مختار ہے اور ہم یہی فتویٰ دیتے ہیں۔ چیونٹی کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے، ایک چیونٹی کی وجہ سے ان کے گھر نہ جلائے جائیں، اسی طرح جامع الفقہ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۳۹۴۳ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِي السَّمْنِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گھی میں چوہیا گر جائے تو اگر وہ منجمد ہے تو اس چوہیا اور اس پاس کے گھی کو پھینک دو اور اگر رقیق ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ — (امام احمد، ابوداؤد)

وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ) — امام دارمی نے یہ حدیث ابن عباس سے روایت کی۔

لہ یعنی اسے نہ کھاؤ، چراغ میں اس کے جلانے میں اختلاف ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ فَلَا تَقْرَبُوْهُ کے ظاہر الفاظ میں مبالغہ ہے کہ کسی طرح اس کے قریب نہ جاؤ، نہ اسے خریدو اور نہ ہی اسے بیچو اور نہ ہی اسے چراغ میں جلاؤ وغیرہ ذٰلک[1]، لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

۳۹۴۴ وَعَنْ سَفِينَةَ قَالَ أَكَلْتُ[21] مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارَى.

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کونج لہ کا گوشت کھایا۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ) — (ابوداؤد)

لہ حباری بے نقطہ حا پر پیش، بامخففہ، مشہور پرندے کا نام[2]۔

۳۹۴۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى[22] رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے نجاست کھانے والے جانور لہ اور ان کے دودھوں سے منع فرمایا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ — (ترمذی) ابوداؤد کی روایت میں ہے

لہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں، گھی ناپاک ہو گیا اب پاک کیے اس کا کھانا حرام ہے، پاک کرنے کے تین طریقے ہیں ایک یہ کہ اتنا ہی پانی اس میں ملا کر جنبش دیتے رہیں یہاں تک کہ سب گھی اوپر آجائے اسے اتار لیں اور دوسرا پانی اسی قدر ملا کر یونہی کریں، پھر اتار کر تیسرے پانی سے اسی طرح دھوئیں، اور اگر گھی سرد ہو کر جم گیا ہو تو تینوں بار اس کے برابر پانی ملا کر جوش دیں یہاں تک کہ گھی اوپر آجائے اتار لیں اقول، جوش دینے کی پہلی ہی بار حاجت ہے پھر تو گھی رقیق ہو جائیگا اور پانی ملا کر جنبش دینا کفایت کرے گا۔ باقی دو طریقے فتاویٰ رضویہ (طبع میرٹھ) جلد ۲ ص ۱۱۸ میں ملاحظہ ہوں۔

لہ غیاث اللغات میں ہے کہ ایک پرندہ ہے، مرغابی کے برابر۔ اس کا رنگ زرد اور سیاہ ہوتا ہے۔ فارسی میں اسے چرز کہتے ہیں، مرآۃ میں اس کا معنیٰ بٹیر لکھا ہے جو تسامح معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ قادری

اَبِیْ دَاوٗدَ وَقَالَ نَهٰی رُكُوْبِ الْجَلَّالَةِ) | کہ نجاست کھانے والے جانور کی سواری سے منع فرمایا[1]

[1] جلالہ جیم پر زبر اور لام مشدد ——— اصل میں اس گائے کا نام ہے جو نجاستیں کھاتی ہو، صراح میں ہے جلالہ پلیدی کھانے والی مادہ گائے، اس جگہ پلیدی کھانے والا جانور مراد ہے۔ جانور اگر کبھی کبھار گندگی کھاتا ہو تو حرج نہیں ہے اور اگر اکثر طور پر اس کی خوراک ہو یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ میں بدبو آتی ہو تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا اور اگر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو بھی حرج نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے کچھ وقت بند کر دیا جائے تاکہ اس کا گوشت اور دودھ صاف ہو جائے اس کے بعد اس کا دودھ پیا جائے اور اسے ذبح کیا جائے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے امام مالک کے نزدیک اس کے بعد گوشت کو خوب اچھی طرح دھویا جائے، فقہ کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مرغی کو تین دن اور گائے کو دس دن باندھ کر رکھیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مرغی کو تین روز بند کر کے رکھتے تھے[1]

[2] کیونکہ اس کے گوشت سے پیدا ہونے والا پسینہ بھی گندہ اور پلید ہوگا۔

٣٩٢٦ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ اَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) | حضرت عبد الرحمن بن شبل[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کے گوشت کے کھانے سے منع فرمایا[2] (ترمذی)

[1] عبد الرحمن بن شبل نقطے والے شین کے نیچے زیر، باء ساکن، نقیب انصاری صحابی ہیں، اہل مدینہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[2] یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ نہی سابقہ اباحت کی ناسخ ہو۔

٣٩٢٧ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ اَكْلِ الْهِرَّةِ وَ | حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے اور اس کی قیمت کھانے

---

[1] کہتے ہیں کہ پولٹری فارم کی مرغی کی خوراک میں ذبح کے وقت نکلنے والا خون بھی شامل ہوتا ہے اور وہ ناپاک ہے تو اس مرغی کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ۱۲ قادری۔

اَکْلِ ثَمَنِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

سے منع فرمایا[1] (ابوداؤد، ترمذی)

[1] یعنی اسے بیچ کر اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا، بلی کا کھانا اتفاقی حرام ہے تاہم اسے فروخت کرنے اور اس کی قیمت کھانے کے جائز ہونے میں اختلاف ہے جیسے کہ کتاب البیع میں بیان ہوا۔

۳۹۴۸/۲۵ وَعَنْهُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِیْ يَوْمَ خَيْبَرَ اَلْحُمُرَ الْاِنْسِيَّةَ وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَكُلَّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں[1]، خچروں کے گوشتوں ہر کیلوں والے درندے اور ہر پنجے والے پرندے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

انہوں نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حُمُر پہلے دونوں حرفوں پر پیش جمع ہے حمار کی اور اس کی جمع حُمْر میم ساکن کے ساتھ ہے۔ انسیۃ ہمزہ کے نیچے زیر منسوب ہے اِنس یعنی انسان کی طرف، ہمزہ پر پیش بھی پڑھتے ہیں، وحشت کی ضد اُنس کی طرف نسبت ہے۔ پہلے دونوں حرفوں پر زبر بھی آئی ہے اور یہ بھی انسان کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب پہلی فصل میں گزر گیا، دونوں جگہ لفظ کل نصب اور جر کے ساتھ مروی ہے۔

۳۹۴۹/۲۶ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گھوڑوں اور گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا[1] (ابوداؤد، نسائی)

[1] اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی جو حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ البتہ

گدھوں اور خچروں کے کھانے سے ممانعت اتفاقی ہے اور اس کے معارض کوئی روایت نہیں ہے۔

۳۹۵۰ / ۲۷ وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَاَتَتِ الْيَهُوْدُ فَشَكَوْا اَنَّ النَّاسَ قَدْ اَسْرَعُوْا اِلٰى حَضَائِرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَحِلُّ اَمْوَالُ الْمُعَاهِدِيْنَ اِلَّا بِحَقِّهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا، یہودیوں نے آکر شکایت کی کہ لوگوں نے ان کی سرسبز کھجوروں کی طرف[1] جلدی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! معاہدہ کرنے والوں کے اموال حلال نہیں ہیں۔ مگر ان کے[2] حقوق میں۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی ایسے درختوں کی طرف جلدی کی ہے جن کی کھجوریں بحالت سبزی گر رہی ہیں۔ حضائر خاء اور ضاد دونوں پر نقطہ خضرۃ کی جمع، وہ کھجوریں جن کا کچا بسری کی حالت میں گر جاتے (جن کے پھل پکے اور ہرے ہوں)

[2] یعنی ان لوگوں کے اموال جن کے ساتھ معاہدہ کیا جا چکا ہے۔ مراد ذمی ہیں۔

[3] یعنی اموال کے حقوق میں، معاہد اگر ذمی ہے تو اس کے مال کا حق جزیہ ہے اور اگر مستامن ہے تو تجارت کا ٹیکس۔

۳۹۵۱ / ۲۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ اَلْمَيْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردے[1] اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردے مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں[2]۔ (امام احمد، ابن ماجہ دارقطنی)

[1] جو ذبح کے بغیر مر گئے ہوں۔

[2] یہ دونوں خون کے مشابہ ہیں اور منجمد خون کے ہم رنگ ہیں۔

۳۹۵۲/۲۹ وَعَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَلْقَاهُ الْبَحْرُ اَوْ جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءَ فَكُلُوْا وَ مَا مَاتَ فِيْهِ وَ طَفَا فَلَا تَاْكُلُوْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَ قَالَ مُحْيُ السُّنَّةِ الْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰى جَابِرٍ۔

ابوالزبیر[1] حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو سمندر پھینک دے یا اس سے اپنا پانی سمیٹ[2] لے تو اسے کھاؤ اور جو اس میں مر جائے اور تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ[3]۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

محی السنۃ نے فرمایا اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف[4] ہے۔

[1] ابوالزبیر زاء پر پیش، باء پر زبر ان کا نام محمد بن مسلم ہے حضرت حکیم بن حزام کے آزاد کردہ غلام، تابعی، ثقہ، حافظ اور وسیع علم رکھنے والے ہیں، ابوحاتم نے کہا کہ ان سے استدلال نہیں کیا جاتا، حضرت عائشہ، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبہ اور امام مالک اور سفیان ثوری روایت کرتے ہیں ۱۲۸ھ میں وصال ہوا۔

[2] قاموس میں ہے جزر مد ہے مد کی اس کا معنی ہے پانی کا کم ہو جانا۔

[3] یہ حدیث طافی (وہ مچھلی جو مر کر پانی پر تیرنے لگے) کے حرام قرار دینے کے سلسلے میں امام اعظم کی دلیل ہے اسی طرح صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے، ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے اُحِلَّتْ لَكُمُ الْمَيْتَتَانِ دو مردہ جانور تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں، لہٰذا دریا کا مردہ جانور حلال ہے، ہم کہتے ہیں کہ دریا کا مردہ، وہ جانور ہے جسے دریا باہر پھینک دے، یا اس کی موت کی نسبت دریا کی طرف ہو، وہ جانور مراد نہیں ہے جو بغیر کسی آفت کے خود بخود مر گیا ہو امام احمد کے نزدیک بھی طافی حلال ہے اسے کھایا جائے گا اور جس مچھلی سے پانی سمٹ گیا ہو وہ بہت عمدہ ہے، بعض حنابلہ نے طافی کو مکروہ قرار دیا ہے۔

[4] یعنی یہ حضرت جابر کا قول اور ان کا مذہب ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، اسی لیے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ امام شافعی اجتہادی مسائل میں اقوال صحابہ کی مخالفت کر لیتے تھے

اور کہتے تھے وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کی تقلید کو واجب مانتے تھے۔

۳۹۵۳ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ اَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَمُحْيِ السُّنَّةِ ضَعِيْفٌ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی[۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے[۲]۔ ہم نہ تو اسے کھاتے ہیں اور نہ ہی حرام کرتے ہیں۔ (ابوداؤد) محی السنۃ نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۱؎ اور اس کے حکم

۲؎ یعنی یہ ایک لشکر ہے جسے اللہ تعالیٰ ان بعض شہروں پر بھیجتا ہے جن سے ناراض ہوتا ہے۔

۳۹۵۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبِّ الدِّيْكِ وَقَالَ اِنَّهٗ يُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت زید بن[۱] خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو گالی دینے سے منع کیا[۲]۔ اور فرمایا کہ وہ نماز کے لیے اطلاع دیتا ہے[۳]۔ (شرح السنۃ)

۱؎ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ کیونکہ بعض اوقات اس کی آواز اچھی نہیں لگتی تو لوگ اسے گالی دیتے ہیں اور بھگا دیتے ہیں۔

۳؎ اس نماز سے تہجد مراد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کی نماز کے لیے اس وقت اٹھتے تھے جب کہ آواز دینے والا یعنی مرغ آواز دیتا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صبح کی نماز مراد ہو کیونکہ مرغ اپنی آواز کے ساتھ اطلاع دیتا ہے کہ صبح کی نماز کا وقت قریب آچکا ہے اور تاکید و تنبیہ کے لیے بار بار اذان دیتا ہے، دیک دال کے نیچے زیر اور یاء ساکن یہ واحد ہے اور اس کی جمع دِیَکَۃٌ دال کے نیچے زیر یاء پر زبر

۳۹۵۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الدِّيْكَ فَاِنَّهٗ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرغ کو گالی نہ دو کیونکہ وہ نماز کے لیے بیدار

يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

۳۹۵۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى[1] قَالَ قَالَ اَبُوْ لَيْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُوْلُوْا لَهَا اِنَّا نَسْئَلُكَ بِعَهْدِ[2] نُوْحٍ وَّ بِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ اَنْ لَّا تُؤْذِيْنَا[3] فَاِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ[1] سے روایت ہے کہ ابو لیلیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رہائش گاہ میں سانپ ظاہر ہو تو اسے کہو کہ ہم تم سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے عہد[2] کی بنا پر سوال کرتے ہیں کہ تم ہمیں تکلیف نہ دو۔ پس اگر پھر آئے تو اسے قتل کر دو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ (عبدالرحمٰن کے والد) ان کی کنیت ابو عیسیٰ اور نام ابو لیلیٰ ہے، ابو لیلیٰ نام کے بہت لوگ ہیں، ان کے نام میں بہت اختلاف ہے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تابعی ہیں۔ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال باقی تھے، اپنے والد، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوایوب انصاری، اور صحابہ کرام کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبی، ابن سیرین اور بہت سے دیگر حضرات روایت کرتے ہیں۔ کوفہ کے تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں ہیں، ان کے شاگرد ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، ثقہ ہیں، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا۔ جو سب انصاری تھے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میرا گمان نہیں ہے کہ عورتوں نے ان جیسا کوئی دوسرا جنا ہوگا۔

[2] عہد کا معنیٰ ہے امان، قسم، معاہدہ اور نصیحت۔

[3] اَنْ لَّا تُؤْذِيْنَا یاء ساکن کے ساتھ صیغہ واحدہ مؤنثہ مخاطبہ، نون محذوف ہے۔

۳۹۵۷ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَعْلَمُهُ اِلَّا

حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، حضرت عکرمہ نے

رَفَعَ الْحَدِیْثَ اَنَّہٗ کَانَ یَاْمُرُ بِقَتْلِ الْحَیَّاتِ وَ قَالَ مَنْ تَرَکَھُنَّ خَشْیَۃَ ثَائِرٍ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

کہا میں ابن عباس کو نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے یہ حدیث مرفوعاً روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سانپوں کے قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا جو انہیں انتقام لینے والے کے ڈر سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(شرح السنۃ)

لہ عکرمہ عین کے نیچے زیر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام
سلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے ہوئے بیان کی، اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی۔
سلہ یعنی اس خوف کی بنا پر نہ مارے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سانپ کا ساتھی کوئی دوسرا سانپ موجود ہو جو مجھ سے انتقام لے، کبھی اس طرح واقع بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی سانپ کو مار دیتا ہے، دوسرا سانپ آکر اسے کاٹتا ہے اور اس سے بدلہ لیتا ہے، اگر مرنے والا نر ہو تو اس کی مادہ آتی ہے اور اگر مادہ ہو تو نر آتا ہے، اس لیے فرمایا کہ جو شخص اس خوف کی بنا پر سانپ کو نہ مارے۔
سکہ اور ہمارے طریقہ پر نہیں ہے کیونکہ اس نے موذی کو نہیں مارا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر توکل نہیں کیا۔
ثائر تین نقطوں والی ثاء اور ہمزہ، خون، طلب خون اور کینہ۔

۳۹۵۸/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاھُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاھُمْ وَ مَنْ تَرَکَ شَیْئًا مِّنْھُمْ خِیْفَۃً فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جب سے جنگ شروع کی ہے سانپوں سے صلح نہیں کی[لہ] اور جس نے ان میں سے کسی چیز کو خوف کی بنا پر چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

لہ امام ابوداؤد کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کردہ ایک دوسری حدیث میں سانپوں کا صراحۃً ذکر آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اور سانپ کے درمیان طبعی اور فطری طور پر دشمنی ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے، یا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جنگ شروع ہونا مراد ہے اسی طرح طیبی نے نقل کیا، ظاہر مراد یہ ہے کہ ابلیس سانپ کے جسم میں جنت میں آیا اور اس نے وسوسہ ڈالا۔

۳۹۵۹ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ.
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام سانپوں کو قتل کر ڈالو، جو شخص ان کے انتقام سے ڈرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔
(ابوداؤد، نسائی)

[1] اس حدیث کے ظاہر سے سانپوں کی تمام قسموں کے قتل کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس عموم سے گھروں میں رہنے والوں کا استثناء کیا جائے، یا تنگی کرنے اور تنبیہ کے بعد قتل کرنا مراد ہے جیسے کہ حضرت ابوالسائب کی حدیث میں گزرا۔

۳۹۶۰ وَعَنِ الْعَبَّاسِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرِيْدُ اَنْ نَكْنُسَ زَمْزَمَ فَاِنَّ فِيْهَا مِنْ هٰذِهِ الْجِنَّانِ يَعْنِي الْحَيَّاتِ الصِّغَارَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِنَّ.
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم چاہ زمزم کی صفائی کرنا چاہتے ہیں[1] کیونکہ اس میں یہ سانپ[2] یعنی چھوٹے سانپ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا۔
(ابوداؤد)

[1] اس خس و خاشاک اور گری ہوئی چیزوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ حبشی اس میں گر گیا تھا، زمزم کا پانی پلانے کا عظیم عہدہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل تھا۔
[2] جنان جیم کے نیچے زیر، نون مشدد، جانّ کی جمع ہے جیسے حیطان جمع ہے حائط کی۔ راوی نے اس کی تفسیر چھوٹے سانپوں سے کی ہے۔

۳۹۶۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلَّا الْجَانَّ الْاَبْيَضَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام سانپوں کو قتل کرو سوائے ان چھوٹے سفید سانپوں کے جو چاندی کی

الَّذِیْ کَانَہٗ قَضِیْبُ فِضَّۃٍ۔ شاخ کی مانند ہوں۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

سلہ قضیب قاف پر زبر، نقطے والے کے ضاد کے نیچے زیر وہ شاخ جو تیر بنانے کے لیے کاٹی جائے، محدثین فرماتے ہیں کہ غالباً اس قسم کے مارنے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ بے ضرر ہوتے ہیں اور ان میں زہر نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ جنوں کی مسخ شدہ شکل ہے جیسے کہ بنی اسرائیل بندروں کی صورت میں مسخ ہوئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ[۳۸] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَامْقُلُوْہُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْہِ دَاءً وَّ فِی الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّہٗ یَتَّقِیْ بِجَنَاحِہِ الَّذِیْ فِیْہِ الدَّاءُ فَلْیَغْمِسْہُ کُلَّہٗ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دو[۱]، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے پر میں شفا ہے، وہ بیماری والے پر کو پہلے ڈبو کر اپنے آپ کو بچاتی ہے[۲] لہٰذا چاہیے کہ وہ اسے پوری کو ڈبو دے[۳]

(ابوداؤد)

سلہ پانی میں یا اس چیز میں جو برتن میں ہو، مقل قاف کے ساتھ، پانی وغیرہ میں کسی چیز کو ڈبونا۔

سلہ تاکہ طعام یا پانی کی گرمی اسی پر کو لاحق ہو ——— بعض شارحین نے کہا اس جگہ یتقی اتقیل اتقا بحق فلان سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے فلاں شخص کا اس حق کے ساتھ استقبال کرنا اور اس کا حق اسے پیش کر دینا (یہ توجیہیں اس لیے کی ہیں کہ بظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مکھی اپنے بیماری والے پر کو بچا کر رکھتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ورنہ اسے غوطہ دینے کی کیا ضرورت رہے گی؟ ۱۲ قادری۔

سلہ غمس کا معنی ہے کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔

۳۹۶۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ[۴۰] نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانے میں

وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الطَّعَامِ فَامْقُلُوهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ سَمًّا وَّ فِي الْآخَرِ شِفَاءً وَّ اِنَّهٗ يُقَدِّمُ السَّمَّ وَ يُؤَخِّرُ الشِّفَاءَ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دو کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ زہر والے پر کو پہلے ڈبوتی ہے اور شفا والے پر کو اٹھا رکھتی ہے۔ (شرح السنۃ)

لہ سَمّ سین پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، زہر

۳۹۶۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِّنَ الدَّوَابِّ النَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ وَ الْهُدْهُدِ وَ الصُّرَدِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں[1] کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (۱) چیونٹی[2] (۲) شہد کی مکھی[3] (۳) ہدہد[4] (۴) ممولا[5]۔ (ابوداؤد، دارمی)

لہ دابہ لغت میں زمین پر چلنے والے اور آہستہ آہستہ جانے کو کہتے ہیں۔

۲ لہ چیونٹی قبل اس کے کہ کاٹے اور تکلیف دے، بعض شارحین نے فرمایا جس چیونٹی کے مارنے سے ممانعت واقع ہوئی ہے اس سے بڑی چیونٹی مراد ہے، جس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں کہ اس کے کاٹنے کا ضرر کم ہوتا ہے۔

۳ لہ کیونکہ اس سے شہد اور موم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۴ لہ اس کے قتل سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اور اگر کھانے کے لیے نہ ہو تو جانور کا قتل کرنا منع ہے، اسی طرح کہا گیا ہے۔

۵ لہ صرد صاد پر پیش، را پر زبر بڑے سر والا پرندہ جس کا سر بڑا ہوتا ہے اور چڑیوں کا شکار کرتا ہے یا وہ پرندہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھا ہوا ہو (عجیب ۱۲ ق)

اسی طرح قاموس میں ہے۔ نہایہ میں ہے۔ ایک پرندہ جس کا سر بڑا اور چونچ بڑی ہوتی ہے، اس کے پر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ اس کا آدھا حصہ سفید اور آدھا سیاہ ہوتا ہے، عرب اس کی ذات اور آواز کو منحوس

خیال کرتے ہیں، اس کے قتل کی ممانعت کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے لہٰذا اس کا قتل کرنا ممنوع ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۹۶۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُوْنَ اَشْيَآءَ وَ يَتْرُكُوْنَ اَشْيَآءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَ اَنْزَلَ كِتَابَهٗ وَ اَحَلَّ حَلَالَهٗ وَ حَرَّمَ حَرَامَهٗ فَمَا اَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَ مَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَ مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَ تَلَا قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو پلید جانتے ہوئے[1] چھوڑ دیتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بھیجا، اپنی کتاب اتاری، اپنے حلال کو حلال کیا اور اپنے حرام کو حرام کیا[2]۔ تو جو اس نے حلال کیا وہ حلال ہے اور جو حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا[3] وہ معاف ہے اور ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: اے حبیب تم فرما دو کہ جو کتاب مجھ پر وحی کی گئی ہے میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے پر مگر یہ کہ مردار ہو یا بہنے والا خون (الآیۃ)[4] (ابو داؤد)

[1] تقذر پہلے قاف پھر نقطے والا ذال مفتوح، پلیدی، ذال کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی پلید ہے۔

[2] یعنی بیان فرمایا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام۔

[3] یعنی بیان نہیں کیا کہ حلال ہے یا حرام تو وہ چیز معاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے۔ اور بندے کو اس پر پکڑتا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے[1]۔

---

[1] اہل سنت و جماعت محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، اذان سے پہلے یا بعد درود شریف پڑھتے ہیں، ایصال ثواب کے لیے محافل منعقد کرتے ہیں تو دیوبندی، وہابی اور جماعت اسلامی سے متعلق لوگ ان معمولات پر انکار کرتے ہیں اور ان کے (بقیہ صفحہ آئندہ)

ہ آخر آیت تک جو اس طرح ہے اَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ یا سور کا گوشت فَإِنَّهُ رِجْسٌ کیونکہ خنزیر کا گوشت پلیدی ہے، اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یا فسق جس کے ساتھ غیر خدا کے لیے آواز بلند کی گئی ہو یعنی اللہ تعالےٰ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو[1] اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان ہی چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ بعض چیزوں کی حرمت سنت سے ثابت ہے، جیسے کہ اس سے پہلے شرح میں بیان کیا جاچکا ہے، لیکن ابن عباس نے صرف قرآن پاک کی آیت پڑھی اور حدیث پیش نہیں کی کیونکہ حدیث سے منع کی جانے والی چیزیں بہت ہیں یا اس لیے کہ اس آیت کی تلاوت کرنے سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقصد یہ بتانا تھا کہ حرمت صرف وحی سے ثابت ہوتی ہے، نفسانی خواہش کی بنا پر کسی چیز کو حرام نہیں کہہ سکتے، اور وحی کبھی جلی ہوتی ہے (جیسے قرآن پاک) اور کبھی خفی ہوتی ہے (جیسے حدیث شریف)، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی سنت سے بھی کتاب اللہ کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔

۳۹۶۶ وَعَنْ زَاهِرٍ الْاَسْلَمِيِّ[1] قَالَ إِنِّي لَأُوقِدُ تَحْتَ الْقُدُورِ بِلُحُومِ الْحُمُرِ إِذْ نَادٰى مُنَادِيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زاہر اسلمی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہنڈیوں میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا اور میں ان کے نیچے آگ جلا رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں گدھوں کے گوشتوں سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

[1] حضرت زاہر پہلے زا اس کے بعد ہا مکسور الاسلمی صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔ کوفہ میں مقیم ہوئے

(بقیہ صفحہ سابقہ) جواز کی دلیل مانگتے ہیں، حالانکہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، اہل سنت کے لیے یہی دلیل کافی ہے، دلیل تو منع کرنے والوں کو پیش کرنی چاہیے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

[1] اہلال کا معنی آواز کا بلند کرنا ہے لیکن اس جگہ مطلقاً آواز کا بلند کرنا مراد نہیں ہے ورنہ کسی شخص نے کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو بیوی اس پر حرام ہو جائے کہا کہ یہ مرغا اور یہ بکرا فلاں کا ہے تو یہ جانور حرام ہو جائیں، حالانکہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے اس لیے تمام مفسرین نے فرمایا کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا مراد ہے، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ میں بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

اور اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۹۶۷ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ[۱] یَرْفَعُہٗ[۲] اَلْجِنُّ ثَلٰثَۃُ اَصْنَافٍ صِنْفٌ لَّھُمْ اَجْنِحَۃٌ یَطِیْرُوْنَ فِی الْھَوَآءِ وَصِنْفٌ حَیَّاتٌ وَّ کِلَابٌ وَّ صِنْفٌ یَحُلُّوْنَ[۳] وَ یَظْعَنُوْنَ[۴]۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کے پر ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں، دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں اور تیسری قسم وہ ہیں جو قیام کرتے ہیں اور سفر کرتے ہیں۔ (شرح السنۃ)

۱؎ ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش شین پر زبر، دونوں نقطے والے، صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شامل تھے۔

۲؎ حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے تھے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے تھے۔

۳؎ مختلف جگہوں میں اترتے ہیں اور وہاں رہائش اختیار کرتے ہیں۔

۴؎ ظعن نقطے والی ظاء اور بے نقطہ عین، جانا اور کوچ کرنا ——— یعنی انسانوں کی طرح اقامت اور سفر اختیار کرتے ہیں۔

بَابُ الْعَقِیْقَۃِ

۲۹۴۔ عقیقے کا بیان

اکثر علماء کہتے ہیں کہ عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو پیدائش کے وقت بچے کے سر پر ہوں، کیونکہ عق کا معنی چیرنا ہے اور وہ بال گوشت اور جلد کو چیر کر برآمد ہوتے ہیں، پھر ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ کہا گیا کیونکہ وہ ان بالوں کی وجہ سے ذبح کی جاتی ہے۔ ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے اور کہا کہ عق کا معنی قطع کرنا ہے اور ذبح گلا کاٹنے کو کہتے ہیں لہٰذا عقیقہ کا معنی ذبیحہ ہے، بالوں سے ذبیحہ کی طرف نقل کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ عقیقہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے۔ امام احمد کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے، اکثر احادیث سے سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، جو شرائط اور احکام قربانی میں معتبر ہیں وہ عقیقہ میں بھی معتبر ہیں، ہمارے نزدیک سنت نہیں ہے امام محمد اپنے مؤطا میں فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عقیقہ رسوم جاہلیت میں سے تھا، ابتداء اسلام میں اس پر عمل رہا اس کے بعد قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کر دیا، ماہ رمضان کے روزے نے سابقہ تمام روزوں کو منسوخ کر دیا، غسل جنابت نے ہر پہلے غسل کو منسوخ کر دیا، زکوٰۃ نے سابقہ تمام صدقات کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح ہمیں پہنچا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۹۶۸ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ[۱] نِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سلمان بن عامر ضبی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیت کو دور کرو[۲]۔ (بخاری)

[۱] سلمان بن عامر ضبی نقطے والے ضاد پر زبر اور باء مشدد، صحابی ہیں اور اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ابن سیرین وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] بال اتار کر اور اس میل کچیل کو دور کر کے جس کے ساتھ بچہ پیدائش کے وقت آلودہ ہوتا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ ختنہ مراد ہے، اصل میں اذیٰ کا معنیٰ ہے تکلیف دینا اور ناپسند رکھنا۔

۳۹۶۹ وَعَنْ عَائِشَةَ[۲] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ ان کے لیے دعائے برکت فرماتے[۱] اور انہیں گھٹی عطا فرماتے تھے[۲]۔ (مسلم)

[۱] لفظ زائدہ

ؔ۲ تبریک کا معنیٰ ہے برکت کی دعا کرنا۔

ؔ۳ تحنیک اس کو کہتے ہیں کہ کھجور یا کوئی دوسری میٹھی چیز چبا کر بچے کے تالو میں لگا دیتے ہیں۔ حنک پہلے دونوں حرفوں پر زبر، زبان کے اوپر منہ کا اندرونی حصہ جسے تالو کہتے ہیں۔ گھٹی دینا سنت ہے اور بہتر یہ ہے کہ نیک اور متقی لوگ دیں۔

۳۹۷۰/۳ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُّ بِقُبَآءٍ ثُمَّ اَتَيْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِيْ حَجْرِهٖ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِيْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهٗ ثُمَّ دَعَا لَهٗ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَوَّلُ مَوْلُوْدٍ وُّلِدَ فِي الْاِسْلَامِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر کے ساتھ حاملہ ہوئیں، فرماتی ہیں کہ میں نے انہیں قباء میں جنم دیا پھر انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہیں حضور کی گود میں رکھ دیا، پھر آپ نے کھجور منگوائی اسے چبایا اور بچے کے منہ میں لعاب دہن عطا فرمایا پھر اسے گھٹی دی، اس کے لیے دعا فرمائی، دعاء برکت فرمائی اور یہ پہلا بچہ تھا جو اسلام میں پیدا ہوا۔ (صحیحین)

ؔ۱ حضرت اسماء بنت ابی بکر حضرت زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔

ؔ۲ حضرت عبداللہ بن زبیر مشہور صحابی ہیں۔ مہاجرین کے ہاں ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہوئے۔

ؔ۳ قباء قاف پر پیش باء مخفف آخر میں الف ممدودہ، مقصورہ بھی آیا ہے، تنوین کے ساتھ اور اس کے بغیر مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ، ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل وہیں اترے، وہاں تین دن قیام کیا اور مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قباء کہتے ہیں، اس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اسی جگہ پیدا ہوئے۔

ؔ۴ حجر پہلے بے نقطہ حاء مفتوحہ اس کے بعد جیم ساکن، گود۔

ؔ۵ تفل اس طرح پھونک مارنا کہ اس کے ساتھ کچھ تھوک بھی ہو، اس سے زیادہ کے لیے بزق استعمال کرتے ہیں۔ تفل سے کم نفث ہے اس کے بعد نفخ ہے جس کا معنیٰ صرف پھونک مارنا ہے۔

۶؎ یعنی فرمایا، بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا عَلِيُّهٗ فرمایا۔

۷؎ یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں بیٹے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ ورنہ ان سے پہلے حضرت نعمان بن بشیر ہجرت کے بعد پیدا ہوئے لیکن وہ انصار کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش مسلمانوں کے لیے باعث مسرت و شادمانی ہوئی کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ یہودیوں نے جادو کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ہاں اولاد پیدا نہ ہو۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۳۹۷۱ عَنْ اُمِّ كُرْزٍ[۱] قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا قَالَتْ وَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ لِلتِّرْمِذِيِّ وَ النَّسَائِيِّ مِنْ قَوْلِهٖ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَ

حضرت ام کرز[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو ان کے انڈوں[۲] پر برقرار رکھو، فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے نہیں وہ بکریاں نقصان نہیں دیں گی خواہ وہ نر ہوں یا مادہ[۳] (ابوداؤد) امام ترمذی اور امام نسائی نے یہ حدیث يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ سے آخر تک روایت کی[۴] امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ ام کرز کاف پر پیش، راء ساکن، آخر میں زاء، صحابیہ ہیں اور بنو کعب اور بنو خزاعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے ابن عباس، عروہ، عطاء اور مجاہد روایت کرتے ہیں۔

۲؎ اور ان کی جگہوں پر ــــــ اس کلام کی شرح میں چند مطالب بیان کیے گئے ہیں، بعض شارحین نے کہا مکنات میم پر زبر، کاف کے نیچے زیر اس پر زبر بھی آئی ہے، جمع ہے مکنۃ کی اور وہ اصل میں گوہ کے انڈے کو کہتے ہیں ایسا ہی طرح نہایہ میں ہے، قاموس میں ہے مکن میم پر زبر، کاف ساکن اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے، گوہ، ٹڈی وغیرہ، اس جگہ اس کا استعمال مطلق انڈے کے معنی میں ہے، بعض شارحین نے کہا کہ مکنات بمعنی اَمْكِنَه ہے کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ

عَلٰی مَکِنَاتِھِمْ و مَکِنَاتِھِمْ لوگ اپنے مکانوں اور ٹھکانوں پر ہیں، زمخشری سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا مَکِنَات میم اور کاف پر پیش، جمع ہے مَکَن کی اور وہ جمع ہے مکان کی جیسے حُمُر اور حُمُرَات۔ بعض نے کہا کہ جمع ہے مکنت کی جس کا معنی تمکن (قدرت) ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے لیے بادشاہ کے ہاں مکنت ہے یعنی قدرت و منزلت، آرام اور آہستگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بہرصورت پرندوں کو اڑانے، ڈرانے، پریشان کرنے اور انہیں ان کے گھونسلوں، انڈوں اور ان کی جگہوں سے ہلانے کی ممانعت ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ پرندوں کا رات کے وقت شکار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ رات کو اپنے گھونسلوں میں اپنے انڈوں پر آرام اور اطمینان سے بیٹھے ہوتے ہیں، یا عرب کی عادت کے مطابق پرندے کے اڑانے اور فال لینے سے منع کیا گیا ہے۔ جب ان میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرتا اور پرندہ آکر بیٹھ جاتا تو اسے اڑاتا اگر وہ دائیں جانب پرواز کرتا تو وہ شخص اپنے کام کے لیے روانہ ہو جاتا، اور اسے برکت کی علامت جانتا اور اگر بائیں جانب پرواز کرتا تو اسے منحوس تصور کرتا اور اس کام کے لیے نہ جاتا۔ اس لیے اس طریقے سے منع کیا گیا جسے تطیر کہتے تھے، بعض حضرات نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ پرندوں کو اس جگہ اور اس مرتبے پر برقرار رکھو جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں رکھا ہے، اور جس طرح انہیں پیدا فرمایا ہے کہ یہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف سے ہے یہ توجیہ بدفالی کے معنی پر محمول کرنے کی نوع سے ہے۔

سلہ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ لڑکے کی طرف سے نر ہونا چاہیے اور لڑکی کی طرف سے مادہ ———— ذُکران نقطے والے ذال پر پیش، اِنَاث ہمزے کے نیچے زیر مادہ۔

سلہ بعض نسخوں میں ہے مِنْ قَوْلِہٖ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور بعض نسخوں میں ہے مِنْ قَوْلِھَا ام کرز کا قول ———— مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث کی ابتدا اس جگہ سے ہے سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ سے آخر تک امام ابو داؤد کی روایت کے ابتدائی کلمات یَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّیْرَ الخ اس حدیث کی جز نہیں ہیں۔ نیز ان دو کلاموں میں مناسبت بھی ظاہر نہیں ہے جس کی بنا پر دونوں کو جمع کیا جائے، محدثین فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حدیث مستقل ہے۔ حضرت ام کرز نے کسی مناسبت کی بنا پر دونوں کو جمع کر دیا، بعض شارحین نے مناسبت کے بیان کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے جس کا ذکر ہم نے شرح میں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۷۲/۵ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغُلَامُ

حضرت حسن بصری، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکا اپنے

مُرْتَهِنٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُسَمّٰى وَ يُحْلَقُ رَأْسُهُ .	عقیقہ کے بدلے رہن رکھا ہوا ہے، لڑکے کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے گا، اس کا نام رکھا جائیگا اور اس کا سر مونڈا جائے گا۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ لٰكِنَّ فِيْ رِوَايَتِهِمَا رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهِنٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَ أَبِيْ دَاوُدَ يُدَمّٰى مَكَانَ وَ يُسَمّٰى وَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يُسَمّٰى أَصَحُّ)	(امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) لیکن آخری دو اماموں کی روایت میں مُرْتَهِنٌ کی جگہ رَهِيْنَةٌ [۴] ہے امام احمد اور ابوداؤد کی ایک روایت میں يُسَمّٰى کی جگہ يُدَمّٰى [۵] ہے، ابوداؤد نے کہا کہ يُسَمّٰى زیادہ صحیح ہے [۶]

[۱] حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی ہیں، کوفہ اور بقول بعض بصرہ میں قیام پذیر ہوئے ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے، حسن بصری اور ابن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] ایک روایت میں ہے كُلُّ غُلَامٍ (ہر لڑکا)

[۳] اس جگہ مُرْتَهِنٌ بمعنی مَرْهُوْن ہے کیونکہ مُرْتَهِن اس شخص کو کہتے ہیں جو رہن لیتا ہے اور جس چیز کو رہن رکھا جاتا ہے اسے مَرْهُوْن، رَهِيْن اور رَهِيْنَة کہتے ہیں۔ بعض محدثین مُرْتَهَن ہا کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ لغت کے استعمال کے خلاف ہے۔ زمخشری اساس کے باب مجاز میں کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص رہن ہے، رہین ہے یا مرتھن ہے یعنی فلاں چیز کے بدلے میں پکڑا ہوا ہے، اس جگہ اسی معنیٰ میں واقع ہے ـــــ اس کے بعد عقیقہ کا بیان فرمایا۔

[۴] رَهِيْنَةٌ میں تا مبالغہ کے لیے ہے، یا نفس کی تاویل میں ہے (جو مونث سماعی ہے) رہا یہ سوال کہ عقیقہ کے بدلے لڑکے کے گرفتار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ وہ مکلف نہیں ہے، عقیقہ کے ترک کرنے پر وہ گرفتار کیوں ہوگا اور اسے عذاب کیونکر دیا جائے گا؟ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لڑکا اس وقت تک والدین کی شفاعت نہیں کر سکے گا جب تک وہ عقیقہ نہ دے دیں، بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب تک عقیقہ نہ دیا جائے لڑکے کو بھلائیوں، آفتوں سے محفوظ ہونے اور نشو و نما کی زیادتی سے روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ بات درحقیقت والدین کی طرف راجع ہے جنہوں نے عقیقہ ترک کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بچہ گندگی اور نجاست میں گرفتار رہتا ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے فَأَمِيْطُوْا عَنْهُ الْأَذٰى (اس سے نجاست کو دور کرو) قول معتمد وہی ہے جو امام اجل

امام احمد نے فرمایا ہے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے سلف صالحین سے سنا ہوگا کہ حدیث کا یہ مطلب ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۵ یُدَمّیٰ یا پر پیش، دال پر زبر، میم مشدد مفتوح ۔ تَدْمِیَۃٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ خون آلود کرنا ہے ۔ یعنی پہلی روایت میں یُسَمّٰی آیا ہے اس کی جگہ اس روایت میں یُدَمّیٰ ہے ۔

۶ تَدْمِیَۃٌ کا معنی ہے سر کا خون آلود کرنا ۔ حضرت قتادہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب بکری کو ذبح کریں تو اس کے بالوں کا ایک حصہ لے کر بکری کی کاٹی جانے والی رگوں کے آگے رکھیں تاکہ وہ جائے ذبح سے اچھلنے والے خون سے آلودہ ہو جائے ، وہ گچھا بچے کے سر کے درمیان رکھیں تاکہ خون کی ایک لکیر اس کے سر پر جاری ہو جائے تب اس کے سر کو دھو دیں ، اور سر منڈ دیں ۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ بچے کا سر خون آلود نہ کیا جائے ، کیونکہ یُدَمّیٰ کسی راوی کی تحریف ہے ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین کا عقیقہ کیا لیکن ان کا سر خون آلود نہیں کیا ۔ کہتے ہیں کہ یہ فعل ، جاہلیت کے قواعد کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے ، جیسے کہ تیسری فصل میں آئے گا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (سفر السعادۃ)

کہتے ہیں کہ ابو داؤد کی روایت ، حدیث کے راوی ہمام کا وہم ہے ، حضرت قتادہ سے جو اس کی تفسیر نقل کی گئی ہے وہ منسوخ ہے ، علامہ خطابی نے فرمایا کہ بچے کے سر کو پلید کرنے اور تر خون کے ساتھ آلودہ کرنے کا حکم کیسے دیا جائیگا حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدن سے خشک نجاست کے دور کرنے اور زائل کرنے کا حکم دیا ہے ، ہاں بعض علماء نے خون کی بجائے خلوق (خوشبوؤں کے مجموعے) اور زعفران لگانے کو تجویز کیا ہے ، امام مالک نے فرمایا ، اس میں حرج نہیں ہے ، تیسری فصل میں آئے گا ۔ بعض محدثین نے تدمیہ کی تاویل ختنے سے کی ہے ۔

۳۹۷۳ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَّقَالَ يَا فَاطِمَةُ احْلِقِيْ رَأْسَهٗ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ

حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا : اے فاطمہ ! اس کا سر منڈ دو اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو ۔ چنانچہ ہم نے بالوں کو تولا تو ان کا وزن ایک

دِرْهَمٍ۔ درہم یا درہم کا کچھ حصہ تھا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ)

امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور فرمایا، یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ امام محمد بن علی بن حسین نے حضرت علی بن ابی طالب کو نہیں پایا۔[۱]

۱؎ یعنی امام محمد باقر بن امام زین العابدین ابن امام شہید حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۲؎ امام مالک اور شافعی کے نزدیک اگر سونا صدقہ کریں تو بھی بہتر ہے۔

۳؎ راوی کو شک ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندازے سے فرمایا۔

۴؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ ایک بکری کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، امام ابو داؤد بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک ایک دنبہ کے ساتھ کیا، جیسے کہ اگلی حدیث میں آئے گا، امام نسائی، ابن عباس سے دو، دو دنبوں کی روایت کرتے ہیں، اور حضرت بریدہ سے مطلق لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن وحسین کی طرف سے عقیقہ کیا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ ایک بکری والی حدیث صحیح ہے، لیکن جس حدیث میں آیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں وہ زیادہ قوی اور زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ نیز لڑکے کی طرف سے دو بکریوں والی روایت کی ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قول فعل کی نسبت اقویٰ اور اتم ہے۔ کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال ہے، علاوہ ازیں فعل جواز پر دلالت کرتا ہے اور قول مستحب ہونے پر، امام ترمذی نے فرمایا اس باب میں حضرات علی، عائشہ، ام کرز، بریدہ، سمرہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، انس، سلمان بن عامر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث آئی ہے۔

۳۹۷۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے ایک دنبہ بطور عقیقہ ذبح کیا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ)

(ابوداؤد) امام نسائی کی روایت میں دو دو دنبوں کا ذکر ہے۔

۳۹۷۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ كَاَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانی کو پسند نہیں کرتا[۱]۔ گویا آپ نے عقیقہ کے نام کو ناپسند کیا[۲] اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے چاہیے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے[۳]۔ (ابوداؤد، نسائی)

[۱] ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتے۔

[۲] جو شدید ترین کبیرہ گناہ، حقوق والدین (ماں باپ کی نافرمانی) کی یاد دلاتا ہے۔ بعض احادیث میں جو لفظ عقیقہ کا ذکر آیا ہے تو وہ اس کراہت سے پہلے ہوگا۔ جب صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لفظ کا مکروہ ہونا سمجھ لیا تو انہوں نے اس مقصد کو دوسرے لفظ سے ادا کیا اور کہا کہ ہم بیٹوں کی طرف سے ذبح کرتے ہیں۔ نسک کا معنی ذبح ہے۔

[۳] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عقیقہ کی جگہ نسیکہ کہیں تو بہتر ہے۔

۳۹۷۶ وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِيْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت ابو رافع[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب حضرت امام حسن بن علی کو ان کی والدہ حضرت فاطمہ نے جنم دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کان میں وہی اذان دی جو نماز کے لیے دی جاتی ہے[۲]۔ (ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] حضرت ابو رافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔

[۲] اور یہ پیدائش کے وقت سنت ہے تاکہ جونہی بچہ دنیا میں آئے اس کے کان میں اللہ تعالیٰ اور دین اسلام

کا کلمہ پہنچے، خاص طور پر اذان اس لیے دی گئی کہ اذان سن کر شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، بعض سلف صالحین سے مروی ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے، روضہ میں ہے مستحب یہ ہے کہ نومولود کے کان میں کہے۔ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (یہ قرآن پاک کی آیت ہے، حضرت مریم کی پیدائش پر ان کی والدہ نے یہ کلمات کہے، میں اس بچی اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ ۱۲ قادری)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۳۹۷۷/۱۰ عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاۃً وَ لَطَخَ رَاْسَہٗ بِدَمِھَا فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاۃَ یَوْمَ السَّابِعِ وَ نَحْلِقُ رَاْسَہٗ وَ نُلَطِّخُہٗ بِزَعْفَرَانٍ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ زَادَ رَزِیْنٌ وَ نُسَمِّیْہِ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دور جاہلیت میں ہماری عادت تھی کہ جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کا سر آلودہ کرتا، جب اسلام آگیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے، بچے کا سر مونڈتے اور اس پر زعفران[2] لگاتے تھے۔

(ابوداؤد) امام رزین نے اضافہ کیا کہ ہم اس کا نام رکھتے تھے[3]

[1] حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[2] ایک روایت میں ہے کہ اس پر خلوق اور زعفران لگاتے، خلوق نقطے والی خا پر زبر، آخر میں قاف ایک خوشبو جس میں زعفران ڈالتے ہیں۔

[3] یاد رہے کہ احادیث کی رو سے راجح یہ ہے کہ عقیقہ ساتویں دن ہے۔ امام شافعی اور احمد کے نزدیک اگر ساتویں دن میسر نہ ہو تو چودھویں دن کرے، اس کا دن میسر نہ ہو تو اکیسویں دن، اس دن بھی میسر نہ ہو تو اٹھائیسویں دن،

---

[1] ایک بزرگ نے فرمایا کہ انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اذان دی جاتی ہے اور جب رخصت ہوتا ہے تو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ گویا اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی کتنی مختصر ہے؟ یہ اتنا ہی وقت ہے جتنا اذان اور نماز کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ حیات مستعار کی یہ چند گھڑیاں اذان اور نماز کے درمیان ہی صرف ہونی چاہئیں یعنی یاد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز۔ ۱۲ قادری

ورنہ پھر پینتیسویں دن کرے، اسی قیاس پر لینی کوئی سا ساتواں دن ہونا چاہیئے، اس کا عام فہم قاعدہ یہ ہے کہ بچہ اگر جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو اس کے بعد آنے والی کسی بھی جمعرات کو عقیقہ کر دیں وہ ساتواں دن ہی ہوگا۔ (۱۲ قادری نقشبندی)
امام احمد سے ایک روایت کے مطابق لڑکے کی طرف سے ایک بکری پہلے دن اور دوسری ساتویں دن ذبح کی جاتے۔
بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ دیا، کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ پیدائش کے دن عقیقہ کیا گیا تھا یا نہیں؟ لیکن اس حدیث کی سند میں ضعف ہے اور یہ جید سے بھی خالی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام شافعی کے نزدیک عقیقہ کی ہڈیاں توڑ دیں۔ امام مالک کے نزدیک نہ توڑی جائیں، کتب شافعیہ میں ہے کہ اگر پکا کر صدقہ کریں تو بہتر ہے، اگر میٹھا پکائیں تو بھی بہتر ہے۔ یہ بچے کے اخلاق کی مٹھاس کے لیے نیک فال ہوگی۔
بحمداللہ تعالیٰ وتوفیقہ کتاب الذبائح مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد کتاب الاطعمہ ہے۔

كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

۲۹۵۔ کھانوں کی قسموں کے بیان میں

اس کتاب میں کھانوں کی وہ قسمیں بیان کی جائیں گی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائیں یا نہیں، نیز کھانے کے آداب واحکام بیان کیے جائیں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۹۷۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں تھا، میرا ہاتھ رکابی میں گردش کرتا تھا، ۔ مجھے

لِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰہَ وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کا نام لے[3] تو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جگہ سے کھاؤ جو تم سے متصل ہو۔

(صحیحین)

[1] عمر بن ابی سلمہ قریشی مخزومی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش کے پروردہ، ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت نو سال کے تھے ۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں حاصل کیں، ان سے ابن مسیب، عروہ بن زبیر اور خود ان کے صاحبزادے محمد بن عمر روایت کرتے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت عمر بن ابی سلمہ اور ان کی ہمشیرہ حضرت زینب کی تربیت فرمائی۔

[2] اور میں بچوں کی عادت کے مطابق رکابی کی ہر جانب سے کھاتا تھا ______ صحفہ فارسی پہلے جام فراخ رکابی جس سے پانچ چھ افراد سیر ہو جائیں، اس سے بڑا قصعہ ہے جس سے دس افراد سیر ہو جائیں۔ اس سے بڑا جفنہ ہے۔

[3] یاد رہے کہ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا واجب ہے یا مستحب، محققین محدثین کے نزدیک واجب ہے، کیونکہ احادیث مبارکہ میں واضح اور صریح طور پر امر ہے اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے، امر میں ظاہر وجوب ہے جب تک کوئی اس کا معارض نہ ہو، اکثر فقہاء کے نزدیک مستحب ہے اور امر اس جگہ استحبابی ہے۔ اسی طرح کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا مستحب ہے، اس میں بھی اختلاف ہے کہ حاضر جماعت میں سے ایک کا بسم اللہ شریف پڑھ لینا کافی ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ جماعت میں سے ایک شخص بسم اللہ پڑھ لے تو کافی ہے، ان کے نزدیک وجوب یا استحباب علی الکفایہ ہے، بہت سی حدیثیں اس قول کے مخالف ہیں جن کی یہ حضرات تاویل کرتے ہیں۔ جیسے کہ منقریب آئے گا۔

۳۹۷۹ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ ابْنِ الْیَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ

حضرت حذیفہ[2] بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تحقیق شیطان اپنے لیے کھانا حلال کرتا ہے اس بنا پر کہ اس پر

اَنْ لَّا یُذْکَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ (مسلم)

لہ حضرت حذیفہ بن الیمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب راز، ان کو منافقوں کا علم تھا۔

۲ لہ یعنی اس کے کھانے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہے، یہ ظاہر پر محمول ہے۔ کیونکہ شیطان غذا حاصل کرنے والا جسم ہے، بعض محدثین اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ کھانے کی برکت چلی جاتی ہے گویا شیطان نے ایک حصہ کھا لیا اور وہ ختم ہو گیا ــــــ پوری حدیث تیسری فصل میں آئے گی۔

۳۹۸۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ قَالَ الشَّيْطٰنُ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مرد اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے پیروکاروں سے) کہتا ہے[۱] تمہارے لیے (اس گھر میں) رات گزارنے کی جگہ نہیں اور نہ ہی رات کا کھانا ہے[۲]، اور جب گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے رات گزارنے کی جگہ پالی اور جب کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے تم نے رات گزارنے کی جگہ اور رات کا کھانا پالیا ہے[۳]۔ (مسلم)

لہ اپنے پیروکاروں اور معاونوں کو۔

۲ لہ عشاء عین پر زبر اس کھانے کو کہتے ہیں جو رات کے وقت کھایا جاتا ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی طرف سے گھر والوں کے لیے بددعا ہے، جب وہ رات گزارنے کی جگہ اور رات کے کھانے سے ناامید ہوا تو انہیں بددعا دی جیسے کہ دشمن کرتے ہیں۔

۳ لہ اس جگہ بعض محدثین کے قول کے مطابق احتمال ہے کہ یہ گھر والوں کے لیے دعا ہو کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرکے اسے شب بسری کے لیے جگہ اور کھانا مہیا کیا تو وہ انہیں دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں

یہ چیزیں مہیا فرمائیے ۱۲ (قادری نقشبندی)

۳۹۸۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے[۱] (مسلم)

[۱] یعنی پانی کے برتن کو دائیں ہاتھ سے پکڑے جس طرح لقمہ دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے۔

۳۹۸۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پیئے[۲]۔ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

[۲] دائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کا امر بھی واقع ہوا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے صراحۃً منع بھی فرمایا ہے۔ اس میں کمالِ مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔

۳۹۸۳ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِثَلٰثَةِ أَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهٗ قَبْلَ أَنْ يَمْسَحَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت کعب بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین انگلیوں[۲] سے کھانا تناول فرماتے اور پونچھنے سے پہلے اپنے دستِ مبارک کو چاٹ لیتے تھے[۳]۔ (مسلم)

[۱] حضرت کعب بن مالک ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن انصاری ہے، فضلاء صحابہ اور شعراء اسلام میں سے ہیں، غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکنے کے سلسلے میں ان کی توبہ کا واقعہ بہترین قصص میں سے ہے۔

؎۲ انگوٹھے، انگشت شہادت اور درمیانی انگلی۔

؎۳ یعنی کھانے سے فارغ ہو کر ـــــــ بعض روایات میں اضافہ ہے لشئی یعنی کسی چیز رومال وغیرہ سے پونچھنے سے پہلے، یہ بھی اضافہ ہے ثُمَّ یَغْسِلُھَا پھر دست مبارک دھو لیتے

۳۹۸۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَۃِ وَقَالَ اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیَّتِہٖ الْبَرَکَۃُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پلیٹ کے چاٹنے کا حکم دیا[1] اور فرمایا: تم نہیں جانتے کہ کس لقمے اور کھانے کے کس حصّے[2] میں برکت ہے۔ (مسلم)

؎۱ چونکہ بعض متکبر اور متمول لوگ اسے ناپسند رکھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں اس لیے بطور تاکید اس کے بعد اس کی وجہ بھی بیان فرما دی۔

؎۲ فی ایّتہٖ تاء اور تنوین کے ساتھ، بعض نسخوں میں ہے ایّہٖ ای مضاف ہے۔ ہاء ضمیر کی طرف، یعنی تم نہیں جانتے کہ برکت، طعام کے اس حصے میں ہے جو تم کھا چکے ہو یا اس کھانے میں ہے جو انگلیوں اور برتن کے ساتھ لگا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں کا چاٹنا اور ان کے ساتھ لگے ہوئے کھانے کے اجزا کا حاصل کر لینا سنت ہے، نیز یہ کہ انگلیاں مبالغہ کے ساتھ حلق میں نہ ٹھونسی جائیں۔

۳۹۸۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمْسَحْ یَدَہٗ حَتّٰی یَلْعَقَھَا اَوْ یُلْعِقَھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے یہاں تک کہ اسے چاٹ لے[1] یا کسی کو چٹا دے[2]۔ (صحیحین)

؎۱ یَلْعَقَھَا یاء اور عین پر زبر۔

؎۲ یُلْعِقَھَا یاء پر پیش، عین کے نیچے زیر ـــــــ کسی ایسے شخص کو چٹا دے جو اس سے گھن نہ کھائے اور اسے مکروہ نہ جانے، مثلاً بیوی، لونڈی، بچوں، شاگردوں، معتقدین اور محسن کو جو اس سے لطف اور برکت حاصل کریں۔

۳۹۸۶/۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ شَاْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطٰنِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ فِىْ اَىِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تم میں سے ایک آدمی کی ہر حالت میں حاضر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے کھانے کے وقت حاضر ہوتا ہے[1]، جب تم میں سے ایک شخص کا لقمہ گر جائے[2] تو اسے جو ناپسندیدہ چیز لگ گئی[3] ہے اسے دور کر دے[4] اور وہ لقمہ کھالے، اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے[5]، پھر جب فارغ ہو جائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے[6]؟ (مسلم)

[1] تاکہ آدمی کھانے کے دوران شیطان کی خواہش کے خلاف کسی کام یا اس کی تذلیل کا ارادہ نہ کرے، جیسے کہ نیکیوں اور امور طاعت میں ہوتا ہے، اور چاہیے کہ چند لقمے کھائے (پیٹ بھر کر نہ کھائے)

[2] تو چاہیے کہ نفس اور طبیعت کے تقاضے کے مطابق اس کے اٹھانے اور منہ میں ڈالنے سے کراہت اور تنگی محسوس نہ کرے (بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر اس کی قدر کرتے ہوئے کھالے۔ ۱۲ قادری نقشبندی)

[3] مثلاً مٹی وغیرہ

[4] اور اگر کوئی پلید چیز لقمے کو لگ جائے تو اگر ممکن ہو تو اسے دھو لے ورنہ کتے یا بلی وغیرہ جانور کو کھلا دے ــــــــ تکبر اور رعونت میں مبتلا لوگوں کی طبیعتیں اس طرف مائل نہیں ہوں گی، وہی لوگ یہ طریقہ اختیار کریں گے جو عاجزی اور شیطان کی مخالفت میں راسخ قدم ہوں گے، اسی لیے فرمایا کہ اس لقمے کو شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے۔

[5] شیطان کے لیے چھوڑ دینا یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان کھاتا ہے اور اس کے کھانے میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے، یا یہ کنایہ ہے لقمے کے ضائع کرنے اور متکبروں کی عادت کے مطابق اسے حقیر جاننے سے (متکبروں کی عادت ہے کہ وہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانے میں عار محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی شیطان کے اعمال میں سے ہے

پھر تاکید، تکبر کے دفع کرنے اور تواضع کے حاصل کرنے کے لیے فرمایا کہ کھانے سے فارغ ہو کر انگلیاں چاٹ لو لے

لے یہ عبارت اس سابقہ روایت کی تائید کرتی ہے جس میں آپنہ اضافت کے ساتھ ہے۔

۳۹۸۷/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو جحیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے ہیں[2]

(بخاری)

[1] حضرت ابو جحیفہ پہلے جیم مضموم، پھر بے نقطہ حاء مفتوح اور فاء سے پہلے یاء ساکن۔ ان کا نام وہب بن عبد اللہ السوائی ہے سین پر پیش، واؤ مخفف، سواءۃ بن عامر کی طرف منسوب، کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، لیکن آپ سے سماع رکھتے ہیں اور روایت بھی کرتے ہیں، امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ میں بیت المال پر مقرر کیا تھا، تمام جنگوں میں ان کے ساتھ حاضر رہے، ۷۴ھ میں کوفہ میں وصال ہوا۔

[2] علامہ جزری، نہایہ میں فرماتے ہیں کہ عام طور پر گمان کیا جاتا ہے کہ تکیہ لگانے سے مراد ایک پہلو پر جھکنا اور ٹیک لگانا ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس جگہ نیچے بچھی ہوئی چیز پر جم کر بیٹھنا مراد ہے۔ جو شخص بستر پر جم کر اور سیدھا ہو کر بیٹھے وہ تکیہ لگانے والا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ تکیہ لگانے والے سے مراد جم کر بیٹھنے والا ہے خواہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا بچھی ہوئی چیز پر جم کر بیٹھے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ میں جب کھاتا ہوں تو بچھی ہوئی چیز پر بہت کھانے والوں کی طرح جم کر اور پھیل کر نہیں بیٹھتا، بلکہ جم کر اور تسلی کے ساتھ بیٹھے بغیر بیٹھتا ہوں۔ اور چند لقمے کھا کر اٹھ جاتا ہوں۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ تکیہ تین قسم ہیں۔ (۱) یہ کہ پہلو زمین پر رکھے (۲) آلتی پالتی مار کر بیٹھے (۳) ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر ٹیک لگائے اور دوسرے کے ساتھ کھانا کھائے اور یہ تینوں قسمیں مذموم ہیں۔ (۱۲ھ) بعض محدثین نے ایک چوتھی قسم بھی گنوائی ہے اور وہ یہ کہ تکیے یا دیوار کے ساتھ پشت لگا کر کھاتے، بعض حضرات نے کہا کہ اس جگہ

---

[1] آج دور جدید کے ڈاکٹر ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا ہاضمے کے لیے معاون ہے، انگلیوں کی حرارت معدے تک پہنچتی ہے اور وہ ہضم میں مدد دیتی ہے۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چودہ سال پہلے ہی یہ نکتہ سمجھا دیا تھا، کانٹے اور چمچے سے کھانے والوں کو یہ فائدہ کیسے حاصل ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے دنیاوی فائدہ بھی ہے اور اخروی فائدہ بھی۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

تکیہ لگانے سے مراد سیدھا ہو کر بیٹھنا ہے اور کھانے میں سنت یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر اور جھک کر بیٹھے، تکیہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں یا بائیں جھک کر بیٹھا جائے، اطباء کے نزدیک اس طرح کھانا ممنوع ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس طرح بیٹھ کر کھانے سے کھانا انتڑیوں میں آسانی کے ساتھ نیچے نہیں جا سکے گا۔ اور خوشگوار بھی نہیں ہوگا جیسے کہ ہونا چاہیے اسی طرح مجمع البحار میں ہے، علامہ سیوطی عمل الیوم واللیلۃ میں فرماتے ہیں کہ تکیہ لگا کر پیٹ کے بل لیٹ کر اور کھڑے ہو کر نہ کھائے، بلکہ دو زانو ہو کر بیٹھے۔ یا دونوں زانو کھڑے رکھے یا دونوں پاؤں پر بیٹھے یا دایاں زانو کھڑا کرے اور بایاں زانو بچھا کر اس پر بیٹھے [1]

۳۹۸۸ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ [1] قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا فِيْ سُكُرُّجَةٍ وَّ خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ [1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا [2] اور نہ ہی چھوٹی پیالی [3] میں، اور آپ کے لیے باریک روٹی (چپاتی) نہیں پکائی گئی [4]، حضرت قتادہ سے پوچھا گیا کہ وہ حضرات کس چیز پر کھانا کھاتے تھے [5] فرمایا، دستر خوانوں پر۔ (بخاری)

[1] حضرت قتادہ بصری تابعی ہیں نابینا تھے بصرہ کے تابعین کے تیسرے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ۶۰ھ میں پیدا ہوئے، ۱۱۷ھ میں وصال ہوا، حضرت انس اور سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں، بعض تابعین مثلاً حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری سے بھی روایت کرتے ہیں، حضرت انس سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں، یہ حدیث بھی حضرت انس سے روایت کی ہے۔

[2] جیسے کہ امیر کبیر اور متکبر لوگوں کا طریقہ ہے تاکہ کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے، قاموس میں ہے کہ خوان کی خاء پر پیش اور زیر دونوں جائز ہیں، لیکن حدیث کے نسخوں میں زیر کے ساتھ روایت ہے۔

[3] سکرجۃ سین اور کاف پر پیش، اور راء مشدد مضموم، بعض علماء نے زبر کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے، نہایہ میں ہے

---

[1] ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ دایاں زانو کھڑا کر کے اور بایاں زانو بچھا کر کھانے والے کو اپینڈے سائٹس کا عارضہ لاحق نہیں ہوتا، کیونکہ اس عارضے میں ناف کی دائیں جانب ایک انتڑی بڑھ جاتی ہے اور مریض کو شدید درد لاحق ہوتا ہے اور اس کا علاج صرف آپریشن ہے ہندا جب کھانا کھانے کے وقت دایاں زانو کھڑا رہے گا تو وہ انتڑی دبی رہے گی، اللہ اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرنے کے کتنے فائدے ہیں۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

چھوٹا برتن جس میں تھوڑا سالن کھایا جاتا ہے، فارسی سے معرب بنایا ہوا ہے، عام طور پر ان برتنوں کو کہتے ہیں جن میں چٹنی اور جوارش ڈال کر کھانوں کے پاس رکھی جاتی ہے تاکہ بھوک کو ابھارے اور ہضم میں مدد دے۔

سله نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی چپاتی تناول نہیں فرمائی خواہ آپ کے لیے پکائی گئی ہو یا کسی دوسرے کیلئے جیسے کہ بعض محدثین نے کہا ہے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے چپاتی تناول نہیں فرمائی، ظاہر عبارت یہ ہے کہ آپ کے لیے نہیں پکائی جاتی تھی، اور اگر کسی دوسرے نے اپنے لیے پکائی ہو اور آپ کے سامنے لاکر کھانے لگا ہو تو اس کے کھانے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ صحابہ کرام کی موافقت فرماتے تھے اور تکلف سے کام نہیں لیتے تھے، اسی طرح کہا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم میز پر کھانے کی نفی سے یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے اور میز کی جگہ کوئی دوسری چیز ہوتی تھی یا نہیں؟ برخلاف چھوٹی پیالی میں کھانے کے کہ اس کی مطلقاً نفی ہے۔

سله ظاہر یہ ہے کہ یہ صحابہ کرام کے حال کے بارے میں سوال ہے، کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال اور آثار کی پیروی کرنے والے تھے، ان کے احوال کے بارے میں سوال دراصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال شریف کے بارے میں سوال ہوگا اور اگر "یا کلون" کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف راجع کریں تو بھی درست ہے۔

سفر سین پر پیش، فاء پر زبر، جمع ہے سُفْرَۃ کی فا ساکن، دیار عرب میں چمڑے یا کھجور کے پتوں کے گول دسترخوان بناتے تھے، سفرہ اصل میں اس کھانے کو کہتے ہیں جو مسافر اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور عام طور پر چمڑے کے گول دسترخوان میں لے جاتے ہیں اس لیے مجازاً چمڑے کے دسترخوان کو سفرہ کہہ دیا گیا۔

۳۹۸۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَغِيْفًا مُرَقَّقًا حَتّٰى لَحِقَ بِاللهِ وَلَا رَاٰى شَاةً سَمِيْطًا بِعَيْنِهٖ قَطُّ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتی دیکھی ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے[1] اور آپ نے کبھی اپنی آنکھ سے بھنی ہوئی بکری[2] نہیں دیکھی۔ (بخاری)

سله اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

سله سمیط: اس بکری کو کہتے ہیں جس کے بال گرم پانی کے ساتھ اتار دیے جاتے ہیں پھر چمڑے سمیت بھونی جاتی ہے اور یہ دولتمندوں کی عادت ہے، اسی لیے خاص طور پر انس کا ذکر کیا، آنکھ کے ساتھ دیکھنے کا ذکر تاکید کے لیے کیا ہے۔

جیسے کہتے ہیں کہ یہ تحریر فلاں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور فلاں شخص اپنے پاؤں کے ساتھ چلا۔

۴۹۹۰ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ[۱] قَالَ مَا رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ[۲] مِنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مَا رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخُلًا[۳] مِنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ قِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَاْكُلُوْنَ الشَّعِيْرَ[۴] غَيْرَ مَنْخُوْلٍ قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهُ وَ نَنْفُخُهُ فَيَطِيْرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ[۵] ثَرَّيْنَاهُ[۶] فَاَكَلْنَاهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک میدہ نہیں دیکھا، یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک چھلنی[۳] نہیں دیکھی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات[۴] جو چھانے بغیر کس طرح کھاتے تھے؟ فرمایا: ہم انہیں پیس کر پھونک مارتے تھے تو جو کچھ اڑ[۵] جاتا وہ اڑ جاتا اور جو باقی بچتا اسے ہم گوندھ[۶] لیتے اور کھا لیتے تھے[۷]۔ (بخاری)

[۱] حضرت سہل بن سعد ساعدی مشہور انصاری صحابی ہیں، ان کے احوال کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] النَّقِيّ نون پر زبر، قاف کے نیچے زیر، اور یاء مشدد، وہ آٹا جسے بار بار چھانا گیا ہو، تاکہ صاف اور سفید رہ جائے، میدہ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ دیکھا اور نہ ہی اس کی روٹی کھائی۔

[۳] مُنْخُلًا میم اور خاء پر پیش، خاء پر زبر بھی آئی ہے۔ چھلنی جس کے ساتھ آٹا چھانتے ہیں۔

[۴] یعنی جو کی روٹی ——— حالانکہ عام طور پہ آپ کی خوراک یہی تھی۔

[۵] بھوسا۔

[۶] ثری زمین، تثریۃ مٹی کو پانی سے تر کرنا۔

[۷] بظاہر ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باریک روٹی (چپاتی) تناول نہیں فرمائی، کیونکہ نہ دیکھنے سے مراد بطور تاکید نہ کھانا ہے۔ گزشتہ حدیث میں جو ہے کہ آپ کے لیے چپاتی نہیں پکائی گئی تو اس سے مراد بھی یہی ہوگا۔ ہاں اس جگہ یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا کہ آپ کیلئے

ایسی روٹی پکائی گئی ہو، لیکن یہ تاویل بعید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۹۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَا[14] عَابَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهٗ وَاِنْ كَرِهَهٗ تَرَكَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے[1] میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ کی طبیعت چاہتی تو اسے تناول فرمالیتے اور آپ کو ناپسند[2] ہوتا تو چھوڑ دیتے۔ (صحیحین)

[1] اس کھانے کو جو آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔

[2] طبیعت شریفہ کے موافق نہ ہوتا یا موقع محل کے مناسب نہ ہوتا۔

۳۹۹۲ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاْكُلُ[15] اَكْلًا كَثِیْرًا فَاَسْلَمَ وَكَانَ يَاْكُلُ قَلِیْلًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَاْكُلُ فِیْ مِعًا وَّاحِدًا وَّالْكَافِرُ يَاْكُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَرَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ وَفِی اُخْرٰی لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهٗ ضَیْفٌ وَّهُوَ كَافِرٌ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اُخْرٰی

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص بہت کھایا کرتا تھا وہ اسلام لے آیا تو کم کھایا کرتا تھا، یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی تو فرمایا: بے شک مومن ایک آنت میں کھاتا[1] ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (بخاری)

امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث کا اتنا حصہ ہی روایت کیا جس کا اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف[2] ہے حضرت ابوہریرہ سے مروی امام مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا وہ کافر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر ایک بکری کا دودھ دوہا گیا تو وہ

أُخْرٰى فَشَرِبَهٗ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهٗ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اَنَّهٗ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ بِاُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًا وَّاحِدٍ وَّ الْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

اس کا تمام دودھ پی گیا، پھر دوسری کا حکم دیا اس کا دودھ بھی پی گیا پھر ایک اور بکری کا حکم دیا اس کا دودھ بھی پی گیا یہاں تک کہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ پھر صبح ہوئی تو وہ اسلام لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر ان کے لیے ایک بکری دوہی گئی تو اس کا دودھ پی گئے۔ پھر دوسری دوہی گئی تو اس کا سارا دودھ نہ پی سکے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے[۱]۔

[۱] یہ کم کھانے سے کنایہ ہے ——— مِعًا میم کے نیچے زیر بر وزن اِلی، آنت، اَمْعَاء ہمزہ سے پہلے زبر، آخر میں الف ممدودہ، جمع ——— کہتے ہیں کہ ہر آدمی کی سات آنتیں ہوتی ہیں، علامہ طیبی نے کہا کہ سات کی تخصیص کثرت کے بیان میں مبالغہ کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور) کہتے ہیں کہ مومن کی دنیا میں بے رغبتی اور کافر کی حرص اور طمع کی مثال بیان کرنا مقصود ہے، کم اور زیادہ کھانا مراد نہیں ہے۔

یا مومن سے مراد کامل ایمان والا مومن ہے، اس کے کم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینے کی برکت حاصل ہوتی ہے، اس کا باطن معرفت اور ایمان کے نور سے معمور ہوتا ہے۔ اس کی توجہ جسم کی تدبیر کی طرف نہیں ہوتی اور وہ اسے اہمیت نہیں دیتا۔ کافر اس کے برعکس ہوتا ہے، اور حقیقت میں یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ مومن کی شان یہ ہے کہ صبر، قناعت، اور زہد و ریاضت کے سلوک کو لازم پکڑے، بھوک مٹاتے، حد ضرورت پر ٹھہر جانے اور معدے کو خالی رکھنے پر اکتفار کرے کہ یہ طریقہ دل کے منور ہونے، کدورت اور قساوت کے زنگ سے باطن کے پاک ہونے، بیداری اور عبادت کے میسر آنے کا موجب ہے، اس کے علاوہ کم کھانے کے دوسرے بہت سے فوائد اور منافع ہیں۔

مروی ہے کہ ایک فقیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا، اس نے کھانا بہت کھایا، فرمایا، اسے دوسری بار میرے پاس نہ لانا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ اس عادت میں کافروں کے مشابہ ہو گیا تھا

اور جو شخص کافروں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو اس کی صحبت سے بچنا چاہیے، ہمیشہ کم کھانا دانشوروں، بلند ہمت والوں اور صوفیاء کرام کے نزدیک قابل تعریف ہے، اور زیادہ کھانا قابل مذمت ہے، ہاں حد سے بڑھ کر بھوکا رہنا ممنوع ہے جو جسمانی کمزوری اور جسمانی قوتوں کے مختل ہونے کا باعث بنے اور کاروبار سے روک دے، ایسی بھوک طریقۂ حکمت کے بھی منافی ہے، ہاں اس کا طریقہ یہ ہے کہ ریاضت کا اندازہ اختیار کیا جائے اور اس کی عادت ڈالی جائے، جیسے درویش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے، یہ حضرت ابو ہریرہ سے امام بخاری کی روایت ہے۔

۲؎ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَاْکُلُ سے آخر تک، یعنی امام مسلم کی روایت میں یہ واقعہ مذکور نہیں ہے کہ ایک مرد اکیلا بہت کھایا کرتا تھا، بلکہ صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مذکور ہے۔

۳؎ بعض نسخوں میں ہے فَلَمْ یَتَشَرَّبُھَا۔ اس پہلی بکری کا سارا دودھ نہ پی سکے اور اسی کے ساتھ سیر ہو گئے۔

۴؎ اس جگہ دودھ پینے کا ذکر تھا اس لیے فرمایا کہ وہ پیتا ہے، جب کہ سابقہ روایت میں کھانے کا ذکر تھا اس لیے وہاں، فرمایا کہ کھاتا ہے۔

۳۹۹۳/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلٰثَةِ وَطَعَامُ الثَّلٰثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کا کھانا تین کے لیے کفایت کرنے والا ہے[1] اور تین کا کھانا چار کے لیے کفایت کرنے والا ہے[2]۔ (صحیحین)

۱؎ مطلب یہ ہے کہ جتنے کھانے سے دو آدمی سیر ہو جائیں وہ تین آدمیوں کی خوراک بن سکتا ہے (یعنی اس پر تین افراد گزارہ کر سکتے ہیں۔ ۱۲ قادری)

۲؎ اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا (یعنی تین آدمیوں کے کھانے پر چار افراد گزارہ کر سکتے ہیں)

۳۹۹۴/۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک کا کھانا دو کے لیے اور دو کا کھانا

طَعَامُ الْاَرْبَعَۃِ یَکْفِی الثَّمَانِیَۃَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کفایت کرتا ہے[1] (مسلم)

[1] اس کا مطلب وہی ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا، لفظ کفایت میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے، ہاں پہلی حدیث میں ثلث اور ربع کے حساب سے ارشاد فرمایا اور اس حدیث میں مضاعفت کے طور پر (یعنی جتنے آدمیوں کا کھانا ہے ان سے دو چند کے لیے کفایت کرتا ہے) اور دونوں باتیں صحیح ہیں، حالات اور اشخاص کے اختلاف کی بنا پر اختلاف ہے، مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمادہ کے سال (۱۸ھ) فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کے برابر افراد بھیجوں۔

مطلب یہ تھا کہ ان کے کھانے میں وہ افراد شریک ہوں، کیونکہ آدمی پیٹ بھرنے کی مقدار سے آدھا کھانا کھا کر ہلاک نہیں ہوتا، بہر صورت اس جگہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور ہمدردی سے پیش آنے اور قدر کفایت پر قناعت کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

۳۹۹۵/۱۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ التَّلْبِیْنَۃُ مُجِمَّۃٌ لِفُؤَادِ الْمَرِیْضِ تُذْھِبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تلبینہ[1] (دلیہ) بیمار کے دل کو راحت بخشنے والا[2] ہے۔ کچھ غم کو دور کر دیتا ہے[3] (صحیحین)

[1] تلبینہ یہ آٹے یا بھوسے (چھان بورے) سے شوربے کی طرح پتلا بنایا جاتا ہے اس میں شہد ڈالا جاتا ہے، سفیدی اور پتلا ہونے میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نہایہ میں ہے، اسی لیے اسے تلبینہ کہتے ہیں جو لَبَنٌ (دودھ) سے مشتق ہے۔

[2] مُجِمَّۃ میم اور جیم کی زبر کے ساتھ، میم کی پیش اور جیم کی زیر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔

[3] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی فوت ہو جاتا اور اس کے لیے عورتیں جمع ہوتیں تو آپ تلبینہ پکانے کا حکم دیتیں، ہنڈیا چڑھا کر اس میں تلبینہ ڈال دیا جاتا، اس جماعت کو کھانے کے لیے دیتیں اور یہ حدیث روایت کرتیں، تلبینہ کے بارے میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں جن میں اس کے فائدے کا ذکر ہے۔

۳۹۹۶/۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَیَّاطًا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

دَعَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَہٗ فَذَھَبْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِیْرٍ وَّ مَرَقًا فِیْہِ دُبَّآءٌ وَّ قَدِیْدٌ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَتَبَّعُ الدُّبَّآءَ مِنْ حَوَالَی الْقَصْعَۃِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّآءَ بَعْدَ یَوْمِئِذٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ ایک درزی نے کھانا تیار کر کے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت دی، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا[1] درزی نے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا[2] میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیالے کے اطراف و جوانب[3] میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا اس دن کے بعد میں ہمیشہ کدو کو محبوب رکھتا رہا ہوں۔

(صحیحین)

[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ خادموں اور تابعین کیلئے جائز ہے کہ دعوت میں مخدوم اور متبوع کے ساتھ جائیں، پھر اگر صراحت یا دلالت کے ساتھ دعوت کرنے والے کی رضا مندی پائی جائے تو دعوت میں شامل ہو جائیں۔ یہ حکم ضیافت کے باب میں معلوم ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[2] مرق میم اور را پر زبر، شوربا قدید وہ گوشت جسے نمک لگا کر خشک کر لیا گیا ہو۔ "قد" کا معنی ہے کسی چیز کا لمبائی میں کاٹنا۔

[3] حوالی تثنیہ کا لفظ ہے حوالیہ، حوالہ، حولیہ اور حولہ بھی کہتے ہیں، سب صورتوں میں لام پر زبر ہے، بمعنی جانب، اس جگہ سے معلوم ہوا کہ پلیٹ کے اطراف کی طرف ہاتھ کا دراز کرنا جائز ہے جب کہ طعام مختلف ہو اور معلوم ہو کہ ساتھی اسے ناپسند نہیں کرے گا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کدو کو تلاش کرنے سے معلوم کیا کہ آپ کو اس سے محبت ہے، اسی لیے فرمایا کہ میں اس دن کے بعد ہمیشہ اسے محبوب رکھتا رہا ہوں۔

حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ فقراء و مساکین اور اہل حرفہ (درزی وغیرہ) کی دعوت قبول کرنی چاہیے اور جو کچھ وہ فقیرانہ کھانا پیش کریں اس کے ساتھ دلچسپی لینا چاہیے اور اکڑ فوں کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

۳۹۹۷/۲۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّۃَ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْتَزُّ مِنْ کَتِفِ شَاۃٍ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کا کندھا

فِیْ یَدِہٖ فَدُعِیَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَلْقَاھَا وَ السِّکِّیْنَ الَّتِیْ یَحْتَزُّ بِھَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی وَ لَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

آپ کے دست مبارک میں تھا اور آپ اس کا گوشت کاٹ رہے تھے[۲] اتنے میں آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا[۳] تو آپ نے وہ کندھا اور وہ چھری پھینک دی جس کے ساتھ آپ کاٹ رہے تھے[۴] پھر آپ کھڑے ہوئے، نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (صحیحین)

[۱] حضرت عمرو بن امیہ ضمری پہلوان صحابہ میں سے تھے اور عرب کے طاقت ور اور جرأتمند افراد میں سے شمار ہوتے تھے بدر اور احد میں مشرکوں کے ساتھ حاضر ہوتے احد سے واپسی پر ایمان لے آئے، مسلمانوں کے ساتھ پہلے پہل بیر معونہ کے دن حاضر ہوئے، عامر بن طفیل نے انہیں گرفتار کر لیا، بعد ازاں رہا کر دیا، ۶ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ میں نجاشی کے پاس بھیجا، نجاشی کے پاس پہنچ کر اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے، حضرت عمرو اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[۲] یحتز بے نقطہ حاء، زاء مشدد، مشتق ہے حز سے جس کا معنی کاٹنا ہے، جیم کے ساتھ بھی روایت ہے اس کا معنیٰ بھی کاٹنا ہے، کہتے ہیں کہ بالوں اور گھاس کے بارے میں جیم کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور گوشت وغیرہ میں حاء کے ساتھ۔

[۳] اس بلانے سے مراد اذان ہے یا یہ مراد ہے کہ معمول کے مطابق جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت بلال نے آکر اطلاع دی۔

[۴] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے ساتھ گوشت کاٹنا جائز ہے، یہ اس وقت ہے جب حاجت ہو، اور اگر اتنا پکا اور گلا ہوا ہو کہ کاٹنے کی حاجت نہ ہو تو چھری سے کاٹنا مکروہ ہے اور عجمیوں کے تکلفات میں سے شمار کیا جاتا ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ نیز کھانا حاضر ہونے کے باوجود مؤذن کی آواز پر لبیک کہنا اور نماز کو حاضر ہونا بھی ثابت ہوا، اور یہ اس وقت ہے کہ کھانے کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہو، کھانے کی سخت حاجت نہ ہو، اور یہ خوف نہ ہو کہ بعد میں نہیں ملے گا، یہ بھی معلوم ہوا کہ پکا ہوا گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں واجب تھا پھر منسوخ ہو گیا، اس حدیث سے اگرچہ صراحۃً گوشت کھانا معلوم نہیں ہوا لیکن ظاہر یہی ہے، دوسری احادیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔

۳۹۹۸ [۲۱] وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ۔

حلوا[1] اور شہد پسند فرماتے تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(بخاری)

[1] حلوا ہمزہ ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ، اس کا اطلاق صرف اس چیز پر ہوتا ہے جو تیار کی جائے اور اس میں چکنائی اور مٹھاس ہو، اسی طرح مجمع البحار میں ہے، کہتے ہیں کہ حلوا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بطور طلب اور خواہش نہ تھی، بات صرف اتنی تھی کہ جب ایسی کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تو کسی قدر رغبت سے تناول فرماتے جس سے ظاہر ہوتا کہ آپ اس کے ذائقے کو پسند فرماتے ہیں، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ حَلْوِیٌّ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ مومن حلوے کو پسند کرنے والا ہے، جیسے کہ ظاہر ہے، یا ایمان کی مٹھاس کا محسوس کرنا مراد ہے، اور حقیقت ایمان کے ذائقے میں مٹھاس ہے، جیسے کہ ارشاد فرمایا: اس شخص نے ایمان کی مٹھاس پائی جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہوا۔ اس لذت کو وہی پہچانتا ہے جو اسے چکھتا ہے۔

۳۹۹۹/۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَ اَهْلَهُ الْاُدْمَ فَقَالُوْا مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِهٖ فَجَعَلَ يَاْكُلُ بِهٖ وَ يَقُوْلُ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے سالن[1] کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف سرکہ ہے آپ نے وہی طلب کیا اور اس کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے فرمانے لگے سرکہ[2] بہترین سالن ہے، سرکہ بہترین سالن ہے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

[1] اُدْم ہمزے پر پیش، دال ساکن اسی کو اصول صحیحہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔ بعض نسخوں میں دال کے پیش کے ساتھ ہے، علامہ ابن حجر نے شرح شمائل میں فرمایا: اُدْمٌ دال کے سکون کے ساتھ اِدَامٌ کی طرح مفرد ہے اور دال کے پیش کے ساتھ جمع ہے جیسے کُتُبٌ اور کِتَابٌ، اُدْم اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ روٹی کھائیں اور وہ روٹی کی اصلاح کرے، مشتق ہے مُوَادَمَۃ سے جس کا معنیٰ موافقت اور ملائمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل سے سالن طلب فرمایا۔

[2] مقصد کھانے کی چیزوں میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعریف تھی اور نفس کو لذیذ کھانوں سے منع کرنا تھا۔

سے دو دفعہ تاکید اور عوام الناس کے دلوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا ــــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قسم کھائے کہ وہ سالن کے ساتھ روٹی نہیں کھائے گا پھر اس نے سرکے کے ساتھ کھالی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سرکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سالن ہے، طب کی کتابوں میں سرکے کے بہت فائدے لکھے گئے ہیں۔

۴۰۰۰/۲۲ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مِنَ الْمَنِّ الَّذِي اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کھمبی مَن سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے (صحیحین) امام مسلم کی روایت میں ہے اس مَن سے ہے جو اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا۔[۱]

[۱] اَلْكَمْأَةُ کاف پر زبر، میم ساکن، ہمزے پر زبر بروزن رَحْمَةٌ عام طور پر میم کی زبر کے ساتھ، ہمزے کے بغیر پڑھتے ہیں۔ بروزن تَجَاۃٌ چربی کی طرح ایک سفید چیز ہے۔ جسے زمین کی چربی کہتے ہیں۔ فارسی میں سماروغ، کلاہ دیو اور ہمارے علاقے میں چتر مار کہتے ہیں اور وہ حلال ہے، ہمارے علاقے میں چونکہ اس کے کھانے کی عادت نہیں ہے اس لیے اکثر لوگ طبعی طور پر اسے مکروہ جانتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ مَن سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر نازل ہوا، جیسے قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ہم نے تم پر مَن و سلویٰ اتارا۔ کہتے ہیں کہ اسے مَن میں سے قرار دینے سے مراد اسے مَن کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ کہ جس طرح مَن محنت و مشقت کے بغیر آسمان سے اترتا تھا، اسی طرح کھمبی بھی بغیر کسی مشقت کے زمین سے برآمد ہوتی ہے۔ ورنہ بنی اسرائیل کا مَن وہ ترنجبین ہوتی تھی جو خشک ہو کر شکر کی طرح بن جاتی تھی اور کھمبی اس طرح نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس جگہ مَن سے مراد بنی اسرائیل کا مَن نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور احسان بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ قول اس دوسری روایت کے مخالف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مَن ہے جو سلویٰ کے ساتھ تھا جیسے کہ اس کے بعد مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

[۲] ایک روایت میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اتارا۔ یہ پوری حدیث کتاب طب ورقی میں آئے گی۔ اس کی ایک دوسری خاصیت پر بیان فرمائی کہ اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے اور یا یہ کہ اس کا پانی تنہا آنکھ کے لیے شفاء ہے یا کسی

دوسری چیز کے ساتھ ملا کر؟ تفصیل کے ساتھ ہم اسی جگہ بیان کریں گے۔

۴۰۰۱/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ تر کھجور کھاتے دیکھا ۔ (صحیحین)

لہ قثاء قاف پر پیش اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں اور زیر زیادہ ہے۔ آخر میں الف ممدودہ۔ ککڑی شمائل ترمذی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تر کھجور کے ساتھ تربوز کھایا کرتے تھے۔ یہ بھی آیا ہے کہ تر کھجور کے ہمراہ خربوزہ کھایا کرتے تھے۔ خربز خاء کے نیچے زیر، راء ساکن اور باء کے نیچے زیر، خربوزہ، بعض روایات میں بطیخ (تربوز) کی جگہ طبیخ آیا ہے۔ یاء سے پہلے طاء، جس کا معنی مطبوخ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے یَاْکُلُ الْقِثَّدَ بِالْمجاج، قثد پہلے دونوں حرفوں پر زبر نباتات میں سے ککڑی کے مشابہ ایک چیز بلکہ اس کی ایک قسم ہے، مجاج میم پر پیش اس کے بعد دو جیم، شہد۔

اس میں شک نہیں ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سے ان چیزوں اور تر کھجور کا جمع کرنا سمجھا جاتا ہے، محدثین نے فرمایا کہ معدہ میں جمع کرنا مراد ہے، بعض نے کہا کہ چبانے میں جمع کرنا مراد ہے یعنی دونوں چیزوں کو منہ میں جمع کرتے اور ملا کر تناول فرماتے، یہ مطلب الفاظ سے زیادہ ظاہر ہے، بعض شارحین نے کہا کہ تر کھجور اور ککڑی کو چبانے میں جمع کرنا ذائقے کے اعتبار سے موزوں نہیں ہے اس لیے معدے میں جمع کرنا مراد ہوگا، یہ قول درست نہیں ہے اور محض ظن وتخمین کی بنا پر احادیث کو ظاہر سے پھیرنا ہے، ذائقے کا موزوں نہ ہونا بھی مسلم نہیں ہے۔ امام طبرانی کی روایت کردہ حدیث میں ہے اگرچہ محدثین نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تر کھجوریں تھیں اور آپ کبھی اس سے تناول فرماتے اور کبھی اس سے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں چیزیں کھانے میں جمع فرمائیں اور ظاہر یہ ہے کہ اتفاقاً بغیر کسی تکلف کے ایسا ہوا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ دو کھانوں کا جمع کرنا اور کھانوں میں وسعت جائز ہے۔ اس کے جواز میں علماء کا اختلاف نہیں ہے اور وہ جو سلف صالحین کا اس میں اختلاف منقول ہے تو وہ اس امر پر محمول ہے کہ کئی کھانوں کا جمع کرنا عادت بنا لیا جائے اور دینی مصلحت کے بغیر کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے جمع کی جائیں اور داد عیش دی جائے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۴۰۰۲/۲۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ فَقِيلَ أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ہمراہ مرالظہران[1] میں پیلو کے پھل[2] چن رہے تھے، آپ نے فرمایا: اس میں سے خاص طور پر کالے کالے چنو کہ وہ اچھے ہوتے ہیں[3]، عرض کیا گیا کہ کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں[4]

(صحیحین)

[1] مرالظہران میم پر زبر، را مشدد، نقطے والی ظا پر زبر، کہ مکرمہ سے ایک مرحلے سے کم فاصلے پر ایک وادی ہے جسے عوام وادی فاطمہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کے عازمین پہلے اسی جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں، وادی فاطمہ نام میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نسبت نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہی نام ہے جس طرح مختلف مقامات اور دیہات کا نام ہوتا ہے، اسی طرح ہم نے بعض مشائخ سے سنا۔

[2] کباث کاف پر زبر، با مخفف، پیلو کے پکے ہوئے پھل کو کہتے ہیں۔

[3] پیلو کا پھل جنگل میں بود و باش اختیار کرنے اور بکریاں چرانے والوں کی خوراک ہوتا ہے اور انہیں ہی اچھے اور برے کی پہچان ہوتی ہے (اسی لیے صحابۂ کرام نے سوال کیا۔ ۱۲ ق)

[4] کلمات حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے اور اسے مبالغہ پر محمول کرنا بعید ہے ——— محدثین فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت، دنیا داروں، بادشاہوں، متکبروں اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنے والوں میں نہیں رکھا بلکہ بکریاں چرانے والوں اور ارباب فقر و تواضع میں رکھا، کہتے ہیں کہ بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ کمزوروں کی صحبت کے سبب صفت تواضع حاصل اور مکمل ہو، نیز خلوت گزینی اور بادیہ نشینی سے دلوں کی

---

[5] آج کل اعلیٰ ہوٹلوں میں کھانے پینے کی بیسیوں چیزیں سجی ہوتی ہیں اور عیش پرست دولت مند حسب خواہش ان میں سے پیتے ہیں اور کھاتے ہیں، ایک ایک وقت میں سیکڑوں ہزاروں روپے اڑا دیتے ہیں، یہ سراسر تکلف ہے اور اسراف میں داخل ہے، اسلامی روش تو یہ تھی کہ قحط کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روغن زیتون تک کھانا چھوڑ دیا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک عوام کو میسر نہ ہو گا، آج عام آدمی کو دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے ایسے میں ارباب حکومت کا جلسوں، جلوسوں، غیر ملکی سفروں اور دعوتوں پر اربوں روپے خرچ کر دینا سراسر ناانصافی اور عام آدمی سے ہمدردی نہ ہونے کی علامت ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

صفائی اور امامت کی راہنمائی کے لیے اصلاح اور انتظام کا سلیقہ حاصل ہو، رعیت، رعی اور رعایہ کے مادہ سے مشتق ہے، روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کس صفت کی بنا پر نبوت عطا فرمائی؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے، فرمایا اس دن کو یاد کرو جب تم وادی ایمن میں بکریاں چرا رہے تھے، ایک بکری بھاگ گئی، تم اس کے پیچھے بھاگے اور اس سلسلے میں تکلیف اور مشقت اٹھائی، جب تم نے اس بکری کو پکڑ لیا تو تم نے نہ تو اسے مارا اور نہ ہی ناراض ہوئے، بلکہ ازراہ شفقت کہا۔ بیچاری بکری! تم نے خود بھی تکلیف اٹھائی اور ہمیں بھی مشقت میں ڈالا، جب ہم نے اس حیوان پر تمہاری نرمی اور رحمت وشفقت دیکھی تو ہم نے بھی تم پر رحمت کی اور تمہیں منتخب کیا اور نبوت عطا فرمائی۔ شعر

بلا خوش باش کاں محبوب جاں را　　بدرویشان ومسکیناں سرے ہست

خبردار! خوش ہو جاؤ کہ اس محبوب جان کو درویشوں اور مسکینوں کا پاس ہے۔

۴۰۰۳/۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِيًا يَاْكُلُ تَمْرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ يَاْكُلُ مِنْهُ اَكْلًا ذَرِيْعًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے[1] خشک کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جلدی جلدی کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا[2] (مسلم)

[1] اس جگہ اقعاء سے مراد سرین کا زمین پر رکھ کر پنڈلیوں کا کھڑا کرنا ہے۔

[2] اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھجوریں تناول فرمانے سے کوئی زیادہ اہم کام درپیش ہوگا اس لیے آپ نے کوشش کی کہ جلد کھجوریں تناول فرما کر اس کام میں مشغول ہو جائیں، خواہش اور حرص والوں کی طرح جلدی نہیں فرمائی۔

۴۰۰۴/۲۷ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقْرِنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتّٰى يَسْتَاْذِنَ اَصْحَابَهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک آدمی دو کھجوروں کو جمع کرے یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے[1] (صحیحین)

سلہ بزاس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، علامہ سیوطی نے فرمایا: یہ فقر اور تنگ دستی کی حالت میں تھا، دولت اور وسعت کے حاصل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور فرمایا: ہم تمہیں کھجوروں کے جمع کرنے سے منع کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کی فراخی عطا فرمائی ہے تو ملا کر کھا سکتے ہو، یعنی اگر ملا کر کھائیں تو یہ حرام اور مکروہ نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ اگر ساتھیوں نے مل کر خرچ کیا ہے اور وہ صرف اس قدر پر راضی ہوں کہ ہر شخص اپنے خرچ کے مطابق کھائے تو اس سے تجاوز کرنا حرام ہے، اس صورت کے علاوہ ادب اور طریقہ مروت کی حفاظت باقی ہے، ہاں اگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو (تو حرج نہیں) لہٰذا سابقہ ممانعت دونوں صورتوں (فقر اور فراخی) کو شامل ہے اور اباحت اور استثناء شرکت کے ماسوا صورت میں ہے۔

۴۰۰۵/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجُوْعُ اَهْلُ بَيْتٍ عِنْدَهُمُ التَّمْرُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يَا عَائِشَةُ بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ اَهْلُهٗ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گھر والے بھوکے نہیں رہتے جن کے پاس کھجوریں موجود ہوں[1] اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: عائشہ! جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں اس گھر والے بھوکے ہیں، دو یا تین مرتبہ[2] یہ ارشاد فرمایا۔ (مسلم)

سلہ گویا یہ گھر میں کھجوریں محفوظ رکھنے کی ترغیب ہے، تاکہ بوقت حاجت بھوکا نہ رہے اور جو کچھ گھر میں ہو وہ نیار رہے، مدینہ منورہ کے باشندوں کی یہ عادت ہے کہ اس مبارک شہر میں میسر ہونے والی کھجور کی مختلف قسمیں گھروں میں جمع رکھتے ہیں، جیسے کہ زراعت پیشہ لوگ گھروں میں غلے جمع رکھتے ہیں، ایک دفعہ یہ فقیر مدینہ منورہ میں سید جعفر نامی بزرگ کی زیارت کے لیے گیا وہ مدینہ منورہ کے اکابر میں سے تھے۔ ان کے پاس جو کھجوریں موجود تھیں وہ لا کر پیش کر دیں، پوچھا کہ کھجور کی اس قسم کا نام کیا ہے؟ فرمایا: جعفری، میں نے پوچھا دونوں معنوں کے اعتبار سے؟ (یعنی اس کا نام بھی جعفری ہے اور آپ کی نسبت سے بھی جعفری ہے؟) فرمایا: ہاں۔

سلہ راوی کو شک ہے، انہیں تعداد یاد نہیں رہی۔

۴۰۰۶/۲۹ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سَمٌّ وَّلَا سِحْرٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سنا کہ جس شخص نے صبح کے وقت سات عجوہ[1] کھجوریں کھائیں اسے اس دن نہ تو زہر نقصان دے گا اور نہ ہی جادو[2]۔ (صحیحین)

[1] عجوہ بے نقطہ عین پر زبر جیم ساکن یہ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے جس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے یہ مدینہ طیبہ کی عمدہ ترین کھجور ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی اصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی ہے۔

[2] سم سین پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، زیادہ مشہور اور فصیح اس کی زیر ہے۔ اس جگہ زہر قاتل مراد ہے جو معروف ہے۔ یا سانپ بچھو وغیرہ کی زہر سے عام زہر مراد ہے، ان جانوروں پر سم سے مشتق سامہ اور سوام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ احادیث میں ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ ان الفاظ میں مانگی گئی ہے۔ وَمِنْ شَرِّ السَّامَّةِ وَالْهَامَّةِ کھجور کی اس قسم میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پائی گئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے جڑی بوٹیوں میں مختلف خواص پیدا کیے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دی گئی ہوگی۔ محدثین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس میں یہ خاصیت پیدا ہوئی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کو دعا پر محمول کیا جائے یا دعا دوسرے موقع پر کی ہو اور یہ اس کے بعد کی خبر ہو۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ سات عدد کی تخصیص کی وجہ سوائے شارع علیہ السلام کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کا علم توقیفی ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سننے پر موقوف ہے، جیسے نماز کی رکعتوں وغیرہ کی تعداد۔ تسبیحوں کے پڑھنے اور دعاؤں میں اسماء الٰہیہ کے بارے میں جو تعداد واقع ہوئی ہے وہ بھی اسی قبیلے سے ہے جس اثر کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ اس تعداد سے کم یا زیادہ پر مرتب نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ اسماء کی تاثیر ان کے معنی میں ہے، رہی تعداد تو اس کی تعیین شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی کی شان کے لائق نہیں، ہاں کسی کامل و اکمل ولی کو الہام کے ذریعے یا راسخ العلم عالم کو صحیح استنباط کے ذریعے بعض جگہوں میں تعیین تعداد کا علم ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان اشیاء کے ان امراض اور خصوصاً جادو کے دفع کرنے کی تاثیر کے سلسلے میں عام اطباء کو سوائے حیرانی اور سرگردانی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا جن کے دل نور ایمان اور تصدیق نبوت سے منور نہیں ہوتے، بارگاہ رسالت سے جسمانی اور روحانی طب کے بارے میں وارد ہونے والے اس قسم کے ارشادات بہت ہیں۔

۴۰۰۳ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِيْ عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالیہ کی عجوہ میں شفاء ہے

شِفَاءٌ وَّ اِنَّهَا تِرْيَاقٌ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے[2]۔ (مسلم)

[1] عالیہ، مدینہ منورہ میں مسجد قبا کی جانب ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کے آس پاس کی جگہوں اور دیہات کو عالیہ کہتے ہیں۔ اسی طرف نجد کی زمین ہے۔ عالیہ کی مخالف جانب کو سافلہ کہتے ہیں اور تہامہ تا کی زیر کے ساتھ اسی جانب ہے علامہ طیبی کہتے ہیں کہ عالیہ کا قریب ترین حصہ مدینہ منورہ سے تین میل اور بعید ترین حصہ آٹھ میل ہے۔ عالیہ کی عجوہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ کھجور کی یہ قسم اسی جانب ہوتی تھی اور اگر دوسری جگہ بھی ہو تو اس میں یہ خاصیت نہیں ہوگی[1] جیسے کہ بعض شارحین کے کلام میں ہے کہ یہ خاصیت اسی جانب کی عجوہ میں تھی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دعا خاص طور پر اسی کے بارے میں واقع ہوئی تھی۔ اس میں شفاء کے موجود ہونے کی خبر دینے کے لیے فرمایا کہ یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے۔

[2] زہر کے دفع کرنے میں تریاق کی خاصیت رکھتی ہے۔ تریاق تا کے نیچے زیر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں یہ ایک مرکب دوا ہے جو زہر وغیرہ کے دفع کرنے میں مفید ہے۔ تریاق فاروق ایک معروف معجون کا نام ہے، تریاق پتھر کا ایک منکا بھی ہوتا ہے جو زہر کے زائل کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔

صاحب مشکوٰۃ، امام مسلم کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے جو یہ حدیث لائے ہیں تو اس میں خاص طور پر زہر سے شفاء دینے کا ذکر ہے، صاحب سفر السعادۃ اس طرح روایت لائے ہیں کہ عالیہ کی عجوہ میں ہر بیماری سے شفاء ہے اور یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے، اس صورت میں یہ فرمانا کہ یہ تریاق ہے تعمیم کے بعد تخصیص ہوگی۔ صاحب مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق زہر سے شفاء دینے کا بیان ہوگا۔

۴۰۰۸ (۲) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَأْتِيْ عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنْ نُّؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ ہم پر مہینہ آتا تھا[1] اس میں آگ نہیں جلاتے تھے[2] ہماری خوراک صرف کھجور تھی اور پانی۔ الّا یہ کہ کبھی تھوڑا سا گوشت لایا جاتا۔ (مسلم، بخاری)

[1] اشعہ کی عبارت یہ ہے اگر در جائے دیگر ہم باشد ایں خاصیت دارد، لیکن روش کلام کے مطابق وہی ترجمہ مناسب ہے جو راقم نے کیا ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

سلہ ہم اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ ہم پر پورا مہینہ گزر جاتا تھا۔
سلہ کھانا پکانے کے لیے
سلہ گویا سائل نے پوچھا کہ آپ کی خوراک کیا چیز تھی۔
سلہ کھجور اور پانی کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی جو کھائی جاتی مگر تھوڑا سا گوشت جو کوئی ہمارے لیے بھیج دیتا، یا یہ مطلب ہے کہ ہم آگ نہیں جلاتے تھے اور کوئی چیز نہیں پکاتے تھے مگر اس وقت کہ کہیں سے گوشت آجاتا اور اس کے پکانے کے لیے ہم آگ جلاتے۔ لحیم لام پر پیش، حار پر زبر، یا ساکن، لحم کی تصغیر۔

۴۰۰۹/۳۲ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ اِلَّا وَاحِدُهُمَا تَمْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے مگر یہ کہ ان دونوں میں سے ایک دن ان کا کھانا کھجور تھی[1]۔ (صحیحین)

سلہ یعنی انہوں نے مسلسل دو دن گندم کی روٹی نہیں کھائی، گندم کی روٹی کی قید لگائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کی روٹی میسر ہوئی ہو۔

۴۰۱۰/۳۳ وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا[1] اور ہم دو سیاہ چیزوں[2] یعنی کھجور اور پانی سے سیر نہیں ہوئے۔ (صحیحین)

سلہ اصل میں توفی کا معنی ہے اس حق کا پورا پورا لے لینا جو کسی کے لیے ثابت ہو، صراح میں ہے توفی پورا حق وصول کرنا، موت کی تعبیر اس کے ساتھ کرتے ہیں اور عموماً صیغہ مجہول لایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا حق یعنی بندے کی جان اور اس کی زندگی اس سے مکمل طور پر لے لی اور وصول کر لی، بعض اوقات صیغہ معلوم بھی آتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ زندگی کی مدت سے متعلق بندے کا جو حق تھا وہ اس نے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے وصول کر لیا۔ یہ دونوں قرائتیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ثابت ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ ایک قرارت يُتَوَفَّوْنَ ہے اور دوسری يَتَوَفَّوْنَ ہے ۱۲ ق
سلہ ایک سیاہ کھجور ہے، پانی کو بھی مجاورت اور مقارنت کی بنا پر سیاہ کہہ دیتے ہیں، کلام عرب میں یہ طریقہ کثیر الاستعمال ہے کہ ایک ساتھ رہنے والی دو چیزوں میں سے ایک پر دوسری کا نام اطلاق کر کے تثنیہ بنا دیتے ہیں،

جیسے اَبَوَیْن، قَمَرَیْن، اور حَسَنَیْن، اسے تغلیب کہتے ہیں اس لیے کہ ایک کا نام دوسرے پر غالب کر دیا جاتا ہے، پانی کا ذکر بھی اور طفیل طور پر ہے ورنہ مقصود وہی کھجور ہے، کیونکہ پانی سے بھوک کا مٹانا مقصود نہیں ہوتا اور کھانے کی طرح پانی کی کمی بھی نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور اہل بیت کرام کی خوراک ضرور تھی لیکن وہ اسے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔

۴۰۱۱/۳۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ مَّا شِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نعمان بن بشیر[1] سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کیا تم جو کچھ چاہتے ہو کھاتے پیتے نہیں ہو؟ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ردی کھجوریں[2] بھی اس قدر نہ پاتے تھے جن سے آپ اپنا پیٹ بھر لیں[3]۔

(مسلم)

[1] نعمان بن بشیر مشہور صحابی ہیں، ہجرت کے بعد انصار کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہوئے، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

[2] خشک اور مٹھاس سے خالی، مختلف قسم کی ملی جلی کھجوریں جن کا کوئی معین نام نہیں ہوتا

[3] جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا تو آپ کے اہل بیت اور متبعین کا بھی یہی حال ہوگا پہلی حدیث میں گزرا کہ کئی کئی دن گزر جاتے مگر اہل بیت کرام کا عمدہ کھانا سوائے کھجور کے کچھ نہ ہوتا، دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے، اس کے بعد کہا کہ وہ بھی اعلیٰ اور نفیس قسم کی کھجوریں نہ تھیں بلکہ اس قسم سے تعلق رکھتی تھیں جنہیں صرف فقراء ہی کھاتے ہیں، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے راہ فقر و تجرید اختیار کر رکھا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقام پر قائم رکھا، درحقیقت یہ صورت حال خوراک کی قلت یا نایابی کی بنا پر نہیں تھی بلکہ جود و ایثار، زہد و تقویٰ و قناعت اور راست کی تعلیم و تربیت کی بنا پر تھی، احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جن صفات کا ذکر ملتا ہے مثلاً جود و کرم، سخاوت و عطا وہ ہمارے دعوے کی قوی دلیل ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہرچہ آمد ست بدست بداوی تو بیش ازاں ۔۔۔ ایں جود آنکس ست کش از فقر عار نیست

جو کچھ آپ کے ہاتھ میں آتا ہے آپ اس سے زیادہ عطا فرما دیتے ہیں، یہ اسی شخصیت کی سخاوت ہو سکتی ہے جسے فقر سے عار نہیں ہے۔

۴۰۱۲/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ اَكَلَ مِنْهُ وَ بَعَثَ بِفَضْلِهٖ اِلَیَّ وَاِنَّهٗ بَعَثَ اِلَیَّ یَوْمًا بِقَصْعَةٍ لَمْ یَاْكُلْ مِنْهَا لِاَنَّ فِیْهَا ثُوْمًا فَسَاَلْتُهٗ اَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اَكْرَهُهٗ مِنْ اَجْلِ رِیْحِهٖ قَالَ فَاِنِّیْ اَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس سے کچھ تناول فرماتے اور باقی ماندہ مجھے بھجوا دیتے، ایک دن آپ نے میرے پاس بڑا پیالہ بھجوایا جس میں سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا، میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ [۲] فرمایا: نہیں لیکن ہم اسے اس کی بو کی بنا پر ناپسند رکھتے ہیں [۳] حضرت ابوایوب نے عرض کیا حضور جو چیز آپ کو ناپسند ہے مجھے بھی ناپسند ہے [۴] (مسلم)

[۱] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے پہل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر قیام فرما کر انہیں اس سعادت کے ساتھ مخصوص اور ممتاز فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات وسعت رکھتے تھے۔ بارگاہِ رسالت کے خادموں کے لیے کھانے تیار کر کے حاضر کرتے تھے۔

[۲] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تناول نہ فرمانے سے مجھے خیال ہوا کہ شاید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لہسن کا کھانا حرام ہے، اس لیے دریافت کیا کہ کیا لہسن کا کھانا حرام ہے؟ یعنی آپ کے لیے، ورنہ اگر مطلقاً حرام ہوتا تو ان کے پاس کیوں بھجواتے؟

[۳] یعنی ہمیں اس کی بو اچھی نہیں لگتی، یا یہ مطلب ہے کہ ہم اسے اس لیے ناپسند رکھتے ہیں کہ کہیں دوسرے شخص کو ہم سے بو سے ناخوش محسوس نہ ہو۔ آئندہ حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صحبت اور ان سے ہم کلام ہونے کی بنا پر لہسن کو ناپسند فرمایا کیونکہ فرشتے ناپسندیدہ بو کو مکروہ جانتے ہیں۔

[۴] اگرچہ وہ علت نہ پائی جائے جو آپ کے حق میں ہے، ہمارے لیے آپ کی پیروی اور اتباع ہی علت ہونے کے لیے کافی ہے۔

۴۰۱۳/۳۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے الگ رہے [۱]

فَلْيَعْتَزِلْنَا اَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا اَوْ لِيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهِ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيْحًا فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰى بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَقَالَ كُلْ فَاِنِّيْ اُنَاجِيْ مَنْ لَّا تُنَاجِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یا فرمایا وہ ہماری مسجد سے الگ رہے یا اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ہنڈیا لائی گئی جس میں ساگ پات قسم کی مختلف سبزیاں تھیں آپ نے ان کی بو محسوس کی تو فرمایا: اسے بعض صحابہ کے قریب کر دو اور فرمایا کھاؤ کیونکہ ہم اُس سے ہم کلام ہوتے ہیں جس سے تم ہم کلام نہیں ہوتے۔ (صحیحین)

لہ اور ہمارے ساتھ ہمنشینی اختیار نہ کرے۔

۲ہ راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وہ ہم سے الگ رہے یا یہ فرمایا کہ ہماری مسجد سے الگ رہے۔

۳ہ مسجد لفظ مفرد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد خاص طور پر مسجد نبوی ہے اور متکلم مع الغیر کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے، اور چونکہ علت مشترک ہے اس لیے خیر اور عبادت کی تمام مجالس مثلاً ذکر، درس اور ارباب طہارت ولطافت اکابر اور علماء کی مصاحبت کا بھی یہی حکم ہوگا، ہو سکتا ہے کہ یہی مراد ہو، بعض روایات میں مساجدنا بھی آیا ہے اور یہ تصریح ہے اس امر میں کہ یہ حکم تمام مسجدوں کو شامل ہے۔

ٹکہ اگر یہ بھی راوی کے شک کی بنا پر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ فرمایا کہ ہم سے جدا ہے یا ہماری مسجد سے جدا ہے یا یہ فرمایا کہ جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے خواہ مسجد میں ہو یا دوسری جگہ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کو شک نہ ہو بلکہ لفظ اَوْ تقسیم کے لیے ہو اور اس کا تعلق اس بات کے ساتھ ہو کہ ہماری مسجد سے الگ رہے اور مطلب یہ ہو کہ مسجد میں آنا تو حرام ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرشتے اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں۔ لیکن باقی لوگوں مثلاً بادیہ نشینوں اور بازاری لوگوں کے پاس جانا اور ان کی صحبت میں بیٹھنا جائز ہے۔ یا ایسا بھی نہ کرے، گھر ہی گوشہ نشین ہو جائے اور مطلقاً صحبت ترک کر دے کہ یہ زیادہ بہتر ہے۔ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا کے ساتھ لفظ قال زائد کیا گیا ہے۔ لِيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهٖ سے پہلے زائد نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول کی طرح اس قول میں راوی کو شک نہیں ہے۔

ھہ ظاہر یہی ہے کہ لہسن، پیاز وغیرہ قسم کی سبزیاں تھیں ______ خضرات خاد پر زبر، ضاد کے نیچے

زیرا، خضر کی جمع ہے، بعض نے خاء کی پیش اور ضاد پر زبر بھی پڑھی ہے۔ جمع ہے خُضْرَۃ کی ضاد ساکن کے ساتھ۔

سلہ سبزیوں کی بو محسوس فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ کھا کی ضمیر قدر (ہنڈیا) کی طرف راجع ہو کر اس کا استعمال بطور مؤنث بھی ہوتا ہے، ایک روایت میں قِدر کی جگہ بدر آیا ہے۔ قاف کی جگہ ایک نقطے والی باء مفتوح، یہ کھجور کے پتوں سے تیار کیا ہوا تھال تھا جسے گولائی کی بنا پر بدر کہتے ہیں۔ اس صورت میں خضرات کی طرف ضمیر کا راجع کرنا متعین ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔

سلہ اُس ہنڈیا کو یا ان سبزیوں کو فلاں صحابی کے قریب کر دو اور ایک صحابی کی طرف اشارہ فرمایا جو حاضر تھے یعنی ان کے آگے رکھ دو۔

سلہ اس صحابی کو خطاب کرتے ہوئے۔

سلہ اس سے مراد حضرت جبریل امین اور دوسرے فرشتے علیہم السلام مراد ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت وحی کے نازل ہونے کے انتظار میں رہتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ایسے وقت میں وحی آ جائے جب کہ ابھی اس کی بو باقی ہو، یا یہ کمال طہارت و نظافت ہے کہ چونکہ آپ فرشتوں کے ساتھ ہمنشینی اختیار فرماتے تھے اس لیے جو چیز انہیں ناپسند تھی آپ نے اسے مطلقاً ترک فرما دیا ——— اس میں اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے مصاحب کے حال اور اس کی خوشی کی رعایت کرے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے باب المساجد اور مواضع الصلوٰۃ میں بھی گزر گئی ہے اور فصل ثانی میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

۴۰۱۴/۳۷ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، اپنا کھانا ناپ لیا کرو[۲] تمہیں برکت دی جائے گی[۳] (بخاری)

سلہ مقدام بن معدیکرب راء کے نیچے زیر، مشہور صحابی ہیں۔

سلہ یعنی ایسے غلے اور پھل جو پیمانے سے ناپے جاتے ہیں جب صرف کرو تو ناپ کر صرف کرو۔

سلہ بعض نسخوں میں فِیْہِ بھی مذکور ہے، اور اگر نہ بھی ہو تو بھی مراد ہے (یعنی اس کھانے میں برکت دی جائے گی) جب طعام میں کوئی تصرف کرنا ہو مثلاً پکانا ہو، خریدنا یا بیچنا ہو، قرض لینا دینا ہو تو کمی زیادتی اور جہالت کو دفع کرنے کے لیے اس کا ناپنا ضروری ہے، شارع علیہ السلام کے حکم کی بنا پر اسے مزید خیر و برکت میں دخل ہے خصوصاً جب کہ سنت کی رعایت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے ارادے سے کیا جائے۔

۴۰۱۵ / ۳۸ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان اٹھایا جاتا[1] تو یہ دعا پڑھتے حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار، پاکیزہ حمد، جس میں برکت دی گئی۔ نہ کفایت کیا ہوا، نہ وداع کیا ہوا اور نہ اس سے بے پرواہی برتی گئی۔ اے ہمارے رب! (بخاری)

[1] جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے اور دستر خوان اٹھایا جاتا، مَائِدَتُہٗ کی ضمیر کھانے کی طرف راجع ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف، مائدہ سے مراد، تھال اور دستر خوان ہے جس پر کھانا رکھتے ہیں، بعض شارحین اس سے مراد میز لیتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا تو یہ بات کس طرح صحیح ہو گی؟ اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس تو میز پر کھانا نہ کھایا ہو، لیکن صحابہ کی جماعت کی موافقت میں تناول فرمایا ہو، یہ بھی کہا کہ یا مائدہ سے مراد کھانا ہے (کرمانی) قاموس میں ہے المائدہ کھانا یا وہ میز جس پر کھانا ہو، ظاہر یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہونے اور اس کے اٹھائے جانے کے بعد یہ کلمات کہتے تھے۔

۴۰۱۶ / ۳۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَائِشَةَ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ وَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتا ہے اس بات پر کہ وہ ایک بار کھانا کھائے[1] تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے یا ایک بار پانی پیے[2] اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ (مسلم)

ہم حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ دو حدیثیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سیر نہیں ہوئی[3]۔ اور

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا فِیْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے[۴] فقراء کی فضیلت کے باب میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

[۱] اکلۃ ہمزے کی زبر کے ساتھ ایک بار پر دلالت کرتا ہے، یعنی ایک بار کھانا، ہمزے پر پیش بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی اللقمہ ہے، یعنی کھانے کی کچھ مقدار، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند رکھتا ہے کہ بندہ کچھ کھانا کھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

[۲] الشربۃ اس کو صرف شین کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ علامہ طیبی کے نزدیک اکلۃ میں بھی ہمزے کی زبر متعین ہے۔

[۳] یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا بیان ہے جس کی ابتداء میں یہ کلمات ہیں۔

[۴] یہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے ابتدائی کلمات ہیں ——— مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں کتاب الاطعمہ میں بیان کی گئی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۰۱۷ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُرِّبَ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا کَانَ اَعْظَمَ بَرَکَۃً مِّنْہُ اَوَّلَ مَا اَکَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَکَۃً فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ ھٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰہَ فَاَکَلَ مَعَہُ الشَّیْطَانُ ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، کھانے کی ابتداء میں وہ اتنا برکت والا تھا کہ اس سے زیادہ برکت والا کھانا میں نے نہیں دیکھا اور اس کے آخر میں یہ حالت تھی کہ اس سے کم برکت والا کھانا نہیں دیکھا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کھانے کا کیا حال تھا؟[۱] فرمایا: جب ہم نے کھایا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا، پھر وہ شخص بیٹھا جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر کھایا تو اس کے ساتھ شیطان نے کھایا[۲]

(شرح السنۃ)

سلہ کہ ابتدا میں اتنا بابرکت تھا اور آخر میں اتنا بے برکت ہو گیا۔

۲ؔلہ بسم اللہ شریف ترک کرنے کی وجہ سے، آخر میں کھانے کی بے برکتی کا سبب یہ تھا ــــــ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جماعت میں سے ایک شخص کا بسم اللہ شریف پڑھنا کافی ہے، ہر ایک کا پڑھنا شرط نہیں ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے، علامہ طیبی نے اس کی توجیہ بیان کی کہ ہو سکتا ہے جس شخص نے بسم اللہ نہیں پڑھی وہ صحابہ کرام کے فارغ ہونے کے بعد بیٹھا ہو، یا جب شیطان نے اس کے ساتھ کھانا کھایا تو دوسرے صحابہ کا بسم اللہ شریف پڑھنا مؤثر نہیں رہا۔ (طیبی) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کھانے کی ابتدا میں حاضر جماعت میں سے ایک شخص کھانے پر بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو دوسروں کا بسم اللہ پڑھنا کافی ہوگا، لیکن یہ شخص جب کھانے کے دوران آکر شریک ہو گیا اور ابتدا میں ان کے ساتھ شامل نہیں تھا تو چونکہ اس کے کھانے کی ابتدا ہے اسے بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔

۴۰۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَنَسِيَ أَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ) [۲۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک آدمی کھانا کھائے اور کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو چاہیے کہ کہے بسم اللہ اس کے اول و آخر میں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سلہ یاد آنے پر

۴۰۱۹ وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ [۲۲] قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَّأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلٰى فِيْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا زَالَ الشَّيْطٰنُ يَأْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا

حضرت امیہ بن مخشی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اس نے بسم اللہ شریف نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اس کے کھانے سے صرف ایک لقمہ رہ گیا جب اسے اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگا تو اس نے کہا بسم اللہ اس کی ابتدا اور انتہا میں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا اس کے ساتھ شیطان کھاتا رہا جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو

ذَكَرَ اسْمَ اللهِ اسْتَقَاءَ مَا فِيْ بَطْنِهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

جو کچھ شیطان کے پیٹ میں تھا وہ اس نے قے کر دیا۔[۲] (ابوداؤد)

[۱] امیہ بن مخشی میم پر زبر نقطے والی خا ساکن اور یا مشدد، ان کی کنیت ابوعبیدہ ہے اخزاعی ازدی ہیں اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، طعام کے بارے میں ان سے ایک حدیث مروی ہے اور وہ یہی ہے۔

[۲] جب شیطان کا پیٹ ہے اور وہ کھاتا بھی ہے تو اس کا قے کرنا حقیقت پر محمول ہوگا، بعض شارحین نے فرمایا کہ ابتدا میں بسم اللہ شریف نہ پڑھنے سے جو برکت مفقود ہوگئی تھی اس کا واپس کرنا مراد ہے، گویا کہ وہ شیطان کے پیٹ میں چلی گئی تھی، اب جو بسم اللہ شریف پڑھی اور کوتاہی کا ازالہ کر دیا تو برکت واپس آگئی، ایسی تاویلات ایمانی حوصلے کی کمی کی بنا پر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشیاء کی حقیقت سے واقف ہیں، تک تصدیق اور ایمان کے بغیر رسائی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۴۰۲۰
۴۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔[۱] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان، مطیع اور فرماں بردار بنایا، یہ نعمت اصل الاصول ہے، ورنہ اگر نعمتِ اسلام نہ ہو تو ہر ناز و نعمت وبال ہے، اور اس نعمت اسلام کا وجود دوسری نعمتوں میں اضافے کا موجب اور کمال کی تکمیل کرنے والا ہے۔ ع

بے دوست خاک بر سر ملک و تونگری
دوست کے بغیر حکومت اور دولتمندی کے سر پر خاک

۴۰۲۱
۴۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ۔

علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کھانا کھا کر شکر کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے[1] جو روزہ رکھ کر صبر کرنے والا ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَنَّةَ عَنْ اَبِيْهِ۔

(ترمذی[2]) امام ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث سنان بن سنہ[3] سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔

[1] اجر و ثواب میں اس شخص کی طرح ہے جو روزہ رکھتا ہے اور کھانے کی خواہش سے صبر کرتا ہے، اگرچہ روزے دار کو حدیث شریف اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) کے مطابق خاص ثواب دیتے ہیں اور یہ اس کی فضیلت ہے لیکن اصل اجر و ثواب میں دونوں شریک ہیں، حقیقت مطلب یہ ہے کہ چونکہ اذہان میں یہ بات راسخ ہے کہ نفس جو طبعی طور پر کھانے کی طرف مائل اور اس کا حریص ہے اسے کھانے کی خواہش سے روکنا بلند مرتبہ ہے اور جو شخص کھاتا ہے، نفس کی خواہش پوری کرتا ہے اور کھانے کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے فرمایا کہ اگر ایک شخص کھاتا ہے لیکن غفلت کے ساتھ نہیں کھاتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے شکر سے آگاہ ہے اس کا بھی بلند مقام ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے فیض یاب ہے، کیونکہ شکر اور صبر کامیابی و کامرانی کے دو پر ہیں پس اس جگہ تشبیہ محض اشتراک اور مساوات کے لیے ہے، جیسے کہ کہتے ہیں کہ تشبیہ اصل حال میں ہے نہ کہ اس کی مقدار میں، اس کے باوجود باعتبار ظاہر روزے دار کے حال کی قوت اور اس کے رجحان کی طرف اشارہ فرمایا، علاوہ ازیں شکر میں نفس کو منعم کی محبت کے اختیار کرنے اور زبان کو اس کے ذکر کے ساتھ مشغول کرنے پر پابند کرنا ہے، درحقیقت، اطاعت کی ہر قسم صبر و شکر پر مشتمل ہے۔ تاہم رہی یہ بات کہ طعام کا شکر کس چیز کے ساتھ ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی قوت کو طاعت میں صرف کرنے سے ہوگا اور علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کا شکر یہ ہے کہ ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھے اور آخر میں حمد الٰہی بجا لائے اور اگر فقراء کو کھانے میں شامل کرنے اور ان کی ہمدردی کو شکر میں شامل قرار دیا جائے تو بعید نہ ہوگا۔

[2] امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

[3] سنان سین کے نیچے زیر، نون مخفف بن سنہ سین پر زبر اور نون مشدد، آخر میں تا، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اسلمی صحابی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ۳۲ھ میں وصال ہوا۔ اسی طرح حضرت مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے فرمایا ہے، کتب حدیث سے جو کچھ واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سنان صحابی یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ عَنْ اَبِيْهِ کا ذکر کتب حدیث میں نہیں ہے۔

۴۰۲۲/۴۵ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَ سَقٰى وَ سَوَّغَهٗ وَ جَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے یا پانی پیتے تو کہتے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے کھلایا اور پلایا۔ اور کھانے کے حلق میں اترنے کو آسان بنایا[1] اور اس کے نکلنے کی جگہ بنائی۔[2] (ابو داؤد)

[1] شارحین کی عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ ضمیر کھانے کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے چبانے کے لیے دانت، نرم کرنے کے لیے لعاب اور کھانے کو منہ میں گردش دینے کے لیے زبان پیدا فرما کر کھانے کے حلق میں اترنے کو آسان فرمایا، تسویغ کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ قاموس کی عبارت کے ظاہر سے اس کا پینے کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے سَاغَ الشَّرَابُ سَوْغًا، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سَائِغٌ شَرَابُهٗ، شاعر کہتا ہے فَسَاغَ لِیَ الشَّرَابُ وغیرہ۔ پس سَوَّغَهٗ کی ضمیر کھانے پینے کی چیزوں میں سے ہر ایک کی طرف راجع ہوگی۔ شارحین کا مقصد کھانے میں تسویغ کا تصور پیش کرنا ہے، کیونکہ پانی کے بارے میں اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بعد ایک اور نعمت بیان فرمائی۔

[2] کھانے اور پینے کی چیزوں میں سے ہر ایک کے فضلات کے نکلنے کی جگہ بنائی یعنی پیشاب اور پاخانے کی جگہ کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کے تمام اجزاء غذا بننے کے قابل نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کے ساتھ ان کے زائد اجزاء کو باہر پھینک دیا۔

۴۰۲۳/۴۶ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَاْتُ فِی التَّوْرَاةِ اِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے توراۃ میں پڑھا کہ کھانے کی برکت، کھانے کے بعد وضو کرنا ہے، میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کھانے کی برکت، کھانے سے پہلے وضو ہے اور اس کے بعد وضو ہے[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

ل۱ یعنی کھانے کی برکت کا سبب

ل۲ اس جگہ وضو سے مراد، ہاتھوں کا دھونا اور کلی کرنا، لغت میں وضو کا معنی احسن اور نظافت ہے۔

ل۳ ایک نسخے میں دو ذکر ت، ہے۔

ل۴ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ اخلاق وصفات کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے ہیں اور کھانے سے پہلے وضو کرنا طہارت ونظافت میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔ (تاکہ صاف ستھرے ہاتھوں سے کھانا کھایا جائے جو میل کچیل اور جراثیم سے پاک ہوں ۱۲ قادری) اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل کی گئی تھی رنبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تکمیل کیلیے اس سے زائد حکم کی وحی نازل کی گئی۔

۴۰۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُدِّمَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء[1] سے باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں پانی نہ پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کی خدمت میں پانی نہ پیش کریں؟[2] فرمایا، مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوں۔[3]

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ل۱ صراح میں ہے خلاء پہلے حرف پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، استنجا کرنے کی جگہ۔

ل۲ صحابہ کرام نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو سے پہلے کھانا تناول فرما رہے ہیں، ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ نماز کی طرح کھانے کے لیے بھی وضو واجب ہے (اس لیے انہوں نے یہ گزارش کی)۔

ل۳ یعنی مجھے بطور وجوب وضو کا حکم صرف نماز کے لیے دیا گیا ہے نہ کہ کھانے کے لیے، کھانے سے پہلے وضو اگرچہ مستحب اور مستحسن ہے تاہم میں نے بیان جواز اور تمہاری تعلیم کے لیے نہیں کیا، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ واجب نہیں ہے پس اس جگہ نماز کا وضو مراد ہے نہ کہ کھانے کا جیسے کہ ظاہر ہے اور حدیث کی روش سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کی خدمت میں وضو کا پانی پیش نہ کریں؟ اگر اس سے وضوء طعام مراد لیا جائے اور حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے صرف نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا ہے اس میں وضو نماز مراد لیں تو بھی درست ہے، اور چونکہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا آداب اور سنن میں سے ہے، تعلیم جواز کے لیے اسے ترک فرمایا، حاصل مطلب یہ ہے کہ جس وضو کی تم نے مجھ سے درخواست کی ہے یعنی کھانے سے پہلے وہ ادب ہے، واجب اور مامور بہ نہیں ہے۔ اگر میں نہ کروں تو وہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اس جگہ ایک دوسرا وضو ہے یعنی نماز کا وضو، وہ واجب ہے۔ تافہم

۴۰۲۵/۴۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِّنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَّسَطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسَطِهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبُوْ دَاؤُدَ وَقَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَاْكُلْ مِنْ اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاْكُلْ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید کا پیالہ لایا گیا، آپ نے فرمایا، اس کے ارد گرد سے کھاؤ اور اس کے درمیان سے نہ کھاؤ، کیونکہ برکت اس کے درمیان[1] میں نازل ہوتی ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابو داؤد کی روایت میں فرمایا، جب تم میں سے ایک آدمی کھانا کھائے تو پیالے کے اوپر والے حصے سے نہ کھائے بلکہ اس کے نچلے حصے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر والے حصے[2] سے نازل ہوتی ہے۔

[1] چونکہ درمیانہ حصہ افضل اور موزوں ترین حصہ ہے لہٰذا خیر و برکت کے نزول کے لیے زیادہ مناسب اور حق دار ہے، اور چونکہ پیالے کے درمیانے حصے کا کھانا برکت کی جگہ ہے اسے کھانے کے آخر تک باقی رکھنا مناسب ہوگا تاکہ آخر تک برکت باقی رہے، اسے ختم کر دینا مناسب نہ ہوگا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ اعلیٰ سے مراد درمیانہ حصہ اور اسفل سے مراد اطراف ہیں اور برکت کے نازل ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر کا فیضان اور نعمت کی زیادتی ہے، حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس گروہ پر جن مقامات میں رحمت نازل ہوتی ہے ان میں سے ایک کھانے کا مقام ہے، اس قول سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا: طعام کی زیادتی کو رقیق اور نرم کھانوں کے اونچی جگہ سے بہنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جنہیں درمیان میں ڈالا جاتا ہے اور وہ وہاں سے بہ کر اطراف میں چلے جاتے ہیں، اور جب اطراف سے اٹھائیں تو اس کے بدلے میں اوپر سے مزید آ جائے گا، اور اگر اوپر سے اٹھائیں تو منقطع ہو جائے گا، یہ معقول کی بجائے محسوس اور ظاہر معنٰی پر اکتفا کرنے والی بات ہے۔

۴۰۲۶ / ۴۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَا رُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهٗ رَجُلَانِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ٹیک[1] لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اور آپ کے پیچھے دو[2] مرد نہیں چلتے تھے۔

(ابو داؤد)

[1] جیسے کہ مغرور اور متکبر لوگوں کی عادت ہے، اِتّکا (ٹیک لگانے) کا مطلب اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

[2] زیادہ تو کجا دو مرد بھی آپ کے پیچھے نہیں چلتے تھے، یعنی انتہائی تواضع کی بنا پر راستے میں چلتے ہوئے صحابہ کرام سے آگے نہیں چلتے تھے، جیسے کہ بادشاہوں اور شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے والوں کا طریقہ ہے، بلکہ صحابہ کرام کے درمیان میں یا اُن کے پیچھے چلتے، جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ وَيَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ، صحابہ کرام کو پیچھے سے چلاتے تھے۔

۴۰۲۷ / ۵۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَّلَحْمٍ وَّهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ نے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ نے اٹھ کر نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے سنگریزوں سے ہاتھ پونچھنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔

(ابن ماجہ)

لہ عبداللہ بن حارث بن جزء جیم پر زبر، زا ساکن اور آخر میں ہمزہ، صحابی ہیں۔ فتح مصر کے موقع پر حاضر ہوئے اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ مصر میں باقی رہنے والے آخری صحابی ہیں۔ ۸۵ھ میں مصر میں وصال ہوا۔ بعض نے کوئی دوسرا سن بیان کیا ہے۔

لہ چونکہ مسجد میں پڑے ہوئے تھے ———— یعنی ہم نے کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے یا تو اس لیے کہ اس گوشت میں چکنائی نہ تھی یا اس لیے کہ نماز کی جلدی تھی، یا تکلف سے گریز کیا کیونکہ جو چیز واجب نہیں ہے اسے بعض اوقات رخصت کی بنا پر ترک کر دینا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا ہی محبوب ہے جیسے اکثر اوقات میں عزیمت کو اختیار کرنا، احیاء العلوم میں بعض صحابہ کرام سے لائے ہیں کہ کھانا کھانے کے بعد ہمارے رومال ہماری ایڑیاں ہوتی تھیں ہم ان سے اپنے ہاتھ صاف کر لیتے تھے، ظاہر یہ ہے کہ لفظ لَمْ نَزِدْ مَسَحْنَا صیغۂ متکلم مع الغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سب کو شامل ہے جنہوں نے وہ کھانا کھایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا کھانا جائز ہے، احادیث میں اس قسم کے بہت سے واقعات کا ذکر ہے خصوصاً کھجور وغیرہ کھانے کا، کہتے ہیں کہ اس کے جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مسجد ملوث اور آلودہ نہ ہو ورنہ حرام اور مکروہ ہے، کتب فقہ میں مذکور ہے کہ غیر معتکف مسجد میں نہ کھائے، نہ پیئے اور نہ ہی سوئے، اسی طرح خرید و فروخت بھی نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے، ہاں اگر مسافر ہو اور مسجد کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے، کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت چاہیے کہ آدمی اعتکاف کی نیت کرے تاکہ اپنے لیے ان امور کو جائز کرے اور اسے اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

۴۰۲۸
۵۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَ کَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو آپ کو دستی پیش کی گئی جو آپ کی پسند تھی، آپ نے اسے دانتوں سے نوچ کر تناول فرمایا۔
(ترمذی، ابن ماجہ)

لہ پورا بازو کندھے سمیت

لہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور ترک تکلف کی شان تھی۔ نہس نون پر زبر، ہا ساکن اور بے نقطہ سین، دانتوں کے کناروں سے گوشت نوچنا اور اگر پورے دانتوں سے نوچیں تو اسے نقطوں والے شین کے ساتھ نہش کہتے ہیں، روایت میں بے نقطہ سین ہے۔ اسی طرح آئندہ حدیث میں آئے گا اسی طرح گوشت

کم کھایا جاتا ہے ۔ اور یہ طریقہ حرص اور لالچ کے نہ ہونے کی نشانی ہے ۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بازو کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ وہ پکنے میں اچھا ہے، آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے اور اس کی لذت بھی زیادہ ہوتی ہے، یا اس لیے کہ یہ حصہ نجاست کے مقامات سے انتڑیوں وغیرہ سے دور ہوتا ہے، شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دستی کا گوشت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب نہ تھا، لیکن چونکہ آپ کو گوشت کچھ وقت کے بعد ہی میسر ہوتا تھا اور دستی کا گوشت جلد پک جاتا ہے اس لیے آپ اسے پسند فرماتے تھے اور اسے جلد طلب کر لیتے تھے۔ ایک دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لائے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہایت عمدہ اور لذیذ ترین گوشت پشت کا ہے۔

۴۰۲۹ / ۵۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّيْنِ فَإِنَّهُ مِنْ صُنْعِ الْأَعَاجِمِ وَانْهَسُوْهُ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَا لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کو چھری سے نہ کاٹو[1] کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے[2]، دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کیونکہ یہ زیادہ لذیذ[3] اور جلد اترنے والا ہے[4]۔

(ابو داؤد، امام بیہقی، شعب الایمان میں) ان دونوں حضرات نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے[5]۔

[1] یعنی چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ۔

[2] اور ان کی عادت ہے، وہ از راہ تکبر اور بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں ——— اعاجم جمع ہے اَعْجَم کی۔ اعجم اور اعجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہ ہو اگرچہ عربی ہو، یہ منسوب ہے عجم کی طرف اگرچہ فصیح ہی ہو۔ اعجم گونگے کو بھی کہتے ہیں، انسان کے ماسوا حیوانات کو عُجْم عین پر پیش اور جیم ساکن کہتے ہیں تو وہ اسی معنی میں ہے کہ حیوانات گفتگو کی قدرت نہیں رکھتے۔ غیر عرب کو بھی اسی اعتبار سے عجم کہتے ہیں۔ چونکہ وہ فصاحت میں عربوں کے مرتبے میں نہیں ہیں۔ تو گویا وہ گونگے ہیں۔ شرح جامع الاصول میں عجم کا معنی گونگا بیان کیا ہے اور یہ تسامح ہے۔ کیونکہ عجم گونگے سے عام ہے ——— چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کی ممانعت کے بعد حکم فرمایا کہ اسے دانتوں سے نوچ کر کھاؤ۔

سے چونکہ بعض عجمی طبع لوگوں کی طبیعت اس طریقے کو ناپسند کرتی تھی۔ ان کی تسلی اور تشفی کے لیے دانتوں سے نوچ کر گوشت کے کھانے کے منافع بیان فرمائے کہ یہ طریقہ لذت بخش بھی اور ہضم کے لیے معاون بھی ہے۔ ۱۲ (ق)

سے ہنی لذیذ اور غرض کے موافق کو کہتے ہیں۔ اور جو چیز کسی کی مشقت کے بغیر حاصل ہو جائے اسے ہنی کہتے ہیں۔

سے معدے میں جلدی اترنے والا ہے، استمرار طعام کا معنیٰ ہے کھانے کے بوجھ کا زائل ہو جانا۔ کھانے اور پینے کی دعا میں جو ہنیئًا مریئًا کہتے ہیں اس کا یہی معنیٰ ہے، شارحین کہتے ہیں کہ ممانعت اس بات سے ہے کہ چھری سے گوشت کاٹنے کی عادت اپنالی جائے، لفظ صنع اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہر عمل کرنے والے کو صانع نہیں کہتے، اس شخص کو صانع کہتے ہیں جو اپنے عمل میں مہارت اور اس پر قدرت رکھتا ہو، بعض اوقات چھری سے گوشت کا کاٹنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، جیسے کہ آئندہ آئے گا۔ لہٰذا تطبیق یہ ہے کہ اگر گوشت نرم اور پکا ہوا ہو تو اسے دانتوں سے نوچنا چاہیے ورنہ چھری سے کاٹنا جائز ہے، درحقیقت اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دانتوں سے کھانا لذت بخش اور زیادہ عمدہ ہے اور یہی تنزیہی ہے۔

سے اور اس کے بعض راوی ضعف سے خالی نہیں ہیں۔

۴۰۳۰ وَعَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ [۵۳] قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهٗ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے لٹکائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمانے لگے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی! ٹھہرو، کیونکہ تم کمزور ہو۔ حضرت ام منذر فرماتی ہیں میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کے آٹے سے کھانا تیار کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مِنْكُمْ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

نے فرمایا: علی! تم اس میں سے لو، کیونکہ یہ تمہارے لیے زیادہ موافق ہے۔

(احمد، ترمذی۔ ابن ماجہ)

سلہ ام منذر انصاریہ اور بقول بعض عدویہ ہیں۔ ان کا نام لیلیٰ ہے، انہوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

سلہ دوال دال پر زبر، دالیۃ کی جمع ہے، کھجور کا خوشہ (گچھا)

سلہ یعنی تم بیماری سے اٹھے ہو اور تمہاری صحت پوری طرح بحال نہیں ہوئی اور کمزور آدمی کے لیے پرہیز ضروری ہے۔

سلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان حضرات کے لیے جو آپ کے ساتھ تھے، اپنے گھر والوں کی اجازت سے، یا ان دو معزز مہمانوں کے لیے، بعض روایات میں لَهٗ آیا ہے اور ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یا حضرت علی کی طرف اور یہ سیاق کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

سلہ سلق سین کے نیچے زیر، لام ساکن، بزی جس کا نام چقندر ہے۔

۴۰۳۱/۵۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھرچن[1] پسند تھی۔

(ترمذی، امام بیہقی۔ شعب الایمان میں)

سلہ ثفل تین نقطے والی ثاء پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن پیش زیادہ فصیح ہے۔ اور فاء ساکن، اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نیچے بیٹھ جائے، اسے تلچھٹ کہتے ہیں، اس جگہ کھرچن مراد ہے جو نیچے بیٹھ جاتی ہے اور ہنڈیا سے چمٹ جاتی ہے، بعض حضرات نے اس کی تفسیر ثرید کے ساتھ کی ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ بعض اوقات اس کا استعمال ستو اور آٹے ایسی غیر مائع چیزوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیبیہ میں فرمایا کہ جس کے پاس ثفل ہو اسے چاہیے کہ اپنے ساتھیوں پر احسان کرے، اس سے ستو اور آٹا وغیرہ مراد تھا۔ درحقیقت اس جگہ بھی وہی پہلا معنی مراد ہے یعنی کھانے کے بعد باقی ماندہ چیز جو کہ خوراک کا ثفل ہے، پہلی تفسیر ہی مختار ہے کہتے ہیں کہ ہنڈیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس سب کی طاقت کھرچن میں ہوتی ہے اور گوشت وغیرہ سب چیزوں کے

ذائقے اس میں جمع ہوتے ہیں نیز وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتدل ترین اور قوائے کمال کے جامع مزاج کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے، اس میں چکنائی کم ہوتی ہے، زود ہضم ہوتی ہے اس کا کھانا پیالے کے چاٹنے کے حکم میں ہے جس میں برکت اور استغفار کی توقع ہے، جیسے کہ پیالے کے چاٹنے کے بیان میں گزرا۔ پھر کھرچن کے کھانے میں تواضع بھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عادت ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر فعل میں اگرچہ طبعی ہی ہو لطیف حکمتیں اور گہرے اسرار ہیں جن پر نور ولایت کے بغیر آگاہی نہیں ہو سکتی۔

۴۰۳۲/۵۵ وَعَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت نُبیشہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالے میں کھانا کھایا اور اسے چاٹا: اس کیلئے پیالہ دعائے مغفرت کرتا ہے[2]

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت نبیشہ نون پر پیش، با پر زبر، یا ساکن، نقطوں والے شین پر زبر، صحابی ہیں اور ان کا تعلق بنو ہذیل سے ہے۔ بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی حدیث ان ہی میں پائی جاتی ہے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ اس کی حقیقت مراد ہے، شارحین فرماتے ہیں کہ برتن کے چاٹنے میں عاجزی ہے، تکبر سے دوری ہے، اور یہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے، برتن کی طرف اس لیے نسبت کی کہ وہ مغفرت کا سبب ہے۔

۴۰۳۳/۵۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِيْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَيْءٌ فَلَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی ہو جسے اس نے دھویا نہ ہو اور اسے کوئی

يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

تکلیف[۲] پہنچ جائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے[۳]۔
(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

لہ غمر نقطے والی غین اور میم دونوں پر زبر، گوشت اور چربی کی بو جن کے ساتھ ہاتھ آلودہ ہو۔
ٰ۲ھ کھانے اور چربی کی بو پر کیڑے مکوڑے آئیں اور کاٹ کر تکلیف پہنچائیں، بعض شارحین فرماتے ہیں کہ برص کی بیماری مراد ہے جو پسینے سے تر جسم کو ہاتھ کے لگنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔
۳ھ کہ وہ آلودہ ہاتھوں کو دھوئے بغیر سو گیا اور بیماری اور تکلیف کے لاحق ہونے کا سبب بنا، یہ اشارہ ہے ہاتھ دھونے کی ترغیب اور برانگیختہ کرنے کا اور اس کے ترک سے ڈرایا گیا ہے۔

۴۰۳۴/۵۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الطَّعَامِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید اور کھجور اور مکھن[۱] کا ثرید تھا۔
(ابوداؤد)

لہ حیس بے نقطہ حاء پر زبر، یاء ساکن اور بے نقطہ سین، وہ کھانا جو کھجور، مکھن اور آٹے یا پنیر سے تیار کرتے ہیں، اصل میں حیس کا معنی ملانا اور مخلوط کرنا ہے۔

۴۰۳۵/۵۸ وَعَنْ اَبِيْ اُسَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: روغن زیتون کھاؤ اور اسے جسم پر ملو کیونکہ وہ اس درخت[۲] سے حاصل کیا جاتا ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے۔
(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

لہ ابو اسید انصاری ہمزے پر زبر اور بے نقطہ سین کے نیچے زیر، بعض محدثین ہمزے پر پیش اور بے نقطہ سین پر زبر پڑھتے ہیں، صحیح پہلا طریقہ ہے۔

ؔ۵ اس درخت کا نام زیتون ہے، اور اس میں خیر و برکت اور بہت سے منافع رکھے گئے ہیں۔ آیت مبارکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جس درخت کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔ بہترین زیتون سرزمین شام میں ہوتا ہے۔ اس زمین کو بھی مبارک کہا گیا ہے۔ سورہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ میں پروردگار عالم نے اس درخت کی قسم یاد فرمائی ہے، اور اس کی شرافت کا اظہار کیا ہے، عرب خصوصًا اہل شام اس کا میٹھا پھل کھاتے ہیں۔ اور کڑوے کو چراغ میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے جسم پر ملنے میں بہت فائدہ ہے۔

۴۰۳۶/۵۹ وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْءٌ قُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ فَقَالَ هَاتِيْ مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، صرف خشک روٹی اور سرکہ[2] ہے فرمایا لاؤ[3] وہ گھر سالن سے خالی نہیں[4] ہے جس میں سرکہ موجود ہے۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

ؔ۱ حضرت ام ہانی، ابو طالب کی صاحبزادی اور امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔
ؔ۲ طعام کی جنس سے۔
ؔ۳ جو کچھ حاضر ہے لاؤ۔ پھر حضرت ام ہانی کا دل خوش کرنے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ کم از کم جو خوراک بھی حاضر ہو اس پر قناعت کرنی چاہیے۔ ارشاد فرمایا۔
ؔ۴ اقفر پہلے قاف پھر فاء، مشتق ہے۔ قفر سے جس کا معنی لغت میں ہے وہ زمین جس میں پانی نہ ہو اور اس میں گھاس نہ اُگے، قفار اس روٹی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سالن نہ ہو۔

۴۰۳۷/۶۰ وَعَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا

حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا۔

تَمْرَۃً فَقَالَ ھٰذِہٖ اِدَامُ ھٰذِہٖ وَ اَکَلَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

یہ اس کا سالن ہے اور تناول فرما لیا۔ (ابو داؤد)

۱؎ حضرت عبداللہ بن سلام اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ یہودیوں کے بڑے عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، ان کے صاحبزادے یوسف کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام یوسف رکھا۔

۲؎ کِسْرَۃ کاف کے نیچے زیر، روٹی کا ٹکڑا

۳؎ کھجور روٹی کا سالن ہے۔

۴۰۲۸/۶۱ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُّ بَرْدَھَا عَلٰی فُؤَادِیْ وَ قَالَ اِنَّکَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ ائْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلَدَۃَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِّنْ عَجْوَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَجَاْھُنَّ بِنَوَاھِنَّ ثُمَّ لِیَلُدَّکَ بِھِنَّ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے دو پستانوں کے درمیان[۲] رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس[۳] کی۔ آپ نے فرمایا: تم دل کے مریض ہو، تم حارث بن کلدہ، ثقیف کے بھائی کے پاس جاؤ کیونکہ وہ طبابت کرتا ہے[۴] وہ مدینہ منورہ کی سات عجوہ[۵] کھجوریں لے کر انہیں گٹھلیوں سمیت کوٹ لے۔ پھر وہ تمہیں پلا دے[۶]۔ (ابو داؤد)

۱؎ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲؎ یعنی میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔

۳؎ یہ کنایہ ہے اس ذوق اور لذت سے جو دست مبارک کے رکھنے سے دل میں محسوس کی۔ فؤاد فاء پر پیش، اس کے بعد ہمزہ، دل اور دل کا درمیانہ حصہ، بعض حضرات کہتے ہیں کہ فؤاد فاء پر پیش، اس کے بعد

قلب اس سیاہ نقطے کو کہتے ہیں جو دل کے اندر ہوتا ہے، قاموس میں ہے کہ فواد کا معنیٰ قلب ہے۔

سکہ آپ نے ہاتھ رکھ کر جب میرا حال معلوم کیا تو فرمایا۔

۵ مفؤد اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں درد ہو۔

۶ حارث بن کلدہ کاف اور لام پر زبر

۷ یعنی وہ ثقفی تھا۔ محلہ کے رئیس کو کہتے ہیں کہ وہ فلاں کا بھائی ہے، جیسے کہ اَخَا عَادٍ اور اَخُوْھُمْ

قوم کہ

۸ تطبب صیغہ تفعل تکلف کے لیے ہے یا کمال کے لیے۔

۹ عجوہ کھجوروں کی بہترین قسم ہے۔ اس میں کئی خواص اور برکتیں ہیں مثلاً اس میں بیماری، زہر اور جادو کے دفع کرنے کی خاصیت موجود ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۱۰ اور اس میں پانی ملائیں۔

۱۱ لدود لام پر زبر، اس دوا کو کہتے ہیں جو بیمار کے منہ میں ڈالتے ہیں اور اسے پلاتے ہیں ______

اگر سوال کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طبیب کے پاس جانے کا حکم دیا، خود علاج تجویز کیا اور علاج کرنے کے سلسلے میں انہیں طبیب کے سپرد کیا۔ اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہیں طبیب کے حوالے کیا، پھر جب آسان علاج آپ کے خیال شریف میں آگیا جس میں جلد فائدہ تھا تو آپ نے از راہ شفقت بیان فرما دیا اور اس بات کی اجازت نہ دی کہ طبیب انہیں طویل علاج معالجے میں ڈال دے۔ اور چونکہ اس دوا کا تیار کرنا اور اس کے استعمال کا طریقہ طبیب کے ذریعے بہت آسان تھا اس لیے انہیں طبیب کے حوالے کر دیا۔ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کافر طبیب کی طرف رجوع کرنے اور اس سے مشورہ کرنے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مرگیا تھا اور اس کا اسلام لانا ثابت نہیں ہوا۔

۴۰۳۹ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تربوز، کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ (ترمذی ۱)

وَزَادَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ يَقُوْلُ يُكْسَرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا

امام ابو داؤد نے یہ اضافہ کیا: اور فرماتے اس کی گرمی اس کی سردی ۲ سے اور اس کی سردی اس کی گرمی ۳

وَ بَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

سے توڑی جائے گی۔ امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن غریب ہے[۴]

[۱] امام ترمذی نے اس حدیث کا اتنا حصہ ہی روایت کیا۔

[۲] یعنی کھجور کی گرمی، تربوز کی سردی سے توڑی جاتی ہے۔

[۳] اور تربوز کی سردی، کھجور کی گرمی سے توڑی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ شاید تربوز کچا تھا ورنہ پکا ہوا تربوز بھی گرم ہوتا ہے، اس کے باوجود کھجور کی نسبت سرد ہے، اور یہ معنی ککڑی کے کھجور کے ساتھ کھانے میں زیادہ ظاہر ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

[۴] شمائل ترمذی میں ہے کہ یَأْکُلُ الْخِرْبِزَ بِالرُّطَبِ خِرْبِز خاء کے نیچے زیر، راء ساکن اور باء کے نیچے زیر خربزہ کا معرب ہے۔ بعض شارحین نے اس کی تفسیر اس قسم کے ساتھ کی ہے، جسے ہندوانہ کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد تربوز ہے، امام سخاوی، مقاصد حسنہ میں لائے ہیں کہ یزید بن رومان کی روایت میں آیا ہے کہ یَأْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ بادرے پہلے طاء ہے پکا ہوا۔

وَعَنْ[۴۰۴۰/۶۳] اَنَسٍ قَالَ اُتِیَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِتَمْرٍ عَتِيْقٍ فَجَعَلَ يُفَتِّشُهُ وَ يُخْرِجُ السُّوْسَ مِنْهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پرانی کھجوریں[۱] لائی گئیں تو آپ اسے کریدتے تھے اور اس سے کیڑے[۲] نکالتے تھے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

[۱] جن میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔

[۲] سوس ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو کھانے اور اونی میں پڑ جاتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کیڑے پڑ جانے سے کھانا پلید نہیں ہوتا، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، مطالب المومنین میں ہے کہ پنیر اور سیب میں کیڑا پیدا ہو جائے تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے "تاہم کیڑا نکال دیا جائیگا اور اس کا وہی حکم ہے جو مکھی کا ہے، بھڑ، مچھر اور ہر وہ چیز جس میں بہنے والا خون نہیں ہے اس کا کھانا حرام ہے اور اگر پانی یا کھانے میں گر جائے تو وہ پلید نہیں ہوگا۔

وَعَنْ[۴۰۴۱/۶۴] ابْنِ عُمَرَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِجُبُنَّۃٍ فِیْ تَبُوْكَ فَدَعَا بِالسِّکِّیْنِ فَسَمّٰی وَ قَطَعَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک[۱] میں پنیر لایا گیا تو آپ نے چھری طلب فرمائی۔ بسم اللہ پڑھی[۳] اور اسے کاٹا۔

(ابو داؤد)

[۱] تبوک، شام کے علاقے میں ایک شہر ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہاں غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

[۲] جُبُنَّۃ: جیم اور ایک نقطے والی بار پر پیش اور نون مشدد پر زبر، پنیر

[۳] یہ اسی طرح ہے جس طرح کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھی جاتی ہے، ذبح کی طرح نہیں ہے جیسے کہ بعض عوام کدو کو کاٹتے ہوئے کرتے ہیں ——— علامہ طیبی نے کہا کہ یہ حدیث اِنْفَحَۃ کے پاک ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ پنیر اسی کے ذریعے تیار کیا جاتا ہے اور اگر وہ پلید ہو تو پنیر بھی پلید ہوگا، اِنْفَحَۃ ہمزے کے نیچے زیر، نون ساکن، فاء پر زبر اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں اور بے نقطہ حاء مشدد، اسے مِنْفَحَۃ بھی کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ بکری یا بھیڑ کے اس بچے کی اوجھڑی جس نے ابھی چارہ نہ کھایا ہو، قاموس میں ہے اس چیز کو کہتے ہیں جو بکری کے شیر خوار بچے کے پیٹ سے نکال کر اون کے کچھ حصے میں نچوڑی جاتی ہے پھر اسے دودھ میں ڈال دیا جاتا ہے تو دودھ سخت ہو جاتا ہے اور اس سے پنیر تیار ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے کہا کہ جوہری (صاحب صحاح) نے اس کی تفسیر اوجھڑی سے کی ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔ (قاموس)

مشہور یہ ہے کہ یہ وہ دودھ ہے جو بکری کے بچے کے پیٹ سے نکلتا ہے، اسے دودھ میں ڈالتے ہیں اور اس سے پنیر تیار ہوتا ہے۔ مغرب کے بعض علماء نے کہا کہ رومی پنیر مکروہ ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ اس کی کراہت کی علت کیا ہے؟ آیا اسی اِنْفَحَۃ میں شبہہ ہے یا کوئی دوسری چیز ہے۔

۴۰۴۲ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمَنِ وَ الْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَ الْحَرَامُ مَا

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین[۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا[۲]: حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ

حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْاَصَحِّ)

نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے[۳] تو وہ ان چیزوں میں سے ہے جنہیں معاف فرمایا۔

(ابن ماجہ ۔ ترمذی)

امام ترمذی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے[۴]

[۱] ان تین چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ حلال ہیں یا حرام؟ (۱) سمن سین پر زبر، میم ساکن، گھی ۔ظاہر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کچھ لوگوں کو اس کے حلال ہونے میں شبہہ پیدا ہوا تھا (۲) پنیر اس کے بارے میں اشتباہ اور سوال کی وجہ یہ ہے کہ یہ انفحہ سے بناتے ہیں۔ (۳) فِرَاء فاء کے نیچے زیر، آخر میں الف ممدودہ، اکثر شارحین نے اسے فَرَى پہلے حرف پر زبر آخر میں الف مقصورہ کی جمع قرار دیا ہے جس کا معنیٰ جنگلی گدھا (نیل گائے ہے) بعض شارحین نے فرو بمعنیٰ پوستین کی جمع قرار دی ہے۔ اسی لیے امام ترمذی اس حدیث کو اپنی جامع کے باب لباس میں اور امام ابن ماجہ گھی اور پنیر کے باب میں لائے ہیں، علامہ تورپشتی نے فرمایا: بے شک بعض محدثین نے غلط کہا ہے کہ یہ فرا بمعنیٰ جنگلی گدھے کی جمع ہے، حالانکہ یہ صرف فَرْد (پوستین) کی جمع ہے، صحابہ کرام نے اس کے بارے میں از راہ پرہیز اس لیے سوال کیا کہ اسے کفار مردہ جانور کی کھال سے رنگے بغیر تیار کرتے ہیں، علامہ تورپشتی نے کہا کہ محدثین اس حدیث کو باب لباس میں لائے ہیں اور اگر طعام کے باب میں بھی لائے ہوں تو یہ حدیث جنگلی گدھے کے مردار ہونے پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ حدیث طعام اور لباس کے بارے میں سوال پر مشتمل ہے۔

[۲] بطور قاعدہ کلیہ جواب دیا۔

[۳] جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے اور انہیں نہ حلال قرار دیا ہے اور نہ حرام تو وہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کو معاف فرمایا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

[۴] یہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے حدیث موقوف، صحابی کے قول و فعل کو کہتے ہیں جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کو حدیث مرفوع کہتے ہیں۔

۴۰۲۳/۶۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ اَنَّ عِنْدِيْ خُبْزَةً بَيْضَاءَ مِنْ بُرَّةٍ سَمْرَاءَ مُلَبَّقَةً بِسَمْنٍ وَلَبَنٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّخَذَهُ فَجَاءَ بِهٖ فَقَالَ فِيْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَ هٰذَا قَالَ فِيْ عُكَّةِ ضَبٍّ قَالَ ارْفَعْهُ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَهٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ)

نے فرمایا: ہمیں یہ بات پسند ہے کہ ہمارے پاس شربتی رنگ کی گندم[1] کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ کے ساتھ تر کی ہوئی ہوتی، قوم میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے ایسی روٹی تیار کی اور لاکر پیش کردی۔ فرمایا: یہ گھی کس چیز میں تھا؟ اس نے کہا گوہ کے چمڑے سے تیار کیے ہوئے ڈبہ[2] میں، فرمایا: اسے اٹھا لو[3]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے[4]۔

[1] سفید گندم جس میں سیاہی پوشیدہ ہو۔ گندم کی بہترین اور خاص قسم۔

[2] عُکّہ عین پر پیش، گھی کا برتن جو مشکیزے سے چھوٹا ہوتا ہے۔

[3] یہ روٹی ہمارے سامنے سے اٹھا لو، یہ بات طبیعت شریفہ کی کراہت اور نفرت کی بنا پر فرمائی۔ اس لیے نہیں کہ وہ پلید ہے، ورنہ اس گھی اور روٹی کے پھینک دینے کا حکم دیتے اور اس کے کھانے سے منع فرمادیتے اسی طرح علامہ طیبی نے کہا ہے، یہ تقریر شافعیہ کے مذہب پر مبنی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک گوہ حلال ہے، ہمارے نزدیک حرام ہے۔ ہم نے اس بحث کو مَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَ مَا يَحْرُمُ کے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

[4] یہ حدیث منکر، ضعیف اور غیر مقبول ہے، نیز نفس کی خواہش کی طلب، اشتہا، پسندیدگی اور اس کی آرزو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کے خلاف ہے، اسی لیے امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو قابل توجہ بات یہ ہے کہ طبیعت کی اشتہا اور اس کے اظہار اور طلب میں تکلف کے ترک کرنے کے باوجود، لطف الٰہی نے آپ کو اس سے کس طرح باز رکھا؟ اور کس طرح ایسی چیز کو ظاہر فرمایا جو آپ کی طبع شریف کے لیے نفرت و کراہت کا باعث بنی۔ خاص بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور حمایت اسی طرح ہوتی ہے۔

۴۰۴۴/۴۷ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الثُّوْمِ اِلَّا مَطْبُوْخًا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن کے کھانے سے منع فرمایا مگر یہ کہ پکایا ہوا ہو[1] (ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] کیونکہ پکانے سے اس کی بو ختم ہو جاتی ہے۔ پیاز وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۴۰۴۵ وَعَنْ اَبِیْ زِیَادٍ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَۃُ عَنِ الْبَصَلِ فَقَالَتْ اِنَّ اٰخِرَ طَعَامٍ اَکَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ فِیْہِ بَصَلٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

ابوزیاد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخری طعام تناول فرمایا اس میں پیاز شامل تھا[1] (ابوداؤد)

[1] اگر طعام میں پیاز کے کھانے کے بارے میں سوال تھا۔ تو یہ جواب اس کے مطابق اور موافق ہے۔ اور اگر عام سوال تھا کہ پیاز تنہا کھانا اور طعام میں کھانا کیسا ہے؟ تو تنہا پیاز کھانے کا حکم بیان نہیں ہوا اور وہ کراہت والے حکم پر باقی رہا۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیاز نہ تو تنہا کھایا ہے اور نہ ہی طعام میں، لیکن حضرت عائشہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طعام میں پیاز تناول فرمایا ہے، اور امت کو اس کے کھانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ بعض محدثین کہتے ہیں کہ کچے پیاز کے کھانے سے ممانعت ہے پکے ہوئے سے نہیں ہے، اصح یہ ہے کہ وہ نہی بھی تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں ہے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرام ہے اور نہ ہی آپ کی امت پر، امام طحاوی شرح معانی الآثار میں ایسی احادیث لائے ہیں جن سے پیاز، گندنا اور لہسن وغیرہ کے کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، خواہ یہ چیزیں کچی ہوں یا پکی ہوئی۔ ہاں جو شخص کھائے وہ اس وقت تک گھر میں بیٹھے جب تک کہ بو باقی ہو، مسجد میں نہ جائے کہ ایسی حالت میں مسجد میں جانا مکروہ ہے، امام طحاوی نے فرمایا امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور ہمارا یہی مختار ہے۔ شارحین نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواز کی تعلیم دینے اور یہ بیان کرنے کے لیے نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی آخری عمر میں پیاز والا طعام تناول فرمایا۔

۴۰۴۶ وَعَنِ ابْنَیْ بُسْرٍ السُّلَمِیَّیْنِ قَالَ دَخَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

بسر کے دو سلمی صاحبزادوں[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمارے پاس

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَّ تَمْرًا وَ كَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَ التَّمْرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوہارے پیش کیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکھن اور چھوہارے پسند فرماتے تھے[۲] (ابوداؤد)

[۱] ان کا نام حضرت عبداللہ اور عطیہ ہے اور دونوں صحابی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سُلَمِیَّیْنِ سین پر پیش لام مخفف مفتوح، میمہ نسبت، تثنیہ۔

[۲] کیونکہ مکھن کی چکنائی چھوہارے کی خشکی کو دور کرتی ہے ۔۔۔۔۔ چپڑی ہوئی روٹی کا کھجوروں کے ساتھ کھانا عرب میں معروف ہے۔

۴۰۳۷ وَعَنْ عِكْرَاشِ بْنِ ذُوَيْبٍ قَالَ اُتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ فَخَبَطْتُ بِيَدِيْ فِيْ نَوَاحِيْهَا وَ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى يَدِ الْيُمْنٰى ثُمَّ قَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَّوْضِعٍ وَّاحِدٍ فَاِنَّهُ طَعَامٌ وَّاحِدٌ ثُمَّ اُتِيْنَا بِطَبَقٍ فِيْهِ اَلْوَانُ التَّمْرِ فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ فَقَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ اُتِيْنَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عکراش بن ذویب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس بہت سے ثرید اور گوشت[۲] والا بڑا پیالہ لایا گیا، تو میں نے اس کے اطراف میں ہاتھ مارے[۳] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا، آپ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا پھر فرمایا: عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک کھانا[۴] ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں رنگا رنگ کھجوریں تھیں۔ میں اپنے سامنے سے کھانے لگا[۵] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھال میں گردش کرنے لگا[۶] فرمایا عکراش! جہاں سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ ایک قسم نہیں[۷] ہے، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَ مَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَ ذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَ قَالَ يَا عِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنے ہاتھوں کی تری چہرے، کلائیوں اور سر مبارک پر ملی اور فرمایا: عکراش! یہ اس کھانے کا وضو ہے جسے آگ تبدیل کرے ۹

(ترمذی)

۱ عکراش عین کے نیچے زیر، کاف ساکن اور آخر میں نقطے والا شین بن ذویب نقطے والے ذال کے ساتھ تصغیر کا صیغہ، صحابی ہیں اور ان کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے۔

۲ ذَفَر واؤ پر زبر، نقطے والا ذال ساکن، ہڈی سے خالی گوشت کے ٹکڑے۔

۳ خبط دراصل اس کا معنی ہے اونٹنی کا تاریک رات میں چلنا کہ وہ بغیر کسی احتیاط اور تمیز کے ہر طرف ہاتھ اور پاؤں مارتی ہے۔ اسی طرح یہ صحابی پیالے کی ہر جانب میں ہاتھ مارتے تھے۔ اور کھاتے تھے۔

۴ یعنی اپنے آگے سے کھاؤ اور ہر طرف ہاتھ نہ مارو۔

۵ اور ہر طرف ایک جیسا ہے، ہر جانب ہاتھ مارنا، حرص اور لالچ کے سوا کچھ نہیں ہے، یعنی اگر مختلف کھانے ہوتے یا ایک ہی کھانا ہوتا اور ہر جانب اس کی الگ قسم ہوتی تو طبیعت کے میلان کے مطابق ہر طرف سے کھایا جا سکتا تھا، لیکن جب ایک ہی کھانا ہے (اور ہر طرف ایک جیسا ہی ہے) تو ہر طرف ہاتھ معیوب اور مکروہ ہے۔

۶ کیونکہ میں کھانے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن چکا تھا۔

۷ طبعی میلان کی بنا پر اور حاضرین کو یہ بتانے کے لیے کہ کھجوریں ہر طرف سے کھائی جا سکتی ہیں۔ آپ نے یہ مسئلہ اپنے فعل سے بھی بیان فرمایا اور قول سے بھی (جیسے اس کے بعد فرمایا)

۸ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پھل بھی ایک ہی قسم (اور ایک ہی رنگ) کا ہو تو ہر طرف ہاتھ نہ مارنا چاہیے بلکہ اپنے آگے سے کھانا چاہیے۔

۹ اور آگ پر پکا ہوا ہو ——— بعض روایات میں بِمَا مَسَّتْهُ النَّارُ وہ کھانا جسے آگ نے چھوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس میں دونوں ہاتھوں کا دھونا کافی ہے، لیکن اگر ہاتھوں کی تری چہرے، کلائیوں اور سر پر مل لیں تو بہتر ہے اور یہ نماز کے لیے کیے جانے والے وضو کے زیادہ مشابہ ہے۔

۴۰۴۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعْكُ أَمَرَ بِالْحَسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُوْلُ إِنَّهُ لَيَرْتُوْا فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْا عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْا إِحْدٰكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کو گرمی کا بخار ہو جاتا تو آپ کے حکم پر حریرا[1] تیار کیا جاتا، پھر آپ انہیں حکم دیتے تو وہ اس سے پیتے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ غمگین کے دل کو تقویت[2] دیتا ہے اور بیمار کے دل کی تنگی کو دور کرتا ہے جیسے کہ تم میں سے ایک پانی سے اپنے چہرے کی میل دور کرتی ہے[3]۔

(ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ حسا پہلے حرف پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، وہ طعام جو آٹے اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے، کبھی اسے میٹھا بھی بنا لیتے ہیں، نیز اسے نرم رکھتے ہیں تاکہ پیا جا سکے، یہ وہی تلبینہ ہے جس کا ذکر پہلی فصل میں گزرا، اسے حریرہ بھی کہتے ہیں۔ حدیث میں بھی یہ نام آیا ہے۔

۲ صراح میں ہے رتو سخت کرنا اور سست کرنا، متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۳ عورتوں سے اس لیے خطاب فرمایا کہ وہ چہرے کو میل کچیل سے پاک صاف کرنے کی زیادہ کوشش کرتی ہیں، یا اس لیے کہ جب یہ ارشاد فرمایا تو عورتیں ہی حاضر تھیں۔

۴۰۳۹/۲ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِّنَ السَّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عجوہ جنت سے ہے[1] اور اس میں زہر سے شفا ہے[2] اور کھمبی، من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے[3]۔ (ترمذی)

۱ یعنی یہ جنت سے لائی گئی ہے یا بہشت میں ہوگی، یا یہ مطلب ہے کہ یہ اتنی مفید اور راحت بخش ہے کہ گویا بہشت سے لائی گئی ہے، زیادہ بہتر اور درست پہلا معنیٰ ہے، جیسے کہ محققین علماء نے حدیث شریف

ہماری قبر اور ہمارے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، کے بارے میں فرمایا ہے۔
۲ھ جیسے کہ پہلی فصل میں گزرا۔
۳ھ اس کی شرح بھی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۰۵۰ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِيْ بِهَا مِنْهُ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ وَفَاءً فَقَالَ لِيْ أَقُصُّهُ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ أَوْ قُصَّهُ عَلٰى سِوَاكٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات مہمان ہوا[2]، آپ نے فرمایا کہ بکری کا پہلو بھونا جائے، چنانچہ بھونا گیا۔ پھر آپ نے بڑی چھری[3] لی اور اس کے ساتھ اس پہلو سے میرے لیے کاٹنے لگے، پھر حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے چھری پھینک دی اور فرمایا اُسے کیا ہے[4]؟ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، حضرت مغیرہ (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ اُن کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں[5] تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں انہیں مسواک پر رکھ کر کاٹ دیتا ہوں[6] یا فرمایا تم انہیں مسواک پر رکھ کر کاٹ دو۔ (ترمذی)

۱ھ حضرت مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں۔ خندق کے سال اسلام لائے، بعض محدثین نے کہا کہ پہلے پہل حدیبیہ میں حاضر ہوئے، حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے والی مقرر کیے گئے تھے، عقل و دانش اور اصابت رائے میں ایک مثال کی حیثیت رکھتے تھے۔
۲ھ ضفت ضاد کے نیچے زیر، بروزن بعت ——— یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میں ایک صحابی کے گھر گئے اور ان کے مہمان بنے، انہوں نے بکری ذبح کی۔
۳ھ شفر لفظے والے شین پر زبر، فا ساکن، بڑی چھری۔

سکہ یہ اطلاع اذان کے علاوہ تھی، جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب اذان کے بعد صحابہ کرام جمع ہو جاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دیتے، اس جگہ یُؤْذِنُ ایذانٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اطلاع اور خبر دینا ہے۔ نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے جو اذان دیتے، اس کے لیے یُؤَذِّنُ تَاذِیْنًا استعمال کرتے ہیں۔

۵ بطور تعجب فرمایا کہ اس بلال کو کیا ہوا؟ کہ اس وقت نماز کی اطلاع دیتا ہے اور اضطراب میں مبتلا کرتا ہے حالانکہ وقت تنگ نہیں ہے۔

۶ یہ کنایہ ہے خواری، فقر اور ناداری سے، کسی شخص کو ملامت کرنے کے وقت عرب یہ دعا دیتے ہیں، لیکن اس سے مراد حقیقت اور اس امر کا وقوع نہیں ہے، بلکہ اسی طرح عادت ہے اور صرف ملامت اور سرزنش مقصود ہوتی ہے۔

۷ اتنی لمبی تھیں کہ ہونٹوں تک پہنچی ہوئی تھیں ——— شارحین نے اس عبارت کا مطلب چند طرح بیان کیا ہے ایک یہ کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر حضرت مغیرہ کی طرف راجع ہے جو حدیث کے راوی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ کہتے وَکَانَ شَارِبِیْ صیغۂ متکلم کے ساتھ، یعنی میری مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں، یہ کلام میں تفنن ہے جسے علم معانی کی اصطلاح میں تجرید اور التفات کہتے ہیں۔

۸ یعنی مسواک کی لکڑی ان کے نیچے رکھ کر انہیں استرے کے ساتھ کاٹ دیتا ہوں۔

۹ یہ راوی کو شک ہے، یعنی انہیں حکم فرمایا کہ تم انہیں کاٹ دو، یہ نہیں فرمایا کہ ہم کاٹ دیتے ہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، پس آپ نے فرمایا کہ ہم انہیں تمہارے لیے کاٹ دیتے ہیں تاکہ قطع کیے ہوئے بال تمہارے پاس بطور تبرک رہیں۔ یا انہیں حکم دیا کہ تم ہماری مونچھیں چھوٹی کر دو، بعض شارحین کہتے ہیں کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر حضرت بلال کی طرف راجع ہے، لیکن اس صورت میں فَقَالَ لِیْ (مجھے فرمایا) خلاف ظاہر ہے فَقَالَ لَہٗ (انہیں فرمایا) ہونا چاہیے تھا، بعض حضرات نے فرمایا کہ اصل میں عبارت اس طرح ہے قَالَ بِلَالٌ قَالَ لِیْ (حضرت بلال فرماتے ہیں کہ مجھے فرمایا) لیکن اس میں تکلف ہے، تاہم یہ تکلف مشکوٰۃ شریف کی روایت میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ فَقَالَ لِیْ، شمائل ترمذی میں ہے فَقَالَ۔ اس صورت میں حضرت بلال کی طرف ضمیر کا راجع کرنا ظاہر ہے اور حضرت مغیرہ کی طرف راجع کرنا تکلف اور خلاف ظاہر ہے جیسے شَارِبُہٗ خلاف ظاہر ہے کہ متکلم کی جگہ ضمیر غائب لائی گئی ہے، علامہ طیبی، شرح السنۃ کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص کی مونچھیں لمبی ہیں، آپ نے مسواک اور استرہ منگوایا،

مسواک ان کی مونچھوں کے نیچے رکھ کر قطع کر دیں، اگر یہ روایت اسی قصے کے بارے میں ہے تو حضرت مغیرہ یا حضرت بلال کی طرف ضمیر کا راجع ہونا متعین ہے، مونچھوں کے کاٹنے اور انہیں پست کرنے کا حدیث میں جو حکم ہے تو ان کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان کتاب الطہارۃ میں گزر چکا ہے۔

۴۰۵۱ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتّٰى يَبْدَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ يَدَهٗ وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهٗ مَرَّةً طَعَامًا فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا ثُمَّ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ كَأَنَّمَا يُدْفَعُ فَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ جَاءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهٖ فَأَخَذْتُ بِيَدِهٖ إِنَّ يَدَهٗ فِي يَدِي مَعَ يَدِهَا زَادَ فِي رِوَايَةٍ ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طعام کو حاضر ہوتے تو ہم کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء فرماتے اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے، ایک دفعہ ہم آپ کے ساتھ ایک کھانے پر حاضر ہوئے، ایک لڑکی یوں تیزی سے آئی جیسے کہ اسے دھکیلا جا رہا ہو، وہ فوراً کھانے میں اپنا ہاتھ ڈالنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک بدوی اس تیزی سے آیا گویا اسے دھکیلا جا رہا ہو، آپ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان اس طرح کھانے کو اپنے لیے حلال کرتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، وہ اس بچی کو لایا تاکہ اس کے ذریعے اپنے لیے کھانا حلال کرے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس بدوی کو لے آیا تاکہ اس کے ذریعے کھانا حلال کرے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس بچی کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے پھر اللہ تعالیٰ کا

اللّٰہِ وَ اَکَلَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔
(مسلم)

؎۱ اس کے بعد ہم ہاتھ بڑھانے سے پہلے چینی اور جلدی سے کام نہ لیتے۔
؎۲ اور ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا، اور ہم بھی ادب واحترام کے پیش نظر بیٹھے تھے اور کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔
؎۳ یعنی جیسے کسی نے اسے کھانے پر دھکا دے دیا ہو، وہ آتے ہی بھوک کی شدت کی بنا پر کھانے پر ٹوٹ پڑی۔
؎۴ اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور نہ ہی ادب ملحوظ رکھا۔
؎۵ اور اسے اجازت نہ دی کہ کھانے پر ہاتھ ڈالے اور کھانا شروع کر دے۔
؎۶ اور اس کے کھانے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔
؎۷ اور اس کے آنے کا سبب بنا۔
؎۸ اور اس کے بسم اللہ شریف کے بغیر کھانے کے سبب۔
؎۹ ایک روایت میں ہے مَعَ یَدَیْھِمَا اس لڑکی اور بدوی کے ہاتھوں کے ساتھ، اور یہ زیادہ ظاہر ہے یَدِھَا والی روایت لڑکی کے ساتھ خاص ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اعرابی کا ہاتھ نہیں تھا کیونکہ پہلے فرمایا کہ ہم نے اعرابی کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، چونکہ لڑکی پہلے آئی تھی اور اس کا ہاتھ پہلے پکڑا تھا اس لیے خاص طور پر اس کا ذکر فرما دیا۔

۴۰۵۲ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یَّشْتَرِیَ غُلَامًا فَاَلْقٰی بَیْنَ یَدَیْہِ تَمْرًا فَاَکَلَ الْغُلَامُ فَاَکْثَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ کَثْرَةَ الْاَکْلِ شُؤْمٌ وَّ اَمَرَ بِرَدِّہٖ۔
(رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے سامنے کھجوریں رکھ دیں اس نے بہت ساری کھجوریں کھا لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ کھانا بے برکتی کی علامت ہے اور حکم فرمایا کہ اسے واپس کر دیا جائے۔
(شعب الایمان، امام بیہقی)

لہ صراح میں ہے شُومٌ پہلے حرف پر پیش، اس کے بعد ہمزہ، بری فال، برکت کی ضد، قاموس میں ہے شُومٌ، یُمنٌ کی ضد ہے اور یُمن کا معنیٰ ہے برکت

۴۰۵۳ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ اِدَامِكُمْ اَلْمِلْحُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے سالن کا سردار نمک لہ ہے۔ (ابن ماجہ)

لہ کیونکہ اس میں مشقت کم ہوتی ہے، اور طریقۂ زہد وقناعت کے سلوک کے زیادہ نزدیک ہے اس لیے دوسرے سالنوں سے بہتر ہے۔

۴۰۵۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهُ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ ۔

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو، کیونکہ یہ تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت پہنچانے والا عمل لہ ہے۔

لہ اور کھانے کے ادب کے بہت نزدیک ہے۔

۴۰۵۵ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّيَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ ۔ (رَوَاهُمَا الدَّارِمِيُّ)

حضرت اسمار بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس ثرید لہ لایا جاتا تو وہ حکم دیتیں تو اسے ڈھانپ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کے بخار اور گرمی کا جوش ۲ے چلا جاتا، وہ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ برکت ۳ے کی زیادتی کا موجب ہے، یہ دونوں حدیثیں امام دارمی نے روایت کیں۔

لہ ثرید کا ذکر اتفاقی ہے، ان لوگوں کا طعام عام طور پر ثرید ہی ہوتا تھا، دوسرے کھانے کا بھی یہی حکم ہوگا۔
۲ے صراح میں ہے فَوْرٌ اور فَوَرَانٌ کا معنیٰ ہے دیگ اور چشمے وغیرہ کا جوش مارنا، فَوْرَةُ الْحَرِّ پہلے حرف پر زبر، گرمی کی شدت۔

سلہ کھانے کو یہاں تک محفوظ رکھنا کہ اس کے بخار اور گرمی کا جوش ختم ہو جائے اور اسے ٹھنڈا کر کے کھانا۔

۴۵۶ / ۲۹ وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ فِىْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا تَقُوْلُ لَهُ الْقَصْعَةُ اَعْتَقَكَ اللهُ مِنَ النَّارِ كَمَا اَعْتَقْتَنِىْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت نبیشہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالے میں کھایا پھر اسے چاٹا[2] تو پیالہ اسے کہتا ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے رہائی عطا فرمائے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے رہائی دی ہے[4]۔ (رزین)

لہ نبیشہ نون پر پیش، ایک نقطے والی بار پر زبر، یا ساکن، اس کے بعد شین، صحابی ہیں۔ انہیں نبیشۃ الخیر کہتے ہیں۔

سلہ کھانا کھانے کے بعد۔

سلہ زبانِ حال سے یا اس زبان سے جو حقیقت میں اس کے لیے ثابت ہے۔

سلہ اگر تم نہ چاٹتے تو وہ چاٹتا ——— یہ حدیث دوسری فصل میں حضرت نبیشہ سے بالفاظ دیگر گزر چکی ہے۔

بَابُ الضِّيَافَةِ

۲۹۶- ضیافت کا بیان

ضیافت کی فضیلت نیز ضیافت مہمان اور میزبان کے آداب کا بیان، ضَافَ وہ مہمان ہوا اَضَافَ اس نے مہمانی کی، ضَیْف مہمان مُضِیْف میزبان ـــــــ یاد رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ حق ضیافت کی رعایت بہترین اخلاق اور مستحبات میں سے ہے اور اکثر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، بعض علماء کے نزدیک ایک دن واجب اور اس کے بعد مستحب ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کی کوئی جماعت دیہات والوں کے پاس فروکش ہوں تو ان پر ضیافت واجب ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں ضیافت واجب تھی پھر اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ یا یہ حکم اس صورت پر محمول ہے کہ مسلمان بھوک کے ہاتھوں حالت اضطرار کو پہنچ گئے ہوں یا یہ حکم اہل ذمہ کے ساتھ خاص ہے۔ جنہوں نے ضیافت اپنے ذمہ لی تھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۰۵۷- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ وَ فِیْ رِوَايَةٍ بَدَلَ الْجَارِ

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ ایک روایت میں پڑوسی کی جگہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور

وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیحین)

سلہ اور اس دن کے ثواب و عذاب پر ایمان رکھتا ہو۔

سلہ اور اس کے حقوق پورے کرے، خوش آمدید کہے، خندہ پیشانی اور نرمی سے پیش آئے، حق خدمت بجالائے اور کسی کے حقوق ضائع کیے بغیر قدرسے تکلف کے ساتھ طاقت و قدرت کے مطابق کھانا تیار کرے اور جو کچھ میسر ہو جلدی حاضر کرے۔

سلہ بندۂ ایمان دار کو چاہیے کہ پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے اور اس پر احسان کرے اور کم از کم یہ کہ اسے اذیت نہ پہنچائے، درحقیقت مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیکی اور بھلائی کی توقع رکھتا ہو اس پر احسان کرے اور اسے اذیت دینے سے بچے۔

سلہ جس میں ثواب ہو اور اگر ثواب نہ ہو تو کم از کم اس میں عذاب تو نہ ہو۔

سلہ یعنی حدیث کے جس حصے میں پڑوسی کو تکلیف نہ دینے کی وصیت ہے اور ارشاد ہے فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ (اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے) اس کی جگہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مبداء و معاد پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور ان پر احسان کرے جو نزدیکی اور ملاقات کا سبب بنے نہ کہ قطع تعلق اور جدائی کا۔

۴۰۵۸/۲ وَعَنْ اَبِيْ شُرَيْحِ الْكَعْبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّ لَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے، مہمان کا تحفہ ایک دن رات ہے اور ضیافت تین دن ہے اس کے بعد جو کچھ ہے صدقہ ہے، اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنی دیر قیام کرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔ (صحیحین)

سلہ حضرت شریح کعبی صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، فتح کے دن بنو کعب کا جھنڈا ان کے

پاس تھا۔

۲؎ اسے جو کچھ پیش کرے اور اس پر جو احسان کرے وہ زائد خیر ہے ۔نہایہ امام جزری میں حدیث کا مطلب یہ بیان کیا کہ تین دن مہمانی کرے ،پہلے دن جو خدمت اور احسان کر سکتا ہے اس میں تکلف سے کام لے: دوسرے اور تیسرے روز معمول کے مطابق جو کچھ حاضر ہے کسی تکلف کے بغیر پیش کر دے ،اس کے بعد اسے اتنا زادِراہ دے دے جس کے ساتھ وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کرے ۔یہ مراد ہے جائزہ سے جو فرمایا کہ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّ لَيْلَةٌ جائزہ کا معنیٰ تحفہ ،عطیہ اور مہربانی ہے ،اس جگہ اتنی مقدار مراد ہے جو ایک دن کی خوراک بن سکے جس کے ساتھ مہمان منزل تک پہنچ سکے ،اسے جیزہ بھی کہتے ہیں ،بعض حواشی میں لکھا ہے جائزہ وہ کھانا ہے جو جاتے وقت مہمان کو دے دیا جائے ،اور جائزہ کے بعد جو کچھ دیں وہ صدقہ ہے اور احسان وخیر کی زیادتی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے جائزہ، ضیافت سے مؤخر اور اس سے زائد ہوا ،اس معنیٰ پر محمول کرنے کا قرینہ یہ ہے کہ جائزہ کا ذکر ضیافت کے بعد واقع ہوا ہے ،بعض صحیح روایات میں حضرت ابو شریح سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔وَالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَّ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّ لَيْلَةٌ ضیافت تین دن ،اور جائزہ ایک دن رات ہے ، ہو سکتا ہے کہ یہ جائزہ اس تحفے اور مہربانی کا بیان ہو جو پہلے دن عمل میں لایا گیا ہو اور تین دن میں داخل ہو ،نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ کے ظاہر سے ضیافت اور جائزہ کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے ۔لیکن لفظ جائزہ اور اکرام کے ظاہر سے عدمِ وجوب معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے کہ علامہ طیبی نے فرمایا ،پس صدقہ سے مراد خیر اور احسان کی زیادتی ہوگی ۔جیسے کہ ہم نے حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳؎ میزبان کا حال بیان کرنے کے بعد مہمان کا حال بیان کیا تاکہ وہ میزبان کے حال کی رعایت کرے۔

۴؎ تاکہ صدقہ احسان جتلانے اور اذیت کے زمرے میں داخل نہ ہو جائے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر اور بیماری کی وجہ سے تین دن سے زیادہ قیام کرے تو اپنے مال سے کھائے اور میزبان کو تکلیف نہ دے۔

۴۰۵۹ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ[۱] قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰى فَقَالَ لَنَا اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں بھیجتے ہیں[۱] تو ہم کسی قوم کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتی[۲] اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے[۳]؟ فرمایا کہ اگر تم کسی قوم کے پاس اترو اور وہ تمہارے لیے اس چیز کا حکم دیں جو مہمانوں کے

فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّیْفِ الَّذِیْ یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

لائق شے تو قبول کرو اور اگر وہ اس طرح نہ کریں تو تم ان سے مہمانوں کا حق لے لو جو ان کے لائق ہے۔ (صحیحین)

لہ جہاد کے لیے یا کسی دوسرے کام کے لیے۔

۲ہ یقرونا میں دونوں نون میں اور یاء پر زبر ہے۔ بعض روایات میں بطور تخفیف ایک نون حذف کیا گیا ہے۔

۳ہ اور آپ کا کیا حکم ہے؟ کیا ہم ان سے زبردستی اپنی ضیافت حاصل کریں یا نہ؟

۴ہ اس سوال کے جواب میں اور اس مسئلے کا حکم بیان کرتے ہوئے۔

۵ہ اور ان کے لیے کافی ہے۔

۶ہ مہمانوں یا ہم بازوں کے لائق ہے ——— ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیافت واجب ہے اور اگر نہ دیں تو جبراً وصول کی جائے۔ یہ حدیث علماء کی اس جماعت کی دلیل ہے جن کے نزدیک ضیافت حق واجب ہے جمہور علماء اس حدیث کی چند وجوہ سے تاویل کرتے ہیں۔

۱۔ یہ محمول ہے سخت بھوک اور حالتِ اضطرار پر۔ بلا شبہ اس صورت میں ضیافت واجب ہوگی اور اگر ضیافت نہ کریں تو ان سے جبر و اکراہ کے ساتھ وصول کی جائے گی۔

۲۔ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا۔ اس وقت فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری واجب تھی اور جب مسلمانوں کے احوال میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

۳۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ذمیوں کے پاس اتریں، عقد ذمہ میں انہوں نے یہ شرط قبول کی تھی کہ اگر مسلمان ہمارے پاس فروکش ہوگا تو ہم اس کی ضیافت کریں گے۔ لہٰذا ان پر ضیافت واجب ہے۔

۴۔ مہمان کا حق لینے سے مراد یہ ہے کہ اس قوم کو ملامت کی جائے، ان کے بخل اور ان کی خست کا ذکر کیا جائے اور ان کے حال کی برائی طشت ازبام کی جائے۔ یہ تاویل بعید ہے۔ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ حق ضیافت اور طعام کا لینا مراد ہے۔

۴۰۶۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ اَوْ لَیْلَةٍ فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا رات کے وقت کاشانۂ مبارک سے باہر نکلے تو اچانک آپ کی ملاقات حضرت ابوبکر اور

وَ عُمَرَ فَقَالَ مَا أَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَا الْجُوعُ قَالَ وَ أَنَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَأَخْرَجَنِي الَّذِيْ أَخْرَجَكُمَا قُوْمُوْا فَقَامُوْا مَعَهٗ فَأَتٰى رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَإِذَا هُوَ لَيْسَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَمَّا رَأَتْهُ الْمَرْأَةُ قَالَتْ مَرْحَبًا وَ أَهْلًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ فُلَانٌ قَالَتْ ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا مِنَ الْمَاءِ إِذْ جَاءَ الْأَنْصَارِيُّ فَنَظَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ صَاحِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا أَحَدٌ الْيَوْمَ أَكْرَمَ أَضْيَافًا مِّنِّيْ قَالَ فَانْطَلَقَ فَجَاءَهُمْ بِعِذْقٍ فِيْهِ بُسْرٌ وَّ تَمْرٌ وَّ رُطَبٌ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ هٰذِهٖ وَ أَخَذَ الْمُدْيَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكَ وَ الْحَلُوْبَ فَذَبَحَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ

حضرت عمر سے ہوگئی[۱] آپ نے فرمایا اس وقت تم دونوں کو تمہارے گھر سے کس چیز نے نکالا ہے[۲]؟ دونوں نے کہا بھوک نے[۳]، فرمایا قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے ہمیں بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس نے تمہیں نکالا ہے[۴]۔ اٹھو[۵] یہ حضرات آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ایک انصاری[۶] کے ہاں تشریف لے گئے، وہ اپنے گھر میں نہیں تھے، ان کی بیوی نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگی خوش آمدید، آپ اپنے گھر والوں کے پاس[۷] تشریف لائے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں کہاں ہے[۸]؟ اس نے کہا وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں انصاری آگئے[۹] انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر کہا[۱۰]: اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ آج کوئی شخص مہمانوں کے لحاظ سے مجھ سے افضل نہیں ہے[۱۱]۔ راوی کہتے ہیں وہ انصاری جا کر ایک گچھا لائے[۱۲] جس میں نیم پختہ[۱۳]، تر کھجوریں اور چھوہارے تھے، کہنے لگے اس میں سے کھائیے[۱۴] اور خود چھری پکڑی[۱۵]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دودھ دینے والی[۱۶] سے اجتناب کرنا، انہوں نے ان حضرات کے لیے

وَمِنْ ذٰلِكَ الْعِذْقِ وَ شَرِبُوْا فَلَمَّا اَنْ شَبِعُوْا وَرَوُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَتُسْئَلُنَّ عَنْ هٰذِهِ النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمُ الْجُوْعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰى اَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيْمُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِىْ بَابِ الْوَلِيْمَةِ۔

بکری ذبح کی[۵] سب نے بکری کا گوشت کھایا، اس گچھے سے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا، جب سیر اور سیراب ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر کو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن تم سے اس نعمت[۶] کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا، بھوک نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا پھر تم واپس نہیں لوٹے۔ یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمت مل گئی[۷] (مسلم) حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ولیمہ کے باب میں بیان کی گئی ہے جس کی ابتدا میں ہے کہ ایک انصاری تھے۔

[۱] راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت باہر تشریف لائے یا رات کے وقت، ایک روایت میں ہے کہ گرم دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے۔

[۲] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی گھر سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

[۳] خلاف معمول رات کے وقت یا دوپہر کو باہر آنے کا باعث کیا ہے؟

[۴] جب بھوک شدید ہو اور اطمینان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہونے اور اس سے کامل طور پر لطف اندوز ہونے سے مانع ہو اور دل کی پراگندگی کا باعث بنے تو گھر سے باہر نکل کر اس کا علاج کرنا، مباح اسباب کا تلاش کرنا اور بھوک کے زائل کرنے کی کوشش کرنا جائز بلکہ لازم ہو جاتا ہے، اور احباب کے پاس جاکر ان سے طعام کا طلب کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ جب کہ یقین ہو کہ وہ بلا تکلف کھانا حاضر کردیں گے، بلکہ محبت و اخلاص کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، مروی ہے کہ جب صحابۂ کرام بھوک کی شدت محسوس کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جی بھر کر آپ کے جمال کا دیدار کرتے، بھوک کی شدت اور تکلیف دور ہو جاتی اور دیدار کی نورانیت سے سیر ہو جاتے، کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی کے دوران مصر کے

باشندوں کا یہی حال تھا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احباب کے سامنے تکلیف اور مشقت کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ بطور شکایت اور اظہار بے صبری نہ ہو۔

ؔ۵ یعنی بھوک نے، اسی سبب کی بنا پر جس کا ذکر ہو چکا ہے، بعض اوقات طبیعت اور بشریت کے تقاضے کے مطابق بھوک کی مکمل تاثیر زائل نہیں ہوتی، ان حضرات میں طبیعت کے احکام کا باقی رکھنا بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تسکین کے لیے فرمائی ورنہ آپ کی خداداد قوتِ برداشت کا یہ عالم تھا کہ کئی دن مسلسل روزہ رکھتے اور درمیان میں افطار بھی نہ فرماتے۔ ۱۲ ق)

ؔ۶ جمع کے صیغے کے ساتھ یا تو مجازاً خطاب فرمایا، یا اس لیے کہ جمع کی کم از کم مقدار دو افراد ہیں۔

ؔ۷ معہ کے لفظ میں دونوں حضرات کی اطاعت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع ہونے کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ معیت ہمیشہ تابع ہونے پر دلالت نہیں کرتی جیسے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے، لیکن ایسے مقامات میں تابع ہونا ہی متبادر ہے جیسے کہتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ مَعَ الْاَمِيْرِ زید امیر کے ساتھ آیا۔ یا جَاءَ الْاَمِيْرُ مَعَ زَيْدٍ امیر زید کے ساتھ آیا۔ (پہلی صورت میں زید کا اور دوسری صورت میں امیر کا تابع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ ق) نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبوع ہونے کی بنا بعد میں فَاَتٰى صیغۂ واحد لایا گیا ہے۔

ؔ۸ ان کا نام ابوالہیثم مالک بن التیہان تھا۔ تا پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر۔

ؔ۹ یہ کلمات آنے والے کی تعظیم، خوشی اور محبت کے اظہار کے لیے کہے جاتے ہیں یعنی آپ وسیع جگہ اور اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے ہیں۔ اَهْلًا وَّ سَهْلًا وَّ مَرْحَبًا کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ سہل کا معنیٰ ہے نرم اور ہموار جگہ یہ حزن کی ضد ہے جس کا معنیٰ سخت اور درشت جگہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کا کلام سننا، اس کے ساتھ سوال و جواب کرنا، اور اس کا شوہر کے گھر میں مہمانوں کو داخلے کی اجازت دینا جائز ہے جب کہ کسی فساد کا خطرہ نہ ہو اور شوہر کی رضامندی کا یقین ہو۔

ؔ۱۰ یعنی تمہارا شوہر۔

ؔ۱۱ جو کہ صاحب خانہ تھے۔

ؔ۱۲ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔

۱۳ یعنی آج میرے مہمان دوسرے تمام مہمانوں سے افضل ہیں۔
۱۴ عذق بے نقطہ عین کے نیچے زیر اور نقطے والا ذال ساکن، کھجور کا گچھا۔
۱۵ بُسر بار پر پیش، سین ساکن، نیم پختہ کھجور جس کی کچھ کڑواہٹ اور خشکی باقی ہو، تمر خشک کھجور (چھوہارہ) رطب تر اور خالص میٹھی کھجور۔

۱۶ اس جگہ مہمانوں کے سامنے فوری طور پر پہلے پھل پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی کھانے سے پہلے پھل کا ذکر ہے۔ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور پھل جسے وہ منتخب کریں گے اور پرندے کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں گے۔

۱۷ مُدیہ میم پر پیش، زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ انصاری صحابی نے چھری پکڑی تاکہ مہمانوں کے لیے بکری ذبح کریں۔

۱۸ الحلوب حا پر زبر، دودھ دینے والی۔
۱۹ اور اس کا گوشت پکایا گیا۔

۲۰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں بعض اوقات سیر ہو کر بھی کھانا کھایا جاتا تھا، ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا اور اس کی عادت بنا لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ محتاجوں کے حال کو بھلا دینے اور دل کی سختی کا سبب ہے۔

۲۱ اور اس کا شکر ادا کرنے کے بارے میں۔

۲۲ یہ سوال بعض لوگوں کے حق میں توبیخ اور سرزنش کے طور پر ہوگا، اور بعض سے تعمیل حکم اور نعمت و کرامت کے اظہار کے لیے، بہرصورت پوچھا جائے گا کہ تم نے اس نعمت کا شکر ادا کیا یا نہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت سے نوازے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۰۶۱ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان کسی قوم کے پاس مہمان ہوا اور مہمان نے محرومیت کی حالت میں صبح کی تو ہر مسلمان

حَتّٰی یَاْخُذَ لَهٗ بِقِرَاهُ مِنْ مَالِهٖ وَزَرْعِهٖ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْمًا فَلَمْ یَقْرُوْهُ كَانَ لَهٗ اَنْ یُّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔

پر اس کی امداد لازم ہے[۴] یہاں تک کہ اس قوم کے مال اور کھیتی سے مہمان کے لیے اس کی مہمانی کی مثل لے سکے[۵] (دارمی، ابو داؤد) امام ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے اور وہ لوگ اس کی مہمانی نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان کے مال سے اپنی مہمانی کی مقدار حاصل کرلے۔

لہ مقدام میم کے نیچے زیر بن معدیکرب. راء کے نیچے زیر، مشہور صحابی ہیں، حمص میں قیام پذیر ہوئے۔ اہل شام میں شمار کیے جاتے ہیں۔

سلہ یعنی انہوں نے رات کے وقت اس کی مہمانی نہیں کی۔

سلہ چونکہ انہوں نے حق ضیافت ترک کرکے اس پر ظلم کیا ہے اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس مظلوم کی امداد کرے۔

سکہ یعنی اتنی مقدار جس سے وہ سیر ہو جائے اور اس کے لیے کافی ہو۔

ھہ یعنی فَاَصْبَحَ الضَّیْفُ مَحْرُوْمًا کی جگہ ہے فَلَمْ یَقْرُوْهُ اور كَانَ حَقًّا عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ الخ کی جگہ ہے كَانَ لَهٗ اَنْ یُّعْقِبَهُمْ یاء پر پیش، عین ساکن اور قاف کے نیچے زیر، بِمِثْلِ قِرَاهُ۔

اس حدیث سے بھی ضیافت کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اس کی توجیہ اور تاویل وہی ہے جو حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث میں مذکور ہوئی۔

۴۰۶۲ وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ الْجُشَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ یَقْرِنِیْ وَلَمْ یُضِفْنِیْ ثُمَّ مَرَّ بِیْ بَعْدَ ذٰلِكَ اَقْرِیْهِ اَمْ اَجْزِیْهِ قَالَ بَلْ اَقْرِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوالاحوص جشمی[۱] اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ فرمائیں کہ اگر میرا گزر ایک شخص کے پاس سے ہو[۲] اور وہ میری مہمانی اور ضیافت نہ کرے، پھر اس کے بعد اس کا گزر میرے پاس ہو تو کیا میں اس کی مہمانی کروں یا اسے بدلہ دوں؟ فرمایا: بلکہ اس کی مہمانی کرو[۳]۔ (ترمذی)

لہ ابوالاحوص جشمی جیم پر پیش اور شین پر زبر، ان کا نام عوف بن مالک ہے تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متبعین میں سے تھے، خوارج کی جنگ میں شہید ہوئے۔

؎۲ ان کا نام مالک بن نضلہ ہے۔ نون پر زبر اور نقطے والا ضاد ساکن، صحابی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

؎۳ اور میں اس کے پاس قیام کروں۔

؎۴ لَمْ یُضِفْنِیْ تاکید ہے لَمْ یَقْرِنِیْ کی۔

؎۵ اس کے ساتھ وہی معاملہ کروں جو اس نے کیا ہے۔

؎۶ اور اسے برائی کی جزا برائی سے نہ دو، بلکہ برائی کے بدلے نیکی کرو۔

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان جزا ہے۔ اگر تم جواں مرد ہو تو جو برائی کرے اس پر احسان کرو۔

۴۰۶۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَوْ غَیْرِہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذَنَ عَلٰی سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَلَمْ یُسْمِعِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی سَلَّمَ ثَلَاثًا وَرَدَّ عَلَیْہِ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَلَمْ یُسْمِعْہُ فَرَجَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاتَّبَعَہٗ سَعْدٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مَا سَلَّمْتَ تَسْلِیْمَۃً اِلَّا ھِیَ بِاُذُنِیْ وَلَقَدْ رَدَدْتُ عَلَیْکَ وَلَمْ اُسْمِعْکَ اَحْبَبْتُ اَنْ اَسْتَکْثِرَ مِنْ سَلَامِکَ وَمِنَ الْبَرَکَۃِ ثُمَّ دَخَلُوا الْبَیْتَ فَقَرَّبَ لَہٗ زَبِیْبًا فَاَکَلَ

حضرت انس یا کسی دوسرے صحابی (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ؎۱ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت سعد نے کہا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، لیکن سلام کا جواب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہیں سنایا؎۲ حتٰی کہ حضور نے تین مرتبہ سلام کہا، حضرت سعد نے تینوں بار سلام کا جواب دیا، لیکن آپ کو نہیں سنایا؎۳ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واپس چل دیئے؎۴ حضرت سعد آپ کے پیچھے گئے؎۵ اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے جتنی بار بھی سلام کہا، میں نے اپنے کانوں سے سنا، میں نے جواب بھی عرض کیا لیکن آپ کو نہیں سنایا، میرا دل چاہتا تھا کہ آپ کا زیادہ سے زیادہ سلام اور زیادہ برکت حاصل کروں؎۶، پھر یہ حضرات گھر میں

النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَغَ قَالَ اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰئِکَةُ وَ اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

داخل ہوئے، حضرت سعد نے منقیٰ پیش کیا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، جب فارغ ہوئے تو دعا فرمائی: نیک لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں۔ فرشتے تمہاری بخشش کی دعا کریں اور روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں۔[۸] (شرح السنۃ)

[۱] حضرت سعد بن عبادہ انصار صحابہ کے اکابر اور نقباء میں سے تھے، حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرخلوص محبین میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آپ پر اور آپ کے صاحبزادے پر خاص کرم اور عنایت فرماتے تھے۔ اسی عنایت کی بناء پر آپ ان کے ہاں تشریف لائے۔

[۲] آہستہ آواز میں جواب دیا۔

[۳] یعنی بلند آواز سے جواب نہیں دیا کہ آپ سُن لیتے۔

[۴] اپنے کاشانۂ مبارک کی طرف۔

[۵] حضرت سعد کو خیال ہوا کہ بلند آواز سے سلام کا جواب نہ دینے سے بے ادبی ہوئی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلد واپس تشریف لے جانے کی بنا پر حضرت سعد معذرت پیش کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہوئے۔

[۶] اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی نیت اور غرض کی بنا پر سلام کا جواب آہستہ دینا اور نہ سنانا جائز ہے، ممنوع یہ ہے کہ تکبر اور بے اعتنائی وغیرہ کی بنا پر آہستہ جواب دیا جائے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے بیان پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے تسلیم فرمایا۔

[۷] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سعد بن عبادہ اور وہ صحابی جو ان کے ساتھ تھے۔

[۸] یہ حضرت سعد کی خدمت کی جزا کے طور پر ان کے بیٹے اور ان کے اہل و عیال کے لیے دعا ہے۔ اسے خبر پر محمول کرنا بعید ہے۔ (اس طرح معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا ہے۔ ۱۲ ق۔) خصوصاً اس بناء پر کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا ہوا تھا لیکن حضرت سعد کا دل خوش کرنے اور ضیافت کے عذر کی بنا پر افطار فرمایا۔ محض احتمال ہے جو بُعد سے خالی نہیں۔

۴۰۶۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اور

قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَ مَثَلُ الْاِيْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِىْ اٰخِيَّتِهٖ يَجُوْلُ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَى الْاِيْمَانِ فَاَطْعِمُوْا طَعَامَكُمُ الْاَتْقِيَآءَ وَ اَوْلُوْا مَعْرُوْفَكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

ایمان کی مثال[1] ایسی ہے جیسے گھوڑے کی اس رسّی[2] میں جو گھوم پھر کر اپنی رسی کی طرف آجاتا ہے۔ مومن[3] بھول جاتا ہے پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے[4] تم اپنا کھانا پرہیز گاروں کو کھلاؤ[5] اور عطیہ تمام ایمانداروں کو دو۔ (بیہقی)

[1] مومن کے ایمان کے ساتھ تعلق اور ایمان کی بنا پر توبہ ورجوع کی مثال، اگرچہ وہ نفس اور طبیعت کے تقاضے کی بنا پر اطاعت نہ کرے اور گناہوں کے گرد چکر لگائے، لیکن بالآخر ایمان اور اطاعت کی طرف رجوع کرے گا۔

[2] آخیہ ابتدا میں ہمزہ ممدودہ، نقطے والی خار کے نیچے زیر اور یار مشدد، رسی یا وہ لکڑی جس میں چارہ ڈالتے ہیں۔ اس کے دونوں کنارے دیوار میں پیوست کر دیتے ہیں اور اس کے درمیان گھوڑے یا دوسرے جانوروں کو باندھ دیتے ہیں۔

[3] وجہ تشبیہ اور قدر مشترک بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ مومن بھول کر اپنے مقام سے چلا جاتا ہے اور گناہ میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ دیدہ و دانستہ گناہ نہ کرے۔ اگر اچانک گناہ سرزد ہو جائے تو وہ سہو ونسیان کی بنا پر ہوگا، یا سہو سے مراد مجازاً لغزش اور کوتاہی ہے۔ کیونکہ مومن، خواہش نفس وغیرہ کی بنا پر ہی گناہ کرتا ہے۔

[4] جو اس کے قرار اور آرام کی جگہ ہے۔ اس کے بعد ایمان کی بعض صفات اور بہترین اعمال کا ذکر فرمایا۔

[5] جو ان کے لیے اطاعت کی تقویت کا باعث ہو اور تم ان کے ساتھ اس طاعت میں شریک ہو جاؤ، اگر وہ دعا کریں گے تو قبول ہوگی، سعادت کا سرمایہ، مولا تعالیٰ کی محبت کی دلیل اور اس کی بارگاہ میں قرب اور رسائی کا ذریعہ ہوگی۔ پرہیز گاروں کو کھانا کھلانے کی تخصیص کی یہی وجہ ہے مطلق احسان، عطا اور امداد تمام مسلمانوں کو شامل ہے اسی لیے فرمایا کہ عطیہ اور احسان میں سب مسلمانوں کو شامل کرو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبارت میں تفنّن ہو (بالفاظ دیگر وہی بات کہی گئی ہو ۱۲ ق) کیونکہ اتقار کا عام معنیٰ ہے دو شہادتیں دے کر آخرت کے عذاب سے بچنا، اس معنیٰ کے لحاظ سے تمام مومنین متقی ہیں۔ پہلی وجہ زیادہ ظاہر ہے۔

۴۰۶۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ يَحْمِلُهَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا اَضْحَوْا وَسَجَدُوا الضُّحٰى اُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ وَقَدْ ثُرِدَ فِيْهَا فَالْتَفُّوْا عَلَيْهَا فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَّلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا ثُمَّ قَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَدَعُوْا ذِرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيْهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبد اللہ بن بسر[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بڑا پیالہ تھا جسے چار مرد اٹھاتے تھے[2] اسے غرّا[3] کہا جاتا تھا، جب چاشت کا وقت ہوتا اور صحابۂ کرام چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو وہ پیالہ لایا جاتا۔ اس میں ثرید تیار کیا ہوا ہوتا تھا[4] صحابہ کرام اس کے گرد بیٹھ جاتے، جب حاضرین زیادہ ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دو زانو[5] ہو کر بیٹھ جاتے ایک بدوی نے کہا یہ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے[6]؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالےٰ نے مجھے عبدِ کریم بنایا ہے۔ متکبر اور سرکش بادشاہ[7] نہیں بنایا، پھر فرمایا[8]: پیالے کے اطراف سے کھاؤ اور اس کی بلندی کو چھوڑ دو۔ اس پیالے میں برکت دی جائے گی[9]

(ابوداؤد)

[1] عبد اللہ بن بسر ایک نقطے والی باء پیش اور بے نقطہ سین ساکن

[2] ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب وہ کھانے سے بھرا ہوا ہوتا تھا تو اسے چار مرد اٹھاتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ وہ اتنا بھاری اور بڑا تھا کہ اسے ایک جماعت اٹھاتی تھی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

[3] اس لیے کہ وہ بڑا ہونے کی بنا پر دیکھنے میں ظاہر اور واضح تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام برتنوں آلات، اور چارپایوں کے مناسب اور معقول نام تھے۔ جیسے کہ کتب سیرت سے ظاہر ہے۔

[4] قد ثُرِد را مشدد ہے۔

[5] یا اس کا معنی یہ ہے کہ اکڑوں (پاؤں کے بل) بیٹھ جاتے، جگہ کی تنگی کی بنا پر۔

[6] اس جگہ بدوی حاضر تھا، اس نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا انداز دیکھا جو آپ کے

شایانِ شان نہ تھا، حقیقت میں یہ صحابہ کرام پر تعریض تھی جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جگہ تنگ کر دی تھی۔ بدوی نے کہا یہ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور آپ اس طرح کیوں بیٹھتے ہیں؟ اور کیا یہ طریقہ آپ کے مقام کے لائق ہے؟

۷؎ مجھے بندگی کی صفات کے ساتھ موصوف کیا ہے اور کرم کا حامل بنایا ہے جو تمام صفاتِ خیر و کمال کا جامع ہے۔ کہتے ہیں کہ جب تم کسی کو کرم کا موصوف قرار دو تو گویا تم نے اسے تمام صفاتِ کمال سے موصوف کر دیا۔ اس جگہ تواضع، رحم شفقت وغیرہ صفات مراد ہیں اسی لیے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالٰے نے متکبر اور سرکش نہیں بنایا۔

۸؎ حق کا مخالف اور راہِ راست سے منحرف۔

۹؎ کھانے کے آداب سکھانے کے لیے فرمایا۔

۱۰؎ یعنی پیالے کے درمیانے حصے کو چھوڑ دو۔ ذُرْوَۃ ذال پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، ہر چیز کا اوپر والا حصہ، کوہان اور پہاڑ کا بالائی حصہ۔

۱۱؎ اس کی شرح کتاب الاطعمۃ، دوسری فصل، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۴۰۶۶ وَعَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ قَالُوْا نَعَمْ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

وحشی بن حرب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم جتنا بھی کھاتے ہیں سیر نہیں ہوتے۔[۲] فرمایا شاید تم الگ الگ کھانا کھاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا؛ تم اکٹھے ہو کر کھانا کھایا کرو[۳] اور اللہ تعالٰے کا نام لو تمہیں برکت دی جائے گی۔[۴]

(ابو داؤد)

۱؎ وحشی حمصی کے والد حرب، وحشی کے دادا سے روایت کرتے ہیں، دادا کا نام بھی وحشی بن حرب ہے وحشی کے دادا وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس حدیث کے راوی ان کے پوتے ہیں۔ ان کا نام بھی وحشی ہے اور وہ اپنے دادا کے ہم نام ہیں۔ اس حدیث کے راوی وحشی آٹھویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور مستور الحال ہیں۔

۲؎ اس کا سبب کیا ہے؟
۳؎ اور جماعت کے بغیر نہ کھایا کرو۔ اس جگہ ضیافت میں مجتمع ہونے کی ترغیب ہے۔
۴؎ اجتماع اور ذکر میں سے ہر ایک برکت اور زیادتی کا باعث ہے۔ اور اگر دونوں جمع ہو جائیں تو برکت زیادہ ہوگی اور یہ امر ذکر کی زیادتی کا باعث ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۰۶۷ عَنْ اَبِیْ عَسِیْبٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلًا فَمَرَّ بِیْ فَدَعَانِیْ فَخَرَجْتُ اِلَیْہِ ثُمَّ مَرَّ بِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَعَاہُ فَخَرَجَ اِلَیْہِ ثُمَّ مَرَّ بِعُمَرَ فَدَعَاہُ فَخَرَجَ اِلَیْہِ فَانْطَلَقَ حَتّٰی دَخَلَ حَائِطًا لِبَعْضِ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ اَطْعِمْنَا بُسْرًا فَجَآءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَہٗ فَاَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُہٗ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ فَقَالَ لَتُسْئَلُنَّ عَنْ ھٰذَا النَّعِیْمِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ فَاَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ فَضَرَبَ بِہِ الْاَرْضَ حَتّٰی تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ

حضرت ابو عسیب[۱] رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک رات گھر سے باہر نکلے، میرے پاس سے گزرے تو مجھے بلایا، میں حاضر ہو گیا۔ پھر حضرت ابو بکر کے پاس سے گزرے انہیں بلایا وہ بھی حاضر ہو گئے۔ پھر حضرت عمر کے پاس سے گزرے انہیں بھی بلایا وہ بھی حاضر ہو گئے۔ پھر آپ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے مالک سے فرمایا۔ ہمیں کچی کھجوریں کھلاؤ۔ انہوں نے گچھا لا کر پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں تناول فرمائیں پھر آپ نے ٹھنڈا پانی طلب کیا اور نوش فرمایا[۲] پھر فرمایا، تم سے قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت عمر نے گچھا پکڑ کر زمین پر مارا۔ حتیٰ کہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف[۳] بکھر گئیں۔ پھر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس[۴] کے بارے ہم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ هٰذَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ خِرْقَةٍ کَفَّ بِهَا الرَّجُلُ عَوْرَتَهٗ اَوْ کِسْرَةٍ سَدَّ بِهَا جَوْعَتَهٗ اَوْ جُحْرٍ یَتَدَخَّلُ فِیْهِ مِنَ الْحَرِّ وَ الْقَرِّ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا)	فرمایا، ہاں! سوائے تین چیزوں کے (۱) وہ دھجی جس کے ساتھ مرد ستر عورت کرلے (۲) روٹی کا وہ ٹکڑا جس کے ساتھ اپنی بھوک مٹائے (۳) وہ بل (سوراخ) جس میں داخل ہوکر گرمی اور سردی سے پناہ لے (امام احمد) امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں مرسلاً روایت کی ہے۔

۱؎ حضرت ابوعسیب عین پر زبر، سین کے نیچے زیر، دونوں بے نقطہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ ان کا نام احمر ہے، کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بھی نوش کیا ہوگا لیکن راوی نے اختصار کے پیش نظر صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش فرمانے کا ذکر کیا۔

۳؎ قِبَلَ قاف کے نیچے زیر، با پر زبر، جانب اور طرف ——— کھجوروں کے بکھرنے سے ان کا ضائع کرنا لازم نہیں آتا۔ (چُن کر کام میں لائی جاسکتی ہیں ۱۲ ق)

۴؎ علامہ طیبی نے کہا ہوسکتا ہے کہ هٰذا کا اشارہ اس گچھے کی طرف ہو جس کی کھجوریں بکھر گئی تھیں، مقصود اس گچھے کی تحقیر تھا یعنی کیا اس معمولی اور تھوڑی سی چیز کے بارے میں بھی ہم سے پوچھا جائے گا؟ مخفی نہ رہے کہ باوجود یکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کی عظمت اور اہمیت کا اظہار فرمایا۔ اس مقولے کو نعمت کی تحقیر پر محمول کرنا حضرت عمر کی شان کے لائق نہیں ہے، بلکہ گچھے کو زمین پر مارنے اور اس سوال کو بعید جاننے کا باعث؛ اپنے حال پر حسرت، تنگ دلی اور دفت کا ناکافی ہونا ہے اس کے علاوہ ان پر ایک عجیب حال طاری ہوگیا تھا۔ لہٰذا اس مقولے میں نعمت کی تعظیم ہے نہ کہ تحقیر۔

۵؎ قیامت کے دن ہر چھوٹی بڑی نعمت کے بارے میں جواب طلبی ہوگی۔

۶؎ جو بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔

۷؎ جسم کے جس حصے کا ڈھانپنا واجب ہے اسے ڈھانپے۔ بعض نسخوں میں کَفَّ کاف کے ساتھ آیا ہے یعنی اپنی عورت کو برہنہ ہونے سے روکے۔

ش۵ چوہے کے بل کی طرح جس میں تنگی اور تکلف کے ساتھ داخل ہو (چھوٹا سا مکان مراد ہے جو سر چھپانے کے کام آسکے) ——— جُحر جیم پر پیش، بے نقطہ حاء ساکن، بعض محدثین نے جیم سے پہلے حاء پڑھی ہے (حُجَر) جس کا معنی حجرہ ہے۔ پہلا تلفظ مقام کے زیادہ مناسب ہے، "قُرّ" قاف کے ساتھ ٹھنڈک اور موسم سرما کی سردی کہا جاتا ہے یَوْمٌ قُرٌّ وَلَیْلَۃٌ قَرَّۃٌ" ٹھنڈا دن اور ٹھنڈی رات۔

۴۰۶۸/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْمَآئِدَۃُ فَلَا یَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰی تُرْفَعَ الْمَآئِدَۃُ وَلَا یَرْفَعُ یَدَہٗ وَاِنْ شَبِعَ حَتّٰی یَفْرُغَ الْقَوْمُ وَلْیُعْذِرْ فَاِنَّ ذٰلِکَ یُخْجِلُ جَلِیْسَہٗ فَیَقْبِضُ یَدَہٗ وَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ فِی الطَّعَامِ حَاجَۃٌ. (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے جب تک دسترخوان نہ اٹھایا جائے، اور اپنا ہاتھ نہ اٹھائے اگرچہ سیر ہو جائے یہاں تک کہ قوم فارغ ہو جائے[۱]، اور چاہیے کہ عذر پیش کرے[۲]۔ کیونکہ بغیر عذر کے ہاتھ اٹھانا اس کے ہمنشین کو شرمندہ کرے گا تو وہ اپنا ہاتھ روک لے گا، ہو سکتا ہے اسے طعام کی حاجت ہو[۳]۔ (ابن ماجہ، شعب الایمان امام بیہقی)

ل۱ اور لوگ اطمینان سے کھانا کھالیں۔

ل۲ وَلْیُعْذِرْ نقطے والے ذال کے ساتھ "اِعْذَارٌ" سے مشتق ہے، یعنی اگر ساتھیوں کے فارغ ہونے سے پہلے کھانے سے ہاتھ اٹھائے تو اپنا عذر ظاہر کر دے (مثلاً یہ کہ میں کھانا کھا چکا ہوں یا مجھے کوئی بیماری ہے۔ ۱۲ ق)

ل۳ اسی لیے کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ساتھی اس کے ہاتھ روک لینے کے بعد کھاتے رہنے میں شرم محسوس کریں تو اسے چاہیے کہ اپنا ہاتھ نہ روکے، اور اگر اس کی خوراک کی مقدار کم ہو تو چاہیے کہ ابتدا میں کم کھائے تاکہ آخر تک مہمانوں کے ساتھ موافقت کر سکے، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، امام جزری، نہایہ میں فرماتے ہیں کہ "اِعْذَارٌ" کا معنیٰ ہے کسی کام میں مبالغہ کرنا، لہٰذا لِیُعْذِرْ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کھانا کھانے میں مبالغہ کرے اور آخر تک کھائے جیسے کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے

ز سب سے آخر تک تناول فرماتے۔ بعض محدثین تعذیر سے یُعَذِّرُ پڑھتے ہیں جس کا معنی تقصیر ہے۔ یعنی اسے چاہیے کہ کھانا کم کھائے تاکہ دوسرے زیادہ کھائیں، اور ظاہر یوں کرے جیسے کھانے میں مبالغہ کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ معنی بھی ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

۴۰۶۹ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ [۱۳] عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ مَعَ قَوْمٍ كَانَ اٰخِرُهُمْ اَكْلًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو آپ کھانے میں سب سے آخری ہوتے تھے[۱]

امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں مرسلاً روایت کی ہے۔

[۱] یعنی آخر تک تناول فرماتے اور صحابہ کرام سے پہلے کھانے سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ ابتدا میں تناول نہ فرماتے یا کم تناول فرماتے اور آخر میں تناول فرماتے، تاکہ حاضرین شرمندہ ہوکر کھانے سے ہاتھ نہ اٹھالیں۔

۴۰۷۰ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ [۱۴] يَزِيْدَ قَالَتْ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ فَعُرِضَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا لَا نَشْتَهِيْهِ قَالَ لَا تَجْتَمِعْنَ جُوْعًا وَّكَذِبًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اسماء بنت یزید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا وہ ہمارے سامنے[۲] پیش کیا گیا تو ہم نے کہا ہمیں طلب نہیں ہے[۳]، فرمایا: تم بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو[۴] (ابن ماجہ)

[۱] اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ صحابیہ ہیں۔ بڑی عقل مند اور بہادر تھیں، جنگ یرموک میں شامل ہوئیں۔ اور نو کافروں کو خیمے کی لکڑی سے قتل کیا۔

[۲] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کھانا عورتوں کی حاضر جماعت کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہیں طلب ہے تو کھاؤ۔

[۳] ہم نے تکلف سے کام لیا اور باوجودیکہ ہمیں طلب اور بھوک تھی، ہم نے کہا ہمیں طلب نہیں ہے۔

[۴] یعنی تم بھوکی ہو اور تکلف کی بنا پر جھوٹ بولتی ہو اور کہتی ہو کہ ہمیں بھوک نہیں ہے، اسی طرح تم

محروم ہو رہی ہو اور دو قسم کے نقصان اٹھا رہی ہو (۱) دنیاوی نقصان اور وہ بھوک کی تکلیف ہے (۲) دینی نقصان اور وہ جھوٹ کا گناہ ہے۔

۴۰۷۱/۱۵ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ کھایا کرو کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے[1] (ابن ماجہ)

[1] جماعت کا ساتھ کھانے میں ہو یا کسی اور کام میں۔

۴۰۷۲/۱۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّخْرُجَ الرَّجُلُ مَعَ ضَيْفِهٖ اِلٰى بَابِ الدَّارِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ ضُعْفٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے۔ (ابن ماجہ)
امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کی اور کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

۴۰۷۳/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَيْرُ اَسْرَعُ اِلَى الْبَيْتِ الَّذِيْ يُؤْكَلُ فِيْهِ مِنَ الشَّفْرَةِ اِلٰى سَنَامِ الْبَعِيْرِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں (مہمانوں کے ساتھ) کھانا کھایا جائے اس گھر کی طرف چھری کے اونٹ کی کوہان تک پہنچنے سے بھی جلدی بھلائی پہنچتی ہے[2] (ابن ماجہ)

لہ اونٹ کی کوہان تک چھری کے جلد پہنچنے کا یہ مطلب ہے کہ تمام اعضاء سے پہلے کوہان کاٹتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ کوہان دوسرے اعضاء سے زیادہ نرم ہوتی ہے۔ اس لیے چھری اس تک جلد پہنچتی ہے اور جلد اثر انداز ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابٌ فِیْ اَکْلِ الْمُضْطَرِّ

۲۹۷۔ حالت اضطرار میں کھانے کا بیان

وَھٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔

یہ باب پہلی فصل سے خالی ہے۔

بعض نسخوں میں والثالث بھی ہے، کیونکہ اس باب میں تیسری فصل بھی نہیں ہے، لیکن پہلا نسخہ زیادہ صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مصنف کا مقصد مصابیح کا حال بیان کرنا ہے کہ اس میں پہلی فصل نہیں ہے، رہی تیسری فصل تو اس کا لانا مصنف کے اختیار میں ہے اور ان کا عمل ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے، نیز اس کے بیان کی عادت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ عنقریب بَابُ تَغْطِیَۃِ الْاَوَانِیْ آئے گا اس میں تیسری فصل نہیں ہے اس جگہ مصنف نے نہیں کہا کہ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۰۷۲ عَنِ الْفُجَیْعِ الْعَامِرِیِّ اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یَحِلُّ لَنَا مِنَ الْمَیْتَۃِ قَالَ مَا طَعَامُکُمْ قُلْنَا نَغْتَبِقُ وَ نَصْطَبِحُ قَالَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فَسَّرَہٗ لِیْ عُقْبَۃُ قَدَحٌ غُدْوَۃً وَّ قَدَحٌ

حضرت فجیع عامری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ از خود مردہ چیزوں میں سے کونسی چیز ہمارے لیے حلال ہے؟ فرمایا: تمہارے طعام کی مقدار کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہم صبح اور شام تناول کرتے ہیں۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ عقبہ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ

عَشِيَّةً قَالَ ذَالِكَ وَ اَبِي الْجُوْعُ فَاَحَلَّ لَهُمُ الْمَيْتَةَ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

ایک پیالہ دودھ صبح اور ایک پیالہ شام[۷] فرمایا: میرے باپ کی قسم! اتنا کھانا بھوک کا موجب ہے تو آپ نے ان کے لیے اس حال میں مردار حلال فرما دیا۔ (ابوداؤد)

[۱] مُجیع بروزن قُفیل صحابی ہیں، اپنی قوم کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں بحیثیت نمائندہ حاضر ہوئے۔ اور آپ کی احادیث مبارکہ سنیں۔

[۲] ان کا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ حالِ اضطرار کی حد کیا ہے؟ اور بھوک کہاں تک پہنچے۔ تو مردار اور وہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جن کا کھانا حرام ہوتا ہے، اگرچہ ظاہر عبارت سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لیے مردار کی کونسی چیز اور کتنی مقدار حلال ہے، حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے اور نہ ہی اس سوال کا جواب ہی دیا گیا ہے۔ یہ الفاظ امام ابوداؤد کی روایت میں ہیں۔ طبرانی وغیرہ میں یہ الفاظ مروی ہیں مَا يُحِلُّ لَنَا الْمَيْتَةَ، یا کے پیش کے ساتھ، یعنی کونسی چیز ہے؟ جو ہمارے لیے مردار کے کھانے کو حلال کرتی ہے، یہ عبارت مقصود پر دلالت کرنے میں زیادہ ظاہر ہے۔ اسی طرح علامہ تورپشتی نے کہا۔

[۳] یعنی بیان کرو کہ تمہیں کھانا کتنی مقدار میں میسر ہوتا ہے؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ تمہاری بھوک حدِ اضطرار کو پہنچتی ہے یا نہیں؟ ——— اگرچہ سائل حضرت فُجیع عامری ہی تھے لیکن آپ نے پوری جماعت کو مخاطب کرکے فرمایا تاکہ حکم (سب کو) عام ہو، حضرت فُجیع نے بھی جواب میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور کہا قُلْنَا ہم نے اس سوال کے جواب میں عرض کیا۔

[۴] صَبُوْحٌ اور غَبُوْقٌ کا اصل استعمال شراب میں ہے، طعام پر بھی ان کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اسی جگہ خود راوی نے اس کی تفسیر دودھ کے پیالے سے کی ہے، جیسے کہ اس کے بعد مذکور ہے۔

[۵] ابونُعیم نون پر پیش، اس حدیث کے راوی ہیں حضرت عقبہ سے، وہ کہتے ہیں کہ اس قوم کے صبح و شام کے طعام کی تفسیر حضرت عقبہ نے بیان کی۔ حضرت عقبہ، ابونُعیم کے استاذ ہیں۔

[۶] حضرت عقبہ نے یہ تفسیر یا تو اپنے استاذ سے سنی ہوگی یا دوسری روایات میں واقع ہوئی ہوگی۔ بہرصورت خود راوی جو تفسیر بیان کرے مقبول ہے۔

[۷] یعنی اس حالت میں کہ انہیں صبح و شام صرف دودھ کا ایک پیالہ میسر آتا تھا، آپ نے حکم فرمایا کہ یہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت ہے جس میں مردار حلال ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں باپ کی قسم واقع ہوئی ہے اور یہ قصد تعظیم کے بغیر جائز ہے، دراصل یہ یمینِ لغو کی قسم ہے

جو بطور عادت ، قسم کے ارادے کے بغیر واقع ہوتی ہے ، جیسے کہ لَعَمْرِیْ میری زندگی کی قسم اور لا ھا اللہ ، یا یہ پہلے کا واقعہ ہے ، باپ کی قسم کھانے سے بعد میں منع کیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۷۵۲ وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدِنِ اللَّیْثِیِّ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا نَکُوْنُ بِاَرْضٍ فَتُصِیْبُنَا بِهَا الْمَخْمَصَةُ فَمَتٰی یَحِلُّ لَنَا الْمَیْتَةُ قَالَ مَا لَمْ تَصْطَبِحُوْا اَوْ تَغْتَبِقُوْا اَوْ تَحْتَفِئُوْا بِهَا بَقْلًا فَشَأْنُکُمْ بِهَا مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تَجِدُوْا صَبُوْحًا اَوْ غَبُوْقًا وَلَمْ تَجِدُوْا بَقْلَةً تَأْکُلُوْنَهَا حَلَّتْ لَکُمُ الْمَیْتَةُ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو واقد لیثی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ہم ایک زمین میں ہوتے ہیں اور ہمیں وہاں بھوک لاحق ہو جاتی ہے[2] تو ہمارے لیے مردار کب حلال ہوتا ہے[3] ؟ فرمایا ، جب تک تم صبح یا شام ایک پیالہ نہ پیو یا اس علاقے میں تمہیں کھانے کو ساگ پات[4] میسر نہ ہو تو تم مردار کھالو ، اس کا مطلب یہ[5] ہے کہ جب تمہیں نہ صبح کو پیالہ ملے اور نہ شام کو اور تمہیں کھانے کو سبزی[6] بھی نہ ملے تو تمہارے لیے مردار حلال ہے۔ (دارمی)

[1] حضرت ابو واقد لیثی قدیم الاسلام صحابی ہیں ، جنگ بدر میں شریک ہوئے۔
[2] ہم ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں ہوتی۔
[3] اور اس کی حد کیا ہے ؟
[4] حفا ایک بوٹی کا نام ہے ، صراح میں ہے کہ ایک معروف بوٹی کی جڑ کا نام ہے۔
[5] راوی حدیث کا حاصل مطلب بیان کرتے ہیں۔
[6] سبزی اور اس جیسی چیزیں مثلاً گھاس اور درختوں کے پتے بھی میسر نہ ہوں جنہیں کھا کر تم زندہ رہ سکو۔
خیال رہے کہ ان دو حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث میں صبح یا شام ایک پیالہ میسر آنے کے باوجود شدید بھوک کو ثابت فرمایا اور مردار کا کھانا حلال قرار دیا۔ اور دوسری حدیث میں یہ شرط لگائی کہ نہ تو صبح ایک پیالہ میسر ہو نہ ہی شام کو ، بلکہ اس سے بھی زیادہ تنگی فرمائی کہ گھاس اور پتے میسر ہوں تو بھی سخت بھوک متحقق نہیں ہوتی ، اور مردار حلال نہیں ہوتا ، ان حدیثوں کے اختلاف کی بنا پر علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مردار کا کھانا اسی وقت جائز ہے جب ہلاکت کا خوف ہو۔ جان بچانے کے لیے

صرف اتنی مقدار میں کھانا جائز ہے جس سے جان بچ جائے، امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے، اس میں تنگی ہے اور یہ احتیاط اور تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے، امام مالک اور امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ جب آدمی کو اتنی مقدار میسر نہ ہو جس سے وہ سیر ہو جائے اور نفس انسانی کی حاجت پوری نہ ہو تو مردار کا کھانا حلال ہے تاکہ نفس اپنی حاجت پوری کرکے طاقت اور سیری حاصل کرے، اس قول میں سہولت اور وسیع رخصت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک جان کا بچانا اور دیگر ائمہ کے نزدیک طاقت کا حاصل کرنا معتبر ہے۔ دوسرے ائمہ پہلی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ باوجود ایک پیالہ دودھ صبح اور ایک پیالہ شام میسر ہونے کے مردار کا کھانا حلال قرار دیا۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ اتنی مقدار جان بچانے اور نفس کے باقی رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اگرچہ اس سے سیری حاصل نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ حد اضطرار جس کی بنا پر مردار حلال ہو جاتا ہے۔ سیری کا حاصل نہ ہونا ہے اور اتنی مقدار میں کھانا درست ہے جس سے طاقت حاصل ہو جائے۔

احناف کی دلیل دوسری حدیث ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا، پہلی حدیث کے جواب میں وہ دونوں حدیثوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی حدیث میں جو ایک پیالہ صبح اور ایک پیالہ شام کا ذکر آیا ہے تو وہ پوری قوم کے لیے مشترک تھا نہ کہ ہر فرد کو میسر تھا۔ جیسے کہ "طعامکم" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، حضرت فجیع عامری کا سوال صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ قوم کی طرف سے تھا۔ کیونکہ انہوں نے حاضر ہو کر قوم کی طرف سے سوال کیا تھا اسی لیے انہوں نے کہا مَا یَحِلُّ لَنَا ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایک پیالہ بڑی جماعت کی جان بچانے اور نفس کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے بالکل کافی نہیں ہے۔ اور کچھ بھوک کو بھی دفع نہیں کرتا۔ ہاں! اگر ہر شخص کو ایک پیالہ میسر ہو تو اس کی بھوک دور کر دے گا۔ اسی طرح علامہ توربشتی نے کہا، نیز اضطرار کا ظاہر معنیٰ جان بچانا ہے۔

بَابُ الْاَشْرِبَةِ

۲۹۸۔مشروبات کا بیان

مشروبات کے قسمیں اور ان کے احکام اشربہ جمع ہے شراب کی۔ جیسے طعام کی جمع اطعمہ ہے۔ ممکن ہے کہ شربت کی جمع ہو جیسے قمیص کی جمع اقمصہ ہے۔ قاموس میں ہے شراب وہ چیز جو پی جائے، جیسے کہ شرب اور مشروب کا معنی بھی یہی ہے، چونکہ مشروب طعام کے تابع اور اس کا تمہ ہے اس لیے اس کے بیان کے لیے کتاب الاطعمہ میں ایک باب قائم کیا ہے۔ اس کے لیے الگ کتاب قائم نہیں کی۔ بخلاف لباس کے ذکر وہ طعام سے الگ چیز ہے) اس کے لیے الگ کتاب قائم کی ہے جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۰۷۶ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پانی پینے کے دوران تین سانس لیتے تھے[۱] (صحیحین)

وَزَادَ مُسْلِمٌ فِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَ اَبْرَأُ وَ اَمْرَأُ.

امام مسلم نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا اور فرماتے تھے کہ یہ[۲] زیادہ سیراب کرنے والا[۳]، زیادہ صحت بخش[۴] اور زیادہ خوشگوار ہے[۵]۔

[۱] مطلب یہ ہے کہ پانی پینے وقت تین سانس لیتے تھے اور ہر دفعہ سانس لیتے وقت پانی کا برتن منہ سے جدا کرتے تھے، جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے، شمائل ترمذی میں جو آیا ہے کہ برتن میں سانس لیتے تھے اس سے بھی یہی مراد ہے، ایک دوسری حدیث میں برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ برتن کو منہ سے جدا کیے بغیر سانس لینا ممنوع ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ برتن میں سانس لینا اس وقت مکروہ ہے جب لوگ اسے برا اور ناگوار جانیں اور جب لوگ اسے پسند کریں

اور تبرک جانیں تو مستحب ہے۔

سلہ اس طریقے سے پانی پینا۔

سلہ پیاس کو زیادہ دور کرنے والا۔

سلہ بدن کے لیے، معدے کو ٹھنڈا کرنے اور اعصاب کو کمزور کرنے میں کم اثر کرنے والا ہے۔

سلہ اور معدے میں تیزی سے جانے والا ہے۔ آخری خاص پانی کی صفت ہے اور امرئ طعام اور مشروب دونوں کو شامل ہے مری اس رگ کو کہتے ہیں جس میں سے کھانا پانی گزر کر پیٹ میں جاتا ہے۔

۴۰۷۷/۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔

(صحیحین)

سلہ آئندہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

۴۰۷۸/۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ وَزَادَ فِیْ رِوَايَةٍ وَاخْتِنَاثُهَا اَنْ يُّقْلَبَ رَاْسُهَا ثُمَّ يُشْرَبُ مِنْهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں راوی نے یہ اضافہ کیا اختناث[1] کا معنی ہے کہ مشکیزے کا منہ الٹ دیا جائے پھر اس سے پانی پیا جائے[2]

(صحیحین)

سلہ اختناث کا معنی ہے دوہرا ہونا اور ٹوٹا ہوا ہونا، مشکیزے کا اختناث اور اس کی تخنیث یہ ہے کہ کھولتے وقت اس کا سر دوہرا کر دیا جائے اس کے مقابل تعث ہے کہ باندھتے وقت اس کا کنارہ اندر کی طرف موڑ کر دوہرا کر دیا جائے۔

سلہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پانی کپڑوں پر گرے گا اور طریق مسنون کے مطابق نہیں پیا جائے گا۔ دوسری حدیث سے اس کا جائز اور مباح ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے

جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ممانعت کا تعلق بڑے مشکیزے سے ہے جس کا منہ فراخ ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے مشکیزے سے نوش فرمایا۔ جسے اِداوہ کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا، ہمیشہ اس طرح پانی پینے اور اس کی عادت بنا لینے کی ممانعت ہے۔ تاکہ رفتہ رفتہ مشکیزے کا منہ بدبو دار نہ ہو جائے اور اگر کبھی کبھار پیا جائے تو ممنوع نہیں ہے۔ یا اجازت اس صورت میں ہے جب ضرورت اور حاجت ہو، اور اگر ضرورت اور حاجت نہ ہو تو ممنوع ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکیزے میں اذیت دینے والی کوئی چیز کیڑا مکوڑا ہو، جیسے کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا تو اس میں سے سانپ نکل آیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہی کے ذریعے اجازت کو منسوخ کر دیا گیا ہو۔

۴۰۷۹ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔[۱]

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔

(مسلم)

۴۰۸۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِیَ فَلْیَسْتَقِئْ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے اور جو شخص بھول جائے اسے چاہیے کہ قے کرے۔[۲]

(مسلم)

[۱] ایک نسخے میں منکم زائد ہے۔

[۲] وہ پانی جو اس نے کھڑے ہو کر پیا ہے باہر نکال دے کہ اس نے نافرمانی کی ہے اور اس نے ایسے طریقے سے پانی پیا ہے جس طریقے سے نہ پینا چاہیے تھا۔ جب بھول کا یہ حکم ہے تو قصداً اس طرح پینے کا بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

۴۰۸۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءِ زَمْزَمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں زمزم کے پانی کا ڈول لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو

فَشَرِبَ وَ هُوَ قَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ نے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ (صحیحین)

۴۰۸۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِيْ حَوَائِجِ النَّاسِ فِيْ رَحْبَةِ الْكُوْفَةِ حَتّٰى حَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ ثُمَّ اُتِيَ بِمَآءٍ فَشَرِبَ وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ وَ ذَكَرَ رَاْسَهٗ وَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهٗ وَ هُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنَّ نَاسًا يَكْرَهُوْنَ الشُّرْبَ قَائِمًا وَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی پھر مسجد کوفہ کے صحن میں لوگوں کی حاجتوں کے سلسلے[1] میں تشریف فرما رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ کے پاس پانی لایا گیا، وہ آپ نے پیا، اپنا چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھ دھوئے راوی نے آپ کے سر اور پاؤں کا ذکر کیا[2] پھر کھڑے ہوئے اور باقی ماندہ پانی کھڑے کھڑے پیا[3] پھر فرمایا: کچھ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ جانتے ہیں۔[4] حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا۔[5] (بخاری)

[1] لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے۔ مسجد کوفہ کا صحن فیصلوں کے لیے نشست گاہ بنایا گیا تھا۔ "رَحْبَۃ" را پر زبر، بے نقطہ حا ساکن، مسجد کا صحن۔

[2] ان پر مسح کیا اور انہیں دھویا، مطلب یہ ہے کہ پہلے راوی نے سر اور پاؤں کے دھونے کا ذکر کیا تھا جو بعد والے راوی کو بھول گیا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، مقصد یہ ہے کہ پورا وضو نہ فرمایا۔

[3] یہ تاکید ہے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ کر پانی پیا بلکہ اسی طرح کھڑے کھڑے وضو کا باقی ماندہ پانی پیا۔

[4] لوگوں کی خطا اور نادانی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

[5] یعنی کھڑے ہو کر پانی پیا۔ یا پانی پینے، وضو کرنے، اس کے بعد کھڑے ہونے اور وضو کا باقی ماندہ پانی پینے کا مجموعہ مراد ہے۔

تنبیہ:- یہ واضح ہو چکا ہے کہ احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔مواہب لدنیہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث لائے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق کو کھڑے ہو کر پانی پیتے ہوئے دیکھا، امام مالک نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔جلیل محدث عبدالحق کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے بعض راویوں کے بارے میں کلام ہے۔بعض محدثین فرماتے ہیں کہ اجازت کی حدیث ممانعت کی ناسخ ہے، لیکن یہ کہنا کہ ممانعت کی حدیث نے اجازت کو منسوخ کر دیا ہے۔صحیح نہیں ہے، کیونکہ کوفہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں عمل اس کے منافی ہے۔صحیح یہ ہے کہ احادیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ نہی تنزیہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل بیانِ جواز کے لیے ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق اس شخص سے ہے جو اپنے ساتھیوں کے لیے پانی لائے اور جلدی کر کے کھڑے کھڑے ان سے پہلے پانی پی لے اور ان کی رعایت نہ کرے اور حدیث پاک سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ قوم کو پلانے والا آخر میں ہوتا ہے پر عمل نہ کرے۔یہ کلام تکلف سے خالی نہیں ہے، اور جب نہی تنزیہی ہے تو اولیٰ اور زیادہ محبوب یہ ہے کہ کھڑا ہو کر نہ پیئے۔نیز کھڑے ہو کر پینے میں جسمانی نقصانات ہیں چونکہ سلف صالحین صحابہ کرام وغیرہم میں اختلاف ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ کھڑا ہو کر نہ پیئے۔اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیٹھ کر ہی پینے کی تھی۔لیکن کھڑا ہو کر پینا حرام نہ تھا۔اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے، بعض فقہی روایات میں آیا ہے کہ زمزم اور وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیئیں باقی بیٹھ کر، یاد رہے کہ حرام یا مکروہ یا خلاف اولیٰ، پینے کی حالت میں کھڑے ہونا، یا کھڑے ہونے کی حالت میں پینا ہے۔اصل مشروب حرام نہ تھا جیسے کہ کہتے ہیں کہ بعض سلف کے نزدیک رنگا رنگ کے کھانے حرام ہیں۔یعنی یہ طریقہ (مختلف کھانوں کا جمع کرنا) اور یہ حالت حرام ہے یہ نہیں کہ اصل کھانا ہی حرام ہے۔

۴۰۸۳ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَ مَعَهٗ صَاحِبٌ لَّهٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَ هُوَ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِيْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ فِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے ہمراہ ایک انصاری صحابیؓ کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، اس وقت وہ باغ میں پانی تبدیل کر رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے پاس پرانے مشکیزے میں

شَنَّةٍ وَ اِلَّا كَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِىْ مَاءٌ بَاتَ فِىْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَى الْعَرِيْشِ فَسَكَبَ فِىْ قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِىْ جَاءَ مَعَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

رات کا پانی ہو تو لے آؤ ورنہ ہم منہ لگا کے پی لیں گے۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس مشکیزے میں رات کا پانی ہے، وہ چھپر کے پاس گئے۔ پیالے میں پانی ڈالا پھر اس پر پالتو بکری کا دودھ دوہا جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرما لیا۔ پھر وہ ایک اور پیالہ لائے جسے آپ کے ساتھ آنے والے صحابی نے پیا۔ (بخاری)

۱؎ کہتے ہیں کہ وہ صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

۲؎ حضرت مالک بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳؎ ایک طرف سے دوسری طرف موڑ رہے تھے یعنی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔

۴؎ شَنَّۃ پہلے حرف پر زبر۔ پرانا مشکیزہ۔ پرانے مشکیزے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس میں پانی خوب اچھی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

۵؎ کرع کا معنی لغت میں یہ ہے کہ ہاتھ اور برتن استعمال کیے بغیر منہ سے نہر کا پانی پیا جائے۔ جیسے جانور پیتے ہیں، اور اپنے پاؤں پانی میں ڈال لیتے ہیں، صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ اس جگہ کرع سے مراد دونوں ہاتھوں سے پانی پینا ہے یا اس وقت ہاتھ سے پانی پینا متعذر تھا اور ضرورت تھی کہ منہ لگا کر پانی پیا جائے۔ (اھ) گویا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ لگا کر پانی پینے کو بعید گمان کیا اور آپ کے شایانِ شان نہ جانا، ذوق بے تکلفی کے نزدیک یہ چنداں بعید بھی نہیں ہے، کیونکہ اس طرح پینے میں الگ ایک لذت ہے بعض صالحین کو اس طرح پانی پیتے ہوئے دیکھا گیا (اس میں بے تکلفی بھی ہے اور عاجزی بھی۔ ۱۲ ق)

۶؎ سوال کی عبارت کو دوبارہ صراحت کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے برکت حاصل کرنا اور لطف اندوز ہونا ہے۔ نیز اس بات پر خوشی کا اظہار کرنا ہے کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلب فرمائی وہ موجود ہے، ورنہ یہ کہہ دینا کافی تھا کہ جی ہاں موجود ہے۔

۷؎ یہ کھجور کی شاخوں سے باغ میں تیار کی جانے والی چھت ہوتی ہے، جو عموماً انگوروں کے باغ میں بنائی جاتی ہے۔

ٹ۵ داخن جسم کے پیچھے زیر اس بکری کو کہتے ہیں جو اہل خانہ کے ساتھ مانوس ہو، عربوں کی عادت ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر پیتے ہیں، شارحین فرماتے ہیں کہ تازہ دوہا گیا، دودھ گرم ہوتا ہے اور عام طور پر وہ ملاتے بھی گرم ہیں، پانی کے ذریعے دودھ کی گرمی جاتی رہے گی۔

ٹ۹ اسی طریقے پر جس طرح پہلے لائے تھے۔

۴۰۸۴/۹ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارَ جَھَنَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ اِنَّ الَّذِیْ یَاْکُلُ وَیَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَۃِ الْفِضَّۃِ وَالذَّھَبِ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے گویا وہ آواز کے ساتھ گھونٹ گھونٹ[۱] جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں اتار رہا ہے۔ (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص چاندی اور سونے کے برتن میں کھاتا پیتا ہے[۲]۔

[۱] دراصل لغت میں جرجرہ، شیر کی آواز کو کہتے ہیں جسے وہ اپنے حلق میں گردش دیتا ہے پھر اس آواز کو کہتے جو پانی کے پیٹ میں جانے سے پیدا ہوتی ہے، پھر اس سے گھونٹ گھونٹ پانی پینا مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں نار جہنم منصوب ہے، اسے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ آواز پیدا کرے گی۔ چونکہ اس طریقے سے پانی پینا مستحق عذاب ہونے اور جہنم کی آگ میں جلنے کا سبب ہے گویا وہ آگ پی رہا ہے اور گویا اس کے پیٹ میں پانی کی آواز اس لیے ہے کہ اس میں آگ ہے۔ پہلی صورت میں یُجَرْجِرُ کا معنیٰ ہے کہ وہ پیتا ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنیٰ ہے کہ جہنم کی آگ آواز نکالتی ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح اور مختار نصب ہے، دوسری روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

[۲] ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا ہر مرد اور عورت پر حرام ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس برتن میں پانی پینا جائز ہے جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو، بشرطیکہ منہ کی جگہ چاندی نہ ہو، اسی طرح وہ برتن جس پر سونے یا چاندی کی پتری لگائی گئی ہو، کیونکہ پتری زینت کے لیے نہیں بلکہ مضبوطی کے لیے لگائی جاتی ہے۔ اور اگر پتری کی جگہ منہ نہ رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے

جب کہ پیالے سے کھائے اور اگر پیالے سے لے کر دوسری جگہ یا ہاتھ پر رکھ لے اور وہاں سے کھائے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح محیط میں ہے۔ ان مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکے۔

۴۰۸۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ریشم اور دیبا[1] نہ پہنو۔ سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور سونے چاندی کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں کافروں[2] کے لیے دنیا میں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ (صحیحین)

[1] دیبا ریشمی کپڑے کی ایک مشہور قسم۔

[2] صحافہا کی ضمیر مذکورہ اشیاء یا اجناس یعنی سونے اور چاندی کی طرف راجع ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ ضمیر چاندی کی طرف راجع ہے اور سونا بطریق اولیٰ اس کے حکم میں ہے، یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا۔ (اس آیت میں بھی واحد مونث کی ضمیر سونے چاندی کی طرف راجع ہے ۱۲ ف) اس کے بعد اہل ایمان کو ان کے استعمال کرنے سے منع کرنے پر تسلی اور تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ چیزیں کافروں کے لیے دنیا میں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

[3] اس جگہ کافروں کا ذکر اگرچہ نہیں ہوا لیکن کلام کی روش سے معلوم ہو رہا ہے۔

۴۰۸۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ دَاجِنٌ وَشِيْبَ لَبَنُهَا بِمَاءٍ مِنَ الْبِئْرِ الَّتِيْ فِيْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک پالتو بکری کا دودھ دوہا گیا اور اس کا دودھ حضرت انس کے گھر[1] میں موجود کنوئیں کے پانی سے ملایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے نوش فرمایا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ يَمِيْنِهٖ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَا بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَى الْاَعْرَابِيَّ الَّذِيْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْاَيْمَنُوْنَ اَلْاَيْمَنُوْنَ اَلَا فَيَمِّنُوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ کی بائیں جانب حضرت ابوبکر اور دائیں جانب ایک اعرابی تھا، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوبکر کو عطا فرمائیں[۳] آپ نے دائیں جانب والے اعرابی کو عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: پہلے دائیں جانب والا، پھر اس کی دائیں جانب والا زیادہ حق دار ہے[۴] ایک دوسری روایت میں ہے دائیں جانب والے پھر ان کی دائیں جانب والے زیادہ مستحق ہیں[۵] خبردار دائیں جانب سے ابتداء کرو[۶]

(صحیحین)

[۱] ظاہر یہ تھا کہ کہتے کنواں جو ہمارے گھر میں تھا، لیکن یہ عبارت میں تفنن ہے اور اسے علم عربیت کی اصطلاح میں اسم ظاہر کا ضمیر کی جگہ رکھنا کہتے ہیں، وہ بکری بھی ان کے گھر میں تھی جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے۔

[۲] کچھ دودھ نوش فرمایا۔

[۳] کہ وہ زیادہ حق دار، مقدم اور اولیت کا شرف رکھتے ہیں۔

[۴] اعرابی کو پہلے عطا فرمانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دائیں جانب والا زیادہ مستحق ہے پھر وہ جو اسی جانب میں اس کے پہلو میں ہے، اسی ترتیب سے دیا جائے گا یہاں تک کہ بائیں جانب والے تک پہنچ جائے۔ اَلْاَيْمَنَ فَالْاَيْمَنَ پر زبر اور پیش دونوں پڑھے گئے ہیں، معنیٰ یہ ہوگا دائیں جانب والے کو دو (اس صورت میں ایمن پر زبر ہے کیونکہ فعل مقدر اَعْطِ کا مفعول بہ ہے ۱۲ ق) یا دائیں جانب والا زیادہ حق دار ہے (اس وقت مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے ۱۲ ق۔)

[۵] اَلْاَيْمَنُوْنَ مرفوع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الایمن کو بھی مرفوع پڑھنا چاہیے۔

[۶] یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال عدل اور مستحق کو اس کا حق دلانے کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر کی فضیلت ان کے قرب اور حضرت عمر کی سفارش کے باوجود اعرابی کی رعایت فرمائی کہ وہ زیادہ حق دار تھا۔ اسے نظر انداز نہیں فرمایا۔

۴۰۸۷ [۱۲] وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت سہل بن سعد ساعدی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلِيْ مِنْكَ اَحَدًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ حَدِيْثُ اَبِيْ قَتَادَةَ سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا[۲] آپ نے اس پیالے سے نوش فرمایا، آپ کی دائیں جانب ایک صاحبزادے تھے جو تمام حاضرین میں سے کم عمر تھے، عمر حضرات آپ کی بائیں جانب تھے، آپ نے فرمایا، صاحبزادے کیا تم اجازت دیتے ہو کہ ہم یہ پیالہ بڑی عمر والوں کو دے دیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کے بچے ہوئے پانی کے سلسلے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا[۳]۔ آپ نے وہ پیالہ انہیں ہی عطا فرما دیا[۴]۔ (صحیحین) حضرت ابو قتادہ کی حدیث ان شاء اللہ ہم باب معجزات میں ذکر کریں گے۔

[۱] سہل بن سعد ساعدی، بنو ساعدہ میں سے مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

[۲] دودھ کا یا پانی کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۳] چونکہ وہ بقیہ اس صاحبزادے کا حق تھا اس لیے وہ کسی دوسرے کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

[۴] ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا کا زیادہ حق دار اور زیادہ مناسب دائیں جانب والا ہے، اگرچہ وہ مفضول (دوسرے اس سے زیادہ فضیلت والے ہوں) اور بچہ ہی ہو، اور اگر مصلحت ہو تو اس سے اجازت لی جائے، وہ راضی ہو جائے تو بائیں جانب والے کو دے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری صورت میں اجازت طلب کی پہلی صورت میں طلب نہیں کی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ کم عمر صاحبزادے ابن عباس تھے، اور بڑی عمر والے قریش میں سے آپ کے رشتے دار تھے، اس جماعت کی تالیف قلب کے لیے ابن عباس سے اجازت طلب فرمائی تاکہ یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں اور ثابت قدمی کے مقام سے پھسل نہ جائیں، حضرت ابوبکر صدیق کی محبت اور ان کا اخلاص راسخ تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ سے واقف تھے، اور ان کے رنجیدہ ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا، اگر آپ اعرابی سے اجازت طلب فرماتے تو چونکہ وہ نئے نئے جاہلیت سے نکل کر اسلام لائے تھے اس لیے ممکن تھا وہ وحشت میں مبتلا ہو جاتے، ان کی تالیف قلبی کا یہی طریقہ تھا کہ ان سے اجازت طلب نہ کی جاتی۔ نیز اس جگہ مبالغہ اور تاکید اجازت کے طلب نہ کرنے میں ہے، یعنی جب بقیہ حضرت ابوبکر صدیق کو نہ دیا اور اعرابی سے اجازت بھی طلب نہ فرمائی تو اس بقیہ کے بارے میں دوسروں کی توجہ اور طمع کم ہو جائے گی۔

بعض شارحین نے کہا کہ آخری صورت میں دودھ کا وہ پیالہ اس صاحبزادے کی ملکیت تھا اس بیسے ان سے اجازت طلب کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس جگہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذریعۂ قرب امور اور طاعات میں ایثار جائز نہ تھا۔ علماء کی عبارت اسی طرح ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر واجبات میں ایثار ہو تو حرام ہوگا اور اگر فضائل اور مستحبات میں ہے تو مکروہ ہوگا۔ ہم چند مثالوں کے ساتھ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس وضو کا پانی ہے وہ دوسرے کو دے دیتا ہے اور خود تیمم کرکے نماز پڑھتا ہے یا اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا ہے وہ دوسرے کو دے کر خود برہنہ نماز پڑھتا ہے تو یہ طریقہ جائز نہیں ہوگا یا ازراہِ تواضع پہلی صف اور امام کی نزدیکی کا دوسرے کے لیے ایثار کرتا ہے اور خود دوسری صف میں امام سے دور کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا ہے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔ قابلِ تعریف ایثار وہ ہے جو دنیاوی امور میں ہو نہ کہ طاعات اور نیکیوں میں۔ اسی لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابنِ عباس کے ایثار نہ کرنے پر ان کی تائید کی اور اس کے ترک کرنے پر ان کی مذمت نہ فرمائی، اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے اجازت طلب کی تھی کہ اگر وہ اجازت دے دیتے اور راضی ہو جاتے تو درست ہوتا۔ اس سے تو ایثار کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو امورِ دنیاویہ میں سے قرار دے کر اجازت طلب کی کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ پیالے میں دودھ یا پانی تھا جس سے دنیاوی نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ اور جب دیکھا کہ ابنِ عباس اسے طاعت اور ذریعۂ تقرب سمجھتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیہ افضل ترین ذریعۂ تقرب اور عظیم برکت ہے اس لیے انہیں ایثار کا دوبارہ حکم نہ دیا اور ایثار کے ترک کرنے پر ان کی تائید فرمائی۔

ایسے امور جنہیں ذریعۂ تقرب شمار کیا گیا ہے، مشائخ صوفیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ فقہاء کہتے ہیں کہ ان امور میں ایثار کا مطلب ہے۔ تقربِ الٰہی کے معدوم ہونے پر راضی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قرب سے اعراض کرنا لازم ہے۔ حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ ایثار بھی تقرب کا ایک راستہ ہے، لہٰذا ترکِ تقرب لازم نہیں آیا، غالباً یہ قول غلبۂ احوال اور سُکر کی بنا پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۰۸۸ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ۱۴ كُنَّا نَأْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَشْرَبُ وَ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے

نَحْنُ قِيَامٌ۔ | تھے۔[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ) | (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

[1] شارحین فرماتے ہیں کہ چلتے ہوئے کھانا اور کھڑے ہو کر پینا اگرچہ جائز ہے اور اصل جواز باقی ہے تاہم مختار اور اولیٰ یہ ہے کہ چلنے اور سواری کی حالت میں کھانا خلاف ادب ہے۔ اسی طرح کھڑے ہو کر پینا جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۴۰۸۹/۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا[1] سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر کھاتے دیکھا۔[2]

(ترمذی)

[1] حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

[2] ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حال برابر تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ بلا شبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیٹھ کر پانی پینے کی تھی۔ کھڑے ہو کر کبھی کبھار نوش فرمایا ہوگا، اصل جواز باقی ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۴۰۹۰/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔[1]

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

[1] تاکہ ایسا نہ ہو کہ کچھ تھوک پانی میں گر جائے اور دوسرا شخص اس سے کراہت محسوس کرے۔ بعض اوقات منہ میں بد بو پیدا ہو جاتی ہے، اس سے پانی بھی بد بو دار ہو جائے گا۔ نیز پانی میں سانس لینا چارپایوں کا فعل ہے۔

۴۰۹۱/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پیو بلکہ دو تین[1] سانسوں میں پیو، اور جب برتن منہ سے جدا کرو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاؤ[2]۔ (ترمذی)

[1] کم از کم دو سانسوں میں پینا چاہیے تاکہ اونٹ کے ساتھ مشابہت نہ رہے، لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ تین سانسوں میں پینا بہتر اور زیادہ خوشگوار ہے، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔ اکثر و بیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بھی یہی تھی۔

[2] احیاء العلوم میں ہے کہ پہلا سانس پیتے وقت کہے۔ الحمد للہ دوسرے سانس کے وقت رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کا اضافہ کرے، تیسرے سانس پر کہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ دعا بھی منقول ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنی رحمت سے پانی میٹھا، پیاس بجھانے والا بنایا۔ اور ہمارے گناہوں کی بدولت اسے نمکین، کڑوا نہیں بنایا۔

۴۰۹۲/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلٌ اَلْقَذَاةُ اَرَاهَا فِي الْاِنَاءِ قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ فَاِنِّيْ لَا اَرْوٰى مِنْ نَّفَسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَاَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں پانی میں تنکا دیکھتا ہوں، فرمایا اس تنکے کو گرا دو۔ اس نے کہا میں ایک سانس میں پینے سے سیر نہیں ہوتا، فرمایا، پیالہ اپنے منہ سے جدا کرو پھر سانس لو۔ (ترمذی، دارمی)

۱؎ وجہ اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔
۲؎ اگر پھونک نہ ماروں تو کیا کروں؟ اس تنکے کو پانی سے کس طرح نکالوں؟ قذاۃ تنکا جو آنکھ یا پانی میں گر پڑے۔
۳؎ یعنی کچھ پانی گرا دو تا کہ وہ تنکا بھی اس کے ساتھ چلا جائے، مشروب میں پھونک مارنے کی ممانعت سے اس صحابی نے یہ سمجھا کہ برتن میں سانس لینا بھی ممنوع ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ پانی پیتے وقت سانس نہ لے اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی جائے۔
۴؎ پیالے میں سانس نہ لو۔

۴۰۹۳/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدَحِ وَاَنْ يُّنْفَخَ فِى الشَّرَابِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے پیالے کے سوراخ[۱] سے پانی پینے اور مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

۱؎ ثلمہ تین نقطے والی ثاء پر پیش، وہ جگہ جہاں سے برتن ٹوٹا ہوا ہو، اس جگہ سے پانی پینے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہونٹ پوری طرح پیوست نہیں ہوتے اور پانی جسم اور کپڑوں پر گر جاتا ہے۔ نیز وہ جگہ دھونے سے پوری طرح صاف نہیں ہوتی بلکہ کچھ نہ کچھ میل کچیل رہ جاتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ ثلمہ سے مراد کوزے کی ٹونٹی نہیں ہے بلکہ اس کے ٹوٹنے کی جگہ ہے۔

۴۰۹۴/۱۹ وَعَنْ كُبَيْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِىْ قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت کبیشہ[۱] رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے لٹکائے ہوئے مشکیزے کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ میں نے اٹھ کر مشکیزے کے منہ والا حصہ[۲] کاٹ لیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، غریب اور صحیح ہے۔

۱؎ حضرت کبیشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا صحابیہ ہیں۔

۲؎ جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا تھا کاٹ کر بطور تبرک تعظیم اپنے پاس رکھ لیا۔ یا ازراہ ادب اس طرح کیا تاکہ میرا یا کسی دوسرے کا منہ وہاں نہ لگے۔ جیسے کہ حضرت ام سلیم کی حدیث میں ایسی ہی صورت میں صراحۃً یہی بات کہی گئی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے مشکیزے کا منہ اس لیے کاٹ لیا کہ جہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا ہے دوسرا کوئی شخص وہاں سے پانی نہ پیئے۔

۴۰۹۵ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ مَا رُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا)

امام زہری حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پسندیدہ ترین مشروب، ٹھنڈا میٹھا[۱] پانی تھا۔

(ترمذی)

انہوں نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ امام زہری نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرسلاً روایت کی ہے[۲]۔

۱؎ بعض شارحین نے اس سے مراد شربت لیا ہے جیسے کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر روز صبح شہد میں حل کیے ہوئے پانی کا ایک پیالہ نوش فرماتے۔ اس کے بعد اشتہاء محسوس ہونے پر جو کچھ میسر ہوتا تناول فرمالیتے۔ اس مطلب پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی ٹھنڈا میٹھا خالص پانی مراد ہے جو ایک خوشگوار نعمت ہے۔

۲؎ یعنی یہ حدیث امام زہری سے دو طرح مروی ہے (۱) مسند طور پر، امام زہری نے حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (۲) مرسلاً اس میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں ہے۔ ظاہر عبارت یہ ہے کہ حضرت عروہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ امام زہری تابعی ہیں لیکن کم عمر تابعی ہیں۔ وہ سند جس کے ذریعے یہ حدیث مرسلاً روایت کی گئی ہے۔ اس کے راوی قوت اور ضبط میں بلند مرتبہ ہیں جب کہ سند متصل کے راویوں میں سے بعض کمزور ہیں۔

۴۰۹۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے ایک شخص کھانا کھائے تو اسے کہنا چاہیے۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں

لَنَا فِيْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَ إِذَا سُقِيَ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا اللَّبَنُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر کھانا کھلا اور جب کسی کو دودھ پلایا جائے تو کہے اے اللہ! ہمیں اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں زیادہ دودھ عطا فرما۔[1] کیونکہ دودھ ہی ایسی چیز ہے جو کھانے اور پانی کی جگہ کفایت کرتی ہے۔[2]

(ترمذی، ابو داؤد)

[1] یوں نہ کہے کہ ہمیں اس سے بہتر چیز عطا فرما، کیونکہ دودھ سے بہتر کوئی طعام نہیں ہے، دودھ خود بہترین طعام ہے۔

[2] اس لیے کہ دودھ بھوک بھی دور کرتا ہے اور پیاس بھی ـــــــ علامہ طیبی نے کہا کہ فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ سے آخر تک اس حدیث کے ایک راوی مسدد کی عبارت ہے جن سے ابو داؤد روایت کرتے ہیں ظاہر کلام سے یوں گمان ہوتا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کا تتمہ ہیں۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی کے کلام اور مواہب لدنیہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

۴۰۹۷/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنَ السُّقْيَا قِيْلَ هِيَ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ يَوْمَانِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی سُقیا[1] سے لایا جاتا تھا، کہا گیا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے دو دن کے فاصلے پر ایک چشمہ ہے۔

(ابو داؤد)

[1] سُقیا سین پر پیش، قاف ساکن، اس کے بعد یاء۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک بڑا گاؤں ہے۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۰۹۸/۲۳ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ.

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ فِيْ إِنَاءِ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ إِنَاءٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ.
(رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

جس شخص نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیا یا ایسے برتن میں پیا جس میں کچھ[1] سونا یا چاندی لگی ہوئی ہے تو وہ جہنم کی آگ آواز کے ساتھ اپنے پیٹ میں اتار رہا ہے[2]۔
(دارقطنی)

[1] مثلاً وہ برتن جس میں سونے یا چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہوں۔ علامہ طیبی نے امام نووی سے نقل کیا ہے کہ اگر بقدر حاجت چھوٹی کیلیں لگی ہوئی ہوں تو حرام اور مکروہ نہ ہوگا۔ اور اگر زیادہ اور چوڑی پتری لگی ہوئی ہو تو حرام ہے۔
[2] یا اسے گھونٹ گھونٹ پیٹ میں اتار رہا ہے۔ یا اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ آواز کر رہی ہے جیسے کہ پہلی فصل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی شرح میں بیان ہوا۔

بَابُ النَّقِيْعِ وَالْأَنْبِذَةِ

۲۹۹۔ کشمش وغیرہ کے مشروبات کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مشروبات میں سے نقیع اور نبیذ ہے۔ نقیع یہ تھا کہ کشمش یا کھجور اور عام طور پر کشمش پانی میں ڈال لیتے تھے، اسے پکاتے نہیں تھے۔ اسی طرح اس کی تمام مٹھاس پانی میں منتقل ہو جاتی تھی۔ اور صاف، لذیذ اور بدن کے لیے مفید شربت تیار ہو جاتا تھا۔ کھجور کا شربت کھانے کے ہضم میں اور کشمش کا شربت زائد گرمی کے دفع کرنے میں مفید تھا، نبیذ بھی ایسا ہی تھا، لیکن اسے محفوظ رکھا جاتا ہے تا کہ کچھ تبدیلی اور تیزی پیدا ہو جائے، اتنی زیادہ تبدیلی بھی پیدا نہ ہو کہ نشہ دینے لگے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے تین دن کے بعد نوش نہ فرماتے، جیسے کہ عنقریب آئے گا، نبیذ بھی بدن کی طاقت کے اضافے اور صحت کی حفاظت کے لیے مفید ہے۔ اور اگر نشہ پیدا ہو جائے گا تو حرام ہے، نبیذ کے پینے اور اس کے ساتھ وضو کے جائز ہونے میں ائمہ کا مشہور اختلاف ہے۔ مذہب حنفی میں اس کا پینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نشہ نہ دے، احادیث سے یہی ثابت ہے، اس بحث کی تحقیق و تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کی گئی ہے، کشمش اور کھجور کے علاوہ چیزوں سے بھی نبیذ تیار کیا جاتا ہے جیسے کہ نہایہ میں ہے کہ نبیذ وہ شربت ہے جو کھجور، کشمش، شہد، گندم اور جو وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے،

اس لیے مصنف جمع کا صیغہ لائے ہیں تاکہ واضح ہو کہ اس کی متعدد اور کثیر قسمیں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۰۹۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِيْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے اس پیالے[1] سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے شربات مثلاً شہد، نبیذ، پانی اور دودھ پلائے۔ (مسلم)

[1] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، احادیث میں اس پیالے کے اوصاف مذکور ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت انس کی وراثت سے نضر بن انس نے وہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم میں خریدا تھا امام بخاری کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے وہ پیالہ بصرہ میں دیکھا تھا اور اس میں پانی پیا تھا۔

۴۱۰۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكَا[1] اَعْلَاهُ وَلَهٗ عَزْلَاءُ[2] نَنْبِذُهٗ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهٗ عِشَاءً وَنَنْبِذُهٗ عِشَاءً فَيَشْرَبُهٗ غُدْوَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزے میں نبیذ بنایا کرتے تھے، اس کا اوپر والا منہ باندھ[1] دیا جاتا تھا، اس کا ایک نچلا دہانہ[2] تھا، ہم صبح ڈالتے تھے جسے آپ رات کو نوش فرماتے تھے اور رات کو ڈالتے تھے جسے آپ صبح کے وقت نوش فرماتے تھے۔ (مسلم)

[1] وِکاء مشکیزے کے منہ کی بندش۔

[2] عزلاء بے نقطہ عین پر زبر، نقطے والی زاء ساکن، لام پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ۔ توشہ دان کا نچلی جانب والا دہانہ، بعض اوقات اس کا اطلاق اوپر والے منہ پر کر دیتے ہیں۔ صراح میں ہے عزلاء توشہ دان کا منہ۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ اس مشکیزے کے دو دہانے تھے، ایک نیچے کی جانب جس سے پانی پیتے تھے، یعنی مشکیزے کا اوپر والا منہ باندھ دیتے اور دوسری جانب سے راستہ بنا کر اس سے پانی پیتے تھے۔

۳ غُدوہ پہلے حرف پر پیش اصبح کی نماز اور سورج کے بلند ہونے کا درمیانی وقت۔
عشاء زوال آفتاب سے لے کر غروب کا درمیانی وقت، اسی طرح قاموس میں ہے، یہ نقیع کے قریب ایک چیز ہوتی تھی جس میں تیزی اور تبدیلی کم پیدا ہوتی تھی، غالباً یہ گرمی کے موسم میں ہوتا تھا جب کہ اس میں تبدیلی کا پیدا ہونا غالب تھا، کبھی ایک دن رات سے زیادہ تین دن تک رہنے دیتے، ایسا سردیوں کے موسم میں ہوتا تھا یا نبیذ کی کمی بیشی کی بنا پر ہوتا تھا۔

۴۱۰۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْبَذُ لَهٗ اَوَّلَ اللَّيْلِ فَيَشْرَبُهٗ اِذَا اَصْبَحَ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ وَ اللَّيْلَةَ الَّتِيْ تَجِيْءُ وَ الْغَدَ وَ اللَّيْلَةَ الْاُخْرٰى وَ الْغَدَ اِلَى الْعَصْرِ فَاِنْ بَقِيَ شَيْءٌ سَقَاهُ الْخَادِمَ اَوْ اَمَرَ بِهٖ فَصُبَّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے رات کی ابتدا میں نبیذ بنایا جاتا تھا۔ جب آپ صبح کرتے تو تمام دن اسے نوش فرماتے، آنے والی رات، دوسرے دن، اگلی رات اور اس سے اگلے دن[1] عصر تک نوش فرماتے، اگر کچھ بچ جاتا تو خادم کو پلا دیتے[2] یا حکم دیتے کہ گرا دیا جائے[3] (مسلم)

۱ یعنی تیسرے دن عصر تک ——— اس صورت میں نبیذ تین رات اور تیسرے دن کا اکثر حصہ برقرار رہتا۔ لازمی بات یہ ہے کہ اس میں بہت حد تک تغیر پیدا ہو چکا ہوتا تھا۔
۲ نبیذ متغیر ہو گیا ہوتا تھا اور اس کی تلچھٹ باقی ہوتی تھی۔ اسے خود نوش نہ فرماتے۔ بلکہ کنیز یا غلام کو پلا دیتے، لیکن ابھی وہ نشے کی حد کو نہیں پہنچا ہوتا تھا۔ (ورنہ خادم کو بھی نہ پلاتے) اگر نشے کی حد کو پہنچ گیا ہوتا تو حکم دیتے کہ اسے گرا دیا جائے۔ جیسے کہ اس کے بعد مذکور ہے۔
۳ چنانچہ اسے گرا دیا جاتا۔ ممکن ہے کہ اس کے گرانے کا حکم تغیر کی بنا پر دیتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ اس کے نشہ آور ہونے کا یقین ہوتا تھا۔

۴۱۰۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ يُنْبَذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ فَاِذَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مشکیزے میں نبیذ تیار کیا جاتا تھا اور جب

لَمْ يَجِدُوْا سِقَاءً يُنْبَذُ لَهٗ فِيْ تَوْرٍ مِّنْ حِجَارَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مشکیزہ نہ ملتا تو آپ کے لیے پتھر کے برتن میں نبیذ بنایا جاتا۔ (مسلم)

لہ تور دو نقطے والی تا پر زبر اور واؤ ساکن، دیگ کے مشابہ برتن جس سے پانی پیا جاتا ہے، مجمع البحار میں ہے کہ ایسا کانسی یا پتھر کا برتن جس سے وضو بھی کرتے ہیں۔ اس جگہ پتھر کا برتن مراد ہے۔

۴۱۰۳/۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُّنْبَذَ فِيْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کدو کے برتن، سبز لوٹے، اس لوٹے سے جس پر کالا تیل ملا ہوا ہو اور کھودی ہوئی لکڑی سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنایا جائے۔ (مسلم)

لہ دُبّاء بے نقطہ دال پر پیش اور بار مشدد، وہ برتن جو کدو کا ہم شکل تیار کرتے ہیں۔

۲ہ لکڑی کو کھود کر اندر سے کھوکھلا کر لیا جاتا ہے اور بطور برتن استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ ان برتنوں کے استعمال سے اس لیے منع کیا کہ شرابیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ ان برتنوں میں نبیذ ڈالنا مراد ہے۔ آئندہ عبارت اس کا قرینہ ہے۔

۳ہ ادم پہلے دونوں حرفوں پر زبر، چمڑا۔ اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا، برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا اور مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم دیا۔ اس کی حکمت شارحین نے یہ بیان کی ہے کہ برتنوں میں نبیذ جلد نشہ آور ہو جاتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا۔ جب کہ چمڑے کا مشکیزہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اس کے نبیذ میں نشہ جلد ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ نبیذ میں نشہ پیدا ہونے سے مشکیزہ پھٹ جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ چونکہ شراب کی ممانعت کا حکم نیا نیا وارد ہوا تھا، ان برتنوں سے اس لیے منع کیا گیا تاکہ فاسقوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، اور ان برتنوں کے شراب سے آلودہ ہونے کا وہم نہ پڑے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممانعت ابتداءً تھی اور جب نشہ آور چیزوں کی حرمت معلوم و مشہور ہو گئی، مسلمان ایسی چیزوں کے استعمال سے یکسر دور ہو گئے اور ان برتنوں کی آلودگی کا وہم ختم ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا کسی بھی برتن میں نبیذ بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۴۲۰۴ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَاِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاَشْرِبَةِ اِلَّا فِيْ ظُرُوْفِ الْاَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ اَنْ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا[۱] پس بے شک کوئی برتن کسی چیز کو نہ تو حلال کرتا ہے اور نہ حرام[۲] ہر نشہ آور چیز حرام ہے[۳] ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نے تمہیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا[۴] اب ہر برتن میں پیو، مگر نشہ آور مشروب نہ پیو[۵]

(مسلم)

[۱] اور میں نے برتنوں اور مشکیزوں میں فرق کیا تھا، تم نے سمجھا کہ حلال اور حرام ہونے کا دارومدار برتنوں پر ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

[۲] کوئی برتن کسی چیز کو حلال نہیں کرتا اور کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔

[۳] حکم یہ ہے کہ جو چیز نشہ دے وہ حرام ہے خواہ کسی بھی برتن میں پیو، اور جو چیز نشہ نہ دے حلال ہے۔ چاہے کسی بھی برتن میں پیو۔

[۴] اب ہم نے وہ حکم منسوخ کر دیا ہے اور تمام برتنوں میں پینے کو جائز قرار دیا ہے۔

[۵] حرمت کا مدار نشے پر ہے نہ کہ برتنوں پر، ہاں جس جگہ مشابہت کا وہم ہو اس جگہ ایسے برتنوں کو اس بنیاد پر ترک کرنا بہتر ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۲۰۵ عَنْ اَبِيْ مَالِكِ الْاَشْعَرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور شراب

اَلْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

پئیں گے اور اس کا کوئی دوسرا نام رکھ دیں گے [1]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی شراب کے پینے میں حیلہ سازی اور بہانہ جوئی سے کام لیں گے، اور اسے جائز مشروبات مثلاً شہد کے پانی اور باجرے کے پانی کا نام دیں گے اور گمان کریں گے کہ یہ تو حرام نہیں ہیں، کیونکہ یہ نہ تو انگور سے بنے ہیں اور نہ ہی کھجور سے شراب کے جائز قرار دینے میں یہ حیلہ انہیں فائدہ نہ دے گا، کیونکہ حکم یہ ہے کہ ہر نشے والی شے حرام ہے چاہے کسی بھی چیز سے تیار کیا جائے۔ شارحین نے اس حدیث کی شرح اسی طرح کی ہے۔ اس کی تحقیق شراب کے باب میں گزر گئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ بعض لوگ خمر (شراب) پئیں گے لیکن اسے شراب نہیں کہیں گے بلکہ اپنے پاس سے اس کا کوئی نام رکھ لیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ شراب پی رہے ہیں۔ نام کی تبدیلی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اعتبار مسمّیٰ کا ہے نہ کہ نام کا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۱۰۶/۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ الْاَخْضَرِ قُلْتُ اَنَشْرَبُ فِي الْاَبْيَضِ قَالَ لَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سبز کوزے [1] کے نبیذ سے منع فرمایا، میں نے عرض کیا کہ آیا ہم سفید کوزے میں پئیں؟ فرمایا: نہیں [2]

(بخاری)

[1] جس کا نام حنتم ہے۔ حضرت عبداللہ بن اوفیٰ نے سبز کی قید سے سمجھا کہ جو کوزہ سبز نہ ہو اس میں نبیذ پینا جائز ہے۔ (اسی لیے انہوں نے آئندہ سوال کیا)

[2] سفید کوزے میں بھی نہ پیو، سبز کی قید اتفاقی ہے، کیونکہ اس زمانے میں جن کوزوں میں نبیذ بناتے تھے وہ عام طور پر سبز ہی ہوتے تھے، لیکن سبز اور سفید کا حکم ایک ہی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کدو کے برتن اور سبز کوزے وغیرہ میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث بھی اس حدیث کے حکم میں ہے، لیکن اس جگہ صرف سبز کوزے کا ذکر کیا گیا ہے جسے حنتم کہتے ہیں، یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے معلوم ہوا۔

بَابُ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ

۳۰۰۔ برتنوں کے ڈھانپنے کا بیان

ان احادیث کا بیان جن میں رات کو سوتے وقت برتنوں کے ڈھانپنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ بعض نسخوں میں وغیرہا بھی آیا ہے، یعنی برتنوں کے ڈھانپنے اور دیگر امور مثلاً دروازے بند کرنے اور چراغوں کے بجھانے وغیرہ کا بیان۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۱۰۷ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ اَوْ اَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَ اَغْلِقُوا الْاَبْوَابَ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا وَ اَوْكُوْا قِرَبَكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَ خَمِّرُوْا اٰنِيَتَكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنْ تَعْرُضُوْا عَلَيْهِ شَيْئًا وَ اَطْفِئُوْا مَصَابِيْحَكُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ قَالَ خَمِّرُوا الْاٰنِيَةَ

پہلی فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب رات کا ابتدائی حصہ ہو یا فرمایا کہ جب تم شام کرو تو اپنے بچوں کو روکو کیونکہ شام کے وقت شیطان ڈکا لشکر پھیل جاتا ہے، جب رات کی ایک ساعت گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دروازے بند کر دو کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا؛ اپنے مشکیزوں کے منہ باندھ دو اپنے برتنوں کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ڈھانپ دو۔ اگرچہ برتن پر چوڑائی میں ہی لکڑی رکھ دو، اور اپنے چراغ بجھا دو۔ (صحیحین)

امام بخاری کی ایک روایت میں ہے شام کے

اَوْ اَوْكُوا الْاَسْقِيَةَ وَ اَجِيْفُوا الْاَبْوَابَ وَ اَكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَآءِ فَاِنَّ لِلْجِنِّ اِنْتِشَارًا وَّ خَطْفَةً وَّ اَطْفِئُوا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ الْفَتِيْلَةَ فَاَحْرَقَتْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ غَطُّوا الْاِنَاءَ وَ اَوْكُوا السِّقَاءَ وَ اَغْلِقُوا الْاَبْوَابَ وَ اَطْفِئُوا السِّرَاجَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَحُلُّ سِقَاءً وَّ لَا يَفْتَحُ بَابًا وَّ لَا يَكْشِفُ اِنَاءً فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْرِضَ عَلٰى اِنَائِهٖ عُوْدًا وَّ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ فَلْيَفْعَلْ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَا تُرْسِلُوْا فَوَاشِيَكُمْ وَ صِبْيَانَكُمْ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يُبْعَثُ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ وَ فِيْ

وقت برتن ڈھانپ دو[12]۔ مشکیزوں کا منہ باندھ دو[13]۔ دروازے بند کر دو[14]۔ بچوں کو اپنے پاس جمع کر لو[15] کیونکہ جنات بکھر جاتے ہیں اور اچک لیتے ہیں[16]۔ سوتے وقت چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ بعض اوقات چوہیا[17] بتی کھینچ لیتی ہے[18] اور گھر والوں کو جلا دیتی ہے[19]۔ امام مسلم کی ایک روایت میں ہے برتن ڈھانپ دو[20] مشکیزے کا منہ باندھ دو۔ دروازے بند کر دو کیونکہ شیطان بند مشکیزے کو نہیں کھولتا، بند دروازہ نہیں کھولتا اور برتن کا ڈھکنا نہیں اٹھاتا[21] اگر تم میں سے کسی کو کوئی چیز نہ ملے، صرف اتنا کر سکتا ہو کہ اللہ تعالٰی کا نام لے کر برتن کے اوپر چوڑائی میں لکڑی رکھ دے تو ایسے ہی کرے[22]۔ کیونکہ چوہیا گھر والوں پر ان کے گھر کو بھڑکا دیتی ہے[23]۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے جب سورج غروب ہو جائے تو اپنے چارپایوں[24] اور بچوں کو کھلا نہ چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ رات کی ابتدائی سیاہی[25] چلی جائے کیونکہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان چھوڑ دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ رات کی یہ تاریکی جاتی رہے۔ ان ہی کی

بِرِوَایَۃٍ لَہٗ قَالَ غَطُّوا الْاِنَآءَ وَ اَوْکُوا السِّقَآءَ فَاِنَّ فِی السَّنَۃِ لَیْلَۃً یَنْزِلُ فِیْھَا وَبَآءٌ لَا یَمُرُّ بِاِنَآءٍ لَیْسَ عَلَیْہِ غِطَآءٌ اَوْ سِقَآءٍ لَیْسَ عَلَیْہِ وِکَآءٌ اِلَّا نَزَلَ فِیْہِ مِنْ ذٰلِکَ الْوَبَآءِ۔

ایک روایت میں ہے برتن ڈھانپ دو۔ مشکیزے کا منہ باندھ دو۔ کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ وہ جس کھلے منہ والے برتن یا مشکیزے پر گزرتی ہے تو اس کا کچھ حصہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

لہ جنح یل جیم پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ابتداء شب، قاموس میں ہے جُنُوحُ اللیل رات کا آنا، رات کے ایک حصے کو بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ رات کا پہلا حصہ مراد ہے، اندھیروں کو بھی کہتے ہیں، آئندہ ارشاد کے قرینے کی بنا پر ابتدار شب کے اندھیرے مراد ہوں گے۔

کہ راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِذَا کَانَ جُنْحُ اللَّیْلِ فرمایا یا اِذَا اَمْسَیْتُمْ یعنی جب تم شام کرو۔

سے گھر سے باہر نکلنے اور گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے سے۔

کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن و انسان، دونوں کے شیاطین مراد ہوں۔

ھ جائز ہے کہ بچوں کو چھوڑ دو اور انہیں اجازت دے دو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دو، جو چاہیں کریں، اگر باہر جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات اور شیاطین کا آدمیوں پر تصرف اور تسلط ہے خصوصاً بچوں پر کہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

لہ یعنی وہ دروازے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کیے گئے ہوں، اگرچہ جنات اور شیاطین دروازوں اور دیواروں پر قدرت رکھتے ہیں اور ان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو ان کی مجال نہیں رہتی۔

کہ جن میں پانی ہے۔

شہ جن میں پانی ہے یا کھانے پینے کی کوئی چیز ہے ۱۲ ق)

ہ اس بات پر ابھارنا مقصود ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے تاکہ اس کی برکتیں دنیا و آخرت کے تمام امور کو شامل ہوں۔

نلہ برتن کے ڈھانپنے پر جو منہ مرتب ہوتی ہے اس سے بچنے اور کراہت کے دفع کرنے کے لیے اتنی مقدار ہی کافی ہے ــــــ تعرضوا راء پر پیش باب نصر سے، اور اس کے نیچے زیر ہو تو باب ضرب سے، دونوں طرح

مستعمل ہے، اس معنی میں پہلا استعمال زیادہ فصیح ہے۔ اسی طرح اصمعی سے منقول ہے۔

ا۱ے جب سونے لگو ——— حدیث کے اتنے الفاظ بخاری و مسلم میں مشترک ہیں۔ یہی مطلب دونوں کی الگ الگ روایات میں مختلف الفاظ سے بھی آیا ہے، جیسے کہ آئندہ عبارت میں آئے گا۔

۱۲ے خَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ کی جگہ خَمِّرُوا الْآنِيَةَ۔

۱۳ے اَوْكُوا قِرَبَكُمْ کی جگہ اَوْكُوا الْاَسْقِيَةَ

۱۴ے اَغْلِقُوا کی جگہ اَجِيفُوا

۱۵ے كُفِّتُ اپنے پاس کسی چیز کو جمع کرنا ——— عِنْدَ الْمَسَاءِ شام کے وقت، ہو سکتا ہے اس کا تعلق تمام افعال کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں وقت شام سے لے کر عشا تک پھیلا ہوا ہوگا، دروازہ بند کرنے اور برتن ڈھانپنے کا وقت، عشا کا وقت ہی ہے۔ اور اگر آخری فعل اُكْفِتُوا سے متعلق ہو جیسے کہ کلام کی روش سے معلوم ہوتا ہے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ حاصل مطلب یہ ہوگا کہ رات میں یہ تمام کام کرو، رات کی ابتدا میں بچوں کو اپنے پاس جمع کرو کیونکہ یہ جنات کے پھیلنے کا وقت ہے اور جب ایک گھڑی گزر جائے تو بچوں کو چھوڑ دو۔ اور باقی کام کرو، اس توجیہ کی بنا پر یہ روایت، صحیحین کی روایت کے مطابق ہو جائے گی۔

۱۶ے بچوں کو اچک لیتے ہیں، اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے تاہم یہ امر واقع ہے، یا اس سے مراد ہوش و خرد کا چھین لینا۔ مکر کرنا اور کھیل کود میں مصروف کرنا۔ جن اور شیطان ایک ہی ہے۔ فاسق اور سرکش جنوں کو شیطان کہتے ہیں، اسی طرح بعض علماء نے بیان کیا ہے۔

۱۷ے فُوَيْسِقَةٌ تصغیر ہے فَاسِقَةٌ کی۔ اس سے مراد چوہیا ہے اور یہ ان پانچ جانوروں میں سے ایک ہے جن کا حرم شریف میں قتل کرنا جائز ہے۔ قاموس میں ہے فُوَيْسِقَةٌ چوہیا کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بل سے آدمیوں کو نقصان پہنچانے اور فساد برپا کرنے کے لیے نکلتی ہے۔

۱۸ے وہ چراغ سے فتیلہ کھینچ لیتی ہے اور گھر میں آگ لگا دیتی ہے۔ اجْرَار کھینچنا۔

۱۹ے گھر کے ساز و سامان کی بات ہی کیا؟

۲۰ے عَطِّشُوا نقطے والی غین پر زبر۔

۲۱ے یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی برکت سے، دوسری احادیث اور اس حدیث کی روش کی بنا پر یہ قید مراد ہے جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۲۲ے جہاں تک ممکن ہو برتن کے ڈھانپنے میں کسی کوتاہی کا روادار نہ ہو، لکڑی کے چوڑائی میں رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کرنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برتن کو پوری طرح ڈھانپا نہیں جائے گا اس لیے

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی تلافی کر دی گئی ہے۔

۲۳؎ یہ چراغ کے بجھانے کی وجہ ہے مزاحم آگ کا مشتعل کر دینا یعنی چوہا گھر والوں پر گھر کو آگ کے ساتھ شعلہ زن کر دیتا ہے اور جلا دیتا ہے۔

۲۴؎ صراح میں ہے فواشی چراگاہ میں بکھری ہوئی بکریاں، حدیث شریف میں ہے۔ ضُمُّوْا فَوَاشِیَکُمْ حَتّٰی تَذْھَبَ فَحْمَۃُ الْعِشَاءِ (اپنی بکریوں کو جمع کرو۔ یہاں تک کہ عشا کا اندھیرا جاتا رہے۔ اور رات گہری تاریک ہو جائے ۱۲ ق)

۲۵؎ فَحْمَۃُ مغرب اور عشاء کے درمیانی اندھیرے کو کہتے ہیں، عشاء سے لے کر صبح تک کے اندھیرے کو عَسْعَسَۃٌ کہتے ہیں وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ کا اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۶؎ اس روایت میں اِنَاء اور سِقَاء لفظ مفرد کے ساتھ آئے ہیں اور ان سے جنس مراد ہے اور اس جگہ برتنوں کے ڈھانپنے اور مشکیزوں کے منہ باندھنے کی وجہ بیان فرمائی کہ فَاِنَّ فِی السَّنَۃِ (۱۲ ھ)

۴۱۰۸ وَعَنْہُ قَالَ جَآءَ اَبُوْ حُمَیْدٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنَ النَّقِیْعِ بِاِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَّا خَمَّرْتَہٗ وَلَوْ اَنْ تَعْرُضَ عَلَیْہِ عُوْدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

انہی[1] سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی مقام نقیع[2] سے دودھ کا ایک برتن لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے ڈھانپا کیوں نہیں؟[3] اگرچہ اس پر چوڑائی میں لکڑی ہی رکھ دیتے[4] (صحیحین)

۱؎ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

۲؎ نَقِیع نون پر زبر، وادی عقیق میں ایک جگہ کا نام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خطے کو مدینے کے اونٹوں وغیرہ کے لیے محفوظ فرما دیا تھا تاکہ وہ وہاں رہیں اور چریں۔ بعض حضرات نے اسے باء کے ساتھ (بقیع) بھی پڑھا ہے۔ بقیع، مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے، یہ نامناسب تبدیلی ہے، صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

۳؎ ڈھانپنے بغیر۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا ڈھانپنے بغیر دودھ کا لانا ناگوار گزرا۔ اس لیے انہیں اس فعل پر ملامت اور توبیخ کے طور پر فرمایا: تم اسے ڈھانپ کر کیوں نہیں لائے؟

۴؎ یعنی کم از کم اتنا تو کرتے۔

۴۱۰۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ نہ رہنے دو[1] (صحیحین)

[1] خواہ بصورت چراغ ہو یا اس کے علاوہ، تاہم لٹکائی جانے قندیلوں کے روشن رہنے میں حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہے کیونکہ ان سے آگ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، چونکہ علت منتفی ہے اس لیے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح امام نووی نے فرمایا، بندۂ ضعیف راقم الحروف (شیخ محقق) کہتا ہے کہ اگر گھر میں آگ اس طرح محفوظ کر کے رکھی جائے کہ دوسری چیزوں کو لگنے کا خوف نہ ہو جیسے کہ سردیوں میں رات کے نوافل ادا کرنے کے ارادے سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد کے لیے گھر میں محفوظ طور پر رکھتے ہیں۔ تو اسی قیاس کے مطابق امید ہے ممنوع نہ ہوگی۔ امام قرطبی سے منقول ہے کہ اس باب کے اوامر و نواہی، مصلحت کی طرف راہنمائی کے قبیلے سے ہیں، یہ بھی احتمال ہے ندب اور استحباب کے لیے بھی ہوں خصوصاً جب کہ لوگ تعمیل حکم کا ارادہ کریں۔

۴۱۱۰ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک گھر رات کے وقت جل کر گھر والوں پر گر گیا[1] اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بتایا گیا[2] تو آپ نے فرمایا: یہ آگ تمہاری دشمن ہے، سوتے وقت اسے بجھا دیا کرو اور اپنے آپ سے دور کر دیا کرو[3] (صحیحین)

[1] اور انہیں بھی جلا دیا۔

[2] کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ہے۔

[3] اسے اس حال میں نہ چھوڑو کہ اس سے نقصان کا خوف ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۱۱۱ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْکِلَابِ وَنَہِیْقَ الْحَمِیْرِ مِنَ اللَّیْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّہُنَّ یَرَیْنَ مَالَا تَرَوْنَ وَاَقِلُّوا الْخُرُوْجَ اِذَا ھَدَاَتِ الرِّجْلُ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبُثُّ مِنْ خَلْقِہٖ فِیْ لَیْلَتِہٖ مَا یَشَآءُ وَاَجِیْفُوا الْاَبْوَابَ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَفْتَحُ بَابًا اِذَا اُجِیْفَ وَذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَغَطُّوا الْجِرَارَ وَاَکْفِئُوا الْاٰنِیَۃَ وَاَوْکُوا الْقِرَبَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

دوسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم رات کے وقت[1] کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے رینگنے کی آواز سنو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، کیونکہ کتے اور گدھے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے اور جب پاؤں ٹھہر جائیں[3] تو باہر کم نکلو کیونکہ رات کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے[4] پھیلا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دروازے بند کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کیے ہوئے دروازے کو شیطان[2] نہیں کھول سکتا۔ گھڑوں کو ڈھانپ دو، برتنوں کو الٹا کر دو[5] اور مشکیزوں کو باندھ دو۔

(شرح السنۃ)

[1] رات کی تخصیص اتفاقی ہے ورنہ دن کا بھی یہی حکم ہے۔

[2] شیطان اور اس کے لشکر کو۔

[3] یعنی جس وقت لوگ گھر سے باہر نہیں آتے۔ پاؤں باہر نہیں رکھتے اور گلی کوچوں میں نہیں گھومتے۔ مطلب یہ کہ رات آرام اور سکون کا وقت ہے، اس لیے رات کے وقت باہر نہ نکلو۔

[4] جنات کے شیطانوں، انسانوں، حیوانوں اور زمین کے موذی کیڑے کوڑوں کو۔

[5] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قید ہر جگہ مراد ہے، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، اس جگہ متعدد روایات کے لانے سے حضرت مصنف کا یہی مقصد ہے کہ بعض روایات بعض کی تفسیر کرنے والی ہیں۔ جیسے کہ

بیان کرتے ہوئے ہم نے اس کی طرف اشارے کیے ہیں ۔

ﮯ۶ جن میں پانی موجود ہو ۔

ﮯ۵ خالی برتنوں کو الٹا کر دو تاکہ کوئی کیڑا مکوڑا اس کے ساتھ چپٹ نہ جائے اور اسے پلید نہ کر دے ۔

۴۱۲ ۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتْ فَارَةٌ تَجُرُّ الْفَتِيلَةَ فَأَلْقَتْهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُمْرَةِ الَّتِي كَانَ قَاعِدًا عَلَيْهَا فَاحْتَرَقَتْ مِنْهَا مِثْلَ مَوْضِعِ الدِّرْهَمِ فَقَالَ إِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوا سُرُجَكُمْ فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ يَدُلُّ مِثْلَ هٰذِهٖ عَلٰى هٰذَا فَيُحْرِقُكُمْ ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ ایک چوہیا چراغ کی بتی کھینچ کر لائی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے اس ٹاٹ پر پھینک دیا جس پر آپ تشریف فرما تھے ۔ اس سے تقریباً ایک درہم کی مقدار میں جل گیا ۔ آپ نے فرمایا : جب تم سونے کا ارادہ کرو تو اپنے چراغ بجھا دیا کرو ، کیونکہ شیطان ایسی چیز کی ایسے کام پر راہنمائی کرتا ہے اور تمہیں جلا دیتا ہے ﮯ۳

(ابو داؤد)

ﮯ۱ فارۃ کا استعمال ہمزے کے ساتھ (فأرۃ) اور اس کے بغیر (فارۃ) دونوں طرح آیا ہے ۔

ﮯ۲ خمرۃ نقطے والی خا پر پیش اور میم ساکن ، چٹائی سے چھوٹا مصلا جس پر ایک آدمی نماز ادا کرتا ہے ۔

ﮯ۳ اس حیلے سے تمہارے جلانے کا سامان کر دیتا ہے ۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہیا کو اس فعل پر ابھارنے والا شیطان ہے جو انسانوں کا دیرینہ دشمن ہے اور تمام شر اور قباحتیں اسی کی طرف منسوب ہیں ۔ اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت ۔

حضرت مصنف اس باب میں تیسری فصل نہیں لائے اور یہ بھی نہیں کہا کہ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے اس کی وجہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں ﮯ۱

ﮯ۱ بابٌ فی اکل المضطر میں حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ تیسری فصل کا لانا یا نہ لانا حضرت مصنف کا اپنا فعل ہے اور ان کے اختیار میں ہے ، اس کے بیان کی نہ تو حاجت ہے اور نہ ہی ان کی عادت ہے ۔ ہاں صحابہ کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بتا دیں گے کہ اس باب میں پہلی فصل نہیں ہے ۔ ۱۲ ق ۔

كِتَابُ اللِّبَاسِ

۱۹۔ لباس کا بیان

لِبَاسٌ مصدر ہے بمعنی ملبوس، جیسے کتاب بمعنی مکتوب ہے، یہ باب عَلِمَ سے ہے اور جو اِلتباس کے معنی میں ہے وہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آتا ہے، پہلے کا مصدر لُبْسٌ لام کے پیش کے ساتھ ہے اور دوسرے کا مصدر لَبْسٌ لام کی زبر کے ساتھ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

(الف) ۴۱۱۳ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس کپڑے کا پہننا[1] سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے وہ دھاری دار یمنی کپڑا[2] تھا۔ (صحیحین)

[1] یعنی پہننے میں وہ سب سے زیادہ پسندیدہ کپڑا تھا، نہ کہ دوسرے مقاصد مثلاً کسی کو عطا کرنے اور بچھانے وغیرہ میں۔

[2] اَلْحِبَرَۃُ بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، ایک نقطے والی باء پر زبر، بروزن عِنَبَۃٌ دھاری دار یمنی چادر، اسے حَبِیْر بروزن خَبِیْر بھی کہتے ہیں، یمن کا بہترین سوتی کپڑا، کہتے ہیں کہ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محبوب تھا بعض شارحین نے کہا کہ اس میں سبز لکیریں ہوتی ہیں، اور وہ جنتی کپڑوں میں سے ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں، چونکہ وہ میل خورہ ہوتا ہے، اس لیے محبوب تھا۔

(ب) ۴۱۱۳/۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ نے سیاہ بالوں

وَعَلَیْہِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کی اونی چادر زیب تن کی ہوئی تھی جس پر کجاووں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ (مسلم)

لہ مرط میم کے نیچے زیر، راء ساکن، اون، بالوں، کتان یا خز کی چادر جسے بطور تہبند استعمال کیا جاتا ہے قاموس میں ہے اون یا خز کی چادر، نہایہ میں ہے مرط اون کی چادر ہوتی ہے اور کبھی خز وغیرہ کی بھی ہوتی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا مرط میم کے نیچے زیر، چادر یا سبز تہبند، مرحل بے نقطہ حاء پر زبر، بروزن معظم وہ چادر جس پر اونٹ کے کجاوے کی تصویریں ہوں، بعض محدثین نے اسے جیم کے ساتھ روایت کیا ہے (مرجل) یعنی جس پر مردوں کی تصویریں بنی ہوئی ہوں اور یہ مشکل ہے کیونکہ جس کپڑے پر انسانوں یا حیوانات کی تصویریں ہوں اس کا پہننا درست نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہو۔ بعض شارحین نے کہا کہ اس چادر پر لوہے کے دیگچوں کی تصویریں تھیں۔ امام نووی نے کہا کہ پختہ علم والے جمہور علماء نے جو روایت کی ہے وہ بے نقطہ حاء کے ساتھ ہے (مرحل) مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخ جو ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں یہ حدیث نہیں ہے، لیکن مصابیح میں یہ حدیث موجود ہے، علامہ طیبی نے اس کی شرح کی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث اس جگہ موجود نہیں ہوگی۔ کیونکہ حضرت مصنف نے فصل کے آخر میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی وہ روایت جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح نکلے، اسے ہم باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لائیں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جگہ صرف اتنی حدیث ہی لائے ہوں جس میں کجاوے کی تصویر والی چادر کے پہننے کا ذکر ہے اور باب مناقب اہل بیت میں پوری حدیث لائے ہوں جو اہل بیت کے مناقب پر مشتمل ہو، یہ احتمال بھی بعید نہیں ہے۔

۴۱۱۴ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُّوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آستینوں والالہ رومی جبہ زیب تن فرمایا۔ (صحیحین)

لہ اس کے آستین اتنے تنگ تھے کہ جب آپ وضو کرتے تو ہاتھ باہر نکال لیتے اسی طرح حدیث میں آیا ہے یعنی اس کے آستین اتنے تنگ تھے کہ ہاتھ نکالے بغیر دھوئے نہیں جا سکتے تھے، یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ سفر میں جبہ استعمال فرمایا، بعض روایات میں شامی جبے کا ذکر ہے۔

سفر السعادۃ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبہ، قبا اور پیراہن پہنا ہے۔ قاموس میں ہے

اَلْجُبَّۃُ معروف کپڑا ہے، علامہ کرمانی نے کہا کہ مخصوص کپڑا ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے مشارق الانوار میں کہا کہ جُبہ وہ کپڑا ہے جو کاٹ کر سیا جاتا ہے اور یہ بظاہر قبا اور پیراہن کو شامل ہے اس سے اوپر لپیٹنے والی چادر اور پگڑی خارج ہو جائے گی اگرچہ اس مفہوم میں بھی خصوصیت ہے، لیکن اس کا قبا اور پیراہن کے ساتھ مقابلہ ایک دوسری خصوصیت کو چاہتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہی تنگ آستینوں والا رومی جُبہ مراد لیا جائے۔ اس صفت کے لحاظ سے قبا اور پیراہن کا مقابل واقع ہوگا۔ ورنہ رومی جو جبہ پہنتے ہیں تو وہ آدھے جسم کو ڈھانپتا ہے اور اس کے آستین تنگ ہوتے ہیں (جیسے جرسی ہوتی ہے ۱۲ ق) قباء کے بارے میں مشارق الانوار میں ہے کہ وہ عجم کا مشہور تنگ کپڑا ہے (مشارق) ظاہر یہ ہے کہ قبا میں سلا ہوا کپڑا ہے جس کا گریبان نہ ہو اور قمیص وہ ہے جس کا گریبان ہو، یہ مطلب اکلام قاموس سے سمجھا جاتا ہے انہوں نے کہا قَبْوٌ کا معنی لغت میں دو ہونٹوں کا آپس میں انضمام اور چمٹ جانا ہے، اسی سے قبا مشتق ہے (قبا کپڑے کی ایک قسم کو کہتے ہیں، ابن الاثیر نہایہ میں کہتے ہیں کہ قبو کپڑے کا ٹکڑا جو دوسرے ٹکڑے پر چسپاں کیا گیا ہو۔

۴۱۱۵ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَّ اِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ہمیں پیوند لگا ہوا کمبل[1] اور موٹا تہبند[2] نکال کر دکھایا اور کہا کہ ان دو کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح انور قبض کی گئی۔ (صحیحین)

[1] وہ کمبل جو پیوندوں کی کثرت کی بنا پر نمدے کی طرح ہو جائے۔

[2] وہ چادر یا تو پیوندوں کی کثرت کی بنا پر موٹی تھی یا اس کا کپڑا ہی موٹا تھا۔

۴۱۱۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ عَلَیْہِ اَدَمًا حَشْوُہٗ لِیْفٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوتے تھے وہ رنگے ہوئے چمڑے کا تھا اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے[1]۔ (صحیحین)

[1] غلاف کے درمیان جہاں روئی ہوتی ہے، اس کی جگہ کھجور کے پتے تھے۔

۴۱۱۷ وَعَنْھَا قَالَتْ کَانَ وِسَادُ

انہی سے روایت ہے کہ جس تکیے پر رسول اللہ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَتَّكِئُ عَلَيْهِ مِنْ اٰدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹیک لگایا کرتے تھے وہ رنگے ہوئے چمڑے کا تھا اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے[1] (صحیحین)

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور آرام کرنے کے لیے بستر تیار کرنا اور تکیے پر ٹیک لگانا اور اس سے آسودگی حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس طرح کہ نہ تو فضول خرچی ہو اور نہ ہی عیش وعشرت میں انہماک ہو۔ خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکیہ پسند فرماتے تھے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے، اور فرمایا: اگر کوئی شخص خوشبو اور تکیہ پیش کرے تو اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ ان احادیث اور ان جیسی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ دنیا سے بے نیازی، ساز وسامان اور اس کی لذتوں سے اعراض اور سخت اور کھردرے قسم کے کپڑے پہننا تھا، اسی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء ہے۔

محدثین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جو لباس حاضر اور میسر ہوتا پہن لیتے اور تکلف سے کام نہ لیتے۔ کبھی بیان جواز کے لیے نفیس اور قیمتی کپڑا پہنتے اور جلد ہی کسی کو عطا فرما دیتے، عمدہ کپڑوں کے پہننے کو عادت بنا لینا اور اس میں تکلف سے کام لینا خلاف سنت ہے، اگرچہ اس میں اصل اباحت موجود ہے، اور اگر کھردرا اور پرانا کپڑا بخل اور خست کی بنا پر یا زہد کے اظہار کے لیے پہنا جائے یا لوگوں سے امداد کی طمع اور ان سے سوال کرنے کے لیے دکھلاوے اور ریاکاری کے طور پر پہنا جائے تو یہ بھی کچھ نہیں ہے، بہت سے اصحاب خیر و دیانت اپنا حال چھپانے، سوال سے باز رہنے اور غنا کے اظہار کے لیے نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور اپنے آپ کو اغیار کی نگاہوں سے چھپاتے ہیں: خلاصہ یہ کہ جن کپڑوں کے پہننے میں اسراف، بخل اور تکبر پیش نظر نہ ہو ان میں حرج نہیں ہے۔ میانہ روی ہر جگہ مستحسن ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں۔ شرح سفر السعادۃ کے اول باب میں اس سے زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وہاں دیکھی جائے۔

۴۱۱۸ وَعَنْهَا قَالَتْ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِيْ بَيْتِنَا فِيْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِيْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا مُتَقَنِّعًا بِطَرَفِ رِدَائِهٖ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ اس اثنا میں کہ ہم دوپہر کی گرمی میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق کو کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی چادر کے کنارے کے ساتھ سر مبارک ڈھانپے[2] ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (بخاری)

سلہ یعنی مکہ مکرمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں۔
سلہ تَقَنُّعْ اور قِنَاعٌ کا معنیٰ یہ ہے کہ چادر کے ساتھ سر ڈھانپ لیا جائے اور اس کا کنارہ کندھے پر ڈال لیا جائے اسے تَطَلُّسْ بھی کہتے ہیں۔

یہ حدیث ,ہجرت کا ایک حصہ ہے ,بیعت العقبہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت اور مکہ مکرمہ سے روانگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق آپ سے اس سفر میں رفاقت اور صحبت کی درخواست کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے کہ اگر حکم اسی طرح ہوا تو ایسا ہی ہوگا اچانک ہجرت کا حکم ہوا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر کے گھر تشریف لے گئے اور اطلاع دی کہ ہجرت اور روانگی کا حکم آچکا ہے تم ہمارے ہم سفر ہوگے۔ چنانچہ رات کے وقت ,حضرت ابو بکر صدیق کے گھر کی دیوار کی کھڑکی سے نکل کر مکہ معظمہ کے بائیں حصے میں واقع جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے اور اس کی غار میں قیام کیا۔ بعد ازاں روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سر پر کپڑا لیا۔ بعض لوگوں نے اس جگہ اختلاف کیا ہے اور اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ وقتِ ضرورت کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً سورج کی تپش ,ہوا کی سردی وغیرہ کی بنا پر ,امام مالک کا میلان بھی اسی طرف ہے ,یہ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سر مبارک پر کپڑا اسی لیے لیا تھا کہ دوپہر کی گرمی تھی یا اس لیے کہ کوئی پہچان نہ لے ,کیونکہ آپ ان دونوں پوشیدہ طور پر رہتے تھے ,خصوصاً اس وقت جب کہ آپ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو رہے تھے پوشیدہ رہنے کی زیادہ حاجت تھی۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ سر پر کپڑا لینا مطلقاً جائز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اس طرح کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے کَفُّ اللِّسَانِ عَنْ ذَمِّ الطَّيَالِسَة (چادر اوڑھنے کی مذمت سے زبان کو روکنا) اور اس میں وہ احادیث اور آثار لائے ہیں جن سے چادر اوڑھنے کی تعریف معلوم ہوتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ,بعض صحابہ کرام اور تابعین کا چادر اوڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ امام بیہقی ,شعب الایمان میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے چادر کی تعریف میں فرمایا: یہ ایسا کپڑا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا ,ایک دوسری حدیث میں آیا ہے ,دن کے وقت سر کو چادر کے ساتھ ڈھانپنا بچاؤ ہے۔ اور رات کے وقت زینت ہے ,یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چادر کا اوڑھنا عربوں کا لباس ہے اور سر کا ڈھانپنا ایمان کا لباس ہے۔

امام ترمذی اور دیگر محدثین حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بکثرت سر مبارک کپڑے سے ڈھانپتے تھے، یہاں تک کہ آپ کا کپڑا تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا، چونکہ آپ سر مقدس تیل سے تر رکھتے تھے اس لیے کپڑا بھی تر ہو جاتا تھا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس سے وہ کپڑا مراد ہے جو تیل لگانے کے بعد سر پر رکھا جاتا ہے۔ تاکہ دستار تر نہ ہو جائے اور تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ تقنع سے مراد چادر اوڑھنا ہی ہے۔ اسی طرح فتح الباری میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب متکف نماز جمعہ کے لیے مسجد سے باہر آئے تو اپنا سر ڈھانپ لے۔ امام حاکم، شیخین کی شرط پر حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ایک فتنے اور اس کے عنقریب واقع ہونے کا ذکر فرما رہے تھے۔ اچانک وہاں سے ایک صاحب کپڑے سے سر ڈھانپے ہوئے گزرے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن یہ شخص راہ راست پر ہوگا۔ میں اٹھا تاکہ دیکھوں کہ وہ کون صاحب ہیں؟ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ظاہر یہی ہے کہ آپ کی شہادت کا فتنہ مراد ہے جس میں اہل مصر ملوث اور مبتلا ہوئے، امام المسلمین حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا کہ انہوں نے کپڑے سے سر ڈھانپ رکھا تھا۔ حالت نماز کے علاوہ بھی ان کا سر ڈھانپنا مروی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ چادر استعمال کرتے تھے اور سر ڈھانپتے تھے۔

۴۱۱۹/۷ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِرَاشٌ لِّلرَّجُلِ وَ فِرَاشٌ لِّامْرَاَتِهٖ وَ الثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَ الرَّابِعُ لِلشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ ایک بستر مرد کے لیے، ایک اس کی بیوی کے لیے۔ تیسرا مہمان کے لیے[1] اور چوتھا شیطان کے لیے[2]

(مسلم)

[1] یعنی اگر میسر ہوں تو آدمی کے پاس تین بستر ہونے چاہیں۔ ایک خود اس کے لیے، دوسرا اس کی بیوی کے لیے کہ ہو سکتا ہے وہ بیماری یا کسی عذر کی بنا پر الگ سوئے، اگرچہ بیوی کے ساتھ سونا زیادہ محبوب اور سنت کے زیادہ موافق ہے۔ تیسرا بستر مہمان کے لیے جو آئے اور رات بھی اسی جگہ گزارے، یہ تین بستر ہی کافی ہیں۔ اس سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[2] یعنی اگر چوتھا بستر ہو تو وہ شیطان کے لیے ہے۔ شیطان کی طرف نسبت اس لیے کہ وہ مقدار حاجت

سے زیادہ ہے اور فخر و تکبر کا باعث ہے لہٰذا مذموم ہے اور ہر مذموم شیطان کی طرف منسوب ہے، یا اس لیے کہ چونکہ اس کی حاجت نہیں ہے اس لیے شیطان اس میں رات اور دوپہر گزارے گا۔ ہاں اگر کسی صاحب جود و کرم کے پاس زیادہ مہمان آتے ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ بستروں اور دیگر ساز و سامان کی زیادتی مذموم نہ ہوگی۔ مذموم وہی ہے جو فخر اور تکبر کے لیے رکھا جائے۔

۴۱۲۰/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو از راہِ تکبر[1] اپنی چادر گھسیٹے۔ (صحیحین)

[1] جو از راہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری چادر گھسیٹے، اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے، تاہم مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر کسی عذر مثلاً بیماری یا سردی کی بنا پر ہو تو چاہیے کہ مکروہ نہ ہو، جیسے کہ تیسری فصل میں بھی آئے گا۔

۴۱۲۱/۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنا کپڑا بطور تکبر[1] گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔ (صحیحین)

[1] مُخیلاء خاء پر پیش، یا پر زیر، آخر میں الف ممدودہ، تکبر، سرکشی، مَخیلاء میم پر زبر، خاء کے نیچے زیر اور یا ساکن، کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

۴۱۲۲/۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حال میں کہ ایک شخص از راہِ تکبر اپنی چادر گھسیٹ رہا تھا اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ زمین میں نیچے جا رہا ہے

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ قیامت کے دن تک۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

لہ جَلْجَلَة "اضطراب اور آواز کے ساتھ حرکت، ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اس امت کا فرد ہو کہ اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ شخص سابقہ امتوں میں سے ہو جو اس حال میں گرفتار ہوا یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو بنی اسرائیل کے ذکر میں لائے ہیں۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد قارون ہے۔

۴۱۲۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ۔

۱۱

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہے لہ وہ دوزخ کی آگ میں ہے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

لہ یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہلِ نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ:- خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے۔ اور اس پر تشدید وعید واقع ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیے جاتے ہیں۔ سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لپیٹنے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا دیہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلافِ سنت ہے۔ اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے۔ اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر عام ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لیے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لیے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے۔ تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔

۴۱۲۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَاكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَاَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّآءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے[۱] یا ایک جوتے میں چلے[۲] اور اس بات سے منع فرمایا کہ ایک کپڑے میں لپٹ جائے[۳] یا ایک کپڑے میں اکڑا دل بیٹھے کہ شرمگاہ کھولے ہوئے۔ (مسلم)

[۱] کیونکہ یہ شیطان کی عادت ہے۔
[۲] کیونکہ یہ وقار کے خلاف، تبیع اور لوگوں کی ہنسی کا باعث ہے اور جوتا بلند ہو تو پاؤں کے پھسلنے اور زمین پر گرنے کا سبب بھی بن جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جسم کے پچھلے حصے کے بعض اعضاء میں بیماری کے پیدا ہونے کا سبب بھی بنتا ہے۔
[۳] اشتمالِ صمّاء کا معنی یہ ہے کہ اوڑھنے والی چادر اس طرح پہنی جائے کہ تمام جسم کو ڈھانپ لے، ہاتھ بھی اندر رہیں، کسی طرف سے کپڑا نہ اٹھائے تاکہ ہاتھ باہر نکالے جا سکیں، اس پہننے کو صمّاء اس لیے کہتے ہیں کہ تمام راستے اور سوراخ بند کر دیے جاتے ہیں، چنانچہ صخرۂ صمّاء اس سخت پتھر کو کہتے ہیں جس میں شگاف بالکل نہ ہو۔ صمم (ص م م) کے مادے میں بھاری اور بند ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ علامہ طیبی نے ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اشتمالِ صمّاء یہ ہے کہ ایک کپڑے میں تمام جسم لپیٹ لیا جائے، دوسرا کپڑا پاس نہ ہو، پھر ایک جانب سے کپڑا اٹھا کر کندھے پر رکھ لے اور شرمگاہ برہنہ ہو جائے۔ امام ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ

اشتمال صَمّاء نماز میں مکروہ ہے اور وہ یہ کہ تمام جسم ایک کپڑے میں لپیٹ لیا جائے اور ہاتھ نکالنے کے لیے بھی کوئی سوراخ نہ رہنے دیا جائے۔ امام محمد کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس نے تہبند نہ پہنا ہو، دیگر ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

۴ے احتباء یہ ہے کہ دونوں سُرینوں پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کرلے اور اپنی پشت اور گھٹنوں کے گرد کپڑا لپیٹ لے یا دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں کے گرد حلقہ بنا لے، اگر اس کے پاس صرف ایک چادر ہو اور اس طریقے سے بیٹھے تو لازماً ستر کھلا رہ جائے گا۔ اس بنا پر اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، اور اگر کشفِ عورت نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کے سامنے بطورِ احتباء تشریف فرما ہوئے ہیں۔ چادر کے ساتھ بھی اور ہاتھوں کے ساتھ بھی، حرم شریف کے اندر اور باہر عربوں کے بیٹھنے کا عام طور پر یہی انداز ہے اور جس کپڑے کے ساتھ احتباء کیا جاتا ہے اسے "حُبْوَہ" کہتے ہیں حا پر پیش اور با ساکن۔ اور اگر ایک ہی چادر ہو لیکن اتنی وسیع ہو کہ احتباء کرنے سے سترنہ کھلے تو جائز ہے۔

۴۱۲۵ وَعَنْ عُمَرَ وَ اَنَسٍ وَّ[۱۳] ابْنِ الزُّبَيْرِ وَ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِی الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِی الْاٰخِرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر، انس، ابن زبیر اور ابو امامہ[۱] رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا[۲]۔ (صحیحین)

[۱] یہ حدیث چار صحابیوں سے مروی ہے۔ رضی اللہ عنہم

[۲] (مرد کے لیے) ریشم کا پہننا حرام ہے، ہاں چار انگشت کے برابر جائز ہے، اسی طرح علاج کے لیے پہننا بھی جائز ہے۔ جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

۴۱۲۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ[۱۴] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِی الدُّنْيَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں صرف وہی ریشم پہنتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں[۱]۔ (صحیحین)

سلہ یعنی جس کے لیے آخرت کی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ہے یا آخرت کے عقیدے سے کوئی حصہ نہیں ہے یا آخرت میں ریشم پہننے کا کوئی حصہ نہیں ہے، جیسے کہ گزشتہ حدیث میں فرمایا کہ وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔

۴۱۲۷ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَاَنْ نَاْكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَاَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے، ریشم اور دیباسلہ کے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

سلہ ریشم کی ایک خاص اور معروف قسم (موٹا ریشم)

۴۱۲۸/۱۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ سِيَرَاءُ فَبَعَثَ بِهَا اِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اَبْعَثْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا اِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار ریشمی چادروں کا جوڑاسلہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے بھجوا دیا جو میں نے پہن لیا، میں نے آپ کے چہرۂ انور میں ناراضگی کے آثار محسوس کیےسلہ۲ آپ نے فرمایا، ہم نے یہ جوڑا تمہیں پہننے کے لیے نہیں بھجوایا تھا بلکہ اس لیے بھجوایا کہ تم اسے پھاڑ کر عورتوں کے دوپٹے بنا دو گے (صحیحین)

سلہ حلہ تہبند اور اوپر لپیٹنے والی چادر کے جوڑے کو کہتے ہیں، سیراء سین کے نیچے زیر، یا پر زبر، اس کے بعد راء، آخر میں الف ممدودہ۔ دھاری دار چادر جس میں ریشم یکس ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ خالص ریشم ہوتا ہے تسیبر کا معنی لغت میں عورت کا اپنی انگلیوں پر خضاب سے لکیر بنانا ہے۔
سلہ۲ کیونکہ ظاہر یہ تھا کہ وہ جوڑا پہننے کے لیے بھجوایا گیا تھا۔

۳ شارحین نے فرمایا کہ ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نہ سوچا کہ یہ متقیوں کا لباس نہیں ہے چہ جائیکہ ان جیسی شخصیت پہن لے، اگرچہ خالص ریشم نہ ہو بلکہ ریکس ہو، اس کے باوجود ایسی شخصیت کے پہننے کے لائق نہ تھا، لہٰذا اسے عورتوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تھا۔

۴ ایک روایت میں بَیْنَ النِّسَاءِ کی جگہ بَیْنَ الْفَوَاطِمِ آیا ہے۔ فواطم جمع ہے۔ فاطمہ کی امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر میں کئی فاطمائیں جمع تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۲) فاطمہ بنت اسد بن ہاشم؛ ابو طالب کی بیوی، حضرت علی، جعفر، اور عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور طالب کی والدہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری ماں کے بعد ماں ہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں۔ (اسلام میں) وہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے ہاشمی مرد کے ہاشمی بچے جنے۔

(۳) فاطمہ بنت سید الشہداء امیر حمزہ بن عبد المطلب۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

بعض شارحین نے کہا کہ تیسری فاطمہ، ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی صاحبزادی ہیں جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئی تھیں؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت نبوت، سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عطا فرمایا زیادہ ظاہر اور زیادہ قریب ہے۔

۴/۱۲۹ ۱۷ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَ السَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهٗ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَيْنِ اَوْ ثَلٰثٍ اَوْ اَرْبَعٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا؛ مگر اتنا اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر بلند کیا۔[۱]

(صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے جابیہ[۲] میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار۔[۳]

ل حکذا داتعی) کے اشارے کی تعیین اور ریشم پہننے کی جائز مقدار بیان کرنے کے لیے ____ یعنی اگر لباس میں اتنا ریشم ہو تو جائز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (مرد کے لیے) دو انگلی کی مقدار ریشم جائز ہے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ بھی چار انگشت تک جائز ہے۔

۲ جابیہ پہلے جیم پھر با، اس کے بعد یا، ملک شام کا ایک شہر۔

۳ ہو سکتا ہے کہ ایک وقت دو انگلی سے زیادہ ریشم کا استعمال جائز نہ ہو، بعد ازاں چار انگشت تک کی اجازت دے دی۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چار انگشت سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ احناف کا بھی یہی مذہب ہے اتنی مقدار سے مراد یہ ہے کہ ایک جگہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ تمام کپڑے سے اگر جمع کریں تو چار انگشت تک پہنچے۔

۳۰۱۴/۱۸ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَیَالِسَةٍ کِسْرَوَانِیَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِیْبَاجٍ وَ فَرْجَیْهَا مَکْفُوْفَیْنِ بِالدِّیْبَاجِ وَ قَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَلْبَسُهَا وَ نَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰی نَسْتَشْفِیْ بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جبہ نکالا جسے طیالسہ کسروانیہ[1] کہتے ہیں۔ اس کے گریبان[2] پر ریشم لگا ہوا تھا اور اس کے دونوں دامنوں[3] پر ریشم کی پٹی لگی ہوئی تھی اور کہنے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ حضرت عائشہ کے پاس تھا، جب ان کا وصال ہو گیا تو میں نے لے لیا[4]۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اور ان کے لیے شفا طلب کرتے ہیں[5]۔ (مسلم)

۱ طیالسۃ جمع ہے طیلسان کی جس کا معنیٰ چادر ہے۔ طیلسان لام پر زبر، بعض علماء نے کہا کہ لام پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، تالسان سے عربی بنایا ہوا لفظ ہے۔ بعض شارحین نے کہا بلکہ یہ طیلس کی جمع ہے اور یہ طیلسان میں ایک لغت ہے۔ یہ سیاہ اور گول جبہ ہوتا ہے جس کا تانا بانا دونوں اون کے ہوتے ہیں، کسروانیہ کسریٰ کی طرف نسبت ہے جس کے کاف پر زبر اور زیر پڑھ سکتے ہیں۔ کسریٰ خسرو سے عربی بنایا ہوا لفظ ہے، ایران کے بادشاہ کا لقب، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے کسروی کہتے ہیں اور کسروانی الف اور نون کی زیادتی کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔

ؔ لَبِنَۃ لام کے نیچے زیر، با ساکن، کپڑے کا وہ ٹکڑا جو قمیص کے گریبان پر لگایا جاتا ہے۔

ؔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس جبے کے دو دامن دیکھے ایک اگلا اور دوسرا پچھلا جیسے کہ عادت ہے کہ بعض جبوں کے اگلے پچھلے ہر دامن میں شگاف ڈال دیتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہر دامن پر ریشمی پٹی لگی ہوئی تھی۔ اصل میں مکفوف کا معنیٰ ہے کنارے والی چیز، کُفّہ کاف پر پیش، کسی بھی چیز کا کنارہ، اگر مستطیل ہو تو اس کے کنارے کو کاف کے پیش کے ساتھ کُفّہ کہتے ہیں۔ اور اگر گول ہو تو کاف کی زیر کے ساتھ (کِفّہ) کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں ترازو کا کِفّہ اور اسے تو زبر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس جبے کے گریبان اور دامن پر ریشم کی پٹی لگا کر سلائی کی گئی تھی، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مکفوف کا یہی معنیٰ ہے۔ اگرچہ حدیث میں صرف دو دامنوں کے کنارے کا ذکر ہے۔

ؔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جبہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وراثت میں ملا ہوگا کیونکہ دونوں آپس میں بہنیں ہیں، اور ان کے علاوہ حضرت عائشہ کا کوئی وارث نہ تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے دوسرے افراد حضرت عائشہ سے پہلے وصال فرما چکے تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

ؔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اس جبہ کو نکالنے اور لوگوں کو دکھانے کا مقصد تحدیث نعمت اور اس جبہ شریفہ کے ان کے پاس موجود ہونے کی برکت کا اظہار تھا۔ وہ بتانا چاہتی تھیں کہ اس کپڑے کا استعمال (مرد کے لیے بھی) جائز ہے جس کے کنارے پر ریشم سلا ہوا ہو، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا پہنا ہے۔

سوال :۔ دوسری فصل میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابو داؤد آرہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وہ قمیص نہیں پہنتے جس کے کناروں پر ریشم لگا ہوا ہو، حضرت اسماء کی روایت اس حدیث کے منافی ہے۔

اس اشکال کا جواب چند طرح سے دیا گیا ہے

۱۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ قمیص کے کنارے پر مقدار رخصت چار انگشت سے زیادہ ریشمی کپڑا لگا ہوا ہوگا۔ اور اس حدیث میں اس سے کم ہوگا۔

۲۔ حضرت عمران کی حدیث میں ورع اور تقویٰ کا بیان ہوگا۔ اور حضرت اسماء کی حدیث میں جواز اور اباحت کا بیان ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ قمیص میں رواج یہی ہے کہ جبہ کی نسبت زیب و زینت زیادہ ہوتی ہے، یہ قول لائق توجہ نہیں ہے کہ ان میں سے ایک حدیث دوسری کے لیے ناسخ ہے، کیونکہ نسخ کا قول کرنے کے لیے تاریخ معلوم ہونی چاہیے جس سے پتا چلے کہ ناسخ، منسوخ سے موخر ہے، محض ظن و تخمین کی بنا پر نسخ کا قول نہیں کیا

جاسکتا، نیز حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جبّہ نکال کر دکھایا جس سے ان کا مقصد جواز اور اباحت کا بیان کرنا تھا جیسے کہ شارحین نے بیان کیا، اگر جواز منسوخ ہوتا تو یہ استدلال جائز نہ ہوتا۔ ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ حضرت اسماء کو نسخ کا علم نہ تھا۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق جبّہ مبارکہ دکھا دیا۔ یہ توجیہ بہت بعید ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محض تبرک کے اظہار کے لیے جبّہ مبارکہ دکھایا تھا۔ یہ بیان کرنا مقصود نہ تھا کہ ایسا کپڑا پہننا جائز ہے۔ ہاں حضرت عمران کی حدیث کے منسوخ ہونے کا قول کیا جا سکتا ہے تاہم تاریخ معلوم ہونی چاہیے، اشکال کا جواب دینے کے لیے بطور احتمال کہا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں میں سے ایک حدیث منسوخ ہو۔

۴۱۳۱/۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ فِیْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِیْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور عبدالرحمان بن عوف[1] کو ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ وہ کھجلی[2] میں مبتلا تھے (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں حضرات نے جوں[3] کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

[1] دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

[2] یہ خارش جوں کی زیادتی کی بنا پر تھی جیسے کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

[3] قمل قاف پر زبر اور میم ساکن، جوں، اس کی جمع قُمَّل ہے۔ قاف پر پیش، زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ میم مشدد مضموم۔ یہ شکایت ان دونوں حضرات نے ایک غزوہ میں کی تھی ——— خیال رہے کہ خارش کا سبب چبھنے والے تیز بخارات ہیں، خشک خارش کا سبب جلے ہوئے صفراء کا خون میں مخلوط ہو جانا ہے اور تر خارش کا سبب بلغم شور (نمکین) کا خون میں مل جانا ہے۔ اکثر طور پر یہ نمکین میٹھی چیزوں اور گرم سبزیوں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج طب کی کتابوں میں مذکور ہے۔ بعض اوقات جوئوں کی کثرت کی بنا پر بھی ہو جاتی ہے۔ شارحین کہتے ہیں کہ ان دونوں صحابیوں کو جوئوں کی زیادتی کی وجہ سے خارش تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خارش کا علاج ریشمی کپڑے کے پہننے سے کیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ریشم کے خواص میں سے دل کو تقویت اور

فرحت دیتاہے۔ نیز سوداء اور اس سے پیدا ہونے والی بیماریوں کو دفع کرتا ہے اور یہ گرم تر ہے۔ بعض اطباء کے مطابق معتدل ہے اس میں خشکی اور کھردرا پن بالکل نہیں ہوتا اس لیے خارش وغیرہ امراض کے لیے مفید ہوتا ہے، چونکہ ملائم ہوتاہے اس لیے اس میں جوں نہیں ٹھہر سکتی، موجز میں ہے کہ ریشم گرم اور فرحت بخش ہے، اور اس کا پہنا جوں کو رد کرتاہے، اس کی شرح میں ہے کہ ابن سینا اسے امراض قلب کی دواؤں میں لائے ہیں، یہ بھی کہا کہ ریشم درجۂ اول میں گرم خشک ہے، چونکہ گرم ہے اس لیے اس کی خاصیت لطیف بناتاہے۔ اور چونکہ خشک ہے اس لیے اس کی خاصیت خشک کرنا ہے۔ صاحب تقویم نے کہا کہ گرم تر ہے، اور گمان یہ ہے کہ رطوبت اور یبوست کے اعتبار سے معتدل ہے۔ چونکہ یہ جوہر روح کے ساتھ کامل مناسبت رکھتاہے۔ اس لیے قوی مفرحات میں سے ہے، جسم کو موٹا کرتاہے، اس لیے نہیں کہ جسم اس سے غذا حاصل کرتاہے بلکہ اس لیے کہ روح طبعی کو غذا میں تصرف کرنے میں قوی کرتاہے۔ (موجز کی) ایک دوسری شرح میں ہے کہ ریشم کے پہننے سے جوئوں کے پیدا ہونے والے انڈے بیکار ہو جائیں گے اور ان سے بچے پیدا نہیں ہوں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ ریشم کا پہننا (مرد کے لیے) حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی حاجت یا مصلحت مثلاً خارش، جوں یا سردی اور گرمی ہو تو اس کا پہننا جائز ہے۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام مالک کے نزدیک بالکل جائز نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک جنگ میں ریشم اور دیبا کا پہننا جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ ہتھیار کی سختی کو دور کرنے والا اور دشمن کی نظر میں ہیبت ناک کرنے والا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ نہی مطلق وارد ہوئی ہے اور حاجت مکس کپڑے سے دور ہو جاتی ہے۔ (مثلاً تانا ریشم ہو اور بانا سوتی ہو) صاحبین کہتے ہیں کہ خالص ریشم زیادہ دفع کرنے والا ہے۔

۴۲۳۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ اَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ اَحْرِقْهُمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ پر معصفر سے رنگے ہوئے دو (سرخ) کپڑے دیکھے تو فرمایا، یہ کپڑے کافروں کے کپڑوں کی جنس سے ہیں۔ تم انہیں نہ پہنو، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ کیا انہیں دھو ڈالوں؟ فرمایا بلکہ انہیں جلادو۔ (مسلم)

سلہ اور ان کا پہننا کافروں کے لائق ہے۔

سلہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا کہ کیا ان کپڑوں کو دھو کر ان کا رنگ اتار دوں؟

سلہ شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ان کپڑوں کو جلا دینے کا حکم دیا تو اس سے مراد شدید تاکید تھی کہ ان کپڑوں کو جیسے بھی ہو سکے بیع یا ہبہ کے ذریعے اپنی ملکیت سے نکال دو، اور اپنے آپ سے جدا کر دو، دھونے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ عصفر سے رنگا ہوا کپڑا اگرچہ مردوں کے لیے حرام اور مکروہ ہے لیکن عورتوں کے لیے مکروہ نہیں ہے۔ لہٰذا کپڑوں کو دھو کر ان کا رنگ اتارنے میں مال کا ضائع کرنا ہے، اس لیے عورتوں کو دے دو، یا بیچ دو یا کسی کو ہبہ کر دو۔ تاکہ دوسری عورتیں ان سے نفع حاصل کریں، ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے ظاہر امر کے پیش نظر جا کر ان کپڑوں کو جلا دیا۔ دوسرے دن دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال بیان کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے وہ کپڑے اپنے گھر والوں کو کیوں نہ پہنا دیے؟ کیونکہ یہ کپڑے عورتوں کو پہنانا جائز ہے، اس روایت کے قرینہ کی بنا پر جلانے کو خلاف ظاہر پر محمول کیا ہے بعض شارحین نے کہا کہ جلانے کے حکم سے مراد بطور مبالغہ یہ ہے کہ اس رنگ کے آثار کو ختم کر دیا جائے، یہ مطلب روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔

تنبیہ: عصفر کے رنگے ہوئے (سرخ) کپڑوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض انہیں مطلقاً حرام کہتے ہیں بعض مباح کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر کپڑا بننے کے بعد رنگ دیا گیا ہو تو حرام ہے۔ اور اگر کپڑا بننے سے پہلے رنگ دیا گیا ہو تو جائز ہے، بعض علماء نے کہا کہ اگر اس رنگ کی بو زائل ہو گئی ہو تو جائز ہے۔ ورنہ حرام ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ محافل اور مجالس میں اس کا پہننا مکروہ ہے اور اگر گھر میں پہنے تو جائز ہے، مذہب حنفی میں مختار یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عصفر کے علاوہ اگر کسی چیز سے کپڑے کو سرخ رنگ دیا گیا ہو تو اس میں بھی اختلاف ہے، شیخ قاسم حنفی جو مصر کے اکابر علمائے متاخرین میں سے اور علامہ قسطلانی کے استاذ ہیں، انہوں نے تحقیق کی کہ حرمت رنگ کی بنا پر ہے، رنگنے کی بنا پر نہیں، لہٰذا ہر سرخ رنگ کا کپڑا (مرد کے لیے) مکروہ اور حرام ہوگا۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَائِشَةَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ فِيْ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث مناقب اہل بیت میں ذکر کریں گے جس کی ابتدا میں ہے کہ ایک صبح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے لے

لہ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں اس حدیث کی ابتداء میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں کا شانۂ مبارکہ سے باہر آئے کہ آپ نے سیاہ بالوں کی منقش چادر (کمبلی) اوڑھی ہوئی تھی (مصابیح میں بھی اتنی ہی مقدار ہے، علامہ طیبی نے اسی کی شرح کی ہے، ہم نے بھی ان کی پیروی کی ہے، لیکن اس حدیث کے آخر میں حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کے مناقب کا ذکر ہے، یہ حدیث مع منصبے کے مناقب اہل بیت میں بیان کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۱۳۳/۲۱ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ترین کپڑا قمیص تھی۔ لہ

(ترمذی، ابوداؤد)

لہ کیونکہ اس میں زیب و زینت بھی زیادہ ہے اور وقار بھی، چونکہ قمیص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی اس لیے اس میں کئی حکمتیں، اسرار اور انوار ہوں گے جو دوسرے کپڑوں میں نہیں ہوں گے، جیسے کہ دوسرے مستحبات کا بھی یہی حکم ہے۔

۴۱۳۴/۲۲ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کی آستین ہاتھ کے جوڑ تک تھیں۔ لہ

(ترمذی، ابوداؤد)

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ صحابیہ ہیں، بڑی عقلمند اور دین میں بلند مرتبہ رکھتی تھیں، تبوک میں حاضر ہوئیں اور خیمے کی لکڑی کے ساتھ نو کافروں کو قتل کیا۔

لہ بعض روایتوں میں انگلیوں کے سرے تک بھی آیا ہے، اگر آستین اس سے زیادہ لمبی ہوتی تو اسے کاٹ دیتے قاموس میں رسغ سین کے ساتھ ہے، اکثر اصول میں اسی طرح واقع ہے، بعض کتابوں میں صاد کے ساتھ (رصغ)

بھی لکھا ہوا ہے، سین کو صاد سے تبدیل کرنا ثابت شدہ امر ہے۔

۴۱۲۵/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَاَ بِمَيَامِنِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جب قمیص زیب تن فرماتے تو اس کی دائیں جانب سے ابتدا کرتے۔
(ترمذی)

[1] میامن جمع ہے "میمنۃ" کی۔ اس کا معنیٰ ہے دائیں جانب، جمع کا لفظ اس لیے لایا گیا کہ قمیص کی دائیں جانب شامل ہے۔ آستین اور اس سے پچھلے حصے کو۔

۴۱۲۶/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَ مَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِی النَّارِ قَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کے تہبند باندھنے کا پسندیدہ طریقہ[1] یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف[2] تک ہو، وہاں سے پنڈلیوں تک ہو تو حرج نہیں ہے اور جو اس سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں[3] ہے، تین بار یہ ارشاد[4] فرمایا اور اللہ تعالٰے قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو تہبند کو بطور تکبر گھسیٹے۔
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اِزْرَۃ ہمزے کے نیچے زیر، زاء ساکن، یعنی تہبند پہننے کا طریقہ اور اصل طریقہ۔

[2] انصاف جمع کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ضروری نہیں کہ نصف حقیقی تک ہی ہو، وہ جگہیں جو اس کے قریب ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے، جیسے کہتے ہیں کتاب کے ابتدائی یا آخری حصے، اور مراد وہ متعدد حصے ہوتے ہیں جو کتاب کی ابتداء میں ہوں یا آخر میں۔ توسیع کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ پنڈلی کے نصف سے ٹخنے تک تہبند کے پہننے میں حرج نہیں ہے۔

[3] گزشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تہبند نصف پنڈلی سے ٹخنے کے درمیان ہونا چاہیے۔ پھر

مزید توبیخ فرمائی کہ ٹخنے سے نیچے نہیں لٹکنا چاہیے۔

؎ ظاہر یہ ہے کہ ذٰلِکَ کا اشارہ اس ارشاد کی طرف ہے کہ جو ٹخنے سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے، اس کے بعد تہدید اور توبیخ کے طور پر فرمایا، وَلَا یَنْظُرُ اللّٰہُ (الحدیث) اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

۴۱۳۷/۲۵ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْبَالُ فِی الْاِزَارِ وَالْقَمِیْصِ وَالْعِمَامَۃِ مَنْ جَرَّ مِنْھَا شَیْئًا خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت سالم[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نیچے چھوڑنا، قمیص اور عمامہ میں ہے[2]، جو شخص ان میں سے کسی چیز کو تکبر کے طور پر نیچے لٹکائے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[3]

(نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

؎ حضرت سالم افاضل تابعین میں سے ہیں۔ اپنے نام کی طرح دین اور سنت پر قائم رہنے میں سالم تھے۔ ظالم حجاج کو اس سے مرعوب ہوئے بغیر حق بات کہہ دیتے تھے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔

؎ یعنی کپڑے کا لٹکانا جو حرام اور مکروہ ہے وہ صرف تہبند میں نہیں ہے جیسے کہ مشہور ہے بلکہ قمیص اور عمامہ میں بھی ہوتا ہے، تہبند میں تو بیان ہو چکا ہے، قمیص میں یہ ہے کہ آستین اور دامن حاجت کی مقدار سے زیادہ دراز ہو۔ عمامہ میں یہ ہے کہ شملہ تعداد میں زیادہ ہو اور مقدار میں زیادہ طویل ہو، جیسے کہ پہلی فصل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

؎ اس حدیث کے بارے میں بھی گفتگو فصل اول میں گزر چکی ہے۔

۴۱۳۸/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ قَالَ کَانَ کِمَامُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُطْحًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا

حضرت ابوکبشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔

(ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا: یہ

حَدِیْثٌ مُّنْکَرٌ) حدیث منکر ہے۔

لہ اوپر کو اٹھی ہوئی نہ ہوتی تھیں ——— یاد رہے کہ اکثر شارحین نے کِمَام کاف کے نیچے زیر، کو کُمَّۃٌ" کاف پر پیش، کی جمع قرار دیا ہے، جیسے قِبَابٌ جمع ہے قُبَّۃٌ" کی کُمَّۃٌ پہلے حرف پر پیش، گول ٹوپی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح قاموس میں ہے، بُطْحٌ بار پر پیش، طا ساکن، اَبْطَحُ کی جمع ہے جس کا معنٰی پلین اور رنگین زمین ہے، جسے بَطْحاء بھی کہتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کی ٹوپیاں گول، فراخ اور سر کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھیں لمبی اور اوپر کو اٹھی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ کُمٌّ بمعنی آستین کی جمع ہے، جیسے قِفَافٌ پہلے حرف کے نیچے زیر، جمع ہے قُفٌّ کی پہلے حرف پر پیش، قُفٌّ بلند زمین قِفَاف پہلے حرف کے نیچے زیر، اس کی جمع، یعنی ان کی آستین وسیع و عریض ہوتی تھیں۔ بطحاء وسیع اور کشادہ زمین کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنٰی بھی صحیح ہے۔ البتہ اس جماعت نے اس معنٰی کے مراد لینے پر جو دلیل دی ہے کہ صحابہ کرام ٹوپیاں کم ہی پہنتے تھے، وہ مکمل نہیں ہے۔ کیونکہ جب ٹوپی کا پہننا اور اس کی فضیلت صحابہ کرام سے مروی ہے جیسے کہ حدیث میں آئے گا کہ ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان حد فاصل ہے تو ٹوپی کی بلندی اور پستی کا حال بیان کرنا چاہیے۔

۴۱۳۹/۲۷ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ ذَکَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُرْخِیْ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ عَنْھَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِیْدُ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ اَقْدَامُھُنَّ قَالَ فَیُرْخِیْنَ ذِرَاعًا لَا یَزِدْنَ عَلَیْہِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کا حکم بیان فرمایا[1] تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورت کیا کرے؟ فرمایا، ایک بالشت لٹکائے۔ انہوں نے کہا تب تو برہنگی کا احتمال رہے گا[2] فرمایا: پھر ایک ہاتھ زیادہ کرے[3]، اس سے زیادہ نہ ہو۔ (امام مالک ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تب تو ان کے پاؤں ننگے ہوں گے تو فرمایا، پھر ایک ہاتھ لٹکا لیں۔ اس سے زیادہ نہ کریں۔

لہ کہ لمبا نہیں ہونا چاہیے۔

۲ہ یعنی اگر عورت تہبند لمبا نہ رکھے تو انکشاف عورت لازم آئے گا۔

۳ہ یعنی مرد کے تہبند سے ایک بالشت لمبا رکھے۔

۴ یعنی مرد کی نسبت اس کا تہبند لمبا بھی ہو تو برہنگی کا احتمال رہے گا۔ مثلاً پنڈلی کی لمبائی کی بنا پر۔
۵ اگر ایک بالشت کی لمبائی اس کے لیے کافی نہ ہو تو تہبند ایک ہاتھ لمبا کرے۔
۶ مثلاً اگر مرد کا تہبند نصف پنڈلی تک ہو تو جب ایک ہاتھ کپڑے کا اضافہ کیا تو لازماً پردے کا فائدہ دے گا اس سے زیادہ لمبا رکھنا اسبال (بے فائدہ لٹکانے) کے زمرے میں آئے گا۔ اور اگر مرد کے تہبند کو آدھی پنڈلی سے نیچے تصور کریں تو عورت کے لیے ایک بالشت کا اضافہ کافی ہو گا۔ ایک ہاتھ کا اضافہ تو بہت ہی کافی ہو گا۔ لہٰذا اس سے زیادہ حرام ہو گا۔

۷ ائمہ کی اس جماعت نے اس حدیث کو حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔
۸ یعنی جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عورت کی چادر مرد کی چادر سے ایک بالشت زیادہ ہو تو حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ تب بھی عورتوں کے پاؤں ننگے ہوں گے۔ جب کہ سابقہ روایت میں تھا کہ تب تو چادر ہٹ جائے گی۔ اور عورت کی برہنگی کا باعث بنے گی۔

۴۱۴۰ / ۲۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ فَبَايَعُوهُ وَإِنَّهُ لَمُطْلَقُ الْأَزْرَارِ فَأَدْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

معاویہ بن قرہ[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مزینہ کی ایک جماعت کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کر دیا اور مہر نبوت کو چھوا[۲] (ابو داؤد)

۱ معاویہ بن قرہ مزنی تابعی اور عالم تھے، جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے، اپنے والد حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے روایت کرتے ہیں جن کی کنیت ابو معاویہ ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور ان سے اُن کے صاحبزادے نے روایت کی۔

۲ جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی ——— خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان سینۂ مبارک پر تھا جیسے کہ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، محدثین نے اس کی کافی تحقیق کی ہے یمن کی ابتداء سے لے کر آخر مغرب تک عرب کے تمام علاقوں میں اسلاف و اخلاف میں یہی معروف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے کہا کہ بعض ایسے لوگ جو سنت کا علم نہیں رکھتے ان کا گمان ہے کہ قمیص کا گریبان سینے پر

رکھنا بدعت ہے (۱ھ) اور جب بعض عجمی علاقوں میں عورتوں نے سینے پر گریبان رکھنے کی عادت اپنائی تو بعض فقہاء نے عورتوں کی مشابہت کی بنا پر اسے مکروہ قرار دیا۔ لیکن بات وہ نہیں جو انہوں نے گمان کی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عادت زیبا ہے، اور اعتبار اصل کا ہے، عجمی مردوں میں جو معروف طریقہ ہے وہ عربوں کی عورتوں کی عادت ہے۔

مختصر یہ کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان سینے پر تھا۔ تاہم اس حدیث کا اس امر پر دلالت کرنا جیسے کہ علامہ سیوطی نے کہا ہے غیر ظاہر ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بعض فقہاء کے قول کے مطابق بٹن کندھوں پر ہوں اور کھلے ہوئے بھی ہوں تو مہر نبوت کو چھونے کے لیے ہاتھ داخل کرنے کی حاجت نہیں ہوگی، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں مہر نبوت دکھائی دے رہی ہوگی اور ظاہر ہوگی اور اسے چھونا، ہاتھ داخل کیے بغیر آسان ہوگا۔

۴۱۴۱/۲۹ وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّیَابَ الْبِیْضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَ اَطْیَبُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا، سفید کپڑے پہنو کیونکہ وہ بہت پاکیزہ بہت صاف اور بہت اچھے ہیں۔ اور ان میں اپنے مردوں کو کفن پہناؤ۔

(امام احمد۔ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ)

لہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰے عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت حسن بصری وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲ہ زیادہ پاکیزہ اس لیے کہ وہ جلد میلے ہو جاتے ہیں اس لیے زیادہ دھوئے جاتے ہیں۔ برخلاف رنگ دار کپڑوں کے کہ وہ میل خورے ہوتے ہیں۔ اس لیے دیر کے بعد دھوئے جاتے ہیں۔ اور بہت صاف اس لیے کہ وہ رنگوں کی آمیزش سے پاک ہوتے ہیں، اور اچھے اس لیے کہ طبیعت سلیمہ ان کی طرف میلان رکھتی ہے۔

۴۱۴۲/۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَہٗ بَیْنَ کَتِفَیْہِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا کنارا[1] کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ جسے عربی میں عذبہ (فارسی اور اردو میں شملہ) کہتے ہیں۔

۴۲۱۴۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سر پر پگڑی باندھی تو اس کا کنارہ میرے آگے اور پیچھے لٹکایا لہ

(ابوداؤد)

لہ یعنی ایک کونہ آگے اور دوسرا پیچھے لٹکایا۔

یاد رہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے، اور بہت سی حدیثیں اس کی فضیلت میں وارد ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا، عمامہ کے بغیر ستر رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شملہ کا چھوڑنا افضل ہے، لیکن دائمی نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی شملہ چھوڑتے اور کبھی شملہ کے بغیر پگڑی باندھتے تھے، بعض اوقات گردن کے پیچھے چھوڑ دیتے اور کبھی ایک کنارہ پگڑی میں اڑس لیتے اور دوسرا کنارہ لٹکا دیتے اس سلسلے میں ہر قسم کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شملہ عموماً پشت کے پیچھے ہوتا تھا اور کبھی دائیں جانب، کبھی دو شملے ہوتے دونوں کندھوں کے درمیان، بائیں جانب شملے کا لٹکانا بدعت ہے، اسی طرح کہا گیا ہے، شملے کی کم از کم مقدار چار انگشت ہے اور عموماً ایک ہاتھ، نصف پشت سے زیادہ لمبا رکھنا بدعت ہے اور ممنوع اسبال اور اسراف میں داخل ہے۔ اور اگر فخر اور تکبر کے طور پر ہو تو حرام ہے، ورنہ مکروہ اور مخالف سنت، شارحین نے کہا ہے کہ صرف نماز کے وقت شملے کا لٹکانا بھی سنت کے موافق نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شملے کا چھوڑنا مستحب اور سنت غیر مؤکدہ ہے۔ اس کے ترک کرنے میں گناہ اور برائی نہیں ہے، اگرچہ اس کے رکھنے میں ثواب اور فضیلت ہے، اسے سنت مؤکدہ کہنا خلاف تحقیق ہے۔ کنز میں ہے کہ سیاہ عمامہ پہننا اور شملے کا کندھوں کے درمیان لٹکانا مستحب ہے۔ اسی طرح احناف کی دوسری کتابوں میں ہے۔

۴۲۱۴۴ وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت رُکانہ لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،

فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ)

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق۔ ٹوپیوں پر باندھے ہوئے عمامے ہیں۔[2] (ترمذی[3]) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

[1] حضرت رکانہ را پر پیش اور کاف مخفف، قرشی مطلبی صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ عرب کے مضبوط اور بہادر افراد میں سے تھے۔ ان کی حدیث اہل حجاز میں پائی جاتی ہے۔

[2] اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ہم ٹوپیوں پر دستار باندھتے ہیں اور مشرکین پگڑی کے بغیر صرف ٹوپی پہنتے ہیں۔

۲۔ ہم ٹوپی پر پگڑی باندھتے ہیں۔ اور وہ ٹوپی کے بغیر پگڑی باندھتے ہیں۔ شارحین نے کہا ہے کہ دوسرا معنی مراد ہے کیونکہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ مشرکین پگڑی باندھتے تھے۔ صرف ٹوپی کا پہننا واقع نہیں ہے۔

[3] مطلقاً پگڑی کی فضیلت میں بہت حدیثیں واقع ہوئی ہیں۔

۴۳۲۵ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُحِلَّ الذَّهَبُ وَ الْحَرِيْرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِيْ وَ حُرِّمَ عَلَى ذُكُوْرِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور ریشم ہماری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے۔ اور مردوں پر حرام ہے۔ (ترمذی، نسائی) امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۴۳۲۶ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيْصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کپڑے کی جنس کا نام لیتے، خواہ وہ عمامہ ہو، قمیص ہو یا چادر ہو۔ پھر فرماتے اے اللہ! تیرا شکر ہے۔ جس طرح تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کی بھلائی کا

اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَ خَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

سوال کرتا ہوں[۳] اور اس چیز[۴] کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[۱] یعنی فرماتے کہ یہ پگڑی ہے، قمیص ہے یا چادر ہے۔
[۲] کہ تو نے مجھے یہ کپڑا مثلاً عمامہ یا قمیص پہنائی۔
[۳] کہ خیریت کے ساتھ بدن پر رہے اور اسے کوئی شر یا آفت نہ پہنچے۔
[۴] یعنی اس کا استعمال، امور خیر اور نیکیوں میں ہو۔

۴۲۷۱/۳۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَ لَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ بن انس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کھانا کھایا پھر کہا[۲]، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا۔ اور میری طاقت و قوت[۳] کے بغیر عطا کیا۔ اس کے گزشتہ گناہ[۴] معاف کر دیئے گئے۔

(ترمذی[۵])

وَ زَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَ لَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَا تَاَخَّرَ۔

امام ابوداؤد نے[۶] یہ اضافہ کیا کہ جس نے کپڑا[۷] پہنا۔ اور کہا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ اور میری طاقت و قوت کے بغیر مجھے عطا کیا تو اس کے اگلے پچھلے[۸] گناہ معاف کر دیئے گئے۔

[۱] حضرت معاذ بن انس انصاری صحابی ہیں۔ اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی حدیث اہل بصرہ میں پائی جاتی ہیں۔

۵۲ اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

۵۳ حول کا معنی حرکت ہے یا حیلہ، قاموس میں اس کا معنی تصرف کی قدرت بھی بیان کیا، یہ تمام معنی قریب ہیں۔ اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی شرح میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۴ یعنی صغیرہ گناہ۔

۵۵ کھانے کے شکر کی فضیلت میں۔

۵۶ لباس کے شکر کی فضیلت میں اضافہ کیا۔ اسی زیادتی کی بنا پر یہ حدیث اس باب میں لائی گئی ہے۔

۵۷ نیا کپڑا پہنا یا عام کپڑا مراد ہے نیا ہو یا پرانا۔

۵۸ لباس کے شکر کی فضیلت میں گزشتہ اور آئندہ دونوں گناہوں کا ذکر ہے کھانے کے شکر کے بارے میں پچھلے گناہوں کا ذکر نہیں ہے۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں بعد والے جملے کے قرینے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے کھانے کے سلسلے میں بھی پچھلے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں بھی پچھلے گناہوں کا ذکر ہے۔ اور بعض نسخوں میں لکھ کر اوپر لکیر پھیر دی گئی ہے۔ علامہ سیوطی نے اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ اس میں یہ حدیث بھی لائے ہیں۔ طعام اور لباس دونوں کے شکر کے بارے میں اگلے پچھلے گناہوں کا ذکر ہے، صاحب سفر السعادۃ کسی جگہ بھی پچھلے گناہوں کا ذکر نہیں لائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۱۴۸/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِيْ فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِيْ ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تم ہمارے ساتھ ہی وابستگی[۱] چاہتی ہو تو تمہارے لیے دنیا سے، سوار کے زادِ راہ کی مقدار کافی ہے[۲]۔ تم دولت مندوں کی ہم نشینی سے بچنا اور کپڑے کو پرانا قرار نہ دینا[۳]۔ یہاں تک کہ اسے پیوند لگا لو۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ وَقَالَ

انھوں نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، اسے ہم صرف صالح بن حسان کی روایت سے جانتے ہیں۔ امام محمد بن اسماعیل

مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ

نے فرمایا: صالح بن حسان منکر الحدیث[۵] ہے۔

۱؎ یعنی دنیا و آخرت میں۔

۲؎ دنیا کی تھوڑی مقدار پر قناعت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے، سوار کی تخصیص غالباً اس لیے کی گئی ہے کہ وہ تیز چلتا ہے اور جلد منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے تھوڑا اسا زادِ راہ کافی ہو جاتا ہے۔ جب کہ پیدل کا سفر زیادہ وقت لیتا ہے اس لیے اسے زیادہ سفر خرچ کی حاجت ہوتی ہے۔

۳؎ اور اسے پھینک نہ دینا۔

۴؎ حدیث منکر کا معنی مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۴۱۴۹/۳۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں سنتے! کیا تم نہیں سنتے[۲]؟ کہ کپڑے کا پرانا ہونا ایمان سے ہے، بے شک کپڑے کا پرانا ہونا ایمان سے ہے[۳]۔ (ابو داؤد)

۱؎ حضرت ابو امامہ کنیت اور ان کا نام ایاس بن ثعلبہ ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ شخصیت ہیں یہ بھی انصاری صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی سنو۔

۳؎ یعنی زینت کا ترک کرنا اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے، آخرت اور اس کی زینت و زیبائش پر ایمان اور سامان دنیا کے حقیر اور فانی ہونے کا یقین اس کا باعث ہے ــــــــــــ دو دفعہ فرمانا تاکید کے لیے ہے اور اس خیال کا دفع کرنا مقصود ہے جو انسانوں کے نفوس اور ان کی طبیعتوں میں رچ بس چکا ہے۔

۴۱۵۰/۳۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنا[۱] اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن

اللّٰہُ ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ) (ترمذی، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

لے یعنی جو شخص تکبر اور بڑائی کے ارادے سے قیمتی کپڑا پہن کر چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ذریعے لوگوں میں معزز اور مشہور بنالے۔

لے جس کے ذریعے اسے ذلیل اور رسوا کرے گا ــــــــــ ہو سکتا ہے کہ ثوب مذلۃ میں اضافت بیانیہ ہو۔ یعنی اسے بے عزتی اور ذلت کا حامل بنائے گا۔ اور لوگوں کی نظر میں خوار اور فقیر بنائے گا، بعض شارحین نے کہا کہ شہرت کے کپڑے سے مراد وہ بعض حرام کپڑے ہیں جن کا پہننا جائز نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ کپڑے مراد ہیں جو تکبر، بڑائی، فقراء کی تذلیل اور ان کے دل توڑنے کے لیے پہنے جائیں۔ بعض نے کہا وہ کپڑے مراد ہیں جو مسخرہ پن اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے پہنے جائیں، یا زہد اور پاک دامنی کے اظہار کے لیے پہنے جائیں، بعض نے کہا وہ اعمال مراد ہیں جو ریاکاری اور اپنے آپ کو مشہور کرنے کے لیے کیے جائیں، انھوں نے کہا کہ کپڑے کا اطلاق عمل پر عام ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ پہلا مطلب جو حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا ہے زیادہ ظاہر اور سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

۴۱۵۱/۳۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے لے۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ) (احمد، ابوداؤد)

لے وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے، تشبہ مطلق ہے جو اخلاق، اعمال اور لباس کو شامل ہے۔ خواہ اچھے لوگوں سے ہو یا برے لوگوں سے، اگر اخلاق و اعمال میں مشابہت ہو تو اس کا حکم ظاہر و باطن کو شامل ہے۔ اور اگر لباس میں ہو تو حکم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ عرف عام میں اس کا مطلب لباس میں مشابہت لیا جاتا ہے، اس لیے اس حدیث کو کتاب اللباس میں لائے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس کے مشابہ کا حکم وہی ہے جو جس کے مشابہ ہو، خواہ ظاہراً ہو یا باطناً

۴۱۵۲/۴۰ وَعَنْ سُوَیْدِ بْنِ وَھْبٍ سوید بن وہب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے بیٹوں میں سے

عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَيَقْدِرُ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَوَاضُعًا كَسَاهُ اللهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَّجَهُ اللهُ تَاجَ الْمُلْكِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ۔

ایک شخص سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے قدرت کے باوجود زیب وزینت کا کپڑا پہننا ترک کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ از راہ تواضع ترک کیا[۲]، تو اللہ تعالیٰ اسے عزت وکرامت کا حلہ پہنائے گا[۳] اور جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی عورت سے نکاح کیا[۴]۔ اللہ تعالیٰ اسے شاہی تاج پہنائے گا[۵]۔
(ابوداؤد)[۱] امام ترمذی نے حضرت معاذ بن انس سے اس حدیث کا وہ جملہ روایت کیا جو لباس سے متعلق ہے[۶]۔

[۱] سوید بن وہب تابعی ہیں۔

[۲] یعنی کپڑوں میں زہد، عاجزی اور شکست نفس کے لیے زیب وزینت کا لباس ترک کرتا ہے۔

[۳] یعنی جنت کے حلوں میں سے حلہ جو اس کی عزت وکرامت کا سبب ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بزرگی اور عزت، دنیا وآخرت میں اس کے شامل حال کر دیتا ہے، اس حدیث کے مطابق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرماتا ہے۔

[۴] چنانچہ ایسی عورت سے نکاح کرتا ہے جو دولت، عزت اور کفاءت میں اس کے مرتبے کی نہیں ہے، وہ اس مقصد کے لیے نکاح کرتا ہے کہ نفس فتنے سے بچ جائے۔ دین محفوظ رہے اور اولاد حاصل ہو جو نکاح کرنے کی حکمت کا اصل مقتضیٰ ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ تزوج سے مراد، کسی بھی جنس کا جوڑا صدقہ کرنا ہے، جس کی فضیلت ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔ جیسے کہ فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوڑا صدقہ کیا (الحدیث) صحابۂ کرام نے پوچھا کہ جوڑے سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو گھوڑے، دو غلام یا دو اونٹ ——— زوج دو چیزوں کے مجموعے کو کہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو بھی زوج کہتے ہیں اس جگہ یہی معنی مراد ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تزوج جس معنی کے لحاظ سے بھی ہو تاج شاہی کی نوید کا موجب ہے۔

۵۵ یعنی جنت میں مملکت اور تخت و تاج والا ہو گا۔ یا بطور کنایہ دنیا و آخرت کی عزت و شرافت مراد ہے۔ چونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوڑا خرچ کر کے ایک خاص انداز میں فقر و افلاس کا رنگ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے سے کم مرتبہ عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے خاص جزا عطا فرمائی اور اسے بزرگی اور رفعت و سربلندی سے نوازا۔

۵۶ امام ابوداؤد نے یہ پوری حدیث حضرت سوید بن وہب سے روایت کی۔

۵۷ امام ترمذی نے حضرت معاذ بن انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف حدیث لباس روایت کی کہ جس نے قدرت کے باوجود فاخرانہ لباس کا پہننا ترک کیا (الحدیث) دوسرا حصہ جس میں کسی عورت سے محض رضائے الٰہی کے لیے نکاح کرنے کا ذکر ہے روایت نہیں کیا۔

۴۱۵۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے[1]

(ترمذی)

[1] یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو وہ پسند فرماتا کہ اس بندے کے احوال میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ اس طرح کہ اچھے پاک صاف اور نئے کپڑے حالات اور قدرت کے مطابق، مبالغہ اور فضول خرچی کے بغیر پہنے، نیت، نعمت کا ظاہر کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ہو، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو اور حاجت مند زکوٰۃ اور صدقات حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ تکبر اور غرور مقصود نہ ہو۔ ——— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت کا مخفی اور پوشیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

گویا نعمت کی ناشکری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کسی انسان کو علم و فضل عطا کیا ہو اسے ظاہر کرنا چاہیے تاکہ لوگ پہچانیں اور اس سے استفادہ کریں۔ اور وہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں) کے مصداق میں داخل ہو۔

۴۱۵۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس

وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَأْسَهٗ وَرَاٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

ملاقات کے لیے تشریف لائے[1]، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے[2] ہوئے تھے، آپ نے فرمایا[3] کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی؟ جس کے ذریعے اپنے سر کی پراگندگی کو دور کرے[4]، آپ نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے میلے تھے فرمایا، کیا اس شخص کو وہ چیز نہیں ملتی؟ جس سے یہ اپنے کپڑے دھوئے[5]۔ (احمد، نسائی)

[1] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصار کو ان کی خصوصی فضیلت، محبت اور اخلاص کی بنا پر اعزاز و اکرام سے نوازتے تھے۔

[2] شعث عین کے نیچے زیر (بکھرے ہوئے بالوں والا)

[3] استفہام، تعجب اور اظہار ناپسندیدگی کے طور پر

[4] اور سر کو تیل لگاتے اور کنگھی کرے۔

[5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن کی اصلاح اور کپڑوں کا صاف ستھرا رکھنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ اور اس کی خلاف ورزی ناپسند تھی۔ اچھے کپڑے پہننا اور شکل و صورت کا حسن وقار ہے اور آداب زندگی میں سے ہے۔

۴۱۵۵/۴۳ وَعَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِيْ اَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَيِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَ

حضرت ابو الاحوص[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میں نے گھٹیا قسم کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: کون سا مال؟ عرض کیا، ہر قسم کا مال، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، اور غلام عطا کیے ہیں، فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی دی

الرَّقِيْقِ قَالَ فَإِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَاَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ كَرَامَتِهِ۔

ہوئی نعمت و کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

(امام احمد، نسائی)[۲]

شرح السنۃ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے جو مصابیح میں مذکور ہیں[۳]۔

[۱] ابو الاحوص تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام عوف بن مالک بن نضلہ ہے نقطے والے ضاد کے ساتھ جشمی جیم پر پیش اور نقطوں والے شین پر زبر، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

[۲] ان دونوں اماموں نے یہ حدیث مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

[۳] مشکوٰۃ شریف اور مصابیح میں بیان کردہ حدیثوں کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، لیکن مطلب دونوں کا ایک ہے، کپڑے کا پرانا ہونا اگرچہ محمود ہے اور افعال ایمان میں سے ہے، لیکن اس وقت جب کہ دنیا میں زہد اور تواضع و انکساری کی نیت سے ہو، اور اگر قدرت کے باوجود بخل اور خست کی بنا پر گھٹیا کپڑے پہنے جائیں تو ایسا کرنا قبیح اور مذموم ہے۔

۱۲۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص گزرا اس نے دو سرخ کپڑے[۱] پہن رکھے تھے، اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے اسے جواب نہیں دیا[۲]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] اس حدیث میں مطلق سرخ کپڑوں کا ذکر ہے یہ بیان نہیں ہے کہ وہ عنصر سے رنگے ہوتے تھے۔

[۲] یاد رہے کہ ریشم اور دیبا کے کپڑے پر بیٹھنا بھی پہننے کی طرح مکروہ ہے۔ امام محمد نے بیان کیا ہے کہ اس پر بیٹھنا مکروہ ہونے میں پہننے کی طرح نہیں ہے، یعنی دونوں مکروہ ہیں۔ لیکن پہننے میں زیادہ شدید کراہت ہے، لحاف کا استعمال بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا پہننا ہے، ہاں ریشم کے کپڑے (تکیئے) پر ٹیک لگانا اور اس پر سونا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ اسی طرح مطالب المومنین،

میں ہے۔[۵]

۴۱۵۷ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ وَلَا اَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا اَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ اَلَا وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَا لَوْنَ لَهٗ وَطِيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيْحَ لَهٗ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ارغوانی گدی[۱] پر سوار نہیں ہوتے۔ ہم معصفر سے رنگا ہوا کپڑا[۲] نہیں پہنتے، ہم ریشم کے حاشیے والی قمیص نہیں پہنتے[۳]، اور فرمایا؛ خبردار! مردوں کی خوشبو میں بو ہے رنگ نہیں[۴] اور عورتوں کی خوشبو میں رنگ ہے۔ بو نہیں ہے[۵]

(ابوداؤد)

[۱] اُرجوان ہمزے اور جیم پر پیش اور راء ساکن، ارغوان کو عربی بنایا گیا تو اُرجُوان ہو گیا۔ مشہور سرخ پھول ہے، اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ ایک درخت کا نام ہے جس کی کلی سرخ ہوتی ہے، ہر اس رنگ کا جو اس کے مشابہ ہو ارغوانی کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا مراد یہ ہے کہ ہم سرخ کپڑے پر نہیں بیٹھتے۔ رکوب سے مراد بیٹھنا ہے، اکثر شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرخ میثرہ ہے، میثرہ میم کے نیچے زیر، یاء ساکن تین نقطوں والی ثاء پر زبر، تکیے یا گدے جیسی بچھانے والی چیز جس میں نرمی کے لیے روئی یا اون بھری گئی ہو۔ اسے گھوڑے کی زین یا اونٹ کے پالان پر رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے سرخ ریشم سے تیار کرتے ہیں، لغت میں وثر اور وثارہ نرمی کے معنی میں آتا ہے، وثیرہ بروزن فعیل نرم گدے کے معنی میں آتا ہے، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نَهٰى عَنْ مِيْثَرَةِ الْاُرْجُوَانِ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرخ ارغوانی گدے پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ فضول خرچ اور متکبر عجمیوں کا طریقہ ہے، اس لیے شارحین نے کہا کہ اس جگہ جو لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ فرمایا ہے۔ تو اس سے وہی سرخ گدی مراد ہے اور لفظ لَا اَرْكَبُ (ہم سوار نہیں ہوتے) اس معنی کے مراد لینے کا قرینہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر گدی سرخ نہ ہو اور مقصود نرمی اور جسمانی راحت ہو تو جائز ہے، خصوصاً بعض بوڑھوں اور

---

[۵] یہ تفصیل غالباً آئندہ حدیث سے متعلق تھی جو کاتب کی غلطی سے اس حدیث کے ذیل میں لکھ دی گئی۔
۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

کمزوروں کے لیے۔

۲۔ سرخ یا زرد۔

۳۔ وہ قمیص جس کے گریبان، آستین اور دامن پر ریشم کی پٹی لگائی گئی ہو۔ یعنی اگر مقدار رخصت چار انگشت سے زیادہ ہو۔ فصل اول میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ کی حدیث میں اس مسئلے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۴۔ وہ خوشبو جسے مرد استعمال کریں اس میں بو ہو رنگ نہ ہو مثلاً گلاب، کستوری، کافور وغیرہ تاکہ زیب و زینت لازم نہ آئے۔

۵۔ جیسے کہ مہندی، زعفران وغیرہ تاکہ اس کی خوشبو دوسروں تک نہ پہنچے اور مردوں کے لیے فتنے اور ابتلا کا سبب نہ بنے۔ اس مضمون کی حدیث باب الترجل کی دوسری فصل میں آئے گی، شمائل میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی چیز ہے جس کی بُو ظاہر اور رنگ پوشیدہ ہو اور عورتوں کی خوشبو کا رنگ ظاہر اور بُو پوشیدہ ہو، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ بھی یہی مراد ہے، کیونکہ کوئی خوشبو، بغیر بُو کے نہیں ہوتی لہذا خوشبو کے لیے بو کا ثابت کرنا بے فائدہ اور اس سے بُو کی نفی غیر صحیح ہوگی۔

۴۱۵۸ / ۴۶ وَعَنْ اَبِیْ رَیْحَانَۃَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَ الْوَشْمِ وَ النَّتْفِ وَ عَنْ مُکَامَعَۃِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَ مُکَامَعَۃِ الْمَرْاَۃِ الْمَرْاَۃَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَّ اَنْ یَّجْعَلَ الرَّجُلُ فِیْ اَسْفَلِ ثِیَابِهٖ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ اَوْ یَجْعَلَ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنِ النُّهْبٰی وَعَنْ رُکُوْبِ النُّمُوْرِ وَ لُبُوْسِ

حضرت ابو ریحانہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (۱) دانتوں کے باریک کرانے (۲) جسم کے گودنے[۲] (۳) سفید بال اکھیڑنے (۴) کپڑے کے بغیر مرد کے مرد کے ساتھ لیٹنے[۵] (۵) بے پردہ عورت کے عورت کے ساتھ لیٹنے[۶] (۶) عجمیوں کی طرح مرد کے اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگانے (۷) یا عجمیوں کی طرح اپنے کندھوں پر ریشم لگانے[۸] (۸) لوٹنے[۹] (۹) چیتوں کی کھالوں پر سوار ہونے سے[۱۰] اور (۱۰) حکمران کے علاوہ دوسرے لوگوں کے انگوٹھی پہننے سے۔

الْخَاتَمَ إِلَّا لِذِيْ سُلْطَانٍ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(ابوداؤد، نسائی)

لہ حضرت ابو ریحانہ صحابی ہیں ان کا نام عبداللہ بن مطر سدی ازدی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲ہ وَشَر واؤ پر زبر نقطوں والا شین ساکن، آخر میں رار دانتوں کا تیز کرنا اور ان کے کناروں کا باریک کرنا۔ بوڑھی عورتیں جوانوں کی مشابہت کے لیے اس طرح کرتی تھیں، دوسرے پر اس عمل کے کرنے والی کو واشِرۃ کہتے ہیں۔ اور دوسرے سے اپنے اوپر اس عمل کے کروانے والی کو مُوتَشِرۃ کہتے ہیں، اور دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

۳ہ وَشْم واؤ پر زبر، شین ساکن اور آخر میں میم، جسم میں سوئی چبھو کر اس جگہ کو سرمے یا نیل سے بھرنا۔

۴ہ نَتف سر یا داڑھی سے سفید بالوں کا اکھیڑنا، یا داڑھی اور ابرو کے بالوں کا زیب و زینت کے لیے اکھیڑنا یا عورتوں کا اپنے چہروں سے بالوں کا اکھیڑنا، ممانعت کی وجہ پیدائشی صورت کو بگاڑنا اور ناروا تکلف کرنا ہے، عورتوں کے لیے زینت اگرچہ حلال ہے، لیکن ان تکلفات سے منع کیا گیا ہے، نتف کا معنی مصیبت کے وقت سر اور داڑھی کے بالوں کا نوچنا بھی بیان کیا گیا ہے۔

۵ہ شِعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دوسرے کپڑوں کے نیچے پہنا جاتا ہے اور جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

۶ہ اگر فتنے اور فساد کا خوف ہو تو اس کی قباحت خود بخود واضح ہے اور اگر خوف نہ ہو تو یہ طریقہ ترکِ ادب اور بے حیائی سے خالی نہیں ہے۔

۷ہ یعنی مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے۔ خواہ کپڑوں کے اوپر ہو یا نیچے، عجمیوں کی عادت ہے کہ کپڑوں کے نیچے مختصر سا ریشمی کپڑا پہنتے ہیں تاکہ جسم کو نرم رکھے، علامہ طیبی نے اس ارشاد کا اسی طرح مطلب بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے کہا کہ لفظ یَجْعَلُ اور لفظ اَسْفَل اس معنی کے مناسب نہیں ہے، اگر یہ مطلب ہوتا تو اس طرح کہنا چاہیے تھا وَاَنْ یَلْبَسَ تَحْتَ الثِّیَابِ حَرِیْرًا (کپڑوں کے نیچے ریشم پہننے سے منع فرمایا) اس لیے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے نیچے اور اوپر ریشم لگانے سے منع فرمایا۔ (طیبی)

حاصل مطلب یہ ہوا کہ کپڑے کے نیچے ریشمی استر نہ لگائے، جیسے کہ ابرہ بنانا ممنوع ہے، فقہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ ریشم کا اس طرح پہننا مکروہ ہے کہ جسم کے ساتھ متصل ہو، اور اگر کپڑوں کے اندر جسم کے ساتھ متصل روئی کا کپڑا ہو اور اس کے اوپر ریشمی کپڑا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے بعض روایات میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس کو ریشمی جبہ پہنے ہوئے دیکھا پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوںؓ نے فرمایا، تم دیکھتے نہیں کہ جسم کے ساتھ متصل کیا ہے؟ اس جبے کے نیچے انہوں نے سوتی کپڑا پہنا ہوا تھا، صحیح یہ ہے

کہ ریشم کا پہننا مردوں کے لیے مطلقاً حرام ہے، اسی طرح مطالب المؤمنین میں ہے۔

ؔ حاشی میں لکھا ہے کہ ریشم کا وہ کپڑا مراد ہے جو مقدارِ رخصت سے زیادہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چادر کی طرح ریشمی کپڑا کندھوں پر فخر اور تکبر کے طور پر ڈالنا مراد ہو، یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ زائد کپڑا مراد ہو جو قبا (کوٹ وغیرہ) کے کندھوں پر سی دیا جاتا ہے جسے اس علاقے میں اباق کہتے ہیں۔

ؔ۹ کسی کا مال شرعی اجازت کے بغیر چھین لینے سے۔

ؔ۱۰ نمرٌ مشہور درندہ ہے جسے فارسی میں یوز (اور اردو میں چیتا) کہتے ہیں، چیتے کی کھال کو گھوڑے کی زین یا اونٹ کے پالان پر ڈال کر اس کے اوپر بیٹھتے ہیں، جمع کا صیغہ یا تو تعدد افراد کی بنا پر لایا گیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تغلیباً اس جیسے دوسرے درندے شلاً شیر اور ببر باد وغیرہ مراد ہوں، یا چیتے کی متعدد کھالیں مراد ہوں، ممانعت کی وجہ زیب و زینت اور فخر و تکبر ہے، امام شافعی کے نزدیک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان جانوروں کے بال پلید ہوتے ہیں اور دباغت (کھال کے رنگنے) سے پاک نہیں ہوتے، چونکہ ان کا شکار مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کی کھال ان کے مرنے کے بعد حاصل کی جاتی ہے۔ بعض حواشی میں رُکُوبِ نُمُور سے مراد چیتوں کی کھالوں پر بیٹھنا بیان کیا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ چارپایوں اور درندوں کی کھالوں پر بیٹھنا دہشت اور دل کی پراگندگی کا باعث ہے، اسی طرح حضرت شیخ امام علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض رسائل میں بیان کیا۔

ؔ۱۱ لُبوس لام پر پیش، دُخول کی طرح مصدر ہے ——— صاحب سلطنت، حکمران اور ایسے معاملے والا شخص جسے انگوٹھی کی حاجت ہو اسے اجازت ہے اور حاجت کے بغیر انگوٹھی پہننا مکروہ ہے کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے، کیونکہ وہ محض زینت ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ابتدا میں تھی اس کے بعد منسوخ ہو گئی، اُن کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں صحابہ کرام نے انگوٹھی پہنی اور ان پر انکار نہیں کیا گیا۔

۴۱۵۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے، قسی کپڑے کے پہننے اور

ؔ۱ ہدایہ میں ہے کہ ریشم اور دیباج کا جنگ میں پہننا صاحبین کے نزدیک جائز اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور وہ کپڑا پہننا جائز ہے جس کا تانا ریشمی اور بانا سوتی یا اونی ہو اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ چار انگشت کی مقدار ریشمی پٹی کا استعمال بھی جائز ہے۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی

الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقِسِيِّ وَالْمَيَاثِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوٗدَ وَقَالَ نَهَى عَنِ الْمَيَاثِرِ الْأُرْجُوَانِ۔

گدوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ) امام ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ارغوانی رنگ کے (سرخ) گدوں سے منع فرمایا۔

لہ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونے کی انگوٹھی تیار کی گئی، آپ نے ایک دن پہنی پھر پھینک دی اور اس کے پہننے سے منع فرمایا۔ سونے کی انگوٹھی کا پہننا چاروں اماموں کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے، بعض صحابہ مثلاً حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا پہننا نقل کیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ ممانعت سے پہلے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہدایہ میں ہے کہ اعتبار حلقے کا ہے نہ کہ نگینے کا، کیونکہ انگوٹھی کی حقیقت کا مدار حلقے پر ہے، اس کی تفصیل باب الخاتم میں آئے گی۔

۲ قسّی قاف پر زبر، زیر بھی آئی ہے، بے نقطہ سین مشدد، مصر کے علاقے میں ایک جگہ قس کی طرف منسوب ہے بعض شروح میں لکھا ہے کہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ یہ کپڑا ریشمی ہو، علامہ طیبی نے کہا کہ یہ کپڑا کتان کا ہوتا ہے اور اس میں ریشم مکس ہوتا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا یہ مضلع کپڑا ہے جس میں سنگترے کی طرح ریشم ہوتا ہے۔ مضلّع ان کپڑوں کو کہتے ہیں جن میں پسلیوں کی طرح چوڑی پٹیاں ہوتی ہیں، یا کتان ہے جس میں ریشم مکس ہوتا ہے۔

۳ میاثر جمع ہے میثرۃ کی چھوٹی گدی جو زین پر رکھی جاتی ہے جیسے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں واقع لا اَرْکَبُ الْاُرْجُوَانَ کی تحقیق میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۴ ان کی روایت میں مطلق میاثر کا ذکر ہے، لیکن وہ مقید (ارغوانی رنگ کے گدے پر) محمول ہے، جیسے کہ امام ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۱۶۰ / ۲۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ریشم اور چیتے کی کھالوں پر سوار نہ ہو۔[۱] (ابوداؤد، نسائی)

لہ اس طرح کہ انہیں گھوڑے کی زین پر رکھ کر اس کے اوپر سوار ہو جاؤ۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ

بعض شارحین نے رکوب کا معنی بیٹھنا بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ خز نقطے والی خا پر زبر اور زا مشدد ہے۔ قاموس میں ہے کہ ایک مشہور کپڑے کا نام ہے۔ نہایہ میں ہے کہ گزشتہ زمانے میں خز ان کپڑوں کو کہتے تھے جن پر اون اور ریشم سے کڑھائی کی ہوئی ہوتی تھی، ایسا کپڑا پہننا جائز ہے، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا کپڑا پہنا ہے۔ لہٰذا اس کی ممانعت اس بنا پر ہوگی کہ اس کے استعمال میں عجمیوں کے ساتھ مشابہت ہوگی جو ایسا کپڑا تکبر اور بڑائی کے لیے زمین پر ڈالتے ہیں شارحین نے کہا کہ اگر خز سے وہ کپڑا مراد ہو جو اس وقت مشہور ہے تو وہ تمام ریشم ہے اور مطلقاً حرام ہے۔ جس حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خز اور ریشم کو حلال قرار دیں گے اس میں خز کا یہی معنی مراد ہے محدثین فرماتے ہیں کہ کپڑے کی یہ قسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی، لہٰذا اس کی خبر امر غیبی کا بیان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے کہ خز کے پہننے میں حرج نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خز ایک سمندری جانور ہے۔ اس کے بالوں کو خز کہتے ہیں جو ریشم کی جنس سے نہیں ہے اور مردوں کے لیے صرف ریشم حرام ہے نہ کہ دوسرے کپڑے، اسی طرح محیط میں ہے۔ یہ بھی کہا کہ سید امام ناصر الدین نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس سمندری جانور کے بالوں سے تیار کیے جانے والے کپڑے کو کہتے تھے جسے ترکی میں قندز کہتے ہیں۔ البتہ ہمارے زمانے میں ریشم سے بناتے ہیں، لازمی بات ہے کہ حرام ہوگا۔ اسی طرح فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ (ا ھ)

نمار نون کے نیچے زیر، بعض شارحین نے اسے نمرۃ کی جمع قرار دیا جس کا معنی دھاریدار چادر ہے۔ لہٰذا اس کی ممانعت، کراہت تنزیہی کے طور پر ہوگی کہ لوگ اسے فخر و تکبر کے طور پر زمین پر ڈالتے ہیں۔ اکثر شارحین کے نزدیک نمار جمع ہے نمر کی جو مشہور درندے کا نام ہے، مراد اس کی کھالیں ہیں جو زمین پر ڈالی جاتی ہیں، اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نمر کی جمع نمور ہے نہ کہ نمار جیسے کہ گزشتہ حدیث میں گزرا ہے۔ وَعَنْ رُكُوبِ النُّمُورِ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ نمر کی جمع جس طرح نمور آتی ہے اسی طرح نمار بھی آتی ہے۔ اس حدیث میں بھی ایک روایت کے مطابق نمار کی جگہ لفظ نمور آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ قاموس میں ہے النمر کتف کی طرح، معروف درندہ ہے، اس کی جمع انمر، انمار، نمار اور نمور آتی ہے۔

۴۱۶۱/۱۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمِيثَرَةِ الْحَمْرَاءِ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ گدے سے منع فرمایا۔

(شرح السنۃ)

سلہ اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ میثرہ، سرخ کی قید سے مقید ہے معلوم ہوا کہ جہاں مطلق آیا ہے وہ بھی مقید پر محمول ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا۔

۴۱۶۲ وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَۃَ التَّیْمِیِّ[۱] قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ[۲] وَلَہٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاہُ الشَّیْبُ[۳] وَ شَیْبُہٗ اَحْمَرُ[۴]۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاوٗدَ وَ ھُوَ ذُوْ وَفْرَۃٍ[۵] وَ بِھَا رَدْعٌ مِّنْ حِنَّاءٍ)۔

حضرت ابو رمثہ تیمی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس وقت دو سبز کپڑے[۲] پہن رکھے تھے، آپ کے کچھ بال ایسے تھے جن پر سفیدی غالب تھی، اور وہ چند سفید بال سرخ تھے[۳]۔ (ترمذی) امام ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کی زلفیں کان کی لو تک تھیں اور ان میں مہندی کا رنگ تھا[۴]۔

سلہ حضرت ابو رمثہ تیمی راء کے نیچے زیر، میم ساکن، پھر تین نقطے والی ثاء صحابی ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے عمارہ کہا اور بعض نے رفاعہ بن یثربی بن عوف بیان کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حاضر ہوئے اور دونوں مشرف باسلام ہوئے۔ دونوں اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالٰے عنہما۔

سلہ یعنی سبز دھاریوں والے شارحین نے حدیث میں وارد ہونے والے سرخ اور سبز کپڑے کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔ اگرچہ خالص سبز کپڑے کا پہننا بھی جائز ہے۔

سلہ سر اور داڑھی مبارک کے چند بال سفید تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر اقدس اور داڑھی میں صرف چودہ سفید بال شمار کیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک بیس کے قریب سفید تھے۔ ایک روایت میں سترہ بھی آیا ہے۔

سلہ سرخ سے مراد یہ ہے کہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ جیسے کہ امام حاکم بھی حضرت ابو رمثہ کی روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ حضرت مصنف نے بھی امام ابو داؤد کی روایت کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

سلہ وَفْرَۃٌ واؤ پر زبر، فا ساکن، کان کی لو تک پہنچنے والے بال ـــــــ رَدْعٌ راء پر زبر،

دال ساکن، آخر میں بے نقطہ عین، آلودہ ہونا، قاموس میں ہے رَدَعَهُ بِالشَّیْءِ فلاں شخص کو فلاں چیز کے ساتھ آلودہ کر دیا علامہ طیبی نے اس کی تعبیر رنگ کے ساتھ کی ہے، ایک روایت میں "رَدْغ" نقطے والی غین کے ساتھ بھی آیا ہے، امام ترمذی، شمائل میں اسے اس طرح لائے ہیں جس سے راوی کے شک کا پتہ چلتا ہے۔ "رَدْغ" دال ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، سخت کیچڑ، بے نقطہ عین کے ساتھ رَدْع روایت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ سرخی سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال خالص سفید نہ تھے بلکہ خضاب لگائے بغیر سرخی مائل تھے، جیسے کہ عام عادت ہے کہ بڑھاپے کی ابتدا بالوں کی سرخی سے ہوتی ہے، اس کے بعد خالص سفید ہو جاتے ہیں۔

محدثین اور فقہاء میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو رنگا ہے یا نہیں۔ اکثر محدثین اس کے قائل ہیں کہ نہیں رنگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس حد کو نہیں پہنچی تھی کہ رنگنے کی حاجت ہوتی جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آپ سر مبارک پر تیل لگاتے تو سفیدی چھپ جاتی تھی ورنہ ظاہر ہو جاتی تھی، فقہاء کی کوشش یہ ہے کہ رنگنے کا استعمال ثابت کیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ہی چند سفیدی مائل بالوں کو رنگتے تھے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے قصداً نہ رنگے ہوں۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گلاب سے غسل، نظافت اور خوشبو کے لیے مہندی سر مبارک پر لگاتے تھے اور یہ بال اسی کی وجہ سے رنگین ہو جاتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بعض حضرات نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رنگے ہوئے بال مبارک دیکھے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں رنگا تھا بلکہ حضرت انس بطور تبرک اور احترام انہیں خوشبو لگاتے رہتے تھے اسی بنا پر وہ یوں دکھائی دیتے تھے جیسے کہ رنگے ہوئے ہوں یا حضرت انس نے انہیں باقی رکھنے اور ان کی تقویت کے لیے خود رنگا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سرخ رنگ دیتے تھے اور کبھی زرد، اس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی شریف کو نظیف اور ستھرا رکھنے کے لیے مہندی یا زعفران سے دھویا کرتے تھے۔ بال مبارک سیاہ تھے جو رنگین نہیں ہوتے تھے، اسی طرح میں نے اپنے شیخ (عبدالوہاب متقی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے۔ اور یہ عجیب نکتہ ہے۔

۴۱۶۳ / ۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَةَ وَعَلَیْهِ ثَوْبُ قِطْرٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی آپ حضرت اسامہ پر ٹیک لگا کر باہر تشریف لائے۔ آپ نے سرخ دھاری دار یمنی

قَدْ تَوَشَّحَ بِہٖ فَصَلّٰی بِھِمْ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

چادر زیب تن کی ہوئی تھی جس میں آپ لپٹے ہوئے تھے[۲] پس آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی[۳] (شرح السنۃ)

[۱] قطر قات کے پیچے زیر، طاء ساکن یمن کی ایک خاص قسم کی نرم اور عمدہ چادر جس میں سرخ لکیریں ہوتی ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ کپڑوں کے جوڑے کو کہتے ہیں جو بحرین کی جانب سے لایا جاتا ہے۔ قطر، بحرین کا ایک گاؤں ہے۔

[۲] حمائل کی طرح یعنی وہ چادر محرم کی طرح دائیں بازو کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالی ہوئی تھی، بعض شارحین کہتے ہیں کہ توشح سے مراد صرف چادر کا جسم کے گرد لپیٹنا ہے۔ خاص طور پر حمائل کے انداز میں اوڑھنا مراد نہیں ہے۔

[۳] یہ آخری نماز تھی جو حضرت ابوبکر صدیق، صحابہ کرام کو پڑھا رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ کر امامت کرائی۔ جیسے کہ یہ واقعہ اپنی جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۴۱۶۴/۵۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِیَّانِ غَلِیْظَانِ وَکَانَ اِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَیْہِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِّنَ الشَّامِ لِفُلَانِ الْیَھُوْدِیِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ اِلَیْہِ فَاشْتَرَیْتَ مِنْہُ ثَوْبَیْنِ اِلَی الْمَیْسَرَۃِ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَقَالَ عَلِمْتُ مَا تُرِیْدُ اِنَّمَا تُرِیْدُ اَنْ تَذْھَبَ بِمَالِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَبَ قَدْ عَلِمَ اَنِّیْ مِنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے قطری کپڑے زیب تن کر رکھے تھے، اور جب آپ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو وہ کپڑے آپ پر بوجھل ہو جاتے[۱]، شام سے فلاں یہودی کا کپڑا[۲] آیا تو میں نے عرض کیا کتنا اچھا ہو؟ اگر آپ اس کے پاس کسی کو بھیج کر اس سے بوقت گنجائش ادائی کے وعدے پر دو کپڑے ادھار خرید لیں، آپ نے اسے پیغام بھیجا تو اس نے کہا[۳] مجھے آپ کا ارادہ معلوم ہے۔ آپ میرا مال مارنا چاہتے ہیں[۴]۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے جھوٹ کہا[۵]، اسے معلوم ہے کہ میں سب سے

اَتْقَاهُمْ وَ اَدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) زیادہ متقی اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔ (ترمذی، نسائی)

لے اور آپ کو مشقت اٹھانا پڑتی۔

لے بزپہلے ایک نقطے والی بار پھر زا و مشدد، ان سلا کپڑا۔ اس (مردود) یہودی کا نام اس جگہ مذکور نہیں ہے۔

لے آپ نے کسی شخص کو یہودی کے پاس کپڑا خریدنے کے لیے بھیجا اور اسے کہا کہ گنجائش کے وقت قیمت ادا کر دی جائے گی۔

لے اس صحابی کو کہا جسے کپڑا خریدنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔

لے آپ چاہتے ہیں کہ ثمن ادا کرنے کے وعدہ پر میرا کپڑا لے جائیں اور بعد میں وعدہ پورا نہ کریں۔ بظاہر یہ خطاب اس صحابی سے ہے جو کپڑا خریدنے یہودی کے پاس گئے تھے۔ مگر درحقیقت یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے ——— بعض نسخوں میں یُرِیدُ یار کے ساتھ ہے اور یہ ظاہر ہے، یعنی اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ وہ میرا مال مارنا چاہتے ہیں) چنانچہ صحابی نے واپس آکر یہودی کا جواب ناصواب بیان کیا۔

لے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کا مال لے لوں اور ثمن ادا نہ کروں، وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے

لے تورات کے حوالے سے۔

لے اداھم ہمزہ پر مد اور دال مخفف ——— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درشت قسم کا کپڑا پہن رکھا تھا جس سے آپ کی طبع لطیف کو تکلیف اور مشقت محسوس ہوتی تھی، آپ نے آسانی اور سہولت کے لیے عمدہ کپڑا ادھار خریدنے کا ارادہ کیا۔ نیز بدبخت یہودی کی بدبختی بھی معلوم ہو گئی کہ کس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے اور انہیں ذلیل کرے۔

۴۱۶۵/۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ مَصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَعَرَفْتُ مَا كَرِهَ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ مجھ پر کسم[1] سے رنگا ہوا گلابی کپڑا تھا، آپ نے فرمایا، یہ کیا ہے[2]؟ تو میں نے آپ کی ناپسندیدگی کو پہچان لیا۔ چنانچہ میں نے جا کر

فَانْطَلَقْتُ فَاَحْرَقْتُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا صَنَعْتَ بِثَوْبِكَ قُلْتُ اَحْرَقْتُهٗ قَالَ اَفَلَا كَسَوْتَهٗ بَعْضَ اَهْلِكَ فَاِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِهٖ لِلنِّسَاۗءِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

اسے جلا دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اپنے کپڑے کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اسے جلا دیا، فرمایا: تم نے وہ اپنے بعض اہل خانہ کو کیوں نہ پہنا دیا؟ کیونکہ اسے عورتوں کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ابوداؤد)

لہ عصفر عین اور فاء پر پیش اور صاد ساکن (کسمّ)

۲ہ یہ تعجب اور انکار کے طور پر استفہام ہے۔

۳ہ اس کپڑے کے پہننے سے۔

۴ہ یعنی عورتوں کو۔

۴۲۶۶/۵ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًی یَخْطُبُ عَلٰی بَغْلَةٍ وَعَلَیْهِ بُرْدٌ اَحْمَرُ وَعَلِیٌّ اَمَامَهٗ یُعَبِّرُ عَنْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ہلال بن عامر[1] اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں خچر پر سوار خطبہ دیتے ہوئے[2] دیکھا، آپ نے سرخ دھاریوں والی چادر[3] اوڑھ رکھی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے آگے کھڑے ہوئے آپ کی ترجمانی کر رہے تھے[4]۔

(ابوداؤد)

لہ ہلال بن عامر ثقہ تابعی ہیں اور اہل کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲ہ اور لوگوں کو احکام کی تعلیم دیتے ہوئے۔

۳ہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں جس جگہ بھی سرخ لباس کا ذکر ہے، اس سے مراد سرخ دھاریوں والا کپڑا ہی ہے، یہ محدثین کی تحقیق ہے، بعض فقہاء کو اس جگہ وہم ہوا ہے کہ اس سے خالص سرخ کپڑا مراد ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔

۴ہ اور آپ کا کلام دور کھڑے ہوئے لوگوں تک بلند آواز سے پہنچا رہے تھے جن تک ہجوم کی کثرت کی وجہ سے آپ کی آواز مبارک نہیں پہنچتی تھی، اسی طرح کہا گیا ہے، حق یہ ہے کہ آواز تو پہنچ رہی تھی، حضرت علی مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ ان کو مطلب سمجھا رہے تھے۔

۴۱۶۷/۵۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیاہ چادر تیار کی گئی۔ آپ نے اسے زیبِ تن فرما لیا۔ جب آپ کو اس میں پسینہ آیا تو آپ نے اون[1] کی بو محسوس کی اس لیے آپ نے اسے الگ کر دیا۔[2] (ابوداؤد)

[1] اون سے۔

[2] طبیعت شریفہ کی نظافت اور کمالِ پاکیزگی کی بنا پر۔

۴۱۶۸/۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلَى قَدَمَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ آپ چادر[1] کو جسم کے گرد لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے، اس کا پھندنا[2] آپ کے قدموں پر واقع تھا۔[3] (ابوداؤد)

[1] یعنی وہ کپڑا جو آپ کے بدن پر مشتمل تھا، بعض شارحین نے شملہ کی تفسیر بُردہ (اوپر اوڑھنے والی چادر) سے کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ بردہ اوپر لینے والی چادر ہے اور شملہ وہ چادر ہے جس میں جسم لپیٹا جائے خواہ وہ اوپر لینے والی چادر ہو یا اس کے علاوہ، لہٰذا شملہ عام ہے۔ تہبند اور اوپر لینے والی چادر سے۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ احتباء دونوں گھٹنوں کو کھڑا کرکے سُرین کے بل زمین پر بیٹھنا، احتباء کبھی دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی دونوں ہاتھوں کے ساتھ پنڈلیوں کے گرد حلقہ بنا لیا جاتا ہے اور کبھی چادر کے ساتھ، اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احتباء اوپر اوڑھنے والی چادر کے ساتھ تھا اور شملہ سے وہی مراد ہے۔

[2] صراح میں ہے هُدب اور هُدبة ہا اور پر پیش، دال ساکن، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، کپڑے کا کنارا اور اس کا ٹکڑا۔

[3] مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہیئت احتباء تشریف فرما تھے اور احتباء اپنے کپڑے کے ساتھ کیا ہوا تھا، محافل اور مجالس میں بیٹھنے کا یہ انداز عربوں میں معروف ہے۔ ہمارے ہاں بھی دیہات میں یہ طریقہ مروج ہے ۱۲ (ق)

۴۱۶۴ وَعَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَاَعْطَانِيْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اَصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ اَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَاَعْطِ الْاٰخَرَ اِمْرَاَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَاْمُرْ اِمْرَاَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت دحیہ بن خلیفہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قباطی[۲] کپڑے لائے گئے، آپ نے ان میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت کیا اور فرمایا: اسے دو حصوں میں تقسیم کر لو[۳] ایک حصے کی قمیص بنوالو اور دوسرا حصہ اپنی بیوی کو دے دو وہ اس کی اوڑھنی بنائے[۴]۔ جب انہوں[۵] نے پشت پھیری تو آپ نے فرمایا۔ اپنی بیوی کو کہہ کر اس کے نیچے دوسرا کپڑا لگالے تاکہ اسے[۶] ظاہر نہ کرے۔

(ابوداؤد)

۱؎ دحیہ بن خلیفہ یہ دحیہ کلبی ہیں جن کی صورت میں (بعض اوقات) حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی آیا کرتے تھے۔

۲؎ قباطی کتان سے بنائے ہوئے باریک اور سفید کپڑے جو مصر میں تیار کیے جاتے تھے قباطی قاف پر زبر، طاء کے نیچے زیر یا اور یاء مشدد، جمع ہے قُبطِیَّۃٌ کی قاف پر پیش اور باء ساکن منسوب ہے قبط کی طرف قاف کے نیچے زیر۔ یعنی اہل مصر، فرعون اسی قوم سے تھا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی کی طرف منسوب ہیں، قبط کے قاف کے نیچے اگرچہ زیر ہے لیکن قُبطِیَّۃٌ جس کا معنی ہے وہ کپڑے جو قبط کی طرف منسوب ہوں، اس کے قاف پر خلاف قیاس پیش ہے، کبھی زیر بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ان کپڑوں کی نسبت کے بارے میں ہے جو قبط کی طرف منسوب ہیں، آدمیوں کی نسبت کرتے وقت قیاس کے مطابق قاف کے نیچے زیر ہی ہے حضرت دحیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کپڑے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے گئے۔

۳؎ صدع کا معنی ہے شیشے روز تن ایسی سخت چیز کو دو حصوں میں تقسیم کرنا۔ صاد پر زبر ہو تو یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے کپڑے کا ٹکڑا الگ کرنا، صاد کے نیچے زیر ہو تو یہ اسم ہے جس کا معنی ہے ٹکڑا، از باب فتح جیسے کرشتی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۴؎ اپنے سر کو ڈھانپنے کے لیے، تختمر کی راء پر رفع اور جزم پڑھنا دونوں صحیح ہیں۔

۵؎ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پلٹے یا خود حضرت دحیہ فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کلام میں یہ طریقہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

۵۶ تاکہ وہ اوڑھنی باریک ہونے کی بنا پر اس کے بالوں اور چہرے کو منکشف نہ کرے، جیسے کہ اس کے نیچے جلد دکھائی دیتی ہے۔ تختر کی طرح لا تصفا کو مرفوع اور مجزوم دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۴۱۷۰ / ۵۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْھَا وَھِیَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَیَّۃً لَا لَیَّتَیْنِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ وہ سر پر اوڑھنی لپیٹ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ایک بل نہ کہ دو بل لہ۔

(ابوداؤد)

لہ یعنی اپنے سر کے اوپر اور ٹھوڑی کے نیچے دو بل نہیں بلکہ ایک بل دو۔ اسی طرح علامہ طیبی نے اس کی تفسیر کی ہے ظاہر یہ ہے کہ سر پر کپڑا لپیٹنا مراد ہے، عرب عورتوں کی عادت یہ تھی کہ اوڑھنی پٹی کی طرح سر پر لپیٹ لیتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ایک پیچ ہی کافی ہے۔ زیادہ نہ لپیٹے تاکہ فضول خرچی نہ ہو اور مردوں کی پگڑی کے مشابہ نہ ہو،

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مردانہ لباس پہننا اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے، جیسے کہ اس کے عکس کا بھی یہی حال ہے (یعنی مردوں کو زنانہ لباس پہننا اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے ۱۲ ق)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۱۷۱ / ۵۹ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِیْ اِزَارِیْ اسْتِرْخَاءٌ فَقَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ ارْفَعْ اِزَارَكَ فَرَفَعْتُہٗ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُ فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاھَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِلٰی اَیْنَ قَالَ اَنْصَافِ السَّاقَیْنِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے اس حال میں گزرا کہ میرے تہبند میں درازی تھی۔ آپ نے فرمایا: عبداللہ! اپنے تہبند کو اونچا کرو۔ میں نے اسے اونچا کیا۔ پھر فرمایا: مزید اونچا کرو۔ میں نے اور اونچا کر لیا اس کے بعد اس عمل لہ کو طلب ہی کرتا رہا۔ کچھ لوگوں نے لہ پوچھا کہاں تک، فرمایا نصف پنڈلیوں تک

(مسلم)

سلہ اور اس خصلت کو یعنی تہبند اونچا کرنے کو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم فرمانے کے بعد۔
سلہ جنہوں نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنی۔

۴۱۷۲/۶۰ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِزَارِىْ يَسْتَرْخِىْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خُيَلَاءَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ازراہ تکبر کپڑے کو کھینچا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا تہبند نیچے ڈھلک جاتا ہے، جب تک کہ میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم ازراہ تکبر یہ کام نہیں کرتے۔ (بخاری)

سلہ صراح میں ہے خیلاء نقطے والی خاء پر پیش اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے، یاء پر زبر، آخر میں الف ممدودہ تکبر، خال اور مخیلۃ میم پر زبر اور خاء کے نیچے زیر۔
سلہ یہ وعید اور ڈرسن کر
سلہ مکروہ اور حرام ہے کہ خود پسندی اور تکبر کے طور پر ایسا کیا جائے۔

۴۱۷۳/۶۱ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَأْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ اِزَارِهٖ مِنْ مُقَدَّمِهٖ عَلٰى ظَهْرِ قَدَمِهٖ وَيَرْفَعُ مِنْ مُؤَخَّرِهٖ قُلْتُ لِمَ تَأْتَزِرُ هٰذِهِ الْاِزَارَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتَزِرُهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عکرمہ سلہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تہبند باندھتے ہوئے دیکھا وہ اپنی چادر کا اگلا کنارا پاؤں کی پشت پر رکھتے تھے اور پیچھے سے بلند کیے تھے، میں نے کہا کہ آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گاہے اسی طرح باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد)

۵۱ حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور کاتب تھے، نیز مکہ مکرمہ کے فقہا اور تابعین میں سے ایک تھے۔

۵۲ اِزْرَۃٌ تہبند باندھنے کا ایک طریقہ

۵۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسبال سے بچنے کے لیے پیچھے سے چادر کا اونچا رکھنا کافی ہے۔

۴۲۴۲/۶۲ وَعَنْ عُبَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْعَمَائِمِ فَاِنَّھَا سِیْمَآءُ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ اَرْخُوْا خَلْفَ ظُھُوْرِکُمْ. رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمامے ضرور باندھو، کیونکہ یہ فرشتوں کی نشانی ہیں۔ اور انہیں اپنی پشت کے پیچھے لٹکاؤ (امام بیہقی، شعب الایمان)

۵۱ جیسے کہ بدر کے دن فرشتے پگڑیاں باندھ کر آئے تھے۔ سیما، الف مقصورہ اور ممدودہ دونوں کے ساتھ آتا ہے۔

۵۲ کیونکہ فرشتے بھی اسی حالت میں آئے تھے، بعض نسخوں میں ظُھُوْرِکُمْ (ظہور جمع کے صیغہ کے ساتھ) ہے اور یہ ظاہر ہے ——— پگڑی کی فضیلت میں بہت حدیثیں آئی ہیں، جن میں سے کچھ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں بیان کی ہیں[1]

---

۱ آج عوام تو عوام، علماء کرام بھی اس اہم سنت کے تارک ہیں، اور عوام میں سے کتنی جاہل تو ایسے ہیں جو پگڑی باندھنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ایک سوال کے جواب میں عمامہ کی فضیلت میں بیس حدیثیں نقل کی ہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۶ ۔ ۸۰) تمہیدی سطور کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ عمامہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحد ضروریات دین تک پہنچا ہے، ولہذا علمائے کرام نے عمامہ تو عمامہ ارسال عذبہ یعنی شملہ چھوڑنا کہ اس کی فرع ہے اور سنت غیر مؤکدہ ہے، اس کے ساتھ استہزا کو کفر ٹھہرایا تو عمامہ کی سنت لازمہ دائمہ ہے، یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیا۔ اور حدیث آتی (آئندہ) رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پہ محمل کیا، علامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: اصلا مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے، اسی میں بعد ذکر بعض احادیث فضیلت عمامہ ہے ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہوتی۔ بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

۴۳۷۵/۶۳ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ قَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَّصْلُحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَ كَفَّيْهِ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئیں کہ انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، آپ نے چہرہ انور ان سے پھیر لیا، اور فرمایا: اسماء! تحقیق جب عورت حیض کو پہنچ جائے[۱] تو درست نہیں کہ اس کا کوئی عضو دیکھا جائے مگر یہ اور یہ، اور[۲] اپنے چہرہ انور اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی بلوغ کے وقت کو پہنچ جائے۔

[۲] هٰذَا و هٰذَا (یہ اور یہ) کا مشار الیہ بیان کرنے کے لیے ــــــــ یہ خاتون کے لیے ستر عورت ہے، اور حجاب (پردہ) یہ ہے کہ گھر سے باہر مردوں کے سامنے نہ جائیں اگرچہ پوشیدہ ہوں، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے خصائص میں سے ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعضاء باریک کپڑوں میں دکھائی دیں تو وہ برہنہ کے حکم میں ہیں[۱]

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اگر باریک کپڑے میں سے جسم نظر آرہا ہو تو وہ ننگے جسم کے حکم میں ہے اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی، دوسرے یہ کہ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک اور چہرہ ستر نہیں، مگر اب اجنبی کو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔
۱۲ مرآۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگرچہ بے ٹوپی ہو، ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور خالی ٹوپی خلاف سنت ہے۔ اور کیونکر نہ ہو کہ وہ کافروں اور بعض بلاد کے بدمذہبوں کی وضع ہے ـــــ اس کا انکار کس درجہ اشد و اکبر ہوگا! اس کا سنت متواترہ ہونا متواتر ہے اور سنت متواترہ کا استخفاف (توہین) کفر ہے (فتاوی رضویہ، ج ۳: ص ۶، ۷، ۷ (طبع مبارکپور، ہند) (۱۲ قادری نقشبندی)

۴۲۷۶/۶۴ وَعَنْ اَبِیْ مَطَرٍ قَالَ اَنَّ عَلِیًّا اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِثَلٰثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَ اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابو مطر[۱] سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین درہم[۲] میں ایک کپڑا خریدا، جب اسے پہنا تو کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس[۳] عطا فرمایا جس کے ساتھ میں لوگوں میں زیب و زینت کرتا ہوں۔ اور اپنا ستر ڈھانپتا ہوں[۴]، پھر فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا[۵]۔

(امام احمد)

سلہ ابو مطر تابعی ہیں۔ ان کا نام معلوم نہیں ہے، حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے حجاج بن ارطاۃ نے روایت کی اور ان کی توثیق کی۔

سلہ ایک درہم تین ماشے چاندی سے کم ہوتا ہے (غیاث اللغات میں ہے کہ درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے ۱۲ قادری نقشبندی)۔

سلہ ریاش را کے نیچے زیر، ریش کی جمع، معنی زینت، یہ پرندے کے پر سے مستعار ہے جو اس کے لیے لباس بھی ہے اور زینت بھی (اصل میں ریش کا معنی پر ہے ۱۲ ق)

سلہ یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا (الآیۃ) ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے ستر ڈھانپتا ہے اور زینت ہے۔

سلہ کپڑا پہننے کے بعد، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بیے۔

۴۲۷۷/۶۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَوْبًا جَدِیْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثُمَّ قَالَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں جمال حاصل کرتا ہوں، پھر کہنے لگے میں نے

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَ أَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِيْ أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِيْ كَنَفِ اللّٰهِ وَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ وَ فِيْ سِتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَّ مَيِّتًا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا اور کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں آرائش حاصل کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنے پرانے کپڑے کا قصد کیا اور اسے صدقہ کر دیا۔ تو وہ شخص زندہ اور مردہ اللہ تعالیٰ کی پناہ[1]، اس کی حفاظت اور اس کے پردے[2] میں ہوگا۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔)

[1] قاموس میں ہے کَنَفْ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، پناہ، پردہ اور سایہ، وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے سائے میں ہوگا۔

[2] اس کی بخشش اور مغفرت کے پردے میں ہوگا، سِتْر سین کے نیچے زیر، اسم ہے (بمعنی پردہ) اور سین پر زبر ہو تو مصدر ہے (اس کا معنی ڈھانپنا ہے)۔ ——— زندگی میں نعمت کی شکر گزاری کی بنا پر اور مرنے کے بعد صدقے کے ثواب کی بنا پر۔

۴۲۷۸/۴۴ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِيْ عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى عَائِشَةَ وَ عَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَ كَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت علقمہ بن ابو علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس حال میں داخل ہوئیں کہ انہوں باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہ نے وہ دوپٹہ پھاڑ دیا اور انہیں موٹا دوپٹہ پہنا دیا۔

(امام مالک)

سلہ علقمہ ابن ابو علقمہ مدنی تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام، یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد علقمہ بن قیس سے الگ شخصیت ہیں، وہ اکابر اور مشاہیر تابعین میں سے ہیں، مطلق علقمہ کہا جائے تو وہی مراد ہوتے ہیں۔

سلہ خمار پہلے حرف کے نیچے زیر، عورتوں کی اوڑھنی، دوپٹہ۔

۴۷۹ وَعَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتْ اِرْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰى جَارِيَتِيْ اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰى اَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِيْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَيَّ تَسْتَعِيْرُهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبدالواحد بن ایمن[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں[2] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے قطری کپڑے[3] کی قمیص پہن رکھی تھی جس کی قیمت پانچ درہم تھی[4]، انہوں نے فرمایا: میری کنیز کی طرف نگاہ اٹھاؤ اور اسے دیکھو کہ وہ اس کپڑے کو گھر میں[5] پہننا معیوب جانتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں میری ایک قمیص اس کپڑے کی تھی[6] مدینہ منورہ میں جو عورت بھی دلہن بنائی جاتی تھی[7] وہ کسی کو میرے پاس بھیج کر عاریۃً منگوا لیتی تھی[8]۔

(بخاری)

سلہ عبدالواحد بن ایمن کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ مخزومی ہیں، ابو عمرو کے اور بقول بعض ابن ابی عمرو کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے اپنے والد اور دیگر تابعین سے حدیث سنی۔

سلہ یعنی حضرت ایمن

سلہ یمن یا بحرین کا ایک قسم کا کپڑا ——— قاموس میں ہے کہ درع عورت کی قمیص کو کہتے ہیں۔ مغرب میں ہے کہ درع اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے۔

سلہ یعنی معمولی قسم کا کپڑا تھا۔

شہ چڑ جائے کہ اسے پہن کر باہر جائے، تُزْهٰی صیغہ مجہول ہے لیکن اس کا معنی معلوم والا ہے، بعض الفاظ کا استعمال اسی طرح آیا ہے۔ جیسے کہ نُتِجَتِ النَّاقَةُ لفظ مجہول کے ساتھ کہتے ہیں لیکن معنی معلوم

والا ہے، یعنی اونٹنی سے بچہ جنا۔

۶؎ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے فقر، تنگدستی اور زہد کا حال بیان کیا کہ میری ایک قمیص قطری کپڑے کی تھی۔ علامہ طیبی نے کہا کہ منہا کی ضمیر ان کپڑوں کی جنس کی طرف ہے جن کی اہمیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

۷؎ تقیین کا معنی ہے گانے والی کنیز کا گانے کے آلات کا سنوارنا۔

۸؎ کپڑوں کی قلت کی بنا پر بابرکت حاصل کرنے کے لیے ۱۲ قادری نقشبندی)

۴۱۸۰/۶۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءَ دِيْبَاجٍ أُهْدِيَ لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهُ فَأَرْسَلَ بِهِ إِلَى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرَئِيْلُ فَجَاءَهُ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ أَمْرًا وَأَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَا لِيْ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَهُ تَلْبَسُهُ إِنَّمَا أَعْطَيْتُكَهُ تَبِيْعُهُ فَبَاعَهُ بِأَلْفَيْ دِرْهَمٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن دیبا کی قبا زیب تن فرمائی جو آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کی گئی تھی، پھر آپ نے جلد اتار دی اور حضرت عمر کے پاس بھیج دی، عرض کیا گیا۱؎ یا رسول اللہ! آپ نے کتنی جلدی اتار دی؟ فرمایا! مجھے جبرائیل علیہ السلام نے اس سے منع کیا۲؎ حضرت عمر۳؎ روتے ہوئے حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے ایک چیز ناپسند کی اور مجھے عطا فرما دی، میرا کیا حال ہو گا۴؎، فرمایا! ہم نے یہ قبا تمہیں پہننے کے لیے نہیں دی، تمہیں اس لیے دی ہے کہ اسے بیچ لو، چنانچہ انہوں نے دو ہزار درہم۵؎ میں بیچ دی (مسلم)

۱؎ صحابہ کرام نے عرض کیا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممانعت سے پہلے ریشمی قبا پہنی تھی۔

۳؎ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سنا تو۔

۴؎ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قبا پہننے کے لیے عنایت کی ہے، اور رو پڑے کہ جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے میں اسے کس طرح

پہن لوں؟) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی۔

۵ چونکہ قبا قیمتی تھی اس لیے یہ حکم نہیں دیا کہ اس سے عورتوں کے کپڑے بنا دو، جیسے کہ دیگر مواقع پر فرمایا۔

۴۱۸۱/۴۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمَتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَاَمَّا الْعَلَمُ وَسَدَاةُ الثَّوْبِ فَلَا بَاْسَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف خالص[۱] ریشم کے کپڑے سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے۔ لیکن نشان اور کپڑے کا تانا (ریشمی ہو تو) اس میں حرج نہیں ہے[۲] (ابوداؤد)

[۱] جس کا تانا بانا دونوں ریشمی ہوں، کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو ——— مُصْمَت میم پر پیش، صاد ساکن، دوسرے میم پر زبر، ایک قسم اور ایک رنگ کا کپڑا۔

[۲] یاد رہے کہ جس کپڑے کا تانا اور بانا ریشم ہو (مرد کے لیے) اس کا پہننا حرام اور مکروہ ہے، ہاں بعض علماء کا ایک شاذ قول ہے (کہ اس کا پہننا جائز ہے) جس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ صاحبین کے نزدیک جنگ میں پہننا جائز ہے، جس کپڑے کا تانا ریشم اور بانا ریشمی نہ ہو وہ بالاتفاق جائز ہے اور اس کا عکس (بانا ریشم اور تانا غیر ریشم) بھی مکروہ ہے، ہاں جنگ میں جائز ہے، جنگ میں صاحبین کے نزدیک خالص ریشم بھی جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک مخلوط جائز ہے، جس کا تانا ریشم اور بانا ریشم نہ ہو، اور جس کپڑے کا تانا ریشم ہو اور بانا ریشمی نہ ہو وہ بھی مطلقاً جائز ہے۔

۴۱۸۲/۵۰ وَعَنْ اَبِىْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَّعَلَيْهِ مُطْرَفٌ مِّنْ خَزٍّ وَّقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ

حضرت ابورجاء سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں تشریف لائے کہ انہوں نے نقش و نگار والی اونی چادر[۳] اوڑھ رکھی تھی، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے

عَلٰی عَبْدِہٖ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔ (امام احمد)

سلہ ابو رجاء راء اور جیم پر زبر، ان کا نام عمران بن تیم عطاردی ہے اور وہ ایسے تابعی ہیں، جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا۔

سلہ مطرف میم پر تینوں حرکتیں پڑھی جا سکتی ہیں، وہ کپڑا جس کے دونوں کناروں پر نقش و نگار اور پھول ہوں میم زائدہ۔ قاموس میں ہے، مطرف بروزن مکرم چار کونوں والی اونی چادر جس پر پھول ہوں۔

سلہ اس کی شرح دوسری فصل، حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے۔

۴۱۸۳/۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَاَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَّ مَخِيلَةٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، جب تک کہ دو چیزیں تم سے جدا رہیں (۱) فضول خرچی (۲) تکبر۔ امام بخاری نے یہ حدیث ایک باب کے عنوان میں ذکر کی ہے۔

سلہ یعنی (حلال) کھانے اور لباس میں توسیع کے مکروہ ہونے کی وجہ فضول خرچی اور تکبر ہے، اور اگر یہ وجہ نہیں پائی گئی تو جائز ہے۔

۴۱۸۴/۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَّلَا مَخِيلَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو، جب تک کہ فضول خرچی اور تکبر کی آمیزش نہ ہو۔ (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

۴۱۸۵/۳ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

نے فرمایا بہترین کپڑے جن کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی قبروں اور مسجدوں میں حاضری دو سفید ہیں
(ابن ماجہ)

بَابُ الْخَاتَمِ

۳۰۱۔ انگوٹھی کا بیان

انگوٹھی وغیرہ زیورات کا بیان، خاتم میں پانچ لغات ہیں (۱) تاء پر زبر (۲) تاء کے نیچے زیر، (۳) خاتام، (۴) ختام خاء کے نیچے زیر (۵) ختم پہلے دونوں حرفوں پر زبر، بعض کتابوں میں خیتام اور خیتوم کا بھی اکثر ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۱۸۶/۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّفِيْ رِوَايَةٍ وَّجَعَلَهٗ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ وَّرِقٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَا يَنْقُشَنَّ اَحَدٌ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں پہنی، پھر جدا کر دی، پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ اس میں نقش کیا گیا محمد رسول اللہ اور فرمایا کوئی شخص ہماری اس انگوٹھی کے

عَلٰی نَقْشِ خَاتِمِیْ هٰذَا وَ کَانَ اِذَا لَبِسَهٗ جَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا یَلِیْ بَطْنَ کَفِّهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نقش پر نقش نہ بنائے ۵۳، اور جب آپ انگوٹھی پہنتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کر لیتے تھے۔ (صحیحین)

۵۱ ورق" را" کے نیچے زیر، اس پر زبر اور سکون بھی آیا ہے، مہر والے دراہم، اس جگہ چاندی مراد ہے۔

۵۲ نقش صیغہ معلوم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، چونکہ یہ متبرک کلمات تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے درمیان مشترک، گمان تھا کہ تمام مسلمان ان کے نقش کرنے میں دلچسپی لیں گے، اس لیے منع فرما دیا۔

۵۳ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس جگہ لفظ علیٰ بمعنی مثل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص یہ کلمات اپنی مہر میں نہ لکھے، کیونکہ مہر کے نقش میں اشتراک، باعث فساد اور اہم مقاصد میں خلل پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ خاتمی ھٰذا میں ھٰذا کا اشارہ یا تو نقش کی تعیین کی طرف ہے یا انگوٹھی کی طرف، مقصود اس انگوٹھی کی تعیین اور دوسروں کی انگوٹھیوں سے ممتاز کرنا ہے، تقیید مقصود نہیں ہے (تاکہ یہ مطلب سمجھا جاتے کہ اس انگوٹھی کی مثل نقش نہ بناؤ، جائے ہماری کسی دوسری انگوٹھی کی مثل بنالو ۱۲ ق، ف) اور اگر انگوٹھی کے اس نقش کو خاص طور پر سلاطین اور ملوک کے نام ارسال کیے جانے والے مکاتیب کے لیے معین فرمایا ہوا ہو اور اس سلسلے میں کسی دوسری انگوٹھی کا نقش معتبر نہ ہو تو تقیید کا معنی بھی درست ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۴ نگینہ باہر کی طرف نہ رکھتے، کیونکہ یہ انداز خود پسندی اور زینت سے دور ہے (سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی نہ کہ زیب و زینت کے لیے ۱۲ ق، ن) مذہب حنفی میں یہی مختار ہے۔ جیسے کہ ہدایہ میں ہے، لیکن علامہ طیبی نے کہا کہ چونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا لہٰذا اگر نگینہ ہاتھ کی پشت کی طرف بھی رکھا جاتے تو درست ہے اور سلف صالحین سے دونوں طرح منقول ہے۔

یاد رہے کہ حدیث کی ابتدا میں دو چیزوں کا ذکر ہے اور دونوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔

۱۔ سونے کی انگوٹھی کا پہننا، اس کی تبدیلی اسی حدیث میں مذکور ہوتی ہے۔

۲۔ دائیں ہاتھ میں پہننا یہ طریقہ بھی بدل گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری طریقہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ روایات مختلف ہیں۔ بعض احادیث سے دائیں ہاتھ میں اور بعض سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ثبوت ملتا ہے، اور تمام احادیث صحیح ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے اور کبھی دائیں ہاتھ میں (اھ) علامہ سیوطی نے شرح بخاری میں فرمایا کہ احادیث میں انگوٹھی کا دائیں ہاتھ

میں پہننا وارد ہے اور دیگر احادیث میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا تذکرہ ہے۔ اور اسی پر عمل ہے، پہلا طریقہ منسوخ ہے چنانچہ امام بیہقی اور بغوی وغیرہ اسی کے قائل ہوئے ہیں، ابن عدی وغیرہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی، پھر اس میں تبدیلی کی اور اسے بائیں ہاتھ میں پہن لیا۔ امام نووی نے فرمایا: دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے جائز ہونے پر اجماع ہے۔ نیز فرمایا کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ یمنی پتھر زیادہ شرافت والا ہے۔ لہذا وہ زینت اور عزت کے زیادہ لائق ہوگا۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے حرام ہے، لیکن عورتوں کے لیے حرام نہیں ہے، بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مردوں کا پہناوا ہے اور لباس میں عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت چاندی کی انگوٹھی پہنے تو اس چاہیے کہ اس کا رنگ زعفران وغیرہ سے تبدیل کرے، ہدایہ میں ہے کہ اس معاملے میں معتبر نگینہ نہیں بلکہ حلقہ ہے، کیونکہ انگوٹھی کی حقیقت کا دو چیزوں پر مشتمل ہونا بہت بعید ہے۔

۴۱۸۷/۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ لباس کے پہننے، سونے کی انگوٹھی پہننے[۱] اور رکوع میں قرآن پاک پڑھنے[۲] سے منع فرمایا۔

(مسلم)

[۱] اس کی شرح کتاب اللباس کی دوسری فصل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے تحت گزر چکی ہے۔

[۲] اس کے دو مطلب ہیں۔

۱۔ رکوع میں تسبیح کی جگہ قرآن پاک کے پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ قراءت کی جگہ قیام ہے، اور رکوع تسبیح کی جگہ ہے۔

۲۔ اس بات سے منع کیا کہ جلدی میں قراءت مکمل کیے بغیر رکوع میں چلا جائے اور کچھ قراءت رکوع میں کرے، اسی طرح میں نے سنا کر۔

۴۱۸۸/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی خَاتَمًا مِّنْ ذَھَبٍ فِیْ یَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَہٗ فَطَرَحَہٗ فَقَالَ یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ اِلٰی جَمْرَۃٍ مِّنْ نَّارٍ فَیَجْعَلُھَا فِیْ یَدِہٖ فَقِیْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِہٖ قَالَ لَا وَاللّٰہِ لَا اٰخُذُہٗ اَبَدًا وَّقَدْ طَرَحَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، آپ نے وہ اتار کر دور پھینک دی اور فرمایا: تم میں سے ایک شخص جہنم کی آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے[1]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد[2] اس شخص کو کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے نفع حاصل کرو[3] انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں لوں گا، جب کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے[4] (مسلم)

[1] اس ارشاد سے مقصود یا تو ممانعت ہے یا سونے کی انگوٹھی پہننے پر وعید اور تشدید ہے۔

[2] یعنی اس مجلس سے

[3] اسے بیچ کر اس کے ثمن سے فائدہ حاصل کرو یا تمہاری کوئی عورت اسے پہن لے گی۔

[4] کیونکہ جس چیز کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند اور مکروہ جانا ہے، آپ کی اجازت کے بغیر اس کے اٹھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے میں بھلائی نہیں ہوگی، اچھا ہے کوئی فقیر اسے اٹھائے اور اس سے نفع حاصل کرے تاکہ مجھ سے سرزد ہونے والی کوتاہی کا کفارہ ادا ہو جائے۔

۴۱۸۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یَّکْتُبَ اِلٰی کِسْرٰی وَقَیْصَرَ وَالنَّجَاشِیِّ فَقِیْلَ اِنَّھُمْ لَا یَقْبَلُوْنَ کِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ فارس[1]، شاہ روم[2]، اور شاہ حبشہ[3] کے نام فرمان لکھنے کا ارادہ کیا تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ[4] مہر کے بغیر مکتوب کو قبول نہیں کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةً فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

علیہ وسلم کے حکم پر ایک انگوٹھی تیار کی گئی[۵] حلقہ چاندی کا تھا[۶]، اس میں نقش کیا گیا۔ محمد رسول اللہ۔ (مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلٰثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَ رَسُوْلٌ سَطْرٌ وَ اللّٰهُ سَطْرٌ۔

امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ انگوٹھی کے نقش کی تین سطریں تھیں۔ (۱) "محمد"۔ (۲) رسول۔ (۳) اللہ[۷]۔

ف ۱ کسریٰ کاف پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی جائز ہے۔ راء پر زبر۔ زیر کی طرف اس کا امالہ بھی آیا ہے فارس (ایران) کے بادشاہ کا لقب اور خسرو کا معرب ہے۔

ف ۲ قیصر شاہ روم کا لقب ہے۔

ف ۳ نجاشی نون پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی جائز ہے، جیم مخفف، یاء مشدد، اسے مخفف ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض افاضل نے اسی طرح تصحیح کی ہے، شاہ حبشہ کا لقب، یاء کی تخفیف زیادہ مشہور ہے۔

ف ۴ یعنی شاہانِ وقت

ف ۵ صوغ، پگھلی ہوئی چیز کو سانچے میں ڈالنا۔

ف ۶ نگینے کے بارے میں بیان نہیں کیا صرف حلقے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، چونکہ حلقہ ہاتھ میں پہنا جاتا ہے اور وہ محل استبعاد ہے، بیان جواز کے لیے اس کا ذکر کر دیا گیا، بعض احادیث میں آیا ہے۔ کہ یہ نگینہ بھی چاندی کا تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ اس میں حبشی نگینہ تھا۔ اس کا بیان احادیث میں بھی آئے گا۔

ف ۷ سب سے نچلی سطر میں محمد درمیانی سطر میں رسول اور اوپر والی سطر میں اللہ امام نووی نے لکھا ہے کہ پہلی سطر اللہ دوسری سطر رسول اور تیسری سطر میں محمد اس طرح۔ [اللہ / رسول / محمد] دائرے میں عبارت نیچے سے اوپر کی طرف پڑھی جاتی ہے ۱۲ (ق ن) بعض حواشی میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ [محمد رسول اللہ] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی بابرکت انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق کے پاس ان کے بعد حضرت عمر فاروق کے پاس اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی کے پاس رہی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عثمان غنی کی خلافت کے آخری دور میں ان کے خادم معیقیب سے اریس نامی کنوئیں میں گر گئی، بہت تلاش کی گئی مگر نہیں ملی، کہتے ہیں

کہ ان کے زمانے میں اس انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد ہی اختلاف و انتشار اور پریشانی پیدا ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح اس انگوٹھی میں بھی ایک راز ودیعت کیا گیا تھا جس کی بنا پر وہ انگوٹھی اتفاق اور انتظام کا باعث تھی۔

۴۱۹۰/۵ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهُ مِنْ فِضَّةٍ وَكَانَ فَصُّهُ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ (بخاری)

۴۱۹۱/۶ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ فِيْهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی، اس میں حبشی[1] نگینہ تھا آپ اس کے نگینے کو ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ (صحیحین)

[1] نگینہ بایں معنی حبشہ کی طرف منسوب تھا کہ وہ جزع یا عقیق تھا جس کی کان یمن اور حبشہ میں ہے، یا کوئی دوسرا نگینہ تھا جو حبشہ میں ہوتا ہے، یا یمنی پتھر مراد ہے اور قرب کی بنا پر حبشہ کو یمن میں شمار کرتے ہیں، یا وہ نگینہ حبشیوں کے رنگ کی طرح سیاہ تھا یا وہ حبشہ میں تیار کیا گیا تھا، یا اس کا تیار کرنے والا حبشی تھا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حنفی تھی، یعنی اس کا بنانے والا بنو حنیفہ سے تھا، اس معنی کے اعتبار سے یہ حدیث، چاندی کا نگینہ ہونے کے منافی نہیں ہے، پہلا معنی مراد ہونے کی صورت پر اس حدیث کو انگوٹھیوں کے متعدد ہونے پر محمول کیا جائے گا۔

۴۱۹۲/۷ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس انگلی میں تھی، حضرت انس نے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

۴۱۹۳/۸ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَخَتَّمَ فِيْ اِصْبَعِيْ هٰذِهٖ اَوْ هٰذِهٖ قَالَ فَاَوْمٰى اِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اس انگلی یا اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے درمیانی اور اس کے ساتھ والی انگلی لہ کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

لہ یعنی انگشت شہادت، اسی طرح کہا گیا ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ قَالَ کی ضمیر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف راجع ہو اور اَوْمٰی (اشارہ کیا) کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو، پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے، بعض شارحین نے کہا کہ انگوٹھے اور چھنگلی کے ساتھ والی انگلی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کوئی روایت نہیں آئی، اس سے ثابت ہوا کہ چھنگلی میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے، اسی طرف ائمہ حنفیہ اور شافعیہ کا میلان ہے۔ یہ مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے تمام انگلیوں میں انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۴۱۹۴/۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ

حضرت عبد اللہ بن جعفر لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابن ماجہ) امام ابوداؤد اور امام نسائی نے یہ حدیث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

لہ حضرت عبد اللہ بن جعفر صحابی تھے اور جود و سخاوت میں یکتائے روزگار تھے

۴۱۹۵/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَسَارِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابوداؤد)

۴۱۹۶/۱۱ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ حَرِيْرًا

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشمی

فَجَعَلَهُ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهُ فِيْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کپڑا پکڑا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا، اور سونا پکڑا، اسے اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا پھر فرمایا! بے شک یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

۴۱۹۷ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے سے منع فرمایا، نیز سونا پہننے سے منع فرمایا مگر یہ کہ ریزہ ریزہ کیا ہوا ہو۔ (ابوداؤد، نسائی)

ف مقطع اصل میں چھوٹے کپڑے اور ہر چھوٹی اور ناقص چیز کو کہتے ہیں، اس اعتبار سے شارحین نے اس کی تفسیر تھوڑی اور معمولی چیز کے ساتھ کی ہے، جیسے تلوار کا جوڑ، کمر بند کا حلقہ یا دانت اور ناک اور اس کی مثل، معمولی کی تفسیر اتنی مقدار کے ساتھ کی جس میں زکوٰۃ واجب نہ ہو، تھوڑی مقدار میں سونے کو حلال قرار دینا ایسے ہی ہے، جیسے تھوڑی مقدار مثلاً تین یا چار انگلی کے برابر ریشم کو حلال قرار دینا، جیسے کہ اس سے پہلے گزر گیا ہے، علامہ طیبی نے علامہ ابوسلیمان خطابی سے نقل کیا ہے کہ نہی سے استثناء عورتوں سے متعلق ہے نہ کہ مردوں سے یعنی سونا پہننے سے منع فرمایا مگر یہ کہ عورتوں کے لیے ریزہ ریزہ حلال ہے، مردوں کے لیے اب بھی ممانعت اور کراہت والا حکم ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ یہ توجیہ عمدہ ہے لیکن الفاظ حدیث مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کرنے کے متحمل نہیں ہیں جیسے کہ اس کے ساتھ ہی چیتوں کی کھالوں پر سوار ہونے کی ممانعت ہے (اور وہ مردوں اور عورتوں کو شامل ہے۔) (طیبی)

مخفی نہ رہے کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے استعمال سے عورتوں کو منع نہیں کیا گیا بلکہ صرف مردوں کو منع کیا گیا ہے، اس معنی کے مراد لینے پر ان احادیث کو قرینہ بنایا جائے تو بعید نہیں ہے، مطالب المومنین میں ہدایہ اور کافی کے حوالے سے ہے کہ لگام، رکاب اور دمچی پر جب چاندی لگی ہوئی ہو، کپڑے میں سونے اور چاندی سے کتابت کی گئی ہو ان پر بیٹھنا، اور ایسی زین اور کرسی پر بیٹھنا جب کہ بیٹھنے اور ہاتھ سے پکڑنے کی جگہ چاندی نہ ہو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف نے کہا کہ مکروہ ہے، امام محمد کا قول کبھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ اور کبھی

امام ابو یوسف کے ساتھ روایت کرتے ہیں، تلوار، مسجد، آئینے کے فریم میں چاندی لگانے، اور قرآن پاک سونے اور چاندی کے ساتھ مزین کرنے میں اسی طرح اختلاف ہے۔ اسی طرح اس کپڑے میں اختلاف ہے جس پر سونے چاندی سے کتابت کی گئی ہو، آئینے کے فریم سے مراد وہ ہے جو اس کے اردگرد ہوتا ہے، مٹھی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے، یہ اختلاف خالص سونے کے بارے میں ہے، اور اگر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک پٹکے میں سونے کا استعمال کرنا اور تلوار کا زیور بنانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ کام چاندی سے چل جاتا ہے سونے اور چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور چاندی کافی ہے۔

۴۳۹۸/۱۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ مَالِيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ الْاَصْنَامِ فَطَرَحَهٗ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيْ اَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ اَتَّخِذُهٗ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهٗ مِثْقَالًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، مجھے کیا ہے کہ میں تم سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، پھر حاضر ہوئے تو انہوں نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں انہوں نے اسے بھی پھینک دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا: چاندی کی، اور پورے مثقال کی نہ بناؤ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَقَدْ صَحَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصَّدَاقِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ

امام محی السنۃ نے فرمایا: حق مہر کے بارے میں حضرت سہل بن سعد سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا: تم تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سلہ عربی میں پیتل کو "شَبَہ" کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ سونے کے مشابہ ہے۔

سلہ بطور تعجب یہ ارشاد فرمایا ——— یہ اس لیے فرمایا کہ بت، پیتل کے بنائے جاتے تھے۔

سلہ بلکہ اس سے کم وزن کی ہو، یہ احسن اور اولیٰ کا بیان ہے، کیونکہ سونے اور چاندی میں اصل حرمت اور کراہت ہے، لہٰذا (چاندی) ضرورت کی مقدار (ساڑھے چار ماشے) سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے دو یا زیادہ انگوٹھیاں پہننا مکروہ ہے، تاہم متعدد انگوٹھیاں بنانا مکروہ نہیں ہے جب کہ باری باری پہنی جائیں۔

سلہ اس میں اشارہ ہے کہ انگوٹھی لوہے کی بھی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نہی تحریم کے لیے نہیں ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ یہ مہر کے لیے مال خرچ کرنے میں مبالغہ ہے اگرچہ معمولی چیز ہی ہو، جیسے کہ فرمایا کہ دو اگرچہ مٹی کی ایک مٹھی ہی ہو، لوہے کی انگوٹھی پہننے سے اگرچہ منع فرمایا ہے تاکہ وہ قیمتی اشیاء سے خارج نہیں ہو گی، لہٰذا اسے مہر میں دینے کا مطالبہ جائز ہو گا، علامہ طیبی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت، حضرت سہل بن سعد کی (زیر بحث) حدیث کے بعد ہو اور اس کے بعد ہی از روئے سنت، ممانعت پختہ ہو گئی ہو، لہٰذا (جواز پر دلالت کرنے والی) یہ حدیث منسوخ ہو گی۔ حضرت سہل بن سعد کی یہ حدیث باب المہر کی پہلی فصل میں گزر گئی ہے

۴۱۹۹/۱۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خِلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخَلُوْقَ وَ تَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَجَرَّ الْإِزَارِ	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس خصلتوں کو ناپسند فرماتے تھے (۱) زردی یعنی خلوق سلہ (۲) بالوں کو سفیدی میں تبدیل کرنے سلہ (۳) تہبند گھسیٹنے سلہ (۴) سونے کی انگوٹھی پہننے۔

عہ شاید اس فرمان عالی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہے، ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صحابی سے یہ کیوں فرماتے کہ اپنی بننے والی عورت کے مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کرو، مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے اولاً تو اس لیے کہ اس فرمان عالی کے وقت لوہے پیتل کی حرمت کے احکام اسلام میں نہیں آئے اور اگر مان لیا جائے کہ احکام آچکنے کے بعد کی یہ حدیث ہے تب بھی اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہایت معمولی چیز ہی لے آ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم مجھے دو مٹھی بھر خاک ہی دے دو، اس کا مقصد یہ نہیں کہ خاک پھانکنا درست ہے، نیز وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا خول یا پانی تھا وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کی تھی پہننے کی نہ تھی، اگر پہننے کی تھی تو لوہے کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے، یہ حدیث ان سب کی ناسخ ہے، دیکھو تفصیل کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور یہی مقام دمراۃ شرح مشکوٰۃ، از حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ۔

وَ التَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحِلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقَى إِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحِلِّهِ وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهٖ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۵) غیر کے لیے عورت کے زینت ظاہر کرنے[4] (۶) نرد کھیلنے[5] (۷) دم کرنے کو سوائے مُعَوِّذات کے[6] (۸) تعویذ گلے میں ڈالنے[7] (۹) غلط جگہ پانی گرانے[8] اور (۱۰) بچے کے فساد کو[9] اس حال میں کہ ان کو حرام قرار نہیں دیا[10]۔

[11] ابوداؤد، نسائی)

[1] خلوق خاء پر زبر، لام پر پیش، آخر میں قاف، عربوں کے ہاں ایک جانی پہچانی خوشبو جس میں متعدد خوشبوئیں ڈالی جاتی ہیں، ان میں سے ایک زعفران ہے، اسی کی بنا پر اس خوشبو میں زردی ہوتی ہے، بعض احادیث سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، نہی کی حدیثیں زیادہ ہیں، شارحین کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں جواز کی ناسخ ہیں، زعفران کے رنگ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں جیسے کہ عصفر سے رنگے ہوئے (سرخ) کپڑے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض احادیث سے شادی کے موقع پر اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

[2] خواہ سفید بالوں کو اکھیڑنے سے ہو یا خضاب کے ساتھ سیاہ کرنے سے، جب کہ مہندی کے ساتھ رنگنا بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ اس کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، بالوں کے اکھیڑنے اور خضاب لگا کر سیاہ کرنے کے بارے میں بھی احادیث وارد ہیں، ہمارے مذہب میں سفید بالوں کا اکھیڑنا حرام اور مکروہ ہے، امام محمد سے ایک روایت ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مطالب المومنین میں ہے۔

[3] تہبند کو مقررہ حد سے زیادہ لبا رکھنا، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا مرد ٹخنے سے اوپر رکھے اور عورت ٹخنے سے نیچے ۱۲ (ق ن)

[4] شوہر اور محرم کے غیر کے لیے عورت کے زینت ظاہر کرنے کو مکروہ جانتے ______ مَحِل حاء کے نیچے زیر، حلت کی جگہ، یعنی ... ہونے کی جگہ کہ اس کا شوہر ہے یا محرم، ہو سکتا ہے کہ وقت کے معنی میں ہو، یہ وہ وقت ہے جب کہ وہ شوہر یا محرم کے ساتھ ہو، حاء پر زبر بھی پڑھی گئی ہے (مَحَل) حلول سے مشتق ہے، مختصر یہ کہ وہ لوگ مراد ہیں جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں۔

عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر۔

[5] کعاب کاف کے نیچے زیر، جمع ہے کعب کی پہلے حرف پر زبر، وہ مہرے جن کے ساتھ نرد کھیلتے ہیں

جیسے کہ (پانسہ پھینک کر) قرعہ ڈالتے ہیں، اکثر صحابہ کرام اور ان کے علاوہ علماء کے نزدیک نرد کا کھیلنا حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نرد کھیلنا مطلقاً حرام ہے، اسی طرح جوئے کے طور پر (دونوں طرف سے شرط لگا کر) شطرنج کا کھیلنا بھی حرام ہے، بغیر شرط کے کھیلنا مکروہ، اور وقت ضائع کرنے کا سبب ہے، بعض روایات سے شطرنج کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

۷۶ رُقیٰ جمع ہے رُقْیَۃٌ کی راء پر پیش، اور قاف ساکن، دم کرنا، معوذات واؤ مشدد کے نیچے زیر، اس سے مراد سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہے، جمع کا صیغہ ایک سے زائد کے لیے لایا گیا ہے، یا کلمات اور آیات کے اعتبار سے ہے۔ بعض شارحین نے سورۃ الکافرون کو بھی معوذات میں اس اعتبار سے شمار کیا ہے کہ یہ سورۃ دین اسلام کے ماسوا ادیان سے برات پر مشتمل ہے اور اس میں توحید باری تعالیٰ کا بیان ہے جو کفر و شرک کے شر سے پناہ مانگنے کے حکم میں ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے قرآن پاک کی وہ آیتیں مراد ہیں جو استعاذہ کے معنی پر مشتمل ہیں چاہے یہ سورتیں ہوں یا ان کے علاوہ، مختصر یہ کہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ دم کرنا جائز ہے اور اس کے ماسوا کے ساتھ حرام ہے خصوصاً ان الفاظ کے ساتھ جن کے معانی معلوم نہ ہوں کہ ان میں کفر کا خوف ہے (کیونکہ ہو سکتا ہے ان الفاظ کے معانی کفریہ ہوں ۱۲ ق ن)

۷۷ تمائم جمع ہے تمیمہ کی، جیسے منکے اور ہڈیاں بچوں کے گلوں میں ڈال دی جاتی ہیں تاکہ انہیں نظر نہ لگ جائے، یہ جاہلیت کی خرافات ہیں، دین اسلام میں اس سے منع کیا گیا ہے، بعض شارحین نے تمائم سے مراد جاہلیت کے متعلق دم مراد لیے ہیں، قرآن پاک کی آیات اور دعاؤں کے تعویذات گلے میں ڈالنے کی سند موجود ہے، جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اس سے پہلے گزر گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں خوف دہشت اور بے خوابی کے دفع کرنے کے لیے یہ کلمات سکھائے تھے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب و عقاب، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے حملوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی سمجھ دار اولاد کو یہ دعا یاد کراتے تھے اور بے سمجھ اولاد کے گلے میں کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے، اسی طرح حصن حصین میں ہے۔

۷۸ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ انزال کے وقت مادہ منویہ کو عورت کی شرمگاہ کے باہر گرایا جائے اس خوف سے کہ کہیں وہ حاملہ نہ ہو جائے۔ بغیر محلہ حاء کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس جگہ جو عزل کی جگہ نہیں ہے، عورت اگر آزاد ہے تو اس کی رضا کے بغیر عزل جائز نہیں ہے برخلاف کنیز کے کہ وہ محل عزل ہے اور اس سے عزل مکروہ نہیں ہے (عزل کا معنی یہ ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے سے بچاؤ

کے لیے مادہ حیات باہر گرایا جائے ۱۲ ق ن)

اس حدیث کے علاوہ بعض روایات میں آیا ہے وَعَزْلَ الْمَاءِ عَنْ مَحَلِّہٖ (پانی کو اس جگہ سے جدا کرنا) محلہ کی ضمیر پانی کی طرف راجع ہوگی ہے۔ اور محل سے مراد آزاد عورت کا اندام نہانی ہے۔

سلہ اس سے مراد دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنا ہے، کیونکہ وہ حاملہ ہوجائے گی، اس لیے اس کے دودھ میں فساد پیدا ہوجائے گا جس سے بچے کو نقصان پہنچے گا اور وہ جسمانی طور پر کمزور ہوگا، دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کو غیل کہتے ہیں، نقطے والی غین پر زبر، اس کا ذکر کتاب النکاح کے باب المباشرۃ میں گزر چکا ہے۔

سنلہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دس خصلتوں کو مکروہ قرار دیتے تھے، لیکن انہیں حرام قرار نہیں دیا، اکثر شارحین کہتے ہیں کہ یہ بچے کے فساد اور نقصان سے متعلق ہے، مطلب یہ ہوگا کہ آپ بچے کے نقصان اور دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے لیکن اسے حرام نہیں کیا۔ کیونکہ منکوحہ عورت سے جماع حلال ہے، اور محض فساد مذکور پر مشتمل، حمل کے احتمال کی بنا پر حرام نہیں ہوتا، اور اگر اس کا تعلق تمام مذکورہ خصلتوں کے ساتھ ہو تو لازم آئے گا کہ سونے کی انگوٹھی پہننا حرام نہ ہو بلکہ صرف مکروہ ہو، حالانکہ وہ بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا حکم طے پا چکا ہے اور معلوم ہے کہ وہ حرام ہے اور حرمت کی دلیل حدیث اور جماع ہے، لہٰذا وہ اس حکم سے خارج ہوگا۔

۴۲۰۰/۱۵ وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ مَوْلَاةً لَهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَيْرِ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَفِيْ رِجْلِهَا اَجْرَاسٌ فَقَطَعَهَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی آزاد کردہ ایک کنیز حضرت زبیر کی صاحبزادی کو لے کر اس حال میں حضرت عمر فاروق کے پاس گئی کہ اس بچی کی پاؤں میں جھانجر تھی، حضرت عمر فاروق نے اسے کاٹ دیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر جھانجھ کے ساتھ شیطان ہے۔ (ابوداؤد)

سلہ یعنی ایسا زیور تھا جس کی ہیأت اور آواز گھنگھرو ایسی تھی، جیسے کہ بچیوں کے پاؤں میں باندھ دیتے ہیں۔

سٹلہ جَرَس جیم پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے۔ اور را ساکن، آواز یا خفی آواز، اور اگر پہلے دونوں

حرفوں پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے وہ چیز (گھنگرو، گھنٹی) جو چارپایوں کی گردن، بچوں کے پاؤں یا ہاتھوں میں باندھی جاتی ہے، شیطان کی طرف اس کی نسبت اس لیے ہے کہ وہ مزمار کے حکم میں ہے، حدیث میں ہے۔ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا جَرَسٌ فرشتے اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتے جس میں گھنٹی ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دشمن کو خبردار اور آگاہ کر دیتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ دشمن کے خبردار ہونے سے پہلے اچانک ان کے سر پر پہنچ جائیں۔

۴۲۰۱/۱۶ وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْاَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ اِذْ دُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَا تُدْخِلْنَهَا عَلَيَّ اِلَّا اَنْ تُقَطِّعْنَ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ جَرَسٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

عبدالرحمن بن حیان[1] انصاری کی آزاد کردہ کنیز بنانہ[2] سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھیں، کہ اچانک ان کے پاس ایک بچی لائی گئی جس پر جھانجھن[3] تھے اور وہ آواز کر رہے تھے، آپ نے فرمایا اسے ہرگز میرے پاس نہ لانا[4] سوائے اس صورت کے کہ اس کے جھانجھن توڑ دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی (گھنگرو) ہو (ابوداؤد)

[1] عبدالرحمن بن حیان بے نقطہ حاء پر زبر، یا مشدد

[2] بنانہ باء پر پیش، نون مخفف، تابعیہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں، ان سے ابن جریج نے روایت کی۔

[3] جلاجل پہلے جیم پر زبر، دوسرے کے نیچے زیر، جمع ہے جلجل کی پہلے حرف پر پیش، اس کا معنی بھی گھنٹی اور گھنگرو ہے، اسی طرح قاموس میں ہے اور خود حدیث کے آئندہ جملے سے معلوم ہو رہا ہے۔

[4] وہ عورت جو اس بچی کو لائی ہے وہ اسے میرے پاس نہ لائے۔

۴۲۰۲/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ اَنَّ جَدَّهٗ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُهٗ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَاَنْتَنَ

عبدالرحمن بن طرفہ[1] سے روایت ہے کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد[2] کی ناک کلاب[3] کے دن کٹ گئی، انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو اس میں بدبو پیدا ہو گئی

عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَّخِذَ اَنْفًا مِّنْ ذَهَبٍ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سونے کی ناک بنوالیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۵۱ عبدالرحمن بن طرفہ بے نقطہ طاء کے ساتھ، پہلے تینوں حرفوں پر زبر، تمیمی ہیں اور عطارد بن عوف کی نسبت سے عطاردی ہیں۔

۵۲ عرفجہ عین پر زبر، راء ساکن، فاء پر زبر، اس کے بعد جیم۔

۵۳ کلاب کاف پر پیش، ایک جگہ کا نام ہے جہاں عرب کا مشہور واقعہ جنگ پیش آیا۔

۵۴ کہ اس میں بدبو پیدا نہیں ہوگی، اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء نے سونے کی ناک بنوانے اور سونے کی تار کے ساتھ دانتوں کے باندھنے کو جائز قرار دیا ہے، جیسے کہ حضرت معاویہ کی حدیث اِلَّا مُقَطَّعًا کی شرح میں گزر چکا ہے۔

۴۲۰۳/۱۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّحَلِّقَ حَبِيْبَهٗ حَلْقَةً مِّنْ نَّارٍ فَلْيُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِّنْ ذَهَبٍ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّطَوِّقَ حَبِيْبَهٗ طَوْقًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِّنْ ذَهَبٍ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّسَوِّرَ حَبِيْبَهٗ سِوَارًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِّنْ ذَهَبٍ وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا حلقہ پہنا دے، اور جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا طوق پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا طوق پہنا دے اور جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا کنگن پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا کنگن پہنا دے، لیکن تم چاندی کو لازم پکڑو۔ اور اس کے ساتھ کھیلو۔

(ابوداؤد)

لہ ناک یا کان میں ــــــ حلقہ بے نگینہ انگوٹھی کو کہتے ہیں، اہل تحقیق اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے حلقہ کے ساتھ نشانی لگائی گئی ہو ــــــ پیارے سے مراد لڑکا یا زوجہ ہے۔

ﷺ یعنی سونے کا حلقہ پہنانے کی سزا یہ ہے کہ اسے جہنم کی آگ کا حلقہ پہنایا جائے گا (یہ اس وقت ہے جب کہ وہ شخص جسے حلقہ پہنایا گیا ہے عاقل و بالغ ہو اور اس سے راضی ہو، چھوٹے بچے کو پہنایا گیا تو اس کا گناہ پہنانے والے کے سر ہے ۱۲ اق ن)

ﷺ تم اگر زیور بنانا چاہو تو چاندی (کی انگوٹھی) بنا لو۔

ﷺ اس میں اشارہ ہے کہ زیب و زینت اور دنیا کے زیورات، لہو و لعب میں داخل ہیں، اگرچہ ان کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یا جب زیور والی عورتوں سے لہو و لعب کریں تو گویا یہ زیور سے کھیلنا ہے۔ (مرد کے لیے ساڑھے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے، عورت سونے چاندی کے کوئی سے زیورات بھی پہن سکتی ہے۔ (۱۲ اق ن)

۴۲۰۴/۱۹ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلَهٗ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس عورت نے سونے کا ہار گلے میں ڈالا اس کے گلے میں قیامت کے دن اس جیسا آگ کا ہار ڈالا جائے گا، اور جس عورت نے اپنے کان میں سونے کی بالی[لہ] پہنی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس جیسی آگ کی بالی ڈالے گا[ﷺ]
(ابوداؤد، نسائی)

لہ خرص نقطے والی خا پر پیش اور را ساکن، وہ چھوٹا حلقہ جو کان میں ڈالا جاتا ہے، کان کے زیور کو خرص اور گردن کے زیور کو قلادہ کہا جاتا ہے۔

ﷺ قلادہ (ہار) کے بارے میں مجہول کا صیغہ اور بالی کے بارے میں معلوم کا صیغہ استعمال کرنا ادھر (قُلِّدَتْ اور ادھر جَعَلَ اللّٰهُ) بطور تفنن ہے، یا اس لیے کہ زینت اور اس کا اظہار کان میں زیادہ ہے لہذا

اس پر دیے جانے والے عذاب اور سزا کی نسبت اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی گرفت کی طرف زیادہ مناسب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۰۵ وَعَنْ اُخْتِ لِحُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ اَمَا لَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَا تُحَلِّيْنَ بِهِ اَمَا اِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُنَّ اِمْرَأَةٌ تُحَلِّيْ ذَهَبًا تُظْهِرُهُ اِلَّا عُذِّبَتْ بِهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت حذیفہ کی بہن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! کیا تمہارے لیے چاندی میں وہ چیز کافی نہیں جس کے تم زیور بناؤ[1]۔ خبردار! نشان یہ ہے کہ تم میں سے جو عورت سونے کے زیور بنائے اور اسے ظاہر کرے[2] اسے اس کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

[1] تُحَلِّیْنَ تاء پر پیش، حاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، یعنی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم چاندی کے زیور بناؤ چاندی کی ترغیب دینے کے بعد سونے کے زیور بنانے پر وعید بیان فرمائی ہے۔ (جیسے کہ اگلے جملے میں فرمایا)

[2] اور اس کی نمائش کرے۔

اس ترجمے کے مطابق پہلا اَمَا استفہام اور نفی کے لیے ہے اور دوسرا حرف تنبیہ ہے اور اگر دونوں جگہ حرف تنبیہ ہو تو بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ ان احادیث میں عورتوں کے سونا پہننے پر وعید واقع ہوئی ہے اور چاندی کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ عورتوں کے لیے دونوں جائز ہیں، گویا کہ چاندی پر اکتفاء کرنے اور زیب و زینت میں غلو نہ کرنے کی راہنمائی کی گئی ہے، لہٰذا کراہت تنزیہی ہوگی، لیکن وعید اور تشدید اس توجیہ کے مناسب نہیں ہے، اسی لیے بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ نہی اور ممانعت ابتداء میں تھی، اس کے بعد منسوخ ہوگئی، اس کی ناسخ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا اور ریشم عورتوں کے لیے حلال ہے، بعض نے کہا کہ یہ وعید اس جماعت پر ہے جو ان زیورات کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ تو چاندی میں بھی واجب ہے لہٰذا اگر وعید زکوٰۃ نہ دینے کی بنا پر ہو تو خاص طور پر سونے کا ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اور لٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ کے ساتھ چاندی کی اجازت کیوں ہے؟ علامہ طیبی نے کہا کہ جو زیور سونے کے بنائے جائیں اگر وہی زیور اسی حجم اور سائز میں چاندی کے بنائے جائیں تو چاندی کے زیور کا وزن سونے کے زیور کے آدھے وزن کے برابر یا اس کے قریب ہوگا، لہٰذا سونا نصاب کو پہنچ جائے گا اور چاندی نصاب کو نہیں پہنچے گی

اسی طرح علامہ طیبی نے کہا اور یہ بات محل غور ہے، یہ توجیہ اس بات کی فرع ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے، اس کی تحقیق و تفصیل کتاب الزکوٰۃ میں گزر گئی ہے (عورتوں کے استعمال کے زیورات میں احناف کے نزدیک زکوٰۃ ہے شافعیہ کے نزدیک نہیں ہے ۱۲ ق ن)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۲۰۶ / ۲۱ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ اَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیور اور ریشم والوں کو[1] منع کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے اگر تم جنت کے زیور اور ریشم کو محبوب رکھتے ہو تو انہیں دنیا میں نہ پہنو۔ (نسائی)

[1] زیور اور ریشم کے پہننے سے۔

۴۲۰۷ / ۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا فَلَبِسَهٗ قَالَ شَغَلَنِيْ. هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُ الْيَوْمَ اِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَّ اِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ اَلْقَاهُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی اور پہنی، فرمایا اس نے آج ہمیں مشغول رکھا اور تمہاری طرف توجہ دینے سے روک دیا[1]، ایک نظر اس کی طرف اور ایک نظر تمہاری طرف رہی[2]، پھر اسے الگ کر دیا۔ (نسائی)

[1] پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ تمہارے باطن میں تصرف کرنے، تربیت اور احوال کی اصلاح کے لیے تمہارے حال کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا ——— اس کے بعد مشغولیت کے بیان کے لیے آئندہ جملہ ارشاد فرمایا۔

[2] یہ دراصل امت کو تنبیہ کرنے اور راہنمائی کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ پریشان خیالی اور پراگندگی کے اسباب سے بچا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۴۲۰۸ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ اَنَا اَكْرَهُ اَنْ تُلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِّنَ الذَّهَبِ لِاَنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَاَنَا اَكْرَهُهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ۔ (رَوَاهُ فِى الْمُوَطَّا)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا، میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں کہ لڑکوں کو کچھ سونا پہنایا جائے۔ کیونکہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، چنانچہ میں اسے بڑے اور چھوٹے مردوں کے لیے مکروہ جانتا ہوں۔ (موطا امام مالک)

بَابُ النِّعَالِ

۳۰۲- جوتوں کا بیان

پہننے کی چیزوں میں سے ایک جوتا ہے جو پاؤں میں پہنا جاتا ہے، نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے پاؤں کو زمین سے محفوظ رکھا جائے، اسی طرح قاموس میں ہے، اور وہ ہر قوم کے عرف کے مطابق جدا جدا ہے، اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا بیان مقصود ہے جو دیار عرب میں معروف ہے، اس کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، اس لیے جمع کا صیغہ لائے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۲۰۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِىْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے جوتے پہنتے ہوئے دیکھا

لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ۔ جن میں بال نہیں تھے[1]۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

[1] یعنی ایسے چمڑے سے تیار کیے گئے جس کے بال مونڈ دیے گئے تھے اور صاف کر دیے گئے تھے۔

۴۲۱۰ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو فیتے[1] تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

[1] قبال قاف کے نیچے زیر، وہ فیتہ جو دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو فیتے تھے: ایک فیتہ انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان اور دوسرا چھنگلی کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان رکھتے، علامہ جزری نے تصحیح المصابیح میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جیسے کہ سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک اور اس کی تصویر کے بیان میں تحقیق کی ہے[1]۔

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نعل مبارک کے نقشے کے فضائل میں اجلہ علمائے دین کے ارشادات نقل کرتے ہوئے رسالہ مبارکہ شفاء الوالہ میں فرماتے ہیں: ابو الحاکم بن عبد الرحمٰن بن علی بن عبد الرحمٰن الشہیر با بن المرحل کہ فضلائے مغاربہ سے ہیں، امام بقیۃ الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے تبصیر میں ان کا ذکر لکھا وصف نقشہ نعل مبارک میں ان کا قصیدہ غرا شیخ ابن الحاج نے اپنی کتاب مذکور میں ذکر کیا، امام قسطلانی نے اسے مَا اَحْسَنَهَا کہا یعنی کیا خوب فرمایا! ان کی بعض ابیات کریمہ یہ ہیں (ترجمہ) اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر نعل پاک کو میں دوست رکھتا ہوں اور اسے دن رات بوسہ دیتا ہوں، اپنے سر اور منہ پر رکھتا، اور کبھی چومتا اور کبھی سینے سے لگاتا ہوں، میں اپنے دھیان میں اسے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے اقدس میں تصور کرتا ہوں، تو شدت صدق تصور سے گویا اپنی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھ لیتا ہوں، اس نقشہ پاک کو اپنے رخسارے پر رکھ جنبش دیتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا وہ اسے پہنے ہوئے میرے رخسارے پر چل رہے ہیں۔ آہ کون ایسی صورت کردے کہ وہ پائے مبارک جو ستارگان آسمان ہشتم کے سروں پر بلند ہوئے، ان کی کفش مبارک چلنے میں میرے رخسارے پر پڑے۔

نیز امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق ابراہیم بن الحاج فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ الشیخ ابو القاسم بن محمد فرماتے ہیں: نقشہ نعل مبارک کی آزمائی ہوئی برکات سے ہے کہ جو شخص بہ نیت تبرک اسے اپنے پاس رکھے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یہ مطلب بغیر کسی ابہام اور اشکال کے واضح ہے۔ بعض شارحین کے بیان سے وہ مطلب سمجھا جاتا ہے جو اس کے مخالف ہے، ابہام سے خالی نہیں ہے، ہم نے اسے شرح (لمعات) میں بیان کیا ہے۔

۴۲۱۱ ۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا يَقُوْلُ اسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک غزوہ میں فرماتے ہوئے سنا جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی[1] کہ کثرت سے جوتے استعمال کرو۔ کیونکہ مرد جب تک جوتے پہنے رہتا ہے سوار رہتا ہے[2] (مسلم)

[1] اور روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا۔

[2] یعنی چلنے کی آسانی اور پاؤں کے آفتوں سے محفوظ رہنے میں سوار کے حکم میں ہوتا ہے۔

اس حدیث میں اس امر کی تعلیم ہے۔ کہ سفر میں جن چیزوں کی حاجت ہو ان کی تیاری کرنی چاہیے

۴۲۱۲ ۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں پہنے[1] اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے[2] چاہیے کہ پہنے میں دایاں پہلے ہو اور اتارنے میں بایاں[3]۔ (صحیحین)

[1] جوتے پہننے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے دائیں پاؤں میں پہنے پھر بائیں پاؤں میں۔

[2] پھر دائیں جوتے کو اتارے ——— (آئندہ ارشاد) بیان کی زیادتی، مقصد کی وضاحت اور اس ادب کی شان کی اہمیت بیان کرنے اور اسے بجالانے کے لیے (فرمایا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ ظالموں کے ظلم اور دشمنوں کے غلبہ سے امان پائے، اور وہ نقشہ مبارک ہر شیطان سرکش اور ہر حاسد کے چشم زخم سے اس کی پناہ ہو جائے اور زن حاملہ شدت درد زہ میں اگر اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے بعنایت الٰہی اس کا کام آسان ہو۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

سے اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو کام شان اور فضیلت رکھتا ہو اس میں دائیں جانب سے ابتدا مستحب ہے اور جو ایسا کام نہیں ہے اس میں بائیں جانب سے ابتدا ہونی چاہیے، ظاہر بات ہے کہ جوتوں کا پہننا مسجد میں داخل ہونے کی تمہید، اس کا وسیلہ اور دیگر اعمال خیر کا ذریعہ ہے جب کہ جوتا اتارنا اس طرح نہیں ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھا جائے اور باہر نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے، وضو خانے میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے اور وہاں سے نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھے۔ اس مسئلے کی تفصیل کتاب الطہارۃ میں گزر گئی ہے۔

۴۲۱۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْشِيْ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ یا تو دونوں کو اتار دے یا دونوں کو پہن لے[1] (صحیحین)

[1] یا تو دونوں جوتے اتار دے اور ننگے پاؤں چلے، یا دونوں جوتے پہن کر چلے، صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ ایسا کرنا وقار، مروت اور ادب کے خلاف ہے اور چلنے میں پاؤں کے پھسلنے کا سبب ہے۔ خصوصاً جب کہ جوتا بلند ہو اور زمین ناہموار ہو، کتاب اللباس کی پہلی فصل میں بھی اس مسئلے کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے، لِيُحْفِهِمَا اور لِيَنْعَلْهُمَا دونوں باب افعال اور باب علم سے روایت کیے گئے ہیں۔

۴۲۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهٖ فَلَا يَمْشِ فِيْ خُفٍّ وَّاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهٗ وَلَا يَمْشِيْ فِيْ خُفٍّ وَّاحِدٍ وَّلَا يَاْكُلْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَحْتَبِيْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفِ الصَّمَّآءَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ[1] ٹوٹ جائے۔ تو وہ ایک جوتے میں نہ چلے، یہاں تک کہ تسمے کو درست کرے، چاہیے کہ ایک جوتے میں نہ چلے، بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے[2]۔ اور ایک کپڑے میں نہ لپٹے[3]۔ (مسلم)

سلہ شسع نقطے والی شین کے نیچے زیر اور سین ساکن۔ جوتے کا تسمہ۔
سلہ۲ ایک کپڑا اپنی کمر اور گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر بیٹھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔
سلہ۳ اس طرح کہ ہاتھ بھی اندر ہوں اور ہاتھ باہر نکالنے کا راستہ نہ ہے، ان کلمات کے معانی تفصیلاً اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۲۱۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو تسمے تھے جن کی دو تہیں[1] تھیں[1] (ترمذی)

سلہ مثنی "تثنیہ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، "ثنی" سے بھی پڑھا گیا ہے (مثنی)

۴۲۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر جوتا پہنے[1] (ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی)

سلہ شارحین نے فرمایا یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ کھڑے ہو کر جوتا پہننے میں مشقت لاحق ہو اور اس جوتے کے بارے میں ہے جس کے پہننے اور تسمہ باندھنے میں ہاتھ لگانے کی حاجت پیش آئے، مطلقاً منع نہیں ہے اچپل یا گرگابی کھڑے ہو کر بھی پہن سکتے ہیں ۱۲ (ق ن)

۴۲۱۷ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ

حضرت قاسم بن محمد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ بعض اوقات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر چلے[1]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ ایک جوتا پہن

وَّاحِدَةٍ۔ کر چلیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا أَصَحُّ) (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ زیادہ صحیح ہے[۳]۔

[۱] حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اکابر تابعین اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔

[۲] یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جس میں ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت ہے، ممانعت کی حدیث ابھی ابھی گزری ہے۔ علماء نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حال شاذ و نادر تھا اور گھر کے صحن میں تھا، گھر سے باہر نہ تھا اور اگر باہر بھی تھا یا جواز کے بیان کے لیے تھا تاکہ تم یہ نہ سمجھو کہ حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کام کا کرنا ہمارے لیے مکروہ تنزیہی ہے، وہ شارع علیہ السلام سے اصل جواز کے بیان کے لیے آیا ہے اور وہ آپ کے لیے مکروہ نہیں ہے، کیونکہ جواز کا بیان آپ پر واجب ہے۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اوقات بیان جواز کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ محدثین نے اس کی یہی وجہ بیان کی ہے اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے۔

[۳] حضرت عائشہ کے ایک جوتا پہن کر چلنے کی روایت زیادہ صحیح ہے اس روایت سے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک جوتا پہن کر چلنے کا ذکر ہے۔ ——— یعنی یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے اور موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے۔

۴۲۱۸/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ أَنْ يَّخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعَهُمَا بِجَنْبِهِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب ایک شخص بیٹھے تو جوتے اتار کر اپنے پہلو میں رکھ لے[۱]۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد)

[۱] یعنی چاہیے کہ جوتوں سمیت نہ بیٹھے بلکہ جوتے اتار کر بیٹھے کہ اسی میں ادب ہے[۱]۔

---

[۱] آج کل فیشن یہ ہے کہ کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور جوتے پہنے رکھتے ہیں، بلکہ جوتے پہنے ہوئے کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں، کاش ہماری قوم پر یہ راز منکشف ہو جائے کہ ہماری عزت سعادت اور کامیابی حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے اپنانے میں ہی ہے، غیروں کے طور طریقے اپنا کر ہم کبھی سربلند نہیں ہو سکتے۔
۱۲ اشرف قادری نقشبندی

۲؎ یہ بھی سنت ہے۔

۴۲۱۹/۱۱ وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا)

ابن بریدہ؎ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نجاشی؎۲ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ اور سادہ؎۳ موزوں کا جوڑا بطور ہدیہ بھجوایا جو آپ نے پہنا۔

(ابن ماجہ) امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابوبریدہ؎۴ سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اس میں اضافہ ہے کہ پھر آپ نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

۱؎ حضرت عبداللہ بن بریدہ بار پیش، اسلمی، مرو کے قاضی اور وہاں کے گورنر تھے، حضرت سلیمان بن بریدہ کے بھائی، دونوں ثقہ ہیں اور عبداللہ زیادہ ثقہ ہیں۔

۲؎ حبشہ کے بادشاہ

۳؎ ساذج، سادہ کا معرب ہے۔

۴؎ امام ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن بریدہ سے روایت کی، ابن مضاف ہے بریدہ کی طرف

۵؎ ابٌ مضاف ہے بریدہ کی طرف، شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت دحیہ کلبی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں موزے بھجوائے، آپ نے پہن لیے اور یہ نہ پوچھا کہ ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال کے ہیں یا نہیں؛ آپ نے ظاہر پر عمل کیا اور تفتیش نہیں کی، تاکہ لوگ ظاہر پر عمل کرنے کی تقلید کریں۔ موزوں پر مسح کرنے کے احکام کی تفصیل کتاب الطہارۃ میں گزر گئی ہے، اس جگہ صرف ان کے پہننے کا ذکر مقصود ہے۔

بَابُ التَّرَجُّلِ

کنگھی کرنے کا بیان

یہ باب کنگھی کرنے اور ان امور کے بیان میں ہے جو اس کے قائم مقام ہیں ترجّل اور ترجیل کا معنی ہے۔

بالوں کو پھیلانا، صاف ستھرا کرنا اور انہیں حسین بنانا اسی طرح نہایہ میں ہے، اس کا حاصل معنی کنگھی کرنا اور بالوں کی اصلاح ہے، اکثر "ترجیل" کا استعمال سر کے بارے میں آتا ہے، داڑھی کے لیے "تسریح" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس باب میں کنگھی کرنے کے علاوہ ان احادیث کا بھی ذکر ہے جن کا تعلق بالوں کی آرائش وغیرہ سے ہے، لہٰذا اگر حضرت مؤلف یوں کہتے؛ کنگھی کرنے اور اس جیسے امور کا بیان تو بہتر ہوتا۔ لیکن ان کی عادت ہے کہ ہر باب میں وہ احادیث لاتے ہیں جو اس باب سے مناسبت رکھتی ہوں، مناسبات کا عنوان باب میں ذکر نہیں کرتے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۲۲۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر کنگھی کیا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی[1]۔ (صحیحین)

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ کو چھونا اور ہاتھ لگانا ممنوع نہیں ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ممنوع صرف مباشرت ہے۔

۴۲۲۱/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ چیزیں فطرت[1] سے ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) موئے زیر ناف مونڈنا (۳) مونچھیں تراشنا (۴) ناخن کاٹنا (۵) بغل[2] کے بال اکھیڑنا۔ (صحیحین)

[1] لغت میں فطرت کا معنی ہے پھاڑنا، نئی چیز بنانا، اختراع، اس کا استعمال جبلت اور دین اسلام کے لیے بھی آیا ہے، اس حدیث میں شارحین نے اس کا معنی قدیم سنت بیان کیا ہے جسے انبیاء کرام نے اختیار کیا ہے۔ اور اس پر شریعتوں کا اتفاق ہے، اور ہمیں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے گویا وہ طبعی امر ہے جس پر لوگ پیدا کیے گئے ہیں، یہ حدیث کتاب کی ابتداء میں کتاب الطہارۃ کے باب مسواک میں گزر چکی ہے، اس جگہ دس چیزوں کا فطرت ہونا بیان کیا گیا ہے جب کہ اس جگہ پانچ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ بھی حصر مراد

مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دس چیزیں فطری امور میں سے ہیں۔ اور اس جگہ پانچ چیزیں ہی بیان کی گئی ہیں۔

سے۲ اِبط ایک نقطے والی باء کے نیچے زیر، اس کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض روایات میں جمع کا صیغہ آباط آیا ہے، مراد بغل کے بال ہیں، تمام امور فطرت کا بیان باب سواک میں کیا جا چکا ہے، سوائے استحداد کے جو اس جگہ مذکور نہیں ہے، اس سے مراد زیرناف لوہے کا استعمال ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موئے زیرناف کا مونڈنا سنت ہے اور بغلوں کے بالوں کا اکھیڑنا سنت ہے، مونڈنا بھی اس کے قائم مقام ہے۔

۴۲۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰى وَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَ اَعْفُوا اللُّحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو۔ داڑھیاں لمبی کرو[۱] اور مونچھیں پست کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں خوب نیچی کرو[۲] اور داڑھیاں بڑھاؤ[۳]۔ (صحیحین)

سے۱ یہ مشرکین کی مخالفت کے طریقے کا بیان ہے۔

سے۲ اِنہاک کسی چیز میں مبالغہ کرنا، اس جگہ پست کرنے میں مبالغہ مراد ہے۔

سے۳

۴۲۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ وَ تَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَ نَتْفِ الْاِبِطِ وَ حَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے لیے مونچھوں کے تراشنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغل کے بالوں کے اکھیڑنے اور موئے زیرناف مونڈنے کے لیے وقت مقرر کیا گیا ہم چالیس راتوں سے زیادہ ترک نہ کریں[۱]۔ (مسلم)

سے۱ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لیے وقت مقرر فرمایا، کہ ان کاموں پر چالیس سے زیادہ دن نہیں گزرنے چاہئیں، اور افضل یہ ہے کہ چالیس دن سے پہلے کیے جائیں، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جمعہ کو مونچھیں اور ناخن کاٹتے تھے، موئے زیرناف بیس دن میں صاف کرتے اور بغلوں کے بال چالیس دن

میں الجھتے تھے، اس مقام کی شرح اور احکام کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۲۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ (بالوں کو) نہیں رنگتے[۱] تو تم ان کی مخالفت کرو[۲]۔ (صحیحین)

[۱] مراد خضاب ہے ——— یصبغون با پر پیش، زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[۲] اور خضاب لگاؤ لیکن سیاہ خضاب نہ ہو، سیاہ خضاب حرام ہے، اس مسئلے کی تفصیل آئندہ آئے گی، صحابہ کرام اور دیگر حضرات مہندی کا سرخ خضاب لگاتے تھے، کبھی زرد رنگ بھی لگاتے تھے۔ مہندی کے ساتھ رنگنے کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ مہندی کے ساتھ بالوں کا رنگنا مومنوں کی نشانی ہے اور اس کے جائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، بعض فقہاء نے اسے مردوں اور عورتوں کے لیے مستحب کہا ہے، اور اس کی فضیلت میں احادیث بھی لاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک محل طعن اور ضعیف ہیں، مجمع البحار میں ہے خضاب لگانے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے بال خالص سفید ہوں، جیسے کہ آئندہ حدیث میں حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال آئے گا ہر شخص کے لیے یہ حکم نہیں ہے چاہے اس کے دو بال ہی سفید ہوں، یہ بھی کہا کہ مختلف حالات کے اعتبار سے خضاب لگانے میں سلف کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے کہا کہ یہ اپنے اپنے علاقے کی عادت کے لحاظ سے ہے کیونکہ شہر والوں کے عرف سے نکلنا باعث شہرت ہے اور مکروہ، بعض علماء نے کہا کہ رنگ کرنے کی نسبت جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما، دل کش اور نورانی ہو اس کے لیے خضاب نہ لگانا اولیٰ اور احسن ہے، اور جس کے بالوں کی سفیدی بدنما اور قبیح ہو اس کے لیے رنگ کرنا اور بالوں کا عیب چھپانا بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خضاب لگانے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۲۲۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اُتِیَ بِاَبِیْ قُحَافَةَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ وَ رَاْسُهٗ وَ لِحْیَتُهٗ کَالثَّغَامَةِ بَیَاضًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ وَّ اجْتَنِبُوا السَّوَادَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوقحافہ[۱] اس حال میں لائے گئے کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفیدی میں ثغامہ[۲] (گھاس) کی طرح تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کسی چیز سے تبدیل کر دو اور سیاہی سے بچو[۳]۔ (مسلم)

لہ ابوقحافہ قاف پر پیش، حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فتح مکہ کے دن اسلام لائے ان کا وصال حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں سکلہ میں ستانوے سال کی عمر میں ہوا، حضرت ابوقحافہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: انہیں کیوں تکلیف دی، ہم خود شیخ کے پاس چلے جاتے۔

لہ ثغامہ تین نقطوں والی ثار پر پیش، اس کے بعد نقطے والی غین، ایک گھاس ہے جس کی کلیاں اور دانے برف کی طرح سفید ہوتے ہیں، بالوں کی سفیدی کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ فارسی میں اسے درمنہ سفید کہتے ہیں۔

لہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا مکروہ اور حرام ہے، دوسری حدیثیں بھی آئیں گی۔

مطالب المومنین میں ہے کہ دین کے دشمنوں کی نظر میں رعب اور دبدبے کے لیے غازیوں کو سیاہ خضاب لگانا درست ہے، زیب و زینت اور عورتوں کی پسندیدگی کے لیے لگانا اکثر مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے، بعض فقہاء نے اسے بغیر کسی کراہت کے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح محیط میں ہے، امام ابو یوسف سے ایک روایت میں آیا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے مختار یہ ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ بالوں کی سفیدی نور الٰہی ہے اور نور الٰہی کو سیاہی کے ساتھ تبدیل کرنا مکروہ ہے۔ یہ امر پایہ صحت کو پہنچا ہے کہ امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہندی اور کتم کے ساتھ بال رنگتے تھے کتم ایک گھاس ہے لیکن اس کا رنگ سیاہ نہیں ہے بلکہ سیاہی مائل سرخ ہے، وہ جو صحابہ کرام سے منقول ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے، سیاہ خضاب کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گی، مختصر یہ کہ مہندی کے ساتھ بالوں کا رنگنا بالاتفاق جائز ہے سیاہ خضاب کے بارے میں مختار یہ ہے کہ مکروہ اور حرام ہے، مرد کے لیے عذر کی بنا پر ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگانے میں حرج نہیں ہے بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

۴۲۲۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو خاص حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اہل کتاب اپنے بال کھلے لہ چھوڑتے تھے اور مشرکین مانگ نکالتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بال کھلے چھوڑے۔ پھر بعد میں مانگ نکالی لہ

(صحیحین)

۱ سدل سر کے بالوں کا کھلا چھوڑ دینا اور پیچھے لٹکانا اور انہیں کسی طرف جمع نہ کرنا۔ فرق بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اور ہر حصے کو ایک جانب جمع کرنا۔ قاموس میں ہے کہ فرق سر کے بالوں کے درمیان نکالی جانے والی مانگ کو کہتے ہیں۔ یَسْدُلُوْنَ اور یَفْرُقُوْنَ دونوں کے عین کلمہ پر پیش ہے اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ باب نصر اور ضرب سے ہے۔

۲ اہل کتاب اپنے بال کھلے چھوڑتے تھے، ان کی موافقت کے لیے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ابتدائی دنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بال کھلے چھوڑے۔ سدل اگرچہ سر کے اردگرد بالوں کے چھوڑنے کو کہتے ہیں اور پیشانی کے ساتھ اس کا خصوصی تعلق نہیں ہے۔ لیکن مانگ اور سدل کے درمیان فرق پیشانی میں ظاہر ہوتا ہے، اس لیے پیشانی کی تخصیص کی گئی ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ اس جگہ سدل سے مراد بالوں کا پیشانی پر کھلا چھوڑنا ہے۔

۳ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف بالوں کو کھلا چھوڑنا تھی، پھر مانگ نکالنا مقرر ہو گیا، اس لیے بعض حضرات کہتے ہیں کہ بالوں کو کھلا چھوڑنا منسوخ ہو گیا۔ اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ مانگ نکالنے کی طرف رجوع، وحی کی بنا پر تھا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ جس امر کے بارے میں خاص حکم نہ دیا گیا ہو اس میں اہل کتاب کی موافقت کریں۔ لہٰذا ان کی مخالفت بھی حکم وارد ہونے کی بنا پر ہوگی۔ بعض علماء اصول اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہمیں اس کی مخالفت کا حکم نہ دیا جائے لیکن ان ہی احکام میں جن میں تحریف اور تبدیلی کا علم نہ ہو، بعض شارحین کہتے ہیں کہ مانگ کا اختیار کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہادی فیصلہ تھا کہ اہل کتاب کی مخالفت کی جائے، ابتداء اسلام میں تالیفِ قلوب کے لیے ان کی موافقت کی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل کتاب اور ان کی تالیف قلبی سے بے نیاز کر دیا، اور آپ کو تمام ادیان پر غالب کر دیا تو آپ نے بعض امور میں ان کی مخالفت کی۔ یُحِبُّ مُوَافَقَتَهُمْ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے میں اختیار دیا گیا تھا، اگر حکم شرعی ہوتا تو لازم اور حتمی ہوتا، بعض احادیث میں آیا ہے کہ اگر بال بکھر جاتے تو آپ مانگ نکال لیتے ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے، یعنی بال کھلے چھوڑنے اور مانگ نکالنے میں تکلف نہیں کرتے تھے اور انہیں ان کی حالت پر رہنے دیتے تھے، لہٰذا بال کھلے چھوڑنا اور مانگ نکالنا دونوں جائز ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ مانگ نکالنا افضل ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۲۲۷ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ قِيْلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ قَالَ	حضرت نافع، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قزع سے منع کرتے ہوئے سنا۔ حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ قزع ۱

يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَ يُتْرَكُ الْبَعْضُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ اَلْحَقَ بَعْضُهُمُ التَّفْسِيْرَ بِالْحَدِيْثِ۔

کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جائے اور کچھ چھوڑ دیا جائے[۲] (صحیحین) بعض راویوں نے اس تفسیر کو حدیث میں شامل کیا ہے[۳]

[۱] قزع قاف اور زاء دونوں پر زبر، زاء ساکن بھی آئی ہے۔

[۲] غالباً بچے کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر اس طرح بچوں ہی کا سر مونڈا جاتا ہے۔ ورنہ قزع (سر کے کچھ حصے کا مونڈنا اور باقی چھوڑ دینا، جس طرح آج کل بودے بنوائے جاتے ہیں یا تمام سر مونڈ دیا جاتا ہے اور چوٹی رہنے دیتے ہیں۔ اس میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔ ۱۲ ق ن) بچے، جوان اور بوڑھے سب کے لیے مکروہ ہے اسی لیے روایات فقہیہ میں مطلق (بچے کی قید کے بغیر) ذکر کیا ہے اور کہا کہ قزع متفرق جگہوں سے سر کا مونڈنا ہے، ممانعت کا تعلق بچے کے سرپرستوں کے فعل کے ساتھ ہے، جیسے کہ ایک دوسری حدیث سے پتا چلتا ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ بغیر ضرورت کے متفرق جگہوں سے بالوں کا مونڈنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ علاج معالجہ کے لیے ایسا کیا جائے، دیگر حضرات نے اس کا مکروہ تنزیہی ہونا بیان کیا ہے، متفرق جگہوں کا اعتبار اصل لغوی معنی کی بنا پر کیا گیا ہے کیونکہ قزع بادل کے متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں، سر کے مختلف حصوں کے بالوں کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اگرچہ قزع کی تفسیر میں واقع عبارت کے ظاہر سے سر کے مطلق بعض حصوں سے بالوں کا مونڈنا معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام شارحین نے متفرق جگہوں سے مونڈنے کی قید کا ذکر کیا ہے، فقہی روایات بھی اسی طرح آئی ہیں، کراہت کی وجہ کافروں کی مشابہت اور بدصورتی ہے۔

[۳] قزع کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ سر کے کچھ حصے کا مونڈنا، بعض راویوں نے اس تفسیر کو اصل حدیث میں شامل کیا ہے اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے۔

۴۲۲۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَاْسِهٖ وَ تُرِكَ بَعْضُهٗ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ وَ قَالَ احْلِقُوْا كُلَّهٗ اَوِ اتْرُكُوْا كُلَّهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا گیا تھا اور کچھ چھوڑ دیا گیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے سرپرستوں کو اس سے منع کیا اور فرمایا: تمام سر مونڈ دو یا تمام چھوڑ دو[۱]

(مسلم)

لہ بچہ اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اس کے سرپرست اس کے افعال اور احوال کے سلسلے میں امر اور نہی کے مکلف ہیں۔

۴۲۲۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث[1] مردوں اور مرد بننے والی عورتوں[2] پر لعنت فرمائی اور فرمایا، انہیں[3] اپنے گھروں سے نکال دو۔ (بخاری)

لہ مخنث وہ مرد ہے جو لباس، مہندی سے ہاتھوں اور پاؤں کے رنگنے، گفتگو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہو، لغت میں خنث کا معنیٰ ہے نرمی، لچک اور لپیٹنا ہے، مخنث اعضاء کی لچک، نرمی اور زبان کو بل دینے میں عورتوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قیاس یہ ہے کہ نون کے نیچے زیر ہو (مخنِث) لیکن مشہور زبر ہے۔ مخنث کی دو قسمیں ہیں (۱) پیدائشی طور پر عورتوں ایسی وضع قطع رکھتا ہو (۲) تکلف کے ساتھ ایسی وضع قطع اور حرکات کے ذریعے عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہو، لعنت اور مذمت اسی قسم سے تعلق ہے، پہلی قسم سے نہیں کہ وہ اختیار سے باہر ہے۔

سلہ وہ عورتیں جو ہیئت، لباس اور مردانہ کاموں کے ذریعے اپنے آپ کو مردوں کے مشابہ بنائیں۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر مخنثوں کی طرف راجع ہے، یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ یہ ضمیر مخنثوں اور مرد بننے والی عورتوں دونوں کی طرف راجع ہو کیونکہ ایسی عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۳۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی[1]۔ (بخاری)

لہ مطلب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔

۴۲۳۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاصِلَۃَ وَالْمُسْتَوْصِلَۃَ وَالْوَاشِمَۃَ وَ الْمُسْتَوْشِمَۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰے بال ملانے والی اور ملوانے والی[1]، جسم گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائے[2]۔ (صحیحین)

[1] واصلہ وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ پیوند کرے تاکہ زیادہ ہو جائیں، اور مستوصلہ وہ عورت جو دوسری عورت کو حکم دے کہ میرے بالوں کے ساتھ دوسرے بال پیوند کر، دونوں کو دعائے لعنت کے ساتھ یاد فرمایا اور اللہ تعالٰے کے قرب اور رضا کے مقام سے دور پھینک دیا، اس کی وجہ تغییر خلق اور مذموم تکلف کا ارتکاب ہے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے، علماء نے بالوں کے ملانے یا بالوں کے علاوہ کسی چیز کے ملانے، اسی طرح انسانی یا غیر انسانی بالوں کے ملانے، شوہر یا آقا کی اجازت سے یا اجازت کے بغیر ملانے کی تفصیل بیان کی ہے بعض علماء کے نزدیک اُون اور روئی کا بالوں میں ملانا جائز ہے، رہا بالوں کا ریشم وغیرہ سرخ چیز سے بالوں کا باندھنا جو بالوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی، بغیر کراہت کے جائز ہے۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے، جس عورت کا شوہر نہ ہو یا شوہر تو ہو مگر اس کی طرف سے اجازت نہ ہو تو اس کے لیے چہرے پر سرخی لگانا اور بالوں کو رنگنا حرام ہے، شوہر کی اجازت سے ہو تو حرام نہیں ہے۔

[2] "وشم" کا معنی ہے جسم میں سوئی وغیرہ چبھو کر اس میں سرمہ یا نیل بھر دینا، تاکہ رنگین نقش بن جائے، واشمہ وہ عورت ہے جو یہ کام کرے اور مستوشمہ وہ عورت ہے جو یہ عمل طلب کرے اور کسی کو کہے کہ میرے جسم پر یہ عمل کر دے۔ بعض روایات میں "مستوشمہ" کی جگہ "موتشمۃ" آیا ہے۔

۴۲۳۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ[13] قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَ الْمُسْتَوْشِمَاتِ وَ الْمُتَنَمِّصَاتِ وَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ فَجَآءَتْہُ اِمْرَاَۃٌ فَقَالَتْ اِنَّہٗ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ لَعَنْتَ کَیْتَ وَ کَیْتَ۔ فَقَالَ مَالِیْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی گودنے اور گدوانے والیوں، چہرے سے بال اکھیڑنے کا حکم دینے والیوں[1] اور دانتوں کے درمیان تکلف سے حسن وجمال کے اظہار کے لیے فاصلہ پیدا کرنے والیوں[2] پر لعنت فرمائے جو اللہ تعالٰے کی تخلیق میں تبدیلی لانے والیاں[3] ہیں۔ ایک عورت ان کے پاس آکر کہنے لگی کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے اس اس طرح عورتوں پر لعنت بھیجی ہے،

وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ أَمَا قَرَأْتِ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ نَهٰى عَنْهُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہوں نے کہا مجھے کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ملعون ہیں۔ اس عورت نے کہا کہ میں نے وہ پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے[۴] میں نے تو اس میں وہ بات نہیں پائی جو آپ کہتے ہیں فرمایا! اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا[۵] تو تم یہ بات ضرور پا لیتیں۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ کہ جو کچھ تمہیں رسول دیں اسے اپنا لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اس نے کہا: ہاں پڑھی ہے! فرمایا بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ افعال سے منع کیا ہے[۶]۔ (صحیحین)

۱؎ ایسا کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر عورت کی داڑھی یا مونچھیں پیدا ہو جائیں تو ان کا مونڈنا حرام نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے اس روایت میں بال اکھیڑنے والی عورتوں کا ذکر نہیں ہے، صرف حکم دینے والیوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں ابن عباس کی حدیث آرہی ہے اس میں بال اکھیڑنے والیوں کا بھی ذکر ہے۔

۲؎ فَلَجٌ فاء اور لام پر زبر، دو چیزوں کا درمیانی فرق اور فاصلہ، سامنے والے اور ان کے ساتھ والے دانتوں کے درمیانی فاصلے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ عربوں کے نزدیک ایسا کرنا محبوب اور اسباب حسن میں سے ہے۔ اکثر کم عمر لڑکیوں کے دانتوں میں فاصلہ ہوتا ہے۔ جب عورت بوڑھی ہو جاتی ہے اور دانت بڑے ہو جاتے ہیں تو یہ فاصلہ کم ہو جاتا ہے پس تکلف کے ساتھ (دانت ریتی وغیرہ سے رگڑ کر) فاصلہ پیدا کرتی ہے، حسن وجوانی کا مظاہرہ کرتی ہے، اور جوان عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے۔ تفعّل کا صیغہ تکلف کے لیے آتا ہے جیسے تکبّر اور تعظّم کا معنی یہ ہے کہ لوگ تکلف اور زور سے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ معنی ہے وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ کا اس بیان کے مطابق لِلْحُسْنِ کا تعلق صرف مُتَفَلِّجَات سے ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تینوں سے متعلق ہو کیونکہ جسم کا گودنا اور چہرے کے بالوں کا دور کرنا بھی حسن وخوبی کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ معنی کے پیش نظر یہ توجیہ زیادہ قریب اور زیادہ مناسب ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے، کیونکہ عموماً یہ افعال آرائش وزیبائش کے لیے ہوتے ہیں، اس کے بعد ان عورتوں کی وہ صفت بیان کی جو علت حکم پر دلالت کرتی ہے۔ اور لعنت کا سبب ہے۔ اَلْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ.

۳؎ کسی کے ناک، کان وغیرہ اعضاء کے کاٹنے اور داڑھی مونڈنے وغیرہ افعال کے حرام ہونے کی علت بھی

یہی ہے (اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر تبدیلی حرام ہو، کیونکہ یہ مستقل علت نہیں ہے، حرمت کی علت، شارع علیہ السلام کا منع کرنا ہے۔ بلذا خلاصہ یہ ہوا کہ شارع علیہ السلام نے بعض تبدیلیوں کو جائز قرار دیا (مثلاً ختنہ کرانا، ناخن کٹوانا، مونچھیں اور بال ترشوانا۔ ۱۲ مرآۃ) اور بعض کو حرام قرار دیا ہے۔ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات کہی تو ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی۔

؎ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث اور قرآن کے حوالے سے دلیل دی اور حدیث کے موجود ہونے میں تو شبہ نہ تھا۔ البتہ قرآن پاک میں لعنت کا موجود ہونا بظاہر مستبعد معلوم ہوا تو اس عورت نے ایک سوال پیش کیا۔

؎ یعنی قرآن پاک، دو لوح (دفتیوں) سے مراد قرآن کریم کی دو طرفیں ہیں جنہیں دُفتَین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

؎ معانی میں پوری طرح غور و فکر کرکے ——— اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کا قرآن پاک میں موجود ثابت کیا اور اسے بطور استفہام بیان کیا، فرمایا: تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ؟

؎ اور اس پر عمل کرو۔

؎ لہذا ان افعال کی ممانعت، درحقیقت کتاب اللہ کی مدلول ہوگی، اس لیے ان افعال سے رک جانا اور انہیں ترک کرنا نص قرآن کے مطابق واجب ہوگا۔ اور ان کا ارتکاب سبب لعنت ہوگا۔

۴۲۳۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَيْنُ حَقٌّ وَّ نَهٰى عَنِ الْوَشْمِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آنکھ کی تاثیر حق ہے۔[1] اور جسم کے گودنے سے منع فرمایا۔[2] (بخاری)

؎ یعنی جسے نظر لگ جاتی ہے اس کو نظر کا نقصان پہنچانا برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے جادو کی طرح اس میں بھی یہ خاصیت رکھی ہے، اس معنی کی تفصیل و تحقیق ان شاء اللہ العزیز کتاب الطب والرقی میں آئے گی۔

؎ وشم کا معنی اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (جسم کا گودنا) علامہ طیبی نے فرمایا کہ جسم کے گودنے کی ممانعت کا ذکر نظر کے برحق ہونے کے ساتھ ان لوگوں پر رد کرنے کے لیے کیا ہے جو کہتے ہیں کہ جسم کا گودنا نظر بد کے اثر کو دفع کرتا ہے۔[1]

؎ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ (فیصل آباد) فرمایا کرتے تھے کہ نظر برحق ہے (بقیہ صفحہ آئندہ)

۴۲۳۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا ۱ (بخاری)

۱ ملبّد بار کے نیچے زیر، تلبید کا معنی سر میں گوند اور شہد وغیرہ چپکانا ہے تاکہ بال بکھریں، جوئیں اور گرد و غبار سے محفوظ رہیں، اصل میں حالت احرام میں بال چپکائے جاتے ہیں۔ دیر تک احرام میں رہنے کے سبب بالوں کے الجھنے کا خطرہ ہوتا ہے، جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ ان چیزوں سے تحفظ کی خاطر بال چپکائے جاتے ہیں۔ اس لیے بعض شروح میں تلبید کے مفہوم میں وجود احرام کا اعتبار کیا ہے۔ اور کہا کہ تلبید کا معنیٰ یہ ہے کہ احرام کے وقت گوند وغیرہ کا سر پر لگا لینا، قاموس میں ہے محرم کا کچھ گوند اپنے سر میں ڈال لینا تاکہ بال آپس میں چپک جائیں، اس میں شک نہیں ہے کہ غیر محرم بھی کسی ایسی غرض کے لیے بال چپکا سکتا ہے، اور ایسا کرنا جائز ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس ہیئت کے ساتھ حالت احرام میں دیکھا یا اس کے بغیر؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حالت احرام کے بغیر بالوں کا چپکانا جائز ہے۔

۴۲۳۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو زعفران لگانے ۱ سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

۱ کپڑے، جسم یا سر پر۔ بعض روایات میں شادی کرنے والے کے لیے زعفران ملنے کا جواز آیا ہے، بعض صحابہ کرام سے خلوق کا استعمال منقول ہے جو زعفران پر مشتمل ہوتا ہے۔ انہوں نے ممانعت سے پہلے استعمال کیا ہوگا، جیسے کہ اس سے پہلے اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۴۲۳۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہترین خوشبو

(بقیہ صفحہ سابقہ) نظر اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، انہیں بھی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی نظر لگ گئی تھی، اسی لیے ایف۔اے کے امتحان کی تیاری چھوڑ کر بریلی شریف پہنچ گئے اور اپنے دور کے محدث اعظم بنے۔ (۱۲ ق نقشبندی)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَطْيَبِ مَا نَجِدُ حَتّٰى أَجِدَ وَبِيْصَ الطِّيْبِ وَفِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لگاتی تھی جو ہمیں میسر ہوتی تھی، یہاں تک کہ میں آپ کے سر اقدس اور داڑھی میں خوشبو کی چمک محسوس کرتی[1]

(مسلم)

[1] یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی حالت کے بارے میں وارد ہوئی ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں احرام کے بعد آپ کے سر مبارک اور داڑھی میں خوشبو کی چمک محسوس کرتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ حالت احرام کے علاوہ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہوتی ہے کہ اس کا رنگ مخفی ہوتا ہے، چمک کے ظاہر ہونے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اس خوشبو کا رنگ ظاہر تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں وہ رنگ مراد ہے جس کے ظاہر ہونے میں زینت اور جمال ہو، مثلاً سرخ ہو یا زرد، اور جو ایسا نہ ہو مثلاً کستوری اور عنبر کے رنگ ایسا ہو تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے کہا (یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پانی کی چمک بھی دکھائی دیتی ہے، معلوم ہوا کہ چمک کے دکھائی دینے سے رنگ کا ظاہر ہونا لازم نہیں ہے۔ ۱۲ ق ن)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندل ایسی خوشبو لگانا بھی جائز ہے۔ ہمارے علاقے میں ایک خوشبو عام ہے (جس کا نام حضرت شارح نے چودہ لکھا ہے) اگرچہ اس کے رنگ سے سیاہی ظاہر ہوتی ہے، اسے زیب و زینت اور جمال کے لیے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا وہ بھی (مردوں کے لیے) جائز نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۳۷/۱۸ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا اسْتَجْمَرَ اسْتَجْمَرَ بِالْأَلُوَّةِ غَيْرِ مُطَرَّاةٍ وَبِكَافُوْرٍ يَطْرَحُهٗ مَعَ الْأَلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب دھونی لیتے تو کسی چیز کی آمیزش کے بغیر لوبان سے دھونی لیتے[1] اور (کبھی) کافور کو لوبان کے ساتھ ڈالتے، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیا کرتے تھے۔

(مسلم)

[1] اس میں کستوری وغیرہ کوئی چیز نہ ملاتے بلکہ خالص لوبان سلگاتے، اَلُوَّۃ ہمزے پر زبر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لام پر پیش، واؤ مشدد پر زبر، اسے مخفف بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۲۳۸/۱۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ اَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ يَفْعَلُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مونچھیں تراشتے تھے یا کہا کہ لیتے تھے[1] اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہ کام کیا کرتے تھے[2] (ترمذی)

[1] مونچھیں پست کرتے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ یَقُصُّ فرمایا یا یَأْخُذُ۔

[2] یعنی مونچھوں کا کاٹنا اور پست کرنا قدیم سنت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے تھے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی کیا کرتے تھے، جیسے کہ اس سے پہلے فطرت کی تفسیر میں بیان کیا گیا، صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یا تو ان کی عظمتِ شان کی بنا پر ہے یا اس لیے کہ اس شریعت کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، جیسے کہ تیسری فصل کے آخر میں بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۲۳۹/۲۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت زید بن ارقم[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی مونچھوں میں سے کچھ نہ لے وہ ہم میں سے نہیں[2] (احمد، ترمذی، نسائی)

[1] حضرت زید بن ارقم مشہور صحابی ہیں۔

[2] وہ ہمارے طریقے اور ہماری سنت پر نہیں۔

۴۲۴۰/۲۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُوْلِهَا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی داڑھی کی چوڑائی اور لمبائی سے لیا کرتے تھے[1] (ترمذی)

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی ہر طرف سے داڑھی مبارک کی اصلاح کیا کرتے تھے، لمبے اور باہر نکلنے والے بالوں کو کاٹ کر برابر کر دیا کرتے تھے، یہ ان احادیث کے مخالف نہیں ہے جن میں داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم ہے[1] کیونکہ ممانعت داڑھی

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے رسالۂ مبارکہ لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحٰی میں اٹھارہ آیتوں، اسی حدیثوں اور ساٹھ ارشاداتِ علماء سے داڑھی منڈانے کی مذمت و قباحت اور داڑھی بڑھانے کی اہمیت بیان کی، ایک جگہ فرماتے ہیں قال جل ثناءہ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا جو خلاف کرے رسول کا حق واضح ہونے پر اور چلے راہ مسلمانان کے سوا راہ، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور جہنم میں ڈالیں اور کیا بری پلٹنے کی جگہ، مسلم تو مسلم کفار تک جانتے ہیں کہ روز اول سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے، اہلِ بیت کرام، صحابہ عظام، ائمۂ اعلام اور ہر قرن و طبقہ کے اولیائے امت و علمائے ملت، بلکہ قرونِ خیر میں تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے، یہاں تک کہ ازالہ تو ازالہ اگر خلقۃً کسی کی داڑھی نہ نکلتی اس پر سخت تاسف کرتا اور یہ ہر عیب سے بدتر عیب سمجھا جاتا، علمائے کرام علاماتِ قیامت میں گن کرتے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ داڑھیاں منڈائیں، کترائیں گے، اس پیشین گوئی کے مطابق یہ داڑھی منڈوں، مخرشوں، فرشوں کی تراشیں خراشیں، کافروں، مشرکوں کی دیکھا دیکھی مدتہا مدت کے بعد مسلمانوں میں آئیں وہ بھی رند و اوباش بد وضع لوگوں میں، پھر ان میں بھی جو ایمان سے حصہ رکھتے ہیں اب تک اپنی اس حرکت کو فسق اور معاصی و قبائح کے برا جانتے ہیں۔ اور طریقہ اسلامی سے جدا سمجھتے بلکہ ان میں بعض خوش عقیدہ اپنے معتقلین دینی کے سامنے جاتے لجاتے، انہیں منہ دکھاتے شرماتے ہیں، الحمد للہ! یہ ان کے ایمان کی بات ہے، شامتِ نفس سے گناہ کریں، لیکن اسے گناہ و قبیح جانیں، مگر چوری سرزوری مالوں سے خدا کی پناہ کہ داڑھی رکھنے پر تعقبے اڑا کر شعارِ اسلام کے ساتھ نفسِ اسلام و ایمان بھی مونڈ کر پھینک دیں۔

اس جگہ چند اور لائق توجہ امور جو لمعۃ الضحٰی سے ملخص کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ مرد کا داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کا بدلنا ہے، شیطان نے کہا تھا وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (الآیۃ) میں ضرور بندوں کو حکم دوں گا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو تبدیل کریں گے۔ حدیث شریف میں بال نوچنے والیوں پر لعنت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے والیاں ہیں، یہی کیفیت داڑھی منڈانے والوں کی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرتے ہیں، شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں حدیث شریف اَلْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مُثلہ اور داڑھی مونڈنے وغیرہ کے حرام ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ (بقیہ صفحۂ آئندہ)

کے چھوٹی کرنے کی ہے، جیسے کہ بھنووں کا طریقہ ہے، لمبائی سے برابر کرنے اور اصلاح کے لیے لینا اس کے منافی نہیں ہے، بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ایک مدت تک اس کی اصلاح نہ کی گئی اور اسے تراشا نہ گیا اور داڑھی لمبی ہو گئی ہو تو اب اسے چھوٹا کرنا درست نہ ہوگا جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) ۲۔ امام بیہقی حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک بڑا اور داڑھی شریف بڑی تھی۔ ضَخْمَ الْهَامَةِ عَظِيْمَ اللِّحْيَةِ اور جو کام سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو واجب ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمام، فتح القدیر باب الاذان میں فرماتے ہیں کہ عَدَمُ التَّرْكِ مَرَّةً دَلِيْلُ الْوُجُوْبِ کسی کام کا کبھی بھی ترک نہ کرنا واجب ہونے کی دلیل ہے، داڑھی کا منڈانا اور یکمشت سے کم کا کاٹنا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۳۔ داڑھی بلاشبہ شعار اسلام ہے، سکھوں اور بعض یہودیوں کا داڑھی رکھنا، داڑھی کے شعار اسلام ہونے کے منافی نہیں ہے، حرم شریف کی طرف بھیجے جانے والے جانور (ہدایا) دین اسلام کے شعار ہیں حالانکہ مشرکین بھی اس فعل میں شریک ہوتے تھے اور جب داڑھی شعار اسلام ہے تو اس کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی نشانی اور اسے منڈانا حرام، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو حلال نہ ٹھہراؤ۔

۴۔ امام مالک و احمد و بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و طحاوی، حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق اعظم سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَوْفُوا اللِّحٰى مشرکوں کے خلاف کرو، مونچھیں خوب پست اور داڑھیاں کثیر و وافر رکھو، یہ لفظ صحیحین کے ہیں صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰى مونچھیں مٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، امام مسلم اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِاِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَاِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا مونچھیں خوب پست کرنے اور داڑھیوں کو معاف رکھنے کا۔ اس سلسلے میں احادیث میں مختلف الفاظ وارد ہیں۔ مجموعی طور پر یہ حدیث معنیً متواتر ہے۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے بشرطیکہ کوئی قرینۂ معارضہ نہ پایا جائے۔ لہٰذا جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا جو ایک مشت سے چھوٹی کرتا ہے وہ تارک واجب ہے، فاسق معلن ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے اس برے فعل پر اصرار بھی ہو، اصرار سے تو صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اگر پڑھ لی تو دوبارہ لوٹائی جائے۔

سوال، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشت بھر سے زائد داڑھی کا کاٹنا مروی ہے۔ لہٰذا داڑھی کے بڑھانے کا حکم منسوخ ہے۔

(بقیہ صفحہ آئندہ)

(بقیہ سابقہ جواب۔ نسخ کا قول اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب بظاہر متعارض دو حدیثوں میں تطبیق نہ دی جاسکے، حالانکہ اس جگہ تطبیق ظاہر ہے اور وہ یوں کہ صحابی کے عمل سے واضح ہوگیا کہ داڑھی کے بڑھانے کا حکم ایک مشت تک ہے، اس کے بعد کٹوا سکتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر المعنی قولی حدیث کے لیے صحابی کا عمل کیسے ناسخ ہوسکتا ہے؟ ناسخ تو قوت میں منسوخ کے پائے کا ہونا چاہیے، یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ عالم اسلام کے کسی مسلم عالم نے نسخ کا قول کیا ہے یا یہ ایجاد بندہ ہے؟

۵۔ داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے حَلْقُ الشَّعْرِ فِي حَقِّهَا مُثْلَةٌ كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِي حَقِّ الرِّجَالِ، عورت کے سر کے بالوں کا مونڈنا اس کے لیے مثلہ ہے جیسے مرد کے لیے داڑھی کا مونڈنا مثلہ ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيَوَانِ۔ اللہ کی لعنت اس پر جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے۔

۶۔ داڑھی منڈانا، عورت سے مشابہت اختیار کرنا ہے، عورت اور مرد کو لباس، وضع اور چال ڈھال میں بھی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، چہ جائیکہ صورت اور بدن میں مشابہت اختیار کرنا۔ امام ابوطالب مکی، قوت القلوب میں اور امام غزالی، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ داڑھی آفرینش مرد کی تکمیل ہے اور ظاہری صورت میں اسی کے ذریعے مرد عورتوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ داڑھی منڈا کر اس امتیاز کا خاتمہ اور عورتوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ امام احمد، دارمی، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں۔

یہ فطری اور آفاقی ضابطہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے شعوری اور لاشعوری طور پر اسی کی شکل و صورت وضع قطع، لباس اور لب و لہجہ اختیار کرتا ہے، حیف ہے ہم پر کہ نعرہ تو یہ لگاتے ہیں کہ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وضع قطع اپنانے کے لیے تیار نہیں، آپ کے حکم کی تعمیل کرنے پر تیار نہیں، بلکہ داڑھی منڈا کر ہم ایرانی مجوسیوں، یہودیوں، ہندوؤں، فرنگیوں اور عورتوں کی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں، کیا یہی اہل محبت کا شیوہ ہے، یہی عشق کا رنگ ڈھنگ ہے؟

آج جب کہ داڑھی منڈے چہرے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور داڑھی رکھنے والوں کا تمسخر اڑایا جاتا ہے، کوئی جگہ ہے؟ جہاں سنت مصطفےٰ کو اعزاز و احترام میسر ہوتا ہو، صرف ایک مصلائے امامت تھا (بقیہ صفحہ آئندہ)

۴۲۲۱/۲۲ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلَيْهِ خَلُوْقًا فَقَالَ أَلَكَ امْرَاَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت یعلی بن مرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خلوق[2] نامی خوشبو دیکھی تو فرمایا کیا تمہاری بیوی ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا اسے دھو ڈالو، پھر دھو ڈالو، پھر ڈالو[3] پھر نہ لگانا۔

(ترمذی، نسائی)

۱؎ حضرت یعلی بن مرہ میم پر پیش، را مشدد، صحابی ہیں، کوفہ یا بصرہ والوں میں شمار کیے جاتے ہیں، حدیبیہ خیبر اور فتح حنین میں حاضر ہوئے، کنگھی کرنے کے باب میں خلوق خوشبو کے دھونے کے بارے میں ان کی ایک حدیث ہے۔

۲؎ خلوق، زعفران اور اس کے علاوہ کئی خوشبوؤں کا مجموعہ اور مشہور خوشبو ہے۔ سرخ اور زرد رنگ اس پر غالب ہے۔

۳؎ یعنی تین بار دھو ڈالو۔ دھونے میں مبالغہ کرنے کا حکم دینا مقصود ہے، بیوی کے موجود ہونے کے بارے میں سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر بیوی موجود ہو اور اس نے خوشبو لگائی ہو، یا اس کے کپڑے یا بدن سے مرد کے کپڑے یا کسی عضو کو لگ جائے تو مرد معذور ہے، ہاں اگر خود قصداً استعمال کی ہو تو معذور نہ ہوگا اور ایسی خوشبو کا لگانا جائز نہ ہوگا، اسے دھو ڈالنا چاہیے۔ جیسے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو حکم دیا۔ اس سوال کی وجہ شارحین نے اسی طرح بیان کی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر عورت کے لیے لگائے تو معذور ہے، جیسے کہ ظاہر حدیث

(بقیہ صفحہ سابقہ) کہ اگر داڑھی منڈا یا مشت بھر سے چھوٹی داڑھی والا اس پر کھڑا ہوتا تو اسے منع کر دیا جاتا اور کہا جاتا کہ تم نماز نہیں پڑھا سکتے، لیکن آج زمرۂ علماء میں ہی بعض وہ حضرات موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا مستحب ہے، لہٰذا امام بنانے کے لیے داڑھی منڈا بھی مل جائے گا اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لوٹانے کی بھی حاجت نہیں۔ راقم ان حضرات کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ داڑھی کے اعزاز کی ایک ہی جگہ تھی وہ بھی آپ نے اپنے ہی ہاتھوں ختم کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون والی اللہ المشتکی علی غربۃ الاسلام واھلہ

۱۲ شرف قادری نقشبندی

سے وہم ہوتا ہے۔

۴۲۴۲/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ رَجُلٍ فِیْ جَسَدِهٖ شَیْءٌ مِّنْ خَلُوْقٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالے اس مرد کا نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم پر کچھ بھی خلوق نامی خوشبو لگی ہو[1]

(ابوداؤد)

[1] یہ خلوق کے استعمال پر تشدید اور زجر و توبیخ ہے۔

۴۲۴۳/۲۴ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی اَهْلِیْ مِنْ سَفَرٍ وَّقَدْ تَشَقَّقَتْ یَدَایَ فَخَلَّقُوْنِیْ بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ وَقَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں سفر سے اس حال میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا کہ میرے دونوں ہاتھ پھٹے ہوئے تھے تو انہوں نے مجھے زعفران ملی ہوئی خلوق خوشبو لگا دی[1]، صبح کے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا تو آپ نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا جاؤ اسے اپنے آپ سے دھو ڈالو[2]

(ابوداؤد)

[1] فَخَلَّقُوْنِیْ لام مشدد۔ ہاتھوں کے شگافوں پر بقصد علاج خلوق نامی خوشبو لگا دی۔ زعفران ملی ہوئی خوشبو، یہ معنوی اعتبار سے خلوق کی تفسیر ہے۔ اگرچہ زعفران، خلوق کی جز بھی ہے، لیکن خاص طور پر زعفران کے ذکر میں، مکروہ کے ارتکاب کی طرف اشارہ ہے۔

[2] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشنیع اور توبیخ، ہاتھوں کے پھٹ جانے کے عذر پر اطلاع نہ ہونے کی بنا پر تھی یا اس لیے کہ خلوق کے استعمال کے لیے یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔

۴۲۴۴/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طِیْبُ الرِّجَالِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی خوشبو ایسی چیز

مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَ خَفِيَ لَوْنُهٗ وَ طِيْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَ خَفِيَ رِيْحُهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

ہونی چاہیے جس کی بو ظاہر اور رنگ مخفی ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو مخفی ہو۔[۱]

(ترمذی، نسائی)

[۱] اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ رنگ مراد ہے جس میں زینت اور جمال ہو، مثلاً سرخ یا زرد ہو، شارحین فرماتے ہیں کہ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو گھر سے باہر جائے، اور اگر اپنے شوہر کے پاس خوشبو لگائے تو چاہے جس قسم کی بھی ہو جائز ہے۔

۴۲۲۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سُکّہ[۱] تھی جس میں سے آپ خوشبو لگایا کرتے تھے۔

(ابو داؤد)

[۱] سُکّہ بے نقطہ سین پر پیش، کاف مشدد مفتوح، خوشبو کی ایک قسم کا نام ہے لیکن اس جگہ وہ کپی یا ڈبیہ مراد ہے جس میں وہ خوشبو رکھی جاتی تھی۔ مِنْھا ارشاد ہوا جس میں مِنْ ابتدائیہ ہے۔ (۱۲ مرآۃ بحوالہ مرقاۃ)

مجمع البحار میں ہے کہ سُکّہ معروف خوشبو ہے جس کے ساتھ دوسری خوشبوئیں ملائی جاتی ہیں۔ علامہ کرمانی سے نقل کیا کہ خوشبو والے منکوں کا ہار ہے، بعض حضرات نے کہا کہ وہ دھاگہ ہے جس میں خوشبودار منکے پروئے جاتے ہیں۔ قاموس میں اس کے بنانے کا طریقہ بیان کیا ہے جو ہم نے شرح (لمعات) میں نقل کیا ہے۔

۴۲۲۶ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دُهْنَ رَاْسِهٖ وَ تَسْرِيْحَ لِحْيَتِهٖ وَ يُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَيَّاتٍ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت سر کو تیل لگایا کرتے تھے اور کثرت سے داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے[۱] اور قناع[۲] کا کثرت سے استعمال کیا کرتے تھے، گویا آپ کا کپڑا تیلی کا کپڑا ہے۔[۳]

(شرح السنۃ)

[۱] داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے، بعض لوگ ہر وضو کے بعد التزاماً کنگھی کرتے ہیں، سنت میں اس کی صحیح اصل نہیں ہے۔

[۲] قِناع قاف کے نیچے زیر۔

سلہ بکثرت تیل استعمال کرنے کی بنا پر آپ کا قناع ایسا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو تاہے ۔ قناع سے مراد اوڑھنے والی چادر ہے جس کے ساتھ آپ سر اقدس ڈھانپتے تھے ، وہ سر مبارک کی جگہ سے اس طرح ہو جاتی تھی جیسے تیلی کا کپڑا ۔ بعض شارحین نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اس قناع سے مراد کپڑے کا وہ ٹکڑا ہے جسے آپ تیل لگانے کے بعد سر پر رکھتے تھے تاکہ عمامہ میلا نہ ہو ، جیسے کہ اس سے پہلے میں نے کتاب اللباس میں بیان کیا ، یہ وہم نہ کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جو کپڑے پہنتے تھے وہ میلے اور تیل سے آلودہ ہوتے تھے کیونکہ یہ مطلب ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نظافت سے بعید ہے ، آپ سفید کپڑے پسند فرماتے تھے ۔

۴۲۴۷/۲۸ وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا بِمَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہمارے ہاں اس حال میں تشریف لائے[2] کہ آپ کے چار گیسو[3] تھے ۔ (احمد ، ابوداؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ)

سلہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہمشیرہ ۔

سلہ فتح مکہ کے دن

سلہ غدائر نقطے والی غین ، بے نقطہ دال ــــــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دن چار گندھے ہوئے گیسو تھے دو دائیں جانب اور دو بائیں جانب ۔

۴۲۴۸/۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ صَدَعْتُ فَرْقَهٗ عَنْ يَافُوْخِهٖ وَاَرْسَلْتُ نَاصِيَتَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک میں مانگ[1] نکالتی تو آپ کے سر اقدس کے درمیان[2] سے بال چیرتی تھی ، اور آپ کی پیشانی کے بالوں کو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی تھی[3] (ابوداؤد)

سلہ فرق وہ لکیر ہے جو بالوں کے دو حصوں کے درمیان نکالی جاتی ہے ، جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے ۔

۲؎ یافوخ وہ حصہ ہے جو بچے کے سر سے حرکت کرتا ہے (یعنی تالو) مطلب یہ ہے کہ مانگ کا ایک کنارہ اس جگہ سے ہوتا تھا اور دوسرا کنارہ پیشانی کے پاس، دونوں آنکھوں کے درمیانی حصے کے مقابل۔

۳؎ یعنی پیشانی کی جانب والا مانگ کا کنارہ، دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کے مقابل اس طرح رکھتی تھی کہ پیشانی کے آدھے بال اس مانگ کی دائیں جانب اور آدھے اس کی بائیں جانب ہوتے تھے۔ علامہ طیبی نے حدیث کے اس جملے کا مطلب اسی طرح بیان کیا ہے، لہٰذا مانگ سیدھے راستے کی طرح ہوتی تھی، سر کے درمیان سے شروع ہو کر آنکھوں کے درمیانی حصے کے مقابل ختم ہو جاتی، اسی لیے قاموس میں اس کا معنی یہ بیان کیا وہ راستہ جو سر کے بالوں کے درمیان ہو۔

۴۲۲۹ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ [۳۰] قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا، مگر کبھی کبھی ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد نسائی)

۱؎ چنانچہ ایک دن کنگھی کی جائے اور ایک دن نہ کی جائے ——— مطلب یہ ہے کہ ہر دن کنگھی کرنا اور اس کا اہتمام کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح آرائش میں تکلف اور مبالغہ ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔ نہایہ میں ہے کہ غبٌّ کا معنی ہے اونٹوں کا ایک دن پانی پر جانا اور ایک دن نہ جانا، اسی معنی سے یہ لفظ زیارت کے لیے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے زُرْ غِبًّا کبھی کبھی زیارت کیا کرو، اگرچہ چند دن کے بعد آئے، کہتے ہیں غَبَّ الرَّجُلُ جب کہ وہ چند دنوں کے بعد آئے، حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ ہر ہفتے میں آئے۔ قاموس میں ہے کہ زیارت کے بارے میں غبٌّ کا معنی ہے ہر ہفتے میں آنا، تپ کے بارے میں کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک دن چھوڑ کر آتا ہے جیسے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں (قاموس) اسی طرح مریض کی عیادت اور گوشت کھانے کے بارے میں دیہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک دن چھوڑ کر کھایا جائے، بعض علماء نے کہا کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے سلسلے میں غبٌّ کا معنی ہے۔ ایک دن چھوڑ کر پلانا، اس کے علاوہ دوسرے کاموں کے بارے میں استعمال کیا جائے تو معنی ہوگا ایک دن کام کرنا اور چند دن ترک کرنا اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔

یاد رہے کہ ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت، سر اور داڑھی میں کنگھی کرنے کو شامل ہے۔ لہٰذا بعض لوگ جو ہر وضو کے بعد کنگھی کرتے ہیں ان کا عمل سنت کے موافق نہ ہوگا، اسی طرح بیان کیا گیا ہے، لیکن بعض آثار و روایات میں آیا ہے کہ وضو کے بعد کنگھی کرنا، فقر کی نفی کرتا ہے۔ اسی طرح کتاب المنورین فی اصلاح المدارین میں ہے، اگرچہ عام طور پر سر کے لیے

ترجل کا استعمال کیا جاتا ہے اور داڑھی کے لیے تسریح کا استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ہر دو مونہ کے بعد داڑھی میں کنگھی کرنے کی ممانعت پر استدلال ضعیف ہوگا، لیکن ابو داؤد میں ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت لفظ امتشاط کے ساتھ آئی ہے اور لفظ امتشاط بلاشبہ سر اور داڑھی دونوں کو شامل ہے۔ اس سے پہلے شرح السنۃ کے حوالے سے داڑھی میں کنگھی کرنے کی کثرت کا ذکر گزرا ہے۔ امام ترمذی شمائل میں بھی یہ حدیث لائے ہیں۔ اس کا مطلب ہر دن کنگھی کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ کثرت کا مطلب حاجت کے وقت کنگھی کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر روز ہی کریں، اگر کہا جائے کہ احیاء العلوم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز دو مرتبہ کنگھی کیا کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند نہیں ملی۔ یہ حدیث صرف امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کی ہے، ان کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کی۔ احیاء العلوم میں کئی ایسی روایات نقل کر دی گئی ہیں جن کی اصل ثابت نہیں ہے، اسی طرح علامہ ولی الدین عراقی سے نقل کیا گیا ہے، پھر ظاہر یہ ہے کہ ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے عورتوں کا یہ حکم نہیں، کیونکہ عورتوں کے لیے آرائش اور زیبائش مکروہ نہیں ہے بعض علماء نے کہا کہ نہی سب کو شامل ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ نہی عورتوں کے لیے ہلکی ہوگی کیونکہ ان کی آرائش کا معاملہ وسیع ہے، بہر صورت نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۵۰ / ۳۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفَضَالَةَ ابْنِ عُبَيْدٍ مَالِيْ اَرَاكَ شَعِثًا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاِرْفَاهِ قَالَ مَا لِيْ لَا اَرٰى عَلَيْكَ حِذَاءً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا اَنْ نَّحْتَفِيَ اَحْيَانًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

عبداللہ بن بریدہ[1] سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت فضالہ بن عبید[2] رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ میں آپ کے بال بکھرے ہوئے دیکھتا ہوں[3]، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آسودگی[4] کی زیادتی سے منع فرماتے تھے۔ اس نے کہا کیا وجہ ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے جوتے نہیں پہنے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں[5]۔

(ابوداؤد)

[1] عبداللہ بن بریدہ بن حصیب حاء پر پیش، صاد پر زبر، دونوں بے نقطہ۔ اسلمی مشہور تابعی ہیں۔

[2] فضالہ بن عبید انصاری صحابی ہیں، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے ہے۔

[3] ایک شخص نے ان سے بطور تعجب اور انکار پوچھا کیا سبب ہے؟ کہ آپ نے بالوں میں کنگھی نہیں کی

اور ان کی اصلاح نہیں کی۔

سے ارفاہ ہمزے کے نیچے زیر، اصل میں اس کا معنی اونٹ کا پانی میں آنا ہے جب اس کا جی چاہے خوش حالی، آسودگی اور عیش و عشرت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تیل کا کثرت سے استعمال کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

شہ حفا عرب سے نقطہ حار کے نیچے زبر اور نقطے والا ذال (جوتا) یعنی کیا وجہ ہے؟ کہ آپ ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔

سلہ تواضع، کسر نفسی اور شفقت کے نقطۂ نظر سے، نیز مجبوری کی حالت میں ننگے پاؤں رہنا آسان ہوگا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگرچہ بالوں کو تیل لگانے سے تھے کنگھی کرتے تھے، اسے پسند فرماتے تھے، اس کا حکم دیتے تھے اور اس کی رغبت دلاتے تھے، تاہم بعض زاہدوں اور ارباب ریاضت کو اس کے برخلاف بھی رکھتے تھے۔ اس کی تائید فرماتے تھے، بلکہ حکم بھی دیتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ خوشحالی اور عیش میں مبالغہ اور حد سے بڑھنا، تیل لگانے، کنگھی کرنے اور آرائش میں منہمک ہونا مکروہ ہے، جیسے کہ عجمیوں اور دولت مندوں کی عادت ہے۔ اس معاملے میں میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ طہارت، نظافت اور ظاہری حالت کی اصلاح کو ہی ترک کر دو، کیونکہ نظافت دین سے ہے، جیسے کہ حدیث میں ارشاد ہوا۔

۴۲۵۱/۳۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْیُكْرِمْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے بال ہوں[1] اسے چاہیے کہ وہ ان کی عزت کرے[2] (ابوداؤد)

سلہ یعنی جو شخص بال رکھتا ہو۔

سلہ انہیں دھوئے، تیل لگائے، کنگھی کرے اور صاف ستھرے رکھے، بکھرے اور الجھے ہوئے نہ چھوڑے کیونکہ صفائی اور اچھا دکھائی دینا محبوب اور مرغوب ہے۔

۴۲۵۲/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَ بِهِ الشَّیْبُ الْحِنَّاءُ وَ الْكَتَمُ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بہترین وہ چیز جس سے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کیا جائے[2] مہندی اور کتم ہے[3]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(ترمذی، ابو داؤد نسائی)

سلہ اور انہیں رنگا جاتے۔

سلہ کتم کاف پر زبر، تاء مخففہ، بعض علماء نے تاء مشدد بھی بیان کی ہے، زیادہ مشہور تخفیف ہی ہے۔ ایک گھاس جو وسمہ کے ساتھ ملا کر بالوں کے رنگنے کے کام آتی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ کتم، وسمہ ہی ہے اسی طرح علامہ طیبی نے کہا۔ قاموس میں ہے کتم کاف متحرک کے ساتھ، کتمان پہلے حرف پر پیش، ایک گھاس جو مہندی میں ملائی جاتی ہے اور اس سے بال رنگے جاتے ہیں۔ اور وسمہ واؤ پر زبر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، سین کے نیچے زیر یا ساکن وہی گھاس ہے، بعض علماء نے کہا کہ یمن میں ایک درخت ہے جس کے پتوں سے بال رنگے جاتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ وسمہ نیل کے پتے ہیں یا ایک بوٹی ہے جس کے پتوں سے خضاب لگایا جاتا ہے۔

اب حدیث سے مراد کیا ہے؟ مہندی اور کتم دونوں سے رنگنا یا دونوں میں سے کسی ایک سے، بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مہندی کے بغیر صرف کتم کا استعمال مراد ہے، کیونکہ کتم کے ساتھ مہندی ملا کر استعمال کی جائے تو بال سیاہ ہو جائیں گے، سیاہ خضاب کی ممانعت درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ غالباً حدیث اس طرح ہے بالحِنَّاءِ اَوِ الْکَتَمِ مہندی یا کتم سے، لفظ اَوْ کے ساتھ اختیار دینے کے لیے۔ لیکن مختلف سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی احادیث میں واؤ کے ساتھ عطف ہے نہ کہ او کے ساتھ (۱ھ) اور ہو سکتا ہے کہ واؤ بمعنی اَوْ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ بیان نہیں کیا کہ صرف کتم کے استعمال سے کونسا رنگ آتا ہے۔ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ صرف مہندی لگانے سے سرخ رنگ آتا ہے اور تنہا کتم کے استعمال سے نیلگوں رنگ آتا ہے۔ اور بعض شارحین سے سیاہی مائل کتم کے استعمال سے خالص سیاہ رنگ آتا ہے، اور مہندی کے ساتھ ملا کر استعمال سے سیاہی مائل پختہ سرخ رنگ آتا ہے، لہذا مہندی اور کتم ملا کر رنگنا مراد ہوگا، اسی طرح کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت کے بعد آنے والی ابن عباس کی روایت اس معنی میں صریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۵۳/۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو اس سیاہی کے ساتھ کبوتروں کے پوٹوں کی طرح بال رنگیں گے وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَآئِیُّ) (ابوداؤد، نسائی)

ے۱ یہ اسے اشارہ سیاہی کے حال کی تحقیر اور تقبیح کے بیسے ہے، یا مطلب یہ ہے کہ سیاہی کی اس قسم سے رنگیں گے۔

ے۲ حوصلہ پرندے کا (پوٹا)، ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا معدہ، اس جگہ سینہ مراد ہے اور بعض کبوتروں کا سینہ خالص سیاہ ہوتا ہے۔

ے۳ خضاب لگانے والے۔ یہ سیاہ خضاب لگانے پر زجر و توبیخ میں مبالغہ ہے۔ بعض حواشی میں لکھا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اس کی خوشبو محسوس نہیں کریں گے اور اس سے لطف اندوز نہیں ہوں گے بعض علماء نے کہا کہ جنت کی خوشبو حشر کے میدانوں میں آئے گی، مسلمان اس سے محظوظ اور مسرور ہوں گے اور محشر کے میدانوں میں ٹھہرنے کی مشقت اور تکلیف سے محفوظ رہیں گے۔ یہ خضاب لگانے والے اس سے محروم رہیں گے[1]

۴۲۵۴/۳۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِیَّۃَ وَ یُصَفِّرُ لِحْیَتَہٗ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ۔ (رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم بالوں سے خالی جوتے[1] پہنتے تھے اور اپنی داڑھی ورس[2] اور زعفران سے رنگتے تھے، ابن عمر بھی یہ کام کیا کرتے تھے۔ (نسائی)

ے۱ اَلسِّبْتِیَّۃ سین کے نیچے زیر، ایک نقطے والی با ساکن۔ اگرچہ (اس دور میں) اکثر عربوں کی عادت یہ تھی کہ وہ بالوں والے جوتے پہنتے تھے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رنگے ہوئے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے جن کے بال زائل کر دیے گئے ہوتے تھے۔

ے۲ ورس واؤ پر زبر، را ساکن، زرد رنگ کی گھاس جو یمن میں ہوتی ہے اور اس سے بال رنگے جاتے ہیں۔

ے۱ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ حکُّ العیبِ عَنْ تَسْوِیْدِ الشَّیْبِ میں متعدد احادیث سے ثابت کیا ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

۳؎ یعنی داڑھی کو ورس اور زعفران سے رنگتے تھے، بہتر یہ ہے کہ دونوں کا موں سبتی جوتے پہننے اور بالوں کے رنگنے کے مجموعے کی طرف اشارہ ہو، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے اور امام ترمذی، شمائل میں بھی لائے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو کہا گیا کہ میں دیکھتا ہوں آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں جو دولت مندوں کا پہناوا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبتی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا اس لیے میں ان کے پہننے کو محبوب رکھتا ہوں۔

اس سے پہلے ہم نے کتاب اللباس میں بیان کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا، آپ کے بالوں کی سفیدی اس حد کو نہیں پہنچی تھی کہ انہیں خضاب لگایا جاتا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو ہرگز نہیں رنگا، چونکہ آپ کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے اس لیے بعض صحابہ کرام نے خیال کیا کہ آپ کے بال مبارک رنگے ہوئے ہیں (اھ) لہٰذا ورس اور زعفران سے داڑھی مبارک کو زرد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ رنگنے کے لیے نہیں بلکہ بالوں کی صفائی اور نظافت کے لیے ورس اور زعفران ملتے تھے کیونکہ آپ کے بال مبارک سیاہ تھے اور سیاہ بال کسی دوسرے رنگ کو قبول نہیں کرتے، اس لیے تصفیر (زرد رنگ دینے) سے مراد زرد چیز کا استعمال ہے گا، رنگنا مراد نہیں ہے۔ ہاں بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ وہ داڑھی کو زرد رنگ دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہی حضرات رنگتے ہوں گے جن کے بال سفید ہوں گے، اسی طرح میں نے اپنے شیخ (حضرت علی متقی) سے سنا، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ چنانچہ آئندہ حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۴۲۵۵ / ۳۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ آخَرُ وَقَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ آخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے مہندی سے بال رنگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ کتنا اچھا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دوسرا شخص گزرا جس نے مہندی اور کتم سے بال رنگے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: یہ پہلے سے بہتر ہے۔ پھر ایک تیسرا شخص گزرا جس نے زرد رنگ لگایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ ان سب سے بہتر ہے۔

(ابوداؤد)

۱؎ یعنی صرف مہندی لگانے سے۔

۴۲۵۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ
۳۷
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوْا الشَّیْبَ وَلَا تَشَبَّھُوْا بِالْیَھُوْدِ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ النَّسَائِیُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالزُّبَیْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہودیوں کی مشابہت[1] اختیار نہ کرو۔
(ترمذی) امام نسائی نے یہ حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت زبیر[2] سے روایت کی۔

[1] وَلَا تَشَبَّھُوْا تاء اور شین پر زبر ـــــــ یہودیوں کے مشابہ نہ بنو جو خضاب نہیں لگاتے۔
[2] بعض نسخوں میں ابن زبیر ہے۔

۴۲۵۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ
۳۸
عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَنْتِفُوا الشَّیْبَ فَاِنَّہٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِی الْاِسْلَامِ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا حَسَنَۃً وَّ کَفَّرَ عَنْہُ بِھَا خَطِیْئَۃً وَّ رَفَعَہٗ بِھَا دَرَجَۃً۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم سفید بال نہ چنو کیونکہ سفیدی مسلمان کا نور[1] ہے۔ جس شخص کے بال اسلام میں سفید ہو گئے، اللہ تعالٰی اس کے لیے اس سفیدی کی بدولت ایک نیکی لکھے گا اور اس کا ایک گناہ مٹا دے گا۔
(ابوداؤد)

[1] کیونکہ بالوں کی سفیدی وقار ہے، جیسے تیسری فصل کے آخر میں آئے گا کہ پہلے پہل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالوں کی سفیدی دیکھی اور عرض کیا میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ یہ وقار ہے، انہوں نے عرض کیا رب کریم! وقار میں اضافہ فرما، وقار آدمی کو فسق و فجور اور گناہوں سے روکتا ہے، توبہ اور نیکیوں کا سبب بنتا ہے، اور یہ نور کا سبب بنتا ہے جو محشر کے اندھیروں میں مومن کے آگے آگے دوڑے گا۔ جیسے کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیفیتی نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ۔ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانبوں میں دوڑے گا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے کہا اس توجیہ کے مطابق نور سے مراد قیامت کے دن کا نور ہے۔ جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں صراحۃً آیا ہے۔ اگر اس جگہ نورانیت سے مراد حلیہ کا حسن، صورت کا جمال، باطن کی صفائی اور سیرت کی درستی مراد لی جائے جو اس عالم میں بڑھاپوں کو حاصل ہوتی ہے تو بھی بعید نہیں ہے، آخرت کی اچھی جزا اور جنت کا داخلہ جو اس پر مرتب ہوگا

وہ اپنی جگہ ہے جیسے کہ آئندہ ارشاد میں اشارہ ہے۔

۴۲۵۸ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ
۳۹
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت کعب بن مرہ[1] رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا، اس کے لیے بڑھاپا قیامت کے دن نور ہوگا۔[2]

(ترمذی، نسائی)

[1] حضرت کعب بن مرہ صحابی ہیں، شام کے علاقہ اردن کے رہنے والے تھے، وہیں ۵۹ھ میں وصال ہوا۔
[2] اس کے لیے بڑھاپا روشنی کا سبب اور اس دن کی محنت و مشقت اور تاریکی سے نجات کا ذریعہ ہوگا، کیونکہ بڑھاپے میں آدمی توبہ کرتا ہے اور عبادات انجام دیتا ہے۔

اس جگہ ایک سوال اور اشکال ہے اور وہ یہ کہ جب بڑھاپا زیادہ آخرت میں نورانیت کا سبب ہے تو اسے چھپانا اور خضاب کے ذریعے تبدیل کرنا کیوں شروع ہوا؟ علماء فرماتے ہیں کہ یہ تبدیلی ایک دوسری دینی مصلحت کی بنا پر شروع ہوتی ہے، اور وہ ہے دشمنوں کو ذلیل کرنا اور اپنی قوت کا ظاہر کرنا، تاکہ وہ کمزور سمجھ کر دلیر نہ ہو جائیں، اگر کہا جائے کہ اس مصلحت کے پیش نظر بالوں کا اکھیڑنا کیوں جائز نہیں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ سفید بالوں کا جڑ سے اکھیڑنا بالآخر بدصورتی کا سبب بن جائے گا، برخلاف خضاب کے کہ اس کے ذریعے بالوں کی رنگت تبدیل ہوگی، یہ فرق ہے خضاب لگانے اور بالوں کے اکھیڑنے میں، سفید بالوں کا چننا اگر زیب و زینت کے لیے اور تکلف کے ساتھ نہ ہو تو ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا، کوئی حرج نہیں، لیکن مختار اس کے خلاف ہے۔

۴۲۵۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ
۴۰
كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم ایک برتن[1] سے غسل کیا کرتے تھے، آپ کے بال جمہ سے اوپر اور وفرہ سے کم تھے۔[2]

(ترمذی)

لہ اور وہ برتن میرے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان مشترک ہوتا تھا، یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو کتاب الطہارۃ کے باب الغسل میں گزر گئی ہے۔

۲لہ یاد رہے کہ سر کے بالوں کے تین نام ہیں۔ (۱) جُمّہ جیم پر پیش اور میم مشدد (۲) وَفرَہ واؤ پر زبر اور فا ساکن (۳) لِمّہ لام کے نیچے زیر اور میم مشدد۔ جمّہ وہ بال ہیں جو کندھوں تک ہوں، وفرہ وہ کان کے نرم حصہ تک ہوں اور لمّہ وہ بال جو کانوں سے نیچے ہوں اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے ہوں، ان الفاظ کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک اس وقت جمہ سے اوپر تھے یعنی کندھوں تک پہنچے ہوئے نہیں تھے۔ اور وفرہ سے نیچے تھے یعنی کانوں سے نیچے پہنچے ہوئے تھے یعنی لمہ تھے اور کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔ کبھی جمہ مطلق بالوں کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ شمائل میں ہے تَضْرِبُ جُمَّتُہٗ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ آپ کے بال کان کے نرم حصے کو چھوتے تھے، قاموس میں ہے۔ اَلْجُمَّۃُ جیم پر پیش سر کے بالوں کا مجموعہ۔

۴۲۶۰ وَعَنِ ابْنِ الْحَنْظَلِیَّۃِ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَیْمٌ الْاَسَدِیُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِہٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِہٖ فَبَلَغَ ذٰلِکَ خُرَیْمًا فَاَخَذَ شَفْرَۃً فَقَطَعَ بِھَا جُمَّتَہٗ اِلٰی اُذُنَیْہِ وَرَفَعَ اِزَارَہٗ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابن الحنظلیہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خریم اسدی[۲] اچھا مرد ہے۔ اگر ان کے بالوں کی لمبائی[۳] اور چادر کو نیچے لٹکانا نہ ہوتا۔ یہ بات حضرت خریم کو پہنچی تو انہوں نے چھری لے کر اپنے بال کانوں تک کاٹ دیئے اور اپنی چادر آدھی پنڈلیوں تک اونچی کر لی۔ (ابوداؤد)

لہ ابن الحنظلیہ بے نقطہ حا اور نقطے والی ظاء، ابو الحارث سہل بن ربیع صاحب فضیلت صحابی، بکثرت نماز پڑھتے اور ذکر کرتے، شام میں مقیم تھے، حنظلیہ ان کی والدہ یا دادی کا نام ہے۔

۲لہ خریم نقطے والی خا پر پیش، را پر زبر اور یا ساکن اسدی۔ قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے، یہ بھی صحابی ہیں۔

۳لہ اگرچہ بالوں کی لمبائی مکروہ اور مذموم نہیں ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے لمبے بالوں کی بنا پر ناپسندیدہ ناز نخرہ اور زینت محسوس کی ہو اور ان کے حال کی شکایت کی ہو ______ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس

اس کی دلیل ہے کہ اگر غیر حاضر مسلمان بھائی کے کسی مکروہ وصف کا ذکر جائے جس کا وہ مرتکب ہو تاکہ وہ اس سے بھی باز آجائے تو جائز ہے۔

۴۴۶۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِي ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِي اُمِّي لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَ يَاْخُذُهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے گیسو[1] تھے۔ میری والدہ نے کہا کہ میں انہیں نہیں کاٹوں گی[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کھینچتے تھے اور پکڑتے تھے[3]۔ (ابوداؤد)

[1] ذوابۃ نقطے والے ذال پر پیش، گیسو۔

[2] اس کے بعد نہ کاٹنے کی وجہ بیان کی

[3] خوش طبعی اور انبساط کے طور پر، جیسے عموماً بچوں کے ساتھ ہنسی مزاح کرتے ہیں۔ بطور تبرک ان گیسوؤں کو محفوظ رکھتی تھیں اور انہیں بلے کرتی تھیں، ابھی ابھی جو جرکی لمبائی کا ناپسندیدہ ہونا بیان ہوا ہے، اس کی کچھ اور وجہ ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے۔

۴۴۶۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْهَلَ اٰلَ جَعْفَرٍ ثَلٰثًا ثُمَّ اَتَاهُمْ فَقَالَ لَا تَبْكُوْا عَلٰى اَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُوْا لِيْ بَنِيْ اَخِيْ فَجِيْءَ بِنَا كَاَنَّا اَفْرُخٌ فَقَالَ اُدْعُوْا لِيَ الْحَلَّاقَ فَاَمَرَهٗ فَحَلَقَ رُءُوْسَنَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن جعفر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کی اولاد کو تین راتوں تک مہلت دی[2]۔ پھر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا[3]، پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو میرے پاس بلاؤ، ہمیں آپ کے پاس اس حال میں لایا گیا گویا ہم چوزے ہوں[4]، فرمایا: میرے پاس حجام کو بلا کر لاؤ۔ آپ کے حکم پر اس نے ہمارے سر مونڈ دیئے[5]۔ (ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت عبداللہ بن جعفر فضلائے صحابہ اور بنی ہاشم کے اشراف میں سے ہیں، جود و سخا میں بے مثال تھے۔

۵۲ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اولاد کو تین راتوں تک مہلت دی، انہیں رونے دیا، اظہار غم کرنے دیا، اور ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔

۵۳ کیونکہ اظہار غم کی انتہا تین دن تک ہے۔

۵۴ اَفْرُخ ہمزے پر زبر، فا ساکن را پر پیش، فرخ کی جمع ہے، چوزہ، پرندے کا بچہ۔

۵۵ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچوں کے سر مونڈنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جعفر کی جدائی کے صدمے کی بنا پر بچوں کے سروں میں کنگھی نہیں کر سکیں گی اور انہیں دیکھ بھال کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔

۴۴۶۳ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ الْاَنْصَارِيَّةِ اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْهِكِيْ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَحْظٰى لِلْمَرْاَةِ وَ اَحَبُّ اِلَى الْبَعْلِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ وَ رَاوِيْهِ مَجْهُوْلٌ

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت ختنہ کیا کرتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کیا کرو، کیونکہ یہ مبالغہ نہ کرنا عورت کو زیادہ خوش کرنے والا ہے۔ اور شوہر کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے (ابوداؤد) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس کا راوی مجہول ہے۔

۵۱ حضرت ام عطیہ انصاریہ اکابر صحابیات میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیا کرتی تھیں، بیماروں کی تیمارداری کرتیں۔ اور زخموں کا علاج کیا کرتی تھیں، حضرت انس بن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا نام نسیبہ بنت کعب نون پر پیش، بے نقطہ سین پر زبر، یا ساکن، با پر زبر، ابن معین نے کہا کہ نون پر زبر اور سین کے نیچے زیر۔

۵۲ یعنی عورتوں کا۔

۵۳ اور گوشت جڑ سے نہ کاٹ دیا کرو۔ لَا تُنْهِكِيْ تا پر پیش، ہا کے نیچے زیر اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ انہاک اور نہک دونوں سے روایت ہے، اس کا معنی ہے کاٹنے میں مبالغہ کرنا۔

۵۴ اللہ اکل کے لیے زیادہ لذت بخش ہے۔

۵۵ یعنی اگر اس کے کاٹنے میں مبالغہ کریں تو مرد کم لطف اندوز ہوگا اور دیکھنے میں بھی وہ جگہ بھی قبیح معلوم ہوگی۔

۴۲۶۴/۴۵ وَعَنْ كَرِيْمَةَ بِنْتِ هُمَامٍ اَنَّ امْرَاَةً سَاَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَا بَاْسَ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُهٗ كَانَ حَبِيْبِيْ يَكْرَهُ رِيْحَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت کریمہ بنت ھمام[۱] سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مہندی کے خضاب[۲] کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں[۳]۔ لیکن[۴] میں اسے ناپسند کرتی ہوں، میرے[۵] محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی بو کو ناپسند کرتے تھے[۶]۔ (ابوداؤد، نسائی)

۵۱ کریمہ بنت ھمام ہا پر پیش، میم مخفف (ھُمام)، ہا پر زبر اور میم مشدد کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے (ھَمّام) تابعیہ ہیں اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔ ان کی حدیث اہل بصرہ میں ہے۔

۵۲ ظاہر یہ ہے کہ عورتوں کے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگانے کے بارے میں سوال کیا۔ جیسے روشن حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

۵۳ عورتیں لگا سکتی ہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر عورت شوہر کے لیے آرائش کی نیت سے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ جان دار چیزوں کی تصویریں نہ بنائی جائیں۔

۵۴ گویا اس عورت نے سوال کیا کہ پھر آپ کیوں نہیں لگاتیں؟

۵۵ مہندی کے ناپسند کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۵۶ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مہندی خوشبو نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو پسند فرماتے تھے۔ اگر مہندی بھی خوشبو ہوتی تو اسے بھی پسند فرماتے، جب کہ احناف یہ کہتے ہیں کہ مہندی خوشبو ہے (لہٰذا احرام کی حالت میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے ۱۲ ان ن) اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بے شک پسند تھی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کی خوشبو پسند ہو، نیز ہر قسم کی خوشبو کے پسند ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب خوشبوئیں ایک جیسی پسند ہوں، بعض خوشبوؤں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ پسند کرتے تھے، اور بعض کو کم، گویا مطلب یہ ہے کہ مہندی کی خوشبو کو اتنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس سے محظوظ اور مسرور ہوتے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کا اہتمام نہیں کرتی تھیں۔

۴۲۶۵/۴۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ فَقَالَ لَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ[۱] نے عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی! مجھے بیعت کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں

أُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِي كَفَّيْكِ فَكَأَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے ہاتھوں کو تبدیل کرو[۵۲] دونوں ہاتھ گویا درندے کے ہاتھ ہیں[۵۳]

(ابوداؤد)

۵۱ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، حضرت ابوسفیان کی اہلیہ اور حضرت امیر معاویہ کی والدہ۔ فتح مکہ کے دن اپنے شوہر ابوسفیان کے بعد اسلام لائیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سابق نکاح پر برقرار رکھا، حضرت ہند نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! میرے نزدیک آپ کا چہرہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا اب میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب آپ کا چہرہ ہے اپہلے میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ آپ کا خیمہ تھا۔ اور اب یہ حال ہے کہ سب سے زیادہ محبوب آپ کا خیمہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاَیْضًا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے شارحین نے وَاَیْضًا کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔ (۱) جوں جوں ایمان تمہارے دل میں گھر کرتا جائے گا، تمہاری محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ (۲) میں بھی تمہاری نسبت اپنا حال اسی طرح محسوس کرتا ہوں کہ تم لوگ پہلے ناپسندیدہ تھے۔ اب مجھے تم لوگوں سے سخت محبت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم جنگ میں ہند نے سید الشہداء امیر حمزہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مشہور واقعہ ہے۔

۵۲ یعنی مہندی لگاؤ۔

۵۳ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے ہاتھوں کو مہندی لگانا مستحب ہے اور اس کا ترک کرنا مکروہ ہے کہتے ہیں کہ کراہت اور انکار کی وجہ مردوں کے ساتھ مشابہت ہے اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عورتوں کے لیے مردوں کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہے۔ اور اگر پہنیں تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لیں۔

۴۲۶۶ وَعَنْهَا قَالَتْ أَوْمَتِ امْرَأَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ مَا أَدْرِيْ أَيَدُ رَجُلٍ أَوْ يَدُ امْرَأَةٍ قَالَتْ بَلْ يَدُ امْرَأَةٍ قَالَ لَوْ كُنْتِ امْرَأَةً تَغَيَّرَتْ

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اشارہ کیا، اس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی جو کسی نے (ان کے ہاتھ)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بھیجی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا[۵۴] اور فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا، اس نے کہا بلکہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپ نے فرمایا: اگر تو عورت ہوتی[۵۵] تو اپنے ناخنوں کو تبدیل کر لیتی۔

أَظْفَارَهَا يَعْنِي بِالْحِنَّاءِ۔ ـــــــــ یعنی مہندی سے [۳]۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) ـــــــــ (ابوداؤد، نسائی)

[۱] اس کے ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور اس کے ہاتھ سے تحریر نہیں لی۔

[۲] یعنی اگر تو عورتوں کی علامت کی رعایت کرنے والی اور ان کی عادت کو محفوظ رکھنے والی ہوتی۔

[۳] اس میں عورتوں کے لیے مہندی لگانے کے استحباب کو تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مرد و زن کے امتیازی احوال کی رعایت کی مکمل تعلیم دی گئی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نگہداشت پر تنبیہ فرمائی ہے۔

۴۲۶۷/۴۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بالوں کے ملانے والی اور ملوانے والی، بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی [۱] پر لعنت کی گئی جو کسی بیماری کے بغیر ایسا کرے۔

(ابوداؤد)

[۱] ان الفاظ کے معانی پہلی فصل میں بیان کیے گئے ہیں، اس جگہ نامصہ کا ذکر ہے جب کہ اس جگہ ذکر نہیں تھا، نامصہ کا معنی ہے چہرے سے بال اکھیڑنے والی، نیز اس جگہ کراہت کے ساتھ اپنے قول سے قید لگائی ہے کہ یہ کام بیماری کے بغیر ہوں یعنی کراہت اس صورت میں ہے کہ کوئی عذر اور بیماری نہ ہو، یہ قید اس جگہ بھی مراد ہے۔

۴۲۶۸/۴۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس [۱] پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنے [۲]۔

(ابوداؤد)

[۱] لِبْسَۃ لام کے نیچے زیر۔

[۲] پس نہ تو مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔ اور نہ عورتوں کے لیے جائز ہے کہ مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔

۴۲۶۹ وَعَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ[۵۰] قَالَ قِيْلَ لِعَائِشَةَ اِنَّ امْرَاَةً تَلْبَسُ النَّعْلَ قَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَاءِ۔

حضرت ابن ابی ملیکہ[۵۰] سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کیا گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں[۵۲] پر لعنت فرمائی ہے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ (ابوداؤد)

۵۱ ابن ابی ملیکہ میم پر پیش، لام پر زبر یاء ساکن۔ ان کی کنیت ابو محمد یا ابو بکر ہے، ان کا نام عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ تیمی قرشی ہے، بھیجتے تھے، مشہور تابعین اور ان کے علماء میں سے تھے حضرت عبد اللہ بن زبیر کے دور میں مکہ مکرمہ کے قاضی تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیس صحابہ کرام سے ملاقات کی، حضرت عائشہ صدیقہ، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے تھے، ان سے ابن جریج اور دیگر بہت سے محدثین نے روایت کی ۱۱۷ھ میں وصال ہوا۔

۵۲ چونکہ عورت کو مردانہ پن سے موصوف کیا اس لیے الرَّجُلَۃَ کے آخر میں تاء لائی گئی ہے۔

۴۲۷۰ وَعَنْ ثَوْبَانَ[۵۱] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ كَانَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِاِنْسَانٍ مِّنْ اَهْلِهٖ فَاطِمَةَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَّقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا اَوْ سِتْرًا عَلٰى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ اَنَّمَا مَنَعَهٗ اَنْ

حضرت ثوبان[۵۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے گھر والوں میں سے جس آخری فرد سے ملاقات فرماتے وہ حضرت فاطمہ زہراء ہوتیں[۵۴]، اور واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہراء کے پاس ہی تشریف لے جاتے، ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے اپنے دروازے پر ٹاٹ یا پردہ[۵۵] لٹکایا ہوا تھا، اور حسنین کریمین کو چاندی کے دو کنگن[۵۶] پہنا رکھے تھے، آپ تشریف لائے تو اندر داخل نہیں ہوئے[۵۷]، حضرت فاطمہ نے سمجھ لیا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے

يَدْخُلْ مَا رَاٰى فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَ فَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَ قَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيَانِ فَاَخَذَهُ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا ثَوْبَانُ اذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى اٰلِ فُلَانٍ اِنَّ هٰؤُلَاۤءِ اَهْلِىْ اَكْرَهُ اَنْ يَّاْكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِىْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِّنْ عَصَبٍ وَّ سِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ:

داخل ہونے سے روکا ہے، چنانچہ انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور دونوں بچوں کے کنگن اتار دیے اور انہیں کاٹ دیا، دونوں بچے روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دونوں بچوں سے وہ زیور لے لیے اور فرمایا: اے ثوبان! اسے آل فلاں کے پاس لے جاؤ، بے شک یہ میری اولاد ہیں ، میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھائیں۔ ثوبان! فاطمہ کے لیے عصب کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ) (احمد، ابوداؤد)

۱؎ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، مقرب بارگاہ اور دربار اقدس کے حاضر باش تھے۔

۲؎ یعنی سب کو الوداع کہہ کر حضرت فاطمہ زہرا کے پاس تشریف لاتے اور جو کچھ فرمانا ہوتا فرماتے، اور مناسب وصیت کرتے اور انہیں وداع کرتے۔

۳؎ مسح میم کے نیچے زیر، ٹاٹ۔ ستر پردہ، سین کے نیچے زیر، راوی کو شک ہے کہ مسحا کہا یا سترا۔

۴؎ قلبین قاف پر پیش اور لام ساکن، دو کنگن۔

۵؎ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں داخل نہیں ہوئے جیسے کہ آپ کا معمول تھا۔

۶؎ یعنی دروازے پر لٹکایا ہوا پردہ اور حسنین کریمین کو پہنائے گئے کنگن

۷؎ یعنی حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۸؎ فائدہ: منہما کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں (۱) حضرت حسنین کریمین کو رسولنے کی محبت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اثر انداز ہوئی (۲) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دونوں زیور حسنین کریمین سے لے لیے اور یہ معنی آئندہ عبارت

کے مناسب زیادہ ہے۔

۹ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا نام لیا۔

۱۰ یعنی ہمیں ناپسند ہے کہ ہماری اولاد اچھے کھانوں سے لطف اندوز ہو اور عمدہ لباس پہنے گویا اکل طیبات کنایہ ہے لطف اندوز ہونے اور خوش حالی اختیار کرنے سے، بلکہ ہم ان کے لیے فقر و ریاضت پسند کرتے ہیں، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امر و نہی، وعدہ اور نصیحت میں سختی فرمائی اور حضرت فاطمہ زہرا کی شکستہ دلی اور شرمندگی کا خیال کیا اس لیے ازراہ شفقت، محبت اور التفات فرمایا: ثوبان! فاطمہ کے لیے عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لو۔

۱۱ عصب عین پر زبر اور صاد ساکن، دونوں بے نقطہ ——— یاد رہے کہ عصب اور عاج کی تفسیر میں شارحین کا اختلاف ہے، عصب کا مشہور معنی جو لغت اور حدیث کی کتابوں میں ہے وہ یمنی چادر ہے جس کے دھاگے کو جمع کر کے گرہ لگا دی جاتی ہے۔ پھر اسے رنگ دیا جاتا ہے، بننے کے بعد رنگین لہریں پیدا ہو جاتی ہیں، کیونکہ جس جگہ سختی سے گرہ لگائی جاتی ہے وہ جگہ سفید رہ جاتی ہے اور باقی جگہ رنگین ہوتی ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ عصب دھاری دار چادر کو کہتے ہیں، بہرصورت یہ یمن کی ایک قسم کی چادر ہوتی ہے۔ یہ معنی اس جگہ چنداں مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ قلادہ، گردن میں پہنے جانے والے زیور کو کہتے ہیں، چادر کے ہار کا کیا معنی ہوا؟

نہایہ میں علامہ خطابی سے نقل کیا ہے کہ اگر عصب یمنی کپڑوں کا نام ہے تو مجھے معلوم نہیں کہ کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ کا قول نقل کیا کہ ہو سکتا ہے عصب کے صاد پر زبر ہو، جس کا معنی پٹھہ ہے اور ممکن ہے کہ بعض حیوانوں کے پٹھوں کو منکوں کی شکل کاٹتے ہوں۔ اور خشک ہونے کے بعد ان سے ہار بنائے جاتے ہوں، جب بعض حیوانوں کی ہڈیوں سے کنگن تیار کیے جا سکتے ہیں تو ان کے پٹھوں سے منکے کیوں نہیں بنائے جا سکتے؟

اس کے بعد خطابی نے کہا کہ میں نے بعض یمنیوں سے سنا کہ عصب، فرس فرعون نامی دریائی جانور کے دانتوں کو کہتے ہیں جن سے سفید منکے تراشے جاتے ہیں (اھ) یہ معنی اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس مقام کے بہت مناسب اور لائق ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہاتھی دانت کے کنگن خریدنے کا ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ عاج، ہاتھی کے دانتوں کو کہتے ہیں جو امام ابو حنیفہ کے نزدیک پاک ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک مردار کی ہڈی پاک ہے اور اس کی تجارت صحیح ہے کیونکہ موت کا اس میں اثر نہیں ہوتا۔ ہڈی ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ ہاں نجس العین کی ہڈی پاک نہیں ہوتی، ہاتھی احناف کے نزدیک نجس العین نہیں ہے۔ امام شافعی کے مشہور قول کے مطابق ہاتھی دانت پلید ہے اور اس کا استعمال اور اس کی تجارت صحیح نہیں ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ عاج ہاتھی دانت کا نام نہیں ہے، بلکہ بحری یا بری کچھوے کی پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں یا دریائی جانور کی پشت کی ہڈی کا نام ہے، اسے ذبل بھی کہتے ہیں، نقطے والے ذال پر زبر اور با کے ساتھ، اس سے کنگن اور کنگھیاں تیار کرتے ہیں، اس حدیث میں اور ایک دوسری حدیث میں بھی

مراد ہے جس میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنگھی مبارک عاج کی تھی، ہاتھی دانت کی نہ تھی جیسے کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ قاموس میں عاج کے دونوں معنی بیان کیے ہیں اور صحاح میں اس کا معنی ہاتھی کی ہڈی بیان کیا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۴۲۷۱/۵۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَ ثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اثمد[1] کا سرمہ لگاؤ، کیونکہ وہ[2] بینائی کو روشن کرتا ہے اور پلکوں[3] کے بالوں کو اگاتا ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرمے دانی[4] تھی جس سے ہر رات[5] تین سلائیاں سرمہ اس آنکھ میں اور تین اس آنکھ[6] میں لگایا کرتے تھے

(ترمذی)

[1] اثمد ہمزے کے نیچے زیر، تین نقطوں والی ثا ساکن، میم کے نیچے زیر، پتھر کے سرمے کا نام کحل کاف پر پیش، بھی اثمد کا نام ہے، اسی طرح قاموس میں ہے۔

[2] اثمد یا اس کا آنکھوں میں لگانا

[3] جو آنکھوں کی زینت ہیں اور ان کی صحت کی علامت ہیں۔

[4] مُکْحُلَۃٌ میم پر پیش، کاف ساکن، حا پر پیش، لام پر زبر، سرمہ دانی۔

[5] سوتے وقت

[6] تین سلائیاں دائیں آنکھ میں اور تین بائیں آنکھ میں ———— سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوتے وقت کستوری سے معطر اثمد کے (آنکھوں میں) لگانے کا حکم دیا، یہ بھی آیا ہے کہ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں لگاتے، ابتدا دائیں آنکھ سے کرتے اور ختم بھی دائیں آنکھ پر کرتے۔ پہلے دو سلائیاں دائیں آنکھ میں، دو سلائیاں بائیں آنکھ میں اور آخر میں ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگاتے، اس جگہ دائیں آنکھ کی فضیلت کی رعایت ہے کہ اس میں تین سلائیاں لگاتے، نیز ابتدا بھی اسی سے کرتے اور انتہا بھی اسی پر کرتے، دونوں طریقوں میں طاق عدد اس حدیث کی تعمیل میں حاصل ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق سلائیاں لگائے، پہلے طریقے میں اس طرح کہ ہر آنکھ میں

تین تین سلائیاں لگائیں اور دوسرے طریقے میں اس طرح کہ مجموعی طور پر پانچ سلائیاں ہوئیں۔ اور اسی طرح سفرالسعادۃ میں بھی ہے۔

۴۲۶۲/۵۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلٰثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَ قَالَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَ السَّعُوْطُ وَ الْحِجَامَةُ وَ الْمَشِيُّ وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْاِثْمِدُ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ وَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ وَ يَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ يَوْمُ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهٖ مَا مَرَّ عَلَى الْمَلَاِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ۔

اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے اثمد کا سرمہ لگایا کرتے تھے، ہر آنکھ میں تین سلائیاں، ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین وہ چیز جسے تم بطور دوا استعمال کرو[۱] لیپ نسوار، پچھنے لگانا اور جلاب ہے اور بہترین وہ چیز جو تم آنکھوں میں لگاؤ اثمد ہے۔ کیونکہ وہ بینائی کو جلا بخشتا ہے، پلکوں کے بال اگاتا ہے، اور بہترین وہ دن جس میں تم سنگیاں لگواؤ سترہ[۱۷]، انیس[۱۹] اور اکیس[۲۱] تاریخ ہے[۲]، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب آسمانوں پر لے جایا گیا تو آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرے انہوں نے یہی کہا کہ آپ فصد اختیار کریں[۳]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔)

(ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] یہ چار چیزیں ہیں (۱) لَدود لام پر زبر (۲) سعوط سین پر زبر (۳) حجامت حاء کے نیچے زیر (۴) مشی میم پر زبر نقطوں والے شین کے نیچے زیر اور یا مشدد لدود وہ دوا ہے جو پلائی جائے اور منہ میں ڈالی جائے۔ لدیدان، منہ کی دونوں

جانبیں بلکہ ہر چیز کی دو جانبوں کو کہتے ہیں۔ سعوط وہ دوائی ہے جو ناک میں ڈالی جاتی (نسوار) حجامت خون نکالنا، محجم میم کے نیچے زیر، اسے محجمہ بھی کہتے ہیں وہ چیز جس کے ساتھ خون نکالا جاتا ہے، اور یہ جانور کے سینگ کی طرح کا ایک آلہ ہے پہلے خون نکالنے کی جگہ پر پچھنے لگاتے ہیں پھر اس سینگ کو منہ میں رکھ کر (اور اس جگہ رکھ کر) چوستے ہیں، عربوں کا یہی طریقہ ہے، اس طرح خون نکالنا جائز ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ آلات کے ذریعے سے خون کا کم کرنا جیسے کہ ہمارے علاقوں میں رائج ہے اسی کے حکم میں داخل ہے، حاصل یہ ہے کہ حجامت کا معنی سنگی کے ذریعے خون نکالنا ہے اور یہ فصد (رگ کاٹنے) کے مقابل ہے۔ مَشِیٌّ میم پر زبر، شین کے نیچے زیر اور یا مشدد، بروزن فعیل، جلاب آور دوا کو کہتے ہیں، یہ مشتق ہے مَشْیٌ سے، جس کا معنی چلنا ہے، جلاب آور دوا بھی آدمی کو چلاتی ہے اور تقاضائے حاجت کے لیے لے جاتی ہے۔ مَشُوْعَدُوٌّ کی طرح بروزن فعول اور مَشَاءٌ بروزن سماء بھی آتا ہے۔

۵۲ کیونکہ مہینے کی پہلی تاریخ سے لے کر پندرہ تاریخ تک خون بلکہ تمام رطوبتیں، زیادتی، غلبے اور جوش میں ہوتی ہیں اور مہینے کے آخر میں نقصان، سردی اور پستی میں ہوتی ہیں، اس لیے مہینے کا درمیانی حصہ اعتدال کے زیادہ مناسب ہے، خصوصاً یہ تین دن (۱۷، ۱۹، ۲۱) سنگیاں لگوانے کے احکام کی تفصیل اور اس کے اوقات کی تعیین، مہینے کے دنوں اور ہفتوں کے اعتبار سے کتاب الطب والرقی میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۳ یہ حدیث بھی کتاب الطب والرقی میں آئے گی، اور اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امت کو سنگیاں لگوانے کا حکم دینا بھی مذکور ہے۔ اس حدیث کا مضمون بھی اس پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

۴۲۷۳ / ۵۴ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الرِّجَالَ وَ النِّسَآءَ عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ اَنْ يَّدْخُلُوْا بِالْمَيَازِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ پھر مردوں کو اجازت دی اس شرط کے ساتھ کہ وہ تہبند[۵۴] پہن کر داخل ہوں۔

(ترمذی: ابوداؤد)

۵۴ میزر میم کے نیچے زیر، تہبند۔

۴۲۷۴ / ۵۵ وَعَنْ اَبِی الْمَلِيْحِ قَالَ قَدِمَ عَلٰى عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِّنْ اَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ

حضرت ابوالملیح[۵۵] سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حمص[۵۶] کی رہنے والی کچھ عورتیں آئیں، آپ نے کہا تم

اَيْنَ اَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّكُنَّ مِنَ الْكُوْرَةِ الَّتِيْ تَدْخُلُ نِسَاءُ هَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلٰى قَالَتْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَخْلَعُ امْرَاَةٌ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ رَبِّهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ فِيْ غَيْرِ بَيْتِهَا اِلَّا هَتَكَتْ سِتْرَهَا فِيْمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

کہاں کی ہو؟ انہوں نے کہا شام کی، فرمایا غالباً تم اس شہر کی رہنے والی ہو جہاں کی عورتیں حماموں میں داخل ہوتی ہیں، انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کپڑے نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

سلہ ابوالملیح ہذلی، بصری تابعی ہیں، ان کا نام عامر بن اسامہ یا زید بن اسامہ ہے ۱۲۰ھ میں وصال ہوا، ان کے والد حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

سلہ حمص حا کے نیچے زیر، میم ساکن، مشہور شہر کا نام ہے، قاموس میں ہے کہ حمص، شام کا ایک شہر ہے اور وہاں کے رہنے والے یمانیون ہیں۔

سلہ اور اس علاقہ سے تعلق رکھتی ہو۔

سلہ ستر سین کے نیچے زیر۔

سلہ بینہا و بین ربہا کی جگہ بینہا و بین اللہ ہے، پردہ پھاڑنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے پہننے کے لیے لباس پیدا کیا ہے اور ستر کا حکم دیا ہے، اس لیے لباس کے اتارنے میں پردے کا پھاڑنا ہے اور حیا اور بندگی کے پردے کا اتار پھینکنا ہے۔

۴۲۷۵/۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ لَکُمْ اَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِیْھَا بُیُوْتًا یُقَالُ لَھَا الْحَمَّامَاتُ فَلَا یَدْخُلَنَّھَا الرِّجَالُ اِلَّا بِالْاُزُرِ وَامْنَعُوْھَا النِّسَاءَ اِلَّا مَرِیْضَۃً اَوْ نُفَسَاءَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

تمہارے لیے عجم کی زمین فتح کر دی جائے گی اور تم اس میں ایسے گھر پاؤ گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے تو ان میں مرد ہرگز داخل نہ ہوں، مگر تہبندوں[۱] کے ساتھ اور عورتوں کو ان میں داخل ہونے سے منع کرو[۲] مگر یہ کہ بیمار ہوں یا نفاس کی حالت میں ہوں[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] الازر ہمزے پر پیش اور زا ساکن، اِزار کی جمع تہبند۔

[۲] یعنی مطلقاً منع کرو خواہ تہبند کے ساتھ ہوں یا اس کے بغیر، کیونکہ عورتیں سر سے پاؤں تک عورت ہیں (تمام جسم پردے میں ہونا چاہیے) مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے، ان کے لیے تہبند باندھنا کافی ہے۔

[۳] یعنی عورتیں بیمار ہوں اور علاج معالجہ کے لیے حماموں میں جائیں، یا ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو اور وہ غسل جنابت کے لیے جائیں یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر جائیں (تو جائز ہے) عورتوں کا بغیر عذر کے حماموں میں جانا جائز نہیں ہے (حالت نفاس عورتوں کے لیے حمام میں جانا فائدہ بخش ہے ۱۲ ق ن)

۴۲۷۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَّمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُدْخِلُ حَلِیْلَتَہٗ الْحَمَّامَ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسْ عَلٰی مَائِدَۃٍ تُدَارُ عَلَیْھَا الْخَمْرُ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ) (ترمذی، نسائی)[۲]

[۱] خواہ تہبند کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

[۲] یاد رہے کہ بعض کتب فقہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حمام میں داخل ہونے کا ذکر ہے، لیکن محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، اس سلسلے میں جو حدیث وارد ہے وہ موضوع ہے، صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی حمام میں تشریف نہیں لے گئے، بلکہ آپ نے حمام دیکھا ہی نہیں ہے، مکہ معظمہ میں جو حمام النبی کے نام سے مشہور ہے وہ غالباً اس جگہ تعمیر کیا گیا ہے، جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ غسل کیا تھا، یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حمام النبی کے نام سے اس لیے مشہور ہو گیا ہو کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت کے قریب تعمیر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حمام کا ذکر احادیث میں واقع ہوا ہے جیسے کہ کتاب میں مذکور ہوا، اس کے علاوہ بھی دیگر حدیثیں وارد ہوئی ہیں، علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے طاؤس یمانی کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گھر سے گریز کرو کہ جسے حمام کہتے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس جگہ میل کچیل دور کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص وہاں جاتے اسے چاہیے کہ پردے کا اہتمام کرے اور تہبند کے بغیر نہ جائے، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حمام وہ برا گھر ہے جہاں آوازیں بلند ہو جاتی ہیں اور ستر کھولے جاتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ شہریوں نے حمام بنائے ہیں چاہیے کہ تم میں سے کوئی ان میں داخل نہ ہو، مگر تہبند کے ساتھ، اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے جب تک باہر نہ آ جائے، اور دو شخص ایک برتن سے غسل نہ کریں اور عورتیں حماموں میں نہ آئیں، مگر اس صورت میں کہ بیمار ہوں یا کوئی دوسری ضرورت ہو، نیز وہاں بے ریش لڑکے نہ ہوں، حمام میں قرآن پاک پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۴۷۵ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ کُنَّ فِیْ رَاْسِہٖ فَعَلْتُ قَالَ وَ لَمْ یَخْتَضِبْ وَزَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ وَ قَدِ اخْتَضَبَ

حضرت ثابت[۱] سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو آپ کے سر مبارک کے سفید بال[۲] کو شمار کر لیتا، فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا، ایک دوسری روایت

اَبُوْبَکْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَ الْکَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہندی اور کتم کے ساتھ خضاب لگایا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مہندی سے خضاب لگایا۔ (صحیحین)

سلہ حضرت ثابت بنانی اکابر علماء اور مشہور تابعین میں سے ہیں، بزرگ تھے اور بہترین لباس پہنتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ عبادت گزار نہ تھا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب تھے، اور چالیس تک ان کی خدمت میں رہے، حضرت انس نے فرمایا، کچھ لوگ بھلائی والے ہوتے ہیں اور ثابت بھلائی کی چابی ہیں۔

سلہ شمط پہلے دونوں حرفوں پر زبر، سفید بال جو سیاہ بالوں میں ہوں، اشمط اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بال سیاہ اور سفید ہوں، مطلب یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معدودے چند بال سفید تھے، خضاب کی کیا ضرورت تھی۔

سلہ حضرت انس نے یا حضرت ثابت نے

۴۲۷۸/۵۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یُصَفِّرُ لِحْیَتَہٗ بِالصُّفْرَۃِ حَتّٰی یَمْتَلِئَ ثِیَابُہٗ مِنَ الصُّفْرَۃِ فَقِیْلَ لِمَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَۃِ قَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْبُغُ بِھَا وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْھَا وَقَدْ کَانَ یَصْبُغُ بِھَا ثِیَابَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی عِمَامَتَہٗ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو صفرۃ کے ساتھ رنگ دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے زردی سے بھر جاتے تھے، انہیں کہا گیا کہ آپ زرد رنگ کیوں دیتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زرد رنگ کے ساتھ رنگتے ہوئے دیکھا، اور آپ کو زردی سے زیادہ کوئی چیز پسند نہ تھی، اس کے ساتھ آپ اپنے تمام کپڑوں یہاں تک کہ پگڑی کو بھی رنگتے تھے۔

(ابوداؤد، نسائی)

سلہ صفرۃ ایک قسم کی خوشبو ہے جس میں زردی ہوتی ہے۔

سلہ شارحین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابن عمر نے جو یہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفرۃ کے ساتھ رنگ کیا کرتے تھے اس سے کیا مراد ہے؟ بالوں کا رنگنا یا کپڑوں کا، کلام کی روش سے ظاہر یہ ہے کہ بالوں کا رنگنا مراد ہے، کیونکہ کپڑوں

کے رنگنے کا ذکر تو اس کے بعد کیا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے مطلقاً بطور ابہام کپڑوں کے رنگنے کا ذکر کیا پھر تمام کپڑوں کے رنگنے کا ذکر کر دیا، بالوں کے رنگنے کا دہ قرینہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ آپ اپنی داڑھی مبارک ورس اور زعفران سے رنگا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا اس لیے کپڑوں کا رنگنا ہی مراد ہونا چاہیے، بالوں کا رنگنا اس تاویل کے ساتھ مراد ہو سکتا ہے جس کی طرف ہم نے اس سے پہلے اشارہ کیا ہے کہ رنگ کرنے سے مراد ملنا اور صفائی و نظافت کے ارادے سے (زعفران وغیرہ سے) دھونا مراد ہے۔

حضرت ابن عمر نے جو یہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام کپڑوں کو صفرت سے رنگ لیتے تھے، چونکہ صفرت سے مراد خوشبو کی ایک قسم ہے جس میں زردی ہوتی ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے، اس خوشبو سے خلوق مراد نہیں ہونا چاہیے جس میں زعفران ہوتا ہے، کیونکہ اس سے بعد میں کلی اجتناب معلوم ہو چکا ہے، اور اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس نے خلوق لگایا ہوا تھا، اور مبالغہ کے ساتھ اس کے دھونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس شخص کی نماز قبول نہیں ہے جس کے جسم پر کچھ بھی خلوق لگا ہوا ہو، اس لیے ورس وغیرہ قسم کی گھاس مراد ہوگی، اور اگر اسے ممانعت سے پہلے زمانے پر محمول کریں اور اسے منسوخ قرار دیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ حضرت حسن بصری ایک وقت تک اپنی داڑھی کو صفرت کے ساتھ رنگا کرتے تھے پھر اسے ترک کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابو امامہ، حضرت جریر بن عبد اللہ اور مغیرہ بن شعبہ صفرت کے ساتھ رنگا کرتے تھے، حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ تم میں سے ایک شخص اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نور کا ارادہ کرتا ہے، اسے دور کرتا ہے اور اس نور کو ڈھانپ دیتا ہے، ان کے سر اور چہرے کے بال بدرجہ سفید تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خضاب کے بارے میں متقدمین میں بھی اختلاف تھا اگرچہ صفرت کے ساتھ ہو، حضرت سعید بن جبیر کی یہ بات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے جو ہم نے اس سے پہلے نقل کیا کہ خضاب اس شخص کے لیے ہے جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما اور نورانی نہ ہو، لیکن جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما اور نورانی ہو اس کے لیے خضاب بہتر نہیں ہے، امام نووی سے منقول ہے کہ مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اوقات رنگ کیا اور اکثر اوقات اسے ترک کیا، ہر صحابی نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا۔ اور ہر صحابی اپنے بیان میں سچے تھے، امام نووی نے فرمایا کہ احادیث صحیحہ کے درمیان تطبیق دینے کے لیے یہ تاویل ضروری ہے۔

۴۲۷۹/۴۰ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعْرًا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے روایت ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگا ہوا بال مبارک

وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا۔ نکال کر دکھایا[۲]

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

[۱] عثمان بن عبد اللہ بن موہب ہا پر زبر، ابو عبد اللہ الاعرج التیمی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام، عراق میں رہتے تھے، تابعین میں شمار ہوتے ہیں، ثقہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، جابر بن سمرہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام ابو حنیفہ اور ثوری روایت کرتے ہیں۔

[۲] جو حضرات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال رنگنے کا انکار کرتے ہیں وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بال مبارک کو رنگ دیا تھا تاکہ مضبوط اور مستحکم رہے، یا کثرت سے خوشبو استعمال کرنے کے سبب وہ رنگا ہوا دکھائی دیتا تھا، جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہم نے حضرت انس کے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگا ہوا بال دیکھا اس کی بھی یہی تاویل کی ہے۔

۴۲۸۰ — ۶۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَ رِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَاَمَرَ بِهٖ فَنُفِيَ اِلَى النَّقِيْعِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَقْتُلُهٗ فَقَالَ اِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث[۱] لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا کیا حال ہے[۲]؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے[۳]، آپ کے حکم پر اسے نقیع[۴] کی طرف نکال دیا گیا، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کیا آپ اسے قتل نہیں کر دیتے[۵]، فرمایا: مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے[۶]۔

(ابو داؤد)

[۱] مخنث اس مرد کو کہتے ہیں جو لباس اور حرکات و سکنات وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرے، نون پر زبر اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس مخنث کا ذکر کتاب النکاح کے اس باب میں گزر چکا ہے جس میں اس عورت کی طرف نظر کرنے کا بیان ہے جسے پیغام نکاح دیا گیا ہو۔

[۲] کہ یہ اس طرح کرتا ہے۔

۵۲ اور یہ مخنث ہے۔

۵۴ نقیع نون پر زبر، اس کے بعد قاف، مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام

۵۵ یعنی اگر آپ فرمائیں تو ہم اسے اس کے فسق وفساد کی بنا پر قتل کر دیں۔

۵۶ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ اسلام سے کنایہ ہے (یعنی مراد یہ ہے کہ مسلمان کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے) بعض حضرات کا قول کہ اگر کوئی مسلمان نماز ادا نہ کرے تو واجب القتل ہے ظاہر پر محمول ہے (یعنی وہ نماز نہ پڑھنے کی سزا ہی قتل تجویز کرتے ہیں ۱۲ اق ن)

۴۴۲۸/۶۲ وَعَنِ الْوَلِیْدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ جَعَلَ اَهْلُ مَكَّةَ يَاْتُوْنَهٗ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُوْ لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَ يَمْسَحُ رُءُوْسَهُمْ فَجِيْءَ بِيْ اِلَيْهِ وَ اَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ يَمَسَّنِيْ مِنْ اَجْلِ الْخَلُوْقِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ولید بن عقبہ[۱] سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو اہل مکہ اپنے بچے آپ کے پاس لانے لگے، آپ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور ان کے سروں[۲] پر ہاتھ پھیرتے، مجھے آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا گیا کہ میرے جسم پر خلوق[۳] لگا ہوا تھا۔ تو آپ نے خلوق کی بنا پر مجھے نہیں چھوا۔ (ابوداؤد)

۱ ولید بن عقبہ عین پر پیش، قاف ساکن بن ابی معیط میم پر پیش، عین پر زبر، یا ساکن اور بے نقطہ طاء، قریشی اموی اور حضرت عثمان غنی کے ماں کی طرف سے بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام اروی تھا، ولید طلقاء میں سے تھے (فتح مکہ کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو ۱۲ اق ن) فتح مکہ کے دن اسلام لائے، اس وقت بلوغ کے قریب پہنچے ہوئے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا، قریش کے جوانمردوں اور شعراء میں سے تھے پھر حضرت عثمان غنی نے شراب پینے پر انہیں حد لگائی اور کوفے کی گورنری سے معزول کر دیا، حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں فوت ہوئے۔

۲ ازراہ شفقت

۳ خلوق مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران کی آمیزش ہوتی ہے اور اس پر سرخی اور زردی غالب ہوتی ہے، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۴۲۸۲ / ۶۳ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ جُمَّۃً فَاُرَجِّلُھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَکْرِمْھَا قَالَ فَکَانَ اَبُوْ قَتَادَۃَ رُبَّمَا دَھَنَھَا فِی الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَکْرِمْھَا۔ (رَوَاہُ مَالِکٌ)

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے بال بہت ہیں کیا میں انہیں کنگھی کروں[۲]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور ان کی خدمت کرو، راوی[۳] کہتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ بسا اوقات دن میں دو مرتبہ بالوں کو تیل[۴] لگایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بنا پر کہ ہاں اور ان کی خدمت کیا کرو (امام مالک)

[۱] حضرت ابو قتادہ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] اور ان کی اصلاح کی کوشش کیا کروں۔

[۳] جنہوں نے حضرت ابو قتادہ سے حدیث سنی

[۴] دھنہا بار شد۔ —— اگرچہ بالوں کو تیل لگانے اور کنگھی کرنے میں مبالغہ محمود نہیں ہے لیکن حضرت ابو قتادہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی بنا پر ایسا کیا کرتے تھے۔ تیل لگانے اور کنگھی کرنے میں مبالغہ زیب و زینت میں محویت اور تکلف کی بنا پر ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کو دیکھتے ہوئے اور تعمیل کے اہتمام کی بنا پر محمود ہے، جیسے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کے گیسو کو اس بنا پر دراز کیا کہ اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پکڑا کرتے تھے جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۴۲۸۳ / ۶۴ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ فَحَدَّثَتْنِیْ اُخْتِی الْمُغِیْرَۃُ قَالَتْ وَ اَنْتَ یَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَّ لَکَ

حضرت حجاج بن حسان[۱] سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، میری بہن مغیرہ نے مجھے بیان کیا کہ تم اس وقت کم عمر تھے[۲] اور تمہارے دو گیسو تھے۔ یا پیشانی پر دو جوڑے سے تھے[۳]

قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَ بَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُوْدِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا، دعائے برکت دی اور فرمایا: ان دونوں کو مونڈ دو یا انہیں پست کر دو، کیونکہ یہ یہودیوں کی وضع ہے۔

(ابوداؤد)

سلہ حجاج بن حسان تابعی ہیں، بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، صادق ہیں، امام احمد نے ایک بار فرمایا ثقہ ہیں دوسری بار کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، یحییٰ نے کہا صالح حدیث والے ہیں، حضرت انس بن مالک حضرت عکرمہ اور حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے یحییٰ بن سعید اور یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی مجھے اتنا یاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن حاضری کی کیفیت اور احوال کی تفصیل مجھے یاد نہیں؛ اس لیے میری بہن نے مجھے بیان کی۔

سلہ راوی کو شک ہے کہ قرنان کہا یا قصتان، قصۃ قاف پر پیش، بے نقطہ صاد، پیشانی کے بال جنہیں قصاص بھی کہتے ہیں۔

۴۲۸۴/۶۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَأْسَهَا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کو سر کے بالوں کے مونڈنے سے منع فرمایا۔

(نسائی)

سلہ اگرچہ وہ احرام میں ہو، عورتوں پر (احرام سے فارغ ہونے پر) پورے کی مقدار میں بالوں کا کاٹنا واجب ہے۔

۴۲۸۵/۶۶ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَ الرَّأْسِ وَ اللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا، گویا اسے

يَأْمُرُهُ بِإِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَ هُوَ ثَائِرُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرنے کا حکم[2] دے رہے ہیں۔ اس شخص نے جاکر بال درست کیے[3] پھر لوٹ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا یہ[4] حال اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص اس حال میں آئے کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں، گویا کہ وہ شیطان ہے[5]۔

(امام مالک[6])

[1] عطاء بن یسار مشہور تابعی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح اشارہ کیا جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ آپ اسے سر اور داڑھی کے بالوں کے درست کرنے اور سنوارنے کا حکم دے رہے ہیں، گویا آپ نے سر مبارک اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا، بالوں کو درست کیا اور اس طرح اس صحابی کو تنبیہ فرمائی کہ وہ بھی اسی طرح کریں۔

[3] اس نے آپ کے اشارے کا مطلب سمجھا اور تعمیل کی (اللہ اللہ! وہ کتنے خوش قسمت لوگ تھے جو سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشاروں پر چلنا اپنے لیے دارین کی سعادت سمجھتے تھے ۲ اق ن)

[4] یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کا درست کرنا اور اس ہیأت کے ساتھ ہونا۔

[5] یعنی بدصورت اور کریہ المنظر

[6] حضرت عطاء چونکہ تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔

۴۲۸۶/۶۷ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا اُرَاهُ قَالَ اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ

حضرت ابن مسیب[1] سے روایت ہے، انہیں کہتے ہوئے سنا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک کو پسند فرماتا ہے، پاکیزہ ہے پاکیزگی[2] کو پسند فرماتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، بخشش کرنے والا ہے، بخشش کو پسند فرماتا ہے، تو[3] تم بھی اپنی سب چیزوں کو پاکیزہ رکھو، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے فرمایا، پاکیزہ رکھو اپنے صحنوں کو[4]

مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور یہودیوں کی شباہت اختیار نہ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث مہاجر بن مسمار کے سامنے بیان کی تو انہوں نے کہا مجھے یہ حدیث عامر بن سعد نے والد سے انہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی طرح بیان کی ہے۔ مگر اس میں صراحۃً فرمایا کہ اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو (ترمذی)

لے حضرت سعید بن مسیب بھی اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۲ صراح میں طیب کا معنی پاک اور نظیف کا معنی پاکیزہ بیان کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں معانی قریب اور مساوی ہیں، گویا پاک ہونے کا تعلق باطن کے ساتھ اور پاکیزگی کا تعلق ظاہر سے ہے۔ قاموس میں ہے کہ طیب کا معنی معروف ہے اور نظافۃ کا معنی صاف ستھرا ہونا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم نے طیب کے معنی اور اللہ تعالیٰ کو اس کے ساتھ موصوف کرنے کے بارے میں نفیس کلام شرح میں نقل کیا ہے۔

۳ چونکہ اللہ تعالیٰ نظافت کو پسند فرماتا ہے اس لیے تم بھی ہر چیز کو صاف ستھرا رکھو۔

۴ یعنی تم اپنے گھروں اور صحنوں کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھو۔

۵ جو اپنے صحنوں کو گندہ اور ناپاک رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہودی کوڑا اور گوبر اپنے گھروں کے دروازوں پر جمع کرتے ہیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ صحن کے پاکیزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جود و کرم اختیار کیا جائے، کیونکہ جب گھر اور اس کا صحن پاکیزہ ہوگا تو لوگوں اور مہمانوں کو وہاں آنے میں زیادہ دلچسپی ہوگی۔

۶ حضرت ابن مسیب سے اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ حدیث سنی تو میں نے مہاجر بن مسمار سے بیان کی، جو کہ بزرگ تابعی اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے آزاد کردہ غلام تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا حضرت ابن مسیب کی روایت کردہ حدیث آپ کو بھی پہنچی ہے۔

۷ عامر بن سعد بن ابی وقاص ثقہ تابعی ہیں۔

۸ حضرت سعید بن مسیب کی روایت میں بطور گمان یہ بات کہی گئی تھی کہ تم اپنے صحنوں کو پاک رکھو جب کہ حضرت عامر بن سعد کی روایت میں ظن اور گمان کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۴۲۸۷ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام پہلے انسان تھے

الرَّحْمٰنِ اَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهٗ وَ اَوَّلَ النَّاسِ رَاٰى الشَّيْبَ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا هٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَقَارٌ يَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِىْ وَقَارًا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

جنہوں نے مہمان کی مہمانی کی[۲]، پہلے پہل ختنہ کیا، پہلے مونچھیں تراشیں وہ پہلے انسان تھے جنہوں نے بالوں کی سفیدی دیکھی عرض[۳] کیا: میرے رب! یہ کیا ہے؟ رب کریم جل شانہ نے فرمایا: اے ابراہیم! یہ وقار ہے[۴]، انہوں نے عرض کیا۔ اے رب! میرے وقار میں اضافہ فرما[۵]۔

(امام مالک)

[۱] یحییٰ بن سعید انصاری مدنی، ثقہ تابعی ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین سے روایت کرتے ہیں، بعض تابعین بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی رسم مہمانی کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔

[۳] اچانک بالوں کی سفیدی دیکھی تو عرض کیا۔

[۴] اے ابراہیم یہ بڑھاپا، حلم، وقار اور ذمہ داری کا باعث ہے جو لہو و لعب اور گناہوں کے ارتکاب سے بھی روکنے والا ہے۔

[۵] علامہ سیوطی نے مؤطا کے حاشیہ میں کچھ مزید چیزیں بیان کی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیات سے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے پہل ناخن تراشے، سر میں مانگ نکالی، سب سے پہلے انہوں نے لوہا استعمال کیا یعنی موئے زیر ناف وغیرہ لوہے کے ساتھ صاف کیے اور مونڈے۔ سب سے پہلے شلوار پہنی، بالوں کی مہندی اور کتم کے ساتھ رنگا سب سے پہلے منبر پر خطبہ دیا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، میدان جنگ میں لشکر کو میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب میں تقسیم کیا، سب سے پہلے ملاقات کے وقت لوگوں سے معانقہ کیا۔ سب سے پہلے لپٹا (سیرہ) پکایا اور کھلایا۔

بَابُ التَّصَاوِيرِ

۲-۴ تصویروں کا بیان

تصاویر جمع ہے تصویر کی جس کا معنی صورت بنانا ہے، اس جگہ صورتیں مراد ہیں، صراح میں ہے، تصاویر لکڑی اور مٹی وغیرہ سے تیار کی ہوئی صورتیں ہیں[1]

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۲۸۸ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِيْرُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوطلحہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ہی اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں تصویریں ہوں[2] (صحیحین)

[1] حضرت ابوطلحہ انصاری مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[2] شارحین نے کہا ہے کہ وہ کتا اور تصویر مراد ہے جس کا رکھنا حرام ہے اور جو اس طرح نہیں ہے مثلاً شکار کے لیے رکھا گیا ہو، یا کھیتی اور بکریوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو، یا ایسی تصویر ہو جو ذلیل ہو یا بستر اور تکیے وغیرہ پر ہو اور پامال کی جاتی ہو تو اس کا موجود ہونا فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع نہ ہوگا، بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم عام ہے اور گھر میں کتے اور

---

[1] حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں، یہ جاندار کی حرام ہے بے جان کی جائز ہے۔ تصویریں مروجہ فوٹو، قلم کی تصویریں سب ہی داخل ہیں کہ غیر جاندار کے حلال ہیں۔ جاندار کے حرام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصاویر حرام نہ تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ جنات ان کے لیے محرابیں اور تصویریں بناتے تھے ۱۲ امراۃ۔

تصویر کا موجود ہونا مطلقاً فرشتوں کے آنے سے مانع ہے، اگرچہ ایسی صورت میں ہو کہ اس کا محفوظ رکھنا حرام نہ ہو، کیونکہ اس باب میں وارد ہونے والی حدیثیں مطلق ہیں اور اس قید کے ساتھ مقید نہیں ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ محافظ اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں، کیونکہ محافظ اور کراماً کاتبین کسی حال میں بھی جدا نہیں ہوتے۔

۴۲۸۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَّاجِمًا وَ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ وَعَدَنِىْ اَنْ يَّلْقَانِىَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِىْ اَمَ وَ اللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِىْ ثُمَّ وَقَعَ فِىْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَّهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَآءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِىْ اَنْ تَلْقَانِىَ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَ يَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین[۱] حالت میں صبح کی اور فرمایا[۲] جبرائیل امین نے آج رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ ملے نہیں، یاد رہے[۳] خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ہے، پھر[۴] آپ کو کتے کے بچے[۵] کا خیال آیا۔ جو آپ کے خیمے کے نیچے تھا، آپ نے حکم دیا تو اسے نکال دیا گیا، پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اس جگہ پانی چھڑک[۶] دیا۔ شام کے وقت حضرت جبرائیل نے آپ سے ملاقات کی، آپ نے فرمایا: تم نے گزشتہ رات[۷] مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے کہا[۸] جی ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو[۹] اور نہ اس گھر میں جہاں تصویر ہو، اس دن[۱۰] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی کتوں کے قتل کرنے کا حکم دے دیا، یہاں تک کہ آپ چھوٹے[۱۱] باغ کے کتے کے قتل کا حکم دیتے تھے اور بڑے باغ[۱۲] کے کتے کو چھوڑ دیتے تھے۔ (مسلم)

سلہ حضرت میمونہ امہات المومنین میں سے ہیں اور ابن عباس کی خالہ ہیں۔

سلہ صراح میں ہے وُجُوم کا معنی ہے غم و غصہ سے خاموش ہونا۔

سلہ دل گرفتہ ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے، حضرت میمونہ یا کسی دوسری ام المومنین کو خطاب کرتے ہوئے یا اپنے دل میں اپنے آپ سے بطور تعجب و حیرت کہا۔

سلہ اَمَ حرف تنبیہ ہے۔ اصل میں اَمَا تھا الف حذف کر دیا گیا جیسے لِمَ اور بِمَ میں مَا استفہامیہ کا الف حذف کر دیا جاتا ہے۔

سلہ ہاں کوئی سبب یا عذر ہو تو الگ بات ہے، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی، اور اب کیوں کی۔

سلہ جب اس کے سبب میں غور کیا تو۔

سلہ قاموس میں ہے جَرْوٌ جیم پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، کتے کا بچہ اور شیر کا بچہ۔

سلہ اصل میں فسطاط خیمے کا نام ہے جو سفر میں ہوتا ہے، اس جگہ پردہ مراد ہے جو گھر میں ہوتا ہے، جیسے خانہ عروسی اور اس کی مثل، اسی طرح کہا گیا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں چارپائی کے نیچے تھا، اور آپ کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی۔

سلہ جس جگہ کتے کا بچہ بیٹھا ہوا تھا اسے دھو ڈالا۔

سلہ عربی زبان میں اگر زوال سے پہلے گزشتہ رات کا ذکر کیا جائے تو اللیلۃ کہتے ہیں، جیسے کہ حدیث کی ابتدا میں فرمایا: وَعَدَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيْ اللَّيْلَةَ اور اگر زوال کے بعد ذکر کریں تو اَلْبَارِحَۃ کہتے ہیں جیسے کہ اس جگہ فرمایا۔

سلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب میں اپنی تقصیر کا عذر بیان کرتے ہوئے۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کتے کا موجود ہونا فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے اگرچہ ایسی صورت میں ہو کہ اس کا رکھنا حرام نہ ہو، کیونکہ کتے کے اس بچے کا گھر میں پوشیدہ ہونا اور اس کا خیال نہ رہنا اس کی موجودگی کا واضح عذر ہے اس کے باوجود حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ آئے۔

سلہ جب آپ نے جبرائیل علیہ السلام کی یہ بات سنی

سلہ جس میں کتے کے موجود ہونے اور اس کی حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی

سلہ جس میں حفاظت اور پاسبانی کی زیادہ حاجت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتے کا موجود ہونا، فرشتوں کے داخلے سے مانع نہیں ہے جس کے رکھنے کی حاجت ہو۔

۴۲۹۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبُ اِلَّا نَقَضَهٗ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایسی چیز[۱] کو اپنے گھر میں توڑے بغیر نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویریں[۲] ہوں۔ (بخاری)

۱ خواہ وہ برتن ہو یا کپڑا وغیرہ

۲ تصالیب جمع ہے تصلب کی، جس کا معنی ہے صلیب کی تصویر، صلیب مجوسیوں کی خاص نشانی ہے، ایک لکڑی کو دوسری پر اس طرح رکھتے ہیں کہ ایک دوسری کو قطع کرتے ہوئے گزر جائے، اس شخص کی طرح جسے سولی پر لٹکا دیا گیا ہو، اس کی اصل یہ ہے کہ عیسائی گمان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا، پھر وہ اکثر چیزوں میں اس شکل کی رعایت کرتے ہیں، اسے گردن میں لٹکاتے ہیں[۱] اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس عجیب صورت کو مستحضر کرنا اور اس پر حسرت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، ثوب مصلب اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں صلیب کی تصویر بنی ہوئی ہو، شارحین نے کہا کہ اس جگہ مطلق تصویریں (جانداروں کی جنہیں بطور احترام رکھا گیا ہو ۱۲ قادری) مراد ہیں۔

۴۲۹۱ وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَا

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ[۱] خریدا جس میں تصویریں تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اندر تشریف نہیں لائے، حضرت عائشہ نے آپ کے چہرے میں ناپسندیدگی کو پہچان[۲] لیا، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ میں

۱ عیسائی تو اپنی گردن میں نکٹائی اس لیے پہنتے ہیں کہ یہ صلیب کا نشان ہے، مسلمان کس خوشی میں پہنتے ہیں؟ افسوس صد افسوس! ہم نے غلامی رسول کا پٹا اپنی گردن سے اتار دیا، داڑھی ہم نے منڈوا دی، پگڑی کا پہننا ہم نے ترک کر دیا اور عیسائیوں کی مذہبی نشانی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، اس کے باوجود ہمارا نعرہ ہے۔ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے۔

۱۲ ش۔ ف قادری نقشبندی

ذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ ھٰذِہِ النُّمْرُقَۃِ قَالَتْ قُلْتُ اشْتَرَیْتُھَا لَکَ لِتَقْعُدَ عَلَیْھَا وَ تَوَسَّدَھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الصُّوَرِ یُعَذَّبُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ یُقَالُ لَھُمْ اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَ قَالَ اِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ فِیْہِ الصُّوَرَۃُ لَا تَدْخُلُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ	نے کیا گناہ کیا ہے[۴] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تکیے کا کیا حال ہے[۵]؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا[۶] جو تصویریں تم نے بنائی ہیں انہیں زندہ کرو[۷] اور فرمایا[۸]: جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے[۹]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

[۱] نُمْرُقَۃ نون اور را پر پیش، دونوں کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض حواشی میں علامہ سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ نون اور را پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، اس کا معنی تکیہ ہے، اس کی جمع نَمارِق ہے، جیسے قرآن مجید میں کہا ہے۔ وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَۃٌ (اور برابر برابر بچھے ہوئے قالین)

[۲] جہاں تصویروں والا تکیہ تھا۔

[۳] بعض نسخوں میں ہے عَرَفْتُ تا پر پیش، صیغہ واحد متکلم، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا کہ میں نے اس تکیے کی موجودگی کی بنا پر آپ کے چہرۂ انور میں ناخوشی کے اثرات پہچان لیے۔

[۴] اور مجھ سے کونسی کوتاہی واقع ہوئی ہے، کہ آپ اندر تشریف نہیں لاتے۔ شعر

آخر اے آہوئے مشکیں کہ رمیدی از ما
چہ خطا رفت وچہ کردیم وچہ دیدی از ما

اے کستوری والے ہرن! جو تو ہم سے دور ہو گیا ہے، آخر کیا غلطی ہوئی؟ ہم نے کیا کیا؟ اور تم نے ہم سے کیا دیکھا!

[۵] اور تم اسے کہاں سے لائی ہو۔

۵۶ امر تعجیزی کے طور پر (بطور زجر) انہیں ایسے کام کا حکم دیا جائے گا جسے وہ نہ کر سکیں گے ۱۲ ق ن)

۵۷ اور ان سے جان ڈالو

۵۸ تصویر بنانے کی قباحت بیان فرمانے کے بعد اس کے استعمال اور گھر میں بحفاظت رکھنے کی مذمت کے طور پر فرمایا۔

۵۹ اور اپنے انوار و برکات سے گھر والوں کو محروم رکھتے ہیں ———— اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تصویریں جن کا گھر میں موجود ہونا اگرچہ حرام نہ ہو تاہم ان کا موجود ہونا فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے۔ امام محی الدین نووی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اگرچہ تکیہ وغیرہ کی تصویریں حرام نہیں ہوتیں، اسی طرح علامہ طیبی نے بھی بیان کیا ہے۔

۴۲۹۲ وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے برآمدے[۵۱] پر ایک پردہ بنایا جس میں تصویریں تھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے پھاڑ دیا، حضرت عائشہ نے اس سے دو تکیے بنا لیے[۵۲]، وہ گھر میں ہوتے تھے۔ جن پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیٹھتے تھے[۵۳] (صحیحین)

۵۱ جو ان کے گھر کے آگے تھا، بعض شارحین نے کہا کہ سہوہ وہ چھوٹا سا کمرہ ہے جو زمین کی گہرائی میں ہو اور اس کی چھت اونچی ہو، خزانے کے مشابہ، جس میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

۵۲ اس تصویروں والے کپڑے سے جسے پردہ بنایا ہوا تھا۔

۵۳ بظاہر یہ حدیث گزشتہ حدیث کے منافی ہے، کیونکہ حدیث سابق سے معلوم ہوا کہ تکیے پر بنی ہوئی تصویر فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے اگرچہ حرام نہیں ہے، لہٰذا دو تکیوں کا گھر میں رکھنا کس بنا پر ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تصویریں ایسی نہ تھیں جو کہ حرام ہیں یعنی جانوروں کی تصویریں نہ تھیں، پردے کو پھاڑنے کی وجہ آئندہ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالٰی نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو کپڑے سے ڈھانپیں اور اگر بالفرض وہ حرام تصویریں تھیں تو ان کے سر کاٹ دیئے گئے تھے، بعض شارحین نے کہا کہ ہتک کا معنی کاٹنا اور ان تصویروں کا مٹانا ہے جو اس کپڑے میں تھیں، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۴۲۹۳ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهٗ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهٗ حَتّٰى هَتَكَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے میں نے ایک چادر لی اور اسے دروازے پر ڈال دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو وہ چادر دیکھی۔ آپ نے اسے کھینچ لیا، یہاں تک کہ اسے پھاڑ دیا، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو کپڑا پہنائیں۔ (صحیحین)

۱ نمط نون اور میم پر زبر، لطیف قسم کی ایک چادر جس کے ریشے باریک ہوتے ہیں، اسے کجاوے پر ڈالتے ہیں اور بطور پردہ بھی استعمال کرتے ہیں، اس کی جمع "انماط" ہے۔

۲ جب آپ سفر سے واپس آئے اور میرے ہاں تشریف لائے۔

۳ جس کے ساتھ میں نے دروازے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

۴ بعض شارحین نے کہا کہ اس چادر میں بالوں والے گھوڑوں کی تصویریں تھیں، آپ نے ان تصویروں کو تلف کر دیا اور ارشاد فرمایا، لیکن حدیث کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے منع کرنا اور اسے پھاڑنا تصویر کی بنا پر نہ تھا، بلکہ درو دیوار کو کپڑے سے ڈھانپنے کو ناپسند کرنے کی بنا پر تھا جیسے کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

۵ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا نہ ہونا ممانعت پر دلالت نہیں کرتا، اس کے باوجود آپ نے اسے تبدیل کر دیا، اسے پھاڑ دیا۔ اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس میں آپ کے اہل بیت کے ورع و تقویٰ میں عظیم مقام کا لحاظ تھا، اس حدیث میں تکیوں کے بنانے کا ذکر نہیں ہے۔

۴۲۹۴ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب والے وہ لوگ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (صحیحین)

سلے یعنی تصویر بنانے والے جو تصویر بناتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے صورت پیدا کی ہے، اس لیے انہیں عذاب دے گا کہ وہ ان میں جان کیوں نہیں ڈالتے۔

۴۲۹۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِیْرَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو میرے پیدا کرنے کی طرح بنانے لگا[1]۔ یہ لوگ چھوٹی چیونٹی تو پیدا کر دیں[2]۔ ایک دانہ یا ایک جو ہی پیدا کر دیں[3] (صحیحین)

سلے یعنی میری طرح صورت اور پیکر بناتا ہے۔ یہ درحقیقت پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اجزاء اور مواد کو جمع کر کے ایک صورت بناتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ میں نے بنایا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ پیدا کرنے کا دعوے کریں۔ (یہ حدیث اور اس کی شرح بت سازی سے متعلق ہے ۱۲ ق ن)

سلے چھوٹی چیونٹی عدم سے وجود میں لائے یا ذرے سے مراد غبار کی وہ چھوٹی سی جز ہے جو دیوار کے سوراخ میں آنے والی دھوپ میں دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے ہوا کے ذرات کا وجود صرف وہی ہے۔ اور وجود ہی پر حقیقۃً پیدا کرنے کا اطلاق نہیں ہوتا، الا یہ کہ مبالغہ مقصود ہو۔

۵۳ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے، عرف میں اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ ایک دانے کا ذکر قلت کے بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا کہ حبہ سے مراد وہ سرخ دانہ ہو جو وزن میں طسوج سے آدھا ہوتا ہے، اور جو بھی وزن کا نام ہے جو حبہ مذکورہ سے کم ہوتا ہے، حبہ کا معنی کسی چیز کا ٹکڑا بھی آتا ہے۔ جیسے کہ قاموس میں بیان کیا گیا۔

۴۲۹۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ سخت عذاب والے تصویریں بنانے والے ہیں[1] (صحیحین)

لے یعنی تصویریں بنانے والے بھی اس جماعت میں شامل ہوں گے جسے سب سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں کلمہ من بھی آیا ہے (مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ) جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ وہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو بت بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کی جائے، اور ایسا شخص کافر ہے، لہٰذا اگر اسے سخت ترین عذاب دیا جائے تو بعید نہ ہوگا، بعض حضرات نے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشابہت اور اس کے مقابلے کے ارادے سے تصویر بنائے وہ بھی کافر ہے اور اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ اور جو اس ارادے کے بغیر تصویر بنائے وہ کافر نہیں ہے فاسق ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو دیگر گناہوں کے مرتکب کا ہے، اس پر اتفاق ہے کہ جانداروں کی تصویریں مراد ہیں نہ کہ درختوں اور ان جیسی بے جان چیزوں کی لے معروف یہی ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنانے والے کو مصور کہا جاتا ہے بے جان چیزوں کی تصویریں بنانے والے کو نقاش کہا جاتا ہے۔

حضرت مجاہد (جلیل القدر تابعی) پھل دار درخت کی تصویر کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، محققین کے نزدیک تصویر سازی کا پورا عمل ہی کراہت سے خالی نہیں ہے اور لہو ولعب اور لایعنی کاموں میں داخل ہے۔

۴۲۹۷/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر تصویر بنانے والا آگ میں ہے اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک شخص پیدا کیا جائے گا جو اسے جہنم میں عذاب دے گا لے ابن عباس نے فرمایا: اگر تم ضرور ہی تصویر بنانے والے ہو تو درخت اور کسی بھی بے جان چیز کی تصویر لے بنالو۔ (صحیحین)

لے اصول کے اکثر نسخوں میں نفسا زبر کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یَجْعَلُ صیغہ معلوم ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لیے

لے حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خیال رہے کہ غیر جاندار چیزوں میں بندے کے کسب کو دخل ہے لوگ کہتے ہیں کہ باغ میرا لگایا ہوا ہے یہ کھیت میرا اگایا ہوا ہے۔ مگر جاندار چیزوں میں کسی کے کسب کو دخل نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چڑیا میری بنائی ہے۔ اس لیے جاندار کی تصویر سازی جرم ہے غیر جاندار کی نہیں ۱۲ مرآۃ بحوالہ مرقاۃ۔

ایک شخص کو پیدا کرتا ہے۔

ؔ۵۲ بچیوں کے کھیلنے کے لیے کپڑے کی دھجیوں سے گڑیاں بنانے کی اجازت ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک مردوں کے لیے ان کا خریدنا مکروہ ہے، بعض علماء نے کہا کہ ان کے بنانے کا جواز منسوخ ہے۔

۴۲۹۸ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَ لَنْ يَّفْعَلَ وَ مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَّ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ اَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ایسے خواب کا دعوٰے کرے جو اس نے نہیں دیکھا[۱] اسے دو جو کے درمیان گرہ لگانے کی تکلیف[۲] دی جائے گی۔ اور وہ نہ لگا سکے گا[۳] اور جو شخص کسی قوم کی بات کان لگا کر سنے[۴]۔ حالانکہ وہ لوگ اسے[۵] ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں[۶] قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں سیسہ[۷] ڈالا جائے گا اور جس نے تصویر بنائی اسے عذاب دیا جائے گا۔ اور تکلیف دی جائے گی کہ اس میں جان ڈالے، مگر نہ ڈال سکے گا[۸]۔ (بخاری)

ؔ۱ خواب کے بارے میں جھوٹا دعوی کرے۔ حُلم حا پر پیش اور لام ساکن، اس پر پیش بھی آیا ہے وہ چیز جسے کوئی شخص خواب میں دیکھے۔

ؔ۵۲ اس کے عجز اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے ارادے سے۔

ؔ۵۳ یعنی اسے عذاب دیں گے اور حکم دیں گے کہ دو جو کو پیوند لگا کر انہیں ایک بنادے اور جب اس طرح نہ کر سکے گا تو اسے پھر عذاب دیں گے، اور وہ شخص مسلسل عذاب میں رہے گا، جھوٹا خواب بیان کرنے اور دو جو کے جوڑنے میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اس نے جھوٹ کے ذریعے مختلف باتوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کے درمیان پیوند لگا دیا ہے۔ اسی طرح اسے کہا جائے گا دو جو آپس میں جوڑ دے۔ جھوٹا خواب بیان کرنا بھی اگرچہ جھوٹ ہی کی قسم ہے لیکن اس پر شدید عذاب اس لیے ہے کہ خواب کا تعلق عالم غیب سے ہے اور سچا خواب نبوت کی ایک جز ہے اور وحی کا حکم رکھتا ہے۔ گویا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے بارے

میں جھوٹ بولتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ سخت ترین قسم کا جھوٹ ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو نبوت یا ولایت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اوامر و نواہی اور علوم و حقائق وارد ہوتے ہیں، جیسے کہ بعض جھوٹے دعویداروں کا وطیرہ ہے۔

ؔ۵ اور کوشش کرے کہ ان کی بات سن لوں اور جان لوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

ؔ۵ اس شخص کو اور اس شخص کے ان کی باتیں سننے کو۔

ؔ۵ تاکہ وہ شخص نزدیک نہ آئے اور ان کی باتیں نہ سنے۔

ؔ۵ قاموس میں ہے آنک مدود والا ہمزہ نون پر پیش، سیسہ سفید (قلعی) یا سیاہ یا خالص، مجمع البحار میں آنک کی تفسیر سیسے کے ساتھ کی ہے، سفید، سیاہ اور خالص میں تردید کی ہے۔

ؔ۵ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس وقت تک عذاب برداشت کرے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

۴۲۹۹ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيْرِ فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِيْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَّ دَمِهٖ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرد شیر کھیل کھیلے گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لیا ہے۔ؔ
(مسلم)

ؔ۵ نرد شیر ایک کھیل نرد کا نام ہے اور عربی بنایا ہوا لفظ ہے، فارس کے ایک بادشاہ اردشیر بن بابک کی اختراع ہے اسی لیے اس کھیل کو نرد شیر کہتے ہیں، اسی طرح قاموس میں ہے

ؔ۵ بعض روایات میں ہے۔ فَكَأَنَّمَا غَمَسَ گویا اس نے اپنا ہاتھ ڈبو دیا ہے، اس ارشاد میں اس کھیل کی قباحت اور شناعت بطور تمثیل بیان کی گئی ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے دل اس سے متنفر ہوں۔ یاد رہے کہ نرد کے ساتھ کھیلنا مطلقاً حرام ہے۔ البتہ بعض حضرات کے نزدیک شطرنج کھیلنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے (۱) جوئے کی شرط نہ ہو (۲) نماز کو اس کے وقت سے موخر نہ کیا جائے (۳) زبان کو لغو اور فحش گفتگو سے پاک رکھا جائے احناف کے نزدیک شطرنج کھیلنا مطلق مکروہ اور حرام ہے کیونکہ وہ لہو و لعب کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں وقت کا ضیاع ہے، امام شافعی کے نزدیک شطرنج کھیلنا مباح ہے، لیکن اسے معمول بنا لینا سخت کراہت کے ساتھ مکروہ ہے، اسی طرح مطالب المومنین میں بحوالہ امام غزالی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۳۰۰/۱۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ قَالَ اَتَیْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَ كَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ وَ كَانَ فِی الْبَیْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰی بَابِ الْبَیْتِ فَیُقْطَعُ فَیَصِیْرُ كَهَیْئَةِ الشَّجَرَةِ وَ مُرْ بِالسِّتْرِ فَلْیُقْطَعْ فَلْیُجْعَلْ وِسَادَتَیْنِ مَنْبُوْذَتَیْنِ تُوْطَانِ وَ مُرْ بِالْكَلْبِ فَلْیُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبرائیل امین تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ میں گزشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا تو مجھے داخل ہونے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں رنگین اور منقش کپڑے کا پردہ بنایا گیا تھا۔ اس میں تصویریں تھیں۔ اور گھر میں کتا تھا۔ گھر کے دروازے پر جو تصویر ہے۔ آپ حکم دیجئے کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہو جائے[۱]، پردے کے بارے میں حکم دیجئے کہ اسے قطع کرکے دو تکیے بنا دیئے جائیں جو زمین پر پھینکے گئے ہوں[۲] روندے جائیں[۳]، حکم دیجئے کہ کتے کو نکال دیا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہی کیا۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ یعنی اس تصویر کی شکل و صورت برقرار نہ رہے فیقطع اور فیصیر کو رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۲؎ بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے، تکیے کو منبذہ بھی کہتے ہیں میم کے نیچے زیر، کیونکہ اسے گھر میں ڈال دیا جاتا ہے، یہ مشتق ہے نبذ سے جس کا معنی پھینکنا اور ڈال دینا ہے۔

۳؎ اور استعمال کیے جائیں۔

۴۳۰۱
۱۴
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَ اُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَ لِسَانٌ يَّنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّ كُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ بِالْمُصَوِّرِيْنَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن آگ کا ایک ٹکڑا باہر آئے گا[۱]، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی۔ دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور زبان ہوگی جو گفتگو کرے گی، وہ زبان کہے گی کہ مجھے تین قسم کے افراد پر مقرر کیا گیا[۲]۔ (۱) ہر متکبر سرکش معاند پر[۳] (۲) ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کو مانے[۴] اور (۳) تصویر بنانے والوں پر[۵]۔

(ترمذی)

[۱] یعنی آگ کا ایک ٹکڑا جدا ہو کر باہر گر پڑے گا۔

[۲] یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے مقرر کیا ہے کہ تین قسم کے افراد کو عذاب دوں اور جلاؤں۔

[۳] جو علم کے باوجود حق کو قبول نہ کرے اور راہ راست پر نہ چلے

[۴] شرک اختیار کرے اور دوسرے خدا کی طرف متوجہ ہو

[۵] کہ وہ بھی ایک قسم کے شرک کے مرتکب ہیں۔

۴۳۰۲
۱۵
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَ الْمَيْسِرَ وَ الْكُوْبَةَ وَ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوئے اور ڈھول[۱] کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کہا گیا ہے کہ کوبۃ ڈھول ہے۔

(شعب الایمان، امام بیہقی)

[۱] کوبہ کاف پر پیش، یعنی لہو ولعب کا ڈھول۔

سلہ کوبہ کی تفسیر میں تین قول ہیں (۱) شطرنج (۲) بربط اسی طرح نہایہ میں ہے، شرح جامع الاصول میں کہا وہ ڈھولکی جس کے دو سر ہوتے ہیں، حضرت مؤلف نے حدیث کے بعض راویوں سے نقل کیا کہ کُوبَۃ کا معنی ڈھول ہے، یعنی لہو ولعب کا ڈھول، نہ کہ نمازیوں کا ڈھول۔

۴۳۰۳ (۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَالْغُبَيْرَاءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ السُّكُرْكَةُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب، جوئے، ڈھول اور غبیرا[1] سے منع فرمایا۔ غبیراء وہ شراب ہے جو حبشی جوار[2] سے بناتے تھے، اسے سُکُرکہ[3] کہا جاتا ہے۔

(ابوداؤد)

لہ غُبیراء نقطے والی غین پر پیش، با پر زبر یا ساکن، راء کے بعد الف ممدودہ۔

لہ ذُرَۃ ذال پر پیش، راء مخفف پر زبر، باجرے (جوار) کا دانہ۔

لہ سُکُرکہ بے نقطہ سین اور پہلے کاف پر پیش، راء ساکن، اسے غُبیراء اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کدورت اور کثافت ہوتی ہے۔

۴۳۰۴ (۱۷) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نردشیر کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(احمد، ابوداؤد)

۴۳۰۵ (۱۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَتْبَعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَيْطَانٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا، فرمایا: وہ مرد شیطان ہے جو

يَتْبَعُ شَيْطَانَةً۔
شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔[2]

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)
(احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، شعب الایمان، امام بیہقی)

[1] اس طرح کہ کبوتر پرواز کر رہا تھا اور وہ شخص اس کے پیچھے زمین پر جا رہا تھا۔

[2] اس شخص کو اس لیے شیطان کہا کہ وہ کھیل رہا تھا اور بے مقصد وقت ضائع کر رہا تھا اور کبوتر کو بھی شیطان کہا کہ وہ کھیل اور لہو و لعب کا باعث بنا تھا، اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین و دنیا کے کاموں سے روک دیا تھا۔ شَيْطَانَةً میں تاء تانیث لفظ حَمَامَةً کی رعایت کی بنا پر ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبوتر کے ساتھ کھیلنا حرام ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ انڈے اور بچے حاصل کرنے کے لیے کبوتروں کا پالنا اور ان کے ذریعے پیغام پہنچانا بغیر کراہت کے جائز ہے، رہا ان کے ساتھ کھیلنا تو صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے اور اگر اس کے ساتھ جوا بھی شامل ہو تو اس کی گواہی رد کی جائے گی، مطالب المومنین میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک کبوتر کے ساتھ کھیلنا مکروہ تنزیہی ہے۔[1]

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

۴۳۰۶ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنِّيْ

سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر تھا کہ اچانک ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا اے ابن عباس! میں ایسا شخص

[1] آج کل نہایت بدترین اسم سننے میں آئی ہے اور وہ یہ کہ کبوتروں کو نشے کے ٹیکے لگا کر اڑا دیا جاتا ہے اور اس پر شرطیں لگائی جاتی ہیں، پھر گھنٹوں بلکہ پہروں کے حساب سے کبھی بیٹھ کر اور کبھی لیٹ کر ان کی نگرانی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ کبوتر بے بس ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں، جس کا کبوتر پہلے گر جائے وہ ہار جاتا ہے، یہ اسم بدکردہ اور حرام ہے کہ اس میں نہ صرف کبوتر کے ساتھ کھیلنا ہے بلکہ جوا بھی شامل ہے۔ وقت کا بے تحاشا ضیاع ہے۔ ذکر الٰہی اور نماز سے غفلت ہے اور کبوتروں کو اذیت دینا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّيْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہوں کہ میری معیشت میرے ہاتھ کی کاریگری سے ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا: میں تجھے صرف وہ حدیث بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے سنی ہے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تصویر بنائی، اللہ تعالٰے اسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور وہ ہرگز اس میں روح نہ پھونک سکے گا۔[۲] وہ شخص بری طرح ہانپنے لگا[۳] اور اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔[۴] ابن عباس نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اگر تو تصویریں ہی بنانا چاہتا ہے تو تو اس درخت اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہیں ہے۔[۵] (بخاری)

[۱] سعید بن ابی الحسن ثقہ تابعین میں سے ہیں، حضرت حسن بصری کے بھائی اور حضرت زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے والد کی کنیت ابوالحسن اور نام یسار ہے۔

[۲] یعنی میں کیا کام کروں؟ شارع علیہ السلام نے اس پیشے کو حرام قرار دیا ہے اور مجھے اس کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا، کیا ضرورت کی بنا پر یہ پیشہ اختیار کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس نے دیکھا کہ اس شخص کا تعلق اس پیشے کے ساتھ شدید ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ منع کرنے سے باز نہ آئے اس لیے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔

[۳] اور اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

[۴] رَبْوَۃ را پر زبر، بار ساکن، سانس کا بلند ہونا اور چڑھنا، اصل میں یہ لفظ گھوڑے کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جب دوڑنے اور ڈرنے کی بنا پر اس کا سانس چڑھنے لگتا ہے۔ فارسی میں اسے تکواسہ اور اردو میں سانس

کہتے ہیں۔

۵ھ تصویر بنانے کے پیشے پر اس عذاب کے مرتب ہونے اور اس وعید کو سن کر لے

۶ھ یعنی حیوانات کے علاوہ اشیاء کی تصویریں بناؤ۔

۴۳۰۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہوئی تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جسے ماریہ لہ کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ، حبشہ کی سرزمین میں گئی تھیں ۲ھ، ان دونوں نے اس کے حسن اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، حضور نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: وہ لوگ ۳ھ جب ان میں نیک آدمی مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں، پھر اس میں وہ تصویریں ۴ھ بناتے ہیں، وہ لوگ اللہ تعالٰی کی مخلوق میں بدترین ہیں ۵ھ۔ (صحیحین)

لہ ماریہ راء کے نیچے زیر، یاء مخفف۔ کنیسۃ کاف پر زبر، نون کے نیچے زیر، یاء ساکن اور بے نقطہ سین، یہود و نصاریٰ کی عبادت کی جگہ، یہ کنشت کا معرب ہے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، قاموس میں ہے کنیسہ یہود و نصاریٰ یا کفار کی عبادت کی جگہ، علامہ کرمانی نے کہا مشہور یہ ہے کہ کنیسہ یہودیوں کا ہے اور بیعہ باء کے نیچے زیر اور یاء ساکن، نصاریٰ کے لیے ہے، لیکن لغت میں کنیسہ، نصاریٰ کے عبادت خانے کو بھی کہتے ہیں۔ جوہری نے کنیسہ اور بیعہ دونوں کو نصاریٰ کے لیے قرار دیا ہے۔

لہ سبحان اللہ! وہ کیسے مقدس لوگ تھے جو اللہ تعالٰی کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث سن کر کانپ جاتے تھے۔ آج تصویریں بنانے والوں کو دسیوں حدیثیں سنا دیجیے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناسازی طبع کے دوران، حکایات و واقعات کا سلسلہ شروع ہوا جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحب علالت کا دل مصروف رہے، بعض ازواج امہات المومنین یعنی حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ میں سے کسی ایک نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا جیسے کہ آئندہ جملے سے معلوم ہوتا ہے۔

۲ جہاں کے رہنے والے نصاریٰ تھے۔

۳ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ سے یہ تذکرہ سنا تو

۴ یعنی اہل حبشہ یا نصاریٰ اُولٰئِكَ کے کاف پر زبر اور زیر دونوں پڑھنا جائز ہیں۔ شارحین نے زیر کو صحیح قرار دیا ہے اور ظاہر بھی یہی ہے، کیونکہ خطاب عورتوں سے ہے۔ اسی طرح لفظ تِلْكِ ہے (یعنی کاف کے نیچے زیر پڑھی جاتی ہے ۱۲ ق ن)

۵ اہل قبور کی۔

۶ اس کی کئی وجوہ ہیں (۱) تصویریں بنانا (۲) قبر پر مسجد بنانا (۳) قبر کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنا جیسے کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے۔

۴۳۰۸/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِيٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَّمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو شہید کیا[۱] یا کسی نبی نے اسے قتل کیا[۲] یا اس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا اور تصویریں بنانے والے اور وہ عالم جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہیں کیا[۳] (بیہقی)

۱ کیونکہ کسی بھی شخص کا اللہ تعالےٰ کے نبی کو شہید کرنا یقیناً ناحق ہی ہوگا۔

۲ اللہ تعالےٰ کے نبی کا کسی شخص کو قتل کرنا ضرور برحق ہوگا اور وہ شخص یقیناً واجب القتل ہی ہوگا۔ علامہ طیبی نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اسے فی سبیل اللہ قتل کیا ہو جیسے کہ دوسری روایت میں صراحتہً آیا ہے، کیونکہ وہ شخص نبی کے قتل کرنے کے درپے تھا، فی سبیل اللہ کی قید لگانے سے وہ شخص خارج ہوگیا جسے حد یا قصاص کے طور پر قتل

کیا ہو۔

۲؎ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو فائدہ نہ دے۔

۴۳۰۹ وَعَنْ عَلِيٍّ اِنَّهٗ يَقُوْلُ الشِّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِمِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ شطرنج[1] عجمیوں کا جوا ہے[2]۔ (بیہقی)

۱؎ شطرنج نقطوں والے شین کے نیچے زیر، ایک لغت میں بے نقطہ سین کے ساتھ ہے۔

۲؎ عربوں کے علاوہ لوگوں کو عجمی کہتے ہیں، اَعْجَم اور اَعْجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح گفتگو نہ کر سکے اگرچہ وہ عرب ہی ہو، اس کی جمع اَعَاجِمْ ہے، اس جگہ اَعَاجِمْ سے مراد عجمی لوگ ہیں، کیونکہ فصیح گفتگو پر قادر نہ ہونا عموماً غیر عرب میں پایا جاتا ہے۔

۴۳۱۰ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ لَا يَلْعَبُ بِالشِّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

ابن شہاب زہری[1] روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شطرنج کے ساتھ وہی کھیلے گا جو گنہگار بدکردار ہو۔ (بیہقی)

۱؎ ابن شہاب زہری مشہور تابعی ہیں۔

۲؎ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

۴۳۱۱ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشِّطْرَنْجِ فَقَالَ هِيَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا يُحِبُّ اللهُ الْبَاطِلَ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے شطرنج کے کھیل کے بارے میں پوچھا گیا[1] تو انہوں نے فرمایا: یہ باطل میں سے ہے[2] اور اللہ تعالیٰ باطل کو محبوب نہیں رکھتا۔ (یہ چاروں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔)

۱؎ کہ اس کا کیا حکم ہے؟

۲؎ اور خلاف حق ہے۔

۳؎ راقم سطور (حضرت شیخ محقق قدس سرہ) کو واضح طور پر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے

کہ اللہ تعالٰے باطل کو مبغوض رکھتا ہے، اللہ تعالٰے جس چیز کو دوست نہیں رکھتا اہل محبت کے نزدیک وہ مبغوض ہے، اگرچہ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اسے محبوب نہیں رکھتا اور یہ مبغوض ہونے سے عام ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

۴۳۱۲/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَدُوْنَهُمْ دَارٌ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْتِيْ دَارَ فُلَانٍ وَّلَا تَأْتِيْ دَارَنَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِيْ دَارِكُمْ كَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِيْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّنَّوْرُ سَبُعٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی ایک جماعت کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، ان سے پہلے ایک گھر تھا (ان کے ہاں تشریف نہ لے جاتے) یہ بات ان پر گراں گزری، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے! نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا، اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتا ہے[1]، انہوں نے عرض کیا کہ اُن کے گھر میں بلی ہے[2]، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: بلی درندہ ہے[3]۔

(دارقطنی)

[1] اس قوم کے گھر میں تشریف نہ لے جانے کا عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے گھر میں کتا ہے اور تمہارا گھر فرشتوں کی آمد کی برکت سے خالی اور محروم ہے۔

[2] وہ بھی کتے کی طرح درندے کی قسم ہے، کتے اور بلی میں کیا فرق ہے؟

[3] لیکن وہ نجاست اور شیطنت نہیں رکھتی جو فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہو، برخلاف کتے کے کہ وہ پلید ہے اور اس میں شیطنت والی کچھ صفت ہے جو فرشتہ ہونے کی ضد ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ اس عبارت کو استفہام انکاری پر محمول کیا جائے (یعنی کیا تمہارے خیال میں وہ درندہ ہے؟) اس صورت میں بلی درندے کی جنس سے نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

کِتَابُ الطِّبِّ وَالرُّقٰی

۲۰۔ دواؤں اور دعاؤں کا بیان

طب پہلے حرف پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، علاج کرنا، فارسی میں پجشکی اور طبیب کو پجشک کہتے ہیں، طَبٌّ طاء پر زبر طبیب اور ہر وہ شخص جو اپنے فن میں ماہر ہو، مُتَطَبِّبٌ علم طب پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا جا بھی ماہر نہیں ہوا، طِبٌّ طاء کے نیچے زیر، جادو کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مَطْبُوْبٌ وہ شخص جس پر جادو کیا گیا ہو، طب دو قسم کی ہے۔ (۱) جسمانی (۲) نفسانی۔ طب جسمانی میں صحت کی حفاظت اور مرض کے دفعیہ کے ساتھ بدن کا علاج کیا جاتا ہے، طب نفسانی میں ردی اور مہلک اخلاق کو زائل کر کے نفس کا علاج کیا جاتا ہے۔ دوائیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں (۱) جسمیہ طبعیہ مفردہ (۲) مرکبہ (جیسے معجون اور مختلف سفوف وغیرہ)، روحانی اور ربانی دوا قرآن پاک ہے اور وہ چیز جو اس کے معنیٰ میں ہے (احادیث مبارکہ اور ارشادات علماء ودادیاء ۱۲ ق ن)۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم امت کا علاج طبعی دواؤں سے بھی کرتے تھے اور روحانی دواؤں سے بھی۔

رُقیٰ جمع ہے رُقیۃ کی راء پر پیش، قاف ساکن، یاء مخفف، عربی میں عُوْذَۃٌ کہتے ہیں، فارسی میں افسون (اور اردو میں جھاڑ پھونک، کہتے ہیں، قرآن پاک اور اللہ تعالٰے کے اسماء مبارکہ کے ساتھ دم کرنا بالاتفاق جائز ہے، ان کے علاوہ ایسے کلمات جن کے معانی معلوم ہوں اور دین و شریعت کے مخالف نہ ہوں ان کے ساتھ دم کرنا بھی جائز ہے اور اگر ایسے کلمات نہ ہوں قرآن کے ساتھ دم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ کلمات قابل وثوق ہوں اور روایت صحیحہ سے ثابت ہوں تو ان کے ساتھ دم کرنا جائز ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص دم کرنے کے لیے ایسے کلمات پڑھ رہا تھا جن کا معنیٰ اسے معلوم نہ تھا، اہل کتاب میں سے ایک شخص وہاں حاضر تھا اور ہنس رہا تھا، اس نے کہا کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے؟ کہ خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم) کو گالی دے رہا ہے ——— وہ جو اصحاب تکسیر اور عملیات والے بخور جلاتے ہیں، مختلف رنگ استعمال کرتے ہیں اور ساعتوں کا لحاظ کرتے ایں اصحاب دیانت و تقویٰ کے نزدیک مکروہ اور حرام ہے[1]، اسی طرح علماء نے کہا ہے۔

---

[1] اللہ تعالٰے نے مختلف اوقات کو خاص فضیلت دی ہے مثلاً ماہِ رمضان، عشرۂ ذی الحجہ، لیلۃ القدر اور شب برات وغیرہ لہٰذا اگر کوئی شخص اوراد و وظائف کے ساعتوں کا لحاظ کرتا ہے اور اس دوران خوشبو یا بخور کا اہتمام کرتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۳۱۳ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل کی ہے اس کے لیے شفا بھی نازل کی ہے[۱]۔ (بخاری)

[۱] یعنی وہ دوا جو اس بیماری سے شفا دے۔

۴۳۱۴ - وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بیماری کے لیے دوا ہے، تو جب دوا بیماری کو پہنچائی جائے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے بیمار تندرست ہو جائے گا[۱]۔ (مسلم)

[۱] یعنی دوا، شفاء کے لیے علت نہیں ہے، شفاء اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے، اللہ تعالیٰ نے دوا کو شفاء کا عادی سبب بنایا ہے۔ بَرَءَ را اور پر زبر ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ اہل حجاز راء کے نیچے زیر اور اس پر پیش پڑھتے ہیں۔

۴۳۱۵ - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشِّفَآءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِیْ شَرْطَةِ مِحْجَمٍ اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَيَّةٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شفا تین چیزوں میں ہے (۱) خون نکالنے کے نشتر[۱] (۲) شہد کے گھونٹ اور (۳) آگ کے داغ لگانے میں اور میں اپنی امت کو

(بقیہ صفحہ سابقہ) تو اس کے مکروہ اور حرام ہونے کی کوئی واضح وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

بنار، وَ اَنَا اَنْھٰی اُمَّتِیْ عَنِ الْکَیِّ۔ داغ لگانے سے منع کرتا ہوں۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

لہ محجم، میم کے نیچے زیر، حا ساکن اور جیم پر زبر، وہ آلہ جس کے ساتھ خون چوستے ہیں اور سنگی والا خون اس میں داقع ہوتا ہے، جیسے کدو اور سینگ، اس جگہ وہ آلہ مراد ہے جس کے ساتھ زخم لگایا جاتا ہے، شرط پہلے حرف پر زبر، سنگی لگانے کی جگہ پر نشتر مارنا تاکہ خون نکلے، اور اسے مشرط کہتے ہیں، میم کے نیچے زیر، یعنی نشتر۔

۲ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اس حدیث میں تمام امراض مادیہ کے علاج کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مادی امراض یا تو خونی ہوتی ہیں یا صفرادی، بلغمی اور سوداوی، اگر خونی بیماری ہے تو اس کا علاج خون کا نکالنا ہے، باقی تین قسموں کا علاج جلاب کے ساتھ ہے، شہد سے جلاب آور دواؤں کی طرف اشارہ ہے، محجم کا اشارہ فصد اور سنگی لگانے کی طرف ہے، آگ کے ساتھ داغ لگانے میں تنبیہ ہے اس حالت پر جب کہ طبیب علاج معالجہ سے بے بس ہو جائے، کیونکہ داغ لگانے سے وہ موذی خلط دفع ہو جائے گی جس کا علاج داغ لگانے کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لیے اطبار نے کہا ہے کہ آخری علاج، آگ کا داغ لگانا ہے (سفر السعادۃ)

داغ لگانے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ عرب اسے عظیم الشان علاج مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ داغ لگانے سے کہ بیماری کا مادہ یقینی طور پر ختم ہو جاتا ہے، اگر داغ نہ لگایا گیا تو وہ مادہ مہلک ثابت ہوگا۔ ان میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ آخری دوا آگ کا داغ لگانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تاکہ لوگ شرکِ خفی میں واقع نہ ہو جائیں، یہ نہی تنزیہی ہے، اگر کوئی داغ لگائے اور شفا کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھے تو جائز ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ داغ لگانے کی ممانعت، خطرے اور تردد کی جگہ میں ہے، یعنی اس صورت میں ممانعت ہے جب کہ داغ لگانے میں ہلاکت اور زخم کے سرایت کر جانے کا خوف ہو، اور فائدے کا وثوق نہ ہو۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آگ سے داغ لگانے کے بارے میں مختلف احادیث و اخبار آئی ہیں۔ بعض احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، مثلاً وہ احادیث جن میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو داغ لگایا، یہ حدیثیں اسی کتاب میں آ رہی ہیں، بعض حدیثوں سے ممانعت معلوم ہوتی ہے جیسے کہ یہ حدیث اور وہ حدیث جسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داغ لگانے سے منع فرماتے تھے۔ پھر ہم مبتلا ہوئے اور ہم نے داغ لگایا لیکن ہم نے کامیابی و کامرانی نہ پائی، امام مسلم حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں فرشتوں کا سلام سنا کرتا تھا، جب میں نے داغ لگایا تو اس سے محروم ہو گیا، چنانچہ میں نے توبہ کی تو وہ پہلے والا حال لوٹ آیا

بعض احادیث میں آیا ہے کہ میں داغ لگانے کو محبوب نہیں رکھتا، ایک حدیث میں اس کے ترک کرنے کی تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے، شارحین نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ داغ لگانا اصل جواز پر دلالت کرتا ہے اور اس فعل سے محبت کا نہ ہونا اس کے ممنوع ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ترک کی مدح وثنا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک کرنا اولیٰ ہے۔ باقی رہی ممانعت تو وہ چند صورتوں پر محمول ہے (۱) مرض بلاضرورت نہ ہو بلکہ اسے اختیاری طور پر اپنایا جائے (۲) مرض کے دفع کرنے کے لیے اس کی حاجت نہ ہو بلکہ دوسرا علاج بھی میسر ہو۔ (۳) جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا کہ اس کے ارتکاب سے شرک خفی میں واقع ہونے کا خطرہ ہو۔ بعض شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو داغ لگانے کا حکم اس لیے دیا کہ عضو کٹ گیا تھا اور زخم بگڑ چکا تھا اور اس صورت میں صحت کا حصول یقینی تھا، بہرحال کسی عضو کو جلانا اور اس سے داغ لگانا مکروہ ہے، ہاں اگر داغ لگانا ضروری ہو اور طبیب حاذق کا فیصلہ ہو کہ صرف داغ لگانا ہی علاج ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت مؤلف نے جب یہ حدیث بیان کی جس میں امت کو داغ لگانے سے منع کیا گیا ہے تو اس کے بعد وہ حدیثیں بھی لائے ہیں جو جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۳۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِیَ اُبَیٌّ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَكْحَلِهٖ فَكَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احزاب کے دن حضرت ابی کی رگ جان[۱] پر تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس زخم کو داغ لگایا[۲]۔ (مسلم)

[۱] اکحل وہ رگ ہے جو کلائی اور بازو کے جوڑ میں ہوتی ہے، عموماً اسی کا فصد کھولا جاتا ہے اسے عرق حیات (رگ جان) اور نہر حیات کہتے ہیں، عوام الناس اسے رگ ہفت اندام (سات اعضاء کی رگ) کہتے ہیں ہر عضو میں اس کا الگ حصہ اور الگ نام ہے، ہاتھ میں اسے اکحل، ران میں نسا (وزن پر زبر، مشہور بیماری عرق النساء کی نسبت اسی کی طرف ہے)، پشت میں ابہر کہتے ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی رگ میں تیر لگا اور اس سے خون جاری ہو گیا۔

[۲] تو خون رک گیا۔ کَوَاهُ واؤ مخفف کے ساتھ۔

۴۳۱۷ وَعَنْهُ قَالَ رُمِیَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فِیْ اَكْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرِمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِيَةَ۔

انہی سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ جان میں تیر لگا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیر کے پھل[۱] سے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس زخم کو داغ لگایا پھر وہ سوج گیا تو آپ نے اسے دوبارہ داغ لگایا۔

لہ اسی جنگ (غزوۂ احزاب) میں۔
۲ہ مشقص میم کے نیچے زیر، شین ساکن، قاف پر زبر، صراح میں ہے مشقص کا معنی ہے لمبا اور چوڑا تیر۔

۴۳۱۸ وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُبَيِّ اُبَيِّ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی، پھر حضرت اُبی کی رگ پر داغ لگایا۔[لہ] (مسلم)

لہ حدیث صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی رگ جاں پر داغ لگایا، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوکہ نامی بیماری کے سبب داغ لگایا جس میں پہلے چہرہ پھر سارا جسم سُرخ ہو جاتا ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔

۴۳۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَآءِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَلسَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَآءُ الشُّوْنِيْزُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔ ابن شہاب زہری نے فرمایا: سام کا معنی موت اور اَلْحَبَّۃُ السَّوْدَا کلونجی ہے۔[لہ] (صحیحین)

لہ شُوْنِیز شین پر زبر یا پیش، اسے شینیز، شونوز اور شھنیز بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے۔
علامہ طیبی نے فرمایا: اگرچہ لفظ حدیث عام ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کی شفاء ہے، لیکن یہ اس بیماری کے ساتھ خاص ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہو کیونکہ کلونجی گرم خشک ہے لہٰذا یہ ان بیماریوں کو دور کرے گی جو اس کی ضد ہیں (یعنی جو سردی اور تری کی پیداوار ہیں) بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث عموم پر محمول ہے اور کلونجی ہر مرکب دوا میں شامل کی جا سکتی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ عموم متعین ہے کیونکہ موت کا استثناء کیا گیا ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اکابر کی ایک جماعت تمام امراض میں کلونجی کا استعمال کرتی تھی اور بعض حضرات ہر بیماری میں شہد استعمال

کرتے تھے اور حسنِ اعتقاد کی برکت سے وہ بیماریاں دور ہو جاتی تھیں۔

۴۳۲۰/۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِیْ اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِهٖ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَآءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اسْقِهٖ عَسَلًا فَقَالَ لَقَدْ سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰهُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْكَ فَسَقَاهُ فَبَرَءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے[۱]، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ، اس نے شہد پلایا، پھر آکر کہنے لگا میں نے اسے پلایا لیکن شہد نے اس کے دست مزید بڑھا دیے ہیں آپ نے اسے تین مرتبہ یہی فرمایا[۲] پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ اس نے کہا میں نے اسے شہد پلایا لیکن اس نے تو اس کا پیٹ اور جاری کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا[۳] اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا[۴] چنانچہ اسے شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا[۵] (صحیحین)

۱ ایک روایت میں ہے یَشْتَکِیْ بَطْنَهٗ اسے پیٹ کی بیماری ہے ــــــ اِشْتِکَاءٌ، شِکَایَةٌ، شِکْوٌ اور شِکْوٰی کا معنیٰ بیماری ہے۔

۲ یعنی ہر دفعہ فرماتے کہ اسے شہد پلاؤ، وہ انہیں شہد پلاتے اور دستوں میں مزید اضافہ ہو جاتا، وہ آکر عرض کرتے کہ میں نے شہد پلایا مگر پیٹ کے چلنے میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

۳ یعنی اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد سچا ہے کہ فِیْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے)، اکثر شارحین نے اسی طرح کہا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ اس کے پیٹ کا علاج شہد پلانا ہے اور اسی میں اس کے لیے شفاء ہے، کہتے ہیں کہ یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شہد میں ہر بیماری کی شفاء ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔

کہ اس نے غلطی کی اور شفاء کو قبول نہیں کیا، عرب غلطی کی جگہ کذب کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ غلط بات سننے پر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے کان نے جھوٹ کہا، یعنی اس نے خطا کی اور جو کچھ سنا اسے صحیح طور پر نہیں سمجھا، امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نور وحی کے ذریعے معلوم کر لیا کہ اس شخص کے پیٹ کے جاری ہونے میں شہد کا فائدہ ظاہر ہو کر رہے گا، جب وہ فوری طور پر ظاہر نہ ہوا تو فرمایا کہ پیٹ یا پیٹ والے کو فائدہ نہیں ہوا تو اس نے جھوٹ کہا، اس لحاظ سے اس پر جھوٹ کا اطلاق کیا۔

۵ یاد رہے کہ اس صورت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہد پلانے کا حکم دینے میں بعض لوگوں کو تردد اور حیرت لاحق ہے، کیونکہ شہد تو خود مطلب آور ہے اور پیٹ کو جاری کرنے والا ہے، لہٰذا دست کو روکنے کے لیے اس شخص کو شہد پلانے کا حکم دینا طبی مذہب کے خلاف ہے، اس لیے جب بھی اسے شہد پلایا گیا پیٹ زیادہ چلنے لگا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت اور آپ کے معجزہ کے ظہور کے طور پر خاص اس شخص کو شفاء حاصل ہو گئی ہو، دوسرے لوگوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انہیں بھی شہد پلانے سے دست رک جائیں گے اگرچہ اہل ایمان کے لیے یہ بھی اچھا راستہ ہے، لیکن تحقیق اور نظر غائر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس صورت میں شہد پلانے کا حکم اطباء کے مذہب کے موافق اور کمال مہارت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس شخص کو بدہضمی اور فاسد مادوں کی زیادتی کی وجہ سے دست آ رہے تھے کیونکہ شہد ان فاسد مادوں کے نکالنے کا سبب تھا اس لیے شہد پلانا اطباء کے مذہب کے مطابق ہو گا، کہتے ہیں کہ بار بار شہد پلانے کے حکم میں لطیف نکتہ ہے، کیونکہ دوا کی مقدار اتنی ہونی چاہیے جو بیماری کی حالت کے موافق ہو، اگر دوا اس مقدار سے کم ہو تو بیماری کو مکمل طور پر دور نہ کر سکے گی، اور اگر اس مقدار سے زیادہ دے دی گئی۔ تو قوی کو کمزور اور بیماری کو زیادہ کر دے گی، چونکہ ہر دفعہ اتنا شہد نہیں پلایا گیا جو بیماری کا مقابلہ کر سکتا اس لیے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دست زیادہ ہو جاتے، دوبارہ شہد پلانے کا حکم دیا تاکہ اس کی ضروری مقدار پوری ہو جائے، اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا، پیٹ کے جھوٹ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں فاسد مادے زیادہ ہیں، اور جب آخر میں بار اتنی مقدار میں شہد پلایا گیا جو فاسد مواد نکالنے اور بیماری کے دور کرنے کے لیے کافی ثابت ہوا تو بالآخر اس کا فائدہ ظاہر ہو گیا۔

صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ طب نبوی کی اطباء کی طب سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ طب نبوی قطعی اور یقینی طور پر فائدہ مند ہے، کیونکہ یہ طب وحی الٰہی، مشکوۃ نبوت اور کمال عقل سے صادر ہے، جب کہ دوسروں کی طب عموماً تیزی فکر، ظن اور تجربہ سے ماخوذ ہے۔ جس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور اس سے خطرات بھی پیدا ہو سکتے ہیں، جس شخص کو طب نبوی سے فائدہ نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں یقین کر لینا چاہیے کہ یہ اس کے ایمان کی کمزوری کا شاخسانہ ہے۔ جو شخص صدق دل اور پاکیزہ عقیدے کے ساتھ آپ کے فرمان پر عمل کرے گا اسے ضرور فائدہ ہو گا، جیسے کہ قرآن کریم سینوں اور دلوں کی شفاء ہے جو شخص اسے اخلاص اور قبول کے ساتھ حاصل نہ کرے گا اس کی بیماری کی زیادتی کا سبب اور اس کے لیے وبال بن جائے گا، اسی لیے بعض شارحین نے اس شخص کے پیٹ کے جھوٹ کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس کی نیت بھی نہ تھی اور خالص اعتقاد

نہ تھا) اور جب اسے خلوص اعتقاد میسر آیا تو شفا بھی حاصل ہو گئی ان ن) فافہم و باللہ التوفیق۔

۴۳۲۱
۹
وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَ الْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہترین وہ چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو پچھنے لگانا اور قسط بحری ہے۔
(صحیحین)

لے قسط قاف پر پیش اور بے نقطہ سین ساکن مشہور دوائی ہے، سمندری نباتات کی جڑ ہے، خوشبو ہے، نفاس والی عورتیں اس کی دھونی لیتی ہیں، اس کے بہت فائدے ہیں، بند حیض اور پیشاب کو کھولتی ہے، زہروں کو دفع کرتی ہے، جماع کی شہوت کو برانگیختہ کرتی ہے، اس کے پینے سے پیٹ کے کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں، بعض بخاروں کو دور کرتی ہے، اس کی لیپ کرنے سے چہرے کے سیاہ داغ اور کیل دور ہو جاتے ہیں، اس کی دھونی زکام، جادو اور وبا کو فائدہ دیتی ہے، اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں جو طب کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، غالباً اسی بنا پر اسے بہترین دواؤں میں سے قرار دیا گیا ہے قسط کی دو قسمیں ہیں (۱) بحری (۲) ہندی، قسط بحری سفید ہے اور وہ ہندی سے بہتر ہے، اسے عربی بھی کہا جاتا ہے، روایات میں قسط ہندی بھی آیا ہے جس کی تفسیر عود ہندی سے کی گئی ہے، کُسط کاف کے ساتھ بھی کہتے ہیں، قسط کی نسبت ظفار کی طرف بھی کی جاتی ہے، ظفار سمندر کے کنارے یمن کا ایک شہر ہے جو ہندوستان کے قریب ہے، ہند ہی سے قسط وہاں لے جائی جاتی ہے۔

۴۳۲۲
۱۰
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی لے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بچوں کے گلے آجائیں کے تو تم انہیں دبا کر عذاب نہ دو تم قسط اختیار کرو۔ سے
(صحیحین)

لے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ے عُذرہ بے نقطہ عین پر پیش، نقطہ والا ذال ساکن، اس کے بعد راء، یہ ایک بیماری ہے جو خون کے جوش کی بنا پر بچوں کے گلے میں پیدا ہو جاتی ہے، دائیاں بچوں کے تالو کو انگوٹھے سے اس سختی سے دباتی ہیں کہ اس جگہ سے خون نکل آتا ہے (ظاہر ہے کہ یہ عمل بچے کے لئے بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ بچوں کے گلے آجائیں تو (ان کے تالو کو) دبا کر انہیں عذاب نہ دو۔

۳؎ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک بچہ دیکھا جس کی ناک سے خون جاری تھا، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ اسے گلے پڑے ہوئے ہیں یا اس کے سر میں درد ہے؛ فرمایا: تم پر افسوس! تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، جس عورت کے بچے کے گلے آجائیں یا اس کے سر میں درد ہو تو چاہیے کہ عود ہندی لے اور اسے اچھی طرح پانی میں حل کرے اور بچے کی ناک میں ٹپکائے، اسی طرح کیا گیا بچہ تندرست ہو گیا، ناک میں دوا ٹپکانے کو سعوط کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ مریض کو پشت کے بل لٹا دیا جائے سر نیچا کر دیا جائے اور دوا کو پانی کی طرح رقیق کر کے ناک میں ٹپکا دیا جائے تاکہ دماغ تک پہنچ جائے؛ دوا جب دماغ تک پہنچے گی تو چھینک کے ذریعے بخارات باہر نکل جائیں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعوط کے ذریعے علاج کی تعریف کی ہے اور خود بھی اسے استعمال میں لاتے تھے، بعض اطباء نے گلے پڑ جانے کا علاج عود ہندی سے بعید قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ عود ہندی گرم ہے، اور گرمی کے سبب سے ہی بچوں کو گلے پڑتے ہیں خصوصاً حجاز میں کہ وہ علاقہ ہی گرم ہے۔ علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ گلے پڑنے کا سبب وہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم غالب ہوتی ہے لہٰذا عود ہندی کے ساتھ علاج اس کے موافق ہوگا کیونکہ قسط (عود ہندی) خشک کرنے والی ہے بلغم کو خشک کر دے گی، اور عضو کو تقویت دیتی ہے کبھی دوا اپنی خاصیت کی بناء پر فائدہ دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ از قبیل معجزات ہو۔

۴۳۲۳ وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ[۱] قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا تَدْغَرْنَ اَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعِلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَاِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ اَشْفِيَةٍ مِّنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گلے آنے سے اپنی اولاد کو کیوں دباتی ہو؟[۱] تم عود ہندی کو اختیار کرو، کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں ان میں سے ایک ذات الجنب[۲] (نمونیا) ہے گلے آنے سے یہ دوا ناک میں لی جائے[۳] اور ذات الجنب ہو تو منہ میں ٹپکائی جائے۔

(صحیحین)

۱؎ دغر بہ نقطہ دال، نقطے والی غین، گلے آنے پر انگوٹھے سے تالو کا دبانا، باب فتح یفتح گزشتہ حدیث میں دبانے سے منع فرمایا، اس حدیث میں بھی بطور انکار فرمایا کہ کیوں دباتی ہو اور بچوں کے گلوں کو نیچے کرتی ہو؟

علاق عین پر زبر، بعض نسخوں میں اس کے نیچے زیر اور اس کے اوپر پیش بھی لکھا ہے، بعض نسخوں میں بہٰذا العلق بھی آتا ہے، اس کا معنیٰ وہی ہے جو ابھی دغر کا بیان ہوا ہے۔ بعض روایات میں اعلاق ہے ہمزے کے نیچے زیر، باب افعال سے کہتے ہیں کہ یہ روایت

زیادہ بہتر اور موزوں ہے پہلی روایت بخاری اور مسلم میں آئی ہے اور دوسری روایت صرف مسلم میں آئی ہے اس کے باوجود دوسری روایت کے زیادہ مشہور ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے ، اعلاق کا معنی وہی علاج ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا ، بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس اعلاق کا معنی ہے علوق کا دور کرنا اور زائل کرنا ، علوق کا معنی ہے مصیبت اور حادثہ اور اگر اعلاق کا معنی علق کا ازالہ کیا جائے اور علق کا معنی ہے منجمد خون تو اس کی بھی گنجائش ہے ——— تالو کے دبانے سے منع کرنے کے بعد خود اس کا علاج تجویز فرمایا : (جیسے کہ اس کے بعد ارشاد ہے ۔

سلہ یعنی سات بیماریوں کے لیے شفا ہے ۔

سلہ ذات الجنب ، یہ سینے کے اطراف میں گرمی کی بنا پر پیدا ہونے والا ورم ہے ، یہ ورم باطنی جھلیوں اور سانس پردوں میں ہوتا ہے جو غذا اور سانس کے آلات کے درمیان حائل ہوتا ہے ، یہ اس ورم کا خاص نام ہے یہ بڑی سخت اور خوفناک قسم ہے ، یا بیرونی اور ظاہری جھلیوں یا بیرونی پردے اور جلد میں ورم پیدا ہوتا ہے سلہ ذات الجنب کی بنا پر لاحق ہونے والے عوارض یہ ہیں گرمی کا بخار ، کھانسی ، ضیق النفس (سانس کا پھولنا) اتنا شدید درد جیسے کوئی سوئی چبھو رہا ہو ، پیاس ، ذہنی اختلاط ، یہ بیماری نہایت سخت اور مہلک بیماریوں میں سے ہے ، اس کا علاج دقت سے خالی نہیں ہے ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا علاج قسط بحری سے تجویز فرمایا ، دوسری فصل میں امام ترمذی کی روایت کردہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث آئے گی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا علاج قسط بحری اور زیتون کے ساتھ کیا ۔

مخفی نہ رہے کہ قسط بحری کے فوائد بہت ہیں ، جیسے کہ ان میں سے کچھ بیان کیے گئے ہیں ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے سات کی طرف اشارہ فرمایا ، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سات سے زیادہ فوائد نہ ہوں ، ہو سکتا ہے کہ سات بڑے اور اہم فائدے ہوں ، اس لیے خاص طور پر ذات الجنب کا ذکر فرمایا جو کہ شدید اور مہلک بیماری ہے ، بعض شارحین نے کہا ہے اس جگہ سات سے مراد کثرت ہے ، خاص عدد مراد نہیں ہے کلام عرب میں ستر کی طرح سات بھی کثرت کے لیے مستعمل ہوتا ہے ، واللہ تعالیٰ اعلم ——— اس کے بعد قسط بحری کیساتھ ذات الجنب اور گلے آنے کے علاج میں فرق بیان فرمایا ۔

۴۳۲۴/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ ابْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرُدُوْهَا بِالْمَآءِ ۔

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : بخار دوزخ کی بھڑاس سے ہے ۔ سلہ لہٰذا اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیجئے

سلہ غیاث اللغات میں ہے ذات الجنب جیم پر زبر اور نون ساکن ، یہ حجاب میں پیدا ہونے والا ورم ہے ، اور حجاب ، دل اور معدے کے درمیان ایک پردہ ہے یہ ورم کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ درد کے ساتھ ساتھ بخار اور ضیق النفس ہوتا ہے ۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

لے بعض شارحین نے فرمایا کہ بخار کی گرمی کو دوزخ کی آگ سے تشبیہ دینا مقصود ہے، یعنی بخار اس کی نشانی اور اس کا نمونہ ہے، بعض حضرات کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے جیسے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جہنم کی آگ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گرمی کی شدت کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بعض نے بعض کو کھا لیا ہے تو اسے سانس لینے کی اجازت دی گئی، گرمیوں کی تپش اسی کا اثر ہے اور اسی لیے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ بخار کی تپش بھی اسی کا اثر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لے ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرو ——— ابردوھا کو دو طرح پڑھا گیا ہے (۱) ہمزہ وصلی اور راء کے پیش کے ساتھ: باب نصر سے (اُبْرُدُوْھا) (۲) ہمزہ قطعی اور راء کی زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے، (اَبْرِدُوْھَا) علامہ طیبی نے جوہری سے نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف لغت ہے۔

یاد رہے کہ یہ علاج بھی طبیبوں کی عقل کے حساب سے باہر دکھائی دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ بخار کا مریض اگر ٹھنڈا پانی استعمال کرے تو اسے نقصان پہنچے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب، اہل حجاز کے ساتھ مخصوص ہے اور اکثر اور اغلب اوقات کے لحاظ سے ہے، کیونکہ انہیں عام طور پر جو بخار آتا ہے وہ روزانہ چڑھنے والا بخار ہوتا ہے جو سورج کی سخت گرمی یا گرم دوا کے استعمال یا بہت تیز حرکت یا غصے یا بیداری کی بنا پر ہوتا تھا اور اس پر شک نہیں کہ صفراوی بخار کے لیے پانی کی ٹھنڈک پہنچانا فائدہ مند ہے۔

البتہ اس سے اختلاف ہے کہ پانی سے ٹھنڈا کرنے کی یہی صورت ہے کہ مریض کو پانی پلایا جائے یا غسل کرنے کو بھی شامل ہے بعض محدثین کہتے ہیں کہ پینے اور غسل کرنے دونوں کو شامل ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو تپ آجائے تو اس پر تین رات سحری کے وقت پانی ڈالا جائے، ایک دوسری حدیث مسند امام احمد میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخار ہوتا تو پانی کا مشکیزہ طلب فرماتے، پانی سر مبارک پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔ جامع ترمذی میں ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو تپ آجائے اور تپ نہیں ہے مگر آگ کا ایک ٹکڑا، تو چاہیے کہ اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرے، اور چاہیے کہ چلتی ہوئی نہر کے پاس جائے اور فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے پانی کے چلنے کی جانب کا استقبال کرے (یعنی جدھر سے پانی آرہا ہو اس طرف منہ کرکے کھڑا ہو جائے ۲ اق ن) اور بسم اللہ پڑھ کر کہے یا اللہ! اپنے بندے کو شفا عطا فرما اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچا کر دکھا، یعنی اس علاج کے سلسلے میں جو آپ نے فرمایا ہے اور چلتے ہوئے پانی میں تین بار غوطہ لگائے، تین دن تک یہی عمل کرے الحدیث ان احادیث سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنا غسل کو بھی شامل ہے، اور چونکہ اس جگہ صفراوی بخار مراد ہے جو گرم مزاج والوں کو حرارت کی شدت کے اعتبار سے لاحق ہوتا ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے میں بھی شدت ہوگی۔

علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صفراوی بخار کو ٹھنڈا پانی پلا کر اور مریض کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جائے، بخار کا یہ علاج نہایت فائدہ مند ہے، آگ کو بجھانے اور اس کے شعلے کو سرد کرنے کے لیے بہ زود اثر عمل ہے، حکم

یہی ہے کہ پانی سے بخار کی شدت کو کم کیا جائے اور اسے ٹھنڈا کیا جائے، اطباء اس بات کے قائل ہیں کہ صفراوی بخار کے مریض کو ٹھنڈا یخ پانی اور برف پلائی جائے اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی سے دھوئے جائیں (آج کل جب بخار ہو تو ڈاکٹر دودھ سوڈا پلاتے اور برف کی پٹیاں ماتھے اور ہاتھ پاؤں پر رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں ۱۲ ق ن) حضرت اسماء یا حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تپ کی ایک مریضہ کو دیکھا تو انہوں نے اس کے پہلو میں ٹھنڈا پانی انڈیل دیا۔ اور یہ حدیث بیان کی، حضرت عائشہ اور دیگر صحابیات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کو زیادہ جانتی ہیں، امام احمد کی روایت کردہ حدیث[1] مذکور کا جواب دیتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اسی لیے اس کے آخر میں فرمایا کہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچ کر دکھا (طیبی)

پانی کے چھڑکنے سے صراحتہً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبکجے کے پانی سے غسل کیا، یہ روایت پہلے گزر چکی ہے، یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہو گی[2] انصاف یہ ہے کہ جب ٹھنڈے یخ پانی اور برف کے پانی کا پلانا اور ہاتھ پاؤں کا دھونا علاج ہے، تو حرارت کے زیادہ شدید ہو جانے کی صورت میں غسل بھی درست اور علاج ہو تو کیا حرج ہے؟ تحقیق و تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ دھوپ کی غلاظت سے پیدا ہونے والے صفراوی بخار کے لیے ٹھنڈے پانی سے نہانا مفید ہے۔

۴۳۲۵ / ۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَ الْحُمَةِ وَ النَّمْلَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی، نظر بد، ڈنک[1] اور اندھوریوں[2] سے (مسلم)

[1] حُمَۃٌ بے نقطہ حا پر پیش، میم مخفف، زہریلا ڈنک، اس سے مراد بچھو کا ڈنک ہے، سانپ کا ڈسنا اس کے حکم میں ہے۔ بعض روایات میں ڈنک کے مقابل ڈسنے کا ذکر ہے۔

[2] نَمْلَۃٌ پہلو اور جسم کے دوسرے حصوں پر نکلنے والی پھنسیاں (چھپاکی) چونکہ یہ چیونٹیوں کی طرح انہی کی رفتار کے ساتھ جسم پر

---

[1] ممکن ہے علامہ طیبی نے یہ حدیث امام احمد کے حوالے سے نقل کی ہو، حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے تو یہ حدیث جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کی ہے، جیسے کہ ابھی چند سطور پہلے گزری ہیں، چونکہ علامہ طیبی نے صفراوی بخار کے مریض کو پانی پلانے اور اس کے ہاتھ پاؤں دھونے کا ذکر کیا ہے اس لیے انہیں تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ۱۲ ق ن۔

[2] حالانکہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ امام احمد کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شبکجے کے پانی سے غسل کرنے کی تصریح نقل کر چکے ہیں پھر خصوصیت قرار دینے کی کیا وجہ ہے ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

پھیل جاتی ہیں اس مشابہت کی بنا پر انہیں نملۃ کہا گیا ہے (نملۃ چیونٹی کو کہتے ہیں)

یاد رہے کہ تمام بیماریوں اور تکلیفوں میں دم کرنا جائز ہے، ان تین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، خاص طور پر ان عوارض کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بیماریوں کی نسبت ان تین میں دم زیادہ مناسب اور مفید ہے، بعض روایات میں حصر بھی آیا ہے کہ دم نہیں ہے مگر ان تین چیزوں میں اس کا محمل بھی یہی تاویل ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے چونکہ جاہلیت کے الفاظ سے دم کیا جاتا تھا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا تھا، بعد ازاں ان تین چیزوں میں دم کرنے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ یہ دم بڑا اہم تھا اور لوگوں کو اس کا فائدہ بہت تھا، پھر مطلقاً اجازت دے دی (بشرطیکہ اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اور نہ ہی ایسے کلمات ہوں جن کا معنی نامعلوم ہو، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا) (اشرف)

۴۳۲۶/۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نظر بد سے دم کروائیں [1] (صحیحین)

[1] اس صورت میں نَسْتَرْقِيَ نون کے ساتھ ہے صیغہ متکلم مع الغیر معلوم اَنْ يُسْتَرْقٰى یا کے ساتھ صیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے، یعنی حکم دیا کہ نظر بد سے دم کیا جائے۔ غالباً امر اباحت مراد ہے یعنی دم کرنے اور کرانے کی اجازت ہے۔

گزشتہ حدیث میں تین چیزوں کے خصوصی طور پر ذکر کرنے کی جو وجہ ہے وہی اس حدیث میں خاص طور پر نظر بد کے ذکر کی ہے۔

۴۳۲۷/۱۵ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِهَا جَارِيَةً فِيْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِيْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک کنیز دیکھی جس کے چہرے پر زردی [1] چھائی ہوئی تھی، فرمایا: اسے دم کراؤ کیونکہ اسے نظر لگی ہوئی ہے [2] (صحیحین)

[1] سَفْعَةٌ بے نقطہ سین پر زبر، فا ساکن اور بے نقطہ عین ———— چہرے کی زردی جن کی نظر بد کی علامت تھی سَفْعَةٌ کے کئی معانی ہیں (۱) علامت (۲) مارنا (۳) تھپڑ مارنا (۴) نظر بد (۵) آگ اور لو کا چہرے کو جھلسا دینا۔ سُفْعَةٌ سین پیش چہرے کی سرخی مائل سیاہی راوی نے جو زردی کے ساتھ تفسیر کی ہے تو یہ علامت والے معنی کے مناسب ہے، یا انہوں نے مارنے یا تھپڑ یا نظر بد کے اثر کے

ساتھ تفسیر کی ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

سے تاکہ اس کی بیماری دور ہو۔

سے ظاہر حدیث مطلق ہے کہ اس لونڈی پر جن کی نظر کا اثر تھا یا انسان کی نظر کا، لیکن شارحین نے اس کی تفسیر جن کی نظر سے کی ہے اور کہتے ہیں کہ جنات کی نظر انسان کی نظر سے زیادہ تیز ہے، بعض حواشی میں تردد کا اظہار کیا ہے کہ جن کی نظر تھی یا انسان کی، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے، وہاں ایک بچہ تھا اس کے بارے میں کہا گیا کہ اسے نظر لگ گئی ہے، فرمایا: اسے نظر بد کا دم کیوں نہیں کرتے!

۴۳۲۸/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَآءَ اٰلُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَقَالَ اعْرِضُوْهَا فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَرٰى بِهَا بَاْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا، تو عمرو بن حزم کے گھر والوں نے آکر عرض کیا[1] یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک دم تھا جس کے ساتھ ہم بچھو کے ڈنک سے دم کرتے تھے، آپ نے تو دم پھونک سے منع فرما دیا ہے، فرمایا: اسے پیش کرو،[2] انہوں نے پیش کیا[3] تو فرمایا: ہم اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے،[4] تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع دے سکے وہ اسے نفع دے[5] (مسلم)

لے جن کا کام ہی دم پھونک تھا۔

سے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ساتھ دم کرنا درست ہے یا نہیں۔

سے انہیں اجازت دے دی اور فرمایا۔

سے جس طرح بھی ہو سکے خواہ دم کے ذریعے ہو یا اس کے علاوہ، بشرطیکہ اس میں شرعی ممانعت نہ پائی جائے۔

۴۳۲۹/۱۷ وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دور جاہلیت

نَرْقِیْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَیَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! دم کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے[۲]؟ فرمایا: تم اپنے دم ہمارے سامنے پیش کرو[۳] دم پھونک میں حرج نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو[۴]۔ (مسلم)

[۱] حضرت عوف بن مالک اشجعی صحابی ہیں، وہ پہلے پہل خیبر میں حاضر ہوئے فتح مکہ کے دن بنو اشجع کا جھنڈا ان کے پاس تھا، شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۳ھ میں رحلت ہوئی۔

[۲] کہ ہم دم کریں یا نہ؟

[۳] تاکہ ہم دیکھیں کہ ان کے معنی کیا ہیں؟ تاہم قاعدہ کلیہ یہ ہے (جو اس کے بعد بیان فرمایا)

[۴] جب تک کہ اس میں ایسی چیز نہ ہو جس سے شرک و کفر لازم آئے، یعنی جنوں اور شیطانوں کے نام نہ ہوں، اور اس کے معانی سے کفر لازم نہ آئے، اسی لیے کہتے ہیں جس کا معنی معلوم نہ ہو اس کے ساتھ دم نہیں کرسکتے، ہاں اگر وہ کلمات شارع علیہ السلام سے نقل صحیح کے ساتھ منقول ہوں تو ان کے ساتھ دم کرسکتے ہیں)

علماء کرام کہتے ہیں کہ جنوں کو چونکہ طبعی طور پر انسانوں سے دشمنی ہے اس لیے شیاطین کے ساتھ ان کی دوستی ہے، جب شیاطین کے ناموں سے دم وغیرہ کیا جائے تو جنات ان کی تعمیل کرتے ہیں اور اپنی جگہ سے باہر چلے جاتے ہیں، یہی حال سانپ کے ڈسے ہوئے آدمی کا ہے، کیونکہ یہ بھی بعض اوقات جن کا اثر ہوتا ہے، جن سانپ کی صورت میں آکر ڈس لیتا ہے، جب شیطانوں کے نام پر مشتمل منتر پڑھا جاتا ہے تو زہر انسانی جسم سے نکل جاتا ہے، اور اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اگر خاص طور پر قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے بغیر دم کیا جائے تو مکروہ ہے، مختصر یہ کہ علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بغیر دم کرنا مکروہ ہے، سب سے بڑا دم قرآن کریم ہے، اور اس میں سے افضل سورۂ فاتحہ، معوذتین (آخری دو سورتیں) آیۃ الکرسی اور وہ آیات ہیں جو استعاذہ کے معنی (اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے) اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینے والے کلمات پر مشتمل وہ دعائیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں، وہ دعائیں احادیث صحیحہ میں ثابت ہیں اور کتب حدیث میں مذکور ہیں، ان میں سے کچھ دعائیں کتاب سفر السعادۃ میں لائے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی کی نظر اپنے مال، بیٹے یا کسی بھی پسندیدہ چیز پر پڑے تو اسے کہنا چاہیے مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا، نہیں ہے طاقت مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا تو فرمایا کہ اسکی

ٹھوڑی پر سیاہی لگا دو تاکہ اسے بُری نظر نہ لگے، حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اس میں حرج نہیں کہ قرآن پاک لکھا جائے اور اسے دھو کر پانی بیمار کو پلایا جائے، اس سے مراد مطلق قرآن (قرآن پاک کی کوئی سی آیت) ہے۔ یا وہ آیات جو شفاء کے معانی پر مشتمل ہیں یا وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہیں اور یہی (آخری احتمال) زیادہ مناسب ہے، مشہور رسم آیات شفاء ہیں۔

شیخ امام ابوالقاسم قشیری سے منقول ہے کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہو گیا، یہاں تک کہ وہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا، اس کی حالت بڑی نازک ہو گئی، مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے آپ کی بارگاہ میں بیٹے کی حالتِ زار عرض کی تو فرمایا: تم آیاتِ شفاء سے کیوں دور ہو؟ بیدار ہونے پر میں نے قرآن پاک پر آیات شفاء تلاش کیں، جو مجھے چھ مقامات پر ملیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (۹/۱۴) اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔

۲۔ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) اور دلوں کی صحت

۳۔ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶/۶۹) اس (شہد کی مکھی) کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز، رنگ برنگ نکلتی ہے، جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔

۴۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷/۸۲) اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

۵۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶/۸۰) اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

۶۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ (۴۱/۴۴) تم فرماؤ وہ (قرآن شریف) ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

میں نے یہ آیات لکھیں اور انہیں پانی میں دھو کر اپنے بیٹے کو پلایا تو وہ اسی وقت تندرست ہو گیا، جیسے اس کے پاؤں سے بیڑی کھول دی گئی ہو، اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) اور ہم قرآن میں وہ چیز اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے، قاضی بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں آیاتِ شفاء کی طرف اشارہ کیا ہے، سعد چلپی نے حاشیہ بیضاوی میں آیات مذکورہ کا تعین کیا ہے اور استاد ابوالقاسم قشیری کا واقعہ نقل کیا ہے، یہ بھی بیان کیا کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، مذکورہ آیات کے بیمار پر پڑھنے اور چینی کے برتن میں لکھ کر اسے پانی سے دھونے اور اس پانی کے مریض کو پلانے کا ذکر بھی کیا، شیخ تاج الدین سبکی سے نقل کیا کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو بیمار کی صحت کے لیے یہ آیات لکھتے تھے، راقم الحروف[1] نے

[1] حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ۔

بھی حضرت شیخ عبدالوہاب متقی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بیماروں کے لیے اس عمل کا مشاہدہ کیا ــــ رہی یہ بات کہ اس سے پہلے جو حصے نقل کیے گئے ہیں وہ آیات کے اجزاء ہیں، یہی لکھے جائیں یا پوری آیات لکھی جائیں؛ تو جو کچھ دیکھنے میں آیا ہے وہ ان ہی اجزاء کا لکھنا ہے۔

۴۳۳۰ (۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر حق ہے [۱] اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جا سکتی [۲] تو نظر سبقت لے جاتی [۳] اگر تم سے اعضاء کے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو دو [۴] (مسلم)

[۱] نظر کا لگنا اور آدمی اور ہر اس چیز پر اثر انداز ہونا جسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقع اور حق ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت بعض نفوس میں رکھی ہے جیسے کہ جادو میں تاثیر رکھی ہے۔ اور عادت الٰہیہ کے مطابق نظر اس چیز کے نقصان اور ہلاکت کا سبب بنا دی ہے۔

[۲] بعض روایات میں ہے وَلَوْ كَانَ اگر کوئی چیز تقدیر الٰہی سے سبقت لے جا سکتی ہے اور اس پر غلبہ پا سکتی۔

[۳] ایک روایت میں ہے لَسَبَقَتْهُ تو نظر تقدیر پر سبقت لے جاتی اور اسے تبدیل کر دیتی، نظر کی تاثیر کی شدت اور اشیاء میں تیزی کے ساتھ اس کے اثر انداز ہونے کے لیے بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے۔

[۴] لوگوں کی عادت تھی کہ جس کی نظر لگی ہو اسے کہا جاتا کہ وہ ہاتھ پاؤں اور اپنا سر دھوئے اور جسے نظر لگی ہوتی اس پر وہ پانی ڈال دیتے اور اسے شفاء کا سبب جانتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں اجازت عطا فرمائی [۱] اشیاء میں جو خاصیتیں رکھی گئی ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا کم از کم حاصل ہونے والا فائدہ یہ ہے

---

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں، دیکھو نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھو کر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا، ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی جو سی تین سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سر سے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے اگر نظر ہوتی ہے تو بھس نہیں اٹھتی اور رب تعالیٰ شفاء دیتا ہے، جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں تجربہ کافی ہے، ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں خلاف شرع نہ ہوں تو درست ہیں اگرچہ ماثورہ دعائیں افضل ہیں ۱۲ مرآۃ۔

کر وہم دور ہو جاتا ہے، وہ امور تو بہر حال ثابت ہیں جنہیں شارع علیہ السلام کی تائید و تجویز حاصل ہے ۔۔۔ اعضاء کے دھونے کا طریقہ دوسری فصل کے آخر میں حضرت ابو امامہ کی حدیث میں آئے گا۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ نظر بد کی حقیقت اور اس کی کیفیت کیا ہے؟ جمہور علماء اہل حق اس امر کے قائل ہیں کہ جن اشیاء کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے خواہ وہ جان ہو، مال ہو یا کوئی دوسری چیز اسے نظر کا لگنا اور نظر کا نقصان پہنچانا ثابت اور برحق ہے ، اگر معتزلہ وغیرہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، جیسے کہ دعا اور صدقے کی تاثیر کا انکار کرتے ہیں کہ تقدیر میں جو کچھ فیصلہ ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا کسی دوسری چیز کا اس میں دخل نہیں ہے، یہ نہیں جانتے کہ تقدیر، عالم اسباب کے منافی نہیں ہے ، جیسے کہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے ، نظر کی تاثیر اور اس کے سبب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت اس میں رکھی ہے اور اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس میں پیدا فرمائی ہے اور اسے سبب بنایا ہے جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ نظر برحق ہے ، یعنی یہ امر ممکن ہے اور جب شارع علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے تو اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے ۔

علمائے دین نے نظر کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ وہ کس طرح لگتی ہے اور کس طرح نقصان پہنچاتی ہے بعض نظر والوں سے منقول ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ سے حرارت نکل رہی ہے ، بعض علماء نے کہا ہے کہ نظر والے کی آنکھ سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے ، جس سے درمیانی ہوا متکیف ہو جاتی ہے ، وہ ہوا منظور کے جسم سے لگتی ہے تو اس کی ہلاکت اور فساد کا سبب بن جاتی ہے جیسے کہ سانپ اور بچھو کی زہر، ڈسے ہوئے آدمی تک پہنچ کر اسے نقصان پہنچاتی ہے ، کچھ سانپوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صرف ان کے دیکھنے سے زہر پہنچ جاتا ہے اور ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے ۔ مختصر یہ کہ نظر والے کی طرف سے تیر ایسی چیز منظور کی طرف جاتی ہے ، اگر حفاظت کرنے والی کوئی چیز درمیان میں مانع نہ ہو تو پہنچتی ہے اور اثر انداز ہوتی ہے ، اگر درمیان میں حرز ، تعویذ اور دعا ایسا مانع موجود ہو تو اثر نہیں کرتی اور اگر حفاظت کرنے والی چیز سخت اور طاقت ور ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ نظر والے کی طرف پلٹ جائے ، جیسے کہ ڈھال اگر سخت اور مضبوط ہو تو تیر، مارنے والے کی طرف بھی پلٹ جاتا ہے ، جیسے کچھ لوگوں میں نظر بد کی قوت اور خاصیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح باکمال نفوس کو اس کے دفع کرنے کی قوت بھی دی ہوئی ہے ۔ بعض اہل علم نے کہا کہ کسی بھی چیز کو نظر اس وقت لگتی ہے جب وہ کمال کو پہنچ جائے ہر امکن کے) کمال کے پیچھے نقص اور زوال ہے ، چونکہ نظر لگنے کے بعد تقدیر ظاہر ہوتی ہے اس لیے نظر کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے [1]

---

[1] محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ (فیصل آباد) فرمایا کرتے تھے کہ بری نظر بھی لگتی ہے اور اچھی نظر بھی، باقی حاشیہ آئندہ صفحہ

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۳۳۱ / ۱۹ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِیْكٍ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَتَدَاوٰی قَالَ نَعَمْ یَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَضَعْ دَآءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَآءً غَیْرَ دَآءٍ وَّاحِدٍ اَلْهَرَمُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت اسامہ بن شریک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم دوا استعمال کریں[2]؟ فرمایا: ہاں! اے اللہ کے بندو! دوا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی[3] مگر اس کے لیے شفاء رکھی ہے[4] سوائے ایک بیماری کے بڑھاپا ہے[5] (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] اسامہ بن شریک لفظوں والے شین پر زبر، راء کے نیچے زیر: صحابی ہیں اہل کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[2] کیا ہم طب کا اعتبار کریں اور علاج معالجہ کریں؟ یا اسے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔

[3] اور پیدا نہیں کی۔

[4] جو اس بیماری کے لیے شفاء کا سبب ہے۔

[5] اور وہ لاعلاج مرض ہے۔

۴۳۳۲ / ۲۰ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

حضرت عقبہ بن عامر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ ہمیں بھی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہ کی نظر لگ گئی تھی چنانچہ ہم سکول کالج چھوڑ کر بریلی شریف پہنچ گئے اور علوم دینیہ حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے (الخ) شیخ المشائخ مرشدنا و مرشد العصر حضرت اخندزادہ سیف الرحمٰن صاحب مدظلہ تعالیٰ پیرارچی کی نگاہ کیمیا اثر کی بدولت لاکھوں افراد ذکر و فکر کی کیفیات سے سرشار اور اتباع شریعت کا پیکر بن چکے ہیں، تین ہزار سے زیادہ افراد وہ ہیں جو سلسلہ نقشبندیہ کے سلوک کا نصاب طے کر کے اجازت و خلافت سے سرشار ہو چکے ہیں اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دے رہے ہیں ایسے حضرات بھی بکثرت ہیں جنہوں نے سلاسل اربعہ کا سلوک مکمل کر کے سند خلافت حاصل کی ہے ۱ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی)

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُکْرِھُوْا مَرْضَاکُمْ عَلَی الطَّعَامِ فَاِنَّ اللّٰہَ یُطْعِمُھُمْ وَ یَسْقِیْھِمْ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے ۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال کئی بار لکھے جا چکے ہیں،

۲؎ مشروب (پانی وغیرہ) کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کھانے کے تابع ہیں۔

۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرماتا ہے اور اس چیز کے ساتھ امداد دیتا ہے جو کھانے اور پانی کی طرح تقویت دیتی ہے، قوت و طاقت کا برقرار رہنا کھانے پینے سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے، خلاصہ یہ کہ نفس انسانی ایسی چیز کے ساتھ مصروف ہے کہ اسے کھانے کی حاجت نہیں ہے، اگر حسب معمول حرارت غریزی کے ذریعے جسم کی ردی رطوبتوں کو زائل کر دے تو وہی کافی ہے۔

۴۳۳۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَوٰی اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَۃَ مِنَ الشَّوْکَۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لالی کی بیماری ۱؎ کی بنا پر حضرت اسعد بن زرارہ کو داغ دیا۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہ ایک بیماری ہے جس میں (پہلے تو چہرہ سرخ ہوتا ہے پھر) تمام جسم پر سرخی پھیل جاتی ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس بیماری کی بنا پر کس جگہ داغ لگایا گیا۔

۴۳۳۴ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰی مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِیِّ وَالزَّیْتِ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذات الجنب (نمونیہ) کا قسط بحری اور زیتون سے علاج کریں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

۴۲۳۵ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذات الجنب کے علاج کے طور پر زیتون اور ورس[1] کی تعریف فرماتے تھے۔

(ترمذی)

[1] ورس واؤ پر زبر، راء ساکن، زعفران جیسی زرد گھاس جس کے ساتھ رنگ دیتے ہیں ـ ظاہر یہ ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ نمونے کا علاج بطور خوراک ہوگا۔

۴۲۳۶ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ الشِّفَاءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت اسماء بنت عمیس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟[2] انہوں نے عرض کیا شُبْرُم[3] سے فرمایا: گرم ہے، گرم ہے۔ پھر میں نے سنا[4] سے جلاب لیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سنا میں ہوتی[5]

(ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] اسماء بنت عمیس عین پر پیش، میم پر زبر تصغیرہ خوب رو اور دانشور خاتون (صحابیہ) پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق کے عقد میں آئیں، ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کی رفیقۂ حیات رہیں، اور ان کے شکم سے تینوں صحابہ کرام کے صاحبزادے پیدا ہوئے۔

[2] مَشِیٌّ میم پر زبر، شین کے نیچے زیر اور یاء مشدد، فعیل جلاب لانے والی دوا

کو کہتے ہیں۔ مَشْیٌ سے مشتق ہے جس کا معنی راستے پر چلنا ہے، جلاب آور دوا انسان کو قضائے حاجت کیلئے پے چلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

سے شبرم نقطے والے شین پر پیش، بار ساکن اور راء پر پیش، جلاب آور گھاس، بعض علماء نے کہا کہ وہ ایک دانہ ہے جسے پکایا جاتا ہے اور اس کا پانی پیا جاتا ہے، سفر السعادۃ میں ہے کہ حجاز کی معروف گھاس جس کا چھلکا اور جڑ کام آتی ہے۔

سے حَارٌ جَارٌ ہر از قبیل اتباع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ بامعنی لفظ کے بعد اس کے ساتھ ملتا جلتا کوئی لفظ مبالغہ کے لیے لایا جاتا ہے جیسے حس بس (اور روٹی شوٹی) بعض شارحین نے دونوں کو حاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ بہر صورت معنی یہ ہے کہ شبرم بہت گرم ہے، کہتے ہیں کہ چوتھے درجے میں گرم ہے، اطباء نے خطرے اور جلابوں کی کثرت کی بنا پر اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔

شہ سنا سین پر زبر آخر میں الف مقصورہ، بعض نے الف ممدودہ بھی پڑھا ہے، خطۂ حجاز میں پیدا ہونیوالی ایک بوٹی ہے، اس کی بہترین قسم سنا مکی ہے، یہ عمدہ قسم کی دوا ہے جس میں نقصان کا کوئی خوف نہیں ہے، اعتدال کے قریب اور درجہ اول میں گرم ہے، صفراء، سوداء اور بلغم کو جلاب کے ذریعے خارج کر دیتی ہے، دل کو تقویت دیتی ہے، سوداوی وسوسوں کو دور کرنے میں فائدہ دیتی ہے۔

سلہ یعنی مردے کو زندہ کر دیتی ہے یا جو اسے کھاتا کبھی نہ مرتا۔

ےلہ سنا کی تعریف اور مختلف بیماریوں سے اس کے شفاء دینے کا بطور مبالغہ بیان ہے، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس میں شفاء ہے سوائے موت کے۔

۴۳۳۷/۲۵ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا نازل[1] کی ہے اور ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی ہے، تو تم دوا دارو کرو[2] لیکن حرام چیز سے دوا نہ کرو[3]

سلہ یعنی پیدا کی ہے۔

[2] اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نہیں شفاء دیگا۔

۳؎ جو تم پر حرام ہے، مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ۔

۴؎ یاد رہے کہ حرام چیزوں سے مطلقاً اور شراب سے خصوصاً علاج کی ممانعت کے بارے میں متعدد حدیثیں آئی ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو اس نے تم پر حرام کی ہے، جب حضرت طارق جعفی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شراب بنانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے انہیں منع فرمایا: انہوں نے عرض کیا کہ میں دوا کے لیے بناتا ہوں تو فرمایا: وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص شراب سے علاج کرے اللہ تعالیٰ اسے شفاء نہ دے، بعض محققین اسلامی اطباء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شراب کے بارے میں فرمایا ہے وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اس میں لوگوں کے فائدے ہیں تو اس سے مراد بدنی منفعت اور جسمانی صحت نہیں ہے، بلکہ طبیعت کا وہ سرور اور نشاط ہے جو اس کے پینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بالآخر بدن کے لیے نقصان دہ اور مہلک ہے، جیسے کہ شراب کے عادیوں کے حال سے ظاہر ہوتا ہے (اھ) یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اطباء کا قول تنزّل پر مبنی ہے، ورنہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (پلیدی ہے شیطان کے عمل سے اس سے بچو) سے منسوخ ہے، فقہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر حاذق اطباء اس امر پر متفق ہو جائیں کہ اس بیماری کا علاج سوائے اس دوا کے کوئی نہیں ہے تو اس کے ساتھ علاج جائز ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ حاذق اطباء کا موجود ہونا اور ان کا متفق ہونا کہ علاج ایک ہی دوا میں منحصر ہے بہت ہی مشکل ہے۔

۲۳۳۸/۲۶ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پلید؎ دوا سے منع فرمایا:

(امام احمد، ابو داؤد، ترمذی ابن ماجہ)

۱؎ جو پلید اور حرام ہو، یا خبیث سے مراد بدذائقہ اور بدبودار دوا ہے، جس کے استعمال سے طبیعت متنفر ہو، ایسی دوا بھی اچھی نہیں ہے، اس میں فائدہ کم ہے اور طبیعت اسے قبول نہیں کرتی، اس صورت میں نہی تنزیہی ہوگی۔

۲۳۳۹/۲۷ وَعَنْ سَلْمٰى خَادِمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خادمہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

قَالَتْ مَا كَانَ اَحَدٌ يَشْتَكِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْعًا فِيْ رَاْسِهٖ اِلَّا قَالَ اِحْتَجِمْ وَلَا وَجْعًا فِيْ رِجْلَيْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا۔

کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سر درد کی شکایت کرتا تو آپ اسے فرماتے پچھنے لگواؤ[۲] اور جو شخص پاؤں میں درد کی شکایت کرتا اسے فرماتے پاؤں کو خضاب[۳] لگاؤ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

[۱] حضرت سلمٰی دراصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں وہ، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع کی بیوی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی دایہ اور (جلیل القدر صحابیہ) تھیں۔

[۲] اور خون نکلواؤ۔

[۳] مہندی سے۔

۴۳۴۰ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِيْ اَنْ اَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ۔

۲۸

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی زخم[۱] یا خراش[۲] ہوتی تو مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی لگا دوں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

[۱] پہلے حرف پر پیش یا زبر، زخم، قَرْح کا بھی یہی معنیٰ ہے، مصدر کے معنیٰ (زخم لگانے) میں بھی آتا ہے، بعض علماء نے کہا کہ قَرْح حجاز کی لغت ہے، بعض کہتے ہیں کہ پہلے حرف پر پیش ہو (قُرْح) تو اسم ہے (بمعنی زخم) اور زبر ہو تو مصدر ہے (اس کا معنیٰ ہے زخم لگانا)

[۲] نون پر زبر، کاف ساکن، رنج و مصیبت، اس جگہ وہ کسی عضو پر لگنے والا زخم مراد ہے اور قرحہ سے مراد وہ پھوڑا پھنسی ہے جو خون کے جوش وغیرہ کی بنا پر نمودار ہوتا ہے، مجمع البحار میں ہے نَكْبٌ نون پر

زبر اور کاف ساکن، پتھر یا کانٹے سے پیدا ہونے والا زخم۔

۴۳۴۱/۲۹ وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَحْتَجِمُ عَلٰی ھَامَتِہٖ وَبَیْنَ کَتِفَیْہِ وَ یَقُوْلُ مَنْ اَھْرَاقَ مِنْ ھٰذِہِ الدِّمَاءِ فَلَا یَضُرُّہٗ اَنْ لَّا یَتَدَاوٰی بِشَیْءٍ لِشَیْءٍ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو کبشہ[۱] انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر کی مانگ پر اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ان خونوں[۲] سے گرایا اسے کچھ نقصان نہیں کہ کسی دوا سے کسی بیماری کے لیے علاج نہ کرے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

[۱] اَبُوْ کَبْشَۃَ کاف پر زبر، ایک نقطے والی باء ساکن، اس کے بعد نقطوں والی شین۔ اَلْاَنْمَارِیُّ ہمزے پر زبر اور نون ساکن، صحابی ہیں، شام میں قیام پذیر ہوئے۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ اعضاء کے خون مراد ہیں، یا مطلق خون مراد ہے، چاہے کسی بھی عضو کے ہوں۔

۴۳۴۲/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلٰی وَرِکِہٖ مِنْ وَثْاٍ کَانَ بِہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ران کے اوپر[۱] پچھنے لگوائے۔ کیونکہ وہاں ٹھیس[۲] لگی ہے۔ (ابو داؤد)

[۱] واؤ پر زبر، راء کے نیچے زیر، ران کا بالائی حصہ۔

[۲] واؤ پر زبر تین نقطوں والی ثاء ساکن، اس کے بعد ہمزہ، کسی عضو کی ٹوٹے بغیر لاحق ہونے والی تکلیف اور ٹھیس، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا۔

۴۳۴۳/۳۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَۃِ اُسْرِیَ بِہٖ اَنَّہٗ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ

لَوْ يَمُرُّ عَلٰى مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ مُرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرے انہوں نے کہا[1] کہ آپ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیں[2]

(ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ حجامت سے مراد خون نکالنا ہے جو فصد وغیرہ کو شامل ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف اَلشِّفَاءُ فِيْ ثَلٰثٍ شَرْطِ مِحْجَمٍ کی شرح میں بیان کیا گیا ہے، بعض شارحین نے فصد کے مقابل قرار دیا ہے اور کہا کہ حجامت کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ حجامت جلد کے اطراف سے خون نکالتی ہے، تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ گرم علاقوں میں فصد کی نسبت حجامت افضل ہے، کیونکہ ان کا خون پتلا اور پختہ ہوتا ہے اور بدن کی سطح پر آجاتا ہے جو فصد سے نہیں بلکہ حجامت سے نکلتا ہے، فصد بدن کی گہرائی کے لیے مفید ہوتا ہے اور ٹھنڈے علاقوں کے مناسب ہوتا ہے، غالباً امت سے مراد عرب لیے گئے ہیں کیونکہ اس وقت افراد امت میں سے وہی موجود تھے، یا آپ کی امت سے مراد آپ کی قوم لی گئی ہے، علامہ طیبی نے فرمایا: فرشتوں نے حجامت کے بارے میں مبالغہ کیا اس کی ایک وجہ تو مشہور ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کے جسمانی فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ خون، فوائد حیوانیہ کی بنیاد ہے، جب خون بدن میں کم ہوگا تو مکاشفات غیبیہ سے مانع فوائد نفسانیہ بھی کمزور ہو جائیں گی (طیبی) اس وجہ سے مطلقاً خون نکالنے کا فائدہ معلوم ہوتا ہے، ہم نے ابتداء میں جو وجہ بیان کی ہے اس سے خصوصی طور پر حجامت کا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔

۴۳۴۴/۴۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ طَبِيْبًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضِفْدَعٍ يَّجْعَلُهَا فِيْ دَوَآءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک دوا میں مینڈک ڈالنے کے بارے میں پوچھا[2] تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے[3]

عَنْ قَتْلِهَا۔ سے منع فرمایا:
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

لہ عبدالرحمن بن عثمان بن عبیداللہ بن تیمی، حضرت طلحہ بن عبیداللہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت عبدالرحمن ان کے بھتیجے اور صحابی ہیں، بیعت رضوان کے دن اسلام لائے، بعض محدثین نے کہا کہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حضرت ابن زبیر کے ساتھ ایک ہی دن شہید ہوئے۔

ﷺ کہ درست ہے یا نہیں؟ ضِفْدَعٌ ضاد کے نیچے زیر، دال کے نیچے زیر یا اس پر زبر، قاموس میں ہے کہ زِبْرِجٌ، جَعْفَرٌ، جُنْدُبٌ اور دِرْهَمٌ کے وزن پر آیا ہے۔

ﷺ اور دوا میں اس کے استعمال کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ حرام کے ساتھ دوا ممنوع ہے۔ کتب حدیث میں اسے حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے باب میں لاتے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ مینڈک کا قتل بالذات ممنوع ہے، اسے بطور دوا استعمال کرنے کو قتل کرنا لازم ہے، دوا کے لیے حلال جانور کا قتل ممنوع نہیں ہے، لہذا اس کے قتل کی ممانعت سے یہ ہے کہ اس کا دوا میں استعمال ممنوع ہے۔

۴۳۴۵ / ۳۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَ الْكَاهِلِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ زَادَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ إِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گردن کی دونوں جانب کی رگوں اور دونوں کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔ (ابوداؤد) امام ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا کہ آپ ستر[17]، انیس[19] اور اکیس[21] تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔

۴۳۴۶ / ۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَ إِحْدٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ستره[17]، انیس[19] اور اکیس[21] تاریخ کو پچھنے لگوانا پسند فرماتے

وَ عِشْرِيْنَ۔
(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

تھے۔
(شرح السنۃ)

۴۳۴۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعِ عَشْرَةَ وَ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ كَانَ شِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سترہ[17]، انیس[19] اور اکیس[21] تاریخ کو پچھنے لگوائے تو پچھنے لگوانا ہر بیماری سے شفاء کا سبب ہوگا۔[1]
(ابوداؤد)

[1] اطباء کہتے ہیں کہ مہینے کی ابتداء میں خون جوش اور غلبے میں ہوتا ہے، جب نکلے گا تو کثرت سے نکلے گا۔ مہینے کے آخر میں اس کا جوش کم ہوتا ہے۔ اور کم نکلے گا، اس لیے مہینے کا درمیان اس کیلئے زیادہ مناسب اور مصلحت کے زیادہ موافق ہوگا، طاق تاریخوں کی رعایت بھی ہوگی، حضرت مولف (صاحب مشکوۃ) نے جب وہ حدیثیں بیان کیں جن میں مہینے کی تاریخوں کا ذکر ہے تو اس کے بعد وہ حدیث لائے ہیں جس میں اس امر کا بیان ہے کہ پچھنے لگوانے کے لیے ہفتے کا کون سا دن موزوں تر ہے۔

۴۳۴۶ وَعَنْ كُبْشَةَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَتْ اَنَّ اَبَاهَا كَانَ يَنْهٰى اَهْلَهٗ عَنِ الْحِجَامَةِ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَيَزْعُمُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ يَوْمُ الدَّمِ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَّا يَرْقَاُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت کبشہ[1] بنت ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو بدھ کے دن پچھنے لگوانے سے منع کرتے تھے۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ بدھ کا دن خون کا دن ہے اور اس میں ایک گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا۔[2]
(ابوداؤد)

[1] کبشہ مشکوۃ شریف میں اسی طرح واقع ہوا ہے، ایک نقطے والی باء ساکن اور نقطوں والا شین، شارحین کہتے ہیں کہ صحیح کیّسہ ہے باء مشدد مکسور اور بے نقطہ سین کے ساتھ۔

۲؎ اس لیے اگر اس دن خون نکالا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی ساعت میں نکالا جائے اور انجام کار ہلاکت ہو۔

۴۳۴۹ / ۳۷ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ أَوْ يَوْمَ السَّبْتِ فَأَصَابَهُ وَضَحٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ۔

امام زہری۱؎ مرسلاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے بدھ یا ہفتے کو پچھنے لگوائے اور اسے برص۲؎ کی بیماری لاحق ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ قَالَ قَدْ أُسْنِدَ وَلَا يَصِحُّ)

(امام احمد، ابو داؤد) امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

۱؎ امام زہری مشہور تابعی ہیں اور مرسل وہ حدیث ہے جسے تابعی صحابی کا ذکر کیے بغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرے ۱۲ (ق ن)

۲؎ وَضَح واؤ پر زبر اور نقطے والا ضاد، برص (جسم پر سفید سفید داغ پڑ جاتے ہیں ۱۲ ق ن)

۴۳۵۰ / ۳۸ وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ أَوِ اطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ أَوِ الْأَرْبِعَاءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ فِي الْوَضَحِ۔

ان ہی سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہفتے یا بدھ کو پچھنے لگوائے یا کسی عضو پر لیپ کی تو وہ برص کے لاحق ہونے پر اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۱؎

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(شرح السنۃ)

۱؎ تنبیہ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ پچھنے لگوانے اور اس کے لئے بعض دنوں کی بجائے دوسرے بعض دنوں کے اختیار کرنے کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی، اس سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ اپنی امت کو حجامت کا حکم دیں، اور صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ اگر کسی چیز میں شفا ہے تو وہ سنگی لگانے والے کے نشتر میں یا شہد کے گھونٹ میں یا آگ سے داغ لگانے

میں، یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اسی جگہ اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

۴۳۵۱/۳۹ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانٍ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذٰلِكَ عَمَلُ الشَّيْطٰنِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ نے میری گردن میں دھاگہ دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ دھاگہ ہے جس میں میرے لیے دم کیا گیا ہے، فرماتی ہیں انہوں نے اسے پکڑ کر کاٹ دیا، پھر فرمایا: اے آل عبد اللہ! تم شرک سے بے نیاز ہو[۲] میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دم[۳]، تعویذات[۴] اور جادو[۵] شرک ہے میں نے کہا کہ آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں[۶]؟ میری آنکھ بہتی تھی[۷] اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، جب وہ اسے دم کرتا تھا تو ٹھہر جاتی تھی[۸] حضرت عبد اللہ نے فرمایا: یہ[۹] یہ شیطان کا کام تھا، وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ کو دباتا[۱۰] دیتا تھا، جب دم کیا جاتا تھا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا لیتا تھا[۱۱]، تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ کہہ لیتیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اے انسانوں کے رب بیماری کو دور

اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَآءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُد)

کر دے اور شفا دے اللہ تو ہی شفا دینے والا ہے، شفا صرف تیری ہی ہے، وہ شفا دے جو بیماری نہ چھوڑے [۵]

(ابو داؤد)

[۱] حضرت زینب اپنے شوہر عبد اللہ بن مسعود کی طرح بارگاہ نبوت کی مقرب اور مقبول تھیں

[۲] اور تمہیں بیماریوں اور تکلیفوں کے دور کرنے میں ان افعال کی حاجت نہیں ہے جو مشرک کرتے ہیں، اور جو شرک پر مشتمل ہیں، کیونکہ اس وقت دور جاہلیت کے دم مشہور تھے جو شرک پر مشتمل تھے نیز ان امور کا سہارا لینا اس بات کی علامت ہے کہ ان کی تاثیر کو مانا جا رہا ہے جو شرک تک پہنچانے والا ہے۔

[۳] دم پھونک جو دور جاہلیت میں کیے جاتے تھے انہیں ان کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہوئے اختیار نہ کیا جائے۔

[۴] تمائم جمع ہے تمیمۃ کی، ان منکوں کو کہتے ہیں جنہیں عورتیں اپنی اولاد اور اپنے گلے میں ڈالتی ہیں اور عقیدہ رکھتی ہیں کہ یہ نظر بد کے اثر کو دور کرتے ہیں۔

تعویذ کے گلے میں ڈالنے اور بازو پر باندھنے میں بعض علماء کو کلام ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بے خوابی کے دور کرنے کے لیے ان کو دعا سکھائی تھی، انہوں نے اپنے بڑے بچوں کو دعا سکھائی اور چھوٹے بچوں کے گلے میں لکھ کر ڈال دی، شرف آفتاب وغیرہ کے وقت تکسیر اور چلوں کے جو نقش بنا لیے جاتے ہیں، وہ بھی مکروہ ہیں، مردوں کے لیے چاندی کے تعویذ اور (ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی) چاندی کی انگوٹھی حرام ہے۔

[۵] اَلتِّوَلَۃُ تاء کے زیر، واؤ اور لام پر زبر، یہ جادو کی ایک قسم، جو میاں بیوی کی محبت کے لیے دھاگے یا کاغذ میں کرتے ہیں، یہ سب مشرکین کے کام ہیں اور شرک کی ایک قسم پر مشتمل ہیں۔

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں: یہاں دھاگہ سے مراد گنڈے کا نیلا دھاگہ ہے جس پر جادوگر جادو کا دم کر کے مریض کو پہناتے ہیں، چونکہ ان کے دم میں مشرکانہ الفاظ ہوتے ہیں، بتوں کا توسل وغیرہ اس لیے آپ نے اس گنڈے کے پہننے کو شرک قرار دیا لہٰذا حضرات صوفیائے کرام کے گنڈے جس میں قرآنی آیات یا ماثورہ دعائیں پڑھ کر دم کر کے گرہ لگاتے ہیں بالکل جائز ہیں۔ ۱۲ مرآۃ۔

۷ اور ان کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

۸ تُقْذَفُ صیغہ مجہول کے ساتھ یعنی باہر پھینکی جاتی تھی درد کی شدت کی وجہ سے یا لفظ معلوم کے ساتھ آنکھ آنسو اور میل باہر پھینکتی ہے۔

۹ اور اس کی درد ختم ہو جاتی تھی۔

۱۰ یعنی آنکھ کا دکھنا اور یہودی کے دم سے آرام کا ملنا کار شیطان ہے۔

۱۱ دراصل نخس کا معنیٰ ہے دفع کرنا، حرکت اور چوپائے کو لکڑی چبھونا، از باب فتح یفتح

۱۲ شیطان آنکھ کی درد دور کر دیتا تھا یا شیطان آنکھ سے ہٹ جاتا تھا، کَفَّ کا معنیٰ ہے روکنا اور رکنا۔

۱۳ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

۱۴ سَقَامٌ سین پر زبر، اور سقم سین پر زبر، یا پیش جیسے حَزَن اور حُزن، بیماری

۴۳۵۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نُشرہ[۱۵] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ شیطان کے کام سے ہے (ابوداؤد)

۱۵ نشرہ نون پر پیش اور نقطوں والا شین ساکن، ایک قسم کا دم جو اس شخص کو کیا جاتا ہے جس پر جن کا سایہ ہو، جادو کے باب میں بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سے دم کیا کرتے تھے قاموس میں ہے اَلنُّشْرَۃُ نون پر پیش ایک دم جس سے پاگل اور بیمار کا علاج کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے تَنَشُّرٌ کا معنیٰ ہے دم کرنا اور نشرہ تعویذ کو کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ نشرہ کا حاصل معنیٰ دم اور تعویذ ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس دم کو عمل شیطان سے قرار دیا ہے وہ دم ہو گا جو اعمال جاہلیت سے ہو اور بتوں اور شیطانوں کے ناموں پر مشتمل ہو یا عبرانی زبان میں ہو جس کا معنیٰ معلوم نہ ہو وہ دم مراد نہیں جو قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے ہو۔

۴۳۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً

حضرت عبداللہ بن عمرو[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمیں اس کی پروا نہیں ہے اگر ہم تریاق پی[۲] لیں یا تعویذ[۳] گلے میں ڈالیں

اَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ ۔ یا ہم اپنی طرف سے شعر کہیں گے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۵۱ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں عمر ہے عین کے پیش کے ساتھ، بعض شارحین نے کہا کہ صحیح عمرو ہے واؤ کے ساتھ جیسے کہ جامع الاصول میں ہے

۵۲ تریاق مشہور یہ ہے کہ تا کے نیچے زیر ہے۔ بعض نے پیش بھی بیان کیا ہے، مشہور مرکب دوا کا نام ہے جو زہروں اور دیگر بیماریوں کے لیے مفید ہے۔

۵۳ اور ان کا سہارا لیں، مراد جاہلیت کے تعویذ ہیں، مثلاً منکے، درندوں کے ناخن اور ان کی ہڈیاں، جو تعویذ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء پر مشتمل ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں ان سے تعلق اور برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔

۵۴ یعنی قصد اور ارادے سے شعر کہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ قصد اور اختیار کے بغیر زبان مبارک سے کلام موزوں صادر ہو جائے۔ اور یہ نہ تو شعر کہنے میں داخل ہے اور نہ ہی مذموم ہے عرف اور اصطلاح میں بھی اسے شعر نہیں کہا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (اور ہم نے انہیں ملکہ شعر گوئی نہیں دیا اور نہ ہی وہ ان کے لائق ہے) کے مخالف بھی نہیں ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ خود شعر کہنا مراد ہو، دوسرے کے شعر کا پڑھنا مراد نہ ہو، عبارت سے یہ معنی متبادر الی الفہم ہے۔

جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لبید کا یہ قول پڑھا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (سنو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے)، بعض شارحین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت شعر پڑھنے کی صورت میں آپ سے کلام موزوں صادر نہیں ہوتا تھا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء کا ارتکاب مذموم اور قبیح ہے، یعنی اگر ہم سے ان میں سے کوئی چیز صادر ہوتی تو ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں! اور وہ جائز اور ناجائز کو بھی نہیں دیکھتے، مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی کام کا کرنا اس شخص کا وطیرہ ہے جو بے قید ہے اور ناجائز کاموں کے کرنے میں بے پرواہ ہے۔ تریاق تو اس لیے کہ اس میں سانپ کا گوشت اور شراب ڈالی جاتی ہے۔ اور اگر بالفرض تریاق کی کوئی قسم ایسی ہو کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ڈالی جاتی ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث کے اطلاق پر عمل کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بھی تعویذ کرنا بہتر ہے۔ تعویذ کا

گلے میں ڈالنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے پہلے بیان ہو چکا کہ اہل جاہلیت کے تعویذات مراد ہیں، باقی رہا شعر تو ممنوع اور مذموم وہی شعر ہے جو جھوٹا اور لایعنی ہو، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر سے منزہ اور معصوم رکھا ہے اس لیے آپ کے حق میں مطلق شعر کہنا عیب اور وبال میں داخل ہے۔ یہ کمال سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اگر مطلق تریاق اور مطلق تعویذ مراد ہو تو یہ بعید نہیں ہے کہ خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توکل کا بیان مقصود ہو، یا توکل اختیار کرنے، علاج نہ کرنے اور لایعنی چیزوں کے ترک کرنے پر تنبیہ مقصود ہو، اور ان لوگوں کا حال بیان کرنا مطلوب ہو جیسے کہ آئندہ دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۳۵۴ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے آگ سے داغ لگایا، یا دم کروایا تو وہ توکل سے بیزار ہوا ۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱ اس حدیث سے واضح طور پر یہ سمجھ آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بوقت حاجت داغ لگانا اور دم کروانا اگرچہ جائز ہے، لیکن مقام توکل اس سے بلند ہے جیسے کہ توکل والوں کے بارے میں وارد حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس حدیث میں ہے کہ توکل والے وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے، آگ سے داغ نہیں لگواتے اور اپنا کام اپنے رب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور اگر موثر اور علت حقیقی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ داغ لگانے اور دم کروانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام اسباب اور علاجوں کو شامل ہے، داغ لگانے کے بارے میں تفصیل اور اس سلسلے میں وارد احادیث کے درمیان تطبیق اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۳۵۵ وَعَنْ عِيْسَى ابْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عیسیٰ بن حمزہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عکیم کے پاس گیا، ان کے جسم پر لالی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھتے؟ انہوں نے فرمایا: ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

نے کوئی چیز باندھی[۵۳] وہ اس کے سپرد کیا جائے گا[۵۴]۔

(ابوداؤد)

[۵۱] عیسیٰ بن حمزہ تابعی ہیں

[۵۲] عبداللہ بن عکیم بلفظ تصغیر، مخضرمین میں سے ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، ان سے نہ تو زیارت ثابت ہے اور نہ ہی روایت۔

[۵۳] جس نے کسی دوا وغیرہ سے تعلق رکھا اور عقیدہ برکھا کر شفا اس سے ہے۔

[۵۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایت و امداد سے محروم کیا جائے گا، اور وہ ہرگز شفا اور کامیابی نہ پائے گا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہ تو نفع دیتی ہے اور نہ ہی نقصان، مقصد توکل کی رغبت دلانا اور اس پر ابھارنا ہے۔

۴۳۵۶/۴۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ بُرَيْدَةَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دم نہیں ہے مگر نظر بد یا زہریلے جانور[۱] کے ڈنک کے سبب۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد) ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت بریدہ سے روایت کی

[۱] مثلاً بچھو وغیرہ

۴۳۵۷/۴۵ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ أَوْ دَمٍ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جھاڑ پھونک نہیں ہے مگر نظر بد، یا زہریلے ڈنک یا خون سے[۱]

(ابوداؤد)

[۱] اس حدیث میں اضافہ ہے "یا خون سے"، شارحین نے کہا کہ اس سے مراد نکسیر ہے، اور اگر اس سے

عام خونی بیماریاں مراد لی جائیں خواہ وہ خون کے جاری ہونے کا سبب ہوں یا خون کے فساد کا تو بھی درست معلوم ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام ابو داؤد کی ایک روایت میں اِلَّا فِي عَيْنٍ کی جگہ اِلَّا فِي نَفْسٍ آیا ہے۔ شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد نظر ہی ہے۔ اُو دَم کی جگہ اُو لَدْغَةٍ آیا ہے جس کا معنی دانتوں سے کاٹنا ہے جیسے کہ سانپ وغیرہ کاٹتے ہیں، جھاڑ پھونک دونوں بیماریوں میں فائدہ دیتا ہے جیسے سردرد اور دانتوں کے درد میں فائدہ دیتا ہے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے، صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ کی طبیعت مبارک ناساز تھی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام سے دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو آپ کو تکلیف دے، اس حدیث میں جو (تین چیزوں میں) حصر کیا گیا ہے تو اس سے مراد مبالغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ دوسری تکلیفوں کی نسبت ان تین چیزوں میں دم کرنا بہتر اور زیادہ مفید ہے، نیز لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔

۴۳۵۸/۴۶ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت جعفر کی اولاد کو جلد نظر لگ جاتی ہے کیا میں ان کے لیے دم کرواؤں[۲]؟ فرمایا: ہاں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر سبقت کرتی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں

تُسْرِعُ تا پر پیش، راء کے نیچے زیر، صیغہ معلوم کے ساتھ یعنی انہیں نظر جلد لگ جاتی ہے، تُسْرَعُ راء کی زبر کے ساتھ صیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے یعنی انہیں جلد نظر لگائی جاتی ہے۔

[۲] دم کرواؤ کہ نظر بہت موثر ہوتی ہے۔

۴۳۵۹/۴۷ وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ

حضرت شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت میں حضرت حفصہ کے پاس تھی، فرمایا: کیا تم انہیں نملہ

اَلَا تُعَلِّمِیْنَ هٰذِهٖ رُقْیَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ ۔ کا دم نہیں سکھاتیں؟ جس طرح تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے[4]۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ) (ابوداؤد)

[1] حضرت شفا نقطوں والے شین کے نیچے زیر بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خالد، قرشیہ عدویہ ہیں۔ ان کا نام لیلیٰ ہے اور شفا ان کا لقب ہے جو مشہور ہوگیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں آرام فرماتے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہبند اور بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے ان کے پاس تھا جو مروان بن حکم نے ان کی اولاد سے حاصل کر لیا تھا۔ ان سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی، حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انہیں میں سے ہیں۔ حضرت شفا بڑی صاحب عقل و فضیلت خاتون تھیں، ہجرت سے پہلے اسلام لائیں اور پہلے پہل ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں۔

[2] حضرت حفصہ کو

[3] نملہ پھنسیاں ہوتی ہیں جو آدمی کے پہلو میں نکلتی ہیں اور بہت تکلیف دیتی ہیں، مریض یوں محسوس کرتا ہے جیسے چیونٹیاں چل رہی ہوں، یہ شفا بنت عبداللہ، مکہ مکرمہ میں اس بیماری کا دم کیا کرتی تھیں، جب یہ مسلمان ہوگئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئیں تو کہنے لگیں یا رسول اللہ! میں دور جاہلیت میں نملہ کا دم کیا کرتی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، چنانچہ انہوں نے پیش کیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے درست قرار دیا اور فرمایا: حفصہ کو یہ دم سکھاؤ۔

[4] بعض شارحین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں حضرت حفصہ پر تعریض تھی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راز افشا کر دیا تھا جیسے کہ اس کا واقعہ سورۂ تحریم کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے، نملہ کے دم سے مراد وہ کلمات ہیں جو لوگوں میں اس نام سے مشہور تھے، اور عرب کی عورتیں اسے نملہ کا دم کہتی تھیں، وہ معنی نہیں جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اَلْعَرُوْسُ تَنْتَعِلُ وَ تَخْتَضِبُ وَتَكْتَحِلُ وَكُلَّ شَيْءٍ تَفْتَعِلُ اَنْ لَا تَعْصِيَ الرَّجُلَ

ان کلمات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو سجاتی ہے اور مرد کی نافرمانی کے سوا ہر کام کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ پر تعریض کی اور حکم کی خلاف ورزی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنے پر تنبیہ فرمائی۔ علامہ طیبی نے علامہ تورپشتی سے یہ توجیہ نقل کی، جو کچھ انہوں نے نقل کیا اگر وہ صحیح ہے تو یہ توجیہ اچھی ہے، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ نملہ کے دم کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ممنوع ہے، پھر اس کے سکھانے کا حکم کس طرح دیا؟

باقی رہا عورتوں کو لکھائی سکھانا تو ایک دوسری حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ، اس حدیث سے لکھائی سکھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو، بعض علماء نے فرمایا کہ بعض احکام و فضائل کے ساتھ خاص ہیں، لکھنے کی ممانعت عام عورتوں کے لیے ہے کہ ان میں فتنے کا خطرہ ہے، جب کہ امہات المومنین میں ایسا نہیں ہے۔[۱]

۴۳۶۰ / ۴۸ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَأَى عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخَبَّأَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُونَ لَهُ أَحَدًا فَقَالُوا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے ہوئے دیکھا اور کہا کہ میں نے آج کی طرح (کسی کی جلد) نہیں دیکھی، نہ ہی کسی کنواری پردہ نشین کی ایسی جلد دیکھی۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ سہل زمین پر گر پڑے، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی گئی اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو سہل بن حنیف کے علاج میں دلچسپی ہے؟ خدا کی قسم! وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتے، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کیا اس کے لیے تم کسی پر تہمت لگاتے ہو؟ کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ پر تہمت لگاتے ہیں، راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عامر کو بلایا اور ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: تم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کو کیوں

---

[۱] فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی نوریہ میں ج ۳ ص ۱۷۴ سے ۸۵ تک نہایت تحقیق اور تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینا دوسرے علوم کی طرح جائز و مستحسن بلکہ ضروری ہے: پیش نظر حدیث مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۲، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۷ اور سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹ کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام ذہبی نے صراحۃً اس کی تقریر و تائید فرمائی اور ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا جو حسب القاعدہ تحسین ہے تو اس جلیل القدر حدیث سے ثابت ہوا کہ تعلیم کتابت بلا کراہت جائز بلکہ مطلوب ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں اجازت صرف کتابت اور تعلیم کتابت کی ہے کالج وغیرہ کا داخلہ اور بے پردگی یا ناجائز خط و کتابت [illegible]

عَلَيْهِ وَ قَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اَلَّا بَرَّكْتَ عَلَيْهِ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ وَ مِرْفَقَيْهِ وَ رُكْبَتَيْهِ وَ اَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَ دَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ بَأْسٌ۔

قتل کرتا ہے[۱]، تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی[۲]، تم اس کے لیے دھوؤ[۳]، تو عامر نے ان کے لیے اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ اور کہنیاں، دونوں گھٹنے، پاؤں کے اطراف اور تہبند کا اندرونی حصہ[۴] ایک پیالے میں دھویا[۵] پھر وہ پانی سہل پر ڈالا گیا تو وہ لوگوں کے ساتھ اس حال میں چل دیے کہ انہیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی[۶]۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ تَوَضَّأْ لَهٗ فَتَوَضَّأَ لَهٗ)

(شرح السنۃ، امام مالک)

امام مالک کی روایت میں ہے کہ فرمایا[۷]: بے شک نظر حق ہے، تم اس کے لیے وضو کرو[۸]۔ چنانچہ انہوں نے وضو کیا[۹]۔

سلہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف بے نقطہ حاء پر پیش اور نون پر زبر، انصاری ہیں، ان کا نام سعد بن سہل ہے اور وہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کی ولادت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے ہوئی کم عمری کی بنا پر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں سنی، اسی لیے محدثین نے ان کا ذکر صحابہ کرام سے بعد آنے والی جماعت میں کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے ان کا ذکر صحابۂ کرام میں کیا ہے، اس کے بعد کہا کہ وہ اکابر علماء اور بہترین تابعین میں سے ہیں، اپنے والد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث سنی۔

سلہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، انہوں نے دو ہجرتیں (حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف) کیں، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔

سلہ ان کے جسم کے حسن کو گہری نظر سے دیکھا اور پسند کیا۔

سلہ یعنی میں نے کسی مرد اور عورت کی جلد اتنی حسین اور لطیف نہیں دیکھی جتنی کہ سہل بن حنیف کے اعضاء کی جلد ہے۔

سلہ مُخَبَّأَۃ میم پر پیش، نقطے والی خاء پر زبر اور باء مشدد، اس کے بعد ہمزہ، پردہ دار لڑکی جس کی

ابھی شادی نہ ہوئی ہو، کیونکہ وہ اپنی حفاظت کی زیادہ کوشش سے کرتی ہے اور اس کی جلد بھی نرم و نازک ہوتی ہے۔

؎۶ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہ جب حضرت عامر بن ربیعہ نے یہ بات کہی اور ان کی نظر لگ گئی۔

؎۷ فَلُبِطَ صیغہ مجہول کے ساتھ، یعنی اسی وقت سہل بن حنیف زمین پر گر پڑے لبط اونٹ کا چلتے وقت ہاتھ پاؤں زمین پر مارنا۔

؎۸ اور حضرت سہل کے زمین پر گرنے اور نظر لگنے کی اطلاع دی گئی۔

؎۹ کیا تمہارا گمان ہے کہ انہیں کسی نے نظر لگا دی ہے۔

؎۱۰ کہ انہوں نے حضرت سہل کو نظر لگائی ہے۔

؎۱۱ حضرت سہل کو نظر لگانے پر

؎۱۲ اور اسے نظر کیوں لگاتا ہے؛ پھر حضرت ربیعہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

؎۱۳ یعنی اگر تمہیں ان کا جسم اچھا لگا ہی تھا یا تمہاری تکلیف وہ نظر ان پر پڑ ہی گئی تھی تو تم نے ان کے لیے دعا برکت کیوں نہ کی؛ اور کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! اس کے جسم میں برکت عطا فرما۔

؎۱۴ تم سہل کے لیے اپنے اعضاء دھوؤ اور پانی ان پر ڈالو۔

؎۱۵ یعنی عضو تناسل، رانوں اور سرین کو دھویا، بعض شارحین کہتے ہیں کہ تہبند کے اندرونی حصے سے مراد تہبند کا وہ کنارا ہے جو دائیں جانب جسم کے ساتھ متصل ہے۔

؎۱۶ یعنی حضرت عامر نے مذکورہ اعضاء کو دھویا اور پانی پیالے میں جمع کر لیا۔

؎۱۷ یعنی اسی وقت تندرست ہو گئے اور چلے گئے، اعضاء کے دھونے کے بارے میں تفصیل ہے جو سفر السعادۃ اور اس کی شرح میں بیان کی گئی ہے۔

؎۱۸ حضرت عامر کو بلانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

؎۱۹ یعنی اپنے وضو کے اعضاء کو دھو کر پانی سہل پر ڈالو

؎۲۰ یاد رہے کہ یہ علاج، ان اسرار اور حکمتوں کے زمرے میں آتے ہیں جن کے سمجھنے سے عقل عاجز ہے مالکیہ کے عظیم عالم، قاضی ابو بکر بن العربی نے فرمایا کہ اگر کوئی شریعت کا ماننے والا اس جگہ توقف کرے تو اسے کہا جائے کہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں اور اگر کوئی فلسفے کا مارا ہوا توقف کرے تو اس کے الزام کا رد زیادہ آسان ہے، کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک کبھی دوا اپنی قوت اور کیفیت کی بناء پر اثر کرتی ہے اور کبھی اپنی خاصیت کی بنا پر اس کی وجہ کا جاننا ممکن نہیں ہے، یعنی اس کی صورت نوعیہ کا مقتضا اسی طرح واقع ہوا ہے جیسے کہ مقناطیس

اور کہربا کے کھینچنے کے بارے میں کہتے ہیں یہ بھی اسی قبیلے سے ہے۔

۴۳۶۱/۴۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَآنِّ وَ عَیْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰی نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَ بِھِمَا وَ تَرَكَ مَا سِوَاھُمَا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ حَسَنٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ[۱] مانگتے تھے جنات[۲] اور انسانوں کی نظر بد[۳] سے حتی کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس[۴] نازل ہوئیں۔ ان دو سورتوں کے نازل ہونے کے بعد یہی سورتیں پڑھتے اور باقی کو چھوڑ دیا[۵]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے اور غریب بھی۔

[۱] اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات اور کلمات کی پناہ مانگتے تھے۔

[۲] جان۔ جن کا اسم جمع ہے جیسے عربی میں رہط اور قوم آدمیوں کا اسم جمع ہے اور جان جنوں کے جد اعلیٰ کو کہتے ہیں جیسے آدم انسانوں کے جد اعلیٰ ہیں، اور جان شیطان کے معنی میں بھی آیا ہے۔

[۳] آدمیوں کی نظر کو فارسی میں چشم زخم اور چشم زخم (نظر بد) کہتے ہیں۔

[۴] سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو معوذتین کہتے ہیں کیونکہ۔

[۵] ان سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے جو تعوذات پڑھتے تھے وہ چھوڑ دیئے اس بات سے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یہ دو سورتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہودیوں کے جادو کے سبب نازل ہوئیں جیسے کہ اس کی تفصیل کتاب المعجزات میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۳۶۲/۵۰ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رُئِیَ فِیْکُمُ الْمُغَرِّبُوْنَ قُلْتُ وَمَا الْمُغَرِّبُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ یَشْتَرِكُ فِیْھِمُ الْجِنُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کیا تم میں مغربون[۱] دیکھے گئے ہیں؟ میں نے پوچھا کہ مغربون کون ہیں[۲]؟ تو آپ نے فرمایا وہ لوگ جن میں جن شراکت رکھتے ہیں[۳]۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ فِيْ بَابِ التَّرَجُّلِ) (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث خیرما تداویتم کنگھی کرنے کے باب میں بیان کی گئی ہے ؂۔

؂ مغربون راء مشدد کے نیچے زیر، مشتق ہے تغریب سے نقطے والی غین کے ساتھ۔

؂ یعنی مُغَرِّبُوْن کس جنس سے ہیں؟ ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

؂ اس حدیث کی تفسیر چند وجہ سے کی گئی ہے۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عورتوں سے مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے انسانوں کی اولاد اور ان کے نسب سے جن کی شراکت مراد ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ جب ایک شخص اپنی عورتوں سے مباشرت کرے تو چاہیے کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور کہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے یعنی اولاد اس سے شیطان کو دور رکھ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرے گا اور اس دعا کو نہیں پڑھے گا اور غفلت کے ساتھ مباشرت کرے گا تو شیطان راہ پائے گا اور اس مباشرت میں شریک ہوگا اور جو بیٹا پیدا ہوگا وہ بے ہدایت ہوگا اور شیطان کا اس میں حصہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے جو شیطان کو یہ ارشاد فرمایا ہے وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (اور ان کے ساتھ اموال اور اولاد میں شرکت کر) اس کا اسی طرف اشارہ ہے اس جگہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کونسا شخص ہوگا جو اس وقت ہوشیار اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مشغول ہوگا تاکہ اولاد شیطان کی شرکت سے محفوظ رہے یہی وجہ ہے کہ آج کی اولاد میں فساد پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے پس "مُغَرِّبُوْن" کا معنی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرتے ہیں اور مباشرت کے وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور رکھتے ہیں یا اولاد کو اپنی جنس سے دور کرتے ہیں اور اجنبی رشتے کو نسبت میں لاتے ہیں یا بعید نسبت کی ملاخلت کی وجہ سے نسب کو دور پھینکتے ہیں اصل میں غریب کا مادہ دوری کے معنی میں آتا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ انسانوں میں شیطان کی شراکت سے مراد، شیطان کا انہیں زنا کا حکم دینا ہے يَأْمُرُهُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (شیطان انہیں برے اور ناپسندیدہ کاموں کا حکم دیتا ہے) اور زنا نسب میں اجنبی رگ اور نسبت بعیدہ کے شامل کرنے کا سبب ہے پس مُغَرِّبُوْن سے مراد زناکار ہیں جو اجنبی اور بعید رگ کو نسبت میں لاتے ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ انسانوں میں جن کی شرکت سے مراد انسانی عورتوں سے جن کا زنا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض

عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے جن شوہر کی طرح باشرت کرتا ہے اور جیسے کہ مشہور ہے کہ جن کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی اسے اپنی من پسند جگہ پر لے جاتا ہے، کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جن کے جماع کرنے سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی لکھا ہے کہ احناف کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوتا۔ جن اور انسان کے درمیان نکاح کے بارے میں بھی مسائل لکھے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی نے کسی عالم سے نقل کیا ہے کہ ایک جن کسی لڑکی پر عاشق تھا ایک دن اس نے ہمارے پاس فریاد کی کہ میں اس لڑکی سے کب تک زنا کرتا رہوں گا؛ میرا اس کے ساتھ نکاح کر دو۔ انسان کے جنات کی عورت کے ساتھ جماع کے بارے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ تفاسیر میں آیا ہے کہ ملکہ بلقیس کی والدہ جنات میں سے تھی اور ان کا باپ انسان تھا۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف اِلْتِقَاطُ دُرَرِ الْمُرْجَانِ فِی اَحْکَامِ الْجَانِّ میں اس سلسلے کے عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس معنی کے لحاظ سے مغربون کا معنی بیان نہیں کیا گیا اور یہ نہیں بتایا کہ ان کی مذمت کی وجہ کیا ہے؟ یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنے آپ کو یا اپنی عورتوں کو پاکیزگی سے دور رکھتے ہیں اور جنات وشیطانوں سے پناہ مانگنے کے لیے قرآن پاک کی تلاوت، دعاؤں اور اذکار کے پڑھنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان میں جنوں کے اثر ونفوذ اور تصرف سے مانع ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ مغربون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے جنات دوست ہیں وہ انہیں کہانت قسم کی جھوٹی سچی خبریں پہنچاتے ہیں، یہ لوگ قباحتوں اور شرارتوں میں ان جنات کے ساتھی ہیں اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو ایمان واسلام کے مقام اور احوال کی سلامتی سے دور پھینک دیتے ہیں۔ زیادہ مناسب اور زیادہ واضح پہلی وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۵۔ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مصابیح میں کتاب الطب والرقی کی دوسری فصل میں ذکر کی گئی تھی اور مصنف اسے کنگھی کرنے کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے بطور معذرت کہتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے خَیْرُ مَا تَدَاوَیْتُمْ ہم کنگھی کرنے کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ کے زیادہ مناسب تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۲۶۳/۵۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَعِدَةُ حَوْضُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: معدہ بدن کا حوض ہے اور

الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَيْهَا	رگیں اس کی طرف آنے والی ہیں۔ جب
وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ	معدہ صحیح ہو تو رگیں صحت سے کر
الْمَعِدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ	لوٹتی ہیں اور جب معدہ بگڑ جائے
بِالصِّحَّةِ وَاِذَا فَسَدَتِ	تو رگیں بیماری سے کر جاتی
الْمَعِدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ	ہیں۔
بِالسَّقَمِ.	

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ) (بیہقی)

۱ معدہ کا تلفظ کئی طرح ہے (۱) میم پر زبر، عین کے نیچے زیر (۲) میم کے نیچے زیر اور عین ساکن (معدہ) (۳) میم پر زبر اور عین ساکن (معدہ) (۴) دونوں کے نیچے زیر (معِدہ) انسان کے کھانے اور پانی کے جمع ہونے کی جگہ، جیسے کہ گائے اور بکری کی اوجھڑی ہوتی ہے۔

۲ معدے کی حیثیت جسم کی نسبت سے وہی ہے جو حوض کی درخت کی نسبت سے ہوتی ہے۔

۳ انسان کے پیٹ میں پائی جانے والی رگیں، اعضاء سے معدے کی طرف آتی ہیں، اور اس سے وابستہ ہیں، جیسے پانی پینے کے لیے حوض پر آئے، اور ورود کا معنی ہے پانی پینے کے لیے حوض پر آنا، جیسے کہ صدور کا معنی ہے پانی پی کر لوٹنا۔

۴ اور اس نے اچھا کھانا حاصل کیا ہو۔

۵ تو رگیں معدہ سے اعضاء کی طرف عمدہ رطوبتیں اور صالح غذا لے کر لوٹتی ہیں، جو بدن کی صحت اور طاقت کا سبب بنتی ہیں۔

۶ اور اس نے ردی اور فاسد غذا حاصل کی ہو۔

۷ تو رگیں اعضاء کی طرف ردی اور فاسد رطوبتیں لے کر جاتی ہیں جو بدن کی بیماری اور کمزوری کا سبب بنتی ہیں جیسے کہ درخت کی جڑیں اور ریشے، حوض کی طرف جا کر رطوبتوں کو جذب کرتے ہیں، اگر پانی صاف اور میٹھا ہو تو درخت کی سرسبزی، تازگی اور نشوونما کا سبب بنے گا اور اگر پانی گدلا اور نمکین ہو تو درخت کے خشک، پژمردہ اور کمزور ہونے کا سبب بنے گا، جیسے کہ حضرت مصنف نے بیان کیا ہے یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے، محدثین نے اس کے صحیح اور مرفوع ہونے میں کلام کیا ہے، بعض کے نزدیک موضوعات میں سے ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ شرح میں ہم نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

۲۳۶۴ / ۵۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَتَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهٗ اَوْ نَبِيًّا وَغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلَى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے زمین پر ہاتھ رکھا تو ایک بچھو نے آپ کو ڈس لیا۔ آپ نے اسے اپنے جوتے سے پکڑا اور ہلاک کر دیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے کہ وہ نہ تو نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے اور نہ اس کے غیر کو، یا فرمایا، نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو، پھر آپ نے نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور انگلی کے اس حصے پر ٹپکانے لگے جہاں بچھو نے کاٹا تھا، ساتھ ہی انگلی پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور معوذتین[1] کے ساتھ اس پر دم کر رہے تھے (امام بیہقی، شعب الایمان)

[1] سورت

[52] یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہیں، لیکن پہلی حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔

۲۳۶۵ / ۵۳ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب[1] سے روایت ہے کہ مجھے میرے گھر والوں نے پانی کا ایک پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا، اور عادت یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو نظر لگ جاتی یا کوئی چیز لاحق

شَيْءٌ بَعَثَتْ إِلَيْهَا مِخْضَبَةً فَأَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ تُمْسِكُهُ فِيْ جُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرَآءَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہو جاتی تو وہ ان کے پاس لگن[۵۳] بھیجتا تھا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک نکالتیں[۵۴]، جو انہوں نے چاندی کی کپی[۵۵] میں محفوظ کر رکھے تھے، وہ اس شخص کے لیے لگن ہلا دیتی تھیں[۵۶] تو وہ شخص پانی پی لیتا تھا، راوی[۵۷] کہتے ہیں کہ میں نے کپی میں جھانکا تو میں نے چند سرخ[۵۸] بال دیکھے۔

(بخاری)

---

۵۱ عثمان بن عبداللہ بن موہب ہا پر زبر، حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے آزاد کردہ غلام، ثقہ تابعی ہیں۔

۵۲ راوی کو شک ہے کہ عین کہا یا اس کی جگہ شیئ کہا، یہ بھی احتمال ہے کہ او شک راوی کا شک نہ ہو، مطلب یہ ہو کہ جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی اور چیز لاحق ہو جاتی۔

۵۳ مِخْضَبَۃ میم کے نیچے زیر، نقطے والی خاء ساکن، نقطے والے ضاد پر زبر، وہ لگن جس میں کپڑے دھوتے ہیں اسے مرکن بھی کہتے ہیں، یعنی پانی کا برتن بھیجتا تھا۔

۵۴ اور اس برتن میں ڈال دیتیں

۵۵ جُلجُلٌ دونوں جیموں پر پیش، اصل میں اس چھوٹی گھنٹی کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں لٹکائی جاتی ہے اس جگہ گھنٹی کی ہم شکل ڈبیہ مراد ہے۔

۵۶ یعنی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کے لگن میں بال مبارک ڈال کر اسے ہلا دیتی تھیں، تاکہ ان سے کچھ حصہ جدا ہو کر پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائے یا اس لیے کہ پانی ان مقدس بالوں سے چھو جائے ۱۲ ق ن) اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جائے۔

۵۷ حضرت عثمان بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کپی میں جھانک کر دیکھا تاکہ معلوم کروں کہ اس میں کیا ہے اور اس کی صفات معلوم کروں۔

۵۸ بالوں کی سرخی یا تو اس لیے تھی کہ وہ پہلے ہی رنگے ہوئے تھے، یا حضرت ام سلمہ نے انہیں رنگ دیا تھا تاکہ مضبوط اور دیرپا ہو جائیں، یا اس لیے کہ انہیں سرخ رنگ کی خوشبو لگائی گئی تھی، جیسے کہ اس کی تاویل باب خضاب

میں گزر گئی ہے۔

۴۲۶۶/۵۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَمْاۃُ جُدَرِیُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَمْاۃُ مِنَ الْمَنِّ وَ مَاءُھَا شِفَاءٌ لِّلْعَیْنِ وَ الْعَجْوَۃُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَ ھِیَ شِفَاءٌ مِّنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ فَاَخَذْتُ ثَلَاثَۃَ اَکْمُؤٍ اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُھُنَّ وَ جَعَلْتُ مَاءَھُنَّ فِیْ قَارُوْرَۃٍ وَ کَحَلْتُ بِہٖ جَارِیَۃً لِّیْ عَمْشَاءَ فَبَرِءَتْ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کھمبی[۱] زمین کی چیچک ہے[۲]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کھمبی، مَن سے ہے[۳]۔ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے عجوہ (کھجور) جنت سے ہے[۴] اور وہ زہر سے شفا ہے[۵]۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں[۶] کہ میں نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں[۷] لے کر نچوڑیں اور ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا، اور اپنی کمزور بینائی والی کنیز کی آنکھوں میں بطور سرمہ لگایا[۸] تو وہ تندرست ہو گئی[۹]۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

[۱] اَلْکَمْاۃُ کاف پر زبر میم ساکن اور ہمزے پر زبر (کھمبی) اسے زمین کی چربی اور جن کی ٹوپی کہتے ہیں ہمارے علاقے میں اسے سانپ کی چھتری کہتے ہیں کتاب الاطعمہ کی پہلی فصل میں اس کا معنی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ ـــــ غالبًا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا اور صحابہ کرام نے اس کی برائی بیان کرتے ہوئے کہا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے۔

[۲] کھمبی کو بچوں کے جسم پر نکلنے والی چیچک سے تشبیہ دی، یعنی جس طرح چیچک کی صورت میں خونی اور بلغمی ردی مادے ہوتے ہیں جو بچوں کی جلد سے باہر نکل آتے ہیں، اسی طرح کھمبی بھی ان مادوں کا مجموعہ ہے جنہیں زمین باہر نکال دیتی ہے۔ لہٰذا وہ گویا زمین کی چیچک ہے۔

[۳] اسے مذمت کے دائرے سے نکال کر اس کی تعریف اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کھمبی اللہ تعالیٰ کے عطیات میں سے ہے جو انسانوں کو بطور احسان عطا ہوئی ہے، بندوں کے کاشت کرنے اور پانی دینے کی تکلیف اٹھانے

کے بغیر زمین سے نمودار ہوتی ہے اور انسان کی خوراک بن جاتی ہے۔

اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر نازل ہونے والا من مراد ہو جو سلویٰ کے ساتھ نازل ہوتا تھا تو کھمبی کو اس کی تشبیہ دینا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح اس قوم کے لیے من آسمان سے نازل ہوتا تھا یہ بھی تمہارے لیے زمین سے اگتی ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ (اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے) میں کلام ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ پانی دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو شفا ہے یا تنہا ہی استعمال کیا جائے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ سرمہ، توتیا اور اس قسم کی دوسری دوائیں ساتھ ملا کر استعمال کی جائیں جو آنکھوں میں ڈالی جاتی ہیں۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ تنہا اس کا استعمال آنکھ کو تکلیف دیتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے تنہا اس کا استعمال کرنا ثابت ہوتا ہے۔ امام نووی نے بیان کیا کہ میں نے اپنے زمانے کے بعض مشائخ کو دیکھا جن کی بینائی بالکل زائل ہو چکی تھی، حدیث پر اعتقاد اور اس سے برکت حاصل کرنے کی بدولت انہیں صرف کھمبی کے پانی کے آنکھوں میں لگانے سے کامل شفا مل گئی۔ بعض محدثین نے کہا کہ اگر اس کا استعمال آنکھ کی گرمی دور کرنے کے لیے ہے تو تنہا ہی اس کا استعمال مفید ہے اور اگر کوئی دوسری خرابی ہے تو اسے دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حدیث مطلق ہے اسے دوسری دواؤں کے ساتھ مخلوط کرنے سے مقید کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان کردہ قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۵۴ کھجور کی ایک قسم عجوہ جنت سے ہے جو وہاں سے دنیا میں لائی گئی ہے یا اس کی تعریف مقصود ہے کہ گویا وہ جنت سے آئی ہوئی ہے۔

۵۵ اس کی شرح بھی کتاب الاطعمہ کی پہلی فصل میں گزر گئی ہے۔

۵۶ یہ بیان کرنے کے لیے کہ کھمبی آنکھ کے لیے شفا ہے، اس سلسلے میں انہوں نے اپنا تجربہ بھی بیان کیا۔

۵۷ اَکْمُؤٌ بروزن اَنْجُمٌ ——— تین، پانچ یا سات، یہ یا تو حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کے روایت کرنے والے کو شک ہے یا خود حضرت ابو ہریرہ کو شک ہے، یہ واقعہ بیان کرتے وقت انہیں تعداد یاد نہیں رہی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہر صورت انہوں نے طاق عدد میں کھمبیاں لیں۔

۵۸ جس کی آنکھ سے پانی بہتا رہتا تھا۔

۵۹ اس کی بینائی تیز ہو گئی اور آنکھ کی بیماری جاتی رہی۔

٢٣٦٧/٥٥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلٰثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِنَ الْبَلَاءِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر مہینے میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹا اسے بڑی چیز لاحق نہ ہو گی جو کہ بلا ہے[۵۵]۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

[۵۵] یا یہ مطلب ہے کہ اسے چھوٹی بلا تو کیا بڑی بلا بھی لاحق نہ ہو گی۔ یعنی شہد کی برکت اور اس کی خاصیت کی بنا پر چھوٹی بلا تو کیا بڑی بلا بھی دفع ہو جائے گی۔

اچھی طرح غور کیجئے۔ صاحب سفر السعادۃ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز پانی ملے ہوئے شہد کا ایک پیالہ گھونٹ گھونٹ نوش فرماتے تھے (اھ) کہتے ہیں کہ شہد میں پانی ملا کر پینا صحت کی حفاظت کا ضامن ہے لیکن اسے فاضل اطباء ہی جانتے ہیں۔ کیونکہ ناشتے کے بعد شہد کا چاٹنا بلغم کو دور کرتا ہے، معدے کو صاف کرتا ہے، لیس دار اور زائد مادوں کو دور کرتا ہے، معدے کو حد اعتدال تک گرم کرتا ہے، سدے خارج کرتا ہے، پانی ٹھنڈا اور تر ہے جو حرارت کو جمع کرتا ہے اور جسمانی صحت کی حفاظت کرتا ہے، انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر صبح ٹھنڈے پانی میں شہد ملا کر ایک پیالہ نوش فرماتے پھر جب کھانے کی طلب ہوتی تو جو کچھ حاضر ہوتا اس میں سے تناول فرما لیتے۔

٢٣٦٨/٥٦ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْخَبَرَ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دو شفاؤں، شہد اور قرآن کو لازم پکڑو[۵۶]، ان دونوں حدیثوں کو امام ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں امام بیہقی نے روایت کیا ہے، امام بیہقی نے کہا صحیح یہ ہے کہ دوسری حدیث[۵۷] ابن مسعود پر موقوف ہے۔

سلہ شہد شفا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق فِیْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اور قرآن پاک بھی شفا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هُدًى وَّشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہدایت ہے اور سینوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ لیکن شہد جسمانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور قرآن شریف ظاہر و باطن کے لیے شفاء ہے اسی لیے فرمایا: ہدایت اور شفاء ہے ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ شہد کے بارے میں فرمایا کہ اس میں شفاء ہے اور قرآن پاک کو عین شفاء قرار دیا۔

سلہ جس میں ہے کہ تم دو شفاؤں کو لازم پکڑو، یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

۴۳۶۹ وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰى هَامَتِهٖ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَيْرِ سَمٍّ كَذٰلِكَ فِيْ يَافُوْخِيْ فَذَهَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّيْ حَتّٰى كُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فِي الصَّلٰوةِ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زہریلی بکری کی وجہ سے اپنی کھوپڑی پر سنگی لگوائی، معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہر کے بغیر اسی طرح سنگی لگوائی سر کے درمیان تو میرے حافظے کی عمدگی جاتی رہی یہاں تک کہ نماز میں مجھے سورۂ فاتحہ بتائی جاتی تھی۔

(رزین)

سلہ حضرت ابو کبشہ انماری صحابی ہیں، ان کی حدیث، کھوپڑی پر سنگی لگوانے کی دوسری فصل میں گزر گئی ہے۔

سلہ زہریلی بکری کا گوشت کھانے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پیدا ہو گئی تھی، اس لیے آپ نے سنگی لگوائی، یہ واقعہ مشہور ہے۔ خیبر کی ایک یہودی عورت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کھلا دیا تھا، حضور نے اپنی ذات کا اس سے انتقام نہ لیا بلکہ معاف فرما دیا ۱۲ ق ن۔

سلہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں۔

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لگوائی تھی اور سر کے درمیان سے خون نکلوایا تھا یا یہ تاکید ہے ان کے اس قول کی کہ بغیر زہر کے سنگی لگوائی۔

۵۵ یافوخ سر کا درمیانہ حصہ، کھوپڑی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۵۶ سر کے درمیانے حصے سے خون نکالنے کی وجہ سے۔

۵۷ انتہائی مبالغے کے ساتھ حافظے کے زائل ہونے کا بیان ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کی بنا پر سر سے خون نکالنے کی حاجت پیش آجاتی ہے ایسی بیماریوں کے بغیر سر سے خون نکالا جائے تو حافظے کے لیے نقصان دہ ہے۔

۴۳۴۰/۵۸ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا نَافِعُ يَنْبَغُ بِيَ الدَّمُ فَأْتِنِي بِحَجَّامٍ وَ اجْعَلْهُ شَابًّا وَلَا تَجْعَلْهُ شَيْخًا وَّ لَا صَبِيًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحِجَامَةُ عَلَى الرِّيْقِ اَمْثَلُ وَ هِيَ تَزِيْدُ فِي الْعَقْلِ وَ تَزِيْدُ فِي الْحِفْظِ وَ تَزِيْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ كَانَ مُحْتَجِمًا فَيَوْمَ الْخَمِيْسِ عَلَى اِسْمِ اللّٰهِ وَ اجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ وَ احْتَجِمُوْا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَ اجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ

حضرت نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے نافع! میرا خون کھولتا ہے۵۸، تم میرے پاس فصد کرنے والے کو لاؤ لیکن وہ جوان ہو۵۹، بوڑھا یا بچہ نہ ہو، فرماتے ہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہار منہ۶۰ فصد زیادہ بہتر ہے اور وہ عقل میں اضافہ، حافظے میں زیادتی کرتی ہے، اور حافظے والے کا حافظہ بڑھاتی ہے، تو جو شخص فصد لینا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جمعرات کو لے، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو فصد سے بچو، پیر اور منگل کے دن فصد لو اور بدھ کے دن فصد سے بچو۔ کیوں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام

الْاَرْبِعَاءِ فَاِنَّهُ الْيَوْمُ الَّذِيْ اُصِيْبَ بِهٖ اَيُّوْبُ فِي الْبَلَاءِ وَمَا يَبْدُوْ جُذَامٌ وَّلَا بَرَصٌ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ لَيْلَةَ الْاَرْبِعَاءِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

بلا میں مبتلا کیے گئے[۵۵]۔ کوڑھ یا برص کی بیماری بدھ کے دن یا اس کی رات کو ہی شروع ہوتی ہے[۵۶]۔ (ابن ماجہ)

[۵۱] مجھ پر خون کا اس حد تک غلبہ ہے کہ وہ جوش مارتا ہے جیسے پانی چشمے میں کھولتا ہے۔

[۵۲] یعنی طاقت ور ہونا چاہیے جو قوت کے ساتھ خون کھینچ اور نکال سکے۔

[۵۳] (عَلَی الرِّیْقِ) کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ نہار منہ اور خالی پیٹ فصد لیا جائے اور یہی مناسب ہے آج کل اپریشن سے پہلے فاقہ کرایا جاتا ہے ۱۲ (ق ن)۔

[۵۴] کیونکہ یہ دن نحوست اور بلا کا دن ہے۔

[۵۵] تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد بھی بدھ کے دن ہلاک کی گئی اور اس دن کو دائمی نحوست والا دن کہا گیا۔

[۵۶] یعنی کوڑھ اور سفید داغوں کی بیماری بدھ کے دن یا اس کی رات کو فصد لینے سے ہوتی ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حصر اکثر اوقات کے اعتبار سے اور بطریق مبالغہ ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ کی حدیث دوسری فصل میں گزر گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منگل کے دن فصد لینا اچھا نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کے خلاف ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر حضرت کبشہ کی حدیث صحیح ہو تو اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ منگل کے دن فصد لیا جائے جب کہ وہ مہینے کی سترہ تاریخ کو واقع ہو جیسے کہ آئندہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۴۳۷۱/۵۹ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِجَامَةُ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَاءٌ لِدَاءِ السَّنَةِ (رَوَاهُ حَرْبُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینے کی سترہ تاریخ، منگل کے دن فصد لینا پورے سال کی بیماری کی دوا ہے، اس حدیث کو امام احمد بن حنبل

اَلْکِرْمَانِیُّ صَاحِبُ اَحْمَدَ وَ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِذٰلِكَ هٰكَذَا فِی الْمُنْتَقٰی وَ رَوٰی رَزِیْنٌ نَحْوَہٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ.

کے ساتھی حرب بن اسماعیل نے روایت کیا، اس کی سند قوی نہیں ہے[۱]۔ اسی طرح منتقی[۲] میں ہے امام رزین نے یہ حدیث اسی طرح روایت کی[۳]۔

۱ کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔
۲ امام ابن جارود کی تصنیف ہے۔
۳ بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ۔

بَابُ الْفَالِ وَالطِّیَرَةِ

۳۰۵۔ اچھی اور بری فال کا بیان

فال ہمزے کے ساتھ، لیکن زبان زد عام بغیر ہمزے کے ہے، عام طور پر اس کا استعمال اچھائی میں ہوتا ہے مثلاً ایک بیمار کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ صحت مند ہو گا یا نہیں، اس حال میں وہ کسی کو کہتے ہوئے سنے یَا سَالِمُ (اے سلامتی والے!) یا کسی چیز کو تلاش کرنے والا کسی کو کہتے ہوئے سنے یَا وَاجِدُ (اے پانے والے!) یہ اچھی فال ہے) بعض اوقات برائی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں اچھی فال اور بری فال۔ طِیَرَۃٌ طا کے نیچے زیر، یا پر زبر، تَطَیُّرٌ کا ہم معنی مصدر ہے جیسے تیر سے خِیَرَۃٌ کہتے ہیں، ان دو لفظوں کے علاوہ اس وزن پر کوئی مصدر نہیں آیا، اس کا استعمال بری فال میں ہی ہوتا ہے، بعض اوقات طیرہ کا استعمال مطلق فال میں بھی آتا ہے خواہ اچھی ہو یا بری، اسی طرح کہا گیا ہے، اچھی فال لینا لائق تعریف اور سنت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھی فال خصوصاً انسانوں اور مقامات کے ناموں سے بہت لیتے تھے، بری فال لینا ممنوع اور مذموم ہے تطیر کی اصل اور وجہ تسمیہ یہ ہے

کے عربوں میں شگون لینے کا رواج تھا۔ مثلاً جب کسی کام کا ارادہ کرتے یا کسی جگہ جانا چاہتے تو پرندے یا ہرن کو اس کی جگہ سے بھگاتے، اگر وہ دائیں جانب بھاگتا تو اسے مبارک خیال کرتے اور اس سے اچھی فال لیتے اور اس کام کے لیے روانہ ہو جاتے اور اگر وہ بائیں جانب چلا جاتا تو اس کام کو منحوس تصور کرتے اور اسے چھوڑ دیتے، شکار کے دائیں طرف سے آنے کو سَوَانِح اور بائیں طرف سے آنے کو بَوَارِح کہتے ہیں، وہ لوگ سنوح کو بابرکت اور بروح کو منحوس خیال کرتے تھے، سوانح اور بوارح سے فال لینے کا کئی عبارتوں میں ذکر ہے اس کا یہی مطلب ہے اچھی فال لینے کی تعریف اور بری فال لینے کی مذمت میں نکتہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی سے اچھائی کی امید رکھنا، اس کی رحمت اور اس کے فضل کا امیدوار ہونا بہر حال بہتر ہے۔ اگرچہ خطا ہو اور غلط ثابت ہو، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے امید کا منقطع کرنا، بری بات سوچنا اور ناامید ہونا شرعی اور عقلی اعتبار سے مذموم ہے حالانکہ ہونا تو وہی کچھ ہے جو اس ذات کریم کو منظور ہوگا، یہ ہے فال اور طیرہ کی تحقیق، حضرت مصنف اس باب میں دوسری حدیثیں مثلاً عدویٰ، ہامہ اور صفر کے بارے میں بھی لائے ہیں جو بدفالی کے معنی میں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۳۷۲ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طِيَرَةَ وَ خَيْرُهَا الْفَأْلُ قَالُوْا وَ مَا الْفَأْلُ قَالَ اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بری فال کچھ چیز نہیں ہے[1]، بہترین چیز فال ہے[2] صحابہ کرام نے عرض کیا کہ فال کیا ہے؟ فرمایا وہ اچھا کلمہ ہے جسے تم میں سے کوئی شخص سنے[3] (صحیحین)

[1] برا شگون لینے کا فائدہ حاصل کرنے اور نقصان کے دور کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے، اس کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے اور اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔ شارع علیہ السلام نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اسے دخل نہیں دیا، بدفالی کی نفی اور اس کی ممانعت کے بعد فال کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ بہترین چیز فال ہے۔

[2] خَیْرُهَا الْفَأْلُ یہ ضمیر طیرہ کی طرف راجع ہے، یعنی بہترین طیرہ اچھی فال لینا ہے اس جگہ طیرہ مطلق فال لینے کے معنی میں ہے، اس جگہ اشکال یہ ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی فال لینا بہت بہتر ہے اور بری فال

لینا بھی بہتر ہے، حالانکہ بری فال میں قطعاً بہتری نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ لفظ خیر بہت بہتر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صرف بہتر کے معنی میں ہے، جیسے کہتے ہیں وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ آخرت بہتر ہے اور اَصْحَابُ الْجَنَّۃِ خَیْرٌ جنت والے بہتر ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام، عربوں کے عقیدے پر مبنی ہے کیونکہ وہ بدفالی میں بھی بہتری کا عقیدہ رکھتے تھے، تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض بدفالی بہتر ہو تو نیک فال لینا اس سے بھی بہتر ہے۔

سے اور اس سے اچھی فال ہے، مثلاً کسی چیز کو تلاش کرنے والا سنے یَا وَاجِدُ اے پانے والے، یا گم کردہ راہ سنے یَا رَاشِدُ اے ہدایت پانے والے۔

۴۳۴۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری اڑ کر نہیں لگتی[۱]، بدفالی[۲]، پرندہ[۳] اور صفر[۴] کچھ نہیں ہے، اور کوڑھی سے اس طرح بھاگ جس طرح تو شیر سے بھاگتا ہے[۵]۔ (بخاری)

[۱] یہ ثابت نہیں ہے کہ بیماری ایک شخص سے اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے، دور جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار کے پاس بیٹھے یا اس کے ساتھ مل کر کھائے تو مریض کی بیماری اسے لگ جاتی ہے، کہتے ہیں کہ اطباء کے خیال میں سات بیماریاں متعدی ہیں۔

(۱) جذام، کوڑھ (۲) خارش (۳) چیچک (۴) موتی جھیرہ (۵) منہ یا بغل کی بدبو (۶) آشوب چشم (۷) وبائی بیماری (ہیضہ وغیرہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نفی کی اور اسے باطل قرار دیا، یعنی بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف سرایت نہیں کرتی، بلکہ جس طرح قادر مطلق نے ایک شخص کو بیمار کیا اسی طرح اس نے دوسرے کو بیمار کر دیا (سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو یہ نظریہ سکھایا ہے کہ ہر چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے کہ بیماری خود بخود کسی کو لگ جاتی ہے جسے بھی بیماری لگی ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت سے ہے خواہ وہ پہلا شخص ہو یا دوسرا تیسرا، ممکن ہے کہ ایک بیمار کے آس پاس کی فضا مکدر اور خراب ہو جائے، اس سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت دوسرا شخص بھی بیمار ہو جائے ۱۲ ق ن)

۵۲ وَلَا طِيَرَةَ بدفالی کچھ نہیں، اس کا معنی اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔
۵۳ وَلَا هَامَةَ میم مخفف، بعض نے اسے مشدد (هَامَّة) پڑھا ہے، اصل میں اس کا معنی سر ہے، اس جگہ پرندہ مراد ہے، جو عربوں کے گمان کے مطابق میت کی ہڈیوں سے پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے: وہ کہا کرتے تھے کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے، وہ ہمیشہ پکار پکار کر کہتا ہے مجھے پانی دو، مجھے پانی دو، یہاں تک کہ مقتول کا قاتل قتل کیا جائے، بعض عرب یہ کہتے تھے کہ مقتول کی روح پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور فریاد کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ قاتل سے انتقام لے لے، جب انتقام لے لیتی ہے تو اڑ کر چلی جاتی ہے، صدیٰ بھی اسی کا نام ہے، شارع علیہ السلام نے اس تصور کو بھی باطل کر دیا اور فرمایا کہ یہ کچھ نہیں ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ہامہ سے مراد الّو ہے جو کسی کے مکان پر گر کر آواز نکالتا ہے، اور اس کی موت اور ہلاکت کی خبر دیتا ہے اور یہ طیرہ میں داخل ہے، مختار پہلا قول ہی ہے۔

۵۴ اس جگہ بہت اقوال ہیں، بعض شارحین کے نزدیک مشہور مہینہ مراد ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عوام الناس اسے بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وقت قرار دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے، اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے، بعض کے نزدیک پیٹ میں پایا جانے والا سانپ مراد ہے جو عربوں کے خیال کے مطابق بھوک کے وقت تکلیف اور ایذا دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھوک کے وقت جو تکلیف لاحق ہوتی ہے وہ اسی کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ ایک شخص سے دوسرے کی طرف سرایت کر جاتا ہے، امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ پیٹ کے کیڑے ہوتے ہیں جو بھوک کے وقت کاٹتے ہیں، بعض اوقات انسان کا جسم دکھنے لگتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب باطل ہے۔

بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نسی ہے یعنی محرم کو صفر کی جگہ رکھنا اور اسے شہر حرام (عزت والا مہینہ) قرار دینا، جیسے کہ آیت کریمہ اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ کی تفسیر میں مراد ہے اس کی حقیقت اپنی جگہ پر بیان کی گئی ہے۔

۵۵ بیماری کے (از خود) متعدی ہونے کی نفی کے باوجود فرمایا کہ کوڑھی سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، متعدی ہونے کی نفی اور کوڑھی سے بھاگنے کے حکم میں تطبیق، ہم فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔

۴۲۷۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا	ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری کا خود بخود دوسرے کو لگ جانا، پرندہ اور

صَفَرَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا بَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَى الْاَوَّلَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صفر کچھ نہیں ہے، ایک بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹوں کا کیا حال ہے؟ وہ ریت میں الگ ہوتے ہیں تو ہرنوں کی طرح ہوتے ہیں، ان میں خارش زدہ اونٹ شامل ہو جاتا ہے تو انہیں بھی خارش میں مبتلا کر دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا؟ (بخاری)

سلہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ اشیاء کی نفی کی، تو اعرابی نے سوال کیا کیونکہ اس کا تجربہ اس کے خلاف تھا۔

سلہ تندرستی اور جلد کی صفائی میں

سلہ اعرابی کے بیان کا رد کرتے ہوئے اور اسے باطل قرار دیتے ہوئے۔

سلہ اسے کہاں سے خارش لگ گئی —— غالبا پہلے اونٹ سے مراد وہ اونٹ ہے جسے سب سے پہلے خارش ہوئی، کیونکہ اگر وہ اونٹ مراد ہوتا ہے جس کے واسطے سے دوسرے اونٹوں کو خارش لاحق ہوئی ہے تو ممکن تھا وہ اعرابی کہہ دیتا کہ اسے کسی دوسرے اونٹ سے یہ بیماری لگی ہے، اور اس کے ذریعے دوسروں تک پہنچتی ہے، کہنا پڑے گا کہ سب سے پہلے جس اونٹ کو خارش لاحق ہوئی اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی لاحق ہوئی تھی، تو دوسرے اونٹوں کے بارے میں بھی یہ کہنا پڑے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے۔

۴۳۷۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری کا از خود متعدی ہونا۔ اُلّو، چاند کی منزل اور صفر کچھ نہیں ہے۔ (مسلم)

سلہ نَوء کے علاوہ باقی الفاظ کے معانی اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، "نَوء" نون پر زبر، واؤ ساکن اور

آخر میں ہمزہ، اس کی جمع اَنْوَاء ہے جس کا معنی منازل قمر ہے، چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں، آیۂ کریمہ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں، اس کا اشارہ انہیں منازل کی طرف قرار دیتے ہیں، عرب، بارش کے نازل ہونے کی نسبت چاند کی طرف کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بارش کے نازل ہونے کی علت اور اس میں موثر چاند کا ان منزلوں میں سے بعض میں نازل ہونا ہے، شارع علیہ السلام نے اس تصور کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ بارش محض تقدیر الٰہی کی بنا پر نازل ہوتی ہے نہ کہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے، چاند کے موثر اور علت ہونے کے عقیدے کا رد کیا گیا ہے، لیکن اگر اسے بایں معنی سبب مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بارش برساتا ہے۔ وقت علت نہیں ہے وہ قادر ہے چاہے تو اس وقت سے پہلے یا بعد بارش برسا سکتا ہے اور اگر چاہے تو اس وقت بھی بھیج سکتا ہے۔ جیسے کہ باقی اسباب عادیہ کا حکم ہے، تو یہ عقیدہ باطل اور کفر نہیں ہوگا، امام نووی نے فرمایا: اس کے باوجود مکروہ ہے کیونکہ یہ کفر کی علامت ہے اور اس سے علت ہونے کا گمان ہوتا ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ حکم بارش کے آنے اور اس جیسے دیگر امور کے بارے میں ہے جن کا دخل اور سبب عادی ہونا اس جگہ (سرزمین ہند میں) تجربے سے معلوم ہوا ہے، لیکن بندوں کے دیگر اعمال کی سعادت اور نحوست کا حکم کرنا جیسے کہ نجومی کرتے ہیں شریعت اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے واللہ تعالیٰ اعلم

۴۳۲۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیماری کا خود بخود متعدی ہونا، صفر اور بھوت[۵] کچھ نہیں ہے۔
(مسلم)

[۵] غُوْلٌ لفظے والی غین پیش، واؤ ساکن، اس کی جمع غیلان، نہایہ میں ہے کہ جنات اور شیطانوں کی جنس سے ایک مخلوق ہے، عربوں کا گمان تھا کہ بھوت جنگلوں میں مختلف صورتوں میں انسانوں کو دکھائی دیتے ہیں انہیں گمراہ کرتے ہیں اور ہلاک کر دیتے ہیں، شارع علیہ السلام نے اس کی نفی کی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ بھوت (سرکش جن) کے وجود کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے اور انسانوں کو ہلاک کرنے کی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر انہیں لوگوں کو گمراہ کرنے اور ہلاک کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ صرف فریب کاری اور خیالی طور پر مختلف شکلیں دکھاتے ہیں، بعض شارحین نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھوت کی نفی سے مراد یہ ہو کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی انہیں ظاہر ہونے، گمراہ کرتے اور ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہو، جیسے شیاطین کو آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے سے منع کر دیا گیا تھا۔

۴۳۷۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف[1] کے وفد میں ایک شخص کوڑھی تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پیغام بھیجا[2] کہ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ[3]۔ (مسلم)

[1] ایک جگہ کا نام جہاں کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا (قبیلے کا بھی نام ہے حجاج اسی قبیلے سے تھا ۱۲ ق ن)۔

[2] کہ تم لوگوں کی مجلس میں نہ آؤ، جہاں ہو وہیں رہو۔

[3] تمہیں ظاہری اور صوری بیعت کی حاجت نہیں ہے، اس حدیث سے کوڑھی سے دور ہونا اور اس کی صحبت سے اجتناب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے حدیث گزر چکی ہے کوڑھی سے اسی طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوڑھی سے دور رہنا چاہیے جب کہ ایک دوسری حدیث میں ہے لَا عَدْوٰی (بیماری تو دمتعدی نہیں ہوتی) ان احادیث میں تطبیق کے سلسلے میں علماء کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اکثر اس بات کے قائل ہیں بیماری کے متعدی ہونے کی مطلقاً نفی کرنا مقصود ہے، جیسے کہ ظاہر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ متعدی ہونے کی نفی سے مراد یہ ہے کہ بیماری موثر حقیقی نہیں ہے جیسے کہ حکمت طبیعیہ کے ماہرین، متعدی ہونے کی علتوں کو قطعی طور پر موثر مانتے ہیں، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقیقت حال پر تنبیہ کرتے ہوئے بتایا کہ صورت حال اس طرح نہیں ہے جس طرح ان کا گمان ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ اگر چاہے تو ہو ورنہ نہیں کوڑھی سے دور بھاگنے کا حکم دے کر بتا دیا کہ اس مرض والے سے میل جول اور قرب، اس بیماری کے پیدا ہونے کے اسباب میں سے ہے، اسباب کی رعایت کے پیش نظر اس سے دور رہنا لازم ہے، جیسے کہ جھکی ہوئی دیوار اور عیب والی کشتی سے بچا جاتا ہے، یہ تطبیق شیخ ابن صلاح کے دیگر علماء کے نزدیک مختار ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیماریاں طبعی طور پر اخود بخود) متعدی نہیں ہیں، ہاں اللہ تعالیٰ نے ان بیماریوں میں مبتلا لوگوں سے میل جول کو متعدی ہونے کا سبب بنایا ہے، بعض اوقات بیماری متعدی نہیں بھی ہوتی، جیسے کہ باقی اسباب عادیہ کا حکم ہے لہٰذا متعدی ہونے کی نفی اور دور رہنے کا حکم دونوں باتیں درست ہیں۔

علامہ تورپشتی نے کہا کہ یہ قول میرے نزدیک مختار اور اولیٰ ہے، اور احادیث میں تطبیق کا ذریعہ ہے پہلے قول کی بنا پر طبی اصول کا معطل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ شریعت انہیں باطل کرنے کے لیے وارد نہیں ہوئی۔ بلکہ انہیں ثابت کیا ہے اور برقرار رکھا ہے، (ابن صلاح کے) اس قول کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ارشادوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

(۱) ثقیف کے کوڑھی کو فرمایا: ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے تم واپس چلے جاؤ۔

(۲) ایک دوسرے کوڑھی کو فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔ پہلے فرمان میں اسباب کی رعایت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے فرمان میں مقام توکل کی طرف راہنمائی ہے جو ترک اسباب کا باعث ہے پہلے ارشاد میں امت کو تعلیم دی گئی ہے اور ان کمزور لوگوں کو رخصت دی گئی ہے جو ابھی مقام صدق میں ثابت قدم نہیں ہوئے، دوسرا ارشاد خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کو ظاہر کرتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا کہ تطبیق کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ متعدی ہونے کی نفی اپنے عموم اور اطلاق پر واقع ہے، اور ان بیماریوں میں مبتلا لوگوں سے میل جول متعدی ہونے کا ہرگز سبب نہیں ہے، لیکن کوڑھی سے دور بھاگنے کا حکم از قبیل سد ذرائع ہے تاکہ کوئی شخص شرک کے جال میں نہ پھنس جائے، یعنی اگر کسی نے کوڑھی سے میل جول رکھا اور اچانک تقدیر الٰہی سے کوڑھ کے مرض میں پھنس گیا تو وہ یہ عقیدہ نہ رکھے کہ میل جول رکھنے کی وجہ سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے، اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا تاکہ اس وہم میں نہ واقع ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود کوڑھی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، کیونکہ آپ حقیقی توکل کے مقام پر فائز تھے اور آپ کے دل اقدس میں غلط وہم کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ دور بھاگنے کا حکم اس شخص کے لیے جو اپنے اندر صدق و یقین نہیں پاتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ بیماری لاحق ہو جائے تو وہ شرک خفی میں مبتلا ہو جائے (اھ)

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی، اس ارشاد سے کوڑھ مستثنیٰ ہے۔ امام نووی نے فرمایا: کہ کوڑھ کی ایسی بدبو ہے کہ جو شخص کوڑھی کے ساتھ کھائے پیئے، ایک ساتھ بیٹھے، صحبت کرے اسے بھی بیمار کر دیتی ہے لہٰذا یہ طب سے متعلق ہے متعدی ہونا نہیں ہے، جیسے کہ برا کھانا اور بدبو نقصان دیتی ہے۔ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے ——— یہ ہے اس مسئلے میں علماء کرام کا کلام ———

واللہ تعالیٰ اعلم

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ دوسری فصل

۴۲۷۸ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ.
(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھی فال[1] لیا کرتے تھے، بری فال نہیں لیتے تھے، اور اچھا نام پسند کرتے تھے[2]۔
(شرح السنۃ[3])

[1] انسانوں، مقامات اور دوسری چیزوں کے ناموں سے اچھی فال لیتے تھے، احادیث میں اس کا ذکر کثرت سے ہے، لیکن بری فال نہیں لیتے تھے، اچھی فال کو پسند کرنے اور بری فال کو پسند نہ کرنے کی وجہ پہلی فصل میں فال اور تطیر کا معنی بیان کرتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے۔

[2] مثلاً اگر کسی شخص کا نام برا ہوتا تو اسے تبدیل کر دیتے اور اچھا نام رکھ دیتے، یہ بھی ایک قسم کی نیک فالی ہے، اچھا نام جمال کا زیور، کمال کا تتمہ اور ذکر جمیل میں داخل ہے جیسے کہ اچھی نام والے کو اچھی صفت سے موصوف کر دیا ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھے نام کی اچھے اخلاق سے موصوف ہونے اور اچھے افعال کے صادر ہونے میں تاثیر ہوتی ہے۔

جیسے کہ بعض شارحین نے دعویٰ کیا ہے، اس مسئلے کی تفصیل صراط مستقیم سفر السعادۃ کی شرح میں بیان کی گئی ہے، وہاں دیکھی جائے۔

[3] امام احمد اپنی مسند میں بھی لائے ہیں۔

۴۳۷۹ وَعَنْ قَطَنِ ابْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

قطن بن قبیصہ[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پرندے اڑانا[2]، کنکر پھینکنا اور بدفالی شرکوں کے افعال ہیں[3]۔
(ابوداؤد)

[1] قطن قاف پر اور بے نقطہ طاء پر زبر اور آخر میں نون، بن قبیصہ قاف پر زبر، باء کے نیچے زیر، یاء ساکن صاد بے نقطہ — قطن تابعی ہیں، اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، سجستان اور اصبہان کے گورنر تھے ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے، امام نسائی نے فرمایا: ان میں کوئی عیب نہیں ہے، امام ابوداؤد اور نسائی نے ان سے ایک ایک حدیث روایت کی ہے۔

ــــ۵۲ اَلْعِیَافَۃُ بے نقطہ عین کے نیچے زیر، یا کے نیچے دو نقطے، اس کے بعد فا، عیافت اس طریقے سے پرندوں کا اڑانا جس کا ذکر پہلی فصل میں تطیر کا معنی بیان کرتے ہوئے کیا جا چکا ہے، پرندوں کے ناموں، ان کی آوازوں اور صفات سے فال لینا، اس سلسلے میں عربوں کے قصے، حکایات اور واقعات بکثرت ہیں، طرق بے نقطہ طا پر زبر را ساکن اور آخر میں قاف، کنکر پھینکنا جیسے کہ عرب عورتوں کی فال کے سلسلے میں عادت ہے بعض شارحین نے کہا اس سے مراد ریت میں لکیر کھینچنا ہے، جیسے کہ رمل والوں کا طریقہ ہے، قاموس میں ہے کہ طرق کا معنی ہے کاہنوں کا کنکر پھینکنا مجمع البحار میں ہے کہ طرق کہانت کا ایک طریقہ ہے، جیسے کہ نجومی اور رمل والے دل کی بات وغیرہ معلوم کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

ــــ۵۳ جبت جیم کے نیچے زیر، ایک نقطے والی با ساکن، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے، یعنی شرک کا سبب اور مشرکوں کے کاموں میں سے ہے، بعض شارحین نے جبت کی تفسیر جادو اور کہانت سے کی ہے، کہانت کا معنی آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بعض شارحین نے کہا کہ جبت جادوگر کو کہتے ہیں، اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ یہ جادوگروں اور بدکاروں کا عمل ہے۔

۴۳۸۰ / ۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهُ ثَلٰثًا وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) فَقَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ. هٰذَا عِنْدِيْ اَقُوْلُ ابْنِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بری فال لینا شرک[۱] ہے، یہ بات تین دفعہ فرمائی، اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر (اس کے دل میں بری فال سے تردد پیدا ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اس خیال کو دور کر دیتا ہے[۲] (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا میں نے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ سلیمان بن حرب[۳] اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے کہ میرے نزدیک آخری جملہ وَمَا مِنَّا اِلَّا الخ ابن مسعود

مسعود ؓ کا قول ہے۔

سلہ مشرکوں کا عمل ہے اور شرک خفی کا موجب ہے اور اگر جزم کے ساتھ عقیدہ رکھے کہ ضرور اس طرح ہو جائے گا تو بے شک کفر ہے۔

سٰلہ یعنی اگر بتقاضائے بشریت دل میں شک یا وہم پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اس کام کے لیے چلا جائے اور وہم کی پیروی نہ کرے۔

سٰلہ امام بخاری کے استاذ۔

سٰلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، اور حق یہ ہے کہ اسی طرح ہونا چاہیے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارباب یقین کے سردار ہیں اور تمام اصحاب توکل و تمکین سے افضل و اعلیٰ ہیں، آپ کے دل اقدس میں اس قسم کا تردد کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہو تو از راہ تواضع اپنے بلند مقام سے نیچے آکر امت کے حال پر تنبیہ اور ان کی تعلیم کے لیے اس طرح فرمایا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۳۸۱ — وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِیَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَھَا مَعَہٗ فِی الْقَصْعَۃِ وَ قَالَ کُلْ ثِقَۃً بِاللّٰہِ وَ تَوَکُّلًا عَلَیْہِ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اسے پیالے میں رکھا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں کھاؤ لہ۔ (ابن ماجہ)

سلہ اس میں اشارہ ہے کہ یقین اور اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد کوڑھی سے گریز لازم نہیں ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۴۳۸۲ — وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا ھَامَۃَ وَلَا عَدْوٰی وَ لَا طِیَرَۃَ وَ اِنْ تَکُنِ الطِّیَرَۃُ فِیْ شَیْءٍ

حضرت سعد بن مالک لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُلّو، بیماری کا خود بخود متعدی ہونا اور نحوست کچھ نہیں ہے اور اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست ہے

فِی الدَّارِ وَ الفَرَسِ وَ الْمَرْأَةِ۔ تو گھر، گھوڑے اور عورت میں ہے۔۲

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد) (ابوداؤد)

ف ۱ سعد بن مالک، مشہور اور کثیر الحدیث صحابی حضرت ابو سعید خدری کا نام ہے، ان کے والد کا نام مالک بن سنان ہے، وہ بھی صحابی ہیں، خدرہ خاندان پر مشتمل انصار کی ایک شاخ ہے، حضرت ابو سعید خدری بیعت رضوان میں شامل تھے، پہلے پہل غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں بارہ غزوات میں حاضر ہوئے، ان سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، ۷۴ھ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

ف ۲ یاد رہے کہ طیرہ کے بارے میں مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض احادیث سے طیرہ (بدفالی) کی تاثیر کی نفی اور اس کا عقیدہ رکھنے اور اس کا اعتبار کرنے سے مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں بعض حدیثوں میں عورت اور چار پائے میں اس کا ثبوت صیغۂ جزم کے ساتھ ملتا ہے، جیسے کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ نحوست تین ہی چیزوں میں ہے گھوڑے، عورت اور گھر میں، ایک روایت میں ہے منزل اور خادم میں نحوست ہے، کہیں لفظ شرط کے ساتھ ہے جیسے اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں ہے، بعض احادیث سے دیگر امور کی طرح ان امور میں بھی نحوست کے ثابت ہونے کا انکار ہے، جیسے کہ ابن ابی ملیکہ کی حدیث میں بروایت ابن عباس آیا ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ان امور میں نحوست کا عقیدہ اہل جاہلیت میں پایا جاتا ہے، جیسے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آیا ہے۔

ان احادیث میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ بالذات تاثیر کے عقیدے کی نفی ہے اور یہ عقیدہ امور جاہلیت میں سے ہے، تمام اشیاء میں موثر اللہ تعالیٰ ہے اور تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور اس کی تقدیر سے ہیں، اشیاء مذکورہ میں نحوست کا اثبات اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق ہے کہ اس نے پیدا کی ہے اور اس نے ان چیزوں کو سبب عادی بنایا ہے، ان اشیاء کو بعض احوال اور خصوصیات سے خاص کرنے کی حکمت شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں، پس نفی ذاتی تاثیر کی ہے اور اثبات سبب عادی کے طور پر ہے جیسے کہ مرض کے متعدی ہونے اور کوڑھ کے بارے میں اہل علم نے کہا ہے، بعض شارحین نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ ثابت ہے تو ان چیزوں کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان میں ثابت ہو جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر سبقت کرتی، یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے، قاضی عیاض کے کلام سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے، وہ لَا طِیَرَةَ کی شرح میں کہتے ہیں

کہ اس شرط (اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی) سے معلوم ہوتا ہے کہ بدفالی کی نحوست ان چیزوں میں نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کسی چیز میں ثابت ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی، کیونکہ ان چیزوں میں اس کی قابلیت زیادہ ہے لیکن ان چیزوں میں تو وہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کا کہیں وجود نہیں ہے (اھ) بعض شارحین نے کہا کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ شوہر سے موافقت نہ رکھتی ہو، اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو، اور وہ شوہر کی فرمانبردار نہ ہو، یا بدصورت ہو، گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو، ہمسائے برے ہوں اور اس جگہ کی ہوا خراب ہو، گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو اور وہ غرض اور مصلحت کے موافق نہ ہو، اسی معنیٰ میں خادم کی نحوست ہے یا نحوست سے مراد شرعاً یا طبعاً ناپسندیدہ ہونا ہے، اس اعتبار سے نحوست اور بدفالی کی نفی عموم اور حقیقت پر محمول ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۳۸۳/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ اَنْ يَّسْمَعَ يَا رَاشِدُ يَا نَجِيْحُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کو یہ بات پسند تھی کہ یا راشد یا نجیح ایسے الفاظ اور نام سنیں [1]۔

(ترمذی)

[1] جن کا معنی ہے اے صاحب رشد و ہدایت اور اے کامیاب و کامران (کیونکہ آپ نیک فالی پسند فرماتے تھے)۔

۴۳۸۴/۱۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَاَلَ عَنِ اسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهُ اسْمُهٗ فَرِحَ بِهٖ وَرُئِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهٖ وَاِنْ كَرِهَ اسْمَهٗ رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِيْ وَجْهِهٖ وَاِذَا دَخَلَ

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے برا شگون نہیں لیتے تھے [1] جب آپ کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے، اس کا نام پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے، اور اس کی خوشی آپ کے چہرۂ انور میں دکھائی دیتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آپ کے چہرۂ اقدس میں

قَرْيَةً سَأَلَ عَنْ اِسْمِهَا فَاِنْ أَعْجَبَهُ اِسْمُهَا فَرِحَ بِذٰلِكَ وَ رُئِيَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهٖ وَ اِنْ كَرِهَ اِسْمَهَا رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهٖ۔

دیکھی جاتی، جب آپ کسی گاؤں میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام پسند ہوتا تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی آپ کے رخ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے رخ پر نور میں ناپسندیدگی دیکھی جاتی[3]

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد)

[1] حضرت بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اس کے باوجود

[3] یہ بدفالی نہیں ہے، کیونکہ اس ناخوشی کی بنا پر آپ جس کام کا ارادہ رکھتے تھے اسے ترک نہیں کرتے تھے، اس کے باوجود ناپسندیدگی اور نام کی کراہت کا اثر آپ کے بدن اقدس میں ظاہر ہوتا تھا، اس سبب کے نیک فالی اور بدفالی سے قطع نظر اچھائی اور برائی کا اثر، خوشی اور ناخوشی میں طبعی ہے۔

۴۳۸۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا فِيْ دَارٍ كَثُرَ فِيْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰى دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایک حویلی میں تھے جس میں ہماری تعداد بھی زیادہ تھی اور اموال بھی بکثرت تھے، پھر ہم ایک دوسری حویلی میں منتقل ہو گئے جس میں ہماری تعداد اور ہمارے اموال کم ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حویلی کو چھوڑ دو[1]، اس حال میں کہ وہ قبیح ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد)

[1] یہ بدفالی کی بنا پر نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ نقصان اور یہ خرابی اس مکان میں رہنے کی بنا پر ہے تو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو تاکہ وہم کی بنیاد ختم ہو جائے اور وہ لوگ شرک خفی کے چکر میں نہ پڑیں، بعض علماء نے کوڑھی سے بھاگنے کی جو توجیہ بیان کی ہے یہ توجیہ اس کے موافق ہے، بعض محدثین نے جو کہا کہ ان اشیاء میں نحوست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کراہت اور ناپسندیدگی ہے تو یہ توجیہ اس

کے بھی مطابق ہے، جو حضرات خاص طور پر ان اشیاء کو سبب عادی قرار دیتے ہیں تو ان کے مطابق کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

۴۳۸۶/۱۵ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَحِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنَ مُسَيْكٍ يَقُولُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدَنَا أَرْضٌ يُقَالُ لَهَا أَبْيَنُ وَهِيَ أَرْضُ رِيفِنَا وَمِيرَتِنَا وَإِنَّ وَبَاءَهَا شَدِيدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَإِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

یحیٰ بن عبد اللہ بن بحیر[1] فرماتے ہیں مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے فروہ ابن مسیک[2] کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے پاس ایک زمین ہے جسے ابین[3] کہا جاتا ہے یہ ہمارے باغ اور کھیتی کی زمین ہے[4]، اس کی وبار سخت ہے[5]۔ فرمایا اسے چھوڑ دو[6]، کیونکہ قرف[7] سے ہلاکت پیدا ہوتی ہے۔

(ابوداؤد)

[1] یحیٰ بن عبد اللہ بن بحیر ایک نقطے والی باء پر زبر بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، یاء ساکن، اور آخر میں راء، یعنی تابعی اور ثقہ واسطہ میں، بعض نے کہا کہ مستور الحال ہیں۔

[2] فروہ بن مسیک میم پر پیش، سین پر زبر، یاء ساکن، صحابی ہیں، ان کا تعلق یمن سے تھا، ۹ھ اور بقول بعض ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر کوفہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، کوفہ کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے، بہترین شاعر تھے، امام شعبی اور محدثین کی ایک جماعت نے ان سے حدیث روایت کی۔

[3] ابین ہمزے پر زبر، باء ساکن اور یاء پر زبر کہتے ہیں کہ ابین ایک شخص کا نام تھا مشہور شہر عدن اس کی طرف منسوب تھا، اسی لیے اس شہر کو عدن ابین کہتے ہیں۔

[4] یعنی وہ ایسی زمین ہے جہاں دوسری جگہوں سے غلہ لایا جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس جگہ سے دوسری جگہوں پر غلہ لے جایا جاتا ہے۔ ریف راء کے نیچے زیر، یاء ساکن، وہ زمین جہاں کھیتی اور چارہ ہو، میرۃ میم کے نیچے زیر، یاء ساکن، غلہ جو جانور پر لادا جائے، امتیار لاد کر لانا۔

[5] کیونکہ وہاں کی ہوا میں فساد ہے اور وہ انسانی طبیعت کے ناموافق ہے۔

۵۶ اور اپنے آپ سے جدا کر دو۔

۵۷ قَرَف قاف اور راء پر زبر، وبا سے میل جول، اختلاط، قرب، صراح میں ہے قرف پہلے دونوں حرفوں پر زبر، بیماری کا نزدیک آنا، قاموس میں ہے القرف پہلے حرف کی حرکت کے ساتھ ہی اور یا متعدی بیماری اور بیمار کر دینے والی زمینوں کے قریب ہونا۔ علامہ طیبی نے کہا کہ یہ بیماری اڑ کر لگنے کی بات نہیں ہے بلکہ از قبیل طب اور علاج ہے، کیونکہ اچھی اور موافق ہوا بدن کی صحت کے لیے معاون ہے اور ہوا کی خرابی اور ناموافقت، بیماریوں اور ہلاکت کا باعث ہے۔

ہوسکتا ہے کہ وبا اور طاعون سے بھاگنے والے اس حدیث کے مضمون سے استدلال کریں، کہ اس شخص نے اس زمین میں پائی جانے والی وبار کی شکایت کی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دو اور وہاں سے چلے جاؤ، کیونکہ بیماری اور وبا سے اختلاط ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اس زمین میں وبا کے واقع ہونے کی شکایت کی، اسے منحوس اور ناپسندیدہ قرار دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے حال کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے اور اس کے شرک خفی کے چکر میں واقع ہونے کے خوف کے تحت اس جگہ سے نکلنے اور وہاں رہائش کے ترک کرنے کی اجازت دے دی ایسا نہیں تھا کہ اس جگہ وبا واقع ہوگئی اور اس کے واقع ہونے کے بعد وہاں سے فرار کی اجازت عطا فرمائی، گفتگو اس میں ہے طریقہ یہ ہے کہ بلا کے واقع ہونے سے پہلے اس سے اجتناب کیا جائے، اور واقع ہونے کے بعد صبر و رضا کا مظاہرہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی جائے گڑگڑایا جائے، اسی کا حکم دیا گیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین اور دوسری کتابوں میں وارد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وبا سے بھاگنا ممنوع ہے، صبر اور ثابت قدمی کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی رغبت دلائی گئی ہے، نیز یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور یہ صحیحین کی حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی، کہتے ہیں کہ فروہ بن مسیک سے صرف ایک دو حدیثیں مروی ہیں اور وہ بھی ایک مجہول راوی سے سنی ہیں جس کا نام معلوم نہیں ہے، پھر یحییٰ بن عبداللہ بن بحیر میں بھی اختلاف ہے کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں، بعض شارحین نے وبا اور طاعون میں فرق کیا ہے۔ اگرچہ صحیح یہ ہے کہ وبا اور طاعون سے مراد ایک ہی ہے یعنی عام بلا اور موت جیسے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، کہ تم عام حملے کے وقت نہ بھاگنا اور جب لوگوں کو موت آئے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہنا، حضرت جابر اور حضرت عائشہ کی حدیث میں طاعون سے بھاگنے کو عام حملے سے بھاگنے سے تشبیہ دی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بے شک وبا سے بھاگنا ممنوع اور گناہ ہے، اگر یہ پختہ عقیدہ رکھے کہ صبر کیا تو ضرور مر جاؤں گا اور اگر بھاگ گیا تو ضرور بچ جاؤں گا تو کافر ہو جائے گا اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو گنہگار ہوگا۔ گھر میں آگ لگ

جاتے اور زلزلے کے وقت گھر سے باہر نکلنے پر اس کا قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس قیاس کے خلاف نص وارد ہے، نیز زلزلے کے سبب مکان کے گرنے اور آگ لگنے کی صورت میں ہلاکت غالب بلکہ عادۃً یقینی ہے جب کہ وبا سے فرار اختیار نہ کرنے کی صورت میں موت مشکوک اور موہوم ہے (لہٰذا قیاس درست نہیں) اگر کہا جائے کہ فضیلت، غربت اور توکل صبر میں ہے اور باہر نکلنا مباح ہے اور اس کی رخصت ہے تو میں کہتا ہوں کہ عام حملے سے بھاگنے کے ساتھ تشبیہ اور وعید کا وارد ہونا اس کے منافی ہے، کیونکہ عام حملے سے بھاگنا بالاتفاق ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے، اس کے ساتھ تشبیہ کا تقاضا برابری ہے یا اس سے کچھ کم ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جہاں وبا پھیل چکی ہو وہاں نہ جاؤ، یہ مطلب نہیں کہ جہاں وبا پھیل جائے وہاں نہ ٹھہرو، اگر کہا جائے کہ تقدیر پر توکل اور رضا دونوں صورتوں میں ہے یعنی جہاں وبا ہے اس جگہ رہنے اور وہاں سے چلے جانے میں، اس کا جواب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مقابل یہ بات باطل ہے اور لائق سماع نہیں ہے، حکم یہ ہے کہ جہاں وبا واقع ہو تو اس جگہ سے نکلے اور نہ اس جگہ جائے عقل کا اس مسئلے میں دخل نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۳۸۷/۱۶ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَأَى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مُرْسَلًا)

حضرت عروہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس فال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اچھی فال[1] نیک فال ہے اور چاہیے کہ فال کسی مسلمان کو نہ روکے، جب تم میں سے ایک شخص کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے[2] تو کہے: اے اللہ! نیکیوں کو تو ہی لاتا ہے اور برائیوں کو تو ہی دفع کرتا ہے، برائی سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی طاقت، اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہے یہ حدیث امام ابوداؤد نے مرسلاً روایت کی۔

[1] یہ کلام اس بات پر مبنی ہے کہ طیرہ کا اطلاق، اچھی اور بری دونوں فالوں پر ہوتا ہے جیسے کہ پہلی فصل کی پہلی حدیث میں گزرا ہے کہ خَيْرُهَا الْفَالُ طیرہ کی بہترین قسم نیک فال ہے اس حدیث کے تحت جو سوال و جواب بیان ہوا ہے وہ اس جگہ بھی جاری ہے۔

[2] اس کام سے جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔

۵۳ یعنی ایسی چیز دیکھے جس سے بری فال نکلتی ہو اور دل میں برا وسوسہ پیدا ہوتا ہو۔
۵۴ کیونکہ عروہ بن عامر تابعی ہیں۔

بَابُ الْكَهَانَةِ

۲۰۶۔ کہانت کا بیان

علامہ کرمانی نے کہا کہانت پہلے حرف پر زبر اور زیر پڑھ سکتے ہیں، صراح میں ہے کاہن فال بیان کرنے والا، قاموس میں ہے کہانت پہلے حرف پر زبر فال بیان کرنا، پہلے حرف کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی ہے فال گوئی کا پیشہ، اس کی جمع کُھّانٌ اور کَھَنَۃٌ ہے، علامہ طیبی نے کہا: کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ زمانے میں پیدا ہونے والے امور اور حوادث کی خبر دے اور مخفی اسرار کی معرفت کا دعوی کرے، عرب میں بہت سے کاہن تھے، ان میں سے کچھ کے قبضے میں جنات تھے جو آسمانوں کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور آکر کاہنوں کو بتا دیتے تھے جیسے کہ احادیث میں آئے گا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جوہر روح کا تعلق جنات اور شیاطین ایسی ارواح خبیثہ سے قائم ہو جاتا ہے ان کے ذریعے جھوٹی اور گمراہ کن باتیں حاصل کی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جو افعال، اقوال اور احوال کو علامات اور اسباب و مقدمات قرار دے کر مطلب تک رسائی حاصل کرتے تھے، ان کا خصوصی نام عراف تھا، مثلاً علامات کے ذریعے یہ معلوم کرتے تھے کہ چوری کی گئی چیز کس جگہ ہے اور گم شدہ زد کہاں ہے، جیسے کہ رمل والے معلوم کرتے ہیں، بعض اوقات کاہن کا استعمال عام معنیٰ میں ہوتا ہے جو عراف اور نجومی کو شامل ہوتا ہے، یہ افعال حرام ہیں، ان کے معاوضے میں مال لینا بھی حرام ہے۔ لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہیں، محتسب پر لازم ہے کہ انہیں روکے اور سزا دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۳۸۸ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کچھ کام دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے۲؎ ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے۳؎ فرمایا۴؎: تم کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو۔ کہتے ہیں میں نے عرض کیا۵؎ کہ ہم برا شگون لیتے تھے، فرمایا: برا شگون ایسی چیز ہے جسے تم میں سے ایک شخص اپنے دل میں پاتا ہے۶؎ تو وہ ہرگز تمہیں روک نہ دے۷؎، انہوں نے کہا میں نے عرض کیا کہ۸؎ ہم میں سے کچھ لوگ (زمین پر) لکیریں کھینچتے ہیں۹؎. فرمایا انبیاء کرام میں سے ایک نبی۱۰؎ لکیر کھینچا کرتے تھے، تو جس کی لکیر ان کی لکیر کے موافق ہوگی۱۱؎ تو وہ شخص درست ہے۔ (مسلم)

۱؎ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں، مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے، ان سے ابوسلمہ اور عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں۔

۲؎ ان میں سے ایک یہ ہے کہ۔

۳؎ اور ان سے مختلف کاموں اور خبروں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔

۴؎ جب تم ایمان لا چکے ہو تو۔

۵؎ ان کاموں میں سے دوسرا کام یہ ہے۔

۶؎ برا شگون لینا اور اس کے پیچھے جانا وہم، خلجان اور وسوسہ ہے جسے تم میں سے ایک آدمی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔

۷؎ تمہیں اس کام سے روک نہ دے جس کا تم نے ارادہ کیا اور جسے شروع کیا ہے۔

۸؎ ہم جاہلیت میں جو کام کیا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ

۹؎ اس سے مراد وہ لکیریں ہیں جو رمل کے ماہرین مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو معلوم کرنے کے لیے کھینچتے ہیں فال نکالتے ہیں اور اس کے ذریعے احوال معلوم کر کے حکم لگاتے ہیں۔

۱۰؎ اس سے مراد اللہ تعالٰی کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام

مراد ہیں۔

۵۱۱ یعنی درست اور صحیح ہو اور مقصود تک پہنچانے والی ہو۔

۵۱۲ اور اگر ان کی لکیروں کے مطابق نہ ہو تو وہ خطا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اتفاقاً حاصل ہونے والی وہ موافقت مطلوب اور محمود ہے، جیسے کہتے ہیں کہ اگر اس طرح ہو تو فبہا ورنہ ضائع اور بیکار ہے، اس جگہ صراحتہً منع نہیں فرمایا بلکہ ایسے امر پر معلق کر دیا جس کے موجود ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس نبی کی لکیروں کی موافقت، چونکہ اس موافقت کا علم مفقود و معدوم ہے لہٰذا اس زمانے میں اس پر عمل کرنا حرام اور ممنوع ہے مطلب یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ نبی بھی اسی طرح لکیریں کھینچتے تھے اور عمل کرتے تھے اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ میں گزر گئی ہے۔

۴۳۸۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ أَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا[۱] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہیں[۲]، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ![۳] بعض اوقات وہ ایک چیز کی خبر دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بات سچ سے ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے[۴] اور اسے اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے[۵] جیسے مرغی چوگا دیتے وقت آواز نکالتی ہے[۶]، تو کاہن اس میں سو سے زیادہ جھوٹی باتیں (اپنے پاس سے) شامل کر دیتے ہیں[۷]۔ (صحیحین)

سلہ کران کی بات درست اور قابل اعتماد ہوتی ہے یا نہیں؟

سلہ کران کی باتوں پر اعتماد کیا جا سکے۔

سلہ آپ فرماتے ہیں کہ ان کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی حالانکہ وہ بعض اوقات سچی خبر دیتے ہیں

سلہ بعض روایات میں مِنَ الْحَقِّ کی جگہ مِنَ الْجِنِّ آیا ہے، اس روایت میں لفظ الجِنّیُّ نہیں ہے۔

سلہ فَیَقُرُّھَا یا پر زبر، قاف پر پیش، یعنی جن وہ بات اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ جس کا یہ جن تابع ہوتا ہے: ایک روایت میں یُقِرُّھَا یا پر پیش قاف کے نیچے زیر کے ساتھ بھی آیا ہے۔ قَرَّ الدَّجَاجَۃِ کے زیادہ مناسب ہے۔ پہلی روایت

سلہ اور دوسری مرغیوں کو چوگا دینے کے لیے بلاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے یعنی وہی مرغی کی آواز ہے جس میں تکرار ہو اور اگر تکرار کے بغیر ہو تو اس آواز کو قرّ کہتے ہیں۔ بعض روایات میں دال کی جگہ زا کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی شیشی ہے۔ یعنی جس طرح شیشی ہلانے اور اس میں سے کسی چیز کے انڈیلنے سے آواز پیدا ہوتی ہے یا جس طرح شیشے کے ظرف میں پانی یا عرق گلاب ڈالتے وقت اس پاس بیٹھ جاتے ہیں اور اس میں سے آواز پیدا ہوتی ہے، بعض شارحین نے زجاجہ والی روایت کو ترجیح دی ہے اور قرینہ کے طور پر وہ روایت پیش کی ہے جس میں آیا ہے تَقَرْقُرُھَا کَقَرْقَرَۃِ الدُّجَاجَۃِ جیسے بوتل آواز نکالتی ہے، بعض شارحین نے کہا کہ دجاجہ والی روایت صحیح ہے اور زجاجہ والی روایت میں تبدیلی واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض شارحین نے تَقُرُّ قاف کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی ہے راز کا پوشیدہ طور پر بیان کرنا جیسے کہتے ہیں وَقَرَّ الْخَبَرَ فِی اُذُنِہٖ فلاں کے کان میں رازداری سے بات کہی، بعض یَقِرُّ قاف کی زیر سے پڑھتے ہیں جس کا معنی امانت رکھنا ہے۔ مختصر یہ کہ جن عالم ملکوت سے کوئی بات سن کر کاہنوں کے کان میں ڈال دیتا ہے۔

سلہ جھوٹ کی کثرت بطور مبالغہ بیان کی گئی ہے، لہٰذا ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کَذْبَۃٌ کاف پر زبر اور ذال کے نیچے زیر۔ کاف کے نیچے زیر اور ذال ساکن دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔

۴۳۹۰ وَعَنْھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ

انہی سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے عنان یعنی بادل

تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَ هُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَآءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّيٰطِيْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهٗ فَتُوْحِيْهِ اِلَى الْكُهَّانِ فَيَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

میں اترتے ہیں اور ان کاموں کا ذکر کرتے ہیں جن کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہے۔ شیاطین چوری چھپے وہ بات سن لیتے ہیں[۳]، اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں[۴] تو وہ اپنے پاس سو جھوٹی باتیں اس بات کے ساتھ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ (بخاری)

[۱] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

[۲] عنان عین پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں ————— راوی نے خود اس کی تفسیر کر دی کہ اس سے مراد بادل ہے۔ قاموس میں ہے عنان پہلے حرف پر زبر، بادل جو پانی محفوظ رکھتا ہے بعض عین کے نیچے زیر، سو تو اس کا معنی وہ چیز ہے جو آسمان کی طرف دیکھنے سے نظر آئے۔ بعض علماء نے عنان عین پر زبر ہو تو اس کا بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرشتے جب آسمانی فضا کی طرف نیچے آتے ہیں۔

[۳] جو پہلے آسمان کے نیچے تک پرواز کر سکتے ہیں، اس سے قبل آسمان پر جا سکتے تھے لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد روک دیے گئے۔

[۴] وحی مخفی کلام کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے وحی کا معنی ہے اشارہ، دل میں پیغام کا ڈالنا اور وہ بات جو پوشیدہ طور پر دوسرے تک پہنچائی جائے۔

۴۳۹۱ وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عراف[۱] کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس کی چالیس دنوں اور راتوں کی نماز قبول نہیں کی جائے گی[۲]۔ (مسلم)

[۱] عراف وہ شخص جو چھپی ہوئی باتوں کی خبر دے، شارحین نے کہا کہ اس جگہ کاہن اور نجومی کو شامل ہے۔

۵۲ جو امورِ غیبیہ سے ہو۔

۵۳ یہ اس کا انتہائی نقصان اور خسارہ ہے کہ اس کی افضل ترین عبادت اور اس کا اعلیٰ عمل، نماز ضائع اور مردود قرار پاتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ جب نماز قبول نہیں ہوگی تو دوسرے اعمال بطریق اولیٰ مقبول نہیں ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس پر قضا واجب نہیں ہوگی لیکن اسے ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے، حدیث میں اگرچہ خالص طور پر رات کا ذکر ہے لیکن مراد دن اور رات دونوں ہیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ رات یا دن میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے دوسرا بالتبع مراد ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رات کی نماز یعنی تہجد مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ اس پر کامل ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ لہٰذا عرف سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا فضائل میں نقصان کا موجب ہوگا، فرائض کے ضائع ہونے کا سبب نہ ہوگا، یہ وجہ اسی دقت کا تب حروف (شیخ محقق) کے دل میں ڈالی گئی ہے۔

۴۳۹۲ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہو چکی تھی۵۔ جب آپ پلٹے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۶؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے دو قسم کے لوگوں نے صبح کی ایک وہ جو مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور دوسرا کافر ہونے والا، جس شخص نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش دی گئی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا کہ ہمیں چاند کی ایسی ایسی منزلوں کی تاثیر سے بارش دی گئی ہے تو وہ میرا منکر اور ستاروں پر

بِالْکَوْکَبِ۔ | ایمان لانے والا ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

سلہ حضرت زید بن خالد جہنی مشہور صحابی ہیں۔

سلہ۲ اثر ہمزے کے نیچے زیر اور ثاء ساکن، یا ہمزہ اور ثاء دونوں پر زبر۔

سلہ۳ یہ اشارہ ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کی طرف، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج کر گویا اشارہ کیا ہے کہ بندے شکر نعمت اور کفران نعمت میں مختلف ہیں اسی طرح بعض مقام توحید و ایمان میں ثابت قدم ہیں اور بعض کفر و شرک کے چکر میں مبتلا ہیں۔

۴۳۹۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِیْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِیْنَ یُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ مُطِرْنَا بِكَوْكَبِ كَذَا وَ كَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو بھی برکت اتاری ہے لوگوں کی ایک جماعت اس کے سبب کافر ہو گئی، اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے[ل] تو وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب بارش دی گئی ہے[۲]۔

(مسلم)

سلہ محدثین نے یُنزل کو باب افعال سے صحیح قرار دیا ہے۔

سلہ۲ ظاہر یہ ہے کہ برکت سے مراد بارش ہے اور یہ ارشاد یُنَزِّلُ اللّٰہُ الْغَیْثَ اس کا بیان ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد عام ہو اور بارش کا نازل کرنا بطور مثال اس کے ایک فرد کا ذکر ہو۔
یاد رہے کہ ان کلمات کے کہنے والے کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے، اور حق یہ ہے کہ اگر ستاروں کے موثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہے تو کافر ہے، اور اگر اس عقیدے سے نہ کہے بلکہ مراد یہ ہو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو کفر نہ ہوگا لیکن مکروہ ہوگا کیونکہ ایسے کلمات ایک صورت میں ایمان اور دوسری صورت میں کفر ہیں نیز یہ جاہلیت کا شعار ہیں، اس وقت کفر سے مراد کفران نعمت ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۳۹۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علم نجوم کا ایک حصہ حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا[۱]، جتنا زیادہ علم نجوم حاصل کیا اتنا ہی جادو زیادہ حاصل کیا[۲]۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] علم نجوم کی برائی اور قباحت بیان کرنے کے لیے اسے جادو سے تشبیہ دی، گویا اس کا عامل جادوگروں اور کاہنوں میں سے ہے جو برے کام کرتا ہے اور غیب کی خبریں دیتا ہے۔

[۲] بعض حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے (یعنی ابن عباس نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجوم کی برائی اور قباحت بیان کرنے میں میری روایت کی نسبت اضافہ فرمایا تھا جسے میں نے مکمل طور پر بیان نہیں کیا۔

۴۳۹۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتٰی اِمْرَاَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰی اِمْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس آئے[۱] اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا اپنی بیوی کے پاس حالت حیض[۲] میں آئے یا اپنی بیوی کے ساتھ غیر فطری فعل کرے تو وہ اس چیز[۳] سے بری ہو گیا جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

[۱] اور اس سے امور غیبیہ کے بارے میں دریافت کرے اور کاہن اسے جواب دے۔

[۲] حائض خاص طور پر عورتوں کی صفت ہے اس میں تا کا ترک کرنا اور حائضہ کی بجائے حائض کہنا جائز ہے، جیسے طالق، حامل اور مرضع ہم نے یہ مسئلہ شرح (لمعات) میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۵۳ یعنی قرآن، دین اور شریعت سے، پر اس صورت میں ہے کہ ان کاموں کو حلال جاننے یا یہ مطلب ہے کہ گویا وہ دین سے بری ہو گیا، یا یہ ان اعمال شنیعہ کے کرنے پر تغلیظ اور تشدید ہے۔

۴۳۹۶ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَی اللّٰهُ الْاَمْرَ فِی السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ کَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰی صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْ قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ فَسَمِعَهَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعِ هٰکَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَّ وَصَفَ سُفْیَانُ بِکَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَ بَدَّدَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَیَسْمَعُ الْکَلِمَةَ فَیُلْقِیْهَا اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ یُلْقِیْهَا الْاٰخَرُ اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰی یُلْقِیَهَا عَلٰی لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْکَاهِنِ فَرُبَّمَا اَدْرَکَ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ یُّلْقِیَهَا وَ رُبَّمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ یُّدْرِکَهٗ فَیَکْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ کَذْبَةٍ فَیُقَالُ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ لَنَا یَوْمَ کَذَا وَ کَذَا،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا حکم دیتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خوف کی بنا پر اپنے بازو (آسمان پر) مارتے ہیں[۱] گویا اللہ تعالیٰ کا کلام[۲] ایک زنجیر ہے جو صاف پتھر پر کھینچی گئی ہے۔ جب ان کے دلوں سے ہیبت دور کی جاتی ہے[۳] تو کہتے ہیں[۴] کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ مقربین فرشتے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بارے میں[۵] کہتے ہیں کہ وہ حق ہے، اور وہ بلند اور بزرگ ہے[۶]، ان باتوں کو چوری چھپے سننے والے[۷] سن لیتے ہیں، وہ چوری سننے والے اس طرح ہیں، بعض بعض کے اوپر، سفیان نے اپنے ہاتھ سے کیفیت بیان کی[۸]۔ اسے بائیں جانب جھکایا اور اس کی انگلیوں کو ایک دوسری سے جدا کیا، تو وہ چوری سننے والا ایک بات سن لیتا ہے اور اپنے نیچے والے کی طرف القا کرتا ہے وہ اپنے ماتحت کو بتاتا ہے یہاں تک کہ اسے جادوگر یا کاہن[۹] کی زبان پر ڈال دیتا ہے، بعض دفعہ اس کے بتانے سے پہلے اسے شہاب لگ جاتا ہے[۱۰] بعض اوقات شہاب لگنے سے پہلے وہ بتا دیتا ہے، پس وہ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے[۱۱] کہ کیا اس نے

كَذَا وَكَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فلاں فلاں دن، فلاں فلاں بات نہیں کہی تھی؟ چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی بات کی بنا پر اس کی تصدیق کی جاتی ہے[۸]۔ (بخاری)

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر ڈرتے ہیں اور لرزہ براندام ہو جاتے ہیں خُضعاناً خاء پر پیش، مصدر ہے غفران کے وزن پر یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے احکام کے خوف اور ہیبت کی بنا پر، ایک روایت میں خاء کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ خُضَّعاً خاء پر پیش اور ضاد مشدد بھی آیا ہے، یہ خاضع کی جمع ہے جیسے رَاکِعٌ اور ساجِدٌ کی جمع رُکَّعٌ اور سُجَّدٌ ہے۔ یعنی اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔

[۲] اللہ تعالیٰ کا کلام خفی، دقیق، غیر واضح، سمجھنے اور سننے میں مشکل ہونے میں اس زنجیر کی طرح ہے جو ملائم پتھر پر کھینچی جائے۔ یہ انداز بیان اسی طرح جو ہے حدیث وحی میں واقع ہوا ہے، کہ کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور یہ مجھ پر وحی کی تمام قسموں میں سب سے سخت تھی، پس وہ حالت مجھ سے دور کر دی گئی اس حال میں کہ جو کچھ میرے دل پر بطور وحی نازل کیا گیا وہ مجھے محفوظ ہو گیا تھا۔

[۳] فُزِّعَ زاء مشدد، صیغہ مجہول، اس جگہ صیغہ تفعیل کشف اور ازالے کے لیے ہے جیسے تقشیر کا معنی ہے چھلکے کا دور کرنا

[۴] وہ فرشتے جو کمال قرب اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مراد کے سمجھنے تک نہیں پہنچے، مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا اور کیا حکم دیا؟

[۵] بالذی کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حق ہے اَلْحَقُّ مرفوع ہے۔ اسے منصوب بھی پڑھا گیا ہے اس کی وجہ شرح میں بیان کی گئی ہے۔

[۶] قول کی حقانیت کو مؤکد طریقے پر بیان کیا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں فرشتوں سے اسی طرح آیا ہے۔

[۷] یعنی جنات اور شیاطین، وہ چوری چھپے فرشتوں کی آوازوں کی طرف کان لگا دیتے ہیں اور ان کی باتیں چرا لیتے ہیں ——— اس کے بعد راوی نے ان چوروں کے کھڑے ہونے کی کیفیت بیان کی کہ فضائے آسمانی میں ایک جماعت دوسری جماعت کے اوپر کھڑی ہو جاتی ہے۔

[۸] ان کے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہونے کی کیفیت بیان کی۔

سلہ راوی کو شک ہے، یا ساحر سے مراد نجومی ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے جس شخص نے نجوم کا کچھ علم حاصل کیا، اس صورت میں اگر راوی کو شک نہ ہو تو بھی درست ہے، علامہ طیبی کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

سلہ بسا اوقات آگ کا شعلہ ستارے سے جدا ہو جاتا ہے اور شیاطین کے بھگانے اور چوری سننے والوں کو جلانے کے پیچھے گرتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ چوری سننے والا شہاب کو پالیتا ہے شہاب مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

سلہ یعنی کاہن کی تصدیق کرنے والا اور اس پر عقیدہ رکھنے والا کہتا ہے یا وہ شخص جو اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اس کا انکار کرتا ہے۔

سلہ جس کی بنا پر وہ بچا ہو چکا ہوتا ہے، اور اس کے سو جھوٹوں پر توجہ نہیں دیتا، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے باطن میں کجی اور گمراہی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ منجمین اگرچہ سو دفعہ جھوٹے ثابت ہو چکے ہوں، ایک بار ان کی بات سچی نکل آئے دنیادار دنیا کی انتہائی محبت اور دل میں پائی جانے والی کجی کی بنا پر ان کے بڑے معتقد اور محب ہوتے ہیں۔

۴۳۹۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُمْ بَيْنَمَا هُمْ جُلُوسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَ اسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُولُهٗ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُولُ وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيمٌ وَ مَاتَ رَجُلٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی نے خبر دی کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارا ٹوٹا اور روشنی ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: جب ایسا ستارا ٹوٹتا تھا تو تم جاہلیت میں کیا کہا کرتے تھے[1]؟ صحابہ کرام نے عرض کیا! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی عظیم شخص پیدا ہوا ہے اور کوئی عظیم شخص مر گیا ہے[2]

عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّ لَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَآءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَآءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَيَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ وَ يُرْمَوْنَ فَمَا جَآءُوْا بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَ يَزِيْدُوْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے مرنے اور جینے پر تارا نہیں ٹوٹتا[۵۲] لیکن ہمارا رب جس کا نام برکت والا ہے جب کسی کام کا حکم دیتا ہے تو حاملین عرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں[۵۳] پھر ان کے قریبی آسمان والے تسبیح کرتے ہیں، یہاں تک کہ تسبیح اس قریبی آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر حاملین عرش کے قریب والے ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں۔ پھر آسمانوں والے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ اس قریبی آسمان تک خبر پہنچ جاتی ہے۔ جنات[۵۴] ان سنی ہوئی باتوں کو اچک لیتے ہیں اور اپنے دوستوں[۵۵] تک پہنچا دیتے ہیں، ان جنوں کو شعلے مارے جاتے ہیں[۵۶]، کاہن اس کے مطابق جو خبر دیتے ہیں وہ حق ہوتی ہے۔ لیکن وہ کاہن جھوٹ[۵۷] بولتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

[۵۱] کہ یہ کیا ہے؟ اور کس لیے ہے؟۔

[۵۲] یعنی ہم ستارہ ٹوٹنے کو کسی عظیم چیز مثلاً کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کی علامت ہی سمجھتے تھے۔

۵۳ یعنی تم غلطی پر تھے۔
۵۴ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ــــــــ ان فرشتوں کے بارے میں آیا ہے کہ ان کی تعداد آٹھ ہے، اور وہ اتنے بڑے ہیں کہ ان کے زمڑگوش اور کندھے کے درمیان دو ہزار سال اور ایک روایت کے مطابق سات ہزار سال کی مسافت ہے، العظمۃ للہ۔
۵۵ جو اس آسمان کے نیچے پہنچ کر جمع ہو چکے ہوتے ہیں۔
۵۶ کاہنوں تک
۵۷ ستاروں کے مارے جانے کا سبب یہ ہے، وہ سبب نہیں جو تم سمجھتے ہو کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا مر گیا ہے۔
۵۸ قرف تہمت لگانا اور مفارنت ناجائز ملاوٹ کرنا۔

۴۳۹۸ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلٰثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَآءِ وَ رُجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا وَمَنْ تَاَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَاَ وَ اَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَ تَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا وَ فِيْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ وَّ تَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْهِ وَمَا لَا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ وَ مَا عَجَزَ عَنْ عِلْمِهِ الْاَنْبِيَآءُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ عَنِ الرَّبِيْعِ مِثْلُهٗ وَ زَادَ وَ اللّٰهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ نَجْمٍ حَيٰوةَ اَحَدٍ وَّ لَا رِزْقَهٗ وَ لَا

حضرت قتادہ[۱] سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین فائدوں کے لیے پیدا کیا[۲] (۱) انہیں آسمان کی زینت بنایا[۳] (۲) انہیں شیطانوں کے مارنے کے لیے بنایا[۴] (۳) انہیں علامات بنایا تاکہ ان کے ذریعے راستہ معلوم کیا جائے[۵]۔ تو جس نے ان کے بارے میں کچھ اور بیان کیا اس نے خطا کی[۶] اپنا حصہ ضائع کیا اور بتکلف اپنے ذمہ وہ چیز لی جسے نہیں جانتا[۷] امام بخاری نے یہ حدیث تعلیقاً[۸] بیان کی، امام رزین کی روایت میں ہے کہ ایسی چیز کا تکلف کیا جو بے مقصد ہے اسے اس چیز کا کچھ علم نہیں[۹] اور اس کے علم سے انبیاء اور فرشتے[۱۰] عاجز ہیں۔ ربیع سے اس کی مثل مروی ہے، انہوں نے اتنا زیادہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے ستارے میں نہ تو کسی کی زندگی اور موت

مَوْتِهٖ وَ اِنَّمَا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ يَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ۔ رکھی ہے اور نہ ہی رزق رکھا ہے، فقط یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔ اور ستاروں کا بہانہ بناتے ہیں۔

سلہ حضرت قتادہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ اکثر طور پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی ان کے پیدا کرنے میں اہم فائدے تین ہیں جن سے اہل دین و معرفت فائدہ حاصل کرتے ہیں جیسے کہ کتاب اللہ میں ان کا بیان ہے، ورنہ اشیاء اور خصوصاً ان اجسام کے پیدا کرنے کے فوائد کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ غالباً غلط راستہ بند کرنا مقصود ہے تاکہ لوگ نجومیوں کے بیان کے مطابق کائنات میں پیدا ہونے والی چیزوں میں دلچسپی نہ لیں اور جان لیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بغیر کسی واسطے کے معرض وجود میں آتی ہیں اور اگر (بالفرض) ان ستاروں کا دخل ہو بھی سہی تو ان کی طرف نسبت کرنا ایمان، توحید اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے اس میں شک نہیں کہ موسموں کے بدلنے بارشوں کے واقع ہونے، پھلوں کے پکنے اور ایسے ہی دیگر امور میں ان اجسام فلکیہ (چاند سورج اور ستاروں) کا دخل بطور سبب ہے اور یہ عادت الٰہیہ ہے۔ لیکن ان کا اعتبار کرنا اور ساعتوں اور احکام کے اختیار کرنے میں ان پر اعتماد کرنا اور ان میں سعادت اور نحوست کا عقیدہ رکھنا اسلام اور توحید کے طریقے کے خلاف ہے۔ اگر ان کو موثر مانا جائے تو یہ کفر ہے ورنہ حرام یا مکروہ ہے۔

سلہ کہ ان کے دیکھنے میں سوائے تعجب اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ تعجب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی کاریگری پر استدلال کا باعث بنتا ہے۔

سلہ جو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تاکہ چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سنیں۔

سلہ سمندر اور خشکی کے راستوں میں۔

سلہ سلامتی اور درستی کے راستے سے بھٹک گیا۔

سلہ عمر کا۔

سلہ یعنی اصل کام تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت ہے، نفس کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا ہے جبکہ ان امور کا جاننا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی اس کی حاجت ہے لہٰذا ان علوم کے حاصل کرنے میں تکلف کرنا اور محنت و مشقت اٹھانا عمر کو ضائع کرنا ہے۔

سلہ تعلیق کا مطلب ہے سند کا ابتداء سے حذف کرنا۔ امام بخاری کی عادت ہے کہ صحیح بخاری کے ابواب کے تراجم (عنوانات) میں احادیث اور آثار کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی سند حذف کر دیتے ہیں، حضرت قتادہ کا یہ قول بھی

اسی طرح بیان کیا ہے۔

ـــــ ۱۰ه اور اسے حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔

ـــــ ۱۱ه اور اسے کما حقہ جانا نہیں جا سکتا۔

ـــــ ۱۲ه انبیاء اور فرشتے بھی اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے، حالانکہ وہ خلاصہ موجودات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اجسام کے پیدا کرنے میں بہت گہرے راز اور علوم ہیں اسی لیے منع کیا گیا کہ ان کی حقیقت تک رسائی بہت مشکل اور دشوار ہے جیسے کہ قرآن پاک کے متشابہات کا یہی حال ہے قرآن کریم علم و معرفت کا آسمان ہے، روشن اور چمکتی ہوئی آیات پر مشتمل ہے جن تک پہنچنے اور ان کے مطالب و معانی پر آگاہ ہونے کا راستہ واضح ہے جیسے کہ ستاروں کے پیدا کرنے کے تین فائدوں کا جاننا واضح ہے قرآن کریم دوسری متشابہ آیات پر بھی مشتمل ہے جن کے معانی کی حقیقت تک رسائی میسر نہیں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ اس کے مطلب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے

اسی طرح آسمانی اجسام کے پیدا کرنے میں جو دقیق حکمتیں اور واقعی علوم ودیعت کیے گئے ہیں ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا، آیت کریمہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ باطل اور بے کار پیدا نہیں کیا، اس میں اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں غور و فکر کرنے اور ان کی حقیقتوں کی تہہ تک رسائی سے عاجزی کے اقرار کے بعد عارف کا صرف اتنا حصہ ہے کہ اجمالی طور پر جان لے کہ اس جگہ حکمتیں اور خاصیت کے راز ودیعت کیے گئے ہیں، ان اشیاء کے خیمۂ وجود کے گرد عبث اور بطلان کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کا اعتراف کرے، حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے سپرد کرے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے تقدس اور جلالت کا بیان کرے اور قہر کی آگ اور عذاب سے پناہ مانگے جو اذیت، دوری اور حجاب کا سبب ہے، ایمان اور رسولوں کی پیروی پر سختی سے قائم رہے تاکہ اجابت، قبولیت اور قرب و وصول کے مقام پر فائز ہو کر دوری اور حجاب کے عذاب سے نجات پائے اور یہ مسلمانوں کا راستہ ہے، یا اللہ! ہمیں بھی یہ راستہ نصیب فرما۔

ـــــ

۴۳۹۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِّنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے علم نجوم کا ایک باب اس مقصد کے ماسوا کے لیے حاصل کیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو بے شک

شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ الْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَّ الْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَّ السَّاحِرُ كَافِرٌ۔

اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا، نجومی کاہن ہے[1] اور کاہن جادوگر ہے[2] اور جادوگر کافر ہے[3]۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ) (رزین)

[1] مقصود وہ تین چیزیں ہیں جن کا ذکر گزشتہ حدیث میں ہوا ہے۔

[2] نجومی کاہن کے حکم میں ہے کہ وہ علامتوں اور نشانیوں کی بنا پر غیب کی خبر دیتا ہے۔

[3] کاہن جادوگر کے حکم میں ہے جو عجیب وغریب اور قبیح افعال کا ارتکاب کرتا ہے، اور ان کے ذریعے مخلوق کو نقصان پہنچاتا ہے۔

[4] جو شخص جادو کا عمل کرے اور اس پر عقیدہ رکھے کافر ہے، حاصل یہ ہے کہ نجوم، کہانت اور جادو ایک ہی وادی سے تعلق رکھتے ہیں، کافروں اور بے دینوں کے افعال ہیں۔

۴۲۰/۱۳ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَمْسَكَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ عِبَادِهِ خَمْسَ سِنِيْنَ ثُمَّ أَرْسَلَهُ لَأَصْبَحَتْ طَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ كَافِرِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سُقِيْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ پانچ سال تک (مثلاً) اپنے بندوں سے بارش روک دے، پھر بارش عطا فرمائے تو لوگوں کی ایک جماعت (جو نجوم کی دلدادہ ہے) کافر ہو جائے گی، وہ کہیں گے ہمیں چاند کی ایک منزل کی بدولت بارش دی گئی ہے جس کا نام مجدح ہے[1]

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی)

[1] مجدح میم کے نیچے زیر، جیم ساکن اور دال پر زبر، عربوں کے نزدیک یہ چاند کی ایک منزل ہے جو لازمی طور پر بارش کا سبب بنتی ہے اور کبھی خطا نہیں جاتی، قاموس میں مجدح چاند کی ایک منزل ہے یا ایک چھوٹا ستارہ ہے۔ دبران (چاند کی منزل کا نام) اور ثریا کے درمیان ہے مجدح اصل میں ایسی لکڑی کا نام ہے جس کے مختلف کونے ہوں، چاند کی یہ منزل بھی مجدح کی شکل کی طرح تین ستارے ہیں، یہ کوتاہ نظر نہیں جانتے کہ مجدح (چاند کی منزل) تو ہمیشہ ہوتی ہے، پھر ان پانچ سالوں میں بارش کیوں نہیں ہوتی؟ معلوم ہوا کہ بارش کا برسانا محض قدرت الٰہیہ کی بنا پر ہے۔ لیکن لوگ شرک وکفر اور نجوم کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ تو بیدا امور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔

كِتَابُ الرُّؤْيَا

خوابوں کا بیان

رؤیا دراصل مصدر ہے اور رویت کے معنی میں ہے بعدازاں ان چیزوں اور صورتوں کا نام قرار پایا جو کچھ خواب میں دیکھی جاتی ہیں قاموس میں ہے الرؤیا ما رأیتہ فی منامک، رؤیا وہ چیز ہے جسے تم خواب میں دیکھتے ہو، پہلے را پھر ہمزہ اس کے بعد الف مقصورہ بعض اوقات ہمزے کو تخفیف کے لیے واو سے تبدیل کر دیتے ہیں۔

خواب کی حقیقت کے بارے میں ارباب دانش کا اختلاف ہے اس اشکال کی بنا پر جو اس جگہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نیند ادراک کی ضد ہے لہذا خواب میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ کیا ہے اکثر متکلمین اشاعرہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقی ادراک نہیں ہے بلکہ باطل خیال ہے معتزلہ کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے کچھ شرطیں ہیں جیسے سامنے ہونا۔ آنکھ سے شعاع کا نکلنا اور درمیان میں شفاف ہوا کا ہونا وغیرہ نیند میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہوتی اس لیے نیند میں دیکھی جانے والی چیزیں فاسد خیال اور باطل وہم ہیں۔ اشاعرہ کے نزدیک سبب یہ ہے کہ نیند اور علم دو متضاد چیزیں ہیں اور خوابیدہ شخص میں ادراک کا پیدا کرنا عادت الٰہی نہیں ہے اس لیے جو کچھ خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقی ادراک نہیں بلکہ باطل خیال ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواب کی کوئی حقیقت نہیں اور تعبیر کے ساتھ یا تعبیر کے بغیر اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے باطل ہونے سے مراد یہی ہونا چاہیے کہ ادراک حقیقی نہیں بلکہ اس کے مشابہ ہے کیونکہ پاکیزہ خوابوں کی درستی اور حقانیت پر اہل حق کا اجماع ہے گویا وہ فرماتے ہیں کہ خواب حقیقی ادراک نہیں بلکہ محض خیال ہے لیکن اس کے باوجود خواب کا ثبوت اور اس کی تعبیر موجود ہے۔

خواب کو باطل خیال کہنے سے خیال محض کہنا زیادہ بہتر ہے فتدبر (خواب اچھی طرح غور کرو) استاد ابو اسحاق اسفرائنی اشعری کہتے ہیں کہ خواب بلاشبہ حقیقی ادراک ہے اس لیے کہ آدمی جس چیز کا ادراک بیداری میں کرتا ہے اور جس چیز کا ادراک نیند میں کرتا ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے اگر خوابیدہ شخص کے ادراک پر شبہ کیا جائے تو بیدار شخص کا ادراک بھی مشکوک ہو جائے گا اور یہ تو ایک ظاہر چیز کا انکار ہو جائے گا۔

استاد ابو اسحاق نیند اور علم کے درمیان تضاد کو تسلیم کرتے ہیں تاہم وہ کہتے ہیں کہ نیند انسان کے بعض اجزاء کے ساتھ اور ادراک بعض دیگر اجزاء سے متعلق ہے اس طرح دو متضاد چیزوں کا ایک ہی جگہ جمع ہونا لازمی نہیں آتا مواقف اور اس کی شرح میں اسی طرح ہے، علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوابیدہ شخص کے دل میں علوم اور ادراکات کا پیدا کرنا خواب کی حقیقت ہے کیونکہ وہ بیدار شخص کے دل میں علوم و ادراکات پیدا کرتا ہے وہ خوابیدہ شخص کے دل میں بھی پیدا فرماسکتا ہے، نہ تو بیداری ان علوم و ادراکات کا سبب ہے اور نہ ہی نیند ان علوم و ادرکات میں رکاوٹ ہے، خوابیدہ شخص میں ان ادراکات کا پیدا کرنا بعض دیگر امور کی علامت ہے جو مذکورہ شخص کو کسی اور حال میں پیش آتے ہیں اور اس خواب کی تعبیر بن جاتے ہیں جیسے بادل بارش کے موجود ہونے کی علامت ہے (اھ)۔

اس قول کے مطابق خواب حقیقی ادراک ہے اس طرح خواب اور ادراک کے درمیان تضاد باقی نہیں رہتا فلاسفہ کے نزدیک خوابوں کا وجود حواس باطنہ کی تحقیق پر موقوف ہے اور یہ کتاب ان کے بیان کی جگہ نہیں ہے۔ مختصر انداز میں اس جگہ یہی بیان کیا جاسکتا ہے کہ آدمی کے باطن میں ایک قوت ہے جو مختلف صورتوں اور معانی کو جمع کرتی ہے اور اسے قوت متصرفہ کہتے ہیں اگر معانی میں تصرف کرے اور انہیں ترتیب دے تو اسے قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ اور اگر صورتوں میں تصرف کرے تو اسے قوت متخیلہ کہتے ہیں۔ یہ قوت خواب اور بے داری دونوں حالتوں میں مصروف رہتی ہے، نفس ناطقہ (نفس انسانی) کا عالم ملکوت کے ساتھ روحانی اور معنوی تعلق ہے اور تمام کائنات کی ازل سے ابد تک کی صورتیں عالم ملکوت کے جواہر مجردہ (فرشتوں) میں محفوظ ہیں۔ اس لیے جب نفس انسانی خواب کی حالت میں اپنے بدن کے انتظام اور عالم جسمانی کے مشغلوں سے فارغ ہوتا ہے تو ان جواہر عالیہ (فرشتوں) کے ساتھ روحانی تعلق کے سبب ان جواہر عالیہ میں مرتسم صورتیں نفس ناطقہ میں نقش ہو جاتی ہیں اور نفس ناطقہ سے یہ صورتیں حس مشترک میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اور قوت متخیلہ حس مشترک سے یہ صورتیں لے کر جوڑ توڑ کرتی ہے خیال کبھی اس صورت کے مشابہ کوئی لباس پہنا دیتا ہے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسے خواب میں مروارید کی صورت کو انار کے دانوں کا لباس دے دیتا ہے اور کبھی اس صورت کو متضاد لباس بھی مہیا کر دیتا ہے۔ جیسے خواب میں خوشی کو رونے کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ ایسی خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے بعض اوقات خواب میں بغیر تبدیلی اور بغیر تلبیس کے بھی صورت نظر آتی ہے ایسی خواب کے بیے تعبیر کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جو کچھ خواب میں دیکھا ہو وہی بیداری میں وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات قوت متخیلہ وہ صورتیں لے لیتی ہے جو بیداری کی حالت میں خیال میں محفوظ ہوتی ہیں۔ لہذا اکثر اوقات آدمی خواب میں وہی کچھ دیکھتا ہے جسے وہ بیداری میں سوچتا ہے اور جس کے خیال میں محو رہتا ہے اور بعض اوقات کچھ بیماریوں کی وجہ سے بھی صورتیں دکھائی

دیتی ہیں جیسے کہ دموی مزاج والا شخص خواب میں سرخ رنگ دیکھتا ہے اور صفراوی مزاج والا شخص آگ دیکھتا ہے اور سوداوی مزاج والا پہاڑ اور دریا دیکھتا ہے اور بلغمی مزاج والا خواب میں پانی اور سفید رنگ دیکھتا ہے موخرالذکر دونوں صورتوں میں خوابوں کا اعتبار نہیں اور ان کی تعبیر بھی نہیں اور ایسی خوابوں کو جھوٹی خوابیں کہا جاتا ہے اس جگہ عالم مثال کے قائل صوفیہ کی ایک دوسری تحقیق ہے جو اپنی جگہ بیان کی گئی ہے، میرے لخت جگر نور الحق نے اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جو نہایت منقول، مدلل اور واضح ہے، اللہ تعالیٰ اسے مرتبہ یقین واستقامت پر فائز فرمائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۴۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَ مَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نبوت[1] سے بشارتوں[2] کے سوا کچھ باقی نہیں رہا صحابہ نے عرض کیا کیسی بشارتیں؟ آپ نے فرمایا: اچھی خوابیں[3]۔

(بخاری[4])

وَ زَادَ مَالِكٌ بِرِوَایَةِ عَطَاءِ ابْنِ یَسَارٍ یَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰی لَهٗ.

امام مالک نے عطا ابن یسار سے مزید بھی روایت کیا ہے[5]، وہ خوابیں جو مومن نیند میں دیکھے یا اس کے لیے دیکھی جائیں[6]۔

۵۱ نبوت سے مراد مقام نبوت کے آثار ہیں اور اس مقام کے سبب غیب کی جو خبریں اور احوال جانے جاتے ہیں۔

۵۲ مُبَشِّرَات میم پر پیش اور شد والے شین کے نیچے زیر یعنی خواب دیکھنے والے کو بشارت دینے والی خوابیں، بِشَارَتٌ: ب پر پیش اور ب کے نیچے زیر کے ساتھ خوشخبری کے معنی میں ہے (صحاح) لفظ بشارت اکثر خیر میں استعمال ہوتا ہے بعض اوقات شر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے (طیبی) صاحب صحاح کا کہنا ہے کہ بشارت کا مطلق استعمال اچھائی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ برائی کے لیے استعمال کرتے ہوئے شر کی قید لگا دی جاتی ہے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے) میں استعمال ہوا ہے بعض مفسرین کہتے ہیں

کہ یہ بطور استہزا ہے اور بشرہ بار بزیر، اس کے بعد پیش انسان کی جلد کا حصہ جو بالوں میں پنہاں نہ ہو جیسے چہرہ وغیرہ، چونکہ اچھی خبر کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اس لیے اسے بشارت کہتے ہیں۔

سے۵۳ رؤیا کا اطلاق اکثر نیک خوابوں پر ہوتا ہے اور بری خواب کو حُلُم (حار پر پیش کے ساتھ) کہتے ہیں جیسے کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا لیکن یہ تخصیص صرف اصطلاح شرع میں ہے لغت میں رویا کا استعمال مطلق خوابوں کے لیے ہے، اس جگہ بھی اسی معنی میں ہے۔ اگر رویا نیک خواب کا نام ہے تو اس کے ساتھ "صالحہ" کی قید مزید وضاحت اور بیان کے لیے ہے یا "صالحہ" بمعنی صادقہ کے ہے یعنی سچی اور واقع کے مطابق خواہیں اور یا کا پہلا معنی مبشرات (یعنی بشارتیں) اگرچہ زیادہ واضح اور مناسب ہے جو کہ اکثر اوقات یا ہمیشہ اچھی اور خوش کن خوابوں کا معنی دیتا ہے اگرچہ اس میں سچائی بھی معتبر ہے جیسے کہ علامہ طیبی نے کہا لیکن حدیث کا سیاق لفظ رویا کے دوسرے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی مطلق خواب، کیونکہ نبوت میں سچی خبر کا اعتبار ہے خواہ وہ خوشخبری دے یا ڈر سنائے اس صورت میں ان خبروں پر مبشرات کا اطلاق تغلیباً کیا گیا ہے یا مبشرات کا استعمال مطلق خبروں کے معنی میں کیا گیا ہے۔

سے۵۴ یعنی یہاں تک متفق حدیث ذکر ہوئی امام بخاری نے اتنی ہی روایت کی ہے۔

سے۵۵ امام مالک نے مالک بن یسار سے روایت کرتے ہوئے آنے والی عبارت کا اضافہ کیا۔

سے۵۶ یعنی دوسرا مسلمان اس کے لیے دیکھے۔

۴۴۰۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّءْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ۔	حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سچی خواب[۵۷] نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں[۵۸]۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	(صحیحین)

سے۵۷ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں رویا صالحہ سے مراد سچی خواب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، سچی خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

سے۵۸ اس حدیث میں چند وجہ سے اشکال ہے۔

(۱) نبوت کی جز نبوت کے ساتھ ہو گی، اس لیے غیر نبی کو سچے خواب نہیں آنے چاہییں حالانکہ سچے خواب غیر نبی

کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔

(۲) نبوت تو ایک نعمت اور معنوی چیز ہے سچے خوابوں کے نبوت کی جز ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۳) سچی خوابیں اور انبیاء کی دیگر صفات اور ان کے حالات نبوت کے نتائج اور آثار ہیں نہ کہ اس کے اجزاء تو کیا وجہ ہے کہ خوابوں کو نبوت کی جز کہا گیا ہے۔

(۴) نبوت کا دور تو ختم ہوگیا لیکن سچی خوابیں موجود ہیں، پس خوابوں کو نبوت کے بغیر کس طرح نبوت کی جز قرار دے سکیں گے۔

(۵) نبوت کے چھیالیس جز کر کے خوابوں کا ایک جز شمار کرنے کی وجہ کیا ہے؟

پہلے اشکال کا جواب :۔

پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبوت کی جز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سچے خواب انبیاء کے لیے نبوت کا جز ہیں کیونکہ انہیں خواب میں وحی کی جاتی ہے لیکن یہ جواب ایک دوسری حدیث سے ٹوٹ جاتا ہے (مومن کا خواب چھیالیسواں حصہ ہے)۔

دوسرے اور تیسرے اشکال کا جواب :۔

مراد یہ ہے کہ سچی خوابیں علوم نبوت بلکہ علوم نبوت کے وسائل کے اجزاء میں سے ہیں اور علم نبوت باقی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبوت کا دور ختم ہوا اور بشارتیں باقی ہیں اور وہ سچی خوابیں ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نبوت کے موافق سچی خوابیں آتی ہیں یہ مطلب نہیں کہ اچھی خوابیں نبوت کا حقیقی جز ہیں اور نبوت کے بعد باقی ہیں۔

چوتھے اشکال کا جواب :

جز بغیر کل کے پائی جاتی ہے لیکن اس حالت میں اسے اس کل کی جز سابقہ حالت کی وجہ سے کہا جائے گا اسی طرح بعض علماء کی عبارت ہے، ظاہر طور پر مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو نبوت عطا فرماتا ہے، اسی طرح سچی خوابیں عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے علوم عطا فرما کر انوار بخشتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں اس جگہ نبوت کا معنی انباء ہے یعنی خوابیں، سچی خبریں ہیں جن میں جھوٹ نہیں ہے حدیثوں میں اسی معنی کی تصریح بھی آئی ہے۔ یہ معنی بھی جز ہونے سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے ثابت کرتا ہے علاوہ ازیں حدیث میں مذکور عدد سے اس تقریر کی مناسبت نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں حدیث کے ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، نبوت کی جز نبوت نہیں ہے لہذا نبوت کا دور ختم ہو جانے کے بعد اس کے چھیالیسویں حصے کا موجود ہونا ناممکن نہیں ہے یہ وہ گفتگو ہے جو محدثین نے اس جگہ کی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جزئیت سے مراد اس کی وہ حقیقت نہیں ہے جو اہل منطق و فلسفہ کے ہاں معروف ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سچی خوابیں انبیا علیہم السلام کے عوارض اور صفات میں سے ہیں اور انبیاء کی صفات ان کے بعد غیر انبیاء میں بھی موجود ہوتی ہیں اور غیر انبیاء ان سے موصوف ہوتے ہیں سچی خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دینے کا مقصد ایسی خوابوں کی مدح اور ان کا بلند درجہ بیان کرنا ہے یعنی اگرچہ سچی خواب دیکھنے والا شخص نبی نہیں لیکن یہ سچی خواب عالم نبوت کا پرتو اور عکس ہے اور اس جہاں کے مشابہ ہے جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ خوب روشن راستہ، علم، ذمہ داری اور میانہ روی نبوت سے ہیں بلکہ تمام صفات کمال کی اصل نبوت ہی ہے سچی خوابوں کا خاص طور پر ذکر کرنا ان کے خصوصی امتیاز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بے شک یہ صفات غیر انبیاء میں موجود ہوتی ہیں کیونکہ ولایت نبوت ہی کا سایہ ہے اور جو کچھ نبوت میں ہے اس کا عکس ولایت میں بھی ہوگا۔

پانچویں اشکال کا جواب:۔

نبوت کے چھیالیس اجزاء بنانے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ نبوت کا عرصہ تیئیس سال ہے اور وحی کی ابتداء سچی خوابوں سے ہوئی تھی اور یہ سچی خوابیں آپ نے چھ ماہ دیکھی تھیں اور چھ ماہ کی تیئیس سال کے ساتھ نسبت وہی ہے جو ایک چھیالیس میں ہے کی ہے علماء میں یہی بات مشہور ہے لیکن علامہ تورپشتی کہتے ہیں وحی کا عرصہ تیئیس سال تسلیم شدہ ہے اختلاف کے باوجود یہ عرصہ کئی روایات میں مذکور ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مشہور اور مختار روایت کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ میں قیام کا عرصہ تیرہ سال تھا۔ اور ایک دوسری روایت میں دس سال اور پندرہ سال بھی ہے اس میں خوابوں کا عرصہ چھ ماہ تھا یہ بات کہنے والے شخص نے کسی نص اور روایت سے مدد لیے بغیر ہی اپنے دل میں اندازہ لگایا ہے (تورپشتی) حاصل گفتگو یہ ہے کہ خوابوں کی مدت کے متعلق چھ ماہ کا اندازہ درست نہیں اور یہ اندازہ بے سند اور بے بنیاد ہے، ہاں محدثین کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھ ماہ کی مدت میں مرتبہ نبوت کے ساتھ مخصوص تھے اور اپنے نفس شریف کی تہذیب پر مامور تھے، بعد ازاں دعوت و تبلیغ پر مامور ہوئے، محدثین کے نزدیک رسالت کا یہی معنی ہے، ان کے مذہب کے مطابق نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دعوت دینے والا اور مبلغ بھی ہو بلکہ اگر اس نبی کی طرف خاص کر ان کی ذات کے بارے میں وحی نازل کی جائے تو یہی کافی ہے جیسے اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے، پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس عرصے میں وحی خواب کے ذریعے تھی تو نبوت کے ابتدائی چھ ماہ کو سچے خوابوں کا عرصہ کہنے والوں کی بات درست ہو جائے گی، اور ان ہی کا مذہب اس جگہ موضوع بحث ہے۔ امام محی الدین نووی نے بھی شرح مسلم میں اس بات کو نشانہ تنقید بناتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے، اس عدد (چھیالیسویں حصے) کو علم نبوت کے سپرد کرنا ہی درست ہے، کیونکہ ایسے علوم انبیاء کے خواص میں سے ہیں، قیاس اور

عقل و فہم کے پیمانوں سے ان علوم کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، ہر جگہ اعداد کا یہی حکم ہے، مثلاً رکعتوں اور تسبیحات وغیرہ کی تعداد۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سچا خواب نبوت کے پینتالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے، ایک اور روایت میں ہے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ پینتالیس اجزاء والی روایت کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت تریسٹھویں سال کے درمیان ہوئی اور چالیسویں حصے والی روایت کی توضیح یہ ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساٹھ سال کی عمر والی روایت پر مبنی ہے (یعنی ساٹھ سال عمر شریف ہو تو اعلان نبوت کے بعد کا عرصہ بیس سال ہوا اور اس کا چالیسواں حصہ چھ ماہ ہوئے ۱۲ ق ان) لیکن راجح پہلی روایت ہی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ سچے خواب نبوت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہیں، اس ارشاد میں مبالغہ کے ساتھ خوابوں کا نبوت سے کم درجہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

تنبیہ:-

مواہب لدنیہ میں ہے کہ وحی کے کئی مرتبے ہیں، ان میں سے ایک مرتبہ سچے خوابوں کا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ حقانیت اور ظہور میں سپیدۂ سحر کی طرح ظاہر ہو جاتا۔

بعض اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے دل اقدس میں القاء کر دیتے تھے باوجودیکہ آپ انہیں دیکھتے نہ تھے، جیسے کہ ارشاد فرمایا: روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا پورا رزق وصول نہیں کر لیتا، لہذا تقویٰ اختیار کرو، اور حسن طلب اختیار کرو۔ کبھی فرشتہ انسانی صورت میں آکر آپ سے گفتگو کرتا کبھی حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں کبھی کسی دوسری صورت میں، کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی آتی اور یہ پوری طرح متمیز نہیں ہوتی تھی، یہ وحی کی سخت ترین قسم تھی یہاں تک کہ اونٹنی اس کے بوجھ سے بیٹھ جاتی، کبھی حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی خاص صورت میں دیکھتے جس کے چھ سو بازو ہوتے ایسا صرف دو بار ہوا، وحی کی ایک قسم وہ تھی جو شب معراج ساتوں آسمانوں سے پرے واقع ہوئی اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں، بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح جبریل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر آپ سے کلام کیا، اس طرح سات بار ہوا، بعض علماء نے آٹھویں مرتبہ کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بے حجابانہ اور ظاہر و باطن کلام ہے، شیخ ولی الدین بن عراقی نے کہا کہ یہ وہی حال ہے جو شب معراج حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دخل کے بغیر تھا، یہ ان حضرات کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ بعض علماء نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا اضافہ

کیا ہے۔ جیسے کہ امام زہری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہترین صفت میں جلوہ فرمایا اور فرمایا: اے محمد! جانتے ہو ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابتدائے کتاب میں فضل المساجد میں گزر گئی ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ جب یہ حال نیند میں ہے تو یہ صورت، خواب میں داخل ہوگی، بعض علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجتہاد کو بھی وحی کی ایک صورت قرار دیا ہے، آپ کو اجتہاد قطعی طور پر درست ہے اور خطا کا احتمال نہیں رکھتا یہ اس وحی سے الگ ہے جس میں فرشتے کے دل میں پھونکنے کا ذکر ہے جیسے پہلی قسم میں بیان ہوا، مختصر یہ کہ یہ وحی کے مختلف طریقے ہیں جو اہل علم نے بیان کیے ہیں، بعض علماء نے چھیالیس قسموں کا ذکر کیا ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ اکثر اقسام کا تعدد، حاصل وحی کی صفات کے تعدد کے اعتبار سے ہے، مجموعی طور پر یہ قسمیں، مذکورہ اقسام میں داخل اور ان کی طرف راجع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۴۰۳ - ۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔[۱] (صحیحین)

[۱] اور اپنے آپ کو میری صورت میں نہیں دکھا سکتا۔ یعنی شیطان کی یہ مجال نہیں ہے کہ کسی کی خواب میں آئے اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولے۔

[۲] بعض محققین نے کہا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے شیطان ایک صورت میں ظاہر ہو اور دروغ گوئی کرتے ہوئے دیکھنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں ہرگز نہیں آسکتا اور آپ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ہدایت ہیں اور شیطان مظہر ضلالت ہے، ہدایت اور ضلالت میں تضاد ہے، اللہ تعالیٰ مطلق ہے، ہدایت دینے گمراہ کرنے اور دیگر صفات متضادہ کا جامع ہے، نیز مخلوق کی طرف سے الٰہ ہونے کا دعویٰ واضح طور پر باطل ہے اور محل اشتباہ نہیں ہے، برخلاف دعوائے نبوت کے کہ وہ محل اشتباہ ہے) لہٰذا اگر کوئی شخص الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس سے خرق عادت امور کا صدور متصور ہے اور اگر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اس سے معجزہ

ظاہر نہیں ہو سکتا۔

۴۴۰۴ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھے دیکھا اس نے صحیح دیکھا۔ؔ

سلہ اس کا دیکھنا حق اور ثابت ہے یا یہ مطلب کہ اس نے ثابت اور محقق چیز کو دیکھا یعنی الحق صفت ہے مفعول مطلق کی یا مفعول بہ کی ۱۲ ق ن)۔

یاد رہے کہ متعدد سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے برحق دیکھا اور آپ ہی کو دیکھا، آپ کے دربارِ عزت و حقانیت کے گرد جھوٹ اور باطل کا گزر نہیں ہے، شیطان جو خواب اور بیداری میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے پر قادر ہے اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی صورت میں ظاہر ہو اور ازراہ دروغ گوئی دیکھنے والے کے خیال میں ڈالے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ اس طرح جاری ہے۔ علماء نے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم آپ کے ماسوا میں جاری نہیں ہے۔

ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی مخصوص شکل و صورت میں دیکھا، بعض نے توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ جس نے آپ کو کسی بھی صورت میں دیکھا خواہ وہ جوانی کی ہو یا آخری عمر کی، بعض حضرات نے دائرہ تنگ کر دیا اور کہا اس صورت کا دیکھنا مراد ہے جو آخری عمر میں تھی اور جس صورت میں آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے سفید بالوں کی تعداد کا بھی اعتبار کیا۔ دنیا سے تشریف لے جاتے وقت آپ کے سفید بالوں کی تعداد بیس تک نہیں پہنچی تھی۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص امام محمد بن سیرین کے پاس آکر خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ بیان کرتا تو امام اس سے پوچھتے کہ تم نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس صورت میں دیکھا؟ جب وہ آپ کی مخصوص شکل و صورت بیان نہ کرتا تو اسے کہتے جاؤ تم نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی، کہتے ہیں کہ ابن سیرین کے اس اثر کی سند درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے، امام حاکم راوی ہیں کہ عاصم بن کلیب روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بتایا کہ میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

انہوں نے فرمایا: بتاؤ تم نے کس صورت میں زیارت کی؟ میں نے بتایا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صورت میں آپ کی زیارت کی، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔ ابن عباس نے فرمایا: صحیح ہے تم نے بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اس حدیث کی سند بھی عمدہ ہے۔ اگرچہ ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خواب میں مجھے دیکھا تحقیق اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ میں ہر صورت میں دیکھا جاتا ہوں لیکن کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مخصوص حلیہ مبارکہ اور معلوم صفات کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا حقیقۃً آپ ہی کا دیکھنا اور آپ ہی کی ذات کریمہ کا ادراک ہے، ان صفات معلومہ کے بغیر دیکھنا مثال کا دیکھنا ہے۔ دونوں خوابیں برحق ہیں، ان میں سے کوئی خواب بھی شیطانی نہیں ہے اور شیطان کو اس صورت میں آنے کی قدرت نہیں ہے، لیکن پہلی صورت (صفات معلومہ کے ساتھ دیکھنا) حق ہے اور حقیقت ہے۔ اور دوسری صورت حق ہے لیکن تمثیل اور تاویل ہے، پہلی خواب محتاج تعبیر نہیں ہے کیونکہ اس میں تلبیس اور خیالی صورت پیش کرنے کا دخل نہیں ہے، دوسری خواب تعبیر کی محتاج ہے جیسے خواب کی حقیقت کی تحقیق میں بیان کیا گیا، پس فَقَدْ رَآنِیْ یا فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ کا معنی یہ ہوگا کہ جس صورت میں بھی دیکھے حق ہے، اور حق کی طرف سے ہے باطل نہیں اور نہ ہی شیطان کی طرف سے ہے، امام محی الدین نووی نے فرمایا کہ یہ قول بھی ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس نے درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے خواہ آپ کی معروف صفت دیکھی یا اس کے علاوہ صفت دیکھی، صفات کے اختلاف سے ذات مختلف نہیں ہو جاتی، جیسے کہ زمان و مکان کی تبدیلی سے ذات میں تبدیلی نہیں آتی۔ لہذا ہر لباس اور ہر صفت میں وہی ذات ہی دیکھی گئی ہے، صفات، ذات کا پردہ ہیں، بے شک جیسے دیکھا گیا ہے وہ ذات ہی ہے۔

اس جگہ امام غزالی کی تحقیق ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی حقیقت اس کی روح مجرد اور نفس ناطقہ ہے۔ بدن آلہ ہے، اس کا دیکھنا اس حقیقت کے دیکھنے کا ذریعہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھے دیکھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا جسم دیکھا، بلکہ اس نے مثال کو دیکھا، وہ مثال ایک آلہ ہے جو حقیقت کے دیکھنے کا ذریعہ ہے، بیداری میں جسم کا دیکھنا بھی نفس انسانی کے دیکھنے کا ذریعہ ہے۔ آلہ کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی خیالی نفس انسانی مثال خیالی اور مثال شخص سے الگ چیز ہے۔ لہذا دیکھنے والے نے جو شکل و صورت دیکھی ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس کی مثال ہے جو محل نبوت ہے، آپ کی روح یا آپ کی ذات مبارک نہیں ہے۔ یہی صورت اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے کی ہے، وہ ذات کریمہ شکل و صورت سے منزہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کو محسوس اور نورانی امثال یا حسین صورتوں کے ذریعے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں اس حقیقت معنوی کے جمال کا آئینہ بننے کی صلاحیت ہو، جونہ تو صورت رکھتی ہے اور نہ شکل اور رنگ، یہ مثال معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اور دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، یہ مطلب نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو دیکھا کیونکہ اس کی ذات اس امر سے بلند ہے کہ کوئی اسے خواب یا بیداری میں دیکھے،
اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہے، آپ کی ذات پاک نورانی روح اور شکل وصورت سے منزہ ہے، لیکن ظاہری حیات مبارکہ میں آپ کا بدن تھا جس سے روح مقدس متعلق تھی، وہ بدن روح کے ادراک کے لیے واسطہ ہوتا تھا، جب وہ بدن مقدس روضۂ مبارکہ کے سپرد کر دیا گیا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا تو خواب میں ابدان آپ کی روح مبارک کے لیے واسطہ اور محض آلات بنتے ہیں، پس نہ تو روح دیکھی جاتی ہے اور نہ ہی وہ معین بدن شریف دیکھا جاتا ہے جو مدینہ منورہ میں روضہ اقدس میں مستور اور جلوہ فرما ہے، کیونکہ ایک مکان میں موجود ایک شخص کا ایک زمانے میں متعدد اور مختلف صفات سے متصف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، ہاں مثالی اجسام ہوں تو ایسا ہو سکتا ہے لہٰذا خوابوں میں روح مقدسہ کی مثالوں کا دکھائی دینا حق ہے، اس میں بطلان کا کوئی دخل نہیں ہے یہ خلاصہ ہے امام غزالی کے کلام کا۔

اس تحقیق کے مطابق حقیقت حال ایک ہے اور جائے اختلاف باقی نہیں رہی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت دیکھی گئی ہے، لیکن مثال کے واسطے سے، باوجودیکہ ذات پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھی گئی ہے اور وہ ایک ذات ہے لیکن مثالوں کا اختلاف اس لیے ہے کہ دیکھنے والوں کے دلوں کے آئینوں کے حالات کا بھی دخل ہے، اسی بنا پر دکھائی دینے والی صورتوں اور شکلوں میں حسن و جمال کے اعتبار سے فرق اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

جیسے کہ مختلف آئینوں میں صورتیں بھی مختلف دکھائی دیتی ہیں، لہٰذا جس نے آپ کو اچھی صورت میں دیکھا اس کا دین بھی اچھا ہے، اور جس نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا اس کے دین و ایمان میں نقصان پایا جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص نے بڑھاپے کی عمر میں دیکھا اور ایک نے جوان دیکھا، ایک نے آپ کو راضی دیکھا اور ایک نے ناراض، ایک نے روتے ہوئے دیکھا اور ایک نے ہنستے ہوئے، ایک نے خوش دیکھا اور ایک نے ناخوش، یہ سب دیکھنے والے کے احوال کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنا دیکھنے والے کے باطن کے احوال کی شناخت کا معیار ہے، سالکوں کے لیے یہ مفید ضابطہ ہے جس کے ذریعے وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کے باطن کے احوال کہاں تک پہنچے ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے تاکہ ان کا علاج کریں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ شفاف آئینہ ہیں جس میں تمام لوگ اپنے حال کی صورت دیکھتے ہیں۔

اس بیان سے بعض عرفاء کے اس قول کا مطلب معلوم ہو جاتا ہے کہ میں نے ستر مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، مجھے یقین ہو گیا کہ ہر دفعہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے، اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت محض ایک خیال ہے، اور ہر شخص اپنا خیال دیکھتا ہے بلکہ جسے دیکھا گیا ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی حقیقت ہی ہے لیکن وہ حقیقت دیکھنے والے کے احوال کی پہچان کا معیار ہے اور اس میں دیکھنے والے کا بھی دخل ہے۔ اسی ضابطے کے مطابق بعض ارباب تمکین نے کہا ہے کہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو ارشاد سنا جائے اسے سنت ثابتہ پر پیش کرنا چاہیے اگر موافق ہے تو حق ہے اور اگر مخالف ہے تو یہ سننے والے کی سماعت کے خلل کا نتیجہ ہے، پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت اور جو کچھ آپ نے دیکھا یا سنا گیا ہے حق اور حقیقت ہے؛ اختلاف اور فرق دیکھنے والے کے اعتبار سے ہے۔

میں نے جلیل القدر شیخ علامہ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مغرب کے ایک درویش نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے اشکال کو زائل کرنے کے لیے اس وقت کے مشائخ سے استفتاء کیا کہ حقیقت حال کیا ہے؟ ہر بزرگ نے اس کا ایک محمل و تاویل بیان کی، مدینہ منورہ میں اس دور کے مشہور مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے ان کا نام شیخ محمد بن عراقی تھا، صاحب استقامت اور شریعت کے بڑے پیروکار تھے۔ جب ان کے سامنے استفتاء پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا: بات وہ نہیں ہے جو اس نے سنی ہے، اس شخص کی سماعت میں خلل تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شراب نہ پیو؛ اس نے نہ پیو کی جگہ پیو سنا۔

رہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بیداری میں زیارت کرنا تو بعض محدثین نے کہا کہ یہ کسی صحابی یا تابعی سے منقول نہیں ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق میں چھ مہینے تک سخت غمگین رہیں۔ یہاں تک کہ جان جان آفرین کے سپرد کر دی، وہ روضۂ مبارکہ کے قریب ہی رہتی تھیں، کسی نے نقل نہیں کیا کہ اس مدت میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، ہاں اس سلسلے میں بعض اولیاء کرام کے واقعات مروی ہیں اور درجۂ صحت کو پہنچے ہوئے ہیں، مشائخ کرام کے اس قسم کے واقعات بہت ہیں اور حد تواتر کے قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ اس حال کا منکر، اولیاء کرام کی کرامات کو مانتا ہے یا نہیں، اگر نہیں مانتا تو وہ اس لائق ہی نہیں کہ اس کے ساتھ بحث کی جائے کیونکہ وہ ایسی چیز کا منکر ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے، اور اگر مانتا ہے تو یہ زیارت بھی از قبیل کرامات ہے تو انکار کیوں ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی اپنی تصنیف المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں کہ ارباب قلوب بیداری میں فرشتوں اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں اور سان کے کلمات سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں، مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالے میں لکھا کہ شیخ ابو العباس قسطلانی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا: احمد! اللہ تعالیٰ تمہارا ہاتھ پکڑے، شیخ ابو المسعود کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا کرتے تھے، قطب الوقت ابو الحسن شاذلی کے بارے میں بیان کیا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: علی! اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے پاک کرو، سید نور الدین یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قبر شریف کے اندر سے جواب سنا: تم پر سلام ہو میرے بیٹے! شیخ ابو العباس مرسی سے روایت ہے کہ اگر ایک لمحے کے لیے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کا جمال مجھ سے پوشیدہ ہو جائے تو اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں۔ کہتے ہیں کہ در حقیقت وہ بھی ایک مثال اور صورت ہے اگرچہ بیداری میں ہے لیکن وہ غائب نہیں ہوتی، لیکن اس زیارت سے دیکھنے والا صحابی نہیں بنتا اور احکام شرعیہ کے ثبوت کے لیے دوسرے شخص کے نزدیک یہ زیارت حجت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صاحب بہجۃ الاسرار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں جس میں صرف دو واسطے ہیں کہ ایک دن غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرسی پر بیٹھے ہوئے وعظ کہہ رہے تھے، تقریباً دس ہزار افراد مجلس وعظ میں حاضر تھے، شیخ علی بن ہیتی، حضرت شیخ کی کرسی کے پائے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، شیخ علی بن ہیتی کو نیند آگئی، حضرت شیخ عبد القادر نے حاضرین کو خاموشی کا حکم دیا، سب لوگ خاموش ہو گئے، حالت یہ تھی سانس لینے کی آوازوں کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا، حضرت شیخ عبد القادر کرسی سے نیچے اترے اور شیخ علی ہیتی کے سامنے باادب کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے، شیخ علی بیدار ہوئے تو حضرت شیخ نے کہا تمہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا: اسی لیے میں تمہارے سامنے باادب کھڑا تھا، تمہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا نصیحت کی؟ کہنے لگے کہ آپ کی مجلس میں باقاعدہ حاضری دیا کروں، شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا حضرت شیخ عبد القادر نے بیداری میں دیکھا روایت کرتے ہیں کہ اس دن مردان خدا میں سے سات افراد اس دنیا سے چلے گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

۴۴۰۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطٰنُ بِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا، جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا اور شیطان ہماری صورت میں نہیں آسکتا۔[1] (صحیحین)

[1] یعنی نہ خواب میں اور نہ بیداری میں۔

اس حدیث کے بھی مختلف مطالب اور تاویلات ہیں۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اس خواب کی تاویل و تصدیق، اس کی صحت کے آثار اور حقانیت کے انوار بیداری میں اس دنیا میں دیکھے گا۔

۲۔ آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا، اس توجیہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آخرت میں تو تمام امت، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال کا دیدار کرے گی، خواب میں زیارت کرنے والوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ زیارت سے مراد زائد خصوصیت ہے ایسے لوگوں کو ترقی درجات و مراتب کی خاص شفاعت اور تقرب حاصل ہوگا جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوگا جنہیں اس دنیا میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا، بعض علماء نے فرمایا: ہوسکتا ہے امت کے بعض گنہگاروں اور غفلت کے قیدیوں کو آخرت میں ایک وقت تک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم کرکے مبتلائے عذاب رکھیں، اس لیے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ہمارے دیدار کی سعادت سے مشرف ہوا وہ اس عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا۔

۳۔ مطلب یہ ہے کہ گویا اس نے بیداری میں ہماری زیارت کی، یعنی جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ اس طرح ہے کہ گویا اس نے بیداری میں زیارت کی ہے اس میں شک و شبہے کے بغیر زیارت کی صحت اور حقانیت بیان کرنا مقصود ہے، فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَةِ (وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا) سے یہ مطلب لینا بہت بعید ہے۔

۴۔ یہ بشارت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ان لوگوں کے لیے ہے جو غائبانہ ایمان لائے اور خواب میں جمالِ اقدس کے دیدار سے مشرف ہوئے، بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے پہلے انہیں شرف صحابیت کا امیدوار بنا دیا اور انہیں خوشخبری دی کہ بیداری میں ہجرت کی توفیق پا کر حقیقی زیارت اور واقعی صحابیت سے مشرف ہوں گے۔

بعض اربابِ معرفت کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جمالِ نبوی کا دیدار کرنے والے خوش بختوں کے لیے بشارت ہے

کہ جسمانی کدورتوں کے اٹھ جانے اور جسمانی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس مقام کو پہنچ جائیں گے کہ بکمال بیداری کشف اور مشاہدے میں اس سعادت کو حاصل کریں گے، جیسے کہ خاص اولیا اللہ کو یہ فیروز بختی حاصل ہوتی ہے۔
اگر بعض سچے مومنوں اور مخلص محبین کو بھی اس باب داخل قرار دیا جائے جو آخری دم تک اس سعادت کے امیدوار رہتے ہیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ اس مطلب کے مطابق یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے مطلب میں غور و فکر کرتے رہے اور بیداری میں اس نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے کے امیدوار رہے، پھر ایک ام المومنین، غالباً اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے انہیں دیکھنے کے لیے آئینہ لا کر دیا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چہرہ دیکھا کرتے تھے، ابن عباس نے آئینے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ دیکھی۔ انہیں اپنی صورت دکھائی نہ دی۔

شیخ ابن ابی حمزہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا کہ بیداری میں اس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت مراد ہے اگر ممکن ہو، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ اس حدیث کا بعید ترین محمل ہے، اور معاملہ اسی طرح ہے۔

۴۴۰۶ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ مَا یُحِبُّ فَلَا یُحَدِّثْ بِہٖ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ وَاِذَا رَاٰی مَا یَکْرَہُ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ وَمِنْ شَرِّ وَلْیَتْفُلْ ثَلٰثًا وَّلَا یُحَدِّثْ بِھَا اَحَدًا فَاِنَّھَا لَنْ تَضُرَّہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی خوابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بری خوابیں شیطان کی طرف سے ہیں، جب تم میں سے ایک شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو کسی ایسے شخص ہی کو بیان کرے جسے دوست رکھتا ہو، اور جب ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس کے اور شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ بائیں جانب تین بار تھوکے اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے تو وہ بری خواب اسے نقصان نہ دے گی
(صحیحین)

۵۱ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کی علامت ہیں۔
۵۲ بری اور جھوٹی خوابوں کو اضغاث احلام کہتے ہیں وہ شیطان کی خواہش اور رضا کے مطابق واقع ہوتی ہیں اگرچہ دونوں خوابوں کا پیدا کرنا اور اظہار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق ہی سے ہے، حاصل یہ ہے کہ اچھی خوابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے اشارہ ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے، کثرت سے شکر ادا کرے اور مزید شوق و طلب حاصل کرے نا پسندیدہ اور جھوٹی خوابیں شیطان دکھاتا ہے تاکہ مسلمان کو غمگین بدگمان اور راہ حق میں چلنے سے سست کرے، اس کے بعد اس خواب کے نقصان کے دفعیہ کا علاج اور شر شیطان سے محفوظ رہنے کا طریقہ بیان فرمایا۔
۵۳ اس کی وجہ دوسری فصل کی پہلی حدیث میں آرہی ہے، اس حدیث میں فَلَا يُحَدِّثْ رفع اور جزم دونوں کے ساتھ مروی ہے۔
۵۴ اور اس خواب سے نقصان اور ضرر کا خطرہ محسوس کرے۔
۵۵ شیطان کے دفع کرنے کے ارادے سے۔

۴۲۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ ثَلٰثًا وَّلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوکے ۱؎ تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور جس پہلو پر لیٹا ہوا ہو اسے بھی بدل لے۔
(مسلم)

۵۱ اس حدیث میں بصاق کا ذکر ہے، بُصَاق نَفَل سے زیادہ ہے، نفل کا معنی ہے تھوک کا منہ سے نکالنا اور بصق کا معنی ہے منہ کے اندرونی حصے سے تھوک کا باہر نکالنا یہاں تک کہ حلق سے بھی کچھ چیز باہر آئے، بصاق وہ چیز جو باہر آئے اسے بزاق اور زاء کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد نفل کا مرتبہ ہے اس کے بعد نفث ہے جس کا معنی ہے ہونٹوں سے پھونک مارنا جس کے ساتھ تھوک کے کچھ چھینٹے بھی ہوں، اس کے بعد نفخ ہے جس کا معنی پھونک مارنا ہے۔ ——— مسلم شریف کی ایک روایت میں فَلْيَنْفُثْ بھی آیا ہے، اس

حدیث میں بائیں جانب کا ذکر ہے، گزشتہ حدیث میں مطلقاً تھو کنے کا ذکر ہے، بائیں جانب گھٹیا، خسیس اور شر کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر شیطان کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اس حدیث میں پہلو بدلنے کے حکم کا بھی اضافہ ہے۔

ف۲ اس خواب کو دیکھنے کے وقت جس پہلو پر لیٹا ہوا تھا اسے بدل لے، حال کی تبدیلی میں اس کا بھی دخل ہے۔

۴۴۰۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ یَکَدْ یَکْذِبُ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ وَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ فَاِنَّهٗ لَا یَکْذِبُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِیْرِیْنَ وَ اَنَا اَقُوْلُ الرُّءْیَا ثَلَاثٌ حَدِیْثُ النَّفْسِ وَ تَخْوِیْفُ الشَّیْطٰنِ وَ بُشْرٰی مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَاٰی شَیْئًا یَکْرَهُهٗ فَلَا یَقُصَّهٗ عَلٰی اَحَدٍ وَّلْیَقُمْ فَلْیُصَلِّ قَالَ وَ کَانَ یَکْرَهُ الْغُلَّ فِی النَّوْمِ وَ یُعْجِبُهُمُ الْقَیْدُ وَ یُقَالُ الْقَیْدُ ثَبَاتٌ فِی الدِّیْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو قریب نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹا ہو[۱]، مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے[۲] اور جو نبوت کا حصہ ہو وہ جھوٹا نہیں ہوتا[۳]، محمد بن سیرین نے کہا میں کہتا ہوں کہ خواب تین قسم کے ہیں[۴]۔ (۱) نفس کے خیالات[۵] (۲) شیطان کا ڈراوا[۶] (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت[۷]۔ جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے وہ کسی کو نہ بتائے[۸] کھڑا ہو کر نماز پڑھے[۹]، راوی کہتے ہیں کہ ابن سیرین (یا ابوہریرہ) خواب میں طوق دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے[۱۰] اور بیڑی کو پسند کرتے تھے[۱۱] کہا جاتا ہے بیڑی دین میں ثابت قدمی کا نشان ہے۔

(صحیحین)

قَالَ الْبُخَارِیُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَ یُوْنُسُ وَ هُشَیْمٌ وَ اَبُوْ

امام بخاری نے فرمایا: اس حدیث کو قتادہ، یونس، ہشیم اور ابو ہلال نے

هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ قَالَ يُوْنُسُ لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ وَ قَالَ مُسْلِمٌ لَا أَدْرِيْ هُوَ فِي الْحَدِيْثِ أَمْ قَالَهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَ أَدْرَجَ فِي الْحَدِيْثِ قَوْلَهُ وَ أَكْرَهُ الْغُلَّ إِلَى تَمَامِ الْكَلَامِ۔

ابن سیرین سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا، یونس کہتے ہیں میرے خیال میں بیڑی سے متعلق حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے [۲] امام مسلم نے فرمایا [۳]: میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث میں ہے یا ابن سیرین نے کہا ایک روایت [۴] میں اس کی مثل ہے اور حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ میں طوق کو ناپسند کرتا ہوں آخر حدیث تک

[۱] اس حدیث کی شرح چند طریقوں سے کی گئی ہے۔

۱۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد آخری زمانہ اور قیامت کا قرب ہے، ایک دوسری حدیث میں صراحۃً آیا ہے کہ زمانے کے آخر میں قریب نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹا ہو، میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ موت کے قریب کا زمانہ مراد ہے۔

۲۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد دن اور رات کا برابر ہونا ہے، کیونکہ اس زمانے میں انسانی مزاج بہت صحیح اور معتدل ہوتا ہے، لہذا خواب زیادہ درست اور خلل سے زیادہ دور ہوگا۔

۳۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن گھنٹے کی طرح گزر جائے گا، کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کے عدل اور خوشحالی کا زمانہ ہے، کیونکہ عیش اور کمال کا زمانہ خواہ کتنا ہی طویل ہو مختصر معلوم ہوتا ہے اور ظلم و مشقت کا زمانہ کتنا ہی مختصر ہو دراز معلوم ہوتا ہے، جیسے کہا گیا ہے کہ وصال کا ایک سال ایک گھڑی ہے اور فراق کی ایک گھڑی ایک سال ہے، امام مہدی کے زمانے میں بھی خواب صحیح دکھائی دیں گے اور درست واقع ہوں گے کیونکہ وہ سچائی اور صداقت کا زمانہ ہوگا، حدیث میں ہے کہ جو شخص جتنا سچا ہوگا اس کا خواب اتنا ہی درست ہوگا۔

۴۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ کنایہ ہے عمر کے مختصر ہونے اور برکت کی قلت سے، یا یہ مراد ہے کہ زمانے والے شر اور فساد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، یا زمانے کے اجزاء شر میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے

یا حکومتوں کے دن جلد گزر جائیں گے اور وہ جلد جلد ختم ہو جائیں گی۔ اس کے بعد مومن کے خواب کی سچائی اور اس کی تعریف بیان کی ہے۔

۵۲ اس کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۳ مخفی نہ رہے کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کے قریب ہونے کے وقت خواب کا سچ ہونا ایمان کی قوت اور اس کے کمال کی بنا پر ہوگا جو خواب کے سچ ہونے کا سبب ہے، لہٰذا بعض شارحین کا زمانے کے قریب ہونے کی یہ توجیہہ کرنا کہ زمانے کے اجزا شر اور فساد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے نقل کیا مناسب نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس وقت خوابوں کا سچا ہونا کسی ایسی خاصیت کی بنا پر ہو جس کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہ ہو۔

چونکہ حدیث پاک سے خواب کا سچ ہونا اور اس کی تعریف معلوم ہو گئی ہے اس لیے اس کے اقسام بیان کرنے کے لیے امام ابن سیرین کا کلام لائے ہیں، نیز اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر خواب صحیح، قابل تعبیر اور لائق اعتبار نہیں ہوتا، وہی خواب معتبر ہوتا ہے جو بشارت ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو آگاہ کرنے کے لیے ہو۔

۵۴ اور جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسے روایت کرتا ہوں۔

۵۵ بعض روایات میں ثلثہ تار کے ساتھ ہے یعنی خواب تین خصلتیں ہیں یا تین قسم ہیں۔

۵۶ مثلاً ایک شخص کسی کام، فن یا کسی بات میں مصروف تھا وہ کام یا بات اس کے ذہن میں اس طرح بیٹھ گئی کہ خواب میں بھی وہی دکھائی دی، قوت متخیلہ اسے ترتیب دے دیتی ہے۔

۵۷ شیطان انسانوں کا دشمن ہے، اسی دشمنی کے تحت وہ انسان کو غم واندوہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے شیطان اپنی حرکتوں کے ذریعے انسان کو پریشان کرتا ہے مشقت میں ڈالتا ہے، احتلام کا باعث ہوتا ہے جس کی بنا پر غسل ضروری ہو جاتا، کبھی نماز کے قضا یا لیٹ ہونے کا سبب بنتا ہے ———— یہ دونوں قسمیں قابل اعتبار ہیں اور نہ ہی لائق تعبیر۔

۵۸ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو آگاہ کرنے کے لیے ہے تاکہ بندہ اس کے ذریعے خوش ہو جائے طلب حق میں مستعد ہو جائے، حسن ظن اور ا... پیدا ہو جائے۔

۵۹ کیونکہ جب اس کا اعتبار نہیں اور تعبیر بھی نہیں تو اسے بیان کرنا عبث اور لایعنی ہے، نیز جب کہنے والا اور سننے والا اس کی بری تعبیر سوچے گا اور بیان کرے گا تو توہمات اور وسوسے پیدا ہوں گے۔ اور بری فال لی جائے گی کسی واقعے کے پیش آنے میں تعبیر کا بھی دخل ہے جیسے کہ اس کے بعد آئے گا۔

۶۰ تاکہ نماز کی برکت اور نورانیت کے طفیل، پیدا ہونے والا شر اور نقصان کا وہم اور پیدا شدہ وحشت

اور کدورت دور ہو جائے۔

۵۱۱ شارحین نے قال کی ضمیر کے بارے میں چند احتمال بیان کیے ہیں۔

۱۔ یہ ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہے، جیسے کہ سابقہ عبارت قال محمد بن سیرین سے بھی معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں کان یکرہ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگی، معنی یہ ہوگا: ابن سیرین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طوق کو ناپسند رکھتے ہوئے، غل نقطے والی غین پر پیش، طوق، یعنی کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کے گلے میں طوق ڈالا ہوا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خواب کو ناپسند رکھتے تھے، کیونکہ یہ دوزخیوں کی صفت ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے

(جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے)۔

۲۔ قال کی ضمیر ابن سیرین کی طرف اور کان یکرہ کی ضمیر حضرت ابوہریرہ کی طرف راجع ہو جن سے ابن سیرین روایت کر رہے ہیں اور ان کے مشہور راویوں میں سے ہیں، یعنی ابن سیرین نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ خواب میں طوق کے دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے، لازمی بات ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوگی یا اپنے اجتہاد سے بیان کی ہوگی۔

۳۔ قال کی ضمیر ابن سیرین کے راوی کی طرف راجع ہو اور کان یکرہ کی ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے کہا کہ ابن سیرین طوق کے دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے یہ احتمال اس اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تعبیر کی نسبت ابن سیرین کی طرف کی گئی ہے اور وہ خوابوں کی تاویل اور تعبیر میں مشہور ہیں۔

۵۱۲ امام بخاری کی روایت میں صیغہ جمع کے ساتھ وَیُعْجِبُهُمْ مروی ہے، (سابقہ تین احتمالات میں سے) پہلے احتمال کے مطابق جمع کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف راجع ہوگی، دوسرے احتمال کے مطابق حضرت ابوہریرہ اور ان کے متبعین کی طرف اور تیسرے احتمال کے مطابق ابن سیرین اور ان کے ہم عصر ماہرین تعبیر کی طرف راجع ہوگی، یعنی اگر کوئی شخص خواب میں اپنے پاؤں میں بیڑی دیکھے تو اسے پسند کرتے تھے کہ یہ جرائم اور گناہوں سے باز رہنے اور اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی علامت ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا کہ ماہرین تعبیر کہتے ہیں کہ بیڑی دین میں ثابت قدمی ہے، یہ تعبیر دین داروں اور اطاعت گزاروں کی نسبت سے ہے، کہتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار، قیدی، مسافر یا غمزدہ دیکھے کہ میرے پاؤں میں بیڑی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اسی حال اور اسی کام میں برقرار رہے گا جس میں وہ ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، اسی طرح دیکھنے کے اعتبار سے تعبیر مختلف ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی تاجر خواب میں دیکھے کہ وہ مال و متاع جمع کر کے کشتی میں بیٹھا ہوا ہے اور ہوا اس کے موافق چل رہی ہے تو

یہ تجارت میں فائدے اور سلامتی کی علامت ہے، اور اگر یہی خواب طریقت کا کوئی سالک دیکھے تو یہ اتباع شریعت اور مقام حقیقت تک پہنچنے کی علامت ہے۔

۵۱۲ حضرت قتادہ، بصرہ کے تابعین کے تیسرے درجے سے تعلق رکھتے ہیں اور مشہور ہیں، یونس بن عبید بصری اور عبدالقیس کے مولیٰ ہیں، حضرت حسن بصری اور ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں، ان سے سفیان ثوری اور شعبہ روایت کرتے ہیں، یونس نام کے کئی ساتھی ہیں، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ وہ یونس مراد ہے جو ابن سیرین سے روایت کرنے میں مشہور ہیں۔ ہشیم بار پر ہیش بن بشیر سلمی واسطی ہیں، بغداد کے حافظ، ثقہ امام اور مدلس ہیں، واسطی اور بقول بعض بخاری الاصل ہیں، ابن مہدی نے کہا کہ وہ شعبہ اور سفیان سے روایت کرنے والے حدیث کے بڑے حافظ تھے۔ ابو ہلال بھی تابعی ہیں اور ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں، یہ سب حضرات: حضرت ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔

۵۱۳ حدیث کا وہ حصہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہیں بیڑی پسند تھی اور بیڑی دین میں ثابت قدمی ہے وہ حصہ نہیں جس میں طوق سے ناپسندیدگی ظاہر کی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ بیڑی سے متعلق حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نہ کہ حضرت ابو ہریرہ یا ابن سیرین کا، حاصل مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث کو ابن سیرین نے حضرت ابو ہریرہ اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا، اسی طرح اس حدیث کے بارے میں امام بخاری نے بیان کیا

۵۱۵ امام مسلم نے ابن سیرین کے شاگرد کا یہ قول نقل کیا کہ بیڑی سے متعلق یہ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے یا ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔

۵۱۶ یہ روایت بھی امام مسلم کی ہے، اور یہ اضافہ بھی انہوں نے روایت کیا ہے کہ ابن سیرین یا حضرت ابو ہریرہ نے اپنے اس قول کا اضافہ کیا، مطلب یہ ہے کہ بیڑی اور طوق کے بارے میں تمام گفتگو ابن سیرین کی ہے یا حضرت ابو ہریرہ کی، محدثین کی اصطلاح میں ادراج کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے درمیان راوی اپنا کلام ذکر کر دیتا ہے، امام بخاری اور مسلم کے اقوال کے بیان سے قَالَ اور کَانَ یَکْرَہُ کی ضمیر کی حقیقت حال بھی ظاہر ہو گئی، کہ کَانَ یَکْرَہُ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت ابو ہریرہ یا ابن سیرین کی طرف اور قال کی ضمیر ان کے شاگرد راوی کی طرف راجع ہے ۱۲ ق ن)۔

۴۶۰۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ

كَأَنَّ رَأْسِي قُطِعَ قَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِأَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهِ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ لِلنَّاسِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: جب شیطان خواب میں تم میں سے کسی ایک سے کھیلے تو چاہیے کہ کسی کو نہ بتائے [1]۔ (مسلم)

[1] یعنی تمہارا یہ خواب کچھ نہیں ہے بلکہ لایعنی قسم کا ہے، یہ ان خوابوں میں سے ہے جن میں شیطان آدمی سے کھیلتا ہے تاکہ وہ پریشان ہو جائے، ایسے خواب چھپانے چاہئیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کیے جائیں علامہ طیبی کہتے ہیں کہ غالب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحی یا قرائن سے جان لیا کہ یہ لایعنی خواب ہے اور شیطان کا کھیل ہے: اگرچہ ماہرین تعبیر کے نزدیک اس کی کئی تعبیریں ہیں، مثلاً نعمت کا زائل ہونا، قوم کا جدا ہونا اور حال کی تبدیلی جیسے کہ معبرین نے بیان کیا ہے۔

۴۴۱۰ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنَّا فِي دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَأُتِينَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَأَوَّلْتُ أَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ دِينَنَا قَدْ طَابَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک رات ہم نے خواب میں دیکھا جیسے ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں [1] ہمارے پاس رطب ابن طاب [2] نامی تر کھجوریں لائی گئیں، ہم نے اس کی تعبیر نکالی کہ دنیا میں ہمارے لیے بلندی آخرت میں اچھی عاقبت ہے [3] اور ہمارا دین پسندیدہ اور میٹھا ہے۔ (مسلم)

[1] ہم اور ہمارے صحابہ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں، جو قریشی صحابی اور حضرت عمرو بن عاص کے خالہ زاد بھائی تھے، مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے، حضرت عمرو بن عاص نے انہیں مغرب کے علاقے میں بھیج دیا تھا سنہ ۶۳ھ

میں افریقہ میں شہید ہوئے۔

۵۲؎ ابن طاب ، مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف ان کھجوروں کی نسبت کی گئی ہے وجہ یہ تھی کہ اس نے ان کھجوروں کے پودے لگائے تھے، یا انہیں پسند کیا اور کھایا تھا، ان کھجوروں کو رطب ابن طاب اور عذق ابن طاب بھی کہتے ہیں، عین کے نیچے زبر اور ذال ساکن، عذق کا معنی ہے کھجور کا گچھا، انہیں تمر ابن طاب بھی کہتے ہیں۔

۵۳؎ رافع کے لفظ سے رفعت اور عقبہ سے عاقبت لی۔

۵۴؎ دلوں میں گھر کر چکا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں تلخی نہیں رہی، علامہ طیبی نے کہا کہ اس دین کے احکام مقرر ہو چکے ہیں اور اس کے قواعد تیار ہو چکے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے قَدْ اَرْطَبَ وَ طَابَ یہ لفظ رطب ابن طاب سے لیا۔

یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ناموں سے نیک فال اور تاویل کے طور پر معانی اخذ کرتے تھے، یہ بات خواب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بیداری میں بھی ناموں سے اچھی فال لیتے تھے، جیسے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر میں بریدہ اسلمی کو سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ راستے میں دیکھا، قریش نے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کے لیے مقرر کیا تھا اور سو اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا بریدہ، آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، قَدْ بَرَدَ اَمْرُنَا تحقیق ہمارے کام میں خوشی اور ٹھنڈک پیدا ہو گئی ہے، پھر پوچھا تمہارا نسب کیا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اسلمی ہوں، فرمایا: حَصَلَ السَّلَامَةُ لَنَا ہمارے لیے سلامتی حاصل ہو گئی ہے، پھر پوچھا: قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟ عرض کیا بنی سہم سے فرمایا: قَدْ اَصَبْتَ سَهْمَكَ تم نے اپنا حصہ پا لیا، حضرت بریدہ اسلام لے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۴۴۱۱ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُهَاجِرُ مِنْ مَّكَّةَ اِلٰی اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِیْ اِلٰی اَنَّهَا الْيَمَامَةُ اَوْ هَجَرُ	حضرت ابو موسیٰ ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نے خواب میں دیکھا کہ ہم مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہے ہیں ۲؎، ہمارا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ ۳؎ یا ہجر ہے، پس

فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ وَ رَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هٰذِهٖ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ أُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ أُخْرٰى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَ اِجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ تو مدینہ منورہ تھا جس کا پرانا نام یثرب ہے۔ ہم نے اپنے اسی خواب میں دیکھا کہ ہم نے تلوار کو حرکت دی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، یہ وہ تکلیف تھی جو اہل ایمان کو احد کے دن پہنچی، پھر ہم نے دوبارہ تلوار کو حرکت دی تو وہ بہترین حالت کی طرف لوٹ گئی، یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فتح تھی اور اہل ایمان کا اجتماع تھا۔

(صحیحین)

سلے حضرت ابوموسیٰ اشعری اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

سلے یہ ابتدائی دنوں کی بات ہے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مقام ہجرت کی تعیین کی گئی، اس وقت آپ نے ایسی جگہ دیکھی جس کے بارے میں اشتباہ اور احتمال تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے، اس کے بعد مدینہ منورہ متعین ہو گیا جسے دور جاہلیت میں یثرب اور قریۃ قبات النخیل (کھجوروں والا گاؤں) کہتے تھے، مدینہ منورہ کے علاوہ حجاز میں کئی جگہیں تھیں جہاں کھجوروں کے درخت تھے، اس لیے فرمایا کہ ابتداءً ایک ایسی جگہ دکھائی گئی جہاں کھجوریں کثرت سے ہیں اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ اس کی طرف ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔

سلے یمامہ یا پر زبر، میم مخفف، ایک شہر کا نام جہاں حجاز کے تمام شہروں کی نسبت کھجوریں زیادہ ہوتی ہیں، یہ شہر مدینہ منورہ سے نچلی جانب، مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف بصرہ اور کوفہ سے اٹھارہ مرحلے کے فاصلے پر واقع ہے، اس جگہ کے رہنے والے کو یمامی کہتے ہیں، مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی جگہ رہتا تھا، یمامہ دراصل ایک نیل گوں آنکھوں والی لڑکی کا نام تھا، اس کی نظر اتنی تیز تھی کہ تین دن کی مسافت پر آنے والے سوار کو دیکھ لیتی تھی، یہ تمام شہر اسی کی طرف منسوب ہیں: اور اسی کے نام سے موسوم ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دار ہجرت کی نشانی کثیر کھجوریں دیکھ کر تعبیر یہ نکالی کہ وہ یمامہ ہے

سلے ایک دوسرا شہر جس کا نام ہجر ہے، ہا اور جیم دونوں پر زبر، یہ اس شہر کا نام ہے جو نمر سے ایک دن اور رات کے فاصلے پر واقع ہے، یہ بحرین کے تمام علاقے کا نام ہے حدیث قُلَّتَیْن میں جو من قلال ہجر واقع ہے تو یہاں ہجر مراد ہے، مراح یہی ہے، ہجر ایک شہر کا نام ہے جس کی طرف کھجوروں کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ بھی شبہ ہوا کہ

شاید جائے ہجرت یہی ہو۔

۵۵ جب علامات واضح ہوگئیں تو اشتباہ اور اشتراک زائل ہوگیا اور واضح ہوگیا کہ وہ جگہ جس طرف آپ نے (خواب میں) ہجرت کی وہ مدینہ منورہ ہے، جس کا پرانا نام یثرب بروزن مسجد ہے، کہتے ہیں کہ یثرب، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ہے، جب ان کی اولاد بکھری تو وہ اس جگہ پر آکر مقیم ہوگئے۔

بعض علماء روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کو یثرب نہیں کہنا چاہیے، امام بخاری اپنی تاریخ میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ایک بار یثرب کہے اسے چاہیے کہ تلافی کے طور پر دس بار مدینہ کہے، امام احمد اور ابو یعلی روایت کرتے ہیں کہ جو شخص مدینہ منورہ کو یثرب کہے اسے استغفار کرنا چاہیے اس کا نام طابہ ہے طابہ، اس سلسلے میں دوسری روایات بھی آئی ہیں، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یثرب مشتق ہے ثرب سے جس کا معنی فساد ہے، یا تثریب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مواخذہ اور عقاب ہے، یا یہ وجہ ہے کہ اصل میں یہ ایک کافر کا نام تھا، لہٰذا اس مقدس جگہ کا نام نہ رکھنا چاہیے جو کفر کی میل کچیل سے پاک ہے، قرآن پاک میں جو واقع ہے یَا اَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ تو یہ منافقوں کی زبان سے واقع ہوا ہے، بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کا نام یثرب واقع ہوا ہے، محدثین کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سے پہلے کی بات ہے، اس حدیث میں بھی یہی بات ہوسکتی ہے، یا اس لیے کہ یہ ہجرت کے وقت کی بات ہے اور ابھی اس کا یہی نام تھا اس لیے اسی کا ذکر کر دیا گیا، بعض محدثین نے کہا کہ یثرب کا استعمال بیان جواز کے لیے ہے اور نہی تنزیہی ہے۔

اس شہر مبارک کے بہت سے نام ہیں، جذب القلوب الی دیار المحبوب اس بلدہ طیبہ کے احوال کے موضوع پر حضرت شیخ محقق کی تصنیف لطیف ۱۲ (ق ن) ہے، اس میں ہم نے کچھ نام ذکر کیے ہیں، لغت میں مدینہ گھروں کے اس مجموعے کو کہتے ہیں۔ جو عمارات کی کثرت کے اعتبار سے گاؤں سے بڑا ہو اور مصر (شہر) کے مقام کو نہ پہنچا ہو، سب سے کم تر قریہ (گاؤں) ہے اور سب سے بڑا مصر ہے، مدینہ اور بلد دونوں کے درمیان ہے۔ بعض علماء نے مصر اور مدینہ کو ایک درجے میں رکھا ہے، اب المدینۃ الف لام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ کا نام بن چکا ہے، اگر مطلق مدینہ کا ذکر کریں تو یہی مقدس شہر مراد لیا جاتا ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدنی کہتے ہیں، کسی دوسرے مدینہ کی طرف نسبت ہو تو مدینی کہتے ہیں، قرآن مجید میں یہ نام چند جگہ واقع ہے، تورات میں بھی اس کا ذکر ہے اسے شرف بخشنے والی ہستی پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

۵۶ تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر یہ تھی کہ اہل ایمان کو جنگ احد کے دن غم واندوہ لاحق ہوا اور تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

۵ تلوار کے درست ہونے کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن فتح عطا فرمائی اور مسلمان پھر سے مجتمع ہو گئے وہ ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مرکز کو چھوڑ بیٹھے اور مال غنیمت کے پیچھے پڑنے لگے، اس لیے ان میں افراتفری پھیل گئی اور ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احد کے بعد حاصل ہونے والی فتوحات مراد ہوں، پہلا مطلب زیادہ واضح ہے ـــــــ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلوار کی تعبیر مومنوں سے بیان کی، تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر مسلمانوں کی وقتی شکست اور تلوار کے دوبارہ درست ہونے کی تعبیر مسلمانوں کے مجتمع ہونے سے نکالی، کیونکہ انسان کے مددگار اس کی تلوار کی طرح ہیں، انسان تلوار کے ذریعے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے اور ان پر غالب آتا ہے، یہ تعبیر وہ تھی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل اقدس میں القا کی گئی اگرچہ تلوار کی دوسری تعبیریں بھی ہیں، مثلاً اولاد، بھائی، بیوی، زبان اور اقتدار وغیرہ جیسے علامہ طیبی نے بیان کیں یہ تعبیریں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعبیر کے منافی نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ خواب اگر غزوہ احد سے کچھ پہلے ہے تو ہجرت کے سابقہ احوال اب پھر دکھائے گئے ہیں۔ اور اگر یہ خواب ہجرت کی ابتدا میں تھا تو بعد میں آنے والے حالات دکھائے گئے، غزوہ احد کے حال کے ساتھ تعبیر کیوں خاص کی گئی؟ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کے بتانے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔

۴۴۱۲/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِيْ كَفِّيْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ فَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ يُقَالُ اَحَدُهُمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم سو رہے تھے کہ ہمارے پاس زمین کے خزانے لائے گئے[۱]، اور سونے کے دو کنگن ہمارے ہاتھ میں رکھ دیئے گئے[۲]، جو ہمیں گراں گزرے[۳]، ہمیں وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مارو[۴]، ہم نے انہیں پھونک ماری تو وہ دونوں جاتے رہے[۵]، ہم نے ان کی تعبیر[۶] ان دو جھوٹوں سے کی[۷] جن کے درمیان ہم موجود ہیں[۸] ایک صنعاء کا ہے[۹] اور دوسرا یمامہ کا[۱۰] (صحیحین) ایک روایت میں ہے کہا جاتا ہے کہ

مُسَيْلِمَةُ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنَسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَذَكَرَ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ.

ان میں سے ایک مسیلمہ ہے یمامہ کا رہنے والا اور دوسرا عنسی ہے صنعاء کا۔ مجھے یہ روایت صحیحین میں نہیں ملی، لیکن صاحب جامع الاصول نے امام ترمذی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

۵۱ زمین کے خزانے، مملوکہ اشیاء اور اموال ہمارے پاس لائے گئے، یعنی یہ سب تمہارے ہیں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے دین اور ملت کا تمام دنیا میں پھیلاؤ ہوگا۔

۵۲ کئی محدثین نے اسے صیغہ مفرد کے ساتھ پڑھا ہے، کاف پر زبر، فاء کے نیچے زیر، اور یاء ساکن علامہ طیبی نے کہا۔

ظاہر یہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ہو فاء پر زبر اور یاء شدد، جیسے کہ دوسری روایت میں آیا ہے فی یدی امام نووی نے تصریح کی ہے کہ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفی بھی تثنیہ کا صیغہ ہو غالباً سونے کے دو کنگن دکھانا دنیا کی زیب و زینت اور اس کی نمائش میں انہماک کے اعتبار سے تھا اور ناپسندیدگی کی شدت اس اعتبار سے تھی کہ ان کی تعبیر دو کذابوں سے کی گئی۔

۵۳ کیونکہ مرد کے لیے سونا پہننا مکروہ ہے۔

۵۴ تاکہ یہ غائب ہو جائیں۔

۵۵ معدوم ہو گئے اور اڑ گئے، اس میں ان دو کذابوں کے حقیر ہونے کی طرف اشارہ تھا اور یہ کہ ان کے قدم نہیں جمیں گے، جیسے کہ کسی ہلکی پھلکی چیز کو پھونک ماری جائے تو وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے اور زائل ہو جاتی رہتی ہے۔

۵۶ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دو کنگن جو ہمارے ہاتھوں میں دیے گئے ان کا موجود ہونا ہم پر گراں گزرا اور ہمیں وحی کی گئی کہ ہم انہیں پھونک ماریں، ہم نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، اس کی تعبیر ہم نے دو کذابوں سے کی۔

۵۷ جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

۵۸ اور مسند رسالت پر فائز ہیں۔

۵۹ صنعاء یمن کا ایک شہر ہے، وہاں کا مدعی نبوت اسود عنسی تھا عین پر زبر، نون ساکن اور سین کے نیچے زیر اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے آخری زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت فیروز دیلمی نے

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض وصال کے دنوں میں اس جھوٹے کو قتل کیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس واقع کی اطلاع دی اور فرمایا، فَازَ فَیْرُوْزُ (فیروز کامیاب ہوا)

نوٹ ۵ یمامہ خطہ حجاز کے چند شہروں کا نام ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، اس جگہ کے مدعی نبوت کا نام مسلمہ تھا لعنۃ اللہ تعالٰی علیہ میم بر زبر، سین ساکن، لام پر زبر بن ثمامہ بن نقطوں والی ثار پر پیش مسلمانوں نے اس کا نام صیغہ تصغیر کے ساتھ مسیلمہ رکھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور خلافت میں وحشی بن حرب کے ہاتھوں قتل ہوا، اس کا واقعہ مشہور ہے۔ دو کنگنوں کی تعبیر دو کذابوں سے نکالی گئی ہے، اصل علم تو اللہ تعالٰی کو ہے، تعبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کنگن ہتھکڑی کے مشابہ ہیں جیسے کہ بیڑی پاؤں میں ہوتی ہے، ہتھکڑی کے ہوتے ہوئے جیسے چاہیے اس طرح ہاتھ پکڑنے، کام کرنے اور تصرف پر قادر نہیں ہوتا وہ دو کذاب جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاملے کے مخالف تھے اس رکاوٹ کے مشابہ ہوں گے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی وہ کذاب آپ کے عمل اور تصرف کو رد کرنے والے ہوں گے، گویا کہ وہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور آپ کو کام نہیں کرنے دیتے، اس مناسبت کی وجہ سے آپ نے سونے کے دو کنگن جو دیکھے تو ان کی تعبیر دو کذابوں سے بیان کی، اسی طرح شارحین نے کہا ہے، ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ تعبیر اور تاویل اس وحی اور الہام کی بنا پر کی جو آپ کے دل میں القا ہوا، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے اشارہ کیا، محض مذکورہ مناسبت کی بنا پر یہ تعبیر نہیں کی، درحقیقت خواب کی تعبیر و تاویل اہل کشف کے لیے ہے جو آنے والے واقعے کو جان لیتے ہیں محض مناسبت اور مشابہت کی بنا پر نہیں ہوتی جیسے کہ ماہرین تعبیر ظاہر کرتے ہیں اور یہ امر مخفی نہیں ہے۔

نوٹ ۱۱ اسی طرح مصابیح میں ہے

نوٹ ۱۲ صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت صحیحین میں نہیں ملی، حالانکہ پہلی فصل میں ان ہی کی روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۴۴۱۳/۱۴ وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَاَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يُجْرٰى

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے خواب میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بہتا ہوا چشمہ دیکھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: وہ چشمہ ان کے عمل کی صورت ہے جو ان کے لیے جاری کیا جاتا ہے

لَهُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

سلہ حضرت عثمان بن مظعون ارباب فضیلت مہاجرین صحابہ میں سے تھے، سب سے پہلے مہاجر تھے جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور جنت البقیع میں دفن کیا، اور بنفس نفیس بھاری پتھر لاکر ان کی قبر پر رکھا، ان کے بہت سے فضائل ہیں۔

سلہ یعنی ان کا ثواب ان کے بعد دائم و باقی ہے، یجری صیغہ معلوم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

حکایت :-

میں نے یگانہ روزگار، جلیل القدر شیخ عبدالوہاب متقی سے سنا کہ میں نے اپنے شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس چھوٹے بڑے کئی حوض، اور چھوٹی بڑی نہریں جاری ہیں، شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ان حوضوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ وہ جامع صغیر ہے یہ جامع کبیر ہے، یہ ہماری فلاں کتاب ہے اور یہ فلاں رسالہ ہے، اسی طرح اپنی کتابوں، رسائل اور تصنیفات کا نام لیتے جاتے تھے جو انہوں نے علوم دینیہ میں لکھی تھیں۔

۴۴۱۴/۱۴ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ مَنْ رَاٰى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا قَالَ فَإِنْ رَاٰى أَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ هَلْ رَاٰى مِنْكُمْ أَحَدٌ رُؤْيَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ فَأَخَذَا بِيَدِيْ فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى أَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ فَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَّ رَجُلٌ قَائِمٌ

حضرت سمرہ بن جندب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب نماز پڑھ لیتے[2] تو ہماری طرف رخ انور پھیر لیتے[3]، اور فرماتے: آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کر دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا فرماتے[4]، ایک دن ہم سے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، فرمایا: لیکن میں نے آج رات دیکھا کہ دو شخص ہمارے پاس آئے، انہوں نے ہمارے دونوں ہاتھ پکڑے۔

بِيَدِهٖ كَلُّوْبٌ مِنْ حَدِيْدٍ
يُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهٖ فَيَشُقُّهٗ
حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ يَفْعَلُ
بِشِدْقِهِ الْاٰخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ
وَ يَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذَا
فَيَعُوْدُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهٗ
قُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ انْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا
عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى
قَفَاهُ وَ رَجُلٌ قَائِمٌ
عَلٰى رَاْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْ
صَخْرَةٍ يَشْدَخُ بِهٖ رَاْسَهٗ
فَاِذَا ضَرَبَهٗ تَدَهْدَهَ
الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ
لِيَاْخُذَهٗ فَلَا يَرْجِعُ اِلٰى
هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَاْسُهٗ
وَ عَادَ رَاْسُهٗ كَمَا كَانَ
فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ فَقُلْتُ
مَا هٰذَا قَالَ انْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا
اِلٰى ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ
اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَ اَسْفَلُهٗ
وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ
فَاِذَا ارْتَفَعَتْ ارْتَفَعُوْا
حَتّٰى كَادَ اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہمیں ایک پاکیزہ خطے[۵] میں لے گئے اچانک دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا کانٹا ہے[۶]، وہ بیٹھنے والے کے جبڑے[۷] میں کانٹا داخل کرتا ہے اور اسے چیرتے ہوئے اس شخص کی گدی تک پہنچ جاتا ہے، پھر وہ اس کے دوسرے جبڑے کے ساتھ یہی عمل کرتا ہے[۸]، اتنے میں پہلا جبڑا درست ہو جاتا ہے وہ پھر اس کے ساتھ وہی عمل دہراتا ہے[۹]۔ ہم نے کہا: یہ کیا ہے[۱۰]؟ ان دونوں نے کہا آگے چلئے[۱۱]! ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گدی کے بل لیٹا ہوا ہے۔ ایک دوسرا شخص اس کے سر پہ پتھر[۱۲] لیے کھڑا ہے جس کے ساتھ اس[۱۳] کا سر پھوڑ رہا ہے، جب اسے مارتا ہے تو پتھر لڑھک جاتا ہے، وہ پتھر لینے کے لیے جاتا ہے[۱۴] تو اس کی واپسی تک پہلے شخص کا سر جڑ جاتا ہے اور اپنی پہلی حالت پہ آ جاتا ہے وہ واپس آ کر پھر اسے مارتا ہے، ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ دونوں نے کہا آپ آگے چلئے! ہم چل پڑے یہاں تک کہ ہم تنور ایسے سوراخ[۱۵] تک پہنچے جو اوپر سے تنگ اور نیچے سے فراخ[۱۶] تھا، اس کے نیچے آگ جل رہی تھی کچھ لوگ اس آگ میں جل رہے تھے، جب آگ بلند ہوتی تو وہ بھی بلند

وَ اِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَ فِيْهَا رِجَالٌ وَّ نِسَاءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ وَ عَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فِيْهَا شَجَرَةٌ عَظِيْمَةٌ وَّ فِيْ اَصْلِهَا شَيْخٌ وَّ صِبْيَانٌ وَّ اِذَا رَجُلٌ قَرِيْبٌ مِّنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُّوْقِدُهَا فَصَعِدَ فِي الشَّجَرَةِ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا وَّسْطَ الشَّجَرَةِ لَمْ

ہو جاتے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس سے نکل جائیں، اور جب شعلے زرد ہوتے تو وہ اس اس میں لوٹ جاتے، اس میں مرد عورتیں سب ننگے تھے، ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلئے، ہم چل دیئے حتیٰ کہ خون کی ایک نہر پر پہنچ گئے، اس کے درمیان ایک شخص کھڑا ہوا تھا، اور نہر کے کنارے ایک دوسرا شخص تھا جس کے سامنے پتھر تھے، جو شخص نہر میں کھڑا ہوا تھا وہ آگے بڑھا، جب اس نے نکلنے کا ارادہ کیا تو باہر والے نے اس کے منہ میں پتھر مارا اور اسے اس کی جگہ واپس بھیج دیا، تو جب بھی وہ نکلنے کے لیے آگے بڑھتا یہ اس کے منہ پر پتھر مارتا تو وہ لوٹ جاتا، ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلئے، ہم چل دیئے یہاں تک کہ ہم ایک سرسبز باغ تک پہنچے، جس میں ایک بڑا درخت تھا، درخت کی جڑ کے پاس ایک بزرگ تھا اور بچے اچانک دیکھا کہ درخت کے پاس ایک شخص تھا، اس کے آگے آگ تھی جسے وہ جلا رہا تھا، وہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھ گئے اور مجھے ایک گھر میں لے گئے جو درخت کے درمیان تھا، اس سے زیادہ خوبصورت گھر ہم نے نہیں دیکھا، اس میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے ہر قسم کے لوگ تھے، پھر انہوں نے

أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا فِيهَا رِجَالٌ شُيُوخٌ وَ شَبَابٌ وَ نِسَاءٌ وَ صِبْيَانٌ ثُمَّ أَخْرَجَانِي مِنْهَا فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ فَأَدْخَلَانِي دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَ أَفْضَلُ مِنْهَا فِيهَا شُيُوخٌ وَ شَبَابٌ فَقُلْتُ لَهُمَا إِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ فَأَخْبِرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ قَالَا نَعَمْ أَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكَذْبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ مَا تَرٰى إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَ لَمْ يَعْمَلْ بِمَا فِيهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهِ مَا رَأَيْتَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ اٰكِلُ الرِّبَا وَ الشَّيْخُ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي أَصْلِ الشَّجَرَةِ

ہمیں اس گھر سے نکالا اور ہمیں اس درخت کے اوپر ایک گھر میں لے گئے جو پہلے سے بھی زیادہ حسین اور بہتر تھا، اس میں بوڑھے اور جوان تھے[20]، ہم نے انہیں کہا کہ تم نے ہمیں ساری رات پھرایا ہے، ہم نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں بتاؤ تو سہی، انہوں نے کہا ہاں اب بتاتے ہیں، آپ نے جس شخص کو دیکھا ہے کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا ہے، وہ جھوٹی بات بیان کرتا جو اس سے حاصل کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ آفاق عالم تک پہنچ جاتی ہے[21]، جو عمل آپ نے دیکھا ہے وہ اس کے ساتھ قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔ وہ شخص کہ جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن کی تعلیم دی[22] تو وہ قرآن سے اعراض کر کے رات کو سو رہا[23] اور دن کے وقت اس کے احکام پر عمل نہ کیا[24]، جو عمل آپ نے دیکھا ہے اس کے ساتھ قیامت تک کیا جاتا رہے گا[25]

جن لوگوں کو آپ نے

اِبْرَاهِيْمُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَ الَّذِیْ يُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰی الَّتِیْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَآءِ وَ اَنَا جِبْرَئِيْلُ وَ هٰذَا مِيْكَائِيْلُ فَارْفَعْ رَاْسَكَ فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ وَ اِذَا فَوْقِیْ مِثْلُ السَّحَابِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ مِثْلَ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَآءِ قَالَا ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِیْ اَدْخُلْ مَنْزِلِیْ قَالَا اِنَّهٗ بَقِیَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَاِذَا اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَيْتَ بِمَنْزِلِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِیْ رُؤْيَا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَدِيْنَةِ فِیْ بَابِ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ۔

تنور جیسے سوراخ میں دیکھا ہے وہ زناکار ہیں، جس شخص کو آپ نے نہر میں دیکھا ہے وہ سود کھانے والا ہے، وہ بزرگ جن کو آپ نے درخت کی جڑ کے پاس دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کے اردگرد جو بچے ہیں وہ لوگوں کی اولاد ہیں، جو آگ جلا رہے تھے وہ جہنم کی آگ کے داروغہ مالک ہیں جس گھر میں آپ پہلے داخل ہوئے تھے وہ عامۃ المسلمین کا دار ہے، اور یہ دار شہدا کا دار ہے، میں جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں آپ اپنا سر اٹھائیں، ہم نے سر اٹھایا تو اچانک دیکھا کہ ہمارے اوپر بادل ایسی چیز ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ سفید بادل انہوں نے کہا یہ آپ کی جگہ ہے، ہم نے کہا: ہمیں چھوڑ دو کہ ہم اپنی منزل میں جائیں، انہوں نے کہا ابھی آپ کی عمر باقی ہے جسے آپ نے مکمل نہیں کیا۔ اگر آپ اپنی عمر مکمل کر چکے ہوتے تو اپنی منزل میں داخل ہو سکتے تھے (بخاری)، مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خواب دیکھنے کی حدیث جسے حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے۔ باب حرم المدینہ میں بیان کی گئی ہے۔

ـــــــــــــــــــ

[1] حضرت سمرہ بن جندب جلیل القدر صحابی، بکثرت روایت کرنے والے حافظ الحدیث، ان میں سے حضرت حسن البصری، ابن سیرین، شعبہ وغیرہم نے روایت کی، بصرہ میں ۵۹ھ اور بقول بعض ۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

[2] یعنی صبح کی نماز۔

۵۳ اقبال کا معنی رخ کا پھیرنا اور توجہ ہے، یو چھ اس کی تاکید ہے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور آنکھ سے دیکھا، اس جگہ سے قبلہ شریف کی طرف پشت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اگرچہ صبح کے وقت، علمی مجلس میں ہو، صاحب عوارف نے مبالغہ کے ساتھ وصیت کی ہے کہ صبح کے وقت نماز کے بعد قبلہ شریف کی طرف پشت نہ کرے، اگر نیند غلبہ کرے تو پشت کی طرف لیٹ جائے کہ قبلہ رخ ہونا باطن کو منور کرتا ہے، ان کا یہ فرمان اس صورت کے علاوہ سے متعلق ہوگا جو حدیث میں آئی ہے۔

۵۴ اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کے دل میں القاء فرماتا اور آپ کی زبان پہ جاری فرماتا خواب کی تعبیر کے سلسلے میں ارشاد فرماتے۔

۵۵ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ سرزمین شام مراد ہے، لیکن تنکر سے ظاہر یہ ہے کہ مطلق پاکیزہ زمین مراد ہے۔

۵۶ کلوب کاف پر زبر، لام مضموم مشدد، ٹیڑھے سر والا لوہا جس کے ساتھ کسی چیز کو کھینچا جاتا ہے، جسے فارسی میں انبور (اور اردو میں کانٹا) کہتے ہیں۔

۵۷ شدق شین کے نیچے زیر اور دال ساکن، جبڑا۔

۵۸ یعنی اس کانٹے کے ساتھ دوسرے جبڑے کو گدی تک چیر دیتا ہے۔

۵۹ یعنی ہر دفعہ اس کے جبڑے کو چیرتا ہے، اور جب وہ جڑ جاتا ہے تو پھر اسے چیرتا ہے، اسی طرح ہر بار کرتا ہے۔

۶۰ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم نے ان دو شخصوں سے پوچھا کہ یہ کیسا عمل ہے؟ جو یہ شخص انجام دے رہا ہے۔

۶۱ یعنی ابھی نہ پوچھئے، آگے چلئے، ابھی تو بہت سے عجائب دیکھنا ہیں، اس کی تعبیر معلوم ہو جائے گی

۶۲ فِہر فاء کے نیچے زیر، ہاء ساکن، ایسا پتھر جس سے مٹھی بھر جائے، مطلق پتھر ——— اَو صَخْرَة

---

۶۳ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہ عالیہ میں سلام عرض کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے والے عامۃ المسلمین کو نجدی شرطے زبردستی مجبور کرتے ہیں کہ قبلہ رخ ہو کر دعا مانگو، حالانکہ دعا مانگنے کے لیے قبلہ رخ ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، خیف ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف پشت کرنے کو روا رکھتے ہیں اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا مانگنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ خطیب جمعہ کے دن قبلہ کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھتا ہے اور مسجدوں کے امام عام طور پر دائیں جانب رخ کر کے دعا مانگتے ہیں، ان سے کیوں تقاضا نہیں کیا جاتا کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھو اور دعا مانگو ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

راوی کو شک ہے کہ کونسا لفظ استعمال فرمایا)

ف۱۳ گدی کے بل لیٹے ہوئے شخص کا سر پھوڑ رہا ہے۔

ف۱۴ تاکہ لاکر پھر اسے مارے۔

ف۱۵ ثقب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، قاف ساکن، ایک دوسری روایت میں ہے نقب نون پر زبر، دونوں کا معنی سوراخ ہے، صراح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی مطلق سوراخ ہے، قاموس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا معنی وہ سوراخ ہے جو آر پار ہو جائے، حواشی میں مغرب کے حوالے سے لکھا ہے ثقب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، وہ سوراخ جو پار ہو جائے، اس کا استعمال چھوٹے سوراخ کے لیے ہوتا ہے، نون کے ساتھ نقب حائط (دیوار کا سوراخ) بڑا ہوتا ہے (۱۵) اس کلام سے معلوم ہوتا نقب تنگ سوراخ ہوتا ہے، جب کہ اسے تنور سے تشبیہ دی گئی ہے، اس لیے نون (نقب) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے —— تنور (نون مشدد) اس کے بعد تنور کے ساتھ تشبیہ کی وجہ بیان کی۔

ف۱۶ جیسے تنور کی شکل ہوتی ہے۔

ف۱۷ آگ میں یا تنور میں۔

ف۱۸ وسط سین کی زبر کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے، اس کا معنی ہے درمیان، سین کا ساکن ہونا زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے، یعنی نہر کے درمیان

ف۱۹ شباب شین پر زبر، باء مخفف، شاب (جوان) کی جمع، جوانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ف۲۰ اس جگہ عورتوں اور بچوں کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ اس خواب کی تعبیر سے معلوم ہو جائے گی۔

ف۲۱ تحمّل اور تبلیغ کرتا اور دو بار دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

ف۲۲ اسے تعلیم قرآن کی توفیق عطا فرمائی۔

ف۲۳ اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل ادا نہ کیے۔

ف۲۴ قرآن پر عمل تو دن رات کیا جاتا ہے، رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بھی قرآن پاک پر عمل ہے لیکن رات کے وقت کی سنت اس کی تلاوت کا عمل ہے، اس لیے رات کو تلاوت کے ساتھ مخصوص کیا اور قرآن پاک کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنے کو عمومی حالات کے اعتبار سے دن سے متعلق کر دیا۔

ف۲۵ یہ شخص جو رات کے وقت قرآن پاک کی تلاوت سے اعراض کرتا تھا اور دن کے وقت اس پر عمل نہیں کرتا تھا، جو سزا آپ نے دیکھی ہے وہ اسے قیامت تک دی جاتی رہے گی۔ تلاوت کا ترک کرنا، خواب غفلت میں محو رہنا اور عمل کا ترک کرنا جس میں نماز اور سربسجود ہونا شامل ہے ان امور کا سر توڑنے کے ساتھ مناسبت

ظاہر ہے۔

۵۲۶ جو شہوت کی آگ جلاتے تھے اور اس کی گرمی میں جلتے تھے۔

۵۲۷ جس کے منہ میں نہر سے باہر کھڑا ہونے والا پتھر مار رہا ہے۔

۵۲۸ جو سود کی جگہ منہ میں پتھر مروا رہا ہے اور عذاب جھیل رہا ہے۔

۵۲۹ یعنی بہشت سب سے جس میں تمام مخلوق ہو گی۔

۵۳۰ دوسرا دار جس میں آپ داخل ہوئے اور جو پہلے بہت اچھا تھا وہ شہیدوں اور خواص کا دار ہے۔

۵۳۱ وہ دو حضرات جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور آپ کو عجائب دکھا رہے تھے۔

۵۳۲ ربابۃ راء پر زبر، پہلی بار مخفف، دوسری بار پر زبر، آخر میں تا، تہ بہ تہ جمے ہوئے بادل بعض حضرات نے بیضا کی قید بھی لگائی ہے، اس صورت میں لفظ بیضا تاکید کے لیے ہو گا یعنی سفید بہت ہی سفید۔

۵۳۳ جو آپ نے سفید بادل کی طرح دیکھی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۴۱۵ عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّۃِ وَ ہِیَ عَلٰی رِجْلِ طَآئِرٍ مَّا لَمْ یُحَدِّثْ بِھَا فَاِذَا حَدَّثَ بِھَا وَقَعَتْ وَ اَحْسِبُہٗ قَالَ لَا تُحَدِّثْ اِلَّا حَبِیْبًا اَوْ لَبِیْبًا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاؤدَ قَالَ

حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے، اور خواب پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک دیکھنے والا اسے بیان نہ کرے، جب اسے بیان کر دے تو وہ گر جاتا ہے، راوی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صرف کسی دوست کو بتاؤ یا دانا کو۔

(ترمذی)

امام ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا:

الرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ تُعَبَّرْ فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَ اَحْسِبُهٗ قَالَ لَا تَقُصُّهَا إِلَّا عَلٰى وَادٍّ اَوْ ذِيْ رَأْيٍ ۔

خواب ایک پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے، اور جب تعبیر بیان کی جائے تو گر جاتا ہے، راوی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ فرمایا: تم صرف کسی محبت والے کو بتاؤ یا صاحب دانش کو۔

سہ۵ ابورزین را پر زبر، زا کے نیچے زیر، العقیلی عین پر پیش، قاف پر زبر، ان کا نام لقیط ہے لام پر زبر مشہور صحابی ہیں اور اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔

سہ۵ یعنی گرنے والا اور قرار نہ پانے والا ہے، جب تک بیان نہ کردیا جائے، وہ پرندے کے پاؤں پر ہے یہ کنایہ ہے گرنے اور قرار نہ پانے سے، جو چیز قرار نہ پائے اور گرنے والی ہو عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پرندے کے پاؤں پر ہے، چونکہ پرندہ اکثر اوقات ٹھہرتا نہیں ہے اور ہر وقت پرواز اور حرکت میں رہتا ہے لہذا جو چیز اس کے پاؤں پر ہوگی وہ بھی قرار نہیں پائے گی، اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک خواب کسی کو نہ بتایا جائے اور دل میں پوشیدہ رہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی وہ واقع ہوتا ہے۔

سہ۵ جب خواب دیکھنے والا کسی کو بیان کردے اور وہ اس کی تعبیر بتادے تو وہ اس تعبیر کے مطابق واقع ہوجاتا ہے، اس لیے بیان نہیں کرنا چاہیے، یہ برے خواب کے بارے میں ہے جس کے واقع ہونے سے ڈرتا ہو اور نقصان کا خطرہ رکھتا ہو، جیسے کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

سہ۵ بعض نسخوں میں ہے لَا تُحَدِّثْ بِهَا وہ خواب بیان نہ کر مگر کسی ایسے دوست کو جو خیر خواہ ہو اور تجھ سے اچھی سوچ والا ہو، تاکہ وہ خواب کو اچھائی پر محمول کرے اور اچھی تعبیر بتائے، برخلاف دشمن کے کہ اس کی دشمنی اور اس کا حسد ناپسندیدہ اور بری تعبیر بیان کرنے کا باعث ہوگا اور تعبیر اسی طرح واقع ہوگی، یا کسی دانشور کو بتائے جو غور و فکر کی قوت سے اس خواب کو اچھی جانب پر محمول کرے پسندیدہ تعبیر بتائے اور نقصان کے وہم کو دور کرے۔

لفظ اَوْ یا تو راوی کے شک کی بنا پر ہے کہ اِنَّ حَبِیْبًا فرمایا یا لفظ اَوْ تقسیم کے لیے ہے، تو اس جگہ چند قسمیں متصور ہیں کہ وہ شخص دونوں صفتوں کا جامع ہو یا دونوں سے خالی ہو، ان کا حکم تو ظاہر ہے اور اگر اس میں ان دونوں میں سے ایک صفت ہو تو اسے خواب کا بتانا مفید نہ ہوگا، پس مطلب یہ ہوگا کہ ایسے دوست کو بتائے جس کی دوستی یقینی ہو، تاکہ دوستی کے تعلق کی بنا پر خواب کو اچھائی پر محمول کرے، اور اگر اس کی حماقت اور دشمنی کچھ بھی

معلوم نہ ہو تو وہ شخص دانا ہونا چاہیے تاکہ دانش و فکر کے زور سے اچھی تعبیر بتائے، لیکن اگر دشمنی کا یقین ہو تو دانائی کچھ فائدہ نہ دے گی، یہ توجیہ تکلف اور دقت سے خالی نہیں ہے، ساوی کے شک پر محمول کرنا زیادہ ظاہر اور محتاط طریقہ ہے، اس پر محمول کریں تو دونوں میں سے ایک صفت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اگرچہ دوسری صفت نہ پائی جائے۔

۵۵ اس روایت کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلی روایت کا ہے۔ تاہم پہلی روایت میں واقع ہونے کو بیان کرنے پر مرتب کیا گیا ہے اور اس روایت میں تعبیر پر، ظاہر یہ ہے کہ پہلی صورت میں بھی تعبیر معتبر ہے، حدیث شریف میں ہے کہ صرف کسی دوست کو بتاؤ یا دانا کو اس سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں حبیب کی جگہ وَادٍّ فرمایا، وُدٌّ اور محبت کا ایک ہی معنی ہے، لبیب اور ذی رای کا معنی بھی ایک ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ خواب پہلی تعبیر بتانے والے کے لیے ہے۔ اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے، مثلاً خواب کی تعبیر میں دو یا اس سے زیادہ احتمال ہوں، جب ایک شخص کے سامنے بیان کیا اور اس نے ان احتمالات میں سے ایک کے مطابق تعبیر بیان کی، پھر دوسرے نے دوسرے احتمال کے مطابق تعبیر نکالی تو پہلے شخص کی تعبیر ہی معتبر ہوگی، دوسرے کی تعبیر ساقط ہوگی ——— اس جگہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام اشیاء قضاء و قدر کے مطابق واقع ہوتی ہیں تو خواب کے چھپانے کا تعبیر کے ساقط ہونے میں کیا اثر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی قضاء و قدر کے تحت ہے، دعا، صدقہ اور باقی اسباب کا جو حکم ہے وہی اس کا ہے۔

٤٣١٦/١٦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَرَقَةَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ إِنَّهُ كَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰكِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کے ظہور سے پہلے فوت ہو گئے تھے[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے[2] فرمایا: وہ ہمیں سفید کپڑوں میں ملبوس دکھائے گئے اور اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو ان کا لباس اس سے مختلف ہوتا[3]۔

غَيْرُ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) (امام احمد، ترمذی)

سلہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے دور جاہلیت میں نصاریٰ کا دین سیکھا اور انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا، عبادت گزار تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے، وہ معمر تھے اور آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، وحی کے ابتدائی دنوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے گئیں اور انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حال کی سچائی کی بشارت دی اور آپ کی تصدیق کی، یہ واقعہ مشہور ہے۔ اسد الغابہ میں ان کا ذکر صحابۂ کرام میں کیا ہے اور ان کے اسلام کے بارے میں علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور بعینہٖ یہ حدیث نقل کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ حدیث صحابہ کرام سے سن کر روایت کی ہو گی، کیونکہ حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ کی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں تھیں۔

سلہ حضرت خدیجہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے حال کی رعایت کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بین بین ایک بات کہی جس کے پہلے حصے سے ان کے ایمان کا اشارہ ملتا ہے، حضرت خدیجہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور کہا تھا کہ آپ نے جس فرشتے کو دیکھا ہے یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا کرتا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر میں آپ کے ظہور اور غلبے کے وقت تک زندہ رہا تو آپ کی زبردست تائید وحمایت کروں گا، دوسرے حصے سے ان کے ایمان میں تردد کا پتا چلتا ہے، اس بنا پر کہ شاید انہوں نے جو یہ بات کہی تھی حق ہو گی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہو گی یا نہیں اسی لیے کہا کہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ آپ کے ظاہر اور غالب ہونے سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور انہیں آپ کے دین اور شریعت پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

سلہ ان کے ایمان کو برقرار رکھا۔

سلہ اس حدیث سے حضرت ورقہ بن نوفل کے ایمان کا پتا چلتا ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے حال نبوت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے، اگر نبوت سے پہلے تصدیق کرتے تو اختلاف کی گنجائش تھی، نبوت کے بعد تصدیق کرنے کے باوجود اختلاف کرنا عجیب ہے۔

۴۳۴۷ وَعَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي خُزَيْمَةَ أَنَّهُ رَأَى فِيمَا

حضرت ابن خزیمہ بن ثابت[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا ابو خزیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے

يَرَى النَّائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاضْطَجَعَ لَهٗ وَ قَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب بیان کیا تو آپ لیٹ گئے[۲] اور فرمایا اپنے خواب کو سچا کرو[۳]۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کیا[۴]۔ (شرح السنۃ)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ بَكْرَةَ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ.

حضرت ابو بکرہ صدیق کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے کہ گویا آسمان سے ترازو اترا ہم حضرت ابوبکر اور عمر کے مناقب کے باب میں بیان کریں گے۔

[۱] ابن خزیمہ بن ثابت مشہور انصاری صحابی ہیں، جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، جب حضرت عمار بن یاسر شہید ہو گئے تو انہوں نے جنگ میں بھرپور حصہ لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابن خزیمہ کا نام عبداللہ ہے یا عمارہ۔ ابو خزیمہ بھی انصاری صحابی ہیں لیکن ان کا خزیمہ کا بھائی ہونا معلوم نہیں حتیٰ کہ وہ ابن خزیمہ کے بچا ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۲] حضرت ابو خزیمہ کی پاسداری کے لیے تاکہ وہ آپ کی پیشانی پر سجدہ کریں۔

[۳] اور ہماری پیشانی پر سجدہ کرو۔

[۴] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداری میں خواب پر عمل کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ وہ از قبیل اطاعت ہو مثلاً کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے روزہ رکھا ہے یا نماز ادا کی ہے یا صدقہ کیا ہے یا کسی مرد صالح کی زیارت کی ہے وغیر ذالک، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

۴۴۱۸ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَصْحَابِهٖ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اپنے صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے

هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنْ
رُّؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ
شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاِنَّهٗ
قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ
اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا
ابْتَعَثَانِي وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيْ
انْطَلِقْ وَاِنِّيْ انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا
وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ
فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ بِطُوْلِهٖ
وَفِيْهِ زِيَادَةٌ لَيْسَتْ فِي
الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِيَ
قَوْلُهٗ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ
مُّعْتِمَةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
نَوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ
ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ
لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهٗ طُوْلًا
فِي السَّمَآءِ وَاِذَا حَوْلَ
الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ
رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا
مَا هٰذَا وَمَا هٰؤُلَآءِ قَالَ
قَالَا لِيْ انْطَلِقْ انْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى
رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ
رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا
وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا

جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا وہ اپنا خواب بیان کرتا، ایک صبح ہمیں بیان فرمایا کہ آج رات ہمارے پاس دو شخص آئے، انہوں نے ہمیں اٹھایا اور کہا چلئے! ہم ان کے ساتھ چل پڑے، حضرت سمرہ نے پہلی فصل میں بیان کی گئی طویل حدیث[1] جیسی حدیث بیان کی، اس حدیث میں کچھ اضافہ ہے جو حدیث مذکور میں نہیں ہے[2] اور وہ یہ کہ ہم انتہائی سرسبز[3] باغ میں پہنچے جس میں بہار کا ہر قسم کا شگوفہ تھا، اچانک کیا دیکھا کہ باغ کے درمیان ایک طویل قامت شخص ہے جس کا قد اوپر کی جانب اتنا بلند ہے کہ قریب ہے کہ ہم اس کا سر نہ دیکھ سکیں، اس شخص کے گرد بہت سے ایسے بچے ہیں جنہیں ہم نے ضرور[4] دیکھا ہے، ہم نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ یہ باغ کیا ہے اور یہ لوگ کون ہیں؟ ان دونوں نے ہمیں کہا چلئے چلئے، ہم چل دیئے اور ایک بڑے باغ کے پاس پہنچے جس سے بڑا اور زیادہ حسین باغ ہم نے کبھی نہیں دیکھا، انہوں نے ہمیں کہا اس باغ کے اوپر چلئے، ہم اوپر چڑھے تو ایک شہر تک پہنچ گئے جس میں ایک اینٹ[5] سونے کی اور ایک چاندی کی لگی ہوئی ہے، ہم شہر کے دروازے تک پہنچے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ دروازہ تو ہمارے لیے کھول

لِيْ اِرْقَ فِيْهَا قَالَ
فَاِذْ تَعِبْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى
مَدِيْنَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ
وَّ لَبِنِ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ
الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ
لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا
رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ
كَاَحْسَنِ مَآ اَنْتَ رَآءٍ وَّ
شَطْرٌ مِّنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا
اَنْتَ رَآءٍ قَالَ قَالَا لَهُمْ
اذْهَبُوْا فَقَعُوْا فِيْ ذٰلِكَ
النَّهْرِ قَالَ فَاِذَا نَهْرٌ مُّعْتَرِضٌ
يَجْرِيْ كَاَنَّ مَآءَهُ الْمَحْضُ
فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا
فِيْهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ
ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْٓءُ عَنْهُمْ
فَصَارُوْا فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ
وَّ ذَكَرَ فِيْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ
الزِّيَادَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ
الطَّوِيْلُ الَّذِيْ فِي الرَّوْضَةِ
فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ وَ اَمَّا
الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ
فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَّاتَ عَلَى
الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ
الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

دبا گیا، اس میں ہمیں ایسے لوگ ملے جن
کا آدھا جسم اتنا خوبصورت جتنا تم نے حسین
سے حسین کوئی جسم دیکھا ہوگا اور آدھا
جسم اتنا بدصورت جتنا تم نے زیادہ سے زیادہ
کوئی بدصورت دیکھا ہوگا، ان دونوں نے ان
لوگوں کو کہا جاؤ اور اس نہر میں کود جاؤ
اچانک کیا دیکھا کہ وہاں ایک نہر حائل ہے
جو بہہ رہی ہے، اس کا پانی دودھ کی
طرح سفید تھا، ان لوگوں نے جا کر اس
نہر میں چھلانگ لگا دی، پھر واپس
آئے تو ان کی بدصورتی زائل ہو چکی
تھی اور وہ انتہائی خوب صورت ہو
چکے تھے، اس زیادتی کی تفسیر
کرتے ہوئے بیان کیا کہ باغ
میں جو دراز قامت شخصیت تھی
وہ ابراہیم علیہ السلام تھے، ان
کے اردگرد جو بچے تھے تو یہ
وہ نومولود بچے تھے جو
فطرت[۱] پر مر گئے تھے، بعض
مسلمانوں نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ! کیا مشرکوں کے
بچے بھی ان میں ہیں؟ فرمایا:
ہاں! مشرکوں کے بچے بھی ان
میں ہیں، رہے وہ لوگ جن
کا آدھا جسم خوب صورت اور

وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

آدھا بدصورت تھا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو مخلوط کیا تھا، اللہ تعالٰی نے انہیں معاف کر دیا ہے ۵؎۔

(بخاری)

۱؎ وہ حدیث بھی حضرت سمرہ کی روایت کردہ ہے۔

۲؎ تیسری فصل میں جو حدیث بیان کی ہے (یعنی پیش نظر حدیث) اس میں کچھ اضافہ ہے جو پہلی فصل میں بیان کی گئی حدیث میں نہیں ہے اس جگہ وہی اضافہ بیان کیا جا رہا ہے، باقی حدیث تو پہلی فصل میں بیان کی جا چکی ہے ۱۲ (ق ن)۔

۳؎ مُعْتَمَّۃٌ جیم پر پیش، عین ساکن، تاء کے نیچے زیر اور میم مخفف، عَتَمَۃٌ سے مشتق ہے جس کا معنی سخت اندھیرا ہے، باغ کو اندھیرے سے اس لیے موصوف کیا کہ سبزہ جب گہرا ہو تو سیاہ دکھائی دیتا ہے بعض شارحین نے مُعْتَمَّۃٌ پڑھا ہے تاء پر زیر اور میم مشدد۔

۴؎ لفظ قَطُّ اس جگہ مثبت کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے، نحویوں نے اسے نفی کی تاکید کے لیے خاص کیا ہے، جیسے مَارَاَيْتُهٗ قَطُّ میں نے اسے ہرگز نہیں دیکھا، یوں نہیں کہا جاتا رَاَيْتُهٗ قَطُّ میں نے اسے ضرور دیکھا ہے، تحقیق یہ ہے کہ دوسری حدیثوں میں قَطُّ اثبات میں بھی واقع ہوا ہے، بعض متاخرین نے اس قاعدے کو تبدیل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اثبات میں تاکید کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے کہ ابن مالک نے تسہیل میں بیان کیا ہے۔

۵؎ لبن لام پر زبر اور ایک نقطے والی باء کے نیچے زیر، لبنًا بھی کہتے ہیں لام کے نیچے زیر اور باء ساکن اس کا واحد لَبِنَۃٌ ہے۔

ے۵۶ اس اضافے کی تفسیر بیان کی جو اس حدیث میں موجود ہے اور پہلی فصل کی حدیث میں نہیں ہے

ے۵۷ یعنی فطرت اسلام جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

ے۵۸ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ انہوں نے جمع کیا اچھے عمل اور دوسرے برے عمل کو، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے۔

۴۴۱۹/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرَى اَنْ يُّرِيَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت بڑا جھوٹ یہ ہے ایک شخص اپنی دونوں آنکھوں کو وہ کچھ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا۔[1] (بخاری)

ے۱ یعنی اپنی آنکھوں پر بہتان باندھے کہ انہوں نے فلاں چیز دیکھی ہے، حالانکہ انہوں نے وہ چیز نہیں دیکھی، مطلب یہ ہے کہ جھوٹا خواب بیان کرے، کیونکہ خواب، وحی کے معنیٰ میں ہے، پس گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو خواب دکھاتا ہے۔

۴۴۲۰/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہایت سچا خواب وہ ہوتا ہے جو سحری کے اوقات میں دیکھا جائے۔[1] (ترمذی، دارمی)

ے۱ کیونکہ یہ خوش بختی اور قبولیت کا وقت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الآداب

۲۲- آداب کا بیان

علامہ طیبی نے فرمایا کہ ادب کا اطلاق ہر اس مستحسن جدوجہد پر ہوتا ہے جسے انسان، کسی فضیلت کے حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، کلمہ ادب کی اصل ترکیب جمع کرنے اور کسی شخص کو کسی چیز کے لیے بلانے پر مشتمل ہے اور اس معنی کے اعتبار سے ادب کا معنی لوگوں کو کھانے پر بلانا اور جمع کرنا بھی لیا گیا ہے۔ اور وہ کھانا جو شادی یا دعوت کے لیے تیار کیا گیا ہوا ہے ''مَأْدُبَۃ'' کہتے ہیں۔ ادب کا جو پہلا معنی بیان ہوا ہے وہ بھی مجازی طور پر جمع کرنے اور بلانے کے معنی پر مشتمل ہے صراح میں ہے کہ ادب پہلے دونوں حرفوں پر زبر، لغت، نگہداشت اور ہر چیز کی حد کو کہتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ادب اچھے قول وفعل کے استعمال کا نام ہے اور یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اچھے اخلاق پر عمل پیرا ہونا ادب ہے، بعض نے کہا نیکیوں پر گامزن رہنا ادب ہے، بعض نے کہا کہ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا نام ادب ہے، مجمع البحار میں ہے کہ ادب حسن اخلاق ہے اور حق یہ ہے کہ ادب اخلاق واعمال دونوں کو شامل ہے۔

بَابُ السَّلَامِ

سلام کا بیان

سلام اسم مصدر ہے تسلیم کا، اس کا معنی ہے سلامتی، خامیوں اور عیبوں سے پاک ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم بھی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تسلیم بھی سلام کا نام ہے، عیب اور نقص سے سلامتی کے اعتبار سے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال پر آگاہ ہے اس لیے تو غافل مت رہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم تجھ پر ہے یعنی تو اس کی نگہبانی میں ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے، اکثر علماء نے سَلَامٌ عَلَیْکَ کا معنی یہ کہا ہے کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے اور مجھے اپنی طرف سے سلامت رکھ۔ سَلَامٌ سِلْمٌ سے مشتق ہے جس کا معنی مصالحت ہے یعنی میری طرف سے تو مامون ہے اور مجھے بھی امن میں رکھ۔ سلام کا طریقہ ابتدائے اسلام میں کافر اور مسلمان میں فرق کرنے کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ تاکہ کوئی ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کرے گویا یہ مسلمان ہونے کا اعلان تھا۔ بعد میں یہ طریقہ باقاعدہ جاری ہو گیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۲۲۱/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کو اپنی صورت[1] پر پیدا کیا، ان کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی، جب ان کو پیدا کیا تو انہیں حکم دیا کہ جاؤ اور اس جماعت[2] کو سلام کہو، وہ چند فرشتے بیٹھے ہوئے تھے اور سنو کہ (وہ جواب میں) کیسا سلام کہتے ہیں کیونکہ

مَا يُحَيُّوْنَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ فَقَالَ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا ثُمَّ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّى الْاٰنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہے، حضرت آدم نے جا کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ! فرمایا[۵]: انہوں نے وَرَحْمَةُ اللهِ کا اضافہ کیا[۶]۔ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوگا[۷] اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا، آدم علیہ السلام کے بعد اب تک مخلوق کا قد گھٹتا رہا ہے۔

(صحیحین)

سلہ علماء نے اس حدیث کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض اس کی تاویل نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احادیثِ صفات میں سے ہے اس لیے اس کی تاویل نہ کرنا ہی بہتر ہے اس جیسی مثالوں میں سلف صالحین کا مسلک بھی یہی ہے۔ کچھ علماء اس کی تاویل کرتے ہیں، مشہور تاویل یہ ہے کہ صورت، صفت کے معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں کہ صورت مسئلہ یہ ہے اور صورت حال یہ ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا کیا اور ان کو اپنی صفات کریمہ کا پرتو بنایا ہے۔ اور ان کو حی، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا ہے، یا پھر یہ اضافت عظمت وشرافت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے جیسے کہ روح اللہ اور بیت اللہ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خوبصورت اور لطیف صورت پر پیدا کیا، ان کی صورت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی لطافت اور اسرار پر مشتمل تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "صورتہ" میں ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بغیر کسی مخلوق کے واسطے کے پیدا فرمایا، ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے ساتھ اور عام انسانوں کی طرح نہیں کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر لوتھڑا اس کے بعد جنین اور اس کے بعد بچہ اور اس کے بعد مکمل مرد بنتا ہے۔

یا آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت پر پیدا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی مخصوص صورت پر پیدا کیا اور ایسی جامع صورت میں پیدا کیا کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کی مثال حضرت آدم کی صورت میں نہ پائی جاتی ہو اسی لیے آپ کو عالم صغیر (چھوٹا جہان) کہا جاتا ہے اس معنیٰ کی صورت میں بھی لفظ صورت بمعنی صفت ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص صفت اور خاص حال پر پیدا کیا کبھی علم کے ساتھ موصوف کبھی عدم علم کے ساتھ، کسی وقت لغزش کے ساتھ اور کسی زمانے میں

برگزیدگی کے ساتھ یا صورت کا معنیٰ ان کی عظمت کا معاملہ ہے کہ ان کو مسجودِ ملائکہ، مالکِ حیوانات اور کائنات کا مسخر کرنے والا بنایا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "صورتہ" کی ضمیر بھائی یا غلام کی طرف راجع ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے، کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو مارے تو اس کے چہرے پر نہ مارے دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کے چہرے پر مار رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا کہ اس کے چہرے پر مت مارو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا اس لیے یہ چہرہ مکرم اور معظم ہے گویا آپ نے فرمایا یہ غلام حضرت آدم کی اولاد سے ہے اس لیے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ چونکہ انسان کا معزز ترین عضو ہے اور اکثر حواس بھی اسی میں ہیں، ان دونوں حدیثوں کو ضعیف اور کمزور قرار دیا گیا ہے باوجودیکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ "خُلِقَ آدَمُ عَلٰى صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ" حضرت آدم رحمٰن کی صورت پر پیدا کیے گئے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"صُوْرَتِهٖ" میں موجود ضمیر کے مرجع کے بارے میں دوسرے قول کی تائید سرکار کا یہ فرمان کرتا ہے۔ حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔

۵۲ ذِرَاعٌ۔ ذال کے نیچے زیر ہے کہنی سے ہاتھ تک کے درمیانی حصے کو ذراع کہتے ہیں۔ مِرْفَق (کہنی) میم کے نیچے زیر اور فا پر زبر ہے، اگر اس کا برعکس (مَرْفِق) تو بازو کا جوڑ مراد ہوگا۔ قاموس میں اسی طرح ہے یہ آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کرنے کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں انہیں اسی صورت میں پیدا فرمایا اور اسی مقدار میں لمبے قد کے ساتھ، اگر ضمیر کو آدم علیہ السلام کی طرف راجع قرار دیا جائے اور اگر ضمیر بھائی کی طرف راجع ہو تو ضمیر اور مرجع ضمیر میں کوئی ربط نہیں مگر صرف بیان واقع ہے۔ اور حضرت آدم کے قد کی لمبائی کا خصوصی طور سے بیان انسانوں میں اس مقدار کا قد متعارف نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور باقی صفات کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ باقی صفات اجمالاً معلوم ہو ہی جائیں گی۔

۵۳ نَفَرٌ (گروہ)، لغت میں نَفَرٌ مردوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو تین سے دس افراد پر مشتمل ہو، یہاں بھی یہی مراد ہے اور فرشتے جو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد بھی تین سے دس تک تھی، نَفَر سے مطلقاً جماعت بھی مراد لی گئی ہے اگرچہ دس سے زیادہ ہوں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۴ يُحَيُّوْنَكَ : (آپ کو سلام کرتے ہیں) اکثر نسخوں میں حا پر زبر اور با پر شد ہے اور تحیۃ سے مشتق ہے لیکن بعض دیگر نسخوں میں اس کی بجائے يُجِيْبُوْنَكَ جیم کے نیچے زیر اور شرح میں پیش کے ساتھ ہے اور یہ "جواب" سے مشتق ہے، تحیت دراصل حیات سے مشتق ہے جس کا معنیٰ زندہ کرنا ہے اور اسی لیے حَيَّاكَ اللہ کہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ و سلامت رکھے اور تحیت سلامتی، ملک اور بقا کے معنی میں بھی آتا ہے اور التحیات للہ میں یہی معنی مراد ہے۔

ؔ۵ ذُرِّیَّتُ (اولاد) بہ کلمہ ذَرٌّ سے مشتق ہے پھیلانے اور پراگندہ کرنے کے معنی میں ہے اور چیونٹی کو ذَرَّةٌ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

ؔ۶ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا راوی نے۔

ؔ۷ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللهِ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے سلام کے جواب میں فرشتوں نے لفظ ورحمۃ اللہ بڑھادیا اور فضیلت یہ ہے کہ اگر ایک کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ تو دوسرا وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ جواب میں کہے اور اگر سلام میں ورحمۃ اللہ بھی کہا جائے تو جواب میں دوسرا آدمی وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ وَمَغْفِرَتُهٗ بھی آیا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنا بھی درست ہے چنانچہ اس عبارت اور وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ میں کچھ فرق نہیں ہے۔

ؔ۸ جو بلندی قامت اور حسن و جمال حضرت آدم کا ہے جنتی اس کے ساتھ مزین ہو کر جنت میں آئے گا لیکن دوزخی بدترین صورت میں ہوں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک کے دانت پہاڑ کے برابر ہوں گے۔

ؔ۹ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی حضرت آدم ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے تھے اور اب مخلوق کے قد گھٹتے جا رہے ہیں اور جب یہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے قد حضرت آدم کے قد کے برابر ہو جائیں گے۔

۴۴۲۲ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ [۲] رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کونسا اسلام بہتر ہے! آپ نے فرمایا کھانا کھلاؤ[۳] اور سلام[۴] دو جسے تم جانتے ہو اور جسے نہیں جانتے۔ (صحیحین)

ؔ۱ مسلمانی کے آداب اور عادتوں میں سے کون سی عادت اور کونسا ادب زیادہ فضیلت والا ہے۔

ؔ۲ اس میں سخاوت اور تواضع کی طرف اشارہ ہے جو صفات حمیدہ اور عمدہ عادتیں ہیں اور مخلوق خدا کے ساتھ

معاملے میں ان کو ملحوظ رکھنا واجب ہے طیبی نے کہا ہے کہ ان دو اوصاف کی تخصیص سوال کرنے والے کے حال کے مطابق تھی اور اسی بیے سائل کو خطاب کے صیغے سے مخاطب کیا شاید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سائل میں ان دو اوصاف کے برعکس میلان پایا اور ان کے اس میلان کے آثار کا ازالہ نہایت ضروری تھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری احادیث میں بعض دیگر صفات کو اسلام کی افضل عادات میں شمار کیا ہے جیسے رات کے اس حصے میں نماز ادا کرنا جب لوگ نیند میں ہوں، ہمسائے اور مہمان کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی عزت کرنا وغیرہ یعنی ہر کسی کے لیے جو کچھ مناسب سمجھا اور اس کے حال کے مطابق پایا اسے انہی صفات کی ترغیب دی۔

۵۳ تُقْرِئُ تا پر پیش (اِقْرَاء) سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پڑھا، تا پہ زبر بھی پڑھی گئی ہے، یہ قرات سے مشتق ہے، اس کا معنی ظاہر اور واضح ہے، اس کے باوجود تا پہ پیش پڑھنا زیادہ صحیح اور زیادہ فصیح ہے۔ اقراء کا معنی سلام پڑھنا قدرے مبہم ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ سلام کرنے والا سلام کا باعث بنتا ہے کیونکہ جسے سلام کہا گیا ہے اس کی طرف سے سلام کے جواب کا سبب بنتا ہے۔ گویا اس سے سلام کہلوا رہا ہے، اگر سلام قلم سے لکھا گیا ہو تو اقراء مناسب ہے کیونکہ جس کو سلام لکھا ہے سلام لکھنے والا اس سے سلام پڑھوا رہا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلام حقوق اسلام میں سے ہے دوستی اور شناسائی کا ہی حق نہیں ہے اور اسی طرح عیادت اور اس جیسی دوسری صفات جو آئندہ حدیث میں آرہی ہیں وہ بھی حقوق اسلام میں سے ہیں۔

۴۴۲۳ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَيُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَيُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِى الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِىْ كِتَابِ الْحُمَيْدِىِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں[۱] اگر مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے اور اگر مر جائے تو جنازے کو آئے اگر دعوت کرے تو حاضر[۲] ہو اگر اسے ملے تو سلام[۳] کرے، اگر چھینکے تو جواب دے، غائب ہو یا حاضر تو اس کی خیر[۴] خواہی کرے (میں نے یہ روایت نہ بخاری[۵] مسلم میں پائی اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں لیکن صاحب جامع نے نسائی کے حوالے سے اسے

الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ۔ ذکر کیا ہے۔

سلہ اگرچہ چھ خصلتیں واجب نہیں ہیں لیکن تاکید میں مبالغہ کے لیے صیغہ وجوب (علی) استعمال بھی کیا گیا ہے۔

سلہ عیادت: عود سے مشتق ہے جس کا معنی واپس ہونا اور پلٹنا ہے، کیونکہ عیادت کرنے والا مریض کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے قریب جاتا ہے، یا یہ معنی ہے کہ عیادت کرنے والا پلٹ کر بار بار عیادت کرتا ہے۔

سلہ بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو مثلاً کسی بدعت کا ارتکاب یا تفاخر اور نمود و نمائش پائی جائے۔

سلہ یہاں سلام کے جواب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ سلام کا جواب لازم اور واجب ہے۔

سلہ جب چھینکنے والا مسلمان الحمدللہ کہے اسے جواب دو (یرحمک اللہ) اگر چھینکنے والا الحمدللہ نہیں کہتا تو جواب دینا ضروری نہیں اس کی تفصیل الگ باب میں آئے گی۔

تشمیت۔ شین اور سین کے ساتھ چھینک کا جواب دینے کے معنیٰ میں ہے اور باب العطاس میں اس لفظ اور چھینک کے احکام کی تحقیق آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

سلہ یعنی اگر مسلمان بھائی غائب ہو اس کی غیبت نہ کرے اور اگر موجود ہو تو خوشامد اور منافقت نہ کرے اور مسلمان بھائی کے سامنے اور پس پشت خیر خواہ رہے یہاں نصیحت کا معنی خیر کا ارادہ ہے در اصل لغت میں نصیحت کا معنی خلوص آتا ہے اس کی مزید تحقیق آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سلہ امام حمیدی کی کتاب کا نام الجمع بین الصحیحین ہے۔

۴۴۲۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت تک جنت میں نہ جاسکو گے جب تک مومن نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں ہو گے[1] جب تک آپس میں محبت نہ رکھو، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں[2] جس کے کرنے سے باہمی محبت بڑھے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو[3] (مسلم)

سلہ یعنی کامل مسلمان اس وقت تک نہیں ہو گے جب تک تم خدا کے لیے باہم محبت نہیں رکھو گے بعض نسخوں

میں لَاتُؤْمِنُوْنَ آیا ہے اور قاعدہ کے موافق بھی یہی ہے حَتّٰی تُؤْمِنُوْا سے موافقت اور مشابہت کے لیے یہاں بھی وَلَا تُؤْمِنُوْا استعمال ہوا ہے۔

سے باہمی محبت کے حصول کے لیے فرمایا: کیا ایسی چیز نہ بتاؤں جسے کرنے سے تمہارے درمیان محبت بڑھے اور وہ صفت یہ ہے۔

سے سلام پھیلانے سے مراد یہی ہے کہ اپنے اور بیگانے کو سلام کرو یا اس کا مطلب سلام کو ظاہر کرنا اور اس طرح بلند آواز سے کہنا کہ سلام اس کو سنائی دے۔ جیسے سلام کیا گیا ہے کیونکہ یہ دوستی اور محبت پیدا کرنے کا سبب ہے۔

۴۴۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَ الْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَ الْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواری کرنے والا چلنے والے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں[1] (صحیحین)

[1] آئندہ حدیث بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے۔

۴۴۲۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَ الْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَ الْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو سلام کرے، گزرنے والے بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں[1] (بخاری)

[1] شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجائیں اور اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حاضر ہو تو سلام میں پہل کرنا باہر سے آنے والے کے لیے ضروری ہو گا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قلیل گروہ ہو یا کثیر۔

۴۴۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چند بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان بچوں کو سلام فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اہل جہاں پر انتہائی شفقت و کرم ہے اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔

۴۴۲۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرو اور جب ان میں سے کسی کے ساتھ راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف چلنے پر مجبور کردو لہ۔ (مسلم)

لہ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں پر سلام میں پہل مت کرو اور اگر وہ سلام میں پہل کریں تو جیسا سلام کریں ویسا ہی انہیں لوٹا دو، علماء فرماتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سلام کے جواب میں وَعَلَيْكَ سے زیادہ نہ کہا جائے اور کافروں کو سلام کے جواب میں ہَدَاكَ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت نصیب فرمائے) بھی کہنا چاہیے اور بعض علماء نے یہودیوں اور عیسائیوں کو ضرورت یا حاجت (تالیف قلب) کے وقت سلام کہنا درست اور جائز قرار دیا ہے، بدمذہبوں اور فاسقوں کا بھی یہی حکم ہے۔

لہ یعنی ان پر اسلام کی عزت اور شوکت کے اظہار کے لیے غلبہ قائم رکھو یا اس سے ایک طرف چلنے کے بارے میں حکم دینا مراد ہے۔

۴۴۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ اَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی تمہیں سلام کہتے ہیں تو وہ السَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں۔ تم بھی صرف وَعَلَيْكَ کہہ دیا کرو۔ (صحیحین)

سلہ یہودی سلام کی بجائے مسلمانوں کو اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں اور سام کا معنی موت ہے یہ ان کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور ان کے خبث باطن کی وجہ سے ہے اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر وہ تمہیں اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَیْکَ کہہ دو تاکہ جو کچھ انہوں نے کہا انہیں پر لوٹ جائے اور ان کو وَعَلَیْکَ السَّلَامُ نہ کہو۔

۴۴۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَ عَلَيْكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں اہل کتاب سلام کہیں تو تم صرف وَعَلَیْکُمْ کہہ دو۔ (صحیحین)

سلہ اس روایت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ تم کہہ دو اور تم سب پر جمع کے صیغہ کے ساتھ جب کہ پہلی حدیث میں نعل اور عَلَیْکَ دونوں واحد کے صیغے ہیں روایات میں وَعَلَیْکَ اور وَعَلَیْکُمْ واو کے ساتھ اور بغیر واؤ کے (علیک، علیکم) دونوں طرح آیا ہے۔

موطا کی روایت میں علیک بغیر واؤ کے ہے اور اسی طرح دار قطنی میں بھی ہے علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ علیک اور علیکم بغیر واو کے ہی کہا جائے تاکہ جو کچھ یہودیوں نے کہا ہے اس میں جواب دینے والا بھی شریک نہ ہو جائے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ موت تو یہودیوں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور بعض دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ واؤ یہاں مشارکت کے لیے نہیں ہے بلکہ نیا کلام شروع کرنے کے لیے ہے مراد یہ ہے اور تم پہ وہ کچھ جس کے تم مستحق ہوا چونکہ روایت دونوں طریقوں سے ہے اس لیے صحیح یہی ہے کہ دونوں طریقوں سے جواب دینا درست ہے۔

۴۴۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہودیوں کے ایک گروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باریابی کی اجازت چاہی انہوں نے کہا اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ سلہ (تم پر ہلاکت ہو) میں نے انہیں جواب سلہ دیا تم پر ہلاکت اور لعنت ہو سلہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ مہربان

يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قُلْتُ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِي رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ إِنَّ الْيَهُوْدَ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا تَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ.

ہے ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، میں نے کہا آپ نے نہیں سنا یہودیوں نے کیا کہا ہے[۵]؟ آپ نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا ہے[۶]
(صحیحین)

اور دوسری روایت میں بغیر واؤ کے علیکم ہے[۷] امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا انہوں نے کہا السام علیکم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم پر بھی، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تم پر خدا کا غضب، اس کی لعنت اور ہلاکت ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عائشہ ٹھہرو نرمی اختیار کرو سختی اور بدگوئی سے بچو[۸] حضرت عائشہ نے کہا آپ نے سنا نہیں؟ یہودیوں نے کیا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میں نے کہا تم نے نہیں سنا! میں نے یہودیوں کا کلام انہی پر لوٹا دیا[۹] مجھ پر ان کی بددعا قبول نہیں ہوگی لیکن ان کے خلاف میری دعا قبول ہوگی امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا تم بدگوئی مت کرو[۱۰] اللہ تعالیٰ فحش گوئی کی عادت اور بتکلف فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا۔

۵۱ شق العصا۔ یہودیوں نے السام علیکم میں جمع کی ضمیر لا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل بیت کے سبھی بددعا کا ارادہ کیا تھا اگرچہ سلام کے لیے ضمیر جمع اس ارادے کے بغیر بھی آتی ہے۔

۵۲ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بددعا کو ان یہودیوں کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

۵۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ہلاکت کے ساتھ یہودیوں کو ڈانٹنے اور ان پر سختی کے سبب لعنت کا اضافہ کیا۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

۵۴ صراح میں ہے رفق نرمی ہے سختی کے برعکس اور قاموس میں رفق لطف کو کہتے ہیں۔

۵۵ یعنی یہودیوں نے تو بددعا دی ہے پھر تو اس لائق ہیں کہ ان سے سختی اور درشتی سے پیش آؤں یہ یہودی تو خود ملعون ہیں۔

۵۶ میں نے بھی کہہ دیا ہے ہلاکت تم پر ہی ہو یا یہ کہ لعنت و نفرین تم پر ہو جس کے تم مستحق ہو۔

۵۷ ایک دوسری روایت میں صرف علیکم ہے واؤ کا ذکر نہیں ہے گزشتہ حدیث میں واؤ کا ذکر کرنے یا نہ کرنے کی تحقیق کی جا چکی ہے۔

۵۸ سختی اور گفتگو میں حد سے تجاوز کرنے سے بچو فحش فار پریشں گناہوں میں جو سخت بری چیز ہو اسے فحش کہتے ہیں اس جگہ گفتگو میں سختی کی زیادتی مراد ہے۔

۵۹ یعنی جو دعائے بد انہوں نے مجھ پر کی میں نے وعلیکم کہہ کر انہیں پر لوٹا دی۔

۵۱۰ یعنی درشت گو مت ہو اور درشت گوئی میں حد سے تجاوز کرنے والی نہ بنو۔

۵۱۱ فحش وہ ہے جو بے تکلف سرزد ہو اور تفحش یہ ہے کہ تکلف کے ساتھ فحش گوئی کی جائے۔

۴۴۳۲ / ۱۲ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ أَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَ الْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مخلوط مجلس کے قریب سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا۔

(بخاری و مسلم)

۵۱ اس مخلوط مجلس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ارادہ کرکے سلام فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اگر ایسی جماعت بیٹھی ہو جن میں کچھ سلام کے مستحق ہوں اور کچھ سلام کے مستحق نہ ہوں جیسے کافروں اور بدعتیوں کی جماعت تو اس جماعت کو کوئی بھی مسلمان سلام کے مستحقین کا ارادہ کرکے سلام کہہ سکتا ہے علماء فرماتے ہیں مسلمان کو ایسی جماعت کو سلام کہنے کا اختیار ہے السلام علیکم کہے یا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلامتی ہو) اور اہل کتاب کو خط میں اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ہی لکھا جائے۔

اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ (بت پرست) اگر مشرکین کا بیان ہے تو درست ہے کیونکہ یہودی مشرکین اور بت پرستوں میں شامل نہیں ہیں اور اگر مشرکین کا بیان نہیں ہے تو ان کے مقابل عَبَدَۃُ الْاَوْثَانِ کا لانا درست نہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مشرکین سے مراد کافر ہوں جیسے آیہ کریمہ میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (۴۸۔ النساء۴) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے (ترجمہ کنزالایمان) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَالْیَھُوْدِ کا عطف عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ کی بجائے مشرکین پر ہے اور عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ مشرکین کا بیان ہے کیونکہ تمام مشرکین عرب بت پرست تھے اور عبادت میں شرک تھے۔

۴۲۳۳ / ۱۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْھَا قَالَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں[۱] میں بیٹھنے سے بچو صحابہ کرام نے عرض کیا ہمیں راستوں میں بیٹھنا پڑتا ہے وہاں بیٹھ کر ہم بات چیت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اگر راستوں میں بیٹھنا ہی ہے[۲] تو راستے کو اس کا حق دو صحابہ کرام نے پوچھا۔ یارسول اللہ رستے کا کیا حق ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر کو جھکانا، گزرگاہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا[۳]۔ سلام کا جواب دینا[۴] نیکی کا حکم دینا اور برائی سے بھی منع کرنا[۵]۔

(صحیحین)

سلہ طرقات : طا اور را دو پر پیش

سلہ مجلس : لام پر زبر علامہ کرمانی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اسی طرح شرح ابن الملک میں بیٹھنے کے معنی میں ہے سید جمال الدین محدث کے نسخہ میں لام کے نیچے زیر ہے یعنی اگر تم راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں رہ سکتے تو بیٹھو (لیکن ایک شرط کے ساتھ)۔

سلہ یعنی راستے میں بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑنے سے آنکھ کو روکا جائے۔

سلہ راستے میں پڑے ہوئے پتھر اور غلاظت کو دور کرنا جو گزرنے والوں کو پریشان کرتے ہیں۔

سلہ آپ نے سلام کا جواب دینا فرمایا ہے سلام دینا نہیں فرمایا کیونکہ سنت یہ ہے کہ پیادہ شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

سلہ شرع میں جس کی تعریف کی گئی اس کا حکم دینا اور جس چیز سے منع کیا گیا اور شریعت میں اس کا جواز بیان نہیں کیا گیا ایسی چیز سے منع کرنا۔

۴۴۳۴ / ۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَاِرْشَادُ السَّبِیْلِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم نے اس واقعہ میں فرمایا اور راستہ دکھانا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَقِیْبَ حَدِیْثِ الْخُدْرِیِّ هٰکَذَا۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے بعد ان کلمات کا ذکر کیا۔ سلہ

سلہ اس واقعہ میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو راستے میں بیٹھنے سے منع فرمایا جب انہوں نے اپنی مجبوری بیان کی تو ان کو فرمایا کہ راستے کو اس کا حق دو اور پھر راستے کے حقوق بیان فرمائے ایک دوسری روایت میں فرمایا مسافروں کو راستہ بتانا جو نہیں جانتے کہ یہ راستہ کدھر جاتا ہے۔

۴۴۳۵ / ۱۵ وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُغِیْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوا الضَّالَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَقِیْبَ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ هٰکَذَا وَلَمْ اَجِدْهُمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو سلہ راہ بھولنے والے کو راستہ بتاؤ۔ یہ روایت ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کی ہے اور میں نے ان حدیثوں کو بخاری و مسلم میں نہیں پایا۔

سلہ قصہ مذکورہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث روایت کی ہے۔

سلہ مظلوم اور پریشان حال کی فریاد رسی کرد۔

سلہ بھولے ہوئے کو راستہ بتلانا قومی راہنمائی سے اہم ہے۔

سلہ حالانکہ مصابیح کی فصل اوّل میں ان دونوں حدیثوں کا ذکر آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۴۳۶/۱۰ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ وَ یُجِیْبُہٗ اِذَا دَعَاہُ وَ یُشَمِّتُہٗ اِذَا عَطَسَ وَ یَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَ یَتْبَعُ جَنَازَتَہٗ اِذَا مَاتَ وَ یُحِبُّ لَہٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) ملاقات کے وقت سلام کرے (۲) اس کی دعوت قبول کرے (۳) جب وہ چھینکے تو یرحمک اللہ کہے (۴) بیمار ہو تو عیادت کرے (۵) جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے سلہ ساتھ جائے اور (۶) اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے

(ترمذی، دارمی)

سلہ جنازے کے ساتھ جانا چونکہ نماز جنازہ بعد میں ہوتی ہے لہٰذا نماز کا ذکر از خود ہو گیا یا یہاں سنن و آداب کا ذکر مقصود ہے اس لیے نماز کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نماز جنازہ فرض ہے اور اس کی ادائیگی بہرصورت لازم ہوتی ہے اگرچہ بطور فرض کفایہ ہے۔

سلہ خواہ اس خیر کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے۔

۴۴۳۷/۱۱ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَرَدَّ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے السلام علیکم کہا آپ نے اس کے

عَلَیْہِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

سلام کا جواب دیا وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا "دس"[1] پھر دوسرا شخص آیا اس نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے اس کا جواب دیا وہ بھی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا "بیس"[2] پھر تیسرا شخص آیا اس نے اضافہ کرتے ہوئے یوں سلام عرض کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے جواب عنایت فرمایا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا تیس[3]۔[4]

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] یعنی اس طرح سلام کہنے والے کے لیے دس نیکیاں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص ایک نیکی بجالاتا ہے اس کے لیے اس کی دس مثلیں ہیں۔

[2] السلام علیکم پر دس نیکیاں ہیں تو اب ورحمۃ اللہ کے اضافے کے ساتھ بیس ہوں گی کیونکہ اب نیکیاں دو ہوں گی۔

[3] اسی طرح "وبرکاتہ" کے اضافے سے نیکیاں تیس ہو جائیں گی۔

[4] یہ گفتگو سلام دینے والے کے بارے میں تھی اگر سلام کہنے والے نے السلام علیکم کہا اور جواب دینے والے نے ورحمۃ اللہ کہا یا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور جواب دینے والے نے وبرکاتہ کہا تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی بیس اور تیس نیکیاں حاصل ہوں گے اسی طرح "ومغفرتہ" کے الفاظ بھی اگلی حدیث میں آرہے ہیں لہٰذا ان کا حکم بھی یہی ہے۔

۴۴۳۸/۱۸ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاہُ وَ زَادَ ثُمَّ اَتٰی اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ وَ مَغْفِرَتُہٗ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَ

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ حدیث کا معنیٰ روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ پھر چوتھا شخص آیا اس نے یوں عرض کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ"[1] آپ نے فرمایا "چالیس" اور فرمایا اسی طرح فضائل

قَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ ۔ ہوتے ہیں کہ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد شریف)

سلہ یہ جہنی صحابی ہیں اور اہل مصر میں شمار کیے جاتے ہیں۔

ہے معنا روایت کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ مختلف مگر دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

ہے یہاں چار نیکیاں ہوئیں ایک سلام اور تین اس پر اضافات رحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔

ہے آپ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ یہ زائد کلمہ پر اجر بھی زائد ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ "مغفرتہ" پر اضافہ کی صورت میں اجر میں اضافہ ہوگا کیونکہ اس سے زائد الفاظ کسی حدیث میں نہیں آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہے فائدہ: علماء نے بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے سلام کہنا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" افضل ہے اگرچہ جس کو سلام کہا جارہا ہے وہ تنہا ہو پھر بھی ضمیر جمع کی لائی جائے گی اور جواب دینے والا بھی جمع کا لفظ لائے اور علیکم کے ساتھ واؤ بڑھائے۔ کم از کم سلام "السلام علیکم" ہے۔ اگر "السلام علیك" یا "سلام علیك" کہہ دیا تو یہ بھی کافی ہے۔ کم از کم جواب سلام یہ علیک السلام" اور "علیکم السلام" ہے اگر واؤ کو حذف کر دیا جائے تو بھی جواب درست ہوگا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر جواب میں صرف "علیکم" کہا تو جواب نہیں کہلائے گا اگر "وعلیکم" کہا تو اس میں علماء کی دو رائیں ہیں۔

۴۴۳۹ وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ [19] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام کہنے میں ابتداء کرے۔

(مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

سلہ یہ اس وقت ہے جب راستے میں ملاقات ہو کیونکہ ایسے موقع پر سلام کہنا دونوں کا برابر حق ہے۔ ان میں سے جو سبقت لے جائے گا اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی لیکن اگر ایک آدمی بیٹھا تھا دوسرا اس کے پاس آتا ہے تو اب سلام کہنا اس آنے والے کا حق ہے اب اگر وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے حق کو ادا کرنے میں سبقت لے جاتا ہے تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی اور اگر بیٹھنے والے نے ابتدا کر دی تو فضیلت اس کے لیے ہوگی۔

ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تین چیزیں آپس میں محبت و پیار [illegible] نے کا ذریعہ ہیں ایک یہ کہ ملاقات کے وقت سلام میں ابتدا کرنا دوسرا یہ کہ اس نام سے بلانا جسے دوسرا پسند کرتا ہو تیسرا مجلس میں

آنے پر جگہ دینا۔

۴۴۴۰/۲۰ وَعَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت جریر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کی جماعت کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا[2]۔ (مسند احمد)

ف۱ یہ جریر بن عبد اللہ بجلی مشہور صحابی ہیں نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق تھے۔

ف۲ اجنبی عورتوں کو سلام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس کسی قسم کے فتنہ سے بالاتر ہے لیکن یہ عمل آپ کے علاوہ کسی کے لیے مناسب نہیں لہٰذا کسی مرد کا غیر محرم عورت یا کسی عورت کا غیر محرم مرد پر سلام مکروہ ہے ہاں اگر عورت ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو کہ وہاں فتنہ کا ڈر نہ ہو تو پھر کراہت نہیں۔

۴۴۴۱/۲۱ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَرْفُوْعًا) وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ رَفَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ شَيْخُ اَبِيْ دَاوٗدَ)

سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جماعت جب گزرے تو اس میں سے ایک کا سلام کہنا تمام کی طرف سے کافی ہوگا اور بیٹھنے والوں میں سے ایک کا جواب دینا ان تمام کی طرف سے کافی ہوگا[1]، (امام بیہقی، شعب الایمان میں اسے مرفوعاً روایت کیا[2] امام ابو داؤد نے روایت کرکے کہا کہ میرے شیخ حسن بن علی نے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔

ف۱ سلام کہنے کا سنت ہونا اور اس کے جواب کا فرض ہونا دونوں بطور کفایہ ہیں اس لیے اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کہہ دیا یا ایک نے جواب دے دیا تو باقی سے ساقط ہو جائے گا لیکن اگر ہر کوئی یہ عمل کرے تو افضل ہے۔

ف۲ امام بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

ف۳ حاصل یہ ہے کہ امام بیہقی نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی قرار دیا مگر امام ابو داؤد نے دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک وہ سند جس میں آپ کے شیخ حسن بن علی ہیں اس کے مطابق یہ رحمت دو جہاں صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور دوسری سند کے مطابق یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

۴۴۴۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)

حضرت عمرو بن شعیب کے والد گرامی نے ان کے جد امجد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غیر سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں تم نہ یہود کی مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی یہود کا سلام انگلیوں سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ ہے۔

(ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے)

۴۴۴۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِيَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جب کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے اگر پھر دونوں کے درمیان درخت، دیوار یا پتھر حائل ہو جائے پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کہے[1]۔

(ابو داؤد)

[1] جب اتنی سی مفارقت اور جدائی کے بعد سلام کا حکم ہے تو اس سے زائد پر بطریق اولیٰ ہوگا، اس حدیث میں سلام کے مستحب ہونے اور اس کے بجالانے پر کامل طور پر متوجہ کیا گیا ہے۔

۴۴۴۴ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا

حضرت قتادہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے رہنے والوں

فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهٖ وَ اِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ۔

کو سلام کہو اور جب نکلو تو ان کے پاس سلام بطور ودیعت رکھو۔ ٢

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

(بیہقی نے اسے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا)۔

سلہ یہ مشہور تابعی ہیں۔ نابینا اور حافظ تھے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے تھے۔

٢ جب واپسی پر سلام دیا تو گویا خیر و برکت ان کے پاس بطور امانت رکھی جو اسے آخرت میں حاصل ہو گی یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے پاس جاتے وقت امانت رکھتا ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کرکے اپنی امانت حاصل کریں جیسا کہ دیگر امانتیں واپس لی جاتی ہیں اس میں اس بات کی نیک فال ہے کہ سلامتی سے واپس آؤ اور خیر و برکت حاصل کرو۔

٤٤٤٥ / ٢٥ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کہو یہ تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت ہو گا۔ ١

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

سلہ روایات میں ہے کہ جب گھر میں آؤ تو اہل خانہ کو سلام کرو اور اگر خالی گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہنا چاہیے السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ (ہم پر اور اللہ کے صالحین بندوں پر سلام ہو) تاکہ وہاں موجود فرشتوں کو سلام ہو جائے۔

٤٤٤٦ / ٢٦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ)

(اسے ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث منکر ہے)۔

۴۴۷۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُولُ اَنْعَمَ اللهُ بِكَ عَيْنًا وَّ اَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دور جاہلیت میں کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے آنکھیں ٹھنڈی کرے[۱] تو اچھی طرح صبح کرے[۲] جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا[۳]۔ (ابوداؤد)

۱؎ اَنْعَمَ، نُعُوْمَۃٌ سے مشتق ہے اس کا معنی نرمی، تازگی اور اچھائی ہے اس عبارت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ با سببیہ ہو اللہ تعالیٰ تیرے آرام اور بہتر زندگی کے سبب دوستوں کی آنکھوں کو اس طرح ٹھنڈا کرے کہ وہ دیکھنے سے خوش ہو جائیں دوسرا یہ کہ "با"، پہلی زائدہ ہو تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس طرح خوشی عطا فرمائے کہ تیری آنکھیں اسے دیکھ کر خوش ہوں۔

۲؎ یعنی اچھی ہو تیری صبح یا تو صبح کے وقت خوش ہو اس سے بہتر زندگی اور فراغت مراد ہے، وقت صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ اکثر طور پر ڈاکے وغیرہ صبح کے وقت ہی پڑتے تھے، پہلا لفظ اَنْعَمَ ماضی کا صیغہ ہے اور دوسرا انعام سے مشتق امر کا صیغہ ہے۔

۳؎ ہر قوم میں بادشاہوں اور بڑے لوگوں کے لیے آداب بجالانے کا ایک طریقہ تھا عربوں کے دو محاورات کا ابھی ذکر ہوا عجمی لوگ کہتے تھے "زہے ہزار سال" اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ کے ذریعے اسی بات کی تعلیم دی گئی کہ تمام تحیات و تعظیمات فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کے سوا ان کا کوئی مستحق نہیں اسی وجہ سے لفظ التحیات جمع لایا گیا تاکہ تمام تعظیموں کو شامل ہو جائے۔

۴۴۷۸ وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتِهِ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اَبِيْ يُقْرِئُكَ

حضرت غالب کہتے ہیں کہ ہم امام حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا مجھے میرے والد نے میرے دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا اور کہا کہ حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا فرماتے ہیں میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد آپ کی خدمت میں سلام عرض کر رہے ہیں

السَّلَامَ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أَبِيكَ السَّلَامُ۔ آپ نے فرمایا تم پر اور تمہارے والد پر سلام ہو۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد) (ابوداؤد)

سلہ غالب بن قطان البصرہ کے رہنے والے تھے، انہیں امام نسائی نے ثقہ، امام احمد نے تاکید کے ساتھ ثقہ اور امام یحییٰ نے صدوق صالح کہا ہے، انہوں نے امام حسن بصری اور سعید بن جبیر سے اور ان سے شعبہ اور عمر نے روایت کی ہے۔

سلہ اس حدیث سے واضح ہے کہ جب کوئی کسی دوسرے کا سلام پہنچائے تو سنت یہ ہے کہ بھیجنے والے اور پہنچانے والے دونوں پر سلام ان الفاظ سے کہا جائے۔ تجھ پر اور فلاں پر سلام ہو۔

۴۴۲۹/۲۹ وَعَنِ ابْنِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِيَّ كَانَ عَامِلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَيْهِ بَدَأَ بِنَفْسِهِ۔ حضرت ابن العلاء حضرمی سے روایت ہے کہ علاء حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گورنر تھے اور وہ جب بھی آپ کی طرف خط لکھتے تو اپنے نام سے ابتدا کرتے تھے۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد) (ابوداؤد[1])

سلہ اس جگہ نسخے مختلف ہیں بعض میں اسی طرح ہے جس طرح مذکور ہے بعض میں عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِي أَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِي تقریب میں ہے کہ علاء بن حضرمی عظیم صحابی اور بنو امیہ کے حلیف تھے۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا گورنر مقرر کیا، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں بھی وہاں کے گورنر رہے ابن العلاء بن الحضرمی طبقہ ثالثہ میں سے مقبول ہیں، میرا گمان ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے۔

سلہ حضور علیہ السلام کا عمل مبارک بھی یہی تھا جب آپ کسی کو خط لکھتے تو ابتداً اپنا اسم گرامی لکھتے اس کے بعد اگر مکتوب الیہ مسلمان ہوتا تو اس کے لیے سلام لکھتے اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو عموماً یہ لکھتے سَلَامٌ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ " ہرقل کی طرف بھی ایسے ہی لکھا تھا، اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سلام کا مقدمہ ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا اسی طرح مابعد متصلاً آنے والی احوال کتابت سے متعلقہ تین احادیث کا معاملہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات سلام تحریراً بھی کیا جاتا ہے، حضرت مصنف کا طریقہ یہی ہے کہ وہ فصل کے آخر میں موضوع کے مناسب اور متعلق احادیث کا ذکر کر دیتے ہیں۔

۴۴۵۰/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَتَبَ اَحَدُکُمْ کِتَابًا فَلْیُتَرِّبْہُ فَاِنَّہٗ اَنْجَحُ لِلْحَاجَۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی خط لکھے تو اس پر مٹی چھڑک دے[۱] کیونکہ یہ مقصد کو[۲] بہت پورا کرنے والی ہے۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث منکر ہے)۔

سلہ یا مراد یہ ہے کہ اس خط کو مٹی پر ڈال دیا جائے۔

سلہ یہ ایسی خاصیت ہے جس کے علم کا شارع کے بغیر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی نور نبوت کے علاوہ اسے کوئی جان سکتا ہے۔ بعض اہل معرفت نے دوسرے معنی کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ خط اور تحریر کو خاک پر ڈالنا اس بات کی علامت ہے کہ حصول مقصد اس تحریر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی وجہ سے ہے۔ بعض تقریب سے مراد مکتوب الیہ کے لیے کاملاً تواضع وانکساری مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں "فلیترّبہ" کی ضمیر کا مرجع اَحَدُکُمْ ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب کی طرف بھی راجع ہو پہلے دونوں معنوں کے اعتبار سے ضمیر کا کتاب کی طرف راجع کرنا متعین ہے اور پہلے دونوں معنی ہی زیادہ مناسب ہیں۔

صراح میں ہے اِتْرَابٌ، تَتْرِیْبٌ خاک آلودہ کرنا، کسی چیز پر خاک ڈالنا۔ بعض روایات میں اَتْرِبُوا الْکِتَابَ فَاِنَّہٗ اَنْجَحُ لِلْمُرَادِ کے کلمات بھی آئے ہیں قاموس میں ہے کہ اَتْرَبَہٗ وَتَرَّبَہٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے کسی چیز پر مٹی ڈالی ہو نہایہ میں اِتْرَابٌ کا معنی خط پر مٹی ڈالنا بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۵۱/۳۱ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ یَدَیْہِ کَاتِبٌ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰی اُذُنِکَ فَاِنَّہٗ اَذْکَرُ لِلْمَآلِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ ضُعْفٌ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ کے پاس کاتب تھا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنے کان[۱] پر رکھو کیونکہ یہ انجام کو بہت یاد دلانے[۲] والا ہے۔ (امام ترمذی نے اسے روایت کرکے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے)۔

سلہ اسی کا نسب سے۔
سلہ ایک روایت میں واحد کی بجائے تتخبذ علی اُذُنیلعہ ہے۔
سلہ بیان مقاصد و مطالب کے لیے بہتر عبارت کا انتخاب مراد ہے۔ یہ ایسی خاصیت ہے جس کا علم صرف شارع علیہ السلام کو ہی ہے شیخ طیبی فرماتے ہیں کہ قلم زبان کا حکم رکھتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (قلم بھی ایک زبان ہے) اور زبان ترجمان دل ہوتی ہے، محل سماعت کان پر زبان قلم رکھنے کی وجہ سے کان دل کے قریب ہو جائیں گے اور اب دل عبارات اور فنون کلام میں سے جس کا ارادہ کرے گا اس کو سن سکیں گے۔ یہ گفتگو محض ایک تخیل اور نحوی نکتہ ہے جو مناسبت کے طور پر انہوں نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
سلہ محدثین کے ہاں مشہور یہی ہے کہ حدیث غریب وہ ہوتی ہے جسے ایک راوی نے ایک سے بیان کیا ہو اور یہ بات مسلم ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں اسی لیے انہوں نے کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے بعض علماء کے نزدیک غریب بمعنی شاذ ہے کہ یہ روایت ثقہ کی روایت کے مخالف ہے۔

۴۴۵۲ / ۳۲ وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَقَالَ اِنِّیْ مَا اٰمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ مَرَّ بِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُهٗ فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَاْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

انہی سلہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سریانی سلہ زبان سیکھنے کا حکم دیا دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہود کی خط و کتابت سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا میں کسی یہودی کی تحریر پر مطمئن نہیں ہوں کہتے ہیں کہ ابھی نصف ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے اسے سلہ سیکھ لیا اب جب حضور نے یہود کی طرف خط لکھنا ہوتا تو میں لکھتا اور جب یہود آپ کی طرف خط لکھتے تو میں ان کا خط آپ کی خدمت میں پڑھتا۔

(ترمذی شریف)

سلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
سلہ تورات اسی زبان میں تھی، یہودی بولتے اور اسی میں لکھتے تھے۔
سلہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس خط و کتابت پر کسی یہودی کو مقرر کیا گیا تو ممکن ہے وہ ہماری

طرف سے خط میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دے اور جب یہود کی طرف سے خط آئے تو پڑھتے ہوئے زیادتی یا کمی کر دے۔ کمی یا زیادتی کر دے۔

ﮯﮯ یہود کی زبان اور ان کی خط و کتابت کا طریقہ۔

۴۴۵۳/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَهٰی اَحَدُكُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی کسی مجلس میں جائے تو سلام کہے اگر بیٹھنا چاہے[۱] تو بیٹھ جائے پھر جب وہاں سے واپس لوٹے تو سلام[۲] کرے کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ﮯ۱ اگر مجلس اچھی ہو۔

ﮯ۲ مجلس میں آتے اور جاتے دونوں وقت سلام سنت ہے۔

ﮯ۳ سلام ہر دفعہ سنت اور اس کا جواب بھی ہر دفعہ واجب ہے۔

۴۴۵۴/۳۴ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا خَیْرَ فِیْ جُلُوْسٍ فِی الطُّرُقَاتِ اِلَّا لِمَنْ هَدَی السَّبِیْلَ وَرَدَّ التَّحِیَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَ وَاَعَانَ عَلَی الْحَمُوْلَةِ

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ) وَذُكِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ جُرَیٍّ فِیْ بَابِ فَضْلِ الصَّدَقَةِ۔

انہی سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں مگر وہ شخص جو راستہ بتائے سلام کا جواب دے، نگاہ نیچی رکھے اور سوار کرنے میں[۱] بھی مدد دے۔

(شرح السنۃ) اور حدیث ابو جری[۲] باب فضل الصدقہ میں بیان کر دی گئی ہے۔

ﮯ۱ حمولہ حا پر زبر کی صورت میں اس سے مراد ہر وہ سواری ہے جس پر بوجھ لادا جائے مثلاً اونٹ، گدھا اور پیش کی صورت میں اس کا معنی بوجھ ہے اب بوجھ اٹھانے والے کے بوجھ میں مدد کرنا ہی

مراد ہو گا۔

۵۲ مُجْرِیّ۔ جیم پر پیش، را پر زیر اور یا پر شد ہے۔
۵۳ کیونکہ اس میں بھی سلام کا ذکر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۴۵۵ / ۳۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ اٰدَمَ وَ نَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ يَرْحَمُكَ اللهُ يَا اٰدَمُ اِذْهَبْ اِلٰى اُولٰٓئِكَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلٰى مَلَاٍ مِّنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالُوْا عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَ تَحِيَّةُ بَنِيْكَ بَيْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللهُ وَ يَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اخْتَرْتُ يَمِيْنَ رَبِّيْ وَ كِلْتَا يَدَيْ رَبِّيْ يَمِيْنٌ مُّبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا اور اللہ کے حکم سے اس کی حمد و ثنا[۱] کی رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا یَرْحَمُکَ اللہ، اور فرمایا فرشتوں[۲] کی اس بیٹھی ہوئی جماعت کے پاس جا کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہو جب انہوں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا تو فرشتوں نے عَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللہ کہا پھر بارگاہ خداوندی[۳] لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں دستِ قدرت بند[۴] تھے ان دونوں[۵] میں سے جس کو چاہو اختیار کر لو عرض کیا میں نے اپنے رب کا داہنا ہاتھ اختیار کیا جب کہ اس کے دونوں ہاتھ مبارک[۶] ہیں جب اسے کھولا تو اس میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی

وَ ذُرِّيَّتُهٗ فَقَالَ اَیْ رَبِّ مَا هٰؤُلَاۗءِ قَالَ هٰؤُلَاۗءِ ذُرِّيَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ مَكْتُوْبٌ عُمُرُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَاِذَا فِيْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَئُهُمْ اَوْ مِنْ اَضْوَئِهِمْ قَالَ يَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ اِبْنُكَ دَاوٗدَ قَدْ كَتَبْتُ لَهٗ عُمُرَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ يَا رَبِّ زِدْ فِیْ عُمُرِهٖ قَالَ ذٰلِكَ الَّذِیْ كَتَبْتُ لَهٗ قَالَ اَیْ رَبِّ فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمُرِیْ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَ ذَاكَ قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا وَ كَانَ اٰدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ قَالَ لَهٗ اٰدَمُ قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِیْ اَلْفُ سَنَةٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوٗدَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَ نَسِیَ وَ نَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ قَالَ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ اُمِرَ بِالْكِتَابِ وَ الشُّهُوْدِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

عرض کیا اے میرے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا: تمہاری اولاد ہے اس وقت ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان عمر لکھی ہوئی تھی ان میں سے ایک نہایت ہی روشن چہرے والے تھے یا چمکداروں میں سے ایک تھے عرض کیا یارب یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تمہارا بیٹا داؤدؑ ہے میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے عرض کیا یارب اس کی عمر میں اضافہ فرما، فرمایا: میں نے ان کے لیے یہی لکھی ہے عرض کیا یارب میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال انہیں دیئے فرمایا تمہاری مرضی راوی کہتے ہیں حضرت آدم جنت میں رہے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر وہاں سے اتارے گئے، حضرت آدم اپنی عمر گنتے تھے، جب ملک الموت ان کے پاس آئے تو اس سے فرمایا: تو نے جلدی کی ہے میری عمر تو ہزار سال لکھی گئی تھی عرض کیا ہاں لیکن آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو ساٹھ سال دے دیے تھے۔ حضرت آدم نے انکار فرمایا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے وہ بھول گئے تھے تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے راوی کہتے ہیں اسی روز سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ترمذی)

سلے یہ جو حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کی یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ایک عظیم عمل ہے جو اس کی طرف سے دی جانے والی آسانی کے بغیر آسان نہیں۔

سلے اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کو چھینک کا ادب سکھایا ہے اور اس کے ساتھ ہی سلام کی بھی تعلیم دی۔

سلے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں ملائکہ کی تعیین ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو اور آپ نے اس کے ذریعے "اولئک الملائکۃ" کے مصداق کا تعین فرمایا ہو۔

"ملأ" قوم کے ان اشراف اور صاحب فضل لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کی طرف تمام معاملات میں قوم رجوع کرتی ہو۔

سلے وہ جگہ مراد ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔

سلے جس طرح ہاتھ بند کر کے اس میں کوئی چیز پوشیدہ کی جاتی ہے۔

سلے یعنی وہ چیز جو دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک میں ہے۔

سلے یہ حضرت آدم علیہ السلام کا کلام ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح رہے کہ اللہ کے لیے ہاتھ کا اطلاق از قبیل متشابہات ہے، اسی طرح اس کے دونوں ہاتھوں کا داہنا ہونا بھی متشابہ ہے اس کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بہ معنی ہاتھ ثابت نہیں بلکہ بمعنی صفت ثابت ہے اور یہ جملہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اس کے لیے ہاتھ ثابت نہیں اگر ہاتھ ہوتا تو اس میں دایاں اور بایاں بھی ہوتا۔ کلام کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد خیر و برکت ہے کیونکہ یہ یدیمنیٰ کو لازم ہے اور یُمنیٰ کا مادہ یمن ہے جس کا معنی برکت ہے۔

۲۔ بایاں ہاتھ طاقت اور گرفت میں کمزور ہوتا ہے دونوں ہاتھوں کو دایاں قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ ہیں اور وہ ناقص صفات سے پاک ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر اور اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جو بھی اس کی طرف سے ہو وہ فضل و نعمت ہی ہے خواہ وہ لطف ہو یا قہر کیونکہ جب انہوں نے یہ کہا کہ میں نے داہنا پسند کیا، تو وہم ہو سکتا تھا کہ صفات لطیفہ کو صفات قہریہ پر ترجیح دے رہے ہیں اس لیے کہا کہ میرے رب کے دونوں ہاتھ مبارک ہیں، اس طرح اس وہم کا ازالہ ہو گیا اور اپنے اختیار سے دست بردار ہو گئے۔

۴۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے احسان و فضل اور جود و کرم کی کثرت و عنایت بیان کرنا ہے کیونکہ عربوں کے

تین محاورات ہیں۔ اگر کوئی شخص نفع ہی پہنچائے تو اسے کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ مبارک ہیں اگر کوئی ضرر و نقصان دے تو اسے کہتے ہیں کہ اس کا نصیب بائیں ہاتھ میں ہے اور جو نہ نفع دے اور نہ نقصان اس کے بارے میں کہتے ہیں فلاں نہ دایاں ہاتھ رکھتا ہے اور نہ بایاں۔

۵۔ یہاں یدؑ سے مراد قدرت و نعمت ہے کیونکہ ان دونوں پر عرب یدؑ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اگر یدؑ سے مراد قدرت ہو تو معنی ہوگا کہ ہدایت و ایمان، گمراہی و کفر کی تخلیق اس کے قبضہ میں ہے اور اگر مراد نعمت ہو تو معنی ہوگا اہل ہدایت پر اس کا لطف و کرم اور اہل کفر پر قہر و غضب یہ تمام عدل و حکمت ہے کیونکہ وہ غالب و مالک اور علیم و حکیم ہے اور وہ اس سے مطلع ہے جس سے غیر آگاہ نہیں اس آیت مبارکہ میں یہی ارشاد ہے یُضِلُّ بِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

ﷺ۵ راوی کو شک ہے کہ یا تو فرمایا کہ ان کے درمیان ایک نہایت ہی خوبصورت مرد تھا یا فرمایا کہ ان میں خوبصورت ترین لوگوں کی ایک جماعت تھی اور یہ ایک مرد اس جماعت میں سے تھا۔

ﷺ۵ اگر دوسرا جملہ ہو تو پھر اشکال وارد نہیں ہوتا مگر پہلی صورت میں یہ اشکال ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت داؤد بقیہ تمام انبیاء سے افضل ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ روشن ہونے سے مراد تمام صفات کمال میں افضل ہونا نہیں ہے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ظہور و نور میں دیگر انبیاء سے جو امتیاز تھا اس کو حضرت آدم پر ظاہر کیا گیا تاکہ ان کی عمر کے بارے یہی سوال ہو سکے اور اس پر اور انکار کا واقعہ بھی مترتب ہو جائے جس طرح ہر نبی کو ایک مخصوص امتیاز حاصل ہوتا ہے اس طرح ممکن ہے کہ اس جہان میں یا اس جہان میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام روشن اور چمکدار ہونے میں دیگر انبیاء سے ممتاز ہوں اور اس سے بقیہ تمام انبیاء پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ حضرت آدم نے تمام انبیاء کو دیکھا اور پھر ان میں سے حضرت داؤد کو ممتاز جان کر سوال کیا ہو بلکہ ممکن ہے اتفاقاً ان پر نظر پڑی ہو اور ان کی عمر کے بارے میں سوال کر دیا ہو

جن الفاظ سے یہ حدیث باب ایمان بالقدر میں گزری ہے وہ اسی بات کی تائید کرتے ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت میں سے ہر آدمی کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی پس حضرت آدم نے ان میں سے ایک مرد کو دیکھا تو آپ کو اس کا نور بہت بھا گیا۔

ﷺ۵ جو لکھی ہے وہی رہے گی دوسری عمر نہیں مل سکتی۔

ﷺ۵ آپ کا اختیار ہے اگر آپ اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دینا چاہتے ہیں تو دیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ﷺ۵ یہاں تک کہ آپ کی عمر نو سو چالیس سال تک پہنچ گئی۔

سلہ اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جو آپ نے ملک الموت کو کہے کہ میری عمر تو ہزار سال لکھی گئی ہے تو نے جلدی کی اور آپ کا یہ قول درست ہے اس میں آپ نے اس بات کی ہرگز تصریح نہیں کی کہ میں نے ساٹھ سال نہیں دیئے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے قصداً اور صراحۃً جھوٹ کا صدور نہیں ہو سکتا ، ہاں یہاں بطور تعریض انکار ہے اور اسی طرح کی باتیں بعض انبیاء سے صادر ہوئی ہیں یا میرے نزدیک یہ انکار بطور نسیان ہے جو انبیاء سے ممکن ہے ۔

سلہ انکار کی کیفیت آدمی کی طبیعت میں اس وقت سے ہے جب سے حضرت آدم سے صادر ہوئی ہاں ان سے بطور تعریض و نسیان ہوا اور دیگر لوگوں سے قصداً اور صراحۃً

سلہ انہیں درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا تو آپ بھول گئے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بیان فرمایا نَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا (پس آدم بھول گئے اور ہم نے ان کے لیے عزم نہ پایا)

سلہ ان کی طبیعتوں میں نسیان کی کیفیت اسی وقت سے پیدا ہوئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد حدیث میں مذکورہ واقعہ ہی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا تھا کہ آپ کا انکار قصداً نہ تھا بلکہ نسیاناً تھا ۔

سلہ معاملات کو تحریر میں لانا اور سال پر گواہ مقرر کرنا مراد ہے ۔

۴۴۵۶ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت اسماء[1] بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم[2] عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہمیں سلام دیا[3] ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

سلہ یہ انصار میں سے صحابیہ ہیں ۔

سلہ حالانکہ میں ان عورتوں میں بیٹھی ہوئی تھی ۔

سلہ یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ فصل ثانی میں روایت احمد از جریر کے تحت گزر چکا ہے

۴۴۵۷ وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْ ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ

حضرت طفیل بن ابی بن کعب[1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ابن عمر کے پاس آتے اور صبح کے وقت ابن عمر کے ساتھ بازار جاتے فرماتے ہیں جب ہم بازار میں پہنچتے تو ابن عمر ہر ایک کو سلام کہتے خواہ وہ معمولی[2] دکاندار

عَبْدَ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مِسْكِيْنٍ وَلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهٗ وَ مَا تَصْنَعُ فِي السُّوْقِ وَ اَنْتَ تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَ تَسْأَلُ عَنِ السِّلَعِ وَ لَا تَسُوْمُهَا وَ لَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ قَالَ فَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَا بَطْنٍ قَالَ وَ كَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

ہو یا بڑا کہ تاجر یا مسکین۳ طفیل کہتے ہیں ایک دن میں ابن عمر کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے بازار جانے کے لیے کہا میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جاکر کیا کرتے ہیں ؟ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں نہ سامان کے بارے دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ کسی بازار کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اس لیے آپ یہاں ہی بیٹھ کر ہمارے ساتھ باتیں کریں مجھے عبداللہ بن عمر فرمانے لگے اے پیٹ والے حضرت طفیل کا پیٹ بڑا تھا ہم بازار اس لیے جاتے ہیں کہ جو بھی ہمیں ملے ہم اس کو سلام کہیں۔

(امام مالک، بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)۔

۱ے ان کی کنیت ابوبطن ہے تابعی عزیز الحدیث ہیں ان کی احادیث اہل حجاز میں مقبول ہیں ابن سعد نے ان کی توثیق کی ہے۔

۲ے سَقَطَ قاف پر حرکت ہے معمولی سامان کو کہتے ہیں اور اس کے بیچنے والے کو سقاط یا سقطی کہا جاتا ہے۔

۳ے بیعۃ با پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جا سکتی ہیں۔

۴ے فقیر نے یہی عمل سید احمد مدنی کا دیکھا جو مدینہ طیبہ کے اکابر اور صاحب تاریخ مدینہ امام سمہودی کی

اولاد میں سے تھے، مکہ معظمہ کے شرفا بھی موسم حج میں ایسے ہی کرتے ہیں کہ بازار میں دائیں اور بائیں ہر ایک کو سلام کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ حکمران جب جمعہ کے دن نکلتا تھا تو اس کا بھی یہی معمول تھا۔

۴۴۵۸/۳۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِیْ حَائِطِیْ عَذْقٌ وَّ اِنَّهٗ قَدْ اٰذَانِیْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِیْ عَذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِیْ قَالَ لَا قَالَ فَبِعْنِيْهِ بِعَذْقٍ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ الَّذِیْ هُوَ اَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّا الَّذِیْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں شخص کی کھجور کا درخت[1] میرے باغ میں ہے اور اس نے بہت دکھ دیا[2] ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے یہ درخت فروخت کر دے اس شخص نے انکار کر دیا فرمایا مجھے ہبہ[3] کر دے اس نے انکار کر دیا فرمایا میرے ہاتھ جنت کے[4] درخت کے عوض فروخت کر دے اس نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا میں نے تجھ سے بڑھ کر بخیل شخص نہیں دیکھا سوائے اس شخص کے جو سلام[5] میں بخل کرے۔

(مسند احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)۔

[1] عذق اگر عین پر زبر پڑھیں تو اس سے مراد کھجور کا درخت اور اگر زیر پڑھیں تو اس سے کھجور کی شاخ مراد ہوتی ہے۔

[2] یہ شخص وقت اور بے وقت باغ میں آتا ہے جس سے میرے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

[3] اگر تو میرے ہاتھ بیچنے سے عار محسوس کرتا ہے تو مجھے ہبہ کر دے۔

[4] یہ آپ نے اسے ثواب آخرت کے حوالے سے ترغیب دی۔

[5] جو تھوڑے سے عمل سے عظیم ثواب حاصل نہیں کرتا۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے سفارش تھی، حکم نہ تھا ورنہ وہ شخص حکم کی مخالفت کس طرح کرتا اور

یہ شخص تھا کیونکہ آپ نے ثواب آخرت کے حوالے سے بھی ترغیب دی اگر وہ کافر ہو جاتا تو ایسا ممکن نہ تھا)۔ ہاں اس شخص کا دل سختی اور درشتی سے خالی نہ تھا۔

۴۴۵۹
۳۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے دور ہو جاتا ہے۔ (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)۔

فائدہ

(۱) سلام کہنا سنت اور اس کا جواب فرض ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی جماعت کے پاس سے گزرا اور اس نے سلام کہا تو ان پر اس کا جواب لازم ہے

(۳) اگر وہ اسی مجلس میں دوبارہ آیا اور سلام کیا اب جواب واجب نہیں ہاں مستحب ہے۔

(۴) سلام اور اس کے جواب کے لیے جمع کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تاکہ اس آدمی کے ساتھ جو فرشتے ہیں ان پر بھی سلام ہو جائے۔

(۵) فقیہ ابو جعفر نے امام ابو یوسف کے ایک شاگرد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب وہ بازار جاتے تو السلام علیکم کے بجائے سلام اللہ علیکم کہتے ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا سلام ایک تحفہ ہے جس کو قبول کرنا فرض اور نص قرآن سے ثابت ہے جب وہ میرے سلام کا جواب نہیں دیں گے تو مجھ پر امر بالمعروف لازم ہو جائے گا اور سلام اللہ علیکم دعا ہے اگر وہ جواب نہیں دیں گے تو کوئی بات نہیں کیونکہ جواب ان پر لازم نہیں اسی طرح مجھ پر امر بالمعروف بھی لازم نہ آئے گا اس لیے میں سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ کہتا ہوں۔

(۶) اگر ایسے شخص کو سلام کیا جس کو جانتا نہ تھا پھر اس کا کافر ہونا واضح ہو گیا تو اس سے اپنا سلام واپس لے لے اور یہ کہے کہ میں تیرے کفر کی تحقیر کی وجہ سے سلام واپس لے رہا ہوں۔

(۷) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کیا جائے اگر کسی نے کہہ دیا تو بعض علماء کی رائے کے مطابق اس کا جواب واجب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان سے جواب واجب نہیں بلکہ ہاتھ یا دل سے جواب دے دیا جائے اور بعض کا قول یہ ہے کہ زبان و دل کو تلاوت ہی مشغول رکھے اور سلام کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۸) وقت خطبہ سلام کا جواب بالاتفاق نہیں دیا جائے گا۔ وقت اذان و اقامت اور مذاکرہ علم بھی اس حکم

میں ہے۔

۹۔ اگر تلاوت کرنے والے نے جواب دے دیا تو وہ اب تلاوت نئے سرے سے شروع کرے گا یعنی تعوذ دوبارہ پڑھے گا۔

۱۰۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سرخ لباس پہنے حاضر ہوا اس نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جو شخص کسی غیر مشروع کام میں مشغول و مصروف ہو وہ جواب سلام کا مستحق نہیں ہوتا، شطرنج کھیلنے والے کا بھی یہی حکم ہے بعض روایات میں ہے کہ اسے سلام کہا جائے تاکہ وہ کچھ دیر کے لیے اس غلط کام سے باز رہے اور ذکر میں مشغول ہو جائے اور اگر اسے بطور زجر بلند آواز سے کہا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۱۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ السلام علیکم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال سے آگاہ ہے کہ عبادت گزار ہے یا معصیت میں مبتلا ہے لہٰذا یہ نصیحت ہے اور فاسق نصیحت کا زیادہ حق دار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ اگر حمام میں جائے تو برہنہ آدمی کو سلام نہ کہے۔

بَابُ الْاِسْتِئْذَانِ

۳۰۸۔ اجازت طلب کرنے کے بیان

استیذان، اجازت طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اذن علم کے معنی میں آتا ہے مثلاً جب کسی چیز کو جان لیا جائے تو کہا جاتا ہے اَذِنَ بِالشَّیْءِ اور اباحت کے معنی میں بھی مستعمل ہے مثلاً اَذِنَ لَہٗ فِی الشَّیْءِ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شے کسی دوسرے کے لیے مباح کر دی گئی ہو (القاموس) یہاں دونوں معانی درست ہیں کیونکہ جو شخص کسی دروازے پر اذن طلب کرتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ جان لے کہ گھر میں کوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا وہ اندر آنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اجازت طلب کرنا مستحب ہے، اسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے سنت یہ ہے کہ سلام اور اجازت دونوں کو اکٹھا کیا جائے صحیح یہ ہے کہ سلام کو اجازت پر مقدم کیا جائے احادیث

میں اس کی تصریح ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۴۶۰ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلٰثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلٰثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلٰثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ[1] ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت عمر نے ایک آدمی کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا میں ان کے دروازے پر آیا تین دفعہ سلام[2] کیا مجھے جواب[3] نہ دیا گیا تو میں واپس آ گیا حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا میرے[4] پاس آنے سے تجھے کس نے روکا؟ میں نے عرض کیا میں حاضر ہوا تھا تین دفعہ میں نے آپ کے دروازے پر سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا تو میں واپس[5] ہو گیا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب تم میں سے کوئی تین دفعہ اجازت مانگے اور اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے، حضرت عمر نے فرمایا اس پہ گواہ[6] پیش کرو حضرت ابو سعید[7] کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ حضرت عمر کے پاس جا کر گواہی[8] دی۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہ ابو موسیٰ اشعری ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] اجازت کے ارادے سے تین دفعہ سلام کیا۔

[3] سلام کا جواب اور اجازت نہ ملی

[4] آپ نے بعد میں بطور زجر فرمایا۔

[5] دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے کی حد یہی ہے۔

۶ـ اس بات پر کہ یہ بات تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور وہ گواہی دے کہ میں نے بھی یہ حدیث آپ سے سنی تھی۔

۷ـ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ میرے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ تونے بھی یہ حدیث اپنے آقا علیہ السلام سے سن رکھی ہے لہذا میرے ساتھ چل کر حضرت عمر کے پاس گواہی دو۔

۸ـ میں نے یہ گواہی دی کہ یہ سچ کہتے ہیں واقعۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

۹ـ یہ گواہی اس احتیاط کے پیش نظر طلب کی گئی تاکہ بیان حدیث میں لوگ احتیاط سے کام لیں اور خلفاء امراء کی طاعت میں سستی نہ کریں ورنہ منفرد طور پر خبر اور مقبول ہے، خصوصاً ابوموسیٰ اشعری جیسے لوگوں کو جو کبار صحابہ میں سے ہیں۔

۴۴۶۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَیَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَ اَنْ تَسْتَمِعَ سَوَادِیْ حَتّٰی اَنْهٰكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تمہارے لیے میرے پاس آنے کے لیے اتنی اجازت کافی ہے کہ پردہ[۱] اٹھاؤ اور میری آہستہ گفتگو بھی سن لیا کرو[۲] یہاں تک کہ میں تمہیں منع کر دوں[۳] (مسلم)

۱ـ میرے چہرہ انور کا پردہ اٹھاؤ، آپ کے گھر پر چٹائی کا پردہ ہوتا تھا۔

۲ـ سواد سین کے نیچے زیر، خفیہ بات کو کہتے ہیں، اگر پردہ اٹھانے کے بعد دیکھو کہ میں کسی شخص کے ساتھ آہستہ گفتگو کر رہا ہوں تو بھی آجائیں۔ اس سے نہ کوئی اذن طلب کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں خفیہ گفتگو کہتے ہیں مبالغہ ہے یعنی اگر میں کسی کے ساتھ کوئی خصوصی اور اہم بات کر رہا ہوں تو آپ آسکتے ہیں تو جب بات ہی خفیہ نہ ہو تو بطریق اولیٰ اجازت ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ جب تم محسوس کرو کہ میں گھر میں موجود ہوں تو تمہیں آنے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ کوئی اور اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

۳ـ یہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے پیارے صحابی پر کمال درجہ کی شفقت ہے گویا قریب اور محترم ہوتے ہیں وہ آپ کے اہل کی طرح ہیں جب آنا چاہیں آسکتے ہیں لیکن یہ اجازت اس وقت ہے جب امہات المومنین حاضر نہ ہوں خصوصاً پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد۔

۴۴۶۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد گرامی[۱] کے قرض کے سلسلہ میں

فِیْ دَیْنٍ کَانَ عَلٰی اَبِیْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا کَاَنَّهٗ کَرِهَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میں نے دروازے پر دستک دی فرمایا کون! میں نے عرض کیا "میں" آپ نے فرمایا: میں میں گویا اسے آپ نے ناپسند فرمایا (صحیحین)

سلہ آپ کے والد گرامی کا نام حضرت عبد اللہ انصاری ہے آپ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

سلہ ان کے قرض کا معاملہ یہ تھا کہ قبل از شہادت اپنے ذمہ جو قرض تھا اسے وہ ادا نہ کر پائے تھے اب قرض خواہ حضرت جابر سے قرض طلب کر کے ان کو تنگ کرتے تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس لیے حاضر ہوئے تاکہ آپ سے اس سلسلہ میں اعانت و امداد طلب کریں، آپ ان قرض خواہوں سے سفارش فرمائیں تاکہ وہ مجھے مہلت دیں پھر اس کے بعد آقا کریم نے بصورت معجزہ ان کی تھوڑی سی کھجوروں کو وہ برکت عطا کی کہ تمام قرض ادا ہو گئے اور ادائیگی کے بعد بھی کھجوریں اسی طرح باقی رہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان سے کچھ لیا ہی نہیں گیا، اسی واقعہ کی طرف یہ اشارہ ہے۔

سلہ ناپسند جاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں آدمی کا تعین نہیں ہوتا بلکہ ابہام رہتا ہے اس لیے آنے والے کو اپنا نام، کنیت یا لقب ذکر کرنا چاہیے تاکہ گھر والے اس کا تعین کر سکیں۔ بعض اوقات اگرچہ آواز سے بھی تعین ہو جاتا ہے مگر آپ نے ناپسند فرماتے ہوئے حضرت جابر کو اس سے بہتر کی تعلیم دی، اور آپ نے انا کا لفظ دوبارہ استعمال فرمایا اس میں تاکید ہے اور اسی تکرار ہی سے ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اجازت طلب کرنے کے لیے سلام نہیں دیا حالانکہ وہ سنت ہے۔ بعض صوفیا کا قول ہے کہ لفظ انا کا زبان پر لانا ہی مکروہ ہے کیونکہ اس میں انانیت پائی جاتی ہے لیکن ان کا قول علی العموم صحیح نہیں ہاں اس صورت میں درست ہے جب کوئی بطور تکبر، نفسانیت اور انانیت یہ کہے کیونکہ احادیث میں کثرت کے ساتھ یہ لفظ مستعمل ہے مثلاً پیچھے گزرا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آج کس نے مریض کی عیادت کی؟ ابو بکر صدیق نے عرض کیا "انا" پھر آپ نے پوچھا آج روزہ کس نے رکھا؟ انہوں نے عرض کیا "انا" بلکہ بعض اوقات صحابہ دین کی عزت کی خاطر قیام تفاخر میں ایسا کہہ دیا کرتے تھے، ان کے پیش نظر صحیح دینی غرض ہوتی تھی۔

۴۴۶۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِیْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَا ھِرٍّ اِلْحَقْ بِاَھْلِ الصُّفَّۃِ فَادْعُھُمْ اِلَیَّ فَاَتَیْتُھُمْ فَدَعَوْتُھُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا فَاَذِنَ لَھُمْ فَدَخَلُوْا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

داخل[1] ہوا آپ نے دودھ کا پیالہ پایا فرمایا ابوہریرہ اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس بلا کر لاؤ میں ان کے پاس گیا اور ان کو بلا کر لایا وہ حاضر ہوئے اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تو وہ اندر داخل ہوئے[2]۔ (بخاری)

[1] گھر میں۔

[2] حدیث میں ہے کہ اس وقت موجود تمام صحابہ نے جی بھر کر دودھ پیا مگر وہ پیالہ ختم نہ ہوا[3]۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ کسی کو طلب کرنے سے اجازت لینا ساقط نہیں ہو جاتا اس صورت میں جب کہ آنے والا منفصلاً آ جائے لیکن یہ اس وقت ہے جب قاصد ساتھ نہ ہو اگر ساتھ ہو تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں رہتی جیسا کہ دوسری فصل میں آ رہا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ ان کے ساتھ نہ آئے ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۴۶۴ عَنْ کَلَدَۃَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ[5] صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّۃَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْ جِدَایَۃٍ وَّضَغَابِیْسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَی الْوَادِیْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَیْہِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ

حضرت کلدہ[5] بن حنبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں دودھ یا ہرن کا بچہ اور ککڑیاں بھیجیں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وادی کے بالائی حصہ میں تھے راوی کہتے ہیں کہ میں اندر داخل ہوا نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی آپ نے فرمایا

---

[3] امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے کیا خوب کہا ہے۔

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر؟ جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

واپس لوٹ جاؤ سلام کہو اور پھر داخل ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سلہ کلدۃ، کاف، لام، دال سب پر زبر ہے یہ صفوان بن امیہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

سلہ صفوان بن امیہ قریشی ہیں، فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، مولفۃ القلوب میں سے تھے حضور علیہ السلام نے انہیں مال غنیمت میں سے اتنا دیا کہ وہ پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے عطا میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اس کے بعد مسلمان ہو گئے، ان کا والد امیہ بن خلف بدر کے دن مشرکین قریش میں سے تھا اور وہیں قتل ہوا۔

سلہ جدایۃ، جیم پر زبر اور زیر دونوں پڑھے جا سکتے ہیں، ہرن کے چھ یا سات ماہ کے بچے کو کہتے ہیں چنانچہ بھیڑوں میں سے چھ ماہ کے بچے کو جدی کہا جاتا ہے، صراح میں ہے کہ "جدایہ" جیم پر زیر اور زبر دونوں جائز ہیں

سلہ ضغابیس یہ ضغبوس کی جمع ہے صراح میں ہے کہ ضاد اور غین دونوں پر پیش ہے اس کا معنی چھوٹی اور نرم ککڑی کے ہیں، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی پسند تھیں۔

سلہ اس وقت آپ مکہ کی بالائی جانب یعنی معلا میں تھے۔

سلہ سلام اور اجازت طلب کرنے کی تعلیم دینے کے لیے فرمایا۔

۴۴۶۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَجَآءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَہٗ اِذْنٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی[1] کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آ جائے تو یہ ہی اس کے لیے اجازت[2] ہے۔ (ابوداؤد)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ قَالَ رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُہٗ۔

ان کی ایک دوسری روایت میں ہے آدمی کا دوسرے آدمی کی طرف قاصد بھیجنا اس کی اجازت ہوتی ہے۔

سلہ جب کسی کو قاصد کے ذریعے بلایا جائے۔

سلہ اب اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

۳ امام ابوداؤد کی دوسری روایت مراد ہے۔

۴۴۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ أَنَّ الدُّوْرَ لَمْ تَكُنْ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں اس لیے تھا کہ ان دنوں گھروں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ۔

اور حضرت انس کی وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا اسے باب الضیافۃ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۴۶۷ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَأْذِنُ عَلٰى أُمِّيْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی والدہ سے اجازت لیا کروں؟ فرمایا ہاں اس نے عرض کیا میں گھر میں ان کے ساتھ رہتا ہوں[۱] فرمایا اس سے داخلہ کی اجازت لو[۲] عرض کیا میں ان

وَسَلَّمَ اَسْتَاْذِنُ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَا قَالَ فَاسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا۔

کا خدمت گار[۴] ہوں فرمایا اس سے اجازت مانگو کیا تم اسے ننگی حالت[۵] میں دیکھنا پسند کرو گے؟ عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا اس سے داخل کی اجازت لو۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا) (امام مالک نے اسے مرسل[۶] روایت کیا ہے)

[۱] عطاء بن یسار مشہور تابعی اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
[۲] ان کا خیال تھا کہ شاید گاہے گاہے آنے والے شخص اور بیگانے کے لیے اجازت لینا ضروری ہوتی ہے۔
[۳] آپ نے واضح فرما دیا کہ اجازت لینا صرف بیگانے کے ساتھ مخصوص نہیں۔
[۴] میں شب و روز ان کے پاس رہتا ہوں اگر ہر وقت اجازت لینا ضروری ہے تو میں خدمت کیسے کر سکوں گا۔
[۵] اگر تو بغیر اجازت اچانک آجائے تو ممکن ہے کہ وہ برہنہ ہو اس لیے اجازت لیا کرو۔
[۶] کیونکہ عطاء بن یسار سے مروی ہے اور وہ تابعی ہیں۔

۴۴۶۸ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ لِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَمُدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ اِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِيْ۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میری ایک حاضری رات کو اور ایک دن کو ہوا کرتی تھی، جب میں رات کو آپ کے گھر میں داخل ہوتا تو آپ کھنکار[۱] دیتے۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی شریف)

[۱] مجھے داخل کی اجازت عنایت فرمانے کے لیے ایسا کرتے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھنکارنا رات کو اجازت داخل کی علامت ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ میں جب رات کو حاضری کے لیے جاتا اور آپ کھنکارتے تو میں واپس ہو جاتا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ کھنکارنا عدم اجازت ہے تطبیق یوں ہے کہ قرینہ حال اس بات کا

کا تعین کرے گا کہ کس وقت اجازت اور کس وقت عدم اجازت کی علامت ہے۔ بعض لوگوں نے حدیث مذکور میں کھنکارنے کو عدم اجازت پر محمول کیا ہے لیکن واضح یہی ہے کہ یہاں اذن و اجازت کے لیے ہے۔

۴۲۶۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو داخل کی اجازت نہ دو جو سلام سے ابتدا نہ کرے۔

(بیہقی شعب الایمان)

بَابُ الْمُصَافَحَۃِ وَالْمُعَانَقَۃِ

مصافحہ اور معانقہ کا بیان

مُصَافَحَۃ اور تصافح ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے کو کہتے ہیں، لغت میں صفح کا معنی چوڑائی ہے، چہرے اور تلوار کی چوڑائی کو صفح کہا جاتا ہے۔ مصافحہ میں ایک شخص کی ہتھیلی کا عرض دوسرے کی ہتھیلی سے مس کرتا ہے، صفائح دروازے کے تختوں کو کہتے ہیں (صراح)، ملاقات کے وقت مصافحہ سنت ہے یہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہیے نماز کے بعد یا نماز جمعہ جو مصافحہ کیا جاتا ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اس وقت کو مصافحہ کے لیے مخصوص کرنا بدعت ہے لیکن مطلقاً مصافحہ سنت ہے تو بعض اوقات سنت ہوا اور بعض اوقات بدعت جوان خاتون کے ساتھ مصافحہ حرام اور ایسی بوڑھی عورت کے ساتھ جو جائے شہوت نہ ہو مصافحے میں کوئی حرج نہیں۔

روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جن بوڑھی خواتین کے لیے ان کے جانوروں کا دودھ دوہتے تھے ان سے مصافحہ کرتے تھے، ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ انہوں نے مکہ شریف میں ایک بوڑھی خاتون کو اپنی بیماری میں خدمت کے لیے متعین کیا، اسی طرح اگر مرد بوڑھا اور فتنہ، شہوت سے امن میں ہو تو اس کے لیے جوان خاتون سے مصافحہ جائز ہے ایسا لڑکا جو خوب رو ہو اس کے ساتھ مصافحہ

درست نہیں، جس کی طرف نظر کرنا حرام ہوا ہے چھونا بھی حرام ہوتا ہے بلکہ چھونے کی حرکت دیکھنے سے زیادہ سخت ہے (اسی طرح مطالب المومنین میں ہے) صلوٰۃ مسعودی میں ہے کہ سلام دیتے وقت ہاتھ سے ہاتھ اسی طرح ملانا کہ دونوں کی ہتھیلیاں ملیں یہ سنت ہے، انگلیاں پکڑنا بدعت ہے، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو معانقہ جائز ہے، خصوصاً سفر کی واپسی پر جس طرح حدیث میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے بارے میں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہاتھ منہ اور آنکھیں چومنا اور معانقہ مکروہ ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ معانقہ سے منع کیا گیا ہے۔

فصل اول میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہی ہے انہوں نے جو روایت کیا ہے وہ اسی سے پہلے کا معاملہ ہے، شیخ ابومنصور ماتریدی نے احادیث میں یوں تطبیق دی ہے جو معانقہ شہوت کی وجہ سے ہو وہ مکروہ ہے اور جو بوجہ شرافت و نیکی ہو وہ جائز ہے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اختلاف اس وقت ہے جب جسم ننگا ہو اگر قمیص یا جبہ وغیرہ پہنا ہوا ہے تو پھر معانقہ میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے اسی طرح کافی میں ہے متقی عالم کے ہاتھ کا بوسہ لینا جائز بلکہ بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ چومنا یہ کوئی معنی نہیں رکھتا یہ جہالت اور ناپسندیدہ ہے۔ امراء اور مشائخ کے سامنے زمین کا بوسہ لینا حرام ہے، ایسا کرنے والا اور اس سے راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہوں گے (کذافی الکافی)

فقیہ ابوجعفر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی بادشاہ، امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دیا یا سجدہ کیا اگر بطور سلام دیتا ہے تو اس سے کافر نہیں ہوگا لیکن گناہ گار اور کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا ہو جائے گا اور اگر بطور عبادت سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا اگر کوئی نیت بھی نہ تھی تو ایسی صورت میں اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر ہوگا اور زمین کو بوسہ دینا اس پر رخسار اور پیشانی رکھنے سے کم درجہ سخت ہے، اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اگر کسی عالم، سلطان یا (عادل) کے ہاتھ کو علم، انصاف اور عزت دین کی وجہ سے بوسہ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس سے کوئی دنیوی غرض تھی تو یہ مکروہ تحریمہ ہے، بعض احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کو بوسہ دیا تھا فصل ثانی میں وفد عبدالقیس کے واقعہ میں یہ بات آرہی ہے، بچے کے بوسہ اگرچہ غیر کا بیٹا ہو جائز ہے اور بچے کے بوسہ دینا سنت ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بوسہ کی پانچ اقسام ہیں ایک بوسہ محبت یہ والدین کا اولاد کے رخسار پر بوسہ دینا ہے دوسرا بوسہ رحمت، یہ اولاد کا والدین کے سر کا بوسہ لینا ہے تیسرا بوسہ شہوت یہ بوسہ مرد کا ہے اپنی بیوی کے منہ پر چوتھا بوسہ تحیہ یہ وہ بوسہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے کے ہاتھ پر لیتا ہے پانچواں بوسہ وہ ہے جو بہن اپنے بھائی کی پیشانی کا لے۔

بعض علماء کے نزدیک مردوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ اور چہرے کا بوسہ لینا مکروہ ہے، بعض کے نزدیک

چھوٹے بچے کا بوسہ لینا واجب ہے، حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ زہرا کے سر پر بوسہ دیتے اور فرماتے مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے، جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے سیدہ فاطمہ کے گھر آتے انہیں سینے سے لگاتے اور ان کے سر پر بوسہ دیتے۔ واللہ اعلم

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۴۷۰-۱ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِىْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔

(بخاری)

۴۴۷۱-۲ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِىٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِىْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن بن علی کو چوما اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے انہیں کبھی نہیں چوما آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(بخاری ومسلم)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَثَمَّ لُكَعُ فِىْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ

اثم لکع والی حدیث ابوہریرہ ہم باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کریں گے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذُكِرَ حَدِيْثُ اُمِّ هَانِئٍ فِيْ بَابِ الْاَمَانِ

ان شاء اللہ اور حدیث ام ہانی پیچھے باب الامان میں بھی آ چکی ہے۔

سلہ یہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر وفد بنو تمیم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، قبل از اسلام بھی نہایت شریف شخص تھے۔

سلہ جو مخلوق خدا پر رحمت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نہیں کرتا۔

سلہ اس حدیث کا ذکر یہاں اس لیے کر دیا گیا ہے کہ بوسے کو معانقہ کے ساتھ اہم مناسبت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۴۷۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَتَفَرَّقَا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ قَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دو مسلمان نہیں جو آپس میں ملیں مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں، مصافحہ کریں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کریں اور اس سے معافی مانگیں تو دونوں کو بخش دیا جائے۔

۴۴۷۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهٗ اَيَنْحَنِيْ لَهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهٗ قَالَ نَعَمْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے؟ فرمایا نہیں عرض کیا کیا اس سے لپٹ جائے اور اسے چومے؟ فرمایا نہیں عرض کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے؟ فرمایا ہاں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

سلہ انحنا سر اور پشت کے جھکانے کو کہا جاتا ہے، اسی طرح بعض حواشی میں ہے علامہ طیبی نے امام محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ پشت کا جھکانا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے اگرچہ بہت سے لوگ جو اہل علم و فضل ہیں ایسا کرتے ہیں لیکن ان کے عمل کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا مطالب المومنین میں شیخ ابو منصور سے منقول ہے اگر کسی کے سامنے زمین پر بوسہ دیا یا پشت جھکا دی یا سر نگوں کر دیا تو کافر نہیں بلکہ گناہ گار ہوگا کیونکہ یہاں مقصود تعظیم تھی عبادت نہ تھی، بعض مشائخ اس معاملہ میں بہت سخت ہیں ان کی رائے میں سر جھکانا انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سلہ جو لوگ بوسہ اور معانقہ کو مکروہ جانتے ہیں وہ اسی حدیث میں استدلال کرتے ہیں جس طرح کہ ہم نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ سے پیچھے نقل کیا تھا، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ مکروہ تب ہے جب اس سے خوشامد اور چاپلوسی مقصد ہو۔ باقی کسی کو الوداع کہتے وقت اور سفر سے واپس آنے پر یا کافی دیر کے بعد ملاقات ہونے پر یا اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کے غلبے کے موقع پر بوسہ دینا جائز ہے، بوسہ دے تو منہ پر بوسہ نہ دے بلکہ ہاتھ یا پیشانی پر دے اور کسی عالم دین، زاہد یا بڑی عمر والے کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔

۴۶۷۴ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ اَنْ يَّضَعَ اَحَدُكُمْ يَدَهٗ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰى يَدِهٖ فَيَسْاَلُهٗ كَيْفَ هُوَ وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهٗ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مریض کی کامل عیادت یہ ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا ہاتھ اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر رکھے پھر پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟ اور تمہارے درمیان کامل تحیۃ مصافحہ[1] ہے۔ (احمد، ترمذی نے ضعیف کہا ہے)۔

سلہ یعنی جب سلام کرو تو مصافحہ بھی کرو تاکہ سلام مکمل ہو جائے۔

۴۶۷۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ[1] جب

وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهٗ وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْتُهٗ عُرْيَانًا قَبْلَهٗ وَ لَا بَعْدَهٗ فَاعْتَنَقَهٗ وَ قَبَّلَهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

مدینہ طیبہ آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے وہ آپ کے پاس آئے انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ (اوپر والی چادر اوڑھے بغیر) اور کپڑا کھینچتے[۱] ہوئے ان کی طرف بڑھے بخدا میں نے کبھی آپ کو برہنہ نہیں دیکھا نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد، آپ نے انہیں گلے لگایا[۲] اور انہیں چوما۔ (ترمذی)

۵۱ یہ حضور علیہ السلام کے نہایت ہی مقبول و مقرب تھے ایسے کہ آپ کو حضور کا منہ بولا بیٹا بھی کہا جاتا تھا۔

۵۲ یہ شدت رحمت و خوشی کی وجہ سے تھا۔

۵۳ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ایسے حال میں برہنہ (اوپر والی چادر لیے بغیر) اور اس قدر شوق کے ساتھ کسی کا استقبال کرتے ہوئے نہیں دیکھا سیدہ عائشہ کا یہ قول کہ میرے گھر میں تھے اس سے مقصود یا تو بیان واقع ہے یا مقصود مبالغہ ہے کہ آپ اتنے خوش ہوئے کہ میرے خلوت خانہ سے اس جلدی کے ساتھ آپ باہر تشریف لائے۔

۵۴ یہ حدیث اور حدیث جعفر بن ابی طالب دونوں اس بات پر شاھد ہیں کہ معانقہ اور بوسہ جائز ہیں اور مختار بھی یہی ہے اور سفر سے واپسی کے موقع پر معانقہ اور بوسہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

۴۲۷۶ وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِيْ وَ بَعَثَ اِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِيْ

حضرت ایوب بن بشیر، قبیلہ عنزہ کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتے تو حضور آپ سے مصافحہ کیا کرتے تھے فرمایا ہاں جب بھی میں آپ سے ملا آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا، ایک دن آپ نے پیغام بھیجا لیکن میں گھر پر نہ تھا جب گھر آیا تو مجھے اطلاع[۱] دی گئی

اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ایک تخت پر تشریف فرما تھے آپ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا یہ معانقہ بہت[۳] اچھا اور بہت[۴] اچھا تھا۔ (ابوداؤد[۵] شریف)

۱ بُشیر باء پیش شین پیش زبر اور یا ساکن ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور قبیلہ عدوسے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ مجہول ہیں۔

۲ مجھے اطلاع دی گئی کہ تجھے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔

۳ یہ معانقہ دوسروں کے معانقہ سے بہتر تھا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصافحہ سے بڑھ کر تھا کیونکہ اس میں فیضان، ایصال ذوق، راحت وسکون اس سے بڑھ کر میسر آیا

۴ تکرار تاکید اور پختگی کے لیے ہے۔

۵ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معانقہ اظہار محبت وشفقت کے لیے سفر سے واپسی کے علاوہ بھی جائز ہے۔

۴۴۷۷ وَعَنْ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جِئْتُهٗ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ سے روی ہے کہ جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر[۱] ہوا تو آپ نے فرمایا: مہاجر سوار خوش آمدید[۲]۔ (ترمذی شریف)

۱ بیعت اسلام کے لیے۔

۲ رَحَبَ کشادہ جگہ کو کہتے ہیں، یہ ایسے کلمات ہیں جو خوشی وفرحت کے موقع پر کہے جاتے ہیں امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں حضرت مصعب بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو ان کی طرف استقبال کے لیے بڑھے، گلے لگایا اور فرمایا اے ہجرت کرنے والے خوش آمدید، عکرمہ بن ابی جہل حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنے باپ کی وجہ سے شدید عداوت رکھتا تھا، مشہور شہسوار تھا فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلا گیا بعد میں ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث حضور کی خدمت اقدس میں آئیں اسلام لائیں اور

مخلص ترین مسلمان بن گئیں اور اپنے خاوند کے لیے حضور سے تمام غلطیوں پر معافی مانگ لی آپ نے ان کو پناہ دے دی ان کے بہت سے مناقب و فضائل ہیں اس حدیث کو یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ خوش آمدید کہنے کو مصافحے کے ساتھ مناسبت ہے۔

۴۴۷۸ وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَ كَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ وَ طَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْ لِيْ قَالَ اصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَ لَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهٖ فَاحْتَضَنَهٗ وَ جَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

انصار کے ایک شخص حضرت اسید بن حضیر انصاری[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، راوی کہتے ہیں کہ وہ قوم سے بات چیت کر رہے تھے اور ان کی طبیعت میں مزاح[2] تھا اس لیے وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ پر چھڑی لگائی، انہوں نے عرض کیا مجھے آپ قصاص دیجیے[3] فرمایا قصاص لے لو عرض کیا آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے میرے جسم پر قمیص[4] نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک قمیص اٹھا دی تو وہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کی کوکھ مبارک کے بوسے لینے شروع کر دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ[5] میرا یہی مقصد تھا۔

(ابوداؤد)

---

۵۱ اسید بن حضیر دونوں تصغیر کے صیغے ہیں، انصار میں سے بہت بڑے فاضل اور نقباء میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ، مقام بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے، حضور علیہ السلام نے ان کے اور زید بن حارثہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔

۵۲ مزاح میم کے نیچے زیر ہے اس کا معنی مذاق کرنا ہے میم پر پیش بھی پڑھا گیا ہے۔

۵۳ آپ نے بھی اس کے ساتھ خوش خلقی کا اظہار فرمایا، آپ کے اس عمل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے مزاح کرنا اور اس کا سننا جائز ہے، اپنے سے ادنیٰ کے ساتھ خوش ہو کر ملاقات کرنا اشراف کا طریقہ ہے۔

۵۴ یعنی مجھے بھی اجازت دیں تاکہ میں بھی آپ کی کمر کو چھڑی لگا کر قصاص لے سکوں، اصبار، اصطبار قصاص لینے کے معنی میں آتا ہے۔

۵۵ اگر میں قمیص کے باوجود قصاص لیتا ہوں تو اس میں برابری نہ ہوگی۔

۵۶ میں قصاص نہیں بلکہ آپ کے جسم اطہر کا بوسہ لینا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری فرما دی۔ دلِ عشاق حیلہ گر باشد، عاشقوں کا دل حیلے تلاش کرتا ہے۔

۵۷ یاد رہے کہ مصابیح کی اس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ مزاح کرنے والے اور قصاص کا مطالبہ کرنے والے خود اسید بن حضیر تھے لیکن جامع الاصول کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ وہ کوئی اور آدمی تھے اسید بن حضیر نے ان کا واقعہ بیان کیا ہے، علامہ طیبی نے مذکورہ حدیث کی توجیہ کرکے اسے دوسری روایت کے موافق بنانے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے ایسے تکلفات کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے کلام اپنے ظاہری معنی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ تکلف انہیں اس لیے کرنا پڑا کہ حضرت اسید بن حضیر عظیم اور نقباء صحابہ میں سے ہیں ان سے ایسی بات بعید ہے۔ واللہ اعلم

۴۴۷۹ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّى جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ مُرْسَلًا وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ مُتَّصِلًا)

حضرت شعبی[۱] بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب سے ملے تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ[۲] دیا۔ (ابو داود اور بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا مصابیح کے بعض نسخوں اور شرح السنۃ میں بیاضی[۳] سے متصلاً مروی ہے۔

۱ یہ تابعین میں سے ہیں۔

۲ یہ وہی واقعہ ہے جو حبشہ سے واپسی کے موقع پر پیش آیا تھا جس طرح کہ گزشتہ حدیث میں آ رہا ہے یا ممکن ہے کوئی دوسرا موقع ہو۔

۳ بیاضی، باء پر زبر، یاء مخفف اور نقطے والا ضاد یہ بیاضہ بن عامر کی طرف منسوب ہیں اور یہ حدیث اس لیے متصل ہے کہ یہ صحابی ہیں، جامع الاصول میں ہے کہ جب بیاضی کا ذکر بغیر نام لیے ہو تو اس سے مراد عبداللہ بن جابر بیاضی ہوتا ہے۔

ہوتے ہیں ابن مندہ سے مروی ہے کہ بیاضی سے مراد وہ آدمی ہیں جن سے ابوحازم التمار نے روایت کی اور امام مالک سے ان کی روایت باب الصلوٰۃ میں مسئلہ قرات بالجہر کے سلسلے میں موطا میں نقل کی اور ان کا نام عبداللہ بن جابر بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۸۰ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ قِصَّۃِ رُجُوْعِہٖ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَۃِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَتَلَقَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِیْ ثُمَّ قَالَ مَا اَدْرِیْ اَنَا بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَوَافَقَ ذٰلِکَ فَتْحَ خَیْبَرَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ[1] سے واپسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حبشہ سے چلے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا ہوں یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقاً یہ آمد[2] فتح خیبر کے دن ہوئی تھی۔ شرح السنۃ[3]۔

۱ ہجرت حبشہ سے واپسی کا موقع مراد ہے۔

۲ یہ راوی کا کلام ہے جو حدیث کے سمجھنے میں معاون ہے۔

۳ امام سمہودی نے تاریخ مدینہ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے شیخ حضرت سفیان بن عیینہ، امام مالک کے پاس آئے امام مالک نے مصافحہ کیا اور فرمایا میں معانقہ بھی کرتا اگر بدعت نہ ہوتا سفیان کہنے لگے کہ مجھ سے اور آپ سے بہتر ذات نے معانقہ کیا ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب سے معانقہ فرمایا اور بوسہ دیا جب وہ حبشہ سے واپس آئے تھے، امام مالک نے فرمایا یہ جعفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ سفیان کہنے لگے نہیں یہ حکم عام ہے ہمارا اور حضرت جعفر کا ایک ہی حکم ہے اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے اجازت دیں میں آپکی مجلس میں حدیث بیان کروں امام مالک نے فرمایا ہاں میں اجازت دیتا ہوں پھر سفیان نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی اور امام مالک خاموش رہے۔

۴۴۸۱ وَعَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِیْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَجَعَلْنَا

حضرت زارع[1] رضی اللہ عنہ جو وفد عبد القیس میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم شہر مدینہ پہنچے تو ہم جلدی جلدی سواریوں

نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

سے اترنے لگے اور ہم نے اپنے کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے[۵]۔

(ابوداؤد شریف)

[۱]ـ نازع. فاعل کے وزن پر نزاعت سے مشتق ہے۔

[۲]ـ اس حدیث نے واضح کر دیا کہ پاؤں چومنا جائز ہے سابقاً ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا دوسری روایت میں ہے کہ وفد کے اکثر ارکان نے ایسی جلدی کا مظاہرہ کیا اگرچہ یہ شوق و محبت کی بنا پر تھا، ان میں سے ایک آدمی جس کا نام اشج تھا اس نے ایسا نہ کیا بلکہ پہلے وہ اپنی منزل اور رہائش گاہ پر گئے تازہ غسل کیا سفید کپڑے پہنے مسجد نبوی میں آکر دو نفل ادا کیے اور اس کے بعد بڑے ہی خضوع و خشوع اور اطمینان سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کی زیارت و محبت سے باریاب ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور اس ادب کو پسند فرمایا اور فرمایا تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، علم اور وقار

۴۴۸۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَّهَدْيًا وَّدَلًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَّكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہیئت[۱]، عادت، صورت اور ایک روایت میں ہے بات[۲] اور گفتگو میں حضور علیہ السلام سے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا جب آپ حضور علیہ السلام کی خدمت[۳] میں آتیں آپ کھڑے ہو جاتے ان کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ[۴] پر بٹھاتے اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ حضور علیہ السلام کا مبارک ہاتھ پکڑ کر چومتیں اور وہ آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

(ابوداؤد)

[۱]ـ سمت اسین پر زبر، میم ساکن، بہتر روش. ھدی سمت کے وزن پہ کبھی اچھی سیرت، جس طرح کہ خطبہ مسنونہ

ہیں ہے بہترین سیرت، بسیرت محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ دال پر زبر، لام مشدد معنی ہیں تعدیٰ کے قریب ہے ان دونوں سے سکون ووقار، صورت وسیرت اور شمائل مراد ہے (کذا فی الصراح) اس بیان سے واضح ہوگیا کہ یہ تینوں قریب المعنی ہیں۔ علامہ توریشتی کہتے ہیں کہ ہمت سے خشوع، خضوع اور تواضع، صدی سے سکون ووقار اور دل سے حسن خلق اور حسن کلام مراد ہے۔

سے دونوں اگرچہ متحد المعنی ہیں لیکن علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ حدیث سے مراد بات اور گفتگو ہے اور کلام ہے اس کا طریقہ روشن مراد ہے الغرض ان امور میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کے کوئی مشابہ نہ تھا۔

سے اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ السلام کے ہاں مقام، محبت اور سیدہ فاطمہ کی آپ سے محبت اور ادب و احترام کا بیان ہے۔

سے اپنی نشست گاہ خالی فرمادیتے اور سیدہ فاطمہ کو وہاں بٹھاتے رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۴۳۸۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ بَكْرٍ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا عَائِشَةُ بِنْتُهُ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ اَصَابَهَا حُمّٰى فَاَتَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتِ يَا بُنَيَّةُ وَقَبَّلَ خَدَّهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں آمد کے ابتدائی دنوں میں گیا، تو ان کی بیٹی سیدہ عائشہ لیٹی ہوئی تھیں، انہیں بخار تھا حضرت ابوبکر ان کے پاس آئے اور کہا بیٹی طبیعت کیسی ہے؟ اور ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔

(ابوداؤد شریف)

سے یہ مشہور صحابی ہیں۔

سے ان کے گھر میں ان کے ساتھ داخل ہوا۔

۴۳۸۴ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِصَبِیٍّ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ وَاِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بچہ لایا گیا، آپ نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: یہ بخیل اور بزدل بنانے والے ہیں اور یہ اللہ کے اعلیٰ و افضل رزق میں سے ہیں۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) (شرح السنۃ)

۵ا جب بچے ہوں تو آدمی ان کے علاوہ مال خرچ نہیں کرتا بلکہ ان پر بھی کم خرچہ کرتا ہے کہیں یہ کسی کے محتاج نہ ہو جائیں۔

۵۲ یعنی وہ آدمی جہاد میں شرکت نہیں کرتا، کہیں وہ قتل اور اولاد بے کس نہ ہو جائے ان دونوں لفظوں (مَبْخَلَةٌ، مَجْبَنَةٌ) میں میم پر زبر اور بعد والا حرف ساکن ہے۔

۵۳ ایک اعتبار سے بچوں کی مذمت فرمائی تھی لیکن اس جملہ میں تعریف کی ہے۔

۵۴ یہ اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہیں جو اپنے خصوصی فضل سے عطا کرتا ہے ریحان۔ روح سے مشتق ہے جس کا معنی عیش و عشرت ہے اور رزق اس کا سبب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ اس سے مراد رزق اور رحمت ہے یا ریحان سے مراد وہ پھول وغیرہ ہیں جن کو سونگھنے سے خوشبو آتی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۴۸۵/۱۶ عَنْ يَعْلٰى قَالَ إِنَّ حَسَنًا وَّ حُسَيْنًا اِسْتَبَقَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُمَا إِلَيْهِ وَقَالَ إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت یعلی[۱] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں دوڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کی طرف آئے تو آپ نے دونوں کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا اولاد بخیل[۲] اور بزدل بنانے والی ہے۔ (مسند احمد)

۵ا اس نام کے دو راوی ہیں یعلی بن امیہ اور یعلی بن مرہ دونوں صحابی ہیں، اس جگہ دونوں میں سے کوئی ایک مراد ہے لیکن مختار یہی ہے کہ پہلے مراد ہیں۔

۵۲ اس جگہ مقصد مذمت نہیں بلکہ بیان محبت و شفقت ہے ہاں ماسبق میں کرامت و مذمت تھی۔

۴۴۸۶/۱۷ وَعَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَ تَهَادَوْا

حضرت عطا خراسانی[۱] سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں معانقہ کیا کرو کینہ[۲] جاتا رہے گا ایک دوسرے کو ہدیئے اور تحفے دیتے رہا کرو تم میں محبت پیدا ہو جائیگی

تَحَابُّوا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ. اور دشمنی جاتی رہے گی۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا) (امام مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے)

سلہ یہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں اور ثقہ ہیں، یہ خراسان کے رہنے والے تھے والد کا نام ابو مسلم بلخی ہے ملک شام میں قیام پذیر ہوئے ان کی ولادت پچاس ہجری اور وصال ایک سو پینتیس ہجری کو ہوا ان سے امام مالک، امام اوزاعی نے روایت لی اور یہ صحابہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

۴۴۸۷ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْهَاجِرَةِ فَكَأَنَّمَا صَلَّاهُنَّ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْمُسْلِمَانِ إِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ إِلَّا سَقَطَ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دوپہر سے پہلے چار رکعات ادا کیں گویا اس نے لیلۃ القدر میں ادا کیں اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان جو گناہ[1] ہوتے ہیں وہ تمام جھڑ جاتے ہیں۔

(امام بیہقی، شعب الایمان)

سلہ ظاہر حدیث سے یہ ہی معلوم ہو رہا ہے کہ مصافحہ تمام گناہوں کے جھڑ جانے کا سبب بنتا ہے علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ یہاں "ذنب" سے مراد کینہ و دشمنی ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں تھا کہ مصافحہ کینہ ختم کرنے کا ذریعہ ہے لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ مصافحہ اکثر طور پر دوست اور احباب کے درمیان ہوتا ہے خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی شان میں نص قطعی وارد ہے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (وہ آپس میں رحیم ہیں) ہے اگر باقی ذنوب کے ضمن میں کینہ اور دشمنی بعض مقامات پر ساقط ہو جاتی ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

بَابُ الْقِيَامِ

۳۱۰۔ تعظیم کیلئے کھڑے ہونے کا بیان

قیام سے مراد وہ متعارف قیام ہے جو مجلس میں کسی آنے والے شخص کے لیے کیا جاتا ہے۔ کیا یہ عمل زمانہ نبوت میں تھا یا نہیں؟

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ بات تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ مجلس میں آنے والے شخص کے لیے قیام سنت ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ (اپنے سردار کے لیے اٹھو) اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

بعض کے نزدیک یہ مکروہ، بدعت اور ممنوع ہے جس طرح کہ حدیث انس سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام قیام صحابہ کو مکروہ و ناپسند فرماتے، حدیث ابو امامہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیام نہ کیا کرو کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت اور طریقہ ہے، اس مسئلہ پر شرح میں تفصیلی گفتگو آئے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۴۸۸ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ وَكَانَ قَرِيْبًا مِّنْهُ فَجَآءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد کے حکم پر اترے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور وہ آپ کے قریب تھے چنانچہ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو آپ نے انصار کو فرمایا، اٹھو اپنے سردار

لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ کی طرف۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَمَعْنَی الْحَدِیْثِ (بخاری ومسلم) (یہ طویل حدیث باب حکم

بِطُوْلِهٖ فِیْ بَابِ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ الاسرا میں گزر چکی ہے)۔

۵۱ یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا، نبی اکرم نے غزوہ خندق کے بعد پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا، یہودی قلعہ سے حضرت سعد کے حکم پر نیچے اترے، کیونکہ حضرت سعد قبیلہ اوس کے سربراہ تھے اور یہ لوگ ان کے حلیف تھے انہوں نے سوچا کہ شاید سعد ہمارے لیے بہتر فیصلہ کریں گے وہ نیچے آئے اور انہوں نے کہا ہمیں پناہ دے دو جو فیصلہ حضرت سعد بن معاذ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔

۵۲ تاکہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ بتائیں۔

۵۳ وہ غزوہ خندق میں زخمی ہو گئے تھے، ابھی زخم سے خون جاری تھا آپ کا پیغام پہنچا زخم باندھ کر چل پڑے۔

۵۴ ظاہراً مسجد سے مراد مسجد نبوی ہوتی ہے جو مدینہ طیبہ میں ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور وہ جگہ مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے، شاید یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہو جہاں آپ نے مدت قیام کے دوران نماز ادا فرمائی ہو لہٰذا مسجد سے معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ جائے نماز مراد ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں ان دنوں مسجد تعمیر کر دی گئی ہو، اب جو وہاں مسجد ہے وہ بھی اس جگہ پر ہے جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

۵۵ اس سے مراد قبیلہ اوس کے لوگ ہیں کیونکہ حضرت سعد انہیں کے سربراہ تھے۔

۵۶ اس سے متعلقہ مسائل پر وہاں پر تفصیلی گفتگو کر دی گئی ہے۔

۵۷ علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اہل علم وفضل کے لیے قیام جائز ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس قیام سے وہ قیام مراد نہیں جو مجلس میں آنے والے کے لیے بطور تعظیم وتکریم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے یہ کہتے ہوئے منع کیا گیا ہے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اور حضور علیہ السلام نے تمام ظاہری حیات میں اسے ناپسند فرمایا، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر یہ قیام مراد ہوتا تو قوموا الی سید کم کی جگہ قوموا لسیدکم کے الفاظ ہوتے یہاں قیام سے مراد سواری سے اترنا میں مدد کرنا ہے تاکہ ان کے زخم سے خون بہنا شروع نہ ہو جائے، میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس جگہ قیام ان کی توقیر وتعظیم کے لیے ہو اور آپ نے تعظیم وتکریم کا حکم اس لیے دیا ہو کہ یہاں ان کے حکم کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے پس ان کی عظمت کا اظہار کیا جائے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے

اس لیے یہاں قیام کو بطور تعظیم ماننا مقام کے زیادہ لائق اور مناسب ہے واللہ تعالیٰ اعلم روایات میں جو آیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی آمد کے موقع پر آپ کھڑے ہوئے یا عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ میرے لیے کھڑے ہوئے یہ تمام صحیح نہیں ان روایات کے ضعف کی وجہ سے ان سے استدلال درست نہیں۔ اور اگر یہ روایات ثابت بھی ہوں تو اس مقام پر رخصت ہو گی یہاں قیام وقت کا تقاضا ہو مثلاً عکرمہ سرداران قریش اور عدی، بنی طی کے سربراہ تھے آپ نے ان کے تالیف قلب کے لیے قیام مناسب سمجھا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی رئیس ہونے کی وجہ سے خواہش ہو اور آپ نے ان کے حال سے آگاہی کے بعد ایسا کیا ہو (کذا قال الطیبی) یہ بات مخفی نہ رہے کہ پیچھے گذرا ہے کہ حضور علیہ السلام سیدہ فاطمہ کی آمد اور سیدہ فاطمہ حضور علیہ السلام کی آمد کے موقع پر قیام کیا کرتے تھے اس کی یہ تاویل کرنا کہ یہ قیام بطور محبت تھا نہ کہ بطور تعظیم و توقیر نہایت ہی بعید ہے اور طیبی نے محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی بنا پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اہل علم و فضل کے لیے قیام جائز ہے۔

امام محی السنۃ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل فضل کی آمد پر ان کیلئے قیام مستحب ہے اور اس بارے میں احادیث موجود ہیں اور اس بارے میں صراحۃً منع پر کوئی حدیث نہیں، مطالب المؤمنین میں قنیہ سے منقول ہے کہ کسی آنے والے کے احترام میں قیام لذاتہٖ مکروہ نہیں ہے بلکہ محبت قیام مکروہ ہے یعنی اس شخص کے لیے جو اسے چاہتا ہو مکروہ ہے اگر وہ چاہتا نہیں تو اس کے لیے قیام مکروہ نہیں

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے قیام ممنوع ہو گا کہ وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھنے تک کھڑے رہیں۔

جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے اور دنیادار کے لیے کسی دنیاوی غرض کے لیے قیام پر سخت وعید ہے اور یہ عمل انتہائی مکروہ ہے۔

۴۴۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ وہاں خود بیٹھ جائے ہاں جگہ وسیع کرو اور جگہ دو[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] خود جگہ بنا دو تا کہ کسی کو اٹھانا نہ پڑے۔

۲؎ بعض نسخوں میں ہے کہ وہ یہ کہے کہ جگہ دو اور جگہ وسیع کرو مگر اکثر صحیح نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۴۴۹۰ / ۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اگر اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے پھر واپس آجائے تو اس جگہ کا[۱] وہی زیادہ حقدار ہے۔ (مسلم)

۱؎ اسے وہاں ہی بیٹھنا مناسب ہے اگر دوسرا وہاں بیٹھ گیا تو اسے اٹھا بھی سکتا ہے، علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ تب ہے جب واپس کے ارادے سے اٹھا ہو مثلاً وضو کرنے یا کوئی اور ضروری کام تھا لیکن اگر وہ مجلس سے اٹھ کر کہیں دور کام کے لیے چلا جاتا ہے تو پھر وہ اس جگہ کا حق دار نہ ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي — دوسری فصل

۴۴۹۱ / ۴ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو حضور سے بڑھ کوئی شخص محبوب نہ تھا وہ جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام کو ناپسند رکھتے ہیں[۱]۔

(ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا یہ حدیث صحیح ہے)۔

۱؎ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ ناپسندیدگی کامل محبت، راسخ الفت، باطن کی صفائی اور تالیف قلوب کی بناء پر تھی یہ امور تکلف اور وحشت کے دور کرنے کا ذریعہ اتحاد اور یگانگت کے پائے جانے کے اسباب ہیں۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ قیام اور ترک قیام میں زمانہ احوال اور اشخاص کا اعتبار کیا جائے گا اسی لیے کسی جگہ قیام کیا ہے اور کسی جگہ نہیں کیا، اسی بیان سے مختلف احادیث میں تطبیق بھی ہوگی اور حدیث کا یہ جملہ کہ آپ سے بڑھ کر صحابہ کسی کو محبوب نہ سمجھتے تھے واضح کر رہا ہے کہ محبوب کی تعظیم و توقیر اور ہیبت و جلال تقاضائے محبت ہے اس کے باوجود حضور کی

ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ کھڑے نہ ہوتے تاکہ آپ کی اطاعت و رضا حاصل ہو جائے، اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ اَلْاِطَاعَۃُ فَوْقَ الْاَدَبِ اطاعت کا درجہ ادب سے بلند ہے۔

اور بقول علامہ طیبی ان کا بیٹھنا ہی کمال محبت کا تقاضا تھا گویا یہ اب بعد کا جملہ کہ صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے پہلے کلام کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

۴۴۹۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ میرے لیے لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے[۱] ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ[۲] میں بنائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[۱] قیام مصدر برائے تاکید ہے یا یہ قائم کی جمع ہے۔

[۲] اس سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ قیام مکروہ و ممنوع ہے جو خود انسان کی خواہش ہو کہ لوگ میری تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اور یہ بطور تکبر ہو اور جہاں یہ چیزیں نہ ہوں وہاں قیام مکروہ نہ ہوگا۔

۴۴۹۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف لائے، ہم تمام آپ کے لیے کھڑے ہوگئے آپ نے فرمایا، تم اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح[۱] عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد)

[۱] اصل قیام میں تشبیہ ہے یا اس کی اس کیفیت کا بیان ہے کہ ان میں سے کوئی بڑا آدمی آجاتا تو اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور اضطراب و پریشانی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس کی تعظیم کے لیے پاؤں پر کھڑے رہتے اس کی طرف آپ نے بعد کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے اس توجیہ سے واضح ہوا کہ اصل قیام منع نہیں بلکہ وہ قیام منع ہے جو بطور تعظیم و تکریم ہو دیعنی بڑا آدمی بیٹھا رہے اور عوام دست بستہ ہی کھڑے رہیں۔

۴۴۹۴ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ جَاءَنَا اَبُوْبَكْرَةَ فِيْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَاَبٰى اَنْ يَجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ذَا وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهٗ بِثَوْبِ مَنْ لَمْ يَكْسُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سعید بن ابی الحسن[۱] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک گواہی میں حضرت ابوبکرہ[۲] ہمارے پاس آئے تو ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لیے جگہ خالی کر دی انہوں نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے[۳] اور آپ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی اپنے ہاتھ ایسے کپڑے سے پونچھے جو اس نے دوسرے شخص کو نہیں پہنایا[۴]۔

(ابوداؤد شریف)

[۱] یہ تابعی ثقہ اور امام حسن بصری کے بھائی ہیں، آپ کے والد گرامی کا نام ابوالحسن ہے ان کا وصال اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ایک سو نو ہجری میں ہوا، انہوں نے حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی اور قتادہ نے روایت کی ہے۔

[۲] ابوبکرہ نفیع بن حارث ثقفی، نون پر پیش، مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[۳] ظاہر حدیث اس بات پر دال ہے کہ دونوں کا مجموعہ (قیام اور اس جگہ دوسرے شخص کا بیٹھنا) منع ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مقصد محض قیام کا بیان ہو اور دوسرا اس پر خود بخود متفرع ہو جائے گا کیونکہ جب قیام منع ہے تو اس جگہ بیٹھنا بھی مکروہ ہوگا۔

[۴] کھانے کے بعد ہاتھ بیگانے کے کپڑے کے ساتھ صاف نہ کیے جائیں، لیکن اگر بیٹے، خادم یا غلام کا کپڑا ہو جسے اس نے کپڑے دیئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۴۹۵ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَهٗ اَوْ بَعْضَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھے پھر کھڑے ہوتے اور واپس آنے کا ارادہ فرماتے تو نعلین مبارک[۱] اور وہ چیز[۲] جو آپ پر ہوتی اسے چھوڑ

مَا يَكُوْنُ عَلَيْهِ فَيَعْرِفُ ذٰلِكَ أَصْحَابُهٗ فَيَثْبُتُوْنَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

جاتے جس سے آپ کے صحابہ پہچان جاتے اور بیٹھے رہتے۔

(ابو داؤد شریف)

لے آپ ننگے پاؤں گھر تشریف لے جاتے۔
لے مثلاً چادر مبارک یا کوئی اور کپڑا۔
لے کہ آپ دوبارہ مجلس میں تشریف لائیں گے۔
لے متفرق نہ ہوتے بلکہ انتظار کرتے۔

۴۲۹۶/۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ دو اشخاص لے کے درمیان بغیر ان کی اجازت لے علیحدگی کرے

(ترمذی، ابو داؤد)

لے تاکہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو جائے جو آپس میں علاقہ محبت و اخوت رکھتے ہوں۔
لے اگر ان دونوں میں علاقہ محبت کا علم ہو تو ان کے درمیان نہ بیٹھو اور اگر علاقہ محبت معلوم نہ ہو تو پھر بھی بیٹھنے میں احتیاط کی جائے۔

۴۲۹۷/۱۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔

(ابو داؤد شریف)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۴۹۸ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہو کر گفتگو فرماتے جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہم ملاحظہ کرتے کہ آپ بعض ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے گئے ہیں۔

(بیہقی)

۴۴۹۹ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهٗ ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت واثلہ بن خطاب[1] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا حالانکہ آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ اس کی خاطر سمٹ کر بیٹھ گئے اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جگہ کافی ہے آپ نے فرمایا مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو اس کے لیے کچھ سمٹ[2] کر بیٹھے۔

(بیہقی شریف)

---

[1] ان کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق ہے قرشی و عدوی ہیں یہ صحابی ہیں اور دمشق میں قیام پذیر رہے۔ انہوں نے ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور وہ یہی ہے۔

[2] خواہ جگہ تنگ ہو یا نہ ہو مسلمان کے احترام و اکرام کی خاطر ایسا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ الْجُلُوْسِ وَالنَّوْمِ وَالْمَشْيِ

۱۳۱۔ بیٹھنے، سونے اور چلنے کا بیان

ان تینوں چیزوں کا ذکر عادت کے مطابق ہے کیونکہ آدمی کھانے وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے اس کے بعد سوتا ہے۔ اور پھر اٹھ کر مسجد وغیرہ کی طرف جاتا ہے، جلوس اور قعود کا ایک ہی معنی ہے، بعض ان کے درمیان فرق کرتے ہیں قعود اس بیٹھنے کو کہتے ہیں جو قیام کے بعد ہو اور جلوس اس بیٹھنے کو کہا جاتا ہے جو پہلو کے بل لیٹنے کے بعد یا سجدہ کے بعد ہو (کذا فی القاموس) اس مقام پر بڑی تفصیلی گفتگو ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ نوم (نیند) پیٹ سے بخارات سر کی طرف جانے کی وجہ سے اعصاب میں جو سستی واقع ہوتی ہے اس سے قوائے مدرکہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اسے نوم کہا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۷۵۰۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحن کعبہ میں اپنے ہاتھوں سے حلقہ باندھے ہوئے (بیٹھے) دیکھا۔ (بخاری شریف)

لہ احتباء اس سے مراد وہ بیٹھنا ہے جس میں دونوں گھٹنے کھڑے، پاؤں زمین پر اور دونوں بازوؤں سے ان کا حلقہ بنایا جائے خواہ سرین زمین پر ہو یا نہ، کبھی احتباء کپڑے چادر وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اکثر گھٹنوں اور کمر کے گرد لپیٹ لیا جاتا ہے اور کبھی دونوں ہاتھوں کے ساتھ، عرب اکثر طور پر اس طریقے پر بیٹھتے ہیں صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کو دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنائے ہوئے دیکھا ہے، کپڑے کے ساتھ بھی آپ کا یہ عمل منقول ہے۔

۴۵۰۱ وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا اِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عباد بن تمیم[1] اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں گدی کے بل لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا[2] ہوا تھا۔ (صحیحین)

[1] عبادمیں پرزبر، باپرشد، یہ عباد بن تمیم بن زید بن عاصم تابعی، انصاری، مازنی مدنی، مشاہیر تابعین اور ان کے ثقہ میں سے ہیں ان کے چچا کا نام عبداللہ بن زید انصاری ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گدی کے بل لیٹنا جائز ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا بعض اوقات تھکاوٹ دور کرنے اور طلب راحت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور آپ نے یہ عمل برائے تعلیم جواز فرمایا ورنہ آپ کی عمومی عادت کریمہ اس سے مختلف تھی۔

۴۵۰۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے ایک پاؤں کو اٹھا کر دوسرے پر رکھے جب کہ وہ چت لیٹا ہوا ہو۔ (مسلم)

۴۵۰۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی چت نہ لیٹے پھر اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھے[1]۔ (مسلم)

[1] یہ دونوں حدیثیں حدیث عباد بن تمیم کے منافی ہیں اور ان کے درمیان علماء نے تطبیق یوں بیان کی ہے کہ ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں پر رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ دونوں ٹانگیں بچھائی ہوئی ہوں اور ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھ دے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس حالت میں شرمگاہ کا ننگا ہونا لازم نہیں آتا اور دوسرا طریقہ

یہ ہے ایک پنڈلی کھڑی کر لی جائے اور دوسرے زانوں کو اس پر رکھ لیا جائے یہ صورت ممنوع ہے لیکن یہ بھی تب منع ہے جب شرمگاہ کے ننگے ہونے کا خطرہ ہو اگر خطرہ نہیں مثلاً شلوار پہنی ہوئی ہے یا تہ بند دراز یا قمیص کا پلو لمبا ہے تو پھر بھی حرج نہیں، الغرض جواز اور عدم جواز کا مدار انکشاف شرمگاہ اور عدم انکشاف پر ہے۔

۴۵۰۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَیْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهٗ خُسِفَ بِهِ الْاَرْضُ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی دو چادروں[۱] میں تکبر سے چل[۲] رہا تھا اور اس کے نفس نے اسے گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا[۳] ہی رہے گا[۴]۔ (صحیحین)

[۱] دھاری دار کپڑوں میں گردن اکڑا کر چل رہا تھا۔

[۲] وہ آدمی اس امت میں سے تھا یا سابقہ امتوں میں سے، بعض علماء کی رائے میں اس سے مراد قارون ہے یا ممکن ہے کہ یہ بطور فرض وتمثیل ہے تاکہ خوف اور ڈر پیدا ہو۔

[۳] جلجل، آواز کے ساتھ حرکت کرنا، کہا جاتا ہے جلاجل ذق (دف کی آوازیں) اسی سے ہے۔

[۴] اس حدیث نے واضح کر دیا کہ رفتار میں تکبر، فخر، غرور اور اکڑ کر چلنا ناپسند ہے اور اس کا نتیجہ اور انجام نہایت ہی برا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پناہ میں رکھے رفتار کی دس اقسام ہیں عربی زبان میں ہر ایک کے لیے الگ نام ہے۔

شرح میں ہم نے انہیں ذکر کیا ہے، افضل و اکمل ان میں ہُوْن ہے ہا پر زبر اور واؤ ساکن ہے یعنی جس میں آہستگی کے ساتھ تمام جسم حرکت کرے، تھوڑی سی تیزی ہو یعنی اس میں مردانہ وقار ہو اور عاجزی کا اظہار ہو۔ نہ تو خشک لکڑی کی طرح چلے اور نہ ہی نہایت تیز جس میں اضطراب ہو کیونکہ یہ دونوں اقسام مذموم ہیں اور یہ دل کے مردہ ہونے سر میں غرور اور بے عقلی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کی صفت "ہون" کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے ارشاد ہے۔

وہ بڑے ہی آرام کے ساتھ بغیر تکبر اور بے افسردگی کے زمین پہ چلتے ہیں۔ اس کی تفصیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک چال کے بیان میں شمائل میں کرے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۵۰۵ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ عَلٰى يَسَارِهٖ.

حضرت جابر بن سمرۃ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا[2]۔

(ترمذی شریف)

سلہ یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص کی بہن کے بیٹے ہیں، ان کی والدہ کا نام خالدہ بنت ابی وقاص ہے۔

سلہ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا سنت ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اگر کوئی تمہیں تکیہ پیش کرے تو رد نہ کرو جس طرح کہ آپ نے خوشبو کے بارے میں فرمایا۔

۴۵۰۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ احْتَبٰى بِيَدَيْهِ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء[1] کرتے۔

(رزین)

سلہ اس کا معنی پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، گھٹنوں کو پیٹ کے ساتھ لگا کر ان کے گرد دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنایا جائے ۱۲ (ق ن)۔

۴۵۰۷ وَعَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَأَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں قرفصاء[1] کی حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا، کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو عجز و نیاز کی حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں خوف[2] سے کانپ اٹھی

(ابو داؤد شریف)

۵۱ قبلہ قاف پر زبر اور با ساکن ہے یہ عنبر بہ تمیمہ ہیں، بنت مخرمہ میم پر زبر اور خا ساکن۔
۵۲ قُرفُصا۔ قاف پر پیش، را ساکن، فا پر پیش یا زیر، الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قصر کی صورت میں قاف اور فا کے نیچے زیر ہو گی اور قاموس میں ہے کہ قاف اور فا، پر تینوں حرکات آسکتی ہیں، یہ بیٹھنے کی ایک قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سرین پر بیٹھ کر رانوں کو پیٹ کے ساتھ لگایا جائے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ حلقہ بنا لیا جائے یا یہ کہ آدمی دونوں پنڈلیوں پر بوجھ ڈال کر بیٹھ جائے رانوں کو پیٹ سے ملائے اور دونوں ہاتھوں کو بغل میں اس طرح رکھے کہ دایاں ہاتھ بائیں بغل میں اور بایاں ہاتھ دائیں بغل میں ہو، یہ عرب کے چرواہوں، بادیہ نشینوں اور غریب لوگوں کے بیٹھنے کا طریقہ ہے اور وہ لوگ جو دل میں اپنی ذمہ داریوں کی فکر، اندیشہ اور خیال رکھتے ہوں ان کا بھی یہی طریقہ ہے، یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کس مقام میں تھے کہ اس حالت میں بیٹھے تھے پس حضرت قیلہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

۵۳ انتہائی عاجزی، تواضع اور فرق و حضور میں آپ تشریف فرما تھے۔
۵۴ فَرَق، فا اور را دونوں پر زبر ہے۔ میرے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔
۵۵ امام ترمذی نے شمائل میں بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

۴۵۰۸/۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِي مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسْنَاءَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فجر کی نماز ادا کر لیتے تو اپنی جگہ پر چارزانو بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج[۱] خوب روشن[۲] ہو جاتا۔ (ابو داؤد)

۵۱ اس زردی سے جو سورج کو وقت طلوع غبار اور بخارات کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔
۵۲ حسنا اس میں چند صورتیں ہیں درست یہ ہے کہ حا اور سین پر زبر طُلُوْعًا حَسَنًا (خوب چمک دار طلوع) یا حا پر زبر سین ساکن اور ہمزہ ممدودہ یعنی فَعْلَاءُ کے وزن پر ہے اور بعض روایات میں "حِيْنًا"، ہے حا کے نیچے زیر یا ساکن اس کا معنی زمانہ ہے یہاں تک کہ سورج کے طلوع کو کچھ وقت گزر جاتا۔

۴۵۰۹/۱۰ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب

كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَ وَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

رات کو دوران سفر کسی جگہ پڑاؤ[1] فرماتے تو دائیں کروٹ لیٹتے اور جب صبح سے کچھ پہلے کسی جگہ اترتے تو اپنی کلائی کھڑی فرماتے اور اپنی مبارک ہتھیلی پر سر رکھتے۔

(شرح السنۃ)

[1] تعریس، مسافر کا رات کے آخری حصہ میں آرام و نیند کے لیے پڑاؤ کرنا۔ آپ کی عادت کریمہ تھی اگر پڑاؤ کے وقت رات کافی ہوتی تو دائیں پہلو پر آرام فرماتے تعریس کے علاوہ بھی آپ کا معمول یہی تھا اگر صبح قریب ہوتی تو ایک ہاتھ کھڑا کر کے سر اقدس ہتھیلی پر رکھتے یہ اس لیے تاکہ نیند غلبہ نہ کرے اور نماز فجر فوت نہ ہو جائے آخری صورت میں تو یہ بات واضح ہے۔ رہا معاملہ پہلی صورت کا تو وہاں دائیں پہلو پر لیٹنے سے نیند کم آتی ہے کیونکہ دل بائیں طرف ہے اور وہ معلق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سکون و قرار کم ہو جاتا ہے اور اگر بائیں پہلو پر سویا جائے تو دل اپنے مقام پر رہتا جس کی وجہ سے نیند خوب آتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطبا دائیں پہلو پر سونے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی غرض نیند سے آرام اور ہضم طعام ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں خوب حاصل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آرام و سکون کی وجہ سے حرارت باطن میں رک جاتی ہے جس کی وجہ سے کھانا جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے اگر رات کافی باقی ہوتی تو سر کے نیچے اینٹ رکھ لیتے اور اگر صبح قریب ہوتی تو ایک بازو کھڑا کر کے سر ہتھیلی پر رکھ لیتے تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہو جائے۔

۴۷۵۱ وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّمَّا يُوْضَعُ فِيْ قَبْرِهٖ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَأْسِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض اولاد[1] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک اسی طرح کا تھا جیسا کہ آپ کی قبر[2] میں بچھایا گیا اور مسجد آپ کے سر کی جانب ہوتی تھی۔

(ابوداؤد شریف)

[1] ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سابقہ شوہر سے اولاد تھی ان میں بعض مثلاً حضرت عمر اور زینب نے حضور علیہ السلام کے پاس پرورش پائی ان میں سے کسی نے روایت کی ہے۔

[2] حدیث میں ہے کہ وہ سرخ رنگ کا پرانا کمبل جو آپ نیند کے موقع پر نیچے بچھاتے تھے قبر انور میں بھی

وہی بچھایا گیا اور آپ کا جسد اطہر اس پر رکھا گیا، بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ آپ کا جسد اطہر اس کپڑے پر رکھا گیا جس کو نکالنا اضطراب کی وجہ سے صحابہ کرام کو یاد نہ رہا اور تدفین کے بعد قبر انور کو کھولنا مناسب نہ تھا بعض روایات میں ہے کہ اس کمبل کا آپ کے نیچے بچھانا آپ کے غلام شقران کا (شین پر پیش اور قاف ساکن) صحابہ کی رائے کے بغیر عمل تھا اور انہوں نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے بعد کوئی اسے استعمال نہ کرے، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ میت کے نیچے کپڑا بچھانا مکروہ ہے۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ کے نیچے آپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے کپڑا بچھایا گیا تھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے، صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام نے قبر انور میں کچی اینٹیں لگاتے ہوئے کمبل مبارک باہر نکال لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم حاصل یہ ہے کہ راوی اس بات سے آگاہ کر رہے ہیں کہ آپ کا بستر اسی قسم کا تھا جو قبر میں بچھایا گیا، ظاہر یہ ہے کہ "یوضع" کی جگہ ماضی "وُضع" ہونا چاہیے تھا مگر یہ روایت اس وقت کر رہے ہیں جب آپ کی تدفین ہوئی اس لیے مضارع کا لفظ استعمال کیا۔

۵۲ سر اقدس مسجد کی طرف کرتے، کیونکہ آپ رخ انور قبلہ کی طرف فرماتے تو سر اقدس مسجد کی جانب ہوتا آپ کی مسجد حجرہ انور کے دائیں جانب ہے اور حجرہ مسجد کے بائیں جانب، بعض حواشی میں ہے کہ آپ اپنی نماز ادا کرنے والی جگہ کے قریب آرام کرتے اس جگہ سے محبت اور رات کو قیام میں سہولت کے لیے ایسا کرتے تھے۔

۴۵۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُّضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس لیٹنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا[۱] (ترمذی)

[۱] سونے کی چار قسمیں ہیں پہلی قسم پشت کے بل سونا، یہ اہل عرب کا سونا ہے کیونکہ وہ آسمان اور ستاروں میں نظر عبرت ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر استدلال کرتے ہیں دوسری قسم دائیں پہلو پر سونا ہے۔ یہ اہل عبادت کا سونا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بندہ رات کو قیام اور بارگاہ خداوندی میں نماز و طاعت کے لیے تیار رہتا ہے تیسری قسم بائیں پہلو پر سونا ہے اور یہ اہل راحت کا سونا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے اور راحت و سکون خوب ملتا ہے چوتھی قسم منہ کے بل سونا ہے یہ اہل غفلت کا سونا ہے کہ سینہ اور چہرہ جو انسان کے افضل اعضاء ہیں ان کا نیچے ہونا اور طاعت باری کے علاوہ ان کا زمین پر رکھنا مناسب نہیں۔

۴۷۱۲ وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا مُضْطَجِعٌ مِنَ السَّحَرِ عَلَى بَطْنِي إِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِي بِرِجْلِهِ. فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللهُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤد)

حضرت یعیش بن طخفہ بن قیس غفاری اپنے والد گرامی سے جو اصحاب صفہ میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ میں سینے کی درد کی وجہ سے پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک مجھے کسی شخص نے اپنے پاؤں کے ساتھ ہلایا اور کہا کہ اس لیٹنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ یعیش یا پر زبر، عین کے نیچے زیر دوسری یا ساکن ہے اور نقطوں والا شین۔

۲ طخفہ طا کے نیچے زیر خا ساکن، بعض کے نزدیک خا کی جگہ ہا ہے۔ (طہفہ) بعض کے نزدیک خا کی جگہ غین ہے (طغفہ)۔

۳ سحر سین پر پیش، حا ساکن، یا سین پر زبر اور حا ساکن، یا سین اور حا دونوں پر زبر ہے، پھیپھڑا درد کے علاوہ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو حلقوم اور مری میں اوپر کی جانب میں پھنس جائے اس جگہ سینے کا درد مراد ہے۔

۴ اس حدیث میں سابق حدیث کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کہ یہ عمل نہایت ناپسندیدہ ہے سابق حدیث میں گزرا کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی ناراض ہوتا ہے، یا اس حدیث میں بھی محبوب نہ ہونے سے مراد ناپسندیدہ ہونا ہے۔

۵ یہ مسلہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے یہ عمل مباح ہو جاتا ہے، اگر آپ نے درد کے جاننے کے باوجود فرمایا ہے تو احتیاط میں مبالغہ کی تلقین ہے۔

۴۷۱۳ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ

حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے گھر کی چھت پر رات گزارے جس پر

حِجَابٌ وَّفِي رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِي مَعَالِمِ السُّنَنِ لِلْخَطَابِيِّ حِجِيٌّ)

آڑ شہ نہ ہو، ایک روایت کے مطابق کہ جس پر پتھر[۲] نہ ہو تو اس سے ذمہ داری[۳] ختم ہو گئی۔ (ابو داؤد اور معالم السنن للخطابی میں لفظ حجی ہے)۔

[۱] جس کی منڈیر نہ ہو لوگ چھت پر دیوار بنا دیتے ہیں تاکہ پردہ رہے اور گرنے سے روک دے۔

[۲] حجار، حجر کی جمع ہے حا کے نیچے زیر اس کا معنی رکاوٹ ہے مثلاً دیوار یا اس کی مثل کوئی اور شے۔

[۳] یعنی وہ ذمہ اور عہد جو اللہ تعالیٰ نے بندے کی حفاظت کا لے رکھا ہے۔ کیونکہ اس نے بندے کی حفاظت کے لیے ملائکہ اور دیگر اسباب پیدا کیے ہیں اگر بندہ ان اسباب کو بروئے کار نہیں لاتا تو اس نے اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دیا اور اسی جگہ سویا جہاں سے انسان عادۃً گر کر ہلاک ہو جاتا ہے گویا بندے نے خود محافظت کا عہد ساقط کر دیا اور اپنے نفس کی حفاظت زائل کر کے اس شخص کے حکم میں ہو گیا جس کا خون ضائع ہے یعنی وہ ذمہ اور عصمت سے محروم ہو گیا جس کی وجہ سے اس کے خون کی ضمانت لازم آتی تھی۔

[۴] امام خطابی کی کتاب معالم السنن میں "حجاب" کی جگہ حجی ہے حا کے نیچے زیر اور زبر دونوں درست ہیں دونوں الفاظ کا معنی پردہ ہی ہے اگر حجی کی حا کے نیچے زیر پڑھی جائے تو اس کا معنی عقل ہے پردے کو عقل اس لیے کہا ہے کہ چھت پر پردہ بنانا عقل مندی اور سمجھداری پر دلالت کرتا ہے یہاں مشبہ بہ ذکر کر کے مشبہ مراد لیا گیا ہے کیونکہ جس طرح عقل ناشائستہ کاموں میں رکاوٹ ہوتی ہے اس طرح چھت کا پردہ بھی زمین پر گرنے سے مانع ہوتا ہے اگر حا پر زبر ہو تو اس کا معنی کنارہ ہے۔ اَلْحَجَا شَیْئٌ شے کی جانب کو کہا جاتا ہے اور پردہ بھی چھت کی ایک جانب ہی ہوتا ہے۔ مذکورہ لفظ اس حدیث میں ان تینوں طریقوں سے مروی ہے لیکن آنے والی حدیث نشاندہی کرتی ہے کہ یہ لفظ حجار ہے۔

۴۵۱۳/۱۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس چھت پر نہ سوئے جس پر آڑ[۱] نہ ہو۔ (ترمذی)

[۱] یعنی جس پر دیوار یا کوئی اور رکاوٹ نہ ہو۔

۴۵۱۵ / ۱۶ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ شخص حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق لعنتی ہے جو حلقے کے درمیان بیٹھے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

لہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مجلس میں آیا طریقہ یہ تھا کہ جہاں جگہ خالی تھی وہاں بیٹھ جاتا تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہوتی لیکن اس نے ایسا نہ کیا بلکہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا مجلس کے درمیان جاکر بیٹھ گیا یا یہ مطلب ہے کہ حلقے کے درمیان بیٹھ جاتا ہے تو لازماً بعض لوگوں کی طرف اس کی پشت ہوگی، بعض لوگ ان سے پوشیدہ ہو جائیں گے اور بعض کو اس سے اذیت و تکلیف لاحق ہوگی اور لوگوں کو بغیر کسی ضرورت کے پریشان کرنا لعنت و مذمت کا باعث ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ جب حلقے میں بیٹھنے والوں کو تکلیف ہوگی تو وہ اسے لعن طعن کریں گے لیکن حدیث کے الفاظ "مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ" اس شرح کی اجازت نہیں دیتے اس لیے کہ یہ لعنت و مذمت نفس الامر ہے خواہ لوگ لعنت کریں یا نہ کریں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے یہاں حلقہ کے درمیان بیٹھنے والے سے مراد مسخرہ ہے کیونکہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا مذاق کرتا ہے اور لوگ اس کے ارد گرد بطور تمسخر کھڑے ہیں اور ہنستے ہیں ایسے شخص کو ملعون کہا گیا ہے۔

۴۵۱۶ / ۱۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر وہ مجلس ہے جس میں زیادہ لہ وسعت ہو۔

(ابوداؤد)

لہ وہ مجلس ایسی جگہ منعقد ہو جو فراخ و وسیع ہو اور اس میں تنگی نہ ہو اور لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔

۴۵۱۷ / ۱۸ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهُ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ آپ کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے فرمایا لہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں متفرق لہ دیکھ

یعنی تین۔

رہا ہوں۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(ابوداؤد)

لہ الگ الگ حلقہ بنا کر۔

لہ۲ بطور تعجب فرمایا۔

لہ۳ تم ایک جگہ اکٹھے کیوں نہیں ہو؟ عزین عزۃ کی جمع، زا پر شد نہیں، اس کا معنی جماعت ہے۔

لہ۴ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کو ناپسند فرمایا کیونکہ یہ وحشت، افتراق اور دوری کا سبب ہے اور اکٹھے ہونے کی ترغیب دی کیونکہ یہی اجتماع و اتحاد کی علامت ہے۔

۴۵۱۸/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِی الشَّمْسِ وَبَعْضُهٗ فِی الظِّلِّ فَلْیَقُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سائے میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹنے لگے لہ جس سے اس کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو تو وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ (ابوداؤد)لہ۲

وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ قَالَ اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْیَقُمْ فَاِنَّهٗ مَجْلِسُ الشَّیْطَانِ هٰکَذَا۔ (رَوَاهُ مَعْمَرٌ مَوْقُوْفًا)

شرح السنۃ میں لہ۳ انہی سے روایت ہے کہ فرمایا تم میں سے کوئی سایہ میں ہو اور سایہ اس سے ہٹ جائے تو وہاں سے اٹھ جائے کیونکہ وہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے، اسے معمر لہ۴ نے موقوفاً روایت کیا ہے۔

لہ سایہ چھوٹا ہو جائے۔

لہ۲ اس حدیث میں صرف اٹھ جانے کا حکم ہے حکمت کا بیان نہیں ہے۔

لہ۳ اس میں اٹھ جانے کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے۔

لہ۴ حضرت معمر نے اسے حضرت ابوہریرہ کا قول قرار دیا ہے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان قرار نہیں دیا جس طرح کہ ابوداؤد نے کیا تھا لیکن یہ حدیث موقوف، حکم مرفوع میں ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ غیر قیاسی ہے۔ صحابی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنے بغیر یہ بات نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہے خصوصاً

جب کہ یہ روایت دوسری سند سے مرفوعاً مروی ہے، اور آپ کا فرمان "بعض حصہ دھوپ میں اور بعض حصہ سائے میں" دلالت کر رہا ہے کہ شیطان کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اور اگر تمام جسم دھوپ میں ہو تو اس کا معاملہ یہ نہیں۔ یہ ممنوع اور مکروہ ہے تو اس کی وجہ مجلس شیطان ہونا نہیں بلکہ انسان کا تکلیف اور مشقت میں پڑنا ہے تاہم موسم سرما میں آدمی دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے، لیکن نصف دھوپ اور نصف سایہ میں بیٹھنا مذکورہ حدیث کے پیش نظر ناپسند ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس صورت کو مجلس شیطان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ راضی اور خوش ہوتا ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی تکلیف و مشقت میں گرفتار ہو جائے، یہ قابل توجہ نہیں کیونکہ یہ چیز ان رازوں میں سے ہے جن کا کشف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے، ایسے مقام پر سوائے تسلیم کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا صحابہ اور غیر صحابہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے۔

۴۵۱۹ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ[1] الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَهَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ مسجد سے نکل رہے تھے، راستے میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو گیا، عورتوں سے فرمایا، تم پیچھے[2] رہو، کہ تمہارے لیے راستے کے درمیان[3] چلنا مناسب نہیں، راستے کے کنارے اختیار کرو، پھر عورتیں دیوار کے ساتھ چلتی تھیں یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار کے ساتھ الجھ جاتا ہے۔ (ابو داؤد، بیہقی، شعب الایمان)

[1] ابو اسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر ہے، تقریب میں ہے کہ ہمزے پر زبر سین کے نیچے زیر صحیح ہے اسی طرح امام دار قطنی نے بیان کیا، ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے یہ بدر، احد اور تمام مقامات پہ حاضر ہونے اصحاب بدر میں سے آخری وصال پانے والے ہیں۔

[2] ایک طرف ہو جاؤ۔

[3] تحققن، تا پر زبر، دوسرا قاف ساکن، حاق بمعنی درمیان سے مشتق، جمع مونث حاضر ہے۔

ے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں نے آپ کے حکم پر اتنی سختی سے پابندی کی۔

۴۵۲۰ (۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّمْشِيَ يَعْنِي الرَّجُلَ بَيْنَ الْمَرْاَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان چلے لہ۔ (ابوداؤد)

لہ بَیْنَ الْمَرْاَتَیْنِ کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ مرد کو چاہیے کہ دو عورتوں کے درمیان سے نہ گزرے، راستے میں اکٹھے ہو کر گزرنا دوسرا معاملہ ہے، اگر مراد یہ ہوتا تو عبارت اَنْ یَّمْشِیَ مَعَ النِّسَاءِ ہوتی اور وہ بھی خوف فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ اس سبب سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں اختلاط و اجتماع زیادہ ہے اور یہ عمل حیا اور مروت سے بہت دور ہے شاید یہاں کوئی اور حکمت بھی ہو جس کا علم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

۴۵۲۱ (۲۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) وَذُكِرَ حَدِيْثَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فِيْ بَابِ الْقِيَامِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَلِيٍّ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْ بَابِ اَسْمَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو ہر کوئی وہاں بیٹھتا جہاں مجلس ختم ہوتی۔ (ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عمرو کی دو احادیث باب القیام میں گزر گئی ہیں اور حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ سے مروی احادیث ہم باب اسماء النبی وصفاتہ میں ذکر کریں گے لہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لہ وہ دو حدیثیں یہ ہیں ایک یہ کہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ دو کے درمیان تفریق کرے اور دوسری یہ کہ کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے مصابیح میں یہ احادیث باب القیام میں مکرر آئی ہیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ دوسری حدیث تو عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو سے کس طرح مروی ہوئی جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی انتہا حضرت عبداللہ بن عمرو پر ہی ہوتی ہے سندیوں سے عبداللہ بن عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص۔

۵ کیونکہ وہ دونوں حدیثیں حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا ان کا ذکر آپ کے شمائل مبارکہ میں ہی ہونا چاہیے جب کہ صاحب مصابیح وہ حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۵۲۲/۲۳ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَ قَدْ وَضَعْتُ يَدِي الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِيْ وَ اتَّكَأْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِيْ فَقَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے حالانکہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا میرا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے تھا اور میں نے ہاتھ کی ٹیک لگائی ہوئی تھی آپ نے فرمایا تم ان لوگوں کی طرح بیٹھتے ہو جن پر غضب کیا گیا ہے۔

(ابو داؤد شریف)

۱ شرید، شین پر زبر، راء کے نیچے زیر، طائف کے رہنے والے، اور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک حجازی ہیں۔ ثقہ تابعی ہیں، ابن عباس اور اپنے والد گرامی سے حدیث سنی۔

۲ اس کے بعد خود اپنے بیٹھنے کی حالت بیان کی۔

۳ میں نے ٹیک لگا رکھی تھی گوشت کے اس ٹکڑے پر جو انگوٹھے کی جڑ کے پاس ہے، صراح میں ہے کہ الیہ دنبے کی سرین کو کہتے ہیں اور بڑی انگلی کی جڑ میں جو گوشت ہے اسے بھی کہا جاتا ہے۔

۴ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ان سے مراد یہود ہیں ان کا نام نہ لینے میں دو فائدے ہیں۔

۱۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ایسا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں خواہ کوئی بیٹھے۔

۲۔ چونکہ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لہٰذا اسے اس شخص کے ساتھ مشابہت اختیار نہیں کرنی چاہیے جس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے۔

غضب اور لعنت کا اطلاق قرآن میں یہود پر ہوا ہے اور وغضب اللہ علیہ ولعنہ کے الفاظ بھی انہی کے بارے میں آئے

اور سورۃ الفاتحہ میں بھی مغضوب علیہم سے مراد یہی ہیں۔

۴۵۲۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّ بِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَکَضَنِیْ بِرِجْلِہٖ وَقَالَ یَا جُنْدُبُ اِنَّمَا ھِیَ ضِجْعَۃُ اَھْلِ النَّارِ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے حالانکہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا آپ نے پاؤں مبارک سے مجھے ٹھوکر مار کر فرمایا: اے جندب! یہ آگ والوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ (ابن ماجہ)

۱ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲ جیسے کہ اس سے پہلے حدیث یعیش بن طخفہ میں گذر چکا ہے۔

۳ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے۔

بَابُ الْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ

(۲۱۲) چھینک اور جمائی کا بیان

عُطَاس، عَطَسَ عَطْسًا وعُطَاسًا کا مصدر بمعنی چھینکنا ہے، تَثَاؤُب، تَثَاءَبَ کا مصدر ہے اور بطور اسم ثونا تا پر پیش، واؤ پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ ہے، وہ سستی اور کاہلی جس کے عارض ہونے کی وجہ سے بے اختیار منہ کھل جاتا ہے فارسی میں اسے خمیازہ اور فاژہ کہتے ہیں، تثاوب میں ہمزہ ہے، واؤ نہیں امام کرمانی نے اس کی تصریح کی ہے کہ صحیح یہی ہے، بعض کے نزدیک واؤ ہے اور مغرب سے منقول ہے کہ الف اور واؤ کے بعد ہمزہ غلط ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۵۲۴ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّیْطٰنُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند فرماتا ہے تو جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے کہ اس پر کہے یرحمک اللہ لیکن جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو اسے روکے کیوں کہ جب تم جمائی لیتے ہو تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔ (بخاری)

وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّیْطَانُ مِنْهُ)

اور مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی ہا (آواز نکالتا ہے) کہتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

سلہ کیونکہ چھینک کا سبب دماغ کا تروتازہ ہونا اور قوائے ادراکیہ کی صفائی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی حضوری میں ممد و معاون ہوتی ہے اور جمائی نفس کے بوجھل، حواس کے مکدر ہونے اور غفلت و سستی اور سوء فہم کی وجہ سے ہے جو آدمی کے عبادت و طاعت الٰہی میں ذوق کے منافی ہے پس شیطان اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے اسے شیطانی فعل قرار دیا ہے، یہ بھی واضح ہو گیا کہ چھینک اور جمائی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور کراہت کا سبب ان کا ثمرہ یعنی طاعت میں ذوق اور بے ذوقی ہے۔

سلہ جب وہ الحمد للہ کہے، اگر رب العالمین کا اضافہ کرے تو بہتر اور اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہے تو زیادہ بہتر ہے (کذا قال الطیبی)۔

چھینک پر حمد بجالانے کی حکمت یہ ہے کہ پیٹ کی جانب سے جب کوئی موذی گیس دماغ کی طرف بڑھتا ہے تو دماغ اسے روکتا اور منع کرتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا اس پر چھینک آتی ہے جو دماغ کے قوی اور صحت مند ہونے کی علامت ہے اور جب دماغ کمزور ہوتا ہے تو چھینک نہیں آتی گویا وہ موذی کو دور نہیں کرسکتا لہذا چھینک آنے پر حمد کی تلقین فرمائی۔

سے ۵۳ یہ عبارت دال ہے کہ چھینک کا جواب دیتے ہوئے یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہنا ہر مسلمان پر واجب ہے کیونکہ ارشاد ہے: کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ لیکن علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے حنفی مذہب میں صحیح یہی ہے کہ یہ واجب بطور کفایہ ہے اگر کسی ایک نے جواب دے دیا تو باقی سے از خود ساقط ہو جائے گا۔ ایک روایت میں اس کے استحباب کا ذکر ہے صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ یہ جواب ہر سننے والے پر فرض ہے ایک کا جواب کافی نہیں اور یہ اکابر علماء میں سے ایک جماعت کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس کا جواب سنت کفایہ ہے ہاں افضل یہی ہے کہ ہر کوئی جواب دے۔ امام مالک سے مختلف اقوال مروی ہیں بعض میں واجب اور بعض میں سنت ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ واجب سنت اس وقت ہے جب چھینکنے والا الحمد کہے اور حاضر اس کو سنے اگر اس نے حمد نہ کی تو وہ جواب کا مستحق نہ ہوگا یا حمد کی مگر آہستہ کی کہ حاضرین نہ سنیں تو اب بھی جواب لازم نہیں۔

سے ۵۴ اگر روکنا ممکن نہ ہو تو منہ پر پشت ہاتھ رکھ دے اور دانت کے ساتھ نیچے والے ہونٹ کو چبائے۔

سے ۵۵ جمائی کے وقت جو آواز آتی ہے بعض نے اس کا ترجمہ آہ آہ کیا ہے۔

۴۵۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمدللہ کہے اس کا بھائی یا اس کا ساتھی یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے جب وہ یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے تو یہ کہے۔ یَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (بخاری)

سلہ راوی کو شک ہے کہ اس کا بھائی فرمایا یا ساتھی، مراد دوسرا مسلمان ہے۔
سلہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کی توفیق دے اور تمہارے دلوں کو نیک فرمائے۔ الفاظ جمع لانے کی تین حکمتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اکثر طور پر جماعت حاضر ہوتی ہے۔
۲۔ مخاطب کا احترام و تعظیم۔
۳۔ یا اس سے حضور علیہ السلام کی تمام امت مراد ہے۔

۴۵۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَھُمَا وَلَمْ یُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ شَمَّتَّ ھٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِیْ قَالَ اِنَّ ھٰذَا حَمِدَ اللّٰہَ وَلَمْ تَحْمِدِ اللّٰہَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کا جواب دیا دوسرے کا نہیں دیا تو اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس کو جواب دیا مجھے نہ دیا آپ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد[1] کی اور تو نے نہیں کی۔ (بخاری[2] و مسلم)

سلہ حمد کرنے والا جواب کا مستحق ہے اس میں ترک حمد پر وعید ہے۔
سلہ تشمیت کا معنی چھینک کا جواب یرحمک اللہ کے ساتھ دینا ہے۔ یہ شین اور سین دونوں کے ساتھ مستعمل ہے لیکن شین اعلیٰ اور زیادہ فصیح ہے۔ یہ شماتت سے مشتق ہے جس کا معنی دشمنوں اور حاسدوں کا کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور تشمیت کا معنی اس بات کی دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی اس دشمنی سے محفوظ فرمائے جو وجہ شماتت بن سکتی ہو، گویا چھینک صحت اور شماتت اعدا سے خلاصی پانا ہے لہٰذا یہاں تفعیل کا صیغہ رفع اور ازالے کے لیے ہے (کذا قیل) بعض کے نزدیک یہ لفظ شوامت بمعنی چارپائے کے پاؤں سے مشتق ہے گویا اب یہ دعا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عافیت پر ثابت قدمی نصیب رہے، اگر تسمیت ہو تو یہ سمت سے مشتق ہے جس کا معنی حالت اہل خیر اور ان کا طریقہ ہے۔ پس دعا یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھی حالت عطا فرمائے کیونکہ چھینک کا منظر نہایت عجیب ہوتا ہے، نہایۃ میں ہے کہ تسمیت دعا کے معنی میں ہے کھانا کھانے والے سے متعلق حدیث میں ہے۔ سَمُّوا اللّٰہَ وَسَمِّتُوْا کھانا شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اختتام پر صاحب طعام کے لیے

دعا کرد یہاں تسمیت دعا کے لیے استعمال ہے (کذا فی مجمع البحار)

۴۵۲۷ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰہَ فَشَمِّتُوْہُ وَاِنْ لَّمْ یَحْمَدِ اللّٰہَ فَلَا تُشَمِّتُوْہُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو جواب[1] دو اور اگر حمد نہ کرے تو جواب نہ دو[2]۔ (مسلم)

[1] یعنی یَرْحَمُکَ اللہ کہو۔

[2] اگر چھینکنے والا مجلس میں نہ ہو مثلاً دیوار کے پیچھے سے آواز سنائی دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ اس نے حمد کی ہو۔ منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے گوشے سے چھینک کی آواز سنی مگر حمد نہ سنی تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا یَرْحَمُکَ اللہُ اِنْ کُنْتَ حَمِدْتَ اللّٰہَ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے۔ اگر وہ حمد نہ کہے تو چاہیے کہ حاضرین تمام حمد کریں تاکہ اسے یاد آئے اور تنبیہ ہو تاکہ وہ بھی حمد کرے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ کوئی بھی حمد نہ کرے تاکہ اس پر زجر و توبیخ ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہے اگر یاد دلانا سنت ہوتا تو اس پر سب سے پہلے حضور علیہ السلام عمل فرماتے (کذا فی سفر السعادۃ)

۴۵۲۸ وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَہٗ فَقَالَ لَہٗ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰی فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلتِّرْمِذِیِّ اَنَّہٗ قَالَ لَہٗ فِی الثَّالِثَۃِ اِنَّہٗ مَزْکُوْمٌ۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہتے ہوئے سنا جب آپ کے پاس ایک آدمی کو چھینک آئی پھر دوبارہ اسے چھینک آئی آپ نے فرمایا: اس کو زکام[1] ہے۔

(مسلم[2]) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری بار فرمایا یہ زکام والا ہے۔

[1] یہ مستحق جواب نہیں کیونکہ یہ مریض ہے۔ مریض اگرچہ دعا کا مستحق ہوتا ہے لیکن دوسری دعا کا جو دعا چھینک کے ساتھ مخصوص ہے اس کا نہیں۔

سے ۵۲ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ چھینک کا جواب ایک ہی دفعہ ہو گا اگر دوبارہ متصلاً آجائے تو جواب کا مستحق نہیں کیونکہ یہ زکام کی علامت ہے۔

سے ۵۳ روایت ترمذی کے مطابق آپ نے دو دفعہ جواب عنایت فرمایا تیسری دفعہ جواب نہیں دیا۔ ابوداؤد اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ تین دفعہ جواب دینا چاہیے اس کے بعد اختیار ہے جواب دے یا نہ دے۔

۴۵۲۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِہٖ عَلٰی فِیْہِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۵۳۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِہٖ اَوْ ثَوْبِہٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینک فرماتے تو اپنا چہرہ اقدس ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ[1] لیتے اور چھینک کی آواز کو پست[2] فرماتے۔

(ترمذی، ابو داؤد) امام ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

سے ۱ چونکہ چھینک کے وقت چہرہ کی حالت میں تبدیلی آتی ہے اس لیے اس پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لینے اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ بعض اوقات ایسے موقع پر منہ یا ناک سے رطوبت خارج ہوتی ہے تو جسم دوسرے حصوں اور حاضرین کے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے یہ تعلیم دی۔

سے ۲ یہ بھی حسن ادب ہے کیونکہ بعض اوقات اچانک پیدا ہونے والی سخت آواز حاضرین کی وحشت کا سبب

بن جاتی ہے، علماء نے بیان کیا ہے کہ چھینک کی آواز کو پست کرے مگر حمد باری تعالیٰ بلند آواز سے ادا کرے تاکہ حاضرین سن کر جواب دینے کا حق ادا کریں۔ (کذا فی مطالب المومنین)

۴۵۳۱ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَلْیَقُلِ الَّذِیْ یَرُدُّ عَلَیْہِ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ وَلْیَقُلْ ھُوَ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ۔

(رواہُ التِّرمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو کہے ہر حال میں تعریف اللہ کے لیے ہے جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے اور یہ کہے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دل کی حالت بہتر فرمائے۔

(ترمذی، دارمی)

سلہ چھینک کے جواب کو رد فرمایا جیسے سلام کے جواب کو رد سلام کہا جاتا ہے گویا چھینک کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا حاضرین کے لیے تحفہ ہے

سلہ یرحمک اللہ کے بعد چھینکنے والا کہے۔

۴۵۳۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کَانَ الْیَھُوْدُ یَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْجُوْنَ اَنْ یَّقُوْلَ لَھُمْ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ فَیَقُوْلُ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ۔

(رواہُ التِّرمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینکا کرتے تو وہ یہ امید کرتے کہ آپ جواباً یرحمکم اللہ کہیں گے لیکن آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دل کی اصلاح فرمائے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

سلہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلہ بعض اوقات یہ عمل قصداً کرتے۔

سلہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچاننے کے باوجود عناد و حسد اور تکبر کی وجہ سے آپ کا انکار کرتے پھر امید رکھتے تھے کہ آپ ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا کریں گے اگرچہ دعا ان کے لیے فائدہ مند نہ تھی حضور علیہ السلام

انہیں ان کی اس حالت کی وجہ سے یرحمکم اللہ کے اہل تصور نہ فرماتے۔
سکہ کافر کے لیے ہدایت اور اصلاح احوال کی دعا کی جا سکتی ہے جس طرح کہ روایات میں سلام کے جواب میں ھداکم اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے گیا ہے۔

۴۵۲۳ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ[1] قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ وَعَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ فَكَأَنَّ الرَّجُلَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَقُلْ إِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللهُ لِي وَلَكُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سالم بن عبید کے پاس تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا سالم نے کہا تجھ پر اور تیری ماں پر، اس آدمی نے گویا اس بات کو محسوس کیا، فرمایا: میں نے تجھے وہی بات کہی ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمائی، کیونکہ آپ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا تو آپ نے فرمایا: تجھ پر اور تیری والدہ پر، جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ رب العالمین کہے اور جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے اور یہ کہے۔ یغفر اللہ لی ولکم
(ترمذی، ابوداؤد)

[1] یساف، یاء پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، بعض نے یاء کی جگہ ہمزہ پڑھتے ہوئے اساف کہا ہے۔ ابوالحسن کوفی اشجعی تابعی ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں ابن حبان

نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک سو ستتر ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

سلہ یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔

سلہ وہ غمگین اور ناراض ہوا، وَجَدَ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، فِیْ نَفْسِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دکھ کو دل میں چھپائے رکھا اور غصے کو پی لیا، اس کے اثر کو ظاہر نہیں کیا۔

سلہ دیگر روایات میں یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ کے الفاظ آئے ہیں۔

سلہ یعنی چھینک کے موقع پر مقررہ وظائف اور دعائیں ہیں لہٰذا اس مقام پر سلام مناسب نہیں، اس جگہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر وہ حمد کے علاوہ کلمات کہے تو جواب کا مستحق نہ ہوگا، جب اس شخص نے سلام کہا تو آپ نے اس کا جواب دیا اور وَعَلٰی اُمِّکَ کا بھی اضافہ فرمایا۔ اس جملے میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ یہ سلام کا موقع نہ تھا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی تجھ پر سلام کہنے کے بجائے تیری والدہ پر کہہ دے دوسرا یہ کہ اسے نصیحت ہو اس طرح کہ یہ طریقہ ان لوگوں کا ہے جو ان پڑھ ہوں اور انہوں نے ماں کی گود میں عورتوں والے معاملات سیکھے مگر مردوں کے پاس بیٹھ کر تربیت حاصل نہ کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کی حماقت پر تنبیہ ہے یا اس میں صفات مادر سرایت کر گئے تھے اس حوالے سے یہ جملہ کہا پس ضروری تھا کہ اس کے لیے ایسی دعا کی جائے جو ان آفات سے اسے محفوظ کرے، بعض علماء نے عَلَیْکَ وَعَلٰی اُمِّکَ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ عبارت دراصل یوں ہے عَلَیْکَ الْوَیْلُ وَعَلٰی اُمِّکَ تجھ پر افسوس کہ تو نے ادب و طریقہ نہیں سیکھا اور افسوس تیری والدہ پر کہ اس نے تجھے آداب نہیں سکھائے اور نہ اچھی تربیت کی۔

۴۵۳۴ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ[۱] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھینک والے کو تین دفعہ جواب دو اگر اس سے زائد ہو تو اگر چاہو تو جواب دو اور اگر چاہو تو نہ دو[۲]۔

(ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے)

سلہ مہاجر صحابی ہیں۔ کاشف میں ہے کہ ان کو حضور علیہ السلام کی مبارک صحبت میسر آئی تھی۔

سلہ جواب دینا جو واجب، سنت یا مستحب تھا وہ ادا ہوگیا وہ تین سے زائد پر نہیں ہاں مسلمان کے لیے دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۴۵۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ شَمِّتْ اَخَاكَ ثَلٰثًا فَاِنْ زَادَ فَهُوَ زُكَامٌ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَ قَالَ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ رَفَعَ الْحَدِیْثَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے بھائی کو تین دفعہ جواب دو اگر اس سے زائد ہو تو یہ زکام ہے۔ (ابوداؤد) ابوداؤد نے روایت کرکے کہا کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ یہ حدیث انہوں نے[۲] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مرفوع[۳] کی ہے۔ راوی کہتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے۔

۱ بعض نسخوں میں فَمَا زَادَ ہے۔

۲ سنن ابوداؤد سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ سے راوی سعید مصری ہیں اور وہی قول مذکور کے قائل ہیں۔

۳ یہ حدیث مرفوع ہے نہ کہ موقوف اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طور پر روایت کیا ہے اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے تب بھی یہ حکم مرفوع میں تھی کیونکہ تعیینِ عدد شارع علیہ السلام سے سماع کے بغیر ممکن نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۵۳۶ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ اَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَیْسَ هٰكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّقُوْلَ

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک لی اور کہا اللہ کے لیے حمد اور حضور علیہ السلام پر سلام۔ ابن عمر نے فرمایا[۱]: میں بھی کہتا ہوں حمد اللہ کے لیے اور سلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مگر ہمیں آپ نے اس طرح تعلیم نہیں[۲] دی ہمیں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہر حال میں اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔	کا شکر ہے۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)	(ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

ف۵۱ اس کو احسن طریقے کی تعلیم دی۔

ف۵۲ آپ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنا یقیناً محمود اور مقبول ہے لیکن اس موقع پر الحمد للہ کہنا سنت ہے۔

ف۵۳ اتباع لازم ہے، بہت سے اعمال فی حد ذاتہ محمود ہوتے ہیں مگر خصوصی مقام پر وہ سنت کے شمار میں نہیں آتے مثلاً نماز کے بعد مصافحہ وغیرہ اگرچہ تمام خصوصیات کی رعایت کرنا لازم نہیں ہوتا لیکن جو وظیفہ و عمل کسی موقع پر وارد ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ف۵۴ بعض علماء نے چھینک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام پڑھنا بھی مستحب لکھا ہے۔

بَابُ الضِّحْكِ

۲۱۳۔ ہنسنے کا بیان

لفظ ضحک چار طرح پڑھا جا سکتا ہے ضاد کے نیچے زیر یا اس پر زبر، حا ساکن یا دونوں کے نیچے زیر یا پہلے حرف پر زبر اور دوسرے کے نیچے زیر۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ	**پہلی فصل**
۴۵۳۷ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ كَانَ يَتَبَسَّمُ۔

منہ کھول کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے تالو کو دیکھتی بلکہ آپ مسکراتے تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری شریف)

۱؎ مستجمع، اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی کام میں اپنی توانائی خرچ کر دے۔ صراح میں ہے کہ استجماع کا معنی ہے ہر جگہ سے سیلاب کا آنا اور چلتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو جمع کرنا، یہاں کھلکھلا کر ہنسنا مراد ہے۔

۲؎ لہوات، لام پر زبر، لہاۃ، کی جمع ہے گوشت کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو حلق کے آخری حصہ کے اوپر ہوتا ہے۔

۳؎ یہ حدیث شمائل مبارکہ میں بھی آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۵۳۸ وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کبھی منع نہیں فرمایا۱؎ اور مجھے دیکھ کر آپ ہمیشہ مسکرا دیتے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

۱؎ اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میرا جب جی چاہتا خدمت میں حاضر ہو جاتا آپ نے کبھی مجھے منع نہ فرمایا بشرطیکہ وہ مردوں کی مجلس ہو دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو بھی آپ سے طلب کیا آپ نے عطا کیا تیسرا یہ کہ مجھ سے کبھی ایسا عمل سرزد نہ ہوا کہ آپ اس سے منع فرماتے۔ پہلا معنی بہت واضح ہے۔

۴۵۳۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَ كَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اس جگہ تشریف فرما رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ طلوع آفتاب کے بعد آپ اٹھتے۔ لوگ باتیں کرتے کرتے دور جاہلیت کی باتوں کا ذکر کر کے ہنسنے لگتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مسکراتے تھے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ)

(مسلم اور ترمذی میں ہے کہ لوگ شعر پڑھتے۔)

سلہ معلوم ہوا کہ دور جاہلیت کے معاملات پر گفتگو کرنا، اشعار پڑھنا اور ان پر ہنسنا جائز ہے آپ کا مسکرانا آپ کے کامل اخلاق کی بنا پر اور صحابہ کی تالیف قلب کے لیے تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۴۵۴۰ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء[1] کہتے ہیں میں نے کسی کو حضور علیہ السلام سے بڑھ کر تبسم[2] فرمانے والا نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

سلہ جزء جیم پر زبر، زا ساکن اور آخر میں ہمزہ، صحابی ہیں زبیدی کہلاتے ہیں زبید ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام تھا۔ مصر میں یہ آخری صحابی تھے جو چھیاسی ہجری کو فوت ہوئے۔

سلہ از روئے تبسم یا تبسم میں۔

۴۵۴۱ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُونَ قَالَ نَعَمْ وَالْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ أَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ أَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّونَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَ

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ کیا اصحاب رسول ہنستے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں حالانکہ ان کے دلوں میں پہاڑ سے بڑھ کر ایمان تھا۔ بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو دو نشانوں کے درمیان دوڑتے ہوئے دیکھا

يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

اور ایک دوسرے سے ہنسی کرتے تھے جب رات ہوتی تو عبادت گزار بن جاتے تھے۔ (شرح السنۃ)

ف۱ جس طرح دوست آپس میں ہنستے ہیں۔

ف۲ اس طرح نہیں ہنستے تھے جس طرح غافل لوگ ہنس کر دل کو مردہ بنا لیتے ہیں اور نور ایمان میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

ف۳ یہ تابعی ہیں، واسطہ، قاری قرآن قبیلہ اشعر سے تعلق تھا اور دمشق کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے قاضی اور نہایت ثقہ ہیں۔ دن رات میں ایک ہزار نوافل پڑھتے۔ ملک شام میں ان کا مرتبہ اسی طرح ہے جس طرح بصرہ میں امام حسن بصری کا تھا۔ اپنے والد گرامی سعید بن تمیم، حضرت جابر اور حضرت معاویہ کے شاگرد ہیں امام اوزاعی، سعید بن زید، عثمان بن مسلم اور ان جیسے لوگ ان کے شاگرد ہیں ایک سو بیس ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

ف۴ تیر پھینکنے کی جگہ۔

ف۵ ادائے حقوق کے ساتھ ساتھ دنیا اور اہل عیال سے جدا ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے رھبان، راہب کی جمع ہے جس طرح راکب کی جمع رکبان ہے۔ رہب سار پر زبر یا پیش، ہا ساکن یا دونوں پر زبر باب سمع سے ہے، راہب، پارسا اور ڈرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

حدیث میں جو لا رہبانیۃ فی الاسلام آیا ہے اس سے مراد گوشت نہ کھانا، ٹاٹ کا لباس پہننا، خصی ہو جانا گردن میں زنجیر ڈالنا اور ایسی عبادات بجا لانا جن کا حکم نہیں اور اس حدیث میں رہبانیت سے مراد عبادت میں ریاضت و مشقت ہے۔

بَابُ الْاَسَامِیْ

۲۱۴- ناموں کا بیان

اسامی۔ اسم کی جمع ہے۔ اس باب میں ناموں کے احکام کا بیان ہے کہ کون سا نام رکھنا چاہیے اور کون سا نہیں! کس نام کے ساتھ بلانا چاہیے اور کس کے ساتھ بلانا منع ہے۔ بہتر نام کونسا ہے اور برا نام کونسا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۵۴۲/۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بازار[1] میں تھے کسی شخص نے کہا اے ابو القاسم تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے کہا کہ میں نے اس[2] کو بلایا ہے تو آپ نے فرمایا تم میرا نام رکھو مگر میری کنیت[3] نہ رکھو۔ (بخاری ومسلم)

[1] دوسری روایت کے مطابق آپ مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں تھے۔
[2] اس نے کسی ایسے شخص کو بلایا جس کی کنیت ابو القاسم تھی۔

[3] اس شخص نے بطور برکت آپ کی کنیت رکھی ہوئی تھی۔

۵۳ وہ شخص وہاں موجود تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
۵۴ آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔
۵۵ میری کنیت ابوالقاسم نہ رکھو۔

۲۵۴۳ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ فَاِنِّيْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ مجھے قاسم ۵۶ بنایا گیا ہے میں ۵۷ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ (بخاری ۵۸ و مسلم)

۵۶ میری کنیت ابوالقاسم رکھی گئی ہے۔
۵۷ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے مجھے عطا ہوتا ہے میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں جو کچھ وحی کی صورت میں علم و عمل مجھ پر نازل کیا جاتا ہے تم میں سے ہر ایک کے نصیب اور استحقاق کے مطابق تم تک پہنچا دیتا ہوں تم میں سے کوئی جہاں بھی ہے میں اسے اس کے درجہ کے مطابق فضل و شرف سے نوازتا ہوں فرمانبرداروں کو ثواب اور آخرت میں بلندی درجات کی خوشخبری دیتا ہوں اور نافرمانوں کو عذاب و گرفت سے ڈراتا ہوں۔ اور میرے سوا یہ تمام باتیں کسی میں نہیں جب تم اس صفت میں میرے ساتھ شریک نہیں تو ایسی کنیت بھی تمہارے لیے جائز نہیں۔

۵۸ ان دو احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا جائز ہے۔ لیکن کنیت ابوالقاسم درست نہیں خواہ اس شخص کا نام محمد ہو کہ آپ کی کنیت اور نام جمع ہو جائے یا نام محمد نہیں صرف کنیت ابوالقاسم ہے۔
یہ قول امام شافعی سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ جو ابھی اس سے پہلے بیان ہوا۔
۲۔ آپ کا نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں چنانچہ کسی کو ابوالقاسم محمد نہیں کہا جا سکتا ہاں صرف ابوالقاسم کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث مذکور کا معنی ان کے نزدیک یہی ہے کہ دونوں کا جمع کرنا منع ہے، محیط کے حلیے سے منقول ہے کہ یہ امام محمد کا قول ہے۔
۳ جمع کرنا بھی درست ہے، اس قول کی امام مالک کی طرف نسبت ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ احادیث منع

منسوخ ہیں۔

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں منع تھا بعد میں جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے وصال کے بعد اگر رب مجھے بیٹا عطا ہو تو اس کا نام کیا رکھوں؟ کیا آپ کی کنیت اور نام رکھ سکتا ہوں! آپ نے اس کی اجازت دے دی

چنانچہ بعد میں محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے امیر المومنین نے ان کا نام ابوالقاسم محمد رکھا۔

ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ جس طرح کنیت رکھنا جائز نہیں اسی طرح نام بھی رکھنا جائز نہیں لیکن یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

ان اقوال میں سے درست رائے یہ ہے کہ آپ کے نام پر نام رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے اور آپ کی کنیت ظاہری حیات کے بعد بھی منع ہے اور ظاہری حیات میں یہ ممانعت سخت تھی تو اب آپ کا نام اور کنیت دونوں کا جمع کرنا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے غیر کے لیے یہ جائز نہیں سیاق حدیث سے یہ از خود ظاہر ہو رہا ہے۔ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اس موضوع پر مکالمہ ہوا، حضرت طلحہ نے کہا اے علی آپ نے اپنے بیٹے کا نام اور کنیت حضور علیہ السلام کے نام اور کنیت پر رکھی ہے حالانکہ آقا علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا وہ شخص گستاخ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جسارت کرے اس کے بعد آپ نے قریشی صحابہ کی ایک جماعت کو بلایا اور انہوں نے گواہی دی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کو اجازت دی تھی کہ یہ دونوں جمع کر سکتے ہیں لیکن دوسروں کے لیے یہ حرام ہے، ان اقوال پر دلائل اور احادیث کے درمیان تطبیق ان کی شرح میں بیان کر دی گئی ہے یہاں اتنی ہی بحث کافی ہے۔

۴۵۴۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں[1]۔

[1] یہ بندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ آدمی کی صفت حقیقی یہ ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی

صفات کا مظہر بنے، خصوصاً صفت رحمانیت جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ان دو اسماء کی تخصیص بطور تمثیل ہے کیونکہ اس سے مراد ہر وہ نام ہے جس میں عبد کی اضافت باری تعالیٰ کے کسی نام کی طرف کی گئی ہو ہاں صفت لطف اور قہر میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

بعض حواشی میں ہے کہ یہاں مراد انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے علاوہ ہیں کیونکہ سامعین (امت) کی طرف اضافت ہے، کیونکہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے ناموں میں سے پسندیدہ ترین نام یہ ہیں۔

۴۵۴۵ — وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِيْحًا وَّلَا اَفْلَحَ فَاِنَّكَ تَقُوْلُ اَثَمَّ هُوَ فَلَا يَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے[۱] غلام کا نام یسار[۲] نہ رکھو اور نہ رباح[۳]، نہ نجیح[۴] اور نہ افلح[۵] کیونکہ تم پوچھو[۶] گے کہ فلاں یہاں ہے؟ وہ نہ ہوا تو دوسرا آدمی کہے گا کہ نہیں۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَّلَا يَسَارًا وَّلَا اَفْلَحَ وَلَا نَافِعًا۔

دوسری روایت مسلم میں ہے کہ اپنے لڑکے کا نام رباح، یسار، افلح، اور نافع نہ رکھو۔

۱۔ یہ حکم آپ نے عام دیا یا معین شخص کو حکم دیا، یہ حکم عام ہے اور مقصود یہ ہے کہ بچوں کے یہ نام ہی نہ رکھو۔

۲۔ یسار، یسر سے مشتق ہے جس کا معنی آسانی، توفیق، مال داری اور فراخی ہے۔

۳۔ رباح۔ ربح سے ہے اور اس کا معنی نفع ہے۔

۴۔ نجیح نجح سے ہے اس کا معنی حاجت کا پورا ہونا اور کامیابی ہے۔

۵۔ افلح فلاح سے ہے جس کا معنی چھٹکارا اور کامیابی ہے۔
ان معانی کے اعتبار سے یہ نام رکھنے اگرچہ مستحق ہیں مگر دیگر وجوہ کی بنا پر مناسب نہیں۔

۶۔ یعنی اپنے اہل خانہ میں سے کسی سے کہ وہ (یسار) گھر میں ہے۔

۵۷ جب یہ کہا کہ یسار نہیں تو معنیٰ ہوا گھر میں آسانی نہیں تو اگرچہ یہاں ذات مراد ہے مگر ان کے معانی سے نیک فال محسوس نہیں ہوتی اس لیے ناپسند فرمایا۔

۵۸ اس روایت میں نجیح کی جگہ نافع ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان ناموں میں حصر نہیں بلکہ ہر وہ نام جس میں اس طرح کا معنیٰ ہو اس کا یہی حکم ہے حدیث جابر میں اس کی تصریح آئی ہے۔

۴۵۳۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْهٰى اَنْ يُّسَمّٰى بِيَعْلٰى وَ بِبَرَكَةَ وَ بِاَفْلَحَ وَ بِيَسَارٍ وَ بِنَافِعٍ وَ بِنَحْوِ ذٰلِكَ ثُمَّ رَاَيْتُهُ سَكَتَ بَعْدُ عَنْهَا ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذٰلِكَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ یعلی، برکت، افلح، یسار، نافع اور اس کی مثل نام رکھنے سے منع کر دیا جائے پھر میں نے دیکھا کہ آپ اس کے بعد خاموش ہو گئے آپ کا وصال ہو گیا اور اس سے منع نہ فرمایا۔
(مسلم)

۱ یہ نام رکھنے سے منع کرنے سے سکوت فرمایا۔

۲ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بارے میں نہی وارد نہیں ہوئی، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے ممانعت کی علامات کا مشاہدہ کیا، صراحۃً حکم سے آگاہ نہ ہو سکے حالانکہ نہی احادیث میں واقع ہے اور حسب ضابطہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

۴۵۳۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَعُ الْاَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن بدترین نام کا وہ شخص ہوگا جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا ہوگا۔
(بخاری)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اور بدترین شخص وہ

الْقِيٰمَةِ وَ اَخْبَثُهٗ رَجُلٌ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ہوگا جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں

سے ۱ بعض روایات میں اخنع الاسماء کے الفاظ ہیں جس کا معنی ذلیل ترین اور بدترین نام کے ہیں۔

سے ۲ بعض نسخوں میں سمی ہے یعنی اس نے خود اس نے اپنا نام رکھا۔

سے ۳ اس نے دنیا میں اپنا یہ نام رکھا۔

سے ۴ وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور اس میں کسی کو شریک کا وہم بھی ہو سکتا۔

۴۵۴۸ وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرا نام برہ رکھا گیا تھا رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے منہ سے پاکیزہ نہ بنو اللہ تعالیٰ تم میں نیکی والے کو جانتا ہے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔

(مسلم)

سے ۱ یہ اپنی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آئی تھیں اور حضور علیہ السلام کے ہاں تربیت پائی تو یہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہیں۔

سے ۲ اس کا معنی نیک کام کرنے والی ہے۔

سے ۳ برہ نام رکھنے میں اپنی ذات کی طہارت کا بیان تھا۔

سے ۴ ایسا نام نہیں رکھنا چاہیے جو اپنی ستائش پر مشتمل ہو۔

۴۵۴۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اِسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ فَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُّقَالَ خَرَجَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ کا نام برہ تھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جویریہ نام بدل دیا اور یہ کہنا ناپسند کرتے تھے کہ آپ برہ کے پاس سے

مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ۔ تشریف لائے ہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

سلہ یہ حضور علیہ السلام کے ازواج مطہرات میں سے ہیں دراصل ان کا نام برہ تھا۔

سلہ یہ جاریۃ کی تصغیر ہے۔

سلہ کیونکہ برۃ کا معنی نیکوکار کے ہیں اور نیکوکار سے واپس لوٹنا نیک نہیں ہوتا۔

سلہ اس حدیث میں یہ سبب بیان فرمایا اور زینب میں تزکیہ نفس بیان ہوا تھا چونکہ اسباب میں مزاحمت نہیں ہوتی دونوں ہی سبب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ممکن ہے جس قوم سے زینب میں تزکیہ نفس بیان ہوا تھا چونکہ اسباب تھیں انہوں نے ان کا نام تزکیہ نفس کے پیش نظر رکھا ہو اور وہ معاملہ یہاں نہ ہو اور یہ بھی وجہ ہے کہ یہ محاورہ کہ آپ فلاں خاتون کے پاس سے ہیں یا فلاں کے پاس سے تشریف لائے ازواج مطہرات کے بارے میں مستعمل اور متعارف تھا اس لیے اس کا تذکرہ فرمایا واللہ اعلم یہ مخفی نہ رہے کہ نجیح، افلح وغیرہ ناموں میں جو بدفالی تھی یہاں بھی اس کا احتمال ہے اور وہ تزکیہ اور کراہت جس کا یہاں اعتبار ہے وہاں بھی ممکن ہے۔

۴۵۵۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی تھی جسے عاصیہ کہا جاتا تھا رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا

(مسلم)

سلہ عرب اپنی اولاد کا نام عاصی، عاصیہ رکھتے تھے اس کا معنی سرکشی، تکبر، عیب اور نقص سے مبرا ہونا نافرمانبرداری اور برائی ہے، اسلام آنے کے بعد یہ نام ناپسند قرار دیے گئے۔

سلہ بظاہر عاصی کا مقابل مطیع ہے جمیل نہیں مگر غرض برے نام کی تبدیلی تھا اور ضد ومقابل کے ساتھ تبدیلی شرط نہیں، یا جمیل چونکہ ان تمام معانی پر مشتمل ہے کیونکہ جمیل کے کام بھی جمیل ہی ہوں گے۔

۴۵۵۱ وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ بِالْمُنْذِرِ ابْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلٰى فَخِذِهٖ فَقَالَ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب منذر بن ابی اسید پیدا ہوئے تو انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے انہیں اپنی ران مبارک پر بٹھا کر پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا

مَا اسْمُہٗ قَالَ فُلَانٌ قَالَ لَا لٰکِنِ اسْمُہُ الْمُنْذِرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اس کا نام فلان[۵۵] ہے آپ نے فرمایا نہیں[۵۶] اس کا نام منذر[۵۷] ہے (بخاری ومسلم)

[۵۱] سہل بن سعد مشہور صحابی ہیں اور ان کا مدینہ طیبہ کے صحابہ میں سے آخر میں وصال ہوا۔

[۵۲] منذر، میم پر پیش، نون ساکن، ذال کے نیچے زیر یہ ثقہ تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے، صاحب جامع الاصول نے اپنی عادت کے مطابق انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے۔

[۵۳] ابو اسید۔ ہمزہ پر پیش باز بر، ان کا نام مالک بن اسعد ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

[۵۴] حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا، یا لانے والے نے، ظاہر یہی ہے کہ ان کے والد لانے والے تھے۔

[۵۵] جو نام رکھا ہوا تھا، چونکہ راوی کو اطلاع نہ تھی اس لیے نام ذکر نہ کیا، شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے پہلے نام پر اطلاع نہ ہو سکی۔

[۵۶] یعنی ہم اس نام سے راضی نہیں ہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ نام مناسب نہیں ہے۔

[۵۷] منذر، انذار سے مشتق ہے جس کا معنی تبلیغ احکام یا ڈرانا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نام (منذر) بمعنی فقیہ رکھا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔

۴۵۵۲ / ۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ كُلُّكُمْ عَبِیْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَآئِكُمْ اِمَآءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ وَفَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَلَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَلٰكِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا یَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِهٖ مَوْلَایَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی یہ نہ کہے میرا عبد[۵۸]، میری کنیز تم تمام اللہ تعالیٰ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں یہ کہو میرا غلام[۵۹]، میری لونڈی میرا جوان، میری جوان خادمہ اور غلام یہ نہ کہے میرا رب[۶۰] یہ کہے میرا سید اور ایک روایت میں ہے کہ میرا سید، میرا مولیٰ کہے اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے مالک کو مولیٰ نہ کہے کیونکہ تم سب کا مولیٰ[۶۱]

فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ ۔	اللہ ہے ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)

ف۵۱ عبودیت میں غایت درجہ کی پستی اور تذلل وخشوع پایا جاتا ہے تو اس کی مستحق وہی ذات ہے جو کبریائی وعزت کے آخری درجہ پہ فائز ہو اور وہ اللہ کی ذات ہے (یعنی عبودیت اور بندگی اسی کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہیے ۱۲ ق ات)۔

ف۵۲ غلام لڑکا، جاریہ، لڑکی۔ فتا۔ نوجوان مرد فتاۃ نوجوان عورت، غلام اور جاریہ کے اطلاق میں شفقت اور مہربانی کا پہلو ہے، فتا اور فتاۃ کے الفاظ اس لیے لائے کہ غلام وغیرہ بوڑھے بھی ہو جائیں تو انہیں جوان ہی گردانا جاتا ہے ان کی بزرگی کو نگاہ میں نہیں رکھا جاتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ قوت وطاقت سے خدمت کی بجا آوری کی وجہ سے ایسا ہو الغرض اپنے مملوکہ غلاموں کے لیے یہ کلمات عبدی اور امی سے بہتر ہیں۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ عبد و امۃ کا اطلاق اس وقت منع ہے جب حقارت و ذلت کے لیے ہو ورنہ قرآن وحدیث میں عبد اور امۃ کا اطلاق آیا ہے جس طرح مالکوں کو زبان سے ناشائستہ کلمات نکالنے سے منع کیا اسی طرح مملوکوں کو بھی یہی ہدایت عطا فرمائی۔

ف۵۳ اگرچہ رب کا معنی مربی اور تربیت کرنے والا کے ہیں لیکن مطلقاً (بغیر کسی اضافت کے) یہ اللہ کی صفت ہے اگر اس کا اطلاق کسی آدمی پر کیا جائے تو اس سے اشتراک کا وہم پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی بطریق تعظیم ہو تب منع ہے ورنہ اس کا اطلاق بھی موجود ہے۔

ف۵۴ کیونکہ مالک کو ملوک کی نسبت فضیلت وسیادت حاصل ہے۔

ف۵۵ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (وہ کتنا اچھا مولیٰ ہے اور کتنا اچھا مددگار)

۴۵۵۳/۱۲ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ ۔	انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کہو کرم کیونکہ کرم مومن کا دل ہے ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	(مسلم)
وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ لَا تَقُوْلُوا لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ وَلٰكِنْ قُوْلُوا	اور ایک دوسری روایت میں وائل بن حجر سے ہے فرمایا کرم نہ کہو، عنب اور

اَلْعِنَبَ وَ الْحَبْلَۃَ۔ حَبلَۃ کہو۔

سلہ کرم راساکن ہے۔ انگور یا انگور کا درخت۔

سلہ عنب سے مراد انگور کا درخت ہے، حَبلہ، حا پر زبر اور سکون دونوں طرح ہے انگور کے درخت کو کہا جاتا ہے بعض اوقات مجازاً انگور ہی کو کہہ دیا جاتا ہے یعنی انگور کو اور اس کے درخت کو کرم نہ کہو اس کے دوسرے ناموں کو استعمال میں لاؤ۔ اہل عرب انگور اور اس کے درخت کو کرم کہتے تھے کیونکہ وہ اس سے شراب حاصل کرنے جو ان کے خیال کے مطابق انہیں سخاوت و کرم پر ابھارتا تھا بس اس سے منع کر دیا گیا کہ وہ ام الخبائث ہے اس کے ساتھ کرم اور خیر کا کیا تعلق ہے تاکہ محرمات کی مدح و تعریف اور نفوس میں ان کی رغبت پیدا نہ ہو اس سبب فرمایا کہ مومن کا دل کرم ہے کیونکہ وہ علم و تقویٰ کے انوار اور اسرار و معارف کا مرکز ہے اور لفظ کرم تمام خیرات و اخلاق کو شامل ہے کہا گیا ہے کہ جب آپ کسی کا وصف کرم کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اس کے لیے خیرات کے تمام پہلو ثابت ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث کا مقصد محض انگور کے درخت پر لفظ کرم کے اطلاق سے منع کرنا نہیں بلکہ اس اسم کے اسی کے ساتھ خاص کرنے سے منع کیا گیا ہے تو مقصد مومنوں کو اس بات کے لیے بیدار کرنا ہے کہ وہ دلوں کو مکارم اخلاق اور اچھی صفات کے ساتھ متصف کریں یہ نہ ہو کہ درخت اس نام سے متصف ہو جائیں اور انسان جو اس کرم کا زیادہ سزاوار تھا خالی رہ جائے گویا فرمایا تم کرم کو انگور کے ساتھ کیوں مخصوص کرتے ہو تمہیں خود صاحب کرم ہونا چاہیے یہ خلاصہ ہے اس گفتگو کا جو زمخشری نے کی کہ اس حدیث کا مقصود اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی بطریق احسن تاکید ہے کیونکہ مومن متقی اس بات کا اہل اور مستحق ہے کہ کرم سے مشتق صفت کریم سے متصف ہو کرم را پر زبر اور کرم را ساکن دونوں باب کرم یکرم سے ہیں اسے بطور وصف مبالغہ لایا جاتا ہے رجل عدل کی طرح رجل کرم، امراۃ کرم، رجلان کرم نسوۃ کرم یہاں یہ کریم کے معنی میں ہے۔ علامہ طیبی نے امام محی السنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۴۵۵۴/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ وَلَا تَقُوْلُوْا یَا خَیْبَةَ الدَّهْرِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انگور کے درخت کا نام کرم نہ رکھو۔ اور یوں نہ کہو ہائے! زمانے کی محرومی کیونکہ اللہ ہی دہر ہے۔ (بخاری)

سلہ یہاں سے معلوم ہوا کہ انگور کو بھی کرم کہا جاتا ہے جس طرح اس کے درخت کو۔ اور سابقہ حدیث کی شرح میں اس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا تھا۔

سلہ زمانے کو برا نہ کہو اور اس کے بارے میں شکایت نہ کرو اور اس کو موثر اور احوال میں تبدیلی کرنے والا نہ کہو۔

سلہ اصلاً موثر اور تبدیلی احوال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تم اس کی نسبت آسمان وغیرہ کی طرف کرتے ہو حالانکہ درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۴۵۵۵ / ۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسُبُّ اَحَدُكُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی زمانے کو گالی نہ دے کیونکہ اللہ ہی دہر ہے سلہ۔ (مسلم)

سلہ اس حدیث کی تشریح کتاب کی ابتدا میں باب الایمان کی شرح میں گزر چکی ہے۔

۴۵۵۶ / ۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَلٰكِنْ لِّيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا ہے ہاں یہ کہے کہ میرا نفس سلہ پریشان ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ فِيْ بَابِ الْاِيْمَانِ۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کہ مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے باب الایمان میں گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۷۵۵/۱۶ عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ سَمِعَهُمْ یُکَنُّوْنَهٗ بِاَبِی الْحَکَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَکَمُ وَ اِلَیْهِ الْحُکْمُ فَلِمَ تُکَنّٰی اَبَا الْحَکَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ فَحَکَمْتُ بَیْنَهُمْ فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ بِحُکْمِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ هٰذَا فَمَا لَکَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِیْ شُرَیْحٌ وَّ مُسْلِمٌ وَّ عَبْدُ اللّٰهِ فَمَنْ اَکْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَیْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَیْحٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت شریح[1] بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے سنا کہ لوگ انہیں ابوالحکم[2] کہہ رہے ہیں، آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا: حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور فیصلے بھی اسی کے[3] ہیں تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں[4] ہے؟ عرض کیا کہ جب[5] میری قوم میں اختلاف ہو جاتا ہے تو وہ میرے پاس آ جاتے ہیں اور میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں[6] تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمہارے کتنے لڑکے ہیں؟ عرض کیا میرے تین بیٹے، شریح، مسلم اور عبد اللہ ہیں فرمایا ان میں بڑا کون ہے؟ عرض کیا شریح فرمایا تم[7] ابوشریح ہو۔

(ابو داؤد[8]، نسائی)

---

[1] ان کی ولادت حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں ہوئی چونکہ اپنے بھائیوں میں بڑے تھے اس لیے حضور نے ان کے نام پر ان کے والد کی کنیت رکھی عمر رسیدہ: ثقہ، عبادت گزار اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، اپنے والد حضرت ہانی سے روایت کرتے ہیں۔

[2] حکم حاء اور کاف دونوں پر زبر ہے۔

۵۳ حکم اسی کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ غیر کی طرف۔

۵۴ تو یہ کنیت کیوں رکھی؟ کیونکہ حکم تو ایسے حاکم کا ہوتا ہے جسے رد نہ کیا جا سکے اور یہ صفت صرف اللہ رب العزت کی ہے، کوئی دوسرا اس لائق کہاں۔ (کذا قال الطیبی)

۵۵ یہ ہانی کی طرف سے کنیت رکھنے کا عذر ہے۔

۵۶ ہانی کا جواب آپ کے سوال کے مطابق بظاہر محسوس نہیں ہوتا کیونکہ آپ نے حصر فرمایا تھا کہ حکم رانی باری تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے اس کے جواب میں یہ کہنا کہ قوم نے مجھے یہ مرتبہ دے رکھا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا، غالباً ان کا مقصود یہ ہے آپ نے جو فرمایا وہ ہی حق ہے میں اس لائق نہیں ہوں مگر میں کیا کروں میری قوم میرے لیے یہ لفظ استعمال کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی نرم اور احسن انداز میں سمجھایا کہ آپ کا یہ حال بہت خوب مگر کنیت اچھی نہیں انہوں نے عرض کیا کہ میں کیا کنیت رکھوں تو آپ نے تجویز فرمادی ہے۔

(ابو شریح)

۵۷ تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔

۵۸ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ما احسن ھذا۔ میں ما نافیہ ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اس اچھے عمل کے باوجود کنیت درست نہیں لیکن پہلی توجیہ زیادہ واضح ہے۔

۴۵۵۸/۱۷ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مَسْرُوْقُ بْنُ الْاَجْدَعِ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَجْدَعُ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی فرمایا: آپ کون ہیں! عرض کیا میں مسروق بن اجدع ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اجدع شیطان ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ یہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔

۲ جدع۔ دونوں کانوں، ہاتھوں اور ہونٹ کا کاٹ دینا ہے اور قاموس میں اجدع کا معنی شیطان تحریر کیا ہے۔ مسروق کے والد بڑے تابعین میں سے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمن رکھ دیا۔

۴۵۵۹/۱۸ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَائَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت تمہیں تمہارے اور تمہارے باپوں کے ناموں سے بلایا جائے گا تو اپنے اچھے[1] نام رکھو۔ (مسند احمد، ابو داؤد)

[1] یہ تمام امت مسلمہ کے لیے ہے اس میں باپ از خود شامل ہوں گے، بعض روایات میں کہ روز قیامت ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی متعدد حکمتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ زنا سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے شرمندگی اور رسوائی نہ ہو دوسرا یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے والد ہی نہیں اور تیسرا یہ کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شرف نسب کے اظہار کی خاطر ایسا ہوگا۔ اگر یہ روایت ثابت ہے تو لفظ آبا کو تغلیب پر محمول کیا جائے گا۔ جس طرح لفظ ابوین ہے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں صورتیں ہوں کبھی باپ اور کبھی ماں کے نام سے یا بعض کو باپ کے نام اور بعض کو ماں کے نام سے یا بعض مقامات پر ماں کے نام سے اور دیگر مقامات پر باپ کے نام سے بلایا جائے۔

۴۵۶۰ / ۱۹ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّجْمَعَ اَحَدٌ بَيْنَ اِسْمِهٖ وَكُنْيَتِهٖ وَيُسَمّٰى مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے نام اور کنیت دونوں کو جمع کرے اور اسے محمد[1] ابو القاسم کہا جائے۔ (ترمذی)

[1] یہاں اعراب میں دو احتمال ہیں، رفع اور نصب اگر لفظ یُسَمّٰی مجہول کا صیغہ ہو جس طرح کہ ترمذی، شرح السنۃ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں ہے تو "محمد" پر پیش پڑھیں گے تو معنی ہوگا نام اور کنیت دونوں کو جمع کرکے نام نہ رکھا جائے اور اگر لفظ یُسَمِّیْ معروف ہو تو "محمد" پر زبر آئے گی اب معنی ہوگا کہ وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ اپنی کنیت ابو القاسم نہ رکھے۔

۴۵۶۱ / ۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمَّيْتُمْ بِاِسْمِىْ فَلَا تَكْتَنُوْا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میرا نام رکھو تو

بِكُنْيَتِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ فِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰى بِاسْمِيْ فَلَا يَكْتَنِ بِكُنْيَتِيْ وَ مَنْ تَكَنّٰى بِكُنْيَتِيْ فَلَا يَتَسَمَّ بِاسْمِيْ۔

میری کنیت نہ رکھو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ابوداؤد میں ہے فرمایا جو شخص میرے نام پر نام رکھے وہ میری کنیت نہ رکھے جو میری کنیت رکھے وہ میرا نام نہ رکھے۔[1]

[1] ان احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ دونوں کا جمع کرنا منع ہے تنہا نام رکھنا یا کنیت اس میں کوئی حرج نہیں۔

۴۵۶۲ — ۲۱ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ وَلَدْتُ غُلَامًا فَسَمَّيْتُهُ مُحَمَّدًا وَ كَنَّيْتُهُ أَبَا الْقَاسِمِ فَذُكِرَ لِيْ أَنَّكَ تَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا الَّذِيْ أَحَلَّ اسْمِيْ وَ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ أَوْ مَا الَّذِيْ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ وَ أَحَلَّ اسْمِيْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ قَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ غَرِيْبٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی[1] ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اسے[2] ناپسند فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ کونسی چیز ہے جس نے میرا نام جائز اور میری کنیت ناجائز یا[3] (فرمایا) وہ کونسی چیز ہے جس نے میری کنیت ناجائز اور میرا نام جائز کردیا ہے۔ (ابوداؤد) امام محی السنۃ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] آپ کا نام اور کنیت جمع کردی ہے۔

[2] نام اور کنیت کے جمع کرنے کو۔

[3] راوی کو شک ہے کہ آپ نے پہلے نام کا ذکر کیا یا کنیت کا، مقصود میں کوئی فرق نہیں لیکن محدثین الفاظ روایت میں بھی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ دلالت کررہی ہے کہ نام اور کنیت کا جمع کرنا منع نہیں، اس سے یہ واضح ہو

جاتا ہے جمع کرنے سے نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ جمع کی ممانعت کے بارے میں وارد احادیث منسوخ ہیں۔

۴۵۶۳ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ وُلِدَ لِي بَعْدَكَ وَلَدًا أُسَمِّيهِ بِاسْمِكَ وَأُكَنِّيهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت محمد بن حنفیہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر آپ کے بعد میرے ہاں بیٹا پیدا ہو تو کیا اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ دوں فرمایا ہاں۔ (ابوداؤد)

سلہ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سلہ یہ حدیث نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنے کے جواز پر دال ہے جو لوگ وصال کے بعد بھی اس سے منع کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ حضرت علی کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت علی سے مروی ہے کہ یہ فقط میرے لیے رخصت ہے۔ دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں سابقہ گفتگو میں آچکا ہے کہ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ احادیث بھی مختلف ہیں۔ ہر ایک سے الگ الگ توجیہ کی ہے صحیح رائے یہ ہے کہ آپ کا نام رکھنا جائز ہے اور کنیت منع ہے، اسی طرح نام اور کنیت کا جمع کرنا آپ کی ظاہری حیات میں اور بعد از وصال منع ہے۔

۴۵۶۴ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَنَّانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ أَجْتَنِيهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَفِي الْمَصَابِيحِ صَحَّحَهُ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری کنیت اس سبزی سلہ کے ساتھ رکھی جسے میں چنا کرتا تھا ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ اس حدیث سلہ کو ہم اسی سند سے جانتے ہیں اور مصابیح میں اسے صحیح کہا ہے۔

سلہ اس سبزی کا نام حمزہ ہے بے نقطے حا اور نقطے والی زا کے ساتھ یہ ایک سبزی ہے جس کے ذائقے میں تیزی اور ترشی ہے، فارسی میں اس سبزی کو تیزک کہتے ہیں، صراح میں ہے حمزہ زبان کا تیزی محسوس کرنا منسوب گھاس حمزہ اس سبزی کو کہتے ہیں جس کا نام تیزک ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نسبت سے

حضرت انس کی کنیت ابوحمزہ رکھ دی۔

سے ۲ وہی سند جو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کی ہے یعنی حدیث غریب ہے اور اس کی ایک ہی سند ہے۔

سے ۳ وحدت سند اور صحت حدیث میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ممکن ہے سند حدیث واحد ہو اور وہی سند صحیح ہو جیسا کہ مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

۴۵۶۵/۲۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيْحَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برے نام کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ (ترمذی)[۱]

سے ۱ اور اس کی جگہ اچھا نام رکھ دیتے خواہ آدمی کا نام ہوتا یا کسی جگہ کا۔

سے ۲ احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں مروی ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ مولف نے کیا ہے۔

۴۵۶۶/۲۵ وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَمِّهٖ اُسَامَةَ بْنِ اَخْدَرِیٍّ اَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهٗ اَصْرَمُ كَانَ فِی النَّفَرِ الَّذِیْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ قَالَ اَصْرَمُ قَالَ بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت بشیر بن میمون اپنے چچا حضرت اسامہ بن اخدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا اور وہ اس جماعت میں تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا اصرم فرمایا بلکہ تیرا نام زرعہ ہے۔ ابو داؤد نے روایت کرکے کہا

وَقَالَ غَيَّرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَ الْعَاصِ وَعَزِيْزٍ وَعَتَلَةَ وَشَيْطَانٍ وَالْحَكَمِ وَغُرَابٍ وَحُبَابٍ

کہ حضور علیہ السلام نے عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، حباب، شہاب جیسے نام تبدیل فرما دیئے اور کہا کہ

وَّ شِهَابٍ وَّ قَالَ تَرَكْتُ اَسَانِيْدَهَا لِلْاِخْتِصَارِ. ہیں نے ان کی سندیں اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہیں۔

سلہ بشیر باء پر زبر، شین کے نیچے زیر، تابعی ثقہ اور صدوق ہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سلہ اخدری، ہمزہ پر زبر، خاء ساکن دال پر زبر ہے، یہ تمیمی۔ بصری ہیں اس حدیث کی سند اور صحت محل نظر ہے۔ ان ہی سے ایک حدیث مروی ہے (کذافی جامع الاصول) کاشف میں ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

سلہ اصرم۔ ہمزہ پر زبر، صاد ساکن اور اس کے بعد راء ہے۔

سلہ نفر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس کی تعداد تین اور دس کے درمیان ہو۔

سلہ زرعہ زاء پر پیش، راء ساکن۔

سلہ اصرم صرم سے مشتق تھا اس کا معنی ہے درخت کاٹنا حضور علیہ السلام نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے زرعہ کے ساتھ بدل دیا زرعہ زراعت سے ہے جو خیر و برکت پر دال ہے۔

سلہ عاص، عاصی کا مخفف ہے اس کی دلالت نافرمانی اور عدم اطاعت پر ہے حالانکہ مومن کا شعار اطاعت ہے۔

سلہ عزیز یہ عزت اور غلبہ پر دال ہے جب کہ بندوں کا طریقہ خشوع وخضوع ہے۔

سلہ عتلہ۔ لوہے کا وہ آلہ جس کا سر کلہاڑے کی طرح ہوتا ہے اس کے ساتھ دیوار کو گرایا جاتا ہے دراصل اس کا معنی کسی چیز کو سختی سے کھینچنے کے ہیں اس میں درشتی اور سختی کا پہلو ہے اور مومن کا وصف نرمی و آسانی ہے

سنلہ شیطان اس کی تبدیلی کی حکمت واضح ہے۔

سلہ حکم یہ حکومت پر دال ہے حالانکہ حقیقۃً حکم اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

سلہ غراب وہ پرندہ (کوا) جو مردار اور گندگی پر گرتا ہے اور یہ دوری اور بعد پر بھی دال ہوتا ہے

سلہ حباب، یہ شیطان کا نام ہے، اس کا معنی سانپ بھی ہے، صراح میں ہے کہ حباب حاء پر پیش سانپ اور جن کو کہتے ہیں۔

سلہ شہاب، اس شعلہ آگ کو کہا جاتا ہے جس سے شیاطین کو بھگایا جاتا ہے۔

سلہ یا عدم اہتمام کی وجہ سے کہ وہ ایسی نہیں تھیں کہ ان پر احکام شرعیہ موقوف ہوں لیکن ان اسماء کا ذکر ضروری تھا جن کو آپ نے تبدیل فرما دیا۔

۴۵۶۷/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اَوْقَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّۃُ الرَّجُلِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ قَالَ اِنَّ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ حُذَیْفَۃُ)۔

سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ سے کہا یا ابو عبد اللہ نے ابو مسعود کو کہا کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زعموا کے بارے میں کیا فرماتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ آدمی کی بری سواری ہے۔ (ابو داؤد نے روایت کر کے کہا کہ ابو عبد اللہ سے مراد حذیفہ ہیں۔

سلہ راوی کو شک ہے (کہ سوال کس نے کیا) ابو مسعود انصاری مشہور ہیں ان کا تذکرہ متعدد مقامات پہ ہوا ہے ابو عبد اللہ سے مراد حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ آخر حدیث میں ہے۔

سلہ لفظ زَعَمُوْا مراد ہے، کہا جاتا ہے زعم فلاں کذا یعنی لوگوں کی طرف زعم کی نسبت کرنا کیسا ہے، نہایہ میں ہے کہ لفظ زعم، زا پر پیش اور زبر کے ساتھ اس کا معنی ظن ہے۔ صراح میں اسے باب نصر ینصر سے قرار دیا ہے اور کہا کہ لفظ زعم، قول کے عدم صحت کی دلیل ہے قاموس میں ہے زا پر پیش، زبر اور زیر تینوں پڑھ سکتے ہیں اس کا اطلاق حق و باطل اور صدق و کذب دونوں پہ ہوتا ہے اکثر طور پر اس چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں شک ہو ایک صحابی نے دوسرے سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے اس کے بارے میں کیا فرمایا۔

سلہ لفظ زَعَمُوْا کو ابتداء کلام میں ذکر کر کے اپنی غرض کو حاصل نہیں کیا جا سکتا یہ اسی طرح ہے جس طرح بری سواری پر سوار کسی منزل کی طرف جائے چونکہ لفظ زعم محض گمان و ظن کے لیے آتا ہے تو جس کلام کی ابتداء میں اس کا ذکر آئے گا اس کا مدار ظن پہ ہوگا نہ کہ جزم و یقین پر، گویا یہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ کلام ظنی طور پہ ہے اس کی سند یا ثبوت کوئی نہیں اس لیے ضروری ہے کہ روایت و حکایت بیان کرتے وقت احتیاط و جزم سے کام لیا جائے بے اعتماد روایت کو ترک کر دیا جائے، اسی لیے زَعَمُوْا کو کذب کی سواری کہا گیا ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ زعم کی نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ فلاں نے زعم کیا ہے ہاں اگر جھوٹ کا یقین ہو اور مقصد یہ ہو کہ لوگ اس کے جھوٹ اور دروغ گوئی سے دھوکہ نہ کھائیں تو پھر کہتے ہیں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ جیسا کہ محدثین نے کیا ہے۔

سلہ یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں اور حضور علیہ السلام کے رازوں کے امین ہیں۔

۴۵۶۸/۲۷ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ عَنِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَّلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاؤُدَ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں[1] چاہے بلکہ یوں کہا کرو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا۔[2]

(احمد، ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةٍ مُّنْقَطِعًا قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ.

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ایک منقطع روایت میں ہے فرمایا یوں نہ کہو کہ اللہ[3] چاہے اور محمد چاہے بلکہ صرف یوں کہو کہ جو اللہ چاہے۔

(شرح السنۃ)۔

[1] کیونکہ یہ غیر کو اللہ کے مساوی بنانا ہے۔

[2] اگر کہنا ہے تو یہ طریقہ اختیار کرو۔ تاکہ دوسرے کا ارادہ اور مشیت اللہ تعالیٰ کے تابع ہو۔

[3] اس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تواضع اور غایت درجہ کی انکساری ہے کیونکہ کسی اور کے ذکر کرنے کی بالتبع اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میری مشیت کی بات نہ کرو بلکہ صرف اور صرف پروردگار کی مشیت کی طرف نسبت کرو۔

۴۵۶۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدًا فَإِنَّهُ إِنْ يَّكُ سَيِّدًا فَقَدْ أَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا منافق[1] کو سردار نہ کہو اگر وہ تمہاری نظر میں سید ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر لیا[2]

(ابوداؤد)

[1] کافر، فاسق، فاجر بھی اس میں داخل ہیں، منافق کی تخصیص اس لیے فرمادی کہ اس کا کفر مخفی ہوتا ہے۔ تو اس کے حق میں مدح اور خوشامد کا احتمال ہو سکتا تھا لہٰذا اس سے منع کر دیا کہ منافق کو سردار نہیں کہنا چاہیے

[2] اس حدیث کو مختلف معانی پر محمول کیا گیا ایک یہ کہ منافق کے لیے سیادت اس کی اطاعت کا اعتراف ہے۔ اور یہ اللہ کے غضب کا موجب ہے دوسرا یہ کہ منافق کو سید نہ کہو کیونکہ اسے سید کہنے سے اللہ تعالیٰ ناراض

ہوتا ہے گویا اس کے سید ہونے سے مراد اسے سید کہنا ہے (کذا قال الطیبی)
لیکن اس معنی میں تکلف و خفاء ہے بعض حواشی میں ہے کہ اگر وہ منافق دنیا میں صاحب مال و جاہ تھا تو پھر بھی تعظیم کا مستحق نہ تھا لہذا اس کی تعظیم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا اور اگر وہ دنیا میں صاحب جاہ و منصب نہ تھا تو اسے سید کہنا ہی غلط بیانی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۵۷۰/۲۹ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِيْ اَنَّ جَدَّهٗ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اِسْمِيْ حَزْنٌ قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبد الحمید بن جبیر[۱] بن شیبہ[۲] بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن مسیب کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے مجھے یہ روایت بیان کی کہ ان کے جد امجد حزن[۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا میرا نام حزن ہے فرمایا[۴] بلکہ تم سہل[۵] ہو، عرض کیا میرے باپ نے جو نام رکھا ہے اسے میں نہیں بدل سکتا۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ[۶] ہمارے ہاں رنج و غم رہا[۷] (بخاری)

۱؎ جبیر، جیم پر پیش، باء پر زبر اور یا ساکن ہے۔
۲؎ شیبہ (شین پر زبر، یا ساکن) بن عثمان جحبی یہ اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن جریج اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے۔
۳؎ حزن، حاء پر زبر اور زا ساکن ہے اس کا معنی سخت زمین ہے۔
۴؎ آپ نے نام تبدیل کرنے کے ارادہ سے فرمایا۔
۵؎ تیرا نام سہل رکھتا ہوں۔ یہ حزن کی ضد ہے اور اس کا معنی آسانی و نرمی کے ہیں۔
۶؎ کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کا منتخب نام نہیں رکھا تھا۔
۷؎ یہ حزن بن وہب بن عائذ مخزومی و قریشی ہیں اور جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں سے تھے

مہاجرین ان کے صاحبزادے کا نام مسیب اور ان کے بیٹے کا نام سعید ہے، یہ بیعت رضوان میں شامل تھے، غالباً یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب انہوں نے حفاظت اسلام کی خاطر ہجرت کی چونکہ ابھی صدق ایمان اور تہذیب اخلاق سے مشرف نہ تھے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقرر کردہ نام نہ رکھا۔

۴۵۷۱ وَعَنْ اَبِيْ وَهْبٍ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَمَّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور بہت سچے نام[1] حارث وہمام اور بدتر نام[2] حرب و مرہ ہیں۔

(ابوداؤد)

[1] واقع کے مطابق ہیں کیونکہ حارث کا معنی کاسب ہے۔ قاموس میں ہے حرث، کسب، جمع مال اور کھیتی کو کہتے ہیں۔ اور ہمام، ہم، بمعنی قصد و ارادہ سے ہے اور اگر کوئی شخص ایسی صفت سے خالی نہیں ہوتا اگر معنی زراعت کو پیش نظر رکھا جائے تو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد عالی کے پیش نظر بہ نیک حالی کی علامت ہے۔ الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس حوالے سے ہر شخص میں زراعت کا عمل موجود ہے۔ ابتداً آپ نے انبیاء کے نام رکھنے کا حکم دیا چونکہ اس میں تزکیۂ نفس اور رفعت شان کا شائبہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے نام (جو تواضع اور خضوع پر دال ہیں) رکھنے کی تلقین کی جب آپ نے محسوس فرمایا کہ حقوق عبودیت میں کوتاہی ممکن ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کذب نہ ہو تو اس لیے حارث وہمام کے بارے میں فرمایا کیونکہ بلا شبہ نفس الامر کے مطابق ہیں علامہ طیبی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

[2] کیونکہ یہ لڑائی۔ قتل، جدال کڑوی طبیعت اور کراہت پر دال ہیں۔

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

[illegible] | مولانا مفتی محمد خان قادری
[illegible] | جامعہ اسلامیہ [illegible] لاہور

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور ۲ پاکستان

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ

اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں
اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد ششم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

محمد عبد الحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولانا مفتی محمد خان قادری
جامعہ اسلامیہ فیصل ٹاؤن، لاہور

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

کتاب : اشعۃ اللمعات اردو، ترجمہ و شرح مشکوٰۃ شریف

شارح : شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ

ترجمہ : محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، مفتی محمد خان قادری

ناشر : فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

کتابت : محمد نعیم خوشنویس حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

پروف ریڈنگ : مولانا حافظ محمد شاہد اقبال

مطبع : روبی پرنٹرز ۲/۱۰ ریٹی گن روڈ، بہجوری پارک لاہور

سال اشاعت : یکم نومبر ۱۹۹۶ء

تعداد : ایک ہزار

ہدیہ : ۱۷۵ روپے

ملنے کا پتہ

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

فہرست اشعۃ اللمعات

(جلد ششم)

بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ

۳۱۵۔ خطاب اور شعر کا بیان

بیان کا معنی کشف، ظہور اور واضح کرنا ہے۔ صراح میں ہے بیان، خوب گفتگو کرنا اور فصاحت کے معنی میں مستعمل ہے۔ کہا جاتا ہے فُلَانٌ اَبْیَنُ مِنْ فُلَانٍ کہ فلاں، فلاں سے زیادہ فصیح اور زیادہ واضح گفتگو کرتا ہے۔ علامہ بیضاوی کہتے ہیں کہ اظہار ما فی الضمیر بیان ہے۔ طیبی کے نزدیک اعلیٰ بلیغ کلام سے اظہار کو بیان کہا جاتا ہے۔ بعض علما ایسی فصیح گفتگو کو بیان کہتے ہیں جس کے ذریعے دل کی بات ظاہر ہو جائے۔ یہ تمام معانی آپس میں مختلف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ شعر کا لغوی معنی دانائی و زیرک ہونا اور شاعر دانا اور زیرک شخص ہے۔ اصطلاح میں ہر وہ کلام ہے جو موزوں اور مسجع ہو اور اس کی موزونیت کا قائل نے قصد بھی کیا ہو۔ قرآن و حدیث شعر نہیں کیونکہ ان میں موزونیت ہونے کے باوجود وہاں یہ چیز مقصود نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۵۷۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ[۱] فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَیَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرق سے دو شخص آئے انہوں نے وعظ کیا لوگوں نے ان کے بیان کو بہت پسند کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بعض بیان جادو ہیں۔ (بخاری)

لہ ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کا، صراح میں ہے۔ دوسرے کے سامنے کی گئی گفتگو کو خطاب کہا جاتا ہے۔

۲ؔ ان دو میں ایک کا نام حصین بن بدر ہے۔ اور ان کا لقب زبرقان ہے۔ زا کے نیچے زیر با ساکن را کے نیچے زیر اور برقہ۔ کپڑے کو سرخ یا زرد رنگ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ زبرقان کا معنی چاند اور ہلکی داڑھی کے بھی آتے ہیں۔

ان کا یہ لقب ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ہے یا ان کی ہلکی داڑھی کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے کہ عمامہ زرد رنگ کا پہنتے تھے یا جب وہ مجلس میں آئے تھے اس وقت زرد لباس پہنا ہوا تھا۔

دوسرے کا نام عمرو بن اہتم ہمزہ پر زبر۔ ہا ساکن۔ تا پر زبر۔ اہتم اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے سامنے کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔

ان دونوں اشخاص نے ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں تفاخر اور فوقیت کا اظہار کیا پہلے زبرقان نے اپنے فضائل بیان کیے خوب فصیح وبلیغ گفتگو کی۔ اس کے بعد عمرو بن اہتم نے نہایت ہی بلیغ انداز میں اس کی تردید کی اور اس کی برائیاں اور رذائل بیان کیے۔ زبرقان نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میرے فضائل سے آگاہ ہے مگر حسد کی وجہ سے مخالفت کر رہا ہے۔ عمرو نے پھر زبرقان کی برائی میں پہلے سے زیادہ مذمت کی۔ احیاء العلوم میں ہے کہ عمرو نے ایک دن زبرقان کی خوب مدح کی اور دوسرے دن مذمت سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی کیا وجہ کہ تو نے ایک دن اس کی مدح کی اور دوسرے دن مذمت۔ عرض کیا پہلے دن میں نے سچ کہا تھا اور دوسرے دن بھی جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ ایسے کہ اس نے پہلے دن مجھے خوش کیا تھا تو میں نے اس کی وہ اچھائیاں گنوا دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔ دوسرے دن اس نے مجھے ناراض کر دیا۔ لہٰذا میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کر دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔

۳؎ بعض بیانات دل اور حال کی تبدیلی اور باطل کی طرف مائل کرنے میں جادو کی طرح ہیں۔ لغت میں سحر تبدیلی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ انسان کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کر دیتا ہے اسی طرح بیان اور گفتگو میں مبالغہ کلام میں تصنع، اس کے حسن میں تعلف سے کام لینا۔ کلام میں رنگینی، حق کو باطل کی طرف اسی طرح پھیر دینا کہ لوگوں کے دلوں میں بات راسخ ہو جائے۔ اگرچہ نفس الامر میں وہ باطل، جھوٹ ہو، ظاہر حدیث سے پتا چلتا ہے کہ یہ جملہ آپ نے بیان اور مبالغہ کی مذمت میں فرمایا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بیان میں حسن اور اس کو آراستہ کر کے بیان کرنے کی تعریف ہے کہ اس سے مقصود کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ متن حدیث میں دونوں احتمال ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ بیان جادو کی طرح ہے اگر اسے حق کے لیے استعمال کیا جائے تو جائز اور قابل مدح اور اگر باطل کے لیے ہو تو باطل ہوگا جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے۔ اَلشِّعْرُ کَلَامٌ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَّقَبِیْحُهٗ قَبِیْحٌ "شعر کلام ہے اچھا کلام حسین ہے اور برا کلام برا ہے۔

۴۵۷۳/۲ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةً. (رواہ البخاری)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت[۱] پر مشتمل ہوتے ہیں۔ (بخاری)

[۱] مراح میں حکمت کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ دانش۔ ہر چیز کی حقیقت، حکیم دانا، اسی سے لفظ احکام ہمزہ کے نیچے زیر ہے کسی کام کو مضبوط و مستحکم کرنے کے معنی میں ہے۔ اور بے وقوف کو اس کی بے وقوفی سے باز رکھنا

"حکمۃ" حا اور کاف پر زبر، لگام اور برائی سے کسی کو منع کرنا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ آپ کا فرمان اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا بیان کی مدح پر دال ہے جس طرح یہاں حکمت و نصیحت پر مشتمل اشعار کی مدح کی گئی ہے اور یہ دونوں باتیں ایک حدیث میں اکٹھی بھی آئی ہیں جو فصل ثانی کے آخر میں ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان ارشادات کے ذریعے ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اس بات کے قائل تھے کہ بیان ہر حال میں محمود ہے۔ اور شعر ہر حال میں مذموم۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں۔ بعض بیان جو جادو کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں وہ مذموم ہیں اور حکمت پر مبنی اشعار محمود ہوتے ہیں۔

۴۵۷۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہلاک ہوگئے گہری[۱] باتیں کرنے والے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

[۱] غلو، ملمع سازی تصنع اور مبالغہ کرنے والے۔

[۲] نطع۔ نون کے نیچے زیر طا پر زبر یا ساکن، تالو کا وہ حصہ جس میں بلندی اور پستی ہے۔ تا، طا اور دال کو حروف نطعیہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا مخرج تالو کا یہی مقام ہے اور تنطع۔ تالو میں بات کرنا کہلاتا ہے۔ یہاں گفتگو میں تکلف اور عمداً تصنع لینا مراد ہے یعنی عبارت و الفاظ میں تصنع، ریا لوگوں کی خوشامد اور ان کو جال میں لانا مقصود ہو اور یہ خیال نہ ہو کہ معنی حق ہے یا نہیں اور نفس الامر میں بات درست بھی ہے یا نہیں۔ علامہ طیبی کہتے ہیں یہاں غلو بے فائدہ اور بیہودہ گوئی کرنے والے مراد ہیں۔

۴۵۷۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی[۱] بات جو شاعر نے کہی لبید[۲] کی بات ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی[۳] ہے۔ (صحیحین[۴])

[۱] شعراء جاہلیت کے کلام میں اکثر باتیں غلط ہوتی تھیں، شعراء کے جس فرد نے بہت ہی سچی بات کہی وہ لبید ہیں۔ رضی اللہ تعالے عنہ۔

[۲] یہ صحابی ہیں، دور جاہلیت اور اسلام میں صاحب عزت و شرافت تھے۔ ایک سو ستاون سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا۔

[۳] ہلاک اور معدوم ہونے والی ہے۔

[۴] ان کا یہ کلام، کلام مجید کے موافق ہے۔ ارشاد فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (ہر شئی فنا ہونے والی ہے) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (اللہ کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے)

ترمذی کی بعض روایات میں یہ اشعار ہیں۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ

سِوٰى جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ إِنَّ نَعِيْمَهَا سَيَبْقٰى وَإِنَّ الْمَوْتَ لَابُدَّ نَازِلٌ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے، ہر دنیاوی نعمت زائل ہونے والی ہے سوائے جنت کے بے شک اس کی نعمتیں باقی رہیں گی، اور تحقیق موت انسان پر ضرور نازل ہونے والی ہے۔ یقیناً انہوں نے سچ کہا بے شک موت ضرور آکر رہے گی۔

۴۵۶۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمَيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيْهِ فَأَنْشَدْتُهُ بَيْتًا. فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ حَتّٰى أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ السلام کے ساتھ سوار ہوا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں امیہ ابن ابی الصلت کے اشعار یاد ہیں! عرض کیا ہاں۔ فرمایا: پڑھو۔ میں نے ایک شعر پڑھا فرمایا اور پڑھو حتیٰ کہ میں نے آپ کو سو اشعار سنائے۔ (مسلم)

لہ عمرو بن شرید تابعی ثقہ اور اہل طائف میں سے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام شرید، شین پر زبر ہے اور وہ صحابی ہیں۔

۲ھ ھیہ اس کا اصل ایہ ہے۔ ہمزہ کو ہا سے بدل دیا، آخری ہا کو حذف کر کے ھی بھی پڑھتے ہیں یعنی ہر صورت میں کسی کام یا بات میں اضافے کا حکم دینا ہے۔ صراح میں ہے کہ ایہ کا معنی ہے مزید کہو۔

۳ھ ظاہر یہی ہے کہ ہر بار آپ نے مزید پڑھنے کے لیے فرمایا اور وہ پڑھتے رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اشعار جو پراز حکمت ہوں۔ ان کا سننا سنت ہے، خواہ شاعر کافر ہو یا فاسق۔

۴ھ امیہ بن ابی الصلت کا تعلق قبیلہ ثقیف سے ہے، دور جاہلیت میں اہل کتاب سے دین سیکھا، عبادت کرتے تھے اور احکام دین پر عمل کرتے تھے، قیامت پر ایمان رکھتے تھے اس کے اشعار حکمت و نصیحت پر مشتمل ہوتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: آمَنَ شِعْرُهٗ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ۔ اس کے اشعار ایمان لائے اور اس کے دل نے کفر کیا، دوسری روایت میں ہے! آمَنَ لِسَانُهٗ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ اس کی زبان ایمان لائی اور اس کے دل نے کفر کیا۔

یہ آدمی ہمیشہ اہل کتاب سے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ یہ گمان کرتا کہ شاید ہمارے قبیلے سے ہو، جب اس نے سنا کہ آپ قریش سے ہیں اور آپ کی صفات سے آگاہ بھی ہو گیا مگر حسد و عناد کی وجہ سے منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ مناسب نہیں کہ میں ایسے شخص پر ایمان لاؤں جو ثقیف سے نہ ہو۔ ابن جوزی نے الوفا باخبار المصطفٰے میں ذکر کیا ہے کہ جب اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف سنے تو اس نے آرزو کی کاش میں ان کو پالوں۔ ان کی خدمت اور مدد کروں، لیکن جب آپ کی نبوت کا اظہار ہو گیا تو اس نے شقاوت کی وجہ سے انکار کر دیا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّقَاوَةِ ...

قریش نے اسی سے یہ کلمہ سیکھا تھا اور دور جاہلیت میں ہی لکھا کرتے اس کا تفصیلی واقعہ ہے جسے ہم نے شرح میں بیان کیا ہے۔

۴۵۷۶ وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَعْضِ الْمَشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ اِصْبَعُهٗ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں شریک تھے آپ کی مبارک انگلی خون آلود ہو گئی تو آپ نے فرمایا اے انگلی تو خون آلود ہوئی ہے تو نے اللہ کی راہ میں یہ تکلیف اٹھائی ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ مشاہد حاضر ہونے کی جگہیں، شہادت کے مقامات، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد مراد ہے۔

۲ دَمِيتْ بروزن بَحِثَتْ ہے۔

۳ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ آپ کی انگلی پر پتھر لگنے کی وجہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔

۴ آپ نے انگلی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

۵ اس تکلیف پر تجھے اجر ملے گا۔ یہ ضائع نہیں جائے گا۔ یہ امت کے لیے تعلیم ہے کہ اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیف آتی ہے اس کا اجر ملتا ہے۔
بعض شارحین کے نزدیک یہ کنایہ ہے کہ تو نے کوئی بڑی تکلیف نہیں اٹھائی یہ خون آلودہ ہونا تو آسان ہے

۶ یہاں ایک اشکال ہے کہ یہ شعر ہے حالانکہ آپ کی ذات اقدس اشعار سے منزہ ہے آپ سے اس کا صدور متصور نہیں ہو سکتا۔ شارحین نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

(۱) شعر میں یہ شرط ہے کہ اس کا قائل اس کی موزونیت کا قصد و ارادہ کرے، اور آپ سے یہ قول موزونیت کے ارادے کے بغیر صادر ہوا تھا۔

(۲) یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا ہے جو انہوں نے غزوۂ موتہ کے موقع پر پڑھا تھا۔ آپ نے بطور تمثیل پڑھا نہ کہ بطور انشاد امام جلال الدین سیوطی نے یہی بیان کیا ہے۔

لیکن یہ جوابات اس صورت میں ہیں جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ نے شعر پڑھا خواہ وہ کسی کا تھا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ کی مبارک زبان پر شعر آ ہی نہیں سکتا خواہ وہ غیر کا ہی ہو، یہ قول محل نظر ہے جیسا کہ لبید وغیرہ کے اشعار پڑھنے سے واضح ہے۔

(۳) بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہ از قبیل رجز ہے اس کو شعر نہیں کہا جاتا۔

(۴) علامہ طیبی کہتے ہیں کہ کبھی اچانک زبان پر شعر کا آ جانے سے قائل کو شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ اور اللہ تعالٰے کے ارشاد گرامی وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی) سے یہی مراد ہے لیکن ان کی یہ گفتگو محل نظر ہے کیونکہ اس کے ساتھ الفاظ ہیں وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (یہ آپ کے شایان شان نہیں) جن کا

تقاضا ہے کہ شعر آپ کی زبان پر آ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی صورت بن سکتی ہے۔

۴۵۰۸ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَاِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِحَسَّانَ اَجِبْ عَنِّي اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء[1] رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن[2] حسان بن ثابت[3] سے فرمایا مشرکین کی ہجو[4] کرو بے شک جبریل تمہارے ساتھ[5] ہیں اور رسالتماٰب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرماتے ہیں کہ میری طرف سے جواب[6] دو اے اللہ ان کی روح[7] القدس کے ذریعے مدد فرما۔ (بخاری و مسلم)

[1] حضرت براء مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[2] بنو قریظہ کا واقعہ غزوۂ خندق کے بعد پیش آیا تھا۔ جیسا کہ باب الغنائم میں گزرا۔

[3] حضرت حسان بن ثابت بن منذر بن حرام انصاری مدنی ہیں ما سلام اور جاہلیت کے شعراء میں سے عظیم شاعر ہیں۔ ان چاروں میں سے ہر ایک نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ حضرت حسان نے ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ اسلام میں۔

[4] ہجو کا شمار کرنا ہے جیسا کہ حروفِ ہجا اور تہجی کہا جاتا ہے اب اس سے مراد کسی کے عیب شمار کرنا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ہجو شعر کی صورت میں کسی کو برا بھلا کہتا ہے۔ صراح میں ہے کہ ہجو خلافِ مدح ہے۔

[5] مضامین کے القاء کرنے میں جبریل امین تمہاری مدد و اعانت کریں گے۔

[6] انہوں نے میرے بارے میں جو نا سزا کہا ہے اس کا جواب دو۔

[7] حضرت حسان کو جبریل امین کے ساتھ تقویت عطا فرما۔ حضرت جبریل کو روح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی تمام پیغمبروں پر وہ علم اور شریعت لے کر آئے جس کے ذریعے دلوں کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوئی، قدس، مقدس کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد ذاتِ باری تعالٰے ہے۔ تشریف و اکرام کی وجہ سے اضافت کی گئی ہے جیسا کہ رُوحِی اور رُوحُ اللّٰہ میں ہے۔ یا قدس روح ہی کی صفت ہو اب اضافت شدت لزوم و اختصاص کی وجہ سے ہوگی جیسا کہ حاتمِ جُود میں ہے۔

۴۵۰۹ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُهْجُوا قُرَيْشًا فَاِنَّهُ اَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ رَشْقِ النَّبْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، قریش کی ہجو[1] کرو کیونکہ یہ ان کے لیے تیر مارنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسلم)

[1] اپنے شعراء کو فرمایا۔

ےہ رَشْق، راء پر زبر شین ساکن۔ تیر پھینکنے کو کہا جاتا ہے۔ نَبل۔ نون پر زبر با ساکن بمعنی تیر ہے۔
ےہ معلوم ہوا کہ کافروں اور دین کے دشمنوں کی مذمت کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن علماء نے بیان کیا ہے کہ ان کی ہجو کے جواب میں ہجو کہنی چاہیے۔ مسلمانوں کی طرف سے ابتداء نہیں ہونی چاہیے تاکہ یہ مسلمانوں کی ہجو کا باعث نہ بنیں۔

۲۵۸۰-۹ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَا يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آپ ہی سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حسان سے فرماتے ہوئے سنا جب تک تم اللہ[1] اور اس کے رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو۔ روح القدس تمہاری مدد کرتے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا کہ حسان نے ان کافروں کی ہجو کر کے شفا دی[2] اور شفا پائی۔ (مسلم)

لہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بطور تبرک ہے یا یہ وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہانت اللہ کی اہانت کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ کافروں نے اللہ رب العزت کے بارے میں ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ مثلاً وہ فقیر ہے اور صاحب اولاد ہے اور بتوں کو اس کا شریک مانتے تھے۔
ےہ مسلمانوں کو شفا دی اور خود شفا پائی۔ کیونکہ ان کی اور مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کافروں کی ہجو سن کر ان کے دل میں سخت جلن تھی۔ جب انہوں نے بھرپور جوابی کارروائی کی تو اب وہ جلن (بیماری) زائل ہو گئی[1]۔

۲۵۸۱-۱۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى اغْبَرَّ بَطْنُهٗ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا يَرْفَعُ بِهَا

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے[1] دن مٹی اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کا مبارک پیٹ غبار آلود ہو گیا اور کہتے[2] اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے پس ہم پر تو سکون نازل فرما۔ اور لڑائی کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ، یقیناً کفار نے

لہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔
حضور علیہ السلام حضرت حسان کو بشارت دے رہے ہیں کہ جب تم ہجو کے اشعار لکھنے لگتے ہو تو جناب جبریل تمہارے دل میں اچھے مضمون ڈالتے ہیں۔ تمہاری زبان پر اچھے الفاظ جمع فرماتے ہیں اور تم کو دعائیں دیتے تمہارا احترام کرتے ہیں۔ یہ ہے حضرت جبریل کی مدد، معلوم ہوا کہ دشمنانِ دین کی ہجو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔
(مرات، جلد ۶ صہ ۴۳۱)

صَوْتَهُ اَبَيْنَا اَبَيْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہم پر بغاوت کی ہے جب انہوں نے ہمیں فتنے میں ڈالنا چاہا تو ہم نے انکار کر دیا۔ بات[۴] زمانی را اَبَيْنَا بلند آواز سے اور تکرار کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لہ آپ خود خندق کھودنے میں شریک ہوئے۔ مٹی اٹھا اٹھا کر لے جاتے تھے۔

سلہ آپ عبداللہ بن رواحہ کے اشعار رجز کی صورت میں پڑھ رہے تھے۔

سلہ ہمیں اسلام سے کفر کی طرف لانے کی کوشش کر رہے[لہ] ہیں اور ہم نے ان کی بات کو رد کر دیا ہے فِتْنَةً کا معنیٰ آزمائش اور سونے کو پگھلانا ہے۔

سلہ ان الفاظ پر آپ بلند آواز کرتے یا اور فرماتے اَبَيْنَا اَبَيْنَا یا ضمیر مذکورہ اشعار کی طرف راجع ہے معنی یہ ہوگا کہ آپ بآواز بلند یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ اور اَبَيْنَا اَبَيْنَا کا اشارہ اس کلمہ کی تکرار کی طرف ہے۔

۳۵۸۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین و انصار خندق کھود کر مٹی اٹھا رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے کہ ہم لوگوں نے محمد عربی کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم باقی ہیں ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے اے اللہ نہیں ہے زندگی مگر آخرت کی پس انصار[لہ] اور مہاجرین کو بخش دے۔ (بخاری و مسلم)

۳۵۸۳ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے پیٹ کا ایسی پیپ سے بھر جانا جس سے وہ گندا ہو جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ[لہ] شعر سے بھرا ہوا ہو۔ (بخاری و مسلم)

لہ شعر اس شخص کا اس طرح مشغلہ بن جائے کہ قرآن، ذکر الٰہی اور علوم شرعیہ سے غافل ہو جائے یا اس سے معین شخص مراد ہے جیسا کہ تیسری فصل میں آ رہا ہے۔ الغرض یہاں وہ گندے اشعار مراد ہیں جو کفر، فحاشی اور ناروا مضامین پر مشتمل ہوں۔

لہ ان مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت و سرکشی کر کے ہمیں جنگ پر مجبور کیا ہے۔

لہ شعر کہنا چونکہ آپ کی عادت کریمہ نہ تھی اس لیے بعض روایات میں ہے کہ یوں کہہ دیتے فاغفر المهاجرین والانصار

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

دوسری فصل

۴۵۸۴ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدْ اَنْزَلَ فِي الشِّعْرِ مَا اَنْزَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبْلِ ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

وَفِي الْاِسْتِيْعَابِ لِابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَاذَا تَرٰى فِي الشِّعْرِ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ ۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر کے بارے میں جو آیات نازل کیں وہ کیں تو آپ نے فرمایا: مومن اپنی تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم یہ اشعار کفار کو تیروں کی طرح مارتے ہو۔ (شرح السنۃ)

استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ شعر کے بارے میں فرمایئے آپ نے فرمایا مومن تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔

۱؎ یہ شعراء اسلام میں سے ہیں مشاہیر شعراء اسلام تین ہیں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حضرت کعب کافروں کے دلوں میں جہاد کا رعب و دبدبہ پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے حضرت حسان ان کے نسب پر طعن کرتے اور عبداللہ بن رواحہ ان کے کفر پر ان کی سرزنش کرتے تھے حضرت کعب نے اپنے حال پر افسوس کرتے ہوئے اور شعر کو قبیح جانتے ہوئے عرض کیا تھا۔

۲؎ اللہ تعالیٰ نے جن آیات میں شعراء کی مذمت فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں)

۳؎ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

۴؎ وہ شعراء جو اسلام اور دین کی اشاعت و تقریب کا سبب اور کفار کی ہجو کرتے ہیں وہ آیت مذکورہ کی مذمت کے تحت نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود استثناء فرما دیا ہے کہ اچھے شعراء اس میں شامل نہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللهَ كَثِيْرًا (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک عمل کیے اور اللہ کا کثرت سے ذکر کیا)

۵؎ تلوار کے زخم اس طرح جسم پر نہیں لگتے جس طرح زبان کے کلمات اور اشعار انہیں لگتے ہیں۔

۶؎ نضح۔ نون پر زبر، ضاد ساکن۔ اس کا معنی پھینکنا ہے۔

۷؎ یہ اسماء رجال کی مشہور کتاب ہے۔ مصنف کا مکمل نام عمر بن عبدالبر ہے۔

۸؎ اچھے شعر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۴۵۸۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَیَاءُ وَالْعِیُّ[۱] شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا حیا اور خاموشی[۱] ایمان کی دو شاخیں ہیں فحش گوئی[۲] اور زیادہ بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں[۳] (ترمذی)

[۱] عی عین کے نیچے زیر یا مشدد، گفتگو میں کمی۔ یہ بیان کی ضد ہے۔ اور اس کا معنی عجز، ناتجربہ کاری، عدم استحکام بھی ہے لیکن اس جگہ پہلا معنی مناسب ہے۔

[۲] گفتگو میں بیہودگی، تکلف، تفنع اور مبالغہ مراد ہے۔

[۳] حیا کے ایمان کی شاخ ہونے کی وجہ کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ رہا خاموشی کا ایمان کی شاخ ہونا اور کثرتِ کلام کا نفاق کی شاخ ہونا اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن حیا، انکساری، مسکنت اور خوفِ خدا کی وجہ سے اثبات مدعا میں کامل طور پر کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مبالغہ اور چرب لسانی نہیں ہوتی۔ بخلاف منافق کے کہ بیہودگی میں دلیر اور جرات مند ہوتا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ دوسری حدیث میں یوں بیان ہوا ہے اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ وَالْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِیْمٌ مومن فریب کھانے والا اور سادہ دل ہوتا ہے اور منافق فریب دینے والا اور کمینہ ہوتا ہے اگر لفظ عیّ کا ترجمہ ناتجربہ کار کیا جائے تو اس حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں ایمان، حیا، احتیاط اور کلام میں تحفظات کا تقاضا کرتا ہے۔ برخلاف نفاق کے کہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس توجیہ کے پیش نظر عیّ سے مراد یہ ہوگا کہ مومن اگر خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کی وجہ تحمل و بردباری، گفتگو میں احتیاط، گرفت، و غضب الٰہی کا خوف ہوتا ہے یہ وجہ نہیں کہ اس کی زبان عاجز ہوتی ہے اور بذاء سے مراد وہ بیان ہے جس میں بیہودگی پر جرات و دلیری کی جائے اور گفتگو میں کسی قسم کی کوئی احتیاط پیش نظر نہ ہو اگرچہ وہ سراسر جھوٹ، کذب اور افترا ہو۔

۴۵۸۶ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَسَاوِیْکُمْ اَخْلَاقًا الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَیْہِقُوْنَ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَہٗ عَنْ جَابِرٍ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَیْہِقُوْنَ

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے سب سے محبوب اور قیامت کے دن میرے بہت قریب اچھے اخلاق والا ہوگا اور تم میں سے مجھے بہت ناپسند اور مجھ سے بہت دور برے اخلاق والا ہوگا۔ جو منہ پھٹ[۱] فراخ گو، متکبر[۲] ہو اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ ترمذی[۳] نے اسی طرح حضرت جابر سے روایت کیا اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم ثرثارون اور متشدقون کو جانتے

قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ)۔ ہیں متفیہقون سے کون مراد ہیں؟ فرمایا تکبر کرنے والے)

سلہ الخشنی خا پر پیش، شین پر زبر۔ خشین بن نمر کی طرف نسبت ہے۔ صحابی ہیں۔ ان کا نام جرہم بن ناشب ہے جیم اور ہا دونوں پر پیش ہے۔ ان کے اور ان کے والد کے نام میں کافی اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے جرہم نے ذکر کیا ہے، ان کی کنیت نام سے زیادہ مشہور ہے۔ انہوں نے بیعت رضوان کے موقع پر حضور کی بیعت کی تھی۔ آپ نے خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا۔ اور انہیں ان کی قوم کی طرف روانہ فرمایا پھر وہ تمام قوم اسلام لے آئی۔ پچھتر ہجری میں ان کا وصال ہوا بعض نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ اکثر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

سلہ بعض روایات میں اَسَاوِئکُم ہے یہ اَسْوَأ کی جمع ہے جس طرح اَحَاسِنُکُمْ، اَحْسَنُ کی جمع ہے۔ مَسَاوِیٔ میم پر زبر مَسْوَءٌ کی جمع ہے جس طرح مَحَاسِنُ، حُسْنٌ کی جمع ہے خلافِ قیاس، مصدر کو بطور وصف لاکر جمع بنا دیا۔

سلہ اَلثَّرْثَارُوْنَ ثا پر زبر، را ساکن، بہت زیادہ گفتگو کرنے والے اور دورانِ گفتگو تکلف کا اظہار کرنے والے مراد ہیں۔ ثَرْثَرَۃٌ کثرتِ کلام کو کہا جاتا ہے۔

سلہ اَلْمُتَشَدِّقُوْنَ یہ شَدْق سے بنا ہے شین کے نیچے زیر یا اس پر زبر۔ دال ساکن۔ منہ کے ایک گوشے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مقرر مراد ہے جو گفتگو میں تصنع کا اظہار کرے۔

سلہ اَلْمُتَفَيْهِقُوْنَ میم پر پیش، فا اور تا پر زبر یا ساکن۔ فراخ جگہ، منہ اور تالو بھر کر کلام کرنا۔ تفہق کسی شئی کا پُر ہونا۔ فیہق ہر چیز کی فراخی، تفعق لمبی گفتگو کرنا اور منہ بھر کر گفتگو کرنا۔

سلہ ترمذی نے حضرت جابر سے اسی طرح روایت کی ہے مگر الفاظ مختلف ہیں۔

سلہ کیونکہ کلام میں تصنع اور تکلف تکبر کی وجہ سے آتا ہے لہٰذا اس کی تفسیر متکبر کے ساتھ فرما دی گویا یہ لازم کے ساتھ تفسیر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کلام میں جھوٹ ثابت کرنے کے لیے تکلف تصنع اور بناوٹ مذموم و منع ہے۔ باقی خطبات و مواعظ میں حسن نیت کے ساتھ جو کلام کے سجع وغیرہ کا خیال رکھا جاتا ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نرمی اور باطن میں اثر پیدا ہوتا ہے۔ وہ عمل ناپسندیدہ نہیں۔

$\frac{4587}{16}$ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَاْكُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَاْكُلُ الْبَقَرَةُ بِاَلْسِنَتِهَا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالے عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی قوم نکلے گی جو اپنی زبانوں سے لپٹے کھائے گی جیسے گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔ (احمد)

سلہ پیدا اور ظاہر ہوگی۔

سلہ وہ لوگوں کی مدح و ذم کرنے میں باطل، جھوٹ اور کذب بیانی میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ خوب مبالغہ

کر کے لوگوں سے عطیات وصول کرے گی۔

؎ جس طرح یہ فرق نہیں کرتی کہ یہ گھاس کڑوا ہے یا شیریں، تر ہے یا خشک۔ اسی طرح یہ لوگ بھی دنیا کے حصول اور کھانے پینے کے لیے حق و باطل میں کوئی امتیاز نہیں کریں گے۔

۴۵۸۸/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِيْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهٖ كَمَا يَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَةُ بِلِسَانِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بلیغ آدمی کو ناپسند کرتا ہے جو زبان کو اس طرح پھیرتا ہے جس طرح گائے زبان پھیرتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

؎ کلام میں تکلف و مبالغہ کرنے والا۔

؎ منہ بھر کر گفتگو کرتا ہے اور زبان کو تیز چلاتا ہے۔

؎ تخلل کا معنی کسی چیز کا درمیان میں آنا ہے۔ اسی وجہ سے دانتوں کے درمیان کو خلال کہا جاتا ہے۔ تکلفانہ گفتگو میں منہ کے اندر زبان کو گردش دینے کو گائے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ وہ گھاس چرتے وقت زبان کو حرکت دیتی رہتی ہے۔ باقرۃ، بقرۃ کی جمع ہے۔ اس کا استعمال اکثر تاء کے بغیر ہوتا ہے۔ اور تاء کے ساتھ استعمال قلیل ہے۔

۴۵۸۹/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات ہمیں معراج کرائی گئی ہم ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ ہم نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ (ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے)

؎ لوگوں کو نیک باتیں کہتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے، یہاں گرفت عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے کسی کو کہنے کی وجہ سے نہیں کیونکہ نہ کرنا برائی ہے۔ کسی کو اچھی بات بتانا برائی نہیں۔ اگرچہ خود عمل نہ کرے۔ لہٰذا کہنے سے پہلے اس پر عمل کرنا شرط نہیں ہے ہاں کر لینا بہتر ہے کیونکہ اس کے بغیر اثر نہیں ہوگا۔

۴۵۹۰/۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْکَلَامِ لِیَسْبِیَ بِہٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ اَوِ النَّاسِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ مِنْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ صَرْفًا وَّ لَا عَدْلًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو باتوں میں ہیر پھیر سیکھے تاکہ اس سے لوگوں یا مردوں کے دل قابو کرے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے نہ فرائض قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (ابوداؤد)

سلہ صرف کلام سے مراد یہ ہے کہ تحسین کلام میں جھوٹ، کذب بیانی بطور ریاکاری کی جائے اور التباس وابہام پیدا کرنے کے لیے اس میں رد و بدل کر لیا جائے۔ اسی وجہ سے بیان کو جادو کہا گیا ہے کہ سحر لغت میں صرف کے معنی میں آیا ہے۔ قاموس میں ہے کہ صرف کلام یہ صرف دراہم سے لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دراہم کی مقدار سے زائد لیے جائیں۔ بعض حواشی میں ہے کہ صرف کلام کا معنی کلام کو مختلف طریقوں سے لانا ہے۔

سلہ راوی کو شک ہے کہ لفظ رجال ہے یا الناس۔

سلہ صرف سے توبہ اور عدل سے فدیہ مراد ہے یا صرف سے نفل اور عدل سے فرض یا اس کا عکس مراد ہے۔

۲۵۹۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ قَالَ یَوْمًا وَّقَامَ رَجُلٌ فَاَکْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو وَّلَوْ قَصَدَ فِیْ قَوْلِہٖ لَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَقَدْ رَاَیْتُ اَوْ اُمِرْتُ اَنْ تَجَوَّزَ فِی الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ ھُوَ خَیْرٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے بہت باتیں کیں۔ حضرت عمرو نے فرمایا: اگر یہ میانہ روی اختیار کرتا تو اچھا تھا۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میں مناسب سمجھتا ہوں یا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو مختصر کیا کروں کیونکہ مختصر کلام ہی بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

سلہ یہ گفتگو لمبی نہ کرتا۔

سلہ قصد، استقامت طریق اور افراط کی ضد یعنی اعتدال کی راہ۔

سلہ صراح میں جواز کے یہ معانی بیان ہوئے ہیں، جاری ہونا، کسی جگہ یا راستہ سے گزرنا، پانی دینا، نماز آرام سے ادا کرنا، مجازاً گفتگو کرنا۔

۲۵۹۲ وَعَنْ صَخْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَّاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَھْلًا وَّاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حُکْمًا وَّاِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِیَالًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت صخر بن عبداللہ بن بریدہ اپنے والد اور وہ اپنے جد امجد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بعض بیان جادو ہیں، بعض علم جہالت ہیں، بعض شعر حکمت اور بعض کلام وبال ہیں۔ (ابوداؤد)

ـــلہ حضرت بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں، عبداللہ بن بریدہ، مشہور تابعین میں سے اور ثقہ ہیں۔ مرو کے قاضی تھے ان کے بھائی سلیمان بن بریدہ تھے۔ منقول ہے کہ سلیمان، عبداللہ سے افضل ہیں۔ صخر بن عبداللہ مروزی نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی۔ امام ابوداؤد نے یہی ایک حدیث ان سے روایت کی ہے۔

ـــلہ اس پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

ـــلہ علامہ طیبی نے اس کے دو معانی نہایہ سے نقل کیے ہیں۔

(۱) ایسے علوم سیکھنا جن کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً علم نجوم، علم فلسفہ وغیرہ اور ان علوم کو ترک کر دینا جن کی ضرورت ہے۔ مثلاً قرآن وسنت کا علم تو اب بعض علوم دوسرے علوم سے جہالت کا سبب بن گئے لہٰذا ان کو جہالت قرار دیا گیا۔

(۲) علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کیا تو گویا یہ جہالت کا مظاہرہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں یہ مراد ہو ایک آدمی علم کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ نفس الامر میں وہ جاہل ہے تو یہ علم نہیں جہالت ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے ادراک میں غلو بظاہر علم ہے مگر درحقیقت جہالت ہے کیونکہ اس بارے میں علم کی توقع محال ہے۔ اسی طرح بعض مقامات علم ایسے ہیں جن کو جانا ہی نہیں جا سکتا تو وہاں اس بات کا اقرار کہ میں نہیں جانتا۔ یہی جہالت کا اقرار علم قرار پاتا ہے۔ حالانکہ نفس الامر میں جہالت ہے۔ پس یہ کہنا کہ بعض علوم جہالت ہیں درست ہے۔

ـــلہ بعض روایات میں لحکماً ہے۔ بعض شعر ایسے نافع ہوتے ہیں جو جہالت اور بے وقوفی سے مانع ہوتے ہیں۔ حکم، علم، فقہ اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ دیگر روایات میں لحکمۃ ہے۔ وہ بھی بمعنی حکم ہے۔ نہایۃ میں اسی طرح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حکم و حکمت دونوں کا ایک معنی ہے۔ جس روایت میں حکمت آیا ہے اسے معنی حکم پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح روایت حکم کو معنی حکمت پر محمول کر سکتے ہیں۔

ـــ۵ عیال کہ وبال تامل پر ہوگا یا اگر سامع جاہل ہوا تو گفتگو نہ سمجھنے کی وجہ سے اسے ملال ہوگا۔ اور اگر عالم ہوا تو پہلے ہی جانتا تھا یا اس سے مراد وہ بوجھ ہے جو ایسے شخص پر ہو جو گفتگو سننا ہی نہ چاہتا تھا۔ اس عبارت کی یہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۴۵۹۳/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ يُنَافِحُ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ

تیسری فصل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھتے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے یا دفاع کرتے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے اللہ تعالیٰ بذریعہ

الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

جبرئیل حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک اس کے رسول کی طرف سے فخر کرتے یا دفاع کرتے ہیں۔ (بخاری)

لے یہ راوی کا شک ہے۔

ٹے جس روایت کی ابتدا میں لفظ یُفاخِرُ پہلے آیا ہے اس کے آخری حصہ میں بھی فاخر پہلے ہونا چاہیے اسی طرح یُنافح اور نافح کا معاملہ ہے۔

۴۵۹۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَادٍ يُّقَالُ لَهُ اَنْجَشَةُ وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوَيْدَكَ يَا اَنْجَشَةُ لَا تُكْسِرِ الْقَوَارِيْرَ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِيْ ضَعَفَةَ النِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا جسے انجشہ کہا جاتا تھا اور وہ خوش آواز تھا۔ آپ نے اسے فرمایا اسے انجشہ! آہستہ شیشے کی نوبلیں نہ توڑ دینا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے کمزور باطن عورتیں مراد ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لے مراح میں ہے کہ حدا گانا گا کر اونٹوں کو خوب تیز چلانا ہے یہ غنا کی ایک قسم ہے۔ جو بالاتفاق مباح ہے اس میں کسی بھی عالم کو اختلاف نہیں۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب اونٹ تھک جاتے تو حُدی کی صورت میں خوبصورت آواز میں کلام پڑھتے تاکہ اونٹ گرم، مست اور تیز ہو جائیں۔

ٹے انجشہ۔ ہمزہ پر زبر، نون ساکن، جیم وشین پر زبر۔

سے قواریر۔ یہ قارورۃ بمعنی شیشہ کی جمع ہے۔

ٹے اس جملے کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ خواتین کے اجسام نہایت نرم اور ضعیف ہوتے ہیں۔ اونٹوں کے تیز چلنے کی وجہ سے انہیں تکلیف ہو جائے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کے دل کی نرمی وضعف اور تاثیر کی سرعت کی وجہ سے ایسا فرمایا کہ کہیں اس آواز کی وجہ سے ان کے باطن میں وساوس برائی پیدا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ سرود وغنا کی خاصیت ہے کہ وہ طبیعت میں حرکت و مستی پیدا کرتے ہیں اسی لیے حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا غنا (گانا) زنا کا داعی ہے۔ اگرچہ ازواج مطہرات میں ایسے تصورات بعید ہیں مگر وساوس کا آنا اختیار میں نہیں ہوتا للذا ایسے معاملہ میں احتیاط ہی بہتر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے افعال و اقوال امت کی تعلیم و تربیت کے لیے ہوتے ہیں۔ اکثر شارحین نے اس آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ الفاظ حدیث واضح طور پر پہلے معنی پر دال ہیں لے

لے معنی اول لینے میں شیشے کا ٹوٹنا لازم نہیں ہاں اس میں فساد آتا ہے، یہاں محدثین نے تیسرا معنی بھی بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اونٹ خوبصورت آواز پر خوب مست ہوتے ہیں اور انجشہ کی آواز نہایت خوبصورت تھی۔ آپ نے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

۴۵۹۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ.
رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ایک کلام ہے۔ اچھا شعر اچھا اور برا شعر برا ہوتا ہے۔
(دارقطنی، امام شافعی نے اسے حضرت عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔)

لہ آپ سے عرض کیا گیا کہ شعر اچھا ہوتا ہے یا برا۔
۲ہ یہ بھی ایک کلام ہے۔ شعر میں وزن و قافیہ کی جو زیادتی ہوتی ہے اس کا حرمت و کراہت میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کا مدار اس کے معنی و مضمون پر ہے۔ اگر مضمون اچھا ہے تو شعر اچھا ورنہ برا ہوگا۔ شعر کے بارے میں اس حدیث نے خوب فیصلہ کر دیا ہے جس سے اختلاف ختم ہو گیا۔
۳ہ دارقطنی نے یہ حدیث مرفوعاً بیان کی ہے۔
۴ہ عروہ بن زبیر یہ تابعی ہیں۔

۴۵۹۶ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ إِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ يُنْشِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا الشَّيْطَانَ أَوْ أَمْسِكُوا الشَّيْطَانَ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مقام عرج لہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک شاعر شعر کہتا ہوا سامنے آیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کو پکڑ لو یا روکو اس شیطان کو کسی شخص کے پیٹ کا پیپ سے بھرا ہوا ہونا اس سے بہتر ہے اشعار سے بھرا ہوا ہو ۲ہ۔ (مسلم)

لہ عرج۔ عین پر زبر، را ساکن مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے۔
۲ہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ملاحظہ فرمایا کہ شعر کہہ رہا ہے اور بے باکی کے عالم میں جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی جانب متوجہ ہی نہیں ہوا تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ اشعار سے پر ہے اور اس کی وجہ سے اس میں بے حیائی اور بے ادبی در آئی ہے اس لیے آپ نے اسے شیطان سے تعبیر فرمایا کہ بارگاہ رحمت سے دور ہو چکا ہے اور ان اشعار کی مذمت کی جن کی وجہ سے اس میں غرور اور تکبر پیدا ہوا۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) محسوس فرمایا کہ کہیں اونٹوں میں اسی طرح مستی نہ آ جائے کہ خواتین کا ان کے اوپر سوار رہنا دشوار ہو جائے اور گر کر ان کے اعضاء نہ ٹوٹ جائیں۔

۴۵۹۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی اگاتا ہے۔

(بیہقی، شعب الایمان)

لہ یہ حدیث دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

اِنَّ الْغِنَاءَ وَاللَّهْوَ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ الْقُرْاٰنَ وَالذِّكْرَ يُنْبِتَانِ الْاِيْمَانَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ۔

گانا اور لہو دل میں نفاق پیدا کرتے ہیں جیسے پانی تر و تازہ گھاس اگاتا ہے اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے قرآن اور ذکر دل میں ایمان پیدا کرتے ہیں جیسے پانی تر گھاس اگاتا ہے۔

لہ عُشب عین پر پیش، شین ساکن، تر و تازہ گھاس کو کہتے ہیں۔

۴۵۹۸ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَنَاءَ عَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ اِذْ ذَاكَ صَغِيْرًا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں تھا۔ آپ نے باجے کی آواز سنی تو انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور راستہ سے دور دوسری طرف ہٹ لے گئے۔ پھر دور جانے کے بعد مجھے فرمایا اے نافع تم کچھ سن رہے ہو میں نے کہا نہیں تب آپ نے انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں اور فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے بانسری کی آواز سنی تو اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت چھوٹا تھا۔

(احمد، ابوداؤد)

لہ اجتناب اور احتراز کی خاطر۔

سلہ انہوں نے یہ بتلایا ہے کہ میں اس وقت مکلف نہ تھا اس لیے مجھے منع نہ فرمایا۔ نیز اس لیے کیا تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ ابن عمر نے کمال تقویٰ و ورع کی وجہ سے ایسے کیا۔ اگر مکروہ تحریمی ہوتا تو نافع کو بھی منع فرماتے۔ دوسرے مقام پر اس مسئلہ پر بڑی تفصیلی گفتگو ہے ... فقہاء، محدثین اور مشائخ طریقت کے حوالے سے گفتگو کی ہے ... میں غنا کی حرکت پر کوئی حدیث ... ہے۔ مشائخ کہتے ہیں کہ جس مقام پر غنا سے منع کیا ہے اس سے مراد وہ گانا ہے جو لہو و لعب کے طور پر ... منع نہیں۔ فقہاء کرام نے اس معاملہ میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ وَالْغِيْبَةِ وَالشَّتْمِ

۳۱۶: جھوٹ، غیبت اور بدکلامی سے زبان کو محفوظ رکھنے کا بیان

زبان کو نامناسب گفتگو سے محفوظ رکھنا خصوصاً کسی کی غیبت اور برا بھلا کہنے سے ضروری ہے۔ غیبت، غین کے نیچے زیر ہے۔ اس سے مراد کسی کو اس کی پشت کے پیچھے برا کہنا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۵۹۹ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِّيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں[1] اور دونوں ٹانگوں[2] کے درمیان ہے تو میں اُسے[3] جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری)

[1] لَحْیَیْن لام پر زبر، حا ساکن۔ اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت اور داڑھی اگتی ہے۔ یہاں اس سے منہ اور زبان مراد ہے، یعنی زبان کو بیہودگی سے جو کفر و نافرمانی کا موجب ہو اور منہ کو حرام کھانے پینے سے بچنے کی ضمانت دے۔

[2] اس سے مراد شرمگاہ ہے کہ اسے معصیت سے محفوظ رکھے۔

[3] درحقیقت یہ باری تعالیٰ کی ضمانت ہے کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے بندوں کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اعمال کی جزا و ثواب کا مؤکد وعدہ فرمایا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔

۴۶۰۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِّضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَّرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجٰتٍ وَّاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَّهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ رضائے الٰہی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کا اسے احساس نہیں ہوتا[1]۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کی وہ پرواہ نہیں کرتا۔ اس کلمہ کی وجہ سے وہ

يَهْوِي بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

آدمی دوزخ میں گرجاتا ہے (بخاری) اور دوسری روایت میں کہ اس آگ میں گرجاتا ہے جس کا فاصلہ مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ کے برابر ہے۔

۱ وہ کلمہ رضائے الٰہی کی جگہ یا رضائے کی طلب کے سبب صادر ہوتا ہے وہ ایسا کلمہ ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔

۲ اس کلمے کے بارے میں دل میں یہ احساس نہ تھا کہ اس کا درجہ کیا ہے۔ اس کے کہنے میں کوئی حرج محسوس نہ کیا اور اسے نہایت ہی آسان جانا۔

۳ بعض اوقات بندہ ایسی گفتگو کرتا ہے کہ اس میں رضائے الٰہی نہیں ہوتی اور بندہ اس کے کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے بہت آسان تصور کرتا ہے۔

۴ زبان کی ہر وقت حفاظت کرنی چاہیے۔ اس کے عمل کو معمولی تصور نہ کیا جائے۔ بعض اوقات انسان نہایت ہی معمولی بات سمجھ کر گفتگو کر دیتا ہے لیکن اگر وہ کلمات حق ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے جنت میں درجات بلند فرما دیتا ہے۔ اور اگر وہ کلمات باطل ہوں تو اور دوزخ میں گرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

۵ یہ دوسری روایت مسلم و بخاری میں ہے۔

۴۶۰۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ سِبَاب۔ صراح میں ہے کہ سین کے نیچے زیر گالی دینا۔

۲ فسق، فسوق، چھڑے سے نرمی کو دور کرنا شریعت میں نافرمانی پر بولا جاتا ہے۔

۳ قتال، ایک دوسرے کو قتل کرنا۔

۴ یہ قتل مسلم پر سخت وعید ہے اور اس سے مقصود اسلام کامل کی نفی ہے۔ اس پر دوسری حدیث اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔) اس معنی پر دال ہے۔ اگر کسی نے دوسرے مسلمان کو اس کے اسلام کی وجہ سے یا اس کے خون کو مباح جانتے ہوئے قتل کیا تو ایسی صورت میں قاتل یقیناً کافر ہو جائے گا۔

۴۶۰۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر ان دونوں میں سے ایک پر

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) پر لوٹے گا۔ (بخاری و مسلم)

لہ دوسرے مسلمان بھائی کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہے۔

٢ہ کہنے والا یا جس کے لیے کہا گیا اگر یہ سچ ہوا تو وہ دوسرا شخص کافر ہے مسلمان نہیں اور اگر یہ جھوٹ ہے تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا اس لیے کہ کسی بھی مومن کو کافر کہنا ایمان کو کفر قرار دینے اور دین اسلام کو باطل جاننے کا اعتقاد کیا۔

٤٦٠٣ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے کو فسق و کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ اس لہ پر لوٹتا ہے اگر وہ دوسرا ایسا نہ ہو۔ (بخاری)

لہ فسق و کفر کی تہمت لگانے والے پر۔

٢ہ اگر وہ فاسق نہ تھا تو یہ فاسق ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ کافر نہ تھا تو یہ خود کافر ہو جائے گا۔

٤٦٠٤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کو کافر کہا یا اسے اللہ کا دشمن کہے لہ حالانکہ وہ ایسا ٢ہ نہ تھا تو یہ خود اس پر لوٹ ٣ہ آئے گا۔ (بخاری و مسلم ٤ہ)

لہ یہ بھی کافر کہنے کے حکم میں ہے۔

٢ہ وہ شخص دشمن خدا اور کافر نہ تھا۔

٣ہ یہ خود کافر و دشمن خدا ہے۔ حار حَوْرٌ سے ہے اس کا معنی واپس ہونا ہے۔

٤ہ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جو کسی مسلمان کو بغیر کسی دلیل و تاویل کے کافر کہے اس سے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ اس نے اسلام کو کفر قرار دیا ہے۔ اس مقام پر علامہ طیبی نے خصوصی گفتگو کی ہے اور ہم نے بھی شرح (لمعات) میں اسے ذکر کیا ہے۔

٤٦٠٥ وَعَنْ اَنَسٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيْ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس ہی دو گالی دینے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے لہ (مسلم)

لہ چونکہ ابتدا کرنے والا گالی دینے کا سبب بنا اور وہ ظالم ہے اور دوسرا مظلوم، اس لیے دوسرے کی گالی کا گناہ

بھی پہلے پر ہوگا۔

سلہ اگر دوسرے نے حد سے تجاوز کر دیا تو وہ مظلوم نہ رہے گا اور اس صورت میں جس نے گالی دینے میں زیادتی کی اسے ہی گناہ ہوگا۔

۴۶۲۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِي لِصِدِّيقٍ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیق کے لیے مناسب نہیں کہ لعن وطعن کرنے والا ہو۔ (مسلم)

سلہ صِدِّیق، صاد کے نیچے زیر، دال پر شد، مبالغہ کا صیغہ بمعنی کثیر الصدق جیسے زیادہ مسکرانے والے کو ضحیک، زیادہ خاموش کو سکیت کہا جاتا ہے، صوفیا کی اصطلاح میں صدیقیت وہ مقام ہے کہ مقام نبوت اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا یہ ارشاد باری تعالیٰ ہی پر دال ہے۔ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، (پس یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین) خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ لقب ہے۔ جب صدق اور راستی مردوں کا شیوہ اور مقام نبوت کے بعد اس کا درجہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام لوگوں کو رحمت کے قریب لانے کے لیے ہی مبعوث ہوئے ہیں تو اب لعنت کر کے کسی کو رحمت خداوندی سے دور کرنا مقام صدیق کے شایان شان نہیں اس لیے اہل سنت وجماعت نے لعن وطعن کا شیوہ نہیں اپنایا۔ اگرچہ کوئی شخص لعنت کا مستحق ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے بھی لعنت کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ نہ اسے زبان پر لاتے ہیں اور نہ ہی اس کی عادت بناتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں لعنت کا مستحق ہوگیا ہو۔ اب دوسرے کی لعنت کی اسے کیا ضرورت؟ شعر

ہر کرا درا خدائے لعنت کرد ! ملیست لعنت من وتواش در خور

جس پر خدا تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔ وہاں میری اور تمہاری لعنت کا کیا اعتبار؟ لعنت صرف اس کافر پر کی جا سکتی ہے جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا ہو کہ یہ کفر پر مرا۔ اس کے علاوہ کسی مخصوص کافر پر لعنت جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ نزع کے وقت اسے ایمان نصیب ہوگیا ہو۔ باقی لعنت بھی اجمالاً ہونی چاہیے جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین۔ لعنت کی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ رحمت خدا سے دوری اور اس کے غیر متناہی فضل سے مایوسی یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ مقام قرب ورضا الٰہی سے محرومی جو کہ ترک اولیٰ پر ہے۔ اور وہ جو بعض اعمال کے ترک پر صحابہ اور غیر صحابہ سے منقول ہے اس کا تعلق دوسری قسم سے ہے نہ کہ اول سے۔

۴۶۲۹ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہت زیادہ لعن وطعن کرنے والے روز قیامت نہ گواہ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ہوں گے اور نہ شفیع (مسلم)

لہ نہ مخلوق پر گواہی دے سکیں گے اور نہ ہی ان کی شفاعت کریں گے۔ قرآن کریم میں ہے کہ روزِ قیامت حضور علیہ السلام کی امت کے وہ لوگ گواہ ہوں گے جو سچے اور امن والے ہوں گے۔ لہٰذا جن لوگوں کی عادت لعنت کرنا تھا وہ اس درجہ شہادت و شفاعت سے محروم رہیں گے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ عادت نہایت ہی ناپسندیدہ ہے۔

۴۶۰۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ لوگ لہ ہلاک ہو گئے تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ (مسلم)

لہ لوگوں کی عیب جوئی، حقارت اور ان کو رحمت خدا سے ناامید کرتے ہوئے یہ کلمات کہے لیکن اگر بطورِ تاسف، اور غم کے کہے تو اس میں حرج نہیں۔

۲ مستحق دوزخ بن گئے۔ کیونکہ اس نے تکبر کرتے ہوئے لوگوں کو حقیر جانا اور انہیں رحمتِ خداوندی سے مایوس کیا اس معنی کی صورت میں یہ اسم تفضیل کے صیغہ کے کاف پر پیش ہے۔ کاف پر زبر بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ ماضی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اس کے کلمات نے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ لوگ جب ایسے کلمات سن لیتے ہیں تو ان سے یہ اثر لیتے کہ اب معافی نہیں مل سکتی لہٰذا عبادات میں کمی اور معصیت میں اضافہ کر لیتے ہیں، حالانکہ معصیت میں مبتلا لوگوں کو اللہ رب العزت کی قہاریت کے ساتھ ساتھ باری تعالیٰ کی بخشش و رحمت سے بھی آگاہ کرنا چاہیے تاکہ وہ رحمت خدا سے مایوس نہ ہوں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو رحمت باری سے آگاہ رکھا جائے تاکہ کسی صورت میں بھی گنہگار اس سے مایوس نہ ہوں۔

۴۶۰۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَاالْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّهٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم روزِ قیامت بدترین لہ لوگوں میں سے دو منہ والے ۲ کو پاؤ گے جو ایک ۳ منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے منہ کچھ اور۔ (بخاری و مسلم)

لہ رسوائی اور بدحالی میں۔

۲ یہ منافق کی صفت ہے۔

۳ ایک جماعت کے لیے الگ طریقہ اور دوسری کے لیے دوسرا۔ یعنی ہر ایک کے موافق بات کرے جو اس کو

اچھی لگے۔

سے اس سے مراد منافق حقیقی ہے۔ اندر کفر باہر مسلمانی جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں منافقین کا حال تھا قرآن حکیم نے ان کے احوال بیان کیے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یقیناً روزِ قیامت سخت ترین عذاب ہوگا۔

۴۶۱۰/۱۲ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ نَمَّامٌ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

امام مسلم کی روایت میں نمّام ہے۔

لہ یہ حضور علیہ السلام کے راز دان صحابی ہیں۔ انہیں منافقین کا علم بھی تھا۔

لہ مراح میں ہے کہ قتّات کا معنی چغل خوری ہے۔ یعنی لوگوں کی باتوں کو خفیہ طور پر سن کر دوسروں تک پہنچانا۔ قاموس میں ہے قتّات اسے کہتے ہیں جو لوگوں کی خفیہ باتیں سنے، خواہ آگے پہنچائے یا نہ۔ علامہ طیبی نے جو کہا ہے کہ قتات وہ شخص ہے جو بات کرتے وقت جھوٹ بولے اور اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کرے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قتات بہتان تراشی کو کہا جاتا ہے حالانکہ چغل خوری میں جھوٹ شرط نہیں کیونکہ قتات ایک بات کا فساد اور لڑائی کے ارادے سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے۔ اگرچہ وہ سچی ہو۔

لہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ قتات سے مراد چغل خور ہی ہے۔

۴۶۱۱/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کو لازم کر لو کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے، جب آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچائی کا متلاشی رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا متلاشی رہتا ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جھوٹ بدی ہے اور بدی دوزخ میں لے جاتی ہے۔

لہ سچائی کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے یا مراد یہ ہے کہ صدق خود نیکی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں آرہا ہے۔ اب صدق اور ہدایت میں اعتباری فرق ہوگا نہ کہ حقیقی۔

سے اس کے لیے صدیقیت کا حکم دے دیا جاتا ہے اور اس کے لیے اس مقام کا ثواب ملتا ہے یا اس کا نام ملاء اعلیٰ کے خصوصی دیوان میں لکھ دیا جاتا ہے یا یہ مراد ہے لوگوں کے دلوں میں اس کا وقار پیدا کر دیا جاتا ہے کہ اسے اس صفت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور اپنے ہاں اسے صدیق تصور کرتے ہیں۔ اور اس کی زبان پر اعتماد کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کر دیتا ہے۔)

سے یہ جھوٹ کی خاصیت ہے۔

سے باقی روایت کے الفاظ وہی ہیں۔

۴۶۱۲ وَعَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور خیر کی بات کرے[1]۔ اور خیر کی بات دوسروں تک پہنچائے[2]۔ (بخاری و مسلم)

لہ وہ ایسی بات کرتا ہے جس سے صلح ہوتی ہے اور جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بات جھوٹی ہی کیوں نہ ہو وہ مقامات جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان عداوت، لڑائی و دشمنی ختم کرنے کے لیے ایسا کیا جائے۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ کسی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہو تیسرا مقام یہ ہے کہ بیوی کو خوش اور راضی کرنے کے لیے مثلاً محبت نہیں رکھتا مگر کہہ دیتا ہے کہ مجھے تیرے ساتھ محبت ہے۔

سے ایک شخص کی اچھی باتیں دوسرے تک پہنچائے۔ یہ اس چغل خوری میں نہیں آتا جو منع ہے بلکہ نیت خیر سے کرنا قابل ستائش عمل ہے۔ اہل لغت کے ہاں یَنْمِیْ یا پر زبر، نون ساکن اور یُنَمِّیْ یا پر پیش، نون پر زبر اور میم پر شد ان دونوں میں فرق ہے۔ اول کا معنی ہے خیر و صلاح کے ارادے سے بات نقل کرنا اور دوسرے کا معنی ہے شر و فساد برپا کرنے کے لیے ایسا عمل کرنا ہے۔ صراح میں ہے نَمًا اور نُمُوٌّ کا مطلب خیر اور بھلائی کے لیے بات نقل کرنا ہوتا ہے اور تَنْمِیَہ سے مراد چغل خوری اور برائی کے لیے بات نقل کرنا ہے۔

۴۶۱۳/۱۵ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم منہ پر تعریف[1] کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر مٹی ڈال دو[2]۔ (مسلم)

[۱] اس سے مراد وہ تعریف کرنے والے ہیں جو اس عمل کو عادت، کاروبار اور روزی کا ذریعہ بناتے ہیں اور حق و باطل مستحق و غیر مستحق کا فرق نہیں کرتے یہ عمل نہایت ہی مذموم ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ مدح میں ضرور کذب کو شامل کریں گے اور ممدوح بھی عُجب (خود بینی) میں مبتلا ہو جائے گا۔

[۲] حثی، ثری کی طرح ہے۔ اس کا معنی مٹی ہے "حثی" بروزن رمیٌ کا معنی آتی مٹی ہے جو ہاتھ بھر کر اٹھائی جائے اس کے ماسوا میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو کوئی چیز دینے سے محروم رکھا جائے یا تھوڑی چیز دی جائے جو قلت و حقارت میں خاک کی مثل ہو۔ بعض علماء نے اسے ظاہر پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ پر مٹھی بھر کر مٹی پھینکی۔

۴۶۱۴/۱۶ وَعَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِيْكَ ثَلٰثًا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ اِنْ كَانَ يُرٰى اَنَّهٗ كَذٰلِكَ وَلَا يُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسی کی تعریف کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افسوس تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ تین دفعہ فرمایا تم میں سے جو کسی کی تعریف ضرور کرنا چاہے تو یہ کہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے حال کی حقیقت کو جانتا ہے[۲]۔ بشرطیکہ وہ اسے ایسا ہی[۳] جانتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی شخص کی پاکیزگی جزم کے ساتھ بیان نہ کرے[۴]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] آپ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرائے، گردن کاٹنے سے مراد کسی کو جسمانی طور پر ذبح اور ہلاک کرنا ہوتا ہے یہاں روحانی ہلاکت کے لیے استعمال ہے کیونکہ کثرت مدح کی وجہ سے ممدوح میں غرور و تکبر کا اندیشہ ہوتا ہے وہ دنیاوی ہلاکت نہ تو یہ دینی ہلاکت ہے۔ بعض اوقات دنیوی ہلاکت بھی لازم آجاتی ہے مثلاً مدح سن کر غرور اور تکبر میں مست ہو کر کسی کو قتل کر دیا تو پھر اسے بطور قصاص قتل کر دیا جائے گا، اس کے بعد مدح و تعریف میں اعتدال کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

[۲] اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے آگاہ ہے اور وہ اس کے کردار پر جزا و سزا دینے والا ہے۔

[۳] اسی طرح ہے جس طرح اس نے مدح کی ہے "یری" یا پر زبر ہے یا پیش "یظن" کے معنی میں ہے۔

[۴] مدح میں احتیاط کی جائے اور یہ کہے میرا گمان یوں ہے یہ نہ کہے کہ یہ بات یقینی ہے تاکہ علم الٰہی پر حکم کرنا لازم نہ آئے۔

۴۶۱۵/۱۷ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟

اَلْغِيْبَةُ قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَآ اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا قُلْتَ لِاَخِيْكَ مَا فِيْهِ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِذَا قُلْتَ مَا لَيْسَ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ۔

صحابہ نے عرض کیا اللہ تعالٰے اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: تمہارا اپنے بھائی[۲] کو ایسے انداز میں ذکر کرنا جسے وہ ناپسند سمجھے، عرض کیا گیا کہ آپ ارشاد فرمائیں کہ اگر میرے[۳] بھائی میں وہ عیب موجود ہو جو میں نے بیان کیا ہے فرمایا: تو جو کہتا ہے اگر وہ اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت[۴] کی ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں جو تو کہتا ہے تو یہ تیری طرف سے اس پر بہتان ہے (مسلم) اور ایک روایت میں[۵] ہے کہ اگر تو نے اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کیا جو اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے وہ عیب بیان کیا جو اس میں نہ ہو تو اس پر تو نے بہتان تراشی کی[۶]

[۱] صراح میں ہے کہ درایۃً دال کے نیچے زیر جاننے کے معنی میں ہے دَرَیْتُ بِہٖ (میں نے اسے جان لیا) لا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا)

[۲] اس کا ایسا وصف و عمل ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو۔

[۳] یعنی وہ شخص جس کی میں نے برائی بیان کی ہے۔

[۴] کسی کے عیب کو بیان کرنا ہی غیبت ہے۔ اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے اس کا گناہ اس کے علاوہ ہے۔

[۵] امام مسلم کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

[۶] غیبت بہت بڑے گناہوں میں سے ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جو اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو اس بُرے عمل سے محفوظ ہیں۔ غیبت کسی کے ایسے عمل کا بیان ہوتا ہے جسے وہ ناپسند کرے خواہ اس کے بدن میں ہو یا عقل میں، دین میں ہو یا اس کے دنیاوی معاملات میں۔ خُلق میں ہو یا مال میں، اولاد میں ہو یا والدین میں، بیوی میں ہو یا خادم میں، کپڑے میں ہو یا رفتار و گفتار میں، شکل میں ہو یا نشست و برخاست میں، حرکت میں ہو یا سکون میں، خندہ روئی میں ہو یا ترش روئی میں یا سخت و تند طبیعت میں، خاموشی میں ہو یا عدم خاموشی میں۔ الغرض جو بھی اس سے متعلق ہے خواہ لفظاً ذکر ہو یا کنایۃً و اشارۃً کی صورت میں، آنکھ و ابرو سے ہو یا سر سے ہو۔ یعنی جس سے کسی کا عیب سمجھا جائے اور غائبانہ ہو یہ غیبت کہلائے گی اور اگر یہ اس کے سامنے کہہ دیا اور اسے ناپسند ہوا تو یہ بے حیائی اور بے شرمی ہے۔ اور یہ بھی نہایت ناپسندیدہ عمل ہے اور غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اگر اس شخص کے علم میں ہے تو اس سے معافی مانگی جائے اور اگر اس کے علم میں نہیں وہ فوت ہو گیا ہے یا کہیں دور رہتا ہے تو ندامت و استغفار کافی ہے۔ باقی معافی مانگنے میں

تفصیل ضروری نہیں بلکہ اجمالاً معافی اس طرح کافی ہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے تو معاف کر دے اور اس کے لیے دعا مغفرت کرنا بھی اس کا کفارہ ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

۴۶۱۶ / ۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهٗ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتٰى عَاهَدْتِنِيْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص[1] نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت چاہی فرمایا اسے اجازت دے دو یہ مرد قبیلے کا برا آدمی[2] ہے جب وہ بیٹھا تو آپ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے پیش آئے جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق یہ یہ فرمایا پھر اس کے ساتھ خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے پیش آئے[3] تو آپ نے فرمایا تم نے مجھے فحش گو کب پایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین درجہ پانے والا قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ اس سے بھاگ جائیں اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لیے۔ (بخاری ومسلم)

[1] اس کا نام عیینہ بن حصن ہے یہ مولفۃ القلوب اور جفا پیشہ عربوں میں سے ہے اور اپنی قوم میں رئیس اور مقتدا تھا اخلاق سے دور اور اس کے دین و ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور بعد از وصال آثار نقصان ظاہر ہو چکے تھے منقول ہے کہ آپ کے وصال کے بعد اس نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا سیدنا صدیق اکبر کے دور میں گرفتار ہوا۔ تجدید اسلام کی اور حالت اسلام میں اس دنیا سے رخصت ہوا، کچھ احادیث بھی اس سے مروی ہیں۔ اس وقت جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اسلام کا اظہار کیا تھا لیکن وہ حقیقتاً اسلام کے ساتھ متصف نہ تھا اور صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہے کہ عیینہ بن حصن کے بھائی کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حر بن قیس بن حصن تھا اور یہ صاحب علم اور فہم قرآن کے حامل تھے اور انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑا قرب اور مقام حاصل تھا ایک دن ابن عیینہ بن حصن اپنے بھتیجے کے پاس آیا اور کہا بھتیجے امیر کے پاس سے چل اور امیر حضرت عمر کے پاس لے گئے تو ابن عیینہ نے حضرت عمر سے کہا آپ نے ہمیں گراں قدر عطیات نہیں دیئے اور نہ ہمارے ساتھ انصاف کیا۔ حضرت عمر کو غصہ آیا قریب تھا کہ اسے سزا دیتے۔ حر بن قیس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (معافی دو اور بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو) اور عرض کیا اے امیر المومنین! اس نے عدا گزر کر دیکھ کہ یہ جاہل ہے الغرض یہ اس طرح کا سلسلہ الحدیث اور نہایت شخص تھا۔

[2] شارحین نے بیان کیا ہے کہ یہ گفتگو حضور علیہ السلام کے الہامات، نبوت اور معجزات میں سے ہے کیونکہ یہ

غیبی خبر ہے جو اس کے حال کے بارے میں تھی اور آخر اس کے آثار کا اظہار اس پر ارتداد کی صورت میں ہوا۔ اس کی مذمت اور اس کے حال کا منکشف کرنا اس لیے تھا تاکہ لوگ اس کو پہچان لیں، فریب اور دھوکہ نہ کھائیں لہٰذا یہ غیبت نہ ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اعلانیہ برائی کا ارتکاب کرتا تھا لہٰذا ایسے شخص کے بارے میں مطلع کرنا غیبت نہیں ہوتی

سے یہ معاملہ کیا ہے کہ اس کے سامنے آپ نے اس کی برائی بیان نہیں فرمائی۔

سے اس حدیث کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ میں نے اس کے سامنے یہ طریقہ اس لیے نہ اپنایا کہیں ان لوگوں میں شامل نہ ہو جن کی فحش گوئی سے لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص نہایت شریر تھا تو اس کے شر کے پیش نظر ایسا طریقہ نہ اپنایا۔ دوسری روایت پہلے معنی اور پہلی روایت کے الفاظ دوسرے معنی پر دال ہیں۔

۴۶۷۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاھِرُوْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمُجَانَۃِ اَنْ یَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّیْلِ عَمَلًا ثُمَّ یُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَہُ اللّٰہُ فَیَقُوْلُ یَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَۃَ کَذَا وَکَذَا وَقَدْ بَاتَ یَسْتُرُہٗ رَبُّہٗ وَیُصْبِحُ یَکْشِفُ سِتْرَ اللّٰہِ عَنْہُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ فِیْ بَابِ الضِّیَافَۃِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میری تمام امت کو عافیت دی جائے گی ماسوائے اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے اور بے باکی میں سے یہ بھی ہے کہ رات کو کسی نے کوئی عمل کیا اور صبح کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ کہتا پھرتا ہے کہ اے فلاں! میں نے گزشتہ رات یہ یہ کیا۔ صبح وہ اللہ کا پردہ خود پھاڑ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حدیث ابوہریرہ کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا باب الضیافۃ میں گزر چکی ہے۔

لہ مُعافیٰ: اکثر نسخوں میں معافات ہے یعنی ان کی غیبت نہیں کی جائے گی۔

سے بعض روایات میں مجاہرین ہے۔

سے مجانۃ: جیم پر زبر بے شد نہیں، اس کے معنی بے پروائی اور بے خوف ہونا ہے۔

سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم و کرم کی وجہ سے اس کے عمل بد پہ پردہ ڈال دیا۔

ھے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی غیبت حرام ہے جو برائی کرے اور اس کو مخفی رکھے لیکن جو بے حیا ہو کر اعلانیہ برائی کا ارتکاب کرے۔ اس کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں کہلاتی۔ کسی شاعر نے اسی سلسلہ میں یوں کہا ہے

سوم پردہ بر بے حیائی متن ۔۔۔ کہ اوی درد پردہ خویشتن

کسی کی بے حیائی پر پردہ نہ ڈال کیونکہ اس نے اپنا پردہ خود پھاڑ دیا ہے۔

علماء امت نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ فاسق معلن، ظالم حاکم، بدعت کی طرف داعی کی بڑائی کا بیان کرنا جائز ہے ظلم و زیادتی کے خلاف فریاد رسی، گواہوں کے تزکیہ اور احادیث کے راویوں کے بارے میں بھی یہ عمل جائز ہے۔ ظلم کی صورت میں صبر افضل ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۶۱۸ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ الْکِذْبَ وَھُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَہٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَآءَ وَھُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَہٗ فِیْ وَسَطِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَہٗ بُنِیَ لَہٗ فِیْ اَعْلَاھَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَکَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَفِی الْمَصَابِیْحِ قَالَ غَرِیْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ[1] ترک کرے جو کہ باطل[2] چیز ہے تو اس کے لیے جنت کے کنارے[3] گھر بنایا جائے گا اور جو حق پر ہونے کے باوجود لڑائی[4] ترک کر دے اس کے لیے جنت کے درمیان گھر ہوگا اور جس نے اپنے اخلاق[5] اچھے کیے اس کے لیے جنت کے اوپر والے حصہ میں گھر بنایا جائے گا۔ (ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے اور مصابیح میں اسے غریب[6] کہا)

[1] کِذب، کاف پر زبر، ذال کے نیچے زیر یا کاف کے نیچے زیر اور ذال ساکن۔

[2] یہ قید اس لیے بڑھائی کہ بعض مقامات پر جھوٹ جائز بلکہ مستحب ہے جیسا کہ تعریض کی صورت میں ہوتا ہے اگرچہ ظاہراً جھوٹ ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ سچ ہی ہوتا ہے مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ (ان میں سے بڑے بت نے یہ کیا ہے) اسی طرح حالت جنگ میں بشرطیکہ اس میں معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو۔ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے، کسی مسلمان کی جان اور مال کی حفاظت کے لیے جھوٹ مباح ہے۔

[3] رَبَض، را پر زبر، شہر کے اردگرد دیوار کو کہا جاتا ہے۔

[4] اپنے فضل و شرف اور تواضع و انکساری کے پیش نظر لڑائی سے رک جاتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب معاملہ غیر دینی ہو اور اس کی خاموشی سے دین کا نقصان نہ ہو۔ حضرت امام شافعی سے منقول ہے کہ میں نے بحث اور مناظرہ کبھی نہیں کیا۔ مگر میں نے اس امر کو محبوب رکھا کہ میرے مد مقابل پر حق واضح ہو جائے۔

[5] یہ تمام فضائل اور کمالات کو شامل ہے، اکثر طور پر اس کا اطلاق نرمی، خندہ پیشانی اور حسن معاشرت پر ہوتا ہے۔

[6] غرابت اور حسن کا معنی مشہور ہے اور ان میں منافات ہے۔ امام ترمذی نے بھی متعدد مقامات پر ان دونوں اصطلاحوں کو جمع کیا ہے اور اس کی توجیہ مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۱۹/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَکْثَرُ مَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ

يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کونسی چیز زیادہ لوگوں کو جنت[1] میں لے جائے گی؟ اللہ کا ڈر[2] اور اچھا خلق اور کیا تم جانتے ہو کہ کونسی چیز اکثر لوگوں کو دوزخ میں لے جائے گی؟ دو خالی چیزیں[3] منہ اور شرمگاہ[4]۔ (ترمذی)

[1] وہ جنت میں درجات کی بلندی اور مقامات عالیہ کا سبب بنے گی یا اس سے مراد یہ ہے کہ جس کے اندر یہ دو صفات ہوں اس کے لیے حکم الٰہی سے جنت میں داخلے کا سبب بن جائیں گی اور ان کا عکس دخول نار کا سبب ہوگا، یا اس سے مراد نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ داخلہ ہے کیونکہ دخول جنت کے لیے ایمان شرط ہے دوسرے اعمال واخلاق شرط نہیں۔

[2] تقویٰ تمام مامورات کے بجالانے اور تمام ممنوعات سے بچنے کا نام ہے اس حوالے سے حسن اخلاق بھی اس میں شامل ہے پھر دوبارہ ذکر، تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔ یا تقویٰ سے مراد ظاہری اعمال اور حسن اخلاق سے مراد باطنی اعمال ہیں۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تقویٰ سے خالق کے ساتھ حسن معاملہ اور حسن خلق سے مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اکثریت کی قید کی حکمت یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن میں دونوں صفات نہ ہوں گی وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے یہ مقام حاصل کرلیں گے اور درجات بھی حاصل کرلیں گے۔

[3] اس میں زبان بھی شامل ہے یعنی حرام کھانا اور پینا، اور بیہودہ گفتگو کرنا۔

[4] کیونکہ اکثر طور پر مردوزن کی عقلیں شہوتوں کی وجہ سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔ یہاں ظاہر تقویٰ اللہ وحسن خلق کے مقابلے میں معصیت اللہ اور سوء خلق کہنا چاہیے تھا مگر مقصد دوزخ میں جانے کے اقویٰ اسباب کا بیان ہے کہ یہ دخول دوزخ کے لیے کافی ہیں اس وقت اکثریت کا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

۴۶۲۰-۲۲ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اچھا کلمہ کہہ دیتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں تک پہنچے گا[1] اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی رضا اس دن[2] تک لکھ دیتا ہے جو ملاقات کا دن ہے اور ایک آدمی بری بات کہہ دیتا ہے اور اس کے پہنچنے کی جگہ کو نہیں جانتا[3] اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ناراضگی لکھ دیتا ہے ملاقات کے دن تک۔

(شرح السنۃ) امام مالک، ترمذی اور ابن ماجہ نے

اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔

سلہ یہ صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے۔ مُزَنی اور مدنی ہیں ہجرت کے پانچویں سال مزینہ کے وفد کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی ظاہری حیات میں مقام فرع کے گورنر رہے یہ مقام مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے۔ فتح مکہ کے روز مزینہ کا پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ اسی سال کی عمر میں ساٹھ ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

سلہ متکلم نہیں جانتا تھا کہ اس بات کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر و منزلت ہے؟ وہ اسے معمولی سمجھتا رہا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم تھی۔

سلہ یعنی اس کے آثار و آخرت میں ظہور پذیر ہوں گے۔ یہ معنی نہیں کہ ملاقات کے روز اس کے آثار ہوں گے اور بعد میں ان کا انقطاع ہو جائے گا کیونکہ اس کا مقابل عذاب الٰہی ہمیشہ کے لیے ہے۔ سفیان بن عیینہ کے نزدیک اس کلمہ سے مراد ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ کسی شخص نے اس تفسیر کے ساتھ اختلاف کیا ہو اسی پر قیاس کرتے ہوئے کلمۂ شر سے مراد وہ باطل کلمہ ہے جو حاکم کے ہاں دین کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ ظاہر حدیث سے عموم معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی کلمہ ہو۔

۲۶۶۲ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُّحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهٗ وَيْلٌ لَّهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت بہز بن حکیم[1] اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بات کرتے وقت لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لیے تباہی[2] ہے اس کے لیے تباہی ہے اس کے لیے تباہی[3] ہے۔ (امام احمد، ترمذی ابو داؤد، دارمی)

سلہ بہز با پر زبر ہا ساکن، ثقہ تابعی ہے، یہ اپنے والد حکیم بن معاویہ سے روایت کرتے ہیں جو حسن الحدیث ہیں اور وہ اپنے جد معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو صحابی ہیں۔ حیدہ حا پر زبر، یا ساکن ہے۔ بہز کے بارے میں بعض محدثین اختلافی رائے رکھتے ہیں۔ بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں ان سے روایت نہیں لی۔

سلہ ویل ہلاکت سختی کے معنی میں ہے (کذا فی اللمعات)

سلہ فیکذب (جھوٹ بکے) یہ قید بتا رہی ہے کہ اگر بعض اوقات دوست و احباب کی تفریح اور انہیں خوش کرنے کے لیے سچی بات کہی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں اسے عادت نہیں بنا لینا چاہیے۔ ایسا مزاح جس میں جھوٹ نہ ہو اگرچہ مشروع و مستحسن ہے مگر کبھی کبھی ہونا چاہیے، نہ کہ ہمیشہ اور مطمح نظر اور مقصود کسی کو ہنسانا ہی نہ ہو جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۲۶۶۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَقُوْلُ الْكَلِمَةَ لَا يَقُوْلُهَا اِلَّا لِيُضْحِكَ بِهِ النَّاسَ يَهْوِيْ بِهَا اَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَ اِنَّهُ لَيَزِلُّ عَنْ لِسَانِهٖ اَشَدَّ مِمَّا يَزِلُّ عَنْ قَدَمِهٖ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اس لیے بات کرتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے تو اس کی وجہ سے وہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ نیچے گر جاتا ہے[1] اور قدم کے پھسلنے سے زیادہ زبان سے پھسل جاتا ہے۔[2]

(بیہقی شعب الایمان)

[1] دوزخ کی طرف گر جاتا ہے۔

[2] بعض شارحین کے نزدیک معنی یہ ہے کہ وہ شخص خیر و رحمت کے مقام سے اتنی دور ہو جاتا ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

[3] کیونکہ اگر کسی مقام پر قدم پھسل جاتا ہے تو اس سے جسم کے کسی حصہ کو نقصان ہوگا اور زبان کے پھسلنے سے ایمان کی جگہ کفر آ جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک شخص کو اطلاع دی گئی کہ تیرا بیٹا گر گیا ہے انہوں نے پوچھا وہ کہاں سے گرا ہے؟ کہا گیا دیوار سے۔ فرمایا! الحمد للہ! دیوار سے گرا ہے دل سے تو نہیں گرا۔

۴۶۲۳ / ۲۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو خاموش رہا[1] نجات پا گیا۔ (احمد، ترمذی، دارمی، بیہقی، شعب الایمان[2])

[1] جو شخص بری باتوں سے خاموش رہا اس نے دنیا و آخرت کی آفات سے نجات پالی کیونکہ اکثر مصیبتیں جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں وہ زبان ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں جیسا کہ کتاب الایمان میں بیان ہو چکا ہے۔

[2] امام غزالی فرماتے ہیں کہ گفتگو کی چار قسمیں ہیں۔ مضر، مفید، مضر بھی مفید بھی، نہ مضر نہ مفید جس میں محض نقصان ہے اس سے ہمیشہ پرہیز لازم ہے اور وہ کلام جو مفید بھی ہے اور نقصان دہ بھی اس سے بھی پرہیز کیا جائے کیونکہ نقصان کو دور کرنا فائدہ حاصل کرنے سے بہتر ہے اور جس میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان ایسی گفتگو کرنا وقت کا ضیاع ہے جو سراسر گھاٹا ہے۔ اب وہ چوتھی قسم جس میں نفع ہی نفع ہے۔ اس میں بھی خوف و خطر ہے کہ کہیں اس میں ریا، طمع کا سی اپنے نفس کی بڑائی اور پاکیزگی کا اظہار اور بعض کلام شامل نہ ہو جائے اور اس میں امتیاز مشکل ترین معاملہ ہے لہٰذا خاموشی ہر حال میں بہتر ہوتی ہے ہاں حسب ضرورت کلام کرنا چاہیے۔

۴۶۲۴ / ۲۶ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نجات کیسے ہوگی؟ فرمایا زبان کو قابو[1] رکھو۔ تمہارے لیے تمہارا[2] گھر کافی ہے اور اپنے گناہوں پر آنسو

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ) بہایا کرو۔ (احمد، ترمذی)

لے دنیا و آخرت میں نجات کا سبب کیا ہے۔

۲ے زبان وہاں کھولو جس میں فائدہ ہی ہو نقصان نہ ہو۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ زبان کا وبال تم پر آتا ہے لہٰذا اس پر نگاہ رکھو کہ تم نقصان سے بچ جاؤ اور جہاں تمہارا نفع ہو وہاں زبان کھولو۔ گویا اسے اپنا غلام و مملوک بنا لو۔ اس تقریر کی صورت میں لفظ اِملاک ہمزہ پر کسرہ ہوگی اور یہ ثلاثی مجرد کا صیغہ ہوگا اور اس کی غایت یہ ہے کہ لفظ "علیک" جو مضر کے لیے آتا ہے اس کی بہتر توجیہ ہو جائے۔ مجمع البحار میں تصریح ہے کہ یہ ثلاثی مجرد سے امر کا صیغہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں اس لفظ کے ہمزہ پر زبر کو صحیح قرار دیا گیا۔ اس صورت میں یہ اِمْلاک سے ہوگا اور اس کا معنی واضح نہیں کیونکہ املاک بمعنی تملیک کرنا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔ بعض حواشی میں ہے کہ یہ ثلاثی مجرد سے ہے اور ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور زبر اس پر بہتر ظاہر ہے۔

۳ے اپنے گھر بیٹھ کر اپنے مولیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو۔

۴۷۲۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَہٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّھَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِکَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنْ اِعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو سعید سے مرفوعاً روایت ہے کہ انسان صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی[1] کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف[2] کر۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ اگر سیدھی رہی تو ہم سیدھے اگر تم ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(ترمذی)[3]

لے تکفیر خضوع اور عاجزی کے ساتھ اس شخص کی تعظیم کرنا جو اس کا خواہش مند ہو۔ (کذا فی القاموس)

۲ے ہمارا خیال رکھ اور ہمارے لیے خاموش رہ۔

۳ے اگر یہ کہا جائے کہ مدار و مرکز تو دل ہے۔ اگر وہ صالح ہے تو تمام اعضاء صالح اور وہ فاسد ہو گیا تو تمام اعضا فاسد جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ (جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو تمام جسم صحیح اور اگر وہ فاسد ہو گیا تو تمام جسم بیمار) اس کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان اور اس کی خلیفہ ہے لہٰذا زبان کا حکم دل والا ہی ہے۔ دل جو سوچتا ہے زبان وہی کہتی ہے اور اعضاء وہی کرتے ہیں۔

۴۷۲۶ وَعَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔ (رَوَاہُ مَالِکٌ وَ اَحْمَدُ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کے اسلام[1] کا حسن یہ ہے کہ وہ کام چھوڑ دے جو بے فائدہ ہو۔ (مالک، احمد[2]، ابن ماجہ نے ابو ہریرہ

التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْهُمَا)

سے اور ترمذی بیہقی نے شعب الایمان میں دونوں سے روایت کی ہے۔(۲)

سلہ ایمان کا کمال یہ ہے کہ انسان اس کام اور عمل سے تعلق نہ رکھے جس سے اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اس میں اس کا کوئی فائدہ اور نفع نہیں، آدمی کو وہ کام کرنا چاہیے جس کا اس کی زندگی کے ساتھ تعلق ہو خواہ وہ معاشی و دنیوی معاملہ ہو یا اخروی نجات کا ذریعہ ہو، معاشی معاملات سے جو متعلق ہیں مثلاً اتنا طعام جس سے پیٹ سیر ہو جائے اتنا پانی کہ پیاس بجھ سکے، اتنا کپڑا جس سے ستر چھپایا جا سکے اور بیوی جس کی وجہ سے شرمگاہ کی حفاظت ہو اور اس کی مثل جس سے حاجت و محتاجی ختم ہو، اس سے مراد محض لذت حاصل کرنا، عیاشی، کثرت کا حصول اور فضول اقوال و افعال نہیں اور وہ معاملات جو اخروی ہیں وہ ایمان و احسان ہیں جن کا بیان کتاب الایمان میں ہو چکا ہے۔

سلہ یہ روایت امام مالک اور امام احمد نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے کی ہے۔

۴۶۲۷ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَلَا تَدْرِي فَلَعَلَّهُ تَكَلَّمَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ أَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی فوت ہو گئے تو ایک شخص نے کہا تجھے جنت مبارک ہو۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا خبر اس نے کوئی بے فائدہ بات کہی ہو یا کم نہ ہونے والی چیز میں بخل کیا ہو۔ (ترمذی)

سلہ کیونکہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے۔

سلہ تم بشارت تو دے رہے ہو مگر حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہو۔

سلہ مثلاً علم کی تعلیم نہ دی، مال سے زکوٰۃ نہ دی حالانکہ ان دونوں سے علم و مال میں اضافہ ہوتا ہے یعنی تم نے کیسے یقین کر لیا کہ یہ جنتی ہی ہے؟ ممکن ہے لایعنی بات اور بخل وغیرہ کی وجہ سے اسے سوال و جواب اور حساب سے گزرنا پڑے اور اتنا جلدی جنت میں داخل نہ ہو۔

۴۶۲۸ وَعَنْ سُفْيَانَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ فَقَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ سے مجھ پر کس چیز کا زیادہ خطرہ ہے۔ جو آپ مجھ میں محسوس کرتے ہیں یا خیال کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبان مقدس کو پکڑ کر فرمایا یہ۔ (ترمذی نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا)

سلہ یہ صحابی اہل طائف میں سے ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ اہل بصرہ میں سے ہیں اور طائف پر سیدنا عمر نے ان کو گورنر مقرر فرمایا۔

۲ وہ کونسی چیز ہے جس کا شر آپ مجھ میں محسوس فرماتے ہیں۔

۳ یہ وہ چیز ہے جس کے شر کا میں تجھ پر خوف رکھتا ہوں۔

۴ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان ہے بلکہ اپنی مقدس زبان پکڑی اور اس کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ محسوس کے ساتھ اشارہ مقصود میں معاون ہوتا ہے۔ سائل کی زبان نہ پکڑی کیونکہ اس میں تکلف تھا اور اس میں اشارہ تھا کہ ہر زبان کا یہی معاملہ ہے مگر وہ زبان جس کی حفاظت وعصمت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہو۔ اگر آپ سائل کی زبان پکڑتے تو وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

۴۶۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِّنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

۱ صراح میں ہے کہ نتن بدبو کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ نتن، فوح کی ضد ہے۔ اور فوح اور ریح خوشبو کو کہا جاتا ہے۔ اور نتن سے مراد بدبو کا پراگندہ ہونا ہے۔

۴۶۳۰ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيْدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَّاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سفیان بن اَسِید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک بات کہو جس میں وہ تمہیں سچا جانے لیکن تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

۱ اسید اکثر کی رائے کے مطابق ہمزہ پر زبر اور سین کے نیچے زیر ہے اور ہمزہ پر پیش اور سین پر زبر بھی آیا ہے اسید کے بجائے اسد بھی پڑھا گیا ہے، یہ صحابی اہل شام میں سے ہیں۔

۲ وہ تیری بات پر اعتماد و وثوق کر رہا ہے۔

۳ جھوٹ بولنا ہمیشہ اور ہر جگہ برا ہے مگر ایسے مقام پر تو نہایت ہی بدتر ہے۔

۴۶۳۱ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو منہ رکھتا ہے آخرت میں اس کی دو زبانیں آگ سے ہوں گی۔ (دارمی)

۱ ہر گروہ سے نفاق کرتے ہوئے یوں محسوس کرواتا ہے کہ ان میں سے ہوں۔

۴۶۳۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ وَفِی اُخْرٰی لَہٗ وَلَا الْفَاحِشِ الْبَذِیِّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن طعنہ[1] دینے والا، لعنت کرنے[2] والا، فحش گو[3] اور بے حیا[4] نہیں ہوتا (ترمذی، بیہقی) اور ان کی دوسری روایت میں ہے کہ نہ فحش گو بے حیا، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] لوگوں کی آبرو پر طعن نہیں کرتا۔

[2] مومن کے لیے ایسی دعائیں کرتا جو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نیکی سے دور لے جائے۔

[3] اور نہ برائی میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ قاموس میں فاحش کا معنی بخیل ہے اور صراح میں بیہودہ کہنا مراد لیا ہے۔

[4] بَذِیّ، بار پر زبر اور ذال کے نیچے زیر اور یا پر شد ہے اور ہمزہ بھی آتا ہے۔ (بَذِیئٌ)

۴۶۳۳/۲۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا[1] اور دوسری روایت میں ہے کہ مومن کے لیے مناسب نہیں کہ لعنت کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

[1] مومن کی عادت اور طریقہ یہ نہیں ہے۔

۴۶۳۴/۲۶ وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَۃِ اللّٰہِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰہِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَلَا بِالنَّارِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت سے لعنت[1] نہ کرو اور نہ اللہ کے غضب[2] اور دوزخ[3] سے اور ایک روایت میں ہے نہ آگ سے۔ (ترمذی و ابوداؤد)

[1] یہ نہ کہو کہ تجھ پر خدا کی لعنت۔

[2] یہ نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

[3] کسی شخص کے لیے دوزخ کی دعا نہ کرو۔

۴۶۳۵/۲۷ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَیْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَۃُ اِلَی السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَی الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی بندہ کسی شے[1] پر لعنت کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف چلی جاتی ہے، آسمان کے دروازے اس کے لیے

اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَى الَّذِيْ لُعِنَ فَإِنْ كَانَ لِذٰلِكَ أَهْلًا وَّإِلَّا رَجَعَتْ إِلٰى قَائِلِهَا.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

بند کر دیے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہے۔ زمین کے دروازے[2] بھی بند کر دیے جاتے ہیں پھر وہ دائیں اور بائیں گردش کرتی ہے۔ جب کوئی گنجائش[3] نہیں پاتی تو وہ اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر وہ کی گئی۔ اگر وہ مستحق تھا تو فبہا ورنہ لوٹ کر بکنے والے کی طرف[4] آجاتی ہے۔

(ابوداؤد)

[1] خواہ وہ بندہ ہو یا کوئی اور چیز۔

[2] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی طرح زمین کے بھی دروازے ہیں۔

[3] مَسَاغًا جانے کی جگہ۔

[4] یعنی لعنت ابتداءً ہی اس کی طرف نہیں لوٹ آتی بلکہ وہ پہلے باہر اوپر نیچے جاتی ہے جب اس کو دشواری پیش آتی ہے تو پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس پر یہ کی گئی تھی اگر وہ اس کا اہل یا مستحق نہیں تھا تو پھر وہ لوٹ کر اپنے قائل کی طرف آجاتی ہے گویا جب تک اس بات کا یقین نہ ہو کہ وہ لعنت کا مستحق ہے اس وقت تک کسی پر لعنت نہ کی جائے اور اس بات کا یقین سوائے شارع علیہ السلام کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔

۴۶۳۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا نَازَعَتْهُ[38] الرِّيْحُ رِدَاءَهُ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنْهَا فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ وَّإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے اڑا دی اس نے ہوا پر لعنت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو حکم کے تابع[1] ہے اور جو ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کے مستحق نہ ہو تو وہ لوٹ کر اسی پر آجاتی ہے۔

(ترمذی)

[1] اس کے بھیجنے کی متعدد حکمتیں ہوتی ہیں۔ کیا بندہ اس سے تنگ آتا ہے۔ یا اسے ناپسند کرتا ہے یا کیونکہ یہ چیزیں عبودیت واستقامت کے منافی ہیں۔ بلکہ ہر مصیبت و حادثہ میں اس کا ادب و خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایسے احوال میں انسان دل وجان سے راضی رہے اور زبان کو خاموش رکھے اور اگر دل میں بشریت کی کمزوری کی وجہ سے کوئی تبدیلی آئے تب بھی زبان کی حفاظت کرے۔

۴۶۳۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ[39] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کسی کی طرف سے کوئی صحابی کوئی بات[1] نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف[2] سینے سے کر آؤں[3]۔

(ابوداؤد)

۵ لاتبلغنی فعل مضارع پر پیش اور جزم دونوں پڑھے جا سکتے ہیں۔
۲ کسی کی کوتاہی، فعل بد، عادت بد، اس نے یہ کیا، یا اس نے یہ کہا فلاں اس طرح کہہ رہا تھا۔
۳ میرے سینے میں کسی کے بارے میں کوئی رنج، ملال اور ناراضگی نہ ہو۔
۴ اس میں یہ تعلیم ہے کہ امراء کے پاس بلکہ کسی بھی شخص کے پاس کسی کی بات اس لیے نہیں پہنچانی چاہیے کہ وہ اس سے ناراض ہو جائے اور ان دونوں میں عداوت و کینہ پیدا ہو جائے۔

۴۶۳۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ صفیہ سے آپ کے لیے یہ کافی ہے وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی پست قد آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے متغیر کر دے گا۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد)

۱ یعنی ان کے عیب شمار کیے۔
۲ حضرت عائشہ کا مقصد آپ کی خدمت اقدس میں حضرت صفیہ کی عیب گوئی تھا وہ چونکہ پست قد تھیں اس لیے سیدہ عائشہ نے چاہا کہ آپ کے سامنے اس کا ذکر کروں حضور علیہ السلام کو یہ عیب جوئی ناپسند آئی۔
۳ یہ تیری بات اتنی بڑی ہے کہ سمندر اس سے متغیر ہو جائے گا اب تیرے اعمال کا کیا حال ہوگا؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بقصد تحقیر کسی کا یہ عیب بیان کرنا کہ وہ چھوٹے قد کا ہے یہ بھی غیبت ہے۔

۴۶۳۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شے میں بے حیائی ہو اسے وہ عیب دار کر دیتی ہے اور جس شے میں حیا ہو وہ اسے زینت دیتی ہے۔ (ترمذی)

۱ فحش کا استعمال عام طور پر گفتگو کے لیے ہوتا ہے۔

۴۶۴۰ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ

حضرت خالد بن معدان حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی گناہ پر اپنے بھائی کو عار دلائی تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ گناہ نہ کر لے یعنی وہ گناہ جس سے وہ توبہ کر چکا ہے (ترمذی) امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے

خَالِدًا لَمْ يُدْرِكْ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ

اور اس کی سند متصل نہیں کیونکہ خالد نے حضرت معاذ بن جبل کو نہیں پایا۔

سلہ یہ تابعی اور بہت بڑے مجتہد ہیں، انہوں نے ستر صحابہ کی زیارت کی۔ اہل شام میں سے نہایت ثقہ ہیں۔ اتنے مخلص کہ سوتے وقت چار ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے۔

سلہ اس کے کئے ہوئے گناہ پر سرزنش کرتا ہے۔

سلہ اگر اس نے توبہ نہیں کی ابھی تک اس گناہ میں گرفتار ہے تو اسے گناہ سے باز کرنے کے لیے نصیحت و سختی کرے مگر بطور تکبر و تحقیر نہ ہو بلکہ اس سے مقصود نصیحت ہو، یہ تفسیر امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔

۴۶۳۱ وَعَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش نہ ہوا کرو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دے اور تمہیں مبتلا فرما دے۔ (ترمذی نے اسے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔)

سلہ حضرت واثلہ بن الاسقع صحابی ہیں اور اصحاب صفہ میں سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سلہ اسی دشمنی کی بنا پر جو تجھے اس کے ساتھ ہے۔

۴۶۳۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُحِبُّ اَنِّيْ حَكَيْتُ اَحَدًا وَاَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں کسی کے طریقے پر چلنا پسند نہیں کرتا اگرچہ مجھے اتنا کچھ ملے۔

(ترمذی نے اسے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا۔)

سلہ میں کسی کی حرکات و سکنات، افعال و طریقوں میں تقلید پسند نہیں کرتا۔

سلہ اس سے مراد دنیا کی دولت ہے، کسی کی بطریق تمسخر و اہانت حکایت کرنا یہ بھی غیبت میں شامل ہے۔

۴۶۳۳ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهٗ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِيْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اس نے اونٹ بٹھایا پھر اسے باندھا پھر مسجد میں آ کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی اس نے سلام پھیرا۔ اپنی سواری کو کھولا اور اس پر سوار ہو گیا پھر اس نے یہ دعا کی اے اللہ مجھ پر اور محمد مصطفیٰ پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ فرما، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا

هُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِيْرُهٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰى (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔

راستے ہے کہ یہ زیادہ بے خبر ہے یا اس کا اونٹ؟ کیا تم نے نہیں سنا جو اس نے کہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں (ابوداؤد) اور حدیث ابوہریرہ، کفٰی بالمرء کذبا ہم نے باب الاعتصام کی فصل اول میں ذکر کر دی ہے۔)

لے ایک دیہاتی آیا۔

لے اس کا یہ قول مراد ہے کہ ہمارے ساتھ کسی کو رحمت میں شامل نہ کر۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو محدود کر دیا تھا اور یہ مناسب نہیں کیونکہ دعا میں تمام مومنین کو شامل کرنا چاہیے اور اس کا یہ عمل بھی قابل اعتراض تھا کہ اس نے خاص رحمت میں اپنے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شامل کیا حالانکہ یہ بات ادب کے خلاف ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۶۴۴ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس سے عرش کانپ[1] اٹھتا ہے (بیہقی، شعب الایمان)

لے یا تو ظاہر پر ہی محمول ہے کہ عرش ہل جاتا ہے یا یہ امر عظیم کے واقع ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ فاسق کی مدح پر راضی ہونا ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے بلکہ قریب ہے کہ موجب کفر ہو اور حرام کو حلال جاننے کی طرف پہنچانے والی ہے۔ جب یہ مدح فاسق کا حال ہے تو مدح ظالم کا کیا حال ہوگا۔

۴۶۴۵ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن تمام خصلتوں[1] پر پیدا کیا گیا ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے[2]

(یہ حدیث امام احمد اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے)

لے خلال۔ خاء کے نیچے زیر ہے یہ خلت کی جمع ہے اور خاء پر فتحہ بھی پڑھا گیا ہے۔

لے غالباً یہاں کامل مومن مراد ہے کیونکہ بہت سے مسلمان بددیانتی اور دروغ گوئی کے مرتکب ہوتے ہیں یا ان دونوں صفات کا اجتماع مراد ہے لیکن اشکال باقی ہے کیونکہ ان کا اجتماع بھی بعض مسلمانوں میں ہوتا ہے۔

یا یہاں ان دونوں صفات کی نفی میں مبالغہ مراد ہے کہ مومن عمل تصدیق اور امانت ایمان کا حامل ہوتا ہے اور مختار یہ ہے کہ یہاں ان دونوں اعمال سے ہی مراد ہے کہ مومن کو چاہیے کہ ان دونوں سے پرہیز کرے۔

۴۶۴۶ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهٗ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

حضرت صفوان[1] بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا[2] ہاں پھر عرض کیا گیا مومن کنجوس ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں! پھر عرض کیا گیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے۔ فرمایا نہیں[3] (امام مالک، بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا ہے)

[1] صفوان بڑے جلیل القدر تابعی اور ثقہ ہیں، مدنی ہیں۔ یہ صالحین لوگوں کے پیشوا اور امام تھے۔ ان کے ذکر سے بارش کے لیے دعا کی جاتی تھی بعرصہ چالیس سال تک آرام نہیں کیا وصال کے وقت بھی بیٹھ کر جان دی۔ کثرت سجود کی وجہ سے ان کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا تھا۔ نہایت قناعت کرنے والے تھے اسی لیے بادشاہ کے عطیات وصول نہ کرتے اور کہتے کہ جب میں تقدیر الٰہی پر ایمان رکھتا ہوں تو مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔ انھوں نے ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، انس بن مالک اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کی ہے اور ان سے امام مالک اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے۔ ایک سو دو ہجری کو سفاح کے عہد میں ان کا وصال ہوا۔

[2] بعض مسلمان بزدل ہوتے ہیں، بزدلی اور ایمان میں منافات نہیں ہے۔

[3] کیونکہ ایمانی صدق و حقانیت، جھوٹ کے منافی ہے وہ نفس الامر میں ناحق اور باطل ہوتا ہے اس میں سابقہ تاویلات جاری ہو سکتی ہیں۔ لفظ کذاب مبالغہ کا صیغہ لانے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات بعض حالات میں اس کا وقوع ہو سکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ دنیوی غرض متعلق نہیں ہوتی۔

۴۶۴۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَيَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهٗ وَلَا اَدْرِيْ مَا اسْمُهٗ يُحَدِّثُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان انسانی صورت میں کسی قوم کے پاس آتا ہے اور انہیں کسی جھوٹی بات کی اطلاع دیتا ہے۔ لوگ متفرق ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے ایک شخص سے سنا جس کی شکل[1] پہچانتا ہوں مگر میں اس کا نام نہیں جانتا[2] (مسلم)

[1] اگر میں اسے دیکھ لوں تو پہچان لوں گا۔

[2] الفاظ حدیث ظاہراً اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں شیطان سے مراد جن ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان

کو اس بات کی قدرت دی گئی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی طرف جھوٹ منسوب کرے اور حدیث سے مراد حدیث نبوی ہوگی لیکن یاد رہے کہ شیطان، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اور ان دونوں میں فرق نہایت نمایاں ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ ممکن ہے کہ یہاں شیطان سے مراد انسان ہو جو کسی صالح شخص کی صورت میں آ جائے۔ الغرض مقصود حدیث یہ ہے کہ سماع حدیث میں نہایت احتیاط اور غور و فکر سے کام لیتے ہوئے قائل کے احوال اور اس کے صدق کی تحقیق کر لی جائے یہ نہ ہو جو سنا جس سے سنا نقل کر دیا۔ ماتن نے اگرچہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان نہیں کیا مگر چونکہ اس پر اطلاع نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ حکم مرفوع میں ہے جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہے۔

۴۶۴۸/۵۰ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السَّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت عمران بن حطان[1] بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میں نے انہیں مسجد میں کالی چادر میں اکیلے ٹیک لگائے ہوئے پایا۔ میں نے عرض کیا اے ابو ذر! یہ تنہائی کیوں؟ فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تنہائی برے[2] دوست سے بہتر ہے اور اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہوتا ہے[3] اور اچھی بات کرنا خاموشی سے بہتر[4] اور خاموشی بری بات سے بہتر۔ (بیہقی)

[1] حِطّان۔ حا کے نیچے زیر، طا پر شد۔ ان کی کنیت ابو شہاب ہے تابعی، ثقہ اور بصری ہیں، شارحین نے کہا کہ یہ خارجی تھے کیونکہ ابن ملجم کی تعریف کرتے تھے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اہل ہوا میں خوارج سے بڑھ کر احادیث صحیحہ کوئی بیان نہیں کرتا۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث میں متہم نہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے انہوں نے حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ اور ابو ذر سے روایت کی ہے اور ان سے قتادہ اور محارب بن دثار نے روایت بیان کی ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے خصوصاً امام بخاری، ابو داؤد اور نسائی نے ان سے روایات بیان کی ہیں۔

[2] اپنے دوستوں میں کیوں نہیں بیٹھے تاکہ ان سے استفادہ ہوتا یا انہیں فائدہ پہنچایا جاتا۔

[3] چونکہ اس وقت کوئی با اعتماد صالح دوست موجود نہیں اس لیے تنہا بیٹھا ہوں اور جب موجود ہوں تو ان کے ساتھ بھی بیٹھتا ہوں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو بنی امیہ کی طرف سے نفرت و وحشت تھی اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی بیعت کی ہوئی تھی اور مدینہ منورہ سے باہر گھر بنا کر زندگی بسر کر رہے تھے اور روایات میں آیا ہے کہ ان کا وہیں وصال ہوا۔

[4] مثلاً طلبہ کو علم دین کی تعلیم دینا خاموشی سے بہتر ہے۔

۴۶۴۹/۵۱ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَقَامُ الرَّجُلِ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا مقام

بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

دو مرتبہ خاموشی کے ساتھ ساٹھ برس کی عبادت[1] سے افضل ہوتا ہے۔ (بیہقی)

[1] کیونکہ وہ خاموشی کی حالت میں حقائق الٰہیہ اور تکوینیہ کے معارف پر غور و فکر کرتا ہے یا ذکر خفی کے سمندر میں لطائف قلبیہ کو اس طرح منفرق کر دیتا ہے کہ ذات و صفات الٰہیہ کا نور اسے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ عمل اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے تھا مگر اس عبادت سے افضل ہے جو ظاہر اعضاء کے ساتھ ہوا اور اس میں حضوری قلب نہ ہو اور دل یاد الٰہی میں مشغول و متوجہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ کئی سال ہو۔

۲۶۵۰ — ۵۲ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ اِلٰى اَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِيْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِي الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطٰنِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهٗ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے طویل[1] حدیث بیان کی یہاں تک کہ فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے، فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے تمام امور کے لیے بہترین زینت ہے، عرض کیا کچھ اس پر اضافہ[2] فرمائیے۔ فرمایا: تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کرو، کیونکہ وہ تیرا ذکر ہوگا آسمان میں اور نور ہوگا تیرے لیے زمین میں، میں نے عرض کیا اس میں اضافہ فرمائیے۔ فرمایا لمبی خاموشی اختیار کرو کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی اور امور دین پر تیری معاون ہوگی۔ عرض کیا کہ میرے لیے اضافہ فرمائیے، فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ اور چہرے کے نور کو دور کر دیتا ہے میں نے عرض کیا: اضافہ فرمائیے، فرمایا: حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا اضافہ فرمائیے۔ فرمایا راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ میں نے عرض کیا میرے لیے اور اضافہ فرمائیے۔ فرمایا تمہارے اپنے عیوب کا علم لوگوں کے عیوب دیکھنے سے منع کرے۔

(بیہقی)

[1] وہ تمام حدیث بیان ذکر نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔

[2] یہاں زیادتی سے مراد وضاحت و تفصیل ہے کیونکہ تقویٰ میں اجمالاً تمام امور کا ذکر آ چکا ہے۔

سے ۳ تمام وہ امور خیر جو تقرب الہٰی کا ذریعہ ہیں ذکر میں داخل ہیں، اگر لفظ ذکر کو اس معنی پر محمول کریں تو تلاوت کے بعد اس کا تذکرہ تخصیص کے بعد تعمیم کے طور پر ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے افضل ذکر کلمہ طیبہ ہے۔ اگر حدیث مذکورہ میں مراد کلمہ طیبہ ہے تو اب کل کے بعد جزء کا ذکر ہوگا کیونکہ اس میں شرف و فضیلت دیگر اذکار سے زائد ہے۔

سکے تیرا تذکرہ آسمان پر ملائکہ خیر و رحمت اور دعا کے ساتھ کریں گے صرف ملائکہ ہی نہیں بلکہ خود پروردگار عالم ذکر فرمائے گا۔ ارشاد ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) حدیث میں مَنْ ذَكَرَنِي آیا ہے، بہر تقدیر اس بات پر تنبیہ ہے کہ تلاوت قرآن تدبر، غور و فکر اور حضور قلب کی ساتھ کی جائے۔

سے۵ یعنی اس عالم سفلی میں معرفت و یقین اور ہدایت کے نور کے ظہور کا سبب ہے۔

سے۶ یعنی ایسی خاموشی جو تفکر اور انعامات الہٰیہ کے ذکر کے ساتھ ہو۔

سے۷ اس شیطان کو جو زبان کے راستے حملہ آور ہو کر انسان کو معصیت کے کوئیں میں پھینک دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ ذکر الہٰی کرتا ہے تو شیطان گر پڑتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔

سے۸ کیونکہ خاموشی کی وجہ سے انسان زبان کی آفات سے محفوظ ہو کر حصول علم و معرفت اور ذکر خفی کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

سے۹ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کو تاریکی اور سختی لاحق ہو جاتی ہے جو اس نور علم و معرفت کو ختم کر دیتی ہے جس میں دل کی حیات کا راز مضمر تھا۔

سنلہ اس سے مراد نور باطن کا روشن ہونا اور عبادت کے آثار کا ظہور ہے جب دل ہی مردہ ہوگیا تو اب چہرے کا بے نور ہونا لازمی امر ہے کیونکہ تمام جسم کی زندگی حِسًّا و معنًی دل ہی کی زندگی کی وجہ سے ہے۔

سللہ جو کوئی کچھ کہتا ہے کہتا پھرے تو اس کی بارگاہ میں حاضر رہ اور غلبہ دین کے لیے کوشاں رہ۔

کار جامی عشق خوباں است ہر سو عالمے
میکنند انکار او، او ہم چناں در کار خویش

جامی کا کام محبوبوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ تمام جہان اسے ملامت کر رہا ہے وہ پھر بھی اپنے کام میں مصروف ہے۔

سللہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے مگر ان کے عیب نہ ڈھونڈ اور نہ ہی ان کی غیبت کر، اور خود کو ہمیشہ ناقص جان۔ شعر

غافل اند ایں خلق از خود اے پسر
لاجرم گویند عیب یکدگر

اے بیٹے! لوگ آج اپنے آپ سے غافل ہیں اور دوسروں کے عیب بیان کرتے ہیں۔

۴۷۵۱/۵۲ وَعَنْ أَنَسٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَأَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَ طُولُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! کیا تمہیں دو ایسی عادتیں نہ بتاؤں جو پشت پر ہلکی اور ترازو پر بھاری ہیں، بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی ضرور فرمایا! دراز خاموشی اور اچھے اخلاق[۱] قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے!

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

مخلوق نے ان جیسے عمل نہ کیے ہوں گے۔
(بیہقی)

ؔلہ یہ تشبیہ و تمثیل ہے کہ یہ ایسا حکم شرعی ہے جس کا اٹھانا انسان کے لیے مشکل نہیں بلکہ آسان ہے جیسے تھوڑا بوجھ اٹھانا دشوار نہیں ہوتا۔

ؔ۲ہ جس کے ساتھ نامۂ اعمال کو تولا جائے گا۔

ؔ۳ہ ان میں آسانی اس حوالے سے ہے کہ خاموشی میں کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی بلکہ گفتگو کرنے میں ظاہری و باطنی مشقت ہے۔ اسی طرح اچھے اخلاق و عادات کا معاملہ ہے کہ ان میں بھی نرمی ہوتی ہے۔ بخلاف سختی، درشتی اور جدال وغیرہ میں بڑی جدوجہد اٹھانا پڑتی ہے۔ اس کے بعد ان دونوں صفات کا ثواب اور درجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ؔ۴ہ کوئی کام اور عمل ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔

۲۶۵۲/۵۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيقِهِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَقَالَ لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَأَعْتَقَ أَبُوْ بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيقِهِ ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا أَعُوْدُ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے پاس سے گزرے کہ وہ اپنے ایک غلام پر لعنت بھیج رہے تھے، تو آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم سے ایسے لوگ سیکھے ہیں جو لعنت بھیجنے والے بھی اور صدیق بھی ہوںؔ۱۔ رب کعبہؔ۲ کی قسم! ہرگز ایسا نہیں۔ حضرت ابوبکر نے اسؔ۳ دن کچھ غلام آزاد کر دیے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آئندہ ایسا نہیں کروں گا (یہ پانچوں احادیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں)

ؔلہ یعنی ایسے لوگ جن میں یہ دونوں صفات جمع ہوں، مقصود اس سے یہ تھا کہ صدیقیت اور لعنت کرنا دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں گزرا ہے۔ لَا يَنْبَغِيْ لِلصِّدِّيْقِ أَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا (صدیق کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی پر لعنت کرے) اور اس میں تاکید فرماتے ہوئے کہا۔

ؔ۲ہ اس بارے میں تاکید کہ (صدیق ہونا اور لعنت کرنا) دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

ؔ۳ہ سیدنا ابوبکر کو اس پر شرمندگی ہوئی تو آپ نے کچھ غلام آزاد کیے۔

۲۶۵۳/۵۵ وَعَنْ أَسْلَمَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ دَخَلَ يَوْمًا عَلَى أَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهُ فَقَالَ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ فَقَالَ لَهُ أَبُوْ بَكْرٍ إِنَّ هٰذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ۔

حضرت اسلمؔ۱ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو وہ اپنیؔ۲ زبان کھینچ رہے تھے تو حضرت عمر نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے۔ ٹھہریے! اس پر

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابوبکر نے فرمایا: اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈالا ہے۔ (مالک)

[1] اسلم: یہ سیدنا عمر کے آزاد کردہ غلام تابعی ہیں۔ مخضرمی ۱۱۴ سال کی عمر میں ۸۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۶۰ھ کے بعد ان کا وصال ہوا۔

[2] اپنے منہ سے زبان کو باہر کھینچ رہے تھے مقصود زجر و توبیخ ہے۔

۴۶۵۴/۵۶ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِيْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے نفس کی طرف چھ چیزوں کی مجھے ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب بات کرو سچ کہو، جب وعدہ کرو پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہوں[1] کی حفاظت کرو، اپنی نگاہوں[2] کو نیچا رکھو اور اپنے ہاتھوں کو روکو[3]۔

(احمد، بیہقی)

[1] فرج۔ مرد و عورت کے ان مقامات کو کہتے ہیں جن کا چھپانا لازم ہے۔ یہاں مراد عورت غلیظہ ہے۔

[2] غیر محرم کو دیکھنے سے۔

[3] قتل کرنے، گرفت کرنے اور حرام پکڑنے سے[1]۔

۴۶۵۵/۵۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

عبدالرحمٰن بن غنم[1] اور اسماء بنت یزید[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جنہیں[3] دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آئے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو[4] چغلی کرنے والے دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے والے اور پاک لوگوں میں عیب[5] تلاش کرنے والے۔

(احمد، بیہقی، شعب الایمان)

[1] ابن غنم۔ غین پر زبر نون ساکن۔ تابعی۔ ثقہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ اشعری، شامی ہیں، زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات میں ہی اسلام لائے مگر زیارت نہ کر پائے۔ انہوں نے

---

[1] شارح نے اختصار و اجمال سے کام لیا ہے ورنہ تمام وہ ممنوعات جن کا ارتکاب ہاتھ کرتے ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ ناظم۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی اور یہ صحبت اس وقت شروع ہوئی جب حضرت معاذ یمن میں بحیثیت قاضی تشریف لائے اور ان کے وصال تک قائم رہی۔ امام بخاری کی رائے بھی یہ صحابی ہیں لیکن قول اول صحیح ہے۔ ملک شام میں سب سے بڑے فقیہ یہی تھے۔ وہاں اکثر فقہا انہی کے شاگرد ہیں۔ متقدمین صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور نہایت جلالت شان وقدر کے مالک ہیں۔

۲ اسماء بنت یزید، یہ انصاریہ صحابیہ ہیں۔ بڑی دانشور اور دین کو سمجھنے والی خاتون ہیں۔

۳ ان بندوں کو بارگاہ خداوندی میں ایسا خصوصی تعلق ہوتا ہے کہ جب ان کے چہرے، افعال واقوال اور حسن وجمال پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ کیونکہ ان پر عبادت اور اصلاح نفس کے آثار کا کامل ظہور ہوتا ہے بعض لوگوں نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ان کی زیارت سے ذکر خدا کا ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا کہ عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی صالح کے چہرے پر نظر پڑتی ہے تو زیارت کرنے والے کے سینے میں اس طرح نور ایمان سرایت کرتا ہے کہ اس کا دل روشن ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٍّ عِبَادَةٌ (حضرت علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے) یہ حدیث معنی اول کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو جن لوگوں کی نظر آپ کے چہرہ اقدس پر پڑتی تو وہ پکار اٹھتے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَا اَشْرَفَ هٰذَا الْفَتٰی

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نوجوان کو کتنی بزرگی عطا ہوئی ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَا اَكْرَمَ هٰذَا الْفَتٰی

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ نوجوان کتنا فرشتہ صفت ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَا اَعْلَمَ هٰذَا الْفَتٰی

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے کتنا علم حاصل ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَا اَشْجَعَ هٰذَا الْفَتٰی

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ نوجوان کتنا جرأت مند ہے۔

یعنی آپ کی زیارت کلمہ توحید کے ذکر کا باعث بن جاتی تھی۔

ایک دن راقم (عبدالحق) مکہ معظمہ کے بازار سے غافل لنفس سر نیچے کیے گزر رہا تھا۔ اچانک نظر ایک مرد کے چہرے پر پڑی۔ بے اختیار زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ کے سوا کوئی مالک حقیقی نہیں وہ یکتا لاشریک ہے۔ ملک اسی کا ہے حمد اسی کے لیے اور وہ ہر شے پر قادر ہے) غالب گمان یہ ہے کہ یہ واقعہ اس حدیث کی سچائی کی تصدیق کے لیے تھا۔

ؔ۴ ایک کی بات دوسرے کے سامنے اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے درمیان شر و فساد پیدا ہو۔

ؔ۵ عنت، فساد، ہلاک، زنا کے معانی میں ہے۔ یہاں ان کا مجموعہ مراد ہے یعنی ایسی جماعت جو ان گناہوں سے پاک اور منزہ ہو۔ ان پر مختلف عیوب، فساد کے الزامات عائد کر کے انہیں پریشان کرنا۔

۴۶۵۶ / ۵۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلٰوةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَعِيْدُوْا وُضُوْءَكُمَا وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَا لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے نماز ظہر یا عصر ادا کی۔ دونوں حالت روزہ میں تھے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا اپنا وضو اور نماز لوٹاؤ اور روزہ جاری رکھو اور دوسرے دن اس کی قضا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے فلاں کی غیبت کی ہے۔ (بیہقی)

ؔ۱ راوی کا شک ہے۔

ؔ۲ روزہ افطار نہ کرو بلکہ اسے پورا کر لو۔

ؔ۳ تمہارا یہ روزہ فاسد ہو گیا ہے۔ اس کی قضا کرنا تم پر لازم ہے لیکن اس کے باوجود اس روزہ کو جاری رکھو افطار نہ کرو اور احتیاطاً بطور قضا روزہ رکھو۔

ؔ۴ وضو اور نماز لوٹانے اور روزے کی قضا دینے۔

ؔ۵ اور غیبت ناقض وضو اور ناقض روزہ ہے شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں غیبت کی مذمت نہایت سخت انداز میں بیان کی گئی ہے ورنہ غیبت ناقض وضو و روزہ نہیں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا حضرت سفیان ثوری ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے غیبت کو ناقض روزہ قرار دیتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تو ہم میں کون ہے جس کا روزہ درست ہو گا؟ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت ناقض وضو نہیں کیونکہ آپ نے انہیں روزہ جاری رکھنے کا حکم فرمایا جس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر روزہ حقیقتہً فاسد ہو جاتا تو انہیں یہ حکم نہ دیا جاتا اگرچہ حائضہ کی صورت میں ایسا ہے کہ رمضان کے روزہ کے دوران اگر حیض آگیا تو اب روزہ یقیناً فاسد ہو گیا مگر حرمت رمضان کے پیش نظر روزہ افطار نہ کرے۔ بہرصورت یہ واضح ہوا کہ اس حدیث میں غیبت کی قباحت و شناخت بیان ہوئی ہے۔ احتیاط و تقویٰ اسی میں ہے کہ غیبت کے بعد تجدید وضو کر لی جائے بلکہ علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے لایعنی گفتگو کی، بہت زیادہ باتیں کیں یا اونچی ہنستا رہا تو اس کے لیے تجدید وضو مستحب ہے تاکہ اس کی وجہ سے لاحق ہونے والی تاریکی کا ازالہ کیا جا سکے اور روزے دار کو ہر حال میں غیبت سے پرہیز اور احتیاط کرنا ضروری ہے۔

۴۶۵۷ / ۵۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابو سعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَۃِ لَا یُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَهَا لَہٗ صَاحِبُہٗ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَنَسٍ قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا یَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِیْبَۃِ لَیْسَ لَہٗ تَوْبَۃٌ۔

(رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت زنا سے بدتر ہے[1]۔ صحابہ نے عرض کیا[2] یا رسول اللہ غیبت زنا سے بدتر کیوں ہے؟ فرمایا زانی مرد کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے[3]۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ وہ معاف کرے جس کی غیبت کی[4]۔ اور حضرت انس سے روایت ہے فرمایا، صاحب زنا توبہ کر سکتا ہے اور صاحب غیبت کے لیے توبہ[5] نہیں (بیہقی نے ان تینوں احادیث کو شعب الایمان میں روایت کیا)

[1] بعض وجوہ کی بنا پر۔

[2] صحابہ پر یہ بات دشوار گزری۔

[3] کیونکہ زنا حقوق اللہ میں سے ہے۔

[4] کیونکہ یہ بندے کا حق ہے۔

[5] اس کی وجہ پہلی روایت میں ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب زنا خوف الٰہی میں کانپ اٹھتا ہے اور اللہ کے حضور معافی مانگ لیتا ہے اور صاحب غیبت اس معاملہ کو آسان سمجھتے ہوئے خوف نہیں رکھتا حتیٰ کہ وہ اسے حلال تصور کر لیتا ہے جو اسے کفر کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک

۴۶۵۸ / ۶۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ کَفَّارَۃِ الْغِیْبَۃِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَہٗ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ وَقَالَ فِیْ هٰذَا الْاِسْنَادِ ضُعْفٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی اس کے لیے بخشش کی دعا یوں کی جائے۔ اے اللہ ہمیں[1] اور اسے بخش دے۔ (بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کر کے کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

[1] معروف و مسلم طریقہ یہی ہے کہ پہلے اپنے لیے معافی مانگی جائے تاکہ انسان خود پاک ہو اور پھر دوسرے کے لیے دعا کرے تو قبول ہوگی۔ اور غیبت کا کفارہ حقیقتاً یہ ہے کہ اس دوسرے سے معافی مانگی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ندامت اور استغفار کی جائے اور اس دوسرے کے لیے دعا کرنا بھی کفارے میں شامل ہے جس پر یہ حدیث دال ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حدیث میں کلمہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔

بَابُ الْوَعْدِ

۳۱۷۔ وعدے کا بیان

صراح میں ہے وعد، عدۃ، موعد خوش خبری دینا ہے اور یہ خیر و شر دونوں میں مستعمل ہیں بشرطیکہ ان میں سے کسی کا ذکر ہو، ورنہ خیر کے لیے وعدہ اور شر کے لیے وعید و ایعاد ہیں، میعاد جائے وعد اور وعدہ گاہ کو کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۲۶۵۹ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ اَبَا بَكْرٍ مَالٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَّنْ كَانَ لَهٗ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قِبَلَهٗ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْطِيَنِيْ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ جَابِرٌ فَحَثٰى لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُّهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ قَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر کے پاس علاء بن حضرمی[1] کی طرف سے مال آیا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جس شخص کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرض ہو یا آپ نے کسی سے وعدہ[2] فرمایا ہو تو ہمارے پاس آ جائے[3]۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے اتنا[4] اتنا اتنا دیں گے اور انہوں نے دونوں ہاتھ[5] پھیلا کے ہوئے تھے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ مجھے صدیق اکبر نے دونوں ہاتھ بھر کر دیا[6]، میں نے انہیں گنا تو وہ پانچ سو تھے۔ فرمایا اس سے دو گنا اور[7] لے لو۔ (بخاری و مسلم)

[1] ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحرین میں گورنر مقرر فرمایا تھا۔

[2] یعنی کسی کے ساتھ انعام وغیرہ کا وعدہ فرمایا ہو۔

[3] یہ سیدنا ابوبکر کا ارشاد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی کوئی وراثت نہیں۔ میں آپ کا خلیفہ ہوں۔ وہ جگہ یا وہ شخص جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے میں بھی خرچ کروں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام پر اگر کسی کا قرض ہے یا آپ نے کسی کے ساتھ عطا کا وعدہ فرمایا تھا تو میں اسے پورا کروں گا اور رہا معاملہ فدک کا تو اس سے آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عیال اور فقراء مومنین پر خرچ فرماتے تھے وہ بھی اس باب سے ہے فرمایا میں بھی اسے اسی طریقہ پر خرچ کروں گا۔ اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جابر سے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو ہم تجھے تین چلو بھر کر دیں گے۔

سے یعنی تین بار دونوں ہاتھ بھر کر دوں گا۔

ھے ہاتھ پھیلا کر اس وعدہ کی تفصیل بیان کی کہ آپ نے اس طرح ہاتھ کھول کر فرمایا تھا۔

لئہ میری جھولی میں ڈالا۔

ئے تاکہ تین لپ پورے ہو جائیں۔ بعض روایات میں تین چلو کی تصریح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۲۶۶۰ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْیَضَ قَدْ شَابَ وَکَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا یُشْبِھُہٗ وَاَمَرَ لَنَا بِثَلٰثَۃَ عَشَرَ قَلُوْصًا فَذَھَبْنَا نَقْبِضُھَا فَاَتَانَا مَوْتُہٗ فَلَمْ یُعْطُوْنَا شَیْئًا فَلَمَّا قَامَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِدَۃٌ فَلْیَجِیْءْ فَقُمْتُ اِلَیْہِ فَاَخْبَرْتُہٗ فَاَمَرَلَنَا بِھَا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو جحیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفید[2] رنگ دیکھا کہ بڑھاپا[3] آچکا تھا اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہم شکل تھے۔ آپ نے ہمارے لیے تیرہ اونٹنیوں[4] کا حکم جاری فرمایا ہم لینے گئے تو آپ کے وصال کی خبر ملی لوگوں نے ہم کو کچھ نہ دیا جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنے اور اعلان کیا کہ جس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی وعدہ فرمایا وہ آجائے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطلاع[5] دی تو آپ نے وہ اونٹنیاں دینے کا حکم جاری فرمایا۔ (ترمذی)

لہ ابوجحیفہ جیم پر پیش، حا پر زبر یا ساکن۔ ان کا نام وہب بن عبداللہ ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ کوفہ میں قیام پذیر رہے اور وہاں ایک سرائے تعمیر کروائی، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بیت المال کا امیر بنایا۔ سیدنا علی کے ساتھ ہر معرکہ میں شریک ہوئے اور کوفہ میں ہی ان کا چوہتر ہجری کو وصال ہوا۔

ئے سفید رنگ جو مائل سرخی تھا۔

سے آپ کے مبارک بالوں سے ظاہر ہو رہا تھا، یاد رہے کہ آپ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک کے بیس سے زائد بال سفید نہ تھے جیسا کہ اپنے مقام پر آ رہا ہے۔

سے یہ بات انہوں نے اپنی صحبت کے ثبوت کے لیے کہی ہے کیونکہ یہ آپ کے وصال کے وقت چھوٹے تھے اور ابھی بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔

۵ قلوص قاف پر زبر اور لام پر پیش اس کا معنی جوان اونٹنی ہے۔

۶ یا نام کے معنی خطبہ دینے کے بھی ہو سکتے ہیں۔

۷ کہ مجھے آپ نے تیرہ اونٹنیاں دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔

۴۶۶۱ / ۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي الْحَسْمَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ أَنْ آتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ فَنَسِيتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن ابی حسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ظہور نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کی آپ کا کچھ بقایا تھا میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ دے جاتا ہوں پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا پس آپ اسی جگہ تشریف فرما تھے۔ فرمایا تم نے مجھ کو مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

۱ حسماء مشکوٰۃ کے نسخوں میں حا سین سے پہلے ہے اور اسی طرح مصابیح کے نسخوں میں ہے شارحین نے نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب مصابیح سے سہو ہوا ہے اور مصنف نے ان کی تقلید کر لی ہے حالانکہ بات یہ ہے کہ یہاں میم سین پر مقدم ہے۔ کتب اسماء رجال میں ایسے ہی ہے۔ عبداللہ بن ابی الحمساء عامری صحابی ہیں ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے، مکہ میں قیام پذیر رہے۔

۲ مبایعت۔ خرید و فروخت کرنا یہاں اس کا معنی خریدنا ہے۔

۳ مبیع کے کچھ ثمن میرے ذمے بقایا تھے۔

۴ جس جگہ آپ تشریف فرما تھے یا یہاں سودا ہوا تھا۔

۵ تو میں ثمن لے کر وہاں پہنچا۔

۶ تاکہ وعدہ خلافی نہ ہو کر نہ سکے اور مجھے نہ پائے۔

۴۶۶۲ / ۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِيَ لَهُ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور وعدہ پورا کرنے کی نیت و ارادہ بھی ہو مگر پورا نہ کر سکے اور وعدہ پر نہ آسکے تو ایسی صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱ تقریب میں ہے کہ بصرہ میں، بعض کے نزدیک مصر میں قیام پذیر رہے۔

سلہ وعدہ کے وقت یا وعدہ کی جگہ۔

سلہ یہاں سے معلوم ہوا کہ وعدہ کے وفا کی نیت تھی مگر پورا نہ کیا تو اب گناہ نہیں۔ شارحین نے کہا ہے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے خلاف وعدہ کرنا حرام ہے اور اس حدیث میں مراد بھی یہی ہے۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے ایسا وعدہ کیا جو اسلام میں منع نہ تھا۔ اسے پورا کرنا چاہیے۔ رہا یہ معاملہ کہ ایفائے عہد واجب ہے یا مستحب، اس بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء امام ابوحنیفہ، امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مستحب ہے اور عدم وفا کروہ ہے لیکن گناہ نہیں۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ واجب ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اسی جماعت میں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کے کلمات کہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بھی منقول ہے کہ آپ کلمہ عسیٰ کہتے تھے۔ باقی زبان سے وعدہ اور دل میں پورے نہ کرنے کی نیت بالاتفاق نفاق کی علامات میں سے ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ نفاق کی علامت اس وقت ہے جب وعدہ اس نیت سے کیا جائے کہ اسے پورا نہیں کروں گا۔

۴۶۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِيَهٗ فَقَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِيَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهٖ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک دن میری والدہ نے بلایا اس وقت آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف فرما تھے والدہ نے آواز دی کہ آؤ میں تجھے کچھ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا تم انہیں کیا دینا چاہتی ہو؟ عرض کی میں نے اسے کھجوریں دینے کا ارادہ کیا ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا آگاہ رہو اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تم پر جھوٹ لکھا جاتا۔ (ابوداؤد، بیہقی، شعب الایمان)

سلہ یہ عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہے۔ نسب یوں ہے عبداللہ بن عامر بن کریز بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔

سلہ تعطیہ۔ یا سے کن صیغہ واحدہ مخاطبہ اس کا اصل تعطین ہے یعنی تو اسے کیا دینا چاہتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ شاید یہ اس طرح کر رہی ہے جس طرح خواتین بچے کو بہلانے کے لیے بہانہ بناتے ہوئے جھوٹ سے کام لیتی ہیں۔ یا آپ نے بطور اعتراض و سوال پوچھا کہ تو کیا دے گی۔ بتکلف یا بے تکلف۔ اس خاتون نے عرض کیا۔

سلہ کذبۃ۔ کاف پر زبر، ذال کے نیچے زیر یا کاف کے نیچے زیر اور ذال ساکن، یا کاف پر زبر، ذال ساکن تینوں طریقے درست ہیں۔ یعنی اگر تو اسے کھجور نہ دیتی جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔ اور اس خاتون کا ابتدائی قول مطلق تھا

محسوس ہوتا ہے کہ اس نے بھی حسب عادت بچے کو تسلی دینے کے لیے دیگر عورتوں کی طرح ہی کیا تھا چونکہ آپ نے اس سے پوچھ لیا اس لیے اس نے تکلفاً کھجور کا ذکر کر دیا یہ محض عذر تھا جو اس نے آپ کے سوال کے بعد عرض کیا تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۴۶۶۴/۲ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَّعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَأْتِ أَحَدُهُمَا إِلَى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِيْ جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

تیسری فصل

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی سے وعدہ کرے پھر ان دونوں سے ایک نماز کے وقت تک نہ آئے اور آنے والا[1] نماز کے لیے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں[2]

(رزین)

[1] جو پہلے آیا تھا وہ نماز ادا کرنے کے لیے چلا گیا۔

[2] صورت یوں ہے کہ دو آدمیوں نے آپس میں عہد کیا کہ فلاں جگہ اکٹھے ہوں گے ان میں سے ایک پہلے آگیا اس نے انتظار کیا دوسرا نہیں آیا حتی کہ نماز کا وقت آگیا۔ پہلا شخص اگر نماز کے لیے چلا جاتا ہے تو یہ نہ خلاف وعدہ اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہے کیونکہ نماز کے لیے عذر صحیح ہے ہاں! اگر نماز کے وقت سے پہلے چلا گیا تو یہ خلاف وعدہ ہوگا۔ اگر کوئی اور ضروری معاملہ پیش آگیا تو عذر دیگر ہوگا اور کوئی مانع نہیں صرف نماز ہے تو نماز بھی عذر ہے۔

بَابُ الْمِزَاحِ

۳۱۸۔ خوش طبعی کا بیان

مزاح میم کے نیچے زیر۔ دل خوش کرنا یا میم پر پیش کے ساتھ خوش دلی کے معنی میں ہے مُزاح میں اس کا معنی مذاق کیا ہے اور قاموس میں ہے المزاح الدعابہ دال پر پیش یعنی کھیل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۶۶۵/۱ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلَ لِأَخٍ لِّيْ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم[1] سے گھل مل کر رہتے۔

صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ يَلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حتی کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرمایا[1] اے ابو عمیر چڑیا کا کیا بنا؟ ان کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلا کرتے تھے وہ مر گئی تھی[2]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی ہمارے گھر والوں سے آپ نہایت زیادہ شفقت فرماتے یا ضمیر کا مرجع صحابہ ہیں کہ آپ تمام صحابہ سے گھل مل کر رہتے۔

[2] بطور مزاح فرمایا۔

[3] حضرت انس کے چھوٹے بھائی کے پاس ایک چڑیا ہوا کرتی تھی جس سے وہ کھیلتے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد جب بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ بطور مزاح ان پر شفقت فرماتے ہوئے پوچھتے اے ابو عمیر تیری چڑیا کا کیا بنا؟ رعایت سجع کرتے ہوئے آپ نے ان کی کنیت رکھی۔

[4] یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ بچوں کا چڑیوں کے ساتھ کھیلنا جائز ہے بشرطیکہ انہیں اذیت نہ دیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۶۶۶ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی بھی فرماتے ہیں۔ فرمایا ہم سچی بات[2] ہی کہتے ہیں۔

(ترمذی)

[1] دعابہ۔ دال پر پیش۔ مزاح کے معنی میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کی تالیف قلب اور طبائع میں تروتازگی پیدا کرنے کے لیے ان سے مزاح فرماتے، صحابہ نے آپ کے مقام رفیع اور عظمت شان کے پیش نظر اس بات کو بعید محسوس کیا۔

[2] میرے مزاح میں کوئی بات خلاف واقع نہیں ہوتی، اگرچہ بظاہر وہ خلاف واقع محسوس ہوتی ہے اور فہم کلام اور اس کی حقیقت تک رسائی نہ پانے والا شخص اسے خلاف واقع ہی تصور کرے گا مگر بات ہرگز ایسے نہیں میں جو بات بھی کہتا ہوں حق اور واقع کے مطابق ہوتی ہے۔

اسی سے مزاح کے جواز اور عدم جواز کا ضابطہ سامنے آگیا ہے کہ مزاح وہی جائز ہے جس میں جھوٹ نہ ہو اور اس پر مداومت و ہمیشگی بھی نہ ہو کیونکہ یہ عمل آدمی کے جلال ہیبت اور اس کے وقار کو ختم کر دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزاح مبارک بھی مذکورہ شرائط کے تحت تھا جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

۴۶۶۷ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

سواری کا سوال کیا، فرمایا، ہم تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے، اس نے عرض کیا میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا؟ فرمایا اونٹنی اونٹ ہی جنتی ہے

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] ہم تجھے اونٹنی کا بچہ دیں گے تاکہ تو اس پر سوار ہو چونکہ عرف میں اونٹنی کے بچے کو اونٹ نہیں کہتے اس لیے اس نے محسوس کیا کہ شاید مجھے چھوٹا بچہ ملے گا اور ان کے عرف میں اونٹ کو ابل کہا جاتا تھا اور ولد ناقہ جو قابل سواری ہو۔

[2] یعنی ہر اونٹ، اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اس میں تعجب اور بعد کیا ہے۔

۴۶۶۸ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْاُذُنَيْنِ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے دو کانوں والے[1]

(ابوداؤد، ترمذی)

[1] ہر آدمی کے دو کان ہوتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس انداز میں یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ انہیں یوں محسوس ہوا کہ شاید دوسرے لوگ کان نہیں رکھتے۔ اس میں مزاح، حسن معاشرت، خوشی کا اظہار ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ اس سے آپ کی مراد حضرت انس کے سماع، حفظ، توجہ کی تعریف و مدح کرنا ہے یا ان کو اس پر تنبیہ ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ دو کان عطا فرمائے اسے اسی طرح کرنا چاہیے۔

۴۶۶۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاِمْرَاَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ وَكَانَتْ تَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَهَا اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک[1] بوڑھی خاتون سے فرمایا: کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو گی۔ اس[2] نے عرض کیا یہ کیوں؟ حالانکہ وہ قرآن پڑھتی ہیں۔ فرمایا کیا تم قرآن میں یہ نہیں پڑھتیں ہم ان عورتوں کو پیدا کریں گے دوبارہ تو انہیں کنواریاں[3] بنا دیں گے۔

(رزین، شرح السنہ میں مصابیح کے الفاظ[4] میں ہے)

[1] اس خاتون نے آپ سے جنت کی دعا کا عرض کیا تھا آپ نے اسے بطور مزاح فرمایا۔

[2] اس نے بطور حسرت و حیرت عرض کیا۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تمام بوڑھی خواتین کو جوانی عطا فرما دے اور وہ اب جنت میں داخلہ کے وقت جوان ہوں گی۔ لہٰذا آپ کا ارشاد کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی درست ہوا۔

[4] وہ الفاظ یہ ہیں جب آپ نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی تو وہ خاتون روتے ہوئے واپس لوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا اس عورت کو بلا کر اطلاع دو کہ اس حالت میں تم جنت میں نہیں جاؤ گی کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ کریں گے اور انہیں کنواریاں بنا دیں گے۔

۴۶۷۰ وَعَنْہُ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْبَادِیَۃِ کَانَ اِسْمُہٗ زَاھِرَ بْنَ حَرَامٍ وَّکَانَ یُھْدِیْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَادِیَۃِ فَیُجَھِّزُہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاھِرًا بَادِیَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْہُ وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّہٗ وَکَانَ دَمِیْمًا فَاَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا وَّھُوَ یَبِیْعُ مَتَاعَہٗ فَاحْتَضَنَہٗ مِنْ خَلْفِہٖ وَھُوَ لَا یُبْصِرُہٗ فَقَالَ اَرْسِلْنِیْ مَنْ ھٰذَا فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا یَاْلُوْ مَا اَلْزَقَ ظَھْرَہٗ بِصَدْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ عَرَفَہٗ وَجَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ یَّشْتَرِی الْعَبْدَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِذًا وَّاللّٰہِ تَجِدُنِیْ کَاسِدًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لٰکِنْ عِنْدَ اللّٰہِ لَسْتَ بِکَاسِدٍ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

انہی سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص جس کا نام زاہر بن حرام[1] تھا وہ گاؤں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تحائف[2] لاتے جب وہ واپس جانے لگتے تو انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سامان تحائف[3] عطا فرماتے اور فرمایا کہ زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری[4][5] ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے اور وہ خوبصورت نہ[6] تھے، ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے[7] تو زاہر اپنا سامان بیچ رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں پیچھے سے گود میں لے لیا حالانکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بولے کون ہو؟ مجھے چھوڑ[8] دو، انہوں نے مڑ کر دیکھا تو نبی اکرم کو پہچان لیا تو انہوں نے موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا پہچاننے کے بعد اپنی پشت آپ کے سینہ اقدس سے بار بار مس کرنے لگے، آپ نے فرمایا[9] اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ! اللہ کی قسم مجھے آپ کھوٹا پائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کے ہاں تو کھوٹے نہیں ہو۔ (شرح السنۃ)

[1] ھا اور راء کے ساتھ۔

[2] ککڑیاں، کھیرے اور سبزیاں وغیرہ۔

[3] مثلاً کپڑے اور نقدی وغیرہ۔ جہاز۔ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ سامان ہوتا ہے جو سفر میت اور عروس کے وقت تیار کیا جاتا ہے۔

[4] ہمارے لیے دیہات کی اشیاء لاتا ہے۔ بعض نسخوں میں "بادیناہ" تا کے بغیر ہے یعنی وہ دیہات میں مقیم ہے یہی نسخہ مختار ہے جیسا کہ شرح شمائل میں ہے۔

[5] اس کی وہ ضروریات جو شہر سے دی جا سکتی ہیں ہم ان کو فراہم کرتے ہیں۔

[6] ظاہری حسن کے لحاظ سے وہ خوبصورت نہ تھے۔ دمیم کا معنی بدصورت ہے۔

[7] بازار تشریف لائے۔

[8] حسب دستور یہ بات کہی۔ ورنہ آپ کی مبارک خوشبو کی وجہ سے پہچان چکے تھے۔ شاہ ابو المعالی نے اس

مقام پر فرمایا ہے سے آمدی از پس بازی چشم پوشیدی مرا اے نگاہ دست رنگیں دست بخت گیتی

میرے پیچھے اگر میری آنکھوں کو ڈھانپ دینے والے اپنے مقدس و خوبصورت اور خوشبودار ہاتھوں کو کھولو تم کون ہو۔

۹ بطور مزاح فرمایا۔

۴۶۷۱ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ عَلَيَّ فَقَالَ اُدْخُلْ فَقُلْتُ اَكُلِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كُلُّكَ فَدَخَلْتُ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ اَبِي الْعَاتِكَةِ اِنَّمَا قَالَ اُدْخُلْ كُلِّيْ مِنْ صِغَرِ الْقُبَّةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر حاضر ہوا۔ آپ چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا اندر آجاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سارا آجاؤں؟ فرمایا سارے کا سارا آجاؤ میں حاضر ہو گیا۔ عثمان بن عاتکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خیمہ کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کہا تھا کہ میں سارا آجاؤں۔ (ابو داؤد)

۱ یہ صحابی ہیں۔ غزوہ خیبر میں اولاً شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا شام میں قیام پذیر ہوئے وہیں تہتر ہجری کو وصال ہوا۔

۲ آپ نے خیمے کے اندر آنے کو کہا اور خیمہ نہایت چھوٹا تھا۔

۳ بطور مزاح عرض کیا کہ تمام بدن سمیت داخل ہو جاؤں۔

۴ لفظ اکلی۔ کلک۔ ان کو مرفوع و منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

۵ یہ اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں ان کا مقصد یہ بیان کرنا ہے اکلی یا رسول اللہ! کے الفاظ حضرت

---

۱ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں۔

جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہو جائے وہ بے قیمت کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کی قیمت سارا جہاں نہیں ہو سکتی۔ مدینہ منورہ میں ایک صاحب تھے بازار میں جو نئی چیز دیکھتے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً لے آتے تھے۔ جب چیز کا مالک قیمت مانگتا تو اسے بھی حضور کے پاس لے آتے عرض کرتے فلاں مال جو حضور کے پاس فلاں چیز میں نے حاضر کی تھی اس کی قیمت حضور اسے دے دیں۔ یہ تقاضا کر رہا ہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبسم فرما کر فرماتے کہ تم نے وہ چیز ہم کو ہدیۃً دی تھی عرض کرتے حضور میرے پاس اس کی قیمت کہاں سے آئی۔ حضور قیمت ادا فرماتے مگر ان سے کچھ نہ کہتے۔ (مرقات)

عوف نے بطور مزاح اور خوش طبعی سے کہے تھے۔

۶؎ ادخل کا لفظ حضرت عوف کے کلام میں نہیں ہے۔ لیکن مراد ہے۔ یہ واضح کرنا ہے کہ لفظ کلی و کلک دونوں مرفوع ہیں۔

۴۶۷۲ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ أَبُوْ بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ لَا أَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجُزُهُ وَخَرَجَ أَبُوْ بَكْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ أَبُوْ بَكْرٍ كَيْفَ رَأَيْتِنِيْ أَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَمَكَثَ أَبُوْ بَكْرٍ أَيَّامًا ثُمَّ اسْتَأْذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا أَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا أَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے سیدہ عائشہ کی بلند آواز سنی۔ اندر آکر انہیں پکڑا تا کہ طمانچہ ماریں۔ اور کہا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آواز بلند کرتی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر کو منع فرمایا ابوبکر غصے کی حالت میں واپس لوٹ گئے۔ جب ابوبکر واپس ہو گئے تو حضور نے فرمایا بتاؤ مجھے کیسا پایا۔ میں نے تمہیں اس شخص سے بچا لیا ہے۔ سیدہ عائشہ کہتی ہیں کہ چند دنوں تک حضرت ابوبکر نہ آئے پھر آئے اور اجازت چاہی تو ان دونوں کو آپس میں حالت صلح و محبت میں دیکھا تو کہنے لگے کہ مجھے اپنی صلح میں شامل کرو جیسے کہ جھگڑے میں مجھے شامل کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے آپ کو شامل کر لیا۔ ہم نے آپ کو شامل کر لیا۔ (ابوداؤد)

۱؎ ہجرت کے بعد انصار کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ یہی صحابی تھے۔

۲؎ یعنی مجھے ایسے کام کرنے چاہیے جس کی وجہ سے تجھے آپ کے سامنے آواز بلند کرنی نہ پڑے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ لفظ لا اراک، مثبت ہے منفی نہیں اور الف اشباع کی وجہ سے آیا ہے تو اب معنی ہو گا کہ کیا وجہ ہے میں تجھے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بلند آواز پا رہا ہوں۔ یعنی کیوں تو ایسا کام کرتی ہے جو تجھے نہیں کرنا چاہیے۔

۳؎ حجز، حا جیم اور زا ہے اس کا معنی باز رکھنا ہے۔

۴؎ مغضبا، ضاد پر زبر، غصہ میں آنا یعنی سیدنا ابوبکر۔ ان کی بلند آوازی کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔

۵؎ اس سے مراد ابوبکر ہیں۔

۶؎ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نعمان بن بشیر نے یہ روایت حضرت عائشہ سے بیان کی ہے۔

ے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں اتفاقاً یا حضرت عائشہ سے ناراضگی کی وجہ سے یا انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں جو شرمندگی لاحق ہوئی تھی۔

ے تاکہ میں تمہارے ساتھ شریک ہو کر صلح کے مناظر دیکھ سکوں۔

۹ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ پر شفقت فرمائی۔ اس پر ابوبکر صدیق نے بطور اظہار تشکر اور خوشی و سرور یہ بات کہی۔

نلہ اے ابوبکر جو کچھ تو نے کہا ہم نے کر لیا اور ہم تجھے اپنی صلح میں کیوں شریک نہ کریں۔ آپ تو ہمارے ہر جگہ ہر معاملہ میں شریک بلکہ محرم ہیں۔ اور غالباً مزاح اس جملہ میں ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے مجھے کیسا دیکھا کہ میں نے تجھے ابوبکر سے بچا یا یہی وجہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا "تیرے والد سے" گویا آپ نے بطور مزاح اور ان کی خوش دلی کے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوبکر کے درمیان بعد محسوس کروایا یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ والد کا لفظ بظاہر مارنے کے منافی ہے۔ بعض شارحین نے لفظ "رجل" کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ اسیدنا ابوبکر کو نہایت ہی پیاری تھیں۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے انہیں بھی مارنے پر تیار ہو گئے گویا یہ آپ کا عمل نہایت ہی مردانگی اور دلیری پر دلالت کر رہا تھا اس لیے لفظ رجل ذکر کیا گیا۔

۴۷۶۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی سے نہ جھگڑو، نہ اس کا مزاح اڑاؤ اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کا تم خلاف کرو۔ (ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

سلہ ایسا مزاح نہ کرو جس سے اسے تکلیف ہو۔

سلہ وعدہ پورا کرو یا اس سے وعدہ ہی نہ کرو۔ یعنی وعدہ کی راہ اس طرح بند کر دے کہ کبھی وعدہ خلافی نہ ہو۔

بَابُ الْمَفَاخَرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ

۳۱۹۔ فخر اور تعصب کا بیان

صراح میں ہے فخر و فخور کا معنی بڑھائی کے ہیں باب نصر ینصر سے۔ تفاخر دو گروہوں کا آپس میں بڑائی کا اظہار کرنا، فخر کرنے والے کو فخیر کہتے ہیں، تفخر، بزرگی ظاہر کرنا، متفخر، متکبر، مفاخرت۔ فخر میں برابری کرنا تفخیر ایک دوسرے کو فخر میں بڑھانا، اگر فخر و مفاخرت حق میں ہو اور حق کے لیے ہو اور اس میں کوئی دینی مصلحت ہو یا اس میں دین کے دشمنوں پر غلبہ کا اظہار مقصود ہو تو جائز ہے اور یہ عمل صحابہ کرام اور اسلاف سے منقول ہے۔ اگر یہ فخر و غرور ناحق ہو اور بطور تکبر و لفت ہو تو یہ مذموم ہے۔ عرف میں اس کا استعمال اسی معنی میں ہے۔ عصبیت، عصبی ہونا ہے اور عصبی سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی حمایت میں تعصب سے کام لے عصبۂ قوم اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے لیے قوم تعصب برتنے (کذا فی القاموس) صراح میں ہے باپ کی جانب سے نرینہ اولاد اور بیٹوں کو عصبہ کہا جاتا ہے۔ تعصب کا معنی تشدید اور سختی کرنا ہے اس سے عصب مبنی پٹھے ہے۔ کیونکہ ان سے جوڑوں میں سختی اور شدت پیدا ہوتی ہے۔ آدمی بھی اپنی قوم کی وجہ سے قوت و شدت حاصل کرتا ہے۔ متعصب اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اپنی قوم کے لیے تعصب سے کام لے اور اپنے مذہب کے غلبہ کے لیے قوت کے ساتھ جدال و لڑائی کرے۔ اس وجہ سے اس کی گردن کے پٹھے پھول جاتے ہیں۔ اگر تعصب برائے حق ہو اور اس میں ظلم نہ ہو تو مستحسن ہے اور اگر بطریق باطل ہو اور ظلم ہو تو یہ مذموم ہے۔ اکثر طور پر اس کا اطلاق ناحق پر ہی ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۶۷۴: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَكْرَمُ فَقَالَ اَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَاَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِيْ قَالُوْا

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والا ہے۔ عرض کیا ہم نے اس کے متعلق سوال نہیں کیا؟ فرمایا: لوگوں میں بڑے شرف والے اللہ کے نبی یوسف ہیں وہ اللہ کے نبی کے بیٹے اور ان کے والد اللہ کے نبی خلیل اللہ علیہ السلام

نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے بیٹے، عرض کیا ہم اس کے متعلق نہیں پوچھتے۔ فرمایا: کیا تم مجھ سے عرب قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ عرض کیا ہاں فرمایا تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں۔ جبکہ وہ احکام دین سے آگاہ ہوں۔ (بخاری و مسلم)

سلہ صراح میں ہے کہ کرم جوان مردی اور عزیز ہونے کا معنی دیتا ہے۔ کرم کی ضد لوم ہے۔ شارحین نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص صفت کرم کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو گویا وہ تمام صفات حمیدہ کے ساتھ متصف ہے۔

سلہ اگر ذات کے اعتبار سے کرم کا سوال ہے تو اس کی بنیاد تقویٰ ہے۔ نام ونسب اور دیگر ذاتی خصائل اس کے لیے نہیں۔

سلہ اگر تم نے کرم باعتبار حسب ونسب پوچھا ہے تو اس معنی کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام افضل ہیں۔

سلہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کے آباء میں تین پیغمبر (حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام) ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا لقب خلیل اللہ ہے۔ (یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی دوست قرار دیا ہے اور یہ نبی سے بھی اخص درجہ ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی وعزت، حسب ونسب، علم وجمال، عفو وکرم، اخلاق وعدل، دنیا وآخرت کی بادشاہی، نبوت وکرامت گویا کرم کی تمام انواع جمع ہیں لہٰذا اسی وجہ سے ان کا کرم کے ساتھ متصف ہونا زیادہ لائق ہے۔

سلہ تاکہ اپنی خاندانی فضائل وخصائل اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہوئے اپنی عظمت کا اظہار کریں اور اپنی صفات کی بنا پر دوسروں پر فوقیت رکھنا چاہتے ہو۔

سلہ جو تم میں سے دور جاہلیت میں بزرگ تھے وہ اسلام میں بھی بزرگ ہوں گے مگر اس کی شرط ہے۔

سلہ فقہوا۔ قاف پر پیش یا اس کے نیچے زیر ہے۔ یعنی ان کی ذات میں ایسی صفات وجواہر ہیں جن کی وجہ سے وہ دور جاہلیت میں ممتاز تھے۔ دور اسلام میں تو ان کے جوہر میں نکھار پیدا ہوا۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ دور جاہلیت میں

سلہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام حسب ونسب دونوں میں اعلیٰ ہیں۔ اسی طرح صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق حسبی اشرف بھی ہیں کہ صدیق ہیں نسبی اشرف بھی ہیں کہ آپ کی چار پشتوں میں صحابیت ہے، خود صحابی ماں باپ صحابی اولاد صحابی پوتے صحابی نواسے صحابی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ (مراۃ، جلد ۶ صہ ۵۰۲)

کفر، گناہ و نافرمانی کی تاریکی جہالت کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے اور دور اسلام میں طہارت ایمانی، اطاعت کا نور اور پاکیزہ علم و عمل سے مطہر و منور اور طاعت شعار ہو جاتے ہیں۔ اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "معادن" سے مراد اشخاص و ان کی ذوات ہیں جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ (لوگ سونے اور چاندی کی معدنیات کی طرح ہیں جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں) یعنی ہر شخص کی ذات میں ایک جوہر ہوتا ہے جو اس کی ذات کو دوسروں سے ممتاز کر دیتا ہے جیسا کہ سونا و چاندی جب وہ کان سے نکالے جاتے ہیں تو خاک آلود اور کثیف ہوتے ہیں اور پگھلنے کے بعد صاف و شفاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کی ذات کا جوہر کثیف اور آلودہ ہوتا ہے۔ اور وہ ایمانی ریاضت کی کٹھالی میں پڑنے کے بعد پاک اور خالص ہو جاتا ہے۔

۴۶۷۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحٰقَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شریف بن شریف بن شریف بن شریف حضرت یوسف ہیں جو یعقوب کے بیٹے وہ اسحٰق کے بیٹے اور وہ ابراہیم کے[1] بیٹے ہیں۔ (بخاری)

[1] اس حدیث کا ترجمہ سابقہ حدیث سے معلوم ہو گیا ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ لفظ ابن کے بارے میں یہ ضابطہ ہے کہ جب یہ دو ناموں کے درمیان آ جائے تو اس کا الف نہیں لکھا جاتا۔ یہاں دوسرے ضابطہ کے مطابق ہے مگر پہلا جملہ قابل توجہ ہے کیونکہ کریم کسی کا نام نہیں۔ اور یہی معاملہ سابقہ حدیث میں تھا۔ اس کے باوجود ہر جگہ الف نہیں لکھا گیا۔ مصابیح کے شارحین میں سے ابن فرشتہ نے کہا ہے کہ درست یہ ہے کہ الف لکھا جائے رفتہ رفتہ۔

۴۶۷۶ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِي يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اٰخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهٖ يَعْنِيْ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ قَالَ فَمَا رُئِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ اَشَدُّ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ حنین[1] کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان بن حارث آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے جب مشرکین نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ نیچے تشریف لائے اور یہ کہہ رہے تھے۔ میں کوئی جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ بیان کرتے ہیں کہ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کوئی بہادر نہیں دیکھا گیا[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] حُنَین، حا پر پیش، نون پر زبر۔ یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد پیش آیا۔ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ عرب کے جرأت مند اور دلیر لوگوں میں سے ہیں۔

سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر کافروں پر حملہ آور ہوئے۔

سے یہ بات آپ کی بے مثال شجاعت اور بہادری پر شاہد ہے کیونکہ اس موقع پر تمام عرب ہوازن غطفان اور دیگر تمام قبائل جمع ہو کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے لشکر پر شکست کے آثار تھے تو آپ نے تنہا حملہ فرمایا جب وہ پیچھے نہ ہٹے تو آپ پیادہ ہو گئے اور دشمنوں پر وار کر کے ان کو شکست دے دی۔

سے یعنی آپ بطور رجز پڑھ رہے تھے۔

ھ جو بہادری، شجاعت اور عظمت میں ممتاز اور شہسوار ہیں۔

لے مصنف نے بعض محدثین کی اتباع کرتے ہوئے یہ حدیث باب مفاخرت میں ذکر کر دی ہے۔

امام تورپشتی فرماتے ہیں کہ محدثین کا اس حدیث کو باب مفاخرت میں ذکر کرنا درست نہیں اور آپ کے مذکورہ ارشاد گرامی کو مفاخرت پر محمول کرنا خطا ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس فخر کرنے سے مبرا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں) اور آپ نے لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد پر فخر سے منع فرمایا ہے لہٰذا آپ یہ خود کیسے کر سکتے ہیں۔ درست یہ ہے کہ یہ بات آپ نے اپنے تعارف کے طور پر فرمائی اور اس بات کی تفصیل یہ ہے کہ بعض اہل کتاب اور کاہنوں نے لوگوں کو آپ کی تشریف آوری سے قبل اطلاع دی تھی اور علامات بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ذات اولاد عبدالمطلب میں سے ہوگی پس آپ نے انہیں مطلع فرمایا کہ میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں اور میرا ظہور ہو چکا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفاخرت وہ منع ہے جو بطور ریا، رسم جاہلیت اور بطور تعصب ہو لیکن جو مفاخرت اللہ تعالیٰ کی نعمت و فضل کے اظہار اور شکر ادا کرنے کے طور پر ہو تو اس کا حکم ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اے حبیب آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کریں) اور یہاں تو مفاخرت اس لیے بھی جائز ہے کہ یہ مقام دشمنوں پر دہشت و رعب کا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تکبر و بڑائی دیگر مقامات پر منع ہے مگر جنگ میں دشمن کے مقابلے میں جائز ہے۔

۴۶۷۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے مخلوق سے بہتر۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ[1] ابراہیم ہیں[2]۔ (مسلم)

لہ یہ صفت ان کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں تمام پر برگزیدہ بنایا اور تمام امتوں کی زبانوں پر ان کی مدح جاری فرمائی۔

سے یہاں ایک اہم اشکال ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام سے افضل کیسے ہو گئے؟ اس کا جواب تین طرح

دیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے بطور تواضع ان کی خلت و ابوت کو مقدم کیا جیسا کہ ہر آدمی تعظیماً دوسرے کو مقدم کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس وقت کا معاملہ ہے جب آپ کو آپ کی تمام مخلوق سے افضل ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

تیسرا یہ کہ سیدنا ابراہیم اپنے دور کے تمام لوگوں سے بہتر تھے۔ باقی مبالغہ کے لیے عبارت مطلقاً ذکر کر دی ہے۔

۴۶۷۸ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا۔ میں اس کا بندہ ہی ہوں لہٰذا تم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔ (بخاری و مسلم)

لہ اطراء تعریف کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا اور جھوٹ بولنا ہے۔ آپ نے فرمایا جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تجاوز کرتے ہوئے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا تم میرے بارے میں اس طرح کا مبالغہ نہ کرنا۔

لہ مقام عبدیت، مقام خاص ہے۔ اور یہ آپ کی صفت مخصوصہ ہے کیونکہ تمام سے کامل اور اتم حقیقی عبد آپ ہی ہیں، اسی وصف کے لحاظ سے آپ کا مقام نہایت ہی بلند ہے اور اس میں اطراء و مبالغہ راہ ہی نہیں پا سکتا۔ یعنی اثبات الوہیت (خدا ہونا) منع ہے۔ اس کے علاوہ جو کمالات و تعریفات آپ کے لیے کہی جائیں گی وہ آپ کے مرتبہ کے شایانِ شان بھی نہیں ہوں گی۔ سہ

مخوان اورا خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

شریعت کے حکم کے مطابق انہیں خدا نہ کہہ۔ اس کے علاوہ ان کی مدح و تعریف میں جو کہنا چاہتا ہے کہہ دے اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی حقیقت سے کوئی آگاہ نہیں لہ تو تعریف کیسے کر سکے گا۔ اور حضور انور

لہ اور جب جانتا ہی نہیں ہے تو آپ کے شایانِ شان تعریف کیسے کرے گا۔

چہ وصفت کند سعدیؔ ناتمام عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَام

نامکمل سعدی آپ کی نعت کیا بیان کرے؟ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور سلامتی

غالب نے یہی بات اپنے انداز میں کہی ہے۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جو معرفت نصیب ہے وہ کسی اور کے بس کہاں ؟ (یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ الوہیت میں بے مثال ہے اسی طرح آپ کی ذات عبدیت میں بے مثال ہے)

۴۶۷۹ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تواضع کرو حتیٰ کہ کوئی کسی پر فخر[2] نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم و ستم کرے[3]۔ (مسلم)

[1] مجاشعی بمیم پر پیش مجاشع بن دارم کی نسبت ہے۔ یہ اہلِ بصرہ میں سے ہیں اور صحابی ہیں۔ ان سے امام حسن بصری اور دیگر محدثین نے روایت کی ہے اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم صحابی ہیں۔

[2] کوئی کسی پر تکبر نہ کرے۔

[3] اس حدیث نے واضح کر دیا کہ وہ فخر و مباہات منع و حرام ہے جو بطور تکبر و ظلم ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۴۶۸۰ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے فوت شدہ ان آباؤ و اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو دوزخ کا کوئلہ ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس

(بقیہ صفحہ سابقہ)

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

غالب! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا ہم نے اللہ تعالیٰ کے سپرد کی، کہ وہی ذاتِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ کا مرتبہ جاننے والی ہے۔

امام بوصیری فرماتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

وہ بات نہ کہو جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کہی اور حضور کی تعریف میں جو چاہو حکم لگاؤ اور دعا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جسے کوئی انسان زبان سے بیان کر سکے۔

الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخِرَءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

گندے کیڑے سے بدتر ہو جائیں گے جو اپنی ناک میں گندگی لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم سے جاہلیت کا تکبر اور آباؤ اجداد پر فخر دور فرمایا، انسان مومن متقی ہے یا کافر بدبخت تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔

(ترمذی، ابوداؤد)

سلہ دوزخ کی آگ میں جل کر سیاہی میں کوئلہ کی طرح ہیں اور یہ ان مشرکین کے بارے میں ہے جو یقیناً دوزخ میں اگر ان کے غیر مراد لیے جائیں تو بھی ممکن ہے کیونکہ ایمان پر موت معلوم نہیں۔ پس ایسی صورت میں ان پر فخر درست تھا۔

سلہ اگر وہ آباء پر فخر کرنے سے باز نہ آئے۔

سلہ جعل۔ جیم پر پیش اور عین پر زبر ہے وہ سیاہ کیڑا مراد ہے جو گندگی میں رہتا ہے۔

سکہ خراءُ خا پر پیش یا زبر، را ساکن اور آخر میں ہمزہ ہے۔ اس کا معنی پلیدی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جاہلیت میں فوت ہونے والوں پر فخر کرنے والوں کو گندا کیڑا اور ان کے آباء کو پلیدی قرار دیا اور ان پر فخر کرنے کو، گندے کیڑے کا اپنے آپ کو گندگی لگانے سے تشبیہ دی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دوش دیدم کہ ابلہے میگفت	پدر من وزیر خاں بودست
باوجودے کہ نیست معلومم	خود گرفتم کہ آنچناں بودست
ہیچکس دیدہ کہ گہ خوردہ است	کیں بعہد قدیم تاں بودست

میں نے کل رات ایک بے وقوف کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ میرا باپ وزیر خان تھا، باوجودیکہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں نے فرض کیا ہے کہ وہ اسی طرح تھا، تم نے کسی شخص کو دیکھا ہے جو اس بنا پر پاخانہ کھاتا ہو کہ یہ پرانے زمانے میں روٹی تھا۔

ہے عُبِّیَّۃ۔ عین پر پیش یا زیر، با کے نیچے زیر، یا پر شد اور زبر ہے اس کا معنی نخوت ہے۔

ہے ہر آدمی دو حال سے خالی نہیں یا وہ مومن متقی ہوگا یا کافر بدنصیب۔ کسی بھی صورت میں آباء پر تکبر و فخر درست نہیں کیونکہ اگر خود آدمی متقی ہے تو وہ اللہ تعالٰی کے ہاں محبوب اور پسندیدہ ہوگا اسے آباء پر فخر کی کیا حاجت؟ اور اس کے حال یہ مناسب نہیں اور اگر وہ کافر ہے تو اللہ تعالٰی کے ہاں ذلیل ہے چہ جائیکہ وہ فخر و تکبر کرے

سلہ اور مٹی پست اور عاجز ہے۔ فخر و بلندی اس کے سزاوار نہیں۔ شعر

زخاک آفریدت خداوند پاک	پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

اے بندے تجھے اللہ تعالٰی نے خاک سے پیدا کیا ہے پس تو مٹی کی طرح گرا پڑا رہ۔

۴۶۸۱/۸ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّیْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ نبی اکرم

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَّاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَکُمْ اَوْبَعْضَ قَوْلِکُمْ وَلَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید ہیں فرمایا سید[1] اللہ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا آپ ہم سب میں بڑے بزرگ[4] اور سب سے زیادہ عطا فرمانے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم ساری بات یا بعض[1] کہو اور تمہیں شیطان کہیں اپنا وکیل نہ بنا لے۔ (احمد و ابو داؤد[3])

[1] مُطَرِّف، میم پر پیش۔ طا پر زبر، را پر کسرہ اور شد ہے۔ عبداللہ بن شخیر، شین کے نیچے زیر۔ خا پر شد اور اس کے نیچے زیر ہے، عامری بصری ہیں۔ ابن سعد نے ان کا شمار اہل بصرہ کے طبقہ ثانیہ میں کیا ہے۔ اور کہا کہ یہ ثقہ ہیں اور فضل ورع وتقویٰ اور عقل وادب میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت ابو ذر، حضرت علی اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی یزید، قتادہ، ثابت، حسن بصری ودیگر لوگوں نے روایت لی ہے۔ ستاسی ہجری کو ان کا وصال ہوا۔

[2] اس سے مراد[1] معطرف کے والد عبداللہ بن شخیر ہیں اور یہ صحابی ہیں۔

[3] مخلوق کے تمام معاملات کا مالک اور تمام کا قبضہ جس کے دست قدرت میں ہے وہ اللہ ہی کی ذات ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں۔ شارحین نے بیان کیا ہے کہ آپ کے انکار کی حکمت یہ تھی کہ وہ آپ کو اس طرح مخاطب کر رہے تھے جس طرح اپنے امراء اور قوم کے سرداروں کو خطاب کرتے تھے۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ آپ کو نبی اللہ رسول اللہ کے القاب سے عرض کرتے جو کہ مراتب بشریہ میں اعلیٰ ہیں۔ اس منع کرنے سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ آپ نے سید ہونے کا بالکل انکار فرمایا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔

[4] یعنی کرم علم اور نبوت جیسے فضائل وکمالات میں۔

[5] طول۔ طا پر زبر ہے۔ اس کا معنی فضل، احسان، قدرت، عبادت اور غنا وکشادگی میں آگے ہونا اور غالب آنا ہے۔

[6] یہ کہو یا اس سے کم اس میں احتیاط کرو کہ میرے بارے میں وہی کہو جو میرے لائق ہے اور وہ نہ کہو جو خالق کی شان کے لائق ہے تاکہ مبالغہ اور جھوٹ اس میں نہ ہو۔

[7] شیطان جو چاہے بطور وکالت تم سے کہلوائے۔ جُرِیّ۔ جیم پر زبر۔ را کے نیچے زیر۔ یا مشدد۔ وکیل کے قائم مقام وکیل کو کہتے ہیں۔ لَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمْ یا کی جگہ ہمزہ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جرأت سے بنا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ کہیں شیطان تمہیں بے خوف کر کے جو بات کہلانا چاہے کہلوا لے۔

---

[1] ابو داؤد میں الفاظ روایت قال ابی انطلقت ہیں شاید یہاں کاتب سے لفظ ابی رہ گیا ہے۔

شہ بعض نسخوں میں ابو داؤد کے ساتھ مسند احمد کا حوالہ بھی ہے۔ اس حدیث میں لفظ "بدعن تولکم" سے مراد ان کا قول افضلنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عظمت اللہ تعالیٰ عَزَّ اِسْمُہٗ وَعَظُمَ شَانُہٗ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اَلْکِبْرُ یَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ (کبریائی اور عظمت دونوں میری چادر ہیں) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "تولوا تولکم" کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اپنے طریقے کے مطابق مجھے مخاطب نہ کرو بلکہ اس طرح مخاطب ہوا کرو جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ۔ واضح رہے کہ یہ معنیٰ "بعض تولکم" کے مناسب نہیں اور لَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمْ کی بھی پہلے معنیٰ ہی تائید کرتا ہے۔

۴۶۸۲ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَبُ الْمَالُ وَالْکَرَمُ التَّقْوٰی۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت حسن[1] حضرت سمرۃ[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حسب[3] مال ہے اور کرم[4] تقویٰ ہے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

لہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ بصرہ میں قیام پذیر رہے۔

لہ حسب ان فضائل اور خصائل حمیدہ کو کہتے ہیں جو انسان اپنے لیے یا اپنے آباء و اجداد کے لیے شمار کرتا ہے پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگوں کے نزدیک حسب اور فضیلت یہی مال ہے، کیونکہ عوام کے نزدیک وہ شخص بے وقار اور خوار ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔

لہ کرم، تمام صفاتِ خیر کا نام ہے اور تمام فضائل کو شامل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین کرم تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر کسی فضیلت کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سے زیادہ مکرم اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔)

۴۶۸۳ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰی بِعَزَاءِ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَعِضُّوْہُ بِھَنِ اَبِیْہِ وَلَا تَکْنُوْا۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص جاہلی نسب کی طرف اپنی نسبت کرتا[1] ہے تو اس کے منہ میں اس کے باپ کے عیوب[2] ٹھونس دو اور کنایہ اختیار نہ کرو[3]۔

(شرح السنۃ)

لہ یعنی اپنے غیر مسلم آباء پر فخر کرتا ہے، یا ان کے جاہلانہ طریقے پر چلتے ہوئے لوگوں سے گالی گلوچ کرتا ہے۔

لہ ھَنٌ ہر اس قبیح چیز کو کہتے ہیں جس کا نام نہ لیا جا سکے، مرد اور عورت کے اگلے پچھلے راستوں کو بھی

ھَنٌ کہا جاتا ہے۔

۳؎ بلکہ صراحتًا ان کے عیوب اور قبائح بیان کرے یا کھلے لفظوں میں شرمگاہ کا نام لے اور یہ انتہائی درجے کی تشدید اور تغلیظ ہے تاکہ فخر نہ کرے اور گالی گلوچ اور لوگوں کے عیوب و نقائص کا ذکر نہ کرے اور ان کو بے عزتی نہ کرے۔

۴۶۸۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُقْبَۃَ عَنْ اَبِیْ عُقْبَۃَ وَکَانَ مَوْلًی مِنْ اَھْلِ فَارِسَ قَالَ شَھِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقُلْتُ خُذْھَا مِنِّیْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِیُّ فَالْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ ھَلَّا قُلْتَ خُذْھَا مِنِّیْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْاَنْصَارِیُّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوعقبہ؎ جو غلام اور فارس کے تھے، سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں حاضر ہوا تو میں نے ایک مشرک کو مارا؎ اور کہا یہ مجھ؎ سے لے لے میں فارسی؎ غلام ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری طرف دیکھا اور فرمایا تم نے یوں کیوں نہیں کہا کہ یہ لے لیں، مجھ میں انصاری؎ غلام ہوں۔ (ابوداؤد)

۱؎ ابوعقبہ یہ کسی انصاری کے غلام تھے۔ اصلاً فارس کے رہنے والے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ عجمی لوگوں میں سے جب بھی کوئی شخص ہجرت کر کے آتا تو وہ انصار یا مہاجرین میں سے کسی کے زیر سایہ پناہ حاصل کرتا اور اپنے معاملات و ضمانت ان کے سپرد کر دیتا۔ ان کو مولی موالات کہا جاتا تھا اور ایک قسم مولی عتاقہ کی ہے اور یہ آزاد شدہ غلام کو کہا جاتا ہے ابوعقبہ صحابی اور عبدالرحمٰن تابعی ثقہ ہیں اور اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ نیزہ، تیر یا تلوار۔

۳؎ یعنی یہ ضرب یہ وہ جملہ ہے جو وار کرتے وقت بہادر لوگ کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی دلیر و جرأت مند ہوں۔

۵؎ مناسب یہ تھا کہ تم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاونین اور ساتھیوں کی طرف اپنی نسبت کرتے کیونکہ قوم کا غلام انہی میں سے ہوتا ہے، اور ان کافر مجوسی اور آگ پرست لوگوں کی طرف نسبت مناسب نہیں۔

۴۶۸۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَہٗ عَلٰی غَیْرِ الْحَقِّ فَھُوَ کَالْبَعِیْرِ الَّذِیْ رُدِّیَ فَھُوَ یُنْزَعُ بِذَنَبِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی قوم کی مدد کسی ناحق کام پر کرے وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کنوئیں؎ میں گر کر ہلاک ہو جائے اور اسے اس کی دم؎ کے ذریعے باہر کھینچا جائے۔ (ابوداؤد)

۱؎ تردی۔ صراح میں ہے کہ ردی کا معنی کنوئیں میں گرنا ہے۔ پہاڑ سے گرنے کو تردی کہا جاتا ہے۔ بالفعل ہلاکت کے معنی میں ہے۔

ٰ؎ واضح بات ہے کہ دُم کے ذریعے سے کنوئیں سے باہر نہیں کھینچا جا سکتا۔
ٰ؎ ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس میں قوم کے مددگار کو اس اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کنوئیں میں ہلاک ہو گیا اور اسے دم کے ذریعے باہر نکالنے کی کوشش کی جائے۔ علامہ طیبی اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اپنی قوم کی ناحق مدد کر کے اپنے آپ کو بلند کرے گا۔ وہ اس مذکورہ اونٹ کی طرح گناہ اور اثم کے کنوئیں میں اس طرح گر جاتا ہے کہ باہر آنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ بعض حواشی میں ہے کہ اونٹ کے ساتھ قوم اور اس کی دُم کے ساتھ مددگار کو تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح دم کے ساتھ وہ اونٹ کنوئیں سے باہر نہیں لایا جا سکتا اسی طرح وہ مددگار اس قوم کو ہلاکت کے گڑھے سے باہر نہیں نکال سکتا۔

۳۶۸۶ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت واثلہ بن اسقع[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ تعصب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا اپنی قوم کا ظلم پر مددگار بننا تعصب[2] ہے۔ (ابوداؤد)

[1] اسقع سین اور قاف ہے۔ یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں، غزوہ تبوک کے موقعہ پر اسلام قبول کیا۔
[2] اس حدیث سے واضح کر دیا کہ اپنی قوم کی اچھی بات میں حمایت و اعانت کرنا تعصب نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

۳۶۸۷ وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ ابْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهِ مَالَمْ يَأْثَمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے خاندان کا دفاع[2] کرے جب تک وہ کسی گناہ[3] کا ارتکاب نہ کرے۔ (ابوداؤد)

[1] جعشم جیم پر پیش، عین ساکن اور شین پر پیش ہے۔ سراقہ وہ شخص ہیں جن کو ہجرت کے موقعہ پر کفار قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاقب میں اس لیے روانہ کیا کہ وہ آپ کو پکڑ کر لائے جب وہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو زمین نے انہیں چھوڑ دیا پھر وہ وہاں سے واپس لوٹے۔
[2] ان پر ظلم و زیادتی نہ ہو سکے۔ مدافعت کا معنی صراح میں کسی کا حق دلانا اور اس سے زیادتی کو دور کرنا ہے۔
[3] بشرطیکہ ان سے ظلم سرزد نہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قوم اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی مدافعت میں ظلم کرتی ہے تو اب کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے لیے ضابطہ ہے کہ اگر اس ظلم کا دفاع زبان سے

ہو سکتا ہے تو ہاتھ کو بروئے کار نہ لایا جائے اور مارنے سے کام ہو جاتا ہے تو قتل جائز نہیں۔

۴۶۸۸/۱۵ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جبیر[۱] بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت[۲] دے اور وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب میں لڑے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب[۳] میں فوت ہو۔ (ابوداؤد)

[۱] یہ صحابی ہیں قریشی، نوفلی ہیں۔ نوفل بن عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ نہایت حلیم، سعادت مند اور باوقار شخصیت تھے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

[۲] جو لوگوں کے درمیان عصبیت پیدا کرے۔

[۳] جو عصبیت بطریق ظلم اور باطل پر ہو وہ حرام و منع ہے۔

۴۶۸۹/۱۶ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شی سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرا[۱] کر دیتی ہے۔ (ابوداؤد)

[۱] محب کو محبوب کی برائی بھی اچھائی نظر آتی ہے جیسے کہ محاورہ ہے وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ رضا اور محبت کی آنکھ کسی بھی عیب کو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ محب کو جمالِ محبوب کے علاوہ کوئی شئے بھاتی ہی نہیں، اسی طرح محبوب کی بات کے علاوہ وہ کسی کی بات کی طرف کان ہی نہیں لگاتا۔ اس مبارک حدیث کو عصبیت کی مذمت کے باب میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ تعصب کرنے والا شخص اپنی قوم کی حمایت اور اعانت میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ حق سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اس پر غور و فکر نہیں کرتا کہ حق کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۶۹۰/۱۷ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِيْرٍ الشَّامِيِّ مِنْ اَهْلِ فِلَسْطِيْنَ عَنِ امْرَاَةٍ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فُسَيْلَةُ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُّحِبَّ الرَّجُلُ

حضرت عبادہ[۱] بن کثیر شامی جو اہل فلسطین[۲] میں سے ہیں اپنے علاقہ کی ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں جس کو فسیلہ[۳] کہا جاتا تھا وہ اپنے والد گرامی کے حوالے سے بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

قَوْمَہٗ قَالَ لَا وَلٰکِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّۃِ اَنْ یَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَہٗ عَلَی الظُّلْمِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ)

سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ عصبیت ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے؟ فرمایا نہیں البتہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے۔ (احمد، ابن ماجہ)

۱؎ عُبادہ عین پر پیش۔
۲؎ فلسطین۔ فا کے نیچے زیر لام پر زبر ملک کا نام ہے اس کے شہروں میں سے بیت المقدس ایک شہر ہے
۳؎ فُسَیلَہ، فا پر پیش، سین پر زبر صیغہ تصغیر ہے۔ لغت میں کھجور کے چھوٹے تنے کو کہتے ہیں ممکن ہے وہ خاتون کوتاہ قد ہو اور اس کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی ہے۔

۴۷۶۹ وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْسَابُکُمْ ھٰذِہٖ لَیْسَتْ بِمَسَبَّۃٍ عَلٰی اَحَدٍ کُلُّکُمْ بَنُوْا اٰدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُہُ لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِیْنٍ وَّتَقْوٰی کَفٰی بِالرَّجُلِ اَنْ یَّکُوْنَ بَذِیًّا فَاحِشًا بَخِیْلًا۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے یہ نسب کسی کو گالی دینے کے لیے نہیں ہیں تم سب حضرت آدم کی اولاد ہو جیسے صاع کی چیز صاع سے ہے جسے اس نے بھرا نہ ہو تم میں کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں مگر بسبب دین وتقویٰ کے اور آدمی کے ذلیل ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ زبان دراز، بے ہودہ گو اور بخیل ہو۔ (احمد، بیہقی، شعب الایمان)

۱؎ یہ گالی وعار کا محل نہیں اور نہ دوسرے لوگوں پر عار وعیب کا سبب۔
۲؎ یعنی تمام لوگ ناقص ونا تمام ہونے میں برابر کے شریک ہیں اور درجۂ کمال وتمام نہ پانے کی وجہ بیان کی کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ ذاتی نقصان اور ناتمامی بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ فضل وبزرگی نسب وغیرہ میں نہیں بلکہ تقویٰ میں ہے۔
۳؎ تقویٰ ودین کے ضمن میں اچھی صفات کا تذکرہ ہوا تو سب اس کے بعد اب بعض برائیوں کا ذکر بھی فرمایا۔
۴؎ گفتگو میں بے ہودہ پن اور مال میں بخل۔

بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

۳۲۰۔ نیکی اور صلۂ رحمی کا بیان

بِر، با کے نیچے زیر بمعنی احسان و نیکی ہے۔ یہاں والدین سے نیکی مراد ہے، اس کی ضد عُقُوق (نافرمانی) ہے۔ صلہ کا لغوی معنی جوڑنا اور ملانا ہے۔ یہاں قریبیوں کے ساتھ وہ انعام واحسان ہے جو رحم کے سبب قائم ہوا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۶۹۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے اچھے[1] برتاؤ کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تمہاری والدہ، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری والدہ، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری والدہ۔ عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری والدہ۔ عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہارا باپ[2]۔ ایک اور روایت[3] میں ہے کہ فرمایا تمہاری والدہ، پھر تمہاری والدہ، پھر تمہارا باپ پھر تمہارا قریبی[4] پھر قریبی۔ (بخاری[5] و مسلم)

[1] صحابت، مصدر ہے، صراح میں ہے کہ صحابہ کا معنی دوست اور مدد کرنا ہے۔ یہ باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے۔

[2] چوتھی دفعہ فرمایا۔

[3] اس روایت میں سوال وجواب نہیں بلکہ آپ نے پہلی ہی دفعہ تین مرتبہ فرما دیا۔ اس روایت میں لفظ اُمَّکَ منصوب ہے۔

[4] ماں باپ کے بعد ہر وہ شخص حسب ترتیب مستحق ہے جو قریب تر ہے۔

[5] بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ماں کے لیے باپ کی نسبت تین احسان حاصل ہیں اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے حمل کا بوجھ، جننے کی تکلیف اور دودھ پلانے میں شفقت، اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ والدہ کا حق نیکی واحسان میں والد کی نسبت زیادہ واجب اور مؤکد ہے اگر کسی جگہ دونوں کے حق میں تعارض آجائے مثلاً ایک کے حق کی ادائیگی دوسرے کی تکلیف کا سبب ہے تو ایسی صورت میں تعظیم و احترام میں والد کا حق ہے۔ اور خدمت وانعام میں والدہ کا حق راجح ہوگا۔ والدین کے حقوق یہ ہیں کہ ان کے ساتھ تواضع و

انکساری سے پیش آیا جائے نا کردہ راضی ہوں۔ ہر جائز کام میں ان کی اطاعت کی جائے۔ بے ادبی نہ کی جائے۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ اگرچہ وہ مشرک ہوں۔ نیکی کے حکم اور برائی سے روکنے میں نرمی کرے۔ ایک دفعہ کہے اگر قبول نہ کریں تو خاموشی اختیار کی جائے۔ ان کے حق میں دعا و استغفار کی جائے۔ والدین کے یہ آداب و احترام قرآن مجید کے اس مقام سے حاصل ہوتے ہیں جو سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے باپ کے ساتھ بطور نصیحت کیا تھا۔

۴۶۹۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُهُ رَغِمَ اَنْفُهُ رَغِمَ اَنْفُهُ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ناک[1] خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس کی؟ فرمایا جو شخص والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے، پھر جنت میں داخل نہ ہو سکے[2]۔ (مسلم)

[1] رغم انف یہ ذلت و خواری سے کنایہ ہے رغام زبر کے ساتھ مٹی۔

[2] یعنی خدمت نہ کی ان کو راضی نہ کیا۔ بعض احادیث میں رمضان شریف کے بارے میں بھی یہی ہے کہ جس نے اس میں عبادت و طاعت نہ کی وہ بھی خاک آلودہ ہو۔

۴۶۹۴ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں حالانکہ وہ عہد[1] قریش میں مشرکہ تھیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں، وہ اسلام سے[2] دور ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ فرمایا ہاں صلہ رحمی کرو۔ (بخاری و مسلم[3])

[1] ان دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

[2] راغبۃ۔ رغبت کا صلہ فی آئے تو اس کا معنی محبت و شوق ہے۔ اور اگر عن آئے تو اس کا معنی اعراض و اجتناب ہے۔ اس مقام پر دونوں معانی کا احتمال ہے بلکہ اعراض زیادہ مناسب ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے وَھِیَ رَاغِمَۃٌ اس کا معنی ناپسند کرنے والی اور ناراض ہے۔ بعض لوگوں نے دونوں روایات کا ایک ہی معنی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ راغبہ یعنی میرے مال میں طمع و حرص رکھتی ہیں۔ اور راغمہ یعنی فقر کی وجہ سے مجبور و محتاج ہو کر آئی ہے۔ حضرت اسماء نے پوچھا کہ میری ماں اس حال میں آئی ہے، کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں۔

[3] اس حدیث نے واضح کر دیا کہ والدین اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ صلہ رحمی و احسان کیا جاسکے گا۔

اس پر دیگر رشتہ داروں کو قیاس کرو۔ دینی مخالفت کے باوجود قرابت داری کی رعایت کرنی ضروری ہے۔

۴۶۹۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اٰلَ اَبِيْ فُلَانٍ لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَآءَ اِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ اَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا فلاں[1] قبیلہ میرا دوست نہیں۔ میرا دوست اللہ تعالیٰ اور نیک[2] مؤمنین ہیں لیکن ان کے لیے رشتہ قرابت ہے اس کی نرمی[3] سے اس کو تر کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] شارحین نے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کا نام لیا تھا لیکن راوی نے کنایہ سے کام لیا ہے اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ روایت میں نام کی تصریح سے اس وقت خوف تھا کہ فتنہ برپا نہ ہو جائے اور اصل میں ابی کے بعد جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اور علت مذکورہ کی وجہ سے نام ذکر نہیں کیا، شارحین کہتے ہیں کہ ابی فلاں سے مراد ابو لہب ہے۔ بعض کے نزدیک ابو سفیان یا حکم بن عاص ہے۔ یہ آخری زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی عمرو بن عاص ہیں جنہوں نے محسوس کیا کہ اپنے قبیلے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی اور قرابت کی نفی اور ان کے عیب کا اظہار صریحاً مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] صالح سے مراد کوئی ایک نہیں بلکہ جنس صلحاء مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے ابو بکر و عمر مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک حضرت علی مراد ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

[3] یعنی اتنی اشیاء ان کو دوں گا جو انہیں ضروری اور کافی ہوں، چونکہ نرمی و ترمی اشیاء میں اتصال اور خشکی و سختی افتراق کا سبب ہے اس لیے بل یعنی نرمی کو صلہ رحمی سے اور یُبس یعنی خشکی کو قطع رحمی سے کنایہ کرتے ہیں۔ بعض شارحین نے قطع رحمی کو گرمی کے ساتھ اور صلہ رحمی کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ قطع رحمی کی گرمی صلہ رحمی کے ذریعے سرد ہو جاتی ہے۔

بُلال با پر زبر، زیر اور پیش (تینوں پڑھ سکتے ہیں) بمعنی نرمی ہے اور ہر وہ چیز جو حلق کو تر کرنے کا ذریعہ ہو مثلاً پانی، دودھ، اور اس کی جمع بَلّل بھی آتی ہے۔

۴۶۹۶ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَوَاْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں[1] کی نافرمانی، بچیوں[2] کا زندہ درگور کرنا، بخل[3] گداگری کو حرام فرمایا اور کثرت[4] سوال[5] اور بربادی مال کو ناپسند فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ ماں کی تخصیص کی مختلف حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے حقوق قوی اور غالب ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے دل کمزور ہوتے ہیں وہ تھوڑے سے معاملے سے ناراض ہو جاتی ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ اکثر اولاد ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے۔ یا وجہ یہ ہے کہ ظاہراً گفتگو انہیں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ایسی اشیاء کا ذکر ہے جو آپس میں بیگانہ ہیں! اس جہت سے کہ ان کے ذکر کے ساتھ ان میں قرابت واقع ہو گی۔

سلہ یہ جاہلیت میں فقر و عار کے خوف کی وجہ سے کرتے تھے۔

سلہ منع ماضی بصورت مصدر بھی مروی ہے اس سے بخل و امساک مراد ہے۔

سلہ ہات بمعنی آئت ہے جو ایتاءٌ سے امر کا صیغہ ہے۔ ایتاء کا معنی دینا ہے۔ آت سے مراد طلب اور سوال ہے بعض نے کہا ہے کہ منع سے مراد ان حقوق کو ادا نہ کرنا ہے جو مال میں واجب تھے اور ایسے اموال کا حاصل کرنا جو حلال نہیں ہیں بعض کے نزدیک اس سے مراد تمام حقوق واجبہ سے منع کرنا ہے۔ خواہ وہ اموال ہوں یا افعال و اقوال اور اخلاق ہوں اور ایسے حقوق لوگوں سے طلب کرنا جن میں انصاف و اعتدال کی رعایت ان پر لازم نہ تھی۔

سلہ کرہ۔ مبالغہ کی وجہ سے مشدد ہے اور مخفف بھی مروی ہے، قیل و قال دونوں کی لام پر زبر ہے اور فعل ماضی مجہول و معروف ہیں اور بطور حکایت ان کا اعراب ہوگا، اس سے مقصود لوگوں کو ان باتوں اور واقعات کے بیان کرنے سے روکنا ہے جو بے مقصد کی جاتی ہیں۔ مثلاً اس طرح کہا گیا فلاں نے اس طرح کہا۔ وہ بحث و تحقیق جو کسی بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کی جاتی ہے وہ منع نہیں ورنہ کوئی شے حقیقت کے ساتھ معلوم ہی نہ ہو گی اور تحقیق کے لیے دوسرے لوگوں کے اقوال نقل کرنا بھی حرام نہیں۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہاں قیل و قال سے کثرتِ کلام اور بسیار گوئی مراد ہے اور اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اس میں سختی پیدا ہوتی ہے اور وقت کا ضیاع ہے۔

سلہ اس کے چند معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کے احوال کے بارے تجسس اور تفتیش کے لیے باز پرس کرنا ہے دوسرا یہ کہ امتحان و اظہار فضیلت اور بڑائی کے لیے کثرت سے سوالات کرنا۔ تیسرا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتنی کثرت کے ساتھ سوالات کرنا کہ آپ کی تکلیف و اذیت کا باعث ہوں اور اس سے احکام میں تنگی و شدت پیدا ہو جائے جیسے کہ قرآن مجید میں ہے لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ الآیۃ بعض نے اس سے گداگری مراد لیا ہے لیکن یہ معنی بعید ہے کیونکہ پھر لفظ کثرت کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا بلکہ بے ضرورت سوال کرنا حرام ہے۔ خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اور اس کے علاوہ لفظ کثرت اپنے اطلاق کے سبب اس معنی کو شامل ہے لہٰذا تکرار لازم آئے گا

سلہ اس سے اسراف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مال خرچ کرنا مراد ہے مثلاً ایک آدمی تمام یا بعض مال کسی ایک کو دے دیتا ہے اور اہل حقوق محتاج رہتے ہیں یا مال پانی میں ڈال دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے۔ یا فاسق و فاجر شخص کو دیتا ہے جو شریعت کے خلاف مال خرچ کر دے گا۔ اس مقام پر تفصیل ہے کہ مال کا خرچ کرنا واجب و مندوب ہو تو اس میں اسراف و ضیاع کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر وہاں خرچ کرنا حرام ہے تو اب یقیناً ضیاع اور اسراف حرام ہوگا۔ انتہاہ

اس صورت میں ہے جب وہ کام بظاہر مباح ہوتا ہے لیکن اس سے ظاہر و باطن میں قبائح و مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایسے مکانات و محلات تعمیر کرنا جو ضرورت سے زائد ہوں اور ان کی زیب و زینت کے لیے بے بہا رقم خرچ کرنا، لباس فاخرہ اور لذیذ کھانوں میں حد اعتدال سے زیادہ خرچ کرنا جس طرح کہ اہل اسراف و تکبر کی عادت ہے اور فقراء اور محتاجوں کی پرواہ نہ کرنا اگرچہ یہ بظاہر حکم شرع میں حرام نہیں لیکن اس سے دل کی سختی اور طبیعت میں درشتی پیدا ہوتی ہے اسی طرح برتنوں، تلواروں اور ہتھیاروں کو سجانا، ان پر سونا و جواہر لگوانا، بیع و شرا میں بے قید ہو جانا اور اس میں مکر فاحش کا ارتکاب کرنا اور لمبی لمبی امیدیں قائم کر لینا تمام ضیاع اور اسراف میں داخل ہیں۔

۴۶۹۷/۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے۔ فرمایا ہاں کسی[1] کے باپ کو گالی دے اور وہ اس کے باپ کو گالی دے گا، یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ اور وہ اس کی[2] ماں کو گالی دے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] کسی کے والدین کو گالی دے کر اپنے والدین کو گالی دلوانے کا سبب بنتا ہے، اس لیے اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، کیونکہ یہ ان کی نافرمانی میں داخل ہے۔ شعر

گر مادر خویش دوست داری
دشنام مکن بمادر من

اگر تو اپنی ماں سے محبت رکھتا ہے تو میری ماں کو گالی نہ دے۔

[2] اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص فسق و فساد کا سبب و ذریعہ بنے، وہ بھی فاسق ہے۔

۴۶۹۸/۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بہترین نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے[1] غائب ہونے کے بعد اس کے دوستوں سے حسن سلوک کرے۔ (مسلم)

[1] موجودہ دور اس خطرناک حالت سے گزر رہا ہے۔ آج بعض لوگوں کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں اور بعض کے پاس ناجائز دولت سے تیار کردہ کروڑوں اربوں روپے کے محلات ہیں جس کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں ہے۔

[1] یعنی مرنے کے بعد یا عدم موجودگی میں۔ یُوَلِّیْ یا پر پیش، واؤ پر زبر اور لام پر زیر اور شد ہے۔ تولیت بمعنی پست کرنا اور پیٹھ پھیر کر چلے جانا یعنی باپ کی محبت اسے کہیں گے کہ گویا وہ اس کی قیمت اپنی سمجھے اور اس صورت میں صلہ و مروت لازم ہوگی۔ اور یہ صلہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی ہوگی، جب عدم موجودگی میں اس کا یہ حال ہے تو موجودگی میں کتنی محبت کرتا ہوگا۔

۴۶۹۹ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ أَثَرِهٖ[1] فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کی موت میں تاخیر ہو وہ صلہ رحمی کرے[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] "اَثَر" کا معنی زمین پر چلنے سے پاؤں کا نشان ہے۔ یہاں موت مراد ہے جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے نشان زمین پر نہ رہے اسے اَثَر کہتے ہیں اور اس سے مدت عمر مراد لی جاتی ہے۔

[2] فراخی رزق اور درازی عمر سے مراد برکت، بہتر زندگی، نیکی کی توفیق، صفاء حال اور نورانیت قلب ہے یا درازی عمر سے جہان میں نیک نامی کی بقاء ہے۔ لفظ اثر اس کی طرف اشارہ کرتا ہے یا نیک ذریت مراد ہے جو اس کے لیے دعا کرنے والی اور اس کی نیک نامی کو زندہ رکھنے والی ہے۔ کیونکہ اولاد مرنے والے کی دوسری ولادت ہوتی ہے، درحقیقت اللہ تعالٰی نے فراخی رزق اور درازی عمر کے لیے صلہ رحمی کو سبب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی سبب پیدا فرمایا ہے۔ ہر وہ شخص جس کے بارے میں اس کا ارادہ ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی، عمر میں اضافہ ہو اسے خیر اور حقوق کی ادائیگی کی توفیق عنایت کر دیتا ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ یہ محو و اثبات (مٹانا یا قائم کرنا) مخلوق کی نسبت سے ہے نہ کہ خالق کی نسبت سے کیونکہ اس کے علم میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ہوتا یوں ہے کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس پر چالیس سال کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ باقی جب شارع علیہ السلام نے ہمیں اس بات کی خبر دی ہے۔ اب چون و چرا نہیں بلکہ اس پر پختگی کے ساتھ عقیدہ رکھ لیا جائے اور سعادت مندی یہی ہے کہ ایسے معاملات سن کر ان پر عمل کر لیا جائے اور حقیقت حال اللہ سبحانہ تعالٰی کے سپرد کر دی جائے۔ اس بحث میں نہ پڑا جائے کہ یہ کیوں اور کیسے ہے۔

۴۷۰۰ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوَيِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَّصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالٰی نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم رحمٰن کا دامن کرم پکڑ کر کھڑا ہو گیا، رب تعالٰی نے فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا یہ اس کی جگہ ہے جو تیرے ساتھ توڑے جانے سے پناہ لے، فرمایا کہ تو اس سے

فَقَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَذَالِكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

راضی نہیں کہ میں اسے جوڑدوں جو تجھے جوڑے اور توڑ دوں جو تجھے توڑے عرض کیا اے میرے رب! ہاں! فرمایا تو ایسا ہی ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

لے یعنی ازل میں اپنے علم ازلی میں یہ تقدیر فرمائی کہ جب میں مخلوق کو وجود بخشوں گا تو وہ اس طرح ہوگا۔

ے۲ یعنی جب اسے پورا اور مکمل کر دیا کیونکہ فراغت کا حقیقی معنی کسی کام میں مشغول ہونے کے بعد ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے نیز اسے ایک کام دوسرے کام کے لیے مانع نہیں ہوتا جیسا کہ دعا منقولہ میں ہے سُبْحَانَ مَنْ لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ (پاک ہے وہ ذات جسے ایک حال دوسرے حال سے مانع نہیں ہوتا)۔

سلہ صفات باری تعالیٰ میں سے رحمٰن کا ذکر کیوں ہوا؟ اس کی حکمت آئندہ احادیث سے واضح ہو جائے گی۔

سکہ حَقْوٌ حا پر زبر قاف ساکن، تہبند باندھنے کی جگہ۔ چونکہ تہبند کے دونوں اطراف اس سے وابستہ ہوتے ہیں اس لیے اسے حَقْوَيْه کہا جاتا ہے یعنی کمر کی دونوں اطراف، اور تہبند پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور برگزیدہ گو عربوں کے محاورہ کے طور پر ہے۔ اور لوگوں کا طریقہ ہے جب ایک شخص دوسرے کی پناہ لیتا ہے تو اس کا دامن پکڑتا ہے یا اس کے تہبند کا کنارہ، بعض اوقات جب کام دشوار ہو اور کام میں مجبوری پیدا ہو جائے اور مبالغہ و تاکید مقصود ہو تو تہبند کے دونوں کنارے پکڑے جاتے ہیں تاکہ وہ شخص دشواری میں گھر کر پوچھے کہ کیا مقصد ہے اور کیا چاہتے ہو؟ یہ استعارہ ہے اس بات سے کہ رحم نے قطع کے خوف سے رحمان کی پناہ لی۔ اس کے بعد یہ محاورہ بن چکا ہے اس میں اب تہبند کا اعتبار نہیں رہا، مقصود صرف پکڑنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ کہتے ہیں يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ۔ اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں یعنی اس سے مراد وہ ذات ہے جو سخی و جواد ہے، خواہ خلقۃً اس کے ہاتھ نہ ہوں یا کاٹ دیے گئے ہوں یا وہاں ہاتھوں کا موجود ہونا ہی محال ہو جیسا کہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس طرح کے محاورات کلام عرب میں کثرت کے ساتھ ہیں اور قرآن و حدیث میں عربوں کے محاورات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے متشابہات کی تاویل کے لیے یہ ایک اہم ضابطہ ہے جس میں دیگر تکلفات کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا۔ رحم ازقبیل معانی ہے ذات نہیں کہ کھڑا ہو، لہٰذا اس کا پناہ لینا، کھڑا ہونا بطور تمثیل وتشبیہ ہے گویا رحم نے بمنزلہ ایک شخص کے کھڑے ہو کر اللہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ کا دامن رحمت پکڑ لیا۔

ے۵ تو کیا کہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ تیرے پناہ لینے کا کیا مقصد ہے؟ مَہْ کا معنی باز رہ اور رک جا ہوتا ہے یا ما استفہامیہ اور الف کو ہا کے ساتھ بدل دیا گیا۔

ے۶ یعنی میں تیری بارگاہ میں تیرے دامن عزت وعظمت کے ساتھ وابستہ ہو کر اپنے عجز کا اظہار کرتا ہوں کہ

میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس شخص سے جس نے میری رعایت نہ کی اور رحم کو قطع کیا۔

۷ اللہ تعالیٰ نے اس کی عرض قبول کرتے ہوئے فرمایا۔

۸ یعنی اس پر احسان و انعام کروں گا۔

۹ یعنی اس سے انعام و احسان واپس کروں گا۔

۱۰ پس یہ تیرے لیے میرا وعدہ ثابت ہو گیا اور تیرا میرے ہاں یہی مقام ہے۔

۴۷۰۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَّصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لفظ رحم رحمٰن سے بنا ہوا ہے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے رحم کو جوڑا میں اسے جوڑوں گا اور جس نے اسے توڑا میں اسے توڑ دوں گا۔ (بخاری)

۱ دوسری روایت میں یہ تصریح ہے کہ میں نے رحم کو اپنے نام رحمٰن سے بنایا ہے (کذا قال الطیبی) یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں سے مراد معنی ہو یعنی قرابت رحم کی رعایت واجب و لازم ہے۔ کیونکہ حضرت رحمٰن کی شعبہ رحمت سے اس کا تعلق ہے۔

شجنۃ شین، جیم ساکن، درخت کے پتے اور اس کی جڑوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد یہ ہے کہ رحم، رحمان کی رحمتوں میں سے ہے اور اس کے ساتھ متصل ہے۔

۴۷۰۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَّصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحم عرش کے ساتھ معلق ہے اور یہ کہہ رہا ہے جو شخص مجھے جوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جو مجھے توڑ دے گا اسے اللہ تعالیٰ توڑ دے گا۔ (بخاری و مسلم)

۱ جو سب سے بلند مقام ہے۔

۲ بطور دعا و خبر۔

۴۷۰۳ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۱ یعنی رحم قطع کرنے والا ولیوں اور مقربین کے ہمراہ جنت میں نہیں جائے گا۔

۴۷۰۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ دے چکا ہو بلکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۔ (بخاری)

ل یعنی کامل طور پر واصل نہیں جو رشتہ داروں کے ساتھ اس سبب سے احسان کرے کہ وہ بھی احسان کرتے ہیں۔
ل جواں مردی یہ ہے کہ اپنا حق طلب نہ کیا جائے اور دوسروں کا حق ادا کر دیا جائے۔ مبالغہ و تکثیر کے پیش نظر لفظ قطعت کو مشدد پڑھا جائے گا۔

۴۷۰۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ قَرَابَةً اَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنِيْ وَاُحْسِنُ اِلَيْهِمْ وَيُسِيْئُوْنَ اِلَيَّ وَاَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَيَّ فَقَالَ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے رشتہ دار ہیں میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ میرے ساتھ تعلق توڑتے ہیں میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ بردباری سے کام لیتا ہوں وہ مجھ سے جہالت سے کام لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر واقعہ اسی طرح ہے جس طرح تو نے بیان کیا ہے تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مددگار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے گا (مسلم)

ل جب وہ تیری نیکی کا شکر ادا نہیں کرتے تو تیری عطا ان کے لیے حرام ہے اور ان کے پیٹ آگ کے حکم میں ہیں۔ اور ان کے کھانے کو گرم راکھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ مَلّ میم پر زبر۔ گرم راکھ کو کہا جاتا ہے بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ تو نے ان پر احسان کر کے ان کو ان کے سامنے رسوا کر دیا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے منہ میں گرم راکھ ڈالی جائے تو وہ اسے کھا جائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تیرا احسان ان پر گرم راکھ کی طرح ہے جو ان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔ بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ ان کے چہرے گرم راکھ کی طرح سیاہ ہو جائیں گے۔
ل جو ان کے شر سے تجھے محفوظ رکھے گا اور تیری مدد و نصرت کرے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۷۰۶ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو دعا ہی رد کر سکتی ہے اور عمر میں اچھا سلوک ہی اضافہ کرتا ہے اور یقیناً آدمی اس گناہ کی بنا پر رزق سے محروم

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) ہو جاتا ہے جو اسے لاحق ہو۔ (ابن ماجہ)

لہ قدر، دال پر زبر یا سکون ہے۔ اللہ کا بندے کے لیے کسی چیز کے بارے میں حکم مقرر کرنا، لیلۃ القدر اس رات کو کہا جاتا ہے جس میں سال کے احکام لکھے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک قدر (عزت والی) رات مراد ہے کیونکہ اس رات کی دعا اللہ کے حکم سے تقدیر کو بدل دیتی ہے اور دعا کو تقدیر بدلنے کا سبب بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ بندہ دعا کرے گا تو ہم اس پر نازل ہونے والی فلاں مصیبت کو ٹال دیں گے۔ دنیا بھر کے تمام اسباب کا تقدیر الٰہی کے ساتھ یہی تعلق ہے۔ مثلاً طبی ادویہ شفا کے لیے بندوں کے اعمال، دخول جنت و دوزخ کے لیے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ بندے کا ہمیشہ دعا کرتے رہنا نزول قضا کو آسان اور اس کو دل کے لیے پسندیدہ بنا دیتا ہے یعنی جب وہ دعا کرے گا اور تقدیر نہیں بدلے گی تو اس پر راضی ہو کر جان دے گا تو اس پر اس کا بوجھ تھوڑا ہوگا بخلاف اس شخص کے جس پر اچانک تقدیر نازل ہوئی تو گویا دعا نے اسے موخر ورد کیا (کذا نقل الطیبی) اور اس مسکین (عبد الحق) کے ذہن میں یہ آ رہا ہے کہ یہاں مقصود دعا کی تاثیر اور مدح میں مبالغہ ہے۔ یعنی کوئی چیز بھی تقدیر الٰہی کو رد نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی چیز رد کر سکتی تو وہ دعا تھی۔ بالکل اسی طرح کی گفتگو نظر بد کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شی تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر بد ہوتی۔

لہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنا عمر میں اضافہ کرتا ہے۔ مطلب وہی ہے جو دعا کے تقدیر کو رد کرنے کے سلسلے میں بیان کیا گیا۔ دوسری توجیہات فصل اول میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث کے تحت، گزر چکی ہیں۔

لہ یہاں ایک سوال ہے کہ بہت سے نافرمان اور کافر ایسے ہیں جن پر رزق کے دروازے بڑی فراوانی کے ساتھ کھلے ہوئے ہیں اور بعض مومن دفرمانبردار تنگی میں ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں نے حدیث میں مذکور رزق سے مراد آخرت کا رزق لیا ہے کہ گناہ کی وجہ سے انسان آخرت میں محروم ہوگا اور اگر مراد دنیا کا مال وصحت اور کامیابی ہے تو جواب یہ ہوگا کہ محرومی سے مراد یہ ہے کہ اسے رضائے الٰہی، اچھی ونیک زندگی، دلی فراغت، حضوری کی دولت، کدورت سے صفائی حاصل نہ ہوگی جیسا کہ متقین کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ''وہ جس نے حالت ایمان میں نیک عمل کیا خواہ وہ مرد تھا یا خاتون تو اسے ہم مبارک زندگی عطا فرمائیں گے'' بخلاف فاسق لوگوں کے کہ ان کے اوقات میں تاریکی وظلمت، دنیا کا حرص ولالچ، نقصان اور اس کے ختم ہونے کا خوف اور دل کی پریشانی لاحق رہتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ''وہ شخص جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا پس اس کے لیے معیشت تنگ ہو جائے گی'' اور اگر مومن ہے تو اسے بُری آخرت اور گناہ کے خیال سے وحشت اور خوش حالی و راحت میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث ان بعض گناہ گار مومنوں کے لیے ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کو گناہوں کی کدورت سے پاک کر کے جنت میں داخل فرمائے تو ان گناہوں کے عوض دنیا میں ان کو تکلیف میں مبتلا فرما کر پاک صاف کر دیتا ہے

تاکہ آخرت میں نجات ہو جائے اور بعض کو مصیبت کے ذریعے توبہ کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ مہربانی اس کے شامل حال ہو تو اس کو فقر و مرض میں مبتلا کر کے اس کے گناہ دور کر دیتا ہے اور جس پر اس کا کرم نہ ہو اس کو گناہ کے حال ہی میں چھوڑ دیتا ہے اور مکر و استدراج کو اس پر مسلط کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

۴۷۰۷/۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ۔ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نِمْتُ فَرَاَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ بَدَلَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں گیا تو میں نے اس میں تلاوت سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟[1] جواب دیا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں[2]۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی یہی فضیلت ہے دو دو دفعہ یہی فرمایا[3]۔ اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرنے والے تھے (شرح السنۃ بیہقی شعب الایمان اور ان کی روایت میں ہے کہ میں سویا تو میں نے خود کو جنت میں دیکھا بجائے دخلت الجنۃ کے۔[4]

[1] قرآن کون پڑھ رہا ہے؟

[2] حارثہ بن نعمان، یہ فضلائے صحابہ میں سے ہیں، بدر، احد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے یہ وہی صحابی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تھا تم نے صبح کیسے کی؟ تو انہوں نے عرض کی میں نے حالت ایمان میں صبح کی الحدیث۔

[3] تو گویا صحابہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ مقام انہوں نے کس عمل کی بنا پر حاصل کر لیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں ان کی تلاوت سنی۔

[4] بیہقی کی روایت رَاَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ اور شرح السنۃ میں دَخَلْتُ الْجَنَّةَ کے الفاظ ہیں۔

۴۷۰۸/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِضَى الرَّبِّ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا والد[1] کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ (ترمذی)

[1] یہاں باپ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس کا تذکرہ تھا، ورنہ ماں بھی اس حکم میں بطریق اولیٰ داخل ہے کیونکہ اس کا حق اولاد پر زیادہ ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں یہاں والد سے مراد ہر جننے والی ذات ہے جس کی طرف ولادت کی نسبت ہو کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ بعض اوقات نسبت کے لیے آتا ہے مثلاً تمر فروش کو تامر اور دودھ فروش کو لابن کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ماں بھی اس میں شامل ہوگی۔ یہ بات آپ نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے اس لیے

کی کراں کے والد گرامی نے آپ کی خدمت اقدس میں ان کی یہ شکایت کی تھی کہ یہ تمام رات عبادت و ریاضت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو اپنے والد کے ساتھ تھے۔ عمرو بن عاص جو کہ حضرت امیر معاویہ کے وزیر تھے اور باطناً ان میں سے نہ تھے۔

سے سخط: سین پر پیش، خا ساکن یا پیش یا دونوں پر زبر ہے اس کا معنی کراہت، اور رضا کی ضد ہے (انتہائی القاموس)

۴۷۰۹/۱۸ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّي تَأْمُرُنِي بِطَلَاقِهَا فَقَالَ لَهُ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَى الْبَابِ أَوْ ضَيِّعْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میری بیوی ہے اور مجھے میری ماں اسے طلاق دینے کا[1] کہتی ہے۔ ابو درداء نے ان سے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ والد جنت کا وسطی[2] دروازہ ہے۔ تم چاہو تو اسے محفوظ کر لو یا[3] چاہو تو اسے گرا دو۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

لے یعنی اسے طلاق دوں یا نہ دوں کیونکہ طلاق حلال اشیاء میں سے مبغوض ہے۔

ہے یعنی والد کی رضا و خدمت جنت کے دخول کا سبب ہے جو شخص چاہتا ہے کہ وہ جنت کے بہترین دروازوں سے داخل ہو وہ والد کی رضا حاصل کرے اور ماں اس حکم میں داخل ہے۔

سے اگر تو اسے طلاق دے دے تو تو نے حفاظت کر لی اور اگر نہ دی تو ضائع کر دیا، اس حدیث میں والد سے مراد صاحب اولاد ہی مناسب ہے۔

۴۷۱۰/۱۹ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا[1] سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس سے حسن سلوک کروں؟ فرمایا: اپنی والدہ سے میں نے عرض کیا، پھر کس سے؟ فرمایا: اپنی والدہ[2] سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا[3]: اپنے والد سے پھر درجہ بدرجہ۔ (ترمذی، ابو داؤد)

لے دادا کا نام معاویہ بن حیدہ حا پر زبر، یا ساکن۔

سے تین دفعہ فرمایا۔

سے چوتھی دفعہ فرمایا۔

سے پھر ماں باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں ان کے ساتھ درجہ بدرجہ حسن سلوک کیا جائے مثلاً بھائی، بہن

کے بعد چچے، ماموں اسی طرح ان کی اولاد، اس حدیث کا مضمون وہی ہے جو فصل اول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی تھی۔

۴۷۱۱/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اللہ ہوں اور رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کے لیے اپنے نام[1] سے مشتق کیا پس جو شخص اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو شخص اسے قطع کرے گا میں اس کو توڑ[2] دوں گا۔ (ابوداؤد)

[1] بعض نسخوں میں "شَقَقْتُهَا" ہے

[2] بَتّ اس کا معنی قطع کرنا ہے۔ بات میں تاکید و مبالغہ کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ میں یہ کام یقیناً کروں گا اور اس کے سوا ختم کردوں گا اور اس سے تعلق توڑ لوں گا۔

۴۷۱۲/۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰى قَوْمٍ فِيْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس قوم[2] پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں قاطع رحم ہو۔ (بیہقی شعب الایمان)

[1] یہ مشہور صحابی ہیں، ان کے والد گرامی بھی صحابی ہیں۔ حدیبیہ، خیبر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال تک مدینہ طیبہ میں ہی رہے۔ اس کے بعد کوفہ چلے گئے اور کوفہ میں وصال پانے والے صحابہ میں یہ آخری صحابی ہیں۔ ان کا وصال ستاسی یا اٹھاسی ہجری میں ہوا۔

[2] وہ قوم مراد ہے جو اس شخص کی معاون و مددگار بنے اور اس سے قطع تعلقی نہ کرے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے اس قوم پر باران رحمت کا نزول نہیں ہوتا۔

۴۷۱۳/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰى اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اس کے مرتکب پر اللہ تعالیٰ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا دے اور وہ گناہ یہ ہیں جن پر یہ سزا ہے۔ بغاوت[1] اور قطع رحم[2]۔ (ترمذی، ابوداؤد)

لہ عادل بادشاہ کے خلاف بغاوت۔

سلہ ان دو گناہوں پر دنیا میں سزا اور آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ دونوں کا اثر دنیا پر ظہور پذیر یوں ہوتا ہے کہ جہان میں فساد، کینہ، عداوت پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی سزا بھی فی الفور دنیا میں دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے علاوہ اور گناہ بھی ہیں جن میں یہ پہلو ہے مگر یہ دونوں ہی بدترین ہیں۔

۴۷۱۴/۲۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَّلَا عَاقٌّ وَّلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں احسان جتلانے والا[1]، نافرمان[2] اور عادی شرابی داخل نہیں ہوگا۔ (نسائی، دارمی)

لہ کسی کو صدقہ وغیرہ دینے کے بعد احسان جتلانے پر یہ عذاب ہے تو اس کو اذیت دینے کی کیا سزا ہوگی؟ قرآن مجید نے احسان جتلانے اور ایذا سے منع کیا ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (اپنے صدقات احسان اور ایذا سے باطل نہ کرو) معنی یہ ہوگا کہ صدقہ وخیرات کی وجہ سے دخول جنت ہونا ہے لیکن جب وہ ضائع کر دیا تو وہ سب ختم ہوگیا یا اس بدبختی کی وجہ سے اس مقام سے محروم ہوگیا جو اسے سابقین ومقربین کے ساتھ جنت میں حاصل ہونا تھا باقی دخول جنت کی امید ہر مسلمان کے لیے ہے۔

سلہ والدین اور اقرباء کا نافرمان تھا اور اس کا سبب شرعی نہ تھا (کذا قیل) یہ بھی احتمال ہے کہ عاق کو والدین کے نافرمان کے ساتھ مخصوص کر لیا جائے جیسا کہ متعارف ہے اور قاطع رحم کو منان میں شامل کیا جائے اب منان سے مراد ہر وہ شخص ہوگا جو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں پر احسان جتلائے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ منان مَنٌّ سے مشتق ہے جس کا معنی قطع ہے اب منان کا معنی رحم قطع کرنے والا ہوگا۔

۴۷۱۵/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِي الْاَثَرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نسب یاد کرو[1] جس سے تمہارے رشتے جڑتے ہیں کیونکہ صلہ رحمی گھر والوں سے محبت[2]، مال میں برکت اور عمر میں اضافہ کا سبب ہے۔ (ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

لہ یعنی اپنے آباؤ اجداد، امہات اور ان کی اولاد کے نام وغیرہ یاد کرو تاکہ ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی کی جا سکے لہٰذا ان کا علم نافع اور ضروری ہے۔

سلہ کیونکہ صلہ رحمی سے محبت ودوستی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مَحَبَّةٌ حا کے نیچے زیر بروزن مَظِنَّةٌ ہے۔ ثا کے نیچے زیر ہے۔

۳؎ مَثْرَاۃٌ۔ میم پر زبر، ثاء ساکن، ثروت سے بنا ہے۔ اس کا معنی کثرتِ مال ہے یعنی صلہ رحمی کثرت اور مال میں برکت کا ذریعہ ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ یہ رزق میں فراخی کا ذریعہ ہے۔
۴؎ مَنْسَاۃٌ، میم پر زبر، نون ساکن، ہمزہ پر زبر اس کا معنی تاخیر ہے۔

۴۷۱۶/۲۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَهَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لیے توبہ ہے؟ فرمایا کیا تیری والدہ موجود ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں! فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرو۔
(ترمذی)

۱؎ کوئی ایسا عمل ہے جو میں کروں تاکہ رحمت الٰہی کا میں مستحق بن جاؤں اور توبہ قبول ہو جائے۔
۲؎ ماں یا نانی وغیرہ۔
۳؎ تاکہ تیرا گناہ معاف ہو جائے۔
۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی گناہوں کا کفارہ ہے خواہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو یا ممکن ہے کہ آپ نے بذریعہ وحی یہ حکم اسی مرد کے لیے ہی فرمایا ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خالہ ماں کے حکم میں ہوتی ہے۔

۴۷۱۷/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَهُ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَیْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِیْقِهِمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تھے کہ آپ کے پاس بنی سلمہ سے ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے والدین کی بھلائیوں میں سے کوئی بھلائی باقی ہے جو میں ان کی موت کے بعد ان سے کروں؟ فرمایا ہاں ان کیلئے دعا رحمت ان کیلئے بخشش کی دعا۔ ان کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا اور ان رشتوں کو جوڑنا جو انہی کی وجہ سے جڑے جاتے ہیں اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا۔
(ابوداؤد و ابن ماجہ)

۱؎ اُسید ہمزہ پر پیش اور سین پر زبر ہے۔
۲؎ سلمہ، لام کے نیچے زیر، قبائل انصار میں سے ایک خاندان ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ لام کے کسرہ کیساتھ

عرب میں انصار کی اس شاخ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اور سَلَمَہ لام پر زبر کے ساتھ بہت زیادہ ہے۔

ٖ۳؎ ان کی زندگی میں مجھ سے جو کچھ ہو سکتا تھا کیا، کیا مرنے کے بعد بھی ان کا حق ہے؟

۴؎ موت کے بعد بھی ان کا حق باقی ہوتا ہے۔

۵؎ ان کی وصیت وغیرہ پر عمل کرنا۔

۶؎ ان کی محبت و رضا کے لیے جائے اس میں کوئی دنیاوی غرض و مقصد نہ ہو۔ یہ مقصد نہ ہو کہ منصب و مال حاصل ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت خالصۃً اس کی رضا جوئی کے لیے ہی ہونی چاہیے نہ کہ کسی دنیوی غرض کے لیے۔

۷؎ والدین کے دوستوں کے ساتھ احسان و نیکی کی جائے جیسے کہ فصل اول میں حدیث ابن عمر کے تحت گزرا ہے۔

۴۷۱۸/۲۷ وَعَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَۃِ اِذْ اَقْبَلَتْ اِمْرَاَۃٌ حَتّٰی دَنَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَسَطَ لَھَا رِدَاءَہٗ فَجَلَسَتْ عَلَیْہِ فَقُلْتُ مَنْ ھِیَ فَقَالُوْا ھِیَ اُمُّہُ الَّتِیْ اَرْضَعَتْہُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جعرانہ۲؎ کے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت تقسیم کرتے وقت دیکھا کہ ایک خاتون آئیں حتی کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہوئیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی وہ اس پر بیٹھ گئیں میں نے پوچھا یہ خاتون کون ہے؟۳؎ تو صحابہ نے بتایا کہ یہ آپ کی وہ والدہ ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ ان کا نام عامر بن واثلہ ہے، یہ سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ہیں اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

۲؎ جعرانہ جیم اور عین کے نیچے زیر اور راء پر شد ہے، یہ مشہور مقام مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح حنین کے بعد سولہ دن وہاں ٹھہرے اور مال غنیمت تقسیم فرمایا۔

۳؎ جب آپ نے اس خاتون کی بہت زیادہ تعظیم فرمائی تو میں نے حاضرین مجلس سے پوچھا۔

۴؎ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حق رضاعت بھی اکرام و احترام کا موجب ہے اور سابقہ حقوق اور قدیم بزرگوں کا اکرام لازم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۷۱۹/۲۸ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا إِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعٰى عَلَيْهِمْ فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وَلَدِيْ وَإِنَّهُ قَدْ نَأٰى بِيَ الشَّجَرُ فَمَا أَتَيْتُ حَتّٰى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوْسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِيْ وَدَأْبَهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰى يَرَوْنَ السَّمَاءَ وَقَالَ الثَّانِيْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتّٰى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْهَا اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيْرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ فَلَمَّا

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تین آدمی سفر کر رہے تھے انہیں بارش نے آلیا تو وہ غار کی طرف چلے گئے تو ان کی غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آگری جس نے ان کا راستہ بند کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے کسی نیک عمل کے بارے میں سوچو جو اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو اس کے وسیلے سے اللہ کے حضور دعا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اسے کھول دے ان میں سے ایک نے کہا یا اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے میں ان کے لیے جانور چراتا جب میں شام کو ان کے پاس آتا دودھ دوہتا تو اپنے بچوں سے پہلے والدین کو پلاتا۔ ایک مرتبہ میں چراگاہ میں دور چلا گیا حتیٰ کہ شام کو لیٹ واپس آیا۔ اس وقت میرے والدین سو چکے تھے میں نے سابقہ طریقہ کے مطابق دودھ دوہا پھر دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا میں ان کو جگانے کی ہمت بھی نہ پا رہا تھا اور نہ ہی میں یہ پسند کرتا تھا کہ پہلے بچوں کو پلاؤں، بچے میرے قدموں کے پاس بھوک سے رو رہے تھے میری اور ان کی حالت یہی رہی۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا تو تو اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کا اتنا حصہ کھول دیا کہ وہ آسمان دیکھنے لگے پھر دوسرے نے عرض کیا اے اللہ! میری چچا زاد بہن تھی جس سے میں اس طرح شدید محبت کرتا تھا جیسے مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اسی سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا۔ تو اس نے انکار کرتے ہوئے سو دینار کا مطالبہ کیا میں نے کوشش کر کے سو دینار جمع کیے اور اس کے پاس لے کر گیا جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان

قَضٰی عَمَلَهٗ قَالَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَعَرَضْتُ عَلَیْهِ حَقَّهٗ فَتَرَكَهٗ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا[۲] وَّرَاعِیَهَا فَجَاءَنِیْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَاَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ اذْهَبْ اِلٰی ذٰلِكَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْهَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَاْ بِیْ فَقُلْتُ اِنِّیْ لَا اَهْزَاُ بِكَ فَخُذْ ذٰلِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِیَهَا فَاَخَذَهٗ[۲] فَانْطَلَقَ بِهَا فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِیَ فَفَرَجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

بیٹھا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر[۱۹] کو دکھول تو میں اٹھ کھڑا ہوا اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا تو اس میں اور کشادگی فرما تو اللہ نے اور کشادگی فرما دی تیسرے نے عرض کیا اے اللہ میں نے ایک مزدور کو چاول کے ایک[۲۰] وانے کے عوض[۲۱] رکھا تھا جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا میرا حق دے دو میں نے اس کا حق اس پر پیش کیا تو وہ اسے چھوڑ گیا اور اس سے بے رغبتی کی میں اس چاول کو بوتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس سے[۲۲] بیل اور چرواہے جمع کر لیے پھر وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور مجھ پر ظلم نہ کرو مجھے میرا حق دے میں نے کہا وہ بیل اور چرواہے لے جا اس نے کہا اللہ سے ڈر مجھ سے مذاق نہ کر میں نے کہا کہ میں مذاق نہیں کر رہا تو وہ تمام لے لے اس نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور چلا گیا اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے وہ عمل تیری رضا کے حصول کے لیے کیا تھا تو باقی ماندہ[۲۳] راستہ بھی کھول دے۔ اللہ تعالےٰ نے غار کا تمام راستہ ان پر کھول دیا۔[۲۴]

(بخاری و مسلم)

[۱] اس غار میں پناہ حاصل کی۔
[۲] اب کیا کیا جائے۔
[۳] ایسا عمل جو خالصتہً رضائے الٰہی کے لیے ہو اس میں ریا یا کوئی غرض نہ ہو۔
[۴] ان اعمال کو اللہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کرو۔
[۵] صِبْیَۃ، صاد کے نیچے زیر، با ساکن یا بضمِ الاصبی کا جمع ہے اصغار صغیر کی جمع ہے۔
[۶] اور ان کا دودھ اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔
[۷] یعنی میں چراگاہ میں دور چلا گیا کیونکہ وہ درخت جن سے بکریوں کے لیے پتے کھلاتے تھے وہ دور تھے۔ بعض روایات میں ناءَ الف سے ہمزہ مؤخر ہے یہ لفظ دونوں طرح نأیٰ و ناءَ مشہور ہے۔
[۸] اَطْلُبُ، لام پر پیش ہے از باب نصر ینصر

۹ے جلاب، حا کے نیچے زیر۔ دودھ یا دودھ کا برتن مراد ہے۔
۱۰ے یتضاغون۔ ضاد اور غین ہے۔
۱۱ے گویا ان کی شریعت میں ماں باپ کا نفقہ اولاد سے مقدم تھا یا دونوں کا برابر تھا اور اس آدمی نے ماں باپ کو ترجیح دے رکھی تھی، بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس نے بچوں کو اتنا دیا تھا جس سے ان کی زندگی بچ جائے لیکن وہ بچے اس سے زائد کا مطالبہ کرتے رہے۔
۱۲ے یعنی میرے والدین سوئے رہے اپنے فریاد کرتے رہے اور میں کھڑا رہا۔
۱۳ے فافرج، باب نَصَرَ یَنصُرُ سے ہے یا باب افعال ہے، فُرجۃ فا پر پیش یا زبر ہے۔
۱۴ے فرج، را پر شد ہے اسے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔
۱۵ے یرون۔ بعض روایات میں نون کے بغیر بھی ہے۔ جب پہلے مرد نے اپنا واقعہ بیان کیا تو تنگی دور ہوئی۔
۱۶ے میں نے اس کی طرف کسی آدمی کو بھیجا۔
۱۷ے صراح میں ہے کہ سعی کا معنی دوڑ دھوپ کرنا، کاروبار کرنا۔
۱۸ے برائے ہمبستری
۱۹ے امانت کو نہ کھول اس سے مراد ازالہ بکارت ہے۔
۲۰ے فَرَق۔ فا پر زبر، را ساکن یا زبر۔ تیرہ (۱۳) رطل کے پیمانے کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک اس میں پندرہ رطل آجاتے ہیں۔ اہل لغت کے ہاں زبر زیادہ بہتر ہے اور محدثین کے ہاں اس پر سکون ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ اسے سکون اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھتے سنے اور زبر اکثر ہے۔ صراح میں ہے فرق، سکون اور حرکت دونوں طرح ہے اہل مدینہ کے ایک پیمانے کا نام ہے اور وہ سولہ رطل کا ہے۔
۲۱ے اُرُز، ہمزہ پر زبر، را پر پیش، زا مشدد یا مخفف، یا دونوں پر پیش ہے اور مشدد یا مخفف ہیں یا پہلے پر پیش اور دوسرے پر سکون، اُرْز ہمزہ کے بغیر یا زا کی جگہ نون انز بھی آیا ہے اس کا معنی مراح میں دانہ مشہور کے ہیں۔
۲۲ے اس روایت میں باعتبار اکثر، گائے اور چرواہے کا ذکر ہے ورنہ دوسری روایت میں ہے کہ اس سے بہت زیادہ اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام حاصل ہوئے۔
۲۳ے باقی ماندہ چٹان کو بھی دور کر دے۔
۲۴ے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت و پریشانی کے وقت اعمال صالحہ کا وسیلہ بارگاہ خداوندی میں پیش کرنا مستحب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے شریعت عطا فرماتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو بطور مدح ذکر فرمایا ہے، اگر یہ عمل مستحب نہ بھی ہو تو جواز اس کا یقینی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ساطر ظاہر شریعت اور اس بات پر ایمان کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے اسی کے پیش نظر انہوں نے اپنے عمل پر اجر کا سوال کیا لیکن جو شخص بحر حقیقت میں مستغرق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے فضل

اور اس کی توفیق کے عموم اور شمول کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اپنے وجود اور اپنے عمل کے دیکھنے سے فانی ہے۔ اسے اپنی ذات کی طرف فعل کے منسوب کرنے اور اس کی جزا کے مستحق ہونے کی مجال کہاں ہو سکتی ہے؟ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے اور اپنے آپ کو درمیان میں نہیں دیکھتا، عمل اس کی توفیق سے ہے اور جزا اس کے فضل و کرم سے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین پر خرچ کرنا، ان کو تقیہ اہل و اولاد پر ترجیح دینا، ان کو تکلیف و شفقت اور ان کی خدمت کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہنا چاہیے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ حالت نیند سے کسی کو جگانا ناپسند ہے خصوصاً وہ اشخاص جو محل ادب و تعظیم ہوں البتہ نماز اور دیگر فرائض کی ادائیگی کے لیے بیدار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ نیند کی لذت کھانے سے بہتر ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ عفت و پارسائی اور نفس کو محرمات سے ایسے موانع پر روکنا نہایت ہی فضیلت ہے جبکہ انسان اس حرام پر قادر ہو اور رکاوٹ کوئی نہ ہو، خواہش نفس بھی ہو خصوصاً شہوت فرج کی حالت میں کیونکہ یہ عقل پر دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ اور یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ بعد میں اجازت لی جاسکے۔ چنانچہ احناف کا قول ہے کہ فضولی کا تصرف جائز مگر موقوف ہوتا ہے۔ مالک کی اجازت پر جب وہ اجازت دے دے تو وہ نافذ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث نے اس پر آگاہ کر دیا کہ دعا، پریشانی، مصیبت اور تنگی کے ازالے کا نہایت اعلیٰ ذریعہ ہے۔ یہ بھی آشکار ہو گیا کہ اولیاء کی کرامت حق ہیں جیسا کہ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا موقف ہے۔

۴۷۲۰/۲۹ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ. قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ حضرت جاہمہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا، کیا تمہاری والدہ ہے؟ عرض کیا ہاں! فرمایا اس کے پاس رہو کیونکہ جنت اس کے[۲] پاؤں کے پاس ہے۔

(احمد، نسائی، بیہقی، شعب الایمان)

[۱] جاہمہ بن عباس بن مرداس سلمی صحابی ہیں ان کے بیٹے معاویہ بھی صحابی ہیں۔

[۲] یعنی اپنی والدہ کی خدمت میں رہو کیونکہ یہ عمل جنت کا سبب ہے اس سے مراد اولاد کا والدین کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آنا ہے۔ پاؤں میں ہونا اولاد کی صفت ہے دکر جنت کی۔

۴۷۲۱/۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ امْرَأَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا فَقَالَ لِيْ طَلِّقْهَا فَاَبَيْتُ فَاَتَى عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے محبت تھی حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے اس لیے مجھے فرمایا: اسے طلاق دے دے میں نے طلاق دینے سے انکار کیا حضرت عمر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حاضر ہوئے اور اس بارے میں عرض کیا آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اسے طلاق دے دو۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۴۷۲۲/۳۱ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِھِمَا قَالَ ھُمَا جَنَّتُکَ وَنَارُکَ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ دونوں تیری[2] جنت و دوزخ ہیں۔

(ابن ماجہ)

[1] ابوامامہ باہلی صحابی ہیں۔

[2] ان کے ساتھ حسن سلوک و نیکی تجھے جنت میں اور ان کو ناراض و پریشان کرنا تجھے دوزخ میں لے جائے گا۔

۴۷۲۳/۳۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاہُ اَوْ اَحَدُھُمَا وَاِنَّہٗ لَھُمَا لَعَاقٌّ فَلَا یَزَالُ یَدْعُوْ لَھُمَا وَیَسْتَغْفِرُ لَھُمَا حَتّٰی یَکْتُبَہُ اللّٰہُ بَارًّا۔

(رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی آدمی کے والدین فوت ہو جائیں یا ان میں سے ایک اور وہ ان کا نافرمان[1] ہے تو وہ ان کے لیے ہمیشہ دعا و استغفار کرتا رہے[2] تو آخر کار اللہ تعالےٰ اسے نیکوں میں لکھ دیتا ہے۔

(بیہقی)

[1] والدین اس سے ناراض فوت ہوئے۔

[2] دعا و استغفار کرنے والی اولاد پر اللہ تعالےٰ ان کے والدین کو راضی کر دیتا ہے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والوں میں ان کا نام شامل فرما دیتا ہے۔

۴۷۲۴/۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مُطِیْعًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا وَمَنْ اَصْبَحَ عَاصِیًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا قَالَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَلَمَاہُ قَالَ وَاِنْ ظَلَمَاہُ وَاِنْ ظَلَمَاہُ وَاِنْ ظَلَمَاہُ۔

(رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ رحمت دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر والدین کی اطاعت کرے اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دیتا ہے۔ اگر ایک ہو تو ایک دروازہ اور جو والدین کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا عاصی و نافرمان ہو اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک ہو تو ایک دروازہ[1]۔ اس شخص نے عرض کیا اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں فرمایا: اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں وہ اس پر ظلم کریں

وہ اس پر ظلم کریں۔

(بیہقی)

سلہ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ والدین کی فرمانبرداری و نافرمانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و نافرمانی ہے۔

سلہ یہ تاکید و مبالغہ ہے۔ باقی اس سے مراد دنیوی امور ہیں۔ دینی امور میں اگر والدین شریعت[1] کی خلاف ورزی کریں تو اطاعت لازم نہیں۔

۴۷۲۵/۳۴ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ وَّلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْیَبُ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

اور انہی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلائی کرنے والا بیٹا جب اپنے والدین کے چہرے کو نظر محبت سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ اس نظر کے عوض مقبول[1] حج لکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا[2] اگرچہ وہ دن میں سو دفعہ دیکھے؟ فرمایا ہاں[3] اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور پاک ہے۔

(بیہقی)

سلہ پیچھے کتاب الحج میں گزرا کہ حج مبرور کی جزا جنت ہے اور حج مبرور کا معنی بھی وہاں بیان ہوا تھا یعنی کامل مقبول ہے۔

سلہ بطور تعجب اور اسے عظیم تصور کرتے ہوئے۔

سلہ اللہ تعالیٰ اس گمان سے پاک ہے جو تم نے کیا کہ ہر نظر کے عوض جنت نہیں لکھے گا۔

۴۷۲۶/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّهٗ یُعَجَّلُ لِصَاحِبِهٖ فِی الْحَیٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں میں جس کو چاہے معاف فرما دے[1] سوائے والدین کی نافرمانی کے کیونکہ ایسے شخص کو موت[2] سے پہلے زندگی میں سزا دی جاتی ہے۔

(بیہقی)

سلہ یا آخرت میں عقوبت و عذاب سے پہلے۔

سلہ یہ نافرمانی پر تشدید و مبالغہ ہے۔

۴۷۲۷/۳۶ وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت سعید بن عاص[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

سلہ یعنی خلاف شرع کوئی حکم دیں تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ كَبِيْرِ الْإِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بھائی کا حق چھوٹے پر ایسے ہی ہے جیسے والد کا حق اولاد پر ہوتا ہے۔
(ان پانچوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا)

ل سعید بن عاص یہ دو اشخاص کا نام ہے، واضح رہے کہ ان کو سعید بن العاص جد کی نسبت سے کہتے ہیں، ایک بڑے ہیں اور وہ سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قدیم الاسلام ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کے بعد اسلام لائے تھے، دوسرے چھوٹے ہیں۔ ان کا نام سعید بن ابی احیحہ (ہمزہ پر پیش، یا ساکن) بن سعید بن العاص بن امیہ، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت آٹھ سال کے تھے۔ انہوں نے آپ کی زیارت کا شرف پایا اور آپ سے حدیث روایت کی۔ یہ حدیث انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔

بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ

۴۲۱۔ مخلوق پر رحمت وشفقت کا بیان

صراح میں ہے شفقت، مہربانی، شفق، اشفاق۔ اس کا معنی ہے کسی چیز پر مہربانی کرنا، اگر اس کا صلہ علی آئے مثلاً شفق علیہ وشفیق علیہ تو اس کا معنی ڈرنا ہوتا ہے جب اس کا صلہ مِنْ آئے مثلاً اشفق منہ یعنی وہ اس سے ڈر گیا، علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ اشفاق کا معنی خوف ہے اور اس سے اسم مصدر شفقت ہے اور یہ عنایت کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں خوف ہو کیونکہ مہربانی کرنے والا اس بات سے ڈرتا ہے مشفق علیہ کو وہ تکلیف لاحق نہ ہو، رحمت بخشش اور مہربانی کے معنی میں ہے رحمت اسی طرح رُحم (را پر پیش حا ساکن یا اس پر پیش) بھی رحمت کے معنی میں آتا ہے اور رُحَم کا بھی یہی معنی ہے۔ کہا جاتا ہے رحمتہ وترحمت علیہ، رحموت بھی بطور مبالغہ رحمت سے بنا ہے جیسے رہب سے رہبوت، جبر سے جبروت، رحمان سے رحیم اللہ تعالٰے کے اسماء میں سے ہیں۔ دونوں رحمت سے مشتق ہیں اور مبالغہ کے لیے آتے ہیں اور ان کا تکرار بھی مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے جاد مجد اور رحمٰن میں رحمت کا مبالغہ اتنا فزوں ہے کہ اس سے بڑھ کر رحمت کا تصور نہیں

ل اس جگہ وہم ہے، درست یہ ہے کہ سعید بن العاص بن امیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت آٹھ یا نو سال کے تھے ان کے والد غزوۂ بدر میں قتل ہوئے۔ اور سعید بن ابی احیحہ یہ سعید بن سعید اموی تابعین کے تیسرے طبقہ سے ہیں۔

ہوسکتا لہٰذا یہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں کیا جاسکتا لیکن رحیم کا اطلاق اللہ تعالےٰ کے علاوہ پر بھی جائز ہے۔ یہ ارشاد گرامی قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ (اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر) تخصیص کی دلیل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۷۲۸ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس پر (خاص اور کامل) رحمت نہیں فرماتا[1] جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری ومسلم)

[1] رحمت خاص کامل۔

۴۷۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک اعرابی[1] آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض[2] کیا کہ لوگ بچوں کو چومتے ہیں لیکن ہم نہیں چومتے آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس کا مالک[3] ہوں کہ میں تیرے دل میں رحم رکھ دوں جبکہ اللہ نے تیرے دل سے رحمت چھین لی ہے۔ (بخاری ومسلم)

[1] دیہاتی جو اکثر طور پر سخت اور جفاکار ہوتے ہیں۔

[2] حاضرین کو اس نے دیکھا کہ وہ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں۔

[3] جب اللہ تعالےٰ نے تیرے دل میں رحمت وشفقت نہیں رکھی میں اسے کیسے پیدا کرسکتا ہوں۔ مقصد یہ دلی پر زجر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ جس دل میں اللہ تعالےٰ رحم پیدا نہ فرمائے تو کوئی دوسرا یہ چیز وہاں پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب لفظ "اِنْ" کی ہمزہ پر کسرہ پڑھا جائے لیکن اکثر روایات میں زبر ہے اب معنی یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالےٰ نے تیرے دل سے رحمت چھین لی ہے تو میں اس کا ازالہ کیسے کرسکتا ہوں؟ دو معانی کا مآل ایک ہی ہے صرف اعراب کی توجیہہ میں اختلاف ہے۔

۴۷۳۰ وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْنِي امْرَاَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْاَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ

اور انہی سے روایت ہے کہ ایک خاتون میرے پاس آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں اس نے مجھ سے

تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَاَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَاْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سوال کیا اس وقت میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ تھا میں نے وہ کھجور اسے دے دی اس خاتون نے وہ کھجور ان دونوں کے درمیان تقسیم کردی اور خود نہ کھائی، پھر اٹھ کر چلی گئی اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ سے وہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا[1] کر دیا جائے اور[2] وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ خواہ ایک یا دو یا اس سے زیادہ، ابتلاء عرف و عادت کی بنا پر کہا۔

۲؎ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابتلاء سے مراد صرف بچیوں کا وجود ہی ہے یا ان سے صادر ہونے والی ایذاء و محنت، ظاہر اول ہی ہے۔ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ احسان سے مراد نفقہ واجبی ہے یا اس سے زائد ظاہر دوسرا ہے۔ شرط احسان یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور اس وقت تک ہو کہ یا تو ان کی شادی ہو جائے یا انہیں موت آ جائے۔

۴۷۳۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو بیٹیوں کی تربیت[1] کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں وہ قیامت کو میرے ساتھ اس طرح ہوگا اور اپنی انگلیاں اکٹھی[2] فرمائیں۔

(مسلم)

۱؎ ان کا نفقہ، روزی اور کپڑے وغیرہ دیے۔

۲؎ حضور علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں سبابہ اور وسطیٰ کو ملایا (اشارہ کر کے بتلایا) کہ اس طرح وہ شخص میرے ساتھ ہوگا جس نے دو بچیوں کی خدمت کی، یہ اتصال اور مصاحبت جنت میں مراد ہے یا میدان حشر میں یا دیگر مواقع پر۔ واللہ اعلم۔ واضح رہے کہ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ شخص روز قیامت میرے ساتھ اٹھایا جائے گا اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اتصال و مقارنت مراد ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے تقارب و تعاقب دخول جنت میں مراد ہو تب بھی خدمت ہے ہر صورت میں عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

۴۷۳۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیوگان[۱] اور مساکین پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرنے[۲] والا ہے میرے خیال[۳] میں ہے کہ آپ نے فرمایا وہ اس کی طرح ہے جو نہ تھکے[۴] اور وہ اس روزے دار کی طرح ہے جو افطار نہ کرے[۵]۔ (بخاری و مسلم)

۱۔ ارملہ۔ ہمزہ اور میم پر زبر ہے بے شوہر خاتون خواہ اس نے پہلے کسی شوہر سے شادی کی تھی یا نہ کی تھی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ خاتون مراد ہے جس سے شوہر کی مفارقت ہو جائے خواہ بذریعہ طلاق یا موت کی وجہ سے (کذا قال الطیبی) قاموس میں ہے کہ مرد ارمل اور زن ارملہ محتاج اور مسکین ہے۔ اس کی جمع ارامل اور ارامِلہ ہے۔ صراح میں ہے ارمل وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو اور ارملہ وہ عورت جسے شوہر نہ ہو۔ ارامل کا لفظ محتاجوں اور درویشوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کا اشتقاق رمل سے ہے جس کا معنی فقر یا نفقہ سے توشہ کا چلا جانا، سال کا بے بارش ہونا اس حدیث میں بے شوہر خاتون مراد ہے نہ کہ مسکین کیونکہ مسکین کا الگ ذکر ہے۔

۲۔ جیسے جہاد و حج کرنے والا ہے۔

۳۔ مصابیح اور مشکوٰۃ کے الفاظ سے ظاہر ہی ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہیں۔

۴۔ جو تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرنے والا ہو اور اس میں کوئی کوتاہی و سستی نہ کرے۔

۵۔ بعض حواشی میں ہے کہ اَحْسِبُهٗ کے الفاظ بخاری و مسلم کے استاد عبداللہ بن مسلمہ قعنبی کے ہیں اور وہی امام مالک سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ امام مالک نے یہ کلمات کہے ہیں۔

۴۷۳۳ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ وَلِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور جو یتیم کو پالنے والا ہو خواہ اپنا ہو یا غیر[۲] کا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے سبابہ اور وسطی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑی کشادگی فرمائی۔ (بخاری[۳])

۱۔ سہل بن سعد یہ مشہور صحابی ہیں اور مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

۲۔ اگر اپنے اقربا میں سے ہے تو بطور صلہ رحمی اس کی غم خواری واجب ہے جیسے یتیم پوتا، بھائی کا بیٹا یا اس کے علاوہ کسی غیر کا یتیم بیٹا ہو ہر صورت میں اس کا ثواب یہ ہوگا۔

۳۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے جنت میں قربت مراد ہے۔ انگلیوں کا منفصل کرنا جو حدیث انس میں

آیا ہے اس میں انگلیوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی دیکھ بھال کرنے کا ثواب یتیم کی کفالت سے زیادہ ہے۔ پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت قرب زیادہ ہے، نیز پہلی صورت میں قرب ہر جگہ کے اعتبار سے ہے اور دوسری صورت میں قرب جنت کے ساتھ مخصوص ہے جو آخری مقام ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوگا۔ ہاں بچیوں کی سرپرستی کفالت یتیم سے افضل ہے۔ پہلے میں اتصال دوسرے سے قوی ہے پہلے میں قربت تمام مواقع میں اور دوسرے میں جنت میں جو کہ آخری مقام اور لوٹنے کی جگہ ہے۔

۴۷۳۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نعمان[1] بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم مسلمانوں کو آپس میں رحمت[2] و محبت[3] میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے جب ایک عضو[4] بیمار ہوجائے تو باقی جسم کے تمام اعضا بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے[5] کو بلاتے ہیں[6]۔

(بخاری و مسلم)

[1] نعمان بن بشیر وہ انصاری صحابی ہیں جن کی ولادت ہجرت کے بعد انصار کے ہاں سب سے پہلے ہوئی۔

[2] ایک دوسرے سے صرف رشتۂ ایمانی کی وجہ سے مہربانی کریں گے۔

[3] مثلاً آپس میں ملاقات، ہدیہ وغیرہ کا دینا۔

[4] ایک دوسرے کے ساتھ مجبوری و پریشانی کے موقعہ پر تعاون کرنا۔

[5] شکوی یعنی گلہ کرنا ہے اس کا معنی بیماری بھی ہے، اکثر روایات میں لفظ عضو منصوب ہے۔ بعض میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ عضو پر پیش یا زبر ہے۔ جسم کے جوڑ۔ جماعت کے عمران کے تر آتا ہے۔ دکذا فی الصراح)

[6] باقی اعضاء تکلیف و مشقت میں اس بات پر متفق ہوتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگراند	کہ در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار

اولاد آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں کیونکہ ان کی پیدائش ایک جوہر سے ہوئی جب ایک عضو درد محسوس کرے تو دوسرے اعضاء کو سکون نہیں رہتا۔

۴۷۳۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ إِنِ اشْتَكَى عَيْنُهٗ اشْتَكَى كُلُّهٗ وَإِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن ایک شخص کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہوجاتا ہے اگر اس کا سر درد محسوس کرے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے[1]۔

(مسلم)

لے لفظ تعشّا، راء اور کلمہ پر زبر اور پیش دونوں آسکتے ہیں۔

۴۷۳۶ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ بعض حصہ دوسرے بعض سے مضبوط ہوتا ہے پھر آپ نے اپنی مبارک انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا۔[۳] (بخاری و مسلم)

لے تمام مسلمان حکم دیوار میں ہے۔
لے مسلمان بھی ایک دوسرے سے تقویت و مضبوطی پاتے ہیں۔
لے تعاون و مدد میں مسلمان کا ایک دوسرے سے اس طرح کا تعلق ہے، باقی یہ مدد و تعاون حرام اور مکروہ اور ہر اس معاملہ میں نہیں ہوگا جو موجب گناہ ہو۔

۴۷۳۷ وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا اَتَاہُ السَّائِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَۃِ قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَیَقْضِیَ اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِہٖ مَا شَاءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل یا صاحب حاجت آتا تو آپ فرماتے، اے صحابہ سفارش کرو ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے فیصلہ فرمادے۔ (بخاری و مسلم)

لے فلتؤجروا مجہول ہے لام کے نیچے زیر یا سکون ہے۔
لے تمہیں سفارش کا ثواب ملے گا خواہ وہ قبول ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ معاملہ حکم و تقدیر الٰہی سے متعلق ہے۔ اور یہ سمجھ کر ہماری شفاعت قبول نہیں کی گئی اسے ترک نہ کرو تاکہ ثواب ضائع نہ ہو۔ واضح رہنا چاہیے کہ حدود میں اس وقت سفارش کرنا جائز نہیں جب معاملہ عدالت میں ہو ہاں اس سے پہلے جائز ہے اور تعزیر کی صورت میں مطلقاً سفارش جائز ہے لیکن یہ تمام اس وقت ہے جب وہ شخص جس کی سفارش کی جارہی ہے مخلوق خدا کو تنگ کرنے والا اور تکلیف دینے والا نہ ہو۔

۴۷۳۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ اَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِکَ نَصْرُکَ اِیَّاہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ، اس کی حالت مظلومیت میں مدد کروں گا مگر اس کے ظلم پر کیسی مدد کروں؟ فرمایا اسے ظلم سے روکے اس کے لیے تیری یہی مدد ہے۔ (بخاری و مسلم)

لے مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ظالم کی مدد سمجھ میں نہیں آرہی۔
ے یعنی یہ اس کی مدد شیطان و نفس کے خلاف ہوگی۔

۴۷۳۹/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی لہ ہے وہ اس پر ظلم نہ کرے ہے نہ اسے رسوا کرے اور جو اپنے بھائی کی حاجت میں رہے گا اللہ تعالٰے اس کی حاجت میں رہے گا اور جس نے کسی مسلمان سے تکلیف کو دور کیا اللہ تعالٰے قیامت کے روز اس کی تکالیف دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالٰے روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (بخاری و مسلم)

لہ دین کے لحاظ سے حکماً شریعت ماں اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام والد ہیں۔

ے اسے دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے ظلم، شی کو اپنی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ صغیرہ گناہ بلکہ ہر اس مباح کو شامل ہے جس پر عمل عرفاً لائق و مناسب نہ ہو۔ (کذا قالوا)

سے لا یسلمہ، یا پر پیش، سین ساکن، اسے ہلاکت کی جگہ یا دشمن کے ہاتھ میں نہیں رہنے دے گا بلکہ اس کی ہر حال میں مدد کرے گا۔

ہے جو اپنے بھائی کی ضرورت و حاجت کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرے گا۔

ھ کربۃ، صراح میں ہے کُربت، کاف پر پیش، را ساکن ہے کَرب کاف پر زبر اس غم کو کہتے ہیں جس سے سانس گھٹنے لگے۔

ے جو دوسرے مسلمان کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالٰے قیامت کو اس پر یوں پردہ ڈالے گا کہ اہل محشر سے اس کے عیوب مخفی رہیں گے اس کا محاسبہ نہیں ہوگا اور اس کے عیوب کا ذکر بھی لوگوں سے پوشیدہ رکھا جائیگا واضح رہے کہ یہ پردہ پوشی اس وقت مستحسن و مندوب ہے جب وہ مسلمان اہل حیا اور اہل شرافت میں سے ہو اور اس کا عیب بھی مخفی ہو اور اگر وہ ایسا شخص ہے جس نے پردہ حیا کو اٹھا کر پھینک دیا اور علانیہ معاشرے کو فساد و پریشانی میں مبتلا کر رہا ہے تو اس کا انکار اور روکنا لازم ہے بلکہ اسے روکنے کے لیے اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے حکام وقت کو اطلاع دینا ضروری ہے تاکہ اس کے شر سے لوگ محفوظ ہوں۔ باقی محدثین جو راویوں پر طعن و جرح کرتے ہیں، عدالت گواہوں کے بارے میں اور ظالم حاکموں کے ظلم کا بیان، دین کی حفاظت اور لوگوں کے حقوق کی پاسداری کے لیے ہے یہ لازم و واجب ہے، یہ ستر پھاڑنے اور کشف عیوب کے تحت نہیں آتا۔

۴۷۴۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ذلیل ہونے دے[۱] نہ اس کو حقیر سمجھے[۲] تقوٰی یہاں ہے[۳] اور یہ اپنے سینہ اقدس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے تین بار فرمایا انسان کے لیے یہ[۴] شر کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر جانے مسلمان کی مسلمان پر ہر چیز حرام ہے اس کا خون، مال اور اس کی آبرو[۵]۔ (مسلم)

[۱] خذلان بترک مدد لا یخذلہ یا پر زبر ذال پر پیش اس کا معنی وہی ہے جو لا یُسلمہ کا تھا۔

[۲] مسلمان کو حقیر جانے خواہ وہ فقیر ہو، کمزور و ناتواں ہو، مسکین و نامراد، خراب و خستہ حالت و لاشئ ہو کیا علم کہ اللہ کے ہاں اس کا انجام اور مقام کیا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے سبھی صاحب عزت ہیں وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اور عزت اللہ، اس کے رسول اور تمام اہل ایمان کے لیے ہے لیکن منافق اس بات کا علم نہیں رکھتے ہر حال میں عزت ایمانی قائم رہتی ہے اور اس بات پر لاج رکھنی چاہیے کہ وہ اللہ کے ماننے والا ہے خصوصاً جب اس نے اپنے آپ کو نور علم و عبادت سے متصف کر لیا ہو کیونکہ یہ تو نور علی نور ہے۔ اکثر طور پر حال کی ویرانی اور سراسر گھاٹے میں پڑ جانا خصوصاً اہل جہاں میں سے وہ دنیا دار لوگ جو تکبر، دنیا کے جاہ و منصب لفاظیت اور غفلت کے کنویں میں گرے ہوئے ہیں وہ اس نور سے محروم ہیں بلکہ ایسی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ اس میں تاریکی پر تاریکی ہے اور اصل کام جو باعث عزت و عظمت تھا اس سے دور چلے گئے اور وہ تھا فقراء و مساکین کے ساتھ محبت۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے اس کائنات کے سب سے اعلیٰ سب سے اعلم، سب سے صاحب عزت شخصیت محبوب خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے دعا کی اور آپ کو ان کے ساتھ رہنے اور ان میں بیٹھنے کا حکم ملا، فقراء کا تعلق اس بڑے آستانے سے ہے جس نے انہیں وہ مقام بخشا ہے کہ دوسرا وہاں دم نہیں مار سکتا۔ اس بارے میں طویل گفتگو کی جا سکتی ہے مگر عاقل کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا۔

لا یحقرہ۔ اکثر روایات میں اسے یا پر زبر، حا ساکن قاف کے نیچے زیر سے پڑھا گیا ہے۔ یہ حَقَر و حقیر سے مشتق ہے۔ از باب ضرب یضرب اس کا معنی چھوٹا ہونا اور ذلیل ہونا، بعض روایات میں لا یخفرہ یا پر پیش، خاء ساکن فاء کے نیچے زیر اخفار سے ہے۔ اس کا معنی اس نے خفر ہے اور خفر اس کے دوسرا معنی کو کہتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ دھوکہ خیانت نہیں کرتا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ پہلا تلفظ درست ہے اور بعض روایات میں یحتقرہ بھی آیا ہے۔

[۳] یعنی تقوٰی کا مقام سینہ ہے اور یہ باطنی معاملہ ہے اس سے مقصود مبالغہ جملہ میں تاکید سے کہ جب محل تقوٰی

دل ہے اور وہ مخفی ہے تو اب کسی مسلمان کو دوسرے کا حال معلوم ہی نہیں تو اب حقارت کیوں کی جائے؟ یا یہ مراد ہے کہ جس کے دل میں تقویٰ ہے وہ دوسرے مسلمان کو حقیر نہیں جانے گا کیونکہ متقی کا یہ عمل نہیں ہو سکتا لیکن معنی اول یہاں زیادہ واضح اور مناسب ہے۔

۴؎ عمل بد کے لیے کافی ہے اور کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

۵؎ کوئی مسلمان ایسا کام نہ کرے کہ اس کا خون بہایا جائے یا اس کا مال تلف ہو جائے یا اس کی آبرو ختم ہو جائے اور یہ تمام برائیوں کو شامل ہے اور یہی کلیہ ہے یہ ارشادِ نبوی جوامع الکلم میں ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے۔

۴۷۴۱ ۱۴ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلٰثَةٌ ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ وَاَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ اَلضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَا زَبْرَ لَهُ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعٌ لَا يَبْتَغُوْنَ اَهْلًا وَلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهُ طَمَعٌ وَاِنْ دَقَّ اِلَّا خَانَهُ وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ اِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ اَوِ الْكَذِبَ وَالشِّنْظِيْرُ الْفَحَّاشُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگ تین ہیں[۱]۔ (۱) وہ حاکم جو عدل[۲] و صدقہ اور توفیق والا ہو۔ (۲) وہ شخص جو ہر قرابت[۳] والے پر رحم و نرم دل ہو (۳) وہ مسلمان جو پاک دامن، سوال[۴] کرنے سے بچنے والا اور عیال دار ہو اور دوزخی لوگ پانچ ہیں[۵] (۱) وہ کمزور آدمی جس کی اپنی رائے نہ ہو[۶] جو کہ تم میں[۷] تابع ہو کر رہے نہ گھر بار چاہتے ہیں اور نہ[۸] مال (۲) وہ خائن شخص جس کی ہوس مخفی نہیں رہتی اگرچہ چیز معمولی ہو[۹] اس میں بھی خیانت کرتا ہو (۳) وہ شخص جو صبح و شام[۱۰] مال اور گھر بار کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے (۴) اور آپ نے کنجوسی[۱۱] اور جھوٹ کا ذکر کیا (۵) اور وہ شخص جو بد خلق اور فحش گو ہو۔ (مسلم)

۱؎ یہ وہ لوگ ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان کو پہلے جنت میں جانے والوں اور مقربین میں شامل کیا جائے۔

۲؎ لوگوں کے ساتھ عدل کرے، خیرات کرے، موفق، اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے لیے اسباب خیر مہیا ہوں اور نیکی کے تمام دروازے اس پر کشادہ ہوں۔

۳؎ ہر ایک پر مہربان خواہ کوئی اپنا ہو یا بیگانہ۔

۴؎ وہ پارسا شخص جو تنگ اور عیال دار ہے مگر اس کے باوجود وہ حرام کا ارتکاب نہیں کرتا اور نہ ہی دست سوال کسی کے سامنے دراز کرتا ہے۔ قرآن نے ایسے ہی بندوں کے بارے میں فرمایا يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (سوال سے بچنے کی وجہ سے جاہل انہیں غنی سمجھتے ہیں)

ے یہ اشخاص مستحق عذاب ہیں کیونکہ ایسے افعال کے مرتکب ہیں جن کی ذات ہی قبیح ہے گویا یہ ان افعال کی شدید مذمت ہے جیسا کہ سابقہ افعال پر مدح تھی۔

ے اس کی ایسی عقل ورائے نہیں جو اسے بُرے کام سے بچنے پر ثبات و استقامت دے اور غلبۂ شہوت کے موقعہ پر معاصی اور برائیوں سے محفوظ رہنے کی تلقین کرے۔

ے یہ الَّذِیْ لَا زَبْرَ لَہٗ کا بیان ہے اور ان میں سے بطور تمثیل ایک نوع کا ذکر ہے وَالَّذِیْ کا لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنیٰ جمع ہے کیونکہ جنس مراد ہے یعنی وہ لوگ جو امراء و اغنیاء کے ارد گرد بطور تابع و خادم اس لیے چکر لگائیں اور ان کا مقصد صرف شکم سیری اور کپڑے ہوں اگرچہ اس میں حرام ہو۔

ے کیونکہ ان کا مقصود محض کھانا، پینا اور پہننا ہوتا ہے خواہ وہ حرام ہو محنت اور کسب سے اور رزق حلال کے حصول میں انہیں کوئی رغبت نہیں ہوتی۔

ے وہ تھوڑی سی تھوڑی شے کی ٹوہ میں رہتا ہے تاکہ اس میں خیانت کرے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ خفا کبھی ظہور کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے سامنے جب بھی کوئی شے آتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے خواہ وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو۔

سنلہ صبح و شام مال کی حرص و لالچ میں تمہارے ساتھ دھوکہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو پاک اور امین ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ در پردہ خیانت کر سکیں۔

سللہ یعنی بخیل و کاذب بھی ان میں سے ہیں۔ راوی نے بخل و کذب کے الفاظ ذکر کیے بخیل و کاذب نہیں کہا جیسا کہ ضعیف خائن کہا لیکن یہ ہے راوی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الفاظ بھول گئے ہوں لیکن ان سے بخل و کذب مفہوم ہوتا تھا وہ ذکر کر دیا۔ اکثر روایات میں اوالکذب ہے بعض روایات میں "والکذب" ہے۔ اَوْ کی صورت میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے بخیل کو چوتھا قرار دیا یا کاذب کو اور اس صورت میں پانچواں الشنظیر ہے شین کے نیچے زیر، نون ساکن، ظا مکسور اور اگر واو ہو تو پانچ اشخاص کاذب پر مکمل ہو گئے اور شنظیر الفحاش بخیل یا کاذب کا وصف ہے یعنی بخیل بدخلق اور فحش گو یا کاذب بدخلق اور فحش گو و زخمی ہے۔ اس صورت میں الشنظیر الفحاش پر نصب پڑھیں گے یعنی آپ نے بخیل یا کاذب کا ذکر فرمایا اور ان کا یہ وصف بھی ذکر فرمایا اور "واو" کی صورت میں ان پر پیش ہوگی کیونکہ ان کا عطف رجل پر ہوگا اور بخل یا کذب پر عطف کرتے ہوئے ان پر نصب بھی پڑھا جا سکتا ہے کہ آپ نے چوتھے مرتبہ میں بخیل یا کاذب کا ذکر کیا اور پانچویں مرتبہ پر بدخلق فحش گو کا لیکن رفع پڑھنا ظاہر ہے۔

۴۷۴۳ / ۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی

کے لیے وہ بھی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے (بخاری و مسلم)

لے خواہ اس کا تعلق دنیوی خیر سے ہو یا اُخروی سے۔ بعض روایات میں لہ من الخیر کی تصریح ہے اُخروی خیر یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور درجات جنت کا حصول ہے اور یہ ایمان اور عمل صالح کا تقاضا ہے اور دنیوی خیر سے مراد اسباب، متاع اور اہل و اولاد ہیں جو خیر اُخروی کا ذریعہ ہیں، جب انسان اپنے لیے ان دونوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے دوسرے تمام مسلمانوں کے لیے بھی یہی خواہش کرنی چاہیے لیکن وہ شخص جو نفس و شیطان کے شر اور فتنہ اور اپنے فساد باطن کی وجہ سے ایسے مال و جاہ کی خواہش کرے جو ظلم و فساد اور عذاب کا ذریعہ بنے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسی چیز کی خواہش دوسرے مسلمان کے لیے بھی کرے بلکہ اسے ایسے بُرے عمل سے خود باز آنا ضروری ہے یا ایک شخص مال و دولت کے حصول کی خواہش رکھتا ہے مگر اس کا مقصود یہ ہو کہ میں اس سے حج کروں، فقراء و مساکین کی خدمت کروں، نیکی کے فروغ و غلبہ اور برائی کو مٹانے پر خرچ کروں تو یہ اچھی چیز ہے مگر دوسرے ایسے شخص کے لیے یہ خواہش نہ کرے جس کے بارے میں یہ سمجھتا ہو کہ اسے مال و دولت، فسق و فجور اور سرکشی کی طرف لے جائے گا کیونکہ یہ اس کے حق میں خیر نہیں۔ الغرض جو تنگی ہر آدمی کو اس وجہ سے لاحق ہے کہ مجھے فلاں سے یہ تکلیف و اذیت نہ ہو اس سے جان چھوٹ جائے گی کیونکہ جب تمام ایک دوسرے کی بھلائی، خیر، اصلاح، دین و دنیا اور انصاف و اعتدال سے کام لیں گے تو یہ خوف از خود ختم ہو جائے گا۔ اب یہ چاہت پیدا ہو گی کہ تمام لوگ دنیا و آخرت کی خیر میں مساوی حصہ دار ہو جائیں اگر انسان اس حالت کے حصول کے لیے سچی لگن اور عزم مصمم کرے تو یہ چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ومنہ التوفیق۔

۴۷۴۳/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم! مومن وہ نہیں[1]، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟[2] فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو (بخاری و مسلم)

لے وہ شخص کامل مسلمان نہیں۔

کے آپ یہ بات کس کے بارے میں فرما رہے ہیں۔

۴۷۴۴/۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو

۴۷۴۵/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ۔

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچاتے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) رہے یہنی کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث[۲] بنا دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ کہ جانے کا یہ حق ہے، اسے تنگ نہ کیا جائے، اس سے احسان و حسن سلوک سے کام لیا جائے۔
سلہ تو اس بارے میں اتنی دفعہ وحی آئی کہ جس سے میں نے محسوس کیا۔ اگر بالفرض یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کا معاملہ ہو تو پھر تو اس وحی سے پہلے ہوگا جس میں اطلاع دی گئی کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ جیسے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء نہ وارث بنتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث بنایا جاتا ہے۔

۴۷۴۶ / ۱۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجْلِ اَنْ يُّحْزِنَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تین ہو[۱] تو تیسرے کو چھوڑ کر دو سرگوشی نہ کریں حتی کہ تم لوگوں میں خلط ملط ہو جاؤ[۲] اس لیے کہ یہ بات اسے پریشان کرے[۳] گی۔ (بخاری و مسلم)

سلہ جب کسی مجلس میں تین آدمی ہوں تو دو آدمی اس طرح آپس میں گفتگو نہ کریں کہ وہ بات تیسرا آدمی نہ سن سکے۔
سلہ اگر اجتماع میں کثرت افراد ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اس طرح اگر چار آدمی ہیں اور دو ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں تو یہ بھی روا ہے۔
سلہ یُحْزِنُہٗ یا پر زبر حا ساکن، زا پر پیش، یا پر پیش اور زا زیر کے ساتھ دونوں طرح درست ہے یُحْزِنُہٗ و اَحْزَنَہٗ اسے غمناک کر دیا۔ حزن کا سبب دو اشیاء ہیں ایک یہ کہ اس کو وہم ہوگا کہ شاید میرے بارے کوئی ہلاکت کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور دوسری یہ وجہ ہے کہ ایک کی تکریم اور دوسرے کی عدم تکریم ہوگی۔ پہلی صورت میں اگر مقام ایسے وہم کا نہیں وہاں یہ عمل درست ہوگا۔ اس وجہ سے کہ بعض نے یہ کہا کہ یہ نہی سفر کے ساتھ اس حالت میں ہے جب تیسرے کو اپنے نفس پر خوف ہو اور گھر وغیرہ میں ایسے عمل میں کوئی حرج نہیں۔ اور دوسری صورت میں یہ عمل مطلقاً جائز نہیں لیکن یہ حکم مختلف اشخاص اور مختلف احوال میں مختلف ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا ہر حال میں تیسرے کی عدم تکریم کا سبب نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تین سے زائد افراد ہوں تب بھی سرگوشی سے وحشت و حزن ہو جاتا ہے۔ طیبی سے معلوم ہوتا ہے دو آدمیوں کا تیسرے کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سرگوشی کرنا امام مالک، شافعی اور جمہور علماء کے ہاں سفر و حضر میں حرام ہے، اور صحت کے ساتھ یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے ثابت ہے کہ ایک دن تمام ازواج مطہرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں جمع تھیں اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا آئیں آپ نے فاطمہ کو دیکھ کر خوش آمدید فرمایا اور ان کے ساتھ سرگوشی فرمائی جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب محل تہمت و شک نہ ہو تو ایک دوسرے سے سرگوشی کر لینا جائز ہے۔ اسی طرح تین یا تین سے زائد لوگوں کا سرگوشی کرنا بھی جائز ہے۔

۴۷۴۷/۲ وَعَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمت دو جہاں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا دین نصیحت[1] ہے یہ تین مرتبہ فرمایا ہم نے عرض کیا کس کے لیے[2] فرمایا اللہ کے کتاب[3] اس کے رسول[4] مسلمانوں کے آئمہ[5] اور عام مسلمانوں[6] کے لیے[7] (مسلم)

[1] نصیحت خلوص، خالص شہد کو بلکہ ہر وہ شے جو خالص ہو اسے ناصح کہا جاتا ہے۔ عرف میں اس سے مراد خیر خواہی ہے کیونکہ وہ خلوص و محبت کا اثر ہے۔

[2] صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے دین کو خیر خواہی میں منحصر فرمایا یہ خیر خواہی کس کے لیے اور کس خاطر کی جائے؟

[3] کتاب۔ قرآن مجید

[4] ذات پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب اور رسول سے جنس مراد ہو اور اس میں تمام کتب سماوی اور تمام رسولان کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین شامل ہو جائیں۔

[5] اسلامی حکام و امراء

[6] ان حکام کے علاوہ عوام۔

[7] اللہ تعالےٰ کی نصیحت (خیر خواہی) سے مراد اس کو ایک ماننا اس کی صفات کا تسلیم کرنا اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنا ہے کتاب کے لیے نصیحت سے مراد یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا اور اس کی تلاوت و تعظیم کرنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے نصیحت یہ ہے کہ آپ کی تصدیق کی جائے کہ آپ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں برحق ہے۔ آپ کی اطاعت کی جائے آپ سے اور آپ کی نسبت رکھنے والوں سے محبت کی جائے۔ آپ کی سنت کو زندہ کیا جائے۔ ان تینوں نصیحتوں کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے انسان اپنی خیر خواہی کرتا ہے۔ آئمہ مسلمین کے لیے نصیحت یہ ہے کہ معروف میں ان کی اطاعت اور غفلت پر تنبیہ اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا اگرچہ وہ ظالم ہوں اور علماء کی حق کے موافق اتباع کرنا ہے اور عام مسلمانوں کے لیے دین و دنیا کی بھلائی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرنا، ان کے نقصان کو دور کرنا اور ان کو نفع پہنچانا ان کے لیے نصیحت ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے کہ اس پر تمام دین کا مدار ہے اور اولین و آخرین کے تمام علوم اس میں موجود ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل دشوار ہے۔ بطور نمونہ ایک الگ رسالے میں کچھ لکھا ہے۔

۴۷۴۸/۲ وَعَنْ جَرِيرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

حضرت جریر[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) پر بیعت کی ہے۔ (بخاری و مسلم)

ل؎ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ عبادات یا تو اللہ کا حق ہے یا بندے کا، حقوق اللہ میں سے ان بدنی اور مالی عبادات کا تذکرہ کیا جن کا شہادتین کے بعد مرتبہ ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ روزہ اور حج اس وقت فرض نہ ہوئے تھے اور حق العباد یہ تمام کو شامل ہے کیونکہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کا ذکر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۷۴۹/۲۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنے آقا ابو القاسم جو صادق و مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں سے سنا کہ رحمت صرف بدبخت سے ہی نکالی جاتی ہے (احمد، ترمذی)

ل؎ ابو القاسم یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

۲؎ صادق۔ سچ کہنے والے

۳؎ مصدوق جسے سچ کہا گیا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام باتوں میں سچے ہیں۔ اللہ تعالٰی اور جبریل امین نے آپ کی تمام باتوں کی تصدیق کی ہے۔

۴؎ کیونکہ مہربانی و رحمت ایمان کی علامت ہے جو شخص دل میں صفت رحمت نہیں رکھتا وہ ایماندار نہیں اور جو ایمان نہیں رکھتا وہ بدبخت ہے نعوذ باللہ من الشقاوۃ۔

۴۷۵۰/۲۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے اور تم اہل زمین[1] پر رحم کرو تم پر آسمان[2] والا رحم فرمائے گا۔ (ابو داؤد، ترمذی)

ل؎ خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اور بدوں پر رحمت یہ ہے کہ ان کو بدی سے روکا جائے جیسا کہ گزرا کہ بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم یا مراد یہ ہے کہ ہر اس شے پر رحم کرے جو قابلِ رحم ہے۔

۲؎ آسمان جس کی ملک اور قدرت میں ہے اور آسمان کی تخصیص کمال وسعت اور کمال بلندی کی وجہ سے ہے یا اس سے مراد آسمانی ملائکہ ہیں سب ان کا رحم یہ ہے کہ وہ مخلوق پر رحم کرنے والے کے لیے دشمن جن وانس کی تکالیف سے حفاظت اور اللہ تعالٰی سے اس کے لیے بخشش و رحمت کی دعا ہے۔

۴۷۵۱/۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے[۱] نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہیں کرتا۔ اچھی باتوں کا حکم اور برائی سے نہیں روکتا (ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث غریب ہے)

۱ ہماری اتباع کرنے والے اور ان لوگوں میں سے نہیں جو ہمارے طریقے پر ہیں۔

۲ مسلمانوں کے چھوٹے اور بڑے کی تخصیص کمال اہتمام کی وجہ سے ہے کیونکہ کافروں میں سے چھوٹے بڑے پر رحم اور توقیر بھی لازم ہے اور ضمیر متکلم سے مراد مسلمانوں کے بجائے آدمی ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔

۳ بعض نسخوں میں حسن غریب کے الفاظ ہیں اور بعض شارحین نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

۴۷۵۲/۲۵ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِّنْ أَجْلِ سِنِّهٖ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے شخص کا احترام بڑھاپے کی وجہ سے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں ایسے آدمی کو مقرر فرمائے گا جو اس کا احترام کرے[۱]۔ (ترمذی)

۱ شارحین فرماتے ہیں کہ اس میں بوڑھے شخص کی خدمت کرنے والے نوجوان کے لیے بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کی بشارت ہے۔

۴۷۵۳/۲۶ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِيْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِيْ عَنْهُ وَإِكْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم[۱] سے یہ ہے کہ بوڑھے مسلمان حافظ قرآن[۲] جو نہ اس میں زیادتی کرے اور نہ اس سے دور رہے[۳] اور عادل حاکم کا احترام کیا جائے۔

(ابوداؤد، بیہقی، شعب الایمان)

۱ اس کے حکم کی بجا آوری۔

۲ جو قرآن پڑھنا جانتا ہو خواہ حافظ ہو یا نہ ہو۔

۳ حامل قرآن کے ساتھ دو قیود کا اضافہ فرمایا کہ وہ عبادات اور معاملات میں متوسط اور اعتدال کے طریقہ پر ہو طیبی کہتے ہیں کہ "غالی" سے مراد وہ شخص ہے جو بغیر تدبر و تفکر کے قرآن کے الفاظ اور حروف پر وقت خرچ کرے یا جو اس کی تلاوت میں جلد بازی سے کام لے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا

گر یا اس نے اسے پڑھا ہی نہیں اور "جافی" وہ شخص ہوتا ہے جو قرأت قرآن سے تارک ہو جائے۔ ان کا یہ معنی بھی مناسب ہے کہ "غالی" کا معنی یہ ہوگا کہ جو ہمیشہ قرآن کی تلاوت میں ہی مصروف رہے۔ دین کو سمجھنے، غور و فکر اور دیگر عبادات میں مشغول نہ ہو اور "جافی" اور جو بغیر قرآن کے ساتھ مشغول رہے اور تلاوت نہ کرے۔ بعض حواشی میں ہے کہ "غالی" سے مراد وہ آدمی ہے جو الفاظ میں تحریف اور معانی میں غلط تاویل کا ارتکاب کرے اور "جافی" وہ شخص ہے جو اس کی تلاوت اور اس پر عمل سے دور ہو جائے۔

۴۷۵۴/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُّحْسَنُ اِلَیْہِ وَ شَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُّسَاءُ اِلَیْہِ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے بڑا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] یعنی ناحق اگر تعلیم و تربیت کی خاطر اس کی پٹائی وغیرہ کی جائے تو یہ احسان ہوگا۔

۴۷۵۵/۲۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَسَحَ رَاْسَ یَتِیْمٍ لَمْ یَمْسَحْہُ اِلَّا لِلّٰہِ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلَیْھَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰی یَتِیْمَۃٍ اَوْ یَتِیْمٍ عِنْدَہٗ کُنْتُ اَنَا وَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ وَقَرَنَ بَیْنَ اِصْبَعَیْہِ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا[1] رضائے الٰہی[2] کی خاطر تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے[3] بال آئیں گے ہر ایک کے عوض اسے نیکی حاصل ہوگی اور جس نے اپنے پاس[4] یتیم بچے یا بچی کے ساتھ حسن سلوک کیا میں اور وہ جنت میں ان دو کی طرح ہوں گے اور آپ نے اپنی دونوں مقدس انگلیاں[5] آپس میں ملائیں۔

(احمد، ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

[1] بطور شفقت و مہربانی۔

[2] یہ شرط ہر عمل میں ہوتی ہے چونکہ یہ عمل بطور عادت بھی اکثر ہوتا ہے اس لیے یہاں اس قید کا اضافہ فرمایا۔

[3] تمُر تا پر زبر یا میم پر پیش یا پیش اور کسرہ ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا، ہر اس بال کے عوض ثواب ملے گا جس پر اس شخص کے ہاتھ بال لگے۔

[4] اس کی زیر کفالت و تربیت تھا۔ اور اس نے اس کی تعلیم و تربیت تا ادب، شادی و نکاح اور اس کے مال کی

حفاظت کی۔

۵؎ سبابہ اور وسطیٰ کو ملایا تاکہ بات واضح اور پختہ ہو جائے۔

۴۷۵۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰوٰی یَتِیْمًا اِلٰی طَعَامِہٖ وَشَرَابِہٖ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّۃَ اَلْبَتَّۃَ اِلَّا اَنْ یَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا یُغْفَرُ وَمَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْمِثْلَھُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَھُنَّ وَرَحِمَھُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَھُنَّ اللّٰہُ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوِ اثْنَتَیْنِ قَالَ اَوِ اثْنَتَیْنِ حَتّٰی لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاحِدَۃً لَقَالَ وَاحِدَۃً وَمَنْ اَذْھَبَ اللّٰہُ بِکَرِیْمَتَیْہِ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا کَرِیْمَتَاہُ قَالَ عَیْنَاہُ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی یتیم کو کھانے پینے میں شریک کر لیا اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت لازم فرما دیتا ہے؎ بشرطیکہ وہ ایسا گناہ نہ کرے جو ناقابل معافی ہو؎ اور جس نے تین بیٹیاں یا اس کی مثل تین بہنوں کی پرورش کی؎ ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ انہیں غنی کر دے؎ تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت لازم فرما دیتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا اور دو کی خدمت کرے؎ تو فرمایا یا دو کو حتیٰ کہ اگر لوگ ایک کا ذکر کرتے تو فرما دیتے ایک؎ اور اللہ تعالےٰ جس کی دو پیاری چیزیں دور کر دے اس کے لیے جنت واجب ہو گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ دو چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا اس کی دونوں آنکھیں؎۔

(شرح السنۃ)

۱؎ اور اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔

۲؎ یعنی کفر و شرک۔

۳؎ تین بیٹیوں کی کفالت اور تمام بوجھ برداشت کرے۔

۴؎ بالغ ہو جائیں یا ان کا عقد ہو جائے یا وہ صاحب مال ہو جائیں۔

۵؎ کیا دو کی خدمت سے یہ اجر ملے گا؟

۶؎ مذہب مختار یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے احکام نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سپرد فرما دیے ہیں۔ آپ جو چاہیں حکم دیں، جس کے لیے چاہیں منع فرما دیں اور جس کے لیے چاہیں تخصیص فرما دیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ احکام تفویض نہیں ہوتے بلکہ ہر سوال کے بعد وحی کا نزول مقصود کے مطابق ہوتا تھا۔ اس کی مثالیں احادیث میں کثرت کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد جنت کے واجب ہونے کے ذکر کی مناسبت سے یا کسی دوسری مناسبت سے فرمایا جس کی دو پیاری چیزیں اللہ تعالےٰ سلب کرے (الحدیث)

۷؎ بعض نسخوں میں اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّۃَ (اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت لازم فرما دیتا ہے) کے الفاظ ہیں۔

ے قاموس میں ہے کہ جبہ ناک، کان اور ہاتھ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۴۷۵۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَنَاصِحٌ الرَّاوِيْ لَيْسَ عِنْدَ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ بِالْقَوِيِّ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لیے ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے کہ وہ اپنے بچے کی بہتر تربیت کرے۔
(ترمذی نے روایت کرکے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور ناصح[1] محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

[1] یہ راویان حدیث میں سے ہیں۔ محدثین کے نزدیک ان کا ضبط و حفظ قوی نہیں کہ ان پر اعتماد و وثوق کیا جائے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۴۷۵۵ وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ مِنْ نُّحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا عِنْدِيْ حَدِيْثٌ مُّرْسَلٌ)

حضرت ایوب بن موسٰی[1] اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کوئی باپ اپنے بچے کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ[2] نہیں دے سکتا۔
(ترمذی، بیہقی، شعب الایمان، ترمذی نے روایت کرکے کہا کہ میرے نزدیک یہ حدیث مرسل ہے۔)

[1] ایوب بن موسٰی بن اشدق بن عمر بن سعید بن العاص بن امیہ قریشی فقہا میں سے ہیں۔ حضرت عطاء، مکحول سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے۔

[2] نحل، نون پر پیش ہے بعطیہ دینا، نحل یعنی اعطاء سے مصدر ہے۔

۴۷۵۶ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَامْرَاَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَوْمَاَ يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ اِلَى الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ امْرَاَةٌ اٰمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ وَّحَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلٰى يَتَامَاهَا حَتّٰى بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں اور سیاہ رخسار[1] والی عورت روز قیامت ان دو کی طرح ہوں گے اور یزید بن زریع نے وسطی اور سبابہ کی طرف اشارہ کیا وہ عورت[2] جو صاحب عزت و جمال تھی اور اپنے خاوند سے الگ ہوگئی لیکن اس نے اپنے آپ کو یتیموں کے لیے روک رکھا حتی کہ وہ جدا ہوگئے یا وفات پاگئے۔
(ابوداؤد)

۱؎ وفات زوج کے بعد اولاد کی تربیت کے لیے مشقت، تکالیف اور ترک زینت کی وجہ سے اس کے رخسار سیاہ ہوگئے۔ سفعاء میں پریشان، غبار سے آلودہ، سرخی مائل سیاہی کو کہتے ہیں۔
۲؎ زریع زاد پریش، راویان حدیث میں سے ہیں ہاتھ کا بیان کرتے ہوئے انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔
۳؎ یعنی وہ عورت وفات زوج کی وجہ سے بیوہ ہوگئی۔ ایّم، ہمزہ پر زبر یا مشدد مکسور بیوہ عورت۔
۴؎ اس سے واضح ہوگیا کہ اس کے رخساروں کی سیاہی خلقۃً سیاہ نہ تھی بلکہ تربیت اولاد میں جو اس نے مشقت و تکلیف برداشت کی اس کی بنا پر یہ سیاہی آئی۔
۵؎ ان یتیم بچوں کی خدمت و پرورش کی وجہ سے کسی دوسرے شوہر سے شادی نہ کی۔
۶؎ بالغ و حائل ہوگئے کیونکہ اس عمر میں بچے والدین سے جدا ہو جاتے ہیں۔
۷؎ اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر کوئی بیوہ یتیم بچوں کی خدمت و تربیت کے لیے کسی شوہر سے شادی نہیں کرتی بلکہ صبر و ہمت کے ساتھ وقت گزارتی تو یہ بہت بڑا عمل ہے۔

۴۷۶۰/۴۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی بیٹی ہو اس نے اسے زندہ دفن[۱] نہ کیا، نہ اس کو ذلیل کیا اور نہ اس پر بیٹے[۲] کو ترجیح دی اللہ تعالٰے اسے جنت میں داخل فرمائے گا[۳]

(ابو داؤد)

۱؎ جیسا کہ دور جاہلیت میں فقر اور عار و شرم کی وجہ سے لوگ کرتے تھے۔
۲؎ الذکور، ولد کی تشریح ہے کیونکہ اس کا اطلاق بیٹے اور بیٹی دونوں پر ہوتا ہے اور یہاں مراد بیٹا ہے لہٰذا اس کی تفسیر و تخصیص کردی۔
۳؎ ظاہراً عبارت ولدہ کی جگہ ابنہ ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ لفظ انثٰی میں تحقیر اور لفظ ولد میں تعظیم ہے۔ گویا فرزند میں شامل ان کے ہاں بیٹا ہی ہے بیٹی نہیں۔

۴۷۶۱/۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کسی مسلمان کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی مدد پر قادر[۱] تھا اس نے اس کی مدد[۲] کی تو اللہ تعالٰے اس کی مدد دنیا و آخرت میں فرمائے گا اور اگر قادر ہوتے ہوئے مدد نہ کی تو اللہ تعالٰے اس پر دنیا و آخرت میں گرفت[۳] فرمائے گا۔ (شرح السنۃ)

۱؎ غیبت کرنے والے کو منع کرنے پر قادر تھا۔
۲؎ غیبت کرنے والے کو منع کر دیا۔
۳؎ اگر قادر نہیں تو پھر وہ معذور ہوگا البتہ نفرت کا اظہار کرے اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے بیزاری کا اظہار کرے۔

۴۷۶۲/۳۵ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے گوشت۲؎ سے دفاع کرے تو اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ وہ اسے آگ سے آزاد فرما دے۔
(بیہقی، شعب الایمان)

۱؎ یہ انصاریہ صحابیہ ہیں نہایت ہی صاحب فہم و تقوی ہیں۔
۲؎ اس سے مراد غیبت ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مذمت یوں بیان ہوئی ہے۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔
وجہ تشبیہ یہ ہے کہ غیبت کرنے والا شخص دوسرے شخص کی عزت و آبرو ختم کر دیتا ہے۔ گویا اس نے اسے ہلاک کر کے اس کا گوشت کھایا۔ اس صورت میں لفظ مغیبت (غیبت) بکسر عین ہے اور اس کا معنی غائب ہونا ہے اور یہ (لفظ بالمغیبۃ) لفظ ”ذَبَّ“ کے متعلق ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لحم اخیہ کے متعلق ہو اور مقدر اکل لحم اخیہ ہو اور مغیبت کا باز رکھنا ہو۔ اب معنی ہوگا کہ اس نے اپنے بھائی کا گوشت کھانے سے باز رکھا۔ دونوں کا مآل ایک ہی ہے کہ اسے غیبت سے باز رکھے۔

۴۷۶۳/۳۶ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کرے اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ وہ اس سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ دور فرمائے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ ہم پر ہے مومنوں کی مدد کرنا۔
(شرح السنۃ)

۴۷۶۴/۳۷ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَخْذُلُ اِمْرَاً مُّسْلِمًا

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی

مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللهُ تَعَالَى فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ وَمَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللهُ تَعَالَى فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

مسلمان کو ایسی جگہ رسوا کرے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالٰے اسے ایسی جگہ ذلیل کرے گا جہاں وہ مدد چاہتا ہوگا اور جو مسلمان ایسی جگہ مسلمان کی مدد کرے جہاں اس کی حرمت و عزت ختم کی جارہی ہو تو اللہ تعالٰے اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ مدد محبوب جانتا ہو۔

(ابوداؤد)

لے یعنی غیبت سے منع نہ کرے۔

سے اس کی پردہ دری کی جارہی ہو۔

سے یعنی آخرت لیکن دنیا کو بھی شامل ہے۔

$\frac{۴۷۶۵}{۳۸}$ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَى مَوْؤُدَةً.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کا مخفی عیب[1] دیکھے اور اس پر پردہ ڈال دے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو زندہ درگور بچی کو زندہ کردے[2]۔

(احمد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

لے عورت کا لفظ اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ظاہر ہونے کو انسان ناپسند کرے اور پسند کرے کہ وہ مخفی ہی رہیں اور مرد و عورت کے ان اعضاء کو بھی کہا جاتا ہے جن کا ستر فرض ہے یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ صراح میں ہے کہ لفظ عورت ان اعضاء اور ان اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا ظاہر کرنا ناپسند ہو۔

سے جاہلیت میں بچیوں کو لوگ زندہ درگور کر دیتے تھے، اسے زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے اسے قبر سے باہر نکال لیا تاکہ وہ نہ مرے۔

سے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جب کسی کے عیب ظاہر ہو جائیں تو وہ شرم و عار کی وجہ سے اپنے آپ کو مردہ تصور کرتا ہے لیکن جس کے عیب مخفی ہوں تو وہ اپنے آپ کو زندہ شمار کرتا ہے تو گویا جس نے عیب مخفی کیے اس نے اسے بچی کی طرح زندگی دی۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ وجہ تشبیہ اس امر کا عظیم ہونا ہے کیونکہ بچی کو زندہ کرنا نہایت ہی عظیم معاملہ ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ لوگ اس کو عظیم عمل سمجھتے ہوئے دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈال دیں۔ لیکن یہ وجہ تشبیہ ا... نہیں اگر بچی کو زندہ کرنے کے ساتھ وجہ تشبیہ یہ ہے تو اس کی پھر کیا خصوصیت ہے؟ کائنات میں اس سے علاوہ بھی امور عظیم ہیں ان کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی۔ لہٰذا وجہ اول مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

$\frac{۴۷۶۶}{۳۹}$ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيْهِ فَإِنْ رَأَى بِهٖ أَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهٗ وَفِي رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِأَبِي دَاوٗدَ الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهٗ وَيَحُوْطُهٗ مِنْ وَرَائِهٖ)

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی برائی دیکھے تو کسے دور کرے[1]۔ ترمذی نے اسے روایت کر کے ضعیف کہا[2] اور اس کی دوسری اور ابو داؤد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے[3] اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ اس سے ہلاکت[4] دور کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت[5] کرتا ہے[6]۔

[1] اور اس کی اصلاح کر دے خواہ بذریعہ توجہ ملا سکے، اطلاع یا بطور زجر و توبیخ ہو۔

[2] یعنی ان الفاظ کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

[3] جس طرح آئینہ میں انسان اپنے چہرے کے عیب دیکھ کر درست کرتا ہے اسی طرح دوسرے مسلمان کے سامنے جب کسی دوسرے مسلمان کے عیب آئیں تو بذریعہ توجہ، زجر اس کی اصلاح کر دے۔ صوفیاء کرام نے ہمیشہ یہی راہ اپناتے ہوئے ایک دوسرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اگر کوئی اصلاح کرنے والا نہ ہو تو تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ اس معنیٰ کی تقویت کے لیے اگلے کلمات ارشاد فرمائے۔

[4] ضیعۃ: اس سے مراد ہر نقصان دہ چیز اور ہلاکت ہے۔

[5] اس کی غیبت ذکر کرنے نہیں دیتا ہے بلکہ اس کے تمام حقوق کی حفاظت کرتا ہے خواہ ان کا تعلق اس کی ذات یا مال یا آبرو سے ہی ہو۔

[6] بعض شارحین نے اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ کی تشریح یہ کی ہے جس طرح انسان آئینہ میں اپنا عیب دیکھ کر اصلاح کر لیتا ہے اسی طرح ایک مومن دوسرے کو دیکھ کر اپنے عیوب و نقائص پر مطلع ہو کر اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے یہ معنی صحیح اور دقیق ہے لیکن سیاقِ حدیث اس کے موافق نہیں

۴۷۴۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مومن کو منافق سے محفوظ[1] رکھے روز قیامت اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت[2] کی دوزخ کی آگ سے حفاظت کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو عیب لگانے کی نیت سے گالی دے اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روکے گا یہاں تک کہ وہ اس بات سے باہر[3] آ جائے۔

(ابو داؤد)

لہ منافق کے شر سے محفوظ رکھے یا اس کے ظلم سے، پہلا معنی واضح ہے، منافق کا لفظ واضح کر رہا ہے غیبت کا پیشہ اپنانا عمل منافق ہے جو سامنے اور پیچھے یکساں نہیں رہتا۔

لہ کیونکہ اس نے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے روکا تھا اس لیے اس کا ثواب یہی مناسب ہے۔

لہ اسے راضی کرے یا اس کی سزا بھگت لے۔

۴۷۶۸ / ۴۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔

(دارمی، ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

۴۷۶۹ / ۴۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ اَوْ اِذَا اَسَأْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کیسے علم[1] ہو کہ میں نے یہ عمل اچھا کیا ہے یا برا؟ تو آپ نے فرمایا جب تم اپنے پڑوسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تو نے اچھا کیا تو تو نے اچھا کیا ہے[2] اور جب اسے سنو کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برا کیا تو تو نے برا کیا۔

(ابن ماجہ)

لہ میں کس چیز کو پیمانہ بناؤں۔

لہ تیری نیکی و بدی کی پڑوسی گواہی دے گا اور یہی اس کا پیمانہ ہے۔

لہ واضح رہے کہ یہ ان بھائیوں کا حق ہے جو نہایت ہی منصف اور حق گو ہوں، اور غلبۂ دوستی و دشمنی سے بالا تر ہو جیسا کہ حدیث میں ہے اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (زمین میں تم اللہ کے گواہ ہو)

۴۷۷۰ / ۴۳ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے ساتھ ان کے درجہ[1] کے مطابق سلوک کرو۔

(ابوداؤد[2])

لہ یعنی اہل شرافت و بزرگی کو اہل ذلت کے برابر نہ رکھا جائے بلکہ ان دونوں کے ساتھ اس طرح کی تعلیم کا سلوک کیا جائے

کردہ کسی کے لیے ایذاء کا سبب نہ ہو اور نہ ہی کسی کے مرتبہ سے کم ہو۔

۲ احیاء العلوم میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کھانا کھا رہی تھیں۔ ایک فقیر ادھر سے گزرا آپ نے روٹی کا کچھ حصہ اس کی طرف روانہ کیا اس کے بعد ایک سوار گزرا آپ نے اسے پیغام بھجوایا کہ اگر حاجت ہے تو کھانا موجود ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے اس تفاوت حال کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسالتماب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کی حسب مرتبہ قدر کرو وہ مسکین ایک حصہ روٹی سے خوش ہو گیا اگر اس سوار کے ساتھ بھی ہم اس جیسا سلوک کرتے تو شاید یہ اہانت محسوس کرتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۷۷۲ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ یُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو فرمایا صحابہ نے آپ کے بچے ہوئے پانی[2] سے تبرک کرتے ہوئے اپنے جسم پر ملنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس عمل پر کس نے برانگیختہ کیا۔ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول محبت[3] کرے اسے چاہیے کہ وہ جب بات کرے سچ بولے۔ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ بہتر سلوک کرے[4]۔ (بیہقی)

۱ ابو قراد قاف پر پیش بجواز مصنف یہ اہل حجاز میں سے ہیں اور صحابی ہیں۔

۲ کونسا پانی مراد ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ وہ پانی مراد ہے جو برتن میں وضو کے بعد بچ جاتا تھا اور بعض اس سے وہ پانی مراد لیتے ہیں جو آپ کے اعضاء مبارکہ سے الگ ہوا۔

۳ یہ مقام پہلے سے بڑھ کر ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

۴ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ صرف ایسے امور سے ثابت نہیں ہوتا جن میں نہ تو محنت ہے اور نہ ہی نفس کے لیے مشقت ہے، جیسے وضو کے پانی کو جسم پر ملنا بلکہ اس کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ان کے احکام کی پیروی کی جائے خصوصاً یہ امور سچ بولنا، ادائیگی امانت، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کیونکہ لوگ اکثر طور پر ان سے غفلت

رہتے ہیں اسی لیے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا احمد مجد شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناگور میں بہت ہی متدین شخص تھے، امراء میں سے ایک شخص جس نے اپنے بھائی کے حقوق کی ادائیگی نہیں کی تھی اور درویش بن گیا اور مولانا کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا اور اس کا کام تھا کہ آستانے کے بیت الخلاء میں پانی لائے ایک دن آپ نے اسے دیکھا کہ وہ آپ کے پانی کا کوزہ سر پر اٹھا کر لا رہا ہے تو آپ نے فرمایا اے ابو احمد اللہ تعالیٰ اس طریقے سے تجھ سے راضی نہ ہوگا جب تک تیرا بھائی راضی نہ ہو لہٰذا اس کا حق پہلے ادا کر اور اسے اپنے آپ سے راضی کر تاکہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔

۴۷۷۲/۴۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں جو سیر ہو کر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان)

۴۷۷۳/۴۶ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِيْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَاتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں خاتون کے نماز، روزے اور صدقہ کی کثرت کا خوب چرچا ہے مگر وہ اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے تکلیف دیتی تھی فرمایا وہ دوزخی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ فلاں خاتون کے روزے، نماز اور صدقے کم ہیں کہ اس نے پنیر کے کچھ ٹکڑے ہی صدقہ کیے لیکن اپنے پڑوسی کو زبان سے تکلیف نہ دیتی تھی۔ فرمایا وہ جنتی ہے۔ (احمد، بیہقی، شعب الایمان)

لہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

سلہ ہمسائے کو تنگ کرنے کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلی گئی اور اس کے نماز، روزے اور صدقہ افضل ترین عمل ہونے کے باوجود اس گناہ کا کفارہ نہ بن سکے۔

سلہ یعنی پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک نے وہ کمی دور کر دی جو اس سے نماز، روزے میں ہوئی تھی۔

۴۷۷۴/۴۷ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا

انہی سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے ٹھہر کر فرمایا میں تمہیں اچھے برے کی خبر نہ دوں؟ لوگ خاموش

فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ مِنْ شَرِّهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

ہو گئے آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اپنے اور برے کی نشاندہی فرما دیجئے۔ فرمایا تم میں اچھے وہ ہیں جن سے بھلائی کی امید ہو اور برائی کا خطرہ نہ ہو اور تم میں برے وہ ہیں جن سے بھلائی کی امید نہ ہو اور برائی کا خطرہ ہو۔

(بیہقی شعب الایمان، ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)۔

لہ نیکوں کو بروں سے ممتاز کرتے ہوئے تمہیں آگاہ کر دوں کہ تم میں سے سب سے زیادہ نیک کون ہیں؟

۲ہ اس خوف کے پیش نظر خاموش ہو گئے کہ شاید ہم میں سے ہر ایک کا تعین فرمانے لگے حالانکہ یہ عمومی گفتگو تھی۔

۳ہ لیکن وہ شخص جس سے نیکی کی امید ہو اور اس کی برائی سے خطرہ ہو یا اس کی برائی سے بے خوفی ہے مگر اس سے نیکی کی امید نہیں تو ایسا شخص درمیان میں ہوگا نہ سب سے نیک اور نہ سب سے برا۔

۴۷۷۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّيْنَ فَقَدْ اَحَبَّهٗ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰى يُسْلِمَ قَلْبُهٗ وَلِسَانُهٗ وَلَا يُؤْمِنُ حَتّٰى يَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے تمہارے اندر اخلاق تقسیم فرما دیئے ہیں جیسے کہ اس نے تمہاری روزی تقسیم کر دی ہے اللہ تعالٰی نے دنیا اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ شخص دونوں کو دی مگر دین اس کو دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے پس جسے اللہ تعالٰی نے دین عطا فرمایا تو اس سے وہ محبت کرتا ہے قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کے دل و زبان سلامت نہ ہوں اور نہیں مومن ہو سکتا یہاں تک اس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ ہو۔ (احمد، بیہقی)

لہ اور تمام اعمال جن کا تعلق دین سے ہے۔

۲ہ جس کا تعلق دنیا سے ہے اس کے بعد اخلاق کی تفصیل بیان کی۔

۳ہ مومن ہونا کا فرمانبردار ہونا فرمان۔

سے یہ بطور تاکید جملہ کا اضافہ ہے۔

ھے اس معنی میں تاکید ہے کہ دین نیک اخلاق کا نام ہے۔

ے یعنی جب تک اس کے دل و زبان مطیع نہ ہوں، دل کا اسلام یہ ہے کہ وہ عقائد باطلہ سے پاک ہو اور زبان کا اسلام یہ ہے کہ لایعنی باتوں سے رک جائے (کذا قال الطیبی) لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد تصدیق قلبی اور اقرار لسانی ہے بلکہ یہ ظاہر و باطن کے موافق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ دل و زبان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کا مدار ان پر بھی ہے۔

ے یہ بھی اخلاق میں سے ہے۔ درجہ تخصیص یہ ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور ایمان کا ذکر بطور کمال مبالغہ ہے۔ گویا حقیقت ایمان، تصدیق قلبی ہونے کے باوجود اس عمل پر موقوف ہے اور جب ایمان کا مستحق تکذیب سے بے خوف ہوتا ہے اور اس کا ذکر ہمسائیگی کی بے خوفی کے ساتھ نہایت مناسب ہے۔

۴۷۷۶/۴۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَأْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اس میں بھلائی نہیں جو الفت نہیں کرتا اور نہ الفت کیا جاتا ہے[1]۔ (احمد، بیہقی، شعب الایمان)

لے مومن الفت کا محل و مرکز ہوتا ہے کیونکہ اسلام اور دین کا مدار الفت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَكُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ (تم آپس میں دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کردی) اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس بات کا احسان بیان فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (اس ذات نے اپنی مدد سے آپ کو قوت دی اور مومنوں کے ذریعے اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کردی۔

سے یعنی دیگر مسلمان اسے دوست نہ رکھیں، جب ایمان الفت و محبت کا مدار ہے تو اس لیے مومن ہی محبت کرنے والا اور محبوب ہوگا۔

۴۷۷۷/۵۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰی لِاَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ حَاجَةً یُّرِیْدُ اَنْ یَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَمَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے امتی کو خوش کرنے کے لیے اس کی حاجت پوری کرتا ہے اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اسے وہ جنت میں داخل فرمائے گا۔

(بیہقی)

۱؎ صراح میں لفظ قضا کا معنی کسی کی حاجت پوری کرنے کے لیے مشغول ہونے کے ہیں۔

۴۷۷۸/۵۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَغَاثَ مَلْھُوْفًا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثَلٰثًا وَّسَبْعِیْنَ مَغْفِرَۃً وَّاحِدَۃٌ فِیْھَا صَلَاحُ اَمْرِہٖ کُلِّہٖ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ لَہٗ دَرَجَاتٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ)

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پریشان حال کی مدد کرے اس کے لیے اللہ تعالےٰ تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے ان میں سے ایک اس کے تمام معاملات[1] کی درستگی ہے اور باقی بہتر قیامت کے دن اس کے درجات[2] ہیں۔ (بیہقی)

۱؎ دنیا و آخرت کے تمام معاملات۔

۲؎ زیادتی درجات کا سبب ہوں گے۔

۴۷۷۹/۵۲ وَعَنْہُ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

اور انہی سے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق اللہ کا خاندان[1] ہے اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو اس کے خاندان کے ساتھ خوب حسن سلوک کرے۔

(بیہقی، شعب الایمان)

۱؎ تمام مخلوق اللہ تعالےٰ کے خاندان کے حکم میں ہے کیونکہ ان تمام کا نان و نفقہ اللہ تعالےٰ کے ذمے ہے۔

۴۷۸۰/۵۳ وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ خَصْمَیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ جَارَانِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے پہلے مقدمہ دو پڑوسیوں کا پیش ہوگا[1] (احمد)

۱؎ یہاں ایک اشکال ہے کہ دیگر احادیث میں ہے کہ سب سے پہلے نماز کے بارے سوال ہوگا۔ بعض میں ہے کہ سب سے پہلے قتل و خون کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کا جواب امام سیوطی نے الزجاجہ علی ابن ماجہ میں یہ دیا ہے کہ ان میں سے پہلی حدیث حقوق اللہ کے بارے میں ہے اور دوسرے ارشادات حقوق العباد سے متعلق ہیں۔

۴۷۸۱/۵۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا شَکٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَسْوَۃَ قَلْبِہٖ قَالَ امْسَحْ رَاْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص نے شکایت کی کہ میرا دل سخت[1] ہے۔ آپ نے فرمایا کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور کسی مسکین کو کھانا کھلا۔ (احمد)

۱؎ اس کا علاج کیا ہے؟

۲؎ مخلوق خدا پر نرمی کر اس سے دل کی سختی ختم ہو جائے گی چونکہ ہر بیماری کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے مثلاً تکبر کا علاج تواضع ہے بخل کا علاج سخاوت ہے اسی طرح دل کی سختی کا علاج نرمی اور مہربانی کو قرار دیا یتیم و مسکین کی تخصیص کی حکمت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (اسلام میں قحط کے دنوں میں کھانا پیش کرنا ہے کسی یتیم کو خواہ قریبی ہو یا مسکین ٹھہرا ہوا ہو) اسی کو قرآن نے بلند گھاٹی عبور کرنا قرار دیا ہے کیونکہ اس میں مشقت و ریاضت ہے اور جو شخص واقعۃً اس ریاضت و مجاہدہ سے گزر کر اس کی گھاٹی کو پاتا ہے اس میں ضرور نرمی دل پیدا ہوگی جو وجہ سخاوت بنے گی۔

۴۷۸۲/۵۵ وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَیْكَ لَیْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَیْرُكَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں تمہیں بہترین صدقہ سے آگاہ نہ کروں! تمہارا اپنی اس بیٹی پر خرچ کرنا جو تمہاری طرف ۱؎ لوٹا دی گئی اور تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے ۲؎ والا نہیں۔ (ابن ماجہ)

۱؎ اسے طلاق ہو گئی اور واپس تمہارے پاس آ گئی۔

۲؎ اس کا کوئی بیٹا کمانے والا یا کوئی اور اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔

بَابُ الْحُبِّ فِی اللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ

۳۲۲۔ اللہ کی خاطر محبت اور محبت الٰہی کا بیان

بعض نسخوں میں عنوان یہی ہے لیکن بعض میں اَلْبُغْضُ لِلّٰهِ کے الفاظ ہیں۔ حب فی اللہ کا معنیٰ، اللہ کی خاطر اور اس کی رضا کے لیے محبت جو ریا اور غرض سے پاک ہو۔ فی کا لفظ بیان علت کے معنیٰ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا (وہ لوگ جنہوں نے ہماری ذات اور ہماری طلب کے لیے مجاہدہ کیا) اسی طرح کہا جاتا ہے۔ اَلتَّفَكُّرُ فِیْ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ وَاجِبٌ (یعنی معرفت باری تعالیٰ کے لیے تفکر ضروری ہے) اور من اللہ کا معنی بھی برائے رضائے الٰہی ہی ہے کیونکہ لفظ من بھی علت کے معنی میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے۔ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (آپ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری دیکھیں)

بعض شارحین نے کہا کہ فی اللہ میں مبالغہ ہے کیونکہ اس میں ذات باری تعالیٰ کو محبت کے لیے ظرف بنایا گیا

اس صورت میں دونوں عبارات کا معنیٰ ایک ہی ہے لیکن بعض دیگر شارحین کی رائے یہ ہے کہ حب فی اللہ کا معنیٰ بندہ کا اللہ سے محبت اور حب من اللہ سے مراد خدا کا بندے سے محبت کرنا ہے اور یہ معنیٰ لفظ من اللہ سے واضح ہے لیکن اس معنی پر احادیث باب کم ہیں۔ البتہ فصل اول کی دوسری حدیث اس پر دال ہے۔ دوسرے نسخہ میں الحب فی اللہ کے بعد البغض للہ کے الفاظ یا تو اضافہ ہے کیونکہ دوسرے نسخوں میں موجود نہیں۔ حالانکہ اس موضوع پر احادیث باب کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس کے ترک کی وجہ یہ ہے کہ الحب فی اللہ سے بطور مقابلہ از خود واضح ہو جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۷۸۳ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَرْوَاحُ[1] جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ[2] وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ[3] (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح مجموع لشکر ہیں جو آپس میں جان پہچان رکھتی ہیں وہ محبت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہ چکی ہیں وہ الگ رہتی ہیں۔ بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

۱؎ ابدان سے متعلق ہونے سے پہلے ایک جگہ جمع ہیں پھر ان کو جدا جدا کر کے ابدان میں بھیجا گیا ہے۔

۲؎ جن کی پہلے آپس میں شناسائی تھی۔ ابدان میں آنے کے بعد بھی وہ قائم رہی ——— جیسے کوئی شخص اپنے غمخوار اور محبوب کو گم کر دے اور پھر پالے۔

۳؎ یہ الفت و اجنبیت الہام الٰہی کی وجہ سے ہوتی ہے انہیں آپس میں یاد نہیں ہوتا کہ وہاں آشنائی تھی یا نہ تھی یہی وجہ ہے کہ نیک، نیکوں کے ساتھ اور بد بدوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ بعض اسباب و عوارض کی وجہ سے اس کے خلاف ہو تو وہ کبھی کبھار ہوگا۔ آخر کار وہ اپنے اصل کی طرف ہی لوٹ کر چلا جائے گا۔

۴؎ اگرچہ بخاری و مسلم دونوں نے اسے روایت کیا ہے مگر چونکہ ایک صحابی سے نہیں۔ امام بخاری نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ لہٰذا اسے متفق علیہ نہیں کہا۔ متفق علیہ ہونے کے لیے دونوں کا ایک صحابی سے روایت کرنا ضروری ہے، جیسا کہ مقدمہ میں واضح ہو چکا ہے۔ اس حدیث نے واضح کر دیا کہ ارواح اعراض نہیں بلکہ ایسی مخلوق ہیں جو اجسام سے پہلے پیدا ہوئی ہیں لیکن اس سے ان ارواح کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔ حدیث میں تصریح ہے کہ ارواح کی تخلیق اجسام سے دو ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ البتہ یہ کہنا باطل ہے کہ روح کی تخلیق بدن کی تخلیق و اتمام کے بعد ہوتی ہے باقی یہ کہنا کہ اجسام سے قبل ارواح کی تخلیق علم الٰہی میں تھی (عملاً نہ تھی) تو یہ تاویل حدیث صریح کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۷۸۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالےٰ

دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ قَالَ فَیُبْغِضُهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوْهُ قَالَ فَیُبْغِضُوْنَهٗ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَآءُ فِی الْاَرْضِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اپنے کسی بندے سے[1] محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبرئیل اس سے[2] محبت کرتا پھر وہ آسمان پر آواز[3] دیتا ہے کہ فلاں اللہ کا محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہذا تمام اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت[4] رکھ دی جاتی ہے جب اللہ کسی بندے کو ناپسند[5] فرماتا ہے تو جبرئیل کو فرماتا ہے کہ مجھے فلاں بندہ ناپسند ہے تم بھی اسے ناپسند رکھو جبرئیل[6] بھی اسے ناپسند سمجھتا ہے پھر تمام آسمان والوں کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو فلاں بندہ ناپسند ہے تو تم بھی اسے ناپسند سمجھو پس وہ اسے ناپسند سمجھتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے بغض و نفرت[7] رکھ دی جاتی ہے۔ (مسلم[8])

[1] بندے سے راضی ہو جاتے اور اسے ہدایت خیر کی توفیق دیتے ہوئے اس پر رحمت خاصہ کے ساتھ متوجہ ہو۔
[2] اس کی تعریف کرتے ہیں، اس کے لیے دعا و استغفار اور اس کی ملاقات چاہتے ہیں۔
[3] تاکہ تمام فرشتے سن لیں۔
[4] پھر جن و انس کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے۔
[5] جب اللہ تعالےٰ ناراض ہو جاتا ہے اور اس کی ذلت و بربادی کا ارادہ فرماتا ہے۔
[6] جبرئیل اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔
[7] لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا کر دی جاتی ہے۔
[8] یہ روایت بخاری میں بھی ہے شاید ـــــ ماتن اس سے آگاہ نہ ہو سکے۔

۴۷۸۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ قیامت کے دن فرمائے گا میری عظمت کی خاطر کہاں آپس میں محبت کرتے رہنے؟ آج میں انہیں اپنے سایہ[1] میں جگہ دیتا ہوں جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں۔ (مسلم)

[1] باری تعالےٰ کے سایہ سے مراد یا تو عرش کا سایہ ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف اس کی اضافت بطور عظمت و شرافت ہے یا اس سے مراد ستر پوشی اور رحمت ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے اَلسُّلْطَانُ

ظل اللہ یا اس سے مراد آرام و نعمت ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے عیش ظلیل خوشگوار زندگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۷۸۶ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَّهُ فِيْ قَرْيَةٍ اُخْرٰى فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ عَلٰى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِّيْ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّيْ اَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهُ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایک شخص اپنے بھائی کے ساتھ ملاقات کے لیے دوسری بستی میں گیا اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ[1] میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا جو پوچھتا ہے تیرا کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بتاتا ہے کہ اس بستی میں اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے تیرا کوئی اس پر احسان[2] ہے جس کو تو حاصل کرنا چاہتا ہے؟ وہ آدمی کہتا ہے ہرگز نہیں میں تو صرف اللہ کی خاطر اس سے محبت کرتا ہوں فرشتہ کہتا ہے کہ میں تیری طرف پیغام لانے والا ہوں کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو نے اس کی خاطر محبت کی۔ (مسلم)

[1] مدرجہ بمیم پر زبر ہے جیم اور اس کا معنیٰ راستہ ہے۔

[2] یعنی کچھ تو نے اسے دے رکھا ہے جس کے حصول کے لیے جا رہا ہے۔ بعض شارحین نے یہ معنی کیا ہے جو نعمت تو نے دی ہے اس کی اصلاح وغیرہ کے لیے جا رہا ہے لیکن پہلا معنیٰ یہاں زیادہ مناسب ہے کیونکہ اکثر طور پر انسان دی ہوئی چیز کے حصول کے لیے جاتا ہے اور دوسرا معنیٰ تربیت کے پیش نظر مناسب ہے کیونکہ تربیت کا لفظ بمعنیٰ تملیک بھی آتا ہے۔

۴۷۸۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فرمان ہے جو کسی سے محبت کرتا ہے مگر اس سے[1] ملا نہیں فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت[2] کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] ان کی محبت نہیں پائی یا ان جیسے عمل نہیں کیے۔

[2] دوستی و معیت کا اعتبار ہوگا خواہ ملاقات ہوگی یا نہ اور اس طرح کے عمل بھی نہیں البتہ محبت کاملہ کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی کامل اتباع کی جائے لیکن اصل معیت کا سبب محبت ہی ہے یہ ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو صالحین علماء متقین اور اولیاء کے ساتھ محبت رکھتے ہیں امید ہے کہ یہ ان کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۷۸۸/۶ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا افسوس تجھ پر[1]، تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا میں نے سوائے اس کے کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں فرمایا تو اس کے ساتھ ہوگا[2] جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں اسلام لانے کے بعد میں نے مسلمانوں کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا وہ اس خوشخبری پر ہوئے[3] (بخاری و مسلم)

[1] یہ کیوں پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئیگی بلکہ اس کے لیے تیاری کر رکھ وہ کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے اس سوال کو پسند نہ فرمایا کیونکہ ممکن تھا اس نے قیامت کو ابعید تصور کرتے ہوئے سوال کیا یا خوف و اعتقاد کی وجہ سے۔

[2] جب آپ نے اس کے یہ کلمات سنیں تو محسوس فرمایا کہ اس نے خوف و اعتقاد کے پیش نظر سوال کیا تھا۔

[3] جب اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو تجھے اللہ تعالےٰ کے جوار رحمت اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے قرب میں جگہ نصیب ہوگی۔ اگرچہ یہ مقام بلند ہے اور یہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا لیکن نور محبت و اتباع ہی اس کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

[4] اسلام لانے کی بہت بڑی خوشی تھی۔ اس کے بعد جب یہ سنا کہ ہمیں قیامت کو اللہ اور اس کے رسول کی معیت نصیب ہوگی تو اس پر نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی اور یہ بھی دراصل اسلام ہی کی خوشی ہے کیونکہ یہ اسلام ہی کا ثمرہ اور ثمر ہے۔

۴۷۸۹/۷ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے اور برے ساتھی کی مثال کستوری والے اور بھٹی[1] والے کی طرح ہے خوشبو والا یا تو دے دے گا یا تم اس سے خرید[2] لوگے یا اس سے اچھی خوشبو کا جھونکا پاؤگے اور بھٹی جلانے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے[3] گا یا اس سے تم بدبو پاؤگے۔ (بخاری و مسلم)

[1] کیر، کاف کے نیچے زیر، یا ساکن لوہار کی مشک جس کے ساتھ بھٹی کو ہوا دیتے ہیں۔ اس کی جمع "اکیار" یا کے ساتھ ہے اور کور واؤ کے ساتھ لوہار کے اس آلہ کو کہتے ہیں جو مٹی سے بنتا ہے اس کی جمع "اکوار" اور کیر ان دونوں

طرح آئی ہے۔ بنابریں بے کیرای الہ کا نام ہے جو مٹی سے بناتے ہیں ان دونوں میں فرق بعض کے نزدیک ہے۔
سلہ اوزار بلطیہ جو غنیمت سے کسی کو ملے۔
سلہ جیسے کہ صحبت میں خدمت کی جاتی ہے جس کی وجہ سے فیض نصیب ہوتا ہے۔
سلہ اگر مشک نہ پائی تو اس کی خوشبو تو پا لو گے یعنی اگر فیض نہ بھی ملا تو اتنا کافی ہے کہ چند لمحات ایک صالح کی صحبت میں میسر آگئے۔
ھ اسی طرح برا دوست نقصان پہنچائے گا یا وقت و صلاحیت ضائع کرے گا اور لباس تقویٰ کو جلا کر راکھ کرے گا اور اگر یہ نہ ہوا تو بے ذوقی اور بدحالی ضرور مسلط ہو جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۷۹۸ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ۔

حضرت معاذ بن جبل[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ... ان لوگوں سے یقیناً محبت کرتا ہوں جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں، میری وجہ سے آپس میں بیٹھتے اور ملاقات کرتے ہیں، میری وجہ سے خرچ کرتے ہیں۔

موطا، ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کریں گے ان کے لیے نور کے منبر بچھائیں جائیں گے، ان پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔

لہ یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔
سلہ میرے ذکر و ثنا کے لیے۔
سلہ میری رضا کے لیے۔
سلہ ان کا مقصود ریا کاری نہیں بلکہ میری رضا ہوتی ہے۔
ھ قیامت کے دن۔
لہ یہاں یہ اشکال ہے کہ انبیاء تمام لوگوں سے افضل ہوتے ہیں اور اسی طرح شہداء نے بھی اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوتی ہے۔ اس عظمت و فضیلت کے باوجود وہ اتنے آسان عمل کرنے والے پر کیسے رشک کریں گے؟ کیونکہ رشک مفضول، فاضل پر کرتا ہے اور یہاں معاملہ برعکس ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں رشک سے مراد اس کا حقیقی معنی

نہیں بلکہ ان کی تعریف ذکر مراد ہے یعنی انبیاء و شہداء ایسے لوگوں کی تعریف کریں گے اور ان کے مقام کے حصول کی تمنا و آرزو کریں گے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بطور فرض و تقدیر ہے کہ اگر انبیاء و شہداء کسی پر رشک کرتے تو ان پر کرتے اور اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ بعض اوقات مفضول میں ایسی صفت ہوتی ہے جو افضل میں نہیں ہوتی تو صاحب فضیلت کے فضائل و کمالات کے مقابل مفضول کی فضیلت کالعدم ہوتی ہے، جیسا کہ ایک غلام بے شمار صفات اور شرافت رکھتا ہے اور ایک غلام بچہ عقل و خرد والا ہے تو وہ غلام فضائل و کمالات اور اللہ تعالٰی کے پسندیدہ افعال کے شوق کی بنا پر یہ چاہتا ہے کہ جو خوبی اس بچے کو حاصل ہے مجھے بھی حاصل ہو۔ یا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام محبت الٰہی کی وجہ سے دوسروں سے محبت کرنے میں کامل و اتم ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حالت میدان محشر میں جنت میں داخل ہونے وہاں انعامات اور قرب الٰہی کے درجات پانے سے پہلے ہوگی اور آئندہ حدیث میں آرہا ہے کہ ان کی صفت یہ ہے کہ انہیں کوئی خوف، غم اور تشویش لاحق نہ ہوگی اور وہ بالکل فارغ البال ہوں گے اور دوسرے لوگ اپنے معاملات میں پریشان ہو رہے ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے معاملات میں مشغول ہوں گے۔ واضح رہے کہ یہ اشکال انبیاء کے بارے میں مشکل ہے لیکن شہداء کے بارے میں اس طرح نہیں، کیونکہ قتیل محبت الٰہی کا درجہ شہید سے کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۴۷۹۱/۹ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَا هُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ مَعَ زَوَائِدَ وَكَذَا فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن ان کے قرب الٰہی کی وجہ سے ان پر انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں ان لوگوں کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے قرآن کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں حالانکہ ان میں قرابت داری ہے اور نہ مالی لین دین۔ خدا کی قسم! ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب لوگ ڈریں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا جب لوگ غمگین ہوں گے انہیں کوئی غم نہ ہوگا اور پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی "اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" سنو! یقیناً اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔

(ابوداؤد اور اسے شرح السنۃ میں ابو مالک سے

الفاظ مصابیح کے ساتھ مزید الفاظ ذکر کیے ہیں اور اسی طرح شعب الایمان میں ہے)

لہ روح، را پر پیش ہے، وہ چیز جس کے ساتھ جسم زندہ ہے یہاں اس سے مراد قرآن ہے۔ ارشاد ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ (اور اسی طرح ہم نے آپ پر وحی فرمائی اپنے امر کی) جس طرح بدن کی زندگی روح ہے اسی طرح دلوں کی زندگی قرآن سے ہے رقاموس میں ہے کہ روح کے معانی میں سے ایک قرآن ہے یعنی ان میں قرآن یا اس کے معنی یعنی دین اسلام کی وجہ سے محبت کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ آپس میں ایسی محبت کرتے ہیں جس کی تعلیم قرآن نے دی ہے بعض نے روح سے مراد وحی لیا ہے کیونکہ وہ بھی روح کا ایک معنیٰ ہے۔ بعض نے روح اللہ سے مراد محبت لی ہے کیونکہ محبت بھی دلوں کی تازگی اور شادابی کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کو کہا جاتا ہے "اَنْتَ رُوْحِیْ" بعض نسخوں میں لفظ روح را پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنیٰ رحمت کے ہیں فروح و یہاں کا معنیٰ رحمت و رزق ہے (کذا فی الصحاح) اور تمام معانی کا مآل ایک ہی ہے کہ وہ آپس میں اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔

لہ منور بلکہ عین نور ہوں گے یہ مبالغہ ہے۔

لہ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے جیسا کہ سابقہ حدیث میں تھا یا یہ مراد ہے کہ وہ نور پر متمکن ہوں گے اس سے مقصود ان کی عظمت، جلالت اور رفعت شان ومکان ہے۔

٤٧٩٢ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ ذَرٍّ يَا اَبَا ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوذر سے فرمایا اے ابوذر! ایمان کی کونسی گرہ[1] زیادہ مستحکم[2] ہے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں[3]۔ فرمایا اللہ ہی کیلئے دوستی کرنا اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے عداوت کرنا۔ (بیہقی، شعب الایمان)

لہ عروہ عین پر پیش، را ساکن، جس کے ساتھ تمسک کیا جائے اور پنجہ مارا جائے، عروۃ احمال اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سواری پر سامان باندھا جائے۔ کوزے کے دستے کو بھی عُروہ کہا جاتا ہے۔ ارکان دین اور صفات کو بھی عروہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ تمسک ہوتا ہے۔

لہ ایمان کی کونسی صفت زیادہ مستحکم و مضبوط ہے جس کے ساتھ نجات آخرت اور ثواب میں تمسک کیا جائے۔

لہ صحابہ کا یہ تکیہ کلام تھا کہ جب بھی آپ ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ ادباً اور التجاءً یہ کہتے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

٤٧٩٣ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَادَ الْمُسْلِمُ اَخَاهُ اَوْزَارَهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت یا ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں تو اچھا ہے تیرا چلنا اچھا ہے اور تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا ہے
(ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا کہ یہ غریب حدیث ہے)

ــ۱ دنیا و آخرت میں۔
ــ۲ تو نے ہر قدم پر ثواب حاصل کیا۔
ــ۳ ان تینوں میں احتمال دعا بھی ہے۔ یعنی تیری زندگی بہتر ہو، تیرا چلنا ہمیشہ بہتر ہو اور تجھے جنت میں مقام نصیب ہو۔

۴۷۹۴/۱۲ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهُ يُحِبُّهُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔
(ابو داؤد، ترمذی)

ــ۱ یہ صحابی ہیں، حمص میں مقیم ہوئے، اہل شام میں سے شمار ہوتے ہیں۔
ــ۲ یہ چیز زیادتی محبت کا سبب ہوگی کیونکہ جب اسے علم ہوگا تو حقوق محبت ادا کرتے ہوئے دعا و خلوص کا اظہار کرے گا۔

۴۷۹۵/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ نَاسٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِمَّنْ عِنْدَهُ اِنِّيْ لَاُحِبُّ هٰذَا لِلّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمْتَهُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ اِلَيْهِ فَاَعْلِمْهُ فَقَامَ اِلَيْهِ فَاَعْلَمَهُ فَقَالَ اَحَبَّكَ الَّذِيْ اَحْبَبْتَنِيْ لَهُ قَالَ ثُمَّ رَجَعَ فَسَاَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِمَا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكَ

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا آپ کے پاس جو لوگ کھڑے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں آپ نے پوچھا کہ تو نے اس کو بتا دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اس کے پاس جا کر اسے بتاؤ چنانچہ وہ گیا اور اسے خبر دی وہ بولا کہ مجھ سے تو وہ ذات محبت کرے جس کی خاطر تو نے مجھ سے محبت کی جب اس نے واپس لوٹ کر آپ سے وہ عرض کی جو اس نے کہا تھا تو آپ نے فرمایا تجھے اس کی سنگت نصیب

مَا احْتَسَبْتَ.
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)
وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ.

ہو گی جس سے تجھے محبت ہے اور تیرے لیے وہ جو تم نے اجر طلب کیا۔ (بیہقی، شعب الایمان، ترمذی میں ہے کہ آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے اور اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔

لہ جب ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو اس کا جواب یہ دیا جائے کہ اللہ تجھ سے محبت کرے۔

لہ تو نے اس کے ساتھ اللہ کی خاطر محبت کی اس کا اجر تجھے ملے گا اور ہر عمل میں یہی معاملہ ہوتا ہے، احتساب کا معنی اللہ تعالیٰ سے ثواب واجر کا ارادہ کرنا ہے، حِسْبہ حا کے نیچے زیر، سین ساکن یہ اسم ہے۔ اصل میں یہ لفظ حساب ہے جس کا معنی شمار کرنا ہے گویا انسان وہ عمل نیت ثواب سے شمار کرتا ہے۔

۴۷۹۶ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ.[14]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا مومن کے سوا کسی سے دوستی نہ لگاؤ اور تیرا کھانا پرہیزگار کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

لہ یعنی مسلمان سے دوستی رکھو کافر سے نہیں یا مسلمان صالح سے دوستی رکھو۔ فاسق سے نہیں۔ بعد کا حصہ حدیث اسی پر قرینہ ہے۔

لہ تیرا طعام حلال ہونا چاہیے تاکہ متقی لوگ اسے کھائیں اور تجھے چاہیے کہ اپنا کھانا متقین کو کھلائے۔

لہ کفار وفاسقین کے ساتھ کھانے اور مصاحبت سے اس لیے منع کیا تاکہ ان کی بری صفات انسان پیدا نہ ہوں اور شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس طعام سے مراد طعام دعوت ہے۔ طعام حاجت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یتیم، مسکین، اور اسیر کو کھانا کھلانے کو پسند کیا ہے اور مسلمانوں کے ہاں اسیر کافر ہوتے تھے لہٰذا کافر کو حاجت کے لیے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

۴۷۹۷ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ.[15] (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ النَّوَوِيُّ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے دوست کے دین وطریقے پر ہوتا ہے تو ہر ایک غور کرے کہ وہ کس سے محبت کرتا ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، بیہقی شعب الایمان، ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن غریب ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

سلہ جو کسی کو دوست رکھتا ہے وہ اس کے مذہب اور سیرت پر ہوتا ہے۔
سلہ اس طویل گفتگو کا مقصد ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے اس حدیث کو موضوع کہا مثلاً حافظ سراج الدین قزوینی نے صاحب مصابیح پر گرفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ روایت موضوع ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے (کذا قال السیوطی)

۴۷۹۸/۱۶ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ نُعَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَإِنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت یزید بن نعامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے تو اس سے اس کا نام والد کا اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھ لے کیونکہ یہ دوستی کو مضبوط کرنے والی چیزیں ہیں۔ (ترمذی)

سلہ نعامہ۔ نون پر زبر۔ یہ صحابی ہیں غزوۂ حنین کے موقعہ پر کفار کے ساتھ تھے اس کے بعد اسلام لائے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ان کا سماع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم نہیں۔ صاحب جامع الاصول نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۷۹۹/۱۷ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَدْرُونَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى قَالَ قَائِلٌ اَلصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَقَالَ قَائِلٌ اَلْجِهَادُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوٰى أَبُو دَاوُدَ الْفَصْلَ الْأَخِيرَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم جانتے ہو اللہ تعالےٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے کسی نے نماز و زکوٰۃ کا ذکر کیا اور کسی نے جہاد کا آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کو سب سے پیارا عمل اللہ کی خاطر محبت اور اسی کی خاطر عداوت رکھنا ہے[1]۔
(مسند احمد، ابوداؤد نے اس کا آخری حصہ روایت کیا ہے۔)

سلہ یہاں ایک اشکال ہے کہ یہ عمل نماز زکوٰۃ اور جہاد سے افضل کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ تمام اعمال سے مطلقاً افضل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر انبیاء و اولیاء کے ساتھ محبت رکھتا ہو گا وہ یقیناً ان کی اتباع و اطاعت کرے گا اور جو اللہ کی رضا کی خاطر دشمنان دین کے ساتھ دشمنی رکھتا ہو گا وہ دین کی مخالف قوتوں کے خلاف ضرور جہاد کرے گا لہٰذا اس عمل میں نماز زکوٰۃ وغیرہ تمام آجاتے ہیں، گویا آپ نے فرمایا کہ اعمال و طاعات کی اصل اللہ کی محبت یا اس کی ناراضگی ہے۔ بعض شارحین نے کہا احب ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ اگرچہ نماز و زکوٰۃ اور جہاد افضل اعمال ہیں

مگر حب اللہ اور بغض اللہ محبوب تر ہے۔

سلہ آخری حصہ ان احب الاعمال الخ روایت کیا مگر ابتدائی سوال وجواب کا تذکرہ نہیں کیا۔

۴۸۰۰/۱۸ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ إِلَّا أَكْرَمَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰے عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بندے سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے وہ اپنے رب کریم کا احترام واکرام کرتا ہے۔ (مسند احمد)

سلہ کیونکہ جب وہ اللہ تعالٰے کی رضا کی خاطر اس کے بندے سے محبت کررہا ہے تو اللہ تعالٰے سے محبت کا عالم تو نہایت کامل وافضل ہوگا۔ اور کمال دوستی کی یہ علامت ہے کہ اپنے محبوب کے متعلقین کے ساتھ محبت ہو۔

۴۸۰۱/۱۹ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ إِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالٰے عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کیا میں تمہیں بہترین مسلمان کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ضرور بتائیں فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے کہ اسے دیکھتے ہی خدا یاد آجائے۔ (ابن ماجہ)

سلہ اسماء بنت یزید بن سکن مشہور صحابیہ ہیں۔

سلہ اس وجہ سے کہ ان کے وجود پر طاعت کے انوار کا ظہور کامل طور پر ہوتا ہے۔ ان کے احوال واعمال پر نزب الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور ان کے افعال میں استقامت ہوتی ہے۔ ان کی محبت انسان کو اللہ تعالٰے کی محبت کی طرف راغب کردیتی ہے۔ پس ان کے ساتھ محبت فی اللہ اور لوجہ اللہ ہی ہوگی۔

۴۸۰۲/۲۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحِدٌ فِي الْمَشْرِقِ وَآخَرُ فِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتَ تُحِبُّهُ فِيَّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا اگر دو اشخاص آپس میں اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتے تھے ان میں سے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں تو اللہ تعالٰے روز قیامت ان کو جمع فرمادے گا اور فرمائے گا کہ یہ وہ ہے جس کے ساتھ تو میری وجہ سے محبت کرتا تھا۔

۴۸۰۳/۲۱ وَعَنْ أَبِي رَزِيْنٍ أَنَّهُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مِلَاكِ هٰذَا الْأَمْرِ الَّذِيْ تُصِيْبُ بِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَ

حضرت ابورزین رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی اصل نہ بتاؤں جس سے تم دنیا وآخرت

الْاٰخِرَةِ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّكْرِ وَ اِذَا خَلَوْتَ فَحَرِّكْ لِسَانَكَ مَا اسْتَطَعْتَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَاَحِبَّ فِي اللّٰهِ وَ اَبْغِضْ فِي اللّٰهِ يَا اَبَا رَزِيْنٍ هَلْ شَعَرْتَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ زَائِرًا اَخَاهُ شَيَّعَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّهٗ وَصَلَ فِيْكَ فَصِلْهُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُعْمِلَ جَسَدَكَ فِيْ ذٰلِكَ فَافْعَلْ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

کی بھلائی پالو تم ذکر والوں کی مجلس کو لازم پکڑو اور جب تم تنہائی میں ہو تو جہاں تک ہو سکے اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھو اور اللہ کی خاطر محبت اور عداوت کرو اے ابورزین کیا تمہیں خبر ہے جب کوئی شخص اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اسے ستر ہزار فرشتے پہنچاتے ہیں اور تمام اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس نے تیری خاطر اس سے تعلق قائم کیا ہے لہٰذا اس کے ساتھ تعلق قائم فرما اور اگر تم اپنے جسم سے کام لے سکتے ہو تو ایسا ہی کرو۔

[1] رزین را پر زبر، زا کے نیچے زیر ان کا نام لقیط ہے۔ مشہور صحابی اور اہل طائف میں سے ہیں۔
[2] ملاک میم کے نیچے زیر وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی پاؤں پر کھڑا ہو جیسے کہ دل کو جسم کا ملاک کہتے ہیں۔
[3] مجلس اور تنہائی دونوں حال میں ذاکر بن جاؤ۔
[4] شایعت کسی کو منزل تک پہنچانا۔
[5] اس کے لیے دعا مغفرت بھی کرتے ہیں۔

$\frac{4804}{22}$ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِّنْ يَاقُوْتٍ عَلَيْهَا غُرَفٌ مِّنْ زَبَرْجَدٍ لَهَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ تُضِيْءُ كَمَا يُضِيْءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ يَسْكُنُهَا قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللّٰهِ وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِي اللّٰهِ ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ
الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے فرمایا جنت میں یاقوت کے کچھ ستون ہیں جن پر زبرجد کے بالا خانے ہیں ان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور ایسے چمکتے ہیں جیسے روشن ستارہ ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں کون رہے گا؟ فرمایا اللہ کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے اللہ کی محبت کی خاطر آپس میں مل بیٹھنے والے اور ملاقات کرنے والے۔
یہ تینوں احادیث بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کی ہیں۔

[1] عمد، عین اور میم دونوں پر پیش ہے۔ عمود کی جمع ہے۔
[2] غرف، عین پر پیش، بلند منزل۔
[3] وہ بالاخانے یا دروازے۔

بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْهُ مِنَ التَّهَاجُرِ وَالتَّقَاطُعِ وَاتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ

۲۲۲۔ قطع تعلق اور عیب تلاش کرنے کی ممانعت

صراح میں تہاجر کا معنی کاٹنا آیا ہے۔ قاموس میں یتہاجران کا معنی یہ کہا گیا ہے کہ ان دونوں نے آپس میں قطع تعلق کر لیا۔ ہجر زبر کے ساتھ اور ہجران زیر کے ساتھ دونوں طرح ہے، تہاجر کا معنی تقاطع ہے اس لیے لفظ تقاطع برائے بیان وتفسیر ہوگا۔ یہاں ملاقات اور سلام کا دوسرے مسلمان سے ترک کرنا مراد ہے۔ اور اس سے رشتہ اخوت تین دن سے زیادہ منقطع رکھنا ہے اور یہ مطلقاً ممنوع ہے۔ اسی وجہ سے ما ینھی عنہ من التھاجر، کہا، عورات عورت کی جمع ہے پیچھے گزر چکا ہے کہ عورت سے مراد ہر وہ شئے ہے جس کے ظاہر کرنے سے آدمی عار محسوس کرے اور اسے ناپسند کرے اور ایسے عیوب جن کے مخفی ہونے کو پسند کرے، اتباع عورات سے یہاں لوگوں کے عیوب تلاش کرنا مراد ہے چونکہ یہ دونوں اشیاء ترک و قطع تعلق کا باعث ہیں لہٰذا ان کو ایک باب میں ذکر کیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۸۰۵ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هٰذَا وَیُعْرِضُ هٰذَا وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے[1] تین دن سے زائد قطع تعلق کرے اور ملاقات[2] کے وقت دونوں ایک دوسرے کی طرف سے منہ پھیر لیں اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل[3] کرے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اس سے واضح ہوتا ہے کہ تین روز سے کم قطع تعلق حرام نہیں ہے کیونکہ آدمی کی طبیعت میں غصہ اور بد خلقی و تعصب موجود ہے اس لیے یہ معاف ہے اور اکثر طور پر اس کے زوال یا کم ہو جانے کے لیے تین دن کی مدت ہوتی ہے۔

[2] یہ اس قطع تعلق کی تفصیل ہے۔

[3] یعنی کدورت ختم کر کے سلام کرتا ہے اور یہ مقدار کافی ہے کیونکہ اس سے کم میں حق مسلمانی ادا نہیں ہوتا۔

سے یہاں مراد ایسی ترک اخوت و محبت ہے جو غیبت وغیرہ کی وجہ سے ہو اور اگر امور دینیہ اور ملیہ کی وجہ سے اہل بدعت اور نفس پرست لوگوں کے ساتھ توبہ اور رجوع تک قطع تعلق میں کوئی حرج نہیں۔ امام سیوطی نے حاشیہ موطا میں شیخ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص تعلق جوڑنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ میرے دین و دنیا میں فساد و فتنہ نہ ہو تو اس میں بھی حرج نہیں لیکن یہ دوری احسن انداز میں ہو، نہ غیبت، عیب گوئی اور کینہ رکھا جائے۔ احیاء العلوم میں بعض اسلاف سے صحابہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان میں سے بعض نے دوسروں کے ساتھ تا عمر انقطاع رکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین اشخاص کے ساتھ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کی وجہ سے پچاس دن تک خود تعلق منقطع کیا صحابہ اور ان کی بیویوں کو بھی اس بات کا حکم دیا تاکہ وہ منافقین کی راہ نہ اپنائیں۔ اسی طرح ایک ماہ تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تعلق منقطع فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابن زبیر کے ساتھ مدت تک انقطاع رکھا، امام احمد بن حنبل نے شیخ محاسبی کی صحبت ترک کر دی کیونکہ انہوں نے علم کلام میں کتاب لکھی تھی لیکن یہ تمام کے تمام انقطاع حسن نیت کی بنا پر تھے، اس میں کوئی نفسانی غرض نہ تھی۔

۴۸۰۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَّفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا تَنَافَسُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ یہ بدترین جھوٹ[1] ہے۔ غیبت[2] چوری نہ کرو، نہ کسی کی خفیہ باتیں سنو اور نہ بڑھ[3] چڑھ کر بولی لگاؤ، حسد نہ کرو، عداوت نہ رکھو، ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ نفسانیت نہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

لے کیونکہ اس میں ایک آدمی دوسرے کے بارے میں گمان کرتا ہے کہ وہ ایسے ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہوتا اور یہ جھوٹ ہی ہے۔ حدیث سے مراد حدیث نفس ہے جو شیطانی وسوسہ ہوتا ہے اکذب کہنے کی وجہ یہی ہے یا مبالغۃً ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (یقیناً بعض گمان گناہ ہیں) یہاں گمان سے مراد بدگمانی ہے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس بدگمانی سے منع کیا گیا ہے جس پر جزم ہو اور جو صرف دل میں کھٹکے وہ منع نہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ بدگمانی اس وقت گناہ بنے گی جب اسے زبان پر لایا جائے الغرض مراد یہ ہے کہ اس گمان پر دلیل نہ ہو یا دلائل متعارض ہوں لیکن اگر کسی گمان پر دلیل اور قرینہ واضح ہو تو اس میں گرفت نہیں۔

سے لَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا پہلے میں حا اور دوسرے میں جیم ہے تحسس اور تجسس میں کسی لحاظ سے فرق ہے۔ قاموس میں فصل جیم کے تحت ہے کہ جس، خبر میں تفتیش کرنا ہوتا ہے جیسے تجسس اور جاسوس میں ہے جیسے جس کا معنی برے راز والا ہے۔ اسی سے مشتق ہے اور فصل حا میں ہے کہ حاسوس نہ جاسوس کے معنی میں ہے یا حاسوس خبر خیر اور جاسوس خبر شر کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ جیم کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کسی خبر کا نرمی

سے معلوم کرنا اور حاکے ساتھ جو تو خبر کا حواس کے ذریعے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً چوری اور خفیہ سننا اور دیکھنا، بعض کی رائے یہ ہے کہ بُری باتوں کی تلاش تجسس ہے یہاں کا سماع تحسس ہے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ تجسس (جیم کے ساتھ) سے مراد دوسرے کے لیے خبر کا طلب کرنا اور تحسس (حاء کے ساتھ) اپنے لیے خبر طلب کرنا ہے۔ طیبی کہتے ہیں کہ پہلے سے مراد لوگوں کے عیوب اور ان کے مخفی معاملات کی جستجو ہے خواہ ذاتی طور پر ہو یا کسی کی مدد و تعاون سے ہو اور دوسرے سے مراد ذاتی طور پر ایسا کرنا ہے اور دوسرے کی خبر کی خبر و اطلاع سے منع کی وجہ یہ ہے کہ شاید اس کی وجہ سے حسد یا لالچ پیدا ہو۔

۳ نجش جیم ساکن ہے کسی چیز کا زیادہ بھاؤ لگانا۔ اصلاً اس کا ترجمہ کسی کو برانگیختہ کرنا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں تناجش سے مراد ایک دوسرے کو شر اور لڑائی کے لیے ورغلانا ہے۔

۴ حسد۔ غیر ظالم سے زوالِ نعمت کی تمنا یا یہ آرزو کرنا ہے کہ یہ نعمت مجھے مل جائے (کذا فی القاموس)

۵ یعنی ان اسباب سے بچو جن کی بنا پر آپس میں بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے ورنہ محبت و عداوت فطری چیزیں ہونے کی وجہ سے بندے کی قدرت میں نہیں۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہاں اس بغض سے منع کیا گیا ہے جو بطور بدعت و لالچ دنیا میں ہو کیونکہ دین میں برائی کی ایجاد اور سیدھے راستے سے ہٹ جانا بغض و عداوت کا سبب ہے۔

۶ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تدابر کا معنی تقاطع ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو پشت دیتے ہیں یعنی ادائے حقوق سے اعراض کر لیتے ہیں۔

۷ جب تم ایک مالک کے بندے ہو اور عبودیت میں برابر ہو تو ایک دوسرے بھائی سے حسد و بغض سے بچو۔

۸ تنافس کا معنی حسد کرنا ہے یا اس کے قریب ہوتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد دنیا کی طرف رغبت ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ تم پر دنیا فراخ ہو جائے گی اور تم اس میں رغبت کرو گے۔ تَنَافَسْتَ فِی شَیْءٍ کا معنی رَغِبْتَ فِیہِ ہے۔

۴۸۰۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے مگر اس شخص کو جس کے اور اس کے دوسرے بھائی کے درمیان عداوت ہو اور کہا جاتا ہے کہ انہیں مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں۔ (مسلم)

۱ بعض محدثین نے کہا کہ اس سے کثرت بخشش، مخلوق کے جرائم سے درگزر، اعطاء ثواب اور رفعت درجات مراد ہے لیکن صواب یہی ہے کہ ان کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے کیونکہ جب تک کوئی امر مانع نہ ہو نصوص کو ان کے ظاہر پر

محول کرنا واجب ہوتا ہے البتہ دروازوں کا کھلنا معافی و درگزر کی علامت ہے۔

سلے فرشتوں سے کہا جاتا ہے اَنْظِرُوا ہمزہ پر زبر ظا کے نیچے زیر۔ باب افعال سے امر ہے۔ اس کا معنیٰ مہلت دینا ہے۔

۴۸۰۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ہفتہ میں لوگوں کے اعمال دو مرتبہ سوموار اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں اور ہر بندہ مومن کو بخش دیا جاتا ہے ماسوائے اس کے جن دونوں کے درمیان کینہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ رجوع کریں (مسلم)

سلہ بارگاہ خداوندی میں یا اس کے فرشتے کے پاس جو صحف اعمال کو جمع کرتا ہے۔ جمعہ چونکہ ہفتہ کا آخری دن ہوتا ہے اس لیے اس پر ہفتہ کا اطلاق کر دیا گیا۔

۴۸۰۹ وَعَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ بْنِ اَبِیْ مُعَيْطٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِیْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ يَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِیْ خَيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَتْ وَلَمْ اَسْمَعْهُ تَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِیْ شَیْءٍ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ كَذِبٌ اِلَّا فِیْ ثَلٰثٍ اَلْحَرْبُ وَالْاِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيْثُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهُ وَحَدِيْثُ الْمَرْاَةِ زَوْجَهَا وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ اَيِسَ فِیْ بَابِ الْوَسْوَسَةِ۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ جھوٹا نہیں جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دے اور بھلی بات کہے اور بھلی بات پہنچائے (بخاری و مسلم) مسلم نے یہ اضافہ کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین مقامات کے علاوہ کسی مقام پر لوگوں کو جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دی۔ جنگ، لوگوں کے درمیان صلح اور خاوند کی بیوی کے ساتھ اور بیوی کا خاوند کے ساتھ اور وہ حدیث جابر باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا ہے۔

سلہ مکہ میں اسلام لائیں اور ہجرت کی روایات میں ہے کہ مکہ میں یہ شادی شدہ تھیں، مدینہ طیبہ میں ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ عقد ہوا۔ اس کے چند دن بعد فوت ہو گئیں ان کے والد کا نام عقبہ (میں پر پیش، قاف ساکن) ابن ابی معیط (میم پر پیش، عین پر زبر، یا ساکن) بن عمرو بن امیہ بن عبد شمس ہے جو مشہور مشرک تھا اور بدر میں مارا گیا تھا۔

سلہ اگرچہ اس نے جھوٹ بول کر صلح کروائی۔

سلہ مراد یہی گفتگو ہے جو صلح پیدا کرے اگرچہ واقعہ میں وہ نہ ہو۔

سلہ ایسی گفتگو کرنا جس سے لشکر اسلام میں طاقت و قوت پیدا ہو اور دشمن فریب کھا جائے اگرچہ خلاف

واقع ہو۔

ے ان دونوں کی طرف سے ایسی گفتگو نقل کرنا جو صلح و اتفاق کا موجب ہو اگرچہ واقع میں انہوں نے نہ کی ہو۔

ے ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لیے کہا جائے تاکہ آپس میں اضافہ محبت ہو۔

ے وہ حدیث جابر جس کا ابتدائی جملہ یہ ہے اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ اوائل کتاب میں گزر چکی ہے اور مصابیح میں اس جگہ مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۸۱۰ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ اِلَّا فِیْ ثَلٰثٍ كَذِبُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِی الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ تین مقامات کے علاوہ جائز نہیں، آدمی کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے، حالت جنگ میں اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے لیے جائز ہے۔ (احمد، ترمذی)

ے بیوی کا خاوند کے لیے ایسا کرنا اس کا ذکر یہاں اس لیے نہیں آیا کہ اکثر طور پر مذکورہ صورت کی ضرورت ہی پڑتی ہے کیونکہ خواتین معاملات سے ناواقف ہوتی ہیں اور ان میں بدگمانی کا پہلو غالب ہوتا ہے لہٰذا ان کو اکثر طور پر راضی رکھنا پڑتا ہے۔ اور حدیث سابقہ میں دونوں کا ذکر آیا تھا۔

ے تاکہ لوگوں کے درمیان تعلقات منقطع نہ ہوں۔

۴۸۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكُوْنُ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلٰثَةٍ فَاِذَا لَقِيَهٗ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ كُلُّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِاِثْمِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کے ساتھ تین دن سے زائد تعلق منقطع رکھے جب اسے ملے تو تین بار سلام کہے تو اگر دوسرے نے ہر بار جواب نہ دیا تو وہ اس کا گناہ لے کر لوٹے گا۔ (ابو داؤد)

ے صحبت و سلام

ے تعلق منقطع رکھنے کا یا اپنے گناہ یا سلام دینے والے مسلمان کے گناہ یعنی سلام دینے والا تعلق کو منقطع کرنے کے گناہ سے فارغ ہو گیا اور جواب نہ دینے والے نے اپنی گردن پر گناہ لے لیا بلکہ سلام دینے والے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہو گا کیونکہ اس نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

۴۸۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد تعلق منقطع رکھے پس جو شخص تین دن سے زائد تعلق منقطع رکھے گا اور مر گیا تو وہ دوزخ میں داخل ہو گیا[1]۔
(مسند احمد، ابوداؤد)

[1] یعنی وہ دوزخ میں داخلے کا مستحق ہو گیا جب کوئی انسان گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو گویا وہ آگ میں ہے اگر مذکورہ شخص زندہ رہے تو آگ میں ہی رہا۔

٤٨١٣/٩ وَعَنْ أَبِيْ خِرَاشٍ السُّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابو خراش سلمی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے اپنے بھائی سے ایک سال تک تعلق منقطع رکھا وہ اس کے خون بہانے کی طرح[2] ہے (ابوداؤد)

[1] خراش، خا کے نیچے زیر، سین پر پیش، لام پر زبر اور مخفف۔ بعض کے نزدیک سلمی کے بجائے اسلمی ہے ان کا اسم گرامی حدرد بروزن جعفر ہے صحابی ہیں، امام ابوداؤد نے ان سے یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔

[2] گناہ شدید مرتب ہونے کی وجہ سے ورنہ یہ جمیع وجوہ کے اعتبار سے قتل کی طرح نہیں ہے کیونکہ قتل کا شرک کے بعد درجہ ہے۔ مقصود تعلق منقطع کرنے سے منع میں مبالغہ اور تاکید ہے۔ چونکہ ایک سال کا انقطاع عادۃً نہیں ہوتا یہ انقطاع رہا گویا اتنا تکلیف دہ ہے کہ غصہ اور غم کی وجہ سے قتل کرنا ہے۔

٤٨١٤/١٠ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَإِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلٰثٌ فَلْيَلْقَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْإِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْهِجْرَةِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن سے تین دن سے زائد تعلق منقطع رکھے۔ اگر تین دن گزر جائیں تو یہ اس سے ملے اسے سلام کہے اگر وہ جواب دے دے تو دونوں ثواب[1] میں شریک ہو گئے اور اگر وہ جواب نہ دے تو وہ گناہ[2] لے کر لوٹا سلام کرنے والا اس گناہ سے محفوظ ہو گیا[3] (ابوداؤد)

[1] وصل اور ترک ہجر کی وجہ سے پہلے کو ابتدائے سلام اور ترک ہجر اور دوسرے کو جواب سلام اور قبول کرنے کی وجہ سے اجر ہو گا۔

[2] بعض نسخوں میں بالاثم ہے اور اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے۔

[3] اور اس کا تمام بوجھ اور گناہ اس دوسرے پر ہو گا۔

۴۸۱۵/۱۱ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَۃِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَۃِ وَالصَّلٰوۃِ قَالَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَۃُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزے، صدقہ اور نماز سے افضل ہے؟ ہم نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! فرمایا دو بھائیوں کا آپس میں صلح کروانا اور فساد برپا کرنا مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

۱؎ یعنی اس کا درجہ ان سے افضل ہے۔

۲؎ یعنی اگر مسلمانوں کے درمیان بغض و عداوت، لڑائی اور جھگڑا برپا ہو تو اسے محبت و الفت سے بدل کر صلح کروا دینا افضل ترین عمل ہے۔ ذات البین سے وہ احوال مراد ہیں جو لوگوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح یہ ہے کہ ان کو فساد و لڑائی سے محفوظ کر دیا جائے۔

۳؎ حلق سر کا مونڈ دینا حالقہ استرے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہلاکت اور جڑ سے اکھاڑنا ہے یعنی جس طرح استرہ بالوں کو جڑ سے ختم کرتا ہے اسی طرح آپس کا جھگڑا و لڑائی دین و ثواب کو جڑ سے ختم کر دیتا ہے۔ اس میں لڑائی جھگڑے سے بچ کر محبت و الفت کی راہ اپنانے کی فضیلت کا بیان ہے۔

۴۸۱۶/۱۲ وَعَنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ ھِیَ الْحَالِقَۃُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں حسد و بغض کی بیماری سرایت کر گئی اور یہ مونڈ دینے والی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈنے والی ہے بلکہ یہ تو دین مونڈ دیتی ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)

۱؎ زبیر بن عوام یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ صراح میں ہے دبیب آہستہ چلنا، ہر زمین پر چلنے والی شئے کو دابہ کہا جاتا ہے۔

۳؎ طیبی نے یہی معنی کیا اور کہا کہ بغضی خبر بغضاء کی طرف لوٹ رہی ہے اور بغض اگرچہ حسد ہی کا ثمرہ ہے مگر دین میں رخنہ اندازی کے لیے یہ اس سے شدید ہے، اور اگر حسد و بغض دونوں کی طرف بتاویل کل واحد ضمیر لوٹائی جائے تو یہ ممکن ہے اس کے بعد حالقہ کی تفسیر بیان کی۔

۴۸۱۷/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) جاتی ہے ۔ (ابوداؤد)

لہ اس روایت سے معتزلہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ گناہوں کا ارتکاب انسان کے نیک اعمال کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی برائیاں اس کی نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہیں، اہل سنت وجماعت اس طرح نہیں فرماتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نیکی برائی کو لے جاتی ہے جس طرح ارشاد باری ہے (اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ یقیناً نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں) اور ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسد کا نیکیوں کو کھا جانے سے مراد یہ ہے کہ حسد حاسد کو محسود کے جان ومال کی ہلاکت اور ہتک حرمت وعزت پر ابھارتا ہے اگرچہ عملاً نہ بھی اس کا عزم وارادہ مضر رہتا ہے اور ہتک حرمت میں غیبت خود موجود ہوتی ہے لہٰذا قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں اس کے ظلم کے عوض محسود کو دے دی جائیں گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز روزہ، عبادات والا تھا مگر کسی کو تکلیف پہنچانے، گالی دینے، مال غصب کرنے اور خون بہانے کی وجہ سے اس کی تمام نیکیاں ان لوگوں کو مل جائیں گی جن پر اس نے ظلم کیا ہوگا حبط اعمال کا معنی یہی ہے یہ نہیں کہ اس کے اعمال نامے سے اعمال محو ونابود ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر آج ہی ان کو فنا وختم کر دیا گیا ہوتا تو وہ قیامت کے روز اعمال کیسے لے کر آئے گا حالانکہ حدیث میں اس کے اعمال لانے کا ذکر ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صلح وغیرہ کی وجہ سے نیکیاں دوگنا ہو جاتی ہیں، پس جب اس نے ارتکاب معصیت کر لیا تو وہ اس اضافے سے محروم ہو گیا۔

۴۸۱۸/۱۴ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّهَا الْحَالِقَةُ . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں فساد سے بچو کیونکہ یہ مونڈ ہی دینے[لہ] والی چیز ہے۔ (ترمذی)

لہ یہ حصر بطور مبالغہ ہے

۴۸۱۹/۱۵ وَعَنْ اَبِيْ صِرْمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو صرمہ[لہ] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو نقصان پہنچائے[۲] گا اسے اللہ نقصان دے گا اور جو کسی کی مخالفت[۳] کرے گا اللہ اس سے مخالفت فرمائے گا (ابن ماجہ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث غریب ہے)

لہ ابو صرمہ، صاد کے نیچے زیر راساکن، یہ انصاری، بدری مازنی اور شاعر صحابی ہیں۔ جاہلیت میں دین ابراہیمی کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے جب محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد مبارکہ مدینہ طیبہ میں ہوئی تو حاضر ہو کر اسلام لائے اس وقت یہ نہایت بوڑھے تھے۔

۲ کوئی شرعی وجہ نہ ہو۔ صراح میں ہے کہ ضر کا معنی کسی کو تکلیف پہنچانا یہ نفع کے خلاف ہے۔

۳ شاق، قاف مشدد ہے صراح میں اس کا معنی مخالفت اور دشمنی ہے لفظ مشاقہ اشق بکسر شین سے مشتق ہے

اس کا معنی جانب ہے مخالفت کرنے والے بھی ایک دوسرے کی جانب ہوتے ہیں۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ مشاقہ مشقت سے بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھی کو ایسی تکلیف دینا جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو، اور یہ معنی کلمہ علی کے زیادہ مناسب ہے ورنہ شاقہ بمعنی عداوت ہے بغیر علی کے آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی) "وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى" (جس شخص نے ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی) اسی بنا پر لفظ مضارہ اور مشاقہ کے درمیان بعض حواشی میں یوں فرق کیا گیا کہ ضرر اور مشقت دونوں قریب المعنی ہیں لیکن ضرر کا استعمال مال کے ضائع کرنے اور مشقت کا بدن کو اذیت دینے کے لیے ہوتا ہے مثلاً طاقت سے بڑھ کر کام لینا۔

۴۸۲۰/۱۶ وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ملعون[1] ہے وہ شخص جو کسی مومن کو نقصان پہنچاتا ہے یا اسے دھوکہ[2] دے (ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

[1] قرب و رحمت الٰہی سے وہ دھتکار دیا جاتا ہے۔

[2] مراح میں مکر کے معانی حیلہ بدسگالی اور فریب دینا ہیں۔

۴۸۲۱/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِىْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا اے ایسے لوگوں جو زبان سے ایمان لائے ہو حالانکہ ان کے دل میں ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو نہ ایذا دو نہ انہیں عار دلاؤ اور ان کے خفیہ عیوب تلاش[1] نہ کرو کیونکہ جو اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا اللہ اس کے عیب تلاش فرمائے گا اور جس کے عیب اللہ تعالٰی تلاش کرے گا اسے وہ رسوا و ذلیل کر دے گا اگرچہ وہ اپنی منزل و گھر[2] میں ہو۔ (ترمذی)

[1] تتبع کا معنی مراح میں چیز کی طلب کے لیے اس کے پیچھے جانا ہے۔

[2] یعنی اگرچہ وہ اپنے گھر اور رہائش میں مخفی ہو۔

۴۸۲۲/۱۸ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبَا الْاِسْتِطَالَةَ فِىْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی آبرو و عزت میں ظلماً دست درازی[1] کرنا بدترین سود[2] ہے

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) (ابو داؤد، بیہقی، شعب الایمان)

لہ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

لہ ربا لغۃً زیادتی اور شرعاً قرض و بیع میں زیادتی کا نام ہے۔

لہ اس سے غیبت کرنا، گالی دینا، اسے حقیر جانتے ہوئے تکبر کرنا ہے بشرطیکہ کوئی شرعی حکمت و مصلحت نہ ہو۔ قاموس میں استطاعت کا معنی لمبا ہونا، بلند اور بڑا بننا ہے اور صراح میں اس سے مراد تکبر کرنا لمبا ہونا ہے چونکہ اس میں استحقاق سے بڑھ کر لینے کا پہلو ہے اس لیے اسے ربا کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس میں بھی آدمی حق سے زائد وصول کرتا ہے اور اس کو بدترین سود اس لیے قرار دیا کہ مسلمان کی عزت و آبرو اس کے ہر مال سے بڑھ کر ہوتی ہے تو اس میں ضرر و فساد دوسرے مال سے بڑھ کر ہوگا۔ ناحق کی قید اس لیے لگائی ہے کہ بعض صورتوں میں مباح ہے جیسا کہ وہ کسی کا حق نہیں دیتا۔ ظالم ہے یا گواہ پر جرح کی جاتی ہے اسی طرح محدثین رواۃ پر حفاظت دین کی خاطر جرح کرتے ہیں اور سابق گزر چکا ہے کہ ایسی صورتوں میں غیبت مباح ہے۔

۴۸۲۳/۱۹ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے میرے رب نے معراج عطا فرمایا تو میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جس کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ اپنے چہرے اور سینے کھرچ رہے تھے میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی آبرو ریزی کرتے تھے (ابو داؤد)

لہ خمش، خا اور شین اس کا معنی کھرچنا ہے۔

لہ یہ غیبت کرتے، گالی دیتے اور ان کی آبرو ریزی کرتے، غیبت کو گوشت کھانے سے تعبیر کی وجہ پچھلے باب الغیبت میں گزر چکی ہے چونکہ وہ لوگوں کی آبرو ریزی کر کے خوش ہوتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں اور سینوں کو بھی بے آبرو فرما دیا۔

۴۸۲۴/۲۰ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَكْلَةً فَإِنَّ اللَّهَ يُطْعِمُهُ مِثْلَهَا مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ كُسِيَ ثَوْبًا بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَكْسُوهُ مِثْلَهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُومُ لَهُ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت مستورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان آدمی کے کچھ لقمے کھائے تو اللہ اسے اس کی مثل دوزخ سے کھلائے گا اور جس نے مسلمان (کی غیبت) کے عوض کپڑا پہنا اللہ اسے اس کی مثل دوزخ سے پہنائے گا اور وہ شخص نام و نمود اور دکھانے کی

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

جگہ کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے دکھلاوے کی جگہ کھڑا فرمائے گا۔ (ابوداؤد)

لہ مُسْتَوْرِد (میم پر پیش، سین ساکن تا پر زبر، واو ساکن را کے نیچے زیر) بن شداد دال مشدد ہے۔ صحابی، اہل کوفہ میں سے ہیں مصر میں مقیم رہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے موقعہ پر بچے تھے۔

سلہ اُکلہ، ہمزہ پر پیش، کاف ساکن القمہ اگر ہمزہ پر زبر ہو تو پھر اس کا معنی ایک بار کھانا ہے چنانچہ ایک ایسا آدمی جو کسی مسلمان سے عداوت رکھتا ہے۔ اس کے پاس دوسرا شخص آکر اس مسلمان کی غیبت کر کے اُسے خوش کرتا ہے اور اسے اپنی روزی کا ذریعہ بناتا ہے۔

سلہ وہ غیبت وغیرہ کے عوض کپڑے حاصل کرتا ہے۔ یہ معنی اس وقت ہے جب کُسِیَ ماضی معروف کا صیغہ ہو اور قرائن اُکِلَ وقام بھی اس پر دال ہیں لیکن اگر اسے مجہول پڑھا جائے جیسا کہ نسخہ مصححہ میں ہے تو پھر بھی معنی درست ہوگا کیونکہ کسوۃ کا معنی بھی اس کے موافق ہے کہ نفس کو تکلف جامہ پہنانا اب معنی یہ ہوگا کہ وہ آدمی جسے کسی مرد کی غیبت کی وجہ سے جامہ پہنایا گیا ہو۔

سلہ تاکہ اس کے محاسن ومحامد سے آگاہ ہوں، سمعہ سے مراد وہ چیز ہے جس کا تعلق سمع سے ہو اور ریا سے وہ مراد ہے جس کا تعلق بصر سے ہو۔

شہ اس عبارت کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس شخص نے زہد و تقویٰ کا لبادہ اس لیے اوڑھا کہ فلاں صاحب میرے اس عمل سے متاثر ہو کر مجھ پر خرچ کرے اور میرا مرید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس طرح رسوا فرمائے کہ ملائکہ کو حکم ہوگا کہ اسے مقام بلند پر کھڑا کر کے آواز دو کہ یہ وہ شخص ہے جو مخلوق کے لیے عمل کرتا تھا اور اس کے بعد اسے عذاب دیا جائے گا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے کو دکھلاوے کے مقام پر کھڑا کر دیا یعنی کسی کے زہد و عبادت اور تقویٰ کی شہرت کی تاکہ نفسانی اغراض اور مال دنیا حاصل کی جائے جیسا کہ بزرگوں کے خدام کرتے ہیں یہ قیامت کے روز اپنے ہی کیے میں گرفتار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں مقام رسوائی پر کھڑا فرمائے گا اور فرشتے آواز دیں گے کہ یہ وہ جھوٹا شخص ہے جو شہرت اور اپنی نفسانی اغراض کے حصول کے لیے جھوٹ بولا کرتا تھا اس کے جھوٹ بولنے کے مطابق سزا و عذاب ہوگا۔

۴۸۲۵ (۲۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَۃِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن ظن بہترین عبادت ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

لہ مسلمانوں کے بارے میں خیر اور بھلائی کا اعتقاد رکھنا عبادات حسنہ میں سے ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ حسن ظن حسن عبادت سے پیدا ہوتا ہے یعنی جو نیکوکار اور عبادت گزار ہوگا وہ لوگوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے گا اور بدکار بدگمانی کرے گا۔ شعر

بدگمان باشد ہمیشہ زشت کار نامۂ خود خواند اندر حق یار

"بدگمانی کرنے والا ہمیشہ بدکار ہوتا ہے وہ دوسروں کے حق میں اپنے نامۂ اعمال سیاہ دیکھتا ہے۔"

۴۸۲۶/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اعْتَلَّ بَعِيْرٌ لِصَفِيَّةَ وَعِنْدَ زَيْنَبَ فَضْلُ ظَهْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْنَبَ اَعْطِيْهَا بَعِيْرًا فَقَالَتْ اَنَا اُعْطِيْ تِلْكَ الْيَهُوْدِيَّةَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَهَا ذَا الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمَ وَبَعْضَ صَفَرَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا فِيْ بَابِ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا، حضرت زینب کے پاس[1] فالتو سواری تھی، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے فرمایا یہ اونٹ انہیں دے دو انہوں نے عرض کیا میں یہودیہ کو اونٹ دوں[2]؟ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراض ہو کر انہیں ذوالحج، محرم اور صفر کا کچھ حصہ چھوڑے رکھا۔ (ابوداؤد، حدیث معاذ بن انس مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا الخ باب الشفقت والرحمت میں بیان ہو چکی ہے)

[1] اپنی سواری کے علاوہ ان کے پاس سواری تھی، ظہر کا معنی پشت ہے یہاں سواری کے لیے آیا ہے۔

[2] بطور استفہام انکاری۔

[3] یہ صحابیہ اخطب یہودی کی بیٹی تھیں لیکن حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، غزوہ خیبر کے موقعہ پر گرفتار ہوئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد فرما کر اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ بعض ازواج ان کے ساتھ بہتر حسن سلوک سے کام نہ لیتی، ان میں حضرت عائشہ بھی ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی حمایت و رعایت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ نے ان کو یہودیہ اور سخت سست کہا اور انہوں نے آپ کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا تو جواب میں یہ کہہ کر میں ایک پیغمبر کی بیٹی ہوں تو ابوبکر کی بیٹی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۸۲۷/۲۳ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَّسْرِقُ فَقَالَ لَهٗ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ سَرَقْتَ قَالَ كَلَّا وَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيْسٰى اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تو نے چوری کی ہے اس نے کہا ہرگز نہیں مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا اور میں اپنے نفس کو جھٹلاتا ہوں[1]۔ (مسلم)

[1] یعنی تیری قسم کی وجہ سے تصدیق کرتا ہوں اور اپنے گمان کو واپس لیتے ہوئے اپنے نفس کی تکذیب کرتا ہوں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ جب کوئی اللہ کے نام پر قسم اٹھائے تو اگرچہ اس کے خلاف معلوم ہو پھر بھی اس مبارک وعظیم نام کی تعظیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو جھوٹا مان لیا جائے اور اس کے حلف کے مطابق عمل کیا جائے۔

۲۸۲۸/۲۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَّ كَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَّغْلِبَ الْقَدَرَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ فقر کفر تک پہنچا دے[۱] اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب آجائے[۲]۔ (بیہقی)

[۱] کیونکہ فقر کی حالت میں انسان اس کے ازالے کے لیے متعدد محارم اور معاصی کا ارتکاب کرے گا اور شاید حالت فقر اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح بعض اوقات بقدر کافی موجود ہونے کے باوجود محبت دنیا کے غلبہ کی وجہ سے انسان کفر کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ میں نے بعض قریبی زمانے میں گزرے بدبختوں کے بارے میں سنا ہے جب ایسی حالت میں کفر کی طرف انسان جاتا ہے تو حالت فقر میں بطریق اولی جائے گا کیونکہ غلبہ فقر اللہ تعالےٰ کے بارے میں ناراضگی اور اعتراض کا سبب بن جائے گا اور اس کی وجہ سے انسان رضائے الٰہی سے خارج ہو جائے گا نعوذ باللہ من ذلک اور جس طرح غلبہ فقر کفر کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح غلبۂ مال سرکشی اور نافرمانی کا ذریعہ بن جاتا ہے لہٰذا غنا و فقر میں اعتدال بہتر ہے خیر الامور اوسطہا

[۲] یعنی بالفرض اگر کوئی شے تقدیر پر غالب آسکتی تو وہ حسد ہے۔ جیسا کہ ایسی گفتگو کتاب الطب کے تحت لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ کی شرح میں گزر چکا ہے۔

۲۸۲۹/۲۵ وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اعْتَذَرَ اِلٰى اَخِيْهِ فَلَمْ يَعْذِرْهُ اَوْ لَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيْئَةِ صَاحِبِ مَكْسٍ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ الْمَكَّاسُ الْعَشَّارُ)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے بھائی سے معذرت کرے اور وہ معذرت نہ مانے[۱] یا اس کا عذر قبول نہ کرے[۲] تو اس پر ٹیکس[۳] والے کے گناہ کی طرح ہے[۴] بیہقی نے ان روایات کو شعب الایمان میں روایت کیا اور مکاس کا معنی ٹیکس لینے والا کیا)

[۱] یہ تیرا عذر نہیں بلکہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔

[۲] عذر تو تیرا معقول ہے مگر میں اسے قبول نہیں کرتا۔

[۳] مکس، میم پر زبر، کاف ساکن، خراج و عشر کو شرع کے مطابق وصول نہ کرنا۔

[۴] ظلماً ٹیکس وصول کرنا گناہ عظیم ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایسا ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا قاموس میں مکس کا معنی نقص و ظلم بھی آیا ہے اور مجمع البحار میں ہے کہ مکس کا معنی نقصان ہے اور ماکس اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عامل اور حکومت کا ملازم ہو ساکین کے حقوق ان تک بتمام و کمال نہ پہنچائے یا ان میں کمی کرے۔

بَابُ الْحَذَرِ وَالتَّأَنِّیْ فِی الْاُمُوْرِ

۳۲۴- امور میں احتیاط اور اطمینان کا بیان

حذر، حاء ذال دونوں پر زبر یا ذال پر کسرہ یا سکون پرہیز کرنا، احتراز کرنا، حذر حا پر زبر اور ذال کے نیچے کسرہ ہوشیار بیدار تأنی، کام میں جلدی نہ کرنا، توقف کرنا ہے۔ تأنا گا، تنا گا کے وزن پر نام ہے یعنی تاخیر یعنی آدمی کو چاہیے کہ عوام اور لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ہوشیار و محتاط رہے، اپنے تمام اعمال کے انجام پر نظر رکھے کسی کام میں جلد بازی نہ کرے بلکہ حلم و وقار سے کام لے البتہ شریعت نے جن امور میں شتابی کا حکم دیا ہے ان کو جلدی بجالایا جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۴۸۳۰ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں کاٹا جاتا۔ (بخاری و مسلم)

لہ لدغ سانپ اور بچھو کا کاٹنا، جحر پہلے جیم پر پیش، حا ساکن سانپ وغیرہ کی جگہ اگر حا پہلے ہو تو اس کا معنی کرہ ہے ہر دو مومن جو محتاط، حمایت دین رحق سے موصوف ہو وہ اللہ تعالٰی کے کسی سرکش و باغی پر اعتماد نہیں کرتا اور اللہ تعالٰی کی خاطر اس پر غضب اور اس سے انتقام ضرور لیتا ہے اور ہر بار علم کے باوجود فریب نہیں کھاتا، اگر دنیا کے معاملات میں فریب و دغا کھائے تو یہ آسان ہے لیکن دینی معاملات میں یہ ممکن نہیں یہ ایک عظیم قاعدہ کی تعلیم ہے تاکہ دین وملت کی حفاظت کی جا سکے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ابو عزہ دمین پر زبر شعراء کفار میں سے تھا اس نے مسلمانوں کی ہجو کی اور اپنی قوم کے بدبخت لوگوں کو ان کی ایذا پر برانگیختہ کیا۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر وہ گرفتار ہوگیا اس پر اس نے عہد کیا کہ میں یہ عمل بدآئندہ نہیں کروں گا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس عہد سے اسے رہا کردیا جب وہ اپنی قوم میں گیا تو پھر اس نے وہی شر وفتنہ پردازی شروع کردی۔ غزوہ احد کے موقعہ پر پھر گرفتار ہوگیا اس نے امان مانگی اور عہد کیا کہ میں آئندہ اب ایسا کام نہیں کروں گا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا، کچھ لوگوں نے معافی کی درخواست کی تو اس موقعہ پر ارشاد فرمایا مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

۴۸۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبدالقیس کے سردار

يُحِبُّهُمَا اللهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انجسے کہا تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جو اللہ کو پسند ہیں۔ بردباری اور وقار[۲] (مسلم)

[۱] عبدالقیس قبیلہ کا نام ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جیسا اس وفد نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو اپنی سواریوں سے بڑی جلد بازی سے نیچے اتر آئے۔ آپ کی ملاقات میں نہایت عجلت سے کام لیا۔ ان میں شوق و محبت کے ساتھ ساتھ اضطراب اور جلبل کی کیفیت بھی تھی آپ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی، اشج جن کا نام منذر بن عائذ تھا یہ ان کا سردار اور رئیس تھے۔ یہ اپنی منزل اور جائے سکونت میں گئے قوم کا تمام سازوسامان محفوظ کر کے رکھا پھر غسل کیا کپڑے پہنے اور آرام و وقار سے مسجد نبوی میں آگئے، دو رکعت نماز ادا کی، دعا کی اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے اس عمل کو خوب سراہا۔

[۲] روایات میں یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی ان دو خصلتوں سے آگاہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ میرے اندر ان کا وجود بطور کسب ہے یا میری فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ہے آپ نے فرمایا یہ کسب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق و عطا ہے اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے اندر ایسی صفات پیدا فرمائیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں اور سوال سے غرض یہ تھی کہ اگر یہ صفات کسبی ہیں تو ان کے زائل ہونے کا خطرہ ہے اور جبلت میں ودیعت کی گئی ہیں تو پھر ان کے دائم و باقی رہنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۸۳۲ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ[۱] اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ مِنَ اللهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ[۲] وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسٍ الرَّاوِيْ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تسلی کے ساتھ کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے[۳] (ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض محدثین نے اس کے راوی عبدالمہیمن بن عباس کے بارے میں ان کے حفظ کے حوالے سے کلام کیا ہے۔[۴]

[۱] مشہور صحابی ہیں، مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

[۲] عبدالمہیمن اور جیم پر زبر ہے۔

[۳] مگر وہ کام جو سراپا خیر ہو قرآن مجید میں ہے وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔

[۴] ان کا حافظہ بہتر نہ تھا۔

۴۸۳۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے بردبار

وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

مگر لغزش[1] والا اور نہیں ہے حکمت[2] والا مگر تجربہ کار۔ (مسند احمد اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

[1] یعنی ہر وہ شخص جو گناہ ومعصیت میں واقع ہو، اس کے معاملات میں خطا وخلل ہو جس کی وجہ سے وہ شرمندہ ہو اور چاہتا ہو کہ لوگ اس کے عیوب وخطاؤں کو ظاہر نہ کریں، لغزشوں کو معاف کریں لہٰذا جب وہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں میں چاہتا ہے کہ لوگ درگزر کریں وہ لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرتے ہوئے ان پر پردہ ڈالنے کا خواہش مند ہوگا۔ بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ جب تک کوئی انسان بعض امور کو بجا لائے اور ان میں کوتاہی و لغزش کا مرتکب نہ ہو اس میں حلم و بردباری پیدا نہیں ہوسکتی کیونکہ جب تک مقامات بے صبری سے آگاہ نہیں ہوگا ان سے اجتناب کیسے کرے گا؟ اور اس میں حلم کیسے آئے گا اور کیسے علم ہوگا کہ یہاں حلم سے کام لینا چاہیے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلیم وہی شخص ہوسکتا ہے جو صاحب تجربہ ہو۔

[2] حکمت شی کی حقیقت سے آگاہ ہونا، حکیم، دانا، راست کام والے کو کہا جاتا ہے اور اصل معنی حکمت کا کسی چیز کو خلل سے خالی اور محکم کرنا ہے۔ پس وہ شخص جس کو اشیاء کی معرفت حاصل ہو جائے، ان کے منافع ومصالح اور مفسدات سے آگاہ ہو جائے گا اسے حکمت حاصل ہو جائے گی۔

۴۸۳۴/۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ فَقَالَ خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِيْرِ فَاِنْ رَاَيْتَ فِيْ عَاقِبَتِهٖ خَيْرًا فَامْضِهٖ وَاِنْ خِفْتَ غَيًّا فَاَمْسِكْ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کیجیے آپ نے فرمایا۔ کام خوب تدبیر سے کرو پھر اگر اس کا انجام بھلائی دیکھو تو کر گزرو اور اگر گمراہی کا ڈر ہو تو باز رہو۔ (شرح السنۃ)

۴۸۳۵/۶ وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ الْاَعْمَشُ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّؤَدَةُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ خَيْرٌ اِلَّا فِيْ عَمَلِ الْاٰخِرَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت مصعب بن سعد[1] اپنے والد گرامی سے اعمش[2] کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں[3] نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے تسلی کے ساتھ کام کرنا ہی ہر شے میں بہتر ہے مگر آخرت کے معاملہ میں۔ (ابوداؤد)

[1] مصعب بن سعد بن ابی وقاص زہری قریشی اور مدنی ہیں، ابن سعد نے ان کا تذکرہ اہل مدینہ کے دوسرے طبقہ میں کیا ہے۔ محدثین نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، یہ اپنے والد گرامی، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، کوفہ میں مقیم رہے ایک سو تین ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

[2] اعمش اس حدیث کے راوی ہیں۔

[3] ان کے والد گرامی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے۔ انہوں نے نہیں۔

۴ؔ التُّؤَدَةُ. تا پر پیش، ہمزہ پر زبر یا ساکن، آہستہ اور آرام سے کام کرنا۔

۵ؔ کیونکہ وہ یقیناً خیر ہی ہوتا ہے بخلاف امور دنیوی کے، اسلاف میں سے کسی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے طہارت خانے سے شاگرد سے کہا کہ میری قمیص ابھی اتار کر فلاں کو دے دو۔ عرض کیا گیا کہ آپ باہر آئیں پھر ایسا ہو جائے گا تو انہوں نے فرمایا ابھی کرو کیونکہ اب تو میرا دل نے یہ نیک نیت کی ہے مجھے خوف ہے کہ باہر آنے ہی بدل نہ جائے۔

۴۸۳۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن سرجس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی عادت تسلی و اطمینان سے کام کرنا اور میانہ روی[۲] نبوت کا چوبیسواں[۳] حصہ ہے۔ (ترمذی)

۱ؔ سرجس سین پر زبر، را ساکن، جیم کے نیچے زیر، بصری صحابی ہیں، ان سے مروی حدیث از بصریین ہے ان سے قتادہ، عاصم، احول نے روایت کیا ہے۔

۲ؔ معیشت اور ہر کام میں افراط و تفریط سے بچنا۔

۳ؔ یعنی یہ انبیاء کرام صلوات اللہ و سلامہ علیہم کا طریقہ ہے، عدد کے تعین کی حکمت صرف شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں۔ نور نبوت کے بغیر اس سے کما حقہ آگاہی ممکن نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کتاب الرؤیۃ میں ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

۴۸۳۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِّنْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ[۱] خوشش خلقی[۲] اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں[۳] حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

۱ؔ ھدی ھا پر زبر، دال ساکن بصیرت۔

۲ؔ سمت سین پر زبر، میم ساکن، نیک چال وچلن، اگرچہ ھدی اور سمت میں خیر پائی جاتی ہے مگر صالح کی قید تاکید کے لیے ہے یا بیان تجربہ ہے یعنی ان کا معنی صرف سیرت اور چال چلن ہے۔

۳ؔ سابقہ حدیث میں چوبیس کا عدد تھا اس میں ایک عدد زائد ہے۔ یہ راوی کا وہم و خطا ہے یا کوئی حکمت دیگر ہو سکتی ہے۔

۴۸۳۸ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی بات کرے اور پھر وہ غائب ہو جائے تو وہ بات امانت[۲] ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

لہ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اس کا دائیں بائیں دیکھنا ہے۔ جب ایسی بات کی جائے جس کا اخفا مطلوب ہو تو انسان دائیں بائیں دیکھتا ہے۔ الغرض مجلس کی بات مراد ہے۔

کہ اہل مجلس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس میں ضیافت کرتے ہوئے اس کی تشہیر نہ کریں۔

۴۸۳۹/۱۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي الْهَيْثَمِ ابْنِ التَّيِّهَانِ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اخْتَرْ لِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوالہیثم بن تیہان سے پوچھا کہ تمہارے پاس خادم ہے عرض کیا نہیں فرمایا جب ہمارے پاس قیدی آئیں پھر ہمارے پاس آنا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دو آدمی لائے گئے ادھر سے ابوہیثم آگئے آپ نے فرمایا ان دونوں میں ایک پسند کر لو عرض کیا یا نبی اللہ آپ ہی میرے لیے انتخاب فرمادیں۔ آپ نے فرمایا جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ تم یہ لے جاؤ میں نے دیکھا یہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے بارے میں بھلائی کی نصیحت یاد رکھو۔ (ترمذی)

لہ الہیثم ہا پر زبر، یا ساکن، ثا پر زبر

کہ ابن التیہان تا پر زبر، یا کے نیچے زیر اور مشدد، یہ صحابی کا نام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ ابوبکر و عمر فاروق کے ساتھ بھوک کی وجہ گھر سے نکل کر ان کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے آپ کی رضا کی خاطر خوب خدمت کی اس پر آپ نے فرمایا تیرے پاس خادم ہے۔

ٹہ تاکہ میں تجھے خادم و معاون عنایت کروں۔

کہ اس کو چاہیے کہ مشورہ لینے والے کے لیے جو بہتر ہو اس کا مشورہ دے اور خیانت سے کام نہ لے۔ غرض یہ تھی کہ جب تو نے مجھے اختیار دیا ہے تو ہم تمہیں وہی غلام دیں گے جو بہتر ہوگا پس ان دو غلاموں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اسے لے لو۔

ھہ بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ میں تجھے اس کے ساتھ احسان کی وصیت کرتا ہوں اور تو اسے قبول کر۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس میں طلب نہیں ہے کیونکہ وہ مقصود نہیں، دوسری روایت میں ہے کہ جب ابوالہیثم اسے لے کر گھر آئے تو اپنی اہلیہ سے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے یہ خادم عطا کیا ہے اور اس کے حق میں نیکی و احسان کی وصیت فرمائی ہے۔ خاتون کہنے لگی اس وصیت پر شاید ہم عمل نہ کر سکیں لہٰذا نیکی و احسان یہ ہے کہ اسے تو آزاد کر دے۔

۴۸۴۰/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلٰثَةً

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں

مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ فِيْ بَابِ الْمُبَاشَرَةِ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ)

سوائے تین مجلسوں[۳] کے، حرام خون بہانے کی، حرام شرمگاہ[۴] کی اور ناحق مال[۵] حاصل کرنے کی (ابوداؤد) اور حدیث ابوسعید إِنَّ أَعْظَمَ الْأَمَانَةِ الخ باب المباشرت کی فصل اول میں گزرچکی ہے)

[۱] سابقہ حدیث کے تحت گزرچکا ہے کہ مجلس میں جو کچھ سنا جائے اسے نقل نہ کیا جائے اور نہ اس کی تشہیر کی جائے۔

[۲] ان مجالس کی باتیں آگے پہنچانا واجب ہے۔

[۳] زنا مراد ہے۔

[۴] ظلماً مال حاصل کرنا اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی سنے کہ فلاں، فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے یا زنا کا ارادہ رکھتا ہے یا مال غضب کرنا چاہتا ہے تو فی الفور ان لوگوں کے علم میں لائے تاکہ وہ اپنے آپ کو محفوظ کرسکیں۔

[۵] یہ حدیث مصابیح میں تکرار آئی ہے باب المباشرۃ میں اسے صحیح اور باب المحذر میں اسے حسن کہا ہے ہم نے صرف باب المباشرت میں اس کا ذکر کیا اور یہاں ذکر نہیں کی تاکہ تکرار نہ ہو اور صواب یہی ہے کہ اسے صحاح میں شمار کیا جائے ممکن ہے کہ ماتن کے نسخہ میں ایسا ہو، ہمارے نسخہ میں ایسا نہیں ہے۔ صرف باب المباشرت میں کہا ہے باب المحذر والثانی میں نہیں، ممکن ہے کاتب نے تکرار کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۸۴۱/۱۲ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهٗ قُمْ فَقَامَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اُقْعُدْ فَقَعَدَ ثُمَّ قَالَ لَهٗ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ وَلَا أَفْضَلُ مِنْكَ وَلَا أَحْسَنُ مِنْكَ بِكَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِيْ وَبِكَ أُعْرَفُ وَبِكَ أُعَاتِبُ وَبِكَ الثَّوَابُ وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا اور کہا کھڑی ہو وہ کھڑی ہوگئی پھر اسے فرمایا پھر جاؤ وہ پھر گئی فرمایا آگے[۱] بڑھو وہ آگے بڑھی پھر اس سے فرمایا بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گئی پھر فرمایا میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے بہتر[۲]، افضل اور خوبصورت ہو تیرے ذریعے ہی[۳] پکڑا کروں گا اور تیرے ذریعے ہی عطا کروں اور تیرے ذریعے ہی میری پہچان ہوگی اور تیرے ذریعے ہی عتاب کروں گا، تیرے ساتھ ہی ثواب ہے اور تجھ پر ہی عذاب[۴] ہے۔ بعض محدثین نے اس حدیث میں کلام کیا ہے[۵]

(بیہقی)

لے میری طرف رُخ کر
لے جو کمال میں تجھ سے افضل ہو۔
سے جو خیر میں تجھ سے فی ذاتہ احسن ہو، فضیلت دوسرے کے اعتبار سے اور حسن اپنی صفات و افعال کے لحاظ سے ہوتا ہے۔
سے ہر نعمت تیرے واسطہ سے دیتا ہوں کیونکہ وہ خدمت کر کے انعام کا مستحق ہو جاتا ہے اور نعمت عطا کرنے کے بعد جب بندہ کوتاہی و نافرمانی کرتا ہے تو اس سے نعمت واپس لے لیتا ہوں۔
ھے یعنی دنیا و آخرت میں عذاب و ثواب اور مکلف ہونے کا اعتبار عقل پر ہی ہے۔
لے بعض محدثین نے اس کی صحت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اس کی تفصیل شرح میں کر دی گئی ہے۔

۴۸۴۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتّٰى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا وَمَا يُجْزٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ والوں میں سے ہوتا ہے حتّٰی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے نیکی کی تمام اقسام کا بیان فرمایا مگر قیامت میں اپنی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔ (بیہقی)

لے نیکی کے تمام چھوٹے اور بڑی بڑی نیکیاں بیان کیں، یا ان میں اکثر کا بیان کیا۔
لے یہاں عقل سے مراد اشیاء کی معرفت دنیا و آخرت کے فساد و بطلان کا پالینا، خیر و شر کے درمیان فرق کرنا۔ نفس کی شرارتوں اور وسوسوں سے احتراز اور بچنا، اللہ تعالٰے کے قرب اور آخرت کا شعور رکھنے والی عقل تک رسائی حاصل کرنا۔ بعض مقامات پر عقل معاد کا لفظ ہے، اس سے مراد بھی یہی ہے۔ یہاں علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ عقل افضل ہے یا علم؟ اگر علم سے مراد یہ مذکورہ امتیاز ہی ہو جو کہ اثر عقل تھا تو اب ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوگا اور اس معنی کے اعتبار سے علم اور عقل عمل و عبادت سے افضل ہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا عالم عاقل کی ایک رکعت دوسرے کی ہزار رکعت سے افضل ہوتی ہے۔

۴۸۴۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰے عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں، بچنے جیسا کوئی تقویٰ نہیں۔ اچھے اخلاق جیسی کوئی فضیلت نہیں۔ (بیہقی)

لے امور کے انجام اور ان کے مفاسد و مصالح میں نظر کرنے کو تدبیر کہا جاتا ہے۔ صراح میں تدبیر کا معنی کام کے انجام

کو دیکھنا ہے اور عقل سے یہاں مطلقاً علم و ادراک مراد ہے۔

سے تقویٰ اور ورع ایک ہی شے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک متورع متقی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ تقویٰ صرف محرمات سے پرہیز ہے اور ورع میں مکروہات اور مشتبہات سے بھی بچا جاتا ہے، صواب یہی ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے اور قوم کے محاورات میں اس طرح مستعمل ہے۔ علامہ طیبی نے یہاں اشکال وارد کیا ہے کہ ورع کا معنی محارم سے رکنا ہے تو اب لا ورع مثل الکف کا کیا معنی ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں کف سے مراد ہاتھ کو مسلمانوں سے یا زبان کو لایعنی باتوں سے باز رکھنا ہے چونکہ اس کے مفاسد کثیر تھے اس لیے مبالغۃً ورع کو کف میں منحصر کر دیا، یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ ورع اور تقویٰ اگرچہ لغت میں کف اور اجتناب کے معنی میں ہیں لیکن عرف شرع میں بہتر امور کا بجا لانا اور بُرے امور سے بچنا دونوں کو شامل ہے، اگر اس کا معنیٰ اجتناب ہی ہو تو احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کے ترک کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے لہٰذا اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ الغرض ورع و تقویٰ شریعت کے احکام پر عمل ہے بعض کو بجا لانا اور بعض سے اجتناب کرنا، گویا ورع کے دو جز ہیں۔ اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے بچنا۔ بعض شارحین نے کہا کہ امور کے بجا لانے سے پہلے نواہی سے پرہیز اہم اور مقدم ہے۔ اگر کوئی شخص اوامر کی بجا آوری میں فرائض اور سنن موکدہ پر اکتفا کر لیتا ہے تو جائز ہے مگر نواہی کے اجتناب میں کامل طور پر اہتمام لازم ہے تاکہ قرب الٰہی کا حصول ہو سکے اور اگر کوئی شخص اوامر کی بجا آوری میں نہایت اہتمام کرتا ہے شلاً نوافل و مستحبات کی پابندی کرتا ہے لیکن محرمات کے ارتکاب سے باز نہیں رہتا تو قرب الٰہی نہیں پا سکتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جو بیمار پرہیز کرتا ہے مگر دوا نہیں کھاتا تو اسے شفا ہو جائے گی اگرچہ اس میں تاخیر ہو جائے اور اگر دوا لیتا ہے مگر پرہیز نہیں کرتا تو شفا نہیں ہو سکتی بلکہ بیماری میں اضافہ ہوگا۔ اس کی تفصیل ہے حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ تبیین الطرق میں اسے بیان فرمایا ہے اور اس بندۂ حقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس معنی پر حدیث کو محمول کرنا صحیح اور عمدہ ہے۔

سے حسب اپنی سیرت و فضائل اور اپنے آباء و اجداد کے فضائل مراد ہیں تو فرمایا اصل کمال و بزرگی حسن اخلاق ہے۔ اس کو اپنایا جائے اس کے بغیر سب کچھ ضائع ہے، اگر خلق سے تمام صفات باطن مراد ہیں تو حسن اخلاق کا عمدہ ہونا واضح ہے اور اگر نرم خوئی، محبت و مہربانی مراد ہو جیسا کہ معروف ہے تو اس سے مبالغہ مقصود ہوگا۔ اس صفت کی حقیقت اہل تصوف کی تعلیمات میں سے حاصل کی جائے، امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ حسن خلق انسان کا وسیع الظرف ہونا، لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، مخلوق خدا کی خدمت کرنا اور اسے تکلیف و اذیت سے محفوظ کرنا ہے، شیخ واسطی کہتے ہیں کہ مخلوق سے ترک خصومت کا نام خلق ہے۔ بعض کے نزدیک حسن خلق سے مراد مخلوق کو راحت و تکلیف میں راضی رکھنا ہے، شیخ سہیل تستری کہتے ہیں کہ کم سے کم حسن خلق کا مرتبہ یہ ہے مخلوق کی جفا کو قبول کرنا ان سے بدلہ نہ لینا، ظالم پر رحمت و شفقت کرنا اور اس کی معافی قبول کرنا ہے۔

۴۸۴۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ
۱۵

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خرچے

اَلْمَعِیْشَۃِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ رَوَی الْبَیْھَقِیُّ اَلْاَحَادِیْثَ الْاَرْبَعَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

میں میانہ روی آدھی معیشت ہے[1]. لوگوں سے محبت کرنا آدھی عقل[2] اور حسن سوال نصف علم ہے[3] (بیہقی نے ان چار احادیث کو شعب الایمان میں ذکر کیا)

[1]: افراط وتفریط سے دور ہونا سرمایہ زندگی کا نصف ہے اور زندگی میں دو چیزیں ہیں آمدن اور خرچ اور جس نے خرچ میں اعتدال کی راہ اپنائی اس نے نصف معیشت کو سنوار لیا۔

[2]: گویا تمام عقل یہ ہے کہ آدمی کسب وکام کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ بھی بہتر زندگی بسر کرے لیکن اس صورت میں ہے جب ان کے ساتھ اظہار دوستی دین و دیانت کے خلاف نہ ہو۔

[3]: کیونکہ سوال کرنے والا اسی کے بارے میں سوال کرے گا جو اہم اور کارآمد ہو اور اس کے ذریعے علم میں اضافہ ہو اور اسے تمام سوالات میں بھی امتیاز کرنا پڑتا ہے کہ کس کے بارے میں پوچھا جائے اور کس انداز اور طریقے سے پوچھا جائے؟ اور اس کا جواب جب مکمل ہو جاتا ہے تو اس کا علم بھی کامل ہو جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ علم دو طرح کا ہے سوال اور جواب اور حسن سوال یہ ہے کہ مسئلہ کی تمام شقوں اور احتمالات کو سامنے رکھ کر سوال کیا جائے تاکہ اس کا جواب وافی و کافی ہو اور باقی کوئی احتمال باقی نہ رہ جائے۔ پس اس لحاظ سے سوال از قبیل علم ہے اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ سوال کا سبب جہالت اور تردد ہوتا ہے نہ کہ علم تو اسے علم یا نصف علم کیوں کہا جائے؟ تنبیہ۔ یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب اشیاء مذکورہ میں نصف کا حقیقی معنیٰ مراد لیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بیان ان امور کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے مقصود مبالغہ و تاکید ہو یعنی اصلاح معیشت، تحصیل دانش اور تحصیل علم اشیاء کے لیے بہت سے اسباب درکار ہیں لیکن یہ تمام اشیاء ایک طرف اور میانہ روی، اظہار دوستی اور حسن سوال ایک طرف، تو وہ تمام مل کر نصف اور یہ دوسرا نصف ہیں۔ اس صورت میں معنیٰ روایت بغیر کسی تکلف کے واضح ہو جائے گا۔

بَابُ الرِّفْقِ وَالْحَیَآءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ

۳۲۵۔ نرمی، شرم وغیرت اور خوش خلقی کا بیان

رِفْقٌ، را پر کسرہ نرمی یہ عنف تکبر وسختی کی ضد ہے۔ صراح میں ہے اوفاق نرمی کرنا اور کسی کو نفع دینا۔ نہایہ میں ہے رفق کا معنیٰ لطف اور جانب کا نرم ہونا ہے۔ علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ رفق لطف وکام کو آسان طریقہ سے بجا لانا ہے حیاء شرم رکھنا یہ وہ حالت ہے جو انسان کو عیب اور برائی کے خوف سے ہو۔ اچھی حیاء یہ ہے کہ انسان کا نفس ہر اس عمل کے ارتکاب سے رک جائے جو شریعت میں ناپسند ہے۔ حسن خلق پر گفتگو سابقہ احادیث کے تحت گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۸۲۵ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَ مَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ لِعَائِشَةَ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نرمی فرمانے والا ہے[1] اور نرمی پسند کرتا ہے[2] نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا اور وہ جو اس کے علاوہ پر نہیں دیتا (مسلم) اس کی روایت میں ہے کہ آپ نے عائشہ سے فرمایا نرمی اختیار کرو، سختی اور فحش کلامی سے بچو، نرمی شے کو حسین بنا دیتی ہے اور نرمی کا نہ ہونا شے کو عیب دار کر دیتا ہے۔

[1] اپنے بندوں پر لطف فرمانے والا ہے ان پر آسانی فرماتا ہے اور اس کام و عمل کا حکم نہیں دیتا جو ان کی طاقت میں نہ ہو۔

[2] کہ لوگ آپس میں نرمی و لطف سے کام لیں اور تمام کاموں مثلاً طلب رزق وغیرہ میں آسانی کریں، سختی نہ کریں اور اس کے بعد طلب رزق اور تحصیل مطالب میں نرمی اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

[3] پہلے نرمی کو سختی پر ترجیح دی جو اس کی ضد ہے پھر بتایا کہ سختی کیا ہے؟ بلکہ نرمی تمام مقاصد کے حصول کے لیے مفید اور راجح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر وہ اسباب بھی باب رفق سے ہیں تو ترجیح کی گنجائش نہیں رہے گی، اور اگر وہ از قبیل سختی ہوں تو کلام اول سے سختی پر نرمی کی ترجیح معلوم ہو رہی ہے تو پھر اس کلام کا کیا فائدہ؟ میں کہتا ہوں کہ یہ کلام سابق میں برائے تاکید ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ عزائم اور مقاصد کے حصول مثلاً رزق وغیرہ میں نرمی اور رفق کا اظہار کرے، کہ یہ دینے والا اللہ تعالٰی ہے اور جب اس کی مرضی ہو گی تو وہ اس میں اضافہ کر دے گا جو اسباب پر سختی اور انہماک کی صورت میں ہو گا۔

۴۸۲۶ وَعَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ خیر ہی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ (مسلم)

۴۸۲۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا[1]

وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ کثرتِ حیا پر ناراض ہو رہے تھے بعض روایات میں یعظ کی جگہ یُعاتب ہے۔

سلہ حیا جتنی ہو گی بہتر ہے کیونکہ اس کے ذریعے آدمی ارتکاب معاصی سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۸۲۸ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا حیا بھلائی ہی کا ذریعہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حیا سراپا خیر ہے[1] (بخاری و مسلم)

سلہ یہاں ایک اشکال ہے کہ بعض اوقات حیا بعض حقوق مثلاً امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ کی ادائیگی میں مخل ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو حق کی راہ میں مخل ہو وہ شرعاً حیا نہیں بلکہ وہ تو بزدلی اور کمزوری ہے اور یہ نقائص میں سے ہے۔ اگر اسے حیا کہا جاتا ہے تو یہ مجازاً ہوگا شرعاً حیا یہ ہے کہ وہ اعمالِ بد سے بچنا حیا ہے خواہ طبعًا بد ہوں یا شرعاً شریعت میں جس حیاء کی تعریف کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان حرام، مکروہ اور ترک اولیٰ سے پرہیز کرے اب مختار جواب یہ ہوگا کہ یہ کلیہ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ اس حیا کے ساتھ مخصوص ہے جو اللہ تعالٰی کی رضا کے لیے ہو اور اگر اسے بالکل پر محمول کیا جائے تو بھی معنی بن سکتا ہے کہ اگرچہ غیر حقیقی حیا کی ایک قسم میں ہے لیکن اس کی ماہیت مطلقہ میں خیر گویا وہ تمام خیر ہے ممکن ہے اس کام سے کم پایا جانا بھی انسان کو خیر کی طرف لائے گا۔

۴۸۲۹ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو مسعود[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سابقہ انبیاء کے کلام[2] سے ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر لے[3] (بخاری)

سلہ بعض نسخوں میں ابن مسعود ہے لیکن صواب ابو مسعود انصاری ہی ہے۔

سلہ ان کی وحی کے نتائج میں سے ہے اور جو باقی ہے اس پر نسخ و تبدیلی نہیں ہوئی وہ یہی کلام ہے۔

سلہ اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو کی گئی ہے ایک یہ کہ یہاں طلب مراد نہیں بلکہ یہ خبر ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ برائی سے حیا روکتی ہے جب تیرے اندر حیا نہیں تو جو مرضی کر۔ دوسرا یہ کہ امر کا صیغہ یہاں تہدید کے لیے ہے جیسے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (جو چاہو کرو) اور اس کو سزا و جزا بھگتنا ہو گی۔ تیسرا یہ کہ یہ عمل کرنے کا قاعدہ اور ضابطہ بیان ہوا ہے کہ ہر وہ فعل جس میں شبہ ہو اور شریعت میں اس کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تصریح نہ ہو تو فکر کرو گے اگر اس کے بجا لانے میں شرم محسوس نہیں ہوتی تو کر گزرو اور اگر حیا عارضی ہوتی ہے تو مت کرو کیونکہ اس میں کراہت و قباحت ہے اگر وہ فعل حق ہوتا تو حیا عارضی نہ ہوتی اور یہ گفتگو اس قلب سلیم کے حوالے سے ہے جو تقویٰ کے نور سے منور اور عوارض بشریت سے خالی ہو۔ چوتھے یہ کہ ہر اس عمل کے بارے میں کہا ہے جو از قبیل طاعات ہو مگر اس میں ریاکاری اور نفع کا پہلو تھا از شرم کی وجہ سے اسے ترک کر دیا تو یہاں واضح کر دیا

گیا ہے کہ شرم خدا اور رسول سے کرنی چاہیے جب وہ ایسا فعل ہے جس میں خدا اور رسول سے شرم رکھنا لازم نہیں تو مخلوق کی خاطر اسے کیوں ترک کیا جائے؟ اگر اس میں ریا کا پہلو ہے تو اس سے بچنے کی صورت کی جائے اور اس پر توبہ و استغفار کر لی جائے اسی طرح ہر وہ عمل جو مخلوق کے لحاظ سے مذموم ہو اس کا ترک بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

۴۸۵۰ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس[1] بن سمعان رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا نیکی خوش خلقی ہے اور گناہ وہ ہے[2] جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ (مسلم)

[1] نواس، نون پر زبر، واؤ مشدد سمعان، سین پر زبر یا زیر۔ یہ صحابی قبیلہ بنی کلاب سے ہیں۔ بعض کے نزدیک انصاری ہیں۔ شام میں اقامت پذیر رہے۔ یہ اس کلابیہ خاتون کے بھائی ہیں جس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقد فرمایا اور پھر طلاق دے دی۔

[2] ایسا عمل جس پر تردد و خلش رہے اور دل کو اطمینان و آرام نہ آئے اور اس پر شرح صدر نہ ہو لیکن یہ اس شخص کے حوالے سے ہوگا جس کے سینے کو اللہ تعالٰی نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اس کا دل نور تقویٰ سے منور و مزین ہو گیا جس کے مقام پر آپ کے ارشاد گرامی "وَاسْتَفْتِ قَلْبَكَ (اپنے دل سے فیصلہ طلب کرے) کا بھی یہی مفہوم ہے اور جس کے بارے میں نص نہ ہو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور آگے گناہ کی علامت بیان فرمائی۔

۴۸۵۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے وہ شخص زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔ (بخاری)

۴۸۵۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہے[1] (بخاری و مسلم)

[1] ان دونوں احادیث کا مضمون ایک ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں بہتر ہونا ان کی ذات میں ہے جس کی وجہ سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب بن رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۴۸۵۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے

اللہ علیہ وسلم من اعطی حظہ من الرفق اعطی حظہ من خیر الدنیا والآخرۃ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جسے نرمی میں سے حصہ دیا گیا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے حصہ دیا گیا اور جسے نرمی کی عطا سے محروم رکھا گیا وہ دنیا و آخرت کی خیر سے محروم رہا۔ (شرح السنۃ)

۳۸۵۴ وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے، فحش گوئی اکھڑ پن سے ہے اور سخت دل دوزخ میں ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)

لہ افعال بد سے شرم کرنا۔
۲ہ اہل ایمان مراد ہیں۔
۳ہ ابذاء یا بر وزن ہے۔ فحش اور بیہودہ گوئی۔
۴ہ جفاء بر کی ضد ہے یعنی برائی۔

۳۸۵۵ وعن رجل من مزینۃ قال قالوا یا رسول اللہ ما خیر ما اعطی الانسان قال الخلق الحسن (رواہ البیہقی فی شعب الایمان وفی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ صحابہ نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ انسان کو بہترین چیز کونسی عطا کی گئی ہے۔ فرمایا اچھا خلق۔ (بیہقی شعب الایمان، شرح السنۃ میں اسامہ بن شریک سے روایت ہے)

لہ مُزینہ اسم ہے میم پیش، زا پر زبر، یا ساکن۔

۲ہ یہ روایت بیہقی کی ہے اس میں اس آدمی کا نام نہیں ہے لیکن امام محی السنۃ نے شرح السنۃ میں حضرت اسامہ بن شریک ثعلبی سے روایت کیا ہے کہ یہ صحابی کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ انہی میں سے شمار ہوتے ہیں اور ان کی حدیث بھی انہی کے بارے میں ہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بھی حضرت اسامہ سے ہی مروی ہے۔

۳۸۵۶ عن حارثۃ بن وہب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ الجواظ ولا الجعظری قال والجواظ الغلیظ الفظ رواہ ابوداؤد فی سننہ والبیہقی فی شعب الایمان وصاحب جامع الاصول فیہ عن حارثۃ وکذا فی شرح السنۃ عنہ ولفظہ قال لا یدخل الجنۃ الجواظ الجعظری یقال الجعظری الفظ الغلیظ وفی

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں جواظ داخل نہ ہوگا اور نہ جعظری فرمایا جواظ بری عادت والا اور سخت زبان ہے۔ امام ابو داؤد نے سنن میں، بیہقی شعب الایمان میں، صاحب جامع الاصول اور صاحب شرح السنۃ نے حضرت حارثہ سے ان الفاظ میں روایت کیا کہ جنت میں جواظ، جعظر کا داخلہ نہ ہوگا جو سخت دل سخت زبان ہے،

نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ وَهْبٍ وَلَفْظُهٗ قَالَ وَالْجَوَّاظُ الَّذِيْ جَمَعَ وَمَنَعَ وَالْجَعْظَرِيُّ الْغَلِيْظُ الْفَظُّ ۔

مصابیح کے بعض نسخوں میں عکرمہ بن وہب سے روایت ہے اس کے الفاظ میں جواظ وہ ہے جو مال جمع کرے اور سائل کو منع کرے اور جعظری بدعادت والا سخت زبان ہے۔

لہ یہ صحابی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کے ماں کی طرف سے بھائی ہیں۔ کوفیین میں ان کا شمار ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انہوں نے زیارت کی، آپ سے اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

۲ہ جواظ، جیم پر زبر، واو مشدد۔

۳ہ جعظری، جیم پر زبر، عین ساکن، ظا پر زیر۔

۴ہ مراح میں جواظ کا معنی متکبر بیان کیا گیا ہے۔

۵ہ ان تین محدثین نے یہ حدیث حارثہ بن وہب سے روایت کی ہے اور وہ بالاتفاق صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کے والدہ کی طرف سے بھائی ہیں۔

۶ہ جعظری، جواظ کا وصف ہے۔

۷ہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جواظ اور جعظری کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۸ہ اس کے بعض نسخوں میں حارثہ بن وہب سے مروی ہے، امام تورپشتی کہتے ہیں کہ عکرمہ بن وہب کا ذکر صحابہ میں کسی نے نہیں کیا یہ تابعی ہیں، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہوگی، بعض لوگوں نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے، صحیح یہی ہے کہ یہ تابعی ہیں۔

۹ہ جواظ، بخیل مالدار، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اور بعض سے مغایرت کا پتہ چلتا ہے بعض کتب سے پتہ چلتا ہے کہ جواظ کا معنی متکبر اور جعظری کا معنی بدخلق ہے۔ الغرض دونوں الفاظ معانی میں قریب تر ہیں۔

۴۸۵۷/۱۳ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ الْفَصْلَ الْأَوَّلَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے وزنی شئ قیامت کے روز جو مومن کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھا اخلاق ہے اور اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بدخلق کو ناپسند رکھتا ہے۔ (اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن صحیح کہا اور ابو داؤد نے فصل اول لہ روایت کیا ہے)

لہ اس سے حدیث کا اولین حصہ مراد ہے، دوسرا حصہ إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ مراد نہیں۔

۴۸۵۸/۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن اپنے اخلاق کی وجہ سے رات کو

وَصَائِمِ النَّهَارِ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔
(ابوداؤد)

۴۸۵۹/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو جہاں بھی ہو[1] برائی کے بعد نیکی کرو[2] جو برائی کو مٹا دیتی ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔
(مسند احمد، ترمذی، دارمی)

[1] ان کے عذاب سے ڈرو خواہ جلوت میں ہو یا خلوت میں، سفر میں ہو یا گھر میں۔

[2] اگر برائی کا ارتکاب ہو جائے تو نیکی کرو تا کردہ بدی کا نقش و اثر ختم کر دے۔

[3] شارحین نے بیان کیا ہے کہ آدمی کے لیے ضروری ہے کہ برائیوں کو مٹانے کے لیے نیکیوں کو بجا لائے اور ہر بدی کا ازالہ اس کی ہم جنس نیکی سے کرے۔ مثلاً مزامیر کی مجلس کا ازالہ قرآن و ذکر کی مجلس کے ذریعے، شراب پینے کا کفارہ حلال مشروبات کا صدقہ کر کے تکبر کا تواضع اور بخل کا سخاوت کے ذریعے ازالہ کیا جائے علیٰ ہذا القیاس (کذا قال الطیبی)

۴۸۶۰/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَی النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰی كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاؤں جو آگ پر اور آگ اس پر حرام ہے ہر نرم خو، نرم زبان[1] لوگوں کے ساتھ اور درگزر کرنے والا۔ (مسند احمد اور ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

[1] لین لام کے نیچے زیر، یا مشدد یا ساکن جیسے میّت اور میْت، سوال میں مبالغہ و تاکید کی خاطر دونوں جانبوں سے حرام ہونا بیان کیا تو چونکہ دونوں کا مدعیٰ ایک ہی ہے تو آخری حصہ پر اکتفا کر لیا۔ کیونکہ وہ قریب ہے اور متعارف یہی ہے کہ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

۴۸۶۱/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بھولا بھالا باعزت ہوتا ہے اور فاسق عیار اور بدخلق ہوتا ہے[1]
(مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] بعض روایات میں فاجر کی جگہ منافق ہے۔ غِرّ، اعلین کے نیچے زیر، فریب کھانے والا۔ صراح میں اس کا معنی ناآزمودہ ہے۔ خِبّ خا پر زبر یا زیر دونوں جائز ہیں فریب دینے والا۔ بنا بریں اس حدیث کی تشریح یوں ہے کہ مومن متواضع اور نرمی

کی وجہ سے ہر فریب دینے والے سے فریب کھا جاتا ہے اور لوگوں کے شر و مکر پر کاوش و تحقیق نہیں کرتا تو اس کی وجہ مومن کی جہالت و نادانی نہیں بلکہ اس کا کرم، بزرگی اور حسن اخلاق ہوتا ہے۔ بعض علماء نے یوں گفتگو کی ہے چونکہ مومن خود سلیم القلب اور دل کی صاف تختی کا مالک ہونے کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں نیک گمان کرے گا ان کے باطنی معاملات کا اسے تجربہ نہیں اور لوگوں کے دل کھوٹ پر مطلع نہیں۔ لہٰذا وہ جو بھی اسے کہیں گے یہ قبول کرے گا اور فریب کھا جائے گا اور وہ اخروی معاملات میں متوجہ رہتا ہے۔ دنیاوی معاملات کو نہایت ہی کم تر تصور کرتا ہے لہٰذا اس بنا پر لوگ فریب دیتے ہیں لیکن وہ آخرت کے معاملات میں نہایت ہی بیدار اور عقل کامل کا مالک ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ارشاد کے ذریعے اس طرف متوجہ کیا لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (ایک سوراخ سے مومن دو دفعہ ڈنگ نہیں کھاتا) یعنی ہر دفعہ اور ہمیشہ فریب کھاتے رہنا درست نہیں، اغنیا طونند پر تفریدی ہے جیسے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد دنیا و آخرت دونوں کے معاملات ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ صرف آخرت کے معاملات کے ساتھ مخصوص ہے اور منافق ہمیشہ دھوکہ باز، مکار، فسادی، فتنہ پرور، مکر و فریب کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ تسامح نہیں کرتا۔ فریب بھی نہیں کھاتا اور نہ ہی اس پر راضی ہوتا ہے اگر کسی صورت میں فریب کھا لے اگرچہ بغیر علم کے ہو تو اختیار حاصل ہونے پر اس سے راضی نہ ہوگا بلکہ انتقام لے گا۔

۴۸۶۲/۱۸ وَعَنْ مَكْحُولٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ إِنْ قِيدَ انْقَادَ وَإِنْ أُنِيخَ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)

حضرت مکحول[1] سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومن نرم طبیعت، نرم دل ہوتے ہیں جیسے نکیل[2] والا اونٹ اگر اسے چلایا جائے تو اطاعت کرے اور اگر پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے[3] (ترمذی نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے)

[1] یہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

[2] اَنِفٌ، ہمزہ پر زبر، نون کے نیچے زیر بروزن کَتِفٌ۔ یا ہمزہ پر مد ہے بروزن صاحب پہلا صحیح ہے (کذا فی القاموس) صراح میں اس کا معنی مہار کی نکیل کی وجہ سے اونٹ کے ناک زخمی ہوتا ہے اور یہ چیز اونٹ کو نرم اور تابع کر دیتی ہے۔

[3] یعنی مومن اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں غایت درجہ تابع اور نرم ہوتا ہے اور اس میں ہر قسم کی منفعت کو اٹھا لیتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہاں مومنوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آنا ہو کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہی ہے۔

۴۸۶۳/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مسلمان جو دوسرے لوگوں کے ساتھ میل جول کرے اور ان کی طرف

يَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

سے آنے والی تکالیف پر صبر کرے ایسا مسلمان اس مسلمان سے بہتر ہے[1] جو مل جل کر نہ رہے اور نہ ہی ان کی تکالیف پر صبر کرے[2] (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] اجر و ثواب میں۔

[2] اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا تنہائی سے مطلقاً بہتر ہے۔ تنہائی کی فضیلت پر بھی احادیث ہیں۔ اس بارے میں تفصیل و تحقیق اور حیثیات کے اعتبار سے تذکرہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں مذکور ہے اور میں نے آداب السالکین میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ کتاب احیاء العلوم کے اس حصہ کا ترجمہ ہے جس میں معاملات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۴۸۶۴/۲۰ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَلَاَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ اَمْنًا وَّاِيْمَانًا وَذَكَرَ حَدِيْثَ سُوَيْدٍ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ فِيْ كِتَابِ اللِّبَاسِ۔

حضرت سہل بن معاذ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غصہ پی جائے حالانکہ وہ اس کے نفاذ پر قادر تھا اس کو اللہ تعالٰی روز قیامت اس تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا جو حور منتخب کرنا چاہے کرے۔ (ابوداؤد، امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے اور ابوداؤد کی وہ روایت جو سوید بن وہب[1] سے ہے وہ ایک صحابی کے بیٹے اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی اس کے دل کو ایمان اور امن سے بھر دے گا، سوید کی وہ حدیث جس کے ابتدائی الفاظ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ ہے کتاب اللباس میں مذکور ہے[2]۔

[1] سوید بن وہب، سین پر پیش، واؤ پر زبر۔

[2] جامع الاصول میں اس کا ذکر نہیں ہے اور کاشف میں ہے کہ یہ شخص مجہول ہے خصوصاً ابن عجلان۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۸۶۵/۲۱ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کے اخلاق ہوتے ہیں، اسلام کا اخلاق حیا[1] ہے (امام مالک

وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ)

نے اسے مرسلاً روایت کیا، ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔[۵]

[۱] یہ تابعی ہیں ان سے سلمہ بن صفوان الزرقی نے روایت کی ہے اور امام مالک نے اسے موطا میں ذکر کیا ہے ان کے والد طلحہ بن رکانہ ہیں۔ را پر پیش اور کاف مخفف ہے۔

[۲] عمدہ صفات۔

[۳] کیونکہ حیا ایک ایسی صفت ہے جو بندے کو ممنوعات و محرمات کے ارتکاب سے محفوظ کرتی ہے اور اس کا اس معاملے میں کامل دخل ہے چونکہ دین محمدی تمام ادیان سے کامل اور اتم ہے اس لیے اس میں حیا بھی کامل و اتم ہو گی۔

[۴] زید بن طلحہ سے۔

[۵] لہٰذا یہ روایت مرسل نہ رہی بلکہ مسند و متصل ہو گی۔

۴۸۶۶/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِذَا سُلِبَ أَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَرُ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا شرم اور ایمان آپس میں ساتھی ہیں[۱]۔ جب ایک ختم ہو جائے تو دوسرا بھی ختم ہو جاتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں ہے کہ جب ایک چھین لیا جائے تو دوسرا بھی چھن جاتا ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان)

[۱] ایک دوسرے سے پیوستہ و لازم ہیں۔

[۲] قُرَنَاء، قرین (ساتھی) کی جمع ہے۔ لفظ جمع اس بات پر دلیل ہے کہ جمع کا اطلاق دو پر ہوتا ہے۔ بعض نسخوں میں لفظ تثنیہ ہے اور ماضی مجہول کے صیغے کے ساتھ ہے۔

۴۸۶۷/۲۳ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ آخِرُ مَا وَصَّانِي بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَعْتُ رِجْلِي فِي الْغَرْزِ أَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت معاذ[۱] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سب سے آخری جو وصیت فرمائی جب میں نے رکاب[۲] میں پاؤں رکھا فرمایا: اے معاذ! اپنے اخلاق لوگوں[۳] کے لیے اچھے رکھو (موطا)

[۱] حضرت معاذ بن جبل۔ یہ اس موقعہ کی بات ہے جب آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا تھا۔

[۲] غرز، عین پر زبر، را ساکن۔ وہ لکڑی جو اونٹ کے پالان کے لیے استعمال ہوتی ہے، گھوڑے کے لیے رکاب کا لفظ بولا جاتا ہے اور اونٹ کے لیے غرز کا، حضرت معاذ کو جو آپ نے قاضی بنا کر بھیجا تو یہ بڑا عظیم معاملہ ہے ان کو مختلف وصیتیں فرمائیں، سوار کیا اور ان کے ساتھ الوداع کرنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدل چلے اور فرمایا اے معاذ واپسی پر تو ہماری زیارت نہ کر سکے گا اور ان کو آخری وصیت یہ کی۔

سے لوگوں کی تربیت کے لیے، امام سیوطی کے نزدیک بیان "الناس" سے مراد وہ لوگ ہیں جو نرمی کے مستحق ہیں باقی اہل کفر، باغی اور ظالم لوگ اس دائرہ سے خارج ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ سختی اور شدت کا حکم ہے۔ واضح رہے کہ اہل ظلم کے ساتھ سختی کرنا بھی حسن اخلاق ہے کیونکہ یہ ان کی تربیت ہے۔ جس طرح اچھے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک تربیت کا ذریعہ ہے تو امام سیوطی نے حسن اخلاق کو نرمی اور صلح و آشتی کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

۴۷۶۸/۲۲ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ. (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاءِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (موطا، امام احمد نے اسے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے)

لہ انہیں کامل طور پر بیان کروں اور ان کو عملاً کمال تک پہنچاؤں، بعض روایات میں "مکارم" کا لفظ آیا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ انہیں نقصان کے بعد پورا کرنے کے لیے اور بعض روایات میں ہے بکھرنے کے بعد جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا چونکہ آپ آخری نبی ہیں جب آپ پر کمال نبوت اختتام پذیر ہو گیا تو دوسرے کمالات مکمل کیوں نہ ہوں گے؟ آپ کے بعد کسی نبی کی کوئی ضرورت نہ رہی، اب صرف اور صرف آپ کی شریعت کی حفاظت کی ضرورت ہے اور وہ کام آپ کی امت کے علماء کا ہے اور وہ بنی اسرائیل کے ان انبیاء کی طرح ہیں جنہوں نے تورات اور شریعت موسوی کی حفاظت کی تھی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سابقہ انبیاء علیہم السلام کے جمیع کمالات و فضائل کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر فضائل کے بھی حامل ہیں اور تتمیم کی تخصیص بکھرنے کے بعد حاصل ہونے والے جمع کے ساتھ کرنا زیادتی ہے کیونکہ دین محمدی میں بہت سے ایسے امور ہیں جو سابقہ شریعتوں میں نہیں تھے اور آپ کے تمام انبیاء پر افضل ہونے کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ "اس میں آپ کو سابقہ انبیاء کے عقائد و اعمال کی اقتداء کا حکم ہے اور آپ نے ان کو یقیناً حاصل کر لیا تو آپ تمام کے جامع قرار پائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اور سابقہ انبیاء کی مثال اس محل کی طرح ہے جسے خوب بنایا گیا ایک اینٹ کی جگہ کے علاوہ اس میں کوئی جگہ خالی نہ رہی، میرے آنے سے وہ خالی جگہ بھی پُر ہو گئی اور وہ مکان مکمل ہو گیا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے کمالات کا اتمام نہیں ہوا تھا گویا آپ کے وجود مسعود سے ہوا۔

۴۷۶۹/۲۵ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْاٰةِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حَسَّنَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَا شَانَ مِنْ غَيْرِيْ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

امام جعفر صادق بن محمد لہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو یہ کلمات کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حَسَّنَ خُلُقِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَا شَانَ مِنْ غَيْرِيْ تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے میری صورت اور سیرت کو خوبصورت بنایا میری ہر وہ چیز اچھی فرمائی جو دوسروں کی بُری لگتی ہے۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا)

؎ امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

؎ واضح رہے کہ یہ صفت بروجہ اتم علی الاطلاق آپ ہی کی ہے البتہ بعض کی بنسبت بھی جائز ہے۔ شاید حدیث میں لفظ احسن اسی لیے فرمایا۔

۴۸۷۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ (اے اللہ تو نے میری صورت حسین بنائی ہے پس میری سیرت کو بھی حسین کر دے؎ (مسند احمد)

؎ سیرت حسین ہونے کے باوجود دعا کیوں کی؟ اُمت کی تعلیم کے لیے یا اس کے دوام کی دعا ہے جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یا اتمام دین مراد ہے کیونکہ آپ کی سیرت کی تحسین و تہذیب کا ذریعہ قرآن ہے جب کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ (آپ کا خلق قرآن ہے) گویا یہ دعا نزول قرآن کی دعا تھی۔

۴۸۷۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَارًا وَاَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بہتر لوگوں کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور کیجیے فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جن کی عمر لمبی اور اخلاق اچھے ہوں؎ (مسند احمد)

؎ کیونکہ وہ اس میں اللہ تعالٰے کی خوب عبادت اور اس کے بندوں سے خوب خیرات کر کے بہت زیادہ فضائل و کمالات حاصل کر لیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی طویل عمر اس کے لیے مبارک ہے۔ کیونکہ طویل عمر حقیقتہً وہی ہے جس میں کار خیر ہو اور اس میں برکت ہو۔

۴۸۷۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کامل مومن از روئے ایمان وہی ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ (ابو داؤد، دارمی)

۴۸۷۳ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَكْرٍ وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَّقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَشْتِمُنِيْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَ

اور انہی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو گالی دی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پاس بیٹھے ہوئے اس پر تعجب کر کے تبسم فرما رہے تھے جب اس نے زیادہ کا بیان دیں تو حضرت ابوبکر نے ایک کا جواب دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ابوبکر نے آپ سے مل کر عرض کیا یا رسول اللہ وہ مجھے گالی دیتا رہا اور آپ تشریف فرما رہے

قُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ وَقَعَ الشَّيْطٰنُ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ ثَلٰثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَيُغْضِي عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهُ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا كَثْرَةً وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ يُرِيدُ بِهَا كَثْرَةً إِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

میں نے اس کی ایک گالی کا جواب دیا تو آپ اٹھ گئے فرمایا تیرے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو اس کا جواب دے رہا تھا جب تو نے خود جواب دینا شروع کیا تو شیطان درمیان میں آ گیا اس کے بعد فرمایا اے ابوبکر! تین باتیں بالکل سچی ہیں جس شخص پر ظلم ہوا اور وہ رضائے الٰہی کی خاطر چشم پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے معزز و منصور فرمائے گا جس آدمی نے سخاوت کا دروازہ کھولا مقصد صلہ رحمی تھا تو اس کے سبب اللہ تعالیٰ اس کے مال میں اضافہ فرمائے گا اور جس نے مال بڑھانے کی خاطر مانگنا شروع کیا اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی کر دے گا۔

(مسند احمد)

ؔ۱ آپ خوش ہو کر تبسم فرما رہے تھے۔
ؔ۲ لیکن ابوبکر نے بھی گالی دی۔
ؔ۳ آپ ناراض ہو کر اٹھ گئے۔
ؔ۴ وہ اس کی گالیاں اس طرف لوٹا رہا تھا یہ کہ فرشتہ بھی گالیاں دے رہا تھا۔
ؔ۵ مظلمۃ لام کے نیچے زیر سے ظلم کرنا فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے بعض نے لام پر پیش بھی پڑھا ہے۔
ؔ۶ اللہ کی رضا کی خاطر اغضا کا معنی صراحۃً میں چشم پوشی کرنا ہے۔
ؔ۷ اسے اللہ تعالیٰ قوی و محکم بنا دیتا ہے یا تو مظلوم ہونے کی وجہ سے یا اس کی چشم پوشی کی وجہ سے۔
ؔ۸ رشتہ داروں اور معاشرے کے بے سہارا لوگوں پر۔
ؔ۹ گدائی کرتا ہے تاکہ مال میں اضافہ ہو۔

۴۸۷۴/۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيدُ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس خاندان میں مہربانی کرتا ہے انہیں نفع دیتا ہے اور جن کو اس سے محروم کرتا ہے ان کے نقصان کا ارادہ کرتا ہے۔

(بیہقی، شعب الایمان)

بَابُ الْغَضَبِ وَالْکِبْرِ

۳۲۶۔ غصّے اور تکبّر کا بیان

غضب، غین اور ضاد پر زبر، غصہ کرنا، غضب اس حالت و وصف کو کہا جاتا ہے جو ارادۂ انتقام اور ناپسند چیز کے دفع کرنے پر نفس کو جانب خارج کی طرف برانگیختہ کرے۔ روح حیوانی حالت، غضب میں مغضوب علیہ کی طرف انتقام کے لیے میلان کرتی ہے اور مکروہ چیز کو دور کرتی ہے۔ اس وجہ سے اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور رگیں پھول جاتی ہیں۔ اسی طرح حالت خوشی میں بھی جانب خارج کی طرف میلان ہوتا ہے تاکہ محبوب کے سامنے آئے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات غصہ اور خوشی کا غلبہ ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے اور روح کا مکمل طور پر خروج ہو جاتا ہے اور جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ چہرہ زرد اور بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ غضب کی ضد حلم ہے، حلم سے نفس کا آرام میں ہونا مراد ہے کیونکہ اس میں انسان کو جلدی غصہ کسی حالت میں نہیں آتا، تکلیف پہنچنے کے باوجود مضطرب نہیں ہوتا۔ (کذا قیل) میں کہتا ہوں کہ ایسا نفس وصال محبوب کے موقعہ پر بھی مضطرب نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث عبدالقیس میں ہے کہ اس کے سربراہ حضرت اشج نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا مگر اس طرح نہ کیا جس طرح باقی لوگوں نے کیا تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو سراہتے ہوئے ان کو صاحب حلم و وقار قرار دیا۔ اگر ناحق غصہ ہو تو مذموم ہے، اسی طرح خلاف شرع بھی ممنوع ہے لیکن اگر حق کی خاطر ہو تو قابل ستائش ہے۔ ریاضت سے مقصود غضب کو بالکلیہ ختم کرنا نہیں بلکہ اسے موافق حق بنانا ہوتا ہے، غضب تو نظام بدن اور بقائے حیات کا ذریعہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے موذی اور تکلیف دہ اشیاء سے بچا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نباتات میں قوت غضبیہ نہیں اسی لیے ہر کوئی ہلاک کر دیتا ہے۔ بخلاف حیوانات کے، ان میں اللہ تعالٰی نے اپنی حکمت کاملہ سے ایسے آلات عطا کیے جو ان کو موذی سے محفوظ کر لیتے ہیں مثلاً سینگ اور دانت وغیرہ، آدمی کے لیے اگرچہ اس طرح آلات نہیں مگر اسے عقل و تدبیر عطا کی تاکہ ایسے آلات و ذرائع تیار کرے جس سے وہ ہر قسم کے دشمن اور موذی سے اپنا دفاع کر سکے۔ تکبر کا سبب اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو اعلیٰ اور بہتر جاننا ہے، جب کوئی ان چیزوں کا اظہار کرے گا اور ان کے ذریعہ دیگر لوگوں پر فوقیت اور بلندی چاہے گا اس وجہ سے وہ حق کے تسلیم کرنے اور اس کی فرمانبرداری کے لیے آمادہ نہ ہوگا جس سے سرکشی پیدا ہوگی اگر خلاف واقع ہو یعنی اس کی ذات میں وہ صفات نہیں جن کا اظہار تکلف و بناوٹ کی صورت میں کر رہا ہے تو یہ عمل نہایت ہی مذموم و قبیح ہے۔ اور اگر واقعتہً وہ فضائل اس میں موجود ہیں اور ان کی بنیاد پر تقدم چاہتا ہے تو یہ مذموم نہیں، تکبر کا مقابل تواضع ہے، تواضع تکبر اور کمزوری کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ کبر یہ ہوتا ہے کہ اپنے اندر موجود اعمال سے بڑھ کر خواہش مند ہونا بصفت یہ ہے کہ اپنے مقام سے بھی نیچے گر جانا اپنا استحقاق بھی نہ لینا، تواضع درمیانی طریقہ ہے، مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارھم جب تکبر نفس میں غالب دیکھتے ہیں تو اس طرح اپنے آپ کی نفی اور ازالہ کرتے ہیں کہ صفت تواضع کا درجہ

دیتے تاکہ نفس مقام تواضع پر رہے۔ البتہ کمال توسط اور اعتدال ہر حال میں بہتر ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۸۷۵ / ۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک[۱] شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کی مجھے نصیحت کیجیے آپ نے فرمایا غصہ نہ کر اس نے بار بار[۲] عرض کیا آپ نے یہی فرمایا غصہ نہ کیا کر[۳] (بخاری)

[۱] یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔

[۲] نصیحت کا مطالبہ کیا۔

[۳] ممکن ہے کہ ان میں یہی عمل ہو لہٰذا اس سے بار بار آپ نے منع فرمایا کیونکہ آپ کا یہ معمول تھا کہ سائل کے حال کے مطابق جواب عنایت فرماتے اور جو اس کے مناسب حال علاج ہوتا اسی کو تجویز فرماتے یا اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہر بلا اور فساد کا سبب شہوت اور غصہ کا غلبہ ہے اور شہوت بہ نسبت غصہ کے مغلوب ہے اور یہاں غضب سے منع کا خصوصی اہتمام فرمایا پہلی توجیہ بڑی واضح ہے۔

۴۸۷۶ / ۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا۔ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔ (بخاری ومسلم)

[۱] صُرَعَۃ، صاد پر پیش، را پر زبر، جو لوگوں کو زمین پر ڈال دے اور اسے نہ ڈالا جا سکے، صراح میں اس کا معنی ڈالنا ہے اور مصارعت کا ایک دوسرے سے کشتی کرنا ہوتا ہے۔

[۲] کیونکہ غضب انسان کا سخت ترین اور قوی تر دشمن ہے جس نے اس پر کنٹرول کر لیا گویا اس نے قوی ترین مخالف کو گرا لیا۔

شعر:

مردی نہ زور بازو والی نہ زور کتف
بانفس اگر برائی دائم کرستاطری

مردانگی دو بازو اور کاندھے کے زور سے نہیں بنتی بلکہ اگر نفس کو مغلوب کر لیا تو یہ مردانگی ہے۔

۴۸۷۷ / ۳ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں اہل جنت کے بارے میں نہ بتاؤں[۱]؟ ہر وہ کمزور جسے کمزور سمجھا جائے اگر

لَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ کُلُّ جَوَّاظٍ زَنِیْمٍ مُتَکَبِّرٍ۔

وہ اللہ کی قسم کھا جائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے گا کیا میں تمہیں اہل نار نہ بتاؤں، ہر سخت دل اور متکبر۔ (بخاری و مسلم اور مسلم کی روایت میں ہے سخت دل، حرامی، متکبر)

لہ اہل جنت کون ہیں؟

۲ متضعف، عین پر زبر، لوگ جسے نفرت و تواضع کی حقیر جان کر اس کے ساتھ جبر اور تکبر کرتے ہوں۔ بعض نے عین کے نیچے زیر پڑھی ہے اور اس کا معنی نرم اور ذلیل کیا ہے۔

۳ اسے سچا کر دے گا یا اس کی قسم کو ان الفاظ کی متعدد ترجیحات کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ بندہ باری تعالیٰ کے کرم اور اس کے لطف پر کامل اعتماد کرتے ہوئے قسم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی امید کو بر لاتے ہوئے اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر وہ شخص اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرتا ہے اور اللہ کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں

تیسرا معنیٰ

یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ دیتا ہے کہ فلاں کام کرے گا یا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کے مطابق توفیق حمایت فرما دیتا ہے۔

۴ جب آپ نے اہل جنت کی صفات بیان کر دیں تو اب اہل نار کے اعمال کا تذکرہ کیا۔

۵ عُتُل، عین پر پیش، لام مشدد، سخت گو، درشت ناحق لڑائی کرنے والا۔

۶ جواظ جیم پر زبر، واو مشدد، بخیل اور مال جمع کرنے والا، بعض نے اس کا ترجمہ رفتار میں تکبر کا اظہار کرنے والا کیا ہے۔ اس صورت میں متکبر اس کی تفسیر ہو گا۔

۷ زنیم حرام زادہ، وہ شخص جو اپنی نسبت کسی قوم کی طرف کرتا ہے مگر نفس الامر میں ایسا نہ ہو۔ قرآن مجید میں دونوں صفات زنیم اور عتل ولید بن مغیرہ کی بیان کی ہیں۔

۴۸۷۸ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ وَّلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو لہ (مسلم)

لہ رائی کا دانہ کسی کے کم از کم ہونے پر بطور محاورہ لایا جاتا ہے۔

۴۸۷۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّ نَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہیں ذرۂ[1] کے برابر تکبر ہو اس پر ایک شخص نے عرض کیا آدمی[2] چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں جوتا خوبصورت ہو تو آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ جمیل[3] ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تکبر حق[4] کا جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے (مسلم)

[1] ذرہ سے مراد یا تو چھوٹی چیونٹی ہے یا وہ ہوا میں اڑنے والے ذرات ہیں جو روشندان سے سورج کی روشنی میں اندر آتے ہیں۔

[2] جب اس نے محسوس کیا کہ متکبر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بڑا قیمتی اور فاخرہ لباس پہنتے ہیں تو گمان گزرا شاید یہ تکبر ہو۔

[3] اللہ تعالےٰ پر جمیل کا اطلاق کامل الاوصاف اور حسن الافعال کے اعتبار سے ہے۔ بعض نے اس کا معنی جمال عطا کرنے والا کیا ہے۔ بعض نے جمیل بمعنی جلیل (بزرگ) کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ نور و نکہت اور جمال کا مالک و خالق ہے۔ بعض نے اس کا معنی اپنے بندوں پر حسن کرم کرنے والا کیا ہے۔

[4] توحید و عبادت سے سرکشی کرنا اور حق کو قبول نہ کرنا۔

۴۸۸۰/۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَّ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَّ مَلِكٌ كَذَّابٌ وَّ عَائِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین اشخاص کے ساتھ اللہ تعالےٰ قیامت کے روز کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ ایک روایت میں[1] ہے کہ نہ ہی ان کی طرف نظر کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب[2] ہے، بوڑھا[3] زانی، جھوٹا[4] بادشاہ اور فقیر متکبر (مسلم)

[1] دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے۔

[2] اس سے مراد اللہ تعالےٰ کی عدم رضا اور ناراضگی ہے کیونکہ جو کسی سے ناراض ہو جاتا ہے وہ اس سے گفتگو نہیں کرتا، اس کی طرف دیکھتا نہیں اور نہ ہی اس کی تعریف کرتا ہے اور وہ تین اشخاص یہ ہیں۔

[3] باوجودیکہ وہ ایسے وقت میں ہے جس میں اسے توبہ کرنی چاہیے حیا کا پہلو غالب ہونا چاہیے اور شہوت میں کمی لیکن اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو یہ عمل بہ نسبت اس کی بے حیائی کی انتہا اور باری تعالےٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے

[4] جھوٹ ہر ایک سے ناز یبا ہوتا ہے لیکن بادشاہ کی کذب بیانی نہایت ہی مذموم ہے کیونکہ خلق خدا کے تمام معاملات اس کی زبان و فرمان سے متعلق ہوتے ہیں اور اس کا جھوٹ دفع ضرر اور حصول نفع کے لیے ہی ہو گا، اور حاکم بغیر جھوٹ کے بھی اپنا معاملہ نبھا سکتا ہے لہٰذا اس کا جھوٹ بولنا بدتر اور بے فائدہ ہو گا۔

ھ تکبر ہر ایک سے بُرا ہے مگر اس فقیر سے بر مال و منصب سے عاری ہو نہایت ہی بُرا ہے کیونکہ یہ اس کے خبث باطن اور ملبی کمینگی پر دال ہے۔

شعر: کبر زشت واز گدایان زشت تر
روز سرد و برف و آنگہ جامہ تر

تکبر بُرا ہے اور فقراء سے نہایت ہی بُرا جیسا کہ دن کا ٹھنڈا ہونا لیکن اگر کپڑے بھی تر ہوں تو زیادہ سردی ہو گی۔

بعض لوگوں نے عائل سے مراد خاندان کا وہ سربراہ مراد لیا ہے جو عیال کو اس طرح نقصان پہنچاتا ہے کہ ان کے حقوق پورے بھی نہیں کر سکتا اور اس پر مزید یہ کہ تکبر کرتے ہوئے صدقہ و زکاۃ وصول نہیں کرتے دیتا اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ مناسب رویہ اپناتا ہے۔ اللہ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے سوال کرنے سے حیا کرنا اور شئی ہے اور بوقت مجبوری تکبر کرتے ہوئے لوگوں کے احسان کو قبول نہ کرنا اور شئی ہے

۲۸۸۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت[1] میرا تہبند جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے[2] جھگڑا کرے گا میں آگ میں داخل کروں گا دوسری روایت ہے میں اسے آگ میں پھینک[3] دوں گا۔ (مسلم)

[1] اس سے یہ مثال دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالٰی کی خود تعزّز میں صفت کبریائی وعظمت کے ساتھ متصف ہے یہ دونوں صفات اس کا خاصہ ہیں۔ کسی کو ان میں شرکت کی مجال کہاں؟ البتہ جود و کرم اور مہربانی اس کی صفات ہیں اور مخلوق کو بھی اس سے حصہ ملا ہے اور ان صفات کے ساتھ کسی انسان کو مجازاً متصف کرنا جائز ہے لیکن ان دو صفات کے ساتھ اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کو مجازاً متصف کرنا بھی جائز نہیں۔ دو کپڑوں کے ساتھ اس لیے مثال دی کہ جس نے یہ دونوں پہنے ہوئے ہوں اسی کے ہوں گے، دوسرے کے لیے اس وقت پہننا ممکن نہیں ہوتا۔ کبریا اور عظمت لغت میں ہم معنی ہیں یعنی بڑا ہونا ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے ایک کو چادر اور دوسرے کو تہبند کہا گیا ہے اس لیے بعض علماء نے فرمایا کہ کبریا ذاتی صفت ہے اور عظمت اضافی یعنی حق تعالٰی اپنی ذات کے لحاظ سے کبیر و متکبر ہے خواہ دوسرا جانے یا نہ جانے لیکن عظمت یہ ہے کہ مخلوق کا اس کو بڑا جاننا ضروری ہے لہٰذا جو ذاتی صفت ہے وہ اضافی سے اعلیٰ و ارفع ہوگی چونکہ چادر تہبند سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اس کی شرح میں اور بھی گفتگو کی گئی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

[2] جو میرے ساتھ ان میں شرکت کا دعویٰ کرے گا۔

[3] ان الفاظ میں حقارت کا پہلو نمایاں ہے جس طرح مٹی کے ڈھیلے کو بے اعتنائی کے ساتھ پھینکا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۴۸۸۲ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سلمہ[1] بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنے آپ کو اونچا سمجھ[2] ہی سمجھتا ہے حتی کہ وہ جبارین میں لکھا[3] جاتا ہے اور اسے جبارین جیسا عذاب ہوگا۔[4] (ترمذی)

[1] یہ بڑے مشہور جرات مند اور دلیر صحابی ہیں تنہا لشکر پر اور پیدل حالت میں سواروں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

[2] نفس کی پیروی کرتے کرتے انسان تکبر کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے واپسی دشوار ہو جاتی ہے۔

[3] ان کے ناموں کی فہرست میں آجاتا ہے۔

[4] دنیا و آخرت میں اس کا انجام جبارین و متکبرین والا ہوتا ہے۔

۴۸۸۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشٰهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد گرامی اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر لوگ روز قیامت چیونٹیوں کی طرح جمع کیے جائیں گے[1] مردوں کی صورت میں اور ان پر ذلت ہی ذلت چھائی ہوگی انہیں دوزخ کے ایک قیدخانے کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس[2] ہے ان پر آگوں کی آگ چھا جائے گی اور انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔ (ترمذی)

[1] اس حدیث کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ خواری سے کنایہ ہے کہ وہ چیونٹیوں کی طرح میدان محشر میں لوگوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو رہے ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن اجسام کو ان اجزائے اصلیہ کے ساتھ لوٹایا جائے گا جو دنیا میں تھے چیونٹی کی صورت اور اس کا جسم اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اس لیے مردوں کی صورت کہا جس سے واضح ہوا کہ وہ چیونٹیوں کی شکل میں نہیں ہوں گے بلکہ اپنی شکل میں ہوں گے۔ اور ذلت کا چھا جانا بھی قرینہ ہے کہ مراد خواری و ذلت ہے۔ سیاق حدیث بھی اس پر دال ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ متکبرین کو چیونٹیاں بنا دیا جائے گا تاہم صورت انسانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اجزائے اصلیہ کو اس چھوٹے سے جسم میں لوٹا دے اور اس صورت میں ذلیل و خوار کرے۔

[2] بُولَس بارپیش بروزن واو ساکن لام پر زبر ہے۔ قاموس میں بار پر پیش بیان کیا ہے۔ یہ ابلس سے مشتق ہے جس کا معنی ناامیدی

اور تیز ہے ابلیس بھی اسی سے ہے۔

سے ۵ جس طرح آگ دوسروں کی نسبت سے ہے وہ آگ آگ کی نسبت سے ہو گی کہ وہ آگ کو بھی جلا دے گی، اَنْیار نار کی جمع ہے اصلاً انوار ہونی چاہیے کیونکہ جوف واوی ہے لیکن واؤ کو یاء سے اس لیے بدل دیتے ہیں تاکہ نور کی جمع کے ساتھ التباس نہ ہو جائے۔

سے ۴ طینۃ الخبال۔ یہ عصارۃ اہل نار کی تفصیل ہے اس لفظ کی تحقیق "باب الوعید علی شرب الخمر" میں گزر چکی ہے۔

:> ان صفات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آدمیوں کی شکل وجسم میں ہوں گے نہ کہ چیونٹیوں کی صورت میں ان کو ہانکا جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ جو جو صفات آدمی کے جسم میں ہیں مثلاً ادراک، احوال اور صفات وہ تمام کی تمام چیونٹی میں ہیں اور اشاعرہ کے نزدیک مزاج انسانی کے حصول کے لیے اس طرح کا جسم ضروری نہیں اور جیسے جزلا یتجزی میں حصول مزاج اور تعلق روح انسانی ممکن ہے تو چیونٹی میں بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے۔

۴۸۸۴ وَعَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطٰنِ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا يُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عطیہ بن عروہ السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ[1] شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا اور آگ پانی سے ٹھنڈی کی جاتی ہے تو تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرو۔ (ابوداؤد)

[1] جو غصہ خدا کے لیے نہ ہو کیونکہ وہ شیطان کے اغوا کرنے پر ہی ہو گا اور وہ آدمی میں سرایت کیے ہوئے ہو گا علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ جب غضب شیطان کی طرف سے ہوا تو اس سے ذکر و عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ طلب کی جائے اور ٹھنڈا پانی غصے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے کہ اس موقع پر ٹھنڈا پانی پی لینے سے بھی غصہ فرو ہو جاتا ہے۔

۴۸۸۵ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے حالانکہ وہ کھڑا ہو تو وہ بیٹھ جائے اگر غصہ ختم ہو جائے تو خیر اور نہ لیٹ[1] جائے۔ (مسند احمد، ترمذی)

[1] علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ غصہ کی وجہ سے وجود میں جو حرکت لاحق ہو گی اس کا ازالہ ہو جائے گا کیونکہ لیٹنے والا، بیٹھنے والے کی حرکت سے دور ہو جاتا ہے۔ اور قاعد قائم سے دور، اور ظاہر یہ ہے کہ اس طرح حالت میں تبدیلی جس سے سکون و آرام ہو ہیجان اور غضب کی دوری کا ذریعہ ہیں۔

۴۸۸۶ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ

بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِيَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالَ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْاَعْلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهَا وَلَهَا وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰى وَنَسِيَ الْمُبْتَدَاَ وَالْمُنْتَهٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّبُهَاتِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَقُوْدُهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُضِلُّهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رَغَبٌ يُذِلُّهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَا لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اَيْضًا هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

فرماتے ہوئے سنا برا بندہ وہ ہے جو غرور اور اکڑ کر چلے[1] اور بڑی شان والے کو بھول جائے[2] برا بندہ وہ بندہ ہے جو ظلم و زیادتی کرے[3] اور قہار اعلیٰ کو بھول جائے[4] برا بندہ وہ بندہ ہے جو بھول کر کھیل[5] میں لگ جائے۔ قبر اور گل سڑ جانے کو بھول جائے[6] برا بندہ وہ بندہ ہے جو تکبر کرے[7] اور حد سے تجاوز کرے اور اپنی ابتداء و انتہا کو بھول جائے، وہ بندہ برا ہے جو دنیا کو دین کے لیے دھوکہ دے[8]، وہ بندہ برا ہے جو شبہات سے دین کو بگاڑے[9] وہ بندہ برا ہے جسے ہوس اپنا بنائے[10] وہ بندہ برا ہے جسے خواہش نفس گمراہ کرے وہ بندہ برا ہے جسے خواہش[11] ذلیل کردے (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان اور کہا کہ اس کی سند قوی نہیں اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

[1] اپنے آپ کو اچھا و بہتر خیال کر کے تکبر کا اظہار کرے اور ناز کرے، مختال متکبر کو کہا جاتا ہے جھگڑالو خاص پیش، بار بار اپنے زعم میں بڑا بننا۔

[2] اس رب کو بھول جاتا ہے جو قدرت و طاقت میں سب سے غالب ہے:

[3] لوگوں پر ظلم کی انتہا کر دیتا ہے۔

[4] جو قدرت و عزت میں سب سے بلند ہے۔

[5] دین کا کام چھوڑ کر لہو و لعب میں لگ جاتا ہے۔

[6] سرکشی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر عمل نہیں کرنا۔

[7] کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا کس طرح وہ عاجز و ناتواں تھا اور اپنے انجام سے بے خبر ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

[8] طاعت و عبادات اس لیے کرتا ہے تاکہ دنیا اور اہل دنیا سے مال و دولت حاصل ہو گیا مکر و فریب کے ذریعے دولت حاصل کرتا ہے ختل کا لفظ مکر و فریب دینے کے معنی میں آتا ہے۔

[9] حرام کا تاویل کے ذریعے ارتکاب کرتا ہے تاکہ تاویل کے ذریعہ اپنے آپ کو دین دار بھی رکھے اور اہل دنیا کو دھوکہ بھی دے تاکہ لوگ کہیں کہ وہ دین دار ہے اور حرام سے بچنے والا ہے۔ اور اس طرح واضح حرام کا بھی ارتکاب نہیں کرتا تاکہ لوگ اسے دین سے خارج نہ سمجھنے لگ جائیں لیکن مشتبہات کو ذریعہ بناتا ہے تاکہ لوگوں پر معاملہ مشتبہ رہے اور اسے دین دار ہی تصور کرتے رہیں گویا دین کو فریب دیتا ہے۔

۱؎ وہ مخلوق سے طمع رکھتا ہے اور حرص اسے ہر اہل دنیا کے دروازے پر لے جاتی ہے۔
۲؎ اسے راہ دین سے دور لے جاتی ہے۔
۳؎ جو دنیا کی حرص و لالچ میں پاگل ہو جاتی ہے، کثرت مال کی طلب اسے ذلیل کرے اور عزت دین کو ذلت سے بدل دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۸۸۷ / ۱۳ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کے ہاں اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر گھونٹ۱؎ نہیں پیتا جو اللہ کی رضا کی خاطر پی لیا گیا۔ (مسند احمد)

۱؎ جُرعۃ جیم پر پیش پانی وغیرہ کا ایک گھونٹ، غیظ غصہ تھوڑا کرنا، کظم غصے کو پی جانا اصلاً مشک کا پُر ہونا اور دہانے کو باندھنے کے معنی میں آتا ہے۔

۴۸۸۸ / ۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاِسَاءَةِ فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمَهُمُ اللّٰهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ قَرِيْبٌ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی " ادفع بالتی ھی احسن "۱؎ کے بارے میں مروی ہے ۲؎ وہ بھلائی جو غصہ کے وقت اور برائی کے وقت معافی کر دینے لوگ جب ایسا کریں گے تو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت کرے گا اور ان کا دشمن ان کے سامنے پست ہو جائے گا گویا وہ قریبی دوست ہے۔
(بخاری نے تعلیقاً روایت کیا)

۱؎ پوری آیت کریمہ یہ ہے " وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ " (نیکی اور بدی جزا اور انجام میں برابر نہیں اور بدی کو نیکی کے ساتھ جو بہتر ہے دفع کرو) یعنی اگر کوئی تیرے ساتھ برائی کرتا ہے تو تو اس کے ساتھ نیکی کر۔ مصرعہ اگر مردی احسن الی من اساء
اگر تو مرد ہے تو ہر اس شخص کے ساتھ نیکی کر جو تیرے ساتھ برائی کرتا ہے یا مراد یہ ہے کہ نیک اعمال میں سے بہتر کو منتخب کر اس صورت میں معنی میں مبالغہ ہے اور الفاظ حدیث اس کے مناسب ہیں۔
۲؎ یعنی بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو صبر کرے اور اگر کسی سے زیادتی دیکھے تو درگزر کرے۔
۳؎ جب وہ اللہ تعالٰی کی رضا کے لیے ایسا کریں گے تو اللہ تعالٰی انہیں نفس اور دیگر مخلوق کے شر سے

محفوظ رکھے گا۔

سے یہ تفسیر آیت کے آخری حصہ کی ہے "فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" (پس جب تیرے اور اس کے درمیان عداوت ہو تو گویا وہ قریبی دوست ہے)

۴۸۸۹/۱۵ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت بہزؒ بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ ایمان کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جیسے کڑوے درخت کا شیرہ شہد کو تباہ کر دیتا ہے۔ (بیہقی)

لہ بہز، با پر زبر، ہا ساکن۔

سے ان کا نام معاویہ بن حیدہ ہے، حا پر زبر یا ساکن۔ اس سند میں اختلاف ہے مگر حق یہی ہے کہ صحیح ہے۔

سے الصبر، صاد پر زبر با مکسور، بعض اوقات ضرورت شعری کی وجہ سے با ساکن بھی پڑھی جاتی ہے۔ کڑوے درخت کے شیرے کو کہا جاتا ہے۔

۴۸۹۰/۱۶ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا اَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تواضع کیا کرو میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بلند فرما دیتا ہے وہ اپنے آپ میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا اور جو غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا اور اپنے نزدیک بڑا حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ہاں کتے اور سور سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے

لہ جو لوگوں کے ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر تواضع سے پیش آتا ہے۔

سے یعنی جو اپنے آپ کو کم سمجھتا ہے۔

سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی نگاہوں میں اسے بڑا بنا دیتا ہے۔

سے یعنی جو شخص تکبر کے طور پر اپنے آپ کو بڑا گنتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر ہوگا اور لوگوں کے ہاں ذلیل و رسوا اور تواضع کرنے والا اگرچہ اپنے آپ کو کم جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں وہ عظیم ہوتا ہے۔

۴۸۹۱/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ تیرے ہاں

قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ)

بندوں میں سے کون زیادہ عزت والا ہے۔ فرمایا جو قادر ہونے کے باوجود معاف کر دے۔ (بیہقی)

لہ جس نے اس کے ساتھ زیادتی کی اس پر انتقام لینے میں قادر تھا مگر معاف کر دیتا ہے۔

۴۸۹۲/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَہٗ سَتَرَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ کَفَّ غَضَبَہٗ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَی اللّٰہِ قَبِلَ اللّٰہُ عُذْرَہٗ ۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی زبان کو محفوظ کرلے اللہ تعالے اس کے عیوب پر پردہ ڈالدے گا اور وہ شخص جو اپنا غصہ روک لے اللہ تعالے قیامت کے روز اس سے عذاب روک لے گا اور جس نے اللہ تعالے کی بارگاہ میں عذر پیش کیا اللہ تعالے اس کا عذر قبول فرمائے گا۔ (بیہقی)

لہ جو آدمی اپنی زبان کو دوسرے لوگوں کے عیوب سے خاموش رکھے گا۔
لہ حالانکہ وہ اپنے دیگر گناہوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوگا تو اللہ تعالے عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔
لہ جو بھی اللہ کی بارگاہ میں عذر و معافی چاہے وہ معاف فرمادیتا ہے۔
سے اللہ تعالے بخشنے والا اور مددگار ہے، وہ کریم ہے گناہ معاف فرمانے والا اور عذر سننے والا ہے۔

۴۸۹۳/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَّثَلٰثٌ مُھْلِکَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضٰی وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُھْلِکَاتُ فَھَوًی مُّتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّھُنَّ ۔
(رَوَی الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الْخَمْسَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں نجات دینے اور تین ہلاک کر دینے والی ہیں۔ نجات دینے والی اللہ تعالے کا تقوی ہے خفیہ اور علانیہ خوشی و ناخوشی میں سچی بات کرنا، حالت امارت و فقر میں درمیانی راہ پر رہنا ہلاک کرنے والی نفسانی خواہش جس کی پیروی کی جائے بخل جس کی اطاعت ہو اور انسان کا اپنے آپ کو اچھا جاننا یہ ان سب سے سخت ہے۔ (بیہقی نے یہ پانچوں احادیث شعب الایمان میں ذکر کیں ہیں۔)

لہ عذاب سے نجات دینے والی اور دوسری تین آخرت میں ہلاکت میں مبتلا کر دینے والی ہیں۔
لہ مخلوق کے سامنے اور پوشیدہ اور ظاہر و باطن میں۔
لہ کسی سے راضی ہے یا ناراض رمثلاً فاسق سے نفع نظر آرہا ہے تو خلاف واقع اس کی مدح نہ کرے اور اگر کسی صالح سے تکلیف پہنچی ہے تو مذمت نہ کرے۔ دونوں احوال میں استقامت کا مظاہرہ کرے۔

؎ اسراف اور بخل میں سے بچتا ہے یا غنا و فقر کے اختیار کرنے میں معتدل ہے جیسا کہ کہا گیا ہے گزران کرنے کے لیے تھوڑے مال کا ہونا غنا و فقر دونوں سے افضل ہے۔

؎ اس طرح تابع نفس ہو جاتا ہے جس طرف وہ کہتا ہے چل پڑتا ہے۔ کامل ایمان یہ ہوتا ہے کہ نفس کی خواہشات اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی شریعت کے تابع ہوں۔

؎ آدمی کی طبیعت بخل و حرص سے خالی تو نہیں ہوتی لیکن وہ ایسا شخص ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس سے کبھی منہ نہیں موڑتا اور اس میں ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔

؎ اپنے اوپر خوش ہے اور اپنی صفات کو اچھا جانتا ہے اور اس سے تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔

؎ کیونکہ یہ ایک صفت ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالےٰ کے ساتھ اس کی کبریائی میں شریک بننے کی کوشش کرتا ہے۔

بَابُ الظُّلْمِ

۳۲۷۔ ظلم کا بیان

لغت میں ظلم کا معنیٰ شئی کو اس کے مخصوص محل کی بجائے دوسری جگہ رکھنا ہے، یہ نہایت ہی جامع لفظ ہے یہ اس فعل اور چیز کو شامل ہے جو حد سے تجاوز کر جائے۔ مناسب وضع پر واقع نہ ہو بلکہ زیادہ یا کم ایسے وقت یا بے جا واقع ہو ظلم و زیادتی بھی اس میں شامل ہے اکثر عرفاً اسی معنی میں ہے یعنی اس کی انتہا مراد ہو گی۔ صراح میں ظلم ستم کرنے میں معنی یہی ہے یہ بھی اس معنی مذکور کے مطابق ہی ہے۔ یہ ستم یا تو اللہ تعالےٰ کے حق میں ہو گا یا مخلوق و نفس کے حق میں، عام طور پر ستم کا لفظ مخلوق کے اس حق کے بارے میں بولا جاتا ہے جو دوسرے کے مال، عزت اور جان پر ناحق قبضہ اور جبر کیا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۸۹۴ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم و ستم کرنا قیامت میں تاریکیوں کا سبب ہے۔[1] (بخاری و مسلم)

؎ اس دن ظالم کو ہر طرف سے تاریکی گھیرے گی اور وہ نور مومنوں کو نصیب ہو گا اس سے ظالم محروم رہے گا۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (مومنوں کے دائیں اور آگے نور ہی نور ہو گا) یا تاریکیوں سے مراد وہ عقوبات اور سزائیں ہیں جو اسے میدان حشر اور دوزخ میں لاحق ہوں گی اور اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید سے مستعمل ہے

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ فرمایئے کون ہے جو تمہیں جنگلوں اور سمندروں کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔

۴۸۹۵ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَءَ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ۔ اَلْاٰيَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے[1] اور جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں[2] پھر یہ آیت پڑھی آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب اس نے ظالم بستی والوں کو پکڑا۔ (بخاری ومسلم)

[1] اور اس کی عمر لمبی کرتا ہے املاء مہلت دینا، رسی ڈھیلی کرنا۔
[2] نہ وہ عذاب الٰہی سے بھاگ سکتا ہے۔

۴۸۹۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَّ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا مَسَاكِنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مَّا اَصَابَهُمْ ثُمَّ قَنَّعَ رَاْسَهٗ وَاَسْرَعَ السَّيْرَ حَتّٰى اجْتَازَ الْوَادِيَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مقام حجر[1] سے گزرے تو فرمایا ان ظالموں[2] کے گھروں میں نہ جانا مگر اس حال میں تم روتے ہوئے جاؤ[3] اس خوف سے کہیں ان کی طرح تمہیں بھی عذاب[4] نہ پہنچ جائے پھر آپ نے سر ڈھاپ[5] لیا اور رفتار کو تیز فرمایا حتیٰ کہ اس وادی سے گزر[6] گئے۔ (بخاری ومسلم)

[1] حجر، حاء کے نیچے زیر، جیم ساکن، یہ اس جگہ کا نام ہے یہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی، غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے اتفاقاً وہاں سے گزر ہو گیا۔
[2] جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔
[3] ان کے احوال سے عبرت حاصل کرو اور یہاں سے غفلت کے ساتھ نہ گزرو بلکہ ان کے عذاب کو یاد کرکے گریہ کرو۔
[4] کیونکہ غافل ہونا اور عبرت حاصل نہ کرنا دل کی سختی اور عدم خشوع کی علامت ہے اور یہ عذاب کا محل بننے کا سبب ہوتا ہے یا مراد یہ ہے کہ ڈرو اور عبرت پکڑو کہیں ہمارے اندر بھی ان جیسے اعمال آ جائیں جس کی وجہ سے یہ عذاب آیا۔
[5] چادر کے ساتھ اور وہاں سے تیزی سے گزرے۔
[6] آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہاں سے پانی نہیں پینا، طعام نہیں کھانا حتیٰ کہ چار پایوں کے چارے کی اجازت نہ دی۔

۴۸۹۷ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی نے دوسرے پر ظلم[1] کیا ہے اس کی آبرو[2] یا کسی اور بارے میں تو اس سے آج[3] معافی مانگ لے اس سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہوں گے نہ درہم، اگر ظالم کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کی مقدار اس سے چھین لیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس پر مظلوم کے گناہ لاد دیے جائیں گے[4][5]

(بخاری)

[1] مَظْلِمہ لام کے نیچے زیر یعنی ظلم، وہ چیز جو دوسرے کے حق سے حاصل کی گئی ہو۔
[2] اس کی غیبت کی یا گالی دی یا اس کے خون و مال سے کچھ لیا۔
[3] دنیا میں۔
[4] اگر اس سے معافی ممکن ہو تو اللہ تعالے کے حضور توبہ کرے اور اس دوسرے شخص کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے۔
[5] یعنی قیامت کے روز ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال کر ان کی سزا ظالم کو دی جائے گی اور مظلوم اس عذاب سے بچ جائے گا جو ان گناہوں پر اسے ہونا تھا۔

۴۸۹۸ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَأْتِي وَقَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا صحابہ تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے[1] ہیں؟ عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم اور سامان نہ ہو۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آ[2]یا مگر اس نے کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا، کسی کو مارا پیٹا تو اس کی نیکیاں کچھ اس مظلوم کو دے دی جائیں گی، کچھ دوسرے کو، پھر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی[3] سے پہلے اگر نیکیاں ختم ہو گئیں تو مظلوموں کی خطائیں اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم)

۱؎ مفلس کا معنی کیا ہوتا ہے۔ بعض نسخوں میں عن المفلس ہے یعنی مفلس کون؟
۲؎ نقدی اور جنس مال اس کے پاس نہ ہو۔
۳؎ اس کے پاس عبادات کا ذخیرہ ہوگا۔
۴؎ اگر اس کے مظالم بڑھ جائیں۔

۴۸۹۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰى اَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوا الظُّلْمَ فِيْ بَابِ الْاِنْفَاقِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں حقوق اہل حق کو دلوائیں جائیں گے حتٰی کہ بغیر سینگ بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا (مسلم) اور حدیث جابر اتقوا الظلم باب الانفاق میں ذکر کی گئی ہے۔

۱؎ الجلحاء جیم پر زبر لام ساکن۔ وہ بکری جس کے سینگ نہ ہوں یعنی اس دن حقوق کی ادائیگی اس طرح ہوگی کہ انسان تو کجا وہ حیوانات جو مکلف نہیں ان سے بھی قصاص لیا جائے گا بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ قصاص مقابلہ ہوگا نہ کہ بطور تکلیف۔
۲؎ وہ حدیث جابر جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ اِتَّقُوا الظُّلْمَ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۵۰۰۰ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا تم نقال۱؎ بن کر یہ نہ کہو کہ اگر لوگوں نے بھلائی کی تو ہم بھلائی کریں گے اور لوگوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے اپنے آپ کو اس پر تیار کرو۲؎ کہ اگر لوگوں نے احسان کیا تو تم بھی احسان کرنا اور اگر وہ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرنا۳؎ (ترمذی)

۱؎ اِمَّعَۃً ہمزہ مکسور میم پر زبر مشدد، لوگوں کے تابع ہونا اور اپنی رائے کا نہ ہونا تا مبالغہ کے لیے ہے عورتوں کے لیے یہ لفظ مستعمل نہیں صراح میں ہے کہ یہ اس مرد ہر جائی کو کہا جاتا ہے یہاں مراد وہی ہے جو بعد میں تفسیر آرہی ہے۔
۲؎ توطین، وطن بنانا صراح میں اس کا معنی نفس کا کسی چیز پر دل رکھنا۔
۳؎ یعنی احسان کرنا کیونکہ ترک ظلم احسان ہوتا ہے (کذا قال الطیبی) یہ بھی احتمال ہے کہ اگر وہ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر وہ بدی کرتے ہیں تو اس کے برابر بدلہ لو یا حد سے تجاوز نہ کرو یعنی اعتدال پر رہتے ہوئے بدلہ لیا جائے یا معاف کرتے ہوئے بدلہ نہ لیں یا احسان کریں۔ اول عوام کا مرتبہ ہے۔ دوسرا خواص کا اور تیسرا اخص الخواص کا حضرت شیخ علی متقی اپنے

بعض رسائل میں تحریر کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی محبت کی شناخت ان چار چیزوں سے ہوتی ہے۔ جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہے وہ لوگوں کو بغیر کسی وجہ کے تکلیف دے گا اور جو اس درجہ کا نہ ہو وہ کسی کو اذیت دینے میں ابتدا نہیں کرے گا اور اگر کسی نے اسے اذیت دی تو وہ شریعت کے مطابق اس سے بدلہ لے گا اور حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور جس پر آخرت کی محبت غالب ہوگی اور دنیا کی کمزوری وہ ہر شخص کو معاف کردے گا جس نے اس پر ظلم کیا اور جس کو آخرت سے قوی تر محبت ہوگی وہ ظلم کے برابر ظالم پر احسان کرے گا اور یہ درجہ مقرب اور سچے لوگوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے حصہ عطا فرمائے۔

۴۹۰۱/۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ أَنِ اكْتُبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي. فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خط لکھا کہ مجھے کچھ وصیت تحریر فرمائیں لیکن زیادہ نہ ہو[1] انہوں نے سلام کے بعد لکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا[2] لوگوں کی ناراضگی پر تلاش کرے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ کفایت فرمائے گا اور اسے لوگوں کی تکالیف سے محفوظ کرے گا اور جو شخص لوگوں کی رضا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی[3] پر تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا۔ والسلام[4] (ترمذی)

لہ مختصر تحریر فرمائیں۔

ٰ۲ ایسا کام کرتا ہے جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اگرچہ لوگ دنیا داری کی وجہ سے خوش نہیں ہوتے تو کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا اور مخلوق کی تکالیف سے بھی اسے محفوظ فرمائے گا۔

ٰ۳ اسے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل نہ ہوگی تو اصل اللہ کی رضا ہے۔ اگر وہ حاصل ہوگی تو مخلوق بھی تابع اور خوش ہو جائے گی اور اگر وہ راضی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

ٰ۴ روایات میں ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ امیر المومنین نے ہنسنے اور زجر کی صورت میں فرمایا جا لوگوں کی دوکانیں لوٹ لو۔ ان کے گھروں کو صاف کردو اور لے کر کھاؤ عقیل کہنے لگے یہ تو جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا میں بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ جب میرے پاس آئے گا تو تمہیں بھی دے دوں گا۔ اس پر عقیل ناراض ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے حضرت عقیل کی بڑی قدر و منزلت کی اور بہت احسان کیے کیونکہ ان کا حضرت علی سے آجانا غنیمت تھا۔ ایک دن عقیل سے کہنے لگے ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ منبر پر کھڑے ہو کر ان احسانات و انعامات کا ذکر کریں جو میں نے آپ پر کیے ہیں تاکہ لوگوں

کو اطلاع ہو جائے کہ میں نے کیا کیا ہے حضرت عقیل منبر پر آگئے اور کہا اے لوگو حضرت علی اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور مجھ کو ناراض کر دیا اور معاویہ میری رضا چاہتے ہیں اور اسے خدا کی رضا سے مقدم جانتے ہیں اللہ مجھے نوازش کرے یا مگر اللہ ناراض ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت علی کی خدمت میں آگئے اور معافی مانگ لی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خط بھی اس چیز کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۰۲/۹ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَالِكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" جو لوگ ایمان لائے اور ان کا ایمان ظلم کے ساتھ ملتبس نہ ہوا[1] تو حضور کے صحابہ پر گراں ہوا اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟[2] آپ نے فرمایا کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا، اے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ بنا، یقیناً شرک عظیم ظلم ہے۔[3] دوسری روایت میں ہے کہ جو تم سمجھے ہو وہ مراد نہیں، اس سے مراد وہ ہے جو لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] آیت کا آخری حصہ یہ ہے اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (ایسے لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت پانے والے ہیں۔

[2] کیونکہ انہوں نے ظلم سے گناہ و معصیت مراد لیا تھا۔

[3] ہم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے گناہ نہ کیا ہو۔

[4] جب مطلق ظلم کا ذکر تھا تو اس سے مراد فرد کامل ہوگا اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تفسیر فرمائی ہے تو یقیناً باری تعالیٰ کی مراد بھی یہی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ شرک کا اختلاط ایمان کے ساتھ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ شرک ایمان کی ضد ہے۔ البتہ گناہ وغیرہ کا اختلاط ایمان سے ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے ظلم کو گناہ پر محمول کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شرک کا ایمان کے ساتھ اختلاط ہوا جیسے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اس کے ساتھ ساتھ بت پرستی کرتے اور اپنے بتوں کو وجود، خالقیت اور عبادت میں شریک کرتے اور یہاں شرک سے مراد عبادت میں شرک ہے۔ یہ نص قرآنی اس پر شاہد ہے "وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ"

میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہیں) یا اس سے مراد زبان سے ایمان کا اظہار اور دل میں شرک ہو جیسا کہ منافقین نے کیا تو انہوں نے ایمان ظاہری کو شرک باطن کے ساتھ مختلط کر دیا۔

۴۹۰۳ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت بدترین وہ شخص ہوگا جو دوسروں کی دنیا کی ناطر[۱] اپنی آخرت برباد کردے۔ (ابن ماجہ)

[۱] یعنی لوگوں پر ظلم کر کے دوسروں کے لیے دنیا حاصل کرتا ہے مثلاً عمال وقت، اس کا معنی بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا دار کی تعظیم حصول دنیا کے لیے کرتا رہا یہ ظلم ہے جس کی وجہ سے آخرت سے دوری ہوگئی۔ پہلا معنی بڑا واضح بلکہ متعین ہے۔

۴۹۰۴ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلٰثَۃٌ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ فَذَالِكَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا دفاتر[۱] تین ہیں ایک دفتر وہ ہے جسے اللہ معاف نہیں کرے گا وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنانا ہے۔ ایک دفتر وہ ہے کہ اللہ تعالٰی اسے نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ظلم کرنا ہے حتی کہ وہ ایک دوسرے سے بدلا لیں[۲] ایک دفتر ایسا ہے جس کی اللہ تعالٰی پرواہ نہیں کرتے وہ ظلم ہے جو بندوں کا اپنے اور رب کے درمیان[۳] ہے۔ اس کا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد ہے وہ چاہے عذاب دے یا چاہے تو معاف فرمادے[۴] (بیہقی)

[۱] دواوین "دیوان" کی جمع ہے۔ دال کے نیچے زیر، فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے اس سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سپاہیوں کے نام اور ان کے معاملات کو درج کیا جائے سب سے پہلے یہ کام امیر المومنین حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں کیا، اس بارے میں قرب اور جمع کا پہلو پایا جاتا ہے۔ یہاں دیوان کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں تمام اعمال نامے جمع ہوں گے۔ دیوان کا اصل دوّان تھا واو یا سے بدل گیا ہے کیونکہ دو واؤ جمع ہو گئے تھے ورنہ اس کی جمع دیاوین آتی (کذافی الصحاح) یہاں دیوان سے مراد اعمال نامے ہیں۔

[۲] وہ حکم ربانی کے مطابق قصاص لیں یا آپس میں راضی نامہ کر لیں۔ احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

[۳] یعنی حقوق اللہ میں کوتاہی ہو۔

[۴] واضح ہو گیا کہ حقوق العباد میں مواخذہ ہوگا، حقوق اللہ میں سے شرک معاف نہیں ہوگا اس کے علاوہ معافی کا تعلق اللہ تعالٰی

کی مشیت کے ساتھ رہے۔

۴۹۰۵ — وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّمَا يَسْأَلُ اللّٰهَ حَقَّهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی بددعا سے بچو وہ اللہ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالے کسی صاحب حق کا حق روکتا نہیں لے۔ (بیہقی)

لے اور اگر کوئی شخص اپنا حق چھوڑ کر دینا رسے کام لے تو نہایت عظیم درجہ ہوتا ہے۔

۴۹۰۶ — وَعَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت اوس بن شرحبیل لے رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو شخص کسی ظالم کا ساتھ اس کو طاقتور کرنے کے لیے دے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا لے۔ (بیہقی)

لے شرحبیل شین پر پیش، را پر زبر حا ساکن با کے نیچے زیر یہ صحابی ہیں اور ان سے اہل شام نے حدیث روایت کی ہے ایک اور صحابی ہیں جن کا اسم گرامی شرحبیل بن اوس ہے وہ حمص میں قیام پذیر رہے، اس حدیث کے راوی پہلے صحابی ہیں۔ (کذا فی الاصابہ)

لے وہ اسلام کے تقاضوں اور اصولوں سے دور چلا گیا۔

۴۹۰۷ — وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اِنَّ الظَّالِمَ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ بَلٰى وَاللّٰهِ حَتَّى الْحُبَارٰى لَتَمُوْتُ فِيْ وَكْرِهَا هُزْلًا لِظُلْمِ الظَّالِمِ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم حتیٰ کہ ظالم کے ظلم کی وجہ سے بٹیر بھی اپنے گھونسلوں میں مرجاتے ہیں لے۔ (یہ چار روایات۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کی ہیں)

لے یعنی ظالم اپنے علاوہ بھی انسان اور حیوانات کو نقصان دیتا ہے، حُباری حا پر پیش با مخفف مشہور پرندے کا نام ہے هُزلًا ہا پر پیش زا ساکن، یعنی اللہ تعالے ظالم کے ظلم کی وجہ سے بارش نازل نہیں فرماتا جس کے سبب جانور پیاس کی وجہ سے مرجاتے ہیں اور بطور خاص اس لیے مخصوص کیا ہے کہ یہ پانی اور دانے کے لیے بہت دور کا سفر طے کرتی ہیں، یہ مشاہدہ ہے کہ اس کے گھونسلے سے گندہ بردرزہ کا پھل برآمد ہوا جو بصرہ ہی میں پایا جاتا تھا حالانکہ اس کے ٹھکانے اور بصرہ کے درمیان کئی دن کا فاصلہ ہے نیز اس کے گھونسلے اور پانی کے درمیان کئی دنوں کی مسافت ہوتی ہے، جہاں سے یہ پانی حاصل کرتی ہے۔ بس ایسے جانور کا مرجانا قحط اور باران رحمت کے نہ ہونے کی دلیل ہے اور اس شخص کے کثرت

کا مطلب یہ تھا کہ بظاہر مظلوم کو نقصان پہنچتا ہے مگر درحقیقت ظالم اپنا نقصان کرتا ہے اور مظلوم تو جزا حاصل کرے گا اور اس کا انتقام بھی لے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس مقام کی وجہ سے اس میں عموم کی طرف متوجہ کیا اور ان کا یہ قول کسی حدیث رسول کا مضمون ہے یا انہوں نے اس سے استنباط کیا ہے کہ اس کے ظلم کی وجہ سے جب بارش نازل نہیں ہوتی تو اس سے لازم ہے کہ حیوانات کو نقصان ہو۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ

۳۲۷۔ نیکی کا حکم دینا

مَعْرُوْف معرفت سے ہے اس کا معنی پہچاننا اس سے مراد وہ شئے جو شریعت میں معروف ہو اور اس کے بارے میں شرعی حکم ہو جیسا معروف آدمی کو ہر کوئی جانتا ہے اس کے مقابل لفظ منکر ہے۔ کاف پر زبر جو پہچانا ہوا نہ ہو اور اس کے بارے میں شرعی حکم وارد نہ ہو جیسا کہ غیر معروف شخص کو کوئی نہیں جانتا۔ صراح میں ہے کہ نکرہ کاف مکسور معرفت کی ضد نا آشنائی کو کہا جاتا ہے' ماتن پر تعجب ہے کہ انہوں نے باب میں 'نہی عن المنکر' کے الفاظ ذکر نہیں کیے حالانکہ کتاب سنت میں اکثر مقامات پر ان دونوں کا ذکر متصلاً ہوا ہے۔ اس باب کے تحت جو احادیث آ رہی ہیں۔ ان میں نہی عن المنکر کی تصریح ہے لہٰذا ذکر امر بالمعروف کا اور دوسرے کا ذکر التزاماً تکلف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ کتاب و سنت نے اس کے درجات و مراتب بیان کیے ہیں جیسے کہ آ رہا ہے اگر کسی شخص نے واجب ادا کر دیا لیکن مخاطب نے قبول نہیں کیا تو قائل سے واجب ساقط ہو گیا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ شئے لوگوں پر بطور فرض کفایہ لازم ہے جو شخص قادر ہے اور اسے بجا نہیں لاتا تو وہ گنہگار ہوگا اور بعض پر یہ فرض عین بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی ایسا مقام ہے جہاں ایک ہی آدمی جانتا ہے دوسرے کو علم نہیں تو اب جاننے والے پر لازم ہو جاتا ہے' باقی امر بالمعروف کے لیے یہ شرط نہیں' آمر خود بھی اس پر عامل ہو اس کے بغیر بھی درست ہے کیونکہ اپنے آپ کو بھی امر کرنا واجب ہے اور دوسرے کو امر کرنا الگ واجب ہے۔ اگر ایک واجب ترک ہو رہا ہے تو دوسرے کو ترک کرنا مناسب نہیں اور آیت میں جو آیا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس سے مراد زجر و توبیخ ہے یہ مراد نہیں کہ وہ آمر ذکر کرے' البتہ اس میں شک نہیں کہ بہتر یہی ہے کہ پہلے خود عمل کرے تاکہ بات مؤثر ہو' امر بالمعروف و نہی عن المنکر صرف حکمرانوں پر ہی لازم نہیں اور نہ ہی کسی حکمران کا حکم ضروری ہے۔ یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے ہاں قتل کرنا' کوڑے مارنا وغیرہ یہ اہل حکومت کا ہی کام ہے' متفق علیہ چیز میں انکار ہوگا اگر شئے مختلف فیہ ہے تو اسے منکر قرار دینا مناسب نہیں خصوصاً اس مسلک پر جس میں ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے' امر بالمعروف میں نرمی اور حلیمی ضروری ہے' یہ کام فقط رضائے الٰہی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ نفس کی خاطر' تاکہ تاثیر ہو اور ثواب حاصل ہو۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے اجتماع میں کسی کو نصیحت کرنا

رسوا کرنے کے مترادف ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۹۰۸ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ[1] سے بدلے اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان[2] سے اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو دل سے[3] اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (مسلم)

لہ ماڑنا کھینچ لینا، توڑ دینا، بہا دینا اور ناراض ہونا مراد ہے۔

لہ سخت و سست کرنا۔

لہ دل میں ناپسند کرے اور دل میں تبدیلی کا عزم رکھے کہ اگر قدرت ہوئی تو زبان اور ہاتھ سے منع کروں گا اور اس کے فاعل کے ساتھ دل نفرت کرے۔

۴۹۰۹ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُدْھِنِ فِیْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَھَمُوْا سَفِیْنَۃً فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْ اَسْفَلِھَا وَصَارَ بَعْضُھُمْ فِیْ اَعْلَاھَا فَکَانَ الَّذِیْ فِیْ اَسْفَلِھَا یَمُرُّ بِالْمَآءِ عَلَی الَّذِیْنَ فِیْ اَعْلَاھَا فَتَاَذَّوْا بِہٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ یَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِیْنَۃِ فَاَتَوْہُ فَقَالُوْا مَا لَکَ قَالَ تَاَذَّیْتُمْ بِیْ وَلَا بُدَّ لِیْ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَنْجَوْہُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَھُمْ وَاِنْ تَرَکُوْہُ اَھْلَکُوْہُ وَاَھْلَکُوْا اَنْفُسَھُمْ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حدود الٰہیہ میں سستی[1] کرنے والے اور ان میں گرنے والے[2] کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ[3] ڈالا پس کچھ لوگ اس کے نچلے حصے میں رہے اور کچھ اوپر والے میں، نیچے والے پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزرے تو انہیں اس پر تکلیف[4] ہوئی تو انہوں نے کلہاڑی سے کشتی کے نیچے والے حصے کو توڑنا[5] شروع کر دیا۔ دوسروں نے کہا تمہیں کیا ہو گیا؟ کہا کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوئی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت[6] ہے سو اگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تو اسے بچالیں[7] گے اور خود کو بھی اور اگر چھوڑ دیں تو اسے اور خود کو بھی ہلاک کر لیں گے۔ (بخاری)

لہ مداہنت سستی کرنا۔

لہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے، مداہنت سے مراد یہ ہے کہ برائی کے مٹانے پر قدرت کے باوجود شرم یا بے حمیتی

یا جانب داری کی وجہ سے خاموش ہوتا ہے، اس کا معنی رشوت لینا بھی ہے۔ مداہنت اور مدارات دونوں کا ایک ہی معنی ہے شریعت میں مدارات کی رخصت ہے۔ یہ مذموم نہیں بلکہ بعض مواقع پر مستحسن ہے مدارات اور مداہنت میں فرق یوں کیا گیا ہے کہ مدارات میں ظالموں کے ظلم اور پریشانی کے وقت اپنے دین کی حفاظت کی جاتی ہے اور مداہنت میں نفس کے لیے لوگوں سے مختلف قسم کے منافع اور حصول دنیا کرتے ہوئے دین میں بے باکی کا اظہار ہے۔

سلہ کہ کون کس جگہ بیٹھے جیسا کہ لوگوں کا طریقہ ہے۔

سکہ نیچے والے اوپر والوں کے پاس سے جب بار بار پانی لینے کے لیے گزرتے تو انہیں تکلیف ہوتی۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہاں آب سے مراد بول و براز ہے کہ نیچے والے پیشاب وغیرہ کرکے اوپر دریا میں پھینکنے کے لیے گزرنے تو ان کو تکلیف ہوتی۔ یہ صورت بڑی واضح ہے۔

ھ تاکہ پانی حاصل کرے یا بول و براز وہاں سے نیچے گرا دیا جائے۔

سلہ یہاں تک تو واقعہ عادت و عرف کے مطابق بیان ہوا۔ اس کے بعد مداہنت کی مثال ہے۔

سکہ انجوہ باب افعال سے دنجوہ باب تفعیل سے اپنی ذات اور ڈوبنے اور ہلاکت سے محفوظ کرنا۔

شہ اسی طرح اگر کوئی فاسق و فاجر ہے اور اسے دوسرے منع نہیں کرتے تو اس کے ساتھ تمام گنہگار ہوں گے اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے عذاب سے بچیں تو اسے برائی سے روکیں۔

۴۹۱۰ وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُجَاءُ بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُہٗ فِی النَّارِ فَیَطْحَنُ فِیْھَا کَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاہٗ فَیَجْتَمِعُ اَھْلُ النَّارِ عَلَیْہِ فَیَقُوْلُوْنَ اَیْ فُلَانُ مَاشَانُکَ اَلَیْسَ کُنْتَ تَاْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَانَا عَنِ الْمُنْکَرِ قَالَ کُنْتُ اٰمُرُکُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْہِ وَاَنْھَاکُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاٰتِیْہِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کو لاکر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ آگ میں اس کی انتڑیاں جلد نکل پڑیں گی وہ اس طرح چکر کاٹے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، اہل دوزخ اکٹھے ہو کر پوچھیں گے اے فلاں! کیا بات ہے تو تو ہمیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا وہ کہے گا میں تمہیں نیکی کے بارے میں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود نہیں رکتا تھا۔

(بخاری و مسلم)

سلہ "اندلاق" کسی چیز کا جلدی سے باہر آنا جیسے تلوار کو نیام سے باہر نکالا جاتا ہے۔ "اقتاب" "قتب" کی جمع ہے قاف کے نیچے زیر۔ انتڑیاں۔

سکہ جس طرح گدھا چکر لگا کر اس زمین کو پامال کرتا ہے اسی طرح وہ شخص اپنی انتڑیوں کو روندے گا۔

سکہ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ خود عمل نہ کرنا اور دوسروں کو نصیحت کرنا عذاب کا سبب ہے اور سابقہ گفتگو میں

گزر چکا ہے کہ یہ عذاب عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ امر و نہی کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اگر یہ بھی نہ کرتا تو وہ عذاب کا بطریق اولیٰ مستحق ہوتا کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک کر دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

دوسری فصل

۴۹۱۱ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیکی کے کاموں کا حکم ضرور دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ[1] قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دے پھر تم دعا کرو لیکن اسے قبول نہ کیا جائے گا[2]۔ (ترمذی)

[1] یعنی ان دو میں سے ایک ہو گا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا عذاب۔ اگر تم عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نبھاؤ۔

[2] یعنی دیگر تکالیف و مصائب تو دعا سے ٹل جاتے ہیں مگر ان کے ترک کی وجہ سے جو عذاب آتا ہے وہ دعا سے بھی نہیں ٹلتا۔

۴۹۱۲ وَعَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِي الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عرس[1] بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین پر کوئی گناہ ہوتا ہے اور وہاں دوسرا موجود شخص اسے ناپسند کرتا ہے[2] تو وہ غائب کی طرح ہوتا ہے اور جو وہاں موجود نہیں تھا لیکن اس گناہ کو پسند کرتا ہے وہ تو موجود[3] کی طرح ہو گا۔ (ابوداؤد)

[1] عرس۔ یعنی عین پر پیش، را ساکن عمیرہ عین پر زبر میم کے نیچے زیر یا ساکن یہ کندی صحابی عدی بن عمیرہ کے بھائی ہیں۔ ان سے ان کے بھتیجے عدی بن عمیرہ اور زید بن حارث نے روایت کی ہے۔

[2] جب اسے ہاتھ اور زبان سے منع کی قدرت نہ ہو۔

[3] موجودگی اور غیر موجودگی دل کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ جسم کے ساتھ۔ جب موجود شخص دلی طور پر اسے ناپسند کرتا ہے تو وہ وہاں موجود نہیں اگرچہ بظاہر موجود ہو اور جو اس گناہ پر دل سے راضی ہوتا ہے وہ اگرچہ غائب ہے مگر اسے موجود ہی تصور کیا جائے گا۔

۴۹۱۳ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَاْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ وَفِی اُخْرٰى لَهٗ مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِیْ ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا يُوْشِكُ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ وَفِیْ اُخْرٰى لَهٗ مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِیْ هُمْ اَكْثَرُ مِمَّنْ يَّعْمَلُهٗ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو[ا] "اے ایمان والو! اپنی جان کی حفاظت کرو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کوئی گمراہ جب تم ہدایت پا جاؤ"۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ برائی کو دیکھ کر منع نہیں کریں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس[۲] کے عذاب میں مبتلا فرما دے۔ اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا اور ابوداود کے الفاظ ہیں کہ جب انھوں نے ظلم کی زیادتی دیکھی اور اس کے ہاتھ نہیں پکڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس قوم میں لوگ برائی کریں اور وہ لوگ اس کے مٹانے پر قادر ہوں مگر وہ نہ مٹائے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اس کے عذاب میں شامل کرے ایک اور روایت میں ہے کہ جن لوگوں میں برائی ہو اور حالانکہ وہ جگہ لوگ اس برائی کے کرنے والوں سے زیادہ ہوں[۳]۔

[ا] یعنی اگر تم اس آیت کو پڑھ کر اسے عموم پر محمول کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں تو یہ غلط ہے۔

[۲] جب نہی منکر کے ترک پر وعید وارد ہے تو اب اس کے ترک کا جواز کیسے ممکن ہے لہذا یہ آیت عام اور مطلق نہیں بلکہ مخصوص و مقید ہے اس بات کے ساتھ کہ لوگ اس برائی کو نہ سنیں اور ان میں اثر پذیری نہ ہو اور ہر آدمی اپنے آپ میں مغرور و متکبر ہو جب کہ آثار میں آخری زمانے کے لوگوں کے بارے میں آیا ہے مثلاً جب یہ آیت حضرت ابن مسعود کے پاس تلاوت کی گئی تو آپ نے فرمایا اس میں جو زمانے کی بات ہے وہ میرا اور تمہارا نہیں کیونکہ اس میں لوگ بات سن کر قبول کر لیتے ہیں لیکن آخری زمانے میں لوگ بات ہی نہیں سنیں گے اس آیت میں ایسے لوگوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور حدیث ابو ثعلبہ میں اسی طرح ہے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اِهْتَدَاد سے مراد نہی منکر ہے۔ یہ حدیث اس معنی کی تائید کر رہی ہے، ضرر سے مراد عذاب کا عام ہونا ہے بِاَنْفُسِكُمْ سے مراد مسلمان ہیں یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کی اصلاح اپنے اوپر لازم کر لیں تو کوئی ضلالت و معصیت نقصان نہیں دے سکتی کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کما حقہٗ ادا کر رہے ہوں گے۔

سے اس کا مقصد بھی قدرت ہی ہے کیونکہ اغلب یہی ہوتا ہے کہ اکثر لوگ انہی پر غالب ہوتے ہیں تو اصل مدار قدرت ہے خواہ لوگ کم ہوں یا زیادہ۔

۴۹۱۴ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جریر[1] بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی قوم میں ہو اور وہ اس میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہیں مگر منع نہ کیا تو انھیں موت سے پہلے اللہ تعالیٰ عذاب[2] میں گرفتار فرمائے گا[3]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

سلہ جَرِیر، جیم پر زبر اور را کے نیچے زیر

سلہ اس آدمی کو منع نہ کرنے کی وجہ سے عذاب دے گا اس مرد کی طرف سے یا اپنی طرف سے۔

سلہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کرنے کی وجہ سے دنیا میں ہی عذاب آتا ہے اور آخرت میں اس پر عذاب الگ ہوگا بخلاف دیگر گناہوں کے کہ ان کی وجہ سے دنیا میں عذاب کا آنا لازم نہیں ہوتا۔

۴۹۱۵ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰی اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًی مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْيِهٖ وَرَاَيْتَ اَمْرًا لَا بُدَّ لَكَ مِنْهُ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَامِّ فَاِنَّ وَرَاءَكُمْ اَيَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ فِيْهِنَّ قَبَضَ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِيْنَ رَجُلًا يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوثعلبہ[1] سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ کی قسم[2] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا[3] تو آپ نے فرمایا بلکہ وہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے ہیں[4] حتی کہ جب تم دیکھو لوگ بخل کی اطاعت کرتے ہیں اور خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور دنیا کو ترجیح دے رہے ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر فخر کر رہا ہے[5] اور ایسا معاملہ دیکھو جس[6] میں چارہ کار کوئی نہ ہو[7] تو تم پر اپنے آپ کو بچانا لازم[8] ہے اور لوگوں کے معاملہ کو چھوڑ دو[9] کیونکہ تمہارے پیچھے صبر کے دن ہیں[10] تو جس نے ان دنوں میں صبر کیا اس نے آگ کی چنگاری پکڑی، ان دنوں میں (نیکی پر) عمل کرنے والوں کے لیے پچاس آدمیوں[11] کے عمل جتنا ثواب ہے جو اس جیسا عمل کریں گے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ!

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان کے پچاس آدمیوں کے عمل جتنا؟ فرمایا تمھارے پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر اسے ثواب ملے گا۔ ؎۱۲

؎۱ ابوثعلبہ خشنی مشہور صحابی ہیں۔
؎۲ اس آیت کی تفسیر میں
؎۳ کیا اس آیت کی وجہ سے ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دیں گے۔
؎۴ ترک نہیں کرو گے۔
؎۵ اپنے مذہب کو اچھا جانے اور خود مفتی بن جائے اور علماء کی طرف رجوع ناپسند کرے
؎۶ ایسا عمل جس کی طرف تیری صفت ذمیمہ خواہشِ نفس کا اس طرح میلان ہو کہ اگر تو لوگوں میں آ جائے تو بحکم طبع اس میں تو واقع ہو جائے کذا قال الطیبی۔ بعض حواشی میں ہے کہ یہاں مراد عجز و ناتوانی کی وجہ سے نہی عن المنکر سے اعراض و سکوت ہے۔ یہ معنی اس کے موافق جو دوسرے نسخوں میں ہے۔
؎۷ لابد لک۔ تو اس پر قادر نہیں یا مراد یہ ہے کہ تجھے ایک کام نہایت ضروری ہے جس کے بغیر چارہ نہیں اگر اب تو امر و نہی کو بجا لائے تو وہ کام فوت ہو جاتا ہے۔
؎۸ ان صورتوں میں اپنے آپ کو معاصی سے محفوظ رکھے۔
؎۹ ان کے ساتھ تعرض نہ کرنا بلکہ گوشہ نشین ہو جانا۔
؎۱۰ ان ایام کی ابتداء خلفائے راشدین کے بعد آج تک ہے۔
؎۱۱ ایسے پچاس جو ان حالات میں مبتلا نہ ہوئے اور نہ ان دنوں میں موجود ہیں۔
؎۱۲ اس حدیث سے آخری دور کے لوگوں کا مذکورہ حیثیت سے صحابہ کرام سے افضل ہونا لازم آ رہا ہے جس کے جواب میں علماء نے فرمایا ہے کہ جزء کی فضیلت، کل کی فضیلت کے منافی نہیں۔ شیخ عمرو بن عبداللہ صاحب استیعاب (جو کہ مشاہیر محدثین میں سے ہیں) نے اس مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے لکھا ممکن ہے صحابہ کے بعد کوئی شخص پیدا ہو جس کا مرتبہ بعض صحابہ کے برابر یا بلند ہو اور مذکورہ حدیث جیسی حدیث کو اس پر بطور دلیل لاتے ہیں۔ جمہور علماء کا مختار اس کے خلاف ہے۔ شیخ مذکور کا اختلاف جمہور سے ان صحابہ کے بارے میں جو ایمان لائے اور اپنے وطن واپس چلے گئے ان صحابہ کے بارے میں نہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں شب و روز رہتے اور صحبت مبارکہ کے انوار و آثار سے مستفید ہوتے۔ اس کے باوجود شرفِ صحبت نبوی تمام صحابہ میں ہے اور اس فضیلت میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں قوت القلوب میں ہے کہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو ایک نظر پڑ جاتی ہے اس سے وہ انکشافات ہوتے اور کام بنتے ہیں جو دوسروں کو زندگی بھر کے چلوں سے نصیب نہیں ہوتے۔

۴۹۱۶ / ۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَامَ — حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ وَكَانَ فِيْمَا قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ، أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ وَذَكَرَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهٖ فِي الدُّنْيَا وَلَا غَدْرَ أَكْبَرُ مِنْ غَدْرِ أَمِيْرِ الْعَامَّةِ يُغْرَزُ لِوَاؤُهٗ عِنْدَ اسْتِهٖ قَالَ وَلَا يَمْنَعَنَّ أَحَدًا مِّنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَّقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهٗ.

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دیتے ہوئے عصر کے بعد کھڑے ہوئے اور تا قیامت ہونے والے واقعات میں سے کسی کو نہیں چھوڑا بلکہ ہر شے بیان فرمادی یاد رکھا جس نے یاد رکھا بھول گیا جس نے بھلا دیا اور اس میں آپ نے فرمایا ہے دنیا میٹھی سبز ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ دیکھے تم کیا عمل کرتے ہو سنو! دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو اور فرمایا بے شک ہر دغا دینے کے لیے قیامت کے دن اس کا دنیا میں دغا دینے کی مقدار جھنڈا ہوگا اور حاکم عام کے دغا دینے سے بڑھ کر اس کا دغا دھوکہ نہ ہوگا اور اس کی دغابازی کا جھنڈا پاخانے کی جگہ کے قریب گاڑ دیا جائے گا اور تم میں سے کسی کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جب کہ وہ اس پر مطلع ہو جائے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنْ رَأٰى مُنْكَرًا أَنْ يُّغَيِّرَهٗ فَبَكٰى أَبُوْ سَعِيْدٍ وَقَالَ قَدْ رَأَيْنَاهُ فَمَنَعَتْنَا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ نَّتَكَلَّمَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ أَلَا إِنَّ بَنِيْ آدَمَ خُلِقُوْا عَلٰى طَبَقَاتٍ شَتّٰى فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ كَافِرًا وَيَحْيٰى كَافِرًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ كَافِرًا وَيَحْيٰى كَافِرًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا، قَالَ وَذَكَرَ الْغَضَبَ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ سَرِيْعَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْءِ فَإِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ بَطِيْءَ الْغَضَبِ بَطِيْءَ الْفَيْءِ فَإِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرٰى وَخِيَارُكُمْ مَنْ يَّكُوْنُ بَطِيْءَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْءِ وَشِرَارُكُمْ مَنْ يَّكُوْنُ

ایک روایت میں ہے کہ اگر برائی کو دیکھے تو اسے روک دے، حضرت ابو سعید رو پڑے اور فرمایا: کہ ہم اس برائی کو دیکھتے ہیں مگر لوگوں کی ہیبت (ڈر) ہمیں اس کے بیان کرنے سے روک دیتی ہے پھر فرمایا اولاد آدم مختلف طبقوں میں پیدا کیے گئے ہیں تو ان میں سے بعض ایمان کی حالت میں پیدا ہوتے اور مومن ہی زندہ رہتے اور ایمان پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ان میں سے بعض کفر کی حالت میں پیدا ہوتے اور کفر پر ہی زندہ رہتے ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے غصے کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے بعض کو غصہ آتا ہے اور جلد ہی غصہ چلا جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان میں سے بعض کو غصہ دیر سے آتا ہے اور دیر سے ختم جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے اور تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جسے دیر سے غصہ آئے اور جلد چلا جائے

سَرِيْعَ الْغَضَبِ بَطِيْءَ الْفَيْءِ ۔ قَالَ اتَّقُوا الْغَضَبَ فَإِنَّهُ جَمْرَةٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلٰى انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَيْنَيْهِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ فَلْيَضْطَجِعْ وَلْيَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ قَالَ وَذَكَرَ الدَّيْنَ فَقَالَ مِنْكُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ حَسَنَ الْقَضَاءِ وَاِذَا كَانَ لَهُ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ سَيِّئَ الْقَضَاءِ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَجْمَلَ فِي الطَّلَبِ فَاِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰى وَخِيَارُكُمْ مَّنْ اِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ اَحْسَنَ الْقَضَاءِ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَجْمَلَ فِي الطَّلَبِ وَشِرَارُكُمْ مَّنْ اِذَا كَانَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ اَسَاءَ الْقَضَاءَ وَاِنْ كَانَ لَهُ اَفْحَشَ فِي الطَّلَبِ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رُءُوْسِ النَّخْلِ وَاَطْرَافِ الْحِيْطَانِ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهَا اِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَّوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور تم میں سے بہت برا وہ شخص ہے جسے جلد غصہ آئے اور دیر سے جائے ۔ فرمایا غصے سے بچو کیونکہ غصہ ابن آدم کے دل پر چنگاری[1] ہے کیا تم نے نہیں دیکھا اس کی رگوں کا پھولنا اور اس کی آنکھوں کی سرخی کو، تو جو شخص غصہ محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ پہلو کے بل لیٹ جائے اور زمین کے ساتھ لپٹ جائے[1] ۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے قرض کا ذکر فرمایا[2] ۔ فرمایا تم میں سے کوئی قرض احسن طریقے سے ادا کر دیتا ہے مگر جب اس نے کسی سے اپنا قرض لینا ہوتا ہے تو لینے میں فحش گوئی[3] (درشتی) کرتا ہے دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں ۔ اور ان میں سے کوئی شخص قرض ادا کرنے میں بڑا ہے لیکن اگر اس نے کسی سے اپنا قرض لینا ہو تو لینے میں اچھا ہے[3] پس یہ ایک دوسرے کے مقابل ہے اور تم میں سے بہترین شخص وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو قرض ادا کرنے میں اچھا ہے اور اگر اس نے کسی سے اپنا قرض لینا ہو تو لینے میں بھی اچھا ہو اور تم میں بُرا وہ شخص ہے جب اس پر کسی کا قرض ہو تو ادا کرنے میں بُرا ہو اور اپنا قرض لینے کا معاملہ ہو تو فحش گوئی کرتا ہو یہاں تک کہ سورج کھجور کے درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک باقی[4] رہ گیا ۔ نیز آپ نے فرمایا ہاں نہیں باقی رہا دنیا کی زندگی کا وہ وقت جو گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں ہے مگر جتنا آج کے دن کا بقیہ وقت باقی ہے گزرے ہوئے دن سے ۔

[1] قواعد مہمات دین یا اکثر کو کل کہہ کر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ۔
[2] ذکر تو اشیاءِ کثیرہ کا ہوا مگر بعض یاد رہیں اور بعض بھول گئیں ۔
[3] طبیعت میں اس کا ذائقہ میٹھا اور لذیذ ہوتا ہے ۔
[4] اہلِ ظاہر کی نظر میں اس کی صورت نہایت زیبا اور تر و تازہ ہوتی ہے بعض شارحین نے کہا کہ عرب نرم چیز کو خضر کہتے ہیں کیونکہ اسے خضراوات کے ساتھ تشبیہ حاصل ہوتی ہے یعنی اس کی سبزی و تر و تازگی جلدی زائل ہو جاتی ہے اور

ناپائیدار ہے یہاں مقصد دنیا کی بے وفائی اور مکر کو بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی جھوٹی لذات اور شہوات اور حسن وجمال میں پھنسا کر جکڑ دیتی ہے، فنا ہو جاتی اور ساتھ نہیں دیتی۔

ف۵ اس میں وضاحت ہے کہ یہ اموال اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ہیں اور بندے اس میں تصرف کرتے ہیں اس کے بطور خلیفہ ووکیل کے ہیں یا تم ان لوگوں کے خلیفہ ہو جو پہلے زمین پر آباد تھے اور یہ اشیاء ان کے قبضہ میں ہیں۔

ف۶ تم ان اموال میں کیسے تصرف کرتے ہو؟ یا تم سابقہ لوگوں سے کیا عبرت حاصل کرتے ہو اور ان کے اموال میں کیسے تصرف کرتے ہو؟

ف۷ اور ان کی رغبت اور شہوت سے

ف۸ غدر کا اکثر اطلاق خروج وتغلب امام وقت سے عہد شکنی کے لیے ہوتا ہے ہر ایک کی عہد شکنی کے مطابق وہاں چھوٹا و بڑا جھنڈا ہوگا جس سے اس کی اس برائی کی شناخت ہو رہی ہوگی۔ یہ بھی منقول ہے کہ روز قیامت ہر داعی خواہ حق کا ہو یا باطل کا ہر ایک کے لیے علم ہوگا جس کے ذریعے اس کی پہچان ہوگی۔

ف۹ امیر عامہ سے مراد وہ امیر ہے جس کا تغلب ہو اور وہ مسلمانوں کے امور، ان کے شہروں پر ان کا تسلط ہو اور عام لوگوں نے انھیں امیر بنایا ہو، خواص، اہل حل وعقد علماء اور داعیان عصر کے مشورہ کے بغیر ان کے خلاف اٹھنا عہد شکنی ہے

ف۱۰ غزر، غین اور زاء گاڑنا، است، ہمزہ کے نیچے زیر، سین ساکن، حلقہ دبر

ف۱۱ کلمہ حق کہنے میں ترس وملاحظہ نہیں کرنا چاہیے بشرطیکہ ہلاکت کا خوف نہ ہو اگر وہاں بھی خوف نہ کرے تو یہ عزیمت کی راہ ہے۔

ف۱۲ جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں

ف۱۳ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو امیہ کی امارت وغلبہ تک باقی رہے جب واقعہ حرہ پیش آیا اور بدبخت یزید نے مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کی اور اس شہر مبارک کی بے حرمتی کی اس وقت بھی آپ موجود تھے اور بڑی بڑی تکالیف اٹھائی تھیں ۶۴ھ میں آپ کا وصال ہوا اس وقت عمر اسی سال تھی۔

ف۱۴ صراح میں ہے طبق کا معنی لوگوں کا گروہ

ف۱۵ عقلاً اور اقسام بھی بن سکتی ہیں لیکن یہاں مقصود اصل ایمان وکفر پر موت ہے۔

ف۱۶ تھوڑی سی چیز کی وجہ سے جلدی غصہ کرتے ہیں اور اس سے جلدی باز آجاتے ہیں۔

ف۱۷ اگرچہ جلدی غصہ آنا قبیح ہے مگر اس سے جلدی لوٹنا حسن ومحمود ہے۔ اس کا حسن، قبح کے مقابل ہے لہذا یہ شخص مطلقاً نہ مستحق مدح ہے اور نہ مستحق ذم بلکہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

ف۱۸ وہ جلدی غصہ میں نہیں آتا اور غصہ اس کا دیر تک رہتا ہے۔

ف۱۹ اگرچہ دیر سے غصہ کا آنا حسن ہے لیکن دیر سے جانا مذموم ہے یہ شخص بھی درمیانی درجہ رکھتا ہے۔

ف۲۰ کیونکہ روح حیوانی میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی شدت حرارت جس کا مرکز دل ہے، بدن میں سرایت

کرجاتی ہے ۔

سے۲۱ وہ حرارت کا انتزا اور بخاراتِ غلیظہ کا اٹھنا ہے جو ترجیح جانے کا سبب بن جاتا ہے ۔

سے۲۲ البود، صراح میں ہے باء پر پیش، زمین کے ساتھ چپک جانا، باب الغضب میں گندرا، اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس کی وجہ معلوم ہے اور اس میں شک نہیں کہ پہلو کے بل لیٹ جانا زیادہ مؤثر ہے

سے۲۳

سے۲۴ یہ شخص اداءِ دین میں درست لیکن طلبِ دین میں بد ہے ۔

سے۲۵ یہ اداءِ دین میں بد لیکن طلبِ دین میں اچھا ہے ۔

سے۲۶ حضورؐ نے خطبہ میں یہ نعمتیں فرمائیں ۔

سے۲۷ یعنی وہ اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہو گیا ۔

۴۹۱۷/۱۰ وَعَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّهْلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يُعْذِرُوْا مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

ابو البختری نے ایک صحابی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ ہرگز ہلاک نہیں کیے جائیں گے یہاں تک کہ اپنے آپ کو معذور بنا لیں
(ابوداؤد)

سے۱ یعذروا، یاء پر پیش، عین ساکن، ذال کے نیچے کسرہ، از اعذار، گناہوں اور عیوب کا زیادہ ہونا، قاموس میں ہے اعذر فلان کا معنی کہ جس کے گناہ اور عیوب زیادہ ہیں اس کلمہ کی حقیقت یہ ہے کہ اعذار بمعنی سلب وازالۂ عذر ہے جب کسی کے گناہ وعیوب زیادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا اس کو عذاب دینے اور لوگوں کا اسے برائیوں سے منع نہ کرنا سبب عذر نہ ہوگا لہٰذا وہ سلب وازالہ کثرت ذنوب وعیوب کی وجہ عذر کا سلب وازالہ ہو جائے گا، اعذار بمعنی صاحب عذر کا ہلاک ہونا بھی ہے یہ معنی بھی یہاں درست ہو سکتا ہے یعنی لوگ نہیں ہلاک ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنی مشکل کو دور کرنے کے لیے متعدد غلط قسم کے اعذار پیش کریں گے۔ بعض روایات میں یعذروا یا پر فتحہ بھی آیا ہے از عذر، عین پر زبر بمعنی معذور رکھنا اور معنی یہ ہوگا کہ لوگ ہلاک نہ ہوں گے یہاں تک کہ ان پر کثرتِ ذنوب کی وجہ سے ملامت کرنے والے معذور اور صواب پر ہوتے ہیں تینوں صورتوں میں معنی یہ ہوا کہ لوگ ذنوب اور برائیوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہلاک ہوں گے اور اس وجہ سے وہ زجر و منع اور نہی کا محل ٹھہرے ۔

۴۹۱۸/۱۱ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ الْكِنْدِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا مَوْلًى لَنَا أَنَّهُ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ

عدی بن عدی الکندی سے۱ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے ایک مولی نے حدیث بیان کیا کہ اس نے میرے جد سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا

ظَهْرَانِيهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ ۔ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان بُرے اعمال ہوتے ہوئے دیکھیں[۲] اور وہ ان (بُرے کاموں کے) روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو جس وقت وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ عام اور خاص سب کو اکٹھا عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے ۔

[۱] الکندی، کاف کے نیچے زیر۔ کندہ بمعنی قبیلہ، تابعی ثقہ ناسک فقیہ ان کے دادا عدی بن عمیرہ صحابہ میں سے ہیں ان سے اور اپنے چچا عرس بن عمیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حضرت ایوب اور عطا خراسانی نے روایت لی ہے ۔

[۲] اگر قوم میں سے کچھ لوگ گناہ کا ارتکاب کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے مطابق دوسرے کو اس پر عذاب نہ ہوگا ۔

[۳] مخصوص لوگوں کو بسبب ارتکاب معصیت اور عام لوگوں کو برائی سے منع نہ کرنے اور اسے بُرا نہ جاننے کی وجہ سے ۔

۴۹۱۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ فِي الْمَعَاصِيْ نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوْا فَجَالَسُوْهُمْ فِيْ مَجَالِسِهِمْ وَاٰكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تَاْطِرُوْهُمْ اَطْرًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَّلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنو اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے ان کے علماء نے انھیں روکا تو وہ نہیں رُکے تو ان کے علماء نے ان کی مجلسوں[۱] میں بیٹھنا شروع کر دیا اور وہ ان (بُرے لوگوں) کے ساتھ کھاتے پیتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کے بعض کے دلوں کو بعض سے ملا دیا[۲] اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبان بیان کی لعنت فرمائی ۔ اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے[۳] ۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھے اس حال میں کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا[۴] قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم ان کو ظلم کرنے سے پوری طرح روک[۵] دو ۔

اور ایک روایت میں ہے فرمایا[۶] ہرگز نہیں ۔ خدا کی قسم! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور ضرور بالضرور برائی سے

لَعَنَهُمْ ۔

روکو گے اور البتہ ضرور بالضرور تم ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور ضرور بالضرور اسے حق کی طرف کھینچ لو گے اور اسے تم حق پر قائم رہنے پر مجبور کر دو گے اور اللہ تعالیٰ تم سے بعض کے دلوں کو بعض سے ملا دے گا پھر وہ ضرور بالضرور تم پر لعنت کرے گا جیسا اس نے دوسروں پر لعنت کی تھی ۔

سلہ یعنی انھوں نے مداہنت سے کام لیا اور ان بروں کے ساتھ میل جول اور اختلاط اختیار کیا۔ اکلوہم، ہمزہ محدودہ از باب مفاعلہ، بعض نسخوں میں وکلوہم ہمزہ کی جگہ واؤ ہے یہ بھی ایک لغت ہے لیکن نادر ہے اور مشہور اٰکُلُوْھُم ہے۔

سلہ آیت مبارکہ کا آخری حصہ ہے وَکَانُوْا لَایَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (لوگ جو برائی کرتے تھے اس پر انھیں وہ منع نہیں کرتے تھے)

سلہ آپ بطور اہتمام و اظہار اور اہمیت کی وجہ سے تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے ۔

سلہ یعنی وہ عذاب سے نجات نہیں پاتے

سلہ یعنی انھیں معاصی سے روکنا۔ اَطْرٌ کا معنی ٹیڑھا اور مائل ہونا ہے۔ اَطَرْتَ الْقَوْسَ (میں نے قوس کو دہرا کر دیا) اطار ہمزہ کے نیچے کسرہ، ڈھول کی رسی اور گھوڑے اور گدھے کے سم کو کہا جاتا ہے اور ہر وہ چیز جو کسی کا احاطہ کرے ۔

سلہ عذاب یا مداہنت سے نجات نہیں پائیں گے ۔

سلہ ان میں سے بعض سے دو میں سے ایک شی کا قطعاً صدور ہوا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا ان سے اختلاط اور ان پر لعنت ؟

۴۹۲۰ ۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ. قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِيْ رِوَايَتِهِ قَالَ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج کچھ مردوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں اے جبریل؟ انھوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں یہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھلا دیتے تھے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو دوسروں کو کہتے تھے خود نہیں کرتے تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے تھے اور خود عمل ۔

وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ ۔

نہیں کرتے تھے ۔

سلہ لوگوں کو عمل کا درس دیتے مگر خود عمل نہ کرتے تھے ۔

۴۹۲۱ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتِ الْمَائِدَةُ مِنَ السَّمَاءِ خُبْزًا وَّلَحْمًا وَاُمِرُوْا اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِغَدٍ فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا وَرَفَعُوْا لِغَدٍ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان سے روٹی اور گوشت والا دسترخوان اتارا گیا اور حکم دیا گیا کہ نہ خیانت کرنا اور نہ کل کے لیے جمع کرنا تو انھوں نے خیانت کی اور ذخیرہ بھی کیا اور انھوں نے اٹھایا پس وہ تبدیل کر دیے گئے بندروں اور سوروں کی شکلوں میں ۔

سلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۲۲ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ تُصِيْبُ اُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ سُلْطَانِهِمْ شَدَائِدُ لَا يَنْجُوْ مِنْهُ اِلَّا رَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَجَاهَدَ عَلَيْهِ بِلِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَقَلْبِهٖ فَذٰلِكَ الَّذِيْ سَبَقَتْ لَهُ السَّوَابِقُ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَصَدَّقَ بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَسَكَتَ عَلَيْهِ فَاِنْ رَاٰى مَنْ يَّعْمَلُ الْخَيْرَ اَحَبَّهٗ عَلَيْهِ وَاِنْ رَاٰى مَنْ يَّعْمَلُ بِبَاطِلٍ اَبْغَضَهٗ عَلَيْهِ فَذٰلِكَ يَنْجُوْ عَلٰى اِبْطَانِهٖ كُلِّهٖ ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کو آخری زمانے میں ان کے حکمرانوں سے سخت تکالیف پہنچیں گی، ان سے نجات وہی شخص پائے گا ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی پہچان دی ہوگی پس اس نے اپنی زبان، ہاتھ اور دل کے ساتھ اس پر جہاد کیا ۔ یہ وہ شخص ہے جو پوری طرح سبقت لے گیا اور دوسرا وہ آدمی نجات پائے گا جس نے اللہ کے دین کو پہچان لیا اور اس کی تصدیق کی اور وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو پہچان لیا اور اس پر خاموش رہا تو اگر اس نے کسی کو نیکی کرتے دیکھا تو اس سے محبت کرنے لگا اور اگر اس نے کسی کو دیکھا برائی کرتے ہوئے وہ اس سے ناخوش ہوا تو یہ سب نجات پا جائیں گے اس کی باطنی حالت کی وجہ سے ۔

سلہ برائیوں کے مشاہدہ اور استماع باطل کے بارے میں

۲ سلہ دین الٰہی کو بتمام وکمال جانتا ہوگا اور اس پر استقامت کرے گا ۔

۱ اسی شخص کو دنیا وآخرت کی سعادت حاصل ہوگی، جزا، ثواب، توفیق وطاعت وعبادت میں وہ سبقت لے جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی (بیشک وہ لوگ جو سبقت لے گئے ان کیلیے ہماری طرف سے سبقت ہے) اس طرف اشارہ ہے، سابقہ فضیلت فلسلہ کو کہتے ہیں جو شخص کسی کام سے دوسروں سے سبقت لے جائے اسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کام میں سابقہ ہے

۲ یہ پہلے سے ایک درجہ کم ہے اور زبان و دل سے جہاد کرتا ہے نہ کہ ہاتھ سے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ لفظ تصدیق آیا ہے جو دل کا عمل اور زبان اس کی ترجمان ہے ان دونوں کو تصدیق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳ یہ تینوں افراد دین کی معرفت رکھنے والے مختلف درجات رکھتے ہیں۔ اول سابق، ثانی مقتصد، نیز ظالم جیسا کہ آیت کریمہ ہے فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات، تیسرے کو بہت زیادہ تقصیر کرنے والے ظالم، دوسرے کو درمیانہ اور اول کو سابق یہ تینوں برگزیدہ درگاہ ہیں کیونکہ آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ۔

۴۹۲۳ (۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں شہر کے رہنے والوں کو الٹا دو، عرض گذار ہوئے اے رب ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ راوی نے کہا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس پر اور ان پر الٹا دو کیونکہ اس کا چہرہ ایک لمحہ کے لیے بھی (برائی دیکھ کر) متغیر نہیں ہوا تھا۔

۱ فلاں شہر جس کی یہ صفات ہیں ان کو باشندوں سمیت الٹ دے۔

۲ میری اور میرے دین کی محبت میں ایک گھڑی بھی انھیں غیرت نہ آئی اور یہ گناہ عظیم ہے یہی وجہ ہے کہ اس بندے پر عذاب کا ذکر دوسروں سے پہلے کیا پہلے علیہ کہا پھر علیہم، تمعر غصہ کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدل جانا۔

۴۹۲۴ (۱۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَسْاَلُ الْعَبْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ مَالَكَ اِذْ رَاَيْتَ الْمُنْكَرَ فَلَمْ تُنْكِرْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُلَقَّى حُجَّتَهُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ خِفْتُ النَّاسَ وَرَجَوْتُكَ۔ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل قیامت کے دن بندے سے سوال کریگا فرمائے گا تجھے کیا ہو گیا تھا جب تو برائی دیکھتا تھا تو اسے روکتا نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حجت سکھا دی جائیگی تو وہ عرض کرے گا اے رب لوگوں سے ڈرتے ہوئے ۱ اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہوئے۔

۱ لوگوں کے شر اور زیادتی سے ڈرتا تھا اس لیے انھیں کچھ نہ کہا اور برائی کو نہ روکا لیکن تجھ سے مغفرت کا امیدوار ہوں اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ لوگوں کے غلبہ اور سطوت کی وجہ سے نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہ کرنا جائز ہے اور اس میں

بخشش کی امید بھی رکھی جا سکتی ہے۔

۴۹۲۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ اِنَّ الْمَعْرُوْفَ وَالْمُنْکَرَ خَلِیْقَتَانِ تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَمَّا الْمَعْرُوْفُ فَیُبَشِّرُ اَصْحَابَهٗ وَیُوْعِدُهُمُ الْخَیْرَ وَاَمَّا الْمُنْکَرُ فَیَقُوْلُ اِلَیْکُمْ اِلَیْکُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهٗ اِلَّا لُزُوْمًا۔
(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے، بے شک نیکی اور بدی دونوں قیامت کے دن لوگوں کے لیے کھڑی کی جائیں گی تو جو نیکی ہے وہ اپنے کرنیوالوں کو خوشخبری سنائے گی اور انھیں بھلائی کا وعدہ دے گی اور جو برائی ہے تو وہ کہے گی دور ہو جاؤ، اور تمھارے پاس طاقت نہ ہوگی سوائے اس سے چمٹے رہنے کے۔

۱؎ اپنے عمل والوں کو بشارت دے گی
۲؎ اس سے حقارت ممکن نہ ہوگی۔

۳۲۹۔ کِتَابُ الرِّقَاقِ

دِل کو نرم کر دینے والی باتوں کا بیان

رِقاق، راء کے نیچے زیر رقیق کی جمع ہے جیسے صغیر و کبیر کی جمع صغار و کبار ہے اس سے مراد نرمی ہے اور یہ غلیظ کی ضد ہے، رقائق، رقیقہ کی جمع بھی اسی معنی میں ہے جیسا کہ حقائق اور دقائق۔ رقت کا معنی رحمت بھی ہے یہاں ایسے کلمات مراد ہیں جن سے دل میں نرمی پیدا ہو، دل دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف راغب ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۴۹۲۶ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ گھاٹے میں ہیں۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صحت[۲] اور فراغت[۳] (بخاری)

[۱] لوگ ان کی قدر نہ کرتے ہوئے انھیں ضائع کر دیتے ہیں اور اس معاملہ میں نفس کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے کہ بیع اور شراء کے معاملہ میں انسان دھوکہ میں آکر اپنا سامان مفت دے دیتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے۔

[۲] بدن کا امراض سے محفوظ ہونا

[۳] انسان کا مشاغل اور پریشانیوں سے فارغ ہونا یعنی لوگ ان کو غنیمت نہیں جانتے جب بیمار ہو جاتے ہیں یا کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر ان کی قدر یاد آتی ہے جیسا کہ محاورہ ہے۔ نعمت جب چھن جائے تو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

۴۹۳۷/۲ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مستورد[۱] بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، خدا کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے پھر دیکھے کہ انگلی کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے[۲]۔ (مسلم)

[۱] یہ صحابی مصر میں مقیم رہے، حضور کے وصال کے وقت چھوٹے تھے مگر آپ سے سماع ثابت ہے۔

[۲] یعنی سوائے تری یا ایک قطرہ پانی کے کچھ نہیں آتا دنیا اسی طرح آخرت کے مقابلہ میں ہے یہ لوگوں کے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ محدود، غیر محدود کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ قطرہ کی دریا کے سامنے اور ذرا سی حقیقت ہے، دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں یہ حیثیت بھی نہیں۔

۴۹۳۸/۳ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھیڑ[۱] کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے، فرمایا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اسے ایک درہم کے عوض خرید لے۔ عرض کیا ہم نہیں چاہتے کہ بغیر عوض بھی اسے[۲] لیں فرمایا اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے ہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جیسے یہ تمھارے نزدیک۔ (المسلم)

[۱] اَسَكَّ: جس بچے کے کان نہ ہوں یا کاٹ دیے گئے ہوں یہاں مراد بوسیدگی کی وجہ سے اس کے کان جدا ہونا ہے۔ کیونکہ خلقت کے اعتبار سے کانوں کا ہونا یا نہ ہونا اس معاملہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ البتہ اس میں صورت کا قبیح ہونا ہوتا ہے۔

[۲] اظہارِ حقارت کی خاطر

سے اسے کوئی بغیر قیمت کے بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں، چہ جائیکہ اس کی قیمت دی جائے۔

۴۹۲۹ (۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کے لیے قید خانہ[1] ہے اور کافر کی جنت[2]۔ (المسلم)

سلہ کیونکہ اس میں وہ محنت و مشقت میں پڑتا ہے یا یہ مراد ہے کہ آخرت کے مقابل دنیا اس پر تنگ ہے اور وہ فضائے ملکوتی میں اڑان چاہتا ہے۔

سلہ کیونکہ اس کی لذتوں اور شہوات میں اس طرح مشغول رہتا ہے کہ اس سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ مومن کے لیے اس ثواب کے مقابل دنیا قید ہے جو اسے آخرت کے اعمال پر آمادہ کرتے ہیں اور کافر کے لیے جنت اس عذاب کے مقابل ہے جو اسے آخرت میں ہوگا۔ یعنی مومن اگرچہ یہاں ناز و نعمت پاتا ہے مگر یہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ کافر اس دنیا میں تکلیف دیکھتا ہے مگر اس کی آخرت کی تکلیف کے مقابل کوئی حقیقت نہیں۔

۴۹۳۰ (۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزٰى بِهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْاٰخِرَةِ لَمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکی کو کم نہیں کرتا اس کا عوض دنیا میں دیا جاتا ہے اور اس کے عوض آخرت میں جزا بھی دی جائے گی۔ رہا کافر تو اسے اس کی نیکیوں کا عوض دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جب آخرت میں جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی جس کی جزا اسے حاصل ہو[1]۔ (المسلم)

سلہ جب مومن کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی جزا اسے آخرت میں ملنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی وسعت رزق زندگی میں آرام، دل کا سکون، آفات سے سلامتی وغیرہ کی صورت میں ملتا ہے اور کافر جب کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی تمام جزا اسے دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ آخرت میں اس کے لیے کوئی جزا اور ثواب نہ ہوگا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا نیک عمل ضائع نہیں ہوتا، اس کی جزا ضرور ملتی ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔ چونکہ دنیا میں ہمیشگی نہیں اس لیے ثواب کا تعلق آخرت سے رکھا۔ بعض روایات میں ہے کہ کافر کے نیک عمل پر آخرت میں بھی جزا بصورت تخفیف عذاب حاصل ہوگی۔ اب نفی جزا سے مراد آخرت میں جنت اور نعمتوں کا ملنا ہوگا۔ یعنی کافر ان سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔

۴۹۳۱ (۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّہَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ حُفَّتْ بَدَلَ حُجِبَتْ۔

کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آگ خواہشات سے ڈھانپ دی گئی ہے اور جنت تکالیف سے گھیر دی گئی ہے (بخاری، مسلم) مسلم[۲] میں حُجِبَت کی جگہ حُفَّت ہے۔

[۱] یعنی جب انسان اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرے، شہوات ولذّات سے صبر کرے تو یہ چیز اُسے جنت میں لے جائے گی کیونکہ جو چیز پردہ کے اندر تھی جب پردہ تک انسان جا پہنچا تو جس وقت پردہ اٹھائیگا وہ اسے حاصل ہو جائے گی گویا انسان پہلے پردہ تک پہنچتا ہے پھر جنت میں، اسی طرح شہوات کا پردہ دوزخ پر ہے۔ جب انسان ان کا ارتکاب کرے گا تو وہ اُسے دوزخ میں لے جائیں گی۔ شہوات سے مراد حرام امور ہیں ورنہ جو مباح خواہشات ہیں وہ دوزخ میں داخلے اور جنت میں عدم دخول کا سبب نہیں، البتہ یہ مقام قُرب و ولایت سے دور کر دیتی ہیں۔ اس حدیث سے "اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰہِ" کا معنی بھی واضح ہو گیا کہ علم خدا اور بندے کے درمیان پردہ ہے جب انسان علم کے پردے تک جا پہنچتا ہے تو وہ اپنے مولیٰ کو پالیتا ہے۔

[۲] مسلم میں یہ روایت "حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّہَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ" کے الفاظ ہیں معنی دونوں کا ایک ہی ہے

۴۹۳۲ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ وَعَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَاِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَکَسَ وَاِذَا شِیْکَ فَلَا انْتَقَشَ طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَشْعَثَ رَاْسُہٗ مُغْبَرَّۃٍ قَدَمَاہُ اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَۃِ کَانَ فِی الْحِرَاسَۃِ وَاِنْ کَانَ فِی السَّاقَۃِ کَانَ فِی السَّاقَۃِ اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَہٗ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلاک ہو جائے دینا کا غلام، روپے پیسے کا غلام، اعلیٰ کپڑوں[۱] کا غلام، اگر اسے دیا جائے تو خوش رہے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے[۲] وہ ہلاک ہو جائے[۳] برباد ہو جائے اور جب کانٹا لگے تو نہ نکلے[۴] مژدہ ہو اس آدمی کے لیے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی لگام پکڑے ہو اس کے بال پراگندہ ہوں۔ اس کے قدم گرد آلود۔ اگر پہرے کی ذمہ داری ہو تو پہرے[۵] میں رہے اگر لشکر کے پیچھے ہو تو پیچھے[۶] رہے اگر اجازت[۷] مانگے تو اجازت نہ ملے[۸] اگر وہ کسی کی سفارش[۹] کرے تو نہ سنی جائے۔ (البخاری)

[۱] "خَمِیْصَۃ" خا پر زبر، بروزن سفینہ دھاری دار سیاہ کپڑا، صراح میں ہے کہ خمیصہ اس گدڑی کو کہا جاتا ہے جس کے چاروں اطراف میں دھاری ہو یعنی وہ شخص مال کے ساتھ محبت رکھتا ہو لیکن اس کے حقوق کی ادائیگی میں بخل سے کام لیتا ہو۔ اسے لباس فاخرہ پسند ہو اور زیب وزینت بطور تکبر کرتا ہو اور لفظ "عبد" کے ساتھ تعبیر میں حکمت

یہ ہے کہ متاعِ دنیا کی محبت میں گرفتار ہونا مذموم ہے اگر کسی کے پاس متاعِ دنیا ہو مگر وہ اس میں گرفتار نہ ہو تو یہ قابلِ مذمت نہیں۔

ؔ۲ اس کی غلامی کی علامت بیان کی کہ اگر مل جائے تو خوش ورنہ ناخوش۔

ؔ۳ ہروقت دنیا کی حرص اور مال جمع کرنے والا ہو۔ اگر مال مل جائے تو راضی ورنہ ناراض (کذا قال الطیبی) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا عطا کرنا اور نہ کرنا، اور اس پر اس شخص کا خوش یا ناخوش ہونا مراد ہو۔

ؔ۴ دوبارہ اس کی ہلاکت کی دُعا کی

ؔ۵ نقش، پاؤں سے کانٹا نکالنا، یعنی جب یہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو کوئی اس کی تھوڑی مدد بھی نہ کرے کیونکہ پاؤں سے کانٹا نکالنا اعانت کا ادنیٰ درجہ ہے جب ادنیٰ درجہ کی نفی ہو گی تو ما فوق کی بطریقِ اولیٰ ہو جائے گی۔

واضح رہے کہ ہم نے شارحین کی اتباع میں اس کلام کو دعا پر محمول کیا ہے، اگر اسے اس گروہ کی شناعت (قباحت) خباثت اور ان کی دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کی خبر پر محمول کیا جائے تو بھی جائز ہے۔ حب دنیا داروں کے بارے میں بیان فرمایا تو اس کے مقابل ان کا ذکر بھی کیا جو طالبانِ دین اور تارکینِ دنیا ہوتے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے اور ان کے ہاں دنیا کی زیب و زینت کی ان کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، لیکن وہ اہلِ دنیا کی نظروں میں حقیر ہوتے ہیں۔

ؔ۶ اگر اسے مقدمۂ لشکر میں بھیجا جائے تو اس میں جائے۔

ؔ۷ ساقہ، لشکر کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے یعنی وہ تکبر نہیں کرتا بلکہ مسلمانوں کے تابع ہوتا ہے جو ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے اسے بخوشی قبول کر لیتا ہے۔

ؔ۸ یعنی اگر وہ کسی مجلس میں شرکت کی اجازت چاہے تو اجازت نہ دی جائے۔

ؔ۹ اگر وہ کسی کی سفارش کرے کہ اس کی غلطی معاف کر دی جائے تو وہ سنی نہ جائے، یعنی اسے لوگ بے قدر قیمت جانتے ہوں۔

۴۹۳۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِیْ مَا یُفْتَحُ عَلَیْکُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ یُنْزَلُ عَلَیْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ اَیْنَ السَّائِلُ وَکَاَنَّهٗ حَمِدَهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ لَا یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ وَاِنَّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے بعد میں تم پر جن چیزوں کا خوف کرتا ہوں وہ دنیا کی تازگی ہے اور اس کی زینت ہے جو تم پر کھول دی جائے گی، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا خیر بھی شر لاتی ہے تو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے پھر حضور نے پسینہ صاف فرمایا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ غالباً حضور نے اس کی تحسین فرمائی

مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ أَكَلَتْ حَتّٰى إِمْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پھر فرمایا[۳] خیر شر کو نہیں لاتی جیسے بہار اگاتی ہے اس میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ پھلا کر ہلاک[۴] کر دیتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے سوائے اس جانور کے جو سبزی کھائے۔ حتیٰ کہ اس کی کوکھیں تن جائیں تو دھوپ میں آجائے اور لوٹے پوٹے پیشاب[۵] کرے پھر لوٹ جائے اور کھائے[۶] یقیناً یہ مال ہرا بھرا میٹھا[۷] ہے تو جو اسے اس کے حق میں لے اور اس کے حق میں خرچ کرے وہ اچھا مددگار ہے اور جو ناحق لے وہ اس کی طرح ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو یہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

[۱] اپنے وصال کے بعد

[۲] غنیمت اور دیگر اموال کا حصول خیر ہے تو یہ شر کا سبب کیسے بن جائے گا؟

[۳] نزول وحی کے وقت آپ کو پسینہ آجاتا تھا۔ "رُحَضَا" را پر پیش حا پر زبر اس پسینے کو کہا جاتا ہے جو بخار کے بعد آئے۔

[۴] یعنی رزق اگرچہ کثیر ہو جائے یہ خیر ہے مگر شر نہیں البتہ بخل، اسراف اور حد اعتدال سے تجاوز کی وجہ سے اسے شر عارض ہو جاتا ہے مثلاً بہار خیر ہے کہ اس کی وجہ سے گھاس وغیرہ اگتا ہے مگر جب چوپائے کھانے میں افراط سے کام لیں تو ہلاکت آتی ہے اس کی بعد میں تفصیل بیان کی جائے گی۔

[۵] حَبَطٌ، حا اور با پر زبر، چوپائے کا زیادہ چرنے سے ہلاک ہونا، صراح میں ہے کہ حَبَطًا زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ کا باہر آنا، بعض روایات میں "خَبَطًا" ہے اس کا معنی اضطراب ہے چوپائے کا کھانے میں ہاتھ پاؤں مارنا پہلی روایت اصح اور اقرب ہے۔

[۶] مرتا نہیں مگر ہلاکت کے قریب ہو جاتا ہے۔ المام پیچھے آنا اور نزدیک ہونا ہے جیسے کہا جاتا ہے المام للشیب (بڑھاپے کے قریب) ہو الامام ہلبوغ (بلوغ کے قریب)

[۷] خَضِرٌ، خا پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر۔ سبز و تازہ گھاس۔

[۸] آفتاب کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں یہ چوپایوں کی عادت ہے کہ جب بدہضمی ہو اور ان کا پیٹ پھول جائے تو دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں جب گرم ہو جائے تو پیٹ نرم ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہ خارج ہو جاتا ہے۔

[۹] اس کا پیٹ درست ہو جاتا ہے ثَلَطَ۔ اونٹ گائے اور ہاتھی کے بول و براز کو کہا جاتا ہے۔

[۱۰] یعنی وہ چارپایہ اتنا کھاتا ہے کہ بدہضمی ہو جاتی ہے پھر اسے باہر نکالتا ہے پھر کھانا شروع کر دیتا ہے

یہ اس شخص کی مثال ہے جو بعض اوقات حد سے تجاوز کرتا ہے اور غلبۂ شہوت کی وجہ سے ہلاکت کے قریب چلا جاتا ہے لیکن جلدی رجوع کر لیتا ہے ہمیشہ معصیت میں مبتلا نہیں رہتا ۔ پھر ہدایت کی روشنی ہیں اگر توبہ کے ساتھ اپنے نفس کا تزکیہ و تطہیر کرتا ہے ۔ پہلی صورت " ما یقتل حبطا " سے اس شخص کے حال کی طرف اشارہ ہے جو معصیت وشہوت میں اس طرح اصرار کرتا ہے کہ اسی میں ہلاک ہو جاتا ہے لیکن رجوع اور توبہ کی توفیق نہیں پاتا ۔ ان دو اقسام پر قیاس کرتے ہوئے ایک اور قسم بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو نفس کی معصیت وشہوت میں گرفتار نہیں ہوتا اور دنیا کا تارک ہے پہلا شخص ظالم ، دوسرا معتدل اور تیسرا سبقت لے جانے والا ۔ ایک نے بالکل دنیا کو حاصل نہیں کیا دوسرے نے ہاتھ آلودہ کیے مگر دھو لیے ۔ تیسرا اس طرح ملوث ہوا کہ دین کا ہو کر رہ گیا نعوذ باللہ من ذٰلک ۔ اس کے بعد لوگوں کے احوال حصولِ مال میں محنت ومشقت اور اس کے خرچ کرنے کی طرف اشارہ کیا ۔

سلہ دنیا کا مال تر و تازہ ، رنگین آنکھوں میں خوشنما نظر آتا ہے اس طرح یہ لذت اور خوش طعم کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ بعض روایات میں خضر اور حلو دونوں نام کے بغیر بھی ہیں جس میں لفظ مال کا اعتبار کیا گیا ہے اور تانیث کی صورت میں لفظ دنیا کا اعتبار کیا گیا ہے ۔

سہ جس نے مال میں سے اپنا حق لیا اور اس کے حق کو ادا بھی کیا ۔ مال نے اس کی مدد کی ۔

سہ وہ قیامت کے روز اس کے خلاف گواہی دے گا ۔

۴۹۳۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم ! مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں ۔ میں اس سے خوف کرتا ہوں کہ تم پر دنیا کھول دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کھول دی گئی اور تم اس میں محبت ورغبت کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے کی اور دنیا تمھیں اس طرح ہلاک کر دے جس طرح انھیں کیا ۔ (بخاری و مسلم)

سلہ یہ صحابی انصاری اور بدری ہیں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے ۔

سلہ صحابہ سے مخاطب ہو کر

سلہ یہ خوف کی وجہ ہے کہ تم اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ گے ، حرص ولالچ لوگوں کا وطیرہ بن جائے ۔ دُنیا کا مال حاصل کرنا اور اس کا جمع کرنا آخرت کے لحاظ سے موجبِ ہلاکت ہے یا اس سے مراد یہ ہے ، مالِ دنیا کی وجہ سے تم اپنے میں قتال کرو گے ۔

۴۹۳۵ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَفِي رِوَايَةٍ كَفَافًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ محمد کے گھر والوں کو روزی بقدر ضرورت عطا فرما[1] دوسری روایت میں بقدر کفایت کے الفاظ ہیں[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] قُوْتٌ، قاف پر پیش واؤ ساکن

[2] قُوْتًا کی جگہ کفافاً کے الفاظ ہیں

[3] قُوت سے مراد اتنا رزق ہے کہ اس سے بدن محفوظ ہو جائے اور بنام ہو سکے یعنی بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ انسان اس سے زندہ رہے، کفاف کاف پر زبر ہے یعنی اتنا عطا فرما جو سوال اور مانگنے سے بے نیاز کر دے (کذا فی القاموس) اور صراح میں ہے کفاف بہ فتحہ اندازہ اور گزارہ کے معنی میں ہے۔ بعض نے کفاف کی تفسیر لفظ قوت کے ساتھ بھی کی ہے اس لحاظ سے دوسری روایت پہلی کی تفسیر ہے۔ واضح رہے کہ کفاف اشخاص، احوال، اوقات کے حوالے سے مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی بہت کم کھاتا ہے دو تین یا اس سے زیادہ دن بھوکا بھی رہ سکتا ہے، دوسرا دن میں دو بار کھاتا ہے۔ ایک عیال دار ہے خواہ تھوڑا یا زیادہ دوسرے کا عیال نہیں۔ قحط، تنگی، خوف اور حالتِ مرض میں تھوڑی چیز کافی اور حالت سیری و آسانی میں زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا کفاف کی مقدار کا تعین نہ ہو گا بہتر یہی ہے کہ اس سے طاعت پر قوت و طاقت اور معاملات دنیوی میں حرکت فوت نہ ہو۔ اس فرمان نبوی میں اُمت کے لیے یہ تعلیم ہے کہ وہ طلب دنیا میں زیادہ ہی اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔ مقدار کفاف اور قوت لا یموت پر اکتفا کریں اور حدِ اعتدال سے ہرگز متجاوز نہ ہوں۔ اسی لیے علماء نے بیان کیا ہے کفاف فقر و غنیٰ سے افضل ہے اور اگر کثرتِ مال و غناء سرکشی اور نافرمانی و اسراف کا سبب نہ بنے بلکہ وہ باعث خیر و برکت ہو تو یہ دوسری فضیلت ہے یہاں آل سے مراد آپ کا تمام خاندان اور آپ کے اتباع کرنے والے ہیں جو کہ آل کا اصل معنی ہے اگر یہاں صرف آپ کے اہل مراد ہوں تو پھر دوسروں کا حکم بطور قیاس ثابت ہو گا۔

۴۹۳۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص فلاح پا گیا جو مسلمان ہوا[1] اور اسے بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اسے دیے ہوئے رزق پر اللہ تعالیٰ نے قناعت عطا فرما دی۔ (مسلم)

[1] یا اس نے اللہ تعالیٰ کی قضا و تقدیر کو تسلیم کر لیا۔

۴۹۳۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِيْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کہتا ہے

مَالِیْ وَاِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَّالِهٖ ثَلٰثٌ مَّا اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاَقْتَنٰى وَمَاسِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میرا[1] مال میرا مال حالانکہ اس کے صرف تین مال ہیں جو کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا، دے[2] کر جمع کر لیا۔ ان کے علاوہ وہ تو جانے والا ہے اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔ (مسلم)

[1] بندہ ملکیتِ مال پر فخر و تکبر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

[2] یعنی وہ مال جو اس نے فقراء و بیوگان پر خرچ کر دیا وہ اس نے اپنے لیے آخرت میں ثواب کی صورت میں جمع و ذخیرہ کر لیا۔

۴۹۳۸/۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں دو چیزیں واپس لوٹ آتی ہیں البتہ ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے اس کا خاندان، مال اور اعمال جاتے ہیں، خاندان اور مال لوٹ آتے ہیں اور اعمال ساتھ رہتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

۴۹۳۹/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے[1] کس کو وارث کا مال اپنے مال سے پیارا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو بھی نہیں۔ ہر ایک کو اپنا مال ہی پیارا ہوتا ہے۔ فرمایا اس کا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا[2] وہ مال جسے چھوڑ گیا وہ[3] تو وارث کا مال ہے (بخاری)

[1] تم میں سے کوئی ہے جو یہ چاہتا ہو کہ وارث کا مال ہو میرا نہ ہو۔

[2] جو معاشرے کے فقراء و بیوگان پر خرچ کر دیا۔

[3] اگر کوئی چاہتا ہے کہ اسے مال حاصل رہے تو وہ صدقہ کی صورت میں آگے بھیج دے، پیچھے نہ چھوڑے اور اگر خرچ نہیں کرے گا گویا اس نے وارث کا مال پسند کیا، گویا اس نے بخل کرتے ہوئے مال کا حق ادا نہ کیا۔ اگر صدقہ و وصیت برائے فقراء کے بعد کچھ مال ورثاء کے لیے چھوڑتا ہے تو بڑا افضل ہے جب کہ حدیث میں آیا ہے کہ ورثا کو تونگر چھوڑ کر جانا اس سے بہتر ہے کہ گداگر بنیں۔

۴۹۴۰/۱۵ وَعَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ

حضرت مطرف[1] اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" قَالَ يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ مَالِيْ قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" کی تلاوت فرما رہے تھے۔ فرمایا آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال فرمایا اے انسان یہ تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔ (مسلم)

سلہ مُطَرِّف، میم پر پیش، طا پر زبر، را کے نیچے زیر اور شد، تابعی ہیں، اُمت کے سرکردہ آئمہ میں سے ہیں، ابن سعد نے انہیں اہلِ بصرہ میں سے دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے اور ثقہ، اہلِ فضل، تقویٰ اور ادب قرار دیا۔
سلہ ان کے والد گرامی کا نام حضرت عبداللہ بن شخیر ہے، شین کے نیچے زیر، خاء پر شد ہے انہوں نے حضرت علی، ابوذر، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی اور ان سے حضرت قتادہ، حسن اور ثابت نے روایت لی ہے۔
سلہ کثرتِ مال نے تمہیں آخرت سے بے فکر کر دیا ہے۔

۴۱ / ۴۹ / ۱۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا امیری کثرتِ مال واسباب[1] کا نام نہیں بلکہ امیری دل کے غنا[2] کا نام ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ عرض، را متحرک کی صورت میں نقد مال مراد ہے اور سکون کی صورت میں صرف نقد کو کہا جاتا ہے۔ یہاں متحرک ہے تاکہ نقدی اور دیگر اسباب کو شامل ہو۔
سلہ حقیقی تونگر ہونا دل کا قانع ہونا اور بے نیازی ہے، مانگنے سے اجتناب اور حرص ولالچ سے دور ہونا ہے جو پہلی صورت اختیار کرے گا وہ ہمیشہ محتاجوں کی طرح مال ہی جمع کرتا رہے گا اور جو کفایت شعاری کو اپنا پیشہ بنائے وہ غنی ہوگا اگرچہ اس کے پاس مال نہ ہو جیسا کہ محاورہ ہے "تونگری بدل ست نہ بمال۔ بزرگی بعقل نہ بسال" تونگری دل کی ہوتی ہے مال سے نہیں، بزرگی عقل سے ہے نہ کہ عمر سے۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ غناءِ نفس سے مراد علمی وعملی کمالات کا حصول ہے کیونکہ نفس ناطقہ ان کے بغیر تونگر نہیں ہوتا یعنی تونگری اور دولت کا حصول کمال کے ساتھ ہے مال کے ساتھ نہیں۔ شعر ؎

تونگری نہ بمال ست نزد اہلِ کمال
کہ مال تالب گور ست بعد ازاں اعمال

اہلِ کمال کے نزدیک تونگری مال سے نہیں ہوتی کیونکہ مال صرف قبر کے کنارے تک جاتا ہے مگر اعمال و کمال ساتھ جاتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۹۴۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں لے کر ان پر عمل کرے گا یا اسے سکھائے جو ان باتوں پر عمل کرے گا ، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں (عمل کروں گا اور دوسروں کو سکھاؤں گا) تو آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا ، پھر پانچ چیزیں شمار کیں ، فرمایا : حرام چیزوں سے بچو ، تم لوگوں میں سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے ؛ اللہ تعالےٰ نے تمھاری قسمت میں جو لکھ دیا ہے ، اس پر راضی رہو ، تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے ، اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو ، مومن ہو جاؤ گے ، اور لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو ، مسلمان ہو جاؤ گے ۔ زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے

(احمد ، ترمذی)

۴۹۴۳ / ۱۸ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَکَ غِنًی وَّاَسُدَّ فَقْرَکَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ یَدَکَ شُغْلًا وَّلَمْ اَسُدَّ فَقْرَکَ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ)

انھی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1]، اے انسان! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا[2] میں تیرا سینہ غنا سے مالا مال کر دوں گا[3]، تیری غربت دور کر دوں گا[4] اور اگر تو یہ نہ کرے گا[5] تو تیرا ہاتھ مصروفیات سے بھر دوں گا[6] مگر تیرے فقر کو ختم نہیں کروں گا۔
(مسند احمد، ابن ماجہ)

[1] اس وحی میں جو اس نے اپنے پیارے رسول کی طرف کی۔
[2] دنیوی مشاغل سے
[3] مخلوق سے بے نیاز کر دوں گا
[4] مخلوق سے تیری نیاز مندی ختم کر دوں گا
[5] تو ان دنیوی مشاغل اور مصروفیات میں ہی پھنسا رہے گا
[6] دنیوی مشاغل میں مصروفیات کے باوجود فقر و احتیاج ختم نہیں ہوگا بلکہ پریشانی میں اضافہ ہی ہوگا لہٰذا ان سے فارغ ہو کر عبادت کی طرف متوجہ ہونا آسائش و آرام بھی ہے اور غنا بھی۔

۴۹۴۴ / ۱۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذُکِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَۃٍ وَّاجْتِہَادٍ وَّذُکِرَ اٰخَرُ بِرِعَۃٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَۃِ یَعْنِی الْوَرَعَ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کی عبادت اور محنت[1] کا ذکر کیا گیا اور دوسرے کے تقویٰ کا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبادت تقویٰ کے برابر[2] نہیں ہو سکتی (ترمذی)

[1] عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھانا
[2] لَا تَعْدِلْ، تا پر زبر اور دال کے نیچے زیر، بعض روایات میں "لَا یُعْدَلُ" یا پر پیش، دال پر زبر ہے

۴۹۴۵ / ۲۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنِ الْاَوْدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَّہُوَ یَعِظُہٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَکَ قَبْلَ ہَرَمِکَ وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ وَغِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ وَفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ وَحَیٰوتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ ۔

حضرت عمرو بن میمون اودی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ اشیاء کو پانچ اشیاء سے پہلے غنیمت جانو[2]، بڑھاپے[3] سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقر سے پہلے غنا کو، مصروفیت سے پہلے فرصت کو، موت

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ مُرْسَلًا) پہلے زندگی کو[۶] (ترمذی)

[۱] الاودی، ہمزہ پر زبر، دال ساکن، اود بن صعب کی طرف نسبت ہے، زمانہ جاہلیت پایا، اسلام لائے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف نہ پایا، امام ابن عبد اللہ نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ان کا شمار اہل کوفہ کے کبار تابعین میں ہوتا ہے، کثرت کے ساتھ حج اور عبادات بجالانے والے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں بندروں کو رجم کیا۔

[۲] غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کی صورت میں کافروں سے حاصل ہوتا ہے، کسی مقصود کو بغیر مشقت کا حاصل ہونا بھی اس کا معنی ہے۔

[۳] ھَرَمٌ، ہاء اور راء پر زبر، سخت بڑھاپا اور اگر راء کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی بوڑھا ہے۔

[۴] تندرستی ایمان کے بعد عظیم نعمت ہے، سَقَم سین اور قاف پر زبر، اس پر پیش اور سکون بھی ہو سکتا ہے

[۵] ذمہ داریوں کے عاید ہونے سے قبل۔

[۶] یعنی بڑھاپا، بیماری، فقر، مصروفیت آگے رہیں گے لہذا ان سے پہلے وقت کو غنیمت جاننا چاہیے۔

۴۹۴۶ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا یَنْتَظِرُ اَحَدُکُمْ اِلَّا غِنًی مُّطْغِیًا اَوْ فَقْرًا مُّنْسِیًا اَوْ مَرَضًا مُّفْسِدًا اَوْ ھَرَمًا مُّفْنِدًا اَوْ مَوْتًا مُّجْھِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ یُّنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَۃَ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی نہیں انتظار کرتا مگر سرکشی کرنے والی غنا[۱] کا یا بھلا دینے والی فقیری[۲] کا یا بگاڑ دینے والی بیماری[۳] کا یا بے عقل کر دینے والے بڑھاپے[۴] کا یا اچانک موت[۵] کا یا دجال کا، دجال مصیبت ہے جس کا انتظار ہے یا قیامت کا جو بہت خوفناک اور کڑوی ہے (ترمذی، نسائی)

[۱] جو اوامر و نواہی کی حدود سے متجاوز کر دیتی ہے

[۲] بھوک، افلاس اور طلب رزق طاعت خداوندی سے غافل کر دیتا ہے۔

[۳] بیماری جسم کو لاغر کر دیتی ہے یا سستی پیدا کر کے دین کو کمزور کر دیتی ہے۔

[۴] اِفْنَاد، جھوٹ بولنا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ خرافات کو جھوٹ لازم ہے صراح میں ہے کہ "فَنَدٌ" فاء اور نون پر پیش، جھوٹ بڑھاپے کی وجہ سے کمزور رائے والا ہونا، افناد جھوٹ بولنا اور خرافات بکنا ہے

[۵] جو توبہ کا موقع نہیں دیتی۔ صراح میں اِجہاز کا معنی خستہ کو کاٹنا ہے، تیز دوڑنے والے گھوڑے کو "جہاز اسپ" کہتے ہیں۔

[۶] جو راہِ ہدایت سے لوگوں کو دور لے جائے اور فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔

[۷] حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس نے فرصت اور فراغت کو غنیمت نہ جانا گویا اس نے آفات و مکروہات کا انتظار کیا

حالتِ فقر میں صبر نہ کیا۔ غناء کا مطلب گا رہنا جو اسے باغی اور سرکش کر دے گا، حالت غنا میں شکر نہ کیا اور نعمت خداوندی کی قدر نہ کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہ کیا اب حالتِ فقر میں تمام عبادات وخیرات سے محروم ہوجائے گی۔

۴۹۴۷/۲۲ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

انہی سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سن لو! دنیا ملعون ہے[1] اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور اس چیز کے[2] جو رب کے قریب کردے اور سوائے عالم[3] اور طالب علم کے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] دنیا بارگاہِ ایزدی سے راندہ ہے

[2] طاعات وعبادات یا ہر وہ چیز جو اس کے مشابہ ہو مثلاً انبیاء، صلحاء کا ذکر اور اعمالِ صالحہ یا وہ چیز جو ذکر کے لوازمات ولقاضوں میں سے ہے یعنی اوامر ونواہی الٰہیہ کی اتباع پہلی صورت میں "وَالَاهُ" وَلی بمعنی محبت ہے دوسری صورت میں وَلی بمعنی قرب تیسری صورت میں موالات بمعنی تابع ہونا سے مشتق ہے لیکن یہ اس وقت مفہوم ہوگا جب ذکر سے مراد باری تعالیٰ کا مبارک اسم مراد ہو جیسا کہ متعارف ہے لیکن اگر اس سے ہر عمل خیر مراد ہو جو تقرب وعبادت کی نیت سے کیا جائے تو طاعات وغیرہ تمام ذکر میں ہی شامل ہوجائیں گی اور اب "وَالَاهُ" سے مراد وہ اسباب وذرائع ہوں گے جو ذکر کے لیے معین ومددگار بنے مثلاً معاشی معاملے سے فراغت اور دیگر ضروریات کا پورا ہونا۔

[3] یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے، عالم اور متعلم پر زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے البتہ قاعدہ کے موافق زبر واضح ہے اس کی وجہ ہم نے شرح میں بیان کر دی ہے۔ نصب کی صورت میں بھی اور تکرار کے ساتھ بھی روایت ہے۔

۴۹۴۸/۲۳ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر وقیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو دنیا میں ایک گھونٹ نصیب[1] نہ ہوتا (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[1] مصابیح کے بعض نسخوں میں "شَرْبَةَ مَاءٍ" کے الفاظ ہیں یعنی پانی کا ایک گھونٹ

۴۹۴۹/۲۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صنعت[1] وتجارت میں مشغول نہ ہوجاؤ[2]، ورنہ تم دنیا دار[3]

اَلْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ) ہو جاؤ گے۔ (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان)

سلہ ضَیْعَۃً ، ضاد پر زبر، یا ساکن، صناعت و تجارت، بعض شارحین نے اس کا معنی باغات اور زمین کیا ہے۔

سلہ بہت زیادہ مشغولیت، حرص و لالچ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سلہ یہ معاملہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اس طرح ان اسباب دنیا کا ہی ہو جائے کہ اسے یہ سب مشغول جانے لہٰذا اپنے خالق کے حقوق کی ادائیگی سے غافل ہو جائے اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ حکم نہیں، اس معنی پر یہ آیت کریمہ دال ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ" (مرد وہ نہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) یعنی وہ اس طرح تجارت میں مشغول نہیں ہو جاتے کہ اسے ذکر الٰہی سے غافل کر دے بلکہ وہ ان معاملات کو نبھانے کے باوجود اپنے مولیٰ کے ذاکر رہتے ہیں (دست بکار دل بیار دل) اور اس معنی کے زیادہ مناسب یہ الفاظ ہیں وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ سے

گرت مال و جاہ است و زرع و تجارت چو دل با خدا ایست فارغ نشینی

(اگر تیرے پاس مال و دولت تجارت کھیتی کے باوجود تیرا دل مولا کی یاد میں مگن ہے تو تو فارغ ہی ہے)

۴۹۵۰ (۲۵) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو دنیا کو محبوب بنا لیتا ہے اس کی آخرت میں نقصان[1] ہو گیا اور جو آخرت کو محبوب بنا لیتا ہے اس کی دنیا گئی[2] پس تم باقی رہنے والی کو فانی پر[3] ترجیح دو۔ (مسند احمد، بیہقی، شعب الایمان)

سلہ جب کسی کو دنیا کے ساتھ پیار ہو گیا، وہ اکثر دنیا کے ذکر کے حصول میں ہی مشغول رہے اسے آخرت کے معاملات کے لیے فراغت ہی نہیں ملے گی۔ اسی طرح اس کا عکس ہے۔

سلہ چونکہ دونوں کی دوستی جمع نہیں ہو سکتی۔

سلہ یعنی آخرت کو دنیا پر ہر صورت ترجیح حاصل ہے۔

۴۹۵۱ (۲۶) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کا غلام لعنتی، روپوں پیسوں کا غلام لعنتی ہے[1]۔ (ترمذی)

سلہ یعنی جو شخص ان کی محبت میں اس طرح مستغرق ہو گیا کہ خدا کی بندگی چھوٹ گئی، لہٰذا وہ شخص نیکی اور

رحمتِ خدا سے محروم ہوجائے گا۔

۴۹۵۲/۲۷ وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ گرامی سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں وہ اتنی بربادی نہیں کرتے جتنی حریص انسان اپنے دین میں مال و عزت کی خاطر بربادی کرتا ہے۔

(ترمذی، دارمی)

۴۹۵۳/۲۸ وَعَنْ خَبَّابٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْفَقَ مُؤْمِنٌ مِنْ نَفَقَةٍ اِلَّا اُجِرَ فِيْهَا اِلَّا نَفَقَتَهٗ فِيْ هٰذَا التُّرَابِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت خباب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو اس کے ہر خرچ پر ثواب ملتا ہے مگر وہ خرچہ جو اس مٹی[2] میں کرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] خباب، خا پر پیش یعنی با مشدد، صحابی ہیں قبیلہ بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ دارِ ارقم کے مرکز بننے سے پہلے اسلام لائے، مسلمان ہونے پر انھیں کافروں نے سخت اذیتیں دیں، مگر یہ اللہ کا شیرِ استقامت کا پہاڑ نکلے، بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے، کوفہ میں وفات پائی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

[2] اس سے مراد گھر ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب مکان ضرورت سے زائد ہو یا اس کی زیب و زینت حاجت سے بڑھ کر ہو ورنہ مکان ضروریاتِ زندگی میں سے ہے، اسی طرح مساجد اور مسافر خانوں کی تعمیر پر بھی ثواب ہے کیونکہ ان کا بھی بہتر بنانا مستحب ہے۔

۴۹۵۴/۲۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام خرچے اللہ کی راہ[1] میں ہیں مگر ان اخراجات کے جو عمارات کی تعمیر میں ہوں، ان میں کوئی بھلائی نہیں۔

(امام ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث غریب ہے)

[1] اگر تقرب کی نیت سے خرچ کیا۔

۴۹۵۵/۳۰ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَنَحْنُ مَعَهٗ فَرَاٰى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهٖ قَالَ اَصْحَابُهٗ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا

اور انھی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن باہر نکلے ہم ساتھ تھے آپ نے ایک قبہ (بلند مکان) دیکھا فرمایا یہ کس کا[1] ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا مکان ہے، آپ خاموش ہوگئے

فِیْ نَفْسِہٖ حَتّٰی لَمَّا جَآءَ صَاحِبُہَا فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فِی النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْہُ صَنَعَ ذٰلِکَ مِرَارًا حَتّٰی عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِیْہِ وَالْاِعْرَاضَ عَنْہُ فَشَکٰی ذٰلِکَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَقَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُنْکِرُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا خَرَجَ فَرَاٰی قُبَّتَکَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰی قُبَّتِہٖ فَہَدَمَہَا حَتّٰی سَوَّاہَا بِالْاَرْضِ وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمْ یَرَہَا قَالَ مَا فَعَلَتِ الْقُبَّۃُ قَالُوْا شَکٰی اِلَیْنَا صَاحِبُہَا اِعْرَاضَکَ فَاَخْبَرْنَاہُ فَہَدَمَہَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ کُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ اِلَّا مَالَا یَعْنِیْ اِلَّا مَالَا بُدَّ مِنْہُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

مگر مبارک دل میں یہ بات[۳] رکھی ۔ حتیٰ کہ اس کا مالک آپ کے پاس آیا ۔ اس نے بھرے مجمع میں سلام عرض کیا آپ نے اس سے منہ پھیر لیا ۔ اس نے کئی دفعہ عرض کیا[۴] حتیٰ کہ اس نے آپ کی ناراضگی محسوس کی تو صحابہ سے کہنے لگا کیا ہوا ؟ آج میں اپنے آقا کو ناراض پا رہا ہوں[۵] صحابہ نے کہا آپ تشریف لے گئے تھے تیرا بلند مکان دیکھا وہ صحابی چلا گیا اور اس نے اپنا مکان گرا دیا حتیٰ کہ زمین کے برابر ہوگیا ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوبارہ ایک دن باہر تشریف لائے تو آپ نے وہ بلند مکان نہ دیکھا تو پوچھا کہ اس مکان کے ساتھ کیا ہوا ؟ صحابہ نے عرض کیا آقا اس کے مالک نے آپ کی ناراضگی کے بارے میں ہم سے پوچھا تھا ہم نے اسے مطلع کر دیا لہٰذا اس نے اسے گرا دیا ۔ اس پر آپ نے فرمایا ہر عمارت اس کے مالک کے لیے وبال ہے ماسوائے اس کے جس کی ضرورت ہو ۔

(ابوداؤد)

[۱] قبۃ قاف پر پیش : گول گھر ، صراح میں اس کا معنی کسی کے اردگرد عمارت بنانا ہے ۔ خیمے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

[۲] بطور تعجب فرمایا ۔

[۳] اس وقت کچھ نہ فرمایا بلکہ کراہت و غضب دل میں رکھا ۔

[۴] یعنی اس نے سلام عرض کیا لیکن آپ نے اعراض فرمایا ۔

[۵] آج میں آپ کو ناراض پا رہا ہوں اس کا سبب کیا ہے ۔

۴۹۵۶ وَعَنْ اَبِیْ ہَاشِمِ بْنِ عُتْبَۃَ قَالَ عَہِدَ اِلَیَّ[۱] رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ مِنْ جَمِیْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّمَرْکَبٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہاشم[۱] بن علبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عہد لیا[۲] فرمایا تیرے لیے مال میں سے خادم اور اللہ کی راہ میں[۳] سواری کافی ہے ۔

(مسند احمد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ، مصابیح کے بعض

وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ اَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ بِالدَّالِ بَدَلَ التَّاءِ وَهُوَ تَصْحِيْفٌ۔

نسخوں میں ابوہاشم بن عتبہ سے یعنی تاء کی جگہ دال ہے لیکن یہ[۴] غلط ہے)

[۱] ابوہاشم بن عتبہ قریشی عبشمی عین پر پیش تاء ساکن، ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک شیبہ اور بعض کے نزدیک ہشیم ہے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ماموں اور ہند بنت عتبہ کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی نہایت فاضل اور صالح تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] مجھے آپ نے وصیت فرمائی

[۳] ان دو چیزوں سے زیادہ حاصل نہ کر یا ان دو چیزوں کے علاوہ ہر شے خرچ کر دے۔

[۴] بعض راویوں سے ایسا ہوگیا ہے۔

۴۹۵۷/۳۲ وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لِابْنِ اٰدَمَ حَقٌّ[۱] فِيْ سِوٰى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِيْ بِهِ عَوْرَتَهٗ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان چیزوں[۲] کے سوا انسان کا کسی میں حق نہیں۔ گھر جس میں رہتا ہے وہ کپڑا جس سے ستر ڈھانپتا ہے، روٹی کا ٹکڑا[۳] اور پانی[۴] ہے۔

(ترمذی)

[۱] قیامت کے روز ان کا حساب نہیں ہوگا کیونکہ ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

[۲] ضرورت کے مطابق

[۳] "جلف" جیم کے نیچے زیر، لام ساکن
جیم کی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس کی جمع جلفہ روٹی کا وہ خشک ٹکڑا جس سے بھوک دور ہو جائے۔

[۴] اتنا پانی جس سے پیاس بجھائی جاسکے۔

۴۹۵۸/۳۳ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے اور تمام لوگ بھی۔ فرمایا دنیا سے بے رغبت ہو جا[۲] اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے

(ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ یہ مدینہ منورہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں

۲؎ "زہد" صراح میں اس کا معنی ناچاہنا اور خلافِ رغبت ہے

۴۹۵۹ ۳۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِىْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِىْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چٹائی پر سوئے جب اُٹھے تو اس کے نشان جسمِ اطہر پر تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے بستر[۱] بچھا دیا کریں اور بہتر انتظام کر دیں، فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سوار[۲] کسی درخت کے سایہ کے نیچے کچھ دیر سستائے اور پھر چھوڑ کر اسے چلا جائے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ آپ کے لیے ہم اعلیٰ بستر بچھائیں تاکہ اس پر بہتر طور پر آرام فرما سکیں۔

۲؎ سوار کا ذکر تخصیص تھوڑا ٹھہرنے اور جلدی روانہ ہونے کی وجہ سے ہے ممکن ہے وہ گھوڑے کی پشت پر ہی رکے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سوار کی منزل دور ہے لہٰذا وہ اس سفر کے قطع کا خیال رکھے گا اور کسی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوگا جو اس کے منزل تک پہنچنے میں مانع ہو۔

۴۹۶۰ ۳۵ وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَغْبَطُ اَوْلِيَائِىْ عِنْدِىْ لَمُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِى السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِى النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهٗ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھیوں میں سے سب سے قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو کم سامان[۱] والا، نماز کے بڑے حصے[۲] والا، اپنے رب کا خوب عبادت گذار، اللہ کی خفیہ[۳] اطاعت کرے، لوگوں میں مخفی رہے اس طرح کہ اس کی طرف اشارہ[۴] نہ کیا جائے اس کا رزق بقدرِ ضرورت ہو اور اس پر صبر نصیب ہو، پھر آپ نے ہاتھ سے چٹکی[۵] بجائی اور فرمایا اس کی موت[۶] جلد ہو جائے، اس پر رونے والیاں کم ہوں۔ اس کی میراث[۷] تھوڑی ہو۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ حاذ، سواری کی پشت، خفیف الحاذ سے مراد قلیل المال اور قلیل العیال ہے (کذا فی القاموس)۔

صراح میں ہے قلیل الحاذ کا معنی خفیف الظہر ہے

۲؎ جب اس کے دنیاوی مشاغل کم ہوں گے تو وہ کثیر الصلوٰۃ ہوگا، درویش لوگ دنیا سے اس لیے اپنے آپ کو منقطع

کر لیتے ہیں تاکہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضری دے سکیں۔

سے جب وہ دنیوی معاملات کے لیے باہر ہی نہیں جانے گا تو لوگوں سے اختلاط نہیں ہوگا لہذا وہ خلوت میں اپنے مولیٰ کے حضور رہے گا۔

۴۔ یعنی مشہور و معروف نہ ہو۔

ھ اس طرح انگلیوں پر مارنا جیسے دراہم کو بیچنے بعد دیگرے شمار کیا جاتا ہے۔ پرندہ کا دانے اٹھانا بھی اس کا معنی ہے، یہاں انگلیوں کا ایک دوسرے پر بطور تعجب مارنا مراد ہے۔

ت اس پر فتن دنیا سے اللہ کے حضور جلدی چلا جائے یا مراد یہ ہے کہ چونکہ اس کا تعلق دنیا سے کم ہوتا ہے اس لیے اس کا جان دینا غلبۂ شوق آخرت کی وجہ سے آسان ہوگا۔ بعض شارحین نے یہ مراد لیا کہ موت کے وقت پر اس کی تجہیز و تکفین نہایت ہی آسان ہوگی جیسے کہ اس کی ظاہری حیات میں اس کی معیشت کا معاملہ آسان تھا۔

ے کیونکہ اس کا رزق بقدر کفایت تھا۔

۴۹۶۱/۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

اور انہی سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے پیش کش کی کہ میں آپ کے لیے مکہ کی تمام زمین سونا کر دوں؟ میں نے عرض کیا اے میرے رب نہیں میں نہیں چاہتا ہوں لیکن ایک دن سیر ہوا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوکا ہوں تو تیری طرف تضرع کروں تجھے یاد کروں، جب سیر ہوں تو تیری حمد بجالاؤں اور تیرا شکر ادا کروں۔

(مسند احمد، ترمذی)

لہ البطحاء اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی گزرے اور وہاں چھوٹے چھوٹے سنگریزے ہوں۔ یہاں اس وادی کو سونے سے پُر کرنا مراد ہے یا اس کے سنگریزوں کو سونے میں تبدیل کرنا۔ دوسری توجیہ زیادہ واضح ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ چاہیں تو ہم مکہ کے تمام پہاڑ سونے کے بنا دیتے ہیں۔

ئے مکہ کا سونا بننا میں نہیں چاہتا

ئے یعنی میں فقر اختیاری پسند کرتا ہوں ایک دن سیر اور ایک دن بھوکا رہنا چاہتا ہوں تاکہ مقام صبر و شکر دونوں کو حاصل کروں۔ اس حدیث میں فقر و قناعت اختیار کرنے کی تعلیم ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ فقر غنا سے افضل ہوتا ہے۔

۴۹۶۲/۳۷ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِحْصَنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِىْ سِرْبِهٖ مُعَافًى فِىْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کے دل میں سکون ہو، جسم میں تندرستی، اور اس کا دن کا کھانا اس کے پاس ہو تو گویا پوری کی پوری دنیا اس کے پاس جمع ہو گئی (ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

لہ محصن ۔ میم کے نیچے زیر، حا ساکن، صاد پر زبر، اہل مدینہ میں سے صحابی ہیں ۔

سلہ سِرْبٌ ۔ سین پر زبر یا زیر، را ساکن دونوں طرح مروی ہے ۔ روایت کسرہ قوی ہے ۔ اگر فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی راستہ، چہرہ اور سینہ ہے اور کسرہ کی صورت میں راستہ، حال، دل اور نفس کے معنی میں آتا ہے یہ تمام معانی یہاں مناسب ہیں ۔ سَرَبٌ سین اور را دونوں اگر مفتوح ہوں تو اس سے مُراد وہ گھر ہوتا ہے جو کسی وحشی نے زیر زمین بنایا ہوا اگر روایت میں یہ لفظ ہو تو بھی یہ معنی مناسب مقام ہے کہ وہ زمانے کی آفات و بلیات سے اپنے گھر میں لومڑی اور چوہے کی طرح محفوظ و مامون ہے ۔

سلہ حذافیر، حذفور کی جمع، جانب، اطراف جس طرح عصفور کی جمع عصافیر، جمہور کی جمع جماہیر آتی ہے ۔

۴۹۶۳ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مَلَاَ اٰدَمِىٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَّثُلُثٌ شَرَابٌ وَّثُلُثٌ لِّنَفْسِهٖ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

۳۸

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی نے بقابلہ پیٹ کے بدترین برتن نہیں بھرا، انسان کیلئے چند لقمے کافی ہوتے ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اگر زیادہ کی ضرورت ہو تو تہائی کھانا یا تہائی سالن کے لیے رکھے ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

لہ یعنی پیٹ بدترین برتن ہے کیونکہ اسے پُر رکھنے سے کئی شر اور برائیاں جنم لیتی ہیں ۔

۴۹۶۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَتَجَشَّأُ فَقَالَ اَقْصِرْ مِنْ جُشَائِكَ فَاِنَّ اَطْوَلَ النَّاسِ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَطْوَلُهُمْ شِبَعًا فِى الدُّنْيَا ۔ (رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ نَحْوَهٗ)

۳۹

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکار لیتے ہوئے سنا تو فرمایا ڈکار کم لو، کیونکہ روز قیامت سب سے بھوکا وہ ہوگا جو دنیا میں بہت زیادہ سیر ہونے والا ہوگا ۔ (شرح السنہ، ترمذی نے بھی اس کی مثل روایت کیا)

لہ جشا ۔ جیم پر تینوں حرکات آسکتی ہیں ۔ ڈکار

سلہ اَقْصِر، ہمزہ پر زبر پڑھی جائے ۔

سلہ مقصود زیادہ کھانے سے نہی ہے کیونکہ یہی ڈکار کا سبب بنتا ہے ۔

۳؎ جو دنیا میں سیر ہوگا وہ آخرت میں بھوکا ہوگا۔

۴۹۶۵ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت کعب بن عیاض[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر امت کے لیے ایک[۲] فتنہ ہے میری امت کا فتنہ مال[۳] ہے۔ (ترمذی)

۱؎ عیاض، عین کے نیچے زیر یاء مخفف، شامی صحابہ میں سے ہیں۔ ان سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت لی ہے۔

۲؎ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش و امتحان ہے۔

۳؎ اللہ تعالیٰ انھیں خوب غنی کرے گا تاکہ وہ آزمائے کہ یہ اسلام کے اصولوں پر استقامت اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔

۴۹۶۶ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَأَنَّهُ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ لَهُ أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ فَيَقُوْلُ لَهُ أَرِنِي مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهُ وَثَمَّرْتُهُ وَتَرَكْتُهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِي آتِكَ بِهِ كُلِّهِ فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهِ إِلَى النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت انسان بھیڑ[۱] کے بچے کی طرح لاکر بارگاہ الٰہی میں کھڑا کیا جائے گا، رب تعالیٰ اس سے فرمائے گا میں نے تجھے نعمتیں[۲] دیں، خدام[۳] دیئے، بہت سے انعامات[۴] کیے، تو تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا یارب میں نے جمع کیں، انھیں بڑھایا[۵]، جتنا تھا اسے زیادہ کرکے چھوڑا مجھے لوٹا دے میں تیری بارگاہ میں سارا پیش کردوں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا مجھے یہ بتا تو نے آگے کیا بھیجا[۶] عرض کرے گا میں نے جمع[۷] کیا، بڑھایا اور زیادہ کرکے چھوڑ آیا تو مجھے لوٹا دے تاکہ میں وہ تمام لے آؤں اور وہ ایسا بندہ ہوگا جس نے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی[۸] ہوگی، تو اسے آگ کی طرف لیجایا جائے گا۔ (ترمذی نے اسے روایت کرکے ضعیف[۹] کہا)

۱؎ کمزوری، ضعف میں بَذَجٌ بھیڑ کی اولاد، مُمُوْ بکری کے بچے، اس کی جمع بذجان ہے

۲؎ مال و اشیاء

۳؎ تخویل، صراح میں اس کا معنی کسی کو چیز دینا ہے جب کوئی شے کسی کو دے تو کہا جاتا ہے خَوَّلَهُ الشَّيْءَ۔

۴؎ یہ سالفہ تمام منقول کو شامل ہے۔

۵ؐ تو نے اسے کیسے استعمال کیا؟ کیا تو شکر گزار بندہ بنا؟
۶ؐ تجارت وغیرہ کے ذریعے تثمیر، مال کا بڑھانا اور زیادہ کرنا ہوتا ہے
۷ؐ وہ دنیوی مال تجھے اب کیا فائدہ دے گا؟ کچھ آگے بھیجا ہے تو وہ مجھے دکھا۔
۸ؐ آگے کے بے کچھ بھیجا نہ ہوگا لہذا شرمندہ ہوگا اور جواب بھی سوال کے مطابق نہیں کیونکہ اس موقع پر گنا ہگار اور مبہوت شخص کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور جب معقول عذر نہ ہو تو معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے
۹ؐ ضمیر، مال کثیر
۱۰ؐ کیونکہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

۴۹۶۷ [۴۲] وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُسْاَلُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ النَّعِيْمِ اَنْ يُّقَالَ لَهٗ اَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ وَنُرَوِّكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت بندے سے جن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا ان میں سے پہلا یہ ہوگا کہ ہم نے تجھے صحت و تندرستیؐ نہ دی تھی؟ اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیر نہ کیا تھا؟
(ترمذی)

۱ؐ تندرستی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے اپنے مرید سے فرمایا اے بیٹے ٹھنڈا پانی پیا کر کیونکہ یہ شکر گزاری کا ذریعہ ہے اور مجھے اپنے والد گرامی کے بارے میں یاد آتا ہے کہ جب وہ ٹھنڈا پانی پیتے تو بے خود ہو جاتے اور کافی دیر کے بعد ان کی طبیعت بحال ہوتی تو کہتے سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ یہ عظیم جوہر ہے اور ایسی عالم ذوق و توحید سے مست ہو کر ایسی باتیں کہتے کہ کیا بتاؤں؟

۴۹۶۸ [۴۳] وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت انسان کے قدم نہ ٹلیں۱ؐ گے حتی کہ اس سے پانچ اشیاء کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عمر کے بارے میں کہ کیسے۲ؐ خرچ کی؟ جوانی کے بارے میں کہ کیسے گذاری؟ مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور جاننے کے بعد کیا عمل کیا؟
(ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

۱ؐ وہ بارگاہ خداوندی میں کھڑا رہے گا۔
۲ؐ کن کاموں میں بسر کی۔

سلہ جوانی لباس کی مانند ہے گزرنے کے ساتھ پُرانی ہو جاتی ہے۔
سلہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۴۹۶۹ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِّنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَہٗ بِتَقْوٰی۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کسی عجمی سلہ یا عربی سلہ سے بہتر نہیں ہو مگر یہ کہ تم تقویٰ سے بڑھ جاؤ سلہ (مسند احمد)

سلہ عجمی کو احمر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس رنگ میں سرخی وسفیدی غالب ہوتی ہے۔
سلہ عربی کو اسود کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے رنگ میں سبزی اور سیاہی کا غلبہ ہوتا ہے
سلہ فضیلت حقیقی تقویٰ اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔ تقویٰ اور عمل صالح کے بغیر محض نسب فضیلت کا سبب نہیں بن سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ " (اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ زیادہ مکرم ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہو)

۴۹۷۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا زَھِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْیَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِیْ قَلْبِہٖ وَاَنْطَقَ بِھَا لِسَانَہٗ وَبَصَّرَہٗ عَیْبَ الدُّنْیَا وَدَاءَھَا وَدَوَاءَھَا وَاَخْرَجَہٗ مِنْھَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

اور انہی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بندہ دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت سلہ کا چشمہ جاری کر دیتا ہے۔ اس سے اس کی زبان میں گویائی عطا کرتا ہے، اسے دنیا کے عیوب سلہ اس کی بیماریاں اور اس کے علاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کے ساتھ جنت کی طرف لے جاتا ہے (بیہقی، شعب الایمان)

سلہ اس سے مراد حقائق اشیاء کا علم ہے
سلہ دنیا کی حقیقت اس کے عیوب پر اُسے عین الیقین حاصل ہو جاتا ہے اور اُسے ان تمام اسباب سے آگاہ کر دیا جاتا ہے جن کی بناء پر وہ اس دُنیا سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، اگرچہ پہلے بھی وہ دنیا کے عیوب سے آگاہ تھا تب ہی تو اس نے زہد اختیار کیا مگر اب تو اسے ایسا باطنی نور وصفا نصیب ہو جاتا ہے کہ اس کی حقیقت کھُل کر سامنے آجاتی ہے اگر اول اس میں کوئی تذبذب تھا تو اب اس سے بھی وہ پاک اور مبرا ہو جاتا ہے (گویا اسے دنیا سانپ بچھو اور نجاست دکھائی دیتی ہے۔

سلہ دارالسلام ، جنت ، اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اصل اور کامل سلامتی آخرت ہی ہے ، کسی نے درویش سے پوچھا کیا حال ہے ؟ فرمایا خیر و سلامت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل فرما دیا ۔

۴۹۷۱/۲۶ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْاِيْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيْمًا وَّلِسَانَهُ صَادِقًا وَّنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً وَّخَلِيْقَتَهُ مُسْتَقِيْمًا وَّجَعَلَ اُذُنَهُ مُسْتَمِعَةً وَّعَيْنَهُ نَاظِرَةً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقِمْعٌ وَّاَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِّمَا يُوْعِي الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهُ وَاعِيًا ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے دل کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لیے خالص[1] کر دیا اور اپنے دل کو سلامت رکھا[2] ، اپنی زبان کو سچا ، دل کو سلطمئن[3] ، اپنی طبیعت کو سیدھا[4] ، کانوں کو سننے والا ، آنکھ کو دیکھنے والا[5] بنایا کان تو دل کا راستہ ہے[6] ، آنکھ اس چیز کو قائم کرنے والی ہے جسے دل محفوظ رکھتا ہے ، کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے دل کو حفاظت کرنے والا بنایا ۔

(مسند احمد ، بیہقی ، شعب الایمان)

سلہ جس کا ایمان نفاق سے پاک ہے

سلہ تمام آفات و ذمائم سے

سلہ فرمانِ حق کا مطیع

سلہ طبیعت کو کجروی ، باطل کی طرف مائل ہونے اور افراط و تفریط سے بچایا

سلہ پروردگار کی کائنات کے حُسنِ انتظام کو دیکھتا ہے ۔

سلہ قِمعٌ ، قاف پر زیر یا زبر میم ساکن یا قاف پر زبر اور میم کے نیچے زیر ، وہ شے جو کسی برتن میں اس لیے رکھی جائے کہ اس کے ذریعے روغن یا شراب وغیرہ کو بہایا جا سکے ۔ چونکہ کان کے ذریعے حق بات دل میں اُترتی ہے اس لیے اسے قمع کہا ۔

سلہ دو معانی ہو سکتے ہیں کہ دل محفوظ کرتا ہے یا وہ چیز دل کو محفوظ کر لیتی ہے اس لیے لفظ " القلب " پر دونوں حرکات رفع و نصب جائز ہوگا ۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح کان کے ذریعے بات دل میں اُترتی ہے اسی طرح آنکھ کے ذریعے بھی بات دل میں محفوظ ہوتی ہے اس کے بعد دونوں کا حاصل بیان کر دیا ۔

۴۹۷۲/۲۷ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَاِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں اس کی پسند کے مطابق دے رہا ہے تو یہ استدراج[1] ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی[2] " پس جب وہ نصیحت بھول گئے تو ہم نے

ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے حتیٰ کہ جب وہ خوش ہوا ان پر ہی خوش ہو گئے تو ہم نے اچانک پکڑ لیا تو وہ متحیر ہی رہے (مسند احمد)

سلہ باوجود گناہوں کے دنیا دیے رہتا ہے۔

سلہ استدراج، اللہ تعالیٰ کی تدبیر، لغت میں استدراج، قریب کرنا، کسی کو لے جانا، اللہ تعالیٰ کے حق میں استدراج یہ ہے کہ بندہ جب بھی نافرمانی کرے تو وہ بندے کو تازہ بتازہ نعمت دے دے اور اسے مہلت دے تاکہ بندہ یہ گمان کرے کہ میرے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور وہ توبہ واستغفار نہ کرے اور مغرور ہو جائے گویا درجہ بدرجہ اسے عذاب کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔

سلہ جس میں معنی استدراج پایا جاتا ہے

سلہ "ابلاس"، متحیر ناامید ہونا، ابلیس اسی سے بنا ہے۔

۴۹۷۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ دِيْنَارًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّةٌ قَالَ ثُمَّ تُوُفِّيَ اٰخَرُ فَتَرَكَ دِيْنَارَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّتَانِ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص فوت ہوا اور وہ ایک دینار چھوڑ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ داغ ہے پھر دوسرے فوت ہوئے تو وہ دو دینار چھوڑ گئے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔

(مسند احمد، بیہقی، شعب الایمان)

سلہ اہل صفہ سے مراد غرباء وفقراء صحابہ کی وہ جماعت مراد ہے جو صفہ مسجد میں رہتے، صفہ مسجد نبوی کا ایک حصہ ہے جس کی چھت کا سایہ تھا اصلاً یہی مسجد تھا، جبکہ قبلہ بیت المقدس تھا جب قبلہ کی جہت بدل گئی تو اس کو اسی حال میں رہنے دیا گیا اور صحابہ کا یہ گروہ وہاں ہی مقیم تھا، ان کی تعداد ستر یا اسی تھی، کبھی زیادہ ہو جاتے کبھی کم، ان کا نہ گھر تھا نہ مال ودولت، نہ اولاد، یہ مقام زہد وتوکل پر بیٹھے ریاضت، مجاہدہ، ذکر، تلاوت قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات گرامی یاد کرنے میں مشغول اور انوار وتجلیات کے حصول میں محو رہتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کا مہمان کہا جاتا تھا۔ اغنیاء صحابہ ان کی خدمت کرتے ہوئے انھیں کھانا بھجواتے، گھر بطور مہمان لے جاتے، ان میں سے چند کے کھانے کا انتظام خود آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے، اکثر اوقات کثرت طعام کا معجزہ ان کی وجہ سے معرض وجود میں آتا جیسا کہ ایک پیالہ دودھ کا سب کے لیے کافی ہو جاتا، اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انھیں میں تشریف فرما ہونے کا حکم تھا لہٰذا آپ انھی میں ہمیشہ شرف فرماتے اور خود کو انھیں میں سے شمار فرماتے اور انھیں آگاہ کر دیا کہ تمہاری آخرت میرے ساتھ ہو گی اور تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں اصحاب صفہ میں سے ہیں۔

شعر: ہلا خوش باش کاں محبوب جاں را بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

"اے دل خوش ہو جا کہ محبوب درویشوں اور مسکینوں کا ہم نشین ہے"

لہٰذا صوفیہ کا انتساب ان کی طرف اسی وجہ سے ہے، اگرچہ لفظ صوفیاء کا صفہ سے مشتق ہونا تکلف ہے اگرچہ معنی اس کے موافق ہے ۔

سلہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انھیں میں سے ہیں ۔

سلہ جو انھیں کسی جگہ سے ملا تھا

سلہ یہ پیشانی، پشت اور پہلو پر داغ کا ذریعہ ہے یہ اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف "تُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ" (ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا)

ھہ اگرچہ کوئی شخص کسی ضرورت کے پیش نظر ایک دینار یا دو دینار رکھتا ہے، شریعت میں کوئی گناہ نہیں بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد خزانہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ مال ممنوع ہے جس کا حق ادا نہ کیا گیا ہو لیکن یہاں معاملہ ان لوگوں کا ہے جو تارک دنیا ہو کر زہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ دنیا سے آنکھیں بند کر کے اپنے مولیٰ کے قرب کے حصول میں مشغول ہیں لہٰذا ان کا معاملہ جدا ہے گویا ایسے زاہد کے لیے ایک دینار بھی جمع کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ اس کے دعوٰی کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ راوی حدیث نے یہ نہیں کہا کہ ایک صحابی کا وصال ہوا، بلکہ کہہ رہے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کا وصال ہوا، یہ کام ہی بتا رہا ہے کہ ان کا تعلق ان اہل زہد سے تھا جن کے لیے ہر قسم کا مال جمع کرنا منع تھا، اگرچہ دوسروں کے لیے جائز ہے ۔

۴۹۷۶ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى خَالِهٖ اَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ يَعُوْدُهٗ فَبَكٰى اَبُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ يَا خَالِ اَوَجَعٌ يُشْئِزُكَ اَمْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا قَالَ كَلَّا وَلٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيْنَا عَهْدًا لَمْ اٰخُذْ بِهٖ قَالَ وَمَا ذَالِكَ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنِّيْ اَرَانِيْ قَدْ جَمَعْتُ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے ماموں ابوہاشم سلہ بن عتبہ کی بیمار پرسی کے لیے گئے تو ابوہاشم رونے لگے سلہ پوچھا ماموں کون سی پریشانی رُلا رہی ہے جو کوئی تکلیف سلہ ہے یا دنیا کی حرص سلہ کھنے لگے ایسا ہرگز نہیں لیکن ہم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا تھا میں نے وہ اختیار نہ کیا، پوچھا وہ عہد کیا تھا؟ فرمایا میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا تمہیں مال جمع کرنے میں ایک خادم، ایک سواری وہ بھی اللہ کی راہ میں کافی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے جمع کیا ہے ۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

سلہ ان کے احوال فصل ثانی میں گذر چکے ہیں

سلہ پریشانیوں کا اظہار کرنے لگے ۔

سے شَأْزٌ، شین پر فتحہ، ہمزہ ساکن آخر میں زا، اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں زیادہ پتھر ہوں یعنی سخت جگہ۔ اکثر قلق واضطراب کے معنی میں آتا ہے۔ "یُشْئِزُ" یا پر پیش، سین ساکن، ہمزہ کے نیچے کسرہ یعنی قلق واضطراب پیدا کرنا۔

سکہ جو چاہتے ہو آپ کے پاس موجود ہے پھر کیوں پریشانی ہے؟

ھہ جو آپ نے وجہ بیان کی ہے وہ ہرگز پریشانی کا سبب نہیں

سلہ صحابہ کو آپ نے نصیحت فرمائی تھی۔

سکہ صحابی کی گفتگو کتنی خوبصورت ہے جب نصیحت کی بات کی تو جمع کے الفاظ لائے کہ حضور نے ہم سب کو نصیحت کی تھی مگر جب کوتاہی کا تذکرہ آیا تو صرف اپنا ذکر کیا کہ میں اس پر عمل پیرا نہ ہو سکا۔

شہ میں نے ہر قسم کا مال جمع کر لیا ہے۔

۴۹۷۵/۵۰ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِي الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت امِّ درداء[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کیا وجہ ہے کہ تم اس طرح سوال نہیں[2] کرتے جس طرح فلاں کرتا ہے؟ فرمایا: میں[3] نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے لیے سخت[4] چوٹیاں ہیں جنہیں بھاری والے لوگ طے نہ کر سکیں گے میں چاہتا ہوں کہ ان چوٹیوں کے لیے ہلکا رہوں[5]۔ (بیہقی)

سلہ یہ حضرت ابودرداء کی اہلیہ ہیں، فاضلہ صحابیات میں سے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اپنے دیگر دوستوں سے۔

سکہ میرے سوال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ

سکہ سخت دشوار چوٹیاں ہیں۔ عَقَبَہ، عین اور قاف پر زبر، پہاڑ کی بلند چوٹی یہاں آخرت کے معاملات موت حشر، قبر، قیامت کی ہولناکیاں مراد ہیں۔

ھہ چاہتا ہوں کہ میں تیزی سے گزر جاؤں۔

۴۹۷۶/۵۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَّمْشِيْ عَلَى الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَذٰلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو پانی پر چلے مگر اس کے قدم تر نہ ہوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ نہیں[1]۔ فرمایا: دنیا دار گناہوں سے نہیں بچ سکتا (بیہقی شعب الایمان)

سلہ ضرور تر ہوں گے

سے جو دُنیا میں ملوث ہو گیا وہ گناہوں میں پڑ گیا ۔

۴۹۷۷ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُونَ مِنَ التَّاجِرِينَ وَلَكِنْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ ۔

حضرت جبیر[1] بن نفیر سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر یہ وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں[2] ۔ ہاں! یہ وحی آئی ہے کہ میں اپنے رب کی تسبیح[3] کرتا رہوں اور ساجد بنوں اور اپنے رب کی عبادت کروں، یہاں تک کہ آخری وقت آجائے ۔ (شرح السنہ، ابو نعیم نے اسے حلیہ میں ابو مسلم سے روایت کیا ہے)

سلہ دونوں بصورت تصغیر ہیں ۔ جبیر جیم اور باء نفیر نون اور فاء ، تابعی ہیں انھوں نے حضور کی ظاہری حیات کو پایا مگر خلافتِ حضرت ابوبکر میں مسلمان ہوئے ۔ پچھتر یا اسّی ہجری میں ان کا وصال ہوا ۔

سلہ جو مال جمع کرتے اور بڑھاتے ہیں

سلہ ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہوں یہاں تک کہ عمر کا آخری لمحہ آجائے تو اس صورتِ حال میں مجھے تجارت بیع وشراء کی کہاں فرصت ۔ البتہ حسبِ ضرورت جو کافی ہو جائے، اس کے لیے کوشش کرتا رہوں اور وہ بھی جب حسنِ نیت سے ہو تاکہ اللہ کی عبادت وذکر وفکر کروں گا تو عبادت ہے ۔

۴۹۷۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْيًا عَلَى أَهْلِهِ وَتَعَطُّفًا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللهَ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهُ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِيًا لَقِيَ اللهَ تَعَالَى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال دُنیا[1] (روزی) تلاش کی تاکہ گداگری[2] سے بچے ۔ اپنے گھر والوں کی خدمت اور پڑوسی کے ساتھ تعاون کرے وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے حلال دُنیا اس لیے طلب کی کہ مال بڑھائے، فخر وتکبر اور دکھلاوے[3] کے لیے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض[4] ہوگا ۔ (اسے بیہقی نے شعب الایمان اور ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا) ۔

سلہ اموال واسبابِ دُنیا

سلہ حرام اور گداگری سے بچنے کے لیے

ف۲ اگر صدقہ کرتا ہے تو ریا کاری کرتا ہے ۔ اس بناء پر ہم نے کہا ہے کہ ریا عبادت اور عملِ خیر میں ہوتی اس کے علاوہ میں نہیں ۔ پس نفسِ مال میں فخر ہوگا ریا نہیں ۔

ف۳ اے عزیز! جب حلال مال کا حصول فخر و تکبر کی بناء پر ہو تو یہ حال ہے تو مال حرام کے حصول پر کیا حال ہوگا ۔

۴۹۷۹/۵۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْخَيْرَ خَزَائِنُ لِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خیر کے خزانے ہیں اور خزانوں کی چابیاں ہیں ۔ بشارت اس شخص کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر کی چابی اور شر کا قفل بنایا اور بربادی ہے اس شخص کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی اور خیر کا تالا بنایا ۔ (ابن ماجہ)

ف۱ مراد وہ لوگ ہیں جو مال صدقہ کرتے ہیں ۔

ف۲ جسے نیکی اور مال صدقہ کرنے کی توفیق دیتا ہے ۔

ف۳ شر و بخل سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔

۴۹۸۰/۵۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَمْ يُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِيْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کے مال میں برکت نہ دی جائے تو وہ اسے پانی اور مٹی میں خرچ کر دیتا ہے ۔ (بیہقی)

ف۱ پانی اور مٹی سے مراد عمارت ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے ۔

۴۹۸۱/۵۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا الْحَرَامَ فِي الْبُنْيَانِ فَاِنَّهٗ اَسَاسُ الْخَرَابِ ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عمارت پر حرام مال خرچ نہ کرو یہ خرابی کی بنیاد ہے ۔ (بیہقی شعب الایمان)

ف۱ خرابیِ دین مراد ہے یا خرابیِ عمارت، یہاں سے یہ معلوم ہوگیا کہ مالِ حلال اگر عمارت پر خرچ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ بعض شارحین نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس حرام سے بچو جو عمارت بناتے وقت لازم آتا ہے اس صورت میں وہ عمارت خود حرام ہوگی اور لفظ "فی" کا بیان استعمال اسی طرح ہے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ اس حلقہ میں دو رطل لوہا ہے حالانکہ وہ حلقہ خود لوہا ہے نہ کہ لوہا کا ظرف، خراب سے مراد یا تو دین کی خرابی ہے، عمارت کے خراب ہونے کا بھی احتمال ہے کہ اس سے خراب ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے وہ موت کے لیے جنتے ہیں اور خرابی کے لیے ان کی تعمیر کی گئی (کذا فی بعض الشروح ۔ لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ ۔) حدیث کا معنی یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ عمارت اس لیے نہ بنائی جائے

کہ وہاں فسق وفجور کا ارتکاب کیا جائے گا کیونکہ جس عمارت میں فسق وفجور ہو وہ برباد ہو جاتی ہے۔

۴۹۸۲/۵۷ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس[۱] کا کوئی گھر نہیں اور مال اس کا ہے[۲] جس کا کوئی مال نہیں اسے وہ ہی جمع کرتا ہے جو عقل نہیں رکھتا۔ (مسند احمد، بیہقی، شعب الایمان)

[۱] کیونکہ دنیا فانی ہے اس میں ہمیشہ اقامت اور خوشی ممکن ہی نہیں۔ پس جس نے دنیا کو اپنا گھر بنا لیا گویا اس کا گھر ہی نہیں۔

[۲] مال کا مقصد یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اچھے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ جب شہوات اور دنیاوی لذتوں میں خرچ کر دیا تو یہ مال برباد ہے اور مال ہونے کے حکم سے باہر ہے گویا وہ مال ہی نہیں۔ بعض حواشی میں ہے کہ فنا اور حقارت کی وجہ سے دنیا کے گھر اور مال کو گھر اور مال کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کا معنی حاصل بھی پہلے معنی کی طرح ہی ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا اسی کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور مال اس کا ہے جس کا آخرت میں غنا و مال نہیں یعنی جو اس دنیا کو اپنا گھر بنا لیتا ہے اور اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور ہمیشہ باقی رہنے کے خیال سے دنیا کا مال جمع کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے امیدوار نہیں اور دنیاوی زندگی کے ساتھ راضی ہو چکے اور اس میں مطمئن ہیں) دوسرے مقام پر فرمایا اَيَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ (کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا) تو اس کا آخرت میں نہ تو ٹھکانا ہے اور نہ ہی غنا و مال۔

[۳] جو دنیا کے لیے مال جمع کرتا ہے وہ شعور نہیں رکھتا "لہا" میں لام زائد ہے۔

۴۹۸۳/۵۸ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ وَالنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطٰنِ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ قَالَ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَخِّرُوا النِّسَاءَ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوران خطبہ یہ فرماتے ہوئے سنا شراب بڑا گناہوں کو جمع کرتا ہے۔ عورتیں شیطان کا جال[۱] ہیں اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی سردار[۲] ہے اور میں نے یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ عورتوں کو مؤخر کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے انھیں مؤخر کیا ہے۔

(رزین، بیہقی نے شعب الایمان میں اسے حضرت حسن سے مرسلاً روایت کیا کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے)

سلہ اس میں تمام گناہ جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے معرض وجود میں آجاتے ہیں اسی وجہ سے اسے "ام الخبائث" کہا جاتا ہے ۔ صراح میں ہے جماع الشیئ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا معنی کسی شے کے جمع کرنے کے ہیں ۔ کہا جاتا ہے الخمر جماع الاثم (شراب گناہوں کو جمع کرنے والی ہے)

سلہ شیطان کے شکار کرنے کے آلات و اسباب ہیں، حبائل : حبالہ کی جمع ہے ۔ جیسے کتاب وہ جال مراد ہے جس سے شکار کیا جاتا ہے ۔

سلہ کیونکہ تمام گناہ محبت دنیا کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں اگر آخرت کا خوف ہو تو گناہوں کا ارتکاب نہیں ہوتا

سلہ اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذکر، شہادت، جماعت اور فضیلت و مرتبہ میں مؤخر کیا ہے ۔

۴۹۸۴/۵۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِى الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِى الْاٰخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِى الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِىْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِىْ دَارِ الْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خوف نفس کی خواہش اور لمبی امید سلہ سے رکھتا ہوں ۔ خواہش نفس حق سے روک دیتی ہے اور لمبی عمر کی امید آخرت کو بھلا دیتی ہے ۔ یہ دنیا رخصت ہونے والی اور جانے والی ہے اور آخرت کوچ کرنے اور آنے والی سلہ ہے ان میں ہر ایک کے لیے بیٹے سلہ ہیں اگر تم کوشش کرو تو دنیا کے بیٹے سلہ نہ ہو کیونکہ تم آج عمل کی جگہ میں ہو جہاں حساب نہیں اور کل تم آخرت میں ہو گے جہاں عمل نہ ہوگا سلہ

(بیہقی، شعب الایمان)

سلہ وہ آخرت کو بھولا ہوا ہے

سلہ دنیا ہر دم جاری ہے اور آخرت ہر دم آرہی ہے یہاں سے دنیا کے جلدی فنا ہونے کا مفہوم واضح ہو رہا ہے کیونکہ آخرت اگر اپنی جگہ رہے صرف دنیا ہی فنا ہو تب بھی دنیا گزر جائے گی چہ جائیکہ جب آخرت بھی بڑھ رہی ہو تو اب دنیا کے جلدی اختتام کا مفہوم زیادہ واضح ہے ۔

سلہ تابع اور محکوم مراد ہیں

سلہ اس کے تابع، طالب اور محکوم نہ ہو ۔

سلہ اور حساب ہوگا ۔

۴۹۸۵/۶۰ وَعَنْ عَلِىٍّ قَالَ ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَّارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَّلِكُلِّ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا کوچ کرتے ہوئے پیٹھ پھیر رہی سلہ ہے اور آخرت کوچ

وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُونَ فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ)

کرتے ہوئے سامنے آرہی ہے[۲] ان میں سے ہر ایک کی اولاد ہے تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے نہ بنو، کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہ ہوگا (اسے بخاری[۳] نے ایک باب کا عنوان بنایا ہے)

[۱] دنیا ہماری طرف پشت کرنے والی ہے "مُدْبِرَةٌ" بمعنی ذَاهِبَۃٌ" ہے جیسا کہ سابقہ حدیث میں آیا ہے
[۲] اس کا معنی ہماری طرف ہے
[۳] امام بخاری نے اسے موقوفاً بیان کیا، حدیث جابر کے مضمون سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ مرفوع ہے کیونکہ دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔

۴۹۸۶ وَعَنْ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ[۱] يَأْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ أَلَا وَإِنَّ الْآخِرَةَ أَجَلٌ صَادِقٌ وَيَقْضِي فِيهَا مَلِكٌ قَادِرٌ أَلَا وَإِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ بِحَذَافِيرِهِ فِي الْجَنَّةِ أَلَا وَإِنَّ الشَّرَّ كُلَّهُ بِحَذَافِيرِهِ فِي النَّارِ أَلَا فَاعْمَلُوا وَأَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلَى حَذَرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مَعْرُوضُونَ عَلَى أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا آگاہ رہو دنیا بے ثبات[۱] سامان ہے جس سے نیک و بد سب کھاتے ہیں[۲]، سنو آخرت سچی میعاد[۳] ہے جس میں قدرت والا مالک فیصلہ فرمائے گا آگاہ رہو کہ ساری خوبیاں اپنے کناروں[۴] سمیت جنت میں ہیں۔ آگاہ رہو کہ تمام مصیبت اپنے کناروں سمیت آگ میں ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے[۵] عمل کیا کرو اور جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے[۶] پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔ (امام شافعی)

[۱] طیبی کہتے ہیں کہ حاضر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں ثبات نہ ہو اور صراح میں اس کا ترجمہ مال دنیا کیا گیا ہے۔
[۲] مومن و کافر، فاسق و فرمانبردار تمام کے تمام دنیاوی رزق سے حصہ پاتے ہیں۔
[۳] آخرت متحقق اور ثابت ہے۔
[۴] انواع و اقسام
[۵] یا اس بات سے ڈرو کہ عمل قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں
[۶] یہاں قلب ہے یعنی تمہارے اعمال تم پر پیش کیے جائیں گے، یا یہ معنی ہے کہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق

بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا ۔

۴۹۸۷/۶۲ وَعَنْ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ الدُّنْیَا عَرَضٌ حَاضِرٌ یَاْکُلُ مِنْھَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَاِنَّ الْاٰخِرَۃَ وَعْدٌ صَادِقٌ یَحْکُمُ فِیْھَا مَلِکٌ عَادِلٌ قَادِرٌ یُحِقُّ فِیْھَا الْحَقَّ وَیُبْطِلُ الْبَاطِلَ کُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فَاِنَّ کُلَّ اُمٍّ یَتْبَعُھَا وَلَدُھَا (رَوَاھُمَا اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ)

حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اے لوگو! یہ دنیا غیر ثابت شے ہے اس سے نیک و بد دونوں کھاتے ہیں اور آخرت سچ اور حق ہے اس میں مالک عادل اور قدرت والا فیصلہ کرے گا حق کو ثابت اور باطل کو ختم کرے گا آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے نہ بنو کیونکہ ہر فرزند اپنی والدہ کی اتباع[۱] کرتا ہے ۔ (ابو نعیم، حلیہ)

[۱] پس جو شخص آخرت کے تابع ہوگا وہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کرے گا اور جو دنیا کا بندہ ہوگا وہ اسی میں پھنسا رہے گا ۔

۴۹۸۸/۶۳ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلَّا وَبِجَنْبَتَیْھَا مَلَکَانِ یُنَادِیَانِ یُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَیْرَ الثَّقَلَیْنِ یَا اَیُّھَا النَّاسُ ھَلُمُّوْا اِلٰی رَبِّکُمْ مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی رَوَاھُمَا اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج دو فرشتوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے وہ آواز دے کر جن و انس کے علاوہ[۱] ہر مخلوق کو سناتے ہیں ۔ لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ، جو تھوڑا[۲] اور کافی ہے وہ اس سے اچھا ہے جو زیادہ ہو اور غافل کر دینے والا ہو ۔ (ابو نعیم، حلیہ)

[۱] ابتلاء کی وجہ سے یہ نہیں سنتے ۔

[۲] یعنی وہ رزق جو کم مگر کافی ہو وہ اس رزق سے بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر عبادتِ خدا سے غافل کر دے یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مقصد لوگوں کو متوجہ کرنا ہے تو جب انھوں نے اس ندا کو سنا ہی نہیں تو یہ مقصد کیسے حاصل ہوا؟ اس کے جواب میں یہی کافی ہے کہ ہمیں جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ کر دیا ہے تو ہم نے سن لیا ہے ۔

۴۹۸۹/۶۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ یَبْلُغُ بِہٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلَائِکَۃُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ اٰدَمَ مَا خَلَّفَ ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدمی فوت ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تو نے آگے[۱] کیا بھیجا ہے؟ انسان کہتے ہیں پیچھے کیا چھوڑا ہے[۲] (بیہقی شعب الایمان)

[۱] نیک اعمال میں سے ۔

[۲] فرشتوں کی نظر نیک اعمال پر اور آدمیوں کی نظر مال پر ہوتی ہے ۔

۴۹۹۰ وَعَنْ مَالِكٍ اَنَّ لُقْمَانَ قَالَ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ اِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ سِرَاعًا يَذْهَبُوْنَ وَاِنَّكَ قَدِ اسْتَدْبَرْتَ الدُّنْيَا مُنْذُ كُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْاٰخِرَةَ وَاِنَّ دَارًا تَسِيْرُ اِلَيْهَا اَقْرَبُ اِلَيْكَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْهَا۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت مالک سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے[1] سے کہا اے بیٹے لوگوں پر جزا اور سزا کا معاملہ[2] دراز ہو گیا ہے اور وہ آخرت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور تم جب سے پیدا ہوئے ہو دنیا کو پیچھے چھوڑ رہے ہو اور آخرت کی طرف جا رہے ہو[3] اور وہ گھر جس کی طرف تم جا رہے ہو اس سے زیادہ قریب ہے جس سے تم نکل رہے[4] ہو۔ (رزین)

[1] اپنے بیٹے کو بطور نصیحت کہا۔
[2] قیامت اور جزا و سزا مراد ہے کیونکہ انہی کا وعدہ ہے۔
[3] جب آخرت کی طرف توجہ ہے تو دنیا چھوٹ گئی۔
[4] واقعۃً یہاں سے آدمی نکل جاتا ہے وہ ہر مقام، ہر گھڑی، اور ہر قدم پر مزید دور ہو جاتا ہے اور جس کی طرف انسان روانہ ہوتا ہے وہ قریب ہوتا جاتا ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہ سفر ختم ہو جاتا ہے

۴۹۹۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ہر سالم دل والا اور سچی زبان والا عرض کیا گیا ہم سچی زبان والے کو جانتے ہیں[1] مگر سالم دل والے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ایسا ستھرا جس پر نہ گناہ ہو نہ بغاوت نہ کینہ نہ حسد[2] (ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

[1] جو کبھی جھوٹ نہ کہے اور اس کی زبان پر سوائے سچ کے کچھ نہ ہو
[2] نہ ظالم ہو
[3] لفظ "مخموم"، "خم" سے بنا ہے جس کا معنی زمین اور کنوئیں سے گرد و غبار کا صاف کرنا ہے کہا جاتا ہے، خم البیت واخمہ اس نے گھر میں جھاڑو دیا۔ خمامہ خاء کے پیش کے ساتھ وہ مٹی جو جھاڑو دینے سے اکٹھی ہو۔
ممکن ہے صحابہ اس لفظ کے معنی سے آگاہ نہ ہوں کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ گفتگو میں ایسا لفظ استعمال فرماتے جو صحابہ اہل زبان اور فصاحت و بلاغت میں کمال کے باوجود اس کے معنی سے آگاہ نہ ہو پاتے جیسا کہ حمی الوطیس (جنگ سخت ہو گئی) یا لغت کے لحاظ سے اس کے معنی سے آگاہ ہوتے مگر اس کے معنی کا تعین نہ کر پاتے تو اس پر

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی تفصیل فرما دیتے یہ احتمال واضح تر ہے۔

۴۹۹۲ (۶۷) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تیرے اندر چار چیزیں ہیں تو دنیا[1] تجھ سے فوت ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں[2]۔ حفاظتِ امانت[3]، سچی بات، اچھی عادت[4]، کھانے میں عفت[5]۔ (مسند احمد، بیہقی شعب الایمان)

[1] جب اخروی نعمتوں کی بنیاد حاصل ہو اور نفس ان کی وجہ سے نورانی اور باکمال ہو کر اس کے ذریعے آخرت کے ثواب اور نعمتوں کو حاصل کرے تو ایسی صورت میں اگر دنیوی نعمتیں، شہوات اور لذات نہیں ملتیں تو کیا غم؟ بلکہ ان کے ہونے میں کمال لطافت اور نور جمال میں خلل اور نقص کا امکان ہو سکتا ہے۔ شاید یہ بات آپ نے اہل معرفت کے قلوب کی تسلی اور تشفی کے لیے فرمائی ہو کیونکہ بعض اوقات بتقاضائے بشریت ان کی توجہ دنیا کی طرف ہو جاتی ہے۔

[2] ان چار چیزوں کی تفصیل

[3] اپنے پروردگار، اس کے بندوں کے اور اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی

[4] نیک طبیعت اور پاکیزہ فطرت مروت ہے جیسا کہ گزشتہ الفاظ خَلِيْقَةٌ مُسْتَقِيْمَةٌ کے تحت گزرا ہے۔

[5] لقمۂ حرام سے اجتناب، قدر ضرورت پہ اکتفا اور کھانے میں کثرت نہ کرنا۔

۴۹۹۳ (۶۸) وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهُ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ۔ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

امام مالک سے روایت ہے کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اس بندگی کے مقام پر کس چیز نے پہنچایا؟ فرمایا، بات کی سچائی ادائیگی امانت، بیکار کام کا چھوڑنا[1]۔ (الموطا، امام مالک)

[1] ہر وہ کام جو میری ضرورت نہ تھا اسے ترک کر دیا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حکمت سچ بات کہنا اور نیک کردار کا نام ہے۔

فائدہ:۔ حضرت لقمان، حضرت ایوب علیہ السلام کے خواہر زادہ یا خالہ کے بیٹے ہیں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں، صحیح یہی ہے کہ وہ ولی اور حکیم تھے یہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار نبی کی خدمت کی اور ان سے استفادہ کیا۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نہ نبی تھے اور نہ بادشاہ، ایک سیاہ حبشی تھے جو بکریاں چراتے اللہ تعالیٰ نے انھیں منتخب فرما لیا انھیں حکمت، دانائی اور بلند عقل بخشی اور اپنی مبارک کتاب قرآن مجید میں ان کا ذکر کیا۔

۴۹۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجِیْئُ الْاَعْمَالُ فَتَجِیْئُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَیَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰی خَیْرٍ فَتَجِیْئُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَیَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْئُ الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنَا الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ تَجِیْئُ الْاَعْمَالُ عَلٰی ذٰلِكَ یَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی اِنَّكَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْئُ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی اِنَّكَ عَلٰی خَیْرٍ بِكَ الْیَوْمَ اٰخُذُ وَبِكَ اُعْطِیْ قَالَ اللهُ تَعَالٰی فِیْ كِتَابِهٖ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال[1] آئیں گے، نماز آئے گی عرض کرے گی اے میرے رب![2] میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو خیر پر[3] ہے، صدقہ آئے گا عرض کرے گا یا رب میں صدقہ ہوں رب فرمائے گا تو بھی خیر پر[4] ہے پھر روزے آکر عرض کریں گے یارب[5] ہم روزے ہیں رب کریم فرمائے گا تم خیر پر ہو پھر باقی اعمال بھی اسی طرح آئیں گے رب تعالیٰ فرمائے گا تم خیر پر ہو پھر اسلام[6] آئے گا عرض کرے گا یارب تو سلام[7] ہے اور میں اسلام ہوں رب تعالیٰ فرمائے گا تو بھلائی پر[8] ہے آج تیری وجہ سے میں گرفت کروں گا اور تیری وجہ سے عطا کروں گا[9] ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے گا اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں میں سے ہے

[1] تمام بندوں کے اعمال بارگاہِ خداوندی میں آجائیں گے تاکہ وہ ان کے خلاف حجت یا ان کے حق میں شفاعت کریں، اعمال کی آمد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حسین وجمیل صورت ہوگی جیسا کہ بعض احادیث وآثار سے مفہوم ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اعراض آئیں اور وہ گفتگو کریں یا اس سے اعمال کے وجود کا استحضار اور بندے کا ان کے ساتھ متصف ہونا مراد ہے۔

[2] تیری بارگاہِ ولطف میں اس بندے کی اس قبولیت کی بناء پر شفاعت کرتی ہوں جو مجھے تیری بارگاہ میں حاصل ہے تو نے مجھے عزت اور قرب عطا فرما کر اپنے دین کا ستون قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے "اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" (بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے) جب میں دنیا میں فسق وفجور سے روکنے والی تھی تو آج بھی میں امیدوار ہوں کہ میں تیرے غضب وعتاب سے اسے محفوظ کر لوں گی۔

[3] اے نماز تو خیر، فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہے یہ احسن انداز اور نہایت ہی کرم کے ساتھ اس کی شفاعت کی قبولیت میں توقف ہے یعنی تجھے یقیناً اپنے مقام پر فضیلت اور بزرگی حاصل ہے رہا معاملہ شفاعت اور انعام کا تو وہ الگ ہے اور وہ تیرا اور تیری طرح کے دیگر تمام اعمال کی اصل، بنیاد اور جامع صفات ہے یعنی اسلام آئے گا۔ یہاں قابلِ قدر نکتہ یہ ہے کہ مقامِ شفاعت پر کھڑا ہونے والی وہی ذات ہو سکتی ہے جو جامعیت میں بارگاہِ الٰہی میں جامع کمالات ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کہ جو اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کی مظہر ہے آپ کے

علاوہ کوئی پیغمبر باب شفاعت نہیں کھولے گا اس طرح اعمال میں بھی الیسا عمل ہوگا جو خیر و کمال کی تمام صفات کو جامع ہوگا اور اس کی تفصیل حدیث کے آخر میں آچکی ہے۔

سمھ یعنی زکوٰۃ

۵۵ اے اللہ! میں اس بندے کی شفاعت کرتا ہوں تو نے مجھے اپنے لطف سے نوازتے ہوئے فرمایا ہے۔ اَلصَّدَقَۃُ تُطْفِیُٔ غَضَبَ الرَّبِّ (صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے)

۵۶ جیسا کہ نماز کو فرمایا تھا

۵۷ اے اللہ! تو نے میرے ساتھ الیسی جزا مخصوص فرمائی ہے جس کا علم تیرے سوا کسی کو نہیں، تیرا وعدہ ہے جس نے روزہ پایا اور اس کا احترام کیا میں اسے بخش دوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔

۵۸ اسی طریقہ پر جو ذکر ہوا

۵۹ اللہ تعالیٰ ہر عمل کی شفاعت کو مؤخر رکھے گا اور اس کی درخواست کو احسن کرم کے ساتھ موقوف فرمائے گا۔

۶۰ جو تمام اعمال خیر کا جامع اور اوامر و احکام کا سرچشمہ ہے

۶۱ اے پروردگار! تیرا مبارک نام سلام ہے یعنی تو تمام نقائص، عیوب اور آفات سے سالم و منزہ ہے اور اپنے بندوں کو تمام مصائب و تکالیف سے محفوظ فرمانے والا ہے۔ میں اسلام ہوں تیرے حکم کے تابع، خاشع اور انکساری کرنے والا ہوں تو نے فرمایا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے) اسلام جامع ہونے کے ساتھ ساتھ شفاعت کی درخواست احسن انداز اور ادب سے کرے گا کہ پہلے اپنے رب کی ثناء و تعظیم کا اظہار کرے گا پھر شفاعت۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے اپنے رب کی مخصوص ثناء کریں گے اور اس کے بعد شفاعت کا دروازہ کھولیں گے، یہاں اللہ تعالیٰ کا نام سلام لیا گیا کیونکہ بندے کی شفاعت بھی مطیع ہونے کی بناء پر قبول ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اسلام سے مراد رضا و تسلیم اور ترک اختیار کا وہ مقام ہو جو اہل قرب اور منتخب لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ خلعت کے درجہ پر فائز ذات کے بارے میں فرمایا اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جب بھی انھیں کہا جھک جاؤ عرض کیا میں جھک گیا اس رب کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)

۶۲ اسی طرح جیسے دیگر اعمال کو فرمایا تاکہ دیگر ساعتوں پر ترجیح و تعظیم لازم نہ آئے اور وہ بارگاہ و رحمت و قبول سے ناامید و پریشان نہ ہوں کیونکہ جزء ہو یا کل تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے احسان و لطف کے دریا میں غرق ہیں۔ اس کے بعد دیگر پر اسلام کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی قبول بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

۶۳ اب تو جو چاہتا ہے مانگ لے۔

۴۹۹۵ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ لَنَا سِتْرٌ فِیْہِ تِمْثَالُ طَیْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ہمارے ہاں ایک پردہ تھا جس پر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ حَوِّلِيهِ فَإِنِّي إِذَا رَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

پرندوں کی تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! انھیں ہٹا دو[۱]۔ میں اسے جب دیکھتا ہوں مجھے دنیا یاد[۲] آجاتی ہے۔

[۱] یہ پردہ تبدیل کر دو اور یہاں سے دور کر دو۔

[۲] دنیا کا سامان یاد آجاتا ہے جو بیرے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ہی مذموم ہے۔ اے عزیز! غور کر جب دنیا کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے دل کے تکدر اور تشویش کا موجب ہے تو خود دنیا کا کیا حال ہوگا؟

۴۹۹۶ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِي وَأَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ فِي صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نہایت ہی مختصر[۱] نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو رخصت ہونے[۲] کی طرح پڑھو۔ ایسی گفتگو نہ کرو جس سے کل معذرت[۳] کرنی پڑے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے خوب[۴] مایوس ہو جاؤ۔

[۱] یعنی جو نہایت ہی جامع ہو۔

[۲] اس شخص کی طرح پڑھو جو اللہ کے سوا تمام مخلوق اور نفس کو چھوڑنے والا ہے، اور اس طرح اخلاص توکل اور توجہ تام میں اپنے مولیٰ کی طرف یکسو ہو کر دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اور یہ تیری آخری نماز ہے اور تیری عمر کا آخری وقت ہے اسی لیے بزرگوں کی وصیتوں میں موجود ہے کہ طالب کو چاہیے وہ ہر نماز کو اپنی عمر کی آخری نماز تصور کرے جب ایسا کرے گا تو یقیناً نماز میں ذوق، حضور قلب اور تعدیل ارکان ہوگا۔

[۳] کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگنی پڑے یا مطلق گفتگو مراد ہے خواہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہو یا دیگر مسلمانوں کے ساتھ یعنی ایسی گفتگو ہی نہ کرو جس پر پشیمان ہو کر معذرت کرنی پڑے۔

[۴] ان سے ناامیدی پر عزم مستحکم کرے اور کبھی لالچ نہ کرے۔

۴۹۹۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِيهِ مُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي تَحْتَ رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هٰذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هٰذَا وَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں یمن[۱] روانہ فرمایا تو آپ انھیں الوداع کہنے کے لیے نکلے آپ نے انھیں وصیت فرمائی اس حال میں کہ معاذ سوار اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل چل رہے[۲] تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا اے معاذ اس سال کے بعد شاید تو مجھ سے نہ ملے

ثُمَّ بَكٰى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا۔

(رَوَى الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ اَحْمَدُ)

اور شاید تو آئے تو میری یہ مسجد ہو گی اور میری قبر، حضرت معاذ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس جدائی و فراق کے صدمے[۳] میں رو پڑے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس ہوئے، چہرہ اقدس مدینہ طیبہ کی طرف تھا تو فرمایا میرے سب سے قریب وہ شخص ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں جو بھی ہوں[۴] اور جہاں بھی ہوں

(یہ چارروایات مسند احمد میں ہیں[۵])

[۱] قاضی بنا کر

[۲] معاذ کی سواری کے ساتھ، اس سے واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاذ کی عظمت و شان کا اہتمام فرمایا، اس میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ اگر سربراہ اپنے کسی صاحب منصب کا احترام کرے تو یہ اس کے احکام کے نفاذ کے لیے بڑا بہتر ہوتا ہے لوگ اس کا احترام بجا لائیں گے۔

[۳] جَشَعًا۔ جیم اور شین دونوں پر فتحہ، طیبی میں اس کا معنی محبوب کے فراق میں آنسو بہانا ہے اور صراح میں ہے کہ اس کا معنی حرص کا غالب آنا اور سخت آرزومند ہونا ہے۔

[۴] وہ لوگ جو بھی ہوں جس جگہ کے بھی ہوں، یہ حضرت معاذ کے لیے وصیت اور تسلی ہے کہ تقویٰ کی راہ پر قائم رہو میرے فراق پر غم نہ کرو اگر تو صاحب تقویٰ رہا تو خواہ صورۃً جدا و دور ہے مگر حقیقتاً تو میرے قریب ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے معاذ کو اپنے وصال کی خبر دی اور آگاہ کر دیا کہ جب تو واپس آئے گا تو اس شخص کی اقتدا کرے گا جو متقین میں سے میرے سب سے زیادہ قریب ہے۔ شارحین حدیث نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ بنے۔ حدیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک خاتون نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ عرض کیا آپ نے فرمایا کسی وقت دوبارہ آنا، اس خاتون نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں گویا وہ کہہ رہی تھی اگر آپ کا وصال ہو جائے تو پھر؟ آپ نے فرمایا اگر تو آئے اور مجھے نہ پائے تو ابو بکر سے مل لینا، اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے انتہیٰ اور چہرۂ اقدس کو مدینہ طیبہ کی طرف پھیرنا اس معنی کی تائید کرتا ہے، ورنہ حضرت معاذ کی تسلی کے لیے چہرۂ اقدس کو اس طرف پھیرنے کا کیا معنی؟

[۵] حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر اس حدیث تک۔

۴۹۹۸/۳ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی

يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

اللہ تعالیٰ جس شخص کی ہدایت[1] کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب نور سینے میں داخل ہوجاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس سے اس نور کی معرفت ہوجائے؟ فرمایا ہاں! دنیا سے دور رہنا، آخرت کی طرف متوجہ ہوجانا موت سے پہلے اس کی تیاری۔

[1] یعنی اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں چاہتا ہے کہ اسے راہ دکھائے، اپنا طریق واضح کرے اور اسے اپنی توفیق سے نوازے اس کا سینہ مسلمان ہونے کے لیے کھول دیتا ہے اس سے تردد اور تشکیک کو دور فرما دیتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے نفس کو حق کے قبول کرنے اور دل میں ایمان داخل ہونے اور ایمان کو کدورت سے پاک اور ایمان کے تمام منافی اور موانع کو دور کرکے انشراح صدر عطا کردیتا ہے کیونکہ دل ہی تمام انوار و اسرار کا مرکز و سرچشمہ ہے۔
[2] کیونکہ فریب و مکر اور دھوکہ کی جگہ ہے، شیطان اس کی بنا پر انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔
[3] جو ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے۔
[4] ایسے اعمال کرے جو موت کے بعد کام آئے۔

۴۹۹۹ / ۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَبِيْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطٰى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوخلاد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی نعمت عطا کی گئی ہے تو ان کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اسے صاحب حکمت[2] بنایا گیا ہے۔
(ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے)

[1] خلاد - خاء پر زبر، لام مشدد اصابہ میں ہے کہ صحابی ہیں ان کا نام عبدالرحمن ہے۔ استیعاب میں ہے کہ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے ان کا تذکرہ صرف اصحاب کنیت میں کیا ہے۔
[2] یلقی، قاف مشدد، حکمت، اچھا کردار اور راست بازی کا نام ہے۔

۳۳۰- بَابُ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ وَمَا كَانَ مِنْ عَيْشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فضیلتِ فقراء اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زندگی کیسے گذاری؟

واضح رہے کہ اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ فقیر صابر بہتر ہے یا غنی شاکر۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ غنی شاکر افضل ہے کیونکہ اس کے ہاتھ سے خیرات وصدقات اور امورِ خیر زیادہ صادر ہوتے ہیں اور حدیث میں بھی اغنیاء کی شان بیان ہوئی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ" (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) جیسا کہ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اکثر اہلِ علم کہتے ہیں کہ فقیر صابر افضل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حالتِ مبارکہ یہی تھی اس باب کی تمام احادیث ان کی دلیل ہیں۔ حق یہ ہے کہ فقر اور غناء کی ماہیت مطلقہ میں اختلاف ہے کسی خاص معین شخص کے حوالے سے بعض اوقات غنا بہتر ہوتا ہے اور بعض اوقات جس طرح ایک حدیث میں ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر لطف کرتا ہے تو جس میں اس کی بہتری ہو وہ مال عطا کر دیتا ہے، کبھی فقر کبھی غناء، کبھی صحت، کبھی مرض اسی طرح تمام متضاد صفات کا معاملہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیرانِ پیر غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ سے پوچھا گیا، فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر، فرمایا ان دونوں سے فقیر شاکر افضل ہے، اس میں فقر کے افضل ہونے پر اشارہ ہے یعنی فقر ایک نعمت ہے اس پر شکر کا اظہار ہونا چاہیے، یہ مصیبت نہیں کہ اس پر صبر کیا جائے۔

شیخ عالم عارف مقتدی عبدالوہاب المتقی اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ جب تک ہم سے اس بات کا اقرار نہیں لیا کہ فقر افضل ہے اس وقت تک ہمارا ہاتھ نہیں پکڑا اور فرمایا کہو فقر غنا سے افضل ہے، ہم نے کہا فقر غنا سے افضل ہے، اس کے بعد ہاتھ پکڑا اور مزید فرمایا واضح رہے کہ بعض لوگ فقیر اور مسکین میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہوتا ہے جو مالک نصاب نہ ہو اور مسکین وہ ہوتا ہے جو کوئی شے نہ رکھتا ہو۔ بعض نے اس کا عکس کہا ہے۔ یہاں فقراء کا لفظ فقراء و مساکین دونوں کو شامل ہے اگرچہ جو احادیث اس باب میں مذکور ہیں ان میں کہیں لفظ فقراء اور کہیں مساکین آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ	پہلی فصل
۵۰۰۰- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے

بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پراگندہ بالوں والے، دروازوں سےلہ بھگائے ہوئے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ اسےلہ یقیناً پورا کرتا ہے۔ (المسلم)

لہ حقارت کی وجہ سے، جب اندر آئے پر اتنی نفرت وحقارت ہوگی تو مجالس میں شرکت بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگی

لہ اگر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے اور اس پر قسم دے کہ وہ ضرور دے گا تو اس کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی بلکہ اسے پورا کر دیا جاتا ہے بعض کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے نبھاتا ہے اور اسی طرح ہی کر دیتا ہے یہ معنی زیادہ واضح ہے اور حدیث حضرت انس بن نضر کی اس حدیث کے زیادہ موافق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم پر اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا جیسا کہ باب الدیۃ میں گزر چکا ہے۔

۵۰۰۱/۲ وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مصعب بن سعدلہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھالہ کہ انھیں اپنے ماتحت پر بزرگی حاصل ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایالہ تم اپنے کمزوروں کی برکت سے ہی مدد کیے جاتے ہو اور روزی دیے جاتے ہو۔ (بخاری)

لہ یہ سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے، تابعی ثقہ اور لین الحدیث ہیں۔ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے یہ اپنے والد گرامی حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ ایک سو تین ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

لہ انھیں یہ گمان ہوا کہ کمزور اور فقراء مسلمانوں سے ہم افضل ہیں، یہ بڑے ہی صاحبِ شجاعت اور صاحب کرم وسخاوت تھے تو دل میں تصور آیا کہ ان کمزور لوگوں کی نسبت ہم نے اسلام کی زیادہ خدمت کی ہے، کیونکہ ان میں شجاعت وسخاوت کا وہ درجہ نہیں۔

لہ ان کی خود بینی کو دور کرنے کے لیے

لہ دشمنوں پر تمھاری ان کے صدقے میں مدد ہوتی ہے اور انھیں کی برکت سے تمھیں روزی دی جاتی ہے۔

۵۰۰۲/۳ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ اَنَّ اَصْحَابَ النَّارِ قَدْ اُمِرَ بِهِمْ اِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت کے دروازے پر کھڑا تھا تو وہاں اکثر داخل ہونے والے مسکین لوگ تھے اور مالدار لوگوںلہ کو روکا گیا تھالہ۔ ماسوائے ان آگ والوں کے جن کو آگ کی طرف جانے کا حکم تھا اور میں دوزخ کے دروازے پر کھڑا تھا

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

وہاں اکثر داخل ہونے والی عورتیں تھیں ۔
(بخاری ، مسلم)

سلہ اصحاب الجد سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاحبِ دولت وعظمت اور صاحبِ منصب ہوں ان کو میدانِ محشر میں حساب وکتاب کے لیے روکا گیا ہوگا ۔

سلہ یعنی مومنین کے دو گروہ ہوں گے ایک وہ جن کو جنت میں جانے سے نہیں روکا گیا اور دوسرے وہ جن کو جنت میں داخلے سے روکا گیا ہوگا لیکن آخر تمام جنت میں جائیں گے اور کافر ایک ہی حکم سے دوزخ میں جائیں گے ۔

۵۰۰۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّۃِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا الْفُقَرَآءَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا النِّسَآءَ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت میں جھانکا تو میں نے وہاں اکثر فقراء کو دیکھا اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو وہاں اکثر عورتوں کو دیکھا
(بخاری ، مسلم)

۵۰۰۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فُقَرَآءَ الْمُھَاجِرِیْنَ یَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِیَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَی الْجَنَّۃِ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روزِ قیامت فقراء مہاجرین جنت میں غنی لوگوں سے چالیس سلہ سال پہلے جائیں گے ۔ (مسلم)

سلہ خریف ، معروف زمانے کا نام اور ربیع کے مقابل مستعمل ہے یہاں اس سے پورا سال مراد ہے کیونکہ یہ سال میں ایک ہی دفعہ آتا ہے اور عرب سال کی ابتداء خریف سے ہی کرتے ہیں ۔

سلہ اس حدیث سے ظاہراً یہی واضح ہے کہ یہ حکم فقراء مہاجرین کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اغنیاء سے مراد بھی مہاجرین اغنیاء ہی ہوں گے ۔ اس تخصیص کا فائدہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فصلِ ثانی کی پہلی ہے میں معلوم ہوگا ۔

۵۰۰۵ وَعَنْ سَھْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَہٗ جَالِسٍ مَا رَاْیُکَ فِیْ ھٰذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَشْرَافِ النَّاسِ ھٰذَا وَاللّٰہِ حَرِیٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ یُّنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ یُّشَفَّعَ قَالَ فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے اس کے بارے میں پوچھا تیری اس کے بارے میں کیا رائے ہے ؟ عرض کیا یہ اعلیٰ سلہ لوگوں میں سے ہے خدا تعالیٰ کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر پیغامِ نکاح دے تو

ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِي هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَّا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَّا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَّا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

قبول کیا جائے ، اگر سفارش[۲] کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے ۔ راوی[۳] کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاموشی فرمائی پھر دوسرا آدمی گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص فقراء مسلمانوں میں سے ہے ، یہ اس لائق ہے کہ اگر پیغامِ نکاح دے تو نہ قبول کیا جائے اور اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ قبول کی جائے اور اگر گفتگو کرے تو نہ سنی جائے[۴] تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آدمی[۵] اس (پہلے[۶]) جیسے زمین بھر کے آدمیوں سے بہتر ہے ۔

(بخاری ، مسلم)

[۱] یہ مال دار لوگوں میں سے ہے ۔
[۲] کسی کے گناہ کی معافی مانگی تو معافی دی جائے ۔
[۳] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
[۴] حقارت کی وجہ سے ۔ اس شخص نے اس کی حقارت میں خوب مبالغہ سے کام لیا جبکہ پہلے شخص کی تعظیم میں اتنا مبالغہ نہیں کیا ۔ دراصل بات یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی طبیعت ایسی ہی ہے ۔ دوسروں کے نقائص وعیوب میں زبان بہت تیز ہوتی ہے جو کہ کسی انسانی عظمت وکمال کے لیے نہیں ہوتی ۔
[۵] جس کی تو نے تحقیر کی ہے ۔
[۶] اس سے جس کی تو نے مدح کی ہے اگر تمام زمین ایسے اشخاص کی طرح کے اشخاص سے پُر ہو جائے جس کی تو نے سفارش کی ہے تو یہ دوسرا شخص اس سے مرتبہ اور فضیلت میں کہیں بہتر ہے ۔ وَكَمْ مِّنْ مِّثْلِ الرِّجَالِ تَفَاوُتًا۔

۵۰۰۶ - وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور کے گھر والوں نے کبھی بھی دو دن مسلسل پیٹ بھر کر جَو کی روٹی نہیں کھائی ۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا[۱]

(بخاری ومسلم)

[۱] آپ کا بھوکا رہنا اختیاری تھا ، دنیا اور اس کی لذات کو ترک کر دیا تھا ، اتنی روزی پر قناعت جو زندہ رکھے ،

پیر فقراء و مساکین اور دیگر لوگوں کو اپنی ذات پر ترجیح دے کر ان کی حاجتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

۵۰۰۷/۸ وَعَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعید مقبری[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں وہ ایک قوم پر گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری تھی، انھوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے انکار کردیا[2] اور فرمایا اللہ کے رسول دُنیا سے تشریف لے گئے حالانکہ کبھی جَو کی روٹی سے بھی سیر نہ ہوئے۔[3] (بخاری)

[1] المَقْبُری، با پر پیش یا زبر کبھی زیر آتی ہے، قبرستان کی طرف نسبت ہے، کیونکہ وہ اور ان کے والد قبرستان کے قریب رہتے تھے ان کی کنیت ابوسعید ہے والد کا نام کیسان ہے یہ دونوں تابعی ہیں محدثین کا اختلاف ہے بعض بعض صدوق بعض لاباس، بعض انھیں ثقہ کہتے ہیں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ بڑھاپے میں ان کی عقل میں اختلاط ہوگیا لہٰذا جو اختلاط سے پہلے کی مرویات ہوں گی وہ حجت ہوں گی انھوں نے اپنے والد گرامی، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے امام لیث، امام مالک اور امام احمد نے روایت لی ہے۔

[2] عُذر بیان کرتے ہوئے۔

[3] جب آقا کا یہ حال ہے تو ہم بھنی ہوئی بکری کیسے پسند کریں۔

۵۰۰۸/۹ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ مَشٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيْرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَا أَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ بُرٍّ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جَو کی روٹی اور پگھلی ہوئی پرانی چربی[1] لے کر آئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی اور اس سے اپنے اہل کے لیے جَو لیے اور میں نے آپ کو یہ فرماتے[2] ہوئے سنا، محمد کی آل نے اس حال میں شام کی کہ ان کے پاس ایک صاع گندم اور نہ ایک صاع دانہ[3] ہے۔ حالانکہ آپ کے ہاں اس وقت نو بیویاں تھیں[4] (بخاری)

[1] اِهالۃ صراح میں ہے کہ ہمزہ کے نیچے زیر ہے۔ سَنِخَۃٌ، سین پر زبر، نون کے نیچے زیر، خا، بدبودار اور فاسد ہونے والی۔

[2] یہ بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

[3] راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کو یہ کہتے ہوئے سنا یا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

ــــه کسی قسم کا کوئی غلہ وغیرہ یعنی رات کو کل کے لیے نہ ہوتا۔

ــــه یہاں ایک اشکال ہے کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو ایک سال کا غلہ ایک ہی دفعہ عطا فرما دیتے تھے اور یہ بات اس کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ اوائل دور کی بات ہے جب فقر مسلمانوں پر غالب تھا۔ جب وسعت ہوئی تو پھر ایک سال کا غلہ ملتا تھا۔ بعض شارحین لکھتے ہیں کہ کلام میں لفظ آل زائد آجاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ آلِ فلاں اور اس سے مراد خود اس شخص کی ذات ہوتی ہے (اب مطلب یہ ہوگا) کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے ذخیرہ نہ فرماتے تھے اور اگر ازواج مطہرات کے لیے ذخیرہ فرماتے تھے تو اس کے منافی نہیں ہے۔

۵۰۰۹ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ أَوَ فِيْ هٰذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر[۱] لیٹے ہوئے تھے[۲]۔ آپ کے جسم اطہر اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا۔ چٹائی کی بُنائی نے آپ کے پہلو پر اثر کیا تھا، چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائی ہوئی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے[۳] وہ آپ کی امت پر وسعت فرمائے کیونکہ فارس اور روم[۴] پر بڑی وسعت ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ فرمایا اے ابن خطاب[۵] تم اس خیال میں ہو اس قوم کو دنیاوی زندگی میں ان کی نعمتیں دے دی گئی ہیں[۶]۔ ایک روایت میں یوں ہے کیا تم اس سے راضی نہیں کہ دنیا ان کے لیے ہو اور آخرت ہمارے لیے۔

(بخاری، مسلم)

ــــه پہلو کے بل بورے پہ لیٹے ہوئے تھے۔

ــــه یہ بوریا چٹائی پر تھا یا زمین پر، بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ چٹائی کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ رُمَال، را پر پیش یا زیر یہ یعنی مرمول بنی ہوئی اور قاموس میں ہے کہ را پر پیش ہے۔

ــــه لیف ، لام کے نیچے کسرہ اور یا ساکن ، اغنیاء لوگ روئی یا اس کی مثل سے بھرتے ہیں۔ مگر فقراء خرما کے پوست کو کوٹ کر نرم کر لیتے ہیں۔

؎ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا ہوا ہے اور خود کو اس حال میں رکھا ہوا ہے تو محسوس کیا کہ فقراءِ امت ایسے فقر کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا ان پر دشواری ہوگی، اس لیے دعا کی درخواست کی تا کہ وسعت پیدا ہو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وسعت تھی مگر آپ کی عظمت و جلالِ شان کی وجہ سے ادنیٰ اور گھٹیا دنیا کا ذکر نہ کیا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریک گھر میں ایک گرم چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں گھر کے گوشے میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا اور ایک دو پرانے برتن پڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رو پڑے۔ فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ اللہ کا حبیب اس حال میں اور قیصر و کسریٰ ناز و نعمت میں ہیں، الیٰ آخر الحدیث۔ لیکن پہلا معنی ان کے بعد والے قول کے مناسب ہے۔

؎ یہ کسریٰ اور قیصر کی قوموں کے نام ہیں۔

؎ یہ بھی ایک خوب ادا ہے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر کا نام نہیں لیا، بلکہ ابن خطاب فرمایا کیونکہ ان کے والد عہدِ جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے اور آخرت کی نعمتوں سے غافل تھے جیسا کہ دیگر اہلِ جاہلیت تھے، ممکن ہے یا ابن الخطاب کا تعلق بعد والے جملے سے ہو۔

؎ مگر آخرت میں وہ خالی ہاتھ، پریشان حال اور گرفتارِ عذاب ہوں گے۔

۵۰۱۰/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ اِمَّا اِزَارٌ وَاِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهٗ بِيَدِهٖ كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرٰى عَوْرَتُهٗ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ستر اصحابِ صفہ کو اس حال میں دیکھا کہ ان پر چادر نہ تھی؎ صرف تہبند تھا یا کمبل جسے وہ اپنی گردن میں باندھ لیتے بعض نصف پنڈلی تک اور بعض ٹخنوں تک پہنچتے، وہ اسے اپنے ہاتھوں سے سنبھالتے رہتے؎ کہیں ستر ننگا نہ ہو جائے (بخاری شریف)

؎ کہ اسے وہ دوسرے کپڑے پر نہیں لیتے یا کاندھے پر ڈالتے، بلکہ وہ ایک کپڑے سے زائد کے مالک نہ تھے

؎ سجدہ کے وقت یا بیٹھتے وقت

۵۰۱۱/۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

انہی سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اسے دیکھے جسے اس پر مال و صورتِ ظاہری میں بڑائی دی گئی؎ ہے تو وہ اسے بھی دیکھ لے جو اس سے پیچھے ہے۔ (بخاری و مسلم) روایتِ مسلم میں ہے فرمایا تم اپنے سے نیچے کو دیکھو اور اوپر والے کو نہ دیکھو یہ عمل اس کا سبب ہے کہ کہیں تم اللہ کی نعمت کی

عَلَیْکُمْ ۔ ناقدری نہ کرو۔[۳]

[۱] اور اس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکریہ کی ادائیگی میں سستی ہو اور اس کے مال پر رشک پیدا ہو
[۲] تاکہ اپنے مولیٰ کے حضور خوب شکریہ کے جذبات اجاگر ہوں اور عطا کرنے والے سے خوش ہو جائے۔
[۳] ضابطہ یہ ہے کہ دنیا کے لحاظ سے نیچے والے کو دیکھو اور دین کے لحاظ سے اوپر والے کو دیکھو، جیسا کہ دوسری فصل میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۱۲ / ۱۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفِ یَوْمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فقیر لوگ جنت میں امیروں سے پانچ سو سال[۱] یعنی آدھا دن پہلے جائیں گے[۲] (ترمذی)۔

[۱] یعنی وہ دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال کا ہوگا۔
[۲] اس حدیث میں فقراء و اغنیاء کا مطلقاً تذکرہ ہے اس طرح مہاجرین کی قید نہیں جو فصل اول میں حدیث عبداللہ بن عمر میں گذری ہے۔ اس سے وہ اشکال بھی رفع ہوگیا جو بظاہر ان دو احادیث میں ہے کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا تھا کہ فقراء کی اغنیاء پر تقدیم چالیس سال ہے اور اس حدیث سے واضح ہے کہ پانچ سو سال ہے، جب مہاجرین اغنیاء فضلاء اور اکابر صحابہ بلکہ ان میں سے بعض فقراء مہاجرین اغنیاء سے افضل ہیں، لیکن یہ خاصیت فقراء کے ساتھ مخصوص ہے اور مدتِ تقدم ان پر کم تر ہے بخلاف غیر مہاجرین کے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چالیس سال کی تقدیم ان فقراء کے لیے ہے جو دنیا کی طرف کچھ نہ کچھ رغبت و خیال رکھتے تھے اور جو زاہد اور بالکل تارک الدنیا ہیں ان کا تقدم پانچ سو سال ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۰۱۳ / ۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَائِهِمْ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا یَا عَائِشَةُ لَا تَرُدِّی الْمَسَاکِیْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ یَا عَائِشَةُ اَحِبِّی الْمَسَاکِیْنَ وَقَرِّبِیْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ یُقَرِّبُكِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا کرتے، اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی میں موت دے اور مسکینوں کے گروہ میں اٹھانا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! کس لیے[۱]؟ فرمایا مسکین لوگ جنت میں اغنیاء سے چالیس سال پہلے جائیں گے[۲] اے عائشہ! مسکین کو خالی نہ موڑ[۳] اگرچہ کھجور کی قاش ہی ہو دے دو! اے عائشہ! مساکین سے محبت کرو اور ان کو قریب[۴] رکھو

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ إِلَى قَوْلِهِ فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔

تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تمہیں قریب رکھے۔
(ترمذی، بیہقی شعب الایمان اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری سے زمرۃ المساکین تک روایت کیا)

سلہ اس دعا میں حکمت کیا ہے؟

سلہ جواباً ارشاد فرمایا

سلہ یہاں یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ فقراء جنت میں ہر غنی سے پہلے جائیں گے خواہ وہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں کیونکہ غالباً آپ کا مقصد یہاں صرف فقر کا درجہ اور فضیلت بیان کرنا ہے اور اپنے لیے تمام انبیاء سے پہلے داخلہ کی دعا کرنا ہے۔ آپ کو بصورت غنا متاخر ہونے کا خیال آ سکتا ہے تو دیگر انبیاء کے حوالے سے ہوگا نہ کہ غیر انبیاء کے حوالے سے فافہم اس کے بعد حضرت عائشہ کو فقراء کے ساتھ رعایت اور محبت کی تعلیم دی۔

سلہ اس کے ساتھ احسان اور تسامح سے کام لو۔

سلہ یعنی اگرچہ وہ چیز تھوڑی ہی کیوں نہ ہو

سلہ جب تو مساکین کو اچھا سمجھے گی اور ان کو اپنے قریب کرے گی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قریب فرمائے گا۔

سلہ سوال وجواب عائشہ اور حدیث کا بقیہ حصہ روایت ابن ماجہ میں نہیں۔

۵۰۱۴/۱۵ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْغُوْنِي فِي ضُعَفَائِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ أَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کمزوروں میں تلاش کرو[1] تمہیں روزی اور مدد ان کمزوروں کی وجہ سے دی جاتی ہے[2]۔
(ابوداؤد)

سلہ مجھے ڈھونڈنا ہو تو کمزوروں میں تلاش کرو جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوتا ہوں یا معنی یہ ہے کہ میری رضا ان کی رضا کے ذریعے تلاش کرو، دونوں معانی کا مآل ایک ہی ہے۔

سلہ لہٰذا ان کے مقام سے آگاہ رہو اور ان کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ باقی "او" کا لفظ شک راوی کی بناء پر ہے کہ حدیث کا لفظ تُرْزَقُوْنَ ہے یا تُنْصَرُوْنَ لیکن بہتر ہے کہ یہ واؤ کے معنی میں ہو جیسا کہ فصل اول حدیث مصعب بن سعد میں گذر چکا ہے۔

۵۰۱۵/۱۶ وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَسِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ۔

حضرت امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ فقراء و مہاجرین کے توسل سے

فتح طلب[1] کرتے تھے۔ (شرح السنہ)

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

[1] اُسید۔ ہمزہ پر زبر اور سین کے نیچے زیر، ثقہ تابعی ہیں۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری اور ایک جماعت محدثین نے روایت کیا ہے۔ ابن سعد نے انھیں اہل مکہ کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے شیخ عجلی لکھتے ہیں کہ تابعی مدنی اور ثقہ ہیں یہ اسی یا اسی ہجری میں فوت ہوئے۔

[2] اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا بِفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ (اے اللہ فقراء و مہاجرین کے وسیلے سے ہمیں فتح عطا فرما) صعالیک، صُعلوک صاد پر پیش عین ساکن کی جمع ہے اس کا معنی درویش ہے تصعلک درویش ہوگیا صعلکہ اس کو درویش بنا دیا۔ اس روایت میں فقراء اور درویشوں کی فضیلت اور برکت کا بیان ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس فضیلت ہی کے پیش نظر برکت کی دعا کی اور انھیں اس فضیلت سے نوازا۔ ؎

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را (بادشاہوں پر کیا تعجب اگر وہ گداگر کو نوازدیں)

۵۰۱۶/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَۃٍ فَاِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا ھُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ اِنَّ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ قَاتِلًا لَا یَمُوْتُ یَعْنِی النَّارَ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کسی بھی فاسق پر کسی نعمت[1] کی وجہ سے رشک نہ کرو تمھیں کیا علم کہ وہ مرنے کے بعد کس چیز سے ملاقات کرنے والا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ ختم ہونے[2] والی جان لیوا چیز ہے یعنی آگ[3] (شرح السنہ)

[1] دنیاوی نعمت

[2] عذاب جو نہ ختم ہونے والا ہے

[3] یہ تفسیر حضرت ابوہریرہ نے کی ہے۔

۵۰۱۷/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُہٗ وَاِذَا فَارَقَ الدُّنْیَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَۃَ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کے لیے جیل خانہ[1] اور قحط سالی ہے۔ جب مومن دنیا سے جدا ہوتا ہے تو وہ گویا جیل اور قحط سے نکل جاتا ہے (شرح السنہ)

[1] اگرچہ اسے یہاں ناز و نعمت میسر ہوتے ہیں مگر آخرت کے انعامات کی نسبت یہ جیل کا درجہ رکھتی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ، طاعت اور عبادت کی طرف مائل رکھتا ہے دنیوی نعمتوں اور لذات سے لطف اندوز نہیں ہوتا بلکہ وہ شوق رکھتا ہے کہ محنت و مشقت کے اس گھر سے رہائی پائے اور باہر چلا جائے۔

سلہ اسی وجہ سے اس روایت "دُنیا کافر کے لیے جنت ہے" کا معنی بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵۰۱۸/۱۹ وَعَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِىْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ)

حضرت قتادہ بن نعمان سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے محفوظ سلہ کر لیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار سلہ کو پانی سے بچاتا ہے (مسند احمد، ترمذی)

سلہ یہ بدری صحابی ہیں
سلہ کہیں وہ اس دنیا میں مشغول ہو کر اپنے مولیٰ کو بھول نہ جائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس سے ہلاک نہ ہو جائے یہ دوسرا معنی آئندہ عبارت کے زیادہ مناسب ہے۔
سلہ مراد وہ بیمار ہے جسے پانی نقصان دیتا ہو مثلاً مستسقی۔

۵۰۱۹/۲۰ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت محمود بن لبید سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزوں کو انسان ناپسند کرتا ہے وہ موت سلہ کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مومن کے لیے فتنے سلہ سے بہتر ہے وہ مال کی قلت سلہ کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کم کر دے گی۔ (مسند احمد)

سلہ محمود بن لبید لام پر زبر با کے نیچے زیر، مدنی، انصاری اور اشہلی ہیں ان کی ولادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات میں ہوئی تھی۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں، امام مسلم نے انھیں تابعین کے دوسرے طبقہ میں شامل کیا، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ امام بخاری کا قول درست ہے اور ان کی صحابیت ثابت ہے۔
سلہ ان دو میں سے ایک موت ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اگرچہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو۔
سلہ اس فتنہ سے بہتر ہے جو کفر و معصیت اور جابر لوگوں کی طرف سے غیر مشروع کاموں پر مجبور کرنے کی صورت میں ہوتا ہے اور اسی کی مثل دیگر دینی ناپسندیدہ امور زندگی اسی لیے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں کمی جائے اور اس پر استقامت ہو ورنہ ایمان کے بغیر زندگی کس کام کی؟
اکراہ کی صورت میں اگرچہ دل مطمئن اور برقرار رہتا ہے مگر زبان پر کلمۂ کفر جاری ہونا مناسب نہیں لہذا یہ بھی فتنہ ہے ہاں اگر دنیا کا ابتلاء اور فتنہ اور نفس کے لیے سختی اور محنت و مشقت ہو تو یہ گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی ہوتی ہے اور اس تکلیف کی وجہ سے موت کی آرزو درست نہیں۔
سلہ یہ دوسری شے کا ذکر ہے، قلتِ مال کو انسان طبعاً ناپسند کرتا ہے۔

ے مال کی قلت مسلمان کے لیے بہتر ہے کیونکہ اس وجہ سے آخرت کا حساب آسان ہوگا اور اس کے حصول کے لیے محنت و مشقت کم اٹھانی پڑے گی ماں اے میرے عزیز! یہ تمام ایمان کی شاخیں ہیں جو شخص بھی صاحبِ ایمان ہے وہ اس پر یقینِ کامل رکھے کہ شارع علیہ السلام نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے اگر عقلِ سلیم اور دنیا میں صحیح تجربہ کا مالک ہو تو ہر آدمی از خود محسوس کرتا ہے کہ کثرت مال کے لیے جو مصیبت پریشانی اور مشقت جھیلنا ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کے لیے جو جتن کرنے پڑتے ہیں وہ فقر کی مشقت سے کم نہیں اور اس مال سے دوری، بے تعلقی اور اس کے ترک کے لیے بلند ہمتی اور اتنے تھوڑے پر کفایت جس کی طرف محتاجی ہے نفس کا تزکیہ اور تصفیہ ہے۔

۵۰۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَا تَقُولُ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ سے محبت کرتا ہوں فرمایا سوچ لو کیا کہہ رہے ہو[2]۔ عرض کیا، اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں مرتین بار[3] کہا فرمایا اگر تو سچا[4] ہے تو فقر کے لیے حفاظتی آلات[5] کی تیاری کرو۔ یقیناً مجھ سے محبت کرنیوالے کی طرف فقر اس سیلاب سے بھی تیز دوڑتا ہے جو اپنی انتہا[6] کی طرف دوڑ رہا ہو۔

(ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے)

ا عبداللہ بن مغفل، میم پر ضمہ، غین پر زبر، فاء مشدد، اصحاب بیعتِ رضوان میں سے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر رہے اس کے بعد بصرہ چلے گئے ان سے امام حسن بصری اور ابن العالیہ نے حدیث پڑھی۔

ہ یہ دشوار ترین معاملہ ہے۔

سے خوب شوق کا اظہار کیا۔

سکہ واضح رہے کہ آپ کے تین دفعہ فرمانے پر کہ غور کرو کیا کہہ رہے ہو ہی تین دفعہ جملہ دہرایا گیا ہے۔

ے اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہے۔

ے تجفاف، تا کے نیچے زیر، جیم ساکن، اس ہتھیار کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے موقع پر گھوڑے کو اس لیے پہنایا جاتا ہے تا کہ زخمی نہ ہو جیسا کہ سوار کے لیے زرہ (کذا فی الحواشی)

قاموس میں ہے "تجفاف" کسرہ کے ساتھ آلۂ جنگ ہے جسے گھوڑے اور سوار کو حفاظت کی خاطر پہنایا جائے یہاں اس سے مراد آفت فقر پر صبر کرنا اور اس کی سختی و ابتلاء سے جزع اور فزع اور ناراض نہ ہونا ہے۔

ے یعنی جو مجھے دوست رکھتا ہے اسے فقر کی تکالیف پہنچیں گی۔ جو اصلاً دولت و سعادت ہیں اگرچہ ان کا

برداشت کرنا مشکل ہے۔

ؔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و سلوک اختیار کیے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دعوائے محبت سوائے دروغ کے کچھ نہیں کیونکہ محبت کو اتباع لازم ہے اور بے اتباع محبوب سے محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ شعر
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ (محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے) لیکن یہ اتباع صدق اور کمال محبت کی علامت ہوتی ہے، محبت کی حقیقت یہ ہے کہ باطن کا محبوب کی ذات وصفات کی طرف کھنچنا، اس کی خوبصورتی اور شمائل پہ دل کا اس طرح فریفتہ ہونا کہ محبوب سب سے خوب صورت نظر آئے، اسے سب سے بہتر جانے اور اسے سب سے بہتر تصور کرے اگرچہ مرتبہ، عمل واتباع میں ناقص اور کمتر ہو جیسا کہ عمل کے بغیر ایمان۔ اگر محبت کے ساتھ ساتھ اتباع بھی ہو تو ایمان اعلیٰ واکمل ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایمان کامل نصیب فرما۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی سے شراب پینے کی غلطی ہوئی سزا کے موقعہ پر کسی نے اس پر لعنت کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔
لَا تَلْعَنُوهُ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (اس پر لعنت نہ کرو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے) ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔

۵۰۲۱/۲۲ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُوْكَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَمَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ حِينَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَارِبًا مِنْ مَكَّةَ وَمَعَهُ بِلَالٌ إِنَّمَا كَانَ مَعَ بِلَالٍ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَحْمِلُ تَحْتَ إِبْطِهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں[1] مجھے جتنا ڈرایا گیا[2]، اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا[3] اور مجھے اللہ کی راہ میں جتنا ستایا گیا[4] کسی کو ستایا نہیں گیا۔ مجھ پر تیس دن اور رات[5] ایسے گذرے کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی جسے صاحب[6] جگر کھا سکے سوائے اس چیز کے جسے بلال کی بغل[7] چھپائے ہوئے تھی ترمذی نے روایت کرکے فرمایا کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب[8] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ بلال[9] تھے اور بلال کے پاس اتنا کھانا تھا جسے وہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے۔

[1] دین خدا کے غلبہ اور مخلوق خدا کو دین کی طرف دعوت پر۔
[2] اُخِفْتُ، ہمزہ پر پیش، خاء کے نیچے زیر "اخافت" بمعنی ڈرانا سے متکلم کا صیغہ ہے۔
[3] دعوت دین کے آغاز میں، میں تنہا تھا کوئی دوسرا میرے ساتھ نہ تھا۔
[4] وہی مطلب ہے جو "ما یخاف احد" کے تحت بیان ہوا (کذا قال الطیبی) اور یہ معنی بھی صحیح ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ مجھے دین کے راستے میں جتنا ڈرایا گیا اس طرح کسی کو کبھی نہیں ڈرایا گیا اور جس طرح مجھے ایذا دی گئی اس طرح کسی کو بھی ایذا نہیں دی گئی کیونکہ ایذاء ہر شخص کے مرتبہ و مقام کے مطابق ہوتی ہے چونکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام تمام سے بلند و بالا ہے آپ کا صدق و حقانیت دوسروں سے زیادہ واضح ہے اور آپ کا ایمان کے بارے میں زیادہ حریص ہونا تمام سے بیشتر ہے لہٰذا اس پر ایذا رسانی بھی ہر ایک سے یقیناً زائد ہوگی اس کے بعد آئندہ ارشاد میں فقر کے بارے میں تعلیم ارشاد فرمائی کیونکہ وہ بھی مشکل ترین ہوتا ہے۔

ف۵ یعنی تیس راتیں مسلسل

ف۶ صاحبِ جگر سے مراد حیوان ہے یعنی ایسی شے بھی نہ تھی جسے کوئی حیوان کھائے چہ جائیکہ آدمی۔

ف۷ مگر وہ حقیر و قلیل چیز جو بلال کی بغل میں تھی ہر ایک کو معلوم ہے کہ بغل میں کیا آسکتا ہے پھر جب اتنا ہو کہ بغل سے ظاہر نہ ہو اور وہاں سے منظر نہ آئے۔

ف۸ یہ اس وقت کا واقعہ ہے

ف۹ یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت کا بیان نہیں جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی غالباً یہ اس موقع کی بات ہے جب ابو طالب کا وصال ہوا، ان کے تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) کہا جاتا ہے اس موقعہ پر کفار کی طرف سے آپ کو پہلے سے دوگنی اذیت پہنچائی گئی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے تین ماہ بعد اعلانِ نبوت کے دسویں سال پیادہ مکہ سے طائف تشریف لے گئے۔ آپ کے صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ تھے، اہلِ طائف نے آپ کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے آپ کی دعوت کو رد کر دیا اور لڑکوں اور لونڈوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کو اتنی ایذا پہنچائی کہ آپ کی تمام ذات حتیٰ کہ ایڑیوں تک زخمی کر دی گئی نعلینِ مقدس خون سے آلودہ ہو گئے اور تمام جسم لہولہان ہو گیا آپ زمین پر بیٹھ گئے تو آپ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر اٹھاتے جب آپ چلنے تو پھر پتھر مارتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار آپ کی ذات کے لیے ڈھال بنتے اس لیے وہ بھی شدید زخمی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کو بھیجا تاکہ آپ پر سایہ کرے پھر جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ کے رب نے اس قوم کی باتوں کو سنا اور آپ کی دعوت کو رد کرتے ہوئے دیکھا اس نے پہاڑوں پر حکومت کرنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو اس قوم کو ہلاک کر دوں، ان کے اردگرد دونوں پہاڑوں کو (جن میں مکہ آباد ہے) آپس میں ملا دوں تاکہ درمیان میں درہم برہم اور پس جائیں۔ آپ نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ ان کی پشتوں میں سے کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے پرستار ہوں گے اس حدیث کے آخر میں وہی واقعہ ہے جو کتبِ سیر میں مذکور ہے شرح سفر السعادت میں بھی ہم نے اسے ذکر کیا ہے لیکن کتب میں اس واقعہ کی تفصیلات میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی میری نظر سے نہیں گزرا البتہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی ملتا ہے۔

۵۰۲۲/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِہٖ عَنْ حَجَرَیْنِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حضرت ابوطلحہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھوک کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے اپنے پیٹ پر ایک ایک[2] پتھر دکھایا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک پر باندھے ہوئے دو پتھر دکھلائے[3]۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے)

[1] یہ مشاہیر انصاری صحابہ میں سے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں۔

[2] ہر ایک نے اپنے سینے پر باندھا ہوا پتھر دکھایا

[3] سینہ پر بھوک کی حالت میں پتھر باندھنے میں حکمت یہ تھی کہ پشت کو تقویت رہے اور وہ اپنی جگہ کھڑی رہے کہیں کمر ٹیڑھی نہ ہو جائے۔

۵۰۲۳/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّھُمْ اَصَابَھُمْ جُوْعٌ فَاَعْطَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَمْرَۃً تَمْرَۃً۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھیں[1] بھوک نے گھیر لیا تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک کھجور دی[2]۔ (ترمذی)

[1] فقراء صحابہ کو بھوک لگی۔

[2] یعنی رزق کی تنگی کا یہ عالم کہ ایک شخص صرف ایک کھجور پہ گزارا کرتا۔

۵۰۲۴/۲۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ کَانَتَا فِیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاقْتَدٰی بِہٖ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ فَحَمِدَ اللّٰہَ عَلٰی مَا فَضَّلَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ کَتَبَہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِیْ دِیْنِہٖ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ وَنَظَرَ فِیْ دُنْیَاہُ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقَہٗ فَاَسِفَ عَلٰی مَا فَاتَہٗ مِنْہُ لَمْ یَکْتُبْہُ اللّٰہُ شَاکِرًا صَابِرًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ صَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں دو عادتیں ہوں اسے اللہ تعالیٰ صابر شاکر لوگوں میں لکھتا ہے جو دین میں اپنے سے[1] بلند کو دیکھے اور اس کی پیروی کرے[2] اور دنیا کے لحاظ سے اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اللہ کا شکر کرے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے بلند کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر لکھے گا جو دین کے لحاظ سے اپنے سے کم کو دیکھے[3]، اور دنیا کے لحاظ سے اپنے سے بلند کو دیکھے اور جو فوت شدہ دنیا پر غم لگائے تو اللہ تعالیٰ اسے، نہ شاکر لکھتے ہیں نہ صابر[4]۔

(ترمذی، حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کہ اے فقراء صابرین

فِي بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ).

تم خوش ہو جاؤ اس باب میں بیان ہو چکی ہے، جو فضائل قرآن[7] کے بعد ہے)

۱ جو دین کی پیروی میں اس سے کامل اور قوی ہے۔
۲ عبادات ومجاہدات اور کتاب وسنت پر عمل میں اس کی پیروی کرے۔
۳ جو دنیاوی لحاظ سے کمتر اور زیادہ محتاج ہو۔
۴ یعنی عبادات ومجاہدات پر ہمت وصبر نہ کرے۔
۵ کیونکہ وہ دنیا کے ملنے پر غم کھا رہا ہے۔
۶ کیونکہ اس نے طاعت وفرمانبرداری میں صبر کا مظاہرہ نہ کیا۔
۷ وہ باب مراد ہے جو فضائل قرآن کے بعد بغیر کسی عنوان کے تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۰۲۵/۲۶ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو وَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَالَ أَلَسْنَا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ أَلَكَ امْرَأَةٌ تَأْوِي إِلَيْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ أَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ قَالَ فَإِنَّ لِي خَادِمًا قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْمُلُوكِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَجَاءَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالُوا يَا أَبَا مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لَا نَفَقَةٍ وَلَا دَابَّةٍ وَلَا مَتَاعٍ فَقَالَ لَهُمْ مَا شِئْتُمْ إِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ إِلَيْنَا فَأَعْطَيْنَاكُمْ مَا يَسَّرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَإِنْ شِئْتُمْ ذَكَرْنَا أَمْرَكُمْ لِلسُّلْطَانِ وَإِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ

تیسری فصل

حضرت ابو عبدالرحمٰن حبلی[1] بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا[2] ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں[3] تو عبداللہ نے کہا کیا تیری بیوی ہے جس کی طرف تو رجوع کرے عرض کیا ہاں فرمایا کیا تیرے پاس گھر ہے جس میں تیری رہائش ہو عرض کیا ہاں! فرمایا تو تو امراء میں سے ہے عرض کیا میرا[4] تو خادم بھی ہے فرمایا تو تو بادشاہوں میں سے ہے عبدالرحمٰن[5] کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تین اشخاص آئے حالانکہ میں ان کے پاس تھا انھوں نے عرض کیا اے ابو محمد[6] اللہ کی قسم ہم کسی شے پر قادر نہیں نہ خرچے پر نہ گھوڑے پر نہ کسی سامان پر[7] تو آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس دوبارہ آنا[8] ہم تم کو وہ دیں گے جو اللہ نے تمہارے لیے میسر فرمایا اور اگر چاہو تو ہم تمہاری حالت کا تذکرہ بادشاہ[9] کے ہاں کر دیں اگر تم چاہو تو صبر کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن

بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا فَاَتَوْا فَاَنَا نَصْبِرُ لَا نَسْأَلُ شَیْئًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

فقراء جنت میں امراء سے چالیس سال پہلے جائیں گے تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم صبر کریں گے کچھ نہ مانگیں گے (مسلم)

سلہ الحُبُلی، حا اور با پر پیش، ان کا نام عبداللہ بن زید مصری ہے، ثقہ تابعی ہیں، انھوں نے حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حدیث پڑھی ہے افریقہ میں سو ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

سلہ جس کی تفسیر بعد میں آرہی ہے۔

سلہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: انکی مدح کی اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کے پہلے دخول جنت کی بشارت دی ہے۔

سلہ جب اس نے سنا کہ حضرت عبداللہ نے عورت اور گھر کی موجودگی کی وجہ سے انھیں فقراء میں نہیں بلکہ امراء میں شامل کیا ہے تو کہا میرے پاس تو خادم بھی ہے۔

۵ مشکوٰۃ کے نسخوں میں اس طرح ہے لیکن درست ابو عبدالرحمٰن ہے کیونکہ وہ ہی راوی حدیث ہیں صحیح مسلم میں اس طرح ہی ہے غالب "ابو" کا لفظ قلم کاتب سے رہ گیا اور تمام نسخے اسی پر چلتے رہے

سلہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی کنیت ہے

سلہ اس سے مقصود فقر و احتیاجی کا اظہار اور سوال کرنا تھا

سلہ یعنی اس وقت ہمارے پاس دینے کے لیے کوئی چیز نہیں

سلہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم تھے۔

٥٠٢٦/٢٧ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ بَیْنَمَا اَنَا قَاعِدٌ فِی الْمَسْجِدِ وَحَلْقَۃٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ قُعُوْدٌ اِذْ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ اِلَیْهِمْ فَقُمْتُ اِلَیْهِمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُبَشَّرْ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِیْنَ بِمَا یَسُرُّ وُجُوْهَهُمْ فَاِنَّهُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِاَرْبَعِیْنَ عَامًا قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ اَلْوَانَهُمْ اَسْفَرَتْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ اَوْ مِنْهُمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور وہاں فقراء مہاجرین کا ایک گروہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی طرف بیٹھ گئے میں بھی انھیں کی طرف اٹھا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فقراء مہاجرین کو ایسی خوشی مبارک ہو جو ان کے چہروں کو کھلا دے کہ وہ جنت میں امراء سے چالیس سال پہلے جائیں گے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انھیں دیکھا کہ ان کا رنگ چمک سے کھل اٹھا۔ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں حتیٰ کہ مجھے آرزو ہوئی کہ ان کے ساتھ یا ان میں سے

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ) ہو جاؤں ۔ (دارمی)

سلہ ان کے درمیان

سلہ مراد ذوات ہیں ، ظاہر پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ مراد چہرے ہی ہوں ، چہروں کا ذکر اس لیے کیا کہ خوشی کا اثر اعلیٰ پر ظاہر ہوتا ہے ، خوشی کی خبر کو بشارت کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کا اثر ظاہری جسم پر ہوتا ہے ۔

سلہ اس بشارت کو سن کر

سلہ راوی کو الفاظ میں شک ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں او تقسیم کے لیے ہو یعنی اگرچہ میں فقیر نہیں ہوں مگر ان کی صحبت میسر آجائے تو اس کے انوار و اسرار سے فیض یاب ہو سکوں یا میں فقیر ہو جاؤں اور ان میں میرا شمار ہو جائے ۔

۵۰۲۷/۲۸ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْئَلَ اَحَدًا شَیْئًا وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل سلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے سات چیزوں کا حکم دیا ، مجھے مسکینوں سے محبت اور ان کے قرب کا حکم دیا ، مجھے حکم دیا کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھوں ، اپنے سے بلند کو نہ دیکھوں سلہ ، مجھے حکم دیا کہ میں رشتوں کو جوڑوں اگرچہ وہ رشتہ دار کاٹ دیں اور مجھے حکم دیا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں مجھے حکم دیا کہ حق بات کہوں اگرچہ کڑوی ہو اور مجھے حکم دیا کہ اللہ کے بارے سلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں ، مجھے حکم دیا کہ یہ زیادہ پڑھا کروں "نہیں ہے طاقت سلہ اور نہ قوت مگر اللہ سے" کیونکہ یہ عرش کے نیچے کا خزانہ سلہ ہے ۔ (مسند احمد)

سلہ جانِ من یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سلہ دنیا کے لحاظ سے

سلہ نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا

سلہ یہ اعلان ہے اس بات کا کہ معصیت و نافرمانی سے دوری اور طاعت و عبادت پر قدرت اذن و توفیقِ الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اپنی تدبیر و اختیار سے جدائی اور قدرتِ حق میں فنائیت کا درجہ ہے ۔ حضرات مشائخ شاذلیہ قدس اللہ اسرارہم طالب کو یہ کلمات کثرت کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور کہا گیا کہ ان سے بڑھ کر نیک عمل پر کوئی چیز مدد و معاون نہیں ۔

سلہ فیوض و برکات کا نزول اسی خزانہ سے ہوتا ہے ۔

۵۰۲۸/۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ مِنَ الدُّنْيَا ثَلٰثَةٌ اَلطَّعَامُ وَالنِّسَاءُ وَالطِّيْبُ فَاَصَابَ اِثْنَيْنِ وَلَمْ يُصِبْ وَاحِدًا اَصَابَ النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ وَلَمْ يُصِبِ الطَّعَامَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں کھانا، بیویاں اور خوشبو، آپ نے دو چیزیں پالیں اور ایک نہ پائی ۔ بیویاں اور خوشبو[۱] پائی مگر کھانا نہ پایا[۲]
(مسند احمد)

[۱] اس سے حصہ حاصل کیا

[۲] فقر اختیاری کی وجہ سے کھانے سے زیادہ لطف اندوز نہ ہوئے اس میں حکمت و مصلحت تھی کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے منتخب فرمایا اس میں حکمتیں ہی حکمتیں ہیں ۔

۵۰۲۹/۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ اِلَيَّ الطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ بَعْدَ قَوْلِهٖ حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے محبوب کی گئیں خوشبو، بیویاں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے[۱] ۔
(مسند احمد، ابن جوزی نے حُبِّبَ اِلَیَّ کے بعد مِنَ الدُّنْيَا کے الفاظ[۲] کا بھی اضافہ کیا ہے)

[۱] یعنی جو سرور، لذت، حلاوت اور ذوق حضور نماز کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی وقت حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال کو آپ فرمایا کرتے "اَرِحْنَا يَا بِلَالُ" اے بلال ہمارا خیال کہہ تاکہ نماز کی صورت میں اپنے مولیٰ سے مناجات کا شرف پاکر اپنی جسمانی و روحانی تھکاوٹ کو دور کر کے سرور حاصل کریں ۔
لفظ قرۃ ، یا تو قَرٌّ قاف پر فتحہ سے مشتق ہے جس کا معنی قرار و ثبات ہے یعنی زیارت محبوب سے قرار و صبر ملتا ہے یا اس کو دیکھنے سے اس طرح کا سکون و آرام میسر آتا ہے کہ دوسرے کی طرف نظر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا یا یہ لفظ قُرٌّ قاف پر ضمہ سے مشتق ہے جس کا معنی سردی اور ٹھنڈک کے آتے ہیں واقعۃً دیدار محبوب سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت ملتی ہے اور دشمنوں کو دیکھنے سے جلن ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولاد کو "قرۃ العین" (آنکھوں کی ٹھنڈک) کہا جاتا ہے ۔

[۲] واضح رہے کہ اس روایت کے جو الفاظ اس کتاب میں مروی ہیں ان پر آئمہ حدیث کا اتفاق ہے اسے طبرانی نے اپنی تینوں معاجم میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابن عدی نے کامل میں اور حاکم نے بھی مستدرک میں ذکر کیا اور کہا کہ یہ امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے لیکن اس میں لفظ جعلت نہیں، روایت نسائی میں ایک اور طریقہ سے بھی لفظاً "من الدنیا" آیا ہے اور لوگوں کی زبان پر جو مشہور ہے اس میں لفظ "ثلث" (تین چیزیں) بھی ہے یہ لفظ کتب حدیث سے باوجود تلاش و جستجو کے مجھے نہ ملا ۔ البتہ دو مقامات پر ہے ۔ احیاء العلوم اور تفسیر کشاف سورۃ آل عمران (کذا قال السخاوی)

شیخ ابن حجر عسقلانی نے تخریج رافعی میں کہا کہ ثلث کا لفظ میں نے کسی بھی سند کے لحاظ سے حدیث میں نہیں پایا۔ شیخ ولی الدین عراقی اپنی امالی میں کہتے ہیں کہ یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے انتہیٰ۔ پس واضح ہو گیا کہ کتاب کی بیان کردہ حدیث پر کوئی اشکال نہیں لہذا اگر اس حدیث میں " من الدنیا " اور " ثلث " کے الفاظ نہیں تو کوئی اشکال نہیں اور اگر الفاظ ہوں تو اشکال ہوگا کہ نماز کا تعلق دُنیا سے نہیں کہذا جواب یہ دیتے ہیں کہ دنیا سے مراد اس جہان کی زندگی ہے یعنی اس عالمِ حیات میں مجھے تین چیزیں پسند ہیں دو امور طبیعہ دنیویہ اور تیسرا امورِ دین میں سے ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں جب آپ نے دُنیا کی دو چیزوں کا ذکر فرمایا تو ان دنیوی امور کے ذکر سے ملال آیا لہذا آپ نے فی الفور امرِ دینی کی طرف عدول کرتے ہوئے اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں خوشبو اور بیویوں کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ ذکر و مناجات حق سے مانع اور غافل کر دینے والی ہیں جبکہ پسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاعت و عبادات الٰہی میں ممد و معاون بنتی ہیں اور یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی تیسری چیز جس کا یہاں ذکر نہیں آیا وہ گھوڑا ہے جیسا کہ نسائی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد سب سے زیادہ پسند گھوڑا تھا یا طعام جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے واضح ہے واللہ اعلم۔ واضح رہے کہ قرۃ العین فی الصلوٰۃ کا معنی شارحین حدیث نے جو بیان کیا اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس علاقے کے لوگوں کی زبان سے بھی یہی معنی سنا گیا لیکن بعض مشائخ کے رسائل میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس سے مراد حضرت فاطمہ زہرا رسلام اللہ علیہا کا نماز میں ہونا ہے لیکن اس صورت میں یہ احتمال ہے جب لفظ جعلت کا ذکر نہ ہو لیکن شارحین حدیث میں سے کسی نے بھی یہ معنی بیان نہیں کیا اور نہ ہی اس احتمال کو یہاں ابھرنے دیا۔

۵۰۳۰/۳۱ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن[1] بھیجا تو فرمایا عیش پسندی[2] سے بچنا اللہ کے بندے[3] عیش و عشرت میں مشغول نہیں ہوتے۔

(مسند احمد)

[1] قاضی بنا کر

[2] راحت و تن آسانی

[3] اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں

۵۰۳۱/۳۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے تھوڑے رزق پر راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوگا۔

۵۰۳۲/۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ أَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ.

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھوکا یا حاجت مند ہو مگر اسے لوگوں پر ظاہر[1] نہ ہونے دے، اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ اسے ایک سال کی حلال روزی عطا فرمائے۔

(ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

[1] یہ نہیں کہتا کہ میں بھوکا ہوں تاکہ اسے کھانا ملے اور نہ یہ کہتا ہو کہ میں محتاج ہوں تاکہ کوئی چیز ملے۔

۵۰۳۳/۳۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بال بچوں والے غریب سوال[1] سے بچنے والے مسلمان سے بہت محبت کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

[1] اپنے آپ کو حرام اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچاتا ہے۔

۵۰۳۴/۳۵ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقَى يَوْمًا عُمَرُ فَجِيْءَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ إِنَّهُ لَطَيِّبٌ لٰكِنِّي أَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَأَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ.

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت زید بن اسلم[1] بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی طلب کیا تو آپ کو ایسا پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا فرمایا یہ بہت عمدہ[2] ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کو سن رہا ہوں[3] کہ اس نے لوگوں پر ان کی خواہشات سے عیب[4] لگایا اور فرمایا تم اپنی پسندیدہ اشیاء دنیا میں حاصل کر چکے ان سے نفع لے چکے[5] میں ڈرتا ہوں کہیں ہماری[6] نیکیاں ہمیں جلدی ہی نہ دے دی گئی ہوں۔ پس آپ نے پانی نوش نہ فرمایا (رزین)

[1] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور اکابر تابعین میں سے ہیں۔

[2] یہ پاک اور حلال ہے۔

[3] اللہ تعالیٰ کا فرمان سن رکھا ہے

[4] اس وجہ سے ان پر سرزنش ہوئی۔

[5] تم اس دنیوی زندگی میں جو کہ ادنیٰ اور حقیر ہے اپنا تمام حصہ لے چکے۔

[6] اگر میں یہ پانی پی کر لذت و حلاوت حاصل کر لیتا ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کافروں کی طرح ہماری نیکیوں کا بدلہ یہاں ہی نہ دے دیا جائے اور آخرت میں کوئی ہمارا حصہ نہ رہے۔

۵۰۳۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا شَبِعْنَا مِنْ تَمْرٍ حَتّٰی فَتَحْنَا خَیْبَرَ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کبھی بھی کھجوروں سے سیر نہ ہوئے حتی کہ ہم نے خیبر فتح کر لیا۔ (بخاری)

لہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احتیاجی اور فقر کا یہ عالم تھا۔
لہ کیونکہ وہاں کھجور کثرت سے پائی جاتی تھی۔

۳۳۱۔ بَابُ الْاَمَلِ وَالْحِرْصِ

لمبی اُمید اور حرص کا بیان

اَمَل، میم پر زبر، صراح میں ہے بمعنی امید رکھنا۔ قاموس میں امید کے معنی بتائے ہیں لیکن واضح ہے کہ اسے بھی حیات کے ساتھ مقید کرنا پڑے گا کیونکہ یہاں وہ امید مراد نہیں جو نا امیدی کے مقابل ہے۔ مشارق الانوار میں ہے کہ اَمَل میم پر زبر آدمی کا اپنے دل میں سوچنا کہ فلاں فلاں دنیا کی چیزیں مل جائیں اور ان کا حریص ہونا یہ معنی استعمال کے لحاظ سے نہایت ہی بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ طول امل کو مذموم اور کثرت حرص کو شر قرار دیا گیا ہے (کذا قال الطیبی) شر کا معنی آرزو ہے۔ صراح میں ہے کہ اس کا معنی کسی چیز کے ساتھ ناک تک بھر جانا کے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۰۳۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَطَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا وَّخَطَّ خَطًّا فِی الْوَسَطِ خَارِجًا مِّنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا اِلٰی هٰذَا الَّذِیْ فِی الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِیْ فِی الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْاِنْسَانُ وَهٰذَا اَجَلُهٗ مُحِیْطٌ بِهٖ وَهٰذَا الَّذِیْ هُوَ خَارِجٌ اَمَلُهٗ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْاَعْرَاضُ فَاِنْ اَخْطَاَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا وَاِنْ اَخْطَاَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس سے نکلا ہوا بیچ میں سے ایک اور خط کھینچا پھر جو بیچ میں تھا اس کی طرف چند چھوٹے خطوط کھینچے پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو باہر نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے خط آفتیں ہیں تو اگر انسان اس آفت سے بچا تو دوسری نے ڈس لیا اگر اس سے بچا تو اس نے کاٹ لیا (بخاری)

ؔلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ؔلہ ایسی مربع شکل بنائی جسے چار خط احاطہ کر رہے تھے ۔

ؔلہ یعنی اس خط کی ایک جانب درمیان میں اور ایک جانب باہر تھی ۔

ؔلہ وہ خط جو مربع شکل کا درمیان میں تھا

ؔلہ جو شکل کو محیط ہے

ؔلہ جو باہر جارہا ہے یہ امید ہے جو کہ لمبی ہے

ؔلہ اعراض، ہمزہ پر زبر، اس کا معنی آفات کے ہیں مثلاً امراض اور ایسے حوادث جو ہلاک کرنے والے ہوں وہ آدمی کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے اور متصل ہیں ۔

ؔلہ حاصل یہ ہے کہ آدمی بڑی طویل امیدیں باندھتا ہے حالانکہ موت اس کی امید سے زیادہ قریب ہے تو وہ ایسی امیدوں اور آرزوؤں میں جان دیتا ہے جو پا نہیں سکا ؔلہ

در بر فتم عذر ما بہ پذیر
اے بسیار آرزو کہ خاک شدہ

(تیرے دروازے پر عذر لے کر آیا ہوں اسے قبول کر لے بہت سی آرزوئیں خاک ہو گئی ہیں)

۵۰۳۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطُوْطًا فَقَالَ هٰذَا الْاَمَلُ وَهٰذَا اَجَلُهٗ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الْاَقْرَبُ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچے پھر فرمایا یہ امید ہے اور یہ اس کی مدت ہے اس حالت میں کہ انسان یوں ہی ہوتا ہے کہ قریب ؔلہ والا خط اسے آلیتا ہے ؔلہ (بخاری)

ؔلہ انسان موت والے خط کو دور محسوس کرتا ہے حالانکہ وہ اسے اچانک آلیتا ہے اور امید کے حصول کے بغیر رخصت ہو جاتا ہے ۔

ؔلہ اس حدیث میں اجمالاً تین خطوط کا ذکر آیا مگر تفصیل میں دو کا ذکر ہوا اور دوسرے خطوط جن کا ذکر حدیث اول میں آیا وہ محذوف ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا محمل اس حدیث ابوسعید کا مضمون ہے جو دوسری فصل میں آرہی ہے ۔

۵۰۳۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں ۔ مال کی حرص ؔلہ اور عمر ؔلہ کی حرص ؔلہ ۔ (بخاری و مسلم)

ؔلہ کثرت مال کی حرص

ؔلہ عمر کے دراز ہونے کی حرص

سلہ یہ دونوں صفات بڑھاپے کے باوجود ختم نہیں ہوتیں کیونکہ آدمی کی جبلت میں شہوات یعنی خواہشات کی محبت ہے اور خواہشات مال اور عمر کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں اور بدن کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ خواہشات کے جوان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قوت عقلیہ جس کی وجہ سے قوت شہوانیہ میں کمزوری آجاتی ہے وہ خود کمزور ہوجاتی ہے اور ان کو دبا نہیں سکتی ۔ سہ

بیخ ہائے خوئے بد محکم شدہ قوتِ برکندن آں گم شدہ

(برائی کی عادت کی جڑیں محکم ہوگئیں ان کے اکھیڑنے کی قوت ختم ہوگئی)

۵۰۳۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ قَلْبُ الْكَبِیْرِ شَابًّا فِیْ اِثْنَتَیْنِ فِیْ حُبِّ الدُّنْیَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بوڑھے کا دل دو چیزوں میں جوان رہتا ہے دنیا کی محبت اور طویل امیدیں ۔ (بخاری و مسلم)

۵۰۴۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْذَرَ اللّٰهُ اِلٰى امْرِءٍ اَخَّرَ اَجَلَهٗ حَتّٰى بَلَّغَهٗ سِتِّیْنَ سَنَةً ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کا عذر نہیں سنتا[1] جس کی موت مؤخر کر دی گئی حتیٰ کہ اسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا[2] ۔ (بخاری شریف)

سلہ کیونکہ وہ عذر کی حد سے گزر چکا ہے ۔

سلہ اتنی عمر دی تاکہ یہ توبہ کرے مگر اس نے توبہ نہ کی اب اس کے بعد عذر کی جگہ کہاں رہی ۔ جوان کہہ سکتا ہے کہ میں بڑھاپے میں توبہ کروں گا مگر بوڑھا کیا کہہ سکتا ہے ؟ بعض شارحین نے کہا کہ اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم فرمایا ہے کہ اس عمر میں توبہ و استغفار کرے اور اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرے ۔

۵۰۴۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر انسان کے پاس مال کے دو جنگل ہوں تو وہ تیسرے کی تلاش کرے گا[1] انسان کے پیٹ کو مٹی[2] کے سوا کوئی شے نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے جو توبہ کرے[3] ۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اس کا شکم سیر نہ ہوگا

سلہ اس سے مراد قبر ہے یعنی جب تک وہ قبر میں نہیں چلا جاتا حرص بڑھتی رہے گی اور یہ اغلب پر حکم ہے ۔

سلہ ہر اس شخص پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے جو اس رذیل عمل سے بچنے کی دعا کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس مرض مذموم سے جو توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہوگی کیونکہ ہر ظاہری و باطنی

معصیت پر توبہ مقبول ہے۔

۵۰۴۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے جسم پر ہاتھ رکھا[۱] اور فرمایا اے ابن عمر! دنیا میں اس طرح رہ جیسے کوئی اجنبی[۲] یا مسافر[۳] اور اپنے آپ کو اہل قبور[۴] میں سے شمار کر[۵] (بخاری)

[۱] ہاتھ یا کندھا جیسا کہ گفتگو اور نصیحت کے وقت اکثر ہوتا ہے کیونکہ مخصوص حصہ جسم فراموش ہو گیا اس لیے مجمل بیان کر دیا بعض روایات میں ہے کہ آپ نے میرے دونوں کاندھے پکڑے اور فرمایا

[۲] جیسے شہر میں کوئی اجنبی ہوتا ہے۔

[۳] اس میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اجنبی کبھی چند دن شہر میں قیام بھی کرتا ہے لیکن چونکہ وہ سفر میں ہوتا ہے اس لیے اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگتا۔

[۴] جو قبریں آسودہ حال ہیں اور سب کچھ چھوڑ کر جا چکے ہیں ان کے ساتھ شباہت اختیار کر اور مُردے کے حکم میں ہو جا۔

[۵] اس بات کی شرح تفصیل طلب ہے یہ جاننا ضروری ہے کہ موت کی حقیقت کیا ہے؟ روح کے تصرف کا بدن سے ختم ہو جانا اور بدن سے روح کے خارج ہو جانے کا نام موت ہے مگر بدن کے فنا ہونے سے روح فنا نہیں ہو جاتی، البتہ اس کا حال بدل جاتا ہے چنانچہ اس سے اس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضاء وحواس سلب ہو جاتے ہیں، اس سے اہل، اولاد، رشتہ دار اور دوست جدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے گھوڑے، لشکر، غلام، لونڈی چوپائے، سواریاں، زمین، محلات اور تمام دنیوی اسباب آلات اس سے دُور کر دیے جاتے ہیں۔ پس مُردوں میں سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ علائق دنیوی اور بدنی سے حتی الامکان قطع تعلق کرایا جائے تاکہ روح، جوارح سے محرمات اور مکروہات کے ارتکاب سے منقطع ہو جائے اور یہ یقین کرے کہ جو کچھ دنیا میں اس کے دستِ تصرف میں ہے وہ خود اس کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے گم ہونے سے غمگین نہ ہو اور اس کے پا لینے سے خوش نہ ہو اسی طرح اپنے اہل وعیال، اقارب اور دوستوں سے جُدا ہو جائے کہ ان کی خاطر کسی حرام کا ارتکاب نہ کرے پس جو بندہ ان صفات کے ساتھ متصف ہو جائے گا وہ مُردوں کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ان کے حکم میں داخل ہو گا۔ اس کے بعد ان دیگر آداب وشرائط کا تذکرہ ہے جو مُردوں اور صاحبِ قبر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک توبہ ہے جس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے بالاتر ہونا ہے۔ موت کا معاملہ بھی یہی ہے دوسرا زُہد ہے جس کا معنی دنیا اور اس کی محبت، شہوات ولذات سے باہر نکلنا ہے جیسا کہ موت میں ہوتا ہے تیسری شئے توکل ہے یہ بھی موت کی طرح اسباب کی قید سے خارج ہونا ہے۔ چوتھی شئے قناعت ہے جو موت کی طرح خواہشاتِ نفسانیہ سے نکلنا ہے۔ پانچویں توجہ الی اللہ ہے موت کی طرف اللہ کے ماسوا سے

منہ پھیر لینا ہے پس مطلوب، محبوب اور مقصود سوائے اللہ کے کوئی نہیں رکھنا - چھٹی جز صبر ہے مجاہدات کے ذریعہ نفس کی خواہشات سے باہر آنا ہے جیساکہ موت میں ہے - ساتویں جز رضا ہے نفس کی خوشنودی سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس کے احکام کو تسلیم کرنا، اپنے تمام امور کو کامل طور پر اس کے سپرد کرنا اور ہر حال میں اعتراض و سوال نہ کرنا ہے اور موت میں بھی یہی حال ہوتا ہے - آٹھویں چیز ذکر ہے جس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اپنے مولیٰ کے سوا کسی کی یاد نہ ہے اور موت کا معاملہ بھی یہی ہے - نویں مراقبہ ہے کیونکہ یہ اپنی طاقت و قوت سے باہر آنا ہے جیساکہ موت میں ہے جب یہ صفات اور حالات حاصل ہو جائیں تو مردوں کے ساتھ مشابہت ہوگی اور ایسے اصحاب قبور میں سے شمار کیا جاسکتا ہے اور آپ کے ارشاد گرامی وَعِدْ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ کا یہی معنی ہے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (موت سے پہلے مرجاؤ) کا بھی یہی معنی ہے اور یہی موت اختیاری ہے - شیخ عبدالوہاب المتقی نے رسالہ فضل التوبہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے -

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۲۳ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاُمِّیْ نُطَیِّنُ شَیْئًا فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عَبْدَ اللّٰہِ قُلْتُ شَیْءٌ نُصْلِحُہٗ قَالَ الْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِکَ. رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گذرے میں اور میری والدہ کسی[1] چیز کو مٹی سے لیپ رہے تھے فرمایا اے عبداللہ! یہ کیا ہے؟ عرض کیا ہم ایک[2] شے کو درست کر رہے تھے فرمایا وہ کام[3] اس سے بھی جلد آرہا ہے - (مسند احمد اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

[1] دیوار یا دروازے کو درست کر رہے تھے
[2] دیوار درست کر رہے ہیں
[3] جس دنیا کی وجہ سے تم اس کام میں مشغول ہو اور گھر کی اصلاح کر رہے ہو اس نے بڑی تیزی اور جلدی سے چلے جانا ہے -

۵۰۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُھْرِیْقُ الْمَآءَ فَیَتَیَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَآءَ مِنْکَ قَرِیْبٌ یَقُوْلُ مَا یُدْرِیْنِیْ لَعَلِّیْ لَا اَبْلُغُہٗ. (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَابْنُ الْجَوْزِیِّ فِیْ کِتَابِ الْوَفَآءِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بول[1] مبارک کے بعد تیمم[2] فرما لیتے تھے - میں عرض کرتا یا رسول اللہ! پانی قریب ہی ہے فرماتے کیا خبر ممکن ہے وہاں تک پہنچ سکوں (شرح السنۃ، الوفا ابن الجوزی)

[1] پانی بہانے سے مراد بول ہے
[2] وضو کرنے سے پہلے

سلہ اتنی دور نہیں کہ تیمم کیا جائے

سلہ شاید عمر وفا نہ کرے کہ وضو کرسکوں تو تیمم کے ذریعے طہارت حاصل کرلیتا ہوں، آپ کا معمول مبارک تھا جیسے وضو ختم ہوتا تو نیا وضو کرنے سے پہلے فی الفور تیمم فرمالیتے تاکہ طہارت حاصل رہے ۔ یاد رہے یہ وہ تیمم نہیں جو پانی نہ ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے اور اس سے نماز ادا کی جاتی ہے ۔

۵۰۴۵/۱۰ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَهٰذَا اَجَلُهٗ وَوَضَعَ يَدَهٗ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَ فَقَالَ وَثَمَّ اَمَلُهٗ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ انسان اور یہ اس کی موت[1] ہے اور اپنا دستِ[2] اقدس اپنی گُدّی پر رکھا پھر ہاتھ دراز[3] کیا فرمایا اور وہاں اس کی امید[4] ہے ۔

(ترمذی)

سلہ قریب ترین

سلہ مخصوص انداز میں سمجھانے کے لیے ایسا کیا کہ موت انسان کے پیچھے اور نہایت ہی قریب ہے ۔ صراح میں قفا کا معنی سر کے پچھلے حصے کے ہیں ۔

سلہ گردن سے دور کیا تاکہ اُمید و ہوا کی طوالت واضح ہو

سلہ موت قریب لیکن خواہش اور اُمید دُور

۵۰۴۶/۱۱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرَزَ عُوْدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاٰخَرَ اِلٰى جَنْبِهٖ وَاٰخَرَ بَعْدَهٗ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا الْاِنْسَانُ وَهٰذَا الْاَجَلُ اُرَاهُ قَالَ وَهٰذَا الْاَمَلُ فَيَتَعَاطَى الْاَمَلَ فَلَحِقَهُ الْاَجَلُ دُوْنَ الْاَمَلِ ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لکڑی سامنے گاڑی دوسری اس کے برابر[1] اور تیسری اس سے بہت دور پھر فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا[2] ہے ؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ انسان[3] ہے اور یہ موت ہے میرے[4] خیال میں یہ فرمایا کہ یہ اُمید[5] ہے انسان امیدوں میں مشغول رہتا ہے اسے امید سے موت[6] آلیتی ہے ۔

(شرح السنۃ)

سلہ پہلی لکڑی کے پہلو میں

سلہ یہ مثال کس کی ہے ؟

سلہ پہلی لکڑی انسان اور جو دوسری متصل ہے وہ موت ہے ۔

سلہ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں

شہ یہ تیسری لکڑی

سے موت آجاتی ہے حالانکہ امید برائی نہیں ہوتی۔

۵۰۴۷ (۱۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمُرُ اُمَّتِیْ مِنْ سِتِّیْنَ سَنَۃً اِلٰی سَبْعِیْنَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ ستر[۱] سال کے درمیان ہو گی۔ (ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

[۱] اکثر طور پر یہ عمر ہے بعض اوقات اس سے بڑھ بھی جاتی ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

۵۰۴۸ (۱۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلٰی سَبْعِیْنَ وَاَقَلُّهُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَذُكِرَ حَدِیْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّیْرِ فِیْ بَابِ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ۔

انہی سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہے کچھ لوگ آگے بڑھیں گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ اور حضرت عبد اللہ بن شخیر[۱] کی حدیث باب عیادۃ المریض میں بیان کر دی گئی ہے)

[۱] اَلشِّخِّیْر، شین کے نیچے زیر خاء پر شد اور یا ساکن

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۰۴۹ (۱۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِہِ الْاُمَّةِ الْیَقِیْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ۔ (رَوَاہُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کی پہلی درستگی یقین[۱] اور زہد ہے اور اس کا پہلا فساد بخل[۲] اور امید کا لمبا ہونا ہے۔ (بیہقی شعب[۳] الایمان)

[۱] اس بات کا یقین کہ رازق اللہ ہے اور اس نے رزق پہنچانے کی ضمانت دی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ دنیا سے بے رغبتی ہو جب اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین ہو گا تو بخل نہیں کرے گا کیونکہ بخل کی وجہ یہ ہے کہ شاید اللہ کی طرف سے رزق ملے یا نہ ملے اگر میں نے مال خرچ کر دیا تو پھر کہاں سے کھاؤں گا اور جب انسان زہد کرتا ہے تو دنیا میں طویل آرزوئیں قائم نہیں کرتا اسی وجہ سے آگے فرمایا کہ پہلا فساد بخل اور طول امل ہے۔

[۲] مال خرچ کرنے میں بخل اور طویل آرزو رکھنا کیونکہ اس کا علاج اللہ کی رزاقیت پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی تھا جو مفقود ہو گیا۔

[۳] شیخ اجل عارف باللہ عبد الوہاب المتقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالے "الحبل المتین فی تحصیل الیقین" میں فرماتے ہیں کہ اعتقاد جب حد جزم کو پہنچے اور دلیل و برہان سے اس طرح مرتب ہو کہ اثبات حق کرے اسے حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں

یقین کہتے ہیں اور صوفیہ کے نزدیک جب تک تصدیق دل پر اس طرح قبضہ و غلبہ حاصل نہ کرے کہ وہی متصرف و حاکم ہو جو چیز موافق و مناسب ہو اس کی خواہش کرے اور منافی و مخالف ہو اس میں رکاوٹ و مانع ہو اس وقت تک اُسے یقین نہیں کہا جاتا مثلاً موت کے آنے کا یقین ہر ایک کو حاصل ہے لیکن وہ شخص جس کے دل پر موت کی یاد کا یہ اثر و غلبہ ہو کہ طاعات کی بجا آوری اور معاصی کے ترک پر دل کو تیار کر کے موت کے لیے تیاری کرے تو وہ صاحب یقین ہوگا اگرچہ وہ ہر چیز جس کی خبر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے اس پر یقین رکھنا ضروری ہے مگر چار اصول ایسے ہیں جن پر سالک کے لیے یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ اوّل توحید ۔ اس بات پر یقین کہ جو کچھ واقع ہو رہا ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وجہ سے ہے دوئم توکل و بھروسہ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کی ضمانت دی ہے ۔ سوئم اس بات پر یقین کہ اچھے و بُرے اعمال پر ثواب و عتاب ہوگا ۔ چہارم اس پر یقین رکھنا کہ بندے کے ہر حال پر ہر وقت مطلع ہے توحید پر یقین کا فائدہ یہ ہے کہ مخلوق کی طرف توجہ نہیں جاتی ۔ حصولِ رزق کے یقین کا فائدہ یہ ہے کہ مال کی طلب میں عمدہ طریقہ اختیار کرے گا اور اس کے حاصل نہ ہونے پر افسوس نہیں ہوگا ۔ اعمال کی جزا و سزا پر یقین کا فائدہ یہ ہے طاعت کا شوق اور معصیت سے چھٹکارا مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تمام احوالِ بندہ سے آگاہ ہونے پر یقین کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کی خوب اصلاح کرے گا (کلام شیخ کا خلاصہ ختم ہوا) ۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر کامل توکل اور یقین مراد ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ اس کے مقابل کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور رزق کے ملنے پر یقین رکھنا اور اس کی ضمانت پر بھروسہ رکھنا راہِ حق کے سالک کے لیے ایسی منزل ہے جس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ فراغت برائے عبادت اسی پر موقوف ہے ۔ امام قطب وقت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے فرمایا اکثر طور پر دو چیزیں خالق اور مخلوق کے درمیان حجاب بنتی ہیں ، غمِ رزق ، خوفِ خلق اور ان میں سے غمِ رزق شدید تر ہے ۔

۵۰۵۰/۱۵ وَعَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِلُبْسِ الْغَلِيظِ وَالْخَشِنِ وَأَكْلِ الْجَشِبِ إِنَّمَا الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قِصَرُ الْأَمَلِ ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دُنیا سے زہد موٹا اور کھردرا کپڑا پہننا اور سالن کے بغیر طعام کا کھانا[1]، بلکہ زہد امیدوں کا مختصر ہونا ہے ۔ (شرح السنۃ) ۔

[1] بے مزہ کھانا ، "جَشِبٌ" جیم پر زبر ، شین کے نیچے زیر ، بے مزہ اور خشک کھانا بعض نے کہا سالن کے بغیر کھانا ۔

۵۰۵۱/۱۶ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكًا وَسُئِلَ أَيُّ شَيْءٍ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قَالَ طِيبُ الْكَسْبِ وَقِصَرُ الْأَمَلِ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت زید بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا حالانکہ ان سے سوال ہوا تھا کہ دنیا سے زُہد کیا ہے ؟ فرمایا حلال کمائی اور چھوٹی امیدیں (بیہقی شعب الایمان)

لہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوستوں میں سے ہیں ۔

۳۳۲۔ بَابُ اِسْتِحْبَابِ الْمَالِ وَالْعُمْرِ وَالطَّاعَةِ

اطاعت کیلیے مال اور عمر کا بہتر ہونا

استحباب کا معنی اچھا و بہتر جاننا ہے ۔ صراح میں مال خواستہ کا معنی مال جمع کرنا ہے اور لفظ مال مَیْلٌ سے مشتق ہے ۔ آدمی طبعاً اس کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ عمر ، عین پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں ۔ زندگی اور زندہ رہنا عین اور میم دونوں پر پیش بھی پڑھا گیا ہے ۔ محل قسم میں فتحہ پڑھنا افصح ہے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۵۰۵۲ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ لَاحَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ فِي بَابِ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ ۔

حضرت سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] اللہ تعالیٰ پرہیزگار، مستغنی[۳] اور مخفی بندے[۴] کو پسند فرماتا ہے (مسلم) وہ حدیث ابن عمر جس میں ہے کہ رشک[۵] دو افراد پر کیا جا سکتا ہے ۔ فضائل قرآن کے باب میں بیان کردی گئی ہے)

لہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ٰٰ۲ جس میں یہ تین صفات ہوں ۔

۳ مال سے غنی ، یا دل کا غنی ، حدیث کا اس باب میں لانا اس بات پر قرینہ ہے کہ یہاں غنا سے غنا بالمال مراد ہے

۴ جو عبادت الٰہی کے لیے مخلوق سے الگ گوشہ نشین ہو کیونکہ جب وہ مخلوق سے احتیاجی اور نیاز نہیں رکھتا تو وہ فارغ ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگا خفی کی جگہ حفی حا کے ساتھ روایت ہے جس کا معنی مہربان اور نیکی کرنے والے کے ہیں اور یہ معنی غنی کے زیادہ مناسب ہے ۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں النقی کے بعد النقی ہے ۔ جس کا معنی پاک اور نظیف ہے ۔

۵ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۵۳ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا آدمی اچھا ہے؟ فرمایا وہ شخص جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کیا بُرا کون سا ہے؟ فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوں[2]

(مسند احمد، ترمذی، دارمی)

[1] یہ مشہور صحابی ہیں ان کا تعلق طائف سے ہے، ان کے احوال کا تذکرہ متعدد جگہ ہوا ہے۔

[2] یہ اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے ہے جہاں عمل اور برائی برابر ہو وہاں ایک وجہ خیر ہے اور ایک وجہ شر کی ہے اور ایسی صورت نہایت ہی کم ہوتی ہے۔

۵۰۵۴ وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَہٗ بِجُمُعَۃٍ اَوْ نَحْوِھَا فَصَلَّوْا عَلَیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰہَ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ وَیَرْحَمَہٗ وَیُلْحِقَہٗ بِصَاحِبِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَیْنَ صَلٰوتُہٗ بَعْدَ صَلٰوتِہٖ وَعَمَلُہٗ بَعْدَ عَمَلِہٖ اَوْ قَالَ صِیَامُہٗ بَعْدَ صِیَامِہٖ لَمَا بَیْنَھُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عبید بن خالد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو اشخاص کے درمیان بھائی چارہ قائم[2] فرمایا؛ ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں شہید ہوگیا پھر تقریبًا ایک ہفتہ بعد دوسرا آدمی فوت ہوگیا لوگوں نے اس پر نماز ادا کی۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا دعا کی ہے عرض کیا ہم نے اللہ سے عرض کیا کہ اسے بخش دے اس پر رحم کر اور اسے اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دے؛ فرمایا پھر اس شہید کے بعد اس کی نمازوں اور اس کے اعمال[3] یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اسکے روزے کہاں گئے؟ فرمایا؛ ان کے درمیان کا فاصلہ آسمان وزمین کے فاصلہ[4] سے زیادہ ہے[5]

(ابوداؤد، نسائی)

[1] ان کی کنیت ابو عبداللہ اسلمی ہے مہاجر صحابی ہیں کوفہ میں رہائش پذیر رہے۔

[2] جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے ایک دفعہ مہاجرین کے درمیان مواخات فرمائی اور دوسری دفعہ مہاجرین اور انصار کے درمیان۔

[3] راوی کو شک ہے۔

سلہ جنت میں اور قرب الٰہی میں ان کے درمیان آسمان و زمین کے فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔

شہ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ بعد فوت ہونے والا کیسے بلند ہو گیا حالانکہ شہادت کا مقام نہایت ہی بلند ہے خصوصاً حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں جب دعوت دینا وہاں ابتدائی مرحلہ تھا اور معاون بھی نہایت ہی تھوڑے تھے جواب اس کا یہ ہے کہ دوسرا شخص بھی مجاہد تھا اور راہ خدا میں نیت شہادت سے سرشار تھا پس اس کی نیت کی وجہ سے اسے یہ مقام نصیب ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خصوصاً جانتے تھے کہ اس شخص کے اعمال اس شہید سے اس لیے زیادہ ہیں کہ اس میں اخلاص، معرفت و عقل زیادہ ہے یا اس کی شہادت کے بعد اس نے کوئی ایسا عمل کیا جو اس سے بہتر تھا یہ ضابطہ نہیں کہ ہر شہید غیر شہید پر ہمیشہ فوقیت رکھتا ہے بلکہ بعض اوقات غیر شہید، شہید سے افضل ہوتا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر شہداء صحابہ سے افضل ہیں۔ (کذا قالوا)۔

۵۰۵۵ وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْہِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْہِنَّ فَاِنَّہٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَۃٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَۃً صَبَرَ عَلَیْہَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِہَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْہُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ عَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَّعِلْمًا فَہُوَ یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَیَصِلُ رَحِمَہٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰہِ فِیْہِ بِحَقِّہٖ فَہٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ عِلْمًا وَّلَمْ یَرْزُقْہُ مَالًا فَہُوَ صَادِقُ النِّیَّۃِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُہُمَا سَوَآءٌ وَعَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَّلَمْ یَرْزُقْہُ عِلْمًا فَہُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِہٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَلَا یَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْہِ بِحَقٍّ فَہٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ لَّمْ

حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں اور ایک بات کی تمہیں خبر دیتا ہوں اسے یاد رکھو وہ تین باتیں قسم والی یہ ہیں کسی بندے کا مال صدقہ سے نہیں گھٹتا، ہر وہ ظلم جس پر صبر کیا جائے اللہ تعالیٰ اس سے عزت میں اضافہ کرتا ہے جب بھی کوئی بندہ مانگنے کی عادت بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے وہ بات جس کی خبر دیتا ہوں اور اسے یاد رکھنا یہ ہے کہ دنیا چار اشخاص کے لیے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ مال اور علم دونوں دے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور اس میں ان کے حق کے مطابق عمل کرتا ہے یہ اعلیٰ درجات میں ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا مال نہ دیا لیکن اس کی نیت اچھی ہے وہ کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کے لیے کام کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے تیسرا وہ بندہ جسے اللہ نے مال دیا اور علم نہ دیا تو وہ اپنے مال میں بغیر علم کے خلط ملط ہی کرتا ہے اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتا اور نہ

يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ وَوِزْرُهُمَا سَوَآءٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

اس میں حق کے مطابق عمل کرنا تو یہ خبیث ترین درجہ ہے چوتھا وہ بندہ ہے جسے اللہ نے نہ مال دیا نہ علم اور وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو فلاں کی طرح کام کرتا تو اسے نیت پر ملے گا اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے (ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث صحیح ہے)

سلہ کاف پر زیر، یا ساکن

سلہ ہمزہ پر زبر، نون ساکن، ان کا نام عمرو بن سعد ہے بعض کے نزدیک سعد بن عمرو اور بعض کے نزدیک عامر بن سعد ہے یہ شام میں رہے اور وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آئے تھے۔

سلہ کیونکہ وہ حق ہیں۔

سلہ اگرچہ بظاہر صدقہ سے نقصان ہوتا ہے مگر وہ دنیا میں موجب خیر و بھلائی اور برکت اور آخرت میں ثواب کے حصول کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے زیادتی اور اضافہ کا ذریعہ ہے نہ کہ نقصان کا۔

سلہ جو اس سے ظلماً مال چھینا

سلہ مظلمہ۔ میم پر زبر، لام کے نیچے کسرہ، فتحہ بھی آیا ہے مصدر ہے اس کا معنی ظلم کرنا اور اس مال کو بھی کہا جاتا ہے جو ظلماً حاصل کیا جائے۔

سلہ احوال دنیا ان چار مراتب میں منحصر ہے۔

سلہ کہ اس مال کو کیسے کمائے اور کتنا خرچ کرتا ہے اور مصارف خیر سے آگاہ ہوتا ہے۔

سلہ اس مال کے حصول اور خرچ کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اور ناپسند عمل کو پسند نہیں کرتا۔

سلہ یعنی وہ حقوق اس مال سے متعلق ہیں مثلاً زکوٰۃ، کفارات، مہمان نوازی اور صدقہ کرنا یا اللہ تعالیٰ کے ان حقوق میں خرچ کرنا ہے جن کا اسی نے حکم دیا ہے۔

سلہ جن کی بناء پر وہ حسن اتفاق اور مصارف خیر اور نیکی کی راہوں پر خرچ کرنے سے آگاہ ہو۔

سلہ وہ اپنے علم کے تقاضے کے مطابق نیت صالح رکھنے والا ہے اور بھی وجود مال کی آرزو رکھتا ہے۔

سلہ میں بھی وہ عمل کروں جو فلاں صاحب تقویٰ نے کیا۔ میں صلہ رحمی کر[illegible] کا اور مال کے حقوق ادا کروں گا۔

سلہ اس لیے کہ اگرچہ پہلے شخص نے عملاً انفاق کیا ہے مگر دوسرے کی [illegible] سچی تھی جس کی وجہ سے وہ اجر کا مستحق ٹھہرا۔

سلہ جس کے ذریعے میں تقویٰ اور مال کے حقوق و مصارف سے آگاہ ہوتا۔

سلہ یہ بغیر علم کے خرچ کرتا ہے نہ خیر کا علم نہ شر کا، لہٰذا غیر حق میں خرچ کرے گا۔ جیسا کہ آگے اس کی نشان دہی کردی۔

۲۹؎ میں فلاں کی طرح اسراف و اتلاف کرتا۔

۳۰؎ یہاں نیت سے "عزم مصمم" ہے کیونکہ معصیت کے عزم پر گرفت ہے۔ عزم کا معنی یہ ہے کہ کام کے لیے کوشش کرنا ہے اس آدمی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں اس کے باوجود وہ کام کر نہیں سکا اگر قدرت پالیتا تو بغیر کسی توقف کے وہ کام کر گزرتا۔ مثلاً ایک شخص نے زنا کا عزم کیا تو اس پر گرفت ہوگی اگرچہ عزم زنا، زنا نہیں مگر گناہ تو ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اولاً دل میں شیطان کی طرف وساوس بلا اختیار آتے ہیں ان کو "ہاجس" کہا جاتا ہے اس پر مواخذہ نہیں، جب دل میں اس طرح بیٹھ جائیں کہ وہ دل میں تحریک پیدا کرلیں تو ان کو "خاطر" کہا جاتا ہے۔ اس امت مرحومہ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواطر پر معافی ہے اور اس پر بھی مواخذہ نہیں اور یہ اس امت کا خاصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عطا فرمایا ہے اس کے بعد "ہم" کا درجہ ہے جو فعل کا مقصد بنتا ہے۔ نیکیوں میں محض قصد و نیت پر بھی کامل نیکی کا ثواب ملتا ہے لیکن سیاست میں ایسا نہیں۔ اس کے بعد عزم کا درجہ ہے جس کا ذکر آیا ہے اس پر مواخذہ ہوگا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۵۰۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهٗ فَقِيْلَ وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يُوَفِّقُهٗ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے! عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے کام لیتا ہے؟ فرمایا اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ اس حدیث سے زندگی کی فضیلت واضح ہو رہی ہے کیونکہ اعمال نیک اسی میں کیے جاسکتے ہیں۔

۵۰۵۷ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت شداد بن اوس ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو فرمانبردار کرلے اور بعد الموت کے لیے تیاری کرے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے آپ کو خواہشات ۲؎ کے تابع کردے اور اللہ ۳؎ سے آرزو رکھے ۴؎ (ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ یہ حضرت حسان بن ثابت کے بھائی کے بیٹے ہیں انھیں اور ان کے والد دونوں کو حضور کی صحبت میسر آئی، بیت المقدس میں رہے ان کا شامی صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔

۲؎ نفس جن محرمات اور شہوات کی خواہش کرے اس کی اتباع کرے، در ست شہوت میں غا جستر ہو اور نفس کا قیدی۔

سکے باوجود نافرمانی اور اللہ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرنے کے توبہ واستغفار نہیں کرتا صرف خواہش وآرزو رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

سکے شیخ ابن عباد سنازلی رحمۃ اللہ علیہ شرح حکم میں فرماتے ہیں کہ اہل معرفت نے کہا ہے کہ وہ جھوٹی امید جو آدمی کو مغرور کر دے، عمل سے غافل کر دے اور گناہوں پر دلیر بنا دے حقیقتاً امید ہے ہی نہیں بلکہ شیطان کی طرف سے فریب دھوکہ ہے حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عمل کے بغیر جنت کی طلب بھی گناہ ہے۔ بغیر کسی تعلق وسبب کے شفاعت کی امید رکھنا فریب کے سوا کچھ نہیں۔ فرمانبرداری نہ کرتے ہوئے رحمت کی امید رکھنا جہالت وبے وقوفی ہے امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر کوئی قوم صرف اس آرزو پر دنیا سے رخصت ہو جائے کہ اللہ بخشنے والا ہے حالانکہ انھوں نے نیکی نہیں کی تو ان کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا جھوٹ ہوگا اگر وہ اپنی اعلیٰ آرزو کے قائل سچے تھے تو نیک عمل کرتے اور فرمایا اے اللہ کے بندو! ایسی باطل آرزوؤں سے دور رہو جو احمقوں کا طریقہ ہے اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ بندے کی ان باطل آرزوؤں پر نہ دنیا میں کچھ دیتا ہے اور نہ آخرت میں، حضرت عمر بن منصور نے ایک دوست کو لکھا تو اپنی عمر کی درازگی چاہتا ہے بُرے کاموں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ سے آرزو رکھتا ہے ہوش کر کہ تو ٹھنڈا لوہا کوٹ رہا ہے (یعنی بے فائدہ کام کر رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۰۵۸ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَأْسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

تیسری فصل

ایک صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں بیٹھے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ کے سر اقدس پر پانی کا اثر تھا[1] عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ کو نہایت ہی مسرور دیکھ رہے ہیں فرمایا ہاں! پھر لوگوں نے غنا کی باتیں شروع کر دیں[2]۔ فرمایا مالداری میں اس کے لیے کوئی حرج نہیں جو اللہ سے ڈرے[3] متقی کے لیے مالداری سے تندرستی بہتر ہے اور دل کی خوشی نعمتوں[4] میں سے ہے۔

(مسند احمد)

سلے تازہ غسل فرمایا ہوا تھا اور آپ کا حسن وجمال اپنے کمال پر تھا۔

سلے یہ اچھی ہوتی ہے یا بُری

سلے کیونکہ مالدار شاکر کا درجہ بلند ہے

سلے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے اور بندے سے اس نعمت کے بارے میں بھی سوال ہوگا، قرآن مجید میں ہے

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ (پھر ضرور اس دن ہر نعمت کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

۵۰۵۹/۸ وَعَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ كَانَ الْمَالُ فِيمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَاَمَّا الْيَوْمَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِي يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَاِنَّهٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ يَبْذُلُ دِينَهٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، گذشتہ دور میں مال ناپسند[1] تھا لیکن آج مال مومن کی ڈھال ہے[2] فرمایا اگر آج ہمارے پاس یہ دینار نہ ہوتے تو یہ حکمران ہم کو رومال بنا لیتے[3]۔ فرمایا جس کے پاس دولت ہو وہ اسے محفوظ کرے، بڑھائے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے اگر کوئی محتاج ہو جائے تو جو پہلی چیز وہ خرچ کرتا ہے وہ دین ہے فرمایا حلال مال میں[4]۔ فضول خرچی کی گنجائش نہیں۔

(شرح السنہ)

[1] کیونکہ اس دور کے لوگوں کا امتیازی وصف دنیا سے بے نیازی اور قناعت تھی وہ اتنی روزی پر قناعت کر لیتے تھے انھیں زیادہ دوڑ دھوپ اور شاہانِ وقت اور امراء کے دربار میں جائے بغیر اتنی روزی مل جاتی تھی جس سے وہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھ سکتے تھے۔ اسی لیے سلاطین اور امراء کی طرف سے انھیں مصیبت اور ذلت سے دوچار ہونا نہیں پڑتا تھا۔

[2] جبکہ زہد و قناعت کا معاملہ دگرگوں ہو چکا ہے تو مال ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے آدمی ان بادشاہوں اور امراء کے درباروں کے چکر لگانے سے محفوظ رہے گا جس کی وجہ سے ذلت و رسوائی حاصل ہوتی ہے۔

[3] ہمیں ذلیل کرتے "مندیل": میم پر زیر اور ذ بر وہ ٹکڑا (چھوٹا تولیہ) جس کے ساتھ ہاتھ صاف کرتے ہیں اس سے مراد نہایت ہی ذلت و خواری ہے۔

[4] مالِ حلال میں اسراف نہیں کرنا چاہیے بلکہ محفوظ رکھا جائے اور بوقت ضرورت اسے خرچ کیا جائے تاکہ دین قائم رہے یا مراد یہ ہے کہ مال حلال کم ہی ہوتا ہے اس لیے اس میں اسراف کیا ہی نہیں جا سکتا۔

۵۰۶۰/۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ اَبْنَاءُ السِّتِّينَ وَهُوَ الْعُمُرُ الَّذِي قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: روزِ قیامت آواز دینے والا آواز دے[1] گا ساٹھ سالہ لوگ کہاں ہیں[2]؟ یہ عمر وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] کیا ہم نے تم کو اس قدر عمر نہ دی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑے اور تمھارے پاس ڈرانے والے آئے[4]۔

(بیہقی، شعب الایمان)

سلہ وہ فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوگا۔
سلہ وہ لوگ جن کی عمر دنیا میں ساٹھ سال تھی اس کو سال عمر کے ساتھ نسبت دیتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ "مات وھو ابن ثمانین او تسعین" فلاں شخص اسی یا نوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔
سلہ اس آیت میں
سلہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک پیغمبر اور شریعت نہیں آئے گی بعض عقل کی بناء پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

۵۰۶۱ / ۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ اِنَّ نَفَرًا مِّنْ بَنِي عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفِيْنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا فَكَانُوْا عِنْدَهٗ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ اَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْاٰخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَاَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَاَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ اَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتُشْهِدَ اٰخِرًا يَلِيْهِ وَاَوَّلَهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَقَالَ وَمَا اَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ لَيْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُّؤْمِنٍ يُّعَمَّرُ فِي الْاِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبداللہ بن شداد سے مروی ہے کہ بنی عذرہ کے تین اشخاص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے، آپ نے فرمایا انھیں ہماری طرف سے کون سنبھالے گا؟ حضرت طلحہ نے عرض کیا میں حاضر ہوں تو وہ ان کے پاس رہے پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو ان میں سے ایک شخص اس لشکر میں گیا اور وہ شہید ہو گیا پھر اور لشکر بھیجا تو ان میں دوسرا گیا وہ بھی شہید ہو گیا اور تیسرا اپنے بستر پر فوت ہو گیا راوی کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ نے فرمایا میں نے ان تینوں کو جنت میں دیکھا اور بستر پر مرنے والے کو ان سب کے آگے دیکھا جو پہلے شہید ہوا تھا اسے اس کے قریب اور پہلے کو اس دوسرے کے قریب دیکھا میرے دل میں کچھ خیال آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا تم نے اس میں سے کس چیز پر تعجب کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں جسے اسلام میں زیادہ عمر دی جائے اس کی تسبیح، تکبیر اور اس کے کلمہ کی وجہ سے۔

سلہ ان کی غم خواری کون کرے گا؟ تاکہ مجھے یہاں رہنا نہ پڑے۔
سلہ خواب میں
سلہ پہلے شہید ہونے والا سب سے پیچھے تھا
سلہ اس ترتیب پر تعجب ہوا یا تو پہلے شہید کو سب سے مقدم رکھا جاتا یا دونوں شہداء درجہ میں برابر ہوتے

اور تیسرے کو پیچھے ہونا چاہیے تھا۔
شہ جواب عرض کیا
ہے جو ترتیب آپ نے دیکھی ہے اس پر انکار نہیں
شہ ان کی عبادت کی وجہ سے، جب دوسرے شہید کی عمر پہلے سے زیادہ تھی تو اس کی عبادت زیادہ ہونے کی وجہ سے اجر بھی زیادہ تھا۔ اسی طرح تیسرے کا اجر ان دونوں سے زیادہ تھا۔ باقی اس کی تفصیلی توجیہ فصل ثانی میں حدیث عبید بن خالد میں گزر چکی ہے۔

۵۰۶۲ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَمِيرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عَبْدًا لَوْ خَرَّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى أَنْ يَمُوتَ هَرِمًا فِي طَاعَةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَوَدَّ أَنَّهُ رُدَّ إِلَى الدُّنْيَا كَيْمَا يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ۔

(رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)

حضرت محمد بن ابی عمیرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جو صحابی رسول[2] ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی بندہ اپنی ولادت کے دن سے چہرے کے بل گر جاوے[3]۔ حتیٰ کہ اللہ کی اطاعت میں بوڑھا ہو کر مر جاوے تو اس دن[4] اس عبادت کو حقیر سمجھے گا اور تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹا یا جاوے تاکہ اجر و ثواب اور زیادہ حاصل کرے[5]
(یہ مذکورہ دونوں احادیث امام احمد نے روایت کی ہیں)

لہ محمد بن عمیرہ۔ عین پر زبر، میم کے نیچے زیر
لہ یہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی صحابیت مشہور نہیں
لہ یعنی بالفرض اگر ایسا ہو وقت ولادت سے وقت پیری تک سجدہ و نماز میں رہے یا اس سے مراد بلوغ کے بعد مرتبہ تکلیف ہے۔
لہ قیامت کے دن
شہ پس جتنی عمر زیادہ، خیر بھی زیادہ ہوگی۔

۳۳۳- بَابُ التَّوَكُّلِ وَالصَّبْرِ

توکّل اور صبر کا بیان

وکل اور وکول کا لغت میں معنی کام کا کسی کے سپرد کرنا اور باز رکھنا ہے وکالۃ زیر اور زبر کے ساتھ اسم ہے توکل، اپنی کمزوری کا اظہار اور غیر پر اعتماد کا نام ہے۔ تُکلان اسم تا پر پیش ہے شرعی توکل یہ ہے کہ بندے کا تدبیر نفس اور اپنی طاقت وقوت سے بالاتر ہو کر اپنے تمام معاملات کو اپنے رب کے سپرد کرنا اس کا اکثر استعمال رزق میں ہوتا ہے معنی توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا اعتماد اور کامل بھروسہ کیا جائے کہ وہ تمام بندوں کے رزق کی ضامن ہے، اسباب اور کسب کا ترک اس کے لیے شرط نہیں بلکہ ان پر نظر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ توکل دل کا کام ہے جب حق تعالیٰ کی ضمانت پر یقین ہوگیا توکل حاصل ہوگیا۔ جوارح کا معطل ہونا شرط نہیں کام اور کسب اس کے منافی نہیں درویش لوگ جو اسباب کو ترک کر دیتے ہیں تو اس لیے ہوتا ہے تاکہ مقام توکل وریاضت کامل ہو جائے اور نفس کی نظر ان سے بھی اٹھ جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ حصولِ رزق میں اسباب کا وجود شرط نہیں۔ بعض نے توکل کی تفسیر یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر کامل وثوق کی بناء پر کسب اسباب سے بالاتر ہونا توکل ہے یہ توکل کا ابتدائی حال ہے یا مراد یہ ہے کہ دل کا ان اسباب سے تعلق ہی نہ رہے۔ منتہی۔ سالک کے لیے اسباب کے ساتھ ساتھ تعلق، توکل سے مانع نہیں ہوتا اور اس کا یقین اسباب اور ترک اسباب کی صورت میں ایک ہی حال پر رہتا ہے مثلاً اگر کھجور کا پودا لگائے اور خلافِ عادت اسی وقت پھل دے دے تو اس صورت میں اور اگر وہ پودا کئی سالوں کے بعد معمول کے مطابق پھل دے تو اس کا یقین اللہ تعالیٰ کی صنعت پر یکساں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے لیے بصورت اسباب اور اسباب پر اشیاء کا مترتب ہونا باری تعالیٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ ہے اور بغیر سبب کے کسی شے کا ہونا فقط ایک فعل ہے اور بس۔ اس جگہ اس قدر اشکال یقینی اور احکام محکم ہیں کہ وہاں نہیں اور ترک اسباب کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا معطل ہونا لازم آتا ہے لغت میں صبر منع کرنا، قید کرنا اور نفس کو ہر شے سے روکنا جیسے فارسی میں شکیبائی (بے صبری) کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ شریعت میں صبر یہ ہے کہ حکم شریعت اور نفسانی خواہشات کے درمیان کش مکش کے وقت حکم شریعت غالب ہو۔ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ نے فرمایا، صبر مجاہدہ کے ساتھ نفس کی خواہشات سے باہر آنا اور نفس کو اس کی محبوب ومانوس اشیاء سے منع کرنا ہے۔ عوارف میں زیادہ افضل صبر ہے کہ صدق توجہ، دوام توجہ کے ذریعہ دل کی خواہشات سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور فرمایا صبر فرض بھی ہے اور نفل بھی ادائے فرائض اور ترک محرمات کے لیے صبر فرض ہے، ان صورتوں میں صبر نفل ہے مثلاً فقر اور اس کی تکالیف، صدمۂ اولیٰ،

کتمان مصائب، ترک شکایت، اخفاء احوال و کرامات پر صبر نفل ہے، صبر، فرض اور نفل کی متعدد صورتیں ہیں، بسا اوقات انسان صبر کی تمام اقسام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا اس کے لیے صبر کرنا، با قاعدگی کے ساتھ مراقبہ کرنا (الی اللہ تعالیٰ) کی حفاظت کرنا اور خیالات کو دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے (انتہیٰ)۔

اگرچہ صبر کی بہت سی اقسام ہیں لیکن اس کا استعمال بلیات، مصائب اور مکروہات کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ شکر کا رزق کے ساتھ اختصاص ہے اس فقیر کے رسائل میں سے ایک رسالہ صبر اور اس کی صورتوں پر ہے اس کا نام "توجیہ الاصحاب بالصبر فی جمیع الابواب" ہے اس میں صبر کا معنی اور اس کے مقامات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

الفصل الاول — پہلی فصل

۵۰۶۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے بد شگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوں گے (بخاری و مسلم)

لہ حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنتر منتر سے مراد جاہلیت کے تعویذات ہیں جو کتاب و سنت سے مستفاد نہ تھے اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر سکوت اختیار نہیں فرمایا کیونکہ ان کی وجہ سے شرک میں پڑنے کا اندیشہ ہے اس پر قرینہ آپ کے الفاظ "ولا یتطیرون" ہیں کیونکہ یہ چیز مسلم ہے کہ فال بد عاداتِ جاہلیت میں سے ہے اور یہ ممنوع ہے۔ عاداتِ جاہلیت سے اجتناب اہلِ اسلام پر لازم ہے، باوجود اس بات کے کہ اس میں فضیلت ہے اور اس پر ایک عظیم و اعلیٰ جزا مترتب ہے کہ وہ جنت میں بغیر حساب جائیں گے مگر اکثر مسلمان اسباب میں گرفتار و مبتلا ہیں۔ دورِ جاہلیت کے جنتر منتر کو چھوڑنا بھی توکل کے درجات سے ہے اس سے بھی بلند مرتبہ توکل یہ ہے کہ مطلقاً علاج معالجہ، جھاڑ پھونک اور تدبیر کو چھوڑ دیا جائے مقام توکل پر پختگی حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ توکل کا یہی معنی معروف ہے لہٰذا توکل کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے کسب اور اسباب کو ترک کر دینا جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ خاص اور متوسط لوگوں کا مرتبہ ہے مذکورہ حدیث میں بیان کردہ جزا اور فضیلت انھیں اضافے سمیت حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" (یہ ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے اچھے اعمال کیے اور اس پر اضافہ ہے) تیسرا مرتبہ ایسے مقرب اور متقی لوگوں کا ہے جن کی نظر اسباب سے کلیۃً اٹھ چکی ہوتی ہے ان کے لیے اسباب کا وجود و عدم برابر ہے اور ان لوگوں کو بندوں والے اسباب کی مباشرت اور آزادی کا اختیار ہوتا ہے اس حیثیت سے وہ عزیمت کی راہ اپناتے ہیں یہ مرتبہ اخص الخواص مثلاً انبیاء و اولیاء کا ہے جو اپنے آپ سے فانی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے زندہ ہوتے ہیں۔ یہ مرتبہ توکل کی انتہا اور حقیقت ہے اور اس کی جزا تمام سے بلند ہے، تحقیق مقام یہ ہے کہ اسباب کی تین اقسام ہیں۔ یقینی، ظنی، وہمی یقینی کی

مثال لقمہ اٹھانا، منہ میں ڈالنا، چبانا اور گلے سے نیچے اتارنا ہے یہ قسم اسباب توکل کے منافی نہیں بلکہ اس کا ترک جہالت اور بے وقوفی ہے اور موجب گناہ ہے۔ ظنی اسباب وہ ہوتے ہیں کہ جن میں عامۂ خلق کے حوالے سے سنت و تقدیر الٰہی جاری ہو مثلاً کسب کرنا، تدبیر کرنا، معالجہ کے لیے ادویات کا استعمال جن سے نفع کا ظن ہو اسی طرح نفس کو ہر اس شے سے روکنا جو غالباً ہلاکت کا موجب بنے مثلاً ایسی جگہ سونا جہاں سیلاب یا شیر کی آمد ہو، یہ قسم یقین اہل توکل و یقین کے گناہ سے ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ انھیں حق تعالیٰ کی قدرت و تقدیر پر اس قدر کامل یقین ہوتا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا اور کوئی شے اس کی خلق اور تقدیر کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی رہا معاملہ اسباب وہمی کا تو ان کا ترک واجب اور ان کا وجود توکل کے منافی ہے۔ مثلاً نفس کو ایسی جگہ جانے سے روکنا جہاں شیر کے آنے کا امکان نہ ہو اور محض وہم کی وجہ سے احتراز کرنا، جاہلیت کی بدفالی اور افسانے اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں صاحب شریعت نے اس بات کی نفی کی ہے باقی تدبیر اور معالجہ کو ترک کرنا قسم ثانی سے تعلق رکھتا ہے۔

۵۰۶۴ وَعَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَرَجَوْتُ أَنْ يَكُوْنَ أُمَّتِيْ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهِ ثُمَّ قِيْلَ لِيَ انْظُرْ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيْلَ لِيَ انْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيْلَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا

اور انھی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے تو فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ تو نبی گزرنے لگے کسی نبی کے ساتھ ایک آدمی کسی نبی کے ساتھ دو آدمی، کسی نبی کے ساتھ جماعت اور کسی نبی کے ساتھ کوئی آدمی بھی نہ تھا پھر میں نے بڑی جماعت دیکھی جس نے آسمان کا کنارا گھیر رکھا تھا میں نے امید کی کہ یہ میری امت ہے تو مجھ سے فرمایا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے ساتھ ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا گیا دیکھیے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے آسمان کا کنارا گھیرا ہوا تھا پھر کہا گیا ادھر ادھر دیکھیے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارے گھیرے ہوئے تھے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے ان کے ساتھ ان کے آگے ستر ہزار وہ افراد ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ فال بد لیتے ہیں نہ منتر جنتر کرتے اور نہ داغ لگاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہو گئے عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ فرمایا الٰہی انھیں ان میں سے کر دے پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے

عُکَاشَۃُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

مجھے اللہ ان میں سے کرے فرمایا اس دعا میں تم پر عکاشہ سبقت لے گئے ہیں (بخاری و مسلم)

سلہ بصورت کشف و عیان یا خواب میں یا یہ قیامت کے بارے میں اطلاع ہے۔ ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کی وجہ ان کا یقینی تحقق ہے۔

سلہ کسی نے ان کی اتباع نہیں کی ہوگی اس لیے ان کے ساتھ کوئی ان کا امتی نہ ہوگا۔

سلہ ان کے علاوہ یا انہی میں سے جیساکہ روایت بخاری اس پر دال ہے۔

سلہ داغ لگانا بھی اسباب وہمیہ میں سے ہے، احادیث میں اس پر ممانعت آئی ہے۔ ضرورت کے موقع پر اگر حاذق طبیب کہے تو اس میں رخصت بھی ہے لیکن مختار مکروہ و حرام ہے اس پر سیر حاصل بحث شرح سفر السعادت میں ہے وہاں مطالعہ کیا جائے۔

سلہ اسباب وہمیہ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

سلہ عکاشہ بن محصن۔ میم مکسور، حا ساکن صاد پر فتحہ، عکاشہ عین پر پیش، کاف مشدد یا مخفف لیکن مشدد اکثر ہے، مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ بدر کے دن ان کی تلوار ٹوٹ گئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکڑی یا کھجور کی شاخ (راوی کو شک ہے) عنایت فرمائی تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ بیعت رضوان کے موقعہ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں جنت کی بشارت دی اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر کے دور خلافت میں ارتداد کے دنوں میں ان کا وصال ہوا، ان کی عمر پینتالیس سال تھی، ان سے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور خالہ زاد حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ہے۔

سلہ توکل کرنے اور بلا حساب جنت جانے والوں میں سے کردے۔

سلہ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مجلس میں ایک ہی کے لیے دعا کا حکم تھا جب آپ نے عکاشہ کے لیے دعا فرمادی تو اب گنجائش نہ رہی یا یہ دوسرا شخص اس مرتبہ کا مستحق نہ تھا اس کے باوجود آپ نے اس کے نااہل ہونے کی تصریح نہ کی بلکہ مشترک کلمات کے ساتھ جواب عنایت فرمادیا اور اس کا سبب عکاشہ کا دعا میں پہل کرلینا فرمایا۔ شارحین حدیث نے بیان کیا ہے کہ یہ دوسرا شخص منافق تھا اس لیے آپ نے دعا نہ فرمائی بلکہ حسن خلق کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مجمل کلام کے ساتھ جواب دے دیا بعض کی رائے یہ ہے کہ عکاشہ کے لیے دعا کی تخصیص وحی خفی کی بنیاد پر تھی' یہ قول زیادہ درست ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ دوسرے شخص حضرت سعد بن عبادہ تھے جو خصوصی مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

سلہ اس حدیث میں اس بات پر بھی راہنمائی ہے کہ صالحین سے دعا کروانے میں جلدی اور سبقت کرنی چاہیے۔

۵۰۶۵ وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَّلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مسلمان پر تعجب ہے کہ اس کے تمام کام خیر ہیں یہ بات کسی کو حاصل نہیں

لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوائے مومن کے اگر اسے راحت پہنچے تو شکر کرے تو اس کے لیے راحت خیر ہے اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرے تو صبر کرنا اس کے لیے بہتر ہے۔ (مسلم)

سلہ حضرت صہیب رومی فقراء صحابہ میں سے قدیم الاسلام ہیں ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔

سلہ صبر و شکر دونوں کا مقام بلند ہے اور ان پر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ آدمی ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا بس اس کا ہر حال بہتر ہے۔

۵۰۶۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَ فِیْ كُلٍّ خَيْرٌ اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَ اسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ وَ اِنْ اَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَ كَذَا وَّ لٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قوی سلہ مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور مومن سے زیادہ پسند ہے۔ خیر سب میں سلہ ہے اس پر حرص کرو جو تمھیں نفع دے اللہ سے مدد مانگو عاجز نہ ہو جاؤ سلہ، اگر تمھیں تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو اگر میں وہ کام کر لیتا تو ایسا ہو جاتا لیکن یہ کہو اللہ تعالیٰ نے یہ ہی مقدر کیا تھا جو اس نے چاہا کیا، کیونکہ اگر مگر شیطان کا کام کھولتا ہے۔ (مسلم)

سلہ ایمان، اعتقاد بھلا اور اس پر توکل اور بھروسہ، امور خیر میں عزیمت، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے میں قوی ہو یا لوگوں کی سنگت میں صبر و ہمت: نصیحت کی صورت میں ایذاء پر اور خیر کی تعلیم میں برداشت رکھتا ہو۔

سلہ خواہ مومن قوی ہو یا کمزور، کوئی مسلمان صفات خیر سے خالی نہیں ہوتا اور ایمان صفات خیر میں سے اکمل ہے۔

سلہ اللہ سے مدد و اعانت طلب کرتے ہیں۔

سلہ کیونکہ طاقت و قوت کی نسبت اپنی طرف کرنا شیطان کا کام ہے اور بندے کے دل میں ایسا وسوسہ پیدا کرتا ہے اور بعض احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے جیسا کہ حج میں فرمایا "لَوْ اَنِّی اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ بِهٖ" اس معنی میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۶۷ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَّ تَرُوْحُ

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جو اس کا حق سلہ ہے تو تم کو وہ ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو

بِطَانًا۔ دیتا ہے، صبح بھوکے جاتے ہیں ۲ شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں ۳

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) (ترمذی، ابن ماجہ)

۱ حق توکل یہ ہے کہ اس بات پر یقین کامل ہو کہ رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں حق توکل یہ ہے کہ بے حرص و افراط کے اندازِ احسن میں سعی و کوشش کے باوجود اللہ ہی کو فاعل جانتا فرمایا کہ امام غزالی سے منقول ہے کہ جو شخص توکل اس بات کو سمجھتا ہے کہ کسب ترک کر کے زمین پر کپڑے کی طرح گر پڑتا ہے وہ جاہل ہے امام قشیری نے فرمایا توکل کا محل دل اور حرکت ظاہر میں ہے لہٰذا جب دل میں اس بات کا یقین ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے تو ظاہری حرکت اس کے منافی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مثال پرندے کے ساتھ دی کہ وہ طلب رزق کے لیے اپنی قوت و طاقت پر اعتماد کیے بغیر نکلتا ہے۔

۲ خِمَاصًا، خاء کے نیچے کسرہ: پرندے کا بھوک کی حالت میں نکلنا

۳ بِطَانًا، باء کے نیچے زیر، پیٹ بھر کر آنا۔

۵۰۶۸ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! ہر وہ چیز جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے اس کا حکم دے دیا اور ہر وہ چیز جو آگ کے قریب اور جنت سے دور لے جائے اس سے منع کر دیا ہے روح الامین ۱ دوسری روایت کے مطابق روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ۲ ڈالی کہ کوئی نفس دنیا کا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا، سنو اللہ ۳ سے ڈرو، تلاش رزق میں میانہ روی ۴ اختیار کرو اور رزق میں تاخیر کی صورت تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم اللہ کی نافرمانی سے رزق تلاش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزیں ۵ اس کی فرماں برداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(شرح السنہ، بیہقی شعب الایمان مگر بیہقی نے یہ الفاظ وان روح ۶ القدس الخ ذکر نہیں کیے)

۱ روح الامین کی جگہ روح القدس ہے، دونوں سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔ روح جانِ آدمی، وحی، جبرائیل اور حضرت عیسیٰ کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ علم و وحی میں امانت داری کی وجہ سے انھیں امین کہا جاتا ہے اور قُدس (قاف پر پیش، دال ساکن یا مضموم) کی طرف نسبت ان کا اس عالم ناسوت کی میل سے پاک

ہونے کی وجہ سے ہے ۔

سلہ اس سے مراد وحی خفی ہے ۔

سلہ جو اس کے لیے مقرر ہے ۔

سلہ جب روزی کا معاملہ اس طرح ہے ۔

سلہ تاکہ کہیں زیادہ روزی کی تلاش کی وجہ سے شریعت کی نافرمانی نہ ہو جائے ۔

سلہ جب رزق میں تاخیر ہو جائے تو پریشان نہ ہو، حرام اور مکروہ راستہ سے رزق حاصل نہ کرو کیونکہ جو رزق مقرر ہے وہی ملے گا خواہ کب ملے، نافرمانی سے زیادہ نہیں ہو جاتا بلکہ وہی ملے گا جو مقدر تھا تو اضطراب کا حاصل سوائے معصیت کے کچھ نہیں جو بھی ملے گا وہ حرام ہوگا تو معصیت کے ذریعے رزق تلاش ہی نہ کرو ۔

سلہ یعنی رزق حلال، طاعت و فرمانبرداری پر دوام اختیار کرو کیونکہ جو ملنا ہے وہ ملے گا نافرمانی کے ذریعے مال حاصل نہ کرو ورنہ وہ حرام ہو جائے گا اگر وہی مال بصورت طاعت حاصل کیا جاتا تو حلال اور قابل مدح ہوتا ۔ حواشی میں یہ بھی ہے کہ بما عند اللہ سے مراد جنت ہے ۔

سلہ یا مراد یہ ہے کہ بیہقی نے ان روح الامین کی جگہ روح القدس کے الفاظ شرح السنہ کی طرح ذکر نہیں کیے ۔

۵۰۶۹ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ فِی الدُّنْیَا لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰکِنَّ الزَّهَادَةَ فِی الدُّنْیَا اَنْ لَّا تَکُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْكَ اَوْثَقَ بِمَا فِیْ یَدَیِ اللّٰهِ وَاَنْ تَکُوْنَ فِیْ ثَوَابِ الْمُصِیْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِیْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِیَتْ لَكَ . رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَمْرُو بْنُ وَاقِدٍ الرَّاوِیْ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زہد نہ تو حلال کو حرام کر لینے میں ہے اور نہ مال برباد کرنے میں ۔ لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ اپنی مقبوضہ شے پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ کر جو اللہ کے قبضہ میں ہے اور جب تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کے ثواب میں تجھے اتنی رغبت ہو کہ تو کہے کاش یہ مصیبت میرے لیے باقی رکھی جاتی ۔
(ابن ماجہ، ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی عمرو بن واقد منکر الحدیث ہے)

سلہ ترک لذات و شہوات اس طرح کہ حلال کو حرام جاننا یہ شرعاً منع ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ (ان طیبات کو حرام مت بناؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے)

سلہ مال ترک کرنا اور اس کا خرچ کرنا یہ بھی ممنوع ہے ۔

سلہ توکل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر کامل بھروسہ کیا جائے ۔

سلہ واضح رہے کہ زہد دنیا میں بے رغبتی اور متاع دنیا اور مال و جاہ کی خواہشات سے باہر آنا ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ صرف اس سے مقام زہد کامل نہیں ہو جاتا بلکہ مقام صبر و توکل اور آخرت کی طرف رغبت اس طرح

حاصل ہونا ضروری ہے کہ دنیوی مصائب اور بلائیں امید ثواب کی وجہ سے محبوب ہو جائیں بلکہ ان مصائب کا موجود ہونا نہ ہونے سے بڑھ کر محبوب ہو جس شخص کو یہ چیز حاصل ہو جائے وہ زاہد ہے ورنہ حلال کو حرام اور مال ضائع کرنے کا کیا معنی ؟

۵۰۸۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے[1] تھا تو فرمایا اے نوجوان! حقوق الٰہی کی حفاظت کر[2] اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا تو اسے سامنے پائے گا[3]۔ اور جب مانگو تو اللہ سے مانگو جب مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور یقین رکھو کہ تمام لوگ اکٹھے ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر اس چیز کا جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی[4] اور اگر اکٹھے ہو کر تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اس چیز سے جو اللہ نے لکھی ہے قلم اٹھ چکے[5]۔ دفتر خشک ہو چکے۔

(مسند احمد، ترمذی)

[1] سواری پر سوار تھا۔

[2] اس کی رضا کا طالب بن جا۔

[3] مدد و نصرت میں۔

[4] جو نفع اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔

[5] تقدیر کے تمام اور لکھے جانے سے فارغ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

[6] بعض روایات میں تَجِدْهُ تُجَاهَكَ کے بعد یہ بھی الفاظ ہیں تو آسانی و فراغت میں اس کا شکر ادا کر وہ سختی میں تیری حاجت پوری کرے گا اگر طاقت ہے تو یقین میں رضا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کر یہ کار عظیم ہے۔ اگر تو نعمت پر کما حقہ شکریہ ادا نہیں کر سکتا تو ہر مصیبت و پریشانی پر فضل و ثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کر یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا ہی اصل ہے کیونکہ عام میں اور ظاہری و خفی میں اگر ایسا نہیں تو پھر صبر کے بغیر چارہ نہیں اور یہ فضیلت رکھتا ہے۔ جان لے صبر کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور محنت و سختی کے ساتھ کشادگی ہے یعنی ہر دربندی کے بعد کشادگی اور ہر سختی کے بعد راحت وخوشی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (بلاشبہ ہر سختی کے بعد آسانی ہے) اور ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی یعنی اگر آدمی ایک تنگی جھیل لے تو دو آسانیاں ہیں ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں حاصل ہو گی۔ جیسا کہ مسلمان دنیا میں فقر و سختی جھیلتے ہیں تو انھیں دنیا میں فتح و نصرت اور آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا کیا جاتا ہے اور یہ تمام الفاظ مصابیح کی دوسری حدیث میں آئے ہیں جو مشکوٰۃ میں نہیں آئے۔

۵۰۷۱/۹ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی خوش بختی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے[1] پر راضی ہو جائے اور انسان کی بدبختی اللہ تعالیٰ سے اس کا خیر مانگنا چھوڑ دینا ہے[2]۔ اس کی بدبختی سے یہ ہے کہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ناپسند[3] کرتا ہے۔

(مسند احمد، ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

[1] ہر اس چیز پر راضی ہو جو اس کی تقدیر میں ہے۔

[2] وہم ہوتا تھا کہ شاید ناپسندیدہ اعمال پر بھی خوش ہو تو اس کا ازالہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت خیر و بھلائی طلب کی جائے تاکہ معصیت سے محفوظ رہا جا سکے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی قضا اور فعل پر راضی ہونا لازم ہے اگرچہ معصیت میں گرفتار ہو اور یہ سمجھے کہ میرا عمل ہے جس کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کی مزید تحقیق علم کلام میں ہے۔

[3] مصائب اور بلایا وغیرہ میں صبر و ہمت نہ کرنا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۰۷۲/۱۰ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلٰثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس لوٹے تو میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہوا ایک بہت خار دار درختوں والے جنگل میں دوپہر آ گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اترے اور لوگ درختوں کے سایہ کے لیے الگ الگ ہو گئے کہ آپ ایک بلند درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے اور اس سے اپنی تلوار لٹکا دی، ہم ابھی سوئے ہی تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں پکارا اچانک آپ کے پاس ایک دیہاتی تھا فرمایا اس شخص نے مجھ پر تلوار سونت لی۔ میں سو رہا تھا میں جاگا تو تلوار اس کے ہاتھ میں ننگی تھی بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ تو میں نے تین بار کہا اللہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے بدلہ نہ لیا وہ بیٹھ گیا (بخاری و مسلم) شیخ ابو بکر اسماعیلی کی

(متفق علیہ) وَفِی رِوَایَۃِ اَبِی بَکْرِ الْاِسْمَاعِیْلِیِّ فِی صَحِیْحِہٖ فَقَالَ مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ قَالَ اللّٰہُ فَسَقَطَ السَّیْفُ مِنْ یَّدِہٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ السَّیْفَ فَقَالَ مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ فَقَالَ کُنْ خَیْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ لَا وَلٰکِنِّیْ اُعَاھِدُکَ عَلٰی اَنْ لَّا اُقَاتِلَکَ وَلَا اَکُوْنَ مَعَ قَوْمٍ یُّقَاتِلُوْنَکَ فَخَلّٰی سَبِیْلَہٗ فَاَتٰی اَصْحَابَہٗ فَقَالَ جِئْتُکُمْ مِّنْ عِنْدِ خَیْرِ النَّاسِ ھٰکَذَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَفِی الرِّیَاضِ۔

صحیح میں یہ بھی ہے کہ وہ بولا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ۔ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور تلوار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لے کر فرمایا تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا آپ بہتر پکڑ کرنے والے ہیں فرمایا تو کیا گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ وہ بولا نہیں لیکن میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ آپ سے نہ جنگ کروں گا نہ آپ سے جنگ کرنے والی قوم کا ساتھ دوں گا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا بولا میں لوگوں میں سے سب سے بہتر کے پاس سے آرہا ہوں۔ (حمیدی اور ریاض میں یوں ہی ہے)

لہ نجد، نون پر زبر، جیم ساکن اس علاقہ کا نام ہے جسے تہامہ کہا جاتا ہے۔ تہامہ سے لے کر عراق کی سرزمین تک جو بلند علاقہ ہے اسے نجد کہا جاتا ہے۔ نجد کا دراصل معنی بلند جگہ کے ہیں۔

لہ قفول، سفر سے واپس وطن لوٹنا، قافلہ کو قافلہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے یہ نیک فالی کے طور پر کہا جاتا ہے یعنی سلامتی کے ساتھ جاؤ اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ۔

لہ عضاہ، عین کے نیچے زیر، عضۃ کی جمع خاردار درخت، مجمع البحار میں ہے کہ عضاہ سے مراد ببولوں کے درخت ہیں۔

لہ ہر کوئی کسی نہ کسی درخت کے نیچے قیلولہ کرنے لگا۔

لہ صراح میں ہے سمرہ، سین پر زبر، میم پر پیش، بلند درخت

لہ صلب، صاد پر زبر یا پیش، تلوار کا سونتا

لہ آپ مضبوط گرفت کرنے والے اور لطف و کرم سے رہا کرنے والے ہیں

لہ تو مسلمان ہو جا

لہ ریاض الصالحین جو امام محی الدین نووی کی تصنیف ہے۔

۵۰۷۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰیَۃً لَّوْ اَخَذَ النَّاسُ بِھَا لَکَفَتْھُمْ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کرلیں تو وہ انہیں کافی ہو کہ جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اسکے لیے چھٹکارے کی

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

صورت پیدا فرما دے گا اور اس جگہ سے روزی دے گا جس کا اسے گمان نہیں ۳ (مسند احمد، ابن ماجہ، دارمی)

۱ اگر لوگ اس آیت قرآنی پر عمل کریں تو انھیں باقی افعال سے کافی ہو جائے۔
۲ اس آیت کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا
۳ بغیر کسی تنگی اور تردد کے روزی دے گا۔

۵۰۷۴ / ۱۲ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَقْرَاَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت سکھائی "میں ہوں روزی رسان بڑی قوت والا" ۱ (ابوداؤد، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے)

۱ مشہور قراءت اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ہے حدیث میں شاذ قراءت۔

۵۰۷۵ / ۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَخَوَانِ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اَحَدُھُمَا یَاْتِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ یَحْتَرِفُ فَشَکَی الْمُحْتَرِفُ اَخَاہُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں دو بھائی تھے جن میں ایک آپ کی خدمت ۱ کرتا اور دوسرا کوئی پیشہ کرتا تھا۔ پیشہ کرنے والے نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے بھائی کی شکایت ۲ کی۔ فرمایا شاید تجھے اس کی برکت سے روزی مل رہی ہے ۳ (ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح غریب ہے)

۱ جبکہ وہ غیر شادی شدہ تھا۔
۲ اس نے سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا ہے اس کو میری مدد کرنی چاہیے۔
۳ آپ نے بوجھ اٹھانے پر صبر و ہمت کی تلقین فرمائی کہ شاید جو تو بوجھ اٹھاتا ہے اور رزق حاصل کرتا ہے شاید وہ اس کی برکت سے ہو۔
۴ یہ حدیث اس معاملہ پر واضح دلیل ہے کہ فقراء کا بوجھ اٹھانا خصوصاً ذوی الارحام کا۔ یہ رزق میں برکت کا ذریعہ بنتا ہے۔

۵۰۷۶ / ۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِکُلِّ وَادٍ شُعْبَۃٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَہُ الشُّعَبَ کُلَّھَا لَمْ یُبَالِ اللّٰہُ بِاَیِّ وَادٍ اَھْلَکَہٗ وَمَنْ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انسانی دل کی ہر وادی میں ایک شاخ ۱ ہے تو دل کو ان تمام شاخوں کی طرف لگا دے ۲ اللہ کو نہیں پرواہ کہ کسی جنگل میں

تَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ کَفَاہُ الشُّعَبَ - (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

ہلاک کر دیگے[۳] اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا وہ اسے گھاٹیوں سے بچائے گا[۴] (ابن ماجہ)

[۱] اس سے مراد حصولِ رزق کے لیے خواہشاتِ دل اور ان کا متفرق ہونا ہے۔

[۲] جو ان تمام خواہشات کی پیروی کرے گا۔

[۳] اور اس کائنات سے اس کی روانگی آخرت کی طرف کیا خبر کس حال میں ہو؟

[۴] اس کی تمام حوائج کو پورا فرمائے گا

۵۰۷۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَبُّکُمْ عَزَّ وَجَلَّ لَوْ اَنَّ عَبِیْدِیْ اَطَاعُوْنِیْ لَاَسْقَیْتُھُمُ الْمَطَرَ بِاللَّیْلِ وَ اَطْلَعْتُ عَلَیْھِمُ الشَّمْسَ بِالنَّھَارِ وَلَمْ اُسْمِعْھُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ - (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں راتوں رات ان پر بارش برساؤں اور دن میں دھوپ نکالوں[۱] انھیں گرج کی آواز بھی نہ سناؤں[۲] - (مسند احمد)

[۱] تاکہ یہ پانی حاصل کریں رات کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر بارش رات کو نافع ہوتی ہے۔

[۲] یعنی امن و سلامتی عطا کروں اور انھیں کوئی خوف نہ ہو۔

۵۰۷۸ وَعَنْہُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَھْلِہٖ فَلَمَّا رَاٰی مَا بِھِمْ مِنَ الْحَاجَۃِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِّیَّۃِ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُہٗ قَامَتْ اِلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْھَا وَ اِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْہُ ثُمَّ قَالَتِ اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَۃُ قَدِ امْتَلَاَتْ قَالَ وَذَھَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْہُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتِ امْرَاَتُہٗ نَعَمْ مِنْ رَّبِّنَا وَ قَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اِنَّہٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْھَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ - (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

اور انھی سے مروی ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر والوں کے پاس گیا، ان کی محتاجی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا[۱] جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا[۲] تو وہ چکی کی طرف اٹھی اسے رکھا[۳] اور تنور کی طرف گئی[۴] اسے جھانک دیا پھر دعا کی الٰہی ہمیں روزی دے تو پیالہ بھر گیا[۵]۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت تنور کی طرف گئی تو اسے بھرا ہوا پایا[۶] فرماتے ہیں کہ پھر خاوند لوٹا[۷] اور کہا[۸] کیا تم نے میرے پیچھے کچھ پایا۔ بیوی نے کہا ہاں[۹] اپنے رب کی طرف سے وہ شخص چکی کی طرف اٹھا پھر واقعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا گیا تو فرمایا یقیناً اگر وہ شخص اسے نہ اٹھاتا تو چکی قیامت تک گھومتی رہتی[۱۰]

(مسند احمد)

[۱] تاکہ ان کے لیے کچھ روزی حاصل کرے۔

[۲] خاوند جنگل کی طرف چلا گیا ہے۔

سے اپنے سامنے چکی کو رکھا یا ایک چکی کے ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر رکھا اس امید پر کہ خاوند باہر سے کچھ لائے تو پیس کر پکاؤں گی ۔

سے گرم کردن تاکہ روٹی پک سکے سجر کا معنی تنور روشن کرنا ہے ۔

ے وہ پیالہ جو اس نے چکی کے نیچے رکھا تھا بھر گیا ۔

سے غیب سے تنور میں روٹیاں لگ گئیں اور وہ ان سے بھر گیا

ے اور یہ حال دیکھا

ے جیسے تم نے پیس کر پکایا ہے

ے ہاں ہم نے پایا، مخلوق کی طرف سے نہیں بلکہ اپنے رب کی طرف سے پایا ہے ۔

سے جو اس خاتون نے رکھی تھی ۔

سے یہ سب صبر و توکل کی برکت ہے اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و باکرامت ظاہری حیات میں کسی صحابی کے سامنے پیش آیا تھا نہ کہ یہ سابقہ کسی شخص کا واقعہ ہے ۔

۵۰۷۹/۱۷ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روزی بندے کو ایسے تلاش کرتی ہے جیسے موت اسے تلاش کرتی ہے۔ (ابو نعیم، حلیہ)

سے یعنی دونوں کا ملنا یقینی ہے جس طرح حصولِ مدت کے لیے جدوجہد ضروری نہیں اس کے بغیر حاصل ہوتی ہے اسی طرح مقدر رزق کے لیے جدوجہد کی جائے یا نہ بہرطور مل کر رہتا ہے یعنی حصولِ رزق کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور توکل ہی اعلیٰ ذریعہ ہے اس میں اضطراب نہ رکھا جائے البتہ توکل رکھتے ہوئے شریعت کے مطابق احسن انداز میں تلاشِ رزق بھی درست ہے، بیت سے

توکل کن مجنباں پا و دست ۔۔۔ رزق تو بر تو ز تو عاشق تر ست

(اللہ پر بھروسہ رکھو، ہاتھ اور پاؤں نہ مار، تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے)

۵۰۸۰/۱۸ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَاَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ نبیوں میں سے کسی نبی کی حکایت فرما رہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے مارا اور خون خون کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے الٰہی میری قوم کو معاف کر دے کہ یہ جانتے نہیں۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اِدماء - ہمزہ پر کسرہ خون آلود کرنا

سلہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اے اللہ! اس قوم کو میرے حال سے آگاہ فرما دے تاکہ یہ ایمان لے آئیں۔ شیخ ابن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ یہ کون سے پیغمبر تھے؟ ممکن ہے حضرت نوح علیہ السلام ہوں انتہی۔ روایات میں آیا ہے کہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کو اتنا مارتی تھی کہ آپ کا جسم لہولہان ہو جاتا اور وہ بڑی مدت تک زمین پر پڑے رہتے، جب ہوش آیا تو اٹھ کر قوم کو اپنے رب کا پیغام دینا شروع کر دیا، بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہاں کوئی اور پیغمبر مراد نہیں بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے مگر آپ نے ابہام و اجمال میں بات فرمائی ہے اور یہ بات بڑی واضح ہے اور یہ جملہ آپ سے غزوۂ احد کے موقعہ پر منقول ہے۔

۳۳۴ - بَابُ الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ

دکھاوے اور خود نمائی کا بیان

ریاء، رؤیت سے مشتق ہے۔ صراح میں ہے ریا کسرہ اور مد کے ساتھ، اپنے آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر کرنا، عین العلم میں ہے ریا عبادت کے ذریعے لوگوں سے مقام و مرتبہ طلب کرنا ہے لہٰذا ریا عمل ظاہری کے ساتھ مخصوص ہے اور جو کام از قبیل عبادت نہیں وہاں ریاکاری نہ ہوگی مثلاً کثرت مال و متاع، حفظ اشعار اور حسن رمی اگر ہوا وہاں تکبر ہوگا ریا نہیں۔ اس میں طلب جاہ بھی مقصود ہوتا ہے چنانچہ مشائخ مریدین کو ترغیب اور ان کے قلوب کو مائل کرنے کے لیے جو کچھ کرتے ہیں یہ بھی درحقیقت ریا میں شامل نہیں اگرچہ صورت میں وہی ہے اس معنی کی وجہ سے کہا جاتا ہے صدیقین کی ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے۔ واضح رہے کہ ریا یہ ہے کہ ایک آدمی کے اندر ایک کمال فی الواقع پایا جاتا ہے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے اس لیے نمایاں کرتا ہے تاکہ لوگوں کے علم میں آئے اگر وہ کام اس میں ہے ہی نہیں اب اگر ظاہر کرے گا تو یہ کذب و نفاق ہے نہ کہ ریا، اس طرح کہا جاتا ہے کہ غیبت یہ ہے کہ وہ عیب بیان کیا جائے جو واقعۃً کسی شخص میں پایا جاتا تھا اگر وہ پایا نہیں جاتا تو یہ افترا و بہتان ہوگا۔

ریا کی چند اقسام ہیں ان میں بدترین قسم یہ ہے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا و عبادت قطعاً مقصود نہ ہو بلکہ محض مخلوق کے دکھاوے اور ان سے طلب منزلت کے لیے ہو اور یہ چیز نہایت ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب و غضب کا سبب ہے لہٰذا اس کا یہ عمل باطل ہوگا حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے اس سے فرض کا سقوط بھی نہ ہوگا بلکہ اس پر قضا لازم ہوگی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں دونوں باتیں ہوں گی مگر جانب ریاکاری غالب اس کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی قسم کا ہے ایک صورت یہ ہے کہ دونوں ارادے برابر ہوں تو اس صورت میں ظاہر تو یہی ہے سود و زیاں برابر ہوگا، مگر احادیث و آثار بتاتے ہیں کہ

ایسا عمل قبول نہیں ہوگا ریا کاری والی وہ صورت جس میں نیتِ ثواب اور رضائے الٰہی کا حصول غالب ہو اس میں عمل کا نقصان ہوگا بطلان نہیں ہوگا یا نیت کے مطابق ثواب و عتاب ہوگا۔ نیز یہ بھی فرق کیا گیا ہے کہ ریا کاری کب عمل میں آئی؟ ابتداءِ عمل میں درمیان میں یا بعد از عمل لاحق ہوگی۔ پہلی سب سے بدتر دوسری اس سے کم اور تیسری اس سے کم تر ہے اور اس سے عمل باطل نہ ہوگا، یہ بھی فرق کیا گیا ہے کہ ریا کا عزم مصمم تھا یا وسوسہ ہی تھا، ریا سے خلاصی پانا غایت درجہ دشوار اور اخلاص کا ہونا نہایت ہی مشکل ہے، بیان کیا گیا ہے کہ اگر اپنی تعریف کسی سے سن کر خوش ہوتا ہے تو یہ ریا کی علامت ہے، اگر خلوت میں کام کیا لیکن دل میں ریا رکھتا تھا تو یہ بھی ریا کاری ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ عطا فرمائے۔ یہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف اور رحمت سے خوش ہو کہ اس نے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے عبادات اور دیگر معمولات کو اس ارادے سے کیا جائے کہ دین کا غلبہ ہو اور لوگ نیکی میں اقتداء کریں تو محمود عمل ہے، ریا کاری نہیں جیسا کہ اس پر احادیث میں یہ نکتہ نہایت غامض ہے اور تفصیل طلب ہے، کتبِ فقہ میں ان پر گفتگو نہیں کی گئی لہٰذا اس کی تحقیق اہلِ علم سے خصوصاً امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم سے تلاش کرنی چاہیے۔ یہ جو کچھ مذکور ہے اسی سے حاصل کیا گیا ہے۔

سُمْعَہ، سین پر پیش، میم ساکن، اس کا ذکر اکثر لفظ ریا کے ساتھ آتا ہے کہا جاتا ہے فلاں نے یہ کام برائے ریا و سمعہ کیا ہے یعنی لوگ اُسے دیکھیں اور سنیں۔ سمعہ ان چیزوں میں ہوگا جن کا تعلق سمعہ سے اور ریا کا تعلق حاسۂ بصر سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۰۸۱ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا[1] بلکہ وہ تمہارے قلوب اور اعمال[2] کو دیکھتا ہے۔ (مسلم)

[1] نظرِ رحمت و عنایت تمہارے ان ظواہر کو نہیں دیکھتا جو پسندیدہ سیرت سے مزین نہیں اور ان اموال کو بھی نہیں دیکھتا جو خیر مقبول سے خالی ہیں۔

[2] ان دلوں کو دیکھتا ہے جو محلِ تعقل ہیں اور تمہارا وہ کردار جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ بعض کتبِ احادیث میں الفاظ روایت یہ ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا مگر وہ تمہارے دل اور نیتوں کو دیکھتا ہے)۔

۵۰۸۲ - وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى

انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں تمام شریکوں کے

الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ هُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

شرک سے بے نیاز ہوں جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ غیر کو شریک کرے[۲] تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دوں گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ اس کے لیے ہے جس کے لیے عمل کرے (مسلم)

[۱] یعنی اس کائنات میں جتنے شرکاء ہیں وہ شرکت کے محتاج ہیں اور اس پر راضی ہیں کہ اس چیز میں ان کا دخل اور شرکت ہے بخلاف میری ذات کے کیونکہ میں علی الاطلاق خلاق ہوں ۔ شرکت عبادات سے میں بے نیاز ہوں یہاں تک کہ وہ میرے لیے ہی خالصتاً نہ کی جائیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شریک کا نام اس لیے دیا کہ بندگان نے انھیں شریک ٹھہرایا ہے پس اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی اور ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا ۔

[۲] کسی عبادت میں دوسرے کو شریک کر لیتا ہے ۔

[۳] اس حدیث کا ظاہر واضح کر رہا ہے کہ ریاکاری کا اتصال ثواب کو فوت کر دیتا ہے لیکن شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ بات دو صورتوں میں ہے کہ یا تو مقصد محض ریاکاری ہو ثواب مقصود نہ ہو یا ریا کا مقصد غالب ہو یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عبادت میں ریاکاری کے دخل پر زجر و توبیخ پر مبالغہ ہے ۔

۵۰۸۳ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو سنانا[۱] چاہتا ہے اللہ اسے سنا دے[۲] گا اور جو دکھانا چاہتا[۳] ہے اللہ اسے دکھا دے گا (بخاری و مسلم)

[۱] اپنے نفس کی لوگوں میں شہرت چاہتا ہے یا لوگوں کو اپنے فضائل سناتا ہے ۔ تسمیع دونوں معانی میں مستعمل ہے ؛ تسمیع بمعنی مشہور ہونا ، گم نامی کا دور کرنا اور تشہیر کرنا اور بمعنی دوسرے کو سنانا بھی ہے (کذا فی القاموس)

[۲] اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے عیوب کی تشہیر فرمائے گا اور اسے رسوا فرمائے گا اور قیامت کی قید کا ذکر تیسری فصل میں حدیث جندب میں موجود ہے ۔

[۳] اسے کہا جائے گا کہ تو اسی سے جزا طلب کر جس کی خاطر تو نے عمل کیا ، بعض شارحین نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے وہ اعمال بد ظاہر کر دیتا ہے تاکہ ذلیل و رسوا ہو یا اس بات کو واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس کی نیت بد ہے اس نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کیا ، بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بندہ جو اپنے اعمال اس لیے کرتا ہے کہ لوگ دیکھیں اور سنیں ، اللہ تعالیٰ اسے ثواب دکھائے گا دے گا نہیں ۔ تاکہ اسے اپنے کیے پر حسرت ہو یا اس سے مراد یہ ہے کہ بندے نے چونکہ اعمال لوگوں کی خاطر کیے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں مقبولیت کے ذریعے اس کا بدلہ عطا کر دیا اور آخرت کے ثواب سے محروم کر دیا ۔

۵۰۸۴/۴ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَیُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَیْهِ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں[1] جس نے اچھا عمل کیا اور لوگ اس پر تعریف کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے اس عمل پر لوگ[2] اس سے محبت کرتے ہیں۔ فرمایا یہ مومن کی فوری بشارت ہے[3] (مسلم)

[1] اس کا حکم کیا ہے؟

[2] ان الفاظ کا اضافہ ہے۔

[3] آخرت میں حصولِ ثواب سے قبل یہ ستائش و محبت دنیا میں حاصل ہو رہی ہے گویا یہ بندے کے لیے ثوابِ آخرت کی بشارت ہے کیونکہ اس بندے کی نیت میں ریاکاری نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد ثوابِ آخرت کا حصول ہی تھا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اسے دنیا میں بھی ثواب عطا فرما دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۰۸۵/۵ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فُضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَی الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوسعید[1] بن ابی فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت میں لوگوں کو جمع فرمائے گا اس دن جس میں کوئی شک نہیں تو پکارنے والا پکارے[2] گا جس نے ایسے کام میں جو اللہ کے لیے کرے کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا ثواب بھی غیرِ خدا سے مانگے کیونکہ اللہ شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہے۔ (مسند احمد)

[1] یہ انصاری حارثی صحابی ہیں، مسند احمد، جامع الاصول اور استیعاب میں اسی طرح ہے۔ مصابیح اور مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں ابی سعد کی بجائے ابی سعید ہے۔

[2] آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا۔

۵۰۸۶/۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهٖ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ اَسَامِعَ خَلْقِهٖ وَحَقَّرَهٗ وَصَغَّرَهٗ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے عمل لوگوں کو سنائے تو اللہ اپنی مخلوق کے کانوں کو سنا دے گا اور اسے حقیر و ذلیل اور

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

جھوٹا کردے گا ۔

(بیہقی، شعب الایمان)

سلہ اپنے اعمال میں شہرت چاہے

سلہ دنیا و آخرت میں، سامع باسمع میم پر پیش سمع کی جمع ہے جیسے کالب در کلب ۔

۵۰۸۷ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَلَا يَاْتِيْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نیت طلب آخرت[1] ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں استغنا[2] پیدا فرما دیتا ہے اور اس کے لیے پریشانیاں[3] جمع فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے ہاں ذلیل ہو کر آتی ہے[4] جس کی نیت دنیا کی طلب ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان مفلسی مقرر فرما دیتا ہے اس کے معاملات اس پر مختلف ہو جاتے ہیں اور اسے نہیں ملتا مگر جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے[5] ترمذی ۔ (اسے مسند احمد، دارمی نے ابان[6] کے واسطہ سے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا)

سلہ ثواب آخرت

سلہ اسے مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے وہ اب ریاکاری کا وسیلہ اختیار نہیں کرتا کہ اس کے ذریعے مال اور منصب چاہے ۔

سلہ اسباب معیشت کے ذریعے اس کو جمعی عطا کر دیتا ہے ۔ شَمْل ش پر زبر ، میم ساکن پریشانی اور جمعیت خاطر دونوں معانی میں آیا ہے یہاں معنی پریشانی ہے ۔

سلہ بغیر کسی طلب کوشش ، محنت اور اسباب وحوائج میں خواری کے اسے معاش برائے زندگی حاصل ہو جاتی ہے

شہ طلب آخرت کی صورت میں جمعیت خاطر ہے اور آسانی سے رزق حاصل ہوتا ہے مگر طلب دنیا کی صورت میں پریشانی اور اضطراب ہے مگر ملتا وہ ہے جو مقدر ہوتا ہے ۔

سلہ ابان ، ہمزہ پر زبر یہ تابعی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں اپنے والد گرامی اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا ہشام بن عبدالملک کے دور میں وصال ہوا ۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تھے احول اور اصم تھے ۔ عبدالملک کے دور میں مدینہ طیبہ کے والی تھے اور فالج کی بیماری انھیں عارض ہوئی ۔

۵۰۸۸ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں

اللّٰہِ بَیْنَا اَنَا فِیْ بَیْتِیْ فِیْ مُصَلَّایَ اِذْ دَخَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ فَاَعْجَبَنِی الْحَالُ الَّتِیْ رَاٰنِیْ عَلَیْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَکَ اللّٰہُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ لَکَ اَجْرَانِ اَجْرُ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِیَۃِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

کریں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ! میں اپنے گھر مصلی[1] پر تھا میرے پاس ایک شخص آیا مجھے اپنا وہ حال پسند آیا جس پر اس نے مجھے دیکھا[2] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تم پر اللہ رحمت کرے تم کو دو ثواب ہیں علانیہ کا اور خفیہ کا۔

(ترمذی نے روایت کرکے فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

[1] یعنی نماز میں تھا

[2] میرا یہ خوش ہونا کیسا ہے؟ ریا ہے یا نہیں؟

[3] ظاہر یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لیے خوش ہو گئے کہ یہ آدمی اتباع کرتے ہوئے اس حال کے ساتھ متصف ہوگا یا اس وجہ سے خوش ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا (جس نے کار خیر شروع کیا اس کے لیے اجر ہے اور اجر کرنے والے کا اجر بھی اسے ہوگا) کے مطابق عامل کے عمل پر مجھے ثواب حاصل ہوگا آپ کی خوشی کا سبب اس بات پر شکرانہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے عبادت کی توفیق نصیب ہوئی اور ارکان اسلام میں سے ایک قوی رکن نماز کی ادائیگی پر مسلمان کی شہادت حاصل ہوگی یہ معنی الفاظ حدیث "سرا وعلانیہ" کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۰۸۹/۹ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ یَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ مِنَ اللِّیْنِ اَلْسِنَتُھُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ وَقُلُوْبُھُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَبِیْ یَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَیَّ یَجْتَرِءُوْنَ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰی اُولٰئِکَ مِنْھُمْ فِتْنَۃً تَدَعُ الْحَلِیْمَ فِیْھِمْ حَیْرَانَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا آخری زمانے میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانے دنیا کمائیں گے[1]۔ لوگوں کے سامنے بھیڑوں کی کھال پہنیں گے[2]۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی اور ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے[3] اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا مجھ سے دھوکہ کھاتے ہو یا مجھ پر جرأت کرتے ہو[4]، مجھے اپنی قسم! میں ایسے لوگوں پر ایسا فتنہ[5] بھیجوں گا جو بردبار کو حیران کر چھوڑے گا۔

(ترمذی)

[1] اعمال آخرت کے بدلے طلب کریں گے اور لوگ ان کے فریب میں آجائیں گے، ختل فریب کھانا از باب ضرب یضرب ہے۔

[2] لوگوں کے سامنے نرمی، چاپلوسی اور تواضع کے لیے۔

سے ان کی باتیں نرم و شیریں اور دوستی کی ہیں
سے لوگوں کے ساتھ دشمنی کے وقت
سے کیا وہ میرے مہلت دینے کی وجہ سے مغرور ہو گئے ہیں
سے یا وہ مجھ پر جرأت و دلیر ہو گئے ہیں۔
سے ان کی ذات سے یا ان لوگوں کی طرف سے جن کو یہ فریب دیتے ہیں۔
سے عاقل آدمی متحیر ہوگا اور عبرت حاصل کرے گا۔

۵۰۹۰/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ فَبِي حَلَفْتُ لَأُتِيحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيمَ فِيهِمْ حَيْرَانَ فَبِي يَغْتَرُّونَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُونَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی اور ان کے دل ایلوے[1] سے زیادہ کڑوے ہیں۔ مجھے اپنی ہی قسم میں ان میں ایسا فتنہ چھوڑوں گا جو عاقل کو بھی حیران[2] کر دے گا۔ وہ میری وجہ سے دھوکہ کھاتے ہیں یا جراءت کرتے ہیں۔
(ترمذی نے روایت کر کے غریب قرار دیا)

سلہ "الصَّبِر" صاد پر زبر یا کسرہ، کڑوے درخت کا شیرہ
سلہ "تاحد" حا کے ساتھ ایسا اندازہ کرنا کہ جو معاملہ پیش آنا ہو نہ آسکے۔

۵۰۹۱/۱۱ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً فَإِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوهُ وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کی ایک خوشی[1] اور ہر خوشی کی ایک کمزوری[2] ہے اگر خوشی والا درست رہے اور قریب رہے[3] تو اس کی کامیابی کی امید کرو اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاویں[4] تو اسے کسی گنتی[5] میں نہ لاؤ (ترمذی)

سلہ شِرَّہ، شین کے نیچے کسرہ اور مشدد آخر میں تا ہے کسی چیز میں حرص اور خوشی شِرَّۃُ الشَّبَاب نوجوانی کا مزہ، شَرَّہ شین اور رلو پر فتحہ آخر میں تا اس کا معنی شدت حرص (قاموس و صراح) یہاں افراط و انہماک مراد ہے۔
سلہ فترت، فا پر زبر تا ساکن، سستی مراد تفریط و تقصیر ہے یعنی تمام اعمال ظاہری اور اخلاق باطنی میں افراط و تفریط ہو سکتا ہے اور یہ دونوں ہی مذموم اور موجب نقصان ہیں کیونکہ توسط و اعتدال محبوب و محمود ہیں جو اپنے مقام پر محقق ہے، آگے اپنے ارشاد کے ساتھ توسط کی طرف اشارہ فرمایا۔

سے اگر صاحب خوش صواب راہ پر چلا اور طریق اعتدال سے دور نہ نکلا اور افراط و تفریط سے بچ گیا ۔

سے یعنی لوگوں سے ممتاز ہو گیا ہے ۔

ھ اسے اہل فرزد فلاح میں شمار نہ کرو، آپ کے الفاظ مبارکہ فَارْجُوْهُ وَلَا تَعُدُّوْهُ اشارہ کرتے ہیں کہ ان کی عاقبت میں ابہام ہے ۔ یعنی ظاہر الامر یہ ہے کہ جو بھی شخص راہ صواب پر افراط و تفریط سے بچ کر چلا اس کی عاقبت بہتر ہوگی اور اگر فسق و فساد میں وہ شخص ممتاز ہو گیا اور اس کی طرف اشارے ہونے لگے تو وہ ظاہراً اہل فلاح میں شمار نہ ہوگا لیکن عاقبت دونوں کی صحیح ہے کہ خاتمہ کس پر ہوتا ہے بیت

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمت است
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

(ہر ایک کے خاتمہ پر پردہ ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس حالت میں رخصت ہوگا)

لیکن یہ امید ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے طاعت کی توفیق دی ہے اس کا انجام بھی اچھا ہی ہوگا اور رحمت الٰہی کا طریقہ جاریہ یہی ہے کہ وہ بدکار کو نیکی کی طرف لاکر توبہ کی توفیق دیتی ہے تاکہ نجات ہو جائے مگر نیکوکار کو بہت ہی کم برائی کی طرف جانے دیتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں ۔

۵۰۹۲ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِي دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے شر کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ۔
(بیہقی، شعب الایمان)

لے دنیا میں اشارے کا محل بننا واضح ہے کیونکہ وہ محل آفت اور امن و سلامتی کی راہ سے دور جانا ہے ۔ رہا معاملہ دین کا تو اس میں بھی نوع بنوع ریاکاری بصورت محبت ریاست محبت، تقدیم و امامت، لوگوں کا اعتقاد اور تعظیم، نفسانی خواہشات نفس کے مکر اور شیطان کے وسواس میں جن سے کوئی بچ کر سلامتی پاتا ہے اور وہ مقرب اور نہایت ہی سچے لوگ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ کہا گیا ہے صدیقین کے تصور سے جو آخری شے خارج ہوتی ہے وہ حب جاہ ہے ۔ لیس خاموشی و گمنامی ہر حال میں بہتر اور سلامتی و حفاظت کے زیادہ قریب ہوتی ہے ۔

سے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مذکورہ حکم اس شخص کے حق میں ہے جس کے دل میں محبت حکومت و منصب ہو اور یہ تصور ہو کہ لوگوں کے دلوں میں مجھے قبولیت حاصل ہو رہا وہ شخص جو اس بیماری سے محفوظ اور مخلص ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوگا اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں اپنے مخلص بندوں کے بارے میں خود فرمایا ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (اے اللہ ہمیں متقین کا امام بنا) یہ منقول ہے کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے اشارے کا محل ہیں حالانکہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی برائی بیان کی ہے تو آپ نے فرمایا آپ کی مراد دین میں بدعتی اور دنیا میں فاسق ہے یعنی وہ شخص جو دنیا میں غلطی کے ساتھ مشہور ہوا مگر فسق و فجور کے قریب نہ گیا بلکہ طریق سنت اور اتباع نبوی کی راہ پر چلا وہ اس کلیہ کے تحت داخل نہیں ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۰۹۳ عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَۃَ قَالَ شَھِدْتُ صَفْوَانَ[۲] وَاَصْحَابَہٗ[۳] وَجُنْدُبٌ یُوْصِیْھِمْ فَقَالُوْا ھَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالُوْا اَوْصِنَا فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُنْتِنُ مِنَ الْاِنْسَانِ بَطْنُہٗ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَّا یَاْکُلَ اِلَّا طَیِّبًا فَلْیَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَّا یَحُوْلَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجَنَّۃِ مِلْءُ کَفٍّ مِّنْ دَمٍ اَھْرَاقَہٗ فَلْیَفْعَلْ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

تیسری فصل

حضرت ابو تمیمہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت صفوان[۲] اور ان کے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ حضرت جندب انہیں وصیت کر رہے تھے۔ لوگوں[۳] نے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے فرمایا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنی شہرت چاہے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رسوا کر دے گا جو مشقت[۴] میں ڈالے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن مشقت میں[۵] ڈالے گا۔ عرض کیا ہمیں وصیت کیجیے فرمایا انسان کی پہلی چیز جو بگڑتی ہے وہ پیٹ[۶] ہے جو طاقت رکھے کہ طیب کے سوا کچھ نہ کھائے وہ ضرور ایسا کرے[۷] اور جو طاقت رکھے کہ اس کے اور جنت کے درمیان مٹھی بھر خون آڑے نہ آئے جسے وہ بہائے تو وہ ضرور ایسا کرے[۸] (بخاری)

۱؎ ابو تمیمہ بن مجالد بصری تابعی ہیں

۲؎ یہ ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے، صفوان متعدد ہیں، صفوان بن امیہ، صفوان بن عسال، صفوان بن معطل یہ تمام صحابہ ہیں یہاں معلوم نہیں کون مراد ہے؟

۳؎ صفوان اور اصحاب صفوان نے

۴؎ جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے یعنی ان سے اس چیز کا مطالبہ کرے جو ان کی طاقت میں نہ ہو، علامہ طیبی نے اسے عموم پر رکھا اور فرمایا اس میں اپنا نفس بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی اپنے نفس کو اس کی طاقت سے اس طرح بڑھ کر تکلیف میں ڈالنا جو حد سے زیادہ اور موجب خلل و ضرر ہو ممنوع ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد مخلوق کے ساتھ اختلاف و نزاع اور لڑائی برپا کرنا ہے بہر تقدیر اس کی جزا بیان کردہ ہے۔

۵؎ بعض روایات میں شَقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ (اللہ تعالیٰ اس پر سختی کرے گا) کے الفاظ بھی ہیں۔

۶؎ جو انسان کو جنت سے محروم اور آتش دوزخ میں داخل کر دیتی ہے وہ پیٹ ہے جو انسان کو حرام کھانے کی طرف لے جاتی ہے۔

۷؎ یہ عمل دوزخ سے نجات دلاتا ہے

۸؎ ایسا نہ کرے کیونکہ ناحق خون بہانا جنت میں داخلے کے منافی ہے اگرچہ وہ ایک چلو ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ اس سے زیادہ ہو اور یہ کام عقل سے بعید ہے کہ انسان یہ حقیر و خسیس عمل کرے جو دخول جنت جیسی عظیم نعمت سے

مانع بن جائے۔

۵۰۹۴ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد کی طرف گئے تو قبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیٹھا ہوا پایا جو رو رہے تھے حضرت عمر نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ بولے مجھے وہ چیز رلا رہی ہے جو میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے[1] اور جو اللہ کے دوست سے دشمنی کرے وہ اللہ کے مقابل جنگ کے لیے آیا[2]۔ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی[3] نیکوں پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے جو غائب ہو جائیں تو ڈھونڈے نہ جائیں[4] اور اگر موجود ہوں تو نہ بلائے جائیں[5] اور نہ قریب کیے جائیں[6] ان کے دل چراغ ہدایت ہوں[7] اور ہر تاریک گرد سے نکلے ہوں[8]۔ (ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

[1] چہ جائیکہ زیادہ ہو۔

[2] اور اللہ تعالیٰ کے مقابل آیا وہ یقیناً ذلیل ہوا۔ مبارزت، صف سے جنگ کے لیے بڑھنا ہوتا ہے۔

[3] مخفی حال والے۔

[4] ان کے احوال کے بارے میں نہ پوچھا جائے۔

[5] برائے مہمانی اور مجلس۔

[6] یعنی عزت کے ساتھ نہ بٹھائے جائیں۔

[7] جن کی روشنی سے راہ راست حاصل کیا جا سکتا ہو۔

[8] ان کے مساکن اور رہائش گاہوں کی تیرگی و تاریکی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں رکھتے ہوں گے جن سے ان کو روشن اور مزین کر سکیں۔ اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر عالم صالح اور متقی کی ظاہری حالت لباس و رہائش وغیرہ بہتر نہ ہو تو اس وجہ سے ان کی تعظیم میں کمی نہ کی جائے کون جانتا ہے کہ ان کے باطن میں کیا ہے؟

بیت:۔ خاکساران جہاں را بحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(ان گرد آلود لوگوں کو حقیر مت جانو، کیا علم کہ اس گرد میں کوئی عالم بالا کا سوار ہو)

اور اس حدیث میں اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ محض فقر و ذلت کے بغیر تقویٰ اور نور باطن کی کوئی حقیقت نہیں ۔

۵۰۹۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا صَلّٰی فِی الْعَلَانِیَةِ فَاَحْسَنَ صَلّٰی فِی السِّرِّ فَاَحْسَنَ قَالَ اللهُ تَعَالٰی هٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ علانیہ نماز ادا کرتا ہے تو بھی اچھا اور اگر سرًا ادا کرتا ہے تو بھی اچھا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرا سچا بندہ ہے[۱] (ابن ماجہ)

[۱] کہ اس نے عبادت میں ریاکاری نہیں کی ۔

۵۰۹۶ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اِخْوَانُ الْعَلَانِیَةِ اَعْدَاءُ السَّرِیْرَةِ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَیْفَ یَكُوْنُ ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ اِلٰی بَعْضٍ وَّرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں ایسی قومیں ہوں گی جو ظاہر میں دوست اور پوشیدگی کی دشمن ہوں گی ۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! یہ کیونکر[۱] ہوگا ۔ فرمایا یہ ان کے بعض کے بعض سے رغبت اور بعض کے بعض سے ڈرنے کی وجہ[۲] سے ہوگا ۔

[۱] اس کا سبب کیا ہوگا ؟

[۲] یعنی مقاصد دنیاوی اغراض ہوں گے اگر حاصل ہوگئے تو دوستی کا اظہار کر دیا اور اگر حاصل نہ ہوئے تو بیگانہ ہو گئے اور عدم حصول کی صورت میں دشمنی اختیار کر لی ۔

۵۰۹۷ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ ۔ (رَوَاهُمَا اَحْمَدُ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھے اس نے شرک کیا[۱] اور جس نے دکھلاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا جو دکھلاوے کے لیے صدقہ دے اس نے شرک کیا[۲] (مذکورہ دونوں روایات مسند احمد میں ہیں)

[۱] اس نے غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرایا ۔

[۲] یعنی ہر وہ عمل جس میں ریا ہوگا وہ شرک ہے اور اس کی انتہا بھی شرک جلی ہی ہے ۔ شرک جلی بت پرستی کرنا ہے اور ریاکاری کرنے والا بھی غیر خدا کے لیے عمل کر کے بت پرستی کا ہی ارتکاب کر رہا ہے لیکن مخفی انداز میں ۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کُلُّ مَا صَدَّکَ عَنِ اللّٰہِ فَھُوَ صَنَمُکَ (ہر وہ شے جو تجھے اللہ تعالیٰ سے روکے وہ تیرا بُت ہے)

۵۰۹۸/۱۸ وَعَنْہُ اَنَّہٗ بَکٰی فَقِیْلَ لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ قَالَ شَیْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فَذَکَرْتُہٗ فَاَبْکَانِیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الشِّرْکَ وَالشَّھْوَۃَ الْخَفِیَّۃَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُشْرِکُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ قَالَ نَعَمْ اَمَا اِنَّھُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا قَمَرًا وَّلَا حَجَرًا وَّلَا وَثَنًا وَّلٰکِنْ یُّرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِھِمْ وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ اَنْ یُّصْبِحَ اَحَدُھُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَہٗ شَھْوَۃٌ مِّنْ شَھَوَاتِہٖ فَیَتْرُکُ صَوْمَہٗ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

اور انہی[1] سے روایت ہے کہ آپ رو دیئے، پوچھا گیا آپ کو کس شے نے رُلایا؟ فرمایا اس بات نے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی تو وہ مجھے یاد آگئی اس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی امت پر شرک اور خفیہ شہوت کا خوف کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی اُمت شرک کرے گی۔ فرمایا ہاں لیکن یاد رہے وہ لوگ[2] نہ سورج کی پوجا کریں گے نہ چاند کی نہ پتھر کی اور نہ بُت کی لیکن ریا کاری[3] کریں گے۔ خفیہ شہوت یہ ہے کہ ان میں سے ایک روزہ رکھے گا پھر اس کے سامنے اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش[4] آجائے تو وہ اپنا روزہ چھوڑ دے گا[5]۔ (مسند احمد، بیہقی شعب الایمان)

[1] حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
[2] وہ شرک نہیں کریں گے جو متعارف ہے جسے شرک جلی کہا جاتا ہے۔
[3] کیونکہ اس امت میں عمل صالح کی عزت وقیمت نہایت اہم ہے اور اس کے اعمال بھی زیادہ ہیں تو ریا کاری کرنے والا اگر زندگی کو ریا کاری کی نذر کرتے ہوئے مال وجاہ کی خاطر لوگوں کی نذر کر دیتا ہے تو وہ شرک خفی میں گرفتار ہے جو درحقیقت شرک اور بُت پرستی ہی ہے۔
[4] مثلاً کھانا پینا یا جماع
[5] غلبہ شہوت کی وجہ سے اس خواہش کو خفی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گویا باطن میں وقت نیت روزہ یہ خواہش رکھتا تھا کہ اگر شہوت عارضی آگئی تو میں روزہ توڑ دوں گا۔ علامہ طیبی اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں ہلاکت مخفی ہے یا اس سبب سے کہ اس کی شرک کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ یہاں مراد شرک خفی ہے۔

۵۰۹۹/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ مسیح دجال[1] کا تذکرہ کر رہے تھے۔ فرمایا کیا

اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَّظَرِ رَجُلٍ ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

ہیں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا وہ خفیہ شرک ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنی نماز اسلئے بڑھاکر[۲] لمبی کرے کہ کسی شخص کو دیکھے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے[۳]۔ (ابن ماجہ)

سلہ اس کے فتنہ اور ابتلاء کا

سلہ تعداد اور خشوع وخضوع میں

سلہ ریا کرتے ہوئے سوچے کہ میں اتنی اعلیٰ نماز ادا کر رہا ہوں ۔ دجال سے زیادہ فتنہ وابتلاء کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ابتلاء زیادہ ہے اور اس سے اجتناب نہایت دشوار ہے اور نفس اس کو قبیح بھی نہیں جانتا ۔ اور دجال کا فتنہ وقتی ہوگا یہ بھی وجہ ہے کہ اس کا خروج نزدیک نہیں بلکہ آخر زمانے میں ہے لیکن اس صورت میں خطاب فقط اہل مجلس کے ساتھ مخصوص ہوگا اور اس کا ہونا دجال غیرہ علامت بھی ہوگی اور نفس بھی اس سے نفرت کرے گا یا یہ ریا کاری کی قباحت ومبالغہ پر تشدد ہے سہ بیت

کلید در دوزخ ست آں نماز کہ در چشم مردم گذاری دراز

(وہ نماز دوزخ کے دروازے کی چابی ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لیے ادا کی جائے)

۱۲۵ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَاءُ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت محمود بن لبید[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں سے میں تم پر خوف کھاتا ہوں ان سب سے خوفناک چیز شرک اصغر ہے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے ؟ فرمایا ریا کاری[۲] (مسند احمد)

وَزَادَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ یَقُوْلُ اللّٰہُ لَہُمْ یَوْمَ یُجَازِی الْعِبَادَ بِاَعْمَالِہِمْ اِذْھَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَھُمْ جَزَاءً اَوْ خَیْرًا ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں یہ اضافہ بھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اس دن جو ان بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا کہ ان کے پاس جاؤ جن میں تم دنیا میں اعمال دکھاتے رہے کہ کیا ان کے پاس تم جزا یا بھلائی[۳] پاتے ہو۔

سلہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے ان کی ولادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات میں ہوئی صحابہ سے انھوں نے روایت کی ۔ امام بخاری نے انھیں صحابی قرار دیا ہے اور زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے ۔

سلہ یہ بت پرستی اور کسی کو معبود جاننے جو شرک جلی اور قوی ہے سے چھوٹی وضعیف ۔

سلہ راوی کو شک ہے کہ جزا کا لفظ فرمایا یا خیر کا ۔

۵۱۰۱/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا عَمِلَ عَمَلًا فِیْ صَخْرَۃٍ لَّا بَابَ لَھَا وَلَا کُوَّۃَ خَرَجَ عَمَلُہٗ اِلَی النَّاسِ کَائِنًا مَّا کَانَ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اگر ایسے پتھر[۱] کی چٹان میں بیٹھ کر عمل کرے جس کا کوئی دروازہ نہیں اور نہ روشن[۲] دان تو بھی اس کا عمل لوگوں تک آجائے گا۔ جو عمل بھی ہو[۳]۔

۱؎ صخرۃ، بڑے پتھر کو کہا جاتا ہے یہاں یا تو غار مراد ہے یا مبالغۃً فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے پتھر کے اندر کوئی عمل کرے جس کا دروازہ نہ ہو تب بھی وہ سامنے آجاتا ہے۔

۲؎ سوراخ یہاں سے کوئی مطلع ہو سکے "کوۃ" کاف پر زبر یا پیش، واؤ مشدد آخر میں تا اس روشن دان کو کہتے ہیں جو دیوار میں ہو۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر نافذ ہو تو پیش کے ساتھ اور اگر غیر نافذ ہو تو فتحہ کے ساتھ، یہ بھی ہے کہ اگر تا کے ساتھ ہو تو تنگ سوراخ اور اگر بغیر تا ہو تو بڑا سوراخ، چونکہ اس روایت میں تا اور پیش ہے لہٰذا مراد چھوٹا سوراخ ہوگا چونکہ اس روایت میں تا اور پیش ہے لہٰذا مراد چھوٹا سوراخ ہوگا اور مقام کے مناسب بھی یہی ہے جیسا کہ واضح ہے۔ الحاصل جو عمل خلوت میں پوشیدہ ہو اور اس پر کوئی مطلع نہ ہو۔

۳؎ یعنی اظہار کی ضرورت ہی نہیں تاکہ ریا ہو اور ثواب سے محرومی ہو اگر اللہ کے لیے عمل ہو اور اس میں حکمت کا تقاضا ہوا، اور بندے کی بہتری ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور آشکارا فرما دیتے ہیں۔
یا مفہوم یہ ہے کہ اخلاص والے کو عمل مخفی رکھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ عمل ظاہر ہو کر رہتا ہے کیونکہ بندے کے اختیار میں نہیں۔

۵۱۰۲/۲۲ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ سَرِیْرَۃٌ صَالِحَۃٌ اَوْ سَیِّئَۃٌ اَظْھَرَ اللّٰہُ مِنْھَا رِدَاءً یُعْرَفُ بِہٖ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی جو سیرت[۱] ہوگی اچھی یا بری۔ اللہ تعالیٰ اس کی علامت[۲] ظاہر فرمائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

۱؎ مخفی خواہ نیک ہو یا بد
۲؎ رداء کا معنی علامت ہے جس سے معرفت ہوتی ہے کیونکہ اپنی ردا سے آدمی پہچانا جاتا ہے۔

۵۱۰۳/۲۳ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کُلَّ مُنَافِقٍ یَتَکَلَّمُ بِالْحِکْمَۃِ وَیَعْمَلُ بِالْجَوْرِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس امت پر ہر اس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں حکمت کی کرے گا اور عمل ظلم کے۔

الثلثۃ فی شعب الایمان)

ان تینوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

لہ یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے اچھی نصیحتیں کرے گا مگر خود ان پر عمل نہیں کرے گا اور یہ صفت منافقین کی ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ اس اُمت میں ایسا شخص پیدا ہو یعنی ایسی صفات و اعمال سے بچنا چاہیے۔

۵۱۰۴/۲۴ وعن المھاجر بن حبیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انی لست کل کلام الحکیم اتقبل ولکنی اتقبل ھمہ وھواہ فان کان ھمہ وھواہ فی طاعتی جعلت صمتہ حمدا لی ووقارا وان لم یتکلم (رواہ الدارمی)

حضرت مہاجر بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کا ارادہ اور خواہش[لہ] قبول کرتا ہوں تو اگر اس کا ارادہ اور خواہش[۲] میری فرمانبرداری میں ہو تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد[۳] اور وقار بنا دیتا ہوں اگرچہ وہ کچھ نہ بولے[۴]۔ (دارمی)

لہ یعنی وہ جو کچھ کہے وہ عمل میں واقع ہو۔

۲ اس کی محبت و قصد کو

۳ اپنی ذات اقدس کی ستائش و ثناء

۴ اگر اس کی نیت اللہ تعالیٰ کی طاعت و محبت ہے تو اس کی خاموشی ہی محمود و قابل ستائش ہے گویا اس کی خاموشی اللہ کی حمد ہے اور اگر نیت محبت و طاعت کی نہیں تو کلام ضائع ہوگا۔ اگرچہ علم و حکمت پر مشتمل ہو کیونکہ اس میں ریا و نمود و نمائش ہوگی۔

۳۳۵۔ باب البکآء والخوف

رونے اور خوف کا بیان

بکا، ایک حالت ہے جو انسان کو لاحق ہوتی ہے بالمد سے اس کا معنی آواز کے ساتھ رونا اگر بالقصر ہو تو آنکھوں کا آنسو بہانا تباکی، رونے میں تکلف کرنا، کسی ایسی چیز کو یاد کرنا یا حاضر کرنا جس سے رونا آئے " ابکاء" کسی کو رلانا، خوف ڈرنا، اخافت و تخویف ڈرانا، خوف ایک حالت ہے جو عارض ہوتی ہے یہاں عذاب آخرت اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا اور رونا مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۵۱۰۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ[1] صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں[1] تو تم روتے زیادہ اور ہنستے[2] کم۔ (البخاری)

[1] قیامت کے احوال و مصائب، مبداء و معاد کی حقیقت، اللہ تعالیٰ کا قہر و جلال جو خوف و خشیت اور ہیبت کا سبب ہے اور تمھاری وجہ سے جو مجھ پر غم و مشقت لاحق ہوتی ہے۔

[2] تم جانب خوف کو جانب رجاء و امید پر ترجیح دیتے ہوئے اس میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا جلال و قہر اور گرفت سامنے رہنی چاہیے تاکہ خوف و خشیت لاحق رہے اور کثرت سے ہنسنے سے بچا جائے کیونکہ وہ تو جاہل اور غافل لوگوں کا عمل ہے یعنی اگر ہنسا بھی جائے تو امید مغفرت و معافی اور رحمت کی بنیاد پر۔

۵۱۰۶ وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِیَّةِ[1] قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَا اَدْرِیْ وَاللّٰهِ لَا اَدْرِیْ[2] وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہیں جانتا میں نہیں جانتا اور حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائیگا[3]۔ (بخاری)

[1] بیعت کرنے والی صحابیات میں شامل ہیں اور ان سے اہلِ مدینہ نے حدیث لی ہے۔

[2] دو دفعہ فرمایا

[3] اس فرمانِ نبوی کا ظاہر بتا رہا ہے کہ انجام مبہم ہے کوئی نہیں جانتا کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا؟ لیکن یہ بات حضرات انبیاء و رسل خصوصاً سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم کے حوالے سے منتفی ہے کیونکہ دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہے کہ ان ذوات کو اپنی حسن عاقبت کا یقین ہوتا ہے۔ یہ فرمان آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے وقت فرمایا تھا۔ یہ کبار مہاجرین میں سے ہیں۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد سب سے پہلے فوت ہونے والے مہاجر آپ ہی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موت کے بعد ان کی پیشانی کو چوما اور ان کے چہرے پر آپ کے آنسو گرے جنت البقیع میں خود دفن کروایا اور بہت سی عنایات سے نوازا۔ وہاں ایک خاتون حاضر تھی اس نے کہا اے ابن مظعون تجھے جنت مبارک ہو کہ تیرا انجام خیر پر ہوا ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اس خاتون کو روکا اور یہ ارشاد فرمایا درحقیقت اس کا مطلب بارگاہ نبوت میں بے ادبی، غیب پر حکم کرنے اور اس کے بارے میں وثوق سے تیز زور طریقہ پر

منع کرنا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے ازراہ ادب علم غیب کی تصریح نہ کرنے سے، کلام کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ یا مراد احوالِ عاقبت کا تفصیلاً معلوم نہ ہونا ہے کیونکہ خواہ دنیا ہو یا آخرت تمام غیبی احوال کی تفصیل سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی واقف نہیں اگرچہ اجمالاً معلوم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی عاقبت بخیر ہی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں مراد امورِ دنیاویہ ہیں عدم درایت سے نہ کہ اخرویہ میں یا مراد یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ تم پر عذاب نازل ہوگا جس طرح سابقہ امم پر ہوا یا نہ۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ تردد نسخ کرنے کے وقت میں ہے لیکن یہ تمام معانی سیاقِ حدیث کے موافق نہیں حق یہ ہے کہ اس ارشاد کا ورود اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے پہلے ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ (اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام معاملات پر بخشش کا اعلان فرمادیا ہے) اس سے پہلے عاقبت کے بارے میں ابہام تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد کامل یقین ہوگیا کہ عاقبت بالخیر ہی ہوگی۔ کذا قیل۔ واللہ اعلم۔

۵۱۰۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ[۱] فَرَأَيْتُ فِيْهَا امْرَاَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ[۲] الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَرَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهٗ[۳] فِي النَّارِ وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ[۴]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے آگ لائی گئی تو میں نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں ہے جسے اس نے باندھ دیا تھا نہ اسے کھلایا، نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی حتیٰ کہ بھوک سے مرگئی اور میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ آگ میں انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ جانور ایجاد کیے (المسلم)

[۱] دوزخ کی آگ شبِ معراج یا کسی اور موقعہ پر خواب یا بیداری میں۔
[۲] خشاش، خا کے نیچے زیر ہو تو اس سے مراد پرندے اور اڑنے والے کیڑے اور حرکاتِ ثلثہ کی صورت میں زمین کے کیڑے اور جڑیاں وغیرہ (کذا فی القاموس) امام نووی فرماتے ہیں اسے فتحہ کے ساتھ پڑھنا کسرہ اور ضمہ سے مشہور ہے اور شین کا معجم ہونا مہمل ہونے سے درست ہے کیونکہ اس کا معنی کیڑے اور کمزور پرندے ہیں۔
[۳] قُصب، قاف پر پیش، صاد ساکن، انتڑیاں
[۴] سوائب، سائبہ کی جمع وہ اونٹنی جسے جاہلیت میں آزاد کر دیا جاتا تھا کسی نذر کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے، دورِ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا جب ایک اونٹنی سے دس بچے ہو جاتے یا دور دراز سفر سے واپس آتے یا بیماری سے صحت ہوتی تو وہ اونٹنی چھوڑ دیتے تھے اس پر نہ سوار ہوتے وہ جہاں چاہتی چرتی رہتی، اسے کھانے پینے سے کہیں روکا نہ جاتا۔ اس طرح

وہ اپنے بتوں کی عبادت اور ان کی قربت کا سبب تصور کرتے۔ سب سے پہلے جس شخص نے کام شروع کیا وہ یہی عمرو بن عامر خزاعی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے بتوں کی پرستش کی رسم ڈالی اور اسے موجب قرب قرار دیا وہ یہی شخص تھا، بعض روایات میں اس کا نام عمرو بن لحی بھی آیا ہے ان دونوں سے یہی مراد ہے، عامر اس کے باپ کا نام اور لحی دادا کا یا بالعکس معاملہ ہے تو کہیں باپ کی طرف اور کہیں دادا کی طرف نسبت کر دی گئی۔

ھ امام کرمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ آج بھی دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں انتہیٰ اور ممکن ہے بطور کشف یہ آخرت کے احوال کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متمثل کر کے پیش کر دیا گیا ہو۔

۵۱۰۸ وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ مِثْلُ هٰذِهٖ وَحَلَّقَ بِاِصْبَعَيْهِ الْاِبْهَامِ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا قَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ قَالَ نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن ان کے ہاں حالتِ گھبراہٹ میں تشریف لائے اور یہ فرما رہے تھے لا الٰہ الا اللہ عرب کی بربادی ہے اس شر سے جو قریب آگیا[۱] اپنے انگوٹھے اور اس سے متصل[۲] انگلی کا حلقہ بنا کر فرمایا آج یاجوج ماجوج کی دیوار سے اس کے برابر سوراخ ہوا ہے۔ زینب کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ہلاک کر دیے جائیں گے حالانکہ ہم میں اچھے لوگ بھی ہوں[۳] گے فرمایا ہاں جب خباثت[۴] بڑھ جائے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] شارحین نے کہا کہ اس سے عرب میں قتال کا واقع ہونا مراد ہے۔ سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے اس کے بعد یہ فتنہ اب تک جاری ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد فتوحات اموال اور ان میں تنازعات اور مسابقت کا پیدا ہونا ہے (کذا قال شیخ ابن حجر)

[۲] یہ بات یعنی آج تک اس میں رخنہ واقع نہیں ہوا تھا، آج اس حلقہ کی تعداد میں کشادگی آئی ہے۔ اس میں رخنہ کا ہونا علامت قرب قیامت ہے۔ عرب میں فتنوں کا برپا ہونا بھی آثار قیامت میں سے ہے بعض شارحین نے فرمایا اس سے مراد چنگیزی ترکوں کا حملہ آور ہونا ہے جس نے ایک جہان کو ہلاک کیا اور ان کے ہاتھوں بغداد جیسے شہروں میں بربادی ہوئی۔

[۳] یا ان کی برکت اس بلا کے آنے سے مانع نہ ہو گی۔

[۴] اگرچہ صالح لوگ ہوں گے مگر فسق و فجور کا غلبہ ہوگا، خبث خاء پر پیش با ساکن۔ بعض نسخوں میں دونوں پر فتحہ کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔

۵۱۰۹ وَعَنْ اَبِيْ عَامِرٍ اَوْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ

حضرت ابو عامر یا ابو مالک[۱] اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَیَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰی جَنْبِ عَلَمٍ یَرُوْحُ عَلَیْہِمْ بِسَارِحَۃٍ لَّھُمْ یَاْتِیْھِمْ رَجُلٌ لِحَاجَۃٍ فَیَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ اِلَیْنَا غَدًا فَیُبَیِّتُھُمُ اللّٰہُ وَیَضَعُ الْعَلَمَ وَیَمْسَخُ اٰخَرِیْنَ قِرَدَۃً وَّخَنَازِیْرَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ الْحَرَ بِالْحَاءِ وَالرَّاءِ الْمُھْمَلَتَیْنِ وَھُوَ تَصْحِیْفٌ وَّاِنَّمَا ھُوَ بِالْخَاءِ وَالزَّاءِ الْمُعْجَمَتَیْنِ نَصَّ عَلَیْہِ الْحُمَیْدِیُّ وَابْنُ الْاَثِیْرِ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ وَفِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ عَنِ الْبُخَارِیِّ وَکَذَا فِیْ شَرْحِہٖ لِلْخَطَّابِیِّ تَرُوْحُ عَلَیْہِمْ سَارِحَۃٌ لَّھُمْ یَاْتِیْھِمْ لِحَاجَۃٍ ۔

مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو ہر ابریشمی[1] کپڑوں شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھ لیں گے[2] اور کچھ لوگ ایک پہاڑی[3] کے ساتھ اتریں گے جب ان پر ان کے جانور آئیں گے ان[4] کے پاس ایک شخص کسی کام کے لیے آئے گا وہ کہیں گے ہمارے پاس کل لوٹ کر آنا پھر اللہ انھیں رات میں ہلاک کر دے گا اور پہاڑ گرا دے[5] گا اور دوسروں کو بندر سوروں میں مسخ کر دے گا قیامت کے دن[6] تک (بخاری) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں[7] حر (حا[8] اور را سے) یہ غلط[9] ہے وہ خاء اور زاء[10] سے ہی ہے ۔ اس بات کی تصریح اسی حدیث[11] میں حمیدی اور ابن اثیر نے کی ہے ۔ کتاب حمیدی میں بخاری سے ہے ۔ یوں ہی خطابی نے شرح بخاری میں یہ الفاظ ذکر کیے ۔ تروح علیہم[12] ...

ؒ امام بخاری کو اس بارے میں تردد ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو عامر اشعری سے مروی ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں ۔ یہ کبار صحابہ میں سے ہیں ، غزوہ حنین میں شہید ہوئے یا ابو مالک اشعری سے مروی ہے جنہیں اشجعی بھی کہتے ہیں ، یہ بھی مشہور صحابی ہیں اور راوی کا کسی صحابی کے بارے میں تردد ہو جانا موجب طعن نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل اور ثقہ ہیں جس سے بھی مروی ہو روایت صحیح ہوگی ۔

ؒ اس طرح استعمال کریں گے گویا وہ حلال کا استعمال کر رہے ہیں ۔

ؒ خز ، خاء اور زا مشدد ، قاموس میں ہے یہ مشہور کپڑا ہے ۔ مجمع البحار میں کہا کہ زمانہ قدیم میں خز ، ریشم اور ابریشم دونوں سے بنتی تھی اور یہ مباح تھی ، صحابہ و تابعین اسے پہنتے تھے اس کی ممانعت کی وجہ عجمی لباس اور اہل تنعم و تعیش سے مشابہت تھی ۔ آج کے دور میں جو خز مشہور ہے وہ خود حرام ہے کیونکہ وہ تمام کی تمام ریشمی ہے اور یہ حدیث اسی پر محمول ہے حالانکہ کپڑے کی یہ قسم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہ تھی لہٰذا یہ بطور معجزہ آپ کی غیبی اخبار میں سے ہے ۔ اس معنی کے لحاظ سے حریر پر حریر کا عطف تعمیم از تخصیص ہے ۔ معازف زا کے ساتھ ہے ۔ اس کا معنی آلات موسیقی مثلاً بانسری ، ڈھول وغیرہ یہ عزف کی جمع ہے یا معزف کی میم کے نیچے زیر ، عین ساکن ، عزف اور عزیف دونوں کا معنی آواز جن اور گھنٹی کی وہ آواز جو رات کو سنائی دیتی ہے تیز ہوا کے معنی میں بھی ہے (کذا فی القاموس) جب آپ نے یہ خبر دی کہ لوگ حرام کو حلال بنالیں گے وہاں اس سے آگاہ فرمایا ایسے لوگ آئیں گے جو سائل کے سوال پر باوجود صاحب ثروت

ونعمت ہونے کے کچھ نہیں دیں گے بلکہ توقف وناخیر سے کام لیں گے ۔ اس وجہ سے وہ مستحق ہلاکت ومسخ ہونگے ۔
سکہ یعنی ان کا ٹھکانا ایسے مشہور مقام پر ہوگا کہ محتاج لوگ انکے بارے میں سُن دیکھ کر حاجات میں سوال کرنے آئیں گے
شہ جو چراگاہ میں چرنے کے لیے گئے تھے وہ پُرشکم اور سیر ہو کر واپس لوٹیں گے ۔
لہ یعنی کوئی سائل آئے گا کہ مجھے بھی ان کے دودھ سے حصّہ دو ۔
ہ سوال رد کرتے ہوئے کہیں گے کل آنا
شہ تاکہ ان میں بعض ہلاک ہو جائیں اور ان کا نشان باقی نہ رہے ۔
۹ یہ عذاب اسی صورت میں تا قیامت ہر اس قوم پر ہوگا جو ایسا عمل کرے گی ۔
نلہ حر حا کے نیچے کسرہ ، را مخفف عورت کی شرمگاہ ، مراد زنا ہے ۔
للہ تصحیف یعنی صورت لفظ میں بعض راویوں سے خطا واقع ہوئی ہے ۔
ملہ جس کا معنی مشہور کپڑا ہے ۔
سلہ آخر میں مصنف حمیدی اور ابن اثیر کے حوالے سے اس پر تائید لا رہے ہیں کہ خز ہی ہے نہ کہ حر ۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ خز تصحیف وغلط ہے اور حمیدی وابن اثیر نے اس روایت میں تصریح کی ہے جس حدیث میں لفظ حر آیا ہے اسے ابو درداء وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث جو بخاری کے حوالے سے ہے اس میں لفظ خز ہی ہے ۔ اس صورت میں دونوں روایات درست ہیں ۔

سلہ تروح میں تا اور سارحہ میں تا پر پیش کیونکہ یہ تروح کا فاعل ہے اور یہ بات قرینہ ہے کہ لسارحۃ میں با زائدہ ہے جیسا کہ ہم نے ابتداءِ حدیث کے معنی میں اشارہ کیا ہے ۔ ان دونوں کتب میں لفظ رجل نہیں اور اس سے پہلے لفظ حاجۃ رجل سے مقدم بھی نہیں بلکہ فقط یاتیہم لحاجۃ کے الفاظ ہیں ۔

۵۱۱۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلَى أَعْمَالِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے ان سب پر[1] عذاب بھیج دیتا ہے جو ان میں ہوں پھر اپنے اعمال کے مطابق[2] اٹھائے جائیں گے ۔ (بخاری ومسلم)

سلہ خواہ وہ صالح ہوں یا طالع ، بعض گناہوں میں عادت الٰہی اس پر جاری ہوتی ہے ، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ صالح کو محفوظ رکھا جاتا ہے ۔
سلہ اگرچہ دنیا میں عذاب میں سب شامل تھے لیکن آخرت میں ہر ایک اپنے عمل کے مطابق جزا پائے گا اور ممتاز ہوگا کہ نیک ہے یا بد ۔

۵۱۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُبْعَثُ کُلُّ عَبْدٍ عَلٰی مَا مَاتَ عَلَیْہِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بندے کو اسی پر[1] اٹھایا جائے گا جس پر وہ فوت ہوا ۔ (مسلم)

[1] اسی حال وصفت پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ مرا یعنی ایمان یا کفر، طاعت ومعصیت اور ذکر وغفلت کی حالت میں یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے کہ آخری حالت کیا تھی؟ اس وجہ سے کہا گیا ہے ۔ بیت

حکم مستوری ومستی ہمہ برخاتمہ است کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

(مستوری ومستی تمام کا حکم خاتمہ پر ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ آخری حالت کون سی ہوگی)۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جب محبوب کی یاد وحضور حاصل ہو جائے اور جوہر ذکر دل میں قرار پا جاتے تو اگر وقت موت کی تکلیف وتنگی کی وجہ سے دل میں اختلال وفتور آ جائے تو کوئی حرج ونقصان نہیں ۔ کیونکہ مفارقت روح کے بعد وہ حالت لوٹ آئے گی ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۱۱۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَاَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّۃِ نَامَ طَالِبُهَا ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دوزخ کی مثل[1] نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والا سو رہا ہے[2] اور نہ جنت کی مثل جس[3] کا طلب گار سو رہا ہے[4] ۔ (ترمذی)

[1] شدت وہول میں

[2] یعنی اگر کوئی شخص اپنے قوی دشمن سے بچنا چاہتا ہے تو وہ نہ سوتا ہے اور کبھی بھی غفلت کو قریب نہیں آنے دیتا، مختلف کوششوں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر آتش دوزخ جو اپنے ہول وشدت میں اور گرفت میں قوی تر ہے اس سے لوگ بھاگنے میں غافل ہیں اور کوشش نہیں کرتے ۔ اگر بھاگتے ہیں تو سو جاتے ہیں اور غفلت کرتے ہیں ۔ نار آتش دوزخ سے بچنا توبہ ترک معاصی اور طاعات الٰہی کے التزام سے ہوتا ۔

[3] سرور وخوشی اور لذت

[4] یعنی اگر محبوب کا طلب گار ہے تو وہ غافل نہیں ہوتا اور نہ ہی سستی کرتا ہے بلکہ اس کی خوب جستجو کرتا ہے تاکہ وہ حاصل ہو جائے ۔ مگر بہشت جو تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے انسان اس کی طلب میں کوشاں نہیں ہوتا باقی اس کا پانا اس چیز سے ہے جس سے دوزخ سے بھاگتا ہے ۔

۵۱۱۳ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللّٰهِ قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ دیکھتا ہوں[1] جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں[2] سنتے آسمان چرچرایا[3] ہے اور اس کا حق ہے کہ چرچرائے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس آسمان میں کوئی ایسی چار انگلیوں کے برابر جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز[4] نہ ہو ۔ اللہ کی قسم ! تم اگر وہ چیزیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ بیویوں سے بستروں پر لذت حاصل نہ کرتے اور اللہ کی پناہ لیتے ہوئے[5] جنگلوں کی طرف نکل جاتے ۔ حضرت ابوذر کہتے[6] کاش ! میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔[7] (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[1] آثار قیامت، آیات الٰہیہ اور اس کے صفات قہریہ ۔

[2] احوالِ قیامت اور اس کی ہولناکی کے اسرار و اخبار اور شدت عذاب دوزخ

[3] اطیط ، پالان اور زین کی آواز ، اونٹ کا بوجھ کی وجہ سے رونا ، یعنی جس طرح سواری بوجھ کی وجہ سے روتی ہے اسی طرح آسمان ملائکہ کی کثرت اور اژدہام اور ان کے ثقل کی وجہ روتا ہے ۔ شارحین فرماتے ہیں کہ مقصود اس کے آواز کا بیان نہیں بلکہ ملائکہ کی کثرت ہے یہ بھی ممکن ہے اس کا رونا خوف اور خشیت الٰہی کی وجہ سے ہو جب وہ آسمان جو جماد اور محل ملائکہ ہے ، باری تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے تو انسان جو گناہوں سے آلودہ ہے وہ رونے کا زیادہ سزاوار ہے یہ مفہوم مقصود کے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ مخفی نہیں ۔

[4] خدا کے حضور، مشاہدۂ کبریا اور جلالِ حق کے سامنے خائف و خاشع ہیں ۔

[5] اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کرتے ہوئے جیسا کہ غم سے پریشان و نڈھال لوگ اپنے گھر سے جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں کہ دل کو سکون حاصل ہو " صعدات "، صعید کی جمع ہے یعنی روئے زمین ۔ جیسے طرقات طرق ، طریق کی جمع ہیں ۔

[6] بطریق افسوس و حسرت

[7] تاکہ گناہوں سے آلودہ ہو کر اٹھایا نہ جاتا جیسا کہ درخت کو کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ ختم ہو جاتا ہے

[8] اسی طرح کی پُر درد آرزوئیں کبار صحابہ سے مروی ہیں ایک صحابی کے بارے میں ہے کہ فرمایا کاش میں بکری ہوتا جسے ذبح کر لیا جاتا اور کھا لیا جاتا ایک اور صحابی سے مروی ہے کہ کاش میں جانور ہوتا جہاں چاہتا

بیٹھنا، جہاں چاہتا جاتا اور کوئی ذمہ داری نہ ہوتی یاد رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت دی اور ان کی عاقبت محمود و اعلیٰ ہونے کی اطلاع دی۔ دیگر لوگوں کا حال کیا ہوگا؟ اگرچہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وعدہ حق ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان "لَا اُبَالِیْ" (مجھے کسی کی پرواہ نہیں) کمر توڑ دیتا ہے۔

۵۱۱۴/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِیَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو ڈرتا ہے وہ اندھیرے[1] میں اٹھتا ہے جو اندھیرے[2] میں اٹھتا ہے وہ منزل پالیتا ہے سنو اللہ کا سودا مہنگا[3] ہے سنو اللہ کا سودا جنت ہے۔ (ترمذی)

[1] یعنی اول شب ہی چل پڑتا ہے کیونکہ غارت گری رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔

[2] اِدْلَاجٌ، دال ساکن، اول شب چلنا، دال مشدد ہونے کی صورت میں آخری رات چلنا، حدیث میں معنی اول مراد ہے۔

[3] اور یہ گراں قدر نعمتیں جان و مال خرچ کرنے سے حاصل ہوں گی۔

۵۱۱۵/۱۱ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ جَلَّ ذِکْرُهٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل ذکرہ فرمائے گا[1] کہ آگ سے اسے نکال لو جس نے مجھے ایک دن یاد کیا ہو[2] یا کسی جگہ مجھ[3] سے خوف کیا ہو[4]۔ (ترمذی، بیہقی، کتاب البعث والنشور)

[1] روز قیامت ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے۔

[2] میرا حکم بجا آوری اور فرمانبرداری کی صورت میں۔

[3] ارتکاب معصیت سے بچا ہو۔

[4] ارشاد نبوی میں اس بات کی بشارت ہے کہ جس نے بھی ایک مرتبہ اخلاص سے اپنے مولیٰ تعالیٰ کو یاد کیا یا کسی وقت اس کے خوف سے ڈرا آخر وہ دوزخ کے عذاب سے نجات پالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے ابتداءً ہی جنت عطا کر دیں کیونکہ اس کی صفت ہے یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہے وہ معاف فرما دے جسے چاہے عذاب دے) یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہے فیصلہ کرے) لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ اس کے کسی فعل پر سوال نہیں اور ان سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

۵۱۱۶/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ قَالَ لَا يَا ابْنَتَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا کہ وہ[1] لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان کے دل ڈرتے ہیں کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں[2] فرمایا نہیں[3] اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نمازیں پڑھتے اور صدقات دیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا عمل رد نہ ہو جائے[4] یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں[5] (ترمذی، ابن ماجہ)

[1] جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ فقراء پر صدقہ کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ ہمارا رب اس کو قبول نہ فرمائے۔

[2] کیونکہ عذاب سے ڈرنا گناہ گاروں کا کام ہے۔

[3] شراب پینے والے اور چوری کرنے والے مراد نہیں۔

[4] اس پر دلیل یہ ہے کہ آیت کا آخری حصہ ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وہ خیرات میں جلدی کرتے ہیں۔

[5] واضح رہے کہ اس آیت کی دو قرائتیں ہیں، قرارت سبعہ یعنی قراء سبعہ سے مشہور یُؤْتُوْنَ یا الضم یا تو فعل مضارع از ایتاء ہے اور اٰتوا بمد ہمزہ اسی سے فعل ماضی ہے اور ایتاء کا معنی عطا ہے جیسا کہ ترجمہ میں آچکا ہے۔ دوسری قراءت "یاتون ما اتوا" شاذ ہے، یہاں یہ اتیان بمعنی کام کرنا سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو کام کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سوال اس قراءت سے زیادہ مناسب ہے، مصابیح کے بعض نسخوں میں بھی قراءت اول ہی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ دوسری قراءت مناسب ہے۔

۵۱۱۷/۱۳ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا جب رات دو تہائی گزر جاتی تو بیدار[1] ہوتے اور فرماتے، اے لوگو! اللہ[2] کا ذکر کرو، اللہ کا ذکر کرو، اللہ کو یاد کرو، دہلا دینے والی چیز آپہنچی جس سے متصل[3] پیچھے آنے والی آپہنچی[4] موت آپہنچی، ان تکالیف کے ساتھ جو موت میں ہیں[5] (ترمذی)

[1] نماز تہجد کے لیے

۲ تین مرتبہ

۳ نفخہ اولیٰ مراد ہے جس سے قیامت قائم ہو گی تمام مخلوق مر جائے گی ، رجف لغۃً حرکت کرنا، حرکت دینا اور سخت اضطراب کو کہتے ہیں ، رجفہ بمعنی زلزلہ بھی ہے ۔

۴ نفخہ ثانیہ جس کی بنا پر تمام لوگ اپنی اپنی قبور سے اٹھیں گے ۔ الغرض اس سے قیامت کا یاد دلانا مقصود ہے تاکہ عمل خیر اور یادِ حق کا سبب و باعث بنے ۔

۵ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سونا حکم موت رکھتا ہے جو نفخہ اولیٰ کا اثر ہے اور بیدار ہونا دوبارہ زندہ ہونا ہے جو نفخہ ثانیہ کی طرح ہے اور یہ دونوں قیامت کی نشانیاں اور اسے یاد دلانے والی ہیں ۔

۶ یعنی موت کے دفن اور اس کے بعد پیش آنے والے احوال ۔

۵۱۱۸ / ۱۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوۃٍ فَرَاَی النَّاسَ کَاَنَّھُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ اَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا اَرٰی اَلْمَوْتَ فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَاْتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ اِلَّا تَکَلَّمَ فَیَقُوْلُ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ وَاَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ وَاَنَا بَیْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّاَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَتَّسِعُ لَہٗ مَدَّ بَصَرِہٖ وَیُفْتَحُ لَہٗ بَابٌ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا اَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَلْتَئِمُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُہٗ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصَابِعِہٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا، فرمایا! اگر تم لذتیں ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کرو تو وہ تمہیں اس سے روک دے گی جو میں دیکھ رہا ہوں تو لذتیں ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کرو۔ کیونکہ قبر ہر دن یہ کلام کرتی ہے کہ میں غربت کا گھر ہوں ، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں اور جب بندۂ مومن دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے خوش آمدید تو اپنے گھر آیا ہے جو لوگ میرے اوپر چلتے ہیں ان سب میں تو بہت پیارا تھا اب جبکہ میں تیری والی بنی ہوں اور تو میرے پاس آیا تو تو دیکھ لے گا میرا برتاؤ۔ فرمایا پھر قبر تا حدِ نظر فراخ ہو جاتی ہے اور دروازہ جنت کھول دیا جاتا ہے اور جب بدکار یا کافر بندہ دفن کیا جاتا ہے تو اسے قبر کہتی ہے نہ خوش آمدید اور نہ تو اپنے گھر آیا ہے ، تو مجھے ان سب سے زیادہ ناپسند تھا جو میری پشت پر چلتے تھے تو آج جبکہ میں تیری والی بنائی گئی اور تو میری طرف لوٹا ہے تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھ لینا۔ فرماتے ہیں پھر قبر سکڑ جاتی ہے حتیٰ کہ مردہ کی پسلیاں ٹوٹ کر

بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيَّضُ لَهٗ سَبْعُوْنَ تِنِّيْنًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَيْئًا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَسْنَهٗ وَيَخْدِشْنَهٗ حَتّٰى يُفْضٰى بِهٖ اِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ادھر ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں مبارک کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر اشارہ کیا۔ فرماتے ہیں اور اس پر ستر ایسے سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں اگر ان میں ایک سانپ بھی زمین پر پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک زمین کچھ نہ اگائے وہ اسے کاٹتے اور نوچتے ہیں حتیٰ کہ اسے حساب (یوم آخرت) تک پہنچا یا جا دے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(ترمذی)

۱؎ کشر، شین کے ساتھ دانتوں کی سفیدی ہنستے وقت

۲؎ ھادم، ذال از ہذم بمعنی قطع، روایت بھی اسی طرح ہے، بعض نسخوں میں دال بھی تحریر ہے، یہ ہدم سے بمعنی عمارت کو گرانا آتا ہے۔ امام سیوطی کہتے ہیں کہ سہیلی نے تصریح کی ہے کہ روایت ذال کے ساتھ ہے۔

۳؎ اس سننے سے۔

۴؎ جس طرح پیارے مہمان کو کیا جاتا ہے

۵؎ وُلّیتُک، صیغہ مجہول، تولیت سے یا معلوم از ولایت ہے یعنی جب میں تجھ پر والی بنی ہوں۔

۶؎ اعلیٰ برتاؤ

۷؎ جیسے ناواقف اور بن بلائے مہمان کو کیا جاتا ہے۔

۸؎ ادھر کی ہڈیاں دوسری میں گھس جائیں گی۔

۹؎ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰؎ نہس، سین کے ساتھ، سامنے والے دانتوں کے ساتھ چبانا

۱۱؎ تا قیامت

$\frac{5119}{15}$ وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ وَاَخَوَاتُهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو جحیفہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہو گئے، فرمایا: مجھے سورۂ ہود[۲] نے بوڑھا کر دیا ہے اور اس جیسی دوسری سورتوں نے (ترمذی)

سلہ یہ صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات میں چھوٹے تھے لیکن سماع روایت کے حامل ہیں ان کے حالات کسی دوسرے مقام پر لکھے گئے ہیں۔

سلہ بعض نسخوں میں سورۃ ہود و اخواتہا (سورۃ ہود اور اس کی ہم مثل سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے) کے کلمات ہیں۔ ان سورتوں کا ذکر دوسری احادیث میں آیا ہے۔ شارحین نے فرمایا سورۃ ہود سے مراد اس کی آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ہے کیونکہ اعتقادات و اعمال ظاہری و باطنی میں افراط و تفریط کے بغیر صراطِ مستقیم پر استقامت انتہائی دشوار ہے اور درحقیقت آپ کو بڑھاپے کا عارض ہونا وَمَنْ تَابَ مَعَكَ کی وجہ سے ہے ورنہ آپ کی ذاتِ اقدس کمال استقامت و اعتدال کی کامل مظہر ہے یہاں دشواری کا کیا معنی؟ یہی وجہ ہے کہ نسبت سورۃ شوریٰ کی طرف نہیں کی حالانکہ وہاں بھی انھی کلمات فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ کے ساتھ خطاب ہے۔ لیکن وہاں وَمَنْ تَابَ مَعَكَ کے کلمات نہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ راہِ استقامت پر قائم رہنا اُمت کے لیے دشوار ہے، آپ کی ذاتِ اقدس کے لیے نہیں۔ لہٰذا ان دیگر سورتوں کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جانا چاہیے۔

۵۱۲۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذُكِرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَلِجُ النَّارَ فِي كِتَابِ الْجِهَادِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ فرمایا مجھے سورۃ ہود، الواقعہ، المرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی)

سلہ کیونکہ ان سورتوں میں احوال آخرت، عذاب نار اور سخت وعیدوں کا ذکر ہے۔

سلہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت جس کی ابتداء "لا یلج النار" سے ہے کتاب الجہاد میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۲۱ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں ہم انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہلاک کرنے والے تصور کرتے تھے۔ (بخاری)

سلہ بڑے غور وفکر سے تم سمجھتے ہو کہ یہ نیک عمل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا یا مراد یہ ہے کہ اس عمل کو تم حقیر گمان کرکے بجا لاتے ہو۔

سلہ یعنی ان اعمال کی جنس سے شمار کرتے تھے جو کرنے والے کی ہلاکت کا سبب اور کبائر کے حکم میں ہیں۔

۵۱۲۲ (۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تم حقیر اور معمولی گناہوں سے بچو ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہے۔
(ابن ماجہ، دارمی، بیہقی، شعب الایمان)

سلہ جنہیں صغیرہ گمان کیا جاتا ہے

سلہ اس طرح کی عبارت زبان عرب سے بہت زیادہ مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے رَاَیْتُ مِنْ زَیْدٍ اَسَدًا میں زید سے شیر کو دیکھا، یعنی زید کو میں نے دیکھا گویا شیر کو دیکھا ہے اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالب وسائل ہوں۔

۵۱۲۳ (۱۹) وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِيْ مَا قَالَ اَبِيْ لِاَبِيْكَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِيْ قَالَ لِاَبِيْكَ يَا اَبَا مُوْسٰى هَلْ يَسُرُّكَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا مَعَهُ وَجِهَادَنَا مَعَهُ وَعَمَلَنَا كُلَّهُ مَعَهُ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ فَقَالَ اَبُوْكَ لِاَبِيْ لَا وَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَيْرًا كَثِيْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰى اَيْدِيْنَا بَشَرٌ كَثِيْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبِيْ لٰكِنِّيْ اَنَا وَالَّذِيْ نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذٰلِكَ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ كُلَّ شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ

حضرت ابوبردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کیا تم جانتے ہو میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا؟ عرض کیا مجھے معلوم نہیں، فرمایا میرے والد نے تمہارے والد سے کہا کہ اے ابوموسیٰ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ ہمارا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لانا، ہجرت کرنا، آپ کی معیت میں جہاد کرنا اور ہمارے وہ تمام اعمال جو ہم نے آپ .... کی معیت میں کیے وہ سب ہمارے لیے برقرار رہتے اور وہ تمام اعمال جو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کیے ہم ان سے برابر سرابر چھوٹ جاتے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جو کام کیے ان سے ہم برابر سرابر چھوٹ جائیں تو تمہارے والد نے میرے والد سے کہا نہیں اللہ کی قسم! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور بہت سے

بَعْدَہٗ نَجَوْنَا مِنْہُ کَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاکَ وَاللّٰہِ خَیْرًا مِّنْ اَبِیْ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

اچھے عمل کیے ، ہمارے ہاتھوں پر بہت لوگ ایمان لائے ہم اس کے اجر کی امید رکھتے ہیں ۔ میرے والد نے کہا لیکن مجھے تو اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے میں تو تمنا کرتا ہوں کہ وہ سب کچھ ہمارے لیے ثابت ہو اور یہ کہ ہم نے اس کے بعد جو کام کیے ہیں ان سے نجات پا جائیں برابر سرابر تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ! یقیناً تمہارے[۳] والد میرے والد سے بہتر تھے (بخاری)

سلہ اشعری ، یہ کبار تابعین میں سے ہیں ۔

سلہ یعنی نہ نفع نہ نقصان ، نہ وہ موجب ثواب ہوں نہ وہ سبب عذاب ۔ یعنی اگر وہ موجبِ ثواب نہ ہوتے تو ذریعہ عذاب ہی نہ ہوں گے ۔ کسی نے بہت خوب کہا :۔ بیت

طاعتِ ناقصِ ما موجب غفراں نشود راضیم گر مدد علت عصیاں نشود

(ہماری ناقص طاعت ہماری بخشش کا موجب نہ ہوگی ہم اس پر راضی ہیں کہ وہ نافرمانی کا سبب نہ ہو)

یعنی وہ اعمال جو ہم نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں آپ کے زیر سایہ کیے ان کی قبولیت کی امید رکھتا ہوں کہ وہ باقی رہیے گئے ، رہا معاملہ ان اعمال کا جو بعد میں کیے اگر پورا پورا حساب ہی ہو جائے تو غنیمت ہے

سلہ یعنی تمہارے والد باوجود اعمال وفضائل کے مقام خوف وخشیت پر فائز ہونے کی وجہ سے میرے والد سے اونچا مقام رکھتے ہیں یا مراد تعجب کا اظہار ہے کہ تمہارے والد میرے والد سے اعلیٰ وافضل ہونے کے باوجود ڈرتے تھے پس معلوم ہو گیا کہ معاملہ نہایت ہی نازک ہے ۔

۵۱۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْیَۃِ اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ وَکَلِمَۃِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ یَّکُوْنَ صَمْتِیْ فِکْرًا وَّنُطْقِیْ ذِکْرًا وَّنَظَرِیْ عِبْرَۃً وَّاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِیْلَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے ۔ اللہ کا خوف خفیہ اور ظاہر ، انصاف غصہ اور رضا میں[۱] ، اعتدال حالت امارت وغربت میں[۲] ، میں جوڑوں جو توڑے[۳] اسے دوں جو مجھے محروم کرے ، اس کو معافی دوں جو مجھ پر ظلم کرے اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو[۴] میرا بولنا ذکر میرا دیکھنا عبرت ، حکم دوں اچھائی کا ، عرف کے بجائے بالمعروف بھی مروی ہے ۔ (رزین)

لہ آدمی جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اس کی مدح و تعریف کرتا ہے جب ناراض ہو جاتے تو اس کے خلاف چلتا ہے چاہیے یہ کہ دونوں حالتوں میں یکساں رویہ ہو۔

لہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اتنا رزق ملے جو کافی ہو نہ امارت نہ غربت، دوسرے یہ کہ دونوں احوال میں اعتدال پر رہا جائے یعنی حالتِ فقر میں جزع و فزع اور حالتِ غنا میں تکبر، سرکشی و بغاوت نہ ہو۔

لہ جیسا کہ بعض قریبی رشتہ دار قطع رحم کرتے ہیں تو اس مقام پر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔

لہ جب میں خاموشی اختیار کروں تو معرفت کا حصول ہو۔

لہ مخلوق کو دیکھوں تو غفلت و جہل سے نہ دیکھوں بلکہ نگاہِ عبرت سے دیکھوں۔

لہ بعض روایات میں عرف کی جگہ لفظ معروف ہے یہ خصلت زائد نہیں بلکہ جمیع خیرات و طاعات خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق خلق سے تمام کو جامع ہے گویا یہ تفصیل کے بعد اجمال ہے۔

$\frac{5125}{21}$ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَّ إِنْ كَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے کی آنکھوں سے مکھی لہ کے برابر اللہ کے خوف سے آنسو نکل آئیں پھر وہ آنسو اس کے چہرے کے ظاہری حصہ کو چھوئیں لہ تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ لہ پر حرام فرما دے گا۔ (ابن ماجہ)

لہ اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو یہ اس کا چھوٹا اور قلیل ہونا بیان ہوا ہے۔

لہ یعنی آنکھ سے نکل کر چہرے پر گریں "حر" حا پر پیش چہرے کا ظاہری حصہ اور اس کا مقابل اُحرّالدار سے مراد وسط دار ہوتا ہے۔

لہ دوزخ کی آگ

۳۳۶۔ بَابُ تَغَيُّرِ النَّاسِ

لوگوں میں تبدیلی کا بیان

ایک حالت سے دوسری حالت میں ہونا تغیر کہلاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ حال ہے جو حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں لوگوں کو بصورت دین پر استقامت، التزام احکام، اتباع حق، دنیا میں زہد، دنیا میں زیب و زینت بھی اس کے مال و اسباب، خرم، دبدبہ پر مغرور نہ ہونا، پسندیدہ اعمال، صفات حمیدہ، اخلاق عالیہ پر ثبات قلب کا سوز ہونا، صفائے باطن اور آخر زمانے میں مذکورہ صفات کے مخالف صفات کے متصل ہونا مراد ہے۔

الفصل الاوّل — پہلی فصل

۵۱۲۶ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا النَّاسُ كَالْاِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ان سو اونٹوں[1] کی طرح ہیں جن میں تم ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ گے۔ (بخاری و مسلم)

[1] بعض روایات میں کَالْاِبِلِ مِائَةٍ کے الفاظ ہیں

[2] راحلہ اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جو سفر کی طاقت اور بوجھ اٹھا سکتا ہو۔ اس میں تا مبالغہ کے لیے ہے اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ تو کثرت سے ہوں گے۔ مگر ان میں سے پسندیدہ کردار جو قابلِ صحبت ہوں اور اعمالِ خیر پر معاون ہوں، نہایت ہی کم ہوں گے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان تین زمانوں کے بعد ہوں جن میں اس کے اعتبار لوگ تھے لیکن حق یہ ہے کہ اس قید کی حاجت نہیں کیونکہ ان زمانوں کے اعتبار سے کامل مسلمان ان کی نسبت ہوں گے بالجملہ ایسے لوگ جو تمام صفاتِ جمیلہ سے موصوف ہوں ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں لیکن آخری دور میں بہت ہی کم۔ باقی ان زمانوں کی فضیلت اور خیر ہونا دوسرے زمانوں سے باعتبار کثرت و قلت کے ہے۔

۵۱۲۷ وَعَنْ اَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے اگلوں کی راہ[1] پر چلو گے[2] بالشت[3] بالشت کے مطابق اور گز گز کے مطابق حتیٰ کہ وہ اگر کسی گوہ[4] کے سوراخ میں

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے پوچھا گیا یارسول اللہ کیا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں فرمایا اور کون؟ (بخاری و مسلم)

۱ سُنن: سین پر پیش اور زبر

۲ ان کے طریقے اور عادات اپناؤ گے۔ مراد وہ بدعات اور خواہشات کی پیروی ہے جو انھوں نے اپنے پیغمبروں کی شریعت و تعلیمات کے خلاف بنائے تھے اور شریعت میں تبدیلی کر لی تھی۔

۳ شبر: زیر کے ساتھ انگوٹھے سے لے کر چھوٹی انگلی تک یعنی بالشت ذراع، بالکسر انگلیوں کے سرے سے لے کر نصف بازو تک، صراح میں ہے۔

۴ ضَبّ، سوسمار مشہور جانور ہے

۵ صحابہ نے پوچھا

۶ اگر وہ مراد نہیں تو کون مراد ہوں گے یعنی یہود و نصاریٰ کا مراد ہونا واضح و ظاہر ہے۔

۵۱۲۸/۳ وَعَنْ مِرْدَاسٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مرداس اسلمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نیک لوگ لگاتار[۲] چلے جائیں گے پہلے بھوسا رہ جائے گا جیسے جو[۳] یا چھوہاروں کی بھوسی، اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں فرمائے گا (بخاری)

۱ مرداس اسلمی، میم کے نیچے زیر، را ساکن، ان صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے درخت کے نیچے آپ کی بیعت (رضوان) کی تھی، کوفیین میں شمار ہوتے ہیں، ان سے صرف یہی حدیث مروی ہے جسے بخاری نے روایت کیا۔

۲ یکے بعد دیگرے، ہر ایک کو پہلا فرمایا اس لیے جو پہلے جائے گا اس کے بعد جانے والا دوسروں کی نسبت سے پہلا ہوگا۔

۳ حُفالہ، حا مضموم، فا وہ ردی اور بے کار چیز جو کسی کام نہ آئے، حثالہ بھی اسی معنی میں آتا ہے اسے رذالہ بھی کہتے ہیں (صراح میں ہے حفالہ بالضم ہر چیز کا بھوسہ، حثالہ بالضم جو کا پوست، کھجور کا کوٹا ہوا بھوسہ

۴ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۵۱۲۹/۴ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطَيْطِيَاءَ وَخَدَمَتْهُمْ أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سَلَّطَ اللّٰهُ شِرَارَهَا عَلَى خِيَارِهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت اکڑ اکڑ کر چلے اور فارس و روم کے شہزادے ان کی خدمت کریں تو اللہ ان کے اچھوں پر بدوں کو مسلط کر دیگا (ترمذی نے روایت کی اور کہا یہ حدیث غریب ہے)

سلہ لطریق تکبر۔ مطیطا۔ میم پر پیش طا پر فتحہ بالمد و بالقصر خوش ہونا اور اکڑ کر چلنا۔ مطا تکبر کی وجہ سے رخسار او ابرو چڑھانا۔ قاموس وصحاح، مصابیح کے نسخوں اور مشکوٰۃ کے مصحح نسخہ حواشی اور اس کے شروع میں مطیطا ہے۔ یعنی دو طاء کے درمیان یا ہے۔ دوسری طاء کے بعد یاء نہیں مجمع البحار اور بعض حواشی کتاب میں بھی تحریر ہے کہ بعض کے نزدیک دوسری ناء کے بعد یا مد کا حذف بھی مروی ہے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری طاء کے بعد یاء کا آنا بھی ثابت بلکہ راجح ہے۔

سلہ ملک اور شہر فتح ہوں گے۔ فارس اور روم کے ملوک اور ان کی اولاد چاکری کرے گی۔

سلہ واقعۃً جب بلاد روم و فارس فتح ہوئے اور وہاں کے ملوک خادم بنے تو آپ نے جس طرح فرمایا اسی طرح ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کو اسی طرح بنو امیہ کو بنو ہاشم پر مسلط کیا۔

۵۱۳۰ وَعَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوا بِأَسْيَافِكُمْ وَيَرِثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم اپنے امام کو نہ کرو گے اور ایک دوسرے پر اپنی تلواریں چلاؤ گے اور بدترین لوگ تمہاری دنیا کے وارث ہوں گے (ترمذی)

سلہ ایک دوسرے پر تم تلوار چلاؤ گے، اجتلاد، مجالدہ و تجالد، ایک دوسرے پر تلوار چلانا۔

سلہ ملک و سلطنت ظالموں کے پاس آجائے گی، مسند اقتدار فاسقوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

۵۱۳۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ دنیا کا کامیاب ترین شخص خبیث کے بیٹے خبیث ہوں گے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں۔

سلہ کثرت مال اور آسائش زندگی اور نفاذ حکم میں۔

سلہ یعنی ایسے کمینے اور بے خوف ہوں گے کہ ان کی اصل نہ ہوگی۔ لکع، لام پر پیش، کاف پر زبر، کمینہ، احمق، غلام جو کوئی حرف صحیح طریقہ سے نہ بول سکتا ہو اور چھوٹے بچے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

۵۱۳۲ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ

حضرت محمد بن کعب القرظی سے ہے کہ مجھے ایک ایسے

حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَیْنَا مُصْعَبُ ابْنُ عُمَیْرٍ مَا عَلَیْہِ اِلَّا بُرْدَۃٌ لَہٗ مَرْقُوْعَۃٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَکٰی لِلَّذِیْ کَانَ فِیْہِ مِنَ النِّعْمَۃِ وَالَّذِیْ ھُوَ فِیْہِ الْیَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُکُمْ فِیْ حُلَّۃٍ وَّرَاحَ فِیْ حُلَّۃٍ وَّوُضِعَتْ بَیْنَ یَدَیْہِ صَحْفَۃٌ وَّرُفِعَتْ اُخْرٰی وَسَتَرْتُمْ بُیُوْتَکُمْ کَمَا تُسْتَرُ الْکَعْبَۃُ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مِّنَّا الْیَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَۃِ وَنُکْفَی الْمُؤْنَۃَ قَالَ لَا اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرٌ مِّنْکُمْ یَوْمَئِذٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

شخص نے خبر دی جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہمارے سامنے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمودار ہوئے جن پر صرف ایک چادر تھی وہ بھی چمڑے سے پیوند لگی ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ رو پڑے اس نعمت کا تصور کرتے ہوئے جس میں وہ پہلے تھے اور اس حالت پر جس میں آج ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب تم میں سے کوئی ایک جوڑے میں صبح ملے گا اور دوسرے جوڑے میں شام۔ اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں کو ایسے کپڑے پہناؤ گے جیسے کعبہ کو پہنایا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس دن آج کے دن سے اچھے ہوں گے کہ عبادت سے فارغ ہوں گے اور کام کاج سے اچھا لیے جائیں گے فرمایا نہیں تم اس کے مقابلہ میں آج اچھے ہو۔

(ترمذی)

سلہ قرظی، قاف پر ضمہ، را پر فتحہ، ثقہ تابعی مدنی، نہایت ہی صالح اور عالم قرآن تھے۔ ان کے والد بندگانِ قرلظیہ میں سے تھے۔

سلہ بُرد با پر ضمہ دھاری دار چادر (کذا فی القاموس)

سلہ جو اس سے پیشتر مکہ میں ان کی حالت مال و نعمت کے اعتبار سے نہایت ہی اعلیٰ تھی۔

سلہ فقر و فاقہ کی حالت، امام سیوطی، جمع الجوامع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی خدمت میں اس حال میں آئے کہ بھیڑ کا چمڑہ کمر پر باندھا ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے روشن و منور فرمایا ہے اور فرمایا میں نے دیکھا ہے اس کے والدین اسے خوب اچھا کھلاتے اور پہناتے ہیں لیکن آج اس کے جسم پر میں فقط ایک ایسا کپڑا دیکھ رہا ہوں جو ایک درہم سے بھی کم نسبت ہے مگر اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نصیب ہو گی اور یہ حال ہو گیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشی کبار افضل صحابہ میں سے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں امیر ترین تھے۔ جب

مسلمان ہوئے تو تمام مال چھوڑ دیا اور زہد کو پسند کر لیا۔ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر چالیس یا اس سے زائد برس تھی۔

؎ صبح یعنی کوئی اور لباس اور شام کوئی اور

؎ کھانے کا پیالہ

؎ مال و نعمت، لباس، طعام اور مکان میں اسراف موجود ہے

؎ کسب معیشت اور اہل و عیال کے بوجھ سے

؎ کیونکہ آج تم حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو جس کی وجہ سے تمہیں اس کی قربت حاصل ہے اور اس دن تم غیر حق کے ساتھ مشغول ہو جاؤ گے جس کی وجہ سے حق تعالیٰ سے دوری و غفلت ہو گی۔ یہ حدیث فقر کے غنا پر افضل ہونے پر دلیل ہے۔

۵۱۳۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والے چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوں گے۔
(ترمذی نے کہا یہ حدیث سنداً غریب ہے)

؎ دین پر استقامت اور ثابت قدمی سے گامزن رہنا

؎ جس طرح ہاتھ میں چنگاری رکھنے والا صبر نہیں کر سکتا، اسی طرح دین پر ثابت قدمی و استقامت نہایت ہی دشوار اور مشکل ترین معاملہ ہو گا۔ کیونکہ فسق و فجور کا ظہور کثرت سے ہو گا لیکن دین کے ساتھی و معاون نہایت ہی قلیل ہوں گے۔

۵۱۳۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ اُمَرَآءُكُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَآءُكُمْ سُمَحَآءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَآءُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَآءُكُمْ بُخَلَآءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَآئِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حاکم بہتر ہوں گے، تمہارے مالدار سخی اور تمہارے کام آپس میں مشورہ سے ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کی پشت اس کے باطن سے بہتر ہو گی اور جب تمہارے حاکم تم میں سے بدتر، تمہارے مالدار کنجوس اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہوں گے تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کے ظاہر سے بہتر ہو گا۔
(ترمذی نے روایت کر کے اسے غریب کہا)

سلہ مسلمانوں کی ایک رائے ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہوں گے۔کوئی ایک حکم چلانے والا نہ ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے کی مخالفت کرنے والے ہوں گے۔

سلہ یعنی تمہاری زندگی موت سے بہتر ہوگی۔

سلہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اختلاف ہوگا کیونکہ یہ شوریٰ کے مقابل آیا ہے تو گویا اختلاف و تنازع اکثر طور پر عورتوں کی بات ماننے اور ان کی اتباع میں ہے۔

سلہ اس وقت مرنا زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔

۵۱۳۵/۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَّمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِىْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِىْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ لوگ تم پر ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جیسے کھانے والے اپنے پیالہ کی طرف دیتا ہے۔ایک نے عرض کیا اس دن ہماری کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ فرمایا بلکہ اس دن زیادہ ہوں گے لیکن تم سیلاب کے سیل کی طرح ایک سیل بن جاؤ گے اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں سستی اور کمزوری ڈال دے گا کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ دہن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔ (ابوداؤد، بیہقی، دلائل النبوۃ)

سلہ کافر اور گمراہ لوگوں کے گروہ ایک دوسرے کو تمہاری شوکت کو توڑنے کی دعوت دیں گے۔

سلہ جیسے وہ بغیر کسی رکاوٹ کے اس پیالہ کی طرف کھانے کے لیے روز آتے ہیں۔اسی طرح کافر لوگ تمہاری ہلاکت اور تمہیں ختم کرنے کے لیے بلا خوف و خطر حملہ آور ہوں گے۔اس میں واضح طور پر اشارہ ہے کہ تم ان کے سامنے طعام و کھانے کی طرح ہو گے اور تمہیں بڑی آسانی کے ساتھ ہلاک کر دیں گے۔

سلہ صحابہ میں سے۔

سلہ تم سیلاب کے پانی پر خس و خاشاک کی طرح بہہ جاؤ گے۔غُثاء، غین پر پیش۔ ثا مشدد پرانے درختوں کے پتے جو پانی کے اوپر بہتے ہیں یعنی تمہاری قوت و شجاعت ختم ہو جائے گی۔

سلہ یعنی حب دنیا کے ساتھ رغبت و محبت ہوگی اور موت سے ڈر اور خوف تو اس وقت تم دشمنی کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۳۶ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِیْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِیْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب بھی کسی قوم میں خیانت[1] آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جس قوم میں زنا پھیل جائے وہاں موت میں کثرت ہو جاتی ہے۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرے[2] اس کی روزی کم کردی جاتی ہے۔ جس میں ناحق فیصلے ہوں وہاں خوں ریزی اور جو عہد کو توڑ دے[3] ان پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے۔

[1] غنیمت میں

[2] ناپ تول میں خیانت

[3] ختر، غدار اور دھوکہ۔ صراح میں ہے ختر دو فریقوں کا ایک دوسرے کو فریب دینا۔ قاموس میں ہے ختر کا معنی غدر اور فریب ہے۔

۳۳۷۔ باب در لواحق متممات باب سابق

سابقہ باب کے لواحقات اور تتمہ کا بیان

باب الانذار والتحذیر

باب: ڈرانے اور محتاط کرنے کے بیان میں

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۱۳۷ عَنْ عِيَاضِ ابْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِیْ خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ رَبِّیْ اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیْ يَوْمِیْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَّاِنِّیْ خَلَقْتُ

حضرت عیاض بن حمار[1] المجاشعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا آگاہ رہو کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں وہ سب سکھا دوں اس دن جو مجھے میرے رب نے سکھایا۔ جو مال میں کسی بندہ کو

عِبَادِیْ حُنَفَاءَ کُلَّهُمْ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّیٰطِیْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِیْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ یُّشْرِکُوْا بِیْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَاِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَایَا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ وَقَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُکَ لِاَبْتَلِیَکَ وَاَبْتَلِیَ بِکَ وَاَنْزَلْتُ عَلَیْکَ کِتَابًا لَا یَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَءُهُ نَائِمًا وَّیَقْظَانَ وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَیْشًا فَقُلْتُ اِذًا یَّثْلَغُوْا رَاْسِیْ فَیَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ کَمَا اَخْرَجُوْکَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِکَ وَاَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَیْکَ وَابْعَثْ جَیْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِّثْلَهٗ وَقَاتِلْ بِمَنْ اَطَاعَکَ مَنْ عَصَاکَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

دوں وہ حلال[۳] ہے اور میں[۴] نے اپنے بندوں کو پیدا کیا کہ وہ سارے برائیوں سے دور تھے۔ ان کے پاس شیاطین[۵] آتے تو انھوں نے دین سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور انھیں مشورہ دیا کہ میرا شریک انھیں ٹھہرائیں جس پر میں نے کوئی دلیل نہ اتاری[۶] اور اللہ نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی تو وہ عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا سوائے بقایا اہل کتاب[۸] کے۔ فرمایا میں نے تم کو بھیجا ہے تاکہ امتحان[۹] لوں اور تمھارے ذریعے سے امتحان لوں[۱۰] اور میں نے تم پر ایسی کتاب اتاری جسے پانی نہ دھو[۱۱] سکے تم سوتے جاگتے پڑھو[۱۲] گے اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ قریشی کو جلاؤں[۱۳] تو میں نے عرض کیا یارب تب تو میرا سر کچل دیں[۱۴] گے جیسے روٹی کی طرح۔ فرمایا تم انھیں[۱۵] نکالو جیسے انھوں نے تمھیں نکالا، تم جہاد کرو[۱۶] ہم تمھیں سامان دیں گے تم خرچ[۱۷] کرو ہم تم پر خرچ کریں گے تم لشکر بھیجو ہم پانچ گنا لشکر بھیجیں گے اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں سے جنگ کرو۔ (مسلم)

---

[۱] عیاض بن حمار مجاشعی بروزن حمار مشہور حیوان ہے۔ عیاض عین پر کسرہ آخر میں ضاد، تمیمی مجاشعی، میم پہ پیش۔ مجاشع بن دارم کی طرف نسبت ہے، صحابی ہیں اور انھیں بصری صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے، یہ حضور علیہ السلام کے پرانے دوست ہیں۔ ایک روز انھوں نے حالتِ کفر میں آپ کو ہدیہ بھیجا جو آپ نے قبول نہ فرمایا، جب مسلمان ہو گئے تو آپ نے قبول فرمالیا، ان سے مسلم نے یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔

[۲] یعنی تمھیں وہ سکھادوں جسے تم ابھی تک نہیں جانتے۔

[۳] بروجہ شرعی وہ حلال ہے لہٰذا اسے کوئی آدمی اپنے طور پر حرام نہیں کر سکتا جیسا کہ دورِ جاہلیت میں لوگ اونٹ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے جس طرح اس کی تفصیل سوائب کے معنی میں باب البکاء والخوف کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

[۴] اور دوسری بار یہ ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو باطل سے حق اور کفر سے اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔ یعنی ان میں قبولِ حق و طاعت کی استطاعت رکھی ہے، یہ انسان کی فطرت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح فرمایا ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا کیا جاتا ہے۔ بالفعل مسلمان نہیں یا اس سے مراد اسلام کا وہ دور ہے جو عہد میثاق میں قالوا بلیٰ

کی صورت میں تھا کہ تمام نے وہاں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا اگرچہ اس کے بعد شرک کے ہوتے ہوتے اختلاف کرنے لگے۔ حنفاء، حنیف بروزن کریم کی جمع ہے صحیح الفطرت جو اسلام پر قائم ہو، عربوں کے ہاں حنیف سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین ابراہیمی پر تھے۔ حنف کا اصلی معنی میلان کرنا ہے (القاموس)

۵ جو ابلیس کا لشکر ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں انسان شیاطین بھی شامل ہوں۔ جیسا کہ حدیث میں کہ بچے کے والدین اسے یہودی بنا دیں یا نصرانی۔

۶ گمراہ کر دیا تاکہ وہ اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر دیں۔

۷ مراد بت ہیں جن کی عبادت کرتے حالانکہ ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں، سلطان مصدر ہے بمعنی غلبہ، سلطنت، حجت، برہان۔ جیسے دل پر قہر و غلبہ کو سلطان کا نام دیتے ہیں اسی طرح بادشاہ کو سلطان کہا جاتا ہے۔

۸ جو دین موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام پر قائم تھے اور دین و کتاب میں کوئی تحریف و تبدیلی انہوں نے نہ کی تھی۔

۹ تاکہ میں دیکھوں تم نے دین و شریعت کے احکام مخلوق تک پہنچائے یا نہیں۔

۱۰ کیا مخلوق نے تمہاری بات کو تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ باقی امتحان و آزمائش کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت محال ہے کیونکہ اس سے جہل لازم آتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بلند و برتر ہے، یہاں مراد ظہور ہو گا۔

۱۱ وہ زوال و نسخ سے محفوظ ہے یعنی وہ دلوں میں محفوظ اور اس کے احکام تا قیامت باقی رہیں گے۔

۱۲ آپ کے دل میں ہر حال میں محفوظ ہو گی یا اس سے مراد کمال لفظ و ضبط اور اس کی قراءت میں سہولت و آسانی ہے۔

۱۳ تاکہ اس کا نشان باقی نہ رہے۔

۱۴ ثلغ، ثا پر زبر سر کچلنا از منع یفتح ثلغ کا معنی شدخ بھی کیا ہے اور شدخ کا معنی خشک و سخت چیز کو نرم اور پست کرنا ہوتا ہے، جیسے پھل درخت سے گرتا ہے اور پاؤں کے نیچے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے یعنی میں ان کیسے لڑوں اور ان پر کیسے غالب آؤں، میرا لشکر چھوٹا اور ان کا بڑا ہے۔

۱۵ جیسے انہوں نے تمہیں وطن سے نکال کر پریشان کیا۔

۱۶ پہلا لفظ غزا یغزو اور دوسرا اغزی یغزی سے ہے یعنی میں تجھے قوت دوں گا اور ان پر غلبہ عطا کر دوں گا۔

۱۷ اپنے لشکر پر ہم تجھے یہ تمام خرچہ مہیا کریں گے۔

۱۸ جیسا کہ بدر میں پانچ ہزار فرشتوں نے حضور علیہ السلام کی مدد کی۔

۵۱۳۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ قَصَعَدَ النَّبِیُّ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اپنے قریبی خاندان کو

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَا بَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ أَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا قَالَ فَإِنِّيْ نَذِيْرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ أَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَادٰى يَا بَنِيْ عَبْدِ مُنَافٍ إِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهٗ فَخَشِيَ أَنْ يَّسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ يَا صَبَاحَاهُ۔

ڈراؤ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفا[1] پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے بنی فہر! اے بنی عدی! قریش[2] کے خاندانوں کو، حتیٰ کہ وہ تمام جمع ہو گئے[3] فرمایا: بتاؤ اگر میں تمھیں خبر دوں کہ سواروں کا لشکر اس جنگل[4] میں سے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے[5]؟ بولے ہاں ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے فرمایا میں تم کو سخت عذاب[6] کے آنے پر ڈراتا ہوں اس پر ابولہب بولا تیرے لیے ہلاکت[7] ہو کیا تو نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا، تب یہ آیت اتری، ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک[8] ہوں اور وہ خود ہلاک ہو۔

بخاری و مسلم اور ایک روایت میں ہے حضور نے آواز دی کہ اے عبد مناف[9] کی اولاد تمھاری مثال اس شخص کی سی ہے جس[10] نے دشمن کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوا چلا۔ پھر ڈرا کہ دشمن اس سے پہلے ہی پہنچ جائے[11] تو وہ چیخنے لگا یا صباحاہ[12]۔

[1] یہ خانہ کعبہ کے قریب ہے۔

[2] بطن سے شکم اور وہ گروہ جو قبیلہ قریش سے کمتر ہیں مراد ہیں، ان کا والد نضر بن کنانہ ہے۔ ان الفاظ کی تحقیق دوسرے مقام پر کر دی گئی ہے فہر، فا کے نیچے کسرہ اور ہا ساکن

[3] لبطون قریش

[4] اس وادی میں جس میں وادیٔ مکہ ہے۔

[5] کیا تم میری تصدیق کرو گے۔

[6] اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو سخت عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے۔

[7] یہ حضور علیہ السلام کے چچا ہیں تب اور تباب اس گھاٹے کو کہا جاتا ہے جس میں ہلاکت ہو اور سائر کا بیان بقیہ ہے اور یہ جمع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

[8] کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کا عملاً ارتکاب کیا، ہلاکت تو اس کی ذات کیلیے ہے چونکہ اس نے ہاتھوں کو بھی استعمال کیا کیونکہ جب آپ نے ڈرایا تو اس نے پتھر اٹھا کر آپ کی طرف پھینکا بعض علماء کی رائے ہے کہ یہاں دونوں ہاتھوں سے مراد اس کی دنیا و آخرت ہے۔

۹ عبد مناف، ہاشم و عبد شمس کا والد ہے

۱۰ اچانک دشمن کے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم کو بچانے کے لیے پہاڑ پر چڑھنا ہے تاکہ اس کی آواز سنائی دے صراح میں ہے کہ ربا کا معنی نظر رکھنا، حفاظت کرنا اور بلند جگہ پر چڑھنا ہے۔

۱۱ اس کے اطلاع کرنے سے پہلے دشمن آجائے گا یا یہ مرد اس دشمن کو خبر و اطلاع کرنے سے پہلے جائیگا دونوں معانی کا مآل ایک ہی ہے۔

۱۲ یہ کلمہ قوم کو خطرے سے متنبہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اصل یہ ہے کہ اکثر طور پر غارت گری وقت صبح ہوتی ہے اس لیے یا صباحاہ سے شور کیا جاتا تاکہ اطلاع ہو جائے۔

۵۱۲۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّةَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْهِ قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا عَبَّاسَ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

۱ یہ روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۱ مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرائیں ۲ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے عام ۳ و خاص کو یہ خطاب فرمایا اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اے مرہ بن کعب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔ اے عبد شمس ۴ کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے عبد مناف کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے ہاشم ۵ کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو، اے عبد المطلب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔ اے فاطمہ ۶ اپنی جان کو آگ سے بچالو۔ میں اللہ کے مقابل تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ سوا اس کے کہ تم سے رشتہ داری ہے جس کی تری ۷ کو میں تر رکھوں گا۔ (مسلم) بخاری و مسلم کی روایت میں ہے اے گروہ قریش اپنی جانیں بچالو میں اللہ کے مقابل تم سے کچھ دفع نہیں کر سکتا۔ اے صفیہ ۸ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ بھی دور نہیں کر سکتا اے فاطمہ محمد کی بیٹی تم جو چاہو مجھ سے مال مانگ لو میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ دور نہیں کر سکتا۔

۲ آپ نے جدِ بعید اور جدِ قریب دونوں کے ناموں پر بلایا تاکہ عام و خاص سبھی آجائیں۔
۳ ایمان لاؤ، نیک اعمال کرو تاکہ آتشِ دوزخ سے نجات پاؤ۔ لوی لام پر پیش، ہمزہ پر فتحہ یا شد در یہ عبد مناف سے بہت اوپر ان کا جدِ اعلیٰ ہے۔
۴ عبد مناف، عبد شمس سے اوپر ہے اور اس کا والد ہے
۵ اس میں آپ کے تمام چچے اور ان کی اولاد شامل ہے۔
۶ یہ آپ کی جگر گوشہ ہیں۔ تمام خواتینِ عالم کی سربراہ ہیں، ان پر دوزخ کی آگ حرام ہے مگر ان کو بھی اس موقع پر خطاب میں شامل فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کے عطا کردہ اذن و تصرف کے بغیر میں بھی کچھ نہیں کر سکتا۔
۷ حق قوم و قرابت کی تری ہے اور اسے میں آپ صلہ و احسان کے ساتھ جانتا ہوں۔ باقی اس لفظ کی تحقیق باب البر والصلہ میں گذر چکی ہے۔ یہ تخویف و انذار میں انتہا اور مبالغہ ہے ورنہ ان مذکورہ لوگوں میں سے بعض کے فضائل اور بہشت میں داخلے کے بیان احادیث میں آچکا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ امت کے گناہ گاروں کے لیے حضور علیہ السلام کی شفاعت ہوگی تو آپ کے عزیز و اقارب کے لیے بطریقِ اولیٰ ہوگی مگر اس کے باوجود بے پروائی ہوسکتی ہے اس کے حال و مقام کے مطابق وعظ و نصیحت فرمائی یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان مذکورہ افراد کے فضائل اور آپ کے مقامِ شفاعت کا ذکر اس کے بعد والی احادیث میں آیا ہے، بالجملہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا جو آپ نے من وعن پہنچا دیا۔
۸ ایمان و طاعت کے ساتھ
۹ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی ہیں۔ حضرت زبیر بن العوام کی والدہ ہیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انھیں بھی ڈرایا جیسا کہ حضرت عباس نے چچا کو ڈرایا۔
۱۰ یہ گفتگو آپ نے مکہ میں کی اس وقت آپ کے پاس مال نہ تھا یہ تھوڑے مال کی بات بھی نہیں اور زیادہ مال کہاں سے آگیا البتہ آپ تجارت کیا کرتے تھے اس کے بارے میں شارحین نے فرمایا کہ یہاں مراد بالفعل مال کا ہونا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر مال میری ملک میں ہو تو وہ آپ مجھ سے طلب کرسکتی ہیں۔ مگر نجاتِ آخرت میرے ملک میں نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۱۴۰ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَّتِیْ ھٰذِہٖ اُمَّۃٌ مَّرْحُوْمَۃٌ لَیْسَ عَلَیْھَا عَذَابٌ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابُھَا فِی الدُّنْیَا اَلْفِتَنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری یہ امت صاحبِ رحمت[۱] ہے اس پر آخرت میں عذاب[۲] نہیں اس کا عذاب دنیا میں فتنے زلزلے اور قتل ہیں۔ (ابوداؤد)

۱ یعنی اس میں حق تعالیٰ اور نبی کی محبت اور اطاعت و فرمانبرداری ہے اور ان تمام صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمایا ہے یہ پہلی کسی امت کو نصیب نہیں۔ ان کے ساتھ کرم و عفو، فضل و مغفرت اور حسن معاملہ کے ساتھ سلوک کی مجھے بشارت دی گئی ہے اور یہ آخرت میں مستحق رحمت ہوگی۔

۲ یہ تمام چیزیں اس بات پر شاہد ہیں کہ اس پر آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔

۳ جو مصائب و حوادثات سے لاحق ہوں گے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب ہوگا اور جو قتال وغیرہ ہوگا اگر وہ کافروں کے ہاتھ سے ہوگا تو انھیں شہادت کا درجہ اور اجر ملے گا۔ اگر مسلمانوں کے درمیان ہوگا تو کسی اشتباہ یا تاویل کی بنا پر ہوگا تو دونوں کو سلامتی حاصل ہوگی اور اگر ایک جانب صریحاً ظلم تو دوسری طرف مظلوم جنتی ماجور ہوگا۔ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ عذاب قبر صرف اس امت کا خاصہ ہے تاکہ یہ عذاب اس امت کو گناہوں سے پاک و مطہر کردے تاکہ آخرت میں عذاب سے نجات پاجائے اور اس آیت کریمہ کے بارے میں کہتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے) کہ اس امت کا خاصہ ہے۔ باقی وہ احادیث جو بتلاتی ہیں کہ کبیرہ کے مرتکب پر عذاب ہوگا تو ان میں منافات نہیں۔ کیونکہ قرآن نے واضح کردیا ہے کہ غیر مشرک کی بخشش و مغفرت عموماً و خصوصاً مشیت باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔ ضروری نہیں کہ عذاب کا وقوع ہو۔ اگر واقع ہے تو یہ لازم نہیں کہ ہر فرد کے لیے وقوع لازم ہو۔ شاید بعض کو عذاب ہو اور بعض نجات پاجائیں۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے) بالجملہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کے جو فضل و کرم ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی مغفرت و بخشش ہوجائے البتہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔ اس پر کوئی شے لازم نہیں لیکن مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وعدہ توجہ ضرور رکھتا ہے۔

۵۱۲۱ وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ بَدَءَ نُبُوَّۃً وَّرَحْمَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ خِلَافَۃً وَّرَحْمَۃً ثُمَّ مُلْکًا عَضُوْضًا ثُمَّ کَائِنٌ جَبْرِیَّۃً وَّعُتُوًّا وَّفَسَادًا فِی الْاَرْضِ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحَرِیْرَ وَالْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ یُرْزَقُوْنَ عَلٰی ذٰلِکَ وَیُنْصَرُوْنَ حَتّٰی یَلْقَوُا اللّٰہَ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوعبیدہ۱ اور حضرت معاذ بن جبل۲ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کام۳ نبوت و رحمت سے شروع ہوا پھر خلافت و رحمت ہوجائے گا پھر کٹ کھنی۴ سلطنت۵ پھر ظلم، سرکشی اور زمین میں فساد ہوجائے گا۔ لوگ ریشم زنا اور شراب کو حلال سمجھیں گے اس کے باوجود روزی دیے جائیں گے فتح دیے جائیں۶ گے حتیٰ کہ اللہ سے ملاقات کریں۔ (بیہقی، شعب الایمان)

۱ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں۔

۲ یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔

۳ دین و ملت کا کام، بعض نسخوں میں "بدء" کا لفظ الف کے ساتھ "بدا" ہے اس کا معنی ظہور ہوگا یعنی دین کے

ظہور کا دور نزول وحی و رحمت و نورانیت کا دور ہے۔

سے یہاں تک کہ خلفاء راشدین کا دور ختم ہو جائے اور خلافت حضور علیہ السلام کی نیابت میں دین و دنیا کے امور کو انجام دینا ہے۔

ھ اس سے مراد مخلوق پر ظلم کا ظہور ہے "عضوض"، کا ٹنا عضوض عین پر زبر مبالغہ ہے۔ بعض روایات میں ملوک عضوض کے الفاظ ہیں یعنی خبیث و شریر یعنی ظالم بادشاہ ہوں گے۔

لہ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں جبر جیم پر زیر اور باء کے ساتھ کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مجمع البحار میں شرح شفاء کے حوالے سے ہے کہ یہ لفظ سکون با معنی تجبر ہے۔ قاموس میں ہے کہ جیم کے نیچے کسرہ بھی ہے یہاں یہ زیادہ مناسب ہے۔

ک باوجود ان کاموں کے انہیں روزی ملے گی اور مخالفین و کفار پر فتح دی جائے گی تاکہ دشمن ان کو ہلاک کر کے نام و نشان نہ مٹا دے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحمت و مغفرت کا وعدہ کر رکھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہو کہ اگرچہ یہ فی ذاتہ فاسق ہوں گے مگر ان کی وجہ سے بعض احکام دین کی تائید ہو گی

شہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

۵۱۴۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيَى الرَّاوِيُّ يَعْنِي الْاِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْاِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيْلَ فَكَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيْهَا مَا بَيَّنَ قَالَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّوْنَهَا۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا سب سے پہلے جس کو الٹا کیا جائیگا زید بن یحییٰ ہمارے نے کہا اسلام کو جیسے شراب کے برتن میں الٹایا جاتا ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ کیسے ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے فرمایا: اس کا کوئی نام رکھ کر حلال ٹھہرالیں گے۔ (دارمی)

سلہ "اکفاء" سرنگوں کرنا تاکہ پانی وغیرہ بہہ جائے۔ یکفأ۔ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو چہرے کے بل اوندھے منہ گر پڑے۔

سلہ اس حدیث کے راوی ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ، دمشقی خزاعی ہیں، ان سے امام احمد اور دارمی نے روایت کی سب ثقہ ہیں، دو سو سات میں ان کا وصال ہے۔

سلہ یہاں فی کا حکم راوی سے ساقط ہو گیا ہے۔

سلہ یہ لفظ بھی مروی ہے جو مراد واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے یعنی جسے سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اسلام میں وہ شراب ہے اس حدیث کی شرح میں شارحین نے یہی تقریر کی ہے یہاں ایک اور توجیہ بھی ہے تو اس سے زیادہ واضح ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ جب لوگوں میں تبدیلی آئے گی تو آخر زمانے میں سب سے پہلے

احکام اسلام میں سے جو حکم تبدیل ہوگا وہ شراب کا حکم ہوگا کہ لوگ اسے پئیں گے اور تاویلات کے ذریعے حلال بنائیں گے۔

شہ شراب کے حکم کو کیسے تبدیل کردیں گے؟

سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی حرمت پر واضح احکام ہیں

سے اس میں حیلہ و تاویل سے کام لیں گے۔

شہ شراب کے علاوہ اس کا نام رکھ لیں گے مثلاً نبیذ، حالانکہ وہ شراب ہوگا اسی بہانے سے اسے شہد وغیرہ سے بنائیں گے اور پئیں گے اور کہیں گے کہ شراب انگور سے بنتا ہے، یہ انگور سے نہیں لہذا شراب نہیں، یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ ہر نشہ آور حرام ہے، خواہ وہ شراب ہو یا اس کے حکم میں کوئی دوسری شئے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۱۴۳ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَيَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ثُمَّ سَكَتَ قَالَ حَبِيْبٌ فَلَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبْتُ اِلَيْهِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اُذَكِّرُهٗ اِيَّاهُ وَقُلْتُ اَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْدَ الْمُلْكِ الْعَاضِّ وَالْجَبْرِيَّةِ فَسُرَّ بِهٖ وَاَعْجَبَهٗ يَعْنِيْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ

حضرت نعمان[1] بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حذیفہ[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت تم میں رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ نے اسے چاہا، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا پھر طریق نبوت پر خلافت ہوگی اور رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھالے گا، پھر نبوت ظلم کی بادشاہی ہوگی اور رہے گی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی پھر آپ خاموش ہو گئے حبیب دارمی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس سے کھڑے ہوئے تو میں نے یاد کروانے کے لیے یہ حدیث انہیں لکھ بھیجی اور کہا کہ امید ہے کہ آپ ظالم بادشاہوں اور جابروں کے بعد امیرالمومنین ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر نہایت ہی خوش ہوئے۔ (بیہقی، دلائل النبوۃ)

[1] صحابی ہیں ہجرت کے بعد انصار کے ہاں سب سے پہلا بچہ جو پیدا ہوا وہ آپ ہی تھے۔

[2] یہ جلیل القدر صحابی ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رازداں ہیں صاحب سرالرسول ان کا لقب ہے۔

۳؎ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے تابع ہوگی ۔ منہاج کا معنی ظاہر اور کشادہ ہونا ۔
۴؎ شارحین کہتے ہیں اس سے مراد امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہے ۔
۵؎ حبیب بن سالم اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں ۔ یہ حضرت نعمان بن بشیر کے آزاد کردہ غلام اور کاتب تھے ۔ ان سے حضرت قتادہ اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے ۔
۶؎ حضرت عمر بن عبد العزیز مجلس سے کھڑے ہوئے تو میں نے لکھا کہ اس حدیث سے آپ کی ذات مراد ہے

كِتَابُ الْفِتَنِ

فتنے کا بیان

فتن، فتنہ کی جمع ہے جیسے محن، محنت کی، آزمائش، شے کو پسند کرنا اور شے پر فریفتہ ہونا۔ اس کا معنی گمراہ ہونا اور گمراہ کرنا، گناہ، کفر، ذلت، عذاب، سونا و چاندی کا پگھلانا، جنون، مال و اولاد کی محبت اور لوگوں کا رائے میں اختلاف کرنا بھی ہے۔ واضح ہو کہ مصنف نے یہاں سے لے کر آخر تک کتاب الفتن قائم کیا اور اس کے بعد ابواب ذکر کیے ہیں۔ اس کی وجہ واضح نہیں خصوصًا باب فضائل و مناقب کو کتاب الفتن میں شامل کرنے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اس پر اعتقاد کے ہم مکلف و پابند ہیں تو اس اعتبار سے وہ تمام اس کتاب کے تحت آسکتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۱۴۴ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهٖ ذٰلِكَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ أَصْحَابِي هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهٗ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيتُهٗ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهٗ۔

پہلی فصل

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن ہم میں قیام[۱] فرمایا۔ آپ نے اسی جگہ قیامت تک ہونے والی ہر شے[۲] کے بارے میں خبر دی جس نے یاد رکھا اس[۳] نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ بات میرے یہ دوست جانتے ہیں ان واقعات میں سے کوئی چیز[۴] ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پھر اسے[۵] دیکھتا ہوں تو اسے یاد کر لیتا ہوں جیسے کوئی شخص کسی کا چہرہ پہچان

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

لیتا ہے جب وہ اس سے غائب ہو رہا ہو پھر جب اسے دیکھتے تو پہچان لیتے۔

(بخاری و مسلم)

لے آپ نے خطبہ و وعظ ارشاد فرمایا
لے جو کچھ تا قیامت وقوع پذیر ہونا تھا تمام بیان فرما دیا۔
لے بعض نے یاد رکھا اور بعض نے بھلا دیا۔
لے جس کے بارے میں آپ نے خبر دی تھی۔
لے بطریق اجمال و ابہام

۵۱۴۵ وَعَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَی الْقُلُوْبِ کَالْحَصِیْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَیُّ قَلْبٍ اُشْرِبَہَا نُکِتَتْ فِیْہِ نُکْتَۃٌ سَوْدَاءُ وَاَیُّ قَلْبٍ اَنْکَرَہَا نُکِتَتْ فِیْہِ نُکْتَۃٌ بَیْضَاءُ حَتّٰی تَصِیْرَ عَلٰی قَلْبَیْنِ اَبْیَضَ مِثْلَ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّہٗ فِتْنَۃٌ مَّا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًّا کَالْکُوْزِ مُجَخِّیًا لَا یَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَّلَا یُنْکِرُ مُنْکَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ ہَوَاہُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا دلوں پر فتنے پیش آئیں گے جیسے چٹائی کا رنگ لے جو دل فتنے پلا لیا گیا لے اس میں سیاہ دھبہ پیدا کر دیں گے اور جو دل انھیں برا سمجھے ان میں سفیدی پیدا ہو جائے گی حتیٰ کہ لوگ دو قسم کے دلوں پر ہو جائیں گے۔ ایک سفید جیسے سنگ مرمر اسے کوئی فتنہ نقصان نہ دے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسرا کالا راکھ کے رنگ جیسے اوندھا کوزہ لے وہ بھلائی کو نہ پہچانے نہ برائی کو برا جانے سوا اس خواہش کے جو اس کے دل میں پیدا کر دی گئی۔ (مسلم)

لے عودا، اس لفظ کی تین طرح روایت ہے اول عین پر ضمہ اور دال، یہ مشہور تر ہے۔ روایت ہے، اب معنی یہ ہوگا دل پر فتنہ اس طرح آئے گا جس طرح بوریا بنتے ہوئے لکڑی یکے بعد دیگرے اس میں داخل ہوتی ہے یہاں لکڑی سے مراد کھجور کی وہ سبز شاخیں ہیں جن سے بوریا بنا جاتا ہے یا فتنہ بر دل کو کھجور کی ان شاخوں کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے جن سے چارپائی بنی جاتی ہے جیسے وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں اسی طرح دل پر پے در پے فتنہ برپا ہوگا، بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد فتنہ کا دل پر اثر کرنا ہے جس طرح چٹائی سونے والے کے جسم سے چمٹ جاتی ہے ، اور دوسرا لفظ عین پر زبر اور ذال کے ساتھ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ فتنہ کے شر سے پناہ مانگنا جیسا کہ اس کلام کے بعد جس میں کفر و معصیت کا ذکر ہو۔ جیسے نعوذ باللہ یا معاذ اللہ تیسری صورت یہ ہے کہ عین پر زبر اور دال اور مراد دل پر تکرار فتنہ ہے اور پہلی روایت پر رفع و نصب دونوں

اور دوسری اور تیسری روایت کے مطابق فقط نصب ہی آسکتا ہے اس کی شرح میں دیگر وجوہ بھی مروی ہیں یہاں فتنوں سے اعتقادات فاسدہ مراد ہیں یا اس سے عام، خواہ وہ شہوات نفسانیہ بھی ہو۔

سے جس دل میں فتنہ راسخ ہو جائے اور اس میں زنگ پیدا ہو جائے جس طرح کپڑے پر رنگ چڑھ جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اسے رنگ پلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی اس باب سے ہے وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (دلوں کو بچھڑے کی محبت پلا دی گئی تھی)۔

سے لکڑی گاڑنے سے جو اثر ہوتا ہے، اسے نکتہ کہا جاتا ہے اور اسی کا معنی نقطہ بھی ہے۔ اور اس چیز میں نقطہ جو اس کے رنگ مخالف میں ہو کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

سے جو دل فتنہ سے متاثر نہ ہو اور اسے قبول نہ کرے۔

سے تصیر، باء اور تاء دونوں کے ساتھ ہے اگر یاء ہو تو اس کی ضمیر کا مرجع انسان ہوگا جو سیاق کلام سے مفہوم ہے اور دوسری صورت میں قلوب کی طرف راجع ہے۔ باقی رفع و نصب دونوں آسکتے ہیں۔

سلہ باقی تشبیہ فقط سفیدی میں نہیں بلکہ صلابت، قوت اور سختی میں بھی ہے۔

شہ مُربادا، میم پر پیش، راء ساکن، دال مشدد، سیاہ و خاکستر رنگ

شہ جس میں فتنہ برپا ہوگا۔

سہ ربدہ، پیش کے ساتھ۔ اربداد خاکستر رنگ ہونا۔ ایک روایت میں مرباء، باء کے بعد ہمزہ مکسورہ ہے۔

سلہ جس طرح کوزے میں جو پانی تھا وہ باہر آگیا یہی حال اس دل کا ہے جو نور ایمان اور معرفت سے خالی ہے مُجَخِّیًا میم پر پیش، جیم پر زبر، خاء مشدد، مکسورہ بمعنی مائل اور جھکنا ہے۔

سلہ جس میں دل گرفتار ہے یعنی خواہش نفس، یہی دل کی موت ہے اللہ تعالیٰ اس سے پناہ دے۔

۵۱۴۶ وَعَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ رَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقٰى اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ

انہی سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں دو خبریں دیں جن میں سے میں نے ایک تو دیکھ لی اور دوسری کا منتظر ہوں۔ ہم کو خبر دی کہ امانت لوگوں کے دلوں کے اصل میں اتری ہے۔ پھر لوگوں نے قرآن سیکھا پھر حدیث سیکھی۔ اور حضور نے ہم کو اس کے اٹھ جانے کی خبر دی، فرمایا آدمی ایک نیند سوئے گا تو اس کے دل سے امانت قبض کر لی جائے گی تو اس کا اثر چھالے کی طرح رہ جائے گا پھر ایک نیند سوئے گا تو امانت قبض کر لی جاوے گی حتیٰ کہ اس کا اثر آبلے کی طرح ہو جائے گا جیسے تم اپنے پاؤں پر چنگاری لگاؤ تو

النَّاسُ یَتَبَایَعُوْنَ وَلَا یَکَادُ اَحَدٌ یُؤَدِّی الْاَمَانَۃَ فَیُقَالُ اِنَّ فِیْ بَنِیْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِیْنًا وَّیُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا اَعْقَلَہٗ وَمَا اَظْرَفَہٗ وَمَا اَجْلَدَہٗ وَمَا فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ابھار ہو جائے تم اسے پھولا ہوا دیکھو جس میں کچھ بھی نہ ہو لوگ خرید و فروخت کریں گے اور کوئی بھی امانت ادا نہ کرے گا حتیٰ کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہے اور کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ کیسا عقل مند ہے کیسا خوش طبع ہے کیسا بہادر ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہ ہوگا (بخاری و مسلم)

لہ جس طرح آپ نے خبر دی اسی طرح اس کا وقوع ہوا۔

لہ اس کے مصداق کا بھی یقیناً وقوع ہوگا۔

لہ جذر، جیم پر زبر یا کسرہ، ذال ساکن، ہر چیز کی اصل، امانت سے مراد یا تو وہی معنی مشہور ہے کہ لوگوں کے حق میں خیانت نہ کرنا یا اس سے تمام تکالیف شرعیہ مراد ہیں جن کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ الْاٰیۃ لیکن ان تمام کی اصل ایمان ہے جیسا کہ آخر حدیث میں بھی ہے وَمَا فِیْ قَلْبِہٖ مِنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ آپ کے ارشاد گرامی وَلَا یَکَادُ یُؤَدِّی الْاَمَانَۃَ میں امانت بھی اسی پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور امانت کو قلوب مومنین میں پیدا کیا ہے۔

لہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارسالِ کتب اور انبیاء سے پہلے ہی دلوں میں امانت و ایمان کو پیدا فرما دیا بلکہ اب جو شخص اس سابقہ عنایت و ہدایت سے مستفید ہوگا وہی ان کتب و انبیاء سے مستفیض ہوگا، اس میں ایمان و امانت کے رتبہ و شان پر دلالت ہے کہ دلوں میں اثبات و انزال کے باوجود کتاب و سنت نے ان پر تاکید فرمائی ہے یہ وہ پہلی حدیث تھی کہ جسے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں دیکھا اور مشاہدہ کیا اور دوسری حدیث جس میں ہے کہ امانت ختم ہو جائے گی اس کا وقوع آپ کی ظاہری حیات کے بعد ہی ہوگا۔ جیسا کہ اس کا بیان ابھی آ رہا ہے۔

لہ نقصان امانت کے بارے میں فرمایا

لہ آیات قرآنی اور اتباعِ سنت سے غافل ہوگا یہ اس جملہ کے مقابل ہے فرمایا عَلِمُوْا مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ۔

لہ یعنی کچھ انوار و ثمرات میں کمی واقع ہو جائے گی۔

لہ شی کا اثر اس بقیہ اور علامت کو کہا جاتا ہے

لہ وکت، واؤ پر زبر، کاف ساکن، آخر میں تاء وکتہ کی جمع ہے۔ چیز کا وہ اثر جو اس کے رنگ کے خلاف نقطہ کی طرح ہو جیسا کہ سیاہ نقطہ سفید میں، بعض نے کہا کہ سیاہی میں سفید نقطہ ظاہر ہوتا ہے یعنی قلبہ کے اجزاء اور

ارتکاب معصیت کی وجہ سے نورِ امانت کم ہو جائے گا۔ جب حالِ دل پر غور کرے گا تو سوائے اس کے اثر دلفقط کے کچھ نہیں ہو گا۔

سنلہ پھر دوبارہ غافل ہو جائے گا

سلہ جو جز باقی رہ گیا تھا

سلہ مجل، میم پر زبر، جیم ساکن۔ کام کی وجہ سے ہاتھ کے چمڑے کا سخت ہونا، صراح میں ہے مجل کا معنی کام کی وجہ سے ہاتھ کا شوخ ہو جانا، اس کے بعد خود اس اثر کا بیان کیا۔

سلہ منتبرا۔ میم پر پیش، نون ساکن، تا پر زبر اور باء کے نیچے زیر۔ بہ منتبر بمعنی ارتفاع و بلندی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اسی سے لفظ منبر مشتق ہے۔

سلہ اس میں ایسی کوئی شے نہیں ہو گی جو کارآمد ہو اسی طرح وہ شخص جس کے دل سے امانت کا اثر ختم ہو گیا وہ ظاہر کارآمد نظر آئے گا مگر بباطن وہ کارآمد شے نہیں رہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وکت اور مجل سے امانت کے بقیہ کا دل میں رہنا مراد ہے لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آبلہ کا اثر چھالے سے زیادہ ہوتا ہے اور سیاق کے مناسب یہی ہے کہ دوبارہ سونے میں اثر پہلے کم ہو اس کا جواب یہ ہے کہ آبلہ کا اثر چھالے کے مقابلہ میں حقیر و قلیل ہے اسی لیے اسے بعد میں لائے لیکن یہ جواب ضعف سے خالی نہیں ہے۔ بعض شارحین نے وکت و مجل دونوں سے زوال امانت مراد لیا ہے یعنی پہلی دفعہ چھالے کی مانند اور دوسری دفعہ آبلہ کی مانند زائل ہو گا لہذا آبلہ کا مرتبہ چھالے سے زیادہ ہو گا کیونکہ اس دفعہ وہ بھی ختم ہو گا کہ پہلی صورت میں باقی تھا۔

۱۵لہ شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کرے گا بلکہ لوگوں کے حق میں خیانت کرے گا۔

۱۶لہ امانت دار لوگوں کی قلت و کمی اور نادر الوجود ہونے سے

۱۷لہ باوجود کثرت افراد کے۔

۱۸لہ ان صفات سے متصف کیا جائے گا جو عرفِ عام سے فضائل و کمالات ہوتے ہیں۔

۱۹لہ کاروبار دنیا و معیشت میں کتنا دانا ہے؟

۲۰لہ خوش گوئی اور خوش زبانی میں کتنا اچھا ہے؟

۲۱لہ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصل کام ایمان اور تربیت نفس ہے، باقی سب ضیاع ہے، اگر اہل دنیا اسے خوب جانتے ہوئے تعریف و مدح کریں وہی تعریف معتبر ہے جس کی بنا پر تقوی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب کریں۔ آمین۔

۵۱۴۷ **وَعَنْهُ** قَالَ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي

اور انہی سے مروی ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کرتے اور میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا۔ اس کے پیش نظر کہ

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ هُمْ مِّنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْمُسْلِمِ قَالَ يَكُوْنُ بَعْدِيْ أَئِمَّةٌ لَّا يَهْتَدُوْنَ بِهُدَايَ وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِيْ جُثْمَانِ إِنْسٍ قَالَ حُذَيْفَةُ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْأَمِيْرَ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔

کہیں وہ مجھے نہ پہنچ جائے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پہلے جہالت و شر میں تھے پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس یہ خیر لایا تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا۔ فرمایا ہاں! عرض کیا گیا کیا اس شر کے بعد خیر ہوگی؟ فرمایا ہاں مگر اس خیر میں کدورت ہوگی۔ عرض کیا کدورت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ قوم جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی اور میری عادت کے خلاف عادت قبول کرے گی ان کی بعض باتیں اچھی پاؤ گے اور بعض بری۔ عرض کیا گیا اس خیر کے بعد شر ہوگی فرمایا ہاں دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے جو دوزخ کی طرف ان کی بات مانے گا اسے دوزخ میں ڈال دیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی علامات بھی بتائیے۔ فرمایا وہ ہمارے گروہ سے ہوں گے ہماری زبان میں کلام کریں گے۔ عرض کیا کہ اگر میں یہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو پکڑے رہنا۔ عرض کیا اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام نہ ہو فرمایا ان تمام فرقوں سے الگ رہنا اگرچہ اس طرح ہو کہ تم کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑ لو حتی کہ تم کو اسی حالت میں موت آجائے۔

(بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں یہ بھی آیا ہے فرمایا میرے بعد ایسے پیشوا ہوں گے جو نہ تو میری سنت اختیار کریں گے اور نہ ہی میرے طریقے کو اپنائیں گے ان میں سے کچھ لوگ اٹھیں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے انسانی جسموں میں، حضرت حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں یہ وقت پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا اپنے امیر کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تیری پشت ماری جائے اور تیرا مال لے لیا جائے پس سن اور اطاعت کر۔

سلہ عقل مند آدمی کے نزدیک نفع کے حصول سے نقصان سے محفوظ رہنا ہی اہم ہے تا شر سے مراد وہ فتنے اور حوادث ہیں جو لوگوں کے درمیان ان کے نزاع و جدال کی وجہ سے ظاہر و واقع ہوئے یا اگرچہ موافق حق نہ تھے باقی منہیات شریعت میں معین ہیں اور ان کا سوال ان سے ہی مخصوص نہیں جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دال ہے
سلہ آپ کے مبارک وجود مسعود کے ذریعے اسلام عطا فرمایا اور اس پر عمل کی توفیق دی ۔
سلہ کیا اس خیر کے بعد شر ظلم اور دین میں اختلال کا اندیشہ ہے ۔
سلہ دین اس نہج پر قائم ہو جائے جس طرح کہ تھا ۔
سلہ دَخَنٌ : دال اور خاء دونوں پر زبر ، بہ دُخان کے معنی میں ہے یعنی وہ چیز جو شر کے ساتھ متصل ہو یعنی لوگوں کے دلوں میں جو صدق اور خلوص تھا وہ نہیں رہے گا ۔ وہ اعتقادات صحیحہ ، اعمال صالحہ اور وہ بادشاہوں کا عدل و انصاف جو قرن اول میں تھا نہ رہے گا ، برائی اور بدعات پیدا ہو جائیں گی ۔ اہل بدعت و اہل سنت مخلوط ہو جائیں گے
سلہ یعنی معروف و منکر ، جائز و ناجائز ، دونوں ان میں جمع ہوں گے اور خیر و شر کا امتزاج و اختلاط ہو گا اور یہی آپ کے ارشاد تَعْرِفُ فِيهِ دَخَنٌ اَوْ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِیْ سے بھی یہی مراد ہے ۔ بعض نے فرمایا شر کے بعد خیر سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہے اور " اَلَّذِيْنَ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَ تُنْكِرُ " سے مراد ان کے بعد آنے والے امراء ہیں ، ان کے درمیان جو کوئی تھے انہوں نے بدعت کو رواج دیا مثلاً خوارج یعنی شارحین کی رائے ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ شر سے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہو اور اس کے بعد خیر امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہو ، کدورت و شر سے مراد وہ جماعت ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منبر پر بیٹھ کر لعنت کیا کرتے تھے ۔
سلہ وہ کون لوگ ہوں گے ان کے اوصاف کیا ہوں گے ؟ تاکہ میں انہیں پہچان سکوں ۔
سلہ ہماری جنس یا ہمارے اقرباء یا ہمارے دین و ملت سے ہوں گے ۔ جلد شے کے ظاہر کو کہتے ہیں اس کا اصلاً معنی تن کا پردہ ہے جسے پوست کہا جاتا ہے ۔
سلہ جو کتاب و سنت پر قائم ہوں گے
سلہ تو میں کیا کروں ؟
سلہ مراد تحمل شدائد و مصائب مفلس یعنی خواہ تجھے گھاس و لکڑی کھانی پڑ جائے تو اس گھاس و جنگل پر قناعت کرنا
سلہ وہ صورۃ تو آدمی ہوں گے مگر سیرت باطن میں شیطان ، جثمان ، جیم پر پیش ، انسان
سلہ جو بھی تم پر مقرر ہو
سلہ اگرچہ تیری ذات اور مال پر ظلم ہو ، تجھے پیٹا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے ۔ ضُرِبَ اور اُخِذَ مجہول اور معروف دونوں طرح تحقیق یعنی ہر حال میں صبر و قناعت سے کام لینا ۔ دین و ملت میں فتنہ نہ ڈالنا اور نہ بغاوت کرنا اگر اکراہ سے کام لیں تو پھر عزیمت کی راہ پر چلنا آخری الفاظ عدم بغاوت و عدم فتنہ میں تاکید پیدا کرنے کیلئے

لائے گئے ہیں ۔

۵۱۴۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِیْ كَافِرًا وَّيُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ان فتنوں سے پہلے اعمال کر لو[1] جو اندھیری رات کے حصص کی طرح ہوں گے انسان صبح کرے گا حالتِ ایمان میں اور شام حالتِ کفر میں کرے گا[2] اسی طرح شام کو مومن اور صبح کو کافر ہو گا[3] دنیاوی سامان کے عوض دین فروخت کر دے گا ۔ (مسلم)

[1] ان فتنوں کے نزول سے پہلے پہلے نیک اعمال کر لو، کیونکہ ان کے وقت میں محنت وابتلا میں انسان اس طرح جکڑ جائے گا کہ نیک عمل کرنا دشوار ہو جائے گا بلکہ اس وقت لوگوں کا حال یہ ہو گا جو بیان ہونے والا ہے ۔

[2] اہلِ زمانہ اور ارباب حکومت کے فتنوں اور بلاؤں کی وجہ سے اسی طرح اختلاط اور حاجات میں گرفتاری ہو گی کہ وہ مجبور ہو کر ان کے پاس آئے گا تاکہ اپنی حاجت پوری کرائے مگر وہاں ان کے تابع ہو ، ایسے امور میں ان کی موافقت کرے گا جن کا تعلق دینِ اسلام سے نہیں اور یہ معنی بیان کرنا بھی درست ہے کہ صبح کے وقت اپنے مسلمان بھائی کے مال وجان کی حرمت کرنے کی وجہ مسلمان ہو گا اور شام کو اسے حلال جان کر کافر ہو چکا ہو گا اور اس تحلیل کی بنا پر جنگیں لڑائیاں اور فتنے پیدا ہوں گے لیکن پہلا معنی آپ کے ارشاد کے اگلے حصے کے زیادہ مناسب ہے ۔

[3] اپنے ایمان کو متاعِ قلیل (دنیا) کے عوض بیچ ڈالے گا ۔

۵۱۴۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَّجَدَ مَلْجَاً اَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ اَلنَّائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَقْظَانِ وَالْيَقْظَانُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ فَمَنْ وَّجَدَ مَلْجَاً اَوْ مَعَاذًا فَلْيَسْتَعِذْ بِهٖ۔

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! عنقریب ایسے فتنے برپا ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا[1] کھڑا ہونے والے سے بہتر ہو گا اور ان میں کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا جو ان کی طرف جھانکے گا[2] وہ اسے اچک لیں گے تو جو کوئی پناہ[3] یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے لے (بخاری و مسلم) اور مسلم میں ہے ان فتنوں میں سونے والا[4] جاگنے والے سے بہتر اور جاگنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا دوڑنے[5] والے سے بہتر جس کو کوئی ٹھکانا یا پناہ گاہ نہ ملے تو اس کی پناہ لے لے ۔

لے کیونکہ اس فتنہ تک پہنچنے میں ایک درجہ کھڑا ہونے والے سے کم استعداد رکھتا ہے

سکہ یعنی ان کا قرب ان میں وقوع کا سبب ہوگا اور ان کے شر سے خلاصی کی یہی صورت ہے کہ ان سے دور رہا جائے۔

سکہ ملجاء و معاذ لغت میں ان دونوں کا معنی ایک ہے۔ راوی شک کی بناء پر یا برائے تاکید لائے۔

سکہ یہ حالت نیند میں باخبر نہیں اور نہ اس کی خبر سن سکتا ہے لہذا یہ بیدار سے بہتر ہوگا۔

ھہ یہاں سعی سے مراد ایسا چلنا ہے جس میں سعی ہو۔ صراح میں ہے سعی: دوڑنا، جلدی کرنا، کسب و کام کرنا، یہاں آخری معنی مراد ہے۔

۵۱۵۰ وَعَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي فِيْهَا وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ اِلَيْهَا اَلَا فَاِذَا وَقَعَتْ فَمَنْ كَانَ لَهٗ اِبِلٌ فَلْيَلْحَقْ بِاِبِلِهٖ وَمَنْ كَانَ لَهٗ غَنَمٌ فَلْيَلْحَقْ بِغَنَمِهٖ وَمَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَلْحَقْ بِاَرْضِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ اِبِلٌ وَّلَا غَنَمٌ وَّلَا اَرْضٌ قَالَ يَعْمِدُ اِلٰى سَيْفِهٖ فَيَدُقُّ عَلٰى حَدِّهٖ بِحَجَرٍ ثُمَّ لِيَنْجُ اِنِ اسْتَطَاعَ النَّجَاءَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلٰثًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ اُكْرِهْتُ حَتّٰى يُنْطَلَقَ بِيْ اِلٰى اَحَدِ الصَّفَّيْنِ فَضَرَبَنِيْ رَجُلٌ بِسَيْفِهٖ اَوْ يَجِيْءُ سَهْمٌ فَيَقْتُلُنِيْ قَالَ يَبُوْءُ بِاِثْمِهٖ وَاِثْمِكَ وَيَكُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب فتنے ہوں گے آگاہ رہو پھر فتنے ہوں گے آگاہ رہو پھر فتنے ہوں گے بیٹھنے والا ان میں چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا ان کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا آگاہ رہو کہ جب وہ فتنے واقع ہو جائیں تو جس کے پاس اونٹ ہے وہ اپنے اونٹوں میں چلا جائے جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں چلا جائے اور جس کے پاس اپنی زمین ہو وہ اپنی زمین میں چلا جائے سو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! جس کے پاس اونٹ بکریاں اور زمین نہ ہو؟ فرمایا وہ اپنی تلوار کی طرف رخ کرے۔ اس کی دھار پتھر سے کوٹ دے پھر الگ ہو جائے اگر الگ ہونے کی طاقت ہو۔ اے اللہ! میں نے پیغام پہنچا دیا ہے تین بار فرمایا۔ پھر ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر مجھے کوئی مجبور کر دے حتیٰ کہ مجھے دو صفوں کے درمیان تک لے جائے، پھر مجھے کوئی شخص اپنی تلوار سے مار دے یا تیر آئے جو مجھے قتل کر دے۔ فرمایا وہ اپنا اور تمہارا گناہ لے کر لوٹا اور وہ دوزخی ہوگا۔ (مسلم)

سلہ زمین سے مراد وہ جگہ ہے جو فتنہ سے دور ہو یعنی فتنہ سے دور جاکر اپنے کام میں مشغول رہا جائے ۔
سلہ اس کی دھار توڑ ڈالے تاکہ کارزار میں خود اپنی ذات کو وہ کاٹ نہ سکے ۔
سلہ اس جیسی احادیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ فتنہ کی حالت میں قتال ہرگز جائز نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب دو مسلمان گروہوں کے درمیان لڑائی واقع ہوجائے تو احتراز کرنا واجب ہے ۔ ان سے ایک طرف جانا ، گوشہ تنہائی میں چلا جانا اور کسی ایک کی بھی حمایت مناسب نہیں یہ حضرت ابو بکرہ جو مشہور صحابی ہیں کا اور بعض دیگر صحابہ کا موقف ہے ۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ابتداءً قتال نہ کیا جائے اور اگر کوئی حملہ کرتا ہے تو دفاع واجب ہے جمہور صحابہ اور تابعین کہتے ہیں کہ صاحب حق کا ساتھ دینا اور باغی کے خلاف کرنا واجب ہے اگر اس پر عمل نہ ہو تو فتنہ کھڑا ہو جائے اور اہل بغاوت کو خوب موقع ملے گا ۔ اس مذہب پہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک شاہد ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الآیۃ کہ جب دو مسلمان گروہوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کراؤ اگر کوئی ان میں سے صلح پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی کرے تو اس باغی کے خلاف لڑنا ضروری ہے تاکہ جانب حق رجوع کرے : جب آپ نے فتنہ کے بارے میں بیان فرمایا تو پھر اگلی وجہ بیان فرمائی ۔
سلہ میں نے تیرا حکم تیرے بندوں تک پہنچا دیا ہے ۔
سلہ اس بات کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس نے تجھے جو قتل کیا اور بالفرض اگر دفاع کرتے ہوئے تو نے اسے قتل کر دیا تو اس کا گناہ تجھ پر نہیں بلکہ اس کی دگنی سزا بھی بطور زجر اسے ہی ہو گی دوسرا یہ کہ وہ بغض و عداوت سابقہ جو مسلمانوں کے ساتھ رکھتا تھا اور اب تیرے قتل کا سبب بنی ۔

۵۱۵۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں یا پانی کی جگہ سلہ لے جائے اور اپنا دین فتنوں سے بچا کر بھاگ جائے سلہ (بخاری)

سلہ بارش برسنے کی جگہ یعنی اپنی بکریوں کو وادیوں اور پہاڑیوں پہ چرائے اور ان کے ذریعے اپنی روزی حاصل کرے ۔
سلہ لوگوں کے ساتھ اختلاط ہی نہ ہو تاکہ کہیں فتنہ میں واقع نہ ہو جائے ۔

۵۱۵۲ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُطُمٍ مِّنْ اٰطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّیْ لَاَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کے قلعوں سلہ سے کسی ایک پر تشریف لے گئے پھر فرمایا : کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں ؟ عرض کیا نہیں

بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فرمایا: میں فتنے دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں کے درمیان بارش گرنے کی طرح گر رہے ہیں۔
(بخاری و مسلم)

سلہ اُطُم: الف اور طاء دونوں پر پیش، بلند محل اور ہر وہ قلعہ جو پتھر سے بنایا گیا ہو۔ حوالی مدینہ میں کچھ قلعے تھے جن میں یہودی وغیرہ رہتے تھے۔

۵۱۵۳/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلَکَۃُ اُمَّتِیْ عَلٰی یَدَیْ غِلْمَۃٍ مِّنْ قُرَیْشٍ۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت سلہ قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھوں سلہ میں ہوگی۔ (بخاری)

سلہ ھلکۃ ہاء، لام اور کاف تینوں پر زبر، غلمۃ غین مکسور، لام ساکن، غلام کی جمع بمعنی نوجوان۔ قاموس اور صراح میں ہے غلام، بچہ، غلمۃ اور اغتلام کا حقیقی معنی شہوت کا غلبہ و ہیجان ہے۔ علامہ طیبی نے اس کی تفسیر ایسے نوخیز بچوں سے کی ہے جو کوئی ڈر نہ رکھیں اور صاحب علم و عقل کے ساتھ کوئی ادب و تمیز کا خیال نہ کریں۔

سلہ حواشی میں ہے ان سے مراد وہ فتن اور ظالم جھگڑے ہیں جنھوں نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ایسے دیگر اہم افراد کو شہید کیا۔ مجمع البحار میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان افراد کے نام اور ذوات کو جانتے تھے مگر فتنہ و فساد کے خوف کے پیش نظر نام نہیں لیتے تھے۔ ان میں سے بنو امیہ کے چھوکرے یزید بن معاویہ اور عبید اللہ بن زیاد بھی ہیں اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ انھوں نے اہل بیت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید و قید کیا۔ اسی طرح کبار صحابہ مہاجرین و انصار صحابہ کو شہید کیا اور عبد الملک بن مروان کے دور کے گورنر حجاج اور سلیمان بن عبد الملک اور اس کی اولاد نے جو خون بہائے وہ کسی بھی ذی شعور سے مخفی نہیں۔

۵۱۵۴/۱۱ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَیُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْھَرُ الْفِتَنُ وَیُلْقَی الشُّحُّ وَیَکْثُرُ الْھَرْجُ قَالُوْا وَمَا الْھَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ چھوٹا ہو جائے گا سلہ علم اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے۔ بخل ڈال دیا جائیگا ہرج سلہ کثیر ہوگا۔ عرض کیا ہرج کیا ہے؟ فرمایا: قتل سلہ
(بخاری، مسلم)

سلہ مراد قیامت کا قریب ہونا یا شر و فتنہ میں اہل زمانہ کا ایک دوسرے سے قریب ہونا یا شر میں زمانوں کا ایک دوسرے کے قریب ہونا، بعض نے فرمایا کہ آخری زمانے میں عمروں کا چھوٹا ہونا مراد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں دنوں اور راتوں کا چھوٹا ہونا مراد ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے آخری زمانے میں سال مہینے ہو جائیں گے اور مہینے ہفتہ اور ہفتہ ایک دن کی طرح ہوگا اور دولتیں اور حکومتیں مخلوق کے لیے پریشانی کا سبب ہوں گی۔ یہی عبارت کتب الرؤیا میں ہے کہ

تقارب زمان میں خواب سچے ہوں گے۔ کچھ اور وجوہ بھی وہاں مذکور ہیں ۔ الغرض! اس لفظ میں متعدد معانی کا احتمال ہے بعض اس کے اور بعض دوسرے مقام کے مناسب ہیں ۔

سے یعنی لوگوں کے دلوں میں بخل قوی اور عام ہو جائے گا اور بخیل لوگوں کی اتباع ہوگی ۔ کیونکہ اصل بخل تو لوگوں کی فطرت میں موجود ہوتا ہے ۔

سے ہرج ، ہا پر زبر ، راء ساکن ۔ اس کا معنی فتنہ اور لوگوں کا ایک دوسرے کے بارے میں واقع ہونا ہے

سے ہرج کی تفصیل قتل کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ یہ قتل کا سبب اور اس تک پہنچانے والا ہوتا ہے ۔

۵۱۵۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِيْمَ قُتِلَ فَقِيْلَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ الْهَرْجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے مجھے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم نہ ہوگی حتیٰ کہ لوگوں پر وہ دن آ جائے ، جب قاتل نہ جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا گیا اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا ۔ عرض کیا گیا یہ کیسے ہوگا ؟ فرمایا فتنہ عامہ کی وجہ سے قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے ۔ (مسلم)

سے اس طرح قتال واقع ہوگا کہ امتیاز نہ رہے گا کہ صاحب حق کون اور صاحب باطل کون ہے ۔

سے فتنہ و اختلاط بلا امتیاز واقع ہونے کی وجہ سے

سے قاتل کا دوزخ میں جانا تو واضح ہے کہ اس نے خون ظلماً بہایا لیکن مقتول کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی دوسرے کو قتل کرنے کا عزم کر چکا تھا اور آدمی اپنے عزم صمیم کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے لیکن یہ تب ہوگا جب جہالت اور عدم تمیز ہو اور اگر اجتہاد و تحری میں خطا ہے تو ثواب اگرچہ نا صواب بھی ہو معاملہ اس طرح نہیں ہوگا ۔

۵۱۵۶ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قتل عام کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے ۔ (مسلم)

سے معقل ، میم پر زبر ، عین ساکن اور قاف کے نیچے زیر

سے یسار ، یا پر زبر ، یہ صحابی ہیں بیعت رضوان میں شامل تھے ۔ بصرہ میں مقیم ہوئے ۔ بصرہ میں ایک نہر ہے معقل ، اس کی طرف ان کی نسبت ہے ۔

سے جس طرح کوئی شخص دار الکفر سے ہجرت کر کے دار السلام میں آ کر حضور علیہ السلام کی صحبت پا لیتا ہے اسی طرح وہ شخص جو ظلمت فتنہ و فساد سے بھاگ کر اپنے مولیٰ تعالیٰ کی عبادت و یاد میں مصروف ہو جائے وہ بھی

دائرۂ نورانیت میں داخل ہو جاتا ہے گویا اس نے ہجرت کرلی ۔

۵۱۵۷/۱۲ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ: اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زبیر بن عدی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شکایت کی جو حجاج نے ہم پر ظلم کیا تھا فرمایا صبر کرو کیونکہ تم پر جو زمانہ آیا ہے بعد والا اس سے بھی بُرا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو اور میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے (بخاری)

سلہ زبیر بن عدی - یہ تابعی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں - ان سے حضرت ثوری (جو کہ فقیہ اور ثقہ ہیں) نے روایت لی ہے ۔

سلہ اس کے ظلم پر تحمل اور صبر کرو ۔

سلہ تم کیا جانو، ہوسکتا ہے کہ بعد میں حجاج سے بھی بڑھ کر ظالم لوگ آئیں گے اور وہ وقت اس سے بھی بدتر ہو ۔

سلہ روز آخرت

سلہ یہاں اشکال ہے کہ حجاج کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہے اور وہ بدتر نہیں بلکہ وہ نہایت ہی سنہری دور ہے اسی طرح گذشتہ اوقات سے بھی بہتر تھا اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور نے جو یہ خبر دی اس سے مراد اکثر و اغلب ہے اور اس میں ظلم و جبر کے وقت جزع و فزع کی بجائے تحمل و بردباری اور صبر و تسلی کا درس ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۵۱۵۸/۱۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَصْحَابِيْ اَمْ تَنَاسَوْا وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰى اَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهٗ ثَلٰثَ مِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھی بھول گئے یا بھولے بن بیٹھے ہو خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا کے ختم ہونے تک کسی قائد کے فتنے کو نہیں چھوڑا جس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تک پہنچے یا اس سے زیادہ مگر ہمیں اس کا نام بتا دیا اور اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام (ابوداؤد)

سلہ بھول تو نہیں مگر تکلفاً اپنے آپ کو بھولے ہوئے ظاہر کر رہے ہیں ۔
سلہ جو بھی فتنہ پیدا کرنے والا ہو خواہ وہ عالم جس نے ایسی بدعت ایجاد کی جس نے قوم کو گمراہ کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی یا ایسا امیر جو لوگوں میں محاربہ و مقاتلہ برپا کرے ۔
سلہ یہ اس قائد کی صفت ہے
سلہ تین صد کہنے کی حکمت شاید یہ ہو کہ اس قدر لوگوں کا اجتماع ضرور فساد برپا کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اگر اس سے تعداد کم ہو تو اس کا اعتبار نہیں ۔

۵۱۵۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِى الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَاِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِىْ اُمَّتِىْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِىُّ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی امت کے متعلق گمراہ کرنے والے لیڈروں کا ڈر ہے ۔ جب میری امت میں تلوار چل پڑی تو قیامت تک اٹھا کر رکھی نہیں جائے گی (ابوداؤد ، ترمذی)

سلہ یہ حضور کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص ہیں ۔ آپ کی بارگاہ مبارکہ میں وقت بے وقت حاضر ہونے والے ہیں ۔
سلہ کیونکہ ان کی گمراہی دوسرے عام لوگوں سے بدتر اور نقصان دہ ہے ۔
سلہ اس میں امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اسلام میں پہلا ہے اور اب تک وہ فتنہ باقی ہے اور آپ کی اطلاع کے مطابق تاقیامت جاری رہے گا ۔

۵۱۶۰ وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِيْنَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِىْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشْرَةً وَعُثْمَانَ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ وَعَلِىٍّ سِتَّةً ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سفینہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت تیس[2] سال تک ہے پھر سلطنت[3] ہو جائے گی ۔ پھر سفینہ نے فرمایا کہ حساب لگاؤ[4] ابوبکر صدیق کی خلافت دو سال ، حضرت عمر کی دس سال حضرت عثمان کی بارہ سال ، حضرت علی کی چھ سال[5] ۔ (مسند احمد ، ترمذی ، ابوداؤد)

سلہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں نہایت ہی صاحب برکات و کرامات شخصیت ہیں ان کے احوال متعدد جگہ لکھے جا چکے ہیں ۔
سلہ یہاں مراد خلافت کاملہ ہے جو کاملاً موافق سنت ہوگی ۔
سلہ لوگ اس وقت ان بادشاہوں کی تکلیف سے بے خوف نہ ہوں گے بعدالت اور دین کے معاملات جس طرح کے

ہونے چاہئیں وہ نہ رہے گی، اگرچہ اس لفظ خلافت کا بیان ہر بعد والے پر ہو سکتا ہے مگر یہاں آپ نے جس مخصوص حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تیس سال ہی ہے جو خلفائے اربعہ کا دور ہے اور اگر بعد کے لوگوں کو امیر المؤمنین کہہ دیا جائے تو چل جائے گا کیونکہ احکامِ ظاہری میں یہی امیر و حاکم ہوتے ہیں۔

۵ یہ حساب تقریبی ہے اس میں کسروں کو حذف کر دیا گیا ہے ورنہ حضرت ابوبکر کی خلافت جیسا کہ جامع الاصول میں ہے دو سال چار ماہ، خلافت حضرت عمر دس سال چھ ماہ، خلافت حضرت عثمان بارہ سال سے کچھ دن کم اور خلافت سیدنا علی چار سال نو ماہ ہے۔ اس حساب سے خلفائے اربعہ کا دور ۲۹ سال سات ماہ اور نو دن ہے۔ تیس سال سے باقی پانچ ماہ رہ جاتے ہیں جو کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی کا دور ہے اور یہ بھی خلفاء میں شامل ہیں۔ بعض کتب سے خلافتِ ابوبکر دو سال تین ماہ نو دن، خلافتِ عمر دس سال چھ ماہ پانچ دن، خلافتِ عثمان بارہ دن کم بارہ سال اور خلافتِ علی چار سال اور نو ماہ ہے۔ اس حساب سے امام حسن کا دور چھ ماہ اور تین راتیں بنتا ہے۔

۵۱۶۱ / ۱۸ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيَكُونُ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَمَا الْعِصْمَةُ قَالَ السَّيْفُ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ السَّيْفِ بَقِيَّةٌ قَالَ نَعَمْ تَكُونُ إِمَارَةٌ عَلَى أَقْذَاءٍ وَهُدْنَةٌ عَلَى دَخَنٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَنْشَأُ دُعَاةُ الضَّلَالِ فَإِنْ كَانَ لِلّٰهِ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةٌ جَلَدَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ فَأَطِعْهُ وَإِلَّا فَمُتْ وَأَنْتَ عَاضٌّ عَلَى جِذْلِ شَجَرَةٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ بَعْدَ ذٰلِكَ مَعَهُ نَهَرٌ وَنَارٌ فَمَنْ وَقَعَ فِي نَارِهِ وَجَبَ أَجْرُهُ وَحُطَّ وِزْرُهُ وَمَنْ وَقَعَ فِي نَهَرِهِ وَجَبَ وِزْرُهُ وَحُطَّ أَجْرُهُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يُنْتَجُ الْمُهْرُ فَلَا يُرْكَبُ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ هُدْنَةٌ عَلَى دَخَنٍ وَجَمَاعَةٌ عَلَى أَقْذَاءٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلْهُدْنَةُ عَلَى الدَّخَنِ مَا هِيَ قَالَ لَا تَرْجِعُ قُلُوبُ أَقْوَامٍ عَلَى الَّذِي كَانَتْ عَلَيْهِ قُلْتُ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ فِتْنَةٌ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس خیر کے بعد شر[۱] ہوگی جیسے کہ اس سے پہلے بھی؟ فرمایا: ہاں! عرض کیا حفاظت[۲] کیا ہے؟ فرمایا تلوار۔ عرض کیا تلوار کے بعد کچھ بقایا[۳] ہے؟ فرمایا ہاں! ہوگی حکومت ناپسندیدہ[۴] اور دھویں[۵] پر صلح، عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر گمراہی کی طرف بلانے والے پیدا ہوں[۶] گے تو اگر زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو وہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے اور تمہارا مال[۷] لے، مگر تم اس کی فرمانبرداری کرتا[۸] ورنہ اس طرح مرجانا کہ کسی درخت کی جڑ دانتوں میں پکڑے[۹] ہو۔ عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا اس کے بعد دجال نکلے گا جس کے ساتھ نہر اور آگ[۱۰] ہوگی جو اس کی آگ میں گرے[۱۱] گا تو اس کا ثواب ثابت[۱۲] اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جو اس کی نہر میں گرے گا اس کے گناہ ثابت اور اس کا ثواب ضبط ہوجائے گا۔ عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر گھوڑی بچہ[۱۳] جنے گی تو اس پر سواری نہ کی جاسکے گی حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور ایک روایت میں یوں ہے فرمایا صلح دھوئیں[۱۴] پر اور لوگوں کا اجتماع ناپسندیدگی پر، عرض کیا

عُمْیَاءُ وَ صَمَّاءُ عَلَیْهَا دُعَاۃٌ عَلٰی اَبْوَابِ النَّارِ فَاِنْ مُتَّ یَا حُذَیْفَۃُ وَ اَنْتَ عَاضٌّ عَلٰی جِذْلٍ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تَتَّبِعَ اَحَدًا مِّنْهُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)

یارسول اللہ! دھوئیں پر صلح سے کیا مُراد ہے؟ فرمایا قوموں کے دل اس طرف نہ لوٹیں گے جس پر پہلے تھے عرض کیا گیا اس خیر کے بعد شر ہوگا۔ فرمایا اندھے بہرے فتنے ہوں گے جن پر کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے تو اے حذیفہ! اگر تم اس حالت میں وفات پاؤ کہ تم کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑے ہو تو تمہارے لیے اس سے اچھا ہے کہ تم ان میں سے کسی کی پیروی کرو۔ (ابوداؤد)

۱؎ کیا دینِ اسلام کے بعد اسلام کفر ہوگا؟

۲؎ اس سے نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟

۳؎ اس سے نجات کا ذریعہ کافروں کے خلاف جہاد ہے۔

۴؎ کیا اس جنگ کے بعد مسلمانوں میں صلاحیت ہوگی کہ وہ امارت و امانت کو جمع کر دیں اور لوگ اس پر متفق ہوجائیں۔

۵؎ اقذاء جمع قذی آنکھ و پانی میں جو کوڑا میل اور غبار واقع ہوتی ہے یعنی لوگ امراء کی امارت کو بخوشی و رضا و دل سے قبول نہیں کریں گے جیسا کہ وہ آنکھ جس میں کوئی چیز پڑ جائے تو وہ بظاہر صحیح مگر بباطن بیمار ہوتی ہے۔

۶؎ یہ بطور تاکید ہے۔ ھدنۃ ہا پر پیش، دال ساکن۔ صلح، درحقیقت اس کا معنی سکون و آرام ہے۔ دَخَنٌ دال اور خاء دونوں پر زبر بمعنی دھواں یعنی صلح میں نفاق اور دھواں ہوگا جیسا کہ پہلے گذرا۔ بہتر یہ ہے کہ یَکُوْنُ اَمَارَۃٌ عَلٰی اِقْذَاءٍ کا معنی یہ ہو کہ امارت میں محرمات کا ارتکاب ہوگا اور بدعات کا ظہور ہوگا تاکہ ھدنۃ علی دخن کا نیا فائدہ ہو۔

۷؎ امراء کی ایک جماعت ہوگی جو لوگوں کو گمراہ کرے گی۔

۸؎ خواہ تیرے نفس و مال پر ظلم کرے۔

۹؎ جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف نہ کرے۔

۱۰؎ پھر لوگوں سے گوشہ نشین ہوجا جنگلوں اور بیابانوں میں جبر و سختی کی زندگی بسر کر، خواہ تجھے درختوں کی لکڑی اور پتے کھانے پڑیں۔ جذل، جیم کے نیچے زیر، دال ساکن، جیم پر زبر بھی آئی ہے جیسا کہ فصل اول میں گزر چکا ہے۔ بعض شارحین نے وَاَنْتَ کا تعلق تَمُتْ کے ساتھ بنایا ہے یعنی اگر تو امیر کی اطاعت نہ کرے تو تو حالتِ سختی و سرگردانی میں مرے، بعض نسخوں میں فمت کی جگہ ثم مت از قیام فعل ماضی ہے یعنی اگر تو اس طرح نہیں تو اٹھ چل کسی درخت کی جڑ میں پناہ لے لے۔

۱۱؎ ظاہر یہی ہے کہ حقیقی معنی پر محمول ہے مگر یہ بھی احتمال ہے کہ لطف، قہر، ثواب کا وعدہ اور عذاب کی

وعید مراد ہو۔

۱۲ جو اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے ایمان نہ لایا اور اس کے قہر و غضب کا محل بنا۔

۱۳ کیونکہ وہ دین و رضائے خدا پر ثابت قدم رہا۔

۱۴ جو اس کے احکام کو تسلیم کرتے ہوئے دنیا کے طمع اور حیات کی محبت میں پڑ گیا اور اس کے لطف و عنایت کا محل تو اس کا اجر و ثواب ضبط ہو جائے گا۔

۱۵ ینتج بمجہول نتج سے مشتق ہے اتناج سے نہیں نتج کا معنی تولد، جننا، خدمت، جننے کی تدبیر کرنا ہے جیسے دایا انسان کے لیے کرتی ہے اور اس کی تخصیص دیگر کسی مقام پر آئی ہے۔ انتاج کا معنی وقت ولادت تک پہنچنے مہر میم پر پیش، ہا ساکن ہرا دنٹ، مہرۃ تا کے ساتھ مادہ مرکب، یا پر پیش، کاف کے نیچے زیر سواری کے قابل ہونا اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے کیونکہ اس وقت عدم وجود کفار اور عدم قتال کی وجہ سے گھوڑوں پر سواری نہ ہوگی یا یہ مراد ہے کہ خروج دجال کے بعد قیامت اتنی قریب ہوگی کہ اس کا وقت گھوڑا جننے یا سواری کے قابل ہونے کی مقدار ہوگا۔ یہ معنی ان احادیث کے بھی موافق ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہیں۔

۱۶ لوگوں کے درمیان ظاہر اور نہ دل میں کدورت و دھوکہ ہوگا۔

۱۷ ان کے دل اس طرح صاف ہوں گے جس طرح سابقہ زمانہ اسلام میں تھے یا وہ حالت مراد ہے جو کدورت سے پہلے تھی۔

۱۸ لوگ اس فتنہ میں اس طرح محبوس ہو جائیں گے کہ حق دیکھنا یا سننا ممنوع ہوگا یہاں بہرے کی نسبت فتنہ کی طرف مجازاً ہے۔ ورنہ درحقیقت اس زمانہ فتنہ میں لوگوں کی یہ صفت ہوگی۔

۵۱۶۲ / ۱۹ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفًا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا جَاوَزْنَا بُيُوْتَ الْمَدِيْنَةِ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ جُوْعٌ تَقُوْمُ عَنْ فِرَاشِكَ وَلَا تَبْلُغُ مَسْجِدَكَ حَتّٰى يُجْهِدَكَ الْجُوْعُ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَعَفَّفْ يَا اَبَا ذَرٍّ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ مَوْتٌ يَبْلُغُ الْبَيْتُ الْعَبْدَ حَتّٰى اَنَّهٗ يُبَاعُ الْقَبْرُ بِالْعَبْدِ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَصَبَّرْ يَا اَبَا ذَرٍّ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن گوش دراز پر حضور کے پیچھے سوار تھا جب ہم مدینہ کی بستی سے نکل گئے تو آپ نے فرمایا اے ابوذر! اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام بھوک ہوگی تم اپنے بستر سے اٹھو گے تو اپنی مسجد تک نہ پہنچ سکو گے تمہیں بھوک مشقت[۱] میں ڈال رہی ہوگی۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اے ابوذر! پاکیزگی اختیار کرنا۔ فرمایا: اے ابوذر! تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام موت پھیل جائے گی کہ گھر غلام کی قیمت کو پہنچ جائے گا حتی کہ ایک قبر ایک غلام کے عوض بکے گی۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی

قَتْلٌ تَغْمُرُ الدِّمَاءُ اَحْجَارَ الزَّيْتِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ تَأْتِيْ مَنْ اَنْتَ مِنْهُ قَالَ قُلْتُ وَاَلْبَسُ السِّلَاحَ قَالَ شَارَكْتَ الْقَوْمَ اِذًا قُلْتُ فَكَيْفَ اَصْنَعُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنْ خَشِيْتَ اَنْ يَبْهَرَكَ شُعَاعُ السَّيْفِ فَاَلْقِ نَاحِيَةَ ثَوْبِكَ عَلٰى وَجْهِكَ لِيَبُوْءَ بِاِثْمِكَ وَاِثْمِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

بہتر جانتے ہیں فرمایا اے ابوذر! صبر کرنا۔ فرمایا اے ابوذر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں قتل عام ہوگا حتیٰ کہ خون[۸] زیت کے پتھروں کو ڈبو دے گا عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا ان میں چلے جانا جن میں سے تم ہو[۹]۔ عرض کیا میں ہتھیار باندھ لوں۔ فرمایا تب تو تم قوم میں شریک[۱۰] ہو گئے عرض کیا یارسول اللہ! میں کیا کروں؟ فرمایا اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تلوار کی شعاعیں[۱۱] چندھیا دیں گی تو اپنے کپڑے کا کنارہ[۱۲] اپنے چہرے پہ[۱۳] ڈال لینا تاکہ وہ تمہارا اور اپنا گناہ لے کر لوٹے[۱۴]۔ (ابوداؤد)

[۱] بھوک کی کمزوری کی وجہ سے باوجود کوشش کے مسجد تک نہیں جاسکیں گے۔

[۲] یہی نہیں جانتا کہ کیا کرنا ہے آپ حکم دیں میں کیا کروں

[۳] نفس کو حرام سے محفوظ رکھو، لوگوں سے سوال نہ کرو اور بھوک پر صبر اختیار کرو۔

[۴] مرگ اتنی کثرت سے ہوگی کہ۔

[۵] اس عبارت میں چند معانی کا احتمال ہے ایک یہ کہ یہاں بیت سے مراد قبر ہے کہ لوگ اتنی کثرت کے ساتھ فوت ہوں گے کہ جگہ قلت کی وجہ سے تنگ ہوگی کہ ایک قبر کی جگہ ایک غلام کی قیمت میں ملے گی دوسرا قبر کھودنے والا نہ ملے گا حتیٰ کہ قبر کھودنے والے کی اجرت غلام کی قیمت ہوگی۔ تیسرا یہ کہ بیت کا گھر ہی ہے یعنی اموات اتنی کثرت سے ہوں گی کہ گھر خالی ہو جائیں گے اور ان کی قیمت غلام سے بھی سستی ہوگی اور اکثر و معروف یہی ہے کہ گھر کی قیمت غلام سے زائد ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ اموات اتنی کثرت سے ہوں گی کہ گھر میں صرف ایک آدمی رہ جائے گا جو تمام اہل خانہ کی غم خواری اٹھائے گا اور ان تمام کی تکالیف اسی کو پہنچیں گی۔

[۶] غلام کی قیمت میں بکے گی جو مذکورہ معانی میں سے پہلا معنی کے مناسب ہے اور دوسرے معنی کے مناسب اسی وقت ہوگی جب قبر سے مراد کھودنے والے کی اجرت مراد ہو۔ تیسرا معنی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ چوتھے معنی کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ جب تمام مر جائیں گے اور وہ سوائے غلام کے کوئی مال چھوڑ نہ جائیں گے تو قبر کی جگہ یا اس کی کھودنے کی اجرت میں غلام ہی دیا جا لے گا۔ پس ظاہر ہوگا کہ پہلے معنی پر محمول کرنا اولیٰ و انسب ہے بلکہ اس پر محمول کرنا متعین ہے۔

[۷] اپنے آپ کو صبر پر مجبور کر، بعض نسخوں میں تصبر مضارع کی صورت میں ہے۔

[۸] احجار الزیت جگہ کا نام ہے مدینہ منورہ کے مغربی طرف ہے اس کے پتھر اس طرح سیاہ ہیں گویا انہیں

روغن زیتون سے نقل کیا گیا ہے یہ آپ نے واقعہ حرہ سے آگاہ کیا تھا جو نہایت ہی قبیح و بدنما ہے جس کے سننے اور کہنے کے زبان و کان متحمل نہیں ۔ یہ یزید پلید کے دور میں ہوا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک کثیر لشکر اس نے مدینہ طیبہ بھیجا ۔ اس شہر طیبہ اور مسجد نبوی شریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کو مباح کر دیا صحابہ و تابعین کی کثیر جماعت کو انھوں نے اس طرح شہید کر دیا کہ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں یہ تمام درج ہے وہاں اس کا مطالعہ کیا جائے ۔ مدینہ طیبہ میں ایسا عمل کرنے کے بعد وہی لشکر مکہ مکرمہ بھیجا اور اسی سال وہ بدبخت جہنم رسید ہو گیا ۔

۹؎ یعنی تو اپنے گھر گوشہ نشین ہو جانا یا اپنے امام کی طرف رجوع کرنا یہ معنی یہاں کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ آگے انھوں نے فرمایا میں ہتھیار باندھ لوں اور اس فتنہ پرور قوم کے خلاف قتال کروں ۔

۱۰؎ تو اس فتنہ میں شریک ہو جائے گا

۱۱؎ جب کوئی تجھ پر تلوار کھینچ لے ۔

۱۲؎ اپنے چہرے کو ڈھانپ کر تغافل کا اظہار کر اور تسلیم کر لے تا کہ وہ تجھے قتل کر دے ۔

۱۳؎ اس کا معنی فصل اول میں حدیث ابی بکرہ کے تحت گزر چکا ہے یہ قتل و خون ریزی سے منع کرنے میں مبالغہ و تاکید ہے ۔ ورنہ شریعت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جب ناحق دشمن قتل کرے تو اس سے دفع ضروری ہے ۔

۱۴؎ واقعہ حرہ تریسٹھ ہجری میں ہوا اور حضرت ابوذر کا وصال بتیس ہجری میں ہوا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ہوا اور ابوذر نے واقعہ حرہ فرمایا، گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر تعیین وقت کے واقعہ حرہ کی خبر دی اور وصیت کی کہ اس وقت صبر و تحمل سے کام لینا ۔ رہا مدینہ طیبہ میں بھوک، موت کا واقع ہونا تو ممکن ہے ابوذر نے اسے پایا ہو جیسا کہ عام الرماد میں ہوا ۔

۵۱۶۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ بِكَ اِذَا اُبْقِيْتَ فِيْ حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَكَانُوْا هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ قَالَ فِيْمَ تَأْمُرُنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَاِيَّاكَ وَعَوَامَّهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِلْزَمْ بَيْتَكَ وَاَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارا کیا حال ہوگا جب تم لوگوں کی بھس میں رہ جاؤ گے ان کے عہد و پیمان اور امانتیں گڑبڑ ہوں گی اور آپس میں اختلاف کریں گے تو ایسے ہو جائیں گے اور اپنی مبارک انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا ۔ عرض کیا مجھے کیا حکم ہے، فرمایا : جسے بھلا جانو تو اسے لازم مضبوط پکڑ لو اور جسے برا جانو تو اسے چھوڑ دو اور تم خاص اپنی ذات کی فکر رکھو، عوام سے بچو اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا گھر

بِأَمْرِ خَاصَّتِكَ نَفْسِكَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَامَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

لازم پکڑو اپنی زبان تا توقیتی رکھو جو اچھا جانو وہ اختیار کر لو اور جو برا جانو اسے چھوڑ دو اور اپنا خاص معاملہ اختیار کرو اور تمام لوگوں کا معاملہ چھوڑ دو[۹]

(ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا)

سلہ حُثالہ، صراح میں ہے۔ حاء پر پیش جو کا چھلکا اور بھوسہ۔ قاموس میں ہے جس میں خیر نہ ہو اور ہر ردی چیز جو ردی ہو۔

سلہ ان میں وفاء عہد و استقامت نہ رہے گی مَرِجَت۔ را اور جیم فعل ماضی معلوم از باب فرح یفرح اور بعض نسخوں میں مجہول بھی آیا ہے وہ بھی درست ہے لفظ مرج متعدی بھی مستعمل ہے جیسا کہ مرج البحرین۔ قاموس میں ہے مرج العہد کا معنی "اس نے عہد پورا نہ کیا" ہے۔

سلہ یہ تمثیل ہے ان کے ایک دوسرے پر واقع ہونے کی۔ یہی تمثیل بعض مقامات پر اجتماع و محبت کے لیے آتی ہے جیسا کہ باب قسمۃ خمس غنائم کے بیان میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان اتفاق و اتصال کے لیے یہی الفاظ آئے ہیں تشبیک کا معنی ملانا، ایک چیز کو دوسرے میں لانا اور یہ بات اختلاف و اتحاد دونوں میں حاصل ہوتی ہے۔

سلہ یہ کام دین میں جائز اور مشروع ہے اور انھیں چھوڑ دے جو دین میں سے نہ ہو۔

سلہ اپنے معاملات کو بہتر کر دوسرے کے خیال میں نہ پڑ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے جب اسرار، اتباع نفس و خواہش کا غلبہ ہو جائے تو اس وقت اپنی حفاظت کی خاطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک اور اغیار کے ساتھ عدم تعاون جائز ہے جیسا کہ سابقہ باب میں گذرا۔

سلہ بے ضرورت باہر نہ جا

سلہ جو کچھ زبان پر ہے اس کے لیے زبان نہ کھول، املک ہمزہ پر زبر املاک سے امر کا صیغہ ہے علامہ طیبی نے یہی معنی بیان کیا ہے جو ہم نے کیا۔ مجمع البحار میں ہے کہ یہ ثلاثی سے امر کا صیغہ بمعنی مالک ہے۔ ہر اس چیز سے زبان کو محفوظ رکھنا جس میں خیر نہ ہو۔ خیر کو خیر کے ساتھ بولا جاتا ہے اس جملہ کی تفاسیر میں ایک یہ کہ اس میں گناہ نہ ہو یہ مباح کو بھی شامل ہے، دوسرے یہ کہ جس میں ثواب ہو اب مباح شامل نہ ہوگا۔

سلہ اس کا مضمون وہی ہے جو سابقہ روایات میں آیا فقط بعض مفردات میں اختلاف ہے۔

سلہ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو لوگوں کے ساتھ میل جول کی اجازت دی اور اپنی ذات کی تربیت و اصلاح کا خصوصی حکم دیا اور احوال مردم سے عدم تعرض کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں سے مکمل طور پر الگ ہو کر بیابان، جنگل اور خلوت کا حکم دیا یہ ہر ایک کے حال اور آسانی کے پیش نظر کیا، جیسا کہ وہ مربی و مرشد کرتے ہیں جو اسم الحکیم کے مظہر ہوتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوانی میں نہایت ہی عابد و زاہد تھے ہمیشہ روزہ رکھتے ہر رات شب بیداری کرتے، بیوی کی طرف رغبت نہ رکھتے

لہذا ان کے والد گرامی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شدت ریاضت ومجاہدہ سے منع فرمایا۔ بعض روز سے، رات کا تہائی یا چھٹا حصہ بیداری اور والد کے حکم کو پیش نظر رکھنے کی تاکید فرمائی۔ پس اس حکم کے تحت اپنے والد جو حضرت معاویہ کے وزیر تھے، اختلاط رکھا چونکہ حکم یہ تھا کہ اپنے کام میں رہنا ہے لوگ بہت کہتے کہ آپ ہم میں نہیں آتے تو وہ کہتے ہیں خیر میں تمہارے ساتھ مگر شر میں نہیں یا طن میں اہل بیت نبوی کے ساتھ نہایت ہی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا مگر گزر گئے محبت میں نہ بیٹھے لوگوں نے قریب نہ جانے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میں ان سے ہوتے ہوئے ان سے نہیں ہوں۔

۵۱۶۴ - وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ فِتَنًا کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ فِیْھَا مُؤْمِنًا وَّیُمْسِیْ کَافِرًا وَّیُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَّیُصْبِحُ کَافِرًا اَلْقَاعِدُ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْمَاشِیْ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ فَکَسِّرُوْا فِیْھَا قِسِیَّکُمْ وَقَطِّعُوْا فِیْھَا اَوْتَارَکُمْ وَاضْرِبُوْا سُیُوْفَکُمْ بِالْحِجَارَۃِ فَاِنْ دُخِلَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْکُمْ فَلْیَکُنْ کَخَیْرِ ابْنَیْ اٰدَمَ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ ذُکِرَ اِلٰی قَوْلِہٖ خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ ثُمَّ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ کُوْنُوْا اَحْلَاسَ بُیُوْتِکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی الْفِتْنَۃِ کَسِّرُوْا فِیْھَا قِسِیَّکُمْ وَقَطِّعُوْا فِیْھَا اَوْتَارَکُمْ وَالْزَمُوْا فِیْھَا اَجْوَافَ بُیُوْتِکُمْ وَکُوْنُوْا کَابْنِ اٰدَمَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت سے پہلے ایک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہیں۔ ان میں صبح کے وقت آدمی مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا شام کے وقت مومن اور صبح کے وقت آدمی کافر ہو جائیگا اس میں بیٹھا ہوا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا اس میں دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس میں اپنی کمانوں کو توڑ دینا۔ چلوں کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھر پہ مارنا، اگر تم میں کسی کے پاس اندر آ داخل ہو تو حضرت آدم علیہ السلام کے اچھے بیٹے کی طرح ہو جانا۔

(ابوداؤد، اسی کی ایک روایت میں ہے خیر من الساعی تک ہے)

پھر لوگ عرض گزار ہوئے کہ آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ اپنے گھروں کی چٹائیاں بن جانا۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنے کے دوران اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا، اپنی تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنے گھروں کے اندرونی حصے کو لازم پکڑنا اور حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہو جانا اور ترمذی نے اسے صحیح حدیث کہا۔

[1] ان عبارات کی شرح فصل اول میں حدیث ابوہریرہ کے تحت آچکی ہے۔

۲؎ کوئی شخص تمہارے پاس آجائے۔
۳؎ ہابیل کی طرح، جب قابیل نے انھیں قتل کرنے کیلیے دست درازی کی تو ہابیل نے کہا میں دست درازی نہیں کروں گا تو اپنا اور میرا، دونوں کا گناہ لے رہا ہے۔
۴؎ یہاں تک ہی وہاں الفاظ ہیں فکسّروا فیھا سے لے کر آخر تک کے الفاظ وہاں نہیں ہیں۔
۵؎ ان فتنوں میں
۶؎ حلس، حا کے نیچے زیر، گدڑی حَلَس حا اور لام دونوں پر زبر کہا جاتا ہے۔ احلاس جماعت احلاس البیوت وہ کپڑا جو اعلیٰ بستروں کے نیچے بچھایا جاتا ہے۔
۷؎ ہابیل کی طرح جنھیں قابیل نے قتل کر دیا۔

۵۱۶۵ وَعَنْ اُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ قَالَتْ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيْهَا قَالَ رَجُلٌ فِيْ مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّيْ حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهٗ وَرَجُلٌ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ يُخِيْفُ الْعَدُوَّ وَيُخَوِّفُوْنَهٗ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام مالک البھزیہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر فرمایا اسے بہت قریب کیا[2] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں بہترین آدمی کون ہوگا؟ فرمایا وہ شخص جو اپنے جانوروں میں رہے، ان کا حق ادا کرے[3] اور اپنے رب کی عبادت کرے اور وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے[4] ہو وہ دشمن کو ڈرائے[5] اور دشمن اسے ڈرائیں۔
(ترمذی)

۱؎ البھزیہ۔ ہا ساکن یہ بہز بن امراء القیس کی طرف منسوب اور حجازی ہیں۔ یہ صحابیہ ہیں۔ ان سے حضرت طاؤس اور مکحول جیسے اکابر تابعین نے حدیث پڑھی۔
۲؎ یہ خبر دی کہ وہ عنقریب واقع ہوگا۔ علامہ طیبی نے کہا کہ آپ نے فتنے کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور جس چیز کے بھی اوصاف خوب بیان ہوں تو وہ قریب ہی ہو جاتی ہے، خواہ ذہن میں یا خارج میں جب بہت زیادہ ذہن میں آئے اور اس کا وجود خارج میں متیقن ہو تو بھی متخیل ہو جاتی ہے۔
۳؎ ان کی زکوٰۃ وصدقات ادا کرے
۴؎ یعنی باگ پکڑنے والا
۵؎ وہ کافروں کو ڈراتے یعنی مسلمانوں کے آپس میں قتال سے بھاگ کر سرحد پہ کافروں سے برسر پیکار ہو اور دشمنان دین کے ساتھ جنگ کر رہا ہو۔

۵۱۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اللِّسَانُ فِيهَا اَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

عنقریب ایسا فتنہ ہوگا جو سارے عرب کو گھیر لے گا[۱] اس میں مقتول آگ میں ہوں گے[۲] اس میں زبان تلوار کے حملے[۳] سے سخت تر ہوگی ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] اس کا شر تمام کو پہنچے گا، استنظاف، کسی چیز کے تمام کو پکڑنا ۔
[۲] اس فتنہ میں مقتول آتش دوزخ میں جائیں گے ۔
[۳] غیبت و گالی میں زبان تلوار سے سخت اور دراز ہوگی ۔ صراح میں ہے وقع قاف ساکن چاقو اور تلوار کو تیز کرنا ، اور یہ عمل اس وقت تو زیادہ ہی شدید ہوگا جب یہ صحابہ کے درمیان ہو ، غیبت و دشنام مسلمانوں کے لیے سخت حرام ہے جیسا کہ آیا ہے "غیبت، زنا سے بھی بدتر ہے" یا یہ مراد ہے کہ اس فتنہ میں غیبت و دشنامی کے ساتھ زبان کو دراز کرنا فتنۂ تلوار (قتل) سے بدتر ہوگا ۔ کیونکہ یہ عمل لوگوں کے درمیان محاربہ وقتال پیدا کر دیتا ہے ۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے ہاں کوئی اطلاع دینا یا ان پر زبان کھولنا اس سے جلائے وطن، قتل اور ایسے مفاسد عظیمہ پیدا ہو جاتے ہیں جو مباشرت فتنہ سے بھی بدتر ہوتے ہیں اور جب دونوں اطراف میں مسلمان ہوں تو ان کے لیے دوزخ ٹھکانا قرار دینا یہ بطور زجر و توبیخ ہے ۔

۵۱۶۷/۲۴ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ بَكْمَاءُ عَمْيَاءُ مَنْ اَشْرَفَ لَهَا اسْتَشْرَفَتْ لَهُ وَاِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيهَا كَوَقْعِ السَّيْفِ ۔ (رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب گونگے ، اندھے[۱] فتنے ہوں گے جو ان پر جھانکے گا[۲] اسے وہ اچک لیں گے ۔ ان میں زبان کا چلانا[۳] تلوار کی طرح ہوگا ۔ (ابوداؤد)

[۱] حق سننے ، دیکھنے اور کہنے کی کوئی صورت نہ ہوگی ۔
[۲] ان کے نزدیک جائے گا ۔
[۳] اس فتنہ میں زبان درازی تلوار کی طرح ہوگی ۔ زبان کے لیے لفظ اشراف کا استعمال بطور مشاکلہ ہوا ہے ۔

۵۱۶۸/۲۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا قُعُودًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْفِتَنَ فَاَكْثَرَ فِي ذِكْرِهَا حَتّٰى ذَكَرَ فِتْنَةَ الْاَحْلَاسِ فَقَالَ قَائِلٌ وَمَا فِتْنَةُ الْاَحْلَاسِ قَالَ هِيَ هَرَبٌ وَحَرْبٌ ثُمَّ فِتْنَةُ السَّرَّاءِ دَخَنُهَا مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي يَزْعُمُ اَنَّهُ مِنِّي وَلَيْسَ مِنِّي اِنَّمَا اَوْلِيَاۗئِي الْمُتَّقُونَ ثُمَّ يَصْطَلِحُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو بہت زیادہ تذکرہ کیا حتیٰ کہ ٹاٹ[۱] جیسے فتنہ کا ذکر کیا، کسی نے عرض کیا فتنہ احلاس کیا[۲] ہے؟ فرمایا وہ بھاگنا و پریشانی[۳] اور لڑائی ہے پھر سرا کے فتنہ کا ذکر کیا جن کا فساد میرے اہل بیت[۴] میں سے ایک شخص کے قدموں کے نیچے ہوگا وہ سمجھے گا کہ

النَّاسُ عَلٰى رَجُلٍ كَوَرِكٍ عَلٰى ضِلَعٍ ثُمَّ فِتْنَةُ الدُّهَيْمَاءِ لَا تَدَعُ اَحَدًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا لَطَمَتْهُ لَطْمَةً فَاِذَا قِيْلَ انْقَضَتْ تَمَادَتْ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا حَتّٰى يَصِيْرَ النَّاسُ اِلٰى فُسْطَاطَيْنِ فُسْطَاطِ اِيْمَانٍ لَا نِفَاقَ فِيْهِ وَفُسْطَاطِ نِفَاقٍ لَا اِيْمَانَ فِيْهِ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ يَوْمِهٖ اَوْ مِنْ غَدٍ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

وہ مجھ سے[4] ہے حالانکہ وہ مجھ سے نہیں، میرے دوست صرف متقی ہیں[6]۔ پھر لوگ ایسے ایک آدمی پر صلح کریں گے جو پسلی[7] پر گوشت کی طرح ہوگا پھر کالا فتنہ ہوگا جو اس امت میں کسی کو نہیں چھوڑے گا مگر اسے طمانچہ لگا دے گا پھر جب کہا جائے گا کہ فتنہ ختم ہوگیا[9]، تو وہ اور پھیلے گا اس میں آدمی صبح مومن ہو کر رہے گا اور شام کو کافر ہو کر، حتیٰ کہ لوگ دو خیموں[10] کی طرف لوٹ جائیں گے ایک خیما ایمان کا جس میں نفاق نہیں اور دوسرا خیمہ نفاق کا جس میں ایمان نہیں، تو جب یہ ہو جائے تو اس دن یا اگلے دن دجال کا خروج ہوگا[11] (ابوداؤد)

۱ احلاس (ٹاٹ، چٹائی) کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ اس فتنہ کے دوام اور درازی کی وجہ سے ہے کیونکہ حلس کے بارے میں گذر چکا ہے کہ وہ چٹائی جو نفیس بستروں کے نیچے بچھائی جاتی ہے اور وہ تہہ بتہہ زمین پر بچھی رہتی ہے اٹھائی نہیں جاتی یا فتنہ کی تشبیہ حلس کے ساتھ تاریکی اور پرانا ہونے کے لحاظ سے ہے یا اس وجہ سے کہ وہ ہر گھر میں بچھائی جاتی ہے تو لوگ اس فتنہ میں اپنے گھروں میں گوشہ نشینی کا التزام کریں گے۔

۲ اس کی کیفیت وحال کیا ہوگا؟

۳ وہ مال کا غارت کرنا ہے ہرب وحرب دونوں کی تصحیح ہا اور حاء پر زبر کے ساتھ ہے

۴ میرے اہل بیت سے ہے۔

۵ میرا متبع نہیں ہوگا اگرچہ بظاہر نسبت ونسب کا تعلق رکھتا ہوگا۔

۶ فتنہ وفساد سے بچنے والے اور میرے قول وعمل کی اتباع کرنے والے ہوں گے، اسے فتنۃ السراء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وجود کثرت نعمت، مسرت، اسراف اور اشاعت کا سبب ہوگا حتیٰ کہ دین کے دشمن اس کے وقوع کی وجہ سے خوش حال ہو جائیں گے۔ فتنۃ السراء لفظ رفع کے ساتھ بھی ہے جس طرح ہم نے واضح کر دیا لیکن نصب کے ساتھ بھی مروی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ فتنہ سراء کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد لفظ دخنہا کے ساتھ اس کی تشریح فرمائی

۷ وَرِک، واؤ پر زبر، را کے نیچے زیر، سرین اور اس کا اوپر والا حصہ، ضِلَع، ضاد کے نیچے زیر، لام پر زبر، پہلو کی ہڈیاں یعنی ایسے مرد پر اتفاق کریں گے جو استقامت نہ رکھتا ہوگا اس کے احوال میں نظم نہ ہوگا جس طرح کہ سرین پہلو کی ہڈیوں پر منقسم نہیں ہوتی اور اس سے ترکیب نہیں پاتی۔

۸ الدہیماء، دال پر پیش، ہا پر زبر دہم کی تصغیر بمعنی حادثہ یا بمعنی سیاہ وتاریک یہاں لفظ فتنہ مرفوع و منصوب دونوں طرح ہے

۵۹ یہ فتنہ ختم نہ ہوگا تھوڑا سا دب جائے گا پھر زیادہ ہو جائے گا۔
۶۰ یا دو گروہوں کی طرف
۶۱ فسطاط، فا پر پیش، یا زیر، خیمہ، بڑی خرگاہ، بڑی جماعت
۶۲ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ فتنہ آخری زمانے میں آئے گا لیکن اس سے پہلے فتنوں کا آپ نے یقین نہیں فرمایا بلکہ فرمایا میرے اہلِ بیت میں سے کوئی اس کا سبب ہوگا وہ کون ہے اس کا دور کون سا ہے؟ اس کا تعین نہیں فرمایا۔

۵۱۶۹ / ۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَیْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ اَفْلَحَ مَنْ کَفَّ یَدَهٗ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عرب کی خرابی ہو[۱] اس شر میں ہے جو نزدیک آگیا جس نے اس میں اپنا ہاتھ روکا وہ نجات پاگیا۔ (ابوداؤد)

[۱] قتل وغارت سے

۵۱۷۰ / ۲۷ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاهًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا خوش قسمت ہے جو فتنوں سے ایک جانب رکھا گیا خوش قسمت ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا۔ خوش قسمت ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا، جو مبتلا ہو گیا اور صبر کیا تب بھی اچھا رہا[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] یہ جملہ تین دفعہ فرمایا کہ جو ایک جانب ہو گیا وہ اس فتنہ کے شر سے محفوظ ہو گیا۔
[۲] اس معنی کی صورت میں لمن کی لام پر زبر ہوگی اور اب فواہا اس سے منقطع ہوگا اس کا معنی افسوس اور تحسر ہے یعنی اس شخص پر افسوس جسے فتنہ سے ایک طرف نہ کیا گیا اور فتنہ میں مبتلا ہوا اور اس نے صبر کا مظاہرہ نہ کیا یا یہ بطور تعجب ہے کہ اس میں صبر کرنا کتنا ہی اعلیٰ ہے۔ بعض لوگوں نے لِمَن کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھا اب اس کا تعلق واہا کے ساتھ ہوگا جس کا معنی تعجب ہے۔

۵۱۷۱ / ۲۸ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ السَّیْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ یُرْفَعْ عَنْهَا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَآئِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَآئِلُ مِنْ

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں ایک دفعہ تلوار چل گئی[۱] تو قیامت تک رکھی نہیں جائے گی یہاں تک کہ میری امت کا ایک قبیلہ مشرکین سے جا ملے گا اور یہاں تک کہ میری امت کا ایک قبیلہ بتوں کو

أُمَّتِي الْأَوْثَانَ وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

پوجنے لگے اور میری امت میں تیس بہت ہی جھوٹے ہوں گے اور ہر ایک دعوٰی کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے حالانکہ میں سب انبیاء سے آخری نبی ہوں[۲] اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا[۳] ان کے مخالف انھیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے حتٰی کہ امر اللہ[۴] کا آجائے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

[۱] اور قتل وغارت شروع ہوگئی۔

[۲] خاتم، تا پر زبر یا زیر قرآن مجید میں بھی اس لفظ کی دو قرأتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ اگر خاتم کا معنی مُہر ہو جو خط کے آخر میں لگائی جاتی ہے تو اب مقصود بطریق تشبیہ حاصل ہوگا۔

[۳] دشمنان دین پر، یہ بھی ممکن ہے علی الحق کا تعلق ظاہرین سے ہو۔

[۴] قیامت یا غلبہ دین مراد ہے تاکہ زمین پر کفر کا اثر باقی نہ رہے۔

۵۱۷۲/۲۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَدُوْرُ رَحَى الْإِسْلَامِ لِخَمْسٍ وَّثَلٰثِيْنَ اَوْ سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ اَوْ سَبْعٍ وَّثَلٰثِيْنَ فَاِنْ يَّهْلِكُوْا فَسَبِيْلُ مَنْ هَلَكَ وَاِنْ يَّقُمْ لَهُمْ دِيْنُهُمْ يَقُمْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ عَامًا قُلْتُ اَمِمَّا بَقِيَ اَوْ مِمَّا مَضٰى قَالَ مِمَّا مَضٰى۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی چکی[۱] پینتیس[۲] اور چھتیس اور سینتیس سال چلتی رہے گی اور اگر ہلاک ہو گئے تو یہ ہلاک ہونے[۳] والے کا راستہ ہے اور اگر یہ قائم رہے تو ان کا دین ستر سال[۴] ان کے لیے قائم رہے گا میں نے عرض کیا کہ باقی سے یا گذرے ہوئے سالوں[۵] سے، فرمایا کہ گذرے ہوئے سے[۶]

(ابوداؤد)

[۱] مراد استقرار اور منتظم ہے یا احکام سنت کا جاری ہونا اور فتنوں سے امن وسلامتی مراد ہے۔

[۲] اسلام کے کامل انتظام کے یہی سال ہیں اس کی ابتداء ہجرت سے ہوئی کیونکہ وہ حکومت اسلام اور فتوحات کا دور بعد ہی اور تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلا فتنہ اسلام میں ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہے۔ واقعہ جمل ۳۶ ہجری اور جنگ صفین ۳۷ ہجری میں ہوئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ گفتگو آپ نے اس وقت فرمائی جب عمر مبارک چند سال باقی تھی کہ ان کا تیس سال پر اضافہ کیا جو کہ مدت خلافت ہے تو یوں ملانے سے یہ مدت پوری ہو جاتی ہے جس کی آپ نے خبر دی۔ اگر اسلام کے استقرار وانتظام میں عدم اجراء بدعات واختلافات کا اعتبار کیا جائے تو یہ توجیہ اولیٰ ہے اور اگر اعتبار عدم وجود فتنہ ومحاربہ کا لیا جائے تو پہلی وجہ اولیٰ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس مدت کی ابتداء ظہور وحی سے ہو

تو زمانہ خلافتِ فاروقی پر یہ مدت پوری ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امن ، ایمان ، سنت ، جماعت اور محبت قلوب کا انتظام جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں تھا وہ بہت ہی اعلیٰ اور سلامت تھا اور خلافتِ عثمان کے ایک یا دو سال بعد ایسی چیزیں پیدا ہو گئیں جو دلوں میں وحشت اور افراد فتنہ کا سبب بنیں ۔

سلے امرِ دین کے انتظام کے بعد اگر کوئی ہلاک ہوتا ہے اور راہ صلاحیت کرتا ہے تو وہ انھیں لوگوں کی طرح ہوگا جس طرح قرونِ سابقہ اور امم سابقہ کا معاملہ ہے ۔

سلے اگر ان کے دینی تمام معاملات امراء و والیوں کی اطاعت اور اقامت شرائع و احکام حکومت اسلام کی شان و سطوت ہوئی تو یہ ستر سال تک قائم رہے گی ۔ ممکن ہے اس مدت میں یہ امورِ دینیہ بعد سالوں کے اتم اور زیادہ منظم ہوں کیونکہ آپ کی ذات اقدس سب سے بڑھ کر دانا ہے ۔

سے وہ مدت ۳۵ ، ۳۶ یا ۳۷ سال کے بعد شروع ہوگی یا جو گذر رہے ہوئے اوقات میں وہ مراد ہیں یعنی زمانہ ظہور وحی یا ہجرت آیا وہ بھی اس میں شامل ہیں ۔

سلے اس کی ابتداء گذرے ہوئے سالوں سے ہے نہ کہ بعد کے سالوں سے

سلے میں نے اس حدیث کی شرح میں جو گفتگو کی ہے وہ فانی اور مختار اور موافق الفاظ حدیث ہے ۔ شارحین نے یہاں سب سے کلام کیا ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۱۷۳/۳۰ عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ اِلٰی غَزْوَةِ حُنَیْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِیْنَ كَانُوْا یُعَلِّقُوْنَ عَلَیْهَا اَسْلِحَتَهُمْ یُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

تیسری فصل

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کی طرف تشریف لے گئے تو مشرکین کے ایک ایسے درخت کے پاس سے گذرے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اسے ذات انواط کہا جاتا تھا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ذات انواط بنا دیجیے جس طرح ان کے لیے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے کوئی معبود مقرر کر دو جیسے ان کے معبود ہیں ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے والوں کی راہ پر چلو گے ۔ (ترمذی)

سلہ یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں ، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور انھی کے پاس بنولیث کا جھنڈا تھا بعض نے فرمایا :
پہلا قول صحیح تر ہے باقی غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد واقع ہوا ۔
سلہ مثلاً تیر کمان ، تلوار ، نیزہ وغیرہ
سلہ انواط ، نوط کی جمع بمعنی لٹکانا چونکہ اس کے ساتھ اسلحہ لٹکاتے تھے اس لیے اس کا نام یہ پڑ گیا
سلہ ان مسلمانوں نے کہا جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے یا ان کے علاوہ
سلہ بطور تعجب وانکار
سلہ بنی اسرائیل وغیرہ
سلہ بیان کے احوال کی حکایت ہے کہ ایسے عمل کرتے اور حد سے تجاوز کرنے کہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بن جاتا جیسا کہ بنی اسرائیل کا معاملہ تھا ، دوسری احادیث میں اس معنی پر تصریح ہے ۔

۵۱۷۴ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْأُولَى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي الْحَرَّةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ أَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَبِالنَّاسِ طَبَاخٌ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعید بن مسیب سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلا فتنہ (یعنی قتل عثمان سلہ) برپا واقع ہوا تو بدر والے صحابہ میں سے کوئی نہ بچا پھر دوسرا فتنہ (واقعہ حرہ) ہوا تو حدیبیہ سلہ والوں میں سے کوئی نہ بچا، پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا جو نہ اٹھا اس حال میں کہ لوگوں میں قوت باقی رہی ہو ۔ (بخاری)

سلہ یہ اکابر اور متقدمین تابعین میں سے ہیں انھوں نے خلفاء راشدین کا دور پایا ۔
سلہ اس سے پہلے مسلمانوں میں فتنہ پیدا نہ ہوا تھا ۔
سلہ حضرت ابن مسیب نے فتنہ اولیٰ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت لی ہے ۔
سلہ اس سے مراد یہ نہیں کہ شہادتِ عثمان کے وقت تمام اصحاب شہید ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ سے لے کر واقعہ حرہ تک تمام اصحاب بدر کا وصال ہو گیا سب سے آخری بدری صحابی جن کا واقعہ حرہ سے چند سال قبل وصال ہوا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ۔
سلہ یہ تریسٹھ ہجری کا واقعہ ہے ۔
سلہ اسے بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے باقی یہاں بھی وہی مراد ہے جو اوپر گزرا ۔
سلہ طُباخ بروزن سحاب طا پر ضمہ بھی آیا ہے اس کا معنی قوت اور فربہ ہونا ہے ۔ القاموس مشارق الانوار میں ہے کہ طباخ سے مراد عقل ہے بعض کے نزدیک مراد حسن دین و مذہب ہے یہاں خیر و صلاح اور قوت کا بقیہ ہے یعنی اس فتنہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا ۔ حواشی میں ہے یہاں فتنہ ثالثہ سے مراد ابن حمزہ خارجی کا خروج ہے جو مروان بن محمد بن مروان بن حکم کے دور میں ہوا بعض نے اس سے مراد فتنہ الازارقہ مراد لی ہے پہلا قول بہتر ہے کیونکہ یہ تیسرا فتنہ بھی

پہلے اور دوسرے کی طرح مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے حالانکہ فتنہ ازارقہ مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ مجمع البحار میں امام کرمانی سے منقول ہے کہ فتنہ ثالثہ سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کی لڑائی ہے اس میں خانہ کعبہ گرا اور سن چوہتر ہجری میں عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوا لیکن اس صورت میں یہ کہنا کہ کوئی صحابی باقی نہ رہا درست نہ رہے گا کیونکہ اس دور میں تو متعدد صحابہ کرام موجود تھے۔

۴۳۸ - بَابُ الْمَلَاحِمِ

لڑائیوں کا بیان

ملاحم، ملحمہ کی جمع بمعنی معرکہ اور قتال کی جگہ، لحم سے مشتق ہے۔ جنگ میں مقتول لوگوں کا گوشت بکھرتا ہے، یا یہ لحمہ ثوب بالضم سے مشتق ہے بمعنی کپڑے کے تار، تانا بانا، چونکہ لوگ حالت جنگ میں دشمن کے ساتھ گتھم گتھا ہوتے ہیں جیسے کپڑے کے تار لیکن پہلا معنی انسب واقرب ہے۔ ملحمہ کا معنی حرب اور واقعۂ عظیم بھی آیا ہے۔ صراح میں ہے کہ ملحمہ کا معنی بڑا فتنہ اور بڑی جنگ کے ہیں۔ اس باب میں ان جنگوں کا ذکر ہوگا جو مخصوص لوگوں کے درمیان مخصوص اوقات اور مخصوص مقامات پر ہوئیں یہی وجہ ہے کہ اسے باب الفتن سے الگ ذکر کیا کیونکہ وہاں اجمالی جنگوں کا بیان تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۱۷۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ تَکُوْنُ بَیْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِیْمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ وَحَتّٰی یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلٰثِیْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَتّٰی یُقْبَضَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الزَّلَازِلُ وَ یَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَیَظْهَرَ الْفِتَنُ وَیَکْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ وَحَتّٰی یَکْثُرَ فِیْکُمُ الْمَالُ فَیَفِیْضَ حَتّٰی یُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ یَّقْبَلُ صَدَقَتَهٗ وَ

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان جنگ ہو، ان کے درمیان بڑی ہی خونریزی ہوگی۔ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہو اور یہاں تک کہ تقریباً تیس دجال جھوٹے اٹھیں گے وہ سب دعویٰ کریں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہاں تک کہ علم سمیٹ لیا جاوے گا اور زلزلے بہت ہو جائیں گے اور زمانہ سکڑ جائے گا فتنے ظاہر ہوں گے ہرج یعنی قتل زیادہ ہو جائے اور یہاں تک کہ تم میں مال زیادہ

وَحَتّٰى يَعْرِضَهٗ فَيَقُوْلُ الَّذِىْ يَعْرِضُهٗ عَلَيْهِ لَا اَرَبَ لِىْ بِهٖ وَحَتّٰى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِى الْبُنْيَانِ وَحَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِىْ مَكَانَهٗ وَحَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اَجْمَعُوْنَ فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهٖ وَلَا يَطْوِيَانِهٖ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهٖ فَلَا يَطْعَمُهٗ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيْطُ حَوْضَهٗ فَلَا يَسْقِىْ فِيْهِ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ اُكْلَتَهٗ اِلٰى فِيْهِ فَلَا يَطْعَمُهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہو جائے حتیٰ کہ مال والا فکر کرے گا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا اور یہاں تک کہ وہ مال پیش کرنے کیلئے جس کو دے وہ کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں اور یہاں تک لوگ عالی شان عمارتوں پر فخر کریں گے اور یہاں تک کہ ایک شخص کسی شخص کی قبر پر گذرے تو کہے ہائے! اس جگہ میں ہوتا اور یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے جب ادھر سے نکلے گا اور لوگ دیکھیں گے تو سارے ہی ایمان لے آئیں گے مگر یہ وقت ہوگا جب کسی کو ان کا ایمان نفع نہ دے جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی اور قیامت قائم ہو جائے گی اس حالت میں کہ دو اشخاص نے اپنا کپڑا اپنے درمیان میں پھیلایا ہوا ہوگا تو نہ بیچ سکیں گے اور نہ لپیٹ سکیں گے اور قیامت ہو جائیگی حالانکہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا تو اسے پی نہ سکے گا اور قیامت قائم ہو جاوے گی حالانکہ کسی کا اپنا حوض ہوگا تو اس میں پانی نہ پلا سکے گا اور قیامت قائم ہوگی حالانکہ اس نے اپنا لقمہ اپنے منہ تک اٹھایا ہوگا تو کھا نہ سکے گا۔

۱؎ دونوں مسلمان ہوں گے اور ان کا دعویٰ دین اسلام ہوگا یا ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ میں حق پر ہوں دوسرا غلط ہے شارحین نے فرمایا اس سے مراد حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متبعین ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارے بھائیوں نے ہمارے ساتھ سرکشی کی ہے، یہ بھی منقول ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ایک شخص کو قیدی بنا کر لایا گیا تو متبعین علی میں سے ایک نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ مسلمان اور اچھا اسلام رکھتا ہے فرمایا تو کیا کہہ رہا ہے یہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ اس ارشاد نبوی میں خوارج کے اس قول کا بطلان ہے کہ دونوں گروہ کافر ہو گئے تھے اور روافض کے اس قول کا بھی کہ حضرت علی کے مخالف کافر ہیں۔

۲؎ حق کو باطل کے ساتھ ملائیں گے ان اشیاء کا اظہار کرینگے جو ان میں نہ ہونگی۔ دجل، خلط ملط ملاوٹ اور تلبیس کے معانی میں آتا ہے۔

۳؎ پچھلے باب میں تیس کے عدد کا تعین گذرا لیکن تقریباً تیس فرمایا ممکن ہے پہلے وحی بطور اجمال و ابہام ہو

اور دوبارہ ان کا تعین کیا گیا ہو۔

سکہ علماء کے اٹھ جانے سے علم لوگوں کے درمیان سے اٹھ جائے گا۔

ےہ زمانہ بہت جلد گزرے گا، سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح، ہفتہ دن کی طرح اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا یا اس سے امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہے جو نہایت ہی خوشحال ہوگا اور خوش حال وقت کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وقت جتنا بھی ہو کم محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس عبارت کے معانی کتاب الرؤیا اور باب الفتن میں گذر چکے ہیں، ان میں سے پہلا معنی دوسری حدیث کے ظاہر سے ثابت ہے لہذا اس پر محمول کرنا ظاہر تر ہے۔

سٹہ مسلمانوں کے درمیان جنگیں برپا ہوں گی۔

سکہ جو فتنہ و جنگ کا سبب ہوگا۔

شہ فیض کا معنی پانی بہانا ہے جیسا کہ وہ کسی وادی میں بہتا ہے۔

سٹہ اس عبارت کے چند مفاہیم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ لفظ یُہِمُّ یا پر پیش، ہا پر کسرہ اور رَبَّ پر نصب ہو معنی یہ ہوگا کہ مال اتنا زیادہ ہوگا کہ صاحب مال کو پریشانی لاحق ہوگی کہ وہ کسی صاحب فقر کو تلاش کرے یعنی وہ ایسے فقیر کو بہت زیادہ تلاش کرے گا مگر محتاجوں کی قلت کی وجہ سے نہیں پائے گا دوسرا یہ کہ یا پر زبر ہا پر ضمہ یَہُمُّ بمعنی قصد سے مشتق ہو اور لفظ مرفوع، صاحب مال صدقہ لینے والے کو قصداً بہت تلاش کرے گا تیسرا یہ کہ یُہِمَّ یا پر زبر ہا پر پیش اور رَبَّ منصوب ہے یہ اس ہم سے مشتق ہے جس کا معنی غم میں ڈالنا ہے۔ صراح میں ہے کہ ہم کا معنی جسم کو بیماری میں ڈالنا قاموس میں ہے الہم کا معنی الحزن جیسے کہا جاتا ہے ہمّہ الامر ہمًّا کسی کو غم میں ڈالنا یعنی صاحب مال کو فقیر کا نہ ملنا غم میں ڈالے گا۔

سنلہ اَرَب، الف اور را دونوں پر زبر، حاجت مند ہونا۔

سلہ صراح میں ہے بنیان، با پر پیش، دیوار بنانا و تطاول تکبر کرنا، گردن لمبی کرنا، کسی وقت ندرونا

سلہ آخری زمانے میں دین میں فتنہ برپا ہو جانے کی وجہ سے قبر کی خواہش ہوگی تاکہ نجات حاصل ہو اور یہ مطلوب اچھا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے مگر دنیا کی پریشانیوں کی وجہ سے موت کی تمنا جائز نہیں باوجود اس کے کہ وہ واقع ہو کر رہے گی۔

سلہ اس کی تفصیل باب العلامات بین یدی الساعۃ میں آئے گی یہ وہ دن ہوگا جب توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے اس دن کے بعد توبہ قبول نہ ہوگی جیسا کہ آگے فرمایا۔

سلہ کیونکہ معاملہ آخرت آشکارا ہو جائے گا

ھلہ اس دن ایمان لانا

سلہ اگر پہلے نیکی نہ کی ہو تو

ےلہ بیچنے کے لیے

۱۸؎ اسی حال میں قیامت برپا ہو جائے گی۔

۱۹؎ اپنی اونٹنی کا دودھ دوہا ابھی پیا نہیں کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ لِقحۃ لام کے نیچے زیر دودھ دینے والی اونٹنی جس پر ولادت کے بعد تین ماہ گذر چکے ہوں اس کے بعد کی عمر میں لبون کہتے ہیں۔

۲۰؎ یعنی آدمی جس کام میں ہوں گے وہاں یکایک قیامت برپا ہو جائے گی باقی یہاں قیامت سے مراد نفخۂ اولیٰ ہے جس سے تمام لوگ مرجائیں گے لیکن اس سے پہلے علاماتِ قیامت دیکھ چکے ہوں گے۔

۵۱۷۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَحَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم ایسے لوگوں سے جنگ نہ کرو جن کے جوتے[۱] بالوں کے ہوں گے اور یہاں تک کہ ترکوں[۲] سے لڑو جو چھوٹی آنکھوں، سرخ چہروں اور چپٹی[۳] ناکوں والے ہوں گے ان کے چہرے کٹی ہوئی[۴] ڈھالوں جیسے ہوں گے[۵] (بخاری و مسلم)

۱؎ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان کے بالوں کی لمبائی ہے کہ وہ پاؤں تک پہنچ رہے ہوں گے لیکن یہ بھی بعید ہے خواہ سر کے بال ہوں یا پنڈلیوں کے۔

۲؎ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں، ان کے جدامجد کا نام ترک تھا۔

۳؎ ذُلف، ذال پر پیش لام ساکن جمع اذلف جیسے حُمر احمر کی جمع ہے۔

۴؎ اَلْمَجَانّ، میم پر زبر، نون مشدد، مِجَن میم کے نیچے زیر جیم پر زبر کی جمع ہے۔ ان کے چہرے ڈھال کی طرح ہوں گے۔

۵؎ مُطْرَقَہ میم پر پیش طا ساکن، را مخفف از اطراق یا طا پر زبر را مشدد از تطریق۔

۵۱۷۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا خُوْزًا وَكِرْمَانَ مِنَ الْاَعَاجِمِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ فُطْسَ الْاُنُوْفِ صِغَارَ الْاَعْيُنِ وُجُوْهُهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ عِرَاضَ الْوُجُوْهِ

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک تم خوز[۱] اور کرمان والے عجمیوں سے جنگ نہ کرو ان کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی، چہرے کٹی ہوئی ڈھالوں جیسے اور ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے (بخاری) اور اسی کی ایک روایت میں عمرو بن تغلب[۲] سے چوڑے چہرے والے ہے)

۱؎ خوز، خا مضموم، آخر میں زاء، علاقہ خوزستان کے لوگوں کے گروہ کا نام ہے کرمان، کاف مکسور مشہور شہر کا نام

جو فارس اور سجستان کے درمیان واقع ہے، محدثین نے اسے کاف کی زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ قاموس میں ہے کرمان کاف پر زبر ہے اور کاف کے نیچے زیر بھی آیا ہے یا کسو پڑھنا غلطی ہے۔ شارح بخاری امام کرمانی نے فرمایا میرے شہر کا نام بکسر کاف ہے نہ کہ بفتحہ کاف۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ فتحہ پڑھنا بھی تعریف ہے اور محدثین کی روایت بالفتحہ اسی پر مبنی ہے۔

سلہ تغلب، تا اور غین پر، صحابی ہیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے امام حسن البصری اور حکم بن الاعرج نے روایت لی ہے تو بخاری کی دوسری روایت میں جو عمرو بن تغلب سے مروی ہے حمر الوجوہ کی جگہ عراض الوجوہ (چوڑے چہرے والے) ہے۔

۵۱۷۸ / ۴ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ وَالشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللهِ هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ جنگ کریں گے مسلمان یہودیوں سے اور یہودی کو مسلمان قتل کریں گے۔ حتیٰ کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو پتھر اور درخت کہے گا کہ اے مسلم! اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے ہے آ اسے قتل کر سوا[سلہ] غرقد کے کہ وہ یہود کے[سلہ] درختوں میں سے ہے (مسلم)

سلہ غرقد، غین پر زبر، را ساکن، قاف پر زبر، یہ ایک خاردار درخت کا نام ہے، جو مدینہ کے قبرستان میں اکثر تھا اس لیے اس کا نام بقیع الغرقد پڑ گیا کیونکہ وہاں یہ درخت کثرت کے ساتھ تھا۔

سلہ یہود کو ان کے ساتھ نسبت ہے اور اس کی حقیقت کو اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۵۱۷۹ / ۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ قحطان[سلہ] سے ایک آدمی نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا[سلہ] (بخاری ومسلم)

سلہ قحطان، قاف پر زبر، حا ساکن، ابو الیمن کا نام ہے۔

سلہ اس سے مراد لوگوں کی اطاعت اور امراد کی سلطنت کو تسلیم کرنا ہے اور امراد کی سختی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں حقیقۃً عصا سے ہانکنا ہو۔

۵۱۸۰ / ۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الْأَيَّامُ وَاللَّيَالِي

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رات و دن ختم نہ ہوں گے حتیٰ کہ ایک

حَتّٰی یَمْلِكَ رَجُلٌ یُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ حَتّٰی یَمْلِكَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَوَالِیْ یُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاءُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ[1] کہا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ موالی[2] میں سے ایک آدمی بادشاہ بن جائے گا جسے جہجاء[3] کہا جائے گا (مسلم)

[1] جہجاہ ، دونوں جیموں پر فتحہ ، پہلی ہا ساکن

[2] موالی سے عجمی ہونا مراد ہے کیونکہ وہ اکثر عربوں کے غلام تھے ۔

[3] جہجاء ، آخر ہا محذوف ، اور یہ ہمزہ کے ساتھ مروی ہے ۔

۵۱۸۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ كَنْزَ اٰلِ كِسْرٰی الَّذِیْ فِی الْاَبْیَضِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا مسلمانوں کی ایک جماعت کسرٰی کا خزانہ کھولے گی جو کہ مقام ابیض[2] میں ہے ۔

[1] یہ مشہور صحابی ہیں ان کے حالات متعدد جگہ پر آچکے ہیں ، کسرٰی ، فارس کے سربراہ ، کسرٰی خسرو سے بنا ہے کاف پر زبر یا زیر فارس کے بادشاہ کو کسرٰی کہتے ہیں جیسے روم کے سربراہ کو قیصر ، چین کے سربراہ کو خاقان ، مصری کو فرعون یمنی کو تبع قاف پر زبر اور حبشہ کے سربراہ کو نجاشی کہا جاتا تھا ۔

[2] یہ مدائن میں قلعہ کا نام ہے اسے عجمی سفید کوشک کہتے ہیں ۔ اب اس کی جگہ مدائن کی مسجد ہے ۔ یہ خزانہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں نکالا گیا اور یوں یہ آپ کی اس مبارک خبر کی تصدیق ہوئی ۔ قاموس میں ہے کہ ابیض ایک محل کا نام ہے یہ عجائبات میں سے تھا اسے خلیفہ مکتفی باللہ نے برباد کیا اور پھر محل بنایا تو اس کے کنگرے اس کی بنیاد میں ڈالے ۔ لوگوں نے اسی انقلاب پر تعجب کیا ۔ اس شہر کا نام یمامہ ہے اور یمن میں ایک قلعہ ہے

۵۱۸۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰی فَلَا یَكُوْنُ كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَقَیْصَرُ لَیَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا یَكُوْنُ قَیْصَرُ بَعْدَهٗ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَسَمَّی الْحَرْبَ خُدْعَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسرٰی[1] ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کسرٰی نہ ہوگا ۔ قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے اور آپ نے جنگ کو دھوکہ[2] کا نام دیا ۔ (بخاری ومسلم)

[1] یہ ان دنوں میں آپ کا زمان ہوا جب خسرو نے آپ کا خط مبارک پھاڑ دیا تھا

[2] اس کے ذریعے آپ نے جنگ کی اطلاع دی اور بتایا کہ دشمنوں کے ساتھ جنگ میں فریب وحیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ فتح وکامیابی میں اس کا نہایت ہی دخل ہوتا ہے ۔ مثلاً کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے لشکر کو دشمن کی نگاہ میں زیادہ دکھانا یا دوران لڑائی اس جگہ کا انتخاب کرنا کہ دشمن محسوس کرے کہ یہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے جب وہ غافل ہوجائیں

تو اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔ باقی یاد رہے کہ جھوٹ بولنا، بدعہدی کرنا یا دھوکہ دینا جائز نہیں۔ خُدْعَۃٌ، خاء پر ضمہ یا فتحہ دال ساکن، خاء پر ضمہ اور دال پر فتحہ بھی ہے۔ خاء پر فتحہ اور دال ساکن سب سے فصیح ہے۔ قاموس میں ہے کہ خاء پر تینوں حرکات آتی ہیں اور خاء اور دال دونوں پر فتحہ بروزن طلبہ بھی مروی ہے اور اس سے مراد اہلِ حرب ہیں اور خدع کا اصلی معنی ظاہر کرنا اور دل میں اس کے برعکس رکھنا ہے۔

۵۱۸۳ وَعَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نافع[1] بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ جزیرۂ عرب[2] میں جہاد کرو گے تو اللہ فتح عطا فرمائے گا پھر فارس پر تو اللہ فتح دے گا پھر تم روم پر حملہ کرو گے تو اللہ فتح دے گا پھر تم دجال سے جہاد کرو گے تو اللہ فتح دے گا[3]۔ (مسلم)

[1] نافع بن عتبہ بن ابی وقاص زہری، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے برادر زاد صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معافی کا اعلان کیا تھا۔ اہلِ کوفہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔

[2] میدان کے احاطہ کی وجہ سے اسے جزیرہ کہا جاتا ہے یا اس کے ہر طرف اور طول و عرض میں سے ہے جزیرۃ العرب کی شرح میں میں نے وہ تمام اختلافات کو نقل کر دیا ہے جو ہیں۔

[3] اس کے ہاتھ میں جو ملک و علاقہ ہوگا وہ تمہیں مل جائے گا اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

۵۱۸۴ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَوْتِيْ ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَاْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقٰى بَيْتٌ مِّنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَاْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا۔

حضرت عوف[1] بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں غزوۂ تبوک[2] کے موقع پر رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا قیامت سے پہلے چھ چیزیں شمار کر لو۔ میرا وصال[3] پھر بیت المقدس کی فتح پھر عام موت[4] جو تم میں بکریوں کی بیماری کی طرح پھیلے[5] گی پھر مال کا بہہ جانا حتیٰ کہ ایک شخص کو سو دینار دیے جائیں گے پھر بھی وہ ناراض رہے[6] گا۔ پھر وہ فتنہ کہ عرب کا کوئی گھر نہ رہے گا جس میں وہ داخل نہ[7] ہو جائے گا، پھر وہ صلح جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی پھر وہ عہد شکنی کریں گے تو تمہارے مقابل اسی جھنڈے[8] تلے آئیں گے۔ ہر جھنڈے تلے

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) بارہ[۱۲] ہزار ہوں گے۔ (بخاری)

[۱] یہ اشجعی صحابی ہیں یہ اولاً غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے دن بنو اشجعہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا ملک شام میں سکونت پذیر رہے، تہتر ہجری میں ان کا وصال ہوا۔ ان سے صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہے۔

[۲] یہ ملک شام کی سرزمین پر جگہ کا نام ہے۔

[۳] ان چھ چیزوں کو علاماتِ قیامت میں سے جان لو

[۴] کیونکہ جب تک میں تم میں موجود ہوں قیامت نہیں آسکتی۔

[۵] جب تک بیت المقدس فتح نہیں کر لو گے قیامت نہیں آئے گی۔

[۶] موتان، میم پر پیش، واؤ ساکن یعنی وباء

[۷] قعاص، قاف پر پیش، عین اور آخر میں صاد، وہ بیماری جو جانوروں میں پیدا ہو اور ان کی موت واقع ہو۔ اس وباء سے مراد وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں پیدا ہوئی جس کی وجہ سے تین دن میں ستر ہزار افراد فوت ہوگئے۔ اس وقت مسلمان فوج کی چھاؤنی عمواس (عین پہ زبر) جگہ کا نام ہے، یہ بستی جو بیت المقدس کے قریب ہے یہی وجہ ہے کہ اس وباء کو طاعون عمواس کہا جاتا ہے یہ پہلا طاعون تھا جو اسلام میں واقع ہوا۔

[۸] اس سونے کے سو دینار کو قلیل و حقیر سمجھے گا۔

[۹] شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے یا وہ جنس فتنہ مراد ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ظاہر ہوا۔

[۱۰] بنوالاصفر۔ فاء کے ساتھ یہ روم کا دوسرا نام ہے کیونکہ ان کا پہلا باپ روم بن عیصو بن اسحاق ہے جس کا رنگ زرد اور سفیدی مائل تھا۔

بعض نے کہا کہ اس روم بن عیصو نے شاہِ حبشہ کی بیٹی سے شادی کی تو پھر ان کے درمیان سیاہ و سفید اولاد ہوئی۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ ان کے بڑے باپ کا نام اصفر بن روم بن عیصو ہے

[۱۱] صراح میں ہے غایۃ غین کے ساتھ وہ جھنڈا جسے رایۃ کہا جاتا ہے فارسی زبان میں اسے درفش کہتے ہیں جو جنگ میں سرداروں کے ساتھ ہوتا ہے بعض روایات میں یہ لفظ غابہ با کے ساتھ ہے بمعنی جنگل، اس لشکر کو جنگل کے ساتھ تشبیہ اس کی کثرت اور اس کے اسلحہ کی وجہ سے ہے۔

[۱۲] مقصود ان کی کثرت کا بیان ہے۔

۵۱۸۵ / ۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْ بِدَابِقَ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ خِيَارِ اَهْلِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ رومی تمہارے مقابلے کے لیے اعماق[۱] یا بدابق[۲] کے مقام پر نہ اتریں گے ان کی طرف

الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَاِذَا تَصَافُّوْا قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِيْنَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا وَاللّٰهِ لَا نُخَلِّيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُوْنَ اَبَدًا فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ فَبَيْنَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُيُوْفَهُمْ بِالزَّيْتُوْنِ اِذْ صَاحَ فِيْهِمُ الشَّيْطَانُ اِنَّ الْمَسِيْحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِيْ اَهْلِيْكُمْ فَيَخْرُجُوْنَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَاؤُا الشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَمَا هُمْ يُعِدُّوْنَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَؤُمُّهُمْ فَاِذَا رَاٰهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ فَيُرِيْهِمْ دَمَهٗ فِيْ حَرْبَتِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مدینہ طیبہ سے لشکر نکلے گا جو ان دنوں اہل زمین کے بہترین افراد ہوں گے جب وہ صف بستہ ہوں گے تو رومی کہیں گے کہ ہمارے ان رومیوں کو چھوڑ دو جنھیں آپ نے قید کیا ہے تاکہ ہم ان[۳] سے لڑیں مسلمان کہیں گے کہ خدا کی قسم! ہم اپنے بھائیوں کو تمھارے سپرد کریں گے۔ پس ان سے لڑائی ہوگی تو ایک تہائی[۴] شکست کھا جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کبھی توبہ قبول نہیں کرے گا ایک تہائی قید کر لیے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے افضل شہداء ہوں گے اور ایک تہائی فتح پائیں[۵] گے جو کبھی فتنے میں نہیں ڈالے جائیں گے پس وہ قسطنطنیہ[۶] کو فتح کریں گے ابھی وہ مالِ غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے اور تلواریں انھوں نے زیتون کے درخت سے لٹکائی ہوں گی کہ ان میں شیطان چلائے گا کہ تمھارے بعد دجال تمھارے گھر والوں کے پاس آگیا تو وہ نکلیں گے مگر یہ خبر غلط ثابت ہوگی جب وہ شام[۷] میں ہوں گے تو وہ نکل آئے گا وہ جنگ کی تیاری کر کے صف بستہ ہوں گے جب نماز کی اقامت کہی جائے گی تو حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور ان کی امامت کریں گے جب اللہ کا دشمن انھیں دیکھے گا تو ایسے پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر چھوڑے رکھیں تو سارا پگھل جائے یہاں تک کہ اپنا وجود کھو بیٹھے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے دست مبارک سے اسے قتل کرائے گا[۸] پس وہ اپنے نیزے میں لوگوں کو اس کا خون دکھائیں گے[۹] (مسلم)

[۱] اعماق، ہمزہ پر زبر، اطراف مدینہ میں سے ایک مقام کا نام ہے۔
[۲] بدابق یہ دوسری جگہ کا نام ہے۔ باء پر زبر ہے
[۳] یعنی جن مسلمانوں نے ہمارے افراد کو قیدی بنا یا ہے ہم ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں مثلاً مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور ان میں تفریق کرتا تھا۔

۴؎ مسلمانوں میں سے

۵؎ بلادِ روم کو وہ تنہائی مسلمان فتح کریں گے جو باقی بچیں گے ۔

۶؎ اس لفظ کو چند طرح پڑھا گیا ہے مشہور یہ ہے کہ قاف پر پیش ، سین ساکن ، طا پر پیش ، نون ساکن ، طاء کے نیچے زیر ، یاء ساکن اور اس کے بعد تاء سے پہلے نون مفتوحہ ہے بعض نے یاء مشددہ یا مخففہ کا اضافہ بھی روایت کیا ، اس صورت میں آخری نون مکسور ہوگا یہ بلادِ روم میں افریقہ کی حدود میں ایک عظیم قلعہ کا نام ہے جو رومیوں کا دارالخلافہ ہے اس کی فتح علاماتِ قیامت میں سے ہے ۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس کی فتح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کے دور میں ہو گئی تھی ۔

۷؎ شام ، ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح ہے اسے شام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کعبہ کی بائیں جانب اور یمن کی دائیں جانب ہے ۔

۸؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہیبت وخوف کی وجہ سے

۹؎ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل نہ بھی کریں تب بھی وہ ہلاک ہو جائے گا ۔

۱۰؎ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ وحکم اسی طرح ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونا ہے ۔

۱۱؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے خون کا اظہار اپنے نیزے پر کر کے اس کے قتل کا اعلان فرمائیں گے ۔

۵۱۸۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰى لَا يُقْسَمَ مِيْرَاثٌ وَلَا يُفْرَحَ بِغَنِيْمَةٍ ثُمَّ قَالَ عَدُوٌّ يَجْمَعُوْنَ لِاَهْلِ الشَّامِ وَيَجْمَعُ لَهُمْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَعْنِي الرُّوْمَ فَيَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمَا اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يُمْسُوْا فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ میراث نہ بانٹی جائے اور غنیمت سے خوشی نہ منائی جائے ۔ پھر فرمایا کہ قوی دشمن جمع ہوں گے شام والوں کے مقابل اور ان کے مقابلہ میں مسلمان جمع ہوں گے یعنی رومیوں کے مقابل تو مسلمان ایک دستہ منتخب کریں گے موت کے لیے نہ لوٹیں گے مگر غالب ہو کر پس سخت جنگ کریں گے حتیٰ کہ ان کے درمیان رات آڑے ہو جائے گی ، تو یہ بھی لوٹ جائیں گے اور وہ بھی کوئی غالب نہ ہوگا اور یہ دستہ فنا ہو جائے گا پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے ، تو عظیم جنگ کریں گے حتیٰ کہ ان کے درمیان رات آڑے آجائے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگا اور دستہ فنا ہو جائے گا مگر پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے اور بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے ۔ تو

الشُّرْطَةُ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الرَّابِعِ نَهَدَ إِلَيْهِمْ
بَقِيَّةُ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللهُ الدَّبْرَةَ
عَلَيْهِمْ فَيَقْتَتِلُونَ مَقْتَلَةً لَمْ يُرَ مِثْلُهَا
حَتَّى إِنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنَبَاتِهِمْ فَلَا يُخَلِّفُهُمْ
حَتَّى يَخِرَّ مَيْتًا فَيَتَعَادُّ بَنُو الْأَبِ كَانُوا
مِائَةً فَلَا يَجِدُونَهُ بَقِيَ مِنْهُمْ إِلَّا الرَّجُلُ
الْوَاحِدُ فَبِأَيِّ غَنِيمَةٍ يُفْرَحُ أَوْ أَيُّ مِيرَاثٍ
يُقْسَمُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ سَمِعُوا بِبَأْسٍ هُوَ
أَكْبَرُ مِنْ ذَلِكَ فَجَاءَهُمُ الصَّرِيخُ إِنَّ
الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فِي ذَرَارِيهِمْ فَيَرْفُضُونَ
مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَيُقْبِلُونَ فَيَبْعَثُونَ عَشَرَةَ
فَوَارِسَ طَلِيعَةً قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ
وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ وَأَلْوَانَ خُيُولِهِمْ
هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ
عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

عظیم جنگ کریں گے حتیٰ کہ شام ہو جائے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگا اور شرطہ فنا ہو گی۔ پھر چوتھا دن آئے گا تو کفار کی طرف پیچھے کھچے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے تو اللہ ان مسلمانوں پر شکست ڈال دے گا تو مسلمان اس طرح قتل کریں گے کہ اس جیسا نہ دیکھا گیا ہوگا حتیٰ کہ پرندہ ان کے اردگرد گزرے گا تو انہیں پیچھے نہ چھوڑ سکے گا حتیٰ کہ گر کر مر جائے گا تو ایک دادا کی اولاد جو سو تھی گنی جائے گی تو ان میں ایک کے سوا کسی کو باقی نہ پائیں گے تو کون سی غنیمت سے خوشی منائی جائے اور کون سی میراث بانٹی جائے گی جب وہ اس حالت میں ہوں گے کہ اچانک اس سے بڑی جنگ سنیں گے کہ ان تک ایک چیخ آئے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بچوں میں پہنچ گیا تو وہ لوگ چھوڑ دیں گے جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے اور ادھر متوجہ ہو جائیں گے تو وہ دس سوار جاسوس بھیجیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے نام ان کے باپ دادا کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں وہ لوگ اس دن روئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے (مسلم)

---

۱ آپ نے اس دوران فرمایا

۲ کافر اہل شام سے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کریں گے۔

۳ صراح میں ہے جمع کرنے کا معنی اجتماع کرنا ہے۔

۴ یہ دشمن کی تفسیر ہے کہ یہاں دشمن سے مراد روم ہے

۵ انہیں جنگ کے لیے دشمن کے مقابل بھیجیں گے۔

۶ اگر لوٹیں گے تو غالب لوٹیں گے ورنہ جان دے دیں گے۔ شُرطہ شین پر پیش، راء پر فتحہ یا ساکن وہ پہلا لشکر جو جنگ کرے گا، میں ابتداءً مرنے کے لیے تیار رہوں۔ یتشرّط اس سے باب تفعّل ہے اور اسی سے لیشترط باب افتعال بھی مروی ہے۔

۷ مجہ۔ حا جیم اور زاء بازرکھنا

ے یعنی لشکر اسلام پر۔ دبر دال اور راء دونوں پر فتحہ، جنگ میں شکست اٹھانا

ۓ زمین پر گندگی کی وجہ سے یا طول مسافت کی وجہ سے وہ اڑنے سے تھک جائے گا اور گر جائے گا۔

سنلہ اس قدر لوگ قتل ہوں گے کہ سو سے صرف ایک بچے گا

سلہ وہ پہلی جنگ سے سخت ہوگی باس ہمزہ کے ساتھ، عذاب اور جنگ میں سختی کے ساتھ

سلہ مال و اسباب

سلہ تاکہ دشمن کے حال سے مطلع کریں طلیعہ بروزن کریمہ وہ دشمن جسے جاسوسی کے لیے پہلے روانہ کیا جائے اس میں واحد و جمع برابر ہے۔

۵۱۸۷ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِينَةٍ جَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَغْزُوَهَا سَبْعُونَ أَلْفًا مِّنْ بَنِي إِسْحَاقَ فَإِذَا جَاءُوهَا نَزَلُوا فَلَمْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحٍ وَلَمْ يَرْمُوا بِسَهْمٍ قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ فَيَسْقُطُ أَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ الرَّاوِي لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُولُونَ الثَّانِيَةَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ فَيَسْقُطُ جَانِبُهَا الْآخَرُ ثُمَّ يَقُولُونَ الثَّالِثَةَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ فَيُفَرَّجُ لَهُمْ فَيَدْخُلُونَهَا فَيَغْنَمُونَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُونَ الْمَغَانِمَ إِذْ جَاءَهُمُ الصَّرِيخُ فَقَالَ إِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرُكُونَ كُلَّ شَيْءٍ وَيَرْجِعُونَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کا ایک کنارہ خشکی میں ہے اور اس کا دوسرا کنارہ دریا میں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ہاں۔ فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ اس پر اولاد اسحاق کے ستر ہزار غازی غزوہ کریں گے تو جب وہاں پہنچیں گے تو اتریں گے لیکن نہ تو ہتھیاروں سے جنگ کریں گے نہ کوئی تیر چھینکیں گے کہیں گے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کی فصیل ایک جانب گر جائے گی، ثور بن یزید راوی کہتا ہے کہ میرے علم کے مطابق سمندر کی جانب والی کہا پھر دوسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہیں گے تو ان کے لیے راستہ نکل آئے گا پس اس میں داخل ہو کر غنیمت حاصل کریں گے اسی دوران کہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ چیخ کی آواز آئے گی کہا جائے گا کہ دجال نکل آیا ہے وہ سب کچھ چھوڑ کر اس کی طرف لوٹیں گے۔ (مسلم)

سلہ اس شہر کے نواح میں

سلہ اس حدیث کے راوی، ان کی کنیت ابو خالد ہے حمص سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے حضرت خالد بن معدان سے روایت کیا ہے اور ان سے یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے، حافظ، ثقہ، صدوق اور صحیح الحدیث ہیں لیکن فرقہ قدریہ سے ہیں ڈیڑھ سو ہجری میں وصال ہوا۔

الفصل الثانی — دوسری فصل

۵۱۸۸/۱۴ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ وَخُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ وَفَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیت المقدس کی آبادی[۱] یثرب کی خرابی میں ہے اور یثرب کی خرابی جنگ عظیم[۲] ہے اور جنگ عظیم میں قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح میں دجال کا خروج[۳] ہے

(ابوداؤد)

[۱] کیونکہ بیت المقدس پر کفار نصاریٰ کا غلبہ ہو جائے گا اور وہ یثرب کی خرابی کا سبب بنے گا۔ یثرب مدینہ طیبہ کا نام ہے۔ اس کا اطلاق ورود نبی سے پہلے کا ہے۔ یثرب یا لفظ ثرب سے مشتق ہے جس کا معنی ہلاک ہے یا اس کافر کا نام ہے جس نے یہ شہر آباد کیا۔ اس پر تفصیلی بحث ہم نے تاریخ مدینہ میں کی ہے۔

[۲] اس کی تفصیل پہلے گذری کہ اس جنگ میں سو آدمی سے کوئی ایک بچے گا۔

[۳] مراد یہ ہے کہ یہ واقعات اس ترتیب سے وقوع پذیر ہوں گے۔ پہلا ہر دوسرے کی علامت ہے خواہ ان میں کتنی تاخیر ہو۔

۵۱۸۹/۱۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی وَفَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ فِيْ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤد

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ عظیم، فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال سات مہینوں میں[۱] ہیں۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] یعنی ان تین واقعات کا ظہور سات ماہ میں ہوگا۔

۵۱۹۰/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ الْمَلْحَمَةِ وَفَتْحِ الْمَدِيْنَةِ سِتُّ سِنِيْنَ وَيَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي السَّابِعَةِ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد وَقَالَ هٰذَا اَصَحُّ

حضرت عبداللہ بن بسر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ عظیم اور فتح مدینہ کے درمیان چھ سال ہیں اور ساتویں سال دجال نکلے گا[۲]

(ابوداؤد نے روایت کیا اور کہا یہ اصح ہے)

[۱] بُسر با پیش، سین ساکن۔ عبداللہ بن بسر سلمہ مازنی، یہ ان کے والدین اور ان کے بھائی عطیہ، انکی ہمشیرہ صماد تمام صحابی ہیں۔ ان کے حالات کسی دوسرے مقام پر ہم نے تحریر کر دیئے ہیں

[۲] اس حدیث اور سابقہ حدیث میں اختلاف ہے لیکن یہ حدیث زیادہ صحیح ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے فرمایا۔

لے حدیث سابق کی سند میں کلام ہے اس کے راوی بعض مجروح و مطعون ہیں۔

۵۱۹۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ يُوْشِكُ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يُّحَاصَرُوْا اِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبْعَدَ مَسَالِحِهِمْ سَلَاحُ وَسَلَاحُ قَرِيْبٌ مِّنْ خَيْبَرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قریب ہے کہ مسلمان مدینہ منورہ کی طرف محصور کر دیے جائیں حتیٰ کہ ان کی آخری سرحد مقام سلاح ہو جو خیبر کے قریب ہے۔ (ابوداؤد)

لے مدینہ طیبہ اور اس کے نواحی میں۔

لے سلاح، سین پر زبر، حا کے نیچے کسرہ یا رفع، تنوین یا بغیر تنوین کے اور اس کی وجہ شرح میں ذکر کر دی گئی ہے۔

۵۱۹۲ وَعَنْ ذِيْ مِخْبَرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا تَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ عَدُوًّا مِّنْ وَّرَائِكُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَتَغْنَمُوْنَ وَتَسْلَمُوْنَ ثُمَّ تَرْجِعُوْنَ حَتّٰى تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِيْ تُلُوْلٍ فَيَرْفَعُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ النَّصْرَانِيَّةِ الصَّلِيْبَ فَيَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِيْبُ فَيَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَدُقُّهُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَغْدِرُ الرُّوْمُ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَيَثُوْرُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلٰى اَسْلِحَتِهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ فَيُكْرِمُ اللّٰهُ تِلْكَ الْعِصَابَةَ بِالشَّهَادَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ذو مخبر لے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم روم سے امن و امان لے والی صلح کر دو گے تو تم اور وہ اپنے سامنے والے دشمن سے جنگ کر دو گے تو تم کو فتح دی جائے گی اور تم غنیمت حاصل کر دو گے اور سلامت رہو گے پھر تم لوٹو گے حتیٰ کہ ٹیلوں والی چراگاہ میں اترو گے، تو عیسائیوں میں ایک شخص لے صلیب اٹھا کر کہے گا کہ صلیب غالب آگئی تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی غضب ناک ہو کر اسے توڑ دے گا اس وقت روم عہد شکنی کریں گے اور جنگ کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی کیا فرمایا پھر مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف جوش سے بڑھیں گے پھر جنگ کریں گے تو اللہ اس جماعت کو شہادت سے عزت دے گا۔ (ابوداؤد)

لے ذی مخبر میم مکسور، خا ساکن، با پر فتحہ۔ یہ حضور علیہ السلام کے خادم اور نجاشی کے برادر زاد ہیں۔

لے دونوں طرف سے غدر اور فتنہ نہ ہوگا۔

لے یعنی رومیوں میں سے کیونکہ ان کا دین نصرانیت ہوگا۔

۵۱۹۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتْرُكُوا الْحَبَشَةَ مَا تَرَكُوْكُمْ فَاِنَّهُ لَا يَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حبشیوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں

إِلَّا ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

کیونکہ کعبہ کا خزانہ نہ نکالے گا مگر حبشہ کا ایک چھوٹی پنڈلیوں والا۔ (ابوداؤد)

لہ سویقہ ، ساق کی تصغیر ہے ۔ حبشی لوگوں کی پنڈلیاں اکثر چھوٹی ہوتی ہیں اور کعبہ کے خزانہ سے مراد وہ مال ہے جو قدیم زمانے میں لوگ بصورت نذر وہاں لاتے تھے ۔ شارحین نے بیان کیا کہ زیر کعبہ خزانہ مدفون ہے ایک اور روایت میں ہے کہ کعبہ کو وہ چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی قیامت کے قریب گرائے گا اور اس وقت اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا ۔ امام قرطبی فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوگا جب قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور مصحف لوگوں کے درمیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہی اٹھایا جائے گا اور یہ قول صحیح تر ہے ۔

۵۱۹۴/۲۰ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوْكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

ایک صحابی سے مروی ہے کہ تم حبشیوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور ترکوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں لہ
(ابوداؤد ، نسائی)

لہ اگر سوال یہ ہو کہ قرآن میں قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً کہ مشرکوں کو مکمل طور پر قتل کر دو جس میں عام حکم ہے کہ ہر مشرک کے خلاف قتال کرو ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حبش اور ترک اس حکم سے خارج اور مخصوص ہیں کیونکہ ان کا علاقہ بلادِ اسلام سے دور ہے ان کے درمیان متعدد جنگل اور کوہ ہیں تو اگر وہ مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوتے تو ان پر حملہ نہ کرو اور اگر حملہ کرتے ہیں پہل کریں تو پھر ان کے خلاف جہاد فرضِ عین ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا ہے حدیث والا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب مسلمانوں میں قوت ہوگئی تو حکم عام ہوگیا ۔ کذا قال الطیبی

۵۱۹۵/۲۱ وَعَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثٍ يُقَاتِلُكُمْ قَوْمٌ صِغَارُ الْأَعْيُنِ يَعْنِي التُّرْكَ قَالَ تَسُوْقُوْنَهُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حَتّٰى تُلْحِقُوْهُمْ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ فَأَمَّا فِي السِّيَاقَةِ الْأُوْلٰى فَيَنْجُوْ مَنْ هَرَبَ مِنْهُمْ وَأَمَّا فِي الثَّانِيَةِ فَيَنْجُوْ بَعْضٌ وَيَهْلِكُ بَعْضٌ وَأَمَّا فِي الثَّالِثَةِ فَيُصْطَلَمُوْنَ أَوْ كَمَا قَالَ ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم یعنی تُرک جنگ کرے گی، فرمایا تم انھیں تین بار ہانکو گے حتیٰ کہ تم انھیں جزیرۂ عرب میں پہنچا دو گے ۔ پہلی ہانک میں تو ان میں بھاگ جانیوالے نجات پاجائیں گے لیکن دوسری میں بعض نجات پاجائیں گے بعض ہلاک ہوں گے لیکن تیسری دفعہ وہ فنا ہوجائیں گے یا جیسے کہ آپ لہ نے فرمایا ۔ (ابوداؤد)

لہ یہ الفاظ وہاں لائے جاتے ہیں جہاں حدیث بالمعنی روایت کی گئی ہے اور اس کے الفاظ مخصوصہ معلوم نہ ہوں ۔

۵۱۹۶ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ بِغَائِطٍ یُسَمُّوْنَہُ الْبَصْرَۃَ عِنْدَ نَہْرٍ یُقَالُ لَہٗ دِجْلَۃُ یَکُوْنُ عَلَیْہِ جِسْرٌ یَکْثُرُ اَہْلُہَا وَ یَکُوْنُ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِذَا کَانَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ جَآءَ بَنُوْ قَنْطُوْرَآءَ عِرَاضُ الْوُجُوْہِ صِغَارُ الْاَعْیُنِ حَتّٰی یَنْزِلُوْا عَلٰی شَطِّ النَّہْرِ فَیَتَفَرَّقُ اَہْلُہَا ثَلٰثَ فِرَقٍ فِرْقَۃٌ یَّاْخُذُوْنَ فِیْ اَذْنَابِ الْبَقَرِ وَالْبَرِّیَّۃِ وَہَلَکُوْا وَفِرْقَۃٌ یَّاْخُذُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ وَہَلَکُوْا وَفِرْقَۃٌ یَّجْعَلُوْنَ ذَرَارِیَہُمْ خَلْفَ ظُہُوْرِہِمْ وَیُقَاتِلُوْنَہُمْ وَہُمُ الشُّہَدَآءُ ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لوگ ایک پست[1] زمین میں اتریں گے جسے بصرہ[2] کہیں گے ایک نہر کے کنارے کے پاس جسے دجلہ[3] کہا جاتا ہے اس پر ایک پل ہوگا اس کے باشندے بہت ہوں گے اور وہ مسلمانوں کے شہروں[4] میں سے ہوگا اور جب آخری زمانہ ہوگا تو قبیلہ بنو قنطور[5] چوڑے منہ والے چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے حتی کہ نہر کے کنارے اتریں گے تو وہاں کے باشندے[6] تین حصے ہو جائیں گے ایک فرقہ تو گائیوں کی دم اور جنگل اختیار کرے گا وہ ہلاک ہو جائے[7] گا ایک فرقہ اپنے لیے امان لے لے گا اور ہلاک ہوگا[8] ایک فرقہ اپنے بال بچوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے[9] چھوڑے گا اور ان سے جنگ کرے گا یہ لوگ شہداء[10] ہیں[11] (ابوداؤد)

سلہ نمناک اور فراخ زمین

ٹلہ بصرہ، باء پر زبر یا زیر، صاد ساکن یا اس پر زبر، صاد پر زیر بھی منقول ہے۔

سلہ دجلہ، دال پر زبر یا زیر

سلہ امصار کہنے کی حکمت یہ ہے کہ تاکہ اس شہر کی بڑائی بیان ہو کیونکہ مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے اس کے بعد مدینہ، بلدہ اور قریہ کے الفاظ ہیں۔

شلہ یعنی ترک، قنطورا، قاف پر زبر، طاء پر پیش، الف مقصورہ یہ ترک قوم کے جدِ امجد کا نام ہے۔

سلہ اہل بصرہ کے تین گروہ ہو جائیں گے۔

ٹلہ وہ مصالحے اور اپنے کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے اس عمل کی وجہ سے وہ ہلاک ہوں گے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال، اسباب و متاع کو اپنے بیلوں پر اٹھا کر جنگل کی طرف چلے جائیں گے تاکہ نجات پا جائیں۔ لفظ البریہ اس معنی پر واضح دلالت کر رہا ہے۔

شلہ اس طریقہ سے بھی وہ نجات نہ پا سکیں گے کیونکہ ترکوں کا فتنہ اس طرح ہوگا کہ نجات پانا دشوار ہوگا۔

سلہ یعنی وہ اپنے بچوں سے علاقہ محبت منقطع کر لیں گے یا وہ انھیں اپنے ہمراہ لے لیں گے۔

ٹلہ کیونکہ انھوں نے راہ خدا میں جو ہمت دکھائی وہ نہایت اعلیٰ ہے اس لیے یہ کامل شہید ہوں گے۔

سلہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ تاتار کے فتنہ کی آگ اور قتل و غارت بلاد اسلامیہ میں پھیل جائیگی

اور تھوڑی سی مدت میں اس سے عالم جل جائے گا اور اس کی تفصیلی تقریر و تحریر سے زبان قاصر ہے بنقول بے اور بایں ہمہ میں سے کہ جب سے یہ دنیا قائم ہے ایسا فتنہ واقع نہیں ہوا اور اگر ہوتا تو منقول ہوتا۔ باقی اس میں بصرہ کی تصریح سے علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بغداد ہے کیونکہ دجلہ اور اس کا پل بغداد میں ہے نہ کہ بصرہ میں اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بغداد اس حالت میں نہ تھا جیسے اب ہے جبکہ یہ بصرہ کے قریبوں اور مضافات میں سے ہونے کی وجہ سے اسی کی طرف منسوب تھا اور آپ نے خود فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں بڑا شہر ہو گا اور وہاں کے باشندے کثیر ہوں گے اور یہ بھی ہے کہ ترک بصرہ میں اس قتال و حرب کی کیفیت سے جو مذکور ہے نہیں آتے اور ارباب تاریخ نے بغداد کے حوالے سے ہی نقل کیا ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے لہٰذا البصرہ کا ذکر حدیث میں اس وجہ سے ہے کہ یہ بغداد سے قدیم ہے اور بغداد اسی کی طرف پہلے منسوب تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ بغداد کے نزدیک بھی ایک بصرہ تھا جس کی وجہ سے بغداد کے ایک دروازہ کا نام باب البصرہ ہے۔

۵۱۹۷/۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَنَسُ اِنَّ النَّاسَ يُمَصِّرُوْنَ اَمْصَارًا وَاِنَّ مِصْرًا مِنْهَا يُقَالُ لَهُ الْبَصْرَةُ فَاِنْ اَنْتَ مَرَرْتَ بِهَا اَوْ دَخَلْتَهَا فَاِيَّاكَ وَسِبَاخَهَا وَكَلَاءَهَا وَنَخِيْلَهَا وَسُوْقَهَا وَبَابَ اُمَرَائِهَا وَعَلَيْكَ بِضَوَاحِيْهَا فَاِنَّهُ يَكُوْنُ بِهَا خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَرَجْفٌ وَقَوْمٌ يَبِيْتُوْنَ وَيُصْبِحُوْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس! لوگ شہر آباد کرتے رہیں گے جن میں ایک شہر کو بصرہ کہا جائے گا اگر تم اس کے پاس سے گذرو یا اس میں داخل ہو تو وہاں سباخ[1] زمین اور کلاء[2] اور اس کی کھجوروں اس کے بازاروں اور امیروں کے دروازوں سے بچنا تم اس کے ضواحی[3] کے علاقے کو لازم پکڑنا کیونکہ اس میں صورتوں کا مسخ ہونا پتھروں کا برسنا اور زلزلوں کا آنا ہوگا کچھ لوگ رات گزاریں گے لیکن صبح کو بندر اور خنزیر ہوں گے[4]
(ابوداؤد نے اسے روایت کیا[5] مگر راوی کو جزم نہیں[6])

[1] سباخ سین کے نیچے زیر، سبخہ کی جمع، بادسا کن، نمناک اور شور زمین اور بصرہ میں ایک جگہ کا نام ہے
[2] کلاّ بروزن کتان جگہ کا نام ہے۔
[3] ضواحی، ضاحیہ کی جمع ہے وہ زمین جو آفتاب میں بڑی واضح اور ظاہر ہو۔ ضاحیہ بصرہ کی جگہ کا نام ہے
[4] اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ صورتوں کا مسخ ہونا اس امت میں بھی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس میں خوف دلانے میں کیا فائدہ اور تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ یہ وعید فرقہ قدریہ کے لیے ہے اسی وجہ سے اس حدیث کی شرح میں شارحین نے فرمایا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر میں فرقہ قدریہ کا وجود ہوگا اور اسی فرقہ میں مسخ کا وقوع ہوگا۔
[5] ایک راوی کی طرف سے اشارہ ہے جو اس کی سند میں ہے۔
[6] اس کی وجہ سے ابہام و اشتباہ ہے یہ موسیٰ بن انس بن مالک انصاری قاضی بصرہ اور تابعین میں سے ہیں

انھوں نے اپنے والد سے روایت لی اور ان سے مکحول شامی اور حمید طویل نے مشکوٰۃ کا وہ نسخہ جو ماتن کا ہے۔ یہاں ضد تھا کیونکہ انھوں نے راوی کا نام نہ پایا۔ دوسرے لوگوں نے یہاں راوی کا نام لکھ دیا جیسا کہ اس کی مثالیں گزری ہیں

۵۱۹۸ وَعَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا إِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْأُبُلَّةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ أَنْ يُّصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ مِنْ مَّسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُهَدَآءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَآءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَقَالَ هٰذَا الْمَسْجِدُ مِمَّا يَلِي النَّهْرَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِي الدَّرْدَآءِ أَنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ بَابِ ذِكْرِ الْيَمَنِ وَالشَّامِ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

حضرت صالح بن درہم[1] کہا کرتے تھے کہ ہم حج کے ارادے سے[2] نکلے تو ایک آدمی نے ہم سے کہا تھا تمہارے نزدیک کوئی بستی ہے جسے اُبلّہ[4] کہا جاتا ہے ہم نے کہا ہاں! اس نے کہا کہ تم میں سے کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میرے[5] لیے مسجد عشار[6] میں دو رکعتیں پڑھے یا چار اور کہے کہ یہ ابوہریرہ[7] کے لیے ہیں۔ میں نے اپنے خلیل حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے شہیدوں[8] کو اٹھائے گا جن کے ساتھ شہدائے بدر کے سوا کوئی کھڑا نہ ہوگا۔

ابوداؤد نے روایت کر کے کہا یہ مسجد دریا کے نزدیک ہے اور ان فسطاط المسلمین والی حدیث[9] ابودرداء ان شاء اللہ تعالیٰ ہم باب ذکر الیمن والشام میں ذکر کریں گے۔

[1] یہ تابعی ہیں

[2] بصرہ سے مکہ کی طرف

[3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[4] اُبلّہ، ہمزہ پر پیش، لام مشدد، بصرہ کے قریب قریہ کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ دنیا کے بہشتوں میں سے ہے۔

[5] ان کا ثواب مجھے بخشے

[6] عَشّار، عین پر زبر، شین مشدد

[7] اس کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے

[8] یہ اس جماعت کی بہت بڑی مدح ہے کہ وہ شہداء بدر کے برابر ہوں گے جب اس مسجد کو یہ فضل و شرف حاصل ہے تو وہاں نماز ادا کرنے کا ثواب بھی عظیم ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مبارک مقامات پر عبادت کرنا، نماز ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے اور بدنی عبادت کا ثواب دوسرے کو دینا بھی جائز ہے اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے رہا معاملہ عبادات مالیہ کا تو وہاں ثواب کا بخشنا بالاتفاق جائز ہے۔

۹ھ وہ حدیث ابو درداء جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہو رہی ہے ان فسطاط المسلمین کو ہم انشاء اللہ باب ذکر الیمن والشام میں ذکر کریں گے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۱۹۹/۲۵ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ فَقُلْتُ أَنَا أَحْفَظُ كَمَا قَالَ قَالَ هَاتِ إِنَّكَ لَجَرِيْءٌ وَكَيْفَ قَالَ قُلْتُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَنَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلٰوةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَقَالَ عُمَرُ لَيْسَ هٰذَا أُرِيْدُ إِنَّمَا أُرِيْدُ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ قُلْتُ مَا لَكَ وَلَهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ فَيُكْسَرُ الْبَابُ أَوْ يُفْتَحُ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ يُكْسَرُ قَالَ ذَالِكَ أَحْرٰى أَنْ لَا يُغْلَقَ أَبَدًا قَالَ فَقُلْنَا لِحُذَيْفَةَ هَلْ كَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ قَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُوْنَ غَدٍ لَيْلَةً إِنِّيْ حَدَّثْتُهُ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ قَالَ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ مَنِ الْبَابُ فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ سَلْهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ عُمَرُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت شقیق حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے پاس تھے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فتنہ سے متعلق حدیث کا حافظ کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں حافظ ہوں جیسے حضور نے فرمایا: لاؤ تم بڑے بہادر ہو حضور نے کیسے فرمایا میں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مرد کا فتنہ اس کے گھر میں، اس کے مال میں، اس کی ذات میں اور اس کے پڑوس میں ہے جیسے روزے، نماز، خیرات، اچھائیوں کا حکم، برائیوں سے روکنا مٹاتے رہتے ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا میری مراد یہ نہیں میری مراد وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا۔ فرمایا میں نے کہا آپ کو اس سے کیا تعلق اے امیر المؤمنین آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے فرمایا: تو دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ فرمایا: میں نے کہا نہیں بلکہ توڑا جائے گا فرمایا یہ اس لائق ہے کہ پھر بند کیا جا سکے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ سے کہا کیا حضرت عمر جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ فرمایا ہاں جیسے یہ جانتے تھے کہ کل سے پہلے رات ہے میں نے انھیں وہ حدیث سنائی جو معمہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سے ڈر لگا کہ حذیفہ سے پوچھیں کہ دروازہ کون تھا تو ہم نے مسروق سے کہا ان سے پوچھ، پوچھنے پر فرمایا عمر ہیں۔

(بخاری و مسلم)

سلہ یعنی بغیر کسی زیادتی اور کمی کے

سلہ یہ الفاظ کیوں کہے ؟ کیونکہ حضرت حذیفہ نے جماعت صحابہ اور حضرت عمر کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں یاد رکھتا ہوں یہ بات، حضرت عمر کو گراں گزری، فرمایا اگر دلیری کی ہے تو اب بیان کرو، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حضرت حذیفہ کے حفظ و ضبط کی مدح ہو کہ آپ حضور سے فتنہ و شر کے حوالے سے سوال کر لیتے تھے لہٰذا تیرے پاس یہ علم ہوگا اس لیے اسے بیان کرو۔

سلہ ہر آدمی ان کے حقوق کی ادائیگی کا مکلف ہے، اس میں آدمی کوتاہی برت کر شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے اسی وجہ سے ممنوعات کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے محنت و مشقت بھی کرتا ہے، لہٰذا رنج و تعب میں واقع ہو جاتا ہے

سلہ میں نے آپ سے جس فتنہ کے بارے میں پوچھا ہے وہ مال، اولاد اور نفس کے بارے میں نہیں۔

سلہ میری مراد وہ فتنہ ہے جس میں مقاتلہ و محاربہ لوگوں کے درمیان برپا ہوگا اور اس کی مصیبت و شر لوگوں میں پھیل جائے گی۔

سلہ آپ کو غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا شر آپ کو نہیں پہنچے گا اور آپ اسے نہیں پائیں گے

سلہ یہ وجود عمر سے کنایہ ہے جب کہ آخر حدیث میں اس کی تفسیر ہے یعنی جب تک تمہارا وجود ہمارے درمیان ہے ایسا فتنہ نہ ہوگا آپ کے وصال کے بعد یہ فتنہ برپا ہو۔

سلہ بطریق سوال

سلہ دروازہ ٹوٹنے اور کھل جانے میں فرق یہ ہے جب دروازہ ٹوٹ جائے گا تو اس کا بند کرنا ممکن نہیں ہوگا، اور کھلنے کے بعد بند کرنا ممکن ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ٹوٹنے سے مراد قتل اور کھلنے سے موت ہے، یعنی جب حضرت عمر نے محسوس کر لیا کہ یہ میرا وجود ہے جو درمیان سے اٹھ جائے گا تو پوچھا کہ قتل ہوں گا یا طبعی موت ہوگی۔

سلہ شقیق راوی۔

سلہ علم یقینی و قطعی رکھتے تھے۔

سلہ غلط سے مراد یہ ہے کہ بغیر معرفت کے شے کو دیکھنا اور اس میں وجہ صواب نہ ہو اور یہ چیز ہر شے میں ہو سکتی ہے بعض کے نزدیک یہ صرف گفتار سے مخصوص ہے۔

سلہ راوی شقیق کہتے ہیں کہ ہم ڈر گئے۔

۵۲۰۰/۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنِيَّةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قسطنطنیہ[1] کی فتح قیام قیامت کے ساتھ ہے۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ غریب حدیث ہے)

سلہ اس قلعہ کی فتح

۳۳۹۔ بَابُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ

علامات قیامت کا بیان

شرط، راء کی سکون: ایک شئے کو دوسری کے ساتھ باندھنا جیسے کہا جاتا ہے اگر ایسا ہوا تو ایسا ہو جائے گا۔ اس کی جمع شروط ہے۔ شرط، راء پر فتحہ کا معنی علامت اور کسی شئے کا نشان اس کی جمع اشراط آتی ہے۔ اشراط ساعت کا معنی قیامت کی نشانیاں ہوگا۔ رات و دن کے ایک جزء کو ساعت کہا جاتا ہے، بمعنی وقت حاضر بھی آیا ہے۔ قیامت یا قیامت برپا ہونے کے وقت کو بھی ساعت کہا گیا ہے کیونکہ اس میں ابہام ہے لہذا کسی بھی ساعت میں اس کا احتمال و انتظار ہے۔ علماء نے اشراط کی تفسیر ان چھوٹے امور کے ساتھ کی ہے جو قیام قیامت سے پہلے ہوں گے اور لوگوں کے لیے یہ عجیب معاملات ہوں گے مثلاً کنیز اپنے مالک کو جنے گی۔ عمارات کا لمبا ہونا، زنا اور شراب کثرت کے ساتھ ہوگا۔ مرد کم اور خواتین زیادہ، امانت کا ضیاع، لڑائیاں اور فتنے کثرت سے ہوں گے ان کا تذکرہ آئندہ باب میں آئے گا۔ اشراط ساعت کی یہ تفسیر اسی لیے ہے کہ اس کی علامت کبریٰ جو اس کے ساتھ متصل ہے اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آرہا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ لغت میں شرط کا معنی ہلکی چیز، ردی اور چھوٹا موٹا مال ہے اور لوگوں کے عجیب سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور جہان میں ہمیشہ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا ان کے قیامت کے نشانات ہونے پر وہ تعجب کریں گے ان امور کو مطلق علامت نہیں بلکہ ان کی کثرت کو ہی علامت کہا ہے مصنف نے اس باب میں خروج مہدی کا ذکر کیا ہے حالانکہ ان کا خروج حضرت عیسیٰ اور دجال کے ساتھ ہوگا جو قرب قیامت میں ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہاں امام مہدی کا ذکر حروب و فتن کی تقریب کے طور پر ہے اور اس کا تتمہ آئندہ باب میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۰۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةً

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، علاماتِ قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت کثیر ہوگی زنا کثیر ہوگا۔ شراب عام ہوگی، مرد کم اور عورتیں زیادہ ہوں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں

الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ وَفِي رِوَايَةٍ يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے لیے ایک منتظم[۲] ہوگا۔ ایک روایت میں ہے۔ علم کم اور جہالت غالب ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] کیونکہ قربِ قیامت میں کفر غالب ہوگا مرد جہاد کریں گے اور شہید ہو جائیں گے

[۲] ان خواتین کی نگہداشت، ان کی کفالت اور انتظامی امور کی ذمہ داری۔

۵۲۰۲ /۲ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت سے پہلے بہت ہی جھوٹ بولنے والے ہوں گے[۱] ان کے شر سے دور رہنا[۲] (مسلم)

[۱] یہاں جھوٹوں سے مراد احادیث گھڑنے والے یا اپنے فاسد اعتقادات کی بناء پر بدعات کا ارتکاب کریں گے اپنی نسبت صحابہ اور سلف سے کریں گے اور یہ گمان رکھیں گے کہ یہی ہماری راہ، راہِ سنت ہے نعوذ باللہ من ذٰلک

۵۲۰۳ /۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا قیامت کب ہے؟ فرمایا جب امانت[۱] ضائع کر دی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرنا، عرض کیا کہ ضائع کس طرح کر دی جائے گی فرمایا کہ جب معاملہ نااہل لوگوں کے سپرد کر دیا جائے گا تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (بخاری)

[۱] وہ امور شرعیہ و دینی جن کا انسان مکلف ہے اس کی طرف اشارہ ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ یا لوگوں کے حقوق اور امانتیں مراد ہیں یعنی قیامت کا متعین وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا البتہ اس سے پہلے علامات ظاہر ہوں گی اور ان میں سے ایک یہ ہے۔

[۲] جب دینی و دنیوی معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں جو نااہل ہوں تو اس وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہوگا، حقوق کا ضیاع ہوگا۔ لفظ وُسِّدَ مجہول سین مشدد یا مخفف وسادہ سے ہے جس کے سپرد کام کیا جاتا ہے وہ کام جس کے لیے تکیہ گاہ بنتا ہے۔

۵۲۰۴ /۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهِ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَحَتّٰى

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال بڑھ کر عام نہ ہو جائے یہاں تک کہ ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے گا لیکن اسے کوئی نہیں ملے گا

تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّاَنْهَارًا۔

جو اسے قبول کرے، یہاں تک کہ سرزمین عرب بھی چراگاہ[1] اور نہروں میں تبدیل ہو جائے گی۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ قَالَ تَبْلُغُ الْمَسَاكِنُ اِهَابَ اَوْ يَهَابُ)

(مسلم اور دوسری روایت میں فرمایا مکانات اہاب[2] یا یہاب[3] تک پہنچ جائیں گے۔

[1] مروج، مرج کی جمع ہے چراگاہ

[2] اہاب، مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلہ پر جگہ کا نام ہے۔ اہاب ہمزہ پر فتحہ بر وزن سحاب، قاموس ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔

[3] یا اس کا نام یہاب آیا ہے یاء کے نیچے کسرہ یا فتحہ، راوی کو شک ہے یا اس جگہ کے نام ہی دو ہیں یعنی بعض ہمزہ اور بعض یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اس شہر کی آبادی حد کمال کو پہنچ جائے گی۔

۵۲۰۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهٗ وَفِیْ رِوَايَةٍ يَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِیْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِی الْمَالَ حَثْيًا وَلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا کہ مال تقسیم کریں گے اور شمار نہیں کرے گا ایک روایت میں ہے کہ میری امت کے آخری دور میں ایک خلیفہ ہوگا وہ دل کھول کر بانٹے گا اور بالکل نہیں گنے گا[1][2][3] (مسلم)

[1] یعنی بہت زیادہ اور بے شمار مال دے گا۔

[2] بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد امام مہدی ہیں۔

[3] کثرت اموال وغنائم، فتوحات اور جود وسخاوت کی وجہ سے

۵۲۰۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْفُرَاتُ اَنْ يَّحْسِرَ عَنْ كَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ دریائے فرات[1] سونے کے خزانے کی جگہ[2] سے کھل جائے گا۔ جو موجود ہو تو اس میں سے کچھ بھی نہ لے[3] (بخاری، مسلم)

[1] کوفہ کی ایک نہر کا نام ہے فرات کا لغوی معنی آب شیریں ہے، یہاں مراد نہر ہے۔

[2] اس کا پانی خشک ہو جائے گا اور اس کے نیچے سے سونے کا خزانہ نکل آئے گا۔

[3] کیونکہ یہ لڑائی ونزاع کا سبب بنے گا بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے خزانہ حاصل کرنا، نزول آفات وبلیات کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے بعض نے کہا وہ مال اللہ تعالیٰ کے ہاں مغضوب ومکروہ ہے

جیسے کہ مال قارون لہٰذا اس سے فائدہ و نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

۵۲۰۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَحْسِرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِّنْ ذَهَبٍ يَقْتَتِلُ النَّاسُ عَلَيْهِ فَيُقْتَلُ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ وَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ لَعَلِّيْ اَكُوْنُ اَنَا الَّذِيْ اَنْجُوْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ دریائے فرات سونے کے پہاڑ کی جگہ سے[۱] کھل نہ جائے۔ لوگ اس پر آپس میں لڑیں گے کہ ہر سو میں سے ننانوے قتل کر دیے جائیں گے ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ کاش وہ بچنے والا شخص بن جائے۔

[۱] اسے ظاہر کر دے گا۔

۵۲۰۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقِيْءُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَيَجِيْءُ الْقَاتِلُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيْءُ الْقَاطِعُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِيْ وَيَجِيْءُ السَّارِقُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ ثُمَّ يَدَعُوْنَهُ فَلَا يَاْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین اپنے جگر کے ٹکڑے[۱] سونے اور چاندی کے ستونوں کی شکل میں قے کر دے گی تو قاتل[۲] آئے گا کہے گا کہ میں نے اس میں قتل کیا اور رشتے توڑنے والا آئے گا تو کہے گا کہ میں نے اس کے لیے اپنے رشتے توڑے اور چور آئے گا تو کہے گا کہ کیا اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کاٹے گئے[۳] پھر وہ لوگ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے تو اس میں سے کچھ نہ لیں گے۔ (مسلم)

[۱] مراد مدفون خزانے اور معدنیات کا اصل ہے۔ افلاذ، فلذ، فا کے نیچے زیر، آخر میں ذال کی جمع ہے۔ فلذۃ کا معنی ٹکڑا۔ قاموس میں ہے فلذ بالکسر اونٹ کا جگر۔ فلذۃ، جگر یا سونے چاندی اور گوشت کا ٹکڑا۔ یہاں جگر کے ساتھ تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جگر خلاصہ شتر ہوتا ہے اسی طرح یہ اشیاء بھی زمین کا خلاصہ ہیں۔ فلذ: ذال مشدد، فا اور لام دونوں کے نیچے زیر یا دونوں پر فتحہ یا ضمہ بمعنی جواہر معدنی ہے مثلاً سونا چاندی، لوہا، تانبا۔

[۲] مال کی خاطر لوگوں کو قتل کرنے والا

[۳] یعنی مال کا حال یہ ہے کہ اس کی محبت و حصول میں کتنی مشقت برداشت کی مگر کسی کام بھی نہ آیا۔

۵۲۰۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّيْنُ اِلَّا الْبَلَاءُ۔

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ دنیا نہیں جائے گی حتیٰ کہ ایک آدمی قبر پر گزرے گا تو وہاں لوٹے گا اور کہے گا کاش! اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا اور اس میں

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

بلا کے سوا دین نہ ہوگا۔ (مسلم)

لہ اس عبارت کے دو معانی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہاں دین سے مراد عادت ہے اور دین کبھی عادت آتا رہتا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ وہ شخص آرزو کرنے کا حالانکہ اس کی عادت نہیں بلکہ یہ آرزو بلا دفتنہ کی وجہ سے ہوگی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دین مشہور معنی میں ہو کہ آرزو کرنے کی وجہ اس کی مشقت نہیں جو اسے دین کی وجہ سے عارض ہو رہی ہے بلکہ اس بلاء کا سبب دنیا اور اس کا مال ہے ان دونوں معانی میں بُعد پایا جاتا ہے لہذا یہ معنی بھی کیا جا سکتا ہے وہ شخص جب قبر میں جانے کی آرزو کرے گا تو اس وقت اس کے پاس فتنہ و بلا کی وجہ سے دین باقی نہ ہوگا بلکہ اس کے پاس صرف فتنہ و فساد ہی ہوگا۔

۵۲۱۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِیْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰی۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

انھی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصرہ[لہ] میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہوں گی۔[لہ]

(بخاری و مسلم)

لہ بُصریٰ، باء پہ پیش: صاد ساکن، یہ شام کا شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان چند مراحل کا فاصلہ ہے
لہ واضح رہے کہ اس آگ کے بارے میں روایات تواتر کے ساتھ ہیں اور اس کا غالباً ظہور مدینہ منورہ میں ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کی برکت سے اس شہر کو اس کی آفت سے محفوظ رکھا اس آگ کی ابتداء بروز جمعہ جمادی الاخریٰ کی تین تاریخ اور انتہا یکشنبہ ستائیس رجب ہے جس کی مجموعی مدت باون دن ہے۔ یہ آگ حجاز کی جانب سے آئی اس شہر کی طرح جس میں صاحب بروج قلعہ ہے اور وہ لوگوں کی جماعت کو اپنی طرف کھینچ کر خاک کر دیتی۔ اس میں چمک و گرج تھی، دریا کی طرح وہ جوش مارتی اس سے سرخ نہریں جاری تھیں مدینہ منورہ کے قریب پہنچی باوجودیکہ وہ آگ مدینہ طیبہ پہنچی مگر علماء نے بیان کیا ہے کہ اس آگ نے اطراف واکناف مدینہ کی گرفت کی مگر حرم نبوی اور تمام بستی مدینہ کو نور آفتاب کی طرح چمکا دیا لوگ رات کو بھی اس کی روشنی میں کام کرتے — حالانکہ سورج و چاند کی روشنی ان دنوں ماند اور بے نور تھی۔

بعض اہل مکہ نے اس آگ کے ذریعے یمامہ اور بصریٰ کا مشاہدہ کیا اس آگ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ پتھروں کو نگل جاتی تھی اور پگھلا دیتی مگر درختوں پر اس کا اثر نہ تھا یہ بھی منقول ہے کہ ایک بڑا پتھر تھا اس کا آدھا حصہ حرم میں تھا اور نصف باہر تھا آگ نے نگلنا چاہا مگر جب اس کے نصف تک پہنچی تو بجھ گئی۔ اہل مدینہ طیبہ نے خوب آہ و زاری کی، مظالم ترک کئے، انفاق کیا اور غلام آزاد کیے۔ جمعہ کی رات تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ خواتین اور بچوں نے بھی حرم نبوی میں بسر کی اور تمام رات سرور عالم کے حجرہ شریف کے پاس سر و پا ننگے کر کے زار و قطار روتے ہوئے دعا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو شمال کی جانب پھیر دیا اور اس شہر مبارک کو اس آفت سے نجات دی، اس سال میں کائنات میں مختلف واقعات رونما ہوئے دوسرے سال کے

اول میں فتنہ تتار واقع ہوا، بغداد اور اکناف عالم میں جنگ اور فتنہ بلند ہوا جیسا کہ گزرا ہم نے اپنی کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب" جو مدینہ طیبہ کے حالات پر ہے اس میں تفصیلات موجود ہیں۔

۵۲۱۱ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی[1] وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب جمع کر دے گی (بخاری)

[1] علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس آگ کا اول ہونا ان علامات کی نسبت سے ہے جو قیامت کے ساتھ متصل ہیں اور جس آگ حجاز کا ذکر گزرا ہے وہ اس آگ سے پہلے ہے تو یہ اول کیسے ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی — دوسری فصل

۵۲۱۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَکُوْنَ السَّنَۃُ کَالشَّھْرِ وَالشَّھْرُ کَالْجُمُعَۃِ وَتَکُوْنُ الْجُمُعَۃُ کَالْیَوْمِ وَیَکُوْنَ الْیَوْمُ کَالسَّاعَۃِ وَتَکُوْنُ السَّاعَۃُ کَالضَّرَمَۃِ بِالنَّارِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ زمانہ جلد گزرنے لگے گا ایک سال ایک ماہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا اور گھڑی آگ کے شعلے[1] کی طرح ہوگی (ترمذی)

[1] ضرمہ، ضاد پر زبر، را ساکن، آگ کا ایک دفعہ جلنا، اگر راء پر زیر ہو تو معنی وہ گھاس جو جلدی جل جائے مشہور سکون راء کے ساتھ ہے جیسا کہ اکثر نسخوں میں تحریر ہے بعض نسخوں میں فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جیسا کہ طیبی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے۔ ضرمہ، راء پر زبر ہو تو اس کا معنی آگ بھی ہے، اس سے مقصود عمر کا کوتاہ ہونا اور بے برکت ہے کہ اس میں ایسے مصائب، شدائد، جنگیں اور فتنے واقع ہوں گے کہ ان کی وجہ سے عمر کے گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

۵۲۱۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حَوَالَۃَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنَغْنَمَ عَلٰی اَقْدَامِنَا فَرَجَعْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ شَیْئًا وَعَرَفَ الْجُھْدَ فِیْ وُجُوْھِنَا فَقَامَ فِیْنَا فَقَالَ اللّٰھُمَّ لَا تَکِلْھُمْ اِلَیَّ فَاَضْعُفَ عَنْھُمْ وَلَا تَکِلْھُمْ اِلٰی اَنْفُسِھِمْ فَیَعْجِزُوْا عَنْھَا وَلَا تَکِلْھُمْ اِلَی النَّاسِ فَیَسْتَاْثِرُوْا عَلَیْھِمْ ثُمَّ وَضَعَ

حضرت عبد اللہ بن حوالہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حصول غنیمت[2] کے لیے پیدل روانہ فرمایا ہم غنیمت کے بغیر واپس لوٹے حضور نے ہمارے چہروں پر مشقت کے آثار دیکھے تو ہمارے درمیان کھڑے ہو کر دعا کی: اے اللہ! انھیں میرے سپرد نہ کرنا کہ میں کمزور[3] رہ جاؤں، انھیں ان کی جانوں کے سپرد بھی نہ کرنا کہ یہ عاجز رہ جائیں گے نہ انھیں لوگوں کے

يَدَهُ عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ قَالَ يَا ابْنَ حَوَالَةَ إِذَا رَأَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ فَقَدْ دَنَتِ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَايَا وَالْأُمُوْرُ الْعِظَامُ وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِيْ هٰذِهٖ إِلٰى رَأْسِكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَرَوَاهُ حَاكِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ)

سپرد بھی نہ کرنا کہ وہ دوسروں کو ان پر ترجیح دیں۔ پھر دست مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ خلافت ارض مقدس میں اتر آئی ہے تو سمجھنا زلزلے، رنج و غم اور عظیم امور نزدیک آگئے اس روز قیامت لوگوں سے اتنی نزدیک ہوگی جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے ہے۔ (ابو داؤد، اس کی سند حسن ہے اور اسے حاکم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)

سلہ حوالہ، حا پر زبر، واؤ مخفف صحابی ہیں شام میں سکونت پذیر رہے۔ کاشف میں امام ذہبی نے فرمایا ان سے تین احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک مذکورہ حدیث ہے

سلہ غالباً یہ لوگ محتاج و ضرورت مند تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ اپنے لیے کچھ اشیاء حاصل کریں تاکہ احتیاجی دور ہو یہی وجہ ہے کہ جہاد کا لفظ نہیں لوٹایا بلکہ غنیمت پر ہی اکتفا کیا۔

سلہ کیونکہ ہمارے پاس سواریاں نہ تھیں

سلہ تسلی دینے اور دعا کرنے کے لیے

سلہ میں ان کی غم خواری کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا

سلہ جس طرح بشری طبیعت ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دیتی ہے۔ ان کلمات کے ذریعے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کرے اور اپنے رب کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے اور نہ ہی امید رکھے سہ

کار خود را بخدا باز گزار کہ نمی بینم ازیں بہتر کار

(اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کر۔ اس سے بہتر میں کام نہیں جانتا)

یہاں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کمال عزت و عظمت ربوبیت کے پیش نظر اپنے آپ کو حد بشریت و ضعف عبودیت پر رکھا ہے ورنہ آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مطلق، نائب کل ہے، آپ جو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیتے اور کرتے ہیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔

(دنیا و آخرت آپ کی سخاوت کا ایک قطرہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے)

اللہ تعالیٰ اس شاعر کو ہماری طرف سے بہتر جزا دے

سلہ راوی حدیث

سلہ شام کی زمین

[9] بلبلہ، بالفتحہ، غم، پریشانی، فتنہ اور وسوسہ

[10] اس کا وجود آخری زمانے میں بیت المقدس کی فتح کے وقت ہوگا

۵۲۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا وَّالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَّالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَّتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَآءَ وَّزَلْزَلَةً وَّخَسْفًا وَّمَسْخًا وَّقَذْفًا وَّاٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْکُهٗ فَتَتَابَعَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب غنیمت کو ذاتی دولت[1]، امانت[2] کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان[3] شمار کیا جائے علم دنیاداری کیلئے سیکھے گا[4]، آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، اپنے دوست سے نزدیک اور اپنے باپ سے دُور اور مساجد میں آوازیں[5] بلند ہوں، قبیلے کا سردار[6] ان میں سے بدکردار ہو قوم میں ذلیل آدمی معزز شمار ہوں - آدمی کی عزت اس کے شر سے ڈرتے ہوتے کی جائے[7]۔ گانے بجانے والی عورتیں[8] ظاہر ہو جائیں[9]۔ شرابیں پی جائیں - اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں[10]۔ اس وقت سرخ آندھیوں، زلزلوں، زمین میں دھنسنے شکل بدلنے[11] پتھر برسنے[12] کا انتظار کرنا اور ایسی نشانیوں کا جو اس طرح متواتر آئیں گی جیسے لڑی[13] کا دھاگہ ٹوٹنے پر دانے متواتر گرتے ہیں۔

(ترمذی)

[1] وہ غنیمت کا مال جو شرعاً تمام غازیوں کے درمیان مشترک تقسیم ہوتا ہے اسے ارباب مناصب قبضہ میں لا کر اپنے درمیان تقسیم کریں گے فقراء وضعفاء اس سے محروم رہ جائیں گے۔ دوم دال کے نیچے زیر، واؤ پر فتحہ دولت کی جمع، دال پر ضمہ یا فتحہ بمعنی انقلاب زمانہ اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں مال کا جانا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ بالضم ہو تو اس کا معنی وہ مال جو حاصل شدہ ہو اور بالفتح ہو تو حالت شدت وتنگی سے حالت سرور وتنعم کی طرف انتقال مراد ہوتا ہے۔

[2] امانت وودیعت میں خیانت کرتے ہوئے اسے اس مال غنیمت کی طرح خیال کریں جو کافروں سے حاصل کیا جاتا ہے اور ان قبضہ کرنے والوں کا حق ہوتا ہے۔

[3] لوگوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی اتنی شاق ہوگی کہ گویا ان سے ظلماً تاوان وصول کیا جارہا ہے

[4] یعنی شریعت ودین کی اشاعت وترویج کے لیے نہیں بلکہ دنیا، منصب، عزت اور بادشاہوں کی خاطر سیکھا جائے گا۔

ش۵ خصوصاً گانے، مزامیر اور ناچنے والوں کی آواز جیسا کہ آج کل متعارف ہے ۔
ش۶ جوان سے کے معاملات کا ذمہ دار ہوگا
ش۷ جیسے ظالم یا ذی سن حاکم غالب آجائے تو لوگوں کو مجبوراً اس کی تعظیم و تکریم کرنا پڑتی ہے ۔
ش۸ مرد وزن کا اختلاط ہوگا ۔ قینیۃ ۔ قاف پر فتحہ ۔ یاء ساکن نون سے مقدم اس کا معنی اصلاً خوشی کے وقت داد دینا ہے یا مطلق داد ہے ۔
ش۹ آلات سرور جنہیں مزامیر کہا جاتا ہے مثلاً بانسری، طنبورا اور رباب وغیرہ
ش۱۰ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ خلف ۔ سلف پر طعن کریں گے اور انہیں برائی کے ساتھ یاد کریں گے ۔ ان کی اطاعت نہیں کریں گے گو یا ان پر لعنت کریں گے اور یہ بات نہایت ہی نادرست ہے ایک فرقہ گمراہ رافضی ایسا پیدا ہوا ہے جو صحابہ و تابعین پر لعنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معافی عطا فرمائے ۔
ش۱۱ مسخ، ایک صورت کا کسی بری صورت میں تبدیل ہوجانا ۔
ش۱۲ آسمان سے پتھر برسنا
ش۱۳ نظام بالکسر، موتیوں کی لڑی، بالفتحہ بھی آیا ہے ۔ سلک دھاگہ ۔ قاموس و صحاح ۔ قاموس میں نظام بمعنی مصدر بھی آیا ہے اور اس کو بمعنی منظوم کر لیا گیا ہے یا بمعنی حاصل بالمصدر ہے جیسا کہ ترجمہ میں آچکا ہے ۔

۵۲۱۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ وَعَدَّ هٰذِهِ الْخِصَالَ وَلَمْ يَذْكُرْ تُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ قَالَ وَبَرَّ صَدِيْقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ وَقَالَ وَشُرِبَ الْخَمْرُ وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ عادات اختیار کرلے گی تو ان پر بلاء نازل ہو گی اور یہ خصلتیں گزریں اور انکا تذکرہ نہیں کیا علم غیر دین کے لیے سیکھا جائے گا، فرمایا دوست سے پیار مگر اپنے والد سے ظلم اور فرمایا شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائیگا ۔ (ترمذی)

ش۱ یہ صاحب مصابیح کا قول ہے کیونکہ ترمذی نے دو احادیث پے در پے ذکر کرکے ان پندرہ کا تذکرہ کیا ہے کذا قال الطیبی اور ان کی خصلتوں کی تعداد وہاں سولہ ہے
ش۲ یہاں دو احادیث کے الفاظ میں اختلاف ہے پہلے لفظ ادنی صدیقہ واقصی اباہ کے الفاظ تھے یہاں پر صدیقہ وجفا اباہ ہے ۔
ش۳ لعن آخر ہذہ الامۃ کی جگہ لبس الحریر کے الفاظ ہیں ۔

۵۲۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْهِ رَجُلًا مِّنِّيْ اَوْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ وَاِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمَ اَبِيْ يَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا۔

دنیا ختم نہ ہوگی حتیٰ کہ عرب[1] کا بادشاہ ایک شخص میرے اہل بیت سے بنے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا (ترمذی، ابوداؤد کی روایت[2] میں ہے کہ فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہا تو اللہ اس دن کو دراز فرمادیگا حتیٰ کہ اس دن میں ایک شخص دیگا جو مجھ سے یا میرے گھر والوں سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا وہ آسمان و زمین کو انصاف و عدل سے بھر دیگا جیسے وہ ظلم و زیادتیوں[3] سے بھری تھی۔

[1] عرب کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے کی ورنہ دوسری حدیث میں تمام دنیا عرب و عجم کے مالک ہونے کا ذکر ہے۔

[2] ابوداؤد کی روایت

[3] قسط و عدل ہم معنی ہیں، جیسے کہ جور و ظلم۔ صراح میں ہے قسط، عدل و انصاف کا مہیا کرنا۔ یہ ظلم و ستم کے خلاف ہے ظلم کا معنی ہے شے کو غیر محل میں رکھنا ہے جو دراہ راست سے ہٹنا مثلاً کہا جاتا ہے جار عن الطریق (وہ راستے سے ہٹ گیا) اور فیصلہ کرنے میں کسی پر ظلم کرنا۔ قاموس میں یہی کہا گیا ہے گویا حدیث میں تاکید و پختگی ہے یا میں کہتا ہوں کہ یہاں قسط سے مراد انصاف کرنے والوں کا انصاف، عدل عدالت اور حقوق میں برابری ہے اور ظلم و جور سے مراد اس کے مقابل معانی ہوں گے۔

$\frac{5217}{17}$ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مہدی میری عترت[1] سے فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔ (ابوداؤد)

[1] عترت، عین کے نیچے زیر، نسل، گروہ اور نزدیکی جیسا کہ گزرا ہے۔ صراح میں آیا ہے کہ عترت سے مراد مرد کے نزدیکی رشتہ دار اور اپنے ہوتے ہیں۔ نہایہ میں ہے کہ مرد کی عترت اس کے اپنے ہوتے ہیں حضور علیہ السلام کے خویش تمام اولاد عبدالمطلب ہے۔ بعض نے کہا کہ اہل بیت یعنی اولاد مراد ہے بعض نے کہا تمام قریش عترت مراد ہیں مشہور یہ ہے کہ عترت وہ ہے جس پر زکوٰۃ حرام ہے اور وہ اولاد ہاشم ہے۔ ان تمام اقوال پر آپ کا یہ فرمانا کہ وہ اولاد فاطمہ سے ہونگے انھیں مخصوص کرنا ہے۔

$\frac{5218}{18}$ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَهْدِيُّ مِنِّيْ ۱ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مہدی مجھ سے ہیں، چوڑی پیشانی والے، اونچی ناک والے۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، سات سال سلطنت کریں گے۔ (ابوداؤد)

۱ میری اولاد میں سے ہیں۔

۵۲۱۹-۱۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قِصَّةِ الْمَهْدِيِّ قَالَ فَيَجِيْءُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيُّ اَعْطِنِيْ اَعْطِنِيْ قَالَ فَيَحْثِيْ لَهٗ فِيْ ثَوْبِهٖ مَا اسْتَطَاعَ اَنْ يَحْمِلَهٗ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قصہ مہدی میں فرمایا: ایک شخص مہدی کے پاس آکر کہے گا مجھے دیجیے مجھے دیجیے۔ فرمایا آپ اس کے کپڑے میں لپ بھر کر ڈالتے رہیں گے۱ جس قدر وہ اٹھانے کی طاقت رکھے گا۔ (ترمذی)

۱ دراہم ودنانیر یعنی بے شمار اور بے حساب دیں گے جیسا کہ گزرا۔

۵۲۲۰-۲۰ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيْفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ هَارِبًا اِلٰى مَكَّةَ فَيَاْتِيْهِ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُوْنَهٗ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُوْنَهٗ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ اِلَيْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا رَاَى النَّاسُ ذٰلِكَ اَتَاهُ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُوْنَهٗ ثُمَّ يَنْشَاُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اَخْوَالُهٗ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ اِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ وَذٰلِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْاِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ فِي الْاَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّيْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی وفات کے وقت۱ اختلاف ہوگا تو ایک شخص اہل مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف بھاگتے ہوئے نکلے گا تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اسے باہر لائیں گے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتا ہوگا، یہ لوگ اس مقام سے مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان بیعت کریں گے اور ان کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا اسے مکہ و مدینہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا جب یہ لوگ دیکھیں گے تو ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق والوں کی جماعتیں آئیں گی تو اس سے بیعت کریں گے پھر قریش کا ایک شخص آئے گا جس کے ماموں بنو کلب ہوں گے وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا وہ ان پر غالب آئیں گے یہ بنی کلب کا لشکر ہوگا وہ لوگوں میں ان کے نبی کی سنت پر عمل کرے گا اور اسلام زمین میں اپنی گردن بچھادے گا

عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

پھر وہ سات سال قیام کریں گے، پھر وفات پا جائیں گے اور ان پر مسلمان نماز پڑھیں گے۔ (ابوداؤد)

ل جو آخری زمانے میں ہوگا۔

ل جو امامت کا دعوٰی کرے گا

ل اسے باہر لائیں گے اور اسے خواہش و مجبوری سے امام بنائیں گے۔

ل شارحین نے فرمایا اس سے مراد امام مہدی ہیں

ل اس وقت کا حاکم شام امام مہدی کے خلاف جنگ کے لیے لشکر بھیجے گا۔

ل بیداء، یہ مکہ و مدینہ کے درمیان جگہ کا نام ہے لغت میں بیداء معنی بیابان اور ہموار زمین ہے۔ اس لشکر سے مراد لشکر سفیانی ہے اور فتنہ امارت سفیانی کا ہے جو امام مہدی کے خروج کی علامت ہوگی، اس بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں جو درجہ تواتر کے قریب ہیں ان میں سے ایک حدیث صحیح یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: سفیانی، خالد بن یزید بن ابی سفیان اموی کی اولاد میں سے ایک آدمی ہوگا اس کا سر بڑا اور آنکھوں میں سفیدی ہوگی، دمشق کی جانب سے آئے گا اس کے ماننے والے اکثر اس قبیلہ کے ہوں گے جس کا نام کلب ہوگا۔ یہ بہت زیادہ لوگوں کو قتل کریں گے حتٰی کہ عورتوں کے پیٹ چیر کر ان کے بچوں کو قتل کریں گے جب یہ امام مہدی کی خبر سنیں گے تو ان کے ساتھ جنگ کے لیے لشکر بھیجیں گے وہ لشکر شکست کھا جائے گا اس کے بعد سفیان خود لشکر لیکر امام مہدی کے خلاف جائے گا اور اس کا یہ لشکر مقام بیداء پر دھنس جائے گا ان میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر وہ شخص جو امام مہدی تک اس کی خبر پہنچائے گا

ل جب لوگ سفیانی کی ہلاکت کو دیکھیں گے۔

ل امام مہدی کے پاس

۹ ابدال ان افراد کو کہتے ہیں جن کی برکت سے اللہ تعالٰی زمین کو قائم رکھتا ہے ان کی تعداد ستر ہے ان میں سے چالیس ملک شام میں اور تیس دیگر علاقوں میں رہتے ہیں ان میں سے جب ایک فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسروں کو منتخب کیا جاتا ہے اور ان کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔ امام سیوطی شرح سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں کہ سوائے ابوداؤد کی اس حدیث کے صحاح ستہ میں ابدال کے بارے میں کوئی حدیث نہیں، حاکم نے بھی اس حدیث کی تخریج کی اور صحیح قرار دیا۔ لیکن سیوطی نے جمع الجوامع میں لکھا کہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب میں بہت سی احادیث موجود ہیں اور اکثر احادیث میں تعداد چالیس ہے اور بعض میں تیس ہے۔ حدیث میں حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے۔ ابدال اس درجہ کو صرف زیادہ نماز اور روزہ اور صدقہ سے نہیں پاتا اور لوگوں سے ممتاز نہیں ہوتا بلکہ اس میں سخاوت نفس، سلامت قلب، مسلمانوں کی خیر خواہی کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! امت میں ابدال کی صفت والے لوگ سرخ گندھک (جو بہت نایاب ہے) سے بھی کم ہیں۔

دوسری حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس میں یہ تین صفات ہوں گی وہ ابدال میں سے ہوگا ۱۔ رضا بالقضاء (۲) نافرمانی کے کاموں سے باز رہنا (۳) دین خدا کے لیے غضب ناک ہونا۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں لکھا کہ جو شخص یہ دعا ہر روز تین بار پڑھے گا، اے اللہ! حضور کی امت کو معاف کر دے، اے اللہ! امت محمدی پر رحم فرما، اے اللہ! حضور کی امت سے درگزر فرما، اسے درجہ ابدال مل جاتا ہے۔ الغرض جو شخص صفات ذمیمہ ختم کر کے خلق کی بھلائی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، وہ ابدال میں سے ہوتا ہے، باقی عراقی جماعتوں سے مراد اللہ کے وہ بندے ہیں جنہیں عصائب کہا جاتا ہے جیسے کہ ابدال امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابدال شام میں، نجباء مصر میں اور عصائب عراق میں رہتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ عصائب سے مراد لوگوں میں سے نیک زاہد اور عابد ہیں۔ عصب القوم عین اور صاد دونوں پر فتحہ ہے لغت میں قوم کے نیک لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

ؑ۱۰ مخالفت مہدی میں

ؑ۱۱ اس کے والدہ کے بھائیوں کا تعلق قبیلہ کلب سے ہوگا۔ یہ عرب کا مشہور قبیلہ ہے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خاندان سے ہیں۔

ؑ۱۲ امام مہدی کے خلاف لشکر بھیجے گا اور اپنے احوال کیلئے بنو کلب سے مدد کا خواستگار ہوگا۔

ؑ۱۳ امام مہدی کا لشکر ان پر غالب آجائے گا

ؑ۱۴ جران، جیم کے نیچے کسرہ، واو مخفف، آخر میں نون ہے، اس سے مراد اونٹ کا ذبح کرتے وقت بیٹھتے وقت، استراحت و قرار حاصل کرتے وقت گردن کو زمین پر رکھنا ہے یہاں اسلام کا غلبہ اور تمکن و استمرار مراد ہے کہ کوئی ہرج مرج نہیں رہے گا۔ جنگ و جدال کا نشان تک ختم ہو جائے گا اور اسلام اور احکام سنت کو قرار و دوام حاصل ہوگا۔

۵۲۲۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلَاءً یُّصِیْبُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ حَتّٰی لَا یَجِدَ الرَّجُلُ مَلْجَاً یَلْجَاءُ اِلَیْہِ مِنَ الظُّلْمِ فَیَبْعَثُ اللّٰہُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِیْ وَاَھْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَاُ بِہِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا یَرْضٰی عَنْہُ سَاکِنُ السَّمَآءِ وَسَاکِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَآءُ مِنْ قَطْرِھَا شَیْئًا اِلَّا صَبَّتْہُ مِدْرَارًا وَلَا تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِھَا شَیْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْہُ حَتّٰی یَتَمَنَّی الْاَحْیَاءُ الْاَمْوَاتَ یَعِیْشُ فِیْ ذٰلِکَ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِیْنَ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بلاء کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پہنچے گی حتی کہ آدمی جائے پناہ نہ پائے گا جہاں ظلم سے پناہ لے تو اللہ تعالیٰ میری اولاد اور میرے گھر والوں سے ایک شخص کو بھیجے گا کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی تھی آسمان و زمین کے رہنے والے خوش ہوں گے آسمان اپنا کوئی قطرہ نہ چھوڑے گا مگر وہ برسا دے گا بہتا ہوا اور زمین اپنی کوئی بدی نہیں چھوڑے گی حتی کہ اسے اگا دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگ مرنے والوں کی تمنا کریں گے وہ اسی حالت میں سات سال یا آٹھ سال یا نو سال

(رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي مُسْتَدْرَكِهٖ) ۔۔۔ زندہ رہیں گے۔

۱؎ در، دال پر زبر یا شد، کثرت کے ساتھ بارش کا برسنا۔

۲؎ یعنی امام مہدی کے دور میں بارشیں خوب ہوں گی، زمین فصل خوب اگائے گی اور زندگی میں عیش و آرام ہوگا۔

۳؎ زندہ کہتے، کاش! یہ مرنے والے ہمارے دور میں ہوتے تو عیش و عشرت پاتے۔

بعض نے احیاء کو بکسر ہمزہ پڑھا ہے یعنی یہ آرزو کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دے اگر یہ ثابت ہو تو پھر محض بطور فرض و تقدیر ہوگا ورنہ محض احتمال ہی ہے۔

۴؎ یہ راوی کو شک ہے یا حضور علیہ السلام نے اس وقت اسے مبہم رکھا بعد میں اس میں تعیین فرمادی۔

۵؎ یہاں کتاب میں بیاض ہے البتہ اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

۵۲۲۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ وَّرَاءِ النَّهْرِ يُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ عَلٰى مُقَدِّمَتِهٖ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مَنْصُورٌ يُوَطِّنُ أَوْ يُمَكِّنُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا مَكَّنَتْ قُرَيْشٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ نَصْرُهٗ أَوْ قَالَ إِجَابَتُهٗ ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ماوراء النہر[۱] سے ایک شخص نکلے گا جسے حارث کہا جائے گا کسان[۲] ہوگا اس کے لشکر کے اگلے حصے میں ایک شخص ہوگا جسے منصور کہا جائے گا وہ[۳] محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کو ایسی ہی جگہ دے[۴] گا جیسے قریش نے اللہ کے رسول کو دی ہر مسلمان پر اس کی مدد[۵] ضروری ہے یا فرمایا اس کی بات ماننا ضروری ہے۔

۱؎ مصابیح کے بعض نسخوں میں وراء النہر کے الفاظ ہیں

۲؎ یہ دونوں نام یا دونوں صفات ہو سکتی ہیں۔ الغرض خواہ بطریق علم ہو یا بطریق وصف اس کے یہ دو نام ہوں گے۔

۳؎ حارث نامی شخص

۴؎ یوطن او یمکن۔ راوی کو شک ہے کہ کون سا لفظ کہا

۵؎ راوی کو شک ہے کہ نصرہ کہا یا اجابتہ کہا یہ حدیث اس معاملہ میں واضح ہے کہ وہ شخص امامت و خلافت کا دعویٰ کرے گا اور اہل ایمان پر اس کی اطاعت لازم ہوگی یہ بھی ممکن ہے یہ بات بطور تعلیم و ارشاد اور ہدایت ہو، نصرت و اجابت سے مراد اعتقاد و محبت ہو۔

۵۲۲۳ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تُکَلِّمَ السِّبَاعُ الْاِنْسَ وَحَتّٰی تُکَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَۃُ سَوْطِہٖ وَشِرَاکُ نَعْلِہٖ وَیُخْبِرَہٗ فَخِذُہٗ بِمَا اَحْدَثَ اَھْلُہٗ بَعْدَہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت نہ آئے گی حتیٰ کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے اور حتیٰ آدمی سے اس کے کوڑے کا پھندنا اور جوتے کا تسمہ باتیں کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب کچھ بتا دے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے پیچھے کیا۔ (ترمذی)

سلہ عذبہ بحرکات ہر چیز کی طرف ۔ قاموس ، صراح میں ہے عذبۃ اللسان زبان کی تیزی ۔ عذبۃ السوط تازیانہ کا ، عذبۃ المیزان وہ رسی جو ترازو کو اٹھائے ہوئے ہوتی ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۲۴ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی نشانیاں دو سو سال کے بعد ہیں (ابن ماجہ)

سلہ اسلام کی آمد کے دو سو سال بعد قیامت کی نشانیوں کا پے در پے اظہار شروع ہو جائے گا یا آپ کے وصال مبارک کے بعد دو سو سال مراد ہیں ۔ دو سو سال کی ابتداء ہجرت سے بھی ہو سکتی ہے ۔

۵۲۲۵ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّایَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَاْتُوْھَا فَاِنَّ فِیْھَا خَلِیْفَۃَ اللّٰہِ الْمَھْدِیَّ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کالے جھنڈے دیکھو خراسان کی طرف سے آتے ہوئے تو تم وہاں جانا کیونکہ اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے سلہ (مسند احمد، دلائل النبوۃ للبیہقی)

سلہ اس واقعہ اور اس کی مثل دوسرے واقعات کی تفصیل کے لیے حضرت شیخ علی متقی قدس سرہ کے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو انھوں نے علامات مہدی میں تحریر فرمایا ہے ۔

۵۲۲۶ وَعَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ وَنَظَرَ اِلَی ابْنِہِ الْحَسَنِ وَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ کَمَا سَمَّاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَیَخْرُجُ مِنْ صُلْبِہٖ رَجُلٌ یُسَمّٰی بِاِسْمِ نَبِیِّکُمْ یُشْبِھُہٗ فِی الْخُلُقِ وَلَا یُشْبِھُہٗ

حضرت ابو اسحاق سلہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے امام حسن کو دیکھ کر فرمایا یہ میرا بیٹا سید ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے سید فرمایا اس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہو گا جو تمھارے نبی کے نام سے موسوم ہو گا

فِی الْخَلْقِ ثُمَّ ذَکَرَ قِصَّةً یَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ وَلَمْ یَذْکُرِ الْقِصَّةَ)

عادت میں ان کے مشابہ مگر صورت میں مشابہ نہ ہوگا پھر پورا واقعہ بیان کیا کہ وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا (ابوداود) اور قصہ ذکر نہ کیا۔

لہ ابو اسحاق سبیعی کبار تابعین میں سے ہیں انھوں نے حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کی ہے انھوں نے اڑتیس فقیہ صحابہ سے حدیث سنی ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں امام حسن اور امام ابن سیرین اور مجاہد سے افضل ہیں سبیعی سین پر زبر یا نسبت مکسور سبیع ایک شخص کا نام تھا
لہ سیرت باطنی میں مشابہت ہوگی۔
لہ درصورت ظاہر یعنی تمام وجوہ کے لحاظ سے ورنہ بعض احادیث میں بعض چیزوں میں مشابہت بھی ثابت ہے
لہ واضح رہے کہ امام مہدی کا سیدہ فاطمہ کی اولاد سے ہونا حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے لیکن اس میں یہ قید نہیں کہ امام حسن یا امام حسین کی اولاد میں سے ہوں گے، بعض احادیث میں ان کا امام حسن کی اولاد میں سے ہونا ثابت ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ بعض میں امام حسین کی اولاد میں سے ہونا بھی مذکور ہے۔ بعض احادیث غریبہ میں حضرت عباس کی اولاد سے ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ شیخ ابن حجر ہیتمی مکی نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ ایک شخص کی ولادت میں جہات مختلفہ ہو سکتی ہیں۔ اب دونوں اماموں کی طرف نسبت ہو سکتی ہے البتہ امام حسن کی طرف نسبت ولادت عظمیٰ ہوگی کیونکہ ان کا تذکرہ اکثر احادیث میں آیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی ایک والدہ خاندان عباسیہ سے ہو۔

۵۲۲۷ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ فُقِدَ الْجَرَادُ فِیْ سَنَةٍ مِّنْ سِنِیْ عُمَرَ الَّتِیْ تُوُفِّیَ فِیْهَا فَاهْتَمَّ بِذٰلِكَ هَمًّا شَدِیْدًا فَبَعَثَ اِلَی الْیَمَنِ رَاكِبًا وَرَاكِبًا اِلَی الْعِرَاقِ وَرَاكِبًا اِلَی الشَّامِ یَسْأَلُ عَنِ الْجَرَادِ هَلْ اُرِیَ مِنْهُ شَیْئًا فَاَتَاهُ الرَّاكِبُ الَّذِیْ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ بِقَبْضَةٍ فَنَثَرَهَا بَیْنَ یَدَیْهِ فَلَمَّا رَاٰهَا عُمَرُ كَبَّرَ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ اَلْفَ اُمَّةٍ سِتُّ مِائَةٍ مِّنْهَا فِی الْبَحْرِ وَاَرْبَعُ مِائَةٍ فِی الْبَرِّ فَاِنَّ اَوَّلَ هَلَاكِ هٰذِهِ الْاُمَمِ الْجَرَادُ فَاِذَا هَلَكَتِ الْجَرَادُ تَتَابَعَتِ الْاُمَمُ كَنِظَامِ السِّلْكِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے برسوں میں سے اس برس جس میں آپ کا وصال ہوا ٹڈی کم ہوگئی تو آپ اس سے سخت غمگین ہوئے آپ نے ایک سوار یمن کی طرف اور ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا ٹڈی کے متعلق سوال فرماتے تھے کہ کیا کچھ ٹڈیاں دیکھی گئیں تو آپ کے پاس وہ سوار جو یمن گیا تھا مٹھی بھر ٹڈیاں لایا اور آپ کے سامنے بکھیر دیں جب انھیں دیکھا تو حضرت عمر نے تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کیں جن میں سے چھ سو دریا میں ہیں اور چار سو خشکی میں اور سب سے پہلے ہلاکت میں ٹڈی ہے جب ٹڈی

(رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ) ہلاک ہو جائے گی تو دوسری امتیں لگاتار ہلاک ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ۵۔ (بیہقی، شعب الایمان)

۱۔ خلافت کے سال
۲۔ جس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا اُس سال ٹڈی وہاں نہ تھی۔
۳۔ وہ سوار لوگوں سے ٹڈی کے بارے میں پوچھنا یہ بھی احتمال ہے کہ یسأل کی ضمیر حضرت عمر کی طرف لوٹے۔
۴۔ بعض نسخوں میں لفظ ہلاک نہیں صرف اتنا ہے ان ہزار میں سے پہلی ٹڈی ہے۔
۵۔ جیسے لڑی سے لگاتار دانے گر پڑتے ہیں۔

۲۴۰۔ بَابُ الْعَلَامَاتِ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ وَذِکْرِ الدَّجَّالِ

قربِ قیامت کی نشانیاں اور دجّال

اس باب میں قرب قیامت واقع ہونے والی بڑی نشانیوں کا ذکر ہے۔ جیسا کہ سابقہ باب میں چھوٹی نشانیوں کا تذکرہ ہوا۔ جب امام مہدی کا تذکرہ ان احادیث میں آچکا جن میں ان فتنوں اور لڑائیوں کا بیان ہے جو ان کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوں گی اور آپ کے ظاہر ہونے پر وہ ختم ہو جائیں گی اس وجہ سے ان کا تذکرہ اس باب میں ہوا ہے۔ واضح ہو کہ وہ احادیث و اخبار جو دس نشانیوں کے بارے میں مصنف نے ذکر کی ہیں ان میں اختلاف ہے ان کے درمیان موافقت بیان کرنے کے سلسلے میں تطبیق و توفیق میں طویل گفتگو ہے ہوسکتا ہے ان میں سے بعض کے ضمن میں کسی قدر بیان کی جائے ان میں سے سب سے اہم و اعظم مصیبت دجال کا وجود ہے اور اس کے بارے میں احادیث متعدد ہیں۔ دجال، دجل سے بنا جس کا معنی ہے خلط ملط کرنا، مکر اور دھوکہ کے ہیں۔ دجل الحق بالباطل اس وقت کہتے ہیں جب کوئی حق کو باطل سے ملا دے۔ اس کا معنی کذب بھی ہے ان تمام معانی کا دجال میں پایا جانا واضح ہے اور دجال کے دیگر معانی اور اس کی وجہ تسمیہ قاموس میں تفصیلاً ہے۔ شرح میں انہیں ہم ... ذکر بھی کریں گے لفظ مسیح اس کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مشترک ہے اور اکثر طور پر یہ ہوتا ہے مسیح کے اطلاق کے وقت دجال کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مطلقاً مذکور ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کوڑھے اور برص والے کو مس کرتے تو وہ صحیح ہو جاتا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ والدہ کے شکم سے تمام اس آلائش اور میل کچیل سے پاک پیدا ہوئے جو بچے پر ولادت کے

وفت ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک مسیح کا معنی یہی ہے یا اس وجہ سے کہ ان کے پاؤں ہموار تھے۔ ان میں خم نہیں تھا جیسے کہ اکثر لوگوں کے پاؤں میں ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ انھوں نے زمین پر زیادہ مسافت طے کی۔ یہ وجہ ان کے اور دجال کے درمیان مشترک ہے، دجال کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ نہیں ہوگی بلکہ جگہ ہموار ہوگی۔ ممسوح الوجہ اور مسیح الوجہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے کی ایک طرف ہموار ہو اور آنکھ وابرو نہ ہو یا اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے خیر و بھلائی ختم ہو جائے گی جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے شر اور برائی محو ہو جائے گی۔ پس دجال مسیح الضلالۃ اور حضرت عیسیٰ مسیح الہدایہ ٹھہرے اس وجہ سے حضرت عیسیٰ کے لیے مسیح کا لفظ میم کے نیچے زیر اور سین مشدد سے بھی آیا ہے۔ بعض کے نزدیک مشدد دجال کا نام ہے اور مخفف حضرت عیسیٰ کا اور جو یہ کہا گیا ہے کہ دجال کا نام خاء کے ساتھ مسیخ ہے غلط ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۲۸ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ اَسِيْدِ الْغِفَارِيِّ قَالَ اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَا تَذْكُرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشَرَ اٰيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّآبَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ وَثَلٰثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ تَسُوْقُ النَّاسَ اِلَى الْمَحْشَرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْعَاشِرَةِ وَرِيْحٌ تُلْقِي النَّاسَ فِي الْبَحْرِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت حذیفہ بن اسید[1] غفاری سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا حالانکہ ہم کوئی تذکرہ کر رہے تھے فرمایا کس کا ذکر کر رہے ہو؟ عرض کیا قیامت کا۔ فرمایا وہ قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے اس کی نشانیاں نہ دیکھ لو۔ آپ نے دھواں[2]، دجال[3]، دابۃ الارض، سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ کا نزول، یاجوج[4] ماجوج کا نکلنا، تین جگہ زمین کا دھنسنا یعنی مغرب، مشرق اور جزیرہ عرب میں زمین کا بیٹھ جانا اور آخر میں ایک آگ ہوگی جو یمن کی طرف سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف دھکیل کر لے جائے گی دوسری روایت میں ہے کہ قعر عدن سے آگ نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی۔ تیسری روایت میں دسویں نشانی کے متعلق ہے کہ ایک آندھی ہوگی جو لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی۔

(مسلم)

---

[1] اسید، ہمزہ پر زبر اور سین کے نیچے زیر، یہ بیعت رضوان میں شامل تھے بعض نے کہا کہ جس پہلے غزوہ میں یہ شریک ہوئے وہ حدیبیہ ہے لیکن درخت کے نیچے بیعت نہ کر سکے۔ کوفہ میں رہے۔ اہل کوفہ میں سے ہی شمار ہوتے ہیں حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو الطفیل اور شعبی نے روایت کیا ہے۔

ے ایسا دھواں ہوگا جو مشرق و مغرب کو ڈھانپ لے گا اور چالیس دن تک رہے گا مسلمانوں کو زکام کی طرح ہوگا اور کافر مدہوش، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے، قرآن مجید کی سورۂ دخان میں ہے

حضرت حذیفہ اوران کے اتباع کرنے والے کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہی دھواں مراد ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اوران کے متبعین کے نزدیک اس دھوئیں سے مراد وہ قحط ہے جو قریش پر حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں آپ کی اس دعا کے نتیجہ میں مسلط کیا گیا۔ اے اللہ ان پر سات سال تک قحط مسلط فرما جیسے کہ اہل مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مسلط کیا گیا وہ چیتڑے اور مردار کھاتے اور ہوا کو مثل دھواں دیکھتے کیونکہ بھوک کی وجہ سے جب نظر کمزور ہوجاتی ہے تو ایسے شخص کو ہوا دھوئیں کے مانند نظر آتی ہے اور اسے تیرہ و تاریک دیکھتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ خشک سالی اور قحط کی وجہ سے ہوا کثرت غبار سے آلودہ ہوکر تاریکی کی طرح ہوجاتی ہے اور عرب سخت حادثہ اور شر کو بھی دھوئیں کا نام دے دیتے ہیں۔ بخاری میں اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے احادیث مروی ہیں۔

سلہ دجال اور اس کے احوال کا تذکرہ فرمایا

سلہ اس چارپائے کا ذکر کیا جو مسجد حرام سے صفا و مروہ کے درمیان سے باہر آئے گا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی وَاَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ اس پر محمول ہے۔ شارحین نے بیان کیا کہ اس کا قد ساٹھ گز ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس کی تخلیق مختلف ہوگی، حیوانوں کے ساتھ زیادہ مشابہت ہوگی، جبل صفا کو پھاڑ دے گا اور اس کے ساتھ وہاں عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمانی برآمد ہوگی۔ کوئی شخص اس کے ساتھ دوڑ نہیں سکے گا اور اس سے بھاگ نہ سکے گا۔ مومن کو عصا سے مارے گا اور اس کے چہرے پر مومن لکھے گا۔ کافر کو مُہر لگائے گا اور اس کے چہرے پر کافر لکھے گا۔

ھ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبائل ہیں اور یہ دونوں نام عجمی ہیں بعض کے نزدیک عربی ہیں تاہم ان کا اشتقاق شرح میں بیان کیا ہے۔

ے جزیرۂ عرب اور حدود کا بیان باب الملاحم میں ہوچکا ہے

ے اس زمین کی طرف سے جائے گی یہاں حشر ہوگا اس سے مراد شام کی زمین ہے کیونکہ حدیث صحیح میں آیا کہ حشر شام کی زمین پر ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چلانا حشر برپا ہونے کے بعد ہو تاکہ یہ اعتراض وارد ہو علامت قیامت اس سے پہلے ہو اور حشر بعد میں برپا ہوگا۔

ے یہ بھی یمن کا علاقہ ہے۔

ے دوسری روایت میں دسویں شے کا نام آگ از زمین یا قعر عدن کی بجائے ہوا کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں میں دریا میں پھینک دے گی۔

سلہ یہاں اشکال یہ ہے کہ بخاری شریف میں مذکورہ آگ کو قیامت کی پہلی علامت بیان کیا گیا ہے اور یہاں

آخری) ان دونوں احادیث کے درمیان موافقت یوں ہے کہ آگ بیان کردہ نشانیوں سے مؤخر ہے اور ان نشانیوں سے پہلی نشانی ہے جن کے ظاہر ہونے کے بعد دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی بلکہ اس کی انتہا صور پھونکنے پر ہوگی جس کے ساتھ دنیا و مافیہا فانی اور ہلاک ہوجائے گا بخلاف دیگر علامات کے کہ اس کے بعد دنیا کچھ نہ کچھ باقی رہے گی۔ پس پہلی قسم قربِ قیامت کی علامات اور دوسری قیام قیامت کی اور اول و آخر ہونا امور نسبیہ میں سے ایک شے کے حوالے سے اول اور دوسرے کے حوالے سے آخر ہوگی۔

۵۲۲۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سِتًّا اَلدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَدَآبَّةَ الْاَرْضِ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَاَمْرَ الْعَامَّةِ وَخُوَيْصَّةَ اَحَدِكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں سے پہلے اعمال میں جلدی کرو۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، فتنۂ عام[1] اور تمھارے ہر ایک کا خاص[2] فتنہ۔ (مسلم)

[1] جو تمام مخلوق کا احاطہ کرے
[2] یعنی نفس، اہل اور مال ہیں تم میں بعض کی مشغولیت ہوگی یا امر عامہ سے مراد قیامت ہے اور خاص سے مراد موت ہے جب علامات سے ڈرایا تو اس کے قیام اور موت سے بھی ڈرایا کیونکہ یہ قیامت صغریٰ ہے۔

۵۲۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّآبَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى اَوْ خُرُوْجُ الدَّآبَّةِ وَاَيُّهُمَا مَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْاُخْرٰى عَلٰى اَثَرِهَا قَرِيْبًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، پہلی علامت[1] جو ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا[2] اور دابۃ الارض کا لوگوں کے سامنے چاشت کے وقت نکلنا یا[3] دابہ کا نکلنا ان دونوں میں سے جو بھی اپنے صاحب سے پہلے ہو تو دوسری اس کے قریب ہی پیچھے[4] ہوگی۔

[1] یہ پہلی اس حوالے سے ہے کہ اس وقت حادثہ دشوار ترین ہوگا کیونکہ توبہ کے دروازے بند ہوجائیں گے
[2] اس کے اوصاف معلوم ہیں اور اس کا کلام کرنا بھی
[3] یعنی واؤ کی جگہ "او" کا کلمہ ہے یہ الفاظ آئندہ الفاظ کے زیادہ موافق ہیں۔
[4] یعنی ان دونوں کے وقوع کے درمیان دیگر علامات کی نسبت فاصلہ بہت کم ہوگا پس اگر آفتاب پہلے طلوع ہوگیا تو دابہ اس کے بعد اور اگر دابہ پہلے نکلا تو اس کے بعد متصلاً سورج مغرب سے طلوع ہوجائے گا۔ ان دونوں میں ترتیب و تقدیم و تاخیر کے بارے میں وحی بالیقین نازل نہیں ہوئی لیکن اتنا واضح ہے کہ ان دونوں کا وقوع دوسری علامات کی نسبت متصل ہوگا۔

۵۲۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں جب ظاہر ہوں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے[۱] گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا یا تھا یا اپنے ایمان میں بھلائی[۲] نہ کمائی تھی، سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال اور زمین کا جانور[۳] (المسلم)

[۱] اس وقت ایمان لانا اور کفر سے توبہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

[۲] اس وقت گناہوں سے توبہ بھی مفید نہ ہوگی۔ اس آیت کریمہ کی متعدد تفاسیر ہیں ہم نے ایک بیان کی ہے اور تین چیزیں یہ ہیں۔

[۳] کیونکہ ان کے بعد احوال آخرت کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ حالانکہ معتبر ایمان بالغیب ہے۔

۵۲۳۲ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِيْ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ هٰذِهٖ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَيُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلَ مِنْهَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا يُؤْذَنُ لَهَا وَيُقَالُ لَهَا ارْجِعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج ڈوبتا ہے تو جانتے ہو یہ کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے[۱] دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو اور اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ[۲] جا تو مغرب سے طلوع ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے[۳] ہے[۴] (بخاری ومسلم)

[۱] یہ حکم ہوتا ہے کہ مشرق کی جانب سے طلوع ہو اور اجازت سے یہی مراد ہے کہ میں مشرق سے طلوع ہو جاؤں۔

[۲] چونکہ وہ مغرب سے آیا لہٰذا اسی طرف لوٹ جائے گا۔

[۳] اس کی قرارگاہ عرش کے نیچے ہے غروب کے بعد وہاں جاکر سجدہ کر کے اجازت طلب کرتا ہے اور اسے آئندہ طلوع ہونے کا حکم ملتا ہے۔

[۴] تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے اور معانی بھی بیان ہوئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں جو تفسیر متفق علیہ حدیث میں آئی ہے وہ ہی متعین ہوگی لیکن تعجب یہ ہے کہ اس معنی کا وہاں بالکل نام ونشان نہیں، غالباً فلسفہ کے غلبہ کے تحت

ایسا ہوا ہے۔ علامہ طیبی کے کلام سے بھی سینہ کی تنگی ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال ہے۔

۵۲۳۳ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پیدائش حضرت آدم علیہ السلام اور قیام قیامت کے درمیان دجال سے بڑھ کر کوئی امر[1] نہیں (المسلم)

[1] ابتلاء، فتنہ، گمراہی اور استدراج کی وجہ سے۔

۵۲۳۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيْسَ بِاَعْوَرَ وَاِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تم پر چھپا[1] نہیں[2] اللہ تعالیٰ کانا نہیں اور مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے اس کی آنکھ گویا ابھرا ہوا[3] انگور ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی تم اس کی ذات و صفات پر بالیقین ایمان رکھو جیسا کہ شرع نے بیان کیا ، پس دجال کے جادو اور استدراج سے گمراہ نہ ہونا۔
[2] اس سے مقصد نفی نقص ہے خاص کر بصر ثابت نہیں یعنی اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرح ہرگز نہیں کہ اس کی آنکھیں ہوں چہ جائیکہ نعوذ باللہ وہ کانا ہو۔
[3] طافیہ۔ اس معنی میں یاء کے ساتھ طفو سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے خبر کا سر پہ آنا۔ اکثر روایات میں یہی ہے لیکن بعض روایات میں ہمزہ کے ساتھ طفود سے بھی مشتق آیا ہے۔ اس کا معنی آگ اور چراغ کا بجھانا ہے یعنی بے نور اور تاریک ہونا مراد ہے

۵۲۳۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ اُمَّتَهُ الْاَعْوَرَ الْكَذَّابَ اِلَّا اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَ. فَ. رَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس نے اپنی امت کو کانے کذاب[1] سے ڈرایا۔ آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے جبکہ تمہارا رب کانا نہیں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک۔ ف۔ ر[2] لکھا ہوا ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] مراد دجال ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دجال کے خروج کا وقت کسی کے لیے متعین نہیں بس اتنا معلوم ہے کہ قیامت سے پہلے آئے گا کیونکہ قیامِ قیامت کا وقت مقررہ کسی کو معلوم نہیں، لہٰذا اس کے خروج کا وقت متعین بھی کسی کو معلوم نہیں۔
[2] لفظ کفر مراد ہے مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ کفر ہے اور بعض میں جدا جدا حروف ہیں گویا اس کے چہرے پہ

جُدا جُدا لکھا ہوا ہوگا۔

۵۲۳۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِیْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِیٌّ قَوْمَهٗ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَاَنَّهٗ یَجِیْءُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِیْ یَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِیَ النَّارُ وَاِنِّیْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں دجال کے متعلق ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی، بلاشبہ وہ کانا ہے اور اپنے ساتھ جنت و دوزخ جیسی چیزیں لے کر آئے گا اور میں تمہیں ڈراتا ہوں جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ (بخاری و مسلم)

۵۲۳۷ وَعَنْ حُذَیْفَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدَّجَّالَ یَخْرُجُ وَاِنَّ مَعَهٗ مَاءً وَّنَارًا فَاَمَّا الَّذِیْ یَرَاهُ النَّاسُ مَاءً فَنَارٌ تُحْرِقُ وَاَمَّا الَّذِیْ یَرَاهُ النَّاسُ نَارًا فَمَاءٌ بَارِدٌ عَذْبٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْیَقَعْ فِی الَّذِیْ یَرَاهُ نَارًا فَاِنَّهٗ مَاءٌ عَذْبٌ طَیِّبٌ (متفق علیہ) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَیْنِ عَلَیْهَا ظَفَرَةٌ غَلِیْظَةٌ مَكْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ كَافِرٌ یَقْرَؤُهٗ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٍ وَّغَیْرِ كَاتِبٍ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ دجال نکلے گا اور اس کے ساتھ پانی و آگ[1] ہوگی جو لوگوں کو پانی نظر آئے گا وہ جلانے والی آگ ہوگی اور جو لوگوں کو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا جو تم میں سے اس صورت حال سے دوچار ہو تو اس میں گرے جو آگ نظر آتی ہے، کیونکہ وہ[2] میٹھا اور پاک پانی ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم میں یہ اضافہ بھی ہے بلاشبہ دجال مٹی ہوئی آنکھ والا ہے جس پر بڑا سا ناخن[3] ہے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے جس کو ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا جانتا ہو[4] یا نہ جانتا ہو۔

[1] یا تو حقیقۃً آگ اور پانی ہوں گے یا مجازاً جنت و دوزخ کا تذکرہ ہے۔

[2] یعنی اس کی طرف سے جو عذاب اور مشقت دیکھے اسے راحت اور خوشی جانے، اس سے گریز نہ کرے اور دجال کے جال میں نہ پڑے۔

[3] ظفرہ۔ ظا پر زبر، فاء، آنکھ پر جو زائد گوشت اگتا ہے اور اسے ناک کی طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔

[4] اس سے پہلے وہ لکھنا جانتا تھا یا نہ، واضح رہے کہ ظاہر یہی ہے کہ ناخن اسی آنکھ پر ہوگا جو غیر ہموار ہوگی کیونکہ ممسوح کا معنی جو دجال کی وجہ تسمیہ میں گذرا، وہ یہ ہے کہ جس کی ایک جانب چہرے کی آنکھ و ابرو سے خالی ہو، لہذا وہ جانب ہموار ہوگی وہاں ناخن کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر اس وقت ہو سکتا ہے جب ممسوح سے مراد مطلق معیب ہونا ہو اور حدیث میں کَاَنَّ عَیْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِیَةٌ۔ (اس کی آنکھ اُبھرے ہوئے انگور کی طرح ہوگی) بھی آیا ہے۔

حدیث میں اعور عین الیمنی (دائیں آنکھ سے کانا) بھی گذرا ہے اور دوسری میں بائیں آنکھ کا ذکر ہے۔ بالجملہ دجال کے اوصاف کے بارے میں احادیث متعارض آئی ہیں۔ شیخ تورپشتی کہتے ہیں کہ ان اوصاف کے درمیان تطبیق یوں ممکن ہے کہ فرض کرلیا جائے کہ دونوں آنکھوں میں سے ایک ختم اور دوسری میں عیب ہے، اب یہ ایک آنکھ کو اعور کہا جاتا ہے کیونکہ عور کے معنی عیب کے ہیں۔

۵۲۳۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّتُهٗ وَجَنَّتُهٗ نَارٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال بائیں آنکھ سے کانا اور پراگندہ گھنے بالوں والا ہے اس کے ساتھ اس کی دوزخ جنت ہوگی اس کی آگ جنت اور اس کی جنت آگ ہوگی۔ (مسلم)

۱؎ جفال، جیم پر پیش، کثرت یا بشم اور اس کی مثل کے ساتھ مخصوص ہے۔ قاموس میں ہے جَفَلَ الشَّعْرُ جُفُوْلًا بالوں کا پراگندہ ہونا۔

۵۲۳۹ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّهٗ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهٗ طَافِيَةٌ كَاَنِّيْ اُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا، تو فرمایا اگر وہ نکلا اور میں تم میں ہوا تو تمہارے بغیر اس کا مقابل میں ہوں گا اور اگر وہ نکلا اور میں تم میں نہ ہوا تو ہر شخص اپنی ذات کا محافظ ہے اور ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ میری طرف سے محافظ ہے، وہ جوان ہے سخت گھونگھریالے بال والا، اس کی آنکھ ابھری ہوئی، گویا میں اسے عبد العزیٰ بن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں تو تم میں سے جو اسے پائے تو اس پر سورۃ کہف پڑھے۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ بِفَوَاتِحِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَاِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهٖ اِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِيْنًا وَّعَاثَ شِمَالًا يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لَبْثُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَّيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ

ایک روایت میں فواتح سورۃ الکہف کے الفاظ اور دوسری روایت میں بفواتح سورۃ کہف کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ وہ تمہاری امان ہے اس کے فتنے سے وہ شام اور عراق والے راستے سے نکلے گا تو دائیں بائیں فساد پھیلائے گا اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کا زمین میں ٹھہرنا کتنا ہے؟ فرمایا چالیس دن، ایک دن سال کی طرح ہوگا اور ایک دن مہینہ کی

وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ اَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ۔

طرح، اور ایک دن ہفتہ کی طرح اور بقیہ دن تمہارے تمام دنوں کی طرح۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تو یہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ہم کو ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی فرمایا نہیں تم اس کے لیے اندازہ لگا لینا۔

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِسْرَاعُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ۔

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمین پر اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی فرمایا بارش جس کے پیچھے ہوا ہو۔

فَيَاْتِيْ عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ فَيَاْمُرُ السَّمَآءَ فَتُمْطِرُ وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ اَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَّاَسْبَغَهٗ ضُرُوْعًا وَّاَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ۔

وہ ایک قوم پر آئے گا انہیں بلائے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے، تو آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا، اور زمین کو حکم دے گا وہ اگائے گی، ان کے جانور شام کے وقت آئیں گے، تو وہ زیادہ لمبی کوہان والے اور زیادہ بھرے ہوئے تھن والے اور زیادہ پھیلی ہوئی کوکھوں والے ہوں گے۔

ثُمَّ يَاْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُوْنَ مُمْحِلِيْنَ لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا اَخْرِجِيْ كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهٗ كُنُوْزُهَا كَيَعَاسِيْبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُوْ رَجُلًا مُّمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهٗ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهٗ يَضْحَكُ۔

پھر ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں بلائے گا وہ اس کی بات رد کر دیں گے تو وہ ان کے پاس سے لوٹ جائے گا، تو یہ لوگ قحط زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے مال میں سے کچھ باقی نہ رہے گا اور ویرانہ پر گزرے گا اس سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکال تو اس کے کہنے پر خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے پھر جوانی سے بھرے ہوئے ایک شخص کو بلائے گا اسے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور تیر کے نشان کے ہدف پر پھینک دے گا پھر اسے بلائے گا تو وہ آجائے گا اس کا چہرہ چمکتا ہوگا وہ ہنستا ہوگا۔

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاْطَاَ

جبکہ وہ اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا آپ اس کے مشرقی سفید مینارے کے پاس دو زعفرانی کپڑوں کے درمیان اتریں گے اپنے دونوں ہاتھ فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے جب اپنا سر جھکائیں گے

رَأْسَهُ قَطَرَ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيحِ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ۔

تو قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے قطرے ٹپکیں گے موتیوں کی طرح[۱] پھر کسی کافر کو جینا[۲] نہ ہوگا کہ آپ کی سانس پالے مگر مرجائے[۳] گا اور آپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر جاوے گی آپ اسے تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے باب لد[۴] میں پائیں گے تو قتل کردیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جنہیں اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا تو آپ ان کے چہرے صاف فرمائیں گے اور ان میں ان کے جنتی درجات کی خبردیں[۵] گے

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى عِيسَى أَنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلَى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ ثُمَّ يَسِيرُونَ حَتَّى يَنْتَهُوا إِلَى جَبَلِ الْخَمَرِ وَهُوَ جَبَلُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيَقُولُونَ لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ هَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ فَيَرْمُونَ بِنُشَّابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مَخْضُوبَةً دَمًا وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔

وہ اس طرح ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ کو رب تعالیٰ وحی کرے گا کہ میں نے اپنے بندے نکالے ہیں جس میں لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ اور یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جو ہر ٹیلے سے دوڑتے آئیں گے تو ان کی اگلی جماعت بحیرہ طبریہ پر گزرے گی اس کا سارا پانی پی جائے گی ان کی آخری جماعت گزرے گی تو کہے گی کہ کبھی یہاں پانی تھا حتیٰ کہ جبل خمر[۶] تک پہنچیں گے یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کیا[۷] آؤ آسمان والوں کو قتل کریں تو اپنے تیر[۸] آسمان کی طرف چلائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیر رنگین لوٹائے گا اور اللہ کے نبی اور[۹] ان کے ساتھی محصور[۱۰] ہوجائیں گے حتیٰ کہ ان کے لیے بیل کی سری سو اشرفیوں سے بڑھ کر ہوگی جو تمہارے لیے آج ہے۔ تب اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی متوجہ الی اللہ[۱۱] ہوں گے اس وقت اللہ ان یاجوج ماجوج کی گردن میں ایک کیڑا[۱۲] پیدا کرے گا تو وہ سب ایک شخص کی موت کی طرح مردہ ہوجائیں[۱۳] گے۔

ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ

پھر اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی زمین پر اتریں گے

إلى الأرض فلا يجدون في الأرض موضع شبر إلا ملأه زهمهم ونتنهم فيرغب نبي الله عيسى وأصحابه إلى الله فيرسل الله طيرا كأعناق البخت فتحملهم فتطرحهم حيث شاء الله وفي رواية تطرحهم بالنهبل ويستوقد المسلمون من قسيهم ونشابهم وجعابهم سبع سنين ثم يرسل الله مطرا لا يكن منه بيت مدر ولا وبر فيغسل الأرض حتى يتركها كالزلفة ثم يقال للأرض أنبتي ثمرتك وردي بركتك فيومئذ تأكل العصابة من الرمانة ويستظلون بقحفها ويبارك في الرسل حتى أن اللقحة من الإبل لتكفي الفئام من الناس واللقحة من البقر لتكفي القبيلة من الناس واللقحة من الغنم لتكفي الفخذ من الناس فبينما هم كذلك إذ بعث الله ريحا طيبة فتأخذهم تحت آباطهم فيقبض روح كل مؤمن وكل مسلم ويبقى شرار الناس يتهارجون فيها تهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة رواه مسلم إلا الرواية الثانية وهي قوله تطرحهم بالنهبل إلى قوله سبع سنين. الترمذی

تو زمین میں بالشت بھر کوئی ٹکڑا نہیں پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو سے نہ بھری ہو۔ تب اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا۔ اونٹ کی گردنوں کی طرح وہ انھیں اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ انھیں نہبل میں پھینک دیں گے اور مسلمان ان کی کمانیں تیر اور ترکش سات سال تک جلائیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے نہ کوئی مٹی کا گھر بچے گا نہ اون کا۔ وہ زمین کو دھوئے گی حتیٰ کہ اسے شیشہ کی طرح کر چھوڑے گی پھر زمین سے کہا جائے گا تو اپنے پھل اگا اور اپنی برکت لوٹا دے تو اس دن ایک انار سے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ لے گی اور دودھ میں برکت دی جائے گی حتیٰ کہ تازہ جنی ہوئی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کو کافی ہو گی اور نئی جنی ہوئی گائے ایک قبیلہ کو کافی ہو گی اور نئی جنی ہوئی بکری لوگوں کے ایک خاندان کو کافی ہو گی جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیجے گا وہ انھیں ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی تو ہر مسلمان ہر مومن کی روح قبض کرے گی اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی جفتی کی طرح زنا کریں گے، ان پر قیامت ہو گی۔ (مسلم) مگر یہ الفاظ کہ انھیں نہبل میں پھینکے گی ایک قول کے مطابق سات سال تک۔

۱؎ نواس، نون پر زبر، واؤ مشدد اور سین، ابن سمعان۔ سین کے نیچے زیر، جیم ساکن۔ صحابی ہیں۔ شام میں سکونت پذیر رہے۔

۲؎ تمہارے سامنے یا تمہارے پیچھے کی جانب، دون کا معنی سامنے، پیچھے اور اوپر کے آتے ہیں

۳؎ اپنے آپ سے اس کے شر کو دلائل شرعیہ قطعیہ عقلیہ سے دفع کرو۔

۴؎ میرے بعد تم پر اللہ وکیل اور اس کا ولی ہے جو دجال کے شر کو تم سے دور کر دے گا واضح رہے کہ یہ دلائل وقرائن سے

معلوم ہورہا ہے کہ دجال کا ظہور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد ہی ہے۔ مگر آپ نے یہ طریقہ مکلفین پر خوف فتنہ کے بقا، اس کے ظہور کے وقت میں ابہام، دجال کے ظہور کے تعین اور تحقق میں مبالغہ و تاکید کے لیے آپ نے یہ اسلوب اختیار فرمایا۔

۵ ابن قطن، قاف پر زبر اور طا، یہ عبدالعزیٰ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتا ہے اور عہد جاہلیت میں یہ بادشاہ رہا ہے بعض کے نزدیک یہودی کا نام ہے اور نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشرک تھا، حضور علیہ السلام نے دجال کو اس کے مشابہ قرار دیتے ہوئے جزم نہیں فرمایا۔ البتہ بعض احادیث میں تشبیہ پر جزم کا ذکر بھی آیا ہے گویا کانّ کا لفظ برائے تاکید اور اس میں پختگی پیدا کرنے کے لیے ہے۔

۶ جیسا کہ اپنے زمانے میں دقیانوس جابر حاکم سے اصحاب کہف نے نجات پائی تھی۔ بعض احادیث میں سونے کے وقت ان آیات کی تلاوت کے وقت میں ملتا ہے۔ رجواز جیم کے نیچے زیر یا پیش، کسرہ افصح ہے۔ ہمسایہ ہونا، پڑوسی کا امن دینا، بعض نسخوں میں جوازکم جیم اور رنا آیا ہے اس کا سن وہ خط (دیبل) جو مسافر کسی بادشاہ سے اس لیے لیتا ہے کہ اس کے نائب راستے میں اس سے تعرض نہ کریں۔

۷ خلّۃ، خاء پر زبر، لام مشدد، وہ راستہ جو ریگستان میں جاتا ہو۔

۸ صرف اپنے سامنے مقابل ہی نہیں بلکہ دائیں بائیں ہر طرف فساد پھیلائے گا اور لفظ عاث کو بر صیغہ ماضی بھی پڑھا گیا ہے۔

۹ پانچ نمازوں کے ادا کرنے کے لیے ایک دن کا اندازہ مقرر کرو، جب فجر کے طلوع کے بعد عام معمول کے مطابق وقت گزر جائے تو نماز فجر ادا کرو اور جب فجر اور ظہر کے درمیان عام معمول کے مطابق وقت گزر جائے تو ظہر ادا کرنا جب ظہر اور عصر کے درمیان متعارف وقت کے مطابق گزر رہے تو عصر ادا کرنا اسی طرح اس دن کی باقی نمازیں جو سال کے برابر ہوگا، اس پر اس دن کو قیاس کرو جیسے جو مہینے اور ہفتہ کے برابر ہے۔ یہاں سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ تاویل باطل ہے کہ اس دن کی طوالت سال اور مہینے کے برابر اس معنیٰ کے تعنوں اور شدت غم وحزن کی وجہ سے ہوگی اور جیسے جیسے حق کی قدر وشوکت میں اضافہ ہوگا باطل پسپا ہوتا جائے گا اور لوگ فتنہ وفساد اور مشقت کے عادی ہو جائیں گے سختی جاتی رہے گی یہ تاویل اس سوال اور جواب سے مناسبت نہیں رکھتی۔

۱۰ یہاں غیث سے مراد ابر ہے۔

۱۱ اپنی طرف اور اپنے مذہب کی طرف

۱۲ وہ مویشی جو صبح کے وقت چرتے گئے تھے۔ سرح، مویشی کو چراگاہ میں چھوڑنا اور سارحہ، چراگاہ میں چھوڑے گئے

۱۳ ذری، اونٹ کی کوہان کا بلند ہونا۔ ہر شے کی بلندی کو ذروہ کہا جاتا ہے یہاں مویشی کا فربہ ہونا موٹا مراد ہے کیونکہ فربہ ہونے کی وجہ سے کوہان لمبے ہو جاتی ہے۔

۱۴ وہ قوم اس پر ایمان نہیں لائے گی۔

۱۵؎ ان پر بارش کا برسنا ، زراعت و نباتات کا اگنا بند کر دے گا۔

۱۶؎ نحل ، شہد کی مکھیاں ، یعاسیب ، یعسوب کی جمع یعنی امیر نحل . قوم کے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے ۔ امیرالمومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد گرامی ہے اَنَا یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَالُ یَعْسُوْبُ الْکُفَّارِ مسلمان میری تابعت کرتے اور پناہ تلاش کرتے ہیں مگر کفار کے مال سے جو وہ اس کی پناہ ڈھونڈھتے ہیں ۔ امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی مدح میں بھی یہ لفظ آیا ہے ۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کے مرثیہ میں کہا کُنْتَ لِلدِّیْنِ یَعْسُوْباً (اے ابوبکر آپ دین کے لیے پناہ گاہ تھے)

۱۷؎ وہ انتہائی جوانی اور قوت میں ہو گا ۔

۱۸؎ اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک تیر پھینکنے کا فاصلہ ہو گا ۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کی تلوار کا وار اس طرح لگے گا جیسے تیر نشانہ پر لگتا ہے ، جزلہ جیم پر زبر یا زیر ، زاد ساکن بمعنی ٹکڑا ۔ غرض غین اور راء پر فتحہ بمعنی نشانہ و ہدف

۱۹؎ دمشق دال پر کسرہ ، میم پر فتحہ اور کسرہ بھی آیا ہے ۔

۲۰؎ جو ایسے گھاس رنگ جیسے ہوں گے جس کا نام کرکم ہے یا بالکل سرخ مَعْمُوْدَتَیْنِ ، دال و ذال دونوں ۔ قاموس میں ہے کہ ذال اس حدیث کے علاوہ کہیں نہیں آیا بعض نے اس کے دو ہونٹ اور دو حلق سے بھی کی ہیں ۔ اس لفظ کی تحقیق میں اس سے زیادہ گفتگو آئے گی ۔

۲۱؎ جمان بروزن غراب یا وہ دانے مراد ہیں جو موتیوں کی شکل میں چاندی سے بنتے ہیں اس کا واحد جمانہ ہے ۔ قاموس حواشی میں تحریر ہے کہ جُمّان ، جیم پر پیش ، میم مشدد چھوٹے موتی ، میم مخفف ہو تو وہ دانے جو چاندی سے ہوں یہاں آخری معنی مراد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حدیث میں کا لؤلؤ کا لفظ ہے یعنی وہ سر نیچے کریں گے تو ان کے بالوں سے نورانی قطرات ٹپکیں گے اور جب اوپر کریں گے تو وہ قطرات نیچے آئیں گے اس سے ان کی نورانیت اور حسن و جمال کی تروتازگی مراد ہے ۔

۲۲؎ جو کافر بھی آپ کا سانس پائے گا ممکن ہی نہیں کہ زندہ رہے اور نہ مرے

۲۳؎ سبحان اللہ ! کبھی دم کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمایا اور حیات بخشی اور کبھی زندوں کو مردہ فرمایا ۔

۲۴؎ بیت المقدس کے قریب قریہ ہے جس کا نام لُدّ ، لام مضموم اور دال مشدد ، قاموس میں ہے یہ فلسطین میں ایک قریہ ہے یہاں حضرت عیسی علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے یا یہ بیت المقدس کے شہروں میں سے کوئی قریہ ہے (بعض کے نزدیک یہ قریہ دمشق کے قریب ہے)

۲۵؎ جو درجات وہ جنت میں پائیں گے ۔

۲۶؎ چونکہ آثار قدرت میدان کارزار میں ہاتھ کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں لہذا اس کی تعبیر ہاتھ سے کرنا مشہور ہے اگرچہ مفرد آتا ہے لیکن مبالغہ کے لیے کبھی بصورت تثنیہ بھی آجاتا ہے ۔

۲۷؎ طبریہ ، واسط کے قریہ کا نام ہے اور اس دریا کے پانی کی طوالت دس میل ہے ۔

شک خمر ۔ دونوں پر فتحہ ، پیچیدہ درخت یا وہ چیز جو ڈھانپنے والی ہو مثلاً درخت وغیرہ ۔ چونکہ اس پہاڑ پر بہت زیادہ درخت ہیں اس وجہ سے اس کا نام جَبَل الخَمَر ہے ۔

۲۹ نشاب ، نون پر پیش ، شین مثلاً اس کا واحد نشابہ بمعنی تیر ہے ۔

۳۰ مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ۔

۳۱ فاقہ واحتیاج اس حد تک ہوگا کہ چوپائے کی سری وغیرہ جو نہایت ہی ارزاں ہوتی ہے اس کی قیمت سو درہم زائد ہوگی تو باقی اجزاء کے گوشت کا اندازہ خود کر لیجیے کہ ان کا حال کیا ہوگا اور کتنا مہنگا ہوگا ۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سر ثور سے مراد خالص ثور ہے جس کی برائے زراعت وکاشت ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ بات ضعیف ہے کیونکہ جو لوگ اس طرح محبوس ومحصور ہوں گے ان کا زراعت کرنا کیا معنی رکھتا ہے ۔

۳۲ یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے لیے

۳۳ نغف ، نون پر زبر ، غین ، وہ کیڑا جو اونٹ اور بھیڑ کی ناک میں ہوتا ہے اس کی واحد نغفۃ تاء کے ساتھ ہے ۔

۳۴ یعنی تمام یک دفعت ہلاک ہو جائیں گے ، فرسی بروزن قتلی ، یہ فریس بمعنی قتیل کی جمع ہے ۔

۳۵ زہم پہلے دونوں حروف پر زبر بمعنی چربی اکثر روایات میں یہی ہے بعض میں زاء پر پیش بھی آیا ہے زہمہ کی جمع بمعنی بدبو ۔

۳۶ بخت باء پر پیش ، خاء ساکن ، خراسانی اونٹ جن کی گردنیں بلند ہوتی ہیں اس کا واحد بختی ہے ۔

۳۷ نہبل ، نون پر زبر ، باء پر بھی فتحہ ، بیت المقدس کے پاس ایک جگہ کا نام ہے بعض نے کہا کہ وہ جگہ مراد ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے (کذا فی بعض الحواشی) ۔ اس لفظ کو مشکوٰۃ کے نسخہ میں نون کے ساتھ ہی صحیح قرار دیا گیا ہے طیبی کے نسخوں میں بھی یہی صورت ہے مگر مجمع البحار میں کرمانی کے حوالے سے یہ لفظ مَهْبَل ، میم کے ساتھ آیا ہے اس کی تفسیر اس پہاڑ سے کی گئی ہے جو زیر زمین چلا گیا ہو ۔ قاموس میں باب اللام وفصل المیم میں ہے کہ مَهْبَل بروزن منزل یعنی پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرنا ۔ یہ منقول ہے کہ ترمذی نے حدیث دجال میں " فتطرحھم بالنھبل " اسے نون کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ تصحیف ہے درست مہبل ، میم کے ساتھ ہی ہے ۔

۳۸ جناب ۔ جیم کے نیچے زیر ، جمع جب بمعنی بیروان ۔

۳۹ مدر ، میم اور دال دونوں پر زبر وہ مٹی جس سے اہل شہر گھر بناتے ہیں ، وبر ، واؤ اور باء دونوں پر فتحہ اونٹ کی اون جس سے مسافر گھر بناتے ہیں یعنی ہر جگہ بارش ہوگی اور کوئی ایسی جگہ نہیں بچے گی جس پر بارش نہ ہو ، کوئی دیوار اور خیمہ بارش کے پہنچنے سے مانع نہ ہو سکے گا ۔ زلامین ۔ یاء پر فتحہ ، کاف پر ضمہ یا یاء پر ضمہ اور کاف پر کسرہ از اکنان دونوں طرح آیا ہے اور دونوں کا معنی ستر ہے ۔

۴۰ زلفہ ، زا پر زبر ، لام اور کاف ، اس کے چند معانی ہیں ان میں سے ہر ایک اس مقام کے مناسب ہے

وہ جگہ جو پانی سے پر ہو جائے اور صاف ہو، کاسہ سبز یا صراحی سبز رنگ کی کیونکہ جب برتن پانی سے بھرا ہو تو وہ سبز رنگ دکھائی دیتا ہے۔ "صدف" ہموار پتھر، وہ زمین جس پر جھاڑو لگایا گیا ہو۔ یہ لفظ زاء پر ضمہ اور لام ساکن بمعنی "صنک" بھی مروی ہے یہ لفظ کا لزلفہ قاف کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کا معنی شفاف پتھر اور آئینہ کے ہیں یہ بھی مقام کے مناسب ہے گویا زمین کثرت آب کی وجہ سے آئینہ کی مانند ہو گی جس سے چہرہ نظر دیکھا جا سکے گا۔

۴۱ دس تا چالیس افراد ایک انار کو کھائیں گے یعنی اتنا بڑا ہوگا کثیر لوگ اسے کھا کر سیر ہو جائیں گے۔

۴۲ استظلال، سایہ ڈھونڈنا، انار کی چھال کو آدمی کے سر کی ان ہڈیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دماغ کے اوپر ہوتی ہیں اور جو مانند قحف ہیں قحف قاف کے نیچے زیر یا حاء ساکن بمعنی کاسہ سر، لکڑی کا پیالہ۔

۴۳ الرسل، راء کے نیچے زیر، سین ساکن یعنی شتر کے پستانوں میں بہت زیادہ دودھ ہوگا۔

۴۴ لقحہ۔ لام کے نیچے زیر ہے اور زبر بھی آیا ہے دودھ والی اونٹنی شارحین فرماتے ہیں وہ اونٹنی جو بچے جنے اس کو دو یا تین ماہ کے لقوح کہتے ہیں اس کے بعد لبون، فئام، فاء کے نیچے زیر بعض نے زبر بھی پڑھی ہے، ہمزہ یا یاء کے ساتھ ہے لیکن ہمزہ افصح اور اقوی ہے۔ بعض نے فاء پر زیر اور یاء مشدد پڑھا ہے۔ علامہ خطابی کے بقول یہ غلط ہے بہر صورت اس کا معنی جماعت ہے اس کا واحد ان الفاظ سے نہیں۔

۴۵ فخذ، فاء پر زبر، خاء ساکن، جماعت بطن سے کم اور بطن، قبیلہ سے کم تر ہوتا ہے۔ فخذ کا معنی ران کے ہیں جب اسے خاء کے نیچے زیر یا ساکن پڑھا جائے تو اس کا معنی معاد ہے۔ بعض نے ذال پر کسرہ کی صورت میں اسے عضو کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور سکون کی صورت میں بھی، تحقیق یہ ہے کہ دونوں الفاظ حرکات و سکنات میں موافق ہیں۔ خاء پہ فتحہ یا کسرہ، خاء ساکن یا مکسور اور جس کا معنی جماعت ہے وہ بھی عضو سے بھی منقول ہے کیونکہ بطن دونوں رانوں کو شامل ہے اور ہر ران دونوں کے لیے ایک طرف ہے تفسیر میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

۴۶ یہ جز اپنے مقام پر واضح ہو چکی کہ مومن و مسلم ایک ہی ہیں جو مومن ہے وہ مسلمان اور جو مسلم ہے وہ مومن ہے لیکن ان کے تفاوت یہ بیان کرتے ہیں کہ باعتبار تصدیق قلبی جو باطن میں ہے مومن اور ظاہر خضوع و تسلیم کے اعتبار سے مسلم کہلاتا ہے یہاں مقصود دونوں کے ذکر سے تاکید و تعمیم ہے تاکہ کوئی خارج نہ رہ جائے۔

۴۷ بعض نے کہا کہ یہاں مردوں کا عورتوں کے ساتھ اعلانیہ جماع کرنا ہے جیسا کہ گدھوں کی عادت ہوتی ہے۔ ہرج کا معنی جماع بھی آیا ہے۔ ہرج جاریہ کا معنی اس نے جاریہ کے ساتھ جماع کیا۔ قاموس۔

۴۸ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ اسے ترمذی نے روایت کیا اور مصنف اسے فصل اول میں لے آیا ہے۔

۵۲۴۰/۱۳ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَتَوَجَّهُ قِبَلَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَيَلْقَاهُ الْمَسَالِحُ مَسَالِحُ الدَّجَّالِ فَيَقُولُونَ لَهُ أَيْنَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دجال نکلے گا تو اس کی طرف مومنوں سے ایک صاحب متوجہ ہوں گے تو انہیں دجال کے سپاہی ملیں گے وہ ان سے

تَعْمِدُ فَيَقُوْلُ اَعْمِدُ اِلٰى هٰذَا الَّذِىْ خَرَجَ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا فَيَقُوْلُ مَا بِرَبِّنَا خَفَاءٌ فَيَقُوْلُوْنَ اقْتُلُوْهُ فَيَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَلَيْسَ قَدْ نَهٰكُمْ رَبُّكُمْ اَنْ تَقْتُلُوْا اَحَدًا دُوْنَهٗ فَيَنْطَلِقُوْنَ بِهٖ اِلَى الدَّجَّالِ فَاِذَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِىْ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَيَاْمُرُ الدَّجَّالُ بِهٖ فَيُشَبَّحُ فَيَقُوْلُ خُذُوْهُ وَشُجُّوْهُ فَيُوْسَعُ ظَهْرُهٗ وَبَطْنُهٗ ضَرْبًا قَالَ فَيَقُوْلُ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِىْ قَالَ فَيَقُوْلُ اَنْتَ الْمَسِيْحُ الْكَذَّابُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهٖ فَيُؤْشَرُ بِالْمِئْشَارِ مِنْ مَفْرِقِهٖ حَتّٰى يُفَرَّقَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ قَالَ ثُمَّ يَمْشِى الدَّجَّالُ بَيْنَ الْقِطْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ قُمْ فَيَسْتَوِىْ قَائِمًا ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ اَتُؤْمِنُ بِىْ فَيَقُوْلُ مَا ازْدَدْتُ فِيْكَ اِلَّا بَصِيْرَةً قَالَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا يَفْعَلُ بَعْدِىْ بِاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ فَيَاْخُذُهُ الدَّجَّالُ لِيَذْبَحَهٗ فَيُجْعَلُ مَا بَيْنَ رَقَبَتِهٖ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ نُحَاسًا فَلَا يَسْتَطِيْعُ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ فَيَاْخُذُ بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَيَقْذِفُ بِهٖ فَيَحْسِبُ النَّاسُ اِنَّمَا قَذَفَهٗ اِلَى النَّارِ وَاِنَّمَا اُلْقِىَ فِى الْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہیں گے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہیں گے کہ میں اس کی طرف کا ارادہ کر رہا ہوں جو نکلا ہے۔ فرمایا وہ لوگ ان سے کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے وہ کہیں گے ہمارے رب میں پوشیدگی نہیں۔ یہ لوگ کہیں گے کہ اسے قتل کر دو تو ان کے بعض، بعض سے کہیں گے، کیا تم کو تمہارے رب نے اس کے بغیر قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے تو وہ انہیں دجال کے پاس لے جائیں گے مومن جب اسے دیکھے گا تو کہے گا اے لوگو! یہی وہ دجال ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا فرمایا تب دجال اس کے متعلق حکم دے گا تو انہیں لٹا لیا جائے گا۔ دجال کہے گا اسے پکڑ لو اور سر زخمی کر دو چنانچہ ان کی پشت اور پیٹ مار مار کر چوڑے کر دیں گے، فرمایا، وہ کہے گا کیا مجھ پر ایمان نہیں لاتا فرمایا وہ کہیں گے تو جھوٹا مسیح ہے، فرمایا پس اس کے متعلق حکم دیا جائے گا تو آرے سے ان کی مانگ سے چیر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ ان کے پاؤں چر جائیں گے فرمایا پھر وہاں دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا پھر اس سے کہے گا کھڑا ہو وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا پھر اس سے کہے گا کیا مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ کہے گا تیرے بارے میں میری بصیرت ہی زیادہ ہوئی۔ فرمایا پھر کہیں گے، اے لوگو! یہ میرے بعد اب کسی آدمی سے یہ نہ کر سکے گا فرمایا پھر اسے دجال ذبح کرنے کے لیے پکڑے گا تو اس کی گردن سے گلے تک کے درمیان تانبہ کر دیا جائے گا پھر وہ اس تک راہ پانے کی طاقت نہ رکھے گا، فرمایا پھر دجال ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو پکڑے گا اور پھینک دے گا لوگ سمجھیں گے کہ اسے آگ کی طرف پھینکا مگر وہ جنت میں ڈالا جائے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص رب العالمین کے نزدیک تمام لوگوں میں بڑی

شہادت والا ہوگا۔ (مسلم)

سلہ جو لشکر دجال کا مقدمہ ہوگا۔ مسالح جمع مسلح بمعنی سرحد جو ہتھیار چھپانے کی جگہ ہوتی ہے پھر اس کی اطلاع صاحب ہتھیار پر شروع ہوگیا کیونکہ وہ سرحد کی حفاظت کرتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہے۔

سلہ دجال

سلہ تو ہمارے پروردگار کا منکر ہے

سلہ ہمارے رب کی ربوبیت ظاہر و باہر ہے۔ اس کی تمام صفات کمالیہ ہیں اس میں کوئی نقص نہیں اور دجال کا معاملہ اس کے الٹ ہے۔

سلہ دجال نے اپنے حکم کے بغیر کسی کو قتل کرنے سے منع کر رکھا ہے۔

سلہ جن کی نشانیاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی تھیں۔

سلہ بعض نے کہا کہ پیٹ کے بل انھیں لٹایا جائے گا تاکہ انھیں ماریں۔

سلہ فیوسع، واؤ ساکن، سین مخفف از وسع، بعض نسخوں میں واؤ پر زبر اور سین مشدد از توسیع کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے یعنی فراخ اور نرم کر دیا جائے گا۔

سلہ یہ اس روایت کے مطابق ہے۔ تُشَبَّح صیغہ مضارع مجہول ہے یا مشدد اور حاء کے ساتھ از تشبیح کی چیز کو چوڑا کر دینا۔ شُجُّوہُ امر کا صیغہ از شج، سر کا زخمی کرنا، یہ روایت اصح ہے جیسا کہ شرح مسلم میں ہے۔ دوسری روایت فیشبح از تشبیح اور شجوا بھی اسی باب سے امر ہے اس روایت کو حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں ذکر کیا، تیسری روایت کے مطابق یہ دونوں الفاظ فشبحوہ اور شجوہ، شج سے مشتق ہیں بمعنی سر کا زخمی کرنا ہے۔

سلہ میشار، میم کے نیچے زیر، آرہ، وشر بمعنی فشر ہمزہ کے ساتھ آیا ہے یا بھی آتی ہے شرح الجنۃ اشرا وشرا دونوں میں منشار یعنی نون کے ساتھ بھی ہے۔ مفرق، میم پر زبر، را کے نیچے زیر سر کی مانگ۔

سلہ مرنے کے بعد تو نے جو زندہ کیا ہے اس سے میرے یقین میں اضافہ ہوگیا ہے کہ تو یقیناً جھوٹا اور دجال ہے اس طرح میں ہے کہ ازدیاد کا معنی زیادہ کرنا یا زیادہ ہوتا ہے۔

سلہ جو اس نے قتل کیا پھر زندہ کیا اب کسی کے ساتھ نہیں کر سکے گا۔

سلہ بعض نسخوں میں فیاخذ بغیر ضمیر کے ہے یعنی اتنا سخت ہو جائے کہ وہاں تلوار کام نہیں کرے گی

سلہ اس آگ میں جو اس کے ساتھ ہوگی۔

سلہ جیسا کہ پیچھے گزرا کہ اس کی نار جنت اور اس کی جنت آگ ہوگی۔

سلہ اس لحاظ سے کہ اسے قتل کیا گیا اگرچہ بعد میں زندہ ہوگیا یا اس لحاظ سے کہ اسے دجال نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ وہ ذبح نہ ہو سکا، شہادت سے مراد بارگاہ وایزدی میں حاضر ہونا اور گواہی دینا ہے۔

۵۲۴۱ (۱۲) وَعَنْ اُمِّ شَرِيكٍ قَالَتْ قَالَ

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ حَتّٰی یَلْحَقُوْا بِالْجِبَالِ قَالَتْ اُمُّ شَرِیْكٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَالَ ھُمْ قَلِیْلٌ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ دجال سے بھاگیں گے حتیٰ کہ پہاڑوں میں جا پہنچیں گے۔ ام شریک کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو اس دن عرب کہاں ہوں گے[1] فرمایا وہ تھوڑے ہوں گے۔ (المسلم)

[1] ام شریک، شین پر زبر، راء کے نیچے زیر انصاریہ صحابیہ ہیں ایک ام شریک اور ہیں وہ بھی صحابیہ ہیں لیکن وہ قرشیہ عامریہ ہیں اور ان کا تعلق بنی لوی بن غالب سے ہے اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث جو عدت کے بارے میں ہے اکثر کی رائے یہ ہے کہ ام شریک انصاریہ ہیں اور بعض قرشیہ کے قائل ہیں۔

[2] جن کا کام راہ خدا میں جہاد اور دین سے فتنہ اور شر کو دور کرنا ہے۔

۵۲۴۲/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ یَھُوْدِ اِصْفَھَانَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَیْھِمُ الطَّیَالِسَۃُ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اصفہان[1] کے ستر ہزار یہودی دجال کی پیروی کریں گے جن کے اوپر طیالسی چادریں[2] ہوں گی[3] (المسلم)

[1] اصفہان یہ عجمی شہروں میں مشہور شہر ہے، فاء کی جگہ باء اصبہان بھی پڑھا گیا ہے۔ ہمزہ کے نیچے زیر ہے زبر بھی مروی ہے، یہ سپاہان سے عربی بنایا گیا ہے وہ جگہ جہاں لشکر ٹھہرتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نمرود نے آسمان والوں کے ساتھ جنگ کے لیے لشکر کو بلایا تو اس کی سپاہ نے جواب میں لکھا کہ خدا کے ساتھ جنگ کرو۔ القاموس

[2] یہ یہودیوں کی عادت ہے کہ وہ طیالسی چادریں اوڑھتے ہیں۔

[3] بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے طیالسی چادروں کی مذمت کی ہے اور اس روایت کی وجہ سے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک ایسی جماعت کو دیکھا جن پر طیالسی چادریں تھیں اور وہ خیبر کے یہودیوں کے مشابہ تھے لیکن حق یہ ہے کہ طیالسی چادریں پہننے سے مراد چادر کے ساتھ سر کو ڈھانپنا ہے جو محمود و مسنون عمل ہے اور اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ سے بہت سی احادیث آئی ہیں اگرچہ ایک وقت میں یہ یہودیوں کا شعار تھا اور حضرت انس کا انکار اس شعار کی وجہ سے تھا یا اس وجہ سے کہ ان کا رنگ زرد تھا۔ ان طیالسی چادروں میں محل اختلاف یہ ہے کہ انھیں سر پر اس طرح لیا جائے کہ ان کی ایک طرف کاندھے پر ہو! سے مقنع اور قناع بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے منکرین کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے جو ثابت ہے وہ وقت مخصوص میں گرمی آفتاب وغیرہ سے بچنے کے لیے ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک ہر حال میں بلا کراہت جائز ہے حدیث میں ہے کہ طیلسان کے ساتھ سروں کو ڈھانپنا عرب کا لباس ہے اور اقناع (پیچھے والا کپڑا) ایمان کا لباس ہے امام ترمذی وغیرہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیچھے والا

کپڑا استعمال فرماتے حتیٰ کہ وہ کپڑا تیل سے خوب تر ہو جاتا تھا۔ یہاں اس کپڑے سے مراد طیلسان کا وہ گوشہ ہے جو سر پر رکھا جاتا ہے، حدیث انس میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قناع استعمال فرماتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ قناع کو جدا نہیں کرتے تھے۔ امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ہے کہ وہ حالت تقنع میں نماز ادا کرتے اور نماز کے علاوہ بھی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سر کو طیلسان کے ساتھ دن کو ڈھانپنا دانائی اور رات کو زینت ہے۔ صحابہ کرام کا تقنع بھی منقول ہے اور اس بارے میں متعدد آثار و اخبار ہیں۔

۵۲۴۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِی الدَّجَّالُ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْہِ اَنْ یَّدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِیْنَۃِ[۱] فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ[۲] الَّتِیْ تَلِی الْمَدِیْنَۃَ فَیَخْرُجُ اِلَیْہِ رَجُلٌ[۳] وَّھُوَ خَیْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خِیَارِ النَّاسِ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّکَ الدَّجَّالُ الَّذِیْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثَہٗ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَیْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ ھٰذَا ثُمَّ اَحْیَیْتُہٗ ھَلْ تَشُکُّوْنَ فِی الْاَمْرِ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَیَقْتُلُہٗ ثُمَّ یُحْیِیْہِ فَیَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا کُنْتُ فِیْکَ اَشَدَّ بَصِیْرَۃً مِّنِّی الْیَوْمَ فَیُرِیْدُ الدَّجَّالُ اَنْ یَّقْتُلَہٗ فَلَا یُسَلَّطُ عَلَیْہِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال آئے گا اور اس پر مدینہ منورہ کے راستوں[۱] میں داخل ہونا حرام ہوگا۔ پس وہ مدینہ منورہ کے نزدیک ایک شوریدہ[۲] شیبی جگہ میں اترے گا۔ اس کی طرف ایک آدمی نکلے گا جو لوگوں سے بہتر ہوگا یا بہتر[۳] لوگوں سے ہوگا اور کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے ذکر فرمایا تھا۔ دجال کہے گا کہ بتاؤ کہ اگر میں اسے قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو کیا میرے معاملے میں تمہیں کوئی شک[۴] ہوگا وہ کہیں گے نہیں[۵] پس وہ قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا۔ وہ شخص کہے گا خدا کی قسم! آج تیرے متعلق مجھے اور بصیرت حاصل ہے۔ دجال اسے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا مگر وہ اس پر قادر نہ ہوگا۔

(بخاری و مسلم)

[۱] نقاب، نون کے نیچے زیر، نقب کی نون پر زبر اور قاف ساکن کی جمع۔ اس کا معنی پہاڑ میں راستہ کے ہیں۔

[۲] سباخ، سین کے نیچے زیر، باء اور خاء سبخۃ، سین پر زبر، باء ساکن کی جمع ہے معنی کلری زمین جو کچھ نہ اگائے۔

[۳] راوی کو شک ہے بعض حواشی میں ہے کہ وہ مرد حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔

[۴] میرے خدا ہونے میں کوئی شک رہے گا۔

[۵] اہل شقاوت مراد ہیں جو اس کے گرویدہ اور اس کی اتباع کرنے والے ہوں گے یہاں یہ کلام اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا وہ لوگ اس کے خوف یا وقت لگانے کے لیے کہیں گے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے قول میں بطور

تو دیر و کنایہ اس کے کذب میں عدم شک ہو۔

۶ تیرے زندہ کھڑے اور بیٹھنے نے میرے اس یقین میں اور اضافہ کر دیا ہے کہ تو جھوٹا ہے اور حضور علیہ السلام کی دی ہوئی خبر کا میں نے مشاہدہ کر لیا ہے۔

۵۲۴۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِي الْمَسِيْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ هِمَّتُهُ الْمَدِيْنَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَجْهَهٗ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا اس کا ارادہ مدینہ طیبہ ہو گا، حتیٰ کہ اُحد کے پیچھے اُترے گا پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہاں ہی ہلاک ہو گا۔[۱] (بخاری و مسلم)

۱ جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب لُد جو شام کے قریب ہے کے پاس اسے قتل کریں گے۔

۵۲۴۵ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ پاک میں مسیح دجال کا رعب داخل نہ ہو گا اس دن اس کے سات[۱] دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔[۲] (بخاری)

۱ مدینہ طیبہ کے

۲ جو دجال کو مدینہ منورہ داخل ہونے سے روکیں گے۔

۵۲۴۶ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي الصَّلٰوةَ جَامِعَةً فَخَرَجْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ وَلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِيْمًا نِ الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ وَاَسْلَمَ

حضرت فاطمہ بنت قیس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا کہ نماز[۲] تیار ہے تو میں مسجد کی طرف گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور نے نماز پوری فرمائی تو منبر پر جلوہ افروز ہو گئے اس وقت آپ تبسم[۳] فرما رہے تھے، فرمایا ہر شخص اپنی نماز کی جگہ پر رہے[۴] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے تم کو کیوں جمع کیا ہے؟ سب نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں فرمایا واللہ ہم نے تم کو بشارت[۵] دینے اور ڈرانے کے لیے جمع نہیں فرمایا

وَحَدَّثَنِیْ حَدِیْثًا وَافَقَ الَّذِیْ
كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ
حَدَّثَنِیْ أَنَّهٗ رَكِبَ فِیْ سَفِیْنَةٍ بَحْرِیَّةٍ مَعَ
ثَلَاثِیْنَ رَجُلًا مِّنْ لَّخْمٍ وَّجُذَامٍ فَلَعِبَ
بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِی الْبَحْرِ فَأَرْفَؤُوْا إِلٰی
جَزِیْرَةٍ حِیْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِیْ
أَقْرُبِ السَّفِیْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِیْرَةَ فَلَقِیَتْهُمْ
دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِیْرُ الشَّعْرِ لَا یَدْرُوْنَ
مَا قُبُلُهٗ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ فَقَالُوْا
وَیْلَكِ مَا أَنْتِ قَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ انْطَلِقُوْا
إِلٰی هٰذَا الرَّجُلِ فِی الدَّیْرِ فَإِنَّهٗ إِلٰی خَبَرِكُمْ
بِالْأَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا
مِنْهَا أَنْ تَكُوْنَ شَیْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا
سِرَاعًا حَتّٰی دَخَلْنَا الدَّیْرَ فَإِذَا فِیْهِ أَعْظَمُ
إِنْسَانٍ مَا رَأَیْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَّأَشَدُّهٗ وَثَاقًا
مَجْمُوْعَةٌ یَدَاهُ إِلٰی عُنُقِهٖ مَا بَیْنَ رُكْبَتَیْهِ
إِلٰی كَعْبَیْهِ بِالْحَدِیْدِ قُلْنَا وَیْلَكَ مَا
أَنْتَ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰی خَبَرِیْ
فَأَخْبِرُوْنِیْ مَا أَنْتُمْ قَالُوْا نَحْنُ أُنَاسٌ
مِّنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِیْ سَفِیْنَةٍ بَحْرِیَّةٍ
فَلَعِبَ بِنَا الْبَحْرُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِیْرَةَ
فَلَقِیَتْنَا دَابَّةٌ أَهْلَبُ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ
اِعْمِدُوْا إِلٰی هٰذَا فِی الدَّیْرِ فَأَقْبَلْنَا إِلَیْكَ
سِرَاعًا فَقَالَ أَخْبِرُوْنِیْ عَنْ نَّخْلِ بَیْسَانَ
هَلْ تُثْمِرُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّهَا تُوْشِكُ
أَنْ لَّا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُوْنِیْ عَنْ بُحَیْرَةِ
الطَّبَرِیَّةِ هَلْ فِیْهَا مَاءٌ قُلْنَا هِیَ كَثِیْرَةُ

لیکن اس بیے جمع فرمایا ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی
آدمی تھا وہ آیا اور مسلمان ہو گیا اور اس نے ہم کو ایسی خبر
دی کہ جو اس کے موافق ہے جو ہم تم کو مسیح دجال کے متعلق
بتایا کرتے تھے اس نے ہم کو خبر دی کہ وہ قبیلہ لخم اور جذام
کے تیس آدمیوں کے ساتھ دریائی جہاز میں سوار ہوئے
تو انھیں ایک ماہ تک موج سمندر میں کھلاتی رہی پھر وہ مغرب
کی طرف جزیرہ کے قریب پہنچے پھر وہ چھوٹی کشتی میں
بیٹھے جزیرہ میں داخل ہو گئے تو انھیں ایک بہت زیادہ اور
موٹے بالوں والا جانور ملا کہ بالوں کی زیادتی کی وجہ سے
یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ کون سا ہے؟
ان لوگوں نے کہا تیری خرابی ہو تو کون ہے؟ وہ بولی میں
جاسوس ہوں تم لوگ کلیسا میں اس شخص کے پاس جاؤ کہ وہ
تمھاری خبر کا مشتاق ہے۔ کہا کہ جب اس نے ہم سے
ایک آدمی کا نام لیا تو ہم اس سے ڈرے کہ وہ شیطان ہے
کہا کہ ہم تیز چلے حتیٰ کہ کلیسا میں داخل ہو گئے تو اس میں
ایک بہت بھاری بھرکم آدمی تھا ہم نے اتنا بڑا اور ایسا
مضبوط بندھا ہوا آدمی نہ دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے
بندھے ہوئے تھے اس کے گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے
سے جکڑا تھا ہم نے کہا تیری خرابی ہو تو ہے کون؟ وہ بولا
میری خبر پر تم نے قابو پا لیا، تم بتاؤ تم لوگ کون ہو؟
انھوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں ہم دریائی جہاز میں سوار
ہوئے تو ہم کو دریا ایک ماہ تک کھلاتا رہا پھر ہم اس جزیرہ
میں داخل ہوئے تو ہم کو بڑے بالوں والا جانور ملا، وہ بولی
میں جاسوس ہوں اس کلیسہ کی طرف جاؤ تو ہم دوڑتے ہوئے
تیری طرف آ گئے" وہ بولا مجھے بیسان کے باغ کی خبر دو کیا
وہ پھل دے رہا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! وہ بولا قریب ہے
کہ پھل نہ دے بولا مجھے بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ۔

الْمَاءِ قَالَ إِنَّ مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ قَالَ أَمَا إِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي أَنَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ وَإِنِّي يُوشِكُ أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَأَخْرُجَ فَأَسِيرَ فِي الْأَرْضِ فَلَا أَدَعَ قَرْيَةً إِلَّا هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ هُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ فِي الْمِنْبَرِ هٰذِهِ طَيْبَةُ هٰذِهِ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِينَةَ أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کیا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا کہ وہ تو بہت پانی والا ہے بولا قریب ہے کہ اس کا پانی خشک ہو جائے۔ بولا مجھے چشمہ زغر[۲۵] کے متعلق بتاؤ کیا اس چشمہ میں پانی ہے؟ اور کیا وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کر رہے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے اور اس کے باشندے اس کے پانی سے کھیتی باڑی کر رہے ہیں وہ بولا مجھے ناخواندہ لوگوں کے نبی کے متعلق خبر دو[۲۶] کہ انھوں نے کیا کیا؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے تشریف لے گئے ہیں اور یثرب[۲۷] میں قیام پذیر ہو گئے ہیں بولا کیا عرب نے ان کے ساتھ جنگ کی؟ ہم نے کہا ہاں! بولا ان کے ساتھ نبی نے کیا کیا؟ ہم نے اسے بتایا کہ وہ متصل عرب پر غالب آ گئے ہیں اور عرب نے ان کی اطاعت کر لی ہے بولا عرب کے لیے ان کی اطاعت کرنا بہتر ہے[۲۸] اور میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں اور مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے تو میں نکلوں تو ساری زمین میں چلوں گا کوئی بستی نہ چھوڑوں گا مگر وہاں چالیس دن میں اتروں سوا مکہ اور طیبہ[۲۹] کے کہ وہ دونوں بستیاں مجھ پر حرام ہیں جب کبھی میں ان میں سے کسی میں داخل ہوتا جاؤں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آ دے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار[۳۰] ہو گی جو مجھے وہاں سے روک دے گا اور اس کے ہر راستے پر فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عصا[۳۱] منبر پر مارا اور فرمایا یہ ہے طیبہ[۳۲] یہ ہے مدینہ، بولو کیا میں نے تم کو یہ خبریں دی ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں! فرمایا آگاہ رہو کہ وہ شام یا یمن کے جنگل میں ہے نہیں بلکہ مشرق کی طرف وہ ہے اور اپنے ہاتھ سے[۳۳] مشرق کی طرف اشارہ کیا[۳۴]

(مسلم)

لہ قرشیہ فہریہ، فہر بن مالک بن نضر کی طرف منسوب ہیں ۔ یہ ضحاک بن قیس کی ہمشیرہ اور اولین مہاجرات میں سے ہیں ۔ صاحب جمال، عقل اور کمال ہیں ۔ ان کا نکاح ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ کے ساتھ ہوا ، انھوں نے جب طلاق دے دی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کے لیے اسے چاہا ، یہ حدیث باب العدت میں مذکور ہے ۔

لہ یہ ترغیب وطلب نماز کے لیے بولا جانے والا کلمہ ہے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں جیسا کہ نماز خسوف وکسوف کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بولا جاتا تھا ۔

لہ جس جس جگہ کسی نے نماز ادا کی ہے وہیں بیٹھا رہے اور نہ اٹھے ۔

لہ نہ تو ایسا معاملہ ہے جو مرغوب ہو مثلاً عطیہ وغیرہ اور نہ ہی ایسا معاملہ ہے وہ مرعوب ہو یعنی غزوہ وغیرہ

لہ تمیم داری ، یہ عبد الدار کی طرف منسوب ہیں دار ایک بُت کا نام ہے اس کی نسبت سے عبد الدار کہتے ، مشہور صحابی ہیں ، ان کے احوال متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں ۔

لہ میں تمھیں تمیم داری کی بات سناتا ہوں تاکہ تمھارے ایمان میں زیادہ یقین پیدا ہو اور خبر کے ساتھ شاہدہ اور برہان کے ساتھ معاینہ متصل ہو جائے (یعنی بات سننے سے دیکھنے تک پہنچ جائے)

لہ لخم ، لام پر زبر ، خاء ساکنہ ، یمن کا محلہ ہے جذام ، جیم پر پیش ، ذال ، نجد کا قبیلہ ہے سفینہ بحریہ سے مراد بڑی کشتی ہے جو دریاؤں میں چلتی ہے کیونکہ وہ کشتی جو نہروں میں چلتی ہے اسے زورق کہا جاتا ہے ، بعض کہتے ہیں کہ سفینہ کو بحریہ کے ساتھ مقید کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ سے احتراز ہو جائے کیونکہ اسے سفینہ بریہ کہا جاتا ہے لیکن یہ بات ضعیف ہے کیونکہ حدیث میں متعدد قرائن واضح کر رہے کہ مراد کشتی ہے لہٰذا امتیاز کے لیے اس قید کی ضرورت ہی نہیں ۔

لہ یعنی دریا میں انھیں غیر مقصود جہت کی طرف ڈال دیا کیونکہ لعب اس فعل کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی فائدہ اور غرض نہ ہو ۔

لہ ۹ ارفاء ، کشتی کا کنارہ کے قریب ہونا

لہ ۱۰ جو بڑی کشتی کے ساتھ تھیں ، اقرُبْ ، ہمزہ پر زبر ، راء پر ضمہ ، قارب (راء کے نیچے کسرہ اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں) کی جمع ، وہ چھوٹی کشتی جو بڑی کشتی کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ ساحل کی ضروریات پوری کی جا سکیں ۔ جیسے ایک گھوڑے کے ساتھ معاون گھوڑا ہوتا ہے ۔

لہ ۱۱ جزیرہ ، وہ جگہ جس کے اردگرد پانی ہو ۔

لہ ۱۲ اہلب ، صراح میں ہے موٹے بال جو گھوڑے کی دم کے ہوتے ہیں ۔

لہ ۱۳ تیری ماہیت کیا ہے تو جن ہے یا انسان ، کیا کام کرتا ہے اور کس حال میں ہے ؟

لہ ۱۴ میں آفاق کی خبریں دجال کو پہنچاتا ہوں ۔

لہ ۱۵ دیرہ ، گرجا برائے آگ پرست اور صومعۂ راہب

لہ ۱۶ لباک حیوان میں شیطان

ﷺ ازروئے خلقت آج تک ایسا خوفناک انسان نہیں دیکھا تھا۔

ﷺ وثاق، واؤ کے نیچے کسرہ یا فتحہ، وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے۔

ﷺ اگرچہ آدمیوں کی جنس سے تھا مگر جس صفت پر ۔ تھا وہ آدمیوں کے خلاف تھی۔ اس لیے اس کی بابت میں شک ہوا تو پوچھا۔

ﷺ میں جانتا ہوں کہ تمھیں بتاؤں کہ میں کون ہوں؟

ﷺ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ یہ انسان ہیں مگمان کی اتباع میں اس نے بھی سوال کیا۔

ﷺ بیسان، باء پر زبر، یاء ساکن۔ شام میں قریہ ہے اور یمامہ میں بھی ایک جگہ کا نام ہے۔ مشارق الانوار میں ہے کہ حدیث مذکورہ میں بیسان سے مراد بلاد حجاز کا علاقہ ہے اور دیگر احادیث میں بلادِ شام کا علاقہ مراد ہے۔

ﷺ قربِ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔

ﷺ طبریہ، طاء اور باء پر زبر، اردن کا قصبہ ہے۔ ائمہ حدیث میں سے امام طبرانی اسی شہر کے ہیں۔

ﷺ زغر، زاء اور غین مفتوحہ، شام میں جانب قبلہ مشہور شہر ہے

ﷺ اہلِ عرب نے کیا کیا، یہ بعض ان یہودیوں کے اعتقاد کے مطابق ہے جو کہتے تھے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت عرب کے ساتھ مخصوص ہے یا اس لعنتی نے تحریف کی ہے کہ حضور علیہ السلام کو نادانوں اور جاہلوں میں مبعوث کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اسے رسوا فرمائے۔ آمین۔

ﷺ یہ مدینہ طیبہ کا پرانا نام ہے۔

ﷺ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کا اعتراف ہے یا تو مجبوری کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے کہ اسے ابھی کفر و انکار کے اظہار کی ضرورت نہیں یا اس کی مراد دنیاوی ضرر ہے۔

ﷺ طیبہ، مدینہ مطہرہ کا نام ہے اس کے اسماء ایک سو سے زائد ہیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر میں نے "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں کیا ہے۔ اس نے طیبہ اس لیے کہا کہ جب اس کے نفس خبیثہ کی نجاست سے اس شہر کا علاقہ محفوظ ہے گا تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یا راوی نے ذکر کر دیا ہو۔

ﷺ صلت، ماضی صیقل تلوار، صراح میں ہے صلت بالفتح، تلوار مارنا، صَلَتَہٗ بالسیف کا معنی، میں نے اسے تلوار کے ساتھ مارا ہے۔

ﷺ جو آپ کے ہاتھ میں تھی "مخصرہ" میم کے نیچے زیر خاء ساکن، صاد پر زبر وہ چیز جسے آدمی ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے ساتھ ٹیک لگاتا ہے مثلاً عصا اور چھڑی وغیرہ۔

ﷺ تین دفعہ فرمایا، مقصد خوشی و سرور اور اظہار فضیلت اور اس کا باقی شہروں سے ممتاز ہونا بیان کرنا ہے۔

۲۳ ما جو ہیں ما زائدہ اور صدر کلام کے طور پر آیا ہے نافیہ میں نہیں۔ قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں یہی فرمایا ہے۔ علامہ طیبی نے اس لفظ کے اعراب بیان کرتے ہوئے متعدد مثالوں کے ساتھ مؤید کیا ہے۔

۲۴ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مبہم رکھا ہے اور متعین وقت کی خبر نہیں دی اور اس کے اوقات علامات کو بھی متعین نہیں کیا اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجال کے بند کردہ مکان کے بارے میں تعین نہیں فرمایا، بلکہ لوگوں پر مبہم رکھا اور غلبۂ ظن کے ساتھ بھی اسے متعین نہ کیا۔ سوائے اس کے کہ یہ اس جانب ہے لیکن جگہ مخصوص متعین نہیں فرمائی۔ یہی بات ہے کہ احتمال اول کی نفی اور اثبات ثالث فرمایا۔ لا بل من المشرق (نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب سے ہے) اور یہ بھی امکان ہے کہ یہ مقامات کے عدم تعین اس وجہ سے نہ ہو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے گا۔

۵۲۴۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِی اللَّیْلَۃَ عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فَرَاَیْتُ رَجُلًا اٰدَمَ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَہٗ لِمَّۃٌ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَہَا فَہِیَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّکِئًا عَلٰی عَوَاتِقِ رَجُلَیْنِ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالُوْا ھٰذَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ قَالَ ثُمَّ اِذَا اَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی کَاَنَّ عَیْنَہٗ عِنَبَۃٌ طَافِیَۃٌ کَاَشْبَہِ مَنْ رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَاضِعًا یَدَیْہِ عَلٰی مَنْکِبَیْ رَجُلَیْنِ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالُوْا ھٰذَا الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ فِی الدَّجَّالِ رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُ الرَّاْسِ اَعْوَرُ عَیْنِ الْیُمْنٰی اَقْرَبُ النَّاسِ بِہٖ شَبَہًا ابْنُ قَطَنٍ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِہَا فِیْ بَابِ الْمَلَاحِمِ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ ابْنِ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا گندمی رنگ، ان سب سے اچھا جو تم سے گندمی رنگ کے لوگ دیکھے ان کے پٹے والے بال ایسے تمام پٹے والوں سے اچھے جو تم نے دیکھے ہوں۔ اس میں کنگھی کی ہوئی ہے ان سے پانی ٹپک رہا ہے دو اشخاص کے کاندھوں پر ٹیک لگائے ہیں، بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہیں۔ فرمایا پھر ایک شخص دیکھا بال جھک دارہ داہنی آنکھ کا کانا گویا اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشابہ ابن قطن تھا، اپنے دونوں ہاتھ دو اشخاص کے کندھے پر رکھے، بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا دجال سرخ رنگ، موٹے بال داہنی کانی آنکھ والا آدمی ہے لوگوں میں اس سے زیادہ مشابہ ابن قطن ہے اور ابوہریرہ کی حدیث لا تقوم الساعۃ حتی تطلع الشمس من مغربھا باب الملاحم میں گزری اور ہم حضرت ابن عمر کی حدیث

فِی بَابِ قِصَّۃِ ابْنِ صَیَّادٍ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

قام رسول اللہ فی الناس ۔ قصۂ ابن صیاد میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے[۶]

(بخاری و مسلم)

[۱] اس سے بالوں کی تر و تازگی اور نظافت مراد ہے

[۲] باہر نکلی ہوئی ہے یا بے نور ہے تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

[۳] رائیت، بخطاب و متکلم دونوں طرح جائز ہے ابن قطن سے مراد عبدالعزیٰ بن قطن ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے اور حاشیہ میں کاف زائدہ ہے۔

[۴] یہاں اشکال یہ ہے کہ دجال کافر، اس کا طواف اور کعبہ سے کیا تعلق؟ جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خواب ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو آگاہ فرمایا گیا کہ وہ دن آنے والا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کعبہ شریف کی حفاظت اور اقامت کے لیے کوشاں ہوں گے اور دجال اسے گرانے اور اس میں خلل اندازی کی کوشش کرے گا کذا قال الطیبی اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ مسجد حرام میں کافروں کے داخلہ پر پابندی سے پہلے کافر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور اگر دجال نے طواف کیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز اس سے خارج میں کافر کے طواف کا جواز بھی لازم نہیں آتا اور جو طواف شرک کے لیے منع ہے، وہ خارج میں ہے۔

[۵] جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں

[۶] یہ دونوں احادیث مصابیح باب العلامات بین یدی الساعۃ میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

دوسری فصل

۵۲۴۸ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ فِیْ حَدِیْثِ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ قَالَتْ قَالَ فَاِذَا اَنَا بِامْرَاَۃٍ تَجُرُّ شَعْرَھَا قَالَ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَۃُ اِذْھَبْ اِلٰی ذٰلِکَ الْقَصْرِ فَاَتَیْتُہٗ فَاِذَا رَجُلٌ یَجُرُّ شَعْرَہٗ مُسَلْسَلٌ فِی الْاَغْلَالِ یَنْزُوْ فِیْمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقُلْتُ مَا اَنْتَ قَالَ اَنَا الدَّجَّالُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت فاطمہ بنت قیس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث تمیم داری[۲] میں مروی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ ناگاہ اس عورت پر گزرا جو اپنے بال گھسیٹ رہی تھی انھوں نے کہا تو کون ہے؟ وہ بولی میں جاسوس ہوں[۵] اس محل کی طرف جاؤ میں وہاں گیا تو ایک شخص تھا جو اپنے بال گھسیٹ رہا تھا، قیدوں میں جکڑا ہوا آسمان و زمین کے درمیان کود رہا تھا میں نے کہا تو کون ہے؟ وہ بولا میں دجال ہوں[۶] (ابوداؤد)

[۱] پیچھے مسلم کے حوالے سے حضرت فاطمہ بنت قیس سے حدیث گزری ہے اس میں تھا کہ میں نے ایک دابہ کو دیکھا الخ۔ روایت ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں۔

سلے دجال کو خبر دیتی ہوں

سلے اگرچہ اس لفظ میں اشتقاق کے لحاظ سے حقارت ہونے کے باوجود اس نے یہ اپنا نام لیا تو یہ بطور علم تعیین کے لیے تھا یا ممکن ہے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالمعنی یہ نام نقل فرمایا ہو۔

سلے ان دونوں احادیث میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ سابقہ حدیث میں دابہ کہا جو عرف عام میں چار پایہ کے لیے مستعمل ہے اور اس حدیث میں عورت کا ذکر ہے اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ شاید دجال کے دو جاسوس ہوں ایک دابہ اور دوسرا عورت، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دابہ کا لغوی معنی "زمین پر چلنے والے" مراد ہو اور اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں بہت زیادہ مستعمل ہے اور یہ معنی عورت کو بھی شامل ہے ہاں عرفِ عام میں اس کا معنی چار پایہ کے ہیں، پایہ ہو سکتا ہے کہ جاسوسی کرنے والی شیطانہ ہو اور وہ بہر صورت بنالیتی ہو اور یہ احتمال قریب تر اور زیادہ لائق اعتناء ہے کیونکہ محض دابہ یا عورت کا تمام عالم کی جاسوسی کرنا بعید از قیاس ہے البتہ اس صورت میں یہ درست ہے جب محض وہاں گزرنے والی سواریوں کی جاسوسی مراد ہے واللہ اعلم۔ ان احادیث میں اختلاف کی وجہ یہ بھی ہے۔ حدیث مسلم میں جو سائل و مخاطب جماعت ہے اور اس میں خود تمیم داری بھی تھے اور اس حدیث میں سوال و جواب صرف تمیم داری کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائل تو جماعت مگر تمیم داری کے شامل ہونے کی وجہ سے ان کی طرف بھی سوال کی نسبت جائز ہے یا اگر سائل تو صرف تمیم داری ہوں تو بھی جماعت کی نسبت جائز ہو گی کیونکہ جماعت میں سے کوئی ایک آدمی کام کرے تو اسے جماعت کا نام ہی کہا جا سکتا ہے جیسے محاورہ ہے قَتَلَہٗ بنو فلان۔ اس کو فلاں قبیلہ والوں نے قتل کیا ہے حالانکہ سارا قبیلہ قاتل نہیں ہوتا۔

۵۲۴۹ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَّا تَعْقِلُوْا اِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَلَا جَحْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں دجال کے بارے میں خبریں دیں حتیٰ کہ مجھے خوف ہوا کہ تم نہ سمجھو، مسیح دجال پست قد، ٹیڑھے پاؤں والا مڑے بال ایک آنکھ کا سپاٹ ہے وہ آنکھ نہ تو ابھری ہوئی ہے اور نہ دھنسی ہوئی اگر تم پر اشتباہ ہو تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں۔ (ابوداؤد)

سلے تم اس کے کذب اور حقیقتِ حال کی وجہ سے شبہ نہ ہو جاؤ لیں اچھی طرح سمجھ لو اور تاکہ اس کا حال تم پر مشتبہ نہ رہے۔

سلے اگرچہ وہ جسیم و عظیم اور صاحب بطن ہوگا

سلے افحج۔ حاء جیم پر مقدم ہے۔ وہ شخص جس کے دونوں پاؤں چلتے وقت ایک دوسرے سے دور پڑیں۔ قاموس میں ہے کہ چلتے وقت پاؤں کا اگلا حصہ قریب اور ایڑیاں دور پڑیں۔

سے ولا حجراء، جیم حاء پر مقدم یعنی اس کی آنکھ دھنسی ہوئی نہ ہو گی ۔ بعض احادیث میں آنکھ کا ابھرا ہوا ہونا اور بعض میں ہموار کا ذکر ہے ان میں تطبیق پیچھے گزر گئی ہے ۔

ھے اگر اس کا حال تم پر مشتبہ ہو جائے ۔

سے تو یہ عقیدہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان نقائص سے پاک و منزہ ہے ۔

۵۲۵۰ وَعَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهٗ وَاِنِّي اُنْذِرُكُمُوْهُ فَوَصَفَهٗ لَنَا قَالَ لَعَلَّهٗ سَيُدْرِكُهٗ بَعْضُ مَنْ رَآنِي اَوْ سَمِعَ كَلَامِي قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ اَوْ خَيْرٌ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ ہوئے مگر انھوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا اور میں نے تم کو اس سے ڈرایا پھر آپ نے اس کے بارے میں بیان فرمایا شاید اسے بعض وہ لوگ پائیں گے جنھوں نے مجھے دیکھا یا میرا کلام سنا ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن ہمارے دل کیسے ہوں گے ؟ فرمایا آج کی طرح یا اس سے بھی اچھے ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سلے آپ صحابۂ کبار اور عشرہ مبشرہ میں سے اور امین امت ہیں ۔

سلے پیچھے تحقیق کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا تو آپ کے ارشادِ گرامی میں بعد نوح سے وجود نوح کے بعد مراد نہیں بلکہ انذارِ نوح کے بعد مراد ہے ۔

سے یعنی ہر وہ شخص جس تک میری خبر پہنچی اگرچہ زمانہ طویل گزر چکا ہو یعنی دجال کا وجود یقینی ہے مگر وقت مبہم ہو سکتا ہے میرے اصحاب میں سے کوئی اسے پائے، ورنہ دوسرے لوگ اسے یقیناً پالیں گے اور جب لوگ میری خبر سنیں تو وہ اس پر یقین کر لیں ۔

سے یعنی ہر شخص جو ایمان پر ثابت و مستقیم ہوا اس کا دل ثابت ہو گا اور اسے کوئی اندیشہ نہیں اور جس طرح جو آج اس کا منکر ہے اس زمانہ میں بھی ہو گا بلکہ اس وقت وہ پہلے سے بھی زیادہ منکر ہو گا کیونکہ اس کے احوال بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا ۔

۵۲۵۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ اَبِي بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهٗ اَقْوَامٌ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن حریث، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال مشرقی زمین سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے اس کے پیچھے کچھ قومیں ہوں گی گویا ان کے چہرے کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں ۔ (ترمذی)

سلہ اس لفظ کی تحقیق کتاب الفتن میں بیان کی جا چکی ہے۔

۵۲۵۲/۲۵ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيْهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهُ مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمران سلہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو دجال کے بارے میں سنے وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم کوئی شخص اس کے پاس جائے گا یہ سمجھ کر کہ میں مسلمان ہوں تو پھر اس کی اتباع کرے گا ان شبہات سلہ کی وجہ سے جن کے ساتھ وہ بھیجا گیا۔ (ابوداؤد)

سلہ مشہور صحابی ہیں ان کے احوال لکھے جا چکے ہیں۔

سلہ مثلاً اس کی جادوگری، مُردوں کو زندہ کرنا اور اس طرح کے دیگر استدراجات جو اسے حاصل ہوں گے۔

۵۲۵۳/۲۶ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ الدَّجَّالُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً اَلسَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَالْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَاضْطِرَامِ السَّعَفَةِ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال زمین میں چالیس سال تک ٹھہرے گا۔ ایک سال ایک ماہ کی طرح اور ماہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن اور دن آگ میں سوکھے پتے جلنے کی طرح ہوگا سلہ (شرح السنۃ)

سلہ ان حقائق کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ نواس بن سمعان کی روایت میں تھا کہ اس کے ٹھہرنے کی مدت چالیس دن اور ہشیم داری سے گزرا کہ زمین پر چلنے کی مدت چالیس راتیں ہیں اور یہاں چالیس سال کا ذکر ہے جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلے جو گزرا اس سے مراد اس کے نکلنے کا وقت ہے اور یہاں ٹھہرنے کا وقت مراد ہے۔

۵۲۵۴/۲۷ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ السِّيْجَانُ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد دجال کی پیروی کریں گے جن پر طیلسان کا لباس ہوگا۔ (شرح السنۃ)

سلہ سیجان س سین کے نیچے زیر یا ساکن، اس کے بعد جیم، سباج کی جمع سبز یا سیاہ طیلسانی چادریں، اُمت سے مراد امت دعوت یا امت اجابت ہے۔ حدیث انس جو فصل اول میں تھی کہ اصفہان کے یہودی دجال کی اتباع کریں گے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے۔

۵۲۵۵/۲۸ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے

فَقَالَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ سِنِيْنَ سَنَةً تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهٗ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهٗ فَلَا يَبْقٰى ذَاتُ ظِلْفٍ وَلَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِّنَ الْبَهَائِمِ إِلَّا هَلَكَ وَإِنَّ مِنْ أَشَدِّ فِتْنَتِهٖ أَنَّهٗ يَأْتِي الْاَعْرَابِيَّ فَيَقُوْلُ أَرَأَيْتَ إِنْ أَحْيَيْتُ لَكَ إِبِلَكَ أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ إِبِلِهٖ كَأَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَأَعْظَمِهٖ أَسْنِمَةً قَالَ وَيَأْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ أَخُوْهُ وَمَاتَ أَبُوْهُ فَيَقُوْلُ أَرَأَيْتَ إِنْ أَحْيَيْتُ لَكَ أَبَاكَ وَأَخَاكَ أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيَاطِيْنُ نَحْوَ أَبِيْهِ وَنَحْوَ أَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَالْقَوْمُ فِي اهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِّمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَأَخَذَ بِلَحْمَتَيِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ أَسْمَاءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعْتَ أَفْئِدَتَنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ إِنْ يَّخْرُجْ وَأَنَا حَيٌّ فَأَنَا حَجِيْجُهٗ وَإِلَّا فَإِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ إِنَّا لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نَخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ أَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

آپ نے دجال کا ذکر فرمایا، تو فرمایا دجال سے آگے تین سال ہوں گے ایک سال ایسا جس میں آسمان اپنی تہائی بارش روک لے گا اور زمین تہائی پیداوار، دوسرے سال دو تہائی بارش روک لے گا اور زمین اپنی دو تہائی پیداوار اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار تو کوئی کھروالا، ڈاڑھ والا جانور نہ بچے گا مگر ہلاک ہو جاوے گا اور اس سخت ترین فتنوں سے یہ ہوگا کہ ایک بدوی کے پاس آئے گا وہ کہے گا بتاؤ اگر میں تیرا اونٹ زندہ کردوں تو کیا تو یقین نہ کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں۔ تو شیطان اس کے سامنے اس کے اونٹ کی شکل میں آجائے گا جیسے بہتر ہوتے ہیں۔ اس سے اچھے اور خوب بلند کوہان، فرمایا اور ایک شخص کے پاس آئے گا جس کے بھائی اور باپ مرچکے ہوں گے تو کہے گا کہ بتا تو اگر میں تیرے سامنے تیرے باپ بھائی زندہ کردوں تو کیا یقین کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں تو اس کے سامنے شیطان اس کے بھائی کی شکل میں آجائیں گے، فرماتی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کسی کام کے لیے تشریف لے گئے پھر واپس ہوئے حالانکہ قوم بہت رنج وغم میں تھی۔ اس خبر کی وجہ سے جو حضور نے انہیں دی تھی۔ فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا: اسماء کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! دجال کے ذکر سے ہمارے دل نکل گئے فرمایا اگر وہ نکلا اور ہم زندہ ہوئے تو اس کے مقابل ہم ہوں گے ورنہ میرا رب ہر مسلمان پر میری طرف سے وکیل ہے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنا آٹا گوندھتی ہیں تو روٹیاں نہیں پکاتیں حتی کہ ہم بھوکے ہو جاتے ہیں تو اس دن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا انہیں وہ تسبیح وتہلیل کافی ہوگی، جو

آسمان والوں کو کافی ہوتی ہے۔

(اسے امام احمد نے امام عبدالرزاق سے روایت کیا ہے)

۱؎ گائے، گوسفند ہرن وغیرہ اور ان کے مالک، ظلف، ظاء کے نیچے زیر، اس کا اطلاق گائے، بکری اور ہرن وغیرہ پر ہوتا ہے جیسے کہ خف خاء پر پیش کا اطلاق اونٹ اور حافر کا اطلاق گھوڑے پر ہوتا ہے مگر یہاں مطلق حیوانات مراد ہیں یعنی اس سال قحط کی وجہ سے کوئی حیوان زمین پر نہیں رہے گا۔

۲؎ دجال بدوی کے پاس آئیگا، کیونکہ وہ علم وعقل نہ رکھتا ہوگا۔

۳؎ بعض نسخوں میں شیاطین جمع ہے جیسا کہ اب داخ میں آرہا ہے۔

۴؎ یہاں تمام نسخوں میں شیاطین کا لفظ ہے۔

۵؎ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اونٹ، بھائی اور باپ حقیقۃً نہ ہوں گے بلکہ بعض خیال اور مثال ہوگی۔

۶؎ مجلس سے اٹھ کر

۷؎ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہی ہے اور حواشی میں ہے کہ "لحم" لام پر زبر، حاء ساکنہ اور میم مفتوح بمعنی جہت وجانب ہے۔ صحاح، قاموس اور دیگر کتب میں لحم اس معنی میں مذکور نہیں۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ درست لفظ لجفتی الباب حاء کی جگہ جیم اور میم کی جگہ فاء ہے۔ کتب لغت میں لجفہ، جیم اور فاء کے ساتھ بمعنی بازو باب آیا ہے۔ اور الجاف کنوئیں کے جوانب کو کہتے ہیں۔

۸؎ مہیم، میم پر زبر، ہاء ساکن یا مفتوح بمعنی جگہ ہے، اس کا معنی کیا حال ہے؟

۹؎ حامی، حافظ وناصر اور ان کے معاملہ کا مالک ونگران ہوگا۔

۱۰؎ غم ورنج کی وجہ سے کیونکہ ہمارے دل ذکر دجال کی وجہ سے باہر آرہے ہیں

۱۱؎ اس وقت غم کا کیا حال ہوگا؟ جب ان کے مال پر دجال کا کنٹرول ہوگا تو اس وقت کھانے پینے میں وہ یقیناً مانع ہوگا۔

۱۲؎ یعنی اللہ تعالیٰ تسبیح وتقدیس کی برکت سے انھیں صبر وتسلی عطا فرمائے گا یا معنی یہ ہے کہ ہم آٹا خمیرہ کرتے ہیں تو تاخیر کی وجہ سے ہم بھوک سے نڈھال ہوجاتے ہیں اور انسان کی طبیعت بھوک کی حالت میں یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور یہ معنی یجزئہم ما یجزئ اہل السماء کے زیادہ مناسب ہے لہٰذا ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب دجال کا زمانہ ہوگا اور لوگوں کو کھانے کے لیے کوئی شئے دستیاب نہ ہوگی تو وہ عدم غذا پر کیسے صبر کریں گے تو آپ نے فرمایا ان دنوں اہل ایمان کی غذا تسبیح وتقدیس باری تعالیٰ ہوگی جیسا کہ آسمانی فرشتوں کی یہی غذا ہے۔ ممکن ہے حضرت اسماء نے یہ بات مجلس کے بعد حاضر ہوکر عرض کی ہو مگر لفظ فقلتُ ثم میں ظاہر تبادر یہ ہے کہ یہ بات انھوں نے دجال کی خبر سنتے ہی مجلس میں عرض کی لہٰذا آٹا گوندھنے اور بھوک لگنے کے واقعہ کا تعلق آئندہ زمانے سے ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۵۶ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَا سَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ وَاِنَّهُ قَالَ لِيْ مَا يَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دجال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جتنا میں نے پوچھا ہے اتنا کسی نے نہیں پوچھا، آپ نے مجھے فرمایا تمہیں نقصان نہیں دے گا۔[۱] عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کا دریا ہوگا۔[۲] فرمایا وہ اللہ تعالیٰ پر اس سے زیادہ آسان ہے۔[۳] (بخاری و مسلم)

۱ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور حفاظت تیرے لیے کافی ہے لہٰذا وہ تجھے گمراہ نہ کر سکے گا۔

۲ اور ایک آدمی بھوکا دپیاسا ہوگا وہ اس کی طرف مجبوراً جائے گا یا کیا کرے

۳ کیونکہ وہ ان اشیاء کو حقیقۃً پیدا فرمانے والا ہے۔ اس کے ہاتھ پر جو کچھ ظاہر ہوگا وہ محض جھوٹ، جادو اور بے حقیقت صورت ہوگی۔ اسے اس مومن کے یقین میں شک ڈالنے یا گمراہ کرنے کی ہرگز طاقت نہیں جو دین میں یقین رکھتا ہوگا بلکہ مومن اس سے جب خلافِ عادت اعمال دیکھے گا تو اس کے ایمان میں اور یقین پیدا ہوگا اور اس کے جھوٹے ہونے میں بھی تقویت ملے گی۔

۵۲۵۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰى حِمَارٍ اَقْمَرَ مَا بَيْنَ اُذُنَيْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا[۱] جس کے کانوں کے درمیان ستر باع کا[۲] فاصلہ ہوگا۔ (بیہقی، کتاب البعث والنشور)

۱ قاموس میں ہے کہ قمراس سبز یا سرخی کو کہا جاتا ہے جس میں تیرگی ہوگی۔

۲ باع، وہ فاصلہ جو دو ذراع اور دو ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے صراح میں ہے باع، بُوع (باء پر پیش) دو ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ۔

۳۴۱۔ بَابُ قِصَّۃِ ابْنِ صَیَّادٍ

ابنِ صیّاد کا بیان

اس کو ابن صاید بھی کہتے ہیں۔ ابن صیاد کا اصل نام "صاف" تھا اور بعض نے عبداللہ بتایا ہے۔ وہ مدینہ کا رہنے والا ایک یہودی تھا یا اصل باشندہ تو کہیں اور کا تھا لیکن مدینہ آکر وہاں کے یہودیوں میں شامل ہوگیا تھا۔ ابن صیاد سحر و کہانت میں کچھ عمل دخل رکھتا تھا اس کی حقیقت کو مختصر طور پہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بڑا فتنہ تھا جس میں مسلمانوں کو ابتلاء میں ڈال کر ان کا امتحان لیا گیا تھا اس کے احوال میں اختلاف ہے اور اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی اس کے تعین میں اختلاف ہے چنانچہ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال تھا کہ ابن صیاد وہی معروف دجال ہے جس کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوکر لوگوں کو گمراہ کرے گا لیکن اکثر حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ابن صیاد وہ معروف دجال تو نہیں ہے لیکن ان چھوٹے دجالوں میں سے ایک ضرور ہے جن کا مقصد فتنہ وفساد پھیلانا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس امت میں ایسے دجال پیدا ہوتے رہیں گے جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں گے مؤخر الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ابن صیاد اگرچہ پہلے کافر وکاہن تھا لیکن آخر میں مسلمان ہوگیا تھا اس کی اولاد بھی تھی اور وہ مدینہ و مکہ میں رہا کرتا تھا جبکہ معروف دجال کافر ہوگا اور اس کی اولاد نہیں ہوگی اور مکہ و مدینہ میں اس کا داخلہ ممنوع ہوگا بعض کا خیال ہے کہ یہ وہی دجال ہے جس کی خبر دی گئی ہے۔ کافر ہونا اور اس کی اولاد کا نہ ہونا، مکہ و مدینہ میں اس کا داخلہ منع ہونا اور اس کی دیگر علامات وصفات جو کہ دجال میں پائی جاتی ہیں اس وقت اگرچہ اس میں موجود نہیں کیونکہ یہ دجال کے وہ احوال ہیں جو اس کے خروج کے بعد ظاہر ہوں گے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اس پہ دلیل لانا نامکمل ہے بہرحال ابن صیاد کی حقیقت مبہم تھی خود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اسی لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس کی حقیقت کو مبہم رکھا جیسا کہ اس باب میں منقول احادیث سے معلوم ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۵۸: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اِنْطَلَقَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَھْطٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ قِبَلَ ابْنِ صَیَّادٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر صحابہ کرام کی ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابن صیاد کی طرف گئے

حَتّٰى وَجَدَهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فِيْ أُطُمِ
بَنِيْ مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ
الْحُلُمَ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ
أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ
أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ الْأُمِّيِّيْنَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ
صَيَّادٍ أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَصَّهُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ آمَنْتُ
بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ مَاذَا
تَرٰى قَالَ يَأْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ
عَلَيْكَ الْأَمْرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيْئًا وَخَبَأَ لَهٗ
يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ فَقَالَ
هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ
قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَتَأْذَنُ لِيْ فِيْهِ أَنْ أَضْرِبَ عُنُقَهٗ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يَكُنْ هُوَ
لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ
لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ قَالَ ابْنُ عُمَرَ انْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُبَيُّ بْنُ
كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِيْ فِيْهَا
ابْنُ صَيَّادٍ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ
أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ
وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فِيْ
قَطِيْفَةٍ لَهٗ فِيْهَا زَمْزَمَةٌ فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ

یہاں تک کہ اسے پایا کہ وہ لڑکوں کے ساتھ بنی مغالہ[1] کے
محل[2] میں کھیل رہا تھا۔ ابن صیاد ان دنوں سن بلوغ کے
قریب ہو چکا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
صحابہ کی آمد سے بے خبر رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی کمر پہ دست مبارک مارا پھر فرمایا
کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد
نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک
آپ امیوں[3] کے رسول ہیں۔ پھر ابن صیاد نے کہا کہ آپ
گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسے دبوچا[4] اور فرمایا میں اللہ اور اس کے
رسولوں[5] پر ایمان رکھتا ہوں۔ پھر آپ نے ابن صیاد سے
فرمایا تو کیا دیکھتا ہے[6] اس نے کہا میرے پاس سچا اور
جھوٹا آتا[7] ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا
معاملہ گڈمڈ ہو گیا[8]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[9]
کہ میں نے تیرے لیے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے[10]
وہ یہ آیت یَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ
اس نے کہا وہ پوشیدہ بات دخ[11] ہے۔ آپ نے فرمایا
دور ہو[12] تو اپنی حد سے نہیں بڑھ سکتا۔ حضرت عمر نے عرض کیا
کہ یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کی
گردن اڑا دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر قابو نہیں پا سکتے[13] اور
اگر وہ نہیں تو اس کے قتل میں کوئی بھلائی نہیں[14] حضرت
ابن عمر نے فرمایا: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم حضرت ابی ابن انصاری کو لے کر کھجور کے ان
درختوں کے پاس تشریف لے گئے جن میں ابن صیاد رہتا
تھا پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور کے تنوں کی
آڑ لے کر چلتے رہے تاکہ وہ بے خبر رہے[15] اور آپ ابن صیاد کے

صَیَّادٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَتَّقِیْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ اَیْ صَافِ وَھُوَ اسْمُہٗ ھٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاھَی ابْنُ صَیَّادٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَکَتْہُ بَیَّنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ فَاَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ ثُمَّ ذَکَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْہُ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَہٗ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَہٗ وَلٰکِنِّیْ سَاَقُوْلُ لَکُمْ فِیْہِ قَوْلًا لَمْ یَقُلْہُ نَبِیٌّ لِقَوْمِہٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِاَعْوَرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

دیکھنے سے پہلے اس کی کچھ باتیں سن لیں۔ ابنِ صیاد اپنے بستر پر لیٹا ہوا گنگنا رہا تھا[۱] ابنِ صیاد کی ماں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو درخت کی آڑ میں دیکھ کر کہا اے صاف! یہ اس کا نام ہے محمد آ گئے۔ ابنِ صیاد نے گنگنانا روک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چھوڑے رکھتی تو وہ اپنی حقیقت کو ظاہر کرتا۔[۲] حضرت ابنِ عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے پھر دجال کا ذکر[۳] کیا اور فرمایا میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں۔ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔ بیشک حضرت نوح نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا لیکن میں تم سے دجال کے بارے میں ایک ایسی بات اور ایک ایسی علامت بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی تم جان لو کہ وہ کانا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔[۴] (بخاری و مسلم)

[۱] اُطُم، الف اور طاء دونوں مضموم۔ محل، ہر بلند جگہ اور اس قلعے کو بھی کہتے ہیں جس کی تعمیر پتھروں سے کی گئی ہو۔ اس کی جمع آطام و اطوم آتی ہے۔

[۲] بنی مغالہ، میم مفتوح اور غین مخفف، یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

[۳] امیوں سے مراد عرب تھے کیونکہ اس زمانہ میں اکثر عرب پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے یہودیوں میں سے ایک طبقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر تو نہیں تھے لیکن آپ کو صرف اہلِ عرب کا رسول مانتے تھے۔ یہ بات (یعنی ابنِ صیاد کا حضور کی رسالت کی گواہی اس طرح دینا) اس کی ان لغو و باطل باتوں میں سے ایک تھی جو شیطان کا سنہا کو القا کرتا ہے۔ اس کے یہ الفاظ تناقض کے حامل تھے کیونکہ نبی ہر حال میں سچا ہوتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوتِ عامہ کا اعلان کیا۔ اور تمام نوعِ انسان کو اپنی رسالت کی دعوت دی تو آپ کی نبوت کو صرف اہلِ عرب کے ساتھ مخصوص کرنا یقیناً باطل ہے۔

[۴] اس کے اصل معنی دو چیزوں کو استوار کرنا اور آپس میں ایک دوسرے سے جوڑنا ملانا کے ہیں۔ اسی لیے مضبوط اور استوار بنیاد کو بناتے مرصوص کہا جاتا ہے اور بعض روایات میں "فرفضہ النبی" فاء اور ضاء کے ساتھ بھی آیا ہے جس کے معنی چھوڑنے اور رد کرنے کے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اس سے اسلام کے متعلق سوال و جواب

اور اس کی کجروی سے اس لیے صرفِ نظر کر دیا کہ اس میں کوئی نفع نہ تھا اور نہ ہی اس میں کوئی اثر ہونا تھا۔

ش۵ یہ اس کے رد و انکار اور اس کے دعوٰی کے بطلان پر احسن انداز میں گرفت ہے کیونکہ اس پر صراحت کی احتیاج نہیں ایسی صورت میں اسے خاموش کرنا مقصود تھا لیکن اس کی حقیقتِ حال ظاہر ہو گی تو رد و انکار پر تصریح کی اور اس پر زجر و توبیخ ان الفاظ کے ساتھ فرمائی اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ زجر و منع کا یہ اعلٰی طریقہ ہے۔

ش۶ یہ ابنِ صیاد، امتحان کے ارادے سے فرمایا: تاکہ تمام لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ وہ دعوائے رسالت میں جھوٹا ہے

ش۷ یعنی کبھی تو میرے پاس سچا شخص آتا ہے جو مجھے سچی خبریں دیتا ہے اور کبھی جھوٹا شخص آتا ہے جو جھوٹی خبریں لاتا ہے یعنی بعض خبریں سچی آتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ جیسا کہ کاہنوں کی عادت ہوتی ہے کہ شیطان ان پر جھوٹی سچی، ہر طرح کی خبریں القاء کرتا ہے۔

ش۸ مفہوم یہ تھا کہ تیرے پاس شیطان آتا ہے جو تجھے سچی اور جھوٹی خبریں سناجاتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ وہ اپنے دعوائے رسالت میں جھوٹا ہے کیونکہ کسی رسول کے پاس جھوٹی خبریں نہیں آتیں۔ اس بات کا اعتراف اس نے خود اپنی زبان سے کر دیا یہ حال کاہنوں کا ہوتا ہے نہ کہ پیغمبروں کا۔

ش۹ رسولِ کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بطورِ امتحان اور اس کے سحر، کہانت اور اس کے حال کے خلط ملط ہونے کی تحقیق کے طور پر فرمایا۔

ش۱۰ خبی بروزن قبیح، خبیئہ بروزن فضیحتہ۔ اور خباء بروزن صعب پوشیدہ بات کو کہتے ہیں یہاں حدیث میں خَبِیءٌ ہے لیکن خباء بھی روایت ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے هُوَ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں خباء سموات سے مراد بارش اور خباء ارض سے پودے وغیرہ مراد ہیں۔

ش۱۱ جو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے چھپائی تھی وہ یہ آیت تھی جس میں دخان کا ذکر ہے۔

ش۱۲ دُخ، دال پر پیش اور زبر کے ساتھ بمعنی دھواں پس اس کا جن پوری آیت کے بتانے میں کامیاب نہ ہو سکا البتہ اس نے اس آیت کا ایک ناقص لفظ ضرور بتا دیا۔ یہ ہوں کی عادت کے مطابق ہے کہ شیاطین کسی بات کا کوئی ادھورا حصہ اڑا کر لے آتے ہیں اور اسے کاہنوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یا کسی صحابی نے اس وقت آہستہ سے پڑھی ہو اور شیطان نے سن لیا ہو اور پھر ابنِ صیاد پر القاء کر دیا ہو۔

ش۱۳ "دور ہو" جب واضح ہو گیا کہ اس کا حال وہی ہے جو کاہنوں کا ہوتا ہے کہ وہ شیطان کے القاء کرنے کے باعث کچھ ناقص باتیں حاصل کر لیتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو فرمایا جا دور بھاگ، تو اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو اپنی حد اور مرتبے سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس تیرا مرتبہ اور حد کاہنوں والا ہے جو کہ چھپی ہوئی بعض باتوں کا ناقص اور نامکمل حصے کا اظہار کرتے ہیں اور نبوت کا دعوٰی نہ کر، کیونکہ وہ تیرا مقام نہیں ہے لفظ "اخساء" سے اہانت اور حقارت کا اظہار کیا جاتا ہے یہ لفظ کتے اور سور کو ہانکنے کے لیے آتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کے قریب نہ آئیں

اور یہاں ایک لطیف نکتہ ہے جسے بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس آیت کو پوشیدہ اور اخفاء میں رکھنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دخان نامی پہاڑ کے قریب قتل کریں گے اور یہ بات اس ظن پر مبنی کہ وہ دجال ہے اور یہ اس کے قتل کی طرف تعریض ہے۔

۱۴ اس لیے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے

۱۵ اس لیے کہ وہ ذمی ہے اور ان یہودیوں میں سے ہے جو اہلِ ذمہ ہیں اور اس وقت وہ نابالغ اور چھوٹی عمر کا بھی ہے۔

۱۶ خَتَل۔ اصل میں فریب اور دھوکہ دینے کو کہتے ہیں۔

۱۷ گنگنا رہا تھا، زمزمہ دو زاؤں کے ساتھ ہے اس پوشیدہ کلام کو کہتے ہیں جو سمجھ میں نہ آ رہی ہو اور دو راء "زمرمہ" سے بھی روایت ہے اس کا معنی بھی وہی ہے۔

۱۸ یعنی کوئی چیز ایسی سامنے آتی جس سے اس کی حقیقت حال معلوم ہو جاتی اور ظاہر ہو جاتا کہ وہ کیا ہے۔

۱۹ یعنی دجال اور اس کے احوال کا ذکر کیا یا احتمال ہے کہ ابنِ صیاد دجال ہے یا عنقریب فتنہ ہونے والا ہے اور اس کی بعض ایسی صفات جن کے ساتھ وہ متصف ہے ان کی وجہ سے دجال کو یاد کیا اور اس کے حالات کا اعلان فرمایا

۲۰ یعنی وہ آنکھ سے دیکھنے کی جس سے ہی پاک ہے چہ جائیکہ اس کی ذات میں کانے پن جیسا کوئی عیب ہو۔

۵۲۵۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ﹰالْخُدْرِیِّ قَالَ لَقِیَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَّعُمَرُ یَعْنِیْ اِبْنَ صَیَّادٍ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ ھُوَ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ مَاذَا تَرٰی قَالَ اَرٰی عَرْشًا عَلَی الْمَآءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرٰی عَرْشَ اِبْلِیْسَ عَلَی الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰی قَالَ اَرٰی صَادِقَیْنِ اَوْکَاذِبَیْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَیْہِ فَدَعُوْہُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مدینہ منورہ کے ایک راستے میں ابنِ صیاد ملا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے بھی یہی کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا میں پانی پر تخت دیکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو ابلیس کے تخت کو سمندر پر دیکھتا ہے پھر آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور کیا دیکھتا ہے ابنِ صیاد نے کہا کہ دو سچوں کو دیکھتا ہوں اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے کو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر شبہ ڈال دیا گیا ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو۔ (مسلم)

سلہ جیسا کہ آپ کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے۔ اٰمنت باللہ وبرسولہ۔

سلہ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے اور وہاں سے اپنے چیلوں کی ٹولیوں کو دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ اس کا ذکر کتاب کی ابتداء میں باب الوسوسہ میں گزر چکا ہے۔

سلہ یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے کو، یہ یا تو راوی نے اپنا شک ظاہر کیا ہے یا یہ احتمال ہے کہ ابن صیاد ہی نے شک کے ساتھ بیان کیا ہو کہ میں یا دو سچوں اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں یا دو جھوٹوں اور ایک سچے کو اور یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ جس طرح اس کے معاملے میں خلط و اختلال تھا اور اس کے احوال میں نظم و استقامت نہ تھی اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ اس کو کسی بھی صورت جزم و یقین حاصل نہ ہوا ہو چنانچہ کبھی کچھ دیکھتا ہے اور کبھی کچھ۔

۵۲۶۰ وَعَنْهُ اَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ میدہ کی مانند سفید[1] اور مشک خالص کی مانند خوشبودار ہے۔ (مسلم)

سلہ دَرْمَکہ۔ دال پر زبر، راء ساکن، میم پر فتحہ، وہ سفیدی جو مغز اور چھلکے کے درمیان ہوتی ہے، یہ اس کی سفیدی کے بیان میں تاکید ہے اور خوشبو میں خالص کستوری کے مانند ہے۔

۵۲۶۱ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا اَغْضَبَهُ فَانْتَفَخَ حَتّٰى مَلَاَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا اَرَدْتَّ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَغْضَبُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے کسی راستہ میں ابن صیاد سے ملے انھوں نے اسے ایسی بات کہی جس سے وہ ناراض ہو کر پھول گیا یہاں تک کہ راستے کو بھر دیا۔ حضرت ابن عمر حضرت حفصہ[1] کے پاس گئے جن تک یہ خبر پہنچ چکی تھی[2] فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ آپ نے ابن صیاد سے کیا چاہا تھا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال غصے کی حالت میں نکلے گا ناراض کیا ہوا۔ (مسلم)

سلہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔
سلہ کہ ابن عمر نے ابن صیاد کو غضب ناک کیا ہے۔

سے "ابن صیاد" سے کیا چاہتا تھا کہ اس کو غصے میں کر دیا۔
سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کو جو اس طرح منع کیا۔ ابن صیاد میں احتمال و امکان تھا کہ وہ دجال ہے یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کا اعتقاد و یقین اس پر ہو کہ وہی شخص دجال ہے۔

۵۲۶۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَیَّادٍ اِلٰی مَکَّۃَ فَقَالَ لِیْ مَا لَقِیْتُ مِنَ النَّاسِ یَزْعُمُوْنَ اَنِّی الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَا یُوْلَدُ لَہٗ وَقَدْ وُلِدَ لِیْ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ وَھُوَ کَافِرٌ وَاَنَا مُسْلِمٌ اَوَلَیْسَ قَدْ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَۃَ وَلَا مَکَّۃَ وَقَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ وَاَنَا اُرِیْدُ مَکَّۃَ ثُمَّ قَالَ لِیْ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِہٖ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَہٗ وَمَکَانَہٗ وَاَیْنَ ھُوَ وَاَعْرِفُ اَبَاہُ وَاُمَّہٗ قَالَ فَلَبَسَنِیْ قَالَ قُلْتُ لَہٗ تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ قَالَ وَقِیْلَ لَہٗ اَیَسُرُّکَ اَنَّکَ ذَاکَ الرَّجُلُ قَالَ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَیَّ مَا کَرِھْتُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مکہ مکرمہ تک ابن صیاد کا شریک سفر رہا اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے لوگوں سے تکلیف پہنچتی ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ میں دجال ہوں کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ اس کی اولاد نہیں ہو گی جبکہ میری اولاد ہے کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو گا جبکہ میں مسلمان ہوں۔ کیا آپ کا یہ ارشاد نہیں ہے کہ وہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا جبکہ میں مدینہ منورہ سے آرہا ہوں اور مکہ میں جا رہا ہوں سے پھر اس نے مجھ سے آخری بات یہ کہی کہ خدا کی قسم! میں دجال کی جائے پیدائش اور اس کے مکان کو جانتا ہوں جہاں وہ ہے اور اس کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے۔ لیکن میں نے اس سے کہا تو ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو اور اس سے کہا گیا سے کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ اس نے کہا کہ اگر یہ چیز میرے سپرد کی گئی تو میں ناپسند نہیں کروں گا۔ (مسلم)

سے یعنی اس حال میں کہ ہم مکہ کی طرف متوجہ تھے۔
سے فَلَبَسَنِیْ میں باء مخفف ہے۔ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ یقین رکھتا تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے لیکن اس نے اب اپنے دجال ہونے سے جب انکار کیا تو میں شک و شبہ میں پڑ گیا یا یہ کہ اس نے اپنی گفتگو کے شروع میں دلائل سے ثابت کیا کہ میں دجال نہیں ہوں لیکن اس نے آخر میں جو یہ کہا کہ میں دجال کا مولد و مسکن اور اس کے والدین کو جانتا ہوں کہیں اپنے کیے ہوئے اقرار سے اعراض تو نہیں کر رہا ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت سے متکلم کبھی کبھی اپنی ذات سے کنایہ کرتا ہے۔
سے سائر یعنی "باقی و تمام" دونوں میں مستعمل ہے۔

ؔ یعنی حاضرین میں سے کسی نے کہا۔

ؔ اگر میرے سپرد کر دی جائیں وہ صفات جو دجال میں پائی جاتی ہیں مثلاً اغوا و گمراہ کرنا۔ دھوکہ دینا اور شبہ میں ڈالنا وغیرہ تو میں اس کو ناپسند نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے ناراض ہوں گا۔ اس کلام سے یہ اشارہ ملتی ہے کہ وہ دجال اور اس کی صفات کو اپنے اندر موجود ہونے پر راضی تھا اور یہ اس کے کفر کی واضح دلیل ہے۔

۵۲۶۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِيتُهُ وَقَدْ نَفَرَتْ عَيْنُهُ فَقُلْتُ مَتَى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا أَرَى قَالَ لَا أَدْرِي قُلْتُ لَا تَدْرِي وَهِيَ فِي رَأْسِكَ قَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِي عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَأَشَدِّ نَخِيرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میری ابن صیاد سے ملاقات ہوئی جبکہ اس کی آنکھ سوجی ہوئی تھی میں نے کہا تیری آنکھ کو کیا ہوا؟ جو میں دیکھ رہا ہوں[۱]؟ کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ تو نہیں جانتا، حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے؟ اس نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے تمہاری لاٹھی میں پیدا کردے[۲]۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ اس نے گدھے جیسی سخت آواز نکالی جو میں نے سنی

(مسلم)

ؔ اس پر ورم کیسا ہے؟

ؔ یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ جمادات میں سے کسی چیز میں آنکھ پیدا کر دے اور پھر اس آنکھ میں درد پیدا ہو جائے تو اس چیز کو نہ آنکھ کا احساس ہو اور نہ آنکھ کے درد کا، تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی انسان کی آنکھ میں تکلیف کی کوئی علامت پیدا ہو جائے جو ہر وقت ذہنی طور پر مشغول و مستغرق رہتا ہو تو اس کو کثرت اشغال اور ہجوم افکار کی وجہ سے اس درد و تکلیف کا احساس نہ ہو۔

۵۲۶۴ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ أَنَّ ابْنَ الصَّيَّادِ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللّٰهِ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلَى ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

محمد بن منکدر[۱] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، میں نے کہا کہ آپ اللہ کی قسم کھا رہے[۲] ہیں۔ فرمایا میں نے حضرت عمر سے سنا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور یہ بات کہی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا[۳] (بخاری و مسلم)

ؔ محمد بن منکدر مشہور اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں علم و زہد و عبادت و دین میں پختگی اور پاکدامنی کے جامع ہیں۔ انھوں نے بہت سے صحابہ کرام سے سماعت کی ہے جن میں حضرت جابر و حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی صحابہ کرام سے سماعت کی ہے۔ ان سے ایک جماعت نے

جن میں سفیان ثوری، شعبہ، عمرو بن دینار اور مالک بھی شامل ہیں، روایت کی۔ ان کے علاوہ کئی آئمہ نے بھی ان سے روایت کی ہے ان کی وفات سنہ ۲۱۱ھ میں ہوئی۔

سلہ یعنی کب سے تمہیں یقین ہے کہ وہ دجال ہے

سلہ اگر یہ بات واقعی اور یقینی نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کا انکار کر دیتے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قسم کھانا اس بات پر ہو کہ ابن صیاد ان دجالوں میں سے ایک ہے (جو وقتاً فوقتاً اس امت میں پیدا ہوتے رہیں گے اور نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے) نہ کہ وہ مشہور دجال ہے۔ آگے دوسری فصل میں حضرت ابن عمر کی جو روایت آرہی ہے اس میں انھوں نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ ابن صیاد دجال معہود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ابن عمر کا مسلک بھی یہی رہا ہو۔ بہرحال ابن صیاد کے سلسلہ میں اختلاف و اشتباہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

دوسری فصل

۵۲۶۵ ۸ عَنْ نَافِعٍ قَالَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا اَشُکُّ اَنَّ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَیَّادٍ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم! مجھ کو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح دجال، ابن صیاد ہی ہے۔ (ابوداؤد، بیہقی۔ کتاب البعث والنشور)

۵۲۶۶ ۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ فَقَدْنَا ابْنَ صَیَّادٍ یَوْمَ الْحَرَّۃِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ واقعہ حرہ کے روز ابن صیاد ہم سے گم ہو گیا سلہ (ابوداؤد)

سلہ اگر اس عبارت کا یہ مطلب ہو کہ ابن صیاد واقعہ حرہ میں غائب ہو گیا تھا ایسا غائب ہوا کہ پھر کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اس صورت میں یہ روایت اس روایت کے منافی و متضاد ہوگی کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ مدینہ میں مرا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اگر اس حدیث میں "غائب" سے مراد اس کا عام مفہوم ہو کہ جس میں موت بھی شامل ہے تو پھر ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا اور واقعہ حرہ وہ حادثہ ہے جو یزید مردود کی فوج نے اہل مدینہ پر یلغار کر دی تھی۔ اس واقعہ کا اجمالی پہلے ذکر ہو چکا ہے اس کی تفصیل اور قباحت کا ذکر ناگفتہ بہ ہے جس کا ذکر تاریخ مدینہ میں ہم نے کیا ہے۔

۵۲۶۷ ۱۰ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْکُثُ اَبَوَا الدَّجَّالِ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا

حضرت ابوبکرہ سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے والدین کی تیس سال تک اولاد نہ ہوگی، پھر ان کے ہاں ایک کانا بڑے دانتوں سلہ والا لڑکا پیدا ہوگا جس کا نفع کم ہوگا اور اس کی آنکھیں سوتیں گی لیکن دل نہیں سوئے سلہ گا۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ طُوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَاَنَّ اَنْفَهٗ مِنْقَارٌ وَ اُمُّهٗ امْرَاَةٌ فِرْضَاخِيَّةٌ طَوِيْلَةُ الْيَدَيْنِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اَبَوَيْهِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّهٗ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَاِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ وَلَهٗ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَاْسِهٖ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے والدین کی نشانیاں بیان فرمائیں کہ اس کا باپ لمبے قد کا[۱] کم گوشت والا[۲] اور چونچ جیسی ناک والا ہے۔ اس کی ماں موٹی چوڑی[۶] چکلی اور لمبے ہاتھوں والی ہے۔ ابو بکرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے سنا مدینہ منورہ میں یہودیوں کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ پس میں اور حضرت زبیر بن العوام گئے یہاں تک کہ اس کے والدین کے پاس اندر داخل ہوئے تو ان دونوں میں[۷] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نشانیاں پائی جاتی تھیں۔ ہم نے کہا کیا تمہارا کوئی بچہ ہے۔ دونوں نے کہا کہ تیس[۲] سال ہمارے گھر اولاد نہیں ہوئی پھر لڑکا ہوا ہے جو کانا بڑے دانتوں والا، کم نفع والا ہے جس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ پس ہم ان کے پاس سے باہر نکلنے لگے تو وہ چادر اوڑھ کر دھوپ میں لیٹا ہوا گنگنا[۸] رہا تھا ہم نے اس کے سر سے کپڑا ہٹا دیا۔ اس نے کہا آپ دونوں نے کیا کہا ہے؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا ہاں کیونکہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (ترمذی)

---

[۱] ابوبکرہ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] اضرس لغاو کلینا بڑے دانت، بعض کے نزدیک اس سے مراد دانتوں میں اضافہ ہے۔

[۳] وساوس واوہام کی کثرت اور افکار فاسدہ کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے جو کہ شیطان اس کو القاء کرتا رہے گا۔

[۴] طاء کے پیش کے ساتھ

[۵] یعنی کمزور بدن والا ہے۔

[۶] فرضاخ، بالکسر، مرد عریض۔ فرضاخہ، خاتون عریض۔ فرضاخیہ یاء نسبت کے ساتھ ہے۔

[۷] جیساکہ آپ نے فرمائی تھیں

[۸] مراد اس سے ہلکی سی کلام ہے۔

۵۲۶۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ امْرَاَةً مِنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَاَشْفَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَكُونَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا اَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيفَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَاَقْتُلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ اِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَاِلَّا يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا اَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

یہودی عورت نے ایک بچہ جنا جس کی ایک آنکھ سپاٹ تھی اس کی ڈاڑھ اگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوف کیا کہ یہی دجال ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ایک کمبل کے نیچے پایا۔ گنگنا رہا تھا اس کی ماں نے خبر دے دی، بولی اے اللہ کے بندے! یہ ابوالقاسم ہیں[1] تو وہ کمبل سے نکل پڑا تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا اسے غارت کرے اسے کیا ہوا؟ اگر یہ اسے چھوڑ دیتی تو یہ بیان کر دیتا[2] پھر حضرت ابن عمر کی حدیث کے معنی کی مثل ذکر کیا[3] تب جناب عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کر دوں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ وہ ہی ہے تو اس کے قاتل تم نہیں حضرت عیسیٰ ابن مریم اس کے قاتل ہیں[4] اگر یہ وہ نہیں تو تمہیں مناسب نہیں کہ ذمیوں میں سے[5] کسی کو قتل کرو پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے خوف فرماتے رہے کہ یہ دجال ہے۔

(شرح السنہ)

[1] حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں

[2] اور اپنے بارے میں بتا دیا

[3] حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا راوی از جابر نے ان حدیث ابن عمر کے مطابق بیان کیا جو باب کی ابتداء میں گذرا ہے۔

[4] اگر ابن صیاد دجال ہے تو اسے قتل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قدرت عطا فرمائی ہے۔

[5] یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے اور اسلام کے بعد کا حال بھی معلوم ہے کہ وہ دجال کہلانے پر راضی تھا اور یہ کفر ہے جیسا کہ حدیث ابو سعید خدری میں ہے کہ وہ ان کے

بَابُ نُزُولِ عِيسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول

احادیث صحیحہ کے ذریعے یہ تحقیق ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے، وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہوں گے اور آپ ہی کی شریعت کے مطابق حکم دیں گے۔ بعض وہ احکام جو ہماری شریعت میں نہیں حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حکم کے مطابق حکم دیں گے وہ از قبیل بیان بدل ہیں جیسا کہ نسخ ہے اور وہ اس وقت حضور ہی کی شریعت کا حصہ ہوں گے جیسا کہ جزیہ وغیرہ کا اختتام۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۶۹ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اَلْاٰيَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے عنقریب تم میں[1] حضرت عیسیٰ حاکم عادل کی صورت میں نازل ہوں گے پس صلیب[2] توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ[3] موقوف کریں گے اور بے حساب[4] مال تقسیم کریں گے یہاں تک کہ اسے قبول نہیں کرے گا اس وقت ایک سجدہ[5] دنیا اور اس کی ساری متاع سے بہتر معلوم ہوگا پھر حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ چاہو[6] تو یہ آیت پڑھو اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے[7]۔ (بخاری و مسلم)

[1] تمہارے دین و ملت میں

[2] وہ دو لکڑیاں ہیں جو آپس میں اس طرح مل رہی ہیں کہ ان کی شکل سولی والی ہو۔ نصاریٰ اس شکل کی رعایت و محافظت کرتے ہیں، اکثر اشیاء اس شکل میں بناتے ہیں اور گردن میں لٹکاتے ہیں مثلاً جس طرح دوسرے کا فروں میں زنار بعض اوقات یاد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت اس میں بناتے ہیں کیونکہ یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ

انھیں سولی پر لٹکایا گیا تھا ۔ صراح میں ہے ۔

ے اب اسلام یا تلوار ہوگی ۔ مقصود نصرانیت کا ابطال اور ان کے احکام و آثار کو دین اسلام کے ضوابط کے ساتھ بدلنا ہے ۔

ک ان دنوں مال زیادہ ہوگا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زیادہ خرچ کریں گے ۔ یفیض بالفتح فیضان سے ہے یا بالضم ازافاضہ دونوں ہی مروی ہیں ۔

ے اس کلام کا تعلق مذکور مجموعہ کے ساتھ ہے، دین اسلام اس طرح رواج و رونق پائے گا کہ لوگوں کی عبادت و طاعت کی طرف اتنی رغبت و محبت ہوگی کہ ایک سجدہ تمام متاع دنیا سے بہتر ہوگا اور بات مسلمہ ہے کہ ہمیشہ ہی سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتا ہے یہ اس زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں البتہ اس وقت لوگوں کی طبیعتیں اس طرف مائل ہوں گی ۔ اور ان کے نزدیک بھی سجدہ بہتر ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا تعلق یفیض المال سے ہو یعنی لوگ مال سے کلیۃً اعراض کر جائیں گے انھیں مال کے حصول و خرچ میں محبت نہ ہوگی جتنی محبت و الفت نماز میں ہوگی ۔

ے اگر اس چیز میں کوئی تردد یا شک ہے تو یہ آیت پڑھو ۔

ے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جو موت سے پہلے یعنی آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد جو ایمان نہ لائے ، جب دین و ملت ایک ہو جائے گا اختلاف درمیان سے ختم ہو جائے گا اور وہ اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہود و نصاریٰ کے درمیان ہے ختم ہو جائے گا اور یہ تمام اس طریقے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے جو اسلام نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں ۔ اس آیت مبارکہ کی یہ ایک تفسیر ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کی اسی تفسیر و مضمون سے استدلال کیا ہے ۔ دوسری تفسیر بھی ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے آثار نزع کے موقع پر ایمان نہ لائے مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا ۔ اس احتمال پر "بہ" کی ضمیر کا مرجع یا حضور علیہ السلام کی ذات ہے یا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے ۔ مقصود یہ ہے کہ ہر کافر وقت موت مجبوراً ایمان لائے گا لیکن فائدہ نہ ہوگا بس اس وقت سے پہلے پہلے ایمان کی تیاری کرنی چاہیے ۔

۵۲۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصَ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ اِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ اَحَدٌ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ابن مریم تم پر ضرور نازل ہوں گے حاکم عادل کی صورت میں ، وہ ضرور صلیب توڑیں گے خنزیر قتل کریں گے جزیہ موقوف کریں گے جوان اونٹنیوں کو کھلا چھوڑ دیں گے ان سے محنت کا کوئی کام نہیں لیا جائے گا ۔ دشمنی ، بغض ، حسد ختم ہو جائے گا وہ مال کی طرف لوگوں کو بلائیں گے لیکن کوئی قبول نہیں کرے گا (مسلم)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ۔

اور بخاری و مسلم دونوں کی روایت میں ہے کہ فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

سلے کوئی ان پر سواری نہیں کرے گا نہ ان کو طلب حاجات و کاروبار میں استعمال کرے گا اور انھیں قبول کوئی نہیں کرے گا وجہ یہ ہوگی کہ مال کثرت سے ہوگا لہٰذا ان کی محتاجی نہ ہوگی "قلاص" قاف کے نیچے کسرہ، قلوص بالفتح کی جمع ناقہ جوان۔

سلے کیونکہ دنیا کی وہ محبت ہی ختم ہو جائے گی جو ان برائیوں کی جڑ و باعث تھی، اس وقت دین و ملت میں اتحاد ہونے کی وجہ سے یہ نہ ہوں گی کیونکہ اختلاف ادیان و مذاہب ایسی ہی بری صفات کا سبب ہوتے ہیں۔

سلے یعنی امام قریش سے ہوگا یا ملت اسلامیہ سے کوئی شخص۔ اس ارشاد کی شرح دو طرح سے کی گئی ہے ایک یہ کہ وہ شخص جو تم میں امام بنے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی اقتداء کریں گے وہ امام مہدی ہیں۔ یہ امت محمدیہ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ آنے والی حدیث میں اس مضمون پر تصریح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت حاکم و خلیفہ وقت اور امام و معلم خیر ہوں گے اور نماز کے امام حضرت امام مہدی ہوں گے۔ بعض دیگر روایات میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو اس وقت امام مہدی جماعت کروانے والے ہوں گے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مصلیٰ چھوڑ دیں گے لیکن وہ امامت نہیں کروائیں گے بلکہ امام مہدی کی اقتداء کریں گے اور اس کے بعد نماز کی امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کریں گے کیونکہ وہ امام مہدی سے افضل ہیں۔ دوسری شرح یہ ہے کہ امامت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں اور تم میں سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تمہاری شریعت کے ساتھ فیصلے کریں گے نہ کہ احکام انجیل کے مطابق۔ دوسری روایت میں اسی معنی کی تصریح ہے کہ فَیَؤُمُّکُمْ بِکِتَابِ رَبِّکُمْ وَسُنَّۃِ نَبِیِّکُمْ وہ تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق امامت کریں گے تو اس کا معنی یہی ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے امام بنیں گے اس حال میں کہ تمہاری دین و ملت کو قبول کریں گے اور تمہاری کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے

۵۲۷۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَآئِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُھُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَآءُ تَکْرِمَۃَ اللّٰہِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَھٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی ایک جماعت حق پر قیامت تک لڑتی رہے گی اور غالب ہوگی فرمایا تب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آئیے ہم کو نماز پڑھائیے تو وہ کہیں گے کہ نہیں تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں یہ اللہ کی طرف سے اس امت کے احترام کی وجہ سے ہوگا۔

(مسلم)

سلہ اس وقت اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی امت محمدیہ میں شامل ہوں گے مگر ان پر جو اکرام الٰہی ہے اس کی وجہ سے ان کی وہ بزرگی اب بھی باقی ہوگی ۔

اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۷۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ .

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب عیسیٰ بن مریم زمین کی طرف اتریں گے تو نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال قیام کریں گے ۔ پھر وفات پائیں گے ، میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے تو ہم اور عیسیٰ بن مریم ، ابوبکر اور عمر کے درمیان ایک مقبرہ سلہ سے اٹھیں گے ۔

(ابن جوزی کتاب الوفاء)

سلہ قبر سے مراد مقبرہ ہے روایات میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اور وہ جگہ آج تک کسی کو میسر نہ ہوئی ۔ امام المسلمین حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواہش کی تھی کہ وہ جگہ مجھے مل جائے سیدہ عائشہ (جن کا یہ گھر ہے) بھی تیار ہو گئی تھیں لیکن بنوامیہ نے ایسا نہ ہونے دیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چاہا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت نہ دی ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہاں عرض کیا گیا مگر انھوں نے فرمایا مجھے حضور کی دیگر بیویوں کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا علماء نے حکمت یہی بیان کی ہے کہ وہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار کے لیے ہے ۔

بَابُ قُرْبِ السَّاعَةِ وَاَنَّ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ

قیامت کا قریب ہونا اور جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی

قیام قیامت کے نزدیک ہونے کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کی آمد کی بقیہ مدت تھوڑی رہ گئی ہے اور اکثر گذر چکی ہے ، بعض شارحین نے کہا کہ اگر باقی زیادہ ہے تو بھی قرب کا حکم صادق ہے کیونکہ یہاں سے آگے انتہا تک کی ساعت

ابتداء سے یہاں تک کم ہے اور یہ اعتبار درست ہے لیکن یہاں پہلا معنی مراد ہے کیونکہ واقع میں بقیہ کم ہے جیسا کہ احادیث میں اس پر تصریح ہے۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ کے الفاظ بھی حدیث کے ہی ہیں۔ ماتن نے جنھیں عنوان کے طور پر ذکر کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا اس کے حق میں بعض احوال قیامت میں سے کا وقوع ہو جاتا ہے۔ امام غزالی نے اپنی تصانیف میں اس معنی کی تفصیل و شرح فرمائی ہے۔ وہاں دوسری دفعہ زندگی کی تفاصیل میں توقف کیا ہے۔ موت کو میت کے لحاظ سے قیامت صغریٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ تمام جہان اور لوگوں کا فنا ہو جانا قیامت کبریٰ کہلاتا ہے۔ قیامت وسطیٰ بھی ہے یہ لوگوں کا ایک دوسرے کی عمر کے قریب فوت ہو جانا ہے اسے قرن بھی کہتے ہیں جیسا کہ حدیث عائشہ میں آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۷۳ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُوْلُ فِيْ قَصَصِهٖ كَفَضْلِ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا اَدْرِيْ اَذَكَرَهٗ عَنْ اَنَسٍ اَوْ قَالَهٗ قَتَادَةُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے حضرت شعبہ سے انھوں نے حضرت قتادہ سے وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا[1] میں اور قیامت ان دو انگلیوں[2] کی طرح بھیجے گئے ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ کو دعظوں میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جیسے[3] ان دونوں میں سے ایک کی زیادتی، دوسری پر ہے مجھے یہ خبر نہیں کہ اسے حضرت انس سے[4] روایت کیا یا قتادہ نے خود کہا۔ (بخاری و مسلم)

[1] سبابہ اور وسطیٰ

[2] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوانی اور قیام قیامت کی دو انگلیوں کے ساتھ تشبیہ دی اس کی مراد واضح کرتے ہوئے کہا

[3] جو مقدار درمیانی انگلی کی دوسری سے بڑی ہے اور اتنی مقدار کے برابر میں قیامت سے پہلے مبعوث ہوا ہوں اور قیامت اتنی مقدار بعد میں ہے۔

[4] اگر یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تو پھر اس میں احتمال ہے کہ یہ انھوں نے خود کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔ حدیث مستورد بن شداد (جو آ رہی ہے) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام نے خود بیان فرمایا ہے بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد آپ کی دعوت اور قیامت کے درمیان اتصال وارتباط کا بیان ہے کہ ان کے درمیان کوئی اور دین وملت نہیں ہوگا جیسا کہ ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں لیکن راوی نے جب خود تفسیر کر دی اور حدیث میں تصریح بھی ہے تو اس کے مخالف کوئی توجیہ قابل قبول نہ ہوگی۔

ؔ۵ واضح رہے حدیث باب کافل الیتیم میں بھی آئی ہے۔ فرمایا اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ہٰکَذَا (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے) اگر بطور مبالغہ اس حدیث کو اتصال و مقارنت پر محمول کرنا درست ہے اگرچہ کفالت کرنے والا جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان دو انگلیوں کے تقدم و تاخر کے مطابق داخل ہونا بھی عظیم شرف کا حامل ہے مگر کرمانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کلام فرمایا تو آپ کی دونوں انگلیاں برابر ہوگئی تھیں، اس کے بعد ان دونوں میں طبع اصلی کی وجہ سے تقدم و تاخر واقع ہوا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دونوں انگلیاں بر طریق معروف ہی تھیں لیکن اسی کلام کے موقع پر ان دونوں کا برابر ہو جانا بطور معجزہ تھا اور بعض فارسی کتب میں تحریر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سبابہ اور وسطیٰ آپس میں برابر تھیں۔ معروف طریقہ پر ان میں تقدم و تاخر نہ تھا اس کی کوئی اصل نہیں، یہ متن حدیث اور شارحین کے کلام کے مخالف ہے۔

۵۲۷۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ بِشَھْرٍ تَسْاَلُوْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ وَاِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰہِ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نَّفْسٍ مَّنْفُوْسَۃٍ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَّھِیَ حَیَّۃٌ یَّوْمَئِذٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے وصال سے ایک ماہ پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو[1] اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ زمین پر ایسی کوئی نفاس سے پیدا ہونے والی ذات جس پر سو سال گزریں اور اس دن زندہ ہو[2] (المسلم)

ؔ۱ تم قیامت کبریٰ کے وقوع کے معین وقت کے بارے میں پوچھتے ہو تو سنو اس کا علم میرے اللہ کے پاس ہے باقی قیامت صغریٰ و وسطیٰ تمھیں بتا رہا ہوں کیونکہ اس کا علم میرے پاس ہے۔

ؔ۲ یہ طبقہ جس کی میں خبر دے رہا ہوں اس کے تمام افراد سو سال کی مدت میں فوت ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام بھی موجود تھے آپ کی خبر صادق کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بھی سو سال گزرنے کے [illegible] پا جائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اس عام حکم سے مخصوص ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے احوال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ اب موجود ہونے والوں میں سے ہر کوئی سو سال تک مر جائے گا۔ بعض نے کہا کہ شاید اس وقت حضرت خضر زمین پہ نہ ہوں بلکہ پانی یا ہوا میں ہوں۔ امام محی الدین سے منقول ہے کہ چار افراد انبیاء میں سے زندہ ہیں زمین پر حضرت خضر اور حضرت الیاس اور آسمان پر حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ حضرت خضر کا وجود تو مشائخ اور علماء سے تواتر سے ثابت ہے اگرچہ بعض نے اس میں تاویل کی کہ ہر دور کا ایک خضر ہے جو اس دور کا مربی اور فیض دینے والا ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصاحب تھے وہ کامل اولیاء میں سے تھے۔ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے دوران گفتگو ہوا کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا " قف یا اسرائیلی واسمع کلام المحمدی (اے اسرائیلی ٹھہر کر

محمدی کلام سُن) اس سے مراد خود آپ کی ذاتِ اقدس تھی۔

۵۲۷۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَاْتِیْ مِائَۃُ سَنَۃٍ وَّعَلَی الْاَرْضِ نَفْسٌ مَّنْفُوْسَۃٌ اَلْیَوْمَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سو برس ایسے نہ گذریں گے کہ زمین پر کوئی جیتی ہوئی ذات آج کی جو موجود رہے۔ (المسلم)

۵۲۷۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاَعْرَابِ یَاْتُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَسْاَلُوْنَہٗ عَنِ السَّاعَۃِ وَکَانَ یَنْظُرُ اِلٰی اَصْغَرِھِمْ فَیَقُوْلُ اِنْ یَّعِشْ ھٰذَا لَا یُدْرِکُہُ الْھَرَمُ حَتّٰی تَقُوْمَ عَلَیْکُمْ سَاعَتُکُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دیہاتی لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے تو آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے تو آپ ان میں سے سب سے چھوٹے کی طرف نظر فرماتے تھے کہ اگر زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہ آئے گا حتی کہ تم پر تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

لہ ابھی یہ اپنے بڑھاپے کو نہ پہنچے گا تو تم سب مر جاؤ گے یعنی اس مدت میں اس طبقہ کے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے اس کو آپ نے قیام قیامت سے تعبیر فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

۵۲۷۷ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ فِیْ نَفْسِ السَّاعَۃِ فَسَبَقْتُھَا کَمَا سَبَقَتْ ھٰذِہٖ ھٰذِہٖ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت مستورد[1] بن شداد[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے اندر[3] بھیجا گیا ہوں تو میں قیامت میں اس طرح پہلے ہوں جس طرح یہ انگلی اس سے اور اپنی دو انگلیوں کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی)

لہ مستورد - میم پر پیش، سین ساکن، تا پر زبر، واؤ ساکن، راء کے نیچے زیر، آخر میں دال ہے۔

لہ شداد، شین پر زبر، دال مشدد صحابی ہیں۔ رمل کو فہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مصر میں سکونت پذیر رہے حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت بچے تھے لیکن حضور سے یہ روایت کرتے ہیں۔

لہ میں اول قیامت میں آیا ہوں نفس، فا متحرک، کسی چیز کے ظہور کی ابتداء جیسا کہ طلوع صبح کو نفس الصبح کہا جاتا ہے۔

سلہ سبابہ اور وسطی

۵۲۷۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا تَعْجِزَ أُمَّتِي عِنْدَ رَبِّهَا أَنْ يُؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ قِيلَ لِسَعْدٍ وَكَمْ نِصْفُ يَوْمٍ قَالَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ.
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ میری امت اپنے رب کے نزدیک اس سے انھیں آدھے دن کی مہلت دے، سعد سے کہا گیا کہ آدھا دن کتنا ہے؟ فرمایا پانچ سو سال[1]
(ابوداؤد)

سلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ماخوذ ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (بلاشبہ آپ کے رب کے ہاں ایک دن کی مقدار ہزار کی ہے جسے تم شمار کرتے ہو) جب دن ہزار سال کا ہے تو اس کا نصف پانچ سو سال ہے۔ معنی حدیث یہ ہے کہ اس امت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی قربت، مقام اور جگہ ہے کہ وہ انھیں پانچ سو سال ہلاکت سے محفوظ رکھے گا تو اس امت کی بقا پانچ سو سال سے کم نہیں، زیادہ ہو سکتی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت پانچ سو سال سے پہلے برپا نہیں ہو سکتی اور یہ امت ہلاک نہ ہوگی اس کے بعد کیا ہوگا؟ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہ امت پانچ سو سال تک شدائد و مصائب اور عقوبات سے محفوظ رہے گی اور انھیں ایسی آفت نہ پہنچے گی جو انھیں ہلاک کردے۔

سے شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے ہزار سال بعد امت پانچ سو سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ بعض علماء وقت نے فتویٰ دیا کہ دسویں صدی میں امام مہدی و دجال کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دیگر علامات قیامت کا ظہور ہوگا اس قول کو سیوطی نے رد کیا اور اخبار و آثار سے ثابت کیا کہ ہزار سال گزرنے کے بعد پانچ سو سال سے آگے نہ بڑھے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۷۹ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ أَوَّلِهِ إِلٰى اٰخِرِهِ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِي اٰخِرِهِ فَيُوْشِكُ ذٰلِكَ الْخَيْطُ أَنْ يَنْقَطِعَ.
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک کاٹ دیا جائے پھر وہ آخر میں ایک دھاگے سے لٹکا رہ گیا، قریب ہے کہ یہ دھاگہ ٹوٹ جاوے۔[1]
(بیہقی، شعب الایمان)

سلہ دنیا کے فنا ہونے اور قرب قیامت کی مثال

بَابُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ

قیامت صرف شریر لوگوں پر قائم ہوگی

تمام اچھے لوگ فوت ہو جائیں اور بُرے باقی ہوں گے پس ان پر قیامت قائم ہو جائے گی جب تک نیک لوگوں کا وجود ہے قیامت قائم نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر گزر چکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک خوشبودار ہوا چلے گی جس سے تمام مسلمان فوت ہو جائیں گے اور بدکردار باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح آپس میں اختلاط کریں گے پس ان پر قیامت قائم ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۵۲۸۰- عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جائے گا[1] دوسری روایت میں ہے کہ ایسے شخص پر قیامت قائم نہیں ہوگی جو اللہ اللہ کہے[2] (مسلم)

[1] یعنی اس وقت کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنے والا ہو، بلکہ تمام کافر، بُت پرست اور فاسق ہوں گے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس جہان کی بقاء ذکرِ خدا، ذاکرین، صالحین اور نیکوکاروں کی برکت سے ہے جب یہ اس جہان سے اٹھ جائیں گے تو یہ عالم بھی نہ رہے گا۔

۵۲۸۱- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت شریر ترین مخلوق پر قائم ہوگی[1] (مسلم)

[1] اس حدیث کا ترجمہ، باب کے ترجمہ کی طرح ہی ہے خلق سے مراد انسان ہیں کیونکہ شریر نافرمان اُمت میں اور معصیت کا ارتکاب آدمی ہی کرتے ہیں، باقی مخلوق ایسا نہیں کرتی۔

۵۲۸۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَضْطَرِبَ اَلْیَاتُ نِسَآءِ دَوْسٍ حَوْلَ ذِی الْخَلَصَةِ وَذُو الْخَلَصَةِ طَاغِیَةُ دَوْسٍ الَّتِیْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک قبیلہ اوس کی عورتوں کے سرین[۱] ذوالخلصہ کے گرد نہ ہلیں ذوالخلصہ قبیلہ دوس کا بت تھا جس کو دور جاہلیت میں وہ لوگ پوجتے تھے[۲]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اَلْیَاتُ ہمزہ پر زبر لام ساکن۔ قاموس میں ہے عورت کے سرین یا چربی اور گوشت کا وہ حصہ جس پر بیٹھا جاتا ہے یا چربی و گوشت کا وہ حصہ جس پر بیٹھا جاتا ہے۔ صراح میں ہے کہ الیہ کا معنی دُم ہے۔ مجمع البحار میں ہے وہ گوشت جو پشت اور ران پر بلند ہو۔ مشارق الانوار میں ہے حیوان کے پچھلے نصف حصے کا گوشت اور انسان کی مقعد کا گوشت ہے۔

[۲] دَوْسٍ، دال پر زبر، واؤ ساکن، سین، یمن کا قبیلہ ذوالخلصہ خاء اور لام پر زبر یا دونوں پر پیش بھی ہے بت خانہ اسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا ہے اس جگہ ایک بت تھا اس کا نام خلصہ تھا، دوس، خثعم، بجیلہ کے قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو اسے گرانے کے لیے بھیجا چنانچہ فرمایا کہ آخری زمانے میں یہ قبائل مرتد ہوجائیں گے اور ان کی عورتیں اس بت خانہ کا طواف کریں گی آگے راوی نے ذوالخلصہ کی تفسیر کی ہے۔

[۳] شارحین نے کہا کہ یہ بت خانے کا نام ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس تفسیر میں تسامح ہے۔

۵۲۸۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی یُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُ لَاَظُنُّ حِیْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰهُ رِیْحًا طَیِّبَةً فَتُوُفِّیَ کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَیَبْقٰی مَنْ لَا خَیْرَ فِیْهِ فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی دِیْنِ اٰبَآئِهِمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دن و رات کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ لات[۱] و عزیٰ کی پھر پوجا ہونے لگے۔ میں عرض گذار ہوئی یا رسول اللہ! میں تو سمجھتی تھی کہ جب اللہ نے یہ[۲] وحی نازل فرمائی "وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور برحق دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں"، کہ یہ غلبہ پوری طرح[۳] ہوگا؟ فرمایا اس میں سے ہوگا جتنا اللہ چاہے پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے وہ تمام مرجائیں گے جن کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہوگا وہی باقی

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رہ جائیں گے جن میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی پس اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے ؎۶ (مسلم)

؎۱ یہ دو بتوں کے نام ہیں۔ قبیلہ ثقیف کے بت کا نام لات اور قبیلہ غطفان اور سُلیم کے بت کا نام عزیٰ تھا

؎۲ یہ آیت مبارکہ "ھوالذی ارسل رسولہ" الآیہ

؎۳ کیونکہ اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ تمام ادیان باطلہ ختم ہوجائیں گے، بُت پرستی زوال پذیر ہوگی اور دینِ اسلام ان تمام پر غالب آجائے گا اس سے گمان بلکہ مجھے یقین تھا۔

؎۴ بعض نسخوں میں تامًا نصب کے ساتھ ہے اور اس کے موافق علم نحو میں ایک وجہ ہے جس کا ذکر ہم نے شرح میں کیا یعنی اس کے اتمام کے بعد آپ یہ خبر کیوں دے رہے ہیں کہ لات وعزیٰ کی لوگ پرستش کریں گے۔

؎۵ آخری زمانے میں بت پرستی کچھ مدت کے لیے ہوگی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

؎۶ اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے یعنی ارتداد اختیار کریں گے اور یہ حکمت الٰہی ہے کہ آخری وقت کفر و بُت پرستی ہوگی کیونکہ محل قہر و غضب اور جلال بڑے ہوں گے اور ان پر قیامت برپا ہوگی نہ کہ نیکوں پر۔

۵۲۸۴ (۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِىْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهٗ فَيُهْلِكُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ فِى النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِىْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهٗ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِىْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَّلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَجِيْبُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال نکلے گا تو چالیس تک ٹھہرے گا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا مہینے یا سال فرمایا پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ بن مسعود ہیں آپ اسے تلاش کریں گے، اسے ہلاک کریں گے پھر آپ لوگوں میں سات سال ٹھہریں گے کہ دو اشخاص کے درمیان دشمنی نہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے بھیجے گا تو روئے زمین پر کوئی نہ رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی یا ایمان ہو مگر وہ ہوا اسے وفات دے دے گی حتیٰ کہ اگر تم میں سے کوئی وسطِ پہاڑ میں داخل ہوجائے تو وہ اس تک داخل ہوگی حتیٰ کہ اسے وفات دے دیگی فرمایا پھر بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے پرندوں کے ہلکے پن والے اور درندوں کے بھاری پن والے نہ کسی اچھی بات کو جانیں گے نہ کسی برائی کو بُرا جانیں گے، ان کے پاس شیطان انسانی شکل اختیار کرکے آئے گا کہے گا تم شرم کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہیں گے

وَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَّرَفَعَ لِيْتًا قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهٗ رَجُلٌ يَّلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ قَالَ فَذٰلِكَ يَوْمٌ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وَّذٰلِكَ يَوْمٌ يُّكْشَفُ عَنْ سَاقٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاوِيَةَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ فِيْ بَابِ التَّوْبَةِ)

تو ہمیں حکم دیتا ہے وہ انھیں بت پرستی کا حکم دے گا وہ اسی حال میں ہوں گے کہ ان پر ان کا رزق بارش کی طرح برس رہا ہوگا ان کی زندگی خوشحالی سے ہم کنار ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا تو اسے کوئی نہیں سنے گا مگر گردن کبھی جھکائے گا اور کبھی اٹھائے گا۔ فرمایا پہلا شخص جو سنے گا وہ ہوگا جو اپنے اونٹ کا حوض لیپتا ہوگا پھر لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش بھیجے گا تو اس سے لوگوں کے جسم اگیں گے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے دیکھتے ہونگے پھر کہا جاوے گا اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو انھیں ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی پھر کہا جائے گا کہ آگ کی رسد نکالو تو کہا جائے گا کتنی میں سے کتنی تو فرمایا جائے گا ہزار سے نو سو ننانوے۔ فرمایا کہ وہ وقت ہوگا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب پنڈلی کھولی جائیگی (مسلم)

اور حضرت معاویہؓ کی حدیث لا تنقطع الہجرہ باب التوبہ میں ذکر کر دی گئی ہے۔

۱؎ پہلے گذر چکا ہے کہ بعض روایات میں چالیس سال، بعض میں چالیس دن یا چالیس رات ہے اور ان میں تطبیق بھی معلوم ہو چکی ہے۔

۲؎ صورت و شکل میں، حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثقفی کبار صحابہ میں سے ہیں اور یہ مسعود حضرت عبداللہ بن مسعود کے والد نہیں ان کے والد مسعود بن غافل ہذلی ہیں اور ان کا باپ معتب بن مالک ہے۔

۳؎ یعنی تمام لوگ ایمان کامل اور راستے اعلیٰ طریقے پر ہوں گے کہ دو آدمی ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ٹھہرنا قتل دجال کے بعد ہوگا کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا ٹھہرنا چالیس سال ہوگا

۴؎ راوی کو شک ہے کہ خیر فرمایا یا ایمان

۵؎ کبد، کاف پر زبر، باء کے نیچے زیر اور دال، ہر چیز کے درمیان، جگر کو بھی کہتے ہیں اور فارسی میں جگر اسی معنی میں ہے۔

۶؎ فسق و فساد اور تقضاء کے شہوت نفسانی میں وہ اسی طرح تیز رفتار ہوں گے جیسے پرندے خونریزی اور ظلم میں

درندوں کی طرح حملہ آور ہوں گے، احلام یہاں حلم بکسر حاء کی جمع ہے اس کا معنی بوجھ اٹھانا اور وقار ہے اور یہاں ظلم و فساد میں تمکن اور استقرار مراد ہے۔

ے کہ تم فسق و فجور اور ظلم و فساد میں مبتلا ہو یہ شیطان کی طرف سے مکر و فریب ہے جس سے یہ حیلہ اختیار کیا تاکہ وہ ان کو بتوں کی عبادت گاہ کہہ سکے۔

ث تیرا مقصود کیا ہے تو کیا کرنا چاہتا ہے؟

۹ ان پر ان کا رزق بارش کی طرح ہے گا

۱۰ ان کی زندگی اور معیشت میں فراخی ہو گی

۱۱ یعنی اس کی آواز کی دہشت سے لوگوں کے دل پارہ پارہ ہو جائیں گے جسمانی قوت معطل و شکست ہو جائے گی، اس کا اثر گردن میں ظاہر ہوگا کبھی وہ پیچھے گرے گا اور کبھی اوپر جیسا کہ مدہوش اور خائف لوگوں کا حال ہوتا ہے۔ لیت لام کے نیچے زیر، یاء ساکن، گردن کی ایک جانب۔

۱۲ اسی کاروبار میں لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

۱۳ وہ قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے

۱۴ کیونکہ ان سے ان کے کردار کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ان سے حساب لیا جائے گا۔

۱۵ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائے گا۔

۱۶ یعنی وہ لوگ جنھیں دوزخ کی طرف نکالا جائیگا

۱۷ یعنی فرشتے بارگاہ الوہیت میں عرض کریں گے

۱۸ جن لوگوں کو دوزخ میں بھیجا گیا ہے ان کی تعداد کتنی ہے

۱۹ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہزار میں سے ایک آدمی جنت میں اور باقی دوزخ میں جائیں گے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے کردار کی وجہ سے لوگ دوزخ کے مستحق ہوں گے اس کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام رسلان کرام کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ سے معافی و مغفرت مانگنے کی بناء پر دوزخ سے باہر آئیں گے۔

باب الحشر کی فصل اول کی حدیث ابوسعید میں ہے کہ آگ سے نکالا جانا یاجوج ماجوج سے ہے اور عاصیوں کی شفاعت کا اولین مقام وہ ہے جب لوگ بارگاہ خداوندی میں آئیں گے تو وہ خوف و خجالت کی وجہ سے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہونگے اور حساب و کتاب کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے کانپ رہے ہوں گے۔ سفارش کرنے والے درخواست کریں گے کہ کچھ دیر آرام کرو، اس کے بعد میدان قیامت میں حکم ہوگا کہ ان کا حساب لیا جائے یہاں پھر سفارشی درخواست کریں گے تاکہ حساب میں معافی مل جائے اور اسی طرح عفو کریں گے اور جب حساب کریں گے تو اس میں مناقشہ نہیں کریں گے کیونکہ جس کے حساب میں مناقشہ ہوا وہ عذاب میں گرفتار ہوا، اس کے بعد انھیں دوزخ میں بھیجا جائے گا یہ مقام پھر شفاعت کا ہے تاکہ وہ دوزخ میں نہ جائیں جب دوزخ میں چلے جائیں گے اور عذاب ہوگا تو پھر شفاعت کی وجہ سے وہاں سے واپسی

ہوگی۔ اللہ تعالیٰ غفار کے کرم اور حضور علیہ السلام کی شفاعت سے بخشش کی بہت زیادہ امید ہے باقی وہی ہوگا جو اللہ کا حکم ہے کیونکہ ہر شے پر قادر ہے۔

۲۰ یہ اس دن کے لمبا، محنت و مشقت والا ہونے پر دال ہے کیونکہ غم و محنت میں بڑھاپا جلدی آتا ہے۔

۲۱ کشف ساق سے مراد، خوف، ہول، شدت اور محنت کا ہونا ہے عربوں کے ہاں اس کا یہی معنی متعارف ہے اصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی محنت و مشقت کا کام کرتا ہے تو وہ اپنی ساق سے پردہ اٹھاتا ہے (کپڑا) اس وجہ سے اس کی پنڈلی ننگی ہو جاتی ہے قرآن کریم کی آیت یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ کی تفسیر میں کلام کثیر ہے لیکن اکثر کے نزدیک یہی معنی مذکور ہے۔

۲۲ جس کے ابتدائی الفاظ لا تنقطع الھجرۃ ہیں۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا

بَابُ النَّفْخِ فِی الصُّوْرِ

صور پھونکے جانے کا بیان

نفخ، پھونک مارنا، صور بالضم وہ شاخ جس میں پھونک ماری جائے یہاں وہ شاخ مراد ہے جس میں حضرت اسرافیل پھونک ماریں گے اور یہ دو مرتبہ ہوگا ایک مرتبہ زندوں کو ہلاک اور موت کے لیے اور دوسری دفعہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۲۸۵ / ۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو صوروں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے لوگوں نے عرض کیا اے ابوہریرہ کیا چالیس دن؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا، چالیس مہینے، فرمایا میں نہیں کہہ سکتا۔ چالیس سال، فرمایا میں نہیں کہہ سکتا، پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارے گا تو لوگ ایسے اگیں گے جیسے ساگ اگتا ہے اور نہیں ہے انسان کی کوئی چیز مگر وہ گل جائے گی سوائے ایک ہڈی کے

يَبْلٰى اِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ يَاْكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ ۔	اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے اس سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب دی جائے گی (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سارے انسان کو مٹی کھائے گی سوائے ریڑھ کی ہڈی کے کہ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں ترکیب دیا جائے گا ۔

لے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمالاً کہا تو

لے میں قطعی طور پر چالیس دن نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا ۔

لے جب میں نے حضور علیہ السلام سے اجمالاً سنا یا تفصیلاً سنا تھا مگر میں بھول گیا ہوں تو اب قطعی طور پر قطعاً کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی مراد کیا تھی ۔

لے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا

لے جیسے زمین پر چارہ و سبزہ اگتا ہے ۔ درحقیقت آدمی زاد کے لیے بیج ہوتا ہے جس طرح نباتات کا بیج زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور بارش کی وجہ سے وہ اگتا ہے چنانچہ آئندہ جملہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا

لے اس کے تمام اعضاء و اجزاء بوسیدہ ہو جائیں گے ماسوائے ایک ہڈی کے ۔

لے عَجْبُ الذَّنَب ۔ عین پر زبر، جیم ساکن، ذال پر زبر، وہ ہڈی جو آخر پشت دوسرین کے درمیان ہے ۔

اور یہ لفظ باء کے عوض میم کے ساتھ عجم الذنب بھی آیا ہے ۔ عجب اور عجم دونوں کا معنی اصل وجڑ کے ہیں ۔ ذنب کا معنی دم ، چونکہ یہ ہڈی دم کی جگہ پہ ہوتی ہے اس لیے اس کا نام ذنب رکھا گیا ہے ۔

لے آدمی کے جسم کی اس سے ترکیب وجوڑ کاری کی جائے گی ۔

لے اول خلقت بھی اسی سے اور قیامت کے دن بھی اسی سے ترکیب ہو گی ۔

۵۲۸۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ روز قیامت زمین کو سمیٹ لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں، زمینی بادشاہ کہاں ہیں ؟ (بخاری و مسلم)

لے اپنے مبارک پنجہ میں

لے یہ عظمت ، جلال ، کبریائی حق سے کنایہ ہے اور خلق کے ذہن میں جو افعال عظیم ہیں ان کی حقارت کا بیان ہے کہ وہ تو اس کے ہاتھ میں ہیں اور اس پہ تنبیہ ہے کہ اس جہان کو ختم کرنا اور آسمان کو اٹھانا اس کی قدرت کے لیے

نہایت ہی آسان وحقیر ہے، چونکہ آسمان کو زمین کی نسبت شرف وعظمت ہے اس کے ذکر میں اس ہاتھ کا ذکر کیا کیونکہ وہ بائیں سے افضل ہے پس زمین کو سمیٹ لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ کے ساتھ لپیٹ دے گا۔

سلہ جو بادشاہی کا دعویٰ کرتے تھے۔

۵۲۸۷/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْوِي اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ثُمَّ يَطْوِي الْاَرَضِيْنَ بِشِمَالِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَاْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ لے گا پھر انھیں اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے گا، پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ پھر زمینوں کو لپیٹ لے گا۔ بائیں ہاتھ کے ساتھ، اور ایک روایت میں ہے کہ انھیں دوسرے ہاتھ میں پکڑے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر اور تکبر کرنے والے؟

(مسلم)

۵۲۸۸/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اِصْبَعٍ وَّالْاَرَضِيْنَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَّالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَّالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى اِصْبَعٍ وَّسَائِرَ الْخَلْقِ عَلٰى اِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا اللّٰهُ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا مِّمَّا قَالَ الْحَبْرُ تَصْدِيْقًا لَّهٗ ثُمَّ قَرَاَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کا ایک بڑا دانشور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے محمد! اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی ومٹی کو ایک انگلی پر اور ساری مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا پھر انھیں ہلائے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، اللہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عالم کے قول پر متعجب ہوئے تبسم فرمایا اور اس کی تصدیق کی پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جو اس کا حق ہے اور زمین ساری اسی کے قبضہ میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے ہونگے اس کے داہنے ہاتھ میں، پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جسے اس کا شریک ٹھہراتے ہیں"۔

(بخاری ومسلم)

ؔ یہ تمام چیزیں قدرت وجلالت الٰہی کی تصویر وتمثیل ہیں ورنہ ہاتھ اور انگلیاں اور انھیں حرکت دینا وغیرہ قطعًا نہیں، کلام عرب میں طریقہ ہے کہ جب کسی کی سخاوت وجود کو بیان کرنا ہو تو کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ کشادہ وفراخ ہیں یا کہتے ہیں اس کے ہاتھ نہیں، اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے ہیں یا وہ خلقۃً بے ہاتھ پیدا کیا گیا ہے یا کوئی شخص سلطنت و ملک چلا رہا ہے اسکے وصف میں کہتے ہیں کہ فلاں تخت پر بیٹھا ہے اگرچہ تخت نہ ہو یا ہو مگر بیٹھا نہ ہو۔ قرآن وحدیث کے متشابہات میں یہی مسلک درست ہے بغیر اس کے ان میں تاویل کی جائے اور کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد یہ ہے۔

ؔ آپ کا تعجب بطور تکذیب نہ تھا بلکہ آپ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ درست ہے۔

ؔ جنھوں نے غیر خدا کو اس کا شریک بناڈالا اور اس کے کمال قدرت وعظمت پر ایمان نہ لائے یعنی اسے جس طرح پہچاننا چاہیے تھا نہ پہچانا جس طرح اس کی تعظیم کرنی چاہیے تھی نہ کی جس طرح اس کی پرستش کرنی چاہیے تھی نہ کی

ؔ جو کچھ یہودی نے کہا تھا یہ اس کی تفسیر وتفصیل تھی۔

۵۲۸۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهٖ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فَاَيْنَ يَكُوْنُ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا کہ اس دن زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمانوں کو تو اس دن انسان کہاں ہوں گے۔ فرمایا پل صراط پر (مسلم)

ؔ اس زمین کو تبدیل کرکے دوسری زمین اور آسمان کو تبدیل کرکے دوسرا آسمان پیدا کر دیا جائے گا۔

ؔ جب آسمان وزمین کو بدل دیا جائے گا

ؔ یا وہی پل صراط مراد ہے جو ہمارے ہاں مشہور ومعروف ہے یا ہر راہ مراد ہے کیونکہ صراط کا اصلی معنی راہ ہے۔

ؔ تبدیلی دو طرح کی ہوتی ہے ایک ذات میں تبدیلی مثلاً دراہم کو دنانیر میں بدلنا، دوسری تبدیلی صفات میں جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے حلقہ کو انگوٹھی میں بدل دیا یعنی حلقہ کو گھلا کر خاتم کی شکل بنالی یا یہ کہ ذات تو وہی ہے مگر اس کی صفت وہیئت دوسری ہوگی۔ زمین وآسمان کی تبدیلی دوسرے آسمان وزمین کے ساتھ دونوں احتمال رکھتی ہے تبدیلی صفات میں اکثر آثار واخبار ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین وہی ہوگی مگر صفات میں تبدیلی آجائے گی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ زمین خوب فراخ کر دی جائے گی اس میں بلندی وپستی نہ رہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اس زمین وآسمان کی جگہ دوسری زمین وآسمان پیدا فرمادے چنانچہ بعض آثار واخبار اس کی تائید کرتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا ہوگا حضرت ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایسی زمین پیدا کی جائے گی جو سفید و پاکیزہ ہوگی۔ اس پر کوئی گناہ نہ ہوا ہوگا۔ ظاہر طور پر یہ حدیث حضرت عائشہ کا سوال اور حضور علیہ السلام کا جواب مبارک اسی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کذا قال الطیبی

۵۲۹۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُکَوَّرَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چاند اور سورج کو قیامت کے روز لپیٹ[1] دیا جائے گا۔ (بخاری)

[1] انھیں ایک گوشے میں پھینک دیا جائے گا جس طرح کسی کپڑے کو لپیٹ کر کہیں ڈال دیا جاتا ہے یا اس کے نور کو لپیٹ دیا جائے گا یعنی اس کی روشنی آفاق سے ختم ہو جائے گی اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ ایک روایت میں مکوران کی جگہ ثوران مروی ہے۔ ۱۲۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۲۹۱ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ٍالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰی سَمْعَهٗ وَحَنّٰی جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کیسے خوشی ہو جبکہ صور پھونکنے والے نے اسے سنبھال[1] رکھا ہے کان لگائے ہوئے ہیں پیشانی جھکائی ہوئی[2] ہے، انتظار کر رہا ہے کہ کب پھونکنے کا حکم فرما دیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا یہ کہا کرو ہمیں[3] اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے۔ (ترمذی)

[1] اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف تاکہ حکم ہو تو میں اسے پھونک دوں۔
[2] جیسے کہ باجا بجانے والے کی کیفیت ہوتی ہے یعنی تیار کھڑا ہے۔
[3] ہم اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور اسی کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرتے۔ یہ ایسے کلمات ہیں جو تکلیف و شدت کے وقت کہے جائیں تو اس سے سلامتی نصیب ہو جاتی ہے۔

۵۲۹۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّوْرُ قَرْنٌ یُنْفَخُ فِیْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔[1] (ترمذی، ابوداؤد، الدارمی)

سلہ اس شاخ کی عظمت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اس کی توصیف و تصویر اور عظمت کے بارے میں کثرت کے ساتھ آثار و اخبار آئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۹۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ الصُّوْرِ قَالَ وَالرَّاجِفَةُ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى وَالرَّادِفَةُ الثَّانِيَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سلہ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ کے بارے میں فرمایا صور ہے اور راجفہ سے مراد پہلی بار پھونکنا اور رادفہ سے دوسری دفعہ پھونکنا مراد ہے (بخاری نے اسے عنوان میں ذکر کیا ہے)

سلہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا
سلہ جب صور میں پھونکا جائے گا تو وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔
سلہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ
سلہ اس سے زمین و پہاڑ ہل جائیں گے یہ رجف سے بنا ہے جس کا معنی کانپنا اور لرز جانے کے ہیں اور رادفہ روف سے بنا ہے جس کا معنی کسی کے پیچھے آنا ہے۔
سلہ اس روایت کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے اپنی صحیح میں عنوان میں ذکر کیا ہے۔

۵۲۹۴ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبَ الصُّوْرِ وَقَالَ عَنْ يَمِيْنِهٖ جِبْرَائِيْلُ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِيْكَائِيْلُ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاحب سلہ صور کا ذکر فرمایا اور فرمایا: اس کی دائیں جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل ہیں سلہ

سلہ جن کے سپرد صور پھونکنا ہے یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام
سلہ پھونکنے کے وقت ایسا ہوگا

۵۲۹۵ وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يُعِيْدُ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَمَا اٰيَةُ ذٰلِكَ فِيْ خَلْقِهٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِيْ قَوْمِكَ جَدْبًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِهٖ يَهْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْكَ اٰيَةُ اللّٰهِ فِيْ خَلْقِهٖ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔

حضرت ابو رزین سلہ عقیلی سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مخلوق کو کیسے لوٹا دے سلہ گا اور اس کی خلقت میں اس کی نشانی کیا سلہ ہے؟ فرمایا کیا تم اپنی قوم کے جنگل میں خشک سلہ سالی میں نہیں گزرے ہتے پھر وہاں اس وقت نہ گزرے جب سبزہ سے لہلہا رہی ہیں، میں نے عرض کیا

(رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ)

ہاں تو یہ اللہ کی نشانی ہے۔ اسی کی مخلوق میں اس طرح اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کر دے گا۔ (ان دونوں روایات کو رزین نے روایت کیا ہے)

سلہ رزین، راء پر زبر، زاء کے نیچے زیر
سلہ العقیلی، عین پر پیش، قاف پر زبر، ان کا نام لقیط بن عامر ہے۔ لام پر زبر۔ مشہور صحابی ہیں، ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے۔
سلہ بوسیدہ اور خاک ہونے کے بعد
سلہ جس سے دوبارہ تخلیق کی نشان دہی ہو رہی ہو۔
سلہ جدب، جیم پر زبر، دال ساکن یا مکسور، خشک سالی یہ خصب خاء مکسور کی ضد ہے۔

بَابُ الْحَشْرِ

قیامت کا بیان

صراح میں ہے حشر کا معنی ابھارنا، روندنا اور اٹھانا ہے اس سے قیامت کے دن کو یوم الحشر کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قبور سے مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے وہاں لے جایا جائے گا اسے محشر (شین کے نیچے زیر یا زبر) بھی کہا جاتا ہے باقی حشر دو ہیں ایک قیامت کے بعد جیسا کہ اوپر آیا اور دوسرا قیامت سے پہلے اس کی علامت کے طور پر جیسے کہ حدیث میں ہے کہ جانب مشرق سے آگ آئے گی جو لوگوں کو محشر میں یعنی شام کی زمین پر لے جائے گی جیسا کہ گذر چکا یہاں معنی اول مراد ہے۔ بعض احادیث ایسی بھی ہوں گی جن میں دو معانی کا احتمال ہوگا اسی لیے اہل علم دونوں احتمال کے قائل ہیں لیکن ظاہر پہلا ہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۲۹۶ — عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن اس سفید زمین میں جمع کیے جائیں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہے جس میں کسی کا نشان نہ ہوگا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

سلہ جو سخت نہ ہو گی، اس کی سفیدی مائل بسرخی ہو گی۔

سلہ یہ رنگ میں تشبیہ ہے

سلہ وہاں کسی تعمیر کا نشان نہ ہو گا یعنی ہموار ہو گی وہاں کوئی بلندی اور پستی نہ ہو گی یا معنی یہ ہے کہ وہاں اللہ تعالے کے سوا کسی کے تصرف وملکیت کا کوئی نشان نہ ہو گا۔

۵۲۹۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُبْزَةً وَّاحِدَةً يَّتَكَفَّأُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهٖ كَمَا يَتَكَفَّأُ اَحَدُكُمْ خُبْزَتَهٗ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِّاَهْلِ الْجَنَّةِ فَاَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ اَلَا اُخْبِرُكَ بِنُزُلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قَالَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاِدَامِهِمْ بَالَامٌ وَّالنُّوْنُ قَالُوْا وَمَا هٰذَا قَالَ ثَوْرٌ وَّنُوْنٌ يَاْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہو جائے گی جسے اللہ تعالے اپنے دستِ قدرت سے تیار کرے گا جیسے تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی تیار کرتا ہے جنت والوں کی مہمانی کے لیے۔ پھر ایک یہودی شخص حاضر ہوا بولا اے ابوالقاسم! اللہ آپ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ کو جنتیوں کی مہمانی جو قیامت کے دن ہو گی اس کے متعلق خبر نہ دوں۔ فرمایا ہاں۔ بولا زمین ایک روٹی ہو جائے گی جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا پھر تبسم فرمایا حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہوئیں پھر بولا کیا میں آپ کو ان کے سالن کی خبر نہ دوں بالام اور مچھلی۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کیا چیز ہے؟ بولا بیل اور مچھلی کہ ان دونوں کی کلیجی کے ٹکڑے سے ستر ہزار کھائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ جیسا کہ عادت ہے کہ روٹی کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ برابر ہو جائے پھر اسے آگ پر ڈال دیا جاتا ہے تاکہ پک جائے۔

سلہ سفر میں جلدی سے پکاتے ہیں سُفر سین پر پیش یا زبر یہ سفرہ کی جمع ہے بمعنی دسترخوان۔

سلہ تنزل، نون اور زاء پر پیش یا زاء ساکن۔ وہ کھانا جو پہلی بار مہمان کے لیے لایا جاتا ہے واضح رہے کہ ظاہر حدیث اس پر دال ہے کہ زمین نان ہو جائے گی اور اس طرح نان سے بدل جائے گی کہ جنتیوں کا کھانا بن جائے گی کہ عملاً بہشت میں جانے والے اسے کھائیں گے۔ بعض شارحین نے اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ باری تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ زمین روٹی سے بدل جائے اور اہلِ بہشت اسے استعمال کریں۔ دیگر علماء نے فرمایا کہ ہم بھی باری تعالیٰ کی قدرت سے اسے بعید

نہیں سمجھتے لیکن دلیل سمعی بصورت نص ہمارے پاس نہیں ۔ حالانکہ یہ بھی احادیث میں ہے کہ اس وقت خشکی وتری آگ سے پُر ہوگی جو دوزخ کے ساتھ پیوست ہوگی لہٰذا یہاں مقصود محض زمین کو سفیدی میں اس روٹی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔
جسے اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے مہمان کے طور پر اولاً پیش فرمائے گا اس کے ضمن میں بہشت کی عظمت کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کی عظیم نعمتوں میں جو ایک روٹی اہل جنت کو عطا کرے گا وہ اتنی عظیم ہے کہ تمام روئے زمین ایک روٹی کی مقدار ہے پس یہاں صرف تشبیہ محذوف ہے۔

سکہ یہ فرمانِ نبوی کے بعد

ﷺ کیونکہ حضور کی بات اس کی بات کے موافق تھی جو یہودی نے تورات کے حوالے سے کہی تھی اور اس سے صحابۂ کرام کے ایمان اور یقین میں پختگی پیدا ہوئی۔

سکہ ان دانتوں کو علم وعقل کے دانت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بلوغ اور کمالِ عقل کے بعد پیدا ہوتے ہیں انھیں نواجذ کہتے ہیں بعض اوقات مطلق داڑھوں کو کہہ دیا جاتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہاں عقل کی داڑھیں مراد ہیں کیونکہ ان کا ظاہر ہونا خوب بُعد رکھتا ہے۔

۵۲۹۸/۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی ثَلٰثِ طَرَآئِقَ رَاغِبِیْنَ رَاهِبِیْنَ وَاثْنَانِ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّثَلٰثَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّاَرْبَعَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّعَشَرَةٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّتَحْشُرُ بَقِیَّتَهُمُ النَّارُ تَقِیْلُ مَعَهُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتَبِیْتُ مَعَهُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَهُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ تین طریقوں سے جمع کیے جائیں گے رغبت[1] کرنے، خوف[2] کرنے، اور دو ایک اونٹ پر اور تین ایک اونٹ پر اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ[3] پر، باقیوں کو آگ جمع کرے گی، ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے اور رات گزاریں گے وہ انکے ساتھ رات گزارے گی اور ان کے ساتھ صبح کرے گی، جہاں صبح کرینگے ان کے ساتھ صبح کرے گی اور ان کے ساتھ شام کریں گے جہاں وہ شام کریں گے۔ (بخاری ومسلم)

سلہ بہشت اور فضل ورحمت الٰہی میں کیونکہ انکی صفت ہے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (ان پر کسی کا خوف نہیں اور نہ کسی قسم کا غم)

سکہ جہنم کے عذاب اور اللہ رب العزت کے غضب وناراضگی سے

سکہ یہ بطور تمثیل ان دونوں مذکورہ اقسام کے لوگوں کے مراتب کی تفصیل ہے جس کا مرتبہ بلند ہوگا اس میں شرکت تھوڑی اور سرعت وسبقت زیادہ، چار اور اس کے درمیانی اعداد کا ذکر نہیں کیا تاکہ قیاساً سمجھ لیا جائے، ایک اونٹ پر متعدد افراد کا ہونا یا بطور اجتماع ہے یا بطریق لقامت کہ ہر ایک باری باری سوار ہوگا، اونٹ پہ ایک سوار ہوگا اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ مرتبہ حضرات انبیاء ومرسلان کرام کا ہے اور یہاں مقصود امتوں کے احوال کا بیان ہے۔

سلہ یہ تیسرے فرقہ کا بیان ہے کہ جن کے ساتھ آگ مصاحب و ملازم ہوگی ۔

سلہ یعنی صبح و شام، دن رات ان کے ساتھ ہوگی اور انھیں جانتی ہوگی اور انھیں وہ محشر میں لائے گی ۔ واضح رہے کہ فصل ثانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث آرہی ہے کہ لوگوں کا حشر تین اقسام پہ ہے ۔ ایک قسم پیدل دوسرے قسم سوار اور تیسری قسم منہ کے بل ۔ یہ حدیث بھی انھی اقسام کو شامل ہے سوار اور منہ کے بل چلنے والوں کا ذکر تو صراحتہً ہے مگر پاؤں پر چلنے والوں کا ذکر معناً مضمر ہے اور اس کی تفصیل شرح میں ہے وہاں ملاحظہ کیجیئے شارحین کا اختلاف ہے کہ حشر روز قیامت قبور سے اٹھنے کے بعد ہے یا علامات قیامت سے پہلے اور محشر کی طرف جانے سے پہلے ہے جو کہ شام کی زمین ہے پہلا معنی صواب ظاہر اور درست ہے ۔

۵۲۹۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ وَاَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِبْرَاهِيْمُ وَاِنَّ اُنَاسًا مِّنْ اَصْحَابِيْ يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اُصَيْحَابِيْ اُصَيْحَابِيْ فَيَقُوْلُ اِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ اِلٰى قَوْلِهِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم ننگے پاؤں، ننگے جسم، اور ختنہ سلہ کے بغیر اٹھائے جاؤ گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "جیسے ہم نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا دوبارہ سلہ بھی پیدا کریں گے یہ ہم پر وعدہ سلہ لازم ہے بے شک ہم کرنے والے ہیں اور قیامت میں جن کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت سلہ ابراہیم ہوں گے اور میرے کچھ ساتھیوں کو بائیں سلہ جانب سے پکڑا جائے گا میں کہوں سلہ گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں میرے ساتھی ہیں" فرمایا جائے گا جب سے ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑیوں پر پھرتے ہی رہے میں وہی کہوں گا جو عبد صالح نے کہا تھا کہ میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا .... بے شک تو غالب حکمت والا ہے

(بخاری و مسلم)

سلہ غُرل، غین پر پیش، را ساکن، اغرل بمعنی قلعف کی جمع ہے ناختنہ شدہ

سلہ یعنی قبور سے

سلہ یہ دوبارہ پیدا کرنا

سلہ کیونکہ راہ خدا میں سب سے پہلے اسی ذات کو ننگا کیا گیا تھا جب انھیں مخالفین نے آگ میں پھینکا تھا یاد رہے اس سے ان کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ اکرام و اعزاز آپ کے علاوہ ابوت کی وجہ سے ملا ہے، بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں آپ کی تدفین ہوئی تھی ۔

ے کیونکہ عاصی اور گنہ گار اسی جانب ہوں گے ۔

ے میں بطور تحسر اور ان کی غلاصی کے لیے

ے اصیحابی: جمع قلت اور تصغیر کا صیغہ، ان کی قلت تعداد کی وجہ سے ہے ۔

ے بقصد شکایت اور ان کے عذاب کا سبب بیان کرتے ہوئے

ے یہ آپ کے دین سے پلٹ گئے تھے ۔

نله یعنی جو کچھ اپنی قوم کے چھٹکارا کے لیے بطور عذر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے میں بھی وہی کچھ عرض کروں گا ۔

لله اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ! جب تک میں ان میں رہا ان کے حال سے واقف رہا میں نے انہیں کفر پر نہیں چھوڑا اس وقت حق پر تھے جب تو نے مجھے ان سے اٹھالیا تو اب ان کے حال سے تو ہی واقف ہے اور تو ہر غائب و حاضر کو جاننے والا ہے اب اگر تو انکی عذاب گرفت فرمانا چاہتا ہے تو یہ تیرے بندے ہیں جو چاہتا ہے ان سے فرما کوئی تیرے آگے دم نہیں مار سکتا اور اگر تو انہیں معاف فرمادے تو تو علیم و حکیم ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے ۔

لله شارحین نے فرمایا ہے کہ یہاں اصحاب سے مراد خواص نہیں کیونکہ بالیقین معلوم ہے کہ اصحاب خواص میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد نہیں ہوا البتہ کچھ لوگ دیہاتی جو اصحاب سیلمہ و اسود یا مؤلفۃ قلوب جو دین میں بصیرت اور ایمان میں قوت نہ رکھتے تھے مرتد ہوئے یا یہاں ردت سے مراد دین اسلام سے رجوع نہیں ، بعض راہ حقوق میں استقامت سے خروج ، بعض امور میں مرتبہ حسن اخلاق ، صدق نیت میں کمی اور فتنہ و فساد کی وجہ سے احکام ابلیس کی رعایت کرنا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم پر کفر اور بت پرستی کی وجہ سے نہیں ڈرتا لیکن دنیا اور اس کی آفات کی مداخلت سے ڈرتا ہوں اسی طرح علماء نے فرمایا ہے ۔

۵۳۰۰ — ۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، روز قیامت لوگوں کو ننگے پاؤں ، ننگے جسم اور ختنہ کے بغیر اکٹھا کیا جائے گا میں نے عرض کیا یارسول اللہ مرد اور عورتیں اکٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے لہ فرمایا: اے عائشہ ! بات اس سے زیادہ سخت ہے کہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا جائے ۔

(بخاری و مسلم)

له اس میں کیا حکمت ہے ؟

سلہ اس دن اتنا سخت معاملہ ہوگا کہ کسی کو دیکھنے کی مجال و فرصت اور شعور ہی نہ ہوگا۔

۵۳۰۱ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْشَرُ الْکَافِرُ عَلٰی وَجْہِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ اَلَیْسَ الَّذِیْ اَمْشَاہُ عَلَی الرِّجْلَیْنِ فِی الدُّنْیَا قَادِرًا عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْہِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ! روز قیامت کافر اپنے چہرے کے بل کس سلہ طرح محشر میں لایا جائے گا؟ فرمایا جس نے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسے روز قیامت منہ کے بل چلائے (بخاری و مسلم)

سلہ کیا چہرے کے بل چلنا ممکن ہے؟

۵۳۰۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقٰی اِبْرَاھِیْمُ اَبَاہُ اٰزَرَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلٰی وَجْہِ اٰزَرَ قَتَرَۃٌ وَّغَبَرَۃٌ فَیَقُوْلُ لَہٗ اِبْرَاھِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَہٗ اَبُوْہُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْکَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاھِیْمُ یَا رَبِّ اِنَّکَ وَعَدْتَّنِیْ اَنْ لَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِی الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّۃَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاھِیْمَ اُنْظُرْ مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا ھُوَ بِذِیْخٍ مُّتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِہٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم اپنے باپ سلہ آزر سے روز قیامت ملیں گے آزر کے منہ پر سلہ سیاہی اور میلا رنگ ہوگا ان سے ابراہیم فرمائیں گے کہ کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر ان کے باپ کہیں گے کہ اب میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا جناب ابراہیم علیہ السلام کہیں گے اے رب تو نے مجھ سے وعدہ سلہ کیا ہے کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے تو مجھے رسوا نہ کرے گا تو میرے ہلاکت والے باپ سے بڑھ کر کون سی رسوائی بڑی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کفار پر جنت حرام کر دی سلہ ہے پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے کہ وہ ایک لتھڑے سلہ ہوئے بھیڑیے ہیں پھر آزر کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے اسے آگ میں ڈال دیا جائے سلہ گا (بخاری)

سلہ بعض علماء رحمہم اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء ہر قسم کے شرک و کفر سے پاک و مطہر ہیں، آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں انھیں مجازاً باپ کہہ دیا ہے والد کا نام تارخ ہے۔ اسی لیے اباہ کو لفظ آزر کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔

سلہ قترۃ، غبرۃ، دونوں کے ابتدائی دونوں حروف پر فتحہ بمعنی غبار ہیں لیکن قترت اس غبار کو کہا جاتا ہے جس میں سیاہی ہو اور اس کدورت کو بھی کہتے ہیں جو غم و حزن کی وجہ سے چہرے پر آئے۔

سے۵ اور جو کچھ میں اپنے رب کی طرف سے بیان کرتا ہوں اس میں اطاعت کر۔
سک۵ آج میری تو شفاعت کر
سے۵ تو نے میری دعا قبول فرماتے ہوئے
سے۵ جو آپ نے دعا مغفرت کی تھی وہ یہاں سُود مند نہیں۔
سے۵ ذیخ، ذال مکسور، یاء ساکن، بھیڑیا، قاموس میں الذیخ بالکسر بمعنی بھیڑیا، بعض نسخوں میں ذیخ یاء اور حاء کے ساتھ بمعنی مذبوح مٹی اور گوبر سے آلودہ۔
سے۵ یہ آزر کی حالت کا بیان ہے کہ اسے مسخ درسوا کر کے دوزخ میں ڈالا جائے گا تاکہ حضرت ابراہیم کے دل میں جو مہر و محبت تھی ختم ہو جائے۔ شارحین نے بیان کیا ہے کہ اگرچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں آزر سے براءت کا اعلان کر دیا تھا لیکن قیامت کے دن دیکھیں گے تو محبت پدری میں جوش آ جائے گا تو پھر دعاء مغفرت کریں گے کہ شاید قبول ہو جائے مگر پھر جب انھیں مسخ شدہ دیکھیں گے تو براءت کا اظہار کریں گے۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی کفر پر موت پر یقین نہ تھا، ممکن ہے کہ وہ سِرًا ایمان پر فوت ہوا ہو انھوں نے براءت ظاہر کی وجہ سے کی تھی۔ روز قیامت اس کے کفر کا یقین ہو جائے گا لہٰذا وہاں بالکلیہ براءت کا اعلان فرمائیں گے۔

۵۳۰۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَّيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت لوگ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز چلا جاوے گا اور ان کی لگام بن جائے گا[۱] حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ پسینہ ان کے ٹخنوں تک پہنچ جائے گا جو انھیں گفتگو نہیں کرنے دے گا۔ حتیٰ کہ ان کے کانوں تک بھی پہنچ جائے گا۔

۵۳۰۴ وَعَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ الْمِيْلِ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَّاَشَارَ رَسُوْلُ

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ان سے[۱] میل کی مقدار رہ جائے گا تو لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے بعض وہ ہوں گے کہ ان کے ٹخنوں تک پسینہ[۲] ہوگا بعض وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک ہوگا اور بعض کے کمر تک اور ان میں بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام تک[۳] جائے گا اور رسول اللہ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ اِلٰی فِیْہِ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا ۔ (المسلم)

سلے قدیم الاسلام صحابی، اسلام لانے والوں میں چھٹے ہیں ۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے فضلاء اور کبار صحابہ میں سے ہیں ۔ حضرت علی اور دیگر صحابہ نے ان سے روایت کی ہے دوسرے مقامات پہ ان کے احوال کا تذکرہ ہے ۔

سلے چونکہ فرسنگ کا تہائی ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد سرمچوب ہے مقصود نہایت قرب ہے ۔

سلے اس جماعت کے اعمال زیادہ بہتر ہوں گے دیگر کو ان پر قیاس کرو ۔

سلے یعنی منہ تک بلکہ منہ کے اندر پہنچ جائے گا ۔

۵۳۰۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا اٰدَمُ فَیَقُوْلُ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ قَالَ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ کُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَۃٍ وَّتِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ فَعِنْدَہٗ یَشِیْبُ الصَّغِیْرُ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاَیُّنَا ذٰلِکَ الْوَاحِدُ قَالَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ مِنْکُمْ رَجُلًا وَّمِنْ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ اَلْفٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنُوْا رُبُعَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَکَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنُوْا ثُلُثَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَکَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنُوْا نِصْفَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَکَبَّرْنَا قَالَ مَا اَنْتُمْ فِی النَّاسِ اِلَّا کَالشَّعْرَۃِ السَّوْدَاءِ فِیْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَبْیَضَ اَوْ کَشَعْرَۃٍ بَیْضَاءَ فِیْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَسْوَدَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سلے اے آدم! وہ عرض کریں گے اے اللہ! میں حاضر ہوں خدمت سلے گذار ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے فرمائے گا آگ کا حصہ سلے نکالو ۔ عرض کریں گے آگ کا حصہ کیا ہے فرمائے گا ہر سلے ہزار سے نو سو ننانوے اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل سلے والی اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو نشہ سلے میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ ایک ہم میں سے کون سلے ہو گا فرمایا خوش ہو جاؤ سلے کہ تم میں سے ایک اور سلے یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار ۔ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ جنتیوں کے چوتھائی ہو گے تو ہم نے تکبیر سلے کہی ۔ پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کے تہائی ہو گے ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں میں آدھے ہو گے ہم نے تکبیر کہی ۔ تم لوگوں میں سلے نہیں مگر ایسے جیسے سفید بال کی کھال میں ایک کالا بال یا جیسے کالے بال کی کھال میں ایک سفید بال ۔ (بخاری و مسلم)

سلہ روز قیامت آواز دیتے ہوئے فرمائے گا

سلہ اے پروردگار! میں فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں

سلہ یعنی وہ اپنی اولاد میں سے جن کو دوزخ میں ڈالنا ہے اسے جُدا کر دو

سلہ ہزار میں سے ایک جنتی باقی دوزخی ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت میں ہر سو سے ننانوے کا ذکر ہے۔ شیخ ابن حجر نے فرمایا یہ ممکن ہے کہ حدیث ابوسعید تمام ذریت آدم پر محمول ہو اور حدیث ابوہریرہ یاجوج ماجوج کے علاوہ پر محمول ہو اس پر قرینہ یہ ہے کہ حدیث ابوسعید میں یاجوج ماجوج کا ذکر ہے اور حدیث ابوہریرہ میں اس کا تذکرہ نہیں یا پہلی حدیث تمام مخلوق سے متعلق ہے اور دوسری امت مرحومہ کے ساتھ مخصوص ہے، یا حدیث ابوسعید میں دوزخیوں کا جو ذکر ہے وہ تمام کفار اور گنہ گاروں کو شامل ہے اور حدیث ابوہریرہ میں صرف مومن گنہ گار مراد ہیں امام کرمانی کہتے ہیں کہ مقصد تعداد نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ مومنین کی تعداد کم اور کفار کی تعداد زیادہ ہوگی۔

ھ یعنی بالفرض اگر اس وقت کوئی خاتون حاملہ ہو تو اس کا حمل اس حال کی وجہ سے گر جائے گا، بعض شارحین نے کہا کہ ہر حاملہ خاتون کا حشر بھی حاملہ کی صورت میں ہوگا مگر اس ہیبت کی وجہ سے حمل ساقط ہو جائے گا حنفی مذہب ہے بچوں میں بھی یہی تاویل ہے کہ وہ اٹھیں گے بچے مگر اس حال کی سختی کی وجہ سے وہ بوڑھے ہو جائیں گے پھر جنت جاتے وقت جوان ہوں گے، درست یہ ہے کہ یہاں مقصود مخصوص حالات نہیں بلکہ غم، پریشانی اور مشقت کا بیان کرنا ہے۔

سلہ یہ بے ہوشی و مدہوشی اس کی سختی کی وجہ سے ہوگی۔

سلہ خوف و حسرت کی وجہ سے کہ جب انھوں نے سنا کہ ہزار میں سے ایک جنتی ہوگا۔

ھ جو بہشت میں جائے گا

۹ھ ان کو سمجھانے اور تسلی دینے کی خاطر

سلہ غم نہ کرو

سلہ جو کہ نہایت کثیر ہیں اگر ان کے ہزار کے مطابق ایک جنتی ہے تو کثیر لوگوں کا گم شامل ہوگا اس کے بعد امم سابقہ کی کثرت بیان کی کہ اگر یاجوج ماجوج کے علاوہ وہ امتیں بھی ہزار سے ایک جنتی ہو تو پھر بھی گنجائش ہے جیسا کہ راوی نے کہا۔

۱۲ھ ہم نے خوشی اور اس نعمت عظیم پر اللہ اکبر کہا

۱۳ھ تلث میں

۵۳۰۶ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهٖ فَيَسْجُدُ لَهٗ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ وَّيَبْقٰى مَنْ يَّسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَآءً وَّسُمْعَةً فَيَذْهَبُ

اور انھی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا[۱] اسے ہر مومن مرد و عورت سجدہ کریں گے وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھلاوے یا شہرت

لِیَسْجُدَ فَیَعُوْدُ ظَهْرُهٗ طَبَقًا وَّاحِدًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنے لگیں گے ، تو ان کی پیٹھ ایک تختہ بن جائے گی ۔ (بخاری و مسلم)

سلہ مخلوق کے سامنے مشقت و شدت کا اظہار ہو گا یہاں ساق شدت ، محنت اور غم و حزن سے کنایہ ہے جیسا کہ ایسے مواقع پر آدمی کپڑا اٹھاتا ہے ۔ بعض اہلِ علم کہتے ہوئے ایسی تاویل نہیں کرتے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے جیسا کہ متشابہات کا حکم ہے ۔

سلہ اس کی ہڈیوں کے درمیان فاصلہ نہ رہے گا کہ اس کے دو حصے ہوں تاکہ او پر نیچے جا سکے بلکہ ایک تختہ بن جائے گی ۔

۵۳۰۷/۱۲ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوْا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بڑا موٹا آدمی روزِ قیامت آئے گا اللہ کے نزدیک مچھر کے برابر وزن نہ دے گا اور فرمایا : یہ تلاوت[1] کرو ہم قیامت کے دن ان کا وزن نہ رکھیں گے (بخاری و مسلم)

سلہ تاکہ علم ہو جائے کہ طالبانِ دنیا جن اعمال کو اچھا سمجھ کر اس پر مغرور ہیں یہ کسی شمار میں ہی نہیں آئیں گے بلکہ یہ ضائع ہیں ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۵۳۰۸/۱۳ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا أَخْبَارُهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَّأَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا أَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَيَّ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ أَخْبَارُهَا ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اس دن زمین اپنی[1] خبریں دے گی فرمایا جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں ؟ عرض کیا اللہ اور رسول ہی خوب جانتے ہیں ۔ فرمایا اس کی خبراں یہ ہیں کہ ہر بندے اور بندی[2] پر گواہی دے گی اس کی جو اس نے اس کی پشت پر عمل کیے کہے گی کہ مجھ پر فلاں دن فلاں یہ عمل کیے تھے ۔ فرمایا : کہ زمین کی یہ خبریں ہیں ۔ (مسند احمد ، ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے)

سلہ زمین حرکت کرے گی اور اموات کو باہر نکال دے گی اور خبریں دے گی ۔

سلہ مرد اور عورت

۵۳۰۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ ازْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی نہیں جو مرے مگر شرمندہ سلہ ہوگا عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی شرمندگی کیا سلہ ہوگی ۔ فرمایا اگر نیک کار ہوگا تو شرمندہ ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں اور اگر گنہ گار ہوا تو شرمندہ ہوگا کہ وہ کیوں نہ باز آیا ۔ (ترمذی)

سلہ مرنے کے بعد

سلہ شرمندگی کا سبب کیا ہوگا؟

۵۳۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قَالَ اِنَّ الَّذِيْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ روز قیامت تین طرح جمع کیے جائیں گے، ایک قسم پیدل سلہ، ایک قسم سوار سلہ اور ایک قسم چہروں کے بل ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ اپنے چہروں پر کیسے چلیں گے؟ فرمایا جس نے انھیں ان کے قدموں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ انھیں ان کے چہروں پر چلا سلہ ئے آگاہ رہو کہ وہ اپنے چہروں سے ہر ٹیلے اور کانٹے سلہ سے بچیں گے ۔ (ترمذی)

سلہ یہ عام مومنوں کا حال ہوگا

سلہ یہ خواص مومنین سے صلحا اور اتقیاء کا حال ہوگا ۔

سلہ یعنی ان کے چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کی طرح ہو جائیں گے چنانچہ جس طرح ہاتھ اور پاؤں سے انسان ہر موذی سے بچتا ہے اسی طرح چہروں کے ساتھ بچے گا لیکن جب اس نے دنیا میں رب کے حضور اطاعت و بندگی میں سجدہ کرتے ہوئے سر نہ جھکایا تھا تو اب اسے ذلیل و رسوا کرتے ہوئے سرنگوں کر دیا ۔

۵۳۱۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ رَأْىُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو پسند سلہ کرتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آنکھوں دیکھے کی طرح دیکھے تو وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور

السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرے ۔ (مسند احمد، ترمذی)

سلہ یہاں خوشی اور شادمانی حصول ایمان اور یقین میں قوت کی وجہ سے ہوگی

سلہ یہ سورتیں قیامت کی تفصیلات پر مشتمل ہیں اگر کوئی شخص انھیں حضور دل کے ساتھ پڑھے تو واقعۃً قیامت کے مناظر کا اسس طرح مشاہدہ ہو سکتا ہے جیسا کہ آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۳۱۲/۱۶ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنِیْ اَنَّ النَّاسَ یُحْشَرُوْنَ ثَلٰثَۃَ اَفْوَاجٍ فَوْجًا رَاکِبِیْنَ طَاعِمِیْنَ کَاسِیْنَ وَفَوْجًا یَسْحَبُھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ وَتَحْشُرُھُمُ النَّارُ وَفَوْجًا یَمْشُوْنَ وَیَسْعَوْنَ وَیُلْقِی اللّٰہُ الْاٰفَۃَ عَلَی الظَّھْرِ وَلَا یَبْقٰی حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ لَتَکُوْنُ لَہُ الْحَدِیْقَۃُ یُعْطِیْھَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا یَقْدِرُ عَلَیْھَا ۔ (رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے سچے کہنے والے سچی خبر دینے والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ تین گروہوں میں جمع کیے جائیں گے ایک گروہ حبش والے لباس پہنے ہوئے اور ایک گروہ کو فرشتے ان کے چہروں کے بل گھسیٹیں گے اور انھیں آگ جمع کرلے گی اور ایک گروہ جو چلیں گے اور دوڑیں گے اللہ تعالیٰ ان کی سواری پر آفت ڈال دیگا کہ وہ باقی نہ رہے گی حتیٰ کہ ایک شخص جس کے پاس باغ ہوگا وہ ایک قابل سواری اونٹ کے عوض لے گا مگر وہ اس پر قادر نہ ہوگا ۔ (نسائی)

سلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا ۔

سلہ وہ نعمتوں میں ہوں گے ۔

سلہ یہاں تین نسخے ہیں ایک میں "تَحْشُرُھُمْ اِلَی النَّارِ" اسس صورت میں تَحْشُرُ کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہوگی یعنی فرشتے ان کو گھسیٹ کر نارِ دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ دوسرا نسخہ تَحْشُرُھُمُ النَّارُ ہے نار پر فتحہ، اب بھی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے یعنی ان کا حشر ہوگا مگر آگ ان پر لازم ہوگی حتیٰ کہ صبح و شام ان سے جدا نہ ہوگی جیسا کہ پیچھے گذرا تیسرا نسخہ کہ ن پر پیش ہو اسس صورت میں معنی ظاہر ہے اور دوسری احادیث کے بھی موافق کیونکہ اسناد نار کی طرف ہے ۔

سلہ جس پر وہ سوار ہوں گے

سلہ القتیب، دونوں حروف پر زبر، شتر کا پالان، ذات القتیب صاحب شتر

سلہ باوجودیکہ اسس نے عوض میں باغ دیا ہے مگر اس پر قدرت نہ پا سکے گا واضح رہے کہ سیاق حدیث اور اسس کا یہاں ذکر دلالت کر رہا ہے کہ یہ حالت روزِ قیامت ہوگی لیکن یہ الفاظ اِنَّ الرَّجُلَ لَتَکُوْنُ لَہُ الْحَدِیْقَۃُ صراحۃً دال ہیں کہ یہ حشر

قیامت کا نہیں اسی طرح طاعین کا سین کے الفاظ بھی اسی میں ظاہر ہیں۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ قیامت کا حشر نہیں بلکہ علامات قیامت کا حشر مراد ہے جیسا کہ ذکر علامات میں گذر چکا ہے لہذا اس حدیث کا ذکر یہاں تبعاً بیان ہو گیا ہے۔

بَابُ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ وَالْمِيْزَانِ

حساب، بدلہ اور میزان کا بیان

حساب کا معنی شمار کرنا ہے یہاں روز قیامت بندوں کے اعمال کا شمار کرنا مراد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے تمام اعمال سے آگاہی ہے مگر مخلوق پر حجت تمام کرنے کے لیے ایسا ہو گا قرآن مجید اس پر ناطق اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے، لہذا اس پر اعتقاد لازم ہے۔ قصاص کا معنی ہے دوسرے شخص کے عمل کی مانند عمل کرنا۔ مثلاً قتل کے عوض قتل اور زخم کے عوض زخم اور مارنے کے عوض مارنا، قیامت کے روز ہر اس تکلیف کا بدلہ دیا جائے گا جو کسی نے زیادتی کی ہوگی۔ اگرچہ وہ کیڑی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو اگرچہ وہ مکلف نہ ہوں جیسا کہ حیوانات اور اطفال، اس مقصد کے پیش نظر تمام حیوانات کو زندہ کیا جائے گا اور وہ بکری جو سینگ نہ رکھتی تھی اسے سینگ عطا کیا جائے گا تاکہ وہ اس سینگ والی سے بدلہ لے جس نے دنیا میں زیادتی کی تھی۔ میزان اس شے کو کہتے ہیں جس سے اعمال کی تعداد کا اندازہ ہو، جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہاں اس کے دو ہاتھ اور زبان ہوگی جیسا کہ ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہو گا جو صحائف اعمال کو تولے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ نیکیوں کو خوبصورت اور برائیوں کو بدصورتی میں تبدیل کیا جائے گا۔ حدیث بطاقہ جو آرہی ہے پہلے قول کو قوی بناتی ہے بعض نے وزن کا معنی اعمال کے مطابق جزا دینے کو کہا ہے لیکن نصوص کا ظاہر قول اول کو ترجیح دیتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۵۳ / ۱
عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ اَحَدٌ يُحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا هَلَكَ قُلْتُ اَوَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَّنْ نُّوْقِشَ فِي الْحِسَابِ يَهْلِكُ۔

پہلی فصل

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے روز قیامت حساب لیا گیا مگر وہ ہلاک ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ عنقریب اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا فرمایا یہ صرف پیش ہونا ہے اور جس سے حساب کے وقت

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پوچھ گچھ ہوگی وہ ہلاک ہو جائے گا۔
(بخاری و مسلم)

سلہ میں نے جب یہ بات بطور کلیہ آپ سے سنی تو رفع اشکال کے لیے میں نے عرض کیا
سلہ جب حساب آسان ہے تو ہلاکت کہاں؟
سلہ یہ اشکال کے رفع کے لیے فرمایا
سلہ مثلاً تو نے یہ کیا؟ مگر اس میں دقت و پیچیدگی نہ ہو۔ تیسری فصل میں آرہا ہے حساب یسیر سے مراد محض اسے اس کا اعمال نامہ دکھانا ہے۔
سلہ جس کے قلیل و کثیر اعمال کا احاطہ کیا جائے اور ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے وہ ہلاک ہوگا اور حساب دراصل اسی چیز کا نام ہے ہاں پہلے محض اظہار ہوگا اور بس۔

۵۳۱۴ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ تَرْجُمَانٌ وَّلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهٗ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهٖ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَآءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عدی بن حاتم سلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس سے اس کا رب کلام فرمائے گا اس کے اور رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان سلہ ہوگا اور نہ پردہ سلہ جو اس کے لیے آڑ ہو وہ اپنے عمل دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہی عمل جو آگے بھیجے اور اپنے دائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی جو آگے بھیجے اور اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ کے سوا نہ دیکھے گا تو تم آگ سے بچو اگرچہ سلہ کھجور کی قاش ہو۔ (بخاری و مسلم)

سلہ عدی بن حاتم طائی مشہور سخی ہے کہ صحابی ہیں، اپنے والد اور بہن کے بعد قوم کے ساتھ آکر مسلمان ہوئے
سلہ کلام سمجھانے کے لیے ترجمان کی ضرورت نہ ہوگی۔
سلہ بے پردہ گفتگو ہوگی، ترجمان تاء پر زبر، جیم پر پیش یا دونوں پر پیش باز بر بھی آیا ہے مروی ہے وہ شخص جو ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرے مثلاً عربی کو فارسی یا فارسی کو عربی میں سمجھائے۔
سلہ اس عبارت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ دوزخ سے بچنے کے لیے ظلم نہ کرو اگرچہ وہ کھجور کی قاش برابر ہو دوسرا یہ کہ صدقہ کرو خواہ کھجور کی قاش ہو تا کہ یہ مقدار تمہیں دوزخ سے بچائے۔

۵۳۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَيَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قریب فرمائے گا تو اس پر اپنا پردہ سلہ رکھے گا اور

ذَنْبَ كَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَيْ رَبِّ حَتّٰى قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰى فِيْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰى بِهِمْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے چھپا لے گا، پھر فرمائے گا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے وہ کہیں گے ہاں یارب حتی کہ اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور وہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ ہلاک ہوا، رب فرمائے گا کہ میں نے یہ عیوب دنیا میں چھپا لیے تھے اور آج انھیں بخشتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر اسے دے دی جائے گی، لیکن کفار و منافقین ان کو مخلوق کے سامنے پکارا جائے گا کہ یہ وہ ہی لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولتے آگاہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ کنف، پہلے دونوں حروف پر پیش، پناہ، پردہ، نگہبانی، سایہ، جانب اور پرندہ کا پر
سلہ تاکہ اہل ایمان اہل محشر کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔
سلہ اپنے گناہوں کی سزا کی وجہ سے

۵۳۱۶ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ دَفَعَ اللّٰهُ اِلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا فَيَقُوْلُ هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب قیامت کا دن ہوگا، تو اللہ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی عطا فرمائے گا تو کہے گا یہ تیرا فدیہ ہے آگ سے چھٹکارے کے لیے ہے۔ (مسلم)

سلہ فک، گروی شے کو نکالنا، فکاک، فاء پر زبر یا زیر، وہ چیز جس کے ذریعے گروی شے کو واپس لیا جاتا گویا مسلمان دوزخ میں گروی ہوگا اور یہودی یا نصرانی کو اس جگہ دوزخ میں بھیج کر مسلمان کو باہر نکالا جائے گا اس کی تاویل یہ ہے کہ ہر مکلف خواہ کافر ہو یا مومن کا ٹھکانہ جنت و دوزخ میں ہے جو شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اس کا وہ ٹھکانہ جو دوزخ میں تھا اسے بہشت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا جاتا ہے اور جو ایمان کے ساتھ نہیں جاتا اس کا معاملہ اس کے برعکس کر دیا جاتا ہے گویا مومنوں کی جگہ دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ ہوگا اور یہ کافر مومن کے چھٹکارے کا سبب بنیں گے یہ مراد نہیں کہ مومن کے گناہوں کا عذاب کسی کافر کو ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) باقی یہود و نصاریٰ کی تخصیص مسلمانوں کے ساتھ ان کی شدید عداوت و بغض کی وجہ سے ہے

۵۳۱۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاءُ بِنُوْحٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ يَا

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز حضرت نوح کو لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا

رَبِّ فَتُسْئَلُ اُمَّتُہٗ ھَلْ بَلَّغَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ مَا جَآءَنَا مِنْ نَّذِیْرٍ فَیُقَالُ مَنْ شُھُوْدُکَ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَّ اُمَّتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُجَآءُ بِکُمْ فَتَشْھَدُوْنَ اَنَّہٗ قَدْ بَلَّغَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

کہ آپ نے تبلیغ کی تھی[۱] وہ عرض کریں گے ہاں یا رب! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم کو تبلیغ کی گئی تھی وہ کہیں گے[۲] کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا، فرمایا جائے گا اے نوح! تمہارے گواہ کون ہیں؟ عرض کریں گے حضرت محمد اور ان کی امت، حضور نے فرمایا پھر تمہیں لایا جائے گا تم گواہی دو گے کہ انھوں نے تبلیغ کی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اس طرح ہم نے تم کو بہترین[۳] امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگران گواہ ہوں[۴]"

(البخاری)

۱ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ان کو پہنچائے تھے

۲ امت انکار کر دے گی

۳ عادل، نیک اور فاضل

۴ امت کی گواہی یہ ہوگی کہ ان امتوں کی طرف انبیاء علیہم السلام آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام ان تک پہنچائے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی یہ ہوگی جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب تمام انبیاء علیہم السلام کی امتیں انکار کر دیں گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو وہ انبیاء حضور کی امت کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے اور وہ گواہی دیں گے، پھر اس امت سے سوال ہوگا کہ تمہیں کیسے علم ہوا تم تو موجود ہی نہیں تھے تو وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کتاب اللہ سے یہ تعلیم پائی اس نے ہمیں بتایا کہ ان انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی تو ہم نے قرآن کی گواہی کی وجہ سے گواہی دی ہے اس کے بعد وہ دیگر امتیں، حضور کی امت کے صدق و عدالت میں جرح کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس امت کے تزکیہ و تعدیل کے لیے حضور علیہ السلام کو گواہ بنائے گا، آپ اس کے عادل، صادق ہونے کی گواہی دیں گے، ان پر رسول کے گواہ ہونے کا یہی معنی ہے اس لحاظ سے آپ کو دیگر امتوں پر گواہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ جب آپ نے اپنی امت کا تزکیہ فرما دیا اور ان کی گواہی دیگر امتوں پر ثابت و متحقق ہوگئی تو گویا ان پر حضور ہی کی گواہی ہوئی، اسی وجہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی امت کو لایا جائے گا۔

۵۳۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضَحِکَ فَقَالَ ھَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا اَضْحَکُ قَالَ قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ مِنْ مُّخَاطَبَۃِ الْعَبْدِ رَبَّہٗ یَقُوْلُ یَا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے تو آپ مسکرائے، فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کسی چیز پر ہنس رہا ہوں؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر

رَبِّ اَلَمْ تُجِرْنِيْ مِنَ الظُّلْمِ قَالَ يَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ فَاِنِّيْ لَا اُجِيْزُ عَلٰى نَفْسِيْ اِلَّا شَاهِدًا مِّنِّيْ قَالَ فَيَقُوْلُ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيْدًا وَّبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شُهُوْدًا قَالَ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ فَيُقَالُ لِاَرْكَانِهٖ اِنْطِقِيْ قَالَ فَتَنْطِقُ بِاَعْمَالِهٖ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُوْلُ بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ اُنَاضِلُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جانتے ہیں فرمایا: بندہ اپنے رب سے عرض معروض کرنے پر عرض کرے گا، اے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے امان[1] نہیں دی۔ فرمائے گا ہاں! فرمایا، تو بندہ کہے گا کہ میں اپنی ذات پر کوئی گواہی[2] روا نہیں رکھتا مگر اپنے ہیں سے گواہ فرمایا کہ رب فرمائے گا آج تو ہی اپنے نفس پر کافی گواہ ہے اور کراماً کاتبین فرشتے[3] گواہ ہیں۔ فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی پھر اس کے اعضاء سے کہا جائے گا تم بولو! فرمایا: وہ اس کے اعمال کے متعلق کلام کریں گے پھر بندے اور اس کے کلام کے درمیان خلوت[4] کر دی جائے گی، فرمایا: وہ کہے گا کہ تمھیں دوری اور ہلاکت ہو، میں تمھیں سے دفع کرتا تھا۔ (المسلم)

[1] تو نے فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا

[2] میں کسی دوسرے کو گواہ نہیں بناتا۔ اگر میری ذات خود گواہ بن سکتی ہے تو یہ مجھے قبول ہے اور خیال یہ کرے گا کہ دوسرے کی نسبت میرا وجود اپنے اوپر نقصان دہ گواہی نہیں دے گا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ذات کو ہی اس پر ایسا گواہ بنا دے کہ اسے دم مارنے اور انکار کی گنجائش ہی نہ رہے آپ کے ہنسنے کا سبب یا بندے کا یہ عمل ہے یا اللہ تعالیٰ کا بندے کی زبان پر مہر ثبت کرنا اور دیگر اعضاء کا گواہی دینا، بندے کا انھیں برا کہنا اور ان کے لیے بددعا کرنا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

[3] جو بندے کے اعمال لکھتے ہیں اور ان فرشتوں کا گواہ بنانا مقصود کے زیادہ قریب ہے اور اس کے بعد تاکید و پختگی کے لیے بندہ کا اپنی ذات کو گواہ بنانا ہے اسی لیے کہ بندہ خود اس پر راضی ہے اور درخواست کر رہا ہے اب اگر صرف فرشتوں کو گواہ بنایا جائے تو وہ تسلیم نہیں کرے گا۔

[4] یعنی میں تمھاری محافظت کرتا رہا اور تمھیں اپنا محسن جانتا رہا لیکن تم تو میرے دشمن نکلے۔

۵۳۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيْرَةِ لَيْسَتْ فِيْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِيْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا روز قیامت ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا: دوپہر کے وقت سورج کو دیکھتے ہیں جبکہ بادلوں میں نہ ہو تم کوئی تردد کرتے ہو؟ فرمایا نہیں۔ فرمایا کیا تم رات کو چاند دیکھنے میں تردد کرتے ہو؟ جبکہ وہ بادلوں میں نہ ہو۔ قسم ہے اس ذات کی

تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ إِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَى الْعَبْدَ فَيَقُوْلُ أَيْ فُلَانُ أَلَمْ أُكْرِمْكَ وَأُسَوِّدْكَ وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ فَإِنِّيْ قَدْ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِيَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ ثُمَّ يَلْقَى الثَّالِثَ فَيَقُوْلُ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ آمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيُثْنِيْ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُوْلُ هٰهُنَا إِذًا ثُمَّ يُقَالُ الْآنَ نَبْعَثُ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِيْ نَفْسِهِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهِ انْطِقِيْ فَتَنْطِقُ فَخِذُهُ وَلَحْمُهُ وَعِظَامُهُ بِعَمَلِهِ وَذٰلِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهِ وَذٰلِكَ الْمُنَافِقُ وَذٰلِكَ الَّذِيْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ يَدْخُلُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ فِيْ بَابِ التَّوَكُّلِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنے رب کے دیکھنے میں تردد نہیں کرو گے جیسے تم اپنے کسی فرد کو دیکھنے میں تردد نہیں کرتے پس ایک بندے سے ملے گا اور فرمائے گا بتا کیا میں نے تجھے عزت نہ بخشی، سرداری نہ دی، بیوی عطا نہ فرمائی، نیز گھوڑے اونٹ تیرے تابع کیے اور سردار بنایا کہ تو چوتھائی حصہ لیتا رہا عرض کرے گا کیوں نہیں فرمائے گا کیا تو مجھ سے ملنے کا خیال رکھتا تھا؟ عرض کرے گا نہیں، فرمائے گا کہ میں نے تجھے بھلا دیا جیسے تو نے مجھے بھلایا، پھر دوسرے سے ملاقات فرمائے گا اور اسی طرح گفتگو ہوگی پھر تیسرے سے ملاقات ہوگی اور اس سے بھی اسی طرح فرمائے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر اور نماز پڑھی اور روزے رکھے خیرات کی اور طاقت کے مطابق اپنی خوبیاں بیان کرے گا فرمائے گا ٹھہر جا۔ فرمایا جائے گا کہ ہم ابھی تیرے گواہ لاتے ہیں وہ دل میں سوچے گا کہ میرے اوپر کون گواہی دے گا؟ پس اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اسی کی ران سے بولنے کے متعلق کہا جائے گا۔ تو اس کی ران کا گوشت اور اسی کی ہڈیاں اس کے اعمال بیان کریں گے اور یہ اس لیے کہ وہ اپنا عذر خود ختم کر دے کیونکہ وہ منافق ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔
(مسلم)

و یدخل امتی الجنۃ والی حدیث ابوہریرہ پچھلے باب التوکل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے مذکور ہوئی

لے تو جس طرح تم سورج و چاند کو دیکھنے میں شک و اختلاف نہیں رکھتے اسی طرح تم اپنے رب کو بھی دیکھو گے۔
تضارون تاء پہ پیش، راء مشدد یا مخفف اگر تشدید ہو تو معنی ضرر ہے اور اگر تخفیف ہو تو خبر کا معنی بھی ضرر ہی ہے معنی یہ ہوگا کہ دیدار اتنا واضح اور روشن ہوگا کہ وہاں کسی کا اختلاف و مجادلہ کسی ضرر کا سبب نہیں ہوگا بعض نے کہا۔
مجمع البحار میں ہے کہ مضارت کا معنی نظر کے نزدیک اجتماع اور ازدحام ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے فرمایا اس کا معنی

تنگی اور تنگ کرنا ہے جو ازدحام اور اجتماع کے قریب ہے بعض نے کہا مضایقت کسی شے کو مکان واحد میں جہت مخصوص اور انداز مخصوص کے ساتھ دیکھنا ہے، دوسری روایت میں یہ لفظ تضامون راء کی جگہ میم ہے - یہ بھی تاء پرپیش میم مشدد یا مخفف، اگر مشدد ہو تو ضم اور اگر تخفیف ہو تو ضیم سے ہے یعنی ضیم اور ضم دونوں کا معنی اجتماع و ازدحام ہے ضیم کا معنی ظلم و ستم کرنا ہے ہر صورت میں مآل ایک ہی ہے -

سلہ جاہلیت میں رسم تھی کہ مال غنیمت کا چوتھا حصہ سردار لیتا اور باقی قوم میں تقسیم ہوتی یہ اسی کی طرف اشارہ ہے

سلہ تونے دعویٰ اعمال خیر و شکر کیا ہے مطراب تیرے اعمال تجھے دکھاتا ہوں

سلہ یختم صیغہ معروف بھی پڑھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا

سلہ ران، گوشت اور ہڈیوں سے مراد تمام اعضاء کا گواہی دینا ہے جیسا کہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گذر چکا ہے -

سلہ یہ سوال و جواب، منہ پر مہر لگانا اور اعضاء کا گواہی دینا اس لیے ہے تاکہ بندے کا عذر زائل ہو جائے اور بندے کے گناہوں کا ثبوت ہو جائے اب عذر باقی نہ رہے یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو عذاب دینے میں معاف عذر ہو جائے کہ بندے کو اس کے نفس کی وجہ سے ہو رہا ہے -

سلہ جس کا حال بیان ہوا یہ منافق ہوگا

سلہ جس کا اول حصہ یدخل من امتی الجنۃ کہ ستر ہزار افراد امت بلا حساب جنت میں جائیں گے -

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۳۲۰/۸ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَاعَذَابَ مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَثَلٰثُ حَثَیَاتٍ مِّنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ -

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد کو جنت میں اس طرح داخل فرمائے گا کہ نہ ان کا حساب ہوگا نہ عذاب، ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور میرے رب کے لپوں[1] میں سے تین لپ - (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

سلہ حثیہ، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر، بھر کر دینا ہے -

۵۳۲۱/۹ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَضُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلٰثَ عَرَضَاتٍ

حضرت حسن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی

فَاَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِيْرُ وَاَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِي الْاَيْدِيْ فَاٰخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَاٰخِذٌ بِشِمَالِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ قِبَلِ اَنَّ الْحَسَنَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى

دو پیشیاں تو بحث[1] اور معذرت[2] کی ہیں اور رہی تیسری تو اس وقت نامۂ اعمال اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے[3] بعض داہنے ہاتھ میں لیں گے اور بعض بائیں ہاتھ میں (مسند احمد، ترمذی) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں کہ حسن[4] نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں بعض محدثین نے یہ حدیث حسن ابی موسیٰ سے روایت کی ہے۔

۱؎ جدال سے مراد یہ ہے کہ لوگ وہاں ارتکاب گناہ سے انکار کریں گے خصوصاً کفار، تمام انبیاء، رسل اور ان کی تبلیغ و شریعت کا انکار کریں گے

۲؎ معاذیر، معذرت کی جمع ہے یعنی بندے اپنے گناہوں کا اعتراف تو نہیں کریں گے مگر سہو و نسیان عجز اور اضطرار کہہ کر معذرت کریں گے۔

۳؎ مرحلہ حساب مکمل ہو جائے گا

۴؎ امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا نہیں، یاد رہے امام حسن کا حضرت ابوہریرہ کو دیکھنا اور ملاقات کرنا ثابت ہے مگر صحت کے ساتھ حدیث لینا ثابت نہیں۔ شیخ جزری نے تصحیح مصابیح میں فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں تین احادیث حضرت ابوہریرہ کی امام حسن سے روایت کی ہیں لیکن امام مسلم نے کوئی حدیث نہیں لائے۔

٥٣٢٢ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِّنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِّثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص قیامت کے دن مخلوق کے سامنے چھانٹے گا تو اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے ہر دفتر تا حد نظر ہوگا پھر فرمائے گا کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے کیا تجھ پر میرے نگران کاتبین نے ظلم کیا ہے۔ عرض کرے گا نہیں یارب۔ پھر فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے عرض کرے گا نہیں یارب۔ تو فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی بھی ہے اور تجھ پر ظلم آج نہ ہوگا، تو ایک ورقہ[1] نکالا جائے گا جس میں لکھا ہوگا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" رب فرمائے گا جا اپنے عمل کے وزن پر حاضر ہو وہ کہے گا۔

لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

یارب یہ ورقہ ان دفاتر کے مقابل کیا ہے؟ رب فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: پھر یہ دفتر ایک پلے میں اور یہ ورقہ دوسرے پلے میں رکھا جائے گا تو یہ دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا اللہ کے نام کے مقابل کوئی شے وزنی نہ ہوگی۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

لے بطاقہ، باء کے نیچے زیر، لغت اہل مصر میں وہ کاغذ جس پر بہا ؤ لکھ کر کپڑے کے اندر رکھا جاتا ہے۔
کے یہ کاغذ عظیم وزن رکھتا ہے، اسے وزن کیا جائے گا تاکہ تجھ پر ظلم نہ ہو۔
سے اگرچہ گناہوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں

۵۳۲۳ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُونَ أَهْلِيكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا فِي ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيزَانُهُ أَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِينَ يُقَالُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ أَفِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوزخ یاد آئی تو رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کون سی چیز رُلا رہی ہے۔ عرض کیا مجھے آگ یاد آگئی تو میں رو پڑی کیا آپ قیامت میں اپنے گھر والوں کو یاد کریں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ میزان کے پاس حتیٰ کہ جان لے کہ اس کا وزن ہلکا ہے یا بھاری۔ اور نامۂ اعمال ملنے کے وقت جب کہا جاوے گا آؤ اعمال نامہ پڑھو حتیٰ کہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال کہاں ملتا ہے؟ اس کے دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے اور پل صراط کے نزدیک جب کہ وہ دوزخ کے کناروں کے درمیان رکھا جائے گا۔ (ابوداؤد)

لے تو اس کے خوف وعذاب سے
کے یہ وہ شخص کہے گا جس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوگا اور وہ خوشی میں لوگوں سے کہے گا یہ میرا نامۂ اعمال پڑھو
سے مصابیح کے بعض نسخوں میں "أَوْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ" کے الفاظ ہیں
کے یہ دوزخ کے اوپر تلوار سے تیز اور استرے سے باریک ہوگا لوگوں کو اس کے اوپر سے گذرنا ہوگا۔ ان تینوں مقامات پر ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۳۲۴ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَالٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِي مَمْلُوكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِي وَيَخُوْنُوْنَنِي وَيَعْصُوْنَنِي وَ اَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحّٰى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ تَعَالٰى لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَجِدُ لِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

۵۳۲۵ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ

تیسری فصل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ ایک شخص حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں میری نافرمانیاں کرتے ہیں میں انھیں گالیاں دیتا ہوں مارتا ہوں تو اس کے متعلق میرا کیا حال ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان خیانتوں، نافرمانیوں اور جھوٹوں کا اور تیرا انھیں سزا دینے کا حساب لگایا جائے گا پھر اگر تیرا سزا دینا ان کے جرموں کے برابر ہوگا تو اولا بدلہ ہو جائے گا نہ تجھے مفید نہ مضر اور اگر تیرا انھیں سزا دینا ان کے قصوروں سے کم ہوا تو تجھے ان پر بزرگی حاصل ہوگی اور اگر سزا دینا ان کے قصور سے زیادہ ہوا تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا تو وہ آدمی الگ ہٹ گیا اور چیخیں مارنے لگا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے رب کا یہ فرمان نہیں پڑھا کہ ہم قیامت کے دن انصاف والی ترازو رکھیں گے تو کوئی جان کچھ بھی ظلم نہیں کی جائے گی، اگر رائی کے دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لائیں گے ہم کافی حساب لینے والے ہیں تو وہ شخص بولا یا رسول اللہ! میں اپنے اور ان غلاموں کے لیے ان کی جدائی سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا ۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارے آزاد ہیں ۔ (ترمذی)

اور انھی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں یہ کہتے ہوئے سنا الٰہی مجھ سے آسان حساب لے ۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ!

مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يَّنْظُرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيَتَجَاوَزُ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُّوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

آسان حساب کیا چیز ہے؟ فرمایا! یہ ہے کہ اس کے نامۂ اعمال پر نظر کر دی جائے[۲] پھر اسے معافی دے دی جائے جس کے حساب میں اس دن جرح کر لی گئی اے عائشہ! وہ ہلاک ہو جائے گا (مسند احمد)

[۱] یہ دعا کرتے تھے

[۲] بندے کی اس کے نامۂ اعمال پر نظر کروا کے اسے معاف کر دیا جائے گا "فینظر" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

۵۳۲۶ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ مَنْ يَّقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے آگاہ فرمائیے روزِ قیامت کھڑے ہونے[۱] پر کون قدرت رکھے گا جس کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہونگے تو فرمایا کہ وہ دن مومن کے لیے ہلکا کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس پر ایک فرض نماز[۲] کی طرح ہو جائے گا۔

[۱] وہاں کھڑا ہونا

[۲] چار رکعت کا وقت

۵۳۲۷ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَّوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مَا طُوْلُ هٰذَا الْيَوْمِ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهٗ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَهْوَنَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس دن کے بارے میں عرض کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے کہ اس دن کی کتنی درازی ہے تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ ان مومنین پر ہلکا کر دیا جائے گا[۱] حتیٰ کہ اس فرض نماز سے بھی زیادہ آسان ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں پڑھتا تھا۔

(مذکورہ دونوں احادیث کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا)

[۱] وقت جلدی گذر جائے گا

۵۳۲۸ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُحْشَرُ النَّاسُ فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ فَیَقُوْلُ اَیْنَ الَّذِیْ کَانَتْ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَیَقُوْمُوْنَ وَھُمْ قَلِیْلٌ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ ثُمَّ یُؤْمَرُ بِسَائِرِ النَّاسِ اِلَی الْحِسَابِ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن ایک میدان[1] میں جمع کیے جائیں گے تو پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے پہلو اپنی خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے[2] پس وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے پھر باقی تمام لوگوں کو حساب کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا۔

(بیہقی، شعب الایمان)

[1] صعید، اصلاً اس کا معنی زمین یا روئے زمین ہے یہاں مراد ہموار اور فراخ زمین ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ زمینِ حشر ایسی سفید اور ہموار ہے کہ اس کی نرمی کی وجہ سے پاؤں پھسلے گا۔

[2] اس سے مراد نماز تہجد کے لیے قیام ہے بعض کے نزدیک عشاء و مغرب کے درمیان کا وقت ہے۔ نماز مراد نہیں۔

بَابُ الْحَوْضِ وَالشَّفَاعَۃِ

۲۴۸۔ حوض کوثر اور شفاعت کا بیان

حوض لغتہً پانی کا جمع ہونا اور بہنا ہے، خواتین کو جو حیض آتا ہے اور خون بہنے کا سبب بنتا ہے، وہ اسی لفظ حوض سے مشتق ہے، یہاں وہ حوض مراد ہے جو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روزِ قیامت عطا کیا جائے گا اور احادیث میں اس کی صفات کا تذکرہ آیا ہے۔ منقول یہ ہے کہ روزِ قیامت ہر نبی کے لیے حوض ہو گا جس پر ان کی امت وارد ہو گی

شفاعت، شفع سے مشتق ہے، لغتہً اس کا معنی ایک شئے کا دوسری شئے کے ساتھ متصل ہونا، شفع بمعنی زوج وتر کے اور فرد کے مقابل بھی آتا ہے فروخت شدہ زمین میں ہمسایہ کا حقِ شفعہ اسی لفظ سے ہے۔ شفاعت میں بھی شفیع کا بارگاہِ خدا میں گناہوں کی درخواست کی وجہ سے مجرم کے ساتھ انضمام پایا جاتا ہے۔ شفاعت کی تمام اقسام کا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثبوت ہے، البتہ بعض آپ کے لیے مخصوص اور بعض مشترکہ ہیں جو شخصیت شفاعت کا دروازہ کھولے گی وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو گی لہٰذا تمام شفاعات درحقیقت آپ ہی کی طرف لوٹتی ہیں لہٰذا آپ صاحب شفاعات علی الاطلاق ہیں۔ پہلی قسم اطاعتِ کبریٰ ہے جو تمام مخلوق کو نصیب ہو گی یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے

انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ اللہ علیہم میں سے بھی کسی کو یہ مقام حاصل نہیں بلکہ کسی کو وہاں جرأت و اقدام کی مجال ہوگی یہ شفاعت میدانِ محشر میں طولِ وقوف سے نجات، تعجیلِ حساب اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے لیے ہوگی کہ لوگوں کو اس تنگی و شدت سے نکال دیا جائے جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ دوسری قسم کی شفاعت لوگوں کا بغیر حساب جنت میں داخل کے لیے ہوگی احادیث میں اس کا ثبوت بھی ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے وہ شفاعت کی بناء پر جنت میں جائیں گے چوتھی قسم جو لوگ دوزخ کے مستحق ہوں گے وہ آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے پانچویں قسم رفع درجات اور زیادتی کرامات کے لیے ہوگی چھٹی قسم ان گنہ گاروں کے لیے جو دوزخ میں جائیں گے پھر آپ کی شفاعت سے باہر آئیں گے یہ شفاعت بقیہ انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہداء میں مشترک ہے ساتویں قسم جنت کا افتتاح، آٹھویں قسم دائمی عذاب پانے والوں کے عذاب میں تخفیف، نویں قسم، اہلِ مدینہ کے لیے خصوصی شفاعت، اسی طرح زیارتِ بارگاہِ نبوی کرنے والوں کے لیے شفاعت امتیازی ہے۔ شارحین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۵۳۲۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب ہم جنت میں سیر کر رہے تھے تو ایک نہر پر پہنچے جس کے کناروں پر کھوکھلے موتی کے خیمے تھے ہم نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس کی مٹی خالص مشک تھی (البخاری)

۱ ظاہر یہی ہے کہ یہ سیر شبِ معراج میں تھی

۲ یہ آیت "انا اعطینک الکوثر" کی طرف اشارہ ہے اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر حوضِ کوثر سے کی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ کوثر سے مراد کثیر ہے خواہ علم و عمل میں ہو یا شرفِ دارین میں اور یہ حوضِ کوثر اس خیرِ کثیر کا ایک فرد ہے بعض نے اس کی تفسیر اولاد، تبعین اور علماءِ امت سے کی ہے یہ بھی خیرِ کثیر میں شامل ہے اس کے بیان میں قوم کی اچھی اور پسندیدہ گفتگو ہے اس میں سے کچھ کا تذکرہ رسالہ مناقب آئمہ اثنیٰ عشر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۳ ذفر، دونوں حروف پر فتحہ، تیز بُو خواہ اچھی ہو یا بری، مسک اذفر یعنی بہت ہی اچھی اور اعلیٰ خوشبو

۵۳۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِيْ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض

مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَّزَوَايَاهُ سَوَآءٌ وَّمَآءُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ اَبَدًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ایک ماہ کی مسافت تک ہے اس کے زاویے[1] برابر ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور اس کے آبخورے آسمان کے تاروں[2] جیسے ہیں جو اس سے ایک دفعہ پی لے کبھی پیاس نہیں لگے گی[3]۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ اس کی لمبائی اور گہرائی مربع ہے۔

۲؎ کثرت اور چمکنے میں

۳؎ اگر یہ سوال ہو کہ بہشتی نہروں کی لذت کا اب کیا معنی؟ کیونکہ مزہ پیاس کے بعد ہی ہوتا ہے یہاں تو پیاس ہی نہیں ہوگی تو لذت کہاں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پیاس سے مراد کثیر اور ہلاک کر دینے والی ہے اور پیاسا اور بھوکا ہونا ایک تکلیف ہے اور اس کا دفع کرنا لذت کا وہم پیدا کرنا ہے اور جب وہاں تکلیف ہی نہ ہوگی تو اس کے رفع کی حاجت نہ ہوگی شاید وہاں بغیر پیاس کے لذت حاصل ہو اور بہشت میں تو یہ بھی ہے کہ وہاں جو خواہش ہوگی وہ پوری ہوگی اگر کوئی وہاں تشنگی چاہے گا تو وہاں یہ بھی حاصل ہوگی۔

۵۳۳۱ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَوْضِيْ اَبْعَدُ مِنْ اَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ لَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ الثَّلْجِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ وَلَاٰنِيَتُهٗ اَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُوْمِ وَاِنِّيْ لَاَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَصُدُّ الرَّجُلُ اِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ نَعَمْ لَكُمْ سِيْمَآءُ لَيْسَتْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض اس سے لمبا ہے جو ایلہ[1] اور عدن[2] کا فاصلہ ہے، برف سے زیادہ سفید اور شہد[3] اور دودھ سے زیادہ شیریں ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں سے تعداد میں زیادہ ہیں میں اس سے لوگوں کو روکوں گا جیسے کوئی دوسرے لوگوں کے اونٹ کو اپنے حوض سے روکتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس دن آپ ہم کو پہچان لیں گے فرمایا ہاں تمہاری وہ نشانی ہوگی جو کسی دوسری امت کی نہ ہوگی تم میرے پاس آثار وضو کی وجہ سے روشن چہرہ پنج کلیان آؤ گے۔ (المسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ عَنْ اَنَسٍ قَالَ تُرٰى فِيْهِ اَبَارِيْقُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ كَعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سُئِلَ عَنْ شَرَابِهٖ فَقَالَ اَشَدُّ بَيَاضًا

اس کی دوسری روایت میں حضرت انس سے یوں روایت ہے فرمایا اس میں سونے چاندی کے برتن، آسمان کے ستاروں کی تعداد میں دیکھے جائیں گے اور اس کی ایک روایت میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ یَغُتُّ فِیْهِ مِیْزَابَانِ یَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَالْاٰخَرُ مِنْ وَرِقٍ۔

مروی ہے کہ فرمایا حضور سے حوض کوثر کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں جو اسے بڑھاتے ہیں ایک سونے کا ہے دوسرا چاندی کا۔

۱؎ ایلہ، ہمزہ پر زبر ہے کر یائے میں سے متصل شام کے شہروں میں ایک شہر کا نام ہے

۲؎ دریائے بند سے متصل، یمن کے شہروں میں ایک شہر کا نام ہے

۳؎ دوسری امت کے لوگوں کو

۴؎ آپ ہمیں پہچان لیں کہ غیروں کو آپ منع فرمائیں گے

۵؎ سیما، سین کے نیچے زیر، یا ساکن بالقصر یا بالمد

۶؎ نور وضو کی وجہ سے پیشانی ہاتھ اور پاؤں روشن ہوں گے جیسا کہ کتاب الطہارت میں وضو کی فضیلت میں گذر چکا ہے۔

۷؎ ابریق، ہمزہ مکسور ابریز سے معرب ہے

۸؎ غت، غین تا مشدد، غوطہ لگانا، قہر و غلبہ اور پے در پے آنا، یَغُتُّ، غین پر ضمہ یا کسرہ، از باب نصر و ضرب، یعب، یا مشدد، عین پر پیش عَبٌّ سے مشتق ہے جس کا معنی مسلسل پانی پینا، یثبت یاء اور ثاء عین پر زبر ثعب معنی مجرب ہے یعنی رواں ہونا اور باہر آنا، میزاب، میم کے نیچے زیر وزرب بمعنی پانی جاری ہونا سے مشتق ہے یا لفظ فارسی مگر معرب ہے۔ نہر فارسی میں بمعنی یوں آتا ہے۔

۵۳۳۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں جو مجھ پر گذرے گا وہ پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہیں پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جائے گی تو میں کہوں گا یہ تو میرے ہیں تو فرمایا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا باتیں پیدا کیں (یہ مانعین زکوٰۃ اور مرتد ہونے والے لوگ مراد ہیں جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے) میں کہوں گا اسے دوری ہو جو میرے بعد تبدیلی کرے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ فرط، دونوں پر فتحہ، وہ شخص جو قوم سے پہلے کسی منزل پر جا کر حوض، ڈول اور رسی وغیرہ تیار رکھے۔
سلہ میری امت میں سے ہوں گے۔
سلہ مقام قرب و رحمت سے دور ہو جاؤ، اس حدیث کا مضمون اس کے قریب ہے جو حدیث باب الحشر کی ابتدا میں گذری ہے کہ وہاں میں انہیں اصیحابی کہوں گا اس کا معنی و شرح وہاں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

۵۳۳۳ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُهَمُّوْا بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيْحُنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ أَنْتَ اٰدَمُ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ أَسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ إِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ أَكْلَهٗ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا أَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ سُؤَالَهٗ رَبَّهٗ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلٰكِنِ ائْتُوْا إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ إِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلٰثَ كَذِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُوْسٰى عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهٗ وَقَرَّبَهٗ نَجِيًّا قَالَ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ إِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنِ ائْتُوْا عِيْسٰى

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اہل ایمان[۵] روز قیامت روکے جائیں گے حتیٰ کہ اس کی وجہ سے سخت غمگین ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم اپنے رب کی بارگاہ میں شفیع لاتے تاکہ وہ اس جگہ سے حرکت[۲] دے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جائیں گے کہ عرض کریں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت[۳] سے بنایا، آپ کو جنت میں رکھا آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرا دیا، آپ کو ہر چیز کے نام بتائے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نجات[۴] دے، وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام میں[۵] نہیں ہوں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے، جو انہوں نے کی تھی یعنی درخت سے کھانا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا لیکن تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ نے زمین والے[۶] کفار کی طرف بھیجا، تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام میں[۷] نہیں اور اپنی خطا یاد کریں گے جو کی تھی یعنی اپنے رب سے بغیر جانے سوال[۸] کرنا لیکن تم حضرت خلیل علیہ السلام کے پاس جاؤ، تو وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میں تمہارے اس مقام کا نہیں خلاف واقعہ[۹] باتیں یاد کریں گے لیکن تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ بندے جنہیں اللہ نے تورات[۱۰] بخشی اور ان سے کلام[۱۱] کیا اور انہیں مشورہ کے لیے قرب بخشا تو لوگ

عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ وَرُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهٗ قَالَ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ فَيَأْتُوْنِيْ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ فَيَقُوْلُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُّعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّانِيَةَ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُّعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّالِثَةَ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ

جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور وہ اپنی خطا یاد کریں گے جو انھوں نے کی تھی قتل کی لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، اللہ کے بندے اس کے رسول، اللہ کی طرف سے روح، اس کا کلمہ ہیں پھر لوگ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں لیکن تم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ بندے اللہ کے، اللہ نے ان کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے، فرمایا تو تم سب میرے پاس آؤ گے تو میں اپنے رب سے پاس اس کے مقرر گھر میں حاضری کی اجازت مانگوں گا تب مجھے اجازت دی جائے گی میں جب رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ جتنا چاہے گا مجھے چھوڑے رکھے گا پھر فرمائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جائے گی شفاعت کرو قبول کی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا فرمایا پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ کی حمد و ثناء کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی میں وہاں سے چلوں گا انھیں آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا پھر دوسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس کے گھر میں اجازت مانگوں گا تب مجھے اجازت دی جائے گی جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا جتنا سجدے میں رب رکھنا چاہے گا اتنا مجھے سجدے میں چھوڑے گا پھر فرمائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی شفاعت کرو قبول کی جائے گی، مانگو دیے جاؤ گے، فرمایا تب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کروں گا جو وہ سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، میں روانہ ہوں گا انھیں آگ سے

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ قَدْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا قَالَ وَهَذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِي وُعِدَهُ نَبِيُّكُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نکالوں گا جب جنت میں داخل کروں گا، پھر میں تیسری دفعہ لوٹوں گا اپنے رب سے اس کی جگہ میں اجازت مانگوں گا مجھے اس پر اجازت دی جائے گی

تو جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا جب اللہ مجھے چھوڑے رکھنا چاہے گا چھوڑے رکھے گا پھر فرمائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ، کہو تمھاری سنی جائے گی شفاعت کرو قبول کی جائے گی، مانگو تمھیں دیا جائے گا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اپنے رب کی وہ حمد وثنا کروں گا جو وہ سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی پھر میں وہاں روانہ ہوں گا انھیں آگ سے نکالوں گا جنت میں داخل کروں گا حتیٰ کہ آگ میں صرف وہی رہ جائیں گے جنھیں قرآن نے روکا یعنی جن پر ہمیشگی ضروری ہو گی پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی "قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے" فرمایا یہ مقام محمود وہ ہے جس کا تمھارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے

(بخاری و مسلم)

۱ کیونکہ آپ ان فضائل و کرامات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۲ جو نہایت ہی سخت و دشوار ہو گا۔

۳ جو تم نے میرے بارے میں گمان کیا ہے کہ میں مقام شفاعت میں کھڑا ہو کر عرض کروں اور ابتدا کرتے ہوئے باب شفاعت کھولوں۔

۴ جو تم نے میرے بارے میں گمان کیا ہے

۵ اے اللہ! میرے بیٹے کو بچا کیونکہ میرے اہل میں سے ہے۔ اس پر عتاب ہوا کہ اے نوح! اس بارے میں مت پوچھو جس کا تمھیں علم نہیں۔

۶ یہ درحقیقت چیزیں دروغ نہیں بلکہ دروغ نما تھیں چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقام نہایت ہی عالی اور بلند ہوتا ہے لہٰذا ان پر اس طرح کی چیزوں کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے ان تین اشیاء میں ایک یہ تھا کہ قوم تماشا و میلہ میں شرکت کے لیے چلی گئی آپ نہیں گئے تاکہ بتوں کو توڑنے کا موقعہ مل جائے اس لیے آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں تمھارے ساتھ میلہ میں نہیں جا سکتا حالانکہ بظاہر بیمار نہیں تھے لیکن اس بات کا کیسے پتہ چلے کہ باطن میں بیماری تھی۔

شاید کفر اور ان کے عناد کی وجہ سے دل کی بیماری اور بے ذوقی مراد لی ہو دوسرا یہ تھا جب آپ نے بتوں کو توڑ ڈالا تو کفار نے پوچھا اے ابراہیم: یہ کام تم نے کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ بڑے بت نے کیا ہے یعنی مجھے اس فعل پر ابھارنے والا یہ بت ہے جو تمھاری عبادت و تعظیم کے لیے منفرد مقام رکھتا ہے یا مقصد استہزا اور ان پر الزام ہے جیسے کہ ایک آدمی اچھا لکھتا ہے دوسرا اس طرح نہیں لکھ سکتا تو وہ لکھنے والے سے کہتا ہے کہ یہ خط تو نے لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں لکھا تو نے لکھا ہے یعنی اس طرح کا لکھنا تجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتا تیسرا یہ تھا کہ اپنی بیوی حضرت سارہ کو ظالم بادشاہ سے چھڑانے کے لیے بہن کہا حالانکہ مراد اسلامی بہن تھا بلکہ آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں۔

ش۵ تورات عظیم کتاب ہے تمام انبیاء بنی اسرائیل اسی کے تابع تھے

ش۵ اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ کلام فرمایا اور محرم اسرار بنایا

ش۹ وہ قبطی جسے آپ نے پیچھے ہٹانے کے لیے دھکا دیا تو وہ مرگیا۔

ش۱۰ بغیر ماں کے پیدا فرمایا یا آپ کی ذات اجسام و قلوب کی حیات کا سبب بنے کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور گود میں کلام فرمایا۔

ش۱۱ میں اس لائق نہیں

ش۱۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کسی خطا کے یاد کرنے کا ذکر نہیں کیا تو شارحین نے فرمایا کہ آپ پر اور آپ کی والدہ پر نصاریٰ نے افترا باندھا کہ یہ خدا ہیں تو آپ نے شرمندگی کی وجہ سے شاید توقف فرمایا

بعض روایات میں اس کا بھی ذکر ہے یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اس عذر سے قطع نظر کرتے ہوئے باب شفاعت کے کھولنے کے لیے اہل نہ پایا ہو اور اسی لیے جرأت نہ کی ، درست یہ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عذر کے بغیر اس مقام سے قاصر و عاجز ہیں اگرچہ انھوں نے ظاہری عذر بھی بیان کر دیا ہے اس مقام اعلیٰ و ارفع کے لائق و سزاوار صرف اور صرف سید المرسلین اور امام النبیین ہی ہیں جو نہایت ہی قرب و عزت کے درجہ پر فائز ہیں آپ اللہ کی بارگاہ میں محمود و محبوب ہیں یہی وجہ ہے کہ دیگر احادیث میں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام عذر بیان کیے بغیر فرمائیں گے یہ کام و منصب ہمارا نہیں ہے ۔

ش۱۳ واضح رہے کہ اس آیت کی تفسیر و معنی میں متعدد اقوال ہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں مغفرت سے مراد عصمت ہے اور انبیاء علیہم السلام معصوم و مغفور ہیں جنس گناہ کی نسبت جو انبیاء کی طرف سے ہے وہاں ہر ایک تاویل و حکمت ہے خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس جس سے کسی وقت بھی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا لیکن اس بات کی اطلاع آپ کو دنیا میں ہی دے دی گئی مگر دوسروں کو نہیں دی یہی وجہ ہے کہ وہاں دوسروں کو اپنی اپنی خطا یاد آرہی ہوگی۔ سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اعزاز و اکرام کا کامل اظہار ہے کیونکہ طریقہ یہ ہے کہ مالک جب اپنے غلام پر نہایت ہی خوش و راضی ہو تو وہ چاہتا ہے کہ اسے خصوصی طور پر ممتاز کیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ کیا یا کرے گا سب تجھے معاف ہے اور تجھ پر کوئی گرفت و عتاب نہیں

باقی اقوال بھی میں نے شرح میں ذکر کر دیے ہیں۔

ملے وہ مقام مخصوص یہاں کسی کے رابطہ کی گنجائش ہی نہیں

۱۵ اے محبوب من! اے مطلوب من! اے میری بارگاہ کے منتخب اور اے بندۂ خاص!

۱۶ قبول کی جائے گی

۱۷ اس وجہ سے اس مقام کو مقام حمد اور مقام محمود کہا جاتا ہے یہاں سے واضح ہو رہا ہے کہ شفیع کو پہلے مشفع کی حمد کرنی چاہیے تاکہ اس کی رضا و قرب کا حصول ہو اور قبولیت شفاعت کا درجہ حاصل ہو۔

۱۸ شفاعت کے لیے گنہ گاروں کی حد مثلاً بے نمازی، زناکار، شراب خور وغیرہ کے لیے شفاعت کا حکم ہوگا۔

۱۹ اس مخصوص طائفہ کو دوزخ سے نکالوں گا۔

۲۰ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں شفاعت کے مستحق لوگ ان لوگوں کے علاوہ بھی ہوں گے جن کا ذکر پیچھے بطور محبوس آیا ہے تو ان دوسرے لوگوں کو بغیر توقف دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، جب ان محبوسینِ محشر کی شفاعت کا ذکر کیا تو دوسروں کی شفاعت کو بھی ذکر کر دیا گیا یہاں آگ سے مراد سورج کی گرمی ہے اور اس گرمی سے چھٹکارا مراد ہے۔

۲۱ دوسرے گروہوں کی شفاعت کے لیے

۲۲ یعنی کفر کرنے والے

۲۳ اس مقام کی توصیف محمود کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہاں کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اسے پہنچائے گا یا حضور علیہ السلام وہاں اپنے رب سبحانہ کی حمد کریں گے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا یا اس لیے کہ وہاں اولین آخرین کی زبان پر حضور علیہ السلام کی ثنا ہوگی۔

۵۳۳۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَأْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَأْتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ

اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگ بعض بعض میں مخلوط ہو جائیں گے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے عرض کریں گے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کیجیے وہ فرمائیں گے میں اس کے لیے نہیں ہوں تم حضرت ابراہیم کا دامن پکڑو کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن جناب موسیٰ کے دامن کو پکڑو کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے اس کے لیے میں نہیں ہوں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دامن کو پکڑو

اٰتَاھَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ وَیُلْھِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُہٗ بِھَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ شَعِیْرَۃٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ اَوْ خَرْدَلَۃٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ اَدْنٰی اَدْنٰی اَدْنٰی مِثْقَالِ حَبَّۃِ خَرْدَلَۃٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَاَخْرِجْہُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَۃَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَکَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ ائْذَنْ لِیْ فِیْمَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ لَیْسَ ذٰلِکَ لَکَ وَلٰکِنْ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکِبْرِیَائِیْ وَ

کردہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو تو پھر لوگ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا ہاں میں اس کے لیے ہوں پھر میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت ملے گی اور وہ ایسی محامد مجھے الہام فرمائے گا جو ابھی میرے علم میں نہیں۔ میں ان محامد سے حمد کروں گا اور رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی مانگو عطا کیے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یارب میری امت میری امت۔ تو فرمایا جائے گا جاؤ اس کو نکالو جس کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہو تو میں چلوں گا اور یہ عمل کروں گا پھر واپس لوٹوں گا انھی محامد سے رب کی حمد کروں گا پھر اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جائے گی، مانگو تمھیں دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا یارب! میری امت! میری امت! تو کہا جائے گا چلو اسے نکال لو جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۔ چنانچہ میں چلوں گا یہ عمل کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا تو آپ کے انھی محامد سے ثنا کروں گا پھر اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جائے گی مانگو تمھیں دیا جائے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی تو میں کہوں گا یارب! میری امت میری امت! فرمایا جاوے گا جاؤ اسے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کمتر ایمان ہے چنانچہ میں جاؤں گا اسے آگ سے نکال لاؤں گا پھر میں چوتھی بار لوٹوں گا اور رب تعالیٰ کی حمد و ثنا انھی محامد سے کروں گا پھر میں اس کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا

عَظَمَتِیْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ کہو سنی جائے گی مانگو دیے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا یارب اب مجھے اس کے متعلق اجازت دے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ رب فرمائے گا یہ تمہارا نہیں لیکن میری عزت و جلالت اور کبریائی اور میری عظمت کی قسم میں وہاں سے اسے نکال دوں گا جس نے لآ الٰہ الا اللہ کہا۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ میں اس کی شفاعت کے اہل و قابل نہیں ہوں۔
۲؎ بڑے شفاعت میں ہوں میں ہی اس کا اہل ہوں یہ میرا درجہ ہے کسی اور کا نہیں۔
۳؎ اس وقت مجھ میں مقامِ قرب و معرفت سے ایک نورِ خاص واقع ہوگا اس کے اثر سے محامد کا علم ہوگا۔
۴؎ میری امت کو بخش دے اور مجھے ان کی شفاعت کی اجازت دے دے۔
۵؎ میں دوزخ سے ہر اس شخص کو باہر لے آؤں گا جس کے دل میں جَو کی مقدار برابر ایمان ہوگا۔

۵۳۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں زیادہ کامیاب میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ ہوگا جس نے اپنے خالص دل[۱] سے یا خالص نفس[۲] سے کہا لآ الٰہ الا اللہ

(البخاری)

۱؎ بغیر ملاوٹ کے تہ دل سے
۲؎ راوی کو شک ہے بہر تقدیر یہ تاکید ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کان سے سنا کیونکہ اخلاص دل سے ہے اور رجائے اخلاص دل ہے نہ کہ اور۔

۵۳۳۶ وَعَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَتَدْنُوا الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ فَيَقُوْلُ النَّاسُ اَلَا

اور انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دستی پسند تھی تو آپ نے اس میں نوچ کر کھایا پھر فرمایا قیامت کے دن میں لوگوں کا سربراہ ہوں جس دن لوگ رب العلمین کے حضور کھڑے ہوں گے اور سورج قریب ہوگا لوگوں کو اس قدر غم اور تکلیف ہوگی جس کی وہ طاقت نہ رکھیں گے پھر

تَنْظُرُوْنَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ وَذَكَرَ حَدِيْثَ الشَّفَاعَةِ وَقَالَ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى اَحَدٍ قَبْلِيْ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاَقُوْلُ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اَدْخِلْ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْاَيْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگ کہیں گے تم کسی ایسے شخص کو کیوں نہیں ڈھونڈتے جو تمہارے رب کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی حدیث ذکر فرمائی اور فرمایا کہ پھر میں چلوں گا تو عرش کے نیچے پہنچوں گا پھر اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر دوں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے وہ محامد و ثناء کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر نہ کھولے گا پھر فرمائے گا اے محمد! سر اٹھاؤ مانگو دیے جاؤ گے شفاعت قبول کی جائے گی تو میں سر اٹھاؤں گا عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت ۔ تو کہا جائے گا اے محمد اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے داخل کر دو اور جو لوگ دروازوں میں برابر کے حق دار ہیں ۔ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ایک کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے ۔

(بخاری، مسلم)

۱ نفس اگر سین ہو تو سامنے کے دانتوں کے ساتھ پکڑنا اور اگر شین ہو تو پچھلے دانتوں کے ساتھ پکڑنا، اکثر روایات میں سین ہے مگر بعض میں شین بھی آیا ہے ۔

۲ پھر تمام حدیث شفاعت بیان کی کہ لوگ تمام انبیاء سے التماس شفاعت کریں گے اور وہ جواب دے دیں گے ہم اس مقام پر آج اللہ کے حضور گفتگو نہیں کر سکتے ۔

۳ جو کہ مقام خاص اور عظیم ہے

۴ بلکہ مجھ پر بھی اسی وقت الہام ہوگا جیسا کہ سابقہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے ۔

۵ جن سے حساب نہیں لیا جائے گا اور انہیں بے حساب جنت میں داخلہ نصیب ہو رہا ہے

۶ یہ بہشت کے دروازے صرف انہی کے لیے مخصوص ہوں گے اور باقی دروازے ان کے اور دوسروں کے درمیان مشترک ہوں گے ۔

۷ ہجر، دونوں ابتدائی حروف مفتوح بحرین اور مدینہ کے دیہاتوں میں سے ایک قریہ کا نام ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں پہلا مراد ہے اور دو مصراع سے دروازے کے دونوں تختے ہیں جو ایک سوراخ پر اکٹھے بند ہوتے ہیں اور یہ دونوں ایک

شعر کے دو مصرعوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اصل میں یصرع بمعنی رفع والقاء ہے ۔ مشارق الانوار میں ہے کہ یہاں مصاریع سے مراد جنت کے دروازے ہیں اور مصراع اس وقت کہا جاتا ہے جب دروازے کے دو طاق ہوں ۔ یہاں مقصود جنت کے دروازے کی وسعت کا بیان ہے مراد تحدید و تعیین نہیں بلکہ لوگوں کو محض اس وسعت کا سمجھانا ہے حقیقت حال اس کے علاوہ ہوگی ۔

۵۳۳۷ وَعَنْ حُذَيْفَةَ فِي حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت حذیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شفاعت کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: امانت[2] اور رحمی رشتے[3] بھیجے جائیں گے وہ پل صراط کے دونوں طرف دائیں بائیں[4] کھڑے ہونگے۔

(المسلم)

[1] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] حفظ حقوق و اموالِ مردم اور ان کی نگہداشت

[3] ولادت کے رشتے جن کے ساتھ صلہ رحمی لازم ہے

[4] طلب حقوق اور خصومت کے لیے ، دونوں طرف کہنے میں مقصود کی تعظیم اور تاکید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں معانی کو کسی صورت میں متشکل فرمادیں اور دونوں طرف واقعۃً کھڑے ہو کر طلب حقوق کریں ۔

۵۳۳۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي إِبْرَاهِيْمَ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ وَقَالَ عِيْسٰى إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرِيْلُ اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيْهِ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرِيْلَ اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کے اس کلام کی تلاوت کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے، یا رب ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہو گیا اور جناب عیسیٰ کہیں گے اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں[1] تو حضور نے ہاتھ اٹھائے[2] عرض کیا الٰہی میری امت اور رو دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل میرے محبوب محمد کے پاس جاؤ تمھارا رب[3] خوب جانتا ہے مگر ان سے پوچھو انھیں کیا چیز رُلا رہی ہے تو حضور کے پاس حضرت جبریل آئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی عرض و معروض کی اطلاع دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل سے فرمایا تم جناب محمد کے پاس جاؤ کہو کہ ہم تم کو تمھاری امت کے

سا معاملہ میں راضی کریں گے غمگین نہ کریں گے (المسلم)

سے۱ اگلا حصہ یہ ہے وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (جس نے میری نافرمانی کی بے شک تو معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)

سلہ اس کا بقیہ حصہ یہ ہے وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اگر تو انھیں معاف فرما دے تو بے شک تو عزت والا اور حکمت والا ہے)

سے۲ حاصل یہ ہے کہ ان دو انبیاء کا اپنی امت کو یاد کرنا اور شفاعت کرنا جب آپ کے سامنے آیا تو آپ نے رب کریم کے حضور اپنی امت کی بخشش کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

سے۴ لیکن کرم اور عنایت کریمانہ کے اظہار کے لیے پوچھو

سے۵ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اس وقت تک خوش نہیں ہوں گا جب تک ایک ایک امتی کو میری شفاعت سے بخشش نہ دیا جائے گا اب امت پر لازم ہے کہ آپ کے ساتھ عقد ایمان درست طریقہ سے باندھے اور مشکل معاملہ بھی فقط یہی ہے دوسری کوئی شکل نہیں۔ شعر

خاک اوباش و بادشاہی کن آن اوباش وہرچہ خواہی کن

(ان کی خاک ہو کر بادشاہ بن جاؤ اور ان کی اتباع کر لو اور جو چاہو کرو)

۵۳۳۹ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيْرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِيَتَّبِعَ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا يَبْقٰى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ أَتَاهُمْ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم روز قیامت اپنے رب کو دیکھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کیا تم صاف دوپہری میں جب سورج کے ساتھ بادل نہ ہوں سورج کے دیکھنے میں شک کرتے ہو اور کیا تم چودھویں کی صاف رات میں جبکہ چاند کے ساتھ بادل نہ ہو چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا یا رسول اللہ نہیں فرمایا: تم قیامت کے دن اللہ کے دیدار میں شک کرو گے مگر ایسا جیسے ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں کرتے ہو جب قیامت کا دن ہوگا تو اعلانچی اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کے پیچھے جائے جس کی وہ پرستش کرتا تھا تو جو بھی اللہ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اس میں سے کوئی نہ بچے گا تو ان کے پاس رب العالمین آئے گا فرمایا جائے گا تم کیا انتظار کر رہے ہو

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ فَمَاذَا تَنْظُرُوْنَ يَتْبَعُ
كُلُّ اُمَّةٍ مَّا كَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا يَا رَبَّنَا
فَارَقْنَا النَّاسَ فِى الدُّنْيَا اَفْقَرَ مَا كُنَّا
اِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ وَفِىْ رِوَايَةِ اَبِىْ
هُرَيْرَةَ فَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَاْتِيَنَا
رَبُّنَا فَاِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ وَفِىْ رِوَايَةِ
اَبِىْ سَعِيْدٍ فَيَقُوْلُ هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ اٰيَةٌ
تَعْرِفُوْنَهٗ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُكْشَفُ عَنْ
سَاقٍ فَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى
مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ
وَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَّرِيَاءً
اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقَةً وَّاحِدَةً كُلَّمَا
اَرَادَ اَنْ يَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰى قَفَاهُ ثُمَّ يُضْرَبُ
الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَ
يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ
كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَالطَّيْرِ
وَكَاَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُّسَلَّمٌ
وَمَخْدُوْشٌ مُّرْسَلٌ وَّمَكْدُوْسٌ فِىْ نَارِ
جَهَنَّمَ حَتّٰى اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ
فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْكُمْ
بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً فِى الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِاِخْوَانِهِمُ
الَّذِيْنَ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ
مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ
اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ
عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا بَقِىَ فِيْهَا اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا

ہر امت اپنے پیرو کے ساتھ جا رہی ہے یہ عرض کریں گے
یارب! ہم نے دنیا میں ان لوگوں کو چھوڑے رکھا جب کہ
ہم ان کے بہت حاجت مند تھے اور ہم ان کے ساتھ نہ رہے
اور جناب ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ کہیں گے یہی ہماری
جگہ ہے حتی کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے پھر جب ہمارا
رب جلوہ فرما ہوگا ہم اسے پہچان لیں گے اور جناب ابوسعید
کی روایت میں ہے رب فرمائے گا کیا تمہارے اور اس کے
درمیان کوئی نشانی کہ تم اسے پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے
ہاں! تو اب پنڈلی کھولے گا تو ان میں سے جو دل کے
اخلاص سے رب کو سجدہ کرتے تھے کوئی نہ رہے گا مگر
اللہ اسے سجدہ کی اجازت دے گا اور جو لوگ اپنے بچاؤ
اور دکھلاوے کے لیے سجدہ کرتے تھے ان میں سے کوئی
نہ بچے گا مگر اللہ اس کی پیٹھ تختہ بنا دے گا وہ جب
بھی سجدہ کا ارادہ کرے گا اپنی پیٹھ پر گر جاوے گا ، پھر
دوزخ پر پل رکھا جائے گا اور شفاعت واقع ہوگی اور کہیں
گے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ تو مسلمان پلک جھپکنے
کی طرح اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح پرندے کی طرح
اور تیز گھوڑے کی طرح اونٹ کی طرح گذریں گے بعض تو
نجات پائیں گے سلامت رہیں گے بعض زخمی ہو کر چھوڑ دیے
جائیں گے بعض دوزخ کی آگ میں گرا دیے جائیں گے حتی کہ
جب مسلمان آگ سے خلاصی پالیں گے تو اس کی قسم جس کے
قبضہ میں میری جان ہے نہیں ہے تم میں سے کوئی زیادہ
جھگڑا کرنے والا اپنے اس حق میں جو تمہیں ظاہر ہو جائے
گا بمقابلہ مسلمانوں کے جو وہ اللہ سے جھگڑیں گے قیامت
کے دن اپنے دوزخی بھائیوں کے لیے عرض کریں گے یارب
وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے
اور حج کرتے تھے تو ان سے کہا جائے گا کہ جنہیں تم پہچانتے ہو

ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا فَيَقُولُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهْرٍ فِي أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُونَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُونَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نکال لو ان کی صورتیں آگ پر حرام کر دی جائیں گی یہ لوگ بڑی خلقت کو نکالیں گے پھر کہیں گے یا رب جن کے متعلق تم نے ہم کو حکم دیا تھا ان میں سے تو کوئی باقی نہ رہا اب فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو تو بڑی خلقت نکالیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو چنانچہ وہ بڑی خلقت کو نکال لیں گے پھر فرمائے گا لوٹ جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکالائیں گے پھر عرض کریں گے یا رب ہم نے دوزخ میں کسی بھلائی والے کو نہ چھوڑا تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی، رسولوں نے شفاعت فرمائی، مومنوں نے شفاعت کرلی اب سوا ارحم الراحمین کے اور کوئی باقی نہ رہا تب آگ میں سے ایک مٹھی بھرے گا تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے گا جنھوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی جو کوئلہ ہو چکے ہوں گے انھیں اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دہانوں میں ہے جسے زندگی کی نہر کہا جاتا ہے تو وہ یوں اگیں گے جیسے دانہ کے سیلاب کے اوپر کے کوڑا میں اگتا ہے پھر وہ نکلیں گے موتی کی طرح ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی انھیں لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں جنھیں رب نے بغیر عمل کیے ہوئے بغیر بھلائی آگے بھیجے جنت میں داخل فرمادیا تو ان سے کہا جائے گا کہ تمھارے لیے وہ ہے جو تم نے دیکھا اور اس کی مثل۔

(بخاری و مسلم)

؎۱ اس کے بعد دیدار کے یقین اور اثبات کے لیے فرمایا۔
؎۲ صحو، آفتاب کی ٹکیہ کا خوب کشادہ ہو کر ظاہر ہونا۔
؎۳ یعنی جس طرح آفتاب و ماہتاب دیکھنے میں شک نہیں اسی طرح وہاں بھی ہرگز شک نہیں ہوگا شارحین کہتے ہیں کہ

یہ دیدار اس کے علاوہ ہے جو مومنوں کے لیے جنت میں ثواب کے طور پر ہوگا یہ دیدار اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا تاکہ اللہ کی عبادت اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کے درمیان امتیاز ہو جائے ۔ بندوں کا امتحان و ابتلاء وہاں جاری رہے گا حتیٰ کہ حساب سے فراغت اور جزا و سزا کا وقوع ہو جائے ۔ آخرت اگرچہ بدلہ کی جگہ ہے لیکن اس میں امتحان ہوگا جیساکہ دنیا دارِ امتحان ہے لیکن اس میں بھی جزا کا وقوع ہوتا ہے جیساکہ فرمایا وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (تمہیں جو مصیبت آتی ہے، یہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے) کذا قال الطیبی واللہ اعلم ۔

سے اصنام صنم کی جگہ، بُت، انصاب، نصب کی جمع ۔ وہ پتھر جس کی پرستش کی ہوگی اور اس کے ہاں بقصد تقرب وطاعت ذبح کیا جائے گا ۔

ھ عابد و معبود دونوں دوزخ میں جائیں گے

سے ان پر اللہ تعالیٰ تجلی کا اظہار فرمائے گا باقی اتیان (آنا) جیسی صفات کا انتساب کلام اللہ اور کلام رسول دونوں میں وارد ہیں ۔ ہم یہ اعتقاد رکھیں گے، یہ بے کیفیت ہے، اللہ تعالیٰ حرکت و انتقال سے منزہ ہے جیساکہ باقی تشابہات کا حکم ہے یا فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آئے گا ۔ علامہ طیبی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان ملائکہ میں سے ایک فرشتہ کے مشابہ ظاہر ہوگا ۔ جو صفات الٰہیہ کے مشابہ ہیں تاکہ امتحان لے، جب یہ ملک اور یہ صورت کہے گی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اور اس پر مخلوق کی علامات ہوں گی تو وہ انکار کر دیں گے اور جان لیں گے کہ یہ پروردگار نہیں اور استعاذہ کریں گے طیبی نے یہاں پر شارحینِ حدیث سے خوب کلام نقل کیا ہے ۔

سے اب ہم ان کی مصاحبت کر سکتے ہیں ؟ حالانکہ اب ہم ان سے بے نیاز ہیں اور یہ خود اور ان کے معبود دوزخ میں جا رہے ہیں ۔

ھ اس کی تفصیل و شرح " باب لاتقوم الساعۃ الا شرار الناس " کی فصل اول میں گذر چکی ہے کہ ساق سے مراد شدت اور محنت ہوتا ہے اور کشف ساق شدت میں بطور محاورہ بولا جاتا ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہاں نورِ عظیم یا ملائکہ کی جماعت مراد ہے درست یہ ہے کہ اس کی تاویل و معنی میں ہم توقف اختیار کرتے ہوئے اسے علم الٰہی کے سپرد کرتے ہیں ۔

سے جو دنیا میں خلوص و حسنِ نیت کے ساتھ سجدہ کرتا ہے، نہ ریاکاری کرتے ہوئے اور نہ خوفِ شمشیر کی وجہ سے ۔

سنا قتل و غارت سے بچنے کے لیے یا ریاکاری کرتے ہوئے ۔

سلا اس کی استخواں کے درمیان خلا نہ رہے گا کہ وہ سجدہ کر سکے ۔

سلا یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کی سلامتی اور استقامت کے لیے جیساکہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس پر تصریح ہے ۔

سلا انھیں سلامتی سے گذار دے تاکہ جہنم میں نہ گر جائیں ۔

سلا مسلمان وہاں سے اپنے اپنے اعمال اور دین پر استقامت کے مطابق گذریں گے ۔ درحقیقت یہ پل شریعت کے صراطِ مستقیم کی طرح ہے جو تلوار سے زیادہ باریک ہے جس پر چلنا نہایت دشوار ہے لیکن بڑا روشن و واضح ہے

اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

پس کار غریب ست عجیب مشکل و آسان چوں جسر صراط ست بسے روشن و باریک

(یہ کام نہایت عجیب مشکل و آسان ہے جیسے پُل صراط ہے بہت روشن اور باریک)

۱۵ بعض آنکھ جھپکنے کی مانند گذر جائیں گے

۱۶ یعنی وہ پُل صراط سے گذر جائیں گے اور انھیں کوئی ضرر لاحق نہ ہوگا

۱۷ ان کا چہرہ پراگندہ ہو جائے گا اس کے بعد انھیں دوزخ سے رہائی اور گذرنا نصیب ہوگا

۱۸ مکدوس، سین کے ساتھ بھی روایت ہے معنی یہی ہے کہ مکردش، میم پر پیش، کاف مفتوح، راء ساکن اور دال پر فتحہ بھی مروی ہے جس کا معنی بندھا ہوا، بند کیا گیا، جمع کیا گیا اور آتش میں ایک دوسرے پر گرانا کے ہیں۔

۱۹ جو مسلمان آگ میں گرے ہوئے تھے اور اس سے باہر آ گئے یعنی انھوں نے اپنے گناہوں کے مطابق سزا دوزخ بھگت کر اپنی آلائشوں سے پاکیزگی حاصل کی ہوگی یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ مومن ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا آخر دوزخ سے باہر آجائیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے جو کثرتِ معاصی کی وجہ سے ابھی دوزخ میں ہوں گے مطالبہ میں خوب مبالغہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں خوب عرض و گذارش کا اظہار کریں گے جیسا کہ فرمایا۔

۲۰ تمھارا وہ حق جو کسی مخالف پر ثابت ہو جائے اس کے حصول میں تم جو جدوجہد و مبالغہ کرتے ہو، مومن اپنے ان بھائیوں کے لیے اس سے بڑھ کر اپنے مولیٰ سے عرض و سوال میں مبالغہ کریں گے جو ابھی دوزخ میں ہوں گے۔

۲۱ اہلِ خیر و صلاح میں سے جیسا کہ سیاقِ حدیث سے ظاہر ہے

۲۲ یعنی اہلِ ایمان کے چہرے دوزخ میں تاکہ وہ پہچانے جا سکیں۔

۲۳ یعنی جو اصل ایمان سے ذرہ سی نیکی زیادہ رکھتے ہیں خواہ وہ اعمالِ جوارح میں سے ہے یا اعمالِ قلوب میں سے ہے۔

۲۴ ان تمام کی شفاعت ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنھوں نے اصل ایمان سے زائد نیکی کی ہو، خواہ وہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو۔

۲۵ اصل ایمان سے زائد نیکی

۲۶ حمم۔ حاء پر پیش، میم پر زبر حمہ بمعنی کوئلہ کی جمع ہے۔

۲۷ افواہ۔ فوہتہ کی جمع ہے فاء پر پیش اور واؤ مفتوحہ مشدد، صراح میں ہے فُوَّھَتہ ضم اور تشدید کے ساتھ معنی دہانہ کوئے اور دہانہ نہر، مشارق الانوار میں ہے کہ جنت کے منازل اور اس کے محلات کے راستے مراد ہیں۔

۲۸ جیسے دانہ خس و خاشاک میں سیلاب کے اوپر اگتا ہے، حِبہ، حاء کے نیچے کسرہ، سبزیوں کا بیج، مشارق میں ہے کہ حبہ بالکسر سبزیوں کے بیج کا جامع نام ہے جو ہوا کی وجہ سے بکھر جاتا ہے اور جب بارش برسے تو ایک رات اور ایک دن میں اگ پڑتا ہے، ابو عمر کہتے ہیں حبہ اسے کہتے ہیں جو خس و خاشاک میں از خود اگ آئے، صراح میں ہے کہ حبہ بالکسر

وہ جنگلی بیج جن سے قوت نہیں ہوتی ؛ وجہ تشبیہ جلدی اگنا اور تر و تازہ ہونا ہے "حمیل سیل" بروزن فعیل وہ مٹی خس و خاشاک جسے سیلاب کا پانی بہا کر لے جاتا ہے۔

۵۲۹ بواسطہ عمل صالح

۵۳۰ پاک و صاف اور روشن موتی

۵۳۱ انعام و اکرام

۵۳۲ اس کی مثل دیگر نعمتیں

۵۳۳ علامہ طیبی معنی کرتے ہیں کہ تمھاری نظر جہاں تک جاتی ہے وہاں تک اور اس کی مثل تمھارے لیے جنت ہے جب جنت میں آکر اس کی نعمتوں سے مسرور و مشرف ہوگئے تو اب عاملوں اور غیر عاملوں میں کچھ فرق نہ رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں بے حد و حساب درجات و مراتب ہیں؛ اگرچہ ہر کوئی جنت میں آکر جنت کی نعمتوں میں شریک ہوجائے گا مگر اعمال کی جزا اور ان میں امتیاز تو قائم رہے گا، علاوہ ازیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت و عمل جنت کے لیے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی بندگی کا تقاضا ہے اور ان پر اجر اور جزاء اس کا فضل و کرم ہے اس کے باوجود اس کے ہاں کوئی عمل رائیگاں نہیں اور ہر چیز کے لیے اجر، جزا اور مرتبہ اور درجہ ہے۔

۵۳۴۰ وَعَنْهُ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرَجُوْنَ قَدِ امْتُحِشُوْا وَعَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انہی[۱] سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے جس شخص کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لو چنانچہ وہ نکال لیں گے حالانکہ جل چکے ہوں گے اور کوئلہ ہوچکے ہوں گے پھر وہ نہر حیات میں ڈالے جائیں گے تو ایسے اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کوڑے میں اگتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ دانہ پیلا ٹیڑھا[۲] نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

۲ یعنی تر و تازہ

۵۳۴۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ[۱۳] اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَذَكَرَ مَعْنٰى حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدٍ غَيْرَ كَشْفِ السَّاقِ وَقَالَ يُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم روز قیامت اپنے رب کو دیکھیں گے پھر حضرت ابوسعید کی معنا حدیث بیان کی سوائے پنڈلی کھلنے کے اور فرمایا کہ دوزخ کے دونوں

جهنم فاكون اول من يجوز من الرسل بامته ولا يتكلم يومئذ الا الرسل وكلام الرسل يومئذ اللهم سلم سلم وفي جهنم كلاليب مثل شوك السعدان لا يعلم قدر عظمها الا الله تخطف الناس باعمالهم فمنهم من يوبق بعمله ومنهم من يخردل ثم ينجو حتى اذا فرغ الله من القضاء بين عباده واراد ان يخرج من النار من اراد ان يخرجه ممن كان يشهد ان لا اله الا الله امر الملئكة ان يخرجوا من كان يعبد الله فيخرجونهم ويعرفونهم باثار السجود وحرم الله على النار ان تاكل اثر السجود فكل ابن ادم تاكله النار الا اثر السجود فيخرجون من النار قد امتحشوا فيصب عليهم ماء الحيوة فينبتون كما تنبت الحبة في حميل السيل ويبقى رجل بين الجنة والنار وهو اخر اهل النار دخولا الجنة مقبل بوجهه قبل النار وقد قشبني ريحها واحرقني ذكاءها فيقول هل عسيت ان افعل ذلك ان تسئل غير ذلك فيقول لا وعزتك فيعطي الله ما شاء الله من عهد وميثاق فيصرف الله وجهه عن النار فاذا اقبل به على الجنة وراى بهجتها سكت ما شاء الله ان يسكت ثم قال يا رب قدمني عند

کناروں کے درمیان پل صراط قائم کیا جائے گا ۔ تو جو پیغمبر اپنی امت کیساتھ پل کو گزریں گے ان میں پہلا میں ہوں گا اور اس دن سوا رسولوں کے اور کوئی کلام نہیں کرے گا اور رسولوں کا کلام اس دن ہو گا الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ اور دوزخ میں خمدار کانٹے ہوں گے میدان کے کانٹوں کی طرح جن کی بڑائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے ان میں بعض وہ ہوں گے جو اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاک کیے جائیں گے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے حتی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور جن کو آگ سے نکالنے کا ارادہ کیا جا چکا ہو گا انھیں نکالا جائے گا ان لوگوں میں سے جنھوں نے لآ الٰہ الّا اللہ کی گواہی دی ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ انھیں نکال لو جو اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ انھیں نکال لیں گے اور انھیں سجدہ کے نشانوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ آگ پر یہ ناممکن کر دے گا کہ سجدہ کے نشانوں کو جلائے چنانچہ انسان کے سارے جسم کو آگ کھا جائے گی سوا سجدہ کے نشان کے تو وہ آگ سے نکلیں گے جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر ان پر زندگی کا پانی بہایا جائے گا تو وہ ایسے اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کوڑے میں اگتا ہے اور ایک شخص جنت و دوزخ کے درمیان باقی رہے گا اور وہ تمام دوزخیوں میں سب سے آخری جنت میں داخل ہونے والا ہو گا ۔ اپنا منہ آگ کی طرف کیے ہو گا عرض کرے گا یارب میرا منہ آگ سے پھیر دے مجھے اس کی بو نے تکلیف پہنچائی ہے اور اس کی تیزی نے مجھے جلا دیا تو رب فرمائے گا کیا ممکن ہے کہ اگر میں یہ کر دوں تو اس کے علاوہ اور مانگے وہ کہے گا

بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنْتَ سَاَلْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا اَكُوْنُ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ فَمَا عَسَيْتَ اِنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِيْ رَبَّهٗ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَاٰى زَهْرَتَهَا وَمَا فِيْهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُوْرِ فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيْلَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاِذَا ضَحِكَ اَذِنَ لَهٗ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَ اُمْنِيَّتُهٗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَمَنَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا اَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہیں قسم تیری عزت کی تو اللہ تعالیٰ وہ عہد و پیمان دے گا جو اللہ تعالیٰ چاہے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کا منہ آگ سے پھیر دے گا پھر جب اس کو جنت کے سامنے کرے گا اور یہ اس کی تروتازگی دیکھے گا تو جب تک رب اس کی خاموشی چاہے یہ خاموش رہے گا پھر کہے گا یارب مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہنچا دے۔ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا واقع یہ نہیں ہے کہ تو عہد و پیمان دے چکا ہے کہ پہلی مانگی چیز کے سوا اور کچھ نہ مانگے گا وہ عرض کریگا یارب میں تیری مخلوق میں بڑا بدنصیب نہ ہوں تو رب فرمائے گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تجھے یہ دے دیا جائے تو تو اس کے سوا کچھ اور نہ مانگے" وہ کہے گا تیری عزت کی قسم! اس کے سوا میں اور کچھ نہ مانگوں گا چنانچہ وہ اپنے عہد و پیمان سے دے گا جو اب چاہے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے تک بڑھا دے گا پھر وہ جب اس کے دروازے تک بڑھا دے گا پھر جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے گا وہاں کی تروتازگی اور جو کچھ وہاں بہار اور خوشی دیکھے گا تو جب تک اس کا خاموش رہنا اللہ چاہے گا وہ خاموش رہے گا پھر عرض کرے گا یارب مجھے جنت میں داخل فرما دے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا افسوس تجھ پر اے ابن آدم تو کتنا عہد شکن ہے کیا تو نے عہد و پیمان نہیں دیا تھا کہ تو اس کے سوا نہ مانگے گا جو تجھے دے دیا گیا تو عرض کرے گا یارب مجھے اپنی خلقت میں بدنصیب نہ بنا تو وہ دعا کرتا رہے گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جائے گا تو جب وہ خوش ہو جائے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا۔ پھر فرمائے گا تمنا کر وہ تمنا کرے گا حتیٰ کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی تو رب فرمائے گا فلاں فلاں تمنا کر، خود رب تعالیٰ اسے یاد دلانے لگے گا حتیٰ کہ جب

اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے لیے یہ ہے اور اس کی مثل اور حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے لیے یہ ہے اور اس سے دس گنا۔ (بخاری و مسلم)

ل جو گزر چکی اگرچہ الفاظ میں اختلاف ہے۔

۲ اس کے بجائے جو حدیث ابوسعید میں گذرا۔

۳ کلالیب، کلوب کی جمع ہے کاف پر زبر، لام مضموم مشدد ٹیڑھے سر والا لوہا (کنڈا) بعض شارحین نے فرمایا شاخ دار کنڈا جس کے ساتھ گوشت لٹکایا جاتا ہے۔

۴ سعدان سین پر زبر، عین ساکنہ، وہ گھاس جس کے ساتھ پستان کے سر جیسے کانٹے ہوں اور یہ اونٹوں کا بہترین چارہ ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس گھاس کے لیے بھکھڑے کی مانند ہر جانب کانٹے ہوتے ہیں اور اسے حسک السعدان بھی کہتے ہیں۔

۵ تخطف، طاء کے نیچے زیر یا فتحہ

۶ کا فر ہلاک ہو جائے گا نجات نہیں پائے گا اور فاسق زخمی وغیرہ ہو کر نجات پا جائے گا

۷ جس نے توحید و رسالت کو مانا ہوگا

۸ بعض نے کہا کہ اثر سے مراد پیشانی کا نشان ہے بعض نے کہا کہ تمام اعضائے سجدہ مراد ہیں اور وہ سات ہیں، دونوں پاؤں، دونوں زانو، دونوں ہاتھ اور چہرہ۔

۹ نہر حیات اور آب حیات میں کوئی منافات نہیں۔

۱۰ وہ مرد کہے گا میرا منہ دوزخ سے پھیر دے۔

۱۱ دوزخیوں کو جلانے کی وجہ سے جو بدبو پیدا ہوئی ہے یا آتش دوزخ خود بدبودار ہوگی، قشب، زہر دینا کسی مکروہ اور گندی شے سے ایذاء دینا قشبنی ریحہا کا معنی اس نے ایذاء دی فشبه الدخان جب دوسرے سے خاک پر ہو جائے روایت میں لفظ قشبنی تخفیف کے ساتھ ہے لیکن صراح سے بہ تشدید معلوم ہوتا ہے۔

۱۲ ذکاء، ذال پر فتحہ، راویوں کے نزدیک بالمد ہے مگر لغت میں بالقصر ہے اگر اس کا معنی زیرکی اور تیز فہمی ہو تو اس وقت یہ بالاتفاق بالمد اور بالضم ہوگا۔

۱۳ اگر میں تیرا منہ دوزخ کی آگ سے پھیر دوں تو اس کے علاوہ کچھ اور تو نہیں مانگے گا۔

۱۴ کہ مجھے تو نے جنت کے باہر اور تمام مسلمانوں کو اس کے اندر دکھا ہے اگر مجھے بہشت نہیں تو کم از کم اس کا دروازہ عطا فرما دے۔

۱۵ پہلے تو نے وعدہ کیا تھا کہ میں جنت کے دروازہ کے علاوہ سوال نہیں کروں گا۔

ـــــہ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عہد توڑنے پر عتاب کیوں نہیں فرماتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا حال عشاق اور مجانین کی طرح ہے لہٰذا وہ معذور ہے یا وہاں مکلف نہیں کہ اس پر مؤاخذہ کیا جائے۔

ـــــہ اس سے زیادہ نہ مانگے گا

ـــــہ اَغْدَرَکَ۔ غین اور دال غدر یعنی عہد توڑنا، اگر عین اور ذال ہو تو پھر عُذر سے ہے یعنی کون سی چیز نے تجھے اس سلسلہ میں معذور کر دیا ہے۔

ـــــہ کہ تمام جنت میں اور میں دروازے پر

ـــــہ اللہ اس پر تبسم فرمائے گا۔

۵۳۴۲ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰخِرُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ رَجُلٌ فَھُوَ یَمْشِیْ مَرَّۃً وَّ یَکْبُوْ مَرَّۃً وَّ تَسْفَعُہُ النَّارُ مَرَّۃً فَاِذَا جَاوَزَھَا الْتَفَتَ اِلَیْھَا فَقَالَ تَبَارَکَ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰہُ شَیْئًا مَا اَعْطَاہُ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فَتُرْفَعُ لَہٗ شَجَرَۃٌ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَّائِھَا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ یَا ابْنَ اٰدَمَ لَعَلِّیْ اِنْ اَعْطَیْتُکَھَا سَاَلْتَنِیْ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ لَا یَارَبِّ فَیُعَاھِدُہٗ اَنْ لَّا یَسْاَلَہٗ غَیْرَھَا وَرَبُّہٗ یَعْذِرُہٗ لِاَنَّہٗ یَرٰی مَالَا صَبْرَ لَہٗ عَلَیْہِ فَیُدْنِیْہِ مِنْھَا فَیَسْتَظِلُّ بِظِلِّھَا وَیَشْرَبُ مِنْ مَّائِھَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَہٗ شَجَرَۃٌ ھِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰی فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَّائِھَا ثُمَّ وَاسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا لَا اَسْاَلُكَ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاھِدْنِیْ اَنْ لَّا تَسْاَلَنِیْ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ لَعَلِّیْ اِنْ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ شخص وہ ہوگا جو کبھی چلے گا اور کبھی گرے گا اور کبھی اسے آگ جھلسا دے گی پھر جب اس سے نکل جائے گا تو اس کی طرف دیکھے گا کہے گا مبارک ہے وہ جس نے مجھے تجھ سے نجات دی اللہ نے مجھے وہ شے دی ہے جو اگلوں پچھلوں میں سے کسی کو نہیں دی پھر اس کے سامنے ایک درخت پیش کیا جائے گا وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دے، میں اس کا سایہ لوں گا اور اس کا پانی پیوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! ممکن ہے کہ اگر میں تجھے یہ دے دوں تو تو مجھ سے اس کے سوا بھی مانگے گا عرض کرے گا نہیں اے رب اور وہ معاہدہ کرے گا کہ اس کے سوا اور نہ مانگے گا اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہوگا جس پر صبر نہیں ہو سکتا، تو اسے اس درخت سے قریب کر دے گا وہ اس کا سایہ لے گا اور اس کا پانی پئے گا پھر دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جائے گا جو پہلے سے اچھا ہوگا تو کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دے تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کا سایہ لوں میں تجھ سے اس کے علاوہ نہ مانگوں گا تو رب فرمائے گا

أَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْأَلُنِي غَيْرَهَا فَيُعَاهِدُهُ
أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِأَنَّهُ
يَرَى مَا لَا صَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيهِ مِنْهَا
فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا
ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ
هِيَ أَحْسَنُ مِنَ الْأُولَيَيْنِ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ أَدْنِنِي
مِنْ هٰذِهٖ فَلِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَأَشْرَبَ
مِنْ مَائِهَا لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُولُ يَا
ابْنَ آدَمَ أَلَمْ تُعَاهِدْنِي أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهَا
قَالَ بَلٰى يَا رَبِّ هٰذِهٖ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا
وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِأَنَّهُ يَرَى مَا لَا صَبْرَ لَهُ
عَلَيْهِ فَيُدْنِيهِ مِنْهَا فَإِذَا أَدْنَاهُ مِنْهَا سَمِعَ
أَصْوَاتَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ
أَدْخِلْنِيهَا فَيَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِينِي
مِنْكَ أَيُرْضِيكَ أَنْ أُعْطِيَكَ الدُّنْيَا
وَمِثْلَهَا مَعَهَا قَالَ أَيْ رَبِّ أَتَسْتَهْزِئُ
مِنِّي وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَضَحِكَ ابْنُ
مَسْعُودٍ فَقَالَ أَلَا تَسْأَلُونِّي مِمَّ أَضْحَكُ
فَقَالُوا وَمَا تَضْحَكُ فَقَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا
مِمَّ تَضْحَكُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مِنْ ضَحِكِ
رَبِّ الْعٰلَمِينَ حِينَ قَالَ أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّي
وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِينَ فَيَقُولُ إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ
مِنْكَ وَلٰكِنِّي عَلٰى مَا أَشَاءُ قَدِيرٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے معاہدہ نہ کیا تھا کہ تو اس
کے سوا اور مجھ سے نہ مانگے گا پھر فرمائے گا ممکن ہے
اگر میں تجھے اس سے قریب کر دوں تو تو مجھے اس کے
علاوہ نہ مانگے گا وہ رب سے وعدہ کرے گا کہ اس کے
سوا نہ مانگے گا اور اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ
ایسی شے دیکھے گا جس پر صبر ناممکن ہے رب تعالیٰ اسے
اس درخت سے قریب کر دے گا اور وہ اس کا سایہ لے
گا اس کا پانی پیئے گا پھر اس کے سامنے جنت کے دروازے
کے پاس ایک درخت ظاہر ہو گا جو پہلے دو سے اچھا ہو گا
تو کہے گا اے میرے رب! اب مجھے اس سے قریب
کر دے تاکہ میں اس کا سایہ لوں اور اس کا پانی پیوں اس
کے سوا تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا، تو رب فرمائے گا اے ابن آدم!
کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہ کیا تھا کہ تو مجھ سے اس کے سوا
نہ مانگے گا عرض کرے گا ہاں یارب یہ ہی آخری سوال ہے
اس کے سوا تجھ سے اور نہ مانگوں گا اور اس کا رب اسے
معذور رکھے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر اس سے
صبر نہ ہو گا تو اس کو اس سے قریب کر دے گا تو جب
اس سے قریب کر دے گا وہ جنتیوں کی آواز سنے گا تو کہے
گا اے رب مجھے اس میں داخل فرما رب تعالیٰ فرمائے گا،
اے ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی کیا تجھے یہ بات
راضی کرے گی کہ میں تجھے دنیا اور دنیا کی مثل اس کے ساتھ
دوں، عرض کرے گا اے رب! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے
تو رب العالمین ہے، حضرت ابن مسعود اس پر ہنس پڑے
پھر فرمایا تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کس چیز سے ہنستا
ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں؟
فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے تھے،
صحابہ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں؟

فرمایا رب العالمین کے ہنسنے سے۔ جب وہ بندہ کہے گا کہ کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے تو فرمائے گا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا لیکن میں اپنے ہر چاہنے پر قادر ہوں (مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فَيَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِيْنِي مِنْكَ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ وَزَادَ فِيهِ وَيُذَكِّرُهُ اللهُ سَلْ كَذَا وَكَذَا حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللهُ تَعَالَى هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ قَالَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُورِ الْعِيْنِ فَتَقُولَانِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَاكَ لَنَا وَأَحْيَانَا لَكَ قَالَ فَيَقُولُ مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُعْطِيْتُ۔

مسلم ہی کی دوسری روایت میں حضرت ابو سعید سے اسی طرح ہے مگر انھوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ اے ابن آدم! مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی آخر حدیث تک اس میں یہ اضافہ کیا کہ اللہ اسے یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ حتی کہ جب اس کی خواہشیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ سب کچھ تیرا ہے اور اس سے دس گنا اور۔ فرمایا وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا تو اس پر دو بیویاں آنکھ والی حوریں داخل ہوں گی کہیں گی شکر ہے اللہ کا جس نے تجھے ہمارے لیے اور ہمیں تیرے لیے زندہ رکھا فرماتے ہیں وہ کہے گا کہ جیسا عطیہ مجھے دیا گیا کسی کو نہ دیا گیا۔

۱؎ کبھی منہ کے بل گرے گا

۲؎ آگ کا اثر اس پر ظاہر ہوگا اور اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگا یا اس کے بعض اعضاء کو جلا دے گی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ سفع کا معنی وہ سرخی ہے کہ جس پر سیاہی ہو۔

۳؎ یہ گفتگو انتہائی خوشی اور سرور کی وجہ سے صادر ہوگی حقیقۃً مراد نہیں بلکہ مراد کثرت عطا میں مبالغہ ہے۔

۴؎ انتہائی پیاس کی وجہ سے خیال کرے گا کہ شاید اس کے نیچے پانی ہوگا یا اس بناء پر کہ عادۃً درخت کے نیچے پانی ہوتا ہے یا محض احتمال کی بناء پر کہا کہ اگر وہاں پانی ہوا تو میں اسے پیوں گا۔

۵؎ یَصْرِيْنِي مِنْكَ۔ یاء پر زبر صاد ساکن صری بمعنی قطع سے مشتق ہے یعنی کون سی چیز مجھے تیرے سوال سے خلاصی دلائے گی جو تو ہر بار کر رہا ہے۔

۶؎ تو بار بار سوال کرتا ہے اور عہد توڑتا ہے کون سی چیز تجھے مجھ سے سوال سے روکے گی یہ معنی نہایت واضح ہے اور پہلی روایت قلب پر محمول ہے یعنی اس کا معنی بھی یہی لیا جائے گا۔

۷؎ انتہائی سرور و خوشی کی وجہ سے۔

۸؎ میں جانتا ہوں کہ تو اہل اور مستحق نہیں لیکن میں دے رہا ہوں کیونکہ میں قادر مطلق ہوں

۹؎ سفید چہرے اور سیاہ بڑی آنکھ والیاں۔ حور جمع حوراء اور عین جمع عیناء

۵۳۴۳/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيُصِيبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِّنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ اَصَابُوهَا عُقُوبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّونَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ قوموں کو ان کے کیے ہوئے گناہوں کی وجہ سے[1] آگ کی لپٹ پہنچے گی سزا کے طور پر[2] پھر اللہ انھیں جنت میں داخل فرمائے گا اپنے فضل سے[3] اور اپنی رحمت سے تو انھیں جہنمی کہا جائے گا[4] (البخاری)

[1] مسلمانوں کے گروہ کو آگ کا اثر پہنچے گا کہ ان کا رنگ متغیر کر دے گا۔ سَفْعٌ کا معنی صراح میں ہے آگ کا جلانا، ایسی بادِ سموم جو چہرے کو بے رنگ کر دے۔

[2] ان کے گناہوں کے سبب ان پر بطور جزا عذاب ہوگا۔

[3] یہ الفاظ بعض نسخوں میں ہیں

[4] پہلے دوزخ میں جانے کی وجہ سے نہ کہ بطریق تنقیص و تحقیر بلکہ برائے تذکیر تاکہ وہ نعمتِ الٰہی پر شکر کرتے خوشحال و مسرور ہوں۔

۵۳۴۴/۱۶ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِي رِوَايَةٍ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ کی شفاعت سے کچھ اقوام[1] آگ سے نکالی جائیں گی جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا (بخاری۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم میری شفاعت کی بناء پر آگ سے نکالی جائے گی جو جہنمی نام دیے جائیں گے۔

[1] بعض نسخوں میں قوم کا لفظ ہے

۵۳۴۵/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِّنْهَا وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَيَقُولُ اللّٰهُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَاْتِيهَا فَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهَا مَلْاٰى فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْاٰى فَيَقُولُ اللّٰهُ اذْهَبْ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں دوزخ میں سے آخری نکلنے والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو ایک شخص آگ سے گھسٹتا ہوا[1] نکلے گا تو رب تعالیٰ فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا وہ وہاں جائے گا ایسے خیال باندھے کہ جنت بھری ہوئی ہے وہ کہے گا یارب میں نے جنت بھری ہوئی پائی

فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُ مِنِّيْ اَوْ تَضْحَكُ مِنِّيْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَكَانَ يُقَالُ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا کیونکہ تیری ملکیت دنیا کے برابر اور اس کا دس گنا ہے وہ کہے گا تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے یا مجھ سے ہنسی کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ہنسے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک چمک گئیں اور کہا جاتا ہے[۱] کہ یہ جنت والوں میں ادنیٰ درجہ[۲] کا ہوگا۔

(بخاری و مسلم)

[۱] بچے کا سرین پر چلنا بھی اس کا معنی ہے یہاں پیٹ اور ہاتھ پر چلنا مراد ہے۔

[۲] دنیا میں یا آخرت میں

[۳] مقام یا مرتبہ ہیں، صراح میں ہے کہ منزلت سرائے میں اترنے کی جگہ، مرتبہ اور عزت کے معنی بھی آتے ہیں۔

۵۳۴۶ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا رَجُلٌ يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا هٰهُنَا وَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں جانتا ہوں اہل جنت میں سے آخری داخل ہونے والے کو جنت میں اور دوزخیوں میں سے وہاں سے آخری نکلنے والے کو کہ یہ شخص ہوگا جسے روز قیامت لایا جائے گا کہا جائے گا کہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے گناہ مخفی رکھو چنانچہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں گناہ کیے اور فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے، وہ کہے گا ہاں انکار کی طاقت نہ رکھے گا اور وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ اس پر وہ پیش کر دیے جائیں کہا جائے گا کہ تیرے لیے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے تب وہ کہے گا کہ میں نے تو اور بڑے[۱] گناہ بھی کیے تھے جنھیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا سرکار ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں چمک گئیں۔ (مسلم)

[۱] یعنی میرے بڑے گناہ یہاں نہیں ہیں۔

۵۳۴۷/۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِمْ اِلَى النَّارِ فَيَلْتَفِتُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ لَقَدْ كُنْتُ اِذْ اَخْرَجْتَنِىْ مِنْهَا اَنْ لَّا تُعِيْدَنِىْ فِيْهَا قَالَ فَيُنْجِيْهِ اللّٰهُ مِنْهَا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چار آدمی آگ سے نکالے جائیں گے پھر بارگاہ الٰہی میں پیش کیے جائیں گے پھر انھیں آگ کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو ان میں سے ایک مڑ مڑ کر دیکھے گا عرض کرے گا یارب امید وار تھا تو نے مجھے وہاں سے نکال لیا تو اب دوبارہ لوٹائے گا فرمایا۔ تو رب تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے دے گا۔ (مسلم)

سلہ کہ اب تو دوبارہ دوزخ میں واپس نہیں بھیجے گا۔

سلہ اب اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں نہیں بھیجے گا۔ باہر لانا، واپس بھیجنا اور نجات اظہار امتنان کے لیے ہے، ایک کے حال کا ذکر کیا ہے باقی کو اس پہ قیاس کر لیا جائے کہ ان کا معاملہ بھی اسی طرح ہوگا چار کا ذکر بطور تمثیل ہے ورنہ مراد جماعت ہے۔

۵۳۴۸/۲۰ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا اُذِنَ لَهُمْ فِىْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ اَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِى الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ لَهٗ فِى الدُّنْيَا۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آگ سے نجات پائیں گے تو وہ جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے تو بعض کا بعض ان ظلموں کا بدلہ لیا جائے گا جو ان کے درمیان دنیا میں تھے حتیٰ کہ جب پاک صاف کر دیئے[سلہ] جائیں گے تو انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد مصطفےٰ کی جان ہے ان میں سے ہر ایک اپنے جنتی گھر کا اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جو اپنے دنیاوی گھر کا ہدایت یافتہ[سلہ] تھا۔ (بخاری)

سلہ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اہل ایمان کو دوزخ میں تہذیب و تصفیہ کے لیے ڈالا جائے گا نہ کہ غضب و عداوت کی وجہ سے تاکہ ان کو ناپاک کثافت سے پاک صاف کر دیا جائے۔ اور جنت میں داخلہ ہوگا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ دنیا میں امراض و مصائب سے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں محققین نے کہا ہے کہ بعض گناہ امراض و مصائب سے، بعض شدت سکرات موت سے، بعض عذاب قبر سے صاف ہو جاتے ہیں بعض گناہ ایسے ہیں کہ دوزخ کی آگ کے سوا نہیں دھلتے جس طرح سونا چاندی پگھلائے بغیر پاک اور صاف نہیں ہوتے۔

ـــہ اس میں تہذیب و تصفیہ کے بعد قوت نورانیت قلب وہدایت کی طرف اشارہ ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جس طرح خود توفیق سے ایمان وعمل صالح اور مقام قرب الٰہی اس نے پایا یا اسی طرح جنت کے مقام کی طرف بھی ہدایت پائے گا۔

۵۳۴۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ لَوْ اَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَحْسَنَ لِيَكُوْنَ عَلَيْهِ حَسْرَةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا مگر پہلے اسے اسی کا دوزخی ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ جرم کرتا؛ تاکہ وہ زیادہ شکر کرےلہ اور کوئی آگ میں نہ جائے گا مگر اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر نیکیاں کرتا، تاکہ اس پر حسرت کرے۔ (بخاری)

سلہ اور اسے زیادہ لذت حاصل ہو

۵۳۵۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَارَ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَهْلُ النَّارِ اِلَى النَّارِ جِیْءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِیْ مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا اِلٰى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ اَهْلُ النَّارِ حُزْنًا اِلٰى حُزْنِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت لائی جائے گی حتیٰ کہ جنت و دوزخ کے درمیان رکھی جائے گی پھر ذبح کر دی جائے گی پھر پکارنے والا پکارے گا اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو! اب موت نہیں تو جنتی لوگوں کو خوشی پر خوشی اور دوزخی لوگوں کو غم پر غم زیادہ ہو جائے گا۔ (مسلم و بخاری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۳۵۱ وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِیْ مِنْ عَدَنٍ اِلٰى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاؤُهٗ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَاَكْوَابُهٗ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض عدن سلہ سے لے کر عمان بلقاء تک ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں جو ایک گھونٹ پئے گا اس کے بعد پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا لوگوں میں سب سے پہلے وہاں

فُقَرَآءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُءُوْسًا الدُّنْسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا تُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

پہنچنے والا وہ مہاجر فقیر ہے جن کے بال پراگندہ ہیں کپڑے میلے جو امیر عورتوں سے نکاح نہ کرسکیں ان پر دروازے نہ کھولے جائیں۔
(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے)۔

۱ عدن، یمن کا شہر ہے
۲ عمان، عین پر زبر، میم مشدد شام کا شہر ہے اگر عین پر ضمہ اور میم مخفف ہو تو یہ بھی یمن ہی کا شہر ہے۔ علامہ طیبی نے نہایہ کی موافقت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بحرین کا شہر ہے لیکن یہاں چونکہ ساتھ بلقاء باء پر زبر، لام اور قاف ساکن کا ذکر ہے جو شام میں ہے یہ معنی اول کو متعین کرتا ہے۔
۳ شعث، شین پر پیش، عین ساکن، اشعث کی جمع ہے یعنی پراگندہ بال
۴ الدنس۔ دال اور نون پر پیش، دنس دال پر زبر دونوں کے میلا کچیلا
۵ یعنی اگر یہ امیر عورتوں سے نکاح چاہیں تو وہ قبول نہ کریں۔
۶ اگر وہ کسی دروازہ پر آکر داخلہ کی اجازت چاہیں کو اجازت نہ دی جائے۔

۵۳۵۲/۲۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ مَا أَنْتُمْ جُزْءٌ مِّنْ مِّائَةِ أَلْفِ جُزْءٍ مِّمَّنْ يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ قِيْلَ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ سَبْعَ مِائَةٍ أَوْ ثَمَانَ مِائَةٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت زید بن ارقم[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پر اترے تو فرمایا کہ تم ان کا لاکھواں حصہ بھی نہیں جو میرے پاس حوض پر پہنچیں گے پوچھا[۲] گیا تم اس دن کتنے تھے فرمایا سات سو یا آٹھ سو[۳] (ابوداؤد)

۱ مشہور صحابی ہیں
۲ حضرت زید بن ارقم سے
۳ مراد تحدید وتعیین نہیں بلکہ محض کثرت کا بیان ہے شاید اس سے زائد مراتب غیر محصور ہوں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ تمام امت وارد ہوگی ہاں بعض بعض سے مخصوص ہوں گے۔

۵۳۵۳/۲۵ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَإِنَّهُمْ لَيَتَبَاهَوْنَ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً وَإِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا حوض ہے اور وہ اس پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کسی کے پاس زیادہ آنے والے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے پاس ان سب آنے والوں میں[۱] ہے

حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) زیادہ ہیں۔ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

سلہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے میری امت زیادہ ہوگی اور یہ یقینی بات ہے باقی لفظ ارجو جس میں شک و تردد کا معنی ہے بطور تواضع استعمال فرمایا ہے۔

سلہ واضح رہے کہ یہ حدیث ظاہر پر ہی محمول ہے کہ روز قیامت ہر نبی کا حوض ہوگا اس کی تاویل علم یا ہدیٰ سے کرنا خلاف ظاہر ہے۔

۵۳۵۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِيْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِيْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّيْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمادیں فرمایا: میں سلہ شفاعت کروں گا عرض کیا یارسول اللہ! میں حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا میں نے کہا اگر آپ کو پل صراط پر نہ پاؤں، فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس ڈھونڈھنا میں نے عرض کیا اگر میں حضور کو میزان کے پاس نہ پاؤں فرمایا پھر مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں کے علاوہ سلہ کہیں نہ ہوں گا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث سلہ غریب ہے)

سلہ جب میں تمام جہاں کی شفاعت کروں گا تیری شفاعت کیسے نہ کروں گا حالانکہ تو میرا خادم اور معاون ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے کروں گا اور اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرما رکھا ہے۔

سلہ کبھی اس مقام پر کبھی دوسرے پر کبھی تیسرے پر کیونکہ امت کے لیے حشر میں یہی تین مشکل ترین مقامات ہیں۔ اور میں ان کی آسانی کے لیے وہاں کھڑا رہوں گا۔

سلہ اس حدیث اور حدیث عائشہ جو باب الحساب کی دوسری فصل میں گذری تطبیق کیسے ہوگی وہاں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ روز قیامت آپ اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے تو آپ نے فرمایا کہ ان تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا بلکہ ہر کسی کو اپنی پڑی ہوگی۔ ان میں تطبیق دیتے ہوئے شارحین نے فرمایا کہ سیدہ عائشہ چونکہ آپ کی اہلیہ ہیں ان کو یہ جواب اس لیے دیا کہ کہیں وہ شفاعت پہ تکیہ کرتے ہوئے عمل و محنت کو ترک نہ کر دے جیسا کہ آپ نے اپنے تمام اہل بیت اور قرابت داروں کو فرمایا کہ تمہارے لیے مالک نہیں ہوں عمل کرو اور بھروسہ نہ کرو اور حضرت انس سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تاکہ یہ ناامید نہ ہوں، درحقیقت روز قیامت کی شدت وسختی کا بیان ہے اور حضور کے لیے شفاعت کا درجہ حاصل ہے لہذا آپ نے ہر جواب میں مخاطب کے حال کو پیش نظر رکھا ہے۔

۵۳۵۵/۲۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِكَ يَوْمٌ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُرْسِيِّهٖ يَئِطُّ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيْدُ مِنْ تَضَايُقِهٖ وَهُوَ كَسَعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَيُجَاءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اكْسُوْا خَلِيْلِيْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اِثْرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُنِي الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ.

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مقام محمود کیا[1] ہے؟ فرمایا قیامت وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول فرمائے گا تو وہ ایسی چرچراۓ گی جیسے نیا کجاوا[2] چرچراتا ہے اپنی تنگی کی وجہ سے حالانکہ وہ آسمان و زمین کی فراخی کی طرح[3] ہے اور تم کو ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ لایا جائے گا جنھیں پہلے پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے خلیل کو پہناؤ تو دو سفید حلے پہنائے جائیں گے پھر ان کے بعد مجھے پہنایا جائے گا پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف اس طرح کھڑا ہوں کہ مجھ پر اگلے اور پچھلے رشک کریں گے۔

(دارمی)

[1] اس کی کیا کیفیت ہے جس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (آپ کا رب عنقریب آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے گا)۔

[2] پالان اور زین جو چمڑہ سے تیار ہوتا ہے۔

[3] دوسری روایت میں ہے کہ سات آسمان اور سات زمین کی نسبت اس کرسی کے یوں ہے جیسے جنگل میں حلقہ ہو، عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے جنگل کی حلقہ پر فضیلت ہوتی ہے یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آسمان و زمین کے درمیان کی وسعت کا ذکر جو حدیث میں آیا ہے وہ حسب عرف کرسی کے مقابلہ میں بطور تمثیل ہے وہاں تحدید و تعیین مقصود نہیں جیسا کہ وسعت جنت کے بارے میں آیا ہے کہ اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اس سے مقصود اس کی فراخی بیان کر کے اس وہم کا ازالہ ہے جو کجاوہ کی تشبیہ اور اس کی تنگی سے چرچرانے سے پیدا ہوا یہ حدیث از قبیل متشابہات ہے خلاصہ اس کا عظمت الٰہی اور اس کی کبریائی کا بیان ہے یہاں مفردات کلام کا معنی ملحوظ نہیں ہے لفظ کرسی بادشاہ کی کرسی سے ماخوذ ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے اور حکم جاری کرتا ہے یا عالم کی کرسی سے ماخوذ ہے جس پر وہ علوم و معارف کے افادہ اور افاضہ کے لیے بیٹھتا ہے۔ اثر دونوں پر فتحہ یا ہمزہ مکسور اور ثاء ساکن، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پہلے حلہ پہنائے جانے کا سبب باب الحشر کی فصل اول میں گزر چکا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ یہ سیدنا ابراہیم کی حضور پر فضیلت کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی یہ تقدیم بھی حضور علیہ السلام کے والد ہونے کی وجہ سے ہے جو شارحین نے کہا کہ حضور علیہ السلام لباس میں مبعوث ہوں گے بظاہر مذکورہ قول کہ، اس کے بعد مجھے لباس پہنایا جائے گا کے منافی ہے مگر کہا یہ گیا ہے کہ آپ اگرچہ لباس میں تشریف لائیں گے لیکن بسبب آپ کے شرف و فضل کے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ

دوبارہ لباس پہنایا جائے گا ۔ باقی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنانا صرف فضیلت جزئی ہے فضیلت کلی وہ ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے ۔

سے یہ حدیث واضح طور پر اس پر دال ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات ملائکہ، انبیاء و مرسلین اور تمام مقربین سے افضل ہیں

۵۳۵۶ (۲۸) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مومنین کی پل صراط پر یہ علامت ہوگی الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ

(ترمذی، اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے)

سلہ پل پر گزرتے ہوئے یہ کلمہ ادا ہوگا

سلہ بعض نسخوں میں ربِّ سلّم، ربِّ سلّم (الٰہی سلامت رکھ، الٰہی سلامت رکھ)

سلہ شعار، شین کے نیچے زیر، جنگ اور سفر کے دوران کی علامت، اس کلمہ کے ساتھ روز قیامت پہچان ہوگی اس امت کی جو اپنے پیغمبر کی اقتداء میں رہی ۔

۵۳۵۷ (۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ جَابِرٍ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہے سلہ

(ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے روایت کی)

سلہ جب شفاعت کبیرہ گناہ والوں کو حاصل ہے تو صغیرہ والوں کو بطریق اُولیٰ شفاعت حاصل ہوگی باقی اس شفاعت سے مراد عذاب سے نجات اور خلاصی ہے رہا درجات کی بلندی اور مزید انعامات کا حصول تو وہ اولیاء، اتقیاء اور صلحاء کے لیے ہوگی ۔

۵۳۵۸ (۳۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يُّدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کے پاس سے ایک سلہ آنے والا آیا تو مجھے نصف امت جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کرنے میں سے ایک کو چن لینے کا اختیار دیا گیا پس میں نے شفاعت کو پسند کیا اور یہ اس کے لیے ہے جو مر گیا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا سلہ

(ترمذی اور ابن ماجہ)

سلہ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ ہے۔
سلہ تاکہ تمام اہلِ ایمان اس میں داخل ہوں اور کوئی خارج نہ رہے جیسا کہ آگے خود فرمایا
سلہ یعنی تمام اہلِ ایمان

۵۳۵۹ /۳۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي الْجَدْعَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَكْثَرُ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ابی الجدعاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبیلہ بنو تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

سلہ جدعاء، جیم پر زبر، دال ساکن تمیمی ہیں، بعض کے نزدیک کنانی ہیں اور بعد میں صحابہ میں شمار ہوتے ہیں جامع الاصول، تقریب میں ہے کہ ذال کے ساتھ ہے شارحین کہتے ہیں کہ ان سے دو احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور دوسری حدیث کنتُ نبیا وآدم فی الروح والجسد (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے) محدث میر جمال الدین کے نسخہ میں ذال کے صحیح قرار دیا ہے۔
سلہ قبیلہ بنو تمیم بہت زیادہ افراد پر مشتمل تھا جب ایک آدمی کی شفاعت سے اتنے لوگ جنت میں جائیں تو اس طرح کے مرد تو امت میں کثیر ہیں جب تمام شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت سے ساری اُمتِ مسلمہ جنت میں چلی جائے گی۔

۵۳۶۰ /۳۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت[1] کی شفاعت کریں گے بعض وہ ہیں جو ایک قبیلہ[2] کی شفاعت کریں گے، بعض ایک کنبہ[3] کی شفاعت کریں گے بعض صرف ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتیٰ کہ یہ لوگ جنت میں[4] داخل ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

سلہ فئام۔ فاء کے نیچے زیر، معنی کے اعتبار سے فِئہ کی جمع ہے نہ کہ لفظ کے اعتبار سے کیونکہ لفظی اس کا واحد نہیں اس کی اصل میں ہمزہ ہے مگر بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے۔
سلہ ایک والد کی اولاد کو قبیلہ کہا جاتا ہے۔
سلہ عُصبہ، عین پر پیش، صاد ساکن، ایک سے لے کر چالیس افراد تک کا جتھہ
سلہ اس شفاعت سے

۵۳۶۱ /۳۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَنِيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ اَرْبَعَ مِائَةِ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَحَثَا بِكَفَّيْهِ وَجَمَعَهُمَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَمَا عَلَيْكَ اَنْ يُّدْخِلَنَا اللّٰهُ كُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِنْ شَاءَ اَنْ يُّدْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ بِكَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمائے گا تو جناب ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو اور زیادہ دیجیے فرمایا اس طرح پھر آپ نے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں زیادہ دیجیے فرمایا اور ایسے تو حضرت عمر نے کہا اے ابوبکر ہمیں چھوڑ دیجیے تو ابوبکر نے فرمایا: تمھارا اس میں کیا نقصان ہے کہ ہم سب کو اللہ جنت میں داخل فرمادے تو حضرت عمر کہنے لگے اگر اللہ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کردے تو وہ کرسکتا ہے تب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عمر نے سچ کہا (شرح السنۃ)

سلہ سوال کرو اللہ تعالیٰ اس میں اور اضافہ فرمائے یا خبر دینے میں اضافہ فرماؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کا وعدہ فرمایا جیسا کہ پیچھے گذرا کہ ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین لپ بھی جنت میں داخل ہوں گے ۔

سلہ جیسے دینے کے لیے آدمی ملاتا ہے ، عتبہ ، جیسے دونوں ہاتھوں سے ایک ہی بار دیا جاتا ہے

سلہ تاکہ ہم عمل کریں ۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے جدوجہد کریں تاکہ کرم پہ اعتماد کرتے ہوئے عمل سے غافل نہ ہو جائیں ۔

سلہ ایک باری عطا سے جنت میں داخل کردے لہذا بار بار سوال کی کیا ضرورت ؟

سلہ شارحین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے جو کچھ کہا وہ فقر و مسکینی اور نیازمندی کا اظہار ہے ۔ حضرت عمر نے جو کچھ کہا وہ تسلیم ورضا ہے ۔ اولاً حضور نے حضرت ابوبکر کو جواب نہ دیا یہاں تک کہ عمر بول پڑے اور ثانیاً حضرت عمر کی تصدیق کی کیونکہ توجہ اور عمل میں بشارت کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور کلام عمر میں بھی بشارت ہے بلکہ عظیم تر بشارت ہے لہذا دونوں کا حال ایک ہی ہے ۔

۵۳۶۲ / ۲۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ

اور انھی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخی لوگ صف بستہ ہوں گے تو اہل جنت میں سے ایک آدمی ان پر گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا نہیں میں وہی ہوں جس نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا،

وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءًا فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ایک دوزخی کہے گا کہ میں وہ ہوں جس نے وضو کا پانی دیا تھا یہ جنتی ان کی شفاعت کرے گا پس انھیں جنت میں داخل کر دے گا۔ (ابن ماجہ)

سلہ یا دوزخیوں کو کھڑا کیا گیا ہوگا، بصیغہ معروف و مجہول دونوں طرح ہے۔

سلہ یہاں سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر فاسق و گنہ گار نے دنیا میں کسی اہلِ تقویٰ و ورع کی خدمت کی ہوگی تو آخرت میں اس کا نتیجہ ملے گا۔ اور ان کی شفاعت سے جنت نصیب ہوگی۔

۵۳۶۳/۳۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اِشْتَدَّ صِيَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اَخْرِجُوْهُمَا فَقَالَ لَهُمَا لِاَيِّ شَيْءٍ اِشْتَدَّ صِيَاحُكُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ فَاِنَّ رَحْمَتِيْ لَكُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِيَا اَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فَيُلْقِيْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ فَيَجْعَلُهَا اللهُ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَيَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا يُلْقِيْ نَفْسَهٗ فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰى مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِيَ نَفْسَكَ كَمَا اَلْقٰى صَاحِبُكَ فَيَقُوْلُ رَبِّ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ فِيْهَا بَعْدَ مَا اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰى لَكَ رَجَاؤُكَ فَيَدْخُلَانِ جَمِيْعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دوزخ میں جا چکے ہوں گے ان میں سے دو کا شور و پکار بہت زیادہ ہوگا تو رب تعالیٰ فرمائے گا کہ ان دونوں کو نکالو پھر ان سے فرمائے گا کہ کس مقصد کے لیے تمہارا شور زیادہ ہے عرض کریں گے کہ ہم نے یہ اس لیے کیا کہ تو ہم پر رحم کرے گا۔ فرمائے گا تم پر میری رحمت یہ ہے کہ چلو سلہ اپنے کو وہاں ہی ڈال دو جہاں تم دونوں تھے چنانچہ ان میں سے ایک تو ڈال سلہ دے گا تو اللہ اس پر آگ کو ٹھنڈی سلہ سلامتی والی کر دے گا اور دوسرا کھڑا رہے گا وہ اپنے کو نہ ڈالے گا اس سے رب فرمائے گا کہ تجھ اپنے کو گرانے سے کس چیز نے روکا جیسا کہ تیرے ساتھی نے اپنے کو گرا دیا وہ کہے گا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تو مجھے وہاں سے نکالنے کے بعد نہ لوٹائے گا تو اس سے رب تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے لیے تیری امید ہے پھر دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (ترمذی)

سلہ ان کی عبودیت و تسلیم کے لیے بطور امتحان

سلہ رضاءِ مولیٰ کی خاطر اور بندگی کا اظہار کرتے ہوئے۔

سلہ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے جب ہر بلا و مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کو تسلیم کرنے کا طریقہ اپنایا جائے تو اللہ تعالیٰ بلا کو آسان فرما دیتا ہے۔

سے اللہ تعالیٰ سے لطف وامید اور عجز و نیاز کی توجہ سے
شہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بندے کا امیدوار ہونا نہایت ہی مؤثر ہے اگرچہ انسان اپنے عجز و ناتوانی کی وجہ سے اس کی طاعت بجا نہ لاسکا ہو۔

۵۳٦۴/۳٦ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ مِنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ فَاَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ ثُمَّ كَالرِّيْحِ ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ كَالرَّاكِبِ فِيْ رَحْلِهِ ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ كَمَشْيِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ آگ پر حاضر ہوں[1] گے پھر وہاں سے[2] گزریں گے اپنے اعمال کے مطابق تو ان میں سے اگلے لوگ بجلی کی کوند کی طرح پھر ہوا کی طرح، پھر گھوڑے کی دوڑ[3] کی طرح، پھر اس کی طرح جو اپنے کجاوے[4] میں سوار ہو، پھر مرد کی دوڑ کی طرح پھر اس کے چلنے کی طرح[5] (ترمذی، دارمی)

لہ پل صراط سے گزرنے کے لیے جو دوزخ پر بچھایا گیا ہوگا۔
ٹہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق نجات و خلاصی پائیں گے۔
سہ حضر، صراح میں ہے کہ حضر، حاء پر پیش، ضاد ساکن، دوڑنا اور احضار گھوڑے کا دوڑنا۔
سہ رحل کا معنی گھوڑے کا پالان ہے مراد سواری ہے، کجاوے پر سوار ہونے والا بے کجاوہ سواری پر سوار ہونے والے سے اقوی ہوتا ہے۔
شہ عادت کے مطابق

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۳٦۵/۳۷ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَمَامَكُمْ حَوْضِيْ مَا بَيْنَ جَنْبَيْهِ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَاَذْرُحَ قَالَ بَعْضُ الرُّوَاةِ هُمَا قَرْيَتَانِ بِالشَّامِ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ ثَلٰثِ لَيَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْهِ اَبَارِيْقُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ وَرَدَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے آگے میرا حوض ہے اور اس کے دونوں کناروں[1] کے درمیان جربا[2] اور اذرح[3] کے مطابق فاصلہ ہے بعض راویوں نے کہا کہ دونوں شام کی بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت[4] ہے دوسری روایت میں ہے کہ اس کے گلاس آسمان کے تاروں کے برابر ہیں جو اس پر وارد ہوا اور اس سے پیئے تو اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔
(بخاری و مسلم)

سلہ جنب ، نون ساکن ، جانب یا پہلو زبر انسان کی ایک طرف وغیرہ ۔ القاموس ۔
سلہ جرباء جیم پر زبر بالمد و بالقصر
سلہ اذرح ، ہمزہ پر زبر ، ذال ساکن ، راء پر پیش اور حاء
سلہ شارح حدیث نے یہی بات کہی ہے لیکن اس بارے میں تحقیقی بات صاحب قاموس نے ذکر کی ہے اور میں نے اسے شرح میں ذکر کیا ہے ۔

۵۳۶۶ وَعَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ وَهَلْ أَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيئَةُ أَبِيكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اذْهَبُوا إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اعْمِدُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا فَيَأْتُونَ مُوسٰى فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اذْهَبُوا إِلَى عِيسٰى كَلِمَةِ اللهِ وَرُوحِهِ فَيَقُولُ عِيسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُومُ فَيُؤْذَنُ لَهُ وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُومَانِ جَنَبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِينًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ أَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ يَا رَبِّ

حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا مسلمان کھڑے ہوں گے تو جنت ان کے قریب کر دی جائے گی پس وہ حضرت آدم کی بارگاہ میں عرض گذار ہوں گے اے والد گرامی ہمارے لیے جنت کھلوائیے ۔ فرمائیں گے کہ تمہیں جنت سے تمہارے باپ کی لغزش نے ہی نکلوایا ہے[1] لہذا میں اس لائق نہیں ہوں[2] تم میرے بیٹے ابراہیم خلیل اللہ کی بارگاہ میں جاؤ حضرت ابراہیم فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں ، کیونکہ میں تو دور کا دوست[3] ہوں تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے خوب باتیں کیں[4] تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں اس کام والا نہیں تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کا کلمہ اور روح ہیں تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق نہیں ہوں تب سب حضرت[5] محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے آپ اٹھیں گے تو آپ کو اجازت دی جائے گی اور امانت اور رحم بھیجے جائیں گے وہ پل صراط کے دو طرف کھڑے ہو جائیں گے ۔ دائیں بائیں ان کی پہلی جماعت بجلی کی طرح گذرے گی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان بجلی کے گذرنے کی طرح کون چیز ہے ؟ فرمایا کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے کہ وہ پلک جھپکنے میں کیسے گذرتی ہے اور جاتی ہے پھر ہوا کی گذر کی طرح پھر پرندے کی طرح

سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْئَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا قَالَ وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَّامُوْرَةٌ تَاخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَّمُكَرْدَسٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اَنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور تیز مردوں کی دوڑ کی طرح ان کے اعمال انھیں لے چلیں گے اور تمھارے نبی پل صراط پر کھڑے ہوئے فرماتے ہوں گے الٰہی سلامتی سلامتی عطا فرما حتیٰ کہ بندوں کے اعمال عاجز رہ جائیں گے یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا جو چل نہ سکے گا سوا گھسٹنے کے، فرمایا کہ صراط کے دونوں کناروں پر کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو تابع حکم ہیں جسے پکڑنے کا حکم دیئے جائیں گے اسے پکڑلیں گے تو بعض دوزخی ہوکر نجات پا جائیں گے، بعض آگ میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے اس کی قسم جس کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے کہ دوزخ کی گہرائی ستر سال کی ہے (المسلم)

سلہ جب تمھارے والد کی لغزش سے ایسے ہوا ہے تو اب انھی سے جنت کا داخلہ کیوں ڈھونڈتے ہو۔

سلہ اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ نہیں حالانکہ دیگر احادیث میں ہے۔

سلہ یعنی مقام ادب و ہیبت کی وجہ سے حد تسلیم و عبودیت پر ہوں لہذا میں تمھارا وکیل و واسطہ نہیں بن سکتا۔

سلہ اللہ نے بے واسطہ جبریل سے کلام فرمایا

سلہ وہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آئیں گے جو اللہ رب العالمین کی بارگاہِ اقدس میں سب سے زیادہ مقامِ عزت و قرب پر فائز ہوں گے۔ آپ کی ذات اقدس انبیاء و مرسلین میں ممتاز ہے آپ نے یہ نہیں فرمایا تم میرے پاس آؤ گے بلکہ اپنا اسم مبارک ذکر کیا جو حمد سے مشتق ہے اور مقام محمود کے قیام پر دال ہے جو مقام شفاعت ہے۔

سلہ ایک دائیں اور ایک بائیں تاکہ طلب حق اور حصولِ انصاف ہو

سلہ ان کے اعمال کی نورانیت و روحانیت کا غلبہ و زور اور اس کی قوت مراد ہے دراصل یہ تمام قوت و جالست حضور علیہ السلام کی امداد، توجہ اور تصرف کی وجہ سے ہوگی جو ان کے سروں پر کھڑے ہو کر مدد فرمارہے ہوں گے جیسا آگے خود فرمایا۔

سلہ انھیں استقامت بخشش اور نجات و خلاصی عطا فرما۔

سلہ ان میں اتنی صلاحیت نہ ہوگی کہ وہاں سے گذر جائیں۔

سلہ باوجود اس کے وہ نجات و خلاصی پا جائیں گے۔

سلہ مُکَرْدَس۔ صراح میں ہے کہ رجل مُکَرْدَسٌ وہ شخص ہوتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں آپس میں اکٹھے ہوں، کلادس بھی آیا ہے جس کا معنی ساقط اور افتادہ ہے۔

سلہ مقصود، کثرت و تصویر تمثیل ہے، نہ کہ تحدید و تعیین بعض میں سبعون ہے جو نحو کے قاعدہ کے موافق ہے جیسا کہ

شرح میں تفصیلاً بیان ہوا ہے ۔

۵۳۶۷ / ۳۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِالشَّفَاعَۃِ کَاَنَّھُمُ الثَّعَارِیْرُ قُلْنَا مَا الثَّعَارِیْرُ قَالَ اِنَّہُ الضَّغَابِیْسُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک قوم شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے ایسے نکل جائے گی جیسے کہ وہ ثعاریر[1] ہیں ۔ ہم نے عرض کیا کہ ثعاریر کیا چیز ہیں ؟ فرمایا کہ وہ ضغابیس[2] (متوسط جسم والے اونٹ) ہیں ۔ (بخاری و مسلم)

[1] ثعاریر ، ثاء پر زبر اور عین

[2] ضغابیس ، پہلے دونوں حروف پر زبر ، باء کے نیچے زیر یاء ساکن ، ضغبوس کی جمع ہے ضاد پر پیش غین ، باء ۔

بعض نے کہا وہ سفید گھاس جو روئی کی طرح ہوتی ہے اور ریت میں اگتی ہے ۔

۵۳۶۸ / ۴۰ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثَلٰثَۃٌ اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّھَدَآءُ ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت تین[1] جماعتیں شفاعت کریں گی ۔ انبیاء پھر علماء ، پھر شہداء ۔ (ابن ماجہ)

[1] ان تین کو مخصوص کرنے کی وجہ ان کی فضیلت و کرامت ہے ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لیے شفاعت کا ثبوت ہے اور اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ وارد ہیں خواہ وہ شفاعت گناہوں کی صفائی کے لیے ہو یا بلندی درجات کے لیے ہو ۔ شفاعت کا انکار بدعت و گمراہی ہے جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ نے ایسا کیا ہے ۔

شرح مشکوٰۃ

جلد

ترجمہ

اشعۃ اللمعات

تصنیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ

اردو ترجمہ و حواشی

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولانا مفتی محمد خان قادری
جامعہ اسلامیہ ... لاہور

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو

شرح مشکوٰۃ

ترجمہ

اشعۃ اللمعات

تصنیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مولانا مفتی محمد خان قادری
جامعہ اسلامیہ فصیح روڈ سمن آباد، لاہور

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور (پاکستان)

نام کتاب : اشعۃ اللمعات (اردو ترجمہ شرح مشکوٰۃ)

تصنیف منیف: شیخ محقق حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وحواشی : علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

مولانا مفتی محمد خاں قادری

تصحیح ونظرِثانی : حافظ محمد شاہد اقبال

طبع باراول : جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ / ستمبر ۲۰۰۱ء

مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

ہدیہ : -/250 روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر faridbooks@hotmail.com

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرفِ انتساب

شاہِ برکات و برکاتِ پیشینیاں
نوبہارِ طریقت پہ لاکھوں سلام

فقیر قادری مشکوٰۃ شریف کی فارسی شرح از شیخ محقق، امام اہل سنت، گیارہویں صدی کے مجدد، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز مسمّٰی بہ ''اشعۃ اللمعات'' کے نصف آخر کا چار جلدوں پر مشتمل ترجمہ شمالی ہند میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی سب سے بڑی درگاہ میں آرام فرما اور امام احمد رضا بریلوی کے مشائخ کرام اور سادات مارہرہ مقدسہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی نذر کرتا ہے۔

اور ان کے توسط سے مارہرہ مقدسہ کے موجودہ سجادہ نشین اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر، ڈاکٹر سید محمد امین میاں دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
۵/جون ۲۰۰۱ء

عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ

اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ سرزمین مارہرہ شریف پر عرس قاسمی نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ ۲۱۔۲۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو منعقد ہوا جس میں ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ بریلی شریف، صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں صاحب بریلی شریف، حضرت منان رضا خاں صاحب بریلی شریف، صاحب سجادہ حضرت ضیاء صاحب کالپی شریف، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور، مفتی عبدالمنان صاحب قادری شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی، رئیس التحریر علامہ ارشد القادری بانی جامعہ حضرت نظام الدین دہلی، عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مفتی نظام الدین صاحب جامعہ اشرفیہ، مفتی جلال الدین صاحب قبلہ امجدی خلیفہ احسن العلماء بستی، مولانا یٰسین اختر مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی، مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری جامعہ رضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج، مفتی شمس الدین صاحب بہرائچ، حضرت مولانا سید عارف صاحب سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف، ہالینڈ سے حضرت علامہ بدر القادری صاحب قبلہ، زمبابوے سے حضرت مولانا حافظ محمد حمید الحق برکاتی جانشین حضور شارح بخاری علیہ الرحمۃ، پاکستان سے حضرت مولانا سید عبدالحق صاحب قبلہ ابن حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب قبلہ و دیگر بہت سے علماء کرام و ملک بھر کی خانقاہوں کے سجادگان اس نورانی جلسہ میں حاضر تھے۔ عوام کا تو ایک ہجوم تھا جو عقیدت و محبت سے سرشار مارہرہ شریف کی سرزمین پر اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے اور نور کی بارش سے سیراب ہونے کے لیے چلے آرہے تھے۔

علماء اسلام و دانشوران و مفکرین نے اپنے اپنے خطابات میں مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی اور چبھتے ہوئے مسائل کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے اور مسلکی اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت کو آفتاب نیمروز کی طرح آشکارا کیا۔ صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حضرت امین شریعت حضور سید امین میاں صاحب مدظلہ النورانی اور رفیق ملت حضرت علامہ نجیب میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے عوام کو مسلک اعلیٰ حضرت پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی۔ پاکستان سے تشریف لائے ہوئے مہمان خصوصی شہنشاہ قلم حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب قبلہ نے اپنی تقریر کے دوران اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات و کارنامے پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بیان فرمایا کہ امام احمد رضا بریلوی کی علمی جلالت کا ہند و پاک کے علاوہ اب مصر میں بھی ڈنکا بج رہا ہے ان پر مختلف نوعیتوں سے ریسرچ ہو رہے ہیں اور تشنگان علم استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر محققین و دانشوروں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ امام احمد رضا بریلوی بین الاقوامی شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی اپنے اپنے انداز خطاب سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔

آثار شریفہ کی زیارت کا سماں بڑا پر کیف اور رحمت و نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہزاروں کا مجمع انتہائی ادب و احترام کے ساتھ دو رویہ صف بہ صف دست بستہ کھڑا تھا اور آثار شریفہ کے دیدار سے اپنی دل کی آنکھوں کو محظوظ کر رہا تھا، ساتھ ہی درود و سلام کے ترانوں سے پوری فضا گونج رہی تھی۔

حضرت امین شریعت حضور امین میاں صاحب قبلہ نے مارہرہ شریف کی روایت کے مطابق بھرے مجمع میں برسر اسٹیج کچھ خوش بخت حضرات کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت اور دستار سے نوازا۔ ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب قبلہ پاکستان

(۲) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

(۳) حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ مئو

(۴) حضرت مولانا عسجد رضا صاحب قادری شہزادہ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ بریلی شریف

(۵) مولانا عبدالستار ہمدانی پوربندر گجرات

زائرین کے اُمڈتے سیلاب کا نظم و انتظام بڑے ہی عمدہ پیمانے پر کیا گیا تھا جو خود اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ کہیں بھی کوئی بدنظمی نظر نہیں آئی۔ قیام و طعام کے انتظامات میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی۔

آخر میں صلوٰۃ و سلام اور آثار متبرکہ کی زیارت پر عرس قاسمی کی نورانی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

محمد قمر الدین رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ! اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ کی تکمیل ہوگئی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

بندۂ ناچیز وناتواں' حقیر ولاشئے اللہ رب العزت جل مجدہ العظیم کی بے شمار نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا جو اس کریم نے اس فقیر بے نوا کو عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم نعمت یہ ہے کہ مالک بے نیاز نے اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ کے اہم ترین مجموعہ ''مشکوٰۃ شریف'' کی فارسی شرح ''اشعۃ اللمعات'' از امام اہل سنت' شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اردو ترجمہ مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

''اشعۃ اللمعات'' فارسی چار جلدوں میں ہے' اس کی پہلی دو جلدوں کا ترجمہ داتا گنج بخش حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین جلدوں میں کیا' ۴ ربیع الثانی' ۱۷ دسمبر ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پائلٹ ہوٹل کے سامنے جامعہ غوثیہ میں انہیں عارضی طور پر دفن کیا گیا' بعد ازاں ان کی خوش قسمتی کہ انہیں حضرت داتا صاحب قدس سرہ العزیز کے احاطے میں منتقل کردیا گیا۔

فرید بک سٹال کے مالک سید اعجاز احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فاضل جلیل مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی استاذ شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور سے مشورہ کیا کہ یہ کام کس کے سپرد کیا جائے؟ تو انہوں نے راقم الحروف کا نام پیش کردیا' یہ میری خوش بختی تھی کہ میں نے دوسرے کام ملتوی کرکے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا اور چار جنوری ۱۹۸۷ء کو اس کا آغاز کردیا۔

چونکہ اشعۃ اللمعات کی آخری دو جلدیں ضخیم تھیں' اس لیے طے پایا کہ ان کا ترجمہ چار جلدوں میں لایا جائے' ان

میں سے دو جلدیں (چوتھی اور پانچویں) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے راقم کے قلم سے مکمل ہوئیں' چھٹی جلد فاضل جلیل مولانا مفتی محمد خان حفظہ اللہ تعالیٰ نے مکمل کی جس پر راقم نے مولانا حافظ محمد شاہد اقبال سلمہ المولیٰ تعالیٰ کے تعاون سے نظر ثانی کی' ساتویں جلد بھی مفتی محمد خان قادری سربراہ جامعہ اسلامیہ' فصیح روڈ' لاہور کے قلم سے تیار ہوئی اور راقم نے اس پر نظر ثانی کی' البتہ پہلے باب **صفة الجنة و اهلها** کا ترجمہ اس فقیر نے کیا' اسی طرح **مناقب الصحابه** سے آخر تک ترجمہ بھی راقم نے کیا۔ مولائے کریم جل مجدہ العظیم مفتی محمد خان قادری زید مجدہ' مولانا حافظ محمد شاہد اقبال' علامہ محمد منشا تابش قصوری' مالکان فرید بک سٹال' لاہور کے علم داخلاص اور مساعی جمیلہ میں برکتیں عطا فرمائے۔ فاضل عزیز مولانا ممتاز احمد سدیدی حفظہ اللہ تعالیٰ سے مشورے ہوتے رہے جو اس وقت جامعہ ازہر شریف میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عربی شاعری پر ایم فل کا مقالہ لکھنے کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔

(و الحمد لله علی ذٰلک)

یہ کار عظیم ۱۰ ذی الحجہ (عید الاضحیٰ کے دن) ۱۷ مارچ ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء کو مکمل ہوا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے' میرا ہر بن مو صد ہزار زبان بن جائے تو بھی رب کریم کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ **فالحمد لوجهه الکریم حمدا کثیرا طیبا مبارکا۔**

جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور میں بخاری شریف اور دیگر درسی کتب کی تدریس' مکتبہ قادریہ کے معاملات کی دیکھ بھال' رضا اکیڈمی کے امور میں حتی الامکان دلچسپی' آنے والے خطوط کے جوابات اور احباب سے ملاقات کے بعد ترجمہ کا کام کرتا رہا' یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ میری زندگی میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اللہ کریم جل مجدہ' قبول فرمائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پسند کیا جائے۔

ترجمہ درج ذیل مراحل میں مکمل ہوا:

آغاز	۴/ جنوری ۱۹۸۷ء
ایک سو صفحات کا ترجمہ مکمل	۲/ اکتوبر ۱۹۸۷ء
دو سو صفحات	۲۳/ اپریل ۱۹۸۸ء
تین سو صفحات	۲۲/ نومبر ۱۹۸۸ء
چار سو صفحات	۱۳/ اپریل ۱۹۸۹ء
چھ سو صفحات	۲/ اپریل ۱۹۹۱ء
تیسری جلد کا ترجمہ مکمل	۲۳/ دسمبر ۱۹۹۱ء

اس کے بعد ترجمہ مفتی محمد خان قادری صاحب کے سپرد کر دیا۔

پھر راقم نے ترجمہ شروع کیا	۲۰/ جون ۱۹۹۹ء
الحمد للہ ترجمہ مکمل ہوا	۱۷/ مارچ ۲۰۰۰ء
	۱۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ (عید الاضحیٰ کے دن)

یاد رہے کہ اشعۃ اللمعات کی آخری دو جلدیں ایک ہزار چار سو گیارہ صفحات پر مشتمل ہیں' ان کے ترجمہ پر سوا تیرہ سال صرف ہوئے' اگرچہ درمیان میں دوسرے کام بھی ہوتے رہے' مثلاً مطالع المسرات کے ترجمہ کی تکمیل "من عقائد اهل السنة" (عربی) کی تکمیل اور اشاعت' شیخ محقق ہی کی ایک نادر اور غیر مطبوعہ کتاب "تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف" عربی کا ترجمہ اور اس کی اشاعت' اسی طرح دو تذکروں ''نور نور چہرے'' اور ''عظمتوں کے پاسبان'' کی ترتیب اور اشاعت۔

جب کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> اشعۃ اللمعات فارسی شرح مشکوۃ شریف کا آغاز ۱۲ ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ میں ہوا اور اس کی تکمیل ۱۰۲۵ھ میں ہوئی' اسی مدت میں عربی شرح ''لمعات'' مکمل ہوئی اور بعض دیگر رسائل بھی لکھے گئے' مذکورہ مدت کا تہائی حصہ بلکہ اس سے بھی کم فارسی شرح پر صرف ہوا۔

(اشعۃ اللمعات فارسی ج ۴ ص ۷۵۷)

اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ محقق کے اوقات میں کتنی برکت عطا فرمائی تھی؟ اور ان کا قلم کتنا برق رفتار تھا؟ کہ انہوں نے فارسی شرح کے اڑھائی ہزار صفحات دو سال سے بھی کم عرصے میں مکمل کر لیے' جب کہ چودہ سو صفحات کے ترجمہ پر ہمارے تیرہ سال صرف ہو گئے۔

راقم ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں دہلی گیا تو خواہش اور کوشش کے باوجود شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضر نہ ہو سکا۔ کیونکہ آپ کا مزار جامع مسجد دہلی سے بیس پچیس کلومیٹر دور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار سے بھی آگے ہے' سن ۲۰۰۰ء میں دوبارہ انڈیا جانے کا موقع ملا تو فقیر مارہرہ مقدسہ' مبارکپور اور بریلی شریف ہوتا ہوا' دہلی پہنچا تو سوچا کہ اس دفعہ حضرت شیخ محقق کے مزار شریف پر ضرور حاضر ہونا چاہیے۔ ۶ نومبر کو پہلے حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی زیارت کے لیے جامعہ حضرت نظام الدین حاضر ہوا' پھر وہاں سے مولانا ابرار احمد اور مولانا محمد ناظم صاحبان کے ہمراہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز کے مزار شریف پر حاضری دی' بحمد اللہ تعالیٰ بہت پر سکون اور پر کیف بارگاہ ہے' آپ کا مزار گنبد کے اندر اور آپ کے صاحبزادگان کے مزارات گنبد کے باہر ہیں' آپ کی مسجد میں تبلیغی جماعت براجمان تھی۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سند حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ تک بیان کر دوں' یہی مشکوۃ شریف کی سند ہو گی اور یہی اشعۃ اللمعات کی۔

شیخ محقق تک سند قراءۃً وسماعًا

راقم کو حدیث و تفسیر کی سند دی ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی نے' انہیں اجازت دی الحاج شیخ عبدالقادر ابن شیخ عبدالرزاق (امام وخطیب جامع اعظمیہ' بغداد شریف) نے انہیں اجازت دی شہر حدباء کے شیخ علامہ احمد

بن علامہ عبدالوہاب الجوادی نے انہیں اجازت دی شیخ عبدالحق مہاجر مکی نے انہیں اجازت دی علامہ محمد قطب الدین دہلوی مکی نے، انہیں شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے، انہیں شاہ محمد اسحٰق نے، انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے، انہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے۔ (ان سے آگے شیخ محقق تک سند آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک فقیر کی اسانید

(۱) فقیر کو اجازت حدیث وعلوم دینیہ دی مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے، انہیں اجازت دی ان کے والد ماجد امام المحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اور ان دونوں حضرات کو اجازت وخلافت دی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے۔

ح شیخ القرآن مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی نے ۲۱ نومبر ۱۹۹۹ء کو قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی اجازت دی، انہیں حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نے اجازت وخلافت دی۔

(۲) فقیہ اعظم ہند مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی نے ۱۹ ذوالحجہ ۲۶ مارچ ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء کو اجازت دی، انہیں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت) اور حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان نے اجازت دی۔

ح غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے ۵ رجب موافق ۱۷ مارچ ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کو اجازت عطا فرمائی، انہیں حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان نے اجازت عنایت کی۔

ح حضرت مولانا خورشید احمد فیضی (ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خاں) نے اجازت عطا فرمائی (۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ) انہیں غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اور انہیں مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے اجازت عنایت کی۔

ح حضرت مولانا علامہ اختر رضا ازہری مدظلہ العالی ۲۹ شوال، ۲۵ جنوری ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء کو اجازت عطا فرمائی اور انہیں حضرت مفتی اعظم ہند نے اجازت دی اور انہیں امام احمد رضا بریلوی سے اجازت حاصل تھی۔

(۳) فقیر کو اجازت دی حضرت مولانا شیخ محمد علی مراد مدفون مدینہ منورہ نے، انہیں مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی نے اور انہیں امام احمد رضا بریلوی نے اجازت عطا فرمائی۔

(۴) حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدنی مدظلہ العالی نے ۱۲ رجب ۱۴۲۰ھ کو اجازت دی، انہیں حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی نے اور انہیں امام احمد رضا بریلوی نے اجازت دی۔

(۵) حضرت سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر مدظلہ العالی (کوٹلی لوہاراں) نے اجازت دی۔ ۵ رجب، ۴ اکتوبر ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔ انہیں ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی نے اور انہیں امام احمد رضا بریلوی نے اجازت دی۔

(۶) فقیر کو درج ذیل اجلہ علماء سے اجازت ہے:

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی شارح بخاری (۱۶ ذوالحجہ ۲۳/ مارچ ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء)

(۲) حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خان مدظلہ صدر مدرس جامعہ نوریہ رضویہ' بریلی شریف ۴ نومبر ۲۰۰۰ء۔

(۳) حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن' پیلی بھیت شریف' سابق مدرس مدرسہ مظہر اسلام' مسجد بی بی جی' بریلی شریف' ۵ شعبان' ۳ نومبر ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

(۴) حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول رضوی' فیصل آباد (۱۶ ذوالحجہ' ۲۳ مارچ ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء)

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد امین نقشبندی' جامعہ امینیہ رضویہ فیصل آباد (۳ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ)

(۶) حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی' ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور/ شیخوپورہ (ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ)

(۷) حضرت مولانا علامہ محمد عبدالحق بندیالوی' جامعہ امدادیہ مظہریہ' بندیال شریف ضلع خوشاب (۶ شوال ۱۴۲۱ھ)

(۸) حضرت مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی' جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام' سرگودھا (۱۲ ستمبر ۲۰۰۰ء)

(۹) حضرت مولانا سید حسین الدین شاہ سلطانپوری' جامعہ رضویہ' سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی (۱۱ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ)

(۱۰) حضرت مولانا محمد عبدالرشید رضوی' جھنگ (۳ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ)

(۱۱) حضرت مولانا محمد شریف صاحب' شیخ الحدیث جامعہ سراجیہ رضویہ' بھکر (۱۱ شوال' ۷ جنوری ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء)

ان تمام حضرات کو اجازت حاصل ہے محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد چشتی قادری' فیصل آباد سے' انہیں حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان' صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت) اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں' بریلی شریف سے اور ان سب حضرات کو اجازت حاصل ہے امام احمد رضا محدث بریلوی سے' حضرت محدث اعظم پاکستان نے مولانا علامہ تحسین رضا خاں مدظلہ العالی کو جو سند عطا فرمائی تھی اس میں شاہ محمد اسحٰق کا واسطہ نہیں تھا۔

(۷) فقیر کو اجازت دی حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور نے (۱۳۸۴ھ) اور انہیں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سے اور انہیں امام احمد رضا محدث بریلوی سے اجازت حاصل تھی۔

امام احمد رضا بریلوی کی سند شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی تک

امام احمد رضا بریلوی روایت کرتے ہیں شاہ آل رسول مارہروی سے' وہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے' وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے' وہ شیخ ابوالطاہر مدنی سے' وہ اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے' وہ شیخ عبداللہ ابن سعد اللہ لاہوری سے' وہ علامہ عبداللہ اللبیب سے' وہ اپنے والد علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (فاضل لاہوری) سے' وہ شیخ محقق امام مجدد شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے۔

ایک دوسری سند ملاحظہ ہو جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا واسطہ نہیں ہے:

امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے والد مولانا علامہ نقی علی خاں بریلوی نے' وہ اپنے والد حضرت مولانا رضا علی خاں سے' وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمد آبادی سے' وہ بحرالعلوم مولانا محمد عبدالعلی لکھنوی سے' وہ اپنے والد علامہ نظام الدین لکھنوی سے' وہ شیخ غلام نقشبند سے' وہ شیخ پیر محمد سے' وہ شیخ نورالحق محدث دہلوی سے' وہ اپنے والد شیخ محقق' امام مجدد' شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے۔[1]

صاحب مشکوٰۃ شریف تک سند

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک سند اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے' شاہ صاحب مشکوٰۃ شریف کی روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر سے' وہ اپنے والد سے' وہ علامہ قشاشی سے' وہ شناوی سے' وہ اپنے شیخ سید غضنفر بن سید جعفر نہروالی سے' وہ حرم مکی کے شیخ محمد سعید معروف بہ میر کلاں سے' وہ نسیم الدین میرک شاہ سے' وہ اپنے والد سید جمال الدین عطاء اللہ ابن سید غیاث الدین سے' وہ اپنے چچا سید اصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن شیرازی حسینی سے' وہ محدث شرف الدین عبدالرحیم جرہی صدیقی سے' وہ علامہ امام الدین علی بن مبارک شاہ صدیقی ساوجی' وہ صاحب مشکوٰۃ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ بن خطیب تبریزی سے روایت کرتے ہیں۔[2]

ان کے علاوہ چند اسانید فقیر کو حاصل ہیں' ان کی تفصیل اللہ تعالیٰ کو منظور ہوئی تو ''ثبت'' میں کی جائے گی' اس وقت صرف اجازت دینے والے حضرات کے اسماء مبارکہ تحریر کر رہا ہوں:

(۱) فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن خیر الدین عبداللہ موید الکیلانی خادم السجادۃ القادریہ ومتولی الاوقاف القادریہ (نزیل کراتشی ۲۹ شوال' ۲۵ من ینایر ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م) اخذ الحدیث الشریف من فضیلۃ الشیخ محمد حسین الذھبی وھو من علماء الازھر الشریف۔

---

[1] علی احمد سندیلوی' مولانا: اسانید الامام المجد د احمد رضا محدث بریلوی' مجلۃ النظامیۃ' لاہور' شمارہ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ص ۷۹-۷۴

[2] ولی اللہ محدث دہلوی' شاہ: اتحاف النبیہ (مکتبہ سلفیہ' لاہور) ص ۷۹-۷۸

(۲) فضیلۃ الشیخ العلامہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملا من اجلۃ علماء الاحساء السعودیۃ العربیۃ۔

(۳) فضیلۃ الشیخ احمد نصیب المحامید رحمہ اللہ تعالیٰ احد اعلام الشام۔

(۴) المورخ المحدث احمد محمد سردار احمد الحلبی الشافعی۔ (حلب)

ان کے وکیل فاضل نوجوان خالد عبدالکریم ترکستانی حفظہ اللہ تعالیٰ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ کو ان کی طرف سے مجھے سند دی اور اس فقیر سے خود سند حاصل کی۔

(۵) فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبداللہ ابراھیم الغلایینی، مفتی قطنا ۲۲ من ابریل ۲۰۰۱م۔

(۶) فضیلۃ الشیخ العلامۃ محمد تیسیر بن توفیق المخزومی الشافعی المکی اصلا الدمشقی مولدا الاثنین ۱۶ رجب ۱۴۲۰ھ/ ۲۵/۱۰/۱۹۹۹ میلادی۔

(۷) فضیلۃ الدکتور عبدالغفور خادم العلم والعلماء فی حضرۃ الامام الاعظم ابی حنیفۃ۔ بغداد (نزیل کراتشی ۲۸/شوال ۱۴۲۱ھ۔

(۸) فضیلۃ الدکتور محمود عبدالغنی عاشور (وکیل الازھر) (نزیل کراتشی ۲۹ من شوال ۱۴۲۱ھ)

(۹) فضیلۃ الشیخ السید یوسف السید ھاشم الرفاعی، من اجلۃ علماء الکویت (نزیل کراتشی ۲۶ من شوال ۱۴۲۱ھ) راقم نے ان کے ساتھ سند کا تبادلہ کیا۔

(۱۰) فضیلۃ الشیخ السید یوسف ابن محی الدین البخور الحسنی، شیخ الطریقۃ القادریۃ الشاذلیۃ الدرقاویۃ العلویۃ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ۔

(۱۱) د/سعد سعد جاویش استاذ الحدیث بکلیۃ اصول الدین، جامعہ الازھر غرۃ شھر ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ۔

(۱۲) فضیلۃ الدکتور ضیاء الدین الکردی رحمہ اللہ تعالیٰ استاذ الفلسفۃ والعقائد بجامعۃ الازھر الشریف (اجازنی اجازۃ شفویۃ)

(۱۳) ملک التحریر مولانا علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی بانی و مدیر فیض العلوم، جمشید پور (انڈیا) ۱۶ جولائی ۲۰۰۰ء۔

(۱۴) مولانا علامہ جلال الدین امجدی (مصنف انوار الحدیث) رئیس قسم الافتاء بدار العلوم الامجدیۃ أوجاگنج مدیریۃ بستی (الھند) ۲۷ رجب ۱۴۲۱ھ۔

(۱۵) مولانا مفتی عبدالسنان الاعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم شمس العلوم گھوسی، مدیریۃ مئو ۲۷ رجب سنۃ ۱۴۲۱ھ۔

(۱۶) علامہ ضیاء المصطفیٰ القادری (ابن صدرالشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت) شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارکپور ۲۶ رجب ۱۴۲۱ھ۔

(۱۷) حضرت علامہ مولانا سید غلام محی الدین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ۔

(۱۸) حضرت مولانا علامہ حافظ عبدالغفور مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ مظہر اسلام راولپنڈی ۲۸ صفر ۱۴۲۱ھ۔

(۱۹) حضرت علامہ مولانا محمد حسن حقانی اشرفی مدظلہ العالی (کراچی) ۱۵ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ۔

اجازت سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ

حضرت مولانا محمد ریحان رضا رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۵محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت عطا فرمائی جس طرح انہیں ان کے جد امجد حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان اور مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رحمہما اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔

سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ برکاتیہ مارہرہ شریف

حضرت پیر طریقت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا پیر خانہ) نے ۲۱راکتوبر ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ بعد از نماز عشاء اس فقیر کو اور مولانا عبدالستار ہمدانی مدظلہ پوربندر' گجرات' انڈیا کو سلسلہ عالیہ قادریہ اور چشتیہ میں اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

حضرت مفتی اعظم دہلی مولانا مفتی شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قدس سرہ العزیز امام و خطیب مسجد جامع فتح پوری کے صاحبزادے سعادت لوح و قلم رضویات کے بین الاقوامی محقق' پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے ۷ اصفر مطابق ۲جون ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں اجازت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اجازت دینے والے اور سلسلہ اسانید میں واقع تمام علماء و مشائخ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کا فیض تا قیامت جاری و ساری رکھے اور جو حیات ہیں ان کا سایہ تادیر صحت و کرامت کے ساتھ سلامت رکھے۔

افسوس کہ کچھ عرصہ پہلے اس طرف توجہ نہ ہوئی ورنہ بہت سے اکابر علماء اہل سنت و جماعت سے بطور تبرک سندیں حاصل کی جاتیں' دنیائے عرب میں کتب اسانید پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے' ضرورت ہے کہ پاک و ہند میں بھی بزرگ محدثین اور علماء کی اسانید پر کام کیا جائے' اور ان کے فیوض و برکات حاصل کیے جائیں۔ مذکورہ بالا متعدد اسانید کے حصول میں جناب عابد حسین شاہ جو کھمی ضلع پنڈ دادن خاں کے رہنے والے ہیں' عزیز القدر مولانا ممتاز احمد سدیدی حفظہ اللہ تعالیٰ جو جامعہ ازہر شریف میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہے ہیں اور مولانا علی احمد سندیلوی' لاہور کی

معاونت شامل ہے۔ مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محترم سید اعجاز احمد مالک فرید بک سٹال لاہور نے اہل سنت و جماعت کا لٹریچر بڑے وسیع پیمانے پر شائع کیا' مولائے کریم انہیں اس کارِ عظیم کی جزائے خیر عطا فرمائے' ان کی وفات (۱۳ جمادی الاولیٰ' ۵ ستمبر ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء) کے بعد ان کے صاحبزادوں سید محسن اعجاز گیلانی' سید احسن اعجاز اور سید سلمان اعجاز گیلانی سلمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے والد کے کام کو آگے بڑھایا ہے' اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کی تکمیل اور اشاعت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے' مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

گزشتہ صفحات میں مفتی محمد خاں قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کے تعاون کا تذکرہ کیا جا چکا ہے' مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نے تصحیح اور فہرست سازی میں بڑی محنت کی ہے' مولائے کریم ان دونوں حضرات کو بھی اجر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری زید مجدہ نے تکمیل آرزو لکھ کر حق رفاقت ادا کیا ہے' رب کریم انہیں بھی دونوں جہانوں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ مولائے کریم ایمان کی سلامتی اور صحت و تندرستی کے ساتھ اس فقیر اور میری اولاد کو تادم آخر احکام ایمان و اسلام پر عمل پیرا رہنے اور خدمت دین متین کی توفیق عطا فرمائے' فقیر کے اہل و عیال کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اس کام میں ان کا بھی بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں آفات و بلیات سے محفوظ فرمائے۔
آمین یارب العالمین بحرمة سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللّٰه وتسلیماته علیه وعلیهم وعلیٰ آله واصحابه اجمعین۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور۔ پاکستان

۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
۳ جون ۲۰۰۱ء

بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِهَا

۲۴۹۔ جنت اور اہلِ جنت کی صفت کا بیان

لغت میں جنت کا معنی ڈھانپنا ہے۔ ان حروف کی ترکیب چھپانے اور ڈھانپنے کے لیے آتی ہے۔ پھر سایہ دار درختوں کا نام جنت رکھ دیا گیا کہ وہ اپنے نیچے کی چیزوں کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ پھر باغ کا نام رکھا گیا جس میں سایہ دار درخت ہوتے ہیں۔ پھر نقل کر کے دارِ ثواب بہشت کا نام رکھ دیا گیا۔ صحاح میں ہے جنت کا معنی ہے باغ اور بہشت۔

الفصل الاوّل

۵۲۶۹ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں اس کا تصور نہیں گزرا[1]۔ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان[2] کے لیے کون سی آنکھ کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی کسی آنکھ نے ان نعمتوں کی ذات کو نہیں دیکھا، ان کی صفات کو سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں ان کی ماہیت کا تصور نہیں گزرا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے تیار کردہ ان نعمتوں کی دلکش صورتیں نہیں دیکھیں ان کی نغمہ بار آوازیں نہیں سنیں اور کسی کے دل میں ان کے دلفریب تصورات تک نہیں گزرے۔

[2] یعنی شب بیداری کرنے اور مال خرچ کرنے والوں کے لیے آنکھ کی ٹھنڈک اور آرام جاں کا کون سا ذریعہ چھپا کر رکھا گیا ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد راحت، خوشی اور مقصد پا لینے کی راحت ہے۔

قرۃ قاف پر زبر، ثابت ہونا قرار پانا۔ محبوب کی طرف دیکھنے سے آنکھ کو اطمینان اور قرار ملتا ہے اور آنکھ کسی دوسرے کی طرف نہیں دیکھتی، اسی طرح فرحت و سرور کی حالت میں آنکھوں کو راحت ملتی ہے۔ محبوب کے غیر کی طرف دیکھنے سے نگاہ بے چین ہو جاتی ہے۔ اسی طرح غم اور خوف کی حالت میں مضطرب اور بے قرار ہوتی ہے یا قُرٌّ سے مشتق ہے

قُرَّۃ سے قاف پر پیش بمعنی سردی، محبوب کو دیکھنے اور مقصد کے پا لینے سے آنکھ کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوتی ہے اور دشمنوں کے دیکھنے اور مطلوب کے انتظار میں آنکھوں میں جلن پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے بیٹے کو قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو واقع ہے کہ جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اس میں دونوں معانی مراد لیے جا سکتے ہیں جیسے کہ فقراء کی فضیلت کے باب میں گزرا ہے۔

۵۲۷۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا (متفق علیہ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں ایک چابک کی جگہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے[۱]

۱ یعنی جنت کی تھوڑی سی اور معمولی جگہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ چابک کا ذکر اس عادت کے مطابق ہے کہ سوار جب کسی جگہ اترنا چاہتا ہے تو اپنا چابک پھینک دیتا ہے تاکہ اس کی نشانی رہے اور دوسرا شخص وہاں نہ اترے۔

۵۲۷۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْرَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَلَوْاَنَّ امْرَاَۃً مِّنْ نِّسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَیْنَھُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَیْنَھُمَا رِیْحًا وَلَنَصِیْفُھَا عَلٰی رَاْسِھَا خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام[۱] روانہ ہونا دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے اور اگر جنتیوں کی ایک عورت زمین پر ظاہر ہو جائے تو زمین اور بہشت[۲] کے درمیانی فاصلے کو روشن کر دے اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے (بخاری)

۱ غَدْوَۃ پہلے حرف پر زبر، صبح کے وقت ایک دفعہ جانا۔ غین پر پیش ہو (غُدْوَۃ) تو اس کا معنی صبح ہے سورج کے نکلنے تک رَوْحَۃ راء پر زبر، دوپہر کے بعد ایک دفعہ جانا، زوال سے لے کر رات تک۔ صبح اور شام جانے کی تخصیص اس لیے ہے کہ معمول یہی ہے مراد مطلق وقت ہے اگرچہ صبح یا شام کے وقت نہ ہو۔ فی سبیل اللہ جہاد، حج، طلب علم اور ہر وہ کام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، یہاں تک کہ اہل و عیال کے خرچہ، اطمینان حاصل کرنے اور عبادت میں حضورِ قلب کے لیے رزقِ حلال طلب کرنا بھی فی سبیل اللہ تعالیٰ ہے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے راہِ خدا میں جانے کی فضیلت بیان کی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کا ثواب جنت ہے اس مناسبت سے جنت کی کچھ خوبیاں بیان فرما دیں۔

۲ قرینہ مقام کی بناء پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا بَیْنَھُمَا کی ضمیر زمین و آسمان کی طرف راجع ہو۔

۵۲۷۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ شَجَرَۃً یَسِیْرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں

الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ایک درخت[1] ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا مگر اسے طے نہیں کر سکے گا۔ جنت میں تم میں سے ایک شخص کے کمان کی مقدار[2] ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے[3]

(بخاری و مسلم)

[1] محدثین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد طوبیٰ ہے۔ امام احمد، طبرانی اور ابن حبان کی روایت میں یہی تفسیر وارد ہے۔

[2] قابُ قوسٍ، قِیبُ قاف کے نیچے زیر قَادُ قَوْسٍ اور قِیدُ قَوْسٍ کمان کی مقدار قابٌ کمان کے کونے کو بھی کہتے ہیں۔ ایک لغت میں قاب کا معنی ہاتھ بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ کی تفسیر میں بیان کیے گئے ہیں۔

[3] یعنی تمام دنیا سے بہتر ہے اس کا اور گزشتہ حدیث میں چابک کی جگہ کا ایک ہی مطلب ہے معمول یہ ہے کہ سوار چابک چھینکتا ہے اور پیدل کمان۔

۵۲۴۳ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُّجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا وَفِي رِوَايَةٍ طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا أَهْلٌ مَّا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَّنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لیے جنت میں اندر سے خالی موتی کا ایک خیمہ ہے جس کی چوڑائی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی ساٹھ میل ہے اس کے ہر گوشے میں مومن کے گھر والے ہوں گے جنھیں دوسرے نہیں دیکھیں[1] گے۔ مومن[2] ان کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ مسلمانوں کے لیے دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور ساز و سامان چاندی کے ہیں اور دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور استعمال کی چیزیں سونے کی ہیں جنت عدن میں لوگوں اور رب کریم کو دیکھنے میں مانع صرف اس کے وجہ کریم پر کبریائی اور عظمت کی چادر ہوگی

(بخاری و مسلم)

[1] دوسرے گوشے میں رہنے والے اہلِ خانہ نہیں دیکھیں گے۔

[2] بعض روایات میں المؤمنون جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے۔ مومن سے مراد بھی جنس ہے (مطلب یہ کہ ہر جنتی مومن اپنے اپنے اہلِ خانہ کے پاس آمد و رفت رکھے گا ۱۲۔ شرف قادری نقشبندی)

۳ وہ بہشت جو اقامت اور ہمیشگی کی جگہ ہے۔ لغت میں عدن کا معنی اقامت ہے۔ اسی لیے ایک جنت کا نام جنت عدن رکھا گیا ہے۔

۴ یعنی جسمانی پردے اور طبعی کدورتیں دور ہو جائیں گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کی عظمت اور کبریائی کے جلال کے پردے حائل ہوں گے۔ جب وہ پردے بھی ہٹا دیے جائیں گے تو اہلِ جنت برملا اس ذاتِ اقدس کا دیدار کریں گے۔ یہ مقصد باب رؤیت (دیدار کے باب) میں بیان کیا جائے گا۔

۵۳۷۴ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةً مِنْهَا تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے فردوس کے درجات تمام جنتوں سے اعلیٰ ہیں۔ جنت کی چاروں نہریں اسی سے نکلتی ہیں۔ جنت الفردوس کے اوپر عرش ہے، جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ مجھے یہ حدیث صحیحین میں اور نہ ہی کتاب الحمیدی میں ملی ہے۔

۱ یعنی اس کے درجات صوری اور معنوی اعتبار سے بلند ترین ہیں۔ قاموس میں ہے فردوس وہ باغ ہے جس میں انگور کی بیلوں اور ان کے علاوہ جو کچھ باغات میں ہوتا ہے موجود ہو، اسی اعتبار سے ایک جنت کا نام جنت الفردوس ہے۔

۲ جو تمام جنتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

۳ کتاب الحمیدی میں صحیحین کی حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں دو جگہ موجود ہے (۱) کتاب الجہاد (۲) بَابُ كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اور صحیح مسلم میں بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ میں موجود ہے۔

بعض حواشی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معمولی اختلاف کے ساتھ مذکور ہے

۵۳۷۵ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يَأْتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ فَتَهُبُّ رِيْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْ فِي

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں ایک بازار ہے جہاں جنتی ہر جمعہ کے دن جائیں گے، اور

وُجُوْهِهِمْ وَثِيَابِهِمْ فَيَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَقُوْلُوْنَ وَاَنْتُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

بادِ شمال[۲] چلے گی اور ان کے چہروں اور کپڑوں میں مختلف قسم کی خوشبوئیں انڈیل دے[۳] گی تو ان کا حسن و جمال دو بالا ہوجائے گا، وہ اپنے گھر والوں کی طرف اس حال میں لوٹیں گے کہ ان کا حسن و جمال بھی دو بالا ہوچکا ہوگا۔ انھیں ان کے گھر والے کہیں گے اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے[۴] بعد تمھارے حسن و جمال میں اضافہ ہوچکا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم: ہمارے بعد تمھارے حسن و جمال میں بھی تو نکھار آچکا ہے[۵]۔ (مسلم)

[۱] یعنی اجتماع کی ایک جگہ ہے۔

[۲] شمال شین پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے، جب قبلہ کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوں تو دائیں جانب سے آنے والی ہوا، اس کے مقابل بادِ جنوب ہے (بائیں طرف سے آنے والی ہوا) غالباً اس جگہ بادِ شمال ایسی ہوا ہے۔

[۳] بعض روایات میں آیا ہے کہ جس عورت کے سپرد مختلف خوشبوئیں کی گئی ہوں۔ اس کی نسبت بھی وہ ہوا زیادہ جاننے والی ہوگی کہ کستوری اور دوسری خوشبوئیں کہاں پہنچاتا ہیں؟ گویا یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض اور عطیات ان کے مستحقین تک پہنچیں گے۔

[۴] یعنی ہم سے جدا ہونے کے بعد

[۵] یعنی جنتیوں کی صحبت کی برکت سے اس مجمع کے انوار و برکات کا عکس ان کے گھر والوں پر بھی پڑے گا مشہور ہے فَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ معزز لوگوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے۔

۵۴۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَآءِ اِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا لَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں کے چاند ایسی[۱] ہوگی۔ پھر جو لوگ ان کے ساتھ متصل ہوں گے[۲] وہ روشنی میں آسمان کے روشن ترین ستارے[۳] ایسے ہوں گے ان کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے[۴]، ان میں نہ تو اختلاف ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے کی دشمنی ہوگی ان میں سے ہر ایک کے لیے بڑی آنکھوں والی حوروں[۵] میں سے دو بیویاں ہوں گی۔ کمالِ حسن کی بناء پر پنڈلیوں

يَسْقُمُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ اٰنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوُقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاُلُوَّةَ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِى السَّمَاءِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور گوشت کے پیچھے سے ان کی پنڈلیوں کا گودا نظر آئے گا ۔ وہ لوگ صبح شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کریں گے وہ بیمار نہیں ہوں گے ۔ پیشاب اور پاخانہ نہیں کریں گے اور تھوکیں گے نہیں ۔ نہ ہی ناک کا پانی پھینکیں گے ۔ ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے ۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عود (اگربتی) کا ہوگا ۔ ان کا پسینہ کستوری ایسا ہوگا وہ سب ایک شخص کی سیرت کے حامل ہوں گے ، اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر آسمان کی جانب ساٹھ ہاتھ ہوں گے ۔ (بخاری و مسلم)

سے ا حسن، نورانیت اور شکل وہیبت میں

سے ۲ جو پہلے گروہ کے بعد آئیں گے ۔

سے ۳ چاند سورج کے علاوہ بقیہ ستاروں سے زیادہ روشن ستاروں کی طرح ہوں گے ۔ دُرِّیٌّ منسوب ہے دُرٌّ کی طرف جس کا معنی ہے بڑا موتی ۔ عربوں کے ہاں دُرِّیٌّ عظیم المرتبہ کے معنی میں آتا ہے ۔

سے ۴ یعنی متفق متحد، یک جان دو قالب اور ایک دوسرے کے دوست ہوں گے ۔

سے ۵ حُوْرٌ جمع ہے حَوْرَاءُ کی، وہ عورت جس کی آنکھ کی سفیدی اور سیاہی گہری ہو ۔ عِیْنٌ جمع ہے عَیْنَاءُ کی بڑی آنکھوں والی ۔ اگر سوال کیا جائے کہ دوسری فصل کے آخر میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت آرہی ہے کہ جنتیوں کے ادنیٰ فرد کی بہتر بیویاں ہوں گی ۔ اس جگہ دو بیویوں کا ذکر ہے (ان میں تطبیق کس طرح دی جائے گی) ۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی حورعین اور دیگر صفات کی حامل دو بیویاں ہوں گی یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس کے پاس دوسری بہت سی بیویاں ہوں ۔

سے ۶ یہ ان کے حسن لطافت اور صفائی کا کمال ہوگا ۔

سے ۷ یعنی ہمیشہ

سے ۸ عود ہندی جسے خوشبو کے لیے سلگایا جاتا ہے ۔ مطلب یہ کہ دنیا کی انگیٹھیوں میں ایندھن جلایا جاتا ہے اور خوشبو کے لیے عود کی کچھ مقدار ڈالی جاتی ہے جب کہ جنتی انگیٹھیوں میں ایندھن ہی عود کا جلایا جائیگا وُقُوْدٌ پہلے حرف پر پیش ہو تو اس کا معنی آگ کا جلانا ہے اور اگر زبر ہو (وَقُوْدٌ) تو اس کا معنی ایندھن ہے جس کے ساتھ آگ جلائی جاتی ہے ۔ مَجَامِرُ جمع ہے مِجْمَرٌ کی ۔ مجمر میم کے نیچے زیر، اسم آلہ کے وزن پر ۔ وہ برتن جس میں دھواں کے لیے انگارے رکھے جاتے ہیں ۔ میم پر زبر بھی آئی ہے ۔ اَلُوَّۃٌ ہمزے پر زبر ، اس پر پیش بھی

پڑھ سکتے ہیں۔ لام پر پیش واؤ مشدد، عود جس کے ساتھ دھونی دی جاتی ہے۔

۹ یعنی کستوری کی مثل ہوگا (یاد رہے کہ یہ صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ جنت کے سونے چاندی، کستوری، پانی اور شہد کی دنیا کی اشیاء کے ساتھ صرف برائے نام مشابہت ہے ۱۲ شرف)

۱۰ خُلق خاء پر پیش، یعنی خوش اخلاق، متفق اور ایک دوسرے کے ساتھ میل جول رکھنے والے جیسے کہ حدیث کی ابتداء میں گزرا ہے۔ اس صورت میں آیندہ جملہ کہ وہ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر آسمان کی جانب ساٹھ گز کے ہوں گے، الگ کلام ہوگا جس میں سیرت کے بیان کے بعد صورت کا بیان ہے۔

خَلق ایک روایت کے مطابق خاء پر زبر ہے۔ یعنی سب جنتی شکل و صورت میں حسن اور خوبی کے لحاظ سے ایک مرد کی طرح ہوں گے۔ اس صورت میں آیندہ ارشاد عَلٰی صُوْرَةِ اَبِیْهِمْ اس قول کی تفسیر اور اس کا بیان ہوگا خاء پر زبر اور پیش دونوں کے ساتھ روایت صحیح ہے۔

۵۲۷۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَاْكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی جنت میں کھائیں پئیں گے اور تھوکیں گے نہیں، پیشاب نہیں کریں گے، قضائے حاجت نہیں کریں گے اور تھوکیں گے نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کھانے کا کیا حال ہوگا؟ ۱ فرمایا ڈکار ہوگا اور کستوری کی طرح پسینہ ہوگا ۲ انھیں تسبیح اور حمد القاء کی جائے گی۔ جیسے کہ تمھیں سانس لینے کی توفیق دی جاتی ہے ۳ (مسلم)

۱ یعنی جب قضائے حاجت نہیں کریں گے تو کھانے کے فالتو حصے کا کیا حال ہوگا اور باہر کس طرح نکلے گا؟

۲ یعنی ڈکار لیں گے اور اس طرح ہوا معدے سے باہر چلی جائے گی اور پسینے کے ذریعے رطوبت جسم سے باہر چلی جائے گی۔ اس طرح (جزو بدن بننے سے باقی ماندہ) فالتو طعام باہر چلا جائے گا۔

۳ یعنی حمد و تسبیح انھیں لازم ہو جائے گی اور بے تکلف سرزد ہو جائے گی جیسے کہ سانس کی آمد و رفت بغیر کسی تکلف کے ہوتی ہے۔ سانس کے ساتھ الہام کا ذکر بطور مشاکلت ہے (یعنی حمد و تسبیح کے ساتھ الہام کا ذکر تھا تو ان کے مقابل سانس کے ساتھ بھی الہام کا ذکر کر دیا گیا ورنہ سانس تو قصد اور ارادے کے بغیر جاری رہتا ہے۔ ۱۲ اشرف)

۵۲۷۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ يَنْعَمُ وَلَا يَبْاَسُ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهٗ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ نعمت و راحت پائے گا اور محنت و مشقت نہیں اٹھائے گا ۱ اس کے کپڑے پرانے نہیں

ہوں گے اور اس کی جوانی زائل نہیں ہوگی ؎۲ (مسلم)

؎۱ یعنی جنت میں راحت ہی راحت ہوگی۔ محنت ومشقت کا شائبہ تک نہ ہوگا لَا یَبْأَسُ یاء پر زبر باء ساکن بُؤْسٌ بمعنی مشقت سے مشتق ہے۔

؎۲ مطلب یہ کہ جنت میں احوال کی تبدیلی، فساد اور خرابی نہیں ہوگی۔

۵۲۷۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُنَادِیْ مُنَادٍ اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَکُمْ اَنْ تَحْیَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَکُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَکُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعلان کرنے والا (جنتیوں کے لیے) اعلان کرے گا تحقیق تمھارے لیے یہ ہے کہ تم تندرست رہو اور کبھی بیمار نہ ہو اور تمھارے لیے یہ ہے کہ جوان رہو اور کبھی بوڑھے نہ ہو؎۱۔ اور تمھارے لیے یہ ہے کہ تم راحت پاؤ اور کبھی مصیبت کا منہ نہ دیکھو۔ (مسلم)

؎۱ تَشِبُّوْا شین کے نیچے زیر اور تَهْرَمُوْا کی راء پر زبر۔

۵۲۸۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ یَتَرَآءَوْنَ اَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ کَمَا تَتَرَآءَوْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ الْغَابِرَ فِی الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ اَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَیْنَهُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تِلْكَ مَنَازِلُ الْاَنْبِیَآءِ لَا یَبْلُغُهَا غَیْرُهُمْ قَالَ بَلٰی وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ رِجَالٌ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِیْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی اپنے اوپر والی منزل؎۱ والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح روشن ستارے کو دیکھتے ہیں۔ جو آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے پر باقی ہو۔ یہ اختلاف ان کے مراتب کے فرق کی بناء پر ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ انبیاء کرام کے محلات ہوں گے جن تک دوسرے لوگ نہیں پہنچیں گے فرمایا کیوں نہیں؟ قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد مصطفیٰ کی جان ہے وہ مرد پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انھوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

؎۱ غُرَف غین پر پیش، راء پر زبر، غُرْفَةٌ کی جمع غین پر پیش راء ساکن، اونچی منزل اور بلند محل۔

سلہ کیونکہ ان دو وقتوں میں ستارہ زیادہ روشن اور بڑا دکھائی دیتا ہے ، اگر یہ کہا جاتا کہ جیسے آسمان کے ستارے کو دیکھتا ہے تو ان منازل کی بلندی اور دوری معلوم ہوتی لیکن چمکنے کا اور روشنی کا مطلب نہ سمجھا جاتا اور آسمان کے کنارے پر کہنے سے دونوں باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں (بلندی بھی اور روشنی بھی) بعض روایات میں غابر یاء کے ساتھ بھی آیا ہے ۔ یہ غور سے مشتق ہے ۔ جس کا معنی پستی ہے ۔ بعض روایات میں عازب بے نقطہ عین کے اور زاء کے ساتھ ہے ۔ جس کا معنی دُور اور جانے والا ہے ۔ مشہور روایت میں غابر ہے ۔ نقطہ والی غین اور باء کے ساتھ ۔ یہ غبور سے مشتق ہے جس کا معنی گزرنا اور باقی رہنا ہے ۔

سلہ بعض جنتیوں کے مرتبے بلند اور بعض کے پست ہوں گے علماء فرماتے ہیں کہ جنت کے مختلف طبقات ہیں بعض بلند ترین یہ سابقین کے لیے ، بعض درمیانے یہ میانہ روی والوں کے لیے اور بعض نچلے یہ ملے جلے اعمال والوں کے لیے ہوں گے ۔

سلہ پیغمبروں کی متابعت اور محبت کی بناء پر دوسرے لوگ بھی ان درجات تک پہنچیں گے ۔

۵۳۸
۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّیْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جنت میں ایسے گروہ داخل ہوں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے سلہ (مسلم)

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف و ہیبت اور غیروں سے گریز کرتے ہیں ، کیونکہ پرندے بہت ہی زیادہ ڈرنے والے اور بھاگنے والے جانور ہیں ۔ یا وہ لوگ توکل کے اعتبار سے پرندوں کی طرح ہوں گے ۔ جیسے کہ پرندوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ صبح کے وقت وہ اپنی رہائش گاہوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں ۔

۵۳۹
۱۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْكَ فَیَقُوْلُ هَلْ رَضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُوْلُوْنَ یَا رَبِّ وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْكُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ جنتیوں کو فرمائے گا : اے اہلِ جنت ! جنتی عرض کریں گے ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں اور تیرے دین کی بار بار خدمت کرتے ہیں ، ہر بھلائی تیرے پاس ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو ؟ وہ کہیں گے اے رب ! ہمیں کیا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے کہ تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہیں اس سے بہتر نہ دوں ؟ وہ عرض کریں گے

اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اے رب! اس سے بہتر کون سی چیز ہے؟ ارشاد ہوگا میں تم پر اپنی رضا نازل کروں گا۔ اور اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا ۔[۵۳]

[۵۱] یعنی ہمیشہ ہمیشہ

[۵۲] اس پر کہ ہمیں جنت میں داخلہ عطا کیا ہے۔

[۵۳] جب آقا و مولا بندے سے راضی ہوگیا تو تمام نعمتیں اور سعادتیں حاصل ہوگئیں، دولت دیدار بھی اسی رضا کا نتیجہ ہے۔ پہلے بندوں سے پوچھا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے راضی ہو؟ جب انھوں نے عرض کیا کہ ہم تجھ سے راضی ہیں تو اپنی رضا اس پر مرتب فرمائی، تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے رضا اور خوشنودی کی علامت یہ ہے کہ بندہ اپنے مولائے کریم سے راضی ہو لہٰذا تم اپنے حال پر نظر کرو اگر تم اپنے آپ کو اپنے پروردگار سے راضی پاتے ہو تو جان لو کہ وہ بھی تم سے راضی ہے۔ صحابہ کرام کوشش اور تفتیش کرتے تھے کہ ہم کس طرح معلوم کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے، آخر انھوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر ہم اس سے راضی ہیں تو یقیناً وہ بھی ہم سے راضی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت دی کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے راضی ہوں۔ اس سے بڑی اور کیا نعمت ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا جنت اور اس کی ہر نعمت سے بڑی ہے جیسے کہ ارشاد فرمایا: رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے چہ جائیکہ وہ رضا دائمی ہو۔ اے اللہ تو ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں اپنے آپ سے راضی کر دے۔

۵۳۸۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى مَقْعَدِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى وَيَتَمَنّٰى فَيَقُوْلُ لَهٗ هَلْ تَمَنَّيْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک کی جنت میں کم سے کم جگہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا آرزو کر، وہ آرزو کرے گا پھر آرزو کرے گا اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تو نے آرزو کرلی؟[۱] بندہ عرض کرے گا ہاں! اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تیرے لیے وہ کچھ ہے جس کی تو نے آرزو کی اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے۔ (مسلم)

[۱] جہاں تک آرزو کی جاسکتی ہے اس کی آخری حد تک آرزو کرلی [۲]

[۲] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بندۂ مومن کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اس کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر بندۂ عارف سے اس قسم کا سوال کیا گیا تو وہ دائمی دیدار کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا۔ کیونکہ کوئی نعمت دیدار کے درجے کو نہیں پہنچتی اور کوئی (معین) نعمت باقی بھی نہ رہے گی ۲ (امیر علی)

۵۲۸۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيْحَانُ وَجَيْحَانُ وَالْفُرَاتُ وَالنِّيْلُ كُلٌّ مِّنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیحان، جیحان، فرات اور نیل میں سے ہر ایک جنت کی نہروں میں سے ہے[1]۔ (مسلم)

[1] فرات، کوفہ کی اور نیل، مصر کی نہر ہے۔ لیکن سیحان اور جیحان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض شارحین حدیث نے کہا کہ سیحان شام کی اور جیحان بلخ کی نہر ہے۔ یہ فرمایا کہ سیحان اور جیحان الگ نہریں ہیں اور سیحون ترک کی اور جیحون بلخ کی الگ نہریں ہیں۔ کیونکہ پہلی نہریں ارمن کے علاقہ میں ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا۔ جوہری (صاحب صحاح) کا یہ کہنا غلط ہے کہ جیحان شام کی نہر ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جیحون خراسان کی نہر ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ سیحون سندھ کی نہر ہے۔

مختصر یہ کہ ان چار نہروں کے جنتی نہروں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کے پانی بہترین پانی ہیں اور ان میں بہت سے فوائد اور منافع ہیں تو گویا یہ جنتی نہروں سے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ چار نہریں جنتی نہروں کی اصل ہیں۔ اور ان کے نام وہی ہیں جو دنیا کی ان عظیم مشہور، میٹھی اور مفید ترین نہروں کے نام ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا میں جو فوائد اور منافع ہیں وہ بہشت کے نمونے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ان کو جنتی نہریں اس لیے کہا گیا ہے کہ جن شہروں میں یہ نہریں ہیں ایمان ان شہروں کو شامل ہے (یعنی وہاں کے لوگ ایمان والے ہیں) اور ان نہروں کا پانی پینے والے جنتی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ظاہر پر محمول ہے ان نہروں کا مادہ اور ان کی اصل جنت سے ہے۔ امام مسلم نے روایت کی کہ فرات اور نیل جنت سے جاری ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے ہیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ یہ چار نہریں بہشت سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے سپرد کیا ہے اور وہاں زمین پر جاری کی ہیں۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

۵۲۸۵ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ الْحَجَرَ يُلْقٰى مِنْ شَفَةِ جَهَنَّمَ فَيَهْوِىْ فِيْهَا سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا لَا يُدْرِكُ لَهَا قَعْرًا وَاللّٰهِ لَتُمْلَأَنَّ وَلَقَدْ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيْظٌ مِّنَ الزِّحَامِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عتبہ بن غزوان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں بیان کیا گیا کہ جہنم کے کنارے سے پتھر پھینکا جائے گا وہ ستر سال تک نیچے جاتا رہے گا اس کی تہہ تک نہیں پہنچے گا۔ اللہ کی قسم! دوزخ بھر دی جائے گی اور ہمیں بیان کیا گیا کہ جنت کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے۔ اس پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ ہجوم کی وجہ سے بھری ہوئی ہوگی۔ (مسلم)

[1] عتبہ بے نقطہ عین پر پیش، تاء ساکن۔ غزوان نقطے والی غین پر زبر، زاء ساکن جلیل القدر اور قدیم الاسلام بدری صحابی ہیں۔ چھ مردوں کے بعد اسلام لائے مشہور تیر اندازوں میں شمار ہوتے تھے۔

۵۲ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہمیں بیان کیا گیا ہے۔
۵۳ خریف (موسم خزاں) ربیع (بہار) کے مقابل ہے۔ چونکہ عرب سال کی ابتداء خریف سے شمار کرتے ہیں اس لیے خریف سے مراد پورا سال لیتے ہیں۔
۵۴ اس کی گہرائی کے باوجود

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۵۲۸۶ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا الْجَنَّۃُ مَا بِنَاءُھَا قَالَ لَبِنَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ وَلَبِنَۃٌ مِّنْ فِضَّۃٍ وَمَلَاطُھَا الْمِسْکُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاءُھَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُھَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُھَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُھُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُھُمْ

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے۔ فرمایا پانی سے[۱]۔ ہم نے عرض کیا کہ جنت کی عمارت کس چیز سے ہے؟ فرمایا ایک اینٹ سونے[۲] کی اور ایک چاندی کی۔ اس کا گارا خالص اور تیز خوشبو والی کستوری ہے۔ اس کے سنگریزے[۳] یاقوت اور مروارید ہیں اس کی مٹی زعفران کی طرح (زرد اور خوشبودار) جو شخص اس میں داخل ہوگا نعمتیں حاصل کرے گا اور مشقت نہیں دیکھے گا ہمیشہ رہے گا اور اسے موت نہیں آئے گی۔ جنتیوں کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی زائل نہیں ہوگی

(امام احمد، ترمذی، دارمی)

۱ ارباب عقل و خرد کا اس میں اختلاف ہے کہ اجسام میں سب سے پہلے کون سی چیز پیدا کی گئی؟ اکثر اسی بات کے قائل ہیں کہ سب سے پہلے پانی پیدا کیا گیا۔ کیونکہ اس میں جہان کی تمام صورتوں کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے اس کے بعد صفت کثافت اور انجماد کے ساتھ زمین پیدا کی گئی۔ آگ اور ہوا کو رقت اور لطافت کا حامل بنایا گیا کیونکہ پانی جب زیادہ لطیف ہوتا ہے تو ہوا بن جاتا ہے۔ آگ پانی کا خلاصہ اور صاف ترین حصے سے پیدا کی گئی اور آسمان آگ کے دھوئیں سے پیدا ہوا اور یہ حدیث اس بیان کی دلیل ہے کہ۔ کہتے ہیں کہ تورات کے سفر اول میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرمایا پھر اس کی طرف بہ ہیبت نظر فرمائی تو اس جوہر کے اجزاء پگھل گئے اور وہ پانی بن گیا۔ اس سے دھوئیں ایسا بخار پیدا ہوا کہ اوپر گیا تو آسمان پیدا ہوا، پھر پانی پر جھاگ ظاہر ہوئی اور اس سے زمین پیدا ہوئی۔ پہاڑوں کو زمین کے لنگر بنا دیا۔ بعض حواشی میں ہے کہ پانی سے مراد نطفہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق سے مراد حیوانات ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ہم نے پانی سے ہر زندہ کو پیدا کیا۔

۵۲ لَبِنَۃٌ لام پر زبر، باء کے نیچے زیر، لام کے نیچے زیر اور باء ساکن بھی آئی ہے (لِبْنَۃٌ)
۵۳ جو نہروں اور دوسری جگہ پر ہیں۔

۵۳۸۷ (۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ اِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں جو بھی درخت ہے اس کا تنا سونے کا ہے۔[۱] (ترمذی)

۵۳۸۸ (۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے

۵۳۸۹ (۲۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعٰلَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک جنت میں سو درجے ہیں اگر تمام جہانوں کے لوگ ایک درجے میں جمع ہو جائیں تو وہ ان سب کی گنجائش رکھتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۵۳۹۰ (۲۲) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ قَالَ اِرْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (جنت میں تہہ بہ تہہ بلند کیے ہوئے بستر[۲] ہیں) کی تفسیر میں فرمایا: ان کی بلندی زمین و آسمان کی مسافت کی طرح ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۵۵ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فُرُش سے مراد جنتی عورتیں ہیں اور مَرْفُوعَۃ کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا کی عورتوں سے حسن و جمال میں فائق اور بلند تر ہیں۔

۵۳۹۱ (۲۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

۵۴ یاد رہے کہ دار آخرت زندہ ہے وہاں کی کوئی چیز بے جان اور بے حس نہیں ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں بھی آیا ہے اور یہ سونا مٹی سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی پاک مخلوق ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کا سونا کوڑے کرکٹ سے بھی بدتر ہے ۱۲۔ مولوی امیر علی۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَۃٍ یَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ضَوْءُ وُجُوْھِھِمْ عَلٰی مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلٰی مِثْلِ اَحْسَنِ کَوْکَبٍ دُرِّیٍّ فِی السَّمَآءِ لِکُلِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰی کُلِّ زَوْجَۃٍ سَبْعُوْنَ حُلَّۃً یُّرٰی مُخُّ سَاقِھَا مِنْ وَّرَآئِھَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

فرمایا کہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی روشنی کی طرح ہوں گے۔ دوسرے گروہ کے چہرے آسمان میں چمکنے والے بہترین ستارے کی مثل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک مرد کی دو بیویاں ہوں گی۔ ہر بیوی پر ستر حُلّے ہوں گے۔ اس کی پنڈلی کا گودا پنڈلی کے پیچھے سے دیکھا جائے گا[۱] (ترمذی)

[۱] یہ اس کی کامل لطافت، صفائی اور حسن کی طرف اشارہ ہے۔

۵۳۹۲/۲۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُعْطَی الْمُؤْمِنُ فِی الْجَنَّۃِ قُوَّۃَ کَذَا وَکَذَا مِنَ الْجِمَاعِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوَ یُطِیْقُ ذٰلِکَ قَالَ یُعْطٰی قُوَّۃَ مِائَۃٍ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں سے مباشرت کی قوت دی جائے گی، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا مومن اتنی عورتوں سے عملِ زوجیت ادا کرنے کی طاقت رکھے گا۔ فرمایا اسے سو مردوں کی طاقت دی جائے گی[۱] (ترمذی)

[۱] تو اتنی عورتوں سے (جتنی ہم نے بیان کی ہیں) کیوں مباشرت نہ کر سکے گا۔

۵۳۹۳/۲۵ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لَوْ اَنَّ مَا یُقِلُّ ظُفُرٌ مِّمَّا فِی الْجَنَّۃِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ لَہٗ مَا بَیْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اطَّلَعَ فَبَدَا اَسَاوِرُہٗ لَطَمَسَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ کَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر جنتی چیز[۱] کی اتنی مقدار ظاہر ہو جائے جسے ناخن اٹھا لے تو اس کی وجہ سے زمین و آسمان کے اطراف[۲] روشن ہو جائیں اور اگر جنتی مرد اور اس کے ہاتھوں کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو اس طرح ناپید کر دے جس طرح سورج ستاروں کی روشنی کو ناپید کر دیتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور فرمایا یہ غریب ہے۔

[۱] جو زیب و زینت کے اسباب و ذرائع سے ہے۔

[۲] خَوَافِق جمع ہے خَافِقَۃ کی، اس کا معنی جانب ہے۔ خَافِقَیْن مشرق و مغرب کو کہتے ہیں اور انہیں افق اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں دن اور رات مختلف ہوتے ہیں (سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے)

خفق کا معنی حرکت اور اضطراب ہے۔ اسی طرح دل کی دھڑکن کی تیزی کو خفقان کہتے ہیں۔ خوافق آسمان، آسمان کی ان جانبوں کو بھی کہتے ہیں جہاں سے چار مشہور ہوائیں آتی ہیں۔

۵۳۹۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ كُحْلٰی لَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتیوں کے جسم بالوں سے پاک[۱] اور چہرے داڑھی کے بغیر اور آنکھیں سرگیں ہوں گی۔ ان کی جوانی زائل نہیں ہوگی۔ اور ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے۔

[۱] جُرْدٌ جیم پر پیش اور راء ساکن، اَجْرَدُ کی جمع ہے، مُرْدٌ بھی اس کے وزن پر ہے۔ اَمْرَدُ کی جمع کحلیٰ بروزن قتلیٰ، کحیل کی جمع ہے بمعنی اکحل سرگیں آنکھوں والا۔ اَجْرَدُ اس مرد کو کہتے ہیں جس کے جسم پر بال نہ ہوں۔ اس مادے کی اصل نفی اور ازالے کے لیے ہے۔ جیسے کہ جَرَدٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، وہ فضا جہاں سبزہ نہ ہو۔ تجرید کا معنی ہے کھال اتارنا اور اس کے بال اتارنا۔ تجرید ثوب کا معنی ہے ننگا کرنا۔ اَمْرَدُ وہ شخص جس کی ٹھوڑی کے بال نہ ہوں۔ قاموس میں ہے اَمْرَدُ اس جوان کو کہتے ہیں جس کی مونچھیں تو ہوں لیکن داڑھی نہ اگی ہو۔ کَحَلٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر آنکھ کے بالوں کی جڑوں کا سرمہ کے بغیر اس طرح سیاہ ہونا جس طرح سرمے سے سیاہ ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کَیْسَ التَّکَحُّلُ کَالْکَحَلِ یعنی جو بہ تکلف سرمہ لگائے وہ ایسا نہیں ہوگا کہ آنکھیں سرمے کے بغیر پیدائشی طور پر سیاہ واقع ہوں۔

۵۳۹۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِیْنَ اَبْنَاءَ ثَلٰثِیْنَ اَوْ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ سَنَةً (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنتی جنت میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے جسم بالوں سے خالی، چہرے ڈاڑھی کے بغیر اور آنکھیں سرگیں ہوں گی اور ان کی عمر تیس ۳۰ یا تینتیس ۳۳ سال ہوگی[۱] (ترمذی)

[۱] یعنی جیسے دنیا میں اس عمر میں ہوتے ہیں، کیونکہ مرد کی کامل جوانی اور قوت اس عمر میں ہوتی ہے۔ عربی میں اس کو اَشُدّ کہتے ہیں۔ ہمزے پر زبر اور شین پر پیش۔

۵۳۹۶ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ لَهٗ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی قَالَ یَسِیْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ اَوْ یَسْتَظِلُّ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا سوار اس کی شاخ کے نیچے

یظلھا مائۃ راکب شک الراوی فیھا فراش الذھب کان ثمرھا القلال

چلے گا یا اس کے سائے میں سو سوار پناہ لیں گے۔ راوی کو شک ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ یعنی سونے کے کپڑے ہیں اس کے پھل گویا بڑے گھڑوں کی طرح ہیں۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ فنن پہلے دونوں حرفوں پر زبر، شاخ، اس کی جمع افنان ہے۔

سلہ راوی کو شک ہے کہ اس نے کیا سنا۔ آیا یہ کہ اس کی شاخ کے نیچے سوار سو سال چلے گا یا یہ کہ سو سوار اس کے سائے میں پناہ لیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں مبالغہ ہے۔

سلہ فراش فاء پر زبر، را مخفف، وہ کیڑا جو چراغ کے گرد اڑتا ہے اور اس میں گر جاتا ہے جسے پروانہ کہتے ہیں۔ غالباً مراد وہ نورانی فرشتے ہیں جن کے بازو سونے کی طرح چمکتے ہیں یا سدرۃ المنتہیٰ سے پھوٹنے والے انوار کو سنہری پروانوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تفسیر ہے آیت کریمہ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ سدرہ کو ڈھانپ رہی ہے وہ چیز جو اسے ڈھانپ رہی ہے۔ علامہ بیضاوی نے کہا کہ اسے فرشتوں کا جم غفیر ڈھانپتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

سلہ قلال جمع ہے قُلَّۃ کی پہلے حرف پر پیش، بڑا گھڑا جسے جرۃ کہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ جنت کے اخیر میں ایک درخت ہے۔ پہلوں اور پچھلوں کے علم کی وہاں انتہا ہو جاتی ہے۔ کسی مخلوق کو علم نہیں ہے کہ اس سے آگے کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اس سے آگے کوئی نہیں گزرا۔ یہ وہ مقام ہے جس سے آگے حضرت جبریل علیہ السلام نہیں جا سکتے۔ ایک روایت کے مطابق وہ چھٹے آسمان میں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے۔ ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۲۹۷ وعن انس قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الکوثر قال ذلك نهر اعطانيه الله يعني في الجنة اشد بياضا من اللبن واحلى من العسل فيه طير اعناقها كاعناق الجزر قال عمر رضي الله عنه ان هذه لناعمة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكلتها انعم منها۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس نہر میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں ایسی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ پرندے تو اس نہر میں بڑے خوش حال ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے کھانے والے ان سے زیادہ خوش حال ہوں گے (ترمذی)

لہ جَزَرَ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، جُزُورٌ کی جمع ہے۔ پہلے حرف پر زبر ہے ۔ وہ اونٹ جو ذبح کرنے کے لیے پالے گئے ہوں ۔

لہ نازونعمت میں اور موٹے ہوں گے ۔

۵۳۹۸ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ اَنْ تُحْمَلَ فِيْهَا عَلٰى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ اِلَّا فُعِلْتَ وَسَاَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْاِبِلِ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ فَقَالَ اِنْ يُدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَ لَذَّتْ عَيْنُكَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے ؟ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کر دے اور تم چاہو کہ تمھیں سُرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کر دیا جائے وہ تمھیں اڑا کر اس جگہ لے جائے جہاں تم چاہو تو تمھارا شوق پورا کر دیا جائے گا ۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں اونٹ ہوں گے حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو وہ جواب نہیں دیا جو اس کے ساتھی کو دیا تھا پس فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں داخل کر دیا تو اس میں تمھارے لیے وہ کچھ ہوگا جو تم چاہو گے اور تمھاری آنکھیں لطف اندوز ہوں گی ۔

(ترمذی)

لہ اِلَّا فعلت یہ کلمہ صیغہ خطاب کے ساتھ معروف اور مجہول پڑھا گیا ہے ۔ یعنی مگر یہ کہ تمھارا مدعا اور مقصود تمھیں دیا جائے گا یا تم اپنے مقصود میں کامیاب ہو گے ۔ تاء تانیث کے ساتھ صیغہ مجہول بھی آیا ہے (فُعِلَت) یعنی تمھارے لیے وہ گھوڑا تیار کر دیا جائے گا ۔ فرس مذکر اور مؤنث دونوں طرح آیا ہے ۔ حاصل یہ کہ بہشت میں جو چاہو گے ملے گا ۔

لہ یعنی اسے نہ فرمایا کہ اگر تجھے اللہ بہشت میں داخل عطا فرمائے اور تو اونٹ پر سواری کرنا چاہے تو تجھے سرخ یاقوت کے اونٹ پر سوار کر دے گا ۔

۵۳۹۹ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ الْخَيْلَ اَفِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ اُوْتِيْتَ بِفَرَسٍ مِنْ يَاقُوْتَةٍ لَهُ جَنَاحَانِ فَحُمِلْتَ عَلَيْهِ ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گھوڑوں سے محبت ہے کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تجھے جنت میں داخل کیا گیا تو تجھے یاقوت کا گھوڑا دیا جائے گا، جس کے دو بازو ہوں گے پس تجھے اس پر سوار کیا جائے گا ۔ پھر تم جہاں چاہو گے

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَ أَبُوْ سُوْرَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ أَبُوْ سُوْرَةَ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ يَرْوِيْ مَنَاكِيْرَ)

تمھیں اڑا کر لے جائے گا۔ امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔ ابو سورہ راوی حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ ابو سورہ منکر الحدیث ہے اور منکر حدیثیں[۲] روایت کرتا ہے۔

۱؎ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

۲؎ منکر کا معنی مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۵۴۰۰/۳۲ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں اس امت[۱] کی ہوں گی اور چالیس باقی امتوں سے ہوں[۲] گی۔ اس حدیث کو امام ترمذی دارمی اور امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا ہے۔

۱؎ امت مرحومہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس امت کے جنتی افراد دوسری امتوں سے دوگنا ہوں گے۔

اگر سوال کیا جائے کہ اس سے پہلے باب شفاعت میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے اور اس جگہ فرماتے ہیں کہ دوسری امتوں سے دوگنا ہوں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امید وہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، بعد ازاں اس میں اضافہ کر دیا گیا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امید سے زیادہ کی بشارت دے دی گئی ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ فضل و کرم ہے۔ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔

۵۴۰۱/۳۳ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابُ أُمَّتِي الَّذِيْ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهُ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلٰثًا ثُمَّ إِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت سالم[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کا وہ دروازہ جس سے ہماری امت داخل ہو گی اس کی چوڑائی تین رات یا تین سال تک گھوڑے کو خوب دوڑانے والے سوار[۲] کی مسافت کے برابر ہو گی۔ پھر بھی ہجوم[۳] میں دب پس جائیں گے۔ یہاں تک قریب ہو گا کہ ان کے کندھے اتر جائیں۔ امام ترمذی نے

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ وَقَالَ يَخْلُدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ يَرْوِي الْمَنَاكِيْرَ

اس حدیث کو روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اسے نہیں پہچانا اور فرمایا۔ یخلد[۵] بن ابی بکر منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔

۱؎ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب تابعین میں سے جلیل القدر عالم، امام اور ثقہ ہیں۔ امام مالک نے فرمایا کہ حضرت سالم کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ زہد، فضیلت اور عمدہ زندگی گزارنے میں سلف صالحین (صحابہ کرام) کے مشابہ نہ تھا۔ مشہور زمانہ ظالم حجاج بن یوسف کو سخت باتیں کہہ دیا کرتے تھے۔

۲؎ مُجَوَّد میم پر پیش، واو مشدد کے نیچے زیر سوار کی صفت ہے۔ یعنی گھوڑے کو خوب تیز دوڑانے والا یا گھوڑے کی صفت ہے خوب تیز دوڑنے والا۔

۳؎ اس وسعت کے باوجود

۴؎ یَخْلُدُ خلود کے فعل مضارع کے وزن پر

۵۴۰۲
۳۴
وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَا فِيْهَا شِرًى وَلَا بَيْعٌ إِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِيْهَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جنت میں ایک بازار ہے جس میں خرید و فروخت نہیں ہے۔ اس میں فقط مردوں اور عورتوں کی اچھی صورتیں ہیں[۱]۔ جب کوئی مرد کسی صورت کو پسند کرے گا تو اس صورت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ جہاں بُری صورتیں اچھی صورتوں میں بدلی جاتی ہیں۔

۵۴۰۳
۳۵
وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ لَقِيَ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فِيْ سُوْقِ الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيْدٌ أَفِيْهَا سُوْقٌ قَالَ نَعَمْ أَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے اور تمھیں جنت کے بازار میں جمع فرما دے۔ حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بازار ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی

۵؎ صحیح یہ ہے کہ ترمذی شریف میں خالد بن ابی بکر ہے۔ محدث جمال الدین نے کہا کہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا سہو ہے ۱۲ امیر علی

اِذَا دَخَلُوْهَا نَزَلُوْا فِيْهَا بِفَضْلِ اَعْمَالِهِمْ ثُمَّ يُؤْذَنُ لَهُمْ فِيْ مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا فَيَزُوْرُوْنَ رَبَّهُمْ وَيُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهٗ وَيَتَبَدّٰى لَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَيُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ نُوْرٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوْتٍ وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَيَجْلِسُ اَدْنَاهُمْ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ وَالْكَافُوْرِ مَا يَرَوْنَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَرَاسِيِّ بِاَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَهَلْ نَرٰى رَبَّنَا قَالَ نَعَمْ هَلْ تَتَمَارَوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قُلْنَا لَا قَالَ كَذٰلِكَ لَا تَتَمَارَوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ وَلَا يَبْقٰى فِيْ ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ اِلَّا حَاضَرَهُ اللّٰهُ مُحَاضَرَةً حَتّٰى يَقُوْلَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ اَتَذْكُرُ يَوْمَ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيُذَكِّرُهٗ بِبَعْضِ غَدَرَاتِهٖ فِي الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَفَلَمْ تَغْفِرْ لِيْ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِيْ بَلَغْتَ مَنْزِلَتَكَ هٰذِهٖ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِّنْ فَوْقِهِمْ فَاَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيْبًا لَمْ يَجِدُوْا مِثْلَ رِيْحِهٖ شَيْئًا قَطُّ وَيَقُوْلُ رَبُّنَا قُوْمُوْا اِلٰى مَا اَعْدَدْتُّ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ فَخُذُوْا مَا اشْتَهَيْتُمْ فَنَاْتِيْ سُوْقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِيْهَا مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُوْنُ اِلٰى مِثْلِهٖ وَلَمْ تَسْمَعِ الْاٰذَانُ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوْبِ

کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو اس میں اپنے عملوں کی فضیلت کے مطابق داخل ہوں گے پھر انھیں دنیا کے دنوں میں سے جمعہ کے دن کی مقدار میں اجازت دی جائے گی پس وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے اپنا عرش ظاہر فرمائے گا اور ان کے لیے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ظاہر ہوگا، ان کے لیے نور کے منبر رکھے جائیں گے۔ کچھ منبر موتیوں کے، کچھ یاقوت کے، کچھ زبرجد کے کچھ سونے کے اور کچھ چاندی کے ہوں گے۔ ان میں سے ادنیٰ شخص کستوری اور کافور کے ٹیلوں پر بیٹھے گا اور ان میں کوئی بھی گھٹیا مرتبے کا نہیں ہوگا۔ ٹیلوں پر بیٹھنے والے یہ گمان نہیں کریں گے کہ کرسیوں والے نشست کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا ہاں! کیا تم سورج اور چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کے دیکھنے میں شک نہیں کرو گے۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس میں حاضر ہر شخص سے بلا واسطہ کلام فرمائے گا یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک شخص کو فرمائے گا اے فلاں ابن فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو اس اس طرح کہا کرتا تھا۔ اسے اس کی دنیا میں بعض عہد شکنیاں یاد کرائے گا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ فرمائے گا کیوں نہیں میری مغفرت کی وسعت کی بناء پر تو اپنے اس مرتبے کو پہنچا ہے۔ جنتی اسی حال میں ہوں گے کہ انھیں اوپر کی جانب سے ایک بادل ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش کرے گا کہ اس جیسی خوشبو والی چیز انھوں نے کبھی نہیں پائی ہوگی اور ہمارا رب فرمائے گا اٹھو اس عزت کی طرف جو میں نے تمھارے لیے تیار کی ہے اور جو چاہو لے لو، چنانچہ ہم ایسے بازار میں آئیں گے جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا۔

فَيُحْمَلُ لَنَا مَا اشْتَهَيْنَا لَيْسَ يُبَاعُ فِيهَا وَلَا يُشْتَرٰى وَفِي ذٰلِكَ السُّوْقِ يَلْقَى اَهْلُ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَالَ فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقَى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْعُهٗ مَا يَرٰى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ فَمَا يَنْقَضِيْ اٰخِرُ حَدِيْثِهٖ حَتّٰى يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَحْزَنَ فِيْهَا ثُمَّ نَنْصَرِفُ اِلٰى مَنَازِلِنَا فَيَتَلَقَّانَا اَزْوَاجُنَا فَيَقُلْنَ مَرْحَبًا وَاَهْلًا لَقَدْ جِئْتَ وَاِنَّ بِكَ مِنَ الْجَمَالِ اَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ فَنَقُوْلُ اِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا اَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اور ہم ایسی چیزیں پائیں گے جن کی مثل آنکھوں نے نہیں دیکھی ہوگی، کانوں نے سنی نہیں اور دلوں میں ان کا تصور نہیں گزرا ہوگا تو ہم جو چاہیں گے ہمیں دیا جائے گا۔ وہاں کوئی چیز نہ تو بیچی جائے گی اور نہ ہی خریدی جائے گی۔ اس بازار میں جنتی ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونچے مرتبے والا متوجہ ہو کر نچلے مرتبے والے سے ملاقات کرے گا، حالانکہ ان میں کوئی بھی گھٹیا مرتبے والا نہیں ہوگا۔ کم مرتبہ کا جو لباس دیکھے گا وہ اسے ڈرا دے گا۔ اس کی گفتگو کا آخری حصہ ابھی ختم نہیں ہوگا کہ وہ محسوس کریگا کہ میرا لباس پہلے سے بھی اچھا ہے اور یہ اس لیے کہ جنت میں کسی کے لیے غمگین ہونا لائق نہیں ہے پھر ہم اپنے گھروں کی طرف جائیں گے اور ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کریں گی۔ وہ مرحبا اور اھلاً کہیں گی اور کہیں گی کہ تمھارا حسن تو اس وقت سے کہیں زیادہ ہے جب تم ہم سے جدا ہوئے تھے۔ ہم کہیں گے کہ ہم نے آج اپنے رب جبار سے ہم نشینی کی ہے اور ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم اس حال میں لوٹیں جس حال میں ہم لوٹے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ)۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ کبار تابعین میں سے ہیں

۲ جس کے اعمال جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر اسے درجہ ملے گا۔

۳ یعنی اس دن کے مطابق جس دن دنیا میں جمعہ ہوتا ہے۔ پروردگار عالم انھیں باہر نکلنے کا حکم دیں گے جیسا کہ دنیا میں جمعہ کے لیے نکلتے تھے اور یہ جمعہ کے لیے نکلنے اور نماز جمعہ کے لیے جانے پر جزا کے طور پر ہوگا۔

۴ حریم کبریاء میں حاضر ہو کر اپنے رب کریم کی زیارت کا شرف پائیں گے۔

۵ اس سے مراد اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا ظہور اور تجلی فرمانا ہے۔

۶ یَتَبَدّٰی یاء اور تاء دونوں پر زبر، دال مشدد

۷ جن پر وہ جلوہ افروز ہوں گے۔

۸ اپنے اپنے اعمال و احوال کے مطابق

۹ مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے

۱۰ یہاں ادنیٰ کا معنی اعلیٰ کی نسبت کم درجہ ہے۔ خساست و کمینگی مراد نہیں۔ کیونکہ جنت میں اس کا وجود ہی نہیں۔

۱۱ وہ منبروں اور کرسیوں پر نہ ہوں گے۔ جیساکہ مجلس میں کچھ لوگ بطور صدارت بیٹھتے ہیں اور دیگر لوگ ان کے اردگرد خاک پہ بیٹھ جاتے ہیں۔ کُثبان کاف پہ پیش۔ ثاء ساکنہ۔ کثیب کی جمع بمعنی ٹیلہ ہے۔

۱۲ کیونکہ جنت میں ہر کوئی اپنے مقام و مرتبہ پر مطمئن ہوگا وہ اپنے سے بلند مرتبہ کی آرزو نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کے بلند مرتبہ پر اسے تکلیف و پریشانی و حسرت ہوگی۔ اگرچہ وہ جانتا ہوگا کہ فلاں مجھ سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے اور میں اس سے پیچھے ہوں۔

۱۳ محاضرہ کا معنی آمنے سامنے بے واسطۂ ترجمان گفتگو کرنا ہوتا ہے۔

۱۴ اس سے مراد وہ گناہ و معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے اس نے اپنے رب کا وعدہ توڑا۔

۱۵ میں نے تجھے بخش دیا۔

۱۶ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اروع کا معنی ڈرنا اور تعجب کرنا ہے۔ پہلے معنی کی صورت میں مراد یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کا جنتی ادنیٰ کا لباس دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرے گا۔ دوسرے معنی کی صورت میں مراد یہ ہے کہ وہ اپنے لباس پر تعجب کا اظہار کرے گا۔

۱۷ وہ گفتگو جو اپنے دل میں کررہا تھا یا اپنے ملاقاتی سے۔ اعلیٰ والے پر اعلیٰ لباس کا ظہور ہوگا یا ادنیٰ والے پر اعلیٰ لباس کا۔ دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ بعد کی عبارت ہے۔

۱۸ شاید ادنیٰ اپنے لباس پر غمگین ہوا ہو تو اس کا ازالہ کردیا گیا ہو۔

۱۹ جس کی برکت سے ہمارے حال کہیں بہتر ہوگئے ہیں۔

۲۰ جو ذات اقدس جو تمام انوار و حسن کا سرچشمہ ہے اس کی محبت سے ہمیں نور اجمالی کیوں حاصل نہ ہوتا۔

۵۴۰۴/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ الَّذِیْ لَہٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَۃً وَّتُنْصَبُ لَہٗ قُبَّۃٌ مِّنْ لُؤْلُؤٍ وَّزَبَرْجَدٍ وَّیَاقُوْتٍ کَمَا بَیْنَ الْجَابِیَۃِ اِلٰی صَنْعَاءَ وَبِھٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنْ صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ یُرَدُّوْنَ بَنِیْ ثَلٰثِیْنَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادنیٰ جنتی وہ ہوگا جس کے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں۔ اس کے لیے موتیوں زبرجد اور یاقوت کا خیمہ لگایا جائے گا جیسا کہ جابیہ اور صنعاء کے درمیان کا فاصلہ ہے اسی سند سے ہے کہ فرمایا جو جنتی چھوٹا یا بڑا مر جائے وہ جنت میں تیس سال کا بنا دیا جائے گا۔ یہ لوگ اس عمر سے کبھی زیادہ نہ ہوں گے۔ اسی طرح آگ والے لوگ، اسی

فِی الْجَنَّۃِ لَا یَزِیْدُوْنَ عَلَیْھَا اَبَدًا وَکَذٰلِکَ اَھْلُ النَّارِ وَبِھٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ اِنَّ عَلَیْھِمُ التِّیْجَانَ اَدْنٰی لُؤْلُؤَۃٍ مِّنْھَا لَتُضِیْئُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَبِھٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ الْمُؤْمِنُ اِذَا اشْتَھَی الْوَلَدَ فِی الْجَنَّۃِ کَانَ حَمْلُہٗ وَوَضْعُہٗ وَسِنُّہٗ فِیْ سَاعَۃٍ کَمَا یَشْتَھِیْ وَقَالَ اِسْحَاقُ ابْنُ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اِذَا اشْتَھَی الْمُؤْمِنُ فِی الْجَنَّۃِ الْوَلَدَ کَانَ فِیْ سَاعَۃٍ وَلٰکِنْ لَا یَشْتَھِیْ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الرَّابِعَۃَ وَالدَّارِمِیُّ الْاَخِیْرَۃَ)

اسناد سے ہے کہ فرمایا: ان پر تاج ہوں گے جن کا ادنیٰ موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا اور اسی اسناد سے ہے کہ فرمایا مومن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل اس جننا اور اس کا عمر رسیدہ ہونا پل بھر میں ہو جائے گا جیسا وہ چاہے اور کہا اسحاق بن ابراہیم نے اس حدیث کے متعلق کہ جب مومن جنت میں اولاد چاہے گا تو ایک پل میں ہو جائے گی مگر وہ چاہے گا نہیں (ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے چوتھی اور دارمی نے آخری حدیث نقل فرمائی ہے)

۱؎ جابیہ، جیم کے ساتھ، شہر کا نام ہے اور ملک شام میں ہے

۲؎ صنعاء، یمن کا شہر ہے۔

۳؎ یعنی ہمیشہ تیس سال کی عمر کے رہیں گے

۴؎ جس کے بارے میں اسحاق بن ابراہیم نے کہا ہے۔

۵۴۲۰ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَمُجْتَمَعًا لِّلْحُوْرِ الْعِیْنِ یَرْفَعْنَ بِاَصْوَاتٍ لَمْ تَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَھَا یَقُلْنَ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِیْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْاَسُ وَنَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰی لِمَنْ کَانَ لَنَا وَکُنَّا لَہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں آنکھ والی حوروں کا اجتماع ہوگا جو اپنی آوازیں بلند کرتی ہیں ایسی آواز جو مخلوق نے کبھی نہیں سنی کہتی ہیں ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہ فنا ہوں گی اور ہم خوش رہنے والیاں ہیں کبھی غمگین نہ ہوں گی۔ ہم راضی رہنے والیاں ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گے اسے خوشخبری ہو جو ہمارا ہو اور ہم اس کے ہوں۔ (ترمذی)

۵۴۲۱ وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ مُعَاوِیَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَحْرَ الْمَآءِ وَبَحْرَ الْعَسَلِ وَبَحْرَ اللَّبَنِ وَبَحْرَ الْخَمْرِ ثُمَّ تَشَقَّقُ الْاَنْھٰرُ بَعْدُ۔

حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں پانی کا دریا ہے۔ شہد کا دریا ہے اور دودھ کا اور شراب کا بھی پھر اس سے آگے نہریں نکلتی ہیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ)

(ترمذی، دارمی نے اسے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے)۔

لے جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ان تک وہ نہریں پانی شراب وغیرہ پہنچائیں گی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اس میں پانی کی نہریں اور دودھ کی نہریں ہیں

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۴۰۷ / ۳۹ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ فِي الْجَنَّةِ لَيَتَّكِئُ فِي الْجَنَّةِ سَبْعِينَ مَسْنَدًا قَبْلَ أَنْ يَتَحَوَّلَ ثُمَّ تَأْتِيهِ امْرَأَةٌ فَتَضْرِبُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ فَيَنْظُرُ وَجْهَهُ فِي خَدِّهَا أَصْفَى مِنَ الْمِرْآةِ وَإِنَّ أَدْنَى لُؤْلُؤَةٍ عَلَيْهَا تُضِيءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَتُسَلِّمُ عَلَيْهِ يَرُدُّ السَّلَامَ وَيَسْأَلُهَا مَنْ أَنْتِ فَتَقُولُ مِنَ الْمَزِيدِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ عَلَيْهَا سَبْعُونَ ثَوْبًا فَيَنْفُذُهَا بَصَرُهُ حَتّٰى يَرٰى مُخَّ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ ذٰلِكَ وَإِنَّ عَلَيْهَا مِنَ التِّيجَانِ إِنَّ أَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ مِنْهَا لَتُضِيءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں ایک آدمی کروٹ لینے سے پہلے ستر تکیوں[۱] سے ٹیک لگائے گا۔ پھر اس کے پاس ایک خاتون آئے گی جو اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے گی۔ وہ اس کے رخسار میں اپنی صورت کو آئینے سے زیادہ صاف دیکھے گا۔ اس پر چھوٹا سا موتی ہوگا وہ مشرق و مغرب کی درمیانی جگہ کو چمکا دے گا وہ سلام کرے گی اور یہ اس کا جواب دے گا اور پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ کہے گی کہ میں زائد[۲] نعمت ہوں۔ اس کے اوپر ستر کپڑے ہوں گے لیکن نظر ان سے پار ہو جائے گی یہاں تک کہ ان کے اندر سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ اس عورت کے سر پر تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کی درمیانی جگہ چمکا دے گا۔ (مسند احمد)

لے قرآنی الفاظ فرش مرفوعہ کا معنی بھی یہی ہے کہ کئی فرش تہہ بہ تہہ بچھائے گئے ہوں گے۔

لے میں ان اضافی انعامات میں سے ہوں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار لوگوں سے کر رکھا ہے۔ قرآن پاک میں ہے لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (بہشت میں اہل بہشت کیلئے ہر وہ چیز موجود ہوگی جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے زائد ہے) دوسرے مقام پر فرمایا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (نیکی کرنے والوں کے لیے بھلائی ہے اور اس پر اضافہ بھی) لفظ زیادہ کی تفسیر دیدار الٰہی سے اور حسنیٰ کی تفسیر دخول بہشت سے بھی کی گئی ہے۔

۵۴۰۸ / ۴۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَحَدَّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے اور آپ کی

مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ اِنَّ رَجُلاً مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهٗ فِى الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِيْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاءُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَكَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى دُوْنَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِىُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِيًّا اَوْ اَنْصَارِيًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

بارگاہ میں ایک دیہاتی بھی تھا کہ اہل جنت میں سے ایک آدمی اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت مانگے گا۔[1] اس سے فرمایا جائے گا کیا تو اپنی پسندیدہ حالت میں نہیں۔[2] عرض گزار ہوگا کیوں نہیں۔ لیکن میں کاشت کرنا چاہتا ہوں[3]۔ پس وہ بوئے گا جو آنکھ جھپکنے میں اُگ آئے گا۔ فصل بڑھے گی اور کاٹنے کے قابل ہوجائے گی وہ پہاڑوں کے برابر اونچی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! جو تو چاہتا تھا حاصل کرلے۔ تو عجیب ہے کہ کوئی چیز تیرے پیٹ کو نہیں بھرتی[4]۔ اعرابی نے کہا خدا کی قسم! میں تو وہ قریشی یا انصاری ہوتا ہوں کیوں کہ وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں جبکہ ہم کھیتی باڑی نہیں کرتے[5]۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرادیئے[6] (البخاری)

[1] مجھے جنت میں کاشتکاری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

[2] جو تو چاہ رہا ہے وہ تجھے نصیب ہے تو اب کاشتکاری کرکے کیا کرے گا۔

[3] اسے کاشتکاری کرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

[4] کہ اتنے انعامات کے باوجود پھر بھی تو کاشتکاری کی خواہش رکھتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ابن آدم کی طبیعت میں حرص اور ترک قناعت ہے اور یہ صفت اس سے زائل نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ جنت میں ہی داخل کیوں نہ ہوجائے۔

[5] یعنی ہم تو اکثر دودھ اور خرما پر گزارہ کرلیتے ہیں۔

[6] اس دیہاتی کی گفتگو پر۔

۵۴۲۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَنَامُ اَهْلُ الْجَنَّةِ قَالَ النَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ وَلَا يَمُوْتُ اَهْلُ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کیا اہل جنت سوئیں گے؟ آپ نے فرمایا نیند موت کی بہن[1] ہے اور اہل جنت پر موت نہیں (بیہقی، شعب الایمان)

[1] یعنی قوی اور جوارح کے معطل ہونے میں نیند موت کا حکم رکھتی ہے۔

بَابُ رُؤْيَةِ اللهِ تَعَالٰى

۲۵۰۔ اللہ تعالٰی کے دیدار کا بیان

واضح رہے اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالٰی کا دیدار عقلاً جائز ہے اور اس کے لیے کسی مکان، جہت یا مقابل ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اور جو چیز موجود ہے اس کا دیکھنا ممکن ہوتا ہے۔ اگرچہ بصورت جسم یا جسمانی شے نہ ہو اور وہ نہ کسی مکان اور جہت پر ہو کیونکہ ان چیزوں کا دیکھنے کے لیے شرط ہونا بطور عادت ہوتا ہے۔ اگر قادر مطلق خلافِ عادت ان کو دکھا دے تو بھی جائز ہے۔ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ وہ آنکھوں کو قوت بصیرت عطا فرما دے۔ جس طرح ہم دنیا میں اسے بصیرت سے پا رہے ہیں کل قیامت کو اسے آنکھوں سے دیکھیں گے اور کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ آخرت میں اہلِ ایمان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔ اس پر تمام کا اتفاق ہے۔ اس پر کتاب و سنت اجماع صحابہ و تابعین کے دلائل بڑے واضح ہیں۔ ان دلائل پر بدبختی منکرین نے اعتراضات کیے ہیں۔ اور آیات، احادیث کی انھوں نے مختلف تاویلات کی ہیں۔ اہل حق نے ان تمام کا جواب کتب کلامیہ میں دیا ہے۔ مختار یہ ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بھی ممکن ہے لیکن بالاتفاق اس کا وقوع نہیں ہوا۔ ہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار نصیب ہوا ہے۔ بعض کو اس میں بھی اختلاف ہے۔ اس پر تفصیل احادیث کی شرح میں آرہی ہے۔ سلف و خلف میں سے کسی کا دیدارِ الٰہی کا شرف پانا صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ مشائخ و اولیاء میں سے کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ تمام مشائخ ایسے مدعی کی تکذیب و گمراہی پر متحد ہیں۔ فقہ شافعی کی کتاب انوار میں ہے کہ جو شخص یہ کہے میں نے اس دنیا میں سر کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا ہے۔ اور اس سے بلا واسطہ گفتگو کی ہے وہ کافر ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اللہ تعالٰی کا دیدار ممکن ہے اور حاسہ بصریہ میں کوئی علت بھی نہیں تو اب دیدار کیوں نہیں ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ دیدار اللہ تعالٰی کی عادت اور تخلیق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حاسہ بصر اس کی علت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالٰی نے ہی اسے عادتاً دیکھنے کا ایک سبب بنایا ہے۔ اگر وہ چاہے تو بے چشم بھی دیکھ سکتا ہے اور وہ نہ چاہے تو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اگرچہ آنکھ موجود ہو۔ اگر آنکھ کے سامنے مثلاً پہاڑ ہو اور اللہ تعالٰی ان میں دیکھنے کی طاقت نہ دے تو آنکھیں اس پہاڑ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں اور اگر کوئی اندھا مشرق میں ہو اور مچھر مغرب ہو اور اللہ تعالٰی دکھانا چاہے تو وہ دیکھ سکتا ہے۔ اس سے انکار اور اسے بعید سمجھنا انہی لوگوں کا کام ہے جو عقل و قیاس کے غلام ہیں حالانکہ قدرتِ باری تعالٰی کے لحاظ سے ہر شے ممکن ہے کوئی مشکل نہیں محدثین نے فرمایا کہ یہ زیارت شرف فقط ان اہلِ ایمان کو ہوگی جو جنت میں داخل ہوں گے۔ البتہ میدانِ محشر میں تمام اسے دیکھیں گے خواہ مومن ہوں یا کافر۔ کافر دیکھنے کے بعد ہمیشہ محجوب ہو جائیں گے اور دائماً حسرت و افسوس میں رہیں گے

صحیح یہی ہے کہ جس طرح مردوں کو زیارت ہو گی اسی طرح خواتین کو بھی زیارت کا شرف نصیب ہو گا۔ بعض نے کہا خواتین کو کبھی کبھی دیدار ہو گا۔ مثلاً جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر، کیونکہ ان اوقات میں دیدار عام ہو گا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ خواتین کو دیدار ہی نہیں ہو گا کیونکہ یہ پردہ میں ہوں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ لیکن یہ قول غلط اور شاذ ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں وارد نصوص تمام کی تمام عام ہیں وہ مردوں اور خواتین دونوں کو شامل ہیں باقی جنتی خیمے پردہ اور حجاب کا سبب نہیں بنیں گے۔ آخر کیا وجہ کہ سیدہ فاطمہ زہرا، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، سیدہ عائشہ اور اور اسی طرح کی دیگر خواتین دیدارِ الٰہی ہی سے محروم ہوں۔ حالانکہ وہ ان گنت مردوں سے افضل و بہتر ہیں اور صحیح یہی ہے کہ دیدار تمام اہلِ ایمان کو ہو گا خواہ ان کا تعلق بشر سے ہو یا ملائکہ و جنات سے ہو۔ بعض شوافع کے کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ دیدار فقط ان اہلِ ایمان کو ہو گا جن کا تعلق بشریت سے ہے۔ ملائکہ اور جنات کو دیدار نہیں ہو گا لیکن یہ قول بھی درست نہیں واللہ اعلم۔

اللہ عزوجل کا دیدار خواب میں بھی ہو سکتا ہے اور یہ دیدار قلبی ہے جو مثال کے ساتھ ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ مثل اور مثال سے پاک ہے اور یہ اسلاف سے صحت کے ساتھ منقول ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھیں سو دفعہ یہ نعمت نصیب ہوئی۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ مجھے خواب میں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوا۔ میں نے عرض کیا یا اللہ کونسی عبادت اعلیٰ و افضل ہے؟ فرمایا تلاوت قرآن، دوسری دفعہ عرض کیا سمجھ کر پڑھنا یا بغیر سمجھے پڑھنا۔ فرمایا خواہ بے سمجھے ہو یا سمجھ کر ہو۔

الفصل الاوّل

۵۴۱۰ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عَیَانًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ وَلَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَءَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

پہلی فصل

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رب کو واضح طور پر دیکھو گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں کے چاند کو دیکھا پھر فرمایا تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تم اس کے دیکھنے میں شک نہیں کرتے تو اگر تم یہ کر سکو کہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے والی نماز پر مغلوب نہ ہو تو کرو۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ (بخاری و مسلم)

ف۵ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔

ف۵۲ یہ انکشاف تام میں دیکھنے کی دیکھنے کے ساتھ تشبیہ ہے یعنی تمہارا اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا اس طرح شک و شبہ سے بالا ہوگا جیسے چاند کا دیکھنا۔ یہ مرئی (دیکھی جانے والی چیز) کی مرئی کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ یہ مطلب ہو کہ جس طرح چاند تمہارے مقابل ہے ایک جہت میں ہے اور محدود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اسی طرح ہوگی (یعنی یہ مطلب نہیں ہے) جیسے کہ اس کے بعد فرمایا

ف۵۳ تضامون۔ تاء پر پیش، میم مخفف اور مضموم یا تاء پر زبر، میم مشدد دونوں طرح مروی ہے۔ پہلی صورت میں یہ ضیم سے ہے۔ جس کا معنی نقصان و ظلم کے ہیں۔ یعنی باری تعالیٰ کے دیکھنے میں اس طرح کا ضرر نہ ہوگا کہ بعض اسے دیکھیں اور بعض نہ دیکھیں یا ایک دوسرے کی تکذیب و انکار سے ظلم کا ارتکاب کریں۔ دوسری صورت میں یہ ضم سے مشتق ہے اس کا معنی پیوست کرنا، اکٹھا کرنا ہے۔ یعنی جس طرح چودھویں کا چاند نہایت ہی واضح اور ظاہر ہوتا اور اس کے دیکھنے کے لیے اژدحام نہیں ہوتا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا دیدار بھی نہایت ہی ظاہر اور کامل طور پر واضح ہو گا۔ وہاں بھی بھیڑ یا اژدحام نہ ہوگا۔ بخلاف نئے چاند کے کہ وہاں خفاء و اشتباہ ہوتا ہے۔

ف۵۴ نماز فجر

ف۵۵ نماز عصر

ف۵۶ کیونکہ نمازوں پر مواظبت دیدار الٰہی کے زیادہ لائق تر بنا دیتا ہے اور اس سے دیدار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اس کی تائید ان ارشادات نبویہ سے ہوتی ہے اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (اپنے رب کی عبادت اس حال میں کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)۔ چونکہ دنیا میں درمیان میں پردہ ہے اس طرح کانك تراہ اور جب قیامت کو پردہ نہ رہے گا تو کانك تراہ کے بجائے انك تراہ ہو جائے گا اور جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ سے مراد مشاہدہ ہے اور یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نمازوں کو یہی مقام حاصل ہے۔ رہا یہاں نماز فجر اور عصر کا مخصوص کرنا تو وہ ان کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ اول وقت غلبہ نیند اور آرام کا ہوتا ہے اور دوسرا وقت کاروبار میں مصروفیت اور بازار وغیرہ کا ہوتا ہے۔ ان دو اوقات کے شرف کی وجہ سے ان کو مخصوص کیا اور اسی وجہ سے بھی کہ دیدار الٰہی ان اوقات میں ہی ہوگا۔

ف۵۷ بعض نے اس سے مراد ظہر و عصر کی نماز مراد لی ہے لیکن پہلا قول ظاہر تر ہے۔ کیونکہ الفاظ اس پر دال ہیں۔

۵۴۱۱ وَعَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جو چاہتے ہو میں تم کو زائد دوں۔ وہ عرض کریں گے

اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کیا تو نے ہمارے منہ اجلے صاف شفاف نہ کر دیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا اور ہم کو آگ سے نجات نہ دے[۲] دی۔ فرمایا کہ رب حجاب اٹھا دے گا یہ رب کی ذات کے نظارے کریں گے تو انھیں کوئی چیز رب کے دیدار سے زیادہ پیاری نہ دی گئی[۳]۔ پھر حضور نے یہ تلاوت فرمائی۔ نیکو کاروں کے لیے اچھی چیز ہے اور وہ حسنیٰ[۴] ہے۔ (المسلم)

[۱] یا تو حسن و جمال کا اضافہ مراد ہے جو انتہائی فضل و کمال سے عبارت ہے یا حساب و کتاب سے نجات اور خلاصی پانا مراد ہے، جس نے جزا و سزا کی پریشانی سے نکال دیا۔
[۲] اس سے زیادہ ہم کیا خواہش کریں گے۔
[۳] اللہ تعالیٰ کا دیدار تمام نعمتوں کی انتہا ہے۔
[۴] حسنیٰ سے مراد جنت اور زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔
[۵] اگر یہ سوال ہو کہ یہ وہ ذات صفات ہے اور اصطلاح صوفیہ میں ہے کہ یہ پردہ ہرگز نہیں اٹھ سکتا تو اب ذات سے پردہ اٹھانے کا کیا معنی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک جماعت کی احدیت ذات اور اس کا تمام حسنات و اعتبارات سے منزہ ہونے کے بارے میں تحقیق ہے۔ مگر دیدار کی بنا عرف یہ ہے اور جو بھی ذات کو صفات کے ساتھ دیکھتا ہے یہی کہا جاتا ہے۔ اس نے ذات کو دیکھا جب آپ کسی جسم کی سفیدی، سیاہی، درازی، کوتاہی، تحرک و سکون کو دیکھتے ہیں تو یہی کہتے ہو کہ میں نے جسم دیکھا حالانکہ صفات درمیان میں تھیں۔ یہ جو فلسفی کہتے ہیں کہ مرئی اعراض میں سے ہے جوہر نہیں یہ فقط ان کی رائے ہے عرف میں اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ بالجملہ آخرت میں وہ چیز دیکھیں گے جس پر صادق آئے گا اور یقینی ہوگا کہ ہم نے خدا کا دیدار کیا ہے اور آنکھ کی اس میں مداخلت نہیں ہوگی۔ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا دیکھنا اوراسے پانا دل کے ساتھ ہوگا اور جب آپ نے فرمایا کہ آنکھوں کو اس میں دخل نہیں ہوگا تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ فرما دیتے کہ اس میں تمھارے کان اور کندھوں کا دخل ہے تو ہم پھر بھی تصدیق کرتے چہ جائیکہ آنکھ کے بارے میں تصدیق نہ کریں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۵۴۱۲ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ اِلٰى جِنَانِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَنَعِيْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِيْرَةَ اَلْفِ سَنَةٍ وَاَكْرَمَهُمْ عَلَى اللّٰهِ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً ثُمَّ قَرَءَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

اہلِ جنت میں سب سے کم مرتبہ والا جب باغات، بیویوں انعامات، خدام اور تختوں کو دیکھے گا جو ایک ہزار سال کی مسافت تک ہوں گے اور ان میں سب سے زیادہ مرتبہ والا وہ ہوگا جو ہر صبح و شام دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوگا آپ نے پھر یہ آیت پڑھی، کچھ منہ اس روز تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ۔ (مسند احمد، ترمذی)

سلہ یہ جنت کی وسعت اور فراخی کا بیان ہے ۔

سلہ یعنی دائماً یا ان دو اوقات میں کہ تجلی ان دو مخصوص اوقات میں ہوگی جیسے کہ پیچھے نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے حوالے سے گزرا وہ بھی انھی دو اوقات کی تائید کرتا ہے ۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بزرگی اور بلند ہمتی یہ ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے دیدار کے سوا کسی اور کے ساتھ مشغول نہ ہوا جائے اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ساتھ دل لگانا نہایت ہی پستی اور کم درجہ ہے خواہ وہ جنت ہی کیوں نہ ہو ۔

۵۴۱۲ وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكُلُّنَا يَرٰى رَبَّهٗ مُخْلِيًا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ وَمَا اٰيَةُ ذٰلِكَ قَالَ يَا اَبَا رَزِيْنٍ اَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِيًا بِهٖ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابورزین[1] عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم میں ہر ایک اپنے رب کو خلوت[2] میں دیکھے گا ۔ فرمایا کیوں نہیں میں نے عرض کیا کہ اس کی نشانی کیا[3] ہے ۔ فرمایا اے ابورزین! کیا تم میں سے ہر ایک چودھویں کے چاند کو خلوت میں نہیں دیکھتا ؟ عرض گزار ہوئے کہ کیوں نہیں ؟ فرمایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق[4] ہے ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بزرگی اور عظمت والی ہے ۔

(ابوداؤد)

سلہ ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ ، راء پر زبر، زاء کے نیچے زیر، عقیلی، عین پر پیش، قاف پر زبر ۔ ان کا اسم گرامی لقیط لام پر زبر، مشہور صحابی اور اہلِ طائف میں شمار ہوتے ہیں ۔

سلہ مخلیا ، میم پر زبر، خاء ساکن ، لام کے نیچے زیر یاء مشدد ، یا میم پر پیش ، خاء ساکن یا مخفف یا کسرۂ لام دونوں طرح مروی ہے ۔

سلہ مخلوقات کے یکبارگی دیکھنے پر نشانی کیا ہے ؟

سلہ جب اس کی یہ حالت ہے کہ اسے تمام دیکھتے ہیں اور ہر ایک منفرد و تنہا بغیر ہجوم و اژدہام کے دیکھتا ہے ۔

ف۵ اجل واعظم، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ بزرگی اور بزرگ ہونا صراح میں ہے کہ ایک میں ذات کا اعتبار ہے اور دوسرے میں صفات کا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۴۱۴ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا[1] ہے؟ فرمایا نور کو میں کیسے دیکھتا[2]۔ (المسلم)

لہ شب معراج

[2] وہ نور کے پردہ میں ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ کیونکہ کمال نور اور شدت ظہور اس کے ادراک سے مانع ہے اور وہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ نور کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہوا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والا۔ انھیں پیدا فرمانے والا یا ان میں بسنے والوں کو ہدایت عطا کرنے والا اور بندوں کے دلوں کو نور سے منور کرنے والا مراد ہے۔ ایک قراءت یہ ہے مثل نورہ فی قلب المومن کمشکوۃ فیہا مصباح اہل تحقیق کی اصطلاح میں نور اسے کہا جاتا ہے جو خود ظاہر اور دوسرے کو ظاہر کرنے والا ہو سابقہ گفتگو کے مطابق حدیث میں لفظ نور با تنوین ہے اور لفظ انّٰی ہمزہ پر زبر، نون مشدد پر زبر بمعنی کیف ہے۔ نورانی بصورت نسبت بھی مروی ہے۔ ممکن ہے ہمزہ استفہام محذوف ہو اور یہ جملہ بطور استفہام ہی ہو یا بغیر استفہام کے روایت کا اثبات ہو اور دوسری حدیث میں موجود ہے رَاَیْتُ نُوْرًا (میں نے بصورت نور دیکھا ہے) اس میں بھی احتمال ہے کہ رویت ذات کی نفی ہو یعنی میں نے نور دیکھا جس سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ تو ذات کے دیدار کی طاقت کہاں؟ یا معنی یہ ہے کہ اس ذات اقدس کی زیارت کی ہے جو منور ہے۔

۵۴۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی قَالَ رَاٰہُ بِفُؤَادِہٖ مَرَّتَیْنِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ قَالَ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ قَالَ عِکْرِمَۃُ قُلْتُ اَلَیْسَ اللّٰہُ یَقُوْلُ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَیْحَکَ ذَاکَ اِذَا تَجَلّٰی بِنُوْرِہِ الَّذِیْ ھُوَ نُوْرُہٗ وَقَدْ رَاٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان آیات کے بارے میں مروی ہے کہ دل نے نہیں جھٹلایا جو دیکھا اور بے شک اس کو دوسری[3] بار دیکھا۔ فرمایا حضور نے رب کو اپنے دل سے دو بار[4] دیکھا (المسلم) ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا حضرت محمد نے اپنے رب کو دیکھا۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں[5] ہے کہ اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں[6] اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے فرمایا[7] تم پر افسوس ہے یہ تب ہے جب رب اپنے خاص

رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نور سے تجلی فرمائے جو اس کا ذاتی نور ہے اور حضور نے یقیناً اپنے رب کو دو بار دیکھا (المسلم)

سلہ اور وہ ذاتِ الٰہی جل شانہٗ کا دیدار ہے ۔

سلہ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو آنکھوں کی مانند بنا دیا یا آنکھوں کو دل کی مانند بنا دیا ۔ اب دونوں طرح کہنا جائز ہے کہ دل کی آنکھوں سے دیکھا یا چشم سر سے دیکھا کیونکہ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے ۔ یہ تعبیر و معنی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کا مذہب چشم سر سے دیدار ہے اور دل کے ساتھ دیکھنا دوسرا مذہب ہے جو ان کے مذہب کے خلاف ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ۔

سلہ مقصود یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ، رؤیت سے مراد حق تعالیٰ کا دیدار لیتے ہیں ۔ جمہور صحابہ کی رائے ان کے موافق ہے اور یہ دونوں ، قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى سے شب معراج میں بارگاہِ صمدیت کا قرب مراد لیتے ہیں ۔ حضرت ابن مسعود ، سیدہ عائشہ اور بعض دیگر صحابہ ان سے جبرئیل کا اصل حالت میں دیکھنا آیات مذکورہ میں یہی قرب مراد لیتے ہیں ۔ جیسا کہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے ۔

سلہ اپنی مدح میں

سلہ آپ دیدارِ الٰہی کا کیسے قول کر سکتے ہیں ۔

سلہ حضرت عکرمہ کو آپ نے جواب دیا ۔

سلہ اس وقت ادراک مضمحل اور ادراک نابود ہو جاتا ہے اور اگر اتنی تجلی کا اظہار ہو جسے قوت بشری برداشت کر سکے تو پھر آنکھیں اس کا ادراک کر سکتی ہیں ۔ شارحین نے یہ بھی کہا ہے کہ ادراک کا لغوی معنی کسی شے کا اس کی حدود کے ساتھ احاطہ کر لینے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں ۔

سلہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر اور دوسری مرتبہ عرش پر ۔

۵۴۱۶ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتّٰى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا بَنُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَسَّمَ رُؤْيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّمُوْسٰى فَكَلَّمَ مُوْسٰى مَرَّتَيْنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ قَالَ مَسْرُوْقٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ فَقَالَتْ لَقَدْ تَكَلَّمْتَ بِشَيْءٍ قَفَّ لَهٗ شَعْرِيْ قُلْتُ رُوَيْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

حضرت شعبی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرفہ میں حضرت کعب سے ملے تو ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے تکبیر کہی جس سے پہاڑ گونج اٹھے ۔ تب حضرت ابن عباس نے فرمایا ۔ ہم بنی ہاشم ہیں ۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام محمد مصطفےٰ اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تقسیم فرما دیا تو موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام کیا اور محمد مصطفےٰ نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ۔ مسروق کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عائشہ کے پاس گیا ۔ میں نے عرض کیا ۔

اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى فَقَالَتْ اَيْنَ
تَذْهَبُ بِكَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ مَنْ
اَخْبَرَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ اَوْ
كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا اُمِرَ بِهٖ اَوْ يَعْلَمُ
الْخَمْسَ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ فَقَدْ
اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ وَلٰكِنَّهٗ رَاٰى جِبْرِيْلَ لَمْ
يَرَهٗ فِيْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَيْنِ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى وَمَرَّةً فِيْ اَجْيَادٍ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ
جَنَاحٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
وَرَوَى الشَّيْخَانِ مَعَ زِيَادَةٍ وَاخْتِلَافٍ
وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَاَيْنَ
قَوْلُهٗ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى قَالَتْ ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ كَانَ يَاْتِيْهِ فِيْ صُوْرَةِ
الرَّجُلِ وَاِنَّهٗ اَتَاهُ هٰذِهِ الْمَرَّةَ
فِيْ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ هِيَ صُوْرَتُهٗ فَسَدَّ
الْاُفُقَ۔

کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپ بولیں تم نے
ایسی بات کہی جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے
میں نے عرض کیا جلدی نہ کرو[11] پھر میں نے یہ آیت پڑھی
کہ حضور نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں[12]۔ آپ بولیں
خیالات تمھیں کہاں لیے پھرتے ہیں[13] وہ تو حضرت جبریل
ہیں[14] جو تمھیں خبر دیں کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا[16]
یا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اس میں سے کچھ چھپایا یا حضور
ان پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور
بارش کا اتارنا، تو اس نے بڑا بہتان باندھا لیکن آپ
نے حضرت جبریل کو دیکھا ان کی اصل صورت کبھی نہ دیکھی
دو بار۔ ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، دوسری دفعہ
محلہ اجیاد[18] میں، ان کے چھ سو پر[19] تھے جن کے کنارے
آسمانوں کو بند کر رہے تھے (ترمذی) بخاری و مسلم
نے کچھ اضافہ اور اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے
کہ میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ رب کا یہ فرمان
کہاں ہے[20] پھر قریب ہوا، پھر تو دو کمانوں کے بلکہ اس سے
بھی قریب تر۔ آپ بولیں یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو حضور
کے پاس آدمی کی صورت میں آتے تھے اور اس دفعہ آپ کے
پاس اپنی اصلی صورت میں آئے جو ان کی اپنی صورت ہے
تو کنارہ آسمان[21] پر رہے

[1] عرفہ کے دن عرفات میں

[2] یعنی دیدار الٰہی کے بارے میں

[3] حضرت ابن عباس کے اس سوال کے عظیم اور بعید از قیاس ہونے کی وجہ سے۔

[4] یعنی اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ پہاڑوں سے صدا گونج اٹھی

[5] یعنی جو علم وفضل میں مشہور ہیں، میں نے نادانستہ سوال نہیں کیا اور کسی ایسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا جو محال و بعید از قیاس ہو، میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے علوم و انوار کو حاصل کیا ہے

لہٰذا خوب غور و فکر کر کے جواب دو۔ اس سوال کو بعید از قیاس سمجھ کر جواب میں جلدی نہ کرو اور اس معاملہ میں تفکر کرو کہ دنیا میں دیدارِ الٰہی ممکن ہے۔

سے حضرت ابن عباس نے جب خوب زور دیا تو انھوں نے غور و فکر کے بعد جواب دیا

ے ایک دفعہ وادی ایمن میں اور دوسری دفعہ کوہ طور پر۔

ے ظاہر یہ ہے کہ یہ بات حضرت کعب نے تورات سے نقل کی ہے۔

ے جن سے حضرت شعبی نے یہ روایت نقل کی ہے۔

ے حضرت ابن عباس اور حضرت کعب کے درمیان مناظرہ اور حضرت کعب کے جواب کے بعد

ے دیدارِ الٰہی کے انکار میں جلدی نہ کیجیے

ے رویت باری تعالیٰ پر بطور استدلال

ے یہ آیت مبارکہ دلیل کے خاتمہ کے طور پر ہے جو آخر حدیث میں آرہی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی

ے کہ تم ان آیات کو دیدارِ الٰہی پر محمول کر رہے ہو۔

ے ان آیات میں قرب سے مراد حضور کا جبریل سے قرب ہے اور انھی کا دیکھنا ہے۔ اس کے جد سیدہ نے ان ایسی چیزوں کا تذکرہ کیا جو کسی کے لیے بھی ثابت کرنا جائز نہیں۔

ے معراج کی رات

ے بصورتِ احکام و شرائع دین

ے اجیاد، ہمزہ پر زبر، جیم ساکن، مسفلہ مکہ میں مشہور جگہ کا نام ہے یا پہاڑ ہے جس کی طرف حرم شریف کا ایک دروازہ ہے۔ اسے باب الاجیاد بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ حدیث میں بندہ کے استاذ قاضی علی بن جار اللہ جب اس حدیث پر پہنچے تو ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے اے عبدالحق ہمارا کیا حال ہے۔ یہ مقامات اور پہاڑ جو تم دیکھ رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی تجلیات کا مرکز ہیں۔

ے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ مختار قول یہ ہے کہ پروں سے مراد قوت ملکیہ ہے۔ جب قرآن مجید میں ملائکہ کے لیے پروں کا ذکر ہے تو ہمیں اس پر ایمان رکھنا چاہیے۔ یہاں تک کہ ہم پر یہ حقیقت کھل جائے

ے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدارِ الٰہی نہیں کیا تو اس آیت کا کیا معنی ہے؟

ے عظمت صورت کی وجہ سے۔

۵۴۱۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ قَوْلِهٖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى وَفِيْ قَوْلِهٖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى وَفِيْ قَوْلِهٖ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے میں مروی ہے کہ تو ہوا دو کمانوں کا فاصلہ یا اور زیادہ قریب اور اس فرمانِ الٰہی کے بارے میں کہ نہیں

رَبِّهِ الْكُبْرٰى قَالَ فِيْهَا كُلِّهَا رَاٰى
جِبْرَئِيْلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ
قَالَ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى قَالَ
رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ جِبْرَئِيْلَ فِيْ حُلَّةٍ مِّنْ رَفْرَفٍ
قَدْ مَلَأَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
وَلَهُ وَلِلْبُخَارِيِّ فِيْ قَوْلِهِ لَقَدْ رَاٰى
مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى قَالَ رَاٰى
رَفْرَفًا اَخْضَرَ سَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ
وَسُئِلَ مَالِكُ ابْنُ اَنَسٍ عَنْ قَوْلِهِ
تَعَالٰى اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ فَقِيْلَ قَوْمٌ
يَقُوْلُوْنَ اِلٰى ثَوَابِهِ فَقَالَ مَالِكٌ
كَذَبُوْا فَاَيْنَ هُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالٰى
كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
لَّمَحْجُوْبُوْنَ قَالَ مَالِكٌ اَلنَّاسُ
يَنْظُرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
بِاَعْيُنِهِمْ وَقَالَ لَوْ لَمْ يَرَ الْمُؤْمِنُوْنَ
رَبَّهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَمْ يُعَيِّرِ اللّٰهُ
الْكُفَّارَ بِالْحِجَابِ فَقَالَ كَلَّا اِنَّهُمْ
عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

جھٹلایا دل نے جو دیکھا اور رب کے اس فرمان کے بارے
میں کہ بے شک آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں
دیکھیں۔ فرمایا ان سب میں حضور نے حضرت جبرئیل کو دیکھا
جن کے چھ سو بازو تھے (بخاری و مسلم) ترمذی کی روایت
میں ہے فرمایا دل نے نہیں جھٹلایا جو دیکھا فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو باریک ریشم کے
جوڑے میں دیکھا کہ انھوں نے آسمان و زمین کو بھر دیا تھا
ترمذی اور بخاری کی روایت میں رب تعالیٰ کے اس
فرمان کے متعلق ہے۔ بے شک ریشمی جوڑے میں دیکھا
کہ انھوں نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا ہے اور
بخاری کی روایت میں اس آیت کے متعلق ہے کہ بے شک
اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ فرمایا آپ نے باریک
سبز ریشم دیکھا جس نے آسمان کا کنارہ بھر دیا تھا[۱]۔ اور
امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے اس ارشاد باری تعالیٰ
کے بارے میں پوچھا گیا اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کہ ایک قوم
کہتی ہے کہ لوگ رب کے ثواب کو دیکھیں گے۔ تو امام
نے فرمایا جھوٹ کہا وہ اس فرمان باری کو کہاں لے جا
رہے ہیں کہ خبردار وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں
ہوں گے۔ امام مالک نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ
اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ فرمایا اگر قیامت
کے دن مومن اپنے رب کو نہ دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو
حجاب سے عار نہ دلاتا۔ اس نے فرمایا کہ وہ اس دن
اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔ (شرح السنہ)

[۱] رفرف ۔ اس کے کئی معانی ہیں۔ وہ سبز کپڑا جو نہایت ہی باریک ریشم سے خوب صورت طریقہ سے بنایا گیا ہو، بچھونا، فراش، سنجاف، دامن خیمہ کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں اول معنی مراد ہے۔ بعض نے اس سے جبرئیل امین کے بازو مراد لیے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی جا بجا ہائے فرش کی طرح بچھتے ہیں۔ رفرفہ، پرندہ کے پروں کو کھولنا کے معنی میں آتا ہے۔ نیچے آنے کے لیے پروں کو کشادہ کرنے کے معنی میں بھی ہے۔

سلہ اہم نوٹ، سابقہ گفتگو سے معلوم ہو چکا ہے کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو سَر کی آنکھوں سے دیکھنے کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کی ہے اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا اثبات فرمایا ہے اور ہر ایک کے ساتھ صحابہ کی رائے ہے۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین میں بھی اختلاف رہا۔ بعض نے یہ کہتے ہوئے خاموشی اختیار کی کہ کسی طرف واضح دلائل نہیں ہیں جمہور علماءِ امت نے اثبات کو اختیار کیا۔ امام محی الدین نووی کہتے ہیں اکثر کبار علماء کے نزدیک راجح و مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے اور فرمایا جن صحابہ نے اس کا اثبات کیا ہے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں کہا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطورِ دلیل اس پر کوئی فرمانِ نبوی اور حضور سے سنی کوئی چیز پیش نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ان ارشاداتِ گرامی سے استدلال و اجتہاد کیا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ - لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ توان کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں بحالت دیدار کلام کی نفی ہے۔ مگر بغیر کلام کے دیدار کی نفی لازم نہیں آتی دوسری آیت میں احاطہ کی نفی ہے اور احاطہ کی نفی سے مطلق رویت کی نفی نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں حضرت ابنِ عباس کا قول معتمد و متعین ہے کیونکہ انھوں نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں کہی اور یہ جائز بھی نہیں کہ اتنا بڑا قول اپنے اجتہاد کی بناء پر کر دیا جائے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس معاملہ میں ان سے رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے ربِ کریم کا دیدار کیا ہے انھوں نے فرمایا ہاں دیدار کیا ہے۔ حضرت ابنِ عمر نے اسے تسلیم کر لیا اور کسی تردد و انکار کا اظہار نہ فرمایا۔ عمر بن راشد کہتے ہیں کہ میرے نزدیک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابنِ عباس سے زیادہ فاضلہ نہیں ہیں۔

اکثر مشائخ صوفیہ کے ہاں بھی دیدارِ الٰہی ثابت ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کمال حاصل ہے جو مخلوق کے اذہان و عقول سے ماوراء ہے۔ خصوصاً شبِ معراج جس میں آپ کو مقامِ قرب کا اتم، اکمل اور ارفع درجہ نصیب ہوا اور دنیا میں دیدارِ الٰہی کے ممکن ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر ایسے انتہائی قرب کے مقام میں بھی ممکن الوقوع کا حصول نہیں ہوا تو کسی دوسرے کو یہ کہاں اور کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ (تو ممکن ہونے کا کیا فائدہ از مترجم)

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سر کی آنکھ کے ساتھ دیکھنا دارِ آخرت کے ساتھ مخصوص اور اس عالم پر موقوف ہے لیکن اس میں کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس عالم میں اس عالم کے لائق سر کی آنکھ کے ساتھ دیدار کے باوجود بعض حالات اور تفصیلات دارِ آخرت پر موقوف ہوں۔

چونکہ اس مقام پر گفتگو علم و نقل کے حوالے سے ہو رہی ہے لہٰذا اسی قدر پر ہم اکتفا کر رہے ہیں۔ اہلِ معرفت و تحقیق کے ہاں یہاں کلام ہی اور ہے۔

سلہ بعض نے کہا یہاں اِلٰی بمعنی نعمت ہے یعنی وہ اپنے پروردگار کی نعمت کا انتظار کریں گے۔

سلہ یہ کفار کی مذمت و ہجو میں کلام نازل ہوا ہے

سلہ یہ کفار کے حق میں تعذیب تب ہی بنتی ہے کہ دوسرے لوگ دیدار سے محظوظ ہوں اور کافر اس سے محروم و مخذول

ہوں۔ اگر اہل ایمان بھی محجوب ہوں تو کفار کو سرزنش کیسے ہوگی۔

۵۴۱۹ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ قَالَ فَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّعِيْمِ مَا دَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهٗ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت نعمتوں کے اندر ہوں گے کہ ان کے اوپر ایک نور چھا جائے گا۔ وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو رب تعالیٰ ان کے اوپر جلوہ افروز ہوگا، فرمائے گا کہ اے اہل جنت تمھارے اوپر سلامتی ہو۔ ارشاد ہوا کہ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ربّ[۱] رحیم کی طرف سے سلام کیا جائے گا۔ فرمایا وہ ان کی طرف دیکھے گا اور یہ اس کی طرف دیکھیں گے اور جب تک اس کی طرف دیکھتے رہیں گے تو کسی اور نعمت کی طرف توجہ نہیں کریں گے یہاں تک کہ ان سے حجاب فرمائے گا اور اس کا نور[۲] باقی رہ جائے گا[۳] (ابن ماجہ)

[۱] امام بیضاوی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجے گا۔ بواسطہ ملائکہ یا بے واسطہ۔ اس حدیث نے واضح کر دیا کہ یہ سلام بلا واسطہ ہوگا۔

[۲] دیدار کا ذوق و سرور

[۳] یہ حجاب دستر بھی اس احسان فرمانے والے رحیم کی طرف سے بندوں پر لطف و مہربانی ہوگی۔ کیونکہ ہمیشہ اس کا دیدار شہود اور اس کے نور میں مستغرق ہونا کس کی طاقت ہے اور اس کی کسے تاب ہے۔ کچھ وقت کے لیے اہل جنت اپنے حال میں لوٹ آئیں اور پھر وہ صفات جو جنت کی نعمتوں کی صورت میں ہیں اس کا مشاہدہ کریں تاکہ وہ دوسری تجلی کے مستحق ہو جائیں اور ہر بار ایک نئی لذت و سرور نصیب ہو۔

✣ ✣ ✣

بَابُ صِفَةِ النَّارِ وَاَهْلِهَا

جہنّم اور اہلِ جہنّم کے بارے میں

نار کا معنی آگ ہے۔ نار اور نور کا اشتقاق ایک ہی مادہ ہے۔ نار کی جمع نیران اور نیر ہے۔ نون کے نیچے زیر اور یاء پر زبر۔ نور، نیار اور نیار اس کا استعمال بطور مؤنث ہوتا ہے۔ لیکن مذکر کے طور پر بھی آیا ہے۔ اصطلاح شرع میں دوزخ کی آگ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

الفصل الاول

۵۴۱۹ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِّنَ النَّارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّیْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ نَارُكُمُ الَّتِیْ یُوْقِدُ ابْنُ اٰدَمَ وَفِیْهَا عَلَیْهَا وَكُلُّهَا بَدَلَ عَلَیْهِنَّ وَكُلُّهُنَّ

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے[1]۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ یہی آگ کافی تھی[2]۔ فرمایا وہ آگ ان آگوں سے انہتر درجہ زیادہ تیز رکھی گئی ہے[3]۔ ہر درجہ اس آگ کی مثل ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں تمہاری وہ آگ ہے جو انسان جلاتا ہے اور اس روایت میں علیہن اور کلہن کی جگہ علیہا اور کلہا ہے۔

[1] یعنی دوزخ کی آگ اس دنیوی آگ سے ستر مرتبہ زیادہ گرم ہے۔ اس عدد سے مقصد تعیین نہیں بلکہ کثرت و مبالغہ ہے۔ باقی اس عدد سے کثرت مراد مشہور و متعارف ہے۔

[2] اس سے سخت آگ پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

[3] یہ سلیقہ گفتگو کی تاکید اور اسے پختہ فرمایا ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عذاب خدا، عذاب خلق سے ممتاز ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ باقی مختلف عذابوں سے آگ کے عذاب کو ترجیح دی گئی ہے۔

۵۴۲۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن دوزخ لائی جائے گی۔ ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اُسے کھینچیں گے۔ (مسلم)

۵۴۲۱ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں میں سے سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہوگا جس کے لیے آگ کا جوتا اور تسمے ہوں گے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے جیسے ہانڈی کھولتی ہے۔ وہ نہ سمجھے گا کہ کوئی بھی اس سے سخت تر عذاب والا ہے حالانکہ وہ ان سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۵۴۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے ابوطالب ہوں گے وہ دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے دماغ کھولتا ہوگا۔

(البخاری)

۵۴۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صِبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَاَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن عیش والے دنیادار دوزخی کو لایا جائے گا اسے آگ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا پھر کہا جائے گا اے انسان کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی نعمت آئی تھی؟ وہ کہے گا یا رب! واللہ کبھی نہیں اور دنیا میں سخت مصیبت زدہ جنتی کو لایا جائے گا اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا اے انسان تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی تھی تجھ پر کوئی سختی آئی تھی۔ وہ کہے گا یا رب! واللہ کبھی نہیں نہ مجھ پر کوئی تکلیف آئی نہ میں نے کبھی کوئی

بُؤْسًا قَطُّ وَلَا رَاَیْتُ شِدَّۃً قَطُّ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) سختی دیکھی ۔ (المسلم)

سلہ جیسے کہ کپڑے کو رنگ دینے کے لیے خم میں ڈالا جاتا ہے ۔

سلہ دوزخ کی سختی کے بعد اسے دنیا کی ہر نعمت و آسانی اس طرح بھول جائے گی جیسے اس نے اسے پایا ہی نہ تھا ۔

سلہ یہاں اس بات کی تصریح ہے کہ اسے تکالیفِ دنیا اور اس کے مصائب ہر طرح فراموش ہو جائیں گے ، مگر دوزخی کو دوزخ کی وجہ سے اگرچہ دنیا کی آسانی سے فراموشی ہو گی مگر کچھ نہ کچھ اسے یاد ہو گا جس پر اسے حسرت و افسوس ہو گا ۔

۵۴۲۴ وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ لِاَھْوَنِ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَوْ اَنَّ لَکَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اَکُنْتَ تَفْتَدِیْ بِہٖ فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیَقُوْلُ اَرَدْتُّ مِنْکَ اَھْوَنَ مِنْ ھٰذَا وَاَنْتَ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا فَاَبَیْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِکَ بِیْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ روز قیامت ہلکے عذاب والے دوزخی سے کہے گا اگر تیرے پاس ساری زمین کی دولت ہوتی تو کیا سلہ اسے فدیہ میں دے دیتا وہ کہے گا ہاں ۔ سلہ پھر اللہ اس سے فرمائے گا میں نے اس سے آسان چیز طلب کی تھی جبکہ تو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا کہ تو کسی کو میرا شریک نہ بنا سلہ مگر تو میرے شریک ٹھہرانے کی سزا سے انکاری ہو گیا ۔ سلہ (بخاری و مسلم)

سلہ یعنی بطور فدیہ دے دے تاکہ اس کا عذاب ختم کر دیا جائے ۔

سلہ وہ تمام فدیہ دے کر رہائی خریدنا چاہتا ہوں ۔

سلہ یہ اس عہد و پیمان کی طرف اشارہ ہے جو روزِ ازل سے لیا گیا تھا ۔ باقی دنیاوی امر و نہی اسی عہد پر مبنی ہیں

سلہ تو نے وہ عہد توڑ ڈالا اور میری سرکشی اور بغاوت اختیار کر لی ۔

۵۴۲۵ وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی کَعْبَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِہٖ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت سمرہ سلہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے کسی کو آگ ٹخنوں تک پکڑے گی اور ان میں سے کسی کو آگ گھٹنوں تک پکڑے گی اور ان میں سے کسی کو آگ کمر تک پکڑے گی اور ان میں سے کسی کو آگ گردن سلہ تک پکڑے گی (المسلم)

سلہ مشہور صحابی ہیں ۔ اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ امام حسن بصری اور امام ابن سیرین انہی سے روایت کرتے ہیں

سلہ ترقوتہ ۔ تاء پر زبر ، را ساکن ، قاف پر پیش گردن اور حلق کے درمیان کی ہڈی

۵۴۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ وَفِیْ رِوَایَةٍ ضِرْسُ الْکَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِیْرَةُ ثَلٰثٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اِشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّهَا فِیْ بَابِ تَعْجِیْلِ الصَّلٰوةِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخ میں کافر کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کافر کی ایک ہی داڑھ احد[1] پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر۔ (مسلم، اور اِشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّهَا والی حدیث ابوہریرہ پہلے باب تعجیل الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

[1] احد۔ الف اور حاء دونوں پر پیش۔ مدینہ طیبہ کے قریب دیگر پہاڑوں سے جدا پہاڑ کا نام ہے۔ اس وجہ سے اسے احد کہا جاتا ہے۔

الفصل الثانی — دوسری فصل

۵۴۲۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْقِدَ عَلَی النَّارِ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی ابْیَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک دھونکا گیا۔ حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی۔ پھر اس پر ہزار سال تک دھونکا گیا حتیٰ کہ سفید[1] ہوگئی۔ پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتیٰ کہ سیاہ ہوگئی چنانچہ وہ سیاہ تاریک[2] ہے۔ (ترمذی)

[1] جب آگ تیز ہوتی ہے تو وہ صاف تر اور سفید ہوجاتی ہے۔ اس کی سرخی دھوآں بن جاتی ہے۔
[2] اب وہاں ہرگز روشنی نہیں۔

۵۴۲۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضِرْسُ الْکَافِرِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِثْلُ اُحُدٍ وَفَخِذُهٗ مِثْلُ الْبَیْضَاءِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کی داڑھ روزِ قیامت احد کی مانند ہوگی اور اس کی ران بیضاء[1] کی طرح اور اس کی آگ کی نشستگاہ ربذہ[2] کی طرح تین دن کی راہ ہوگی۔ (ترمذی)

[1] یہ بھی پہاڑ کا نام ہے
[2] ربذہ، راء، باء، ذال تمام پر زبر، قریہ کا نام ہے۔ مدینہ طیبہ سے تین دن کی مسافت پر ہے۔

۵۴۲۹/۱۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَّاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَّاِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس گز ہوگی اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح اور اس کی دوزخ کی بیٹھک ایسی ہوگی جیسی مکہ اور مدینہ کے درمیان کے قریب کی مسافت[1] ہے (ترمذی)

[1] جو بارہ یا اس سے زیادہ دنوں کی مسافت ہے۔

۵۴۳۰/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْكَافِرَ لَيُسْحَبُ لِسَانُهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّاهُ النَّاسُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر اپنی زبان کوس دو کوس نکالے گا جسے لوگ روندیں گے۔ (مسند احمد، ترمذی اور کہا یہ حدیث غریب ہے)

۵۴۳۱/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِّنْ نَّارٍ يَتَصَعَّدُ فِيْهِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَّيُهْوٰى بِهٖ كَذٰلِكَ فِيْهِ اَبَدًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صعود[1] آگ کا پہاڑ ہے جس میں دوزخی ستر سال چڑھے گا اور وہاں سے گرے گا اور ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا (ترمذی)

[1] قرآن مجید میں ہے سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا، صاد پر زبر، آگ کا پہاڑ

۵۴۳۲/۱۲ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ كَالْمُهْلِ اَيْ كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَاِذَا قُرِّبَ اِلٰى وَجْهِهٖ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهٖ فِيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کَالْمُھْلِ[1] کے بارے میں فرمایا یعنی تیل کی تلچھٹ[2] کی طرح تو جب اس کے چہرے کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر جائے گی۔ (ترمذی)

[1] کَالْمُھْلِ میم پر پیش، ہا ساکن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی تشریح کی اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ زقّوم کا درخت ہوگا اور ان کے پیٹ میں وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح جوش مارے گا۔

[2] جسم سے پیپ جاری ہوتی ہے اسے بھی مُھْل کہا جاتا ہے۔

۵۴۳۳/۱۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلَى رُءُوسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلُتُ مَا فِي جَوْفِهِ حَتَّى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گرم پانی دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا تو یہ گرم پانی اس میں سرایت کر جائے گا حتیٰ کہ اس کے پیٹ تک پہنچ جائے گا تو اس کے پیٹ کی چیزوں کو کاٹ ڈالے گا۔ حتیٰ کہ اس کے قدموں سے نکل جائے گا یہی صہر[1] ہے پھر جیسا تھا ویسا لوٹا دیا[2] جائے گا۔ (ترمذی)

[1] صہر صاد پر زبر، ہاء ساکن، اس کا معنی دل میں جلن پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ (ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا اسے اور ان کی کھالوں کو وہ پگھلا دے گا۔ یعنی شدت حرارت کی وجہ سے ان کے ظاہر و باطن پر اس کا اثر ہوگا۔

[2] یا پھر ان کے چمڑے، آنتیں وغیرہ دوبارہ پہلے کی طرح کر دیا جائے گا اور پھر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا

۵۴۲۴ [۱۶] وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ يُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ قَالَ يُقَرَّبُ إِلَى فِيهِ فَيَكْرَهُهُ فَإِذَا أُدْنِيَ مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهِ فَإِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ أَمْعَاءَهُ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهِ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ وَيَقُولُ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد ربانی يُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ کے متعلق فرمایا کہ جب اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو اسے وہ ناپسند کرے گا۔ اس کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال گر جائے گی جب اسے پیئے گا تو اس کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا جو اس کے پاخانے کی جگہ سے نکل پڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے جو ان کی آنتیں کاٹ ڈالے گا اور فرماتا ہے اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انھیں تلچھٹ جیسا پانی دیا جائے گا جو برا پانی ہے۔ (ترمذی)

۵۴۲۵ [۱۷] وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَسُرَادِقُ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مَسِيرَةُ أَرْبَعِينَ سَنَةً

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخ کے احاطے کی چار دیواریں[1] ہیں۔ ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت ہے۔ (ترمذی)

سلہ سُرادق، سین پر پیش، وہ چیز جو کسی کا احاطہ کرے مثلاً دیوار وغیرہ ۔ یہ سرا پردہ سے معرب ہے ۔
سلہ جمع جدار بمعنی دیوار، لفظ لسُرادِقُ دو طرح مروی ہے ۔ لام پر زبر اور قاف پر پیش یا لام کے نیچے زیر اور قاف پر بھی زیر، اوّل یہ معنی ہوگا ۔ احاطہ آگ دوزخ کی چار دیواری ہے ۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا ۔ آگ کا احاطہ چار دیواری نے کر رکھا ہے ۔

۵۴۲۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِّنْ غَسَّاقٍ[۱۸] يُهْرَاقُ فِى الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلُ الدُّنْيَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک ڈول غساقؔ کا دنیا میں بہا دیا جائے تو دنیا والے سارے بدبودار ہو جائیں ۔ (ترمذی)

سلہ غساق، سین پر شد یا مخفف وہ زرد پانی جو دوزخیوں کے اجسام سے بہے گا ۔ یا بعض نے ان کے آنسو مراد لیے ہیں ۔

۵۴۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ[۱۹] اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِىْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کیؔ ۔ اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر حالت اسلام میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر الزقومؔ کا ایک قطرہ اس دنیا میں ڈال دیا جائے تو دنیا والوں کی زندگی برباد کر دے گا ۔ اس کا کیا حال ہوگا جو اسے کھائے گا (ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے) ۔

سلہ تقویٰ چونکہ عذاب دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے اور اس کا ترک عذاب میں گرفتار ہونے کا ذریعہ ہے ۔ لہٰذا اس مناسبت سے آپ نے یہ آیت پڑھی ۔
سلہ الزقوم، دوزخ میں ایک درخت ہے ۔

۵۴۲۸ وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ[۲۰] قَالَ تَشْوِيْهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتّٰى تَبْلُغَ وَسْطَ رَاْسِهٖ وَتَسْتَرْخِىْ شَفَتُهُ السُّفْلٰى حَتّٰى تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہؔ دوزخ میں ڈ بکر رہے ہوں گے ۔ فرمایا اسے آگ بھون دے گی تو اس کا اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا حتیٰ کہ اس کے سر تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک جائے گا ۔ حتیٰ کہ اس کی ناف تک پڑے گا ۔ (ترمذی)

سلہ اس آیت کا ابتدائی حصہ ہے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ كَالِحُوْنَ کا معنی ترش رو

ہونا۔ دانتوں کا ہونٹوں کے ساتھ پیوست ہوجانا۔
ف۲ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے۔
ف۳ تقلص، باب تفعّل ہے۔ قلوص کا معنی سایہ کا باہر آنا۔ دھونے کے بعد کپڑے سے پانی کا ٹپکنا۔

۵۴۳۹ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَتَبَاكَوْا فَاِنَّ اَهْلَ النَّارِ يَبْكُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى تَسِيْلَ دُمُوْعُهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ كَاَنَّهَا جَدَاوِلُ حَتّٰى يَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِيْلُ الدِّمَاءُ فَتَقَرَّحَ الْعُيُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِيَتْ فِيْهَا لَجَرَتْ

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! روؤ[۱] اور اگر نہ رو سکو تو بہ تکلف روؤ[۲]۔ کیونکہ دوزخی لوگ روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر ایسے بہیں گے گویا وہ نالیاں ہیں کہ آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں کو زخمی کر دیں گے۔ اگر کشتیاں اس میں بہائی جائیں تو بہہ جائیں۔

(شرح السنہ)

ف۱ خدا کے خوف سے
ف۲ اس کے خوف کا ذکر و تصور کر کے روئیں تاکہ حال نصیب ہو جائے

۵۴۴۰ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلْقٰى عَلٰى اَهْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ مِّنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِيْ غُصَّةٍ فَيَذْكُرُوْنَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُجِيْزُوْنَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَيُرْفَعُ اِلَيْهِمُ الْحَمِيْمُ بِكَلَالِيْبِ الْحَدِيْدِ فَاِذَا دَنَتْ مِنْ وُّجُوْهِهِمْ شَوَتْ وُجُوْهَهُمْ فَاِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ اُدْعُوْا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی تو یہ بھوک سارے عذابوں کے برابر ہو جائے[۱] گی جن میں وہ مبتلا ہیں۔ وہ فریاد کریں گے تو وہ ضریع[۲] میں سے دیے جائیں گے جو نہ موٹا کرے نہ بھوک سے نجات دے پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انھیں گا لنے والا کھانا دیا جائے گا تو انھیں یاد آئے گا کہ وہ دنیا میں کیسے پانی اتارتے تھے یعنی نگلتے تھے۔ چنانچہ وہ پانی مانگیں گے تو انھیں کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا لوہے کی کنڈیوں[۳] سے۔ جب وہ ان کے منہ کے قریب ہوگا تو ان کے منہ بھون دے گا۔ پھر جب ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں کی ہر چیز کاٹ ڈالے گا تو کہیں گے دوزخ کے منتظمین کو پکارو۔ مگر منتظمین کہیں گے

فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ قَالَ فَيَقُولُونَ ادْعُوا مَالِكًا فَيَقُولُونَ يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ فَيُجِيبُهُمْ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ قَالَ الْأَعْمَشُ نُبِّئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَإِجَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ قَالَ فَيَقُولُونَ ادْعُوا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَيَقُولُونَ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ قَالَ فَيُجِيبُهُمْ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَ قَالَ فَعِنْدَ ذَٰلِكَ يَئِسُوا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذَٰلِكَ يَأْخُذُونَ فِي الزَّفِيرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالنَّاسُ لَا يَرْفَعُونَ هٰذَا الْحَدِيثَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کیا تمھارے پاس رسول دلائل نہیں لائے۔ کہیں گے ہاں[۴] کہیں گے پکارے جاؤ کفار کی پکاریں ہیں ہی برباد۔ فرمایا پھر کہیں گے مالک[۵] کو پکارو۔ کہیں گے مالک[۶] اب تو تمھارا رب ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔ فرمایا وہ انھیں جواب دے گا تم یہاں رہو گے۔ اعمش[۷] کہتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ دوزخیوں کی پکار اور مالک کے جواب دینے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ[۸] ہو گا۔ پھر کہیں گے اپنے رب کو پکارو کہ تمھارے رب سے بہتر کوئی نہیں تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری بدنصیبی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال اگر اب ہم کفر کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ظالم ہیں۔ فرمایا انھیں جواب دے گا پڑے رہو اس[۹] میں مجھ سے بات[۱۰] نہ کرو۔ فرمایا اس وقت ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے[۱۱] اور اس وقت ندامت اور خرابی کی پکاریں[۱۲] مشغول ہوں گے۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن[۱۳] نے فرمایا کہ لوگ اس حدیث کو مرفوع[۱۴] قرار نہیں دیتے (ترمذی)

[۱] یہاں سے معلوم ہوا کہ بھوک کی آگ آتشِ دوزخ کے برابر ہے۔

[۲] خاردار گھاس جب خشک ہو جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

[۳] کَلُّوبٌ، کُلّاب، زبر اور پیش دونوں کے ساتھ۔ کنڈا (وہ لوہا جس کا سر ٹیڑھا ہو) اس کی جمع کلالیب ہے۔

[۴] انھوں نے ہمیں تبلیغ فرمائی مگر ہم نے ان کی نہ مانی اور ایمان نہ لائے۔

[۵] دوزخی آپس میں یا ملائکہ ان سے کہیں گے۔

[۶] جس کے سپرد دوزخ ہے۔

[۷] اس حدیث کے ایک راوی کا نام ہے۔

[۸] ہزار سال انتظار کرتے ہوئے عذاب چکھنا ہو گا۔

[۹] انھیں کتوں کی طرح دھتکار دیا جائے گا خساء کا معنی ہے کتے کو دھتکارنا اور بھگانا۔

[۱۰] یہ عذاب دور ہونے والا نہیں ہے۔

[۱۱] کیونکہ مالک جہنم نے بھی ان کی فریادرسی نہ کی۔ پروردگارِ عالم نے بھی ان کو دھتکار دیا اور ان کا اعتذار قبول نہ فرمایا اب وہ کس کے آگے روئیں گے۔

لـه زفیر، گدھے کی پہلی آواز کو کہا جاتا ہے جیسا کہ شہیق آخری آواز کو کہا جاتا ہے۔

لـه راویانِ حدیث میں ایک ہیں۔

لـه اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار نہیں دیتے بلکہ اسے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر موقوف رکھتے ہیں حالانکہ اسے حدیث مرفوع ہونا چاہیے، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ثابت ہو یا نہ، کیونکہ دوزخ اور قیامت کے معاملات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر بیان کیے جا سکتے ہیں۔

۵۴۴۱ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْ كَانَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا سَمِعَهُ أَهْلُ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں نے تم کو آگ سے ڈرایا۔ میں نے تم کو آگ سے ڈرایا کہا آپ یہ فرماتے رہے حتی کہ اگر حضور میری اس جگہ ہوتے تو بازار والے سن لیتے اور حتی کہ جو چادر آپ کی تھی وہ آپ کے قدموں کے پاس گر پڑی۔

(دارمی)

لـه حضرت نعمان بن بشیر نے

لـه بلند آواز سے فرمایا

۵۴۴۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ هٰذِهٖ وَأَشَارَ إِلٰى مِثْلِ الْجُمْجُمَةِ أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَهِيَ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعْرَهَا

(رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی کھوپڑی کی مثل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر اس کے برابر سیسے کا ٹکڑا آسمان سے زمین کی طرف گرایا جائے جب کہ یہ پانچسو سال کی مسافت ہے: تو سیسے کا وہ ٹکڑا رات سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا اور اگر زنجیر کے کنارے سے وہ ٹکڑا گرایا جائے تو وہ چالیس سال دن چلتا رہے گا قبل اس کے کہ اس زنجیر کی جڑ یا (فرمایا) اس کی گہرائی تک پہنچ جائے (ترمذی)

لـه جُمْجُمَة دونوں جیموں پر پیش، اس کا معنی ہے سر کی کھوپڑی اور لکڑی کا پیالہ یعنی اگر انسان کی کھوپڑی کے برابر سیسے کا گول ٹکڑا ہو جو گول بھی ہو اور بھاری بھی۔ یہ دونوں صفتیں اس سیسے کے ٹکڑے کے تیزی سے حرکت کرنے اور گرنے کا سبب ہیں۔

لـه یعنی زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کے چلنے کی مسافت ہے۔

۳؎ یعنی تھوڑی سی مدت میں

۴؎ جس کی لمبائی ستر گز ہے اور کافر کو اس میں پرو دیا جائے گا، جیسے ارشاد ربانی ہے ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ - الحاقۃ ۶۹/۳۲- (پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے، اسے پرو دو)

۵؎ یہ راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنجیر کی جڑ فرمایا یا گہرائی فرمایا - عبارت سے ظاہر ہے کہ اَصْلُهَا یا قَعْرُهَا کی ضمیر سلسلہ (زنجیر) کی طرف راجع ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر جہنم کی طرف راجع ہو، اس لیے کہ زنجیر میں پروئے ہوئے دوزخی دوزخ میں ہوں گے - پہلی صورت میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب زنجیر کی لمبائی ستر ہاتھ ہے تو اس میں اتنی لمبائی کہاں سے آجائے گی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ستر سے مخصوص عدد مراد نہیں ہے بلکہ کثرت اور مبالغہ مراد ہے - دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس جہان کے ہاتھ کو اس جہان کے ہاتھ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا - جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیراط اُحد پہاڑ کی مثل ہے - نیز جب کافروں کے اجسام حیران کن حد تک بڑے ہوں گے - جیسے کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ زنجیر کتنی بڑی ہو گی جس میں کافروں کی گردنوں اور پاؤں کو پرو دیا جائے گا - اس تقریر کے باوجود مخفی نہ رہے کہ جہنم کی طرف ضمیر کا راجع کرنا زیادہ ظاہر اور معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے -

۵۴۴۳/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ لَوَادِيًا يُقَالُ لَهٗ هَبْهَبُ يَسْكُنُهٗ كُلُّ جَبَّارٍ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابوبردہ ۱؎ نے اپنے والد گرامی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ میں ایک وادی ہے جس کا نام ھبھب ۲؎ ہے۔ ہر تکبر کرنے والا وہاں رہے گا (دارمی)

۱؎ ابوبردہ - باء پر پیش واو ساکن حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں - ثقہ تابعی، قاضی کوفہ میں ان کا نام حارث ہے - بعض نے کہا ان کا نام عامر ہے - بعض کے نزدیک یہی کنیت ان کا نام بھی ہے - اپنے والد کے علاوہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں - فاضل اہلِ علم میں سے تھے - ایک سو چار ہجری میں ان کا وصال ہوا -

۲؎ ھَبْهَب، بروزن جعفر، اس کا معنی تیز اور جلدی کے ہیں - اس وادی کو یہ نام دینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کی آگ گناہ گاروں کو جلانے میں تیز تر ہو گی -

الفصل الثالث

٥٤٤٤ (٢٦) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْظُمُ اَهْلُ النَّارِ حَتّٰى اَنَّ بَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنِ اَحَدِهِمْ اِلٰى عَاتِقِهٖ مَسِيْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ وَاِنَّ غِلَظَ جِلْدِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ ۔

(رَوَاهُمَا اَحْمَدُ)

تیسری فصل

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخی لوگ جہنم میں بڑے ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی کے کان کی لو سے کندھے تک سات سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہوگا اور اس کی کھال ستر گز موٹی ہوگی اور اس کی داڑھ کوہِ احد کی مانند ہوگی ۔

(مسند احمد)

٥٤٤٥ (٢٧) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي النَّارِ حَيَّاتٍ كَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا وَاِنَّ فِي النَّارِ عَقَارِبَ كَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْكَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا ۔

(رَوَاهُمَا اَحْمَدُ)

حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ میں اونٹنی[2] کی طرح کے سانپ ہیں ۔ ان میں سے ایک دوزخی کو ایک مرتبہ ڈسے گا تو اس کی تکلیف[3] چالیس سال تک محسوس کرے گا اور آگ میں پالان والے خچروں کی طرح بچھو ہیں ۔ ان میں سے ایک ڈنگ مارے گا تو اس کا ڈنگ چالیس سال تک تکلیف دے گا ۔

(مسند احمد)

[1] جزء، جیم پر زبر، زاء ساکن، اس کے بعد ہمزہ، بعض شروح مصابیح میں اس کی تصحیح یوں ہے جیم پر زبر اور زاء مشدد، صحابی ہیں۔ فتح مصر کے وقت سے وہاں ہی ٹھہر گئے اور مصر میں صحابہ میں سے آخری ہیں ۔

[2] البخت، باء پر پیش، طاقت ور اونٹ

[3] حموۃ، حاء پر زبر، میم ساکن، شدت الم وتکلیف

٥٤٤٦ (٢٨) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ثَوْرَانِ مُكَوَّرَانِ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ الْحَسَنُ وَمَا ذَنْبُهُمَا فَقَالَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حسن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج[1] اور چاند دونوں روز قیامت پنیر کے دو بل دار ٹکڑے ہونگے جنھیں آگ میں پھینکا جائے گا ۔ جناب حسن نے کہا ان دونوں کا کیا گناہ ہے؟ فرمانے لگے میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا رہا[2] ہوں ۔ اس پر حسن

فَسَكَتَ الْحَسَنُ
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

خاموش ہو گئے ۔
(بیہقی، کتاب البعث والنشور)

؎ ثور، ثاء پر زبر، پنیر کا ٹکڑا
؎ تم اس پر سوال کر رہے ہو؟ حضرت حسن کا سوال بطور تعجب تھا ۔

۵۴۴۷/۲۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا شَقِيٌّ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَنِ الشَّقِيُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ آگ میں بدنصیب ہی جائے گا ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ بدبخت کون ہے؟ فرمایا جو اللہ کی فرمانبرداری نہ کرے اور گناہ ترک نہ کرے (ابن ماجہ)

۳۵۲ - بَابُ خَلْقِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

جنّت و دوزخ کی تخلیق کا بیان

احادیث سے ثابت ہے کہ جنت و دوزخ کی تخلیق ہو چکی ہے ۔ اب بھی روز قیامت سے پہلے وہ موجود ہیں کچھ اہل بدعت اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ ان کی تخلیق بعد از قیامت ہوگی ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۴۴۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ وَقَالَتِ الْجَنَّةُ فَمَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَغِرَّتُهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى لِلْجَنَّةِ إِنَّمَا أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَقَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جنت و دوزخ کے درمیان مناظرہ ہوا ۔ دوزخ بولی میں خود داروں اور جابروں کے لیے خاص کی گئی ہوں ۔ جنت نے کہا میرا حال یہ ہے کہ مجھ میں صرف کمزور لوگ اور گرے پڑے سیدھے سادے ہی داخل ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے میں بندے پر رحم کروں گا

لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِیْ اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا فَاَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰی یَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ یَقُوْلُ قَطْ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَیُزْوٰی بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ فَلَا یَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهٖ اَحَدًا وَّاَمَّا الْجَنَّةُ فَاِنَّ اللّٰهَ یُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعے جس پر چاہوں گا عذاب کروں گا۔ تم میں سے ہر ایک کا بھرنا طے شدہ ہے لیکن دوزخ نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا مبارک پاؤں[۶] اس میں رکھے گا اور فرمائے گا بس[۷] بس بس، اس وقت وہ بھر جائے گی، اور اس کے بعض حصص دوسروں سے مل جائیں گے[۸]۔ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا[۹]۔ رہی جنت تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق اور پیدا[۱۰] فرمائے گا۔
(بخاری و مسلم)

سلہ یا تو ان کے درمیان مکالمہ ہوا یا ہر ایک نے شکایت کی کہ مجھ میں ایسا کیوں ہوا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میری مشیت ہے جسے چاہوں رحمت و کرم کا مقام اور جسے چاہوں قہر و غضب کا محل بنا دوں۔

سلہ سقط، سین اور قاف دونوں پر زبر، ردی سامان اور بے کار شے، یہ لوگ دوسرے لوگوں کی آنکھوں میں کوئی مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ یہ باعتبار اکثر و اغلب ہے ورنہ جنت میں انبیاء علیہم السلام، رسولانِ کرام، بادشاہ اور علماء بھی ہوں گے یا یہاں ضعفاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو بارگاہِ ایزدی میں تواضع اور خشوع و خضوع کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اپنے نفس کو خوار و پست رکھتے ہیں۔

سلہ غرهم، غین کے نیچے زیر اور راء مشدد، مراد سادہ دل اور فریب خوردہ ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ (اکثر سادے لوگ جنتی ہوتے ہیں)۔

سلہ قط۔ قاف پر زبر، طا ساکن، بمعنی بس۔

سلہ اللہ تعالیٰ کے لیے پاؤں کا اطلاق از قبیل متشابہات ہے۔ اور متشابہات کا حکم یہ ہے ان کو قرآن و حدیث میں جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان پر ایمان لانا ضروری ہے جو اس سے مراد ہے وہی حق ہے۔ ان کی کیفیت کے بیان سے بچا جائے، محفوظ مذہب یہی ہے۔ بعض نے ان کے معانی میں تاویل کی ہے تاکہ تشبیہ کا ایہام نہ ہو۔

سلہ یعنی اسے تنگ کر دیا جائے گا۔

سلہ ایسا نہ ہوگا کسی بے گناہ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے یا کسی جماعت کو پیدا کر کے جہنم کو پُر کر دے۔ یہاں ظلم سے مراد اس کی صورت ہے ورنہ اگر کسی بے گناہ کو وہ ڈال دے درحقیقت یہ ظلم نہیں کیونکہ اس نے اپنے ملک میں تصرف فرمایا ہے نہ کہ دوسرے کی ملک میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ صورۃً ظلم بھی نہیں فرماتا۔

سلہ یہ اس کا فضل ہے کہ کسی بے گناہ کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ مگر بے طاعت کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

۵۴۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا قَدَمَهٗ فَيَنْزَوِىْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا يَزَالُ فِى الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنَهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ فِىْ كِتَابِ الرِّقَاقِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ دوزخ میں ڈالے جاتے رہیں گے وہ کہے گی اور بھی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ رب العزت اس میں اپنا قدم مبارک رکھے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے کے قریب ہو جائے گا اور کہے گی بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم، جنت میں وسعت رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کر کے اسے جنت کے زائد حصے میں ٹھہرائے گا (اور حفت الجنۃ بالمکارہ والی حدیث انس باب الرقاق میں ذکر ہو چکی ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ جن و انس

۲؎ وہ پُر نہ ہوگی اضافہ کی طلب کرے گی

۳؎ میں پُر ہو گئی ہوں

۴؎ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۴۵۰ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا فرمائی تو جبرئیل سے فرمایا جاؤ اسے دیکھو انھوں نے جا کر اسے دیکھا اور جو اس کے رہنے والوں کے لیے تیار کیا تھا واپس آکر عرض کیا اے رب! تیری عزت کی قسم! کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اس میں داخل نہ ہو جائے۔ پھر اسے مشقتوں ۱؎ سے ڈھانپ دیا پھر فرمایا اے جبرئیل! اسے ۲؎ جا کر دیکھو وہ کہیں گے میں گیا اور دیکھا واپس آکر عرض کرنے لگے اے رب اکرم تیری عزت کی قسم میں تو ڈرتا ہوں کہ مبادا اس میں ایک بھی داخل نہ ہو جب اللہ تعالیٰ نے جہنم پیدا کی تو جبرئیل سے فرمایا اسے جا کر

فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

دیکھو وہ گئے دیکھا واپس آکر عرض کیا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم نہیں سنا جائے گا کہ اس میں ایک بھی داخل ہو پس اسے خواہشات سے ڈھانپ دیا۔ پھر فرمایا جبرئیل اب جاؤ دیکھو انھوں نے دیکھا اور آکر عرض کیا اے میرے رب تیری عزت کی قسم میں تو ڈرتا ہوں کہیں ہر کوئی اس میں داخل نہ ہو جائے۔
(ترمذی ، ابوداؤد، نسائی)

ف۱ ہم نے اسے کس قدر جمیل و لطیف بنایا ہے

ف۲ اس کا مقصد جنت کا حسن و جمال بیان کرنا ہے یعنی جو بھی اس کے بارے میں سنے گا اس میں جانے کی تمنا کرے گا۔

ف۳ وہ چیزیں جن کو طبیعت پر بجالانا مشقت ہو جو شخص اوامر و نواہی پر عمل نہیں کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

ف۴ مشقتوں سے ڈھانپنے کے بعد۔

ف۵ مقصود احکام شرعیہ پر عمل کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے کہ جنت کا داخلہ نہایت ہی دشوار ہے۔

ف۶ اس کی ہیبت و رعب کی وجہ سے۔

ف۷ جو چیزیں جن کی طرف نفس مائل ہوتا ہے اور وہ گناہ و معاصی ہیں۔

ف۸ آگ یا خواہشات کو

ف۹ یعنی ان خواہشات کی طرف ہر نفس مائل ہوگا جس کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائے گا

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۴۵۱ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى لَنَا يَوْمًا الصَّلٰوةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ اُرِيْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قِبَلِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اپنے مبارک ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا فرمایا ابھی جب میں نے نماز پڑھائی تو جنت و دوزخ اس دیوار کی جانب اپنی شکل میں دکھائی گئیں میں نے آج کے دن کی طرح خیر و شر والا جامع دن نہیں دیکھا۔
(البخاری)

سلہ قبل ، قاف کے نیچے زیر باء پر زبر یا پیش ، قاف پر پیش اور باء ساکن سے مروی ہے اس کے مقابل ہے ۔

سلہ بہشت کو نہایت خوبصورت اور دوزخ کو نہایت بدصورت دیکھا ہے ۔

سلہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت ودوزخ اس قدر وسیع ہونے کے باوجود دیوار پر کیسے متمثل ہو گئے اس کا جواب یہ ہے یہ اسی طرح متمثل ہو گیا جیسے کوئی باغ یا شہر باوجود اپنی وسعت کے آئینہ یا پانی میں متمثل ہو جاتا ہے اور شے کی تمثیل کے لیے طول وعرض میں شے کے برابر ہونا ضروری نہیں ہوتا اور حدیث سے یہ بھی لازم نہیں آرہا کہ جنت ودوزخ کا تمثیل دیوار پر ہوا تھا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ دیوار پر تمثیل ہوا بلکہ فرمایا دیوار کی جانب ہوا تو کہا جا سکتا کہ تمثل اس طرف ہوا اور وہ کوئی دوسرا جہان تھا ۔

بعض روایات میں الفاظ میں رایت الجنۃ والنار فی عرض ھذا الحائط (میں نے جنت ودوزخ کو اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھا ہے) تو عرض (عین پہ پیش اور راء ساکن) طرف اور جانب کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں اس مذکورہ روایت سے اعتراض کیا جاتا ہے جس کا یہی جواب ہے ۔ بعض شارحین نے فرمایا یہ مراد نہیں کہ اس دیوار کی جانب میں نے جنت دوزخ کو دیکھا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ میں نے اس حال میں جنت ودوزخ دیکھا جس جانب میں تھا تو اب کوئی اشکال نہیں ۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

۲۵۲ ۔ خلق کی تخلیق کی ابتداء اور حضرات انبیاء کے تذکرہ کا بیان

مخلوق کی ابتداء کا بیان ہے اور انبیاء کا ذکر کیونکہ انہی کے ذریعے دین، ملت، عالم وکائنات کے امور کی اصلاح اور انتظام ہوتا ہے ۔ نوع انسان کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی ۔ واضح رہے تمام ملتیں حتیٰ کہ مجوسی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عالم حادث ہے یعنی یہ عدم سے وجود میں لایا گیا ہے اور پہلے سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا فرمایا۔ اس سلسلہ میں سب سے اعلیٰ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کان اللہ ولم یکن شیء (اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تھی، اس کے ساتھ اور کوئی نہ تھا) پھر لوح وقلم کو پیدا فرما کر دیگر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ان کی تقدیر لکھی اس کے بعد عرش، کرسی، آسمان، زمین، فرشتے اور جن وانس پیدا کیے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ اجسام مع صفات حادث ہیں ۔ بعض کی رائے یہ ہے

کہ اجسام میں اول مخلوق پانی ہے کیونکہ وہ تمام صورتوں کے قابل ہے۔ جب لطیف ہوتا ہے تو ہوا بنتا ہے اس کے خلاصہ سے آگ پیدا ہوتی، اس کے دھویں سے آسمان ہے۔ دھویں کا آسمان پر اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس قول کی نسبت بعض حکماء کی طرف ہے جن کا نام اذثالس ملطی ہے لیکن شارحین نے فرمایا اس نے یہ قول حضور علیہ السلام کی تعلیمات سے اخذ کیا ہے۔ تورات کے صفحہ اول میں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر کو پیدا فرمایا پھر اس میں ہیبت وجلال کے ساتھ نظر فرمائی وہ پگھل کر پانی ہوگیا اس سے بخارات دھوئیں کے مانند اڑے اس سے آسمان پیدا فرمایا، اس پانی پہ جھاگ پیدا ہوئی اس سے زمین پیدا کر دی پھر اس کے بعد پہاڑوں کو گاڑ دیا گیا اس بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں لیکن ان امور کو عقل دنیا سے ماپا نہیں جاسکتا ہاں وحی سے یا اس سے حاصل شدہ علم سے انھیں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بحقائق الامور۔

الفصل الاوّل

۵۴۵۲ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهٗ قَوْمٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰى يَا بَنِيْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰى يَا اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ وَلِنَسْاَلَكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهٗ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ اَتَانِيْ رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرَانُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا وَايْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ اَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ اَقُمْ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پہلی فصل

حضرت عمران بن حصین[1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا ایک قوم بنو تمیم کی آپ کی خدمت میں آئی فرمایا بشارت قبول کرو[2] وہ کہنے لگے آپ نے ہمیں بشارتیں تو دے دیں ہم کو تو کچھ دیجیے پھر یمن کے کچھ لوگ آئے حضور نے فرمایا جب بنو تمیم بشارت قبول نہیں کرتے تو تم قبول کر لو، انھوں نے کہا ہم قبول کرتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ دینی علم سیکھیں اور آپ سے اس چیز[3] کی ابتداء پوچھیں کہ کیا چیز تھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے آسمان زمین[4] پیدا کیے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی[5]۔ پھر میرے پاس ایک شخص آیا کہنے لگا اے عمران! اپنی اونٹنی پکڑو وہ بھاگ گئی[6] ہے تو میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا اور اللہ کی قسم میری تمنا ہے کہ وہ چلی گئی ہوتی اور میں وہاں سے نہ اٹھتا۔ (بخاری)

---

[1] عمران بن حصین حاء پر پیش، صاد پر زبر، مشہور صحابی ہیں، تیس سال بستر پہ بیمار پڑے رہے یہ فرشتوں کو دیکھتے اور وہ ان کو سلام کہتے ایک بار انھوں نے داغ کے ذریعہ علاج کر دایا تو ملائکہ کا دیکھنا ختم ہوگیا (دوبارہ پھر

شروع ہو گیا تھا)۔

سلہ تم ان عقائد و اعمال کو قبول کر لو جو دخولِ جنت کا ذریعہ ہیں اور دارین میں کامیابی کی بشارت اور فلاح کا مدار ہیں چونکہ ان کا مطمع نظر دنیا اور اس کا متاع تھا (اس سے اللہ کی پناہ)

سلہ تو انھوں نے کہا ہم نے بشارت سن لی قبول کی مگر ہمیں دنیا کا سامان دو۔

سلہ تحقیق کے بارے میں

سلہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عرش اور پانی کی تخلیق، آسمان و زمین سے پہلے کی ہے اور پانی پر عرش کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی شے نہ تھی یہ معنی نہیں کہ عرش بالکل پانی کے اوپر تھا اور اس پانی سے مراد دریا کا پانی بھی نہیں بلکہ اس سے مراد دوسرا پانی ہے جو زیر عرش تھا۔ اس کا تذکرہ باب الایمان بالقدر میں گزر چکا ہے۔

سلہ یا تو حروف ایجاد فرماتے یا ملائکہ کو لکھنے کا حکم دیا ظاہر یہی ہے کہ یہ لکھنا عرش کی تخلیق سے پہلے ہے۔

سلہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

سلہ حضرت عمران اپنی اونٹنی بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کسی نے خبر دی کہ اونٹنی بھاگ گئی ہے وہ مجبوری کی وجہ سے اٹھے مگر افسوس کیا کیونکہ صحبت نبوی کے فوائد سے محروم ہو رہے تھے۔

۵۴۵۳ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ہمیں مخلوق کی پیدائش کے بارے میں بتانا شروع فرمایا یہاں تک کہ جنتی اپنے منازل پر جنت میں داخل ہو گئے اور جہنمی اپنے ٹھکانوں پر جہنم میں پہنچ گئے، اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور وہ بھول گیا جو بھول گیا۔ (بخاری)

سلہ وعظ و نصیحت پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا۔

سلہ مبداء و معاد کے احوال یعنی از ابتدا تا انتہا تمام بیان فرما دیا۔

سلہ حاصل معنی یہ ہے بعض نے یاد رکھا بعض نے بھلا دیا۔

۵۴۵۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ إِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ فَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کرنے سے پہلے ایک تحریر لکھی کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھ کر ہے پس وہ لکھا ہوا اس کے پاس عرش پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اس سے مراد آثار رحمت کے ظہور کی کثرت اور اس کا تمام مخلوق کو شامل اور حاصل ہونا ہے۔ رہا غضب تو

وہ کبھی کبھی بعض مقامات پر معرض وجود میں آتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے اِنَّ عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (میرا عذاب اس کو پہنچتا ہے جس کو میں چاہوں گا اور میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے) ۔

۵۴۵۵ وَعَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ نُوْرٍ وَّخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں کو نور[1] سے پیدا کیا گیا اور جنات[2] کو خالص آگ[3] سے ، اور آدم کو جس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ تم سے بیان[4] کر دی گئی ہے (المسلم)

[1] قاموس میں ہے نور کا معنی روشنی یا اس کی شعاع ہے ، یہاں روشن جوہر مراد ہے ۔ معنیٔ نور پر تفصیلی گفتگو کے لیے اس گفتگو کا مطالعہ ضروری ہے جو مفسرین کرام نے "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کے تحت کی ہے ۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "مشکوٰۃ الانوار" میں اس پر بڑی طویل بحث کی ہے ۔ ہم نے اس رسالہ کا ترجمہ کرتے ہوئے اس میں اضافات کیے ہیں ۔

[2] اس کا معنی جن ہے یا جنوں کا باپ جیسا کہ لفظ آدم ، بشر کے لیے بولا جاتا ہے ۔

[3] ایسی آگ جو دھویں سے خالی ہو ۔ نہایہ لغت میں مارج کے معنی مضطرب اور مختلط کے ہیں ۔ امام بیضاوی کے بقول مارج دھوئیں سے صاف آگ ہے " من نار " کا لفظ اس کا بیان ہے ۔ صحاح میں بھی یہی ہے ۔ قاموس میں ہے مارج من نار سے بے دھواں آگ مراد ہے ۔ بیضاوی نے بھی فرمایا ہے کہ نور سے مراد روشن جوہر ہے آگ کا حال بھی یہی ہوتا ہے ۔ مگر اس میں دھوئیں کی آمیزش ہوتی ہے جب صاف و شفاف ہو محض نور کی طرح ہوتی ہے جب وہ اصلی حالت میں ہو تو اس کا نور بجھ جاتا ہے اور وہ صرف دھوئیں کی صورت میں رہ جاتی ہے ۔ الغرض فرشتے اور جن کے درمیان یہی فرق ہے ۔

[4] قرآن مجید میں ہے کہ اسے کیچڑ سے پیدا کیا گیا ہے ۔

۵۴۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰہُ اٰدَمَ فِی الْجَنَّۃِ تَرَکَہٗ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّتْرُکَہٗ فَجَعَلَ اِبْلِیْسُ یُطِیْفُ بِہٖ یَنْظُرُ مَا ھُوَ فَلَمَّا رَاٰہُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّہٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا یَتَمَالَکُ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں[1] حضرت آدم کی صورت بنائی تو جب تک چاہا اسے چھوڑے رکھا ۔ ابلیس اس کے پاس یہ دیکھنے کے لیے پھیرے[2] لگاتا کہ وہ کیا[3] ہے ۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اندر سے خالی ہے تو جان گیا یہ ایسی مخلوق پیدا کی ہے جس کو اپنے آپ پر قابو نہیں ہوگا (المسلم)

۱؎ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی خلقت وصورت جنت میں بنائی گئی۔ حالانکہ اس بارے میں دیگر احادیث میں ہے کہ ان کی خلقت وادی نعمان جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے) میں ہوئی۔ تسویہ اور نفخ روح کے بعد جنت میں لے جایا گیا۔ لہٰذا مذکورہ حدیث میں ذکرِ جنت عاقبت اور انجام کے حوالے سے ہوگا امام تورپشتی فرماتے ہیں گمان یہ ہے کہ یہاں جنت کا ذکر راوی کا سہو ہے۔

۲؎ صراح میں ہے اطاعۃ کا معنی کسی چیز کے لیے نیچے آنا اور اس کے لیے نزدیک ہونا ہے

۳؎ اس کا حال کیا ہے، اس کی ترکیب کیسی ہے؟

۴؎ یہ بھوک اور شہوات کی وجہ سے اپنے اوپر کنٹرول نہ کر سکے گا لہٰذا ابلیس خوش ہوا اور اسے گمراہ کرنے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔

۵۴۵۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِیْمُ النَّبِیُّ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِیْنَ سَنَةً بِالْقَدُوْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم نبی نے قدوم[۱] کے مقام پر اسی[۲] سال کی عمر میں ختنہ فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ قُدوم، قاف پر زبر، دال مخفف بمعنی تیشہ۔ اگر دال مشدد ہو تو ملک شام میں جگہ کا نام ہے۔ مختصر نہایہ میں ہے خواہ دال مخفف ہو یا مشدد جگہ کا ہی نام ہے۔ بعض نے لکھا دونوں صورتوں میں بمعنی تیشہ ہے۔ شیخ تورپشتی لکھتے ہیں لفظ قدوم میں دال مخفف ہے اور شام میں مقام کا نام ہے۔ بعض محدثین نے دال کو مشدد پڑھا ہے۔ مگر وہ غلط ہے۔ بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس قدوم سے ختنہ کیا جس سے لکڑی کو چھیلا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے اکثر کا گمان یہ ہے کہ اس لفظ میں دال مشدد ہے۔

۲؎ دوسری روایت میں ایک سو بیس ہے۔

۵۴۵۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَكْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ اِلَّا ثَلٰثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَیْنِ مِنْهُنَّ فِیْ ذَاتِ اللهِ قَوْلُهٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا وَقَالَ بَیْنَا هُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَسَارَةُ اِذْ اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَاَةٌ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ. فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهَا مَنْ هٰذِهٖ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم نے جھوٹ نہیں کہا سوائے تین توریہ[۱] کے۔ ان میں سے دو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تھے۔ میں بیمار ہوں اور آپ کا کہنا بلکہ یہ کام ان کے بڑے[۲] نے کیا اور فرمایا ایک دن وہ[۳] اور حضرت سارہ ہجرت کے سفر میں تھے کہ ظالمین میں سے ایک ظالم پر گزرے اسے اطلاع دی گئی کہ یہاں ایک شخص ہے جس کے ساتھ ایک خاتون ہے لوگوں میں حسین ترین۔ اس نے آپ کو بلوایا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں آپ نے فرمایا

إِنْ يَعْلَمْ أَنَّكِ امْرَأَتِي يَغْلِبْنِي عَلَيْكِ فَإِنْ سَأَلَكِ فَأَخْبِرِيهِ أَنَّكِ أُخْتِي فَإِنَّكِ أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا قَامَ إِبْرَاهِيمُ يُصَلِّي فَلَمَّا دَخَلَتْ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ وَيُرْوَى فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِي بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتَنِي بِشَيْطَانٍ فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِي نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میری بہن ہیں[1]۔ پھر آپ سارہ کے پاس آ گئے۔ ان سے فرمایا کہ یہ ظالم اگر جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو یہ تمہارے متعلق مجھ پر غلبہ کرے گا اگر وہ تجھ سے پوچھے تو اسے بتانا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے[2]۔ پھر اس نے سارہ کو بلوایا آپ کو وہاں پہنچا دیا گیا جناب ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھنے[3] لگے جب آپ اس کے پاس گئیں وہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پکڑنے لگا وہ خود پکڑا گیا[4]۔ روایت میں ہے کہ وہ خراٹے[5] لینے لگا حتیٰ کہ اس کے پاؤں اکڑ گئے[6]۔ بولا اللہ[7] سے دعا کر دیں تم کو نقصان نہ دوں گا۔ سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، وہ چھوڑ دیا گیا پھر دوبارہ پکڑنا چاہا اسی طرح پکڑا گیا اور زیادہ سخت، پھر اس نے آپ کو کہا میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو تکلیف نہیں دوں گا تو اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا۔ پھر اس نے جناب سارہ کو سہ بارہ پکڑنا چاہا تو پہلے سے بھی زیادہ سخت پکڑا گیا۔ بولا اللہ سے میرے لیے دعا کر دیں میں تمہیں تکلیف نہ دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی تو اسے کھول دیا گیا۔ پھر اس نے اپنے بعض سپاہیوں[8] کو بلایا اور کہا تم میرے پاس انسان نہیں لائے شیطان[9] لائے ہو۔ چنانچہ انھیں بی بی ہاجرہ[10] خادمہ دیں۔ آپ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں۔ آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کیسے گزری[11]۔ بولیں اللہ نے کافر کا مکر اس کے سینے میں لوٹا دیا[12] اور ہاجرہ خادمہ عطا ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے آسمانی پانی کے بچو یہ تمہاری ماں ہے۔

[1] یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ مقصد کے اعتبار سے یہ تمام سچ تھے۔ رہا چھوٹے ھٰذَا رَبِّی (یہ میرا رب ہے) کا معاملہ تو آپ کے بچپن کا معاملہ ہے جب مکلف نہ تھے یوں ہی منقول ہے۔ کذبات، کاف اور ذال پر زبر

کذبہ کی جمع ہے جیسے رکعۃ کی جمع رکعات ہے۔ کاف پر زبر اور ذال ساکن سے بھی پڑھا گیا ہے۔

ف۲ اس میں کوئی ذاتی نفع مقصود نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی رضا کی طلب کے لیے تھا۔ اور مقصود اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہہ تھا۔ تیسرے ہذا اختی (یہ میری بہن ہے) میں بھی اگرچہ رضا الٰہی مقصد ہے۔ مگر اس میں ذاتی نفع بھی ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں ذات اللہ سے مراد قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی ذات سے قائم ہے۔

ف۳ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ یہ آپ کا ارشادِ گرامی اس وقت کا ہے جب قوم نے آپ سے کہا ہمارے ساتھ میلہ میں شرکت کے لیے چلیں تو آپ نے یہ عذر پیش کیا میں بیمار ہوں۔ بظاہر یہ کذب محسوس ہوتا ہے کیونکہ آپ بیمار نہ تھے حالانکہ آپ کا مقصد فی الجملہ کسی دور میں بیمار ہونا تھا۔ الفاظ سے ان لوگوں نے آپ کا فی الحال بیمار ہونا محسوس کر لیا۔ بعض شارحین نے بیان کیا آپ نے علوم نجوم کی وجہ سے ان کو وہم میں ڈالا کہ میں بیمار ہو جاؤں گا۔ جیسا کہ آیت مبارکہ کے سیاق سے واضح ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے کفر کی وجہ سے میرا دل بیمار اور متنفر ہے۔ اگر صحت کا معنی یہ ہو کہ تمام قویٰ اور ان سے اعمال کا صدور سلامتی سے ہو اور اس کی ضد بیماری ہو تو پھر بھی کوئی آدمی بیماری سے خالی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اب وہی صحت مند ہوگا جو تمام اعتبار سے معتدل ہو حالانکہ یہ نادر بلکہ معدوم ہے۔

اس فقیر ضعیف کو صاحبِ عالی مقام شاہ ابوالمعالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مجالس سے شرکت سے عذر پیش کرنے کے لیے بطور نصیحت فرمایا۔ اگر لوگ پریشان کریں اور تقریب وغیرہ کا مطالبہ کریں تو اس کے لیے ابوالملت حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا یہ فرمان کافی ہے "میں بیمار ہوں" پھر انھوں نے اپنے شعر میں فرمایا

اگر ترا بتماشائے عید خود　　　خلیل دار جوابی بگو کہ بیمارم

(اگر لوگ اپنے تماشا اور میلہ پر شرکت کا کہیں تو جواب میں حضرت خلیل علیہ السلام کا جواب کہو میں بیمار ہوں)

ف۴ یہ دوسرا قول ہے، جب میلہ پر جانے کے بعد آپ نے ان کے بت توڑ ڈالے تو واپسی پر انھوں نے آکر آپ سے پوچھا یہ کام تم نے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے بڑے نے کیا ہے۔ یہ بات بھی سچی ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تمام کو توڑنے کی وجہ یہ بڑا ہے جس کی وجہ سے مجھے غصہ آیا یا یہ اس بات پر تعریض ہے کہ جب اپنے آپ کو نقصان پہنچانے سے نہیں بچا سکتے تو یہ پوجا کے لائق کیسے ہو گئے۔

ف۵ یہ تیسرے قول کا بیان ہے، یہ سفر ہجرت شام کی طرف تھا۔

ف۶ اس کا نام صادوق بن صادون ہے اور یہ قبطی تھا۔

ف۷ یہ بظاہر کذب ہے مگر اس کی توجیہہ آرہی ہے۔

ف۸ اور انھیں اس شریر سے محفوظ رکھنے کا طریقہ بتایا۔

ف۹ یعنی بہ نیت کر کے کہنا اور یہ بات درست ہے۔

ف۱۰ یہ بیان واقعہ ہے کیونکہ اس وقت کوئی دوسرا ایمان نہ لایا تھا۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ کی چچا زاد ہمشیرہ تھیں اور یہ آپ کے ارشاد هٰذَا اُخْتِی کی دوسری توجیہ ہے۔ شاید سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بہن فرمانا اس جہت شرف اور نسب کی وجہ سے ہے۔

سوال: آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا یہ میری بیوی ہے کیونکہ بیوی کو کم چھینا جاتا ہے۔ باقی ظالم کو اس سے کیا غرض خاتون بیوی ہو یا بہن؟

جواب:۔ اس ظالم کی عادت یہ تھی کہ وہ بیوی چھینتا تھا نہ کہ بہن کو[۲]۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مجوسی تھا اور دین مجوسی میں بہن کے ساتھ بھائی کا نکاح کرنا دوسروں سے اولیٰ ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے دین کا سہارا لیا۔ حالانکہ اس نے اپنے دین کا خیال نہ کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا۔

سوال:۔ دین مجوس تو زردشت سے آیا ہے اور اس کا وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہے۔

جواب:۔ دین مجوس تو قدیم ہے ہاں زردشت نے اس میں اور خرافات کا اضافہ کیا

سلہ بارگاہ خداوندی میں دعا اور مناجات کرنے لگ گئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس پریشانی سے نجات عطا فرمائے جیسے کہ مقربان بارگاہ الٰہی کا طریقہ ہے۔ خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی ہے۔

سلہ ۱۲ اخذ، مجہول کا صیغہ ہے یعنی اسے قدرت الٰہی سے باز رکھا گیا اور حضرت سارہ کی حفاظت کر دی گئی یا معنی یہ ہے وہ گناہ میں پکڑا گیا اور اس پر عتاب ہوا یا وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس لفظ کی یہ تین مذکورہ تفسیریں ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ تشدید سے ہے جو تاخیر سے مشتق ہے جس کا معنی کسی کے دل کو فریب یا جادو وغیرہ سے گرفتار کر لینا جیسا کہ جادو کرتے ہیں اگر فعل کے ساتھ ہو۔ تو اس کا معنی جادوگر کا فریب ہے۔

سلہ ۱۳ غط، غین پر پیش، طا مشدد، مجہول کا صیغہ ہے، اس کا گلا پکڑا گیا اور اس طرح اس کی آواز آنے لگی جیسے سونے والا خراٹے لیتا ہے جسے غطیط سے تعبیر کرتے ہیں۔

سلہ ۱۴ اس طرح زمین پر پاؤں مارنے لگا جیسے کسی کو جادو کرا یا گیا ہو یا جن نے پکڑ رکھا ہو۔

سلہ ۱۵ حضرت سارہ سے کہنے لگا۔

سلہ ۱۶ حجبہ، حا اور با اور جیم تینوں پر زبر، حاجب کی جمع ہے جیسے کہ طالب کی جمع طلبہ ہے

سلہ ۱۷ ہر سرکش کو شیطان کہا جاتا ہے خواہ جن ہو یا انس (کذا فی القاموس) امام طیبی کہتے ہیں یہاں جن مراد ہے اور یہ قوم جنات سے بہت ڈرتی تھی

سلہ ۱۸ ہاجرہ، جیم پر زبر، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ حضرت سارہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس امید پر سپرد کر دیا شاید ان سے بیٹا ہو

سلہ وہ سرزمین مراد ہے جہاں آپ تشریف فرما تھے۔

سلہ۲ بلکہ اس کی عادت یہ تھی کہ شوہر کو قتل کروا دیتا جب عورت بے سہارا ہو جاتی تو وہ خود ان کے قابو میں آجاتی۔ (مولوی امیر علی مرحوم)

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک سو سال تھی۔ اس کے بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

۱۹ مہیم، میم پر زبر، ہا ساکن یاء پر زبر، ہاتھ کے ساتھ اشارہ سے پوچھا کیسے گذری؟

۲۰ اس کی بدطینتی اس کی طرف لوٹا دی گئی جسے محفوظ کر لیا گیا۔

۲۱ یہ خطاب تمام اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہے۔ آسمانی پانی سے تعبیر کرنے کی وجہ ان کی طہارت ہے طہارت میں اس کی مثال دی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں آسمانی پانی سے بھی زیادہ پاک ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے آب زمزم کا چشمہ رواں ہوا اور اس کا پانی آسمانِ قدس و طہارت سے نازل ہوا اور ہر وہ فیض جو زمین میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آسمان سے نازل فرماتا ہے۔

بعض شارحین کی یہ رائے ہے کہ یہ خطاب انصار کو ہے کیونکہ یہ عامر بن حارثہ ازدی کی اولاد کی اولاد میں ان کا لقب ''ماء السماء'' ہے۔ کیونکہ ان کی قوم اس کے سبب بارش طلب کیا کرتی تھی۔ بعض نے کہا اس سے مراد عرب ہیں ان کا نام اس وجہ سے ہے کہ وہ جہاں جہاں بارش ہوتی وہاں فصل اگاتے۔ اگرچہ تمام عرب اولاد حضرت ہاجرہ میں سے نہیں مگر تغلیبا کہہ دیا گیا اور اولاد اسماعیل کو شرف کے طور پر غلبہ دے دیا گیا۔ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ بطور مشہور محاورہ کہہ دیا گیا کہ تمام عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

۵۴۵۹ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم سے زیادہ شک کے حقدار ہیں جبکہ انھوں نے عرض کیا یا رب[۱]! مجھے دکھائیے تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اور اللہ لوط پر رحم فرمائے وہ تو بڑے مضبوط پائے[۲] کی طرف پناہ لیے ہوئے اور اگر میں اتنی دراز مدت[۳] ٹھہرتا جتنا یوسف ٹھہرے تو بلانے والے کی بات قبول کر لیتا[۴]۔ (بخاری و مسلم)

۱ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے، حضرت ابراہیم نے عرض کیا کیوں نہیں بلکہ میرے دل کے اطمینان کے لیے) بعض صحابہ نے اس پر یہ بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوا لیکن ہمارے آقا علیہ السلام کا معاملہ ایسا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم شک کے زیادہ حق دار ہیں لہٰذا ہر اس عبادت سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور آپ کو شک تھا حالانکہ یہ امر محال ہے کیونکہ حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو ایسا شک کیسے عارض ہو سکتا ہے جبکہ وہ سب سے پہلے صاحب ایمان و ایقان ہوتے ہیں لہٰذا اب معنی یہ ہوگا کہ اگر شک حضرت ابراہیم کو لاحق ہو سکتا ہوتا تو ہمیں بھی لاحق ہوتا اور تم جانتے ہو وہاں شک نہ تھا لہٰذا ہمیں بھی عارض نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم بھی ان کی

طرح ہی ہیں اور ان کا سوال علم الیقین سے عین الیقین حاصل کرنا تھا جسے اطمینان قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے یا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا میرا رب موت دیتا ہے اور زندہ کرتا ہے تو یہ بھی عرض کیا کہ زندہ کرکے عملاً انھیں دکھایا جائے تاکہ دلیل پر عملی مشاہدہ ہو سکے۔ لیکن یہاں اشکال ہے کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ترجیح دی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ بات بطور تواضع فرمائی ہے یا اس وقت کی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا گیا آپ تمام اولاد کے سربراہ ہیں۔ یہی توجیہ اس حدیث کی ہے جس میں اشارہ ہے کہ دیگر انبیاء پر فضیلت نہ دی جائے جیسے کہ فرمایا مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

۵۲ ہر شے کے قوی حصہ کو رکن کہا جاتا ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے انسانی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی قوم ان پر کود پڑی تو انھوں نے فرمایا لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً (کاش میرے پاس تمہارے لیے قوت ہوتی) اور میں تمہیں روک سکتا۔ او اوی الی رکن شدید یا میں کسی قوم قوی کی پناہ میں ہوتا جس کی وجہ سے میں تمہیں روک دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحمت کی دعا کی۔ اس لیے کہ وہ لوگوں کی پناہ کو مضبوط کہہ رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سب سے بڑھ کر مضبوط ہے۔ عربوں کا محاورہ ہے جب وہ دیکھتے کہ کسی نے ایسا کام کیا جو نہیں کرنا چاہیے تھا تو وہ رحم کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قول کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ذکر کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی بغیر تقصیر اور عدم توجہ کے نہیں ہے۔

۵۳ جیل میں

۵۴ جو بادشاہ کی طرف سے پیش کش کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نو سال تک جیل میں رہے بادشاہِ وقت نے جب آپ کو یہ پیش کش کی کہ آپ کو جیل سے رہائی دے کر اپنا مقرب بنانا چاہتا ہوں تو انھوں نے اسے قبول کرتے ہوئے یہ شرط لگادی کہ پہلے اس بات کی تحقیق کی جائے کہ خواتین کا معاملہ درست تھا یا غلط۔ اس کے بعد رہائی کے بارے میں سوچا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہم اتنی طویل مدت جیل میں رہتے اور اب رہائی کی پیش کش ہوتی تو ہم برائے تحقیق توقف نہ کرتے بلکہ پیش کش کو قبول فرمالیتے۔ بعض شارحین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس گفتگو کو حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر، قناعت اور استقامت کی تعریف پر محمول کیا کہ اس سے بڑھ کر استقامت نہیں ہو سکتی۔ اگر وہاں ہم بھی ہوتے تو رہائی میں جلدی کر لیتے۔ تو اس صورت میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواضع کا اظہار ہوگا۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت تو تمام اولوالعزم رسل سے بھی اعلیٰ اور افضل ہے۔ بعض نے کہا یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی تقصیر کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے رہائی میں جلدی کیوں نہ کی۔ حالانکہ ان کا ان لوگوں میں آنا ان کی ہدایت کا سبب تھا بلکہ وہ تو ان کی طرف مبعوث تھے۔ یہی وجہ ہے انھوں نے جیل میں توحید کی دعوت دی۔ یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا زیادہ رب بہتر ہوتے ہیں یا ایک ہی رب بہتر ہے جو تمام ضروریات مخلوق پورا کرنے پر قادر ہو) لہٰذا

انھیں فی الفور ربانی کی پیش کش کو قبول کر کے باہر آ جانا چاہیے تھا اور اپنے نفس کی براءت کے لیے توقف نہیں کرنا چاہیے تھا (کذا قیل)۔ لیکن یہ گفتگو محلِ نظر ہے۔ کیونکہ ان کے نفس کی براءت ان کی دعوت و تبلیغ کے مؤثر ہونے میں نہایت ہی مفید تھی۔ واللہ اعلم۔

۵۴۶۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْئٌ اِسْتِحْيَاءً فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَقَالُوْا مَا تَسَتَّرَ هٰذَا التَّسَتُّرَ اِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ اَوْ اُدْرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُّبَرِّئَهٗ فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهٗ لِيَغْتَسِلَ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ وَجَمَعَ مُوْسٰى فِيْ اَثَرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاءٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاْسٍ وَاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ بہت شرمیلے[۱] پردہ دار[۲] تھے۔ ان کے ظاہری جسم کا کوئی حصہ دیکھا نہ جاتا تھا۔ شرم کی وجہ سے تو انھیں بنی اسرائیل میں سے جس نے ایذا پہنچائی اس نے اذیت پہنچائی کہ لوگوں نے کہا اس قدر پردہ[۳] کسی کھال کے عیب کی وجہ سے ہی ہے برص[۴] یا خصیوں[۵] کا ورم، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کو بری کرے[۶] تو ایک دن وہ اکیلے تنہائی میں غسل کے لیے گئے اپنے کپڑے[۷] پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ[۸] کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر میرے کپڑے۔ حتیٰ کہ اسرائیلیوں کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انھوں نے آپ کو برہنہ دیکھا کہ آپ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے بہتر ہیں[۹]۔ وہ بولے اللہ کی قسم موسیٰ میں کوئی خرابی نہیں[۱۰] اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنے لگے۔ رب کی قسم آپ کے مارنے سے پتھر میں تین یا چار یا پانچ نشانات ہیں[۱۱]۔ (بخاری و مسلم)

۱ حیی، حاء پر زبر، یاء کے نیچے زیر۔

۲ ستیرا، سین پر زبر یا زیر، تاء مشدد، یاء ساکن، بہت زیادہ بدن کو ڈھانپنے والا جب باقی بدن کا اتنا خیال رکھتے تو جان لیکہ پردہ اور شرمگاہ کے ڈھانپنے کا عالم کیا ہوگا، صراح میں ہے کہ پاکیزہ مرد کو رجل ستیر اور پاکیزہ خاتون کو جاریۃ ستیرۃ کہا جاتا ہے۔

۳ اس قدر پردہ میں مبالغہ۔

۴ برص۔ باء پر زبر۔

۵ اُدرۃ، ہمزہ پر پیش، دال ساکن۔

۶ لوگوں پر واضح ہو جائے، ان میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔

۷ یہاں سے بغیر کپڑے کے غسل کرنے کا جواز نکلتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل میں یہ حکمت تھی

کہ ان کے عیب ونقصان سے مبرا ہونا ثابت کرنا تھا۔
ش۸ مجوع، جیم پر پیش، بھاگنا، اِثر، ہمزہ کے نیچے زیر، ثاء پر فتحہ نشان
ش۹ اس عیب سے مبرّا پایا جس کی نسبت وہ آپ کی طرف کرتے تھے۔
ش۱۰ یہاں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ہر اس عیب ونقص سے پاک رکھتا ہے جس کی وجہ سے بے عقل وشعور اور منکرین طعن کرسکتے ہوں تاکہ وہ ان سے منزّہ اور مبرّا ہونے کی وجہ سے معزز ومکرم ہوں۔
ش۱۱ نَدَبٌ، نون اور دال دونوں پر زبر، زخم کا وہ نشان جو کھال سے بلند نہ ہو، اثر ضرب کو اثر جراحت سے تشبیہ دی گئی ہے۔
ش۱۲ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جس کا ظہور بوقت مصلحت ہوا۔

۵۴۷۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْثِيْ فِيْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَّا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دفعہ ایوب برہنہ غسل[۱] کر رہے تھے ان ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں وہ انھیں سمیٹنے[۲] لگے۔ ان کے رب نے فرمایا اے ایوب جو تم دیکھ رہے ہو کیا میں نے تمھیں اس سے بے نیاز نہیں کر دیا[۳]۔ عرض گزار ہوئے خدا کی قسم کیوں نہیں، لیکن میں تیری برکت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔[۴] (البخاری)

ش۱ اس مرض سے صحت پانے کے بعد جس میں کافی عرصہ مبتلا رہے۔
ش۲ اپنے کپڑے میں
ش۳ کیا میں نے تمھیں اس قدر عطا نہیں فرمایا کہ اب یہ سمیٹنے کی ضرورت ہی نہیں
ش۴ بے شک تیرا کرم مجھ پر بہت ہے مگر نعمتوں کے اضافہ سے میں بے نیاز نہیں ہو سکتا۔
اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے سونے کو حرص ولالچ یا کثرت مال کی وجہ سے جمع نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام سے لذت حاصل کرنے کے لیے یہ عمل کیا۔

۵۴۷۲ وَعَنْهُ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهٗ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ

اور انھی سے مروی ہے ایک مسلمان اور یہودی کے کے درمیان لڑائی ہو گئی، مسلمان نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہانوں پر چنا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر چنا اس پر مسلمان نے دست درازی کی اور اس کے منہ پر تھپیڑ مار دیا۔ یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِيْ كَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِيْ اَوْكَانَ فِيْمَنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا اَدْرِيْ اَحُوْسِبَ بِصَعْقَةِ يَوْمَ الطُّوْرِ اَوْ بُعِثَ قَبْلِيْ وَلَا اَقُوْلُ اِنَّ اَحَدًا اَفْضَلُ مِنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَآءِ اللّٰهِ۔

حاضر ہو کر وہ بتایا جو اس کے اور مسلمان کے درمیان واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور اس بارے میں اس سے پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے موسیٰ پر ترجیح نہ دو کیونکہ روز قیامت تمام انسان بے ہوش ہوں گے میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا تو سب سے پہلے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا۔ اچانک موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں سے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان میں سے ہیں جنھیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے میں نہیں جانتا کہ کیا طور کی بے ہوشی حساب میں لائی گئی یا وہ مجھ سے پہلے اٹھائے گئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس بن متی سے افضل ہے اور حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے فرمایا انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں بزرگی نہ دو۔

سلہ اس کے مقابلے میں کہا

سلہ یہودی کا یہ قول اس پر واضح تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا انکار کر رہا تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باقی مخلوق پر فضیلت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا فضلنا ھم علی العالمین (ہم نے انھیں جہانوں پر فضیلت دی ہے) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا انی اصطفیتک علی الناس (بلاشبہ میں نے تم کو لوگوں پر منتخب فرمایا ہے)۔

سلہ اس بارے میں پوچھا جو اس کے اور یہودی کے درمیان ہوا تھا۔

سلہ صعق، عذاب کی گرفت، سخت آواز اور موت کے معنی میں ہے۔

سلہ بطش، حملہ کرنا اور سخت پکڑنا

سلہ مجھ سے پہلے ہوش میں ہو کر عرش کو پکڑے ہوئے ہیں

سلہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ (اس روز ہر کوئی بے ہوش ہو گا جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ جسے اللہ چاہے) جیسا کہ فرشتے شاید حضرت موسیٰ

علیہ السلام بھی ان میں سے ہوں۔

ش۸ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن دیدار کے لیے عرض کیا، اس سے انھیں منع کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر تجلی کا اظہار فرمایا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ روزِ قیامت اس بے ہوشی کا بدلہ اس ہوش کے ساتھ دیا گیا۔

۹ جب یہ ان کی فضیلت ثابت ہے تو تم نے مجھے ان پر کیوں فضیلت دی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت جزئی بھی ہو سکتی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی کے منافی نہیں یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اپنی افضلیت آگاہ کرنے سے پہلے کی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں۔ واضح رہے اس بے ہوشی سے مراد وہ نہیں جو قیامت کے دن صور پھونکنے کی وجہ سے ہوگی کیونکہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں ہوں گے کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو۔ اس صعقہ سے مراد قیامت کے دن اٹھنے کا وقت ہے کہ تمام لوگ بے ہوش ہوں گے پھر افاقہ ہوگا۔ اس موقع پر فرمایا جب مجھے افاقہ ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے عرش کا پایا پکڑے ہوں گے اور الا من شاء اللہ سے جو استثناء ہے وہ بھی قبل از بعث ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے آیت کی تفسیر بتا دی ہے۔

۱۰ متی، میم پر زبر اور تا مشدد اور مفتوح حضرت یونس علیہ السلام کے والد گرامی، القاموس شرح ابن الملک میں جامع الاصول سے منقول ہے کہ یہ ان کی والدہ ماجدہ کا نام ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصاً ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اولوالعزم رسولوں میں سے نہیں کیونکہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور کشتی میں سوار ہو گئے (القصہ)

۱۱ لا تفضلوا، صاد کے ساتھ بھی منقول ہے، اس نہی کا محل یا تو قبل از وحی بہ تفضیل ہے یا مراد یہ ہے کہ اصل نبوت میں فضیلت نہیں یا اس طرح کی فضیلت کہ اس سے دوسرے کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔

۵۴۶۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی[۱۲] مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ قَالَ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں[۱۲]۔ (بخاری و مسلم) بخاری کی روایت میں ہے فرمایا جو کہے کہ میں یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا۔

۱۲ اس عبارت میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے حضرت یونس سے بہتر نہ کہو، اس طریقہ پر جو پہلے معلوم ہو چکا ہے دوسرے یہ کہ کوئی اپنے آپ کو حضرت یونس سے افضل نہ کہے کیونکہ اگرچہ وہ اولوالعزم رسولوں میں شامل نہیں مگر ان کے مرتبہ کو کوئی ولی نہیں پہنچ سکتا۔ منقول ہے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں ایک شیخ نے خود کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دی اور کہا میں ان سے افضل ہوں اور میرا مقام ان سے بلند ہے حضرت

غوث الثقلین رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے آپ کے دست اقدس میں تکیہ تھا اس کی جانب دے مارا اس کے دل اور سینہ پر لگا اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا ۔

سے۲ اگر دوسرا معنی لیا گیا تو کذب کا معنی کفر ہو گا کیونکہ جو اپنے آپ کو کسی پیغمبر سے افضل سمجھے اس کے کافر ہونے پر اتفاق ہے ۔

۵۴۶۴ وَعَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغُلَامَ الَّذِيْ قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْعَاشَ لَاَرْهَقَ اَبَوَيْهِ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لڑکا جسے خضر نے قتل کیا وہ کافر پیدا ہوا[1] تھا اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر سے سرکش کر دیتا[2] (بخاری و مسلم)

لے یعنی تقدیر الٰہی میں ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا یہ حدیث کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام (ہر بچے کو اسلام کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے) کے منافی نہیں کیونکہ اس سے مراد قبول اسلام کی استعداد ہے اور یہ برے خاتمے کے منافی نہیں ۔ الغرض فطرت غیر سابقہ ہے ۔ اس پر تفصیلی گفتگو کتاب کی ابتداء میں باب الایمان بالقدر میں گزر چکی ہے ۔ فتذکرہ

سے۲ حضرت خضر علیہ السلام کے ذکر سے یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ یہ نبی تھے خضر خاء پر زبر یا زیر، ضاد ساکن یا اس کے نیچے زیر یہ امام کرمانی کی رائے ہے ۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں لفظ خضر خاء پر زبر اور ضاد ساکن یا خاء کے نیچے زیر اور ضاد پر زبر بھی آیا ہے ۔ آپ کا نام بلیا بن ملکان ہے ۔ بعض کے نزدیک ابن مالک، الیاس کے بھائی تھے ۔ بعض کی رائے میں حضرت آدم کی صلب سے بیٹے تھے ۔ بعض نے انھیں ابن فرعون کہا ہے ۔ لیکن یہ قول نہایت ہی غریب ہے ۔ بعض نے کہا ان کا وجود حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دور میں تھا بعض نے کہا یہ سات حاطم سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے والد حکمرانوں میں سے تھے واللہ اعلم ۔ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں لیکن لوگوں کی آنکھوں سے پردہ میں ہیں، آب حیات پینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک زندہ ہیں جمہور علماء صوفیا اور کثرت کے ساتھ صالحین کی یہی رائے ہے بعض کبار محدثین مثلاً امام بخاری، ابن مبارک اور کچھ اور لوگ مثلاً حربی[1] اور ابن جوزی ان کی حیات کے منکر ہیں ۔ شرح قصیدہ امامیہ میں اسی طرح منقول ہے ۔ مشائخ کے کلام میں ان کا تذکرہ اس قدر کثرت کے ساتھ ملتا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں ہے کہ ایک دن آپ خطاب فرما رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام کا گزر وہاں سے ہوا تو آپ نے کہا اے اسرائیلی رک کر محمد کے امتی کا خطاب سنو ۔ حضرت غوث الثقلین کے دور کے

سے امام ابراہیم بن اسحاق کبار محدثین میں سے ہیں ۔ ان کی "غریب الحدیث" مشہور کتاب ہے، امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں سے ہیں ۔ مولوی امیر علی مرحوم ۔

مشائخ کو آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ تم شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں جایا کرو وہاں برکات کا نزول اور سعادتوں کا حصول ہوتا ہے۔ او کما قال۔

۵۴۶۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا سُمِّیَ الْخَضِرُ لِاَنَّهٗ جَلَسَ عَلٰی فَرْوَةٍ بَیْضَآءَ فَاِذَا هِیَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهٖ خَضْرَآءَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا نام خضر اس لیے ہے کہ آپ سفید چٹیل[۱] میدان میں بیٹھے تو وہاں آپ کے پیچھے سبزہ لہلہانے لگا۔ (البخاری)

[۱] جس پر گھاس نہ ہو

۵۴۶۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسَی ابْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَاَهَا فَقَالَ فَرَجَعَ الْمَلَكُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ اِنَّكَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَّكَ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَاَ عَیْنِیْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ عَیْنَهٗ وَقَالَ ارْجِعْ اِلٰی عَبْدِیْ فَقُلِ الْحَیٰوةَ تُرِیْدُ فَاِنْ كُنْتَ تُرِیْدُ الْحَیٰوةَ فَضَعْ یَدَكَ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ یَدُكَ مِنْ شَعْرِهٖ فَاِنَّكَ تَعِیْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ مِنْ قَرِیْبٍ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنِّیْ عِنْدَهٗ لَاَرَیْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰی جَنْبِ الطَّرِیْقِ عِنْدَ الْكَثِیْبِ الْاَحْمَرِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک الموت[۱] حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اپنے رب کا بلاوا[۲] قبول کیجیے فرمایا موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مار دیا اسے نابینا کر دیا۔ فرمایا پھر وہ فرشتہ رب تعالیٰ کی طرف واپس گیا عرض کیا آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا اس نے تو میری آنکھ بیکار کر دی فرمایا اللہ نے آنکھیں واپس لوٹا دیں اور فرمایا میرے بندے کی طرف لوٹو اور کہو آپ زندگی چاہتے ہیں اگر چاہتے ہیں تو اپنا ہاتھ بیل کی کھال پر رکھیے آپ کا ہاتھ جتنے بالوں کو ڈھکے گا آپ ہر بال کے عوض ایک سال جئیں گے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر آپ وفات پائیں گے عرض کیا تو ابھی قریب ہی ہیں اے میرے رب مجھے مقدس زمین سے ایک پتھر کی پھینک کے قریب کر دیجیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں اس کے پاس ہوتا تو تم کو ان کی قبر کی راہ کے کنارے سرخ ٹیلہ کے پاس دکھاتا۔ (بخاری ومسلم)

[۱] حضرت عزرائیل علیہ السلام

[۲] بصورت قبض روح

۳ تفقیہ نابینا کر دینا

۴ تواری، مسلم میں دو تاء کے ساتھ ہے اور بہتر وارث ہے جس کا معنی ہے جو ہاتھ ڈھانپ لے اور توارت کا معنی پوشیدہ کیا گیا ہے لہذا اس عبارت کا معنی نہیں بنتا البتہ تاویل ہو سکتی ہے جو کردی ہے ۔

۵ میں ابھی موت چاہتا ہوں اور دعا کی کہ میری قبر ارضِ مقدس میں ہو ۔

۶ بیت المقدس جو افضل و اشرف اور انبیاء و رسل کا مدفن ہے

۷ یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ متبرک مقامات اور صالحین کے قریب دفن ہونا مستحب و افضل ہے ۔

۸ بیت المقدس

۹ بعض اذہان میں فرشتہ کا نابینا ہونا کھٹکتا ہے، فرشتہ روح قبض کے لیے آیا تھا اسے طمانچہ مارنا کہاں مناسب ہے اور اس سے دنیاوی زندگی کا پسند کرنا معلوم ہو رہا ہے جو کسی نبی و رسول کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کا جواب[۱۰] یہ ہے فرشتہ بصورت انسان ان کے پاس آیا تھا، آپ نے نہ جانا کہ یہ ملک الموت ہے اور قبض روح کے لیے آیا ہے۔ جب انھوں نے دیکھا یکایک ایک آدمی آیا ہے اور یہ مجھے ختم کرنا چاہ رہا ہے تو آپ نے دفاع کیا اور وہ نابینا ہو گیا نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جھوٹا محسوس کیا کیونکہ اس نے قبض روح کا دعویٰ کیا حالانکہ یہ کسی انسان کا کام نہیں لہٰذا اسے آپ ناراض ہو گئے اور دوسرے یہ ناراضگی للہ فی اللہ ہوا کرتی ہے اس کی کوئی برائی نہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی عتاب نہ ہوا۔ شارحین فرماتے ہیں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طبع مبارکہ میں نہایت ہی حدت و شدت تھی اور ان کی ذات اس قدر جلال کی مظہر تھی کہ جب حالتِ غضب میں ہوتے تو ان کے سر اقدس کی ٹوپی سے شعلے نکلنے لگتے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو مارنا اور ان کو داڑھی سے پکڑنا بھی اسی باب سے ہے اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ جب یہ حدیث صحیح ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے تو اسے اس کی صحیح تاویل پر محمول کرنا چاہیے ۔

۵۴۶۷/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ — حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

---

۱۰ اس کا جواب اس حقیر کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ ارضِ مقدسہ کا وعدہ فرمایا۔ ان کی کوتاہی کی وجہ سے انھیں مقام تیہ میں گرفتار کر دیا۔ جب اسی تیہ میں ملک الموت بصورت انسان آگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراض ہو کر انھیں مارا، شاید آپ یہ گمان کرتے تھے کہ فتح مقدس ان کے ہاتھ سے ہو گی اور یہ شخص شیطان ہے لہٰذا اسے طمانچہ دے مارا۔ دوسری دفعہ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ فرشتہ ہے اور اتنی طویل عمر کے بعد (اگرچہ مقصود فتح مقدس آپ کے ہاتھ سے تھا) بھی تکلیف دینا ہے اور مقصود وہ زمین مقدس ہے تو اگر یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو دنیا میں اتنا طویل فراق کیوں اختیار کیا جائے۔ جب ارضِ مقدس میں مدفن کی دعا قبول ہو گئی تو اسی وقت جان دینے کے لیے عرض کر دیا۔ واللہ اعلم۔ امیر علی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ وَرَأَيْتُ جِبْرَئِيلَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ ابْنُ خَلِيفَةَ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء مجھ پر[1] دکھائے گئے تو حضرت موسیٰ درمیانے قد کے تھے گویا وہ شنوءہ[2] قبیلے کے مردوں سے ہیں اور میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو دیکھا کہ جن کو میں نے دیکھا ان میں وہ عروہ[4] بن مسعود سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا تو وہ تمہارے صاحب سے زیادہ مشابہت[5] رکھتے ہیں یعنی اپنی ذات مراد لی اور میں نے حضرت جبرئیل کو دیکھا تو جن کو میں نے دیکھا ہے ان میں وہ دحیہ[6] بن خلیفہ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

[1] جیسے لشکر سربراہ کو دکھایا جاتا ہے

[2] شنوءۃ، شین پر زبر، نون پر پیش اور اس کے بعد واؤ اور اس کے بعد ہمزہ اور آخر میں تا، یہ یمن میں مشہور قبیلہ ہے اور اسے ازدشنوءہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہمزہ پر زبر اور زا ساکن، ضرب، کم گوشت، میانہ جسم نہ لاغر اور نہ فربہ، قبیلہ شنوءہ کے لوگ اسی قبیل سے تھے۔ اس لفظ کو اسی معنی پر محمول کرنا افضل و مناسب ہے۔

[3] شبھا۔ شین اور واو پر زبر

[4] صحابی اور ثقفی ہیں، اس موقعہ پر اسلام لائے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تھے اس کے بعد اپنی قوم میں چلے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دینے لگے۔ قوم نے ان کے پیغام کو قبول نہ کیا اپنی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہنے لگے تو ایک دشمن نے انھیں مارا اور شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عروہ کا واقعہ صاحب یٰس کی طرح ہے جنھوں نے قوم کو دعوت دی لیکن انھیں قتل کر دیا گیا۔

[5] خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس، تاکہ معلوم ہو جائے حضور اور حضرت ابراہیم کے درمیان مشابہت کاملہ ہے۔

[6] دحیہ، دال پر زیر یا زبر، مشہور صحابی ہیں ان کی صورت میں حضرت جبرئیل آیا کرتے۔ اس وقت بھی انھی کی صورت پر تھے۔

۵۴۹۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسَى رَجُلًا آدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ وَرَأَيْتُ عِيسَى رَجُلًا مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطَ الرَّأْسِ وَرَأَيْتُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے شب معراج حضرت موسیٰ کو دیکھا گندمی رنگ کے دراز قد ہیں۔ گویا شنوءہ کے مردوں سے ہیں اور میں نے عیسیٰ کو دیکھا جو درمیانے جسم والے سرخی مائل، سفید رنگ اور سیدھے[1] بالوں

مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِيْ اٰيَاتٍ اَرَاهُنَّ اللّٰهُ اِيَّاهُ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

والے ہیں اور میں نے مالک داروغہ دوزخ اور دجال کو دیکھا ان نشانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نے صرف مجھے دکھائیں[۳] پس تو ان کی ملاقات سے شک میں مبتلا نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

[۱] ان تمام الفاظ کی تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریف میں آئے گی۔
[۲] شب معراج
[۳] اے مخاطب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں ہرگز شک نہ کر اس عبارت کی اور توجیہہ بھی ہے اور شرح میں مذکور ہے۔

۵۴۶۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ لَقِيْتُ مُوْسٰى فَنَعَتَهٗ فَاِذَا رَجُلٌ مُّضْطَرِبٌ رَجُلُ الشَّعْرِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَةَ وَلَقِيْتُ عِيْسٰى رَبْعَةً اَحْمَرَ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِی الْحَمَّامَ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَاَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهٖ بِهٖ قَالَ فَاُتِيْتُ بِاِنَائَيْنِ اَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَالْاٰخَرُ فِيْهِ خَمْرٌ فَقِيْلَ لِیْ خُذْ اَيَّهُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهٗ فَقِيْلَ لِیْ هُدِيْتَ الْفِطْرَةَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں حضرت موسیٰ سے ملا۔ آپ نے ان کا سراپا بیان کیا کہ وہ درمیانہ[۱] قد آدمی ہیں سیدھے[۲] بالوں والے گویا وہ شنوءہ قبیلہ کے مردوں سے ہے اور میں حضرت عیسیٰ سے ملا درمیانہ قد سرخ رنگ[۳] گویا حمام[۴] سے نکلے ہیں میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا ان کی اولاد میں سے زیادہ مشابہ میں ہوں۔ فرمایا میرے پاس دو برتن لائے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا جبکہ دوسرے[۵] میں شراب مجھ سے کہا گیا ان میں سے جو چاہو پس تو میں نے دودھ[۶] اختیار کیا اور اسے پی لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ کو فطرت کی ہدایت کی گئی۔ اگر آپ شراب اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی (بخاری و مسلم)

[۱] مضطرب، اس کی متعدد تفسیریں ہیں۔ بعض نے کہا اس کا معنی بلند و دراز قد والا ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی طویل غیر شدید ہے۔ بعض نے کم گوشت والا کہا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ بعض نے کہا یہاں اس کا معنی خوف و خشیت الٰہی میں کانپنے والا مراد ہے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز میں متحرک و مضطرب ہوتے تھے۔ عوارف میں اس بارے میں جو بیان ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے باطن میں انہیں جو مشاہدہ جلال حق اور حضور انس نصیب ہوتا تھا اس کی موجوں میں یہ ہجوم جایا کرتے
[۲] رجل الشعر۔ جیم کے نیچے زیر نہ تو بال نیچے لٹکے تھے جنہیں سبط کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس قدر گھونگریالے تھے

جنھیں جعد کہتے ہیں ۔

ؔ ربعۃ ، راء پر زبر ، باء ساکن

ؔ سابقہ روایت میں سرخ سفید کہا اور یہاں سرخ ، سرخ سفید پر سرخ کا اطلاق ہوتا رہتا ہے ۔ گویا سرخی سفیدی پر غالب تھی ۔

ؔ دیماس ۔ دال کے نیچے زیر ، یا و ساکن ۔ مقصود ان کی تروتازگی ، صفائی وعبارت اور غلبہ روحانیت کا بیان ہے ۔

ؔ لبن کے ساتھ "فیہ" نہیں جبکہ خمر کے ساتھ "فیہ" ہے ۔ ظاہر تو یہی ہے کہ یہ تفنن عبارت ہے ۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس میں لبن کی کثرت اور شراب کی قلت کی طرف اشارہ ہے ۔

ؔ دین و اسلام کیونکہ مخلوق کو انھی پر پیدا کیا گیا ، کیونکہ دودھ اس جہان میں پاک ، صاف ، خالص ، سفید اور شیریں ہے اور سب سے پہلی بچے کی غذا یہی بنتا ہے ۔ عالم قدس میں یہ ہدایت اور فطرت سے مثال ہے کیونکہ یہ روحانی قوت کا سبب ہے ۔ عالم قدس میں صور و امثلہ کا عالم سفلی سے ثبوت ہوتا ہے تاکہ ان کے ساتھ معانی مناسبہ کا تعلق بن سکے منقول ہے کہ اگر خواب میں دودھ دیکھا جائے یا پیا جائے تو اس سے مراد علم ، دین اور ہدایت ہے ۔ الحمد للہ علی ذلک بخلاف شراب جو سراپا خباثت ، فساد ، شر اور نقصان سے عبارت[۱] ہے ۔

۵۴۷۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا فَقَالُوْا وَادِي الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهٖ وَشَعْرِهٖ شَيْئًا وَاضِعًا اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ لَهٗ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ قَالُوْا هَرْشَا اَوْ لِفْتٌ فَقَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ خُلْبَةٌ مَارًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان چلے ایک جنگل سے گزر ہوا ۔ آپ نے فرمایا یہ کونسا جنگل ہے ؟ عرض کیا ازرق[۱] جنگل ہے ۔ فرمایا گویا میں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں ۔ پھر آپ نے ان کا رنگ[۲] ، ان کے بالوں کا تذکرہ فرمایا ۔ آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں[۳] میں دیے ہوئے بھی آپ کو اللہ سے قرب ہے ۔ تلبیہ میں مشغول ہیں اس جنگل سے گزر رہے ہیں فرماتے ہیں پھر ہم چلے حتیٰ کہ ہم ایک گھاٹی پر[۴] پہنچے تو فرمایا یہ کون سی گھاٹی ہے عرض کیا ہرشا[۵] ہے یا لفت[۶] ، تو فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو سرخ اونٹ پر ہیں آپ پر اونی جبہ ہے آپ کے ناقہ کی مہار کھجور کی چھال[۷] کی ہے

ؔ اس میں اشارہ ہے کہ اس امت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دائماً فیض نصیب ہے فافہم ۔ سید امیر علی

بِهٰذَا الْوَادِيْ مُلَبِّيًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) اسی جنگل میں تلبیہ کہتے ہوئے گزر رہے ہیں (المسلم)

سلہ وادی ازرق، زا، را پر مقدم ہے۔ اس وادی کے نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کی زمین زرد رنگ کی ہے۔ بعض نے کہا ایک آدمی کی طرف منسوب ہے جس کی آنکھ میں زردی تھی۔

سلہ ان کا رنگ گندم گوں ہے

سلہ جیساکہ اذان کی صورت میں ہوتا ہے تاکہ آواز بلند ہو۔

سلہ جیساکہ حالت احرام میں ہوتا ہے جوار جیم پر پیش، ہمزہ مخفف، اس کے بعد الف اور آخر میں راء ہے گانے کی آواز، آیت مبارکہ میں ہے عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ایک قرارت جیم کے ساتھ بھی ہے۔ دعا میں زاری اور تفرع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ھ ثنیہ، ثاء پر زبر، نون کے نیچے زیر یا مشدد، پہاڑ پر بلند راستہ

سلہ ہرشا، ہاء پہ زبر، راء ساکن اور شین۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان پہاڑ کا نام ہے

سلہ لفت، لام کے نیچے زیر یا زبر، فاء ساکن، یہ بھی پہاڑ کا نام ہے۔ راوی کو بیان میں شک واقع ہو گیا ہے۔

سلہ خطام، خاء کے نیچے زیر

سلہ خلبۃ، خاء پہ پیش، لام ساکن یا پیش

اہم نوٹ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو یقیناً دیکھا اور فرمایا میں نے ایسے دیکھا گویا ان کی ظاہری حیات ہے۔ بعض نے کہا یہ خواب کا معاملہ ہے۔ بعض کی رائے میں یہ تمثیل وکشف ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حس مشترک پہ وارد کی گئی۔ بعض اہل تحقیق فرماتے ہیں آپ نے انھیں ان کی ظاہری حیات میں ہی دیکھا۔ مگر اس جہاں میں یہاں ماضی حال اور مستقبل یکساں ہوتے ہیں۔ اس کی تحقیق وتفصیل صوفیا کے اس کلام میں حاصل کی جائے جو انھوں نے زمان ومکان کے بارے میں کی ہے۔ بندہ مسکین عبد الحق بن سیف الدین، اللہ تعالیٰ اسے ظن وتخمین کے عیب سے پاکیزگی عطا فرمائے جب اس بات پہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام حقیقی دنیاوی زندگی رکھتے ہیں لیکن عوام کی نظروں سے پردہ میں ہیں۔ تو اب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی خواب، مثال، اشتباہ کے انھیں دکھایا۔ اب اس پر کوئی اشکال نہیں۔

۵۴۷۱/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ يَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَلَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان کر دیا گیا آپ اپنے گھوڑے کو حکم دیتے اس کی زین لگائی جاتی تو آپ گھوڑے کی زین لگائے جانے سے پہلے قرآن[1] پڑھ لیتے اور وہ نہ کھاتے تھے

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) مگر اپنے ہاتھ کے کام سے[۱] (البخاری)

[۱] یہ معلوم نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے کتنے گھوڑے تھے اور ان پر زین لگانے میں کتنا وقت لگتا تھا۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ یہ معمول اور عادت کے خلاف ہے خصوصًا تورات کی قراءت جیسا کہ منقول ہے کہ اس کا حفظ انبیاء بنی اسرائیل کا معجزہ ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو دوبارہ زندہ ہونے پر حفظ تورات کی وجہ سے ہی پہچانا گیا تھا اور یہ حالہ از قبیل طے زماں اور بسط زماں سے ہے اور یہ اہل معرفت کے ہاں مسلّمہ حقیقت ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔ ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے تک قرآن ختم فرما لیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ مقام ملتزم سے کعبہ کے دروازہ تک قرآن ختم کر دیتے تھے۔

[۲] اپنے ہاتھوں سے زرہ بناتے تھے۔

۵۴۷۲ وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَہُمَا ابْنَاہُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَھَبَ بِابْنِ اِحْدٰھُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُھَا اِنَّمَا ذَھَبَ بِابْنِكِ قَالَتِ الْاُخْرٰی اِنَّمَا ذَھَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاکَمَتَا اِلٰی دَاوٗدَ فَقَضٰی بِہٖ لِلْکُبْرٰی فَخَرَجَتَا عَلٰی سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ فَاَخْبَرَتَاہُ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِالسِّکِّیْنِ اَشُقُّہٗ بَیْنَکُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا تَفْعَلْ یَرْحَمُكَ اللّٰہُ ھُوَ ابْنُھَا فَقَضٰی بِہٖ لِلصُّغْرٰی

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عورتیں ہیں جن کے ساتھ ان کے[۱] بچے تھے۔ بھیڑیا آیا ایک کا بچہ لے گیا۔ دونوں[۲] نے جھگڑا کیا وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں لے گئیں آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ[۳] دے دیا۔ وہ دونوں حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں، انھیں یہ اطلاع دی آپ نے فرمایا چھری لاؤ میں تم دونوں کے درمیان بچے کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دوں[۴] چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحمت فرمائے یہ نہ کریں یہ بڑی کا بچہ ہے تب آپ نے چھوٹی کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا[۵]

(بخاری و مسلم)

[۱] ہر ایک کا ایک بچہ تھا

[۲] ہر ایک نے کہا بھیڑیا تیرا بچہ[۱] لے گیا ہے

[۳] اس سبب سے کہ اس کے ساتھ مشابہت تھی یا اس کے قبضہ میں تھا یا اپنا اجتہاد کی وجہ سے یہ وحی کی بنا پر یہ فیصلہ نہ تھا ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے خلاف فیصلہ نہ کرتے۔

[۴] حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد امتحان تھا تاکہ واضح ہو جائے ان میں سے ماں کون ہے؟

[۵] ظاہر یہی ہے کہ بڑی نے بھی اقرار کر لیا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے لہذا اسے دے دیا گیا (کذا قیل) یہاں یہ اشکال ہے

---

[۱] ان میں سے ایک صراحتًا جھوٹی تھی وہ بچہ حاصل کرنا چاہ رہی تھی ۔ امیر علی مرحوم

کہ ایک پیغمبر کے حکم سے دوسرے کا حکم رد نہیں ہوتا اگرچہ اجتہاد سے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بطور جزم و قطع نہ تھا بلکہ بطریق احتمال تھا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں مجتہد فیہ حکم میں نسخ جائز تھا۔

۵۴۲۳ / ۲۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَيْمَانُ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى تِسْعِيْنَ امْرَأَةً وَّفِيْ رِوَايَةٍ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ كُلُّهُنَّ تَأْتِيْ بِفَارِسٍ يُّجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ اِلَّا امْرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ جَآءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَّاَيْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت سلیمان نے فرمایا کہ آج میں اپنی نوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ایک روایت میں ہے کہ سو بیویوں کے پاس، جن میں سے ہر ایک شہسوار جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا فرشتے نے کہا انشاء اللہ کہہ لیجیے انھوں نے نہ کہا اور بھول گئے[1] پس آپ انکے پاس تشریف لے گئے[2] لیکن ان میں سے ایک کے سوا کوئی حاملہ نہ ہوئی اور وہ بھی ناتمام بچہ[3] پیدا ہوا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد مصطفیٰ کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے[4] تو سب بچے اللہ کی راہ میں سوار ہو کر جہاد کرتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] بھول جانے کے سبب انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔

[2] یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کمال قوت پر دلالت ہے، قوۃ باہ کا کم ہونا نقص ہے ایسے نقائص سے حضرات انبیاء علیہم السلام پاکیزہ ہیں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اس سے اقوی ہے۔ اس میں نقص بصورت رہبانیت بھی آشکار رہتا ہے۔ اہل جنت کے احوال اس پر شاہد ہیں۔

[3] شق، کسی چیز کا ٹکڑا، صراح میں ہے آدھی چیز کو شق کہا جاتا ہے

[4] لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام سے لغزش ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اس پر بارگاہِ خداوندی میں توبہ کی جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے،

۵۴۲۴ / ۲۳ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ زَكَرِيَّاءُ نَجَّارًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا نجار[1] تھے (المسلم)

[1] نجار، جیم کے ساتھ لکڑی کو تراشنا لفظ زکریا، مد اور قصر دونوں کے ساتھ ہے۔

۵۴۲۵ / ۲۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا

مَرْيَمَ فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَّأُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَّلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سب لوگوں سے زیادہ نزدیک ہیں[1]۔ سارے انبیاء سوتیلے[2] بھائی ہیں کہ ان کی مائیں[3] الگ الگ ہیں۔ لیکن ان کا دین[4] ایک ہے اور ہم دونوں[5] کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] آغاز وانجام میں، کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی اور آپ کی شریعت کے لیے تمہید اٹھائی اور آخری زمانہ میں آپ کے نائب اور خلیفہ بھی بنیں گے۔
[2] ان کا والد ایک ہے
[3] علات، عین پر زبر، لام مشدد وہ بھائی جن کا والد ایک اور مائیں متعدد ہوں جیسا کہ اخیاف ان بھائیوں کو کہتے ہیں جن کی ماں ایک اور والد متعدد ہوں۔ جن کے والد اور والدہ ایک ہوں انھیں اعیانی کہا جاتا ہے۔ فرمایا تمام پیغمبروں کے والد ایک اور مائیں متعدد ہیں۔ تمام انبیاء کا مقصود چونکہ مخلوق کی ہدایت اور راہنمائی ہے اسے والد کے ساتھ تشبیہ دی اور چونکہ شرائع مختلف ہیں اس لیے متعدد ماؤں کے ساتھ تشبیہ دی (کذا قالوا) بعض مشائخ نے کہا ابناء السبیل اخیاف لیس بینہم خلاف طریق حق پر چلنے والے تمام ایک ماں (شریعت) کی اولاد ہیں لیکن والد مختلف ہیں کیونکہ مشائخ ومرشدان میں سے تربیت کا طریق ہر ایک کا مختلف ہے۔
[4] وہ توحید ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام عقائد دینیہ میں متفق ہیں اگرچہ بجہت حکمت ومصلحت اور لوگوں کی راہنمائی میں ان کے مختلف احوال کے پیش نظر شرائع واعمال میں مختلف ہیں۔
[5] حضور اور حضرت عیسٰی علیٰ نبینا علیہما السلام، اگرچہ قرب واتصال معنوی تمام انبیاء علیہم السلام میں ہے لیکن اتصال صوری حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ خصوصی ہے۔

۵۴۷۶/۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ آدَمَ يَطْعُنُ الشَّيْطَانُ فِيْ جَنْبَيْهِ بِإِصْبَعَيْهِ حِيْنَ يُوْلَدُ غَيْرَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعُنُ فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اولادِ آدم کی کروٹ میں اس کی ولادت کے وقت شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے۔ سوائے حضرت عیسٰی بن مریم کے کہ وہ مارنے لگا تو وہ پردے[1] میں جا لگیں (بخاری ومسلم)

[1] اس سے وہ پردہ مراد ہے جس میں ان کی ولادت ہوئی اسے چشمہ کہا جاتا ہے۔ شیطان کی انگلیاں اسے لگیں نہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو، اس حدیث پر گفتگو ما من مولود الا یمسہ الشیطان کے تحت باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس حکم سے خارج ہے کیونکہ آپ اپنے علاوہ دیگر اولادِ آدم کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔

۵۴۷۷/۲۶ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو موسٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرًا وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ وَحَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ وَحَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ فِي الْمُفَاخَرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں بہت سے کامل ہوئے۔ خواتین میں سوائے مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے کوئی کامل[1] نہ ہوئیں اور جنابہ عائشہ کی بزرگی ساری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید[2] کی بزرگی تمام کھانوں پر ہے (بخاری ومسلم) اور حضرت انس کی حدیث اے خیر البریہ اور حدیث ابوہریرہ اَیُّ الناس اکرم اور ابن عمر کریم بن کریم باب المفاخرہ والعصبیہ میں بیان ہو چکی۔

[1] ظاہراً یہ حدیث دال ہے کہ یہ تمام خواتین سے افضل واکمل ہیں۔ حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ، سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بھی، اس کے جواب و توجیہ میں کہا گیا ہے کہ یہاں خواتین سے مراد سابقہ امتوں کی خواتین ہیں یا یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب ان خواتین کی فضیلت کے بارے میں وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ یا یہ خواتین مستثنیٰ ہیں اور اس پر وہ روایات ہیں جن میں ہے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام خواتینِ جنت کی سربراہ ہیں۔ بعض احادیث میں افضلیتِ سیدہ فاطمہ، سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ الغرض اس باب میں احادیث مختلف ہیں یا توحیثیات متعدد ہیں یا عمومات میں تخصیص کا قول کرنا ہوگا۔ رسالہ فارسیہ میں جو عقائد پر ہے اس بارے میں علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس مذکورہ حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت بیان کی گئی ہے۔

[2] ثرید، وہ مشہور کھانا ہے جسے فارسی میں شکنہ کہا جاتا ہے۔ پیالہ میں روٹی کے ٹکڑے کرنا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۴۷۸ / ۲۷ عَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ خَلْقَهُ قَالَ كَانَ فِيْ عَمَاءٍ مَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ وَمَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَخَلَقَ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ الْعَمَاءُ أَيْ لَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ

حضرت ابورزین[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا۔ فرمایا ایک[2] بادل میں تھا نہ اس کے نیچے ہوا نہ اس کے اوپر ہوا اور اپنا عرش پانی پر پیدا فرمایا (ترمذی) اور فرمایا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ بادل سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

[1] ابورزین، راء پر زبر، زاء کے نیچے زیر، یاء ساکن، مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہلِ طائف میں ہوتا ہے۔

[2] عماء، سحاب رقیق یا کثیف جو باہم ملا ہوا ہو، عمی مد اور قصر دونوں کے ساتھ منقول ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کی کنہ اور حقیقت سے عقل آشنا نہیں ہو سکتی۔

سلہ ہوا اس بات سے کنایہ ہے کہ وہاں کوئی شے نہیں۔ یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیء" (اللہ تعالیٰ تھا اور وہاں کوئی شے نہ تھی) بعض شارحین نے فرمایا اس سے مقصد اس وہم کا ازالہ ہے کہ وہاں مکان تھا کیونکہ ابر معروف کے لیے مکان اور ہوا کے بغیر پایا جانا محال ہے۔ شیخ ازہری کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس کی کیفیت نہیں جان سکتے۔ بعض نے کہا سوال سے مراد یہ تھی کہ ہمارے رب کا عرش کہاں تھا؟ تو فرمایا۔

سلہ شیخ یزید بن ہارون، اعلام امت اور ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ، ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح کی ہے ان کا تعلق بخارا سے تھا، ان کے فضائل کثیر ہیں۔ ۲۱۷ ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

۵۴۷۹ وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ زَعَمَ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي الْبَطْحَاءِ فِي عِصَابَةٍ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيهِمْ فَمَرَّتْ سَحَابَةٌ فَنَظَرُوا إِلَيْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُسَمُّونَ هٰذِهِ؟ قَالُوا السَّحَابُ قَالَ وَالْمُزْنُ قَالُوا وَالْمُزْنُ قَالَ وَالْعَنَانُ قَالُوا وَالْعَنَانُ قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالُوا لَا نَدْرِي قَالَ إِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا إِمَّا وَاحِدَةٌ وَإِمَّا اثْنَتَانِ أَوْ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ سَنَةً وَالسَّمَاءُ الَّتِي فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ ثُمَّ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ أَوْعَالٍ بَيْنَ أَظْلَافِهِنَّ وَرُكَبِهِنَّ مِثْلُ مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ عَلٰى ظُهُورِهِنَّ الْعَرْشُ بَيْنَ أَسْفَلِهِ وَأَعْلَاهُ مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ اللهُ فَوْقَ ذٰلِكَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ بطحا میں ایک جماعت میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف فرما تھے ایک بادل گزرا لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا نام کیا رکھتے ہو؟ عرض کیا سحاب اور فرمایا اور مزن بھی عرض کیا مزن بھی فرمایا اور عنان بھی عرض کیا اور عنان بھی فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ کتنا ہے عرض کیا ہم نہیں جانتے فرمایا ان کے درمیان فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا اور جو آسمان اس کے اوپر ہے وہ بھی ایسا ہی ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمان گنائے پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے جس کے اوپر اور نچلے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔ پھر اس کے اوپر آٹھ بکرے ہیں جن کے کھروں اور سرین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔ پھر ان کی پیٹھوں پر عرش ہے۔ جس کے اوپر اور نیچے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سلہ مکہ میں جگہ کا نام ہے۔ ابطح، جاری پانی اور سنگلاخ جگہ

سلہ ظاہرًا واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے اور وہ گروہ وجماعت مسلمانوں کی نہ تھی۔

سلہ یا انھوں نے اس کا نام سحاب لیا، سحاب، رفع ونصب دونوں کے منقول ہے

سلہ مزن، میم پر پیش، سفید بادل کو کہتے ہیں۔

سلہ عنان، قاموس میں ہے عنان وہ بادل جو پانی کو محفوظ نہ رکھے۔

سلہ یہ شک راوی کو شک ہے۔

سلہ دوسری روایت میں ہے زمین وآسمان کے درمیان اس طرح آسمانوں کے درمیان پانچ صد سال کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کے اوپر پانچ سو سال کی مقدار ہے۔ شیخ طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں ستر سے مراد مبالغہ ہے نہ کہ عدد معین اور یہ عدد مبالغہ کے لیے اکثر طور پر مستعمل ہے

سلہ دیگر احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے عرش کے نیچے دریا پیدا فرمایا۔ پھر عرش پیدا فرمایا۔ حالانکہ وہ دریا رواں تھا۔

سلہ فرشتے بصورت پہاڑی بکریاں، اوعال، وعل کی جمع، واؤ پہ زبر، عین ساکن پہاڑی بکری

سلہ یہ بلندی، عظمت، حکم وقدرت اور عزت کے اعتبار سے ہے مکان، جہت اور استقرار وتمکن مراد نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی، برتری اور عظمت کی تمثیل وجھلک ہے کہ وہ تمام سے بلند و ماوراء ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا ان لوگوں کو پست چیزوں سے نکال کر بلندی کی طرف متوجہ کیا جائے۔ تاکہ یہ ملکوت زمین وآسمان میں غور و فکر کو اپنا وطیرہ بنائیں اور ان کے ذہن میں ایسا ارتقاء پیدا ہو کہ وہ سب سے پست و ذلیل بتوں سے نکل کر خالق کی طرف متوجہ ہو جائیں لہ

۵۴۸۰ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَجَاعَ الْعِيَالُ وَنُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَهَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ

حضرت جبیر بن مطعم سلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جانیں مشقت میں پڑ گئیں۔ بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، مال کا نقصان ہو رہا ہے۔ مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کی دعا مانگیے ہم اللہ کی بارگاہ میں آپ کو سفارشی بناتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ کو سفارشی بناتے ہیں

لہ لیکن اس کی سند ضعف وغرابت سے خالی نہیں اور یہ قابل استدلال نہیں۔ مولوی امیر علی مرحوم۔

ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ شَاْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَيْحَكَ اَتَدْرِيْ مَا اللّٰهُ اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰى سَمٰوٰاتِهٖ هٰكَذَا وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا سبحان اللہ سبحان اللہ پھر مسلسل[۶] سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اصحاب کے چہروں پر[۵] اس کا اثر نمایاں ہوگیا فرمایا تم پر افسوس اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی نہیں بنایا جاتا[۶] اس کی شان اس[۷] سے کہیں بلند ہے تم پر افسوس کیا تم جانتے ہو کہ اس کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے اور انگلیوں[۹] کے اشارہ سے بتایا کہ قبے کی طرح ان پر محیط ہے اور اس سے آواز[۱۰] نکلتی ہے جیسے کجاوہ سوار کی وجہ سے چرچراتا ہے (ابوداؤد)

[۱] جبیر بن مطعم، میم پر پیش، طاء ساکن، عین کے نیچے زیر، صحابی، اشراف قریش اور اولاد عبد مناف میں سے ہیں سن فتح مکہ کے بعد فتح خیبر سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد ہیں۔ انساب، اخبار اور ایام عرب کے ماہر ہیں۔

[۲] ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ ایزدی میں وسیلہ بناتے ہیں تاکہ وہ بارش عطا فرمائے۔

[۳] تاکہ آپ اس سے بارش کی دعا کریں۔

[۴] بطور تعجب و ناراضگی

[۵] صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے متاثر ہوئے اور ان کے چہروں پر اس کا بھی اظہار ہوا

[۶] اسے وسیلہ کسی کے سامنے مت بناؤ۔

[۷] کسی کے سامنے وسیلہ بنانے سے

[۸] تم جانتے نہیں اس کی عظمت کیا ہے؟

[۹] گیند کی مانند اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر۔ یعنی تمام آسمان اس کے احاطہ میں ہیں چہ جائیکہ زمین۔

[۱۰] عظمت حق کی وجہ سے وہ عاجز ہے جیسے سوار سے پالان، اطیط، پالان کا آواز، زین کا آواز، بیٹ کا خالی ہونا، اونٹ کا کرلانا، یہ تمام اعرابی کے ذہن کے مطابق عظمت الٰہیہ کی تمثیل کا بیان ہے۔

۵۲۸۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُذِنَ لِيْ اَنْ اُحَدِّثَ عَنْ مَلَكٍ مِنْ مَلٰئِكَةِ اللّٰهِ مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ اَنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ اِلٰى عَاتِقِهٖ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک[۱] کے متعلق بتا دوں کہ اس کے دونوں کانوں کی لو اور کندھوں[۲] کے درمیان سات سو برس کی مسافت جتنا

مَسِيْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) فاصلہ ہے (ابوداؤد)

سلہ ان کی عظمت کے بارے میں

سلہ بعض نے کہا ان کے کاندھے اور گردن کے درمیان یہ فاصلہ ہے۔

۵۴۸۲ وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ بَيْنِیْ وَبَيْنَهٗ سَبْعِيْنَ حِجَابًا مِّنْ نُّوْرٍ لَوْ دَنَوْتُ مِنْ بَعْضِهَا لَاحْتَرَقْتُ هٰكَذَا فِی الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِی الْحِلْيَةِ عَنْ اَنَسٍ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيْلُ۔

حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے فرمایا کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ حضرت جبرئیل کانپنے لگے اور عرض کیا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر حجاب ہیں اگر میں کسی کے نزدیک جاؤں تو جل جاؤں گا۔ مصابیح میں اسی طرح ہے لے ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے مگر وہاں یہ ذکر نہیں کہ جبرئیل کانپنے لگے۔

سلہ زرارہ، زا پر پیش، پہلی راء مخفف

سلہ ابی اوفی، ہمزہ پر زبر، واو ساکن، ثقہ تابعی، قاضی بصرہ اپنے دور کے عظیم عباد علماء میں شامل ہیں حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ ایک دن فجر کی نماز ادا کر رہے تھے یہ آیت مبارکہ پڑھی فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ چیخ ماری اور وصال ہوگیا یہ ۹۲ ہجری ولید بن عبدالملک کا دور تھا۔

سلہ انتفاض، کانپنا، حضرت جبرئیل امین اس سوال کے خوف اور تصور سے کانپ اٹھے

سلہ اس سے وہ نورانی پردے مراد ہیں جو جبرئیل کی صفات ملکیہ بلکہ صفات حق بھی ہیں۔ کیونکہ صفت بجا پردہ ذات ہے۔ تعین حد کا علم شارع ہی کو ہے۔ بعض روایات میں ستر ہزار کا ذکر ہے۔ ممکن ہے یہ کثرت حجابات سے کنایہ ہو۔ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے۔ حق تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے اس بارے میں پوچھا ہے۔ حضرت جبرئیل کی گفتگو بھی اس پر دال ہے۔ اس مسئلہ میں ملائکہ اور انسانوں میں فرق کرنا سخت زیادتی ہے۔ اگرچہ انسان روحانی یا جسمانی حجاب میں ہے۔ روز قیامت دیدار الٰہی کا زیادہ حق انسان کا ہے اور ملائکہ کی رویت میں اختلاف ہے۔

سلہ شعر اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں ایک بال برابر آگے بڑھتا ہوں تو انوار تجلیات سے میرے پر جل جائیں گے)

یہ عبارت واضح کر رہی ہے کہ یہ حجابات باری تعالیٰ کی صفات و انوار ذات کے درمیان ہیں۔

۵۴۸۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اِسْرَافِيْلَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس دن

يَوْمِ خَلَقَهُ صَافًّا قَدَمَيْهِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَبْعُوْنَ نُوْرًا مَا مِنْهَا مِنْ نُوْرٍ يَدْنُوْ مِنْهُ اِلَّا احْتَرَقَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا اپنے قدموں پر کھڑے ہیں وہ اپنی نگاہ نہیں اٹھاتے۔ ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان ستر نور ہیں۔ ان میں سے کوئی نور نہیں مگر جس سے وہ قریب ہو تو جل جاویں۔

(ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا)

سلہ صور سے، اس سے مراد انتظار حکم ہے کہ کب اسے بجانے کا حکم آجاتا ہے۔

۵۴۸۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَذُرِّيَّتَهُ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ يَا رَبِّ خَلَقْتَهُمْ يَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَيَنْكِحُوْنَ وَيَرْكَبُوْنَ فَاجْعَلْ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهُ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهُ كُنْ فَكَانَ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا یارب تو نے انھیں پیدا کیا، عرض کیا وہ کھائیں گے پئیں گے نکاح کریں گے سوار ہوں گے تو ان کے لیے دنیا کر دے[1] ہمارے لیے آخرت کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے میں نے دست[2] قدرت سے بنایا اور جس میں میں نے اپنی روح[3] پھونکی اسے اس مخلوق کی طرح نہ کروں گا جس سے میں نے کہا ہو[4] جا وہ ہوگئی (شعب الایمان للبیہقی)

سلہ کیونکہ یہ دنیا سے متمتع ہوں گے ہم نہیں ہوں گے لہٰذا ان کی دنیا ہونی چاہیے اور ہماری آخرت، رب ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں عطا کرنا زیادتی ہوگی۔

سلہ جو جلال و جمال دونوں کو جامع ہے۔

سلہ اضافت تکریم و شرف کے لیے ہے۔

سلہ حضرت آدم اور ان کی اولاد کو یہ شرف بھی حاصل ہے لہٰذا وہ تمام صوری و معنوی، حس و عقلی کمالات کے جامع ہیں لہٰذا ان سب کے لیے دنیا و آخرت دونوں ہوں گی۔ یہ حدیث شاہد ہے کہ بشر کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۴۸۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ مَلٰئِكَتِهٖ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت[1] والا ہے۔

(ابن ماجہ)

سلہ اس کی تفصیل کتب علم کلام میں موجود ہے۔

۵۴۸۶/۲۵ وَعَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ وَخَلَقَ فِيْهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوْهَ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِيْهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَخَلَقَ اٰدَمَ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِيْ اٰخِرِ الْخَلْقِ وَاٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنَ النَّهَارِ فِيْمَا بَيْنَ الْعَصْرِ اِلَى اللَّيْلِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی پیدا فرمائی اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے، پیر کے دن درخت پیدا کیے۔ منگل کے دن ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں، بدھ کے روز نور پیدا فرمایا[1]، جمعرات کے روز اس میں جانور پھیلائے، آخری مخلوق آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور دن کی آخری ساعت تھی جو عصر سے لے کر رات تک ہے۔ (المسلم)

سلہ یہ مسلم میں ہے۔ دیگر میں ہے کہ بدھ کو مچھلی پیدا فرمائی، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دن دونوں کو پیدا فرمایا۔
سلہ چونکہ اس دن تمام کی پیدائش مکمل ہو گئی اس لیے اس کا نام جمعہ رکھ دیا گیا اور اس آخری ساعت کو فضیلت دی گئی۔

۵۴۸۷/۲۶ وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَاَصْحَابُهُ اِذْ اَتٰى عَلَيْهِمْ سَحَابٌ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذِهِ الْعَنَانُ هٰذِهٖ رَوَايَا الْاَرْضِ يَسُوْقُهَا اللّٰهُ اِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْكُرُوْنَهٗ وَلَا يَدْعُوْنَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا الرَّقِيْعُ سَقْفٌ مَّحْفُوْظٌ وَمَوْجٌ مَّكْفُوْفٌ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ سَمَاءَانِ بُعْدُ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

اور انہی سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے اچانک بادل آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ عرض کیا[1] اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ بادل ہے یہ زمین کا ساقی ہے اللہ اسے اس قوم کی طرف لے جاتا ہے جو نہ اس کا شکر کریں نہ اس سے دعا مانگیں پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے۔ عرض کیا اللہ و رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا آسمان ہے محفوظ چھت ہے اور رکی ہوئی موج۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول ہی جانیں فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول ہی جانیں۔ فرمایا دو آسمان ان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر

قَالَ اِنَّ فَوْقَ ذَالِكَ الْعَرْشَ وَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَآءِ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَآئَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الَّذِيْ تَحْتَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّهَا الْاَرْضُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا تَحْتَ ذَالِكَ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّ اَرْضًا اُخْرٰى بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ اَرَضِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اَرْضَيْنِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَرَءَ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ -

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاٰيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ اَرَادَ الْهَبْطَ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ عَلَى الْعَرْشِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ.

اسی طرح حتیٰ کہ سات آسمان گنائے۔ ہر دو آسمانوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ان سب کے اوپر کیا ہے عرض کیا اللہ و رسول ہی خوب جانیں فرمایا ان کے اوپر عرش ہے۔ اس کے اوپر اور آسمان کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے جو تمھارے نیچے ہے عرض کیا اللہ و رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا کہ اس کے نیچے دوسری زمین ہے جن دونوں کے درمیان پانچ سو سال ہیں حتیٰ کہ سات زمینیں شمار فرمائیں۔ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ایک اس نیچی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ اللہ کی طرف جائے گی پھر قراءت فرمائی۔ وہ اول ہے اور آخر، ظاہر ہے اور باطن اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (مسند احمد ترمذی، ترمذی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت تلاوت فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے علم پر اس قدرت پر اس کی حکومت میں گرے، اللہ کا علم، اس کی قدرت اور اس کی بادشاہت ہر جگہ پر ہے اور وہ عرش پر ہے جیسے اس نے خود اپنی کتاب میں اپنی تعریف فرمائی۔

۱؎ اپنے معمول کے مطابق

۲؎ عنان، عین پر زبر، بادل

۳؎ روایا، راویہ کی جمع ہے، اس اونٹ کو کہتے ہیں جس سے پانی کھینچا جائے۔ بادل کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

۴؎ وہ نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتی

۵؎ رقیع، فصل کے وزن پر، آسمان، بعض کے بقول یہ آسمانِ دنیا کا نام ہے۔

ؑ۵ آسمان کو گھر کی چھت کے ساتھ تشبیہ دی ہے ۔
ؑ۵ سورج کے ساتھ بھی ہوا میں معلق ہونے میں تشبیہ ہے، آسمان بھی بے ستون قائم ہے
ؑ۵ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دو زمینوں کے درمیان فاصلہ آسمانوں کی طرح ہے ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ زمینیں آپس میں متصل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ارض مفرد اور سموات جمع کے طور پہ آیا ہے ۔ اس حدیث کے خلاف ہے ۔ ممکن ہے زمین کے لیے مفرد کا لفظ لانا اس لیے ہو کہ مراد یہی زمین ہے، نیچے والی زمین مراد نہیں بخلاف آسمان کے وہ تمام مرکز فیوض و آثار ہیں ۔
ؑ۵۹ چونکہ دیگر احادیث میں اللہ تعالیٰ کی عرش پر فوقیت، تقدس اور احاطہ بیان ہوا اور اس میں زمین اور اس کے نیچے اللہ تعالیٰ کی قدرت، احاطہ اور اس کی صفات و افعال کے ظہور و آثار کو بیان فرمایا تاکہ واضح ہو کہ ہر جگہ اوپر و نیچے اور زیر و بالا میں اس کی قدرت کا احاطہ ہے ۔
ؑ۶۰ وھو بکل شیئ علیم " وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے " اس پر قرینہ ہے ۔
ؑ۶۱ ان صفات کے آثار موجود ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفات محتاج مکان نہیں ۔
ؑ۶۲ قرآن مجید میں ہے الرحمن علی العرش استویٰ
وھو رب العرش العظیم یا اس سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اس کے علم، وجود، قدرت اور فوق العرش کا ذکر ہے ۔ مثلاً وھو اللہ فی السموات والارض ۔ واللہ بکل شیئ محیط بہر تقدیر یہ آیات اگرچہ بظاہر جہت اور مکان کا موہم ہیں لیکن حقیقت میں یہ ظہور علم و قدرت سے عبارت ہیں اور ان سے مراد وہ حقائق و معانی ہیں جو باری تعالیٰ شانہٗ و عظم برہانہٗ کے شایانِ شان ہیں ۔

۵۴۸۸/۲۷ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ طُوْلُ اٰدَمَ سِتِّيْنَ ذِرَاعًا فِىْ سَبْعِ اَذْرُعٍ عَرْضًا

اور انہی سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ حضرت آدم کی لمبائی ساٹھ گز تھی، سات گز چوڑائی ۔

ؑ۱ گز کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک مراد ہے اور یہی شرعی گز ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ مراد ہو تو ذراع آدم مراد ہے کہ ان کا قد مبارک ان کے ہاتھ کے حساب سے ساٹھ ہاتھ تھا یا متعارف گز ہے ظاہر یہ ہے کہ عام آدمی کا ہاتھ مراد ہے کیونکہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ مراد ہو تو لازم آئے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد آپ کے ہاتھ کی پیمائش سے ساٹھ ہاتھ کے برابر ہو اس کا مطلب ہو گا کہ ان کا ہاتھ ان کے جسم کی لمبائی کے مقابلے میں انتہائی چھوٹا تھا اور حد تناسب سے یک لخت دور تھا جیسے کہ مخفی نہیں ۔

۵۴۸۹/۲۸ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الْاَنْبِيَاءِ كَانَ اَوَّلُ؟ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَنَبِىٌّ كَانَ ۔ قَالَ نَعَمْ نَبِىٌّ مُكَلَّمٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمِ الْمُرْسَلُوْنَ قَالَ ثَلٰثُمِائَةٍ وَبِضْعَةَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سے نبی پہلے ہیں ۔ فرمایا آدم علیہ السلام عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ نبی تھے؟ فرمایا ہاں کلام والے نبی ۔ عرض کیا یا رسول اللہ رسول کتنے ہیں؟ فرمایا

عَشَرَ جَمًّا غَفِيْرًا وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ كَمْ وَفَاءُ عِدَّةِ الْاَنْبِيَاءِ قَالَ مِائَةُ اَلْفٍ وَاَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ اَلْفًا اَلرُّسُلُ مِنْ ذٰلِكَ ثَلٰثُمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيْرًا

تین سو اور کچھ [۴] اس بڑی جماعت اور ایک روایت میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ جن میں سے رسول بڑی جماعت تین سو پندرہ ہیں۔

[۱] یہ صدق و زہد میں اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

[۲] ان پر صحیفہ نازل کیا گیا تھا

[۳] ایک روایت میں تین سو چودہ ہے

[۴] جمًّا، جیم پر زبر، میم مشدد بمعنی بسیار، غفیر غفر سے ہے بمعنی ستر، یہ بھی کثرت کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ کثیر جماعت بھی اپنے ارد گرد کو ڈھانپ لیتی ہے۔

[۵] نبی اور رسول کے درمیان میں فرق یہ ہے۔ نبی پر صرف وحی ہوتی ہے جبکہ رسول پر کتاب بھی نازل کی جاتی ہے۔ انبیاء کی تعداد کے بارے میں دو لاکھ چوبیس ہزار کی روایت بھی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ان کی تعداد کے تعین کو منع کر دیا گیا اجمالاً یہ عقیدہ رکھنا چاہیے ہم تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔

۵۴۹۰/۲۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى اَخْبَرَ مُوْسٰى بِمَاصَنَعَ قَوْمُهٗ فِي الْعِجْلِ فَلَمْ يُلْقِ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَى الْاَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ

(رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ اَحْمَدُ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلاع [۱] دیکھنے کی طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ سب کچھ بتایا جو ان کی قوم نے بچھڑے کے متعلق کیا۔ اس وقت آپ نے تختیاں [۲] نہیں گرائیں پھر جب ان کی حرکت دیکھی تو تختیاں گرادیں وہ ٹوٹ گئیں۔

(ان تینوں احادیث کو امام احمد نے روایت کیا)

[۱] خبر کتنی یقینی کیوں نہ ہو جو مقام دیکھنے کو حاصل ہے وہ سننے سے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اس پر دلیل ارشاد فرمائی۔

[۲] جن میں تورات لکھی ہوئی تھی۔

باب

فَضَائِلِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

تمام رسولوں کے سربراہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل گنتی اور شمار سے باہر ہیں۔ اوّلین و آخرین کے علوم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے اور ان کی فضیلت سوائے آپ کے پروردگار کے کوئی نہیں جانتا۔ اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولادِ آدم کے سربراہ اور تمام پیغمبروں سے افضل ترین ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علیہم اجمعین۔ آپ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد علماء سے تصریح نہ ملتی۔ واللہ اعلم

الفصل الاوّل

۵۲۹۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ مِنْهُ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اولادِ آدم کے ہر بہتر طبقہ[۱] سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ اس طبقہ تک جس سے میری آمد ہوتی۔

[۱] ہر وہ طبقہ جس میں والدین کی صلب میں رہا ہوں۔ قرن سے مراد ایک زمانہ کے لوگ مثلاً صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طبقہ میں رہے وہ سب سے بہتر تھا جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کنانہ اور قریش ہیں اور ان کے بعد ہاشم۔

[۲] خیر سے مراد فضائل حمیدہ اور فضائل شریفہ ہیں۔ جن پر اہل عقل وکرم مدح کرتے ہیں۔ اس سے دین وایمان مراد نہیں (کذا قالوا) یہ معاملہ قرآن کا ہے۔ رہا معاملہ آپ کے آباءِ کرام کا وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک تمام کفر کی میل اور نجاست شرک سے پاک رہے۔ جیسا کہ فرمایا میں پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل ہوتا رہا، اس پر متاخرین علماء حدیث نے بہت دلائل تحریر کیے ہیں۔ اللہ کی قسم یہ ایسا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان متاخرین کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ یعنی اس بات کا علم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد دین توحید واسلام پر تھے حالانکہ متقدمین کے کلام سے اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیخ جلال الدین سیوطی کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس مسئلہ پر رسائل تحریر فرما کر اسے خوب واضح فرمایا۔ اور مدعی کو ظاہر و باہر فرما دیا۔ حاشا للہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس نورِ پاک کو تاریک جگہ رکھا جاتا اور روزِ قیامت آپ کے

آباء کی تحقیر و رسوائی کی جائے ۔

۵۴۹۲ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِّنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی مِنْ وُّلْدِ اِبْرَاھِیْمَ اِسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی مِنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِیْلَ بَنِیْ کِنَانَۃَ

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیل سے کنانہ[1] کو چنا اور کنانہ سے قریش[2] اور قریش سے بنی ہاشم اور مجھے[3] بنی ہاشم سے چنا (المسلم) ترمذی کی روایت میں[4] ہے اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں سے اسمٰعیل اور اولادِ اسمٰعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا

[1] کنانہ، کاف کے پیش زیر، یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چند واسطوں سے اولاد میں ہیں اور قریش سے دو واسطے پہلے ہیں ۔

[2] یہ نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں ۔ قریش نام کی مشہور وجہ یہ ہے کہ یہ ایک سمندری چارپایہ کا نام ہے ۔ جو قوت و زور میں اپنی انتہا پر ہے ۔ صحاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ قریش کے نام کی وجہ یہ ہے کہ دریا کی مچھلی کا نام قریش ہے جو دیگر مچھلیوں کو ہڑپ کر جاتی ہے اور کوئی نہ کھا سکتی اور اس پر کوئی غالب نہ آسکتا اس کی دیگر وجوہ بھی قاموس میں مذکور ہیں ۔

[3] تمام سے افضل و اعلیٰ بلکہ ان کے خلاصوں کا خلاصہ ہیں ۔

[4] اس کی روایت میں یہ اضافہ ہے

۵۴۹۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزِ قیامت اولادِ آدم کا سردار[1] میں ہوں ۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت[2] منظور ہوگی (المسلم)

[1] تمام صفات کمال میں، قیامت کی قید اسلیے ہے کہ اس دن سیادت و کرامات کا خوب ظہور ہوگا ۔ اس دن واضح ہو جائے گا کہ دن الٰہی کا دن ہے ۔ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مقبول و مقرب نہیں ۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ آپ ملائکہ سے بھی افضل ہیں ۔ مذہب اہلِ حق یہی ہے اور ان کی تحقیق بھی یہی ہے کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں ۔ بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت مطلقہ تمام مخلوق پر کا تذکرہ بھی ہے مواہب لدنیہ میں حضرت سلمان ابن عساکر سے ہے کہ جبرئیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے ۔ دنیا اور اہلِ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو پیدا نہیں کیا گیا تاکہ وہ آپ کی اس بزرگی اور مرتبہ کو پہچانے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اگر آپ نہ ہوتے میں دنیا پیدا ہی نہ کرتا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں اور جو بعض احادیث میں آیا ہے مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو، مجھے حضرت موسیٰ اور حضرت یونس پر فضیلت نہ دو اس کا جواب پیچھے معلوم ہو چکا ۔

سلہ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ سب سے پہلے آپ کی شفاعت ہی قبول کی جائے گی ۔

۵۴۹۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَآءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت میرے امتی تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا ۔ (المسلم)

۵۴۹۵ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِکَ اُمِرْتُ اَنْ لَّآ اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَکَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بروز قیامت میں جنت کے دروازہ کے پاس جا کر اسے کھولنے کے لیے کہوں گا خازن کہے گا آپ کون ہیں ؟ کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پس وہ کہے گا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے بھی نہ کھولوں ۔ (المسلم)

۵۴۹۶ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ شَفِیْعٍ فِی الْجَنَّۃِ لَمْ یُصَدَّقْ نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ مَا صُدِّقْتُ وَاِنَّ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ نَبِیًّا مَا صَدَّقَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں پہلا شفیع ہوں گا جتنی میری تصدیق کی گئی اس قدر کسی نبی کی نہیں کی گئی ۔ بعض نبی ایسے بھی ہوں گے جن کی تصدیق فقط ایک آدمی نے کی ہو گی ۔ (المسلم)

سلہ جنت میں لانے کے لیے یا اس میں بلندی درجات کے لیے

سلہ میری امت اور متبعین زیادہ ہوں گے یا جس قوت اعتقاد سے میری تصدیق ہو گی کسی کی نہ ہو گی ۔ پہلی صورت میں کثرت اور دوسری صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادتی محبت اور قوت ایمانی مراد ہے ۔

۵۴۹۷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ تُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور انبیاء کی مثال ایک خوبصورت مکان کی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں کاش

بُنْیَانٍ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَ خُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یہ اینٹ ہوتی۔ فرمایا میں وہی اینٹ ہوں جس نے وہ جگہ پُر کر دی مجھ سے عمارت مکمل ہو گئی۔ مجھ پر رسولوں کا اختتام ہوا ایک روایت میں ہے میں وہ اینٹ ہوں اور میں انبیاء کا خاتم ہوں۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ صراح میں ہے بنیان اد گرد دیوار کو کہتے ہیں

۲؎ لبنۃ، لام پر زبر، باء کے نیچے زیر یا لام کے نیچے زیر اور باء ساکن

۵۴۹۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبیوں کی جماعت میں کوئی نبی نہ تھے انھیں اتنے معجزات دیے گئے جتنے لوگ ان جیسے معجزات پر ایمان لائے اور جو خصوصی معجزہ مجھے عطا ہوا ہے وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ میں قیامت کے دن زیادہ تبعین میں ہوں گا۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ اس کیفیت میں ان سے معجزہ کا اظہار نہ ہوا ہو لیکن وہ زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس زمانہ کے بعد وہ معجزہ ختم ہو گیا۔

۲؎ یعنی قرآن عظیم جو عظیم معجزہ ہے تا قیامت باقی ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر بجا اور تمام اہل جہاں کے لیے حق و یقین کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

۳؎ یعنی میرے متبعین روز قیامت کثیر ہوں گے بوجہ بقائے معجزہ، کیونکہ جو بھی اس معجزہ کو دیکھے گا ایمان لائے گا۔

۴؎ اگر کوئی کہے دیگر انبیاء پر بھی وحی و کتاب کا نزول ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ وحی اور کتاب معجزہ نہ تھے۔ اس حدیث کی شرح میں یوں ہی کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا معنیٰ یہ ہے کہ جس پیغمبر کو بھی معجزہ دیا گیا وہ سابقہ کی مانند ہی تھا لیکن میرا عظیم معجزہ جو وحی کی صورت میں ہے کسی دوسرے کو نہیں دیا گیا لہٰذا میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ یہ معنی عبارت کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے۔ اگرچہ تقریر اول بہت عمدہ اور احکم ہے اور اکثر شارحین کی یہی رائے ہے۔

۵۴۹۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایسی پانچ چیزیں[۱] عطا

أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَىٰ قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئیں۔ ایک ماہ[1] کی مسافت تک میرا دبدبہ، دوسرا میرے لیے تمام زمین[2] کو جائے سجدہ اور[3] پاک کر دیا گیا میرا امتی جہاں نماز کا وقت پالے[4] وہاں نماز ادا کرے۔ تیسرا میرے لیے غنائم حلال قرار دیئے۔ حالانکہ میرے[5] سے پہلے حلال نہ تھے چوتھے مجھے[6] شفاعت دی گئی۔ پانچویں ہر نبی کو کسی خاص[7] قوم کی طرف بھیجا گیا اور مجھے تمام لوگوں[8] کی طرف بھیجا گیا ہے

(بخاری و مسلم)

ل۱ یہ تخصیص حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے ہے دیگر حکمران اور ظالم بادشاہ خارج از بحث ہیں رعب کے ساتھ فتح وظفر سے مراد بالفعل اس کا حصول ہے۔ فقط رعب و دبدبہ کا ہونا اس سے الگ معاملہ ہے۔

ل۲ سابقہ امتوں میں مخصوص مقامات تھے مثلاً گرجے وغیرہ ان کے علاوہ نماز نہ ہوتی۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہاں ہی نماز ادا کر سکتے جس جگہ کی طہارت متعین ہو۔ لیکن ہمارے لیے ہر اس جگہ نماز جائز و روا قرار دی جو یقینی طور پر نجس نہ ہو۔

ل۳ اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے حالانکہ سابقہ امتیں فقط پانی سے طہارت حاصل کر سکتی تھیں۔

ل۴ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ اس تقریر سے یہ بات سابقہ دونوں باتوں پر متفرع ہو سکتی ہے۔

ل۵ سابقہ امتیں غنیمت حاصل کر کے حیوانات کو قتل کر دیتے وہ غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملکیت ہوتا نہ کہ انبیاء کی لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اخذ خمس اور اس میں سے انتخاب کا حق عطا فرمایا، مثلاً بستر تلوار وغیرہ۔ باقی وہ قومیں حیوانات کے علاوہ ایک مخصوص جگہ پر رکھتے آسمان سے آگ آکر اسے جلا دیتی (کذا فی الشروح)۔

ل۶ شفاعت عظمیٰ جو تمام احوال، مقامات کو شامل ہے جیسا کہ باب شفاعت میں گزر چکا ہے۔

ل۷ دوسری قوم سے انہیں کوئی سروکار نہ ہوتا۔

ل۸ بلکہ تمام انس وجن کی طرف، ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس فرمان کے بعد ہوگی ہو اس لیے آپ نے جنات کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی مزید تحقیق آیندہ حدیث میں ہے۔

۵۵۰۰/۱۰ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ[1] چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع[2] کلمات سے نوازا گیا دبدبہ کے ساتھ میری[3] مدد کی گئی۔ میرے لیے غنائم حلال کیے گئے اور میری خاطر تمام زمین کو جائے نماز اور پاکیزہ بنا دیا

كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کا اختتام ہو گیا[۵] (المسلم)

[۱] سابقہ حدیث میں پانچ کا اور یہاں چھ کا تذکرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص حد شمار سے باہر ہیں لیکن سوال وحالات کے پیش نظر بعض کا تذکرہ ہوا یعنی مقصود تمام کا بیان نہیں۔

[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی مختصر کلام فرماتے مگر وہ کثیر معانی پر مشتمل ہوتا یہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے مثلاً اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ کسی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی کاموں کو ترک کر دے۔ دین سراپا خیر خواہی ہے وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک معانی عظیمہ وکثیرہ پر مشتمل ہے بعض علماء نے ایسی احادیث کے لیے الگ کتاب لکھی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں الفاظ تھوڑے مگر معانی کثیرہ کو جمع فرما دیا ہے۔ پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں ہے کہ میرے لیے کلام کو مختصر کر دیا گیا ہے تو اس کی دلالت معنی اوّل پر ہے۔

[۳] احادیث میں آیا ہے کہ ایک ماہ کی مسافت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدرتی رعب وجلال ہوتا۔

[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی رسالت کی تخصیص پر یہ گفتگو کی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں دوسرا کوئی پیغمبر نہیں لہٰذا اس دور کے تمام لوگوں کی طرف وہ مبعوث ہوئے ہوں گے۔ نیز جب انھوں نے قوم کے خلاف دعا کی تو تمام اہل زمین ہلاک وغرق ہو گئے جو واضح کر رہا ہے کہ تمام کی طرف مبعوث ہوئے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام روئے زمین کی سیر فرمائی۔ لوگوں کو اسلام لانے کا کہا جیسا کہ ملکہ بلقیس وغیرہا کے بارے میں ہے کہ اسلام لاؤ ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ تو یہ چیز بھی ان کی رسالت کے عموم پر شاہد ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی بعثت میں عموم نہ تھا۔ مخلوق کے غرق کے بعد موجودین میں انحصار کی وجہ سے عموم لاحق ہوا۔ لیکن غرق سے پہلے یہ احتمال تھا کہ انکی بعثت اپنی مخصوص قوم کے لیے ہوئی تھی چونکہ ان کی قوم کے علاوہ دوسری قوم زمین پر نہ تھی تو اس سے بظاہر محسوس ہوا کہ ان کی بعثت عام ہے۔ باقی ان کی دعا تمام اہل زمین کے لیے اس لیے تھی کہ ان کی دعوت توحید اس قوم کے تمام افراد کو پہنچی، کیونکہ آپ کی عمر شریف نہایت طویل تھی لیکن انھوں نے شرک اور بغاوت کی لہٰذا وہ تمام عذاب کے مستحق ٹھہرے بعض شارحین نے فرمایا کہ بعض انبیاء علیہم السلام میں توحید عام تھی لیکن فروعات شریعت کے التزام کا علم تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کا معاملہ تو علماء فرماتے ہیں کہ رسالت کا مفہوم فقط واجبات اور محرمات تک مخصوص ہے اور مندرجات میں لوگوں کو اجازت سے رہا قتال کی دھمکی جو بظاہر واجبات کے ساتھ مخصوص نظر آتی ہے درحقیقت ان کے ساتھ مخصوص نہیں

---

[۱۰] حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت بنی اسرائیل کے ساتھ ہی مخصوص تھی ہاں اگر کسی نے بنی اسرائیل کے ساتھ معارضہ و جنگ کی تو پھر آپ نے اس کا نوٹس لیا۔ جیسا کہ اہل ایران نے لہراسپ کو فارس سے نکالا اور وہ بلخ چلا گیا، بلقیس کو بھی اسی وجہ سے مطیع کیا گیا۔ (مولوی امیر علی)

بلکہ یہ ہر اس چیز کے ساتھ مخصوص ہے جس پر آخرت میں عتاب و سزا ہے۔ امام سیوطی نے حاشیہ نسائی میں یہی فرمایا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ بلقیس کے ساتھ قتال بسبب حاکم ہو نہ کہ بسبب رسالت اور آپ حاکم بھی تھے اور رسول بھی لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا۔ (کذا قیل)

۵۵۰۱ [۱۱] وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُنِيْ اُتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدِيْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں[۱]۔

[۱] اس سے مراد فتوحات ہیں جن کے دروازے شرق تا غرب اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کھولے گا کنوز و دفائن سے اخراج مراد ہے مراد وہ زمین ہے جس میں چاندی و سونے کے ذخائر ہیں۔

۵۵۰۲ [۱۲] وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ وَاِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَّاَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَاِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا يُرَدُّ وَاِنِّيْ اَعْطَيْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَّا اُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَّاَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا ہے تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے[۱] اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک یہ میرے لیے سمیٹی گئی ہے اور مجھے دو خزانے عطا فرمائے گئے یعنی سرخ اور سفید اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انھیں عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور دشمنوں کو ان پر مسلط نہ کرے ان کے جو ان کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے۔ میرے رب نے فرمایا اے محمد! میں جب فیصلہ فرمالیتا ہوں تو وہ بدلا نہیں جاتا اور میں نے تمہاری امت کے لیے یہ چیز تمہیں عطا فرمادی کہ انھیں قحط سے ہلاک نہ کروں اور یہ کہ ان پر ان کے نفوس کے سوا دشمن کو مسلط نہ کروں کہ ان کی جڑ اکھاڑ دے اگرچہ وہ ان کے لیے چاروں طرف سے آکٹھے

[۱] قرآن مجید اختصار کلام میں سب سے بڑا اعجاز رکھتا ہے ابتدائی ایمان سے اس سے ضروری معانی حاصل ہو جاتے ہیں جب کمال کا مرتبہ پاتا ہے تو مزید معانی کا حصول ہو جاتا ہے جب مرتبہ مقید پاتا ہے تو معانی عجیبہ پاتا ہے اس کے بعد مرتبہ صدیقیت جب ملتا ہے تو بلند معانی کا ادراک ہو جاتا ہے اب نبوت کے علوم کیا ہوں گے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ قرآنی معجزہ ہے۔ عظمت و کبریائی اللہ ہی کے لیے ہے۔

بَعْضًا وَيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہو جائیں لیکن یہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ (المسلم)

سلہ میری امت مشرق و مغرب پر حکومت اور تصرف حاصل کرے گی۔

سلہ سرخ خزانہ سے مراد وہ کاسرہ یعنی کسروان فارس کے خزائن ہیں جن میں سونا زیادہ ہے سفید خزانہ سے مراد قیاصرہ بادشاہان روم کے خزانے ہیں جن میں چاندی غالب تھی۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ سرخ خزانوں سے مراد ملک شام ہے کیونکہ اس کا رنگ سرخ ہے اور سفید سے مراد ملک فارس ہے اس کا رنگ سفید ہے لیکن اول معنی ظاہر و مختار ہے۔

سلہ ایسا قحط نہ ہو جو تمام امت کو ہلاک کر ڈالے۔

سلہ یعنی کفار کو

شہ بیضہ، سرا اور شہر اور قوم کی آبادی کا درمیان یعنی دشمن ان پر قبضہ کر کے ان تمام کو ہلاک نہ کر دے۔

سلہ خواہ وہ فیصلہ عطا کا ہو یا بلا کا

سلہ اگرچہ تمام جہان کے کافر جمع ہو جائیں

شہ کفار تو آپ کی امت پر غالب و مسلط نہ ہوں گے لیکن آپس میں لڑے گی اور یہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے، جو بدل نہیں سکتا ہاں اس کا حکم نہیں دیا لہٰذا حکم شرع اس سے متعلق نہ ہوگا۔

۵۵۰۴ وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَسْجِدِ بَنِيْ مُعَاوِيَةَ دَخَلَ فَرَكَعَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَدَعَا رَبَّهٗ طَوِيْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ سَاَلْتُ رَبِّيْ ثَلٰثًا فَاَعْطَانِيْ ثِنْتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً سَاَلْتُ رَبِّيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالسَّنَةِ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالْغَرَقِ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يَجْعَلَ بَاْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمَنَعَنِيْهَا
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد[۱] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو معاویہ[۲] کی مسجد سے گزرے آپ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے طویل دعا[۳] کی پھر پلٹ کر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین دعائیں کیں، مجھے دو عطا کر دی گئیں اور ایک سے روک دیا گیا۔ میں نے اپنے رب سے مانگا تھا میری امت قحط سے ہلاک نہ فرمانا یہ مجھے عطا کر دیا گیا۔ پھر میں نے یہ مانگا تھا میری امت کو غرق[۴] نہ فرمانا یہ بھی مجھے عطا کر دیا گیا۔ پھر میں نے یہ مانگا ان کے درمیان جنگ و جدال[۵] نہ ہو تو اس سے مجھے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا[۶]۔
(المسلم)

سلہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سلہ یہ انصار کا قبیلہ ہے، آج بھی مدینہ مطہرہ کے باہر یہ مسجد قائم ہے۔ اس کے صحن میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اونٹنی کے قدم کا نشان ہے ۔

ﮯ۳ دوران تشہد یا اس کے بعد، ظاہر یہی ہے کہ بعد میں دعا کی ۔

ﮯ۴ عزق ۔ راء پر زبر یا سکون ، اکثر سکون کے طور پر آیا ہے ۔

ﮯ۵ باس ، عذاب ، سختی ، سخت جنگ

ﮯ۶ یہاں سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعض دعائیں مستجاب نہیں ۔ ان کی ہر دعا کی مقبولیت کے بارے میں دوسرے مقام پر گفت گو ہے ۔ اس میں سے کچھ کا تذکرہ ہم نے نعیم البشارہ میں کیا ہے ۔

۵۵۰۴ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ قُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاتِ قَالَ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاتِ بِبَعْضِ صِفَتِهٖ فِي الْقُرْاٰنِ يَااَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْا وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهَا اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَكَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ سَلَامٍ نَحْوَهٗ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ فِيْ بَابِ الْجُمُعَةِ)

حضرت عطاء بن یسار[۱] سے مروی ہے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملا ۔ میں نے عرض کیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تورات[۲] میں بیان کردہ اوصاف کے بارے میں بتلائیے ۔ فرمایا ہاں[۳] اللہ کی قسم تورات میں بعض وہی آپ کی حسنات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں ہیں ۔ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد[۴] مبشر[۵] نذیر[۶] اور امی لوگوں کے لیے محافظ[۷] بنایا ہے ۔ آپ میرے بندے[۸] اور رسول[۹] ہیں میں نے تمہارا نام متوکل[۱۰] رکھا آپ سخت خو اور سخت گو نہیں نہ بازار میں[۱۱] اونچی بولنے والے ہیں ، برائی کا بدلہ[۱۲] برائی سے نہیں دیتے لیکن آپ معاف اور بخشش فرمانے والے ہیں ۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ آپ کو وصال نہیں دے گا جب تک ٹیڑھی امت کو سیدھا نہیں فرما دیتے یہاں تک کہ وہ پڑھیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ، اس کے ذریعے اندھی آنکھیں بینا ، بہرے کان سننے والے اور بند دل کھل جائیں (اسے بخاری نے روایت کیا اور اسی طرح دارمی نے عطاء بن سلام وغیرہ سے کیا[۱۳] اور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ہم آخر میں ہیں ۔ باب جمعہ میں گزر چکا ہے)

ﮯ۱ عطاء بن یسار ، یاء پر زبر اور سین مخفف ، مشاہیر تابعین و کبار علماء میں سے ہیں ۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے ۔

ﮯ۲ ظاہر ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے تورات کا مطالعہ کیا ہوا تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

بارے میں انھوں نے سنا تھا یا بعض اہل کتاب سے سنا جو ایمان لا چکے تھے۔ آپ اہل علم وکتابت اور سابقہ کتب کا مطالعہ رکھتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح کثیر الاحادیث تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کے درمیان یہی فرق ہے کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حفظ میں اعلیٰ مقام حاصل تھا، جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے۔

۵۲ اجل، ہمزہ اور جیم پر زبر، یہ حروف تصدیق میں سے ہے اس کا معنی نعم (ہاں) ہے۔

۵۴ ہم نے آپ کو احوال امت پر شاہد بنایا ہے۔

۵۵ اتباع کرنے والوں کے لیے

۵۶ نافرمانوں کے لیے

۵۷ حرز، حاء کے نیچے زیر، راء ساکن، ایسی جگہ جو پناہ گاہ ہو، امیین سے مراد عرب ہیں کیونکہ ان کی اکثریت لکھنا پڑھنا جانتی تھی یا اس لیے کہ ان کی نسبت ام القریٰ کی طرف ہے جو مکہ کا ایک نام ہے۔ عربوں کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ ان میں آپ مبعوث ہوئے اور انھی میں سے ہیں اور اس سبب سے کہ ان کو سطوت عجم سے تحفظ تھا۔ اگر حرز سے مراد شیطانی مکروفریب اور آفات نفس ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود تمام جہانوں کے لیے پناہ گاہ و سہارا ہے بعض شارحین کہتے ہیں کہ حفظ قوم سے مراد یہ ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود رہے اس قوم کو ہلاک نہیں کیا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

۵۸ آپ میرے اس قدر مخصوص بندے ہیں کہ بندگی خاص میں تمھارا کوئی شریک نہیں

۵۹ مخلوق کی طرف میرے پیغامبر ہو

۶۰ اپنے تمام معاملات کو میرے سپرد کر دینے والے، اپنی قوت وطاقت پر بھروسہ نہیں کرتے۔

۶۱ ولاسخاب، خاء مشدد، بازار کا ذکر صرف بطور عادت وعرف ہے کہ وہاں شور وغوغا زیادہ ہوتا ہے۔ یہ لفظ صاد کے ساتھ صخاب بھی منقول ہے۔

۶۲ جو آپ کے ساتھ برائی اور زیادتی کرتا ہے آپ اس سے بدلہ کے طور پر زیادتی نہیں فرماتے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۵۰۹ عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً فَاَطَالَهَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّيْتَ صَلٰوةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا قَالَ اَجَلْ اِنَّهَا صَلٰوةُ رَغْبَةٍ

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور اسے طویل فرمایا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کبھی اس طرح نماز نہیں پڑھائی۔ فرمایا ہاں! یہ

قَدْ هَبَةً وَاِنِّیْ سَاَلْتُ اللّٰهَ فِيْهَا ثَلٰثًا فَاَعْطَانِیْ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَةً سَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِیْ بِسَنَةٍ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ يُّسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَاْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

شوق وخوف کی نماز تھی۔ اس میں میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں دو مجھے عطا کر دی گئیں اور ایک سے مجھے منع کر دیا گیا۔ میں نے مانگا میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرنا یہ مجھے عطا کر دیا گیا۔ میں نے مانگا ان پر ان کے دشمن غیر کو مسلط نہ کرنا یہ مجھے عطا کر دیا گیا میں نے مانگا یہ آپس میں نہ لڑیں اس سے مجھے منع کر دیا گیا

(ترمذی، نسائی)

۱؎ خباب بن الارت، خاء پر زبر، باء مشدد، الارت، ہمزہ اور راء پر زبر تا مشدد مشہور صحابی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں منتقل ہونے سے پہلے اسلام لائے۔ راہ حق میں بڑے عذاب جھیلے اور صبر وہمت کا مظاہرہ کیا ہر غزوہ میں شریک رہے، کوفہ میں وصال فرمانے والے پہلے صحابی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۲؎ اس میں دعا وسوال کیا ہے اس کی قبولیت کی امید اور خوف خشیت کی وجہ سے نماز میں خشوع وخضوع زیادہ کیا ہے۔

۳؎ یعنی کفار کو

۴؎ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کریں

۵۵۰۶ [16] وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَجَارَكُمْ مِّنْ ثَلٰثِ خِلَالٍ اَنْ لَّا يَدْعُوَ عَلَيْكُمْ نَبِيُّكُمْ فَتَهْلِكُوْا جَمِيْعًا وَاَنْ لَّا يَظْهَرَ اَهْلُ الْبَاطِلِ عَلٰى اَهْلِ الْحَقِّ وَاَنْ لَّا تَجْتَمِعُوْا عَلٰى ضَلٰلَةٍ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو مالک اشعری ۱؎ رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین آفتوں سے بچا لیا ہے یہ کہ تمہارا نبی تمہارے خلاف دعا نہ کرے کہ تم سارے ہلاک ہو جاؤ اور اہل باطل کو اہل حق پر غالب ۲؎ نہ کرے اور تمہیں گمراہی پر جمع ۳؎ نہ کرے۔

(ابوداؤد)

۱؎ صحابی ہیں۔ ان کے اسم گرامی میں اختلاف، عبداللہ، کعب وغیرہ، نسبت میں بھی اختلاف ہے بعض اشعری اور بعض اشجعی کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی کفار اگرچہ وہ کتنے ہی زیادہ ہو جائیں، مسلمان اگرچہ کم ہوں گے مگر دین اسلام نیست ونابود نہیں ہوگا۔

۳؎ یہ دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ اجماع ہر دور کے علماء کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا ہے اور علماء سے مراد مجتہدین کرام ہیں۔

۵۵۰۷ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّجْمَعَ اللّٰهُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَيْفَيْنِ سَيْفًا مِّنْهَا وَسَيْفًا مِّنْ عَدُوِّهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عوف بن مالک[1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت پہ دو تلواروں کو جمع نہیں فرمائے گا۔ ایک تلوار اس امت کی اور دوسری اس کی دشمن کی[2] (ابوداؤد)

[1] یہ صحابی ہیں اور سب سے پہلے غزوہ خیبر میں شریک ہوئے ۔

[2] امام تورپشتی کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت پر اس طرح دو تلواریں جمع نہیں فرمائے گا کہ امت نیست و نابود ہو جائے۔ جب امت آپس میں لڑے گی تو اللہ تعالیٰ کفار سے حملہ کروا دے گا تاکہ ان کی آپس میں لڑائی ختم ہو جائے۔ امام طیبی کہتے ہیں ظاہری معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اس امت پہ دو جنگیں جمع نہیں فرمائے گا کہ خود بھی لڑیں اور کافر بھی حملہ آور ہوں بلکہ ان میں ایک ہوگا دوسرا نہیں ۔

۵۵۰۸ وَعَنِ الْعَبَّاسِ اَنَّهٗ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَاَنَّهٗ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَآئِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے[1] محسوس ہوتا تھا کہ انھوں نے کوئی بات سنی تھی[2] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف فرما ہو کر[3] فرمایا میں کون ہوں؟ عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب[4] ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق[5] کو پیدا فرمایا تو اس نے ان میں سے مجھے بہترین کر دیا پھر انھیں دو گروہوں[6] میں کیا تو مجھے ان میں سے بہتر[7] میں کر دیا۔ پھر ان کے قبائل بنائے تو ان میں سے بہتر قبیلہ عطا فرمایا۔ پھر ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہتر بیت[8] میں کر دیا تو میں ان سے ذات اور خاندان کے اعتبار[9] سے افضل ہوں[10] (ترمذی)

[1] غمگین حالت میں

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی طرف سے طعن ہوا کہ عرب کے دیگر بڑے بڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کے زیادہ مستحق تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنا مقام خصوصاً نسب شریف کا اعلیٰ، اولیٰ اور احق ہونا بیان فرمایا۔

[3] اپنی ذات اقدس کے شرف و نسب و کرامت کے اظہار کے لیے

[4] جو عربوں میں سب سے عظیم اور صاحب شرف و شہرت تھے ۔

۵؎ یعنی جن و انس اس میں دخولِ ملائکہ کا بھی احتمال ہے اور یہ احتمال ظاہر تر ہے کیونکہ لفظ خلق میں عموم ہے ان میں سے بہتر نوع (انسان) میں بنایا جو دوسروں سے افضل ہیں۔

۶؎ عرب و عجم

۷؎ عرب

۸؎ ہاشمی خاندان

۹؎ بہترین عرب یا تمام لوگوں سے بہتر

۱۰؎ لہذا میں نبوت و کتاب کا زیادہ مستحق ہوں، اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے ہر پیغمبر عظیم نسب کے مالک ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث ہرقل سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک گفتگو ان کی سوچ و فکر کا رد تھی کہ قرآن و نبوت ہم پر کیوں نازل کی گئی ورنہ نبوت تو سراسر فضل الٰہی ہے اس میں حسب و نسب کا ہرگز دخل نہیں جیسا کہ قرآن نے واضح کیا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (ترجمہ)

دوسرے مقام پر فرمایا

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

۵۵۰۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ [۱] قَالَ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت[۱] کب سے ثابت ہے؟ فرمایا ابھی آدم روح و جسد[۲] کے درمیان تھے (ترمذی)

۱؎ کون سے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے نامزدگی ہوئی؟

۲؎ ان کی خلقت مکمل نہ ہوئی تھی، ان کے روح کا جسم کے ساتھ تعلق نہیں ہوا تھا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ میں مقدم ہوں۔

۵۵۱۰ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ وَسَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِيْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةُ عِيْسٰى وَرُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ

حضرت عرباض[۱] بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب آدم ابھی مٹی[۲] میں تھے میں تمہیں اپنے معاملہ کی ابتداء کے بارے میں بتاتا ہوں۔ میں ابراہیم کی دعا[۳]، عیسیٰ کی بشارت[۴] اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اس وقت ان کے بدن سے نور[۵] نکلا جس سے شام کے

الشَّامِ ۔ محلات روشن ہو گئے

رَوَاہُ فِی شَرْحِ السُّنَّۃِ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ مِنْ قَوْلِہٖ سَاُخْبِرُکُمْ اِلٰی اٰخِرِہٖ ۔

(شرح السنہ، امام احمد نے اسے حضرت ابوامامہ سے ساخبرکم الی آخرہ تک[۶] روایت کیا)۔

سلہ عرباض، عین کے نیچے زیر، را ساکن، ساریہ، را کے نیچے زیر اہل صفہ میں سے صحابی ہیں۔ جہاد کی محبت میں رونے والے لوگوں میں سے ہیں انھی کے حق میں آیت نازل ہوئی ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم الآیۃ

سلہ طینت، مٹی کا ٹکڑا، جبلت اور خلقت کا معنی بھی دیتا ہے۔ اس کا حاصل وہی ہے جو لوگوں کی زبان پر مشہور ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے ایک روایت میں کنت کی جگہ کتبت (میں لکھا ہوا تھا) ہے یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور کی نبوت مقدم ہونے کا کیا معنی ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کے علم وتقدیر میں نبی ہونا مراد ہے یہ بات تو تمام انبیاء کو شامل ہے اور اگر عملاً اور بالفعل مراد ہے تو وہ دنیا میں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وجود عنصری سے پہلے ملائکہ اور ارواح کے درمیان آپ کی نبوت کا اظہار ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ عرش، تمام آسمان، محلات جنت، ان کے روشن دان، حوروں کے سینوں، جنتی درختوں کے پتوں، طوبیٰ کے درختوں، فرشتوں کی آنکھوں اور ابروؤں پر آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا۔ بعض اہل معرفت نے کہا ہے عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ تمام ارواح کی تربیت فرما رہی تھی۔ جیسا کہ آپ کا جسد اطہر اس جہان میں اجسام کی تربیت فرما رہا تھا اور یہ بات مسلمہ ہے کہ ارواح کی تخلیق اجسام سے پہلے کی ہے۔

سلہ جنھوں نے میری رسالت کا اعلان فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ان کی دعا ہے ربنا وابعث فیھم رسولا منھم الآیۃ

سلہ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

ھ احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا سے نور ظاہر ہوا، کہ ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔ شارحین نے فرمایا کہ یہ بیداری کا معاملہ ہے چنانچہ یہاں رویت عینی ہے سیدہ کا خواب ولادت سے پہلے کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ کے شکم میں اللہ کا پیغمبر اور تمام سے بہتر بچہ ہے۔

سلہ شرح السنہ نے اس کا ابتدائی حصہ ذکر نہیں کیا۔

۵۵۱۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں روز قیامت[۱] تمام اولاد آدم کا سربراہ ہوں گا مگر اس پر فخر نہیں[۲]، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ ہوگا مگر فخر نہیں۔ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ سب سے پہلے میرا مزار اقدس شق ہوگا

تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

مگر فخر نہیں۔ (ترمذی)

ﻟﮧ روز قیامت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر آپ کی سرداری وفضیلت کے تمام آثار وانوار کا مکمل ظہور ہوگا ورنہ آپ تو ہر حال میں سردار ہیں خواہ دنیا ہو یا آخرت میں۔

ﻟﮧ۲ اور یہ بات میں بطور فخر وغرور نہیں کر رہا بلکہ فقط اپنے رب کے شکر اور تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو)۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ لوگ میرے بارے میں اپنے ایمان واعمال کو صحیح کریں اور توقیر وتعظیم اور محبت وایمان اس درجہ کے مطابق رکھیں۔

ﻟﮧ۳ اس سے مراد تمام مخلوق سے انفرادیت وبرتری ہے۔ عرب مقام شہرت پہ جھنڈا گاڑا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کے ساتھ خصوصی نسبت وتعلق حاصل ہے۔ آپ کے اسمائے گرامی محمد واحمد ہیں، آپ صاحب مقام محمود ہیں، آپ کی امت حمادون ہے یعنی غمی وخوشی میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حامد ومحمود بھی ہیں۔ حمد الٰہی سے آپ شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔ جیسا کہ باب شفاعت میں گزرا۔

ﻟﮧ۴ یعنی میری پناہ ڈھونڈھیں گے اور میرے تابع ہوں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جھنڈا ہوگا۔ جیسا کہ بادشاہوں اور سربراہوں کے لیے ہوتا ہے اس کا نام لواءِ حمد ہے (حمد کا جھنڈا)

ﻟﮧ۵ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم برزخ سے ظہور اور تشریف لانا ہے۔

ﻟﮧ۶ فخر کے طور پر نہیں بلکہ اپنے رب اکرم کے فضل کے اعتراف اور اس کی نعمت کے شکر کے طور پر ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نوازا ہے۔

۵۵۱۴/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهُ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَعِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اصْطَفَاهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حتیٰ کہ انھیں گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا۔ ایک نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور روح ہیں۔ ایک نے کہا حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے صفی بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے کلام اور تعجب کو سنا۔ ابراہیم واقعۃً خلیل اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ اور اس کا کلمہ، آدم اس کے صفی ہیں۔ سنو میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں مگر فخر نہیں

اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَحْتَهٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

روز قیامت حمد کا جھنڈا میں اٹھاؤں گا۔ آدم و من سوا اس کے نیچے ہوں گے مگر فخر نہیں میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا، اور شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں گا میں فخر نہیں کرتا سب سے پہلے جنت کے تالا کو میں حرکت دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھول دے گا اور مجھے داخل فرمائے گا۔ میرے ساتھ اہل ایمان فقراء ہوں گے مگر فخر نہیں میرا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام اولین و آخرین سے بڑھ کر ہے مگر فخر نہیں۔ (ترمذی و دارمی)

۱؎ بغیر سبب کلمہ کن سے ولادت ہوئی اور گہوارہ میں گفتگو کی۔

۲؎ روح الامین نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آکر پھونک ماری تھی جس سے ان کی ولادت ہوئی۔ ان پر روحانیت کے آثار کا یوں ظہور تھا کہ مردے زندہ فرما دیتے۔

۳؎ شارحین فرماتے ہیں کہ حبیب وہ محب ہوتا ہے جو مقام محبوبیت پر پہنچا ہوا اور خلیل محب مطلق کو کہا جاتا ہے۔ اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ تمام اہل ایمان بارگاہ الٰہی میں محب محبوب ہیں۔ لیکن یہاں گفتگو اعلیٰ مرتبہ کمال اور خصوصی درجات میں ہو رہی ہے۔ بعض اہل علم و معرفت کے ہاں حبیب و خلیل کے درمیان بڑی نادر گفتگو ہے جو شرح میں مذکور ہے۔

۴؎ ان تمام مناقب والقابات میں ان سے افضل ہوں۔

۵؎ یعنی اپنے لائکہ کو کھولنے کا حکم فرمائے گا۔

۶؎ یہاں اولین و آخرین سے مراد انبیاء ہیں۔ اگرچہ اولین میں ملائکہ کو بھی شامل کیا جانا کوئی بعید نہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاِنِّيْ قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَمُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَمَعِيَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَاَجَارَهُمْ مِنْ ثَلٰثٍ لَا يَعُمُّهُمْ بِسَنَةٍ وَلَا يَسْتَاْصِلُهُمْ عَدُوٌّ وَلَا يَجْمَعُهُمْ

حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم آخر ہیں اور روز قیامت پہلے ہوں گے اور میں بغیر فخر کہتا ہوں ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ صفی اللہ ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں روز قیامت حمد کا جھنڈا میرے پاس ہوگا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے بارے میں وعدہ فرمایا اور انھیں تین چیزوں سے محفوظ فرمایا۔ ان پر قحط مسلط نہ ہوگا۔ ان کو دشمن جڑ سے اکھاڑ نہیں سکے گا اور انھیں گمراہی پر جمع نہیں

عَلٰی ضَلَالَۃٍ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ) فرمائے گا۔ (دارمی)

لہ مشہور نابینا صحابی ہیں۔ اسم گرامی ابن ام مکتوم بعض کے نزدیک ان کا نام عبداللہ ہے لیکن پہلا قول راجح ہے۔

سکہ ہم ظہور میں آخری ہیں

سکہ مقام و مرتبہ میں

سکہ اس دن حامد و محمود میں ہوں گا۔

۵۵۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَّلَا فَخْرَ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا سربراہ[1] ہوں۔ مگر فخر نہیں کرتا میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں مگر فخر نہیں کرتا۔ میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کی جانے والا ہوں۔ مگر فخر نہیں (دارمی)

لہ میں ان کے آگے اور وہ پیچھے ہوں گے یا جنت میں یا میدانِ قیامت میں، قَوْد گھوڑے کو آگے سے کھینچنا اور سوق پیچھے سے چلانا ہے۔

۵۵۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُھُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِیْبُھُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُھُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُھُمْ اِذَا اَیِسُوْا اَلْکَرَامَۃُ وَالْمَفَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ وَاَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰی رَبِّیْ یَطُوْفُ عَلَیَّ اَلْفُ خَادِمٍ کَاَنَّھُمْ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَّنْثُوْرٌ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام لوگوں سے پہلے تشریف لانے والا ہوں جب وہ اٹھائے جائیں گے میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ پیش کیے جائیں گے میں ان کی طرف سے عرض کروں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے میں ان کے لیے شفاعت طلب کروں گا جب انہیں روک لیا جائے گا اور میں انہیں خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ مایوس ہو جائیں گے عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ لواء حمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک ساری اولاد آدم سے عزت والا ہوں۔ ایک ہزار خادم میرے اردگرد پھرتے ہوں گے گویا وہ چھپائے ہوئے انڈے یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

(ترمذی، دارمی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

سلہ بارگاہ خداوندی میں۔
سلہ جب تمام انبیاء کبار وہاں تکلم نہ کر پائیں سکوت اختیار کریں گے تو میں پروردگار کی بارگاہ میں عرض گزار ہوں گا۔
سلہ مستشفعھم۔ فاء پر زبر یا زیر، دونوں طرح مروی ہے پہلی روایت کے مطابق ترجمہ ہوگا کہ میں خود بارگاہِ الٰہی سے اذن شفاعت طلب کروں گا۔
سلہ میدانِ محشر میں
سلہ رحمت کی بشارت دوں گا۔ جب تمام لوگ انبیاء سے شفاعت سے مایوس ہو جائیں گے اور وہ اپنے اپنے عذر کی وجہ سے شفاعت نہیں کریں گے۔ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے۔
سلہ یہ درجہ مجھے ہر حال میں نصیب مگر خصوصًا اس روز۔
سلہ امام بیضاوی نے کانھن بیض مکنون کی تفسیر میں فرمایا۔ یہاں حوروں کو شتر مرغ کے انڈے سے تشبیہ دی گئی ہے وہ غبار سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ حنائی وسفیدی جس کے ساتھ کچھ زردی ہوتی ہے اور یہ خوبصورت رنگ ہے۔ مجمع البحار میں ہے بیض مکنون سے مراد وہ موتی ہیں جسے ہاتھ نہیں لگے بلکہ آنکھوں نے نہیں دیکھا وہ صدف میں ہیں۔ ان تک ابھی ہاتھ پہنچا ہی نہ ہو۔
سلہ ان کا منتشر ہونا یہ تشبیہ ہے کہ غلام متفرق طور پر حاضر ہوں گے یا اس لیے کہ مروارید متفرق قدسے زیادہ خوشنما دکھائی دیتے ہیں۔ بیض کے لیے اول معنی کی صورت میں مغائرت ظاہر ہے۔ دوسرے معنی کی صورت میں باعتبار صفت مغائرت ہے وہاں مکنون ہے اور یہاں منثور ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا یہ راوی کا شک ہے

۵۵۵ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأُكْسٰى حُلَّةً مِّنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ أَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ جَامِعِ الْأُصُوْلِ عَنْهُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ فَأُكْسٰى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے مجھے جنتی جوڑوں سے ایک جوڑا[1] پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور اس مقام پر مخلوق کا کوئی فرد میرے سوا کھڑا نہ ہوگا۔ (ترمذی)
جامع الاصول کی روایت میں[2] ہے سب سے پہلے زمین سے میں اٹھوں گا اور حلہ پہنایا جاؤں گا۔

سلہ حلہ، جنت کپڑا کہلاتا ہے۔
سلہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ہے اس میں یہ اضافہ ہے۔

۵۵۱۷ (۲۷) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَسِيْلَةُ قَالَ أَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور انہی سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے وسیلہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وسیلہ[1] کیا ہے۔ فرمایا یہ جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک آدمی کو ملے گا اور میں امیدوار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا[2] (ترمذی)

[1] اس سے کیا مراد ہے؟

[2] یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور بارگاہ خداوندی کا ادب واحترام ہے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے ممتاز و منفرد اور یکتا ہیں۔ واضح رہے وسیلہ کا معنی سبب اور ہاتھ لٹکانے کے ہیں آپ کے لیے طلب وسیلہ سے مقصود حصولِ شفاعت ہے۔ ظاہر ہے اس درجہ پر تمکن مرتبہ شفاعت کے حصول کا سبب ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو باب اجابۃ المؤذن میں گزر چکی ہے۔

۵۵۱۸ (۲۸) وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت میں تمام انبیاء کا امام اور خطیب ہوں گا اور صاحب شفاعت ہوں گا مگر فخر نہیں (ترمذی)

۵۵۱۹ (۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةٌ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَإِنَّ وَلِيِّيْ أَبِيْ وَخَلِيْلُ رَبِّيْ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا انبیاء میں سے ولی اور دوست ہے، میرے دوست میرے والد گرامی اور میرے رب کے خلیل ہیں۔ پھر آپ[1] نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ابراہیم کے سب سے قریب ان کی اتباع کرتے، یہ نبی[2] اور اہل ایمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی[3] ہے۔ (ترمذی)

[1] اپنی کلام کی تائید اور تقویت میں

[2] اس میں خود اپنی ذات اقدس کی طرف اشارہ ہے کہ مجھے دین و شریعت میں آپ کی متابعت و موافقت کا حکم ہے۔

[3] ان کے معاملات کے متولی ہیں۔

۵۵۲۰ (۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ لِتَمَامِ مَكَارِمِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ اخلاق

الْاَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

کی تکمیل اور محاسنِ افعال کے کمال کے لیے بھیجا ہے[۲] (شرح السنہ)

[۱] مکارم، مکرمہ کی جمع ہے بمعنی پسندیدہ خصلت، اخلاق، خلق، خاء پر پیش ہے بمعنی باطنی سیرت۔
[۲] یعنی مخلوق کی ہدایت اور انھیں اعمالِ ظاہر اور اخلاقِ باطن میں سے اپنے کمال پر پہنچانے کے لیے۔

۵۵۱۱ وَعَنْ كَعْبٍ يَحْكِي عَنِ التَّوْرَاةِ قَالَ نَجِدُ مَكْتُوْبًا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَبْدِيَ الْمُخْتَارُ لَا فَظٌّ وَلَا غَلِيْظٌ وَلَا سَخَّابٌ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَهِجْرَتُهٗ بِطَيْبَةَ وَمُلْكُهٗ بِالشَّامِ وَاُمَّتُهُ الْحَمَّادُوْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَيُكَبِّرُوْنَهٗ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ يُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ اِذَا جَاءَ وَقْتُهَا يَتَاَزَّرُوْنَ عَلٰى اَنْصَافِهِمْ وَيَتَوَضَّؤُوْنَ عَلٰى اَطْرَافِهِمْ مُنَادِيْهِمْ يُنَادِيْ فِيْ جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّهُمْ فِي الْقِتَالِ وَصَفُّهُمْ فِي الصَّلٰوةِ سَوَاءٌ لَهُمْ بِاللَّيْلِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ۔

حضرت کعب[۱] رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ہم نے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں پڑھا محمد اللہ کے رسول ہیں میرے ہاں وہ مختار بندے ہیں وہ نہ سخت خو اور نہ درشت، بازار میں بلند آواز نہیں کرتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔ معافی اور درگذر سے کام لیتے ہیں، ان کی جائے ولادت مکہ، مقام ہجرت طیبہ[۲]، ان کی بادشاہی شام[۳] تک، امت ان کی حماد وہ خوشی اور غمی میں حمد کرتے ہیں ہر جائے نزول پر[۴] اللہ کی حمد کرتے ہیں بلندی کے لیے اللہ کی تکبیر کہتے ہیں۔ سورج کی نگہداشت[۵] کرنے میں وقت آنے پر نماز ادا کرتے ہیں۔ ان کے لیے تہہ بند نصف[۶] پنڈلیوں تک ہوں گے وہ اپنے اعضاء پر وضو کریں گے ان کا مؤذن فضا میں آواز بلند کرے گا جہاد میں ان کی صف اور نماز میں ان کی صف برابر ہوگی۔ رات کے وقت ان کی گنگناہٹ شہد کی مکھی کے بھنبھنانے جیسی ہوگی (یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، دارمی نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[۱] کعب احبار، کبار تابعین میں سے ہیں، علماء و اہل کتاب میں سے ہیں۔
[۲] طیبہ، طاء پر زبر، مدینہ طیبہ کا نام ہے۔
[۳] بادشاہی سے مراد دین و نبوت اور ان کا ظہور و غلبہ ہے۔ اس ملک میں غزوات و جہاد کثرت کے ساتھ ہوا ورنہ تمام آفاق و اکناف عالم میں آپ کی بادشاہی ہے۔
[۴] جہاں بھی اترتے ہیں یا مراد پست جگہ ہے جس پر اگلے الفاظ قرینہ ہیں۔
[۵] طلوع و غروب اور زوال کا اوقاتِ نماز کی وجہ سے خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔

سـ۵۶ وہ ناف پر تہہ بند باندھے ہوں گے اور شرمگاہ چھپانے میں مبالغہ کریں گے یا مراد یہ ہے کہ ان کا کپڑا نصف ساق تک ہوگا یہ معنی ظاہر و متبادر ہے۔

سـ۵۷ یعنی وہ کامل وضو کریں گے۔

سـ۵۸ بلند مقام پر اذان دینا مراد ہے۔

سـ۵۹ جیسا کہ حکم ہے جہاد میں کفار سے جنگ کے لیے اور نماز میں شیطان سے جنگ کے لیے

سـ۶۰ تسبیح و تہلیل اور قرآن و ذکر

۵۵۲۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ سَلَامٍ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْ مَوْدُوْدٍ وَقَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روی ہے تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے حضرت عیسیٰ بن مریم کی تدفین آپ کے ساتھ ہوگی۔ ابو مودود کہتے ہیں حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

سـ۱ کبار صحابہ اور علماء اہلِ کتاب میں سے ہیں یہ اسی دن ایمان لے آئے جب ان کی پہلی نظر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کے حسن و جمال پر پڑی۔

سـ۲ حجرہ نبوی میں۔

سـ۳ یہ راویان حدیث اور اہلِ سیر میں سے ہیں۔

سـ۴ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین ہوگی۔ بعض صحابہ کے وہاں ارادہ دفن کے باوجود اس جگہ کے خالی رہنے کی یہی حکمت ہے یہ شارحین کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا ایک معنی یہی ہے انا اولی بعیسی بن مریم

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۵۲۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ فَقَالُوْا يَا اَبَا عَبَّاسٍ بِمَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِاَهْلِ السَّمَاءِ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء پر فضیلت دی اور آسمان والوں پر، عرض کیا اے ابو عباس آسمان والوں پر کس طرح فضیلت دی؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے فرمایا ہے جو ان میں سے کہے کہ میں اس کے سوا معبود ہوں تو ہم بدلے میں اس کو جہنم دیں گے۔ اور ہم ظالموں کو ایسا بدلہ دیتے ہیں (۲۹:۲۱) اللہ تعالیٰ نے

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالُوْا وَمَا فَضْلُهُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ الْآيَةَ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ فَأَرْسَلَهُ إِلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے ذنوب معاف فرمادے۔ عرض کیا انبیاء کرام پر فضیلت کیسے دی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس قوم کی زبان میں تاکہ ان کے لیے بیان کر دے پس اللہ گمراہ قرار دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ سے فرمایا اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر تمام انسانوں کے لیے۔ پس آپ کو جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا ہے۔

۱؎ یہ حضرت ابن عباس کی کیفیت ہے

۲؎ اہل آسمان کو اس شدت، سختی اور صولت و دبدبہ سے خطاب ہوا۔

۳؎ مگر آپ کو نہایت ہی شفقت و رحمت سے خطاب فرمایا اور کہا تمہارے تمام معاملات پر درگزر کا فیصلہ ہے۔

۴؎ ان میں سے فتح مکہ بھی ہے

۵؎ اس آیت کی مختلف تفاسیر ہیں۔ سب سے بہتر توجیہہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت ہی لطف وکرم و مہربانی ہے کیونکہ آپ کا کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے بندے پر خوش ہو جاتا ہے تو وہ یہ اعلان فرما دیتے ہیں ہم نے تمہارے گناہ معاف کر دیے جو بھی تم کرو گے اس پر گرفت نہ ہوگی۔ اگرچہ اس بندے کے گناہ نہ ہوں۔

۶؎ احکام وشرائع

۷؎ یہاں آیت میں آدمیوں کی تخصیص فضل وشرافت کی وجہ سے ہے۔ آپ کا مقصد تمام آدمیوں کو شامل کرنا ہے تاکہ عربوں کی تخصیص باطل ہو جائے، جیسا کہ اہل کتاب کہتے ہیں۔ باقی جنات کے لیے آپ کی نبوت پر آیات و احادیث میں بیشتر دلائل موجود ہیں۔

۵۵۲ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ عَلِمْتَ أَنَّكَ نَبِيٌّ حَتّٰى اسْتَيْقَنْتَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَانِيْ مَلَكَانِ وَأَنَا بِبَعْضِ بَطْحَاءِ مَكَّةَ فَوَقَعَ أَحَدُهُمَا إِلَى الْأَرْضِ وَكَانَ الْآخَرُ بَيْنَ السَّمَاءِ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کیسے علم ہوا آپ نبی ہیں اور آپ کو اس کا یقین ہوا۔ فرمایا ابوذر میرے پاس دو فرشتے آئے میں بطحاء مکہ میں تھا۔ ایک زمین پر آگیا اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان رہا

وَالْاَرْضِ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَهُوَ هُوَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زِنْهُ بِرَجُلٍ فَوُزِنْتُ بِهٖ فَوَزَنْتُهٗ ثُمَّ قَالَ زِنْهُ بِعَشَرَةٍ فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ ثُمَّ قَالَ زِنْهُ بِمِائَةٍ فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ ثُمَّ قَالَ زِنْهُ بِاَلْفٍ فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَنْتَثِرُوْنَ عَلَيَّ مِنْ خِفَّةِ الْمِيْزَانِ قَالَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ لَوْ وَزَنْتَهٗ بِاُمَّتِهٖ لَرَجَحَهَا (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

ایک نے دوسرے ساتھی سے کہا کیا یہ[۱] وہی ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ کہنے لگا ان کا ایک شخص کے ساتھ وزن کرو میرا وزن کیا گیا تو میرا وزن زیادہ تھا۔ پھر کہا ان کا دس کے ساتھ وزن کرو میرا وزن کیا گیا تو میں راجح تھا پھر کہا ان کا سو کے ساتھ وزن کرو میرا وزن کیا گیا تو میں غالب تھا پھر ہزار کے ساتھ وزن کیا گیا تو میرا وزن زیادہ تھا گویا میں اب بھی ان ہزار کو دیکھ رہا ہوں جو مجھ سے ترازو میں ہلکے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا اگر ان کا وزن پوری امت سے کرو گے تو یہ پھر بھی غالب ہوں گے (دارمی)

[۱] یہاں سے واضح ہو رہا ہے یقین علم کا اعلیٰ مرتبہ اور اس کی انتہا ہے اور علم اس سے عام ہے
[۲] جن کے پاس اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے اور ضروری ہے کہ یہ میرے پیغمبر ہیں۔

۵۵۲۵
۲۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُتِبَ عَلَيَّ النَّحْرُ وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ وَاُمِرْتُ بِصَلٰوةِ الضُّحٰى وَلَمْ تُؤْمَرُوْا بِهَا (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر قربانی فرض کر دی گئی[۱] اور تم پر نہیں ہے مجھے چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور[۲] تمہیں نہیں۔ (دارقطنی)

[۱] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھو اور قربانی دو) اور مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر حال میں قربانی لازم ہے اگرچہ غنی نہ ہوں لیکن امت پر اسی وقت لازم ہے جب وہ غنی ہوں۔
[۲] ایک اور روایت میں وتر کا ذکر بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ مجھ پر چاشت کی نماز اور وتر لازم ہیں تم پر نہیں۔

بَابُ أَسْمَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهِ

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسماء گرامی اور صفات کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ گرامی کثیر ہیں۔ قرآن مجید، کتب سماویہ، سنت اور انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے مذکور ہیں۔ سب سے مشہور نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ نام آپ کے دادا عبدالمطلب نے رکھا جب ان سے پوچھا گیا تم نے ان کا نام اپنے والدین کے نام پر کیوں نہ رکھا؟ حالانکہ یہ نام تمھاری قوم میں سے کسی کا بھی نہیں انھوں نے فرمایا یہ نام اس لیے رکھا کہ تمام اہلِ زمین آپ کی ثنا کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں لوگ آپ کی مدح کریں۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا۔ ان کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی اس کا ایک سرا آسمان دوسرا سرا مشرق، تیسرا سرا مغرب میں ہے۔ اس کے بعد وہ زنجیر درخت بن گئی اس کے ہر پتہ پر نور ہے سا اہلِ مشرق و مغرب اس درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں یہ خواب لوگوں میں بیان ہوا تو انھوں نے یہ تعبیر کی کہ تمھاری پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا اہلِ مشرق و مغرب اس کے تابع ہوں گے آسمان و زمین میں ان کی مدح کی جائے گی اس وجہ سے آپ کا نام انھوں نے محمد رکھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی خواب دیکھا کہنے والا کہہ رہا ہے تمھارے رحم میں امت کے سربراہ اور اس کے پیغمبر ہیں جب ان کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد رکھنا، یہ بھی منقول ہے یہ نام اس سے پہلے کسی کا نہیں ہے۔ اہلِ کتاب نے یہ خبر دی تھی کہ آخرالزماں پیغمبر کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ چار اشخاص نے اسی آرزو میں اپنے بیٹوں کا نام یہی رکھا۔ شاید انھیں نبوت مل جائے۔ چونکہ انھوں نے آپ کا اسمِ گرامی سن کر بعد میں نام رکھا اس لیے ان کا یہ عمل بعد کا ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے۔ آپ کے القاب و اسماء قرآن مجید میں کثیر ہیں علماء نے ان کی معین تعداد بیان نہیں کی۔ بعض نے ننانوے نام موافق اس کے الٰہی عزوجل کے ذکر کیے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے مبارک اسماء میں سے تیس نام اپنے حبیب کے ساتھ مخصوص فرمائے بعض نے فرمایا اگر تم سابقہ کتب اور قرآن و حدیث میں تلاش کرو تو تین صد نام ہیں ایک روایت کے مطابق چار سو ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی (جو عظیم علماء مالکیہ میں سے ہیں) نے فرمایا بعض صوفیاء کے نزدیک حق تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔

اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار ہیں۔ اس سے مراد اوصاف ہیں اور ہر صفت اسم مشتق ہے۔ امام سیوطی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام "الریاض الانیقہ" ہے۔ شیخ طیبی نے بائیس اسماء کا ذکر کر کے شرح کی ہے۔ مصنف نے دو احادیث کے ضمن میں چند اسماء کا ذکر کیا ہے۔ یہاں صفات سے مراد احوال حلیہ شریف اور ظاہری صورت ہے۔ دوسرے باب میں اخلاق، شمائل اور سیرت باطنہ کا تذکرہ ہے

اللھم صل وسلم علی محمد بعد واسمائك الحسنٰی وبعد دکل معلوم لك وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

الفصل الاوّل

۵۵۲۶ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِيْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِيُ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ (متفق علیہ)

پہلی فصل

حضرت جبیر[۱] بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا۔ میرے لیے اسماء ہیں۔ میں محمد[۲] ہوں، میں احمد ہوں۔ میں مٹانے والا ہوں اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا[۳]۔ میں عاشر[۴] ہوں میرے قدموں پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا میں عاقب[۵] ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

[۱] جبیر بن مطعم، میم پر پیش، طاء ساکن، عین کے نیچے زیر، عبد مناف کی اولاد، قریشی صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

[۲] بعض روایات میں محمود بھی ہے یہ تمام حمد سے مشتق ہیں۔ محمود جس کی ذات وصفات پر دنیا وآخرت میں مدح کی جائے کہ اس کی حد ہو نہ شمار وحصر احمد اولین وآخرین تمام جس کی مدح کریں۔ باری تعالیٰ نے کلام قدیم میں ان کی مدح کی ہو یا اس نے اپنے مولیٰ کی اتنی تعریف کی ہو کہ مقام محمود پیمان کے لیے حمد کے تمام دروازے کھل گئے ہوں اس طرح کسی پر نہ کھلے۔ اسی حمد کے ساتھ وہ اپنے پروردگار کی ثنا کریں اور ان کے لیے لوائے حمد گاڑ دیا گیا۔

[۳] میرے وجود اور دعوت سے کفر کو مٹائے گا جیسا کہ دیگر پیغمبروں کی دعوت سے کفر مٹایا

[۴] میرے قدم پر یا میرے دونوں قدموں پر، قدمی مفرد وتثنیہ دونوں طرح مروی ہے۔ اگر سوال ہو کہ عاشر بمعنی حشر کنندہ ہو تو ان کے سامنے حشر سے ان کا حاشر ہونا کہاں لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے پہلے محشور ہوں گے اور باقی تمام آپ کے سامنے محشور ہوں گے۔ گویا تمام کے حشر کنندہ آپ ٹھہرے۔

[۵] یہاں مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے۔

۵۵۲۷ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّيْ لَنَا نَفْسَهٗ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے اسماء بتائے

اَسْمَاءً فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ وَنَبِیُّ التَّوْبَۃِ وَنَبِیُّ الرَّحْمَۃِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ہوئے فرمایا میں محمد، احمد، مقفی[1]، حاشر، نبی توبہ[2] اور نبی رحمت[3] ہوں۔ (المسلم)

[1] مقفی، میم پر پیش، قاف پر زبر، فاء کے نیچے زیر، تقفیہ سے مشتق ہے بمعنی پیچھے آنا، پیروی کرنا یہاں مراد انبیاء کے آخر اور ان کا خاتم ہونا ہے، عاقب کا معنی بھی یہی ہے۔

[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے توبہ قبول ہوتی ہے، یہ صفت تمام انبیاء میں مشترکہ ہے، آپ کی ذاتِ اقدس تمام میں سب سے بہتر اور کامل ہے۔

[3] جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ (میں سراسر رحمت اور ہدایت ہوں)۔

۵۵۲۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَلَعْنَھُمْ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَیَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تعجب کیوں نہیں کرو گے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی بدزبانی اور لعنت مجھ سے کیسے پھیرتا ہے؟ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں جبکہ میں محمد[1] ہوں۔ (بخاری)

[1] مشرکین (اللہ ان پر لعنت فرمائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہتے جو محمد کی نقیض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شتم و لعن مذمم کی کرتے ہیں اور وہ میں نہیں ہوں۔

۵۵۲۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَاْسِہٖ وَلِحْیَتِہٖ وَکَانَ اِذَا ادَّھَنَ لَمْ یَتَبَیَّنْ وَاِذَا شَعِثَ رَاْسُہٗ تَبَیَّنَ وَکَانَ کَثِیْرَ شَعْرِ اللِّحْیَۃِ فَقَالَ رَجُلٌ وَجْھُہٗ مِثْلُ السَّیْفِ قَالَ لَا بَلْ کَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَکَانَ مُسْتَدِیْرًا وَرَاَیْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ کَتِفَیْہِ مِثْلَ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ یُشْبِہُ جَسَدَہٗ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس کے اگلے حصے اور ریش مبارک کے کچھ بال سفید[1] تھے جب آپ تیل لگاتے تو محسوس نہ ہوتا لیکن گیسوئے مبارک بکھر جاتے تو ظاہر[2] ہو جاتا آپ کی ریش مبارک کے بال کثیر[3] تھے۔ ایک آدمی نے کہا کہ آپ کا چہرہ مبارک تلوار جیسا[4] ہوگا فرمایا نہیں[5] بلکہ وہ سورج اور چاند جیسا تھا اور قدرے گول[6] تھا۔ میں نے کندھوں کے قریب[7] مہرِ نبوت دیکھی جو کبوتر کے انڈے جیسی ہم رنگ[8] جسمِ اطہر تھی۔ (المسلم[9])

سلے شمط کالے بالوں کا سفید میں ملنا

سلے تیل لگانے کے بعد بال مبارک آپس میں جمع اور اکٹھے ہو جاتے تو سفید بال کم ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتے مگر جب الگ الگ ہوتے پھر سفید نظر آتے یا تیل لگانے کی وجہ سے بال مبارک چمکدار ہونے کی وجہ الگ دکھائی نہ دیتے۔ آخری عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک اور سر اقدس میں بیس سے زیادہ بال سفید نہ تھے۔ بعض روایات میں اس سے بھی تعداد کم ہے۔

سلے یہ دوسری روایت میں موجود الفاظ "کث اللحیہ" کی تفسیر ہے کاف پر زبر، ثاء پر شد، گھنے بال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی مقدار کیا تھی؟ اس بارے میں کچھ نہیں ملتا۔ صحابہ کرام سے داڑھی کا طویل رکھنا منقول ہے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی ریش مبارک ان کے تمام سینہ کو ڈھانپ لیتی تھی اس بارے میں سلف کا معمول مختلف ہے۔ غوث الثقلین سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الجیلانی کے حلیہ میں ہے کہ آپ کی داڑھی مبارک طویل و عریض تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ وہ مشت سے زائد نہ رکھتے تھے۔ الغرض قبضہ سے کم جائز نہیں اور اس سے زائد کے بارے میں روایات و آثار مختلف ہیں۔

سلے چمک وروشنی میں

سلے ایسا نہ کہو

سلے تلوار میں اگرچہ چمک ہوتی ہے مگر گولائی نہیں ہوتی ایک روایت میں ہے۔

لا بل کان مثل القمر (ایسا نہیں بلکہ آپ کا چہرہ اقدس چاند کی طرح تھا)۔

دوسری روایت میں ہے:

کان وجہہ قطعۃ قمر (آپ کا چہرہ اقدس چاند کا ٹکڑا محسوس ہوتا)

تیسری روایت میں ہے: کہ چہرہ اقدس چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا

چوتھی روایت میں ہے:

چہرہ اقدس آئینہ کی طرح صاف و شفاف تھا کہ اس نور کی وجہ سے دیوار کا عکس اس میں دکھائی دیا کرتا تھا۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ تمام تشبیہات میں جو ہر ایک نے عرف و عادت کے مطابق اپنے فہم و سمجھ کے مطابق بیان کی ہیں ورنہ مخلوقات میں سے کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حسن و جمال (خواہ ان کا تعلق خلق سے ہو یا خُلق سے ہو) کے ہم پلہ اور برابر نہیں ہو سکتی۔ اشعار

کسے بہ حسن و ملاحت بہ یار ما نرسد — ترا دریں سخن انکار کار ما نرسد

ہزار نقش بر آید ز کلک صنع و لے — یکے بخوبی نقش و نگار ما نرسد

کوئی بھی حسن و جمال میں ہمارے محبوب کے ہم پلہ نہیں اور اس میں کسی کو انکار بھی نہیں

ہزاروں نقش بنا سنوار کر کے آؤ مگر وہ ہمارے محبوب کے ایک نقش کے برابر نہ ہوں گے

اے اللہ! آپ کے کمال، جمال اور حسن کی مقدار آپ پر درود و سلام کا نزول فرما

واضح رہے کہ چہرہ اقدس میں جس گولائی کا ذکر آیا ہے وہ دائرہ کی صورت نہیں جیسا کہ آفتاب، قمر اور آئینہ کی تشبیہ سے وہم ہوتا ہے کیونکہ احادیث مبارکہ میں الفاظ میں

لہ یکن بالمکلثم آپ کا چہرہ اقدس کلیۃً گول نہ تھا اور نہ اتنا طویل تھا بلکہ معتدل تھا جیسا کہ کسی صاحبِ حسن و جمال کا ہوتا ہے۔ آپ کے حسن و جمال کے بیان میں ضابطہ بھی یہی ہے

خوبی و شکل و شمائل حرکات سکنات آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کس نیست در جہان کہ زحسنت عجب نماند اے در کمال حسن عجب نز زہر عجب

جس قدر حسن و جمال، شمائل دوسرے رکھتے ہیں وہ تمام کے تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں

کوئی جہان میں ایسا نہیں جو تیرے حسن میں حیران نہ ہو، آپکا کمال حسن ہر عجیب ترسے عجیب ہے

اللّٰھم صلّ وسلّم علیہ صلّی اللہ علی محمّد وآلہ

ےہ ایک روایت میں دونوں شانوں کے درمیان کا تذکرہ ہے بہرصورت بائیں کندھا کے زیادہ قریب تھی۔

شہ زنگ اور آب و تاب میں

لہ واضح رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو شانوں کے درمیان تمام جسد اطہر سے ایک حصہ بلند تھا، جسے مہرِ ختم نبوت کہا جاتا، خاتم یا تو تاء کے نیچے زیر از ختم، یعنی کام کا تمام و مکمل اور آخر پر ہونا۔ یا تاء پر زبر ہے اب معنی مہر و نشان ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ختم فرمانے والے ہیں۔ اس خاتم کا تذکرہ سابقہ کتب تورات اور انجیل وغیرہ میں ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر میں تشریف لانے کی اطلاع و خبر دی اور یہ نشانی بھی بیان کی۔ المستدرک میں حضرت وہب بن منبہ سے ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس کے دائیں ہاتھ میں نشانِ نبوت نہ ہو مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی مہرِ نبوت پشت پر دو کندھوں کے درمیان تھی یہ اس طرح تھی جیسے خط پر مہر لگائی جاتی ہے کہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے، کسی نے کیا خوب کہا

نبوت را توئی آں نامہ در مشت کہ از تعظیم وارد مہر بر پشت

(وہ نامہ نبوت آپ کے ہاتھ میں ہے جس کی پشت پر ازراہِ تعظیم مہر لگی ہوئی ہے)

آپ کو مقامِ نبوت کا نامہ ہاتھ میں ملا اور تعظیم کی خاطر مُہر پشت پر رکھی۔

بعض روایات میں ہے کہ اس پر یہ الفاظ تحریر تھے

اللہ وحدہٗ لاشریک لہ توجہ حیث — اللہ تعالیٰ کا ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں، آپ

شئت فانك منصور — جہاں جائیں گے کامیابی ہوگی۔

یہ بھی منقول ہے کہ اس سے اس طرح نور کی شعاعیں نکلتیں جو نگاہوں کو خیرہ کر دیتیں۔ محدثین نے سمجھانے کے لیے اس کی مختلف چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے مثلاً کبوتری کا انڈہ، ہاتھ کی مٹھ، گوشت کا ٹکڑا وغیرہ، مگر

اس میں سرِ عظیم ہے جو سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۵۵۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَرْجِسٍ[1] قَالَ رَأَيْتُ[2] النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْتُ مَعَهُ خُبْزًا وَلَحْمًا أَوْ قَالَ ثَرِيْدًا[3] ثُمَّ دُرْتُ خَلْفَهُ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ عِنْدَ نَاغِضِ[4] كَتِفِهِ الْيُسْرٰى جُمْعًا[5] عَلَيْهِ خِيْلَانٌ[6] كَأَمْثَالِ الثَّآلِيْلِ[7] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن سرجس[1] رضی اللہ عنہ سے ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا[2] اور آپ کے ساتھ روٹی یا ثرید[3] کھایا پھر میں پیچھے کی جانب گیا اور مہر نبوت دیکھی جو دونوں کندھوں کے درمیان بائیں کندھے کی نرم ہڈی[4] کے پاس تھی۔ اس پر مسوں[5] کے مانند تل تھے (المسلم)

[1] اس نام کی تخصیص کتاب الطہارۃ میں گزر چکی اور صحیح یہی ہے کہ سین پر زبر، را ساکن اور جیم کے نیچے زیر ہے۔
[2] صحبت کا شرف میسر آیا
[3] راوی کو شک ہے ثرید سے مراد شوربا میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر کھانا ہے
[4] ناغض، غین کے نیچے زیر، کندھے کے کنارے پر نرم ہڈی۔ بعض نے اس کا معنی گردن کی جڑ کیا ہے یعنی کندھا بھی ہے۔
[5] مشت کی مانند، جمع، میم پر پیش یعنی مجموع۔ یہاں ہاتھ کی انگلیوں کا جمع ہونا مراد ہے۔ جیسے مشت کہا۔
[6] خیلان، خاء کے نیچے زیر، یا ساکن خال کی جمع ہے
[7] ثالیل، ثاء پر زبر، مد ہمزہ، ثالول کی جمع ہے وہ دانے جو چھوٹے چھوٹے جسم پر پستان کے منہ مانند نکل آتے ہیں۔

۵۵۲۱ وَعَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَتْ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثِيَابٍ فِيْهَا خَمِيْصَةٌ سَوْدَاءُ صَغِيْرَةٌ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِأُمِّ خَالِدٍ فَأُتِيَ بِهَا تُحْمَلُ فَأَخَذَ الْخَمِيْصَةَ بِيَدِهٖ فَأَلْبَسَهَا قَالَ أَبْلِيْ وَأَخْلِقِيْ ثُمَّ أَبْلِيْ وَأَخْلِقِيْ وَكَانَ فِيْهَا عَلَمٌ أَخْضَرُ وَأَصْفَرُ فَقَالَ يَا أُمَّ خَالِدٍ هٰذَا سَنَاهْ وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ قَالَتْ فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَجَرَنِيْ أَبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ کپڑے پیش ہوئے ان میں ایک چھوٹی سیاہ چادر تھی فرمایا ام خالد کو میرے پاس لاؤ مجھے گود میں اٹھا کر لایا گیا آپ نے وہ چادر مجھے اوڑھائی۔ فرمایا پرانی کرو اور پھاڑو پھر پرانی کرو اور پھاڑو۔ اس میں سبز یا پیلے بوٹے تھے فرمایا ام خالد یہ بہت اچھے ہیں سناہ حبشی زبان میں اچھے کو کہا جاتا ہے۔ فرماتی ہیں میں حضور کی مہر کے ساتھ کھیلنے لگی تو مجھے والد نے ڈانٹا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو (البخاری)

سلہ حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں ۔ ان کے والد حضرت خالد بن سعید بن العاص اموی بھی قدیم الاسلام صحابی ہیں ۔ حتیٰ کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لانے میں نزاع کرتے تھے ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام لائے واللہ اعلم ۔ انھوں نے خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر مکہ میں نور اسلام کا ظہور تھا ۔ خواب یہ تھا کہ تمام شہر مکہ تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے حتیٰ کہ اپنے ہاتھ اس میں دکھائی نہیں دیتے اچانک ایک نور زمزم سے نکل کر آسمان کی طرف گیا خانہ کعبہ روشن ہوگیا ۔ اس کے بعد مکہ بھی روشن ہوگیا اس کے بعد وہ نور نجد کی طرف گیا پھر یثرب کی طرف اور وہ تمام روشن ہوگئے انھوں نے یہ خواب اپنے بھائی عمرو بن سعید کو سنایا وہ عاقل اور صاحب الرائے تھے انھوں نے کہا یہ روشنی بنو عبد المطلب سے نکلے گی کیونکہ زمزم انھی کا کھودا ہوا ہے

سلہ دعا فرمائی جو کہ نیا کپڑا پہنتے وقت معمول بھی تھا

سلہ بسیار دفعہ پہناؤ

سلہ راوی کو شک ہے

شہ سناہ ، سین پر زبر ، نون ، الف ، ہا ساکن ۔ بغیر الف کے سنہ بھی ہے تکرار کے ساتھ سنہ سنہ اور سناہ وسناہ بھی مروی ہے ۔

سلہ کیونکہ میں چھوٹی تھی اور جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے

شہ عوارف المعارف کو اس مبارک حدیث کو مشائخ کے خرقہ پر بطور استدلال لایا گیا ہے ۔

۵۵۲۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَيْسَ بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَصِفُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَقَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت دراز قد تھے[1] اور نہ بالکل پست[2] اور نہ خالص سفید رنگ تھے[3] اور نہ گہرے گندمی رنگ والے نہ تو چھلے دار[4] بالوں والے تھے اور نہ بالکل سیدھے بالوں والے ۔ اللہ نے انھیں چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کا حکم دیا ۔ مکہ میں دس[5] سال رہے اور مدینہ[6] میں بھی دس سال ، اللہ نے ساٹھ[7] سال کی عمر میں وفات دی اس وقت آپ کے سر اور داڑھی کے بیس بال بھی سفید نہ تھے ایک اور روایت حضرت انس سے ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا آپ قوم میں درمیانہ[8] قد تھے نہ بہت دراز اور نہ بہت پست قد ، چمکدار رنگت اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف آپ کے آدھے کانوں تک تھے

وَفِیْ رِوَایَةٍ بَیْنَ اُذُنَیْهِ وَعَاتِقِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّلْبُخَارِیِّ قَالَ کَانَ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَالْقَدَمَیْنِ لَمْ اَرَ بَعْدَهٗ وَلَا قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَکَانَ بَسْطَ الْکَفَّیْنِ وَفِیْ اُخْرٰی قَالَ کَانَ شَثْنَ الْقَدَمَیْنِ وَالْکَفَّیْنِ

اور ایک روایت کے مطابق آپ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور بھاری سر اور بھاری قدم والے تھے۔ میں نے آپ جیسا حسین نہ آپ کے بعد دیکھا نہ آپ سے پہلے آپ کشادہ ہتھیلی تھے بخاری کی دوسری روایت میں ہے حضور بھاری قدم اور بھاری ہاتھوں والے تھے۔

سلہ اتنی درازی کہ اعتدال سے باہر ہو، اس میں قد انور کے دراز ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن اس میں زیادہ درازی نہ تھی، آپ کا قد انور میانہ تھا پستی کی نسبت درازی کی طرف مائل تھا اور اس میں کمال حسن وجمال ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں جو آیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوتے تو تمام بلند دکھائی دیتے اگرچہ ان میں دراز قد والے بھی ہوتے تو یہ طول قامت کی وجہ سے نہیں بلکہ عزت، رفعت عظمت اور حسن کی وجہ سے تھا اور آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

سلہ یہاں زیادہ کی قید کا اضافہ نہ کیا کیونکہ پست قد کی مطلقاً نفی مقصود ہے۔

سلہ امھق وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو اور زیادہ روشن نہ ہو جیسا کہ چونا (القاموس) جوہری کا کلام بھی اسی طرح ہے مشارق میں ہے امھق ایسے سفید خالص کو کہتے ہیں جس میں سرخی، زردی، گندمی رنگ اور چمک نہ ہو۔ خلیل کہتے ہیں مھق اس سفیدی کو کہتے ہیں۔ جو نیلگوں رنگ میں پائی جائے بعض نے کہا جیسے برص کی سفیدی ہو۔

سلہ جو مائل بسیاہی ہو، ادمہ کے بارے میں منقول ہے کہ سخت گندمی رنگ کو کہا جاتا ہے اور وہ رنگ جو سفیدی اور سیاہی کے درمیان ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض گندمی رنگ والے نہ تھے بلکہ سرخ سفید گندمی رنگ والے تھے بعض روایات میں ہے کہ آپ بہت سفید تھے، وہاں بھی مراد یہی ہے کہ اس میں سرخی کی آمیزش تھی۔ عرب ایسے رنگ کو سمرہ کہتے ہیں بعض نے کہا بدن مبارک کا جو حصہ لباس سے باہر رہتا وہ مثلاً چہرۂ اقدس، گردن اور ہاتھ یہ سرخی مائل تھے اور جو لباس کے اندر رہتا وہ خالص سفید تھا لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ منقول یہ ہے کہ سورج، ہوا، دھوپ یا دیگر اشیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر نہیں کرتیں اور آپ کا بدن اقدس جیسا کہ احادیث میں ہے روشن اور نورانی تھا۔

سلہ جعد، جیم پر زبر، عین ساکن، وہ بال جن میں پیچ ہوں لیکن ان میں نرمی نہ ہو قطط قاف پر زبر طاء کے نیچے زیر یا زبر بمعنی سخت۔ جعد جنتی لوگوں کے بال جنھیں جنگلہ کہا جاتا ہے، سبط بالوں کا سیدھا ہونا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ زیادہ پیچدار تھے اور نہ سیدھے اور سخت۔

سلہ جب چالیس مکمل ہوئے۔

ش۸ اس میں اختلاف ہے مختار قول تیرہ سال ہے۔
ش۹ اس میں اتفاق ہے کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں
۱۰ جب مختار یہ ہے کہ آپ مکہ میں تیرہ سال جلوہ افروز رہے تو اب وصال کے وقت عمر تریسٹھ سال ہوگی۔ اس قول کی توجیہہ یہ ہوگی کہ راوی نے کسی کا اعتبار نہیں کیا۔ اس لیے تیرہ کو دس اور تریسٹھ کو ساٹھ کہہ دیا اور شمار کرنے میں یہ عربوں کا معمول وعادت ہے۔
سنلہ ربعہ، راء پر زبر، با ساکن، درمیانہ قد
سلہ ایک روایت میں کانوں کی لَو تک ہے جبکہ دوسری روایت میں کندھوں تک کا ذکر ہے۔ روایات کا اختلاف مختلف احوال کی بناء پر ہے جب آپ تیل لگا کر کنگھی فرماتے تو بال مبارک دراز دکھائی دیتے۔ دیگر حالات میں چھوٹے دکھائی دیتے۔
مجمع البحار میں ہے جب حجامت میں تاخیر ہوتی تو دراز اور حجامت کے بعد چھوٹے دکھائی دیتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجامت کرواتے۔ رہا حلق تو وہ حج اور عمرہ کے علاوہ نہیں کروایا۔
سلہ۱۲ بعض روایات میں عظیم الراس ہے۔ اس کا معنی بھی یہی ہے سر کا چھوٹا ہونا عیب اور قلت عقل کی علامت ہے لیکن سب سے بڑا ہونا بھی پسندیدہ نہیں ہر جگہ اعتدال معتبر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ اور فراخ مبارک نہایت ہی حسین وجمیل اور اس قدر معتدل کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں حسن وجمال آپ کا مثیل اور شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمہ جا اسباب جمال ست رخ خوب ترا — ہمہ بر وجہ کمال ست کما لا یخفی

جو بھی اسباب جمال ہیں تیرا رخ انور اس کا مرکب ہے، تمام اعضاء کمال پر ہیں جیسا کہ مخفی نہیں

۵۵۲۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بَعِيْدًا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَهٗ شَعْرٌ بَلَغَ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ رَاَيْتُهٗ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ لَمْ اَرَ شَيْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ اَحْسَنَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعْرُهٗ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے، دونوں کندھوں کے درمیان فاصلے والے۔ آپ کے بال آپ کے کانوں کی لَو تک تھے میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا، آپ سے اچھا میں نے کبھی کوئی نہیں دیکھا (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے زلفوں والا سرخ جوڑا پہنے کوئی ایسا حسین نہ دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسن والا ہو، آپ کے بال مبارک آپ کے کندھوں کو چھوتے تھے، دو کندھوں کے درمیان فاصلہ والے نہ تو دراز قد تھے نہ پست قد۔

سلہ براء بن عازب، مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔
سلہ منکب، صراح میں ہے منکب کاف کے نیچے زیر، بازو کی جڑ، آپ کے دو کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا اس سے سینہ کی فراخی بھی لازم آتی ہے۔
سلہ بُعید، باء پر پیش، عین پر زبر، تصغیر کا صیغہ منقول ہے یعنی دُور تھے لیکن بہت زیادہ نہیں۔
سلہ حلہ، جوڑے کو کہا جاتا ہے یعنی تہہ بند اور چادر جو ایک ہی جنس سے ہوں، حلہ سے مراد ریشمی لباس نہیں جیسا کہ بعض کو وہم ہوا۔ حمراء سے مراد سرخ دھاریاں ہیں جیسا کہ ہمارے علاقہ میں لاچا ہوتا ہے، اس سے خالص سُرخ مراد نہیں۔ محدثین کی تحقیق یہی ہے۔ سبز اور زرد حلہ کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے اس سے مراد سبز یا زرد رنگ کی دھاریاں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حلہ یمنی بھی تھا جس پر سرخ دھاری ہے۔
سلہ ظاہر یہ ہے کہ فرمایا کسی مرد یا کسی شخص کو نہیں دیکھا، شَیئًا کہنے میں مبالغہ ہے۔
سلہ آدمی کے بالوں کے لیے تین الفاظ ہیں۔ جُمّہ، جیم پر پیش، میم مشدد، لِمّہ لام کے نیچے زیر میم مشدد وفرہ، واؤ پر زبر، فا ساکن، جو کان سے نیچے ہوں وہ لمہ، جو کاندھے تک ہوں وہ جمہ اور جو کانوں تک ہوں وہ وفرہ کہلاتے ہیں۔ ان الفاظ کی مشہور تفسیر یہی ہے۔ بعض لوگوں سے مختلف تفسیر بھی منقول ہے۔ بعض اوقات جمہ کا اطلاق ہر قسم کے بالوں پر کر دیا جاتا ہے۔

۵۵۲۳ / ۹ وَعَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعَ الْفَمِ اَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْشَ الْعَقِبَيْنِ قِيْلَ لِسِمَاكٍ مَا ضَلِيْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِيْمُ الْفَمِ قِيْلَ مَا اَشْكَلُ الْعَيْنِ قَالَ طَوِيْلُ شَقِّ الْعَيْنِ قِيْلَ مَا مَنْهُوْشُ الْعَقِبَيْنِ قَالَ قَلِيْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سماک بن حرب حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن تھے، آنکھیں سرخ ڈوروں والی اور ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔ سماک سے پوچھا گیا ضلیع الفم کیا ہے فرمایا کشادہ دہن۔ پوچھا گیا اشکل العین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا گوشہ چشم کی زیادہ لمبائی، عرض کیا گیا منہوش العقبین کیا ہے؟ فرمایا تھوڑے سے گوشت والی ایڑیاں
(مسلم)

سلہ سماک، سین کے نیچے زیر اور میم مخفف، بن حرب، حاء پر زبر را ساکن، مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں میں نے اسی صحابہ کی زیارت کی ہے۔ علماء کوفہ میں سے ہیں بعض محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے، فرماتے ہیں میری نظر ختم ہو گئی تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے میری بینائی واپس فرما دی۔
سلہ عرب مردوں کے لیے کشادہ دہنی محبوب و پسندیدہ سمجھتے اور تنگی دہن ان کے ہاں عیب تھا۔ بعض نے اس سے فصاحت و بلاغت مراد لی ہے۔
سلہ شُکلہ، شین پر پیش، رنگ کا نام ہے، شُھرہ سین پہ پیش شہلہ ہا کے ساتھ آنکھ کی سیاہی

کے ساتھ سرخی کا ملنا ہے۔ لیکن سیاہی زیادہ نہ ہو گویا سرخی مائل ہوں۔ جیساکہ اشعار میں نرگس شہلا کا تذکرہ آتا ہے۔

ٓٓٓ۴ منہوش العقبین۔ منہوش، مشارق میں سین اور شین دونوں کے ساتھ ایڑیوں کا کم گوشت ہونا۔

۵ یہ راوی حدیث ہیں

۶ اشکل کا معنی شگاف چشم کا دراز ہونا ہے

۷ منقول ہے کہ سماک کا اشکل العینین کا یہ معنی کرنا غلط ہے جواب وہی ہے جو بیان ہوا۔ جیساکہ علماء لغت کا اس میں اتفاق ہے۔

۵۵۲۵ وَعَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اَبْیَضَ مَلِیْحًا مُقَصَّدًا
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو طفیل[۱] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کا رنگ سفید نمکین[۲] اور قد انور میانہ[۳] تھا۔
(المسلم)

۱ چھوٹے صحابہ میں سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے آٹھ سال انھوں نے پائے اور ایک سو دس برس میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے یہی ہیں۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والوں میں سے تھے تمام مواقع میں اور جنگوں میں ان کے ساتھ رہے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بہت مداح تھے۔ عالم و فاضل اور نہایت حاضر جواب تھے۔

۲ ملاحت، نمکین ہونا، یہ حسن کی ایسی صفت ہے جو آنکھوں میں بھاتی ہے دل میں سرور پیدا کرتی ہے اور اس کی خوبی و ثنا سے زبان قاصر ہوتی ہے۔

۳ طول و قصر میں، جسامت و نحافت میں بلکہ تمام صفات میں

وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ لَمْ یَبْلُغْ مَا یَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتِہٖ فِیْ لِحْیَتِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ کُنَّ فِیْ رَاْسِہٖ فَعَلْتُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّمَا کَانَ الْبَیَاضُ فِیْ عَنْفَقَتِہٖ وَفِی الصُّدْغَیْنِ وَفِی الرَّاْسِ نَبْذٌ

حضرت ثابت[۱] کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب[۲] کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا آپ خضاب کی عمر کو نہیں پہنچے تھے اگر میں آپ کی ریش مبارک کے سفید بالوں کو شمار کرنا چاہتا دوسری روایت میں ہے اگر سر اقدس کے سفید بالوں کو شمار کرنا چاہتا تو کر لیتا (بخاری مسلم) اور مسلم کی روایت میں فرمایا آپ کی داڑھی، کنپٹیوں اور سر مبارک میں چند سفید بال تھے۔

۱ حضرت ثابت بنانی باء پر پیش، یہ مشاہیر و کبار تابعین میں سے ہیں۔

۲ بالوں کو رنگنا

۳ بڑھاپا بہت کم تھا ابتدائی نظر میں سفید بال دکھائی نہیں دیتے تھے جیسا کہ سیاق حدیث سے واضح ہے یا مراد یہ ہے۔ ابھی خالصۃً سفید بال نہ تھے بلکہ سرخ تھے جیسا کہ آغاز میں ہوتا ہے ایسا ہی دوسری روایت میں آیا ہے (کان شیبہ احمر) آپ کے بال شریف سرخ تھے۔

شمط، شین پر زبر، میم ساکن سفید بالوں کا سیاہ میں ملنا۔ اگر میم پر زبر ہو تو اس کا معنی سفید بال ہے

۴ سفید اس قدر قلیل تھے کہ خضاب کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

۵ عنفقتہ، عین پر زبر، نون ساکن فاء وقاف پر زبر وہ بال جو ہونٹوں کے نیچے ہوتے ہیں۔

۶ الصدغین، صدغ آنکھ اور کانوں کی درمیانی جگہ کے بال صاد پہ پیش، دال ساکن اور غین معجمہ جگہ کا نام ہے لیکن اس مقام پر جو بال آئیں ان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۷ نبذ (نون پر پیش) بلا ذال کے ساتھ یہ نبذۃ کی جمع ہے۔ باء ساکن بمعنی تھوڑی شے۔

۵۵۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَزْهَرَ اللَّوْنِ كَاَنَّ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ وَمَا مَسِسْتُ دِيْبَاجَةً وَلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا وَلَا عَنْبَرَةً اَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمکدار رنگت والے تھے۔ آپ کا پسینہ گویا موتی تھا جب چلتے تو طاقت سے چلتے اور میں نے موٹا باریک ریشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ سے زیادہ نرم نہیں چھوا اور نہ مشک و عنبر سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو (بخاری و مسلم)

۱ صفائی و رنگ اور لطافت جسمانی ہیں

۲ جیسا کہ قوی اور دلیر انسانوں کا طریقہ ہے اس کا تیز چلنے میں کوئی منافات نہیں جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کیونکہ سرعت سے اپنے قدم رکھنے کا نام ہے۔ تکفا کا معنی ایک ہی دفعہ چیز کو زمین پر بچھا دینا بھی ہے اس سے مراد آگے کی طرف جھکنا بھی ہے جیسا کہ انسان بلند جگہ سے نیچے کی طرف آتا ہے جیسا کہ فصل ثانی میں آ رہا ہے۔

۳ مسست، سین کے نیچے زیر بہتر ہے ہاں زبر بھی منقول ہے۔ دیباجہ، دال کے نیچے زیر ریشم کی ایک قسم

۴ شمت میم کے نیچے زیر۔ ہے زبر بھی منقول ہے

۵ ایک روایت میں "من عرفہ" آپ کے پسینہ سے بڑھ کر آیا ہے۔

۵۵۲۸ وَعَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْتِيْهَا فَيَقِيْلُ عِنْدَهَا فَتَبْسُطُ نِطْعًا فَيَقِيْلُ عَلَيْهِ وَكَانَ كَثِيْرَ الْعَرَقِ فَكَانَ

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تھے تو ان کے پاس قیلولہ کرتے تھے وہ حضور کے لیے چمڑے کا

نَجْمَعُ عَرَقَهٗ فَنَجْعَلُهٗ فِی الطِّيْبِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا قَالَتْ عَرَقُكَ نَجْعَلُهٗ فِی طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ اَطْيَبِ الطِّيْبِ وَفِی رِوَايَةٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْ بَرَكَتَهٗ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بستر بچھا دیتی تھیں آپ اس پر آرام کرتے۔ حضور کو پسینہ بہت آتا تھا تو وہ حضور کا پسینہ جمع کر لیتی تھیں اسے خوشبو میں ڈال لیتی تھیں تو حضور نے فرمایا اے ام سلیم یہ کیا ہے؟ عرض کیا حضور یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں یہ بہترین خوشبو ہے اور ایک روایت میں ہے کہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے بچوں کے لیے برکت کی امید کرتے ہیں فرمایا تم ٹھیک کرتی ہو (بخاری و مسلم)

۱؎ ام سلیم، سین پر پیش، صحابیہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ خواتین میں نہایت ہی عقل مند اور فاضلہ ہیں۔

۲؎ نَطَعٌ، نون پر زبر یا زیر، طا پر زبر یا سکون یعنی چار طریقوں پر پڑھا جا سکتا ہے، چمڑہ کا بستر اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو قیلولہ فرماتے۔ منقول ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محارم میں سے ہیں یا تو رضاع کے حوالہ سے یا نسب کے حوالے سے۔ بعض نے کہا اجنبی خواتین کے ساتھ خلوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز اور آپ کی خصوصیت ہے (المواہب اللدنیہ)

۳؎ ہم اسے بچوں کے چہروں اور جسموں پر لگاتے ہیں تاکہ وہ ہر طرح کی وباؤں سے محفوظ رہیں۔

۵۵۳۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْاُوْلٰی ثُمَّ خَرَجَ اِلٰی اَهْلِهٖ وَخَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّیْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّیْ فَوَجَدْتُّ لِيَدِهٖ بَرْدًا اَوْرِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ سَمُّوْا بِاِسْمِیْ فِی بَابِ الْاَسَامِیْ وَحَدِيْثُ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيْدَ نَظَرْتُ اِلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ فِی بَابِ اَحْكَامِ الْمِيَاهِ۔

حضرت جابر بن سمرہ ۱؎ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی پھر آپ گھر کی طرف چلے میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کے سامنے بچے آئے تو ان میں سے ہر ایک کے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگے ایک ایک کر کے۔ رہا میں تو حضور نے میرے رخساروں ۲؎ پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک پائی اور خوشبو، گویا عطار کے ڈبہ سے نکالا ہے (مسلم) اور حدیث جابر سموا باسمی باب اسامی میں اور حدیث سائب بن یزید کہ میں نے مہر نبوت دیکھی باب احکام المیاہ میں بیان ہو چکی ہے۔

۱؎ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے خالہ زاد ہیں۔

۵ خدی، دال کے نیچے زیر یا ساکن، مفرد بعض نسخوں میں تثنیہ ہے پھر دال پہ زبر یا مشدد ہوگی یعنی میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔ منہ والی روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت جابر کہتے ہیں میرا وہ رخسار جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا دوسرے سے خوبصورت تھا۔

۳ تمام نسخوں میں او ہے بیراوی کا شک ہے۔

۴ جُونہ۔ جیم پر پیش، عطار کی ڈبیہ

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۵۴۰/۱۵ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ مُشْرَبًا حُمْرَةً ضَخْمَ الْكَرَادِيْسِ طَوِيْلَ الْمَسْرُبَةِ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت دراز قد تھے اور نہ پست قد، بھاری سر و داڑھی، بھاری ہتھیلیاں اور بھاری قدم، سرخی مائل رنگ والے، بھاری جوڑوں والے دراز بالوں کی دھوری، جب چلتے تو قوت سے چلتے گویا آپ بلندی سے اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ تو آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔ (اسے ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۱ مشرب، میم پہ پیش، شین ساکن، را مخفف ایک رنگ کا دوسرے سے ملنا گویا ایک رنگ نے دوسرے کو لیا ہوا ہے۔

۲ کرادیس، کردوس کی جمع، کاف پر پیش، ہڈیوں کے وہ سرے جو آپس میں ملتے ہیں۔

۳ مسربہ، میم پہ زبر، سین ساکن، را پر پیش۔ وہ باریک بال جو سینہ سے ناف تک ہوتے ہیں۔ مسرب سین اور را پر زبر بمعنی سینہ ہے اور وہ بال بھی جو سینہ اور ناف کے درمیان ہوتے ہیں (الصراح)

۴ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم توانائی سے چلتے اور زمین سے پاؤں قوت سے اٹھاتے۔ بعض نے کہا اس سے مراد بطریق تواضع چلنا ہے نہ کہ بطور تکبر وغیرہ۔ صبب، صاد اور باء دونوں پر زبر با پست جگہ، اوپر سے نیچے پانی بہانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۵۵۴۱/۱۶ وَعَنْهُ كَانَ اِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً

انہی کے بارے میں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بیان کرتے تو کہتے آپ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ زیادہ پست قد، آپ میانہ قد تھے۔ نہ بالکل

مِنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ بِالْوَجْهِ تَدْوِيرٌ اَبْيَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ اَجْرَدُ ذُوْمَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى يَتَقَلَّعُ كَاَنَّمَا يَمْشِيْ فِيْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

مڑے ہوئے بالوں والے اور نہ بالکل سیدھے بالوں والے بلکہ قدرے خم دار بالوں والے تھے، نہ بہت موٹے تھے نہ بالکل گول چہرے والے، چہرے میں قدرے گولائی تھی رنگ سرخی کی طرف مائل تھا، سیاہ آنکھوں، دراز پلکوں بھاری بھوؤں اور سینے سے ناف تک لمبی لکیر والے تھے ہتھیلیاں اور قدم مبارک پر گوشت تھے چلتے تو طاقت سے چلتے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی آپ سارے نبیوں میں آخری تمام لوگوں سے زیادہ سخی سب سے زیادہ سچی بات کہنے والے، نرم طبع، اچھا برتاؤ کرنے والے، اگر کوئی آپ کو اچانک دیکھتا تو ڈر جاتا اور جب مل جل جاتا تو وہ آپ کو اپنا محبوب بنا لیتا، آپ کا نعت گو یہی کہتا میں نے آپ کی مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(الترمذی)

سلہ ممغط، پہلی میم پر پیش، دوسری میم مشدد اور زبر، غین کے ساتھ منقول ہے۔ دوسری میم مخفف اور غین مشدد بھی منقول ہے۔ اس صورت میں عین بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی میم بہر صورت پیش والی ہے۔ معنی دراز اور کشادہ ہونا ہے۔

سلہ بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے نہ تھے

سلہ جعد، عین پر زبر، جیم کے نیچے زیر یا زبر، قطط اور سبط کے درمیان بال، صراح میں ہے جس شخص کے بال پیچ کو شکن ہوں اسے جعد کہا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک سخت گھنگریالے نہیں تھے۔

سلہ مطہم، میم پر پیش طاء مشدد مفتوح، ہاء پر زبر، پر گوشت چہرہ اور گول، کمزور کے معنی میں آیا ہے۔

سلہ مکلثم، میم پر پیش، کاف پر زبر لام ساکن بمعنی کم گوشت کوتاہ چہرہ۔ بعض نے بسیار گوشت معنی کیا ہے جب دونوں الفاظ میں گولائی کی نفی تھی تو آگے اس کا اثبات کیا۔

سلہ زیادہ گول نہ تھا

سلہ بعض نے کہا آنکھوں میں سفیدی خوب تھی

۸؎ اشفار، شفر کی جمع ہے، شین پر پیش اور زبر، آنکھوں کے بال
۹؎ مشاش، مشاشہ کی جمع ہے، ہڈیوں کے ملنے کی سخت جگہ
۱۰؎ الکتد۔ تاء پر زبر یا زیر دو کندھوں کے ملنے اور ان کے درمیان جگہ جیسے کاہل کہتے ہیں
۱۱؎ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس باریک لکیر کے علاوہ بدن مبارک پر بال نہ تھے جبکہ دیگر احادیث سے دیگر مقامات پر بھی بالوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سینہ اقدس کے اوپر بازوؤں پر، پنڈلیوں پر اور یہاں اجرد سے مراد بھی یہی ہے۔ حقیقتاً اجرد، اشعر کے مقابل ہے جس کا معنی تمام بدن پر بال کے ہیں اور اجرد وہ ہوگا جس کے تمام بدن پر بال نہ ہوں۔
۱۲؎ نظر کی طرف سے نہ دیکھتے جیسا کہ متکبر لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہر وقت بائیں یا دائیں گردن مبارک نہ پھیرتے جیسا کہ جلد باز اور ظلم کرنے والوں کا طریقہ ہے۔
۱۳؎ سینہ سے مراد دل ہے کیونکہ یہ اس کا محل و مقام ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت دل و جان اور ذوق و شوق سے تھی نہ کہ بطور تکلف اور ریاکاری۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اجود، جودت جیم پر زبر سے ہو اس کا معنی ہوگا اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ تھا (کذا فی شرح الشیخ)
۱۴؎ لہجہ، ہا پر زبر، سکون بھی منقول ہے۔ بعض نے کہا سکون ضعیف ہے، بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ آپکی مبارک زبان تمام سے درست ترین ہے یعنی آپ تمام حروف کو ان کے مخارج سے ادا فرماتے اور اس طرح دوسرا آدمی اس پر قدرت نہیں رکھتا۔
۱۵؎ عشرۃ، عین کے نیچے زیر بھی آیا ہے جس کا معنی صحبت ہے۔
۱۶؎ آپ کی مجلس و صحبت میں آجاتا۔
۱۷؎ اس سے یا تو راوی خود یا ہر نعت کہنے والا مراد ہے۔

۵۵۴۲ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْلُكْ طَرِيقًا فَيَتْبَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّهُ قَدْ سَلَكَهُ مِنْ طِيبِ عَرَقِهِ اَوْ قَالَ مِنْ رِيحِ عَرَقِهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستہ سے گزرتے تو اگر کوئی آپ کے بعد گزرتا وہ آپ کی خوشبو[۱] یا پسینے کی خوشبو کے باعث جان لیتا کہ آپ ادھر سے گزرے ہیں (الترمذی)

۱؎ عرفہ، عرف، عین پر زبر، راء ساکن خوشبو اور بدبو دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہاں غالب استعمال خوشبو کے لیے ہے یعنی جس راستہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا وہ آپ کی مہک سے اس قدر معطر ہو جاتا کہ جس سے پتہ چلتا آپ کا ادھر سے گزر ہوا ہے ظاہر (بلکہ صحیح) یہی ہے کہ آپ کے مبارک جسم اطہر کی خوشبو تھی۔ اس خوشبو کی اس کے علاوہ ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرمایا کرتے۔

۵۵۴۳ وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ[1] قَالَ قُلْتُ لِلرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ صِفِیْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ یَا بُنَیَّ لَوْرَاَیْتَہٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوعبیدہ[1] بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے حضرت ربیع[2] بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں حلیہ بیان فرمائیے۔ فرمایا بیٹے اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو گویا طلوع ہوتا ہوا سورج دیکھتے[3] (الدارمی)

[1] یہ ثقہ تابعی ہیں

[2] ربیع، راء پر پیش باء پر زبر یا مشدد اور مکسور، معوذ میم پر پیش، عین پر زبر، واو مشدد مکسور مشہور صحابیہ ہیں۔

[3] یعنی اس طرح جلال و نورانیت اور حسن وجمال کہ گویا آفتاب طلوع ہو گیا ہے۔

۵۵۴۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَۃٍ اِضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِلَی الْقَمَرِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات[1] میں دیکھا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور چاند کو دیکھنے[2] لگا، آپ پر سرخ جوڑا[3] تھا میری نظر میں حضور چاند سے زیادہ حسین تھے[4]۔ (ترمذی و دارمی)

[1] اِضْحِیَا، ہمزہ کے نیچے زیر، ضاد ساکن، حاء مکسور، ایسی روشن رات جس میں چاند ہو اور بادل و گرد وغبار نہ ہو۔

[2] میں کبھی حضور کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔

[3] سرخ جوڑے کا مفہوم پیچھے حدیث حضرت براء رضی اللہ عنہ میں بیان ہو چکا ہے۔

[4] یہ لذت و ذوق کا اظہار ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقع میں اور تمام اہلِ بیت کے ہاں چاند سے زیادہ حسین ہیں۔

۵۵۴۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْہِہٖ وَمَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مِشْیَتِہٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ میں نے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہ دیکھی گویا سورج آپ کے چہرہ میں گردش کر رہا ہے اور میں نے کوئی شخص نہ دیکھا جو رفتار میں رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰی لَہٗ اِنَّا لَنُجْھِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّہٗ لَغَیْرُ مُکْتَرِثٍ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز ہو گویا آپ کے لیے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم تو اپنی جانوں کو مشقت میں ڈال دیتے تھے[۱] اور آپ پرواہ نہ فرماتے تھے۔

(الترمذی)

[۱] ہم چلنے میں مشقت اور تکلف سے کام لیتے مگر تھک جاتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف آسانی کے ساتھ چلتے نجھد۔ نون پر پیش، جیم ساکن اور ہا مکسور، مکترث، میم پہ پیش، کاف ساکن، تا و پر زبر، راء مکسور از لکترات بھی پاک ہونا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ دوسرے مشقت و تھکاوٹ میں ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مشقت اور بے تکلف تمام سے تیز رفتار ہوتے۔

۵۵۴۶ / ۲۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ فِیْ سَاقَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَۃٌ وَکَانَ لَا یَضْحَکُ اِلَّا تَبَسُّمًا وَکُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْہِ قُلْتُ اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ وَلَیْسَ بِاَکْحَلَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں میں کچھ باریکی تھی اور آپ نہ ہنستے تھے مگر مسکراہٹ سے اور جب حضور کو دیکھتا تو کہتا آپ آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ سرمہ نہ لگایا ہوتا۔ (الترمذی)

[۱] یعنی بھاری نہ تھیں

[۲] صراح میں ہے تبسم کا معنی لبوں کا کرنا ہے۔

[۳] بلکہ قدرتی طور پر آپ کی آنکھیں سرگیں تھیں

دو چشم تو کہ سیاہند سرمہ نہ کردہ بسان سرمہ سپید کردہ خانۂ مردم

تیری دو آنکھیں جو سیاہ ہیں اور ان میں سرمہ نہیں لگا بہت سے ایسے لوگوں کا گھر (سارا) ہیں جو سیاہ کا ٹیکہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۵۴۷ / ۲۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِیَّتَیْنِ اِذَا تَکَلَّمَ رُئِیَ کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراخ دانتوں والے تھے جب کلام فرماتے تو آپ کے اگلے دانتوں کے درمیان سے نور سا نکلتا۔ (الدارمی)

[۱] یعنی دو دانتوں کے درمیان کشادگی تھی۔ فلج فاء اور لام پر زبر بمعنی کشادگی، اگلے دانتوں کو افلج الاسنان کہا جاتا ہے حلیہ مبارک میں مراد بھی یہی ہیں۔ دوسری روایت میں افلج الاسنان کے الفاظ بھی ہیں۔

[۲] سامنے کے دانتوں کو اوپر سے لے کر نیچے تک "ثنایا" کہا جاتا ہے یہ لفظ تثنیہ اور جمع دونوں طرح ہے

دونوں اطراف کے دانتوں کو "رباعیات"، را پر زبر کہا جاتا ہے، فلج دو کے درمیان کشادگی کو کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں رباعیات اور ثنایا کے درمیان کی درمیانی کشادگی کو فلج اور ثنایا کے درمیان کشادگی کو فرق کہا جاتا ہے (خا اور را پر زبر) لہٰذا یہاں فلج کو فرق کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا ظاہر بتارہا ہے کہ یہ کشادگی صرف اوپر والوں کے ساتھ مخصوص ہی نہیں بلکہ نیچے بھی تھی۔

۵۵۴۸ / ۲۲ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَانَ وَجْهَهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذَالِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور دمک اٹھتا گویا آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم یہ[1] جان لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

[1] بسبب تروتازگی اور چمک کے ہم محسوس کر لیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں۔

۵۵۴۹ / ۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا يَهُوْدِيًّا كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَوَجَدَ اَبَاهُ عِنْدَ رَأْسِهِ يَقْرَأُ التَّوْرَاةَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا يَهُوْدِيُّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتِيْ وَصِفَتِيْ وَمَخْرَجِيْ قَالَ لَا قَالَ الْفَتٰى بَلٰى وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَجِدُ لَكَ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتَكَ وَصِفَتَكَ وَمَخْرَجَكَ وَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهِ اَقِيْمُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ رَأْسِهِ وَلُوْا اَخَاكُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوگیا تو اس کے پاس آپ بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے والد کو اس کے سرہانے تورات پڑھتے پایا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے یہودی! میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری کیا تو میرے اوصاف، میری نعت، میری جائے بعثت[1] تورات میں پاتے ہو یا نہیں۔ تو جوان بولا ہاں یا رسول اللہ اللہ کی قسم ہم آپ کی نعت، آپ کی صفات، آپ کی ہجرت تورات میں پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا اس یہودی کو اس جوان کے پاس سے اٹھا دو اور تم اپنے بھائی کا انتظام کرو۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی)

[1] مخرج، وقت وجائے بعثت، نعت، وصف کا ایک ہی مفہوم ہے گویا ایک سے مراد حسنات ظاہری جبکہ دوسرے سے مراد باطنی صفات ہیں۔

۵۵۵۰ / ۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میں سراپا رحمت اور تحفہ ہوں (دارمی ، شعب الایمان للبیہقی) [۱]

[۱] میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رحمت ہوں۔ شیخ ابوالعباس مرسی فرماتے ہیں یہ اس امت کی تکریم و تعظیم ہے کیونکہ ہدیہ برائے تکریم ہی ہوتا ہے۔

[۲] یہاں مصنف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت اور سراپا کے بارے میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں۔ لیکن بہت سی رہ گئیں ہیں ہم نے اس کی شرح میں کتب احادیث سے اضافات بھی کیے ہیں وہاں مطالعہ کیجیے۔

بَابٌ فِیْ اَخْلَاقِہٖ وَشَمَائِلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں مہربانی، جوانمردی، شجاعت، سخاوت، نرمی، تحمل، تواضع، رحمت، حیاء وغیرہ شامل ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت وسراپا سے مصنف فارغ ہوئے جیسے صورت و خَلق (خاء پر زبر) کہا جاتا ہے تو اب آپ کی باطنی صفات کا تذکرہ کرنا چاہ رہے ہیں جنہیں خُلق (خاء پر پیش) کہا جاتا ہے۔ شمائل، شمال، شین کے نیچے زیر بمعنی طبع کی جمع ہے (القاموس)

صراح میں ہے شمائل بالکسر بائیں ہاتھ اور عادت، جس شمال کا معنی بائیں ہاتھ ہے اس کی جمع اشمل آتی ہے ہاں شمائل بھی کبھی آتی ہے۔ شرح شفاء میں ہے شمال بالکسر بمعنی سیرت ہے اور خلق کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۵۵۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت [۱] کی۔ آپ نے مجھے کبھی اف [۲] تک نہ کہا یہ نہ کہا یہ کیوں کیا اور کیوں [۳] نہ کیا (بخاری و مسلم)

[۱] جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مدینہ میں ہجرت فرمائی۔ حضرت انس کی والدہ یا بعض ان کے انصاری اعزہ نے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اس وقت ان کی عمر آٹھ یا دس سال تھی۔ شہر مدینہ میں مدت اقامت دس سال ہی ہے ۔

ﮯ۲ اف، ہمزہ پر پیش، فاء مشدد ومکسور، تنوین کے ساتھ یا اس کے بغیر، اس حکم کی دلالت، کراہت، زجر، تنگی دل اور ناپسندیدہ عمل پر آواز بلند کرنا ہے ۔

ﮯ۳ خواہ ان کا تعلق امور دنیا سے تھا یا امور دین سے ۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال شفقت اور حسن اخلاق ہی ہے ۔ امام طیبی لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی مدح ہے ۔ میں نے کبھی ایسا کام نہ کیا جس سے آپ ناراض ہوں۔ لیکن اول معنی مقام کے انسب اور موافق ہے ۔ ہاں حضور کی ان پر شفقت و کرم کو یہ معنی بھی متضمن ہے ۔

۵۵۵۲ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا فَاَرْسَلَنِيْ يَوْمًا لِحَاجَةٍ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَذْهَبُ وَفِيْ نَفْسِيْ اَنْ اَذْهَبَ لِمَا اَمَرَنِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجْتُ حَتّٰى اَمُرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي السُّوْقِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَبَضَ بِقَفَايَ مِنْ وَّرَائِيْ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ يَا اُنَيْسُ ذَهَبْتَ حَيْثُ اَمَرْتُكَ قُلْتُ نَعَمْ اَنَا اَذْهَبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے حضور نے مجھے ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا میں نے کہا اللہ کی قسم میں نہ جاؤں گا اور میرے دل میں یہ تھا ﮯ۱ کہ اس کام کے لیے جاؤں جس کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا چنانچہ میں روانہ ہو گیا حتی کہ میں کچھ بچوں پر گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی ۔ فرماتے ہیں میں نے حضور کی طرف دیکھا آپ ہنس رہے تھے ۔ فرمایا اے انیس ﮯ۲ کیا تم وہاں جا رہے ہو جہاں جانے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جا رہا ہوں ۔ (المسلم)

ﮯ۱ باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا دل میں تھا جاؤں گا لیکن زبان سے کہہ دیا میں نہیں جاؤں گا یہ واقعہ ان کی چھوٹی عمر اور بے سمجھی کا ہے اور ابھی وہ بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات پر توجہ ہی نہ دی اور نہ اس پر ناراض ہوئے بلکہ مزاح کے انداز میں تبسم اور نرمی فرمائی ۔

ﮯ۲ انیس یہ انس کی تصغیر ہے، برائے پیار و شفقت

۵۵۵۳ وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَمْشِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ فَاَدْرَكَهٗ

انہی سے مروی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا آپ نے نجرانی ﮯ۱ موٹے کنارے والی چادر اوڑھ رکھی تھی حضور کو ایک بدوی نے پکڑ لیا

اَعْرَابِیٌّ فَجَبَذَہٗ بِرِدَائِہٖ جَبْذَۃً شَدِیْدَۃً وَرَجَعَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ نَحْرِ الْاَعْرَابِیِّ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی صَفْحَۃِ عَاتِقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَثَّرَتْ بِہَا حَاشِیَۃُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّۃِ جَبْذَتِہٖ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ مُرْلِیْ مِنْ مَالِ اللّٰہِ الَّذِیْ عِنْدَکَ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ضَحِکَ ثُمَّ اَمَرَ لَہٗ بِعَطَاءٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور حضور کو آپ کی چادر سے کھینچا کہ آپ اس کے سینہ تک پہنچ گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کی گردن مبارک پر سخت کھینچنے کی وجہ نشان دیکھا۔ پھر بولا اے محمد! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے میرے لیے بھی حکم دیجیے۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا، پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطاء کا حکم فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ نجرانی، نجران، نون پر زبر، نجران کی طرف منسوب، جیم ساکن جگہ کا نام ہے۔
۲؎ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بہت قریب ہو گئے۔
۳؎ عاتق، کندھے کی چادر والی جگہ
۴؎ لوگوں کی طرف سے جفا کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کمال حلم و تحمل کا مظاہرہ ہے یہ دیہاتی اور درشت خو تھا نہ اس نے اخلاق کی تربیت پائی اور نہ ادب سیکھا۔ اس روایت میں صاحب منصب لوگوں کے لیے سبق ہے کہ وہ رعایا کی طرف سے بے عقلی اور تکلیف کے باوجود ان سے حسن سلوک کا برتاؤ کریں۔

۵۵۵۴ وَعَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ اَہْلُ الْمَدِیْنَۃِ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَہُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ اِلَی الصَّوْتِ وَہُوَ یَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا وَہُوَ عَلٰی فَرَسٍ لِاَبِیْ طَلْحَۃَ عُرْیٍ مَا عَلَیْہِ سَرْجٌ وَفِیْ عُنُقِہٖ سَیْفٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُّہٗ بَحْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں بہت حسین۱؎ اور سب سے زیادہ سخی سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ والے گھبرائے۲؎ تو لوگ آواز کی طرف دوڑے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہوئے آپ لوگوں سے پہلے آواز کی طرف دوڑے اور فرماتے جاتے مت گھبراؤ۳؎، اور آپ ابوطلحہ کے ننگے گھوڑے۴؎ پر تھے، جس پر زین نہ تھی اور آپ کے گلے میں تلوار تھی پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دریا۵؎ پایا۔ (بخاری و مسلم۶؎)

۱؎ حسن و جمال، فضل و کمال، صفات حمیدہ اور اخلاق عظیمہ میں
۲؎ شاید کوئی ڈاکو یا دشمن آگیا ہے۔

ے۲ رُوِّعَ ، ڈرنا ، تراعوا ، تاء اور عین پر پیش
ے۴ اس پر زین نہ تھی ے۵ بہت تیز رفتار
ے۶ دوسری روایت میں ہے یہ گھوڑا نہایت ہی سست رفتار تھا اس کے بعد یہ اس قدر تیز ہو گیا کہ دوسرا گھوڑا اس کا مقابلہ نہ کر پاتا۔ حقیقت یہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور برکت نصیب ہو جائے اگرچہ وہ لا شیئ ہو تو وہ شیئ ہو جاتی ہے۔ اگر کمزور ہو تو غالب ہو جاتی ہے اگر پست ہو تو بلند ہو جاتی ہے اگر ضعیف ہو تو قوی ہو جاتی ہے۔

تو مرا دل دہ دلیرے بین روبۂ خویش خوان وشیرے بین
تو جسے دل عطا فرمائے پھر جرأت دیکھ تو اپنی لومڑی فرمادے پھر شیر بنتا دیکھ

۵۵۵۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہ مانگی گئی کہ حضور نے فرمایا ہو ے نہیں۔ (بخاری ومسلم)

ے کہ میں نہیں دیتا۔ شیخ ابن حجر کہتے ہیں کہ کبھی بھی لا کا لفظ زبان پر نہ آیا بلکہ اگر ہوا عطا فرما دیا اگر نہ ہوا تو خاموشی اختیار فرمائی۔ ایک اور روایت میں یہی مفہوم آیا ہے اور حضرت ابوہریرہ سے مروی حدیث کے قریب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو اسے عیب نہ لگاتے تمنا ہوتی تو تناول فرما لیتے ورنہ ترک فرما دیتے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے منقول ہے کہ عطا کرنے کے لیے کبھی آپ کی زبان پر لا نہیں آیا اور بوقت ضرورت، یا بوقت عدم موجودگی پر یا بالطریق عذر کہنے کے منافی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (میں نہیں پاتا کوئی چیز جس پر تمہیں سوار کردوں) فرزدق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا

ما قال لا قط الا فی تشہدہ لو لا التشہد کانت لاءہ نعم

(کلمہ شہادت کے علاوہ کبھی لا نہیں فرمایا اگر شہادت کا معاملہ نہ ہوتا تو وہاں لا کی جگہ نعم فرما دیتے)
کسی نے اس مضمون کو فارسی میں (کسی کے بارے میں) یوں بیان کیا شعر
(آپ کی زبان پر لا کا کلمہ کبھی نہیں آیا ماسوائے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے)
لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مخصوصہ کو کسی ظالم و فاسق کیلئے ثابت کرنا نہایت ہی تعجب والی بات ہے ہم ایسی ذلت اور گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

۵۵۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ فَاَتَى قَوْمَهٗ فَقَالَ اَيْ قَوْمِ اَسْلِمُوْا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان بھری ہوئی بکریاں مانگیں۔ حضور نے سب عطا کردیں وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ

فَوَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَیُعْطِی اِعْطَاءً مَا یَخَافُ الْفَقْرَ　رَوَاہُ مُسْلِمٌ

اللہ کی قسم محمد ایسی عطا فرماتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں رکھتے۔　(المسلم)

سلہ اس قدر بکریاں زیادہ تھیں کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی اُن سے پُر تھی۔

سلہ انھوں نے تمام کی تمام عطا کردیں اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ کسی شاعر نے یہی بات یوں کہی ہے۔ شعر

جو کچھ ہاتھ میں آتا ہے تو اس سے زیادہ دیتا ہے یہ سخاوت اس کی ہے

جو فقر کو عار محسوس نہیں کرتا

۵۵۵۷ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ بَیْنَمَا ھُوَ یَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقْفَلَہٗ مِنْ حُنَیْنٍ فَعَلِقَتِ الْاَعْرَابُ یَسْأَلُوْنَہٗ حَتّٰی اضْطَرُّوْہُ اِلٰی سَمُرَۃٍ فَخَطِفَتْ رِدَائَہٗ فَوَقَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْطُوْنِیْ رِدَائِیْ لَوْ کَانَ لِیْ عَدَدَ ھٰذِہِ الْعِضَاہِ نَعَمٌ لَقَسَمْتُہٗ بَیْنَکُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِیْلًا وَّلَا کَذُوْبًا وَّلَا جَبَانًا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت جبیر بن مطعم سلہ سے مروی ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے حنین سلہ سے واپسی پر، تو بدوی لوگ حضور سے لپٹ گئے آپ سلہ سے مانگتے تھے حتیٰ کہ آپ کو ایک خاردار درخت سلہ کی طرف لے گئے آپ کی چادر رکھ لی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر گئے فرمایا مجھے میری چادر تو دے دو، اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر جانور سلہ ہوتے تو میں تم میں تقسیم کردیتا۔ پھر تم مجھے نہ تو کنجوس پاتے، نہ جھوٹ بولنے والا نہ بزدل۔

(البخاری)

سلہ مُطعِم، میم پر پیش، طاء ساکن، عین مکسور بن عدی بن نوفل بن عبد مناف۔ امام ذہبی الکاشف میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اشراف قریش میں سے ہیں، انساب اخبار اور واقعات عرب کے ماہر ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں"۔

سلہ یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد ہوا

سلہ غنائم حنین سے، اور اس غزوہ سے مالِ غنیمت بہت حاصل ہوا تھا، آپ کی بخشش بھی بہت زیادہ تھی۔ خصوصًا اہلِ مکہ کے مؤلفۃ قلوب پر۔ سابقہ حدیث میں جو بکریوں کی سخاوت کا ذکر آیا ہے وہ بھی اسی جگہ کا واقعہ ہے۔

سلہ سَمُرہ، سین پر زبر، میم پر پیش، خاردار درخت جو جنگل میں ہوتا ہے۔

سلہ خطفت۔ خاء پر زبر اور طا مکسور

سلہ نَعَمٌ، وہ اونٹ ہوتے یا بکریاں

ئے نہ میں فستر سے ڈرنے والا ہوں، جبن شجاعت کی ضد ہے، عطا میں جوانمردی بھی از قبیلہ شجاعت ہے دینے میں بخل سے کام لینا بزدلی کی طرح ہے۔ بعض نے کہا "میں جھوٹا نہیں اور نہ میں بزدل ہوں" کے الفاظ الگ ہیں اور یہ بطور تتمہ صفات آئے ہیں اور صفات حمیدہ پر جامع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۵۵۵۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يَاْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا فَرُبَمَا جَاءُوْهُ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهٗ فِيْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرماتے تو آپ کے پاس شہر مدینہ کے لونڈی غلام اپنے برتن سے آتے تھے جن میں پانی ہوتا تو وہ کوئی برتن نہ لاتے مگر حضور اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے[1] تو بہت دفعہ وہ لوگ آپ کے پاس بہت ٹھنڈی فجر کو پانی لاتے آپ ان میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے[2]۔ (المسلم)

۱ تاکہ وہ متبرک ہو جائے اور ان کے لیے ذریعہ شفا بن جائے

۲ یہ کمال شفقت اور مہربانی ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مخلوق کے نفع کے لیے خود کو تکلیف میں ڈال لیتے۔

۵۵ وَعَنْهُ قَالَ كَانَتْ اَمَةٌ مِّنْ اِمَاءِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ تَاْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهٖ حَيْثُ شَاءَتْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور انھی سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی خادمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی تو جہاں چاہتی حضور کو لے جاتی تھی[1]۔ (البخاری)

۱ اپنی حاجتیں عرض کرتی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر کمال شفقت ہے حتیٰ کہ امت کے کمزور ترین فرد بھی۔

۵۵۶۰ وَعَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ فِيْ عَقْلِهَا شَيْءٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اُنْظُرِيْ اَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى اَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ حَتّٰى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انھی سے مروی ہے ایک خاتون کی عقل میں فتور تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے کام ہے فرمایا اے فلاں کی ماں! تو سوچ لے کون سی[1] گلی پسند کرتی ہے کہ میں وہاں جاکر تیرا کام کر دوں تو ایک راستہ میں حضور اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ وہ اپنے کام[2] سے فارغ ہو گئی۔ (المسلم)

۱ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تھا۔

۲؎ یہاں تو بٹھانا یا لے جانا چاہے گی میں حاضر ہوں۔
۳؎ جو عرض معروض اس نے کرنا تھی کردی۔

۵۵۶۱ وَعَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبَّابًا كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ مَالَهٗ تَرِبَ جَبِيْنُهٗ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو لعنت کرنے والے اور گالی دینے والے نہ تھے۔ ناراضگی کے وقت آپ فرمایا کرتے اسے کیا ہوگیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔
(البخاری)

۱؎ جواب او گفتگو میں حد سے بڑھ جانا، اکثر طور پر اس کا اطلاق جماع اور اس کے متعلقات پر ہوتا ہے بے حیاء اور اہل فساد کو فاحشہ کہا جاتا ہے۔ اہلِ اصلاح اور ارباب حیاء اس سے اعراض کرتے ہوئے بطور کنایہ اور ابہام پر اکتفا کر لیتے ہیں بلکہ بول و براز کو قضائے حاجت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فحش زیادت، کثرت اور زنا و معصیت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۲؎ لعن، اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ رحمت سے دوری کی دعا کو کہا جاتا ہے۔ غیر مستحق پر لعنت کرنا سخت گناہوں میں سے ہے اکثر طور پر یہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ کسی معین شخص پر لعنت حرام ہے اگرچہ وہ کافر ہو مگر یہ کہ بالیقین معلوم ہو کہ وہ دنیا سے کافر فوت ہوا مثلاً ابوجہل، ابولہب وغیرہ کسی کی عام وصف پر لعنت حرام نہیں مثلاً کفار پر لعنت، سود خوروں پر لعنت، ظالموں پر لعنت، واضح رہے کہ لعنت کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ کی رحمت اور جنت سے دوری اور ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہنا یہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کے قرب، خصوصی رحمت اور درجہ یقین سے دوری، یہ بعض گناہ گاروں اور بدکاروں کو شامل ہے۔ اس بحث و تخلیص سے بہت سی مشکلات کا حل نکل آتا ہے۔ واللہ اعلم۔
۳؎ مَعْتِبَہ، تاء پر زبر یا زیر، عتاب و غصہ میں آنا، بمعنی ناز کرنا بھی آتا ہے۔
۴؎ یہ ذلت سے کنایہ ہے یعنی جب زیادہ ناراض ہوتے تو یہ کلمہ فرماتے، تیری ناک خاک آلود ہو۔ اس میں گالی نہیں بلکہ سجدہ کے معنی میں ہے۔

۵۵۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ مشرکین کے خلاف دعا فرمائیے فرمایا میں بددعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں (المسلم)

۱؎ تاکہ تمام تباہ و ہلاک ہوجائیں
۲؎ ہر ایک کے لیے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، اہلِ ایمان کے لیے تو واضح ہے، کفار کے لیے بایں وجہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ان پر عذاب نہ آنے کا ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ بخلاف سابقہ امم کے وہ اپنے اپنے رسولوں کی مخالف دعا سے تباہ وہلاک ہوگئیں۔ ہاں بعض مشرکین کے خلاف بحکم الٰہی آپ نے دعا کی تو وہ ہلاک ہوگئے، جیسا کہ بدر کے دن مشرکین قریش کا معاملہ ہے۔

۵۵۶۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا فَاِذَا رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهٗ عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جیسی کنواری لڑکی اپنے پردے[1] میں شرمیلی ہوتی ہے جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہم چہرہ انور میں اسے پہچان لیتے[2] (بخاری ومسلم)

[1] خدر، خاء کے نیچے زیر، دال ساکن، خواتین کے لیے گھر یلو پردہ، نہایہ میں ہے گھر کا وہ گوشہ جس پر پردہ ہوتا ہے اور کنواری لڑکی وہاں ہوتی ہے۔ صراح میں ہے خدر خاء کے نیچے کسرہ پردہ اور مخدر پردہ نشین خاتون

[2] چہرہ اقدس پر اثرات کی وجہ سے ہم ناپسندیدگی جان لیتے۔ اگرچہ آپ حیاء کے پیش نظر کچھ نہ فرماتے اور اظہار ناپسندیدگی نہ فرماتے۔

۵۵۶۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ وَاِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کھل کر[1] پورا ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ میں آپ کی داڑھیں دیکھ لیتی۔ آپ تبسم ہی فرمایا کرتے تھے۔ (البخاری)

[1] بتمام وکمال ہنسنا

[2] لہوات، یہ لہاۃ کی جمع ہے گوشت کا حصہ جو منہ کی انتہاء پر اعلائے حلق کے پاس ہوتا ہے صراح میں ہے لہاۃ کا معنی کوّے کے ہیں، لہوات جمع لانا اجزاء کی وجہ سے ہے۔

[3] یہ اغلب حال کا ذکر ہے کبھی کبھی اس پر اضافہ بھی ہوا، جیسا کہ باب ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آرہا ہے۔

۵۵۶۵ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْرُدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَاَحْصَاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی[1] جلدی بات نہ کرتے تھے آپ باتیں یوں کرتے کہ اگر کوئی گننے والا گننا چاہتا تو انھیں گن لیتا۔ (بخاری ومسلم)

سلہ کہ اس طرح پے در پے کلمات ہوں کہ سننے والے پر خلط ملط ہو جائیں بلکہ جدا جدا کلمات ہوتے سرد، سین پر زبر، چمڑے کا سینا، زرہ کا سلنا، پے در پے کرنا اور مسلسل گفتگو کرنا۔

۵۵۶۶/۱۶ وَعَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ تَعْنِيْ خِدْمَةَ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت اسود سلہ سے ہے میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ فرمایا اپنے گھر میں کام کاج سلہ میں مشغول رہتے یعنی گھر والوں سلہ کا کام کرتے تھے پھر جب نماز آجاتی تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ (البخاری)

سلہ یہ تابعی ہیں۔ حضور کی ظاہری حیات کو انھوں نے پایا۔ خلفاءِ اربعہ کی زیارت کا شرف پایا۔ اکابر صحابہ سے حدیث پڑھی، اسی حج اور عمرے ادا کیے، ہمیشہ روزہ رکھتے ہر رات قرآن مجید مکمل پڑھتے۔ ثقہ اور فقیہ اور کثیر احادیث والے ہیں۔

سلہ مهنة، میم مکسور، تا مفتوح۔ اصمعی نے میم کے کسرہ کا انکار کیا ہے۔ ہاء ساکن بروزن کلمۃ بمعنی خدمت جیسا کہ اگلے الفاظ میں اس کی تفسیر ہے۔

سلہ مثلاً بکریاں دوھنا، کپڑا اور نعل سینا، اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔ اہلِ خانہ کی خدمت کرنا انبیاء مرسلین اور صالحین کا طریقہ ہے۔

۵۵۶۷/۱۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ اِثْمًا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں جب بھی اختیار دیا گیا تو حضور نے ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا لیکن اگر گناہ ہوتا تو سب لوگوں سے زیادہ دور رہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی چیز میں بدلہ نہ لیا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حرمت توڑی جاتی تو اللہ کے لیے اس کا بدلہ ضرور لیتے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ اس حدیث میں کلام کیا گیا ہے۔ اختیار عام ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا مخلوق کی طرف سے جب اختیار ہو گا تو کسی جانب کا گناہ ہونا محال ہے ہاں یہ مراد ہو سکتا ہے کہ وہ گناہ کی طرف مفضی ہے مثلاً اختیار دیا گیا خزائنِ زمین لینے، کفایت روزی کے اختیار میں ان میں عبادت کے لیے فارغ نہ رہنے کا احتمال ہے تو گناہ سے امر نسبی مراد ہے گناہ مراد نہیں کیونکہ اس سے عصمت ثابت ہے (کذا قال الشیخ ابن حجر)۔ مجمع البحار میں ہے اگر

اختیار از کفار و منافقین ہو تو گناہ کا ہونا واضح ہے اگر مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اس سے مراد گناہ کی طرف لے جانے والا معاملہ ہوگا جیسا کہ مجاہدہ اور اقتصاد میں اختیار، کیونکہ جو مجاہدہ ہلاکت کی طرف لے جائے وہ جائز نہیں یا اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا کہ اس میں دو یا ایک سزا ہو یا اس کے اور کفار کے درمیان ہو مثلاً قتل یا جزیہ یا حق خدا میں مجاہدہ اور اعتدال کے درمیان ہو۔

سلہ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں۔ آپ کی ذات کے حوالے سے آپ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ پس اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ نے ایذا دینے والے کے قتل کا حکم دیا کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بھی ایذا دی تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ اس میں ہے جو شے کفر تک نہ پہنچائے بعض نے کہا یہ واقعہ مال کے ساتھ مخصوص ہے یہاں عزت و حرمت مراد نہیں تہتک بمعنی غلبہ ہے یعنی جس نے حدود و محارم شریعت توڑنے میں مبالغہ سے کام لیا۔ صراح میں ہے تہتک کپڑے کا پرانا ہونا مبالغہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

۵۵۶۸ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَاَةً وَّلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْئٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْئٌ مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا، نہ کسی بیوی کو نہ کسی خادم[1] کو۔ مگر یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ سے کوئی چیز پائی جائے پھر اس[2] کرنے والے سے بدلہ لیتے مگر اس صورت میں کہ اللہ کی محرمات میں سے کوئی حرمت توڑ دی جاتی تو اللہ کے لیے اس کا بدلہ لیتے تھے۔ (المسلم)

سلہ خادم کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر آتا ہے۔
سلہ خود صاحب یا صاحب چیز

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۵۶۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ خَدَمْتُهٗ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا لَامَنِيْ عَلٰى شَيْئٍ قَطُّ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِّنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْئٌ كَانَ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آٹھ سال کی عمر میں دس[1] سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ جو میرے[2] ہاتھوں نقصان ہوا اس پر آپ نے کبھی مجھے ملامت نہ کی اگر آپ کے گھر کا کوئی فرد مجھے ملامت کرتا تو فرماتے اسے چھوڑ دو جو مقدر میں تھا تو وہی ہوا۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ مَعَ تَغْيِيْرٍ)

(بیہقی نے شعب الایمان میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

ف۱ یہ مدت اقامت مدینہ ہے

ف۲ اتی، مجہول کا صیغہ ہے میرے ہاتھوں سے کوئی چیز تلف ہوگی تو

ف۳ ہر شے کا تلف ہونا اللہ تعالیٰ کی قضاء وتقدیر سے ہے اگرچہ بظاہر اس کے ہاتھ پر ہوا ہے ہاں اگر اس میں کوئی حکم شرعی ثابت ہوگا تو وہ ضرور ہوگا اور کوئی اگر اپنا حق معاف کر دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری حدیث میں آیا ہے اگر کسی کے ہاتھوں برتن ٹوٹ جائیں تو اسے نہ مارا جائے کیونکہ ہر شے کی بقا کی ایک مدت مقرر ہے۔

۵۵۷۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا سَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَصْفَحُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو عادتاً فحش گو تھے اور نہ تکلفاً[۱]، نہ بازار میں شور کرنے والے تھے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف دیتے اور درگزر فرماتے[۲] (الترمذی)

ف۱ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فحش کا صدور نہ ہوتا نہ بالطبع نہ بتکلف۔ اور فحش کا معنیٰ حدیث انس سے واضح ہے۔

ف۲ ان صفات کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ہو چکا ہے۔

۵۵۷۱ وَعَنْ أَنَسٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتْبَعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ لَقَدْ رَأَيْتُهٗ يَوْمَ خَيْبَرَ عَلٰى حِمَارٍ خِطَامُهٗ لِيْفٌ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت فرماتے، جنازوں کے ساتھ جاتے، غلام کی دعوت قبول فرماتے، دراز گوش پر سوار ہوتے، میں نے خیبر کے دن دیکھا آپ ایک دراز گوش پر سوار تھے جس کی مہار پوست کھجور کی تھی۔

(ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

ف۱ چہ جائیکہ آزاد کی دعوت

ف۲ بوجہ انتہائی تواضع، بے تکلفی، اس میں انتہائی تواضع، ترک تکلف اور نفی تکبر ہے، بخلاف بادشاہوں اور جابر حکمرانوں کے۔

ف۳ حالانکہ ان دونوں میں شرکت وجلالت کا غلبہ تھا۔

۵۵۷۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ وَ يَخِيْطُ ثَوْبَهٗ وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلُبُ شَاتَهٗ وَيَخْدِمُ نَفْسَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا خود درست کر لیتے[1]، اپنے کپڑے سی لیتے[2] اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھر کے کام کرتا ہے۔ فرماتی ہیں آپ انسانوں میں سے ایک کی سی زندگی رکھتے تھے اپنے کپڑوں کو خود دیکھ لیتے[3] تھے، بکری دودھ لیتے اپنا کام[4] خود کرتے تھے[5] (الترمذی)

[1] خصف، ایک ٹکڑے کو دوسرے پر رکھنا۔ اصل اس کا معنی جمع کرنا اور باہم ملانا ہے۔

[2] خواہ وہ کپڑا نیا ہوتا یا پرانا اسے پیوند لگا لیتے

[3] کہیں اس میں کوئی کانٹا یا حشرات میں سے کوئی نہ ہو۔ فلی کا معنی اصل جوئیں تلاش کرنا ہوتا ہے لیکن مواہب لدنیہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑ سکتیں۔ اور امام فخر الدین رازی سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر پر مکھی اور مچھر نہ بیٹھتے اور نہ ایذا دیتے۔ چونکہ موذیات اور حشرات کا وجود تفلی کو لازم ہے لہذا اس قول کے بغیر چارہ نہیں کہ ان چیزوں کا تعلق خارج سے آپ کے جامہ کے ساتھ تھا نہ کہ بدن سے[a]

[4] یعنی دوسروں کو کم ہی فرماتے اپنے کام خود کرتے

[5] یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جابر بادشاہ اور متکبر نہ تھے۔ کیونکہ ایسے اعمال ان سے صادر نہیں ہوتے بلکہ نبی مرسل متواضع اور مد بشریت پر تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضل عظیم اور خلق کے لیے ارشاد و تعلیم اور اخلاق کریمہ اور عظیمہ کے لیے مخصوص فرمایا۔

۵۵۷۳ وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ

حضرت خارجہ بن زید بن ثابت سے مروی ہے ایک جماعت نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر پوچھا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنائیے فرمایا میں حضور کا پڑوسی تھا تو جب آپ پر وحی

---

[a] یہی تاویل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سے منقول روایت کی ہے میں آپ کے سر اقدس کو صاف کیا کرتی واللہ اعلم لیکن میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ جب سر کو ملا جائے تو آرام ملتا ہے ضروری نہیں کہ جوئیں ہی نکالی جائیں۔ مولوی امیر علی مرحوم

بَعَثَ اِلَیَّ فَکَتَبْتُہٗ لَہٗ فَکَانَ عَلَیْہِ الْوَحْیُ بَعَثَ اِلَیَّ فَکَتَبْتُہٗ لَہٗ فَکَانَ اِذَا ذَکَرْنَا الدُّنْیَا ذَکَرَھَا مَعَنَا وَاِذَا ذَکَرْنَا الْاٰخِرَۃَ ذَکَرَھَا مَعَنَا وَاِذَا ذَکَرْنَا الطَّعَامَ ذَکَرَہٗ مَعَنَا فَکُلُّ ھٰذَا اُحَدِّثُکُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

نازل ہوتی تو مجھے بلاتے میں اسے لکھتا جب ہم دنیا کا تذکرہ کرتے تو آپ بھی اسی کا ہمارے ساتھ تذکرہ کرتے تھے اور جب ہم آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اسی کا تذکرہ فرماتے۔ جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ[۳] فرماتے یہ تمام باتیں[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں جو میں تمھیں بتا رہا ہوں۔ (الترمذی)

[۱] خارجہ خاء اور جیم کے ساتھ، جلیل القدر تابعی ہیں مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں

[۲] کسی آدمی کو بھیج کر

[۳] یہ حسنِ معاشرت کا تذکرہ ہے، اپنے دوستوں کی تالیفِ قلب، انبساطِ خلق اور لوگوں کے معاملات و احوال میں موافقت سے بشرطیکہ وہ ناپسندیدہ اور مذموم نہ ہوں اور اگر وہ مکروہ و مذموم ہوں تو ممکن ہی نہیں کہ ان کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ہو

[۴] یہ احوال وحکایات

۵۵۷۴/۲۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ یَنْزِعْ یَدَہٗ مِنْ یَدِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الَّذِیْ یَنْزِعُ یَدَہٗ وَلَا یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الَّذِیْ یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ وَلَمْ یُرَ مُقَدِّمًا رُکْبَتَیْہِ بَیْنَ یَدَیْ جَلِیْسٍ لَہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ مبارک نہ کھینچتے[۱] حتیٰ کہ وہ ہی اپنا ہاتھ کھینچتا تھا اور آپ اپنا منہ اس کے منہ سے نہیں پھیرتے تھے کہ وہ ہی اپنا منہ حضور کے چہرے سے پھیرتا اور حضور کو کبھی نہ دیکھا گیا کہ اپنے ہم نشین کے سامنے گھٹنے[۲] پھیلا کر بیٹھے ہوں۔ (الترمذی)

[۱] آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ اقدس چھوڑ دیتے پیچھے نہ کرتے۔ یہ کمال صبر و تواضع کا بیان ہے کہ آپ دوسرے کے ساتھ کامل طور پر مصافحہ فرماتے۔

[۲] مجلس میں برابر ہو کر تشریف فرما ہوتے۔ متکبرین کی طرح زانو کھڑے نہ کرتے۔ بعض نے کہا اس مجلس کی تعظیم کی خاطر آپ زانو باہر نہ نکالتے لیکن یہ بالعموم مشکل ہے کیونکہ یہ منقول ہے بعض اوقات احتباء فرماتے، یعنی دونوں زانوؤں پر کپڑا باندھ کر تشریف فرما ہوتے۔ یا ممکن ہے یہ خلوت میں ہو یا بعض دوستوں کے ساتھ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں زانو سے مراد قدمین ہیں۔ یعنی مجلس میں قدم پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۵۵۷۵/۲۵ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور انھی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كَانَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کل کے لیئے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے تھے ۔
(الترمذی)

لہ اپنی ذات کے لیے، ورنہ تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات کے لیے ایک سال کا خرچہ رکھتے

۵۵۷۶/۲۶ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيلَ الصَّمْتِ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل خاموشی والے تھے
(شرح السنہ)

لہ یعنی بغیر ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو نہ فرماتے

۵۵۷۷/۲۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْتِيلٌ وَتَرْسِيلٌ
(رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں آہستگی[۱] اور ٹھہراؤ[۲] تھا (ابوداؤد)

لہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گفتگو میں آہستگی اور اس کے جدا جدا کلمات ہوتے ۔
۲ لہ ترتیل و ترسیل قریب المعنی ہیں، ترسیل کا اصلاً معنی تاخیر کرنا اور سست ہونا ہے ۔

۵۵۷۸/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَصْلٍ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری[۱] اس جلدی کی طرح سے جلدی نہ کرتے تھے، آپ ایسا کلام فرماتے جس کے درمیان فاصلہ[۲] ہوتا، جو آپ کی خدمت میں بیٹھتا حفظ کر لیتا تھا (الترمذی)

لہ جیسے تمہاری عادت ہے
۲ لہ کلمات ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے ۔

۵۵۷۹/۲۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِّنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء[۱] رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہ دیکھا ۔
(الترمذی)

لہ جزء جیم پر زبر، زاء ساکن، آخر میں ہمزہ، مصر میں یہ آخری صحابی ہیں ۔

۵۵۸۰/۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَلَامٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ يَتَحَدَّثُ يُكْثِرُ أَنْ يَرْفَعَ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو کرنے بیٹھتے تو اپنی نگاہ آسمان کی

طَرْفَہٗ اِلَى السَّمَآءِ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

طرف زیادہ رکھتے [1] (ابو داؤد)

[1] جبریل امین کا وحی لے کر آنے کا انتظار فرماتے

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۵۸۱ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ اِبْنُهٗ مُسْتَرْضِعًا فِيْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ فَكَانَ يَنْطَلِقُ وَنَحْنُ مَعَهٗ فَيَدْخُلُ الْبَيْتَ وَاِنَّهٗ لَيُدَّخَنُ وَكَانَ ظِئْرُهٗ قَيْنًا فَيَاْخُذُهٗ فَيُقَبِّلُهٗ ثُمَّ يَرْجِعُ قَالَ عَمْرٌو فَلَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ اِبْنِيْ وَاِنَّهٗ مَاتَ فِي الثَّدْيِ وَاِنَّ لَهٗ لَظِئْرَيْنِ تُكَمِّلَانِ رَضَاعَهٗ فِي الْجَنَّةِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں میں نے کسی کو نہ دیکھا جو بال بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربان ہو۔ آپ کے فرزند ابراہیم بالائے مدینہ میں شیر خوارگی کرتے تھے تو آپ تشریف لے جاتے ہم آپ کے ساتھ ہوتے، آپ گھر میں تشریف فرما ہوتے حالانکہ وہاں دھواں ہوتا۔ ان کا رضاعی والد لوہار تھا آپ بچے کو لیتے اسے بوسہ دیتے پھر لوٹ آتے۔ پھر جب وہ (ابراہیم) وفات پا گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بچہ ابراہیم شیر خوارگی میں وفات پا گیا اس کی دو دائیاں مقرر ہیں جو اس کی شیر خوارگی جنت میں پوری کریں گی۔ (المسلم)

[2] حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ بالائے مدینہ سے مسجد قبا اور مسجد بنو قریظہ والا علاقہ مراد ہے یعنی دودھ پلانے والی خاتون وہاں رہتی تھی۔

[3] صاحبزادے کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لیے

[4] لَيُدَّخَنُ، لام پر زبر یا مضموم، دال مشدد مفتوح اور خاء مفتوح، غایت شفقت کی وجہ سے دھواں سے

---

[1] اس مقام کی تحقیق ضروری ہے تاکہ معاملہ درست ہو جائے۔ واضح رہے ابن عمرو بن سعید بن خالد بن سعید کے بھائی تھے وہ یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں مراد عمرو بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص ہیں جو مشہور تابعی ہیں اور ان کے دادا صحابی عمرو بن سعید ہیں جو غزوہ فحل میں شہید ہوئے تھے، جیسا کہ ابو اسمٰعیل ازدی نے الفتوح میں ذکر کیا ہے ابن اشدق نہایت ظالم ہے جس نے حضرت ابن زبیر پر لشکر کشی کی تھی اور یہ بھی واضح ہے کہ قریشی صحابی کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کیا محتاجی ہے؟ شاید شیخ کی مراد یہی ہو کہ ان کے دادا عمرو بن سعید صحابی اور قدیم الاسلام ہیں لیکن کاتب سے غلطی اور تحریف ہو گئی ہو۔ واللہ اعلم۔ مولوی امیر علی مرحوم

معمور گھر میں تشریف فرما ہوئے۔

ﮧ ظِئر، ظا کے نیچے زیر، ہمزہ ساکن بمعنی دایہ اس خاتون کو کہتے ہیں جو بچے کو دودھ پلائے اور اس کی تربیت کرے، شوہر پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کا نام ام یوسف اور اس کے شوہر کا نام ابو یوسف ہے۔ قَیْنٌ، قاف پر زبر اور یا ساکن، لوہار

ﮧ ان کے وصال کی عمر میں اختلاف ہے مگر اس پر اتفاق ہے کہ حالت شیر خوارگی میں ہی وصال ہوا۔

ﮧ اب وہ جنت میں ہیں اور ان کی مدت رضاعت وہاں مکمل ہوگی (کذا قالوا)

ﮧ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی بنائے جاتے۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔

۵۵۸۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيًّا كَانَ يُقَالُ لَهٗ فُلَانُ حَبْرٌ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَانِيْرُ فَتَقَاضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ يَا يَهُوْدِيُّ مَا عِنْدِيْ مَا اُعْطِيْكَ قَالَ فَاِنِّيْ لَا اُفَارِقُكَ يَا مُحَمَّدُ حَتّٰى تُعْطِيَنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا اَجْلِسُ مَعَكَ فَجَلَسَ مَعَهٗ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَالْغَدَاةَ وَكَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَدَّدُوْنَهٗ وَيَتَوَعَّدُوْنَهٗ فَفَطِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الَّذِيْ يَصْنَعُوْنَ بِهٖ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَهُوْدِيٌّ يَحْبِسُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَعَنِيْ رَبِّيْ اَنْ اَظْلِمَ مُعَاهِدًا وَغَيْرَهٗ فَلَمَّا تَرَحَّلَ النَّهَارُ قَالَ الْيَهُوْدِيُّ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَشَطْرُ مَالِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمَا وَاللّٰهِ مَا فَعَلْتُ بِكَ الَّذِيْ فَعَلْتُ بِكَ اِلَّا لِاَنْظُرَ اِلٰى

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک یہودی جس کا نام فلاں تھا اس کے کچھ دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ذمہ قرض تھے اس نے آپ سے تقاضا کیا آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تجھے دوں وہ کہنے لگا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ مجھے قرضہ ادا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تب تو میں تیرے ساتھ ہی بیٹھوں گا، آپ اس کے ساتھ بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں اور آپ کے صحابہ اسے ڈراتے دھمکاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا پوچھا اس کے ساتھ تم کیا کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عہد والے کافر وغیرہ پر ظلم کروں پھر جب دن چڑھ آیا تو یہودی بولا میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور میرا آدھا مال اللہ کی راہ میں ہے۔ حضور جو کچھ میں نے آپ کے ساتھ برتاؤ کیا یہ صرف اس لیے کہ میں آپ کی

نَعْتَكَ فِي التَّوْرَاةِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللهِ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَمُهَاجَرُهٗ بِطَيْبَةَ مُلْكُهٗ بِالشَّامِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوْلِ الْخَنَاءِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ وَهٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا اَرَاكَ اللهُ وَكَانَ الْيَهُوْدِيُّ كَثِيْرَ الْمَالِ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

صفات دیکھ لوں جو توریت میں ہیں کہ محمد عبداللہ کے بیٹے، ان کی جائے ولادت مکہ، جائے ہجرت طیبہ ہے ان کی سلطنت شام میں ہے، نہ تو سخت دل ہیں نہ سخت زبان، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، نہ تو بری باتوں سے متصف اور نہ سخت کلام، نہ برے کلام والے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ ہے میرا مال آپ اس میں وہ فیصلہ فرمائیں جو اللہ آپ کو دکھائے یہودی بڑا مالدار تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی)

۵۵۸۳ وَعَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى[۱] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ وَيُقِلُّ اللَّغْوَ وَيُطِيْلُ الصَّلٰوةَ وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ وَلَا يَاْنَفُ اَنْ يَّمْشِيَ مَعَ الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر[۲] زیادہ کرتے بے فائدہ[۳] گفت گو نہ فرماتے، نماز[۴] دراز کرتے، خطبہ[۵] مختصر کرتے، بیوگان[۶] اور مساکین کے ساتھ چلنے میں عار محسوس نہ فرماتے، ان کی حاجت پوری کرتے۔

(نسائی، دارمی)

۱ مشہور صحابی ہیں، کوفہ میں آخری وصال پانے والے صحابی یہی ہیں

۲ ہر دم اور ہر گھڑی ذکر میں مشغول رہتے۔

۳ یہاں قلت کا معنی عدم ہے

۴ بوجہ غایت شوق اور حضور و شہود

۵ کیونکہ آپ کا ایک کلمہ بھی بے حد معانی پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ اکثر احوال کے اعتبار سے ہے ورنہ ضرورت کے مطابق طویل خطبات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں اور ظاہراً مقصود یہ ہے، آپ کا خطبہ بہ نسبت نماز مختصر ہوتا جیسا کہ نماز عید اور جمعہ میں ہوا کرتا حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا طویل اور خطبہ کا مختصر ہونا انسان کے اہل دانش ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ باب الجمعہ میں گزر چکا ہے۔

۶ ارملہ، میم پر زبر وہ خاتون جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو، رمل وہ شوہر جس کی بیوی فوت ہو گئی ہو خواہ غنی ہو یا فقیر۔ ارامل جمع ہے لیکن جمع کا صیغہ خواتین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ارامل کی تفسیر مساکین بھی کی جاتی ہے۔ نہایہ، صراح میں ہے ارامل سے بیوگان، درویش اور محتاج لوگ مراد ہیں۔ قاموس میں

اسی طرح اس کا معنی بیان کیا گیا ہے ۔

۵۵۸۴ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ اَبَاجَهْلٍ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُکَذِّبُكَ وَلٰکِنْ نُّکَذِّبُ بِمَا جِئْتَ بِہٖ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْھِمْ فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَكَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی[۱] ہے ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ہم تو اسے جھٹلاتے ہیں جو آپ لائے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت نازل فرمائی یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں (ترمذی)

[۱] ابوجہل (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نے کہا ہم پر آپ کا صدق وامانت عیاں وظاہر ہے ۔ ہم تو آپ کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت کا انکار کرتے ہیں اور ہم ان کی تکذیب کی وجہ سے تمہاری تکذیب کرتے ہیں ۔ حسد و عناد کی وجہ سے ایسا ہے یعنی اگر آپ اس کی تصدیق کا نہ کہیں تو ہمارا جھگڑا ختم ہو سکتا ہے ۔ حالانکہ یہ جاہل اور لعنتی اتنا نہیں جانتا کہ جو ذاتِ اقدس دنیا اور مخلوق کے معاملہ میں کبھی جھوٹ سے کام نہیں لیتی وہ دین اور اپنے خالق پر جھوٹ کیسے باندھ سکتی ہے ۔ جیسا کہ باب النبوت میں حدیث ہرقل میں آیا ہے ، لیکن اس کا مقصود محض حسد و عناد ہی تھا ۔

[۲] تفسیر کشاف میں اس آیت کے تحت دو وجوہ کا بیان ہے ایک یہ کہ کافر جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں حقیقت میں تمہاری تکذیب نہیں بلکہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کر رہے ہیں ۔ جیسا کہ آقا اس غلام کو کہتا ہے جسے لوگ تکلیف پہنچا رہے ہوں کہ وہ تجھے نہیں مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں دیکھنا میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں ۔ دوسری یہ کہ یہ تیری تکذیب نہیں کرتے کیونکہ آپ تو ان کے ہاں صدق وامانت سے متصف ہیں لیکن ان کا انکار خدا کی آیات سے ہے یہ آخری وجہ اس مضمونِ حدیث کے موافق ہے ۔

۵۵۸۵ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ جَاءَنِیْ مَلَكٌ وَّاِنَّ حُجْزَتَہٗ لَتُسَاوِی الْکَعْبَۃَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَقْرَأُ عَلَیْكَ السَّلَامُ وَیَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا وَّاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں ۔ میرے پاس فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ کے[۱] برابر تھی اس نے عرض کیا آپ کا رب سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے اگر آپ چاہیں ، تو بندگی والے نبی بنیں اور اگر چاہیں تو بادشاہ نبی بنیں تو میں نے جبرئیل امین کی طرف[۲] دیکھا تو انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ اپنی ذات میں انکساری کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى جِبْرَئِيْلَ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهٗ فَأَشَارَ جِبْرَئِيْلُ بِيَدِهٖ أَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کی طرف دیکھا۔ ان سے مشورہ لینے کی طرح، تو جناب جبرئیل نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آپ انکساری کریں۔ میں نے کہا کہ میں بندگی والا نبی رہوں گا ۔ فرماتی ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے فرماتے ہیں میں ایسے ہی کھاؤں گا جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے ہی بیٹھوں گا جیسے بندہ بیٹھتا ہے ۔

(شرح السنۃ)

سلہ اگر اللہ تعالیٰ سے مانگوں اور عرض کروں ۔

سلہ مقصد اس کے قد کی درازی بیان کرنا ہے ۔ حجزہ ، حا پر پیش ، جیم ساکن ، زاء بند آزار ، بیان آزار بند کی جگہ (کمر) مراد ہے ۔

سلہ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھے ۔

سلہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں ؟

سلہ بادشاہ وغنی نہیں بلکہ بندہ وفقیر بنو

سلہ اپنے مرتبہ وعزت اور منصب سے فروتری اختیار کرو یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے فقر وبندگی میں مرتبہ، عزت اور حقیقی منصب ہے۔

بَابُ الْمَبْعَثِ وَبَدْءِ الْوَحْيِ

آپ کی بعثت اور وحی کی ابتداء

مبعث سے مراد بعثت اور اس کا زمانہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کی طرف رسول بنائے جانے کا اعلان ۔ بدء، باء پر زبر، دال ساکن اور ہمزہ بمعنی آغاز، وبدء واؤ اور دال پر پیش اور واؤ مشدد بمعنی ظہور، یہ لفظ دونوں طرح معاین ہے ۔ دونوں کا مدعی ایک ہی ہے ہاں پہلا معنی اور روایت کے اعتبار سے ظاہر تر ہے وحی دراصل اشارہ ، کنایہ، رسالت ، اطلاع، کلام خفی ، آواز اور القاء کردہ چیز کو کہا جاتا ہے ۔ القاموس مشرق الانوار

میں ہے۔ وحی دراصل مخفی طور پر اور جلدی اطلاع دینے کو کہا جاتا ہے اور یہ حضور اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں کئی انواع پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض کلام عزیزیہ کا سماع بلا واسطہ کہتے ہیں جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور شب معراج میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام ملا۔ دوسری صورت وحی کی بواسطہ فرشتہ ہے اور یہ اکثر و اغلب ہیں۔ ایک صورت القاء کی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے القی فی روعی ، رابہ بیش (میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی) منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی اکثر طور پر اسی طریق سے ہوئی۔ غیر انبیاء پر ہونے والی وحی کو الہام کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى بمعنی امر قرآن مجید میں ہے وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ بمعنی خلق، علم طبعی ارشاد ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی فرمائی یعنی اس کی طبیعت میں یہ چیز ودیعت فرمائی۔ واللہ اعلم۔ کتاب الرؤیا میں وحی اور اس کی مختلف اقسام پر گفتگو گزر چکی ہے۔

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۵۸۶ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ [1] ثَلٰثَ عَشَرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشَرَ سِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّيْنَ سَنَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ آپ تیرہ سال مکہ میں رہے وحی نازل ہوتی رہی پھر ہجرت [1] کا حکم دیا گیا تو اس سال وہاں مقیم رہے اور وصال کے وقت عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ (متفق علیہ)

[1] مکۃ المکرمۃ سے مدینہ منورہ کی طرف

۵۵۸۷ وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً يَسْمَعُ الصَّوْتَ وَيَرَى الضَّوْءَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَلَا يَرٰى شَيْئًا وَثَمَانَ سِنِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَاَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّيْنَ سَنَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور انہی سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں [1] پندرہ سال ٹھہرے۔ سات سال تک آپ غیبی آواز [2] سنتے، روشنی [3] دیکھتے مگر دیکھتے کچھ نہ [4] تھے اور آٹھ سال [5] آپ پر وحی کی جاتی تھی اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور پینسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ (بخاری [6] و مسلم)

[1] چالیس سال کی عمر کے اور ظہور نبوت کے بعد

[2] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

[3] محسوس نور، بعض نے کہا اس سے مراد انشراح و انکشاف ہے۔ اوّل معنیٰ ظاہر ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے تاریک شب میں نور دیکھتے۔

[4] آواز آتی، روشنی ہوتی مگر دکھائی کچھ نہ دیتا۔

ے ان پندرہ میں سے، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ روشنی دیکھنا اور غیبی آواز کا سننا ظہور نبوت کے بعد ہے اور مکہ میں مدت اقامت پندرہ سال ہے حالانکہ بہت سی اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہور نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے اور حکمت یہ تھی کہ آپ کو عالم ملکوت کے ساتھ انس اور محبت ہو جائے تاکہ یکایک نزولِ وحی سے خانۂ بشریت کا انہدام اور رسوم انسانیت کا اضمحلال نہ ہو جائے۔ اس کے باوجود بعض اوقات نزولِ وحی کے وقت ثقل اور تھکاوٹ سے نڈھال ہو جاتے۔ واللہ اعلم۔ جو بھی صورت ہو اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت پندرہ سال کے بعد ہوئی۔

ے تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں

۵۵۸۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے وقت عمر مبارک ساٹھ سال تھی (بخاری و مسلم)

۵۵۸۹ وَعَنْهُ قَالَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ وَعُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْبُخَارِيُّ ثَلٰثٌ وَّسِتِّيْنَ اَكْثَرُ)

اور انھی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ترسیٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت ابوبکر کی عمر ترسیٹھ سال ہوئی اور حضرت عمر کی عمر ترسیٹھ سال ہوئی (المسلم) بخاری کی روایت میں ترسیٹھ سال کی روایت زیادہ ہے)

ے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے چھوٹے تھے جب ترسیٹھ سال پورے ہوئے تو وصال ہو گیا۔

ے مدار اختلاف قیام مکہ ہے وہ دس تیرہ یا پندرہ سال ہے۔ تیرہ کی روایت اکثر ہے اور یہی اصح ہے شرح میں بندہ نے ان روایات کے درمیان تطبیق دی ہے

۵۵۹۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَاْ

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ اولاً جس وحی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء ہوئی وہ سچے خواب تھیں، آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتی پھر حضور کو خلوت پسند ہو گئی تو غار حرا میں خلوت کرتے تھے۔ وہاں اس میں عبادت کرتے۔ (تحنث کے معنی اپنے گھر لوٹنے سے پہلے چند راتیں عبادت کرنا ہے) حضور اس کے لیے توشہ لے جاتے پھر جناب خدیجہ کی طرف لوٹتے تھے اور اتنی راتوں کے لیے توشہ لے جاتے حتیٰ کہ آپ پر حق آیا۔ جبکہ

فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ
فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ
اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا
بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ
حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ
فَقَالَ اِقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ
فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ
ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ بِاسْمِ
رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ
يَعْلَمْ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ
فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ
زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ
فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ
لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ
كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ
لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ
وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ
وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ
الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ
اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ
فَقَالَتْ لَهٗ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ
اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَا
ذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ

آپ غار حرا میں تھے آپ کے پاس فرشتہ آیا عرض
کیا پڑھیے ۔ فرمایا میں نہیں پڑھنے والا۔ اس نے مجھے
پکڑا مجھے گلے سے لگایا حتیٰ کہ مجھے مشقت پہنچی ،
پھر مجھے چھوڑ دیا پھر کہا پڑھیے میں نے کہا میں نہیں
پڑھنے والا اس نے مجھے پھر پکڑا پھر مجھے دوبارہ گلے لگایا
حتیٰ کہ اس کو مجھ سے مشقت پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ
دیا پھر کہا پڑھیے میں نے کہا میں نہیں پڑھنے والا۔ اس
نے مجھے تیسری بار پکڑا اور مجھے گلے لگایا حتیٰ کہ اسے مجھ
سے مشقت پہنچی پھر مجھے چھوڑ دیا پھر کہا پڑھیے اپنے رب
کا نام جس نے سب کچھ بنایا جس نے جمے خون سے انسان
بنایا پڑھیے اور آپ کا رب بڑی عزت والا ہے جس نے
قلم سے سکھایا ، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا
تھا یہ وحی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے
اس طرح کہ آپ کا دل لرز رہا تھا ۔ جناب خدیجہ کے پاس
گئے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو ۔ انھوں نے حضور کو چادر
اوڑھائی حتیٰ کہ آپ سے ڈر جاتا رہا ۔ پھر حضرت
خدیجہ کو یہ خبر دے کر فرمایا میں اپنی جان پر خوف محسوس
کر رہا ہوں ۔ خدیجہ بولیں رب کی قسم ہرگز نہیں اللہ آپکو
کبھی بھی غمگین نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ۔
سچی بات کرتے ہیں ، دوسرے کے بوجھ بانٹتے ہیں ،
غریبوں کے لیے کماتے ہیں ، مہمان نواز ہیں ، حق کی
طرف لے جانے والوں کی مدد فرماتے ہیں ۔ پھر حضور کو جناب
خدیجہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو خدیجہ کے چچازاد
تھے ۔ ان سے بولیں اے چچازاد بھائی آپ اپنے بھتیجے
سے سنیے ۔ حضور سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم
کیا دیکھتے ہو؟ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وہ خبریں سنائیں جو آپ نے دیکھی تھیں تو ورقہ نے کہا

هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی مُوْسٰی یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ فِیْهَا جَذَعًا یَا لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ حَیًّا اِذْ یُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُخْرِجِیَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ یَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ وَ اِنْ یُدْرِکْنِیْ یَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ یَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّیَ وَفَتَرَ الْوَحْیُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ حَتّٰی حَزِنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا کَیْ یَتَرَدّٰی مِنْ رُؤُسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَکُلَّمَا اَوْفٰی بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِکَیْ یُلْقِیَ نَفْسَهٗ مِنْهُ تَبَدّٰی لَهٗ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا فَیَسْکُنُ لِذٰلِكَ جَاشُهٗ وَتَقِرُّ نَفْسُهٗ۔

یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اتارا تھا ہائے کاش میں اس زمانہ میں قوی جوان ہوتا، ہائے کاش! میں زندہ ہوتا جب کہ آپ کو آپ کی قوم نکالے گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ مجھے نکالیں گے؟ عرض کیا ہاں کوئی صاحب وہ پیغام نہ لائے جو آپ لائے ہیں مگر ان سے دشمنی کی گئی اگر مجھ کو آپ کا وہ زمانہ نصیب ہو تو آپ کی خوب مدد کروں پھر ورقہ نہ ٹھہرے کہ ان کی وفات ہوگئی اور وحی منقطع ہوگئی۔ (بخاری ومسلم) بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے اور جو روایت ہمیں پہنچی۔ اس میں ہے آپ سخت غمگین رہے بارہا صبح کے وقت گئے تاکہ اپنے کو اونچے پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں مگر جب کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تاکہ وہاں سے اپنے کو گرا دیں تو حضرت جبرئیل حضور کے سامنے آتے کہتے اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اس سے قلق جاتا رہتا اور آپ کا دل مطمئن ہو جاتا۔

ؔ۱ یہ بات یا تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا کسی اور صحابی سے کیونکہ اس موقعہ پر آپ وہاں موجود نہ تھیں

ؔ۲ یہ سلسلہ چھ ماہ تک رہا، باب رؤیا میں اس پر گفتگو گزر چکی ہے۔

ؔ۳ اس طرح اس کی تعبیر سامنے آتی کہ اس میں کوئی وہم واشتباہ باقی نہ رہتا۔ اس کلام میں رمز یہ تھی۔ شب کے بعد اب عنقریب صبح ہونے والی ہے۔

ؔ۴ خلوت وخلاء تنہا ہونا۔ یہ ظہور نبوت اور نزول وحی سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ؔ۵ حرا، حاء کے نیچے زیر اور الف ممدودہ بعض لے زبر اور قصر کے ساتھ پڑھا ہے مکہ میں معروف پہاڑ کا نام ہے اس کو جبل نور بھی کہا جاتا ہے۔ اس جگہ جمال کعبہ بھی نظر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے انتخاب کی وجہ بھی یہی ہو یہ بھی منقول ہے اصحاب فیل کے موقعہ پر حضرت عبد المطلب نے وہاں جاکر دعا کی تھی۔

ؔ۶ تحنث، نون اور ثاء یعنی عبادت کرنا

ؔ۷ رات کا ذکر، خلوت کے زیادہ مناسبت کی وجہ سے ہے۔

شہ پھر ان کی طرف دل راغب ہوتا۔ یہاں نزع کا معنی اشتیاق کے ہیں۔ بخاری میں ہے عبادت فرماتے اور جب دل اہلِ خانہ کے حقوق کی طرف متوجہ ہوتا تو مکہ تشریف لے آتے۔

۹ خلوت کی مدت ایک ماہ تھی اور وہ ماہ رمضان تھا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ظہور نبوت کسی سابقہ شریعت کے تابع ہو کر عبادت فرماتے یا عقل و استحسان سے عمل فرماتے یا ہر شریعت سے اعلیٰ و افضل عمل کو منتخب فرماتے اگر شریعت کے تابع تھے تو وہ کون سی شریعت تھی؟ مختار قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینِ ابراہیمی کے تابع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں ثاء کی جگہ فاء ہے۔ تحنف آپ دینِ حنیف پر عمل پیرا تھے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ کسی شریعت یا عقل کی اتباع نہ تھی بلکہ آپ کے دلِ انور میں اللہ تعالیٰ نے نورِ رشد و ہدایت عطا فرمایا تھا کہ اس کی راہنمائی میں ایسا عمل فرماتے جو اللہ تعالیٰ کو پسند و محبوب ہوتا اس میں بھی اختلاف ہے کہ عبادت بصورت فکر تھی یا بصورت ذکر۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ذکر تھا فکر نہ تھی۔ بندہ نے اس کی خوبصورت تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کی ہے اور آپ کی توجہ بارگاہ خداوندی کی طرف تھی۔

نله وحی یا رسول حق یعنی روح الامین، بعض روایات میں ہے کہ اچانک ایسا ہوا، اس لیے کہا گیا ہے کہ فیضِ حق اچانک ہوا لیکن دلِ آگاہ پر ہوا۔

لله حضرت جبرئیل امین

سله میں نہیں پڑھ سکتا، مجھ سے پڑھنا صادر نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے یہ بات دلِ اقدس میں فرشتہ کے دیکھنے اور ہیبتِ مقام کی وجہ سے غایت و ہیبت و خوف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ نہ اس وجہ سے جو متبادر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور امی پڑھنا نہیں جانتا کیونکہ کسی غیر کے تعلیم دینے اور پڑھانے سے پڑھنا خصوصًا صاحبِ فصاحت امی ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ امی ہونا کتابت اور کامل پڑھنے سے منافی ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے امی اسے کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو اور نہ کتاب پڑھ سکتا ہو، بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل امین نے جواہر سے مرصع ریشمی صحیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں دیا اور کہا پڑھو فرمایا میں نہیں پڑھ سکتا جو اس میں لکھا ہوا ہے جب میں اسے دیکھ ہی نہیں رہا تو پڑھوں کیا؟ یہ مفہوم و معنی مقصود کے زیادہ مناسب و ظاہر ہے۔

۱۳ غطنی، غین اور طاء کے ساتھ ہے۔ صراح میں ہے غطہ پانی میں غوطہ دینا

سله الجہد، جیم پر پیش یا زبر یعنی جبرئیل نے غایت طاقت خرچ کر دی۔ یا میری طاقت انتہا کو پہنچ گئی۔ یعنی میں نے پوری طاقت و تمام توانائی سے تحمل کیا۔ منقول یہ ہے کہ یہ آخری معنی پہلے سے بہتر اور اقرب ہے کیونکہ جسم بشری قوت ملکیہ کا خصوصًا ابتداء میں متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب بھی دیا گیا کہ یہ دبانے میں مبالغہ ہے حقیقت نہیں اور جبرئیل امین اپنی حقیقی صورت اور قوت ملکیہ میں نہ تھے۔ جبرئیل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس پر تصرف اس لیے فرمایا تاکہ آپ کا باطن مبارک ملکوتی نور اور روحی اقدس کے تحمل کے لیے مستعد اور تیار ہو جائے۔

۱۵ تم اپنی قوت و طاقت سے نہیں بلکہ اس پروردگار کی طاقت و مدد سے پڑھو جس نے تمام کو پیدا کیا

اور تمام پر قادر ہے۔

ف۱۶ جو کہ رحم میں تھا۔

ف۱۷ قلم سے مراد یا تو قلم اعلیٰ ہے جو تمام علوم اور کتب سماویہ کی حفاظت کا ذریعہ اور سبب ہے یا یہی قلم مراد ہے جو دنیا میں اس کا مظہر و مثال ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں سے ایک قلم ہی کو دیکھیے تو کس قدر اس کے علوم کے عجائب و غرائب سامنے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر یہی کافی ہے۔

ف۱۸ اپنی طاقت سے اسے نہیں جان سکتا تھا یہ کلام ہے جو ابتداء میں نازل ہوا تھا۔

ف۱۹ فواد، فاء پر پیش اور ہمزہ

ف۲۰ صراح میں ہے تزمیل کا معنی کپڑا اوڑھنا کے ہیں

ف۲۱ الروع، راء پر زبر، خوف جاتا رہا اور حالت بحال ہو گئی

ف۲۲ غایت رعب و دبدبہ کی وجہ سے کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں یا کہیں دیوانہ نہ ہو جاؤں یا یہ بار نبوت کو اٹھانے کا خوف عجز تھا یا ایذائے قوم، قتل، تکذیب اور مفارقت وطن کی وجہ سے تھا۔ بیان خشیت مشہور یہ ہے کہ یہ خوف کہانت تھا۔ عرب میں کاہنوں کی ایک ایسی جماعت تھی جن کے پاس جنات کا آنا جانا تھا وہ انھیں جھوٹی سچی باتیں بتاتے اور وہ علم غیب کا دعویٰ کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مشاہدہ کے بعد ڈرے کہیں یہ چیز اسی قبیل سے نہ ہو۔ لیکن یہ ڈرنا آواز سننے یا روشنی دیکھنے وغیرہ کے وقت تو ہو سکتا ہے۔ مگر مشاہدہ ملک نزول قرآن اور ظہور انوار وحی کے بعد یہ بات نہایت بعید ہے کیونکہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً نبوت کا علم حاصل ہو چکا تھا اب ڈرنے کا احتمال کیا گنجائش رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی ابوبکر بن العربی نے اس احتمال کو باطل قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲۳ لا یخزیک، یاء پر پیش، خاء ساکن، زاء مکسور، یا ساکن، خزی سے ہے۔ اس کے معنی رسوائی ہے۔ حاء اور نون کے ساتھ بھی منقول ہے۔ حزن سے ہے۔ اس صورت میں یاء پر زبر اور زاء پر ضمہ ہو گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو غمگین نہیں فرمائے گا۔

ف۲۴ رشتہ داریوں میں، بعض روایات میں اضافہ ہے کہ آپ امانت ادا کرنے والے ہیں۔

ف۲۵ تحمل الکلّ، کلّ کاف پر زبر، لام مشدد بمعنی ثقل اور گرانی، بمعنی عیال بھی آیا ہے۔ ضعیفوں، غریبوں اور یتیموں پر خرچ کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ اس کا اشتقاق کلال سے بھی ہو سکتا ہے۔ کاف پر زبر بمعنی کاہلی، سستی اور درماندگی۔ فتح الباری میں ہے کلّ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کام میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو۔

ف۲۶ آپ کسب و تجارت سے کھاتے ہیں یہ اہل عرب کے ہاں نہایت مدح کا کام ہے تاء پر پیش بھی

منقول ہے یعنی آپ لوگوں کو تجارت کے لیے مال دیتے ہیں اور اپنا مال کارِ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ بعض نے معدوم سے فقیر مراد لیا ہے کیونکہ وہ تصرف نہ کر سکنے کی وجہ سے میت کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی فقراء کو آپ مال دے کر کاروبار کراتے ہیں۔

۲۷ تَقْرِی، تاء پر زبر، قاف ساکن، قِرٰیٰ (قاف کے نیچے زیر) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی مہمان نوازی کرنا ہے۔

۲۸ جب بھی کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے مثلاً کسی نے قرض دینا ہے یا دیت ادا کرنی ہے تو آپ اس ادائیگی کا ذریعہ بن کر اس کی رہائی کا سبب بنتے ہیں۔ تو ایک حق اس لیے کہا کہ ناحق حادثہ مثلاً اسراف، غصب وغیرہ میں وار کرنا مذموم ہے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے مکارمِ اخلاق اور اعلیٰ صفات سے اس پر استدلال کیا کہ ان کے سبب سے آپ کو دنیا و دین میں کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوسکتی اور ان کی اعلیٰ فراست و دانائی ہے اور یہ کیوں نہ ہو کہ انھیں مدت مدید سے محبت نبوی میسر تھی۔ سب سے پہلے ایمان لانے والی بھی آپ ہی ہیں اور اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ رضی اللہ عنہا

۲۹ وَرَقَہ، واؤ، راء اور قاف پر زبر

۳۰ ابنِ عمِ خدیجہ، کیونکہ خدیجہ بنت اسد بن عبدالعزیٰ اور ورقہ بن نوفل بن اسد، یہ نصرانی تھے انجیل کو انھوں نے عربی زبان دی۔ بہت بوڑھے اور اندھے ہوگئے تھے۔

۳۱ حضور سے، عربوں میں ایک دوسرے کو بھائی، بھائی زادہ اور چچازاد کہنا محاورہ ہے۔ بڑی عمر کی وجہ سے انھیں بھائی زادہ کہا۔ بعض نے کہا کہ ورقہ عمر و مرتبہ میں آپ کے والدِ گرامی کے برابر تھے۔

۳۲ مشائخ طریقت نے یہاں سے دلیل اخذ کی ہے کہ مرید اپنے شیخ کو مقامات اور وقائع سے آگاہ کر سکتا ہے

۳۳ بعض روایات میں لفظ نزلؑ زا کی شد سے ہے معلوم و مجہول آیا ہے۔ ناموس اور صاحب سر کہا جاتا ہے جو امر کے باطن سے آگاہ ہو۔ بعض نے کہا صاحب سرِ خیر کو ناموس اور صاحب سرِ شر کو جاسوس کہا جاتا ہے۔ یہاں حضرت جبرئیل امین مراد ہیں۔ علیٰ موسیٰ کہا علیٰ عیسیٰ نہیں کہا اگرچہ دینِ نصاریٰ کی وجہ سے عیسیٰ کہنا زیادہ مناسب تھا۔ مگر عظمتِ شانِ موسیٰ اور ان کی شریعت کی جامعیت کی وجہ سے ایسا کہا۔

۳۴ جذع، جیم پر زبر، ذال، اصل میں یہ لفظ بہائم میں استعمال ہوتا ہے، دوسرے سال کی بھیڑ، تیسرے سال کی گائے، پانچویں سال کے اونٹ کو جذع کہا جاتا ہے۔ یہاں جوانی اور قوت مراد ہے۔

---

۱۰ شاید ورقہ کسی اہلِ توحید کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے مشرکین نصاریٰ نے انھیں ملکِ شام سے نکال دیا تھا مسلم کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ارض پر نظر کی وہ عربی اور عجمی تمام پر ناراض ہوا ماسوائے بقایا اہلِ کتاب کے ان سے مراد یہی لوگ ہیں ان میں سے بعض نجران، بعض فارس اور بعض بیابانوں میں چلے گئے۔

۳۵ؔ یعنی نبوت و شریعت، ان کے ساتھ مردودوں کی مخالفت ہوتی ہے۔ بعض روایات میں الا اوذی کے الفاظ ہیں جو بھی پیغمبر آیا اس کی کفار نے مخالفت کی۔

۳۶ؔ جب اعلانِ نبوت فرمائیں، قوم آپ کو ایذا دے تو کاش اس وقت میں زندہ ہوں۔

۳۷ؔ ازر، ہمزہ پر زبر، ذاء ساکن۔ پشت کا سہارا بننا۔

۳۸ؔ نشیب، شین پر زبر از نشوب، معروف بمعنی تاخیر کرنا اور دوسری چیز کے ساتھ متعلق کرنا۔ واضح رہے کہ حضور پر ورقہ کے ایمان لانے پر کوئی اختلاف نہیں لیکن صحبت میں اختلاف ہے۔ اگر یہ واقعہ بعد از ظہورِ نبوت ہے تو صحابی ہیں۔ اگر ابتدائی حالات کا ہے جیسا کہ واضح ہو رہا ہے تو پھر صحابی نہیں۔

۳۹ؔ فتر الوحی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی کی آمد اور آپ کی نبوت کے بعد ہوا۔ فتور کا معنی ہے مسلسل وحی میں انقطاع ہو جانا۔ فترت، سستی اور دو پیغمبروں کے درمیان زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مسلسل وحی میں انقطاع اور کچھ مدت کے لیے مؤخر ہونا ہے۔ فتور اصل میں بمعنی ہر ضعف بعد از قوت اور مدت کے بعد سکون ہے۔ منقول ہے کہ مدت تین سال تھی۔ بعض نے چھ ماہ، بعض نے اڑھائی سال کہا ہے۔ شیخ ابن حجر کہتے ہیں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے درمیان فترت سے جبرئیل امین کا نہ آنا مراد نہیں بلکہ عدم نزولِ قرآن ہے حضرت جبرئیل آئے مگر قرآن نہ لائے تاخیر وحی میں حکمت یہ تھی تاکہ لاحق خوف ختم ہو جائے اور شوق و انتظار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

بیت:۔ دیر ست کہ دلدار پیامے نفرستاد نہ نوشت سلامے و کلامے نفرستاد

بہت دیر ہو گئی کہ محبوب نے نہ کوئی پیغام بھیجا اور نہ سلام بھیجا۔

۴۰ؔ یہاں تک تو بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ امام بخاری نے آگے اضافہ کیا ہے۔

۴۱ؔ یہ راویوں کا کلام ہے۔

۴۲ؔ شدتِ اشتیاق و فراق کی وجہ سے آپ چاہتے کہ کسی پہاڑ پر چڑھ کر چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو ختم کر ڈالیں۔

۴۳ؔ ذروۃ، ذال پر پیش یا زبر، ہر شے کا اوپر والا حصہ

۴۴ؔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ تاکہ کہانت وغیرہ کا خوف دور ہو جائے۔ ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ جب آپ برحق رسول ہیں تو تمام آفات سے امن میں ہیں اور دین و دنیا میں کامیاب آپ ہی ہیں۔ اگرچہ درمیان میں کچھ آزمائش اور مشقت در پیش ہے۔

۴۵ؔ صراح میں ہے جاش، ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح ہے۔ دل کا اضطراب اور خوف سے دہل جانا۔

۵۵۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی رُک جانے کے بارے میں

فَتْرَۃِ الْوَحْیِ قَالَ فَبَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ سَمِعْتُ صَوْتًا عَنِ السَّمَآءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ فَاِذَا الْمَلَکُ الَّذِیْ جَآءَنِیْ بِحِرَاءَ قَاعِدٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْہُ رُعْبًا حَتّٰی ھَوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ فَجِئْتُ اَھْلِیْ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْنِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ثُمَّ حَمِیَ الْوَحْیُ وَتَتَابَعَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فرماتے ہوئے سنا میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھائی تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حرا میں آیا تھا۔ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا تو میں رعب[1] کی وجہ سے اس سے ڈر گیا۔ حتیٰ کہ میں زمین کی طرف مائل ہو گیا پھر میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو[2] انھوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اے چادر اوڑھنے والے اٹھو ڈراؤ[3] اپنے رب کی بڑائی[4] بیان کرو، کپڑے پاک[5] رکھو اور گندگی[6] دور رکھو۔ پھر وحی کا سلسلہ مسلسل ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

[1] جاثہ، جیم، ہمزہ اور ثاء۔ ڈرنا

[2] بعض روایات میں ایک دفعہ ہے۔ دوسری روایت میں وثرونی، از دثار، کپڑے پر کپڑا اوڑھنا۔

[3] مخلوق کو دعوت دو

[4] اور اس معاملہ میں مخلوق سے مت ڈرو

[5] بعض شارحین کہتے ہیں کہ ثیاب سے مراد صفاتِ نفس ہیں اور تطہیر سے مراد نفس کا رذائل سے پاک کرنا ہے۔

[6] اس سے مراد شرک اور بتوں کی پوجا ہے۔ اس کی تفسیر بتوں سے کی گئی ہے۔ دونوں کا حال ایک ہی ہے۔

۵۵۹۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ الْحَارِثَ ابْنَ ھِشَامٍ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَاْتِیْکَ الْوَحْیُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَۃِ الْجَرَسِ وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْہُ مَا قَالَ وَاَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَکُ رَجُلًا فَیُکَلِّمُنِیْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز آتی ہے وہ مجھ پر بہت گراں ہوتی ہے تو وہ مجھ سے ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے یاد کر لیا ہوتا ہے جو اس نے کہا اور کبھی میرے سامنے فرشتہ مرد کی صورت میں آتا ہے، مجھ سے بات کرتا ہے

فَاعِيَ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جو وہ کہتا ہے محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور انور کو دیکھا آپ پر سخت ٹھنڈے دن میں وحی نازل ہوتی تھی تو ختم ہوتی تھی اس حالت میں کہ آپ کی پیشانی پسینہ سے شرابور ہوتی تھی

(بخاری و مسلم)

سلہ یہ صحابی ہیں اور ابوجہل کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ دورِ جاہلیت اور اسلام سے نہایت صاحب اخلاق تھے۔

سلہ۲ صلصلہ، لوہے کی آواز جو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں ہر اس آواز پر اس کا اطلاق ہونے لگا جس میں گونج ہو۔ بعض نے کہا اس مسلسل آواز کو کہا جاتا ہے جس کی ابتداء میں کوئی سمجھ نہ آئے ہاں غور و فکر کے بعد سمجھ آئے۔ اس کے ساتھ وحی کی تشبیہ عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے۔

سلہ۳ فہم، مقصد میں کیونکہ کسی شخص سے براہِ راست گفتگو کرنے سے گھنٹی کی آواز کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ [عل]

سلہ۴ فرشتہ یا وحی

سلہ۵ یفصم، یاء پر زبر یا پیش، صاد کے نیچے زیر یا پیش و زیر تینوں طرح مروی ہے۔ فصم، فاء کے ساتھ کسی شے کا ایسے کاٹنا کہ جدائی نہ ہو۔ اگر قاف کے ساتھ ہو تو معنی قطع اور جدائی ہوتا ہے۔ یہاں باقی رہنا مراد ہے یعنی اگرچہ منقطع ہوتی ہے مگر علاقہ و رابطہ قائم رہتا ہے۔

سلہ۶ جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں حضرت جبرئیل امین آیا کرتے تھے۔

سلہ۷ شارحین فرماتے ہیں۔ استفادہ اور استفاضہ کے لیے متکلم اور سامع کے درمیان مناسبت شرط ہے یہاں دو طریق میں کبھی جبرئیل امین کی ملکیت اور روحانیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آجاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشریت سے غائب و دور ہو جاتے۔ یہ قسم اوّل ہے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت جبرئیل پر غالب آجاتی اور جبرئیل صفت بشریت سے متصف ہو کر آتے۔ یہ دوسری قسم ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب صلصلہ سے مراد آواز وحی ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے آشکار ہو رہا ہے۔ بعض نے کہا یہ جبرئیل امین کے پروں کی آواز ہوا کرتی تھی اور اس میں حکمت یہ ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل کے آنے کی جہت معلوم ہو جائے اور آپ کی توجہ سماعت دوسری طرف نہ رہے (فتح الباری)

علہ بہتر یہ ہے کہ یہ نہ کہو۔ فہم مقصود میں اشکال ہے کیونکہ یہ بات خود خلاف مقصود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس کے کہے ہوئے کو محفوظ کر لیا۔ بلکہ اشکال نزول بر دل کے حوالے سے ہے شیخ ابن حجر نے یہ تفصیل بیان کی ہے (مولوی امیر علی مرحوم)

ﷺ ظاہر یہی ہے کہ یہ وحی کی پہلی قسم میں ہوا کرتا تھا۔ ممکن ہے دوسری صورت میں بھی ایسی صورت ہوتی ہو۔

۵۵۹۲ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذَالِكَ وَتَرَبَّدَ وَجْهُهُ وَفِي رِوَايَةٍ نَكَسَ رَأْسَهُ وَنَكَسَ أَصْحَابُهُ رُءُوسَهُمْ فَلَمَّا أُتْلِيَ عَنْهُ رَفَعَ رَأْسَهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبادہؓ بن صامتؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوا کرتی تو آپ اس سے بڑے متفکر ہوتے آپ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل جاتا اور ایک روایت میں ہے آپ سر جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی۔ جب وحی ختم ہوتی تو آپ اپنا سر اقدس اٹھاتے۔ (المسلم)

ۓ عبادہ، عین پر پیش اور باء مخفف۔

ۓ ابن صامت، مشہور صحابی اور اکابر اصحاب میں سے ہیں۔ بیعتِ اولی، ثانیہ، بدر حتی کہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ۓ وحی کی شدت کی وجہ سے یا بسبب مطالعہ حقوق عبودیت اور امت کی طرف سے اداء شکر نعمت کی وجہ سے کرب، کاف پر زبر، وہ غم اور تکلیف جس سے انسان کا سانس گھٹنے لگے۔

ۓ اتلی مجہول ہمزہ پر پیش تاء ساکن، لام کے نیچے زیر، اس کا معنی سپرد کرنا ہے۔ باقی صحابہ کا سر جھکانا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مبارک ان میں سرایت کر جاتا۔ یا بہ سبب موافقت و اتباع تھا۔

۵۵۹۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى صَعِدَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي يَا بَنِي فِهْرٍ يَا بَنِي عَدِيٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا نَعَمْ مَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب یہ آیت اُتری کہ اپنے عزیزوں کو ڈرائیے تو حضور باہر نکلے حتی کہ صفا پہاڑ پر چڑھے پھر پکارنے لگے اے بنی فہر! اے بنی عدی! قریش کے قبائل کے نام لے کر حتی کہ وہ سب جمع ہو گئے۔ حالت یہ ہو گئی اگر کوئی نہ آسکا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ جا کر دیکھے کیا واقعہ ہے؟ تو ابولہب بھی آیا اور قریش بھی۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم کو خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے کنارے سے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لشکر اس جنگل سے نکلے گا جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ سب بولے ہاں! ہم نے

جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّیْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ پر کبھی نہ آزمایا مگر سچ ہی فرمایا: تو میں تمھارے لیے ڈرانے والا ہوں سخت عذاب کے آگے۔ ابولہب بولا کہ ہلاکت ہو تمھارے لیے کیا تو نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ تبت یدا ابی لھب۔ (بخاری و مسلم)

لہ عذاب الٰہی سے قریش کو ڈرائیے۔

لہ فہر، فاء کے نیچے زیر، ہاء ساکن۔ اس قبیلہ کے والد کا نام ہے۔

لہ بطن کا معنی پیٹ کے ہیں مراد وہ گروہ ہے جو قبیلہ سے نیچے ہو۔

لہ اس آواز کی وجہ کیا ہے؟

لہ ابولہب بن عبدالمطلب، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور مشرک تھے اور دوسرے قریش کے ہمراہ آئے۔

لہ یعنی مکہ میں ایک لشکر آجائے جو تمھیں ہلاک کر دے گا۔ تغیر تاء پر پیش، غین کے نیچے زیر یاء ساکن از اغارت بمعنی حملہ کرنا۔

لہ میں تمھیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھیں پیش آنے والا ہے۔

لہ بعض روایات میں ہے کہ ابولہب نے دونوں ہاتھوں سے پتھر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینکا، یہ حدیث "باب تفسیر الناس" میں گزر چکی ہے۔

۵۵۹۵/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِیْ مَجَالِسِهِمْ اِذْ قَالَ قَائِلٌ اَيُّكُمْ يَقُوْمُ اِلٰى جَزُوْرِ اٰلِ فُلَانٍ فَيَعْمِدُ اِلٰى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا ثُمَّ يُمْهِلُهٗ حَتّٰى اِذَا سَجَدَ وَضَعَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ اَشْقَاهُمْ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَثَبَتَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فَضَحِكُوْا حَتّٰى مَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنَ الضَّحِكِ فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ اِلٰى فَاطِمَةَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تھے اور قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں تھی۔ ایک بولا تم میں کون ہے جو فلاں قبیلہ کے ذبیحہ اونٹ کی طرف جائے اور اس کی لید، اس کا خون اور اس کی اوجھڑی لائے، آپ کو مہلت دے حتیٰ کہ جب آپ سجدہ کریں تو اسے آپ کے کندھوں کے بیچ رکھ دے۔ تو ان میں سے بڑا بدبخت گیا پھر جب حضور نے سجدہ کیا تو اس نے وہ آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں پڑے رہے۔ کفار ہنسے حتیٰ کہ بعض، بعض پر گرنے لگے ہنسی کی وجہ سے۔ پھر کوئی

فَاَقْبَلَتْ تَسْعٰى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا حَتّٰى اَلْقَتْهُ عَنْهُ وَاَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلٰثًا وَكَانَ اِذَا دَعَا ثَلٰثًا وَاِذَا سَاَلَ سَاَلَ ثَلٰثًا اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ ابْنِ رَبِيْعَةَ وَوَلِيْدَ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ ابْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ ابْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُتْبِعَ اَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جانے والا جناب فاطمہ کے پاس گیا وہ دوڑتی آئیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ سے یہ گندگی ہٹادی۔ اور ان پر متوجہ ہوئیں انہیں برا کہنی تھیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو عرض کیا الٰہی ان قریشیوں کو پکڑلے تین بار فرمایا اور آپ جب دعا فرماتے تو تین بار مانگتے تھے اور جب سوال کرتے تو تین بار کرتے الٰہی پکڑ ابوجہل کو، عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ ابن ولید کو۔ جناب عبداللہ فرماتے کہ اللہ کی قسم میں نے انہیں بدر کے دن پچھڑا ہوا دیکھا۔ پھر وہ بدر کے گھڑے کی طرف کھینچ کر پھینکے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان گھڑے والوں پر لعنت ڈالی گئی۔ (بخاری و مسلم)

سلہ جو حرم میں لگاتے تھے۔

سلہ بخاری میں ہے ایک قریشی نے کہا جبکہ دوسری میں یہ اضافہ بھی ہے۔ کہنے والے نے کہا اس (حضور) ریاکار کو دیکھو۔ منقول یہ ہے کہ اگلی بات (کون اوجھڑی لائے گا) ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہی تھی۔

سلہ فلاں محلہ اور قبیلہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے۔ جزور، جیم پر زبر اور زا، اونٹ کو پارہ پارہ کرنا، بکری پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

سلہ فرث، فاء پر زبر، را ساکن، گوبر و لید

سلہ سلا، سین پر زبر، لام مخفف وہ پوست جس میں بچہ ہوتا ہے خواہ آدمی کا ہو یا مویشی کا۔ بعض کہتے ہیں یہ مویشی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آدمی کے لیے مشیمہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

سلہ اس کا نام عقبہ بن ابی معیط ہے۔ میم پر پیش، عین پر زبر، یاء ساکن اسے اشقیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل نے حکم دیا تھا اور وہ اشقیا کا سربراہ تھا یا یہ اس لیے کہ سبب بننے سے فعل بجالانے والا بدتر ہوتا ہے اس آیت مبارکہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اذ انبعث اشقاہا۔ یہ اس کے بارے میں فرمایا جو اونٹنی کے درپے ہوا تھا۔

سلہ ضحک، ضاد کے نیچے زیر، حاء ساکن یا اس کے نیچے زیر ہے۔

۸ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہ تھے ۔
۹ اس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جرأت ، بہادری اور شرف وہمت کا بیان ہے کہ باوجود چھوٹی عمر کے انھیں سخت سُست فرمایا اور انھیں جواب کی ہمت نہ ہوئی ۔
۱۰ انھیں عذاب دے کیونکہ یہ مشرک ہیں
۱۱ عموماً اللہ تعالیٰ سے کوئی شے طلب کرتے تو تین بار عرض کرتے لیکن خصوصاً ان ازلی بدبختوں کے خلاف تین دفعہ دعا فرمائی ۔
۱۲ عمرو بن ہشام ، یہ ابوجہل کا نام ہے ۔
۱۳ عتبہ ، عین پر پیش ، باء ساکن
۱۴ امیہ بن خلف ، خاء اور لام پر زبر
۱۵ عمارہ ، عین پر پیش ، میم مخفف
۱۶ یہ تمام مشرکین اور اذیت دینے والوں کے سردار ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اذیتوں پر بہت صبر فرمایا پھر یہ اپنے اپنے انجام کو پہنچے ۔ شعر

اللہ تعالیٰ کا لطف بے شک بسیار ہے ، مگر جب کوئی حد سے گزر جائے تو ذلیل کر دیا جاتا ہے

۱۷ راویِ حدیث
۱۸ قلیب ، بدر کا کنواں ۔ صراح میں ہے وہ کنواں جس کا سر نہ بنایا گیا ہو ۔
۱۹ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا ۔ ہم نے اللہ کا وعدہ حق پایا اور تم نے بھی حق پایا ہے ۔ اس کا تتمہ کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے ۔ ان کا کنوئیں میں ڈالنا اغلب طور پر ہے ۔ ورنہ عمارہ بن ولید بدر میں نہیں تھا بلکہ وہ حبشہ میں مرا ۔ عقبہ بن ابی معیط بدر سے واپسی پر قتل ہوا ۔ امیہ بن خلف سوج جانے اور بھاری ہونے کی وجہ سے کنوئیں میں نہ ڈالا گیا ۔
۲۰ اس پر اشکال وارد کیا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر نجاست تھی تو آپ کیوں حالتِ نماز میں رہے ، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا نہ تھا کہ پشت پر کیا ہے لہٰذا آپ نے نماز جاری رکھی ۔ اس پر بحث یہ ہوئی کہ بعد از علم نماز قضا نہ فرمائی ۔ شوافع فرماتے ہیں کہ ممکن ہے نماز نفلی ہو اور کسی دوسرے دوسرے وقت میں ادا کر لی ہو ۔ اگر نماز فرض تھی پھر بھی وقت میں کافی گنجائش تھی ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قضاء فرماتے تو منقول ہوتا اور نماز فرض تو باجماعت ادا ہوتی حالانکہ کسی نے یہ بات نقل نہیں کی ۔ کچھ اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اگر ابتداءً نماز پاک حالت میں شروع کی گئی درمیان میں ایسی حالت عارض ہو گئی تو نماز درست ہوگی ۔ انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے ۔ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اسی پر ہے دورانِ نماز اپنے کپڑے پر خون دیکھتے تو نماز جاری رکھتے ہاں کپڑا اتار دیتے ۔

۵۵۹۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ اَشَدَّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالَيْلَ ابْنِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِيْ اِلٰى مَا اَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَاَنَا مَهْمُوْمٌ عَلٰى وَجْهِيْ فَلَمْ اَسْتَفِقْ اِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ فَاِذَا اَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ اَظَلَّتْنِيْ فَنَظَرْتُ فَاِذَا فِيْهَا جِبْرَئِيْلُ فَنَادَانِيْ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوْا عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ اِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ اَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِيْ رَبُّكَ اِلَيْكَ لِتَاْمُرَنِيْ بِاَمْرِكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ اُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْاَخْشَبَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَرْجُوْ اَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پر کوئی دن ایسا بھی گزرا جو احد[۱] کے دن سے زیادہ سخت ہو تو فرمایا میں نے تمہاری قوم سے بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ احد سے سخت دن جب میں نے ان کی مصیبت جھیلی عقبہ[۲] کا دن تھا۔ جبکہ میں نے اپنے کو ابن عبد یالیل بن کلال کے سامنے کیا جو میں نے چاہا تھا اس نے وہ جواب نہ دیا[۳] تو میں اپنے رخ پر چلا۔ حالانکہ میں حیران تھا مجھے اس حیرانی سے افاقہ نہ ہوا مگر مقام قرن ثعالب میں تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں ایک بادل کے سامنے تھا جس نے مجھ پر سایہ کیا تھا میں نے دیکھا تو اس میں جبرئیل تھے انھوں نے مجھے پکارا، عرض کیا کہ اللہ نے آپ کی قوم کا کلام اور جو انھوں نے آپ کو جواب دیا سن لیا۔ آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ان کفار کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ فرمایا کہ مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے پکارا مجھے سلام کیا پھر فرمایا اے محمد! اللہ نے آپ کی قوم کا کلام سن لیا میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں مجھے آپ کے رب نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنے فیصلے کا حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں پر دو اخشب پہاڑ ملا دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے جو ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یوم احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دانت شہید ہوئے۔ خود کا کچھ حصہ رخسار مبارک کے اندر گھس گیا۔ اس کے علاوہ بھی تکالیف آئیں جن کا تذکرہ دیگر احادیث میں ہے۔

عقبہ۔ عین، قاف اور باء تینوں پر زبر، پہاڑی راستہ، ظاہر یہ ہے کہ منیٰ میں مقام کا نام ہے۔ اس لیے

ایک جمرہ کا نام جمرۃ العقبہ ہے۔ جیسا کہ کتاب الحج میں گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم حج میں وہاں قبائل کو دعوت دینا شروع فرمائی۔ جیسا کہ اجتماعات کے موقع پر آپ کی عادت مبارکہ تھی لوگوں کو خوف و شوق دلانا شروع فرمایا۔ آپ کا گزر ثقیف کی جانب ہوا۔ ابن عبدیالیل (ی، الف لام مکسور) بن کلال۔ کاف پر پیش یہ ثقیف کا سربراہ تھا اسے بھی آپ نے دعوت دی۔

ﷺ انھوں نے میری دعوت کو قبول نہ کیا۔ وہاں کے جہال اور کھلنڈروں نے آپ کو ایذا دی اور آپ کو پتھر مار کر لہولہان کر دیا۔

ﷺ میں حیران اور غمگین تھا کہ کہاں جاؤں۔ شعر

اغیار کا نذر اور دیوار سے سنگ برسے ۔ دردمندوں پر در و دیوار سے بلائیں آتی ہیں۔

ﷺ قرن الثعالب، جگہ کا نام ہے قاف پر زبر را ساکن، نون، یہاں اہل نجد کا میقات ہے اور اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے۔

ﷺ جو انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے سخت رویہ اپنایا۔

ﷺ پہاڑوں کا فرشتہ جس کے حوالے زمین کا نظام ہے۔

ﷺ عذاب، ہلاکت یا پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دیا جائے۔

ﷺ اخشبین، مکہ میں دو پہاڑوں کا نام ہے۔

۵۵۹۷/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَشُجَّ فِيْ رَاْسِهٖ فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ يَقُوْلُ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا رَاْسَ نَبِيِّهِمْ وَكَسَرُوْا رَبَاعِيَتَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکڑی شہید کر دی گئی۔ آپ کے سر اقدس میں زخم آیا تو اپنے سے خون پونچھنے لگے اور فرماتے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور اس کی چوکڑی شہید کر دی۔ (المسلم)

ﷺ رباعیہ، را، پر زبر، با، مخفف بروزن ثمانیہ، وہ چار دانت جو ثنایا اور انیاب کے درمیان ہوتے ہیں۔ دو اوپر والے اور دو نیچے والے، دائیں نیچے والے اور ہونٹ زخمی ہو گئے یہاں دانتوں کا شکستہ ہو جانا مراد ہے، جڑ سے اکھڑ جانا مراد نہیں۔ دانتوں سے کچھ ٹکڑا جدا ہونے کی وجہ سے رخنہ پیدا ہو گیا اور یہ عقبہ بن ابی عاص کے ہاتھوں ہوا جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ اس کے اسلام لانے اور صحابی ہونے میں اختلاف ہے اس کی اولاد میں سے ہر بچہ کے دانت بوقت بلوغ گر جاتے تھے۔

ﷺ شج، شین پر زبر، جیم مشدد، سر میں چوٹ لگنا۔ بعض روایات میں ہے کفار نے میدان میں گڑھے کھود رکھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو سنبھالا تو آپ نے

فرمایا اوجب طلحۃ (طلحہ نے اپنے لیے جنت لازم کر لی) خود کا حلقہ جو رخسار مبارک کے اندر چلا گیا تھا اسے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالا جس کی وجہ سے ان کے دانت باہر آ گئے۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا خون نوش اور چوس لیا۔ آپ نے فرمایا جس نے میرا خون پیا اس کے لیے جنت لازم ہو گی۔[۱]

۳۵ سلت، برتن کا انگلیوں سے صاف کرنا، خاتون کا ہاتھ سے خضاب کو دور کرنا

[۱] منقول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خود میں پانی لائے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑا جلا کر راکھ بنا کر زخم پر رکھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب بتقاضائے بشریت آپ نے یہ بات فرمائی تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون صاف فرماتے ہوئے فرمایا اگر خون کا قطرہ زمین پر گرتا تو ان پر آسمان سے عذاب آ جاتا۔ اس لیے دعا کی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اے اللہ انہیں معاف فرما یہ مجھے نہیں جانتے)

۵۵۹۸ / ۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ فَعَلُوْا بِنَبِیِّهٖ یُشِیْرُ اِلٰی رَبَاعِیَتِهٖ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی رَجُلٍ یَقْتُلُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوتا ہے جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا کرے اور حضور اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اللہ کا غضب سخت ہے اس شخص پر جسے رسول اللہ، اللہ کی راہ میں قتل کریں۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اس سے حداً اور قصاصاً قتل سے احتراز فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد یا اپنی ذات اقدس مراد لی یا ہر پیغمبر، کیونکہ ہر پیغمبر کا قاتل واجب القتل اور دوزخی ہوتا ہے۔

دوسری فصل

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ

اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

---

[۱] محفوظ روایت کا معنی یہ ہے کہ جس نے میرا خون پیا اس کو دوزخ کی آگ مس نہیں کر سکتی۔

الفصل الثالث

۵۵۹۹ عَنْ يَحْيَى ابْنِ اَبِىْ كَثِيْرٍ[1] قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَلَمَةَ[2] ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُلْتُ يَقُوْلُوْنَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ قَالَ اَبُوْسَلَمَةَ سَاَلْتُ جَابِرًا عَنْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَهٗ مِثْلَ الَّذِىْ قُلْتَ لِىْ فَقَالَ لِىْ جَابِرٌ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا بِمَا حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِىْ هَبَطْتُ فَنُوْدِيْتُ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِيْنِىْ فَلَمْ اَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِىْ فَلَمْ اَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ عَنْ خَلْفِىْ فَلَمْ اَرَ شَيْئًا فَرَفَعْتُ رَاْسِىْ فَرَاَيْتُ شَيْئًا فَاَتَيْتُ خَدِيْجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُوْنِىْ فَدَثَّرُوْنِىْ وَصَبُّوْا عَلَىَّ مَاءً بَارِدًا فَنَزَلَتْ يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تُفْرَضَ الصَّلٰوةُ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت یحییٰ بن ابی کثیر[1] کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سلمہ[2] بن عبدالرحمٰن سے قرآن کی پہلی نازل شدہ وحی والی آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ہے۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ ہے تو انھوں نے کہا میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا اور میں نے ان سے اس طرح کہا جو تم نے مجھ سے کہا تو مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم کو خبر نہیں دیتا مگر اس کی جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ فرمایا تھا کہ میں نے حرا میں ایک ماہ اعتکاف کیا تو جب میں نے اپنا اعتکاف پورا کیا تو میں اُترآیا۔ پھر مجھے پکارا گیا میں نے داہنے دیکھا تو کچھ نہ دیکھا میں نے اپنے بائیں غور کیا تو کچھ نہ دیکھا اور میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو کچھ نہ پایا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا تو ایک چیز دیکھی۔ پھر میں جناب خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو، پھر انہوں نے مجھے اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا تب یہ آیت اتری۔ اے کپڑے اوڑھنے والے اٹھو! ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اپنے کپڑے پاک رکھو پلیدی دور کرو، یہ واقعہ نماز فرض کیے جانے سے پہلے کا ہے۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] اعلام تابعین اور ثقات میں سے ہیں۔ علماء عابدین اور اثبات میں شامل ہیں۔ حضرت ابوایوب کا قول ہے کہ زمین پر یحییٰ بن ابی کثیر کی مثل کوئی نہیں رہ گیا۔

[2] یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ یہ کبار تابعین، مشاہیر علماء اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔

٥٣ انھوں نے بھی مجھے یہی جواب دیا تھا جو میں دے رہا ہوں۔
٥٤ مراد فرشتہ ہے جس نے نبوت کی خبر دی۔
٥٥ شدت خوف و دہشت جو سرایت کر چکی تھی۔
٥٦ جو غشی اور مدہوشی کو دور کرنے کے لیے تاثیر قوی رکھتی ہے۔
٥٧ اس کی تفسیر فصل اول میں حدیث جابر کے تحت گزر چکی ہے۔
٥٨ شارحین فرماتے ہیں یہاں راوی پر اشتباہ ہو گیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے اقراء باسم ربک الذی خلق نازل ہوا پھر وحی منقطع ہوئی پھر یا ایہا المدثر کا نزول ہوا۔ شاید راوی نے واقعہ کو مختصر طور پر بیان کیا ہے یا اس پر معاملہ اختلاط یا نسیان کی وجہ مشتبہ ہو گیا اور حقیقت حال وہی ہے جو فصل اول میں گزری۔

بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ

علامات نبوّت کا بیان

علامت، معلم اور علم (عین اور لام بہ فتح) اس نشان کو کہا جاتا ہے جو کسی راستہ کے سرے پر ہو۔ یہاں وہ علامات مراد ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً صفات، اخلاق، شمائل، فضائل، افعال اور احوال جو کسی بھی عاقل کے لیے آپ کی نبوت پر استدلال کا ذریعہ بنتی ہیں۔ سابقہ کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات و احوال کا تذکرہ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ بلاشبہ تمام معجزات نبوّت کی علامات ہیں۔ مصنف نے دو باب بنائے ایک میں علامات نبوّت اور دوسرے میں معجزات کا تذکرہ کیا۔ اس کی وجہ واضح نہ ہو سکی۔ حالانکہ دونوں باب خوارق سے تعلق رکھتے ہیں، شرح میں اس پر تفصیلی گفتگو آئے گی۔

الفصل الاول

٥٦٠٠ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهٗ فَصَرَعَهٗ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ مشغول تھے تو حضور کو پکڑا انھیں

عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَأَمَهُ بِهِ وَاَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهِ يَعْنِي ظِئْرَهُ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ كُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

لٹایا اور ان کا دل چاک کیا تو اس میں سے پارہ گوشت نکالا پھر کہا یہ آپ میں شیطان کا حصہ ہے۔ پھر اسے سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر اسے سی دیا اور اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ چند بچے حضور کی ماں کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا لوگ آپ کی طرف دوڑتے آئے آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دھاگے کا اثر آپ کے سینہ پاک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم)

۱؎ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے ہاں تھے۔

۲؎ جو مفاسد اور معاصی کی جڑ تھا۔

۳؎ آپ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے، باقی سونے کا استعمال دنیا میں بطور ابتلا منع ہے، آخرت میں اس کے برتن ہوں گے۔ معراج کی رات بھی ایسا ہی ملتا ہے اور اس کا تعلق عالم غیب اور اس کے احوال سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی سونا استعمال نہیں فرمایا۔

۴؎ یہاں سے معلوم ہو رہا ہے کہ آب زمزم تمام پانیوں سے افضل ہے اگرچہ وہ پانی جنت کا ہو، کیونکہ اگر اس سے کوئی افضل ہوتا تو اس سے ہی دلِ اقدس دھویا جاتا۔

۵؎ یہاں آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

۶؎ منتقع، قاف کی فتحہ کے ساتھ صراح میں ہے انتقاع کا معنی بہرہ کے رنگ کا بدلنا ہے۔

۷؎ مخیط کا اصلی معنی سوئی ہے۔

۸؎ واضح رہے کہ چار دفعہ شقِ صدر ہوا پہلی دفعہ بچپن میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں، دوسری دفعہ دس سال کی عمر میں، تیسری دفعہ اعلانِ نبوت کے وقت، چوتھی دفعہ معراج کی رات جب جبرئیل امین آپ کو لینے کے لیے آئے۔ شرح میں اس پر تفصیل ہے، اس میں اختلاف ہے کہ شقِ صدر اور اس کا غسل صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے یا ہر پیغمبر کا ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خبر تابوت سکینہ کے بارے میں ہے کہ اس میں ایک ایسی طشت تھی جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو دھویا گیا تھا۔

۵۶۰۱ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ پتھر پہچانتا ہوں جو نبوت کے ظہور سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا

لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں (مسلم)۔

لے بعض نے کہا اس سے مراد حجر اسود ہے لیکن اکثر کی رائے یہ ہے کہ وہ پتھر مراد ہے جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے راستہ میں ہے اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنی مبارک کا نشان ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں اہل مکہ کے سلف و خلف کا یہی معمول چلا آرہا ہے اس گلی کو "زقاق الحجر" کہا جاتا ہے۔ زقاق، زا پر پیش اور قاف بمعنی کوچہ

۵۶۰۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَاَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کوئی معجزہ[1] دکھائیں تو حضور نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے حرا کو ان دونوں کے بیچ میں دیکھا (بخاری و مسلم)

لے اپنے صدق اور دعویٰ نبوت پر

۵۶۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں چاند دو ٹکڑے ہو کر چڑھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر جبکہ دوسرا ٹکڑا اس کے نیچے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر گواہ رہو[1]۔ (بخاری و مسلم[2])

لے آپ نے کفار سے فرمایا تم نے معجزہ طلب کیا تھا اس کا مشاہدہ کر لیا اب اس پر گواہ رہو۔

۲ے واضح رہے انشقاق قمر کا معجزہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع پذیر ہوا، اسے صحابہ اور تابعین کے جم غفیر نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ان سے ائمہ حدیث کے بھی ایک جم غفیر نے روایت کیا ہے۔ امام ابن سبکی نے شرح مختصر ابن حاجب میں کہا کہ معجزہ انشقاق قمر متواتر ہے اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں متعدد طرق سے مروی ہے لہٰذا اس کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں۔ مواہب اللدنیہ میں بھی اسی طرح ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت مبارکہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے مراد یہی معجزہ ہے نہ کہ قیامت میں پیش آنے والا واقعہ اور سیاق آیت وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ بعض اہل بدعت و فلسفہ نے اسے محال جانا کہ فلکیات پر خرق و التیام جائز نہیں۔ یہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ افلاک بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کی قدرت کاملہ کے تحت ہیں۔ اسی لیے روز قیامت ان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر یہ معجزہ وقوع پذیر ہوا تھا تو عوام و خواص سے منقول ہوتا اور تمام اہل زمین اسے دیکھتے

فقط اہلِ مکہ دیکھنے میں مخصوص نہ ہوتے اور ارباب تاریخ اسے تواتر سے نقل کرتے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سبب چند مخصوص لوگوں نے معجزہ طلب کیا تھا تو انہیں ہی دکھایا اور رات کا یہ واقعہ ایک لمحہ میں ہوا جبکہ لوگ سوئے ہوئے تھے تو اس وقت چاند بعض منازل میں ظاہر تھا اور بعض میں ظاہر ہی نہ تھا جیسا کہ خسوف میں ہوتا ہے بعض اہلِ شہر اسے دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے ۔ روایات میں آیا ہے بعض علاقوں سے کچھ مسافر وہاں تھے تو انھوں نے اس واقعہ کی خبر دی اور اسے تواتر کے ساتھ بلا اشتباہ نقل کیا گیا ہے ، کتب سیر و تواریخ سے مالا مال میں اگر کفار و منکرین نے اسے نقل نہیں کیا تو کیا نقصان[1] ؟

۵۶۰۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْجَهْلٍ هَلْ یُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ وَجْهَهٗ بَیْنَ اَظْهُرِكُمْ فَقِیْلَ نَعَمْ فَقَالَ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى لَئِنْ رَاَیْتُهٗ یَفْعَلُ ذٰلِكَ لَاَطَاَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُصَلِّیْ زَعَمَ لِیَطَاَ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَمَا فَجِئَهُمْ مِنْهُ اِلَّا وَهُوَ یَنْكِصُ عَلٰى عَقِبَیْهِ وَیَتَّقِیْ بِیَدَیْهِ فَقِیْلَ لَهٗ مَا لَكَ فَقَالَ اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ لَخَنْدَقًا مِّنْ نَارٍ وَّهَوْلًا وَّاَجْنِحَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دَنَا مِنِّیْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابوجہل نے کہا تھا کہ محمد تمہارے سامنے اپنا چہرہ گرد آلود کرتے[1] ہیں ۔ کہا گیا ہاں تو بولا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے انھیں یہ کرتے دیکھا تو ان کی گردن روندوں گا ۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ حضور نماز پڑھ رہے تھے ارادہ کیا کہ حضور کی گردن کو روندے تو کفار کو اسی بات نے گھبراہٹ میں ڈالا کہ وہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے لوٹ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں[2] سے بچاؤ کر رہا تھا اس سے پوچھا گیا تجھے کیا ہوا کہنے لگا میرے اور آپ کے درمیان آگ کی خندق[3] ہے ہیبت اور پر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ مسجد سے قریب ہوتا تو فرشتے اس کے عضو عضو کے ٹکڑے کر دیتے ۔

(المسلم)

[1] اس سے اس نے سجدہ مراد لیا

[2] محسوس ہو رہا تھا کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہے اور اس کو ہاتھوں سے دور کرنے کی کوشش میں ہے ۔

[3] خندق ، خاء پر زبر اور دال ، جو شہر کے ارد گرد کھودی جاتی ہے ۔

۵۶۰۵ وَعَنْ عَدِیِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ بَیْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا آپ کی خدمت میں

---

[1] تعجب ہے کیسے لوگ اس میں شک کرتے ہیں حالانکہ قرآن میں یہ مذکور ہے اور وہ متواتر ہے اس طرح اس کی تفصیل ہر دور کے لوگوں نے بیان کی ہے حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ نے بھی ۔ بلکہ وہ اسے جادو کہا کرتے ۔ (امیر علی مرحوم)

أَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ أَتَاهُ
الْآخَرُ فَشَكَا إِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ
يَا عَدِيُّ هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ فَإِنْ
طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ فَلَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ
تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ
لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ وَلَئِنْ طَالَتْ
بِكَ حَيٰوةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرٰى
وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ
يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهٖ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ
يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا
يَقْبَلُهُ مِنْهُ وَلَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ أَحَدُكُمْ
يَوْمَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ
يُتَرْجِمُ لَهُ فَلَيَقُولَنَّ أَلَمْ أَبْعَثْ
إِلَيْكَ رَسُولًا فَيُبَلِّغَكَ فَيَقُولُ بَلٰى
فَيَقُولُ أَلَمْ أُعْطِكَ مَالًا وَأُفْضِلْ عَلَيْكَ
فَيَقُولُ بَلٰى فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهٖ فَلَا
يَرٰى إِلَّا جَهَنَّمَ وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهٖ
إِلَّا جَهَنَّمَ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ قَالَ
عَدِيٌّ فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ
الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ
إِلَّا اللّٰهَ وَكُنْتُ فِيمَنِ افْتَتَحَ كُنُوزَ
كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ
بِكُمْ حَيٰوةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ
أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرِجُ
مِلْءَ كَفِّهٖ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ایک آدمی آیا ۔ اس نے آپ سے فاقہ کی شکایت کی
پھر آپ کے پاس دوسرا آیا اس نے ڈکیتی کی تو فرمایا
اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے اگر تمھاری زندگی
لمبی ہوئی تو تم ایک بڑھیا کو دیکھو گے کہ حیرہ سے چلے
گی حتیٰ کہ کعبہ کا طواف کرے گی خدا کے سوا کسی سے نہ
ڈرے گی اور اگر تمھاری زندگی لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے
خزانے فتح کرو گے اور اگر تمھاری زندگی لمبی ہوئی تو تم
آدمی دیکھو گے کہ لپ بھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا کہ
اسے تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے تو ایسا ایک شخص
بھی نہ ملے گا جو اس سے قبول کر لے اور رب سے ملاقات
کے دن تم میں سے ہر ایک اپنے رب کو یوں ملے گا کہ اس
کے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا جو اسے ترجمہ
کرے گا ۔ رب فرمائے گا کہ کیا میں نے تیری طرف
رسول نہ بھیجا جو تجھے تبلیغ کرے ۔ بندہ کہے گا ہاں پھر
فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تجھ پر فضل نہیں
کیا ۔ بندہ کہے گا ہاں ۔ تو وہ اپنے داہنے نہ دیکھے گا مگر
دوزخ اور اپنے بائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر دوزخ ۔
مگر دوزخ آگ سے بچو اگرچہ چھوہارے کی تلاش کے
ذریعے جو یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کے ذریعے عدی
فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھیا کو تو دیکھ لیا کہ وہ حیرہ سے
چلتی ہے حتیٰ کہ وہ کعبہ کا طواف کرتی ہے کہ اللہ کے
سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور میں خود ان لوگوں میں تھا
جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے اور اگر
لوگوں کی عمر دراز ہوئی تو تم بھی دیکھ لو گے جو حضرت
ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی لپ بھر
سونا لے کر نکلے گا ۔

(البخاری)

سلہ عدی بن حاتم، حاتم مشہور جواد گزرے۔ مدی بدر کے بعد آئے اور اسلام لائے اور صحابی ٹھہرے
سلہ فاقہ اور احتیاجی کی شکایت کی
سلہ جو شہروں میں ہو رہی تھیں
سلہ حیرہ، حاء کے نیچے کسرہ، یاء ساکن، کوفہ کے علاقہ میں قدیم شہر کا نام ہے اور نیشاپور میں ایک محلہ کا نام بھی ہے۔
سلہ حیرہ سے مکہ تک کا سفر کرے گا
سلہ یہ اس کا جواب تھا جس نے ڈاکہ زنی کی شکایت کی تھی اور فقر و فاقہ کی شکایت کا جواب دیتے ہوئے عدی بن حاتم کو مخاطب فرمایا جو مجلس میں حاضر تھے۔
سلہ بادشاہ فارس کے خزانے
سلہ عدم فقر و احتیاج کی وجہ سے، سونا و چاندی رفع حاجت کے لیے ہوتے ہیں جب حاجت نہ ہو گی تو سیم و زر کا کیا فائدہ؟ شارحین نے فرمایا یہ حال آخری زمانہ میں ہو گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہو گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور باب نزول عیسیٰ علیہ السلام میں گزر چکی ہے۔ بعض نے فرمایا یہ حالات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی سامنے آئے اور یہی حدیث کا مصداق تھے۔ امام بیہقی نے اسی معنی پر جزم کیا اور ظاہر عبارت ولئن طالت بک حیوۃ لترین بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ فتدبر واللہ اعلم۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخی و وسعت رزق کی بشارت عطا فرمائی تو ساتھ ہی روز قیامت کی شدت و مشقت کا بھی ذکر کیا تاکہ اس بشارت و انذار کا اجتماع ہو جائے اور یہی شان نبوت ہے۔
سلہ ترجمان، تاء پر زبر، جیم پر پیش یا دونوں پر زیر، دو آدمیوں کے درمیان ترجمانی کرنے والا یہاں مفرد بیان کرنے والا مراد ہے۔
سلہ جنھوں نے تمھیں دین کے احکام اور معاملات قیامت سے آگاہ فرمایا
سلہ اگرچہ شے قلیل ہو
سلہ بشرطیکہ اس سے دین میں مداہنت نہ ہو
سلہ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
سلہ حضرت عدی بن حاتم کا وصال سن ۶۶، ۶۸ یا ۶۹ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے ہوا۔

۵۶۰۶ وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَلَقَدْ لَقِيْنَا

حضرت خباب[1] بن ارت[2] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شِدَّةً فَقُلْنَا اَلَا تَدْعُوا اللّٰهَ فَقَعَدَ وَهُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهٗ وَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهٗ فِي الْاَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيْهِ فَيُجَاءُ بِمِنْشَارٍ فَيُوْضَعُ فَوْقَ رَاْسِهٖ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ فَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهٖ مِنْ عَظْمٍ وَعَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

چادر کا تکیہ لگائے بیٹھے تھے ۔ ہم نے مشرکین سے بڑی سختی جھیلی تھی تو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے ، چہرہ انور سرخ تھا فرمایا تم سے اگلوں میں سے ایک شخص کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا اسے اس گڑھے میں دبایا جاتا تھا پھر آرا لایا جاتا تھا وہ اس کے سر پر رکھا جاتا تھا وہ قاشیں کر کے چیر دیا جاتا تھا یہ اسے اس کے دین سے نہ روکتا اور اس کے گوشت کے نیچے ہڈیوں پٹھوں تک پہنچا کر لوہے کی کنگھیوں سے اسے کنگھی کی جاتی تھی اور یہ اسے اس کے دین سے نہ روکتا تھا ۔ خدا کی قسم یہ دین پورا ہو کر رہے گا حتیٰ کہ سوار صنعاء سے حضرموت تک چلے گا کسی کو کسی سے خوف نہ کرنا پڑے گا ۔ ماسوائے اللہ کے ۔ یا سوا بھیڑیے کے اپنی بکریوں پر ۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو ۔ (البخاری)

لہ خباب ، خاء پر زبر اور باء مشدد ۔

سلہ بن الارت ، ہمزہ پر زبر ، تاء مشدد ، مشہور صحابی ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف فرما ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے ۔

سلہ وسادہ ، واؤ کے نیچے زیر ، سرہانہ ۔

سلہ کفار و مشرکین کے خلاف ۔

شہ یا تو کفار کے ظلم و ستم کی وجہ سے یا مسلمانوں کی شکایت اور بے صبری کی وجہ سے یہاں یہ معنی زیادہ مناسب ہے ۔

سلہ اور دشواری کے بعد آسانی آنے والی ہے ۔

شہ ان دونوں شہروں میں کافی مسافت و دوری ہے ۔

شہ صنعاء ، یمن میں ایک شہر کا نام ہے جس میں دمشق کی طرح بہت حرفت اور پانی ہے اور دمشق کے ایک دیہات کا نام ہے ۔ (القاموس)

سہ حضرموت ، ضاد ساکن ، میم پر زبر یا پیش ، یہ بھی یمن میں عابدین و صلحاء کا مقام ہے ۔ یہی وجہ ہے ،

کہا گیا حضر موت نبت الاولیاء (یہ شہر اولیاء اگاتا ہے) یعنی اس شہر میں اولیاء کرام کثیر ہوئے ہیں ۔اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان ہوئی کہ حضرت صالح علیہ السلام وہاں تشریف لائے اور وہاں اُن کی موت ہوئی ۔ بعض نے کہا جرجیس کی موت کی وجہ سے ایسا کہا گیا۔

سنلہ اس سے مقصود لوگوں کا ایک دوسرے کے ظلم سے محفوظ ہونا ہے جو کہ جاہلیت میں تھا یہ مقصد نہیں کہ گرگ کے حملہ سے امن ہو جائے گا کیونکہ یہ تو معمول کے ہی خلاف ہے ۔ ہاں ایسا بھی ہو جائے گا لیکن جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد کا وقت ہوگا۔

سللہ تم بے صبری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

۵۶۰۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَاَطْعَمَتْهُ ثُمَّ جَلَسَتْ تَفْلِيْ رَاْسَهٗ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْاَسِرَّةِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهُمْ ثُمَّ وَضَعَ رَاْسَهٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُضْحِكُكَ قَالَ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ فِي الْاُوْلٰى فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ فَرَكِبَتْ اُمُّ حَرَامٍ نِ الْبَحْرَ فِيْ زَمَنِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے پاس جاتے تھے وہ حضرت عبادہ بن صامت کی بیوی تھیں ایک دن آپ ان کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے حضور کو کچھ کھلایا پھر بیٹھ گئیں ۔آپ کے سر اقدس کو ملاحظہ کرنے لگیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوئے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے کہتی ہیں میں نے عرض کیا آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے یا رسول اللہ تو فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے اللہ کی راہ میں غازی جو اس سمندر کی فراخی میں سوار ہوں گے جیسے تختوں پر بادشاہ یا بادشاہوں کی طرح تختوں پر ۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل فرمادے ۔آپ نے میرے لیے دعا فرمائی پھر حضور نے سر رکھا اور سو گئے ۔ پھر جاگے ہنستے ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا چیز حضور کو ہنسا رہی ہے ؟ فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے اللہ کی راہ میں غازیانہ شان سے جیسا کہ پہلی بار میں فرمایا تھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمادے ۔فرمایا تم پہلوں میں سے ہو ۔چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

زمانہ میں ام حرام سمندر میں سوار ہوئیں۔ پھر جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر گئیں اور فوت ہو گئیں۔ (بخاری و مسلم)

ﻟﮧ ام حرام بنت ملحان۔ حاء، راء کے ساتھ ملحان، میم کے نیچے زیر، لام ساکن۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں، آپ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں۔ ان دونوں خواتین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رضاعی رشتہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ حضور کے والدِ ماجد کی خالہ لگتی ہیں اور ان کی والدہ بنو نجار سے ہیں جو مدینہ طیبہ کا انصاری قبیلہ ہے۔

ﻟﮧ۲ یہ کبار انصار اور نقباء میں سے ہیں، حضور ان دونوں خواتین سے محرمیت کی بناء پر ان کے ہاں قیلولہ فرمایا کرتے جیسا کہ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے گزر چکا ہے۔

ﻟﮧ۳ اسی مفہوم کی حدیث باب فی اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہاں جوئیں تلاش کرنا مراد نہیں کیونکہ آپ کا بدنِ اقدس ان سے پاک ہے ہاں برائے نظافت غبار وغیرہ کا دور کرنا ہے

ﻟﮧ۴ ثَبَجَ، ثا اور باء دونوں پر زبر، آخر میں جیم، کاندھے اور پشت کا درمیانی حصہ، ہر چیز کا درمیان اور ٹیلہ

ﻟﮧ۵ راوی کو شک ہے مفہوم ایک ہی ہے۔

ﻟﮧ۶ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جماعت دوسری تھی نہ کہ پہلی، یعنی باری باری لوگ جہاد کریں گے اور تم ان میں سے پہلی جماعت میں ہوں گی۔

ﻟﮧ۷ اس سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت کی بات ہے۔ امام باجی اور قاضی عیاض کی یہی رائے ہے لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ بات خلافتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں امارتِ معاویہ میں وقوع پذیر ہوئی اور اس سے سن ۲۸ ہجری میں جنگِ قبرص وارد ہے۔

۵۷۰۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ أَزْدِشَنُوْءَةَ وَكَانَ يَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ أَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ أَنِّيْ رَأَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْهِ عَلٰى يَدِيْ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے ضماد[1] مکہ آئے اور قبیلہ ازدشنوءہ سے تھے۔ اس قسم کی ہوا[2] سے جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ انھوں نے مکہ کے بیوقوف باشندوں کو کہتے ہوئے سنا محمد دیوانہ ہیں تو بولے ان کو میں دیکھ لیتا ہوں۔ شاید اللہ انھیں میرے ہاتھ سے شفا دے دے۔ فرماتے ہیں میں حضور سے ملا اور کہا اے محمد! میں خلل والی ہوا سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں کیا یہ آپ کو ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ہیں ہم اسکی حمد کرتے ہیں

وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰٓؤُلَآءِ فَاَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَآءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰٓؤُلَآءِ وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ هَاتِ يَدَكَ اُبَايِعْكَ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بَلَغْنَا نَاعُوْسَ الْبَحْرِ وَذُكِرَ حَدِيْثَا اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَجَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ يَهْلِكُ كِسْرٰى وَالْاٰخَرُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ فِيْ بَابِ الْمَلَاحِمِ

اسی سے مدد مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ اس کے بعد ضماد نے کہا اپنے یہ کلمات دوبارہ فرمائیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کلمات اس کے سامنے تین دفعہ دہرائے ۔ وہ بولا میں نے کاہنوں کی باتیں، شاعروں کے قول سنے ہیں مگر میں نے ان باتوں کی مثل کبھی نہیں سنا ۔ یہ تو سمندر کی تہہ کو پہنچی ہوئی ہیں، اپنا ہاتھ لائیے میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں ۔ فرمایا اس نے حضور کی بیعت کر لی (المسلم) مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے کہ سمندر کی گہرائی میں پہنچ گئے ہیں اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے مروی دونوں احادیث میں ہے کہ کسریٰ ہلاک ہوجائے گا ۔ دوسری کہ ایک جماعت فتح کرے گی باب الملاحم میں گزر چکی ہیں ۔

لہ ضماد، ضاد کے نیچے زیر یا پیش، آخر میں دال

لہ ازدشنوءۃ، ہمزہ پر زبر، زاء ساکن، دال کے نیچے زبر، شین پر زبر، ن پر پیش، آخر میں تاء ۔ یہ یمن کے علاقہ سے ہے یہ آدمی وہاں کا رہنے والا تھا ۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہاں ہی تھا بعض نے اسے ضمام پڑھا ۔ بعض نے کہا ضمام امر ہے الاضماد اور ہے، ضمام بنو سعد بن بکر کے وفد میں تھا اور ضماد طبیب اور طالب علم تھے ۔

سلہ وہ بیماری جو جنات کی وجہ سے عارض ہوتی ہے جن کو نہ نظر آنے کی وجہ سے ہوا کہا جاتا ہے ۔

سلہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر حمد اور میں شکر ادا کرتا ہوں اس کی نعمتوں پر اور میں اس سے اس کے ذکر، عبادت اور طاعت توفیق مانگتا ہوں ۔

شہ یہ کلمات خطبات میں مشہور ہیں جیسا کہ باب جمعہ میں گزر چکا کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کے وقت پڑھا کرتے لیکن یہاں انھی الفاظ پر اکتفا فرمایا تاکہ واضح ہو ضماد پر کہ یہ شخص تمام عقلا سے عقل مند ہے

اور اس پر جنون، آسیب وغیرہ کے توہم کا تصور نہیں ہوسکتا اور پھر ضماد کی بشارت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

سلہ قاموس، وسط دریا کہ وہ سب سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ قمس، غوطہ زن اور قماس، غواص

سلہ قاموس کی جگہ ناعوس ہے۔ روایاتِ حدیث میں یہ دوسرا لفظ زیادہ مشہور ہے۔ شیخ محی الدین نودی نے شرح مسلم میں فرمایا، یہ لفظ دونوں طرح محفوظ ہے۔ ناعوس، نون وعین ہمارے علاقہ کے اکثر نسخوں میں یہی لفظ ہے قاموس، قاف ومیم، صحیح مسلم کے علاوہ روایات میں مشہور یہی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں بعض نے ناعوس روایت کیا ہے۔ ہمارے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ناعوس بمعنی قاموس ہے۔ امام توربشتی نے فرمایا، ناموس البحر غلط ہے اور تحریف اور راوی کا وہم ہے۔

بعض کے ہاں قاموس بقاف وعین بھی آیا ہے۔ لغت کی مشہور کتب میں ناعوس کا لفظ نہیں ملتا۔

الفصل الثانی

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

دوسری فصل

یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

الفصل الثالث

۵۴۰۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوسُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ قَالَ انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبَيْنَمَا أَنَا بِالشَّامِ إِذْ جِيءَ بِكِتَابٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَقْلَ قَالَ كَانَ دَحْيَةُ الْكَلْبِيُّ جَاءَ بِهِ فَدَفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرٰى إِلَى هِرَقْلَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَلْ هٰهُنَا أَحَدٌ مِنْ قَوْمِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ قَالُوا نَعَمْ فَدُعِيتُ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَدَخَلْنَا عَلٰى هِرَقْلَ فَأَجْلَسَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ قَالَ أَبُوسُفْيَانَ

تیسری فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مجھے ابوسفیان ابن حرب نے منہ در منہ خبر دی کہ میں اس صلح کے زمانے میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی کہتے ہیں کہ میں شام میں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نامہ ہرقل کے پاس لایا گیا ابوسفیان نے کہا کہ یہ خط دحیہ کلبی لائے تھے اور انھوں نے بصرے کے وزیر کو دیا تھا۔ پھر بصرے کے وزیر نے ہرقل کو بھیجا یا۔ ہرقل نے کہا کہ کیا یہاں ان صاحب کی قوم کا کوئی آدمی ہے جو دعوٰی نبوت کر رہے ہیں لوگوں نے کہا ہاں۔ قریش کی ایک جماعت میں میں بلایا گیا تو ہم ہرقل کے پاس گئے ہم کو اس کے سامنے بٹھایا گیا اس نے کہا کہ جن صاحب نے دعوٰی نبوت کیا ہے ان سے زیادہ قریبی تم میں کون ہے ابوسفیان نے کہا

فَقُلْتُ اَنَا فَاَجْلَسُوْنِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَجْلَسُوْا اَصْحَابِیْ خَلْفِیْ ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهٖ فَقَالَ لَهُمْ اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ فَاِنْ کَذَبَنِیْ فَکَذِّبُوْهُ قَالَ اَبُوْسُفْیَانَ وَاَیْمُ اللّٰهِ لَوْلَا مَخَافَةُ اَنْ یُّؤْثَرَ عَلَیَّ الْکَذِبُ لَکَذَبْتُهٗ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ سَلْهُ کَیْفَ حَسَبُهٗ فِیْکُمْ قَالَ قُلْتُ هُوَ فِیْنَا ذُوْحَسَبٍ قَالَ فَهَلْ کَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِکٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ کُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْکَذِبِ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ وَمَنْ یَّتَّبِعُهٗ اَشْرَافُ النَّاسِ اَمْ ضُعَفَاءُهُمْ قَالَ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاءُهُمْ قَالَ اَیَزِیْدُوْنَ اَمْ یَنْقُصُوْنَ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ یَزِیْدُوْنَ قَالَ هَلْ یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ عَنْ دِیْنِهٖ بَعْدَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِ سَخْطَةً لَّهٗ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَکَیْفَ کَانَ قِتَالُکُمْ اِیَّاهُ قَالَ قُلْتُ یَکُوْنُ الْحَرْبُ بَیْنَنَا وَبَیْنَهٗ سِجَالًا یُصِیْبُ مِنَّا وَنُصِیْبُ مِنْهُ قَالَ فَهَلْ یَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِیْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ لَا نَدْرِیْ مَا هُوَ صَانِعٌ فِیْهَا قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَمْکَنَنِیْ مِنْ کَلِمَةٍ اُدْخِلُ فِیْهَا شَیْئًا غَیْرَ هٰذِهٖ قَالَ فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَهٗ قُلْتُ لَا ثُمَّ

کہ میں نے کہا میں ہوں تو مجھے اس کے سامنے بٹھا دیا گیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا۔ پھر اپنے مترجم کو بلایا اس نے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں ان سے ان صاحب کے متعلق کچھ پوچھوں گا جو اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں تو اگر یہ مجھ سے جھوٹ کہیں تو تم انھیں جھٹلا دینا، ابوسفیان کہتے ہیں اللہ کی قسم اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ پر جھوٹ مشہور کیا جائے گا تو میں اس سے جھوٹ بول دیتا۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ ان نبی کا خاندان تم میں کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ عالی خاندان ہیں۔ کہا کیا ان کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا کیا ان کے دعویٰ نبوت سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ کہا ان کی پیروی کون کرتا ہے؟ سردار لوگ یا کمزور لوگ؟ میں نے کہا بلکہ کمزور لوگ۔ کہا یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا بلکہ بڑھ رہے ہیں کہا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی اپنے دین سے ناراض ہو کر پھر جاتا ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا نہیں کہا کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا تمھاری ان سے جنگ کیسی ہوتی ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا کہ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ایک ڈول ہوتی ہے کبھی ہم پر وہ غالب ہوتے ہیں کبھی ان پر ہم غالب۔ کہا کیا بدعہدی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں آج کل ہم ان سے صلح میں ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ اس میں کیا کریں گے؟ کہتے ہیں اللہ کی قسم اس بات کے سوا اور کوئی چیز شامل کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ اس نے کہا کیا ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی تھی؟

قال لترجمانه قل له إني سألتك عن حسبه فيكم فزعمت أنه فيكم ذو حسب وكذلك الرسل تبعث في أحساب قومها وسألتك هل كان في آبائه ملك فزعمت أن لا فقلت لو كان من آبائه ملك قلت رجل يطلب ملك آبائه وسألتك عن أتباعه أضعفاؤهم أم أشرافهم فقلت بل ضعفاؤهم وهم أتباع الرسل وسألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال فزعمت أن لا فعرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهب فيكذب على الله وسألتك هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له فزعمت أن لا وكذلك الإيمان إذا خالط بشاشته القلوب وسألتك هل يزيدون أم ينقصون فزعمت أنهم يزيدون وكذلك الإيمان حتى يتم وسألتك هل قاتلتموه فزعمت أنكم قاتلتموه فتكون الحرب بينكم وبينه سجالا ينال منكم وتنالون منه وكذلك الرسل تبتلى ثم تكون لها العاقبة وسألتك هل يغدر فزعمت

میں نے کہا نہیں پھر بادشاہ نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں۔ اسی طرح انبیاء کرام اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ان کے باپ دادوں میں بادشاہ ہوا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ صاحب ہیں جو اپنے باپ دادوں کی ملک کے طالب ہیں۔ اور میں نے تم سے ان کے متبعین کے متعلق پوچھا کہ معمولی لوگ ہیں یا بڑے لوگ تو تم نے کہا بلکہ کمزور لوگ ہیں یہ ہی کمزور لوگ نبیوں کے متبعین رہے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے اس دعویٰ سے پہلے تم انھیں جھوٹ کا الزام دیتے تھے تم نے کہا کہ نہیں۔ میں نے پہچان لیا کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولیں پھر اللہ پر جھوٹ باندھنے لگیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان میں سے کوئی اس دین میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین اسلام سے ناراض ہو کر پھر بھی جاتا ہے تم نے کہا کہ نہیں۔ ایمان کا ایسا ہی حال ہے جب اس کی لذت و فرحت دلوں میں گھل مل جاتی ہے۔ تو میں نے تم سے پوچھا کہ مسلمان بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں ایمان کا یہی حال ہے حتیٰ کہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے کبھی جنگ کی ہے تو تم نے کہا کہ تم نے ان سے جنگ کی ہے تو جنگ تمھارے اور ان کے درمیان ایک ڈول ہوتی ہے کہ وہ تم سے اور تم ان سے لیتے ہو اسی طرح انبیائے کرام آزمائے جاتے ہیں انجام انھی کے حق میں ہوتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا عہد شکنی کرتے ہیں

اَنَّہٗ لَا یَغْدِرُ وَکَذٰلِکَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَاَلْتُکَ ھَلْ قَالَ ھٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَہٗ فَزَعَمْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ کَانَ قَالَ ھٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَہٗ قُلْتُ رَجُلٌ اِئْتَمَّ بِقَوْلٍ قِیْلَ قَبْلَہٗ قَالَ ثُمَّ قَالَ بِمَا یَاْمُرُکُمْ قُلْنَا یَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَالصِّلَۃِ وَالْعِفَافِ قَالَ اِنْ یَّکُ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَاِنَّہٗ نَبِیٌّ وَقَدْ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّہٗ خَارِجٌ وَلَمْ اَکُ اَظُنُّہٗ مِنْکُمْ وَلَوْ اَنِّیْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اَخْلُصُ اِلَیْہِ لَاَحْبَبْتُ لِقَاءَہٗ وَلَوْ کُنْتُ عِنْدَہٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَیْہِ وَلَیَبْلُغَنَّ مُلْکُہٗ مَا تَحْتَ قَدَمَیَّ ثُمَّ دَعَا بِکِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَہٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ فَقَدْ سَبَقَ تَمَامُ الْحَدِیْثِ فِیْ بَابِ الْکِتَابِ اِلَی الْکُفَّارِ

تم نے کہا کہ نہیں کرتے ۔ اسی طرح انبیاء کرام عہد شکنی نہیں کرتے اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کسی نے ان سے پہلے یہ دعوٰی کیا ہے تم نے کہا کہ نہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات ان سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں کہتا ہوں کہ ایسے صاحب ہیں جو اپنے سے پہلے کہی ہوئی بات کی پیروی کر رہے ہیں ۔ پھر کہا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں ہم نے کہا کہ ہم کو نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں اس نے کہا جو تم کہتے ہو اگر یہ سچ ہے تو وہ بھیجے ہوئے نبی ہیں میں تو جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر میرا خیال یہ نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہیں ۔ اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنا پسند کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا اور ان کا ملک میرے قدموں کے نیچے تک پہنچ جائے گا ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا پھر اسے پڑھا (مسلم و بخاری) بقیہ پوری حدیث کتاب الی الکفار کے باب میں گزر گئی ہے ۔

ـــــــــــــــــــ

سلہ یعنی میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ۔

سلہ اس سے صلح حدیبیہ کی مدت مراد ہے ۔

سلہ ہرقل ۔ ہاء کے نیچے زیر، راء پر زبر، قاف ساکن، یا ہاء کے نیچے زیر، راء ساکن اور قاف کے نیچے زیر ہے ۔ روم کے بادشاہ کا نام ہے ۔

سلہ دحیہ، دال پر زبر یا زیر، مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، قبیلہ بنو کلب سے ان کا تعلق تھا ۔

ہ بصریٰ، باء پر پیش، صاد ساکن، شام کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے ۔

سلہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی اسی طرح تھا کہ تم اسے عظیم بصریٰ کو پہنچاؤ اور وہ اسے ہرقل تک پہنچائے ۔

ہ تجارت کے لیے اس قوم میں سے ایک آدمی (مع جماعت) آیا ہوا ہے ۔

شہ بعض روایات کے متعلق ان کی تعداد تیس اور بعض کے مطابق بیس تھی ۔

۹ہ فاجلسنا، معروف بھی پڑھا گیا ہے یعنی اس نے ہمارے بٹھانے کا حکم دیا ۔

۱۰ اس شخص کے جس نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے ۔
۱۱ جو عربی اور رومی دونوں زبانیں جانتا تھا ۔
۱۲ ابوسفیان سے ۔
۱۳ اس عداوت و دشمنی کی وجہ سے جو حضور سے مجھے تھی
۱۴ صحیح بخاری میں ہے "فَكَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ" (ان کا نسب کیسا ہے ؟) حسب سے مراد یہ ہے کہ انسان اس شرف و فضل پر فخر کرے خواہ اس کا اپنا ہو یا اس کے والدین کا ، یہ نسب کو بھی شامل ہے یہاں بنو ہاشم مراد ہیں جو تمام قریش سے افضل و برگزیدہ تھے ۔
۱۵ یعنی اعلانِ نبوت سے پہلے انھوں نے کبھی جھوٹ بولا جس کی وجہ سے ان پر جھوٹ کا الزام ہو ۔
۱۶ اس سے پہلے کبھی ان کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں ہوئی ۔
۱۷ جنھوں نے اتباع کی ہے اور ان پر ایمان لائے ہیں
۱۸ یہاں اشراف سے مراد ، اہل نخوت و تکبر ہیں ورنہ اولاد ہاشم مثلاً حضرت عباس ، علی اور جعفر اور دیگر اکابر قریش مثلاً حضرت ابوبکر و عمر اور دیگر صحابہ از قریش سے بڑھ کر کون اشراف ہو سکتا ہے اور یہ تمام ہرقل کے سوال سے پہلے ایمان لا چکے تھے ۔
۱۹ ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ ان کے متبعین ضعفاء و مساکین اور بچے ہیں ۔ صاحب نسب و شرف نہیں لیکن بطور اغلب و اکثر کی بات ہے ۔
۲۰ کبھی ان کا ڈول پُر ہوتا اور ہمارا خالی اور کبھی ہمارا خالی اور ان کا پُر ہوتا ۔
۲۱ کبھی ہم سے انھیں اور کبھی ان سے ہمیں مصیبت لاحق ہوتی ہے ۔
۲۲ کبھی بے وفائی کی
۲۳ یعنی اب اس مدت میں ہمارے اور ان کے درمیان صلح ہے ، اب نہیں معلوم کہ وہ اس مُدّت میں کیا کرتے ہیں اس معاہدہ کو نبھاتے ہیں یا توڑ ڈالتے ہیں ۔
۲۴ سوائے اس کلمہ (کہ غدر کا احتمال ہے) کے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی عیب یا نقص کی نسبت نہیں کر سکا ۔
۲۵ کسی نے اس سے پہلے دعوٰی نبوت کیا ۔
۲۶ ابوسفیان کو
۲۷ یہی لوگ پیغمبروں کی دعوت کو جلدی قبول کرتے ہیں اور بڑے لوگ جاہ و منصب اور تکبر کی وجہ سے اس سعادت و مسابقت سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ ہاں جب کوئی راستہ نہ رہے تنگ اور مجبور ہو کر اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں ۔

۲۸ه یعنی دعوٰی نبوت سے پہلے کبھی انھوں نے کسی معاملہ میں کذب بیانی کی ہے۔
۲۹ه آپ کے دین کو ناپسند کرتے ہوئے اس نے آپ کو چھوڑا ہو۔
۳۰ه ایمان کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ دل سے نکلتا نہیں۔
۳۱ه یعنی اس کے دل میں ایمان کی حلاوت ولذت حاصل ہو اگر کوئی چھوڑتا ہے تو اس کے دل میں ایمان نے قرار پکڑا ہی نہیں۔ اسی وجہ سے صوفیاء قدس اللہ سرہم نے فرمایا "الفانی لا یرد الی اوصافہ"
۳۲ه دین وایمان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ روز بروز بڑھتا اور کامل ہوتا چلا جاتا ہے۔
۳۳ه اسی طرح تمام پیغمبر اعداء کے دین کے ساتھ برسرپیکار ہوئے اور آزمائش میں مبتلا کیے گئے۔
۳۴ه آخر کار انبیاء کو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت حاصل ہوتی ہے اور دین کا غلبہ ہوجاتا ہے۔
۳۵ه ہرقل کا جاننا اور آپ کا اعلانِ نبوت کرنا کتبِ قدیمہ کی خبر کی بناء پر تھا اور کہانت اور علمِ نجوم کی بنیاد پر بھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ہرقل نے کہا میں نے نجوم میں نظر کی تو ملک ختان کو دیکھا تو میں نے پوچھا اس میں کون ہیں جو کریں گے تو انھوں نے کہا یہ عرب ہیں۔
۳۶ه ملک روم اور شام
۳۷ه کتاب الجہاد میں
۳۸ه صحیح بخاری میں ہے کہ ہرقل نے تمام سردارانِ روم کو محل میں جمع کرکے دروازہ بند کردیا اور کہا اگر تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو تو اس آخرالزماں نبی پر ایمان لے آؤ۔ اس پر رومی وحشی گدھے کی طرح ٹپ اٹھے، جب ہرقل نے ان کی وحشت ونفرت دیکھی تو ہرقل کہنے لگا تم اپنے حال پر ہی رہو میں نے تمہیں آزمایا ہے کہ اپنے دین میں کس قدر پکے اور سچے ہو۔ اس پر انھوں نے ہرقل کو سجدہ کیا اور خوش ہوگئے۔ یہ ہرقل کا آخری عمل تھا۔ ہرقل کے ایمان میں اختلاف ہے۔ واضح یہی ہے کہ وہ کفر پر ہی رہا۔ مسند احمد میں ہے کہ تبوک سے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا تھا کہ میں مسلمان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ کہتا ہے وہ تو نصرانی ہی ہے۔ قصہ ہرقل سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ علم ودانش راہنمائی کے لیے کافی نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق رفیق نہ بنے۔ یہود کا حال بھی یہی ہوا مصرعہ

عشق کاریست کہ موقوف ہدایت باشد

یہ بھی معلوم ہوا کہ حق پانے سے دنیا اور حکومت کی محبت آڑے آجاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت ہی مانگتے ہیں۔

بَابٌ فِی الْمِعْرَاجِ

معراج کا بیان

عروج کا معنی بلندی یعنی اوپر جانا ہے، معراج بلندی کا آلہ یعنی سیڑھی ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیڑھی لگائی گئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب صخرہ سے صعود فرمایا تو آپ کے لیے سیڑھی لگائی گئی جس سے اوپر تشریف لے گئے اور یہ بھی سیڑھی[1] ہے جس سے فرشتے اوپر نیچے آتے جاتے ہیں۔

اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ بعثت کے بارہویں سال معراج ربیع الاول میں ہوا۔ بعض نے ستائیس رمضان کا قول کیا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ واقعہ ستائیس رجب میں ہوا۔ اہلِ مدینہ کا عمل کہ وہ رجبیہ کو اوقات مبارکہ میں شمار کرتے ہیں، اس کی تائید کرتا ہے۔ بعض نے اسے اعلانِ نبوت کے پانچویں اور بعض نے چھٹے سال قرار دیا ہے۔ واضح رہے یہاں اسراء اور معراج دونوں کا بیان ہے۔ اسراء مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک اور معراج مسجدِ اقصٰی سے آسمان تک ہے۔ اسراء کا ثبوت نصِ قرآنی سے ہے جس کا منکر کافر ہے، لیکن معراج احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے۔ اس بارے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔ آیا یہ واقعہ خواب کا ہے یا بیداری کا۔ یہ ایک دفعہ ہوا یا متعدد دفعہ۔ صحیح اور مختار جمہور یہی ہے کہ متعدد دفعہ ہوا ایک دفعہ بیداری میں اور بارہا خواب میں۔ خواب میں بیداری کی تیاری کے لیے ہوا تاکہ اس جہان سے انس و تعلق پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ ابتدائے نبوت میں سچی خوابوں کا سلسلہ ہوا یا بیداری میں بیت المقدس تک جسمًا اور آسمان تک روحًا معراج ہوا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی اور وہاں سے آسمان اور آسمان سے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جسم کے ساتھ معراج ہوا یہی مذہب جمہور فقہاء، متکلمین اور صوفیاء کا ہے۔ احادیث صحیحہ کے ظواہر اور اخبار صریحہ از صحابہ کثرت کے ساتھ اس کے بارے میں مروی ہیں اور اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو باعثِ آزمائش اور شور و اختلاف نہ بنتا، جسم کے معراج پہ آپ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے اور یہ مقام سوائے آپ کے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تشریف و تکریم فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے اور اس کی حقیقت کا فہم حرقِ عادت کی تنگدامنی

---

[1] یہ روحانی چیز ہے اس پر سیڑھی کا اطلاق مجازًا کیا جا رہا ہے۔

گرفتار لوگوں کے ادراک سے ماوراء ہے یہاں تو ایمان لے آنا چاہیے باقی کیفیت کو علم الٰہی کے سپرد کر دینا چاہیے بلکہ تمام علوم وکمالات نبوت وحی اور معجزات عقل وقیاس کے احاطہ سے باہر ہوتے ہیں اور جو کوئی قیاس کے تابع ہو کر کہے گا کہ میں اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک عقل ان کا ادراک نہ کرے تو وہ دولت ایمان سے محروم ہو جائے گا۔

الفصل الاوّل

۵۶۱۰ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ ابْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِهٖ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا فِي الْحَطِيْمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحَجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ يَعْنِيْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰى شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِيْ ثُمَّ اُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مَمْلُوْءٍ اِيْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِيْ ثُمَّ حُشِيَ ثُمَّ اُعِيْدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ اِيْمَانًا وَّحِكْمَةً ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ يَضَعُ خَطْوَهٗ عِنْدَ اَقْصٰى طَرْفِهٖ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِيْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ فَقَالَ هٰذَا اَبُوْكَ اٰدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ

پہلی فصل

حضرت قتادہ، وہ حضرت انس بن مالک ابن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس رات کے متعلق خبر دی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی جب کہ میں حطیم لیٹا اوقات فرمایا کہ حجر میں تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا، اس نے یہاں سے یہاں تک چیرا یعنی آپ کے گلے کی گھنڈی سے لے کر آپ کے بالوں تک پھر میرا دل نکالا پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا، جو ایمان سے بھرا تھا پھر میرا دل دھویا گیا پھر اسے بھر دیا گیا پھر لوٹا دیا گیا اور ایک روایت میں ہے پھر پیٹ دھویا گیا زمزم کے پانی سے پھر ایمان حکمت سے بھر دیا گیا۔ پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا سفید رنگ تھا جسے براق کہا جاتا ہے وہ اپنی انتہائی نظر پر ایک قدم رکھتا ہے تو میں اس پر سوار کیا گیا پھر مجھے جبرئیل لے چلے حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچے دروازہ کھلوایا کہا گیا کون ہے فرمایا جبرئیل۔ کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے فرمایا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا گیا انھیں بلایا گیا ہے کہا ہاں ان کی خوش آمد ہو وہ خوب آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا جب میں داخل ہوا تو وہاں جناب آدم علیہ السلام تھے کہا گیا یہ تمھارے والد آدم علیہ السلام ہیں انھیں سلام کرو۔ میں نے انھیں سلام کیا انھوں نے جواب دیا

ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ
الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ
الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا
قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ
مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ
قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ
الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا
يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا اِبْنَا خَالَةٍ قَالَ
هٰذَا يَحْيٰى وَهٰذَا عِيْسٰى فَسَلِّمْ
عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا
مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ
ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الثَّالِثَةَ
فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ
جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ
قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ
قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ
فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يُوْسُفُ قَالَ
هٰذَا يُوْسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ
عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ
الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ
حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ
قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ
وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ
اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا
بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا
خَلَصْتُ فَاِذَا اِدْرِيْسُ فَقَالَ هٰذَا
اِدْرِيْسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ

پھر فرمایا صالح فرزند صالح نبی تم خوب تشریف لائے
پھر مجھے جبرئیل اوپر لے گئے حتیٰ کہ دوسرے آسمان
تک پہنچے دروازہ کھلوایا گیا کہا گیا کون بولے میں ہوں
جبرئیل کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہیں کہا حضور محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کہا گیا کیا انھیں بلایا گیا ہے کہا ہاں کہا
خوش آمدید تم بہت ہی اچھا آنا آئے پھر دروازہ کھول
دیا گیا تو جب میں اندر پہنچا تو اچانک وہاں حضرت یحییٰ
علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے وہ دونوں خالہ زاد
ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ یحییٰ علیہ السلام ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام
ہیں انھیں سلام کرو، میں نے سلام کیا ان دونوں نے
جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح نبی آپ خوب آئے
پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے
گئے دروازہ کھلوایا گیا کہا گیا کون وہ بولے جبرئیل ہوں
کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں کہا گیا انھیں بلایا گیا ہے کہا ہاں، کہا
خوش آمدید تم خوب ہی آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا جب
میں داخل ہوا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تھے جبرئیل
نے کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں انھیں سلام کرو۔ میں نے
سلام کیا انھوں نے جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح
نبی آپ خوب آئے۔ پھر مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ چوتھے
آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا کہا گیا کون ہے؟ فرمایا
میں جبرئیل ہوں کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا
حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کہا گیا انھیں بلایا گیا ہے
کہا ہاں۔ کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آپ آئے۔ دروازہ
کھولا گیا جب ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں ادریس علیہ السلام
تھے جبرئیل نے کہا یہ ادریس ہیں آپ انھیں سلام
کریں میں نے انھیں سلام کیا انھوں نے جواب دیا

ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا مُوْسٰى قَالَ هٰذَا مُوْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكٰى قِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اَبْكِيْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِيْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِيْ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ

کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی۔ پھر مجھے اوپر چڑھایا گیا حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا کہا گیا کون، فرمایا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہا گیا کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں بلایا گیا ہے۔ کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے۔ دروازہ کھولا گیا جب میں اندر گیا تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ جبرئیل نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں انھیں سلام کیجیے۔ میں نے انھیں سلام کیا انھوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی اے صالح نبی۔ پھر مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ چھٹے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا کہا گیا کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا گیا انھیں بلایا گیا ہے۔ کہا ہاں۔ کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے۔ دروازہ کھولا گیا جب میں اندر پہنچا تو وہاں حضرت موسیٰ تھے۔ جبرئیل نے کہا یہ موسیٰ ہیں انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا انھوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی۔ جب وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے ان سے کہا گیا کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟ کہا اس لیے کہ ایک فرزند میرے بعد نبی بنا کہ جس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھلوایا۔ کہا گیا کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا گیا کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید آپ بہت اچھا آنا آئے پھر جب میں وہاں پہنچا

فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ هٰذَا أَبُوكَ إِبْرَاهِيمُ
فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ
السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ
الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعْتُ
إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ
قِلَالِ هَجَرَ وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ
الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا
أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ
ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَا جِبْرَئِيلُ قَالَ
أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا
الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ
إِلَيَّ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِنْ
خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَإِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ
فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ أَنْتَ
عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ خَمْسِينَ
صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلٰى
مُوسٰى فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قُلْتُ أُمِرْتُ
بِخَمْسِينَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ إِنَّ
أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ خَمْسِينَ صَلٰوةً
كُلَّ يَوْمٍ وَإِنِّي وَاللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ
قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ
الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ
لِأُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا
فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَرَجَعْتُ إِلٰى
مُوسٰى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَرَجَعْتُ إِلٰى

توحضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تھے۔ جبرئیل نے کہا
یہ آپ کے والد ابراہیم ہیں آپ انھیں سلام کریں میں
نے انھیں سلام کیا انھوں نے جواب دیا پھر کہا خوب
آئے اے صالح فرزند صالح نبی۔ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ
تک اٹھایا گیا تو اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے
اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح۔ جبرئیل نے
کہا یہ سدرہ منتہیٰ ہے وہاں چار نہریں تھیں۔ دو نہریں
تو خفیہ تھیں اور دو ظاہر۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کیا ہے
عرض کیا کہ خفیہ نہریں تو جنت کی دو نہریں ہیں لیکن ظاہری
نہریں وہ نیل اور فرات ہیں۔ پھر میرے سامنے
بیت المعمور لایا گیا پھر پاس ایک برتن شراب کا اور
ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا لایا گیا۔ میں
نے دودھ قبول کیا تو جبرئیل نے کہا یہ وہ فطرت ہے
جس پر آپ اور آپ کی امت ہے پھر مجھ پر ہر دن میں
پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر میں واپس ہوا تو موسیٰ
علیہ السلام پر گزرا تو انھوں نے کہا آپ کو کیا حکم دیا
گیا۔ میں نے کہا ہر دن پچاس نمازوں کا۔ انھوں نے
کہا کہ آپ کی امت ہر دن پچاس نمازوں کی طاقت
نہیں رکھے گی اللہ کی قسم میں نے آپ سے پہلے لوگوں
کی آزمائش کی اور بنی اسرائیل کو تو خوب آزمایا لہٰذا آپ
اپنے رب کی طرف لوٹیے اور اس سے اپنی امت کے
لیے آسانی مانگیے چنانچہ میں واپس ہوا تو اس نے مجھ سے
دس نمازیں کم دیں۔ پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی
طرف لوٹا انھوں نے پھر وہی کہا میں پھر رب کی طرف
لوٹا اس نے مجھ سے دس معاف فرمادیں میں پھر جناب
موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے پھر وہی کہا پھر
لوٹا اس نے مجھ سے دس اور معاف فرمادیں۔ میں پھر

مُوْسٰی فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّیْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّیْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ رَبِّیْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنِّیْ اَرْضٰى وَاُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادٍ اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِیْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا۔ رب نے مجھ سے دس اور معاف کر دیں پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا اور مجھے ہر دن پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ میں پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے کہا کہ آپ کو کیا حکم دیا گیا میں نے کہا ہر دن پانچ نمازیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت ہر دن پانچ نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کی آزمائش کر لی ہے اور بنی اسرائیل کو تو میں نے اچھی طرح آزما لیا ہے۔ آپ پھر اپنے رب کی طرف لوٹیے آپ اس سے اپنی امت کے لیے کمی کا سوال کریں حضور نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے اتنے سوال کر لیے ہیں کہ اب شرم کرتا ہوں لیکن میں راضی ہوں تسلیم کرتا ہوں فرمایا پھر جب میں آگے بڑھا تو پکارنے والے نے پکارا کہ میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ مشہور صحابی ہیں۔

۳؎ مالک بن صعصعہ، دونوں صاد پر زبر، عین ساکن یہ بھی صحابی ہیں ان سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیثِ معراج روایت کی ہے جو اس باب میں سب سے احسن اور جامع حدیث ہے۔

۴؎ حجر حطیم، حاء پر زبر، حِجر حاء کے نیچے زیر، صحن کعبہ میں دو جگہوں کا نام ہے۔ اس کی تفسیر کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

۵؎ مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں۔

۶؎ ثُغرہ، ثاء پر پیش، غین ساکن بمعنی درمیان ہونا، شِغرہ شین کے نیچے زیر عین ساکن

۷؎ یہ بطور تمثیل ہے یا ان معانی کو متمثل کر دیا گیا تھا جیسے کہ روزِ قیامت برائے وزن اعمال متمثل ہو کر سامنے آئیں گے۔

ہے قامت ہیں

۵۹ تیز رفتاری اور روشنی و چمک کی وجہ سے بجلی کی مانند، استاذ عالم عارف سیدی شیخ عبدالوہاب متقی نے فرمایا۔ اسے براق، سواری اور دابہ کہا جائے لیکن گھوڑا نہ کہا جائے ۔ جیسا کہ بعض شعراء نے کہا ہے اور فرمایا ہر پیغمبر کے مقام و مرتبہ کے مطابق ان کا براق تھا جیسا کہ آخرت میں ہر ایک مومن کا ہوگا۔ اہل تاویل کے کلام میں ہے کہ براق آپ کے نفس شریف کی مثال ہے اور نفس روح کی سواری اور مقام اعلیٰ پر وصول کا سبب و ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سرکشی کی جیسا کہ نفس کی خاصیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد اطمینان پایا۔ یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص براق تھا۔ بعض روایات میں جو آیا کہ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام یا باقی انبیاء علیہم السلام بھی سوار ہوئے، ان کی صحت میں کلام ہے۔

۶۰ اس کی توجیہہ بعض نے یہ کی ہے کہ اس کا آسمان تک پہنچنا صرف ایک قدم سے تھا کیونکہ زمین سے نظر آسمان تک اٹھتی ۔ اس طرح سات آسمان سات قدموں سے طے ہو گئے۔

۶۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا براق پر سوار ہونا محض اعانت و قدرت الٰہی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو سوار جبرئیل امین نے اپنی قوت ملکوتی کی بنا پر کیا ہو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں ۔ کیونکہ حضرت جبرئیل وصول فیض الٰہی اور نزول وحی الٰہی کا سبب بنتے ہیں یہ بھی خدمت ہی کی صورت ہے جو خدام بادشاہوں کی بجالاتے ہیں ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاکر اور خادم تھے ۔ روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے رکاب تھامی اور حضرت میکائیل نے براق کی لگام ہاتھ میں لی ۔

۶۲ اس حدیث میں واقعہ اسراء بیان ہوا ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے گمان کیا کہ شاید معراج شب اسراء کے علاوہ رات میں ہوئی ہے اور اس حدیث کی دلالت ہے کہ آسمان تک آپ سواری پر تھے ۔ بعض نے کہا مسجد اقصیٰ میں پہنچنے کے بعد سیڑھی پیش کی گئی ، جس سے آپ آسمان پر تشریف فرما ہوئے ۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل امین آپ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر آسمان پر لے گئے ۔ واللہ اعلم ۔

۶۳ تمھارے ساتھ حضور ہیں انھیں طلب فرمایا گیا ہے یا خود آئے ہیں ؟

۶۴ بعض نے کہا کہ سوال سے مقصد یہ تھا کہ انھیں مبعوث کیا گیا ہے اور ان کی طرف وحی کا نزول ہوا ہے لیکن یہ محلِ نظر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا معاملہ ملکوت میں مشہور ہے ۔ چہ جائیکہ اس کے بارے میں سوال کیا جائے ، لیکن پہلا قول بھی ضعف سے خالی نہیں کیونکہ یہ بات بھی واضح ہے کہ بغیر اذن اور امر الٰہی جبرئیل کے ساتھ کوئی نہیں جا سکتا۔ احسن قول یہ ہے کہ ان کا سوال آپ کی آمد اور قدم رنجہ اور بلندی پر بطور خوشی و تعجب کا اظہار کرنے کے لیے تھا۔ یہی قول اظہر، احسن ، نہایت پسندیدہ اور قیل مرحبا کے زیادہ مناسب ہے ۔

۶۵ مرحبا، فراخ جگہ پر آنا

۶۶ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اس پر شاہد و ناطق ہیں کہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

وہ بیت المقدس کے مقابل و محاذی ہیں، فلاسفہ کا قول خرق والتیام کا بطلان اسے باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام کو شامل ہے اور آسمان بھی دیگر اجسام کی طرح ہیں اور تمام قابل خرق والتیام ہیں جو انھوں نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں وہ تمام مدخول و معلول ہیں۔ جب آسمان کے لیے دروازے ثابت ہیں تو اس سے خرق والتیام بھی لازم نہیں آئے گا۔

ےا شارحین نے فرمایا حضرت جبرئیل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کو پہلے سلام کرنے کو کہا تو اس کی وجہ تواضع و شفقت کی تعلیم تھی۔ کیونکہ جبرئیل جو کچھ بھی کہہ رہے تھے وہ سراپا تعلیم الٰہی تھا۔ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام و بلندی پر پہنچ رہے تھے جس سے آگے بلندی کا تصور ہی ممکن نہیں تو اس کا تقاضا یہی تھا کہ آپ تواضع کا اظہار کریں۔ یہ بھی کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے اس لیے آپ قائم کے حکم میں تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے مقام پر ہونے کی وجہ سے قاعد کے حکم میں تھے اور ضابطہ یہ ہے کہ قائم قاعد کو سلام کہے خواہ وہ بزرگ ہی ہو۔

ےا تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کو صالح کہا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم و رفیع مقام ہے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء کا یہ وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا وَكُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (اور یہ تمام صالحین میں سے ہیں) وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ (اور ان تمام کو ہم نے صالح بنایا) لفظ صلاح فساد کی ضد ہے صالح تمام صفات کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے کیونکہ جب آدمی صالح ہو جاتا ہے تو اس کا دل تمام کمالات اور صفات جمیلہ سے مزین ہو جاتا ہے چنانچہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں صلاح بندے کا بالکلیہ اپنی ہستی وجود کو فنا کر دیتا ہے کیونکہ جب تک ہستی باقی ہے فساد باقی ہے۔ جب اللہ میں فنائیت حاصل ہو گی اللہ کے ساتھ بقا بھی کامل ہو گی اور تمام میں اکمل آنحضرت سید السادات اور افضل کائنات ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سائر النبیین وآل کلہ وسائر الصالحین

۱۹ کیونکہ حضرت مریم کی ہمشیرہ حضرت زکریا کی بیوی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت زکریا نے حضرت مریم کی کفالت کی ذمہ داری لی تھی۔

۲۰ اگرچہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے آباء میں سے ہیں لیکن تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں اور ابوت حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام مشہور ہیں۔ اس وجہ سے انبیاء نے ابن صالح کہا۔

۲۱ شارحین نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک امت کی فضیلت پر بطور حسد نہ تھا کیونکہ وہ مذموم ہے اور اس جہاں میں ہر مومن سے اسے دور کر دیا جائے گا تو ان میں یہ بات کیسے ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے منتخب، اس سے کلام کرنے والے اور اس کے ہم راز ہیں بلکہ اس کا سبب ان کی امت کا مخالفت کرنا اور ان کے احکام کا نہ بجا لانا ہے کیونکہ اس پر رفع درجات کا مدار تھا۔ اسی وجہ سے ان میں نقص آیا جس کی وجہ سے امت کے اجر میں کمی ہوئی اور اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اجر پر بھی اثر پڑا۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو

اس کے تابعین کے مطابق اجر ملتا ہے۔ بعض نے کہا ان کا یہ رونا اپنی امت پر بطور شفقت تھا کہ انھوں نے ان کی ذات سے صحیح نفع اور فائدہ حاصل نہ کیا جس طرح کہ اس امت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے فائدہ اٹھایا ہے اسی وجہ سے ان کی کثرت اس امت کی کثرت کی طرح نہ ہوئی ۔ تحقیق یہ ہے کہ اپنی امت کے بارے میں جو رافت، شفقت اور رحمت ہر پیغمبر کے دل میں ہوتی ہے وہ کسی دوسرے کے دل میں کہاں ؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقعہ پر بصورت گریہ اپنی امت سے رافت و رحمت کا اظہار کیا کیونکہ یہ نہایت فضل وکرم کا وقت تھا ۔ اللہ تعالیٰ اس گھڑی کی برکت سے شاید رحم فرما دے ۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ ان کا رونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی دلانے کے لیے تھا کہ آپ کی امت دوسرے انبیاء کی امت کی بہ نسبت زیادہ جنت میں جائے گی باقی ان کا یہ قول کہ میرے بعد اس نوجوان کو مبعوث کیا گیا الخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یا حقارت کے لیے ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے عظیم کرم کا تذکرہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی اس قدر نہیں مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر کرم ہے کہ آپ کی امت کو دیگر تمام انبیاء کی امتوں پر کثرت حاصل ہے ۔ بعض اوقات لفظ غلام بول کر طاقت ور اور نوجوان مراد لیا جاتا ہے اگرچہ عمر بڑھاپے کی ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوجوان کہتے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوڑھا ۔ حالانکہ وہ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے ۔

۲۲ سدرۃ المنتہیٰ ، ایک درخت کا نام ہے جو ساتویں آسمان پر ہے اور اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں ، لغت میں بیری کے درخت کو کہا جاتا ہے ۔ منتہیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام مخلوق ملائکہ وغیرہ کے علوم وہاں تک ہی ہیں وہاں سے آگے سوائے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں گیا ۔ شعر

چناں گرم در تیہ قربت براند ... کہ در سدرہ جبرئیل از و باز ماند

۲۳ نبق ، باء پر زبر یا زیر ، بیری کا پھل ، قلال ، قاف کے نیچے زیر قلہ کی جمع بمعنی بڑے ہجر ، ہاء اور جیم دونوں پر زبر ۔ مدینہ طیبہ کے پاس جگہ کا نام ہے وہاں کے کوزے بڑے ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ۔

۲۴ فِیَلۃ ، فاء کے نیچے زیر یا پر زبر فیل کی جمع ۔ جیسا کہ دیک کی جمع دِکیہ ہے باقی یہ لفظ سمجھانے کے لیے تشبیہ ہے ورنہ اس کی بڑائی حد حصر سے باہر ہے ۔

۲۵ یا تو آپ کو آگاہ کرنا مقصود تھا اور اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ آپ اس مقام رفیع پر تشریف فرما ہوئے ہیں جو عقل و علوم خلائق کی انتہا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگت و صحبت سے جدائی پر معذرت کی تھی

بگفتا فراتر مجالم نماند ... بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یک سر موئے برتر پرم ... فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں ایک بال کی مانند آگے بڑھتا ہوں تو انوار و تجلیات سے میں جل جاؤں گا)

۲۶ امام طیبی کہتے ہیں ایک سلسبیل اور دوسری کوثر ہے۔ شرح میں فرشتے نے کہا کہ ایک کوثر ہے اور جنتی نہر، اسے باطن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں ہی رواں ہے نہ کہ باہر۔ بعض نے وجہ یہ بیان کی کہ اس کی حقیقت کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔

۲۷ ظاہر یہی ہے کہ اس سے مصر کی نیل اور فرات کو مراد ہے۔ حدیث کی بناء پر یہ پانچوں سدرہ سے نکلتے ہیں اور زمین پر رواں ہوتے ہیں۔ مجمع الجوامع میں امام سیوطی نے نیل وفرات کے بارے میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ بہت سے ایسے عجائب وغرائب پر مشتمل ہیں کہ عقل ان میں حیران رہ جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ از قبیل تشبیہ ہے کہ ان کا پانی لطافت، مٹھاس اور منافع میں آب بہشت کی طرح ہے یا موافقت فقط ناموں میں ہے کہ یہ دو نہریں دنیا کی جنتی دو نہروں کے ہم نام ہیں۔ (شرح ابن الملک)

۲۸ یہ ساتویں آسمان میں خانہ کعبہ کے مقابل ہے۔ اگر بالفرض وہاں سے کوئی چیز سیدھی نیچے پھینکی جائے تو وہ کعبہ کی چھت پر ہی آئے گی۔ اس کا تذکرہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

۲۹ تاکہ میں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکوں۔

۳۰ یعنی دین اسلام جس پر مخلوق کی تخلیق ہوتی ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ لبن اس جہان میں دین وعلم کی مثال بنتا ہے حتی کہ کوئی خواب میں دودھ پیتا ہے تو تعبیر یہ ہوتی ہے کہ اسے علم حاصل ہوگا۔ ان میں مناسبت یہ ہے کہ ابتدائً انسان کی غذا دودھ ہی بنتا ہے، صفا، لطافت اور مٹھاس بھی وجہ مناسبت ہے۔

۳۱ خمر، یہ توام الخبائث یعنی شر وفساد کی اصل ہے دوسری حدیث میں ہے جبریل امین نے کہا اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت میں فساد آجاتا۔ اگرچہ اس وقت شراب مباح تھی خصوصًا شراب جنت۔ مگر اس کی اس جہان میں تعبیر یہی ہے۔ رہا عسل تو اگرچہ اس کی مٹھاس اور اس میں شفا ہے مگر دودھ کی لطافت وگوارائی اس سے زیادہ ہے۔ اگلی حدیث میں عسل کا ذکر نہیں صرف خمر اور لبن کا ذکر ہی آیا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کا ملنا آسمان کے اوپر تھا جبکہ آئندہ حدیث میں ہے کہ یہ مسجد اقصٰی کے پاس ہوا تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مقامات پر ہوا۔ بیت المقدس میں دو خمر ولبن اور آسمان کے اوپر تین خمر، لبن اور عسل پیش کیے گئے۔

۳۲ میں نے دیکھا ہے لوگوں پر یہ شاق ہوگا۔

۳۳ آپ کی امت چالیس ادا نہ کر سکے گی میں نے امت کو آزمایا ہوا ہے۔

۳۴ حیا کی وجہ سے میں اب نہیں جاؤں گا۔

۳۵ میں نے اسے تسلیم کرلیا اور امت کا معاملہ اللہ تعالی اور اس کی توفیق کے سپرد کردیا ہے۔

۵۶۱۱ وَعَنْ ثَابِتِ نِ الْبُنَانِیِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتِیْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْیَضُ طَوِیْلٌ فَوْقَ

حضرت ثابت البنانی سے وہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا۔ سفید دراز جانور ہے گدھے

الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَقَعُ حَافِرُهٗ عِنْدَ
مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهٗ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ
الْمُقَدَّسِ فَرَبَطْتُهٗ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ تَرْبِطُ
بِهَا الْاَنْبِيَآءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ
فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَآءَنِيْ
جِبْرَئِيْلُ بِاِنَآءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَآءٍ مِّنَ
اللَّبَنِ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ
اخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى
السَّمَآءِ وَسَاقَ مِثْلَ مَعْنَاهُ قَالَ
فَاِذَا اَنَا بِاٰدَمَ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَا لِيْ
بِخَيْرٍ وَقَالَ فِي السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ
فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ اِذَا هُوَ قَدْ اُعْطِيَ
شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ بِيْ بِخَيْرٍ وَلَمْ
يَذْكُرْ بُكَآءَ مُوْسٰى وَقَالَ فِي السَّمَآءِ
السَّابِعَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِيْمَ مُسْنِدًا
ظَهْرَهٗ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ
يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ
لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ اِلَى
السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ
الْفِيَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشِيَهَا
مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ فَمَا
اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّنْعَتَهَا
مِنْ حُسْنِهَا وَاَوْحٰى اِلَيَّ مَا اَوْحٰى فَفَرَضَ
عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ
فَنَزَلْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ
عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً
فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى

اونچا، خچر سے نیچا اپنی ٹاپ اپنی نگاہ کی حد پر رکھتا ہے
میں اس پر سوار ہو گیا حتیٰ کہ میں بیت المقدس میں آیا تو
میں نے اسے اس کڑے سے باندھا جس سے حضرات
انبیاء باندھا کرتے تھے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا
تو اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں نکلا تو جبرئیل میرے
پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا لائے
تو میں نے دودھ اختیار کیا تو جبرئیل بولے کہ آپ نے
فطرت کو اختیار کیا پھر ہم کو آسمان کی طرف چڑھایا گیا
اور پچھلی حدیث کے معنی بیان کیے فرمایا کہ ہم جناب
آدم علیہ السلام کے پاس تھے انھوں نے مجھے مرحبا
کہا اور مجھے دعائے خیر دی پھر تیسرے آسمان میں پہنچے
تو میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تھا انھیں
آدھا حسن دیا گیا ہے انھوں نے مجھے مرحبا کہا میرے
لیے دعائے خیر کی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کا رونا ذکر نہیں
کیا اور فرمایا کہ ساتویں آسمان پر پہنچے تو ہم جناب ابراہیم
علیہ السلام کے پاس تھے جو بیت المعمور سے پیٹھ
لگائے تھے اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے
ہیں جو پھر کبھی وہاں لوٹ کر نہیں آتے۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ
کے پاس لے گئے تو اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی
طرح تھے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح تو جب اسے
اللہ کے حکم سے ملا نورانیت چھا گئی تو سدرہ ایک دم
بدل گیا اللہ کی مخلوق میں کوئی نہیں جو اس کی خوشنمائی
بیان کر سکے۔ رب نے میری طرف جو وحی کی وہ کی پھر
مجھ پر پانچ نمازیں ہر دن و رات میں فرض فرمائیں۔ پھر
میں موسیٰ علیہ السلام تک اتر کر پہنچا تو آپ نے فرمایا
کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ میں
نے کہا ہر دن و رات میں پچاس نمازیں۔ انھوں نے کہا

رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا
تُطِيْقُ ذَالِكَ فَاِنِّيْ بَلَوْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ
وَخَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ
فَقُلْتُ يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَحَطَّ
عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى
فَقُلْتُ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ
لَا تُطِيْقُ ذَالِكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ
التَّخْفِيْفَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ
بَيْنَ رَبِّيْ وَبَيْنَ مُوْسٰى حَتّٰى قَالَ
يَا مُحَمَّدُ اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوٰتٍ كُلَّ
يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ
فَذَالِكَ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً مَنْ هَمَّ
بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ
حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ
عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا
لَمْ تُكْتَبْ لَهٗ شَيْئًا فَاِنْ عَمِلَهَا
كُتِبَتْ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً قَالَ فَنَزَلْتُ
حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَاَخْبَرْتُهٗ
فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ
حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ
(رواہ مسلم)

اپنے رب کی طرف لوٹیے اس سے ہلکا کرنے کی درخواست
کیجیے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی ۔ میں تو
بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں ۔ ان پر تجربہ کر لیا ہے فرمایا
پھر میں اپنے رب کی طرف لوٹا میں نے عرض کیا یا رب
میری امت پر تخفیف فرما تو اس نے پانچ نمازیں کم
کر دیں پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا ۔
میں نے کہا کہ مجھ سے پانچ کم کر دیں انھوں نے کہا
کہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی آپ اپنے
رب کی طرف واپس جائیں اس سے کمی کا سوال کریں ۔
فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان
دورہ کرتا رہا حتی کہ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہر دن
اور رات میں پانچ نمازیں ہیں ۔ ہر نماز کا دس گنا ثواب
تو یہ پچاس نمازیں ہی ہوئیں ۔ جو کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے
پھر وہ کرے نہیں تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی
پھر اگر وہ یہ کر بھی لے تو اس کے لیے دس لکھوں گا اور جو
گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں تو اس کے لیے کچھ نہیں
لکھوں گا ۔ پھر اگر وہ کرے تو اس کے لیے ایک ہی گناہ
لکھا جائے گا ۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی
طرف اترا میں نے انھیں یہ خبر دی تو انھوں نے کہا کہ اپنے
رب کی طرف واپس پھر جائیے اس سے کمی کا سوال کریں
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا
کہ میں اپنے رب کی طرف اتنا لوٹ چکا کہ اب میں اس سے
شرم کرتا ہوں (مسلم)

ل ثابت البنانی ، باء پر پیش ، نون مخففہ مشہور تابعی ہیں ۔ بصرہ کے نامور علماء اور فقہاء میں سے ہیں لباس
فاخرہ پہنا کرتے تھے ۔ چالیس سال تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے ۔ اصحاب صحاح ستہ نے
ان سے روایت لی ہے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ہر شے کے لیے قفل ہوتا ہے ۔ لیکن ثابت
خیر کی چابیوں میں سے ہے ۔

سلہ بیت المقدس، میم پر زبر، قاف ساکن، دال کے نیچے زیر، یا میم پر پیش، قاف پر زبر، دال پر فتحہ اور مشدد

سلہ حلقہ، لام ساکن یا مفتوحہ یَرْبِطُ بِھَا ضمیر حلقہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اکثر میں مذکر ضمیر معنی کے اعتبار سے ہے۔ یہاں راوی نے امامت انبیاء کا ذکر نہیں کیا۔ بوجہ اختصار یا بوجہ ذہول جیسا کہ پہلی حدیث میں بیت المقدس کا ذکر رہ گیا ہے۔

سلہ واضح رہے کہ شطر بمعنی نصف یا کسی شے کا جزء خواہ وہ اس کا نصف ہو یا کم بمعنی جنت اور طرف بھی آتا ہے۔ یہاں بمعنی جزء ہے اگر بمعنی جہت عل لیں تو بھی معنی درست ہے کہ انھیں حسن کی بڑی طرف دی گئی ہے۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و صباحت کی شان میں جو کچھ وارد ہے اس سے ذہن میں آتا ہے کہ اس باب میں انھیں حظ عظیم دیا گیا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ قصہ معراج میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسے شخص کے پاس پہنچا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے حسین اور حسن میں مخلوق سے افزوں تر تھے جیسا کہ چاند کو دوسرے ستاروں پر فوقیت حاصل ہے۔ پھر امام ترمذی اپنی جامع میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو حسن اور خوش آوازی عطا فرمائی لیکن تمھارے پیغمبر ان میں زیادہ حسین اور خوش آواز ہیں۔ لہٰذا حدیث معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ بعض نے کہا متکلم عموم خطاب میں شامل نہیں ہوتا۔ شیخ ابن حجر مکی شرح شمائل میں فرماتے ہیں ایمان کے اتمام میں سے یہ اعتقاد بھی ہے کہ ظاہری صورت میں جو حسن ولطافت آپ کو حاصل ہے وہ دوسرے میں نہیں۔ جیسا کہ باطن سیرت میں فضل و کمال کی جامع شخصیت آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف و توصیف کا ضابطہ یہ ہے کہ مرتبہ الوہیت کے علاوہ جو بھی فضل و کمال ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے اس میں آپ سے کامل تو کجا آپ کے مساوی کوئی نہیں۔ اشعار

کسے بحسن و ملاحت بیار ما نرسد تا دریں سخن انکار کار ما نرسد

(حسن وملاحت میں ہمارے پیار کا مقابلہ نہیں اور ہمیں ان باتوں کے انکار کا حق نہیں پہنچتا)

ہزار سکہ بیا زار کائنات زدند یکے بخوبی صاحب عیار ما نرسد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمقدار حسنہ وجمالہ وفضلہ وکمالہ

سلہ وہاں ہر روز ستر ہزار دوسرے فرشتے آتے ہیں۔ حدیث سابق کی شرح سے معلوم ہوا کہ بیت المعمور خانہ کعبہ کے مقابل ہے۔ منقول ہے کہ یہ وہی بیت المعمور ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے نیچے لایا گیا اور پھر دوبارہ اٹھا لیا گیا۔

سلہ وہ انوار الٰہیہ میں پوشیدہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ پروانوں کی طرح ہے جو شمع پر گرتے ہیں اور یہ سونے سے بنی ہوئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں یہ فرشتوں کے پروں کے انوار ہیں۔

۵۷ جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا، احوط اور اقرب صواب یہی ہے کہ اسے مبہم اور مجمل ہی رہنے دیا گیا اس کی تفصیل اور تفسیر بیان کی گئی۔

۵۸ بعض نسخوں میں ہر دن رات کا بھی تذکرہ ہے۔

۵۹ ہر دفعہ پانچ کم ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ پانچ نمازیں مقرر ہوئیں۔

۶۰ اس حدیث سے پتہ چل رہا ہے کہ کمی پانچ پانچ کی ہوتی رہی تو اس طرح نو بار جانا ہوا۔ سابق حدیث سے دس دس کی کمی معلوم ہوتی ہے۔ آئندہ حدیث میں شطر شطر کی کمی کا تذکرہ ہے اور شطر کا معنی نصف ہے ان روایات کے درمیان موافقت یوں ہے کہ نصف کی کمی عام ہے خواہ ایک ہی بار ہو یا متعدد دفعہ۔ اس طرح جب پانچ پانچ کم ہوئیں تو دو دفعہ دس ہوگئیں اور پانچ دفعہ پچیس۔ امام کرمانی کہتے ہیں پہلی دفعہ پچیس کی کمی ہوئی دوسری دفعہ تیرہ اور تیسری دفعہ سات کی کمی ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک پر اس کا ثواب بطور فضل عطا فرما دیا۔

۶۱ یہ کم از کم کا ذکر ہے ورنہ دیگر احادیث میں ستر تک بلکہ صدق و اخلاص کی بناء پر اس سے زائد ثواب کا ذکر ملتا ہے۔

۶۲ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ارادہ و قصد میں ہے۔ لیکن عزم مصمم کا مرتبہ ارادہ سے بالاتر ہوتا ہے اور دل کا عمل ہے جس پر مواخذہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے۔

۵۶۱۲ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُوذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنِّيْ سَقْفُ بَيْتِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا فَأَفْرَغَهٗ فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ أَطْبَقَهٗ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ فَعُرِجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَتَحَ

ابن شہاب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جناب ابوذر خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی جب کہ میں مکہ میں تھا پھر جناب جبرئیل اترے انھوں نے میرا سینہ کھولا پھر اسے آب زمزم سے دھویا پھر سونے کا ایک طشت لائے حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا اسے میرے سینے میں ڈال دیا پھر اسے سی دیا پھر میرا ہاتھ پکڑا تو مجھے آسمان کی طرف لے گئے تو جب میں دنیاوی آسمان تک پہنچا تو جبرئیل نے آسمان کے خزانچی سے کہا کھولو۔ اس نے کہا کون ہے انھوں نے کہا جبرئیل ہیں۔ کہا گیا تمہارے ساتھ کوئی ہے کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس نے کہا کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں۔ جب کھولا تو ہم

عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا اِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرَئِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ وَهٰذِهِ الْاَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَاِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى حَتّٰى عُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهٗ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُ قَالَ اَنَسٌ فَذَكَرَ اَنَّهٗ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ وَاِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ اَنَّهٗ ذَكَرَ وَجَدَ اٰدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَاِبْرَاهِيْمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ وَقَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ

ہم دنیا کے آسمان میں چڑھ گئے وہاں ایک صاحب بیٹھے تھے جن کے داہنے کچھ جماعتیں تھیں اور ان کے بائیں کچھ جماعتیں تھیں تو جب اپنے داہنے دیکھتے تو ہنستے تھے اور جب بائیں دیکھتے تو روتے تھے۔ انھوں نے کہا نبی صالح فرزند صالح خوب آئے۔ میں نے جبرئیل سے کہا کہ یہ کون ہیں انھوں نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جماعتیں جو ان کے دائیں بائیں ہیں وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ داہنے والے ان میں سے جنتی ہیں اور وہ جماعتیں جو ان کے بائیں طرف ہیں وہ دوزخی لوگ ہیں۔ جب وہ اپنے داہنے دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب اپنے بائیں دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے پھر اس کے خزانچی سے کہا کھولو۔ ان سے خزانچی نے اس طرح کہا جو پہلے نے کہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ آپ نے آسمانوں میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو پایا پر یاد نہ رہا کہ ان کے مقامات کیسے تھے بجز اس کے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ انھوں نے پہلے آسمان سے آدم علیہ السلام کو اور چھٹے آسمان پر ابراہیم علیہ السلام کو پایا۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چڑھایا گیا حتیٰ کہ میں ایک میدان میں پہنچا جس میں قلموں کی چرچراہٹ سنتا تھا اور ابن حزم اور انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ تو میں یہ لے کر واپس ہوا

حَتّٰی مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰی اُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِیْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ فَرَاجَعَنِیْ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُهٗ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَیْهِ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُهٗ فَقَالَ هِیَ خَمْسٌ وَّهِیَ خَمْسُوْنَ لَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْیَیْتُ مِنْ رَّبِّیْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِیْ حَتّٰی انْتَهٰی بِیْ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَغَشِیَهَا اَلْوَانٌ لَا اَدْرِیْ مَا هِیَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِیْهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیں۔ انھوں نے کہا اپنے رب کی طرف لوٹ جائیے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی۔ انھوں نے مجھے واپس کر دیا۔ رب نے آدھی نمازیں معاف فرما دیں۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا تو میں نے کہا کہ اس نے آدھی معاف فرما دیں۔ انھوں نے کہا آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر میں واپس ہوا اس کی آدھی معاف فرما دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے کہا رب کی طرف لوٹ جائیے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی۔ پھر میں واپس گیا تو رب نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں وہ حقیقت میں پچاس ہیں ہمارے ہاں فیصلہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انھوں نے کہا اپنے رب کی طرف واپس لوٹیے میں نے کہا میں اپنے رب سے شرم کرتا ہوں پھر مجھے لے گئے حتیٰ کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا اور اس پر مختلف رنگ چھا گئے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتی کی عمارتیں تھیں اور اس کی مٹی مشک تھی (بخاری و مسلم)

لہ فرج، مجہول تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے۔ مقامِ اسراء کی تعیین کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض میں حطیم بعض میں حجر جیسا کہ حدیث اول میں آیا۔ بعض میں عند البیت بعض میں شعب ابی طالب اور بعض میں بیت ام ہانی یہ مشہور تر ہے۔ ان اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فتح الباری میں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر تھے اسے آپ نے اپنا گھر قرار دیا کیونکہ رات وہاں بسر کی تھی اور وہ شعب ابی طالب میں ہی تھا وہاں سے فرشتہ کعبہ کے پاس سے آیا وہاں مسجد اقصیٰ کی طرف روانگی ہوئی۔

ے۲ فرج - یہاں یہ لفظ معروف اور مخفف ہی ہے ۔

ے۳ اس کی شرح فصل اول میں گزر چکی لیکن ظاہر یہی ہے طشت سونے کی تھی اس کے بعد قلب انور کو علم و ایمان سے پر کیا گیا - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے قلب اقدس کو آبِ زمزم سے دھویا گیا - اس کے بعد حکمت و ایمان سے پرتھال لایا گیا اور آپ کے سینہ اقدس میں ڈال دیا گیا ۔

ے۴ یہاں سواری براق اور مسجد اقصٰی جانے کا ذکر نہیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ معراج ، اسراء کی رات نہیں ہوا بلکہ کسی دوسری رات میں ہوا - کیونکہ براق کی سواری اسراء میں ہے ۔

ے۵ اسودہ ، ہمزہ پر زبر ، سین ساکن اور نیچے زیر ، سوار کی جمع ، انسان کی ذات کو کہتے ہیں - فتح الباری میں ہے کہ چیز کے تشخص کو سوار کہا جاتا ہے ۔

ے۶ یہ بطور تمثل تھے - نسم نون اور سین پر زبر بمعنی نفس ، روح ، بدن ، بمعنی انسان بھی آتا ہے

ے۷ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین اولاد کی پریشانی میں پریشان ہوتے ہیں خواہ اولاد نیک ہو یا بد ۔

ے۸ حدیث اول میں گزرا حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے یہ اقوی و اثبت ہے ۔ کیونکہ حدیث جماعت میں ہے کہ آپ نے انھیں دیکھا کہ وہ بیت المعمور کے ساتھ تکیہ لگا کر تشریف فرما ہیں - بالجملہ آسمانوں کی تعیین اور وہاں انبیاء سے ملاقات کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے یہ یا تو روایات میں اشتباہ کی وجہ سے ہے یا ممکن ہے دونوں آسمانوں پر ملاقات ہوئی ہو

ے۹ ابن حزم ، حا اور زاء

ے۱۰ اباحبۃ ، باء ، حاء مشدد ، بعض نے نون لیکن باء مشہور ہے یہ صحابی ہیں ۔

ے۱۱ جن کے ساتھ فرشتے احکامِ الٰہی اور تقادیر لکھتے ہیں اور لوحِ محفوظ سے منتقل کرتے ہیں - ان قلموں کی حقیقت یہ ہے کہ انکے نقوش اور حروف سامنے آتے ہیں ۔

فلاسفہ کے ایک گروہ نے اس کی ظاہر سے تاویل کی ہے لیکن طریقہ اسلام یہ ہے کہ اسے ظاہر پر ہی رکھتے ہوئے اس پہ ایمان لایا جائے اور اس کی حقیقت علمِ الٰہی کے حوالے کر دی جائے واللہ اعلم ۔

ے۱۲ صراح میں ہے رجوع واپس ہونا اور مراجعت واپس کرنا ہوتا ہے ۔

ے۱۳ بعض نسخوں میں فراجعت ہے اور یہی ظاہر ہے ۔

ے۱۴ عملاً پانچ مگر ثواب میں پچاس ہیں ۔

ے۱۵ عدم تبدیل سے مراد پانچ کی فرضیت اور اس حکم کا دائمی ہونا ہے - یا مراد یہ ہے کہ یہ پانچ ، پچاس کے حکم میں ہیں اس دائمی قاعدہ کے تحت کہ ایک نیکی کا ثواب دس ملتا ہے ۔

ے۱۶ یہ دونوں مجہول ہیں

ے۱۷ ان رنگوں کی حقیقت کیا ہے ۔؟

۵۱۸ جنابذ، جنبذہ کی جمع ہے ،جیم پر پیش ، نون ساکن آخر میں ذال گول گول عمارت جیسے قبہ عام ، باء پر فتحہ پڑھتے ہیں ۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ گنبد سے معرب ہے ۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے جنت کی سیر کی وہاں نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے قبے تھے ۔

۵۱۹ مثل مشک یا اس کی حقیقت مشک تھی ۔

۵۶۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَهٰى بِهٖ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَهِيَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ اِلَيْهَا يَنْتَهِيْ مَا يَعْرُجُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا وَاِلَيْهَا يَنْتَهِيْ مَا يُهْبَطُ بِهٖ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا قَالَ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى قَالَ فَرَاشٌ مِّنْ ذَهَبٍ قَالَ فَاُعْطِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا اُعْطِيَ الصَّلَوٰتَ الْخَمْسَ وَاُعْطِيَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَ لِمَنْ لَّمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَيْئًا اَلْمُقْحِمَاتُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔ یہ چھٹے آسمان میں ہے جو چیزیں زمین سے اوپر اٹھائی جاتی ہیں وہ وہاں تک ہی پہنچتی ہیں پھر وہاں سے لے لی جاتی ہیں اور جو چیزیں اوپر سے اتاری جاتی ہیں وہ وہاں تک ہی پہنچتی ہیں پھر وہاں سے لے لی جاتی ہیں ۔ فرمایا اچانک سدرہ پر چھا گئی جو چھا گئی فرمایا وہ سونے کے پتنگے تھے ۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں ۔ آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں، اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں اور آپ کی امت میں سے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں ان کے گناہ بخشے گئے ۔

۵۱ حدیث مالک بن صعصعہ میں گزرا کہ سدرہ ساتویں آسمان پر ہے ۔ موافقت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور شاخیں ساتویں پر ہیں ۔

۵۲ اعمال و علوم ۔

۵۳ قدرت الٰہی سے ملائکہ اس سے اوپر نہیں جا سکتے ۔

۵۴ اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر ۔

۵۵ ملائکہ وہاں کھڑے ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام حاصل کرتے ہیں ۔ یہ جگہ علوم خلق اور عروج ملائکہ کی انتہا ہے ۔ اسی وجہ سے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے ۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی اس سے اوپر نہیں گیا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں تک تشریف لے گئے جہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا ۔ اشعار

برداشت از طبیعت امکاں کہ آں	اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرام
تا عرصہ وجوب کہ افضائے عالم ست	کا نجا نہ جاست و نے جہت و نہ نشان
سرے ست بس شگرف و انجا ہیچ نان	از آشنائے عالم جان پرس ازیں مقام

(وہاں نہ جگہ ہے نہ سمت نہ نشان اور نہ نام، وہ راز ہے
اس مقام کے حوالے سے کسی آشنا عالم سے پوچھ)

۵۶ حضور نے فرمایا یا ابن مسعود نے اپنے قول کی تائید میں

۵۷ ایسی چیز ہے جس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ کون سی اور کیسی ہے۔ مقصود اس کی تعظیم و تکثیر ہے۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "لاادری" کا مفہوم بھی یہی ہو نہ کہ حقیقتِ عدم علم و درایت، دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے ہر جگہ پر فرشتہ تھا جو تسبیح کہہ رہا تھا اور وہاں ذی روح سبز رنگ میں یعنی ارواح انبیاء و اولیاء تھیں۔

۵۸ عالمِ ملکوتی سے نازل انوار کو فراش کے ساتھ تشبیہ دی۔ فراش۔ فاء پر زبر پروانے جو شمع کے اردگرد ہوتے ہیں یہاں نور اقدس رب تعالیٰ کے ساتھ محبت شوق مستی اور سرگردانی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ایک روایت میں جراد مکڑی کا ذکر ہے۔ یہ بھی بطور تشبیہ و تمثیل، کیونکہ یہ درختوں پر آتے اور بیٹھتے ہیں۔ ذہب سے مراد صفائی و ضیاء ہے۔ حقیقۃً ذہب بھی مراد ہو سکتا ہے اور قدرت ان چیزوں کو شامل ہے۔

۵۹ وہ تین چیزیں کون سی تھیں؟ المواہب میں ہے کہ ان سے مراد وہ علم، عمل اور انوار و فیوض و برکات کی عطاء ہے جو حد و گنتی سے ماوراء ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان تین چیزوں کا تعلق شرف کرامت میں امت کے ساتھ ہے۔

۶۰ جن میں اس امت پر اللہ تعالیٰ کے کمالِ رحمت، اس کے لیے آسانیاں، عفو و مغفرت اور ان کے کفار پر مدد و نصرت کا تذکرہ ہے۔

۶۱ اقحام، سختی سے ڈالنا یعنی اس امت کے عاصی لوگوں کو بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

الفصل الثانی

هٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ

دوسری فصل

یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے

الفصل الثالث

۵۶۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ يَسْاَلُنِيْ عَنْ مَسْرَايَ فَسَاَلَتْنِيْ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ

تیسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا۔ قریش مجھ سے میرے سفرِ معراج کے متعلق سوالات کر رہے تھے تو انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی ایسی چیزوں کے متعلق

لِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِيْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوْسٰى قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَةَ وَإِذَا عِيْسٰى قَائِمٌ يُّصَلِّيْ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ وَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ أَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَأَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ لِيْ قَائِلٌ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَبَدَأَنِيْ بِالسَّلَامِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوالات کیے جب مجھے یاد نہ رہی تھیں[3] تو میں اتنا غمگین ہوا جتنا کبھی نہ ہوا تھا تو اللہ نے میرے سامنے اسے کردیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا[4] کسی چیز کے متعلق مجھ سے نہ پوچھتے تھے مگر میں انھیں بتا دیتا تھا اور میں نے اپنے کو نبیوں کی جماعت میں دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے وہ درمیانے قد، گھونگھر یالے[5] بال والے ہیں۔ گویا وہ شنوءہ[6] کے لوگوں میں سے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان سے قریبًا ہم شکل عروہ[7] بن مسعود ثقفی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے سب میں زیادہ ان کے مشابہ تمہارے صاحب یعنی میں ہوں پھر نماز کا وقت ہو گیا[8] تو میں نے ان کی امامت[9] کی پھر جب نماز سے میں فارغ ہو گیا تو مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آگ کے خزانچی مالک ہیں۔ انھیں سلام کیجیے۔ میں نے ان کی طرف توجہ کی تو انھوں نے مجھے سلام کرنے سے ابتداء کی۔ (مسلم)

[1] حِجر، حا کے نیچے زیر، جیم ساکن، کعبہ کے سامنے والی جگہ جس میں کعبہ کا پرنالہ ہے۔
[2] بیت المقدس کی علامات اور نشانیاں
[3] ان کے سوالات کے وقت بوجہ لحوق نسیان [10]
[4] حجابات اٹھا دیئے اور میں نے اسے اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھا
[5] جعودت کے دو معانی ہیں بعض اوقات بالوں کا گھنگھرالا ہونا۔ بعض اوقات جسم کے بارے میں بھی آتا ہے۔
[6] شنوءۃ قبیلہ کا نام ہے
[7] ایک صحابی کا نام ہے کتاب بدأ الخلق میں گزر چکا ہے کہ وہ سرخ، سفید اور نرم تھے۔ گویا ان کے چہرے سے ابھی پانی ٹپک اٹھے گا۔

[10] ظاہر یہی ہے کہ بوجہ عدم توجہ۔ مثلاً اس کے کتنے دروازے ہیں

سلہ اگر سوال یہ ہو کہ اس جہان میں نماز کی ادائیگی کا معنی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقی اور دنیاوی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ زندہ ہی ہیں تو ممکن ہے مکلف بھی ہوں اور یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ وہاں نماز وغیرہ کا لزوم و وجوب نہیں رہتا۔ باقی وجود و ثبوت تو ہو سکتا ہے

سلہ یہ امامت انبیاء بیت المقدس میں تھی۔ اس کے بعد وہ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ یا آسمانوں پر ان کی ارواح متمثل ہوئیں۔ مگر حضرت عیسٰی اور حضرت ادریس علیہما السلام ان کے آسمانوں پر اجسام بھی تھے۔

سلہ میرے سلام کرنے سے پہلے اس نے سلام کہا بوجہ آپ کے غلبہ شوکت و رحمت نار اور اس کے خازن پر ظاہر یہی ہے کہ یہ آسمانوں پر ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں بھی انبیاء کو جماعت کروائی ہو۔ لیکن سیاقِ حدیث یہی واضح کر رہا ہے کہ یہ بیت المقدس میں ہوا۔

۵۶۱۵ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس ظاہر فرما دیا تو میں انھیں وہاں کی خبر دینے لگا حالانکہ میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ (مسلم، بخاری)

سلہ واقعہ اسراء کے بارے میں انھوں نے بیت المقدس کی علامات پوچھیں۔

سلہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ جیساکہ حدیث ابن عباس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیت المقدس کو اٹھا کر دارِ عقیل کے پاس رکھ دیا گیا یہ معجزہ کے اعتبار سے اغلب ہے جیساکہ بلقیس کا تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آگیا تھا۔

سلہ یہاں کوئی ایسی روایت نہیں آئی جس میں رویت باری کا تذکرہ ہو۔ صحابہ اور تابعین کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے۔ مختار قول یہی ہے کہ دیدار باری تعالیٰ حاصل ہوا۔ بعض نے کہا دل کے ساتھ۔ لیکن دل کا جاننا اور ہے اور دیکھنا اور ہے۔ اس پر تحقیقی بیان کتاب الجنۃ کے باب رویۃ اللہ میں گذر چکا ہے۔

بَابٌ فِی الْمُعْجِزَاتِ

۲۶۱ معجزات کا بیان

معجزہ، اعجاز سے مشتق ہے بمعنی عاجز کر دینا۔ یہ اس امر کو کہتے ہیں جو دعوی نبوت کے بعد خلافِ عادت واقع ہو۔ ایسی چیز اگر اعلانِ نبوت سے پہلے ہو تو اسے ارہاص کہا جاتا ہے۔ مٹی اور پتھر کے ساتھ بنیاد کو مضبوط کرنے کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی عمارتِ نبوت کو مستحکم کیا جاتا ہے۔

خلافِ عادت امور کی چار اقسام ہیں اگر ان کا صدور کفار و فساق سے ہو تو استدراج، اگر مسلمانوں سے صدور ہو تو معونت، اگر اولیاء سے ہو تو کرامت، دعویٰ نبوت کی قید سے یہ تمام خارج ہو گئے سو خلافِ عادت نہیں بلکہ اس کا ظہور اسباب کی بناء پر ہوتا ہے اور جو بھی چیز اسباب عادیہ کی بناء پر ظاہر ہو وہ خلافِ عادت نہیں ہوتی جیسا کہ ادویہ سے شفا، جس نے بھی اسے خلاف عادت کہا اس نے ظاہر کا اعتبار کیا۔

الفصل الاوّل

۵۶۱۶ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَبَا بَكْرِنِ الصِّدِّيْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰی اَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰی رُءُوْسِنَا وَنَحْنُ فِی الْغَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ اِلٰی قَدَمِهٖ اَبْصَرَنَا فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سروں کے اوپر مشرکین کے قدم دیکھے جب کہ ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان میں سے ایک اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہم کو دیکھ لے۔ فرمایا اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

سلہ ہجرت کا واقعہ اور غار میں پہنچنے اور وہاں کفار کے پہنچنے کا بیان کرتے ہوئے۔

سلہ اس غار کی صورت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص اس کے دروازے پر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کی نظر اندرِ غار کی طرف ہو تو اس کی نظر اپنے پاؤں پر ہوگی اور جس کی نظر وہاں پاؤں پر ہو وہ دیکھ لے گا کہ اندرونِ غار کیا ہے

ﺳﮯ یعنی اللہ تعالیٰ جن کی مدد فرما رہا ہو۔ اس واقعہ میں معجزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس غار میں تلاش و اور اس میں دیکھنے اور جھانکنے سے کفار کا رخ ہی موڑ دیا۔ حالانکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں ہیں۔

۵۶۱۷ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ حَدِّثْنِيْ كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِيْنَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَمِنَ الْغَدِ حَتّٰى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ وَخَلَا الطَّرِيْقُ لَا يَمُرُّ فِيْهِ اَحَدٌ فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيْلَةٌ لَهَا ظِلٌّ لَمْ تَاْتِ عَلَيْهَا الشَّمْسُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهَا وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانًا بِيَدِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ وَبَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً وَقُلْتُ نَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْفُضُ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ اَنْفُضُ مَا حَوْلَهٗ وَاِذَا اَنَا بِرَاعٍ مُّقْبِلٍ قُلْتُ اَفِيْ غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ اَفَتَحْلِبُ قَالَ نَعَمْ فَاَخَذَ شَاةً فَحَلَبَ فِيْ قَعْبٍ كُثْبَةً مِّنْ لَّبَنٍ وَمَعِيَ اِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْتَوِيْ فِيْهَا يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّاُ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهٗ فَوَافَقْتُهٗ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ اَسْفَلُهٗ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَاْنِ لِلرَّحِيْلِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَارْتَحَلْنَا

حضرت براء بن عازب سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر! تم مجھے بتاؤ کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے تو تم نے کیا کیا تھا۔ فرمایا ہم ساری رات چلتے رہے اور اگلی رات بھی حتیٰ کہ دوپہری کا ٹھہرنے والا ٹھہر گیا اور راستہ خالی ہو گیا کہ اس میں کوئی نہیں گزرتا تھا تو ہم کو ایک لمبا پتھر ظاہر ہوا جس کا سایہ تھا اس پر دھوپ نہیں آتی تھی۔ ہم اس کے پاس اتر گئے تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جگہ اپنے ہاتھ سے ہموار کر دی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوئیں اور اس پر پوستین بچھا دی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیے میں آپ کے ارد گرد پہرہ دوں گا۔ چنانچہ آپ سو گئے اور میں آپ کے ارد گرد پہرہ دینے لگا تو میں نے ایک چرواہا سامنے سے آتا دیکھا۔ میں نے کہا کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ وہ بولا ہاں۔ میں نے کہا کیا دودھ دے گا؟ بولا ہاں تو اس نے ایک بکری پکڑی۔ ایک پیالہ میں تھوڑا سا دودھ دوہا۔ میرے ساتھ برتن تھا جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لایا تھا جس میں آپ سیراب ہوتے تھے پیتے تھے اور وضو کرتے تھے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے آپ کو جگانا پسند نہیں کیا تو میں نے انتظار کیا حتیٰ کہ آپ بیدار ہو گئے پھر میں نے دودھ پر پانی ڈالا حتیٰ کہ اس کا تلہ بھی ٹھنڈا ہو گیا میں نے عرض کیا

بَعْدَ مَا مَالَتِ الشَّمْسُ وَ اتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ ابْنُ مَالِكٍ فَقُلْتُ أُتِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ بِهٖ فَرَسُهٗ اِلٰى بَطْنِهَا فِيْ جَلَدٍ مِنَ الْاَرْضِ فَقَالَ اِنِّيْ اَرَاكُمَا دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوَا لِيْ فَاللّٰهُ لَكُمَا اَنْ اَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَجَا فَجَعَلَ لَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا قَالَ كُفِيْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا رَدَّهٗ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور ہیں آپ نے پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا پھر فرمایا کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا میں نے عرض کیا ہاں فرمایا پھر ہم سورج ڈھلنے کے بعد چلیں اور سراقہ بن مالک ہمارے پیچھے پہنچ گئے فرمایا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر ان کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ۔ ان کا گھوڑا ان کے ساتھ پیٹ تک دھنس گیا سخت زمین میں ۔ سراقہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ دونوں صاحبوں نے مجھ پر بددعا کی ہے آپ دونوں کو اللہ ضامن دیتا ہوں کہ میں تم دونوں سے تلاش کرنے والوں کو دور کر دوں گا چنانچہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی وہ چھوٹ گئے پھر وہ یہ کرنے لگے کہ کسی سے نہیں ملتے تھے ۔ مگر کہتے تھے تم کفایت کیے گئے ادھر وہ نہیں ہیں کسی سے نہ ملتے مگر اسے واپس کر دیتے ۔ (بخاری و مسلم)

سلہ جس دن آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی تھی ۔

سلہ۲ یہاں قیام کا معنی توقف ، ظہیرہ کا معنی نیم روز ، قائم ظہیرہ آفتاب سے مراد اس کا نیم روز میں اس طرح کھڑا ہونا ہے کہ وہ حرکت نہیں کرتا ۔

سلہ۳ میں ہر طرف نگاہ رکھتا ہوں ، نگہبانی اور پاسبانی کا کام کرتا ہوں ، ہر جانب کی خبر رکھوں گا ۔ نفض ، قام و مناد ، ہر طرف نظر کرنا اور جو کچھ اس میں ہو اسے نگاہ میں رکھنا ۔ نفضہ تین حروف پر فتحہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جسے جاسوسی کے لیے روانہ کیا گیا ہو ۔

سلہ۴ قعب ، قاف پر زبر ، عین ساکن ، پیالہ جس سے آدمی سیر ہو جائے ۔ کثبہ ، کاف پر پیش ثا ساکن دودھ دھونا ۔

سلہ۵ میں بھی سو گیا ۔ وافقنہ ، قاف فاء پر مقدم بھی پڑھا گیا ہے ۔ میں نے صبر کیا ہے ۔ توقف کرتے ہوئے آپ کو بیدار نہ کر سکا ۔

سلہ۶ میں نے پانی زیادہ ڈالا تاکہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے اہلِ عرب کی عادت ہے کہ وہ دودھ میں ٹھنڈا پانی ملا کر پیتے ہیں ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دودھ کی حرارت کو دور کر دیتا ہے ۔

سلہ۷ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ محب کی خوشی اور خوش دلی محبوب کے آرام و آسائش میں ہوتی ہے ۔ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر دودھ کیوں حاصل کیا ؟ جواب یہ ہے کہ یہ بکریاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

دوست کی بھیں اور انھوں نے ان کی رضا پر اعتماد کیا ۔ اہلِ مکہ کی یہ بھی عادت و معمول تھا کہ انھوں نے اپنے چرواہوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ اگر کوئی بھوکا پیاسا ہو تو اسے دودھ دے دیا کریں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر نے وہ دودھ خریدا ہو ۔

۸ بوقت زوال

۹ اہلِ مکہ نے اسے اور ایک جماعت کو ہمارے لیے مقرر کیا کہ وہ حضور کو پکڑ لائیں تو انھیں سو اونٹ انعام دیا جائے گا ۔ یہی سراقہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے ۔

۱۰ بعض اہلِ معرفت نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے درمیان فرق ہے انھوں نے کہا تھا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے کرم پر ہوئی اور اس کے بعد اپنی ذات کا ذکر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف تو پہلی صورت پس اوّل کا شہود اتم واکمل ہے اور یہ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ (میں نے کسی شے کو نہیں دیکھا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا) اور دوسری صورت مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ اَوْ بَعْدَہٗ (میں نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس کے ساتھ یا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا) کے مطابق ہے ۔ پہلی حالت اہلِ جذب و مشاہدہ کی ہے جبکہ دوسری اہلِ استدلال و برہان کی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "معنا" فرمایا تاکہ امت کے فقراء کو بھی حصہ نصیب ہو ۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "معی" کہا جو حرف ان کی اپنی ذات کے ساتھ ہی مخصوص تھا ۔ ایسے ہی ادنی (مجھے دیکھا) اور اَدِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ (ہمیں اشیاء کے حقائق کا مشاہدہ عطا فرما) میں بھی فرق ہے ۔

۱۱ جلد، جیم و لام دونوں پر زبر، سخت زمین ۔

۱۲ ایک روایت میں تین مرتبہ کا ذکر ہے ۔

۱۳ میں نے انھیں تلاش کیا نہیں پائے اور تم یہاں ان کی تلاش نہ کرو ۔

۵۶۱۸ / ۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ اَرْضٍ يَّخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلٰثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيْهِ اَوْ اِلٰى اُمِّهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنی حالانکہ وہ ایک زمین میں کام کر رہے تھے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ میں آپ سے تین ایسی چیزیں پوچھتا ہوں جنھیں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ۔ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے اور بچے کو کون سی چیز اس کے باپ یا اس کی ماں کی طرف کھینچتی ہے

قَالَ اَخْبَرَنِیْ بِهِنَّ جِبْرَئِیْلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ وَاَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ یَاْكُلُهٗ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِیَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْیَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَاِنَّهُمْ اِنْ یَّعْلَمُوْا بِاِسْلَامِیْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْئَلَهُمْ یَبْهَتُوْنِیْ فَجَاءَتْ یَهُوْدُ فَقَالَ اَیُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ فِیْكُمْ قَالُوْا اِنَّهٗ خَیْرُنَا وَابْنُ خَیْرِنَا وَسَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا فَقَالَ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُ اَخَافُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

راوی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی مجھے ان کی خبر جبرئیل نے دی ۔ قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک پہنچا دے گی اور پہلا وہ کھانا جسے جنتی لوگ کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی کا کنارہ ہے اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہو جائے تو مرد بچہ کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہو جائے تو وہ کھینچ لیتی ہے عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود بہتان لگانے والی قوم ہے اگر آپ کی پوچھ گچھ سے پہلے وہ میرے اسلام کو جان لیں تو مجھے بہتان لگا دیں گے چنانچہ یہود آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں عبداللہ کیسے شخص ہیں وہ بولے کہ ہم میں بہترین ہیں اور ہمارے بہترین کے بیٹے ہیں ۔ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں ۔ فرمایا بتاؤ تو اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائیں[1] تو بولے انھیں اللہ اس سے پناہ دے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نکلے بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو یہود بولے کہ وہ ہمارے بدترین ہیں اور ہمارے بدترین کے بیٹے ہیں ان کی بہت برائی کی ۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ یہ ہی وہ چیز ہے جس سے میں ڈرتا تھا
(بخاری)

---

[1] یہ یہود کے عظیم اور نامور عالم ہیں ۔

[2] اپنے باغ میں درختوں سے پھل چن رہے تھے ۔ اس سے مقصود بیان واقعہ ہے یا ان کا حضور کے پاس جلدی آنے میں مبالغہ ہے کہ باوجود تنگی فرصت کے وہ آپ کے پاس آتے انھوں نے توراۃ میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھی تھیں اور وہ ظہورِ نبوت کے منتظر تھے ۔ اسی وجہ سے وہ پہلے دن ہی ایمان لے آئے ۔ شعر

مدّتے بود کہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدم و از جا رفتم

(مدّت سے تیری ملاقات کا اشتیاق تھا جب تیرا چہرہ دیکھا تو میں زمین پہ نہ رہا)

۳؎ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور نبوت پر بطور علامت

۴؎ اولاد کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتی ہے اس کا سبب کیا ہے ؟

۵؎ اس سے لیے متوجہ کرنا تھا کہ گوش ہوش سے سنو اس لیے وحی اور نزولِ جبرئیل کا ذکر فرمایا ۔

۶؎ مچھلی کا یہ حصہ گوشت نہایت ہی لذیذ ہوتا ہے ۔ اس کا بیان باب صفۃ الجنۃ والنار میں گزر چکا ہے

۷؎ یعنی والد کا نطفہ رحم میں پہلے چلا جائے تو بیٹا اس کی مانند ہوتا ہے ۔

۸؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی مشابہت مرد و عورت کی منی کی سبقت کی بناء پر ہوتی ہے ۔ کتاب الطہارت کے باب الغسل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منی کے غلبہ کے سبب یا سبقت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے تو سبقت کو دو معانی پر مشتمل و منقسم قرار دیا جا سکتا ہے ۔

۹؎ بُہُت ، کسی پر بہتان باندھنا بہت ۔ بارہا دونوں مفہوم یا ہاء ساکن بُہُوت کی جمع ۔ بروزنِ فعول مبالغہ کے لیے ہے ۔

۱۰؎ حضرت عبداللہ ان سے مخفی تھے

۱۱؎ حضرت عبداللہ اولاد حضرت یوسف علیہ السلام میں سے تھے ۔

۱۲؎ تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے ؟

۱۳؎ یعنی اسلام لانے سے ۔

۱۴؎ ان کے اس بہتان سے میں ڈر رہا تھا ۔

۵۶۱۹ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَحِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِىْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ اس وقت کیا جب ہم کو ابوسفیان کی آمد کی خبر پہنچی اور سعد ابن عبادہ کھڑے ہوئے بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں کہ ہم گھوڑے سمندر میں ڈالیں تو ہم ضرور ڈال دیں اور اگر آپ ہم کو حکم دیں کہ ہم ان کے سینے برگ غماد تک ماریں تو ہم ایسا ضرور کریں ۔ راوی نے فرمایا

وَسَلَّمَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰی نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَّيَضَعُ يَدَهٗ عَلَی الْاَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کے لیے بلایا تو لوگ چلے حتیٰ کہ بدر میں اُترے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے اور اپنا ہاتھ زمین پر ادھر ادھر رکھتے تھے راوی نے کہا کہ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے نہ ہٹا ۔ (مسلم)

سلہ شام سے مکہ کی طرف ابوسفیان کا قافلہ آیا یہ غزوہ بدر کے مقدمہ کا تذکرہ ہے کہ ابوسفیان اموی تجارت کے لیے شام گیا اور بہت سا سامان لایا اس کے ساتھ چالیس سوار بھی تھے جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے اس قافلہ کو روکنے کا ارادہ کیا ۔ جب یہ خبر مکہ پہنچی تو ابوجہل بالائے کعبہ پر آیا اور لوگوں کو جمع کیا نکلنے کے لیے حالانکہ قافلہ والے ساحل کا راستہ اختیار کر کے نکل چکے تھے لوگوں نے اسے بتایا مگر وہ نہ مانا ۔ اس نے کہا ہم ہر صورت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں گے ۔ پھر وہی کچھ ہوا جو کتب میں مسطور ہے ۔ اس حدیث سے مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک معجزہ کا بیان ہے کہ آپ نے مشرکین کے قتل کی جو خبر دی اور جو جگہ ان کے قتل کی مقدر کی اسی کے مطابق ہوا ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا ۔

سلہ یہ انصار کے بڑے راہنما اور ان کے نقباء میں سے تھے ۔

سلہ یعنی زمین کیا چیز ہے ؟ آپ حکم دیں تو ہم دریا میں کود جائیں گے ۔ خوض ، پانی میں داخل ہونا افاضہ اس میں کود جانا ۔

سلہ برک الغماد ، باء کے نیچے زیر یا زبر ، راء ساکن ، غماد ، غین کے نیچے زیر یا اس پر پیش ، بعض نے زبر بھی پڑھی ہے ۔ یہ یمن کے شہروں میں سے ایک شہر ہے یا ہجر کا آخری یا معمورہ کا آخری قریہ ہے ۔ ہم گھوڑوں کی جگہ ماردیں گے سے مراد ان کی تیز رفتاری ہے ، کیونکہ ان کے دوڑتے وقت سوار ان کے مقام جگہ پر پاؤں مارتے ہیں ۔

سلہ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان مشہور جگہ ہے ۔ اس کی وجہ تسمیہ پر کتاب الجہاد میں گفتگو ہو چکی ہے ۔

سلہ وحی آسمانی اور غیب کی خبروں پر مطلع ہونے کی وجہ سے ۔

سلہ ان میں سے ہر بدبخت کا نام لے کر فرمایا

سلہ مَيَّطَ ، دُور ہونا اور دُور کرنا

۵۶۲۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ يَوْمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ آپ

بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَاَخَذَ اَبُوْبَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَثِبُ فِى الدِّرْعِ وَهُوَ يَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بدر کے دن ایک قبہ میں تھے ۔ الٰہی میں تجھ سے تیرا عہد و وعدہ مانگتا ہوں یعنی اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے تب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا ۔عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے رب پر زاری کافی کر لی تو آپ اس طرح نکلے کہ آپ درہ میں چل رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ یہ مجمع کفار بھگا دیا جائے گا پیٹھیں پھیر دی جائیں گی ۔ (بخاری)

سلہ جو تم نے دشمن پر فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا ۔ انشد ہمزہ پر زبر ، شین پر پیش نشدہ و نشدان بالکسر ۔ گم شدہ کو ڈھونڈھنا ، انشاد ، گم شدہ کی تعریف کرنا ، گویا وہ دل سے گم ہو گیا تھا اور اسے یاد کیا آپ نے یہ بھی عرض کیا ۔

سلہ۲ روئے زمین پر کوئی آدمی تیری پرستش نہیں کرے گا یعنی اگر مسلمانوں کی اس جماعت کو تو ہلاک فرما دے گا تو کون دوسرا تیری پرستش کرے گا ۔ یہ بات صریح الفاظ میں بھی روایت میں ہے یہ بھی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر مناجات وزاری کی کہ آپ کی چادر نیچے گر پڑی ۔

سلہ۳ یہ کافی ہے جو آپ نے عرض کر دیا ہے ۔

سلہ۴ آپ نے دعا میں اس لیے خوب آہ وزاری فرمائی تاکہ مسلمانوں میں جراءت و ثابت قدمی پیدا ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مواقع پر دعا مقبول ہوتی ہے ۔ خصوصاً جب آپ دعا میں تضرع سے کام لیں ۔

سلہ۵ غایت فرح و خوشی کی وجہ سے

سلہ۶ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ میں امید و بیم کی کیفیت میں تھے ۔ جب حضرت ابوبکر نے جانب رجاء کے یقین و طمانیت کے راجح ہونے کا اظہار کیا تو غنچۂ دل نسیم امید سے کھل اٹھا اور تشریف لا کر یہ خبر دی کہ مشرکین کو شکست اور اہل ایمان کی مدد کی جائے گی یہ بطریق معجزہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیبی خبر کے ذریعہ مطلع فرما دیا تھا ۔ شارحین نے فرمایا کوئی گمان نہ کرے بلکہ گمان کی جگہ بھی نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا ۔ حاشا وکلا ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر اس قدر تضرع والحاح کی وجہ اپنے صحابہ کے دلوں کی تقویت اور ان پر شفقت تھی کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ میں یہ اولین معرکہ تھا ۔ لہٰذا آپ نے ان کے نفوس کی تسکین اور ان کے دلوں کی تقویت کے لیے خوب تضرع سے کام لیا ۔ جب حضرت ابوبکر نے یقین و طمانیت کا اظہار کر دیا

تو آپ کو یہ دل جمعی حاصل ہو گئی کہ صحابہ کی پریشانی دور ہو گئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اللہ تعالیٰ کی صفات غنا پر وسیع وکامل نظر کی وجہ سے اکمل واتم ہے اور آپ کی نظر بارگاہِ خداوندی کی سطوت وجلال پر تھی اور حضرت ابو بکر کی نظر ظاہر وعدہ اور اس کے صدق پر تھی۔ یہ اور تحقیق ہے جسے ہم نے تسلیۃ المصائب میں بعض تحقیق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ شرح میں بھی ان سے کچھ چیزیں مذکور ہیں۔

۵۶۲۱ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ عَلَيْهِ اَدَاةُ الْحَرْبِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انھیں سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہیں ان پر جنگ کے ہتھیار ہیں۔ (بخاری)

سلہ جنگ کی تیاری کے لیے

سلہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے بدر کے دن حضرت جبرئیل امین کو اپنے ہمراہ جنگ میں شریک دیکھا۔

۵۶۲۲ وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِيْ اَثَرِ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَمَامَهٗ اِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهٗ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُوْلُ اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ اِذْ نَظَرَ اِلَى الْمُشْرِكِ اَمَامَهٗ خَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ اَنْفُهٗ وَشُقَّ وَجْهُهٗ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ اَجْمَعُ فَجَاءَ الْاَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَقَتَلُوْا يَوْمَئِذٍ سَبْعِيْنَ وَاَسَرُوْا سَبْعِيْنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انھیں سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اسی درمیان کہ ایک مسلمان آدمی اس دن ایک مشرک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا کہ ناگاہ اس نے اس کافر کے اوپر کوڑے کی مار اور سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اے حیزوم آگے بڑھ کہ اس نے سامنے اس مشرک کو دیکھا جو مرا پڑا تھا اس نے اس مشرک میں غور کیا تو اس کی ناک پر نشان لگ گیا تھا اور اس کا چہرہ چِر گیا تھا کوڑے کی مار کی طرح وہ سارا کا سارا سبز ہو گیا تھا پھر انصاری آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان کی مدد میں سے ہے۔ چنانچہ اس دن غازیوں نے ستر کافروں کو قتل کیا ستر کو قید کیا۔ (مسلم)

سلہ اقدام، جنگ میں آگے بڑھنا اور بہادری کا اظہار کرنا۔ یا اے حیزوم آگے بڑھ۔ اول معنی میں اقدام، ہمزہ پر زبر، قاف ساکن، دال کے نیچے زیر، دوسرے معنی کی صورت میں ہمزہ اور دال دونوں پر پیش ہے

حیزوم، حاء پر زبر، یاء ساکن، زاء پر پیش، جبرئیل امین کے گھوڑے کا نام ہے (القاموس) بعض نے کہا کہ یہ کسی ایک فرشتہ کے گھوڑے کا نام ہے۔

سے خطام، خاء کے نیچے زیر، گھوڑے کی ناک پر نشان، تحقیق سے ثابت ہے کہ بدر کے دن ولید بن مغیرہ کی ناک پر زخم لگا اور وہ اس پر قائم رہا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کا یہی مفہوم ہے سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ

سے جیسا کہ ضرب کا اثر سبز و سیاہ باقی رہتا ہے۔

سے وہ مردِ مسلم جس نے مشرک کو اس حال میں دیکھا۔

سے مشرک پر کوڑا بر سنے کی آواز اور اس پر زمین پر گرنا وغیرہ

۵۶۲۳ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ رَاَيْتُ عَنْ يَمِيْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ شِمَالِهٖ يَوْمَ اُحُدٍ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيْضٌ يُقَاتِلَانِ كَاَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَاَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ يَعْنِيْ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے بائیں اُحد کے دن دو شخصوں کو دیکھا جن پر سفید کپڑے تھے جو سخت جنگ کر رہے تھے میں نے ان دونوں کو نہ تو پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا یعنی جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام (مسلم بخاری)

سلہ وہ جبرئیل و میکائیل تھے۔ دو مردوں کی حضرت سعد کے یہ تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع اور خبر کی بناء پر ہی ہو سکتی ہے۔

۵۶۲۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا اِلٰى اَبِيْ رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَتِيْكٍ بَيْتَهٗ لَيْلًا وَهُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَتِيْكٍ فَوَضَعْتُ السَّيْفَ فِيْ بَطْنِهٖ حَتّٰى اَخَذَ فِيْ ظَهْرِهٖ فَعَرَفْتُ اَنِّيْ قَتَلْتُهٗ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِيْ فَوَقَعْتُ فِيْ لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِيْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى

حضرت براء سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع کی طرف ایک جماعت بھیجی تو اس پر عبداللہ بن عتیک رات میں اس کے گھر گھس گئے وہ سو رہا تھا آپ نے اسے قتل کر دیا عبداللہ ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے اس کے پیٹ میں تلوار رکھی حتیٰ کہ وہ اس کی پیٹھ میں گزر گئی میں سمجھ گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر میں دروازے کھولنے لگا حتیٰ کہ میں آخری سیڑھی تک پہنچ گیا میں نے اپنا پاؤں رکھا تو میں چاندنی رات میں گر گیا۔ میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے پگڑی سے اس کی پٹی باندھ دی۔ پھر میں اپنے

اَصْحَابِیْ فَانْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُہٗ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَکَ فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَھَا فَکَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَکِھَا قَطُّ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

ساتھیوں کی طرف چلا۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو میں نے آپ کو خبر دی تو فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو گویا میں نے کبھی اس کی شکایت نہ کی تھی (بخاری)

ـ۱ ابورافع یہودی ہے اس کی کنیت ابوالحقیق حاء پر پیش، پہلے قاف پر زبر، یاء ساکن۔ یہ حضور کے بدترین دشمنوں میں سے تھا، بدعہدی کرتا، فتنہ برپا کرتا اور اپنے قلعہ میں داخل ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو اس پر مقرر فرمایا تاکہ فساد کی جڑ اکھڑ جائے۔

ـ۲ عبداللہ بن عتیک، عین پر زبر، تاء کے نیچے زیر، بروزن عتیق، مشاہیر انصاری صحابہ میں سے ہیں

ـ۳ تاکہ باہر جو جماعت صحابہ کھڑی تھی اندر آجائے اور ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اس کی تفصیل کتب سیر میں موجود ہے۔ صحیح بخاری میں بھی کتاب المغازی کے اوائل میں غزوۂ بدر کے بعد اس حدیث کا ذکر ہے اور غایت درجہ عجیب ہے۔

ـ۴ شکایت، گلہ کرنا اور درد و بیماری کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

۵۶۲۵/۱۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّا یَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ کُدْیَۃٌ شَدِیْدَۃٌ فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ھٰذِہٖ کُدْیَۃٌ عَرَضَتْ فِی الْخَنْدَقِ فَقَالَ اَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُہٗ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا وَاَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ کَثِیْبًا اَھْیَلَ فَانْکَفَاْتُ اِلَی امْرَاَتِیْ فَقُلْتُ ھَلْ عِنْدَکِ شَیْءٌ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِیْدًا فَاَخْرَجَتْ جِرَابًا فِیْہِ صَاعٌ مِّنْ شَعِیْرٍ وَّلَنَا بُھَیْمَۃٌ دَاجِنٌ فَذَبَحْتُھَا وَطَحَنَتِ الشَّعِیْرَ حَتّٰی جَعَلْنَا اللَّحْمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم خندق کے دن کھدائی کر رہے تھے کہ ایک سخت پتھر سامنے آگیا تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ یہ پتھر خندق میں پیش آگیا ہے تو فرمایا ہم اتریں گے۔ حضور اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ پتھر سے بندھا ہوا تھا ہم تین دن تک اس طرح رہے تھے کہ کوئی چکھنے کی چیز نہیں چکھی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لی پتھر پر ماری تو پتھر ریگ رواں بن گیا۔ پھر میں اپنی بیوی کی طرف گیا میں نے کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بھوک دیکھی ہے تو انھوں نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع جو تھے اور ہمارے پاس بکری کی بچیا تھی۔ میں نے اسے ذبح کیا۔ میری بیوی نے جو پیسے۔ حتیٰ کہ ہم نے گوشت

فِی الْبُرْمَةِ ثُمَّ جِئْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْنَا بُهَیْمَةً لَّنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ فَتَعَالَ اَنْتَ وَنَفَرٌ مَّعَكَ فَصَاحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَیَّ هَلًا بِكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تُخْبِزُنَّ عَجِیْنَكُمْ حَتّٰی اَجِیْئَ وَجَاءَ فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ اِلٰی بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَبَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِیْ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِیْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَهُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰی تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِیَ وَاِنَّ عَجِیْنَنَا لَیُخْبَزُ كَمَا هُوَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ہانڈی میں ڈالا پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا میں نے آپ سے چپکے سے سرگوشی کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اپنا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں حضور سرکار آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تشریف لائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اے خندق والو! جابر نے کھانا تیار کیا ہے چلو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ہانڈی نہ اتارنا اور اپنے آٹے کی روٹی پکانا شروع نہ کرنا حتیٰ کہ میں آجاؤں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضور کے سامنے آٹا پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی۔ پھر ہماری ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اس میں لعاب ڈالا پھر فرمایا کہ روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہانڈی سے شوربا نکالو اور اسے نہ اتارو، مجاہدین ایک ہزار تھے میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان سب نے کھایا حتیٰ کہ کھانا چھوڑ دیا اور لوٹ گئے حالانکہ ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی ہی جوش مار رہی تھی اور ہمارا آٹا پکایا جا رہا تھا جیسا کہ تھا۔

(مسلم، بخاری)

؎ اس سے مراد غزوۂ احزاب ہے، خندق معرب کندہ ہے شہر کے اردگرد دفاع کے لیے زمین کو کھودنا۔

؎ کدیہ، کاف پر پیش، دال ساکن، پہاڑوں کے درمیان سخت جگہ جہاں کدال وغیرہ کام نہ دے۔

؎ ذوق، ذال پر زبر، ماکولات اور مشروبات کا چکھنا یعنی ہم تین دن تک بھوکے پیاسے رہے اور کھانا پینا نہ چکھا۔

؎ معول، میم کے نیچے زیر، عین ساکن کدال جس کے ساتھ پہاڑ کو توڑا جاتا ہے، کثیب، کاف پر زبر، ثاء کے نیچے زیر، ریت کے ذرات ٹیلہ، اَھْیَل بروزن افعل اڑنے والی ریت۔

۵ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کے اثرات دیکھے تو میں اپنی اہلیہ کے پاس گیا۔ جن کا نام حضرت سہلہ بنت معوذ انصاریہ ہے۔

۶ کوئی کھانے کی چیز ہے

۷ خمص، خاء پر زبر، میم ساکن یا مفتوح، بھوک، بھوک کی وجہ سے لاغر و کمزور پیٹ والے کو مخمصہ، خمیص اور خمصان کہا جاتا ہے۔

۸ جراب، جیم کے زیر یا زبر، چمڑے سے بنا ہوا پیمانہ

۹ بُھْمَۃً، باء پر زبر، ہاء ساکن بھیڑ کا بچہ، صراح میں ہے

بعض نسخوں میں البُہَیْمَۃ تصغیر ہے، داجن جیم کے ساتھ وہ حیوان جسے محبت سے گھر لایا ہو۔

۱۰ بعض نسخوں میں تحتنث تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یعنی میں نے جَو کو پیسا۔

۱۱ برمہ، باء پر پیش، راء ساکن، پتھر کی دیگ یہ اب بھی حرمین شریفین میں متعارف ہے۔ ایسی برمہ (دیگ) ہی کہتے ہیں۔ قدر (ہانڈی) کم ہی کہتے ہیں۔

۱۲ نفر، نون اور فاء دونوں پر زبر، دس سے کم افراد کا گروہ۔

۱۳ سُور، سین پر پیش، واؤ ساکن، وہ کھانا جس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے یہ فارسی کا لفظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جن فارسی الفاظ کو شرف ملا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

۱۴ ولا تنزلن، تاء پر پیش، لام پر پیش یا سکون، تجزن، تاء پر زبر واؤ پر پیش، دونوں جمع کے صیغے ہیں۔

۱۵ غط، دیگ کا جوش مارنا (ہکذا فی کلام الشارحین)

۱۶ یہ تمام اس سید السادات اور منبع البرکات صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہیں جن کی برکات وانعامات سے زمین وآسمان اور ظاہر و باطن چل رہے ہیں۔ ذرا تصور تو کیجیے وہاں کے حاضرین کے دلوں کو اس کھانے سے کس قدر ذوق وسرور حاصل ہوا ہوگا ان کے باطن کس قدر خوش قسمت ہیں جنہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت نصیب ہوئی۔ ایک دفعہ اس فقیر نے صفا و مروہ کے پاس بازار میں تر نیچے والے کو دیکھا وہ اپنی تروں پر پانی چھینکتے ہوئے کہہ رہا تھا یَا بَرَکَۃَ النَّبِیِّ تَعَالٰی وَانْزِلِیْ ثُمَّ لَا تَرْتَحِلِیْ (اے برکت والے نبی میرے پاس آ میرے پاس جلوہ فگن ہوا اور پھر واپس نہ جا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وبارک وکرم علی سیدنا ومولانا وبرکتنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین اشعار

زمہجوری برآمد جانِ عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

(اے آقا آپ کے ہجر کی وجہ سے جان جارہی ہے اے اللہ کے نبی ضرور رحم فرمائیے)

(آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں، آپ محروموں سے بے خبر بھی نہیں)

۵۶۲۶ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَمَّارٍ حِيْنَ يَحْفِرُ الْخَنْدَقَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ وَيَقُوْلُ بُؤْسَ ابْنِ سُمَيَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمار سے کہا جبکہ وہ خندق کھود رہے تھے تو آپ ان کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگے اور کہتے اے ابن سمیہ کی سختی تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ (مسلم)

۱؎ ان کے سر سے گرد کو دور فرمایا

۲؎ سمیہ سین پر پیش، میم پہ زبر و مشدد، حضرت عمار کی والدہ کا نام جو مکہ میں مسلمان ہوئی تھیں جس کی وجہ سے شدید عذاب و تکلیف میں مبتلا کی گئیں۔ ابو جہل نے ان کی فرج میں خنجر مارا تھا جس سے وہ شہید ہو گئی تھیں، حضور نے ان کی تکلیف کو یاد فرمایا اور عمار کو آواز دی

۳؎ اس سے مراد معاویہ اور ان کی قوم ہے کیونکہ حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جو ان کی امارت کے حق ہونے کی بھی دلیل ہے، اس واقعہ میں آیا ہے کہ عمرو بن عاص نے معاویہ کے پاس آکر کہا تھا کہ بہت عجیب اور پریشان کن کام ہوا ہے کہ عمار ہمارے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں معاویہ نے کہا تو اس میں پریشانی کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا میں نے رسول خدا سے سنا فرمایا عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ معاویہ نے کہا اسے ہم نے قتل نہیں کیا اسے علی نے قتل کیا کیونکہ وہ اسے جنگ میں لائے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا تو عجیب آدمی ہے۔

واللہ اعلم اس حدیث کے کثیر طرق ہیں اور یہ مرتبہ و شہرت و تواتر کو پہنچی ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے اسے رسالہ تعمیم البشارہ میں ذکر کیا ہے یہ بطور معجزہ اخبار بالغیب ہے، کیونکہ اس میں حضرت عمار کے قتل کے بارے میں خصوصی خبر ہے۔

۵۶۲۷ وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُجْلِيَ الْاَحْزَابُ عَنْهُ اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سلیمان ابن صرد سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ احزاب آپ سے دور کیے گئے کہ ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہ کریں گے ہم ان کی طرف جائیں گے۔ (بخاری)

۱؎ سلیمان بن صرد، صرد صاد پر پیش، راء پر زبر، ابو المطرف خزاعی کوفی صحابی ہیں۔ بہت بڑے فاضل عابد اور اپنی قوم میں بلند مرتبت تھے۔ ان لوگوں کے سربراہ تھے جنھوں نے امام شہید حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا بدلہ لیا خلق کثیر کو اس پر جمع کیا اور اسی حال میں شہید ہو گئے۔ ۹۳ سال انھوں نے عمر پائی۔

سلہ غزوہ خندق کو ہی غزوہ احزاب کہا جاتا ہے کیونکہ تمام مشرک یہود اور تمام کفار نے مل کر یہ حملہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہواؤں اور فرشتوں کے لشکر بھیجے جنھوں نے تمام کو درہم برہم کر دیا۔ جیسا کہ کتب حدیث وسیر میں مذکور ہے، اجلی، مجہول و معروف دونوں طرح مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی خبر دیتے ہوئے فرمایا سلہ اسی طرح ہی ہوا کہ اس غزوہ کے بعد کافر مدینہ طیبہ میں جنگ کے لیے نہیں آسکے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔

۵۶۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ اَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَأْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللّٰهِ مَا وَضَعْتُهُ اُخْرُجْ اِلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ فَاَشَارَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ قَالَ اَنَسٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِيْ زُقَاقِ بَنِيْ غَنْمٍ مَوْكِبَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے لوٹے اور ہتھیار رکھ دیئے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس حضرت جبرئیل اپنا سر غبار سے جھاڑتے ہوئے آئے، بولے آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے۔ خدا کی قسم میں نے نہیں اتارے ان کی طرف جائیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں۔ جبرئیل نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لے گئے، اور بخاری میں روایت ہے کہ جناب انس نے فرمایا گویا میں بنی غنم کی گلیوں میں غبار پھیلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضرت جبرئیل کے سواروں سے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف چلے۔

سلہ کفار کی شکست کے بعد
سلہ فراغتِ جنگ کی وجہ سے
سلہ بعض روایات میں ہے کہ ابھی پورا غسل نہیں فرمایا تھا بلکہ ابھی سر اقدس کا ایک حصہ دھویا تھا۔
سلہ جو غزوہ خندق میں ان پر پڑی تھی
سلہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں
سلہ اس سے مراد یہود ہیں یہ مدینہ طیبہ میں تین چار میل کے فاصلہ پر تھے اور ان کا قلعہ تھا جس کے نشان اب بھی باقی ہیں۔ محاصرہ کے دنوں میں جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور نمازیں ادا کیں اس جگہ مسجد بنو قریظہ بنی جو مشہور ہے اور یہ شمالی مدینہ کی جانب ہے۔
سلہ بنی غنم، غین پر پیش، نون ساکن یا مفتوح، انصار کے ایک قبیلہ کا نام ہے زقاق، زاء پر پیش
سلہ بعض روایات میں "من کوکب" ہے اور یہی ظاہر ہے۔ مرکب، کاف کے نیچے زیر پیادہ سواروں کی

جماعت (القاموس) نہایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے سواروں کا گروہ جو آہستہ چلتے ہوں۔
ؔ۵ معجزہ اس میں یہ ہے کہ جبرئیل امین ہتھیار سمیٹے ہوئے آگئے۔ ان کے ساتھ گروہ بھی تھا، ان کے بدن پر جنگ کا غبار بھی تھا۔ حضور نے انھیں دیکھا حالانکہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔

۵۶۳۹/۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهٗ قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهٖ وَنَشْرَبُ اِلَّا مَا فِيْ رَكْوَتِكَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيْلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ لوگ حدیبیہ کے دن پیاسے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ڈول تھا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ پھر لوگ اس طرف دوڑ پڑے بولے ہمارے پاس پانی نہیں جس سے ہم وضو کریں اور پئیں سوائے اس پانی کے جو آپ کے ڈول میں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس ڈول میں رکھا تو پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پھوٹنے لگا۔ فرمایا کہ ہم نے پیا اور وضو کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم کتنے تھے۔ فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہم کو کافی ہوتا۔ ہم پندرہ سو تھے۔ (مسلم، بخاری)

ؔ۱ حدیبیہ۔ دال مشدد و مخفف دونوں طرح ہے۔
ؔ۲ رکوۃ، راء پر زبر، چمڑے کا وہ برتن جو وضو کے لیے بنایا گیا ہو۔
ؔ۳ ہم چند تھے مگر پانی اس قدر تھا کہ اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تب بھی پانی کافی ہو جاتا۔
ؔ۴ مقصود کثرت کا بیان ہے۔ باقی اہل حدیبیہ الگ الگ دستوں میں تھے اور ہر دستہ تین صد افراد پر مشتمل تھا۔

۵۶۴۱/۱۵ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشَرَةَ مِائَةً يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے دن چودہ سو تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں ہے ہم نے اس کا پانی نکال ڈالا تو اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر آئے اس کے کنارے پر بیٹھے پھر پانی کا برتن منگوایا وضو کیا اور پھر کلی کی اور

وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهُ فِيهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوهَا سَاعَةً فَأَرْوَوْا أَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتَّى ارْتَحَلُوا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دعا فرمائی پھر وہ پانی کنویں میں ڈال دیا پھر فرمایا اسے گھڑی بھر چھوڑ دو۔ پھر لوگ اپنے آپ کو اور اپنی سواریوں کو سیراب کرتے رہے حتیٰ کہ وہاں سے کوچ کیا۔ (بخاری)

سلہ حضرت جابر کی روایت میں چودہ سو کا ذکر ہے۔ موافقت دیتے ہوئے بعض نے کہا کہ تعداد چودہ صد سے زیادہ تھی جس نے کسر کا خیال کیا اس نے پندرہ صد کہہ دیا اور جس نے کسر کو ترک کر دیا اس نے چودہ صد کہا یا گروہ درگروہ آتے رہے ایک وقت میں چودہ صد اور دوسرے وقت میں پندرہ صد تھے یا پندرہ صد ہی تھے مگر بطور ظن و تخمین چودہ صد کہہ دیا۔

سلہ یہ مکۃ المکرمہ سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

سلہ تاکہ بھر جائے۔

سلہ یعنی جب تک وہاں قیام پذیر رہے خود بھی سیراب ہوتے رہے وضو و غسل کرتے اور ان کی سواریاں بھی پانی پیتیں رہیں۔ اور وہاں مسلمانوں کا قیام بیس روز رہا۔

$\frac{5621}{16}$ وَعَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ وَنَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ فَجَاءَا بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا فَاسْتَقَوْا قَالَ فَشَرِبْنَا عِطَاشًا أَرْبَعِينَ رَجُلًا حَتَّى رَوِينَا فَمَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَإِدَاوَةٍ

حضرت عوف ابو رجاء سے اور وہ عمران ابن حصین سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پیاس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور فلاں کو بلایا۔ ابو رجاء جس شخص کا نام لیتے تھے اسے عوف بھول گئے اور جناب علی رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر فرمایا تم دونوں جاؤ پانی تلاش کرو وہ چلے تو دونوں ایک عورت سے ملے جو دو بڑے یا چھوٹے توڑوں کے درمیان تھی توڑے پانی سے بھرے تھے وہ دونوں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے انہوں نے اسے اونٹ سے اتارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگایا پھر ان توڑوں کے منہ سے اس میں پانی انڈیلا، اور لوگوں میں آواز دی گئی کہ پی لو۔ چنانچہ لوگوں نے خوب پیا فرمایا کہ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے پیا حتیٰ کہ سیر ہو گئے پھر ہم نے اپنے ساتھ والے مشکیزے اور برتن بھر لیے

وَایْمُ اللّٰہِ لَقَدْ اُقْلِعَ عَنْھَا وَاِنَّہٗ لَیُخَیَّلُ اِلَیْنَا اَنَّھَا اَشَدُّ مِلْئَۃً مِّنْھَا حِیْنَ اِبْتَدَءَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اللہ کی قسم ان سے پانی لینا جب بند کیا گیا تو ہم کو خیال ہوتا تھا کہ وہ ابتداء کے مقابلے میں اب زیادہ پُر ہیں۔ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ تابعی ہیں۔

۲؎ ابو رجاء، عطاردی، کبار تابعین میں سے ہیں۔ ان کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہی ہوئی لیکن زیارت کا شرف نہ ملا۔ ایک سو بیس سال سے زیادہ عمر پائی۔ بہت بڑے قاری، عامل و عالم عظیم تھے۔ سن ڈیڑھ سو میں وفات پائی۔

۳؎ مشہور صحابی ہیں۔

۴؎ ابو رجاء نے نام لیا تھا مگر عوف صحابی کا نام بھول گئے۔

۵؎ مزادہ، میم پر زبر، زاء مخفف یعنی توشہ دان، بعض کے مطابق پانی دلانے والے برتن کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دو چمڑوں سے بنا ہوتا ہے بعض اوقات اس کے ساتھ تیسرا چمڑہ بھی لگا دیا جاتا ہے تاکہ کشادہ ہو جائے (القاموس) فتح الباری میں ہے اس بڑی مشک کو مزادہ کہا جاتا ہے جس میں ایک اور چمڑے کا اضافہ ہو، سطیحہ سین پر زبر، طاء کے نیچے زیر یعنی مزادہ یا اس کی ایک قسم ہے کہ جو چمڑوں کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔

۶؎ خاتون کو یا مشکیزہ کو اونٹ سے اتارا، پہلا مفہوم ظاہر تر ہے۔

۷؎ استواء، ہمزہ پر زبر یا زیر لیکن زیر افصح ہے۔

۸؎ رویّا، راء پر زبر اور واؤ کے نیچے زیر

۹؎ یعنی ہر برتن جو ہمارے پاس تھا

۱۰؎ یعنی تمام پانی پیا، برتن بھر لیے اور وہ مشکیزہ پہلے کی طرح ہی پُر رہا۔ اُقْلِعَ ہمزہ پر پیش مجہول ہے لیُخَیَّلُ مضارع مجہول از تخییل مِلْئَۃً میم کے نیچے زیر، سکون لام اُبْتُدِئَ یہ بھی مجہول ہے۔

۵۶۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی نَزَلْنَا وَادِیًا اَفْیَحَ فَذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ فَلَمْ یَرَ شَیْئًا یَسْتَتِرُ بِہٖ وَاِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِیْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اِحْدٰھُمَا فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِھَا فَقَالَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حتیٰ کہ ہم ایک وسیع جنگل میں اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاءِ حاجت (استنجاء) کے لیے گئے تو ایسی کوئی چیز نہ پائی جس سے آڑ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل کے کناروں میں دو درخت دیکھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کی طرف گئے، ان کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی۔ فرمایا

اِنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَانْقَادَتْ مَعَہٗ کَالْبَعِیْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِیْ یُصَانِعُ قَائِدَہٗ حَتّٰی اَتَی الشَّجَرَۃَ الْاُخْرٰی فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِہَا فَقَالَ اِنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَانْقَادَتْ مَعَہٗ کَذٰلِکَ حَتّٰی اِذَا کَانَ بِالْمَنْصَفِ بَیْنَہُمَا قَالَ الْتَئِمَا عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَالْتَامَتَا فَجَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ فَحَانَتْ مِنِّیْ لَفْتَۃٌ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَاِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا عَلٰی سَاقٍ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر و کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مہار والے اونٹ کی طرح چلے جو اپنے چلانے والے کی اطاعت کرتا ہے حتیٰ کہ آپ دوسرے درخت کے پاس پہنچے تو اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی ۔ فرمایا اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر ۔ وہ بھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا کہ جب ان دونوں کے بیچ میں ہوئے تو فرمایا اللہ کے حکم سے مجھ پر مل جاؤ ۔ وہ دونوں مل گئے ۔ میں بیٹھ گیا اپنے دل میں کچھ سوچتا تھا میرا اور طرف دھیان گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا اور درختوں کو دیکھا کہ جدا ہو گئے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک اپنی پنڈلی پر کھڑا ہو گیا تھا (مسلم)

سلہ افیح ، فاء اور حاء فراخ ۔
سلہ ایک روایت شجرتان ہے یعنی زیادہ ظاہر ہے ۔
سلہ خشاش ، خاء کے نیچے زیر ، وہ لکڑی جو اونٹ کی ناک میں تیز رفتاری کے لیے ڈالتے ہیں ۔ مصانعت ، رشوت دینا ، مداہنت اختیار کرنا ، یہاں طاعت و فرمانبرداری مراد ہے ۔
سلہ منصف ، میم پر زبر ، نون ساکن ، صاد پر زیر ، دو جگہوں کے درمیان جگہ
شہ التیام ، متفق و اکٹھا کرنا
سلہ یعنی یہ کس قدر اعلیٰ منظر و واقعہ ہے جو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ رہا ہوں ۔ یہ کیا ہے ؟ کیسے ہو رہا ہے ۔ جس طرح انسان کی عادت ہے کہ اپنے آپ سے بات چیت کرتا ہے ۔ اس کو حدیث نفس کہا جاتا ہے
سلہ میں اپنے ساتھ ہی مشغول تھا کسی اور طرف میری توجہ نہ تھی ۔
شہ جیسے کہ وہ اپنی پہلی حالت پر تھے ۔

۵۶۲۳ وَعَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ عُبَیْدٍ قَالَ رَاَیْتُ اَثَرَ ضَرْبَۃٍ فِیْ سَاقِ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ فَقُلْتُ یَا اَبَا مُسْلِمٍ مَا ہٰذِہِ الضَّرْبَۃُ قَالَ ضَرْبَۃٌ اَصَابَتْنِیْ یَوْمَ

حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں ایک چوٹ کا اثر دیکھا تو میں نے کہا اے ابو مسلم یہ چوٹ کیسی ہے انھوں نے فرمایا کہ یہ وہ چوٹ ہے جو مجھے خیبر کے

خَیْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِیْبَ سَلَمَةُ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِیْہِ ثَلٰثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَکَیْتُھَا حَتَّی السَّاعَةِ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

دن لگی تھی کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گئے۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باردم فرمایا تو میں اس وقت تک تکلیف میں گرفتار نہیں ہوا۔ (بخاری)

ل یزید بن ابی عبید ، عین پر پیش ، باء پر زبر تابعی حضرت سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ غلام ہیں ۔
۲ یہ سلمہ کی کنیت ہے ۔
۳ یعنی ضرب اس قدر شدید تھی کہ لوگوں نے کہا سلمہ فوت ہو گئے ۔

۵۶۳۴
۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَعَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَیْدًا وَّجَعْفَرًا وَّ ابْنَ رَوَاحَةَ النَّاسَ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ خَبَرُھُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّایَةَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِیْبَ وَعَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ حَتّٰی اَخَذَ الرَّایَةَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ یَعْنِیْ خَالِدَ بْنَ وَلِیْدٍ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات زید، جعفر اور ابن رواحہ کی خبر موت لوگوں کو سنائی ۔ ان کی خبر آنے سے پہلے تو فرمایا کہ جھنڈا زید نے لیا وہ شہید ہو گئے پھر جعفر نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار تھیں ۔ حتیٰ کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا یعنی خالد بن ولید نے حتیٰ کہ اللہ نے ان پر فتح دی ۔ (بخاری)

ل یہ تینوں صحابی غزوہ موتہ (میم پر پیش) میں شریک تھے ۔ یہ شام کا شہر ہے ۔ یہ آٹھ ہجری کا واقعہ ہے مسلمان وہاں تین ہزار اور رومی ایک لاکھ تھے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ کتب سیر میں موجود ہے ۔
۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کی صورت حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ۔
۳ منقول ہے کہ اس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دس تلواریں ٹوٹیں ۔
۴ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر مسلمانوں پر فتح عطا فرمادی اور وہ محفوظ ہو گئے ۔

۵۶۳۵
۲۰ وَعَنْ عَبَّاسٍ قَالَ شَھِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ فَلَمَّا الْتَقَی الْمُسْلِمُوْنَ وَالْکُفَّارُ وَلَّی الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِیْنَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْکُضُ بَغْلَتَہٗ قِبَلَ الْکُفَّارِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِلِجَامِ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا تو جب مسلمان و کفار بھڑ پڑے تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے ۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی طرف اپنے خچر کو ایڑھ مار رہے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے تھا

بَغْلَتَہٗ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکُفُّھَا اِرَادَۃً اَنْ لَّا تُسْرِعَ وَاَبُوْسُفْیَانَ ابْنُ الْحَارِثِ اٰخِذٌ بِرِکَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْ عَبَّاسُ نَادِ اَصْحَابَ السَّمُرَۃِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَکَانَ رَجُلًا صَیِّتًا فَقُلْتُ بِاَعْلٰی صَوْتِیْ اَیْنَ اَصْحَابُ السَّمُرَۃِ فَقَالَ وَاللّٰہِ لَکَاَنَّ عَطْفَتَھُمْ حِیْنَ سَمِعُوْا صَوْتِیْ عَطْفَۃُ الْبَقَرِ عَلٰی اَوْلَادِھَا فَقَالُوْا یَا لَبَّیْکَ یَا لَبَّیْکَ قَالَ فَاقْتَتَلُوْا وَالْکُفَّارَ وَالدَّعْوَۃُ فِی الْاَنْصَارِ یَقُوْلُوْنَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَۃُ عَلٰی بَنِی الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلٰی بَغْلَتِہٖ کَالْمُتَطَاوِلِ عَلَیْھَا اِلٰی قِتَالِھِمْ فَقَالَ ھٰذَا حِیْنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ ثُمَّ اَخَذَ حَصَیَاتٍ فَرَمٰی بِھِنَّ وُجُوْہَ الْکُفَّارِ ثُمَّ قَالَ انْھَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ فَوَاللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ رَمَاھُمْ بِحَصَیَاتِہٖ فَمَا زِلْتُ اَرٰی حَدَّھُمْ کَلِیْلًا وَّاَمْرَھُمْ مُدْبِرًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اسے روک رہا تھا کہ کہیں تیز نہ چل پڑے اور ابوسفیان ابن حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عباس! بیعت رضوان والوں کو پکارو تو جناب عباس نے کہا اور وہ تھے بہت بلند آواز۔ آپ نے اپنی بلند آواز سے پکارا کہ بیعت رضوان والے کہاں ہیں؟ فرمایا اللہ کی قسم گویا جب انھوں نے میری آواز سنی تو میں نے انھیں ایسے پھیر لیا جیسے گائے اپنے بچوں پر موڑتی ہے وہ بولے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفار سے جنگ کرو۔ انصار کے متعلق پکار یہ تھی کہ کہتے تھے اے گروہ انصار اے گروہ انصار۔ راوی نے فرمایا کہ پھر بنی حارث ابن خزرج پر بلاوا محدود ہو گیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر دوڑائی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر تھے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جہاد کفار کے منتظر تھے تو فرمایا یہ لڑائی گرم ہونے کا وقت ہے۔ پھر چند کنکریاں لیں وہ کفار کے منہ کی طرف پھینکیں پھر فرمایا قسم ہے رب محمد کی یہ بھاگ نکلے تو خدا کی قسم کچھ نہ ہوا اس کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کنکریاں پھینکیں میں دیکھتا رہا ان کی دھار کند اور ان کا معاملہ ذلت والا۔ (مسلم)

سلہ یہ فتح مکہ کے بعد ہوا۔ حنین، حاء پر پیش، یاء ساکن، عرفات کی پچھلی طرف مکہ اور طائف کے درمیان مقام کا نام ہے۔

سلہ درحقیقت یہ شکست نہ تھی بلکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آنا تھا۔ تاکہ آپ کی مدد سے آگے بڑھا جائے۔ الغرض مسلمانوں میں کھلبلی سی ہوئی۔

سلہ جس کا نام دلال تھا۔ قبل قاف کے نیچے زیر، باء پر زبر، یہ غایت جرأت و شجاعت کا جہان ہے

سے۳۰ یہ رسول اللہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔ قریش کے نوجوان اور عرب کے بہادر لوگوں میں سے ہیں۔ رکاب پکڑنے کی وجہ یہ تھی کہ سواری نہ دوڑے۔

سے۴ سمرہ، سین پر زبر، میم پر پیش، اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ کے دن بیعت ہوئی اسے بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔

سے۵ صیت، صاد پر زبر، یاء مشدد مکسور، بلند آواز والے کو صائت کہا جاتا ہے۔

سے۶ اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟

سے۷ جو تیز رفتار اور محبت و شوق میں بھاگے چلے آتے ہیں۔

سے۸ اظہار خدمت و اطاعت اور حکم کی بجا آوری کے طور پر کہنے لگے۔

سے۹ یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج۔ بنو حارث خزرج کی اولاد میں سے تھے۔

سنا۱ صحابہ جنگ کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر ان کو ملاحظہ فرمایا۔

سلا۱ وطیس، واؤ پر زبر، طاء کے نیچے زیر، تنور یہاں جنگ مراد ہے۔ الصراح میں وطیس لوہے کا تنور، منقول ہے کہ یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے نہیں سنے تھے۔

۵۶۳۶ وَعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ یَا اَبَا عُمَارَةَ فَرَرْتُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ خَرَجَ شُبَّانُ اَصْحَابِهٖ لَیْسَ عَلَیْهِمْ كَثِیْرُ سِلَاحٍ فَلَقُوْا قَوْمًا رُمَاةً لَا یَكَادُ یَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ فَرَشَقُوْهُمْ رَشْقًا مَا یَكَادُوْنَ یُخْطِئُوْنَ فَاَقْبَلُوْا هُنَاكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَغْلَتِهِ الْبَیْضَاءِ وَاَبُوْ سُفْیَانَ ابْنُ الْحَارِثِ یَقُوْدُهٗ فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ وَقَالَ اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ثُمَّ صَفَّهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِیِّ مَعْنَاهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ الْبَرَاءُ كُنَّا

حضرت ابو اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو عمارہ تم حنین کے دن بھاگ گئے تھے تو فرمایا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان صحابہ اس طرح گئے تھے کہ ان کے پاس بہت سے ہتھیار نہ تھے تو وہ تیر انداز قوم سے ملے۔ کوئی تیر زمین پر نہ گرتا تھا تو انھوں نے مسلمانوں کو زخمی کر دیا۔ ان کے تیر خطا نہیں کرتے تھے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر تھے اور ابو سفیان ابن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو کھینچ رہے تھے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُترے فتح کی دعا کی اور فرمایا میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔ پھر مسلمانوں کی صفیں بنائیں مسلم اور بخاری کی روایت ہیں

وَاللّٰہِ اِذَا احْمَرَّ الْبَاْسُ نَتَّقِیْ بِہٖ وَاِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِیْ یُحَاذِیْ بِہٖ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اس کے معنی ہیں ان دونوں کی روایت میں ہے کہ براء کہتے ہیں خدا کی قسم جب سخت جنگ ہوتی تھی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے تھے اور ہم میں بہادر وہ تھا جوان کے یعنی رسول کے پاس کھڑا ہوتا۔

سلہ ان کا نام عمرو بن عبید اللہ بیہقی، سین پہ زبر، باء کے نیچے زیر، یاء ساکن ۔ سبیع کی طرف نسبت ہے۔ یہ مشاہیر تابعین سے ہیں ۔کثیر الروایہ اور ثقہ ہیں ۔ ۳۸ صحابہ کے شاگرد ہیں۔

سلہ۲ یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

سلہ۳ یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

سلہ۴ یعنی ان کے تیر نشانہ پر لگ رہے تھے۔

سلہ۵ جیسا کہ نمازیوں کا معمول ہوتا ہے کہ اظہارِ قوت وشجاعت اور مضبوط سہارا کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سلہ۶ جو شرف وعزت اور کرم میں معروف ہیں۔

سلہ۷ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

سلہ۸ سُرخ ہونے سے مراد سخت مرحلہ ہے۔ وقایہ کا معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل کرنا۔

سلہ۹ یہاں معجزہ یہ ہے کہ سنگریزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست سے دوچار کر دیا۔ جیسا کہ حدیث اول میں آیا۔ حدیث ثانی کا ذکر قصہ حنین کے اتمام کے لیے ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسے مراحل میں بہادری کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈنا معجزہ ہے اور یہ معمول کے خلاف ہے۔

۵۶۳۷/۲۲ وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُنَیْنًا فَوَلّٰی صَحَابَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَۃِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَۃً مِّنْ تُرَابٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِہٖ وُجُوْھَھُمْ فَقَالَ شَاھَتِ الْوُجُوْہُ فَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْھُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَأَ عَیْنَیْہِ تُرَابًا بِتِلْکَ الْقَبْضَۃِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ فَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ وَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَھُمْ

حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیٹھیں پھر گئیں۔ پھر جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اُتر کر پھر زمین سے مٹی کی مٹھی لی پھر اسے کفار کے چہروں کے سامنے کیا پھر فرمایا بگڑ گئے یہ چہرے تو ان میں سے اللہ نے کوئی انسان پیدا نہ فرمایا مگر اللہ نے اس کی آنکھیں اس مٹھی کی مٹی سے بھر دیں پھر وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے۔ اللہ نے انہیں شکست دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی غنیمتیں

بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں۔ (مسلم)

لے غشوا، غین پر زبر، شین پر پیش اور مشدد۔

سے۲ جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارادہ کیا۔

سے۳ ان کے چہرے یا ان کی ذاتیں

سے۴ یعنی ہر آدمی کی دونوں آنکھیں مٹی سے آلودہ ہوگئیں تھیں۔

سے۵ غنیمت وہ مال ہے جو حالت جنگ میں کفار سے حاصل ہوتا ہے۔

۵۶۲۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهٗ يَدَّعِي الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ تُحَدِّثُ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ يَرْتَابُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ وَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والوں میں سے ایک شخص کے متعلق فرمایا جو دعوٰی اسلام کرتا ہے کہ یہ دوزخ والوں میں سے ہے تو جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے سخت جہاد کیا اور اس کو زخم بہت آئے تو وہ آیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرمائیے کہ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو اللہ کی راہ میں سخت جہاد کیا۔ حتیٰ کہ اس کو بہت زخم پہنچے تو فرمایا آگاہ ہو وہ ہے دوزخی۔ قریب تھا کہ بعض لوگ تردد کر جائیں تو جب وہ اسی حال میں تھا کہ اس نے زخم کی تکلیف بہت محسوس کی تو اپنا ہاتھ اپنے ترکش کی طرف بڑھایا ایک تیر نکالا اس سے اپنے کو ذبح کر لیا تو کچھ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ نے آپ کی بات سچی کر دی فلاں شخص نے اپنے کو ذبح کر لیا اور خودکشی کر لی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول ہوں اے بلال اٹھو! اور اعلان کر دو کہ جنت میں نہ جائے گا مگر مومن اور اللہ تعالیٰ اس دین کو

بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ فاسق آدمی سے بھی قوت دے گا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

۱؎ مواہب لدنیہ میں غزوۂ خیبر کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں اسی طرح ہے۔

۲؎ اس پر کفر و نفاق کی کوئی علامت نہ تھی۔

۳؎ جراحت بالکسر خستگی، زخمی ہونا، جراح بالکسر جماعت

۴؎ اس قدر جنگ میں جدوجہد کر رہا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ یہ دوزخی ہے۔

۵؎ اکثر روایات بخاری میں "اسھم" جمع ہے۔

۶؎ صحیح البخاری کی دوسری روایت میں ہے اس آدمی نے تلوار زمین پر رکھی اور اپنا سینہ تلوار کی دھار پر رکھ دیا اور زور لگایا تاکہ قتل ہو جائے۔ تیر چلانے اور اس میں منافات نہیں کیونکہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے پہلے تیر استعمال کیا ہو اس سے کام نہ ہوا تو پھر تلوار کو بروئے کار لایا گیا۔

۷؎ آپ نے فرمایا یہ اہلِ نار میں ہے۔

۸؎ کہیں کہیں جب معجزہ کا اظہار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت پر گواہی کا اعلان کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موقع پر تازہ یقین پیدا ہوتا تو لوگوں کو بطور تنبیہ و تلقین کرنے کے لیے ایسا کرتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۹؎ اور اس کے جہاد و قتال کی بناء پر بھی دین کو تقویت نہیں دیتا علہ

۱۰؎ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ خودکشی کرنے والا دوزخی ہوتا ہے۔ مذہب یہ ہے کہ اگر مومن اور تصدیق ایمانی رکھتا ہو تو پھر دائمی دوزخی نہ ہوگا۔ یہی حکم عمدًا قاتل مومن کا ہے۔ اپنے نفس کا قاتل بھی مومن کے قاتل کی طرح ہی ہے۔ قرآن مجید میں قاتل مومن کا جو حکم دائمی دوزخی ہونے کا ہے۔ اس میں علماء نے تاویل کی ہے۔ اہلِ ظاہر محدثین کہتے ہیں اگرچہ وہ مومن ہے لیکن مومن کی یہ قسم دائمی دوزخی ہوگی۔ یہ لوگ خلود نار کو کافر کے ساتھ مخصوص نہیں رکھتے۔ لیکن یہ قول مذہب اہل سنت وجماعت کے اجماع کے مخالف ہے۔ مذکورہ حدیث میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ منافق تھا جیسا کہ خطیب بغدادی نے کہا واقع میں وہ منافق تھا اگرچہ نفاق کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

$\frac{5639}{24}$ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا۔ حتیٰ کہ

علہ لایوید، صرف نفی ہے۔ ترجمہ میں بھی نفی ہی نہیں ہے ممکن ہے طبع کرنے والے نے ایسی تحریف کر دی ہے ورنہ بخاری کی صحیح روایت میں لام تاکید کے لیے یوید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تقویت دیتا ہے الخ یعنی اگرچہ یہ آدمی فاسق و فاجر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں دین کو تقویت دی۔ امیر علی مرحوم

اِلَیْہِ فَعَلَ الشَّیْءَ وَمَا فَعَلَہٗ حَتّٰی اِذَا کَانَ ذَاتَ یَوْمٍ عِنْدِیْ دَعَا اللّٰہَ وَدَعَاہُ ثُمَّ قَالَ اَشَعَرْتِ یَاعَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَفْتَانِیْ فِیْمَا اسْتَفْتَیْتُہٗ جَاءَ نِیْ رَجُلَانِ جَلَسَ اَحَدُھُمَا عِنْدَ رَاْسِیْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلِیْ ثُمَّ قَالَ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ مَا وَجْعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّہٗ قَالَ لَبِیْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ الْیَھُوْدِیُّ قَالَ فِیْمَا ذَا قَالَ فِیْ مُشْطٍ وَّمُشَاطَۃٍ وَّجُفِّ طَلْعَۃِ ذَکَرٍ قَالَ فَاَیْنَ ھُوَ قَالَ فِیْ بِئْرِ ذَرْوَانَ فَذَھَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اُنَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ اِلَی الْبِئْرِ فَقَالَ ھٰذِہِ الْبِئْرُ الَّتِیْ اُرِیْتُھَا وَکَاَنَّ مَاءَ ھَا نُقَاعَۃُ الْحِنَّاءِ وَکَاَنَّ نَخْلَھَا رُءُوْسُ الشَّیَاطِیْنِ فَاسْتَخْرَجَہٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ کیا نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ جب ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے تو اللہ سے دعا کی پھر دعا کی پھر فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تمھیں خبر ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بات بتا دی جو میں نے اس سے پوچھی تھی۔ میرے پاس دو شخص آئے ان میں سے ایک تو میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان صاحب کو کیا بیماری ہے۔ اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ وہ بولا کس نے جادو کیا ہے۔ لبید بن اعصم یہودی نے کہا کہ وہ جادو کس چیز میں کیا گیا ہے کہا کنگھی اور بالوں میں اور نر کھجور کے غلاف شگوفہ میں بولا تو وہ سامان کہاں ہے کہا ذروان کنوئیں میں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ اس کنوئیں تک گئے۔ فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے اس کے پانی مہندی کے نچوڑ کی طرح ہے۔ گویا اس کے درخت شیاطین شانیوں کے سر ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکلوا دیا[۱] (بخاری و مسلم)

[۱] دوسری روایت میں ہے آپ کو یہ خیال ہوتا کہ میں فلاں اہلیہ کے پاس آیا حالانکہ آئے نہ ہوتے۔ آپ بطور نشاط و فرحت ظاہر کرتے کہ میں اہلیہ کے ساتھ ہم بستری پر قادر ہوں مگر اس پر قدرت نہ رکھتے۔ واضح رہے کہ ملاحدہ، جادو اور دیگر اسی طرح دیگر امراض کا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو عارض ہونے کا انکار کرتے ہیں اور یہ وہم کرتے ہیں کہ اس تقدیر پر آپ کی شریعت، اقوال اور افعال پر اعتماد نہیں رہے گا اور اس میں شک اور اشتباہ واقع ہو سکتا ہے کہ شاید اس کا تعلق اسی قبیل سے ہے لیکن یہ وہم زائل و باطل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و ثبوت نبوت دلائل قطعیہ یقینیہ سے ہے۔ سحر بھی ایک بیماری ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو عارض و لاحق ہو سکتی ہے جیسا کہ دیگر امراض۔ اگر بالفرض علت مرض کی وجہ سے آپ کے افعال میں

خلل واقع بھی ہو تو وہ باقی تمام افعال میں خلل کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ حصولِ صحت اور زوالِ مرض کے بعد اس کا کوئی دخل نہیں رہتا جیساکہ باقی لوگوں میں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر عوارضاتِ بشری مثلاً آفات، تغیرات و آلام و بیماری کا عارضہ ہوتا ہے اور حد بشریت و جبلت کی مد میں ان کے ظواہر و اجسام تک ہی محدود رہتا ہے۔ رہا ان کے ارواح اور بواطن کا معاملہ تو وہ ان سے محفوظ و مامون اور ملاءِ اعلیٰ سے متعلق رہتے ہیں اور وہاں سے علم و وحی حاصل کرتے ہیں۔ ان کے اجسام ارضی اور ارواحِ سماوی محاورہ کا یہی مفہوم ہے۔ کبھی حکمت کی بناء پر بطریق معجزہ اور خلافِ عادت برائے اظہار شرف و کمال اور دیگر بشروں سے امتیاز کی بناء پر آفات بشری اور احکامِ جبلی سے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ جیساکہ یہودی عورت کے زہر وغیرہ سے آپ کو محفوظ رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی عورت کے زہر سے زندہ رہنا ابن عاصم کے سحر سے کم تر نہیں۔ سحر کی تاثیر (جسمِ نبوی میں) کی حکمت تاثیر سحر کی حقانیت اور مشیت الٰہی کا اجراء ہے کہ سحر حق ہے اور اس سے اظہار نبوت اس کا ثبوت ہے کیونکہ سحر، ساحر میں تاثیر نہیں کرتا چونکہ کفار تو آپ کو ساحر کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر سحر کی تاثیر کو ظاہر فرما کر واضح کر دیا کہ آپ ساحر نہیں۔ رہا معاملہ کسی فعل کا خیال کرنا اور عدم قدرت پر جماع جیساکہ حدیث میں مذکور ہے اور آنکھوں کی بینائی کی کمزوری جیساکہ دیگر روایات میں ہے۔ تبلیغ شریعت میں فعل اور آپ کے صدق میں رکاوٹ نہیں کیونکہ ابلاغ شریعت پر آپ کی عصمت و طہارت پر قطعی دلائل موجود ہیں۔ بعض ان میں سے امور دنیویہ ہیں جن کی خاطر آپ کی بعثت نہیں ہوئی اور نہ ان کو فضیلت دی گئی۔ کسی حدیث یا روایت میں یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسا فعل یا قول سرزد ہوا ہو جو آپ کے ابلاغ کے خلاف ہو یا نفس الامر کے خلاف ہو جو کچھ مذکور ہے یہ تو خواطر و تخیلات ہیں اور انھیں آپ صادق تصور نہیں فرماتے اور نہ ہی ان کا اثبات فرماتے۔ آپ کے تمام اعتقادات بطریق صدق و صواب ہیں اور آپ کے مبارک اقوال بھی بطریق صحت اور عدم فساد ہیں اور اگر ضعف بصری ظاہر بھی ہوا ہو تو یہ عقل و تمیز میں مخل نہیں فافھم و باللہ التوفیق۔ واقعہ جادو حدیبیہ سے واپسی پر ملو ذو الحجہ میں وقوع پذیر ہوا اور اس کی مدت بقا چالیس روز یا چھ ماہ یا ایک سال رہی۔ ان میں تطبیق کچھ یوں ہے کہ چالیس روز تک غلبہ رہا پھر کچھ آثار شش ماہ تک اور کچھ ایک سال تک رہے۔ واللہ اعلم

۲ مکرر دعا فرمائی اس میں اس پر دلیل ہے۔ نزولِ بلاء اور حصول مکروہ کے وقت دعا مستحب و سنت ہے شارحین کہتے ہیں کہ خواص اس وقت دعا کرتے ہیں کہ وہ حبِ اجابت کو پہنچتی ہے اور دیگر لوگ دعا کو چھوڑتے ہیں اور اپنے وقت میں مستجاب ہوتی ہے۔

۳ طب، سحر و جادو، طب کا ایک معنی سحر ہے۔

۴ منقول ہے کہ اس کی بیٹیوں نے اس کی شرکت سے کیا۔

۵ مشط، میم پر پیش، شین ساکن یا مضموم دیگر طریقوں پر بھی اس کا ضبط ہے۔ مشاطہ میم پر پیش وہ بال جو کنگھی سے جھڑتے ہیں۔

۵۶ جف، جیم پر پیش، فاء مشدد، شگوفہ کا غلاف، طلعہ، طاء پر زبر، لام ساکن شگوفہ یہ نر اور مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ جہاں شگوفہ نر ہوگا وہاں اس کی خصوصیت ظاہر ہے اور جف کی جگہ جب بلاء کے ساتھ بھی منقول ہے اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

۵۷ ذروان۔ ذال پر زبر، راء ساکن، کنوئیں کا نام ہے۔ بعض روایات میں اروان ہے۔ ہمزہ پر زبر دونوں صحیح اور مشہور ہیں۔ اول اصح اور زیادہ مشہور ہے۔

۵۸ حناء، حاء کے نیچے زیر، نون مشدد، وہ گھاس جو خوشبو میں مشہور ہو۔

۵۹ شیخ توریشی فرماتے ہیں کبھی ذہن اس طرف جاتا ہے کہ آپ کے اس ارشادِ گرامی سے مراد وہ درخت ہیں، جو اس کنوئیں میں تھے انھیں منظر قبیح کے اعتبار سے رؤس الشیاطین سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن مراد کھجور کے وہ شگوفے جو کنوئیں میں دفن تھے، عرب سب سے بدمنظر کو رؤس شیاطین سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض نے کہا اس سے مراد خبیث سانپ ہیں ان کو شیاطین کا نام دیا گیا ہے۔

۶۰ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما نے ذروان کنوئیں پر سحر نکالنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے جب نکالا تو دیکھا کھجور کے شگوفوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موم سے بنی ہوئی صورت تھی اور اس میں ہر طرف سے سوئیاں چبھی ہوئی تھیں اور اس پر گرہیں تھیں۔ اسی وقت جبریل امین معوذتین سورتیں لے کر نازل ہوئے۔ ہر آیت پر ایک گرہ کھل جاتی تھی اور سوئی باہر آجاتی تھی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین ونصیب ہوئی۔ ممکن ہے آپ بھی تشریف لے گئے ہوں مگر کنوئیں کے اندر اترنے کا حکم حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو فرمایا ہو تا کہ وہ اسے نکال لائیں۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو کچھ نہ فرمایا اور نہ ہی انتقام لیا بلکہ فرمایا میں فتنہ برپا کرنے کو پسند ہی نہیں کرتا۔

۵۴۳۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَقْسِمُ قَسْمًا اَتَاہُ ذُوالْخُوَیْصِرَۃِ وَھُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِعْدِلْ فَقَالَ وَیْلَکَ فَمَنْ یَّعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ اِنْ لَّمْ اَکُنْ اَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِّیْ اَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم فرمارہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذوالخویصرہ والا ایک شخص آیا جو بنی تمیم سے تھا بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف کیجیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو کون کریگا اگر میں انصاف نہ کروں تو تو خائب وخاسر ہو جاوے تو جناب عمر نے کہا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی

اَضْرِبْ عُنُقَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّ لَهٗ
اَصْحَابًا يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلٰوتَهٗ مَعَ
صَلٰوتِهِمْ وَصِيَامَهٗ مَعَ صِيَامِهِمْ يَقْرَءُوْنَ
الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ
مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ
الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ اِلٰى نَصْلِهٖ اِلٰى رُصَافِهٖ
اِلٰى نَضِيِّهٖ وَهُوَ قِدْحُهٗ اِلٰى قُذَذِهٖ
فَلَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ سَبَقَ الْفَرْثَ
وَالدَّمَ اٰيَتُهُمْ رَجُلٌ اَسْوَدُ اِحْدٰى
عَضُدَيْهِ مِثْلَ ثَدْيِ الْمَرْاَةِ اَوْ مِثْلَ
الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ وَيَخْرُجُوْنَ عَلٰى خَيْرِ
فِرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ
اَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ
مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ
قَاتَلَهُمْ وَاَنَا مَعَهٗ فَاَمَرَ بِذٰلِكَ
الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَاُتِيَ بِهٖ حَتّٰى نَظَرْتُ
اِلَيْهِ عَلٰى نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ نَعَتَهٗ وَفِيْ
رِوَايَةٍ اَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ
نَاتِئُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مُشْرِفُ
الْوَجْنَتَيْنِ مَحْلُوْقُ الرَّاْسِ فَقَالَ
يَا مُحَمَّدُ اتَّقِ اللّٰهَ فَقَالَ فَمَنْ
يُّطِعِ اللّٰهَ اِذَا عَصَيْتُهٗ فَيَاْمَنُنِيَ
اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِيْ
فَسَاَلَ رَجُلٌ قَتْلَهٗ فَمَنَعَهٗ
فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ اِنَّ مِنْ

گردن ماردوں فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے کچھ
ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نماز
ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنے روزے ان
کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا۔ وہ لوگ
قرآن پڑھیں گے۔ قرآن ان کے گلوں کے نیچے نہ
اُترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر
کمان سے نکل جاتا ہے کہ اس کی نوک، اس کے پر اس
کی قدح یعنی لکڑی، اس کی نوک کے پیچھے کو دیکھو تو اس
میں کچھ نہیں پایا جاتا ہے حالانکہ وہ گوبر اور خون میں سے
گزرا ہے۔ اس کی نشانی ایک کالا آدمی ہے جس کے
بازوؤں میں سے ایک بازو عورت کے پستان کی طرح
ہوگا یا گوشت کی بوٹی کی طرح جو ہلتا ہو۔ یہ لوگ
مسلمانوں کے بہترین فرقے کے خلاف خروج کریں گے
حضرت ابو سعید نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے
یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور میں
گواہی دیتا ہوں کہ جناب علی بن ابی طالب نے ان لوگوں
پر جہاد کیا۔ میں آپ کے ساتھ تھا تو آپ نے اس
شخص کے متعلق حکم دیا وہ ڈھونڈا گیا اسے لایا گیا
حتیٰ کہ میں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی
علامت پر دیکھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک
شخص آیا وہ دھنسی ہوئی آنکھیں ابھری ہوئی پیشانی گھنی
داڑھی اونچی کنپٹی والا سر منڈا ہوا وہ بولا اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم اللہ سے ڈرو تو فرمایا کہ اگر میں اس کی نافرمانی
کروں تو اللہ کی اطاعت کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے
مجھے زمین والوں پر امین بنایا ہے اور تم مجھے امین نہ جانو
ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت مانگی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے منع فرمادیا جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ

ضِئْضِئِي هٰذَا قَوْمٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی پشت[۱۲] سے ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی قرآن انکے گلے سے نیچے نہ اُترے گا وہ اسلام سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے وہ مسلمانوں سے قتال کریں گے اور بت پرستوں[۱۳] کو چھوڑیں گے اگر میں انھیں پاؤں تو قوم عاد کی طرح قتل کروں۔ (بخاری مسلم)

[۱] قسم، قاف پر زبر، بمعنی مقسوم، قسم، قاف کے نیچے زیر، بمعنی حصہ ونصیب وبخشش، یہ مال غنیمت حنین سے حاصل ہوا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام جعرانہ پر تقسیم فرمایا

[۲] ذوالخویصرہ، خاء پر پیش، واؤ پر زبر یاء ساکن، صاد کے نیچے زیر

[۳] تمام کو برابر دے

[۴] کیونکہ تیری سودمندی اور امید برآری میرے انصاف کی وجہ سے ہے اور مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور اقامتِ عدل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر میں عدل نہ کروں تو تمھارے پاس سوائے ناامیدی اور زیاں کاری کے کچھ نہ ہو۔

[۵] یہ ظاہری، نماز و روزہ میں تمھارے نماز و روزہ سے قوی ہیں اور نمازیوں کے قتل سے اسلام نے منع کر رکھا ہے اگرچہ ان کا نماز روزہ درجہ قبولیت نہیں پاتا۔ اگرچہ وہ بغاوت کی وجہ سے واجب القتل ہو چکے ہیں۔

[۶] اس سے مراد قرآن کا درجہ قبول اور محل انابت پر نہ پہنچنا ہے۔

[۷] رصاف، راء پر پیش یا زیر، تیر کے اوپر جو پیوست ہوتا ہے۔

[۸] نُضِیّ، نون پر زبر، ضاد کے نیچے زیر یاء مشدد

[۹] قدح، قاف کے نیچے زیر، دال ساکن، تیر کی لکڑی، یہ وادی کی تفسیر ہے۔

[۱۰] قذذہ، قاف پر پیش، ذال پر زبر، تیر کے پَر

[۱۱] یہ فرقہ دین سے اس طرح دُور ہے کہ جس طرح وہ تیر جو شکار سے اس قدر تیزی سے گزرا کہ اس پر گندگی و خون کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنھوں نے خوارج کی تکفیر کی ہے خطابی کہتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد اطاعت امام ہے، بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے نقل کیا کہ یہ فرقہ دین سے اس طرح باہر ہے جیسے تیر شکار سے باہر جاتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہتِ ایمان کی وجہ سے خوارج کی تکفیر میں توقف فرمایا امام مالک رضی اللہ عنہ سے اہلِ اہوا کی تکفیر کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کافر ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ کفر سے بھاگتے ہیں۔ ایسی ہی بات امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے بارے میں منقول ہے۔

۱۲ھ تدردر، تا اور دال پر زبر، را ساکن اصل میں تتدرد ر بروزن تتدحرج یعنی وہ حرکت کرے گا آگے جائے گا۔ اس وجہ سے اسے ذوالثدیہ کہا گیا ہے۔ تا پر پیش، دال پر زبر اور را مشدد، یہ خوارج کا سربراہ تھا

۱۳ھ یہاں بہتر گروہ سے مراد حضرت علی اور ان کے ساتھی ہیں رضی اللہ عنہم۔

۱۴ھ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

۱۵ھ قتل شدہ افراد کے درمیان اس کی تلاش کی۔

۱۶ھ حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

۱۷ھ غور کا اصلاً معنی پانی کا زمین کے نیچے جانا۔

۱۸ھ وجنۃ واؤ پر تینوں حرکات کے ساتھ ہے۔

۱۹ھ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ذوالخویصرہ کی علامات تھیں۔ ذوالثدیہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا وہ اسی قوم میں سے تھا۔ دونوں کو ایک قرار دینا فقط وہم ہے۔

۲۰ھ یہ بدشکل کہنے لگا

۲۱ھ خدا کی اطاعت کرتے ہوئے عدل سے کام لو

۲۲ھ یعنی میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والا ہوں تو مجھے اطاعت کی تاکید کر رہا ہے۔

۲۳ھ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں ان کے درمیان عدل کروں۔

۲۴ھ لیکن تو مجھ پر اعتماد نہیں کر رہا۔

۲۵ھ اس کی اس بے ادبی پر ایک صحابی نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ سابق حدیث میں گزرا، یہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔

۲۶ھ ضِئضِئی دونوں ضاد کے نیچے زیر اور دو ہمزے، بمعنی اصل یہاں مراد مذہب ہے نہ کہ اولاد یعنا کیونکہ خوارج ذوالخویصرہ کی اولاد میں سے نہ تھے۔

۲۷ھ بت پرستوں کے ساتھ ان کی جنگ نہ ہو گی۔

۲۸ھ قتل عاد سے مراد ان کا جڑ سے کاٹ دینا ہے۔ باقی مشاکلت کی بناء پر تعبیر ہے کیونکہ قوم عاد قتل نہیں ہوئی بلکہ ہوا نے انھیں ہلاک کیا۔

۵۶۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَهِیَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا یَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا وہ مشرکہ تھی ایک دن میں نے اسے دعوت دی تو اس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ باتیں سنائیں

اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّيْ خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جو میں ناپسند[۱] کرتا ہوں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتا[۲] ہوا گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے اللہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے تو میں خوشی خوشی نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے۔ تو جب میں دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آہٹ[۳] سنی تو بولیں[۴] اے ابوہریرہ[۵] وہاں ہی رہو اور میں نے پانی کی چھلک[۶] سنی۔ انھوں نے غسل کیا پھر اپنی قمیص پہنی اور اپنے دوپٹہ سے جلدی[۷] کی۔ دروازہ کھولا پھر بولیں اے ابوہریرہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا میں خوشی سے رو رہا[۸] تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دعائے[۹] خیر کی۔ (مسلم)

[۱] میں نے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گفتگو سنی جس کا ذکر کرنا مجھے پسند نہیں ظاہر یہ ہے کہ ذکر سے قطع نظر دل سے برا جاتا۔

[۲] اپنی ماں کے حال پر روتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا

[۳] خشف، خاء اور شین کے ساتھ قدموں کی آہٹ

[۴] ابھی مکان میں داخل نہ ہونا اے ابوہریرہ

[۵] اپنے نام کی تصریح ان کے حال کے اہتمام اور ان کی قبولیت و رضا کی وجہ سے ہے۔

[۶] میں نے غسل کرنے کی آواز سنی، خضخضہ، دو خاء اور دو ضاد۔ پانی کا ٹپکنا

[۷] جلدی سے لباس پہنا اور اوڑھنی سر پر لی

[۸] کبھی رونا غم کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوشی کی بناء پر۔ بعض خوش طبع نے کہا خوشی خوشی پر رونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ غم گریہ کی صورت میں باہر نکل آتا ہے۔

سلہ یہ حکم نیکی، دعا کو متضمن ہے یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر معجزہ کا اظہار ہے کہ باوجود سخت مخالف ہونے کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل پر تصرف فرمایا اور ان کے کفر کو اسلام سے بدل ڈالا۔

۵۶۴۲ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ مِنَ الْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَءًا مِسْكِيْنًا اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ اَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعُهُ اِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ مِنْ مَقَالَتِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انھیں سے روایت ہے فرمایا تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات زیادہ کرتے ہیں اور اللہ وعدہ والا ہے میرے مہاجر[2] بھائیوں کو بازار میں خرید و پکار[3] مشغول رکھتی تھی اور میرے انصاری[4] بھائیوں کو ان کے مالوں میں کام کاج مشغول رکھتا تھا۔ میں ایک مسکین آدمی[5] تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن دل بھر کے پکڑے رہتا تھا۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کوئی اپنا کپڑا پھیلا دے حتی کہ میں اپنا یہ کلام پورا کر لوں[6] پھر وہ اپنے سینے سے لگائے[7] پھر کبھی نہ میرا کوئی کلام بھول جاوے چنانچہ میں نے کمبل[8] پھیلا دیا۔ پھر مجھ پر اس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا کر لیا پھر میں نے وہ کمبل اپنے سینے سے لگا لیا تو اس کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنے اس دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان نہ بھولا۔ (بخاری، مسلم)

سلہ یعنی اگر میں احادیث میں کمی بیشی کروں تو روز قیامت اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

سلہ اس کے بعد کثرت کے ساتھ احادیث روایت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا

سلہ اس سے مراد بیع وشرا ہے کیونکہ بائع ومشتری ہی اصحاب تجارت ہونے کی وجہ سے ایک ہاتھ دوسرے پر مارتے ہیں۔

سلہ اہل مدینہ کے مال سے مراد ان کے باغات اور ان کا کھیتی باڑی کرنا ہے۔ جیسا کہ اہل مکہ کے ہاں اونٹ اور بکریاں، انصاری لوگ باغات اور زراعت کے مالک تھے۔

۵ جو مل جاتا اُس پر قناعت کر لیتا نہ میرا کاروبار تھا اور نہ زراعت کہ میں ان میں مشغول ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت میں رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال کو دیکھتا اور سنتا رہتا۔

۶ اس میں اُس دعا کی طرف اشارہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کے حفظ، حفاظت اور آپ کی احادیث کو سن کر یاد کرنے کے بارے میں کی تھی۔

۷ میں دعا کروں گا جس نے بھی جھولی پھیلا دی اس دعا کی برکت سے جب وہ اپنی چادر اپنے اوپر اوڑھے گا تو جو اس نے جو احادیث حاصل کی تھیں وہ اسے کبھی نہیں بھولیں گی۔

۸ نمرہ، نون پر زبر، میم کے نیچے زیر وہ کمبل جس میں سیاہی و سفیدی ہو۔

۵۶۴۳ وَعَنْ جَرِيْرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلٰى وَكُنْتُ لَا اَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ وَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ فَارِسًا مِنْ اَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَّرَهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جریر[۱] ابن عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مجھ کو ذوالخلصہ[۲] سے راحت نہ دو گے۔ میں نے عرض کیا ہاں اور میں گھوڑے پر ٹھہر نہ سکتا تھا۔ میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ[۳] پر لگا دیا حتیٰ کہ میں نے آپکے ہاتھ کا اثر اپنے سینہ میں پایا اور فرمایا الٰہی اسے ثابت رکھ، اسے ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ[۴] بنا دے۔ فرمایا اس کے بعد اپنے گھوڑے سے نہ گرا[۵]۔ پھر وہ ڈیڑھ سو سواروں میں گئے جو قبیلہ احمس[۶] سے تھے۔ ذی الخلصہ کو آگ میں جلا دیا اور اسے ڈھا دیا۔ (بخاری مسلم)

۱ حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ، یہ عزت ما شرف، حسن صورت و سیرت میں بے مثل تھے

۲ ذوالخلصہ، خاء پر زبر، لام دونوں پر ضمہ بھی جائز، بت خانہ کا نام ہے اسے کعبۃ اللہ الیمانیہ کہتے قبیلہ خثعم کا اس میں بت تھا اس کا نام خلصہ تھا۔ خلصہ اصلاً درخت کا نام ہے جس سے خوشبو آتی ہو۔

۳ تقویت ثابت اور مضبوطی کے لیے

۴ اسے تمام احوال اور افعال میں ثابت رکھ

۵ یہاں سے معلوم ہوتا ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیں اور قوت عطا کریں وہ کمزور و ناتواں نہیں ہو سکتا اے اللہ ہمیں بھی عطا فرما۔ ~ تو مرا دل دہ و دلیری بین + روبہ خویش خوان و شیری بین
تو مجھے دل عطا فرما پھر جرأت دیکھ تو ہمیں لومڑی ہی قرار دے دے پھر ہمیں شیر دیکھ

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

(جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت حاصل ہو جائے اس کے سامنے شیر بھی کمزور ہوتا ہے)

یہ فقیر جب مکہ معظمہ میں اقامت پذیر تھا تو الحاج نظر بدخشی (جو کہ راہ کے مرد اور طریقت کے شہسوار تھے) کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے میری پشت پر ہاتھ پھیرا اور دو دفعہ فرمایا اے اللہ اسے استقامت عطا فرما میں کامل طور پر امیدوار ہوں کہ بندہ حق اور دین پر قائم اور راسخ رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

سلہ احمس، حاء، سین بروزن احمر، قریش کے قبائل کا نام ہے، شجاعت، سختی اور دلیری کی وجہ سے یہ نام تھا، محاسبہ کا معنی شجاعت ہوتی ہے۔

۵۶۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ فَاَخْبَرَنِيْ اَبُوْطَلْحَةَ اَنَّهٗ اَتَى الْاَرْضَ الَّتِيْ مَاتَ فِيْهَا فَوَجَدَهٗ مَنْبُوْذًا فَقَالَ مَا شَاْنُ هٰذَا فَقَالُوْا دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کاتب[1] وحی تھا وہ اسلام سے پھر گیا اور مشرکین[2] سے جا ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے زمین قبول نہیں کرے گی۔ مجھے ابوطلحہ[3] نے خبر دی کہ وہ اس زمین میں گئے جہاں وہ مرا تھا اسے باہر پھینکا ہوا پایا پوچھا اس میت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بارہا دفن کیا اسے زمین نے قبول نہ کیا۔ (مسلم، بخاری)

سلہ وحی یا اس کے علاوہ کوئی چیز
سلہ یہ شخص نصرانی تھا مسلمان ہوا پھر اس نے نصرانیت اختیار کر لی۔
سلہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور حضرت اُمّ انس رضی اللہ عنہما کے خاوند ہیں۔

۵۶۴۵ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا قَالَ يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوایوب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے سورج ڈوب چکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز[2] سنی فرمایا یہود اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہیں۔ (مسلم، بخاری)

سلہ یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے وقت سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے مہمان بنے۔
سلہ یہ آواز یہود کی فریاد کی بھی ہو سکتی ہے یا عذاب کے واقع ہونے کی یا عذاب دینے والے فرشتوں کی۔

اوّل ظاہر ہے، طبرانی کی روایت اس پر شاہد ہے۔

۵۶۴۶/۲۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِينَةِ هَاجَتْ رِيحٌ تَكَادُ أَنْ تَدْفِنَ الرَّاكِبَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا عَظِيمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ قَدْ مَاتَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس ہوئے تو جب مدینہ سے قریب ہوئے تو ایک ہوا چلی جو سوار کو دفن [1] کیے دیتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک منافق کی موت پر [2] بھیجی گئی ہے۔ پھر مدینہ منورہ پہنچے تو منافقوں کا ایک سردار مر چکا تھا۔ (مسلم)

[1] جو قریب تھا کہ سوار کو ہلاک کر دیتی۔

[2] منافق کی موت کے وقت سخت طوفان کا آنا، وحشت و پریشانی لاحق ہونا اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے مرنے پر اسے تکلیف ہوتی ہے۔

۵۶۴۷/۲۲ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى قَدِمْنَا عُسْفَانَ فَأَقَامَ بِهَا لَيَالِيَ فَقَالَ النَّاسُ مَا نَحْنُ هٰهُنَا فِي شَيْءٍ وَإِنَّ عِيَالَنَا لَخُلُوفٌ مَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ مَا فِي الْمَدِينَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَحْرُسَانِهَا حَتّٰى تَقْدَمُوا إِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ ارْتَحِلُوا فَارْتَحَلْنَا وَأَقْبَلْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَوَالَّذِي يُحْلَفُ بِهٖ مَا وَضَعْنَا رِحَالَنَا حِينَ دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ حَتّٰى أَغَارَ عَلَيْنَا بَنُو عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَطَفَانَ وَمَا يَهِيجُهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْءٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ عسفان [1] پہنچے وہاں چند شب قیام فرمایا لوگ کہتے کہ ہم یہاں کسی کام میں تو ہیں نہیں اور ہمارے بال بچے اکیلے [2] ہم سے غائب ہیں ہم ان پر مطمئن نہیں۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ میں نہ کوئی گھاٹی [3] ہے نہ کوئی راستہ مگر اس پر دو فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں حتیٰ کہ ہم لوگ وہاں پہنچیں پھر فرمایا کوچ کرو ہم نے کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے۔ اس کی قسم کھائی [4] جاتی ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچ گئے تو ابھی ہم نے سامان نہ اتارے تھے کہ ہم پر بنی عبداللہ بن غطفان [5] نے حملہ کر دیا حالانکہ اس سے پہلے انہیں کوئی چیز نہیں بھڑکاتی [6] تھی۔ (مسلم)

[1] عسفان، عین پر پیش، سین ساکن اور فاء، مکہ معظمہ سے دو مراحل پر ہے۔

[2] خلوف، خاء پر پیش، خلف یا خالف کی جمع، اس کا اطلاق موجود و غائب دونوں پر ہوتا ہے۔

نہایۃ میں ہے خالف کہتے ہیں جب سفر کی وجہ سے غائب اور خواتین گھروں میں مقیم رہیں۔

[2] شِعب، شین کے نیچے زیر، پہاڑوں کے درمیان راستہ۔ نقب، نون پر زبر، قاف ساکن، یہ بھی اسی طرح کے راستہ کے معنی میں آتا ہے لیکن یہاں دو شہری کوچہ کے دو محلوں کے درمیان مراد ہے۔ جیساکہ دوسری احادیث میں کہ آفتاب مدینہ پر فرشتے مقرر ہیں اور وہاں طاعون اور دجال کا داخلہ نہ ہوگا۔

[4] حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔

[5] غطفان۔ غین اور طاء قبیلہ کا نام ہے۔

[6] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اطلاع سچی ثابت ہوئی کہ مدینہ کی حفاظت تمہارے باہر رہنے کی صورت میں فرشتے کرتے ہیں۔

۵۶۴۸/۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِيُّ اَوْ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو سخت قحط سالی[1] پہنچی تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے جمعہ کے دن کہ ایک دیہاتی اٹھا بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال برباد[2] ہوگیا اور بچے بھوکے ہوگئے آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہم آسمان میں بادل نہیں دیکھتے تھے تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے نہ کیے حتی کہ بادل پہاڑوں[3] کی طرح اٹھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر سے نہ اترے حتی کہ میں نے آپ کی ڈاڑھی پر بارش ٹپکتے دیکھا پھر ہم پر آج اور کل اور پرسوں ہوتی رہی دوسرے جمعہ تک اور یہی بدوی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمارتیں گر گئیں، مال ڈوب گئے، آپ اللہ سے دعا[4] کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا یا الٰہی ہمارے آس[5] پاس برسا ہم پر نہ برسا۔ پھر آپ بادل[6] کے کسی گوشہ کی طرف اشارہ فرماتے مگر وہ چلا جاتا اور مدینہ[7] تالاب کی طرح

الْوَادِیْ قَنَاۃُ شَھْرًا وَلَمْ یَجِیْٔ اَحَدٌ مِّنْ نَّاحِیَۃٍ اِلَّاحَدَّثَ بِالْجَوْدِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَۃِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَاَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِیْ فِی الشَّمْسِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہوگیا اور وادی قنات ایک مہینہ تک بہتی رہی کسی طرف سے کوئی نہ آیا مگر اس نے بارش کی خبر دی اور ایک روایت میں ہے کہ انھیں ہم پر نہ برسا ہمارے آس پاس برسا الٰہی ٹیلوں پر اور پہاڑیوں پر اور جنگلوں کے اندرون پر اور درختوں کے اگنے کی جگہ پر برسا، فرمایا تو بارش رک گئی اور ہم دھوپ میں چلنے لگے۔ (بخاری، مسلم)

ا؎ سنہ، سال کے معنی دیتا ہے لیکن پھر سال قحط کا معنی اس پر غالب آچکا ہے۔

۲؎ مال سے مراد باغ وزراعت اور چوپائے جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان اور عیال تنگی معاش کی وجہ سے۔

۳؎ قزع، قاف پر زبر، بادل کے ٹکڑے، قزعہ کی جمع ہے۔

۴؎ جامع الاصول میں ہے، ابھی ہاتھ مبارک نیچے نہیں آئے تھے اور یہی ظاہر ہے۔

۵؎ منبر سے نیچے آتے اور مسجد سے باہر نکلتے ہی بارش شروع ہوگئی۔ حدور کا معنی اوپر سے نیچے آنا ہے یہ صعود کی ضد ہے۔

۶؎ بارش رکنے کی دعا فرمائیے۔

۷؎ ہمارے اردگرد سے مراد کھیتیاں اور باغات ہیں۔ حوالیہ لام پر زبر نہ کہ زیر حول اور احوال کا ایک ہی معنی ہے، تکرار و تعدد کی وجہ سے لفظ تثنیہ ذکر کیا گیا ہے۔

۸؎ بعض روایات میں من السحاب کی جگہ من السماء ہے۔

۹؎ یعنی تمام اطرافِ مدینہ میں بارش جاری رہی مگر شہر مدینہ میں بارش رک گئی۔ جوبہ جیم پر زبر، واؤ ساکن۔

قاموس میں ہے جوب، شیر اور جوبہ گڑھا، دوسری روایت میں جوبہ کے بجائے اکلیل ہے یعنی شہر مدینہ کا بالائی حصہ تاج کی مانند ہوگیا۔

۱۰؎ قناۃ، منصوب و مرفوع دونوں طرح ہے پہاڑ کی ایک طرف نالہ کا نام ہے، یعنی وہ نالہ ایک ماہ تک جاری رہا جس کا نام قناۃ ہے، یہ روایت بخاری کے موافق ہے، کیونکہ اس میں ہے وادی قناۃ جاری رہا اس صورت میں لفظ قناۃ تنوین کے بغیر مفتوح ہوگا۔

۱۱؎ جود، جیم پر زبر، واؤ ساکن، کثیر بارش یا ایسی بارش جس سے بڑھ کر نہ ہو۔

۱۲؎ اکام، اکمہ، الف، کاف اور میم تینوں پر زبر، وہ سخت و بلند جگہ جو ابھی پتھر نہ بنی ہو۔

۱۳؎ ظِراب، ظاء کے نیچے زیر، ظَرِبٌ بروزن کتف، فراخ پہاڑ یا چھوٹا پہاڑ
۱۴؎ راوی سے مراد حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔

۵۶۴۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ اسْتَنَدَ إِلَى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوَى عَلَيْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتَّى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَكَتْ عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو کھجور کے ایک ڈنڈے[۱] سے ٹیک لگا لیتے تھے جو مسجد کے ستونوں[۲] میں سے تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ گر ہوئے تو جس ڈنڈا کے پاس آپ خطبہ پڑھتے تھے وہ چیخ پڑا حتیٰ کہ قریب تھا کہ چر[۳] جاوے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے حتیٰ کہ اسے پکڑا، اپنے سے چپٹایا تو وہ سسکیاں بھرنے لگا۔ اس بچے کی سسکیوں کی طرح جسے چپایا[۴] جاوے۔ حتیٰ کہ قرار پکڑ گیا۔ راوی نے کہا کہ وہ اس ذکر الٰہی پر رو دیا جو وہ سنا[۵] کرتا تھا۔ (بخاری)

۱؎ جذع، جیم کے نیچے زیر، ذال ساکن
۲؎ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں مسجد کے ستون کھجور کے تھے۔ منبر بننے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستون کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے۔
۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے
۴؎ یسکت، کاف مشدد
۵؎ بعض روایات میں اونٹنی کے بچے کی طرح رونے کا ذکر ہے۔ حنین بمعنی شوق و محبت یہاں وہ آواز مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق پر دلالت کر رہی ہے۔
۶؎ کھجور کے تنے والی حدیث صحابہ کی پوری جماعت سے کثیر طرق سے مروی ہے کہ اس میں کسی شبہ اور شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ مواہب لدنیہ میں شیخ علامہ تاج الدین سبکی سے ہے کہ اکابر مشاہیر علماء شوافع کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حدیث کھجور متواتر ہے۔ حافظ ابن حجر، فتح الباری میں کہتے ہیں۔ کھجور اور شق چاند کا واقعہ مشہور طریقہ سے مروی ہے اور ہر اس کو یقین کا فائدہ دے گا جو حدیث کے طرق سے مطلع ہوگا۔ قاضی عیاض مشارق میں کہتے ہیں کھجور والی حدیث مشہور ہے اور اس کے بارے میں خبر متواتر ہے۔ تمام اہل صحیح نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ امام حسن بصری جب حدیث بیان کرتے رو پڑتے اور فرماتے اے اللہ کے

بندو! خشک لکڑی شوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں روتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں تمھارا رونا زیادہ لائق ومناسب ہے کیونکہ تم لکڑی سے کم نہیں ہو۔ شعر

وہ پتھر اور گھاس جس میں خصوصیت ہے وہ اس آدمی سے بہتر ہیں جس میں معرفت نہیں۔

۵۶۵۰ / ۲۵ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ نے فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے کھا وہ بولا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا اب طاقت نہ رکھے گا اسے صرف تکبر نے اس سے منع کیا۔ راوی نے فرمایا کہ وہ پھر یہ ہاتھ اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔ (مسلم)

لہ بطور تکبر نہ کہ بطور عجز و کمزوری، اس میں اس وہم کا ازالہ ہے کہ عدم استطاعت کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعا نہ فرماتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس رحمۃ للعالمین ہے۔

۵۶۵۱ / ۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَزِعُوْا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِيْ طَلْحَةَ بَطِيْئًا وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار اہل مدینہ گھبرا گئے[1] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کے سست گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ اڑتا بھی تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے تو فرمایا کہ ہم نے تمھارے اس گھوڑے کو دریا[2] پایا۔ پھر اس کے بعد وہ گھوڑا انہیں مقابلہ کیا جاتا[3] تھا اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن کے بعد کبھی پیچھے[4] نہ رہا۔ (بخاری)

لہ چوروں یا دشمنوں کی وجہ سے

۲ہ یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ تیز رفتار ہو اور دریا کی طرح روکا نہ جا سکے۔

۳ہ یجاری، جیم مجہول ہے، مجارات سے مشتق ہے بمعنی معارضہ ومباہات۔ اصل میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کے معنی میں آتا ہے۔ دوسری روایت میں لا یحاذی، حاء اور ذال، محاذات کا معنی مقابل ہے۔ بعض روایات میں یہ ہے۔

۴ہ اس کے بعد کوئی اس پر سبقت نہ لے جاتا۔

۵۶۵۲ / ۲۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّيَ اَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَرَضْتُ عَلٰى غُرَمَائِهٖ اَنْ يَاْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَيْهِ فَاَبَوْا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوئی ان پر قرض تھا میں نے ان کے قرض خواہوں سے درخواست کی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِيْ قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَّاَنِّيْ اُحِبُّ اَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ فَقَالَ لِيَ اِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهٗ فَلَمَّا نَظَرُوْا اِلَيْهِ كَاَنَّهُمْ اُغْرُوْا بِيْ تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَاٰى مَا يَصْنَعُوْنَ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيْ اَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى اَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَّالِدِيْ اَمَانَتَهٗ وَاَنَا اَرْضٰى اَنْ يُّؤَدِّيَ اللّٰهُ اَمَانَتَهٗ وَالِدِيْ وَلَا اَرْجِعُ اِلٰى اَخَوَاتِيْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا وَحَتّٰى اَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَّاحِدَةً (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وہ اپنے قرض کے عوض موجودہ چھوارے[1] لے لیں انہوں نے انکار کیا[2] تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ میرے والد اُحد کے دن شہید ہو گئے اور بہت سا قرض چھوڑ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قرض خواہ دیکھیں[3] فرمایا جاؤ ہر قسم کے چھواروں کا ایک ایک طرف ڈھیر لگا دو۔ میں نے یہ کام کر دیا پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ جب قرض خواہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شاید وہ اس گھڑی مجھ پر بھڑک[4] گئے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا یہ عمل دیکھا تو ان میں سے بڑے ڈھیر کے آس پاس تین چکر گھومے پھر اس پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا اپنے قرضخواہوں[5] کو ہمارے سامنے بلاؤ پھر آپ ناپ کر اُتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کا سارا قرض ادا کر دیا۔ میں اس پر راضی تھا کہ اللہ میرے والد کا قرض ادا کر دے۔ میں اپنی بہنوں کو ایک چھوارا بھی نہ پہنچاؤں[6] مگر اللہ نے سارے ڈھیر سلامت رکھے اور حتیٰ کہ میں اس ڈھیر کو دیکھتا تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ گویا اس میں سے ایک چھوارا بھی کم نہیں ہوا۔ (بخاری)

[1] جو میرے باغ سے حاصل ہوئی تھیں

[2] کیونکہ وہ قرض سے کم تھیں

[3] تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرض میں کمی کر دیں یا بطور معجزہ کھجوریں قرض کے مطابق ہو جائیں۔

[4] اغروا، ہمزہ پر پیش، غین پر سکون، را پر پیش۔ صراح میں ہے غرا مچھلی کا نڑپنا

[5] اپنے قرض خواہوں کو

[6] یہ حضرت جابر کے والد کی بیٹیاں تھیں جنھیں وہ اپنی بہنیں کہہ رہے ہیں۔ الغرض میرے والد کا قرض پورا ادا ہو جائے خواہ میں اپنی بہنوں کے لیے کچھ بھی نہ لے جاؤں۔

ھ تمر پہ رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ڈھیر پر تشریف فرما ہوئے اور وہاں سے پیمانہ کے ساتھ قرض ادا فرمایا تو اس ڈھیر سے کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۶۵۲ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ اُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عُكَّةٍ لَّهَا سَمْنًا فَيَاْتِيْهَا بَنُوْهَا فَيَسْأَلُوْنَ الْاُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ شَيْءٌ فَتَعْمِدُ اِلَى الَّذِيْ كَانَتْ تُهْدِيْ فِيْهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا اُدْمَ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيْهَا مَا زَالَ قَائِمًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انھی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اُمِّ مالک[۱] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ڈبہ میں گھی کا ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ان کے پاس ان کے بچے آتے ان سے سالن مانگتے[۲] حالانکہ ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس ڈبے کی طرف جاتیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو اس میں گھی پاتی تھیں[۳]۔ ان کے لیے ان کے گھر کا سالن رہا۔ حتیٰ کہ انھوں نے اسے نچوڑ لیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں فرمایا کیا تم نے اسے نچوڑ لیا۔ عرض کیا ہاں! فرمایا اگر تم اسے چھوڑ دیتیں تو وہ باقی رہتا۔ (مسلم)

[۱] اُمِّ مالک یہ صحابیات میں سے ہیں۔ عکہ، عین پر پیش کاف مشدد وہ برتن جس میں تیل اور شہد ڈالا جاتا ہے۔ ہاں تیل کے لیے یہ زیادہ مخصوص ہوتا ہے۔

[۲] کیونکہ جو روغن تھا وہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ اُدُم ہمزہ پر پیش دال ساکن، اِدام ہمزہ کے نیچے زیر کھانے کے لیے روٹی۔

[۳] یعنی ام مالک اس میں سے ہمیشہ روغن حاصل کرتیں اور وہ ختم نہ ہوتا۔

۵۶۵۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ لِاُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعِيْفًا اَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَاَخْرَجَتْ اَقْرَاصًا مِّنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ اَخْرَجَتْ خِمَارًا لَّهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِيْ وَلَاثَتْنِيْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ اَرْسَلَتْنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ نے اُمِّ سلیم[۱] سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کمزور سنی ہے جس میں بھوک محسوس کرتا ہوں۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے وہ بولیں ہاں چنانچہ انھوں نے جو کی چند ٹکیاں نکالیں پھر اپنا دوپٹہ نکالا تو اس کے بعض سے روٹیاں لپیٹیں پھر اسے میرے ہاتھ سے چھپا دیا اور بعض حصہ لپیٹ[۲] دیا۔ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو میں وہ لے گیا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ
النَّاسُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ
قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ
مَعَهٗ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ حَتّٰى جِئْتُ اَبَا طَلْحَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ
فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ
وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اَللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَانْطَلَقَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ مَعَهٗ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمِّيْ
يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَاَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ
فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ
فَفُتَّ وَعَصَرَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ
مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ
لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا
ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَكَلَ
الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ اَوْ
ثَمَانُوْنَ رَجُلًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ
اَنَّهٗ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَدَخَلُوْا فَقَالَ كُلُوْا
وَسَمُّوا اللّٰهَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ بِثَمَانِيْنَ
رَجُلًا ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ لوگ تھے میں نے انھیں سلام
کیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا
تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کھانا
دے کر۔ میں نے کہا ہاں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے پاس والوں سے کہا اٹھو۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور میں ان کے سامنے چلا حتیٰ
کہ میں ابوطلحہ کے پاس آیا تو میں نے انھیں یہ خبر دی
ابوطلحہ نے کہا اے ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لوگوں کو لے کر تشریف لے آئے ہمارے پاس
کھانا نہیں جو انھیں کھلائیں وہ بولیں اللہ اور رسول ہی
جانیں۔ ابوطلحہ چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ملے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوطلحہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم جو کچھ تمہارے پاس ہے
لاؤ چنانچہ یہ ہی روٹیاں لائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے انھیں حکم دیا وہ توڑ دی گئیں۔ ام سلیم نے ڈبہ
نچوڑا اسے سالن بنا دیا پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے وہ پڑھا جس کا پڑھنا اللہ نے چاہا پھر
فرمایا دس آدمیوں کو اجازت دو انھیں بلایا گیا۔ انھوں نے
کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے پھر چلے گئے پھر فرمایا اور دس کو
بلاؤ پھر اور دس کو تو ساری قوم نے کھا لیا اور سیر ہو گئے
قوم کل ستر یا اسی آدمی تھے (بخاری و مسلم) اور مسلم
کی ایک روایت میں یوں ہے کہ دس کو بلاؤ وہ آئے فرمایا
کھاؤ بسم اللہ پڑھ کر وہ انھوں نے کھایا حتیٰ کہ یہی معاملہ
اسی آدمیوں سے کیا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

وَاَهْلُ الْبَيْتِ وَتَرَكَ سُؤْرًا وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ اَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً حَتّٰى عَدَّ اَرْبَعِيْنَ ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ اَخَذَ مَابَقِيَ فَجَمَعَهٗ ثُمَّ دَعَا فِيْهِ بِالْبَرَكَةِ فَعَادَ كَمَا كَانَ فَقَالَ دُوْنَكُمْ هٰذَا۔

گھر والوں نے کھایا اور بقیہ چھوڑ بھی دیا اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا کہ میرے پاس دس آدمی لاؤ حتیٰ کہ چالیس آدمی گنائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا تو میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں سے کچھ کم ہوا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر بقیہ لیا اسے جمع کیا۔ فرمایا پھر اس میں برکت کی دعا کی تو وہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا تو فرمایا اسے لو۔

سلہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں

سلہ لاثت ۔ لوث سے ہے دستار باندھنا ، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان دنوں آٹھ سال کے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے ۔

سلہ منقول ہے کہ یہاں وہ جگہ مراد ہے جو نماز کے لیے بنائی گئی تھی اور یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے جیسا کہ واقعہ حضرت جابر میں ہے ۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مطلع ہوئے کہ حضرت انس کے پاس چند روٹیاں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا دو تین صحابہ کے ساتھ تناول فرمانا مناسب نہ جانا اور معجزہ کا ظہور بھی باعث بنا۔ آپ بھی چلے اور صحابہ کو بھی چلنے کا حکم دیا۔

سلہ تمام کے آنے کی حکمت وہ خوب جانتی ہیں گویا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سمجھ گئی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برائے اظہار معجزہ تشریف لا رہے ہیں اور نہایت ہی عقل مند خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے بھی آگاہ تھیں ۔

اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پہلے کا ہو تو اس پر قیاس کرتے ہوئے فراست سے انھیں اس کا علم ہوگیا تھا۔

سلہ فت، فاء پر زبر تاء مشدد ، روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

سلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خیر و برکت کی دعا فرمائی ۔

سلہ ابوطلحہ کو فرمایا یا کسی اور صحابی کو جو موجود تھے ۔

سلہ دس دس طلب کرنے میں حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ جگہ تنگ تھی اور وہ برتن جس میں کھانا تھا اس کا حلقہ دس آدمیوں کا ہی تھا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ حکمت یہ تھی کہ تمام کو بلا لیا جاتا اور ان کی نظر قلیل طعام پر پڑتی تو ان کی کھانے میں حرص زیادہ ہوتی کیونکہ وہ یہ گمان کرتے کہ کھانا پورا نہ ہوگا۔ حرص اور عدم کفایت کا وہم برکت کے زوال کا سبب ہوتا ۔

سلہ حضرت ابوطلحہ کے خاندان نے

سلہ میں سے نے دیکھا کہ کھانا کم تو نہیں ہوگیا۔ یہ روایت اسی افراد کے منافی نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس افراد کے بعد کھانا تناول فرمایا اور بقیہ چالیس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تناول کیا

۵۶۵۵ وَعَنْہُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاِنَاءٍ وَّھُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ یَدَہٗ فِی الْاِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِہٖ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَۃُ قُلْتُ لِاَنَسٍ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ ثَلٰثُ مِائَۃٍ اَوْ زُھَاءَ ثَلٰثِ مِائَۃٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

انھیں سے روایت ہے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا آپ زوراء میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹنے لگا۔ قوم نے وضو کرلیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے کہا کہ تم کتنے تھے؟ فرمایا تین سو یا چار سو کے قریب (مسلم، بخاری)

سلہ زوراء، زاء پر زبر، یہ بازار میں معروف جگہ کا نام ہے۔

سلہ ینبع، یاء اور باء

۵۶۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا نَعُدُّ الْاٰیَاتِ بَرَکَۃً وَّاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَھَا تَخْوِیْفًا کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اطْلُبُوْا فَضْلَۃً مِّنْ مَّاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِیْہِ مَاءٌ قَلِیْلٌ فَاَدْخَلَ یَدَہٗ فِی الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الطَّھُوْرِ الْمُبَارَکِ وَالْبَرَکَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَلَقَدْ رَاَیْتُ الْمَاءَ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَھُوَ یُؤْکَلُ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، فرماتے ہیں ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم انھیں ڈر کی چیز سمجھتے ہو ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو پانی کم ہوگیا فرمایا کچھ بچا ہوا پانی تلاش کرو لوگ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا پھر فرمایا آؤ برکت والے پاک پانی اور اللہ کی برکت پر۔ میں نے پانی کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے اور یقیناً ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے حالانکہ وہ کھایا جا رہا تھا۔ (بخاری)

سلہ ہم اصحاب رسول ان آیات کو اپنے دلوں میں نور حاصل کرنے کا سبب سمجھتے تھے۔

سلہ کفار کے لیے جو ان کے منکر ہیں، آیات سے مراد یا تو قرآنی آیات ہیں جو آسمان سے پہنچے آئیں یا معجزات ہیں جن کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا، معجزات کا مراد لینا زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ سیاق حدیث سے واضح ہے۔ یعنی آیات اگرچہ کفار اور منکرین کے لیے خوف کا سبب ہیں لیکن اہل ایمان کے دلوں میں نور و برکت کا

ذریعہ ہیں۔ کیونکہ ان سے محبت اور عقیدت رکھنے والے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دورِ صحابہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تذکرہ بطور برکت و تبرک کیا جاتا ہو تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو جائے کیونکہ اس وقت ان کا منکر اور مخالف کوئی موجود نہ تھا جنھیں ڈرانا مقصد ہو۔ بخلاف ہمارے دَور کے اب لوگ ان میں شک اور انکار کرنے لگے ہیں لہٰذا ان کے ذکر میں مقصد ان کو خوف دلانا بھی ہو گا۔ اس کے بعد حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا تذکرہ کیا۔

۳؎ یعنی وہ برتن جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔

۴؎ اس حدیث کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے اُبل رہے تھے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس پانی کو اس پانی پر ترجیح دی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے پتھر سے جاری ہوا تھا۔ ہم اس قول کی طرف توجہ ہی نہیں کریں جس میں کہ پانی خود زیادہ ہو گیا تھا اور اس نے جوش مارا تو انگلیوں کے درمیان تک پہنچ گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس قائل کو یہ تاویل کیوں کرنا پڑی؟ اب رہا یہ معاملہ کہ اس میں کیا راز تھا کہ تھوڑا سا پانی منگوایا حالانکہ اس کے بغیر بھی پانی موجود ہو سکتا تھا۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیدا کرنے والے ہیں کیونکہ ایجاد اللہ عزوجل کی طرف سے ہے لیکن یہ بات محلِ نظر ہے کہ پانی کا اضافہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے ہے۔ اس لیے فرمایا برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (اسے اللہ تعالیٰ برکت و یقین کی دولت عطا فرمائے) کہتا ہے کہ اس طرح کا معجزہ کثرت طعام و شراب اور باقی مقامات پر بھی ہوا کہ وہاں برکت کی وجہ سے اضافہ ہو۔ کیا ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے اس برتن اور کھانے کو ڈھانپے رکھو اور اس کو دیکھنا نہیں حتیٰ کہ اگر دیکھا تو اثر معجزہ ختم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم نے اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے زیادہ آگاہ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ دوسرا معجزہ بیان کرتے ہیں۔

۵۷۸۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تَسِيْرُوْنَ عَشِيَّتَكُمْ وَلَيْلَتَكُمْ وَتَاْتُوْنَ الْمَاءَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ غَدًا فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا يَلْوِيْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ فَبَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ حَتّٰی ابْهَارَّ اللَّيْلُ فَمَالَ عَنِ الطَّرِيْقِ فَوَضَعَ رَاْسَهٗ ثُمَّ قَالَ احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا فَكَانَ

حضرت ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا تم اپنی رات بھر ۱؎ اور کل تک چلتے رہو گے اور ان شاء اللہ کل پانی تک پہنچ ۲؎ گے تو لوگ چلے اس طرح کہ کوئی کسی پر توجہ نہیں کرتا ۳؎ تھا۔ ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے حتیٰ کہ رات آدھی ۴؎ ہو گئی تو آپ راستہ سے ہٹ گئے آپ نے اپنا سر مبارک رکھا ۵؎ پھر فرمایا کہ ہم پر ہماری نماز کی حفاظت کرنا ۶؎

اَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالشَّمْسُ فِىْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ ارْكَبُوْا فَرَكِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِيْضَاءَةٍ كَانَتْ مَعِىَ فِيْهَا شَيْئٌ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا وُضُوْءً دُوْنَ وُضُوْءٍ قَالَ وَبَقِىَ فِيْهَا شَيْئٌ مِّنْ مَّاءٍ ثُمَّ قَالَ احْفَظْ عَلَيْنَا مِيْضَاءَتَكَ فَسَيَكُوْنُ لَهَا نَبَاٌ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ وَرَكِبَ رَكِبْنَا مَعَهٗ فَانْتَهَيْنَا اِلَى النَّاسِ حِيْنَ امْتَدَّ النَّهَارُ وَحَمِىَ كُلُّ شَيْئٍ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَعَطِشْنَا فَقَالَ لَا هُلْكَ عَلَيْكُمْ وَدَعَا بِالْمِيْضَاةِ فَجَعَلَ يَصُبُّ وَاَبُوْ قَتَادَةَ يَسْقِيْهِمْ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ رَاَى النَّاسُ مَاءً فِى الْمِيْضَاةِ تَكَابُّوْا عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسِنُوا الْمَلَاَ كُلُّكُمْ سَيُرْوٰى قَالَ فَفَعَلُوْا فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُبُّ وَاَسْقِيْهِمْ حَتّٰى مَا بَقِىَ غَيْرِىْ وَغَيْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ فَقَالَ لِىَ اشْرَبْ فَقُلْتُ لَا اَشْرَبُ حَتّٰى تَشْرَبَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ سَاقِىَ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ قَالَ فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ قَالَ فَاَتَى النَّاسُ الْمَاءَ جَامِّيْنَ

تو پہلے جو صاحب جاگے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب کہ دھوپ آپ کی پشت شریف میں تھی۔ پھر فرمایا سوار ہو چنانچہ ہم سوار ہوئے پھر چلے حتی کہ جب سورج چڑھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اترے پھر وضو کا برتن منگایا جو میرے پاس تھا جس میں کچھ پانی تھا تو اس سے وضو کیا ہلکا وضو کیا عام وضوؤں سے کم فرمایا کہ کچھ پانی باقی رہ گیا، فرمایا اس برتن کو میرے لیے سنبھال کے رکھنا کہ اس سے ایک قابل حکایت معجزہ ہوگا۔ پھر جناب بلال نے نماز کی اذان کہی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر فجر کے فرض پڑھے اور سوار ہو گئے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوئے تو ہم لوگوں تک اس وقت پہنچے جب دن چڑھ گیا اور ہر چیز گرم ہو گئی لوگ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ہلاک ہو گئے ہم پیاسے ہو گئے تو فرمایا تم پر ہلاکت نہ آئے گی اور وضو کا برتن منگایا تو آپ انڈیلنے لگے اور ابو قتادہ لوگوں کو پلانے لگے دیر نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے برتن میں پانی دیکھ لیا لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخلاق اچھے رکھو تم سب سیر ہو جاؤ گے۔ راوی نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انڈیلنے لگے اور میں پلانے لگا حتی کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی باقی نہ رہا پھر انڈیلا مجھ سے فرمایا پیو میں نے عرض کیا میں نہیں پیوں گا حتی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پی لیں تو فرمایا قوم کو پلانے والا آخر میں ہوتا ہے فرمایا تو پی لے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا فرمایا راوی نے کہ لوگ پانی پر پہنچے خوب سیر ہو کر راحت یافتہ ان کی

رِوَاءً رَوَاهُ مُسْلِمٌ هٰكَذَا فِي صَحِيْحِهٖ وَكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ وَزَادَ فِي الْمَصَابِيْحِ بَعْدَ قَوْلِهٖ اٰخِرُهُمْ لَفْظَةَ شُرْبًا ۔

صحیح میں یوں ہی ہے اور ایسے ہی ہے کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں اور زیادہ مصابیح میں آخرھم کے بعد لفظ شربا زیادہ فرمایا

۱؎ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں ۔

۲؎ عشیہ، زوال کے بعد کا وقت

۳؎ اس پانی کی طرف اشارہ ہے جو بطور معجزہ ظہور پذیر ہوگا اور اس کا تذکرہ آخر حدیث میں آرہا ہے ۔

۴؎ ہر کوئی رواں دواں ہے مگر پانی کی طرف کسی کا التفات اور اہتمام نہیں تھا ۔

۵؎ بَهَارٌ ہر وہ چیز جسے درمیان کے ساتھ ملا دیا گیا ہو، ابھاو، ہمزہ کے نیچے زیر، بروزن احمار ۔

۶؎ آرام کرنے کے لیے ۔

۷؎ بیدار رہنا تاکہ نماز صبح قضا نہ ہو جائے ۔ لیکن تمام سو گئے اور کوئی بھی نماز کے لیے بیدار نہ ہو سکا ۔

۸؎ میضاہ، میم کے نیچے زیر، یاء ساکن، ضاد کے بعد ہمزہ، بڑا کوزہ

۹؎ قلت پانی کی وجہ سے میانہ وضو فرمایا

۱۰؎ ظہور معجزہ کی وجہ سے اس کی شان دیکھنے والی ہوگی ۔

۱۱؎ فجر کی دو سنتیں

۱۲؎ یا تو صحابہ کے پاس پانی تھا جس سے انھوں نے وضو کیا یا انھوں نے تیمم کیا تھا ۔ حدیث میں صراحۃً ذکر نہیں ۔

۱۳؎ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ چکے تھے ۔

۱۴؎ یہ پانی ظاہر ہونے کی بشارت ہے ۔

۱۵؎ حضرت ابوقتادہ سے

۱۶؎ جب کوزے میں پانی دیکھا تو صحابہ وہاں رکتے ہوں گے تاکہ پانی حاصل کریں ۔ کبہ، کاف پر زبر اور دو معنی ہیں، ازدحام ہونا، لوگوں کی جماعت، لوگوں کے علاوہ کے لیے بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ صراح میں ہے سواروں کی جماعت کو کبہ کہا جاتا ہے ۔ جیسا کہ کبکبہ

۱۷؎ مَلَأٌ، میم پر زبر، لام اور ہمزہ، خلق اور اشراف قوم کو بھی کہا جاتا ہے بلکہ خلق بھی آدمی میں اکرم و اشراف ہوتا ہے ۔

۱۸؎ يَرْوٰى واؤ پر زبر، بمعنی سیرابی برعکس رَوِيَ يَرْوٰى از روایت

۱۹؎ یعنی پانی پلانے میں ادب یہی ہے کہ پہلے تمام کو پلائے اور اس کے بعد خود پیئے یہ تو حقیقت کے اعتبار سے

ورنہ ساقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ ہاں ابوقتادہ واسطہ تھے۔

۲۰؎ جام، جیم کے نیچے زیر علہ، راحت، روا، مداوی کی جمع بمعنی سیراب ہونے والے۔

۵۶۵۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَالَ نَعَمْ فَدَعَا بِنَطْعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِكَفِّ ذُرَةٍ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النَّطْعِ شَيْئٌ يَسِيْرٌ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِيَتِكُمْ فَاَخَذُوْا فِیْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِی الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَؤُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ جب غزوہ تبوک[۱] کا دن ہوا تو لوگوں کو بھوک[۲] نے گھیر لیا جناب عمر نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے ان کے بچے ہوئے توشے منگوائیے[۳] پھر ان کے لیے اللہ سے اس کھانے پر برکت کی دعا کیجیے۔ فرمایا ہاں چنانچہ دسترخوان[۴] منگوایا اسے بچھایا پھر ان کے بچے ہوئے توشے منگولئے تو کوئی شخص ایک مٹھی جوار[۵] لانے لگا اور کوئی ایک مٹھی چھوہارے اور کوئی دوسرا روٹی کا ٹکڑا[۶] حتی کہ دسترخوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوگئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا کہ اسے اپنے برتنوں میں لے لو۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے برتنوں میں لے لیا حتی کہ لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا مگر اسے بھر لیا پھر کھایا حتی کہ سیر ہوگئے اور باقی بچ رہا[۷] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کوئی بندہ اس گواہی کو لے کر اللہ سے نہ ملے گا جب کہ شک نہ کرے پھر وہ جنت سے حجاب میں رہے
(مسلم)

۱؎ یہ نویں ہجری رجب کا واقعہ ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ تبوک، شام اور مدینہ کے درمیان جگہ کا نام ہے۔

۲؎ مجاعۃ، میم پر زبر، لوگوں کا بھوکا ہونا

۳؎ حکم فرمائیں تاکہ ہر کوئی اپنے توشہ میں بچا ہوا یہاں لائے۔

علہ یہ کاتب کی غلطی ہے جیم پر زبر ہے۔

۴؎ نِطْعٌ، نون پر زبر، طاء کے نیچے زیر یا طا پر زبر یا سکون، افصح یہ ہے کہ نون کے نیچے زیر اور طاء پر زبر ہو۔

۵؎ ذرہ، ذال پر پیش، را مخففہ، دانہ مشہور کا نام ہے صراح میں ہے ذرہ ارزن۔

۶؎ کسرہ، کاف کے نیچے زیر، سین ساکن

۷؎ فضلت، ضاد پر زیر یہ ماضی ہے۔ فَضْلَۃٌ، فاء پر زبر، ضاد ساکن۔ غزوۂ تبوک کے بارے میں منقول ہے کہ وہاں لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

۵۶۵۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوْسًا بِزَيْنَبَ فَعَمِدَتْ اُمِّيْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى تَمْرٍ وَّسَمْنٍ وَّاَقِطٍ فَصَنَعَتْ حَيْسًا فَجَعَلَتْهُ فِيْ تَوْرٍ فَقَالَتْ يَا اَنَسُ اِذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِهٰذَا اِلَيْكَ اُمِّيْ وَهِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا لَكَ مِنَّا قَلِيْلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَهَبْتُ فَقُلْتُ فَقَالَ ضَعْهُ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَادْعُ لِيْ فُلَانًا وَّفُلَانًا وَّفُلَانًا رِجَالًا سَمَّاهُمْ وَادْعُ مَنْ لَقِيْتَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰى وَمَنْ لَقِيْتُ فَرَجَعْتُ فَاِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِاَهْلِهٖ قِيْلَ لِاَنَسٍ عَدَدُكُمْ كَمْ كَانُوْا قَالَ زُهَاءَ ثَلٰثِمِائَةٍ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُوْ عَشَرَةً عَشَرَةً يَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَقُوْلُ لَهُمُ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَاْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا يَلِيْهِ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب زینب[1] کے نکاح میں نوشاہ تھے۔ میری ماں ام سلیم[2] نے کچھ چھوارے گھی اور پنیر کا ارادہ کیا اس سے حلوہ[3] بنایا اسے ایک پیالہ[4] میں ڈالا۔ بولیں اے انس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔ عرض کرو کہ میری ماں نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ یہ آپ کے لیے ہماری طرف سے تھوڑا سا ہدیہ ہے اے اللہ کے رسول۔ چنانچہ میں گیا اور میں نے یہ کہا فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر فرمایا جاؤ ہمارے پاس فلاں فلاں کو اور فلاں کو بلا لاؤ جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا اور جس سے تم لو ہمارے پاس بلا لاؤ۔ میں انہیں بھی بلا لایا جس کا نام لیا تھا اور اسے بھی جس سے میں ملا۔ پھر میں لوٹا تو گھر حاضرین سے بھرا ہوا[5] تھا چنانچہ انس سے کہا گیا کہ کتنے شمار کے لوگ تھے فرمایا قریبًا تین[6] سو۔ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس حلوہ پر ہاتھ رکھا اور جو اللہ نے چاہا پڑھا[7]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دس کو بلانے لگے وہ اس سے کھانے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے[8]۔ فرمایا کہ

شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَّدَخَلَتْ طَائِفَةٌ حَتّٰى اَكَلُوْا كُلُّهُمْ قَالَ لِيْ يَا اَنَسُ ارْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِيْ حِيْنَ وَضَعْتُ كَانَ اَكْثَرَ مَا حِيْنَ رَفَعْتُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگوں نے کھایا حتی کہ سیر ہوگئے ایک ٹولہ نکلتا تھا، دوسرا ٹولہ آتا تھا۔ حتی کہ سب نے کھالیا پھر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اٹھا لو! میں نے اٹھالیا جب اٹھایا تو مجھے پتہ نہیں کہ جب رکھا گیا تھا جب زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا ۹ (مسلم، بخاری)

۱ زینب بنت جحش، جیم پر زبر، حاء ساکن، صراح میں ہے زن دمرد دلہن اور دولہا۔

۲ ام سلیم سین پر پیش، سمن سین پر زبر، میم ساکن، اقط ہمزہ پر زبر اور قاف کے نیچے زیر

۳ حیس، حاء پر زبر وہ کھانا جو کھجور و مکھن اور پنیر سے تیار ہوتا ہے کبھی پنیر کی جگہ ستو یا گندم کا آٹا اس میں ڈال لیا جاتا ہے۔

۴ تور، تاء پر زبر، واؤ ساکن پیالہ کی طرح کا وہ برتن جس میں پانی لیا جائے۔

۵ غاص، غین غص بمعنی پُر ہونا۔ تنگی، غصہ اس سے ہے کہ راہ نفس کو تنگ اور پُر کر دیتا ہے۔ صراح میں ہے منزل غاص، کثیر انبوہ۔

۶ زہار، تاء پر پیش بمعنی تعداد۔

۷ برکت کے لیے دعا فرمائی۔

۸ یہ کھانے میں کمی ادب ہے یہاں بطور اہتمام ذکر فرمایا تاکہ اضطراب وغیرہ ختم ہو جائے جو قلت طعام کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے اور وہ برکت ختم نہ ہو جائے جو معجزہ کی وجہ سے پیدا ہوئی یا اس وجہ سے کہ اس سے مزید برکت پیدا ہو جائے۔

۹ ظاہر حدیث ہی بتا رہی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ اسی کھانے سے ہوا جو حضرت ام سلیم نے بھجوایا تھا۔ روایات میں مشہور یہ ہے کہ ولیمہ میں روٹی اور گوشت تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ان کا ولیمہ ایک بکری سے کیا گیا اور ہزار آدمی کو روٹی اور گوشت پورا ہو گیا۔ حیس کھانا جزو لحم کے ساتھ اتفاقیہ ہو (کذا فی شرح الشروح)

۵۶۶۰ / ۴۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى نَاضِحٍ قَدْ اَعْيٰى فَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ فَتَلَاحَقَ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِبَعِيْرِكَ قُلْتُ قَدْ عَيِيَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد کیا میں اونٹنی پر تھا جو تھک گئی تھی اور چل نہ سکتی تھی مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا، میں نے کہا کہ تھک گیا ہے تب رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهٗ فَدَعَا لَهٗ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْاِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ اَفَتَبِيْعُنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ فَبِعْتُهٗ عَلٰى اَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ فَاَعْطَانِيْ ثَمَنَهٗ وَرَدَّهٗ عَلَيَّ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے چلے اونٹ کو ڈانٹا[1] پھر اس کے لیے دعا[2] کی تو وہ دوسرے اونٹ کے آگے چلنے لگا پھر مجھ سے فرمایا اپنے اونٹ کو کیسا دیکھتے ہو میں نے کہا خیریت سے ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت پہنچ گئی فرمایا تو کیا تم اسے ایک اوقیہ[3] میں میرے ہاتھ فروخت کرو گے میں نے اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کر دیا کہ مجھے مدینہ تک اس کی پشت پر[4] سواری کا حق ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے میں صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے[5] گیا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی لوٹا دیا
(مسلم، بخاری)

[1] ناضح، پانی کھینچنے والے اونٹ کو کہا جاتا ہے۔
[2] دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی چھڑی اسے لگائی۔
[3] اس کی تیزروی کے لیے دعا فرمائی۔
[4] وقیہ، واؤ پر زبر، قاف کے نیچے زیر یا مشدد، اوقیہ ہمزہ پر پیش اور واؤ ساکن بھی آیا ہے بمعنی چالیس درہم۔
[5] فقار، قاف پر زبر، پشت کی ہڈیاں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ایسی شرط بیع میں لگانا جائز ہے جس میں بائع کا نفع ہو لیکن شاید یہ حدیث منسوخ ہو یا یہ شرط مقصد کا حصہ نہ ہو بلکہ محض مقصد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت تھی یا حضرت جابر کی التماس تھی۔ اگرچہ ظاہر عبارت کے یہ خلاف ہے۔
[6] میں نے وہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔

۵۷۷۱
۲۶
وَعَنْ اَبِيْ حُمَيْدِ نِ السَّاعِدِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ فَاَتَيْنَا وَادِيَ الْقُرٰى عَلٰى حَدِيْقَةٍ لِامْرَاَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْرُصُوْهَا فَخَرَصْنَاهَا وَخَرَصَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَةَ اَوْسُقٍ وَقَالَ

ابو حمید[1] ساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے تو وادی[2] قریٰ میں ایک عورت کے باغ میں پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس باغ میں پھلوں کا اندازہ لگاؤ[3] ہم نے لگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وسق[4] اندازہ لگایا اور اس عورت سے کہا

احْصِیْهَا حَتّٰی نَرْجِعَ اِلَیْكِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَانْطَلَقْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا تَبُوْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَتَهُبُّ عَلَیْكُمُ اللَّیْلَةَ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ فَلَا یَقُمْ فِیْهَا اَحَدٌ فَمَنْ کَانَ لَهٗ بَعِیْرٌ فَلْیَشُدَّ عِقَالَهٗ فَهَبَّتْ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَحَمَلَتْهُ الرِّیْحُ حَتّٰی اَلْقَتْهُ بِجَبَلَیْ طَیِّ ثُمَّ اَقْبَلْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا وَادِیَ الْقُرٰی فَسَاَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْاَةَ عَنْ حَدِیْقَتِهَا کَمْ بَلَغَ ثَمَرُهَا فَقَالَتْ عَشَرَةَ اَوْسُقٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کہ اس کے وزن کا خیال رکھنا حتیٰ کہ ہم تجھ تک انشاءاللہ واپس ہوں ہم چلے گئے حتیٰ کہ تبوک پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات تم پر سخت ہوا چلے گی تو اس میں کوئی کھڑا نہ ہو جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوط باندھ دے چنانچہ بہت سخت ہوا چلی ایک شخص کھڑا ہو گیا اسے ہوا نے اٹھا لیا حتیٰ کہ اسے طے[۶] کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ پھر ہم آئے حتیٰ کہ وادی قرای پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے باغ کے متعلق پوچھا کہ اس کے پھل کس حد تک پہنچے وہ بولی دس وسق۔ (مسلم بخاری)

۱؎ ابوحمید، حاء پر پیش، میم پر زبر از بنو ساعدہ، صحابہ کے درمیان انھوں نے کہا تھا۔ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں تم سے زیادہ واقف ہوں جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

۲؎ وادی القرای، یہ جگہ کا نام ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے جانب شام تین دن کی منزل پر ہیں۔

۳؎ صراح ہے سبزہ باغ

۴؎ اخرصوا، ہمزہ پہ پیش اور راء۔ امر ہے، خرص، خاء واؤ صاد۔ درخت کے پھل کا کھیتی کی زمین پر اندازہ کرنا۔

۵؎ وسق، واو پر زبر، سین ساکن، ساٹھ صاع یا اونٹ کا مہار

۶؎ کوہ طی، یہ حاتم طائی کا علاقہ تھا۔ طی طاء پہ زبر یا مکسور مشدد، آخر میں ہمزہ۔

۵۶۶۲/۷ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَهِیَ اَرْضٌ یُسَمّٰی فِیْهَا الْقِیْرَاطُ فَاِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰی اَهْلِهَا فَاِنَّ لَهَا ذِمَّةً وَّرَحِمًا اَوْ قَالَ ذِمَّةً وَّصِهْرًا وَاِذَا رَاَیْتُمْ رَجُلَیْنِ یَخْتَصِمَانِ فِیْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَالَ فَرَاَیْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَحْبِیْلَ بْنِ حَسَنَةَ وَاَخَاهُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مصر فتح کرو گے وہ وہ جگہ ہے جس میں قیراط[۱] کا بہت نام لیا جاتا ہے تو جب تم اسے فتح کرو گے تو اس کے باشندوں سے بھلائی[۲] کرنا کیونکہ اس کا احترام ہے اور قرابت[۳] داری ہے یا فرمایا کہ سسرالی رشتہ[۴] ہے پھر جب تم دو شخصوں کو اینٹ[۵] بھر جگہ میں جھگڑتے دیکھو تو وہاں سے نکل جانا[۶] راوی نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمن بن شرحبیل ابن حسنہ اور

رَبِيعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ان کے بھائی ربیعہ کو دیکھا کہ وہ ایک ایک اینٹ بھر جگہ میں جھگڑ رہے تھے تو میں وہاں سے نکل گیا۔ (مسلم)

سلہ اہلِ مصر کا اپنے معاملات میں اکثر قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے یہ ان کے قلت مروت اور عدم مصالحت کی دلیل ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اہل دیہات و شہر ذکر قیراط میں منافی نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل کرم کی زبان پر حقیر خسیس شے کا ذکر نہیں آتا۔ بعض حکماء (رحمہم اللہ) نے فرمایا اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جس کی زبان پر واثق اور قیراط جاری نہیں ہوتے اس کا محل اور بھی ہے جو امام تورپشتی نے ذکر کیا ہے۔ اس کا ذکر میں نے شرح میں کیا ہے قیراط کا وزن مختلف شہروں میں مختلف ہے۔ مکہ معظمہ میں دینار کا ربع سدس یعنی چوبیس کا ایک جزء ہے۔ عراق میں نسف عشر ہے۔ یعنی بیس کا ایک حصہ، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مصر کے حقوق کی رعایت کی تعلیم دی

سلہ اہلِ مصر کی یہ حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے کہ ان کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا انھیں میں سے تھیں۔

سلہ رحم، واؤ پر زبر، حا کے نیچے، قرابت از جانب، حضرت ہاجرہ والدہ اسماعیل علیہما السلام کیونکہ وہ بھی ان میں سے تھیں۔

سلہ صہرا، صاد کے نیچے زیر، ہا ساکن، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خصائص ذکر فرمائے۔

سلہ لبنہ، لام پر زبر، باء کے نیچے زیر

سلہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خطاب کی وجہ ان پر کمال شفقت ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب عام ہو، تحقیق سے ثابت ہے کہ ان کی طرف سے کئی فتنے پیدا ہوئے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور اس کے بعد محمد بن ابی بکر کا واقعہ

سلہ شرحبیل، شین پر پیش، ابن حسنہ، تینوں پر زبر، صحابی ہیں۔ مہاجرین حبشہ میں شامل ہیں۔ عبدالرحمٰن اور ربیعہ دونوں شرحبیل کے بیٹے ہیں۔ عبدالرحمٰن کے لیے ولایت ثابت ہے۔ ان سے جماعت صحابہ نے روایت کی ہے، حضرت ربیعہ بھی صحابی ہیں۔

۵۶۶۴ وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ أَصْحَابِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَفِيْ أُمَّتِيْ اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدُوْنَ رِيْحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میرے ساتھیوں میں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل

ثَمَانِيَةٌ مِّنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ سِرَاجٌ مِّنْ نَّارٍ يَظْهَرُ فِيْ اَكْتَافِهِمْ حَتّٰى تَنْجُمَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا فِيْ مَنَاقِبِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَحَدِيْثَ جَابِرٍ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ فِيْ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ہو جاوے۔ ان میں سے آٹھ وہ ہیں جنھیں ایک پھوڑا ہی کافی ہوگا۔ آگ کا شعلہ جو اُن کے کندھوں میں ظاہر ہوگا حتیٰ کہ ان کے سینوں میں پار ہو جائے گا (مسلم) ہم سہل ابن سعد کی حدیث کہ میں یہ جھنڈا کل دوں گا، جناب علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کریں گے اور حضرت جابر کی حدیث کہ جو اس گھاٹی پر چڑھ جاوے ان شاء اللہ جامع المناقب باب میں ہم ذکر کریں گے۔

ف۱ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار صحابی ہیں۔ انھیں منافقین کا علم حاصل تھا۔

ف۲ بہشت میں داخل ہونا تو کجا

ف۳ سم، سین پر زبر یا پیش، سوراخ، خیاط، سوئی یہ مبالغہ ہے بتانا یہ ہے کہ یہ محال ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں بھی ہے۔ واضح رہے کہ امت کا اطلاق اہلِ نفاق پہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ امت دعوت ہیں۔ ہاں صحابی کا اطلاق ان کے ظاہر کی وجہ سے ہی ہوگا۔ ان کا پردہ صحابہ کے درمیان کلمہ پڑھنے کی وجہ سے تھا، اس وجہ سے انھیں امت اجابت بھی کہا جا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض خواص اور مقربین کو ان کے احوال پر مطلع فرما دیا تھا تاکہ ان کے شر و مکر سے محفوظ رہا جا سکے۔ عقبہ کی رات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے لوٹے تھے۔ اس موقع پر بھی ان کا مکر و فریب سامنے آیا تھا جیسا کہ کتب سیرت میں ہے۔ امام طیبی نے بھی امام تورپشتی سے نقل کیا ہے۔

ف۴ دُبیلہ، دال پر پیش، یاء ساکنہ وہ پھوڑا جو آدمی کے پیٹ میں پیدا ہو جاتا ہے۔ قاموس میں دبیلہ بمعنی طاعون ہے بمعنی حادثہ اور سختی بھی آتا ہے۔

ف۵ مصابیح میں ان دو احادیث کا تذکرہ باب معجزات میں ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۶۶۴ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ خَرَجَ اَبُوْطَالِبٍ اِلَى الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَشْيَاخٍ مِّنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَى الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَيْهِمُ الرَّاهِبُ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابوطالب شام کی طرف گئے۔ ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کی جماعت میں تشریف لے گئے جب وہ اس راہب پر پہنچے تو اترے اپنی سواریاں کھولیں۔ ان کے پاس وہ راہب آیا حالانکہ

وَكَانُوْا قَبْلَ ذَالِكَ يَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا يَخْرُجُ اِلَيْهِمْ قَالَ فَهُمْ يَحُلُّوْنَ رِحَالَهُمْ فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰى جَآءَ فَاَخَذَ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخٌ مِّنْ قُرَيْشٍ مَا عَلَّمَكَ فَقَالَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَّلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَّلَا يَسْجُدَانِ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَّاِنِّيْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلُ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَكَانَ هُوَ فِيْ رِعْيَةِ الْاِبِلِ فَقَالُوْا اَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰى فَيْءِ شَجَرَةٍ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ اَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ قَالُوْا اَبُوْ طَالِبٍ فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ وَبَعَثَ مَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ بِلَالًا وَّزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اس سے پہلے یہ لوگ اس پر گزرتے تھے۔ وہ ان کے پاس نہ آتا تھا فرمایا کہ یہ لوگ اپنا سامان کھول رہے تھے راہب ان لوگوں کے درمیان گھسنے لگا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر بولا یہ تمام نبیوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اللہ انھیں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا، تو سرداران قریش نے اس سے کہا کہ تجھے کیسے علم ہوا وہ بولا کہ تم جب اس گھاٹی سے سامنے آئے تو کوئی درخت پتھر نہ رہا مگر وہ سجدے میں گر گیا۔ یہ مخلوق نبی کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتی اور میں انھیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے کندھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے پھر وہ لوٹ گیا ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کیا جب ان لوگوں کے پاس کھانا لایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے میں مشغول تھے تو بولا انھیں بلا بھیجو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپ پر بادل تھا جو سایہ کر رہا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم سے قریب ہوئے تو ان کو درخت کے سایہ میں پہلے پہنچا ہوا پایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گیا۔ وہ بولا دیکھو درخت کا سایہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گیا۔ پھر بولا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں ان کا ولی کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوطالب ہیں وہ انھیں قسمیں دیتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب نے لوٹا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر نے بلال کو بھیجا۔ اس راہب نے آپ کو بسکٹ اور تیل کا توشہ دیا (ترمذی)

۱ تجارت کے لیے جیسا کہ اہل مکہ کی عادت تھی

۲ ان کے ساتھ قریش کے عمر رسیدہ لوگ بھی تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال تھی

۵۲ جن کا نام بحیرا تھا۔ باء پر زبر اور یاء ساکنہ، یعنی اس کی جگہ تک پہنچے جو بلادِ شام میں بصری کے مقام پر تھی۔

۵۳ دوسری روایت میں ہے کہ راہب اٹھا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات مثلاً آپ کا کھانا، سونا وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے اسی طرح پایا جو اس کی کتاب میں تھا۔

۵۵ اگرچہ بادل کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و امتیاز کی وجہ سے سایہ وارد ہو گیا۔ بادل کا سایہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے لیکن یہ دائمی نہ تھا بلکہ کبھی ضرورت کے وقت ہوتا تھا۔

۵۶ انشد، ہمزہ پر زبر اور شین پر پیش

۵۷ حضرت ابو طالب کو قسم دے کر کہا کہ اسے مکہ واپس لے جاؤ اور یہود و نصاریٰ سے اس کی حفاظت کرو۔

۵۸ راہب کو یہ خوف تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روم نہ لے جائیں اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔ امام ترمذی اور امام حاکم نے ذکر کیا کہ اس سفر میں روم سے سات آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے۔ بحیرا سے ملاقات ہوئی پوچھا تم ادھر کیسے؟ کہنے لگے اس ماہ پیغمبر نے ادھر سفر کرنا ہے اور انھوں نے ہر راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ بحیرا نے کہا تم نے مجھے بتایا اگر خدا کو منظور ہوا۔

۵۹ اس سفر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ساتھ بھیجنا کیا ہے؟ کیونکہ ابھی تو ان کی ولادت نہ ہوئی تھی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے تھے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اڑھائی سال چھوٹے ہیں اور ان دنوں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو خریدا بھی نہ تھا۔ لہذا امام ذہبی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے بعض نے اسے باطل کہا۔ حافظ ابن حجر، اصابہ میں کہتے ہیں اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں ہاں اس کے الفاظ منکر ہیں تو ممکن ہے وہم کی وجہ سے دوسری روایت کے الفاظ کو اس میں شامل کر دیا گیا ہو۔ امام جزری کہتے ہیں کہ اسی حدیث کے رجال بخاری و مسلم کے رجال ہیں لیکن ذکر سیدنا ابو بکر و بلال رضی اللہ عنہما غیر محفوظ ہے۔ انھوں نے وہم کی بنا پر انھیں ذکر کر دیا ہے اور شاید حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان دنوں پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔

۵۶۶۵/۵۰ وَعَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا ہم اس کے بعض اطراف میں گئے تو کوئی درخت پتھر آپ کے سامنے نہ آیا مگر وہ کہتا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو۔ (ترمذی و دارمی)

سلہ ظاہر یہی ہے کہ یہ سلام سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی سنا۔ ہاں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آگاہ فرمایا ہو۔

۵۶۶۶ / ۵۱ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِالْبُرَاقِ لَیْلَةً اُسْرِیَ بِهٖ مُلْجَمًا مُسْرَجًا فَاسْتَصْعَبَ عَلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ جِبْرَئِیْلُ اَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا فَمَا رَکِبَکَ اَحَدٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰهِ مِنْهُ قَالَ فَارْفَضَّ عَرَقًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس رات جس رات میں معراج کرائی گئی براق لایا گیا۔ لگام وزین دیا ہوا تو آپ پر اس نے سرکشی کی تو اس سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو یہ کرتا ہے ان سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزت والا تجھ پر سلہ کوئی نہیں سوار ہوا فرمایا وہ پسینہ سے نچوڑ گیا (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ اس براق پر دیگر انبیاء علیہم السلام بھی سوار ہوئے اس کے آخری سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ باب المعراج میں اس پر گفتگو ہوئی ہے۔

۵۶۶۷ / ۵۲ وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَیْنَا اِلَی بَیْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ جِبْرَئِیْلُ بِاِصْبَعِهٖ فَخَرَقَ بِهِ الْحَجَرَ فَشَدَّ بِهِ الْبُرَاقَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت بریدہ سلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم بیت المقدس تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا جس سے پتھر چر گیا، اس سے براق باندھا سلہ (ترمذی)

سلہ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ

سلہ باب المعراج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ براق کو وہاں ہی باندھا گیا یہاں دیگر انبیاء کی سواریاں باندھی گئی تھیں۔ گویا حلقہ سے مراد اس کی جگہ ہے شاید وہ بند ہو گیا تھا جبرئیل امین نے اسے کھول دیا۔

۵۶۶۸ / ۵۳ وَعَنْ یَعْلَی بْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِیِّ قَالَ ثَلٰثَةُ اَشْیَاءَ رَاَیْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَهٗ اِذْ مَرَرْنَا بِبَعِیْرٍ یُسْنٰی عَلَیْهِ فَلَمَّا رَاٰهُ الْبَعِیْرُ جَرْجَرَ فَوَضَعَ جِرَانَهٗ فَوَقَفَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِیْرِ فَجَاءَهٗ

حضرت یعلی ابن مرہ ثقفی سلہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں دیکھیں جبکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے کہ ہم ایک اونٹ پر گزرے جس پر پانی سلہ دیا جا رہا تھا تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چیخا سلہ اپنی گردن لکھ دی سلہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے فرمایا اس اونٹ کا مالک کہاں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ

فَقَالَ بِعْنِيهِ فَقَالَ بَلْ نَهَبُهُ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَإِنَّهُ لِأَهْلِ بَيْتٍ مَا لَهُمْ مَعِيْشَةٌ غَيْرُهُ قَالَ أَمَّا إِذَا ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ شَكَى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ الْعَلَفِ فَأَحْسِنُوا إِلَيْهِ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْأَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلٰى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ أَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ لَهَا ثُمَّ قَالَ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهِ جِنَّةٌ فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْخَرِهِ ثُمَّ قَالَ اخْرُجْ فَإِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِكَ الْمَاءِ فَسَأَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَكَ

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

وسلم کے پاس آیا فرمایا اسے میرے ہاتھ بیچ دے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ہم یہ حضور کو ہبہ[۶] کرتے ہیں۔ یہ ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ فرمایا جب تم نے اس کا یہ حال بیان کیا تو اس سے زیادتی کام اور چارہ کی کمی کی شکایت کی تم اس سے اچھا سلوک کرو۔ پھر ہم چلے حتیٰ کہ ایک منزل میں اُترے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر لیا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا پھر جب بیدار ہوئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا۔ فرمایا یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے یہ اجازت چاہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرے تو اسے اجازت دے دی۔ راوی نے کہا کہ پھر ہم ایک گھاٹ پر گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت بچہ لائی جسے دیوانگی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بانسہ پکڑا پھر فرمایا کہ نکل میں محمد رسول اللہ ہوں۔ پھر ہم چلے تو جب لوٹے تو اس گھاٹ پر گزرے اس سے بچہ کے متعلق پوچھا۔ وہ بولی اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ کے بعد ہم نے اس سے کوئی شبہ کی چیز نہ دیکھی۔

ؔ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ، یاء پر زبر، عین ساکن، مرہ میم پر پیش، راء مشدد

ؔ الثقفی، ثقیف کی طرف نسبت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے یہ صحابی ہیں حدیبیہ خیبر، حنین اور طائف میں حاضر تھے۔

ؔ سانیہ، سین اور نون، پانی کھینچنے والا اونٹ

ؔ جرجر، اونٹ کا گلے سے آواز نکالنا۔ یہاں زیادہ کرنا مراد ہے

ؔ جران، جیم کے نیچے زیر اور راء مخفف، گردن کا اگلا حصہ ناک تک، یعنی اونٹ نے گردن زمین پر رکھ دی۔

ؔ بیچنا کیا ہے، ہم وہ تمھیں ہبہ کرتے ہیں۔

ے یہ تیسرا معجزہ تھا۔

ٹ منخر، میم پر زبر، خاء کے نیچے زیر، میم کے نیچے زیر بھی آیا ہے۔

ؔ کَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِنْ رِبْقَةِ اللَّمَمِ

تمھارا ہاتھ لگنے سے کتنوں کو شفا ہو گئی تمھارے لمس سے کتنے قید سے آزاد ہو گئے

۵۶۶۹/۵۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ امْرَاَةً جَاءَتْ بِابْنٍ لَهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِيْ بِهٖ جُنُوْنٌ وَاِنَّهٗ لَيَاْخُذُهٗ عِنْدَ غَدَائِنَا وَعَشَائِنَا فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَدْرِهٖ وَدَعَا فَثَعَّ ثَعَّةً وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلُ الْجَرْوِ الْاَسْوَدِ يَسْعٰى (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنا بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بچہ کو دیوانگی ہے اور اسے جنون شام سویرے پکڑتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی، اسے قے ہوئی اور اس کے پیٹ سے کالا سا پلا نکلا جو چلتا تھا۔ (دارمی)

لہ ثع، ثا، عین مشدد، قے

ٹہ صراح میں ہے جرو، جیم کے نیچے زیر، راء ساکن، درندہ کا بچہ، مثلاً کتا، چیتا، خرس وغیرہ

۵۶۷۰/۵۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ حَزِيْنٌ قَدْ تَخَضَّبَ بِالدَّمِ مِنْ فِعْلِ اَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِبُّ اَنْ نُرِيَكَ اٰيَةً قَالَ نَعَمْ فَنَظَرَ اِلٰى شَجَرَةٍ مِّنْ وَّرَائِهٖ فَقَالَ ادْعُ بِهَا فَدَعَا بِهَا فَجَاءَتْ فَقَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ مُرْهَا فَلْتَرْجِعْ فَاَمَرَهَا فَرَجَعَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین بیٹھے تھے مکہ والوں کی ایذاء رسانی کی وجہ سے خون سے رنگین تھے، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ایک نشان دکھائیں ہم فرمایا ہاں انھوں نے آپ کے پیچھے ایک درخت کی طرف دیکھا عرض کیا اسے بلائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا وہ آگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر عرض کیا اسے حکم دیجیے کہ لوٹ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا وہ لوٹ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کافی ہے۔ مجھے کافی ہے (دارمی)

لہ اس سے مراد احد کا دن ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک اور رخسار مبارک زخمی ہوئے تھے۔

۵۲ یہ برائے تسلی اور رفع حزن تھا ـ اس موقعہ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے اس معجزہ کا اظہار اس پر دلالت کر رہا ہے ـ خلافِ عادت واقعہ حصولِ یقین اور رفع غم و حزن کے لیے مؤثر ہوتا ہے تو وہ صبر سے کام لے، کیونکہ بقدر محنت و مشقت اجر ملتا ہے ـ

$\frac{5671}{56}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا دَنٰى قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلٰثًا وَشَهِدَتْ ثَلٰثًا اِنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبَتِهَا

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی آیا جب قریب ہوا تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ بولا جو آپ کہتے ہیں اس پر گواہی کون دیتا ہے فرمایا درخت خاردار[۱] اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا وہ جنگل کے کنارہ پر تھا وہ زمین چیرتا[۲] ہوا آیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا ـ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تین بار گواہی لی، اس نے تین بار گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی ہیں جیسے انھوں نے فرمایا پھر اپنی جھاڑی کی طرف لوٹ گیا ـ (دارمی)

۱ سلمہ، سین پر زبر اور لام بلند خاردار درخت

۲ خد، خاء پر زبر، دال مشدد، زمین پھاڑنا

۵۳ شعر جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

آپ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے آئے اور وہ بلا قدم چل کر آتے ـ

$\frac{5672}{57}$ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں ـ فرمایا اگر میں اس خوشہ[۱] کو اس درخت سے بلاؤں تو وہ گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا وہ کھجور کے درخت سے اترنے لگا

حَتّٰی سَقَطَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِیُّ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ)

حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گر گیا۔ پھر فرمایا لوٹ جاؤ، وہ لوٹ گیا یہ دیہاتی مسلمان ہو گیا (ترمذی)

لہ ان، ہمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح ہے، عذق، عین کے زبر ، دال اور قاف خوشا خرما جیسا کہ خوشہ انگور (صراح)

۵۶۷۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ جَاءَ ذِئْبٌ اِلٰی رَاعِیْ غَنَمٍ فَاَخَذَ مِنْھَا شَاۃً وَطَلَبَہُ الرَّاعِیْ حَتّٰی انْتَزَعَھَا مِنْہُ قَالَ فَصَعِدَ الذِّئْبُ عَلٰی تَلٍّ فَاَقْعٰی وَاسْتَثْفَرَ وَقَالَ قَدْ عَمَدْتُّ اِلٰی رِزْقٍ رَزَقَنِیْہِ اللّٰہُ اَخَذْتُہٗ ثُمَّ انْتَزَعْتَہٗ مِنِّیْ فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللّٰہِ اِنْ رَاَیْتُ کَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ ھٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخَلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُکُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ قَالَ فَکَانَ الرَّجُلُ یَھُوْدِیًّا فَجَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ وَاَسْلَمَ فَصَدَّقَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّھَا اَمَارَاتٌ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ قَدْ اَوْشَکَ الرَّجُلُ اَنْ یَّخْرُجَ فَلَا یَرْجِعُ حَتّٰی یُحَدِّثَہٗ نَعْلَاہُ وَسَوْطُہٗ بِمَا اَحْدَثَ اَھْلُہٗ بَعْدَہٗ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا کسی بکریوں کے چرواہے کی طرف گیا ان میں سے ایک بکری پکڑی اسے چرواہے نے تلاش کیا حتیٰ کہ بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ فرمایا کہ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا وہاں بیٹھ گیا[1] اور دُم دبالی[2] اور بولا کہ میں نے اس روزی کا ارادہ[3] کیا جو مجھے اللہ نے دی میں نے اسے لیا پھر تو نے وہ مجھ سے چھین لی تو یہ شخص بولا اللہ کی قسم میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا۔ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب تو یہ ہے کہ ایک صاحب[4] پہاڑوں کے بیچ کھجوروں کے جھنڈ میں تم کو گزشتہ اور آنے والی باتوں کی خبر دے رہے تھے۔ وہ شخص یہودی تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو یہ خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قیامت کے آگے نشانیاں ہیں قریب ہے کہ ایک شخص نکلے گا تو نہ لوٹے گا حتیٰ کہ اس کے جوتے اور اس کا کوڑا اسے ان باتوں کی خبر دیں گے جو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں نے کیں۔ (شرح السنۃ)

لہ اس نے رانیں زمین پر رکھیں اور پاؤں کو کھڑا کیا۔ صراح میں ہے اقعاء، کتے کا بیٹھنا
لہ تثفر، ثاء اور فاء، کتے کا دم کو پاؤں کے درمیان رکھنا
لہ عمدت، تاء پر پیش یا زبر یعنی صیغہ متکلم اور خطاب اور یہ خطاب چرواہے کے ساتھ ہے

ف۴ یعنی مدینہ طیبہ، ذات سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

۵۶۷۴/۵۹ وَعَنْ اَبِی الْعَلَاءِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتَّی اللَّیْلِ یَقُوْمُ عَشَرَةٌ وَیَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا کَانَتْ تُمَدُّ قَالَ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ تَعْجَبُ مَا کَانَتْ تُمَدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِیَدِهٖ اِلَی السَّمَاءِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوالعلاء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ سمرہ ابن جندب سے راوی ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالہ[۲] سے صبح سے رات تک باری باری کھاتے رہتے تھے کہ دس اٹھتے اور دس بیٹھتے تھے ہم نے کہا کہ کہاں سے بڑھتا تھا۔ فرمایا تم کس چیز سے تعجب کرتے ہو وہ نہ بڑھتا تھا مگر وہاں سے اور اپنے ہاتھ سے آسمان[۳] کی طرف اشارہ کیا۔

(ترمذی، دارمی)

ف۱ حضرت ابوالعلاء تابعین میں سے ہیں۔

ف۲ بوقت ظہور معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رقصعہ، قاف پر زبر، صاد ساکن بڑا کاسہ

ف۳ کہ وہاں سے برکات کا نزول ہو رہا تھا یہ قول یا تو حضرت سمرہ کا ہے اور سائل ابوالعلاء ہیں یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور سائل صحابہ تھے۔

۵۶۷۵/۶۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمَ بَدْرٍ فِیْ ثَلٰثِ مِائَةٍ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاکْسُهُمْ اللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِیَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَیْنِ وَاکْتَسَوْا وَشَبِعُوْا

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن تین سو پندرہ حضرات کی جماعت میں تشریف لے گئے[۱] عرض کیا الٰہی یہ ننگے پاؤں ہیں انہیں سواریاں دے۔ الٰہی یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس دے الٰہی یہ بھوکے ہیں انہیں سیر فرما دے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی سارے غازیوں میں کوئی شخص نہ تھا مگر وہ ایک یا دو اونٹ[۲] لے کر لوٹا انہیں کپڑا بھی ملا اور وہ سیر ہوئے (ابوداؤد)

ف۱ مشہور یہ ہے کہ تین سو سترہ صحابی تھے ستتر (۷۷) مہاجرین میں سے تھے اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار میں سے تھے۔

ف۲ اس وجہ سے کہ مشرکین سے خوب مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اجابت دعا از قبیل خارق عادت ہے خصوصًا اس قدر سرعت اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ۔

۵۶۷۶/۶۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَنْصُورُوْنَ وَمُصِيْبُوْنَ وَمَفْتُوْحٌ لَكُمْ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ تمھاری مدد کی جاوے[1] گی اور تم غنیمتیں پانے والے ہو تم کو فتح دی جاوے[2] گی تو جو تم میں سے یہ پائے وہ اللہ سے ڈرے بھلائیوں کا حکم دے برائیوں سے روکے۔ (ابوداؤد)

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے

[2] تم شہروں اور علاقوں کو فتح کروگے۔ یہ مستقبل کے حوالے سے صحابہ کو اطلاع و بشارت دی جا رہی ہے۔

[3] اعتدال کی راہ پر چلیں، تکبر و غرور اور اسراف کا راستہ نہ اپنانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس مبارک ارشاد کی طرف اشارہ ہے اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (ان لوگوں کو اگر ہم زمین پر تمکن عطا کریں تو وہ نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے ہیں)۔

۵۶۷۷ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ يَهُوْدِيَّةً مِّنْ أَهْلِ خَيْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَّصْلِيَّةً ثُمَّ أَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَأَكَلَ مِنْهَا وَأَكَلَ رَهْطٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ وَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُوْدِيَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ أَخْبَرَكَ قَالَ أَخْبَرَتْنِيْ هٰذِهٖ فِيْ يَدِيْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ إِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّيَ أَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ أَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر والوں میں سے ایک یہودیہ عورت[1] نے بھنی بکری میں زہر ملا دیا پھر اس نے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ[2] کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی لی اس میں کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت نے کھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ اٹھا لو[3] اور یہودی عورت کے پاس کسی کو بھیجا اسے بلایا فرمایا کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ وہ بولی آپ کو کس نے بتایا؟ فرمایا مجھے اس دستی نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے وہ بولی ہاں۔ میں نے کہا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو انھیں نقصان نہ دے[4] گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہم ان سے راحت پا جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا اسے سزا نہ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابہ نے اس بکری سے کچھ کھایا تھا

وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهِلِهٖ مِنْ اَجَلِ الَّذِيْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ اَبُوْ هِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِيْ بَيَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

وہ وفات پا گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھوں پر پچھنے لگوائے اس وجہ سے کہ آپ نے بکری سے کچھ کھایا تھا ۔ ابو ہند نے پچھنے لگوائے سنگی اور چھری سے ، وہ بیاضہ انصاری کے غلام تھے ۔ (ابوداؤد ، دارمی)

ملے اس کا نام زینب تھا ، یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی ۔ مصلیہ ، میم پر زبر ، صاد ساکن ، لام مکسور یاء مشدد ازصلی بمعنی بھونا ۔

سلے منقول یہ ہے کہ اس عورت نے پوچھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کا کون سا حصہ پسند فرماتے ہیں صحابہ نے فرمایا دستی کا گوشت اس نے بکری ذبح کی اس میں زہر ملایا ۔ دستی اور کاندھے کے حصہ میں زیادہ ملایا اور پکا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے سامنے رکھ دیا ۔

سلے کھانا نہ کھاؤ

سلے اس وجہ سے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی موت میں زہر اثر نہیں کرتا یا اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دعوت اور اکمال دین سے پہلے موت متوقع نہیں ۔ پہلے احتمال میں خلجان ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ فوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاثیر زہر تھی جو خیبر میں کھایا لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے ۔ حدیث میں آیا ہے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کیا ہر سال وہ زہر آپ پر اثر کرتا ہے جو خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا تو فرمایا نہیں مگر وہ ہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ۔

ھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم لطیف اس کی کثافت سے پاک ہو جائے ۔

سلے بنو بیاضہ ، ضاد ، انصاری قبیلہ کا نام ہے ۔

سے اہل روایت کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بطور سزا قتل کروا دیا یا چھوڑ دیا اور کچھ نہ کہا ۔ امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور کچھ نہ کہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزا نہ دی ، امام زہری کہتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا ۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ پہلے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا لیکن صحابی بشر بن براء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو پھر اسے ان کے قصاص میں قتل کروا دیا ۔ لیکن یہاں خلجان یہ ہے کہ حضرت بشر کی موت اور ان کے قصاص کی تخصیص کیوں ؟ حالانکہ دیگر صحابہ بھی تو شہید ہوئے تھے ۔ ہاں یہ امکان ہے کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا انتقال فی الفور ہو گیا ہو اور اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا ہو اور دیگر صحابہ کا وصال بعد میں ہوا ہو ۔ واللہ اعلم ۔

۵۶۷۸/۶۳ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حَنْظَلِيَّةَ اَنَّهُمْ

حضرت سہل ابن حنظلیہ سے روایت ہے

سَارُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَاَطْنَبُوا السَّيْرَ حَتّٰى كَانَ عَشِيَّةً فَجَآءَ فَارِسٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ طَلَعْتُ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاِذَا اَنَا بِهَوَازِنَ عَلٰى بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ بِظُعُنِهِمْ وَنَعَمِهِمْ اِجْتَمَعُوْا اِلٰى حُنَيْنٍ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تِلْكَ غَنِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ قَالَ اَنَسُ بْنُ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِىُّ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِرْكَبْ فَرَكِبَ فَرَسًا لَّهٗ فَقَالَ اسْتَقْبِلْ هٰذَا الشِّعْبَ حَتّٰى تَكُوْنَ فِىْ اَعْلَاهُ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مُصَلَّاهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ حَسَسْتُمْ فَارِسَكُمْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَسَسْنَا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّىْ يَلْتَفِتُ اِلَى الشِّعْبِ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَبْشِرُوْا فَقَدْ جَآءَ فَارِسُكُمْ فَجَعَلْنَا نَنْظُرُ اِلٰى خِلَالِ الشَّجَرِ فِى الشِّعْبِ فَاِذَا هُوَ قَدْ جَآءَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّى انْطَلَقْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِىْ اَعْلٰى هٰذَا الشِّعْبِ حَيْثُ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ طَلَعْتُ الشِّعْبَيْنِ كِلَيْهِمَا فَلَمْ اَرَ اَحَدًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ قَالَ

کہ لوگ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے تو انھوں نے بہت دراز سفر کیا حتیٰ کہ شام ہوگئی تو ایک سوار آیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں فلاں پہاڑ پہ چڑھا تو میں نے ہوازن کو دیکھا جو سارے کا سارا قبیلہ اپنی عورتوں جانوروں کے ساتھ حنین میں جمع ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ انشاء اللہ یہ سب کچھ کل مسلمانوں کی غنیمت بنے گی۔ پھر فرمایا کہ آج رات ہماری حفاظت کون کرے گا۔ انس ابن مرثد غنوی بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کر دوں گا۔ فرمایا سوار ہو جاؤ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ فرمایا اس گھاٹی کے سامنے جاؤ حتیٰ کہ اس کی بلندی پہ پہنچ جاؤ پھر جب ہم نے سویرا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلے پر تشریف لائے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا کہ کیا تم نے اپنے سوار کو محسوس کیا۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تو محسوس نہ کیا پھر نماز کی تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے گھاٹی کی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے لگے حتیٰ کہ جب نماز پوری فرمائی تو فرمایا خوش ہو جاؤ تمھارا سوار آ پہنچا تو ہم گھاٹی میں درختوں کی طرف دیکھنے لگے تو ناگاہ وہ آ رہا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہوا تو عرض کیا میں چلا حتیٰ کہ میں اس گھاٹی کی چوٹی پر پہنچ گیا جہاں کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ پھر جب میں نے سویرا کیا تو میں ان دونوں گھاٹیوں (پہاڑوں) پر چڑھ گیا تو میں نے کسی ایک کو نہ دیکھا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس رات نیچے اترے عرض کیا

لَا اِلَّا مُصَلِّیًا اَوْ قَاضِیَ حَاجَۃً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا عَلَیْکَ اَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَھَا (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

نہیں سوائے نماز کے یا ادائے حاجت کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد کوئی عمل نہ کرنا تم کو مضر نہیں[11]۔ (ابوداؤد)

[1] حضرت سہل بن حنظلیہ، حاء پر زبر، نون ساکن، ظاء پر زبر، لام مکسور اور یاء مشدد انصاری صحابی ہیں۔ اوّل بیت رضوان سے فاضل ہیں۔ خلوت گزیں ہوں گے کثرت کے ساتھ نماز وذکر کا ان کا معمول تھا، حنظلیہ ان کی والدہ کا نام ہے۔

[2] ظعنت اکثر نسخوں میں لام پر زبر ہاں زیر کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے۔

[3] ہوازن، ھاء پر زبر، زاء کے نیچے زیر، عربوں کی ایک قوم

[4] یہ عبارت محاورہ ہے کہ اس قوم میں تمام کے جانے کا نقارہ بج گیا تاکہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے بکرہ، جوان اونٹ اس کی اصل یہ ہے کہ عربوں کی قوم کسی جگہ ڈیرہ ڈالتی اور وہاں سے کوچ کرتی تو جو شخص یہاں سے اونٹ پکڑتا اس پر سوار ہو جاتا حالانکہ وہ اونٹ ان سے نہ ہوتا ہاں ان کے والد سے ہوتا۔

[5] ظعن، ظا، عین پر پیش یا ساکن ظعینہ کی جمع ہے، عورت کا ہودج میں ہونا یا وہ عورت جو ہودج میں ہو۔ کبھی اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر ہودج ہو۔

[6] مرثد غنوی، میم پر زبر، راء ساکن، ثاء پر زبر، غین اور نون دونوں پر فتحہ، صحابی ہیں۔ فتح مکہ اور حنین میں شامل تھے۔

[7] وہ جگہ جو غار کے لیے بنائی گئی تھی۔

[8] اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں۔

[9] اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ضرورت کے تحت فجر کی سنتوں کے بعد گفتگو کی جا سکتی ہے، اور کتاب الصلوٰۃ میں گزرا۔

[10] اس سے مصلحت دینیہ کی خاطر نماز میں التفات کا جواز واضح ہو جاتا کہ یہ دو عبادات کو جمع کرنا ہے

[11] یعنی نوافل، جرات، محنت اور جدوجہد کیونکر تھے، آج اس قدر ثواب اور فضیلت نصیب ہو گئی ہے جو کافی ہے اور تیرے گناہوں کی اس سے مغفرت و بخشش ہو جائے گی۔ یہ اس عمل کی تحسین میں مبالغہ اور مغفرت کی بشارت ہے، بعض شارحین کی رائے ہے کہ یہاں مراد جہاد ہے اور یہی ظاہر تر ہے۔

۵۶۷۹/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْعُ اللّٰہَ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ فَضَمَّھُنَّ ثُمَّ دَعَا لِیْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ چھوارے[1] لایا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں برکت کی دعا فرما دیں تو انہیں حضور

فِيهِنَّ بِالْبَرَكَةِ قَالَ خُذْهُنَّ فَاجْعَلْهُنَّ فِي مِزْوَدِكَ كُلَّمَا أَرَدْتَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا فَأَدْخِلْ فِيهِ يَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذَالِكَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَسَقٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَكُنَّا نَأْكُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِي حَتّٰى كَانَ يَوْمُ قُتِلَ عُثْمَانُ فَإِنَّهُ انْقَطَعَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے ملادیا پھران میں میرے لیے برکت کی دعا کی، فرمایا انھیں لے لو اسے اپنے توشہ دان[۲] میں ڈال لو جب اس میں سے کچھ لینا چاہو تو اس میں اپنا ہاتھ ڈال دو اس میں سے لے لو اور کبھی جھاڑنا مت۔ میں نے ان چھواروں میں سے اتنے وسق[۳] اللہ کی راہ میں خیرات کیے ہم ان میں سے کھاتے کھلاتے رہے یہ میری کمر سے کبھی جدانہ ہوئے تھے، حتیٰ کہ جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا دن ہوا تو وہ مجھ سے گر گیا[۴]

۱ے منقول ہے کہ وہ اکیس تھیں۔
۲ے صراح میں ہے مِزْوَدْ، میم کے نیچے زیر، توشہ دان
۳ے وسق ساٹھ پیمانہ یا اونٹ کا بوجھ
۴ے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان افتراق وانتشار بڑھ جائے تو برکت اٹھ جاتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے لوگوں کو اس دن ایک غم تھا اور مجھے دو غم تھے۔ ایک تو اس تھیلی کے گم ہونے کا اور دوسرا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۶۸۰ / ۶۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ تَشَاوَرَتْ قُرَيْشٌ لَيْلَةً بِمَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَصْبَحَ فَأَثْبِتُوهُ بِالْوَثَاقِ يُرِيدُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلِ اقْتُلُوهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ أَخْرِجُوهُ فَأَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذَالِكَ فَبَاتَ عَلِيٌّ عَلٰى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَحِقَ بِالْغَارِ وَبَاتَ الْمُشْرِكُونَ يَحْرُسُونَ عَلِيًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک رات مکہ میں قریش نے مشورہ کیا بعض نے کہا کہ جب سویرا ہو تو انھیں رسیوں[۱] سے باندھ دو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، بعض دوسرے بولے بلکہ انھیں قتل کر دو، بعض بولے بلکہ انھیں نکال دو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا[۲] تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر رات گزاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، حتیٰ کہ غار[۳] پر پہنچ گئے اور مشرکین رات بھر جناب علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی کرتے رہے

يَحْسَبُوْنَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَصْبَحُوْا ثَارُوْا عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاَوْا عَلِيًّا رَدَّ اللّٰهُ مَكْرَهُمْ فَقَالُوْا اَيْنَ صَاحِبُكَ هٰذَا قَالَ لَا اَدْرِيْ فَاقْتَصُّوْا اَثَرَهٗ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اِخْتَلَطَ عَلَيْهِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَاَوْا عَلٰى بَابِهٖ نَسْجَ الْعَنْكَبُوْتِ عَلٰى بَابِهٖ فَمَكَثَ فِيْهِ ثَلٰثَ لَيَالٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر جب[۵] صبح ہا پُی تو ان پر دوڑے پھر جب جناب علی کو دیکھا تو اللہ نے ان کے فریب رد کر دیئے بولے تمھارے وہ ساتھی[۶] کہاں ہیں آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا چنانچہ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ[۸] قدم پر کھوج[۷] لگاتے چلے جب پہاڑ پر پہنچے تو ان پر غار مشتبہ ہو گیا وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اس غار پر پہنچے اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا[۱۰] دیکھا[۱۱] تو بولے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں گھسے ہوتے تو اس کے دروازے پر جالا نہ ہوتا حضور نے اس میں تین شب[۱۲] قیام فرمایا۔ (احمد)

[۱] یعنی بعض مشرکین نے یہ مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر دیا جائے وثاق کسرہ و فتحہ دونوں طرح ہے بمعنی بند کرنا۔

[۲] فاطلع۔ ہمزہ پر زبر، طاء ساکن مخفف۔

[۳] جیساکہ سورۂ انفال میں مذکور ہے۔

[۴] چند راتیں غار میں گزاریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف فرما تھے۔ مشرکین اس کے دہانے تک پہنچے لیکن مطلع نہ ہو سکے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو بھی فرمائی۔ یہ بہت بڑا معجزہ اور واقعہ ہے۔ میں نے اسے شرح اور تاریخ مدینہ میں ذکر کیا ہے۔ ہجرت کے تذکرہ میں بھی اس کی تفصیل آئے گی۔

[۵] حضرت علی رضی اللہ عنہ اندر رہے اور مشرکین باہر کھڑے رہے۔

[۶] وہ یہی خیال کرتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر آرام فرما رہے ہیں جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئیں گے ان کا کام تمام کر دیں گے حالانکہ اب وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

[۷] اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ ھٰذا کے ساتھ تحقیر و تصغیر کی طرف اشارہ ہے۔

[۸] تجسس، قاف اور دو صاد، کسی کے پیچھے جانا

[۱۰] اس کا نام جبلِ ثور ہے تو راہ پاؤں کے نشان نقش ہو گئے۔

[۱۱] جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں داخل ہونے کے بعد اس نے بنا تھا جس کا عرض ایک بالشت اور طول ایک ہاتھ تھا۔

[۱۲] اور کبوتری کا وہاں انڈے دینا اس حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں۔

ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمِ

شعر:۔ (انھوں نے یہی گمان کیا کہ کبوتر اور عنکبوت، ساری مخلوق سے افضل شخص پر کیسے تانا بنا سکتے ہیں اگر وہ یہاں داخل ہوئے ہیں)

۱۲؎ سوموار کو داخل ہوئے اور جمعرات کو وہاں سے نکلے۔

۵۶۸۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا فُتِحَتْ خَیْبَرُ اُهْدِیَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِیْهَا سَمٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوْا لِیْ مَنْ کَانَ هٰهُنَا مِنَ الْیَهُوْدِ فَجَمَعُوْا لَهٗ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ سَائِلُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَبُوْکُمْ قَالُوْا فُلَانٌ قَالَ کَذَبْتُمْ بَلْ اَبُوْکُمْ فُلَانٌ قَالُوْا صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ قَالَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْ شَیْءٍ اِنْ سَاَلْتُکُمْ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ اِنْ کَذَبْنَاکَ عَرَفْتَ کَمَا عَرَفْتَهٗ فِیْ اَبِیْنَا فَقَالَ لَهُمْ مَنْ اَهْلُ النَّارِ قَالُوْا نَکُوْنُ فِیْهَا یَسِیْرًا ثُمَّ تَخْلُفُوْنَا فِیْهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَاللّٰهِ لَا نَخْلُفُکُمْ فِیْهَا اَبَدًا ثُمَّ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْ شَیْءٍ اِنْ سَاَلْتُکُمْ عَنْهُ فَقَالُوْا نَعَمْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ قَالَ هَلْ جَعَلْتُمْ فِیْ هٰذِهِ الشَّاةِ سَمًّا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَمَا حَمَلَکُمْ عَلٰی ذٰلِكَ قَالُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری ہدیہ کی گئی جس میں زہر۱؎ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے یہودی یہاں ہیں انھیں ہمارے پاس جمع کرو وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اکٹھے ہوئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے ایک چیز کے متعلق پوچھتا ہوں کیا تم مجھ سے سچ بولو گے۲؎۔ انھوں نے کہا ہاں ابوالقاسم۳؎، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا باپ کون۴؎ ہے۔ وہ بولے فلاں فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں۵؎ ہے وہ بولے آپ نے سچ کہا اور درست کہا۔ فرمایا تو کیا اب تم مجھ سے سچ کہو گے جس چیز کے متعلق اگر میں تم سے پوچھوں۔ وہ بولے ہاں اے ابوالقاسم اور اگر ہم آپ سے جھوٹ بولیں تو آپ پہچان لیں گے جیسے ہمارے باپ کے متعلق پہچان لیا۔ تو ان سے فرمایا کہ آگ والے کون ہیں وہ بولے کچھ دن ہم اس میں۶؎ رہیں گے پھر اس میں ہمارے نائب۷؎ اور آپ لوگ ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورے۸؎ ہو اس میں رہو اللہ کی قسم ہم اس میں تمہارے نائب کبھی نہیں بنیں گے۔ پھر فرمایا کیا اب مجھ سے سچ بولو گے اس چیز کے متعلق جو تم سے پوچھوں وہ بولے ہاں اے ابوالقاسم فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ڈالا ہے؟ وہ بولے ہاں فرمایا تم کو اس چیز پر کس چیز نے جرات دی وہ بولے ہم نے

اَرَدْنَا اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا اَنْ نَسْتَرِيْحَ مِنْكَ وَاِنْ كُنْتَ صَادِقًا لَمْ يَضُرَّكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

چاہا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے راحت پا جائیں اور اگر سچے ہیں تو آپ کو نقصان نہ دیں۔ (بخاری)

سلہ سم، سین پر زبر یا پیش، بعض نے زیر بھی پڑھی ہے۔

سلہ میں سوال کے ذریعے تمہیں آزمانا چاہتا ہوں کہ تم سچ بولتے ہو یا جھوٹ، جیسا کہ سیاقِ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مصدقی، میم پر پیش، صاد پر زبر، دال مشدد مکسور، قاف مکسور اور یاء مشدد

سلہ بعض یہود کا طریقہ تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کینت کا تذکرہ کرتے، نام نہ لیتے کیونکہ اس کا تذکرہ تورات وانجیل میں مشہور تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت نبوت کی دلیل تھا۔

سلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پدرکلاں کا پوچھا کیونکہ قبیلہ کا پدر تمام کا باپ ہوتا ہے۔

سلہ بلکہ تمہارا پدر تو فلاں ہے جو تم نے نام لیا وہ نہیں

سلہ کذبا، ذال مخفف ہے۔

سلہ جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول منقول ہے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً

سلہ پھر ہماری جگہ مسلمانوں کو دائمی طور پر داخل کر دیا جائے گا۔ تخلفونا، نون مشدد، مخفف بھی مروی ہے جو قاعدہ نحوی کے مطابق ہے۔

سلہ اِخسَئُوا کا معنی کتے کو دھتکارنا ہوتا ہے یعنی اگر تم اس جہان سے کفر پر فوت ہوئے تو تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔

سلہ اب ان سے کہا جا سکتا ہے کہ اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ظاہر ہو گیا تو اب تم ایمان کیوں نہیں لاتے۔

۵۶۸۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھے ہم کو خطبہ دیا حتی کہ ظہر کا وقت آگیا پھر اترے پھر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے تو ہم کو خطبہ دیا حتی کہ عصر کا وقت آگیا پھر اترے پھر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے حتی کہ سورج ڈوب گیا تو ہم کو ان تمام چیزوں کی خبر دی جو قیامت کے دن تک ہونے والا ہے فرمایا کہ ہم میں زیادہ جاننے والا وہ تھا جو ہم میں زیادہ حافظ تھا (مسلم)

لہ حضرت عمرو بن الخطاب خدا کیساتھ، انصاری ہیں اور انہیں ابوزید المرج کہا جاتا ہے ۔ منقول ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ غزوات میں شریک ہوئے ۔ ان کے سر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا اور دعا دی اب ان کا حال یہ تھا کہ عمر شمال کو پہنچ گئی مگر سر اور داڑھی کے چند بال ہی سفید ہوئے ۔

۵۶۸۳ / ۶۸ وَعَنْ مَعْنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ عَنْ اَبِيْ قَالَ سَاَلْتُ مَسْرُوْقًا مَّنْ اٰذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ اسْتَمَعُوا الْقُرْاٰنَ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْكَ يَعْنِيْ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ اٰذَنَتْ بِهِمْ شَجَرَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت معن[1] ابن عبد الرحمٰن[2] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرمایا میں نے مسروق[3] سے پوچھا کہ جس رات جنات نے قرآن سنا ہے تو جنات کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے دی انھوں نے کہا کہ مجھے تمھارے والد[4] یعنی عبد الرحمٰن ابن مسعود نے بتایا کہ ان کی خبر ایک درخت[5] نے دی ۔ (بخاری ، مسلم)

لہ معن ، میم پر زبر ، عین ساکن

ٹہ بن عبد الرحمٰن ، یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں ۔ نہایت ثقہ اور جامع علوم ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ۔ ان کے والد کی نسبت سے ہی حضرت ابن مسعود کو ابو عبد الرحمٰن کہا جاتا ہے اور اپنے بھائی قاسم بن عبد الرحمٰن سے بھی روایت کرتے ہیں اور ان سے امام ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

سٹہ مسروق ، کبار تابعین میں سے ہیں

سمہ مراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں ۔

ھہ درخت نے عرض کیا یا رسول اللہ جنات آئے ہیں تاکہ وہ قرآن سنیں اور ایمان لائیں ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے جنات سے ملاقات فرمائی اور انھیں قرآن سنایا ۔

۵۶۸۴ / ۶۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَتَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ وَكُنْتُ رَجُلًا حَدِيْدَ الْبَصَرِ فَرَاَيْتُهٗ وَلَيْسَ اَحَدٌ يَزْعُمُ اَنَّهٗ رَاٰهُ غَيْرِيْ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِعُمَرَ اَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَرُ سَاَرَاهُ وَاَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى فِرَاشِيْ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا عَنْ اَهْلِ بَدْرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مدینہ کے درمیان جناب عمر کے ساتھ تھے تو ہم چاند ایک دوسرے کو دکھانے لگے ۔ میں تیز نظر تھا تو میں نے[1] دیکھ لیا ۔ میرے سوا کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے چاند دیکھا ہے جناب عمر سے کہنے لگا کہ کیا آپ دیکھتے[2] نہیں ۔ آپ اسے نہ دیکھ سکے ۔ کہتے ہیں میں اسے عنقریب اپنے بستر پر لیٹے ہوئے دیکھوں گا پھر ہم کو بدر والوں کی خبر[3] دینے لگے ۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایک دن پہلے کفار کی قتل[4] گاہ دکھاتے

وَيَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَأُوا الْحُدُوْدَ الَّتِيْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجُعِلُوْا فِيْ بِئْرٍ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيْهِمْ فَقَالَ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حَقًّا فَاِنِّيْ قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِيَ اللّٰهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَا اَرْوَاحَ فِيْهَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ شَيْئًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تھے، فرماتے تھے کہ انشاءاللہ کل یہ جگہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی اور انشاءاللہ کل یہ جگہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی[۶] جناب عمر فرماتے ہیں کہ اس کی قسم جس نے انھیں حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ لوگ ان حدود سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھیں بالکل نہ ہٹے پھر وہ اوپر تلے ایک کنوئیں میں ڈال دیے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتیٰ کہ ان تک پہنچ گئے فرمایا اے فلاں ابن فلاں اے ابن فلاں کیا تم نے وہ سب باتیں درست پائیں جن کا تم سے اللہ نے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا کیونکہ میں نے وہ درست پایا جو اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ جناب عمر نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان جسموں سے کیسے کلام کرتے ہیں جن میں جان نہیں تو فرمایا بات تم ان سے زیادہ نہیں سنتے[۷] بجز اس کے کہ وہ مجھے کچھ جواب نہیں دے سکتے[۸] (مسلم)

۱؎ میرے علاوہ کسی نے نہ کہا کہ میں نے چاند دیکھا۔

۲؎ میں انھیں دکھاتا رہا لیکن انھیں نظر نہیں آرہا تھا۔

۳؎ حاجت نہیں کہ اب میں چاند دیکھنے میں مشقت اٹھاؤں جب ایک دن کے بعد یہ نمایاں ہو جائے گا یعنی جب ضرورت اور حاجت نہ ہو تو اس کام میں مشقت لایعنی ہوتی ہے۔

۴؎ یا مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا یا حضرت انس رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

۵؎ ان کے مرنے سے پہلے ایک دن خبر دے دی کہ فلاں بدبخت کہاں مرے گا۔

۶؎ ہر ایک کے مرنے کی جگہ الگ الگ متعین کر دی۔

۷؎ یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں یا سننے میں تمھارے برابر ہیں۔

۸؎ کتاب الجہاد میں اس کی تفصیل ہے۔

۵۶۸۵ وَعَنْ اُنَيْسَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنْ اَبِيْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى زَيْدٍ يَعُوْدُهٗ مِنْ مَرَضٍ

حضرت انیسہ[۱] بنت زید ابن[۲] ارقم سے روایت ہے وہ اپنے والد سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب زید کے پاس ایک مرض میں مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے

کَانَ بِہِ قَالَ لَیْسَ عَلَیْکَ مِنْ مَّرَضِکَ بَأْسٌ وَّلٰکِنْ کَیْفَ لَکَ اِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِیْ فَعَمِیْتَ قَالَ اَحْتَسِبُ وَاَصْبِرُ قَالَ اِذًا تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِغَیْرِ حِسَابٍ قَالَتْ فَعَمِیَ بَعْدَ مَا مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ بَصَرَہٗ ثُمَّ مَاتَ

فرمایا اس بیماری سے تم پر کوئی خطرہ نہیں مگر تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم کو میرے بعد دراز عمر ملے گی تو تم نابینا ہو جاؤ گے۔ عرض کیا میں صبر اور طلب اجر کروں گا۔ فرمایا تو جنت میں بے حساب جاؤ گے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ نابینا ہو گئے پھر اللہ نے ان کی نظر لوٹا دی پھر وہ فوت ہو گئے۔

سلہ انیسہ، ہمزہ پر پیش، نون پر زبر

سلہ بنت زید بن ارقم، یہ تابعیہ ہیں ان کی نسبت سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ابو انیسہ کہا جاتا ہے انھیں ابو سعید بھی کہتے ہیں بلکہ مشہور ان کی یہی کنیت ہے۔

$\frac{۵۶۸۶}{۴۱}$ وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَذٰلِکَ اَنَّہٗ بَعَثَ رَجُلًا فَکَذَبَ عَلَیْہِ فَدَعَا عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوُجِدَ مَیِّتًا وَقَدِ انْشَقَّ بَطْنُہٗ وَلَمْ تَقْبَلْہُ الْاَرْضُ (رَوَاہُمَا الْبَیْہَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر وہ بات تھوپے[1] جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے یہ اس طرح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بددعا کر دی تو وہ مردہ پایا گیا کہ اس کا پیٹ چر گیا تھا اسے زمین نے قبول[2] نہ کیا۔ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیں۔

سلہ تقوّل، تاء، ق پر زبر، واو مشدد، کسی کی طرف جھوٹا منسوب کرنا۔

سلہ یہ دوزخی ہونے کی علامت ہے۔

$\frac{۵۶۸۷}{۴۲}$ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَہٗ رَجُلٌ یَسْتَطْعِمُہٗ فَاَطْعَمَہٗ شَطْرَ وَسْقِ شَعِیْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ یَاْکُلُ مِنْہُ وَامْرَاَتُہٗ وَضَیْفُہُمَا حَتّٰی کَالَہٗ فَفَنِیَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کھانا مانگنے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جَو کا آدھا وسق عطا فرمایا۔ وہ شخص اس کی بیوی اور اس کا مہمان اس سے کھاتے رہے حتیٰ کہ اس نے ناپ لیا تو ختم ہو گیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ فرمایا اگر وہ

فَقَالَ لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَاكَلْتُمْ مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اسے نہ ناپتی تو تم سب اس سے کھاتے رہتے اور وہ تمہارے پاس رہتا (مسلم)

۵۶۸۸ وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِيَ امْرَأَتِهِ فَجَاءَ وَنَحْنُ مَعَهُ فَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوكُ لُقْمَةً فِي فِيهِ ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيَشْتَرِيَ شَاةً فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ يُرْسِلَ بِهَا إِلَيَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعِمِي هٰذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت عاصم ابن کلیبؒ سے وہ اپنے والد سے وہ ایک انصاری صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف فرما تھے کھودنے والے کو سمجھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس کے پاؤں کی طرف فراخ کرو اس کے سر کی طرف فراخ کرو، پھر جب واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی بیوی کی طرف سے بلانے والا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا ہم آپ کے ساتھ تھے کھانا لایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ رکھا پھر قوم نے رکھا سب کھانے لگے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ میں لقمہ پھرا رہے ہیں پھر فرمایا میں ایسی بکری کا گوشت محسوس کرتا ہوں جو اس کے مالک کے بغیر لی گئی ہے۔ اس عورت نے کہلا بھیجا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نقیع کی طرف[۱] سے بھیجا تھا یہ وہ جگہ تھی جہاں بکریاں فروخت کی جاتی تھیں تاکہ میرے لیے بکری خریدے بکری نہ ملی میں نے اپنے پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا جس نے بکری خریدی تھی یہ کہ وہ مجھے بکری قیمتاً دے دے وہ ملا نہیں تو میں نے اس کی بیوی کے پاس بھیجا اس نے وہ میرے پاس بھیج دی ۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو

(ابوداؤد ، بیہقی ، دلائل النبوۃ)

۵ عاصم بن کلیب ، کاف پر پیش ، لام پر زبر ، ثقہ اور اپنے دور کے بڑے فاضل اور عابد ہیں حضرت

سفیان ثوری اور حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہما نے ان سے روایت لی ۔ بعض نے کہا ان کا تعلق قبیلہ جرم سے ہے ۔

۲ کلیب، تابعی ہیں

۳ ہم بطور طفیلی چلے گئے یا جماعت کی بھی دعوت تھی ۔

۴ یہ مقام نقیع وادی عقیق کی طرف ہے اور مدینہ سے بیس میل پر ہے ۔ یہ لفظ بقیع نہیں وہ تو مدینہ طیبہ کا قبرستان ہے۔ امام خطابی کہتے ہیں اسے باء کے ساتھ پڑھنے والے خطا پر ہیں ۔ لیکن جنھوں نے باء کے ساتھ پڑھا ان کا کہنا ہے کہ بقیع بازار ہوتا ہے ۔

۵ کیونکہ قیدی کافر تھے اور وہ مکلف نہیں ۔ ظاہر یہی ہے کہ صاحب بکری نہ ملا ورنہ ان سے بات ہو جاتی ۔

۵۶۸۹/۴ وَعَنْ حِزَامِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ حُبَيْشِ بْنِ خَالِدٍ وَهُوَ اَخُ اُمِّ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُخْرِجَ مِنْ مَكَّةَ خَرَجَ مُهَاجِرًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ هُوَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَمَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَدَلِيْلُهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ اللَّيْثِيُّ مَرُّوْا عَلٰى خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدٍ فَسَاَلُوْهَا لَحْمًا وَتَمْرًا لِيَشْتَرُوْا مِنْهَا فَلَمْ يُصِيْبُوْا عِنْدَهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ وَكَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى شَاةٍ فِيْ كِسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجَهْدُ عَنِ الْغَنَمِ قَالَ هَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ قَالَتْ هِيَ اَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اَتَاْذَنِيْنَ لِيْ اَنْ اَحْلُبَهَا قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنْ رَاَيْتَ حَلَبًا فَاحْلُبْهَا فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حزام ابن ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے حُبیش ابن خالد سے روایت کرتے ہیں وہ ام معبد کے بھائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے باہر کیے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق اور ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ اور ان کے رہبر عبداللہ لیثی ام معبد کے خیمے پر گزرے انھوں نے آپ سے گوشت چھوہارے مانگے تاکہ ان سے خریدیں ۔ انھوں نے کوئی چیز ام معبد کے پاس نہ پائی ۔ یہ حضرات بے توشہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری دیکھی ، جو خیمے کے کنارے میں تھی فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے انھوں نے عرض کیا کہ یہ ایسی بکری ہے جسے دبلے پن نے بکریوں سے پیچھے کر دیا ہے ۔ فرمایا کیا اس میں دودھ ہے وہ بولیں کہ وہ اس سے بہت دور ہے فرمایا کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ اسے دودھ لوں بولیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اگر آپ اس میں دودھ دیکھیں تو دوھ لیں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فَمَسَحَ بِيَدِهٖ ضَرْعَهَا وَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَدَعَالَهَا فِيْ شَاتِهَا فَتَفَاجَّتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِاِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَسَقٰى اَصْحَابَهٗ حَتّٰى رَوُوْا ثُمَّ شَرِبَ اٰخِرَهُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰى مَلَاَ الْاِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْاِسْتِيْعَابِ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔

بلایا اس کے تھن پر ہاتھ پھیرا اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور ان کے لیے ان کی بکری میں دعا کی تو اس نے ٹانگیں[۸] چیر دیں اور دودھ اتار لائی جگالی کرنے[۹] لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا برتن منگایا جو ایک جماعت کو سیر[۱۰] کر دے اس میں دوہا، چھلکتا ہوا حتیٰ کہ جھاگ اوپر آگئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر[۱۱] ہوگئیں اور اپنے ساتھیوں کو پلایا حتیٰ کہ وہ بھی سیر ہوگئے۔ پھر ان کے آخر میں خود پیا[۱۲] پھر اس میں پہلی بار کے بعد دوہا حتیٰ کہ برتن بھر دیا یہ ام معبد کے پاس چھوڑ دیا اور ان سے بیعت[۱۳] لی اور وہاں سے ان سب نے کوچ کر دیا[۱۴] (شرح السنہ)

[۱] حزام، حاء کے نیچے زیر

[۲] حبیش بن خالد، حاء پر پیش

[۳] ام معبد، میم پر زبر، عین ساکن، باء پر زبر، ان کا اسم گرامی عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے یہ وہی خاتون ہیں کہ ہجرت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خیمہ میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ اپنے صحن میں بیٹھتیں اور فقراء و مساکین کو پانی و کھانا پیش کرتیں۔

[۴] عامر بن فہیرہ، فاء پر پیش، ہاء پر زبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف لانے سے پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا۔

[۵] یہ چار افراد تھے جو مدینہ طیبہ پہنچے۔

[۶] کسر، کاف کے نیچے زیر، سین ساکن یا زبر، خیمہ کی طرف و جانب

[۷] یہ دودھ نہیں دیتی آپ کیا دھوئیں گے۔ حلب، لام ساکن، دودھ دھونا۔ زیر بھی پڑھی گئی ہے۔

[۸] تفاجت، جیم مشدد

[۹] جیسا کہ دودھ دھوتے وقت جانور کی عادت ہوتی ہے

[۱۰] جرۃ، جیم کے نیچے زیر، راء مشدد

[۱۱] صراح میں ہے ربض، یربض یاء پر پیش، باء کے نیچے زیر از ارباض، خوب سیراب کرنا۔ دھونا قوم کا گروہ۔

۱۲؎ ثج ، ثاء ، جیم مشدد ، پانی کا رواں ہونا

۱۳؎ حتی روہلی ، واؤ پر پیش

۱۴؎ خود فرمایا کہ قوم کا ساقی آخر میں پیتا ہے ۔

۱۵؎ اُمِّ معبد اسلام لے آئیں

۱۶؎ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو اہلِ مکہ نہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے ہیں ۔ ایک جن جبلِ ابوقبیس پر آیا اور اس نے اشعار کہے ان میں سے دو یہ ہیں ۔

جَزَی اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَائِہٖ — رَفِیْقَیْنِ حَلَّا خَیْمَۃَ اُمِّ مَعْبَدِ

ھُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ ثُمَّ تَرَحَّلَا — فَاَفْلَحَ مَنْ اَمْسٰی رَفِیْقَ مُحَمَّدِ

(اللہ تعالیٰ جو رب الناس ہے انھیں جزا دے جو خیمہ ام معبد میں آپ کے رفیق تھے وہ وہاں بخوشی اترے اور بخیر وخوبی وہاں سے روانہ ہوئے وہ کامیاب ہوئے جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی)

احادیث میں یہ بھی آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہو گئے ۔ اُمِّ معبد کے خاوند ابو معبد آئے اپنے گھر میں دودھ دیکھ کر حیران ہوئے پوچھا تو حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وسراپا بڑی ہی وضاحت سے بیان کیا ۔ ابو معبد نے کہا یہی وہ صاحب قریش ہیں ۔ میں نے یہی صفات ان کی مکہ میں سنی تھیں ۔ اللہ کی قسم میں بھی بوقت فرصت ان کی صحبت میں جاؤں گا ۔

بَابُ الْكَرَامَاتِ

کرامات کا بیان

تمام اہلِ حق اولیاء سے کرامات کے جواز کے قائل ہیں ۔ ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بقدر طاقت بشری اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو ، ہمیشہ طاعت بجا لائے اور منع کردہ لذات وشہوات سے روکنے والا ہو ۔ تقویٰ اور اتباع میں بحسب مراتب کامل ہوتا ہے ۔ وقوع کرامت پہ کتاب وسنت اور صحابہ کی اخبار تواتر سے ہیں اور یہ تواتر معنوی ہے انصاف اور ترک عناد کی صورت میں ان کے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی خصوصًا اکابر مشائخ طریقت اور ان کے سادات مثلاً غوث الثقلین سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور ان کے علاوہ

دیگر بزرگ لوگوں کی کرامات اس قدر ہیں کہ وہ ان گنت ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے اور ان کے بزرگوں کا بیان ہے کہ آپ کی کرامات موتیوں کی لڑی کی طرح ہے جو پے در پے ہیں۔ اگر کوئی ہم سے اس بارے میں پوچھے تو ہم تو ایک ہی مجلس کی اسں قدر کرامات بیان کردیں۔ امام عبداللہ یافعی کہتے ہیں آپ کی کرامات میں کوئی شبہ اور شک نہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کرامات میں شیوخ عالم آفاق کا آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ معتزلہ اور ان کے متبعین کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولی کے قصد و اختیار سے کرامات صادر نہیں ہوتی اگر صادر ہو تو بھی بلا قصد ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کرامت کا تعلق جنس معجزہ سے نہیں۔ مثلاً قلیل طعام کا کثیر ہونا، انگلیوں سے پانی جاری ہونا، کرامت کا وقوع خواہ بالقصد ہو یا بلا قصد از جنس معجزہ ہو یا نہ ہو اس پر تفصیلی گفتگو اور اس پر شبہات کا جواب علم کلام میں ہے تو مشاہدہ کے بعد بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔

الفصل الاوّل

۵۶۹۰ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَعَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ تَحَدَّثَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ لَهُمَا حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ فِي لَيْلَةٍ شَدِيْدَةِ الظُّلْمَةِ ثُمَّ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقَلِبَانِ وَبِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عُصَيَّةٌ فَاَضَاءَتْ عَصَا اَحَدِهِمَا لَهُمَا حَتّٰى مَشَيَا فِي ضَوْئِهَا حَتّٰى اِذَا افْتَرَقَتْ بِهِمَا الطَّرِيْقُ اَضَاءَتْ لِلْاٰخَرِ عَصَاهُ فَمَشٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِي ضَوْءِ عَصَاهُ حَتّٰى بَلَغَ اَهْلَهٗ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

۱ اُسَید، ہمزہ پر پیش، سین پر زبر۔
۲ بن حُضَیر۔ حاء پر پیش، ضاد پر زبر۔
۳ عَبّاد، عین پر زبر، باء مشدد۔
۴ بن بشر، باء کے نیچے زیر، شین ساکن، یہ دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔
۵ اپنے گھر کی طرف۔

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسید بن حضیر اور عباد ابن بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کاموں کے متعلق بات چیت کرتے رہے حتیٰ کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ یہ واقعہ سخت اندھیری رات میں ہوا پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپسی کے لیے نکلے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس چھوٹی لاٹھی تھی ان میں سے ایک کی لاٹھی چمک گئی حتیٰ کہ وہ دونوں اس کی روشنی میں چلے۔ حتیٰ کہ جب ان کو راستہ نے علیحدہ کیا تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک اپنی لاٹھی کی روشنی میں چلا حتیٰ کہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ (بخاری)

لـہ آگے راستہ جدا جدا تھے ۔

ـکـہ بخاری میں کتاب الصلوٰۃ کی روایت میں ہے کہ دو صحابی تاریک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے ۔ ان کے پاس چراغ کی مانند دو چیزیں تھیں ۔ جب جدا ہوئے تو جدا جدا ان کے پاس چراغ تھا حتی کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے ۔

۵۶۹۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِیْ اَبِیْ عَنِ اللَّیْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِیْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِیْ اَوَّلِ مَنْ یُّقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنِّیْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِیْ اَعَزَّ عَلَیَّ مِنْكَ غَیْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ عَلَیَّ دَیْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَیْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِیْلٍ وَّدَفَنْتُہٗ مَعَ اُخْرٰی فِیْ قَبْرٍ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ احد ہوا تو رات میں مجھے میرے باپ نے بلایا کہا کہ میں اپنے متعلق خیال کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں پہلا شہید میں ہوں گا اور میں اپنے نزدیک تم سے زیادہ پیارا کسی کو نہیں چھوڑتا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اور مجھ پر قرض ہے تم ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے لیے بھلائی کی وصیت قبول کرو ہم نے سویرا پایا تو پہلے شہید وہ ہی تھے اور میں نے انھیں دوسرے کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا ـلـہ (بخاری)

ـلـہ اس سے واضح ہو رہا ہے اگر ولی بطریق کرامت خبر دے تو وہ بطریق ظن دیتا ہے ۔ بخلاف نبی کے وہ وحی کی وجہ سے خبر دیتے ہیں ۔

ـلـہ شہداء احد کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم تھا کہ متعدد کو ایک قبر میں دفن کرو ان کے ساتھ دوسرے حضرت عمرو بن جموح تھے جو ان کے دوست اور ان کی ہمشیرہ کے شوہر تھے ۔

۵۶۹۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّۃِ كَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَہٗ طَعَامُ اثْنَیْنِ فَلْیَذْہَبْ بِثَالِثٍ وَّمَنْ كَانَ عِنْدَہٗ طَعَامُ اَرْبَعَۃٍ فَلْیَذْہَبْ بِخَامِسٍ اَوْ سَادِسٍ وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلٰثَۃٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَۃٍ وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ تَعَشّٰی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰی

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صفہ والے مسکین لوگ ـلـہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو یا چھٹے کو لے جائے ـلـہ اور حضرت ابوبکر تین شخص لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس حضرات لائے ۔ ابوبکر صدیق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھایا پھر کچھ ٹھہرے حتی کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی آپ پھر لوٹ گئے پھر کچھ ٹھہرے حتی کہ

تَعَشّٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰی مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰہُ قَالَتْ لَہٗ امْرَأَتُہٗ مَا حَبَسَکَ عَنْ اَضْیَافِکَ قَالَ اَوَ مَا عَشَّیْتِیْھِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰی تَجِیْئَ فَغَضِبَ وَقَالَ وَاللّٰہِ لَا اَطْعَمُہٗ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْأَۃُ اَنْ لَّا تَطْعَمَہٗ وَحَلَفَ الْاَضْیَافُ اَنْ لَّا یَطْعَمُوْہُ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ کَانَ ھٰذَا مِنَ الشَّیْطٰنِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَکَلَ وَاَکَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا یَرْفَعُوْنَ لُقْمَۃً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِھَا اَکْثَرُ مِنْھَا فَقَالَ لِاِمْرَأَتِہٖ یَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا ھٰذَا قَالَتْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ اِنَّھَا الْاٰنَ لَاَکْثَرُ مِنْھَا قَبْلَ ذٰلِکَ بِثَلٰثِ مِرَارٍ فَاَکَلُوْا وَبَعَثَ بِھَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ اَنَّہٗ اَکَلَ مِنْھَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَذُکِرَ حَدِیْثُ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ فِی الْمُعْجِزَاتِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا کھانا کھالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اس کے بعد رات کا مشیت الٰہی کے بقدر حصہ گزر گیا۔ ان سے ان کی بیوی نے کہا کہ تمھیں تمھارے مہمانوں سے کس نے روکا۔ آپ نے کہا کیا تم نے انھیں کھانا نہیں کھلایا۔ بولیں کہ انھوں نے تمھارے آنے تک کھانے سے انکار کیا آپ ناراض ہوئے اور بولے خدا کی قسم میں یہ کبھی نہ کھاؤں گا۔ آپ کی بیوی نے قسم کھالی کہ وہ بھی نہ کھائیں گی اور مہمانوں نے قسم کھالی کہ وہ بھی نہ کھائیں گے۔ جناب صدیق نے کہا کہ یہ قسم شیطان کی طرف سے ہوگئی۔ آپ نے کھانا منگوایا پھر کھایا پھر ان سب نے کھایا تو وہ لوگ کوئی لقمہ نہ اٹھاتے تھے مگر اس کے نیچے سے زیادہ بڑھتا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اے بنی فراس کی بہن کیا وہ بولیں میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ ان سب نے یہ کھانا کھایا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا (مسلم بخاری) اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کہ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے

سلہ عبدالرحمٰن، یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام حضرت ام رومان ہے اور یہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی والدہ ہیں، حدیبیہ کے سال ایمان لائے ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔

سلہ صفہ، یہ مسجد کی ایک جانب چھتی ہوئی جگہ تھی یہاں طلبہ صحابہ رہتے تھے۔ یہ گھر، اہل، مال و عیال نہ رکھتے تھے۔

سلہ او کا کلمہ تخفیف کے لیے ہے بعض کو بیان کر دیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

سلہ یہ تکرار ہے تاکہ واقعہ از سر نو بیان ہو۔ یہ بھی ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کھانے کا بیان پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا تذکرہ آیا۔ اس وقت میں حضرت ابوبکر کے اہل و عیال اور مہمان انتظار میں رہے

ھ آپ نے دبر کر دی اور مہمان انتظار میں رہ گئے۔
ھ یہ میرا غصہ اور قسم اٹھانا شیطان کی طرف سے تھا ہم اس سے باز آتے ہیں۔
ھ آپ کی قسم یا تو مقید تھی کہ اس وقت نہیں کھاؤں گا یا اس جہت سے نہیں کھاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک فرمان ہے کوئی آدمی خیر کے خلاف قسم اٹھا لے تو وہ قسم توڑ دے، کفارہ ادا کرے اور وہ نیکی کا کام بھی کر لے۔
ھ بنی فراس، فاء کے نیچے زیر۔ یہ قبیلہ کا نام ہے اس خاتون کا اسم گرامی ام رومان ہے۔
ھ یہاں مراد سیدنا ابوبکر ہیں۔ بعض نے کہا مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ قرۃ العین سے خوشی اور محبوب کا دیکھنا مراد ہے کیونکہ یہ یا تو قُرّۃ بالضم بمعنی ٹھنڈک یا قر بالفتح بمعنی محبوب کو دیکھنے سے آنکھ کا ٹھنڈک پانا مراد ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۶۹۳ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِیُّ کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّہٗ لَا یَزَالُ یُرٰی عَلٰی قَبْرِہٖ نُوْرٌ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب نجاشی[۱] نے وفات پائی تو ہم سوچا کرتے تھے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا رہتا ہے[۲] (ابوداؤد)

[۱] نجاشی، جیم مخفف، یاء ساکنہ، حبشہ کا بادشاہ، نصرانی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، حبشہ میں ہی فوت ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔
[۲] ظاہر یہی ہے کہ اس سے نور حسی مراد ہے جیسے نور چراغ یا مادہ آفتاب یا مشاہدہ قبر اور اس کی زیارت سے جو دلوں میں نور و اطمینان پیدا ہوتا ہے وہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

۵۶۹۴ وَعَنْھَا قَالَتْ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لَا نَدْرِیْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِیَابِہٖ کَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُہٗ وَعَلَیْہِ ثِیَابُہٗ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَی اللّٰہُ عَلَیْھِمُ النَّوْمَ حَتّٰی مَا مِنْھُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُہٗ فِیْ صَدْرِہٖ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ مُکَلِّمٌ

انہی سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو بولے ہم کو خبر نہیں کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتار دیں جیسے کہ ہم اپنے مردوں کو برہنہ کرتے ہیں یا ہم اسی طرح آپ کو غسل دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑے ہوں جب ان میں اختلاف[۱] ہوا تو اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ حتیٰ کہ ان میں کوئی شخص نہ تھا مگر اس کی ٹھوڑی اس کے سینے میں تھی پھر گھر کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دراصل معجزہ ہوتی ہیں (کما قالوا)

۵۶۹۷ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سعید[1] ابن العزیز سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب جنگ حرہ[2] کا زمانہ ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن نہ اذان کی گئی نہ تکبیر[3] کہی گئی اور سعید ابن مسیب[4] مسجد سے نہ ہٹے وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایک گنگناہٹ[5] سے جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے سنتے تھے۔ (دارمی)

[1] یہ امام اوزاعی (جو کہ اہل شام کے امام تھے) کے اور ہیں فقیہ اہل شام تھے۔ امام احمد کا قول ہے کہ شام میں اوزاعی اور ان سے بڑھ کر حدیث میں صحیح تر کوئی نہیں اور یہ دونوں برابر ہیں اور میرے نزدیک ثقہ ثبت اور تبع تابعین میں سے ہیں۔

[2] حرہ، حاء پر زبر، را مشدد، سخت زمین، اس سے مراد زمین مدینہ ہے۔ واقعہ حرہ سے مراد وہ واقعہ ہے جب یزید نے مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کی تھی۔ اس کی مناسبت اس قدر ہے کہ اس کا بیان ہی مناسب نہیں۔ ہاں اس کا کچھ حصہ تاریخ مدینہ میں بیان ہوا ہے اس کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے۔

[3] تین دن تک کوئی نمازی مسجد نبوی میں نہ آسکا۔

[4] سعید بن مسیب، کبار تابعین میں سے ہیں

[5] ھاء اور میم مکرر بروزن دحرجۃ وہ آواز جو سمجھ نہ آئے۔ صراح میں اس کا معنی ہے سینہ کے اندر آواز۔

۵۶۹۸/۹ وَعَنْ اَبِيْ خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي الْعَالِيَةِ سَمِعَ اَنَسٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَهُ عَشْرَ سِنِيْنَ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لَهُ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ وَكَانَ فِيْهَا رَيْحَانٌ يَجِيْءُ مِنْهُ رِيْحُ الْمِسْكِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو خلدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ[2] سے کہا کہ کیا حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے، فرمایا انہوں نے دس[3] سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی ہے ان کا ایک باغ تھا جو ہر سال میں دو بار میوہ[4] دیتا تھا اور اس باغ میں ایک گھاس تھی جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی (ترمذی، اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے)۔

سلہ ابو خلدہ، خاء پر زبر، لام ساکن، ان کا اسم گرامی خالد بن دینار ہے یہ تابعی ہیں۔
سلہ ابو العالیہ، کبار تابعین میں سے ہیں
سلہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال تھی، ان کی والدہ ماجدہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں اور وہ تا وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔
سلہ یہ بھی منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عمر مال اور اولاد میں برکت کی دعا کی تو ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی، ان کی اولاد ایک صد اور ستر ہوئی۔ ان کے بیٹے تین اور ستائیس بیٹیاں تھیں۔ مال میں وہ برکت ہوئی جس کا ذکر روایت میں ہے اور اس کا ذکر اس لیے کر دیا کہ خرقِ عادت میں واضح تھا۔
یہ تمام کرامات سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت ہیں یہ ساری برکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہوئی۔

الفصل الثالث

۵۶۹۹ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ خَاصَمَتْهُ اَرْوٰى بِنْتُ اَوْسٍ اِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَادَّعَتْ اَنَّهٗ اَخَذَ شَيْئًا مِّنْ اَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا كُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِيْ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ اللّٰهُ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ فَقَالَ لَهٗ مَرْوَانُ لَا اَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِيْ اَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ اَرْضِهَا

تیسری فصل

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعید بن زید ابن عمرو ابن نفیل سے اروی بنت اوس نے مروان ابن حکم کی کچہری میں جھگڑا (مقدمہ) کیا اور دعوی کیا کہ انھوں نے اس کی زمین کا ایک حصہ لے لیا ہے تو سعید نے کہا کہ کیا میں اس کی زمین کا کچھ حصہ لے سکتا ہوں اس کے بعد کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں۔ مروان نے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً لے لے تو سات زمین تک کی زمین گلے میں طوق ڈال دی جائے گی ان سے مروان نے کہا کہ اس کے بعد میں تم سے کوئی دلیل نہیں مانگتا تو سعید نے کہا انھیں اگر یہ جھوٹی ہو اس کی آنکھیں اندھی کر دے اور اسے اس کی زمین میں مار دے راوی نے فرمایا کہ وہ نہ مری حتی کہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں اور جب وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ وہ ایک

إِذْ وَقَعَتْ فِي حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَإِنَّهُ رَآهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُولُ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعِيدٍ وَإِنَّهَا مَرَّتْ عَلَى بِئْرٍ فِي الدَّارِ الَّتِي خَاصَمَتْهُ فِيهَا فَوَقَعَتْ فِيهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا

گڑھے میں گر کر مر گئی (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں محمد[7] ابن زید ابن عبداللہ ابن عمرو سے اس کے معنی[8] مروی ہیں کہ انھوں نے اسے اندھا دیکھا جو دیواریں ٹٹولتی تھی کہ مجھے سعید کی دعا لگ گئی اور وہ اس کنوئیں پر گزری جو اس گھر میں تھا جس کے بارے میں اس نے سعید سے جھگڑا کیا تھا تو وہ اس میں گر گئی تھی وہ ہی اس کی قبر بن گئی۔

۱؎ عروہ، کبار تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، نون پر پیش، فاء پر زبر، سعید بن زید بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فاطمہ کے شوہر ہیں۔ مستجاب الدعوات تھے۔

۳؎ اروی۔ ہمزہ پر زبر، راساکن، واو پر زبر۔

۴؎ بنت اوس، ہمزہ پر زبر، واو ساکن مشکوٰۃ کے نسخوں میں اس طرح ہے اور جامع الاصول میں ہے کہ کہ مجھے یہ نہیں ملیں نہ صحابہ میں نہ تابعین میں۔

۵؎ مروان۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔

۶؎ آپ پر قسم لازم آرہی تھی لیکن میں اس حدیث کی بناء پر تمھیں سچا مانتا ہوں۔ یمین کے بجائے یہاں ذکر گواہوں کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں تم سے گواہ طلب نہیں کرتا۔

۷؎ محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر، تابعی مدنی صدوق ہیں۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا یہ اپنے دادا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے اور اعمش اور معمر نے روایت لی ہے۔

۸؎ مفہوم ایک ہی ہے ہاں الفاظ مختلف ہیں۔

۵۷۰۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا يُدْعٰى سَارِيَةَ فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيحُ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ فَقَدِمَ رَسُولٌ مِّنَ الْجَيْشِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَقِيَنَا عَدُوَّنَا فَهَزَمُونَا فَإِذَا بِصَائِحٍ يَصِيحُ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ فَأَسْنَدْنَا ظُهُورَنَا إِلَى الْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ جناب عمر نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا جنھیں ساریہ کہا جاتا تھا تو جبکہ جناب عمر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک چیخنے لگے۔ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔ پھر لشکر سے ایک قاصد آیا بولا اے امیرالمومنین ہم کو ہمارا دشمن ملا انھوں نے ہم کو بھگا دیا تو کوئی چیخنے والا بولا اے ساریہ پہاڑ کو لو ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ کی طرف لگائیں

اللہ تعالیٰ
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ)

تب انھیں اللہ تعالیٰ نے بھگا دیا۔
(بیہقی دلائل النبوۃ)

۱ بعض روایات میں جبل کا لفظ مکرر ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ سے کشف ہوا حالانکہ حضرت ساریہ نہاوند میں تھے۔

۵۷۰۱/۱۲ وَعَنْ نُبَیْہَۃَ بْنِ وَھْبٍ اَنَّ کَعْبًا دَخَلَ عَلٰی عَائِشَۃَ فَذَکَرُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَعْبٌ مَا مِنْ یَوْمٍ یَطْلُعُ اِلَّا نَزَلَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ حَتّٰی یَحُفُّوْا بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضْرِبُوْنَ بِاَجْنِحَتِہِمْ وَیُصَلُّوْنَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِذَا اَمْسَوْا عَرَجُوْا وَھَبَطَ مِثْلُھُمْ فَصَنَعُوْا مِثْلَ ذٰلِکَ حَتّٰی اِذَا انْشَقَّتْ عَنْہُ الْاَرْضُ خَرَجَ فِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ یَزِفُّوْنَ
(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت نبیہہ[۱] ابن وہب[۲] سے روایت ہے کہ کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو جناب کعب بولے نہیں ہے کوئی دن مگر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب شام پاتے ہیں تو وہ چڑھ جاتے ہیں اور ان کی مثل[۳] اترتے ہیں وہ بھی اسی طرح کرتے[۴] ہیں حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین کھلے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں میں نکلیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں گے[۵] (دارمی)

۱ نبیہۃ، نون پر پیش، باء پر زبر، مشکوٰۃ کے نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اسماء رجال کی کتب میں بغیر تاء کے ہے اور یہی صواب ہے۔

۲ بن وہب، واؤ پر زبر، ہاء ساکن تابعی ہیں یہ شیبہ بن عثمان حجبی کے بھتیجے ہیں۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا۔ بعض نے ان کے بارے لاباس کہا ہے (ان میں کوئی حرج نہیں)

۳ ستر ہزار فرشتے۔

۴ برائے طواف مزار عالی، اپنے پروں کو مس کرنا اور درود شریف بھیجنا۔

۵ زفاف، جلدی چلنا اور دلہن کا شوہر کے گھر جانا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے زاء کے نیچے زیر ہے۔ ثانی معنی کی بناء پر پیش ہے۔ اس سے مراد محبوب کا حبیب کی طرف جانا ہے۔ گویا حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرشتوں کو دیکھا۔ ہوسکتا ہے سابقہ کتب سماویہ سے منقول ہو تب کرامت نہ ہوگی۔

باب

اکثر نسخے اسی طرح ہیں۔ بغیر عنوان کے باب ہے کچھ نسخوں میں باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ اولیٰ واظہر ہے ،کیونکہ مولف کی عادت یہ ہے کہ ذکر موافق اور متمات ابواب کے لیے مطلقاً باب کا ذکر کر دیتے ہیں ،یہاں معاملہ یہ نہیں بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے متعلق مباحث ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی تھا کہ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرتے پھر بعد میں مطلقاً باب کا تذکرہ بھی ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ یہ باب عنوان کے ساتھ ہوتا اور آئندہ باب بغیر عنوان کے ساتھ ہوتا۔

واضح رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء ایسے ہوئی ۔صفر کی آخری راتوں میں سر درد شروع ہوا صفر کی ایک رات رہتی تھی یا دو راتیں ۔بعض نے کہا مرض کی ابتداء ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو ہوئی۔ امام ابن جوزی نے الوفاء میں کہا کہ ابتدائے مرض صفر کے آخر میں ہوئی اور ابھی صفر کی دو راتیں رہتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بارہ ربیع الاول کو ہوا۔ شیخ سلیمان تیمی (جو ثقہ ہیں)، ان کا جزم ہے کہ مرض کی ابتدا اوّل بروز شنبہ ہوئی اور اس دن صفر کی بائیس تاریخ تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بروز سوموار دو ربیع الاول کو ہوا۔ واللہ اعلم۔ اس قول کو اہل علم نے ترجیح دی ہے۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال تین رمضان کو ہوا اور اس پر اتفاق ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فقط چھ ماہ زندہ رہیں۔ اس کے بعد سر درد اور بخار میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش ہو گئے اور فرمایا ہم انبیاء کے گروہ سے بڑھ کر کسی پر سخت آزمائش نہیں آتی لہٰذا ہمارا اجر بھی زیادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ یا گیارہ دن (کیونکہ ابتداء مرض میں اختلاف ہے) بیمار رہے دوران مرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس غلام آزاد فرمائے۔ تین دن کے علاوہ باقی نمازیں صحابہ کے ساتھ ادا کیں بعض سے منقول ہے کہ ستر نمازوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا وہ صحابہ کو جماعت کروائیں۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے نماز ادا کی اور فرمایا میں تمہیں الوداع کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر رہا ہوں تم پر میرے بعد اللہ تعالیٰ ہے۔ میری طرف سے یہ نصیحت ہے کہ اس کا تقویٰ اختیار کرو اور اسی طرح اطاعت کرو جس طرح میں نے زندگی میں کی ہے اور اب میں تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ اس بارے میں روایات متعارض ہیں کہ اس نماز میں ابوبکر امام تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی امتی کے پیچھے نماز ادا نہیں کی۔ ہاں دورانِ سفر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے ایک رکعت ادا فرمائی۔ مرض وصال میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب جمعرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ بڑھ گیا تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو فرمایا بکری کے کندھے کی ہڈی یا تختی لاؤ تاکہ ابو بکر کے بارے میں تحریر کر دوں جب وہ لینے جانے لگے تو فرمایا نہ لاؤ ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ اہل ایمان ابو بکر کے بارے میں اختلاف کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے فرمایا۔ میں جانتا ہوں پسران عبدالمطلب کا رویہ موت کے وقت کیا ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض سے نہیں اٹھیں گے۔ تم جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تمھیں علم نہیں اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیا تو لوگ کہیں گے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیا تو پھر وہ کبھی نہیں دیں گے لہٰذا میں ہرگز مطالبہ نہیں کروں گا۔ مرض میں یہ واقعہ بھی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے وہ بھی صدقہ کر دیئے تاکہ کوئی چیز باقی نہ رہے۔ مرض کے دوران جس بارے میں زیادہ اور بار بار وصیت فرمائی وہ نماز کا اہتمام اور ملازمین کا احسان تھا۔ امام دمیری نے حیوۃ الحیوان میں نقل کیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا شک گزرا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے کیونکہ مہر نبوت اٹھا لی گئی ہے ایک روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے میں نے وصال کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس پر ہاتھ رکھا مجھ پر کئی جمعے گزرے میں کھانا بھی کھاتی ہوں ہاتھ دھوتی بھی ہوں مگر میرے ہاتھ سے خوشبو نہیں گئی۔ شواہد النبوۃ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی قوت حفظ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں میں پانی جمع تھا میں نے اسے زبان سے چوس لیا اس کی برکت سے مجھے یہ قوت حفظ نصیب ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئی کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ اس میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح وہی ہے جو حدیث عائشہ ہے لیکن قول عائشہ کہ اس میں نہ قمیص تھی اور نہ عمامہ، کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا تین کپڑوں سے مراد چادر قمیص اور عمامہ ہے کہ کل پانچ کپڑے تھے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کفن میں قمیص اور عمامہ نہ تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ تین کپڑوں سے زائد کفن مکروہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے مگر مستحب نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک مردوں کے لیے مستحب اور خواتین کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کفن تین کپڑے قبہ بند، قمیص اور لفافہ ہے۔ متاخرین احناف کے ہاں علماء کے لیے عمامہ مستحب ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تنہا تنہا ادا کی گئی کسی نے اس کی امامت نہیں کرائی۔ گروہ در گروہ لوگ حاضری دیتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزار عالی میں رکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم شقران نے قطیفہ نجرانیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا اور کہا میں نہیں چاہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسے کوئی اوڑھے۔ یہ وہ کپڑا تھا جو خیبر کے دن حاصل ہوا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کبھی اوپر اوڑھتے اور کبھی نیچے بچھایا کرتے۔

کچی اینٹوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر تیار کی گئی۔ شارحین فرماتے ہیں کہ مجموعہ کا مجموعہ اینٹ نہ تھی جب اینٹیں رکھ چکے تو قطیفہ کو باہر نکال لیا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قطیفہ وغیرہ میت کے نیچے رکھا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سطوح صورت میں بنائی گئی اور اس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا مشہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور مسنّم (اونٹ کی کوہان کی مانند) بنائی گئی۔ اس لیے قبر کو کوہان کی شکل میں بنانا مستحب ہے۔ آئمہ اربعہ اور دیگر اہل علم کی یہی رائے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک سوموار کو ہوا اور تدفین بدھ کی رات ہوئی بعض کہتے ہیں کہ آفتاب ڈوبنے کے بعد منگل کی رات ہوئی لیکن اول قول صحیح تر ہے۔ اہل بیت اور صحابہ روئے اور مرثیہ کہے۔ میں نے مرض، وصال اور تدفین کے تفصیلی حالات ایک مستقل رسالہ میں بیان کیے ہیں جس کا نام "ما ثبت فی السُّنَّۃِ مِنْ اَحْکَامِ السُّنَّۃِ" یہاں اسی قدر کافی ہیں۔

الفصل الاوّل

۵۷۰۲ عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ اَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَیْرٍ وَّابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَجَعَلَا یُقْرِئَانِنَا الْقُرْاٰنَ ثُمَّ جَاءَ عَمَّارٌ وَّبِلَالٌ وَّسَعْدٌ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ فِیْ عِشْرِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَیْتُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ فَرَحَھُمْ بِہٖ حَتّٰی رَاَیْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْیَانَ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ جَاءَ حَتّٰی قَرَاْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی فِیْ سُوَرٍ مِّثْلِھَا مِنَ الْمُفَصَّلِ

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

پہلی فصل

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو پہلے ہمارے پاس پہنچے وہ مصعب ابن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے وہ دونوں ہم کو قرآن پڑھانے لگے پھر جناب عمار و بلال اور سعد آگئے۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب بیس صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں آ پہنچے پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لائے تو میں نے مدینہ والوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی چیز سے خوش ہوئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوئے۔ حتیٰ کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو کہتے سنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے پھر آپ نہ آئے حتیٰ کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ جیسی مفصل سورتوں کے درمیان میں پڑھ چکا تھا۔

(بخاری)

۱ؔ براء ابن عازب یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے پہلے چھوٹے تھے انھوں نے رے اور قزوین فتح کیے۔ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

ساتھ شریک ہوئے۔ کوفہ میں مُصعب بن زبیر کے دور میں ان کا وصال ہوا وہ اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی جانب سے وہاں سے حاکم تھے۔

سلہ مکہ سے مدینہ یعنی انصار کے پاس آنے والے یہی دو صحابہ تھے۔ حدیث میں ہے کہ انصار کی درخواست پر مدینہ طیبہ میں تعلیم قرآن و احکام دین اور دیگر مصالح کے لیے ان دو جلیل القدر صحابہ کو روانہ فرمایا تھا۔

سلہ ولائد، ولیدہ کی جمع ہے تاء کے ساتھ دختر اور بغیر تاء کے بیٹا

سلہ یہ سورت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے سیکھی تھی۔

ھ مفصل کی تعریف کتاب الصلوٰۃ کے باب القراۃ میں آچکی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ مذکورہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور یہ بات محلِ نظر ہے جس کا ذکر میں نے شرح میں کیا ہے۔

۵۷۰۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَبَكٰى اَبُوْبَكْرٍ قَالَ فَدَيْنَاكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا فَعَجِبْنَا لَهُ فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ فَدَيْنَاكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمَنَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا کہ ایک بندے کو اللہ نے اس کا اختیار دیا کہ اسے دنیا کی تروتازگی اتنی عطا کرے جتنی وہ چاہے اور وہ نعمتیں جو اس کے پاس ہیں تو اس بندے نے اللہ کے پاس کی نعمتیں اختیار کر لیں حضرت ابوبکر رونے لگے عرض کیا آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہم نے ان پر تعجب کیا لوگ بولے ان بزرگ کو تو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں جسے اللہ نے اختیار دیا کہ اسے دنیا کی سرسبزی دے اور وہ جو اس کے پاس ہے وہ دے اور آپ کہتے ہیں کہ آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ پھر پتہ لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اختیار دیئے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ہم سب میں زیادہ علم والے تھے۔ (متفق علیہ)

سلہ وصال سے پانچ دن پہلے

سلہ بندہ سے مراد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

۵۷۰۳ وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى قَتْلٰى

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر آٹھ سال کے

اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِیْنَ کَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ فَرَطٌ وَّاَنَا عَلَیْکُمْ شَهِیْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِکُوْا کَمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

بعد نماز پڑھی ۔ زندہ مردوں کو رخصت فرمانے والوں کی طرح ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے فرمایا کہ میں تمھارے آگے پیش رو[۳] ہوں اور میں تمھارا نگران گواہ ہوں اور تمھارے وعدہ کی جگہ حوض[۴] ہے اور میں اپنی جگہ دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں[۵] عطا کی گئیں ۔ میں تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کروگے لیکن میں تم پر دنیا کا خوف کرتا ہوں کہ تم اس میں رغبت[۶] کرجاؤ اور بعض نے یہ زیادتی کی پھر تم جنگ کرو تو اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جیسے تم سے پہلے والے ہلاک ہوئے ۔ (مسلم، بخاری)

[۱] عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

[۲] زندوں سے الوداع دنیا سے رحلت کی وجہ سے ہے اور مردوں سے انقطاع دعا اور استغفار کی وجہ سے ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں کا واقعہ ہے اور نماز سے مراد نمازِ جنازہ ہے یہ مذہب احناف کی تائید ہے کیونکہ وہ شہداء پر جنازہ کے قائل ہیں ۔ شوافع چونکہ قائل نہیں اس لیے وہ اس سے دعا مراد لیتے ہیں اس کی تفصیل شرح سفرالسعادۃ میں ہے اس شرح میں بھی اپنے مقام پر بحث گزری ہے ۔

[۳] فرط سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو منزل پر پہلے جائے اور وہاں کنواں وغیرہ پر رسی اور ڈول کا انتظام کرے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دارِ آخرت میں پہلے تشریف لے جانا اس لیے تھا کہ وہاں امت کے لیے نجات و شفاعت کا انتظام فرمائیں ۔

[۴] قبول دین وطاعت پر ۔

[۵] میری اور تمھاری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی ۔

[۶] اس میں امت کے خزائن ملوک ماضیہ اور دیگر خزائن ۔ کے مالک بننے کی طرف اشارہ ہے اور خزائن معنوی سے مراد آسمان ، زمین ، ملک اور ملکوت کی چابیاں مراد ہوں گی پھر زمین کیساتھ تخصیص نہ ہوگی تنافس ، نفیس چیز میں رغبت کرنا اور منافست کسی اعلیٰ چیز میں بطور مقابلہ رغبت کرنا ۔

۵۷۰۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّیَ فِیْ بَیْتِیْ وَفِیْ یَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ پر اللہ کی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر[۱] اور میرے ان میں[۲] اور میرے گلے اور سینے[۳] کے درمیان وفات پائی

وَاَنَّ اللّٰہَ جَمَعَ بَیْنَ رِیْقِیْ وَرِیْقِہٖ عِنْدَ مَوْتِہٖ دَخَلَ عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّبِیَدِہٖ سِوَاکٌ وَّاَنَا مُسْنِدَۃٌ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَاَیْتُہٗ یَنْظُرُ اِلَیْہِ وَعَرَفْتُ اَنَّہٗ یُحِبُّ السِّوَاکَ فَقُلْتُ اٰخُذُہٗ لَکَ فَاَشَارَ بِرَاْسِہٖ اَنْ نَعَمْ فَتَنَاوَلْتُہٗ فَاشْتَدَّ عَلَیْہِ وَقُلْتُ اُلَیِّنُہٗ لَکَ فَاَشَارَ بِرَاْسِہٖ اَنْ نَعَمْ فَلَیَّنْتُہٗ فَاَمَرَّہٗ وَبَیْنَ یَدَیْہِ رَکْوَۃٌ فِیْھَا مَاءٌ فَجَعَلَ یُدْخِلُ یَدَیْہِ فِی الْمَاءِ فَیَمْسَحُ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَیَقُوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ ثُمَّ نَصَبَ یَدَہٗ فَجَعَلَ یَقُوْلُ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی حَتّٰی قُبِضَ وَمَالَتْ یَدُہٗ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

اور اللہ نے میرے تھوک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جمع فرمایا[۴] کہ میرے پاس عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق آئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ دیئے بیٹھی تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں میں پہچان گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اسے آپ کے لیے لے دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں تو میں نے وہ لے لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسواک سخت ہوئی۔ میں نے کہا کہ کیا اسے آپ کے لیے نرم کر دوں؟ تو سر مبارک سے اشارہ فرمایا ہاں۔ چنانچہ میں نے نرم کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دانتوں پر پھیرا اور آپ کے سامنے برتن تھا جس میں پانی تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے۔ پھر انھیں منہ پر پھیرنے لگے فرماتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بہت سختیاں ہیں۔ پھر اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔ پھر فرمانے لگے کہ اوپر والے ساتھیوں میں حتیٰ کہ جان شریف قبض کر لی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ جھک گیا (بخاری)

---

[۱] کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال کے دن بغیر ازواج مطہرات کی اجازت کے سیدہ عائشہ کے ہاں ہی بسر فرمائے۔

[۲] اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کے تمام دن سیدہ عائشہ کے ہاں بسر کیے۔ مگر وصال کا دن بھی انھی کا دن تھا۔

[۳] سحر، سین پر زبر، حا ساکن، سینہ اور ناک کا درمیانی حصّہ۔ کیونکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ کے ساتھ تکیہ لگایا ہوا تھا۔

[۴] اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ لعاب جمع ہوا۔ ایسا عمل ہر مرتبہ نعمت ہے خصوصًا وصال کے وقت کیونکہ اس وقت برکات کی انتہا تھی یا یہ بیان واقع ہے کہ اس وقت یہ نعمت حاصل ہوئی۔

۵۵ عبدالرحمٰن کی طرف یا مسواک کی طرف
۵۶ میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے مسواک لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی۔
۵۷ رکوہ، را پر زبر، پانی کا کوزہ
۵۸ سکرۃ۔ سین اور کاف پر زبر، شدت، غم اور غشی یہ سکر سے ہے جس کا معنی مستی کے ہیں۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا سکرات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی محسوس ہوئی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے اسے ٹھنڈا فرما رہے تھے۔ مخلوق پر بھی شدائد آتے ہیں مگر سب سے زیادہ شدت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی جو آپ کے حال کے مطابق تھی۔ سیدہ عائشہ کہا کرتیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے لمحات میں شدت دیکھ کر کبھی بھی آسان موت پر رشک نہیں کرتی۔
۵۹ ایک روایت میں ہے اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں)
۶۰ رفیق اعلیٰ سے کیا مراد ہے، بعض نے کہا اس سے مراد انبیاء ہیں جو اعلیٰ علیین میں بارگاہِ اقدس میں ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کے الفاظ ہیں۔ رفیق اسم جنس ہے یہ ایک یا زیادہ پر بولا جاتا ہے یا مراد ملاءِ اعلیٰ اور ملکوت ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ رب العزت کی ذات اقدس ہے اور اس پر رفیق کا اطلاق آیا ہے۔ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ (اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور معاملہ میں رفق کو پسند کرتا ہے) بعض روایات اس کی تائید کرتی ہیں جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مشتاق ہے وہ آپ کو اختیار دے رہا ہے دنیا کا یا اس کے پاس جانے کا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں) واللہ اعلم۔ بعض نے رفیق اعلیٰ سے مراد جنت لیا ہے۔ رفق کا معنی نرم کرنا اور نفع حاصل کرنا بھی آیا ہے تو پھر رفق سے مراد نرم جگہ ہوگی۔

۵۷۰۶ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ نَّبِیٍّ یَمْرَضُ اِلَّا خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَکَانَ فِیْ شَکْوَاهُ الَّذِیْ قُبِضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِیْدَةٌ فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ خُیِّرَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

انہیں سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں بیمار ہوتے کوئی نبی مگر انہیں دنیا و آخرت میں اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ اپنے اس مرض میں تھے جس میں وفات دیے گئے تو آپ کو سخت خراٹے نے پکڑ لیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا یعنی انبیاء و صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ تو میں نے جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا گیا ہے (مسلم، بخاری)

سلہ ان کو اختیار دے دیا گیا خواہ وہ دنیا میں رہیں یا آخرت کو پسند کرلیں۔
سلہ بعض نسخوں میں قبض فیہ کے الفاظ بھی ہیں۔
سلہ بُحَّۃٌ سین پر پیش، حاء مشدد، آواز کی سختی، صراح میں جگہ پکڑ جانا کے معنی ہیں۔
سلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمانے کو پسند فرمالیا ہے۔

۵۷۰۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَ كَرْبَ اَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلٰى اَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا اَبَتَاهُ مِنْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ يَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سخت ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے چینی چھانے لگی۔ جناب فاطمہ بولیں ہائے اباجان کی تکلیف[1] تو فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے باپ کو اب کبھی تکلیف[2] نہ ہوگی پھر جب وفات پائی تو فاطمہ بولیں ہائے ابا جان آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول کرلیا۔ ہائے ابا جان آپ کا مقام تو جنت الفردوس ہوگیا۔ ہائے ابا جان ہم جبریل کو تعزیت[3] دیتے تو جناب فاطمہ بولیں کہ اے انس! کیا تمہارے دلوں نے گوارہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو[4] (بخاری)

سلہ سخت، شدت اور مرض کی وجہ سے اس حال میں تھے۔
سلہ یہ دنیا میں ہے ورنہ آخرت میں سرور ہی سرور ہے۔
سلہ نَعْیٌ، نون پر فتحہ، عین ساکن، کسی کی موت کی خبر پہنچانا۔
سلہ متون مصحح اس طرح میں نسخہ شیخ میں التراب کا لفظ نہیں۔ حثی کسی پر مٹی ڈالنا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۷۰۸ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ بِحِرَابِهِمْ فَرَحًا لِقُدُوْمِهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ مَا رَاَيْتُ يَوْمًا قَطُّ كَانَ اَحْسَنَ وَلَا اَضْوَءَ مِنْ يَوْمٍ دَخَلَ عَلَيْنَا فِيْهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے[1] تو حبشی بچے اپنے نیزوں سے کھیلتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری[2] کی خوشی میں (ابوداؤد) اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ میں نے کوئی دن اس دن[3] سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن نہ دیکھا جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور نہ بہت تاریک دیکھا اس دن سے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا رَاَيْتُ يَوْمًا كَانَ اَقْبَحَ وَلَا اَظْلَمَ مِنْ يَوْمٍ مَاتَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِيْ دَفْنِهٖ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا۔

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب وہ دن تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو مدینہ کی ہر چیز چمک گئی ۔ پھر جب وہ دن ہوا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی اور ہم نے مٹی سے اپنے ہاتھ نہ جھاڑے حالانکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں مشغول تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو غیر پایا

لہ تمام لوگوں نے خوب خوشی کا اظہار کیا ۔

لہ جیسا کہ حبشیوں کا معمول تھا ۔ حِراب، حاء کے نیچے زیر حربہ کی جمع، چھوٹا نیزہ ۔ صراح میں ہے حربہ دستی کی لکڑی اور تازیانہ، حراب، جماعت ۔

لہ بوجہ اندوہ، مصیبت، وحشت وقلوب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت، کمالیت اور نورانیت سے محرومی کی وجہ سے ہوا ۔

لہ یا اس نور وصفائی کی طرف اشارہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدۂ وزیارت سے حاصل ہوتا ہے یا اس تفاوت کی طرف اشارہ ہے جو حضور کی غیبت اور انقطاع وحی اور فقدان نورانیت کی وجہ سے ہوا ۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ مرج البحرین میں کی ہے ۔

۵۷۰۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ اُدْفُنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں لوگوں نے اختلاف کیا تو ابوبکر صدیق نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی کہ اللہ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر اس جگہ جہاں ان کا دفن کیا جانا پسند تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کی جگہ میں ہی دفن کرو ۔ (ترمذی)

لہ جب صحابہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے تدفین میں اختلاف ہوا بعض نے مکہ معظمہ، بعض نے مدینہ طیبہ، بعض نے بقیع بیت المقدس کے بارے میں کہا، کیونکہ وہاں دیگر انبیاء کے بھی مزارات ہیں ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۷۱۰/۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ اَنَّهُ لَنْ يُّقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَرَاْسُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَاَشْخَصَ بَصَرَهٗ اِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى قُلْتُ اِذَنْ لَّا يَخْتَارُنَا قَالَتْ وَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهٖ وَهُوَ صَحِيْحٌ فِيْ قَوْلِهٖ اَنَّهُ لَنْ يُّقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ اٰخِرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تندرستی میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو وفات نہیں دیتا حتی کہ انھیں ان کا جنتی مقام[1] دکھا دیا جائے پھر انھیں اختیار دے دیا جاتا ہے[2]۔ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع[3] طاری ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری ران پر تھا تو آپ پر غشی آگئی۔ پھر افاقہ ہوا تو اپنی نظر چھت کی طرف اٹھائی[4] پھر فرمایا الٰہی میں نے اوپر والے ساتھی کو قبول کیا۔ میں بولی کہ اب حضور ہمیں اختیار نہیں کریں گے۔ فرماتی ہیں کہ میں پہچان گئی کہ یہ وہ ہی حدیث ہے جس کی حضور اپنی تندرستی میں خبر دیتے تھے اس فرمان کے متعلق کہ کوئی نبی وفات نہیں دیا جاتا حتی کہ اس کو اس کا جنتی مقام دکھا دیا جاتا ہے۔ پھر اختیار دیا جاتا ہے جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری بات جو حضور نے کی وہ یہ ہی تھی کہ میں نے اوپر کے ساتھی قبول کیے۔ (مسلم، بخاری)

[1] یُرٰی۔ یاء پر زبر بھی آتی ہے یعنی پیغمبر جنت میں اپنے مقام کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

[2] خواہ وہ دنیا کو اختیار کریں یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کو یہ اختیار ان کے شرف عزت کے اظہار جو انھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاصل ہے ورنہ حکم تو اٹل ہے اور انبیاء بھی اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔

[3] نزل، نون پر پیش، زا کے نیچے زیر، دونوں پر فتحہ بھی ہے۔ ایک روایت میں نزلت ہے، یعنی موت کا نزول۔

[4] یہ جنت کی طرف دیکھنا تھا اور اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى کا جملہ اختیار پر جواب دینا تھا۔ اس سے رفیق اعلیٰ سے بہشت مراد ہونے پر تائید لائی جا سکتی ہے۔

۵۷۱۱/۱۰ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ

انھیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں فرماتے تھے جس میں

مَاتَ فِيهِ يَا عَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وفات پائی کہ اے عائشہ میں اس کھانے کا اثر پاتا رہتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا[1] اور یہ وہ وقت ہے کہ میں اپنے دل کی رگ کا[2] ٹوٹنا اس زہر سے محسوس کر رہا ہوں۔ (بخاری)

[1] بکری کا گوشت جس میں زہر ملایا گیا تھا۔ اگرچہ ظہور معجزہ کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید نہ کر سکا مگر گاہے گاہے اس کی تکلیف کا اظہار ہوتا۔

[2] ابہر، ہمزہ پر زبر، باء ساکن، ہاء پر زبر رگ دل۔ صراح، قاموس میں ہے کہ ابہر سے مراد پشت اور گردن کی رگیں ہیں چونکہ ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے اس لیے انھیں دل کی رگیں بھی کہا جاتا ہے۔ ظاہرًا حکمت الٰہی یہی تھی کہ بوقت وصال زہر کا اثر ظاہر ہو تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مرتبہ شہادت حاصل ہو جائے جیسا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شہادت اس زہر سے ہوئی تھی، جو سانپ نے انھیں غار ثور میں کاٹا تھا۔

۵۷۱۲ / ۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا كَانَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا عَنِّي قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ وَفِي رِوَايَةِ سُلَيْمَانَ ابْنِ أَبِي مُسْلِمٍ

ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وفات قریب آیا اور گھر میں کچھ لوگ[1] تھے۔ جن میں حضرت عمر ابن خطاب بھی تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی نہ بہکو گے تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ پر تکلیف[2] کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے تم کو اللہ کی کتاب کافی ہے گھر والے اختلاف کر بیٹھے جھگڑنے لگے بعض کہتے تھے کہ پیش کرو[3] تاکہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر لکھ دیں۔ بعض تھے جو وہی کہتے تھے جو حضرت عمر نے کہا پھر جب انھوں نے شور[4] اور اختلاف زیادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ پوری مصیبت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریر فرمانے کے درمیان حائل ہو گئی ان کے اختلاف اور ان کے شور[5] کی وجہ سے اور سلیمان بن ابی مسلم

بنِ الْاَحْوَلِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصٰى قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِكَتِفٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَانُهُ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يُرَدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِيْ ذَرُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَهَا فَنَسِيْتُهَا قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

احول[۱] کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہائے جمعرات[۱] کا دن اور کیا ہی تھا جمعرات کا دن پھر آپ روئے حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں نے کنکر تر کر دیئے میں نے کہا اے ابن عباس جمعرات[۱] کا دن کیا ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی بیماری سخت ہو گئی تو فرمایا کہ میرے پاس کندھے کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد کبھی بہکو گے[۲] نہیں مگر لوگ جھگڑ پڑے۔ نبی کے پاس جھگڑا نہیں چاہیئے[۳] تو لوگ بولے کہ حضور کا خیال مبارک کیا ہے۔ کیا آپ پریشان[۴] باتیں کر رہے ہیں۔ آپ سے پوچھ لو جنانچہ وہ آپ سے بار بار پوچھنے لگے تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو جس میں میں مشغول ہوں وہ اس[۵] سے اچھا ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ پھر ان کو تین چیزوں کا حکم دیا مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکالو[۶] وفود کو ان کا حق دو جیسا کہ ہم انہیں دیا کرتے تھے اور تیسری[۷] سے خاموشی فرمائی یا حضور نے وہ بات کہی مگر بھول گیا۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ سلیمان کا قول ہے۔

۱؎ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال کے ایام ہیں اور یہ جمعرات کا روز تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال سوموار کو ہوا۔

۲؎ سنت بھی اس کے تابع اور اس کی تفسیر ہے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے حوالے سے کسی ایک صحابی کا تعین چاہا تھا تاکہ صحابہ کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ بعض نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمات احکام کی تفصیل وتلخیص لکھوانا چاہتے تھے تاکہ منصوص پر اتفاق رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف ودرد کا احساس کرتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم لطور لازم وفرض نہیں بلکہ برائے مصلحت صحابہ ہے اگر کر لیں تو بہتر ورنہ ان کی مرضی کہ۔ اور یہ معمول تھا کہ اگر حکم لازم نہ ہوتا تو صحابہ کو اس میں اجازت دی جاتی اور اگر حکم لازمی ہوتا تو پھر انہیں اجازت نہ دی جاتی بلکہ انہیں پابند کر دیا جاتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ محسوس کیا کہ شاید یہ معاملہ صحابہ پر شاق وسخت ہو اور ان کے لیے کہیں موجب امتحان وآزمائش نہ ہو اس وجہ سے انہوں نے کہا اس کا ترک ہی اولیٰ ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے ترک فرما دیا

اس کی مثال وہی ہے جو ابتداءً کتاب میں گزری کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا جاؤ اعلان کردو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے انھیں روک دیا لوگ اسی پر تکیہ کرکے عمل میں سستی کریں گے ۔ ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً نہیں فرمایا تھا بلکہ بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا تھا کہ تحریر فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کچھ لوگ اس طرف راغب نہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک فرمادیا تھا۔ قاضی عیاض نے شفا میں اسی طرح بیان فرمایا۔ واللہ اعلم ۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ نے اہل علم سے نقل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھ دی جائے ۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اہل ایمان زیادتی نہیں کریں گے چنانچہ فرمایا یَأْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ (اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ ہر ایک کا انکار کریں گے) جیسا کہ فصل ثالث میں حدیث بخاری میں آرہا ہے شیعہ کا یہ کہنا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت لکھ کر دینا تھا تناقض و تضاد سے خالی نہیں کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ غدیر خم کے مقام پر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ کے لیے خلیفہ نص صریح کے ساتھ بنا دیا گیا تھا تو اب دوبارہ لکھنے کی کیا ضرورت ؟ اس پر تفصیلی بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں آئے گی

سے اسباب کتابت لاؤ تاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحریر فرمادیں ۔

ے لغط، لام پر زبر، غین پر زبر، ساکن بھی آیا ہے ۔ طا، آواز یا ایسی آواز جو سمجھ نہ آرہی ہو۔

ہ کاش یہ اختلاف و شور نہ ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحریر فرمادیتے اور امت میں اختلاف نہ ہوتا۔ از بر بر وزن خطیئۃ مصیبت از راہ جماعت

ے جو کہ ثقہ ہیں اور امام ہیں انھوں نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کیا۔

ے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اس دن ہوا تھا۔

ہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ابن سلیمان احول ہیں لیکن ایسا نہیں بلکہ یہ قائل حضرت ابن سعید بن جبیر ہیں جن سے سلیمان احول نے روایت کی اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ۔ جیسا کہ کلام بخاری کے سیاق سے واضح ہے ۔

۹ے شارحین کہتے ہیں کہ یہ عبارت بتارہی ہے کہ اس سے مراد تفصیلی احکام تھے ۔

نلہ یہ الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہیں جو بطور ادراج ہیں ۔ بعض کی رائے کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی ہیں۔

لہ بعض صحابہ کرام نے کہا آپ کا کیا حال ہے؟ اور آپکو کیا ہوا ہے؟ کیا آپکا کلام مخلوط ہے ؟ کیا آپکا کلام بیماری کی وجہ سے مخلوط مخلوط ہو گیا ہے ؟ یہ ان حضرات کا انکار ہے جو کہنے تھے نہ لکھو، یعنی آپ لکھنے سے کیوں منع کرتے ہیں ؟ کیا آپ کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

کلام مخلوط ہو چکا ہے ہمیں عقیدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ ھجر کا معنی فحش اور بذیان بھی آیا ہے۔ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محال ہے لہٰذا آپکو لکھنے دیں۔ یہ کلام استفہام انکاری پر محمول ہے۔ اگر بعض روایات میں حرف استفہام مذکور نہ ہو تو مقدر ہے۔

۱۲ حق کی طرف مراقبہ اور اس کی ملاقات کی طرف متوجہ ہونا، اس تمہارے معاملے سے کہیں بہتر ہے۔

۱۳ سفراء کو تنگ نہ کرنا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔

۱۴ وہ تیسرا لشکر اسامہ کا معاملہ تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیار فرما رہے تھے اور ان دنوں مرض شروع ہو گیا یا قبر پرستی کا معاملہ تھا جیسا کہ فرمایا میری قبر کی پوجا نہ کرنا۔

۵۷۱۲ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيكِ أَمَا تَعْلَمِيْنَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي لَا أَبْكِي أَنِّي لَا أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالَى خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ أَبْكِي إِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے جناب عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا کہ ہم کو ام ایمن[۱] کے پاس لے چلو ہم ان کی ملاقات کریں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات فرماتے تھے تو جب ہم ان تک پہنچے تو وہ رونے[۲] لگیں۔ ان سے ابوبکر صدیق نے کہا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ کیا آپ نہیں جانتی کہ اللہ کے پاس کی نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہتر ہیں وہ بولیں کہ میں اس لیے نہیں روتی کہ میں یہ نہیں جانتی کہ اللہ کے پاس کی نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہتر ہیں مگر میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنا بند ہو گئی انھوں نے ان دونوں کو بھی رونے پر بھڑکا دیا وہ دونوں بھی اُن کے ساتھ رونے لگے۔ (مسلم)

۱ ام ایمن، ہمزہ پر زبر، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد شدہ خادمہ تھیں جو والد ماجد کی طرف سے آپ کو بطور ورثہ ملی تھیں۔ یہ زید بن حارثہ کی بیوی اور اسامہ بن زید کی والدہ ہیں۔

۲ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ بعض نسخوں میں تثنیہ کا لفظ ہے پھر دو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی مراد ہوں گے۔

۳ درجات و ثواب

۵۷۱۳ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں

فِی مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ وَنَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ عَاصِبًا رَأْسَہٗ بِخِرْقَۃٍ حَتّٰی اَھْوٰی نَحْوَ الْمِنْبَرِ فَاسْتَوٰی عَلَیْہِ وَاتَّبَعْنَاہُ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مَّقَامِیْ ھٰذَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَیْہِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُھَا فَاخْتَارَ الْاٰخِرَۃَ قَالَ فَلَمْ یَفْطِنْ لَھَا اَحَدٌ غَیْرَ اَبِیْ بَکْرٍ فَذَرَفَتْ عَیْنَاہُ فَبَکٰی ثُمَّ قَالَ بَلْ نَفْدِیْکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَاَنْفُسِنَا وَاَمْوَالِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ثُمَّ ھَبَطَ فَمَا قَامَ عَلَیْہِ حَتَّی السَّاعَۃِ۔ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

ہمارے سامنے آئے جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ ہم لوگ مسجد میں تھے۔ آپ ایک کپڑے[1] سے پٹی باندھے آئے حتی کہ منبر کی طرف تشریف لے گئے۔ اس پر جلوہ گر ہوئے ہم حضور کے پیچھے ہو گئے۔ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ میں اپنی اس جگہ سے حوض دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ایک بندہ پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی تو اس نے آخرت کو اختیار کر لیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے ابوبکر کے کوئی نہیں سمجھا[3] تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں پھر عرض کیا ہم آپ پر اپنے ماں باپ اپنی جانیں اپنے مال[4] فدا کریں گے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترے پھر منبر پر اس گھڑی[5] تک نہ کھڑے ہوئے۔ (دارمی)

[1] عصب، سر پر کپڑا باندھنا، عصابہ، سربند، کپڑے کا ٹکڑا

[2] بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبریل امین آئے اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم دنیا چاہو تو ہم دنیا کو تمہارے سپرد کرتے ہیں اور پہاڑ سونے اور چاندی کے بنا دیتے ہیں اور تمہارے ثواب و درجات میں بھی کمی نہیں آئے گی اور اگر چاہو تو میرے پاس آجاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اقدس نیچے جھکا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم نے عرض کیا حضور چند روز یہاں اور زیادہ ٹھہر جائیں تاکہ آپ کی بدولت ہم نفع حاصل کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کی طرف دیکھا اور سمجھ گئے کہ مقصود کیا ہے۔ فرمایا میں یہی چاہتا کہ وہاں ہی چلا جاؤں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا۔

[3] یفطن، یاء پر زبر، فا ساکن از فطنت، دانا ہونا، زیرکی اور کلام غیر کا سمجھنا۔

[4] یہ پھر جمال محمدی کے عاشق صادق نے کہا

[5] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منبر شریف پر آخری تشریف آوری تھی۔

۵۷۱۵
۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاطِمَۃَ قَالَ نُعِیَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ فَبَکَتْ قَالَ لَا تَبْکِیْ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کو بلایا فرمایا مجھے اپنی موت کی خبر دے[1] دی گئی ہے وہ روئیں[2] تو فرمایا مت روؤ

فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكَتْ فَرَاٰهَا بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ يَا فَاطِمَةُ رَاَيْنَاكِ بَكَيْتِ ثُمَّ ضَحِكْتِ قَالَتْ اِنَّهٗ اَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ قَدْ نُعِيَتْ اِلَيْهِ نَفْسُهٗ فَبَكَيْتُ فَقَالَ لَا تَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكْتُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَجَآءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَالْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

کیونکہ میرے گھر والوں میں سے پہلے مجھ سے تم ملوگی[۳] آپ ہنس پڑیں ۔ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں[۴] نے دیکھ لیا وہ بولیں اے فاطمہ ہم نے تم کو دیکھا کہ تم روئیں پھر ہنس پڑیں ۔ آپ بولیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ آپ کو آپ کی وفات کی خبر دی گئی تو میں رونے لگی تو فرمایا مت روؤ کیونکہ تم میرے سب گھر والوں سے پہلے مجھے[۵] ملوگی تو میں ہنس پڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ اور یمن[۶] والے آئے وہ دلوں کے نرم[۷] ہیں، ایمان[۸] تو یمن والوں کا ہے اور حکمت یمن[۹] والوں کی ۔ دارمی)

سلہ اس سورت نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اور مجھے تسبیح تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جو بتا رہا ہے کہ دعوت کا کام مکمل اور آخرت کی طرف رجوع کی تیاری ہے ۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے ۔

سلہ سب سے پہلے تیرا وصال ہوگا اور تم مجھ سے ملوگی لہٰذا تمھارا تکلیف کا دور بہت کم ہے ۔ اسی طرح ہوا، سیدہ کا وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بقول صحیح چھ ماہ بعد ہوگیا ۔ ایک قول میں آٹھ ماہ ، دوسرے میں تین ماہ اور دو ماہ کا تذکرہ بھی آیا ہے ۔ بعض نے ستر روز بھی کہا ہے ۔

سلہ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں ۔ بعض روایات میں ان کا نام موجود ہے ۔ اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ متعدد تھیں ۔

سلہ بعض میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہیں بتاتی تھیں ۔ فرمایا کرتیں یہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہے ۔ ہاں آپ کے وصال کے بعد انھوں نے بتایا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھیں مخفی طور پر بتایا تھا ۔

سلہ اہل یمن سے مراد حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی ، مقصود اللہ تعالیٰ کے فرمان وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کی تفسیر ہے کہ ناس سے مراد اہل یمن ہیں ۔ اس کے بعد اہل یمن کی مدح فرمائی ۔

سلہ اجابت و قبول احکام اور تذکرۂ مواعظ میں وہ نرم دل ہیں ۔

سلہ یہ اہل یمن کے کمال کی طرف اشارہ ہے جو انھیں ایمان ، اطاعت کی وجہ سے ہوا ۔ ان کی مدح

میں مبالغہ ہے۔

۹ ؎ حکمت سے مراد اشیاء کے حقائق اور ان کے احوال میں یمن کی طرف اشارہ کا مقصود یہ ہے کہ مبداء و معاد، حقائق و معارف کے حوالے سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سوالات کیے تھے۔ جیساکہ کتاب بدأ الخلق میں گزرا۔ بعض نے کہا ایمان و حکمت کی یمن کی طرف نسبت کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ایمان مکہ سے پیدا ہوا اور مکہ تہامہ سے ہے اور تہامہ یمن سے ہے۔ منقول ہے کہ یہ کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر فرمایا جو جانب شام میں ہے۔ مکہ و مدینہ وہاں سے یمن کی طرف ہیں تو مراد مکہ اور مدینہ کی مدح ٹھہری مخفی نہ رہے کہ اس حدیث کا سیاق بتا رہا ہے کہ یہ گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال میں فرمائی۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے راوی حدیث نے ایک دوسری حدیث کے الفاظ تقریب کی وجہ سے یہاں ذکر کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوعبیدہ کا کہنا یہ ہے کہ مراد انصار ہیں کہ وہ اصلاً یمنی ہیں تو ایمان و حکمت کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے۔ صاحب فتوحات مکیہ نے حدیث اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ (میں یمن سے رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں) کو اس پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ اہل شرک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام انصار کی وجہ سے حاصل ہوا۔

۵۷۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ وَا رَاْسَاهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكِ لَوْ كَانَ وَاَنَا حَيٌّ فَاَسْتَغْفِرُ لَكِ وَاَدْعُوْ لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَاثُكْلِيَاهُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِيْ فَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ لَظَلِلْتَ اٰخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ اَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَنَا وَا رَاْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْ اَرَدْتُّ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَابْنِهٖ وَاَعْهَدَ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ اَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَاْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ يَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَاْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ہائے میرا سر ۱ ؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ ہو گیا کہ میں زندہ ہوا تو تمھارے لیے دعاءِ مغفرت کروں گا تو جناب عائشہ بولیں ہائے ہلاکت ۲ ؎، رب کی قسم میں آپ کے رب کے متعلق گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت چاہتے ۳ ؎ ہیں اگر ایسا ہو گیا تو آپ اس دن کے آخر میں اپنی بعض بیویوں ۴ ؎ سے آرام فرمائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ ہائے میرا سر ۵ ؎ میں نے قصد یا ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے ۶ ؎ کو بلاؤں اور ولی عہد کر دوں اس خطرہ سے کہ کہنے والے کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا کریں۔ پھر میں نے سوچا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان دفع کریں گے یا اللہ دفع کرے گا اور مسلمان ۷ ؎ انکار کریں گے (بخاری)

۱ ؎ سیدہ عائشہ کے سر میں درد ہوا انھوں نے اس پر پریشانی کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس مراد ہے جس سے اپنے وصال کی طرف اشارہ ہے۔

سلہ ثُکل، ثاء پر زبر یا پیش، اس کا معنی مرنا اور ہلاک ہونا ہے، دوست یا اولاد کا گم ہونا، یہاں موت مراد ہے۔ مرض کا ذکر بھی موت کی یاد دلاتا ہے۔ یہ کلمہ عربوں کے ہاں مصیبت و مشقت کے وقت بولا جاتا ہے اور اس سے حقیقی مرنا مراد نہیں ہوتا۔

سلہ بوجہ جوان کے درمیان ناز و نیاز محبت تھا۔

سلہ صراح میں ہے عرس، اعراس، جماع کرنا، حدیث میں اعراس کا لفظ تقدیس سے ہے جس کا معنی شب کے آخری حصہ میں آنا۔ مقصود یہ تھا کہ آپ جسے بھول جائیں گے اور دیگر کے ساتھ مشغول ہو جائیں گے۔

در مردنم ایں نالہ نہ از رفتن جان است   از یار جدا میشوم ایں نالہ از آنست

(مرنے میں یہ پریشانی نہیں کہ جان جا رہی ہے بلکہ پریشانی تو یہ ہے کہ یار سے جدائی ہو رہی ہے)

ھے اپنے درد کی بات چھوڑو میرے درد اور موت کی بات کرو میں اس جہان سے جا رہا ہوں تم میرے بعد کافی دیر زندہ رہوگی۔ وحی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی گئی۔ اس کے بعد آپ نے ذکر موت کی مناسبت سے خلافت ابی بکر کا تذکرہ کیا جس میں سیدہ عائشہ کو بشارت دینا مقصود تھا۔

سلہ اس سے مراد حضرت عبدالرحمن ہیں۔

سلہ اس وجہ سے نہ میں طلب کر رہا ہوں اور نہ وصیت کیونکہ میں جان رہا ہوں کہ اس کے خلاف نہیں ہوگا اور واقعۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق ہی ہوا۔

۵۷۱۴ وَعَنْهَا قَالَتْ رَجَعَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِّنْ جَنَازَةٍ مِّنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِیْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا وَاَنَا اَقُوْلُ وَارَاْسَاهُ قَالَ بَلْ اَنَا يَا عَائِشَةُ

وَمَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِیْ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ قُلْتُ لَكَاَنِّیْ بِكَ وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَرَجَعْتَ اِلٰی بَيْتِیْ فَعَرَّسْتَ فِيْهِ بِبَعْضِ نِسَائِكَ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بُدِئَ فِیْ وَجْعِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

انہیں سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے بقیع[سلہ] سے واپس ہوئے تو مجھے پایا کہ میں درد سر محسوس کرتی تھی اور کہتی تھی ہائے رے سر، فرمایا اے عائشہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے رے سر تم کو مضر نہیں اگر تم مجھ سے پہلے مر گئیں تو میں تم کو غسل دوں گا کفن پہناؤں گا اور تم پر نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔ میں بولی گویا میں آپ کو محسوس کرتی ہوں خدا کی قسم اگر آپ یہ کرتے تو آپ میرے گھر واپس آئیں گے۔ اس میں بعض بیویوں کے ساتھ آرام کریں گے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے پھر آپ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دارمی)

سلہ بقیع، مدینہ طیبہ کا قبرستان

۵۷۱۸/۱۷ وَعَنْ جَعْفَرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلاً مِّنَ الْقُرَيْشِ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ لَا اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلٰى حَدِّثْنَا عَنْ اَبِي الْقَاسِمِ قَالَ لَمَّا مَرِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ تَكْرِيْمًا لَّكَ وَتَشْرِيْفًا لَّكَ خَاصَّةً لَّكَ يَسْئَلُكَ عَمَّا هُوَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنْكَ يَقُوْلُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَجِدُنِيْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَغْمُوْمًا وَاَجِدُنِيْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَكْرُوْبًا ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّانِيْ فَقَالَ لَهٗ ذَالِكَ فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا رَدَّ اَوَّلَ يَوْمٍ ثُمَّ جَاءَهُ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَقَالَ لَهٗ كَمَا قَالَ اَوَّلَ يَوْمٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ كَمَا رَدَّ عَلَيْهِ وَجَاءَ مَعَهٗ مَلَكٌ يُّقَالُ لَهٗ اِسْمَاعِيْلُ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ كُلُّ مَلَكٍ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ فَاسْتَاْذَنَ عَلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ هٰذَا مَلَكُ الْمَوْتِ يَسْتَاْذِنُ عَلَيْكَ مَا اسْتَاْذَنَ عَلٰى اٰدَمِيٍّ قَبْلَكَ وَلَا يَسْتَاْذِنُ عَلٰى اٰدَمِيٍّ بَعْدَكَ فَقَالَ ائْذَنْ لَهٗ فَاَذِنَ لَهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ فَاِنْ اَمَرْتَنِيْ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَكَ قَبَضْتُ وَاِنْ اَمَرْتَنِيْ اَنْ اَتْرُكَهٗ تَرَكْتُهٗ فَقَالَ اَتَفْعَلُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ قَالَ نَعَمْ

حضرت جعفر ابن محمد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی آدمی ان کے والد علی ابن حسین کے پاس آیا بولا کیا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ سناؤں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہم کو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناؤ۔ وہ بولا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کے پاس جبرئیل آئے عرض کیا اے محمد مجھے اللہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے خصوصیت سے آپ کی عزت افزائی فرمانے احترام فرمانے کے لیے رب آپ سے اس کے متعلق پوچھتا ہے جو وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے کہ آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں۔ فرمایا اے جبرئیل میں اپنے آپ کو غمگین پاتا ہوں اور اپنے کو ملول پاتا ہوں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسرے دن حاضر ہوئے آپ سے یہی عرض کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا اور ان کے ساتھ ایک فرشتہ آیا جسے اسمٰعیل کہا جاتا ہے وہ ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا سردار ہے جو ہر ایک لاکھ لاکھ پر سردار ہے اس نے حضور سے اجازت مانگی پھر آپ سے اسی کے متعلق پوچھا پھر جبرئیل نے کہا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے آپ سے اجازت مانگ رہا ہے۔ اس نے آپ سے پہلے کسی انسان سے اجازت نہ مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی آدمی سے اجازت مانگے گا۔ فرمایا اسے اجازت دے دو انھوں نے اسے اجازت دے دی۔ پھر کہا اے محمد! اللہ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تو اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کی جان قبض کر لوں اور اگر آپ مجھے چھوڑنے کا حکم دیں تو اسے چھوڑ دوں تو فرمایا اے ملک الموت کیا تم یہ کام کرو گے عرض کیا ہاں

بِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاُمِرْتُ اَنْ اُطِيْعَكَ قَالَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرِيْلَ فَقَالَ جِبْرِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَلَكِ الْمَوْتِ اِمْضِ لِمَا اُمِرْتَ بِهٖ فَقَبَضَ رُوْحَهٗ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَتِ التَّعْزِيَةُ سَمِعُوْا صَوْتًا مِّنْ نَّاحِيَةِ الْبَيْتِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِّنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَّخَلَفًا مِّنْ كُلِّ هَالِكٍ وَّدَرَكًا مِّنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَاتَّقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ فَقَالَ عَلِيٌّ اَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

مجھے اسی کا حکم ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی اطاعت کروں ۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا تو جبریل نے عرض کیا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت سے فرمایا کہ جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے[۵] وہ کر گزرو چنانچہ انھوں نے آپ کی روح قبض کر لی ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور تعزیت[۶] کا وقت آگیا تو لوگوں نے گھر کے کنارہ[۷] سے آواز سنی کہ اے گھر والو تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں اللہ کی راہ میں ہر مصیبت پر صبر[۸] کرنا اور ہر فوت شدہ کا خلیفہ[۹] ہے اور ہر گزر جانے[۱۰] والے کا عوض ہے تو اللہ ہی سے ڈرو[۱۱] اور اس سے امید رکھو ۔ پورا مصیبت[۱۲] زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کر دیا گیا ۔ حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون[۱۳] ہے ۔ یہ خضر علیہ السلام ہیں ۔ (بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ مراد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ، پدر سے مراد امام زین العابدین بن امام شہید حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم وسلامہ اجمعین ۔

۲؎ یہ غم و پریشانی امت و دین کے حوالے سے تھی کہ اس کا کیا بنے گا ؟

۳؎ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ پہلے آسمان کے صاحب اسماعیل ہیں ، حدیث میں ملک الموت کا ذکر واضح ہونے کی وجہ سے نہیں آیا یا ممکن ہے ملک الموت حضرت جبریل امین اور مذکورہ فرشتہ کے بعد آگے ہوں ۔ امام سیوطی نے کتاب الحبایک فی اخبار الملائک میں امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے لائے کہ تیسرے دن جبریل امین آئے ان کے ساتھ ملک الموت یا دو فرشتے جو ہوا میں ہوتے ہیں ۔ اس کا نام اسماعیل ہے اس کے تحت ستر ہزار فرشتے اور ان میں ہر فرشتہ ستر ستر ہزار فرشتے پر موکل ہے ۔

۴؎ جبریل امین نے اس فرشتہ کے بارے میں بتایا ۔

۵؎ یہ شرف و کرامت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے ورنہ ہر ایک کی جان وہ بغیر پوچھے نکال لیتا ہے ۔

۶ بعض نسخوں میں لما امرت پہلے ہے۔

۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین، ملک الموت اور دیگر فرشتوں کی آواز اور ان سے گفتگو کے درمیان کچھ وقت فرصت پایا اور اس کی خبر صحابہ کو دی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ یا جو بعض صحابہ وہاں حاضر تھے انھیں اس کا مشاہدہ و مکاشفہ ہوگیا اور ان میں یہ صحابی یا تابعی بھی تھے۔ جنھیں قرلیثی سے تعبیر کیا گیا۔

اس آدمی کا باطن اس قدر اعلیٰ تھا کہ ان کی صورت میں حضرت خضر علیہ السلام امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حدیث بیان کی اس لیے لفظ مبہم کے ساتھ تعبیر کیا۔ واللہ اعلم

۸ تعزیت، مصیبت زدہ کو تسلی دینا، عزا، صبر ہے۔ بعض نسخوں میں دجاءت ہے

۹ ایسی جماعت جو گھر میں تھی۔

۱۰ اس عبارت کے چند معانی ہو سکتے ہیں، کتاب خدا میں ہر مصیبت پر تسلی ہے۔ اس میں اللہ تعالے کے اس ارشادِ گرامی کی طرف اشارہ ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ تو یہاں عزا بمعنی تعزیہ ہے یا دین خدا میں تعزیہ ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس کی ترغیب و تشویق دلائی ہے۔ بعض نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ صبر کے لیے فرماتے ہوئے تسلی دے رہا ہے اسے زبانِ عرب میں علم تجرید کہا جاتا ہے۔ مثلاً رأیت فی زید اسد یعنی میں نے زید کو شیر کی طرح پایا۔ یہ معنی اگلی عبارت کے زیادہ مناسب ہے۔

۱۱ خلف بمعنی خلیفہ جو کسی کے بعد کام کی ذمہ داری لیتا ہے۔

۱۲ یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مصیبت میں صبر کرنے والا ہی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے کہ وہ اس نقصان کو پورا فرمائے گا۔ یہ تمام معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ تمام کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز سے کافی ہے اور کوئی چیز کافی نہیں ہو سکتی۔

۱۳ بعض نسخوں میں فاتقوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔

۱۴ یعنی دنیا کی مصیبت اصل مصیبت نہیں کیونکہ اس پر آخرت میں ثواب موجود ہے۔ حقیقی مصیبت تو یہ ہے کہ صبر نہ کیا اور ثواب سے محرومی ہوگئی۔

۱۵ یہ تعزیت کرنے والے کون ہیں؟

ظاہر محسوس یہی ہوتا ہے کہ اس سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ جو اس وقت وہاں حاضر تھے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مراد امام علی زین العابدین رضی اللہ عنہ ہوں جو بوقت روایت مجلس میں موجود تھے۔ حصن حصین میں مستدرک سے ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو ملائکہ نے تعزیت کی۔ اس کے بعد لکھا کہ اس کے بعد ایک سفید ریش خوبصورت آدمی تیز رفتاری کی صورت میں آئے روتے اور صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا ان فی اللہ عزاء تو حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ حضرت خضر تھے۔ یہ روایت

واضح کر رہی ہے کہ حدیث سابق میں علی سے مراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

باب

سابقہ ابواب کے تتمّات اور لواحق کا بیان

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۷۱۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا وَلَا اَوْصٰى بِشَيْءٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز[1] کی وصیت فرمائی

(مسلم)

[1] کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مال چھوڑا ہی نہیں جو وصیت کرتے۔ رہا مال بنونضیر، فدک وغیرہ تو وہاں سے نفقہ عیال کے بعد باقی مسلمانوں پر خرچ فرما دیا کرتے۔

۵۷۲۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِيْ جُوَيْرِيَةَ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهِ دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً وَلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمرو ابن حارث سے روایت ہے جو جویریہ[1] کے بھائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ اشرفی چھوڑی نہ درہم نہ غلام نہ لونڈی نہ کوئی اور چیز سوا اپنے سفید خچر[2] کے اور اپنے ہتھیار[3] اور زمین کے جنہیں وقف[4] فرمایا۔

(بخاری)

[1] حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں۔

[2] اس کا نام دلدل تھا، مقوقس (میم پر پیش، قاف پر زبر، دوسرے قاف کے نیچے زیر) سکندریہ کے حاکم نے یہ بطور ہدیہ پیش کی تھی۔

[3] بعض روایات میں صرف زرہ کا ذکر ہے جو ایک یہودی کے ہاں گروی تھی۔

[4] جو فقراء و رسل اپنے اہل پر صدقہ کی تھی۔ یہ زمین، بنونضیر کے درخت اور فدک وغیرہ تھے۔

۵۷۲۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِیْنَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِیْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے وارث اشرفی تقسیم نہ کریں ہم نے جو چھوڑیں۔ ہماری بیویوں کے خرچہ[1] اور ہمارے[2] نوکروں کی تنخواہ کے بعد[3] وہ وقف ہے۔ (مسلم، بخاری)

[1] شارحین فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تمام عمر حکم حالت عدت میں ہیں کیونکہ ان کا آگے نکاح ہو ہی سکتا ہے لہٰذا ان کا نفقہ لازم رہے گا۔

[2] عامل سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کے مطابق مصارف پر خرچ کرے گا۔ مُؤْنَةٌ کا معنی بوجھ اٹھانا ہے۔

[3] جو ان سے بچے وہ فقراء پر صدقہ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہوتا ہے۔

۵۷۲۲ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث نہیں ہوتے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ[1] ہے۔ (مسلم و بخاری)

[1] اس حدیث کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت روایت کیا جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میراث طلب فرمائی اور عرض کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہی خرچ کروں گا۔ ہاں تمھارا خیال میرا فرض ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ یہ بات انھوں نے صرف حضرت فاطمہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے ہی نہیں کہی تھی بلکہ تمام ازواج مطہرات سے بھی کہی تھی جنھوں نے میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا متولی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بنایا۔ پھر جب ان میں نزاع ہو گیا تو کہا گیا ان کے درمیان تقسیم کر دو لیکن انھوں نے بے تقسیم ہی ان کے حوالے کر دی۔ کافی مدت تک اس کی تولیت اہل بیت نبوی کے پاس ہی رہی۔ پھر حکومت مروانیہ نے بظلم و زیادتی ان سے یہ چھین لی اور یہ میراث نہ ہو سکی بات صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے کبار صحابہ کو بلا کر پوچھا تھا اور تمام نے ہی کہا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنا تھا جیسا کہ دیگر احادیث میں موجود ہے۔

۵۷۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ رَحْمَةَ اُمَّةٍ مِنْ عِبَادِهٖ

حضرت ابوموسیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جب اپنے بندوں میں سے کسی گروہ پر رحمت چاہتا ہے

قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَّ سَلَفًا بَيْنَ يَدَيْهَا وَإِذَا اَرَادَ هَلَكَةَ اُمَّةٍ عَذَّبَهَا وَ نَبِيُّهَا حَيٌّ فَاَهْلَكَهَا وَهُوَ يَنْظُرُ فَاَقَرَّ عَيْنَيْهِ بِهَلَكَتِهَا حِيْنَ كَذَّبُوْهُ وَعَصَوْا اَمْرَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو اس کے نبی کو اس سے پہلے وفات[2] دیتا ہے پھر اس نبی کو اس کے آگے پیشرو[3] بناتا ہے اور جب کسی گروہ کی ہلاکت[4] کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے نبی کی زندگی میں عذاب دیتا ہے کہ نبی اسے دیکھتا ہے پھر اس کی ہلاکت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی[5] کرتا ہے جب وہ اسے جھٹلاتے ہیں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی[6] کرتے ہیں (مسلم)

سلہ وہ جماعت جس کی طرف اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجتا ہے۔

سلہ نزولِ عذاب سے پہلے

سلہ فرط، فاء، را پر زبر، سلف کا بھی یہی وزن ہے۔ فرط جو منزل پر پہلے جائے اور وہاں جا کر قافلہ کے لیے ضروریات اکٹھی کرے مثلاً کنواں، ڈول۔ سلف سے مراد گزرے ہوئے لوگ مثلاً والدین اور رشتہ دار یہاں دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

سلہ ہلکہ۔ ہاء اور لام پر زبر، ہلک، ہاء پر پیش لام ساکن بغیر تاء کے ہلاک ہونا۔

سلہ قرۃ العین سے مراد خوشی و شادمانی ہے اس کی تخصیص و معنی کسی جگہ پر گزری ہے۔

سلہ اس حدیث میں بشارت ہے کہ امت پر نزولِ عذاب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ تشریف لے گئے۔

۵۷۲۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَّلَا يَرَانِيْ ثُمَّ لَاَنْ يَّرَانِيْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ مَعَهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ تم میں سے کسی پر وہ دن آوے گا کہ وہ مجھے نہ دیکھے[1] تو اسے میرا دیکھنا زیادہ پیارا[2] ہوگا اپنے گھر والوں سے جبکہ اس کا مال بھی ان کے ساتھ ہو۔ (مسلم)

سلہ میرے وصال فرما جانے کی وجہ سے

سلہ دیدار سے مراد ظاہری حیات کا دیدار و محبت حاصل کرنا یا وصال کے بعد خواب میں دیدار یا بیداری میں بلکہ سیاق کلام کے یہ مناسب تر ہے۔ مشتاقانِ جمال نبوی کا حال یہی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور جمال میں مستغرق اور ڈوبے رہتے ہیں۔

بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ وَذِكْرِ الْقَبَائِلِ

قریش کے مناقب اور قبائل کا ذکر

مناقب، منقبت کی جمع ہے بمعنی فضیلت و شرف، قاموس میں ہے منقبت فخر کرنا، صراح میں ہے لوگوں کے ہنر مند کو ہرانا۔ اس کی ضد مثلبت ہے جس کی جمع مثالب ہے۔ نقیب، بہتر، دانا قوم، نقبا کا معنی جماعت کی حفاظت کرنا۔ سیبویہ سے منقول ہے کہ نقابت نون کے پیچھے زبر اسم بمعنی نقیبی۔ اگر زبر ہو تو نقیب کرنا نقب کا اصل معنی پہاڑی۔ راستہ، ہنر اچھا راستہ، نقب بمعنی تفتیش اور تحقیق خبر بھی آتا ہے۔ قریش عرب کا خصوصی قبیلہ ہے۔ ان کا اصل بیٹے کا نام نضر بن کنانہ ہے۔ والد کے نام پر تھا۔ اصل اس چارپائے کا نام ہے جو دریا کے تمام جانوروں سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے، دریا کی اس مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں پر غلبہ رکھتی ہو۔ دیگر بھی اس کے معانی مشہور ہیں۔ قبائل قبیلہ کی جمع ہے بمعنی اولاد یک پدر، قبیلہ کا اصلاً معنی کاسہ کا سر ہے اور قبائل اس کے اجزاء، قبائل سب سے اوپر ہے اس کے بعد شعب، اس کے بعد عمارہ اس کے بعد بطن اس کے بعد فخذ اور حی کا معنی بھی قبیلہ ہے۔ الصحاح۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۷۲۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِيْ هٰذَا الشَّاْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اس معاملہ سرداری میں قریش کے تابع رہیں گے کہ مسلمان ان کے مسلمانوں کے تابع رہیں گے۔ اور کافران کے کافروں[۱] کے تابع ہوں گے۔ (بخاری، مسلم)

[۱] مسلم و کافر سے جنس مراد ہے واضح رہے کہ سیاق حدیث سے یہی ظاہر ہے کہ اس سے مراد وجوداً اور عدماً شانِ دین ہے۔ قریش ایمان و کفر میں اور امر دین میں اسبق و اقدم اور لوگوں کے پیشوا ہیں۔ لہٰذا مسلمان ان کے مسلمانوں کے تابع اور کافران کے کافروں کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب قریش کے ایمان کے انتظار میں تھے جب مکہ فتح ہوا، عرب جوق درجوق اسلام میں داخل ہوئے سورۃ اذا جاء نصر اللہ سے اسی طرف اشارہ ہے

مقصود عہد اسلام و جاہلیت میں ان کی ریاست اور تقدم کو بیان کرنا ہے لیکن فضل و شرف اسلام کی وجہ سے ہے نہ کہ جاہلیت کی وجہ سے۔ مگر جب مطلق ریاست کا بیان مقصود ہو خواہ دین کے اعتبار سے ہو یا دنیا کے اعتبار سے۔ دور جاہلیت میں بیت اللہ اور اس کے خدمت کے تمام مناصب مثلاً زمزم پلانا وغیرہ ان ہی کے پاس تھی بعض نے کہا اس سے مراد شان خلافت امامت ہے جیسا کہ احادیث میں آیا تو مراد لوگوں کا قریش کے تابع ہونا ہے اگر قریش مخالفت کریں تو لوگ ان کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اتباع کرتے ہیں۔

۵۶۲۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ بھلائی اور برائی میں قریش کے تابع ہیں (مسلم)

۵۶۲۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِی قُرَیْشٍ مَا بَقِیَ مِنْهُمُ اثْنَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ یہ خلافت[1] قریش میں رہے گی جب تک ان میں دو[2] آدمی بھی باقی رہے۔ (بخاری، مسلم)

[1] خلافت انھی میں رہنی چاہیے اور غیر کے لیے شرعاً جائز نہیں۔ صحابہ کے دور میں اس پر اجماع ہوا اور مہاجرین نے اسے ہی انصار کے خلاف دلیل بنایا۔

[2] ان دو میں سے ایک خلیفہ ہوگا اور دوسرا تابع۔ یہ بات بطور مبالغہ ہے ورنہ دو سے نظام خلافت نہیں بنتا۔

۵۶۲۸ وَعَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِیْ قُرَیْشٍ لَا یُعَادِیْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا کَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بیشک یہ خلافت[1] قریش میں رہے گی جو ان کی مخالفت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل اوندھا[2] کر دے گا جب تک دین کو قائم رکھیں[3] گے۔ (بخاری)

[1] امر سے مراد خلافت ہے۔

[2] اسے خوار و ذلیل فرماتا ہے۔

[3] احکام دین کی اشاعت و ترویج سے کام لیں اور اگر ایسا نہ کریں تو انھیں معزول کر دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ دین سے مراد نماز ہے اور دین و ایمان کا نماز پر اطلاق آتا ہے۔ کیونکہ دوسری روایت میں اقاموا الصلاۃ، بعض نے کہا انھیں نماز پر شوق و ذوق دلانا ہے کہ اگر انھوں نے اسے ترک کر دیا تو دیگر لوگ ان پر غالب آجائیں گے۔

۵۷۲۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيْزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ أَوْ يَكُوْنَ عَلَيْهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر بن سمرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بارہ خلفاء تک اسلام متواتر غالب رہے گا اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں کا کام جاری رہے گا جب تک ان کے بارہ حکمران ہوں گے جو سارے قریش سے ہوں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی یا ان پر بارہ خلفاء ہوں گے جو سارے قریش سے ہوں گے۔ (بخاری، مسلم) [۲]

[۱] جابر بن سمرہ، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں۔ یہ بیان کرتے ہیں بچے کھیل رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ایک، اور کسی کے دونوں رخساروں پر شفقت ورحمت سے ہاتھ پھیرا۔ ان میں میں بھی شامل تھا تو میرا وہ رخسار دوسرے رخسار سے بہتر اور خوبصورت تھے

[۲] بعض طرق حدیث میں یہ بھی آیا ہے وَأَبُوْ بَكْرٍ لَا يَلْبَثُ إِلَّا قَلِيْلًا

اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلسل بارہ خلفاء ہوں گے اور ان کی وجہ سے احکام دین اور اسلام جاری وساری ہوں گے حالانکہ بعد کے حالات اس پر گواہی نہیں دیتے کیونکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن میں ظلم وجور تھا مثلاً بنو مروان کا طریقہ پسندیدہ نہ تھا اور نہ ان کی سیرت بہتر تھی۔ نیز حدیث میں یہ آیا ہے میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے تیس سال کے بعد ملوکیت ہے نہ کہ خلافت۔ اس اشکال کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مراد بارہ افراد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت وہ چلائیں گے اور وہ مسلمانوں کے امور کو سرانجام دیں گے خواہ ان میں جابر اور دائرہ عمل سے خارج ہوں گے تو ولید بن یزید بن عبدالملک جو بارہویں ہیں کے دور میں اختلال واقع ہوا، اس کے چچا ہشام کی فوتیدگی پر لوگوں نے اسے سربراہ بنایا اور چار سال بعد اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے قتل کر دیا پھر فتنے شروع ہو گئے اور احوال میں تبدیلی آگئی۔ یہ قاضی عیاض مالکی کی توجیہ ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اس حدیث میں راجح ترین قول یہی ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس کی تائید دوسری روایت کے ان الفاظ سے ہوئی ہے کلمۃ یجتمع علیہ امر الناس (ان پر لوگوں کا معاملہ جمع ہوگا) اجتماع سے مراد ان کی بیعت پر اتفاق اور ان کی اطاعت ہے اگرچہ بکراہت ہی ہو اور حدیث ان کے دین، عدالت اور حقانیت کی مدح کے لیے نہیں مگر ان کے انتظام، اجتماع اور اتحاد پر ہے اور تیس سال والی خلافت، خلافت کبریٰ ہے

جو خلافت نبوت ہے اور یہ مذکور خلافت امارت ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد بھی امراء پر خلفاء کا لفظ شائع رہا جیسا کہ کہا جاتا ہے خلفاء عباسیہ اگرچہ مجازاً سہی۔ واضح رہے یہ قول سیاق حدیث سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں ہے کہ اسلام ہمیشہ غالب اور دین قائم رہے گا۔ ہاں دوسری روایت کے مناسب ہے لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیًا تو پہلی حدیث میں واضح طور پر ان کی عدالت اور قوت اسلام کا تذکرہ ہے۔ واللہ اعلم۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ مراد خلفاء عادل اور اچھے امراء ہیں جو حقیقۃً اسم خلافت کے مستحق ہیں لیکن کہاں لازم ہے کہ وہ مسلسل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوگا خواہ قرب قیامت تک ہو۔ شیخ توریشتی کہتے ہیں اس حدیث کا یہی معنی درست و واضح ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے یہ امام مہدی کے وصال کے بعد کی بات ہے اور اس میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب امام مہدی کا وصال ہوگا تو پانچ آدمی امام حسن مجتبیٰ کی اولاد سے سربراہ بنیں گے۔ پھر امام حسین شہید رضی اللہ عنہ کی اولاد سے پانچ امراء ہوں گے۔ ان میں سے آخری اولاد حسن کے وصیت کرے گا پھر اس کے بعد اس کی اولاد حکومت بنائے گی۔ اس طرح بارہ پورے ہو جائیں گے۔ ان میں سے ہر کوئی امام عادل، ہادی اور مہدی ہوں گے یہ توجیہ خوب ہے۔ اگر اس میں یہ حدیث صحیح وارد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام مہدی کے اوصاف میں مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے وجود اور عدل کی وجہ سے غم و پریشانی دور کرے گا۔ ظلم و فساد ختم فرما دے گا۔ ان کے بعد ڈیڑھ صدی تک بارہ افراد امراء بنیں گے پھر زمانہ ختم ہو جائے گا۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ مراد ایک ہی زمانہ میں بارہ افراد ہیں اور ہر ایک کی ایک ایک طائفہ اتباع کرے گا اس کی تائید وہ واقعات کرتے ہیں جو خلفاء کے زمانہ کے بعد ہوتے تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس کے بعد فتنوں کا ظہور ہے کہ ایک ہی وقت میں بارہ خلفاء ہوں گے۔ الغرض ان خلفاء کے دور تک اسلام کا غلبہ ہوگا مگر ان کے دور میں حالات خراب ہو جائیں گے لیکن سابقہ توجیہات سے پتہ چلتا ہے کہ ان بارہ خلفاء کے دور میں نظم اور انتظام خوب ہوگا اور ان کے بعد اختلال پیدا ہوگا۔ اس حدیث کے تحت شارحین نے بھی بیان کیا۔ واللہ اعلم بمراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۵۵۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وَعُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غفار[1] قبیلے کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا، اسلم[2] قبیلے کو اللہ تعالیٰ نے سلامت[3] رکھا اور عصیہ[4] قبیلے نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی[5] کی۔ (مسلم، بخاری)

[1] غفار، غین کے نیچے زیر، قبیلہ کا نام ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی سے ہیں۔ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مغفرت الٰہی کی خبر دی ہو۔

[2] اسلم، یہ بھی قبیلہ کا نام ہے، اس کی نسبت اسلمی کی طرف ہے۔

سے ۵ ان کے موافق معاملہ فرماتے اور ان کو تکلیف نہ دے ان کے لیے دعا کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی کے بغیر ایمان لائے، اس میں بھی خبر کا احتمال ہے۔

سے ۶ عصیہ۔ عین پر پیش، صاد پر فتحہ یا مشدد

سے ۷ یہ وہ قبیلہ ہے جس نے بئر معونہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرّاء کو شہید کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف قنوت کی صورت میں دعا کی۔ یہ قطعی طور پر خبر ہے اس میں دعا کا ہرگز احتمال نہیں یہ واضح کر رہی ہے کہ پہلی بھی خبر ہی ہے۔

۵۷۳۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشٌ وَالْاَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَاَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَاَشْجَعُ مَوَالِيَّ لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُوْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش، انصار، جہینہ[1]، مزینہ[2]، اسلم، غفار اور اشجع[3] مجھے عزیز ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان کا کوئی دوست[4] نہیں ہے۔

سے ۱ جہینہ، جیم پر پیش، ہاء پر زبر، یاء ساکن

سے ۲ مزینہ، میم پر پیش، زاء پر زبر، یاء ساکن

سے ۳ اشجع، ہمزہ پر زبر، شین ساکن اور جیم

سے ۴ مولیٰ، ناصر، محب، اس صورت میں موالی کی یاء پر زبر اور یہ مولیٰ کی جمع ہے لیکن موال بھی آیا ہے میم پر زبر، لام کے نیچے زیر با تنوین۔ یعنی ان میں سے بعض، بعض کے مددگار ہیں۔

۵۷۳۲ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ وَمِنْ بَنِيْ عَامِرٍ وَالْحَلِيْفَيْنِ بَنِيْ اَسَدٍ وَغَطَفَانَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلم، غفار مزینہ، اور جہینہ چاروں بنی تمیم سے بہتر ہیں، نیز بنی اسد[1] اور غطفان سے بھی۔ (بخاری، مسلم)

سے ۱ سبقت اسلام اور حسن اعمال کی وجہ سے، بنو تمیم کے حوالے سے بخاری میں حدیث غریب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا بنو تمیم تمھیں بشارت ہو جوابًا انھوں نے کہا ہمیں دنیوی بشارت دو یعنی بشارت موقوف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور قبیلہ اشعری سے فرمایا تمھیں بشارت ہو۔ اشعری قبیلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو قبول فرمالیا۔ یہ عدم قبولیت کی وجہ سے بنو تمیم پر غایت درجہ کی احتیاجی، اضطرار اور دنیا کی طرف رغبت ہوگی نہ کہ از روئے کفر و انکار۔ اس قبیلہ کی شدت و جفا کے متعدد واقعات منقول ہیں انھیں کیا بیان کریں۔ عفا اللہ عنہم۔

ے بنو اسد اور بنو غطفان، غین پر زبر، یہ دونوں آپس میں حلیف تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پہ قسم کھائی ہوئی تھی جیسا کہ عربوں کا معمول تھا۔

۵۲۲۲ (۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَا زِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْذُ ثَلٰثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْهِمْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ هُمْ اَشَدُّ اُمَّتِیْ عَلَی الدَّجَّالِ وَقَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَكَانَتْ سَبِیَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ اَعْتِقِیْهَا فَاِنَّهَا مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین باتوں کے باعث میں ہمیشہ بنی تمیم سے محبت رکھتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فرماتے ہوئے سنا۔ میری امت میں یہ دجال پر[۱] سب سے زیادہ سخت ہوں گے۔ ان کے صدقے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہماری قوم کے صدقے[۲] ہیں۔ ان میں سے ایک لونڈی[۳] حضرت عائشہ کے پاس تھی تو فرمایا کہ اسے آزاد کر دو کیونکہ یہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد[۴] سے ہے (بخاری، مسلم)

ا دجال کے ساتھ جدال و نزاع اور اجتناب میں۔

۲ بجہت تکریم و شرافت

۳ سبیۃ، سین پر زبر یاء مشدد

۴ یعنی یہ عربی ہے اور عرب اولاد اسمٰعیل ہیں۔ یہ صفت اگرچہ تمام عربوں میں مشترک ہے اور یہ بنو تمیم کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس کے باوجود یہ کلمات عنایت اور تشریف کے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کو غلام بنانا جائز ہے۔

الفصل الثانی — دوسری فصل

۵۲۲۳ (۱۰) عَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ یُّرِدْ هَوَانَ قُرَیْشٍ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قریش کی اہانت کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے[۱] گا (ترمذی)

ا آئمہ ہوں یا غیر آئمہ۔ اگر آئمہ ہیں تو بات واضح ہے اور اگر آئمہ نہیں تو اس وجہ سے کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی وجہ سے شرف و فضل حاصل ہے۔

۵۲۲۵ (۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی، اے اللہ!

اَذَقْتَ اَوَّلَ قُرَيْشٍ نَكَالًا فَاَذِقْ اٰخِرَهُمْ نَوَالًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

تو نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب[1] چکھایا تو ان کے پچھلے لوگوں پر عنائتیں[2] فرما۔ (ترمذی)

[1] نکال، نون پر زبر، عمل کی سزا دینا تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔ نوال، عطاء واحسان

[2] قریش میں خواری، ذلت، رسوائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کی وجہ سے تھے اور جو (اسلام لانے پر) ان کو عزت، دولت، امارت نصیب ہو وہ بیان سے باہر ہے۔

۵۷۳۶/۱۲ عَنْ اَبِي عَامِرِ نِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْحَيُّ الْاَسْدُ وَالْاَشْعَرُوْنَ لَا يَفِرُّوْنَ فِي الْقِتَالِ وَلَا يَغُلُّوْنَ وَهُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو عامر اشعری[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا قبیلہ اسْد[2] اور اشعریوں کا ہے جو نہ جہاد کے وقت بھاگیں اور نہ غنیمتوں میں خیانت[3] کریں لہٰذا وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] ابو عامر اشعری، کبار صحابہ سے ہیں۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر شہید ہوئے۔ اوطاس کے موقعہ پر امیر تھے جب ان کی شہادت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا اسے اپنے بندوں میں بلند مقام عطا فرما۔

[2] اسد، ہمزہ پر زبر، سین ساکن، ان کے والد کا تعلق یمن سے تھا اسے ازد شنوئہ بھی کہتے ہیں انصار اس کی اولاد ہیں۔ اشعر، عمرو بن حارثہ اسدی کا لقب ہے یہ بھی یمنی قبیلہ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم انھی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس وجہ سے انھیں اشعریین کہا جاتا ہے۔ اشعرون یعنی یاء کو حذف بھی کردیتے ہیں۔

[3] لا یغلون، یاء پر زبر غین پر پیش، غنیمت میں خیانت نہیں کرتے۔

۵۷۳۷/۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَزْدُ اَزْدُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ يُرِيْدُ النَّاسُ اَنْ يَضَعُوْهُمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَرْفَعَهُمْ وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَقُوْلُ الرَّجُلُ يَا لَيْتَ اَبِيْ كَانَ اَزْدِيًّا وَيَا لَيْتَ اُمِّيْ كَانَتْ اَزْدِيَّةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبیلہ ازد[1] والے زمین میں اللہ کی فوج ہیں لوگ انھیں پست کرنا چاہیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا بلکہ انھیں رفعت دے گا اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا ضرور آئے گا جب کہ آدمی کہے گا، کاش میرے ابا جان ازدی[2] ہوتے کاش میری امی جان ازد قبیلے سے ہوتیں۔ اسے ترمذی[3] نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ اس لقب کی شہرت کی وجہ سے یا برائے شرف جیسے ناقۃ اللہ یا حزب خدا اور نصرت رسول کی وجہ سے لقب ، بعض نے کہا ازد اللہ بمعنی اسد اللہ ہے کہ معرکہ میں جرأت و شجاعت کے شیر تھے ۔

ﻠﮧ مرتبہ ازدیان اس قدر بلند ہے کہ ہر کوئی رشک کرتے ہوئے کہے گا کاش ہم ان میں سے ہوتے ۔

۵۷۳۸ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَكْرَهُ ثَلٰثَةَ اَحْيَاءٍ ثَقِيْفٍ وَبَنِيْ حُنَيْفَةَ وَبَنِيْ اُمَيَّةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عمران بن حصین [۱] رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ تین قبائل کو ناپسند فرماتے تھے۔ ثقیف [۲]، بنی حنیفہ [۳] اور بنی امیہ [۴] کو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ عمران بن حصین، حصین، حاء پر پیش، صاد پر زبر مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ خیبر کے سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے۔ تیس سال اس طرح بستر بیماری پر رہے کہ اٹھنے بیٹھنے کی قوت نہ تھی۔ ملائکہ انھیں سلام کہتے۔ ایک دوست نے حالت بیماری میں دیکھا تو رو پڑے، فرمایا مت رو، میں تمھیں بتاتا ہوں ملائکہ میری ملاقات کے لیے آتے ہیں اور سلام کہتے ہیں اور میں ان کا سلام سنتا ہوں مگر تجھے قسم دلاتا ہوں جب تک میں زندہ ہوں کسی سے یہ راز فاش نہ کرنا۔

ﻠﮧ ثقیف، حجاج بن یوسف مشہور ظالم اسی قبیلہ سے تھا۔

ﺳﻠﮧ بنو حنیفہ، مسیلمہ کذاب ان سے تھا۔

ﺳﻠﮧ بنو امیہ، عبیداللہ بن زیاد قاتل امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم ان ہی میں سے ہے اسی طرح کہا گیا ہے اس قائل پر تعجب ہے کہ اس نے یزید کا نام نہیں لیا جس نے عبیداللہ بن زیاد کو قتل کا حکم دیا تھا بلکہ جو کچھ ہوا اسی کے حکم اور رضا سے ہوا۔ باقی بنو امیہ نے بھی اپنے اعمال میں کوتاہیاں نہیں کیں۔ یزید اور عبیداللہ کو کیا کہا جائے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بندر کھیل رہے ہیں۔ اس کی تعبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو امیہ سے فرمائی۔ دیگر بہت سی چیزیں ہیں۔ کیا کیا بیان کیا جائے ؟

۵۷۳۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَّمُبِيْرٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَصْمَةَ يُقَالُ الْكَذَّابُ هُوَ الْمُخْتَارُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ وَالْمُبِيْرُ هُوَ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ اَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثقیف میں ایک بہت جھوٹا اور ایک بہت بڑا ظالم [۱] ہے۔ عبداللہ بن عصمہ [۲] نے فرمایا کہا جاتا ہے کہ بہت جھوٹا تو مختار بن ابو عبید [۳] ہے اور بہت بڑا ظالم حجاج بن یوسف ہے ہشام [۴] بن حسان نے فرمایا۔ حجاج نے جن کو باندھ کر

صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ اَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ اَلْفًا۔

قتل کیا، لوگوں نے شمار کیا تو ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچی ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيْحِ حِيْنَ قَتَلَ الْحَجَّاجُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ قَالَتْ اَسْمَاءُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَّمُبِيْرًا فَاَمَّا الْكَذَّابُ فَرَاَيْنَاهُ وَاَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا اِخَالُكَ اِلَّا اِيَّاهُ۔ وَسَيَجِيْءُ تَمَامُ الْحَدِيْثِ فِي الْفَصْلِ الثَّالِثِ ۔

ترمذی اور مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ جب حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو حضرت اسماءؓ نے فرمایا ۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا تھا کہ ثقیف میں ایک بہت جھوٹا اور ایک بہت بڑا ظالم ہے ۔ پس بہت ہی جھوٹے کو تو ہم نے دیکھ لیا۔ رہا بہت ظالم تو میرے خیال میں وہ یہی ہے اور مکمل حدیث عنقریب تیسری فصل میں آرہی ہے ۔

سلہ مبیر، میم پر پیش، باء کے نیچے زیر، یاء ساکن

سلہ عبداللہ بن عصمہ، تابعی حجازی ثقہ ہیں ۔ یہ کذاب اور مبیر کا تعین ہے ۔

سلہ مختار بن ابی عبیدہ، عین پر پیش

سلہ ہشام بن حسان، سین مشدد، ثقہ ہیں یہ بڑے بڑے آئمہ حدیث کے شاگرد ہیں مثلاً امام حسن، ابن سیرین اور یہ امام حسن بصری کی احادیث سے سب سے زیادہ آگاہ ہیں اور بہت بڑے بزرگ تھے ۔

سلہ یہ بھی منقول ہے کہ اس کی جیل سے پچاس ہزار آدمی برآمد ہوئے اور اس کی جیل کی چھت نہیں ہوا کرتی تھی ۔

سلہ یہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ۔

سلہ یہ حجاج سے خطاب تھا ۔

سلہ حجاج کے احوال تو مشہور ہیں، ان کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں ۔ مختار بن ابی عبید بن مسعود ثقفی، ان کے والد اجل صحابہ میں سے ہیں۔ مختار کی ولادت سال ہجرت میں ہوئی اس کو صحبت و روایت حاصل نہیں ۔ منقول ہے کہ پہلے علم، فضل، خیر میں مشہور تھا۔ باطن اس کے خلاف ہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر سے جدا ہوا، طلب امارت کی اور دنیا کی رغبت کا اظہار کیا تو اس وقت باطن کو ظاہر کیا اور بطلان عقیدہ کو ظاہر کیا۔ پھر اس سے کسی ایسے کبائر کا اظہار ہوا جو دین کے مخالف تھیں یہ بھی منقول ہے اس نے دعویٰ نبوت اور نزول وحی بھی کیا واللہ اعلم ۔ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں امیر تھے ۔ مختار اپنے چچا کی صحبت میں تھا اور ان کیساتھ

علہ شیخ نے یہ کیا فرمادیا ان کے والد تو بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں ۔ مولوی امیر علی مرحوم

صحیح عقیدہ اور اہلِ بیت کی محبت کا دم بھرتا۔ ان کے بعد اہلِ بیت کے ساتھ اس کی عداوت سامنے آئی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان سے اظہارِ محبت کیا اور یزیدیوں سے بدلہ لیتے ہوئے بڑے لوگ قتل کیے منقول یہی ہے کہ اس نے یہ سارا کچھ طلبِ دنیا اور امارت کے لیے ہی کیا حتیٰ کہ ۶۷ھ میں حضرت مصعب بن زبیر کی امارت کے دور میں کوفہ میں قتل ہوا۔ اہلِ علم اسے کذابوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس حدیث کو جس میں کہ ثقیف سے کذاب اور مبیر ہوں گے حجاج پر محمول کرتے ہیں۔

۵۷۴۰ / ۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيْفٍ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف دعا کریں۔ آپ نے کہا اے اللہ ثقیف کو ہدایت بخشے۔ (ترمذی)

۵۷۴۱ / ۱۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مِيْنَاءَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ رَجُلٌ اَحْسِبُهٗ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرًا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَهٗ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَآءَهٗ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَّاَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَّاِيْمَانٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَيُرْوٰى عَنْ مِيْنَاءَ هٰذَا اَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ)

عبدالرزاق[1]، ان کے والد[2] ماجد، میناء[3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے تو ایک آدمی آیا جو میرے خیال میں قیس[4] سے تھا اور عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! حمیر پر لعنت[5] فرمائیے۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر وہ اس جانب سے آیا تب بھی منہ پھیر لیا پھر وہ سامنے آیا اور تب بھی منہ پھیر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حمیر پر رحم فرمائے کہ ان کے منہ سلامتی والے، ان کے ہاتھ کھانے والے[6] اور وہ امن و ایمان والے ہیں اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اسے ہم نہیں پہچانتے مگر حدیث عبدالرزاق سے اور اس میناء[7] سے منکر حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔

[1] عبدالرزاق بن ہمام، اعلام و اعیان ملت میں سے ہیں۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن حصین دونوں ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔

[2] ہمام بن نافع

[3] میناء، میم کے نیچے زیر۔ ضعیف تابعی ہیں اور یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے

آزاد کردہ غلام ہیں۔

سے قیس، قبیلہ کا نام ہے، قاف پر زبر یاء ساکن

سے حِمیَر، حاء کے نیچے زیر، میم ساکن، یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔

سے وہ صفات کے جامع ہیں، ان میں تواضع اور سخاوت ہے جو مکارم اخلاق اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں اوّل ہیں۔

سے اگرچہ امام عبدالرزاق ثقہ اور قوی ہیں۔ مگر میناء ضعیف ہے

۵۷۴۲/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ دَوْسٍ قَالَ مَا كُنْتُ اُرٰى اَنَّ فِيْ دَوْسٍ اَحَدًا فِيْهِ خَيْرٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم کس قبیلے سے ہو؟ عرض گزار ہوا کہ دوس[1] سے۔ فرمایا کہ میں گمان نہیں کرتا تھا کہ دوس میں کوئی ایک بھی ایسا ہو جس میں بھلائی ہو[2]۔ (ترمذی)

سلہ دوس، دال پر زبر، واؤ ساکن، آخر میں سین

سلہ اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے اور دوس کی مذمت کہ اگر اس میں ابوہریرہ نہ ہوتے تو اس میں خیر نہ ہوتی۔

۵۷۴۳/۱۹ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِيْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِيْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھ سے عداوت نہ رکھنا ورنہ تم دین سے دور ہو جاؤ گے۔ میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے کس طرح عداوت رکھ سکتا ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے ذریعے ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا کہ تم نے اہلِ عرب سے عداوت رکھی تو مجھ سے عداوت[1] رکھی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

سلہ یا یہ معنی ہے کہ تم عجمیت کی وجہ سے عرب کی مخالفت کرتے ہو، کیونکہ اصلاً ان میں تکبر اور عربوں کے ساتھ سوءِ ادب تھا یا بعض دیہاتیوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس میں احتیاط کا حکم دیا تاکہ بغض پیدا ہی نہ ہو۔

۵۷۴۴/۲۰ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اہلِ عرب کو

الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِي شَفَاعَتِي وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِي - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حُصَيْنِ بْنِ عُمَرَ وَلَيْسَ هُوَ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ بِذَاكَ الْقَوِيِّ

دھوکا دے وہ میری شفاعت پانے والوں میں داخل نہیں ہوگا اور اسے میری محبت میسر نہیں آئے گی۔ روایت کیا اسے ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے نہیں پہچانتے مگر حدیث حصین بن عمر[1] سے اور وہ محدثین کے نزدیک زیادہ قوی نہیں ہے۔

[1] حصین بن عمرو، حاء پر پیش، صاد پر زبر

۵۷۴۵ وَعَنْ اُمِّ الْحَرِيْرِ مَوْلَاةِ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مَوْلَايَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ام حریر[1] مولاۃ طلحہ بن مالک[2] سے روایت ہے کہ میں نے اپنے آقا کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ عرب کا ہلاک ہونا قیامت کے قریب آجانے کی نشانی ہے۔ (ترمذی)

[1] اُم الحریر، حاء پر زبر، راء کے نیچے زیر، تابعیہ ہیں۔

[2] طلحہ بن مالک، صحابی ہیں۔

۵۷۴۶ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُلْكُ فِي قُرَيْشٍ وَالْقَضَاءُ فِي الْاَنْصَارِ وَالْاَذَانُ فِي الْحَبَشَةِ وَالْاَمَانَةُ فِي الْاَزْدِ يَعْنِي الْيَمَنَ وَفِي رِوَايَةٍ مَوْقُوْفًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا اَصَحُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بادشاہی قریش میں، قضا انصار[1] میں، اذان حبشہ[2] میں اور امانت ازد یعنی یمن میں ہے۔ اس حدیث کی ایک روایت موقوف ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا۔ یہ بہت ہی صحیح ہے۔

[1] اس سے مراد فقاہت ہے جیسا کہ بارہ نقباء انصار ہی سے تھے بلکہ مراد بمعنی شور قضا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قضا کے لیے بھیجا تھا۔

[2] جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بنے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۷۴۷ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُطِيْعٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْفَتْحِ مَكَّةَ لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ

عبداللہ بن مطیع[1] کے والد ماجد نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز فرماتے ہوئے سنا کہ آج کے بعد قیامت تک کسی قریشی کو باندھ کر

صَبْرًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

قتل نہ کیا جائے۔
(مسلم)

لہ عبداللہ بن مطیع، سادات قریش میں سے ہیں۔
لہ مطیع صحابی ہیں۔ ان کا نام عاصی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام مطیع رکھا۔
لہ بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کسی قریشی کو حبس کے ساتھ قتل نہ کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ ان میں سے کسی کو بسبب ارتداد قتل نہیں کیا جائے گا۔

۵۷۴۸/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ نَوْفَلٍ مُعَاوِيَةَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ عَلٰى عَقَبَةِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَجَعَلَتْ قُرَيْشٌ تَمُرُّ عَلَيْهِ وَالنَّاسُ حَتّٰى مَرَّ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَبَا خُبَيْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَبَا خُبَيْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَبَا خُبَيْبٍ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ اَنْهٰكَ عَنْ هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ اَنْهٰكَ عَنْ هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ اَنْهٰكَ عَنْ هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا وَصُوْلًا لِلرَّحِمِ اَمَا وَاللّٰهِ لَاُمَّةٌ اَنْتَ شَرُّهَا لَاُمَّةُ سُوْءٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَاُمَّةٌ خَيْرٌ ثُمَّ نَفَذَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ مَوْقِفُ عَبْدِ اللّٰهِ وَقَوْلُهُ وَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَاُنْزِلَ عَنْ جِذْعِهٖ فَاُلْقِيَ فِيْ قُبُوْرِ الْيَهُوْدِ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى اُمِّهٖ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ فَاَبَتْ اَنْ تَاْتِيَهٗ فَاَعَادَ عَلَيْهَا الرَّسُوْلَ لَتَاْتِيَنِّيْ اَوْ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكِ مَنْ يَّسْحَبُكِ بِقُرُوْنِكِ قَالَ فَاَبَتْ وَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اٰتِيْكَ حَتّٰى تَبْعَثَ اِلَيَّ مَنْ يَّسْحَبُنِيْ

ابو نوفل معاویہ بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو مدینہ منورہ کی گھاٹی پر دیکھا کہ قریشی اور دوسرے لوگ ان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر ان کے پاس سے گزرے اور ان کے پاس کھڑے ہوکر کہا، اے ابوخبیب لہ آپ پر سلام ہو، اے ابوخبیب آپ پر سلام ہو، خدا کی قسم میں آپ کو اس سے منع کیا کرتا تھا۔ خدا کی قسم میں آپ کو اس سے منع کیا کرتا تھا، خدا کی قسم میں آپ کو اس سے منع کیا کرتا لہ تھا۔ حالانکہ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ بہت زیادہ روزے رکھنے والے، قیام کرنے لہ والے اور صلہ رحمی کرنے والے لہ ہیں۔ خدا کی قسم جو جماعت آپکو برا سمجھتی ہے وہ درحقیقت خود بری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اچھے گروہ لہ کو۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر چلے گئے۔ پس حجاج کو حضرت عبداللہ کے ٹھہرنے اور گفتگو فرمانے کی خبر پہنچی تو آدمی بھیج کر انھیں لکڑی لہ سے اتروایا گیا یہود کی قبروں لہ میں ڈلوا دیا۔ پھر ان کی والدہ محترمہ حضرت اسماء لہ بنت ابوبکر کو بلوایا تو انھوں نے آنے سے انکار کر دیا لہ۔ اس نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ میرے پاس آجاؤ، ورنہ ایسا آدمی بھیجوں گا جو تمھیں سر کے بالوں سے پکڑ کر لے آئے گا لہ۔ انھوں نے انکار کیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں تیرے پاس نہیں آؤں گی جب تک وہ آدمی

يَقُوْدُوْنِيْ قَالَ فَقَالَ اَرُوْنِيْ سِبْتَتَيَّ فَاَخَذَ نَعْلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَتَوَذَّفُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ صَنَعْتُ بِعَدُوِّ اللّٰهِ قَالَتْ رَاَيْتُكَ اَفْسَدْتَ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَاَفْسَدَ عَلَيْكَ اٰخِرَتَكَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تَقُوْلُ لَهٗ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ اَنَا وَاللّٰهِ ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكُنْتُ بِهٖ اَرْفَعُ طَعَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَامَ اَبِيْ بَكْرٍ مِّنَ الدَّوَابِّ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَنِطَاقُ الْمَرْاَةِ الَّتِيْ لَا تَسْتَغْنِيْ عَنْهُ اَمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَّمُبِيْرًا فَاَمَّا الْكَذَّابُ فَرَاَيْنَاهُ وَاَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا اِخَالُكَ اِلَّا اِيَّاهُ قَالَ فَقَامَ عَنْهَا فَلَمْ يُرَاجِعْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نہ آجائے جو تجھے سر کے بالوں سے پکڑ کر تیرے پاس نہ لے جائے۔ اس نے کہا کہ مجھے میرے جوتے دکھاؤ پس اپنے جوتے پہنے اور اکڑا ہوا چلا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گیا کہا تم نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ تو نے اس کی دنیا خراب کر دی اور اس نے تیری عاقبت برباد کر دی۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو اس سے ابن ذات النطاقین کہتا تھا۔ خدا کی قسم میں واقعی دو کمر بندوں والی ہوں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کے ساتھ میں نے جانوروں سے حفاظت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے لیے کھانا باندھا تھا اور دوسرا کمر بند وہی ہے جس سے کوئی عورت بے نیاز نہیں ہوتی۔ آگاہ رہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا تھا کہ ثقیف میں ایک بہت بڑا جھوٹا اور ایک بہت بڑا ظالم ہے۔ پس بہت بڑے جھوٹے کو تو ہم نے دیکھ لیا لیکن بہت بڑے ظالم کے متعلق میرا خیال نہیں تھا کہ وہ یہی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ ان کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ (مسلم)

ملہ ابونوفل معاویہ بن مسلم، تابعی ہیں، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ان سے حضرت شعبہ نے روایت لی ہے۔

ملہ عقبہ مکہ جو راہِ مدینہ میں واقع ہے۔ اس وجہ سے اس کی نسبت مدینہ طیبہ کی طرف کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے۔ حجاج ظالم نے انھیں شہید کر دیا اور سولی پر لٹکایا۔

ملہ ابوخبیب، خاء پر پیش، باء پر زبر یا ساکنہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے

ملہ دعوائے خلافت و لطافت کے ساتھ خروج مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کی مکہ میں تشریف فرما رہے اور اس کی ولایت اپنے تصرف میں لے آئے۔ اس طرح یزید کے بعد مروان تک اور مروان کے بعد عبدالملک تک ہوا۔ پھر عبدالملک نے حجاج کو مکہ میں ان کی طرف بھیجا۔ اس نے انھیں شہید کیا اور ان کا سر مدینہ منورہ بھیجا اور ان کا جسدِ اطہر سولی پر مکہ میں لٹکا دیا۔ خود یزید نے بھی مدینہ طیبہ کی تباہی اور وہاں کے

باشندوں کو شہید کرنے کے لیے لشکر کشی کی تھی جس کا نام واقعہ حرہ ہے۔ وہی لشکر مکہ آیا تاکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرے لیکن اسی حال میں یزید دنیا سے دفع ہوگیا۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ میں نے اس معارضہ سے منع کیا تھا لیکن تم نے میرا مشورہ قبول نہ کیا۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچ گیا مقصود ابن زبیر کے حال پر تاسف اور افسوس ہے اور ظالموں کی جماعت پر ملامت و تشنیع ہے۔

۵؎ کبھی پندرہ دن تک روزہ رکھتے اور تمام راتیں شب بیداری کرتے۔

۶؎ رشتہ داروں اور مراتب داروں سے۔

۷؎ یہ دونوں طرح روایت ہے۔ امام نووی کہتے ہیں جمہور کی روایت لامۃ خبر ہے اور لامۃ سوء خطا اور تحریف ہے۔ یہ ظاہر نہیں کہ یہ تردید روایت کی حیثیت سے ہے یا درایت کی حیثیت سے۔ اگر روایت کی حیثیت سے ہے تو کلام نہیں اور درایت اور معنی کی وجہ سے ہے تو یہ بغیر تعین معنی پر نہیں ہوگا جو کہ خطا سے خالی نہیں۔ پہلی عبارت کا مفہوم اولی یہ ہے کہ تم نے امت کو اشرار اور اعتقاد کیا۔ یہ بدی ہے کیونکہ کسی کو اشرار میں قرار دینا غلط ہے۔ دوسری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اس امت کو بد جانتے ہو۔ شاید یہ خبر ہو، یہ بطریق تعریض و استہزاء ہے لیکن پہلا معنی ظاہر تر ہے۔ باوجودیکہ اسے روایت کی حیثیت سے غلط قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸؎ جذع، جیم کے نیچے زیر، ذال، درخت کاٹنا

۹؎ اب وہ قبور یہود کا علاقہ معروف نہیں مگر اس دور میں تھا تو حجاج نے حکم دیا انھیں قبور یہود میں پھینک دیا جائے۔

۱۰؎ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا۔

۱۱؎ ظالم کے پاس آنے سے انکار فرمادیا۔

۱۲؎ جو تجھے بالوں سے گھسیٹ کر لائے گا۔

۱۳؎ سِبْتَیّ، سین کے نیچے زیر یا ساکن، تاء کے نیچے زیر یا مشدد، رنگ شدہ چمڑہ کا جوتا اور اس پر بال نہ ہوں۔ سِبْتَیَّ تثنیہ ہے اور یاء متکلم کی طرف مضاف ہے۔

۱۴؎ ان کے قتل سے تو دوزخی اور مستحق عذاب ہوگیا ہے۔

۱۵؎ یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا لقب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقعہ پر عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے اس موقعہ پر اپنے کمربند (جو عرب خواتین باندھا کرتی تھیں) کے دو ٹکڑے فرمائے۔ ایک میں سفر کا کھانا باندھا اور دوسرا خود پہن لیا۔

۱۶؎ تاکہ کھانا نیچے زمین پر نہ گرے اور ضائع نہ ہو۔

۱۷؎ اس ظالم نے اسے بطور مذمت لیا حالانکہ وہ بے عقل نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر کی

خدمت سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے ۔

۱۸ یہ اشارہ مختار بن ابی عبید کی طرف تھا

۱۹ اپنی بدباطنی کا جواب نہ دے سکا ۔

۵۷۴۹/۲۵ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَتَاهُ رَجُلَانِ فِيْ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا اِنَّ النَّاسَ صَنَعُوْا مَا تَرٰى وَاَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَخْرُجَ فَقَالَ يَمْنَعُنِيْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى دَمِ اَخِي الْمُسْلِمِ قَالَا اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَاَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نافع[۱] سے روایت ہے کہ حضرت ابن زبیر کی جنگوں کے دوران حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر دو آدمی عرض گزار ہوئے لوگوں نے جو کچھ کیا وہ آپ نے ملاحظہ[۲] فرمایا ۔ آپ حضرت عمر کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ کو باہر نکلنے[۳] سے کیا چیز روکتی ہے ؟ فرمایا مجھے یہ چیز روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میرے مسلمان بھائی کا خون حرام[۴] فرمایا ہے ۔ دونوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا : ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے[۵] (۲ : ۱۹۳) حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم ان سے لڑے یہاں تک کہ فتنہ نہ رہا اور دین صرف اللہ کے لیے ہو گیا اور تم ان لوگوں سے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ برپا ہو اور دین غیر اللہ[۶] کے لیے ہو جائے (بخاری)

۱ یہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں

۲ امر خلافت و امارت میں اختلاف

۳ برائے امامت خلافت اور برائے انتقام از ظالم

۴ قتل و خون سے پرہیز یعنی میرا طریق احتیاط والا ہے ورنہ لفظ "علی" لانے کی ضرورت نہ تھی ۔

۵ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے ساتھ مل کر جہاد کیا ۔

۶ تمہاری جنگ دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے نہیں بلکہ دنیا اور بادشاہی کے لیے ہے ۔

۵۷۵۰/۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو الدَّوْسِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ عَصَتْ وَاَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طفیل[۱] بن عمرو دوسی[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ بیشک دوس ہلاک ہوئے ، نافرمانی کی اور انکار[۳] کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے

فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِهِمْ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان کے خلاف دعا کیجیے۔ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے خلاف دعا فرمائیں گے لیکن کہا: اے اللہ! دوس کو ہدایت فرما اور انھیں میرے پاس پہنچا دے۔[۴]
(متفق علیہ)

۱ الطفیل، طاء پر پیش، فاء پر زبر

۲ بن عمرو دوسی، دال پر زبر، مکہ میں اسلام لائے صحابی ہیں پھر اپنی قوم میں چلے گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو یہ بھی خیبر کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک خدمت میں رہے۔ ان کا لقب ذو النور ہے کیونکہ جب انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی طرف دعوت کے لیے بھیجا تو انھوں نے کسی نشانی کے لیے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی اے اللہ انھیں نور عطا فرما تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک اٹھا۔ کہتے ہیں میں ڈر گیا کوئی مجھے مثلہ (بگڑا ہوا) کہے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نور میرے عصا کی طرف منتقل کر دیا وہ رات کی تاریکی میں روشن رہتا تھا پھر انھوں نے جاکر دعوت دی ان کے والد ایمان لائے مگر ماں ایمان نہ لائی۔

۳ انھوں نے طاعت اور حکم بجا آوری سے انکار کر دیا۔

۴ تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۵۷۵۱ / ۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَّ الْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتوں کے باعث[۱] اہل عرب سے محبت رکھو۔ کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن مجید عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ روایت کیا اسے بیہقی نے شعب الایمان میں۔

۱ یعنی عربوں کو دنیا و آخرت میں فضیلت ہے۔

باب مناقب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین[1]

صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی وفات بھی دینِ اسلام پر ہوئی اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا ہو، جیسے کہ اشعث بن قیس کے بارے میں کہتے ہیں یہی صحیح ترین قول ہے۔ بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت حاصل ہوئی ہو، آپ کی بارگاہ میں حاضری نصیب رہی ہو، آپ سے علم حاصل کیا ہو اور غزوات میں حاضری کا موقع ملا ہو، انھوں نے کم از کم چھ ماہ کی مدت مقرر کی ہے، چھ ماہ کی مدت مقرر کرنے کی کیا دلیل ہے ہمیں معلوم نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ تو واضح ہے کہ اس صحابی کو زیادہ فضیلت حاصل ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ حاضری کا موقع ملا۔ نیز آپ کی معیت میں جہاد میں حصہ لیا بہ نسبت اس صحابی کے جسے حاضری کا زیادہ موقع نہیں ملا، نہ ہی کسی غزوہ میں آپ کے ہمراہ شریک ہوئے، صرف دُور سے آپ کی زیارت کی، آپ سے گفتگو کا بھی کم موقع ملا یا بچپن میں آپ کی زیارت کی۔ اگرچہ صحابی ہونے کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔

صحابہ کرام کی فضیلت اور عدالت کے بارے میں گفتگو طویل ہے اس کا کچھ حصہ شرح لمعات میں ذکر کیا گیا ہے اہلِ سنت وجماعت کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں صرف کلمہ خیر زبان پر لایا جائے ورنہ خاموشی اختیار کی جائے اور اگر کوئی بات اس کے خلاف منقول ہو (جس کی بناء پر صحابہ کرام پر اعتراض کیا جا سکے) تو اس سے چشم پوشی کرنی چاہیے اسی میں سلامتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۷۵۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے

---

[1] اس باب سے آخر تک اشعۃ اللمعات کا ترجمہ راقم نے کیا ہے فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اس حصے کا آغاز ۵ ربیع الاول مطابق ۲۰ جون ۲۰۰۸ء / ۱۴۲۰ھ کو ہوا ۱۲ محمد عبدالحکیم شرف قادری

اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

صحابہ کو گالی نہ دو۔ اگر تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان میں سے ایک کے ایک سیر[۱] اور آدھے سیر[۲] کو نہیں پہنچے گا۔ (بخاری و مسلم)

[۱] مُد۔ میم پر پیش، دال مشدد، یہ ایک پیمانہ ہے جو ایک رطل اور اس کے تہائی حصے پر مشتمل ہوتا ہے (سیر)

[۲] یہ اس امر کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی فضیلت کا مطلب ثواب کی زیادتی ہے۔

۵۷۵۲ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ[۱] عَنْ اَبِیْہِ[۲] قَالَ رَفَعَ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ وَکَانَ کَثِیْرًا مَّا یَرْفَعُ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ اَمَنَۃٌ[۴] لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَھَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَۃٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَھَبْتُ اَتٰی اَصْحَابِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ وَاَصْحَابِیْ اَمَنَۃٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَھَبَ اَصْحَابِیْ اَتٰی اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو بردہ[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا۔ آپ بکثرت آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا کرتے تھے[۳] اور فرمایا، ستارے آسمان کے لیے امن کا سبب[۴] ہیں۔ جب ستارے چلے جائیں[۵] گے تو آسمان کو وہ کچھ آئے گا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے[۶]۔ ہم اپنے صحابہ کے لیے سبب امن ہیں۔ جب ہم چلے جائیں گے تو ہمارے صحابہ کو وہ کچھ آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہمارے صحابہ ہماری امت کے لیے باعث امن ہیں جب ہمارے صحابہ چلے جائیں گے تو ہماری امت کو وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (مسلم)

[۱] ابو بُردہ، باء پر پیش، راء ساکن، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، ثقہ تابعی اور کوفہ کے قاضی تھے۔

[۲] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

[۳] وحی کے انتظار میں، نیز بلندی اور عالم بالا کی طرف توجہ فرمانے کے لیے۔

[۴] اَمَنَۃٌ پہلے تینوں حرفوں پر زبر، مصدر ہے اس کا معنی ہے امن، جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً

[۵] جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔

[۶] یعنی آسمان پھٹ جائے گا جیسے ارشاد فرمایا: اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور فرمایا اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ۔

ثہ فتنے اور لڑائیاں ہوں گی اور بعض عرب مرتد ہو جائیں گے۔
ثہ بدعات، حوادث اور فتنے پیدا ہوں گے بھلائی چلی جائے گی اور شر پیدا ہوگا۔

۵۷۵۴ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ
فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ
هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُولَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ
فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ
زَمَانٌ فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ
فَيُقَالُ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ
رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي
عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِئَامٌ مِنَ
النَّاسِ فَيُقَالُ هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ
مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ
لَهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ
قَالَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُبْعَثُ
مِنْهُمُ الْبَعْثُ فَيَقُولُونَ انْظُرُوا هَلْ
تَجِدُونَ فِيكُمْ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوجَدُ الرَّجُلُ
فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يُبْعَثُ الثَّانِي فَيَقُولُونَ
هَلْ فِيهِمْ مَنْ رَأَى أَصْحَابَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوجَدُ فَيُفْتَحُ
لَهُمْ ثُمَّ يُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّالِثُ فَيُقَالُ
انْظُرُوا هَلْ تَرَوْنَ فِيهِمْ مَنْ رَأَى

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں
پر ایک زمانہ آئے گا پس لوگوں کی ایک جماعت لہ جہاد
کرے گی پس کہا جائے گا کیا تم میں ثہ وہ شخص ہے جسے
رسول اللہ کی صحبت میسر ہوئی، مجاہدین کہیں گے ہاں
تو ان کے لیے قلعہ کھول دیا جائے گا۔ پھر لوگوں پر ایک
زمانہ آئے گا اور لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی
تو کہا جائے گا کیا تم میں وہ شخص ہے جسے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت نصیب ہوئی ثہ؟ تو
وہ لوگ کہیں گے ہاں۔ تو ان کے لیے قلعہ کھول دیا جائے
گا۔ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا لوگوں کی ایک جماعت
جہاد کرے گی تو کہا جائے گا کیا تم میں وہ شخص موجود ہے
جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مصاحب
کی صحبت کا شرف پایا ثہ ہے۔ وہ کہیں گے ہاں تو ان کے
لیے قلعہ کھول دیا جائے گا ثہ (صحیحین) امام مسلم کی
ایک روایت میں ہے کہ ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک
زمانہ آئے گا کہ ان کے درمیان ایک لشکر ثہ بھیجا جائے
گا تو وہ کہیں گے کہ دیکھو کیا تم ثہ اپنے درمیان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی پاتے ہو؟ پس ایک
صحابی پایا جائے گا تو ان کے لیے قلعہ کھول دیا جائے گا
پھر دوسرا لشکر بھیجا جائے گا تو کہیں گے کیا ان میں
ایسا شخص ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحابہ کی زیارت کی ثہ ہے تو ایسا شخص پایا جائے گا ان کے
لیے قلعہ کھول دیا جائے گا پھر تیسرا لشکر بھیجا جائے
گا اور کہا جائے گا کہ دیکھو کیا تمہیں ان میں ایسا شخص دکھائی

مَنْ رَأَى أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَكُونُ الْبَعْثُ الرَّابِعُ فَيُقَالُ انْظُرُوا هَلْ تَرَوْنَ فِيهِمْ أَحَدًا رَأَى مَنْ رَأَى أَحَدًا رَأَى أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوجَدُ الرَّجُلُ فَيُفْتَحُ لَهُ

دیتا ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی زیارت کرنے والے کی زیارت کی ہو؟ پھر چوتھا لشکر بھیجا جائے گا اور کہا جائے گا دیکھو ان میں تمہیں ایسا شخص دکھائی دیتا ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو؟ چنانچہ ایک ایسا شخص پایا جائے گا تو اس کے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا۔ ۱۲

ملہ فِئَامٌ - فاء کے نیچے زیر، اس کے بعد ہمزہ اسے یاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے (فئام) مردوں کی ایک جماعت، اس کی جمع فُؤُمٌ ہے، پہلے دونوں حرفوں پر پیش، جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ بعض علماء نے فاء پر زبر بیان کی ہے۔ (فَؤُمٌ)

ملہ اس جماعت سے پوچھا جائے گا۔

ملہ پس وہ قلعہ، حصار اور شہر کھول دیا جائے جہاں دشمن بند ہو گا۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی برکت و شوکت کے طفیل فتح و نصرت حاصل ہو جائے گی۔

ملہ یعنی کوئی تابعی ہے؟

۵ یعنی تبع تابعین میں سے ہو؟

ملہ اس حدیث میں قرون ثلاثہ (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کی فضیلت اور شرافت بیان کی گئی ہے جیسے کہ آئندہ حدیث میں بھی اس کی تصریح آئے گی۔

ملہ بَعْثٌ باء پر زبر اور عین ساکن، عین پر زبر بھی آئی ہے وہ لشکر جو کسی جگہ بھیجا جائے اس کی جمع بُعُوثٌ ہے۔

ملہ اس جگہ فیکم کاف خطاب کے ساتھ ہے جبکہ دوسرے تمام جملوں میں فیھم ہے۔

ملہ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین میں صحابہ کرام کی زیارت کافی ہے جیسے کہ صحابہ کرام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت معتبر ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ صحابی ہونے کے لیے صرف زیارت کافی ہے لیکن تابعی ہونے کے لیے صحبت اور ملازمت ہونی چاہیے جیسے کہ پہلی روایت میں آیا ہے تاہم پہلی روایت کا مطلب زیارت یا صحبت ہو سکتا ہے۔

ملہ اس جگہ فَيَقُولُونَ نَعَمْ مذکور نہیں ہے، مَنْ رَأَى پر اکتفا کیا گیا ہے (اشعۃ اللمعات میں اس جگہ فَيُوجَدُ بھی نہیں ہے ۱۲ قادری۔

ملہ اس جگہ فَيُفْتَحُ لَهُمْ کا بھی ذکر نہیں ہے۔

۱۲؎ گویا یہ جملہ کہ قلعہ کھول دیا جائے گا پہلے جملوں سے بھی متعلق ہے۔ اس حدیث میں چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اتباع کے تابعین۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں حدیث خیر القرون میں چار مرتبہ واقع ہوا ہے۔

۵۷۵۵ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَّشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذِرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَ يَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَّيَحْلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَخْلُفُ قَوْمٌ يُّحِبُّوْنَ السَّمَانَةَ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری بہترین اُمت ہمارے صحابہ ہیں پھر وہ لوگ بہترین ہیں جو اُن کے ساتھ متصل ہیں[۱]۔ پھر وہ جو ان کے ساتھ متصل ہیں[۲]۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہوگی[۳] وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا[۴] وہ نذر مانیں گے اور اسے پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا[۵] ایک روایت میں ہے کہ وہ قسم کھائیں گے حالانکہ ان سے قسم طلب نہیں کی جائے گی (بخاری و مسلم) امام مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹاپے کو محبوب رکھیں گے[۶]

۱؎ یعنی تابعین۔

۲؎ یعنی تبع تابعین۔ یاد رہے کہ ایک زمانے کے لوگوں کی وہ جماعت ہے جو کسی امر میں قریب اور متصل ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس میں زمانے کی معین تعداد معتبر نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرن یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ایک سو دس سال تک باقی تھے۔ تابعین کا قرن ایک سو ستر سال تک باقی تھا، اور تبع تابعین کا قرن اس وقت سے دو سو ساٹھ ہجری تک باقی تھا۔ اس وقت بدعتیں پیدا ہوئیں اور عجیب و غریب چیزیں ظاہر ہوئیں۔ فلاسفہ نے سر اٹھایا، معتزلہ نے اپنی زبانیں کھولیں۔ اہل علم کو قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا قائل کرنے کے لیے امتحان و آزمائش میں ڈالا گیا، احوال متغیر ہوگئے۔ اختلافات بہت پھیل گئے۔ احکام سنت پر عمل کم ہوگیا۔ اس طرح مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی صداقت ظاہر ہوئی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب کرنے سے پہلے گواہی دینا مذموم (بُرا کام) ہے۔ اس جگہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہترین گواہ وہ ہے کہ وہ گواہی طلب کیے جانے سے پہلے گواہی دے۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ مذمت اس جگہ ہے جہاں ایک شخص کا گواہ ہونا معلوم ہو

ایسی جگہ طلب کرنے سے پہلے گواہی دینا بیکار ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا اپنا کوئی مطلب ہے جس کی بناء پر مطالبے کے بغیر گواہی دے رہا ہے۔ اور تعریف اس جگہ ہے جہاں اس شخص کا گواہ ہونا معلوم نہیں ہے، یہ شخص اطلاع دیتا ہے کہ میں بھی گواہ ہوں تاکہ جب گواہی طلب کی جائے تو قاضی کے سامنے گواہی دے سکے۔

یا دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطالبے کے بعد گواہی دینے اور حاضر ہونے میں جلدی کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جواد وہ شخص ہے جو سوال سے پہلے دے (یعنی سوال کے بعد بخشش اور عطا میں دیر نہ کرے) یا مذمت اس صورت میں ہے کہ کوئی شخص گواہی کے قابل نہیں ہے یا جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ یا مذمت بندوں کے حقوق میں اور تعریف اللہ تعالیٰ کے حقوق میں ہے۔ یہ بھی اس وقت ہے جب پردہ داری اور مخفی رکھنے میں مصلحت نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ شہادت سے مراد قسم ہے یعنی لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ اس سے پہلے کہ انھیں قسم دی جائے اور ان سے قسم کا مطالبہ کیا جائے جیسے کہ ایک دوسری روایت میں ہے۔

سکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی خیانت ایسی ظاہر اور واضح ہو گی کہ وہ بالکل امانت کے قابل نہیں رہیں گے، اگر کبھی کبھار اچانک واقع ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۵ السِّمَنَ۔ سین کے نیچے زیر، میم پر زبر — یعنی ان میں زیادہ کھانے پینے اور عیش وعشرت کی وجہ سے موٹاپا ظاہر ہو گا۔ پیدائشی اور طبعی موٹاپا مراد نہیں ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ احوال میں فربہی اور موٹاپا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے کمال اور فضیلت کا دعویٰ کریں گے جو ان میں نہیں ہے (مثلاً علم وفضل تقویٰ طہارت اور ولایت کا دعویٰ کریں گے جبکہ ان امور سے عاری ہوں گے ۱۲ قادری) اہلِ علم یہ بھی فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مال جمع کریں گے، دین سے غفلت برتیں گے اور خوب کھائیں پئیں گے۔

سلہ السَّمَانَۃ، سین پر زبر، بعض روایات میں آیا ہے کہ ان میں سے ایک کی گواہی قسم سے سبقت کرے گی اور قسم گواہی سے سبقت کرے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم میں دلچسپی لیں گے اور دین و دیانت کی کم پرواہ کریں گے چنانچہ کبھی شہادت کا لفظ استعمال کریں گے اور کبھی قسم کا۔

الفصل الثانی

۵۷۵۶ عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَظْھَرُ الْکَذِبُ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَحْلِفُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ

دوسری فصل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے صحابہ کی عزت کرو کہ وہ تمہارے نیک ترین لوگ ہیں پھر وہ جو اُن کے ساتھ متصل ہیں پھر وہ جو اُن کے ساتھ متصل ہیں پھر جھوٹ ظاہر ہو گا یہاں تک کہ ایک شخص

وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ اَلَا مَنْ سَرَّهُ بُحْبُوحَةُ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ اِلَّا اِبْرَاهِيْمَ بْنَ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِيَّ لَمْ يُخْرِجْ عَنْهُ الشَّيْخَانِ وَهُوَ ثِقَةٌ ثَبْتٌ ۔

قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی[۳] سنو جسے جنت کا درمیانہ حصہ پسند ہے وہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے ۔ کیونکہ تنہا آدمی کے ساتھ شیطان ہے اور وہ دو سے دور ہے اور کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات نہ کرے کیونکہ شیطان ان کا تیسرا ساتھی ہوگا[۴] اور جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور اپنی برائی غمگین کرے وہ مومن ہے[۵] ۔ اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ۔ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں ۔ البتہ ایک راوی ابراہیم بن حسن خثعمی ہیں جن سے امام بخاری اور مسلم نے حدیث روایت نہیں کی ، تاہم وہ ثقہ اور مستند ہیں ۔

[۱] اس طرح کیوں نہ ہو ؟ جب کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ملازمانِ بارگاہ ہیں ۔ وقتاً فوقتاً حاضر ہونے والے اور آپ سے علم وعمل اور حال کی تربیت پانے والے ہیں اور اگر انھیں زیادہ ملازمت اور صحبت حاصل نہیں ہوئی تاہم وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ انور اور چہرہ اقدس کی زیارت کرنے والے تو ہیں ۔ شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دفعہ دیدار سے وہ کچھ حاصل ہوتا ہے اور وہ عقدے حل ہوتے ہیں جو چلّوں اور تنہائی کی عبادتوں سے حل نہیں ہوتے ، پھر آنکھوں کے دیکھنے سے ایمان اور مشاہدہ پر مبنی جو یقین انھیں حاصل ہوتا ہے اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے (امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہِ لطف و عنایت صحابہ کرام کو ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز کردیتی تھی ۱۲ قادری)

[۲] یہ تین گروہ امت مسلمہ کے افضل ترین اور ملت اسلامیہ کے سردار ہیں اس زمانے اور اس زمانے کے لوگوں میں صداقت ، دیانت اور عفت وامانت سب ہے ۔ اس دور کے جو مستور الحال لوگ ہیں ان پر بھی عدالت کا حکم لگایا گیا ہے ۔ ہاں نادر طور پر ایسے لوگ ہوں گے جو عدالت سے خالی ہوں گے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں ۔ لیکن بعد والے لوگوں میں معاملہ برعکس ہوگیا (فسق اور جھوٹ عام ہوگیا لہٰذا مستور غیر معتبر پائے ۱۲ قادری) جیسے کہ حدیث شریف کے اگلے حصے میں ارشاد فرمایا ۔

[۳] پھر دین و دنیا میں جھوٹ اور خیانت ظاہر ہوگی ۔ یہ اشارہ ہے بدعات اور نفسانی خواہشات کے

ظاہر اور عام ہونے کی طرف، اگرچہ ان امور میں سے بعض مثلاً قدریہ، معتزلہ اور مرجیہ فرقے ان تین ادوار کے آخر میں پیدا ہوئے لیکن ان کا ظہور اور ان کی اشاعت ان کے بعد ہوئی۔

سے یہ اشارہ ہے دین داری اور احتیاط کے چھوڑ دینے کی طرف۔

سے یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اسے جنت کا درمیانہ درجہ ملے جو جنت کا بہترین حصہ ہے۔ بُحْبُوحَةَ الدَّار پہلی اور دوسری باء پر پیش، پہلی حاء ساکن، گھر کا درمیانہ حصہ۔ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ اسے چاہیے کہ مسلمانوں کی جماعت اور تینوں ادوار کے سوادِ اعظم کو لازم پکڑے اور ان کی پیروی کرے فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ اس لیے کہ بتحقیق شیطان تنہا کے ساتھ ہے۔ فَذّ فاء پر زبر نقطے والا ذال مشدد، تنہا اور یگانہ، مراد وہ شخص ہے جو اپنی رائے پر عمل کرتا ہے اور جماعت کی پیروی نہیں کرتا وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ اَبْعَدُ اور شیطان ایک آدمی کی نسبت دو سے زیادہ دور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص سے بھی کبھی دور ہو جائے لیکن دو سے زیادہ دور ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جگہ ابعد، بعید کے معنی میں ہو (اب مطلب یہ ہوگا کہ شیطان دو سے دور ہوتا ہے ایک سے نہیں)۔

سے ایک مرد، دوسری عورت اور تیسرا شیطان

سے یعنی ایمان کے صحیح ہونے اور اس کے کمال کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے سے خوش ہو اور اگر اس سے برائی صادر ہو جائے تو غمگین ہو جائے۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ یہ دل کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔

سے رَوَاهُ کے بعد مشکوٰۃ شریف میں جگہ خالی ہے۔ حاشیہ میں نسائی شریف کا حوالہ دیا گیا ہے

۵۷۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِيْ وَرَاٰى مَنْ رَآنِيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے ہماری زیارت کی اور جس نے ہماری زیارت کرنے والے (صحابی) کی زیارت کی سے (ترمذی)

سے یعنی اس کے ساتھ اس کی وفات اسلام پر ہوئی ہو۔ اس حدیث نے اس بشارت کو بالاتفاق صحابہ اور تابعین کے ساتھ خصوص کیا ہے۔ یہ بشارت ان دس حضرات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ ان حضرات کے ساتھ بھی خاص نہیں ہے جنہیں بشارت ملی ہے بلکہ تمام مسلمانوں اور مومنوں کو شامل ہے (جو صحابی ہیں یا تابعی)۔ لیکن صحابی اور تابعی وہ ہے جس کی وفات اسلام پر ہوئی ہو یہ خبر حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر اور بشارت کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے وہ جماعت مخصوص ہوئی ہے جسے مبشرہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ایمان پر موت کی بشارت ہو جس طرح علماء نے حدیث شریف "مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ"، میں فرمایا ہے۔

۵۷۵۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ بن مغفل[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، تین دفعہ فرمایا[۲] ہمارے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا[۳] پس جو شخص انہیں محبوب رکھتا ہے وہ ہماری محبت کی بناء پر ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہماری دشمنی کے سبب ان سے دشمنی رکھتا ہے[۴]۔ اور جس نے انہیں ایذا دی اس نے ہمیں ایذا دی اور جس نے ہمیں ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گرفت میں لے لے[۵]۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] عبداللہ بن مغفل میم پر پیش، نقطے والی غین پر زبر، فاء مشدد پر زبر صحابی ہیں۔ جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔

[۲] تاکید اور مبالغہ کے طور پر تین دفعہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں اور انہیں تعظیم و توقیر کے بغیر یاد نہ کرو اور ہمارے ساتھ ان کی صحبت کا حق ادا کرو۔

[۳] ان پر گالیوں اور عیب لگانے کے تیر نہ برساؤ۔

[۴] یعنی ان کی محبت کو ہماری محبت اور ان کی دشمنی کو ہماری دشمنی لازم ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس دشمنی سے محفوظ رکھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ محبت کے صحیح ہونے کی علامت اور دوستی کا نشان یہ ہے کہ محبت محبوب کے واسطے سے اس کے متعلقین تک پہنچتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نشانی آپ کی آلِ پاک اور صحابہ کرام کی محبت ہے۔

[۵] اور اسے عذاب دے۔

۵۷۵۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اَصْحَابِيْ فِيْ اُمَّتِيْ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لَا يَصْلُحُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت میں ہمارے صحابہ کی مثال ایسے ہے جیسے کھانے میں

الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَهَبَ مِلْحُنَا فَكَيْفَ نَصْلَحُ
(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

نمک، طعام نمک کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: ہمارا نمک چلا گیا تو ہم کس طرح درست ہو سکتے ہیں؟ [1] (شرح السنۃ)

[1] حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث شریف سن کر مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ بعض صحابہ کرام کے رحلت فرما جانے پر انھوں نے اظہارِ افسوس کیا۔ حالانکہ ان کے زمانے میں بعض صحابہ کرام موجود تھے۔ حضرت حسن بصری کی وفات سن ایک سو دس ہجری میں ہوئی۔

۵۷۶۰/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ يَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَّنُوْرًا لَّهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبد اللہ بن بریدہ [1] رضی اللہ عنہم اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا کوئی صحابی کسی زمین میں فوت نہیں ہوگا مگر یہ کہ قیامت کے دن اس علاقے کے لوگوں کے لیے قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت بریدہ اسلمی مرو کے قاضی اور وہاں کے عالم تھے، مشہور تابعی تھے، ان کے والد حضرت بریدہ مشہور صحابی ہیں۔

ذکر حدیث ابن مسعود حضرت ابن مسعود کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ ـ فِيْ بَابِ حِفْظِ اللِّسَانِ زبان کی حفاظت کے باب میں ذکر کی گئی ہے۔ جس میں صحابہ کرام کا ذکر ہے۔ مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ ذکر کی گئی ہے۔ حضرت مصنف نے اس جگہ اس حدیث کا ذکر مناسب سمجھا (خط کشیدہ عربی عبارت ہمارے پیشِ نظر مشکوٰۃ شریف کے نسخہ میں نہیں ہے ۱۲ قادری۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۷۶۱/۱۰ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہمارے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو: اللہ تعالیٰ کی لعنت [1] ہو تمھارے شر پر (ترمذی)

[1] اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کی رحمت سے دُوری ہو تمھارے اس بُرے فعل پر ــــ اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ اگر فعل پر لعنت بھیجیں نہ کہ ذات پر تو یہ احتیاط کے قریب ہوگا۔

۵۷۶۲ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَأَلْتُ رَبِّیْ عَنْ اِخْتِلَافِ اَصْحَابِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَاَوْحٰی اِلَیَّ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اَصْحَابَکَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَۃِ النُّجُوْمِ فِی السَّمَآءِ بَعْضُھَا اَقْوٰی مِنْ بَعْضٍ وَّلِکُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِّمَّا ھُمْ عَلَیْہِ مِنْ اِخْتِلَافِھِمْ فَھُوَ عِنْدِیْ عَلٰی ھُدًی قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ۔

(رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا جو میرے بعد ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ اے محمد! آپ کے صحابہ میری بارگاہ میں ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے ۔ ان میں سے بعض نور میں بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کے لیے ایک نور ہے پس جس نے علم و عمل میں کسی چیز کو لیا جس پر وہ اپنے اختلاف[1] کے باوجود ہیں تو وہ ہدایت پہ[2] ہے ۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس تم ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے

(رزین)

[1] یعنی علم فقہ کے مسائل میں جو ان کا اختلاف ہے ۔

[2] جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا اختلاف رحمت ہے ۔ جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ۔ وَلِکُلٍّ نُوْرٌ اور ہر ایک کے لیے ایک نور ہے پس ہدایت اس علم اور فقاہت کے مطابق ہے جو اس شخص کے پاس ہے اگرچہ اس کے مراتب مختلف ہیں ۔ اس امر سے کوئی صحابی خالی نہیں ہے ہر ایک کے پاس دین و شریعت کا علم ہے ۔ اگر بعض مقامات میں از راہ بشریت ان سے خطا سرزد ہوگئی ہو اور وہ راہ صواب پر گامزن نہ رہ سکے ہوں مثلاً چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لیے انھوں نے امام برحق کی مخالفت کی ہو تو اس خاص مسئلے میں ان کی اقتداء درست نہیں ہوگی اور ہدایت میسر نہیں ہوگی ۔ یہ مستثنیٰ ہے اور بحث سے خارج ہے خوب اچھی طرح یہ مسئلہ سمجھ لیجیے ، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

باب مناقب ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت سی صحیح، حسن اور ضعیف حدیثیں وارد ہوئی ہیں بعض محدثین نے ان میں سے بعض کو موضوع قرار دیا ہے۔ ان میں سے چند حدیثیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً"
اللہ تعالیٰ لوگوں پر عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر کے لیے خاص

۲۔ مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا وَصَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ
اللہ تعالیٰ نے جو حقائق و معارف میرے سینے میں ڈالے میں نے وہ ابوبکر کے سینے ڈال دیئے۔

۳۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِذَا اشْتَاقَ اِلَی الْجَنَّۃِ قَبَّلَ شَیْبَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا شوق ہوتا تو ابوبکر کے بڑھاپے کے بالوں کو چومتے تھے۔

۴۔ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا اخْتَارَ الْاَرْوَاحَ اخْتَارَ رُوْحَ اَبِیْ بَکْرٍ
بے شک جب اللہ تعالیٰ نے روحوں کو منتخب فرمایا تو ابوبکر کی روح کو منتخب فرمایا۔

اسی طرح شیخ مجد الدین شیرازی نے سفر السعادۃ میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ اس کا بطلان بداہت عقل سے معلوم ہے (انتہی) شاید کہ یہ اس لیے ہو کہ اس سے حضرت ابوبکر کی فضیلت تمام مخلوق انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماسوا پر لازم آتی ہے۔ اسی طرح ان کی مساوات حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لازم آتی ہے، نیز وہ کچھ لازم آتا ہے جو عقل اور عادت کے دائرے سے خارج ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اگر یہ احادیث صحیح ہوں تو تاویل کا دروازہ بند نہیں ہے۔

حدیث شریف اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ کو تنزیہ الشریعہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اسے خطیب، ابونعیم اور ابن حبان نے ضعیف روایتوں میں بیان کیا ہے۔ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا، بعض نے اسے حسن قرار دیا، حاکم اسے مستدرک میں لائے۔ امام غزالی، احیاء العلوم میں بھی لائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

⁘ ⁘ ⁘

الفصل الاوّل

۵۷۶۳ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَعِنْدَ الْبُخَارِیِّ اَبَا بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَلٰکِنْ اُخُوَّۃُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُہٗ لَا تُبْقَیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَۃٌ اِلَّا خَوْخَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ رَبِّیْ لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

پہلی فصل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک سب لوگوں سے زیادہ ہم پر خرچ کرنے والے اپنی صحبت اور مال میں ابو بکر ہیں۔ امام بخاری کی روایت میں اَبَا بَکْرٍ[1] ہے۔ اگر میں کسی کو خالص جانی دوست بناتا تو ابو بکر کو ایسا دوست بناتا لیکن وہ اخوت اور محبت باقی ہے جو اسلام کی بناء پر ہے[2] مسجد میں کوئی کھڑکی سوائے ابو بکر کی کھڑکی کے نہیں چھوڑی جائے گی[3] اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔ (صحیحین[4])

[1] الف کے ساتھ اور یہ نحو کے قاعدے کے زیادہ مطابق اور زیادہ ظاہر ہے۔ ابو بکر واؤ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس کی توجیہ شرح (لمعات) میں بیان کی گئی ہے۔

[2] خلیل مشتق ہے خلت سے، خاء پر پیش، اس کا معنی ہے وہ محبت و صداقت جو محب کے دل کے باطن میں اس طرح اتر جائے کہ محبوب، محب کے راز سے آگاہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میرے لیے جائز ہو، کہ مخلوق میں سے ایسا دوست اختیار کروں جس کی محبت میرے دل میں سرایت کر جائے اور وہ میرے راز سے آگاہ ہو جائے تو ابو بکر کو ایسا دوست بناتا کہ وہ اس صفت کے قابل ہیں لیکن میرا ایسا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق سے میری محبت وہ ہے جو میرے دل کے ظاہر پر ہے اور میرے راز پر صرف وہ ہی آگاہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیل ماخوذ ہو خلت، خاء پر زبر کے ساتھ جس کا معنی حاجت ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں کوئی ایسا دوست بناتا جس کی طرف میں اپنی حاجتوں میں رجوع کرتا اور اپنے مقاصد میں اس پر اعتماد کرتا تو ابو بکر کو ایسا دوست بناتا لیکن میرا تمام امور میں اعتماد اور ہر حال میں میرا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور وہی میرا ملجاء و ماویٰ ہے۔ یہ مطلب حدیث شریف کی روش کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن شارحین نے فرمایا کہ پہلا معنی زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ فافہم۔

[3] خوخۃ نقطے والی خاء پھر واؤ اس کے بعد پھر نقطے والی خاء۔ وہ تنگاف (کھڑکی) جو دیوار میں چھوڑا جاتا ہے تاکہ گھر میں روشنی آئے۔ مسجد شریف سے متصل گھروں کی کھڑکیاں مسجد کی طرف تھیں جن سے گزر کر صحابہ کرام

مسجد میں آیا کرتے تھے یا مسجد کی طرف دیکھ لیتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا ازراہ اعزاز و تکریم ارشاد فرمایا۔ ابوبکر کے علاوہ سب کی کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا، شارحین فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور دوسروں کی گفتگو کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ جب بعض صحابہ کرام نے اس بارے میں گفتگو کی تو ارشاد فرمایا یہ کام ہم نے از خود نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے گھر کی دیوار میں کھڑکی رکھنے کی اجازت دی جائے تاکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائیں تو آپ کی زیارت کر لیا کروں۔ فرمایا سوئی کے سوراخ جتنا راستہ بھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

۵؎ حافظ ابن حجر عسقلانی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ اس باب میں متعدد سندوں سے احادیث مروی ہیں جو بظاہر ایک دوسری کے خلاف ہیں۔ ایک تو یہ حدیث ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہے۔ دوسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ مسجد کے جانب کھلنے والے دروازوں کو بند کر دیا جائے۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام نسائی نے روایت کیا اور اس کی سند قوی ہے۔ امام طبرانی معجم اوسط میں ثقہ راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے جمع ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے صحابہ کرام کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کے دروازے آپ نے کھول دیئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے بند کیا ہے اور نہ کھولا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بند کیا ہے اور کھولا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے علی مرتضیٰ کے دروازے کے علاوہ دوسرے دروازے بند کر دوں۔ اسی طرح امام احمد اور امام نسائی نے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حدیث حجت بننے کے قابل ہے۔ خصوصاً جب کہ بعض روایات کو بعض سے قوت اور تائید حاصل ہوئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہونے والی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کی بعض سندوں پر کلام نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث صحیحہ کے مخالف ہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان احادیث کے مقابل رافضیوں نے یہ حدیث وضع کی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے ابن جوزی پر رد کیا ہے اور فرمایا کہ انھوں نے محض اس وہم کی بنا پر اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں وارد ہونے والی حدیث کے معارض ہے۔ علامہ عسقلانی نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث کثیر سندوں سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض صحت کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں اور بعض حسن ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ

جب مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی تو ابتداء میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دروازہ مسجد کی جانب تھا جس سے ان کی آمدورفت رہتی تھی۔ یہ حدیث درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ہمارے اور تمہارے علاوہ کوئی شخص حالت جنابت میں اس مسجد میں نہ آئے جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے علاوہ تمام کھڑکیوں کے بند کرنے کا حکم آخر میں تھا اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے دو تین دن باقی تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کے دروازے کے علاوہ دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب حاضر ہوئے۔ حکم کی تعمیل میں ان سے کسی قدر توقف ظاہر ہوا، ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی اور پانی جاری تھا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ نے اپنے چچا کو باہر نکال دیا اور چچا کے بیٹے کو اندر لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا! ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں ہمارا اختیار نہیں ہے۔ اس واقعہ میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ذکر سے معلوم ہوگیا کہ یہ واقعہ پہلے کا تھا، کیونکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور فرمایا: حضرت رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ ایک پاکیزہ مسجد تعمیر کریں جس میں آپ، حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے دو صاحبزادے شبر اور شبیر کے علاوہ کوئی رہائش اختیار نہ کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف وحی نازل فرمائی کہ ہم پاک صاف مسجد تعمیر کریں جس میں ہمارے علی مرتضیٰ اور ان کے دو بیٹوں حسن اور حسین کے علاوہ کوئی رہائش اختیار نہ کرے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ علامہ ابن حجر نے اس سلسلے میں طویل گفتگو کی ہے۔ جس کا کچھ حصہ ہم نے تاریخ مدینہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِیْلًا وَلٰكِنَّهٗ اَخِیْ وَصَاحِبِیْ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِیْلًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو جانی دوست بناتا تو ابوبکر کو جانی دوست بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے صاحب[۱] کو خلیل بنایا ہے۔ (مسلم)

[۱] اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو خلیل (دلی دوست) بنایا اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص محبت میں سچا ہو وہ محبوبیت کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ شعر ؎

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است | بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

جو شخص عشق میں سچا ہوتا ہے (بالآخر) معشوق اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔
پہلے محبت اور کشش اس کی طرف سے ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ محب اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ حبیب اس محب کو کہتے ہیں جو مرتبہ محبوبیت پر فائز ہو بعض
علماء خلت کو اعلیٰ اور اخص درجہ قرار دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ محبت اور خلت کے جامع ہیں
آپ کی خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ اسی طرح ہی امام غزالی نے فرمایا۔

۵۷۶۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ اُدْعِي لِي اَبَا بَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّي اَخَافُ اَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ اَنَا اَوْلٰى بَدَلَ اَنَا وَلَا۔)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض وفات میں فرمایا: ہمارے لیے اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی[1] کو بلاؤ تاکہ ہم ایک کتاب لکھیں[2] کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے کہ میں مستحق ہوں اور دوسرا مستحق نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومن انکار کرتے ہیں اور صرف ابوبکر کو چاہتے ہیں (مسلم) حمیدی کی کتاب[3] میں انا ولا کی جگہ انا اولیٰ ہے[4] (میں زیادہ حق دار ہوں)۔

[1] یعنی حضرت عبدالرحمٰن کو، دوسری احادیث میں ان کے نام کی تصریح آئی ہے۔
[2] یعنی کتاب لکھنے کا حکم دیں (یہ توجیہ اس لیے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس لکھا نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ قادری۔
[3] یعنی جمع بین الصحیحین۔
[4] طیبی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت زیادہ عمدہ ہے۔

۵۷۶۶ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَاَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ كَاَنَّهَا تُرِيدُ الْمَوْتَ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَاْتِي اَبَا بَكْرٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جبیر بن مطعم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور آپ سے کسی چیز کے بارے میں بات کی[2] آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ کسی وقت حاضر ہو، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ فرمائیے اگر میں حاضر ہوں اور آپ کو نہ پاؤں گویا اس نے ارادہ کیا کہ اگر آپ رحلت فرما جائیں۔ فرمایا اگر ہمیں نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا[3] (صحیحین)

سلہ جبیر بن مطعم، میم پر پیش، طاء ساکن، عین کے نیچے زیر۔ قریشی ہیں اور نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اور خیبر کے سال کے بعد اسلام لائے۔ بعض علماء نے کہا کہ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ صدق دل سے اسلام میں داخل ہوئے۔ قریش کے معزز افراد میں سے تھے۔ حلم اور وقار کے حامل اور انساب کے عالم تھے۔ اس علم میں حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد تھے۔

سلہ کسی حاجت کے بارے میں بات کی یا کوئی بات دریافت کی۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب آئی تھی۔

سلہ اس حدیث کے ظاہر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے لیکن نص قطعی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس کی فضیلت و شرافت پر دلالت کرتی ہے۔ جمہور علماءِ اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ خلیفہ بنانے کے سلسلے میں کسی جانب بھی نص قطعی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت اجماعِ صحابہ سے ہے۔ شیخ ابن الہمام نے ' مسایرہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص کا دعویٰ کیا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۶۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهٗ عَلٰى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اَيُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالًا فَسَكَتُّ مَخَافَةَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ فِيْ اٰخِرِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل سلہ کے لشکر پر انھیں امیر بنا کر بھیجا۔ فرماتے ہیں میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپ کی بارگاہ میں لوگوں میں سے محبوب ترین کون ہے؟ فرمایا عائشہ۔ میں نے عرض کیا مردوں میں سے۔ فرمایا ان کے والد۔ میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر۔ پھر آپ نے کئی مردوں کو گنا میں اس خوف سے چپ ہو گیا کہ کہیں مجھے سب سے مؤخر نہ بنا دیں۔ (صحیحین)

سلہ ذات السلاسل ایک جگہ کا نام ہے۔ اصل میں سلاسل اس ریگستان کا نام ہے جس کی ریت تہ بتہ بیٹھی ہوئی ہو، اس جگہ کی بھی یہی حالت تھی۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں۔ ذات السلاسل اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا تاکہ بھاگ نہ جائیں۔ بعض علماء نے یہ وجہ بیان کی کہ اس جگہ ایک پانی تھا جس کو سَل سَل کہتے تھے۔ مدینہ منورہ سے دس دن کے فاصلے پر تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو اس جگہ بھیجا، ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور تین سو مہاجرین اور انصار ان کے ساتھ روانہ کیے اور انھیں سیاہ جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص اس جگہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے امداد اور کمک کی درخواست کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح

دو سو افراد کے ہمراہ بھیجا جن میں بزرگ مہاجرین اور انصار تھے، ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ انھیں ایک اور جھنڈا عطا فرمایا اور فرمایا: عمرو بن العاص سے جاکر مل جاؤ اور ان کی مخالفت نہ کرو۔ حضرت ابوعبیدہ نے صحابہ کرام کی امامت کرانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرو ابن العاص نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میری امداد کے لیے بھیجا ہے، امیر میں ہوں، حضرت ابوعبیدہ نے ان کی بات مان لی۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص صحابہ کرام کی امامت کراتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ حضرات دشمن کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو کافر بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے۔ جب حضرت عمرو بن العاص نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار کو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور ان میں حضرت ابوبکر اور عمر فاروق بھی ہیں تو ان کے دل میں خیال آیا کہ وہ مرتبے میں ان سے مقدم ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا جواب دیا کہ ان کے اس خیال کی نفی فرما دی۔ چنانچہ راوی کہتے ہیں (کہ حضرت عمرو بن العاص نے حاضر ہو کر سوال کیا جیسے کہ اسی روایت میں ہے)۔

۵۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۵۷۶۸ وَعَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ حَنَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ عُثْمَانَ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت محمد بن حنفیہ[1] سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد[2] کو عرض کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے۔ فرمایا ابوبکر۔ میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر۔ مجھے خوف ہوا کہ (اس کے بعد) فرمائیں گے عثمان[3]۔ اس لیے عرض کیا پھر آپ؟ فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک مرد ہوں[4]

(بخاری)

۱۔ ابو القاسم محمد بن علی ابن ابی طالب قریشی ہاشمی، ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس حنفیہ ہے وہ بنو حنیفہ اور بنو یمامہ میں سے تھیں۔ محمد بن حنفیہ ثقہ عالم، فاضل، کامل، اطاعت اور شجاعت کے ساتھ موصوف اور زبردست طاقت ور تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس لوہے کی زرہ لائے جو اتنی لمبی تھی کہ ان کے قد مبارک سے بھی طویل تھی۔ محمد بن حنفیہ نے اس کے دامن کا جو حصہ لمبا تھا اسے اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کہ آپ کے والد آپ کو مسلسل غزوات جنگوں اور ہلاکت کی جگہوں میں بھیجتے تھے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو نہیں بھیجتے۔ انھوں نے فرمایا حسن و حسین رضی اللہ عنہما دو آنکھوں کے مشابہ ہیں اور میں ہاتھ کے درجے میں ہوں اور قاعدہ یہی ہے کہ آنکھوں کو ہاتھوں کے ذریعے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۳۔ یعنی میں نے یہ نہیں پوچھا کہ عمر فاروق کے بعد کون افضل ہے؟ بلکہ درمیان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ

کا ذکر گول کر دیا۔ حضرت علی مرتضیٰ پر حضرت عثمان غنی کی فضیلت میں علماء کا اختلاف بھی ہے۔

سکہ یعنی ایک عام مرد ہوں۔ انھوں نے یہ بات بطور تواضع فرمائی۔ ورنہ اس سوال کے وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے افضل تھے۔ رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ

۵۷۶۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رِضْوَانُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں کسی کو ابوبکر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی کے برابر قرار نہیں دیتے تھے لہ پھر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے اور کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے لہ (بخاری) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہم کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں سب سے زیادہ فضیلت والے ابوبکر ہیں۔ پھر عمر، ان کے بعد عثمان سہ رضی اللہ عنہم اجمعین

لہ کیونکہ یہ حضرات بزرگ، مقرب اور دین ودنیا کے کام میں دوسروں سے آگے تھے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر تھے۔

لہ اگرچہ دیگر حضرات کی فضیلت بھی ثابت تھی۔

سہ شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی مراد معمر صحابہ سے ہے۔ جب کوئی مسئلہ یا معاملہ پیش آتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نوعمر اور جوان تھے ورنہ مذکورہ حضرات کے بعد ان کے افضل ہونے کا انکار کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ نیز بلاشبہ صحابہ کرام میں سے بعض کا بعض سے افضل ہونا ثابت ہے۔ جیسے اہلِ بدر، اہل بیعت رضوان اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم (دوسرے صحابہ سے افضل تھے ۱۲ قادری)

امام احمد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ فضیلت والا حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر کو جانتے تھے۔ رہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو انھیں تین ایسی فضیلتیں دی گئی تھیں کہ اگر ان تین میں ایک مجھے دی جاتی تو میں اسے دنیا اور دنیا کے تمام مال ودولت سے بہتر جانتا۔ وہ فضیلتیں یہ ہیں (۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کیا اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ان سے ہوئی۔

(۲) حضرت علی مرتضیٰ کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند فرما دیے اور (۳) خیبر کے دن حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا جھنڈا عطا فرمایا۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں نہ پوچھو اور ان پر کسی کو قیاس نہ کرو، ان کے علاوہ سب کے دروازے بند فرما دیئے ——— اسی طرح شیخ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۷۷۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَا خَلَا اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ جس نے بھی نیکی کی ہم نے اسے بدلہ دے دیا سوائے ابوبکر کے کیونکہ انھوں نے ہماری اتنی خدمت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انھیں قیامت کے دن اس کی جزا دے گا[۱] کسی کے مال نے ہمیں وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا[۲] اگر ہم کسی کو جانی دوست بناتے تو ابوبکر کو بناتے سنو تمھارے صاحب اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں[۳] (ترمذی)

[۱] یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں انتہائی تعظیم اور ان کی خدمات کا مبالغہ کے ساتھ اعتراف ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شخص پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ کوئی شخص بار احسان کی بنا پر سر نہیں اٹھا سکتا صحابہ کرام کی نیکیاں اور خدمات ان کے مقابل کیا حیثیت رکھتی ہیں جیسے کہ ظاہر ہے۔

[۲] ان کے گھر میں جو کچھ تھا سب لا کر بارگاہِ اقدس میں پیش کر دیا اور کوئی چیز گھر میں نہیں رہنے دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالخلال ہے۔ خلال کے معنی ہیں۔ انھوں نے تمام مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف کر دیا اور ایک پرانا کپڑا پہن لیا جس میں بٹنوں کی جگہ کانٹے پھنسا لیے۔

[۳] اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی خلیل نہیں رکھتے۔

۵۷۷۱ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَخَیْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے افضل ہیں[۱]

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں[۲] (ترمذی)

[۱] یعنی فضیلت اور سرداری میں ہم سب سے بہتر اور عمل اور نیکوں میں سب سے برتر ہیں۔

[۲] یہ ان کی بہتری اور برتری کا نتیجہ ہے اور ان کی سرداری اور برتری کو مکمل کرنے والا امر ہے۔

۵۷۷۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو فرمایا تم غار میں ہمارے یار اور مصاحب ہو اور حوض پر بھی ہمارے یار اور مصاحب ہو۔ (ترمذی)

[۱] یعنی تم دنیا و آخرت میں ہمارے دوست ہو۔ غالبًا یارِ غار کا لقب اسی حدیث سے لیا گیا ہے۔

۵۷۷۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں ابوبکر موجود ہے اسے لائق نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی شخص اس قوم کی امامت کرے[۱] (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

[۱] یہ ارشاد زمانہ مرض میں فرمایا ہوگا جب آپ نے انھیں امامت کا حکم دیا اور حضرت عائشہ نے اس میں توقف کیا، ممکن ہے کسی دوسرے وقت بھی ارشاد فرمایا ہوگا۔ چونکہ وہ امامت کے زیادہ لائق ہیں تو خلافت کے بھی زیادہ وہی مستحق ہوں گے۔ اسی لیے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے معاملے میں مقدم کیا، اب کون ہے کہ دنیا کے معاملے میں آپ کو پیچھے رکھے۔

۵۷۷۴ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ مَالًا فَقُلْتُ اَلْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَابَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهٗ يَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ مِثْلَهٗ وَاَتٰى اَبُوْبَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا[۱]، آپ کا یہ فرمان میرے پاس بہت سے مال سے موافق ہوا[۲] میں نے کہا کہ اگر میں ابوبکر سے سبقت لے جا سکتا ہوں تو آج ہی سبقت لے جا سکتا ہوں[۳] فرماتے ہیں میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے اہل کے لیے کیا باقی رکھا؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی جتنا کہ حاضر کیا ہے[۴]

مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوبکر اپنا تمام مال لے کر حاضر ہو گئے[۴] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! آپ نے اپنے اہل کے لیے کیا باقی رکھا ہے۔ انھوں نے عرض کیا میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو باقی رکھا ہے[۶]۔ میں نے کہا کہ میں کبھی بھی کسی شے میں ان سے سبقت نہیں لے جاسکتا[۷] (ترمذی، ابوداؤد)

[۱] اور فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال صرف کریں۔
[۲] یعنی اس وقت اتفاقاً میرے ہاتھ میں بہت سا مال تھا۔
[۳] (اس ترجمہ میں لفظ اِنْ شرطیہ قرار دیا گیا ہے ۱۲ قادری) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلمہ اِنْ نافیہ ہو، یعنی میں ان سے کبھی سبقت نہیں لے جاسکا۔ آج سبقت لے جاؤں گا۔
[۴] یعنی آدھا مال آپ کی بارگاہ میں حاضر کر دیا ہے اور آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں۔
[۵] اس جگہ اشارہ ہے کہ فرض کیجیے کہ حضرت عمر فاروق کا آدھا مال حضرت ابوبکر صدیق کے تمام مال سے زیادہ ہو تو حضرت عمر فاروق پر ان کی فضیلت برقرار رہتی ہے کیونکہ انھوں نے تمام مال لاکر حاضر کر دیا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ جُھْدُ الْمُقِلِّ افضل صدقہ وہ ہے جو نادار آدمی اپنی محنت سے ادا کرے۔ واللہ اعلم۔
[۶] یعنی میں نے کچھ مال گھر میں نہیں چھوڑا۔ میرے اہل وعیال کے لیے اللہ تعالیٰ کا فضل، اس کی رزاقیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد کافی ہے۔ اگر حضرت ابوبکر کا سارا مال حضرت عمر کے آدھے مال سے زیادہ تھا تو ان کی فضیلت میں کوئی شبہ نہیں اور اگر کم بھی تھا تو بھی تمام مال کا صرف کرنا افضل ہے۔
[۷] یعنی آج سبقت کا سبب اور موجب (یعنی مالِ فراواں) موجود تھا۔ اس کے باوجود میں سبقت نہیں لے جاسکا تو میں ان سے کبھی بھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَبَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا تمہارے درمیان فضیلت کا وہی فرق ہے جو تم دونوں کے قول میں ہے۔

۵۷۷۵/۱۲ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ فَیَوْمَئِذٍ سُمِّیَ عَتِیْقًا
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے ہو جہنم کی آگ سے، اس دن سے آپ کا نام عتیق (آتشِ دوزخ سے آزاد) رکھا گیا[۱]
(ترمذی)

لہ عتیق نام رکھنے کی کچھ اور وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عتق کا معنی حسن وجمال، بخشش، نجات اور آزادی بھی آتا ہے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ عتیق کا معنی آگ سے آزاد کیا ہوا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ عتیق آپ کا وہ نام ہے جو آپ کی والدہ نے رکھا تھا۔ واللہ اعلم۔

۵۷۷۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِيْ اَهْلَ الْبَقِيْعِ فَيُحْشَرُوْنَ مَعِيْ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَكَّةَ حَتّٰى اُحْشَرَ بَيْنَ الْحَرَمَيْنِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم پہلی وہ شخصیت ہوں گے جن سے زمین کھلے گی لہ پھر ابوبکر اس کے بعد عمر لہ پھر ہم جنت البقیع والوں کے پاس آئیں گے تو انھیں ہمارے ساتھ اٹھایا جائے گا لہ پھر ہم اہلِ مکہ کا انتظار کریں گے۔ یہاں تک کہ ہمیں ان کے ساتھ حرمِ مکہ اور حرمِ مدینہ کے درمیان جمع کیا جائے گا لہ (ترمذی)

لہ اس سے مراد قبر انور سے اٹھایا جانا ہے۔

لہ یہ دونوں حضرات حجرۂ مبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

لہ اصل میں حشر کا معنی جمع کرنا ہے یعنی اہلِ بقیع قیامت کے دن ہمارے ساتھ جمع کیے جائیں گے۔ جنت البقیع میں دفن ہونے کی ایک فضیلت یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے انھیں جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا۔ یا اللہ ہمیں بھی یہ سعادت عطا فرما۔

لہ یا یہ مطلب ہے کہ ہمیں اہلِ حرمین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

۵۷۷۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَرَانِيْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِيْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِيْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَدِدْتُّ اِنِّيْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے پاس جبرئیل امین تشریف لائے انھوں نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور لہ ہمیں جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے ہماری امت داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری آرزو ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تاکہ میں بھی وہ دروازہ دیکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! ہماری امت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے لہ

(ابوداؤد)

سلے یا تو یہ شب معراج کا واقعہ ہے یا کسی دوسرے وقت کا جب آپ بہشت میں داخل ہوئے (یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ ہی میں پیش آیا ہو۔ قادری)

سلے یعنی آپ جنت کے دروازے کے دیکھنے کی کیا آرزو کرتے ہیں آپ کے لیے تو اس سے بھی اعلیٰ اور افضل چیز ہے اور وہ ہمارے ساتھ بہشت میں داخل ہونا (اس حدیث سے واضح طور پر جنت کا مخلوق اور موجود ہونا ثابت ہے جیسے کہ اہل سنت وجماعت کا مسلک ہے۔ معتزلہ کے نزدیک قیامت کے بعد جنت اور دوزخ کو پیدا کیا جائے گا۔ ۱۲ قادری۔

الفصل الثالث

۵۷۷۸ عَنْ عُمَرَ ذُكِرَ عِنْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ فَبَكٰى وَقَالَ وَدِدْتُ اَنَّ عَمَلِىْ كُلَّهٗ مِثْلُ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَاحِدًا مِّنْ اَيَّامِهٖ وَلَيْلَةً وَّاحِدَةً مِّنْ لَيَالِيْهِ اَمَّا لَيْلَتُهٗ فَلَيْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْغَارِ فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهٗ حَتّٰى اَدْخُلَ قَبْلَكَ فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْئٌ اَصَابَنِىْ دُوْنَكَ فَدَخَلَ فَكَسَحَهٗ وَوَجَدَ فِىْ جَانِبِهٖ ثُقْبًا فَشَقَّ اِزَارَهٗ وَسَدَّهَا بِهٖ وَبَقِىَ مِنْهَا اثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ فِىْ حِجْرِهٖ وَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِىْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهٗ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

تیسری فصل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابوبکر کا ذکر کیا گیا تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ میری آرزو ہے کہ میرے تمام اعمال ان کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کی مثل ہوتے۔ ان کی رات سے وہ رات مراد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور کی طرف روانہ ہوئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر غار کے پاس پہنچے تو عرض کرنے لگے اللہ کی قسم! آپ اس وقت تک اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ میں پہلے اس میں داخل نہ ہو جاؤں۔ اس میں اگر کوئی چیز[1] ہوئی تو وہ آپ کو نہیں بلکہ مجھے تکلیف پہنچائے گی چنانچہ غار میں داخل ہو کر اس میں جھاڑو[2] دیا اس کی ایک جانب کچھ سوراخ پائے[3] جنھیں انھوں نے اپنا تہبند پھاڑ کر بند کر دیا۔ دو سوراخ بچ گئے ان میں اپنے پاؤں داخل کر دیے[4] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تشریف لے آئیں۔ آپ غار میں تشریف لے گئے اور اپنا سر اقدس ان کی آغوش[5] میں رکھ کر محو استراحت ہو گئے۔ سوراخ میں[6] سے ان کے پاؤں پر ڈنگ مارا گیا انھوں نے اس ڈر سے حرکت نہ کی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ مَا يَجِدُهٗ ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ وَاَمَّا يَوْمُهٗ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا لَا نُؤَدِّيْ زَكٰوةً فَقَالَ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِيْ اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ وَاَنَا حَيٌّ

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو جائیں گے ان کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر گرے تو آپ نے فرمایا ابوبکر تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا میرے والدین آپ پر فدا ہوں مجھے ڈسا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگایا[۷] تو درد جاتا رہا پھر وہ زخم ہرا[۸] ہو گیا اور وہی ان کی شہادت کا سبب بنا۔ رہا ان کا دن[۹] تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے اور انھوں نے کہا ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے[۱۰] حضرت ابوبکر نے فرمایا: اگر وہ ایک رسی[۱۱] بھی روک لیں گے تو میں ان سے رسی کی بنیاد پر جہاد کر دوں گا۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ لوگوں کی دل جوئی کریں اور ان سے نرمی کریں۔ انھوں نے فرمایا کیا تم جاہلیت کے کام میں جابر و قاہر ہوتے ہو اور اسلام[۱۲] کے کاروبار میں کمزور۔ وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین کامل ہو چکا ہے کیا میرے جیتے جی اس میں کمی کی جائے گی۔ (رزین)

[۱] یعنی زمین کے کیڑے مکوڑے مثلاً سانپ اور بچھو وغیرہ۔
[۲] کَسْحٌ کاف پر زبر، سین ساکن اور بے نقطہ حاء، گھر میں جھاڑو دینا۔ مِکْسَحَۃٌ پہلے حرف کے نیچے زیر، جھاڑو۔
[۳] تین نقطے والی ثاء پر پیش، قاف پر زبر جمع ہے ثُقْبَۃٌ کی۔ پہلے حرف پر پیش دوسرا ساکن۔ اس کا معنی ہے سوراخ بل، جیسے غُرْفَۃٌ کی جمع غُرَفٌ ہے۔
[۴] جیسے منہ میں لقمہ داخل کیا جاتا ہے۔
[۵] حِجْرٌ، حاء کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد جیم، اس کا معنی ہے آغوش
[۶] جُحْرٌ جیم پر پیش، اس کے بعد حاء اس کا معنی ہے سانپ اور بچھو وغیرہ کا سوراخ۔
[۷] یعنی کاٹنے کی جگہ پر لعاب دہن لگایا ــ تفلٌ کا معنی ہے تھوکنا۔ پہلا درجہ ہے بَزَقَ اور بَصَقَ اس سے کم ہے تَفَلَ، اس سے کم ہے نَفَثَ، اس سے بھی کم ہے نَفَخَ۔ جس کا معنی ہے پھونک مارنا
[۸] نقض، پہلے نون، اس کے بعد قاف اور آخر میں نقطے والا ضاد، زخم کا درست ہو جانے کے بعد پھٹ جانا

یعنی جو زخم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن لگانے سے درست اور مندمل ہوگیا تھا وہ لوٹ آیا اور سانپ کا زہر بے اثر ہو جانے کے بعد پھر نمودار ہوگیا۔ غالباً اس میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شہادت میں سے حصہ مل جائے۔ جیسے کہ خیبر کی بکری کے زہر کے لوٹنے کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک لقمہ لے کر ہاتھ اٹھا لیا اور فرمایا: بکری نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس میں زہر ہے، آپ کا معجزہ تھا کہ زہر نے اپنا اثر نہ دکھایا لیکن وہ سال بہ سال لوٹتا رہا۔ چنانچہ اسی زہر کے اثر سے آپ نے جام شہادت نوش فرمایا ۱۲ قادری) راوی کے آئندہ قول میں اس طرف اشارہ ہے۔

۹ جس کے بارے میں حضرت عمر فاروق نے آرزو کی کہ میری تمام زندگی کے اعمال اس دن کے عمل کی مثل ہوں۔

۱۰ یا تو انھوں نے زکوٰۃ کے واجب ہونے ہی کا انکار کیا یا زکوٰۃ دینا ترک کیا۔ اس کی تحقیق کتاب الزکوٰۃ میں پیش کی جا چکی ہے۔

۱۱ وہ رسی جس کے ساتھ اونٹ کا پاؤں باندھا جاتا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اگر ایک سال کے اونٹ یا بکری کی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیں — عقال عین کے نیچے زیر کے ساتھ دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم پہلا معنی مشہور ہے۔ قاموس میں دوسرا معنی بیان کیا گیا ہے۔ صاحب قاموس نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا میں یہی معنی مراد ہے۔ ایک روایت میں عِقَاقًا بھی آیا ہے جس کا معنی ہے بکری کا وہ بچہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہو۔

۱۲ خَوَّارٌ نقطے والی خا بہ زبر واؤ مشدد، یہ مشتق ہے خُوْرٌ سے جس کا معنی ہے کمزوری اور ناتوانی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق پر انکار کیا اور اس معاملے میں ان کی سستی اور نامناسب نرمی اختیار کرنے پر بطور مبالغہ سختی کی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا کمال اور دین میں قوی ہونے کی دلیل ہے۔ مروی ہے کہ اس موقف میں حضرت علی مرتضیٰ بھی حضرت عمر فاروق کے ساتھ شریک تھے ۱۳

---

۱۳ حضرت علی مرتضیٰ اور تمام صحابہ عربوں کے معاملے میں حیران تھے اور کہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعجاز رکھنے کے باوجود ان پر زبردست محنت فرمائی اب ہم ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوں اور ہمارے پاس اتنی طاقت کہاں ہے انھوں نے چاہا کہ ان لوگوں کے ساتھ صلح کر لیں اور نرمی کا رویہ اختیار کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ بالآخر سب بامر مجبوری راضی ہوگئے یہاں تک کہ تمام مرتدین اسلام میں واپس آگئے اور تمام عرب ایک کلمہ توحید پر متفق ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انھیں شام اور فارس کے جہاد کی ترغیب دی۔ پس تمام صحابہ بڑے شکر گزار ہوئے اور ان کی خلافت کو عظیم نعمت جانا۔ ۱۲ مولوی امیر علی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مناقب

ان کے مناقب بہت ہیں، ان کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ذریعے دین کو تقویت عطا فرمائی۔ ان کی سب سے ارفع اور اعلیٰ فضیلت یہ ہے کہ انھیں حق و صواب کا الہام کیا جاتا تھا اور ان کے دل میں حق ڈالا جاتا تھا اور ان کی رائے وحی اور قرآن پاک کے موافق تھی۔ ان کی رائے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ جیسے حضرت عمار بن یاسر کا شہید ہونا حضرت علی مرتضیٰ کی حقانیت کی دلیل ہے (حضرت عمار بن یاسر حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھے اور حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا تھا کہ تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا ۱۲ قادری) ابن مردویہ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ایک رائے دیتے تھے پھر اس کے مطابق قرآن پاک نازل ہو جاتا تھا۔ ابن عساکر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں عمر فاروق کی رائے موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ ایک رائے دیتے ہیں، عمر فاروق ایک دوسری رائے دیتے ہیں تو قرآن پاک عمر فاروق کی رائے کے مطابق نازل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بیان کیا اور فرمایا کہ علماء نے حضرت عمر فاروق کی بیس سے زیادہ امور میں موافقت کا ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف (حضرت شیخ محقق) نے عربی شرح (لمعات) میں تمام آیات نقل کی ہیں اس جگہ مطالعہ کیا جائے۔

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۷۷۹ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِیْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّكُ اَحَدٌ فِیْ اُمَّتِیْ فَاِنَّهٗ عُمَرُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جنھیں الہام کیا جاتا تھا[1] اگر ہماری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہیں رضی اللہ عنہ (بخاری، مسلم)

[1] محدَّث، دال مشدد پر زبر، وہ جسے الہام کیا گیا گویا اسے پہلے بیان کیا جاتا ہے اور خبر دی جاتی ہے

پھر وہ گفتگو کرتا ہے - اسی طرح نہایہ میں ہے - مجمع البحار میں ہے : محدث وہ ہے جس کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے پھر وہ خبر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے قوت قدسیہ اور ایمانی فراست سے مخصوص فرما دیتا ہے - بعض علماء نے فرمایا : محدّث وہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا گمان کرتا ہے تو وہ درست ہوتی ہے گویا اسے وہ بات بتا دی گئی ہے - بعض علماء نے فرمایا کہ فرشتے اس سے گفتگو کرتے ہیں - ایک روایت میں ہے محدثون کی جگہ مکلمون آیا ہے لام مشدد کے ساتھ -

ؕ ۲ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس امت میں محدث کے وجود میں شک اور تردد ہے - کیونکہ یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے - جب سابقہ امتوں میں قوت قدسیہ والے افراد موجود ہوں گے تو اس امت میں بطریق اولیٰ ہوں گے بلکہ تاکید اور تخصیص موجود ہے - جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی دوست ہے تو فلاں شخص ہے مطلب یہ ہے کہ وہ دوستی میں کامل ہے -

۵۷۸۰ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ نِسْوَةٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهٗ وَيَسْتَكْثِرْنَهٗ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَاْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ فَقَالَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِيْ كُنَّ عِنْدِيْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ فَقَالَ عُمَرُ يَا عَدُوَّاتِ اَنْفُسِهِنَّ اَتَهَبْنَنِيْ وَلَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ نَعَمْ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيْهٍ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کی - آپ کے پاس قریش کی خواتین تھیں ؓ جو آپ سے گفتگو کر رہی تھیں، جو نان و نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کر رہی تھیں - ان کی آوازیں بلند تھیں - جب حضرت عمر نے اجازت طلب کی تو وہ اٹھ کر جلدی سے پردے میں چلی گئیں - حضرت عمر داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے ؓ انھوں نے عرض کیا - یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے مبارک دانتوں کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے ؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں ان خواتین سے تعجب ہے ؓ یہ ہمارے پاس حاضر تھیں جب تمھاری آواز سنی تو جلدی سے پردے میں چلی گئیں - حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اپنی جان کی دشمنو ؓ کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں ؓ انھوں نے کہا ہاں آپ دوسروں سے زیادہ سخت مزاج اور درشت خو ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے ابن الخطاب ! اور زیادہ

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

سختی کرو [۹]۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں جان ہے کسی راستے میں چلتے ہوئے شیطان نے تم سے ملاقات نہیں کی مگر تمھارے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل پڑا [۱۰] (صحیحین)

وَقَالَ الْحُمَیْدِیُّ زَادَ الْبَرْقَانِیُّ بَعْدَ قَوْلِہٖ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَضْحَکَکَ

حمیدی نے فرمایا: برقانی [۱۱] نے یا رسول اللہ! کے بعد یہ اضافہ کیا کہ آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟

[۱] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں

[۲] ان خواتین سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں رضی اللہ عنہن

[۳] جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں عطا فرمایا کرتے تھے اس میں اضافے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔

[۴] ان خواتین کے اُٹھ جانے اور جلد پردے کے پیچھے چلے جانے کی بناء پر

[۵] مطلب یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے پر تعجب کیا اور اس کا سبب دریافت کیا۔

[۶] جو ہمارے پاس بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔

[۷] جو اپنے فائدے اور نقصان کو نہیں سمجھتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے ادب کا اہتمام نہ کر کے اپنے اوپر زیادتی کر رہی ہو۔

[۸] ہیبت کا معنی ہے ڈرنا اور کسی کو بڑا جاننا۔ مَہَابَۃ کا معنی ہے خوف اور بزرگ جاننا، یہ خوف سے خاص ہے جیسے کہ بادشاہ کی ہیبت محسوس کی جاتی ہے اور چور سے خوف کھایا جاتا ہے۔

[۹] دین اور کلمۂ حق کہنے میں اور سختی کرو ــــــ اِیْہٍ ہمزے کے نیچے زیر، یا ساکن، آخر میں تنوین، بغیر تنوین کے بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ مزید گفتگو کرو۔

[۱۰] تمھارے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور تمھارے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ شیطان، عمر فاروق کے سائے سے بھاگتا ہے ــ فَجٌّ فاء پر زبر اور جیم مشدد۔ دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ، مطلب یہ ہے کہ باوجودیکہ راستہ کھلا ہے اور ہو سکتا ہے کہ شیطان راستے کے دوسرے کنارے سے گزر جائے لیکن تمھاری ہیبت اور خوف کی وجہ سے وہ اس راستے پر نہیں آ سکتا (یعنی وہ تمھارے قریب سے بھی نہیں گزر سکتا) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جگہ مطلق راستہ مراد ہو۔ (خواہ چھوٹا ہو یا بڑا)

[۱۱] برقانی باء کے نیچے زیر یا اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بعض نے پیش بھی بیان کیا ہے۔ ایک محدث کا نام ہے، خوارزم کے ایک گاؤں برقان کی طرف نسبت ہے۔

۵۷۸۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا هٰذَا بِلَالٌ وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا فَقَالُوا لِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ عُمَرُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلَيْكَ أَغَارُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم جنت میں داخل ہوئے، اچانک ابوطلحہ کی بیوی رُمیصا[1] سے ملاقات ہوئی اور ہم نے پاؤں کی آہٹ[2] سنی۔ ہم نے کہا یہ کون ہے؟ حاضرین نے کہا یہ بلال ہیں[3]۔ ہم نے ایک محل دیکھا اس کے صحن میں ایک جوان عورت ہے۔ ہم نے کہا یہ کس کا محل ہے؟ حاضرین نے کہا یہ عمر بن خطاب کا ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اس میں داخل ہو کر اسے دیکھیں پس ہمیں تمہاری غیرت یاد آگئی۔ حضرت عمر نے کہا میرے والدین آپ پر فدا ہوں کیا میں آپ پر غیرت کروں گا؟[4] (بخاری و مسلم)

۱؎ رُمیصاء، راء پر پیش، میم پر زبر، یاء ساکن، اس کے بعد بے نقطہ صاد، آخر میں الف ممدودہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت انس بن مالک کی والدہ، پہلے مالک کے نکاح میں تھیں پھر حضرت ابوطلحہ کے نکاح میں آئیں (رضی اللہ عنہا)۔ انھیں غمیصاء بھی کہتے ہیں۔ رَمَص، پہلے دونوں حرفوں پر زبر، وہ سفید میل جو آنکھ کے کونے میں جمع ہو جاتی ہے۔ اگر بہنے والی ہو تو اسے غمص کہتے ہیں۔

۲؎ خَشْفَۃ نقطے والی خاء اور شین دونوں پر زبر، شین کو ساکن بھی پڑھا گیا ہے۔ آخر میں فاء اس کا معنی ہے حرکت، آواز اور ہلکی آہٹ، صراح میں ہے خشفۃ حرکت کرنا۔ برف سے آواز کا آنا جو اس پر چلنے سے پیدا ہو۔

۳؎ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتاب الصلوٰۃ کے باب التطوع میں گزر چکا ہے۔

۴؎ بعض روایات میں آیا ہے حضرت عمر فاروق نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے اور آپ ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔

۵۷۸۲ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُونَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نے خواب میں دیکھا کہ لوگ ہم پر پیش کیے جا رہے ہیں[1] انھوں نے قمیصیں پہن رکھی ہیں، ان میں سے بعض پستانوں[2] تک پہنچتی ہیں اور بعض اس سے کم ہیں[3]۔ ہم پر عمر بن خطاب پیش کیے گئے انھوں نے ایسی

وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

قمیص پہن رکھی تھی جسے وہ گھسیٹ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر نکالی؟ فرمایا: دین[۴]۔ (بخاری، مسلم)

[۱] ہمیں دکھائے جا رہے ہیں اور ہمارے سامنے گزارے جا رہے ہیں۔
[۲] ثدی تین نقطے والی ثاء پہ زبر، دال ساکن، مرد اور عورت کے پستان، بعض نسخوں میں ثُدِیٌّ ہے ثاء پہ پیش، دال کے نیچے زیر اور یاء مشدد، جمع ہے ثَدْیٌ کی جیسے حُلِیٌّ جمع ہے حَلْیٌ کی، حاء پہ زبر لام ساکن۔
[۳] یعنی بعض ان سے چھوٹی اور اونچی ہیں شارحین نے اس کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔
[۴] یعنی ان کا دین سب سے زیادہ دراز، کامل اور مکمل ہے۔ قمیص کی تعبیر دین سے اس لیے کی کہ دین پردے اور زیب و زینت کا سبب ہے۔

۵۷۸۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حالت میں کہ ہم سوئے ہوئے تھے ہمارے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا[۱] ہم نے نوش کیا یہاں تک کہ ہم نے اس کی تری اپنے ناخنوں میں نکلتے ہوئے دیکھی[۲]۔ پھر ہم نے بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی تعبیر کیا نکالی؟ فرمایا: علم[۳]
(بخاری، مسلم)

[۱] یعنی کسی (فرشتے) نے دودھ کا پیالہ لا کر پیش کیا۔
[۲] دودھ کی زیادتی اور ہضم ہونے کی بناء پر، رِیٌّ راء کے نیچے زیر یاء مشدد، سیراب ہونا۔
[۳] علماء فرماتے ہیں کہ اس جہان میں علم کی صورت مثالیہ دودھ ہے جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ علم خالص اور نفع مند اسے ملے گا۔ علم اور دودھ میں کئی طرح کی مناسبتیں ہیں، جیسے کہ مخفی نہیں، کاتب الحروف (شیخ محقق قدس سرہ) نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ٹھنڈے اور میٹھے دودھ کا بنا گھڑا میرے سامنے رکھا ہے۔ میں نے وہ سارا پی لیا۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

۵۷۸۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِیْ عَلٰی قَلِیْبٍ عَلَیْھَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْھَا مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ اَخَذَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ فَنَزَعَ مِنْھَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ وَفِیْ نَزْعِہٖ ضَعْفٌ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ ضَعْفَہٗ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَاَخَذَھَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرَعَبْقَرِیًّا مِّنَ النَّاسِ یَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ اَخَذَھَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِیْ یَدِہٖ غَرْبًا فَلَمْ اَرَعَبْقَرِیًّا یَفْرِیْ فَرِیَّہٗ حَتّٰی رَوِیَ النَّاسُ وَضَرَبُوْا بِعَطَنٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ اس حال میں کہ ہم سورہے تھے ہم نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں[1] پر دیکھا جس پر ڈول تھا۔ ہم نے اس کنوئیں سے اتنا پانی نکالا جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر وہ ڈول ابن ابی قحافہ[2] نے لے لیا۔ انھوں نے کنوئیں سے ایک یا دو ڈول نکالے[3] ان کے نکالنے میں کمزوری تھی[4] اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے پھر وہ بڑا ڈول بن گیا[5] اسے ابن الخطاب نے لے لیا[6] ہم نے کوئی طاقت ور انسان[7] عمر کی طرح پانی نکالتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ لوگ باڑے[8] میں پہنچ گئے۔ حضرت[9] ابن عمر کی روایت میں ہے پھر وہ ڈول عمر بن خطاب نے ابوبکر کے ہاتھ سے لے لیا تو وہ ان کے ہاتھ میں بڑا ڈول بن گیا[10] تو ہم نے کوئی طاقت ور شخص ان کی طرح کام کرتے ہوئے[11] نہیں دیکھا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور باڑوں میں پہنچ گئے[12]۔ (بخاری، مسلم)

[1] قلیب، قاف پر زبر، لام کے نیچے زیر، وہ کنواں جس پر منڈیر نہ بنائی گئی ہو۔ وہ کنواں جس کو پتھر اور اینٹ سے بنایا گیا ہو اسے طوی کہتے ہیں۔ شارحین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب ملاحظہ فرمایا۔ نہ کہ طوی تاکہ معلوم ہوجائے کہ اہل دین کی توجہ معانی مطلوبہ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ بنائے ہوئے ڈھانچوں کی طرف۔

[2] ابن ابی قحافہ، قاف پر پیش، اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوقحافہ ان کے والد ماجد کی کنیت ہے، ان کا نام عثمان ہے اور وہ بھی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک حیات رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات ان کی حیات میں ہوئی رضی اللہ عنہما

[3] ایک یا دو ڈول نکالے۔ یہ راوی کا شک ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ دو ڈول نکالے۔ اس میں اشارہ ہے ان کی خلافت کا زمانہ کم ہونے کی طرف جو کہ دو سال اور چند ماہ ہے۔ ذنوب نقطے والے ذال پر زبر پانی سے بھرا ہوا بڑا ڈول۔

[4] اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبے کی کمی اور پستی نہیں ہے اور نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ان پر فضیلت ثابت کی گئی ہے۔ بلکہ اس میں اشارہ ہے ان کی خلافت کی مدت کے کم ہونے اور حضرت عمر فاروق کی خلافت میں لوگوں کے زیادہ فیض یاب ہونے کی طرف۔ بعض علماء نے اس کی تفسیر کمزوری اور

ناتوانی کی بجائے نرمی اور مہربانی سے کی ہے۔

؎۵ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوتاہی یا گناہ ثابت نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ کلمہ عربوں کے عرف اور ان کی عادت کے مطابق بولا گیا ہے۔ ان کا محاورہ ہے کہ فلاں شخص نے یہ کام کیا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔

؎۶ غَرَبَ نقطے والی غین پر زبر، راء ساکن۔ بڑا ڈول جو گائے کے چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے غَرَبٌ راء پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے کنوئیں اور حوض کے درمیان بہنے والا پانی۔

؎۷ اس میں اشارہ ہے فتوحات کی کثرت اور مسلم علاقے کی وسعت کی طرف جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حاصل ہوئی۔

؎۸ عبقری، بے نقطہ عین پر زبر، باء ساکن اور قاف پر زبر، ہر چیز کا کامل فرد، سردار اور قوم کا بزرگ اور قوم کا طاقت ور ترین آدمی۔

؎۹ عطن، پہلے دونوں حرفوں پر زبر، حوض اور پانی کے ارد گرد اونٹوں اور بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ، اس میں اشارہ ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہر بڑے اور ہر چھوٹے کے نفع حاصل کرنے کی طرف۔

؎۱۰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر یہ ہے کہ وہ ڈول حضرت عمر فاروق کے ہاتھ میں آنے سے پہلے بڑا ڈول بن گیا۔

؎۱۱ فَرِیْ، فاء پر زبر، راء ساکن اور یاء مخفف، راء کے نیچے زیر اور یاء کو مشدد (فَرِیٌّ) بھی پڑھ سکتے ہیں، خلیل نے یاء کے مشدد ہونے کا انکار کیا ہے، اس کا معنی ہے کاٹنا، موزے وغیرہ کے لیے چمڑے کے کاٹنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ہے کسی کام کا اچھی طرح کرنا۔ صراح میں ہے فَرِیٌّ موزے، توشہ دان اور اس جیسی چیز کا کاٹنا۔ فَرَیْتُ الاَدَمَ کا معنی ہے۔ میں نے بطور اصلاح چمڑہ کاٹا۔ اور اَفْرَیْتُ کا معنی ہے میں نے بگاڑنے کے لیے کاٹا۔

؎۱۲ رُوِیَ، راء پر زبر، واؤ کے نیچے زیر

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۷۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤدَ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ ابوداؤد کی

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ

روایت میں ہے حضرت ابوذر سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے۔ وہ حق کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں

۵۷۸۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كُنَّا نُبْعِدُ أَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ سکینہ عمر کی زبان پر بولتا ہے[۱]۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

[۱] یعنی عمر فاروق ایسی چیز کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کہ نفوس اس سے راحت حاصل کرتے ہیں اور دل مطمئن ہوتے ہیں اور یہ غیبی امر ہے جو ان کی زبان پر جاری کر دیا جاتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سکینہ سے مراد فرشتہ ہو جو انھیں حق کا الہام کرتا ہے اسی طرح توریشتی نے بیان کیا۔

۵۷۸۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَبِي جَهْلِ ابْنِ هِشَامٍ أَوْ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فَأَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ابوجہل ابن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو غالب بنا دے[۱] پس عمر نے صبح کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے[۲] اور سب کے سامنے نماز پڑھی[۳]

[۱] یعنی ان میں سے ایک کو مسلمان بنا دے تاکہ اس کے ذریعے اسلام کو قوت حاصل ہو۔

[۲] ان کے اسلام لانے کا واقعہ عجیب ہے جو ان کے حالات میں مذکور ہے۔

[۳] ان سے پہلے کوئی شخص برملا نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں پوشیدہ طور پر عبادت اور تبلیغ فرماتے تھے۔

۵۷۸۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذٰلِكَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رَجُلٍ خَيْرٍ مِّنْ عُمَرَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ابوبکر صدیق کو کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل! حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا سنو اگر آپ نے مجھے خیر الناس کہا ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمر سے افضل کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا[۱] اس حدیث کو

هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ افضل ہونے کی متعدد اور مختلف وجوہ ہیں، لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک کے (انبیاء کرام کے بعد) تمام انسانوں سے افضل ہونے میں منافات نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا افضل ہونا ثواب کی زیادتی کی بناء پر ہے جیسے کہ علماء نے فیصلہ فرمایا ہے۔ اس گفتگو سے اکثر احادیث سے اشکال دور ہو جاتا ہے۔

۵۷۸۹ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بالفرض ہمارے بعد کوئی نبی ہوتا ۱؎ تو عمر بن خطاب ہوتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اس انداز بیان کو بطور مبالغہ ناممکن کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ گویا چونکہ عمر محدَّث ہیں انھیں الہام کیا جاتا ہے اور فرشتہ ان کے دل میں حق القاء کرتا ہے اس لیے انھیں عالمِ وحی کے ساتھ مناسبت ہے۔

۵۷۹۰ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ إِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا أَنْ أَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَأَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَإِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَأَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت بریدہ ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات میں تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام عورت آئی ۲؎ کہنے لگی یارسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ واپس لایا تو آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور نغمہ سرائی کروں گی ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ اگر تم نے نذر مانی تھی تو بجاؤ ورنہ ۴؎ نہ بجاؤ۔ وہ بجانے لگی وہ بجا رہی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق تشریف لے آئے پھر حضرت علی مرتضیٰ تشریف لائے تو وہ بجاتی رہی پھر حضرت عثمان غنی تشریف لائے اور وہ بجاتی رہی پھر حضرت عمر تشریف لائے تو اس نے وہ دف جسم کے نچلے حصے کے نیچے پھینکی اور اس کے اوپر بیٹھ گئی ۵؎

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ اِنِّىْ كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ يَا عُمَرُ اَلْقَتِ الدُّفَّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے ہم بیٹھے ہوئے تھے اور یہ بجا رہی تھی ابوبکر آئے تو یہ بجاتی رہی، علی مرتضیٰ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر عثمان غنی آئے تو یہ بجاتی رہی۔ عمر! جب تم آئے تو اس نے دف کو پھینک دیا[۵] اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں۔

۲؎ وہ حبشن تھی یا اس کا رنگ سیاہ تھا۔

۳؎ آپ کی تشریف آوری اور سلامتی پر خوشی کے طور پر۔ نَذْر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان باندھنا۔ دُف زیادہ فصیح یہ ہے کہ دال پر پیش پڑھیں، زبر بھی آئی ہے۔

۴؎ اگر نذر نہیں مانی تھی تو نہ بجاؤ۔ یاد رہے کہ علماء کا دف کے بجانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے، بعض نے مطلقاً مکروہ فرمایا، بعض نے شادیوں اور عیدوں وغیرہ کے موقع پر اسے اور جائز گانوں کو مباح قرار دیا ہے۔ یہی صحیح اور مختار مذہب ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ گھنگھرو ہوں یا نہ، ان میں فرق ہے، پہلی صورت بالاتفاق مکروہ ہے۔

یہ حدیث دُف کے بجانے کے مباح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نذر کے پورا کرنے کا حکم دیا اور نذر کا پورا کرنا واجب ہے، یہ طے ہے کہ نذر ایسی چیز کی ہوتی ہے جو اطاعت و قربت کی جنس سے ہو، یہ جمہور علماء کا مذہب ہے، احناف کے نزدیک اس کا مباح ہونا کافی ہے۔ ہمارے نزدیک نذر مباح کے واجب کرنے کا نام ہے، تاہم گناہ کی نذر بالاتفاق جائز نہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے دف کا بجانا مباح بلکہ مستحب ہونا ثابت ہوا، جس صورت میں ہماری گفتگو ہے وہ اسی طرح ہے (یعنی مستحب ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ کی سلامتی پر خوشی کا اظہار کرنا قربت اور عبادت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتوں کے گانے کی آواز کا سننا اگر فتنے سے خالی ہو (اور سفلی جذبات کو مشتعل کرنے کا باعث نہ ہو) تو مباح ہے۔ اسی طرح علماء نے فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے کا تذکرہ نہیں فرمایا، صرف اتنا فرمایا کہ اگر تم نے دف بجانے کی نذر مانی ہے تو بجالو۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ گانے کا ذکر دُف کے تابع تھا۔ جب آپ نے دف کا حکم بیان فرمادیا تو گانے کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ گانا مباح ہے (بشرطیکہ فتنہ سے خالی ہو) شبہ اگر تھا تو دُف کے بجانے میں تھا اس لیے فرمایا کہ اگر تم نے اس کی بھی نذر مانی ہے تو اسے بھی پورا کر لو۔ فافہم۔

۵؎ اور اسے پیچھے چھپا لیا۔

۱؎ اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس عورت کو دف بجانے کی اجازت کیوں دی؟ بلکہ اسے حکم کیوں دیا؟ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی آمد کے باوجود منع نہ فرمایا اور آخر میں اسے شیطان قرار دیا۔ شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس عورت کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر و عافیت کے ساتھ واپس آنا اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو شکر گزاری، مسرت و شادمانی کا باعث ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح دُف کا بجانا لہو و لعب نہ رہا بلکہ حقانیت کی صفت کے ساتھ موصوف ہو گیا، یوں ہی مکروہ نہ رہا بلکہ مستحب قرار پایا۔ لیکن یہ مقصد تو تھوڑی مقدار کے ساتھ پورا ہو گیا۔ جب اس نے حد سے تجاوز کیا (اور مسلسل بجاتی ہی رہی) تو دُف کا بجانا مکروہ کی حد میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت حضرت عمر فاروق تشریف لے آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا، زیادہ بجانے اور ضرورت کے بغیر اس فعل کے کرنے کی ممانعت کی طرف اشارہ فرمایا۔ صراحۃً منع نہ فرمایا تاکہ حرام نہ قرار پائے۔

البتہ دو بچیاں جو خوشی کے دنوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے دُف بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع نہ فرمایا اور ان کے لیے کوئی حد مقرر نہ فرمائی، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے قید وقت کی نہ تھی، یہ اس لیے تھا کہ وہ عید کے دن تھے لہٰذا حالات مختلف ہوئے بعض حالات جاری رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں اور بعض اس کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ تفصیل علامہ تورپشتی نے بیان کی اور ان کے حوالے سے علامہ طیبی نے نقل کی۔

۵۷۹۱ ؍۱۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعَالَيْ فَانْظُرِيْ فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيَيَّ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ إِلٰى رَأْسِهٖ فَقَالَ لِيْ أَمَا شَبِعْتِ أَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ لَا لِأَنْظُرَ مَنْزِلَتِيْ عِنْدَهٗ إِذْ طَلَعَ عُمَرُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تو ہم نے ملی جلی آوازیں[۱] اور بچوں کی آوازیں سنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حبشی عورت ناچ رہی[۲] ہے اور بچے اس کے گرد جمع ہیں[۳]۔ فرمایا عائشہ! آؤ اور دیکھو، میں نے آکر اپنے دونوں جبڑے[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ دیے اور اسے آپ کے کندھے اور سر مبارک کے درمیان سے دیکھنے لگی، آپ نے مجھے فرمایا کیا تم سیر نہیں ہوئیں؟ کیا تمھارا جی نہیں بھرا؟[۵] میں کہتی رہی، میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ کی بارگاہ میں

فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ قَالَتْ فَرَجَعْتُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

میرا کتنا مرتبہ ہے؟ اچانک عمر فاروق تشریف لے آئے تو لوگ چھٹ گئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمر سے بھاگ گئے ہیں ۔ اُمّ المومنین فرماتی ہیں چنانچہ میں بھی واپس آگئی امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے

۱ لغط لام اور نقطے والی غین کے ساتھ ، دونوں پر زبر ، آواز، شور ، بچوں کی آواز

۲ زفن ، زا ، فاء اور نون کے ساتھ ۔ زمین پر پاؤں مارنا

۳ اور وہ بھی ناچ رہے ہیں

۴ تعالَ لام پر زبر

۵ لحیہ لام پر زبر ، حاء ساکن ، چہرے کی وہ ہڈی جہاں داڑھی پیدا ہوتی ہے ، یعنی ٹھوڑی اور رخسار کی دونوں طرفین

۶ دو دفعہ فرمایا

۷ یعنی مجھ سے کتنی محبت رکھتے ہیں اور میری خوشنودی کا کہاں تک خیال فرماتے ہیں ؟

۸ ارفضّ ، ضاد مشدد ، بروزن احمرّ

۹ اور ان کا دیکھنا چھوڑ دیا ۔ گویا حضرت عائشہ کا یہ قول اس اعتبار سے ہے کہ وہ لہو ولعب کی صورت تھی (اور وہ باقاعدہ ڈانس اور رقص نہ تھا) ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ملاحظہ فرماتے ؟ اور حضرت عائشہ کو کس طرح دکھاتے ؟ اس حدیث کی توجیہ بھی گزشتہ حدیث کی طرح ہے ۔

یاد رہے کہ حبشیوں کے کھیل کود کی حدیث صحیحین میں دوسری طرح بھی آئی ہے اور وہ یہ کہ حبشی مسجد میں نیزہ بازی کرتے تھے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیزہ بازی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دکھائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہیں منع کیا اور انہیں کنکر اٹھا کر مارنے لگے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر رہنے دو کہ آج عید کا دن ہے ۔ یعنی عید کے دن کسی قدر لہو ولعب مباح ہے ۔ نیز اس حدیث میں حبشی عورت اور بچوں کا ذکر ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے اجنبیوں کی طرف کس طرح دیکھا ؟ اور اس کا جواب دیا جائے کہ وہ اس وقت کم عمر تھیں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد ان کی نیزہ بازی کو دیکھنا تھا نہ کہ ان کے چہروں کا ۱۲ قادری) ہو سکتا ہے کہ یہ الگ واقعہ ہو جسے امام ترمذی نے روایت کیا اور وہ دوسرا واقعہ ہو جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ۔ واللہ اعلم ۔

الفصل الثالث

۵۷۹۲ عَنْ اَنَسٍ وَّ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی وَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَدْخُلُ عَلٰی نِسَائِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ اَمَرْتَھُنَّ یَحْتَجِبْنَ فَنَزَلَتْ اٰیَۃُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْغَیْرَۃِ فَقُلْتُ عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ فَنَزَلَتْ کَذٰلِكَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ فِیْ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

تیسری فصل

حضرت انس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی (۱) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اچھا ہوتا اگر ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیتے[1] تو یہ آیت نازل ہوئی کہ تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو (۲) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نیک اور بدکار لوگ حاضر ہوتے ہیں[2] کتنا اچھا ہوتا کہ آپ انھیں پردے کا حکم دیتے تو آیت حجاب نازل ہوئی[3] (۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات غیرت میں اکٹھی ہوگئیں[4] تو میں نے کہا: قریب ہے کہ اگر حضور تمھیں طلاق دے دیں تو آپ کا رب آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے تو اسی طرح آیت نازل ہوگئی[5] حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی (۱) مقام ابراہیم (۲) پردے کے بارے میں (۳) بدر کے قیدیوں کے بارے میں[6]

(بخاری، مسلم)

---

[1] یعنی ہم نماز کے لیے مقام ابراہیم میں کھڑے ہوتے ۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں ۔ یہ پتھر بیت اللہ شریف کے سامنے ہوتا تھا (آج بھی سامنے ہے)

[2] اور میں اسے آپ کی شان اور عظمت کے مناسب نہیں سمجھتا ۔

[3] یہ پردہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر واجب تھا ۔ یہ اس سترعورت کے علاوہ تھا جو تمام عورتوں پر واجب ہے اور اس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے ۔ حجاب کا یہ معنی ہے کہ اگرچہ انھوں نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں اور وہ ان میں پوشیدہ ہوں ، اس کے باوجود وہ مردوں کے سامنے نہ آئیں

یہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا خاصہ ہے۔

۵۴ شہد نوش فرمانے کے واقعہ میں، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام فرما دیا۔

۵۵ جو لفظوں میں بھی موافق تھی اور معنی میں بھی۔

۵۶ میرا مشورہ یہ تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔

سوال :۔ اس حدیث سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی موافقت تین یا چار چیزوں میں ثابت ہو رہی ہے، اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ انھوں نے بیس یا اس سے زیادہ امور میں موافقت کی۔

جواب :۔ خاص طور پر تین (یا چار) چیزوں کا ذکر زائد امور کی نفی نہیں کرتا، ہو سکتا ہے کہ اس وقت موقع کی مناسبت سے تین چیزوں کا ذکر ہی موزوں ہو، اس لیے تین ہی کا ذکر کیا گیا۔

(اگرچہ واقع یہ تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مشورے کے مطابق آیات نازل فرمادیں۔ لیکن انھوں نے ازراہِ ادب یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور میں میرے ساتھ موافقت کی بلکہ یہ کہا کہ میں نے ان امور میں اپنے رب سے موافقت کی ۱۲ شرف قادری)

۵۷۹۳ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فُضِّلَ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِاَرْبَعٍ بِذِكْرِ الْاُسَارٰى يَوْمَ بَدْرٍ اَمَرَ بِقَتْلِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ وَبِذِكْرِهِ الْحِجَابَ اَمَرَ نِسَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْتَجِبْنَ فَقَالَتْ لَهٗ زَيْنَبُ وَاِنَّكَ عَلَيْنَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالْوَحْيُ يُنْزَلُ فِيْ بُيُوْتِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَبِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر چار امور میں فضیلت دی گئی (۱) بدر کے قیدیوں کے ذکر میں، آپ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی (جس کا ترجمہ ہے)۔ اگر اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا حکم پہلے سے نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے سلسلے میں عظیم عذاب لاحق ہوتا۔ (۲) انھوں نے پردے کا ذکر کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے ابن خطاب! آپ ہم پر حکم چلاتے ہیں حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی لے مسلمانو! جب تم ان مقدس خواتین سے کوئی سامان طلب کرو تو ان سے پردے کے پیچھے سے

اَیِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ وَبِرَأْیِہٖ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَ اَوَّلَ نَاسٍ بَایَعَہٗ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

طلب کرد (۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اسلام کو عمر کے اسلام سے تقویت عطا فرما (۴) حضرت عمر نے مشورہ دیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی جائے اور سب سے پہلے حضرت عمر نے ان کی بیعت کی۔ (امام احمد)

سلہ یہ پورا واقعہ اس آیت کی تفسیر میں سورۃ انفال میں بیان کیا گیا ہے۔

سلہ جو کہ امہات المومنین میں سے ہیں۔

۵۷۹۴/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاکَ الرَّجُلُ اَرْفَعُ اُمَّتِیْ دَرَجَۃً فِی الْجَنَّۃِ قَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ وَاللّٰہِ مَا کُنَّا نَرٰی ذَاکَ الرَّجُلَ اِلَّا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَتّٰی مَضٰی بِسَبِیْلِہٖ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں مرتبے کے اعتبار سے ہماری امت کا بلند ترین فرد ہے[۱]۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں اللہ کی قسم! ہم یہی گمان کرتے تھے کہ وہ شخص عمر بن خطاب ہی ہیں[۲] یہاں تک کہ وہ اپنے راستے پر روانہ ہو گئے[۳] (ابن ماجہ)

سلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مبہم طور پر ذکر فرمایا اور معین نہیں فرمایا کہ وہ کون سا شخص ہے مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام جدوجہد اور کوشش کریں کہ اس مرتبے کو پالیں اور وہ مرتبہ مداومت ہی سے حاصل ہو گا نیز طاعتوں، عبادتوں اور اخلاق و کمالات سے موصوف ہو کر ہی حاصل کیا جا سکے گا، یا کسی صحابی کا ذکر ہوا ہو گا جو ان صفات سے موصوف ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص ان صفات سے موصوف ہو گا اس کا مرتبہ بلند ترین ہو گا۔ بہرصورت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنا تاثر بیان فرما دیا جیسے کہ آگے آ رہا ہے۔

سلہ اس لیے کہ ہم ان کی نیکیوں اور بھلائیوں کے چشم دید گواہ تھے۔ یہ ان کی شان اور رفعتِ مرتبہ کے بیان میں مبالغہ ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان صفات اور کمالات میں سب سے یقینی اور قطعی طور پر افضل ہوں۔ لہٰذا ان کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا بھی لازم نہیں آئے گا۔ شارحین نے اسی طرح اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے

سلہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وفات پا گئے اور عمر بھر اسی حال پر رہے۔ رضی اللہ عنہ۔

۵۷۹۵/۱۷ وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ سَأَلَنِیْ ابْنُ عُمَرَ بَعْضَ شَأْنِہٖ یَعْنِیْ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُہٗ

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابن عمر نے حضرت عمر کے کچھ حالات دریافت کیے، میں نے

فَقَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حِيْنَ قُبِضَ كَانَ أَجَدَّ وَأَجْوَدَ حَتّٰى انْتَهٰى مِنْ عُمَرَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انھیں بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی شخص کو زیادہ کوشش کرنے والا اور زیادہ نیک حضرت عمر سے بڑھ کر نہیں پایا یہاں تک کہ وہ انتہا کو پہنچے [۲] (بخاری)

[۱] اسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور تابعین میں سے تھے ۔ حضرت ابورافع صحابی کا نام بھی اسلم ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ اور زید بن اسلم کے والد حضرت اسلم مراد ہیں ۔

[۲] شارحین فرماتے ہیں کہ یہ بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے پر محمول ہے ۔ تاکہ حضرت ابوبکر صدیق اس عموم سے خارج ہو جائیں ۔

۵۷۹۶/۱۸ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا كُلُّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِيْنَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُوْنَ قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا

حضرت مسور بن مخرمہ [۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زخمی کیے گئے تو وہ درد و غم کا اظہار کرنے لگے [۲] ابن عباس نے گویا انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا امیر المؤمنین ! یہ سب رنج و غم کا اظہار نہیں کرنا چاہیے [۳] ۔ بے شک تحقیق آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب رہے اور آپ نے صحبت خوب نبھائی [۴] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے (ظاہری طور پر) اس حال میں جُدا ہوئے کہ آپ سے راضی تھے ۔ پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق کے مصاحب رہے اور حق رفاقت خوب ادا کیا پھر وہ آپ سے اس حال میں جُدا ہوئے کہ آپ سے راضی تھے ۔ پھر آپ مسلمانوں کے مصاحب (اور امیر) رہے اور ان کی صحبت کا حق ادا کیا ۔ اگر آپ ان سے جدا ہو گئے تو آپ ان سے اس حال میں جُدا ہوں گے کہ وہ آپ سے راضی ہوں گے ۔ حضرت عمر نے فرمایا : آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی خوشنودی کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر فرمایا

ذٰلِكَ مَنٌّ مِّنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهٖ عَلَيَّ وَاَمَّا مَا تَرٰى مِنْ جَزَعِيْ فَهُوَ مِنْ اَجْلِكَ وَمِنْ اَجْلِ اَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِيْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَا فْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ ـ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اسی طرح آپ نے جو حضرت ابوبکر کی صحبت اور ان کی رضا کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے رہی میری پریشانی جو آپ دیکھ رہے ہیں تو وہ آپ کے لیے اور آپ کے ساتھیوں کے لیے ہے[۶] اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین کے بھرنے کی مقدار[۷] سونا ہو تو میں اللہ تعالیٰ کا عذاب[۸] دیکھنے سے پہلے اس کے عذاب کا فدیہ دے دوں (بخاری)

[۱] مِسور، میم کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین ساکن ابنِ مخرمہ میم پر زبر نقطے والی خاء ساکن قریشی زہری حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور کم عمر صحابی ہیں۔ ہجرت کے دو سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے سن آٹھ ہجری میں مدینہ طیبہ لائے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور آپ کے ارشادات کو یاد رکھا۔

[۲] (مولوی امیر علی نے اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ترجمہ کی عبارت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی پریشانی زخم کی وجہ سے تھی۔ حالانکہ یہ وہم ہے بلکہ ان کی پریشانی آخرت کے خوف کی وجہ سے تھی۔ اس لیے ابنِ عباس نے انھیں تسلی دی۔ حاشیہ۔ حالانکہ اس حدیث شریف کے آخر میں وضاحت موجود ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی پریشانی مسلمانوں کے لیے تھی اور آخرت کیلیے بھی۔ پوری حدیث شریف کے پڑھنے کے بعد کوئی وہم باقی نہیں رہتا ۱۲ قادری)

[۳] یُجَزِّعُہٗ باء پر پیش اور زاء مشددہ کے نیچے زیر۔ گویا ابنِ عباس حضرت فاروق اعظم کی طرف بے قراری کی نسبت کر رہے تھے یا یہ معنی ہے کہ ان کی بے قراری کو دور کر رہے تھے۔

[۴] اور اس میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔

[۵] بارگاہِ رسالت کے حقوق اور آداب ملحوظ رکھے۔

[۶] یعنی یہ بے قراری مسلمانوں کے غم کی وجہ سے ہے کہ ان کا حال کیا ہوگا؟ اور وہ کیا کریں گے؟ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فتنوں کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے ۱۲ اشرف قادری)

[۷] طِلَاعُ بے نقطہ طاء کے نیچے زیر، ہر چیز کے بھرنے کی مقدار

[۸] ظاہر یہ ہے کہ اَرَاہُ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے۔ فِدیہ فاء کے نیچے زیر، سَر کی قیمت، اس کے علاوہ رحلت کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وصیتیں اور آپ کے ارشادات بہت سے ہیں جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔

مناقبِ ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما

چونکہ بعض احادیث میں حضرات شیخین (ابوبکر صدیق اور عمر فاروق) رضی اللہ عنہما کا ایک ساتھ ذکر واقع ہوا ہے۔ اسلیے حضرت مؤلف نے ان احادیث کا ذکر کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے۔ اکثر حالات میں ان دونوں حضرات کا ذکر ایک ساتھ واقع ہوا ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر، وقتاً فوقتاً بارگاہِ اقدس کے حاضر باش، مقرب تھے اور مختلف امور میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور ان پر اعتماد کیا جاتا تھا، تمام اوقات اور احوال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔

الفصل الاوّل

۵۷۹۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْیٰی فَرَکِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَکَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِّنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَا رَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ فَقَالَ النَّاسُ

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حال میں کہ ایک شخص گائے کو چلا رہا تھا اچانک وہ تھک گیا اور اس پر سوار ہو گیا۔ گائے نے کہا: ہمیں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ ہمیں تو صرف زمین کی کاشت کاری کے لیے پیدا کیا گیا ہے[۱] لوگوں نے کہا سبحان اللہ[۲] گائے کلام کرتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اس پر[۳] ایمان لاتے ہیں اور ابوبکر و عمر حالانکہ وہ دونوں اس جگہ حاضر نہیں تھے[۴] حضرت ابوہریرہ نے فرمایا[۵]: ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ اچانک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا اور اسے پکڑ لیا بکری کے مالک نے اسے پکڑ لیا اور چھڑا لیا۔ بھیڑیے نے اسے کہا: اس کا نگہبان کون ہو گا؟ درندوں کے دن جب کہ میرے سوا ان کا کوئی چرانے والا نہ ہو گا[۶]

سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُوْمِنُ بِهٖ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا کلام کرتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ابوبکر و عمر، حالانکہ وہ اس جگہ حاضر نہ تھے

(بخاری، مسلم)

؎۱ اس سے معلوم ہوا کہ گائے پر سوار ہونا اور اس پر بوجھ لادنا ناپسندیدہ ہے۔ شیخ ابن حجر نے فرمایا اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ چارپایوں کو صرف اس کام میں استعمال کیا جائے گا جس میں اسے عرف اور عادت کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اولیٰ اور افضل کی طرف راہنمائی ہو یعنی انکی پیدائش کے اہم مقصد کے لیے انھیں استعمال کیا جائے۔ ورنہ حقیقی حصر مراد نہیں ہے کہ انھیں صرف کاشت کاری کے لیے استعمال کیا جائے۔ کیونکہ جن فوائد کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے ان میں بالاتفاق ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا بھی ہے۔

؎۲ بطور تعجب کہا

؎۳ یعنی گائے کے کلام کرنے پر کہ یہ حق ہے اور از قبیل وہم و خیال نہیں ہے نہ ہی یہ شیطانی القاء ہے یا یہ مطلب ہے کہ گائے کا یہ کہنا برحق ہے کہ انھیں صرف کاشت کاری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

؎۴ خصوصی طور پر ان کے ذکر میں اشارہ ہے۔ ان کے ایمان کے قوی اور کامل ہونے کی طرف۔

سوال:۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اس بات کا علم نہ تھا نہ ہی انھوں نے یہ بات سنی۔ اسی طرح ان سے اس بات پر ایمان صادر نہیں ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح فرمایا کہ اس پر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ایمان لاتے ہیں۔

جواب:۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے کہ اگر وہ اس پر مطلع ہو جائیں تو اس پر ایمان لائیں گے اس کی تصدیق کریں گے اور اس میں شک یا تردد روا نہیں رکھیں گے۔

؎۵ (زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرمایا ۱۲ مولوی امیر علی)

؎۶ یعنی بکریوں کی جنس کا کون رکھوالا ہوگا؟ درندوں کے دن جب کہ میرے سوا ان کا کوئی چرانے نہیں ہوگا۔ یوم السبع میں دو روایتیں ہیں (۱) باء ساکن ہے (۲) باء پر پیش ہے۔ اس کا مطلب بیان کرنے میں متعدد اقوال ہیں اگر باء ساکن ہے تو اس کا مطلب فتنوں کا دن ہے جب لوگ ایک دوسرے سے جنگ میں مصروف ہوں گے اور بکریوں کو بغیر کسی محافظ کے چھوڑ دیں گے۔ "سَبْعٌ" اور "سَبَائِعٌ" کا معنی چھوڑ دینا اور واگزار کر دینا ہے۔ بَسَبْعٌ کا معنی مہمل اور بے کار آیا ہے جب انھیں چرواہے کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا تو بھیڑیئے ان کے نگہبان ہوں گے تو یہ بھیڑیئے کی طرف سے آنے والے فتنوں اور مصیبتوں کی طرف

اشارہ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یوم السبع باء ساکن کے ساتھ دورِ جاہلیت کی عید کا نام ہے جس میں لوگ میلہ منانے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ یہ میلہ انھیں ہر کام سے روک دیتا تھا۔ مویشیوں کو کھلا چھوڑ دیتے تھے تو انھیں بھیڑیئے کھا جاتے تھے۔ گویا بھیڑیئے نے ماضی کی خبر دی کہ اس دن بھیڑیئے بکریوں کے رکھوالے ہوتے تھے تم آج ان کی رکھوالی کرو گے یا عید کے دن بھی دیکھ بھال کرو گے جو ہر سال آتا رہے گا اور ان کی رکھوالی بھیڑیئے کریں گے اور اگر باء پر پیش ہو (یوم السَّبُع) تو اس کا معنی درندہ ہے۔ اس وقت بھی ان ہی معانی کا احتمال ہے اور اسے ان کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ باء پر پیش ہو تو بھی اس کا معنی عید کا دن ہے۔ مشارق میں ہے کہ بعض شارحین نے کہا کہ یہ یوم السیع یاء کے ساتھ ہے جس کا معنی ضائع ہونا ہے۔ سیع کا معنی ضائع ہے۔

۵۷۹۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِیْ قَوْمٍ فَدَعَوُا اللّٰهَ لِعُمَرَ وَقَدْ وُضِعَ عَلٰی سَرِیْرِهٖ اِذَا رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِیْ قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهٗ عَلٰی مَنْکِبِیْ یَقُوْلُ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَیْكَ لِاَنِّیْ کَثِیْرًا مَّا کُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُنْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَفَعَلْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَدَخَلْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک جماعت میں کھڑا تھا انھوں نے حضرت عمر کے لیے دعا کی ان کا جسد اطہر تخت پر رکھا ہوا تھا۔ اچانک ایک شخص نے پیچھے سے میرے کندھے پر اپنی کہنی رکھی اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ بے شک مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دو صاحبوں کی معیت عطا فرمائے گا کیونکہ میں بہت دفعہ سنتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہم تھے اور ابوبکر و عمر، ہم نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کام کیا، ہم اور ابوبکر و عمر چلے، ہم اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے، ہم اور ابوبکر و عمر نکلے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱ یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن۔
۲ شہادت کے بعد غسل دینے کے لیے۔
۳ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے۔
۴ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، معیت سے مراد یہ ہے کہ حجرۂ مبارکہ میں آپ کا مزار مبارک ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ حظیرہ قدس (عالم ارواح) میں آپ کو معیت حاصل ہوگی۔

۵؎ (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: آپ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں میری آرزو ہو کہ میں اس جیسے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں یعنی میری تمنّا ہے کہ میں آپ جیسے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں ۱۲ (حاشیہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۷۹۹ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَتَرَآءَوْنَ اَھْلَ عِلِّیِّیْنَ کَمَا تَرَوْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ فِیْ اُفُقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ مِنْھُمْ وَاَنْعَمَا رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَرَوٰی نَحْوَہٗ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جنت والے علّیّین[۱] والوں کو دیکھتے ہیں جس طرح تم نہایت روشن ستارے کو آسمان کے کنارے[۲] پر دیکھتے ہو اور ابوبکر و عمر بھی علّیّین والوں میں سے ہیں اور یہ دونوں بہت فضیلت والوں میں سے ہیں[۳]۔ اس حدیث کو شرح السنہ میں روایت کیا۔ اسی طرح ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ علّیّین۔ عین اور لام کے نیچے زیر۔ پہلی یاء مشدد (لام بھی مشدد) دوسری یاء ساکن۔ قاموس میں ہے کہ علیین ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جہاں مومنوں کی روحیں جاتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ محافظ فرشتوں کے دفتر کا نام ہے جہاں نیکوں کے اعمال لے جائے جاتے ہیں۔ اس لفظ کی مزید تحقیق (عربی) شرح میں کی گئی ہے۔

۲؎ کنارے پر ستارہ زیادہ روشن دکھائی دیتا ہے۔ دُرِّیٌّ دال پر پیش، راء مشدد کے نیچے زیر اور آخر میں یاء نسبت، یہ نسبت ہے دُر کی طرف، جس کا معنی ہے مروارید (موتی) روشنی اور صفائی کے اعتبار سے نسبت ہے۔

۳؎ یعنی یہ دونوں فضیلت و شرافت کی نعمت میں بلند مرتبہ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہ علّیّین والوں میں بلند مرتبہ ہیں اور فضیلت و شرافت میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

۵۸۰۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر اور عمر انبیاء اور رسولوں کے علاوہ اوّلین اور آخرین کے معمر[۱] لوگوں کے سردار ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے اسے حضرت علی مرتضیٰ

ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَلِیٍّ) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

سلہ کُهُوْل، جمع ہے کَهْل کی۔ کاف پر زبر ہاء ساکن۔ وہ شخص جسے بڑھاپا لاحق ہوگیا ہو یا وہ شخص جس کی عمر تیس یا چونتیس اور اکاون سال کے درمیان ہو اسی طرح قاموس میں ہے صراح میں ہے۔ کہل درمیانی عمر کا مرد۔ اکتہال چہرے کے دونوں طرف بال پیدا ہوجائیں اور پوری داڑھی اتر آئے۔ ان حضرات کہولت سے ان کی دنیاوی زندگی کے اعتبار سے موصوف کیا گیا۔ ورنہ کوئی بھی معمر نہیں ہوگا پس معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کے سردار ہیں جو وفات کے وقت معمر ہیں۔ جیسے بوڑھوں کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح جوانوں کے بھی سردار ہوں گے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ کہل سے مراد عقل مند اور صاحب حلم ہے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اس حال میں بہشت میں لائے گا کہ یہ حلیم اور عاقل ہوں گے۔

۵۰۰۱ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت حذیفہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (اپنے اندازے سے) نہیں جانتے کہ ہمارا تمہارے درمیان باقی رہنا کب تک ہے؟ لہٰذا تم ان دو افراد کی اقتدا کرو جو ہمارے بعد ہیں[2] یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما (ترمذی)

سلہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان ہیں۔
سلہ اور ہمارے خلیفہ ہوں گے۔

۵۰۰۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ لَمْ یَرْفَعْ اَحَدٌ رَاْسَہٗ غَیْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ کَانَا یَتَبَسَّمَانِ اِلَیْہِ وَیَتَبَسَّمُ اِلَیْہِمَا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو کوئی صحابی سوائے ابوبکر و عمر کے سر نہیں اٹھاتا تھا یہ دونوں حضرات آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے[1] یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ یہ محبت کی خصوصیت ہے اور اہل محبت کی عادت ہے کہ جب ایک دوسرے پر نظر پڑے، تو بے اختیار مسکراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

۵۰۰۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ یَوْمٍ وَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ اَحَدُھُمَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ اقدس سے تشریف لائے اور اس حال میں مسجد میں داخل ہوئے

عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِاَيْدِيْهِمَا فَقَالَ هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

کہ آپ کی دائیں جانب ابوبکر تھے اور بائیں جانب عمر فاروق تھے۔ آپ نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور فرمایا اسی طرح ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے [1] یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی اور فرمایا، یہ حدیث غریب ہے۔

[1] (آج سے دس سال پہلے عظیم آباد شہر میں ایک رافضی کے ایک سُنی کے ساتھ تعلقات تھے سُنی نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو الوداعی ملاقات میں رافضی نے کہا کہ میری ایک آرزو ہے جسے میں زبان پر نہیں لا سکتا۔ سُنی نے کہا بیان کرو۔ اس نے پھر کہا میری ایک آرزو ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا سنی نے کہا بتاؤ تو سہی۔ اس نے کہا اگر میرے ساتھ وعدہ کرو کہ میرا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو گے تو میں بیان کرتا ہوں۔ آخر عہد و پیمان لے کر کہنے لگا: زیارت کے وقت عرض کرنا یا حضرت مجھے بڑا شوق ہے لیکن اس لیے نہیں آسکتا کہ میرے دو دشمن آپ کے پاس مدفون ہیں۔ سُنی کو یہ سن کر صدمہ پہنچا اور اس نے پیغام پہنچانے سے معذرت کی۔ رافضی نے کہا تم تو پیغام رساں ہو اپنی طرف سے تو یہ الفاظ نہیں کہو گے۔

سُنی جب زیارت سے فارغ ہوا تو اسے رافضی کا پیغام یاد آگیا لیکن اسے عرض کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ آخر واپسی کا دن آپہنچا۔ اس رات سُنی نے وعدہ پورا کرنے کے لیے آدھی رات کے وقت دربارِ عالی میں حاضری دی اور سلام کے بعد معذرت پیش کرتے ہوئے رافضی کا پیغام عرض کر دیا۔ اس پہ شدید خوف طاری ہو گیا۔ معذرت پیش کرتے اور روتے روتے وہیں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اسی حالت میں دیکھتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق ہیں انھوں نے قرآنِ پاک گردن میں حمائل کیا ہوا ہے۔ بائیں جانب حضرت عمر فاروق ہیں انھوں نے گردن میں تلوار حمائل کی ہوئی ہے۔ سنی نے دیکھا کہ وہ بھی اسی جگہ حاضر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ اس شخص نے تمھیں پیغام دیا تھا؟ سُنی نے دیکھا کہ وہ رافضی بھی دُور بیٹھا ہوا ہے۔ سنی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے اللہ تعالیٰ کے نام پر مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں یہ پیغام پہنچاؤں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو اشارہ فرمایا انھوں نے تلوار کھینچی اور اس کا سر اڑا دیا۔ اس کا سر لڑھکتا ہوا گندگی کی نالی میں جا پڑا۔

سنی کو ہوش آیا تو کانپتا ہوا اپنی قیام گاہ پر واپس آیا۔ واپسی پر جب عظیم آباد پہنچا تو اس نے اپنا خواب مولوی خدا بخش کو بیان کیا۔ دو تین دن کے بعد کچھ فاصلہ طے کر کے اس رافضی کے گھر گیا۔ اس کی بیوی اور بچوں نے روتے ہوئے بیان کیا کہ تمھارا وہ دوست فلاں رات کو قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء (لیٹرین) میں گیا تھا شاید کسی دشمن نے پرنالے کے ذریعے آکر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور نجاست کے گڑھے میں ڈال دیا اور دھڑ

پاؤں کی جگہ ڈال دیا۔ صبح ہوئی تو یہ معاملہ سامنے آیا، اس وقت تک ہمیں کوئی نشان نہیں مل سکا کہ قاتل کون ہے؟ یہ وہی رات تھی کہ سُنی حاجی نے بے ہوشی میں یہ واقعہ دیکھا تھا اسے اس شدت سے رونا آیا کہ وہ ضبط نہ کرسکا گھر والوں کا خیال یہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور اپنے دوست کی محبت میں رو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے عظمت اور کبریائی ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۱۲ مولوی امیر علی محشی اشعۃ اللمعات)

۵۰۰۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ حَنْطَبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی اَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ فَقَالَ ھٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ مُرْسَلًا)

حضرت عبداللہ ابن حنطب[۱] سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور عمر کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں دیکھنے اور سننے کے مرتبے میں ہیں[۲] اسے امام ترمذی نے مرسلاً روایت کیا۔

[۱] عبداللہ ابن حنطب بے نقطہ حاء اور طاء پر زبر، درمیان میں نون ساکن۔ صاحب جامع الاصول نے ان کا ذکر صحابہ کرام میں کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ وہ صحابی نہیں ہیں بلکہ تابعی ہیں اور بڑے تابعی ہیں۔ امام ترمذی کے نزدیک یہی مختار ہے۔

[۲] یعنی مسلمانوں میں ان کی حیثیت نفاست کی فضیلت کے اعتبار سے وہ ہے جو جسم میں دوسرے اعضاء کی نسبت سے کان اور آنکھ کی ہے۔ اسی معنی کے قریب وہ مطلب ہے جو بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ دین میں ان کی مثال وہ ہے جو جسم میں کان اور آنکھ کی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے لیے کان اور آنکھ کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم ان کے ذریعے سنتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ مطلب وزارت اور وکالت کی طرف راجع ہے۔ ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں حق کے سننے، اس کی پیروی کرنے اور نفوس و آفاق سے ماوراء حق کا مشاہدہ کرنے کا سخت شوق رکھتے ہیں۔

۵۰۰۵ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ السَّمَآءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَآءِ فَجِبْرَئِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کے دو وزیر[۱] آسمان والوں میں سے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے۔ آسمان والوں میں سے ہمارے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے ہمارے دو وزیر ابوبکر اور عمر ہیں[۲] (ترمذی)

[۱] دو وزیر آسمان کے فرشتوں میں سے ہیں جو عالم ملکوت سے ان کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔

[۲] دو وزیر زمین والوں میں سے ان کے دوست ہیں جو عالم ناسوت (عالم اجسام) میں ان کی خدمت اور امداد کرتے ہیں۔

۳ وزیر مشتق ہے وِزْرٌ سے واؤ کے نیچے زیر، راء ساکن، جس کا معنی ہے بوجھ، وزیر بادشاہ کی جگہ حکومت کی مشکلات کا بوجھ اٹھاتا ہے اور اپنی رائے اور تدبیر سے اس کی امداد کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے اہم امور میں مشورہ کرتے تھے اور ان کی تدبیر کے مطابق کام کرتے تھے۔

۶۰۰۶ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَاَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِىْ فَسَاءَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِى اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوبکرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اُترا ہے آپ کا اور ابوبکر کا وزن کیا گیا تو آپ کا پلڑا بھاری رہا۔ ابوبکر اور عمر کا وزن کیا گیا تو ابوبکر کا پلڑا بھاری رہا پھر عمر اور عثمان کا وزن کیا گیا تو عمر کا پلڑا بھاری رہا۔ پھر ترازو اٹھا لیا گیا[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب سے غمگین ہوئے[۳] یعنی اس خواب نے آپ کو غمگین کر دیا۔ آپ نے فرمایا: یہ خلافتِ نبوت ہے[۴] پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا حکومت عطا فرمائے گا[۵]

۱ حضرت ابوبکرہ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ طائف میں مسلمان ہوئے اور قلعے کے اوپر سے کنوئیں کی چرخی پہ چھلانگ لگا کر مسلمانوں کے لشکر میں پہنچ گئے۔ اسی لیے ان کا نام ابوبکرہ پڑ گیا بکرہ کا معنی ہے کنوئیں کی چرخی
۲ عجیب بات یہ کہ اس صحابی نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا موازنہ نہ دیکھا گویا یہ اس لیے تھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے افضل ہونے میں سلف میں اختلاف ہے۔ جیسے کہ عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۳ اِسْتَاءَ بروزن اِفْتَعَلَ ہے اور سُوْءٌ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے غمگین ہونا۔ لَهَا الگ ہے اور جار مجرور ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کے خواب کی بناء پر غمگین ہو گئے۔ جیسے کہ راوی نے خود اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ فَسَاءَهٗ ذٰلِكَ اس واقعہ کو سننے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کر دیا۔
۴ یعنی ابوبکر اور عمر کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے کیونکہ اس میں ملوکیت اور اختلاف کا بالکل شائبہ نہیں ہے۔
۵ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترازو کے اٹھائے جانے کی تفسیر اور تاویل یہ فرمائی کہ خالص خلافت کا

زمانہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر ختم ہو جائے گا کہ اس پر اتفاق ہو گا۔ اس کے بعد ملوکیت کی آمیزش ہو جائے گی، اختلاف اور بے انتظامی راہ پا جائے گی۔ چاروں خلفاء کے بعد ملوکیت عضوض یعنی کاٹنے والی ہو گی۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ترازو کے اٹھائے جانے سے یہ معنی اس لیے سمجھا کہ موازنہ ان چیزوں میں کیا جاتا ہے جو ایک دوسری کے قریب ہوں جب دو چیزیں ایک دوسری سے الگ الگ اور دور ہوں تو اس وقت موازنہ کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ پس ترازو اٹھا لیا گیا اور موازنہ ترک کر دیا گیا تو اس خواب سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد خلافت کا معاملہ کمزور پڑ جائے گا۔ اس حدیث کا مطلب شارحین نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ بعض شارحین نے یہ لفظ استاء لہا بروزن استفعل پڑھا ہے اور اول سے مشتق قرار دیا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر و فکر کے ذریعے اس خواب کی تاویل طلب کی اور راوی کا قول فساءہ حاصل معنی کی تاویل کا بیان ہو گا۔ اس صورت میں لام، کلمہ میں داخل ہو گا اور کلمہ اِستاوَل ہے، پہلی صورت میں اِستاءَ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۵۸۰۷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَطَّلِعُ عَلَیْکُمْ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَاطَّلَعَ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ قَالَ یَطَّلِعُ عَلَیْکُمْ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَاطَّلَعَ عُمَرُ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس ایک جنتی مرد آئے گا۔ پس حضرت ابوبکر تشریف لائے پھر فرمایا تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا تو حضرت عمر تشریف لائے [۱] اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] احادیث میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے لیے جنت کی بشارت وارد ہوئی ہے۔ چونکہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا یکجا ذکر ہوا ہے اس لیے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی گئی ہے۔

سوال:۔ جنت کی بشارت تو دوسرے صحابہ کرام کے لیے بھی واقع ہوئی ہے لہٰذا ایسے تمام صحابہ کرام اس فضیلت میں شریک ہوں گے (شیخین رضی اللہ عنہما کا افضل ہونا کیسے ثابت ہوا؟)

جواب:۔ یہ باب شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت بیان کرنے کے لیے قائم کیا گیا نہ کہ افضلیت بیان کرنے کے لیے۔ ہاں بعض احادیث ان کے افضل ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

۵۸۰۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ بَیْنَا رَاْسُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس حال میں کہ ایک روشن رات میں رسول اللہ

حَجْرِیْ فِیْ لَیْلَۃٍ ضَاحِیَۃٍ اِذْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ یَکُوْنُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ وَاَیْنَ حَسَنَاتُ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِیْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ کَحَسَنَۃٍ وَّاحِدَۃٍ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس میری آغوش میں تھا۔ اچانک میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں جتنی بھی ہیں؟ فرمایا ہاں عمر فاروق کی (نیکیاں اتنی ہیں[۱]) میں نے عرض کیا ابوبکر کی نیکیاں کتنی ہیں؟ فرمایا: عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کی طرح ہیں[۲] (رزین)

[۱] مقصد واقعہ کا بیان کرنا ہے کہ سوال روشن رات میں تھا۔ مراد مطلق آسمان کے ستارے ہیں۔ لہذا یہ سوال وارد نہیں ہوگا کہ روشن رات میں ستارے کم ہوتے ہیں (یعنی آسمان کے ستاروں کی تعداد مراد ہے روشن رات کے ستاروں کی تعداد مراد نہیں ہے۔ روشن رات کا تذکرہ اس حوالے سے ہے کہ سوال اس رات میں کیا گیا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد کتنی ہے اور امت مسلمہ کے افراد کی نیکیوں کی تعداد کتنی ہے؟ ۱۲ اشرف قادری

[۲] یعنی ابوبکر کی نیکیاں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نیکیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں سے زیادہ تھیں۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں کیونکہ ان کی نیکیوں میں کیفیت اور نفاست کے اعتبار سے زیادہ قوت ہے۔ ان کا کمال اخلاص اور مشاہدہ معرفت اس کے علاوہ ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابوبکر کو تم پر فضیلت روزے اور نماز کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس چیز (ایمان و اخلاص کی قوت) کی بنا پر ہے جو ان کے دل میں رکھی گئی ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام غزالی اور امام عراقی نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث مرفوع نہیں ملی۔
حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابوبکر بن عبد اللہ مزنی کا قول ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن ربیع نے کہا ہے جو یمن کے اکابر علماء اور ہمارے مشائخ حدیث میں سے ہیں۔

باب

مناقبِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ

محدثین نے خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں جو احادیث روایت کی ہیں ان میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب بھی وارد ہوئے ہیں۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ جو احادیث بیان کی ہیں وہی کافی ہیں۔

الفصل الاوّل

۵۸۰۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعًا فِي بَيْتِهِ كَاشِفًا فَخِذَيْهِ أَوْسَاقَيْهِ فَاسْتَأْذَنَ أَبُوبَكْرٍ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَوّٰى ثِيَابَهُ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ أَبُوبَكْرٍ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَكَ فَقَالَ أَلَا أَسْتَحْيِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّ

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ مبارک میں پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کی رانیں یا پنڈلیاں منکشف تھیں پس حضرت ابوبکر نے اجازت طلب کی آپ نے انھیں اسی حالت میں اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو کی پھر حضرت عمر نے اجازت طلب کی۔ آپ نے اسی حالت میں انھیں بھی اجازت دے دی، انھوں نے بھی گفتگو کی۔ پھر حضرت عثمان نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کیے جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر آئے تو آپ نے ان کے لیے حرکت نہیں فرمائی اور ان کے لیے اہتمام نہیں کیا۔ پھر عمر داخل ہوئے تو ان کے لیے بھی نہ تو آپ نے حرکت کی اور نہ اہتمام کیا۔ پھر عثمان غنی داخل ہوئے تو آپ بیٹھ گئے اور

عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ فَاِنِّىْ خَشِيْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ اَنْ لَّا يَبْلُغَ اِلَيَّ فِىْ حَاجَتِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اپنے کپڑے درست فرما لیے۔ فرمایا کیا ہم اس شخص سے حیا نہ کریں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے فرمایا: بے شک عثمان حیا والے شخص ہیں اور ہمیں خوف ہوا کہ اگر ہم نے انھیں اسی حالت[۸] میں اجازت دے دی تو وہ ہمارے سامنے اپنی حاجت پیش نہیں کرسکیں گے[۹] (مسلم)

[۱] رانیں یا پنڈلیاں منکشف تھیں۔ یہ راوی کا شک ہے لہٰذا اس سے وہ لوگ استدلال نہیں کرسکتے جو کہتے ہیں کہ ران عورت (پردے کی جگہ) نہیں ہے کیونکہ یہ بیان دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بعض علماء نے یہ مطلب کہ رانیں قمیص سے عاری تھیں نہ کہ تہبند سے اور انھوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال شریف سے یہی ظاہر ہے واللہ اعلم۔

[۲] اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

[۳] یعنی ران (یا پنڈلی) کو ڈھانپے بغیر

[۴] یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے اور حاضر خدمت رہنے پر کچھ وقت گزر گیا۔

[۵] پہلے آپ پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ پھر بیٹھ گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوئے آدمی کے بیٹھنے کو قعود اور لیٹنے اور سجدہ کے بعد بیٹھنے کو جلوس کہتے ہیں۔

[۶] ہشاشت اور بشاشت کا ایک معنی ہے۔ ہشاشت کا اصل معنی خوشی اور جلدی کرنا ہے۔ رَجُلٌ ہَشٌّ بَشٌّ کا معنی ہے خوش اور جیت۔

[۷] حیا سے اس جگہ تعظیم و توقیر اور اہتمام کرنا ہے۔

[۸] یعنی رانوں یا پنڈلیوں کے منکشف ہونے کی حالت میں۔

[۹] یعنی شرم کی وجہ سے ہماری خدمت میں حاضر ہوکر بیٹھ نہیں سکیں گے اور اپنی حاجت پیش نہیں کرسکیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

۶۰۱۵ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَّرَفِيْقِىْ يَعْنِىْ فِى الْجَنَّةِ عُثْمَانُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا ایک مہربان دوست ہے اور ہمارا مہربان دوست یعنی جنت[۱] میں عثمان ہے۔ اس

وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِیِّ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ

حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔ امام ابن ماجہ نے اسے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند قوی نہیں ہے اور سند منقطع ہے۔

[۱] یعنی جنت میں، یہ راوی کا کلام ہے جسے اس نے قرینے کی بناء پر سمجھا ہے اور اس کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

۵۸۱ [۲] وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَحُثُّ عَلٰی جَیْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیَّ مِائَةُ بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَیَّ مِائَتَا بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَیَّ ثَلٰثُ مِائَةِ بَعِیْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاَنَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَهُوَ یَقُوْلُ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب [۱] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ آپ تبوک کے لشکر [۲] کے بارے میں صحابہ کرام کو ابھار رہے تھے حضرت عثمان نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ذمہ دو سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہیں۔ آپ نے پھر لشکر کی امداد کی اپیل کی تو حضرت عثمان نے اٹھ کر عرض کیا کہ مجھ پر تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت اللہ کے راستے میں ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے اس کے بعد عثمان جو کام کریں ان پر گناہ نہیں ہے اس کے بعد جو کچھ کریں ان پر گناہ نہیں ہے [۳]۔ (ترمذی)

[۱] عبدالرحمٰن تابعی ہیں اور ان کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے ان کے والد خباب نقطے والی خاء پر زبر، باء مشدد ابن الارت ہیں۔ ہمزے اور راء پر زبر، تاء مشدد۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں انھیں بڑا عذاب دیا گیا۔ ان کے شہید کیے جانے کا واقعہ عجیب وغریب اور صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے۔

[۲] جسے جیش العسرۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں نے بڑی تنگی اور سختی برداشت کی۔ ساز و سامان ناپید، گرمی کا موسم، خوراک اور پانی کی اس حد تک قلت کہ درختوں کے پتے کھاتے تھے اور اونٹوں کی اوجھڑی نچوڑ کر منہ تر کرتے تھے۔ جیسے کہ کتب سیرت میں بیان ہے۔ بے سامانی حد سے متجاوز تھی۔

سلہ اَحْلَاس جمع ہے حِلْسٌ کی، حاء کے نیچے زیر، لام ساکن موٹا کپڑا جو قیمتی قالینوں کے نیچے بچھاتے ہیں، احلاس وہ موٹے کپڑے جو اونٹ کی پشت پر ڈال لیتے ہیں۔ اَقْتَاب جمع ہے قَتَبٌ کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر، پالان۔

سلہ یعنی یہ عمل ان کے اعمال اور ان کی خطاؤں کا کفارہ ہے، بالفرض اگر ان سے کوئی خطا واقع ہو جائے، جیسے کہ اہلِ بدر کے بارے فرمایا، تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔

۵۸۱۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ[۱] قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِيْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِيْ حِجْرِهٖ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِيْ حِجْرِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ نے لشکرِ تبوک کو تیار فرمایا[۲] اور وہ دینار آپ کی آغوش میں ڈال دیے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انھیں اپنی آغوش میں الٹ پلٹ رہے اور فرما رہے تھے، آج کے بعد عثمان جو عمل کریں گے انھیں نقصان نہیں دے گا۔ دو دفعہ یہ ارشاد فرمایا[۳] (امام احمد)

سلہ عبدالرحمٰن، عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد میں سے تھے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور طلقاء (معافی پانے والوں) میں سے تھے۔ عبدشمس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں عبشمی کہا جاتا ہے۔

سلہ تجہیز کا معنی ہے دلہن یا مسافر یا میت کے لیے سامان تیار کرنا جَهَّزَ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف۔ (وہ مال و دولت کے اعتبار سے ہی غنی نہ تھے بلکہ دل کے بھی غنی تھے ۱۲ قادری)

سلہ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص مقبول بارگاہ ہو جائے اور مقبولوں کے دفتر میں اس کا نام آجائے تو اس کے بعد اگر اس سے کوئی کوتاہی بھی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بخشش ہو جائے گی۔

۵۸۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَكَّةَ فَبَايَعَ النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو اس وقت حضرت عثمان اہلِ مکہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کے طور پر گئے تھے[۱] صحابہ کرام نے بیعت کی[۲] تو رسول اللہ

اِنَّ عُثْمَانَ فِیْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی فَکَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَیْرًا مِّنْ اَیْدِیْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک عثمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام میں مشغول ہیں پس آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا[۳]، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ عثمان غنی کے لیے بہتر تھا[۴] صحابہ کرام کے ہاتھوں سے بہتر تھا جو ان کے لیے تھے۔ (ترمذی)

[۱] حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اہلِ مکّہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا تاکہ مکہ معظمہ میں آنے اور عمرہ کرنے کی اجازت دیں۔

[۲] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بیعت میں شامل نہ تھے۔

[۳] اور اپنے ہاتھ مبارک کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی (اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس دستِ اقدس سے حضرت عثمان غنی کی طرف سے بیعت کی) بعض اہلِ علم فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے اور بعض کے نزدیک بائیں ہاتھ سے۔ منقول ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے بہتر ہے۔

[۴] یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت ہے۔

۵۸۱۴/۶ وَعَنْ ثُمَامَةَ ابْنِ حَزْنٍ الْقُشَیْرِیِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَ حِیْنَ اَشْرَفَ عَلَیْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اُنْشِدُکُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ وَلَیْسَ بِهَا مَاءٌ یُسْتَعْذَبُ غَیْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ یَّشْتَرِیْ بِئْرَ رُوْمَةَ یَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ بِخَیْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِی الْجَنَّةِ فَاشْتَرَیْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِیْ وَاَنْتُمُ الْیَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِیْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰی

حضرت ثمامہ ابن حزن قشیری[۱] سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمان غنی کے گھر حاضر تھا جب انھوں نے دیوار کے اوپر سے محاصرہ کرنے والوں[۲] کی طرف دیکھا اور فرمایا: میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی یاد دلا کر پوچھتا ہوں کیا تمھیں معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں بئرِ رومہ[۳] کے علاوہ کہیں میٹھا پانی کا کنواں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو بئرِ رومہ کو خرید سے اور اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کی طرح قرار دے[۴]۔ اس نیکی اور ثواب کے بدلے جو اس خریدار کے لیے کنوئیں کے بدلے میں جنت میں ہوگا[۵] چنانچہ میں نے وہ کنواں خالص اپنے مال سے خریدا[۶] اور آج تم مجھے

اَشْرَبَ مِنْ مَّاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِي الْمَسْجِدِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّيْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَّالِيْ قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهٗ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّصِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدَانِ قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّيْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ

اس کا پانی پینے سے منع کرتے ہو یہاں تک کہ میں سمندر کا پانی پیتا ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ ہم جانتے ہیں۔[۱] آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی یاد دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمھیں معلوم ہے؟ کہ مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہو گئی۔[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو آلِ فلاں[۳] کا پلاٹ خریدے اور اسے مسجد میں شامل کرے۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے مال سے خریدا[۴] اور آج تم مجھے اس میں دو رکعتیں پڑھنے سے منع کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا اے اللہ ہم جانتے ہیں پھر فرمایا: میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے مال سے لشکرِ تبوک کو تیار کیا۔ انھوں نے کہا اے اللہ! ہاں۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے پہاڑ ثبیر[۱۳] پر تھے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور میں تھے پس پہاڑ حرکت میں آگیا[۱۴] یہاں تک کہ پتھر نیچے جا گرے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور فرمایا: ثبیر ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر اللہ کے نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں ان لوگوں نے کہا اے اللہ ایسے ہی ہے۔ حضرت عثمان نے تین دفعہ فرمایا: اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم انھوں نے گواہی دی ہے کہ میں شہید ہوں۔[۱۵]

(ترمذی، نسائی، دارقطنی)

---

[۱] ثمامہ تین نقطے والی ثاء پر پیش، پہلا میم مخفف۔ ابن حزن، بے نقطہ حاء پر زبر، نقطے والی زاء ساکن القشیری قاف پر پیش، شین پر زبر۔ ثمامہ تابعی ہیں اور دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا لیکن مشرف بزیارت نہیں ہوئے۔ ان کی حدیث اہلِ بصرہ میں ہے۔

[۲] ان لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور انھیں شہید کرنے کے درپے تھے

اشراف کا معنی ہے اوپر سے نیچے دیکھنا۔

۵۲ یعنی تمھیں اللہ تعالیٰ اور دینِ اسلام کے حق کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔

۵۳ رومہ راء پر پیش، واؤ ساکن، بعض نے ہمزہ کے ساتھ (رؤمہ) بھی پڑھا ہے۔ مسجد قبلتین کے شمال میں وادی عقیق میں بڑا کنواں ہے جس کا پانی نہایت میٹھا لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اس وقت عوام الناس اسے جنت کا کنواں کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اسے خرید کر وقف کرنے کی بناء پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جنتی ہونے کی بشارت ملی، اس کنوئیں کے مزید حالات ہم نے تاریخ مدینہ میں بیان کیے ہیں۔

۵۴ یعنی اس کنوئیں کو وقف کر دے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کے ڈول کے برابر قرار دے اور اسے اپنے ساتھ مخصوص نہ رکھے بلکہ اپنی ملک سے نکال دے۔

۵۵ (مولوی امیر علی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح ترجمہ یہ ہے: جنت میں اس سے بہتر کنوئیں کے عوض)۔ (حاشیہ) تاہم حضرت شیخ کے ترجمہ کو غلط بھی قرار نہیں دے سکتے، اس کے مطابق بئر رومہ کے بدلے جنت کے اجر و ثواب کی نوید دی گئی ہے اور وہ عام ہے کہ کنواں ہو یا اس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی ہوں۔ ۱۲ اشرف قادری)

۵۶ یعنی میں نے ذاتی سرمائے سے خریدا، کہتے ہیں کہ ۲۵ ہزار درہم میں خریدا اور ایک روایت میں ہے کہ اسی ہزار درہم میں خریدا۔

۵۷ یعنی کھارا پانی پیتا ہوں جو نمکین ہونے میں سمندری پانی کی طرح ہے۔

۵۸ یعنی انھوں نے اس کلام میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی ابتداء میں اَللّٰھُمَّ لانے کا مقصد تاکید اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک سے برکت حاصل کرنا ہے۔

۵۹ یعنی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد شریف کی بنیاد رکھی تو جگہ تنگ تھی اور اس میں زیادتی کی گنجائش نہیں تھی۔

۶۰ آلِ فلاں سے مراد انصار کی جماعت ہے جن کی مسجد کے پڑوس میں زمین تھی اگر اسے مسجد میں داخل کر دیتے تو مسجد فراخ ہو جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے؟ جو اس جماعت کی جگہ خرید ے۔

۶۱ کہتے ہیں وہ پلاٹ دس ہزار درہم کا تھا۔

۶۲ ثبیر، تین نقطے والی ثاء پر زبر، باء کے نیچے زیر، مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مشہور یہ ہے کہ منیٰ میں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ دونوں جگہ ہے چونکہ پہاڑ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں اس لیے دونوں جگہ کی طرف نسبت کی جا سکتی ہے۔

۶۳ علماء کرام نے یہ بیان نہیں کیا کہ پہاڑ کی حرکت کرنے کی وجہ کیا تھی؟ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قہریہ کی تجلی پہاڑ پر واقع ہوئی ہو، یا نبوت کی عظمت، غلبہ اور قوت ہو (ظاہر یہ ہے کہ پہاڑ سرکارِ دوعالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی کی بناء پر فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا جیسے احد پہاڑ جھوم اٹھا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ (احد ایسا پہاڑ ہے کہ جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں ۱۲ قادری)

سے۵ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تعجب کے طور پر یہ کلمات تین دفعہ دہرائے کہ بلوائی آپ کی صداقت کا اقرار بھی کر رہے تھے اور انھیں شہید کرنے پر مصر بھی تھے ۔

۵۸۱۵ وَعَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُّقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانَ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَاَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ۔

حضرت مرہ بن کعب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فتنوں[۲] کا ذکر فرما رہے، آپ نے ان فتنوں کو قریب کیا[۳] اتنے میں ایک شخص گزرا جس نے اپنا سر کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا[۴] ۔ آپ نے فرمایا یہ شخص اس دن[۵] ہدایت پر ہوگا۔ میں[۶] اٹھ کر ان کے پاس گیا دیکھا کہ وہ عثمان غنی ہیں ۔ مُرّہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عثمان غنی کا چہرا پھیرا[۷]، اور عرض کیا، یہ[۸] فرمایا۔ ہاں اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔

سے۱ مرہ، میم پر پیش اور راء مشدد ابن کعب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور اہلِ شام میں شمار کیے جاتے ہیں ۔

سے۲ جو آپ کے بعد آپ کی امت میں پیدا ہوں گے ۔

سے۳ یعنی فرمایا کہ وہ فتنے عنقریب پیدا ہوں گے ۔

سے۴ اسے تطلس بھی کہتے ہیں یعنی سر پر طیلسان (چادر) ڈالنا، تطلس کے بارے میں بہت سی احادیث اور آثار واقع ہیں ۔ بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور کہا کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے صحیح یہ ہے کہ یہ مستحب اور مستحسن ہے ۔ یہ اور اس جیسی دوسری احادیث اس کی دلیل ہیں، شرح سفر السعادۃ میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے ۔

مقنع میم پر پیش، قاف پر زبر اور نون مشدد کے نیچے زیر، قناع قاف کے نیچے زیر، ڈھانپنے والا کپڑا، مقنعہ میم کے نیچے زیر، عورتوں کا سر پہ لپینے والا کپڑا (دوپٹہ)

سے۵ جب فتنہ واقع ہوگا ۔

ــــه حضرت مرہ ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر اس شخص کے پاس گیا تاکہ دیکھوں کہ وہ کون ہے ؟

ــــه اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا چہرہ دکھایا ۔

ــــه یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا ۔

۵۸۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عُثْمَانُ اِنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا فَاِنْ اَرَادُوكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! بے شک شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید تمھیں ایک قمیص[1] پہنائے گا پس اگر لوگ تمھیں اس کے اتارنے پر مجبور کریں[2] تو تم ان کے لیے نہ اتارنا[3] اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا امام ترمذی نے فرمایا : اس حدیث میں طویل واقعہ ہے[4]

ــــه اس سے مراد خلافت ہے ۔

ــــه تمھیں خلافت سے معزول کرنا چاہیں ۔

ــــه یعنی ان کے لیے اپنے آپ کو معزول نہ کرنا ۔ اسی لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت اپنے آپ کو معزول نہیں کیا ۔ جب یوم الدار (جس دن آپ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا) بلوائیوں نے آپ کا محاصرہ کیا اور آپ کو معزول کرنے کی کوشش کی ۔ صراح میں ہے خلع کپڑے، موزے یا جوتے کا اتارنا اور کسی منصب سے معزول کرنا ہے ۔

ــــه وہ واقعہ یہ ہے کہ مصریوں نے حضرت عثمان غنی کے پاس مصر کے گورنر کی شکایت کی ۔ آپ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا کر روانہ کیا ۔ وہ مروان کے مکر کی بناء پر راستے ہی سے واپس آگئے حضرت عثمان غنی کا محاصرہ کیا گیا اور انھیں شہید کر دیا گیا ۔ یہ واقعہ بہت ہی دہشت ناک اور الم انگیز ہے ۔ جیسے کہ کتب سیرت میں بیان کیا گیا ہے دینِ اسلام میں ہونے والا یہ پہلا واقعہ ہے ـــــ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

۵۸۱۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيهَا مَظْلُومًا لِعُثْمَانَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ اِسْنَادًا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنے کا ذکر کیا اور حضرت عثمان غنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا : یہ اس فتنے میں بحیثیت مظلوم شہید کیے جائیں گے ۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت

کیا اور فرمایا: یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن غریب ہے۔

۵۸۱۸ وَعَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ قَالَ قَالَ لِیْ عُثْمَانُ یَوْمَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ اِلَیَّ عَهْدًا وَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

حضرت ابو سہلہ[1] سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عثمان غنی نے یوم الدار[2] فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا[3] اور میں اس پر صبر کرنے والا ہوں[4] اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے

[1] ابو سہلہ نے نقطہ سین پر زبر، ہا و ساکن، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

[2] یوم الدار سے وہ دن مراد ہے جس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے۔ دار سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دار (گھر) مراد ہے۔ جس میں انھیں محصور اور شہید کیا گیا۔

[3] اور مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے آپ کو معزول نہ کرنا، آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ لوگوں کے ظلم پر صبر اور برداشت کرنا اور ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا۔

[4] اور ان کے ساتھ جنگ نہیں کرنا۔ ورنہ بعض صحابہ کرام اور اپنوں نے کہا تھا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں۔ آپ باہر آئیں اور ان کے ساتھ جنگ کریں۔ تاکہ ان کے مقابلے کا دائرہ تنگ ہو جائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۸۱۹ وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ يُرِيْدُ حَجَّ الْبَيْتِ فَرَاٰى قَوْمًا جُلُوْسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ قَالُوْا هٰؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيْهِمْ قَالُوْا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ اِنِّیْ سَائِلُكَ عَنْ شَیْءٍ فَحَدِّثْنِیْ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ اُحُدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهٗ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَّلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے روایت ہے کہ مصر کا ایک شخص حج کرنے کے لیے آیا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا ان کے درمیان جو شیخ ہیں وہ کون ہیں انھوں نے کہا یہ عبد اللہ ابن عمر ہیں۔ اس نے کہا اے ابن عمر! میں آپ سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان غنی احد کے دن صف برقرار نہیں رکھ سکے تھے۔ انھوں نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بدر سے غائب تھے اور بدر میں حاضر نہیں ہوئے

نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ اُبَيِّنْ لَكَ اَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ اُحُدٍ فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَفَا عَنْهُ وَ اَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَاِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مَرِيْضَةً فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَكَ اَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ وَاَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ اَحَدٌ اَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ وَ كَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدُ فَذَهَبَ عُثْمَانُ اِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذْهَبْ بِهَا الْاٰنَ مَعَكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرمایا ہاں ۔ اس نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان[۲] سے غائب رہے اور اس میں حاضر نہیں تھے ۔ فرمایا ہاں ۔ اس نے کہا اللہ اکبر[۳] حضرت ابن عمر نے فرمایا ادھر آ۔ تجھے حقیقت حال بیان کروں احد کے دن ان کا برقرار نہ رہنا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا ۔ بدر سے غائب رہنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ ان کے نکاح میں تھیں اور بیمار تھیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ تمھارے لیے بدر میں حاضر ہونے والے شخص کا اجر اور حصہ ہے ۔ رہا بیعت رضوان سے ان کا غائب ہونا تو اگر مکہ مکرمہ میں ان سے زیادہ کوئی معزز ہوتا تو اسے بھیجتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان غنی کو بھیجا اور ان کے بعد بیعت رضوان ہوئی حضرت عثمان غنی مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں فرمایا ۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے ، اور دایاں ہاتھ بائیں پر مار کر فرمایا یہ بیعت عثمان کی ہے ۔ پھر ابن عمر نے فرمایا : اب یہ کلمات اپنے ساتھ لے جاؤ ۔

(بخاری)

[۱] عثمان بن عبد اللہ بن موہب ہا پر زیر، ثقہ تابعین میں سے شمار کیے جاتے ہیں ۔ امام ابوحنیفہ امام ثوری اور دیگر حضرات ان سے روایت کرتے ہیں ۔

[۲] جو حدیبیہ میں ہوئی ۔

[۳] جب ہر سوال کے جواب میں حضرت ابن عمر نے اس شخص کی تصدیق کی تو اس نے ازراہ تعجب اور حضرت عثمان غنی پر اعتراض کے طور پر نعرۂ تکبیر بلند کیا ۔ کہتے ہیں کہ اس شخص کا عقیدہ حضرت عثمان غنی کے بارے میں فاسد تھا ۔

۵۸۲۰ / ۱۲ وَعَنْ اَبِيْ سَهْلَةَ مَوْلٰى عُثْمَانَ

حضرت عثمان غنی کے مولیٰ ابو سہلہ سے روایت ہے

قَالَ جَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسِرُّ اِلٰی عُثْمَانَ وَلَوْنُ عُثْمَانَ یَتَغَیَّرُ فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ الدَّارِ قُلْنَا اَلَا نُقَاتِلُ قَالَ لَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَہِدَ اِلَیَّ اَمْرًا فَاَنَا صَابِرٌ نَفْسِیْ عَلَیْہِ ۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عثمان غنی سے سرگوشی میں گفتگو کرنے لگے[1]، حضرت عثمان کا رنگ بدلنے لگا[2] جب یوم الدار تھا تو ہم نے کہا کہ کیا ہم جنگ نہ کریں؟ فرمایا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام کی وصیت کی تھی پس میں اس پر اپنے آپ کو کاربند کرنے والا ہوں[3]

[1] یہ گفتگو اس فتنے کے بارے میں ہوگی جو ان کے سر پہ قائم کیا جائے گا اور انھیں شہید کیا جائے گا اور انھیں اس فتنے کے بارے میں صبر کرنا ہوگا ۔

[2] کیونکہ وہ گفتگو ہی خوفناک تھی ۔

[3] صراح میں ہے کہ صبر کا معنی ہے کسی کو قتل کرنے کے لیے روکنا (اور قید کرنا) قُتِلَ فُلَانٌ صَبْرًا اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی کو قتل کے لیے قید کیا جائے ۔

۵۸۲۱ وَعَنْ اَبِیْ حَبِیْبَۃَ اَنَّہٗ دَخَلَ الدَّارَ وَعُثْمَانُ مَحْصُوْرٌ فِیْہَا وَاَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَسْتَاْذِنُ عُثْمَانَ فِی الْکَلَامِ فَاَذِنَ لَہٗ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ فِتْنَۃً وَّاخْتِلَافًا اَوْ قَالَ اِخْتِلَافًا وَّفِتْنَۃً فَقَالَ لَہٗ قَائِلٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْ مَا تَاْمُرُنَا بِہٖ قَالَ عَلَیْکُمْ بِالْاَمِیْرِ وَاَصْحَابِہٖ وَھُوَ یُشِیْرُ اِلٰی عُثْمَانَ بِذٰلِکَ رَوَاھُمَا الْبَیْہَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ ۔

حضرت ابوحبیبہ[1] سے روایت ہے کہ وہ اس گھر میں داخل ہوئے جس میں حضرت عثمان غنی محصور تھے، ابوحبیبہ نے سنا کہ حضرت ابوہریرہ حضرت عثمان سے گفتگو کرنے کی اجازت طلب کر رہے تھے[2] حضرت عثمان نے انھیں اجازت دی[3] تو انھوں نے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی[4] پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے بعد عنقریب فتنہ اور اختلاف دیکھو گے[5] یا فرمایا کہ اختلاف اور فتنہ[6] دیکھو گے ۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہمارے لیے کون ہے[7] یارسول اللہ! یا یہ کہا کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم پر لازم ہے کہ امیر اور اس کے ساتھیوں کی پیروی کرو حضرت ابوہریرہ لفظ امیر سے حضرت عثمان کی طرف اشارہ کر رہے تھے[8] ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ۔

[1] حضرت ابوحبیبہ حاء پر زبر، پہلی باء کے نیچے زیر اور یاء ساکن تابعی تھے اور بنو طے سے تعلق رکھتے تھے

ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ حضرات میں کیا ہے۔

ےَ۲ یعنی حضرت ابوہریرہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی خدمت میں کچھ بات عرض کروں۔

ےَ۳ اور فرمایا کہیے آپ کیا کہتے ہیں؟

ےَ۴ جس طرح خطبہ میں کی جاتی ہے۔

ےَ۵ جس میں تمہاری آزمائش ہوگی اور تم ایک دوسرے کی مخالفت کروگے۔

ےَ۶ راوی کو شک ہے کہ پہلے لفظ اختلاف ذکر کیا اور بعد میں فتنہ کا یا پہلے فتنہ اور پھر اختلاف کا ذکر کیا۔

ےَ۷ یعنی ہم کس کی پیروی کریں تاکہ ہمیں فائدہ ہو نہ کہ نقصان۔

ےَ۸ یعنی ہمیں ان کی اطاعت کرنی چاہیے کہ یہ ہمارے امیر ہیں۔

ےَ۹ اس حدیث کو جس کے راوی ابوحبیبہ ہیں اور گزشتہ حدیث جس کے راوی ابوسہلہ ہیں۔

باب

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب

کچھ احادیث حضرت ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتماعی مناقب میں بھی وارد ہیں۔ اس باب میں ان ہی احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔

الفصل الاوّل

۵۸۲۲ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَقَالَ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان غنی تھے۔ ان حضرات کے سبب پہاڑ حرکت میں آگیا

اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا: اُحد ٹھہر جا، تجھ پر صرف نبی ہے صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

لہ احد پہلے دونوں حرفوں پر پیش ہے۔ مدینہ مطہرہ میں مشہور پہاڑ ہے۔

۵۸۲۲ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَكْرٍ فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا عُمَرُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِيْ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تھا۔ ایک شخص آیا اس نے باغ کا دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دو، اچانک دیکھا تو وہ ابو بکر تھے۔ میں نے انھیں اس چیز کی بشارت دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ اچانک دیکھا کہ وہ عمر فاروق تھے۔ میں نے انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خبر دی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر ایک شخص نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی خوشخبری دو، اس مصیبت پر جو انھیں لاحق ہوگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان غنی ہیں۔ میں نے انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خبر دی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر کہا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے [۲]۔

(بخاری، مسلم)

لے یہ وہ باغ ہے جس میں بئر اریس ہے ہمزہ پر زبر، راء کے نیچے زیر، یاء ساکن اور آخر میں بے نقطہ سین، مسجد قبا کی ایک جانب واقع کنوئیں کا نام ہے۔

لے کہ اس مصیبت پر صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۸۲۴ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہرہ میں کہا کرتے تھے کہ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم لے (ترمذی)

لے یعنی ان تین حضرات کا ایک ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ تینوں بارگاہِ نبوت کے مقبول اور پسندیدہ حضرات تھے۔ صحابہ کرام کے درمیان مشہور اور ممتاز تھے اور ان کے درمیان ان کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اس جگہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر بے موقع واقع ہوا ہے۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی حدیث میں داخل ہے اور اس طریقے پر نہیں ہے جس طرح حدیث شریف کے راوی صحابہ کرام کے ذکر کے ساتھ کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ ابوبکر، عمر، عثمان اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

۵۸۲۵ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِيَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ صَالِحٌ كَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ نِيطَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِيطَ عُمَرُ بِاَبِي بَكْرٍ وَنِيطَ عُثْمَانُ بِعُمَرَ قَالَ جَابِرٌ فَلَمَّا قُمْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَمَّا الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَّا نَوْطُ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَهُمْ وُلَاةُ الْاَمْرِ الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج رات ایک صالح مرد کو خواب میں دکھایا گیا لے کہ گویا ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ کیے گئے ہیں لے اور عمر ابوبکر سے وابستہ کیے گئے ہیں اور عثمان عمر سے متعلق کیے گئے ہیں۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھے تو ہم نے کہا کہ مرد صالح تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رہا بعض کا بعض سے وابستہ ہونا تو وہ اس مشن کے ذمہ دار ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا لے (ابوداؤد)

لے یعنی ایک صالح مرد نے خواب میں دیکھا، مراد یہ ہے کہ ہم نے خواب دیکھا۔

ملہ نیط نون کے نیچے زیر، یاء ساکن، نَوطٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے متعلق اور وابستہ ہو جانا۔

سے یعنی یہ حضرات دین و شریعت کے احکام کے جاری کرنے میں اسی ترتیب کے ساتھ خلیفہ ہیں۔

باب

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب

آپ کے مناقب بہت ہیں اور حد شمار سے باہر ہیں۔ کتب حدیث میں دوسرے صحابہ کرام کے بیان کردہ مناقب سے زیادہ آپ کے مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مناقب موضوع بھی ہیں۔ علامہ مجد الدین شیرازی نے جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں نقل کی گئی بعض احادیث کو موضوع قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ان کا باطل ہونا بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ اس جگہ بھی فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی بے شمار حدیثیں وضع کی گئی ہیں۔ واضح طور پر وہ حدیثیں موضوع ہیں جو وصایا نامی کتاب میں جمع کی گئی ہیں ہر حدیث یَا عَلِیُّ سے شروع ہوتی ہے ان میں سے ایک حدیث ثابت ہے اور وہ یہ ہے:۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اسی طرح محدثین نے فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (انتہی) مختصر یہ کہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ فریقین کے تعصب اور غلو کی وجہ سے دونوں طرف سے موضوع حدیثیں واقع ہوئی ہیں۔ اسی طرح دونوں طرف کے تعصب اور مکابرہ کی بناء پر احادیث کے موضوع ہونے کا حکم بھی کیا گیا ہے سلہ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حضرت ابو بکر صدیق کے مناقب میں بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح علماء نے

سلہ مولوی امیر علی نے اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں اس جگہ اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ بہ ظاہر یہ عبارت الحاقی اور مہمل ہے کیونکہ کسی حدیث کو موضوع قرار دینے میں تعصب کا دخل نہیں ہے۔ دار و مدار سند کے صحیح ہونے پر ہے اور یہ تعصب متاخرین میں پیدا ہوا متقدمین میں نہیں تھا۔ جب کوئی سند میں راوی وضاع ہو تو اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ یہاں تک کہ آئمہ اہل سنت نے حضرت ابو بکر کی فضیلت سے متعلق بعض روایات کو موضوع قرار دیا یہ نہیں کہ روافض نے انہیں محض تعصب کی بناء پر موضوع کہا۔ محض بدگمانی باعث گناہ ہے اور خطائے عظیم (امیر علی) اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت شیخ محقق نے یہ فرمایا ہے کہ طرفین سے تعصب اور غلو کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ایک فریق نے حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیان کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام احمد اور امام نسائی اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں دوسرے صحابہ کرام کی نسبت زیادہ احادیث جید سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔ علامہ سیوطی نے فرمایا غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہیں اور ان کے زمانے میں اختلاف واقع ہوا اور جن مخالفین نے آپ کے ساتھ جنگ کی اور ان کے خلاف خروج کیا وہ زیادہ ہو گئے تو علماء نے چاہا کہ ان کے مناقب کی اشاعت کریں اور مخالفین کا رد کریں۔ اس لیے بہت سے صحابہ کرام نے آپ کے مناقب روایت کیے ورنہ خلفاءِ ثلاثہ کے فضائل بھی بہت ہیں۔ ان کے مناقب کے برابر بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے۔

الفصل الاوّل

۵۸۲۶ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

پہلی فصل

حضرت سعد بن ابی وقاص[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا: آپ کا ہمارے ساتھ وہی تعلق ہے جو حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ سے تھا[2] لیکن ہمارے بعد کوئی نبی نہیں ہے[3]۔

(صحیحین)

[1] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔
[2] حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور خلیفہ تھے۔
[3] یعنی فرق یہ ہے کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، اور آپ نبی نہیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ بنایا اور خود غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری غزوہ تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) موضوع حدیثیں روایت کی ہیں اور دوسرے فریق نے حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل میں موضوع روایات کا سہارا لیا ہے۔ اسی طرح ہر فریق نے دوسرے فریق کی روایت کردہ بعض احادیث کو ازراہِ تعصب موضوع قرار دیا ہے یہ انتہائی انصاف کی بات ہے اس میں "محض بدگمانی" کی کیا بات ہوئی؟ ۱۲ اشرف قادری)

چھوڑ دیا ہے گویا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑ جانے کو کم مرتبہ خیال کیا (وہ چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد ہوں ۱۲ قادری) پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کی نسبت ہمارے ساتھ وہی ہو جو حضرت ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی۔ حضرت موسیٰ میقات (کوہ طور) پر گئے تو حضرت ہارون کو اپنی قوم میں خلیفہ بنا گئے۔

شیعہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حق ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ علماء اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان کی دلیل نہیں ہے بلکہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اس مدت کے لیے خلیفہ بنایا جب تک آپ غزوہ تبوک میں مصروف رہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اس وقت تک کے لیے خلیفہ بنایا جب تک وہ کوہ طور پر مناجات الٰہیہ میں مصروف رہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد خلیفہ نہیں بنے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس سال پہلے ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مدت میں صحابہ کرام کو نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی خبر گیری کرتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم صحابہ کرام کی امامت کرتے تھے۔ اگر حضرت علی کی خلافت، خلافت مطلقہ ہوتی تو امامت بھی ان کے سپرد فرماتے بلکہ وہ امامت کے زیادہ لائق اور مناسب تھے (یہ شیعہ کے استدلال کا دوسرا جواب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت مطلقہ نہیں بلکہ خلافت مقیدہ تھی۔ اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے ورنہ امامت نماز بھی ان کے سپرد کی جاتی ۱۲ اشرف قادری)

علمائے اصول میں سے علامہ آمدی نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر اعتراض کیا ہے لیکن انھوں نے خطا کی ہے۔ آئمہ حدیث اس حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور ان ہی کے قول پر اعتماد ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ بعض روایات میں اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ نہیں ہیں اور اگر یہ الفاظ موجود بھی ہوں تو ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خلافت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں منحصر ہے اور یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا واسطہ (اور پہلے) خلیفہ ہوں گے۔

۵۸۲۷ وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهٗ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيَّ اَنْ لَا يُحِبَّنِيْ اِلَّا مُؤْمِنٌ

حضرت زر بن حبیش[۱] سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کا سینہ چیرا[۱] اور روح انسانی[۲] کو پیدا فرمایا۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مجھے حکم دیا کہ مجھ سے صرف مومن محبت رکھے گا اور صرف منافق مجھ سے دشمنی رکھے گا ۔ (مسلم)

۱؎ زِرّ زاء کے نیچے زیر اور راء مشدد ابن حبیش بے نقطہ حاء پر پیش، باء پر زبر، آخر میں شین تابعی ہیں انھوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ سال اسلام میں۔ بعض نے ان کی عمر ایک سو تیس سال، بعض نے ایک سو پچاس سال، بعض نے ایک سو ساٹھ سال بیان کی حضرت عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد اور قراءت کے اکابر علماء میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے عربی کے بارے میں کئی باتیں دریافت فرماتے تھے۔

۲؎ یعنی اس میں سے سبزہ اگایا، کیونکہ دانہ چیرا جاتا ہے پھر اس میں سے سبزہ پیدا ہوتا ہے۔

۳؎ نسمہ" پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی ہے نفس، روحِ انسانی، مخلوق کے معنی میں بھی آتا ہے

۴؎ اور وصیت فرمائی

۵؎ پس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کی علامت اور ان کی دشمنی منافقت کی نشانی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی دشمنی سے محفوظ رکھے۔

۵۸۲۸ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُونَ أَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالُوا هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ قَالَ فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُقَاتِلُهُمْ

حضرت سہل بن سعد ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر ۲؎ کے دن فرمایا: ہم کل یہ جھنڈا اس شخص کو عطا کریں گے، جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ جب صحابہ کرام نے صبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ہر ایک کی آرزو یہ تھی کہ انھیں جھنڈا عطا کیا جائے ۳؎ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں ۴؎ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ آنکھوں کی شکایت کر رہے ہیں ۵؎۔ آپ نے فرمایا کسی کو ان کے پاس بھیجو ۶؎ انھیں لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں لعاب دہن لگایا تو وہ یوں تندرست ہو گئے ۷؎ جیسے انھیں کوئی تکلیف

حَتّٰی یَکُوْنُوْا مِثْلَنَا قَالَ اُنْفُذْ عَلٰی رِسْلِكَ حَتّٰی تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا یَجِبُ عَلَیْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِیْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَذُكِرَ حَدِیْثُ الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ فِیْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِیْرِ۔

ہی نہ تھی، آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا، حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کافروں سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں ۹؎ فرمایا نرمی اور آہستگی کے ساتھ جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور انہیں بتاؤ کہ اسلام میں ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہے؟ پس اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت عطا فرمائے تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے لیے سرخ اونٹ ہوں ۱۰؎ (صحیحین) حضرت براء کی یہ روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" باب بلوغ الصغیر میں ذکر کی گئی ہے۔

✤ ✤ ✤

۱؎ سہل بن سعد ساعدی انصار میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

۲؎ خیبر، مدینہ طیبہ سے شام کی جانب آٹھ مرحلوں پر واقع ہے۔ قلعوں اور زرعی زمینوں پر مشتمل ہے یہ غزوہ ۷ھ میں ہوا۔

۳؎ یعنی قلعہ خیبر اس کے ہاتھوں فتح فرمائے گا۔

۴؎ مروی ہے کہ صحابہ کرام کو تمام رات اسی شوق اور انتظار میں نیند نہیں آئی کہ کل انہیں یہ نعمت نصیب ہو۔

۵؎ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنکھوں کی تکلیف کی بناء پر پیچھے رہ گئے تھے۔ بعد ازاں راستے میں یا خیبر میں پہنچنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

۶؎ یعنی ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

۷؎ تاکہ انہیں بلا کر لائے۔

۸؎ بَرِئَ باء پر پیش اور راء ساکن، بیماری سے شفا پانا ..... اس کے بعد ان کی آنکھوں میں کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ (سبحان اللہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن کیسا آب شفا ہے ایک دفعہ لگایا پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ جب کہ ہمارا تھوک بیماریوں کا باعث ہے۔

۹؎ یعنی مسلمان ہو جائیں۔

۱۰؎ نفوذ، نقطے والے ذال کے ساتھ، تیر کا نشانے سے پار ہو جانا ۔ رسل، راء کے نیچے زیر اور سین ساکن، آہستہ چلنا ۔

۱۱؎ ساحۃ الدار گھر کا کھلا میدان

۱۲؎ سرخ اونٹ عربوں کے نزدیک نہایت قیمتی اور پسندیدہ مال شمار کیے جاتے ہیں ۔ یہ عربوں کے نزدیک ہر نفیس چیز کے لیے بطور محاورہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ حمر میم ساکن، اَحْمَرُ کی جمع ہے اور میم پر پیش ہو تو یہ حمار کی جمع ہے (جس کا معنی گدھا ہے)

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۸۲۹ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمران بن حصین ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک علی ہم سے ہیں اور ہم علی مرتضیٰ سے ہیں ۲؎ اور وہ ہر مومن کے دوست ہیں ۳؎ (ترمذی)

۱؎ عمران بن حصین حاء پر پیش اور صاد پر زبر، متقدمین اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں ۔ فرشتے ان کی زیارت کے لیے آتے تھے اور انھیں سلام کرتے تھے رضی اللہ عنہ ۔

۲؎ اس سے مراد کمال اتحاد، اتصال، اخلاص اور یگانگت ہے ۔

۳؎ ولی کا معنی ہے دوست، محب اور مددگار

۵۸۳۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت زید بن ارقم ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہم مولا ہیں علی مرتضیٰ بھی اس کے مولا ہیں ۲؎ (امام احمد، ترمذی)

۱؎ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ۔ سترہ غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے ۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی احباب میں سے تھے ۔

۲؎ یہ حدیث تیسری فصل میں تفصیل کے ساتھ آئے گی ۔ اس جگہ اس کی شرح کی جائے گی ۔

۵۸۳۱ وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ (رَوَاهُ

حضرت حبشی بن جنادہ ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی ہم سے ہیں اور ہم علی سے ہیں اور ہماری طرف سے صرف ہم حق ادا کریں گے یا علی مرتضیٰ ۲؎ یہ

التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ جُنَادَةَ ۔

حدیث امام ترمذی نے روایت کی ۔ امام احمد نے اسے حضرت ابوجنادہ سے روایت کیا ۔

سلہ حبشی بے نقطہ حاء پر پیش باءساکن شین کے نیچے زیر، یاء مشدد بن جنادہ جیم پر پیش، نون مخفف، حضرت حبشی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ حجۃ الوداع میں انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ان کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے ۔

سلہ یہ اس سال کی بات ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کے لیے بھیجا اور انھیں امیر الحج بنایا (یعنی ۹ ہجری میں) ان کی روانگی کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ مشرکین کا معاہدہ ختم کردیں اور ان کو سورہ براءت پڑھ کر سنائیں جس میں اس بارے میں آیات وارد ہیں اور اعلان کریں کہ مشرک ناپاک ہیں۔ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اس کے علاوہ دیگر احکام بھی بیان کریں۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی معاہدے کو ختم کرتے یا پختہ کرتے یا صلح کرتے یا معاہدہ کرتے تو ان امور کو قوم کا سردار کرتا یا اس کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی انجام دیتا، اس کے علاوہ کسی کی بات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ یہ کام انجام دیں اور یہ حدیث ارشاد فرمائی (امیر الحاج بدستور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے اسی لیے دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اعلان کرنے والوں میں شامل تھے۔ ۱۲ اشرف قادری)

۵۸۳۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ آخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ فَقَالَ اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُؤَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا سلہ حضرت علی اس حال میں حاضر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے انھوں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان عقد اخوت قائم کیا ہے میرے اور کسی صحابی کے درمیان یہ عقد قائم نہیں فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ دنیا اور آخرت میں ہمارے بھائی ہیں سلہ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے ۔

سلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو صحابیوں (ایک مہاجر اور ایک انصاری) کے درمیان دوستی اور بھائی چارے کا عقد قائم فرمایا یہ مدینہ منورہ میں آنے کے پانچ ماہ بعد کا واقعہ ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے مہاجر صحابہ کی آبادکاری اور ان کا معاشی مسئلہ اتنے عمدہ طریقے سے حل فرمایا کہ اس سے بہتر حل ہو ہی نہیں سکتا ۱۲ شرف قادری)

سلہ یعنی آپ کو کیا حاجت ہے اور کیا مناسبت ہے؟ کہ آپ کو کسی دوسرے کا بھائی بنایا جائے ۔

۵۸۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيْرٌ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ائْتِنِيْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِيَ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهٗ عَلِيٌّ فَاَكَلَ مَعَهٗ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرندہ[1] تھا، آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس شخص کو بھیج دے جو تیرے نزدیک عام مخلوق سے زیادہ محبوب ہو وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے پس حضرت علی مرتضیٰ تشریف لائے انھوں نے آپ کے ساتھ پرندے کا گوشت تناول کیا[2] اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۔

سلہ یعنی بھونا ہوا جیسے کہ دوسری روایات میں یہ آیا ہے ۔

سلہ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب تھے، شارحین نے اسے اختیار کیا ہے اور اس میں مختلف طریقوں سے تخصیص کی ہے ۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین لوگوں کے گروہ میں سے ہے ۔

(۲) جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹوں میں سے محبوب ترین ہے ۔

(۳) جو آپ کے رشتہ داروں میں سے محبوب ترین ہے ۔

(۴) جو میرے احسان کا زیادہ حق دار اور لائق ہے ۔ غالباً یہ تخصیصات اس لیے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبوب ہونا لازم نہ آئے اور حقیقت یہ ہے کہ ان تخصیصات کی حاجت نہیں ہے ۔ کیونکہ یقینی بات ہے کہ علی العموم تمام مخلوق مراد نہیں ہے کیونکہ مطلقاً محبوب ترین ہستی، افضل الخلائق اور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صحابہ کرام میں اگر بعض صحابہ بعض وجوہ کی بناء پر زیادہ محبوب ہوں تو کیا حرج ہے ثواب کی کثرت کے اعتبار سے افضل ہونا اس کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ تمام وجوہ سے زیادہ محبوب ہونا مراد نہیں ہے، جیسے کہ زیادہ افضل اور زیادہ محبوب ہونے کے مسئلہ میں بعض علماء نے بیان کیا ہے ۔ یہ مقام وسیع ہے اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ فافہم ۔

(شیخ الاسلام، محقق عصر ابوزرعہ عراقی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس بات کا اعتراف کرلے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، لیکن وہ حضرت علی مرتضیٰ سے حضرت ابوبکر صدیق کی نسبت زیادہ محبت رکھتا ہے، تو اگر

یہ محبت دینی ہے تو اس کا کوئی مطلب نہیں، کیونکہ دینی محبت افضل ہونے کو لازم ہے جیسے ہم نے بیان کیا اور یہ شخص حضرت ابوبکر صدیق کے افضل ہونے کا صرف زبانی اقرار کرتا ہے، دل سے حضرت علی مرتضیٰ کے افضل ہونے کا قائل ہے کیونکہ وہ ان سے دینی محبت زیادہ رکھتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے اور اگر مذکورہ محبت دنیا دی ہے اس سبب سے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے ہے یا کوئی دوسری وجہ ہے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ (الصواعق المحرقۃ از علامہ ابن حجر مکی ص ۶۵) ۱۲ اشرف قادری)

۵۸۲۴ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ إِذَا سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِيْ وَإِذَا سَكَتُّ ابْتَدَأَنِيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگتا تھا تو آپ مجھے عطا فرماتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تھا تو از خود عنایت فرماتے تھے[۱]۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

❖ ❖ ❖

[۱] اور یہ مقام محبوبیت ہے۔

۵۸۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ شَرِيْكٍ وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الثِّقَاتِ غَيْرَ شَرِيْكٍ)۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم حکمت کا محل ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں[۱] (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے یہ بھی فرمایا کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو شریک سے روایت کیا اور انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ صنابحی سے مروی ہے[۲] ہمیں شریک کے علاوہ کسی ثقہ راوی سے یہ معلوم نہیں ہے[۳]۔

[۱] یہ الفاظ مشہور ہیں "أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا"، ہم علم کا شہر ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں اس میں شک نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دوسرے صحابہ کرام سے بھی آیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے یہ تخصیص کسی خاص وجہ کی بناء پر ہوگی کہ ان کے ذریعے وسیع اور عظیم علم لوگوں تک پہنچے گا جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ "أَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ" تم میں سے سب سے زیادہ فیصلہ کرنے والے علی ہیں رضی اللہ عنہ۔ اصل میں یہ حدیث ابوالصلت عبدالسلام ابن صالح ہروی سے مروی ہے۔ وہ اگرچہ شیعہ ہیں لیکن سچے ہیں اور صحابہ کرام کی تعظیم میں کوتاہی نہیں کرتے۔

[۲] جیسے کہ بعض روایات میں آیا ہے۔

[۳] اس سلسلے میں طویل گفتگو ہے جس کا کچھ حصہ (عربی) شرح میں مذکور ہے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں ۔

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَأَبُو بَكْرٍ أَسَاسُهَا وَعُمَرُ حِيطَانُهَا وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا وَعَلِيٌّ بَابُهَا ...... لَا تَقُولُوا فِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ إِلَّا خَيْرًا

"ہم علم کا شہر ہیں ابو بکر اس کی بنیاد ہیں، عمر اس کی دیواریں ہیں، عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں ۔ تم ابو بکر، عمر، عثمان اور علی کے بارے میں سوائے خیر (اچھی بات) کے کچھ نہ کہو"

(حافظ شیرویہ بن شہردار دیلمی : فردوس الاخبار (بیروت) ۱/۷۶)

(شرف قادری)

۵۸۳۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا يَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاهُ فَقَالَ النَّاسُ لَقَدْ طَالَ نَجْوَاهُ مَعَ ابْنِ عَمِّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا انْتَجَيْتُهُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ انْتَجَاهُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن حضرت علی کو بلایا اور ان کے ساتھ رازداری کی گفتگو فرمائی صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے اپنے چچا کے بیٹے سے رازداری کی طویل گفتگو فرمائی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے ان کے ساتھ رازداری کی گفتگو نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے رازداری کی گفتگو کی ہے [1] (ترمذی)

[1] ہم نے از خود ان کے ساتھ راز کی بات نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان سے راز کی بات کہوں لہٰذا ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ان سے راز کی بات کی ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے ان سے راز کی بات کہنے کی ابتداء نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے گفتگو فرماتا ہے اور ان کے دل میں اسرار کا القاء فرماتا ہے لہٰذا ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فعل کی موافقت اور پیروی کے لیے ان سے راز کی بات کہتے ہیں ۔

۵۸۳۷ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُجْنِبُ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرُكَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ فَقُلْتُ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا اے علی! ہمارے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حالت جنابت میں اس مسجد سے گزرے ۔ علی بن منذر کہتے ہیں کہ میں نے

لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ مَا مَعْنٰی هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ يَسْتَطْرِقُهٗ جُنُبًا غَيْرِيْ وَغَيْرُكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

ضرار بن صرد سے پوچھا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے تو انھوں نے فرمایا ہمارے اور تمھارے علاوہ کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ جنابت کی حالت میں اس مسجد کو راستہ بنائے (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یعنی اتفاقاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گزر مسجد میں واقع ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جس راستے سے گزرتا ہے وہ مسجد کے پہلو میں واقع ہو وہ جنبی ہونے کے باوجود مسجد سے گزرے اس لیے قید لگا دی اور فرمایا اس مسجد میں جو گزر ہوا وہ ضرورت کی بنا پر ہوا۔ برخلاف دوسری مسجدوں کے (کہ ان میں ضرورت نہیں ہے ۱۲ شرف قادری)

سلہ علی بن منذر میم پر پیش، نون ساکن، نقطے والے ذال کے نیچے زیر، مشہور عبادت گزار تھے، کہتے ہیں کہ انھوں نے پچپن حج کیے، ان سے آئمہ کی ایک جماعت نے حدیث سنی، خالص شیعہ تھے لیکن ثقہ اور سچے تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔

سلہ ضرار ضاد کے نیچے زیر بن صرد بے نقطہ صاد پر پیش، راء پر زبر، کوفی اور طحان (آٹا پیسنے والے) تھے، معتمر بن سلیمان سے حدیث سنی اور علی بن منذر ان سے روایت کرتے ہیں۔

۵۸۲۸ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِمْ عَلِيٌّ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِيْ حَتّٰى تُرِيَنِيْ عَلِيًّا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ام عطیہ سلہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا، جس میں حضرت علی مرتضیٰ بھی تھے۔ ام عطیہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک وفات نہ دے جب تک کہ تو مجھے علی مرتضیٰ نہ دکھا دے سلہ (ترمذی)

سلہ حضرت ام عطیہ انصاریہ اکابر تابعیات میں سے ہیں۔ غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جاتی تھیں۔ بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔

سلہ اس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت کا اور ان کی جدائی کے سبب آپ کے اذیت محسوس کرنے کا پتہ چلتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۸۳۹ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَّلَا يُبْغِضُهٗ مُؤْمِنٌ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

حضرت ام سلمہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق علی سے محبت نہیں رکھے گا اور مومن ان سے بغض نہیں رکھے گا[2] (امام احمد، ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن، غریب ہے۔

[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ازواجِ مطہرات میں سے ہیں۔
[2] جیسے کہ پہلی فصل میں گزر گیا ہے۔

۵۸۴۰ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِيْ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علی مرتضیٰ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی[1]
(امام احمد)

[1] اس لیے کہ انھیں گالی دینے سے ہمیں گالی دینا لازم آتا ہے (نسبی قرابت کی بناء پر) ۱۲ قادری

۵۸۴۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْكَ مَثَلٌ مِّنْ عِيْسٰى اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَاٰنِيْ عَلٰى اَنْ يَّبْهَتَنِيْ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے اندر حضرت عیسیٰ پیغمبر کی مشابہت ہے۔ یہودیوں نے انھیں دشمن جانا یہاں تک کہ ان کی والدہ ماجدہ پر جھوٹ باندھا[1]، نصاریٰ نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ انھیں ایسے مرتبے پر اتار دیا جو ان کے لیے ثابت نہیں ہے[2] پھر حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے (۱) محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا جو میری تعریف ایسی صفت کے ساتھ کرے گا جو مجھ میں نہیں[3] (۲) دشمنی رکھنے والا جسے میری دشمنی اس بات پر ابھارے گی کہ مجھ پر بہتان باندھے[4] (امام احمد)

[1] حضرت مریم پارسا ہیں یہودیوں نے ان کی نسبت زنا کی طرف کی (معاذ اللہ)

۲؎ نصاریٰ نے انہیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دیا (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذٰلک)
۳؎ تقریظ قاف اور نقطے والی ظاء کے ساتھ، کسی کی حق یا باطل کے ساتھ تعریف کرنا اور یہ لفظ عناد کے ساتھ وصف بیان کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔
۴؎ اور ایسی چیزیں مجھ سے وابستہ کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بَری کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت اتنی ہی قابلِ تعریف ہے جو حد سے تجاوز نہ کرے اور قاعدہ عقل و شریعت کے مطابق ہو محبت جب حد سے بڑھ جائے تو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور عدالت کے راہِ راست سے باہر پھینک دیتی ہے اور گمراہی کی طرف منسوب کر دیتی ہے۔ اس صفت کے ساتھ اہلِ سنت وجماعت موصوف ہیں جو اس سلسلے میں افراط و تفریط دونوں طرفوں سے محفوظ ہیں، خصوصاً وہ حضرات جن کے چہرے تعصب کے گرد وغبار سے محفوظ ہیں اور وہ درمیانے (معتدل) راستے پر چلتے ہیں۔

مختصر یہ کہ سرمایۂ کامیابی اور نجات دو چیزیں ہیں:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی محبت اور

(۲) صحابہ کرام کی تعظیم

کوشش کرنی چاہیے کہ یہ دونوں چیزیں جمع ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سعادت عطا فرمائے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ؎

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

۵۸۴۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهٗ هَنِيْئًا يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى

حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم[۱] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غدیر خم میں اترے[۲] تو آپ نے علی مرتضیٰ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا[۳]: کیا تم نہیں جانتے؟ کہ ہم مومنوں سے ان کی جانوں کی نسبت بھی زیادہ قریب ہیں[۴] صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہم ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا اے اللہ! جس کے ہم مولا ہیں علی بھی اس کے مولا ہیں اے اللہ جو اُن سے دوستی رکھے، اسے دوست رکھ اور جو اُن سے دشمنی رکھے تو بھی اسے دشمن رکھ[۵] اس کے بعد حضرت عمر فاروق حضرت علی مرتضیٰ سے

كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَةٍ

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ملے اور انھیں کہنے لگے ابن ابی طالب! آپ کو مبارک ہو! آپ نے صبح اور شام اس حال میں کی ہے کہ آپ ہر مرد و زن مومن کے مولا ہیں ہے۔ (امام احمد)

*

۱؎ یہ دونوں مشہور صحابی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخلصین میں سے ہیں۔

۲؎ حجۃ الوداع کی واپسی پر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے جس کا نام غدیر خم ہے نقطے والی خاء پر پیش اور میم مشدد حرمین شریفین کے درمیان جحفہ میں ایک جگہ ہے۔

۳؎ صحابہ کرام کو جمع کر کے فرمایا، ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا اور اس پر تشریف فرما ہوئے۔

۴؎ اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ دوست ہیں، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین دفعہ یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

۵؎ پہلے عمومی طور پر مومنوں کے بارے میں گفتگو فرمائی، پھر ہر مومن کے بارے میں ارشاد فرمایا — مطلب یہ ہے کہ ہم مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیتے ہیں جس میں ان کی بہتری کامیابی اور دنیا و آخرت کی بھلائی ہو، برخلاف ان کے نفوس کے کہ کبھی شر اور فساد کی طرف بھی بلاتے ہیں۔

۶؎ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں وَاَحِبَّ مَنْ اَحَبَّهٗ وَاَبْغِضْ مَنْ اَبْغَضَهٗ وَ اَنْصُرْ مَنْ نَصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ جو ان سے محبت رکھے تو اسے محبوب بنا، جو ان سے بغض رکھے تو اسے مبغوض (دشمن) قرار دے جو ان کی امداد کرے اس کی امداد فرما اور جو انھیں امداد نہ دے تو بھی اسے امداد نہ دے۔

۷؎ یاد رہے کہ یہ قوی ترین دلیل ہے جس کے ساتھ شیعہ اپنے اس دعوے پر استدلال کرتے ہیں، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں تفصیلی نص وارد ہے وہ کہتے ہیں کہ مولیٰ کا اس جگہ معنی ہے امامت کا زیادہ حق دار اور اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ اس کا معنی مددگار اور محبوب نہیں ہے، ورنہ صحابہ کرام کو جمع کرنے، ان سے خطاب کرنے، اتنا مبالغہ کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرنے کی حاجت نہیں تھی، کیونکہ اس بات کو تو ہر صحابی جانتے اور پہچانتے تھے۔ ایسی دعا صرف ایسے امام معصوم کے لیے ہوتی ہے جس کی اطاعت فرض ہو۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امت پر وہی حق ولاء ہوگا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر حق ولا ہے۔ پس یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص صریح ہے یہ حدیث صحیح ہے جسے کسی شک و شبہے کے بغیر محدثین کی ایک جماعت مثلاً امام ترمذی، نسائی امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی کثیر سندیں ہیں۔ اس کو سولہ صحابیوں نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس صحابہ کرام نے سنا ہے، اور

حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں جب ان سے نزاع اور اختلاف کیا گیا تو ان صحابہ نے اس حدیث کی گواہی دی، اس کی بہت سی سندیں اور صحیح اور حسن ہیں ۔ جن حضرات نے اس حدیث کے صحیح ہونے کے بارے میں گفتگو کی ہے ان کا قول قابلِ توجہ نہیں ہے ۔ اسی طرح ان حضرات کا قول بھی لائق التفات نہیں ہے جنھوں نے کہا ہے کہ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ کی زیادتی موضوع ہے اس لیے کہ یہ زیادتی متعدد سندوں کے ساتھ وارد ہوئی ہے ان میں سے اکثر کی علامہ ذہبی نے تصحیح کی ہے اسی طرح علامہ حجر مکی نے الصواعق المحرقۃ میں بیان کیا ۔

لیکن ہم شیعہ کو بطور الزام کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک امامت کی دلیل میں بالاتفاق تواتر معتبر ہے ، اور انھوں نے کہا ہے کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے امامت کے صحیح ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے اس لیے کہ اس میں اختلاف موجود ہے اگرچہ یہ اختلاف مردود ہے بلکہ اس پر طعن کرنے والے وہ عادل اور آئمہ حدیث ہیں جن کی طرف اس معاملے میں رجوع کیا جا سکتا ہے مثلاً ابوداؤد سجستانی ، ابوحاتم رازی اور دیگر آئمہ اور امام بخاری ، مسلم ، واقدی وغیرہم اکابر محدثین نے اسے روایت نہیں کیا جو حفظ اور ضبط والے ہیں اور انھوں نے حدیث شریف کے حاصل کرنے کے لیے متعدد شہروں اور علاقوں کا سفر کیا ۔ یہ بات اگرچہ حدیث کے صحیح ہونے میں مخل نہیں ہے لیکن ایسی حدیث کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کرنا عجیب ترین بات ہے ۔ حالانکہ شیعہ نے امامت کی حدیث میں تواتر کو شرط قرار دیا ہے ۔ خوب غور کیجیے گا ۔

اہلِ سنت وجماعت نے شیعہ پر رد کیا ہے اس جگہ ان کی طویل گفتگو ہے جو صواعق محرقہ (از ابن حجر مکی ہیتمی) میں مذکور ہے ، ہم اس کا کچھ حصہ بطور اختصار بیان کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس جگہ مولیٰ کا معنی حاکم اور والی ہے بلکہ اس کا معنی محبوب اور مددگار ہے کیونکہ لفظ مولیٰ کئی معنی میں مشترک ہے (۱) آزاد کرنے والا (۲) آزاد کیا ہوا (۳) امر میں تصرف کرنے والا (۴) مددگار (۵) محبوب اور مشترک کے بعض معانی کو دلیل کے بغیر معین کرنا ناقابلِ اعتبار ہے ۔ اہل سنت وجماعت اور شیعہ محبوب اور مددگار کے مراد ہونے پر متفق ہیں ۔ حضرت علی مرتضیٰ ہمارے سردار ، ہمارے محبوب اور ہمارے مددگار ہیں ۔ حدیث شریف کی روش سے بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے ۔ مولیٰ کا معنی امام نہ تو لغت میں معلوم ہے اور نہ شریعت میں ، لغت کے کسی امام نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ وزن تو مفعل کا ہے لیکن معنی افعل والا ہے لیکن یہ اس لیے مناسب نہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں سے اولیٰ ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ چیز فلاں سے مولیٰ ہے ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موالات پر نص کرنے کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ ان کے بغض سے اجتناب کیا جائے ، کیونکہ موالات کا خاص طور پر ذکر ان کی شرافت وفضیلت کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہے ۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں فرمایا : کیا ہم مومنوں سے ان کی جانوں کی

نسبت زیادہ قریب نہیں؟ اور دعا بھی اسی اعتبار سے ہے۔ بعض روایات میں اہل بیت نبوت کا ذکر عموماً اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خصوصاً آیا ہے۔ جیسے امام طبرانی اور امام جزری سند صحیح کے ساتھ لائے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی محبت کی ترغیب اور تاکید مراد ہے۔

نیز محدثین فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کا سبب یہ ہے کہ بعض صحابہ یمن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے بعض معاملات میں ان پر اعتراض کیا اور ان کی شکایت کی جیسے کہ حضرت بریدہ اسلمی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت لائے ہیں اور علامہ ذہبی (جیسے نقاد) نے اس کی تصحیح کی ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے بریدہ! کیا ہم مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں ہیں (الحدیث) صحابہ کرام کو بھی جمع فرمایا اور اس بارے میں تاکید فرمائی۔

شیخ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ مولیٰ کا معنی اولیٰ ہے تو یہ کہاں سے لازم آتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ امامت ہی کے لیے اولیٰ ہیں بلکہ قرب اور اتباع کے اعتبار سے اولیٰ ہونا مراد ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے اِنَّ اَوْلیٰ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ بے شک ابراہیم کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اس احتمال کے خلاف دلیل قطعی تو کیا دلیل ظاہر بھی موجود نہیں ہے۔

چلیے ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ امامت کے لیے اولیٰ ہونا ہی مراد ہے لیکن اس امر کی کیا دلیل ہے کہ فی الحال امامت مراد ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اپنے وقت پر ان کی خلافت مراد ہے جب (چوتھے نمبر پر) ان کی بیعت کی جائے گی۔ خلفاء ثلاثہ کو پہلے خلیفہ بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اس اجماع میں حضرت علی مرتضیٰ بھی داخل ہیں (پھر غور فرمائیں کہ) متعدد چیزوں سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص کیسے ہو سکتی ہے۔

اس حدیث سے بوقت حاجت حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استدلال کیا اور نہ کسی دوسری شخصیت نے البتہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے اپنی خلافت کے دوران استدلال کیا، پس ان کا اپنی خلافت کے زمانے تک استدلال سے خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کو جانتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نص نہیں ہے نہ ان کی خلافت پر اور نہ کسی دوسرے صحابی کی خلافت پر۔ جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کے دنوں میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس آپ کے پاس سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا اس امر (خلافت) کے بارے میں سوال کریں اگر ہم میں ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ میں سوال نہیں کروں گا۔ اگر یہ حدیث جس میں گفتگو ہو رہی ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نص ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے اور آپ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہ فرمانے کی کیا وجہ تھی کہ اگر خلافت

ہم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔

حالانکہ غدیر خم کا زمانہ کم و بیش دو مہینے کے فاصلے پر تھا اور یہ بات عقل سے بعید ہے کہ تمام صحابہ کرام یوم غدیر کی حدیث کو بھول گئے ہیں یا اسے جاننے اور یاد رکھنے کے باوجود دیدہ دانستہ چھپا گئے ہوں۔ ماننا پڑے گا، جب صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو انہیں یہ حدیث معلوم بھی تھی اور یاد بھی تھی (اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ صحابہ کرام نے اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا مطلب نہیں سمجھا ۱۲ قادری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم غدیر کے بعد خطبہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا حق واضح فرما دیا، ارشاد فرمایا کہ تم پر کوئی شخص امیر نہیں ہوگا، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے، بے شک یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت اور ان کے پیروکاروں کی محبت کا حکم دیا ہے لیکن محبت اور خلافت میں فرق ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو اس نص کا علم تھا لیکن از راہ ظلم، عناد و مکابرہ اس کی پیروی نہیں کی، حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ نے تقیہ کی بناء پر مطالبہ اور احتجاج نہ کیا۔ لیکن یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے اس لیے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پوری قوت، بے اندازہ کثرت رکھتے تھے، ان کی شجاعت کے بارے شیعہ کیا کہتے ہیں؟ باوجود یکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نص سنی تھی، ناممکن ہے کہ شیر خدا اس کی بنیاد پر نہ عمل کریں اور نہ احتجاج کریں۔ نیز جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث شریف اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ سے استدلال تو ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ حضرت علی کے بارے میں خصوصی نص موجود ہے آپ اس عموم سے کیوں استدلال کر رہے ہیں۔

امام بیہقی، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ شیعہ کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور روافض الخفیین کا فر کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چند افراد کے علاوہ سب حالت کفر میں دنیا سے رخصت ہو لیے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ روافض کے مذہب کی بناء پر پورے دین اسلام کا باطل کرنا لازم آتا ہے کیونکہ جب اسلام کے اہم ترین حکم کے بارے میں نفسانی غرض کے تحت انہوں نے نصوص کو چھپایا۔ ظلم، افتراء اور جھوٹ کا ارتکاب کیا تو ان کی روایت کردہ جتنی حدیثیں اور خبریں ہوں سب جھوٹ کا پلندہ ہوں گی۔ بلکہ یہ عیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگا کہ آپ کی صحبت و تربیت سے ایسے افراد تیار ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی راجع ہوگا کہ انہوں نے اپنے حق کے مطالبے میں کوتاہی اور سستی روا رکھی۔

یہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے الصواعق المحرقہ میں، اس سے بھی زیادہ طویل گفتگو ہے جو کچھ ہم نے نقل کیا وہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی قبول حق کی توفیق دینے والا ہے۔

۵۸۴۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَطَبَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ ثُمَّ خَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے حضرت فاطمہ کے نکاح کی درخواست کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کم عمر ہیں[1] ۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ نے ان کے نکاح کی درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کا نکاح ان سے کردیا[2] (نسائی)

[1] یہ عذر پیش کیا

[2] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ حضرت فاطمہ کے نکاح کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، انھوں نے فرمایا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو راضی ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کردیا۔

۵۸۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِسَدِّ الْاَبْوَابِ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں[1] کے بند کرنے کا حکم دیا (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی ان دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا جو مسجد شریف کی طرف کھلتے تھے۔ سوائے حضرت علی مرتضیٰ کے دروازے کے ۔ اس کی شرح حضرت ابوبکر صدیق کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

۵۸۴۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ لِيْ مَنْزِلَةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَكُنْ لِاَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ اٰتِيْهِ بِاَعْلٰى سَحَرٍ فَاَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاِنْ تَنَحْنَحَ انْصَرَفْتُ اِلٰى اَهْلِيْ وَاِلَّا دَخَلْتُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قرابت حاصل تھی جو تمام مخلوقات[1] میں سے کسی کو نہ تھی۔ میں سحری کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر آپ کھانستے تو میں اپنے اہل کے پاس پلٹ جاتا ورنہ[2] آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا[3] (نسائی)

[1] مقصد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی نسبت مجھے زیادہ قربت اور نزدیکی حاصل تھی۔ انتہائی مسرت اور

فخر کا اظہار کرنے کے لیے بطور مبالغہ یہ فرمایا کہ تمام مخلوق میں سے کسی کو اتنی قرابت حاصل نہ تھی۔

ٹ اور مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ نماز وغیرہ کسی کام میں مشغول ہیں جو میری حاضری سے منع کرنے والا ہے صراح میں ہے: تنحنح کا معنی ہے گلا صاف کرنا۔

ٹ اور یہ مقام کسی کو حاصل نہ تھا کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ قریب تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے میل جول اور مصاحبت زیادہ تھی۔ نیز چچا زاد بھائی تو تھے۔

۵۸۴۶ وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَغْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَا قَالَ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اَوِ اشْفِهٖ شَكَّ الرَّاوِيْ قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجَعِيْ بَعْدُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں بیمار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں میرے پاس سے گزرے کہ میں کہہ رہا تھا[1] اے اللہ! اگر میرا مقررہ وقت حاضر ہو چکا ہے تو مجھے راحت عطا فرما[2] اور اگر وہ وقت مؤخر ہے تو میری زندگی کو فراخ فرما[3] اور اگر یہ بیماری امتحان ہے تو مجھے صبر عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کس طرح دعا مانگی ہے؟ انھوں نے یہ کلمات دہرائے تو آپ نے انھیں پاؤں مارا[4] اور دعا مانگی کہ اے اللہ انھیں عافیت عطا فرما یا (یہ دعا کی) انھیں شفا عطا فرما راوی کو شک ہے[5]۔ فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے وہ تکلیف نہیں ہوئی (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] بیماری اور درد کی شدت کی بناء پر۔

[2] یعنی موت عطا فرما تاکہ اس درد کی شدت سے نجات پاؤں اور راحت حاصل کروں۔ اجل وہ وقت ہے جو زندگی کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ موت پر اس کا اطلاق اس لحاظ سے کر دیا جاتا ہے کہ اجل کی انتہا اور مدت عمر کا خاتمہ مراد لیتے ہیں۔

[3] رفغ فاء اور نقطے والی غین کے ساتھ، زندگی کی فراخی اور سہولت

[4] تاکہ اس شکایت سے متنبہ اور ہوشیار ہو جائیں اور یہ انتہائی محبت اور خوشی کا اظہار تھا تاکہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کی برکت حاصل ہو اور وہ شفا پا جائیں۔

[5] کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشفہ کہا یا عافہ

باب

عشرہ مبشّرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان غنی (۴) حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت زبیر (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص (۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۹) حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح (۱۰) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ دس صحابہ کرام عشرہ مبشرہ کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (اس دنیا میں حیات ہوتے ہوئے) جنت کی بشارت دی۔ یہ سب قریشی ہیں ان کے وہ فضائل و مناقب ہیں جو دوسرے صحابہ کرام کے نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ جنت کی بشارت ان دس حضرات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کیونکہ اہل بیت نبوت یعنی اولاد امجاد، ازواج مطہرات اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے لیے بھی بشارت واقع ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ تحقیق الاشارہ الی تعمیم البشارۃ میں اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے اس کا مطالعہ کیجیے۔

الفصل الاوّل — پہلی فصل

(مولوی امیر علی نے اس جگہ حاشیہ لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں: اولین سابقین (پہلے پہل اسلام لانے والے) بہت ہیں لیکن ان دس حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہرت دی گئی تاکہ حجت الٰہی مکمل ہو جائے کیونکہ اولین سابقین میں یہ دس حضرات بطریق اولیٰ داخل ہیں۔ قرآن پاک میں اولین سابقین کو رضوان اور خوشنودی سے مخصوص فرمایا ہے۔ پس یہ تمام کاملین ہیں اور مقبولان بارگاہ، کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس جماعت کے بارے میں کلام کرے اور جو شخص خوارج اور روافض کی طرح بے ادبی کرے گا وہ یقیناً ذلیل ہوگا۔

۵۸۴۷ عَنْ عُمَرَ قَالَ مَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَسَمّٰى عَلِيًّا وَّ عُثْمَانَ وَ الزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کوئی شخص اس امر یعنی خلافت کا اس جماعت سے زیادہ حق دار نہیں ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے آپ نے حضرت علی مرتضیٰ، عثمان غنی، زبیر، طلحہ

سَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف[۳] رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ (بخاری)

[۱] یہ اس وقت فرمایا جب آپ دنیا سے رخصت ہونے والے تھے اور آپ نے اصحابِ شوریٰ (ایک کمیٹی) کے لیے خلافت کی وصیت فرمائی۔

[۲] یعنی ان سے کامل طور پر اور دوسرے صحابہ سے راضی تھے (ورنہ تو تمام صحابہ کرام سے راضی تھے ۱۲ اشرف قادری۔

[۳] چھ حضرات کا نام لیا۔ عشرہ مبشرہ میں سے باقی دو حضرات کا نام نہیں لیا (۱) ابو عبیدہ بن الجراح جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "امینِ امت" اور "امینٌ حق امین" کا خطاب دیا کیونکہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہلے رحلت فرما گئے تھے (۲) حضرت سعید بن زید کیونکہ وہ حضرت عمر فاروق کے قریبی رشتہ دار، چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان چھ حضرات میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت سعید بن زید کا ذکر ان لوگوں میں فرمایا جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے، لیکن انھیں مجلس شوریٰ میں داخل نہیں کیا۔

۵۸۴۸ وَعَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قیس بن ابی حازم[۱] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت طلحہ کا شل ہاتھ دیکھا جس کے ساتھ انھوں نے اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی[۲] (بخاری)

[۱] قیس بن ابی حازم نے بے نقطہ حاء اور زاء کے ساتھ اکابر تابعین میں سے تھے انھوں نے زمانہ جاہلیت پایا پھر اسلام لائے جب بیعت کے ارادے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحلت فرما چکے تھے۔ بعض علماء نے ان کا ذکر صحابہ کرام میں کیا ہے۔

[۲] شَل اور شَلل کا معنی ہے ہاتھ کا تباہ ہونا یا تو اس طرح کہ خشک ہو جائے یا کٹ جائے۔ بعض علماء نے اسے پہلی قسم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔

[۳] ان کا ہاتھ اس لیے شل ہوا تھا کہ اس کے ساتھ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی، اُحد کے دن انھوں نے اپنے جسم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔ اُحد کے دن انھوں نے اپنے جسم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا دیا تھا۔ ان کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم تھے۔ یہاں تک کہ ان کا آلہ مردمی بھی زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام جب اُحد کے دن کا ذکر کرتے تھے تو کہتے تھے کہ وہ پورے کا پورا دن طلحہ کا تھا۔

۵۸۴۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ قَالَ الزُّبَيْرُ اَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (غزوہ خندق) کے دن فرمایا: کون ہے؟ جو ہمارے پاس اس قوم[1] کی خبر لائے۔ حضرت زبیر نے عرض کیا میں خبر لاؤں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور ہمارے حواری[2] زبیر ہیں۔ (بخاری، مسلم)

[1] قریش، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئے تھے، ان ہی کو احزاب کہا جاتا ہے، احزاب جمع ہے حزب کی جس کا معنی ہے گروہ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہوا اور بارش بھیج دی اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر سب کو شکست دی۔ اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اس قوم کی خبر لائے۔ اس جگہ جانا اور ان کے اجتماع میں جا کر تحقیق کر کے خبر لانا بہت مشکل کام تھا۔

[2] حواری، راء کے نیچے زیر اور یاء مشدد۔ اس کا معنی ہے مخلص، صاف دل اور یار وفادار۔ اس کا اصل حور ہے پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی سفیدی ہے۔ اسی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلصین کو "حواریون" کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔

۵۵۵۰ وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَيَاْتِيْنِيْ بِخَبَرِهِمْ فَانْطَلَقْتُ فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بنو قریظہ[1] کے پاس جائے اور ان کی خبر لا کر ہمیں دے؟ میں روانہ ہو گیا جب میں واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کریمین کو جمع کیا اور فرمایا ہمارے والدین تم پر فدا ہوں[2] (صحیحین)

[1] یہودیوں کا ایک قبیلہ۔ یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب کے بعد بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پندرہ دن ان کا محاصرہ فرما کر انھیں فتح کیا۔ یہ گفتگو اس جگہ ہوئی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بنو قریظہ غزوۂ احزاب میں بھی تھے، اس جگہ ان کی خبر طلب فرمائی۔

[2] والدین کو جمع کرنے کا یہی مطلب ہے۔

۵۵۵۱ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جَمَعَ اَبَوَیۡهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِسَعۡدِ بۡنِ مَالِكٍ فَاِنِّیۡ سَمِعۡتُهٗ يَقُوۡلُ يَوۡمَ اُحُدٍ يَا سَعۡدُ ارۡمِ فِدَاكَ اَبِیۡ وَاُمِّیۡ (مُتَّفَقٌ عَلَيۡهِ)

سعد بن مالک کے علاوہ کسی کے لیے اپنے والدین کو جمع کیا ہو۔ میں نے آپ کو اُحد کے دن فرماتے ہوئے سنا کہ اے سعد میرے والدین آپ پر فدا ہوں [2] (صحیحین)

[1] سعد بن مالک سے مراد سعد بن ابی وقاص ہیں۔ مالک، ابو وقاص کا نام ہے۔

[2] یہ اس وقت فرمایا جب حضرت سعد کافروں پر تیر برسا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت زبیر کو فرمایا کہ میرے والدین آپ پر فدا ہوں تو یہ بات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سننے میں نہیں آئی تھی اسی لیے انھوں نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا۔

۵۸۵۲ وَعَنۡ سَعۡدِ ابۡنِ اَبِیۡ وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّیۡ لَاَوَّلُ الۡعَرَبِ رَمٰى بِسَهۡمٍ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيۡهِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر چلایا [1]

[1] مجھ سے پہلے کسی نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر نہیں چلایا۔ واقعہ یہ تھا کہ ہجرت کے پہلے سال حضرت ابو عبیدہ ابن حارث کو ساٹھ افراد کے ساتھ ابو سفیان بن حرب اور دیگر مشرکوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ بڑی تعداد میں تھے۔ ان میں جنگ نہیں ہوئی تاہم حضرت سعد بن ابی وقاص نے دشمنوں کی طرف تیر چلایا اور یہ پہلا تیر تھا جو امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلایا گیا۔

۵۸۵۳ وَعَنۡ عَائِشَةَ قَالَتۡ سَهِرَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَقۡدَمَهُ الۡمَدِيۡنَةَ لَيۡلَةً فَقَالَ لَيۡتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحۡرُسُنِیۡ اِذۡ سَمِعۡنَا صَوۡتَ سِلَاحٍ فَقَالَ مَنۡ هٰذَا قَالَ اَنَا سَعۡدٌ قَالَ مَا جَآءَ بِكَ قَالَ وَقَعَ فِیۡ نَفۡسِیۡ خَوۡفٌ عَلٰى رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَجِئۡتُ اَحۡرُسُهٗ فَدَعَا لَهٗ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ (مُتَّفَقٌ عَلَيۡهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک رات بیدار رہے [1] آپ نے فرمایا۔ کاش کوئی مرد صالح ہمارے پاس پہرہ دیتا۔ اچانک ہم نے ہتھیار کی آواز سنی، فرمایا یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا میں سعد ہوں۔ فرمایا کس لیے آئے ہو؟ عرض کیا میرے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دے [2] میں آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی، پھر محو استراحت ہوگئے۔ (صحیحین)

۱؎ یعنی بعض غزوات میں ظاہر یہ ہے کہ بعض دشمنانِ دین کی طرف سے خطرہ محسوس فرمارہے تھے
سہر ہاء کے نیچے زیر (بیدار تھے) مقدم دال پر زبر (آمد)
۲؎ مثلاً تیر کمان یا تلوار
۳؎ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنان دین مکر کریں اور آپ کو تکلیف پہنچائیں ۔

۵۸۵۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کا ایک امین ہے۱؎ اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں ۔ (صحیحین)

۱؎ جو اللہ تعالیٰ، مخلوق اور نفس کے حقوق میں خیانت نہ کرے ۔

۵۸۵۵ وَعَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَسُئِلَتْ مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَهٗ قَالَتْ اَبُوْبَكْرٍ فَقِيْلَ ثُمَّ مَنْ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ عُمَرُ قِيْلَ مَنْ بَعْدَ عُمَرَ قَالَتْ اَبُوْ عُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن ابی ملیکہ۱؎ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، ان سے سوال کیا گیا کہ اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے؟ فرمایا ابوبکر کو، پوچھا گیا ان کے بعد کس کو؟ فرمایا عمر کو، پوچھا ان کے بعد؟ فرمایا ابوعبیدہ ابن الجراح کو۲؎ (مسلم)

۱؎ ابن ابی ملیکہ ۔ میم پر پیش، لام پر زبر اور یاء ساکن ۔ مشہور تابعی اور قریشی، تیمی اور مکی تھے ۔ ان کی آنکھوں میں بھینگاپن تھا ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانے میں قاضی تھے ۔ انھوں نے تیس صحابۂ کرام کی زیارت کی ۔

۲؎ کیونکہ وہ امین اور اس کام کے لائق ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی فرمایا تھا کہ مجھے خلافت سے کیا کام؟ یہ علی مرتضیٰ ہیں، عمر فاروق اور ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں ۔ ان میں سے جسے چاہو خلیفہ بنالو ۔ صحابہ کرام نے کہا کہ آپ سے زیادہ مستحق کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے کام (نماز) کے لیے مقدم کیا ۔ دنیا کے کام میں آپ کو کون مؤخر کرسکتا ہے ۔

۵۸۵۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى حِرَاءٍ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ حراء پر تھے ۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور

وَالزُّبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اهْدَءْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَسَعْدُ ابْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَلَمْ يَذْكُرْ عَلِيًّا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

زبیر تھے۔ چٹان حرکت میں آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا تجھ پر صرف نبی یا صدیق ہے یا شہید [۲] بعض راویوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کا ذکر کیا ہے [۳] اور حضرت علی کا ذکر نہیں کیا (مسلم)

[۱] جسے اس وقت جبل نور کہتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے نازل ہونے سے پہلے اس جگہ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اسی جگہ وحی نازل ہوئی۔

[۲] شہید سے مراد حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر ہیں کہ یہ سب حضرات شہید ہوئے۔ حضرت طلحہ اور زبیر کی شہادت جنگِ جمل کے واقعہ میں ہے لیکن جنگ میں نہیں بلکہ اس سے باہر ہوئی جیسے کہ اپنی جگہ تفصیل سے مذکور ہے۔

[۳] یعنی وہ بھی کوہِ حرا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن اس میں اشکال ہے، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص جنگ میں شہید نہیں ہوئے بلکہ اپنے محل میں وفات پائی جو وادی عقیق میں ہے انہیں وہاں سے لاکر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ وہ صدیق میں داخل ہیں۔ صدیق اگرچہ امیرالمومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب بن چکا ہے لیکن اس کا معنی ان میں منحصر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ دیگر صدیقین پر بھی صادق آتا ہے۔ علامہ سیوطی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں متعدد مسندوں کے ساتھ یہ روایت لائے ہیں کہ یہ پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کریں گے اور یہ اس امت کے صدیق اور فاروق ہیں یا شہید سے مراد وہ حضرات ہیں جن کے لیے شہداء کا ثواب ہے (یعنی معنوی شہید) جیسے پیٹ کی بیماری میں فوت ہونے والا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۵۷ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں۔ سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں، سعید بن زید جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ ابن الجراح جنت میں ہیں (ترمذی) ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت سعید ابن زید سے روایت کیا [۱]

ـــ اِن دس حضرات کے بارے میں جنت میں بشارت ہے۔ اس بشارت میں ان کی شہرت اور امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بشارت ایک حدیث میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ بھی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ورنہ جنت کی بشارت ان میں منحصر نہیں ہے (دیگر حضرات کے بارے میں بھی بشارت واقع ہے) علماء نے ان کی تصریح کی ہے اس جگہ ایک نکتہ ہے جس سے آگاہ ہونا چاہیے اور وہ یہ کہ تمام خلفاءِ اربعہ یا بعض کا ذکر جن احادیث میں بھی آیا ہے اسی ترتیب سے آیا ہے، اس سے مذہب اہل سنت وجماعت کی تائید ہوتی ہے (کہ حضرت عثمان غنی حضرت علی مرتضیٰ سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما) یہ گمان کرنا بالکل غلط ہے کہ راویوں نے ترتیب کو تبدیل کر کے اپنے عقیدے کے مطابق بیان کیا ہے حاشا وکلا! روایت کرنے والے معمولی تقدیم وتاخیر کی رعایت کرتے ہیں، جس سے مقصود میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس جگہ وہ کس طرح تبدیلی کر سکتے ہیں؟ محدثین حدیث کو اسی طرح روایت کرتے ہیں جس طرح وہ ہے، کلام کی تاویل کرنا مجتہدین اور فقہاء کا کام ہے خوب غور کیجیے!

۵۸۵۸ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَقْرَاُهُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرُوِيَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلًا وَفِيْهِ وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت کے ہماری امت پر مہربان ترین ابوبکر ہیں[1] اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے کام میں سخت ترین عمر ہیں[2] اور ان میں سے صحیح ترین حیا والے عثمان ہیں[3] اور علم فرائض کے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں[4] اور قرآن کے زیادہ قاری ابی بن کعب ہیں[5] اور حلال وحرام کے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں[6] اور ہر ایک امت کا ایک امین ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں[7] (امام احمد و ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، یہ حدیث معمر سے مروی ہے انہوں نے قتادہ سے مرسلاً روایت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں سے بڑے قاضی علی ہیں[8]

ـــ[1] جو لوگوں کو مہربانی، نرمی اور نصیحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔

ـــ[2] جو سختی، شدت اور جھگڑے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

ـــ[3] حضرت عثمان غنی صفت حیا میں خصوصیت اور امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ حیا ایمان کا بڑا شعبہ ہے۔ صدق کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ حیا کبھی انسانی طبیعت کے تقاضے کی بناء پر بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ

شریعت کے حکم کے مطابق حق اور درست نہ ہو۔ صادق اور معتبر حیا وہ ہے کہ شریعت اور حق کے مطابق ہو۔

سکہ جو فرائض اور مواریث کے بڑے عالم، کاتب وحی جلیل القدر صحابی، جامع قرآن اور حضرت ابوبکر صدیق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کاتب قرآن تھے۔

ھ قرآن پاک کے بڑے قاری اور تجوید کے بڑے ماہر ابی بن کعب ہیں، وہ کاتب وحی بھی تھے انھیں سید القراء کہتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سید الانصار کا لقب دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انھیں سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ جب سورہ مبارکہ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمھارے سامنے یہ سورت پڑھیں اور تمھیں سنائیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تمھارا نام لیا ہے اور تمھیں تمھارے نام سے یاد فرمایا ہے وہ (فرطِ مسرت سے) رو پڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔

سلہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وہ انصار میں سے ہیں اور ان ستر افراد میں سے ایک تھے جو عقبہ میں حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا بھائی بنایا تھا۔ بعض علماء نے کہا کہ انھیں حضرت جعفر بن ابی طالب کا بھائی بنایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ طاعون عمواس میں ان کی رحلت ہوئی انھوں نے عرض کیا خداوندا! یہ تیری اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ خداوندا! تو معاذ اور اس کے اہل وعیال کو اس سے محروم نہ رکھنا۔ مروی ہے کہ دنیا سے رحلت کے وقت کہہ رہے تھے تو جتنا چاہے میرا گلہ دبا لے مجھے تیری عزت کی قسم اور تو بھی جانتا ہے کہ تو میرا محبوب ہے یا اسی جیسے دوسرے الفاظ کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معاذ کو آیۂ کریمہ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا (وہ ایک جماعت تھے اللہ کے فرمانبردار اور ہر باطل سے گریز کرنے والے) کے مضمون میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔

حضرت معاذ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے جب وہ یمن تشریف لے گئے تو حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے کہ معاذ نے اہل مدینہ کو فقہ سے خالی کر دیا۔ وہ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے۔ ان کا آخری وقت قریب تھا۔ آپ کے شاگرد اور متعلقین رو رہے تھے آپ نے فرمایا کیوں رو رہے ہو؟ اور تمھیں کون سی چیز رلا رہی ہے۔ انھوں نے عرض کیا ہم اس علم پر رو رہے ہیں جو آپ کی موت کے ساتھ منقطع ہو جائے گا۔ فرمایا علم اور ایمان قیامت کے دن تک قائم رہیں گے، حق لے لو چاہے جس سے بھی ملے اور باطل کو رد کر دو چاہے اس کا پیش کرنے والا کوئی بھی ہو۔ ان کے مناقب بہت ہیں بلکہ حد شمار سے باہر ہیں۔

شہ ایک روایت میں ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک امین ہے اور ہمارے امین ابو عبیدہ ہیں۔ وہ قریشی ہیں

اور ان کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے فہر بن مالک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ بدر کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے۔ خود کی دو کڑیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار سے میں پیوست ہو گئیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے دانتوں سے پکڑ کر نکالیں۔ اس کشاکش میں آپ کے اگلے دانت ٹوٹ گئے، وہ بھی طاعون عمواس میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہ طاعون حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں واقع ہوئی۔ حضرت معاذ بن جبل نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر فاروق امیر المومنین آپ کی وفات کے دن فرماتے تھے کہ اگر ابوعبیدہ ابن جراح موجود ہوتے تو میں یہ کام ان کے سپرد کرتا۔ یعنی خلافت یا اختیار ان کی مشاورت کے ہاتھ میں دے دیتا۔ واللہ اعلم۔

ش۵ معمر۔ میم پر زبر، عین ساکن

ش۵ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے مشورے اور فتوے کے بغیر فیصلہ نہیں فرماتے تھے اگر آپ تشریف فرما نہ ہوتے تو آپ کا انتظار کرتے، وہ فرمایا کرتے تھے قَضِيَّةٌ لَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا (یہ وہ مسئلہ ہے جس کے لیے کوئی ابوالحسن (فیصلہ کرنے والا) نہیں ہے)۔ (ابوالحسن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے ۱۲ اشرف قادری)

۵۸۵۹ ۱۲ وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهُ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَوْجَبَ طَلْحَةُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں سلہ پس آپ ایک ٹیلے کی طرف متوجہ ہوئے لیکن آپ اس پر چڑھ نہیں سکے سلہ حضرت طلحہ نیچے بیٹھ گئے سلہ یہاں تک کہ آپ اس ٹیلے پر تشریف فرما ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے سلہ (ترمذی)

سلہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شجاعت قوت اور جنگ میں پیش قدمی کی بناء پر تھا، جو زیادہ بہادر ہو اسے خطرہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے میدانِ جنگ میں زیادہ ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے اس کی جنگ کے لیے تیاری بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ کا استعمال اور اسباب کا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے دو زرہیں زیب تن فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ تعلیم امت کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہو۔ لیکن

تحقیق یہ ہے کہ یہ سب محض بندگی اور تعمیل حکم کا نتیجہ تھا۔
ے۲ تاکہ اس پر چڑھ کر بیٹھیں اور آرام کریں۔
ے۳ کیونکہ دشمنوں کے حملے کی وجہ سے جسد اقدس پر جو چوٹیں لگی ہوئی تھیں۔
ے۴ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی وجہ سے۔
ے۵ یہ ٹیلہ احد پہاڑ کی جڑ میں مشہور و معروف ہے۔
ے۶ اس عمل کی بناء پر جو انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں انجام دیا۔

۵۸۶۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَّمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَّنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَّمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جو روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ وہ مُردہ ہے ے۱ تو وہ انھیں ے۲ دیکھے۔ اور ایک روایت میں ہے جس شخص کو روئے زمین پر چلنے والے شہید کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہو وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھے ے۳

(ترمذی)

ے۱ یا یہ مطلب ہے کہ وہ وفات کا منتظر ہے یعنی اگر کوئی شخص میت کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے (مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اُحد کے دن جان کی بازی لگا دی تھی ۱۲ شرف قادری)
ے۲ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا
ے۳ لفظ قَضٰى نَحْبَهٗ کی تحقیق یہ ہے کہ نَحْبٌ پہلے نون پھر بے نقطہ حاء اس کے بعد باء کا معنی نذر، موت اور رحلت کا وقت معین ہے۔ آیت کریمہ میں ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ مفسرین نے اس کی تفسیر دونوں معنوں سے کی ہے یعنی مسلمانوں میں سے کچھ مردوہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد درست کر دکھایا۔ پس ان میں سے بعض نے وہ نذر پوری کر دی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینے کی مانی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گئے اور بعض اس کے منتظر ہیں، حدیث شریف میں بھی دونوں معنوں پر محمول کر سکتے ہیں۔ ظاہر دوسرا معنی ہے جیسے کہ دوسری روایت میں آیا ہے کہ زمین پر چلنے والا شہید، حقیقت میں یہ اختیاری موت کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فنا کو حاصل ہوتی ہے۔ یا موت سے مراد عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عالم بالا کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی کشش سے مغلوب ہونے کی بناء پر حاصل ہوتا ہے

اور یہ اختیاری موت کا نتیجہ ہے۔

سیدی شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسالہ کا نام ہے ھدایۃ ربی عند فقد المرتی اس میں انھوں نے موت اختیاری اور اس کی سبقت کا بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ عبد الوہاب متقی فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مشہور ہو گیا کہ شیخ علی متقی فوت ہو گئے ہیں لوگ یہ خبر سن کر دوڑتے ہوئے شیخ کی خانقاہ میں پہنچ گئے انھوں نے دیکھا کہ شیخ خوش اور خرم سلامت بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے احباب کو فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس عالم کو دیکھ لے اور اس جہان کے حالات معلوم کر کے آئے اور بیان کرے تو ضرور اس کی تصدیق کرنی چاہیے۔ ہمارے دوستوں کو جاننا چاہیے کہ ہمیں اس جہان میں لے گئے اور ہم اس جہان کو دیکھ کر آئے ہیں۔ اب دوست بھی توبہ کریں اور ہم بھی از سر نو توبہ کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مجھے فرمایا کہ یہ خبر کام کی قبولیت اور ہماری محنت کے مکمل ہونے کی نشانی ہے جو ہم نے اختیاری موت کے حاصل کرنے کے لیے کی ہے۔

۵۸۶۱/۱۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعَتْ أُذُنِي مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَايَ فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے کان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہان اقدس کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ اور زبیر جنت میں ہمارے پڑوسی ہیں (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۵۸۶۲/۱۶ وَعَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ اُحُدٍ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی احد کے دن دعا کی[1] اے اللہ! ان کی تیر اندازی کو قوی فرما اور ان کی دعا کو قبول فرما[2] (شرح السنہ)

[1] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے

[2] دعا کی قبولیت کی مناسبت تیر اندازی کی قوت کے ساتھ ظاہر ہے کہ دعا کو تیر قرار دیا جیسے کہ کسی نے کہا ہے ؏

از ہر کرانہ تیر دعا می کنم رواں

میں ہر طرف سے دعا کا تیر چلا رہا ہوں۔ گویا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کی قبولیت ان کے تیر کے نشانے پر لگنے کا اثر ہے، جو انھوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلایا۔

۵۸۶۳/۱۷ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما

لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

جب یہ تجھ سے دعا کریں۔

(ترمذی)

۵۸۶۴ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَاهُ وَاُمَّهُ اِلَّا لِسَعْدٍ قَالَ لَهُ يَوْمَ اُحُدٍ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ وَقَالَ لَهُ اِرْمِ اَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد ماجد اور والدہ محترمہ کو کسی کے لیے جمع نہیں فرمایا سوائے حضرت سعد کے انھیں احد کے دن فرمایا تیر چلاؤ ہمارے والدین تم پر فدا ہوں اور انھیں یہ بھی فرمایا کہ اے دانا لڑکے[۱] تیر چلا۔ (ترمذی)

[۱] حزور بے نقطہ حاء اور زاء پر زبر، واؤ مشدد اور آخر میں یاء۔ اسے زاء ساکن اور واؤ کی تخفیف کے ساتھ (حَزْوَرٌ) بھی پڑھا گیا ہے۔ صراح میں ہے حزور بڑی عمر والا اور طاقت ور لڑکا، حزورہ کا معنی ہے وہ چھوٹا ٹیلہ جو زمین سے ابھرا ہوا ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نوجوان تھے اور سترہ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

۵۸۶۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلَ سَعْدٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ فَلْيُرِنِيْ اِمْرَءٌ خَالَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ كَانَ سَعْدٌ مِنْ بَنِيْ زُهْرَةَ وَكَانَتْ اُمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ زُهْرَةَ فَلِذَالِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلْيُكْرِمَنَّ بَدَلَ فَلْيُرِنِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد تشریف لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے ماموں ہیں[۱] پس کوئی شخص ہمیں اپنا ماموں دکھائے[۲] اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا، حضرت جابر نے فرمایا[۳]: حضرت سعد بنو زہرہ میں سے تھے[۴] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بنو زہرہ میں سے تھیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے ماموں ہیں اور مصابیح میں فَلْيُرِنِيْ کی جگہ فَلْيُكْرِمَنَّ[۵] ہے۔

۞ ۞ ۞

[۱] یعنی ہمارے والدہ کے بھائی ہیں۔

[۲] یعنی ہمارے ماموں کے برابر اور ان جیسا

[۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت سعد کو اپنا ماموں فرمایا اس کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت جابر نے فرمایا۔

[۴] جو قریش کی ایک شاخ ہے۔

[۵] پس چاہیے کہ انسان اپنے ماموں کی عزت کرے جس طرح ہم اپنے ماموں کی عزت کرتے ہیں

بعض شارحین نے فرمایا کہ فَلْيَكُوْ مِنَّ تصحیف ہے (یعنی صحیح فَذُبِّرِنِيْ ہے اسے تبدیل کر دیا گیا ہے)۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۸۶۶ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَاَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةَ وَوَرَقَ السَّمُرِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهٗ خِلْطٌ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ تُعَزِّرُنِيْ عَلَى الْاِسْلَامِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَّضَلَّ عَمَلِيْ وَكَانُوْا وَشَوْا بِهٖ اِلٰى عُمَرَ وَقَالُوْا لَا يُحْسِنُ يُصَلِّيْ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت قیس بن ابی حازم[۱] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں عرب کا پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر چلایا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اور صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اس حال میں جہاد کرتے تھے کہ ہماری خوراک سوائے کیکر کے دانوں[۲] اور پتوں کے کچھ نہ تھی اور ہم میں سے ایک شخص قضائے حاجت کے وقت بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتا تھا جو آپس میں مخلوط نہ ہوتی تھیں[۳]۔ پھر بنو اسد مجھے اسلام کے احکام سکھاتے ہیں[۴] تب تو تحقیق میں گھاٹے میں ہوں اور میرا عمل ضائع ہو گیا[۵] ان لوگوں نے آپ کے بارے میں حضرت عمر کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے۔ (صحیحین)

[۱] قیس بن ابی حازم ان کا تذکرہ پہلی فصل کی دوسری حدیث کی شرح میں گزر چکا ہے

[۲] حُبلہ بے نقطہ حاء پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ باء ساکن، اس پہ زبر بھی پڑھ سکتے ہیں کیکر کا دانہ، سَمُر، سین پر زبر اور میم پر پیش، مشہور درخت (کیکر) کا نام ہے۔ اس کا واحد سَمُرۃ ہے

[۳] یعنی خشکی کی بناء پر اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط نہ ہوتے تھے۔

[۴] تعزیر کا معنی واقف کرنا بھی آتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوتاہی پر زجر و توبیخ کرتے ہیں۔ اصل میں تعزیر کا معنی رد اور منع ہے۔ یہ لفظ امداد دینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور تعظیم کرو کیونکہ امداد کرنے والا اس شخص سے دشمنوں کو دور کرتا ہے جس کی امداد کی جاتی ہے۔ اس جگہ اسلام سے مراد نماز ہے۔

[۵] یعنی جب بنو اسد مجھے اسلام کے احکام اور نماز کے آداب سکھاتے ہیں باوجودیکہ میں اسلام لانے میں

سبقت رکھتا ہوں تو مجھے مزید کامیابی اور ہدایت کی کیا امید ہوگی ؟

ٹ حضرت سعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عامل تھے - بنو اسد نے حضرت سعد کی شکایت کی کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے - حضرت عمر فاروق نے انھیں تنبیہ فرمائی تو آپ نے حقیقتِ حال بیان کی حضرت عمر فاروق نے ان کی تصدیق کی اور فرمایا : ہمارا گمان اسی طرح ہے جس طرح آپ کہتے ہیں اور بنو اسد کی تردید فرمائی - بنو اسد سے مراد حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد کی اولاد ہے - اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و فضل پر فخر اور اپنے کمال کو بیان واقع کے طور پر ظاہر کرنا جائز ہے - جب کہ دینی مصلحت اور دینی نقص اور عار کو دفع کرنا مقصود ہو - صحابہ کرام نے صحیح اور درست اغراض کے لیے آپس میں فخر کا اظہار فرمایا ہے -

۵۸۶۷/۲۱ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُنِي وَأَنَا ثَالِثُ الْإِسْلَامِ وَمَا أَسْلَمَ أَحَدٌ إِلَّا فِي الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَإِنِّي لَثُلُثُ الْإِسْلَامِ - (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں کہ میں اہلِ اسلام کا تیسرا فرد تھا[۱] اور کوئی شخص اسلام نہیں لایا مگر اس دن، جس میں میں اسلام لایا[۲] تحقیق میں سات دن اس حال میں رہا کہ میں مسلمانوں کا تیسرا حصہ تھا[۳] (بخاری)

۱ صحیح بخاری میں ہے لَقَدْ رَأَيْتُنِي بے شک تحقیق میں اپنے آپ کو جانتا ہوں - صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے وَأَنَا ثُلُثُ الْإِسْلَامِ ثاء کے پیش کے ساتھ یعنی اہلِ اسلام کا تہائی حصہ تھا - مطلب ایک ہی ہے یعنی دو حضرات مسلمان ہو چکے تھے میں تیسرے نمبر پر اسلام لایا - شارحین فرماتے ہیں کہ دو حضرات سے ان کی مراد حضرت ابوبکر اور حضرت خدیجہ ہیں - صحیح یہ ہے کہ مردوں بلکہ آزاد مردوں میں سے تیسرے مراد ہیں - استیعاب میں ہے کہ وہ ساتویں نمبر پر اسلام لائے - اس سے مراد یہ ہے کہ مردوں، عورتوں، آزاد اور غلاموں میں ساتویں نمبر پر اسلام لائے -

۲ شارحین فرماتے ہیں کہ اس کلام میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شامل نہیں ہے یعنی کوئی شخص ایمان نہیں لایا مگر اس دن کہ میں ایمان لایا - اس دن جو اسلام لایا وہ میں ہی تھا -

۳ یعنی میں دو حضرات کے بعد اسلام لایا - اس کے بعد سات دن اس حال میں گزرے کہ کوئی اسلام نہیں لایا، جو بھی اسلام لایا وہ سات دن کے بعد لایا - علامہ طیبی نے اس حدیث کا مطلب اسی طرح بیان کیا ہے -

۵۸۶۸/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لِنِسَائِهِ إِنَّ أَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِي مِنْ بَعْدِي وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کرتے تھے کہ تمھارا معاملہ اور حال اس چیز کی جنس سے ہے جو ہمیں فکر میں ڈالتی[۱] ہے ہمارے بعد،

اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِأَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَكَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ تَصَدَّقَ عَلٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ بِيْعَتْ بِاَرْبَعِيْنَ اَلْفًا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور تم پر صبر نہیں کریں گے اور تمھاری خبر گیری نہیں کریں گے مگر وہ جو صبر میں کامل ہوں گے اور معاملے کی سچائی اور حقوق کی ادائیگی میں کامل ہوں گے حضرت عائشہ نے فرمایا: صابروں اور صدیقوں سے مراد صدقہ دینے والے ہیں[۲] پھر انھوں نے ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن کو فرمایا[۳] اللہ تعالیٰ تمھارے باپ کو جنت کے چشمے سلسبیل[۴] سے پانی پلائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امہات المومنین کو بطور صدقہ (بہ نیت ثواب) ایک باغ دیا تھا جو چالیس[۵] ہزار میں بیچا گیا

(ترمذی)

[۱] کہ تمھارا حال کیا ہوگا؟ اور لوگ تمھارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے اور کون تمھاری معاشی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرے گا اور کسے اس کی توفیق دی جائے گی؟ (مولوی امیر علی لکھتے ہیں: یہ فکر چند دن کی تھی یہاں تک کہ دو سال بعد شام کی فتوحات حاصل ہوگئیں ۱۲ حاشیہ)۔

[۲] اور نیکی کرنے والے ہیں کیونکہ یہ کلام امہات المومنین کے اخراجات کے لیے چلایا گیا ہے۔

[۳] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی شکر گزاری اور اعترافِ خدمت کے طور پر ان کے بیٹے ابوسلمہ کو فرمایا جو اکابر تابعین میں سے ہیں۔

[۴] قاموس میں ہے کہ سلسبیل کا معنی جنت کی شراب ہے، جنت کے چشمے کو بھی سلسبیل کہتے ہیں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ پانی کو بھی کہتے ہیں جو روانی کے ساتھ گلے میں اتر جائے۔ سلسال الجنۃ بمعنی سلسبیل اور سلسل الجنۃ بھی آیا ہے۔ ٹھنڈی شراب کو بھی کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ خس و خاشاک اور گرد لاین سے صاف مشروب کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا سلسبیل میں یاء زیادہ کی گئی ہے اس طرح یہ لفظ خماسی ہوگیا اور انتہائی سلاست پر دلالت کرنے لگا۔

[۵] چالیس ہزار دراہم یا چالیس ہزار دیناروں کو بیچا گیا۔

۵۸۶۹/۲۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِاَزْوَاجِهٖ اِنَّ الَّذِيْ يَحْنُوْا عَلَيْكُنَّ بَعْدِيْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَارُّ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ مِنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات سے خطاب فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک جو شخص ہمارے بعد اپنے ہاتھوں سے تم پر مال نچھاور کرے گا وہ سچا اور نیکوکار ہے۔ اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کے

سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

چشمہ سلسبیل سے پانی پلا یا ۵ (امام احمد)

۵ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہے، جیسے کہ گزشتہ حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ ازواج مطہرات پر احسان کریں گے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

۵۸۷۰ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِبْعَثْ إِلَيْنَا رَجُلاً أَمِيْنًا فَقَالَ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلاً أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ قَالَ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ الْجَرَّاحِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل نجران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس امین شخص کو بھیجیں ۲۔ آپ نے فرمایا: ہم تمہارے پاس ایسے شخص کو بھیجیں گے جو امانت میں ثابت قدم ہوگا۔ صحابہ کرام نے توجہ سے اس امارت اور امانت کو دیکھا ۳۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: آپ نے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح کو بھیج دیا۔ (صحیحین)

۱ حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہما اکابر صحابہ میں سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز ــ نجران نون پر زبر اور جیم ساکن۔ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے جو دسویں سال میں فتح ہوئی نہایہ میں ہے کہ حجاز اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔

۲ جو ہمارے حق میں خیانت پر راضی نہ ہو۔

۳ لَهَا کی ضمیر امانت اور دیانت کی طرف راجع ہے۔ صحابۂ کرام منتظر ہوئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس صحابی کو منتخب فرماتے ہیں اور کون اس منصب سے مشرف اور ممتاز ہوتا ہے؟

۵۸۷۱ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ إِنْ تُؤَمِّرُوْا أَبَا بَكْرٍ تَجِدُوْهُ أَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا أَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَإِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِيًّا وَلَا أُرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَأْخُذُ بِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے بعد کسے امیر بنائیں؟ فرمایا: اگر تم ابو بکر کو امیر بناؤ گے تو انہیں امانت دار، دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی رغبت رکھنے والا پاؤ گے اور اگر تم عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں طاقت ور اور امانت دار پاؤ گے، جو اللہ تعالیٰ کے راستے ۱ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور اگر تم علی مرتضیٰ کو امیر بناؤ گے اور ہم نہیں جانتے کہ تم یہ کام کرو گے تو انہیں

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔ وہ تمہیں راہ راست پہ لے جائیں گے [۳] (امام احمد)

[۱] حقوق دین میں

[۲] اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام کے جاری کرنے میں (کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے)۔

[۳] یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلافت کے لیے معین نہیں فرمایا اور اس پر نص نہیں فرمائی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر سے بلاواسطہ امیر مراد ہے۔ اس حدیث میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا ہو اور راوی بھول گئے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مولوی امیر علی اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں اس جگہ لکھتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزانہ کلام ہے واقع نے اس کی تصدیق کی حضرت ابوبکر اور عمر کو صحابہ کرام نے امیر بنایا اور ان سے وفا کی، حضرت علی مرتضیٰ کو تمام لوگوں نے خلیفہ نہیں بنایا کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی، جنھوں نے انھیں خلیفہ بنایا انھیں یہ فضیلت حاصل ہو گئی اس کلام میں اشارہ ہے کہ ابتداء میں امانت، آخرت میں رغبت اور احکام اسلامی کے جاری کرنے کی ضرورت نہ تھی جو حضرت ابوبکر اور عمر سے پوری ہو گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے زمانے میں ہدایت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ بدعت کا ظہور ہو چکا تھا ——— اس کلام میں کچھ دوسرے اشارے بھی ہیں جن کے بیان کے لیے طویل گفتگو کی ضرورت ہے۔

۵۸۷۲/۲۶ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا بَکْرٍ زَوَّجَنِیْ اِبْنَتَہٗ وَحَمَلَنِیْ اِلٰی دَارِ الْھِجْرَۃِ وَصَحِبَنِیْ فِی الْغَارِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَّالِہٖ رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا تَرَکَہُ الْحَقُّ وَمَالَہٗ مِنْ صَدِیْقٍ رَحِمَ اللّٰہُ عُثْمَانَ یَسْتَحْیِیْ مِنْہُ الْمَلٰئِکَۃُ رَحِمَ اللّٰہُ عَلِیًّا اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے انھوں نے اپنی بیٹی کا ہمارے ساتھ نکاح کیا۔ ہمیں اونٹنی پر سوار کر کے دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) لے گئے غار میں ہمارے ساتھ رہے بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا [۱] اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے وہ حق کہتے ہیں اگرچہ کڑوا ہو۔ حق گوئی نے انھیں اس حال کو پہنچایا کہ ان کا کوئی دوست نہیں [۲]۔ اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علی پر رحم فرمائے اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ پھیر دے جس طرف وہ پھر جائیں [۳] (ترمذی) انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سلے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں پال کر تیار کی ہوئی تھیں کہ نہ معلوم کب ہجرت کا حکم آجائے ۔ ایک اونٹنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لے لیجیے اور اس پر سواری فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا ہم اسی وقت سوار ہوں گے جب آپ اسے ہمارے پاس فروخت کریں گے ورنہ ہم اسے نہیں لیں گے ۔ پس آٹھ سو درہم قرض میں خرید فرمائی ۔

سلے اور انھیں ہماری خدمت پر مقرر کردیا یا ایمان کی اس قوت اور کمال کے ساتھ حضرت بلال کا خریدنا ہی ایسی نعمت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی (اس اعتبار سے کہ انھیں آزاد کرنے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت پہنچی اور تشویش جاتی رہی ۔ ۱۲ اشرف قادری)

سلے یعنی ایسا دوست جس کی دوستی کی بناء پر مداہنت سے کام لینا پڑے ۔

سلے یہ اس حدیث کے موافق ہے جسے علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں روایت کیا کہ قرآن علی مرتضیٰ کے ساتھ ہے اور علی مرتضیٰ قرآن کے ساتھ ہیں ۔ رضی اللہ عنہ ۔

باب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے مناقب

یاد رہے کہ اہل بیت کے چند معانی ہیں

(۱) وہ حضرات جنھیں زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں ۔ ان میں آلِ عباس ، آلِ علی ، آلِ جعفر ، آلِ عقیل اور آلِ حارث رضی اللہ عنہم داخل ہیں ۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال ، اس میں ازواجِ مطہرات داخل ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت سے خارج کرنا سینہ زوری اور آیت کریمہ کی روش کے خلاف ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہلِ بیت تم سے نجاست دور رکھے اور تم کو خوب خوب پاک فرمائے اس آیت کی ابتداء اور انتہا میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے ۔ درمیانی حصے سے انھیں خارج کرنے سے کلام کا نظم ونسق برقرار نہیں رہتا ۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو

شامل ہے کیونکہ آیت کریمہ کی روش اس پر دلالت کرتی ہے لہذا انھیں اس آیت سے خارج کرنا اور آیت کو ان کے ماسوا سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ یہ بھی فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ اہلِ بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد اور آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی ان میں داخل ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ساتھ معاشرت اور آپ کے احکام کی پابندی کی بنا پر اہلِ بیت میں سے ہیں۔

بعض اوقات اہلِ بیت کا استعمال اس طرح آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیت کا لفظ حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے[1] حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کے لیے تشریف لاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے پاس سے گزرتے تو فرماتے الصلوٰۃ یا اھل البیت (اے اہلِ بیت نماز پڑھو) اس کے بعد آیت مبارکہ پڑھتے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (ترمذی شریف)

ابن ابی شیبہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھی خادم نے اطلاع دی کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ دروازے پر حاضر ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ ایک طرف ہو جائیں میں گھر کے اندر چلی گئی۔ حسن و حسین حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن و حسین کو آغوش میں لے لیا، ایک ہاتھ سے حضرت علی کو پکڑا دوسرے ہاتھ سے سیدہ فاطمہ کو پکڑا اور انھیں اپنے ساتھ چمٹا لیا اور انھیں سیاہ کمبل میں چھپا لیا جو آپ نے اوپر لیا ہوا تھا اور دعا کی اے اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں یہ تیری طرف آئے ہیں نہ کہ آگ کی طرف، میں بھی اور میرے اہلِ بیت بھی۔

یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسجد ہر حیض والی عورت اور ہر جنبی مرد کے لیے حرام ہے سوائے محمد مصطفےٰ، ان کے اہلِ بیت، علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا اور حسین اور حسن کے، اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا اور اسے ضعیف قرار دیا۔ خلاصہ یہ کہ اہلِ بیت کا اطلاق ان چاروں حضرات پر مشہور و معروف ہے۔

علماء کرام نے ان اقوال کے درمیان تطبیق اور ان استعمالات کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ بیت تین ہیں (۱) بیت نسب (خاندان) (۲) بیت سکنی (کاشانہ مبارکہ کے رہنے والے) (۳) بیت ولادت (اولادِ امجاد) پس عبدالمطلب کی

---

[1] یاد رہے کہ حق صریح یہی ہے کہ جب آیہ تطہیر نازل ہوئی تو گمان یہ تھا کہ خطاب ازواج مطہرات سے ہے (کیونکہ آیت کا آغاز یا نساء النبی سے ہے) اور حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد خارج ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنے کمبل میں چھپایا اور دعا کی اے اللہ! یہ بھی اہلِ بیت میں سے ہیں پھر صبح کے وقت حضرت سیدۃ النساء کے گھر کے سامنے تشریف لا کر سلام کہتے تاکہ آیت کی تفسیر سب کو شامل ہے اور اہلِ مسجد کو پتہ چل جائے ۱۲ مولوی امیر علی۔

اولاد میں سے بنو ہاشم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں نسب کے اعتبار سے ، قریبی دادا کی اولاد کو بیت کہتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا بیت (خاندان) ہے ۔ ازواجِ مطہرات رہائش کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں کسی شخص کی بیویوں پر اہلِ بیت کا اطلاق عرف اور عادت کے اعتبار سے خاص طور پر معروف ہے (عام طور پر بیوی ہی کو گھر والی کہا جاتا ہے ۱۲ اشرف قادری) آپ کی اولا د امجا د ولادت کے اعتبار سے اہلِ بیت ہے ۔ اہلِ بیت اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کو شامل ہے ۔ تاہم ان میں سے حضرت علی ، حضرت فاطمہ ، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم زیادہ عزت وفضیلت کے ساتھ ممتاز ہیں اور مودت و محبت کے تعلق کے سبب ممتاز اور مخصوص ہیں چنانچہ جب لفظ اہل بیت بولا جاتا ہے تو ذہن ان کی ہی طرف جاتا ہے ان کے فضائل و مناقب اور عزت وکرامت کے بارے میں بے شمار احادیث وارد ہیں ۔

حضرت مصنف نے اس باب میں بعض بنو ہاشم ، حضرت علی مرتضیٰ ، حضرت فاطمہ ، حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر کیا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے ۔ حضرت زید بن حارثہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید کا بھی بالتبع ذکر کیا ہے ۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کمال محبت اور عنایت فرماتے تھے یا اس لیے کہ یہ بھی اہلِ بیت میں داخل ہیں ۔ اس جگہ ازواجِ مطہرات کا ذکر نہیں کیا ان کے لیے الگ باب قائم کیا ہے یا اس لیے کہ وہ مخصوص مناقب میں مستقل ہیں ۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امہات المومنین اہلِ بیت کے معروف معنی میں داخل نہیں ہیں ۔ اہلِ بیت کا مشہور و معروف اطلاق چار حضرات (حضرت علی مرتضیٰ ، سیدہ فاطمہ زہرا ، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم) ہیں ۔

الفصل الاوّل

۵۸۷۳ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَّ فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَيْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِيْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اے حبیب ! آپ فرمادیں کہ آؤ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلاتے ہیں (الآیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ، حضرت فاطمہ اور حسن وحسین کو بلایا اور دعا کی اے اللہ ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں[1] (مسلم)

[1] یاد رہے کہ اس آیت کو آیتِ مباہلہ کہتے ہیں ۔ بَہل کا معنی لعنت کرنا ہے ۔ بُہلہ با پر پیش اور زبر اس کا معنی لعنت ہے ۔ مباہلہ کا معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنا اور اس کی دعا کرنا ہے ۔ ابتہال کا اصلی معنی یہ ہے ۔ بعد ازاں اس کا اطلاق ہر دعا پر کر دیا گیا جس میں کوشش کی جائے ۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب

کچھ لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوتا، ایک دوسرے کی تکذیب کرتے اور ایک دوسرے پر ظلم کرتے تو بار بار ایک دوسرے پر لعنت کرتے اور کہتے کہ جھوٹے اور ظالم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت کی طرف سے حکم ہوا کہ نصاریٰ سے مباہلہ کریں اور یہ آیت نازل ہوئی فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ تو جو شخص عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم اور شریعت آچکی فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ پس آپ فرمائیں کہ آؤ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتوں کو بلائیں وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ اور اپنے آپ کو اور تمہیں ثُمَّ نَبْتَهِلْ پھر گڑگڑا کر دعا کریں فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور اللہ کی لعنت جھوٹوں پر ڈالیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو گود میں اٹھایا ہوا تھا جو اس وقت بچے تھے۔ آپ کے پیچھے سیدہ فاطمہ اور ان کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ تھے رضی اللہ عنہم۔ سبحان اللہ! یہ کیسا وقت تھا اور یہ کیسے عظیم حضرات تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو حکم دیا کہ جب ہم دعا کریں تو تم آمین کہنا۔ عیسائیوں کے پیشوا نے جب ان حضرات کو دیکھا تو اس نے اپنی قوم کو کہا تم پر افسوس! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا دے تو اسے ہٹا دے گا۔ اس وقت ان حضرات کے چہروں پر تجلی کے کیسے انوار چمک رہے ہوں گے کہ ایک بیگانے کافر نے انھیں محسوس کر لیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ جب بیگانہ جو اس نور سے آشنا تھا اس کا کیا حال ہوگا؟ اسے وہی جان سکتا ہے جسے دیدار کی لذت حاصل ہوئی ہو۔ اس پیشوا نے کہا کہ ان کے ساتھ ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور بیخ و بن سے اکھیڑ دیے جاؤ گے دوسروں نے بامر مجبوری اپنے پیشوا کی اطاعت قبول کی اور جزیہ دینا قبول کیا، چونکہ اندر سے معنوی مناسبت سے محروم تھے اس لیے مسلمان نہیں ہوئے۔ شعر

معجزہ از بہر قول دشمن است

بوئے جنسیت پئے دل بردن است

(معجزہ دشمن کے قول کے لیے ہے۔ جنسیت (مشکلم) کی بو دلبری کے لیے ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیے جاتے، ان کے لیے تمام وادی آگ سے بھر دی جاتی ان کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا جاتا اور جل جاتے یہاں تک کہ درختوں کے پرندے جل کر راکھ ہو جاتے۔

(مولوی امیر علی اس جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ نصاریٰ کے پیشوا کا بھائی پہلے آ کر مسلمان ہو چکا تھا اس نے اپنے بھائی کو کہا کہ تو نے خود اقرار کیا ہے کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین برحق ہیں، لیکن میں جان اور مال کے خوف سے اقرار مناسب نہیں سمجھتا۔ اب ہمیں تمہارے مال کی حاجت نہیں ہے۔ جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیشوا کو فرمایا: کیا حال ہوگا کہ تم کجاوہ اتار کر روانہ ہو گے وہ اپنے ٹھکانے پر

پہنچے ۔ جب آرام کرنے کے بعد روانہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کا کجاوہ الٹا رکھا ہوا ہے ۔ پس واپس آکر اسلام لایا یہ قصہ طویل ہے) ۔

۵۸۷۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهٗ ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صبح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اس وقت آپ نے بالوں کا بنا ہوا پھولدار کمبل[1] زیب تن کیا ہوا تھا ۔ اتنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے آپ نے انھیں اپنے ساتھ کمبل میں داخل کر لیا پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے اور انھیں بھی داخل کیا پھر سیدہ فاطمہ آئیں انھیں بھی داخل کر لیا پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور انھیں بھی داخل کیا ۔ پھر یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اللہ تعالیٰ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے گناہوں کی پلیدی دور کر دے اور تمھیں اچھی طرح پاک کر دے (مسلم)

[1] مِرْطٌ میم کے نیچے زیر، راء ساکن اون یا خز کا کمبل جسے بطور تہہ بند استعمال کرتے ہیں ۔ مُرَحَّل میم پر پیش ، بے نقطہ مشدد حاء پر زبر ، وہ کمبل جس میں پالان کی تصویر بنی ہوئی ہو ۔ بعض نے جیم کے ساتھ بھی روایت کیا ہے (مُرَجَّل) وہ کپڑا جس پر لوہے کی دیگ کی تصویریں بنی ہوئی ہوں ۔ اس کی یہ تفسیر کرنا غلط ہے کہ جس پر مردوں کی تصویریں بنی ہوئی ہوں ، ہاں (جانداروں) تصویروں کے حرام ہونے سے پہلے کی بات ہو تو ایسا ہو سکتا ہے)

۵۸۷۵ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت براء[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم[2] کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک ان کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے[3] (بخاری)

[1] حضرت براء ابن عازب مشہور صحابی ہیں ۔

[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جو حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے ۔ ان کے مختصر حالات باب کسوف میں گزر چکے ہیں ۔

[3] یعنی انھیں بہشت میں لے گئے ہیں اور ان پر ایک دودھ پلانے والی مقرر کر دی گئی ہے ۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دودھ پلانے کی مدت میں دنیا سے انتقال کر گئے تھے ۔ بعض شارحین نے رضاعت کے مکمل کرنے کی تاویل یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کی بجائے ان کے لیے جنت اور اس کی نعمتوں کی لذت پوری فرما دی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال ۔ مُرضِع میم پر پیش ، نقطے والے ضاد کے

سے نیچے زیر، اس کا معنی ہے دودھ پلانا۔ بعض صوفیاء کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس حدیث سے موت کے بعد ترقی کا اشارہ دریافت کیا ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ اس مسئلے کی جگہ پر ہم نے گفتگو کی ہے۔ اس درویش (شیخ محقق) کے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۷۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهُ فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰهَا قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِي ثُمَّ أَجْلَسَهَا ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا فَلَمَّا رَاٰى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرَّهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا أَخْبَرْتِنِي قَالَتْ أَمَّا الْآنَ فَنَعَمْ أَمَّا حِينَ سَارَّنِي فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِي إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ فَبَكَيْتُ فَلَمَّا رَاٰى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَفِي رِوَايَةٍ فَسَارَّنِي أَنَّهُ يُقْبَضُ فِي وَجَعِهِ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِي

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم ازواج مطہرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں، اتنے میں فاطمہ زہرا آئیں۔ ان کی رفتار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار سے مختلف نہ تھی[۱]۔ جب آپ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ہماری بیٹی کے لیے کشادگی ہو۔ پھر انھیں بٹھایا، اس کے بعد ان سے سرگوشی فرمائی تو وہ شدت سے رو پڑیں۔ جب آپ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ سرگوشی فرمائی تو وہ اچانک ہنسنے لگیں[۲]۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے اٹھ گئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ سرکار نے آپ سے کیا سرگوشی کی؟ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کرسکتی[۳]۔ جب آپ رحلت فرما گئے تو میں نے کہا کہ میں آپ کو اس حق کی قسم دے کر کہتی ہوں جو مجھے آپ پر ہے کہ آپ مجھے خبر دیں۔ انھوں نے کہا ہاں اب بتائے دیتی ہوں[۴]۔ پہلی دفعہ جو آپ نے سرگوشی کی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ جبرئیل امین ہر سال ہمارے ساتھ قرآن پاک کا ایک دفعہ دور کیا کرتے تھے[۵]۔ اس سال انھوں نے دو دفعہ دور کیا ہے۔ ہمارا یہی گمان ہے کہ مدت حیات پوری ہونے کے قریب پہنچ چکی ہے[۶]۔ لہٰذا تم تقویٰ اختیار کرنا اور صبر کرنا اس لیے کہ ہم بہترین پیش رو ہیں[۷]۔ تو میں رو پڑی[۸]۔ جب آپ نے میری بے صبری دیکھی تو مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی فرمایا اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی عورتوں یا فرمایا مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو

فَاَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ اَوَّلُ اَھْلِ بَیْتِہٖ اَتْبَعُہٗ فَضَحِکْتُ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مجھ سے سرگوشی فرمائی کہ آپ اسی تکلیف میں رحلت فرما جائیں گے تو میں رو پڑی ۔ آپ نے پھر سرگوشی فرمائی اور مجھے خبر دی کہ میں آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ کے پیچھے جاؤں گی [۱۳] تو میں ہنس پڑی (صحیحین)

[۱] مِشْیَتُھَا میم کے نیچے زیر

[۲] مختلف اور مخفی نہ تھی ۔ اس لیے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عادت ، ہیئات اور روش (رفتار) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ زہرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور انھیں بوسہ دیتے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو اسی طرح کرتے ۔

[۳] یہ واقعہ مرض وفات کے دنوں میں پیش آیا یا ان دنوں کے قریب تھا ۔

[۴] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ۔

[۵] اس سے بزرگوں اور دوستوں کے رازوں کو دوسروں سے مخفی رکھنے کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے مرید جو مشائخ کے راز مخفی رکھتے ہیں تو اس کی سند یہی ہے ۔

[۶] حق صحبت اور محبت مادری

[۷] جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں

[۸] جس طرح حافظ ایک دوسرے کو سناتے ہیں ۔ یہ دَور رمضان المبارک میں ہوتا تھا ۔

[۹] کیونکہ دوبار دور کرنا معمول کے خلاف ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن پاک اور اس کے احکام کو اچھی طرح یاد کر لیں تاکہ دین کا معاملہ مکمل ہو جائے اور نعمت تمام ہو جائے ۔

[۱۰] اور جزع فزع سے اجتناب کرنا ۔

[۱۱] سلف گزرے ہوئے آباؤ اجداد اور رشتہ داروں کو کہتے ہیں ۔

[۱۲] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہ

[۱۳] یعنی دل چھوٹا نہ کرو ، اللہ تعالیٰ سے راضی رہو اور اس بات پر شکر کرو کہ تمھیں یہ مرتبہ دیا ہے ۔

[۱۴] یعنی آپ کے بعد جلد دنیا سے چلی جاؤں گی تو میں ہنس پڑی ۔ اَتْبَعُہٗ تخفیف کے ساتھ ہے تشدید کے ساتھ (اتّبعہ) بھی روایت ہے ۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث سے سیدہ فاطمہ کی فضیلت تمام ایماندار عورتوں پر ثابت ہوتی ہے ۔ یہاں تک کہ حضرت مریم ، حضرت آسیہ ، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ پر بھی ۔

اسی طرح علامہ سیوطی نے فرمایا ہے ایک حدیث میں جن عورتوں پر سیدہ فاطمہ کو فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے مریم بنت عمران کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس امت میں فاطمہ کی صفت وہ ہے جو مریم کی اپنی قوم میں ہے۔ یعنی اپنے ماسوا سے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اختلاف اس بنا پر ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کی فضیلت کی اطلاع وحی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کے ذریعے تدریجاً دی گئی ہو آخر میں دنیا کی تمام عورتوں پر ان کی فضیلت ثابت ہوگئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض علماء حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت فاطمہ حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور مکان حضرت علی مرتضیٰ کے مقام سے اعلیٰ اور اشرف ہے لیکن احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تم اور علی اور حسن و حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ مجتہدہ تھیں اور چاروں خلفاء کے زمانے میں فتویٰ دیتی تھیں اور اجتہاد کرتی تھیں۔ علامہ سیوطی فتاویٰ میں کہتے ہیں کہ اس جگہ تین مذہب ہیں۔ اصح یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ بعض علماء مساوات کے قائل ہیں، بعض نے توقف کیا ہے۔ احناف میں سے استروشنی اور بعض شافعیہ توقف کی طرف مائل ہیں۔ جب امام مالک سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: فاطمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار اور ہمارا دین یہ ہے کہ فاطمہ افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ خدیجہ اور ان کے بعد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں بھی اختلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ حیثیات مختلف ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ افضل ہونے کا معنی ثواب کی کثرت ہے جس کا علماء نے اعتبار کیا ہے لیکن کوئی شخص شرافت، ذات، اصل کی طہارت اور جوہر کی پاکیزگی میں سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۴۷
۵

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ ہمارے گوشت کا ٹکڑا ہیں جس نے انھیں ناراض کیا اس نے ہمیں ناراض کیا اور ایک روایت میں ہے: وہ چیز ہمیں ناپسند ہے جو انھیں ناراض کرتی ہے اور جو انھیں ناراض کرتی ہے اور جو چیز انھیں اذیت دیتی ہے وہ ہمیں اذیت دیتی ہے

(صحیحین)

سلہ مسور میم کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین ابن مخرمہ میم پر زبر اور نقطے والی خاء ساکن، کم عمر صحابی ہیں مکہ معظمہ میں ہجرت کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور سن ۸ ہجری میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

سلہ اس حدیث سے امام سبکی نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص سیدہ فاطمہ کو گالی دے وہ کافر ہو جائے گا۔

سلہ عزت اور اتحاد کے موجود ہونے کی بناء پر

سلہ احادیث میں ہے کہ ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام نے ارادہ کیا کہ ابوجہل کی بیٹی عورا کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب سے کر دے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس لڑکی کے نکاح کا پیغام اس کے چچا حارث بن ہشام کو دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم ہرگز اس کی اجازت نہیں دیں گے اور ناراض ہوئے یہ حدیث ارشاد فرمائی اور فرمایا: ہم حلال کو حرام نہیں کرتے اور حرام کو حلال نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے دوست اور دشمن کی بیٹیاں ایک جگہ جمع نہیں ہوں گی۔ تب حضرت علی مرتضیٰ نے حاضر ہو کر معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں وہ کام ہرگز نہیں کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو اس حدیث کے کثیر طرق ہیں۔

۵۸۲۸ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا بِمَاءٍ يُّدْعٰى خُمًّا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُّوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ

حضرت زید بن ارقم سلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا ایسی جگہ جہاں پانی تھا اور اس جگہ کو خم کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ آپ نے نصیحت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عقاب کا ذکر فرمایا پھر فرمایا اما بعد اے لوگو! سنو ہم نہیں ہیں مگر انسان۔ قریب ہے کہ ہمارے پاس ہمارے رب کا بھیجا ہوا سلہ آئے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کریں سلہ میں تمہارے درمیان دو

(سلہ) صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضرت سیدہ خود اپنے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹیوں کے لیے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ علی مرتضیٰ ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور منبر پہ تشریف فرما ہوئے۔ ۱۲ مولوی امیر علی)

فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

قیمتی چیزیں[5] چھوڑے جا رہا ہوں ۔ ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ اس میں ہدایت[6] اور نور ہے پس تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو[7] ۔ آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے پر ابھارا اور رغبت دلائی ۔ پھر فرمایا : دوسری چیز ہمارے اہلِ بیت ہیں ہم تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں[8] ایک روایت میں ہے[9] اللہ تعالیٰ کی کتاب وہ اللہ تعالیٰ کی حبل[10] (رسی) ہے جس نے اس کی پیروی کی وہ راہِ راست پر ہوگا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوگا ۔

(مسلم)

---

[1] زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں بہت سے غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حاضر ہوئے ۔ ابی بن سلول کا نفاق ظاہر کیا اور سورہ مبارکہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ کے نازل ہونے کا سبب بنے وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی احباب میں سے تھے ۔

[2] خم خاء پر پیش اور میم مشدد ، اس سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں جو غدیر خم کا ذکر ہوا ہے وہ یہی ہے ۔ غدیر پانی کے حوض کو کہتے ہیں اور خم اس جگہ کا نام ہے اسے غدیر خم بھی کہتے ہیں یہ جگہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جحفہ میں ہے جیم پر پیش ، بے نقطہ حاء ساکن مشہور جگہ کا نام ہے

[3] یعنی ملک الموت روح قبض کرنے کے لیے آئے ۔

[4] فی الواقع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت قریب تھی یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی پر ذوالحجہ کے آخری دنوں کا ہے اور آپ کی رحلت ربیع الاول میں ہے ۔

[5] (۱) کتاب اللہ (۲) اہلِ بیت رسول اللہ ، جیسے کہ اس کے بعد بیان فرمایا ۔ ثِقل ثاء کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی گرانی اور بوجھ ہے اور اگر پہلے دونوں حرفوں پر زبر ہو (ثَقَل) تو اس کا معنی ہے مسافر کا ساز و سامان اور نفیس چیز جس کی ضمانت دی جائے ۔ قاموس میں ہے کہ حدیث میں یہی معنی وارد ہے ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ قرآن پاک اور اہلِ بیت کو اس لیے ثقل فرمایا کہ ان کو اپنا اور ان کی پیروی کرنا مشکل ہے ۔ ہر شخص یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ جن اور انسان کو بھی ثقلین کہتے ہیں کہ یہ زمین کا بوجھ ہیں جیسے چار پائے پر بوجھ لادا جاتا ہے یا اس لیے کہ یہ زمین کا سامان ہیں اور زمین ان سے آباد ہے ۔ یا اس لیے کہ یہ حیوانات کی نسبت نفیس ہیں ۔ کتاب و سنت بھی زمین کی آبادی اور دنیا کی اصلاح کا باعث ہیں ۔ اس کے بعد

ثقلین کا بیان فرمایا۔

ت جو دنیا اور آخرت کی سعادت تک پہنچاتی ہے اور اس میں نور اور روشنی ہے یعنی احکام کا بیان ہے۔ اس روشنی سے راستہ روشن ہو جاتا ہے اور آسانی سے منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ نور قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ث اور اسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔

ھ یہ کلمات مبالغہ اور تاکید کے لیے دو دفعہ ارشاد فرمائے۔ اہل بیت کا معنی اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسے ان تمام معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً آخری معنی پر کہ ان کی محبت و تعظیم اور ان کے حقوق اور آداب کی رعایت نہایت اہم اور ضروری ہے۔ ظاہر یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ اشارہ ہے سنت کے اختیار کرنے کی طرف، جیسے کہ پہلے حصے میں قرآن پاک پر عمل مراد ہے اور اس معنی کے اعتبار سے تمام مومن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے فرماں بردار ہیں اور آپ کی آل شیخ ولی (دوست) اور مقتدا ہے۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نوادر الاصول میں فرماتے ہیں کہ بیت دو ہیں (۱) بیت جسم اور (۲) بیت ذکر اور دونوں کے اہل دنیا کے ظاہر و باطن کی آبادی اور دین و دنیا کے نظام کی اصلاح کا سبب ہیں۔ بیت جسم کے رہنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل دھیال اور صوری اولاد ہیں اور بیت ذکر کے رہنے والے علماء اور اتقیاء ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی اولاد ہیں اور خانہ دین کی تعمیر کا سبب اور شریعت کی عمارت کی بنیاد ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثال اور ایسی ہی دوسری مثالیں ان پر صادق ہیں اور جو ان دونوں صفات کے جامع ہیں اور دینی و جسمانی نسبتوں کے حامل ہیں وہ دوسروں کی نسبت زیادہ کامل و مکمل ہیں جیسے کہ بعض اولیاء کرام علم سعادت اور ولایت کے جامع ہیں اس کے باوجود جسمانی نسبت کے حقوق کی ادائی، رعایت، ادب اور تعظیم و تقدیم واجب و لازم ہے۔ اسی طرح حکیم ترمذی نے فرمایا۔

ثلہ اس میں کتاب اللہ کی تعظیم اس طرح بیان کی ہے۔

ثلہ لغت میں حبل کا معنی رسی، عہد و امان اور وابستگی بھی آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عہد اور امان ہے کہ جو شخص اسے مضبوطی سے تھامے گا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قرب سے وابستگی اور قدس کے زینوں پر ترقی کا سبب ہے

۵۸۶۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب وہ حضرت جعفر کے بیٹے کو سلام کہتے تو کہتے اے دو پروں والے کے بیٹے آپ پر سلام ہو۔ (بخاری)

۱؎ حضرت عبد اللہ ابن جعفر بن ابی طالب

۲؎ ذوالجناحین (دو پروں والے) حضرت جعفر طیارؓ کا لقب ہے۔ شام کے علاقے میں واقع غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ملاحظہ فرمایا کہ ان کے دو پر ہیں، اور فرشتوں کے ساتھ محو پرواز ہیں۔ آپ کو تعجب ہوا کہ یہ کیا حال ہے؟ اس کے بعد خبر آئی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام انہیں جعفر طیار اور ذوالجناحین کہتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ جنگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا آپ نے تمام واقعات ملاحظہ فرمائے، آخر آپ نے غمگین ہو کر واقعات بیان فرمائے اس کے بعد حضرت جعفر طیار کو فرشتوں کے ساتھ دیکھا انہیں سلام دیا اور حال معلوم ہو گیا ۱۲ مولوی امیر علی)

۵۸۰۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أُحِبُّهٗ فَأَحِبَّهٗ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حسن بن علی آپ کے کندھے پر تھے، آپ دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب بنا لے۱؎ (صحیحین)

۱؎ پہلا اُحِبُّهٗ ہمزہ کے پیش، حاء کی زیر اور باء کے پیش کے ساتھ اور دوسرا ہمزے کی زبر اور باء کی زبر کے ساتھ (اَحِبَّهٗ) ہے۔

۵۸۰۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طَائِفَةٍ مِّنَ النَّهَارِ حَتّٰى اَتٰى خِبَاءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ اَثَمَّ لُكَعُ اَثَمَّ لُكَعُ يَعْنِيْ حَسَنًا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ يَسْعٰى حَتّٰى اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے کچھ حصے میں باہر آیا۔ یہاں تک کہ آپ سیدہ فاطمہ کے گھر۱؎ تشریف لائے اور فرمایا کیا یہاں بچہ ہے؟ (دو دفعہ یہ ارشاد فرمایا) آپ حضرت حسن کے بارے میں پوچھ رہے تھے۲؎ آپ تھوڑی دیر ٹھہرے کہ بچہ دوڑتا ہوا آیا۳؎ یہاں تک کہ دونوں نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب بنا لے اور اس سے محبت کرنے والے کو بھی محبوب بنا لے۵؎

سلہ خباء نقطے والی خاء کے نیچے زیر، اس کے بعد باء، اس کا معنی خیمہ ہے، لیکن اس جگہ گھر مراد ہے۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں جناب ہے، جیم اور نون کے ساتھ جس کا معنی آستانہ اور صحن ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ تبدیل شدہ لفظ ہے۔

سلہ لُکَعَ لام پہ پیش، کاف مخفف پہ زبر، اس کے کئی معانی ہیں جن میں سے ایک چھوٹا بچہ ہے اس جگہ یہی معنی مراد ہے۔

سلہ جیسے کہ بچوں کی عادت ہے۔

سلہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسن دونوں نے ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالے اور اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

سلہ یا اللہ! ہمیں یہ سعادت عطا فرما۔

۵۷۷۲ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ اِلٰی جَنْبِہٖ وَھُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَّعَلَیْہِ اُخْرٰی وَیَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو بکرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پہ دیکھا حضرت حسن بن علی آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ کبھی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف[2] اور فرمایا ہمارا یہ بیٹا سید[3] ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا[4] (بخاری)

سلہ ابو بکرۃ باء پہ زبر، کاف ساکن آخر میں تاء، مشہور صحابی ہیں ان کا نام نُفَیع ہے۔ نون پہ پیش فاء پہ زبر ابن حارث ثقفی، ان کے حالات کئی دفعہ اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

سلہ یعنی کبھی وعظ و نصیحت کے لیے صحابہ کرام کی طرف دیکھتے اور کبھی از راہِ شفقت و محبت حضرت حسن کی طرف دیکھتے۔

سلہ سید وہ ہے جو اپنی قوم میں نیکی میں بلند و بالا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: سید وہ ہے جس پہ اس کا غضب غالب نہ آئے، یعنی حلم والا، سید کا اطلاق کئی معنوں پہ آیا ہے مثلاً مربّی، مالک، شریف، فضیلت والا، کریم، حلیم، قوم کی ایذاء کو برداشت کرنے والا، رئیس اور سب سے آگے۔

سلہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس امر کی اطلاع ہے کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ جائیں گے، ایک حصہ حضرت حسن کے ساتھ اور دوسرا حضرت امیر معاویہ کے ساتھ۔ امام حسن خلافت کے زیادہ حق دار تھے کیونکہ تیس سال سے چھ مہینے باقی رہتے تھے جن کی خبر دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے بعد خلافت تیس سال ہے، پس اپنے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پہ شفقت و رحمت نے

انھیں اس بات پر مائل کیا کہ انھوں نے دنیا کی حکومت کو ترک کر دیا اور اگلے جہان کی حکومت میں دلچسپی لی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں ملتِ اسلام پر ہیں ، باوجودیکہ ایک حق پر نہ تھی ۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و حکومت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے ۔

۵۸۸۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ نُعْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ سَاَلَهٗ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ شُعْبَةُ اَحْسِبُهٗ يَقْتُلُ الذُّبَابَ قَالَ اَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْاَلُوْنِیْ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا رَيْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيَا (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

عبدالرحمٰن بن ابی نعم [۱] سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا ۔ ان سے ایک شخص [۲] نے محرم کے بارے میں سوال کیا ۔ شعبہ [۳] فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس نے یہ سوال کیا کہ محرم مکھی کو مار دیتا ہے ۔ ابن عمر نے فرمایا : اہلِ عراق مجھ سے مکھی کے بارے میں سوال کرتے ہیں حالانکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے [۴] کو شہید کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، یہ دونوں دنیا سے ہمارے پھول ہیں [۵] ۔ (بخاری)

[۱] عبدالرحمٰن بن ابی نعم نون پر پیش ، بے نقطہ عین ساکن ، عابد و زاہد ، فاضل اور ثقہ تابعی ہیں ۔ کوفہ کے عبادت گزاروں میں سے تھے ۔ ہمیشہ بھوک برداشت کرتے رہے ۔ حجاج نے انھیں گرفتار کر کے ایک تاریک گھر میں قید کر دیا اور دروازہ بند کر دیا ، پندرہ دن کے بعد انھیں اس ارادے سے نکالا کہ انھیں شہید کر دیا جائے اور اگر فوت ہو چکے ہوں تو انھیں دفن کر دیا جائے ، دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں ۔ انھیں اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں ۔

[۲] عراق کے ایک شخص نے محرم کے بارے میں سوال کیا ۔

[۳] حضرت شعبہ عبدالرحمٰن سے اس حدیث کے راوی ہیں ۔ انھوں نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ اس شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر محرم مکھی کو مار دے تو اس کی جزا کیا ہے ؟ اور اس پر کیا لازم آتا ہے ؟ کوئی جانور یا صدقہ یا کچھ بھی لازم نہیں ۔

[۴] یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کو

[۵] رَيْحَانَتَایَ نون پر زبر یاء مشدد ، مفتوح ، یعنی حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دنیا سے ہمارے دو پھول ہیں ۔ ریحان کا معنی رحمت ، راحت اور رزق آتا ہے اولاد کو بھی اس معنی میں ریحان کہتے ہیں ۔ اس کا معنی خوشبودار گھاس بھی ۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی بطور تشبیہ اس کا اطلاق اولاد پر کیا جا سکتا ہے

رَیْحَانَتَایَ اور رَیْحَانِی نون کے نیچے زیر اور یاء ساکن بھی روایت ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا لفظ مِنَ الدُّنْیَا اسی طرح ہے جس طرح مِنْ دُنْیَاکُمْ اس حدیث شریف میں ہے حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ تمہاری دنیا سے تین چیزیں ہمارے لیے محبوب ہیں

۵۸۸۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِیٍّ وَقَالَ فِی الْحُسَیْنِ اَیْضًا کَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا اور حضرت حسین کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے (بخاری)

[1] یعنی حضرت حسن کے علاوہ ۔۔۔۔ دوسری فصل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا کہ حضرت حسن سینے سے سر تک بہت مشابہ تھے اور حضرت حسین سینے سے پاؤں تک ۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :۔

ایک سینے تک مشابہ، اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

(شرف قادری)

۵۸۸۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی صَدْرِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی اے اللہ! انہیں حکمت کا علم عطا فرما[1] اور ایک روایت میں ہے انہیں کتاب[2] کا علم عطا فرما (بخاری)

[1] انہیں علم و حکمت، اشیاء کی حقیقتوں کی معرفت اور لائق و مناسب امور پر عمل عطا فرما۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حکمت کا مطلب ہے کردار کا درست ہونا اور گفتگو کا سچا ہونا ۔

[2] انہیں کتاب اللہ کا علم عطا فرما جو تمام علم و حکمت کو شامل ہے ۔

۵۸۸۶ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءً فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو خانے[1] میں تشریف لے گئے۔ میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی[2] رکھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا یہ کس نے رکھا ہے؟ آپ کو خبر دی گئی[3] تو آپ نے دعا کی: اے اللہ انہیں دین کی

فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) سمجھ عطا فرما[۴] (صحیحین)

[۱] صراح میں ہے خلاء یا پانی استعمال کرنے کی جگہ

[۲] وضوء واؤ پر زبر، اس کا معنی ہے پانی، یہ واقعہ اس رات کا ہے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رات گزاری۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے اٹھے، ابن عباس بچے تھے جیسے باب قیام اللیل میں اس کا تذکرہ ہوا۔

[۳] یعنی گھر والوں نے عرض کیا کہ ابن عباس نے رکھا ہے۔

[۴] ابن عباس کا علم وفضل اور ان کی دانائی اس لیے تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خدمت کی بناء پر اس عطا سے مشرف ہوئے خدمت کرنی چاہیے۔ ؏

مرداں زخدمت بجائے رسند

(کہ مرد خدمت سے بلند مقام تک پہنچ جاتے ہیں)

۵۰۰۷ / ۱۵ وَعَنْ اُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَاْخُذُهٗ وَالْحَسَنَ فَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَاِنِّيْ اُحِبُّهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُنِيْ فَيُقْعِدُنِيْ عَلٰى فَخِذِهٖ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلٰى فَخِذِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَضُمُّهُمَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّيْ اَرْحَمُهُمَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اور امام حسن کو پکڑتے تھے اور دعا کرتے تھے: اے اللہ! ان دونوں کو محبوب بنا کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ران پر بٹھاتے تھے اور حضرت حسن بن علی کو پکڑ کر دوسری ران پر بٹھاتے تھے پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ چمٹا لیتے اور دعا کرتے اے اللہ! ان پر رحم فرما کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں[۱] (بخاری)

[۱] حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ حضرت اسامہ ان کے بیٹے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے محبت فرماتے تھے اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ سے اتنی محبت فرماتے کہ انھیں امام حسن کے ساتھ برابر کی جگہ دیتے اور محبت میں شریک فرماتے اور مذکورہ بالا دعائیہ کلمات سے نوازتے۔ صحابہ کرام انھیں حِبُّ رسول اللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب) کہتے تھے حِبُّ حاء کے نیچے زیر، اس کا معنی ہے محبوب، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بچے تھے اور ان کا رنگ سیاہ تھا جیسے کہ خانہ زاد (غلام) ہوتے ہیں ؎

زانکہ ترا بر من مسکین نظر است آثارم از آفتاب مشہور تر است

چونکہ آپ کی مجھ مسکین پر نظر ہے، اس لیے میرے آثار سورج سے زیادہ مشہور ہیں۔

لہ حضرت حسن اور حضرت اسامہ کو یا دونوں رانوں کو۔

۵۸۸۸/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَّاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِىْ اِمَارَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتُمْ تَطْعُنُوْنَ فِىْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُوْنَ فِىْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِّلْاِمَارَةِ وَاِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَىَّ وَاِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَىَّ بَعْدَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ وَفِىْ اٰخِرِهٖ اُوْصِيْكُمْ بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ صَالِحِيْكُمْ۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر اسامہ بن زید کو بنایا بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے تم ان کے والد کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو لہ اور اللہ کی قسم! ان کے والد امارت کے لائق تھے اور وہ ہمارے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور ان کے بعد یہ ہمارے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں ۲ (صحیحین) امام مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ ہم تمھیں ان کے بارے میں وصیت کرتے ہیں کیونکہ یہ تمھارے صالحین میں سے ہیں۔

لہ یہ اشارہ ہے حضرت زید بن حارثہ کی امارت کی طرف غزوہ موتہ میں میم پر پیش اس کے بعد دو تائیں ہیں (مُوْتَۃُ) شام کے علاقے میں ایک جگہ، باوجودیکہ اس غزوہ میں اکابر صحابہ موجود تھے۔ امام نسائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو جس لشکر میں بھی بھیجا انھیں امیر بنا کر ہی بھیجا۔

۲ جب غزوہ موتہ میں حضرت زید شہید ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امیر مقرر فرمایا، تاکہ جا کر اس قوم سے اپنے والد ماجد کا انتقام لیں۔ بزرگ مہاجرین و انصار ان کے ہمراہ تھے، جن میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی شامل تھے، کچھ لوگوں نے اس بارے میں چہ میگوئیاں کیں کہ ایک نو عمر لڑکے کو مہاجرین اور انصار کا سردار مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس اثناء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہو گئی اور دردِ سر کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ جب آپ نے لوگوں کی گفتگو سنی تو اس حال میں باہر تشریف لائے کہ سرِ اقدس پر ایک پٹی باندھی ہوئی تھی، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اس کے بعد مذکورہ بالا ارشاد فرمایا، اس کے بعد دردِ سر میں اضافہ ہو گیا اور مرض وفات کا آغاز ہو گیا اور یہ معاملہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا (اور اس قوم سے حضرت زید کا انتقام نہ لیا جا سکا) ۱۲ شرف قادری

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ آزاد شدہ غلام کو امیر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ کم عمر افراد کو بڑی عمر والے حضرات پر اور مفضول کو افضل پر امیر بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ہو۔

۵۸۸۹ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنَّا نَدْعُوْهُ اِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحَضَانَتِهٖ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کو ہم زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے [1] یہاں تک کہ قرآن پاک کا حکم نازل ہوا کہ انھیں ان کے باپوں کی طرف ہی منسوب کرکے بلاؤ [2] (صحیحین) حضرت براء سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو بلایا اَنْتَ مِنِّيْ یہ حدیث بَابُ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحَضَانَتِهٖ میں بیان کی گئی ہے [3]

[1] یعنی انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہا کرتے تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بیٹا فرمایا تھا، عربوں کا رواج تھا کہ منہ بولے بیٹے کو بیٹا ہی کہتے تھے اور اسے وراثت بھی دیتے تھے۔

[2] اس میں ضمناً یہ حکم آگیا کہ باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب نہ کرو، اس آیت کے آخر میں ہے کہ ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے بلانا زیادہ عدل اور زیادہ درست ہے اور اگر ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمھارے بھائی اور دوست ہیں۔

[3] یہ حدیث مصابیح میں اس جگہ مذکور ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۸۹۰ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حج کے موقعہ پر عرفہ (۹ ذوالحجہ) کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ قصوا [1] نامی اونٹنی پر سوار ہوکر خطبہ دے رہے تھے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! ہم نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اسے پکڑا اور اس پر عمل کیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) اپنے اہل بیت اور اپنی عترت [1] (ترمذی)

؁۱ قصواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کا کنارا کاٹ دیا گیا ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اس طرح نہ تھی بلکہ وہ پیدائشی طور پر ہی ایسی تھی ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ قصواء ، قصو سے مشتق ہو جس کا معنی دُور ہونا ہے ۔ کیونکہ وہ دور سے دور حد تک دوڑتی تھی ۔

؁۲ عترت قوم اور قریبی رشتہ دار مردوں کو کہتے ہیں ، اس کا معنی اہلِ بیت بھی ہے ۔ اسی لیے اس کی تفسیر اہلِ بیت سے فرمائی ؛ اس میں اشارہ یہ ہے کہ اس عترت سے مراد قوم اور اقرباء سے خاص معنی مراد ہے ، قوم اور اقرباء قریبی دادا کی اولاد کو کہتے ہیں ۔ اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ذریّت مراد ہے ۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اشارہ ہے سنت کے اختیار کرنے کی طرف خوب غور کیجیے ۔

۵۹۱ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہم تمہارے پاس وہ چیز چھوڑ رہے ہیں جسے تم نے مضبوطی سے پکڑا؁۱ تو تم گمراہ نہیں ہو گے ۔ ان میں سے ایک چیز دوسری سے بڑی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی کتاب ، اس کی مثال اس رسی کی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکائی ہوئی ہو ، (۲) ہماری عترت اور اہلِ بیت ، یہ دونوں چیزیں ہم سے جُدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ دونوں ہمارے پاس حوض پر آئیں گی؁۲ پس غور کرو کہ تم ان دونوں کے بارے میں ہمارے بعد کس طرح ہمارے خلیفہ بنتے ہو؁۳ (ترمذی)

؁۱ تاکہ تم اسے پکڑ کر آسمانِ قدس تک پہنچ سکو اور یہ اللہ تعالیٰ کا عہد اور امان ہے بندوں کے لیے ۔

؁۲ اور ہمارے سامنے تمہارا شکریہ اور تعظیم پیش کریں گی اس معاملے کی بناء پر جو تم نے ان کے ساتھ کیا ہے ۔ ورود کا معنی ہے پانی پر آنا ۔

؁۳ یعنی ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرتے ہو ؟ اور کس طرح انھیں مضبوطی سے پکڑتے ہو ۔

۵۹۲ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین کے بارے میں فرمایا : ہم اس شخص سے

وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

جنگ کرنے والے ہیں جو ان سے جنگ کرے اور اس شخص سے صلح کرنے والے ہیں جو ان سے صلح کرے۔

لہ سِلم، سین کے نیچے زیر اور اس پر بھی زبر پڑھ سکتے ہیں، اس کا معنی صلح ہے۔

۵۸۹۳ (۲۱) وَعَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِي عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُ أَيُّ النَّاسِ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَقِيلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

جمیع ابن عمیر لہ سے روایت ہے کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا میں نے اس سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسانوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا۔ انھوں نے فرمایا فاطمہ۔ عرض کیا گیا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے شوہر لہ

(ترمذی)

لہ جُمیع، جیم پر پیش ابن عمیر عین پر پیش، شیعہ تھے لیکن صادق اور صالح الحدیث تھے حضرت عائشہ اور ابن عمیر سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: ان کی حدیث میں کلام ہے۔

لہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس جگہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انصاف اور ان کا سچ قابلِ دید ہے کہ انھوں نے کیا فرمایا؟ حالانکہ اس جگہ انھیں کہنا چاہیے تھا کہ میں اور میرے والد (جیسے کہ بخاری شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے ۱۲ اشرف قادری) بعید نہیں کہ اگر حضرت سیدہ فاطمہ سے بھی سوال کیا جاتا تو وہ فرماتیں: عائشہ صدیقہ اور ان کے والد، برخلاف گمراہی اور تعصب والوں کے کہ وہ ان حضرات کو ایک دوسرے کا مخالف اور دشمن قرار دیتے ہیں حاشا وکلا! ایسا ہرگز نہیں۔ علاوہ ازیں محبت اور فضیلت میں فرق ہے خوب غور کیجیے۔

۵۸۹۴ (۲۲) وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ مَا أَغْضَبَكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ إِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوهٍ مُبْشَرَةٍ وَإِذَا لَقُونَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ

عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ لہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ انھیں غصہ دلایا گیا تھا لہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، آپ نے فرمایا: کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارا اور قریش کا کیا حال ہے؟ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو تر و تازہ چہروں لہ سے ملتے ہیں اور جب

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلِ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُطَّلِبِ)

ہمیں [۴] ملتے ہیں تو اس وصف کے بغیر ملتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے تم سے محبت رکھے۔ پھر فرمایا: اے لوگو! جس نے ہمارے چچا کو تکلیف دی، اس نے ہمیں تکلیف دی۔ اس لیے کہ مرد کا چچا اس کے والد ہی کی طرح ہے [۵]۔ (ترمذی) مصابیح میں ہے کہ یہ حدیث مطلب [۶] سے مروی ہے۔

[۱] عبد المطلب بن ربیعہ را پر زبر، ابنِ حارث بن عبد المطلب بن ہاشم قریشی ہاشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے، صاحب جامع الاصول نے ان کا ذکر صحابہ کرام میں کیا ہے اور فرمایا کہ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی۔ کاشف میں ہے کہ وہ شامی صحابی ہیں۔ پہلے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، پھر شام چلے گئے اور وہیں ۶۲ھ میں وفات پائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی کسی نے انہیں غصہ دیا ہوا تھا کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

[۳] مُبْشِرَۃ میم پر پیش با ساکن اور نقطوں والے شین پر زبر، یہ بِشْرٌ سے مشتق ہے جس کا معنی خوش دلی اور خندہ پیشانی ہے۔ ایک روایت میں ہے مُسْفِرَۃ میم پر پیش بے نقطہ سین ساکن اور فاء کے نیچے زیر، یہ اِسْفَارٌ سے مشتق ہے جس کا معنی روشنی ہے۔

[۴] یعنی بنو ہاشم بن عبد المطلب کو ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے نہیں ملتے۔

[۵] صِنْوٌ صاد کے نیچے زیر با اور نون ساکن، درخت کے چند تنے جو ایک ہی جڑ سے ہوں۔ اور باپ کا بھائی۔ صِنْوَانِ تثنیہ اور صُنْوان پہلے حرف پر پیش، جمع ہے۔ بعض علماء اسے کھجور کے درخت کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔

[۶] یعنی بجائے عبد المطلب بن ربیعہ کے مطلب بن ربیعہ کہا ہے اور صحیح عبد المطلب ہے۔

۵۸۹۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبَّاسُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

عباس ہم سے ہیں اور ہم عباس سے ہیں [1] (ترمذی)

[1] یہ کنایہ ہے اتحاد، یگانگت اور محبت سے، اہلِ علم فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شرافت اور نبوت کی فضیلت کے اعتبار سے اصل ہیں اور حضرت عباس نسب اور چچا ہونے کے اعتبار سے اصل ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس عبارت کا مطلب اتحاد، محبت اور اخلاص ہے، جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اَنَا مِنْكَ وَاَنْتَ مِنِّيْ ہم تم سے متعلق ہیں اور تم ہم سے متعلق ہو۔

۵۸۹۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ اِذَا كَانَ غَدَاةُ الْاِثْنَيْنِ فَاْتِنِيْ اَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتّٰى اَدْعُوَلَكُمْ بِدَعْوَةٍ يَّنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَكَ فَغَدَا وَغَدَوْنَا مَعَهٗ وَاَلْبَسَنَا كِسَاءَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ رَزِيْنٌ وَاجْعَلِ الْخِلَافَةَ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا: پیر کے دن صبح کے وقت آپ ہمارے پاس آئیں اور آپ کی اولاد [1] تاکہ ہم آپ [2] کے لیے ایسی دعا کریں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اولاد کو فائدہ عطا فرمائے چنانچہ حضرت عباس اور ہم ان کے ساتھ صبح کے وقت حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنا کمبل اوڑھایا [3] پھر دعا کی اے اللہ! عباس اور ان کی اولاد کی ایسی ظاہری اور باطنی مغفرت فرما جو کسی گناہ کو نہ چھوڑے۔ اے اللہ! ان کی حفاظت فرما ان کی اولاد میں [4] (ترمذی) رزین نے یہ اضافہ کیا اور خلافت [5] ان کی اولاد میں تادیر باقی رکھ۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] ولد کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولد سے مراد ابن عباس ہوں یہ مطلب ان کے اس قول کے زیادہ موافق ہے کہ ہم ان کے ساتھ حاضر ہوئے (کیونکہ جگہ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے)

[2] ایک نسخے میں لکم کی بجائے لھم ہے (یہ ضمیر جمع اولاد کی طرف راجع ہوگی ۱۲ اشرف قادری)

[3] اس میں اشارہ ہے کہ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص ہیں اور ایک ذات کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ایک کمبل سب کو شامل ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت پھیلا دے جس طرح ہم نے ان پر کمبل پھیلایا ہے۔

[4] یعنی انھیں عزت عطا فرما، ان کے حق کی رعایت فرما اور ان کو ان کی اولاد میں آفتوں اور بلاؤں سے

محفوظ فرما تاکہ وہ ضائع نہ ہوں ۔

ے جو علم حدیث کے امام ہیں ۔

سے اور بادشاہی اور ملک و دولت لمبی مدت تک ان کی اولاد میں قائم رکھ، کچھ عرصہ خلافت عباسیوں کے گھر میں رہی ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ درحقیقت امت کو حکم ہو کہ خلافت ان کا حق ہے لہذا چاہیے کہ ان کے علاوہ کسی کو خلیفہ مقرر نہ کریں ۔

۵۸۹۷ وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ مَرَّتَیْنِ وَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ ۲۵

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت جبرئیل کو دو دفعہ دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دو دفعہ دعا فرمائی ا

(ترمذی)

ا حضرت جبرئیل کی دو دفعہ زیارت کے بارے میں علامہ سیوطی، جمع الجوامع میں روایت کرتے ہیں ۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا ۔ اس وقت میں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت دحیہ کلبی کے ساتھ رازداری کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے مجھے علم نہیں ہوا کہ وہ جبرئیل امین علیہ السلام ہیں ۔ حضرت جبرئیل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ ابن عباس ہیں اگر ہمیں سلام کہتے تو ہم سلام کا جواب دیتے ۔ نیز یہ کہ انھوں نے بہت سفید کپڑے پہن رکھے ہیں ۔ ان کے بعد ان کی اولاد سیاہ کپڑے پہنے گی ۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو مجھے فرمایا کہ جب تم ہمارے پاس سے گزر رہے تھے تو تمھیں سلام کرنے سے کس چیز نے روکا تھا ؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ حضرت دحیہ کلبی سے رازدارانہ انداز میں گفتگو فرما رہے تھے تو میں نے قطع کلامی کو پسند نہیں کیا ۔ اگر میں سلام عرض کرتا اور آپ جواب دیتے تو گفتگو میں خلل واقع ہوتا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ۔ وہ جبرئیل امین تھے ، اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دو دفعہ وقوع پذیر ہوا ۔ اسی طرح جامع الاصول میں ہے ۔
بندہ مسکین راقم الحروف عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حضرت جبرئیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہوتے تھے اور صحابہ کرام انھیں دیکھتے تھے ، اس صورت میں انھیں دیکھنے میں حضرت ابن عباس کی خصوصیت کیا ہوئی ؟ ظاہر یہ ہے کہ ابن عباس نے حضرت جبرئیل کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا لیکن یہ دیکھنا عالم ملکوت میں تھا کہ ان کے علاوہ کسی صحابی نے نہیں دیکھا صحابہ کرام نے انھیں عالم ناسوت (یعنی اس دنیا) میں دیکھا ۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کو فرمایا : کہ جس نے نبی کے بغیر جبرئیل امین نے دیکھا اس کی بینائی جاتی رہی ۔ اے ابن عباس ! تمھاری بینائی بھی جاتی رہے گی لیکن تمھاری وفات کے دن

تمھیں واپس دے دی جائے گی۔ روایت ہے کہ جب ابن عباس کی وفات ہوئی اور انھیں کفن پہنایا گیا، تو ایک سفید پرندہ آیا اور ان کے کفن میں غائب ہو گیا، ہر چند تلاش کیا لیکن نہ ملا۔ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ نے فرمایا: کیا تم بے وقوف ہو؟ یہ ان کی بینائی تھی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی وفات کے دن واپس دے دی جائے گی۔ جب ابن عباس کو لحد میں اتارا گیا تو غیب سے یہ آواز آئی جسے تمام حاضرین نے سنا۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

(اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی)۔

رہی یہ بات کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن عباس کے لیے دو دفعہ دعا فرمائی تو ان کی روایت میں پہلی فصل کے آخر میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے سینے سے چمٹایا اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! انھیں حکمت اور کتاب کا علم عطا فرما، دوسری دعا بھی ان کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضوخانہ میں گئے اور میں نے وضو کا پانی لا کر رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ اہلِ خانہ نے عرض کیا کہ ابن عباس نے رکھا ہے، آپ نے دعا کی، اے اللہ! انھیں دین کی فقاہت عطا فرما۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اس وقت دعا فرمائی جب ابن عباس نے حضرت میمونہ کے گھر رات گزاری اور دوسری دفعہ اس وقت جب آپ نے حضرت عباس اور ان کی اولاد کو (پیر کے دن) بلایا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

۵۸۹۸/۲۶ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ دَعَالِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّؤْتِیَنِیَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ مَرَّتَیْنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دو دفعہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکمت عطا فرمائے[1] (ترمذی)

[1] اس حدیث کا اشارہ اسی حدیث کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے کیونکہ فقہ کا معنی حکمت ہے

۵۸۹۹/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ جَعْفَرٌ یُحِبُّ الْمَسَاكِیْنَ وَیَجْلِسُ اِلَیْهِمْ وَیُحَدِّثُهُمْ وَیُحَدِّثُوْنَهٗ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُكَنِّیْهِ بِاَبِی الْمَسَاكِیْنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جعفر[1] مسکینوں سے محبت فرماتے تھے، ان کے پاس بیٹھتے، ان سے گفتگو کرتے وہ ان سے گفتگو کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ابوالمساکین کی کنیت سے یاد فرماتے تھے[2] (ترمذی)

سلہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بھائی)
سلہ یعنی مسکینوں کا باپ، ان کا مربی اور ان پر مہربانی کرنے والا۔

۵۹۰۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيْرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلٰئِكَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جعفر کو فرشتوں کے ساتھ جنت میں پرواز کرتے ہوئے دیکھا (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۵۹۰۱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں سلہ (ترمذی)

سلہ شَبَاب، شین پر زبر اور باء مخفف، شابٌ کی جمع ہے جس کا معنی جوان ہے جو تیس یا چالیس سال کی عمر کو پہنچا ہوا ہو۔ "شَبَبَة" پہلے تینوں حرفوں پر زبر اور شُبّان شین پر پیش، باء مشدد اور آخر میں نون بھی شابٌ کی جمع ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے افضل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے۔ اس کلام میں نظر ہے کیونکہ جوان سال شہداء پر ان حضرات کی فضیلت کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ بہت سے ان لوگوں سے بھی افضل ہیں جو بڑھاپے میں فوت ہوئے اس لیے بہتر وہ بات ہے جو بعض علماء نے کہی ہے اور وہ یہ کہ یہ حضرات اہل جنت کے سردار ہیں۔ اس لیے کہ تمام جنتی جوان ہوں گے لیکن یہ تخصیص کرتے ہیں کہ یہ انبیاء اور خلفاء راشدین کے علاوہ دوسرے جنتیوں کے سردار ہیں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ شباب کا معنی فتوت، جواں مردی اور کرم ہے مطلب یہ ہے کہ جوانی کی حالت میں دنیا سے گئے یا ازراہِ شفقت و محبت جوانوں سے تشبیہ دی۔ جیسے کہ باپ بیٹے کو جوان، غلام، صغیر، صبی اور ولید کہتا ہے اگرچہ معمر اور جوان ہو۔

۵۹۰۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَايَ مِنَ الدُّنْيَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ سَبَقَ فِي فَصْلِ الْاَوَّلِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حسن اور حسین دنیا سے ہمارے دو پھول ہیں (ترمذی) یہ حدیث پہلی فصل میں گزر چکی ہے سلہ

سلہ جسے عبدالرحمٰن بن ابی نعم نے روایت کیا اس جگہ یہ روایت حدیث کی جز تھی۔ صاحب مصابیح اسے دوسری فصل میں حدیث کے طور پر لائے ہیں۔ یہ صاحب مشکوٰۃ کا صاحب مصابیح پر اعتراض ہے حالانکہ

یہ بات محل اعتراض نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث دونوں طریقوں سے مروی ہو۔ محدثین کے ہاں یہ عام طریقہ ہے۔

۵۹۰۳ وَعَنْ اُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ طَرَقْتُ[۱] النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ قُلْتُ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ فَكَشَفَهٗ فَاِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ فَقَالَ هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک رات کسی[۱] حاجت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ نے کوئی چیز اٹھا رکھی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا چیز ہے؟ جب میں اپنی حاجت سے فارغ ہوا تو عرض کیا کہ آپ نے کیا اٹھا رکھا ہے آپ نے اس چیز سے کپڑا[۲] اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حسن اور حسین آپ کی پشت پر لیٹے ہوئے ہیں۔[۲] آپ نے فرمایا: یہ ہمارے دو بیٹے اور ہماری بیٹی کے بیٹے ہیں[۳] اے اللہ! میں انھیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ اور جو ان سے محبت رکھے تو بھی اسے محبوب بنا۔ (ترمذی)

[۱] طُرُوقٌ اور طَرقٌ کا معنی ہے رات کے وقت آنا اور طارِقٌ کا معنی ہے رات کے وقت آنے والا۔

[۲] جیسے کسی نفیس چیز کو اٹھایا جاتا ہے۔ وَرِکَيْهِ واؤ پر زبر، راء کے نیچے زیر، اسے ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، رانوں کے اوپر کا حصہ جسے سرین بھی کہتے ہیں، جیسے کَتِفٌ بازو کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں۔

[۳] اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواسہ بھی بیٹا ہے جیسے کہ پوتا بھی بیٹا ہے۔ اس سے ماں کی طرف سے بھی نسب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ اولاد بعض بعض سے ہے شاعر نے اس کے برخلاف عرف اور عادت کی بناء پر کہا ہے

بَنُوْنَا بَنُوْ اَبْنَائِنَا وَبَنَاتُنَا
بَنُوْهُنَّ اَبْنَاءُ الرِّجَالِ الْاَبَاعِدِ

ہمارے بیٹے وہ ہیں جو ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں۔ ہماری بیٹیوں کے بیٹے تو اجنبی مردوں کے بیٹے ہیں۔

۵۹۰۴ وَعَنْ سَلْمٰى قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلِمَةَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقُلْتُ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي الْمَنَامِ وَعَلٰى رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ اٰنِفًا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت سلمٰی[1] سے روایت ہے کہ میں حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئی کہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا آپکو کون سی چیز رلا رہی ہے؟ فرمایا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت کی کہ آپ کے سرِ اقدس اور داڑھی مبارک پہ گرد و غبار تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا ہم ابھی حسین کی شہادت کو حاضر ہوئے تھے (ترمذی) اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے[2]

[1] حضرت سلمٰی حضرت ابو رافع کی بیوی تھیں، بعض ازواج مطہرات کی خدمت کیا کرتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی تھیں۔ انھوں نے ہی حضرت اسماء بنتِ عمیس کے ہمراہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔

[2] مخفی نہ رہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۹ھ میں ہے۔ بعض نے کہا کہ ۶۲ھ میں ہے، دو قول ہیں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۱ھ میں ہے اگر دوسرا قول صحیح ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ پہلے قول کے مطابق بھی اشکال نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس واقعہ کے پائے جانے سے انھیں خواب میں دکھا دیا گیا ہو اور آنفا اس اعتبار سے فرمایا ہو کہ اس کا پایا جانا یقینی ہے۔

۵۹۰۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ اَهْلِ بَيْتِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَكَانَ يَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِيْ لِيَ ابْنَيَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا اِلَيْهِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے اہلِ بیت میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا حسن اور حسین، آپ سیدہ فاطمہ کو فرمایا کرتے تھے ہمارے لیے دونوں بیٹوں کو بلاؤ پس انھیں سونگھتے تھے اور اپنے ساتھ چمٹاتے تھے (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۵۹۰۶ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا اِذْ

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے

جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَعَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ نَظَرْتُ إِلَى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ اچانک حسن وحسین آگئے، انھوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے انھیں اٹھایا اور آگے بٹھالیا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا تمھارے اموال اور تمھاری اولاد فتنہ ہی ہیں[۳]۔ ہم نے ان دو بچوں کو دیکھا جو چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے تو ہم نے صبر نہیں کیا یہاں تک کہ ہم نے سلسلہ گفتگو قطع کر دیا[۴] اور انھیں بٹھالیا[۵] (ترمذی ابوداؤد، نسائی)

٭ ٭ ٭

[۱] حضرت بریدہ باء پر پیش، راء پر زبر، ان کے حالات اس سے پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔

[۲] اور زمین پر گر پڑتے تھے جیسے کہ بچوں کا طریقہ ہے یَعْثُرَانِ ثاء پر پیش (باب نصر سے)

[۳] یعنی ابتلاء اور محل آزمائش ہیں۔

[۴] جو پند ونصیحت سے متعلق اور احکام اوامر و نواہی پر مشتمل تھی۔

[۵] یہ قلب شریف میں رقت، رحمت اور شفقت کی تاثیر کی بناء پر تھا اولاد اور بچوں پر شفقت و رحمت مستحسن اور مستحب امر اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے، خطبہ میں عمل جائز ہے پس یہ ایک عبادت سے دوسری عبادت میں داخل ہونے کی قسم سے ہے۔ اصل مقصد ان کی فرزندی کو ثابت کرنا اور اظہار محبت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معذرت کرنا ازقبیل تواضع تھا اور صحابہ کرام کو تنبیہ تھی کہ اس قسم کے عمل کی عادت بنالیں سہولت اختیار نہ کریں اور بہانہ نہ بنائیں۔ یا یہ کہ مقام قرب کی بلندی اور حقیقی خلوت سے کسی قدر تنزل واقع ہوا تھا۔ ہمیں آپ کے احوال شریفہ میں گفتگو کی ہمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی حقیقت کو جانتا ہے۔

۵۹۰۷ / ۳۵ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت یعلی ابن مرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین ہم سے ہیں اور ہم حسین سے ہیں اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھے جو حسین سے محبت رکھے۔ حسین نواسوں میں سے ایک نواسے ہیں[۲] (ترمذی)

سلہ یعلیٰ یاء پر زبر، بے نقطہ عین ساکن اور لام پر زبر، ابن مرّہ میم پہ پیش اور راو مشدد، صحابی ہیں اور اہلِ کوفہ میں شمار کیے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اہلِ بصرہ سے ہیں۔ حدیبیہ، خیبر، فتح حنین اور طائف میں حاضر ہوئے۔

سلہ سبطٌ سین کے نیچے زیر اور باء ساکن، اولاد کی اولاد، اس کی جمع اسباطؐ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھی اسباط کہلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اسباط اسی طرح تھے جس طرح عرب کے قبائل ہیں۔ سبط باء کی حرکت کے ساتھ، اصل میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کے تنے بہت ہوں اور جڑ ایک ہو۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سبط کہنے میں اشارہ ہے کہ ان کی نسل سے بہت سی مخلوق پیدا ہو گی۔

۵۹۰۸/۳۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ اَشْبَهَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّاْسِ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن سینے سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں اور حسین سینے سے پاؤں تک مشابہ ہیں سلہ

(ترمذی)

سلہ گویا یہ دو شہزادے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ تھے، اور آپ کا وجود شریف دونوں کے درمیان منقسم تھا۔

۵۹۰۹/۳۷ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِاُمِّيْ دَعِيْنِيْ اٰتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُصَلِّيْ مَعَهُ الْمَغْرِبَ وَاَسْاَلَهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لِيْ وَلَكِ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلّٰى حَتّٰى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهُ فَسَمِعَ صَوْتِيْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا حُذَيْفَةُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اِسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ اَنْ يُّسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِيْ بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ

حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ کے ساتھ نماز پڑھوں اور آپ سے درخواست کروں کہ میرے اور آپ کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں سلہ پس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، آپ نے نوافل ادا کیے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی سلہ پھر کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے میں آپ کے پیچھے چلا، آپ نے میری آواز سنی سلہ اور فرمایا یہ کون ہے؟ کیا حذیفہ ہو میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا: تمھاری کیا حاجت ہے؟ اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمھاری والدہ کی مغفرت فرمائے

اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

بے شک یہ وہ فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس نے اپنے رب کریم سے اجازت طلب کی کہ ہمیں سلام عرض کرے اور ہمیں خوش خبری دے کہ فاطمہ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے

لہ والدہ محترمہ نے مجھے اجازت دے دی۔

ہ اس حدیث سے مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کو نفلی نماز کے ساتھ مصروف کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ مشائخ اسے احیاء ما بین العشائین کہتے ہیں (مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت کو عبادت میں صرف کرنا۔

سہ یا تو جوتوں کی آواز مراد ہے یا حضرت حذیفہ کوئی بات کر رہے تھے (یا ذکر کر رہے تھے ۱۲ شرف قادری) جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔

سمہ تم کیا کہتے ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟

ھہ (حضرت حذیفہ کے عرض کرنے سے پہلے ہی ان کی مراد پوری فرما دی

کیوں اپنی گلی میں رواوار صدا ہو؟
جو بھیک لیے راہ گدا دیکھ رہا ہو
(حسن رضا بریلوی)

شرف قادری

۵۹۱۰ / ۳۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن بن علی کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے کہا: اے لڑکے! کتنی اچھی سواری پر سوار ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سوار بھی تو کتنا اچھا ہے لہ (ترمذی)

لہ یعنی سواری بھی اچھی ہے اور سوار بھی اچھا ہے۔ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ میں واؤ ایسی ہی ہے جیسی وَعَلَيْكَ السَّلَامُ میں ہے۔ جب اس شخص نے صرف سواری کی تعریف کی تو گویا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زیادہ ستائشی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں مذکورہ کلمات ارشاد

فرمائے۔ اس جگہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وارضاہ کی کمال مدح اور انتہائی فضیلت ہے۔

۵۹۱۱ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ فَرَضَ لِاُسَامَةَ فِیْ ۳۹ ثَلٰثَةِ الْاٰفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَفَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِیْ ثَلٰثَةِ الْاٰفٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِاَبِیْهِ لِمَ فَضَّلْتَ اُسَامَةَ عَلَیَّ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِیْ اِلٰی مَشْهَدٍ قَالَ لِاَنَّ زَیْدًا کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِیْكَ وَکَانَ اُسَامَةُ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَاٰثَرْتُ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی حِبِّیْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت اسامہ کے لیے ساڑھے تین ہزار درہم مقرر فرمائے[1] اور حضرت عبد اللہ ابن عمر کے لیے تین ہزار، حضرت عبد اللہ ابن عمر نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت کیوں دی ہے؟ اللہ کی قسم! انھوں نے کسی غزوہ کی طرف مجھ سے سبقت نہیں کی ہے حضرت عمر فاروق نے فرمایا! اس لیے کہ زید[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسامہ تم سے زیادہ محبوب تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی[3] (ترمذی)

[1] حضرت فاروق اعظم نے اپنے دورِ خلافت میں بیت المال میں سے حضرت اسامہ کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار درہم مقرر کیا اور اپنے بیٹے کا تین ہزار۔

[2] زید بن حارثہ، حضرت اسامہ کے والد رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمھارے والد یعنی مجھ سے زیادہ محبوب تھے۔

[3] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب یعنی حضرت اسامہ کو اپنے محبوب یعنی تم پر ترجیح دی۔

۵۹۱۲ وَعَنْ جَبَلَةَ بْنِ حَارِثَةَ قَالَ قَدِمْتُ ۴۰ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِبْعَثْ مَعِیَ اَخِیْ زَیْدًا قَالَ هُوَ ذَا فَاِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ اَمْنَعْهُ قَالَ زَیْدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا اَخْتَارُ عَلَیْكَ اَحَدًا قَالَ فَرَاَیْتُ رَاْیَ اَخِیْ اَفْضَلَ مِنْ رَاْیِیْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت جبلہ ابن حارثہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا وہ[2] تمھارے سامنے ہیں اگر تمھارے ساتھ جائیں تو ہم انھیں منع نہیں کریں گے۔ حضرت زید نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا جبلہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے افضل پایا[3] (ترمذی)

ف۱ جبلہ پہلے تینوں حرفوں پر زبر ابن حارثہ۔ حضرت زید بن حارثہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) کے بڑے بھائی اور صحابی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں رضی اللہ عنہما۔

ف۲ یعنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ف۳ یعنی میں نے اپنے زید بن حارثہ کی رائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے اختیار کرنے کو اپنے رائے سے بہتر پایا کیونکہ میں انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

حضرت جبلہ اور حضرت زید کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت زید یمن کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں آٹھ سال کی عمر میں عرب کی ایک قوم کے قیدی بنا لیے گئے پس وہ انھیں فروخت کرنے کے لیے بازار میں لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزام نے انھیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے خرید لیا۔ جب حضرت خدیجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو انھوں نے حضرت زید آپ کو ہبہ کر دیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور اپنی آزاد کردہ کنیز حضرت ام ایمن کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ ان سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ کر دیا وہ (آزاد کردہ غلاموں میں) سب سے پہلے اسلام لائے جیسے کہ بعض حضرات کا قول ہے۔ عمر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال اور بعض علماء کے مطابق بیس سال چھوٹے تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم میں واقع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (۳۳/۳۷) پس جب زید نے ان سے (قطع تعلق کرنے کی) غرض پوری کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت جعفر بن ابی طالب کا بھائی بنایا۔ جنگِ موتہ میں پچپن سال کی عمر میں شہید ہو گئے، رضی اللہ عنہ۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ انھوں نے اپنے ماں باپ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت چاکری کو ترجیح دی ؎

جن پہ ماں باپ فدا یاں کرم ان کا دیکھو

(امام احمد رضا بریلوی ۱۲ شرف قادری)

۵۹۱۲ وَعَنْ أُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبَطْتُ وَهَبَطَ النَّاسُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہوئی تو میں اور دوسرے لوگ مدینہ منورہ کی طرف اترے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

قَدْ اُصْمِتَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَيَّ وَيَرْفَعُهُمَا فَاَعْرِفُ اَنَّهٗ يَدْعُوْلِيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حال یہ تھا کہ سرکار پر خاموشی طاری کر دی گئی تھی۔ پس آپ نے کلام نہیں کیا[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں مبارک ہاتھ مجھ پر رکھتے اور انھیں اٹھا لیتے تو میں پہچانتا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے تھے[۳] (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مہاجرین اور انصار کے ایک لشکر کے ساتھ (اس کا امیر مقرر فرما کر) بھیجا تھا۔ ہم مدینہ طیبہ سے باہر جا چکے تھے۔ چند دن کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناسازی طبع کی اطلاع سن کر واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ ہبوط کا معنی ہے اوپر سے نیچے آنا۔ اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ جگہ جہاں لشکر نے پڑاؤ کیا تھا، مدینہ منورہ سے بالائی جانب تھی۔ اس کا نام جُرُف ہے جیم اور راء پر پیش، آخر میں فاء جیسے عرفات مکہ مکرمہ کے بائیں جانب ہے۔ عرب اپنے کلام میں اوپر اور نیچے والی جانبوں کا اعتبار کرتے ہیں، جیسے مکہ سے عرفات جائیں تو کہتے ہیں صَعِدْنَا اِلَى الْعَرَفَاتِ ہم عرفات کی طرف اوپر گئے اور اگر عرفات سے مکہ معظمہ آئیں تو کہتے ہیں هَبَطْنَا اِلٰى مَكَّةَ ہم مکہ کی طرف اترے۔ اسی طرح مدینہ منورہ سے جُرُف کی طرف جانا صعود (چڑھنا) ہے اور وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف آنا ہبوط (اترنا) ہے یہاں تک کہ مسجد حرام میں باب السلام کی طرف جائیں جو عرفات کی طرف جاتا ہے تو کہتے ہیں صَعِدْنَا اِلٰى بَابِ السَّلَامِ ہم باب السلام کی طرف چڑھے۔

[۲] آپ گفتگو کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے پس آپ نے گفتگو نہیں کی صَمْتٌ اور صُمُوْتٌ کا معنی ہے خاموش ہونا اِصْمَاتٌ اور تَصْمِيْتٌ کا معنی ہے خاموش کر دینا۔

[۳] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھ پر دونوں مبارک ہاتھ رکھنے اور ان کے اٹھانے سے میں نے جانا کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں یہ انتہائی کرم اور شفقت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت اسامہ کے حق میں کہ ایسے وقت میں مہربانی فرما رہے تھے اور دعا کر رہے تھے۔

۵۹۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُنَحِّيَ مُخَاطَ اُسَامَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَعْنِيْ حَتّٰى اَنَا الَّذِيْ اَفْعَلُ قَالَ يَا عَائِشَةُ اَحِبِّيْهِ فَاِنِّيْ اُحِبُّهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی ناک سے بہنے والے پانی کو صاف کرنے کا ارادہ فرمایا[۱] حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ مجھے صاف کرنے دیں[۲] آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس سے محبت رکھو کیونکہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں[۳] (ترمذی)

۵۱ یعنی بچپن میں حضرت اسامہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں ہوتے تھے ۔ آپ نے ان کی ناک صاف کرنے کا ارادہ فرمایا جیسے بچوں کی ناک صاف کی جاتی ہے ۔ مخاط میم پر پیش ناک کا پانی تمخط ناک صاف کرنا ۔

۵۲ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھا نہیں لگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کریں ۔

۵۳ یعنی اگر تم طبعی طور پر اس سے محبت نہیں رکھتیں تو اس بناء پر کہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں تم بھی اس سے محبت رکھو، کیونکہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اور حقیقت میں کمالِ محبت یہ ہے کہ محبوب سے تجاوز کر کے ہر اس چیز اور شخص تک پہنچ جائے جس کا محبوب سے تعلق ہو ۔ ؎

مِنْ مَذْهَبِيْ حُبُّ الدِّيَارِ لِاَهْلِهَا
وَلِلنَّاسِ فِيْ مَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

میرا مذہب یہ ہے کہ میں گھر والوں کی وجہ سے گھروں سے محبت کرتا ہوں ، لوگوں کے عشق کے باب میں مختلف مذاہب ہیں ۔

۵۹۱۵/۴۲ وَعَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَا لِاُسَامَةَ اسْتَاْذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَا جَاءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّيْ اَدْرِيْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْاَلُكَ اَيُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا مَا جِئْنَاكَ نَسْاَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ مِنَ النِّسَاءِ قَالَ اَحَبُّ اَهْلِيْ اِلَيَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتُ عَلَيْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا ۵۴ اتنے میں حضرت علی اور حضرت عباس اجازت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے ۔ انھوں نے حضرت اسامہ کو کہا کہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کریں ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت علی اور حضرت عباس اجازت طلب کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا: جانتے ہو کہ انھیں کون سی چیز لائی ہے ؟ میں نے عرض کیا نہیں ۔ فرمایا لیکن ہم جانتے ہیں ۵۵ انھیں اجازت دو! وہ دونوں داخل ہوئے اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے اہل میں سے کون زیادہ محبوب ہے ؟ فرمایا فاطمہ بنت محمد ۵۶ انھوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے اہل بیت کی عورتوں ۵۷ کے بارے میں پوچھنے کے لیے حاضر نہیں ہوئے ۔ فرمایا ہمارے میں سے ہمیں زیادہ محبوب وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے

سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَذُكِرَ اِنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ فِيْ كِتَابِ الزَّكوٰةِ۔

احسان فرمایا[۸] اور جس پر ہم نے احسان کیا ہے[۸] وہ ہے اسامہ بن زید[۸]، انھوں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا علی بن ابی طالب، حضرت عباس نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا کو اپنے اہل بیت میں سب سے آخر میں رکھا ہے[۸]، فرمایا: بے شک علی نے آپ سے پہلے ہجرت کی ہے[۹] (ترمذی) یہ حدیث کہ مرد کا چچا اس کے باپ کی مانند ہے کتاب الزکوٰۃ میں ذکر کی گئی ہے۔

[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں۔

[۲] کہ وہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں (یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم غیب ہے ۱۲ شرف قادری)

[۳] اس وصف اور عنوان میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم شان اور تکریم ہے۔ نیز حکم کی علت بیان کی گئی ہے (کہ وہ اس لیے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ وہ ہماری چہیتی بیٹی ہیں ۱۲ شرف قادری)

[۴] لفظ "من النساء" مصابیح میں مذکور ہے جامع الاصول اور جامع ترمذی میں نہیں ہے۔

[۵] اسے ہدایت اور عزت عطا فرمائی۔

[۶] اسے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا۔

[۷] مخفی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انعام کا ذکر قرآن پاک میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید کے بارے میں ہے لیکن والد پر انعام کو بیٹے پر انعام لازم ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ کے مفہوم کو حضرت اسامہ پر منطبق فرما دیا گویا ارشاد فرمایا کہ زید اور ان کے بیٹے اسامہ۔

[۸] یعنی اگر میں دریافت کروں کہ ان کے بعد کون؟ تو آپ میرا نام لیں گے۔

[۹] حضرت عباس رضی اللہ عنہ واقعہ بدر کے بعد اسلام لائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت عباس مکہ مکرمہ میں بھی مسلمان تھے۔ لیکن اپنا اسلام مشرکوں سے مخفی رکھتے تھے اس کے باوجود ہجرت واقعہ بدر کے بعد کی۔ مخفی نہ رہے کہ اگر تعدد وجوہ پیش نظر نہ ہوتا تو زیادہ محبوب ہونے میں حضرت اسامہ کا حضرت علی سے مقدم ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اچھی طرح غور کیجیے اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ یقینی بات ہے کہ اس جگہ وجوہ اور حیثیات کا تعدد معتبر ہے۔

[۱۰] اس جگہ (مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ربیعہ ابن عبد المطلب کی حدیث کے ضمن میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

الفصل الثالث

۵۹۱۶
۴۴
عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّى اَبُوْبَكْرٍ نِ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِيْ وَمَعَهُ عَلِيٌّ فَرَاَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلٰى عَاتِقِهٖ وَقَالَ بِاَبِيْ شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تیسری فصل

حضرت عقبہ ابن حارث[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے عصر کی نماز پڑھی پھر وہ اس حال میں نکلے کہ راستے میں چل رہے تھے اور ان کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ تھے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت حسن کو دیکھا جو بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے آپ نے انھیں کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا: مجھے میرے باپ کی قسم! حسن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی کے مشابہ نہیں ہیں اور حضرت علی ہنس رہے تھے۔ (بخاری)

[۱] عقبہ عین پر پیش اور قاف ساکن ابن الحارث، نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔

۵۹۱۷
۴۵
وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَاْسِ الْحُسَيْنِ فَجُعِلَ فِيْ طَسْتٍ فَجَعَلَ يَنْكُتُ وَقَالَ فِيْ حُسْنِهٖ شَيْئًا قَالَ اَنَسٌ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِيَادٍ فَجِيْءَ بِرَاْسِ الْحُسَيْنِ فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِقَضِيْبٍ فِيْ اَنْفِهٖ وَيَقُوْلُ مَا رَاَيْتُ مِثْلَ هٰذَا حُسْنًا فَقُلْتُ اَمَا اِنَّهٗ كَانَ مِنْ اَشْبَهِهِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد[۲] کے پاس سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا اور اسے ایک تھال میں رکھ دیا گیا اس نے اپنی چھڑی سرِ اقدس کو لگاتے ہوئے آپ کے حسن کے بارے میں کوئی بات کہی[۳] حضرت انس فرماتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لوگوں سے زیادہ مشابہ تھے۔ آپ کے سر مبارک کے بال وسمے سے رنگے ہوئے تھے (بخاری) امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا پس سیدنا حسین کا سر مبارک لایا گیا وہ اپنی چھڑی آپ کی ناک مبارک کو لگاتے ہوئے کہنے لگا: میں نے ان کی مثل حسن میں کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا سنو! یہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ امام

ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔

۱؎ ابن زیاد، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل اور یزیدی لشکر کا سردار

۲؎ یعنی اس نے بطور انکار اور استبعاد کہا کہ حسین زیادہ حسن نہیں رکھتے تھے۔ امام ترمذی کی (آئندہ) روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے تعریف کی اور آپ کے حسن وجمال کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ ممکن ہے بطور استہزاء اور تمسخر اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کیا ہو جو اس بدبخت کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے حاصل ہوا۔

۳؎ وَسِمَہ ایک گھاس ہے جس کے ساتھ بالوں کو سیاہ کرتے ہیں۔ وسمہ کی واؤ پر زبر ہے۔ اس پر پیش پڑھنا خطا ہے۔ سین ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لغت حجاز میں سین کے نیچے زیر زیادہ فصیح ہے۔

۵۹۱۸ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَاَيْتُ حُلْمًا مُّنْكَرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ اِنَّهٗ شَدِيْدٌ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ كَاَنَّ قِطْعَةً مِّنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِیْ حِجْرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِیْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ وَكَانَ فِیْ حِجْرِیْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِیْ حِجْرِهٖ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّی الْتِفَاتَةٌ فَاِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ الدُّمُوْعَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مَا لَكَ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخْبَرَنِیْ

حضرت اُمّ الفضل بنت حارث۱؎ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آج رات بُرا خواب۲؎ دیکھا ہے، فرمایا وہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ وہ سخت ہے۔ فرمایا بتائیں تو سہی کہ وہ کیا ہے؟ عرض کیا گویا آپ کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری آغوش میں رکھ دیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا وہ آپ کی آغوش میں۳؎ ہوگا۔ پس حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسین پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میری آغوش میں تھے ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسین آپ کی آغوش میں رکھ دیے۔ پھر جو میری نظر آپ پر پڑی تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میرے والدین آپ پر فدا ہوں آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا ہمارے پاس

اِنَّ اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ ابْنِیْ ھٰذَا فَقُلْتُ ھٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِیْ بِتُرْبَۃٍ مِّنْ تُرْبَتِہٖ حَمْرَاءَ

جبرئیل امین آئے اور انھوں نے ہمیں خبر دی کہ ہماری امت ہمارے اس بیٹے کو شہید کرے گی۔ ہم نے کہا[۴] اس کو؟ تو انھوں نے عرض کیا ہاں اور ہمارے پاس اسی جگہ کی سرخ مٹی لائے۔

[۱] ام الفضل بنت الحارث (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی، حضرت عباس کی اہلیہ محترمہ) ابن عباس کی والدہ ماجدہ، حضرت فضل بھی ان کے بیٹے ہیں جو عبداللہ بن عباس سے بڑے ہیں۔ انھیں کی نسبت سے آپکی کنیت (ام الفضل) ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن ہیں۔

[۲] حلم بے نقطہ حاء پر پیش، دیکھا جانے والا خواب

[۳] یعنی قرابت اور رشتے داری کی بناء پر آپ کی آغوش میں دیا جائے گا تاکہ اس کی تربیت کریں۔

[۴] بطور تعجب اور استبعاد

۵۹۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ ذَاتَ یَوْمٍ بِنِصْفِ النَّھَارِ اَشْعَثَ اَغْبَرَ بِیَدِہٖ قَارُوْرَۃٌ[۱] فِیْھَا دَمٌ فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ مَا ھٰذَا قَالَ ھٰذَا دَمُ الْحُسَیْنِ وَاَصْحَابِہٖ لَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُہٗ مُنْذُ الْیَوْمِ فَاُحْصِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتَ فَاَجِدُ قُتِلَ ذٰلِکَ الْوَقْتَ (رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ وَاَحْمَدُ الْاٰخِیْرَ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جیسے سونے والا خواب میں دیکھتا ہے، اس حال میں کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی جس میں خون تھا۔ میں نے عرض کیا میرے والدین آپ پر فدا ہوں یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے آج سارا دن ہم اسے اکٹھا کرتے رہے ہیں، میں نے اس وقت کو نوٹ کر لیا۔ پس میں نے پایا کہ اسی وقت حضرت حسین شہید کیے گئے۔ ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا اور امام احمد نے دوسری حدیث روایت کی۔

⁂

[۱] یہ حال کیسا ہے؟ اور اس بوتل میں کیا ہے۔

۵۹۲۰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ تمھیں نعمت کھلاتا ہے[۱] اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے ہم[۲] سے محبت رکھو اور ہماری محبت[۳] کی بناء پر ہمارے

لِحُبِّيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اہل بیت سے محبت رکھو (ترمذی)

سلہ بعض نسخوں میں ہے مِنْ نِعَمِہٖ صیغہ جمع کے ساتھ ہے یعنی اپنی نعمتیں کھلاتا ہے

سلہ یعنی اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے (یعنی لِحُبِّ اللہ میں اضافت مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی طرف ۱۲ شرف قادری)

سلہ اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہے (۱) اس لیے کہ تم ہم سے محبت رکھتے ہو (۲) اس لیے کہ ہم اپنے اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں ۱۲ شرف قادری) ظاہر یہ ہے کہ پہلا معنی مراد ہے۔

۵۹۲۱ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

۴۹

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیت اللہ شریف کے دروازے کو پکڑے ہوئے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سنو! تمھارے درمیان ہمارے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی ایسی ہے جو شخص کشتی نوح پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا وہ ہلاک ہو گیا۔ (امام مالک)

باب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مناقب

یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ایک وقت میں نو تھیں اور ایک وقت گیارہ تھیں بعض اوقات اس سے زیادہ تھیں اور بعض اوقات اس سے کم۔ جامع الاصول میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ان کی ترتیب اور ان امہات المومنین کے بارے میں اختلاف جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وفات پا گئیں اور ان امہات المومنین کے بارے جن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملِ زوجیت کیا یا نہیں کیا۔ عورتوں کی ایک جماعت ایسی ہے جن کو پیغامِ نکاح دیا لیکن ان کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا اور وہ عورتیں جنھوں نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ صاحب جامع الاصول نے فرمایا کہ ہم مشہور تر قول کو ذکر کریں گے۔ اس کے بعد انھوں نے ان خواتین کے نام اور ان کے احوال ذکر کیے۔ راقم الحروف (شیخ محقق) نے شرح (لمعات) میں ان کے نام، تاریخ نکاح اور تاریخ وفات ذکر کی ہے اور شرح کے تکملہ میں ان کے احوال بھی لکھے ہیں۔

اس جگہ صرف ان کے نام اور تاریخ لکھی جاتی ہے۔

۱:۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تو ان کی عمر چالیس سال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی۔ قول صحیح کے مطابق ہجرت سے تین سال پہلے ان کی وفات ہوئی۔

۲:۔ حضرت سودہ بن زمعہ۔ مکہ مکرمہ میں ان سے نکاح فرمایا اور ۵۴ھ ہجری میں ان کی رحلت ہوئی۔

۳:۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق مکہ مکرمہ میں ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۴:۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب۔ ان کے ساتھ ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال نکاح فرمایا۔ ۴۱ھ یا ۴۵ھ میں ان کی رحلت ہوئی۔

۵ - زینب بنت خزیمہ :- ہجرت کے تیسرے سال ان سے نکاح کیا اور چوتھے سال اُن کا انتقال ہوا
۶ - ام سلمہ بنت امیہ مخزومی - ہجرت کے تیسرے یا چوتھے سال نکاح فرمایا ۵۹ھ میں ان کی وفات ہوئی بعض علماء نے فرمایا ۶۲ھ میں فوت ہوئیں - پہلا قول زیادہ صحیح ہے -
۷ - حضرت زینب بنت جحش - ہجرت کے پانچویں سال ان سے نکاح فرمایا ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں انتقال ہوا - وہ پہلی امہات المومنین ہیں جن کا انتقال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا -
۸ - حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان - حضرت امیر معاویہ کی بہن ، زیادہ صحیح اور مشہور یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح حضرت نجاشی (شاہ حبشہ) نے حبشہ میں چھٹے سال کیا اور چار سو درہم مہر دیا - وہ اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ (حبشہ) گئی تھیں - عبید اللہ عیسائی ہو کر مرگیا -
۹ - حضرت جویریہ - جیم پر پیش واؤ پر زبر بنت حارث ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چھٹے سال غزوہ مریسیع میں قیدی بنایا - پھر آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا ۵۶ھ میں ان کا انتقال ہوا -
۱۰ - حضرت میمونہ بنت حارث ساتویں سال ان سے نکاح فرمایا اور ۵۱ھ یا ۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا وہ حضرت ابنِ عباس کی خالہ ہیں -
۱۱ - حضرت صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب - ساتویں سال غزوہ خیبر میں انھیں گرفتار کیا ، پھر آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا - اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی (۵۰ھ) اور ایک قول کے مطابق ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ، اس کے علاوہ بھی بعض اقوال ہیں -
۱۲ - حضرت ریحانہ بنت زید - پہلے یہودیہ تھیں - قیدی ہو کر آئیں - انھیں آزاد کر کے چھٹے سال نکاح فرمایا حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ان کا انتقال ہوا - رضی اللہ تعالیٰ عنہن -
یہ گیارہ مقدس خواتین ہیں جن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور رشتہ ازدواج قائم کیا بیس یا اس سے زیادہ خواتین تھیں جن کے ساتھ نکاح فرمایا لیکن رابطہ زوجیت سے پہلے ان سے علیحدگی فرمالی بعض کو پیغام نکاح دیا لیکن نکاح نہیں کیا - بعض وہ تھیں جنھوں نے آیۂ کریمہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ الآیۃ نازل ہونے پر دنیا کو اختیار کیا اور الگ ہو گئیں - ان کی تفصیل جامع الاصول میں مذکور ہے
باقی رہیں کنیزیں تو بعض نے کہا کہ وہ چار تھیں ، ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ماریہ قبطیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ، دوسری حضرت ریحانہ بنت شمعون یا بنتِ زید جن کا ذکر اس سے پہلے ہوا - بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کو آزاد نہیں فرمایا اور ملکِ یمین کی بناء پر (بحیثیت کنیز کے) ان سے قربت فرمائی - تیسری وہ کنیز تھیں جو حضرت زینب بنتِ جحش نے آپ کو ہبہ کی تھیں ، چوتھی وہ تھیں جو کسی جگہ سے قیدی ہو کر آئی تھیں - واللہ تعالیٰ اعلم -

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۹۲۲ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَآئِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآئِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَبُوْكُرَيْبٍ وَاَشَارَ وَكِيْعٌ اِلَى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دنیا کی عورتوں میں سے بہترین مریم بنت عمران ہیں[1] اور دنیا کی بہترین عورت[2] خدیجہ بنت خویلد ہیں (صحیحین) اور ایک روایت میں ہے کہ ابوکریب[3] نے کہا کہ وکیع[4] نے آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔

[1] یعنی اس امت کے اعتبار سے جس میں حضرت مریم تھیں۔

[2] اس امت کی عورتوں میں سے۔

[3] جو وکیع سے اس حدیث کے روایت کرنے والے ہیں۔

[4] حضرت وکیع جو حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ امام مالک کے ہم پایہ اور ان کے معاصرین میں سے ہیں انھوں نے آسمان اور زمین کی طرف دنیا کا معنی بیان کرنے کے لیے اشارہ کیا یعنی ان خواتین سے افضل جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت مریم اور حضرت خدیجہ ہر ایک اپنی امت کی بہترین خاتون ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ فضیلت والی ہیں۔ تفسیر نسفی سے منقول ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ قول صحیح کے مطابق حضرت مریم سے افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت مریم کسی نبی کی زوجہ نہیں ہیں۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ یہ امت مرحومہ دوسری امتوں سے افضل ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں سے کون افضل ہیں؟ اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ کے حضرت عائشہ سے افضل ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سیدہ فاطمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر پارہ ہیں اور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سے کسی کو افضل قرار نہیں دیتا۔ مزید گفتگو مناقب اہل بیت کی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

۵۹۲۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَتٰى جِبْرَئِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَاءٌ فِيْهِ اِدَامٌ اَوْطَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّيْ وَبَشِّرْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل امین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف فرما ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ خدیجہ ہیں اپنے ساتھ ایک برتن لارہی ہیں جس میں سالن یا کھانا ہے[1] جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انھیں ان کے

بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیں[۲] اور انھیں جنت میں موتی[۳] کے ایک گھر کی خوش خبری دیں جس میں نہ شور ہے اور نہ ہی تھکاوٹ[۴] (صحیحین)

[۱] یہ راوی کو شک ہے (کہ سالن کہا یا کھانا) حضرت خدیجہ مکہ معظمہ سے غارِ حرا میں تشریف لائی تھیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصروف عبادت رہتے تھے اور چند دن کی خوراک اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ غالباً ایک دن خود حضرت خدیجہ لے گئیں اور یہ بشارت پائی اسی طرح بعض شارحین نے فرمایا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ مشہور یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے سے پہلے مشغول رہا کرتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے نزول کے بعد بھی کچھ عرصہ وہاں مصروف رہے اور اس زمانے میں حضرت خدیجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا لے کر گئی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے میں یہ کھانا لائی ہوں۔

[۲] علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضرت خدیجہ کی فضیلت ہے۔ حضرت عائشہ پر، کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں حضرت جبرئیل کے سلام پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے کہ آئندہ آئے گا۔

[۳] قَصَبٌ قاف اور بے نقطہ صاد پر زبر، مروارید جو اندر سے خالی ہو اور فراخ مقدار والی کوٹھڑی جنت میں مروارید کے گنبد ہوں گے۔ جواہر میں سے قصب وہ ہے جو لمبا ہو اور اندر سے خالی ہو، احادیث میں صراحۃً لُؤلُؤ کا ذکر آیا ہے۔

[۴] صَخَب پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، آواز اور فریاد، نَصَب پہلے دونوں حرفوں پر زبر تکلیف اٹھانا، یعنی ایسا گھر ہوگا جس میں کوئی زحمت اور تکلیف نہیں ہوگی۔ برخلاف دنیا کے گھروں کے کہ وہ اس طرح نہیں ہوتے، یا یہ مطلب ہے کہ گھر کے بنانے میں کوئی شور، فریاد اور زحمت کا برداشت کرنا نہیں ہوگا جب کہ گھر کے بنانے میں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور دوسروں سے مدد مانگنی پڑتی ہے۔ اس جگہ تیار گھر ملے گا شارحین فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی جزا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے پہل برضا و رغبت آواز بلند کرنے جھگڑنے اور مشقت کے بغیر اسلام لائیں۔

۵۹۲۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا وَلَكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ فَرُبَّمَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر وہ غیرت[۱] نہیں کھائی جو حضرت خدیجہ پر کھائی۔ حالانکہ میں نے انھیں دیکھا نہیں لیکن آپ ان کا بکثرت ذکر کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات بکری ذبح فرماتے پھر اس کے اعضاء کو کاٹتے اور[۲] خدیجہ کی

قُلْتُ لَهُ كَاَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَاَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سہیلیوں کے پاس بھیج دیتے۔ بعض اوقات میں آپ سے عرض کرتی کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ کے بغیر دنیا میں کوئی عورت نہیں تھی[۴]، آپ فرماتے وہ ایسی ایسی تھیں[۵] اور ان سے ہماری اولاد تھی[۶]

(صحیحین)

[۱] غِرْتُ نقطے والی غین کے نیچے زیر، میں نے کسی ام المومنین پر اتنا رشک نہیں کیا۔
[۲] یُقَطِّعُهَا طاء مشدد۔ تقطیع ٹکڑے ٹکڑے کرنا عضو عین پر پیش، حصہ جسم
[۳] اس بکری کو یا اس کے اعضاء کو۔
[۴] جو صفات حمیدہ سے موصوف ہو۔
[۵] مبالغہ کے لیے بطور ابہام فرماتے تھے۔ یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ ان کی صفات حد اور اندازے سے باہر ہیں۔
[۶] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ سوائے حضرت ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ سے تھے۔ حضرت حسن و حسین کی والدہ تمام جہانوں کی سیدہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے زیادہ فضیلت والی اولاد کون سی ہے؟ اس جگہ سیدہ عائشہ پر تعریض ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور اشارہ ہے کہ عورتوں کی خصوصی اور محترم صفت اور ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے اولاد ہو۔

۵۹۲۵/۴ وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرٰى مَا لَا اَرٰى

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سلمہ[۱] سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ[۲]! یہ جبریل ہیں تمہیں سلام کہلواتے ہیں انھوں نے کہا اور ان پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، ام المومنین فرماتی ہیں آپ[۳] وہ کچھ دیکھتے تھے جو میں نہیں دیکھتی تھی۔　(صحیحین)

[۱] ابو سلمہ مشہور صحابی اور حضرت ام سلمہ ام المومنین کے شوہر کا نام ہے، نیز حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے کا نام ہے وہ عظیم تابعی اور جلیل القدر امام تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور اس جگہ یہی مراد ہیں۔
[۲] یا عائشُ آخر سے تاء حذف کر دی گئی ہے، اسے نحو کی اصطلاح میں ترخیم کہتے ہیں کہ منادیٰ کے آخری حرف کو (تخفیف کے لیے) حذف کر دیتے ہیں یُقْرِئُكِ یاء پر پیش، یہ اقراء سے مشتق ہے جس کا معنی پڑھانا اور کہلوانا ہے، چونکہ سلام کے پہنچنے کے بعد سلام کا جواب کہتے ہیں۔ گویا کسی کو سلام کہنا اس سے

سلام کا پڑھوانا اور کہلوانا ہے ۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ فلاں آپ کو سلام پڑھواتا ہے اور اگر کہیں کہ فُلَانٌ یَقْرَءُ عَلَیْكَ السَّلَامَ یاء کی زبر کے ساتھ یعنی فلاں شخص تم پر سلام پڑھتا ہے اور تمھیں سلام کہتا ہے (یہ بھی درست ہے) جیسے کہ حدیث خدیجہ میں گزرا ۔ یہ بات کئی دفعہ بیان کی جا چکی ہے اسے یاد کر لیجیے ۔

۵ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی شخصیت

۵۹۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُرِیْتُكِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَیَالٍ یَجِیْئُ بِكِ الْمَلَكُ فِیْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِیْرٍ فَقَالَ لِیْ هٰذِهٖ امْرَاَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِیَ فَقُلْتُ اِنْ یَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یُمْضِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: تم ہمیں تین راتیں خواب میں دکھائی گئیں ۔ فرشتہ تمھیں ۱ ریشم کے عمدہ کپڑے میں لاتا تھا ۔ اس نے ہمیں کہا کہ یہ آپ کی عورت ہیں ہم نے تمھارے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو اچانک وہ تم تھیں ۲ ہم نے کہا اگر یہ ۳ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اسے نافذ فرمائے گا ۔ (صحیحین)

۱ یعنی تمھاری صورت اور مثال لاتا تھا ۔ سَرَقَۃ بے نقطہ سین اور قاف دونوں پہ زبر، سفید ریشم کا ٹکڑا، یا مطلق ٹکڑا، سرہ بمعنی عمدہ اور خالص کو عربی بنایا گیا ہے ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور میری تصویر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں دی ۔ ان دو روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ تصویر ریشمی کپڑے پر تھی اور وہ کپڑا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں تھا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو دفعہ نازل ہوئے ہوں ایک دفعہ تصویر ہاتھ میں دی ہو اور دوسری مرتبہ ریشمی کپڑے میں ہو ۔

۲ فَاِذَا اَنْتِ هِیَ پس اچانک اس وقت تم وہ صورت ہو جو ہم نے دیکھی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمھارے چہرے سے اور تمھیں دیکھنے کے لیے کپڑا اٹھایا پس اچانک تم وہ صورت تھیں جو ہم نے دیکھی تھی ۔ دونوں معانی بیان کیے گئے ہیں (یعنی یہ جملہ موجودہ وقت کے لحاظ سے ہے یا خواب کے وقت کے اعتبار سے ۱۲ اشرف قادری)

۳ اگر یہ خواب کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس مہم کو پورا فرمائے گا ۔ سوال: ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں شک کا کیا مطلب ہے ۔ حالانکہ انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء صلوات وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا خواب وحی ہوتا ہے ۔ علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگر خواب کا یہ واقعہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہے تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس وقت وحی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا ۱۲ قادری) اور اگر اعلانِ نبوت کے بعد کا ہو تو مقصد اس جگہ شک کا اظہار نہیں بلکہ اس کے واقع ہونے کی تاکید اور توثیق ہے ۔ ایسا کلام وہ شخص کہتا ہے

جس کے نزدیک وہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہو، جیسے کہ بادشاہ کہتا ہے کہ اگر میں بادشاہ ہوں تو دیکھ کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں (یعنی یہ بھی یقینی بات کو بیان کرنے کا ایک انداز ہے ۱۲ اشرف قادری)

اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے کا آنا اس بات کے منافی ہے کہ یہ واقعہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے کا دیکھنا خصوصاً خواب میں نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے نبی کے ساتھ خاص یہ ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لائے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس خواب کا اصل حق ہے لیکن اس کی تعبیر میں شک ہے کہ مراد یہی ہے جو ظاہر ہے یا جو کچھ اور خلافِ ظاہر مراد ہے یا اس میں شک ہے کہ یہ دنیا میں ہماری زوجہ ہوں گی یا آخرت میں۔

۵۹۲۷ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ اُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْدِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُهْدِهٖ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَرْسَلْنَ

ان ہی سے روایت ہے کہ صحابہ کرام اپنے تحائف کے لیے عائشہ کی باری کو تلاش کرتے تھے[1] اس ذریعے سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی[2] چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات دو گروہ تھیں، ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں[3]، دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات کا تھا[4] حضرت ام سلمہ کے گروہ نے گفتگو کی اور انھیں کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں کہ آپ صحابہ کرام سے بات کریں اور فرمائیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کرنا چاہے تو وہ آپ کی خدمت میں پیش کرے جہاں بھی آپ ہوں[5] حضرت ام سلمہ نے آپ سے بات کی تو آپ نے انھیں فرمایا تم ہمیں عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو۔ اس لیے کہ ہمارے پاس اس حال میں وحی نہیں آتی۔ جب ہم کسی عورت کے کپڑوں (لحاف اور بستر وغیرہ) میں ہوں سوائے عائشہ کے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی ایذا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں پھر انھوں[6] نے سیدہ فاطمہ کو بلایا اور انھیں رسول اللہ

اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَلَّمَتْہُ فَقَالَ یَا بُنَیَّۃُ اَلَا تُحِبِّیْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰی قَالَ فَاَحِبِّیْ ھٰذِہٖ ۶ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَنَسٍ فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ فِیْ بَابِ بَدْءِ الْخَلْقِ بِرِوَایَۃِ اَبِیْ مُوْسٰی

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ سیدہ نے آپ سے گفتگو کی، آپ نے فرمایا بیٹی! کیا تم اس چیز سے محبت نہیں کرتیں جس سے ہم محبت کرتے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں! (میں محبت کرتی ہوں) فرمایا: بس اس سے محبت کرو (صحیحین) حضرت انس کی حدیث "فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ" بروایت ابوموسیٰ اشعری "باب بدء الخلق" میں ذکر کر دی گئی ہے۔

ؔ۱ یعنی وہ جو تحفے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے تھے انھیں محفوظ رکھتے تھے۔ تاکہ جس دن حضرت عائشہ صدیقہ کی باری ہو اس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں (کیونکہ وہ اس تعلق خاطر کو جانتے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ سے تھا ۱۲ اشرف قادری) تحری راء کی تشدید کے ساتھ، اس کا معنی ہے قصد کرنا اور طلب میں کوشش کرنا، جیسے کہتے ہیں تحری قبلہ یا تحری لیلۃ القدر یعنی اس چیز کو تلاش کرنا جو اولیٰ اور انسب ہے۔

ؔ۲ مرضات میم پر زبر، راء ساکن، یہ مصدر ہے اس کا معنی ہے رضا اور خوشنودی۔

ؔ۳ اس گروہ کی سردار حضرت عائشہ صدیقہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنا پر اور حضرت حفصہ ان کی سہیلی اور ہم خیال تھیں، جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما متفق اور متحد تھے۔

ؔ۴ ان کی سردار حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

ؔ۵ خواہ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر ہوں یا کسی دوسری ام المومنین کے ہاں۔ حضرت عائشہ کے گھر کی تخصیص نہ کریں۔

ؔ۶ حضرت ام سلمہ کے گروہ نے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

ؔ۷ اگر تم اس چیز سے محبت کرتی ہو جس سے ہم محبت کرتے ہیں تو تم اس عورت یعنی عائشہ سے محبت کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو حکم نہیں دیا تھا کہ جو تحفہ پیش کرنا ہو عائشہ کی باری میں پیش کیا کرو، دیگر امہات المومنین کا حق اس تحفے سے متعلق بھی نہیں تھا۔ اگر کوئی از خود لے آئے تو اسے کیوں منع کیا جائے؟

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جو تحفہ پیش کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے دیگر امہات المومنین کو بھی شامل فرماتے ہوں گے۔ تاہم امہات المومنین کو یہ احساس پیدا ہوا کہ صحابہ کرام حضرت عائشہ کی باری کی تخصیص کیوں کرتے ہیں؟ ان کا یہ احساس کچھ نا روا بھی نہیں تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سے اسے بھی پسند نہ فرمایا اور حضرت عائشہ کی فضیلت بیان فرمادی کہ صرف ان کے کپڑوں میں ہم پر وحی آجاتی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وحی کا نزول کس تقدس کا متقاضی ہے ۱۲ شرف قادری۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۹۲۸ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُكَ مِنْ نِّسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَّاٰسِیَۃُ امْرَاَۃُ فِرْعَوْنَ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے لیے تمام جہانوں کی عورتوں میں سے ان چار عورتوں کے فضائل ومناقب جاننا کافی ہے (۱) مریم بنت عمران (۲) خدیجہ بنت خویلد (۳) فاطمہ بنت محمد اور (۴) آسیہ فرعون کی بیوی[1] (ترمذی)

[1] یہ چار عورتیں اپنے ماسوا سے فضیلت والی ہیں۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں فرمایا، اس لیے کہ ان کا ذکر دوسری حدیثوں میں کیا جا چکا ہے۔ اسی پر اکتفا کیا گیا، اسی طرح شارحین نے فرمایا ہے۔ آسیہ پہلے ہمزہ پھر سین۔ یہ حضرت انس سے خطاب ہے یا عام ہے کہ کوئی بھی مخاطب ہو۔

۵۹۲۹ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ جِبْرِیْلَ جَاءَ بِصُوْرَتِھَا فِیْ خِرْقَۃِ حَرِیْرٍ خَضْرَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھٰذِہٖ زَوْجَتُكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جبرئیل امین ریشم کے سبز ٹکڑے[1] میں ان کی تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہنے لگے: یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں[2] (ترمذی)

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سَرَقَۃ سفید ریشم کے ساتھ خاص نہیں ہے یا واقعات متعدد ہیں یا راوی کا شبہ ہے۔

[2] اس جگہ حضرت عائشہ صدیقہ کے لیے جنت کی بشارت ہے (صرف جنت ہی نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی بشارت بھی ہے ۱۲ شرف قادری) تمام امہات المومنین جنتی ہیں جیسے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جنتی ہونے کی بشارت دس حضرات[1] کے ساتھ خاص نہیں ہے (جنھیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے) ۱۲ ق

(۱) ہو سکتا ہے کہ دس حضرات کی بشارت کے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں متعدد واقعات پیش آئے ہوں اور ابتداءً ہی یہ بشارت مشہور ہو گئی ہو بعد میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہو ۱۲ مولوی امیر علی)

جیسے کہ یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔

۵۹۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ اَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ لَهَا بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ اِنِّيْ ابْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَاَنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِى اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ کو یہ اطلاع پہنچی کہ حضرت حفصہ نے انھیں یہودی[1] کی بیٹی کہا ہے تو وہ رو پڑیں۔ ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا تھیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ کہنے لگیں: حفصہ نے مجھے کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نبی کی بیٹی ہو اور چچا نبی[2] ہیں اور تم نبی کے نکاح میں ہو[3]، تو کس لیے تم پر فخر کرتی ہیں[4] پھر فرمایا: حفصہ اللہ سے ڈرو[5]

(ترمذی ونسائی)

[1] وہ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں، حیی بے نقطہ حاء پر پیش، پہلی باء پر زبر دوسری مشدد

[2] اس لیے کہ حضرت صفیہ کے والد حیی بن اخطب حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اس اعتبار سے ان کے باپ بھی نبی ہیں اور چچا بھی نبی ہیں۔

[3] یعنی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

[4] اس گفتگو کا مقصد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے عیب کو دور کرنا ہے کہ وہ صفات فضل و کرم کی جامع ہیں۔ دوسری امہات المومنین پر فضیلت دینا مقصد نہیں ہے لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ صفات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات قریشی ہیں اور ان صفات میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ کیونکہ سب حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

[5] اس بات سے کہ کسی کے ساتھ لڑائی کرو اور فخر کرو اور کسی کی عیب گیری کرو۔

۵۹۳۱ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا فَبَكَتْ ثُمَّ حَدَّثَهَا فَضَحِكَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلْتُهَا عَنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو فتح مکہ کے سال بلایا اور ان کیساتھ رازداری سے بات کی تو وہ رو پڑیں، پھر ان سے گفتگو فرمائی، تو وہ ہنس پڑیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت

بُكَائِهَا وَ ضِحْكِهَا فَقَالَتْ اَخْبَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ اَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَضَحِكْتُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

فرما گئے تو میں نے ان سے پہلے رونے پھر ہنسنے کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ آپ عنقریب رحلت فرما جائیں گے تو میں رو پڑی۔ پھر مجھے خبر دی کہ میں مریم بنت عمران کے علاوہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنس پڑی [۱] (ترمذی)

[۱] اس حدیث کا تعلق اس باب سے ظاہر نہیں ہے البتہ اس طرح تعلق ہو سکتا ہے کہ اس روایت کی طرف اشارہ ہو کہ حضرت مریم جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۹۲۲/۱۱ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ مَا اشْتَكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَاَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر کبھی کوئی حدیث مشکل نہیں ہوئی [۱] پس ہم نے حضرت عائشہ سے سوال کیا مگر ہم نے ان کے پاس اس مشکل کے بارے میں علم پایا [۲] (ترمذی) انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

[۱] اِشْتَكَلَ شین کے بعد تاء کے ساتھ باب افتعال سے ہے، بعض نسخوں میں اِشْكَلَ بغیر تاء کے ہے۔

[۲] کہ اس مشکل کو حل کر دیا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ان کے پاس علم کی فراوانی تھی اور وہ قوت اجتہاد بھی رکھتی تھیں۔

۵۹۲۳/۱۲ وَعَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

حضرت موسیٰ ابن طلحہ [۱] سے روایت ہے کہ میں نے کسی کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا [۲] (ترمذی) اور حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔

[۱] موسیٰ ابن طلحہ جلیل القدر تابعی اور ثقہ ہیں کہتے ہیں کہ ان کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی۔ ان کے والد ماجد حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ہیں۔

[۲] یہ مبالغہ ہے یا مبنی بر حقیقت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا (یہ فیضان رسالت ہے اور بنت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہونے کا ثمرہ ۱۲ اشرف قادری)

باب

جامع المناقب

حضرت مؤلف نے اس باب میں بعض مشاہیر صحابہ کرام کے مناقب بیان کیے ہیں، اس میں صحابہ کرام کی کسی جماعت اور کسی خاص عنوان کے حامل حضرات مثلاً خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، اہل بیت، ازواج مطہرات مہاجرین اور انصار وغیرہم کی تخصیص نہیں ہے۔

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۵۹۲۴ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدِي سَرَقَةً مِنْ حَرِيرٍ لَا أَهْوِي بِهَا إِلَى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ أَوْ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے میں اس کے ساتھ جنت کی جس[1] جگہ بھی جانا چاہتا ہوں وہ مجھے اڑا کر وہاں لے جاتا ہے، میں نے یہ خواب حضرت حفصہ[2] کو بیان کیا۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے فرمایا تمھارا بھائی نیک مرد ہے یا فرمایا کہ عبد اللہ نیک مرد ہے۔[3] (صحیحین)

[1] جس بلند و بالا جگہ جانا چاہتا ہوں وہ ریشمی کپڑا مجھے وہاں پہنچا دیتا ہے گویا وہ کپڑا باز کی طرح پرندہ بن گیا۔

[2] حضرت (ام المؤمنین) حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی (بڑی) بہن تھیں۔

[3] اور یہ خواب بھی اچھا ہے۔

۵۹۲۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّ أَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عادت، ہیئت اور سیرت[4] کے اعتبار سے مردوں میں سے

مِنْ حِيْنِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِ لَا نَدْرِیْ مَا يَصْنَعُ فِیْ اَهْلِهٖ اِذَا خَلَا (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

مشابہ ترین ابن ام عبد تھے ۔ گھر سے نکلنے سے لے کر واپس گھر جانے تک، ہم نہیں جانتے کہ وہ اپنے اہل میں کیا کرتے تھے؟ جب وہ تنہا ہوتے تھے ۔ (بخاری)

لہ دَلّ دال پر زبر اور لام مشدد، اس کا معنی ہے سیرت، حالت اور ہیئت بعض علماء نے اس کا معنی حسن بیان کیا ہے یہ حدیث گویا دلالت سے ماخوذ ہے کہ ان کا ظاہر حال حسن سیرت پر دلالت کرتا ہے قاموس میں ہے کہ دَلّ ہَدْی کی طرح ہے ۔ سکون وقار اور حسن صورت میں، مجمع البحار میں ہے کہ دَلّ کا معنی شکل و شمائل ہے، سَمْت سین پر زبر اور میم ساکن اس کا معنی ہے طریقہ اور ارادہ، زیادہ تر اس کا اطلاق اہل خیر کے طریقے پر ہوتا ہے ۔ قاموس میں ہے کہ سَمْت کا معنی اہل خیر کا طریقہ اور ہیئت ہے ۔ صراح میں ہے سَمْت اچھی راہ اور روش ۔ ہَدْی ہاء پر زبر اور دال ساکن ۔ اس کا معنی ہے طریقہ، سیرت اور ہیئت، مختصر یہ کہ ان تینوں الفاظ کے معنی قریب ہیں اور یہ تینوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد حضرت عمر فاروق کے پاس جاتے تھے اور ان کی حالت ہیئت اور سیرت کو دیکھتے تھے اور ان کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے ۔

لہ یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ ماجدہ کی کنیت اُمّ عبد تھی ۔

لہ یعنی ان کا ظاہر حال جو ہم پر ظاہر ہے ان کے حسن استقامت پر دلالت کرتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ان کا باطن کیسا ہے؟ اور خلوت میں ان کا کیا حال ہے؟ حضرت حذیفہ نے یہ بات ان کے طریقے حال، حسن اور کمال کو عجیب و غریب جانتے ہوئے کہی ۔ یعنی ایسے عجیب حال، روش اور استقامت کا دائمی ہونا اور حضور و غیبت میں یکساں ہونا مشکل ہے یا اس بنا پر کہ حضرت حذیفہ کو تکلف، تصنع اور نفاق کا خوف تھا اور انھیں منافقین کا علم تھا، یہ بات بہت سخت اور راقم کی سمجھ سے بالاتر ہے، حضرت حذیفہ کو منافقین کا علم تھا تو انھیں یہ بھی علم ہوگا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں ۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ اندرون خانہ ان کی کیا حالت ہوتی تھی کیونکہ اس وقت وہ ہمارے سامنے نہیں ہوتے تھے اور یہ ان کی احتیاط کا کمال ہے ۱۲ شرف قادری)

۵۹۳۶ (۳) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَدِمْتُ اَنَا وَاَخِیْ مِنَ الْيَمَنِ فَمَكَثْنَا حِيْنًا مَّا نَرٰى اِلَّا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰى مِنْ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے اور ہم کچھ عرصہ ٹھہرے اور ہم یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ ابن مسعود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ایک مرد ہیں کیونکہ ہم دیکھتے تھے کہ وہ اور ان کی والدہ

دُخُوْلِہٖ وَدُخُوْلِ اُمِّہٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

سلہ مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں۔

سلہ ابتداء میں نری نون کے پیش کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے کہ ہم گمان کرتے تھے اور دوسرے کے نون پر زبر ہے (جس کا معنی ہے کہ ہم دیکھتے تھے) مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو حکم دیا ہوا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ ایک دو افراد ہمارے پاس ہیں تو تم آجاؤ اور ایسی صورت میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۹۲۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَقْرِءُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ ابن عمرو سلہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار صحابہ کرام سے قرآن سیکھو سلہ (۱) عبداللہ ابن مسعود سلہ (۲) ابوحذیفہ کے مولیٰ سالم سلہ (۳) ابی بن کعب شہ اور (۴) معاذ بن جبل سلہ رضی اللہ عنہم (صحیحین)

سلہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

سلہ لفظی معنی یہ ہے کہ تم چار صحابہ سے قرآن پاک کی قرارت طلب کرو (مرادی معنی وہ ہے جو اوپر لکھا گیا)۔

سلہ جو اس جماعت میں سے زیادہ قاری تھے۔

سلہ حضرت سالم آزاد کردہ غلاموں میں سے افضل اور اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اور اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فارس کے مقام اصطخر کے رہنے والے تھے۔ جس وقت صحابہ کرام مدینہ منورہ آئے تو مہاجرین اولین کی امامت کیا کرتے تھے، حالانکہ ان میں حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت ابوحذیفہ کا نام ہشام ہے وہ عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس کے بیٹے اکابر صحابہ میں سے اور اولین مہاجرین میں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف لانے سے پہلے اسلام لائے۔

شہ حضرت ابی بن کعب صحابہ کرام میں سے بڑے قاری تھے انھیں سید القراء کہا جاتا تھا، حضرت امیر المومنین عمر فاروق انھیں سید المسلمین کہا کرتے تھے اور وہ کاتب وحی بھی تھے۔

سلہ حضرت معاذ بن جبل کے مناقب گنتی اور شمار سے باہر ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا بھائی بنایا تھا اور انھیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، ان کے کچھ احوال اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

۵۹۳۸ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَدِمْتُ الشَّامَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَاَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ اِلَيْهِمْ فَاِذَا شَيْخٌ قَدْ جَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِيْ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا اَبُو الدَّرْدَاءِ قُلْتُ اِنِّيْ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَكَ لِيْ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ قَالَ اَوَلَيْسَ عِنْدَكُمُ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادَةِ وَالْمِطْهَرَةِ وَفِيْكُمُ الَّذِيْ اَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطٰنِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ يَعْنِيْ عَمَّارًا اَوَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِيْ لَا يَعْلَمُهٗ غَيْرُهٗ يَعْنِيْ حُذَيْفَةَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت علقمہ[1] سے روایت ہے کہ میں شام آیا اور دو رکعتیں[2] پڑھ کر دعا کی: اے اللہ! مجھے اچھا ہم نشین عطا فرما۔ اس کے بعد میں ایک جماعت کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ تشریف لاکر میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میں[3] نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابو الدرداء[4] صحابی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھے اچھا ہم نشین عطا فرمائے، اس کریم نے مجھے آپ میسر فرما دیئے۔ انھوں نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا[5] ہوں۔ فرمایا کیا تمھارے پاس ابن ام عبد[6] نعلین، تکیہ اور وضو کے برتن[7] والے نہیں ہیں؟ اور تمھارے درمیان وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان پر شیطان سے پناہ دی۔ یعنی حضرت عمار[8] اور کیا تم میں اس راز کے جاننے والے[9] نہیں جس راز کو ان کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا یعنی حضرت حذیفہ (بخاری)

[1] حضرت علقمہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پیدا ہوئے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں اور ان کے متبعین میں سے تھے۔

[2] (یہ دو رکعتیں صلوٰۃ الحاجت تھیں ۱۲ شرف قادری)

[3] ان لوگوں سے پوچھا جن کے پاس میں بیٹھا تھا۔

[4] حضرت ابو الدرداء جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں۔ فقیہ، عالم، حکیم، زاہد اور اصحاب صفہ میں سے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حضرت سلمان فارسی کا بھائی بنایا تھا۔ رضی اللہ عنہما۔

[5] اور کہاں کے رہنے والے ہو؟

[6] حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

[7] مِطْهَرَة میم کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں (وضو کے پانی کا برتن)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں حضرت ابن مسعود کے سپرد کر رکھی تھیں اور وہ ان خدمات اور سعادتوں سے دن رات مشرف ہوتے تھے اور ممتاز تھے۔ اس ملازمت (اور حاضر باش ہونے) کے سبب ان کے پاس وہ علوم ہوں گے

جن کی بناء پر طالب ان کے ماسوا سے بے نیاز ہو گا۔

ش۵ حضرت ابوالدرداء کی مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طیب اور مُطیّب فرمایا کرتے تھے انھیں جنت کی بشارت عطا فرمائی اور اس وقت ان کے لیے دعا فرمائی جب مشرکین انھیں عذاب دیا کرتے تھے اور آگ سے جلاتے تھے۔ آگ کو فرمایا اے آگ! عمار پر سرد ہو جا، جس طرح تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر سرد ہوئی تھی اور فرمایا: اے عمار! تمھیں باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ تم انھیں جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمھیں آگ کی طرف بلائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں شیطان سے امان دے دی گئی کہ وہ صراط مستقیم پر رہیں گے اور شیطان ان کے دل میں وسوسہ نہیں ڈال سکے گا۔

ش۹ صاحبِ راز سے مراد حضرت حذیفہ ابن الیمان ہیں جنھیں صحابہ کرام "صاحبُ سِرّ رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اور منافقوں اور منافقت کی علامات کا علم تھا۔ یہ علم انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اور اس علم کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے پوچھا کرتے تھے کہ اے حذیفہ! کیا آپ میرے اندر منافقت کی کوئی علامت دیکھتے ہیں؟ وہ کہتے: اللہ کی قسم! میں کوئی علامت نہیں دیکھتا، سوائے اس کے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے دسترخوان پر رنگ برنگے کھانے ہوتے ہیں اور جب تحقیق کی گئی تو وہ ٹوٹے ہوئے انڈے تھے۔ جن کی سفیدی اور زردی دکھائی دیتی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کو اپنے آپ سے افضل جانے اور طالب کو اس کے سپرد کر دے۔ نیز اگر طالب علم اپنی جگہ علماء کو پائے تو اسے سفر اور اپنے آپ کو تھکانے کی حاجت نہیں ہے۔

۵۹۳۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِيْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَيْتُ امْرَاَةَ اَبِيْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْخَشَةً اَمَامِيْ فَاِذَا بِلَالٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں جنت دکھائی گئی۔ ہم نے ابوطلحہ کی بیوی کو دیکھا اور ہم نے اپنے آگے پاؤں کی آہٹ سنی، تو وہ بلال تھے۔[۲]

(مسلم)

ش۱ حضرت ابوطلحہ کی بیوی، حضرت انس بن مالک کی والدہ، ان کی کنیت ام سلیم ہے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ پہلے مالک ابن النضر کے نکاح میں تھیں۔ اس سے حضرت انس پیدا ہوئے۔ مالک حالتِ شرک میں مارا گیا۔ حضرت ام سلیم اسلام لے آئیں۔ ابوطلحہ نے انھیں پیغام نکاح دیا، حضرت ام سلیم نے انکار کر دیا اور انھیں اسلام کی دعوت دی، چنانچہ ابوطلحہ اسلام لے آئے، تب حضرت ام سلیم نے انھیں قبول کیا اور فرمایا کہ آپ کے اسلام لانے پر میں آپ کی زوجہ بنتی ہوں اور میرا مہر یہی آپ کا اسلام لانا ہے۔

ش۲ جو ہم سے آگے آگے جنت میں جا رہے تھے (جیسے غلام اپنے آقا کے آگے خادمانہ انداز میں چلتے ہیں ۱۲ اشرف قادری) خَشْخَشَۃٌ ہر دو خاء پر زبر، پہلا لفظوں والا شین ساکن، ہتھیار اور ہر خشک چیز کی آواز

جس کے اجزاء آپس میں رگڑ کھائیں جیسے ہتھیار، جوتے اور کپڑے وغیرہ ، ایسی ہی حدیث حضرت بلال کی شان میں باب التطوع میں بھی گزر چکی ہے ۔

۵۹۴۰ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْرُدْ هٰؤُلَاءِ لَا يَجْتَرِؤُنَ عَلَيْنَا قَالَ وَكُنْتُ اَنَا وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَجُلٌ مِّنْ هُذَيْلٍ وَبِلَالٌ وَرَجُلَانِ لَسْتُ اُسَمِّيْهِمَا فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقَعَ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چھ افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے مشرکین نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو یہاں سے نکال دیں[۱] تاکہ یہ ہم پر جرأت نہ کریں ۔ فرماتے ہیں کہ میں تھا ، ابن مسعود تھے ، قبیلہ ہذیل کا ایک شخص تھا ، بلال تھے اور دو اور مرد تھے جن کا نام میں نہیں لیتا[۳] ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں وہ بات آئی جو اللہ تعالیٰ نے چاہی[۴] ۔ پس حضور نے اپنے آپ سے بات کی تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی (ترجمہ) آپ ان لوگوں کو دور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں (اور) اس کی رضا چاہتے ہیں ۔ (مسلم)

[۱] تاکہ ہم آپ کے ساتھ گفتگو کریں، تو یہ گفتگو کرنے پر ہم پر دلیری نہ کریں ۔ اُطْرُدْ ہمزے پر پیش اور طاء ساکن ، اس کے بعد راء ۔

[۲] ان چھ صحابہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ، ہُذَیل ہاء پر پیش ، نقطے والی ذال پر زبر ۔

[۳] کہتے ہیں کہ وہ دو مرد حضرت خباب اور حضرت عمار تھے ۔ یہ جو فرمایا کہ میں ان دو حضرات کا نام نہیں لیتا تو اس میں کوئی مصلحت ہوگی یا یہ کہ بھول گئے ہوں گے ۔ عبارت سے زیادہ ظاہر پہلا مطلب ہے ۔

[۴] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے دلوں کو مائل کرنے اور اس امید پر کہ وہ ایمان لے آئیں ، ارادہ فرمایا کہ ان حضرات کو مجلس سے اٹھا دیں ۔

۵۹۴۱ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُوْسٰى لَقَدْ اُعْطِيْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا ، اے ابو موسیٰ تمھیں داؤد علیہ السلام کی خوش الحانیوں میں سے خوش الحانی دی گئی ہے[۱] (صحیحین)

[۱] مِزْمار میم کے نیچے زیر ، زمر اور گانے کا آلہ جیسے بنسری ، دف ، طنبورہ وغیرہ جو زبان سے نہ ہو اس جگہ اچھی آواز مراد ہے ، لفظ آل زائد ہے ، کیونکہ خوش آوازی میں حضرت داؤد علیہ السلام مشہور ہیں نہ کہ ان کی آل ، بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ آل کا معنی شخص ہے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام انتہائی خوش آواز تھے جس وقت

زبورشریف خوش الحانی سے پڑھتے تھے تو مجلس سے کئی جنازے اٹھتے تھے (یعنی بعض اس حد تک متاثر ہوتے کہ فوت ہو جاتے۔ اسی طرح اس امت میں صالح مزی دمشقی کے تذکرے میں بیان کیا گیا ہے جو بڑے عابد وزاہد تھے ۱۲ مولوی امیر علی) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی انتہائی درجے کے خوش الحان اور خوش آواز تھے۔ باب تلاوت حدیث گزر چکی ہے جس میں ان کی تلاوت قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماعت فرمانے کا ذکر ہے۔

۵۹۴۲ وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِيْ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَضٰى لَمْ يَاْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مَا يُكَفَّنُ فِيْهِ اِلَّا نَمِرَةٌ فَكُنَّا اِذَا غَطَّيْنَا رَاْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَاِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَاْسُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوْا بِهَا رَاْسَهٗ وَاجْعَلُوْا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمَرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت خباب ابن الارت[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے تو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ثابت ہو گیا۔ پس ہم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا سے چلے گئے اور اپنے اجر میں سے کچھ بھی نہ کھایا، ان میں سے مصعب ابن عمیر[۲] تھے۔ اُحد کے دن شہید ہوئے تو ان کے کفن کے لیے صرف ایک چادر[۳] ملی جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں باہر نکل جاتے اور جب ان کے پاؤں ڈھانپتے تو ان کا سر باہر نکل جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چادر کے ساتھ ان کا سر ڈھانپ دو[۴] اور ان کے پاؤں پر کچھ اذخر ڈال دو۔ اور ہم میں[۵] سے بعض وہ ہیں جن کا میوہ ان کے لیے پک چکا ہے پس وہ اسے چن رہے ہیں[۶]۔ (صحیحین)

[۱] حضرت خَبَّاب نقطے والی خاء پر زبر اور ایک نقطے والی باء مشدد ابن الارت ہمزے اور راء پر زبر، تاء مشدد، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے، اسلام لانے پر انہیں عذاب دیا گیا اور انہوں نے صبر کیا۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے (مشرکین اہل مکہ نے انہیں سولی پر چڑھا کر شہید کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ اشرف قادری)

[۲] مصعب میم پر پیش بے نقطہ صاد ساکن اور بے نقطہ عین پر زبر ابن عُمیر عین پر پیش، میم پر زبر اور یاء ساکن۔

[۳] نَمِرة نون پر زبر میم کے نیچے زیر چیتے کی کھال کی طرح رنگ برنگی، سیاہ اور سفید چادر، یہ بھی مکمل نہ تھی جس سے پورا جسم ڈھانپا جا سکے۔

[۴] غطّوا نقطے والی غین پر زبر اور بے نقطہ مشدد طاء پر پیش۔

۵ اِذْخر ہمزے کے نیچے زیر نقطے والا ذال ساکن، مکہ معظمہ میں پائی جانے والی خوشبودار گھاس احادیث میں اس کا ذکر بکثرت آتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت مصعب بن عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے بکری کی تازہ کھال کمر میں باندھ رکھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو جس کا دل اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور فرمادیا ہے۔ ہم نے انھیں مکہ معظمہ میں دیکھا۔ ان کے والدین انھیں بہترین طعام اور مشروب مہیا کرتے تھے۔ ہم نے انھیں ایسا حلہ پہنے ہوئے دیکھا جو ان کے والدین نے ان کے لیے دوسو درہم میں خریدا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انھیں اس حال کی طرف لے آئی جسے تم دیکھ رہے ہو۔

۵۶ یہ حضرت خباب بن الارت کا مقولہ ہے۔

۵۷ اس سے مراد وہ اموال غنیمت ہیں جو ان صحابہ کرام کو ملے جو شہروں کی فتوحات کے زمانے میں موجود تھے اور انھیں دنیا کے اجر سے اپنا حصہ مل گیا۔ انھوں نے ابتدا میں صبر کیا اور آخر میں شکر کیا۔ بس پھل آخرت کے ثواب میں منحصر نہیں ہے۔ یَنْعٌ کا معنی ہے میوے کا پک جانا، یَانِعٌ پکا ہوا میوہ، یَہْدِبُ دال کے نیچے زیر، اس پر پیش بھی ایک روایت ہے۔ ہَدْبٌ کا معنی ہے میوے کا چننا۔

۵۹۴۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَۃٌ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَّمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَّزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَّاَبُوْ زَیْدٍ قِیْلَ لِاَنَسٍ مَّنْ اَبُوْ زَیْدٍ قَالَ اَحَدُ عُمُوْمَتِیْ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چار حضرات نے قرآن پاک کو جمع کیا[۱] (۱) ابی بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) زید بن ثابت اور (۴) ابوزید[۲] حضرت انس کو کہا گیا کہ ابوزید کون ہیں؟ انھوں نے کہا میرے ایک چچا ہیں[۳]

ف۱ یعنی پورے قرآن پاک کو یاد کیا

ف۲ ابوزید انصاری ان کا نام سعد بن عمرو ہے، بعض علماء نے ان کا نام قیس ابن السکن بتایا۔ اہلِ بدر میں سے ہیں۔

ف۳ عُمُوْمَۃٌ عین پر پیش، عَمٌّ کی جمع ہے، جیسے اَعْمَامٌ اور اَعْمُمٌ جمع ہے، اسی طرح قاموس میں ہے مطلب یہ ہے کہ انصار بلکہ قبیلہ خزرج سے چار حضرات نے پورا قرآن یاد کیا۔ حضرت انس کی قوم خزرج ہے۔ یہ بات انھوں نے مقامِ فخر میں کہی، جب قبیلہ اوس کے افراد نے اپنی قوم کے چار افراد کے فضائل پر فخر کیا جیسے کہ ہم نے تورپشتی کے حوالے سے شرح میں بیان کیا ہے اور اگر ہم اسے عام بھی رکھیں تو اس میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ ان چار کے علاوہ کوئی پورے قرآن کریم کا حافظ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے مقامات میں عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا (یعنی زائد کی نفی نہیں ہوتی ۱۲ شرف قادری) تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ بہت سے صحابہ

کرام کو پورا قرآن پاک یاد تھا۔ اس مقام میں پوری تفصیل اتقان (امام سیوطی) میں دیکھی جائے۔

۵۹۴۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ وَفِي رِوَايَةٍ اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سعد بن معاذ[1] کی وفات کے سبب عرش حرکت میں آگیا اور ایک روایت میں ہے سعد بن معاذ کی وفات کے سبب رحمٰن کا عرش حرکت میں آگیا[2]

[1] سعد بن معاذ بن نعمان انصاری اشہلی اوسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر اس وقت ایمان لائے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنی تشریف آوری سے پہلے بھیجا تھا۔ اس کے زمانے میں بنو عبد الاشہل اسلام لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو سید الانصار فرمایا۔ بدر اور احد میں حاضر ہوئے اور احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ خندق کے دن ان کی اکحل (کلائی کے درمیان رگ خون) میں تیر لگا اور خون نہ رکا اور ایک ماہ کے بعد جام شہادت نوش کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی وفات پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے اور یہ بھی فرمایا کہ سعد بن معاذ کی وفات کی بنا پر عرش حرکت میں آگیا۔

[2] شارحین کا اس میں اختلاف ہے کہ عرش کے حرکت کرنے کا مطلب اور اس کا سبب کیا ہے؟ بعض شارحین نے فرمایا کہ عرش کے حرکت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سعد کی روح کی آمد کے سبب عرش خوشی اور مسرت سے جھوم اٹھا۔ حقیقۃً یا مجازاً، صحیح یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں میں علم اور تمیز رکھی ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد پہاڑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسا پہاڑ ہے جو ہمارے ساتھ محبت رکھتا ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ اہل عرش یعنی فرشتے مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ عرش کے حرکت کرنے کو حضرت سعد کی وفات کی علامت قرار دیا گیا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی وفات بڑا حادثہ ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی وفات سے قیامت واقع ہوگئی، اس حدیث پر کتاب کی ابتداء میں "اثبات عذاب قبر" کے باب کی تیسری فصل میں گفتگو کی جا چکی ہے۔

۵۹۴۵ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةُ حَرِيرٍ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَمَسُّونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْ لِينِهَا فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ لِينِ هٰذِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْهَا وَأَلْيَنُ

حضرت براء بن عازب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشم کا جوڑا[2] پیش کیا گیا، آپ کے صحابہ کرام اسے چھونے لگے اور اس کی نرمی سے تعجب کرنے لگے[3] آپ نے فرمایا کیا تم اس کی نرمی سے تعجب کرتے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال[4] اس سے بہتر اور

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

زیادہ نرم ہیں۔ (صحیحین)

۱؎ حضرت براء بن عازب مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ ریشمی کپڑوں کا جوڑا پیش کیا گیا، ظاہر یہ ہے کہ کسی عجمی بادشاہ نے بھیجا تھا۔

۳؎ ایک روایت میں ہے کہ کہتے تھے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے بھیجا گیا ہے۔ چونکہ انھوں نے ایسا کپڑا کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے انتہائی تعجب کے طور پر یہ بات کہی۔

۴؎ مَنٰدِیْلُ میم کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، بروزن منبر، وہ کپڑا جس سے ہاتھ صاف کیے جائیں (یعنی تولیہ یا رومال) اس کی اصل مدل ہے جس کا معنی میل ہے۔ دوسرے کپڑوں کی بجائے رومال کے ذکر میں مبالغہ ہے، جیسے کہ مخفی نہیں ہے (عام طور پر کپڑے رومال سے زیادہ صاف ہوتے ہیں کیونکہ رومال سے ہاتھ اور منہ صاف کیا جاتا ہے جب حضرت سعد کے رومال کی عمدگی کا یہ عالم ہے تو ان کے دوسرے کپڑے کیسے ہوں گے؟ شرف قادری)

۵۹۴۶ وَعَنْ اُمِّ سُلَیْمٍ اَنَّھَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَسٌ خَادِمُکَ اُدْعُ اللّٰہَ لَہٗ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ فِیْمَا اَعْطَیْتَہٗ قَالَ اَنَسٌ فَوَاللّٰہِ اِنَّ مَالِیْ لَکَثِیْرٌ وَاِنَّ وَلَدِیْ وَوَلَدَ وَلَدِیْ لَیَتَعَادُّوْنَ عَلٰی نَحْوِ الْمِائَۃِ الْیَوْمَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ام سلیم ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انس آپ کا خادم ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا فرمائیں ۲؎ آپ نے دعا کی اے اللہ! ان کے مال اور اولاد کو کثرت عطا فرما اور جو کچھ ۳؎ تو نے انھیں عطا فرمایا ہے اس میں برکت عطا فرما۔ حضرت انس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! میرا مال بہت ہے ۴؎ اور میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد آج ایک سو سے زائد ہے ۵؎ (صحیحین)

۱؎ حضرت ام سلیم سین پر پیش، حضرت انس کی والدہ ماجدہ جو انھیں نوعمری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر گئی تھیں۔

۲؎ یعنی دنیا کی برکتوں کے لیے، کیونکہ آپ کی خدمت اور صحبت کی بناء پر آخرت کا ثواب تو حاصل ہو ہی جائے گا۔

۳؎ یعنی جو نعمتیں تو نے انھیں فرمائی ہوئی ہیں۔

۴؎ ان کا کھجوروں کا باغ (سال میں) دو دفعہ پھل دیتا تھا۔

۵؎ یعنی آج جو میں یہ گفتگو کر رہا ہوں ان کی تعداد اس مقدار کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوا ہوگا لہٰذا یہ دوسری روایت کے منافی نہیں ہے۔ جس میں آیا ہے کہ میری اولاد کی اولاد کے علاوہ صرف

صلبی اولاد کی تعداد ایک سو پچیس ہے، یہ سب لڑکے تھے ان میں دو لڑکیاں تھیں اور انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی صلبی اولاد میں سے جو بچے دفن کیے ہیں ان کی تعداد سو کے قریب ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا سبب اور معصیت کا باعث نہ ہوں۔

۵۹۴۷/۱۴ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِاَحَدٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زمین پر چلنے والے کے لیے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ قطعی طور پر جنتی ہے، سوائے عبداللہ ابن سلام[۱] کے۔ (صحیحین)

[۱] عبداللہ ابن سلام یہودیوں کے اکابر اور ان کے علماء میں سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اسی دن مشرف باسلام ہوئے ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ بشارت ان کے ساتھ مخصوص ہو، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حضرت سعد نے نہیں سنا ہوگا اور اپنے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنا ہوگا۔ یا اپنے بارے میں اس لیے بیان نہیں کیا کہ انھوں نے تزکیۂ نفس (اپنی تعریف کو) پسند نہیں کیا (ورنہ حضرت سعد خود عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۱۲ اشرف قادری) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے یہ بات دوسرے حضرات کی بشارت سے پہلے کہی ہو یا اس وقت کہی ہو جب دوسرے حضرات اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہوں۔ جن کے بارے میں بشارت دی گئی تھی۔ اس کی تائید امام دارقطنی کی روایت سے ہوتی ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چلنے والے کے بارے میں فرمایا ہو کہ وہ جنتی ہے۔

۵۹۴۸/۱۵ وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ الْمَدِیْنَةِ فَدَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی وَجْهِهٖ اَثَرُ الْخُشُوْعِ فَقَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ تَجَوَّزَ فِیْهِمَا ثُمَّ خَرَجَ وَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ اِنَّكَ حِیْنَ دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ قَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ وَاللّٰهِ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

حضرت قیس بن عباد[۱] سے روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک شخص داخل ہوا جس کے چہرے پر خشوع[۲] کا اثر تھا۔ حاضرین نے کہا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے۔ اس شخص نے دو مختصر[۳] رکعتیں ادا کیں پھر مسجد سے نکل گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا اور اسے کہا کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حاضرین نے کہا کہ یہ شخص اہل جنت میں سے ہے۔ انھوں نے فرمایا اللہ کی قسم! کسی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بات کہے جو نہیں جانتا[۴]

فَسَاُحَدِّثُكَ لِمَ ذَاكَ رَأَيْتُ رُؤْيَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَصْتُهَا عَلَيْهِ وَرَأَيْتُ كَاَنِّىْ فِىْ رَوْضَةٍ ذَكَرَ مِنْ سَعَتِهَا وَخُضْرَتِهَا فِىْ وَسْطِهَا عَمُوْدٌ مِّنْ حَدِيْدٍ اَسْفَلُهٗ فِى الْاَرْضِ وَاَعْلَاهُ فِى السَّمَاءِ فِىْ اَعْلَاهُ عُرْوَةٌ فَقِيْلَ لِىْ اِرْقَهْ فَقُلْتُ لَا اَسْتَطِيْعُ فَاَتَانِىْ مِنْصَفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِىْ مِنْ خَلْفِىْ فَرَقِيْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِىْ اَعْلَاهُ فَاَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقِيْلَ اسْتَمْسِكْ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاِنَّهَا لَفِىْ يَدِىْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ الْاِسْلَامُ وَذَالِكَ الْعَمُوْدُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى فَاَنْتَ عَلَى الْاِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوْتَ وَذَالِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں تمھیں بتاتا ہوں کہ انھوں نے یہ بات کیوں کہی؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خواب دیکھا جو میں نے آپ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ میں نے دیکھا کہ جیسے میں ایک باغ میں ہوں۔ انھوں نے اس باغ کی وسعت اور سرسبزی کا ذکر کیا۔ اس کے درمیان لوہے کا ایک ستون تھا جس کا نچلا حصہ زمین میں اور اوپر والا حصہ آسمان میں ہے۔ اس کے اوپر ایک دستہ ہے۔ مجھے کہا گیا کہ اس پر چڑھو۔ میں نے کہا میں نہیں چڑھ سکتا۔ میرے پاس ایک خادم آیا اس نے میرے پیچھے سے کپڑے اٹھائے تو میں چڑھا یہاں تک کہ میں اس کے اوپر والے حصے تک پہنچ گیا میں نے دستہ پکڑ لیا کہا گیا کہ مضبوطی سے پکڑ لے اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ اس حال میں کہ وہ دستہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے یہ خواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا وہ باغ اسلام ہے۔ وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور وہ دستہ العروۃ الوثقیٰ ہے اور تم اسلام پر رہو گے[۲] یہاں تک کہ فوت ہو جاؤ، وہ شخص عبد اللہ بن سلام تھے[۳] رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحیحین)

[۱] قیس بن عباد عین پر پیش اور بائے مخفف، بصرہ کے تابعین کے طبقہ اولیٰ سے ہیں۔ ثقہ اور اولیاء اللہ سے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب ثقات میں اس طرح کیا ہے کہ وہ متقی اللہ والے اور عبادت گزار تھے حجاج بن یوسف نے انھیں گرفتار کر کے شہید کیا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبد اللہ ابن سلام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے حضرت حسن بصری اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے کم حدیثیں ان سے مروی ہیں۔

[۲] خشوع کا معنی ہے عاجزی کرنا اور نگاہیں جھکائے رکھنا ۔ ان کے چہرے پر اطاعت اور حضور کے آثار تھے۔

[۳] یعنی جلدی جلدی دو رکعتیں ادا کیں۔

۵ ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے لوگوں کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی ۔ یعنی جب وہ بات کہتے ہیں تو انھیں اس کا علم بھی ہوگا اور میں بھی اس کے بارے میں کچھ جانتا ہوں اور جو کچھ اس صاحب نے بیان کیا ۔ وہی ان کی طرف سے جواب ہے اور ان لوگوں نے بھی وہ حدیث سنی ہوگی یا کسی دوسرے طریقے سے انھیں علم حاصل ہوا ہوگا ۔ انھوں نے حضرت سعد کی روایت کردہ حدیث (اس سے پہلی حدیث) نہیں سنی ہوگی ۔ دوسرے لوگوں نے سنی ہوگی ۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے یہ اپنی مدح وثنا کی ہو، اور مقصد یہ ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اور اس کی بناء پر جنتی ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا ۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے ۔
لیکن مخفی نہ رہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آخر دم تک اسلام پر رہو گے تو شک اور تردد کی گنجائش نہیں رہتی (اور یہ بات یقینی ہے) لہٰذا انھوں نے مذکورہ بالا کلمات بطور عاجزی اور انکساری کہے ہوں گے ۔
بعض شارحین نے فرمایا کہ دوسرے حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر یہ بات نہیں کی بلکہ بطور استدلال اور اجتہاد کہی تھی اور ان کا جنتی ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے ۔ لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے یہ بات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سن کر کہی ہوگی ۔ خوب اچھی طرح غور کیجیے ۔

۵ وَسْطِھا سین ساکن ہے ۔

۶ عروہ عین پر پیش، اصل میں اس کا معنی ہے ڈول اور لوٹے کے پکڑنے کی جگہ (دستہ) اس کا استعمال ہر اس چیز میں کیا جاتا ہے جس کے ساتھ کوئی چیز ہموار کی جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے ۔ اس جگہ یہی معنی مراد ہے ۔

۷ اِرْقَہْ یہ سکتہ کی ہاء ہے (اسے ضمیر بھی قرار دے سکتے ہیں جو ستون کی طرف راجع ہے ۱۲ اشرف قادری)

۸ مِنْصَفٌ میم کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، بے نقطہ صاد پر زبر، اس کا معنی ہے خادم اور نوکر ۔

۹ اور تر و تازہ ہے ۔

۱۰ اس سے مراد اسلام کے احکام اور ارکان ہیں جن پر مسلمانی کی بنیاد ہے ۔

۱۱ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (الآیہ) کا اشارہ ہے ۔

۱۲ جسے تم نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور اس کے بلند مقام پر فائز ہے ۔

۱۳ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس حدیث کے راوی حضرت قیس بن عباد کا قول ہے ۔

۵۹۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِیْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِیْ بَیْتِهٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ ابْنَ مُعَاذٍ مَا شَاْنُ ثَابِتٍ اَیَشْتَکِیْ فَاَتَاهُ سَعْدٌ فَذَکَرَ لَهٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْفَعِکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَذَکَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت ابن قیس بن شماس[۱] خطیب الانصار تھے[۲] جب یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) تم اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کرو (الآیہ) تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن معاذ سے پوچھا کہ ثابت کا کیا حال ہے[۳] کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعد ان کے پاس گئے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بتایا[۴] حضرت ثابت نے فرمایا[۵] کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سب سے زیادہ بلند آواز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا ہوں۔ اس لیے میں جہنمی ہوں[۶] حضرت سعد نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ وہ اہل جنت میں سے ہیں[۷]

(مسلم)

[۱] شماس نقطوں والے شین پر زبر، میم مشدد اور آخر میں بے نقطہ سین۔

[۲] یعنی انصار کے حسب ونسب کا خطبہ پڑھا کرتے تھے یا یہ مطلب ہے ان کے مطالبوں اور بڑے کاموں میں خطاب کیا کرتے تھے۔

[۳] کہ وہ حاضر نہیں ہوتے اور دکھائی بھی نہیں دیتے کیا وہ بیمار ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ثابت کے حال کی سچائی نے اثر کیا اور اس بات کا سبب بنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حال کے بارے میں دریافت کریں۔ ؎

حالتِ خویش چہ حاجت کہ بُوے شرح دہم
گر مرا سوز دلی ہست اثر خواہد کرد

کیا ضرورت ہے کہ میں اپنے حال کی تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کروں اگر میرے دل کا سوز ہے تو وہ خود اثر دکھائے گا۔

۵۴ کہ آپ پوچھتے ہیں کہ ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہیں؟
۵۵ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہونے کا عذر بیان کیا۔
۵۶ اور میرے اعمال برباد ہو چکے ہیں جیسے کہ آیت کریمہ نے بیان کیا ہے۔
۵۷ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق اس طرح ہوگئی کہ حضرت ثابت یمامہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں (مسیلمہ کذّاب کے خلاف جہاد کرتے ہوئے) شہید ہوگئے۔ مروی ہے کہ جب مسیلمہ کذّاب کے ساتھ جنگ ہوئی تو حضرت ثابت نے اپنا کفن سیا اور اسے زیب تن کیا اور جنگ میں کود پڑے اور کفن ہی میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مدارج النبوۃ میں ان کے حالات اس سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔

۱؎ بعض لوگ اہل سنت وجماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہو، اس کے باوجود چلا چلا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہو اور اونچی آواز میں یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہو تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ اس کے جواب میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔
(۱) آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں حضرات کو ہدایت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہے ہوں اور آپ ان سے ہم کلام ہوں کیونکہ ارشادِ ربّانی ہے کہ تم نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور یہ اسی وقت ہوگا جب دونوں طرف سے گفتگو ہو رہی ہو۔
(۲) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے واقعے سے واضح ہے کہ اصل مسئلہ آواز کے بلند ہونے کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت کا ادب ملحوظ رکھا جائے۔ اگر کوئی شخص آہستہ آواز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ترنّم کر جواب دے تو وہ وعید کا مستحق ہوگا۔ اگر کسی شخص کی آواز حضرت ثابت کی طرح قدرتی طور پر بلند ہو یا فرطِ شوق میں آواز بلند ہو جائے اور اس کا دل محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم سے معمور ہو تو وہ وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔
(۳) ادب کا تقاضا یہ ضرور ہے کہ چلانے سے احتراز کیا جائے ۱۲ محمد عبدالحکیم شرف قادری

۵۹۵۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا نَزَلَتْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالُوْا مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوگئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کون ہیں؟ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں ہم میں حضرت سلمان فارسی تشریف فرما تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

قَالَ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَالٌ مِّنْ ھٰؤُلَآءِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اپنا دست اقدس حضرت سلمان پر رکھا ۔ پھر فرمایا: اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے ۔ (صحیحین)

۱؎ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جماعت جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے ہیں اس میں سے کچھ دوسرے ہیں جو ابھی نہیں آئے اور وہ صحابہ کرام کی اس جماعت سے نہیں ملے جو کہ امی یعنی عرب ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دوسرے اصحاب میں نہیں بھیجے گئے ۔

۲؎ جو ابھی نہیں آئے اور ہمارے ساتھ لاحق نہیں ہوئے ۔

۳؎ یعنی (سلمان) فارسی کی قوم سے، مطلق عجمی اور غیر عربی مراد ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جماعت جو ابھی نہیں آئی اور لاحق نہیں ہوئی وہ عجمی تابعین ہیں اور ان کی صفت یہ ہے کہ اگر دین و ایمان آسمان پر ہو تو اسے حاصل کرلیں اور اس تک پہنچ جائیں گے ۔ اس ارشاد میں حضرت سلمان کی تعریف ہے کہ وہ بھی عجمی ہیں ۔ اکثر تابعین عجمی ہیں اور صحابہ کرام عربی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی وسعت اور اجتہاد میں اتنا ظاہر ہوا کہ دوسرے حضرات میں ظاہر نہیں ہوا ۔ حالانکہ فضیلت و کرامت صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے ۔

حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں ۔ آپ نے انھیں یہودیوں سے خرید کر آزاد فرمایا، وہ دانش ور صحابہ میں سے ہیں ۔ ان کا اصل فارس یا ہرمز سے ہے یہ وہ لوگ تھے جو چتکبرے گھوڑے کی عبادت کرتے تھے ۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سن کر دین حق کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلے ۔ مختلف دینوں کو اختیار کرتے رہے کئی جگہ فروخت کیے گئے ۔ تین سو پچاس سال عمر پائی ۔ آخر عمر میں مقصد کا چہرہ دیکھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مشرف بصحابیت ہوئے ۔

(علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح اور قابل اعتماد اصل ہے جس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بشارت ہے ۔ علامہ سیوطی کے شاگرد اور سیرت شامیہ کے مصنف حضرت شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی فرماتے ہیں کہ شیخ کا یہ فرمان بالکل صحیح ہے کہ اس حدیث کا اشارہ امام اعظم کی طرف ہے ۔ کیونکہ اہل فارس میں سے کوئی بھی آپ کے مبلغ علم کو نہیں پہنچ سکا ۔ ابن عابدین شامی، علامہ، رد المحتار ج اول ص ۳۹ شرف قادری)

۵۹۵۱ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ عُبَیْدَکَ ھٰذَا یَعْنِیْ اَبَا ھُرَیْرَۃَ وَاُمَّہٗ اِلٰی عِبَادِکَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَحَبِّبْ اِلَیْھِمُ الْمُؤْمِنِیْنَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱؎ دعا کی، اے اللہ! اپنے اس چھوٹے سے بندے یعنی ابوہریرہ اور ان کی ماں کو اپنے مومن بندوں کے ہاں محبوب بنادے ۲؎ اور مومنوں کو ان کے نزدیک محبوب بنادے ۳؎ (مسلم)

لہ حضرت ابوہریرہ اور ان کی والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے دعا فرمائی۔

۲ یعنی ان کو مسلمانوں کا محبوب بنا دے، کیونکہ یہ بے کس اور نادار ہیں۔ صیغۂ تصغیر عبید لطف و کرم اور تحسین کے لیے ہے۔

۳ یہ مسلمانوں کو دوست رکھیں اور مسلمانوں کے محب بھی ہوں اور محبوب بھی۔ بعض نسخوں میں الیہما ہے اور تثنیہ کی ضمیر حضرت ابوہریرہ اور ان کی والدہ کی طرف راجع ہے۔
مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں اور مسلم شریف کے متعدد نسخوں میں الیہم ہے، جمع کی ضمیر کے ساتھ۔ اس سے مراد حضرت ابوہریرہ، ان کی والدہ، ان کے متبعین، متعلقین اور اولاد ہے۔

۵۹۵۲/۱۹ وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَتٰى عَلٰى سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ فِيْ نَفَرٍ فَقَالُوْا مَا اَخَذَتْ سُيُوْفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَاخَذَهَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَتَقُوْلُوْنَ هٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاَتَاهُمْ فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اَغْضَبْتُكُمْ قَالُوْا لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِيْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ لہ سے روایت ہے کہ ابوسفیان حضرت سلمان، صہیب اور بلال کے پاس آئے جب کہ یہ حضرات دوسرے صحابہ کرام کی ایک جماعت میں تھے ۲ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کی گردن سے اپنی جگہ نہیں پکڑی ۳ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا آپ لوگ یہ بات قریش کے شیخ اور سردار کو کہتے ہیں ۴ اس کے بعد حضرت ابوبکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! شاید تم نے انھیں غصہ دلا دیا ہے ۵ اگر تم نے انھیں غصہ دلایا ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا ہے ۶ حضرت ابوبکر ان حضرات کے پاس آئے اور کہنے لگے اے بھائیو! کیا میں نے تمھیں غصہ دلایا ہے ۷؟ انھوں نے کہا نہیں ۸، اے بھائی ۹ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ (مسلم)

لہ عائذ الف کے بعد یاء، اس کے بعد ذال ابن عمرو ان صحابہ کرام میں سے ہیں جنھوں نے (حدیبیہ کے) درخت کے نیچے بیعت کی۔ بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ حضرت حسن بصری وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲ امیر معاویہ کے والد ابوسفیان علوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اسلام لانے سے پہلے صلح حدیبیہ کے بعد

مدینہ منورہ اس معاہدے کی تجدید اور توثیق کرنے کے لیے آئے جسے توڑنے کے مقدمات کا آغاز مشرکین قریش کر چکے تھے۔ ابوسفیان آئے تو صحابہ کرام کی مذکورہ جماعت نے انھیں دیکھا۔

۳؎ یعنی افسوس کہ یہ مشرک ہمارے ہاتھوں قتل نہیں ہوا۔

۴؎ یہ بات ابوسفیان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے کہی کیونکہ وہ اجازت لے کر آئے تھے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات قبائل کے سردار مشرکوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔

۵؎ ایک روایت ہے کہ اَدْرِکْ یَا اَبَا بَکْرٍ اے ابوبکر! ان کو پالو (یعنی ان سے ملاقات کرو)۔

۶؎ بعض روایات میں ہے کہ تحقیق تم نے عرش عظیم کے رب کو ناراض کیا ہے۔

۷؎ اور تم مجھ سے ناراض ہو؟

۸؎ آپ نے ہمیں ناراض نہیں کیا اور ہم آپ سے رنجیدہ نہیں ہیں۔

۹؎ بعض روایات میں ہے یَا اُخَیَّ یاء کی تشدید اور صیغہ تصغیر کے ساتھ۔ اس حدیث میں فقراء صحابہ کی عظیم فضیلت ہے اور ان کی تعظیم و تکریم اور خاطرداری پر ابھارا گیا ہے۔

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را
بدرویشان و مسکیناں سرے ہست

(اے دل خوش ہو جا کہ اس سلطانِ دیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درویشوں اور مسکینوں کا بڑا خیال ہے)۔

۵۹۵۲ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی نشانی انصار کی محبت اور منافقت کی نشانی انصار کی دشمنی ہے[۲] (صحیحین)

۱؎ حضرت انس بن مالک انصاری صحابی ہیں ان کا تعلق قبیلہ بنو خزرج سے تھا۔

۲؎ انصار جمع ہے نَاصِرٌ یا نَصِیْرٌ کی، ان سے مراد وہ خوش بخت اہلِ مدینہ ہیں جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و خدمت کی۔ انصار دو قبیلے ہیں۔ ان دو قبیلوں میں ایک سو بیس سال تک جنگ جاری رہی۔ اسلام اور کلمہ توحید کی بدولت ان کی عداوت محبت سے تبدیل ہوگئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں انصار کا لقب عنایت فرمایا اور وہ اسی لقب سے مشہور اور ممتاز ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد اور ان کے آزاد کردہ غلام اسی نام سے پکارے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و خدمت عرب و عجم کے کافروں کی دشمنی کا سبب بنی۔ لازمی بات ہے کہ ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان کی عداوت

کفر اور منافقت کی علامت قرار پائی، کمال محبت، کمال ایمان کا موجب اور محبت کا نقصان ایمان کے ناقص ہونے کا سبب ہے۔ اگر ان کی نصرت کی بناء پر عداوت ہو تو یقینی بات ہے کہ یہ عداوت حقیقتِ کفر کا سبب ہوگی۔

۵۹۵۴ / ۷۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِلْاَنْصَارِ لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ ان سے صرف مومن محبت رکھے گا اور منافق ہی ان سے عداوت رکھے گا۔ پس جو ان سے محبت رکھے اللہ تعالیٰ اسے محبوب بنائے اور جو ان سے دشمنی رکھے اللہ تعالیٰ اس سے دشمنی رکھے۔ (صحیحین)

[1] حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۹۵۵ / ۷۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالُوْا حِيْنَ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا اَفَاءَ فَطَفِقَ يُعْطِيْ رِجَالًا مِّنْ قُرَيْشٍ اَلْمِائَةَ مِنَ الْاِبِلِ فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَحُدِّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَى الْاَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِيْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ اَحَدًا غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكُمْ فَقَالَ فُقَهَاؤُهُمْ اَمَّا ذَوُوْ رَأْيِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَمْ يَقُوْلُوْا شَيْئًا وَاَمَّا اُنَاسٌ مِّنَّا حَدِيْثَةٌ اَسْنَانُهُمْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن[1] کے اموال میں سے اپنے رسول کو وہ مالِ غنیمت عطا فرمایا جو عطا فرمایا تو آپ قریش کے کچھ مردوں[2] کو سو سو اونٹ عطا فرمانے لگے۔ تو انصار کے کچھ افراد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے کہ آپ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے[3] ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں ان کے خونوں سے ٹپک رہی ہیں[4]۔ ان کی گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی[5] تو آپ نے انصار کو پیغام بھیجا اور انہیں چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا اور ان کے ساتھ کسی غیر انصاری کو نہیں بلایا، جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا بات ہے جو ہمیں تمہاری طرف سے پہنچی ہے؟ ان کے دانا حضرات نے عرض کیا کہ ہمارے ارباب دانش و خرد نے تو کوئی بات نہیں کہی[6] البتہ ہمارے کچھ نو عمر

قَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَدَعُ الْأَنْصَارَ، وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي اُعْطِي رِجَالًا حَدِيْثِي عَهْدٍ بِكُفْرٍ اَتَأَلَّفُهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَتَرْجِعُوْنَ اِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ رَضِيْنَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

افراد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے کہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور انصار کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں ان کے خونوں سے ٹپک رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ایسے لوگوں کو عطا کرتے ہیں جن کا تعلق کفر سے قریبی ہے ہم ان کی تالیف (اور دلداری) کرتے ہیں۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اموال لے جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے گھروں میں لے جاؤ؟ انصار نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! تحقیق ہم راضی ہیں۔ (صحیحین)

۔۔۔

ل ہوازن ایک قبیلے کا نام ہے (جن کا بہت سا مال غنیمت غزوۂ حنین میں صحابہ کرام کے ہاتھ آیا۔ ۱۲ شرف قادری) اس عبارت میں اشارہ ہے ان اموال کی کثرت کی طرف، اس لیے کہ اس قبیلے سے بھاری مقدار میں اموالِ غنیمت حاصل ہوئے۔ روایات میں آیا ہے کہ چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چار ہزار اوقیہ چاندی، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں مال غنیمت تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بکریاں شمار سے باہر تھیں۔

(قبیلہ ہوازن نے اپنے تمام اہل وعیال اور اموال محاذِ جنگ پر جمع کر دیئے تھے تاکہ جنگجو افراد ان کی حفاظت کے خیال سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔ لیکن وہ مجاہدین صحابہ کرام کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا ۱۲ شرف قادری)

ل یہ نو مسلم اہل مکہ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ابھی نور ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ ان کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں۔

ل ہمیں کچھ نہیں دیتے۔

ل یعنی ان کے خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہے ہیں۔

ل کہ انصار اس طرح کہتے ہیں

ل جو آپ کو ہماری طرف سے پہنچائی گئی ہے

ل ہم ان سے اظہار الفت کرتے ہیں تاکہ ان کا ایمان دنیا کی امداد کے ذریعے باقی رہے۔ تالیف کا معنی ہے دو چیزوں کو آپس میں ترتیب دینا۔ تالیف کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی چیز سے ہم آہنگ پانا اسی لیے ان کا نام مؤلفۃ القلوب رکھا گیا۔

ش۵ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سب سے بڑے ماہر نفسیات (سائیکالوجسٹ) تھے اس لیے آپ نے انصار کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا جس میں اشارہ یہ تھا کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہیں اموال مل جائیں اور اہل مکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جائیں۔ انصار اس معاملے کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انہیں تو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ مکہ معظمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین شہر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فتح مکہ کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لے جائیں۔ اس لیے فوراً راضی ہو گئے یوں بھی جو کلمات کہے تھے وہ چند جذباتی نوجوانوں نے کہے تھے، سمجھدار حضرات نے کوئی بات نہیں کی تھی ۱۲ اشرف قادری)

۵۹۵۶/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَاً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِیًا وَّسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِیًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهَا الْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَّالنَّاسُ دِثَارٌ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار کے ایک فرد ہوتے[۱] اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی اور پہاڑی راستے میں چلتے تو ہم انصار کی وادی اور ان کے راستے میں چلتے[۲] انصار بنیان[۳] کی طرح اور دوسرے لوگ اوپر والے کپڑے[۴] کی طرح ہیں۔ تم ہمارے بعد ترجیح دیکھو گے[۵] تو صبر کرنا یہاں تک کہ حوض پر ہماری ملاقات کرنا[۶] (بخاری)

ل۵ یعنی اگر نسبت ہجرت کی شرافت اور فضیلت نہ ہوتی تو ہم اپنی نسبت انصار اور ان کے خطے سے کرتے اور مہاجرین کے نام سے انصار کے نام کی طرف منتقل ہو جاتے۔ اس جگہ انصار کے اعزاز اور نصرت کی نسبت کی فضیلت بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس میں ہجرت کی فضیلت اور مرتبہ مہاجرین کی جلالت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مہاجرین نے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اپنے وطنوں اور اپنے اہل وعیال کو چھوڑ دیا۔ انصار کی نصرت اور ان کا ایثار کامل فضیلت ہے۔ لیکن وہ اپنے وطن، اپنے قبیلے اور رشتہ داروں میں قیام پذیر ہیں۔ لہٰذا نصرت کی فضیلت ہجرت کے بعد ہے اور انصار کی فضیلت مہاجرین کے بعد ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم انصار سے ہجرت کی فضیلت کی وجہ سے ممتاز ہیں اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم ان ہی میں سے ہوتے اور مرتبے میں ان کے برابر اور ان کی مثل ہوتے۔ اس میں عظیم تواضع ہے اور انصار کی بڑی عزت افزائی ہے (برابری اور مماثلت کی بات بعید از قیاس ہے کیونکہ مہاجرین اپنی تمام تر فضیلت کے باوجود نہیں کہہ سکتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرتبے میں ہمارے برابر اور ہماری مثل ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق تمام صحابہ کرام کو فرمایا۔ اَیُّكُمْ مِثْلِیْ تم میں سے کون ہماری مثل ہے؟ ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو ہم اپنا شمار انصار میں کرتے۔ یہ انصار کا بہت بڑا

اعزاز اور کریمانہ حوصلہ افزائی ہے ۱۲ اشرف قادری

ٹ۲ وادی اس راستے کو کہتے ہیں جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہو۔ اس کی جمع اَوْدَاۃٌ اور اَوْدِیَۃٌ ہے شِعْبٌ شین کے نیچے زیر پہاڑی راستے اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کو کہتے ہیں۔ اس جگہ رائے اور مذہب مراد ہے یعنی اگر لوگوں کا آراء اور مذاہب میں اختلاف ہو جائے تو ہم انصار کی رائے اور ان کے مذہب کو اختیار کریں گے اور ان کے موافق ہوں گے۔ ان کی موافقت اور مرافقت کی عمدگی کا بیان کرنا مقصود ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں وفا اور ہمسائیگی کی خوبی ملاحظہ فرمائی یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں گے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدائے مطلق ہیں اور سب آپ کے تابع ہیں۔

ٹ۳ شِعار شین کے نیچے زیر، وہ اندرونی کپڑا جو جسم کے ساتھ متصل ہو، شَعْرٌ کا معنی بال ہے۔ انصار کو نبیان سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق اور اتصال ہے۔

ٹ۴ دِثار دال کے نیچے زیر، بیرونی کپڑا جسے اوپر پہنا جاتا ہے جیسے اوپر لینے والی چادر یہ دَثْرٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اشتمال (پہننا)

ٹ۵ یہ انصار کو خطاب ہے۔ اَثَرَۃٌ ہمزہ اور تین نقطے والی ثاء پر زبر، ہمزے پر پیش اور ثا کو ساکن یا مفتوح بھی پڑھ سکتے ہیں (اُثْرَۃٌ۔ اُثَرَۃٌ) یہ استیثار کا اسم ہے جس کا معنی مستقل ہونا اور اختیار کرنا ہے صراح میں ہے اَلْاِسْتِیْثَارُ خود بخود کسی کام میں مصروف ہونا (یعنی کسی کے مشورے کے بغیر) ایثار کا معنی ہے منتخب کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ کو تم پر ترجیح دیں گے اور امیر (سرکردہ) بن جائیں گے۔ باوجودیکہ وہ تم سے کم مرتبہ ہوں گے لیکن تم سے بلند و بالا مرتبے پر فائز ہو جائیں گے۔ جس طرح مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔ خصوصاً حضرت امیر المومنین عثمان غنی کے زمانے اور بعض دیگر زمانوں میں، جب بنو امیہ غالب آ گئے۔

ٹ۶ اس ابتلاء اور شدت پر صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض پر ہم سے ملاقات کرنا۔ اس ارشاد میں انصار کے لیے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہے ان کے صبر کی بدولت، مروی ہے کہ بعض انصار نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے دور امارت میں بعض مہاجرین کی شکایت کی تو انھوں نے اس کا ازالہ نہ کیا۔ اس انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ تم ہمارے بعد ترجیح دیکھو گے۔ امیر معاویہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کیا حکم دیا؟ کہنے لگے صبر کا حکم دیا۔ امیر معاویہ نے فرمایا: پھر صبر کرو جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے۔

۵۹۵۷ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَهُوَ

ان ہی سے روایت ہے کہ ہم فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا: جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ امن والا ہے

اٰمِنٌ وَّمَنْ اَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ وَنَزَلَ الْوَحْيُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ اَمَّا الرَّجُلُ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ كَلَّا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ هَاجَرْتُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا اِلَّا ضِنًّا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس نے ہتھیار ڈال دیئے وہ امن والا ہے[۲]۔ انصار نے کہا اس ہستی کو ان کے قبیلے کی محبت اور ان کی بستی کی رغبت نے پکڑ لیا ہے[۳]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی[۴] آپ نے فرمایا: تم نے کہا ہے کہ اس ہستی کو ان کے قبیلے کی محبت اور ان کی بستی کی دلچسپی نے پکڑ لیا ہے۔ ہرگز نہیں میں اللہ کا بندۂ مقرب اور اس کا رسولِ گرامی ہوں[۵] میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے[۶] ہماری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ اور ہماری رحلت تمہاری وفات کے ساتھ ہے[۷]۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے یہ بات صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے غلبے کی بناء پر کہی ہے[۸] آپ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ اور تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں[۹] (مسلم)

[۱] کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔

[۲] جو مشرک ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن والا ہے۔ مروی ہے کہ جب ابوسفیان اسلام میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان ایسے شخص ہیں جو فخر اور بزرگی کو محبوب رکھتے ہیں۔ پس آپ انہیں کوئی اعزاز عطا فرمادیں جس پر یہ فخر کر سکیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے قریش کی دشمنی کے دنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امن دیا تھا اور اپنے گھر لائے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو اس خدمت کا بدلہ عطا فرما دیا۔

[۳] انصار نے جب ابوسفیان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور ان کی رعایت دیکھی حالانکہ وہ ماضی میں آپ کے شدید دشمن تھے۔ اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ امن والا ہے تو انصار کو تعجب ہوا اور حیران رہ گئے۔ ازراہِ غیرت و سادگی کہنے لگے: کہ اس ہستی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی محبت اور اپنی بستی یعنی مکہ مکرمہ کی رغبت والفت نے پکڑ لیا ہے۔ یعنی انسانی طبیعت کے تقاضے کی بناء پر ایسا ہوا ہے۔

ؐ۴ کہ انصار نے یہ کہا ہے۔
ؐ۵ یعنی ہم جو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر کی بناء پر کرتے ہیں۔
ؐ۶ ہم نے اپنے وطن سے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے فضل وکرم اور امداد و اعانت کی امید پر ہجرت کی اور تمھاری طرف اور تمھارے خطے کی طرف ہجرت کی تاکہ ظاہر کے اعتبار سے تم خدمت و نصرت انجام دو اور اس سعادت و کرامت کا شرف حاصل کرو۔ پھر انھیں تسلی دینے اور دلداری کے لیے آیندہ کلمات ارشاد فرمائے مَحْيَا کا معنی زندگی ہے یا زندگی کی جگہ۔ معنی یہ ہوگا کہ ہماری زندگی تمھاری زندگی کے ساتھ اور ہماری وفات تمھاری وفات کے ساتھ ہوگی۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہماری زندگی کی جگہ تمھاری زندگی کی جگہ کے ساتھ اور ہماری وفات کی جگہ تمھاری وفات کی جگہ کے ساتھ ہوگی۔ یعنی ہم تم سے زندگی میں جدا ہوں گے اور نہ ہی وفات میں، اطمینان رکھو کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تم ہمارے ساتھ ہو۔
ؐ۷ یعنی ہم نے جو بات کہی ہے وہ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر بخل کرتے ہوئے کہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی اور آپ کی صحبت پر بخل کرتے ہوئے نیز غیرت کی بناء پر اور اس لیے کہی ہے کہ آپ کا میلان اور آپ کی محبت دوسروں سے ہماری برداشت سے باہر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی عنایت و محبت، صحبت اور ہمسائیگی سے محروم ہو جائیں۔ غیرت محبت کو لازم ہے اور محبت ہرگز نہیں چاہتی کہ محبوب کی نظر ایک لمحے کے لیے بھی غیروں پر پڑے۔

غیرتم با تو چناں ست کہ اگر دست دہد
نگذارم کہ در آئی بخیال دگراں

مجھے آپ کے ساتھ ایسی غیرت ہے کہ اگر ممکن ہو تو میں آپ کو دوسروں کے خیال میں بھی نہ آنے دوں گا۔
ضِنٌّ اور ضِنَّةٌ کا معنی ہے بخل کرنا۔ مَضْنُوْنٌ اس نفیس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو نہ دی جاسکے۔
ؐ۹ يُعْذِرَانِكُمْ یاء پر پیش اور عین ساکن۔ اِعْذَارٌ کا معنی ہے کسی کا عذر قبول کرنا۔

۵۹۵۸/۲۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى صِبْيَانًا وَّنِسَآءً مُّقْبِلِيْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ اِلَيَّ يَعْنِي الْاَنْصَارَ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو ایک شادی کی دعوت سے آتے ہوئے دیکھا[1] تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے اللہ! تم ہمارے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہو، اے اللہ تم ہمارے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو[2] یعنی انصار[3]
(صحیحین)

ؐ۱ یہ انصار میں سے تھے۔

۳؎ بعض نسخوں میں اِلَی اللّٰہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک، صحیح بخاری میں ہے کہ یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے ۔ اس سے پہلی روایت کی تائید ہوتی ہے ۔

۴؎ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مراد لیے ۔ اَللّٰھُمَّ کا معنی یا تو قسم ہے یا یہ معنی ہے کہ اے اللہ! تو جانتا ہے میری بات کی مراد کی سچائی کو، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو دیکھا تو ان کے دیکھنے سے خوش ہو گئے اور آپ کا داعیہ محبت جوش میں آگیا تو از راہ کمال عنایت و اعزاز انھیں خبر دی اور اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا ۔

۵۹۵۹/۲۶ وَعَنْہُ قَالَ مَرَّ اَبُوْبَکْرٍ وَّالْعَبَّاسُ بِمَجْلِسٍ مِّنْ مَّجَالِسِ الْاَنْصَارِ یَبْکُوْنَ فَقَالَا مَا یُبْکِیْکُمْ قَالُوْا ذَکَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَّا فَدَخَلَ اَحَدُھُمَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ بِذٰلِکَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَصَبَ عَلٰی رَاْسِہٖ حَاشِیَۃَ بُرْدٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَلَمْ یَصْعَدْہُ بَعْدَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اُوْصِیْکُمْ بِالْاَنْصَارِ فَاِنَّھُمْ کَرِشِیْ وَعَیْبَتِیْ وَقَدْ قَضَوُا الَّذِیْ عَلَیْھِمْ وَبَقِیَ الَّذِیْ لَھُمْ فَاقْبَلُوْا مِنْ مُّحْسِنِھِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُّسِیْئِھِمْ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عباس انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں وہ رو رہے تھے ۔ ان دونوں حضرات نے پوچھا کہ آپ حضرات کو کون سی چیز رُلا رہی ہے؟[۱] انھوں نے کہا کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پاس بیٹھنا یاد آگیا ہے[۲] ان دونوں میں سے ایک[۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا[۴] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ نے اپنے سر مبارک پر چادر کا کنارہ[۵] باندھ رکھا تھا، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے[۶]، اس دن کے بعد منبر پر جلوہ افروز نہیں ہوئے[۷] آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: ہم تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتے ہیں اس لیے کہ وہ ہمارا معدہ اور ہمارا بیگ ہیں[۸] ۔ جو حق ان کے ذمہ[۹] تھا وہ انھوں نے ادا کر دیا اور جو ان کے لیے ہے[۱۰] وہ باقی ہے، اس لیے ان کے نیکوکار سے قبول کرو اور ان کے خطا کار سے درگزر کرو ۔

(بخاری)

۱؎ اور آپ کیوں رو رہے ہیں؟

۲؎ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کے دنوں کا واقعہ ہے (یعنی آج ہمیں یہ سعادت میسر نہیں ہے ۱۲ قادری) ۔

۵۲ حضرت ابوبکر یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما
۵۴ کہ انصار اپنے پاس آپ کے تشریف فرما ہونے کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔
۵۵ تَعَصُّبْ سر پر پٹی کا باندھنا۔ عِصَابہ عین کے نیچے زیر، سر پہ باندھی جانے والی پٹی۔
۵۶ تاکہ خطاب فرمائیں۔
۵۷ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا۔
۵۸ کَرِش کاف پر زبر اور راء کے نیچے زیر، بروزن کَتِفْ جانور کی اوجھڑی جیسے انسان کا معدہ ہے عَیْبَۃٌ بے نقطہ عین پر زبر، یاء ساکن، اس کے بعد باء ایک نقطے والی۔ کپڑے رکھنے والی چیز جسے بقچہ (پوٹلی) کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انصار اندرونی دوست اور ہمارے راز، امانت اور اعتماد کی جگہ ہیں۔ جانور اپنے چارے کو اوجھڑی میں جمع کرتا ہے اور انسان اپنے کپڑے، کپڑے رکھنے والی پوٹلی (آج کل بیگ) میں رکھتے ہیں عرب دل اور سینے کو بطور کنایہ کرش اور عیبہ سے تعبیر کرتے ہیں مراد چھوٹے بچے اور عیال لیتے ہیں۔ جماعت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس معنی پر محمول کرنا بھی درست ہے۔ یعنی انصار ہماری جماعت اور ہمارے صحابہ ہیں اور ہمارے عیال اور چھوٹے بچوں کی مانند ہیں کہ ان پر شفقت، مہربانی اور غمخواری زیادہ ہوتی ہے۔
۵۹ یعنی نصرت، خیرخواہی اور جان و مال کا قربان کرنا
۶۰ اور جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے لیے ہے یعنی ثواب، جنت میں داخل کرنا، یہ اس عہد کی طرف اشارہ ہے جس پر انصار نے لیلۃ العقبۃ (منیٰ شریف میں بڑے شیطان کے پاس رات کے وقت) بیعت کی اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۹/۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے۔ اس کے بدلے کہ ان کے لیے جنت ہے۔

۵۹۶۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ حَتّٰى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُوْنَ وَيَقِلُّ الْاَنْصَارُ حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيْهِ قَوْمًا وَيَنْفَعُ فِيْهِ اٰخَرِيْنَ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض وصال میں باہر تشریف لائے یہاں تک کہ منبر پر تشریف فرما ہوئے پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: اما بعد! بیشک لوگ زیادہ ہوں گے[۱] اور انصار کم ہوں گے[۲] یہاں تک کہ لوگوں میں اس طرح ہوں گے جس طرح کھانے میں نمک[۳] پس تم میں سے جو کسی کام کا والی بنے جس میں وہ ایک گروہ کو نقصان دے اور دوسرے گروہ کو فائدہ دے[۴] تو وہ ان کے نیکوکار سے قبول کرے

وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اور ان کے خطا کار سے درگزر کرے۔ (بخاری)

۱ لوگ اسلام میں دن بدن زیادہ ہوں گے، ہر طرف سے آئیں گے اور اپنے وطنوں سے ہجرت کریں گے۔

۲ کیونکہ ان کا کوئی بھی بدل نہیں ہے۔ اس لیے کہ انصار اس جماعت کا نام ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ پیش کی اور آپ کی خدمت و نصرت کی، یہ چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ حیات ظاہری ختم ہونے سے ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح کہا گیا ہے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آنے والے مہاجرین میں بھی پائی جاتی ہے (تو انصار کی کیا خصوصیت ہوئی؟ ۱۲ اشرف قادری) اس لیے ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے مہاجرین اور ان کی اولاد کی کثرت کی اور اس بات کی کہ مہاجرین مختلف شہروں میں پھیل جائیں گے وہاں قیام اور حکومت کریں گے، اس کے برخلاف انصار کا وجود کم ہوگا اور وہ باقی نہیں رہیں گے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انصار کا وجود کم ہوا جس طرح مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

۳ اس تشبیہ میں بھی انصار کی قلت کا بیان ہے، نیز ان کی تعریف کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح نمک کھانے کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح انصار کا وجود اہلِ اسلام کی اصلاح کرے گا۔

۴ یعنی والی اور حاکم ہو۔

۵۹۶۱/۲۸ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! انصار کو ان کے بیٹوں کو اور ان کے پوتوں کو بخش دے ۱ (مسلم)

۱ اس حدیث کے ظاہر سے مغفرت کی تخصیص دو مرتبوں (بیٹوں اور پوتوں) کے ساتھ معلوم ہوتی ہے اور اگر اسے ابناء (بیٹوں) کے آخری مرتبے پر محمول کیا جائے خواہ وہ کہیں بھی ہو تو بعید نہیں ہے۔ بلکہ اگر ابناء کو اولاد پر محمول کریں تو بھی بعید نہیں ہوگا۔

۵۹۶۲/۲۹ وَعَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ دُوْرِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ ثُمَّ بَنُوْ عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُوْ سَاعِدَةَ وَفِيْ كُلِّ

حضرت ابو اسید ۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انصار کے بہترین گھر بنو نجار کے ہیں ۲ پھر بنو عبد الاشہل ۳ پھر بنو حارث بن خزرج ۴ پھر بنو ساعدہ ۵ اور انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے ۶

دُوْرِ الْاَنْصَارِ خَيْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

ف۱ ابو اُسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر یا ہمزے پر زبر، سین کے نیچے زیر، دونوں طرح علماء نے بیان کیا ہے۔ دوسری صورت زیادہ صحیح ہے۔ ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے، کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے وہ بدری صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ف۲ انصار کے بہترین قبیلے اور بہترین گھر بنو نجار ہیں۔ نون پر زبر، جیم مشدد، انصار کے ایک قبیلے کا نام ہے (جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال ہونے کا شرف حاصل ہے ۱۲ شرف قادری)۔

ف۳ بنو عبد الاشہل یہ بھی انصار کا ایک قبیلہ ہے۔

ف۴ بنو حارث بن خزرج نقطے والی خاء پر زبر، زاء ساکن، راء پر زبر

ف۵ بنو ساعدہ عین کے نیچے زیر

ف۶ یعنی انصار کے تمام قبائل کو فضیلت و شرافت حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض زیادہ فضیلت والے ہیں۔ فضیلت کے مراتب مختلف ہیں لہٰذا ابتداء میں خیر کا معنی بہترین ہے اور آخر میں خیر کا معنی بہتری ہے صراح میں ہے خیر کا معنی ہے اچھائی، بھلائی اور بہترین۔

۵۹۶۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاَبَا مَرْثَدٍ بَدَلَ الْمِقْدَادِ فَقَالَ انْطَلِقُوْا حَتّٰى تَأْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا تَتَعَادٰى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلَى الرَّوْضَةِ فَاِذَا نَحْنُ بِالظَّعِيْنَةِ فَقُلْنَا اَخْرِجِي الْكِتَابَ قَالَتْ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجَنَّ الْكِتَابَ اَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَاَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَاَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلٰى نَاسٍ مِّنَ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زبیر اور مقداد کو بھیجا اور ایک روایت میں مقداد کی بجائے ابو مرثد کا نام ہے اور فرمایا تم روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ خاخ نامی باغ تک پہنچو، وہاں ایک ہودج سوار عورت ہے اس کے پاس ایک مکتوب ہے وہ اس سے لے لو چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر دوڑ رہے تھے یہاں تک کہ ہم باغ تک پہنچ گئے اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار عورت ہے۔ ہم نے کہا مکتوب نکال دے۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی مکتوب نہیں ہے ہم نے کہا کہ یا تو مکتوب نکال دے یا ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے چنانچہ اس نے اپنے جوڑے سے مکتوب نکال دیا وہ لا کر ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اچانک اس میں لکھا ہوا تھا کہ حاطب

الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ اِنِّيْ كُنْتُ امْرَاً مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ اَكُنْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ كَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَةٌ يَحْمُوْنَ بِهَا اَمْوَالَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ بِمَكَّةَ فَاَحْبَبْتُ اِذْ فَاتَنِيْ ذَالِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ اَنْ اَتَّخِذَ فِيْهِمْ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضًى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن ابی بلتعہ کی طرف سے اہلِ مکہ کے کچھ مشرک لوگوں کی طرف، اس حال میں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاملات[۵] کی خبر دے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا[۶] ہے؟ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس عمل کی بنا پر مجھے سزا دینے میں جلدی نہ فرمائیں۔ میں قریش سے وابستہ شخص ہوں[۷] خود ان میں سے نہیں ہوں آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی (اہلِ مکہ سے) رشتہ داری ہے جس کے ذریعے اہلِ مکہ مہاجرین کے اموال اور اہل وعیال کو جمع کرتے ہیں[۸] پس چونکہ میری ان سے رشتے داری نہیں ہے۔ اس لیے میں نے پسند کیا کہ ان پر کوئی احسان کروں جس کے سبب وہ میرے رشتے داروں کی حفاظت کریں[۱۲] میں نے یہ کام کفر کی بناء پر نہیں کیا[۱۳] اور نہ ہی اپنے دین سے برگشتہ ہونے کی بناء پر[۱۴] اور نہ ہی اسلام کے بعد کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس نے تمھیں سچ کہا ہے[۱۵] حضرت عمر فاروق نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں[۱۶] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بےشک وہ بدر میں حاضر ہوئے ہیں اور تمھیں کیا پتہ[۱۷]؟ شاید کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے دلوں پر مطلع ہوا۔ پس فرمایا تم جو چاہو کرو۔ تمھارے لیے جنت واجب ہو گئی ہے اور ایک روایت میں ہے: میں نے تمھیں بخش دیا ہے[۱۸]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی[۱۹]۔ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

(صحیحین)

۱؎ ابو مرثد میم پر زبر، راء ساکن اور تین نقطے والی ثاء پر زبر۔ یعنی ایک روایت میں حضرت مقداد کی جگہ حضرت ابو مرثد کا نام ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔

۲؎ خاخ نقطے والی دو خاء، مکہ روڈ پر مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔

۳؎ جو اہل مکہ کے پاس لے جا رہی ہے۔ صراح میں ہے ظَعِینَۃٌ نقطے والی ظاء اور بے نقطہ عین کے ساتھ، اس کا معنی ہے کجاوہ اور کجاوے میں بیٹھنے والی عورت۔

۴؎ جو تمھیں نکال دوں۔

۵؎ اور تمھیں ننگی کر دیں گے، بعض نسخوں میں ہے لَتُلْقِیَنَّ دو نقطے والی تاء کے ساتھ۔ یعنی تو اپنے کپڑے اتارے گی۔

۶؎ عَقِیْصَۃٌ وہ بال جنھیں گرہ لگائی گئی ہو (جوڑا) اس کی جمع ہے عِقَاصٌ عین کے نیچے زیر۔

۷؎ حاطب بے نقطہ حاء اور طاء کے ساتھ۔ ابن ابی بَلْتَعَہ باء پر زبر، لام ساکن اور تاء پر زبر۔

۸؎ اور وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کو فتح کرنے کی تیاری فرما رہے تھے آپ نے اس پروگرام کی کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ یہ راوی کا کلام ہے ورنہ حضرت حاطب نے یہ مکتوب اہل مکہ کی خوشامد اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے لکھا تھا وہ یہ عبارت کس طرح لکھ سکتے تھے؟ کہ حاطب کی طرف سے کچھ مشرک لوگوں کے نام۔ اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور کسی کو اس حال کی حقیقت کی اطلاع نہیں دی تھی۔ یہ ایک چال تھی جو جنگ میں جائز ہے۔ شعر

سکندر کہ باشرقیاں حرب برداشت
در خیمہ گویند در غرب برداشت

سکندر جو مشرق کے لوگوں سے جنگ کرتا تھا کہتے ہیں کہ خیمے کا دروازہ مغرب میں رکھتا تھا۔ یہ شیخ سعدی کا شعر ہے یہ بھی فرماتے ہیں کہ از چپ آوازہ انداخت از راست رفت وہ بائیں جانب جانے کا تاثر دیتا تھا اور دائیں جانب جاتا تھا۔ اسے جنگی چال (اسٹراٹیجی) کہتے ہیں ۱۲ اشرف قادری۔

حضرت حاطب صحابی تھے انھوں نے اہل مکہ کو تحریری اطلاع بھجوائی اور حقیقت حال سے آگاہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرف آرہے ہیں، ہوشیار ہو جاؤ۔

۹؎ تمھارا یہ مکتوب لکھنا اور مشرکین مکہ کو حقیقت حال کی اطلاع دینا کیا ہے؟

۱۰؎ حضرت حاطب قریش کے حلیف تھے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ان کے غلام تھے۔

۱۱؎ ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیریں مہاجرین کی طرف راجع ہوں (یعنی مہاجرین رشتہ داری کی بنا پر اپنے اموال

اور اہل وعیال کو جمع کرتے ہیں ۔ ایک نسخے میں یَحْمُوْنَ ہے ۔ بے نقطہ حاء کے ساتھ ، یعنی مہاجرین اپنے اموال اور عیال کی حفاظت کرتے ہیں ۔ یہ نسخہ زیادہ واضح ہے (۱۲ شرف قادری)

۱۲ یعنی میں نے یہ کام اپنے ان رشتہ داروں کے فائدے کے پیشِ نظر کیا ہے جو مکہ معظمہ میں ہیں مشرکین میری خوشامد کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کا خیال کریں گے ۔

۱۳ یعنی اس لیے یہ کام نہیں کیا کہ میں کافر اور منافق ہوں اور دل سے ایمان نہیں لایا ۔

۱۴ اس لیے یہ کام نہیں کیا کہ میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا ہوں اور اپنے دین سے نکل گیا ہوں ۔

۱۵ اور حقیقتِ حال وہی ہے جو اس نے کہی ہے ۔

۱۶ شارحین کہتے ہیں کہ شاید واقعہ کے بیان کرنے میں تقدیم وتاخیر ہو گئی ہو ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدیق فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بات کہنا بعید ہے ۔

۱۷ گویا حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ کیا ہوا اگرچہ یہ بدر میں حاضر تھے ۔

۱۸ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر نظرِ رحمت وشفقت فرمائی ۔ لَعَلَّ ترجی اور امید رکھنے کے معنی میں آتا ہے اس کا تعلق حضرت عمر فاروق سے ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ حال کا یقین تھا ۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ لَعَلَّ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ اہلِ بدر اس پر اعتماد اور تکیہ نہ کرلیں اور عمل نہ چھوڑ دیں اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ تم جو چاہو کرو ، کرم اور عنایت کے اظہار کے لیے ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھیں اجازت دے دی ہے کہ جو چاہیں کریں ، اچھی طرح سمجھ لیجیے ، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۱۹ حضرت حاطب اور ان کے امثال کو اس فعل سے روکنے کے لیے ۔

(فائدہ : غور کیجیے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے ایک ٹاپ سیکرٹ جنگی راز افشا کرنے کی کوشش کی تھی ، دنیا کی کوئی حکومت ایسے عمل کو معاف نہیں کرے گی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل کی کیفیت پر آگاہ ہو کر اس لیے انھیں معاف کر دیا کہ وہ اہلِ بدر میں سے ہیں ۔ ہمارے قائرین کو یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے اور اگر کسی شخص سے خطا سرزد ہو جائے تو اس کی سابقہ خدمات اور قربانیوں پر پانی نہیں پھیر دینا چاہیے ۱۲ شرف قادری) ۔

۵۹۶۴ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ قَالَ مِنْ اَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ

حضرت رفاعہ ابن رافع[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے آپ اپنے درمیان اہلِ بدر کو کس مرتبے پر رکھتے ہیں[۲] فرمایا ہم انھیں افضل مسلمان قرار دیتے ہیں ۔ یا اس

وَكَذَالِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

جیسا کوئی کلمہ فرمایا[3] جبرئیل امین نے کہا: اسی طرح وہ فرشتے ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے[4]

(بخاری)

[1] رفاعہ راء کے نیچے زیر، اس کے بعد فاء ابن رافع انصاری اور بدری صحابی ہیں۔

[2] اور انھیں کس گروہ میں شمار کرتے ہیں۔

[3] جس سے ان کی شرافت اور مرتبے کی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔

[4] ہم ان کی فضیلت جانتے ہیں۔

۵۹۶۵ وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا يَدْخُلَ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَّالْحُدَيْبِيَّةَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْهِ يَقُوْلُ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اَحَدٌ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام المؤمنین حفصہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں امید ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا[2] تو کوئی ایسا شخص جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہوگا جو بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؟کہ تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر وہ دوزخ کی آگ میں آنے والا ہے[3] (ترجمہ) فرمایا پس تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا[4] اور ایک روایت میں ہے: آگ میں داخل نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی، جنھوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی[5]

[1] حضرت حفصہ ام المؤمنین اور حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب کی صاحبزادی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

[2] اللہ تعالیٰ کی مشیت کی قید شک کے لیے نہیں بلکہ رغبت اور بارگاہِ الٰہی کے ادب کے لیے ہے۔

[3] یعنی پل صراط سے گزرتے وقت، مطلب یہ ہے کہ جب دوزخ میں آنا تمام انسانوں کو شامل ہے تو اہلِ بدر و حدیبیہ سے اس کی نفی کس طرح درست ہوگی؟

[4] پس آگ سرد اور سلامتی والی ہو جائیگی۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوئی تھی یعنی آگ میں داخل ہوں گے اور چمکنے والی بجلی یا آندھی کی طرح گزر جائیں گے اور اس آگ سے انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ مراد ہے داخل ہونے کی نفی سے۔ اور یہ کیفیت متقیوں کے لیے ہوگی۔ اہلِ بدر اور حدیبیہ اس جماعت میں

داخل ہیں ۔

سلہ یہ اصحاب شجرہ کی تفسیر (اور صفت) ہے یہ درخت حدیبیہ میں تھا ۔

۵۹۶۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو تھے سلہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آج روئے زمین کے بہترین لوگ ہو۔ (صحیحین)

سلہ ایک روایت میں ہے کہ تیرہ سو تھے ، ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق شرح (لمعات) میں بیان کی گئی ہے ۔

۵۹۶۷ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ فَأَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ أَجِدَ ضَالَّتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي صَاحِبُكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَذُكِرَ حَدِيثُ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو پہاڑ کے بلند راستے ثنیۃ المرار سلہ پر چڑھے گا ؟ اس لیے کہ شان یہ ہے کہ اس سے وہ کچھ کم کیا جائے گا جو بنی اسرائیل سے کم کیا گیا سلہ سب سے پہلے جو اس گھاٹی پر چڑھے وہ ہمارے یعنی بنو الخزرج کے گھوڑے تھے۔ پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب بخشے ہوئے ہو سوائے سرخ اونٹ والے کے ، ہم اس کے پاس آئے اور کہا: کہ تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائے مغفرت فرمائیں ۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنی گمشدہ چیز کا پالینا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تمھارے صاحب میرے لیے دعائے مغفرت کریں (مسلم) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں سورہ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا پڑھ کر سناؤں ، یہ حدیث فضائلِ قرآن کے بعد والے باب میں ذکر کر دی گئی ہے ۔ سلہ

ڡ۵ ثَنِيَّة" تین نقطوں والی ثاء پر زبر، نون کے نیچے زیر، یاء مشدد، اس کا معنی ہے بلند پہاڑی راستہ، مرار، میم پر پیش، اس پر زبر بھی آئی ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حدیبیہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رات کے وقت پہنچے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھاٹی پر تیزی سے چڑھنے کی ترغیب دی بظاہر حکمت یہ تھی کہ اہل مکہ کے حال پر آگاہی حاصل کی جائے کہیں وہ کسی جگہ گھات لگائے نہ بیٹھے ہوں کہیں برا منصوبہ بنا کر اپنی ہلاکت کی کوشش نہ کر رہے ہوں اسی طرح کہا گیا ہے۔

ڡ۶ یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرف وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ اور کہو ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمارے گناہ معاف فرما، ہم تمھیں معاف کر دیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک جنگل میں حیران اور سرگرداں رہے۔ بادل ان پر سایہ فگن رہا۔ انھیں منّ وسلویٰ عطا کیا گیا۔ اس کے بعد ان کو اس جنگل سے نکالا گیا اور حکم دیا گیا کہ شام کی اریحا نامی بستی میں داخل ہو جاؤ، سجدہ کرو، گناہوں کی معافی کی دعا کرو اور استغفار کرو تاکہ تمھارے گناہ بخش دیئے جائیں لیکن انھوں نے دو بدل کر دیا اور توبہ واستغفار کی بجائے دنیا کی پسندیدہ اغراض کا مطالبہ کیا تو ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ پس بنی اسرائیل سے کم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا کہ جو ثنیۃ مرار پر چڑھے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس سے وہ کچھ کم کر دیا جائے گا جس کے کم کرنے کا وعدہ بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا۔

ڡ۷ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ سب سے پہلے بنو خزرج کے گھوڑے چڑھے۔ بنو خزرج انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ حضرت جابر بھی اسی قبیلے سے تھے۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انصار دو قبیلے تھے (۱) اوس اور (۲) خزرج، یہ دونوں بھائی تھے (ان کی اولاد انھیں کے نام سے پکاری گئی) ثُمَّ تَتَامَّ دونوں تاء مفتوح اور میم مشدد

ڡ۸ اس کا وہی سرخ اونٹ گم ہو گیا تھا یا کوئی اور چیز۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ شخص کافر تھا وہ اپنے آپ کو منافقت کے ساتھ مسلمانوں میں چھپایا ہوا تھا۔

ڡ۹ صاحب مصابیح نے یہ حدیث اس فصل میں ذکر کی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ شریف نے ذکر قرآن کی وجہ سے اس جگہ ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۵۹۶۸/۲۵ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے بعد

مِنْ بَعْدِیْ مِنْ اَصْحَابِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْیِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّکُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَفِیْ رِوَایَةِ حُذَیْفَةَ مَا حَدَّثَکُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ بَدَلَ وَ تَمَسَّکُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

ہمارے دو صحابیوں، ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو[1] اور عمار کی سیرت کو اختیار کرو[2] اور ابن ام عبد[3] کے انداز کو مضبوطی سے پکڑو۔ حضرت حذیفہ کی روایت میں ابن ام عبد کے انداز کو مضبوطی سے پکڑو کی بجائے یہ ہے کہ تمھیں جو کچھ ابن مسعود بیان کریں[4] اس کی تصدیق کرو (ترمذی)

[1] جو ہمارے بعد خلیفہ ہوں گے۔

[2] اِهْتَدُوْا دال پر پیش، اس میں اشارہ ہے۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف (کیونکہ اختلافِ صحابہ کے وقت حضرت عمار بن یاسر، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ۱۲ اشرف قادری)

[3] یعنی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اُمّ عبد ان کی والدہ کی کنیت ہے۔ جیسے اس سے پہلے بیان ہوا۔

[4] دین کے امور اور احکام بیان کریں تو ان کی تصدیق کرو اور انھیں سچا جانو۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو بیان فرمایا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم اس شخصیت کو مؤخر نہیں کر سکتے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز پڑھانے کے لیے) آگے کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے۔

۵۹۶۹/۲۶ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ کُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا مِنْ غَیْرِ مَشُوْرَةٍ لَاَمَّرْتُ عَلَیْهِمْ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہم کسی کو بغیر مشورے کے امیر بناتے تو ہم ان لوگوں پر ابن ام عبد کو امیر بناتے[1]
(ترمذی، ابن ماجہ)

[1] یعنی انھیں امیر بنانے میں مشورے اور سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے۔ شارحین کہتے ہیں کہ ابن اُمّ مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی معین لشکر یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کسی معاملے کا امیر بنانا مُراد ہے۔ ورنہ آپ کے بعد خلافت قریش کے ساتھ مخصوص ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ قریشی نہیں ہیں۔

۵۹۷۰/۲۷ وَعَنْ خَیْثَمَةَ بْنِ اَبِیْ سَبْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَسَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ

حضرت خیثمہ ابن ابی سبرہ[1] سے روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی

يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا فَيَسَّرَ لِي أَبَا هُرَيْرَةَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ إِنِّي سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا فَيَسَّرَ لِي فَوُفِّقْتَ لِي فَقَالَ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ جِئْتُ أَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَأَطْلُبُهُ فَقَالَ أَلَيْسَ فِيكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ مُجَابُ الدَّعْوَةِ وَابْنُ مَسْعُودٍ صَاحِبُ طَهُورِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّارُ الَّذِي أَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلْمَانُ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ يَعْنِي الْإِنْجِيلَ وَالْقُرْآنَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کہ مجھے اچھا ہم نشیں میسر فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابو ہریرہ میسر فرمائے ۔ میں ان کے پاس بیٹھا اور عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھے اچھا ہم نشیں عطا فرمائے تو آپ کو میسر کر دیا اور آپ میرے لیے موافق کر دیئے گئے[۲] انھوں نے فرمایا تم کہاں سے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں اہل کوفہ میں سے ہوں ۔ میں نیکی کی طلب اور تلاش میں آیا ہوں[۳] فرمایا کیا تم میں یہ حضرات نہیں ہیں؟ سعد بن مالک[۴] جو مستجاب الدعوات ہیں اور ابن مسعود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کا اہتمام کیا کرتے تھے[۵] اور صاحب نعلین تھے[۶] اور حضرت حذیفہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز تھے[۷] اور عمار جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان سے پناہ دی[۸] اور دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن والے سلمان فارسی[۹] رضی اللہ تعالیٰ عنہم (ترمذی)

[۱] خیثمہ نقطے والی خاء ، یا ساکن اور تین نقطے والی ثاء پر زبر ، ابن ابی سبرہ بے نقطہ سین پر زبر ، باء ساکن ، اکابر اور ثقہ تابعین میں سے ہیں ۔

[۲] وُفِّقْتَ فاء کی تخفیف کے ساتھ ، صیغہ مجہول ، وَفْق سے ہے جس کا معنی ہے موافق واقع ہونا ، بعض نسخوں میں فَيَسَّرَ لِي نہیں ہے ۔

[۳] اپنی ذات کے لیے

[۴] حضرت سعد بن ابی وقاص مراد ہیں ۔ ان کے والد ابو وقاص کا نام مالک ہے ۔

[۵] آپ کے وضو کا پانی ان کے حوالے تھا اور وہ پانی مہیا رکھتے تھے اور حاضر کرتے تھے ۔ طَهور طاء پر زبر ، اس کا معنی ہے پاک کرنے والا یعنی پانی اور طُهور طاء کے پیش کے ساتھ ، اس کا معنی طہارت ہے ۔

[۶] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک بحفاظت رکھتے تھے (اور بوقت ضرورت پیش کر دیتے تھے ۔

[۷] ان کے پاس منافقوں کا علم تھا ۔

شہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمار کو شیطان اور اس کی پیروی سے محفوظ فرمایا ہے ۔

ؐ کیونکہ وہ انجیل پڑھ کر اس پر ایمان لائے تھے اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن پاک پڑھا ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی تھی ۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی عمر تین سو سال تھی ۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر اڑھائی سو سال تھی واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ان کا لقب سلمان الخیر ہے ان کے والد کا نام معلوم نہیں ہے ۔ جب ان سے والد کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے میں اسلام کا بیٹا ہوں ۔ رضی اللہ عنہ

۵۹۷۱/۳۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ اَبُوْبَکْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ نِعْمَ الرَّجُلُ اَبُوْعُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَّاحِ نِعْمَ الرَّجُلُ اُسَیْدُ بْنُ الْحُضَیْرِ نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھے مرد ہیں ابوبکر، اچھے مرد ہیں عمر، اچھے مرد ہیں ابوعبیدہ ابن الجراح، اچھے مرد ہیں اسید بن حضیر[۱]، اچھے مرد ہیں ثابت بن قیس، اچھے مرد ہیں معاذ بن جبل اچھے مرد ہیں معاذ بن عمرو بن الجموح[۲] (ترمذی) انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ۔

لہ اُسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر، علماء نے ہمزے پر زبر اور سین کے نیچے زیر کے ساتھ بھی بیان کیا ہے ۔ ابن حضیر بے نقطہ حاء پر پیش اور نقطے والی ضاد پر زبر ۔

ئہ معاذ بن عمرو بن الجموح، جیم پر زبر اور بے نقطہ حاء کے ساتھ، انصاری صحابی ہیں ۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے ۔ غالباً یہ اکابر صحابہ مہاجرین اور انصار ایک مجلس میں حاضر تھے اس لیے ان میں سے ہر ایک کو مدح و ثنا سے مشرف فرمایا یا ان حضرات کو جمع کرنے کی کوئی دوسری تقریب (مناسبت) ہوگی ۔

۵۹۷۲/۳۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْجَنَّۃَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلٰثَۃٍ عَلِیٍّ وَعَمَّارٍ وَسَلْمَانَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک جنت تین افراد کی مشتاق ہے (۱) علی مرتضیٰ (۲) عمار اور (۳) سلمان[۱] (ترمذی)

لہ مقصد ان تین حضرات کے جنتی ہونے کی اس حد تک تاکید اور اس میں مبالغہ ہے کہ جنت ان کی مشتاق اور ان کے لیے بے تاب ہے کہ کب یہ اس میں آئیں ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اہل جنت یعنی فرشتوں اور حور و غلمان کا شوق مراد ہے ۔

۵۹۷۳/۴۰ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اسْتَاْذَنَ عَمَّارٌ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کہ عمار بن یاسر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا انھیں اجازت دو - پاکیزہ اور پاک کیے ہوئے کو خوش آمدید[۱] (ترمذی)

[۱] وہ شخص جو اپنی ذات کے اعتبار سے پاک ہے اور اسے تہذیب صفات و اخلاق سے پاک کیا گیا ہے۔

۵۹۷۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَشَدَّهُمَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمار بن یاسر کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو انھوں نے ان دونوں میں سے وہ کام اختیار کیا جو ان کے لیے سخت ترین تھا[۱] (ترمذی)

[۱] یعنی وہ کام جس میں احتیاط اور فضیلت زیادہ تھی جیسے کہ قرب اور طاعت کے راستے کے سالکوں کا طریقہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آسان اور رخصت والا کام اختیار کرتے تھے تو اس کے لیے کہ آپ امت کو سہولت اور آسانی عطا فرمانا چاہتے تھے۔ بعض نسخوں میں ہے اَرْشَدَهُمَا یہ رشد و ہدایت سے مشتق ہے۔ معنی یہ کہ عمار اس کام کو اختیار کرتے ہیں جو زیادہ ہدایت والا ہوتا ہے۔ یہ پہلے معنی کے قریب ہے

۵۹۷۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا حُمِلَتْ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مَا اَخَفَّ جَنَازَتَهٗ وَذٰلِكَ لِحُكْمِهٖ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے؟ اور یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے بنو قریظہ کے بارے میں حکم کیا تھا۔ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا بے شک فرشتے انھیں اٹھائے ہوئے تھے[۱] (ترمذی)

[۱] بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ ہے ان کا واقعہ یہ ہے کہ یہ قبیلہ حضرت سعد بن معاذ کی امان اور ان کے معاہدہ میں تھا۔ یہ لوگ ان کے عہد میں قلعے سے نیچے آ گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کہا کہ آپ ان کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں انھوں نے عرض کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر عمل فرمایا اور سعد بن معاذ کو فرمایا: آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔

منافقوں کو بات کرنے کا موقع مل گیا انھوں نے زبان طعن دراز کی اور کہا کہ ان کے جنازے کے ہلکا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ ناحق فیصلہ کیا تھا، یہ ان کی بکواس تھی۔ جنازے کے ہلکا ہونے کی اس بات سے کیا مناسبت ہے؟ (وجہ وہ تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ۱۲ اشرف قادری) آپ نے خبر دی کہ ستر ہزار فرشتے سعد کے جنازہ پر حاضر ہوئے۔

۵۹۷۶ / ۴۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقَ مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نیلگوں آسمان نے ابوذر غفاری سے زیادہ سچے شخص پر سایہ نہیں ڈالا اور گرد آلود زمین نے کسی ایسے شخص کو نہیں اٹھایا [۱] (ترمذی)

[۱] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ اور اصحاب فقر و تجرید و زہد میں سے تھے۔ ان کے حالات اس کتاب کے بعض مقامات پر لکھے گئے ہوں گے۔ شارحین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور مبالغہ ہے یا انبیاء کرام اور ان صحابہ کرام کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہے جو ان سے زیادہ فضیلت رکھنے والے ہیں۔

۵۹۷۷ / ۴۴ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِيْ لَهْجَةٍ اَصْدَقَ وَلَا اَوْفٰى مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ شِبْهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَعْنِيْ فِي الزُّهْدِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے نہیں اٹھایا ایسے صاحب زبان کو جو ابوذر سے زیادہ سچا اور صاف گو ہو۔ [۱] ابوذر، عیسیٰ ابن مریم کے مشابہ ہیں یعنی زہد میں [۲] (ترمذی)

[۱] کیونکہ وہ حق بات کہنے میں کسی چشم پوشی اور مداہنت سے کام نہیں لیتے اور حق بات کہہ دیتے ہیں، اگرچہ تلخ ہو جیسے کہ ان کے احوال میں مذکور ہے۔ لَهْجَةٌ لام پر زبر اور ہا ساکن، اس کا معنی زبان ہے مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ متعلق ہے اَصْدَقُ اور اَوْفٰى دونوں سے۔

[۲] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مذہب میں مال کا ذخیرہ کرنا حرام تھا اگرچہ آدمی حق زکوٰۃ ادا کرے یہ الفاظ يَعْنِيْ فِي الزُّهْدِ راوی کے الفاظ ہیں اور مصابیح میں مذکور نہیں ہے۔

۵۹۷۸ / ۴۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ الْتَمِسُوا الْعِلْمَ عِنْدَ اَرْبَعَةٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا:

عِنْدَ عُوَیْمِرٍ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَعِنْدَ سَلْمَانَ وَعِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعِنْدَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامِ الَّذِیْ کَانَ یَھُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ عَاشِرُ عَشَرَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

چار حضرات سے علم طلب کرو (۱) عویمر بن ابو الدرداء [1] (۲) سلمان [2] (۳) ابن مسعود [3] (۴) عبداللہ ابن سلام جو یہودی تھے پھر اسلام لے آئے تھے [4] اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ جنت میں دس افراد میں سے دسویں ہیں [5] (ترمذی)

[1] عُوَیمر عین پر پیش، واؤ پر زبر (میم کے نیچے زیر) اور آخر میں راء اَبی الدرداء ان کا نام عُویمر ہے اور ابوالدرداء کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ یہ کنیت ان کی بیٹی کی نسبت سے ہے جن کا نام درداء ہے حضرت ابوالدرداء انصاری خزرجی ہیں۔ فقیہ، عالم، زاہد اور اہلِ صُفّہ کے حکیم تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور حضرت سلمان فارسی کو بھائی بنایا تھا۔

[2] سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مناقب مشہور ہیں اور اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

[3] حضرت ابنِ مسعود کے مناقب بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے (اس لیے کہ مشہور و معروف ہیں اور اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

[4] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے پہلے دن اسلام لائے۔ تورات کے پڑھنے کی بناء پر پہلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم و معرفت رکھتے تھے اور آپ کی زیارت کے مشتاق تھے۔ ؎

عمرہا بود کہ مشتاقِ لقایت بودم
لاجرم روئے ترا دیدم و از جا رفتم

(میں مدتوں سے آپ کی زیارت کا شوق رکھتا تھا، لازمی بات ہے کہ میں نے آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو بے خود ہوگیا۔)

[5] یعنی دس جنتی افراد میں سے دسویں کی مانند ہیں۔ یہ تاویل اس لیے کی کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے نہیں ہیں۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ ان کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے فِی الْجَنَّۃِ کو عَشَرَۃٍ کی صفت قرار دیا ہے اور عشرۃ سے عشرہ مبشرہ مراد لیے ہیں۔ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہونے والے دسویں ہوں گے۔ ان سے پہلے صرف نو جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جس جماعت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے وہ دسویں جماعت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۹۶۹/۴۶ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَوِاسْتَخْلَفْتَ قَالَ اِذَا اسْتَخْلَفْتُ

حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَأَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کتنا اچھا ہوتا کہ آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے۔ آپ نے فرمایا: اگر ہم کسی کو تم پر خلیفہ مقرر کر دیتے اور تم اس کی نافرمانی کرتے [۱] تو تمھیں عذاب دیا جاتا، لیکن تمھیں جو کچھ حذیفہ بیان کریں اس کی تصدیق کرو [۲] اور تمھیں جو کچھ عبد اللہ ابن مسعود پڑھائیں اسے پڑھو [۳] (ترمذی)

[۱] تم اس کی اطاعت نہ کرتے، اس کی خدمت کو قبول نہ کرتے اور ان کی مخالفت کرتے تو تمھیں عذاب دیا جاتا۔

[۲] اور انھیں سچا جانو

[۳] شارحین نے اس کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے لیے یہ ضروری اور اہم نہیں ہے کہ ہم سے خلیفہ بنانے کا سوال کرو کیونکہ تم جس شخص کو خلافت کا اہل سمجھو گے، تمھارے اجماع اور اتفاق سے وہ خلیفہ بن جائے گا۔ علاوہ ازیں تخصیص کے ساتھ کسی کو خلیفہ مقرر کرنے سے مانع موجود ہے۔ تمھارے لیے ضروری یہ ہے کہ تم کتاب و سنت پر عمل کرو اور انھیں مضبوطی سے تھام لو۔ اس سلسلے میں خاص طور پر حضرت حذیفہ اور ابنِ مسعود کا ذکر فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم اور یقین میں انھیں بڑا مرتبہ اور بڑی فضیلت حاصل ہے۔ نیز منافقت سے اجتناب کا علم ہے۔ یہ علم حضرت حذیفہ کے پاس تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور انھیں منافقین کا علم تھا اور ان احکام کا علم تھا جن کی تعمیل کرنی چاہیے۔ یہ علم حضرت ابنِ مسعود کے پاس تھا، کیونکہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا رَضِيْتُ لِاُمَّتِيْ مَا رَضِيَ بِهِ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ ہم اپنی امت کے لیے اس چیز پر راضی ہیں جس پر ابن ام عبد یعنی عبد اللہ ابن مسعود راضی ہیں۔ یہ بھی فرمایا تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ ابن مسعود کی نصیحت کو مضبوطی سے پکڑو۔ شارحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس فصل کی پہلی حدیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا بیان بھی ہے کیونکہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کو ہمارے دین کے کام یعنی نماز کے کام میں آگے کیا تو ہم انھیں اپنی دنیا کے کام (خلافت) میں پیچھے نہیں کریں گے۔

۵۹۰۰ وَعَنْهُ قَالَ مَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ تُدْرِكُهُ الْفِتْنَةُ اِلَّا اَنَا اَخَافُهَا عَلَيْهِ اِلَّا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس شخص کو بھی فتنہ لاحق ہو مجھے خوف ہے کہ فتنہ اس میں اثر کر جائے گا سوائے محمد بن مسلمہ [۱] کے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمھیں فتنہ نقصان نہیں

وَسَکَتَ عَنْہُ وَ اَقَرَّہُ عَبْدُ الْعَظِیْمِ الْمُنْذِرِیُّ ۔

دے گا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا اور اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ۲؎ شیخ عبدالعظیم منذری ۳؎ نے اس حدیث کو برقرار رکھا

۱؎ محمد بن مسلمہ میم پر زبر، سین ساکن اور لام پر زبر، انصاری خزرجی اور اشہلی ہیں۔ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبوک کے موقع پر خلیفہ مقرر کیا وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ میں اسلام لائے اور سن ۴۳۔۴۶ یا ۴۷ھ میں انتقال کیا۔ فتنے کے دنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گوشہ نشینی اختیار کی اور فتنے کے نقصان اور شر سے محفوظ رہے۔

۲؎ یعنی اس پر طعن نہیں کیا، اگرچہ اسے صحیح یا حسن بھی قرار نہیں دیا۔ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے وہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف قابلِ استدلال ہے جیسے کہ اپنی جگہ مذکور ہے۔

۳؎ جو علماء محدثین میں سے ہیں۔ دراصل مشکوٰۃ شریف میں یہ جگہ خالی تھی۔ حاشیہ میں یہ عبارت علامہ جزری کی لکھی ہوئی ہے۔

۵۹۸۱ / ۴۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی فِیْ بَیْتِ الزُّبَیْرِ مِصْبَاحًا فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ مَا اُرٰی اَسْمَاءَ اِلَّا قَدْ نُفِسَتْ وَلَا تُسَمُّوْہُ حَتّٰی اُسَمِّیَہٗ فَسَمَّاہُ عَبْدَ اللّٰہِ وَحَنَّکَہٗ بِتَمْرَۃٍ بِیَدِہٖ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام ۱؎ کے گھر میں چراغ دیکھا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! ہمارا گمان ہے کہ اسماء کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے ۲؎ تم اس کا نام نہ رکھنا، ہم اس کا نام رکھیں گے۔ چنانچہ آپ نے ان کا نام عبداللہ رکھا ۳؎ اور اپنے دستِ اقدس سے انہیں کھجور کے ساتھ گھٹی دی ۴؎

(ترمذی)

۱؎ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے، حضرت ابوبکر صدیق کے داماد اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے شوہر ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

۲؎ یعنی اس وقت چراغ کا جلانا اس بات کی علامت ہے کہ اسماء جو حاملہ تھیں ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے نُفِسَتْ نون پر پیش، فاء کے نیچے زیر، صیغہ مجہول نون کی زبر کے ساتھ بھی شارحین نے لکھا ہے۔ صراح میں ہے نِفَاسٌ عورت کا بچہ جننا (زچگی)

سلہ یہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ہیں۔ ان کے مناقب اور واقعات مشہور و معروف ہیں۔ وہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والے پہلے فرد ہیں۔

سلہ تحنیک کھجور یا کسی اور چیز کو چبا کر نومولود بچے کے تالو میں لگانا اور یہ سنت ہے۔

۵۹۸۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمِیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِیَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِیًا مَّهْدِیًّا وَاهْدِ بِهٖ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ سلہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کے بارے میں دعا مانگی: اے اللہ انھیں ہدایت دینے والا اور ہدایت دیا ہوا بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت عطا فرما سلہ (ترمذی)

سلہ عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ عین پر زبر، میم کے نیچے زیر اور یاء ساکن، مضطرب الحدیث، صحابہ میں سے ہونا ثابت نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ صحابی ہیں۔ امام ترمذی نے ان سے یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔

سلہ یاد رہے کہ امام سیوطی اور صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ محدثین کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کے فضائل میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جامع الاصول میں ہے کہ جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ لکھا ہے۔ وحی کی کتابت ثابت نہیں ہے۔ البتہ ان کی شان میں ایک حدیث وارد ہے جسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! معاویہ کو لکھنا اور حساب سکھا دے اور ان کو عذاب سے محفوظ فرما (اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ) اس حدیث کے متعدد طرق ہیں۔ بعض روایات میں ان کلمات کا اضافہ ہے وَمَكِّنْ لَهٗ فِی الْبِلَادِ اور انھیں شہروں میں قیام اور قدرت عطا فرما۔ تمکین کا معنی ہے کسی جگہ پاؤں رکھنا۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ہے یَا مُعَاوِیَةُ اِذَا مَلَكْتَ فَاسْجَحْ اے معاویہ جب تم مالک اور بادشاہ بن جاؤ تو لوگوں سے نرمی برتنا، ان پر سختی نہ کرنا اور ایک روایت میں ہے فَاَحْسِنْ تو لوگوں پر احسان کرنا اور ان سب سے اوپر یہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے امام عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ سے روایت کیا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مخفی نہ رہے کہ ہدایت کا معنی راستہ دکھانا ہے اور یہ علم کی فرع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ دین کے احکام اور اوامر و نواہی کے عالم تھے۔ اگرچہ اس علم میں ان کے درجات مختلف تھے۔ حدیث شریف (اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ)، ہمارے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے کا اسی پر مدار ہے۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ (اور ہر مسئلے) میں ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ ہوں۔ ان کا یہ وصف اس مسئلے کے ماسوا میں ہوگا۔

جہاں انھوں نے خطا کی ہو اور حق ان کے ہاتھ نہ آیا ہو اور فتنہ و ابتلاء میں واقع ہو کر راہ ہدایت سے برگشتہ نہ ہوگئے ہوں۔ اس واقعے کے علاوہ وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب ہدایت بھی جیسے کہ مخفی نہیں ہے۔ یہ بات حق ہے۔ برخلاف دونوں طرف (سُنی اور شیعہ) کے متعصبین کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۹۸۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)

حضرت عقبہ بن عامر[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اسلام لائے اور عمرو بن عاص ایمان لائے[۲] (ترمذی) انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

[۱] حضرت عقبہ بن عامر صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کو معزول کر کے انھیں مصر کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد انھیں بھی معزول کر دیا ۵۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، ان سے حضرت جابر، ابن عباس اور کثیر تابعین نے روایت کی۔ اسی طرح جامع الاصول میں ہے۔ ذہبی نے کاشف میں ان کے بارے میں کہا کہ: کبیر صحابی تھے۔ امیر، شریف، فصیح، قرارت کے استاد، علم میراث کے ماہر اور شاعر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] ناس (لوگوں) سے مراد مکہ معظمہ کے وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے دن جبرًا قہرًا اسلام لائے۔ اس کے بعد جسے اللہ تعالیٰ کو منظور صحیح ایمان حاصل ہوگیا۔ ان میں سے عمرو بن عاص اطاعت اور رغبت کے ساتھ ایمان لائے اور حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت نجاشی (شاہِ حبشہ) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ پس کسی کی طرف کے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور دوڑتے ہوئے مدینہ منورہ آئے اور ایمان لائے۔ اسلام لانے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں زور شور سے حصہ لیتے تھے۔ ان کی ایمان کے ساتھ تخصیص اور دوسرے لوگوں کی طرف اسلام کی نسبت اس اعتبار سے ہے جب انھوں نے ایمان لانے کا ارادہ کیا تو بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تم نے ہاتھ کیوں کھینچ لیا ہے؟ کہنے لگے یا رسول اللہ! میری ایک شرط ہے آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے جو گناہ کیے ہیں وہ سب بخش دیئے جائیں۔ فرمایا عمرو! تم نہیں جانتے؟ کہ اسلام ہر اس گناہ کو ختم کر دیتا ہے اور ڈھانپ دیتا ہے جو اس سے پہلے کیا گیا ہو۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عمرو بن عاص اور ان کے بھائی ہشام بن عاص دونوں مومن ہیں۔ یہ بھی آیا ہے کہ عمرو بن عاص صالحین قریش میں سے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا اِنَّكَ لَرَشِيْدٌ بے شک تم ہدایت والے ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا: عمرو بن عاص دوسروں سے بہتر صدقہ لاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمرو بن عاص بڑے عقل مند اور دانش ور تھے جب کسی کو عیب والا اور پلید دیکھتے تو کہتے سبحان اللہ! اس کا اور عمرو بن عاص کا خالق ایک ہے (اس نے ایک کو پاک کیا اور دوسرے کو پلید بنایا) روایت ہے کہ وہ دنیا سے رخصت کے وقت خوفزدہ، بے چین اور بے کل تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے عرض کیا والدِ محترم! یہ گھبراہٹ کیا ہے؟ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر آئی اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے۔ انھوں نے فرمایا: بیٹے مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں، میں ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ اس کے بعد مسلمان ہوگیا اور میں آپ سے محبت رکھتا تھا۔ اس کے بعد میں امارت وولایت میں مبتلا ہوا اور دنیا کے راستے میں مجھے پہنچا جو کچھ کہ پہنچا، میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ ان حالات میں سے کس حال کے مطابق معاملہ کریں گے اور کیا پیش آنے والا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۵۹۸۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَا لِيْ أَرَاكَ مُنْكَسِرًا قُلْتُ اسْتُشْهِدَ أَبِيْ وَتَرَكَ عِيَالًا وَّدَيْنًا قَالَ أَفَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهٖ أَبَاكَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَّأَحْيَى أَبَاكَ فَكَلَّمَهٗ كِفَاحًا قَالَ يَا عَبْدِيْ تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ قَالَ يَا رَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَأُقْتَلَ فِيْكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا اَلْاٰيَةَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا: اے جابر! کیا بات ہے کہ ہم تمھیں غمگین دیکھتے ہیں؟[1] میں نے عرض کیا کہ میرے والد شہید کر دیئے گئے ہیں اور انھوں نے بچے اور قرض چھوڑا ہے[2] فرمایا: کیا ہم تمھیں اس چیز کی بشارت نہ دیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد سے ملاقات فرمائی ہے[3] میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی کے ساتھ کلام نہیں کیا مگر پس پردہ اور تمھارے باپ کو زندہ فرمایا اور ان سے بے پردہ گفتگو فرمائی[4] ارشاد فرمایا اے میرے بندے! مجھ سے مانگ[5] میں تمھیں عطا کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے زندہ فرما تاکہ تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا یہ حکم ہوچکا ہے کہ انسان دنیا میں واپس نہیں جائیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) تو ان لوگوں کو ہرگز مردہ گمان نہ کر جو اللہ کے راستے میں قتل کیے گئے ہیں۔ (ترمذی)

[1] اور تمھاری پریشانی اور دلگیری کا سبب کیا ہے؟

ﮯ یہ غزوۂ بدر کا واقعہ ہے پس میں غمگین کیوں نہ ہوں۔

ﮯ یعنی دنیا کے فکر وغم کی بناء پر دل گرفتہ نہ ہوں کیونکہ یہ مشکلات آسان ہو جائیں گی لیکن اس بات پر خوش ہو جاؤ جس میں مولائے کریم جل شانہ کا قرب اور اس کی طرف سے اعزاز ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ آباء کی فضیلت و کرامت ان بیٹوں کی طرف سرایت کرتی ہے جو راہِ راست پر ہوں۔ نیز یہ کہ آباء کی دینی خوشی پر بیٹوں کو خوش ہونا چاہیے (مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے حق میں یہ کرم کیا ہے تو تمہیں اور ان کی دوسری اولاد کو کب ضائع کرے گا؟ ۱۲ مولوی امیر علی)

ﮯ شہداء خود زندہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ قوت اور روحانیت عطا فرمائی جس کی بنا پر انھوں نے بے حجابانہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا، پردے کی شرط اس جہان میں ہے۔ اس جہان کا قیاس اس جہان پر نہیں کیا جا سکتا۔

ﮯ اے میرے بندے! میرے فضل اور اکرام پر اعتماد کرتے ہوئے جو چاہتا ہے مجھ سے مانگ میں تجھے عطا کروں گا (ظاہر ہے وہی چیز عطا کی جائے گی جس کا عطا کرنا ممکن ہو چونکہ دنیا میں واپس نہ ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں ہو چکا ہے اس لیے ان کی آرزو پوری نہیں کی گئی۔ (۱۲ اشرف قادری)

۵۹۸۵ وَعَنْهُ قَالَ اسْتَغْفَرَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے پچیس مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی ۱ (ترمذی)

۱ معلوم نہیں کہ اتنی مرتبہ دعائے مغفرت ایک وقت اور ایک مجلس میں کی گئی یا متعدد اوقات میں، زیادہ ظاہر دوسرا احتمال ہے۔

۵۹۸۶ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت الجھے ہوئے اور غبار آلود بالوں والے، دو پرانے کپڑوں والے ۱ جن کی پرواہ نہیں کی جاتی ۲ ایسے ہیں کہ اگر قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کچھ عرض کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دے گا۔ ان میں سے براء بن مالک ہیں ۳ (ترمذی، امام بیہقی دلائل النبوۃ میں یہ حدیث لائے ہیں)

۱ طِمْرٌ پرانا کپڑا یا پرانی گدڑی۔

۲ لوگوں کے نزدیک غیر معتبر اور حقیر ہونے کی بناء پر اس کو پہچانا نہیں جاتا کہ وہ کون ہے؟

سے یعنی اگر وہ قسم کھائے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی قسم کو پورا فرمادے گا یا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے فعل پہ قسم کھاتا ہے کہ میں اس طرح کروں گا تو اللہ تعالیٰ اسے فعل کے اسباب مہیا فرمادیتا ہے اور اسے اس فعل کی توفیق عطا فرما دیتا ہے ۔

سے حضرت انس بن مالک کے سگے بھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وہ صاحبِ فضیلت، دلیر اور پہلوان صحابہ کرام میں سے ہیں، احد اور اس کے بعد غزوات میں حاضر ہوئے، متعدد مشرکوں کو قتل کیا۔ یہ ان مشرکوں کے علاوہ تھے جنھیں دوسرے صحابہ کرام کی شراکت میں قتل کیا یمامہ کے دن سخت مقابلہ کیا ۲۰ھ میں شہید ہوئے۔

۵۹۸۷/۵۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ عَیْبَتِیَ الَّتِیْ اٰوِیْ اِلَیْہَا اَھْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّ کَرِشِیَ الْاَنْصَارُ فَاعْفُوْا عَنْ مُسِیْئِھِمْ وَاقْبَلُوْا عَنْ مُحْسِنِھِمْ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! ہمارے اندرونی دوست[1] جن کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں ہمارے اہلِ بیت ہیں اور ہمارا معدہ[2] انصار ہیں، لہٰذا ان کے خطاکار کو معاف کرو اور ان کے نیکوکار سے قبول کرو (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے ۔

سلہ ہماری امانت اور محل سرا ہمارے اہلِ بیت ہیں عَیْبَۃٌ کا معنی پہلی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے اس جگہ یہ لفظ انصار کی تعریف میں واقع ہوا ہے وہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ یہ لفظ ان کے ماسوا میں وارد ہو، خصوصاً اہلِ بیت جنھیں اس صفت میں زیادہ خصوصیت حاصل ہے ممکن ہے کہ اس حدیث میں جو صفت واقع ہوئی ہے کہ ہم ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تخصیص اور تقیید کے لیے ہو اور یہ بیان کرنے کے لیے ہو کہ اس صفت میں اہلِ بیت کو زیادہ فضیلت و شرافت حاصل ہے ۔

سے کَرِشٌ کا معنی بھی پہلی فصل میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی شرح میں بیان کیا جا چکا ہے ۔

۵۹۸۸/۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُبْغِضُ الْاَنْصَارَ اَحَدٌ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص انصار کو دشمن نہیں رکھے گا (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔

۵۹۸۹/۵۶ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرِاْ

حضرت انس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

قَوْمَكَ السَّلَامَ فَإِنَّهُمْ مَا عَلِمْتُ أَعِفَّةٌ صُبُرٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وسلم نے فرمایا: تم اپنی قوم کو سلام پڑھا دو[۲] کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے وہ پاک دامن اور صبر کرنے والے ہیں[۳] (ترمذی)

[۱] حضرت ابوطلحہ حضرت انس کی والدہ ام سلیم کے شوہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

[۲] اَقْرِئْ ہمزے پر زبر، قاف ساکن اور راء کے نیچے زیر، دوسری صورت یہ ہے کہ ہمزے کے نیچے زیر اور راء پر زبر، دوسری صورت میں اس کا استعمال علٰی کے ساتھ اور پہلی صورت میں علٰی کے بغیر ہوگا۔ اس کا معنی ہے سلام پڑھانا، کیونکہ جب ایک شخص دوسرے کو سلام پہنچاتا ہے وہ دوسرا اسلام کا جواب دیتا ہے اس معنی کی تحقیق کئی دفعہ کی جاچکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ۔

[۳] اَعِفَّةٌ ہمزے پر زبر عین کے نیچے زیر، فاء مشدد پر زبر، عَفِیْفٌ کی جمع ہے، عِفَّت اور عِفَافٌ کا معنی ہے پارسائی اور حرام سے باز رہنا۔ صُبُرٌ پہلے دونوں حرفوں پر پیش اور باء مخفف جمع ہے صَبُوْرٌ کی، صاد پر پیش اور باء مشدد مفتوح (صُبَّرٌ) کو بھی صحیح قرار دیا ہے یہ جمع ہے صَابِرٌ کی، مطلب یہ کہ یہ لوگ فقر و فاقہ یا جہاد و قتال پر یا غضب میں صبر کرنے والے ہیں۔ پہلا معنی عفت کے معنی کے ساتھ زیادہ موافق ہے۔

۵۹۹۰/۵۷ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عَبْدًا لِحَاطِبٍ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُوْ حَاطِبًا اِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَيَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا فَاِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب ابن ابی بلتعہ کا غلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاطب کی شکایت لے کر حاضر ہوا اس نے کہا یارسول اللہ! حاطب ضرور آگ میں داخل ہوگا[۱] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے جھوٹ کہا اس لیے کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ (مسلم)

[۱] کیونکہ وہ ظلم کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جن کی بناء پر وہ دوزخ کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس غلام نے وہی واقعہ بیان کیا ہوگا کہ حضرت حاطب نے اہل مکہ کو مکتوب ارسال کیا ہے۔ (یہ صورت غیر حاضر ہے کیونکہ مکتوب ارسال کرنے کی حقیقت وحی کے ذریعے سے معلوم ہوئی یہاں تک کہ خاخ نامی باغ کے پاس مکتوب بردار عورت کے ملنے کی اطلاع دی۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ غلام مذکور اپنے مولا کی مار کی وجہ سے ناخوش تھا۔ اسی لیے اس نے شکایت کی۔ (۱۲ مولوی امیر علی)

۵۹۹۱/۵۸ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ ذَكَرَ اللّٰهُ اِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوْا بِنَا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلٰى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وَقَوْمُهٗ وَلَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنَ الْفُرْسِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) اگر تم ایمان واسلام سے منہ پھیر لو تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ تمھارے علاوہ دوسرے گروہ کو لے آئے گا پھر وہ لوگ تم جیسے نہیں ہوں گے[1] صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر ہم منہ پھیر لیں تو انھیں ہمارے بدلے میں لایا جائے گا پھر وہ ہم جیسے نہیں ہوں گے۔ آپ نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: یہ اور اس کی قوم[2] اور اگر دین ثریا کے پاس[3] ہوتا تو عجم کے کچھ مرد اسے حاصل کر لیتے[4] (ترمذی)

[1] روگردانی اور حق سے اعراض کرنے میں۔
[2] یعنی فارسی اور عجمی
[3] یعنی آسمان میں
[4] جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اکثر تابعین عجمی تھے اور ان کے ذریعے علم اور دین کا مرتبہ بلند ہوا (بے شمار اولیاء اور اہل علم عجم سے تعلق رکھتے تھے ۱۲ مولوی امیر علی) علامہ بیضاوی نے اس قوم کی تفسیر انصار اور اہل یمن سے بھی کی ہے۔

۵۹۹۲ وَعَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الْاَعَاجِمُ[1] عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنَا بِهِمْ اَوْ بِبَعْضِهِمْ اَوْثَقُ مِنِّيْ بِكُمْ اَوْ بِبَعْضِكُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

یہ بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل عجم[1] کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق ہم ان پر یا ان کے بعض پر اس سے زیادہ اعتماد کرنے والے ہیں[2] جتنا کہ ہم تم پر یا تمھارے بعض پر اعتماد کرنے والے ہیں[3] (ترمذی)

[1] عجم غیر عرب لوگوں کو اور عجمی ایک شخص کو کہتے ہیں۔ عجم اور عرب پہلے حرف کے پیش کے ساتھ بھی آیا ہے۔ عجمی وہ شخص جو فصیح گفتگو نہ کر سکے اگرچہ عربوں میں سے ہی ہو اس کی جمع اعاجم، عجمیوں پر عجم کا اطلاق اس لیے کرتے ہیں کہ عربوں کے نزدیک ان کی گفتگو واضح اور فصیح نہیں ہوتی۔
[2] دین کی حفاظت اور امانت میں۔

سے یعنی عربوں کی نسبت سے ۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ مخصوص جماعت سے خطاب ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کے خرچ کرنے کی طرف بلایا گیا تو انھوں نے اس معاملے میں سستی اور بے دلی کا مظاہرہ کیا۔ بہر صورت اس حدیث میں اہل عجم کی تعریف، ان کی رعایت اور ان کی طرف التفات کا مظاہرہ ہے بَعْضِهِمْ اور بِبَعْضِكُمْ راوی کی شک کی بنا ہے یا تقسیم کے لیے ہے ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

۵۹۹۲ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ سَبْعَةً نُجَبَاءَ وَرُقَبَاءَ وَاُعْطِيْتُ اَنَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ قُلْنَا مَنْ هُمْ قَالَ اَنَا وَابْنَايَ وَحَمْزَةُ وَجَعْفَرُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ وَبِلَالٌ وَسَلْمَانُ وَعَمَّارٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہر نبی کے لیے سات منتخب اور اس نبی کے ظاہری اور باطنی احوال کے محافظ اصحاب ہوتے ہیں[1] اور ہمیں چودہ اصحاب عطا کیے گئے ہیں[2] ہم نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا: ایک میں ہوں دو میرے بیٹے جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبداللہ ابن مسعود، ابوذر اور مقداد[3] (رضی اللہ عنہم)

(ترمذی)

سے نُجَبَاء نون پر پیش اور جیم پر زبر، جمع ہے نجیب کی، جس کا معنی ہے کریم اور بلند اخلاق مرد، رُقَبَاء راء پر پیش اور قاف پر زبر جمع ہے رقیب کی، اس کا معنی ہے محافظ اور پاسبان ۔

سے جو ہمارے نجباء اور رقباء ہیں

سے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چودہ حضرات میں نجابت اور پاسبانی کے اعتبار سے خصوصیت ہے جو دوسروں میں نہیں ہے۔ دوسرے صحابہ کرام میں بھی فضائل و کمالات جو ان کے ساتھ خاص ہیں اہل علم فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صحابی میں ایسی خصوصیت اور صفت تھی جو ان کے ساتھ خاص تھی (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو بھی ایمان کے ساتھ حاضر ہو گیا، آپ کی ایک ہی نگاہ کیمیا اثر نے اسے ولایت کبریٰ کے مقام پر پہنچا دیا اور اسے کوئی نہ کوئی خصوصیت عطا فرما دی ۱۲ شرف قادری)

۵۹۹۳ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَلَامٌ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے اور عمار بن یاسر کے درمیان گفتگو ہو گئی

فَاَغْلَظْتُ لَهٗ فِي الْقَوْلِ فَانْطَلَقَ عَمَّارٌ يَّشْكُوْنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ خَالِدٌ وَّهُوَ يَشْكُوْهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ يُغْلِظُ لَهٗ وَلَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا غِلْظَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتٌ لَّا يَتَكَلَّمُ فَبَكٰى عَمَّارٌ وَّقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَرَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ وَقَالَ مَنْ عَادٰى عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ خَالِدٌ فَخَرَجْتُ فَمَا كَانَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رِضَا عَمَّارٍ فَلَقِيْتُهٗ بِمَا رَضِيَ فَرَضِيَ

تو میں نے ان سے سخت کلامی کی[۱]۔ عمار میری شکایت کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خالد آئے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ خالد بن ولید ان سے سختی کرنے لگے اور سختی میں اضافہ ہی کرتے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ حضرت عمار رو پڑے[۲] اور کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ انھیں نہیں دیکھتے ہیں[۳] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور فرمایا: جو شخص عمار سے دشمنی کرے اللہ تعالیٰ اس سے دشمنی فرمائے اور جو شخص عمار سے بغض رکھے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے[۴] حضرت خالد فرماتے ہیں: میں وہاں سے نکلا تو مجھے عمار کے راضی ہونے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی[۵] میں نے ان سے اس چیز[۶] سے ملاقات کی کہ وہ راضی ہو جائیں تو وہ راضی ہو گئے۔

(حوالہ آگے آئے گا)

[۱] حضرت خالد بن ولید اکابر قریش میں سے تھے اور حضرت عمار بن یاسر آزاد کردہ غلاموں اور فقراء میں سے تھے۔ حضرت خالد نے انھیں بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھا اور سخت لہجے میں گفتگو کی۔

[۲] اپنی شکستگی اور بے مائیگی، حضرت خالد کی سختی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی کی بناء پر۔

[۳] کہ یہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟

[۴] بغض اور عداوت کا ایک ہی معنی ہے لہذا یہ تاکید ہے یا ایک سے مراد فعل کے ذریعے دشمنی ہے اور دوسرے سے مراد ایسا کام کرنا ہے جو دشمنی کا باعث ہو۔

[۵] یعنی میں ایسا کام کروں کہ عمار مجھ سے راضی ہو جائیں۔ تاکہ میرے اور ان کے درمیان محبت پیدا ہو۔

[۶] یعنی تواضع، انکسار، معذرت اور ہدیہ پیش کرنا۔

۵۹۹۵ وَعَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَالِدٌ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنِعْمَ فَتَى الْعَشِيْرَةِ (رَوَاهُمَا أَحْمَدُ)
۶۲

حضرت ابو عبیدہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ خالد بن ولید اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں[2] اور اپنے قبیلے[3] کے اچھے جوان ہیں (ان دونوں[4] حدیثوں کو امام احمد نے روایت کیا) ۔

[1] ابو عبیدہ عین پر پیش، باء پر زبر، ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] دشمنانِ دین پر قہر اور غلبے، کافروں کے قتل کرنے اور حق کے ساتھ جاری ہونے میں ۔

[3] حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو مخزوم میں سے تھے ۔ قریش کی ایک شاخ کے جدِ امجد کا نام مخزوم تھا ۔

[4] (اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث ۱۲ اشرف قادری)

۵۹۹۶ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَتَبَارَكَ أَمَرَنِيْ بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ وَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِّهِمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ مِّنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَأَبُوْ ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ أَمَرَنِيْ بِحُبِّهِمْ وَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)
۶۲

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں چار افراد سے محبت کروں اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے عرض کیا گیا[1] یا رسول اللہ! ہمیں ان کے نام بتائیں ۔ فرمایا علی مرتضیٰ ان میں سے ہیں، یہ بات تین مرتبہ فرمائی[2] اور ابوذر، مقداد اور سلمان[3] اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی محبت کا حکم دیا اور مجھے خبر دی کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ۔

[1] یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا ۔

[2] بطور تاکید تین مرتبہ فرمایا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ علی مرتضیٰ ان میں سے ہیں اور باقی تین حضرات کے ساتھ شمار کرنا اہتمام اور خصوصی توجہ پر دلالت کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس جماعت کے فردِ کامل ہیں ۔

[3] حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے (یعنی وہ حد توصیف و تعریف سے ماوراء ہیں ۱۲ اشرف قادری ۔ حضرت ابوذر صحابہ کرام میں سے سچائی اور زہد میں ممتاز ترین تھے

حضرت مقداد بھی قدیم الاسلام اور چھٹے نمبر پہ ایمان لانے والے ہیں ۔ بدر، احد اور تمام اہم مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ۔ برگزیدہ، منتخب اور اکابر فضلا صحابہ میں سے تھے ۔ امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے روایت کرتے ہیں ۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان غنی نے پڑھائی رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ حضرت سلمان اہل بیت میں شمار کیے گئے ہیں ۔ تین سو سال نبی اکرم آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب میں پھرتے رہے ۔ تب چہرۂ مقصود دیکھنا نصیب ہوا، زاہد تھے اور اپنی روزی بوریاں بُن کر حاصل کرتے تھے اور اپنے حصے کے وظیفے فقراء کو دے دیتے تھے ۔ آخر میں پھر بڑا نے تاکید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی محبت کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ بھی ان سے خالص محبت رکھتا ہے ۔

۵۹۹۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَقُولُ اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِيْ بِلَالًا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق کہا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہم (بخاری)

[۱] شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے یہ بات بطور تواضع کہی ۔ ورنہ وہ حضرت بلال سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ بعض علماء نے فرمایا سردار ہونے کو افضل ہونا لازم نہیں ہے اسی طرح اہل علم نے فرمایا ہے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ضمیر متکلم مع الغیر (جو سیدنا میں ہے) ضروری نہیں کہ سب کو شامل ہو وہ اکثر افراد کے اعتبار سے بھی اس کا استعمال درست ہے، اس ضمیر سے مراد صحابہ کرام ہیں ۔ پس حضرت ابوبکر صدیق کو جو سیدنا کہا ہے تو یہ تمام صحابہ کو شامل ہے اور حضرت بلال کے لیے جو یہی لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے مراد اکثر صحابہ ہیں ۔ اس فقرے میں اضافت تخصیص کے لیے ہے یعنی ہمارے درمیان سید ہیں ۔

(آج امریکہ اور یورپ کے اکثر لوگ تمام تر علمی اور سائنسی ترقی کے باوجود نسلی تعصب کا شکار ہیں گوری چمڑی والے کالوں کو بنیادی انسانی حقوق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں ۔ جب کہ اسلام نے ایمان واخلاص کا ایسا رنگ چڑھایا کہ رنگ ونسل کا امتیاز ختم کر دیا ۔ حضرت بلال حبشی تھے اور آزاد کردہ غلام، لیکن ان کے اسلام اور غلامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء پہ قریش کے معزز ترین فرد اور پچیس لاکھ مربع میل کے امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انھیں سیدنا کہتے ہیں ۔ ہم جس قدر اللہ تعالیٰ، اس کے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسلام کے قریب ہوں گے اسی قدر رنگ ونسل اور علاقائیت کے فاصلے ختم ہوتے جائیں گے اور صرف ایک ہی رنگ رہ جائے گا اور وہ ہے اللہ کا رنگ جس سے بہتر کوئی رنگ نہیں ۔ آج اگر اسلام کے اس پہلو کو امریکہ اور یورپ میں اجاگر کیا جائے تو غیر مسلموں کے اسلام میں داخل ہونے کی رفتار

یقیناً تیز ہو جائے گی ۱۲ اشرف قادری)

۵۹۹۸ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّ بِلَالًا قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِنَفْسِكَ فَاَمْسِكْنِيْ وَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِلّٰهِ فَدَعْنِيْ وَعَمَلَ اللّٰهِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قیس بن ابی حازم[۱] سے روایت ہے کہ حضرت بلال نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا[۲] کہ اگر آپ نے مجھے اپنے لیے خریدا ہے تو مجھے اپنے پاس روک لیں اور اگر آپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کے لیے خریدا[۳] ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کے ساتھ چھوڑ دیں[۵]

(بخاری)

[۱] قیس بن ابی حازم، بے نقطہ حاء، زاد کے نیچے زیر، جلیل القدر تابعی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کرنے کے لیے دوڑے لیکن ان کے پہنچنے تک آپ رحلت فرما گئے۔ نہروان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے

[۲] جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو کہا کہ آپ میرے پاس رہیں اور میرے لیے اذان دیا کریں جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اذان دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خریدا تھا اور کافروں کے ہاتھوں رہا کر کے آزاد کیا تھا۔

(یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ کیے۔ آخری لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا۔ اس وقت حضرت بلال نے حضرت ابوبکر صدیق کو عرض کیا کہ مجھے اجازت دے دیں جیسے کہ ابواسمٰعیل ازدی نے یہ واقعہ اپنی فتوح میں سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۱۲ مولوی امیر علی)

[۳] اور مجھ سے خدمت لیں۔

[۴] اس کی رضا اور ثواب کے لیے خریدا ہے۔

[۵] تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے کام کرنے میں مشغول ہو جاؤں اور مخلوق سے کوئی تعلق نہ رکھوں بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت بلال نے عرض کیا کہ مجھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آپ کے بغیر دیکھنے کی طاقت نہیں ہے اور میں آپ کے بغیر اس جگہ نہیں رہ سکتا ؎

چہ مشکل تر ازیں بر عاشق زار
کہ بے دلدار بیند جائے دلدار

(عاشق کے لیے اس سے زیادہ مشکل کیا چیز ہو سکتی ہے کہ محبوب کے بغیر محبوب کی جگہ کو دیکھے)

پس لشکر کے ساتھ شام چلے گئے اور دمشق میں ۱۸ھ یا ۲۰ھ میں رحلت فرما گئے رضی اللہ عنہ۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ شام جانے کے چھ ماہ بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا اے بلال! کیا یہ جفا ہے جو تم ہمارے ساتھ کر رہے ہو؟ اور ہماری زیارت کے لیے نہیں آتے۔ حضرت بلال اسی وقت مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے جب مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا حال ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رحلت فرما گئی ہیں، اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف فرما ہیں تو حضرت بلال رو پڑے اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کی۔

صحابہ کرام نے چاہا کہ آپ اذان دیں تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت نشان کی یاد تازہ ہو جائے لیکن انھیں یہ بات کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہو سکی۔ انھوں نے کہا کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حکم دیں تو وہ اذان دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو حضرت بلال اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں کھڑے ہوا کرتے تھے اور اذان شروع کی جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو صحابہ کرام کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی اور بے ساختہ رو پڑے جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو گریہ و زاری سے مزید شدت پیدا ہو گئی اور جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو یوں معلوم ہوا جیسے مدینہ طیبہ کے تمام در و دیوار پر لرزہ طاری ہو گیا ہو اور سب لوگ بے تابانہ گریہ و زاری میں محو اور بے قابو ہو گئے، نہ حضرت بلال کو اذان کہنے کی طاقت رہی اور نہ ہی سننے والوں میں سننے کی تاب رہی۔ چنانچہ اذان مکمل نہ ہو سکی۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چھ ماہ کے بعد ہماری زیارت کو نہ آئے گویا اس نے ہم پر جفا کی ہے۔

سبحان اللہ! ہائے افسوس! اس وقت تیس سال گزر گئے اور عمر آخر کو پہنچ گئی اور یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ دوبارہ حاصل ہو گی یا نہیں؟ ؎

وصلت چو عمر رفتہ میسر نمی شود
یک بار شد میسر و دیگر نمی شود

آپ کی ملاقات گزری ہوئی عمر کی طرح میسر نہیں ہوتی، ایک دفعہ میسر ہوئی دوسری دفعہ میسر نہیں ہوتی، اے اللہ ہمیں یہ سعادت عطا فرما۔

(۱؎ یہ مشکل ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق نے مرتدین کا قلع قمع کرنے کے بعد شام کی طرف لشکر روانہ کیے تھے، اس صورت میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا انتقال کر چکی تھیں۔ حضرت بلال کے دریافت کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ۱۲ مولوی امیر علی)

۵۹۹۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَعْضِ نِسَآئِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَآءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُخْرٰی فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّضِيْفُهٗ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْطَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰی رَحْلِهٖ فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتَ صِبْيَانِیْ قَالَ فَعَلِّلِيْهِمْ بِشَيْءٍ وَنَوِّمِيْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَاَرِيْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰی بِيَدِهٖ لِيَاْكُلَ فَقُوْمِیْ اِلَی السِّرَاجِ كَیْ تُصْلِحِيْهِ فَاَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ مِثْلُهٗ وَلَمْ يُسَمِّ اَبَا طَلْحَةَ وَفِیْ اٰخِرِهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے محنت و مشقت اٹھائی ہے[1] آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کے پاس پیغام بھیجا[2] انھوں نے کہا کہ قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پھر دوسری ام المومنین کے پاس پیغام بھیجا۔ انھوں نے بھی وہی بات کہی۔ تمام امہات المومنین[3] نے وہی بات کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس کی مہمانی کرے[4] اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے[5] انصار کے ایک شخص نے جنھیں ابوطلحہ[6] کہا جاتا تھا عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کی مہمانی کرتا ہوں وہ انھیں اپنے گھر[7] لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمھارے پاس کچھ ہے؟ انھوں نے کہا کہ بچوں کی خوراک[8] کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ابوطلحہ نے فرمایا بچوں کو کسی چیز میں مصروف کر کے سلا دو[9] جب ہمارا مہمان داخل ہو تو اسے بظاہر یہ دکھانا کہ ہم کھا رہے ہیں۔ جب وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے[10] تو تم اٹھ کر چراغ کے پاس جانا جیسے تم اسے درست کر رہی ہو[11] اور اس بہانے اسے بجھا دینا[12] چنانچہ انکی بیوی نے ایسا ہی کیا، پس یہ لوگ بیٹھے اور مہمان نے کھانا کھایا، دونوں میاں بیوی نے خالی پیٹ رات گذاری۔ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا یا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فلاں مرد اور فلاں عورت سے ضحک فرمایا[13] ایک

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت میں اس حدیث کی مثل ہے ۱۳ حضرت ابوہریرہ نے ابوطلحہ کا نام نہیں لیا اور اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ) اور اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں حاجت ہو۔ (صحیحین)

۱ یعنی مجھے کچھ عنایت فرمائیں

۲ تاکہ اگر کوئی چیز حاضر ہو تو اس سائل کو دے دیں ۔

۳ تمام امہات المومنین کے پاس پیغام بھیجا، انھوں نے بھی وہی جواب دیا ۔
(اللہ اللہ فقر اختیاری کی کیا شان ہے؟ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
(شرف قادری)

۴ من یضیفہ میں دو روایتیں ہیں (۱) یاء پر پیش، نقطے والے ضاد کے نیچے زیر اور یاء ساکن ۔
(۲) یاء پر پیش ضاد پر زبر اور یاء مشدد کے نیچے زیر (یُضَیِّفُہٗ) ۔ اِضَافَۃٌ اور تَضْیِیْفٌ دونوں کا معنی مہمانی کرنا اور مہمان کو اپنے پاس بلانا لغت میں ضِیَافَتٌ کا معنی میلان کرنا ہے ۔

۵ یرحمہ کو رفع اور جزم دونوں کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے ۔

۶ حضرت ام سلیم کے شوہر رضی اللہ عنہ

۷ رَحْل بے نقطہ حاء کے ساتھ، اس کا معنی ہے سامان اور رہائش گاہ

۸ قُوت قاف پر پیش، واؤ ساکن وہ کھانا جس کے ساتھ انسان کا بدن قائم ہو

۹ تَعْلِیْلٌ کسی کو کسی چیز میں مشغول کر دینا، تَنْوِیْمٌ کا معنی ہے سلا دینا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کو کھانے کی حاجت نہ تھی بلکہ وہ بھوک کے بغیر بچگانہ عادت کے مطابق کھانا طلب کر رہے تھے ۔ ورنہ بچوں کو مہمان سے پہلے کھلانا واجب تھا اور صحابی واجب کو کیسے ترک کر دیتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے (یعنی اگر واجب کے تارک ہوتے تو ان کی تعریف نہ کی جاتی ۱۲ شرف قادری)

۱۰ اِصْلَاحٌ کا معنی ہے درست کرنا، اس کے مقابل اِفْسَادٌ ہے ۔

۱۱ تاکہ مہمان کو تمہارے نہ کھانے کا پتہ نہ چلے، اِطْفَاءٌ آگ کا بجھا دینا ۔

۱۲ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ راضی ہوا (راوی کو شک ہے کہ کون سا لفظ فرمایا) حضرت ابوطلحہ اور انکی اہلیہ حضرت ام سلیم کا نام لیا ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

۱۳ ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے جو لفظ و معنی میں اس روایت کی مثل ہے ۔

۱۴؎ صراح میں ہے خَصَاصَۃٌ پہلے حرف پر زبر، اس کا معنی ہے درویش ہونا۔ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کا سبب یہ واقعہ ہے۔

۶۰۰۰/۶۷ وَعَنْہُ قَالَ نَزَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا فَجَعَلَ النَّاسُ یَمُرُّوْنَ فَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ھٰذَا یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ فَاَقُوْلُ فُلَانٌ فَیَقُوْلُ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ ھٰذَا وَیَقُوْلُ مَنْ ھٰذَا فَاَقُوْلُ فُلَانٌ فَیَقُوْلُ بِئْسَ عَبْدُ اللّٰہِ ھٰذَا حَتّٰی مَرَّ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ فَقَالَ مَنْ ھٰذَا فَقُلْتُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ فَقَالَ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں اترے تو لوگ گزرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے یہ کون ہے؟ اے ابوہریرہ! میں عرض کرتا فلاں ہے، تو آپ فرماتے یہ اللہ تعالیٰ کا اچھا بندہ ہے، آپ فرماتے یہ کون ہے؟ میں عرض کرتا یہ فلاں ہے، تو آپ فرماتے یہ اللہ تعالیٰ کا بُرا بندہ ہے[۱] یہاں تک کہ خالد بن ولید گزرے، آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا خالد بن ولید ہیں آپ نے فرمایا: خالد بن ولید اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ (ترمذی)

۱؎ غالباً یہ اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے بارے میں آپ جانتے تھے کہ یہ منافقین میں سے ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مومن کے بارے میں یہ ارشاد فرمانا بعید ہے اور معمول کے خلاف ہے، اگرچہ اس کی روش درست نہ ہو، یوں بھی اس زمانے میں مومن کی ایسی کیفیت نہیں ہوتی تھی اور اگر کوئی ایسا تھا بھی تو بہت ہی کم۔

۶۰۰۱/۶۸ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لِکُلِّ نَبِیٍّ اَتْبَاعٌ وَاِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاکَ فَادْعُ اللّٰہَ اَنْ یَجْعَلَ اَتْبَاعَنَا مِنَّا فَدَعَا بِہٖ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت زید بن ارقم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہر نبی کے پیروکار ہیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے پیروکاروں کو ہم میں سے بنائے[۲] تو آپ نے دعا فرمائی[۳] (بخاری)

۱؎ زید بن ارقم مشہور صحابی ہیں ان کے احوال کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

۲؎ یعنی ہمارے حلیفوں اور آزاد کردہ غلاموں کو ہم میں سے بنا کہ انہیں بھی انصار کہا جاتا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو ہمارے ساتھ احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے وہ انہیں بھی شامل ہو جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتے ہیں اور یہ بھی فرمایا: ان کے نیکوکاروں سے قبول کرو اور ان کے خطا کار سے درگزر کرو۔ اس کے علاوہ ان کے فضائل ومناقب اور عنایات وکرامات میں اسی طرح شیخ تورپشتی کی شرح میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ انھیں ہمارے نقوشِ اقدام کی پیروی کرنے والے ہمارے ساتھ متصل، ہماری سیرت اور طریقے پر چلنے والے اور اخلاص میں پیروکار بنا، یہ مطلب زیادہ واضح نظر آتا ہے۔

سے یعنی جس دعا کی درخواست انصار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی

۶۰۰۲ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا نَعْلَمُ حَيًّا مِنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ اَكْثَرُ شَهِيْدًا اَعَزَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ وَقَالَ اَنَسٌ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ اُحُدٍ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ الْيَمَامَةِ عَلٰى عَهْدِ اَبِيْ بَكْرٍ سَبْعُوْنَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ[1] سے روایت ہے کہ ہمیں عرب کا کوئی قبیلہ معلوم نہیں ہے جس کے شہید انصار سے زیادہ ہوں اور وہ قیامت کے دن زیادہ معزز ہوں۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ اُحد کے دن ان میں سے اکہتر[2]، بئرِ معونہ کے دن ستر[3] اور حضرت ابوبکر کے دور میں یمامہ کے دن ستر[4] حضرات شہید ہوئے۔ (بخاری)

[1] حضرت قتادہ مشہور تابعی ہیں، اکثر وبیشتر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

[2] ابن مندہ جو حدیث وسیر کے عالم ہیں، حضرت ابی کی حدیث کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اُحد کے دن انصار کے چونسٹھ (۶۴) اور مہاجرین کے چھ حضرات شہید ہوئے۔

[3] جنھیں قراء کہا جاتا ہے ان کا واقعہ کتبِ سیر میں بیان کیا گیا ہے۔

[4] یہ جنگ مسیلمہ کذاب کی قوم سے تھی۔

۶۰۰۳ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ كَانَ عَطَاءُ الْبَدْرِيِّيْنَ خَمْسَةَ اٰلَافٍ خَمْسَةَ اٰلَافٍ وَقَالَ عُمَرُ لَاُفَضِّلَنَّهُمْ عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ بیت المال سے اصحابِ بدر کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تحقیق میں انھیں بعد والوں پر فضیلت دوں گا۔ (بخاری)

باب

ان اہلِ بدر کے نام جن کا ذکر جامع بخاری میں ہے

یاد رہے کہ امام بخاری نے اہلِ بدر کی جس جماعت کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان کے بارے میں حدیث لائے ہیں، ان کے اسماء تفصیل کے بعد اجمال اور خلاصہ کے طور پر الگ باب میں لائے ہیں تاکہ دوسرے حضرات پر ان کی سبقت اور ترجیح کی فضیلت پہچان کر کے ان کے لیے رحمت و رضوان کی الگ دعا کی جائے اہلِ علم فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ان کے ذکر کے وقت دعا مقبول ہے۔ امام بخاری نے ان کا ذکر حروفِ تہجی کے اعتبار سے کیا ہے۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدین کا ذکر پہلے کیا ہے باقی حضرات کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے لائے ہیں

(۱) اَلنَّبِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَاشِمِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۲) عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُثْمَانَ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ الْقُرَشِيُّ (۳) عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيُّ (۴) عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْقُرَشِيُّ خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِبْنَتِهٖ رُقَيَّةَ وَضَرَبَ لَهٗ بِسَهْمِهٖ (۵) عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبِ الْهَاشِمِيُّ (۶) اِيَاسُ بْنُ بُكَيْرٍ (۷) بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ (۸) حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِيُّ (۹) حَاطِبُ بْنُ اَبِيْ بَلْتَعَةَ حَلِيْفٌ لِّقُرَيْشٍ (۱۰) اَبُوْحُذَيْفَةَ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ الْقُرَشِيُّ (۱۱) حَارِثَةُ بْنُ رَبِيْعِ نِ الْاَنْصَارِيُّ وَهُوَ حَارِثَةُ بْنُ سُرَاقَةَ كَانَ فِي النَّظَارَةِ (۱۲) خُبَيْبُ بْنُ عَدِيِّ الْاَنْصَارِيُّ (۱۳) خُنَيْسُ بْنُ حُذَيْفَةَ السَّهْمِيُّ (۱۴) رِفَاعَةُ

بْنُ رَافِعٍ الْاَنْصَارِیُّ (۱۶) اَلزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ الْقُرَشِیُّ (۱۷) زَیْدُ بْنُ سَهْلٍ اَبُوْطَلْحَةَ الْاَنْصَارِیُّ (۱۸) اَبُوْ زَیْدِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۱۹) سَعْدُ بْنُ مَالِكِ نِ الزُّهْرِیُّ (۲۰) سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ الْقُرَشِیُّ (۲۱) سَعِیْدُ بْنُ زَیْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلِ نِ الْقُرَشِیُّ (۲۲) سَهْلُ بْنُ حُنَیْفِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۲۳) ظُهَیْرُ بْنُ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۲۴) وَاَخُوْهُ (۲۵) عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدِ نِ الْهُذَلِیُّ (۲۶) عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفِ نِ الزُّهْرِیُّ (۲۷) عُبَیْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْقُرَشِیُّ (۲۸) عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ الْاَنْصَارِیُّ (۲۹) عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ حَلِیْفُ بَنِیْ عَامِرِ بْنِ لُؤَیٍّ (۳۰) عُقْبَةُ بْنُ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِیُّ (۳۱) عَامِرُ بْنُ رَبِیْعَةَ الْعَنَزِیُّ (۳۲) عَاصِمُ بْنُ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۳۳) عُوَیْمُ بْنُ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِیُّ (۳۴) عِتْبَانُ بْنُ مَالِكِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۳۵) قُدَامَةُ بْنُ مَظْعُوْنٍ (۳۶) قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِیُّ (۳۷) مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ (۳۸) مُعَوِّذُ بْنُ عَفْرَاءَ (۳۹) وَاَخُوْهُ (۱۵) رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ اَبُوْلُبَابَةَ الْاَنْصَارِیُّ (۴۰) مَالِكُ بْنُ رَبِیْعَةَ (۴۱) اَبُوْ اُسَیْدِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۴۲) مِسْطَحُ بْنُ اُثَاثَةَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مُنَافٍ (۴۳) مُرَارَةُ بْنُ رَبِیْعِ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۴۴) مَعْنُ بْنُ عَدِیِّ نِ الْاَنْصَارِیُّ (۴۵) مِقْدَادُ بْنُ عَمْرِو نِ الْكِنْدِیُّ حَلِیْفُ بَنِیْ زُهْرَةَ (۴۶) هِلَالُ بْنُ اُمَیَّةَ الْاَنْصَارِیُّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

ان میں سے سب سے پہلے، سب کے سردار اور تمام جہانوں کے آقا و مولا نبی اکرم محمد بن عبداللہ الہاشمی

آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل (۵۶۹ء) میں، بعثت (اعلان نبوت) چالیس سال کی عمر شریف میں ہوئی، آپ کا دورِ نبوت (زمانہ تبلیغ) ۲۲ سال عمر شریف ۶۲ سال، سیدالمرسلین اور خاتم النبیین ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وعلی اصحابہ واتباعہ واحزابہ اجمعین وسلم۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عثمان ابوبکر بن الصدیق القرشی، بنو تمیم بن مرہ میں سے ہیں۔ پانچ واسطوں سے آپ کا نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے، جاہلیت میں آپ کا نام عبدرب الکعبہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ اور عتیق رکھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عتیق ان کا قدیم نام ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا جب ان کی پیدائش ہوئی تو انھیں بیت اللہ شریف کے پاس لے گئیں اور دعا کی کہ اے اللہ! ان کو موت سے آزاد فرمادے اور مجھے بخش دے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ ہے لیکن عتیق ان پر غالب آگیا۔ بعض نے کہا چہرے کے حسن وجمال، بخشش اور اچھی عادت کی بناء پر انھیں عتیق کہا گیا۔ عتیق کا معنی بخشش، جمال اور نجابت بھی آیا ہے۔ امتِ مسلمہ نے ان کا لقب صدیق بالاتفاق مقرر کیا اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں جلدی اور ہر حال میں سچائی کو لازم پکڑا۔ ان کے والد گرامی کا نام ابوقحافہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے وہ فتح مکہ کے سال ایمان لائے اور ۱۴ھ میں حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے چھ ماہ اور چند روز بعد ان کا انتقال ہوا۔ ان کی عمر شریف ۹۷ سال تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت دو سال اور چند ماہ تھی۔ ان کی عمر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے موافق ۶۳ سال تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک خوبصورت اور تابندہ تھا۔ قد درمیانہ بدن دُبلا، رخسارے نرم اور ہلکے تھے ان کے رخساروں میں سبز رگیں تھیں۔ بڑے خوبرو، رعب والے بڑے عطا والے سخی اور عالی نسب تھے رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت عمر بن الخطاب العدوی، عدی بن کعب کی اولاد میں سے تھے۔ پانچ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ قریش کے معزز افراد میں سے تھے۔ دورِ جاہلیت میں سفارت اور پیغام رسانی ان سے متعلق تھی۔ سفید چہرہ جسم مبارک بھاری آنکھیں سرخ اور قد بلند تھا۔ دوسرے لوگوں سے اتنے بلند دکھائی دیتے جیسے اونٹ پر سوار ہوں اور دوسرے لوگ پیدل، رخسارے ہلکے تھے، وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ تورات میں ان کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے قَرْنٌ حَدِیْدٌ شَدِیْدٌ اَمِیْنٌ (لوہے کے پہاڑ، سخت اور امین) قرن چھوٹے پہاڑ کو کہتے ہیں، ان کا لقب فاروق ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے حق وباطل اور اسلام وکفر کے درمیان فرق کیا۔ ان کے ایمان لانے سے اسلام کو قوت ملی بارعب اور دلیر تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ سے پہلے (بیس افراد کے ساتھ ۱۲ مولوی امیر علی) ہجرت کی۔

جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار اپنی گردن میں حمائل کی، کمان پر تیر چڑھایا، کچھ تیر ہاتھ میں پکڑے

اور بیت اللہ شریف کے پاس آئے۔ قریش کے تمام سردار وہاں حاضر تھے، آپ نے طواف کیا، دو رکعت نماز ادا کی اور قریش کے ایک ایک حلقے کے پاس جاکر فرمایا: تمھارے چہرے بدصورت ہوں جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس کو روئے اس کے بچے یتیم ہوں اور اس کی بیوی بیوہ ہو اسے چاہیے کہ آئے اور اس وادی کے پیچھے مجھ سے ملاقات کرے کسی کو ان کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوسکی۔ آپ کی خلافت ساڑھے دس سال تھی آپ کی عمر شریف کے بارے میں تین قول ہیں (۱) مشہور قول کے مطابق تریسٹھ سال (۶۳) ۲۔ اکسٹھ سال ۶۱ (۳) انسٹھ سال ۵۹۔

(۴) حضرت عثمان بن عفان قریشی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو اُن کی اہلیہ محترمہ تھیں اور ان کی طبیعت ناساز تھی) کی تیمارداری کے لیے (مدینہ منورہ میں) چھوڑ دیا تھا اور ان کے لیے بدر کی غنیمت میں سے حصہ مقرر فرمایا۔ اس اعتبار سے انھیں اہلِ بدر میں شمار کیا گیا ہے۔

ان کی ولادت عام الفیل کے چھٹے سال ہوئی۔ دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن حارثہ کے بعد اسلام لائے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پر اسلام لائے۔ جب آپ اسلام لائے تو آپ کے چچا حکم بن عاص بن امیہ نے آپ کو باندھ کر قید کر دیا اور کہا کہ تم نے اپنے آباء کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ اللہ کی قسم جب تک تم اس دین کو نہیں چھوڑو گے تمھیں رہا نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا: میں اس دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور اس سے جُدا نہیں ہوں گا تم جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ جب حکم نے آپ کی مضبوطی دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے نکاح میں تھیں غزوۂ بدر پر ان کا انتقال ہو گیا ان کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ ۹ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہماری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی ان کے ساتھ کر دیتے ان کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ اسی لیے ان کا لقب ذوالنورین ہوا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قد درمیانہ اور چہرہ سرخ اور سفید تھا، آپ کے چہرے میں چیچک کے نشان تھے داڑھی مبارک بڑی اور سب لوگوں سے حسین تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم کو فرمایا ہم نے تمھارا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو تمھارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمھارے والد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ وہ اس قدر حیادار تھے کہ گھر کے اندر دروازہ بند کر کے غسل کرتے اور حیا کی وجہ سے اپنی پشت سیدھی نہیں کر سکتے تھے۔ ۳۵ھ ایام تشریق کے درمیانے دن (بارہ ذوالحجہ) کو شہید کیے گئے، آپ کی خلافت تیرہ سال اور عمر شریف بیاسی (۸۲) سال تھی۔ بعض نے تراسی (۸۳) اور

بعض نے چھیاسی (۸۶) سال بھی کہی ہے ۔

(۵) حضرت علی بن ابی طالب الہاشمی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور عقد مواخات میں بھائی سیدہ فاطمہ زہرا بتول کے شوہر حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد اور پہلے ہاشمی جو دو ہاشمیوں سے پیدا ہوئے ۔ قدیم الاسلام اور بہت سے صحابہ کرام کی جماعت کے قول کے مطابق سب سے پہلے جو اسلام لائے وہ حضرت علی مرتضیٰ ہیں ۔ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ منگل کے دن اسلام لائے ، اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال یا سات سال تھی ۔ وہ امین بھی تھے ، صاحب شرافت بھی ، ہدایت دینے والے بھی ، یعسوب المومنین (مومنوں کے سردار) ابوالریحانین (دو جنتی پھولوں کے باپ) اور ابو تراب آپ کے القاب ہیں ، آپ کا قد درمیانہ ، سخت گندم گوں ، مائل بہ سرخی سر کے بال اڑے ہوئے ، جسم پر بالوں کی کثرت چہرہ جمال اور تابانی کا آئینہ دار ، آنکھیں بڑی ، خوبصورت اور سیاہ ، پیٹ بڑا ، داڑھی مبارک عظیم اور طویل وعریض ، خوبصورت جیسے چودہویں کا چاند ، ہنس مکھ ، مضبوط دل والے ، بہادر ، فتح ونصرت والے ، وسیع علم ، کثیر زہد اور سخی نفس والے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرّم اللہ وجہہ ، آپ کی خلافت پانچ سال اور شہادت جمعہ کی رات میں سحری کے وقت رمضان المبارک کی سترہ تاریخ ۴۱ھ کو ہوئی ۔ آپ کی عمر شریف صحیح اور مختار قول کے مطابق تریسٹھ (۶۳) سال تھی ۔ رضی اللہ عنہ

کسی نے آپ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت ——— بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

(اشرف قادری)

(۶) حضرت ایاس بن بکیر بعض نسخوں میں ہے ۔ البکیر الف اور لام کے ساتھ ایاس ہمزے کے کے نیچے زیر یاء مخفف اور آخر میں سین بکیر ، ایک نقطے والی باء پر پیش ، کاف پر زبر ، یاء ساکن بخاری شریف کی بعض روایات میں بعض شارحین نے باء کے نیچے زیر اور کاف مشدد کے ساتھ ضبط کیا ہے دبکیر مہاجرین اولین میں سے ہیں ۔ بدر اور اس کے بعد کے اہم مواقع پر حاضر ہوئے وہ اور ان کے بھائی عامر بن بکیر دار ارقم میں اسلام لائے ۔ حضرت ایاس اور ان کے بھائیوں خالد ، عاقل اور عامر کو شرف صحابیت حاصل تھا اور تمام اصحاب بدر سے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی

(۷) حضرت بلال بن رباح را پر زبر ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے ۔ ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے ، بعض نے ابو عبد اللہ ، بعض نے ابو عبد الکریم اور بعض نے ابو عمر بیان کی ، ان کی والدہ حمامہ تھیں ۔ بے نقطہ حا پر زبر اور میم مخفف ، وہ مولدین میں سے تھے (یعنی والدین میں سے ایک عربی اور ایک عجمی تھے ۱۲ اشرف قادری) وہ قدیم الاسلام ہیں اور پہلے مسلمان جنھوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام ظاہر کیا اور انھیں اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں عذاب دیا گیا اور جان کی

بازی لگا دینا آسان ہوگیا۔ انھیں امیہ بن خلف جمحی عذاب دیتا تھا جو آپ کا مولا تھا۔ آخر بدر میں حضرت بلال کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس امیہ نے اپنے آپ کو حضرت سعد انصاری کی پناہ میں دے دیا تھا۔ حضرت بلال نے اسے دیکھ کر فریاد کی تو انصار نے دوڑ کر حضرت سعد کے پیچھے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۱۲ مولوی امیر علی) اس کا طویل واقعہ ہے۔

امیہ انھیں لوہے کی زرہ میں گھسیٹتا اور انھیں دھوپ میں ڈال کر ڈنڈے سے مارتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلال کو حکم دیا تو انھوں نے بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی، ان کے فضائل بہت ہیں، ان کے لیے یہ فضیلت ہی کافی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم عرب سے مقدم ہیں، بلال حبشیوں سے، صہیب رومیوں اور سلمان فارس والوں سے مقدم ہیں، ان کا رنگ شدید گندم گوں، قد لمبا اور بال بکثرت تھے۔ دمشق میں ۲۰ھ میں وفات پائی۔ بعض نے ۱۸ھ بیان کیا ہے۔ آپ کی عمر شریف ساٹھ سال تھی، بعض نے کہا ستر سال تھی ان کے کچھ احوال پچھلے باب کی تیسری فصل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ رضی اللہ عنہ

۵۵ حضرت امیر حمزہ ابن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور رضاعی بھائی، ان کی کنیت ابو عمارہ ہے عین پر پیش، ان کا لقب سید الشہداء اور اسد اللہ (اللہ تعالیٰ کا شیر) بھی آیا ہے۔ بعثت کے چوتھے سال اسلام لائے، بعض علماء کہتے ہیں کہ چھٹے سال، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم سے باہر تشریف لانے کے بعد اسی سال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اسلام لائے پس دینِ اسلام ان کے اسلام لانے سے قوی اور معزز ہوگیا۔ آپ بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں وحشی ابن حرب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ عمر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سال بڑے تھے، آپ کی والدہ ہالہ بنت وہیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سیدہ آمنہ بنتِ وہب کی بہن تھیں۔ یہ حضرت امیر حمزہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دوسری اخوت ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ بڑے بہادر قوی اور غالب تھے۔ آپ کی شجاعت و بسالت کے بہت سے واقعات ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے امیر حمزہ ابن عبدالمطلب اور حضرت حنظلہ ابن راہب کو غسل دے رہے ہیں۔ یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان میں لکھا ہے کہ امیر حمزہ ابن عبدالمطلب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر ہیں۔

[ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیرِ غرّان سطوت پہ لاکھوں سلام
(امام احمد رضا)
شرف قادری]

(۹) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ باء پر زبر، لام ساکن اور تاء پر زبر، ان کی کنیت ابو عبد اللہ اور بعض نے ابو محمد بیان کی ہے۔ قریش کے حلیف تھے۔ بعض نے کہا کہ حضرت زبیر بن عوام کے حلیف تھے۔ بعض نے کہا کہ قریش کے غلام تھے۔ بدر، خندق اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا، آپ کی عمر شریف ۶۵ سال تھی۔ اہلِ مکہ کی طرف مکتوب ارسال کرنے کا واقعہ گزشتہ باب میں گزر چکا ہے۔

(۱۰) حضرت ابو حذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ قریشی رضی اللہ عنہ آپ کے نام میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام ہشام بن عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد الشمس ہے۔ فضلا صحابہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی اور دو ہجرتیں کیں (پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ)۔ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے۔ یمامہ کے دن شہید ہوئے آپ کی عمر ترپن یا چوّن سال تھی۔

(۱۱) حضرت حارثہ ابن ربیع انصاری راء پر پیش، باء پر زبر اور یاء مشددہ کے نیچے زیر بعض نے راء پر زبر، باء کے نیچے زیر اور یاء کی تخفیف کے ساتھ بھی ضبط کیا ہے۔ پہلا ضبط صحیح ہے۔ بدر کے دن شہید ہوئے یہ حارثہ ابن سراقہ ہیں، سین پر پیش، راء مخفف، اس کے بعد قاف، رُبیّع آپ کی والدہ کا نام اور سراقہ آپ کے والد کا نام ہے وَكَانَ فِي النَّظَّارَةِ آپ نظر کرنے والوں (اور پہرہ دینے والوں) میں سے تھے۔ نہ کہ جنگ کرنے والوں میں، جیسے امام احمد اور نسائی نے روایت کیا۔ حواشی میں لکھا ہے کہ انھیں بلند جگہ پر مقرر کیا گیا تھا تاکہ دشمنوں کے احوال پر نظر رکھیں اور خبر دیں۔ نظّارہ نون پر زبر اور ظاء مشدد، وہ لوگ جو کسی چیز پر نظر رکھیں۔ حارثہ نوجوان تھے جو پہرے اور نگرانی پر مقرر تھے وہ معرکے میں کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو ان کی گردن میں لگا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے مارا تھا؟ ان کی والدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ! آپ میری نسبت سے حارثہ کا مقام و مرتبہ جانتے ہیں کہ مجھے ان سے کتنی محبت تھی اور میرا ان سے کتنا تعلق تھا؟ وہ اگر جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی اور اگر وہ دوزخ میں ہیں تو میں ان پر طاقت بھر روؤں گی۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ دوزخ میں ہیں تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں ان پر کتنا روتی ہوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حارثہ کی ماں! اس جگہ ایک جنت نہیں ہے وہاں تو اوپر نیچے کئی جنتیں ہیں، تمہارا بیٹا تو فردوس اعلیٰ میں ہے۔ آپ کی والدہ نے عرض کیا کہ آخر میں صبر کروں گی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(۱۲) حضرت خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ، خبیب نقطے والی خاء پر پیش۔ پہلی باء پر زبر اور یاء ساکن، بدر میں حاضر ہوئے، ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ رجیع میں قیدی بنا لیے گئے۔ مشرکین انھیں مکہ مکرمہ میں لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا۔ وہ اسلام میں پہلے صحابی ہیں جنھیں سولی پر لٹکایا گیا اور پہلے وہ شہید ہیں

جنھوں نے قتل کیے، جانے سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کی سنت قائم کی، ان کا واقعہ عجیب ہے اور بخاری شریف میں بیان کیا گیا ہے ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے شہادت کے وقت دعا مانگی، اے اللہ مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو میرا اسلام تیرے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے تو میرا سلام اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے۔ پس جبرئیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ان کا سلام پیش کیا۔

(۱۳) حضرت خنیس نقطے والی خاء پر پیش، نون پر زبر، یاء ساکن، اس کے بعد سین ابن حذافہ سہمی مہاجرین میں سے تھے۔ حبشہ کی ہجرت کے بعد بدر میں حاضر ہوئے۔ پھر اُحد میں حاضر ہوئے۔ پھر زخمی ہو کر مدینہ طیبہ میں آکر انتقال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

(۱۴) حضرت رفاعہ ابن رافع انصاری رضی اللہ عنہ راء کے نیچے زیر، بدری ہیں۔ ان کے والد نقیب ہیں (یعنی بیعت عقبہ میں شریک تھے اور اپنے قبیلے کے نمائندے مقرر ہوئے ۱۲ شرف قادری) حضرت رفاعہ کے بھائی ملک بن رافع اور خلاد بن رافع، حضرت رفاعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے معاذ اور عبید اور بھانجے یحییٰ ابن خلاد روایت کرتے ہیں۔

(۱۵) حضرت رفاعہ عبد المنذر ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ نقباء میں سے تھے۔ بیعت عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ طیبہ کا امیر مقرر فرمایا اور انھیں اصحاب بدر کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ آپ کی وفات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔ بنو نضیر (یہودیوں) کے قضیے میں آپ سے جو لغزش سرزد ہوا اس کی توبہ کے طور پر آپ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ مسجد نبوی شریف میں ایک ستون ہے جسے استوانہ ابولبابہ کہتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶) حضرت زبیر بن العوام قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوام عین پر زبر اور واؤ مشدد۔ آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصی میں جمع ہو جاتا ہے، آپ کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زبیر کی پھوپھی اور حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجہ محترمہ ہیں، حضرت زبیر اور آپ کی والدہ حضرت صفیہ، حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال اور بعض کہتے ہیں پچیس سال تھی۔ آپ کے چچا نے دھوئیں سے آپ کو عذاب دیا تاکہ دینِ اسلام کو ترک کر دیں لیکن آپ ثابت قدم رہے اور حبشہ ہجرت کر گئے۔ بدر اور دیگر غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ثابت قدم رہے اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار میان سے باہر نکالی۔ آپ کا چہرہ سفید، قد لمبا، گوشت کم، بال زیادہ ہلکے رخسار تھے۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل کے دن شہید ہوئے۔ آپ کی عمر شریف چونسٹھ (۶۴) سال تھی۔ وادی السباع میں دفن کیے گئے۔ پھر آپ کو بصرہ میں لایا گیا جہاں آپ کی قبر مشہور ہے۔ ابن جرموز نے جو کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا۔ آپ کو نماز کی حالت میں شہید کیا اور آکر حضرت علی مرتضیٰ کو کہا کہ آپ کو زبیر کے قتل کی خوش خبری ہو۔ امیر المومنین نے فرمایا تجھے بھی دوزخ کی آگ کی خوش خبری ہو۔ آپ کے شہید کیے جانے کا واقعہ کتب حدیث و سیر میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷) حضرت زید بن سہل ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت عقبہ میں ستر افراد کے ساتھ حاضر ہوئے بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی حاضر ہوئے۔ آپ حضرت انس ابن مالک کی والدہ حضرت ام سلیم کے شوہر تھے اور مشہور تیر انداز۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لشکر میں ابو طلحہ کی آواز ایک جماعت سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں ہے سو افراد اور ایک دوسری روایت میں ہے ہزار افراد سے بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور حضرت ابو عبیدہ کو بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت ابو طلحہ انصار کے نمائندے اور ان کے اصحاب ثروت میں سے تھے۔ ان کے فضائل بہت ہیں۔

(۱۸) حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن پاک کو جمع کرنے والوں (یعنی حفاظ) میں سے ایک ہیں۔ حضرت انس کے چچا ہیں جیسے کہ گزشتہ باب میں گزرا۔ بدر میں حاضر ہوئے اور سعد قاری کے نام سے مشہور تھے۔

(۱۹) حضرت سعد بن مالک زہری یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے والد ابو وقاص کا نام مالک ہے۔ حضرت سعد زہری قریشی اور قدیم الاسلام ہیں۔ سترہ سال اور بقول بعض انیس سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں تیسرے نمبر پر اسلام لانے والا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے پہلا تیر چلانے والا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احد کے دن اپنے والدین کو جمع کرتے ہوئے فرمایا تیر پھینکو ہمارے والدین تم پر فدا ہوں۔ حضرت سعد کا قد چھوٹا، جسم گٹھا ہوا، سر بڑا، انگلیاں سخت، رنگ گندمی، ناک پست، بدن پر بالوں کی کثرت، مدینہ طیبہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں واقع اپنے گھر میں رحلت فرمائی۔ پھر انھیں مدینہ منورہ میں لے جا کر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں حضرت امیر معاویہ کے عہد کا واقعہ ہے۔ آپ کی عمر شریف ستر سال سے کچھ اوپر تھی۔ بعض نے کہا بیاسی سال تھی۔ حضرت سعد عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں رحلت کرنے والے صحابی ہیں۔ آپ کے ہاتھ پر عجم کے ممالک فتح اور آپ کی کوشش سے شاہان ایران کی بنیاد منہدم ہو گئی۔ آپ کے

مناقب بہت ہیں۔

(۲۰) حضرت سعد بن خولہ قریشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقطے والی خاء پر زبر، واؤ ساکن، بنو عامر بن لوی سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے حلیف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ یمن سے ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ عجمی ہیں اور فارس سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ حبشہ کے مہاجرین میں سے تھے جنھوں نے دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف کی، بعض علماء کہتے ہیں کہ بدر میں حاضر ہوئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲۱) حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، نون پر پیش، فاء پر زبر اور یاء ساکن قریشی۔ آپ کی کنیت ابوالاعور ہے۔ آپ قریشی عدوی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے بہنوئی اور قدیم الاسلام ہیں۔ دارِ ارقم میں آنے سے پہلے اسلام لائے۔ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے غزوۂ بدر میں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے ساتھ تھے جو قریش کے قافلے کی اطلاع حاصل کرنے کیلیے گئے تھے گندم گوں رنگ اور دراز قد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب پندرہ واسطوں سے کعب بن لوی میں جاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عمر فاروق نے مجھے اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت خطاب اپنے بھائی عمر بن خطاب سے پہلے اسلام لائیں۔ حضرت سعید کا انتقال مدینہ طیبہ کے قریب مقام عقیق میں ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر ستر سال سے کچھ زیادہ تھی۔ بعض نے کہا اسی سال سے زیادہ تھی بعض نے لکھا کہ آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے والد زید بن عمرو بن نفیل نے دورِ جاہلیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اختیار کیا اور مشرکین کے ذبیحوں سے اجتناب کرتے تھے۔ وحی کے نازل ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی انھیں موحد الجاہلیۃ (دورِ جاہلیت کے موحد) کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ نبی تھے جو مخلوق کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔

(۲۲) حضرت سہل سین پر زبر ہاء ساکن ابن حنیف، بے نقطہ حاء پر پیش، نون پر زبر اور یاء ساکن الانصاری، بدر، احد اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے۔ احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کے ساتھ صحبت رکھی۔ امیر المؤمنین نے انھیں مدینہ منورہ کا خلیفہ اور ملک فارس کا والی بنایا۔ کوفہ میں ۳۸ھ میں وفات پائی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲۳-۲۴) حضرت ظہیر بن رافع انصاری اور ان کے بھائی رضی اللہ عنہما، ظہیر نقطے والی ظاء پر پیش ان کے بھائی حضرت خدیج بن رافع ہیں۔ دونوں اہلِ بدر میں سے ہیں۔ بدر اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے ابن عبد البر ابن اسحاق سے حکایت کرتے ہیں کہ حضرت ظہیر بدر میں حاضر نہیں ہوئے۔ آپ حضرت رافع

بن خدیج کے چچا اور اسید بن ظہیر کے والد ہیں ۔ ان کے ذکر میں اوزاعی منفرد ہیں ۔

(۲۵) حضرت عبداللہ بن مسعود ہُذلی ہا پر پیش، ذال پر زبر، حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل نقطے والی غین کے ساتھ منسوب ہیں ۔ ہذیلہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مظہر کی طرف ۔ بنو زہرہ کے حلیف، اولین سابقین میں سے اور قدیم الاسلام ہیں ۔ دارِ ارقم میں آنے سے پہلے اسلام لائے ۔ بعض علماء نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کچھ زمانہ پہلے اسلام لائے، حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ بدر اور اس کے بعد غزوات میں حاضر ہوئے، دو قبلوں کی طرف نماز ادا کی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی اور فرمایا: ہم امت کے لیے ہر اس چیز پر راضی ہیں جس سے ابن ام عبد (ابن مسعود) راضی ہوں اور اس چیز سے ناراض ہیں جس سے وہ ناراض ہیں، ان کے مناقب بہت ہیں ۔ ان میں سے کچھ گزشتہ باب میں گزر چکے ہیں ان کا قد اس قدر چھوٹا تھا کہ ان کا کھڑا ہونا دوسروں کے بیٹھنے کے قریب تھا ۔ رنگ گہرا گندم گوں، نحیف الجسم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کوفہ کے قاضی اور بیت المال کے والی مقرر کیے گئے ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور تک اس منصب پر فائز رہے ۔ پھر ان کے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے درمیان پیدا ہونے والے اختلاف کی بناء پر مدینہ طیبہ آ گئے اور ۳۲ھ میں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے ۔ عمر شریف ساٹھ سال سے کچھ اوپر تھی ۔ کہتے ہیں کہ نوے ہزار دینار ترکہ چھوڑا، غلام اور چارپائے اس کے علاوہ تھے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ان سے چاروں خلفاء اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین نے ان سے روایت کی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ زہرہ ابن کلاب کی اولاد میں سے تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب چھ واسطوں سے کلاب ابن مرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے ۔ دورِ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا ۔ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے، قدیم الاسلام تھے ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے ۔ ان کی والدہ بھی شرفِ اسلام سے مشرف ہوئیں ۔ دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ بدر اور دیگر تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے ۔ اُحد کے دن ثابت قدم رہے ۔ انھیں بیس سے زیادہ زخم لگے ۔ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے (ایک رکعت) نماز ادا کی اور جو باقی رہ گئی اسے بعد میں پورا کیا، جیسے مسبوق کا حکم ہے ۔ غزوۂ تبوک میں حاضر نہیں ہو سکے اس کی تلافی یوں کی کہ پہلے چار ہزار درہم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کیے پھر چالیس ہزار دینار خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہدین کو پانچ سو گھوڑوں پر سوار کیا، اس کے بعد پانچ سو اونٹ سواری کے لیے دیئے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد امہات المؤمنین کی خدمت کی ۔ ان کے اموال کا اکثر حصہ تجارت سے تھا ۔ ان کے مناقب بہت ہیں ۔

دہ دراز قد، نرم جلد والے اور سرخ و سفید رنگت والے تھے ۔ پاؤں میں چوٹ لگنے کی بناء پر لنگڑاہٹ پیدا

ہو گئی تھی۔ وہ مالدار ترین صحابہ کرام میں سے تھے۔ ہجرت کے وقت فقیر تھے یہ تمام خیر و برکت انھیں مدینۂ طیبہ میں ملی تھی۔ وفات کے وقت آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کا حصہ ترکہ کا بتیسواں حصہ تھا اس حصے کے بدلے اسی ہزار درہم یا دینار پر صلح ہو گئی (یعنی ہر ایک بیوی کو اتنی رقم ملی) انھوں نے رحلت کے وقت اصحابِ بدر میں سے ہر ایک کے لیے چار سو دینار کی وصیت کی۔ ان کا ترکہ ایک ہزار ساٹھ افراد پر تقسیم کیا گیا۔ ہر ایک کو اسی ہزار درہم ملے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے عبدالرحمٰن بن عوف دیکھا کہ وہ جنت میں جا رہے ہیں اور بچے کی طرح سرین پر گھسٹ رہے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے ان سے یہ حدیث سنی تو شام سے آیا ہوا تمام قافلہ جو سات اونٹ پر مشتمل تھا مع پالان اور اس پر ڈالنے والے کپڑوں کے جنت میں داخل ہونے کی بشارت کے شکرانے یا گھسٹنے سے بھی جانے والی کمزوری کے ازالے کے لیے صدقہ کر دیا۔

وہ ظہر سے پہلے طویل نماز ادا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ وفات کے وقت بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمانے لگے: میرے پاس دو سخت مزاج فرشتے آئے اور کہنے لگے انھیں عزیز اور امین حاکم کے پاس لے چلو، اتنے میں دو اور فرشتے آ گئے انھوں نے پوچھا کہ انھیں کہاں لے جا رہے ہو؟ پہلے فرشتوں نے کہا کہ عزیز اور امین حاکم کے پاس لے جا رہے ہیں، دوسرے فرشتوں نے کہا انھیں چھوڑ دو جب یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے تو ان کی سعادت سبقت لے جا چکی ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے حضرت عثمان غنی کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ جب ان کی رحلت ہوئی تو حضرت علی مرتضیٰ نے ابن عوف کی چادر کو فرمایا کہ تو نے صاف پانی پیا اور گدلا نہ دیکھا۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ عجیب ہے جو ہم نے اسماء رجال میں نقل کیا ہے۔

(۲۷) حضرت عبیدہ عین پر پیش ابن حارث قریشی رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابوالحارث ہے۔ بعض نے کہا ابومعاویہ عبیدہ ابن حارث، بعض نے کہا ابومعاویہ عبیدہ ابن حارث بن المطلب ابن عبد مناف، عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے۔ دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے دو بھائیوں طفیل اور حصین کے ہمراہ ہجرت کی۔ بدر کے دن ولید بن عتبہ کو للکارا۔ ان کے درمیان تلواروں کے دو وار ایک دوسرے پر کیے گئے اور اسی زخم سے شہید ہوئے۔ ولید بھی اسی دن مارا گیا۔ ان سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

(۲۸) حضرت عبادہ عین پر پیش اور باء مخفف ابن صامت انصاری رضی اللہ عنہ انصار کے نقیب (نمائندے) تھے۔ پہلی اور دوسری بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے۔ بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ پاک کو جمع (یاد) کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ دراز قد، جسیم اور خوبصورت تھے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد فلسطین میں مقیم ہو گئے۔ رملہ اور بقول بعض بیت المقدس میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ بہتر سال (۲) عمر شریف تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک حیات رہے۔

(۲۹) حضرت عمرو بن عوف، بنو عامر بن لوی کے حلیف، لوی لام پر پیش، ہمزے پر زبر، یاء مشدد بغیر ہمزہ کے (واؤ کے ساتھ) بھی پڑھتے ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے، مدینہ طیبہ میں مقیم ہوئے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی کہ آپ نے فرمایا ہمیں تم پر فقر کا خوف نہیں لیکن ہمیں دیناروں کی زیادتی کا خوف ہے رضی اللہ عنہ۔

(۳۰) حضرت عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ ابو مسعود انصاری بدری مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور یہ سب سے کم عمر تھے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ بدر کی طرف ان کی نسبت رہائش کے اعتبار سے ہے نہ کہ غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کی بناء پر۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے بعد ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۳۱) حضرت عامر بن ربیعہ عنزی رضی اللہ عنہ۔ عنزی بے نقطہ عین اور نون پر زبر، یہ نسبت ہے عنزہ کی طرف جو ان کے اجداد میں سے تھے۔ جامع الاصول میں العنوی ہے نقطے والی غین کے ساتھ۔ وہ بنی عدی کے حلیف تھے لہٰذا ان کی نسبت میں عدوی بھی واقع ہے۔ کاشف میں ہے کہ وہ آلِ خطاب کے حلیف تھے انھوں نے دو ہجرتیں کیں (ایک حبشہ، دوسری مدینہ طیبہ) بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروق سے پہلے اسلام لائے۔ ۳۲ھ یا ۳۳ھ یا ۳۵ھ میں وفات پائی۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور دوسرا قول کاشف کے اس بیان کے موافق ہے کہ حضرت عثمان غنی سے پہلے فوت ہوئے۔

(۳۲) حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے مشرکوں کے بڑے آدمی کو قتل کیا تھا اس لیے (آپ کی شہادت کے بعد) انھوں نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ لیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی تھی کہ مشرک کا ہاتھ ان تک نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کو بھیج دیا جنھوں نے مشرکوں کے ہاتھ سے ان کی حفاظت کی جب رات ہوئی تو سیلاب آیا اور ان کی نعش مبارک کو بہا کر لے گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ رجیع میں پیش آیا۔ آپ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۳۳) عُوَیم بے نقطہ عین پر پیش، واؤ پر زبر اور یاء ساکن ابن ساعدہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقبہ کی دونوں بیعتوں بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں انتقال کر گئے۔ بعض علماء نے کہا کہ حضرت عمر فاروق کی خلافت میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حیات تھے۔ ان سے حضرت عمر فاروق نے روایت کی۔ ان کی عمر پینسٹھ یا چھیاسٹھ سال تھی۔

(۳۴) حضرت عتبان عین کے نیچے زیر، تاء ساکن اس کے بعد واؤ ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ان سے حضرت انس بن مالک اور محمود بن ربیع نے روایت کی وہ نابینا تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ انھوں نے مسجد میں نہ آنے کا عذر بیان کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں نماز ادا فرمائی تاکہ وہ اپنے لیے اس جگہ کو جائے نماز بنالیں۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں فوت ہوئے۔

(۳۵) حضرت قدامہ قاف پر پیش، بے نقطہ دال مخفف ابن مظعون میم پر زبر اور نقطے والی ظاء ساکن اس کے بعد عین، قریشی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ماموں ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے بدر اور تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب نے انھیں بحرین کا گورنر مقرر فرمایا پھر انھیں معزول کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسی سال کی عمر میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۳۶) حضرت قتادہ ابن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ مشہور قتادہ تابعی دوسرے ہیں وہ بصری ہیں وہ نابینا تھے اور اپنے زمانے کے وسیع ترین حافظے والے شخص تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے سنا وہ مجھے نہیں بھولا۔ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حضرت حسن بصری اور سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں۔

(۳۷) حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ جموح جیم پر زبر اور آخر میں بے نقطہ حاء انصاری ہیں بیعت عقبہ اور بدر میں حاضر ہوئے۔ وہ اور ان کے والد عمرو بن الجموح حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت ہوئے۔

(۳۸، ۳۹) معوذ میم پر پیش، عین پر زبر اور مشدد واؤ کے نیچے زیر ابن عفراء بے نقطہ عین پر زبر اور فاء ساکن اور آخر میں الف ممدودہ اور ان کے بھائی معاذ بن عفراء دونوں اہلِ بدر میں سے ہیں۔ عفراء ان کی والدہ کا نام ہے، ان کے والد کا نام الحارث بن رفاعہ انصاری ہے۔ معوذ، ابوجہل لعین کے قاتل ہیں۔ بدر کے دن اپنے بھائی کی امداد سے اسے قتل کیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور معاذ باقی رہے اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ سوائے ان غزوات کے جن میں اللہ تعالیٰ کو شرکت منظور نہیں تھی، ان کے ایک اور بھائی تھے جن کا نام عوف تھا وہ بھی بدر میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۴۰) حضرت مالک بن ربیعہ راء پر زبر ابو اسید انصاری ہمزے پر پیش، سین پر زبر یاء ساکن، بعض علماء نے ہمزے پر زبر اور سین کے نیچے زیر بیان کی ہے رضی اللہ عنہ۔ ابو اسید حضرت مالک بن ربیعہ کی کنیت ہے اور کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، ان سے حضرت انس بن مالک اور ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی اور ۶۰ھ میں ستتر (۷۷) سال کی

عمر میں فوت ہوئے اور وہ اصحابِ بدر میں سے وفات پانے والے آخری صحابی ہیں ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴۱) حضرت مسطح میم کے نیچے زیر، بے نقطہ سین ساکن، بے نقطہ طاء پر زبر اور آخر میں بے نقطہ حاء ابن اثاثہ ہمزے پر پیش اور دو ثاء تین نقطوں والی کے نیچے میں تھا ہمزہ۔ ابن عباد عین پر زبر اور ایک نقطے والی با مشدد ابن عبد المطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ ۔ بدر، احد اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے ۔ انھوں نے وہی واقعہ افک میں حضرت عائشہ کے بارے میں کہا جو کہا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتیں کہنے والوں کو کوڑے لگوائے تو انھیں بھی کوڑے لگوائے ۔ ۳۴ھ میں چھپن (۵۶) سال کی عمر میں فوت ہوئے (وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ کے بیٹے تھے ۱۲ مولوی امیر علی ۔

(۴۲) حضرت مرارہ میم پر پیش ابن ربیع لفظ خریف کے وزن پر اور معنیٰ اس کی ضد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر میں حاضر ہوئے یہ ان تین صحابہ کرام میں سے ہیں جو غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکے، ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت کعب بن مالک ہیں اور دوسرے ہلال بن امیہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اس سلسلے میں قرآنِ پاک کی آیات نازل فرمائیں ۔ اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ توبہ ہے ۔

(۴۳) حضرت معن میم پر زبر ابن عدی انصاری عین پر زبر بے نقطہ دال کے نیچے زیر اور یا مشدد، بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے ۔ اسی لیے انھیں انصاری کہا جاتا ہے ۔ بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے ۔ بیعتِ عقبہ میں بھی حاضر ہوئے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور حضرت عمر بن خطاب کے بھائی حضرت زید بن خطاب کو بھائی بنایا۔ وہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یمامہ کے دن شہید ہوئے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔

(۴۴) حضرت مقداد بن عمرو الکندی کاف کے نیچے زیر، نون ساکن حَلِیْفُ بَنِیْ زُہْرَۃَ بنو زہرہ کے حلیف تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں مقداد بن اسود بھی کہتے ہیں ۔ کندی اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے والد عمرو قبیلۂ کندہ کے حلیف تھے ۔ اس لیے انھیں کندی کہتے ہیں ۔ وہ خود اسود بن عبد یغوث زہری کے حلیف تھے ۔ اس لیے انھیں زہری کہتے ہیں ۔ اسی بناء پر انھیں ابن الاسود بھی کہتے ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ نے اسود سے نکاح کیا تھا اور یہ ان کی گود میں تھے ۔ اس لیے ابن الاسود کہتے ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسود کے غلام تھے اور اس نے انھیں بیٹا بنا لیا تھا ۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے ۔ آپ قدیم الاسلام تھے بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ چھٹے نمبر پر اسلام لائے تھے ۔ ان کا شمار اہلِ حجاز میں ہے ۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلاء، نجباء، عمدہ ترین اور اکابر صحابہ کرام میں سے تھے ۔ ان سے حضرت علی مرتضیٰ، طارق بن شہاب اور دیگر حضرات نے روایت کی ۔ مدینہ منورہ سے تین میل دور واقع مقام جرف میں وفات پائی اور انھیں مدینہ طیبہ جنت البقیع میں لا کر دفن کیا گیا، یہ ۳۳ھ کی بات ہے اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ۔

(۴۵) حضرت ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تین صحابہ کرام میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انھوں نے اپنی بیوی کو قذف کیا (ان پہ زنا کا الزام عائد کیا) پھر لعان کیا۔ بدر میں حاضر ہوئے، ان سے حضرت جابر بن عبداللہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کی۔

باب

یمن، شام اور اویس قرنی کا ذکر

یمن پہلے دو حرفوں پر زبر، ان شہروں کو کہتے ہیں جو کعبہ مقدسہ سے دائیں جانب واقع ہیں یَمَنِیٌّ، یمان اور یَمَانِیٌّ یاء کی تخفیف کے ساتھ یمن کی طرف منسوب بعض نے یاء مشدد بھی بیان کی ہے اور شام ان شہروں کو کہتے ہیں کہ بیت اللہ شریف سے بائیں جانب واقع ہیں۔ اَلشَّامُ بائیں جانب کو کہتے ہیں کہ جیسے یمن دائیں جانب کو کہتے ہیں۔ شام ہمزے کے ساتھ اور اس کے بغیر دونوں طرح آیا ہے۔ قَرَن قاف اور راء کی زبر کے ساتھ یمن کا ایک شہر ہے لیکن وہ قرن جو اہل نجد کا میقات ہے راء ساکن کے ساتھ ہے۔ جوہری نے راء کو متحرک قرار دے کر خطا کی ہے اور اویس قرنی کی اس قرن کی طرف نسبت کرنے میں بھی خطا کی ہے۔ کیونکہ اویس منسوب ہیں قرن بن ردمان بن ناجیہ ابن مراد کی طرف جو ان کے اجداد میں سے ہیں۔ اسی طرح صاحب قاموس نے کہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۶۰۰۳ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا يَاْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهٗ اُوَيْسٌ لَا يَدَعُ بِالْيَمَنِ غَيْرَ اُمٍّ لَهٗ قَدْ كَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَدَعَا اللّٰهَ فَاَذْهَبَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ الدِّيْنَارِ اَوِ الدِّرْهَمِ فَمَنْ لَقِيَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ وَفِيْ

پہلی فصل

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ ایک شخص تمہارے پاس یمن کی طرف سے آئے گا جسے اُویس کہا جاتا ہے وہ یمن میں سوائے اپنی والدہ کے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔ اس کے جسم پر سفیدی تھی[۱] اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کریم نے وہ سفیدی دور کر دی۔ سوائے ایک دینار یا ایک درہم کی

رِوَايَةٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ اُوَيْسٌ وَلَهُ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جگہ کے تم میں سے جو اسے ملے تو چاہیے کہ وہ تمھارے لیے دعائے مغفرت کریں ۵ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تابعین میں سے بہترین وہ ایک مرد ہے جسے اُویس کہا جاتا ہے اس کی والدہ ہے اور اس کے جسم پر سفیدی تھی تم انھیں کہو کہ وہ تمھارے لیے دعائے مغفرت کریں (مسلم)

لہ یعنی برص کی

ٹہ یہ راوی کو شک ہے، ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی ان کی دعا سے تھا۔ انھوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! میرے جسم میں کچھ سفیدی چھوڑ دے تاکہ اس کے ذریعے تیری نعمت کو یاد کرتا رہوں۔

سہ یعنی ملاقات کرنے والا شخص ان سے درخواست کرے کہ اس کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

ٹہ اس حدیث میں اہل خیر وصلاح (اولیائے کرام) سے دعا کا طلب کرنا ثابت ہے اگرچہ طلب کرنے والا افضل ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات حضرت اویس کا دل خوش کرنے کے لیے فرمائی اور ان لوگوں کا وہم دُور کیا جنھوں نے خیال کیا کہ اویس قرنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہیں کیا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ اس لیے کہ وہ والدہ محترمہ کے خیال اور ان کی خدمت کرنے کی بنا پر یہ سعادت حاصل نہ کر سکے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اویس بہترین تابعین میں سے ہیں، اور اس جگہ ان کی واضح فضیلت منقبت اور عظیم فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ تابعین میں سے افضل حضرت سعید بن مسیب ہیں، ان کا افضل ہونا علوم اور احکام شریعت کی معرفت کی بنا پر ہے اور یہ اس بات کے منافی نہیں حضرت اویس کے افضل اور اعلیٰ ہونے کے بایں معنیٰ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ثواب زیادہ ہے۔ قاموس میں ہے کہ اویس بن عامر سادات تابعین (تابعین کے سرداروں) میں سے ہیں ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف کے الفاظ کا بھی یہی مطلب ہو۔

یاد رہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شان میں متعدد احادیث اور آثار وارد ہیں جنھیں امام سیوطی نے جمع الجوامع میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ گفتگو طویل ہو جائے گی تاہم ہم نے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اولیاء کرام کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اسیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن کے لوگ حاضر ہوتے تو آپ پوچھتے کیا تم میں اویس بن عامر ہیں؟ یہاں تک کہ ان میں حضرت اویس بھی پہنچ گئے، حضرت فاروق اعظم نے پوچھا کیا آپ اویس بن عامر ہیں۔ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! میں اویس بن عامر ہوں۔ فرمایا: کیا آپ قبیلہ مراد پھر قرن سے

ہیں۔ انھوں نے عرض کیا جی ہاں ایسے ہی ہے۔ فرمایا: آپ کو برص کی بیماری تھی جو درست ہوگئی سوائے ایک درہم کی جگہ کے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: کیا آپ کی والدہ موجود ہیں۔ عرض کیا: جی ہاں! حضرت عمر فاروق نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اویس بن عامر تمھارے پاس یمن کے وفد کے ساتھ آئیں گے، وہ قبیلہ مراد پھر قرن سے ہوں گے۔ ان کو برص کی بیماری تھی پھر وہ تندرست ہو گئے سوائے ایک درہم کی جگہ کے، ان کی والدہ موجود ہیں جن کی وہ خدمت کرتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرمادے گا، اگر تم سے ہوسکے تو ان سے دعائے مغفرت طلب کرنا۔ لہٰذا اے اویس! آپ میرے لیے دعائے مغفرت کریں۔ انھوں نے عرض کیا اے امیرالمومنین! کیا مجھ ایسا آدمی آپ کے لیے دعائے مغفرت کرے؟ فرمایا: آپ ضرور میرے لیے دعائے مغفرت کریں چنانچہ حضرت اویس نے حضرت فاروق اعظم کے لیے دعائے مغفرت کی، حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے میں کوفہ جانا چاہتا ہوں، فرمایا: آپ کے لیے کوفہ کے گورنر کے نام کوئی مکتوب لکھ دوں کہنے لگے کہ میرے نزدیک بات زیادہ محبوب ہے کہ میں پیچھے رہنے والے لوگوں میں رہوں۔

آئندہ سال یمن کا ایک معزز آدمی حج کے لیے آیا اور اس نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ حضرت عمر نے اس سے حضرت اویس کا حال معلوم کیا اور پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میں نے انھیں اس حال میں چھوڑا کہ ان کے کپڑے پرانے اور سامان معمولی تھا۔ حضرت عمر نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔ وہ شخص حضرت اویس کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں کہنے لگے آپ میرے لیے دعائے مغفرت کریں کیونکہ آپ مبارک سفر سے آئے ہیں۔ اس شخص نے حضرت عمر فاروق کی حدیث سنائی اور دوبارہ درخواست کی کہ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ چنانچہ حضرت اویس نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی، پس لوگوں نے حضرت اویس کو پہچان لیا اور ان کے حال کی حقیقت جان لی، آپ وہ جگہ ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ روایت ابن سعد نے طبقات میں، ابوعوانہ، رویانی اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کی۔

اسیر بن جابر سے ایک دوسری روایت بھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک محدث تھے، جو ہمیں حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ جب وہ درس حدیث سے فارغ ہوئے تو کچھ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور کچھ اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔ اس جماعت میں ایک شخص تھا جو ایسی گفتگو کرتا تھا کہ میں نے کسی کو وہ کلام کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ میں اس شخص کے پاس آتا تھا، ایک دن وہ شخص غائب ہوگیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ جو ہمارے ساتھ بیٹھتا تھا اور ایسی ایسی باتیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے کہا: میں اسے پہچانتا ہوں وہ اویس قرنی ہیں۔ میں نے پوچھا تھیں ان کے گھر کا پتہ ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں جانتا ہوں چنانچہ میں نے اس شخص کے ہمراہ جا کر ان کے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اویس حجرے سے باہر آئے

میں نے پوچھا بھائی جان! آپ کو ہمارے پاس آنے سے کس چیز نے منع کیا؟ فرمایا برہنہ ہونے نے، ان کے ساتھی ان سے تمسخر کرتے تھے اور انھیں رنجیدہ کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ چادر لے لیں اور پہن لیں، کہنے لگے اس طرح نہ کرو اس لیے کہ جب میرے ساتھی یہ کپڑا میرے جسم پر دیکھیں گے تو میرا دل دکھائیں گے۔ میں نے اصرار کیا تو انھوں نے وہ کپڑا پہن لیا اور باہر تشریف لے آئے ساتھیوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ کپڑا کس کو دھوکہ دے کر حاصل کیا ہے؟ اور کسے لوٹا ہے؟ فرمانے لگے دیکھ رہے ہو کہ کیا کہتے ہیں، میں نے کہا کہ تم لوگ ان سے کیا چاہتے ہو اور انھیں کیوں اذیت دیتے ہو؟ آدمی کے پاس کبھی کپڑا نہیں ہوتا اور کبھی اسے کپڑا مل جاتا ہے میں نے زبانی گفتگو کے ذریعے ان پر سخت گرفت کی۔

مشیتِ الٰہی سے کوفہ کے کچھ لوگ حضرت عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو حضرت اویس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: کیا اس جگہ کوئی شخص اہلِ قرن میں سے ہے؟ حاضرین نے اس شخص کو پیش کیا جو حضرت اویس کا تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کی جو انھوں نے حضرت اویس کے بارے میں سنی تھی اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ تمھارے پاس کوفہ میں آگئے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ ایسا شخص ہمارے درمیان نہیں ہے اور ہم اسے نہیں پہچانتے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ہاں ضرور ایسا شخص ہے یعنی بظاہر نا قابلِ توجہ اور حقیر۔ اس شخص نے کہا کہ ہمارے ہاں اویس نام کا ایک شخص ہے جس سے ہم تمسخر اور دل لگی کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: ان سے ملاقات کرو اور میں نہیں دیکھتا کہ تم انھیں پا سکو گے۔ وہ شخص اپنے اہل وعیال کے پاس جانے سے پہلے حضرت اویس کے پاس آیا۔ حضرت اویس نے اسے فرمایا: تمھارا میرے ساتھ یہ معاملہ کس بناء پر ہے (کہ اپنے گھر جانے سے پہلے میرے پاس چلے آئے) اس نے کہا: میں نے امیر المومنین عمر فاروق سے آپ کی تعریف سنی ہے۔ انھوں نے آپ کے بارے میں اس اس طرح فرمایا ہے۔ اے اویس! مجھے بخش دیجیے جو کچھ تمسخر اور بے ادبی آپ سے کی ہے اور میرے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔ انھوں نے فرمایا ایک شرط پر دعائے مغفرت کرتا ہوں کہ تم نے جو کچھ عمر فاروق سے سنا ہے کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ اس کے بعد اس شخص کے لیے دعا کی۔ اسیر ابن جابر راوی کہتے ہیں کہ اس خبر کے بعد حضرت اویس کا راز کوفہ میں فاش ہو گیا۔ یہ واقعہ ابن سعد نے طبقات میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں بیان کیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یحییٰ ابن سعید، حضرت سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اے عمر! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دل وجان سے حاضر ہوں مجھے گمان ہوا کہ مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا ہماری امت میں ایک شخص ہوں گے جنھیں اویس قرنی کہیں گے، ان کے جسم میں بیماری پیدا ہو گی وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو وہ کریم اُسے دور فرما دے گا مگر کچھ نشان ان کے پہلو میں باقی رہے جب اسے دیکھیں گے تو

اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے، جب تم ان سے ملاقات کرو تو انھیں ہمارا سلام کہنا، انھیں کہنا کہ تمھارے لیے دعا کریں کیونکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مکرم ہیں اور اس کے نزدیک بڑا مقام رکھتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو سچا کر دے گا۔ وہ ربیعہ اور مضر قبیلوں کی مثل کی شفاعت کریں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں تلاش کیا لیکن وہ مجھے نہیں ملے، پھر حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں تلاش کیا لیکن وہ مجھے نہیں ملے پھر میں انھیں اپنی زندگی میں تلاش کرتا رہا اور مختلف ممالک سے جو دوست آئے تھے ان سے پوچھتا کہ کوئی شخص قبیلہ مراد کا ہے؟ یا قبیلہ قرن کا کوئی شخص ہے جس کا نام اویس ہے۔ قبیلہ قرن کے ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین! وہ میرے چچا کا بیٹا ہے، آپ جس شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں وہ تو معمولی اور حقیر ہے، وہ اس لائق نہیں کہ آپ جیسی شخصیت اس کے بارے میں دریافت کرے۔ میں نے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تو ان کے بارے میں ہلاک ہونے والوں میں سے ہو۔

میں یہی بات کر رہا تھا کہ اچانک ایک اونٹ نمودار ہوا جس کا پالان پرانا اور اس پر پرانے کپڑوں والا ایک شخص سوار تھا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہی شخص اویس ہے۔ میں نے کہا اے بندۂ خدا! کیا تو ہی اویس قرنی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں سلام کہتے ہیں۔ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو اور اے امیر المومنین! آپ پر بھی سلام ہو۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔ اس کے بعد میں ہر سال ان سے ملاقات کرتا، یعنی حج کے موقع پر، پس میں اپنے احوال اور اسرار انھیں بیان کرتا اور وہ مجھے بیان کرتے۔ یہ حدیث ابوالقاسم عبدالعزیز ابن جعفر خرقی نے اپنے فوائد میں، خطیب اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بیان کی۔

ایک اور روایت میں حضرت حسن بصری سے ہے کہ جب قبیلہ قرن کے لوگ حج کے موقع پر آئے، تو امیر المومنین عمر فاروق نے ان سے پوچھا کہ کیا تمھارے درمیان وہ شخص ہے جس کا نام اویس ہے؟ ان میں سے ایک شخص نے کہا: امیر المومنین! آپ اس سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ ایسا شخص ہے جو ویرانوں میں رہتا ہے اور انسانوں میں نہیں آتا، فرمایا اسے ہمارا سلام پہنچانا اور انھیں کہنا کہ ہم سے ملاقات کریں۔ اس شخص نے حضرت عمر فاروق کا پیغام پہنچا دیا، تو حضرت اویس حضرت عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم ہی اویس ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں، امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا: تمھارے جسم پر برص کی سفیدی تھی۔ تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اسے دور کر دے پھر تم نے دعا کی کہ اس کا کچھ حصہ باقی رہے۔ انھوں نے عرض کیا جی ہاں! امیر المومنین! آپ کو کس نے خبر دی؟ فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ سے درخواست کروں کہ میرے لیے دعا کریں۔ چنانچہ حضرت اویس نے حضرت عمر فاروق کے لیے دعا کی، انھوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے حال کو پوشیدہ رکھیں

اور مجھے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت اویس ہمیشہ لوگوں سے پوشیدہ رہے یہاں تک کہ نہاوند کے دن شہید ہو گئے، اسے ابن عساکر نے روایت کیا۔

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے منیٰ میں منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا اے اہل قرن! تو اس قبیلے کے بوڑھے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے امیر المؤمنین! ہم ہیں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کیا قرن میں کوئی ایسا شخص ہے جس کا نام اویس ہے؟ ایک بوڑھے نے کہا: اس نام کا صرف ایک دیوانہ ہے جو جنگلوں اور ریگستان میں رہتا ہے۔ نہ تو کسی کو اس کے ساتھ محبت ہے اور نہ ہی وہ کسی کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: مجھے ان ہی کی تلاش ہے جب قرن میں جاؤ تو انھیں تلاش کر کے ہمارا سلام پہنچاؤ اور انھیں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمھارے بارے میں بشارت دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچاؤں۔ جب وہ لوگ قرن میں پہنچے تو انھیں تلاش کیا، چنانچہ وہ ریگستان میں پڑے ہوئے مل گئے۔ ان لوگوں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا، کہنے لگے امیر المؤمنین نے مجھے اور میرے نام کو مشہور کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر سلام ہو اور وادی حیرت و سرگردانی میں نکل گئے۔ اس کے بعد ان کا کوئی نشان نہ ملا، یہاں تک کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دنوں میں واپس آئے اور ان کے سامنے جہاد کیا اور جنگ صفین میں شہید ہو گئے، اسے ابن عساکر نے روایت کیا۔

صعصعہ ابن معاویہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب کے پاس اہل کوفہ کا وفد آتا تو ان سے پوچھتے کہ کیا تم اویس بن عامر کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہتے: ہم اس نام کے آدمی کو نہیں پہچانتے۔ حضرت اویس کوفہ کی مسجد ہی میں رہتے تھے اور اس سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ ان کے چچا کا ایک بیٹا تھا جو انھیں ایذا دیا کرتا تھا۔ ان کے چچا کا وہ بیٹا اہل کوفہ کے وفد کے ساتھ حاضر ہوا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! اویس اس مقام کا آدمی نہیں ہے کہ آپ اس کے بارے میں دریافت فرمائیں اور اسے پہچانیں، وہ تو کمتر ین درجے کا آدمی ہے وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: افسوس! تو ان کے بارے میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے وہ حدیث بیان کی جو انھوں نے حضرت اویس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور فرمایا جب تم وہاں پہنچو تو انھیں ہمارا سلام پہنچانا۔ اس طرح حضرت اویس کا معاملہ مشہور ہو گیا۔ چنانچہ وہ باہر چلے گئے اور غائب ہو گئے اسے ابو یعلیٰ، ابن مندہ اور ابن عساکر نے روایت کیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق دس سال تک اویس قرنی کے حالات دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے موسم حج میں فرمایا: اے اہل یمن تم میں سے جو قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔ پس یہ لوگ کھڑے ہو گئے اور دوسرے بیٹھ گئے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: کیا تمھارے درمیان اویس موجود ہے؟ ایک شخص نے کہا: امیر المؤمنین ہم اس شخص کو نہیں پہچانتے ہاں میرا ایک بھتیجا ہے جسے اویس کہتے ہیں لیکن اتنا معمولی اور حقیر ہے کہ اس لائق نہیں کہ آپ جیسی شخصیت اس کے بارے میں

پوچھے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: کیا وہ حرم میں ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ عرفہ کے پیلو کے درختوں میں ہے اور لوگوں کے اونٹ چرارہا ہے۔ پس حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دراز گوش پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور پیلو کے درختوں کے پاس پہنچ گئے۔ اچانک دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور نگاہیں سجدے کی جگہ پر مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے یہی وہ شخص ہے جسے ہم تلاش کر رہے ہیں۔ انھوں نے جب ان حضرات کی آہٹ سنی تو نماز مختصر کردی اور اس سے فارغ ہو گئے۔ ان حضرات نے انھیں سلام کیا انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ ان حضرات نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگے عبداللہ! حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا: زمین و آسمان میں جو بھی ہے وہ عبداللہ (اللہ کا بندہ ہے)۔ میں آپ کو اس حرم کے پروردگار کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنا وہ نام بتائیں جو آپ کے والدین نے رکھا ہے، کہنے لگے آپ کیا چاہتے ہیں؟ میرا نام اویس بن مراد ہے ان حضرات نے فرمایا اپنا بایاں پہلو ننگا کرو، انھوں نے ننگا کیا تو ان حضرات نے دیکھا کہ ان کے پہلو میں درہم کے برابر سفید نشان ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمر فاروق دوڑے کہ اس نشان کو بوسہ دیں، پھر کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کو سلام پہنچائیں اور آپ سے درخواست کریں کہ ہمارے لیے دعا کریں، کہنے لگے میری دعا زمین کے مشرق و مغرب کے تمام مرد و زن مسلمانوں کو شامل ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ خاص طور پر ہمارے لیے دعا کریں۔ چنانچہ انھوں نے ان حضرات اور تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کی۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ہم آپ کو کچھ اپنا رزق یا عطیہ دیں۔ حضرت اویس نے کہا کہ میرے دونوں کپڑے نئے ہیں میں نے اپنے دونوں جوتوں کو پیوند لگایا ہوا ہے اور میرے پاس چار درہم موجود ہیں جب وہ ختم ہو جائیں گے تو ان سے لے لوں گا (جو آپ دینا چاہتے ہیں) اور فرمایا کہ جو شخص روزِ جمعہ کی امید رکھتا ہے وہ مہینے کی امید رکھتا ہے جو مہینے کی امید رکھتا ہے وہ سال کی امید رکھتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے لوگوں کے اونٹ ان کے حوالے کیے اور باہر چلے گئے اس کے بعد نہیں دیکھے گئے۔ اسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

۶۰۰۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَاکُمْ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَّاَلْیَنُ قُلُوْبًا اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَّالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ وَّالْفَخْرُ وَالْخُیَلَاءُ فِیْ اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّکِیْنَةُ وَالْوَقَارُ فِیْ اَهْلِ الْغَنَمِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن والے آئے[1]، ان کے دل بڑے رقیق اور بہت نرم ہیں[2]۔ ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے[3]۔ فخر اور تکبر اونٹوں والوں میں ہے[4] اور سکون و وقار بکریوں والوں میں ہے[5] (صحیحین)

ے یہ اس وقت فرمایا جب حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کی قوم کے لوگ آئے۔

۲ اَفْئِدَۃً جمع فُؤَادٌ کی، فاء پر پیش اور ہمزہ کے ساتھ، واؤ کے ساتھ (فُوَادٌ) عربی لغت ہے تَفَوُّدٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی جلنا ہے اور قُلُوْبٌ جمع ہے قَلْبٌ یہ تَقَلُّبٌ سے ہے۔ جس کا معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنا، اکثر اہل لغت فُؤَادٌ اور قَلْبٌ کا ایک ہی معنی بیان کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کا دو دفعہ ذکر تاکید کے لیے ہے۔ یہ حدیث باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری فصل میں گزر چکی ہے۔ اس جگہ اَرَقُّ اَفْئِدَۃً مذکور ہے اور اَلْیَنُ قُلُوْبًا کا ذکر نہیں ہے اس جگہ سے دونوں کا اتحاد ظاہر ہوتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فُؤَادٌ دل کے پردے کو کہتے ہیں جب وہ پردہ رقیق اور باریک ہوگا تو حق بات اس کے اندر داخل ہوگی۔ رقت ضد ہے غلظت کی اور لین ضد ہے صلابت کی، مثلاً شیشہ رقیق ہے لیکن نرم نہیں ہے اور دل جب آیات اور ڈر والی باتوں سے متاثر نہ ہو تو اسے غلظت سے موصوف کیا جاتا ہے اور جب متاثر ہو تو اسے رقت اور لین (نرمی) سے موصوف کیا جاتا ہے، علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ رقت سے سمجھ کی عمدگی اور لین سے حق کا قبول کرنا مراد ہو۔

۳ یَمَانِیَۃٌ یاء کی تخفیف اور تشدید دونوں بیان کی گئی ہیں۔ ایمان اور حکمت کی نسبت یمن کی طرف اس لیے فرمائی کہ اس وقت اہل مشرق کے مقابلے میں ان میں علم و حکمت کا گمان پایا جاتا ہے۔ اس کی کچھ اور تاویلات بھی ہیں جو باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری فصل کی شرح میں بیان کی گئی ہیں۔ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کائنات کی پیدائش اور ہدایت کار کے بارے میں دریافت کیا اور اس کے اسرار اور حکمتوں کے بارے میں پوچھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جیسے باب بدء الخلق میں گزرا ہے۔ بطور وراثت یہ علم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے امام اہل سنت وجماعت حضرت ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا اور ان کے ذریعے پھیلا۔

۴ خُیَلَاءُ نقطے والی خاء پر پیش، یاء پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ، وہ تکبر جو انسان میں اس بنا پر پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں فضیلت کا خیال کرتا ہے۔ گھوڑوں کو جو خیل کہتے ہیں تو وہ بھی اس اعتبار سے کہ ان کی سواری سے انسان اپنے آپ کو صاحب فضیلت اور بڑا خیال کرنے لگتا ہے۔

۵ یاد رہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کے ساتھ رہنا انسان کے نفس میں اثر کرتا ہے اور جانوروں کی طبیعتوں کے مناسب واہیات صفات اس میں سرایت کر جاتی ہیں۔ پس مخلوق کو چرانے والا اور اس کی عادت ان چیزوں کے مطابق ہے جن کو وہ چراتا ہے، چونکہ اونٹوں کی طبیعت میں قساوت اور سختی ہے اور بکریوں میں نرمی اور آرام ہے اس لیے ان کی صفات اس شخص میں سرایت کر جاتی ہیں۔ ان کے مالکوں اور چرانے والوں میں۔ اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ چونکہ بکریوں والے آبادی کے قریب رہتے ہیں اور وہاں رہنے والے انسانوں سے میل جول رکھتے ہیں کیونکہ بکری پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی اور سردی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے ان کے چرانے والوں میں نرمی اور بردباری ہوتی ہے اور یہ وصف اطاعت اور امام کی فرمانبرداری سے خارج نہ ہونے تک پہنچاتا ہے جبکہ اونٹوں والے آبادی سے دور جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں اور انسانوں سے ان کا میل جول کم ہوتا ہے، ان کا یہ وصف سختی، سرکشی، نافرمانی اور اطاعت و فرمانبرداری سے نکلنے کا باعث بنتا ہے۔ شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اسی طرح کہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ اونٹوں میں مال و دولت زیادہ ہے اور دولت کی فراوانی طبیعت میں سختی کا باعث بنتی ہے برخلاف بکریوں کے کہ ان کی مالیت زیادہ نہیں ہوتی (اس لیے ان کے مالک مسکین ہوتے ہیں) اصحاب کے لفظ کا معنی چرانے والوں کی بجائے مالک زیادہ ظاہر ہے۔

۶۰۰۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ[۱] وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ أَهْلِ الْخَيْلِ[۲] وَالْفَدَّادِيْنَ[۳] أَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ أَهْلِ الْغَنَمِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر کا اور اس کا بڑا حصہ مشرق کی طرف[۱] ہے۔ فخر اور تکبر گھوڑوں کے مالکوں[۲] اور اونچی آوازوں والوں میں ہے جو خیموں والے ہیں[۳] سکون بکریوں کے اہل میں ہے۔

(صحیحین)

[۱] یعنی مشرق کی طرف سے کفر اور فتنے ظاہر ہوں گے جیسے دجال، یاجوج و ماجوج اور ترک (جو کافر ہوں گے) علامہ سیوطی، امام باجی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: مشرق سے مراد فارس ہے یا اہلِ نجد مراد ہیں (یاد رہے کہ خوارج کا پہلا فتنہ اہلِ نجد سے تھا، بلکہ ان کا مرتد ہونا، اس کے بعد عراق میں فتنے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد فارس سے پھر خراسان سے، اس کے بعد تاتار سے اور یہ سب مشرق کی جانب تھے ۱۲ مولوی امیر علی)۔ نجد خطہ حجاز کے ماسوا کو کہتے ہیں، نجد کا اصلی معنی بلند زمین ہے اس کے مقابل غور (پست زمین) ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ابلیس کی طرف اشارہ ہے جیسے فرمایا ہے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

[۲] جب اونٹوں کے مالکوں میں فخر اور تکبر ہے تو گھوڑوں کے مالکوں میں بطریقِ اولیٰ اور ان سے زیادہ اور قوی ہوگا۔

[۳] یہ خیمے اونٹوں کی پشم (اون) سے تیار کیے جاتے ہیں۔ یعنی جنگلوں میں رہنے والے اور صحرا نشین، جیسے عربوں کی عادت ہے، وَبَر واؤ اور باء پر زبر، اونٹ کی پشم فَدّاد فاء اور دال کی تشدید کے ساتھ سخت آواز، قاموس میں ہے فَدِیْدٌ آواز کا بلند کرنا یا آواز کی سختی یا دشمن بکری وغیرہ کی آواز اور

متکبر، مشارق میں فَدَّادِیْنَ جفا اور سخت دلی، اس حرف میں دال کی تشدید کے ساتھ روایت محدثین کے نزدیک زیادہ مناسب ہے۔ جمہور اہلِ لغت و معرفت نے اسی طرح کہا ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ وہ جماعت جو اونٹوں، گایوں اور گھوڑوں کی پشتوں میں آوازیں بلند کرتی ہے، اس لفظ کی تحقیق (عربی) شرح میں اس سے زیادہ کی گئی ہے۔

۶۰۰۷ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ ھٰھُنَا جَاءَتِ الْفِتَنُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوْبِ فِی الْفَدَّادِیْنَ اَھْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ فِیْ رَبِیْعَۃَ وَمُضَرَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہاں سے فتنے[1] آئے ہیں۔ جفا اور دلوں کی سختی خیمہ نشینوں میں ہے جو اونٹوں اور گائیوں کی دُموں کی جڑ کے پاس آوازیں بلند کرنے والے ہیں[2] قبیلہ ربیعہ اور مضر میں[3] (صحیحین)

[1] اور دین میں شور و شر کے اسباب اور لوگوں کا اس میں ابتلاء و امتحان میں واقع ہونا۔

[2] جو چرانے اور زمین کی کاشتکاری کے لیے ان کے پیچھے چلتے ہیں۔

[3] ان دو قبیلوں کے پاس گھوڑے اور اموال بہت تھے۔

۶۰۰۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِی الْمَشْرِقِ وَالْاِیْمَانُ فِیْ اَھْلِ الْحِجَازِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دلوں کی سختی اور جفا مشرق میں[1] اور ایمان اہلِ حجاز میں ہے[2] (مسلم)

[1] اس لیے کہ مشرق کفر اور فتنوں کی جگہ ہے۔

[2] حجاز مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف اور ان کے مضافات کو کہتے ہیں۔ حجاز کو حجاز اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نجد اور تہامہ کے درمیان (حاجز) حد فاصل ہے۔ نجد بلند زمین ہے اور وہ حجاز کے ماسواء کے ساتھ خاص ہے جو کہ عراق سے متصل ہے، یہ غور کی ضد ہے جسے تہامہ کہتے ہیں۔ اسی طرح قاموس میں ہے۔

۶۰۰۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَامِنَا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت

وَفِیْ نَجْدِنَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ یَمَنِنَا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِیْ نَجْدِنَا فَاَظُنُّهٗ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا یَطْلَعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

عطا فرما[1] حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بھی دعا کریں کہ ہمارے نجد میں برکت عطا فرما[2]، آپ نے دعا مانگی اے اللہ ہمارے لیے شام میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ یہ بھی دعا کیجیے کہ ہمارے نجد میں برکت عطا فرما۔ ابن عمر فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا: نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اور نجد کی زمین میں شیطان کا سینگ نمودار ہوگا[3] (بخاری)

[1] شام اور یمن کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت باسعادت مکہ مکرمہ ہے اور وہ یمن سے ہے اور آپ کا مسکن اور آخری آرام گاہ مدینہ منورہ میں ہے اور وہ شام سے ہے۔

[2] یعنی یہ دعا کیجیے کہ اے اللہ! ہمارے نجد میں برکت عطا فرما۔

[3] یعنی اس کا گروہ اور اس کے اعوان و انصار، اس کا بیان کتاب الصلوٰۃ کے باب اوقاتِ صلوٰۃ میں گزر گیا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۶۰۱۰ عَنْ اَنَسٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ قِبَلَ الْیَمَنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِهِمْ وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف نظر کی اور دعا کی: اے اللہ! ان کے دلوں کو ہماری طرف پھیر دے[1] اور ہمارے لیے ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما[2] (ترمذی)

[1] تاکہ وہ ہمارے پاس آجائیں، چونکہ اہلِ مدینہ تنگ حالی اور معاشی تنگی میں تھے اور اہلِ یمن بڑی جماعت تھے ان کے آنے سے معیشت اور تنگ ہو جاتی اس لیے رزق اور اسبابِ رزق میں برکت کی دعا فرمائی (یہ دعا اسی حدیث میں مذکور ہے)۔ (یاد رہے کہ جب اہلِ یمن آئے تو حضرت صدیق اکبر نے ان سب کو شام کی فتح کی طرف بھیج دیا، شام کے ممالک فتح ہو گئے اور عظیم وسعت پیدا ہوئی ۱۲ مولوی امیر علی)

۵ے صاع ایک پیمانہ ہے (جس میں تقریباً ساڑھے چار سیر غلہ آتا ہے ۱۲ اشرف قادری) اور مد، صاع کے چوتھے حصے کو کہتے ہیں مراد وہ طعام ہے جو ان پیمانوں سے ناپا جاتا ہے (یعنی طعام میں برکت عطا فرما۔)

۶۰۱۱/۸ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِلشَّامِ قُلْنَا لِاَيٍّ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِاَنَّ مَلٰٓئِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ اَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش خبری ہو شام کے لیے، ہم نے عرض کیا یہ دعا کس چیز کی بنا پر ہے ۱ے۔ فرمایا اس لیے کہ رحمٰن کے فرشتے اس پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہیں ۲ے (امام احمد، ترمذی)

۱ے اور ان کے اس فضیلت کے ساتھ ممتاز ہونے کا سبب کیا ہے؟ مصابیح کے بعض نسخوں میں لِاَيِّ شَيْءٍ ہے اور مشکوٰۃ شریف کے نسخوں میں شَیْءٍ نہیں ہے بس اَیٍّ تنوین کے ساتھ ہے۔

۲ے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ورافت اہلِ شام کو شامل ہے۔ غالباً ابدال مراد ہیں جو شام میں ہوتے ہیں یا شام کے تمام باشندے مراد ہیں۔ فرشتوں کے بازوؤں سے مراد فرشتوں کی صفات اور ان کی قوتیں ہیں۔ پرندوں کے بازوؤں پر ان کا قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ پرندے کے تین یا چار سے زیادہ بازو نہیں ہوتے، چہ جائیکہ چھ سو بازو ہوں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج حضرت جبرئیل امین کے دیکھے مختصر یہ کہ بازوؤں کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنی چاہیے اور ان کی کیفیت کے بیان سے بچنا چاہیے۔

۶۰۱۲/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ نَّحْوِ حَضْرَمَوْتَ اَوْ مِنْ حَضْرَمَوْتَ تَحْشُرُ النَّاسَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب حضرموت ۱ے کی طرف سے یا حضرموت ۲ے سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو جلائے گی ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: تمہیں لازم ہے کہ شام چلے جاؤ ۳ے (ترمذی)

۱ے حضرموت بے نقطہ حاء پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن، راء اور میم پر زبر، میم پر پیش بھی کہتے ہیں، یمن کا مشہور شہر ہے۔

۲ے راوی کو شک ہے اور اس روایت میں لفظ نحو نہیں ہے (جس کا معنی طرف ہے)۔

۳ے تاکہ اس آگ سے محفوظ رہو۔ شارحین فرماتے ہیں کہ ایک احتمال یہ ہے کہ حقیقتِ نار (آگ) مراد ہو جیسے کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ فتنہ مراد ہو جس کو آگ سے تعبیر فرمایا۔ علاماتِ قیامت میں آگ کا ذکر گزر چکا ہے جو لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف چلائے گی جس سے مراد شام ہے۔ اس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ لوگوں کو ان کے اختیار کے بغیر شام کی طرف چلائے گی اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے

کہ لوگ اپنے اختیار سے شام کی طرف سفر کریں گے۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ آگ سے مراد فتنہ ہے جو قیامت سے پہلے پیدا ہوگا اسے آگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۰۱۳/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ النَّاسِ اِلٰى مُهَاجِرِ اِبْرَاهِيْمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَخِيَارُ اَهْلِ الْاَرْضِ اَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ اِبْرَاهِيْمَ وَيَبْقٰى فِي الْاَرْضِ شِرَارُ اَهْلِهَا تَلْفِظُهُمْ اَرْضُوْهُمْ تَقْذَرُهُمْ نَفْسُ اللّٰهِ تَحْشُرُهُمُ النَّارُ مَعَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تَبِيْتُ مَعَهُمْ اِذَا بَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ اِذَا قَالُوْا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قصہ یہ ہے کہ ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی[1] پس بہترین لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ[2] کو لازم پکڑنے والے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ زمین والوں میں سے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم کی جائے ہجرت کو لازم پکڑیں گے اور زمین میں زمین کے بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے ان کی زمینیں انھیں باہر پھینک دیں گی[3] اللہ تعالیٰ کی ذات انھیں پلید اور مکروہ جانے گی[4] آگ ان کو بندروں اور خنزیروں کے ساتھ جلائے گی۔ ان کے ساتھ رات گزارے گی جب وہ رات گزاریں گے، اور دوپہر کو آرام کرے گی جب وہ آرام کریں۔

(ابوداؤد)

[1] پہلی ہجرت ابتداء اسلام میں مدینہ منورہ کی طرف تھی۔ دوسری شام کی طرف ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ہجرت کی تکرار اور کثرت مراد ہے اور یہ مطلب حدیث شریف کے الفاظ اور سیاق سے زیادہ ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب بندوں میں فتنے زیادہ ہو جائیں گے۔ شہروں پر کافر غالب آجائیں گے دین کے حامی اور اسلام میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم کم رہ جائیں گے۔ شام کے شہر محفوظ و مامون ہوں گے اور ان کی حفاظت شام کے لشکر کریں گے اور غالب رہیں گے۔ یہاں تک کہ دجّال سے جنگ کریں گے۔ پس جو شخص چاہتا ہو کہ اپنے دین کو محفوظ رکھے اسے چاہیے کہ ان شہروں کی طرف ہجرت کر جائے۔ اس کے بعد اس ارشاد کی تفصیل بیان فرمائی۔

[2] یعنی شام، مُہاجَر میم پہ پیش اور جیم پر زبر (اسم ظرف) جائے ہجرت

[3] یعنی ان کی زمینیں ان کے وجود سے عار محسوس کرتی ہیں اور ان کا اپنے اندر رہنا مکروہ جانتی ہیں۔

سے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں رحمت وکرامت کی جگہ سے دور رکھے گا۔

ھ وہ آگ جو اُن کے بُرے کردار کا نتیجہ ہوگی یا وہ آگ جو اس وقت پیدا ہوگی بندروں اور خنزیروں سے مراد یا تو ان کی حقیقت اور صورت ہے، یا یہ مراد ہے کہ وہ لوگ ان کی صفات کے ساتھ موصوف ہوں گے یا بُری خصلت والے کافر مراد ہیں، بندروں اور خنزیروں کی مثل ہیں۔

لہ قیلولہ کا معنی ہے دوپہر کے وقت سونا، مطلب یہ ہے کہ وہ آگ دن رات ان کے ساتھ رہے گی، نعوذ باللہ من ذلک

۶۱۴ وَعَنِ ابْنِ حَوَالَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَصِيْرُ الْاَمْرُ اَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ فَقَالَ ابْنُ حَوَالَةَ خِرْلِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَدْرَكْتُ ذَالِكَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ يَجْتَبِيْ اِلَيْهَا خِيَرَتَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ فَاَمَّا اِنْ اَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَاَهْلِهٖ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن حوالہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ دین کا کاروبار اس طور پر ہو کہ تم مختلف اور مجتمع لشکر ہو[2]، ایک لشکر شام میں، ایک لشکر یمن میں اور ایک لشکر عراق میں ہوگا۔ ابن حوالہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے لیے منتخب فرمائیں[3] اگر میں اس وقت کو پالوں۔ آپ نے فرمایا: تم شام کو لازم پکڑو اس لیے کہ شام اللہ تعالیٰ کا انتخاب[4] ہے۔ اس کی زمین سے اس میں اپنے منتخب بندوں کو جمع فرمادے گا اور اگر تم انکار کرو[5] تو تم پر لازم ہے کہ اپنے یمن[6] چلے جاؤ اور اپنے حوضوں سے پانی پلاؤ[7] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے شام اور اس کے رہنے والوں کا وکیل بنا ہے[8]

(امام احمد و ابوداؤد)

لہ ابن حوالہ بے نقطہ حاء پر زبر اور واؤ مخفف، اسدی صحابی ہیں، شام میں قیام پذیر ہوگئے، ایک جماعت نے ان سے روایت کی۔ شام میں ۵۸ھ اور ایک قول کے مطابق ۸۰ھ میں وفات ہوئی اسی طرح جامع الاصول میں ہے۔ کاشف میں ہے کہ صحابی ہیں اور انھوں نے تین حدیثیں روایت کیں۔

لہ مُجَنَّدَةٌ میم پر پیش، جیم پر زبر اور نون مشدد مفتوح

سے کہ میں کس لشکر کے ساتھ شامل ہوں۔

سے خِيَرَةٌ خاء کے نیچے زیر اور یاء پر زبر، بعض اوقات یاء کو ساکن کیا جاتا ہے۔

ھ اس چیز سے جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے منتخب فرمایا ہے اور وہ شام کا ارادہ کرنا ہے۔

۶ یمن کی ان کی طرف اضافت اس لیے کی کہ مخاطب عرب ہیں اور یمن ان کی زمین سے ہے۔
۷ یعنی خود پیو اور چار پایوں کو پلاؤ۔ غدیر نقطے والی غین کے ساتھ، وہ جگہ جہاں پانی جمع ہوتا ہے۔
کیونکہ یہ بات شام کے ساتھ مخصوص ہے مطلب ہے کہ ہر شخص اپنے مخصوص حوض سے پانی پلائے اور کسی دوسرے کے ساتھ مزاحمت نہ کرے خصوصًا ان لوگوں سے جو اسلام کی سرحدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں تاکہ اختلاف و نزاع کا سبب اور فتنوں کے ابھارنے کا باعث نہ ہو۔ اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔
۸ یعنی اپنے فضل و کرم سے ہمارا کام اپنے ذمہ پر لے لیا ہے۔ شام اور اس کے باشندوں کی کافروں کے شر اور ان علاقوں پر ان کے غالب آنے سے حفاظت کا۔

الفصل الثالث

۶۰۱۵ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ ذُكِرَ اَهْلُ الشَّامِ عِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقِيْلَ اَلْعَنْهُمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ لَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْاَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ رَجُلًا يُسْتَسْقٰى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ

تیسری فصل

حضرت شریح بن عبید[1] سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس اہل شام[2] کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا کہ اے امیر المومنین! ان پر لعنت بھیجیے[3]! فرمایا نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابدال شام میں ہوں[4] گے اور وہ چالیس مرد ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مرد فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے مرد کو مقرر فرما دیتا ہے ان کی برکت سے بارش عطا کی جاتی ہے اور ان کے طفیل دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور ان کی بدولت اہلِ شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے[5]۔

۱ شریح نقطے والے شین پر پیش اور راء پر زبر۔ ابن عبید عین پر پیش اور باء پر زبر ثقہ تابعی اور حمص کے اکابر مشائخ میں سے اور ان کے مقربین سے ہیں۔
۲ اس جگہ اہلِ شام سے مراد حضرت علی مرتضیٰ کے مخالفین ہیں یعنی حضرت امیر معاویہ اور جو اُن کے ساتھ شام میں تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آخر تک شام کے حکمران تھے۔
۳ جس طرح اس زمانے میں دونوں گروہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے تھے۔
۴ یعنی جب میں اہل شام پر لعنت کروں گا، اور وہاں ابدال بھی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ لعنت ابدال کو بھی شامل ہو۔ علمائے اہلِ سنت فرماتے ہیں کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اہل شام سے

لعنت کو دور کیا گیا ہے تاکہ شور وشغب دور ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابدال کے علاوہ اہلِ شام پر لعنت جائز ہو جیسے کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ ہمارے بھائی ہیں جنھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ مخالفین کے لشکر میں سے ایک شخص گرفتار کر کے لایا گیا۔ ایک شخص نے کہا: تعجب کی بات ہے میں جانتا ہوں کہ یہ شخص اچھا مسلمان تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا کہتے ہو؟ یہ شخص اب بھی مسلمان ہے۔ اس کے علاوہ بھی آثار اور احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ اس کے بعد ابدال کا بیان فرمایا۔

۵ اہلِ شام کی تخصیص ان کے قرب وجوار اور مزید تعلق کی بناء پر ہوگی۔ ورنہ ابدال کی برکت و نصرت تمام جہان کو شامل ہے، خصوصاً اس کے لیے جو اُن سے نصرت و امداد طلب کرے۔ ابدال کا موجود ہونا اس حدیث اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر احادیث سے بھی ثابت ہے۔

شیخ ابن حجر ان احادیث کے بیان کے بعد ایک دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امت کے بہترین افراد پانچ سو اور ابدال چالیس ہیں۔ پس نہ تو وہ پانچ سو سے کم ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ چالیس، جب ابدال کا کوئی فرد فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پانچ سو میں سے ایک کو بدل بنا دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری راہنمائی فرمائیں اور ان کے اعمال بتائیں کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں؟ فرمایا کہ جو ان پر ظلم کرے اسے معاف کر دیتے ہیں اور جو ان سے برائی کرے اس کے ساتھ نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے فقراء پر خرچ کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

۶۰۱۶ / ۱۳ وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ الشَّامُ فَاِذَا خُيِّرْتُمُ الْمَنَازِلَ فِيْهَا فَعَلَيْكُمْ بِمَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ فَاِنَّهَا مَعْقِلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمَلَاحِمِ وَفُسْطَاطُهَا وَمِنْهَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا الْغُوْطَةُ۔

(رَوَاهُمَا اَحْمَدُ)

ایک صحابی مرد[1] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ شام کے شہر فتح کیے جائیں پس جب تمھیں رہائش گاہوں کا اختیار دیا جائے تو تم اس شہر کو لازم پکڑو جسے دمشق کہا جاتا ہے اس لیے کہ دمشق مسلمانوں کے لیے جنگوں سے جائے پناہ ہے اور وہ شام کا جامع شہر ہے شام کی ایک زمین ہے جسے غوطہ کہا جاتا ہے[2]۔

(ان دونوں حدیثوں کو امام احمد نے روایت کیا)

[1] جن کا نام معلوم نہیں ہوا، صحابی راوی کا نام معلوم نہ ہونا نقصان نہیں دیتا۔ کیونکہ صحابہ تمام

عادل ہیں۔

سلہ دمشق اکثر علماء کے قول کے مطابق اور زیادہ فصیح یہ ہے کہ دال کے نیچے زیر اور میم پر زبر ہے شام کا دار الخلافہ۔

سلہ کہ مسلمان وہاں پناہ لیں گے اور وہاں آئیں گے۔ معقل میم پر زبر، عین ساکن اور قاف کے نیچے زیر، عقل سے مشتق ہے اس کا معنی ہے قلعہ اور پناہ۔ ملاحم جمع ہے ملحمۃ کی۔ اس کا معنی ہے جنگ۔

سلہ فُسْطَاطٌ فاء پر پیش اور سین ساکن، اس کا معنی ہے جامع شہر جو لوگوں کو جمع کرے، اس لیے مصر کو بھی فسطاط کہتے ہیں، اس کا معنی خیمہ بھی آتا ہے۔

سلہ غُوطَۃٌ نقطے والی غین پر پیش، واؤ ساکن اور اس کے بعد بے نقطہ طاء، اس کا معنی ہے شہرستان علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ غوطہ دمشق کے گرد باغوں اور پانیوں کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ دمشق کے نزدیک ایک شہر کا نام ہے۔

۶۰۱۷/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْخِلَافَۃُ بِالْمَدِیْنَۃِ وَالْمُلْکُ بِالشَّامِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت مدینہ منورہ میں اور ملوکیت شام میں ہوگی سلہ

سلہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملوکیت اور حکومت کی طرف۔ جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہمارے بعد خلافت تیس سال ہے اس کے بعد کاٹنے والی حکومت ہوگی اور وہ جو ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں آیا ہے، کہ آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ جائے ہجرت مدینہ منورہ اور آپ کا ملک (حکومت) شام میں ہوگا تو اس سے مراد نبوت اور دین ہے۔ کیونکہ آپ کی حکومت اور آپ کا دین شام میں زیادہ غالب اور بکثرت تھا۔ ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اور آپ کا دین تمام آفاق (سارے جہان) میں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اَلْمُلْکُ بِالشَّامِ کا معنی یہ ہے کہ اس جگہ جہاد اور جنگ ہے، اس لیے کہ شام کے شہروں میں جہاد منقطع نہیں ہوگا اور یہ جہاد اور سرحد کے پہرے کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے شام کی طرف سفر کرنے کی ترغیب ہے واللہ تعالیٰ اعلم (آج بھی شام والے اسرائیل سے برسرپیکار رہتے ہیں ۱۲ اشرف قادری)

۶۰۱۸/۱۵ وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ عَمُوْدًا مِّنْ نُّوْرٍ خَرَجَ مِنْ تَحْتِ رَاْسِیْ سَاطِعًا حَتّٰی اسْتَقَرَّ بِالشَّامِ (رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے نور کا ایک ستون دیکھا جو ہمارے سر کے نیچے سے اوپر کو اٹھتا ہوا نکلا، یہاں تک کہ شام میں ٹھہر گیا سلہ (ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں

فی دلائل النبوۃ۔ روایت کیا۔

لہ "سُطُوع" کا معنی ہے گرد و غبار، بو اور صبح کا اوپر کی طرف بلند ہونا۔

لہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا رسوخ، غلبہ اور استقرار شام میں ہوگا، اس قبیلے سے ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر سے نور کا نکلنا اور اس سے شام کے محلات کا روشن ہونا۔

۶۰۱۹/۱۶ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِیْنَ یَوْمَ الْمَلْحَمَۃِ بِالْغُوْطَۃِ اِلٰی جَانِبِ مَدِیْنَۃٍ یُقَالُ لَھَا دِمَشْقُ مِنْ خَیْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگ کے دن لہ مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ غوطہ لہ ہے۔ اس شہر کی ایک جانب جسے دمشق کہا جاتا ہے جو شام کے تمام شہروں سے بہتر ہے (ابوداؤد)

لہ اس سے مراد دجال کی جنگ ہے۔

لہ غوطہ دمشق کے نزدیک ایک جگہ ہے جیسے کہ پہلے گزرا، گزشتہ حدیث میں دمشق کو فسطاط فرمایا چونکہ غوطہ دمشق کے قریب اور اس کے مضافات و توابع میں سے ہے۔ اس لیے ان دو حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے۔

۶۰۲۰/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَیْمَانَ قَالَ سَیَاْتِیْ مَلِكٌ مِّنْ مُّلُوْكِ الْعَجَمِ فَیَظْھَرُ عَلَی الْمَدَائِنِ کُلِّھَا اِلَّا دِمَشْقَ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سلیمان لہ سے روایت ہے کہ عنقریب عجم کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ آئے گا لہ پس تمام شہروں پر غالب آئے گا سوائے دمشق کے (ابوداؤد)

لہ عبدالرحمٰن بن سلیمان، کوفہ کے تابعین میں سے ہیں۔ مدنی الاصل اور ثقہ ہیں۔ بعض محدثین نے فرمایا: لا باس بہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے وہ حضرت حنظلہ ابن غسیل کی اولاد میں سے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ، ان کی سب اولاد کو ابن الغسیل کہتے ہیں کہ ان کی عمر ایک سو ساٹھ سال تھی انہوں نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس بن مالک کی زیارت کی ۱۷۲ھ میں ان کی وفات ہوئی اسی طرح کہا گیا ہے۔

لہ شارحین نے اس بادشاہ کے بارے میں بیان نہیں کیا کہ وہ کون ہے۔

تنبیہ:۔ یاد رہے کہ شام، بیت المقدس، صخرہ، عسقلان، قزوین، اندلس اور دمشق وغیرہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ محدثین نے ان میں سے اکثر کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح سفر السعادۃ میں ہے۔

باب

اس اُمت کا ثواب

اس امت مرحومہ کی فضیلت اور دوسری امتوں کی نسبت ثواب کی زیادتی حد شمار اور احاطہ بیان سے باہر ہے۔ اس فضیلت کے ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کافی ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین امت ہو جسے تمام جہانوں کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ فضیلت بھی کافی ہے کہ یہ محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، خاتم النبیین، سید المرسلین اور تمام مخلوق سے (علی الاطلاق) صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے، وہ ہستی جن کے بارے میں تمام انبیاء ورسل نے آرزو کی ہے کہ کاش ہم آپ کے امتی ہوتے اور اس کے علاوہ جو فضائل وکمالات اس امت کے لیے ثابت ہیں۔ اس امت میں جو اولیاء، علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ ان کے لیے وہ کمالات، کرامات اور فضائل ثابت ہیں جو پہلی امتوں میں نہ تھے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا (سچا اور مقبول نظر) امتی بنا۔ ہمیں آپ کی سچی محبت عطا فرما اور ہمیں آپ کے دین وملت پر موت عطا فرما، اپنی رحمت سے، اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

الفصل الاوّل

۶۰۲۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِيْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ

پہلی فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری مدت گزشتہ امتوں میں نہیں ہے مگر اس زمانے کی مقدار جو عصر اور سورج غروب ہونے کے درمیان ہے تمھارا اور یہود ونصاریٰ کا قصہ اس شخص ہی کی طرح ہے جس نے مزدوروں کو کام پر لگایا اور کہا کون ہے جو

لِیْ اِلٰی نِصْفِ النَّہَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْیَہُوْدُ اِلٰی نِصْفِ النَّہَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ مِنْ نِصْفِ النَّہَارِ اِلٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی مِنْ نِصْفِ النَّہَارِ اِلٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰی قِیْرَاطَیْنِ اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِیْنَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَکُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ فَغَضِبَتِ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ عَطَآءً قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَہَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِّنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا قَالُوْا لَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاِنَّہٗ فَضْلِیْ اُعْطِیْہِ مَنْ شِئْتُ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

میرے لیے دوپہر تک ایک ایک قیراط[۲] پر عمل کرے گا تو یہودیوں نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا[۳] پھر اس نے کہا: کون ہے جو میرے لیے دوپہر سے عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پر کام کرے گا؟ نصاریٰ نے دوپہر سے عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پر کام کیا[۴] پھر اس نے کہا کون ہے جو میرے لیے عصر کی نماز سے سورج کے غروب ہونے تک دو قیراطوں پر کام کرے؟ سنو! تم وہ ہو جو نماز عصر سے سورج کے غروب ہونے تک[۵] کام کرتے ہو، سنو! تمھارے لیے دوہرا اجر ہے[۶]۔ تو یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا اور ہمیں مزدوری کم ملی[۷]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم پر ظلم کیا اور تمھارے حق میں کمی کی ہے[۸]؟ کہنے لگے نہیں[۹]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا فضل[۱۰] ہے۔ میں جسے چاہتا ہوں عطا فرماتا ہوں۔ (بخاری)

[۱] اجل وہ مدت جو کسی چیز کے لیے مقرر کی جائے اور یہ پوری عمر کی مدت ہے، بعض اوقات اجل کا اطلاق موت پر کیا جاتا ہے اور عمر کی آخری جز مراد لی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ تمھاری عمر کی مدت گزشتہ امتوں کی مجموعی عمر کے مقابلے میں نماز عصر سے مغرب تک کے وقت کی مقدار ہے جب کہ دوسری امتوں کی عمر کی مقدار دن کی ابتداء سے نماز عصر کا وقت ہے۔ اس کے باوجود اس امت کا ثواب دوسروں سے زیادہ ہے، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت اور یہود و نصاریٰ کے درمیان نسبت بیان فرمائی۔

[۲] یعنی ہر ایک کے لیے ایک قیراط ہوگا، قیراط دانگ کا آدھا حصّہ اور دانگ درہم کا چھٹا حصہ (یعنی قیراط درہم کا بارھواں حصّہ) ہوتا ہے۔

[۳] یہودیوں نے طویل عمر میں تھوڑے ثواب پر کام کیا پس وہ ان مزدوروں کی طرح ہیں جنھوں نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر عمل کیا۔

سلہ نصاریٰ نے اپنی عمر کی مدت میں کام کیا ۔ ان کی مثال ان مزدوروں کی ہے جنھوں نے دوپہر سے عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پہ کام کیا ۔

ھ یعنی تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ڈبل ثواب ہے ایک دفعہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور دوسری دفعہ سابق انبیاء کرام کی تصدیق کی بناء پر ۔

سلہ یعنی اس کی وجہ کیا ہے ؟ اور اس طرح کیوں ہوگا ۔

ھ یعنی جو کچھ میں نے تمھارے لیے مقرر کیا تھا اور جو وعدہ کیا تھا ، کیا میں نے اس کے مطابق تمھارے حق میں سے کچھ کمی کی ہے ؟

ھ یعنی اے اللہ ! تو نے ہم پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی حق تلفی کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اجر و ثواب کا یہ فرق کیوں ہے ؟

ھ یعنی یہ ڈبل ثواب دینا اور اجر کا زیادہ دینا میرا کرم ہے ، جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں ۔ میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں ۔ سبب بیان نہیں فرمایا کہ یہ امت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاص کی زیادتی کی بناء پر ہے ، یا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیری بارگاہ میں بلند مرتبے کے سبب سے ہے ۔ سبب اس لیے بیان نہیں فرمایا کہ گفتگو کی گنجائش نہ ہو اور بات کرنے کا راستہ مطلقاً بند ہو جائے ، اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر اور عصر کا درمیانی وقت اس وقت سے زیادہ ہے جو عصر اور مغرب کے درمیان ہے اور یہ بات مذہب حنفی کی تائید کرتی ہے (کہ ظہر کا وقت زوال سے لے کر سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک ہے ۱۲ اشرف قادری) اس طرح نہیں ہے جس طرح دوسرے امام فرماتے ہیں کہ عصر کا وقت دن کا آخری چوتھائی حصہ ہے (ورنہ ظہر اور عصر کا وقت تقریباً برابر ہو جائے گا ۱۲ ق) جیسے کہ باب مواقیت الصلوٰۃ میں گزرا ہے ۔

۶۰۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ يَّكُوْنُوْنَ بَعْدِیْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَاٰنِیْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت کے ہماری شدید محبت رکھنے والوں میں سے وہ لوگ ہوں گے جو ہمارے بعد پیدا ہوں گے ۔ ان میں سے ایک اس بات کی محبت رکھے گا کہ وہ اپنے اہل اور مال کے بدلے ہماری زیارت کرتا سلہ (مسلم)

سلہ یعنی اپنے اہل وعیال اور مال و اسباب کو فدا کرتا اور ہمارے جمال جہاں آراء کی زیارت کرتا ، بیداری میں یا خواب میں ۔

یاد رہے کہ یہ حدیث اور اس باب میں آنے والی بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد کوئی ایسا شخص آئے جو فضیلت میں ان کے برابر ہو یا ان سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو۔ مشہور محدث ابن عبدالبر اس طرف گئے ہیں اور انھوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ شیخ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں یہ قول نقل کیا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام افضل ہیں اور ان احادیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ بعد والے بعض امتیوں کے لیے فضیلت کی ایک وجہ ثابت ہے لیکن کلی فضیلت صحابہ کرام کے لیے ثابت ہے جس کا مطلب ثواب کی زیادتی ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا کہ اس جگہ صحابی خاص معنی میں مراد ہے، جن کو طویل صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت علم حاصل کیا اور غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوئے ہوں، جہاں تک عام معنی کے اعتبار سے صحابی کا تعلق ہے یعنی جن کی نگاہ جمال جہاں افروز پر واقع ہوئی ہو اگرچہ تمام زندگی میں ایک ہی دفعہ ہو۔ ان کی فضیلتِ کلی میں نظر اور توقف وتردد ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی تحقیق کی گئی ہے شرح (لمعات) میں فضائل صحابہ کے باب میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ صحبت کی فضیلت اگرچہ ایک دفعہ کے دیدار ہی سے ہو، صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے، رہے دوسرے علمی اور عملی فضائل، ان میں وسیع گفتگو کی گنجائش ہے بہتر یہ ہے کہ مطلق حکم کیا جائے کہ صحابہ کرام تمام اُمت سے افضل ہیں (امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کیمیا اثر صحابہ کرام کو ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز کر دیتی تھی ۱۲ ق)

۶۰۲۳ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہماری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر پر قائم رہے گی جو انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا اور ان کی مخالفت کرے گا سلہ وہ انھیں نقصان نہیں دے سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے اور وہ اپنے کام پر ہوں گے سلہ (صحیحین)۔ حضرت انس کی حدیث جس کی ابتداء میں ہے اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ سلہ کتاب القصاص میں بیان کر دی گئی ہے۔

سلہ یعنی دین و شریعت کی تقویت اور ترویج میں مصروف رہیں گے۔

سلہ اور ان کی مخالفت کے راستے پر چلے گا۔
سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر پر قائم اور دین متین کی تائید میں مصروف ہوں گے۔ بعض علماء نے کہا کہ اس گروہ سے مراد محدثین ہیں جو سنت کی ترویج اور دین کی تجدید کا فریضہ انجام دیں گے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غازی اور مجاہد ہیں جو کافروں سے جہاد کر کے دین کی تقویت اور تائید کا کام کریں گے اور آخر زمانے میں اسلامی ممالک کی سرحدوں کی پاسداری کریں گے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ شام میں ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کا آخری مرد مسیح دجال سے جنگ کرے گا۔ ان روایات کا واضح اشارہ مجاہدین کے مراد ہونے کی طرف ہے۔ حدیث شریف کی ظاہر عبارت عام ہے (یعنی دین متین کے پاسبان مراد ہیں خواہ وہ مجاہدین ہوں، علماء و مشائخ ہوں یا مال و دولت سے دین اسلام کی خدمت کرنے والے ۱۲ ق)
سلہ یہ حدیث اس امت کی فضیلت و کرامت پر دلالت کرتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

۶۰۲۴ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت کا حال بارش ایسا ہے۔ یہ نہیں جانا جاتا کہ بارش کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ سلہ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے سلہ

سلہ اس حدیث کے ظاہر سے اس امت کے اول یا آخر کے افضل ہونے میں جزم اور قطع کے نہ ہونے اور شک و تردد کا پتہ چلتا ہے اس جگہ یہ معنی مقصود نہیں ہے بلکہ تمام امت کے خیر ہونے سے کنایہ ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ تمام امت خیر اور نافع ہونے میں برابر ہے یعنی لفظ خیر دین میں اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے۔ پس پہلے حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی۔ انھوں نے آپ کی پیروی کی، آپ کی دعوت لوگوں تک پہنچائی۔ آپ کے دین کے قواعد کی بنیاد رکھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویت و نصرت فراہم کی۔ بعد والوں نے اس دین کی حفاظت کی اسے تقویت دی، اس کی عمارت کی تکمیل کی، اس کے ارکان کو مضبوط کیا، اس کے انوار کو شائع کیا اور اس کے آثار کو ظاہر کیا۔
اور اگر خیر کو اسم تفضیل کے معنی پر محمول کریں تو بھی درست ہے، کیونکہ خیریت کی وجوہ متعدد ہیں مختصر یہ کہ اس حدیث سے مساوات یا افضل ہونا متعدد اور مختلف وجوہ سے ثابت ہوتا ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ فضیلت کلی صحابہ کرام کے لیے ثابت ہے اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ دوسروں کے لیے جزئی وجوہ کی بناء پر فضیلت ثابت ہو۔ فضیلت کلی سے مراد اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی زیادتی ہے۔

۵۲ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے حضرت عمار بن یاسر سے، ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں حضرت سلمان سے روایت کیا - شیخ (ابن حجر) نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے - اس کے متعدد طرق ہیں جن کی بناء پر یہ درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے - واللہ تعالیٰ اعلم -

الفصل الثالث

تیسری فصل

۶۰۲۵ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ[۵] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا اِنَّمَا مَثَلُ اُمَّتِيْ مَثَلُ الْغَيْثِ لَا يُدْرٰى اٰخِرُهٗ خَيْرٌ اَمْ اَوَّلُهٗ اَوْ كَحَدِيْقَةٍ اُطْعِمَ فَوْجٌ عَامًا لَعَلَّ اٰخِرَهَا فَوْجًا اَنْ يَّكُوْنَ اَعْرَضَهَا عَرْضًا وَاَعْمَقَهَا عُمْقًا وَاَحْسَنَهَا حُسْنًا كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِيُّ وَسَطُهَا وَالْمَسِيْحُ اٰخِرُهَا وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ اَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَا اَنَا مِنْهُمْ

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت جعفر صادق اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا[۵] (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- خوش ہو جاؤ، خوش ہو جاؤ![۲] ہماری امت کا حال نہیں ہے مگر بارش کے حال کی طرح، نہیں جانا جاتا کہ اس کا آخر خیر ہے یا اس کا اول[۳] یا اس باغ کی طرح ہے جس سے ایک سال ایک فوج کو کھلایا گیا ہے، پھر اس سے ایک دوسرے سال دوسری جماعت کو کھلایا گیا ہے قریب ہے کہ اس باغ سے کھانے والی آخری فوج زیادہ وسیع ہو[۴] اور گہرائی میں زیادہ[۵] اور حسن میں زیادہ ہو، وہ امت کیسے ہلاک ہوگی کہ ہم اس کی ابتداء ہیں اور مہدی اس کے درمیان اور حضرت عیسیٰ اس کے آخر ہیں - لیکن اس کے درمیان ایک جماعت ٹیڑھی ہوگی[۶] وہ ہم سے اور ہم ان سے نہیں ہیں[۷] (رزین)

۵ حضرت جعفر صادق اپنے والد امام محمد باقر اور وہ اپنے دادا سیدنا حسین شہید سے روایت کرتے ہیں، اس صورت میں یہ حدیث منقطع ہوگی (کیونکہ امام باقر کی ملاقات سیدنا حسین شہید سے نہیں ہے ۱۲ ق) یا یہ مطلب ہے کہ امام محمد باقر، امام جعفر صادق کے دادا سیدنا زین العابدین سے روایت کرتے ہیں - اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہوگی (کیونکہ امام زین العابدین تابعی ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں - حضرت شیخ کا مطلب یہ ہے کہ عَنْ جَدِّہٖ کی ضمیر امام محمد باقر کی طرف راجع ہے یا امام جعفر کی طرف، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲ ق)

ؔ۲ اَبْشِرُ مشتق ہے اِبْشَارٌ سے جس کا معنی ہے خوش ہونا اور خوش خبری پانا ۔
ؔ۳ اس کی شرح اس سے پہلے معلوم ہو چکی ہے ۔
ؔ۴ فوج زیادہ وسیع ہو یا باغ زیادہ وسیع ہو ۔
ؔ۵ فوج کے عرض اور عمق سے مراد اس کی کثرت اور ہجوم ہے ، اطول (زیادہ لمبی) نہیں فرمایا ۔ کیونکہ عرض اور عمق (چوڑائی اور گہرائی) طول (لمبائی) کے بعد ہوتا ہے ۔ لہٰذا طول ، عرض و عمق کو لازم ہے ۔
ؔ۶ مُوَج عین کے نیچے زیر اور واؤ پر زبر ، آخر میں میم ، دین اور معیشت (طریقہ زندگی) میں ٹیڑھاپن فَیْجٌ کا معنی فوج ہے یہ لفظ یاء اور واؤ دونوں سے آیا ہے ۔
ؔ۷ یعنی وہ فوج ہماری پیروکار اور ہماری راہ و روش پر نہیں اور نہ ہم ان سے راضی اور ان کے ناصر و معین ہیں ۔

۶۰۲۶ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا قَالُوا الْمَلٰٓئِكَةُ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمھارے نزدیک کون سی مخلوق ایمان کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہے ؔ۱ ؟ صحابہ کرام نے عرض کیا فرشتے ؔ۲ فرمایا : انھیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں ؔ۳ صحابہ کرام نے عرض کیا پھر انبیاء ہیں ؔ۴ فرمایا : انھیں کیا ہے کہ ایمان نہ لائیں ؔ۵ حالانکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا پھر ہم ہیں ؔ۶ فرمایا تمھیں کیا ہے کہ تم ایمان نہ لاؤ ؔ۷ جب کہ ہم تمھارے درمیان ہیں ۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہمارے نزدیک ایمان کے اعتبار سے پسندیدہ ترین وہ لوگ ہیں جو ہمارے بعد ہوں گے وہ ایسے صحیفے پائیں گے جن میں احکام دین لکھے ہوئے ہوں گے وہ ان صحیفوں میں لکھی ہوئی چیز پر ایمان لائیں گے ؔ۸

ؔ۱ یعنی مخلوقات میں سے کن لوگوں کو تم زیادہ پسندیدہ اور زیادہ قوی (ایمان والے) جانتے ہو ؟
ؔ۲ ہم ان کے ایمان کو زیادہ پسندیدہ اور زیادہ قوی جانتے ہیں ۔

ﺳ۵۳ یعنی ان کے لیے ایمان سے کوئی مانع نہیں ہے جو شک اور تردد کا سبب ہو اور فکر و نظر کی طرف محتاج بنانے والا ہو ان میں جسمانی حجابات اور طبعی ظلمتیں بھی نہیں ہیں کہ اس کی بنا پر وہ دوری اور حجاب میں واقع ہوں ۔

ﺳ۵۴ ہم جن کا ایمان کامل تر اور قوی تر جانتے ہیں، اس جگہ سے فرشتوں کی انبیاء پر فضیلت لازم نہیں آتی (اگرچہ ان کا ذکر انبیاء کرام سے پہلے کیا گیا ہے ۱۲ ق) اس لیے کہ اس جگہ فضیلت کا معنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ثواب کی زیادتی ہے، جیسے کہ علماء نے فرمایا ہے (اور ثواب کی زیادتی انبیاء کرام کے لیے ہے، (اس لیے کہ وہ نورانی ہونے کے باوجود لباس بشریت میں تھے اور ان کے سر پر تاج خلافت ہے ۱۲ ق) ۔

ﺳ۵۵ اور شک و شبہ میں واقع ہوں ۔ حالانکہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آتے ہیں اور بلا واسطہ انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور انبیاء کرام عالم بالا کا مشاہدہ اور اس کے انوار کا معائنہ کرتے ہیں ۔ وحی کا لغت میں معنی ہے دل میں پیغام ڈالنا، پوشیدہ گفتگو اور جو چیز تم کسی کے پاس بھیجو اور آواز، شریعت میں اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام جو حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغمبروں کے پاس لاتے ہیں ۔ یَنْزِلُ صیغہ معلوم اور مجہول کے ساتھ دونوں طرح مروی ہے ۔

ﺳ۵۶ جو آپ کے اصحاب ہیں اور قوی یقین رکھتے ہیں ۔

ﺳ۵۷ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ اور احکام، اور امر و نواہی پر یقین نہ کرو ؟ حالانکہ ہم تمھارے درمیان موجود ہیں اور تم وحی، اور ایمان کے انوار و آثار کا مشاہدہ کرتے ہو، آیات و معجزات دیکھتے ہو۔ ہمارے جمال بے مثال اور انوار حق کا دیدار کرتے ہو۔ ہماری ہم نشینی سے تم میں حقیقت کے اسرار سرایت کرتے ہیں اور ہمارے تصرف وارشاد سے تمھارے ظاہر و باطن میں کمالات اور کرامات پیدا ہوتی ہیں ۔

ﺳ۵۸ یعنی انوار کے مشاہدہ اور معائنہ کے بغیر غائبانہ احادیث اور آثار سن کر ایمان لے آئیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے یہی مراد ہے اور اس کی تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ ہے اور یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ارشاد کی مراد ہے، وہ فرماتے ہیں بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور آپ کی شان ان لوگوں کے لیے ظاہر و باہر تھی جنھوں نے آپ کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ کی قسم! ان لوگوں کی مثل آپ پر کوئی ایمان نہیں لایا جو غائبانہ اور دیکھے بغیر ایمان لائے اگرچہ ان پر بھی حقانیت کے انوار و آثار ظاہر ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل و شواہد روشن ہیں اس کے باوجود ع

از دیدہ بسے فرق بود تا بشنیدہ

(دیکھے ہوئے کا سنے ہوئے سے بہت فرق ہے)

۶۲۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ ۔۔۔ حضرت عبد الرحمٰن بن علا حضرمی سے روایت

الْحَضْرَمِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ لَهُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

ہے کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شان یہ ہے کہ عنقریب اس امت کے آخر میں وہ لوگ ہوں گے جن کے لیے ان کے پہلوں[2] کی مثل اجر ہوگا ۔ وہ نیکی[3] کا حکم دیں گے اور برائی[4] سے منع کریں گے اور فتنہ بازوں سے جنگ کریں گے ۔ ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے ۔

[1] عبدالرحمٰن بن علاء الحضرمی بے نقطہ حاء پر زبر اور نقطے والا ضاد ساکن اس کے بعد راء، یمن کے مشہور شہر حضرموت کی طرف نسبت ہے یہ تابعین میں سے ہیں ۔

[2] یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

[3] ایسے کام کا حکم دیں گے جس کا وجود دین میں پہچانا گیا ہے ۔

[4] ایسے غیر مشروع کام سے جس کا وجود دین میں پہچانا نہیں گیا بلکہ اس کا انکار کیا گیا ہے ۔

۶۰۲۸ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰنِيْ وَطُوْبٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَّمْ يَرَنِيْ وَاٰمَنَ بِيْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش خبری ہو اس شخص کے لیے جس نے ہماری زیارت کی اور سات[1] مرتبہ خوش خبری اس شخص کے لیے جس نے ہماری زیارت نہیں کی اور ہم پر ایمان لایا (امام احمد)

[1] سات کے عدد کی تعیین حضرت شارع علیہ السلام کے علم کے سپرد ہے، یا اس لیے کہ یہ عدد مبارک مبالغہ اور تکثیر میں متعارف ہے

۶۰۲۹ وَعَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ جُمُعَةَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ اُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا جَيِّدًا تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابن محیریز[1] سے روایت ہے کہ میں نے ایک صحابی ابوجمعہ[2] کو عرض کیا کہ ہمیں وہ حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، انھوں نے فرمایا: اچھا میں تمھیں ایک عمدہ حدیث سناتا ہوں[3] ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا، ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح تھے ۔ انھوں نے عرض کیا یا[4]

اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا وَاَسْلَمْنَا وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى رَزِيْنٌ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ مِنْ قَوْلِهٖ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

یارسول اللہ! کیا کوئی شخص ہم سے بہتر ہے؟ ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ کی معیت میں جہاد کیا، فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد ہوں گے[۵] وہ ہم پر ہماری زیارت کے بغیر ایمان لائیں گے اس حدیث کو امام احمد اور دارمی نے روایت کیا اور رزین نے حضرت ابوعبیدہ سے یہ حدیث قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا سے آخر تک روایت کی[۶]

[۱] ابن محیریز میم پر پیش، بے نقطہ حاء پر زبر، یاء ساکن، راء کے نیچے زیر، دوسری یاء ساکن اور آخر میں زاء، تابعین اور اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے ہیں، ان کا نام عبداللہ ہے۔

[۲] ابوجمعہ جیم اور میم پر پیش

[۳] جو تمہیں فائدہ دے اور خیریت وفضیلت کی بشارت دے۔

[۴] اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انعام کے شکر کے اظہار کے لیے عرض کیا۔

[۵] وہ تم سے بہتر ہیں (یہ بعد والے لوگوں کی فضیلت جزئی ہے جو زیارت کے بغیر ایمان لائے ۱۲ق)

[۶] ابو محیریز اور ابوجمعہ کے واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔

۶۰۳۰-۱۰ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَدَ اَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيْكُمْ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ قَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ هُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت معاویہ ابن قرہ[۱] سے روایت ہے وہ اپنے والد[۲] سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل شام تباہ ہو جائیں تو تم میں نیکی نہیں ہے[۳] اور ہماری امت کی ایک جماعت ہمیشہ امداد دی ہوئی رہے گی[۴] جو شخص انہیں امداد کے بغیر چھوڑ دے گا وہ انہیں نقصان نہیں دے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ محدثین ہیں[۵] (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] معاویہ ابن قرہ قاف پر پیش اور راء مشدد، عالم باعمل، ثقہ تابعی ہیں، ان کی ولادت جمل کے دن اور وفات ۱۱۳ ہجری میں ہوئی۔

[۲] حضرت قرہ ابن ایاس صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ آخر زمانے میں اہلِ شام اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہوں گے ، پس جب وہ فاسد ہو جائیں گے تو تم میں خیر نہیں ہوگی ۔ کیونکہ اس وقت اہلِ خیر میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا ۔ اور یہ قیامت کے قائم ہونے کا وقت ہوگا ۔ اس وقت کوئی شخص لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا نہیں رہے گا ۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت صرف شریر لوگوں پہ قائم ہوگی ۔

سکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی امداد اور احکام شریعت کے رائج کرنے کی توفیق اور امداد دی جائے گی ، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ اگر تم اللہ کی امداد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری امداد کرے گا ۔

سھ جو اس علم شریف کی مسلسل خدمت کرتے رہتے ہیں اور دین کی تعلیم و ترویج اور تصنیف اور سنت کے قائم کرنے کی بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں ۔

۶۰۲۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَاءَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا عَلَیْہِ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری اُمت سے خطا ، بھول اور وہ چیز معاف فرمائی ہے جس پر انھیں مجبور کیا گیا ہو سلہ (ابنِ ماجہ ، بیہقی)

سلہ یاد رہے کہ خطا ضد ہے صواب کی ، صراح میں ہے : خطا کا معنی نادرست اور غلط ہے ۔ یہ ثواب کی نقیض ہے ، یہ الف ، الف مقصورہ اور ممدودہ دونوں کے ساتھ آیا ہے ۔ خطیئۃ کا معنی ہے گناہ یا وہ گناہ جو جان بوجھ کر کیا گیا ہو ۔ اسی طرح قاموس میں ہے خِطأ خا کے نیچے زیر اور طاء ساکن کا معنی بھی گناہ ہے ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خَطِیَ اس وقت کہتے ہیں جب جان بوجھ کر گناہ کیا جائے اور اخطاءٌ اس وقت کہتے ہیں جب ارادے سے نہ کرے ۔ مُخْطِیٌ وہ شخص ہے جو ایسے کام کا ارادہ کرے جو نہیں کرنا چاہیے اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ایک کام کرنا چاہے اور اچانک دوسرا کام کر بیٹھے اور خطا کرے ۔ اس معنی کے اعتبار سے عمد کے مقابل آتا ہے جیسے شکار کو تیر مارنا چاہیے اچانک کسی انسان کو جا لگے اور اسے خطا سے قتل کر دے ، یا کلی کا ارادہ کرے اور اچانک پانی گلے میں اتر جائے حدیث میں یہی معنی مراد ہے ۔

نسیان کا معنی ہے بھول جانا اور یہ حفظ (یاد رکھنے) کے مقابل ہے ، سہو کا معنی بھی نسیان ہے ، کہا جاتا ہے کہ اس نے کسی کام میں سہو کیا یعنی اس کام کو بھول گیا ، اس سے غافل ہو گیا اور اس کا دل کسی دوسری جگہ چلا گیا ، خطا اور نسیان سے تجاوز (درگزر) کا مطلب یہ ہے کہ اس میں گناہ نہیں ہے اور وہ اس میں گناہ گار نہیں ہے ۔ یہ مطلب نہیں کہ اس پر بالکل مواخذہ نہیں ہوگا ۔ اس لیے کہ قتلِ خطا میں دیت اور کفارہ ثابت ہے ۔ خطا سے روزہ افطار کر لیا جائے تو روزے کی قضا واجب ہے ۔ بھول میں جو قضا واجب نہیں ہے تو

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صاحبِ حق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے، جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنا روزہ مکمل کرو کیونکہ تمھیں اللہ تعالیٰ ہی نے کھلایا اور پلایا ہے ۔ نماز میں سہو و نسیان سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے ۔ سہوًا لوگوں کا مال ضائع کرنے سے ضمانت واجب ہوتی ہے ۔ اسی طرح اکراہ (مجبور کرنے) پر بھی احکام مرتب ہوتے ہیں، جیسے کہ کسی کو قتل کرنے یا مال ضائع کرنے پر مجبور کرنے کے احکام ہیں ۔ اس کی تفصیل علم فقہ میں ہے، اس کے باوجود گناہ ساقط ہے، تجاوز سے یہی مراد ہے ۔

۶۰۳۲/۱۲ وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ اَنْتُمْ تُتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ خَيْرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)

حضرت بہز بن حکیم[1] اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی[2] (ترجمہ آیت کریمہ) فرمایا: تم ان ستر[3] امتوں کو مکمل کر رہے ہو جن میں سے تم بہترین اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مکرم ترین ہو ۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے

[1] بہز بن حکیم بن معاویہ ابن حیدہ بے نقطہ حاء پر زبر، یاء ساکن اور بے نقطہ دال کے ساتھ، تابعی قشیری ہیں، ان سے سفیان ثوری، ابن مبارک، معمر اور دیگر محدثین نے روایت کی ۔ ان کی روایت کردہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں روایت نہیں کی، البتہ اصحاب سنن نے ان کی روایت بیان کی ہے، مختصر یہ کہ ان میں ایک قسم کا اختلاف ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔

[2] امت سے مراد تمام امت ہے خواہ خواص ہوں یا عام، کیونکہ ہر ایک کو سابقہ امتوں پر حسن اعتقاد، ایمان میں ثابت قدمی، اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت، مرتد نہ ہونے اور اسلام سے خارج نہ ہونے اور اس جیسے دیگر امور میں ایک مرتبہ اور فضیلت حاصل ہے ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ علماء شہداء اور اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے اور خیریت سے مراد خیریت تامہ، کاملہ، مخصوصہ مراد ہے ۔ بعض نے کہا کہ مہاجرین مراد ہیں لیکن وجہ تخصیص ظاہر نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ عام ہے ۔

[3] ستر سے مراد کثرت کا بیان کرنا مراد ہے ۔ خاص طور پر یہ تعداد مراد نہیں ہے ۔ ستر کا استعمال اس معنی میں بہت آتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ گزشتہ اکثر، جمہور اور مشہور امتوں کی تعداد ستر تک پہنچتی ہو ۔ اتمام اور مکمل کرنے سے مراد ختم کرنا ہے جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ہیں ۔ تم بھی دیگر امتوں کے خاتم، زیادہ معزز اور زیادہ کامل ہو ۔

کتاب (مشکوٰۃ شریف) کو اس حدیث پر ختم کرنا جو ختم، اتمام اور تکمیل پر دلالت کرتی ہے، یہ اچھا اختتام ہے اور گزشتہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری امت کی خطا اور نسیان سے درگزر فرمایا ہے۔ کتاب میں واقع ہونے والی غلطی، سہو اور نسیان سے معذرت پیش کرنے کے لیے مناسب ہے۔

مؤلف کتاب (امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ ان کی کوشش اور محنت کا اجر جمیل عطا فرمائے، فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ جمع کرنے سے فراغت رمضان المبارک آخری بروز جمعۃ المبارک شوال (عید الفطر) کا چاند دیکھنے کے وقت ۷۳۰ھ میں حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ کی حمد اور حسن توفیق سے یہ سعادت حاصل ہوئی، تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے اور صلوٰۃ وسلام حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صحابہ کرام اور متبعین پر۔

خاتمۃ الکتاب

مشکوٰۃ شریف کی اس شرح اشعۃ اللمعات کا آغاز ایام تشریق کے درمیانے دن (بارہ ذوالحجہ) ۱۰۱۹ھ کو ہوا اور اس کی تکمیل ماہ ربیع الآخر ایک ہزار پچیس (۱۰۲۵ھ) ہوئی، یہ نہیں کہ یہ تمام مدت اسی شرح پر صرف ہوئی بلکہ عربی شرح جس کا نام "لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح" ہے وہ بھی اس شرح کے ساتھ لکھی جارہی تھی، وہ اس سے بھی پہلے مکمل ہوگئی۔ کچھ دوسری کتابیں اور رسائل بھی لکھے گئے مذکورہ مدت کا تقریباً تہائی حصہ، بلکہ اس سے بھی کم (یعنی دو سال بلکہ اس سے بھی کم) فارسی شرح پر صرف ہوا باقی مدت دوسری کتابوں پر صرف ہوئی اور توفیق اللہ تعالیٰ باقی ووافی کی طرف سے ہے۔

اگرچہ عربی شرح علمی مباحث اور فکری تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل ہونے کی بناء پر الگ امتیاز اور خصوصیت رکھتی ہے لیکن یہ فارسی شرح الفاظ کی تنقیح وتہذیب، معانی کے ربط وضبط میں عربی شرح پر ترجیح اور فوقیت رکھتی ہے۔ اس کا حجم اور ضخامت بھی عربی شرح سے زیادہ ہے۔ عربی شرح اسی ہزار اشعار اور فارسی شرح ایک لاکھ تیس ہزار اشعار کے برابر ہے، یہ دونوں شرحیں اس ناتواں کے وطن مالوف دہلی کی خانقاہ قادریہ میں پایہ تکمیل کو پہنچیں، جہاں کی جاروب کشی اور چراغ روشن کرنا اس فقیر کے سپرد ہے۔ عمر کی ابتداء اور انتہا ایک جگہ اور ایک نشست پر ہوئی، گویا ایک مجلس میں مکمل ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ اس ناتواں اور حقیر پہ

اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے کہ اس نے توفیق عطا فرمائی، اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور میں فقیر عبدالحق بن سیف الدین ہوں، وطن کے اعتبار سے دہلوی، اصلاً کے لحاظ سے بخاری، نسب کے اعتبار سے ترکی، مذہب کے لحاظ سے حنفی، مشرب کے اعتبار سے صوفی اور ارادت کے اعتبار سے قادری۔

اور ہمارا آخری دعویٰ یہ ہے کہ تمام تعریفیں سب جہانوں کے پالن ہار کے لیے ہیں (وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَنَبِيِّهٖ وَصَفِيِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۱۲ شرف قادری)

تکمیلِ ترجمہ

الحمد للہ تعالیٰ جل شانہٗ وعز مجدہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً کہ آج بروز عید الاضحیٰ وجمعہ مبارک ۱۰ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ/۱۷ مارچ ۲۰۰۰ء کو اشعۃ اللمعات کا ترجمہ مکمل ہوا، اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے نوازے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ بنائے اور عوام وخواص کے لیے فائدہ مند بنائے۔ آمین بجاہ نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکمیل آرزو

از: مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

تخلیقات کا دارومدار ابتداء وانتہا پر ہے۔ جس کام کا آغاز ہے اس کا انجام بھی ہے مگر انجام بخیر ہو تو اس کے کیا کہنے؟ قرآن کریم میں دین حنیف کی تکمیل پر رب العالمین جل وعلا نے فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا٥

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کی تکمیل فرمادی۔ اور اپنی نعمتوں کو پورا کر دیا' اور تمہارے لیے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔ (المائدہ:)

بخاری ومسلم کی حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا اور اس نے کہا! اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم روز نزول کو عید مناتے۔

فرمایا! کونسی آیت؟ اس نے یہی آیت الیوم اکملت لکم (الآیہ) پڑھی آپ نے فرمایا' میں اس دن کو جانتا ہوں جس میں یہ نازل ہوئی اور اس کے مقام نزول کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ مقام عرفات تھا اور دن جمعہ تھا!

آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارے لیے وہ دن عید ہے!

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی کہا! آپ نے فرمایا کہ جس روز یہ نازل ہوئی' اس دن دو عیدیں تھیں: جمعہ و عرفہ!!

(تفسیر خزائن العرفان از صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ)

پس واضح ہوا کہ کسی عظیم کام کی تکمیل پر خوشی و مسرت کا اظہار قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ بناءً علیہ اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کی تکمیل کے لیے کتنی آرزوئیں مچلتی رہیں، کتنی دعائیں اور التجائیں ہوتی رہیں، اور پھر ان دعاؤں کو کس شان سے قبولیت کا شرف عطا ہوا، نمونۂ ہدیہ تشکر کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

اشعۃ اللمعات کے نصف اول کا ترجمہ کرنے کی اولین سعادت حضرت مولانا علامہ محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت نصیب ہوئی جب وہ جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ میں خطابت کے منصب پر فائز تھے۔ وہ ساعتیں نہایت سعید اور بارآور ثابت ہوئیں، جب محترم جناب سید اعجاز احمد مرحوم بانی فرید بک سٹال لاہور ایک جماعت کے ساتھ اس سلسلہ میں مولانا موصوف سے معاہدہ قلمبند فرما رہے تھے، راقم السطور بھی اس جماعت میں شامل تھا۔

حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ پہلی دو جلدوں کا ترجمہ کر پائے تھے کہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ/ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کو وصال فرما گئے۔

اب مالکان فرید بک سٹال نے اس مبارک کتاب کے ترجمہ کی تکمیل کے لیے ایسی صاحب علم و قلم شخصیت کی تلاش شروع کی جو اس کام کو باحسن وجوہ سرانجام دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، جن کی علمی و قلمی خوبیوں کا زمانہ معترف ہو، جن پر اکابر ملت اور محققین عصر کو پورا پورا اعتماد ہو، علامہ شرف صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

ان کی متلاشی نگاہیں محو جستجو تھیں کہ برادر عزیز حضرت مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری زید لطفہ نے اس اہم ترین کام کے لیے راقم کا نام پیش کر دیا، میرے لیے معذرت کی گنجائش ہی نہ تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور ان کی شرح کا ترجمہ عظیم سعادت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ موقع عطا کیا تو اسے کھو دینا بہت بڑی محرومیت ہوتی، پھر مالکان فرید بک سٹال اور علامہ تابش قصوری ایسے اخلاص کے پیکروں اور دین متین کے خدمت گاروں کی فرمائش کو ٹالنا بھی میرے بس میں نہ تھا چنانچہ یکم جنوری ۱۹۸۷ء کو فقیر نے ترجمہ شروع کر دیا۔ (اشعۃ اللمعات مترجم جلد چہارم ص ۳۳)

اب اس خواہش کی طرف پھر پلٹیے جو تکمیل کے لیے انگڑائیاں لے رہی تھی۔ حضرت علامہ شرف قادری صاحب مدظلہ آغاز پر یوں دعا کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس ترجمہ کو جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' (حوالہ مذکور ص ۳۴)

پانچویں جلد کے ترجمہ کی تکمیل پر یوں سجدۂ شکر ادا کرتے نظر آتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے امام اہل سنت، شیخ الاسلام، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشکوٰۃ شریف کی شہرہ آفاق شرح اشعۃ اللمعات کے اردو ترجمے کی پانچویں جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی، رب کریم جل شانہ کے اس احسان عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ دعا ہے کہ محض اپنے لطف جمیل سے ترجمہ کی باقی دو جلدیں بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چوتھی جلد ماہ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی۔ بحمدہ تعالیٰ اب

پانچویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس کار عظیم اور گراں کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں۔

اور پھر یہ "آرزوئے تکمیل" آپ کے دل و دماغ پر کس شدت سے مسلط ہو چکی تھی۔ ان دعائیہ کلمات سے اس کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں، آپ رقمطراز ہیں:

متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم مولانا مفتی محمد خان قادری فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور خطیب جامع مسجد رحمانیہ شادمان لاہور اس کار خیر میں راقم کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گئے ہیں اور یہ ایک نیک فال ہے امید ہے کہ ان کے تعاون سے یہ کام جلد پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

(اشعۃ اللمعات جلد پنجم ص ۵۲)

چنانچہ ان دعاؤں کے جلو میں اشعۃ اللمعات کا ترجمہ تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا۔ چھٹی جلد بھی طباعت سے آراستہ ہوئی مگر اس کی تقدیم پر نہ جانے کیوں توجہ نہ دی گئی؟ حالانکہ اس جلد کی پیشانی پر حضرت مترجم مدظلہ کے شاگرد رشید مولانا مفتی محمد خان قادری زید مجدہ کا نام نامی بھی نقش ہے۔ میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ چونکہ مفتی صاحب موصوف آپ ہی کے علوم و فنون کے خوشہ چین ہیں اس لیے تقدیم کی تکرار کو غیر اہم سمجھا گیا۔

مذکورہ بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے کہ کام کے آغاز سے ہی تکمیل کی آرزو اٹھکیلیاں لینا شروع کر دیتی ہے۔ اور پھر یہ خالق کائنات کی سنت کے مترادف بھی ہے کہ جب وہ تکمیل دین کے لیے قرآن کریم میں اعلانیہ فرما رہا ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم" (الآیہ)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں جس کام کی تکمیل ہو رہی ہے وہ کوئی عام کام نہیں بلکہ وہ بھی سراسر دین اسلام سے ہی وابستہ ہے نیز ایک "کتاب" کی ہی تکمیل ہوا چاہتی ہے ایسی کتاب جو عام نہیں خاص ہے، جس کا تعلق اس ذات کریم سے ہے جن کے بارے میں ارشاد ہوا: "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی" لہٰذا ایسی کتاب مستطاب کی تکمیل کو دارین کی سعادتوں کا حاصل قرار دیا جائے تو قطعاً کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

"اشعۃ اللمعات" اسی ذات کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے شمائل و خصائل، حسن و جمال، گفتار و کردار، سیرت و صورت اور انہیں کی شریعت مطہرہ کے جملہ مسائل کا حسین ترین مجموعہ ہے۔ جن کا ذکر عبادت، جن کی یاد عبادت، جن کا تصور عبادت، جن کا خیال عبادت، حضرت سید عبدالغفار شاہ کشمیری لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا۔

للناس شغل ولی شغل فی تصور النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بود در جہاں ہر کسے را خیالے
مرا از ہمہ خوش خیال محمد ﷺ

حضرت نسیم بستوی مدظلہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

محبت کی بے تابیاں کچھ نہ پوچھو — رُخ مصطفیٰ کا خیال آ گیا ہے
خدا کی قسم جز کمال خدائی — تیری ذات میں ہر کمال آ گیا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اظہار عشق و محبت بھی ملاحظہ فرمایئے گا۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دُھواں نہیں

اس آئینہ حق نما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب راقم السطور کو نگاہ لطف سے نوازا تو بے ساختہ پکار اٹھا۔

کائنات حسن میں وہ جلوہ فرما ہو گئے
جن کی صورت حق نما ہے جن کی سیرت حق نما (تابش قصوری)

ع میری بات بن گئی ہے تری بات کرتے کرتے

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ ان خوش بخت علماء کرام میں سے ہیں جنہیں مشیت الٰہیہ نے شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہوا ہے۔ ستر کے قریب تصانیف کے مصنف ہیں۔ ان میں ضخیم ترین کتابیں بھی ہیں اور چھوٹی بھی پائی جاتی ہیں۔ سینکڑوں مضامین و مقالات آپ کے چشمہ قلم سے قرطاس ابیض کو مزین کر چکے ہیں۔ آج تک تقریباً دس ہزار صفحات سے زائد پر آپ کی جملہ تصانیف مشتمل ہیں، جن میں من عقائد اھل السنۃ، البریلویۃ کا تنقیدی جائزہ، تذکرہ اکابر اہل سنت، مطالع المسرات اور اشعۃ اللمعات مترجم سب سے ضخیم و عظیم ہیں۔

موخر الذکر کتاب اشعۃ اللمعات کا ترجمہ چودہ سال کے طویل عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس مدت میں آپ نہ صرف اس ترجمہ کی طرف متوجہ رہے بلکہ معمولات زندگی سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر تصانیف و کتب، تراجم اور مقالات کی طرف بھی پوری طرح منہمک رہے۔ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے، مصر، افغانستان اور بھارت کی طرف بھی علمی سفر کیے۔ پاکستان میں اس عرصہ میں ہونے والی مذہبی، ملی، تحریکی کانفرنسوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جبکہ اہم ترین ذمہ داری ''تدریسی'' فرائض سرانجام دینے میں حتی الامکان کوتاہی سے کام نہ لیا کیونکہ آپ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب اعلیٰ پر فائز ہیں۔ آپ صرف مترجم ہی نہیں بلکہ ترجمان بھی ہیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ میں بیرونی ممالک سے آنے والے علماء کی تقاریر کی ترجمانی کا زیادہ مظاہرہ آپ ہی فرمایا کرتے ہیں۔ خصوصاً عربی اور فارسی کے آپ بہترین ترجمان ہیں۔

علامہ شرف قادری مدظلہ کے تعارف کے سلسلہ میں اب کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کے لیے بڑے بڑے فضلاء نے نہایت اعلیٰ اور عمدہ کلمات طیبات قلمبند فرمائے ہیں جس کی جھلکیاں ''تذکار شرف'' اور ''محسن اہل سنت'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ راقم السطور نے قبل ازیں ''اشعۃ اللمعات کے عظیم مترجم'' کے عنوان سے جلد چہارم میں لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ جنہیں پڑھ کر حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب (شارح صحیح مسلم) نے بڑی تحسین فرمائی تھی۔ حالانکہ وہ تو میرے دل کی پہلی آواز تھی جسے اہل علم کی طرف سے پسند کیا گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ علامہ شرف قادری مدظلہ بفضلہٖ و کرمہ تعالیٰ علم و عمل کے ایسے افلاک پر محو پرواز ہیں جہاں تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ پھر ہم

زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے کمالات علمیہ کا کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں؟

مشہور مقولہ ہے: "لکل فن رجال" ہر فن کے لیے رجال کی ضرورت ہے' مگر اب فنون نوحہ خواں ہیں کہ انہیں کوئی رجل رشید میسر آئے' لیکن علامہ شرف قادری مدظلہ اپنے وجود میں ایک جہاں آباد کیے ہوئے ہیں وہ محض ایک فن کے لیے ایک فرد نہیں' وہ تو جملہ علوم وفنون کے لیے ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور میں موصوف ایک ادارہ ہیں' ایک انجمن ہیں' ایک قافلہ اور سالار قافلہ بھی ہیں۔

وہ ظاہری و باطنی خوبیوں سے مرصع ہونے کے باوجود تواضع' انکساری اور عاجزی کا مرقع ہیں۔ وہ اپنی بات کرنے کی بجائے انہیں کی بات کرتے ہیں جن کی بات کرنے سے اپنی بات بن جاتی ہے۔ بقول حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؎

ما ان مدحت محمداً بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

گویا کہ وہ عملاً کہہ رہے ہیں ؎

میری بات بن گئی ہے تری بات کرتے کرتے

الحمدللہ علیٰ منہ وکرمہ اشعۃ اللمعات فارسی جو چار جلدوں پر مشتمل تھی مترجم سات جلدوں میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہورہی ہے۔ چودہ سال قبل جس کام کا آغاز ہوا تھا ربیع الاول ۱۴۲۲ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ اس عدیم المثال' ایمان افروز' روح پرور' دلکش' دلپذیر ترجمہ کی تکمیل پر راقم السطور حضرت مترجم مدظلہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سید اعجاز احمد مرحوم کے صاحبزادگان کی خدمت میں بھی مبارکباد پیش کرتا ہوا دعا گو ہے کہ مولا تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علامہ مولانا شرف قادری مدظلہ کو بیش از بیش خدمات دینیہ سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے' ان کا سایہ اہل اسلام وسنت پر ہمیشہ قائم رکھے اور ناشرین کو دارین کی برکات اور دینوی تجارت میں منافع سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۳ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

فقط: محمد منشا تابش قصوری

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور' پاکستان

شواہد الحق اردو

فی الاستغاثۃ بسید الخلق

مسئلہ توسل و استعانت پر بے مثال کتاب

تصنیف: امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ

ترجمہ: مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ
شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف

تقدیم: محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ

ناشر

حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (القرآن)

نزهة القاری

شرح

صحیح البخاری

جزء عاشر

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی

صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاهور